کشف الرحمٰن

جلد اول

از سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید صاحب دہلوی

(زیر نگرانی)

مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ صاحب دہلوی نور اللہ مرقدہ

پہلا حصہ پارہ 1 تا 10

مکتبہ رشیدیہ کراچی
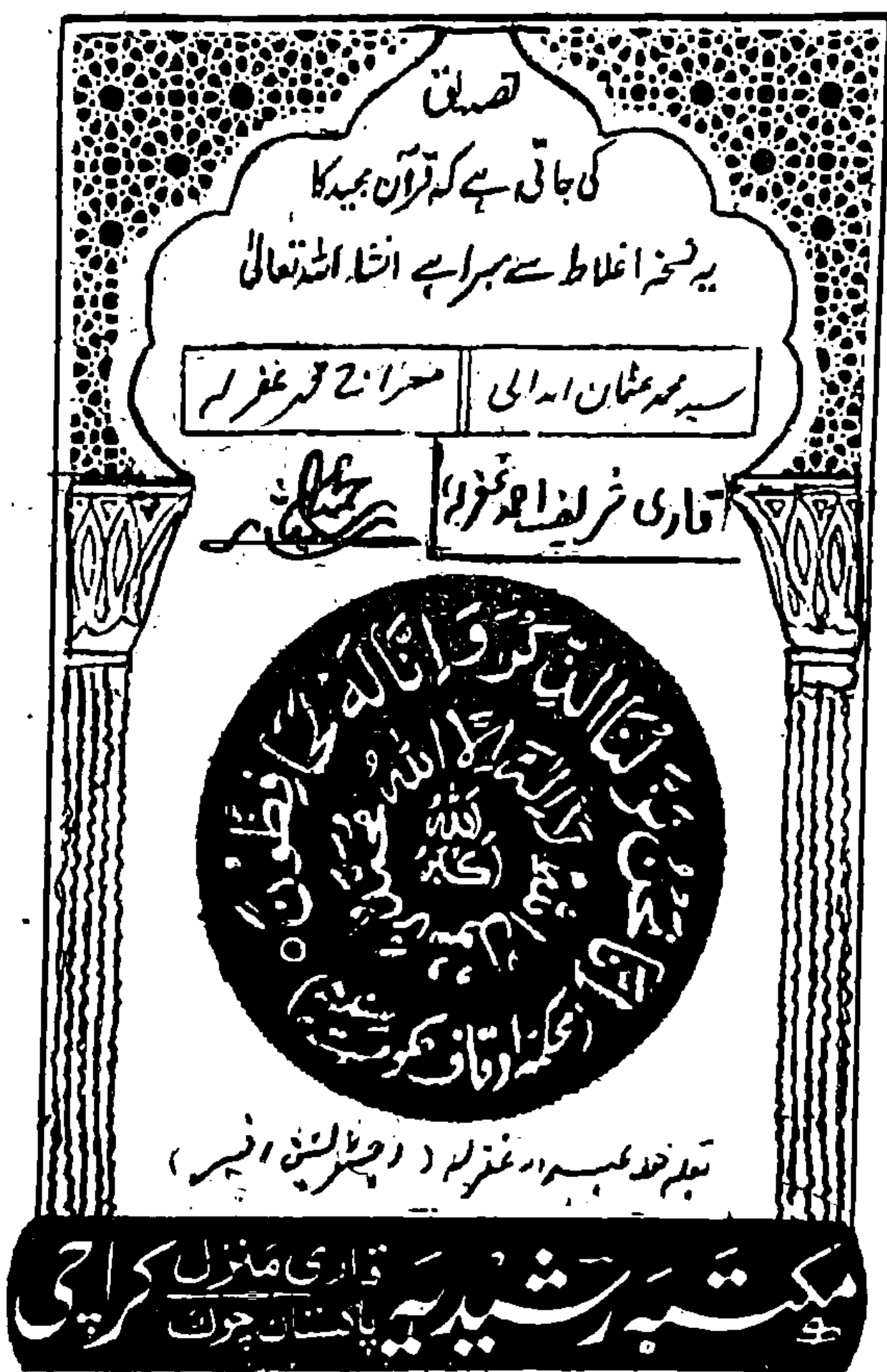
سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید صاحب کے عام فہم ترجمہ قرآن مجید اور اردو تفسیر کے متعلق علمائے کرام کی گرامی قدر رائیں

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رح

دامت برکاتہم صدر مدرس دار العلوم دیوبند وصدر جمعیۃ علمائے ہند کا ارشادِ گرامی

کسی کتاب کی مقبولیت وافادیت کیلئے سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید صاحب مدظلہم کا نام سند اور ضمانت ہے، اور موصوف کا نام کسی تصنیف پر آجانے کے بعد کسی تقریظ یا اظہار رائے کی ضرورت نہیں رہتی جیسا کہ ان کی بیشمار مقبول ترین تصانیف سے ظاہر ہے۔ اب الحمد للہ حضرت سحبان الہند مدظلہم نے تفسیر قرآن کا سلسلہ شروع کیا جسکے کچھ اجزاء تفسیر بنی اسرائیل وتفسیر سورۂ کہف وتفسیر سورۂ مریم وتفسیر سورۂ یونس وتفسیر سورۂ یوسف علیہم الصلوٰۃ وغیرہ شائع بھی ہو چکے ہیں۔

یقیناً موصوف کی یہ تفسیر شستہ زبان عام فہم طرز ادا اور اپنی خصوصیات کے اعتبار سے نہایت قابل قدر ہے اور ممتاز حیثیت رکھتی ہے، اسلئے مسلمانوں کو اس سے استفادہ کرنا اور اس پر اعتماد کرنا از بس ضروری ہے۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ، دار العلوم دیوبند

حضرت مولانا حافظ سید حمید صاحب رح امام جامع مسجد دہلی کی رائے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ میں نے حضرت العلامہ مولانا احمد سعید صاحب کے ترجمہ قرآن مجید مع تفسیر بعض بعض مقامات کا بغور مطالعہ کیا۔ ماشاء اللہ بہت خوب ہے۔

جو الفاظ قرآن کے پردوں میں مستور تھے، اس چیز کو سب سے پہلے ہندوستان میں کھولنے والے حضرت شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ ہیں۔ جنھوں نے فارسی زبان میں قرآن پاک کا ترجمہ کرکے بنی نوع انسان کو سرفراز فرمایا۔ جس کو ترجمہ الہامی کہا جائے تو بے جا نہیں۔ پھر زبانِ اُردو میں سب سے پہلے شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ فرمایا جو تمام اُردو تراجم کی اساس ہے، لیکن مرورِ زمانہ کے باعث زبان بدل چکی تھی۔ اس لئے ضرورت تھی کہ موجودہ اُردو زبان کے مطابق ایک عام فہم ترجمہ اور تفسیر لکھی جائے اس کمی کو حضرت مولانا موصوف نے جس خوبی سے انجام دیا ہے وہ انہیں کا حصہ ہے۔ مجھے ترجمہ اور تفسیر کے بعض بعض مقامات کے دیکھنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ علامہ مفسر نے اس ترجمہ اور تفسیر کی تالیف میں بہت بڑی محنت اٹھائی ہے اور بڑی بڑی معتبر کتابوں کی زمانہ دراز تک ورق گردانی کرکے یہ ذخیرہ جمع کیا ہے۔

اور اس کو ایسے طریقہ پر مرتب کیا ہے کہ ہر طبقہ کے لوگ اس سے مستفید ہو سکیں یہ اہلِ علم کے لئے بھی مفید ہے اور عوام کے لئے بھی، بڑی خوبی اس میں یہ ہے کہ زبان کو آسان اور سہل کرنے کے ساتھ ساتھ سلفِ صالحین کے مسلک کو بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیا اور زبان کی شگفتگی کو بھی برقرار رکھا، لہٰذا میری رائے میں یہ ترجمہ وتفسیر ہر گھر میں رہنی چاہئے، اب میں دعا کرتا ہوں کہ خداوند تعالیٰ علامہ مفسر کی اس سعی کو منظور فرمائے اور ان کو سعادت دارین نصیب فرمائے۔ آمین۔

سید حمید امام جامع مسجد دہلی

حضرت مولانا مفتی سید مہدی حسن صاحب رح

مفتی دار العلوم دیوبند

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر میخواست ؛ آخر آمد زپس پردۂ تقدیر پدید۔
الحمد للہ وکفی وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ ۔ امابعد۔

تقریباً چونتیس سال سے سحبان الہند حضرت مولانا الحاج الحافظ احمد سعید صاحب نائب صدر جمعیۃ علماء ہند سے واقف ہوں اور اس گزارش میں مبالغہ نہ ہوگا جو یہ کہدوں کہ برسوں ان کیساتھ نشست و برخاست رہی ہے۔ آپکے علم وفضل اور سیاست دانی سے عالم اسلامی کیا دوسری قومیں بھی واقف ہیں، آپکی ادیبانہ مذہبی سیاسی تقریریں سے ہندوستان کا گوشہ گوشہ اور چپہ چپہ آج بھی گونج رہا ہے۔ بحیثیت ایک نبض شناس انسان کے ہر طبقہ کے خیالات اور ذہنی افتادوں سے بخوبی واقف ہیں، بنابریں کسی مزید تعارف کے محتاج نہیں اور نہ اسکے لئے کسی استدلال کی ضرورت، وقتی اور ہنگامی ضرورتوں کے احساس پر آپکی متعدد تصانیف ملک میں شائع ہیں جن سے ہر شخص مستفید ہے اور ہر طبقہ کیلئے مفید۔ آج انکی تفسیر عام فہم سامنے ہے دورِ حاضر کی ضرورتوں کا لحاظ کرتے ہوئے آپنے سلیس عام فہم مطلب خیز اُردو زبان میں قرآن عزیز کا ترجمہ کیا اور اس کیساتھ ہی اس ترجمہ کی مختصر تفصیل اور اسکی تفسیر جو تیسیر القرآن اور تسہیل القرآن کے نام سے معنون ہے میں نے اس عام فہم تفسیر کے بعض اجزاء سورۂ یونس، سورۂ یوسف۔ سورۂ بنی اسرائیل سورۂ کہف۔ سورۂ مریم، سورۂ انبیاء اور سورۂ حج کا مطالعہ کیا انکے مطالعہ سے جو نشاط وسرور پیدا ہوا اسکی کیفیت سپرد قلم نہیں ہو سکتی زبان کے اعتبار سے اتنا کہہ سکتا ہوں ؎

تم نے جادو گر اسے کیوں کہدیا ؛ دہلوی ہے داغ بنگالی نہیں

دلی کی ٹکسالی زبان میں قرآن عزیز کے مضامین کو دُنیا کے سامنے پیش کردیا تاکہ کسی کو عذر عدم فہم قرآن پیش کرنے کی نوبت نہ آئے، اس عام فہم تفسیر کے متعلق یہ کہنا بیجا نہ ہوگا۔ ؎

در سخن مخفی منم چوں بوئے گل در برگِ گل
میل دیدن ہر کہ دارد در سخن بیند مرا

جس کی زبان سلیس وشیریں جو ادائے مطالب میں جامع جس میں مسلک سلف کا پورا پورا لحاظ۔ مخاطبین کے ذہنوں کی رعایت۔ واقعات کیطرف لطیف اشارے، منشاء قرآن کے اظہار کا حال وغیرہ امور میں ایک ممتاز ترجمہ اور تفسیر ہے جسکی عرصہ سے تمنا تھی جو آج پوری ہوئی۔

قرآن عزیز کی تفاسیر اور اسکے تراجم مستند اُردو زبان میں بکثرت ہیں جن میں اوّلیت شاہ عبد القادر محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ کو حاصل ہے۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ سے میں نے سُنا۔ وہ فرماتے تھے کہ شاہ صاحب کا ترجمہ الہامی ترجمہ ہے۔ علماء کو اس کا مطالعہ کرنا چاہئے اور اسکے ساتھ موضح القرآن بھی ہو کہ بعض مشکل مضمون کو چند لفظوں میں حل کردیا۔ اس کے دو چار لفظ بڑے سے بڑے شبہ کو دُور کردیتے ہیں، شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ مشکلات القرآن سے اس پر کافی روشنی پڑ سکتی ہے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ کا ترجمہ قرآن۔ اور تفسیر بیان القرآن۔ حضرت شیخ الہند رح کا ترجمہ قرآن اور مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ کے اس پر حواشی۔ تفسیر حقانی یہ سب مستند اور ہر اعتبار سے مخلوق کیلئے مفید ہیں۔ لیکن پھر بھی کسی گوشہ میں کچھ کمی دورِ حاضر کے اعتبار سے محسوس ہوتی تھی جس کو سحبان الہند نے اپنے ترجمہ اور تفسیر عام فہم اُردو سے پورا کردیا۔ قرآن عزیز کے عجائب تو کبھی ختم ہی نہیں ہو سکتے ہر دور میں اسی طرح دُنیا کے سامنے آتے رہیں گے کہ تنزیل من حکیم حمید اور تنزیل من رب العلمین ہے۔ پھر بھی ضرورت باقی رہے گی ؏

مردے از غیب بروں آید وکارے بکند

غرض مذکورہ عام فہم تفسیر ترجمہ کی دورِ حاضر میں ضرورت تھی جسکو مولانا ممدوح نے پورا کردیا اللہ تعالیٰ انکو دارین میں جزاء خیر عطا کرے اور اس مہتم بالشان خدمت قرآن عزیز کو مقبول فرماکر مقبول ومفید مخلوق بنائے، امید ہے کہ ہر مسلمان اسکے مطالعہ سے بہرہ اندوز ہوگا" یہ ترجمہ اور تفسیر بہت سے اُردو ترجموں اور تفسیروں کے مطالعہ سے بے نیاز کردیں گے۔ میں سحبان الہند کیخدمت میں اس خدمت دینی اور فریضہ خدمت قرآن کے ادا کرنیکے سلسلہ میں ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں۔

سید مہدی حسن ۔ مفتی دار العلوم دیوبند

حضرت مولانا عبد الوہاب صاحب آروی

صدر آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس دہلی کی رائے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت العلام مولانا احمد سعید صاحب سحبان الہند کی شخصیت محتاج تعارف نہیں ہے، ملّی خدمات کے سلسلے میں آپ کے کارنامے روزِ روشن کی طرح عیاں ہیں، اُن ہی میں سے آپ کا ایک عظیم الشان علمی اور تبلیغی کارنامہ قرآن پاک کا تفسیری سلسلہ ہے۔

اس وقت میرے سامنے اس مبارک سلسلے کی وہ مبارک کڑی ہے جو سورۂ کہف کی عام فہم اُردو تفسیر کے نام سے شائع ہوئی ہے، جستہ جستہ اس کو پڑھنے سے معلوم ہوا کہ تقاضائے وقت کے پیشِ نظر حضرت مولانا ملتِ اسلامیہ کی ایک بہت بڑی خدمت انجام دے رہے ہیں، اندازِ فکر سلجھا ہوا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ اُردو داں طبقہ (عوام وخواص) مولانا کی اس تفسیر کی موجودگی میں کسی دوسرے ترجمہ اور تفسیر کی ضرورت محسوس نہیں کرے گا۔ اور یہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور اُس کے بعد مولانا کے تبحرِ علمی اور علومِ قرآنیہ سے شغف کا نتیجہ ہے۔

دلی دعا ہے کہ باری تعالیٰ حضرت مولانا کی اس خدمت کو قبول فرمائے۔ اور مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ اس سے مستفید ہونے کی توفیق بخشے۔ آمین۔

عبد الوہاب آروی کان اللہ لہ
(صدر آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس دہلی)

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی رائے۔

حضرت المخدوم المکرم دامت برکاتہم

بعد سلام مسنون عرض ہے۔ حسب وعدہ ترجمہ قرآن شریف کی بابت کچھ خیالات اور منتشر افکار لکھ کر ارسال ہیں۔

یہ واقعہ ہے کہ میں تو اس ترجمہ سے بہت ہی منشرح ہوا۔ مجھے تمام تراجم میں بوجہ بلاغت حضرت تھانوی قدس سرہ کا ترجمہ پسند تھا۔ لیکن یہ ترجمہ شگفتگی میں اس سے بھی کچھ سوا ہی نظر آتا ہے، ارادہ کرتا ہوں کہ اپنی تحریرات میں جہاں آیات کے ترجمے درکار ہوں گے تو اس ترجمہ کی نقل پر قناعت کر سکوں گا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔

قرآن حکیم سارے عالم، عالم کے ہر قرن اور قرن کے ہر انسانی طبقہ کیلئے ہدایت وموعظت اور قانون زندگی بنا کر اُتارا گیا ہے۔

۱ اسی لئے اُس نے جگہ جگہ یا ایھا الانسان۔ یا ایھا الناس اور یا بنی آدم کے ہمہ گیر خطابات سے پوری انسانی برادری اور جمہور عامہ کو مخاطب کیا ہے۔ ۲ اسی لئے اس نے غامض علوم ونظریات نظم کلام اور ادبی تعبیرات کو عام فہم سہل الحفظ اور ہر طبقاتی ذہنیت کے مطابق بنانے میں اعجازی شان دکھلائی ہے تاکہ وہ ہر ایک کے دل ودماغ میں بآسانی اُتر سکے اور اس سے روایۃً ودرایۃً اور حفظاً وفہماً ہر راوی وداری، ہر محدث وفقیہ اور ہر حافظ ومبلغ بسہولت استفادہ کر سکے۔ تا آنکہ کوئی بھی اُس کی نجات بخش ہدایتوں سے اصولاً محروم نہ رہ سکے۔ ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر۔ ۳ اسی لئے اُس نے اپنے خطاب عام میں مخاطبوں کے ذہن وفکر اور ذوق وفہم کی رعایت رکھتے ہوئے دعوت الی اللہ کی تین قسمیں حکمت۔ موعظت اور مجادلت اس لئے فرما دی ہیں کہ خود انسانوں میں بھی بلحاظ علم وفہم تین طبقات تھے عقلاء۔ عوام اور جدل پسند اشخاص، تاکہ ہر طبقہ اپنے مناسب حال تخاطب کے ساتھ قرآن کی مسلک عام سے بہرہ ور ہو سکے اور کسی کو اسکے علوم کی دقت وغموض کی شکایات اور اپنے فہم کی نارسائی کے عذر لنگ کا موقع نہ ملے، ورنہ ظاہر ہے کہ دعوۃ الی اللہ میں ان سہ گانہ ایمان اور رنگ برنگ اندازوں کی قدرت نہ تھی جس کا اظہار اس آیت دعوۃ میں کیا گیا ہے۔ ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن۔ ۴ بالفاظ دیگر آیت نے حکم دیا ہے کہ راویان کتاب اللہ اور مبلغین علوم قرآن میں حکما ہونے بھی ضروری ہیں جو حکمت پسند عقلاء کو حکمت سے قرآن سمجھائیں واعظ ہونے بھی ضروری ہیں جو موعظت پسند سادہ ضمیروں کو وعظ ونصیحت کے پیرائے میں قرآن سکھلائیں، اور مناظر ومجادل ہونے بھی ضروری ہیں جو بحث پسند معاندوں کو مسلمات سے ساکت کر کے اُن پر اتمام حجت کریں اور اس طرح قرآن ہر انسانی طبقہ کے ذہن میں اُسی کی ذہنی افتاد کے راستہ سے پہونچ سکے اور خدا کی حجت بندوں پر تمام ہو جائے۔ لیھلک من ھلک عن بینۃ ویحییٰ من حیّ عن بینۃ۔ ۵ پس جیسے قرآن کے علوم ومطالب مختلف المدارج تھے اور جیسے مخاطبوں کے فہم وذوق مختلف المراتب تھے ایسے ہی ہادیوں کے طبقات بھی رسائی فہم اور مدارک علم کے لحاظ سے متفاوت الدرجات قائم فرمائے گئے تاکہ ہر طبقہ اپنی ذہنیت کے مطابق قرآن سے استفادہ کر کے اپنے ہم مذاق مخاطبوں کے طبقات کو ان کے فکر ونظر کی حد تک اعتدال کیساتھ افادہ کر سکے پس انبیاء علیہم السلام بھی مختلف الدرجات مبعوث فرمائے گئے کہ اقوام مختلف تھیں: تلک الرسل فضلنا بعضھم علیٰ بعض۔ منھم من کلم اللہ ورفع بعضھم درجات۔ اور انبیاء کا ورثہ بھی مختلف الدرجات پیدا کیے گئے کہ ہر قوم میں طبقات مختلف تھے۔ والذین اوتوا العلم درجات۔ اور وفوق کل ذی علم علیم۔ ۶ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم کی تفسیر اور ترجمہ سے صرف قرآنی مدلولات کی شرح وایضاح ہی مقصود نہیں رہی ورنہ پوری اُمت کیلئے ایک تفسیر اور ایک ترجمہ کافی تھا جو مختلف زبانوں میں منتقل کیا جاتا رہتا۔ بلکہ ہر دور میں ہر طبقے کے عقل وفہم اُس کی ذہنیت اسکے افکار ونظریات اور اسکی افتاد طبع کے مناسب حال ہی اسے قرآن سمجھانا اور اس کے فکر ونظر کی تربیت کرنا مقصود رہا ہے۔ اسلئے چودہ صدی کی طویل وعریض مدت میں کسی ایک تفسیر یا ایک ترجمہ پر قناعت نہیں کی گئی، بلکہ وحدت مدلول اور توحید مطلب کے باوجود شرح وبیان کے پیرائے اور طرز ادا کے عنوانات مختلف اختیار کر کے ہر دور میں ہزارہا تفسیریں اور قرون مابعد میں سیکڑوں ترجمے مرتب کئے گئے تاکہ قرآن اُسی دور کے نظریات کے رنگ سے اس دور کی مخلوق پر تجلی کرے اور اپنی اصلی روشنی اہل عصر کے دماغوں میں اُتار سکے۔ پس اگر فلسفہ کا دور آیا تو قرآن نے فلسفیانہ انداز سے تجلی کی۔ تصوف کا دور دورہ ہوا تو قرآن صوفیانہ رنگ سے سامنے آیا، ادبیات کا غلبہ ہوا تو قرآن نے ادبی لباس میں جلوہ فرمایا، معاشیات کا زور ہوا تو قرآن نے معاشی اصول کے رنگ سے اپنے کو نمایاں کیا، غرض ہر دور کے مناسب شان اُس کے تراجم وتفاسیر کے ایوان چمکے اور نمایاں ہوئے۔ ۷ آج تعبیر کلام کی حیثیت سے خطابیات کا زور اور خطابت کا دور دورا ہے، ہر شخص بزعم خطیب ومقرر اور لکچرار ہے۔ بفحوائے حدیث کثیر خطباء ھم (گو) قلیل فقہاء ھم۔ پھر ہر شخص اپنی خطابت کو قرآن کے نام سے زور دار بنانا بھی اپنا نصب العین بنائے ہوئے ہے اور ساتھ ہی ہر بولنے والا استدلالی رنگ کو چھوڑ کر خطابی رنگ سے قرآن کو حل کرنے کی فکر میں مستغرق ہے، ایسے حالات میں ضرورت تھی کہ اس دور خطابت میں بزرگ خطابت اس انداز سے قرآن کو سمجھایا جائے کہ اس میں ایک طرف تو خطیبانہ انداز کی چاشنی موجود ہو دوسری طرف زمانہ کے احوال وواقعات اور وقت کا بدلتا ہوا مذاق یا تبدیل شدہ ذہنیت سامنے ہو اور اس کے ساتھ سلف کرام اور اکابر امت کے مذاق کی حدود بھی اپنی جگہ قائم رہیں تاکہ ایک جانب تو ناقص العلم خطیبوں ناقد العلم لکچراروں اور وسیع العلم آزاد خیالوں پر جو قرآن کے بلیغ وبامحاورہ ترجمہ نہ ہونیکے شکایت اور عذر سے اپنے کو من مانے تراجم کرنے اور بزعم خود انہیں ادب وعادات کا شاہکار باور کرانے کا حقدار سمجھتے ہیں خطابی حیثیت سے حجت تمام ہو جائے اور دوسری جانب مخلص اور سادہ ضمیر طالبوں کے لئے خطابیات کا ایک ایسا بہترین سرمایہ ہاتھ لگ جائے جس کے ذریعہ قرآنی حقائق کی انمول دولت کو مول لے سکیں۔

۸ الحمد للہ کہ اس ضرورت کے احساس کی توفیق حضرت مولینا الحاج الحافظ احمد سعید صاحب دام مجدہٗ کو بھی عطا ہوئی اور آپنے مذکورہ ضروریات واحوال کو پیش نظر رکھ کر قرآن حکیم کا ایک مفید ترین ترجمہ قلمبند فرمایا اور ساتھ ہی ترجمہ کی ضروری تفصیل بنام تیسیر القرآن اور پھر اس تفصیل کی مناسب حد تک اُردو تفسیر بنام تسہیل القرآن بھی قلم بند فرمانی شروع فرما دی۔ ۹ حضرت مولانا ممدوح کا اُردو ادیبانہ طرز بیان کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ آپ کی شیریں بیانی نے ہی آپ کو پورے ملک سے سحبان الہند کا خطاب دلوایا ہے۔ ادھر واقعات عالم کی رفتار اور بدلتے ہوئے حالات سے بھی آپ کا باخبر ہونا محتاج دلیل نہیں کہ آپنے ایک سیاسی رہنما کی حیثیت سے ان حالات کا مطالعہ ہی نہیں کیا بلکہ حالات کے ایک رہبر کی حیثیت سے مخلوق کی رہنمائی بھی فرمائی ہے، ساتھ ہی قوم کے مختلف طبقات کی ذہنی افتادوں سے بھی آپ کا شناسا ہونا کسی استدلال کا محتاج نہیں کہ آپنے ایک اسلامی مبلغ وخطیب کی حیثیت سے تمام اطراف ملک میں کامیاب دورے کر کے ہر ہر طبقہ کی ذہنیت کو سامنے رکھا اور اس کے مناسب حال اُسے دین سمجھایا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو عالم ایک طرف تو قوم کے ذہن سے باخبر ہو دوسری طرف واقعات دنیا کی رفتار سے غافل نہ ہو اور تیسری طرف ادا ومافی الضمیر پر ادیبانہ قدرت رکھتا ہو اور ان جوہروں کے دست بازو سے وہ قرآن کے سمندر میں شناوری کر رہا ہو تو پھر اس سے زیادہ اور کون قرآنی مطالب کو عامۂ مسلمین کے سامنے پیش کرنے کا اہل ہو سکتا ہے؟

مولانا ممدوح نے قرآن دانی کے سلسلہ میں تو مسائل ووقائع کا ذخیرہ لیکر اور قرآن بیانی کے دائرہ میں ادبیت وقدرت کلام کا سرمایہ لیکر جب ترجمۂ قرآن شروع فرمایا تو حقیقتاً وہ اپنی مثال آپ اور اپنی افادی حیثیت میں ایک ممتاز ترجمہ ثابت ہوا۔ زبان شیریں اور سلیس، ادائے مطلب کے لئے عنوان بلیغ، مسلک سلف کے تحفظ کے لئے احتیاط کامل، ایماء واقعات کیلئے اشارات لطیف۔ اور مضمرات کے اظہار کیلئے الفاظ جامع ومختصر یعنی مرادات خداوندی کو آپنے بلیغ ترین اُردو کے سانچہ میں ڈھالنے کی مبارک سعی فرمائی ہے۔ پس یہ ترجمہ ایک طرف یسرنا القرآن کا پورا پورا مصداق ہے اور ایک طرف مخاطبوں کی ہنگامی ذہنیت کی رعایت کی وجہ سے دعوت الی اللہ کی حکمت وموعظت کا عمدہ نمونہ ہے۔ اس لئے اُمید واثق ہے کہ اس دور کیلئے یہ شگفتہ ترجمہ انشاء اللہ بہر نہج نافع اور دل پذیر ہوگا۔

مولانائے ممدوح مسلمانان ہندوستان کی طرف سے مبارکباد اور تحسین وتشکر کے مستحق ہیں کہ آپنے وقت کی ایک اہم ضرورت اور دلوں کی ایک عام پکار کو پورا فرما دیا ہے۔

احقر نے جا بجا سے اس ترجمہ سے استفادہ کیا۔ اس کے مضمر نکات کو تو اہل دانش وبینش علماء ہی سمجھ سکتے ہیں، میں تو اپنے فہم ناقص کی حد تک اتنا ہی سمجھ سکا ہوں کہ طرز بیان کی شیرینی نے پورے رخ میں حلاوت اور دلچسپیدگی پیدا کر دی اور ترجمہ کے انداز کو دیکھ کر اس کی موعودہ تفصیل (تیسیر القرآن) اور تفصیل کی موعودہ تفسیر (تسہیل القرآن) کا اشتیاق شدید پیدا ہو گیا۔ خدا کرے کہ یہ علمی کارنامہ بھی جلد سے جلد منصۂ شہود پر آ جائے۔

میں مولانا ممدوح کی خدمت میں ہدیۂ مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ نے اُنہیں اپنے پاک اور مقدس کلام کے خدمتگزاروں کی فہرست میں شامل فرمایا۔ اور جبکہ عمر بھر انہوں نے کلام الٰہی کی تقریر سے خدمت کی تو آخر عمر میں اُنہیں اس خدمت کی تحریر سے بھی توفیق دی گئی تاکہ جریدۂ عالم پر اُن کی یہ خدمت ہمیشہ کیلئے ثبت ہو جائے اور ان کے اس غیر فانی علم سے یہ عالم دائماً استفادہ کرتا رہے۔ خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ۔ وذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم۔

وانا العبد الضعیف۔ محمد طیب غفرلہ مہتمم دارالعلوم دیوبند۔

جنابِ مولانا مولوی قاری محمد ادریس صاحب نسیمؔ دہلوی تاریخ گو

سابق مدرس مدرسہ عربیہ ۔ مسجد فتح پوری دہلی

مفسرِ تفسیر تسہیل القرآن (مترجم) ترجمہ کشف الرحمٰن

۱۳ ھ ۷۷ ۱۹ ۶ ۵۷

سحبان الہند مولینا الحاج حافظ احمد سعید صاحب دہلوی دام اقبالہم

۱۹ ۶ ۵۷

قطعۂ تاریخ سہگانہ برائے کشف الرحمٰن تیسیر القرآن اور تسہیل القرآن

مرد دین احمد سعید یگانہ ! ۔۔۔ کہ ہے قابل رشک جن کا فسانہ
وہ کہنہ مجاہد ' وہ ممتاز رہبر ۔۔۔ جنہوں نے کہ انگریز سے لی تھی ٹکر
وہ الحاج غازی ہیں ہندوستان کے ۔۔۔ وہ سحبان ثانی ہیں ہندوستان کے
فصاحت میں جیتی ہے اقران سے بازی ۔۔۔ ہیں رطب اللسان اُن کے ہندی و تازی
ہے مقبول دوراں فصاحت بیانی ۔۔۔ زمانے میں اُن کا نہیں کوئی ثانی
خوشا مژدہ کہ ترکہ ہے ان کا سینہ ۔۔۔ لآلیِ قرآن کا بہتر خزینہ
خطیب اور واعظ ہیں دلی کے یکتا ۔۔۔ مخالف کوان کے مقابل ہے سکتا
ہوا شرح صدر اُن کا فیضِ خدا سے ۔۔۔ بڑھا اُن کا فیضان نام خدا سے
کلام الٰہی کی گوہر شناسی ! ۔۔۔ زہے ان کی قسمت کہ حق نے عطا کی
کیا ترجمہ یوں کلام خدا کا ! ۔۔۔ ہوا جو سر چشمہ رُشد و ہُدا کا !
رکھا "کشف الرحمٰن" اسم گرامی ۔۔۔ کہ ہو فتح رحمٰن کے مانند نامی
مبارک ہے موصوف کی عرق ریزی ۔۔۔ جو کشتِ الٰہی میں کی تخم ریزی
اتر تا فلک سے اگر ہندوستان میں ۔۔۔ کلام خدا وند اردو زبان میں
تو اس ترجمہ کے بہت سارے اجزا ۔۔۔ جہاں اور تہاں اس میں ہر شخص پاتا
مُشَرح کیا ترجمہ پھر ذرا سا ۔۔۔ رکھا نام "تیسیر" اس مختصر کا
لکھی ساتھ ہی ایک تفسیر فرقان ۔۔۔ رکھا نام جس کا کہ تسہیلِ قرآن
مطالب کے الجھے ہوئے بال سارے ۔۔۔ فصاحت کی کنگھی سے یکسر سنوارے
ہے خلد بریں یا کہ گلزار دینی ۔۔۔ ہر اک لفظ تسہیل قرآن یقینی
دعا ہے کہ محنت بڑھاپے کی ساری ۔۔۔ طفیل محمد ہو مقبول باری
نکالے ہیں تینوں کے سن تین رخشاں ۔۔۔ کہ ہے تین کی ضرب تینوں میں یکساں
نسیم مورخ کی یہ سعی کامل ! ۔۔۔ دعا ہے کہ ہو زادِ عقبیٰ میں شامل
ہیں تیسیر و کشف اور تسہیل قرآن ۔۔۔ فصاحت بیانی میں مشہور دوراں
ہے تاریخ ہر سہ "فصاحت بیانی" ۔۔۔ بشرطیکہ سہ بار کہہ دوں زبانی

۶۵۲ × ۳ = ۱۹۵۶ء

زہے مژدہ تر، جو سہ بار کہہ دوں ۔۔۔ یہ تاریخ ثانی ہے اے یار کہہ دوں

۶۵۲ × ۳ = ۱۹۵۶ء

جو "گوہر شناسی" کو سہ بار لکھ دوں ۔۔۔ تو تاریخ ثالث کا شہکار لکھ دوں

۶۵۲ ۳ = ۱۹۵۶ء

"قطعات تاریخ ہر سہ"

حضرتِ سحبان ہند احمد سعید دہلوی
ترجمہ در سہل اردو کرد از غواصِ دین
سال تکمیلش بگو حالا نسیم دہلوی

حافظ و حاجی، خطیب، پیکرِ لطفِ عمیم
ہر کہ خواند خود بداند کو صراطِ مستقیم
او نوشتہ کشف رحمٰن. حَبّذا ذرِّ یتیم

۱۳۷۵ھ

شرح را تیسیر قرآن نام دادہ بالیقیں
فکر کردم چوں بتاریخش ندا آمد بگوش

۔ یا برائے تعظیم

تشنگانِ علم را دریائے زخّارِ عظیم
گو نسیم دہلوی او ۔ مُظہرِ دینِ قویم

۱۳۷۵ھ

بازیک گلزار تفسیری عجیب ترتیب داد
غنچہ غنچہ کاشفِ اسرارِ دینِ مصطفٰے
اے نسیم دہلوی تاریخ تفسیرش بگو

ہر کہ دمہ خوشت چینش حَبَّذا باغ نعیم
برگ ہائے ہر گلش الواح مسطور و رقیم
او نوشتہ ۔ حرز دل تفسیر قرآن کریم

۱۳ ھ ۷۵

"دیگر بزبان عربی"

لَطُوبیٰ لِتفسیر اَحْمَدْ سَعید × وذالکَ المترجمُ حِبْرٌ ادیبْ
من العرش جآء النداء لتاْرِیْخہ قل سَدیدٌ عجیب وغریب"

۱۳۷۵ ہجری

تاریخ سنہ ہجری وعیسوی بصنعت مادہ ترجمہ اعداد

جدید ترجمہ قرآن ۔۔۔ **باتفسیر**

۱۳ ھ ۷۵ ۔۔۔ ۱۹ ۶ ۵۶

جدید ترجمہ قرآن

ج	د	ی	د	ت	ر	ج	م	ہ	ق	ر	آ	ن
سہ	چہار	دہ	چہار	چہارصد	دوصد	سہ	چہل	پنج	یکصد	دوصد	یک	پنجہ
۶۵	۲۰۹	۹	۲۰۹	۳۰۳	۱۰۴	۹۵	۳۸	۵۵	۱۲۴	۱۰۴	۳۰	۶۰

سنہ ۱۳۷۵ھ

باتفسیر

ب	ا	ت	ف	س	ی	ر	
دو	یک	چہارصد	ہشتاد		دہ	دوصد	
۱۰	۳۰	۳۰۳	۷۱۰	۷۹۰	۹	۱۰۴	= ۱۹۵۶ عیسوی

سنہ ۱۹۵۶ء

نوٹ :- بحساب ابجد "ترجمہ قرآن" کے اعداد ۱۰۲۰ ہوتے ہیں۔ اور باتفسیر کے اعداد ۷۵۳ ہوتے ہیں۔ لیکن اسی نادر صنعت کے ماتحت دونوں سے سنہ برآمد کیا گیا ہے۔ واضح رہے کہ اس مشکل ترین صنعت میں جس کی اکائی صرف "ہی" کے ترجمہ کے عدد ۹ سے حاصل کی گئی ہے۔ اس لئے اس صنعت میں تاریخ لکھنا مشکل و ناممکن ہے۔
اس میں صرف پنجاہ کو پنجہ کیا گیا ہے۔ جیسا کہ فارسی میں دوسرے الفاظ سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ کاہ کو گہ اور کاہ کو چہ عموماً استعمال ہوتا ہے۔

حضرت مولانا فخر الدین صاحب "

شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند

حامداً ومصلیاً ومسلماً. سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید صاحب علیہ الرحمہ کی تفسیر کا ارسال کردہ ایک حصہ نظر سے گذرا حضرت مولانا علیہ الرحمہ کا نام کسی تعنیف پر آجانے کے بعد زبان و بیان کے سلسلہ میں ہرگز دو رائیں نہیں ہوسکتیں حضرت مولانا علیہ الرحمہ دلی کی ٹکسالی زبان اور محاورات کے ماہر تھے اور اسی باعث انہیں سینکڑوں زبان داں ہمعصر کے درمیان سحبان الہند کا خطاب ملا حضرت مولانا کا مخصوص طرز تحریر قرآن کریم کے ترجمہ میں بھی صاف نظر آتا ہے اور کہا جا سکتا ہے کہ یہ ترجمہ قرآن کریم کے سابق تراجم سے فائق ہے۔

لیکن ایک دوسری خصوصیت جس سے میں کافی حد تک متاثر ہوا ہوں یہ ہے کہ تفسیر قرآن کے سلسلہ میں حضرت مولانا علیہ الرحمہ نے جس روش کو اپنایا ہے وہ ان کے مخصوص نکتہ آفریں طرز بیان کے ساتھ ملاً ہے معلوم ہوتا ہے کہ ایک طرف حضرت مولانا کی نظر قرآن کریم کی سابق تفاسیر پر بہت گہری ہے' اور دوسری طرف وہ دور حاضر کے تقاضوں اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ ذہنی خلجان سے پوری طرح واقف ہیں اور انہوں نے تفسیر قرآن میں ان دونوں چیزوں کا کامیاب امتزاج پیش فرمایا ہے۔ خداوند قدوس حضرت موصوف علیہ الرحمہ کو اس خدمت جلیل کا اجر جزیل عطا فرمائے۔ آمین !

فخر الدین

حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث

مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور

مکرم محترم مدفیوضکم!

بعد سلام مسنون۔ گرامی نامہ موجب مسرت ہوا۔

اس سے بہت مسرت ہوئی کہ آپ مولانا مرحوم نور اللہ مرقدہ کی تفسیر کی طباعت کا ارادہ فرما رہے ہیں۔ حق تعالیٰ شانہ اپنے فضل وکرم سے باحسن وجوہ اسے تکمیل کو پہنچائے اور آپ کو اس کی اشاعت سے دارین کی ترقیات سے نوازے اور مولانا مرحوم کو اجر جزیل عطا فرمائے۔ یہ ناکارہ کئی ماہ سے آنکھوں کی تکلیف میں مبتلا ہے جس کی وجہ سے خط وکتابت بھی دوسرے لوگ کرتے ہیں۔ ڈاکٹر نزول آب بتلاتے ہیں۔ ایسی حالت میں اس کا دیکھنا تو دشوار ہے اور ان اکابر کے ارشادات کے بعد اس ناکارہ وگمنام کی ضرورت بھی باقی نہیں رہی۔ یہ ناکارہ بھی حضرت اقدس مدنی نور اللہ مرقدہ کی تحریر سے لفظ بہ لفظ متفق ہے۔ حق تعالیٰ شانہ اس کو قبولیت فرمائے اور لوگوں کو زیادہ سے زیادہ متمتع فرمائے۔

فقط والسلام

محمد زکریا۔ ۱۷ رجب ۸۰ھ

مولانا محمد سعید صاحب مہتمم

مدرسہ جامع اسلامیہ ڈابھیل (ضلع سورت)

محترم مولانا محمد سعید صاحب زید مجدہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمد للہ بخیر ہوں۔ امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔ والا نامہ نے مشرف فرمایا تھا۔ بہت زیادہ معروفیت کی وجہ سے جلد جواب تحریر نہ کرسکا معاف فرما دیں۔ حضرتؒ کے ترجمہ پر اس نالائق کی تقریظ کا کیا مقصد۔ شرمندہ ہوں اور حکم کی تعمیل کر رہا ہوں فقط امید ہے کہ اپنی خیریت اور کارلائقہ سے ضرور مطلع فرماتے رہیں گے۔ اور اس ماہ مبارک میں اپنی دعاؤں میں فراموش نہ فرماویں۔ ہر طرح سے دعاؤں کا بہت زیادہ محتاج ہوں۔

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم۔ قرآن کریم کے ترجمہ اور تفسیر ہر زمانہ اور ہر دور میں ہوتے رہتے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔ اور اب تک جتنی تفاسیر اور تراجم شائع ہوئے وہ اپنے اپنے دور کے زبان اور مذاق کے بموجب اپنے قارئین کو محظوظ ومستفیض کرتے رہے ہیں اور بحمد اللہ ہمارے اسلاف کے ان مساعی جمیلہ سے بے حد وحساب فیض عالم اسلام کو پہنچتا رہا ہے۔ لیکن قرآن کریم کا یہ معجزہ ہے کہ اس کے ترجمے اور تفسیر لکھنے والے ہر دور میں پیدا ہوتے رہے ہیں۔ ہمارے سامنے بھی آج ہمارے بزرگوں کی بہت سی تفاسیر ہیں ان میں سے ہر ایک اپنا خاص مقام رکھتی ہے اور ان سب کی افادیت واہمیت سے انکار کی گنجائش نہیں ہے۔ سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید صاحبؒ کی تفسیر اس دور کی یادگار تفسیر ہے۔ حضرت مولاناؒ کی ذات گرامی کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ رب العزت نے آپ کی زبان وقلم میں جو جادو بیانی وشیریں مقالی مرحمت فرمائی تھی اس کا جواب نہیں۔ اس بارے میں حضرتؒ یکتا وبے مثال تھے۔ آپ نے برسوں کی کاوش وجانفشانی کے بعد جو تفسیر تیار کی وہ موجودہ دور کے زبان ومحاورات کو دیکھتے ہوئے گرانمایہ تفسیر ہے کیوں کہ آپ کی شیریں بیانی اور علمی تحقیق نے اس کی افادیت میں چار چاند لگا دیئے ہیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ اردو داں طبقہ کا کوئی گھر اس تفسیر سے خالی نہ رہنا چاہئے باری سبحانہ وتعالیٰ اس تفسیر کو حضرتؒ کے لئے صدقۂ جاریہ بنائے اور عالم اسلام میں اس کی شہرت وافادیت کو بام ترقی پر پہنچائے۔ آمین!

احقر محمد سعید بن احمد بزرگ عفا اللہ عنہما

مہتمم مدرسہ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سملک

(ضلع سورت)

یکم رمضان المبارک ۱۳۹۷ھ

مولانا مولوی مفتی حافظ محمد حافظ صالح صاحب

خطیب سورتی جامع مسجد ۱۴۹ مغل اسٹریٹ رنگون

۱۸ رجب ۱۳۷۹ھ

مکرم بندہ سلمہ اللہ تعالیٰ

بعد سلام مسنون عنایت نامہ مع نمونہ اشتہار قرآن مجید مترجم سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید صاحب نور اللہ مرقدہٗ پہنچ کر موجب مسرت ومنت ہوا۔

آپ نے حسن ظن سے مجھ کو اظہار رائے کا امر فرمایا ہے۔ مجھ جیسے کم علم اور بے بضاعت سے ایسی جسارت کو تجویز نہ فرماتے تو بہتر ہوتا۔

حضرت مولانا احمد سعید صاحب قدس سرہٗ کے علم وفضل اور سیاست دانی عجیب وغریب حافظہ سے عالم اسلامی کے علاوہ دوسری قومیں بھی واقف ہیں۔ بنا بریں کسی مزید تعارف کے محتاج نہیں اور ترجمہ یا تفسیر کے متعلق کچھ کہنا آفتاب کو چراغ دکھانا ہے۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ معارف قرآنیہ کو اردو زبان میں اس خوبی، خوشنمائی شگفتگی، متانت، سلاست فصاحت اور بلاغت کے ساتھ منصۂ شہود پر لانا حضرت مولانا مرحوم ہی کا حصہ تھا۔

ہندوستان کے طول وعرض میں قرآن مجید کے جو تراجم موجود ہیں شاید ہی کوئی ہوگا جو نہایت صحیح اور مستند ہونے کے باوجود اس قدر موجز پُر مغز شگفتہ اور نظم قرآن کی پوری پوری رعایت کرنے والا ہو۔ آپ کی بیس سال کی سعی قبول ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اس کو مشکور فرمائے اور یہ خدمت علمی اور کلام الٰہی کی تفسیر کو عام مقبولیت حاصل ہو اور سب مسلمانوں کے لئے ذریعہ ہدایت ہو اور یہ خدمت حضرت مرحوم کے لئے نجات آخرت کا ذریعہ ہو۔ آمین یا الٰہ العالمین۔

فقط

محمد ابن حافظ صالح راندیری

خادم سورتی جامع مسجد

رنگون

حضرت علامہ مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی

۲۵ اپریل ۱۹۶۰ء

واعظ خوش بیان سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید صاحبؒ کا عام فہم ترجمہ قرآن اور اردو تفسیر کے چیدہ چیدہ حصے میری نظر سے گزرے۔ درحقیقت مولانا نے اپنی قادر الکلامی اور زبان دانی کی قدرتی صلاحیتیں اس ترجمہ پر اس خوبی کے ساتھ صرف کی ہیں کہ ترجمہ میں جاذبیت پیدا ہوگئی اور اصل مفہوم بھی اپنے محور سے نہ ہٹ سکا۔ اگر اس ترجمہ میں یہ چند امتیازی خصوصیتیں نہ ہوتیں تو حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے ترجموں اور تفسیروں کے ہوتے ہوئے اس جدید ترجمہ کی کوئی ضرورت بھی نہ تھی لیکن بعض امتیازی خصوصیتوں نے مولانا موصوف کے ترجمہ کو ایک الگ اور امتیازی شان کا حامل بنا دیا جو انشاء اللہ ملت مسلمہ کے لئے انتہائی مفید اور نفع بخش ثابت ہوگا۔ میں امید کرتا ہوں کہ عام مسلمان اس ترجمہ سے استفادہ کریں گے جس طرح وہ اپنی خصوصیات میں استفادہ کا مستحق ہے۔

حق تعالیٰ مولانا مرحوم کی اس خدمت کو قبول فرمائے اور خدمت قرآن کی بدولت جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرماوے۔ آمین!

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بندہ احتشام الحق تھانوی

۵۶۔ جیکب لائن۔ کراچی

حضرت مولانا سید اعزاز علی صاحب شیخ الحدیث والادب

دار العلوم دیوبند کی رائے

تفسیر وترجمہ اختصار اور تھوڑی سی تفصیل کے ساتھ اس قدر جامع ہے کہ بہت سے شبہات جو کہ آجکل آیات قرآنیہ کے متعلق کئے جاتے ہیں ترجمہ ہی سے دور ہو جاتے ہیں اور تفسیر دیکھنے کے بعد تو کوئی شبہ باقی ہی نہیں رہتا ہے۔ اس لئے میرے نزدیک یہ تفسیریں نہ صرف اردو داں طبقے کے لئے ضروری اور مفید ہیں بلکہ طلباء اور علماء بھی ان سے مستغنی نہیں ہیں۔ میں دعا کرتا ہوں کہ موفق حقیقی اہل اسلام کو اس قسم کی تفسیروں سے استفادہ کی توفیق دے۔

محمد اعزاز علی دار العلوم دیوبند

مولانا عبد الصمد صاحب رحمانی نائب امیر شریعت صوبہ بہار کی رائے

بحمد اللہ آج قرآن مجید کا ایسا اردو ترجمہ برسوں کی محنت کے بعد عام مسلمانوں کیلئے وجود میں آگیا جو موجودہ زبان میں تمام موجودہ اردو ترجموں سے زیادہ آسان، زیادہ سہل اور زیادہ عام فہم اور زیادہ شگفتہ زبان میں اور سلف صالحین کے مسلک کے موافق ہے جیسا کہ لکھتے ہیں بلا مبالغہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت مولانا نے اپنے حاشیہ کشف الرحمٰن کو اسم بامسمیٰ بنا دیا ہے۔

عبد الصمد صاحب رحمانی نائب امیر شریعت پھلواری شریف پٹنہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

کلامِ معجزہ

از حکیم الاسلام حضرت مولانا الحاج قاری محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

ہر ایک کلام کا مرتبہ اُس کے متکلم کے مرتبہ سے قائم ہوتا ہے، جس درجہ کا متکلم ہوگا اسی درجہ کا اس کا کلام سمجھا جائے گا۔ اور اسی حد تک اس کی طرف ذہنوں اور عقلوں کی توجہ اور بقدر توجہ ہی اس کی عظمت و اطاعت کے جذبات موجزن ہوں گے۔ مثل مشہور ہے کہ:

"قدر الشہادت قدر الشہود شہادۃ کا درجہ شاہدوں کے درجہ کی قدر ہوتا ہے۔"

غور کیا جائے تو متکلم کی حیثیت پانچ باتوں سے قائم ہوتی ہے جو اس کے کلام میں اہمیت اور مقبولیت پیدا کرتی ہے۔ عقل و فہم۔ علم و خبر۔ منصب و مقام، صدق و صفا اور تاثیر و تصرف۔

عقل و فہم

اگر کوئی متکلم عقل ہی نہ رکھتا ہو یا کھو بیٹھا ہو یا ناقص العقل ہو یا ناتمام عقل کا درجہ لئے ہوئے ہو تو اس کا کلام ناقابل التفات بلکہ قابل مضحکہ سمجھا جاتا ہے۔ مجنون کی باتوں پر سب ہنستے ہیں کہ وہ مسلوب العقل ہے جس سے اس کے کلام میں عاقلانہ انداز نہیں ہو سکتا کہ عقل مندوں کی توجہات کو کھینچ سکے۔ بچوں کی طفلانہ باتوں کو پیار سے سنا تو جاتا ہے مگر قابل التفات نہیں سمجھا جاتا کہ ان میں مادۂ عقل گو موجود ہوتا ہے مگر فی الحال ناتمام اور نارسیدہ ہوتا ہے، عورتوں کے کلام کو دلداری کے مد میں رد نہیں کیا جاتا مگر مدار کار نہیں بنایا جاتا کہ وہ ناقص العقل ہوتی ہیں۔ نوجوانوں کی باتوں کو سنتے ہیں اور اس پر توجہ بھی دیتے ہیں مگر دستور العمل نہیں بناتے کہ عقل و فہم تو ان میں پورا ہوتا ہے مگر اس میں پختگی گہرائی اور تجربہ کاری نہیں ہوتی جس سے وہ بالغ نظر کہلائیں اور کلام میں مقبولیت پیدا ہو۔ لیکن بوڑھوں کے کلام کو کمال توجہ سے سن کر دستور زندگی بنا لیا جاتا ہے۔ خواہ وہ اہل علم میں سے نہ ہوں کہ ان کا تجربہ وسیع عقل تام اور فہم پختہ ہوتا ہے، وہ جس دائرہ کی بات کہتے ہیں نپی تلی کہتے ہیں جس کے پیچھے ایک تاریخ اور پختہ کاری ثبت ہوتی ہے جس سے واضح ہے کہ کلام کی مقبولیت اور گہرائی کا سب سے پہلا معیار عقل و فہم ہے۔

علم و خبر

دوسرے معیار کے ماتحت جاہلوں کی بات پر کوئی کان نہیں دھرتا کہ اسے کسی معاملہ کی صحیح نوعیت کا اندازہ ہی نہیں ہوتا جب کہ اس کے کلام میں علم کی روح دوڑی ہوئی نہیں ہوتی جو کلام میں وزن پیدا کرتی ہے۔ پھر کسی فن کے مبتدی کے کلام کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی کہ وہ فن اور اس کے علم پر حاوی نہیں ہوتا کہ اس کی بات فنی جامعیت لئے ہوئے ہو اور سنی جائے۔ اسی طرح ادھورے اور ادھ کچرے عالم کی علمی بات بھی ادھوری اور ناتمام ہوتی ہے، اس لئے علم و فضل والوں کے یہاں اس کی کوئی وقعت نہیں ہوتی، جب کہ اس سے حقیقت و اصلیت کا پورا پتہ نہیں لگتا ہاں بڑے عالم کی بات پر ہر شخص توجہ کرتا ہے اسے پلے باندھتا ہے، اور دنیا میں وہ بطور ضرب المثل کے زبان زد ہو جاتی ہے کہ وہ کمال علم کے سبب پتہ کی بات ہوتی ہے اور اصلیت کی نشاندہی کرتی ہے، نیز اس کے کلام میں جزئیت اور تنگی نہیں ہوتی جس سے صرف ایک بولا ہوا مسئلہ ہی حل ہو جائے بلکہ وسعت علم کی قدر جامعیت کلیت اور بات کے تمام پہلوؤں کی رعایت ہوتی ہے جس سے اس نوع کے تمام مسائل کا فیصلہ اسی ایک بات سے ہو جاتا ہے، جو درحقیقت جزوی صورت میں ایک جامع اصول ہوتی ہے جس سے واضح ہے کہ کلام کے رتبہ کا سب سے بڑا معیار علم و خبر ہے۔

منصب و مقام

تیسرے معیار کے ماتحت بات خواہ بذاتہ اہم بھی نہ ہو لیکن منصب کی بلندی کے سبب قدرتاً بلند اور باحیثیت بن جاتی ہے۔ ایک ہی بات ایک عامی اور معمولی آدمی کہتا ہے تو ناقابل توجہ ہوتی ہے اور وہی بات کسی قومی کونسل کا صدر یا کسی ملک کا سربراہ کہہ دے تو اس سے بساط سیاست الٹ جاتی ہے۔ معاملات کی دنیا میں انقلاب بپا ہو جاتا ہے اور یہ نقوۂ قوموں اور ملکوں کی توجہات کا مرکز بن جاتا ہے جس پر اہم اور دور رس نتائج مرتب ہونے لگتے ہیں، اس سے واضح ہے کہ کلام کو پستی سے اٹھا کر رفعت و بلندی پر پہنچا دینے کا ایک اہم معیار منصب و مقام بھی ہے۔

صدق و صفاء

ان ساری باتوں کے ساتھ کلام کی مقبولیت و تاثیر اور اس کے قابل التفات و توجہ ہونے کے لئے متکلم کی سچائی غیر مشتبہ دیانت اور بے لاگ خلوص بھی لازمی ہے جو کلام کی مقبولیت کا ایک زبردست معیار ہے کلام کتنا ہی فاضلانہ ہو لیکن کہنے والا خود غرض اور منافق ہے تو اس کا کلام کبھی بھی دل کی گہرائیوں میں نہیں اتر سکتا اور کلام معمولی ہو مگر خلوص و صداقت کی روح لئے ہوئے ہو تو کبراء و سلاطین بھی اس کے سامنے جھک جاتے ہیں جس سے واضح ہے کہ کلام کی مقبولیت و تاثیر کا اہم ترین معیار صدق و صفا بھی ہے۔

تاثیر و تصرف

پھر کلام کے پرکھنے کا ایک بڑا معیار تاثیر و تصرف بھی ہے جس کا تعلق اندرونی صفائی اور لطافت سے ہے۔ صاف باطن اور پاک ضمیر لوگوں کے کلام میں قدرتی تاثیر ہوتی ہے، بے ضمیر انسان کی بات خواہ کتنی ہی فصیح و بلیغ ہو۔ شاعری سمجھی جاتی ہے جس کا اثر قبول کرنے کو کوئی تیار نہیں ہوتا اور نہ ہی اس میں کوئی وزن ہوتا ہے، اصولاً یہی پانچ معیار ہیں جن سے کلام کے وزن قبولیت اور اس کے محمود و مستحسن ہونے کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔

غور کیجئے کہ اگر کسی کے کلام میں یہ پانچوں معیار جمع ہوں، اور جمع ہی نہ ہوں، بلکہ انتہائی کمال کے ساتھ موجود ہوں اور نہ صرف موجود ہی ہوں بلکہ لامحدود اور لامتناہی ہو کر پائے جاتے ہوں اور نہ صرف اتنا ہی ہو بلکہ وہ ذات ان کمالات کا سرچشمہ اور خزانہ بھی ہو کہ اس کے سوا کسی اور میں ذاتی طور پر پائے بھی نہ جاتے ہوں اور اگر کہیں کسی حد تک پائے بھی جاتے ہوں تو صرف اسی کے طفیل اور پرتو سے ظہور پذیر ہوتے ہوں تو اندازہ کیجئے کہ اس کا کلام کتنا بلند، کتنا جامع، کتنا موزوں اور کتنا مؤثر ہوگا کہ اس کی بلندی، جامعیت، مقبولیت اور تاثیر و تصرف کی نہ کوئی حد ہوگی نہ نظیر،

سو ظاہر ہے کہ خدا کی ہستی سے بڑی کوئی ہستی ہو ہی نہیں سکتی کہ وہی منبع کمالات اور سرچشمہ خیرات و مبرات ہے۔ پس جہاں تک عقل و فہم کے کمالات کا تعلق ہے سو عقل و فہم اس سے ہے وہ عقل و فہم سے نہیں یعنی عقل و فہم کا کوئی مقام اس سے کٹ کر نہیں کہ وہی معیار عقل و خرد اور وہی عقل و خرد کا خالق ہے اور عقل و فہم اسی کی پیدا کردہ مخلوق اور اپنی راہ پیمائی اور راہ نمائی میں اسی کی دریوزہ گر ہے۔

اول ما خلق اللّٰه العقل [1]	سب سے پہلی چیز جو خدا نے پیدا کی وہ عقل ہے۔
ربنا الذی اعطی کل شیء خلقہ [2]	ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر شے کو اس کی خلقت (و جبلت) عطا کی۔
ثم ھدی	پھر اسے (حواس و عقل کے ذریعہ علم و ہنر سے) راہ سجھائی۔

جہاں تک علم و خبر کا تعلق ہے سو وہی منشاء علم و خبر بھی ہے۔ اسی کا علم ہر شے کو محیط ذرّوں کی ہر کٹک پر حاوی اور ایک ایک ذرّہ پر چھایا ہوا۔

عالم الغیب والشھادۃ وھو الحکیم الخبیر [3]	کھلے اور چھپے کا جاننے والا اور وہی ہے حکمت والا خبردار۔
واحاط بکل شیء علما [4]	اور وہ گھیرے ہوئے ہر چیز کو اپنے علم سے۔
وھو علیم بذات الصدور [5]	وہی جاننے والا ہے سینوں کی کھٹک کا۔
یعلم ما بین ایدیھم وما خلفھم [6]	جانتا ہے جو ان کے سامنے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے۔
یعلم ما یلج فی الارض وما یخرج منھا وما ینزل من السماء وما یعرج فیھا [7]	جانتا ہے جو زمین کے (اندر) ہے اور جو اسی کا باہر نکلتا ہے اور جو آسمان سے اترتا ہے (جیسے بارش) اور جو اس میں چڑھتا ہے (جیسے بندوں کے نیک اعمال وغیرہ)۔

پھر جہاں تک منصب و مقام کا تعلق ہے سو الوہیت سے آگے کون سا مقام ہے جس کی کوئی بود و نمود ہو۔ ؟ پس وہی سر رشتۂ منصب و مقام ہے کہ وہ الٰہ و معبود ہے اور معبودیت

سے آگے کوئی مقام نہیں وہی سرمخزن قدرت واقتدار ہے کہ جہانوں میں اسی کی بادشاہی ہے اسی کا نام چلتا ہے اور اسی کا کام جاری ہے۔ اسی کے کلمہ سے جہاں بنتے اور بگڑتے ہیں۔

انّنی انا اللہ لا الٰہ الا انا۔ — میں ہی اللہ ہوں۔ میرے سوا کوئی معبود نہیں
وھو علی کل شیء قدیر۔ — اور وہی ہے ہر چیز پر قادر۔
لہٗ ملک السمٰوٰت والارض۔ — اسی کی ملک ہیں سارے آسمان اور زمین۔
ملک الناس۔ الٰہ الناس۔ — بادشاہ ہے لوگوں کا معبود لوگوں کا۔
عند ملیک مقتدر۔ — (متقی لوگ ہوں گے باغوں میں اور نہروں میں) پاس وسیع الملک والے بادشاہ کے۔

وللّٰہ الاسماء الحسنٰی فادعوہ بھا — اور اللہ ہی کے لئے ہیں پیارے نام سو انہی سے اسے پکارو
فعّال لما یرید۔ — کر ڈالنے والا ہے جو بھی ارادہ فرمائے۔
اذا اراد شیئًا ان یقول لہٗ کن فیکون۔ — جب کسی شے (کے پیدا کرنے) کا ارادہ کرتا ہو تو فرما دیتا ہے ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔

بہرحال ہر پاک منصب ومقام اسی کا ہے۔

پھر جہاں تک صدق مقال اور صفائی معاملہ کا تعلق ہے تو وہی ذات بابرکات ساری سچائیوں اور صداقتوں کا مخزن بھی ہے کہ سچائیوں کو تولنے والا اور رکھنے والا اس سے زیادہ کون ہے۔ سچائی سچائی ہی اس سے ہوتی ہے کہ جو کچھ وہ فرما دے وہی سچائی ہے اور جو کچھ وہ کہہ دے وہی حق وصداقت ہے۔

قولہ الحق ولہ الملک۔ — قول سچا ہے تو اس کا اور ملک ہے تو اس کا۔
ومن اصدق من اللّٰہ قیلا — اور کون ہے اللہ سے زیادہ سچے قول والا؟
ومن اصدق من اللّٰہ حدیثا — اور کون ہے اللہ سے زیادہ سچی بات والا

اور اس لئے وہی تاثیر وتصرف کا بھی حقیقی سرچشمہ ہے اور اسی کا ہر کلمہ وکلام عین تاثیر وتصرف ہے کہ اس سے زیادہ پاک باطن لطیف وستھرا اور بے لوث کون ہو سکتا ہے؟ اس لئے اس کا ایک ایک حرف تاثیر وتصرف کا سرچشمہ ہے جس سے پتھروں کے کلیجے بھی شق ہو جائیں، اور انسان تو انسان متمرد جنات بھی رام ہو جائیں، اگر حقیقتاً سن لیں۔

لو انزلنا ھٰذا القراٰن علی جبل لرأیتہ خاشعا متصدعا من خشیۃ اللّٰہ — اگر ہم اتار دیتے اس قرآن کو کسی پہاڑ پر تو دیکھتا تو کہ وہ لرز جاتا اللہ کے ڈر سے۔
انا سمعنا قراٰنا عجبا یھدی الی الرشد فاٰمنا بہ۔ — (جنات نے کہا) ہم نے ایسا عجیب پڑھنا سنا جو بندگی کی راہ دکھلاتا ہے سو ہم اس پر ایمان لے آئے۔

اور ظاہر ہے کہ جب خدائے متکلم کلامی کمالات کے سارے ہی معیاروں عقل وخرد، علم وخبر، منصب ومقام، صدق وصفا اور تاثیر وتصرف کا سرچشمہ ہے تو کلام خداوندی سے بڑھ کر کسی کا کلام نہیں ہو سکتا۔ پس نہ اس سے بڑھ کر کسی کلام میں عقل وخرد اور دانائی ہو سکتی ہے نہ اس سے زیادہ کسی کے کلام میں علم وخبر کے ذخیرے ہو سکتے ہیں نہ اس سے بڑھ کر کسی کے کلام منصب ومقام کی بلندیاں پائی جا سکتی ہیں نہ اس سے زیادہ کسی کے کلام میں صدق وصفا اور حق وصداقت ہو سکتی ہے اور نہ اس سے زیادہ کسی کے کلام میں تاثیر وتصرف ممکن ہے ظاہر ہے کہ ایسا ہی کلام ہر حال کے مقتضا کے مطابق اور ہر قسم کی پیچیدگی اور چھپاؤ سے پاک مبرا اور منزہ بھی ہو سکتا ہے اور وہی انتہائی سلاست انتہائی فصاحت وبلاغت اور انتہائی شیرینی وحلاوت کا مجموعہ بھی ہو سکتا ہے۔ تو وہ کلام جو ان سارے کلامی خوبیوں کا مجموعہ ہونے کے سبب بے مثل ومثال اور "عدیم النظیر" ہے وہی قرآن حکیم ہے جو حکمت والے خدا کا کلام ہے۔ اسی کا اتارا ہوا بول ہے اس کا پڑھا ہوا قرآن ہے اور اسی کی اندرونی صفات کمال کا پاک مظہر ہے جس میں اس کی پاکیاں جھلکتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ اور اس کی خوبیاں چمکتی ہوئی صاف دکھائی دیتی ہیں۔

پس قرآن کو پڑھو تو یہ پانچوں ہی معیار اس میں منہ سے بولتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ محض نقل وخبر یا احکام ہی کا مجموعہ نہیں بلکہ عقل وحکمت اور فرزانگیوں کا بہتا ہوا سمندر بھی ہے اور اس کا کوئی حکم نہیں جس میں حکمت نہ ہو۔ کوئی نقل نہیں جس میں عقل نہ ہو اور کوئی ہدایت نہیں جس میں فلسفہ نہ ہو۔ اسی لئے اس میں تدبر اور تفکر کا امر کیا گیا ہے کہ بغیر غور وفکر کے اس کی عقلی حقائق وانکشاف نہیں ہو سکیں اور عقلی حقائق اس میں نہیں تو غور وفکر کا حکم بھی دیا گیا اس لئے وہ کلام ہی نہیں۔ حکمت بھی ہے جو عقل وخرد کا نچوڑ ہے۔

ذٰلک مما اوحٰی الیک ربک من الحکمۃ — یہ (قرآن) ان حکمت کی باتوں میں سے ہے جس کو ہم نے اے پیغمبر تمہاری طرف وحی کی ہے۔
کتاب انزلناہ الیک مبٰرک لیدبروا اٰیاتہ ولیتذکر اولوا الالباب — کتاب برکت والی جسے ہم نے تمہاری طرف اے پیغمبر اتارا تاکہ اس کی آیتوں میں تدبر سے کام لیں اور عقل والے اس سے (سبق) یاد کریں۔

ان فی ذٰلک لاٰیات لاولی النھٰی — (بلاشبہ قرآن کی ان تعلیموں میں) البتہ بڑی نشانیاں ہیں عقلمندوں کے لئے
ان فی ذٰلک لاٰیات لقوم یعقلون — اس میں نشانیاں ہیں عقل والی قوم کے لئے۔
وما یذکر الا اولوا الالباب — اس قرآن سے وہی نصیحت پکڑ سکتے ہیں جو گہری عقل والے ہیں۔

پھر اس قرآن کے علم وخبر کا یہ عالم ہے کہ زندگی اور موت کا کوئی شعبہ نہیں جس کے بارے میں فطری ہدایتوں کے بے شمار ذخیرے اس میں موجود نہ ہوں اور علم جامع پر مشتمل اخبار واحکام نہ بتائے گئے ہوں۔

تبیانا لکل شیء وھدی ورحمۃ وبشرٰی للمسلمین۔ — (یہ قرآن) کھلا ہوا دل بیان ہے ہر شے کیلئے اور ہدایت ورحمت اور خوشخبری ہے مسلمانوں کے لئے۔
وھو الذی انزل الیکم الکتاب مفصلا۔ — وہ (اللہ) وہ ہے جس نے تمہاری طرف یہ مفصل کتاب (قرآن) نازل کی۔

پھر یہی قرآن سارے ہی مناصب ومقامات رفیعہ والے خالق ومالک اور ملیک مقتدر کا کلام ہے تو اس کی رفعت وبلندی اور بلجا ئا منصب ومقام عظمت بھی انتہائی ہے اور اس کی یہ دلیل کافی ہے کہ وہ اس رفیع المنزلت کا نازل کردہ کلام ہے۔

تنزیلا ممن خلق الارض والسمٰوٰت العلٰی۔ — (یہ قرآن) نازل کردہ ہوا کی طرف سے جس نے زمین اور بلند آسمانوں کو پیدا کیا۔
تنزیل الکتاب من اللّٰہ العزیز الحکیم — (یہ قرآن) نازل کردہ ہے اللہ عزت والے حکمت والے کی طرف سے
وانہ لتنزیل رب العلمین۔ — اور یہ (قرآن) نازل کردہ ہے جہان کے پالن ہار کی طرف سے
تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعلمین نذیرا الذی لہ ملک السمٰوٰت والارض۔ — برکت والی ہے وہ ذات جس نے فرقان (قرآن) اپنے بندے پر اتارا تاکہ وہ (پاک بندہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم) جہانوں کے ڈرانے والا ہو اور جس کی ملک ہے ملک آسمانوں اور زمین کا

اور اسی لئے اسے عظیم کہا گیا۔

ولقد اٰتینٰک سبعا من المثانی والقراٰن العظیم۔ — اور ہم نے تمہیں عطا کی ہے بار بار پڑھی جانے والی سات آیتیں اور قرآن جو عظمت اور بڑائی والا ہے۔

جس سے واضح ہے کہ یہ کتاب مبین سارے ہی مناصب جلیلہ کے آثار سے مملو اور بھرپور ہے۔

پھر یہ قرآن چونکہ انتہائی سچے کا کلام ہے اس لئے یہ کلام بھی بے انتہا سچا حق وصداقت میں بے نظیر اور صدق وصفا میں بے مثال ہے۔

یعلمون انہ منزل من ربک بالحق — جانتے ہیں کہ یہ (قرآن) اتارا گیا ہو تیرے رب کی طرف سے سچائی کے ساتھ
انا انزلنا الیک الکتاب بالحق۔ — ہم نے تم پر نازل کی کتاب حق (وصداقت) کے ساتھ
وبالحق انزلناہ وبالحق نزل۔ — اور حق (وصداقت) سے ہم نے اسے اتارا اور حق وصدق ہی کے ساتھ اترا
نزل علیک الکتاب بالحق مصدقا لما بین یدیہ۔ — اتارا تم پر کتاب (قرآن) حق کے ساتھ جو تصدیق کرنے والی ہے تمہارے سامنے (والی سچائیوں کی)۔
بل جاء بالحق وصدق المرسلین۔ — بلکہ یہ (قرآن) حق کے ساتھ آیا اور اس نے (پچھلے سب) رسولوں کی تصدیق کی۔

چنانچہ اس غیر معمولی سچائی کی وجہ سے یہ کلام ہر قسم کے تعارض وتناقض سے پاک اور متضاد باتوں سے بری ہے کہ سچائیوں میں کبھی تعارض نہیں ہو سکتا۔

ولو کان من عند غیر اللّٰہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا۔ — اور اگر کہیں یہ (قرآن) غیر اللہ کے پاس سے آتا تو اس میں بہت سارے اختلافات ہوتے۔

ظاہر ہے کہ ایسے کلام سے بڑھ کر مؤثر اور اعجازی طور پر دلوں میں اتر جانے والا اور کون کلام ہو سکتا ہے؟ اس لئے اسے مؤثر ہی نہیں عین تاثیر وتصرف کہا جائے گا جیسا کہ سطور بالا میں آیات خداوندی سے واضح کیا جا چکا ہے۔ بلاشبہ ایسا ہی کلام فصاحت وبلاغت میں بے مثال اور اسلوب بیان میں بے نظیر بلکہ عدیم النظیر ہوگا جس کی مثال لانے سے ہر بندہ بشر عاجز رہ جائے گا۔ کیونکہ فصاحت وبلاغت اور سلاست کلام تابع ہے باطن کی قوت موزونیت جمال باطنی اور مقتضیات احوال کے علم ومعرفت کے تو کون ہے کہ اس کی ذات بابرکات کے جمال لامحدود اور عدل باطن کا مقابلہ کر سکے اور کون ہے جو اس سے زیادہ مقتضائے احوال کا جاننے والا ہو؟ اس لئے اس کے کلام کا ایک ایک گوشہ فصاحت وبلاغت کی حد اعجاز پر بھی پہنچا ہوا ہونا چاہیئے۔ جس کی مثال لانے سے ساری دنیا عاجز رہ جائے

قل لئن اجتمعت الانس والجن على ان یأتوا بمثل هذا القرآن لایأتون بمثله ولوکان بعضهم لبعض ظهیرًا۔

فرما دیجئے (اے پیغمبر) کہ اگر جن اور انسان سب کے سب بھی اس پر ایکا کریں کہ اس قرآن کا مثل لے آئیں گے تو وہ اس کا مثل نہیں لاسکتے۔ اگرچہ بعض بعض کے مددگار ہوجائیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن حکیم کلامی معجزہ ہے جس کی بلاغت بیانی کے سامنے باوجود کھلے کھلے چیلنجوں کے دنیا نے سپر ڈال دی اور اس کی مثال لانے سے تھک کر رہ گئی جس سے اس کلام کی ہر خوبی بے مثال اور ناممکن النظیر ثابت ہوتی ہے۔ بالخصوص فصاحت و بلاغت کا جواب لانا غیر ممکن واضح ہوجاتا ہے۔

پھر صفات خداوندی کے معیار سے بھی اگر غور کیا جائے تب بھی یہ کلام بلاغت نظام فصاحت و بلاغت کا معجزہ ہی ثابت ہوگا، کیونکہ صفات آلہیہ میں سے جن جن صفات میں سے انسان کو حصہ ملا ہے ان میں سے ہر ایک صفت میں ایک حد اعجاز نکلتی ہے جہاں پہنچ کر انسان عاجز رہ جاتا ہے، انسان کو علم دیا گیا ہے اسے ہزار باتیں معلوم ہوں یا دس ہزار مگر بالآخر ایک حد نکلے گی کہ اس کے علم کا دائرہ وہاں پہنچ کر ختم ہوجائے گا اور صرف خدا ہی کا علم رہ جائے گا، انسان کو قدرت ضرور ملی ہے وہ من دو من دس من وزن اٹھائے گا لیکن بالآخر ایک حد پر پہنچ کر اس کی قدرت جواب دے دے گی اور وہاں صرف خدا ہی کی قدرت نظر آئے گی۔ انسان کو بلاشبہ سمع و بصر عنایت ہوئی ہے وہ میل دو میل دس میل ہزار میل کی چیزیں واسطہ بلا واسطہ دیکھ سکتا اور آوازیں سن سکتا ہے، لیکن بالآخر اس مادی جہاں کی وسعتوں ہی میں ایک حد پر پہنچ کر اس کی سمع و بصر عاجز آجائے گی اور خدا ہی کی بے مثال اور لامحدود سمع و بصر کام کرے گی اس لئے قدرتی طور پر کلام کی صفت میں بھی جس سے انسان کو حصہ ملا ہے ایک حد اعجاز نکلنی چاہیئے۔ جہاں پہنچ کر انسان سپر ڈال دے اور اپنے عجز و قصور کا اعتراف کرے کہ نہ خود ویسا کلام ہی لاسکے اور نہ ویسی فصاحت و بلاغت پیش کرسکے۔ پس کلام کی وہی اعجازی حد اور وہی معجزانہ فصاحت و بلاغت خدائی کلام کا حصہ ہوگی جہاں بشری قوت کلام تھک کر درماندہ اور عاجز رہ جائے گی، اور اس کا یہ عجز و ادراک ہی اس کی دلیل ہوگا کہ یہ خدا کا کلام ہے اور یہ صرف اس کی ادا کردہ فصاحت و بلاغت ہے جو حیطۂ بشری سے خارج ہے۔

انسان زمین و آسمان نہیں بنا سکتا، چاند سورج نہیں بنا سکتا خود انسان کو انسان نہیں بنا سکتا۔ اس میں ظاہری و باطنی قوتیں علم و احساس اور عرفان و ادراک پیدا نہیں کرسکتا اور پھر بھی اسے اور اس میں یہ قوتیں پیدا شدہ دیکھتا ہے تو یقینا اسے اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ یہ سب چیزیں اس خدا کی بنائی ہوئی ہیں جس کا نہ کوئی مثل ہے نہ نظیر نہ مماثل ہے نہ مساوی اس لئے کوئی اس کی بنائی ہوئی چیزوں کی بھی مثل و نظیر نہیں لاسکتا، اسی طرح جب ایک ایسا کلام سامنے آئے جو چیلنج کرتا آرہا ہو کہ کسی میں ہمت و طاقت ہو تو اس جیسا کلام بنا لائے پورا نہ سہی دس سورتیں ہی سہی، دس نہ سہی ایک ہی سورۃ بنا لائے خواہ وہ چھوٹی سے چھوٹی ہی کیوں نہ ہو۔ ایک سورۃ نہ سہی اس جیسی ایک بات ایک آیت اور ایک جملہ ہی بنا لائے لیکن اس چیلنج پر بھی اگر کوئی کچھ نہ لاسکے تو بلاشبہ یہ اسی کی دلیل ہوگا کہ یہ اللہ کا کلام ہے جس کے اسلوب بیان اور جامعیت و ہدایت منصب و مقام و تاثیر و تصرف اور دانائی و حکمت کی نظیر بنا لانا ممکن نہیں۔ اس لئے قرآن حکیم نے منکرین قرآن سے چیلنج کا جواب نہ پاکر دھمکی آمیز لہجہ میں انہیں ڈرایا کہ :-

فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التی وقودها الناس والحجارۃ اعدت للکفرین۔ (البقرۃ)

پس اگر تم نہ کرسکو یعنی اسکے کل یا جز کا مثل نہ لاسکو) اور ہرگز نہ کرسکو گے تو پھر اس آگ (عذاب جہنم) سے ڈرو کہ جس کا ایندھن (مجرم) انسان اور پتھر ہوں گے جو تیار کی گئی ہے کافروں کے واسطے

بہرحال قرآن حکیم ترکیب الفاظ اسلوب بیان جامعیت معانی اور استیفاء ہدایت وغیرہ ہر لحاظ سے معجزہ ہے اور جن و بشر مل کر بھی اس کی نظیر لانے سے عاجز ہیں جس کی وجہ وہی ہے کہ وہ کلام خداوندی ہے، سو جیسا متکلم ہے ویسا ہی اس کا کلام بھی ہے، جیسے ذات کی نظیر یا مثل محال ہے ایسے ہی اس کی صفات اور ان میں سے صفت کلام کی نظیر بھی ناممکن اور محال ہے۔

اس لئے جس پہلو سے بھی اسے دیکھا جائے اس کی کلامی حیثیت ہر گونہ بے مثل و بے مثال اور ناممکن النظیر ثابت ہوتی ہے جو کلام الٰہی کے شایان شان ہے۔ اب ظاہر ہے کہ اتنے بلند پایہ جامع عقل و خرد جامع علم و خبر جامع منصب و مقام جامع تاثیر و تصرف جامع صدق و صفا اور وراء الورٰی سے بے مثل و بے مثال اور معجز کلام کے مضمرات اور حقائق کو کھولنا اور اس کے مفہوم و مراد کو تشخیص کے ساتھ نمایاں کرنا جسے تفسیر کہتے ہیں ہر ایک کا حوصلہ نہیں ہوسکتا حقیقتاً تو یہ کام اس کا ہوسکتا ہے جو خود اس کلام کو متکلم سے سنے اس کا حقیقی مخاطب ہو اور ساتھ ہی خود ان تمام صفات اور شئون و احوال کا جامع بھی ہو جو شئون و احوال اس کلام الٰہی میں سمائی ہوئی ہیں بالفاظ دیگر قرآن کا ایک ایک گوشہ اس کی ذات کے ایک ایک گوشہ میں ذوق دخل بن کر سمایا ہوا ہو حتی کہ اس کی طبیعت ہی قرآنی ہو جس سے قرآن نے بایں جامعیت و اعجاز اسی کے قلب پاک کو اپنا مورد اور ظرف منتخب کیا ہو سو ظاہر ہے کہ وہ ذات قدسی صفات سوائے ذات بابرکات محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسری نہیں ہوسکتی جن پر قرآن اترا اور جن کی زبان میں اترا اور جن کے اخلاق و کمالات اور جن کی فطری استعدادات کو اس کا ظرف بننے کے لئے ازل سے چنا گیا۔ اس لئے قرآن کو قرآنی ذوق سے جس حد تک آپ سمجھ سکتے تھے۔ طبقاً دنیا میں کوئی بھی اتنا نہیں سمجھ سکتا تھا بالخصوص جب کہ آپ کو سمجھانے والا بھی براہ راست وہی تھا جو اس قرآن کو آپ پر اتارنے والا اور خود صاحب کلام تھا یعنی ذات اقدس و اطہر باری سبحانہ وتعالٰے۔

وان لتنزیل رب العلمین نزل به الروح الامین علٰی قلبك لتکون من المنذرین بلسان عربی مبین۔

اور بلاشبہ یہ قرآن، نازل کردہ رب العلمین کا ہے جسے لے کر اترے روح الامین آپ کے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) قلب پر تاکہ آپ ہوں (عذاب الٰہی سے) ڈرانے والوں میں واضح عربی زبان سے۔

اس لئے قرآن حکیم کی اصل تفسیر تو اقوال و افعال و احوال نبوی ہی ہوسکتے ہیں جن کو حدیث سے تعبیر کیا جاتا ہے کہ وہی قرآن کی اولین تفسیر ہے جس کو دوسرے لفظوں میں خدائی تفسیر کہنا چاہیئے اور جس کو قرآن نے بیان سے تعبیر کیا ہے۔

ثم ان علینا بیانه۔ پھر ہم ہی پر اس کا بیان ہے۔

ظاہر ہے کہ اس اصول پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس کلام خداوندی اور اس کی تفسیر (حدیث نبوی) کے مقاصد و مرادات کو اپنے ذوق صافی سے سمجھنے والے پھر وہ حضرات ہوسکتے ہیں جن کی تربیت براہ راست بارگاہ رسالت سے ہوئی ہو، اور جن کے بارہ میں خود قرآن حکیم ہی نے یہ شہادت دی کہ :-

أولٰئك هم الراشدون۔ یہ لوگ (صحابہ) بزرگ لوگ ہیں۔

أولٰئك الذین امتحن الله قلوبهم للتقوٰی۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کے تقویٰ (اور پرہیزگاری) کو اللہ نے جانچ لیا ہے۔

فعلم ما فی قلوبهم فانزل السکینة علیهم۔ سو اللہ نے جان لیا جو (پارسائی اور علم و معرفت وغیرہ) ان کے دلوں میں ہے تو اتارا ان پر سکون (اطمینان) کو۔

رضی الله عنهم ورضوا عنه۔ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔

کے مقدس خطابات و القاب دے کر من حیث الطبقہ ان کی تقدیس و تطہیر کی ہے۔ یہی طبقہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا ہے جس نے براہ راست بارگاہ نبوت سے استفادہ کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو ہوکر دیدار جمال اور مشاہدہ کمال سے مشرف ہوا پھر اس نے پیغمبر سے نہ صرف قرآن ہی لے لیا بلکہ قرآنی ذوق بھی حاصل کیا، ظاہر ہے کہ ذوق نبوت کو جس حد تک یہ طبقہ سمجھ سکتا تھا اور کوئی طبقہ اس مقام پر قدرتاً نہیں پہنچ سکتا تھا، اس لئے امت کا کوئی طبقہ بھی قرآن فہمی میں اس دور خیر کے ان مقدس افراد سے نہ آگے بڑھ سکتا تھا نہ ان سے کسی حالت میں مستغنی ہوسکتا تھا پھر اسی مذکورہ اصول پر صحابہ کے بعد تفسیر کلام الٰہی کا حق دار اور خدمت گذار وہ طبقہ ہوسکتا ہے جس نے کابراً عن کابر خلفاً عن سلف قرآن اور اس کے مذاق کو سلسلہ بہ سلسلہ اور سند بہ سند ان صالحین سے حاصل کیا اور توارث کے ساتھ ان کی صحبت و معیت اور ملازمت میں رہ کر تزکیہ بہ تزکیہ قرآن قرآنی دین اور قرآنی مذاق کو اپنے اندر سمویا اور اپنی عمر اس کے سمجھنے سمجھانے میں صرف کیں جس سے قرآن کے یہ علوم شرعیہ ان کے حق میں علوم طبعیہ بن گئے اور وہ راسخین فی العلم کہلائے، ظاہر ہے کہ ہر قرن میں ایسے لوگوں کا وجود ضروری تھا جب کہ قرآن حکیم دوامی کتاب ہے جو کسی ایک دور کے ساتھ مخصوص نہیں اس کی اور اس کی تفسیرات بھی تاقیام قیامت مسلسل ہیں جو کسی ایک دور پر ختم نہیں ہوسکتیں۔ چنانچہ ایسے لوگوں کے ہر دور میں ہوتے رہنے اور امت کو نبوت کی میراث پہنچا پہنچا کر اسے سنت نبوی کے رنگوں سے رنگتے رہنے کی خبریں دی گئی ہیں جو علم اور عمل دونوں اعتبار سے امت میں آتے رہیں گے۔ عمل کے لحاظ سے ارشاد نبوی ہے :-

من اکل طیبا وعمل فی سنة وامن الناس بوائقه دخل الجنة فقال رجل یا رسول الله ان هذا الیوم لکثیر فی الناس قال سیکون فی قرون بعدی (رواہ الترمذی)

جس نے حلال کھایا اور عمل کیا سنت کے مطابق اور لوگ اس کے ایذا سے محفوظ رہے تو وہ جنت میں داخل ہوا۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ آج تو ایسے بہت ہیں؟ فرمایا: بعد کے زمانوں میں بھی ایسے لوگ ہوں گے۔

جس سے واضح ہے کہ عمل بالقرآن جو عمل بالسنت ہے کبھی منقطع نہ ہوگا، پھر علم کے لحاظ سے بھی ایسے مُبصّر افراد کے پیدا ہوتے رہنے کی خبر دی گئی ہے۔ ارشاد نبوی ہے :-

يحمل هٰذا العلم من كل خلف عُدُولُه ينفون عنه تحريف الغالين وانتحال المبطلين وتأويل الجاهلين۔ (مشکوٰۃ)

تحمل کرتے رہیں گے اس علم کا (سلف سے) ہر نیک خلف جو دین سے غلو کرنے والوں کی تحریف کو دفع کرتے رہیں گے اور باطل پسندوں کی دروغ بافیوں کو دور کرتے رہیں گے اور جاہلوں کی رکیک تاویلات کو کھول کر ان کا پردہ چاک کرتے رہیں گے۔

جس سے واضح ہے کہ علم قرآن اور علم سنت کبھی بھی اس اُمت سے منقطع نہیں ہوگا اور اُمت کبھی بھی گمراہی پر ساری کی ساری جمع نہ ہوگی۔

نیز اس روایت سے اس علم کی نوعیت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ وہ وراثتی علم ہے جو اوپر والوں سے منقول شدہ دولت ہے۔ اختراعی چیز نہیں ہے جسے بعد والوں نے بنالیا ہو، کیونکہ اس روایت میں حاملین علم کے لئے خلف کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس سے سلف کا تصور ذہن میں آنا لازمی ہے، جیسے بیٹے کے لفظ سے باپ کا اور شاگرد کے لفظ سے استاد کا اور چھوٹے کے لفظ سے بڑے کا تصور طبعاً ذہن میں آنا ضروری ہوتا ہے، یہ اشارہ ہے کہ یہ خلف اس علم کو اپنے سلف سے حاصل کریں گے۔ خود سے یا محض اوراق کتب سے یا محض الفاظ کی مدد سے بنا نہیں لیں گے۔ یعنی یہ علم اوپر سے آئی ہوئی میراث ہوگا، خود کا پیدا کردہ نہیں ہوگا جیسا کہ عموماً قوت مطالعہ یا سوچ بچار سے بہت سی ذہنی باتیں پیدا کرلی جاتی ہیں۔ جن کی اصل صرف مطالعہ و مشق اور طباعی و ذہانت ہوتی ہے۔ اوپر کی بات نہیں ہوتی جو منقول ہوکر آئی ہو۔ نیز اسی روایت سے اس منقول علم کے لئے ذوق بھی وہی ثابت ہوتا ہے جو اوپر سے منتقل ہوکر پچھلوں کو ملے۔ کیونکہ جب یہ قرآنی علم اوپر سے نقل و روایت کے واسطے سے منقول شدہ ہوگا اور اس کے سمجھنے سمجھانے میں سلسلہ بسلسلہ سلف کی شخصیتوں کا بیچ میں آنا بھی ضروری ہوگا تو یہ بھی اسی روایت سے واضح ہوگیا کہ اس علم کو سمجھنے کے لئے ذوق اور رنگ بھی خود اپنا نہ ہونا چاہیئے بلکہ وہ بھی اوپر ہی سے واسطہ در واسطہ منقول ہوتا ہوا پچھلے طبقوں تک پہنچے۔ بالفاظ دیگر یہ ذوق اور رنگِ فہم سلفی ہوگا، خلفی نہ ہوگا۔ اوپر سے منتقل شدہ ہوگا خود اپنا نفسانی یا ذاتی نہ ہوگا۔ جس طرح اس علم کی طرح اس کا ذوق فہم بھی اور انداز فکر بھی اوپر ہی سے منتقل شدہ ثابت ہوتا ہے، خود اپنے ذہن کی پیداوار ثابت نہیں ہوتا۔ بہرحال حدیث کے لفظِ خلف سے جیسے اس علم کا وراثتی اور سلفی ہونا کھلا۔ ایسے ہی اس علم کے بنیادی ذوق اور انداز فہم و فکر کا بھی سلفی ہونا اور خلف میں سلف ہی سے آیا ہوا ہونا نمایاں ہوا، پھر ان دونوں کے مجموعہ سے اس علم کے بارے میں شخصیتوں کی ضرورت بھی کھل۔ کیونکہ جب علم و ذوق کی منتقلی بغیر شخصیتوں کے ممکن نہ تھی جیسا کہ واضح ہوا تو اسی سے صحبت صلحا، اور معیت و ملازمت شیوخ کی ضرورت خود ہی ثابت ہوئی۔ کیونکہ ذوق کا ظرف ذہن ہے کاغذ نہیں اور وہ ذہن سے ذہن کی طرف منتقل ہوتا ہے تو دو ذہنوں کے اکٹھا ہو جانے ہی کا نام صحبت و معیت ہے، اس لئے لفظ خلف سے علم اور ذوق علم کا سلفی ہونا اور اس علم کے لئے معیت و صحبت صلحاء کا ضروری ہونا کھل جاتا ہے جس سے اس قرآنی علم کے لئے الفاظ محض یا مطالعہ محض یا ذوقِ محض یا فکر محض یا رائے محض کافی نہیں ہوسکتے جب تک کہ ان سب چیزوں کے ساتھ سند و استناد اور شخص بشخص توارث نہ ہو اس لئے قدرتی طور پر صحابہ کے بعد ایسی ہی شخصیتیں تفسیر قرآن کی حقدار ہوں گی جو شخصیتوں سے بنی ہوں کاغذ سے تیار شدہ نہ ہوں تزکیہ نفس سے بنی ہوں۔ تفریح نفس کی پیداوار نہ ہوں اور انہوں نے قرآنی کیفیات کو بتوسط سلف و بصحبت اسلاف خود اپنی کیفیات بنالیا ہو اور ان کیفیات میں ڈوبا ہوا علم ان کا علم بن گیا ہو۔ اس قسم کی راسخ فی العلم اور مبصر علماء ہر دور میں ہوتے رہتے ہیں اور زمانے کے رنگ کے مطابق انہوں نے قرآنی مسائل کے اثبات کا رنگ الگ الگ اختیار کیا اسی لئے قرآن حکیم کی تفاسیر بے شمار لکھی گئیں بے شمار زبانوں سے لکھی گئیں اور بے شمار علماء نے اس عظیم خدمت کو اپنی سعادت سمجھ کر قلم و زبان سے اس میں ان تھک جدوجہد سے کام لیا جس سے قرآن حکیم کے مختلف الانواع عجائبات کھلے اور اس کی اعجازی شانیں نمایاں ہوتی رہیں۔ ظاہر ہے کہ جب قرآن کی شان لاتنقضی عجائبه (اس کے علمی عجائبات کبھی ختم نہ ہوں گے) ہے تو اس کی کوئی تفسیر بھی حرف آخر نہیں ہوسکتی کہ اس کے بعد تفسیر کے دروازے بند ہو جائیں جب کہ اس کے عجائبات کے دروازے بند نہیں ہوسکتے، لیکن جس طرح زمین سے پھل پھول کے عجائبات نت نئے نکلتے رہتے ہیں مگر زمین ایک ہی رہتی ہے اور جس طرح سمندر میں سے انواع و اقسام کے موتی اور جواہرات نکلتے رہتے ہیں، مگر سمندر ایک ہی رہتا ہے۔ اسی طرح قرآنی مقاصد کے وجوہ و الوان اور ان کے عجائبات قیامت تک نت نئے نکلتے رہیں گے مگر مقاصد وہی ایک رہیں گے، دلائل کا نقشہ تبدیل ہوتا رہے گا مگر مسائل یہ اپنے ہی رہیں گے۔ اس لئے ہر دور کے مفسرین نے مرادات خداوندی کو جوں کا توں ملحوظ رکھ کر ان کے حقائق و معارف اور ان کے طرز استدلال و تفہیم میں نئے نئے علوم پیدا کئے۔ اس لئے یہ ساری تفاسیر ہمارے لئے حجت و سند بھی ہیں اور ہمارے دین کا مدار و معیار بھی ہیں جس سے باہر ہوکر ہم مرادات خداوندی کو اپنے اپنے دور کے رنگ سے نہیں سمجھ سکتے، پس نئی تفسیر کا مطلب مرادات و مقاصد الٰہیہ میں جدت یا ان میں تلوّن نہیں بلکہ تفہیم مراد کی جدت اور طریق استدلال کا لون بہ لون اور رنگ برنگ ہونا ہے جس سے مرادات کی وحدت میں فرق نہیں پڑتا، ورنہ طریق تفہیم طرز استدلال اور انداز بیان میں اگر زمانہ کی رعایت اور وقت کے تقاضوں کی رعایت جائز نہ ہوتی تو سلف صالحین کے بعد کسی کو بھی تفسیر لکھنے کی جرأت نہ ہوتی بلکہ اس کا جواز ہی نہ ہوتا، حالانکہ یہ جرأت ہوئی اور باشارات غیب ہوئی جس سے ہزارہا تفسیریں اور ہزارہا قرآنی حقائق و دقائق منصہ شہود پر آگئے، تو اس سے واضح ہوا کہ قرآن حکیم کا اعجازی نظم جامع شئون اور جامع احوال و کیفیات ہونے کی وجہ سے ہر دور کے مناسب حال اپنی تجلی دکھاتا ہے۔ اور ہر دور کی ذہنیتوں کو اپیل کرنے کے لئے مناسب زمانہ الوان میں اپنے کو نمایاں کرتا ہے جس سے کسی دور کے لوگ بھی اس سے باہر نہیں نکل سکتے۔

چنانچہ جس دور میں ذہن جس رنگ کے بھی بنے اور نئے نئے نظریات نے ذہنوں کا جو راستہ بھی بنایا اس دور میں اسی رنگ کے علماء نمودار ہوئے اور انہوں نے اسی رنگ میں امت کو قرآن سمجھایا، اگر کسی دور میں سیاسی رنگ کا غلبہ ہوا اور دلوں میں سیاسی مذاق نے غلبہ پایا تو امراء راشدین اور علماء ربانیین نے اسی رنگ میں قرآن پڑھا اور پڑھایا اور اس سے کتنے ہی سیاسی پروگرام پیدا کئے جن پر مستقل کتابیں لکھی گئیں اور سیاسی رنگ ہی میں اس کی تفسیریں لکھی گئیں۔ قدیم اسلامی حکومتوں کے دور میں فقیہوں کے راستے سے جو مسائل فقہا نے مدون کئے جن پر حکومتیں چلتی رہی ہیں وہ قرآن اور بیان قرآن (حدیث) ہی سے اخذ کرکے لکھے گئے ہیں اور ان فقہوں کے ابواب معاملات، معاشرات کفارات المیراث و خلافت قضاء، اموال، عُشر و خراج آراضی اور اس کی پیداوار معادن رکاز وغیرہ سیاسی ہی پروگرام تو ہیں جو قرآن سے اخذ کرکے مرتب کئے گئے ہیں اور قرآنی تفسیرات ہی کے آثار تو ہیں جن میں قرآن حکیم متمثل ہوکر جلوہ گری کر رہا ہے۔

اگر کسی دور میں حکمت و فلسفہ کا زور ہوا اور لوگ اُدھر لگ کر فلسفی مزاج بن گئے جن کے جذبات صرف فلسفیانہ رنگ سے بات سمجھنے کے عادی ہوگئے تو حکماء اسلام نے حکیمانہ نقطۂ نظر ہی سے قرآن کو سمجھا اور سمجھایا اور اس کے ایک ایک لفظ اور اسلوب ادا سے فلسفیانہ اور حکیمانہ عجائبات پیدا کئے اور اسی رنگ حکمت سے اس کی تفسیریں لکھی گئیں جس سے حکمت و فلسفہ کے فنون مرتب ہوئے اور فن اسرار کا ذخیرہ جمع ہوگیا۔ ابن عربی و غزالی اور رازی کی تفسیریں قرآن کا حکمت و فلسفہ نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ ان تفسیروں سے اندازہ ہوتا ہے کہ گویا پورا قرآن اور اس کی ایک ایک آیت سوائے حکمت و فلسفہ کے اور کچھ ظاہر ہی نہیں کر رہی ہے۔

اگر کسی دور میں صوفیانہ رنگ کا امت پر غلبہ ہوا تو عرفاء امت نے قرآن کو صوفیانہ ہی نقطۂ نظر سے دیکھا اور صوفیانہ ہی رنگ سے اس کی تفسیریں کیں جس سے عرفان خداوندی کے راستے کھلے اور ہر آیت تصرف کا ایک مستقل باب محسوس ہونے لگی جس سے فن تصوف مُرتب اور مہذب ہوکر نمایاں ہوا، اگر زمانے پر عربیت اور انشاء پردازی کا غلبہ ہوا اور فصاحت بیان اور بلاغت کلام ہی معیار قابلیت بن گیا جس کے بغیر لوگوں نے کسی بھی مسئلہ کو قابل توجہ نہیں سمجھا تو علماء عربیت کھڑے ہوئے اور انہوں نے قرآن کو عربیت کے اسلوب پر سمجھ کر سمجھانا شروع کیا اور عربیت ہی کے اسلوب پر اس کی تفسیریں لکھیں جن میں فصاحت و بلاغت کے قرآنی اسالیب کا سمندر موجیں مارتا ہوا نظر آنے لگا اور عربیت پر سینکڑوں کتابیں فنی طور پر قرآن کی روشنی میں مرتب ہوگئیں۔ جیسے جرجانی اور زمخشری وغیرہ نے اپنی تالیفات اور تفسیرات میں عربیت کے جوہر دکھلائے ہیں۔

اور آج اگر سائنسی اور مشینی دور ہے اور وہی دماغوں کے لئے معیار فہم و تفہیم بن گیا ہے تو علماء اسلام نے سائنسی علوم و فنون کے نقطۂ نظر سے تفسیریں لکھیں اور

قرآن حکیم کی روشنی میں اسلامی مسائل آج کے سائنسی اور فلسفی انداز استدلال سے واضح کرنے شروع کر دیئے۔ غرض ہر دور کے ذہنی تقاضوں کے مطابق قرآن حکیم نے اس دور کے رنگ اور لباس میں جلوہ آرائی کی اور یہ اسی کا اعجازی کمال ہے کہ وہ جس دور کے رنگ میں بھی نمایاں ہوا پورا پورا نمایاں ہوا اور ہر دور میں یہ محسوس ہونے لگا کہ گویا پورا قرآن اسی ایک رنگ کے لئے اترا ہے اور صرف اسی فن کے اصول و قواعد لے کر آیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ہر رنگ ڈھنگ اور ہر نئے انداز پر اس کا بتمامہ منطبق ہو جانا سوائے اعجازی شان کے اور کیا ہو سکتا ہے؟ گویا اس کی ساری کی ساری بلیغ آیتیں بیک وقت پوری کی پوری تصوف بھی ہیں، سیاست بھی ہیں، حکمت بھی ہیں، عربیت بھی ہیں، صرف و نحو بھی ہیں، فقہ بھی ہیں، عقائد و کلام بھی ہیں، وعظ و پند بھی ہیں اور سائنس و فلسفہ بھی ہیں جن میں سے اپنے اپنے وقت پر یہ سب رنگ نکلتے ہوئے محسوس ہونے لگتے ہیں۔ پس جس فن کے بھی نقطۂ نظر سے اس کی آیتوں کو دیکھا جائے گا۔ اس وقت ان میں کوئی دوسرا فن نظر نہ آئے گا۔ جس سے واضح ہے کہ وہ ہر انداز بیان پر پورا پورا حاوی ہے اور یہی اس کا وہ معجزہ ہے جس کی وجہ سے اس نے دنیا کو چیلنج کئے ہیں کہ کوئی اس کی جامعیت کی اس کے ادائے مضامین کی اس کی فصاحت و بلاغت اور اس کی ہدایت و رہنمائی کی نظیر تو لائے اور نہیں لا سکتا تو اس کے آگے سر جھکائے۔

اس سے صاف نمایاں ہے کہ قرآن حکیم ساری ہی علمی شانوں کا مجموعہ ہے اور کوئی بھی انداز بیان و تفہیم ایسا نہیں ہے جس سے وہ عاری ہو یا اس کی جھلک اس میں نمایاں نہ ہو، اس لئے اس کی کسی رنگ کی تفسیر بھی حرف آخر نہیں ہو سکتی۔

حرف حرفش راست اندر معنئے
معنئے در معنئے در معنئے!

پس معنی و حقائق کا جس قدر ذخیرہ علوم و فنون کی شکل میں اس میں سے نکل چکا ہے اس سے ہزار ہا گنا ابھی اس میں اور مخفی موجود ہے جو آنے والوں کا منتظر ہے جب کہ وہ آنے والوں کے تمام مختلف عقلی علمی جذبات کی تسکین کا سامان اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔ پس آنے والے آتے رہیں گے اور اپنی اپنی ذہنی عقلی ایمانی اور عرفانی استعدادوں کی حد تک اس میں سے علمی عجائبات نکالتے رہیں گے۔ ان ہی آنے والوں اور قرآن کے سمندر میں سے علمی جواہرات نکالنے والوں میں اس تفسیر زیر نظر کے مؤلف خطیب ملت سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید صاحب صدر جمعیۃ العلماء ہند رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں جنہوں نے اپنی عمر کا ایک بڑا حصہ صرف کر کے قرآن حکیم کو موجودہ زمانے کے نقطۂ نظر کی روشنی میں سمجھا اور ان کو سمجھانے کی کوشش کی۔

مولانا ممدوح نے اگر ہزاروں تفسیروں کے ہوتے ہوئے بھی تفسیر کے لئے قلم اٹھایا تو نہ یہ ان کی تفسیر کے غیر ضروری ہونے کا ثبوت ہے اور نہ سابقہ تفسیروں کے قصۂ پارینہ ہونے کی علامت ہے بلکہ قرآن کے جامع شئوں ہونے کی دلیل ہے جس میں ہر دور کے حسب حال علمی شانیں بھری پڑی ہیں کہ جیسا دور آیا ویسے ہی رنگ اور شان کی تعلیم اس میں سے نمایاں ہو گئی اور قدرت نے ویسے ہی ذہنی رنگ کے علماء پیدا کر کے ان میں ایسے ہی رنگ کے دواعی پیدا کر دیئے، اور وہی رنگ ان کا فطری مذاق بنا دیا جس سے انہوں نے قرآن حکیم کے اسی نوع کے رنگ سے امت کی اصلاح و تربیت کا فریضہ انجام دیا۔ سب جانتے ہیں کہ آج کے دور کا ایک خاص رنگ خطابت پسندی ہے جس سے ذہنوں پر خطابت کا غلبہ ہے، علماء کا تو یہ قدیم جوہر تھا ہی لیکن وہ حلقے جن میں خطابت سے کوسوں بعد تھا۔ آج وہ بھی مرحلوں اس سے قریب تر ہو گئے ہیں دنیا کی تاریخ نے سلاطین اور حکومتوں کے سربراہوں کو تقریر و خطابت کے میدان میں کبھی نہیں دیکھا تھا لیکن آج وہ بھی اسٹیج پر ہیں۔ خطابت عوامیت کو چاہتی ہے اور قدیم حکومتیں عوامیت سے منزلوں دور تھیں۔ عوام کے لئے بادشاہ کا درشن جوئے شیر لانا تھا لیکن آج جب کہ حکومتوں کی بنیاد ہی عوامیت پر قائم ہے تو امراء و سلاطین اور سربراہان حکومت بھی عوامیت کی لائن سے خطابت کے میدان میں دوڑتے نظر آ رہے ہیں جسے دیکھو اس کے سامنے لاؤڈ اسپیکر کھڑا ہوا ہے اور وہ ملک کو اور کبھی دنیا کو ہیلو ہیلو کر کے مخاطب بنا رہا ہے، گویا شاہیت نعامت کے چولہے میں خود آ گئی ہے۔ آج بادشاہ بادشاہ نہیں بلکہ عوامی لیڈر ہے جسے عوام سے مربوط رہنا ہے اور اس کا واحد ذریعہ زبان و قلم خطابت و کتابت اور خطاب و کتاب ہے، اس لئے قدرتی طور پر خطابت کی اہمیت ہر ملک کی پبلک میں اہم سے اہم تر ہو گئی اور جس طبقہ کو دیکھو اس کا ہر فرد خطیب قوم بنا ہوا نظر آ رہا ہے، دوائی بیچنے والے، کھیل تماشا کرنے والے، بازاری نرخوں کے پکارنے والے سیاسی حلقوں کے زعیم تمدن و معاشرت کے نقیب سمجھے

سب خطابت و تقریر برشستہ بیانی اور تسلسل کے ساتھ روانی کلام و بیان کو آج دنیا کی اہم ترین ضرورت اور اعلیٰ ترین صفت سمجھ چکے ہیں۔ اس لئے ضرورت تھی کہ قرآن حکیم آج کے خطیبانہ انداز میں بھی اپنی تجلی دکھلائے اور دنیا کے خطیبوں پر بھی اس کی حجت تمام ہو جائے تو ایسے علماء کو حق تعالیٰ نے کھڑا کیا جو علم دین کے ساتھ خطابت میں ماہر اور سحبان وقت ہوں تاکہ قرآنی جلوے خطیبانہ انداز سے بھی دنیا کے سامنے آجائیں اور کسی خطیب یا خطابت پسند کو یہ کہنے کا موقعہ نہ رہے کہ قرآن میں اس کے خطیبانہ جذبات کی تسکین کا کوئی سامان موجود نہیں۔

مولانا ممدوح کی عمر کا ایک طویل حصہ خطابت اور وعظ و پند میں گذرا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ آپ نے اس فن کے راستے سے مسلمانان ہند کی بے مثال اور ہر جہتی خدمت انجام دی۔ دینی وعظ و نصیحت کا پلیٹ فارم سجا تو اس کی زینت مولانا احمد سعید صاحب ہوئے سیاست کا پلیٹ فارم آراستہ ہوا تو اس کی سجاوٹ مولانا احمد سعید صاحب ہوئے۔ اور مدارس کی انعامی محفلیں جمیں تو ان کی رونق مولانا احمد سعید ہوئے، غرض خطابت کی لائن سے انسانی زندگی کے تمام اہم گوشوں کی آپ نے خدمت کی جس کے ادا کرنے میں آپ بہر حال قرآن و حدیث کی شمع سے روشنی حاصل کرتے رہے، برسہا برس آپ نے ترجمہ قرآن کی صورت سے دہلی میں قرآنی تفسیر کا درس دیا اور ہزاروں آدمی اس سے منتفع ہوئے، وعظ و پند کی لائن سے قرآن حکیم کی یہ خطیبانہ تشریحات آخر کار ان کے قلب و دماغ کا جوہر بن گئیں اور عمر عزیز کا آخری حصہ ان تشریحات کو تفسیری رنگ دینے میں صرف ہوا۔ حتیٰ کہ آخری عمر میں ممدوح کا غالب ترین مشغلہ تفسیر قرآن کریم ہو گیا تا آنکہ عمر عزیز بالآخر اسی مشغلہ میں ختم کر دی، جس دن تفسیر کا ورق آخر ہوا اسی دن عمر عزیز کا بھی آخری دن ثابت ہوا۔ گویا عمر کو تکمیل تفسیر کا انتظار تھا۔ کیا ہی خوب یہ عمر کا آخری حصہ تھا اور کیا ہی خوب اس حصہ کا یہ آخری مشغلہ تھا جس نے والعبرۃ بالخواتیم کے اصول پر عمر کو خیر محض بنا کر خاتمہ اور آخرت کے اعلیٰ مقامات کے لئے مستعد کر دیا تھا، ارشاد نبوی ہے :-

فان صاحب الجنة يختم له بعمل اهل الجنة وان عمل اىّ عمل (ترمذی)	جنت والے آدمی کا خاتمہ جنتیوں ہی کے عمل پر کیا جاتا ہے۔ گو ابتداء میں وہ کوئی سا بھی عمل کرتا ہو۔

عمر کے اس آخری دور میں مولانا مرحوم دوسرے تمام مشاغل سے تقریباً کنارہ کش ہو کر صرف قرآن حکیم کی خدمت میں لگ گئے تھے اور تمکین کے ساتھ اس پاکیزہ مشغلہ کو حد اختتام و اتمام تک پہنچایا، گھر کے کونے میں وہ خود تھے اور ان کے دل کے کونوں میں اللہ کی کتاب تھی۔ حافظ قرآن پہلے سے تھے مفسر بن کر محافظ قرآن آخر میں ہو گئے اور اسی کے الفاظ و معانی کی خدمت میں اپنا وقت آخیر کر دیا، عین وفات کے دن جب کہ یہ ناکارہ بھی ان کے مکان پر جنازہ کے سامنے حاضر تھا تو معلوم ہوا کہ کل ہی تفسیر قرآن مکمل ہوئی ہے گویا اجل مسمی کو اسی کی تکمیل کا انتظار تھا۔

بہر حال مولانا مرحوم کے عمر بھر کے سارے دینی مشاغل کا نچوڑ اور علمی کاموں کا شاہکار یہی تفسیر قرآن تھی۔ جو آج ناظرین کے سامنے آ رہی ہے اور مجھے اس کا مقدمہ لکھنے کی سعادت نصیب ہو رہی ہے۔

کتاب اللہ کی ایسی جامع تشریحات کا تقاضہ یہ ہے کہ مسلمان مل کر انہیں قبول کریں اور ان پر مجتمع ہوں جو ان کے دین کے تحفظ کی بھی ضمانت ہے اور ان کے اتفاق و اتحاد کا بھی اعلیٰ ترین ذریعہ ہے لیکن افسوس یہ ہے کہ انہوں نے انہی تشریحات کو اپنے حق میں اختلاف کا ذریعہ بنا کر اپنے حق میں وبال جان بنا رکھا ہے۔ انہیں ایسی تفسیریں دیکھنے کے وقت کسی عمل یا اتعاظ (نصیحت قبول کرنے) کا جذبہ عامۃً دامنگیر نہیں ہوتا بلکہ اپنی گروہی اور جماعتی خصوصیات کے تحفظ و برتری کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے جس سے ان کے اختلافات نے یہود و نصاریٰ کے اختلافات کو بھی مات دے رکھی ہے۔ کوئی قرآن ہی کو غیر ضروری قرار دے رہا ہے گویا سرے سے اسی کا منکر ہے۔ کوئی قرآن کی اولین تفسیر (حدیث) کو غیر ضروری بتلا رہا ہے اور اس کا منکر ہے کوئی قرآن و حدیث کے فقہ کو غیر دینی ذخیرہ بتلا رہا ہے۔ یعنی اس کا منکر ہے اور اس طرح کوئی خدائے برتر و توانا کی شان کو گرانے کی فکر میں ہے۔ کوئی رسولؐ کی عظمت گھٹانے کے درپے ہے اور کوئی علماء امت اور ارباب تفقہ و اجتہاد کی اہمیت زائل کرنے کے پیچھے لگا ہوا ہے جس سے مفسرین امت کی نہ صرف ناقدری بلکہ توہین بھی ہو رہی ہے اور نتیجہ یہ نکل رہا ہے کہ اتباع کا دامن چھوٹ کر ہر شخص کتاب و سنت کے بارے میں بے قید بن گیا ہے بلکہ ہر کس و ناکس مفسر قرآن ہونے کا مدعی اور اس دعویٰ میں بزعم خود اپنے کو حق بجانب سمجھ رہا ہے۔ درحالیکہ بہت سی نام نہاد تفسیریں

تفسیریں نہیں بلکہ تحریفیں ہیں، اہل کتاب اگر تحریف کرتے تھے تو صرف ان ہی مواقع میں جو ان کی ذاتی خواہشات کے خلاف یا محل منشار ہوتے تھے، جیسے یہود نے زنا کی سزائے رجم سے انکار کر دیا کہ اس سے ان کی بعض بڑی شخصیتیں زد میں آجاتی تھیں۔ یا حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی صفات سے انکار کر دیا جو توراۃ میں نازل ہوئی تھیں کہ اس سے بظاہر ان کی سیادت و قیادت میں فرق آتا تھا مگر مسلمانوں کو اس کی بھی ضرورت نہ رہی۔ مطلقاً کلام الٰہی اور حدیث نبوی ان کا تختہ مشق بن گیا ہے بلکہ آج اپنے ضروری کاموں سے فارغ ہو جانے کے بعد ایک مستقل تفریحی مشغلہ قرآن عزیز پر طبع آزمائی کرنا بھی ہے، بہرحال صحیح تراجم و تفاسیر سے کترانا اور رائے و قیاس کی تفسیریں بروئے کار لانا ہی بہت سے طبقات کا کام رہ گیا ہے، اگر اس تفسیر کے ساتھ بھی کوئی طبقہ یہی سلوک کرے جو سلف کی بہت سی تفاسیر کے ساتھ کیا گیا ہے تو بہرحال معاملہ خدا کے سپرد ہے، تفسیر کے اہل علماء نے تو جو جد و جہد ان سے بن پڑی انہوں نے کی اور اسے کاغذ پر لا کر رکھ دیا اور زمانے کے لئے اپنی یادگار چھوڑ گئے کوئی اسے پس پشت ڈال دے تو بہت سوں نے کتاب اللہ تک کو بھی پس پشت ڈال دیا ہے تفاسیر تو بعد کی چیزیں ہیں۔

نبذ فریق من الذین اوتوا الکتاب کتاب اللہ وراء ظہورھم کانھم لا یعلمون — پس پشت ڈال دیا اہل کتاب میں سے ایک فریق نے کتاب اللہ کو گویا وہ اسے جانتے ہی نہیں۔

تفسیر زیر نظر کے اپنے رنگ میں اونچا ہونے کے لئے یہ نسبت کافی ہے کہ وہ مولانا احمد سعید رحمۃ اللہ کی لکھی ہوئی تفسیر ہے اس تفسیر کے تفسیری حقائق و لطائف کو تو علماء ہی سمجھ سکتے ہیں یہ ناکارہ تو اتنا سمجھتا ہے کہ کسی اہل حق کو منجانب اللہ قرآن حکیم خدمت پر لگا دیا جانا سو سعادتوں کی ایک سعادت اور صاحب خدمت کی مقبولیت عند اللہ کی کھلی علامت ہے، تفسیر کے بارے میں تصویب و تخطیہ کی دو رائیں ہو سکتی ہیں۔ لیکن صاحب تفسیر کی اس مقبولیت اور سعادت کے بارے میں ایک کے سوا دوسری رائے نہیں ہو سکتی اور یہی ان کی تفسیر اور خود مفسر کی منقبت کے لئے کافی ہے اس لئے حضرت مرحوم بہرحال ملت کے شکریہ و دعا کے مستحق ہیں کہ انہوں نے وقت شناسی سے کام لے کر مناسب وقت تفسیر اور خطیبانہ انداز بیان سے قرآن حکیم کی تفہیم کی کامیاب خدمت انجام دی۔ فجزاہم اللہ عنا و عن جمیع المسلمین خیر الجزاء۔

حضرت مرحوم کے صاحبزادے اور میرے واجب الاحترام عزیز جناب مولوی حافظ محمد سعید صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نے جو صورت و سیرت اور جسم و روح دونوں کی رو سے ان کے خلف رشید ہیں ارادہ فرمایا کہ تفسیر قرآن کے اس مخفی خزانہ کو منظر عام پر لے آئیں اور اس کی طباعت و اشاعت کی سعادت حاصل فرمائیں۔ اس ذیل میں اس ناچیز کو امر فرمایا کہ میں اس تفسیر سے متعلق کوئی مقدمہ یا تمہیدی بیان قلم بند کروں۔ میں یقیناً اس کا اہل نہ تھا اور محض ان کے حسن ظن سے میں اپنی اہلیت کی غلط فہمی میں مبتلا بھی نہیں ہوا۔ لیکن ان کا مخلصانہ اصرار پھر اپنا تعلق اور اپنے سے حضرت مرحوم کی نگاہ محبت کا تصور جو خصوصیت کے ساتھ اس ناچیز پر رہتی تھی سامنے تھا جس نے باوجود اپنی نااہلیت اور کثرت مشاغل کے ان چند سطور کے لکھنے پر مجبور کر دیا جسے مقدمہ تو کیا صرف تعمیل امر کا ایک حیلہ کہا جا سکتا ہے۔

مجھے ندامت ہے شرمندگی ہے اور میں اپنے محترم عزیز مولانا حافظ محمد سعید صاحب سے بصدق دل اس کی معافی چاہتا ہوں کہ ان کے ایما کی تعمیل میں بہت کافی تاخیر ہو گئی اور اس مقدمہ کے انتظار میں تفسیر کی طباعت غیر معمولی طور پر مؤخر ہو گئی جس سے یقیناً انہیں کلفت بھی ہوئی اور ممکن ہے کہ نقصان بھی ہوا ہو، لیکن یہ کسی تساہل کی بنا پر نہیں، بلکہ واقعتاً دارالعلوم دیوبند کی انتظامی ذمہ داریوں اور مختلف الانواع مشاغل کی کثرت کی وجہ سے معذور و مجبور رہا۔ والعذر عند کرام الناس مقبول۔ بہرحال برا بھلا جو بھی بن پڑا ان قریبی ایام میں تھوڑا تھوڑا لکھ کر اس مقدمہ کو پورا کیا اور آج ان کی خدمت گرامی میں لے بھیجنے کی مسرت حاصل کر رہا ہوں خدا کرے کہ نافع ثابت ہو اور مقبول ہو جائے کیا عجب ہے کہ جب تفسیر کو ادھر سے قبولیت بخشی جائے تو اس کے طفیل میں یہ چند سطور کا مقدمہ اور مقدمہ نگار بھی خلعت قبول حاصل کرے۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز والحمد للہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات۔

محمد طیب غفرلہ

۲ ۴/۸۱ ھ

مہتمم دارالعلوم دیوبند

وهٰذا كتاب انزلناه مبارك

ترجمۃ القرآن المسمّٰی بکشف الرحمان

مع تیسیر القرآن وتسہیل القرآن

الحمد للہ ایک عرصہ دراز سے جس ترجمے اور تفسیر کا مسلمانوں کو انتظار تھا اور کلام الٰہی کو سمجھ کر پڑھنے اور تلاوت کرنے کے شائقین جس قرآن کے مطالعہ کے لئے بے چین اور مضطرب تھے وہ ترجمہ اور تفسیر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی مہربانی سے شائع ہو کر ہدیۂ ناظرین ہو رہا ہے۔ بین السطور ترجمہ جس کا نام کشف الرحمان ہے۔ یہ وہ ترجمہ ہے جسکو سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید صاحبؒ نے علما کی ایک موقر جماعت کے مشورے سے کیا ہے اور جس کو حضرت علامہ مفتی اعظم مولینا محمد کفایت اللہ صاحبؒ کی سرپرستی اور نگرانی حاصل ہے۔ حاشیہ پر تیسیر القرآن ہے جو بین السطور ترجمہ کا خلاصہ اور ایک مختصر تفسیر ہے۔ تیسیر القرآن کے بعد تسہیل القرآن ہے جو مفصل تفسیر ہے۔ ۱۹۴۷ء کی ہنگامہ آرائی سے قبل کسی قدر مفصل ہے اور قرآن کی ایک منزل تک یہ تیسیر کی تفسیر چلی گئی ہے۔ ۱۹۴۷ء کے بعد اس تسہیل القرآن کی وہ تفصیل باقی نہیں رہ سکی بلکہ وہ تفصیل قدرے کم کر دی گئی۔ کشف الرحمان میں جس تفصیل اور توضیح کی گنجائش نہ تھی اس کو تیسیر القرآن میں واضح کر دیا گیا ہے اور تسہیل القرآن ایک مفصل اور جامع تفسیر ہے۔ یہ تمام مجموعہ حضرت سحبان الہند مولینا احمد سعید صاحبؒ کی اٹھارہ سالہ محنت اور عرق ریزی کا نتیجہ ہے جو انشاء اللہ تعالیٰ عامۃ المسلمین اور حضرات علما کے لئے بیحد نافع اور مفید ثابت ہوگا۔

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم وتب علينا انك انت التواب الرحيم

ناشر

مکتبہ رشیدیہ قاری منزل پاکستان چوک کراچی

ف۱ اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ شروع کرتا ہوں جو بے حد مہربان ہے اور بے انتہا رحم کرنے والا ہے (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس بڑی رحمت والی ہے اور اُس کی رحمت و مہربانی بڑی ہی عام ہے۔ میں اس سورت کو اُسی کے نام کی برکت حاصل کرتے ہوتے شروع کرتا ہوں تاکہ آداب تلاوت میں اگر کوئی کوتاہی یا سہو ہو جائے یا کسی آیت کا مطلب سمجھنے میں غلطی ہو جائے تو وہ اللہ تعالیٰ اپنی عام رحمت و مہربانی سے اس کو درگذر فرمادے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے جس اہم اور ذی شان کام کو شروع کرتے وقت بسم اللہ نہ پڑھی جائے اس کام میں کامیابی اور برکت نہیں ہوتی (تسہیل) ف۲ سب تعریفیں اور حمد و ثنا اُس ہی اللہ تعالیٰ کو سزاوار اور لائق ہے جو ہر ایک عالم کا مربی اور تربیت کرنے والا ہے وہ اللہ تعالیٰ، بے حد مہربان اور بے انتہا مہربانی کرنے والا ہے وہ جزا و سزا کے دن کا مالک ہے (تیسیر) حاصل یہ ہے کہ جو تعریفیں اب تک ہو چکیں یا آئندہ ہوں گی اُن سب کا حقیقی مستحق اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ کیونکہ مخلوق میں سے جس چیز کی بھی تعریف کی جائے وہ درحقیقت خدا ہی کی تعریف ہے اس لئے کہ مخلوق کی تمام خوبیاں بھی حضرت حق ہی کی مرہون منت ہیں وہی ہر ایک عالم کا خواہ وہ عالم ملائکہ یا عالم جنات و انسان ہو یا عالم نباتات و جمادات ہو سب کا وہی خالق اور وہی پرورش کنندہ ہے رب کے بہت سے معنی ہیں ہم نے یہاں کی مناسبت سے خالق اور مربی کر دیا ہے۔ جزا و سزا کا دن قیامت کا دن ہے کیونکہ اس دن ہر بُرے اور بھلے کو اس کے کئے کا بدلہ ملنے والا ہے اگرچہ ہر چیز کے حضرت حق تعالیٰ ہی مالک ہیں لیکن چونکہ وہ دن نہایت ہی اہم اور خوفناک ہوگا اور اس دن ہر قسم کی حکومتیں اور بادشاہتیں فنا ہو چکی ہوں گی اس لئے اس دن کی مالکیت اور خود مختاری کا ذکر فرمایا کہ اس دن کوئی ظاہری اور مجازی مالک بھی نہ ہوگا صرف اللہ تعالیٰ ہی کا سب پر مالکانہ تصرف ہوگا (تسہیل) ف۳ اے پروردگار ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے (باقی ضمیمہ میں)

سُوْرَةُ الْفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ
آیاتہا ۷

المنزل ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے انتہا مہربان نہایت رحم والا ہے ف۱

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱ الرَّحْمٰنِ

سب تعریفیں اس خدا کو لائق ہیں جو تمام عالموں کا رب ہے جو بے حد مہربان

الرَّحِيْمِ ۝۲ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝۳

نہایت رحم والا ہے جو روز جزا کا مالک ہے ف۲

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝۴

ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور ہم تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں ف۳

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝۵ صِرَاطَ

ہم کو سیدھی راہ چلا راہ ان

الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۝۶ غَيْرِ

لوگوں کی جن پر تو نے اپنا فضل کیا ہے ف۴ وہ لوگ وہ

الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝۷

ہیں جن پر نہ غضب نازل کیا گیا اور نہ وہ راہ سے بے راہ ہوئے ف۵

ع ۱

ف۱ الف۔ لام۔ میم یہ قرآن ایسی کتاب ہے جس کے منجانب اللہ ہونے میں ذرا سی بھی شک کی گنجائش نہیں یہ کتاب خدا سے ڈرنے والوں کو صحیح راہ دکھاتی ہے (تیسیر) الف۔ لام۔ میم حروف تہجی ہیں ان کو حروف مقطعات کہتے ہیں۔ تمام قرآن میں یہ حروف انتیس سورتوں کی ابتدا میں آتے ہیں کسی سورت کی ابتدا میں صرف ایک ایک حرف ہے جیسے قاف۔ نون۔ صاد۔ اور کسی سورت کی ابتدا میں حرف دو ہیں۔ جیسے طا۔ ہا۔ یا۔ سین اور کسی سورت کی ابتدا میں تین ہیں جیسے الف۔ لام۔ میم۔ اور الف۔ لام۔ را۔ اور کسی سورت کی ابتدا میں ان حروف مقطعات کی تعداد چار ہے جیسے الف۔ لام۔ میم۔ صاد اور کسی سورت کی ابتدا میں ان کی تعداد پانچ ہے۔ جیسے کاف۔ ہا۔ یا۔ عین۔ صاد اور حا۔ میم۔ عین۔ سین۔ قاف۔ بہرحال یہ حروف اللہ تعالیٰ کے اسرار اور اس کے بھیدوں میں سے کچھ ایسے بھید ہیں جن کو وہی خوب جانتا ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ ان حروف کے معنی اور ان کی حقیقی مراد سے اور اس بھید سے جو ان حروف میں پنہاں ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ کر دیا ہو یہ شبہ نہ کیا جائے کہ جب اس کے معنی سوائے اللہ تعالیٰ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی نہیں جانتا تو پھر علماء مفسرین نے ان کے معنی کیوں بیان کئے ہیں۔ جواباً گزارش ہے کہ جن حضرات نے ان کے معنی بیان کئے ہیں وہ تخمینی ہیں جو محض تمثیل و تنبیہ کے طور پر بیان فرمائے ہیں اور جو لوگ معنی کی نفی کرتے ہیں اور کچھ کہنے سے انکار کرتے ہیں وہ حقیقی معنی اور حقیقی مراد کا انکار کرتے ہیں لہٰذا بیان کرنے والوں اور خدا کے سپرد کرنے والوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی نے اپنی تفسیر عزیزی میں ان حروف کی تحقیق کے بارے میں قدمائے مفسرین کے سولہ اقوال نقل کئے ہیں واللہ تعالیٰ اعلم بمرادہ۔ اور یہ جو فرمایا کہ اس کتاب میں شک کی ذرا سی بھی گنجائش نہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حقیقۃً واقعہ کے اعتبار سے تو اس میں شک کی گنجائش ہے نہیں لیکن اگر کوئی اپنے تعصب اور سوئے فہم کی وجہ سے اس میں شکوک و شبہات پیدا کرے تو ایسے لوگوں کے شک سے اصل حقیقت پر کوئی اثر نہیں پڑتا (باقی ضمیمہ میں)
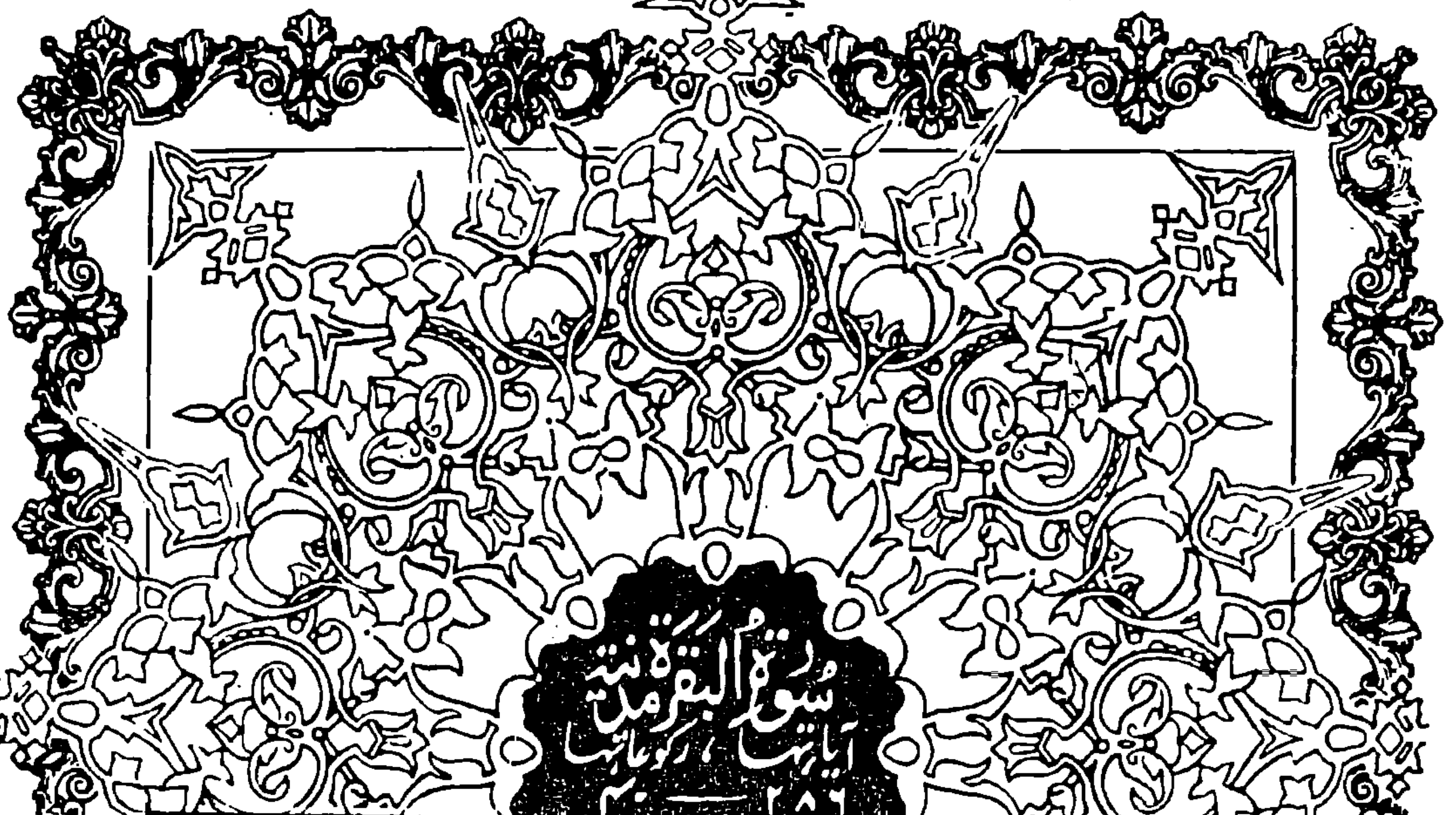
سُورَةُ الْبَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ

آیاتها ۲۸۶ — رکوعاتها ۴۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے انتہا مہربان نہایت رحم والا ہے

الٓمّٓ ﴿۱﴾ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ

الم یہ کتاب ایسی ہے جس میں ذرا شک نہیں

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۲﴾ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ

خدا سے ڈرنے والوں کی رہنمائی کرتی ہے ف۱ وہ ڈرنے والے وہ ہیں جو غیب کی باتوں پر

بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا

یقین لاتے ہیں اور نماز کو قائم رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو

رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳﴾ وَالَّذِيْنَ

دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں یعنی نیک کاموں میں اور وہ لوگ ایسے ہیں

يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ

جو اس کتاب پر جو آپ کی طرف نازل کی گئی ہے یقین رکھتے ہیں اور ان کتابوں پر بھی

مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ﴿۴﴾

جو آپ سے پہلے نازل ہو چکی ہیں اور وہ لوگ آخرت پر بھی یقین رکھتے ہیں ف۲

ف۱ یہی مذکورہ حضرات وہ لوگ ہیں جو اس ہدایت پر قائم ہیں جو ان کے رب کی جانب سے ان کو عطا ہوئی ہے اور یہی وہ لوگ ہیں جو حقیقی مراد اور فلاح پانے والے ہیں (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کا اوپر ذکر ہوا ہے خواہ وہ کفارِ مکہ میں سے ایمان لائے ہوں یا اہلِ کتاب میں سے مسلمان ہوئے ہوں بہرحال وہ صفاتِ مذکورہ سے متصف ہوں تو ان کو یہ بشارت ہے کہ وہ دنیا میں بھی ہر قسم کی ہدایت سے بہرہ مند ہیں اور آخرت میں بھی وہ پورے پورے کامیاب ہونیوالے ہیں۔ فلاح کے معنی کسی چیز کو پھاڑنا۔ یا توڑنا۔ اور کھولنا وغیرہ ہے۔ یہاں مراد یہ ہے کہ ایسے لوگوں پر کامیابی کے دروازے کھل جاتے ہیں اور یہ لوگ اپنے مقصد میں کامیاب اور فائز المرام ہونے والے ہیں۔ یعنی جہنم سے بچکر جنت میں داخل ہونیوالے ہیں ھدی للمتقین سے لیکر یہاں تک ایمان داروں کا ذکر تھا آگے دو آیتوں میں کافروں کا ذکر ہے (تسہیل) ف۲ بلاشبہ جو لوگ کفر اور انکار کے عادی اور خوگر ہو چکے ان کو خواہ آپ ڈرائیں یا نہ ڈرائیں ان کے حق میں دونوں باتیں برابر ہیں وہ ایمان نہیں لائیں گے (تیسیر) اس آیت میں یا تو مخصوص کافر مراد ہیں جیسے ابوجہل، ابولہب، ولید بن مغیرہ اور احبار یہود وغیرہ یا یہ آیت عام ہے اگر دوسری صورت مراد لی جائے تو وہ کافر جو بعد میں مسلمان ہوئے وہ خاص ہوں گے اور آیت کے مصداق صرف وہی کافر ہوں گے جو اپنے کفر پر مُصِر اور ضدی اور ہٹ دھرم تھے اور جو لوگ ایسے نہیں تھے وہ اس آیت میں داخل نہیں ہوں گے۔ ہم نے ترجمہ میں دونوں معنی کی رعایت رکھی ہے یہ جو فرمایا کہ آپ کا ڈرانا یا نہ ڈرانا ان کے حق میں برابر ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ ان کو تبلیغ کرنا چھوڑ دیں بلکہ آپ ان کو برابر تبلیغ کرتے رہیں کیونکہ آپ کو تبلیغ کا اجر و ثواب ملے گا اور آپ اپنی تبلیغی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو سکیں گے اسی لئے یوں فرمایا کہ ڈرانا یا نہ ڈرانا ان کے حق میں برابر ہے یوں نہیں فرمایا کہ آپکے حق میں برابر ہے۔ کفر کے اصلی معنی تو پردے کے اور کسی نعمت کو چھپانے کے ہیں لیکن شریعت میں ان چیزوں میں سے کسی چیز کے انکار کو کفر کہتے ہیں جن چیزوں کو لیکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تشریف لانا یقینی طور پر معلوم ہو چکا ہے اسی شرعی اور لغوی مناسبت کی وجہ سے قرآن میں کفر کے بہت سے معنی میں استعمال ہوا ہے مثلاً ناسپاسی۔ کفرانِ نعمت۔ ناقدری بیزاری۔ منافقت۔ جان بوجھ کر دینِ حق کا اعتراف نہ کرنا۔ دل سے ٹھیک سمجھنا مگر زبان سے نہ کہنا۔ دشمنی اور عناد سے کفر پر اڑے رہنا وغیرہ وغیرہ اور یہ جو فرمایا کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس فرمانے کے بعد وہ معذور یا مجبور ہو گئے اور اب اُن سے ایمان لانیکا حکم اٹھ گیا بلکہ وہ اس فرمانے اور عدم ایمان کی اطلاع دینے کے بعد بھی اسی طرح ایمان کے مکلف ہیں جس طرح پہلے تھے کیونکہ حضرت حق تعالیٰ کا ان کے ایمان نہ لانے کی اطلاع دینا ایسا ہی ہے جیسے کوئی طبیب حاذق ایک دیرینہ اور پرانے مریض کی بابت یہ کہے کہ یہ شخص صحتیاب نہ ہوگا اور یہ اس مرض میں مر جائیگا (الہ) ہی خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ان مخصوص کافروں کی موت اسی کفر کے مرض میں آئے گی اور ان کو روحانی صحت یعنی ایمان کا منہ دیکھنا نصیب نہ ہوگا اس ارشاد کا یہ مطلب نہیں کہ اب یہ حکم کے مکلف ہی نہیں رہے یا یہ معذور سمجھ کر قیامت میں چھوڑ دیتے جائیںگے (تسہیل) ف۳ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر مہر کردی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لئے بہت بڑی سزا ہے (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ جس طرح ظاہری بدپرہیزی اور عدم احتیاط کے باعث انسانی جسم مختلف امراض میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ یا مریض کے مرض میں اضافہ ہو جاتا ہے اسی طرح ایک انسان کی بداعمالی اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی مخالفت انسان کو روحانی امراض میں مبتلا کر دیتی ہے یا روحانی مریض کے مرض میں اضافہ کا موجب ہو جاتی ہے۔ مثلاً ایک شخص نے ترشی کا استعمال کیا اور اس کو زکام ہو گیا۔ طبیب نے اس کو دوا بتائی اور پرہیزی کی تاکید کی لیکن وہ برابر بدپرہیزی کرتا رہا اور اس نے دوا استعمال نہیں کی یہاں تک کہ زکام بگڑ گیا اور بخار رہنے لگا پھر بھی وہ اپنی بدپرہیزی سے باز نہ آیا پھر مرض اور بڑھا یہاں تک کہ اس کو دق ہو گئی لیکن وہ کھانے پینے میں برابر بے احتیاطی کرتا چلا گیا اور باوجود اطباء کے سمجھانے اور تیمارداروں کی درخواست کے وہ اپنی بدپرہیزی اور بے احتیاطی میں بڑھتا چلا گیا (باقی ضمیمہ میں)

أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ⑤

بس یہی لوگ اس صحیح راہ پر ہیں جو ان کو ان کے رب کی جانب سے ملی ہے اور یہی لوگ ہیں جو فلاح پانیوالے ف۱

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ

بیشک جو لوگ انکار کے خوگر ہو چکے اُن کے حق میں برابر ہے خواہ آپ اُن کو ڈرائیں یا نہ

تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ⑥ خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَ

ڈرائیں وہ ایمان نہیں لائیں گے ف۲ اللہ تعالیٰ نے مُہر کر دی ہے اُن کے دلوں پر اور

عَلَىٰ سَمْعِهِمْ ۖ وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ

اُن کے کانوں پر اور اُن کی آنکھوں پر پردہ ہے اور اُن کے لئے

عَظِيمٌ ⑦ ع وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَ

بڑا عذاب ہے ف۳ اور لوگوں میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ پر اور

بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَا هُم بِمُؤْمِنِينَ ⑧ يُخَادِعُونَ اللَّهَ

قیامت کے دن پر حالانکہ وہ مومن نہیں ہیں وہ دھوکہ بازی کرتے ہیں اللہ سے

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَمَا يَخْدَعُونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ وَمَا

اور ایمان والوں سے اور اصل میں وہ کسی کو دھوکہ نہیں دیتے مگر اپنے ہی آپ کو اور وہ اس کا

يَشْعُرُونَ ⑨ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا ۖ

احساس نہیں رکھتے۔ ان لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے پھر اللہ نے انکی بیماری اور بڑھا دی

وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ ⑩ وَإِذَا قِيلَ

اور ان کیلئے دردناک عذاب ہے اسوجہ سے کہ وہ جھوٹ کہتے تھے یعنی اسلام کا جھوٹا اظہار ف۴ اور جب ان منافقوں سے

لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ قَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ

کہا جاتا ہے کہ ملک میں فساد برپا نہ کرو تو کہتے ہیں ہم تو بس اصلاح ہی

مُصْلِحُونَ ⑪ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ وَلَٰكِن

کرنیوالے ہیں۔ یاد رکھو! وہی لوگ ہیں فساد کرنیوالے لیکن وہ اس کا

وقف لازم
ع ۱

ف اور جب ان منافقوں سے کہا جاتا ہے کہ تم اسی طرح ایمان لاؤ جس طرح دوسرے مخلص اور کامل انسان ایمان لائے ہیں تو یہ جواب دیتے ہیں کیا ہم بھی اسی طرح ایمان لائیں جس طرح کم عقل اور بیوقوف لوگ ایمان لائے ہیں آگاہ رہو کہ یہ منافق خود ہی بے وقوف ہیں مگر یہ اپنی بیوقوفی سے واقف نہیں ہیں اور یہ منافق جب مسلمانوں سے ملاقات کرتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان دار ہیں اور جب خلوت و تنہائی میں اپنے سرداروں کے پاس جمع ہوتے ہیں تو ان کو اپنی معیت کا یقین دلاتے ہیں اور کہتے ہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں مسلمانوں سے تو ہم صرف ہنسی اور مذاق کیا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان منافقوں کو ان کے مذاق کی سزا دے رہا ہے اور ان کو ان کی شرارت اور سرکشی میں اس طور سے بڑھاتا ہے کہ وہ حیران و سرگرداں پھر رہے ہیں (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ ان منافقوں کی دورخی پالیسی کا یہ حال ہے کہ جب ان سے ایمان لانے کو کہا جائے تو ان کا جواب یہ ہوتا ہے کہ مخلص مسلمانوں کو بے وقوف اور کم عقل کہیں اور جب مسلمانوں کے سامنے پڑجائیں تو اپنے ایمان کا اقرار اور اعتراف کریں اور جب اپنے سرداروں اور چودھریوں کے پاس تخلیہ میں جائیں تو کہیں ہم سب تمہارے موافق ہیں ہم تو مسلمانوں کو جھانسہ دے رہے ہیں اور ان سے دل لگی کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے مقابلہ میں استہزا کا لفظ فرمایا حالانکہ وہ استہزا سے پاک اور منزہ ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے تھانے دار جواریوں اور قماربازوں سے کہے میں بھی آج تمہارے ساتھ جوا کھیلوں گا یا آج میں تم کو جوا کھلاؤں گا تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ واقعی تھانہ دار جوے میں شرکت کرے گا بلکہ اس کہنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ میں آج تم سب کو گرفتار کروں گا اور اس جوئے کا تم کو مزہ چکھاؤں گا یہاں بھی اللہ تعالیٰ کے استہزا سے یہی مراد ہے۔ ہر گناہ کی سزا گناہ کی ہم شکل اور ہر نیکی کا صلہ اس نیکی کے مماثل ہوا کرتا ہے اسی مماثلت کی وجہ سے استہزا کی سزا کو بھی لفظ استہزا سے تعبیر فرمایا ہے اللہ تعالیٰ کا استہزا یہی ہے کہ وہ منافقین کی رسی دراز کر رہا ہے اور یہ اس ڈھیل کو کامیابی سمجھ رہے ہیں وہ ان کو ان کی سرکشی اور طغیان میں بڑھا رہا ہے اور ان کو آئندہ رسواکن نتائج کی کچھ خبر نہیں جو عنقریب پیش آنے والے ہیں آخرت میں بعض گنہگاروں کے ساتھ یہ سلوک کیا جائیگا کہ جہنم میں ان کو ایسا معلوم ہوگا کہ دوزخ کا دروازہ کھلا ہوا ہے وہ بھاگ کر جائیں گے کہ باہر نکل جائیں لیکن جب دروازے کے قریب پہنچیں گے تو اس کو بند پائیں گے ان کیساتھ بار بار یہی سلوک ہوگا اور یہ بار بار شرمندہ ہو کر واپس ہوں گے ہو سکتا ہے کہ یہ سلوک منافقوں کیساتھ کیا جائے اور یہ ان کے اس استہزا کی سزا ہو جو وہ دنیا میں مسلمانوں کے ساتھ کیا کرتے تھے جس طرح آنکھوں کے اندھے کے لئے عمی ہے اسی طرح عقل کے اندھے کیلئے عمہ ہے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے یعمھون کا ترجمہ اسی لئے عقل کے اندھے ہیں فرمایا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح آنکھوں کا اندھا ٹھوکریں کھاتا پھرتا ہے اسی طرح عقل کے اندھے کوئی آخری اور صحیح رائے قائم نہیں کر سکتے اور حیران و سرگرداں پڑے پھرتے ہیں یہی حالت ان منافقین کی ہے اور اسی حال میں ان کو ان کی شرارتوں اور طغیان و سرکشی میں بڑھایا جا رہا ہے۔ فائدہ۔ منافقوں کا یہ قول کہ ہم بھی کیا بیوقوفوں کی طرح ایمان لے آئیں یہ غالباً اپنے سرداروں سے کہتے ہوں گے یا اپنے دل میں کہتے ہوں گے یا آپس میں ایک دوسرے سے کہتے ہوں گے (تسہیل)

لَا يَشْعُرُونَ ﴿١٢﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ

شعور نہیں رکھتے ف اور جب ان منافقوں سے کہا جاتا ہے کہ تم بھی ایمان لے آؤ جیسا اور سب لوگ ایمان

قَالُوا أَنُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ ۗ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ

لائے ہیں تو یہ کہتے ہیں کیا ہم اس طرح ایمان لے آئیں جس طرح یہ بیوقوف لوگ ایمان لائے ہیں۔ یاد رکھو! بیشک یہی لوگ

السُّفَهَاءُ وَلَٰكِن لَّا يَعْلَمُونَ ﴿١٣﴾ وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ

بے وقوف ہیں لیکن وہ جانتے نہیں اور وہ منافق جب اہل ایمان سے ملتے ہیں

آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا ۚ وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شَيَاطِينِهِمْ قَالُوا

تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے اور جب تنہائی میں اپنے شیطانوں یعنی سرداروں کے پاس ہوتے ہیں تو کہتے ہیں

إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِئُونَ ﴿١٤﴾ اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ

بلاشبہ ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم تو صرف مذاق کیا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اُن کو اُن کے مذاق کا بدلہ

بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿١٥﴾ أُولَٰئِكَ

دیتا ہے اور اُن کو اُن کی سرکشی میں بڑھاتا ہے اور اُن کی حالت یہ ہے کہ وہ متحیر و متردد ہیں یعنی صحیح رائے نہیں قائم کر سکتے۔ ف یہ لوگ

الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ فَمَا رَبِحَت

وہی ہیں جنھوں نے ہدایت کی بجائے گمراہی خرید لی سو نہ تو اُن کی یہ

تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ﴿١٦﴾ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ

تجارت سود مند ہوئی اور نہ وہ راہ یافتہ ہوئے۔ ف ان منافقوں کی مثال ایسی ہے جیسے

الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ

ایک گروہ نے آگ جلائی پھر جب آگ نے اس گروہ کے آس پاس کی چیزوں کو روشن کر دیا تو اللہ نے اُن کی روشنی

اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَّا يُبْصِرُونَ ﴿١٧﴾

زائل کر دی اور ان کو سخت اندھیروں میں اس طور پر چھوڑ دیا کہ وہ کچھ نہیں دیکھتے

صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ﴿١٨﴾ أَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ

وہ بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں سو وہ واپس نہیں ہوں گے یعنی گمراہی سے ف یا ان منافقوں کی ایسی مثال جیسے

ف یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے صحیح راہ کو چھوڑ کر گمراہی اور کج روی اختیار کرلی نتیجہ یہ ہوا کہ نہ تو ان کی یہ تجارت اور کاروبار کچھ سود مند ثابت ہوا اور نہ وہ راہ یافتہ ہو کر رہے (تیسیر) بیع اور شرا کی اصل تو یہ ہے کہ جو شخص مال دیکر کوئی چیز خریدے تو خریدنے والے کو مشتری اور فروخت کرنیوالے کو بائع کہتے ہیں لیکن کثرتِ استعمال کی وجہ سے معنی میں توسیع ہو گئی اور اب اشیا دیکر اشیاء کے حاصل کرنے کو بھی بیع شرا کہتے ہیں حتیٰ کہ دو چیزوں میں سے ایک چیز کو بے رغبتی سے چھوڑ کر دوسری چیز کو رغبت کے ساتھ اختیار کرلینے پر بھی بیع شرا بولتے ہیں۔ قرآن میں عام طور سے انسانی زندگی کے لئے اور اس کے نیک و بد اعمال کیلئے تجارتی اصطلاح استعمال کی گئی ہے یوں سمجھنا چاہئے کہ انسانی زندگی ہر انسان کا ایک سرمایہ ہے اسے اگر اچھے کام میں لگا دیا تو نفع کمائیگا اور اگر کسی بدبخت نے اپنی زندگی کے راس المال اور سرمایہ کو برے کام میں خرچ کر دیا تو اس کو گھاٹا ہوگا اور وہ دیوالیہ ہو جائیگا گویا برے کام کرنیوالے نے اپنے سرمایہ سے نقصان اور گھاٹے کا مال خریدا (باقی ضمیمہ میں)

السَّمَآءِ فِيهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ ۚ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ

جیسے آسمان سے زور کی بارش ہورہی ہو اس میں مختلف قسم کی اندھیریاں ہوں اور کڑک اور چمک بھی ہو وہ لوگ کڑک کے مارے موت کے ڈر سے

فِيْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۭ وَاللّٰهُ

اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونسے لیتے ہیں اور اللہ نے

مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ⑲ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ ۭ

گھیرے میں لے رکھا ہے منکروں کو۔ قریب ہے کہ بجلی کی چمک ان کی بینائی کو اچک لے

كُلَّمَآ اَضَاۗءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ ڎ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا ۭ

جہاں ذرا بجلی نے ان کیلئے روشنی کردی تو وہ اس روشنی میں چلنے لگے اور جب ان پر تاریکی ہوئی تو کھڑے رہ گئے

وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ

اور اگر اللہ چاہتا تو ان کے کان اور آنکھوں کو سلب کرلیتا بے شک اللہ

عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑳ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ

ہر شئی پر قادر ہے ف اے لوگو! اپنے اس پروردگار کی عبادت کرو جس نے

الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ؀ ۝۲۱

تم کو پیدا کیا اور تم سے پہلے لوگوں کو بھی عجب نہیں کہ تم محفوظ رہو یعنی عذاب سے

الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَاۗءَ بِنَاۗءً ۠ وَّ

وہ پروردگار ایسا ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا اور

اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا

آسمان سے پانی اُتارا پھر تمہارے کھانے کو اس پانی کے ذریعہ سے پھل پیدا کئے

لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ؀ ۝۲۲ وَاِنْ

سو اب تم اللہ کے شریک اور ہمسر نہ بناؤ حالانکہ تم خوب جانتے بوجھتے ہو۔ ف اور اگر واقعی

كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰي عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ

تم اس کتاب کی نسبت جو ہم نے اپنے خاص بندے یعنی محمد پر نازل کی ہے کچھ شک ہو تو تم اس جیسی ایک چھوٹی سی سورت ہی

ف یا ان منافقوں کی مثال ایسی ہے جیسے آسمان سے زور کا مینہ پڑ رہا ہو اُس میں مختلف قسم کی تاریکیاں اور اندھیرے ہوں اور سخت کڑک چمک بھی ہو رہی ہو اُس زور کی بارش میں جو لوگ چل رہے ہوں اُن کی حالت یہ ہو کہ وہ کڑک کی آواز سے اپنی انگلیاں موت کے خوف سے اپنے کانوں میں گھسائے لیتے ہوں اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کو ہر طرف سے اپنے علم وقدرت کے احاطہ میں لے رکھا ہے۔ بجلی کی چمک کا یہ عالم ہے کہ وہ ان کی بصارت کو اور بینائی کو اُچکے لیتی ہے جہاں ذرا بجلی نے چمک کر ان پر روشنی کر دی تو اس روشنی میں چلنے لگے اور جب اُن پر اندھیرا ہوگیا تو کھڑے رہ گئے اور اگر اللہ تعالیٰ ان کے کانوں اور ان کی آنکھوں کو سلب کرنا چاہتا تو یقیناً ان کے کان اور ان کی آنکھوں کو سلب کرلیتا اور یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ تمام اشیا پر پوری طرح قادر ہے (تیسیر) پہلی مثال سخت متعصب اور کٹر قسم کے منافقوں کی تھی جو روشنی سے بالکل ہی محروم تھے دوسری مثال ہلکے قسم کے منافقین کی ہے جو کبھی روشنی محسوس کرتے ہیں تو دو چار قدم چل لیتے ہیں اور دین حق کا نور دیکھ کر اسلام کی جانب کچھ مائل ہوجاتے ہیں پھر احکام شرعیہ کی پابندی اور تہدید وتخویف اور منہیات سے پرہیز وغیرہ کو دیکھ کر اپنی ذاتی اغراض اور نفسانی خواہشات کی وجہ سے کفر وضلالت کی تاریکیوں میں حیرت زدہ بن کر کھڑے رہ جاتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے سب کافروں کو اپنی قدرت کے گھیرے میں لے رکھا ہے نہ یہ اُس کے احاطۂ علمی سے باہر نکل سکتے ہیں اور نہ ان کی تدبیریں اور حیلہ سازیاں آگے بڑھ سکتی ہیں ان مثالوں میں جو رعایتیں اور استعارے رکھے ہیں اُن سے اہل علم حضرات ہی خوب واقف ہیں۔ دین حق ایک زور کی بارش ہے جو انسانوں کو ہر قسم کی آرائشوں سے پاک کردیتی ہے اُس کی بشارتیں نور ہیں اور اُس کی وعیدیں ہولناک ہیں دنیا کے انسان مختلف تاریکیوں میں مبتلا ہیں شلارات کا اندھیرا۔ بادل کی تاریکی، اور لگاتار بارش کا اندھیرا۔ اسی طرح بدقسمت انسان۔ کفر وشرک بدعت وگمراہی اور اسلام دشمنی کی تاریکیوں میں مبتلا ہیں۔ اسلام کی نورانی ترقیاں اور اس کی ہمہ گیر روشنیاں قریب ہے کہ دشمنان دین کی آنکھوں کو خیرہ کردیں اور ان کی بینائی کو بیکار کردیں۔ دنیوی لالچ سے پیش نظر یہ منافق کوئی قدم بڑھاتے بھی ہیں تو پھر ٹھٹک کر رہ جاتے ہیں اگر اللہ کو منظور ہوتا تو ان کی آنکھوں کو اور ان کی قوت سماع کو بالکل ہی زائل کردیتا کیوں کہ اللہ تعالیٰ تمام اشیاء ممکنہ پر پوری قدرت اور پورا اختیار رکھتا ہے۔ یہاں تک تین قسم کے انسانوں کا ذکر فرمایا۔ مخلص اہل ایمان۔ کھلے کافر۔ اور منافق ان تینوں قسموں کا ذکر کرنے کے بعد تمام بنی نوع انسانی کو عام طور سے ایمان واسلام کی دعوت دیتے ہیں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ عقائد کے سلسلے میں قرآن کے پیش نظر چند اہم چیزیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا وجود توحید۔ شرک کے مفاسد، رسالت اور کتب سماویہ پر ایمان۔ قرآن کی حقانیت اور اس کی صداقت پر ایمان۔ قیامت اور مرنے کے بعد زندہ ہونے پر ایمان۔ حشر ونشر حساب وکتاب اور ثواب وعذاب پر ایمان۔ یہ چند چیزیں وہ ہیں جن میں تمام دنیا کے منکر ایک طرف ہیں اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اُن کے متبعین دوسری طرف ہیں ورنہ اسلام کی بہت سی خوبیاں وہ ہیں جس کا وہ لوگ بھی اعتراف کرتے ہیں جو آسمانی شریعت پر ایمان نہیں رکھتے اس لئے قرآن نے بار بار مختلف عنوانات اور مختلف دلائل کے ساتھ اُن مخصوص چیزوں پر بحث کی ہے جن کے ماننے سے دنیا آج بھی انکار کرتی ہے۔ قرآن نے اپنے تمام دعاوی پر نہایت ہی معقول دلائل پیش کئے ہیں بلکہ قرآن کی یہ خصوصیت ہے کہ اُس کا کوئی بھی دعویٰ بلا دلیل کے نہیں ہوتا کبھی دلیل دعویٰ کے ساتھ ہی ہوتی ہے اور کبھی کچھ آگے چل کر دلیل ذکر کی جاتی ہے۔ اگر اس تقریر کو محفوظ رکھا گیا تو مجھے خدا کے فضل وکرم سے توقع ہے کہ قرآن کا بہت بڑا حصہ سمجھنے میں آسانی ہوجائے گی حضرت شاہ صاحبؒ ان تمثیلات کے متعلق موضح القرآن میں فرماتے ہیں یعنی دین اسلام میں آخر سب نعمت ہے اور اول کچھ محنت ہے جیسے مینہ آخر اسی سے آبادی ہے اور اول کڑک ہے اور بجلی ہے جو منافق ہیں وہ اول کی سختی سے ڈر جاتے ہیں اور اُن کو آفت سامنے آتی ہے اور جیسے بجلی میں کبھی اجالا ہے اور کبھی اندھیرا ہے (باقی ضمیمہ میں)

مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ

بنا کر لے آؤ اور تم اللہ کے سوا اپنے تمام مددگاروں کو بُلا لو اگر تم

صٰدِقِيْنَ ﴿٢٣﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ

سچے ہو پھر اگر تم نے ایسا نہ کیا اور تم یقیناً ہرگز ایسا نہ کر سکو گے تو پھر اس آگ سے ڈرتے

الَّتِىْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۚ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿٢٤﴾

رہو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں وہ آگ منکروں کے لئے تیار کی جا چکی ہے ف١

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ

اور اے پیغمبر آپ اُن لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے یہ خوشخبری سُنا دیجئے کہ ان کے رہنے کے لئے باغ ہیں

تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ

جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں جب کبھی ان باغوں کا کوئی پھل انھیں کھانے کو

رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِىْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ

دیا جائیگا تو وہ ہر دفعہ کہیں گے کہ یہ تو وہی ہے جو اس سے پہلے دیا جا چکا ہے اور ان کو دیئے بھی جائیں گے پھل

مُتَشَابِهًا ۭ وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ڎ وَّهُمْ فِيْهَا

ایک دوسرے سے صورت میں ملتے جلتے اور ان کیلئے ان باغوں میں پاکیزہ عورتیں ہوں گی اور وہ لوگ ان باغوں میں

خٰلِدُوْنَ ﴿٢٥﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْىٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا

ہمیشہ رہیں گے ف٢ ہاں واقعی اللہ تعالیٰ اس بات سے نہیں شرماتا کہ وہ کوئی مثال بیان کرے خواہ

بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ۭ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ

وہ مچھر کی ہو یا اس سے بڑھ کر کسی چیز کی ہو تو جو لوگ صاحب ایمان ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ

الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ

وہ مثال ان کے رب کی جانب سے بالکل ٹھیک یعنی با موقع ہے اور رہے وہ لوگ جو منکر ہیں سو خواہ کچھ ہو جائے وہ یہی کہیں گے آخر

اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِىْ بِهٖ

اس مثال سے اللہ کا مقصد کیا ہے اللہ تعالیٰ اس مثال کی وجہ سے بہتوں کو گمراہ کر دیتا ہے اور اسی مثال سے بہت سوں کو

ف١ اور اگر تم کو اس کتاب کے بارے میں جو ہم نے اپنے خاص بندے محمد پر نازل فرمائی ہے کچھ شک و شبہ ہو کہ یہ ہم نے نازل نہیں کی بلکہ اس کتاب کو ہمارے بندے نے بنایا ہے تو تم اس کی شل ایک چھوٹی سی سورت ہی بنا کر لے آؤ اور تم اللہ تعالیٰ کے سوا اپنے تمام مددگاروں اور حمایتیوں کو بُلا لو اگر تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو۔ پھر اگر تم نے ایسا نہ کیا اور اس کتاب کی مثل کوئی چھوٹی سی سورت باوجود اپنے حمایتیوں کے بنا کر نہ لائے اور ہم کہتے ہیں کہ تم اس قرآن کا جواب بنا کر لا بھی نہ سکو گے تو پھر اس آگ سے بچنے کی فکر کرو جس آگ کا ایندھن بجائے لکڑی اور کوئلے کے آدمی اور پتھر ہیں۔ اور وہ آگ کافروں اور دین حق کے منکروں کے لئے تیار کی جا چکی ہے (تیسیر) ریب اصل میں نفس کے اضطراب اور قلق کو کہتے ہیں اور ظاہر ہے کہ جب دل میں اضطراب اور قلق ہوتا ہے تو طبیعت کسی ایک بات پر نہیں ٹھکتی اور اسی کو شک کہتے ہیں۔ ہم نے ابتدا میں بتایا تھا کہ کسی چیز میں شک کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں ایک تو یہ کہ اُس چیز میں واقعۃً شک ہو دوسرے یہ کہ کوئی شخص اپنی عقل کی کوتاہی اور ضد سے شک کرے۔ چنانچہ لاریب فیہ میں پہلی صورت کی نفی تھی اب اس دوسری صورت کی نفی فرماتے ہیں کہ اگر تم کو واقعی اس کتاب کے منجانب اللہ ہونے میں شک ہے اور تم اس قرآن کو محمدؐ کا خود ساختہ کلام سمجھتے ہو تو تم بھی اس قرآن کی مثل ایک مختصر ٹکڑا اور چھوٹی سی سورت بنا لاؤ جو فصاحت وبلاغت اور پند ونصائح اور تاریخ امم ماضیہ اور غیب کی خبروں وغیرہ میں اس قرآن جیسی ہو آخر تم لوگ بھی عربی ہو عرب کے رہنے والے ہو عربی زبان سے واقف ہو پھر ہم تمہارے ساتھ اتنی رعایت اور کرتے ہیں کہ تم اپنے مددگاروں کو بھی بُلا لو اور تم سب مل کر ہمارے اس مطالبہ اور تحدی کا جواب دو شہید کے بہت سے معنی ہیں مجلس کا حاضر باش۔ مددگار۔ گواہ۔ امام۔ مقتول فی سبیل اللہ وغیرہ۔ اس آیت میں شہداء سے مراد حمایتی اور اہل مجلس ہیں اور ہو سکتا ہے کہ معبودان باطلہ مراد ہوں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ گواہ مراد ہوں تاکہ وہ یہ گواہی دیں کہ کفار مکہ جو جواب بنا کر لائے ہیں وہ واقعی قرآن کا جواب ہے اور یہ جو فرمایا من دون اللہ تو دُون کے اصل معنی تو قریب کے ہیں لیکن اس کے معنی میں توسیع ہو گئی ہے۔ اب اس کے معنی ایک حد سے دوسری حد تک تجاوز کرنے کے آتے ہیں جیسا کہ تیسرے پارے میں ارشاد فرمایا ہے لا یتخذ المؤمنون الکافرین اولیاء من دون المؤمنین یعنی مسلمانوں کی موالاۃ اور دوستی سے کافروں کی دوستی کی طرف تجاوز نہ کرو یہاں بھی یہی مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ باقی اپنے سب شہداء کو دعوت دیدو۔ اگر تم سچے ہو۔ پھر بطور پیشین گوئی کے فرماتے ہیں اگر تم نے ایسا نہ کیا اور چھوٹی سی سورت اس قرآن کی شل نہ لائے اور تم لا بھی نہ سکو گے تو پھر اُس آگ سے بچو جس کا ایندھن آدمی پتھر ہیں جیسا کہ سورۂ انبیاء میں فرمایا انکم وما تعبدون من دون اللہ حصب جھنم یعنی تم اور تمہارے وہ معبود جن کو تم خدا کے سوا پوجتے ہو سب دوزخ کا ایندھن ہیں وقود اُس چیز کو کہتے ہیں جو آگ بھڑکانے کے لئے آگ میں ڈالی جائے۔ جن بتوں کو یہ پُوجا کرتے تھے وہ عام طور سے پتھر کے ہوتے تھے اس لئے ان بتوں کو بھی ان پجاریوں کے ساتھ جہنم میں جھونکا جائے گا۔ تاکہ مشرکوں کو مزید عبرت ہو کہ یہ کیسے کمزور اور ذلیل معبود تھے کہ ہم کو تو کیا عذاب سے بچاتے خود بھی اُسی عذاب میں مبتلا ہیں جس میں ہم گرفتار ہیں۔ وہ آگ کافروں کے لئے تیار کی جا چکی ہے جیسا کہ محققین کا مسلک ہے کہ جنت و دوزخ اس وقت موجود ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب قرآن کا جواب تمام دنیا کے کافر کر نہیں دے سکتے اور سب عاجز ہیں تو یہ قرآن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ایسا معجزہ ہے جو قیامت تک جاری رہنے والا ہے پھر آپ کے رسول برحق ہونے میں اور قرآن کے منجانب اللہ ہونے میں کون سے شک اور تردد کی گنجائش باقی ہے پھر اگر اس صاف دلیل اور واضح حجت کے بعد بھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور قرآن کی صداقت کے منکر ہوتے ہو تو پھر اس عذاب سے ڈرو جو کافروں کے لئے تیار کیا جا چکا ہے۔ یہ انجام تھا نہ ماننے والوں کا اب آگے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور قرآن کی حقانیت کو تسلیم کرنے والوں اور ان کے حکم کی تعمیل کرنے والوں کو اپنے پیغمبر کی معرفت بشارت اور خوش خبری دیتے ہیں تنبیہ آیت وان کنتم فی ریب میں من مثلہ کی ضمیر (باقی ضمیمہ میں)

كَثِيرًا وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ ﴿٢٦﴾ الَّذِينَ يَنقُضُونَ

راہ پر لے آتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس مثال سے کسی کو گمراہ نہیں کرتا مگر صرف نافرمانوں کو۔ وہ نافرمان وہ ہیں جو اللہ سے عہد

عَهْدَ اللَّهِ مِن بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ

کو مضبوط کرنیکے بعد عہد شکنی کرتے ہیں اور وہ ان تعلقات کو توڑتے ہیں جن کے جوڑنے کا

بِهِ أَن يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ

اللہ نے حکم دیا ہے اور وہ ملک میں فساد برپا کرتے رہتے ہیں بس یہی لوگ ہیں

الْخَاسِرُونَ ﴿٢٧﴾ كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنتُمْ أَمْوَاتًا

پورا نقصان اٹھانے والے بھلا تم اللہ تعالیٰ سے کیوں کر منکر ہو سکتے ہو حالانکہ تم بے جان

فَأَحْيَاكُمْ ۖ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٢٨﴾

تھے اس نے تم کو زندہ کیا پھر وہ تم کو موت دیگا پھر وہ تم کو دوبارہ جلائیگا پھر تم اسی کیطرف لوٹائے جاؤ گے

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ اسْتَوَىٰ

وہی ہے جس نے زمین کی تمام چیزوں کو تمہارے نفع کے لئے پیدا کیا پھر اُس نے آسمان کی جانب توجہ

إِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٢٩﴾

فرمائی یعنی اُن کے مکمل کرنیکا ارادہ کیا سو اُس نے انکو درست کرکے سات آسمان بنانے اور وہ ہر شیٔ سے باخبر ہے

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ

اور وہ واقعہ قابل ذکر ہے جب آپکے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ یقیناً میں زمین میں ایک نائب

خَلِيفَةً ۖ قَالُوا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَن يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ

بنانے والا ہوں فرشتوں نے کہا کیا آپ زمین میں ایسے شخص کو پیدا کریں گے جو اس میں فساد اور خونریزی

الدِّمَاءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۖ قَالَ

کرے یعنی اُس کی اولاد اور ہم آپ کی حمد و ثنا کے ساتھ تسبیح کرتے اور آپ کی پاکی بیان کرتے ہیں خدائے تعالیٰ نے فرمایا

إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٣٠﴾ وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ

میں اس بات کو جانتا ہوں جسکو تم نہیں جانتے اور اللہ نے تمام چیزوں کے نام آدم کو الہام کردیے پھر

ع ۹ / ۳

ف اور اللہ تعالیٰ اس مثال سے کسی کو گمراہ نہیں کرتا اور کسی کو گمراہی پر قائم رکھتا ہے مگر صرف ان لوگوں کو جو ایسے نافرمان و بدکردار ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اُس کے عہد کو مضبوط و مستحکم کرنے کے بعد عہد شکنی اور نقضِ عہد کے مرتکب ہوتے ہیں اور وہ اُن تعلقات کو توڑتے اور قطع کرتے ہیں جن کے ملانے اور جوڑنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور وہ زمین میں فساد برپا کرتے رہتے ہیں بس یہی لوگ حقیقی زیاں کار اور دیوالیے ہیں (تیسیر) ان آیتوں کا تعلق اوپر والی آیت سے ہے۔ ہر بحث میں یہ قاعدہ ہوتا ہے کہ مدعی اپنے دعوی پر دلیل پیش کرتا ہے اور اسی کے ساتھ مقابل کی دلیل کا بھی جواب دیتا ہے یعنی پہلے اللہ تعالیٰ نے قرآن کی صداقت اور اس کے منجانب اللہ ہونے پر ایک دلیل پیش کی جس کا جواب منکر نہیں دے سکتے اب منکرین کی اس دلیل کا جواب دیتے ہیں جو انھوں نے بطور معارضہ پیش کی تھی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ہم اس قرآن کے جواب میں کوئی چھوٹی سی سورت بھی اس جیسی نہیں لاسکتے لیکن اس قرآن میں بعض ایسی مثالیں بیان کی گئی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خدا کا کلام نہیں ہے اگر خدا کا کلام ہوتا تو اس میں ایسی حقیر اور ذلیل چیزوں کی مثالیں مذکور نہیں ہوتیں جیسے مچھر کی اور مکڑی کی اور مکھی کی مثالیں۔ حالانکہ کفار کا یہ معارضہ نہایت ہی بے موقع تھا اس لئے کہ مثال تو کسی دعوی یا دلیل وغیرہ کی توضیح کے لئے بیان کی جاتی ہے دیکھنے کی بات تو یہ ہوتی ہے کہ مثال سے ممثل لہٗ کی توضیح ہوئی یا نہیں عام اس سے کہ وہ مثال خواہ کتنی ہی حقیر اور ذلیل ہو یا کتنی ہی بڑھیا اور اعلیٰ درجہ کی ہو اور یہ طریقہ مثال دینے کا اللہ تعالیٰ کی شانِ ارفع و اعلیٰ کے کچھ منافی بھی نہیں اس لئے کہ یہ طریقہ سب بڑے چھوٹوں کے کلام میں شائع اور رائج ہے اس میں کوئی شرم یا ننگ و عار کی بات نہیں کہ اللہ تعالیٰ مچھر کی مثال بیان فرمائے یا اس سے کسی بڑی چیز مکڑی اور مکھی کی مثال بیان فرمائے۔ شرم کی نفی کرنے کے بعد مثال کے نتائج کے لئے ذکر فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ جو مثال بھی بیان فرماتا ہے اس کا ایک اثر تو اہلِ ایمان پر ہوتا ہے اور اس کا دوسرا اثر کفار اور فساق پر ہوتا ہے اہلِ ایمان تو اس مثال کو مناسب اور باموقع جانتے اور سمجھتے ہیں لیکن کافر یہی کہتے رہتے ہیں کہ اس مثال کے بیان کرنے سے اللہ کا ارادہ اور اس کی غرض کیا ہے وہ خدا کا کونسا مطلب ہے جو اس مثال سے وابستہ ہے۔ جس طرح بارش کا ایک اثر تو عمدہ زمین پر ہوتا ہے اور دوسرا ناقص اور شور زمین پر ہوتا ہے۔ ایک اچھی اور مقوی غذا کا ایک اثر تو تندرست پر ہوتا ہے اور دوسرا اثر مریض پر ہوتا ہے ٹھیک وہی حالت یہاں ہے۔ لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ ہر شے کے خالق ہیں اس لئے گمراہ رکھنے کی نسبت اپنی طرف کی جیسے نمرود کے بارے میں ارشاد ہے حاجّ ابراھیم فی ربہ ان اٰتٰہ اللّٰہ الملک یعنی نمرود نے حضرت ابراہیم کے رب کے بارے میں محض اس وجہ سے کج بحثی شروع کردی کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو سلطنت عطا کی تھی حالانکہ نمرود کو سلطنت اس غرض کے لئے نہیں دی تھی لیکن اس کی خبیث طبیعت پر حکومت جیسی اچھی چیز کا اُلٹا اثر مرتب ہوا اسی طرح یہاں بھی حضرت حق نے اس مثال کے اثر کا ذکر فرمایا ہے کہ مثال کا اصل مقصد تو ممثل لہٗ کی توضیح تھی لیکن اس کا اثر ان بدبختوں پر یہ مرتب ہوا کہ اُلٹے اور گمراہ ہوگئے۔ اور ایک اچھی بات کا اُن کی بد اعمالی کی باعث ان کی طبیعتوں پر اُلٹا اثر نمایاں ہوا اس لئے فرمایا کہ بہت سوں کو اس مثال سے اللہ تعالیٰ گمراہ کر دیتا ہے اور گمراہی کے جراثیم جو ان میں پہلے سے موجود تھے اور قوی ہو جاتے ہیں اور بہت سوں کو ہدایت بخشتا اور اُن کی رہنمائی فرماتا ہے اور اُن کو یہ عمدہ غذا انگ لگتی ہے اور ان کی روحانیت اور ان کے ایمان کو مزید تقویت حاصل ہوتی ہے اسی سلسلے میں ان کے اُن امراض کا بھی ذکر کردیا جن امراض کے باعث دوا اور غذا کا اثر مضرت رساں ہوا چنانچہ فرماتے ہیں کہ یہ معاملہ صرف اُنہی لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے جو نافرمان ہیں۔ فسق کے اصل معنی تو حدِ اعتدال سے نکل جانے کے ہیں لیکن شرعی اصطلاح میں فاسق اس کو کہتے ہیں جو کبائر کا مرتکب ہو اور احکام الٰہی کی قیود سے باہر نکل جاتے ہیں۔ فاسق کے مختلف درجے ہیں۔ کیونکہ کبھی تو اتفاقاً گناہ سرزد ہو جاتا ہے اور کوئی فاسق ایسا ہوتا ہے کہ اُسے کبائر میں پورا انہماک رہتا ہے اور کوئی ایسا ہوتا ہے جس کو انہماک کے ساتھ اصرار اور ضد ہوتی ہے۔ یہ آخری حالت (باقی ضمیمہ میں)

ف۱ اور اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو بنانے اور پیدا کرنے کے بعد ان کو تمام اشیاء کے نام اور خواص سکھا دیئے پھر وہ تمام اشیاء فرشتوں کے روبرو رکھیں اور ان سے فرمایا تم اگر اپنے دعوئے خلافت میں سچے ہو تو ان چیزوں کے نام مجھے بتاؤ اس پر فرشتوں نے عرض کیا اے بارالٰہ آپ کی ذات جملہ عیوب سے منزہ ہے ہم کو تو جو کچھ آپ نے سکھا دیا ہے اس کے سوا کسی اور چیز کا علم نہیں ہے بیشک آپ ہی بڑے عالم اور بڑے صاحب حکمت ہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو حکم دیا کہ اے آدم تم ان اشیاء کے نام ان فرشتوں کو بتا دو پھر جب حضرت آدم نے ان اشیاء کے نام ان فرشتوں کو بتائے تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے فرشتو! میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں تمام آسمان وزمین کی پوشیدہ اور مخفی چیزوں کو جانتا ہوں اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو میں ان سب چیزوں کو بھی خوب جانتا ہوں (تیسیر) خلاصہ یہ کہ تخلیق آدم کے بعد ان کو تمام کائنات سے روشناس کرایا گیا۔ کیونکہ جب تک اُن کو تمام اشیاء کا اور ان کے خواص کا علم نہ دیا جاتا وہ زمین میں نیابت اور خلافت کا فریضہ ادا نہیں کر سکتے تھے اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ جب کسی شخص کو کسی ضلع یا تحصیل کا حاکم بنایا جاتا ہے تو اس کو وہاں کے تمام تفصیلی حالات سے آگاہ کیا جاتا ہے ورنہ وہ حکومت کے صحیح فرائض انجام نہیں دے سکتا اسی طرح حضرت حق جل مجدہ نے کائنات کی تمام اشیاء اور اشیاء کے تمام خواص حضرت آدمؑ کو تعلیم فرمائے اور اس کے بعد فرشتوں کو وہ چیزیں دکھا کر اُن کا نام دریافت کیا تو انھوں نے اپنے عجز کا اعتراف کیا کیونکہ نہ وہ اس خدمت کے اہل تھے نہ وہ بشری ضروریات سے واقف تھے اور نہ ان کو اس قسم کی چیزیں بتائی گئی تھیں اور نہ وہ ضروریات انسانی اور طبیعت حیوانی کو سمجھ سکتے تھے اس لئے ان کو سوائے لَا عِلْمَ لَنَا کہنے کے اور چارہ کار بھی کیا تھا۔ پھر اس کے بعد حضرت آدم کو مخاطب کرکے کہا گیا کہ تم ان کو بتاؤ چنانچہ انھوں نے سب چیزوں کے نام اور خواص بتانے شروع کر دیئے اور اس بتلانے سے محض حضرت آدم کی تعلیمی قابلیت کا اظہار مقصود تھا ورنہ ظاہر ہے کہ فرشتوں میں ان سب باتوں کے سمجھنے کی قابلیت ہی کہاں تھی جن میں استعداد خیر و شر نہ ہو اور جو انسانی طبیعت کے خوگر نہ ہوں خواہ وہ جنات ہوں یا فرشتے وہ نہ نیابت وخلافت کے اہل ہو سکتے ہیں اور نہ کائنات کے خواص کو سمجھ سکتے ہیں۔ فرشتوں میں تو شر کی صلاحیت ہی نہیں البتہ جنات میں خیر کی صلاحیت ہے مگر ان میں شر کا کاس قدر غلبہ ہے کہ خیر کی صلاحیت بہت ہی ضعیف اور کمزور ہے۔ لہٰذا انسان ہی اس کا اہل تھا اور اسی کو ہر چیز کا علم دیا گیا اور جب حضرت آدمؑ نے سب چیزیں بتا دیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تم سے کہتا نہ تھا کہ میں ہی تمام آسمان وزمین کے مغیبات سے واقف ہوں اور تم نے جو اپنی تسبیح و تقدیس کا اظہار کیا اُس کو بھی جانتا ہوں اور خلافت و نیابت کی تفویض کے متعلق جو کچھ تم نے چھپایا اسے بھی جانتا ہوں حضرت حق تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی اس علمی فوقیت اور برتری کے بعد ملائکہ اور جنات کو عملی تعظیم کا حکم دیا اور حضرت آدمؑ کو قبلہ بنا کر ملائکہ اور جنات کو یہ حکم ہوا کہ آدمؑ کی طرف سجدہ کریں۔ فائدہ۔ اس آیت سے عالم کی عابد پر فضیلت ظاہر ہو گئی جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ فضل العالم علی العابد کفضلی علی ادناکم۔ یعنی ایک عالم کو عابد پر ایسی فضیلت اور بزرگی حاصل ہے جیسے میری بزرگی ایک معمولی درجہ کے مسلمان پر (تسہیل)

عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِىْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ
وہ چیزیں فرشتوں کے روبرو رکھدیں پھر فرشتوں سے کہا اگر تم

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا
سچے ہو تو مجھے ان چیزوں کے نام بتاؤ۔ فرشتوں نے کہا آپ کی ذات پاک ہے ہم کو معلوم نہیں مگر اسی قدر جتنا

عَلَّمْتَنَا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۲﴾ قَالَ يٰٓاٰدَمُ
آپ نے ہم کو سکھا دیا ہے بیشک آپ ہی بڑے علم بڑی حکمت والے ہیں۔ تب اللہ نے فرمایا اے آدم

اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ
تو ان چیزوں کے نام فرشتوں کو بتادے پس جب آدمؑ نے فرشتوں کو ان اشیاء کے نام بتائے تو خدا نے کہا

اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ
میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ بیشک میں آسمان و زمین کی تمام مخفی چیزوں کو جانتا ہوں اور جو کچھ تم ظاہر

مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ
کرتے اور جو کچھ تم پوشیدہ رکھتے ہو وہ سب مجھ کو معلوم ہے ف۱ اور جب ہم نے حکم دیا تمام فرشتوں کو

اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ ۤ
سجدہ کرو آدم کے سامنے تو ان سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے اُس حکم کی تعمیل سے انکار کیا

وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۴﴾ وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ
اور اپنے کو بڑا سمجھا اور وہ کافروں میں سے ہو گیا ف۲ اور ہم نے آدم سے کہا اے آدم سکونت اختیار کرو اور

زَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۠ وَلَا
تیری بیوی جنت میں اور تم دونوں اسمیں سے خوب جی بھر کر جہاں سے چاہو کھاؤ اور ہاں دیکھو

تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۵﴾ فَاَزَلَّهُمَا
اس مخصوص درخت کے قریب مت جانا ورنہ تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤ گے پھر لغزش دیدی

الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۠ وَقُلْنَا
اور ان کو شیطان نے اس درخت کی وجہ سے اور اس عیش سے جس میں وہ دونوں تھے ان کو نکال کر چھوڑا اور ہم نے کہا

ف۲ اور وہ واقعہ بھی قابل ذکر ہے جب ہم نے ملائکہ سے کہا کہ تم سب آدمؑ کے سامنے سجدہ کرو تو ان سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے اس حکم کی تعمیل سے انکار کیا اور اس نے اپنے کو بڑا سمجھا اور متکبرانہ روش اختیار کی اور وہ کافروں میں سے ہو گیا (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ آدمؑ کی بزرگی اور اُن کی فضیلت کو ظاہر کرنے کی غرض سے حق تعالیٰ نے تمام فرشتوں کو اور نیز جنات کو حکم دیا کہ آدم کے سامنے سجدہ کرو اور اس کی تعظیم بجا لاؤ چنانچہ سوائے ابلیس کے سب نے اس حکم کی تعمیل کی اور ابلیس نے صرف یہی نہیں کہ سجدہ نہیں کیا بلکہ غرور و تکبر کا اظہار کیا اور اپنے کو آدم سے بہتر اور بالاتر سمجھ کر سجدہ نہیں کیا اور حضرت حق جل مجدہٗ کے حکم پر معترض ہوا اور اس کو غیر معقول سمجھا۔ یہ شبہ نہ کیا جائے کہ حکم تو صرف فرشتوں کو دیا گیا تھا اور شیطان تو ان میں داخل ہی نہیں تھا (باقی ضمیمہ میں)

اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ

نیچے جاؤ تمہاری حالت یہ ہوگی کہ تم ایک دوسرے کے دشمن رہو گے اور تم کو زمین میں

مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۳۶﴾ فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ

ٹھیرنا اور فائدہ اٹھانا ہے ایک وقت معین تک ف بعد ازاں آدمؑ نے اپنے رب سے چند کلمات

كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۳۷﴾ قُلْنَا

سیکھ لئے اور خدا نے آدمؑ کی توبہ قبول کی بیشک وہی بڑا درگزر کرنے والا بڑا مہربان ہے ف ہم نے حکم دیا

اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى فَمَنْ

تم سب کے سب نیچے اُترو اس جنت سے پھر اگر تمہارے پاس میری جانب سے کوئی ہدایت پہونچے تو جو میری

تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَ

اس ہدایت کی پیروی کریں گے اُن کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے - اور

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ

جو انکار کریں گے اور ہمارے احکام کو جھٹلائیں گے تو وہی لوگ اہل دوزخ ہوں گے

هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۹﴾ ع يٰبَنِىْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِىَ

وہ اس دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے ف اے بنی اسرائیل میرے وہ احسانات یاد کرو

الَّتِىْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِىْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ

جو میں نے تم پر کئے ہیں - اور تم میرے عہد کو پورا کرو میں تمہارے اقرار کو پورا کرونگا

وَاِيَّاىَ فَارْهَبُوْنِ ﴿۴۰﴾ وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا

اور صرف مجھ ہی سے ڈرو ف اور اُس کتاب پر ایمان لاؤ جو میں نے نازل کی ہے اُس کی حالت یہ ہے کہ وہ کتاب

مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ ۠ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِىْ

اس کی تصدیق کرنیوالی ہے جو تمہارے پاس ہے اور اس کتاب یعنی قرآن کے انکار میں تم پہل کرنیوالے مت بنو اور میرے احکام کے مقابلہ میں حقیر معاوضہ

ثَـمَنًا قَلِيْلًا ۡ وَّاِيَّاىَ فَاتَّقُوْنِ ﴿۴۱﴾ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ

حاصل نہ کرو اور صرف میری ہی ناراضگی سے بچتے رہو - ف اور حق میں باطل

(تفسیر صفحہ ہذا) پھر شیطان نے ان دونوں آدم و حوا کو اُس درخت کی وجہ سے لغزش میں مبتلا کر دیا اور وہ دونوں جس عیش و عشرت اور جس مرتبے اور شان میں تھے اس سے ان کو نکال کر چھوڑا ہم نے ان کو حکم دیا کہ تم یہاں سے نیچے اتر جاؤ تمہاری حالت یہ ہوگی کہ تمہارے بعض بعض کے دشمن رہیں گے اور تم کو زمین میں ٹھہراؤ ہے اور ایک مدت تک فائدہ اٹھانا ہے (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ شیطان نے اپنے وسوسہ کی قوت اور طاقت سے حضرت آدمؑ پر اثر ڈالنا شروع کیا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جنت کے اندر داخل ہو کر آدم اور حوا سے گفتگو کی ہو اور ان کو اس شجر ممنوعہ کی جانب مائل کیا ہو جیسا کہ سورۂ اعراف کی آیت وقاسمھما انی لکما لمن النصحین سے متبادر ہوتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت آدمؑ و حواؑ جنت کے دروازے میں ہوں اور اس نے باہر کھڑے ہو کر ان سے باتیں کی ہوں بہرحال ان کے سامنے قسمیں کھا کھا کر اور اپنی خیرخواہی کا یقین دلا کر اور یہ سمجھا کر ان کو متاثر کر لیا کہ اس درخت میں یہ تاثیر ہے کہ بشر فرشتہ بن جاتا ہے اور اس کا کھانیوالا ہمیشہ زندہ رہتا ہے اور خدا تعالیٰ نے جو آپکو اس کے کھانے سے منع کیا تھا وہ تو ابتدائی حالت تھی اور اب تمہاری استعداد قوی ہو گئی ہے لہٰذا اب کوئی خطرہ نہیں ہے کیونکہ وہ ممانعت کی علت ہی مرتفع ہو چکی ہے غرض حضرت آدمؑ اور حوا پر اپنی چکنی چپڑی باتوں سے اثر ڈال دیا اور ان دونوں کو ان کے عزم اور پختگی سے ڈگمگا دیا اور پھسلا دیا اور ان کو لغزش دیدی اسپر حضرت حق نے ارشاد فرمایا تم یہاں سے زمین پر اترو اب تمہاری حالت یہ ہوگی کہ تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن رہو گے اب تمہارے ٹھہرنے اور قرار پکڑنے کی جگہ زمین ہوگی اور ایک وقت مقررہ اور مدت معینہ تک کے لئے زمین میں رہ کر فائدہ حاصل کرو گے (فائدہ) یہ شبہ نہ کیا جائے کہ دو آدمیوں کے نیچے جانیکو جمع کے ساتھ کیوں تعبیر کیا اس لئے کہ آدمؑ و حواؑ کے ساتھ ان کی آئندہ ہونے والی اولاد کو بھی شامل کر لیا گیا گویا ان دونوں کو نیچے اترنے کا حکم دینا جملہ بنی نوع انسان کو نیچے اترنے کا حکم دینا تھا زمین کو ایک مدت تک کے لئے مستقر فرمایا اس مدت سے مراد یا تو موت کا وقت ہے یا قیامت تک رہنے کی طرف اشارہ ہے اس موقع پر ہم نے جنت کے زمین پر یا آسمان پر ہونیکی بحث کو چھوڑ دیا ہے اسی طرح شیطان کے جنت میں داخل ہونیکی بحث کو بھی نہیں چھیڑا اس لئے کہ یہ قصہ قرآن میں کئی جگہ مذکور ہے کسی اور موقع پر ان مباحث کا ذکر کر دیا جائے گا یہاں صرف اتنا سمجھ لینا چاہئے کہ مفسرین کے اس موقع پر مختلف قول ہیں محققین کا مذہب یہی ہے کہ وہ جنت آسمان پر تھی کوئی دنیا کا باغ نہیں تھا اسی طرح ابلیس کو جنت میں جانا ممنوع نہیں تھا اگرچہ جو عزت و آبرو اس کی پہلے تھی وہ باقی نہیں رہی تھی لیکن جانے آنے کی ممانعت نہیں تھی - اور جب آدمؑ و حوا کو نیچے جانیکا حکم ہوا اسی وقت شیطان کو بھی نیچے جانیکا حکم ہوا - یہ بھی مشہور ہے کہ آدمؑ و حوا اور ابلیس اور سانپ اور مور یہ سب بیک وقت زمین پر اتارے گئے ہیں اگر ایسا ہوا ہو تب تو آپس میں ایک دوسرے کی دشمنی ظاہر ہی ہے اور اگر اھبطوا سے مراد صرف بنی نوع انسان مراد ہوں تب یہ مطلب ہوگا کہ انسان آپس میں ایک دوسرے کے مخالف اور دشمن ہوں گے چنانچہ جیسا فرمایا تھا ویسا ہی ہوا (تسہیل)

(باقی صفحہ ۱۱ پر)

ملے اور حق کو باطل اور ناحق کے ساتھ مخلوط نہ کرو اور حق بات کو جان بوجھ کر چھپاؤ نہیں اور نماز کی پابندی کرو اور زکوٰۃ ادا کیا کرو اور نماز پڑھنے والوں کیساتھ مل کر نماز پڑھا کرو کیا تم اور لوگوں کو بھلے اور نیک کام کر نیکی تعلیم دیتے ہو اور حکم کرتے ہو اور اپنے آپ کو اس بھلے کام سے فراموش کئے بیٹھے ہو حالانکہ تم کتاب توریت پڑھتے ہو تو کیا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے کہ دوسروں کو نیک کام کی ترغیب دینا اور خود اس کام کو نہ کرنا کیسا بُرا ہے (تیسیر) خود غرض اور حرص و ہوا کے بندے احکام شرعیہ کو دو طرح بدلتے تھے ایک تو حق بات کو چھپا لیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ بات توریت میں نہیں ہے اور اگر کوئی بات آہی پڑتی تھی تو اس میں توجیہ اور تاویل کر دیا کرتے تھے جیسا کہ آج کل بھی علماء سوء کا یہی طریقہ ہے کہ امر حق کا کتمان کرتے ہیں اور اگر کوئی آیت یا حدیث پیش کرے تو اس کے مطلب میں عجیب غریب تاویلات کرتے ہیں اور کوئی عبارت مقدر نکال دیتے ہیں یا حقیقت اور مجاز کی بحث شروع کر دیتے ہیں غرض ان دونوں طریقوں سے علماء یہود کو منع کیا گیا کہ نہ تو سچی بات کو چھپاؤ اور نہ حق و باطل کو خلط ملط کرو جبکہ تم ان باتوں کی برائی کو جانتے بھی ہو تو جان بوجھ کر ایسا کرنا اور بھی سخت گناہ ہے اسی کیساتھ ان کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا گیا اور یہ جو فرمایا رکوع کرنیوالوں کیساتھ رکوع کرو تو شاید اس غرض سے فرمایا ہو کہ یہود کی نماز میں رکوع نہیں تھا یا رکوع سے مراد نماز ہو کہ نماز پڑھنے والوں کیساتھ نماز پڑھا کرو یعنی علیٰحدہ علیٰحدہ نماز نہ پڑھا کرو بلکہ جماعت سے پڑھا کرو کیونکہ جماعت کی نماز تنہا نماز پڑھنے سے پچیس یا ستائیس درجے فضیلت رکھتی ہے یا یہ مطلب ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب ساتھ نماز پڑھا کرو پہلی آیت میں پیغمبر علیہ السلام اور قرآن پر ایمان لانیکا حکم دیا تھا اور اس آیت میں اعمال کی پابندی کیلئے تاکید کی گئی تاکہ ایمان کامل ہو جائے اور یہ ظاہر ہے کہ اعتقاد اور اعمال کی جس قدر اصلاح ہوگی اسی قدر سیأت اور بداعمالیوں سے نفرت بڑھے گی اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وارکعوا مع الراکعین کے یہ معنی ہوں کہ عاجزی اور انکسار کی خو اختیار کرو اور عاجزی کرنیوالوں کے ساتھ عاجزی اختیار کرو تاکہ اپنے کو بڑا سمجھنے کی بیماری کم ہو اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی طرف رغبت ہو۔ واللہ اعلم آگے ان کی ایک مذموم حرکت پر ان کو تنبیہ فرماتے ہیں کیونکہ ان کا یہ بھی شیوہ تھا کہ اگر کوئی یہودیوں میں سے اسلام قبول کر لیتا تھا اور ان سے دریافت کرتا تھا کہ ہمارا یہ فعل کیسا ہے تو اسکی تحسین کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ پیغمبر واقعی وہی نبی آخر الزماں ہے جس کی تعریف توریت میں کی گئی اور اسی طرح اپنے احباب کی خاص مجالس میں بھی اس کا اظہار کرتے تھے اور جب کوئی بھی ان سے کہتا تھا کہ آؤ پھر ہم تم سب اس نبی کی اطاعت قبول کر لیں اور اس پر ایمان لے آئیں تو یہ کم بخت خود تیار نہ ہوتے تھے اور دوسروں سے کہدیا کرتے تھے کہ تم چاہو تو مسلمان ہو جاؤ تم کو اختیار ہے ہم ایسا نہیں کر سکتے اس کو فرمایا کہ دوسروں کو تو بھلی بات کا حکم کرتے ہو اور خود اپنے کو فراموش کئے ہوئے ہو حالانکہ تم توریت پڑھتے ہو تو کیا تم کو یہ مسئلہ نہیں معلوم کہ تمہاری کتاب میں بے عمل واعظوں کی کسی وعید آئی ہے اور یہ کتنا بڑا گناہ ہے کہ دوسروں کو تو نصیحت کرو اور خود عمل نہ کرو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کی عام عادت خود تو فسق و فجور کی ہو رشوت اور سود کھاتے ہوں۔ جھوٹ بولتے ہوں لیکن جب ہیکل میں تقریر کرتے ہوں تو ان سب باتوں کو حرام کہتے ہوں اس پر تنبیہ فرمائی ہو بہر حال آیت میں بے عمل عالموں کی مذمت ہے احادیث صحیحہ میں ایسے بے عمل لوگوں کی سخت مذمت اور وعید موجود ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کوئی بے عمل اور فاسق کسی کو نصیحت ہی نہ کرے اگر کوئی بھلی بات کسی کو معلوم ہو خواہ وہ خود بے عمل ہی کیوں نہ ہو مگر دوسرے کو بتا سکتا اور سمجھا سکتا ہے غرض ایک بے عمل عالم کو وعظ اور پند و نصیحت کا حق باقی رہتا ہے آگے کی آیت میں انکے مرض کا علاج فرماتے ہیں کیونکہ اسلام قبول کرنے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے رد کنے کے دو سبب تھے ایک حُبِ جاہ اور ایک حُبِ مال اور انہی دو بیماریوں سے ان میں حسد بھی پیدا ہو گیا تھا وہ کہتے تھے کہ اگر ہم مسلمان ہو گئے اور نبی آخر الزماں کے فرماں بردار ہو گئے تو ہمارے نذرانے اور رشوتیں سب بند ہو جائیں گی اور ہمیں مالی نقصان پہنچے گا (باقی ضمیمہ میں)

بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٤٢﴾ وَأَقِيمُوا

نہ ملاؤ اور نہ چھپاؤ سچی بات کو ایسی حالت میں کہ تم جانتے ہو۔ اور

الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ ﴿٤٣﴾

نماز کو قائم کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کیا کرو

أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنسَوْنَ أَنفُسَكُمْ وَأَنتُمْ

کیا تم اور لوگوں سے کہتے ہو نیک کام کو اور تم نے اپنے آپکو بھلا رکھا ہے یعنی خود عمل نہیں کرتے حالانکہ تم

تَتْلُونَ الْكِتَابَ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٤٤﴾ وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَ

کتاب یعنی توریت بھی پڑھتے ہو تو کیا پھر تم اتنا بھی نہیں سمجھتے۔ ملے اور قوت پکڑو صبر اور

الصَّلَاةِ ۚ وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ ﴿٤٥﴾ الَّذِينَ

نماز سے بے شک وہ نماز ضرور شاق ہے مگر ان پر نہیں جو ڈرنیوالے ہیں۔ وہ ڈرنیوالے وہ ہیں

يَظُنُّونَ أَنَّهُم مُّلَاقُو رَبِّهِمْ وَأَنَّهُمْ إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ﴿٤٦﴾ ع

جو اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ انکو اپنے رب سے ملنا ہے اور یہ بھی یقین رکھتے ہیں کہ ان کو اُسی کیطرف واپس جانا ہے ملے

يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ

اے اولاد یعقوبؑ میرے وہ احسانات یاد کرو جو میں نے تم پر کئے ہیں

وَأَنِّي فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿٤٧﴾ وَاتَّقُوا يَوْمًا لَّا تَجْزِي

اور یہ کہ میں نے تم کو اقوام عالم پر فوقیت عطا کی تھی۔ اور اُس دن سے ڈرو کہ جس دن کوئی شخص

نَفْسٌ عَن نَّفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَلَا

کسی شخص کے ذرا بھی کام نہ آسکے اور نہ کسی کی طرف سے کوئی سفارش قبول ہو سکے اور نہ

يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿٤٨﴾ وَإِذْ نَجَّيْنَاكُم

کسی سے کوئی فدیہ لیا جائے اور نہ لوگوں کو کسی مددگار کی مدد پہونچے ملے اور یاد کرو اُس زمانے کو جب ہم

مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُونَ

نے تم کو فرعون والوں سے نجات دی جو تمہیں بدترین عذاب کرنے کی جستجو میں رہتے تھے وہ تمہارے لڑکوں کو ذبح

ع ٥ / ٧ / ٥

أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ ۚ وَفِي ذَٰلِكُم بَلَاءٌ مِّن

کر ڈالتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے

رَّبِّكُمْ عَظِيمٌ ﴿٤٩﴾ وَإِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَأَنجَيْنَاكُمْ وَ

بڑی آزمائش تھی۔ اور اس واقعہ کو یاد کرو جب ہم نے دریا کو تمہاری وجہ سے پھاڑ دیا پھر ہم نے تم کو تو بچا لیا اور

أَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ وَأَنتُمْ تَنظُرُونَ ﴿٥٠﴾ وَإِذْ وَاعَدْنَا

فرعون والوں کو غرق کر دیا اور تم یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے ف۱ اور وہ زمانہ یاد کرو جب ہم نے

مُوسَىٰ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِن بَعْدِهِ

موسیٰؑ سے چالیس راتوں کا وعدہ کیا تھا پھر تم لوگوں نے موسیٰؑ کے پیچھے ایک بچھڑا بنالیا

وَأَنتُمْ ظَالِمُونَ ﴿٥١﴾ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنكُم مِّن بَعْدِ ذَٰلِكَ لَعَلَّكُمْ

اور تم ظلم کر رہے تھے۔ پھر اس گئو سالہ پرستی کے بعد بھی ہم نے تم سے در گزر کیا کہ شاید تم

تَشْكُرُونَ ﴿٥٢﴾ وَإِذْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَالْفُرْقَانَ

احسان مانو گے ف۲ اور وہ احسان یاد کرو جب ہم نے موسیٰ کو کتاب اور فیصلہ کن چیز عطا کی تاکہ تم

لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿٥٣﴾ وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ

صحیح راستہ اختیار کرو۔ اور وہ بات یاد کرو جب موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم

إِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ أَنفُسَكُم بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوبُوا إِلَىٰ

تم نے اس بچھڑے کو معبود بنا کر اپنا بڑا نقصان کیا سو اب تم اپنے خالق کے سامنے

بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوا أَنفُسَكُمْ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِندَ

توبہ کرو اور ایک دوسرے کو قتل کرو یہی طریقہ تمہارے خالق کے نزدیک تمہارے لئے

بَارِئِكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ۚ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿٥٤﴾ وَ

بہتر ہے پھر خدا تعالیٰ نے تم پر توجہ فرمائی بیشک وہی بڑا توبہ قبول کرنے والا نہایت مہربان ہے ف۳ اور

إِذْ قُلْتُمْ يَا مُوسَىٰ لَن نُّؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ نَرَى اللَّهَ جَهْرَةً

وہ زمانہ یاد کرو جب تم نے کہا اے موسیٰ جب تک ہم اللہ تعالیٰ کو کھلم کھلا نہ دیکھ لیں گے ہر گز تیری تصدیق نہیں کرینگے

ف۱ اور اے بنی اسرائیل اس زمانے کو یاد کرو جبکہ ہم نے تم کو فرعون کی قوم اور اس کے متبعین کے مظالم اور ان کی غلامی سے نجات دی جن کی حالت یہ تھی کہ وہ تم کو سخت اور بدترین سزا دینے کی تلاش اور فکر میں لگے رہتے تھے اور وہ تمہارے بیٹوں کو ذبح کر دیا کرتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ چھوڑ دیا کرتے تھے اور اس عذاب اور اس نجات میں تمہارے رب کی طرف سے تمہاری بڑی آزمائش تھی اور تم وہ موقعہ بھی یاد کرو جب ہم نے تمہارے راستہ دینے کی خاطر سمندر کو پھاڑ دیا پھر ہم نے تم کو تو غرق ہونے سے بچا لیا اور فرعون کی قوم اور اس کے متبعین کو تمہاری آنکھوں دیکھتے اس سمندر میں غرق کر دیا (تیسیر) فرعون عمالقہ کی قوم میں سے تھا اور وہ سام بن نوح کی اولاد میں سے تھا اس کا نام تو اصل میں ولید بن مصعب تھا لیکن مصر کے بادشاہوں کا لقب اس زمانے میں فرعون تھا۔ جیسا ایران کے بادشاہوں کو کسریٰ اور روم کے بادشاہوں کو قیصر اور یمن کے بادشاہوں کو تبع اور حبش کے بادشاہوں کو نجاشی کہا جاتا تھا اسی طرح شاہان مصر کو فرعون کہتے تھے۔ آل سے یہاں فرعون کی قوم اور اس کے متعلقین مراد ہیں یہ لوگ بنی اسرائیل پر طرح طرح کے مظالم توڑا کرتے تھے اور جب سے ان کو کاہنوں اور نجومیوں نے یہ بتایا تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو تیری سلطنت کے مٹنے اور تیرے لئے ہلاکت کا موجب ہوگا تب سے انھوں نے بنی اسرائیل کے ہر پیدا شدہ بچہ کو قتل کرنا شروع کر دیا تھا لڑکیوں کو چھوڑ دیتے تھے مگر اولاد ذکور اور نرینہ اولاد کو ذبح کر ڈالتے تھے مگر باوجود اس کے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو پروان چڑھایا اور بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے آزادی بخشی اور فرعون اور آل فرعون کو غرق کر دیا اور فرعون اور آل فرعون کا غرق اس طرح واقع ہوا کہ بنی اسرائیل کنارے پر کھڑے یہ تمام منظر دیکھ رہے تھے بحر ایسے دریا کو کہتے ہیں جس کا پانی شور اور کھاری ہو علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ بحر سے مراد قلزم ہے اور بحر قلزم کی کنیت ابو خالد ہے چونکہ یہ واقعہ بنی اسرائیل میں مشہور تھا اس لئے یہاں اجمالاً اس کا ذکر فرمایا دوسری جگہ انشاءاللہ تفصیل آئیگی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ابو یعلی نے ایک ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ بنی اسرائیل کیلئے دریا جس دن پھاڑا گیا ہے وہ دن عاشورا یعنی محرم کی دسویں تاریخ تھی۔ فائدہ وفی ذلکم کا مشار الیہ بعض نے نجات کو اور بعض نے عذاب کو قرار دیا ہے ہم نے دونوں احتمال کی رعایت کرکے ترجمہ کیا ہے اور بلا کا ترجمہ امتحان اور آزمائش سے کیا ہے اور یہ واقعہ ہے کہ حضرت حق جل مجدہٗ خیر اور شر کی دونوں حالتوں میں بندے کی آزمائش کیا کرتے ہیں جیسا کہ سورۂ انبیا میں ارشاد ہے ونبلوکم بالشر والخیر فتنۃ (تسہیل)

ف۲ اور وہ موقعہ یاد کرو جب ہم نے حضرت موسیٰؑ سے چالیس دن اور رات کا وعدہ کیا تھا پھر جب وہ اس وعدے کے مطابق طور پر گئے تو تم نے ان کے جانیکے بعد ایک بچھڑے کو معبود بنالیا اور تمہاری حالت یہ تھی کہ تم ظلم اور ناانصافی پر تلے ہوئے تھے لیکن تمہاری اس ناشائستہ حرکت کے بعد بھی جب تم نے توبہ کی تو ہم نے تم کو معاف کر دیا اور تم سے درگزر فرمایا کہ شاید تم اس معافی کا احسان مانو گے (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ جب تم فرعون کے مظالم سے نجات پانے کے بعد مطمئن ہوئے اور تم نے یہ خواہش کی کہ اب اگر ہم کو کوئی شریعت یا مستقل کتاب مل جائے تو ہم اس پر عمل کریں اور اس کو اپنا دستور العمل بنائیں کیونکہ اب ہم حکومت کافرہ مسلطہ سے آزاد ہو چکے ہیں اور وہ تمام رکاوٹیں دور ہو چکی ہیں جو ہماری راہ میں ایک کافر حکومت نے حائل کر رکھی تھیں اس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ سے فرمایا کہ تم تیس آئیں طور پر آکر رہو پھر ان تیس راتوں میں دس روز بڑھا کر پوری چالیس کر دیں جس کی تفصیل انشاءاللہ نویں پارے میں آئیگی بہر حال جب حضرت موسیٰؑ حسب وعدہ وہاں تشریف لے گئے تو تم نے ان کے پیچھے سامری کے بہکانے سے ایک گئو سالہ کی پرستش شروع کر دی لیکن ہم نے تمہاری توبہ قبول کر لی اور تم کو درگزر فرما دیا یہ سب کچھ اس توقع پر کیا کہ تم اس نعمت کا حق مانو گے اور شکر گزار بنو گے۔ آسمانی احکام میں چونکہ دن رات کا تابع ہے اس لئے صرف راتوں کا ذکر فرمایا اور دن کو تابع ہونیکی وجہ سے ذکر نہیں کیا اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے حاضری کا وعدہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے توریت عطا کرنیکا وعدہ فرمایا۔ اس لئے باب مفاعلت لائے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ باب مفاعلت صرف وعدے کے معنی میں ہو جیسا کہ عام مترجم ترجمہ کر رہے ہیں باقی تفصیل انشاءاللہ آگے آئے گی۔ (باقی ضمیمہ میں)

فَأَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿٥٥﴾ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ

اس پر تم کو ایک کڑک ناک بجلی نے آ پکڑا اور تم آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ پھر ہم نے تم کو تمہارے

مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٥٦﴾ وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ

مرے پیچھے زندہ کر اٹھایا کہ شاید تم احسان مانو گے۔ ف اور ہم نے تم پر ابر کو

الْغَمَامَ وَأَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۭ كُلُوْا مِنْ

سایہ افگن کیا اور ہم نے تم پر من اور سلوٰی اتارا جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تم کو عطا کی ہیں

طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ۭ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ

ان میں سے کھاؤ اور انھوں نے ہمارا کچھ نقصان نہیں کیا لیکن وہ اپنا ہی

يَظْلِمُوْنَ ﴿٥٧﴾ وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا

نقصان کرتے تھے ف اور جب ہم نے حکم دیا کہ تم لوگ اس بستی میں داخل ہو پھر جہاں چاہو

مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّ

اس میں سے خوب جی بھر کر کھاتے پھرو اور دروازے میں عاجزی سے کمر کو جھکائے ہوئے داخل ہونا

قُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ۭ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٥٨﴾

اور زبان سے حطۃ یعنی بخشدے کہتے جانا تو ہم تمہاری خطائیں بخشدیں گے اور نیک روش اختیار کرنیوالوں کو ہم مزید مراعات دیں گے

فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ

پھر جو لوگ ظالم تھے انھوں نے اس لفظ کی جگہ جس کی ان سے فرمائش کی گئی تھی اور دوسرا لفظ بدل دیا

فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَاۗءِ بِمَا

اس پر ہم نے ان ظالموں پر ان کی نافرمانی کے باعث آسمان سے

كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿٥٩﴾ ع وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ

عذاب نازل کیا ف اور وہ وقت یاد کرو جب موسیٰؑ نے اپنی قوم کیواسطے پانی کی دعا کی

فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۭ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ

اس پر ہم نے موسیٰؑ کو حکم دیا کہ تم ایک خاص پتھر پر اپنی لکڑی مارو پھر لکڑی کے مارتے ہی اس پتھر سے

ف اور وہ موقعہ بھی یاد کرو جب تم نے حضرت موسیٰؑ سے کہا تھا کہ جب تک ہم خود اللہ تعالیٰ کو علانیہ اور کھلم کھلا نہ دیکھ لیں گے ہرگز تیری بات کی تصدیق نہیں کریں گے چنانچہ اس گستاخی پر ایک کڑکناک بجلی نے تمہاری آنکھوں دیکھتے تم کو آ لیا پھر ہم نے تمہارے مرے پیچھے تم کو زندہ کر اٹھایا کہ شاید تم ہمارا احسان مانو اور شکرگزار بنو (تیسیر) واقعہ یہ ہے کہ جب حضرت موسیٰؑ توریت لے کر طور سے واپس آئے تو انھوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ ہم جب تک خود اللہ تعالیٰ سے اس کا کلام نہ سنیں تو یہ کیسے مان لیں کہ یہ توریت اسی کا کلام ہے اس پر حضرت موسیٰؑ نے اپنی قوم کے ستر آدمیوں کو منتخب کیا اور ان کو لیکر طور پر پہونچے اور اللہ تعالیٰ کا کلام انھوں نے سنا کلام سن کر کہنے لگے ہم تو اس کو دیکھ کر یقین لائیں گے تب ایک ایسی بجلی جس میں کڑک بھی تھی ان پر گری اور وہ مر کر رہ گئے، اس پر حضرت موسیٰؑ نے جناب باری سے دعا کی کہ بنی اسرائیل بہت جلد بدگمان ہو جاتے ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ کہدیں کہ موسیٰؑ نے ہمارے آدمیوں کو قتل کر دیا اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کی دعا سے ان لوگوں کو زندہ کر دیا۔ جن لوگوں کو حضرت موسیٰ نے منتخب کیا تھا یہ ان لوگوں میں سے تھے جو گئو سالہ پرستی میں شریک نہیں تھے صاعقہ ایسی بجلی کو کہتے ہیں جس میں ہولناک آواز بھی ہو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ صرف کڑک ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی آگ آسمان سے نازل ہوئی ہو بہرحال دنیا کی زندگی میں اللہ تعالیٰ کو کھلم کھلا دیکھنا محال ہے اور اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آخرت میں بھی اُن کا دیدار نہیں ہوگا اُس عالم میں ان کے دیدار سے یقیناً اہل جنت مشرف ہوں گے انشاء اللہ تعالیٰ (تسہیل) ف اور ہم نے تمہارے سروں پر بادل کو سایہ افگن کیا اور تمہارے لئے ہم نے ترنجبین اور بٹیریں نازل فرمائیں اور تم سے کہا کہ جو حلال اور لذیذ چیزیں ہم نے تم کو عطا کی ہیں ان میں سے کھاؤ اور انھوں نے ہمارا کوئی نقصان نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنا ہی نقصان کرتے رہے (تیسیر) یہ احسان ان پر اس وقت ہوا جب وہ ارض تیہ میں تھے کیونکہ فرعون سے نجات پانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ تم اپنے اصلی وطن شام میں چلے جاؤ اور وہاں قوم عمالقہ کا قبضہ ہے ان سے جہاد کرو اور ان پر فتح حاصل کر لو بنی اسرائیل پہلے تو اس پر آمادہ ہو گئے لیکن شام کے قریب جا کر لڑنے سے انکار کر دیا اللہ تعالیٰ نے سزا دی اور کہا چالیس سال تک دربدر کی ٹھوکریں کھاتے پھرو اور جنگلوں میں مارے مارے پھرو چنانچہ خانہ بدوشوں کی طرح ایک جنگل میں جا بسے اور ان کے خیمے وغیرہ بھی پھٹ گئے کھانیکو بھی کچھ نہ رہا تو اللہ تعالیٰ نے سورج کی گرمی سے بچاؤ کے لئے ان پر ابر کا سایہ کر دیا اور رات کو اللہ تعالیٰ درختوں پر ترنجبین پیدا کر دیتا جس کو یہ سمیٹ لاتے اور شام کو بٹیریں ان کے پاس جمع ہو جاتیں جن کو یہ آسانی سے پکڑ لیتے بٹیروں کے گوشت اور ترنجبین پر زندگی بسر کرتے رہے ان کو یہ بھی حکم ہوا تھا کہ بقدرِ ضرورت ان چیزوں کا استعمال کرنا ذخیرہ بنا کر نہ رکھنا لیکن انھوں نے حرص کی وجہ سے اٹھا اٹھا کر رکھنا شروع کیا نتیجہ یہ ہوا کہ گوشت سڑنے لگا اسی کو فرمایا کہ ہمارا کوئی نقصان نہ کر سکے ہاں اپنا آپ نقصان کرتے رہے۔ اسی جنگل کو جس میں بنی اسرائیل چالیس سال تک رہے ارض تیہ اور وادی تیہ کہتے ہیں تفصیل انشاء اللہ سورۂ مائدہ میں آئے گی حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ جب فرعون غرق ہو چکا اور بنی اسرائیل خلاص ہو کر چلے جنگل میں ان کے خیمے پھٹ گئے تو سارے دن ابر رہتا دھوپ کا بچاؤ اور اناج نہ پہونچا تو من اور سلوی اترتا کھانے کو من ایک چیز تھی میٹھی دھنیے کے سے دانے رات کو اوس میں برستے لشکر کے گرد ڈھیر ہو رہتے صبح کو ہر آدمی اپنی قوت کے برابر چن لاتا اور سلوی ایک جانور کا نام ہے شام کو لشکر کے گرد ہزاروں جانور جمع ہوتے اندھیرا پڑے پکڑ لاتے کباب کر کے کھاتے مدتوں تک یہی کھایا کئے۔ من اور سلوی کا ترجمہ ترنجبین اور بٹیروں سے کیا گیا ہے ہو سکتا ہے کہ ترنجبین سے ملتی جلتی کوئی اور میٹھی چیز ہو اسی طرح سلوی کوئی اور پرندہ ہو جو بٹیر یا لوے کی ہم شکل ہو (موضح القرآن) (تسہیل) ف اور وہ زمانہ یاد کرو جب اے بنی اسرائیل ہم نے تم کو حکم دیا کہ تم اس بستی میں داخل ہو پھر اس کی چیزوں میں سے بے تکلفی کیساتھ خوب جی بھر کر اور شکم سیر ہو کر کھاؤ اور یہ بھی حکم دیا کہ جب اس بستی کے دروازے میں داخل ہونے لگو تو عاجزی کے ساتھ کمر کو جھکائے ہوئے داخل ہونا اور زبان سے حطۃ کہتے جانا یعنی بخشدے ہماری توبہ ہے ایسا کرو گے تو ہم تمہاری خطائیں معاف کر دیں گے (باقی ضمیمہ میں)

ع ۱۳ ۶

ف اور وہ موقعہ یاد کرو جب حضرت موسیٰؑ نے اپنی قوم کیلئے پانی طلب کیا اور پانی کیلئے خدا سے دعا کی اور اس پر ہم نے حضرت موسیٰؑ کو حکم دیا کہ تم اپنی لکڑی اس خاص پتھر پر مارو چنانچہ لکڑی مارنے سے اس پتھر میں سے بارہ چشمے بہہ نکلے بنی اسرائیل کے ہر ایک قبیلے نے اپنا اپنا گھاٹ اور پانی پینے کا موقع جان لیا ارشاد ہوا اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی روزی میں سے کھاؤ اور پیو اور زمین میں فساد نہ برپا کرتے پھرو (تیسیر) یہ واقعہ بھی اسی وادی تیہ میں پیش آیا جب پیاس لگی اور پانی باقی نہ رہا۔ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰؑ سے درخواست کی حضرت موسیٰؑ نے خدا تعالیٰ کی جناب میں دعا کی اس پر ارشاد ہوا کہ فلاں پتھر پر لکڑی مارو لکڑی مارنے سے بارہ چشمے بہ نکلے حضرت یعقوبؑ کے بارہ لڑکے تھے ہر لڑکے کی اولاد ایک خاندان تھا جیسا کہ فرماتے ہیں وقطعنٰھم اثنتی عشرۃ اسباطا امما یعنی ہم نے ان کو بارہ قبیلوں اور بارہ خاندانوں میں تقسیم کر دیا پتھر سے بارہ چشمے نکلے ہر قبیلہ کا ایک چشمہ۔ سب نے اپنا اپنا چشمہ متعین کر لیا ہر قبیلہ اپنے چشمے سے پانی لیتا۔ حضرت موسیٰؑ کے عصا کی بابت مشہور ہے کہ وہ جنت کا تھا اور

اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۖ قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۖ

بارہ چشمے بہہ نکلے بنی اسرائیل کے ہر ایک قبیلے نے اپنا اپنا گھاٹ جان لیا

كُلُوا وَاشْرَبُوا مِن رِّزْقِ اللَّهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ

اللہ تعالیٰ کی روزی سے کھاؤ اور پیو اور ملک میں فساد نہ برپا

مُفْسِدِينَ ﴿٦٠﴾ وَإِذْ قُلْتُمْ يَا مُوسَىٰ لَن نَّصْبِرَ عَلَىٰ طَعَامٍ

کرتے پھرو ف اور یاد کرو جب تم نے کہا اے موسیٰ ہم ایک ہی قسم کی خوراک پر ہرگز نہیں

وَاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنبِتُ الْأَرْضُ

رہ سکتے سو تو اپنے رب سے ہمارے واسطے دعا کر کہ وہ ہمارے لئے ایسی چیزیں پیدا کرے جو عام طور پر زمین سے اگتی ہیں

مِن بَقْلِهَا وَقِثَّائِهَا وَفُومِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ۖ

زمین کا ساگ اور زمین کی ککڑی اور زمین کا گیہوں اور اس کی مسور اور اس کی پیاز

قَالَ أَتَسْتَبْدِلُونَ الَّذِي هُوَ أَدْنَىٰ بِالَّذِي هُوَ

موسیٰؑ نے کہا کیا تم بہتر شئے کے مقابلہ میں ادنیٰ درجہ کی چیز کو لینا چاہتے ہو

خَيْرٌ ۚ اهْبِطُوا مِصْرًا فَإِنَّ لَكُم مَّا سَأَلْتُمْ ۗ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ

تم کسی شہر میں جا اترو بلاشبہ وہاں تم کو وہ چیزیں مل جائیں گی جو تم مانگتے ہو اور ذلت و پستی

الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ ۗ ذَٰلِكَ

ان پر چپکا دی گئی اور وہ غضب الٰہی کے مستحق ہو گئے یہ اس وجہ سے ہوا کہ

بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ

وہ احکام خداوندی کا انکار کیا کرتے تھے۔ اور ناحق جانتے ہوئے پیغمبروں کو قتل

بِغَيْرِ الْحَقِّ ۗ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوا وَّكَانُوا يَعْتَدُونَ ﴿٦١﴾ ع

کر دیا کرتے تھے اس دلیری کا سبب یہ تھا کہ وہ نافرمانی کے خوگر تھے اور حدود شرعیہ سے نکل جایا کرتے تھے

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ وَ

بلاشبہ جو لوگ مسلمان ہیں اور جو یہودی ہیں اور نصاریٰ اور

حضرت آدمؑ اپنے ہمراہ لائے تھے اور حضرت آدمؑ کی اولاد میں ہر نبی اس کا محافظ ہوتا تھا یہاں تک کہ حضرت شعیبؑ نے وہ عصا حضرت موسیٰؑ کے سپرد کیا حضرت موسیٰؑ کے عصا کا نام علیق یا نبعہ تھا اور اس کا طول دس ذراع تھا واللہ اعلم جس پتھر کو عصا مارنے کا حکم ہوا تھا وہ یا تو کوئی خاص پتھر تھا جیسا کہ ہمارے ترجمے سے ظاہر ہے یا عام پتھر پر مارنے کا حکم ہوا ہو جیسا کہ بعض لوگوں نے یہی قول اختیار کیا ہے اور معجزے کے اعتبار سے اس کو راجح اور اوفق فرمایا ہے بہرحال یہ حضرت موسیٰ کا معجزہ تھا کہ ایک پتھر سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے بعض غزوات میں پانی کا نکلنا اور اس پانی سے پورے لشکر کا سیراب ہونا ثابت ہے اللہ تعالیٰ کی روزی سے بنی اسرائیل کو کھانے پینے کی اجازت دی گئی اور چونکہ وہ لوگ ناشکری اور نافرمانی کے خوگر تھے اسلئے فساد برپا کرنے کی ممانعت کی گئی حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں اسی جنگل میں پانی نہ ملا تو ایک پتھر سے بارہ چشمے نکلے بارہ قوم تھے کسی میں لوگ زیادہ کسی میں کم ہر قوم کے موافق ایک چشمہ تھا اس سے پہچان لیا جب لشکر کوچ کرتا تو پتھر ساتھ اٹھا لیتے جب مقام ہوتا تو رکھ دیتے۔ موضح القرآن (تسہیل) ف اور وہ بات یاد کرو جب تم نے موسیٰ سے کہا تھا اے موسیٰ ہم ایک ہی قسم کی خوراک پر ہرگز صبر نہیں کر سکتے اور ایک ہی قسم کے کھانے پر نہیں رہ سکتے کہ بس مَن اور سلویٰ ہی کھاتے رہیں تم اپنے رب سے ہمارے واسطے دعا کرو کہ وہ ہمارے لئے ایسی چیزیں پیدا کرے جو زمین سے اُگا کرتی ہیں۔ جیسے زمین کا ساگ اور ککڑی اور اُس کا گیہوں اور زمین کی مسور اور اس کی پیاز ان کی اس خواہش اور مطالبہ پر حضرت موسیٰ نے فرمایا کیا تم ایسی چیز کے مقابلہ میں جو بہتر اور بڑھیا ہے وہ لینا چاہتے ہو جو گھٹیا اور کم درجہ کی ہے اچھا اگر تم کو اسی پر اصرار ہے تو اب تم کسی شہر میں جا اترو وہاں تم کو وہ چیزیں ملیں گی جن کا تم مطالبہ کر رہے ہو اور اسی قسم کی گستاخیوں اور ناشائستہ حرکات کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان پر ذلت اور پستی چپکا دی گئی اور ذلت و مسکنت ان سے وابستہ کر دی گئی اور وہ غضب الٰہی کے مستحق ہو گئے اور اس ذلت و غضب کا باعث یہ ہوا کہ وہ لوگ احکام خداوندی کے منکر ہو جاتے تھے اور احکام الٰہی کے ماننے اور قبول کرنے سے انکار کر دیا کرتے تھے اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو ناحق قتل کر دیا کرتے تھے اور اس جرأت و بے باکی کی وجہ یہ تھی کہ وہ نافرمانی اور بے حکمی کے خوگر تھے اور حدود شرعیہ سے باہر نکل جایا کرتے تھے (تیسیر) یہ واقعہ بھی ارض تیہ میں پیش آیا جب ایک قسم کے کھانے سے جی بھر گیا تو حضرت موسیٰؑ سے دعا کرانے لگے اور یہ درخواست کی کہ اپنے رب سے ہمارے لئے یہ ترکاریاں طلب کیجئے۔ فوم کے معنی عام طور سے گیہوں کے گئے ہیں بعض لوگوں نے لہسن کیا ہے اور اس سوال کا مطلب بظاہر یہ تھا کہ ہم کو کسی آبادی میں جانیکی اجازت دی جائے کیونکہ وہ بھی جانتے تھے کہ یہ چیزیں اس جنگل میں کہاں میسر ہو سکتی ہیں اور باوجودیکہ من اور سلویٰ دو چیزیں تھیں لیکن ان دونوں کو طعام واحد کہا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں کو ملا کر کھاتے تھے اس لئے ایک قسم کی غذا کہدیا حضرت موسیٰؑ نے فرمایا کہ ایک نعمت بلا مشقت و کلفت کے مل رہی ہے اور وہ لذیذ بھی ہے اب اُس کی جگہ جو چیز طلب کر رہے ہو وہ ظاہر ہے کہ محنت و مشقت سے حاصل ہوگی اور وہ اس قدر لذیذ بھی نہ ہوگی تو بہتر کو کمتر سے بدلتے ہو تو اچھا جاؤ اب کسی شہر میں جاؤ وہاں

(باقی ضمیمہ میں)

الصّٰبِـِٔيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ
ستارہ پرست ان میں سے جو کوئی بھی اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائے اور نیک کام

صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ
کرتا رہے تو ایسے لوگوں کو ان کا اجر ان کے رب کے ہاں ملنے والا ہے اور ان کو نہ کچھ خوف ہے

عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ
اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ ف اور وہ واقعہ یاد کرو جب تم سے ہم نے عہد لیا

وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ
اور ہم نے کوہ طور کو اٹھا کر تمہارے اوپر معلق کر دیا اور حکم دیا کہ جو کتاب ہم نے تم کو دی ہے اس کو پوری عزیمت اور قوت سے

وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ
قبول کرو اور جو احکام اس میں ہیں ان کو یاد رکھو تاکہ تم محفوظ رہو۔ پھر تم اس قول و قرار کے بعد

مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ
اپنے عہد سے پھر گئے سو اگر اللہ کا فضل اور اس کی مہربانی تم پر نہ ہوتی

لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۶۴﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ
تو تم ضرور تباہ و برباد ہو جاتے ف۲ اور تم ان لوگوں سے خوب واقف ہو

اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً
جنہوں نے تم میں سے ہفتہ کے دن کے مقررہ احکام میں زیادتی کی تھی سو ہم نے ان کو کہا کہ تم ذلیل و خوار

خٰسِـِٕيْنَ ﴿۶۵﴾ ۚ فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا
بندر بن جاؤ۔ پھر ہم نے اس مسخ کے واقعہ کو ان لوگوں کیلئے جو وہاں موجود تھے اور ان کے لئے جو پیچھے آنیوالے تھے ایک

خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۶۶﴾ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى
عبرت آموز واقعہ بنا دیا اور ان لوگوں کیلئے جو ڈرنیوالے ہیں اس واقعہ کو موجب نصیحت بنایا۔ ع اور وہ زمانہ یاد کرو جب موسیٰؑ نے اپنی قوم سے

لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ قَالُوْٓا
کہا کہ اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ تم ایک بیل ذبح کرو انھوں نے کہا

ف بلاشبہ جو لوگ مسلمان ہیں اور جو یہودی اور نصاریٰ ہیں اور فرقہ صابئین غرض کوئی بھی ہو ان میں سے جو کوئی بھی اللہ پر اور روزِ آخرت پر ایمان لائے اور نیک اعمال کا پابند رہے تو ایسے لوگوں کو ان کی خدمت کا صلہ اُن کے رب کے ہاں ملنے والا ہے اور ان پر کسی طرح کا خوف اور اندیشہ نہیں ہے اور نہ وہ کبھی حزین و غمگین ہوں گے (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ خواہ کوئی منافق ہو یا کھلم کھلا یہودی اور نصرانی ہو یا فرقہ صابئین یعنی کواکب پرست ہو جو بھی دعوتِ اسلامی کو قبول کرلے گا اور سچے دل سے اپنے اعتقاد اور اعمال کو درست کرلے گا تو اس کو اس کی محنت اور خدمت کا اجر ملے گا۔ ہم نے ان الذین آمنوا سے مراد منافقین لئے ہیں جو محض زبان سے اسلام کا اظہار کرتے ہیں چونکہ یہ اعلان جملہ غیر مسلموں کیلئے ہے اس لئے ہم نے بھی بعض مفسرین کی رائے سے اتفاق کیا ہے اور ہو سکتا ہے کہ ان سے مراد اہلِ ایمان ہوں منافق نہ ہوں جیسا کہ مفسرین کا عام رجحان یہی ہے تو پھر اس کی مثال ایسی ہوگی جیسے کوئی بادشاہ کسی خاص انعام کا اعلان کرتے وقت اپنوں کا اور غیروں کا سب کا نام لیا کرتا ہے اب مطلب یہ ہوگا کہ خواہ مومنین ہوں خواہ یہودی اور نصرانی اور ستارہ پرست ہوں غرض یہ کہ کوئی بھی ہو جو اللہ تعالیٰ پر اور روزِ آخرت پر ایمان لائیگا اور نیک اعمال کا پابند رہے گا ان کو یہ صلہ ملے گا اس تقریر کے بعد یہ شبہ نہیں رہتا کہ مومن تو پہلے ہی سے مومن ہے وہ کیا ایمان لائیگا اگر کوئی پہلے سے مومن ہے تو اچھا فہو المراد یہاں تو ہر شخص کو یہ بتانا ہے کہ ہر وفادار اور باغی کی نجات کا معیار یہ ہے جو اس پر پہلے سے پورے ہیں وہ تو ہیں ہی اور جو نہیں ہیں وہ یہ اوصاف پیدا کریں۔ بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ اس آیت میں مومنین سے وہ مومن مراد ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل بت پرستی سے بیزار تھے اور راہِ حق کے متلاشی تھے رہا فرقہ صابئین تو اس میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔ کسی نے کہا نصاریٰ اور مجوس کے بین بین کوئی فرقہ ہے کسی نے کہا حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین پر ہیں کسی نے کہا ملائکہ کی پرستش کرتے ہیں کسی نے کہا کواکب پرست ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ یہ فرقہ ابتدا میں کسی نبی کا پیرو ہو پھر آگے چل کر بگڑ گیا ہو اور مختلف رسوم شرکیہ میں مبتلا ہو گیا ہو الغرض اس فرمانِ شاہی کا خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے دربار میں کسی شخص کی تخصیص نہیں ہے جو مطیع اور فرمانبردار ہو اور اس کا اعتقاد صحیح ہو وہ اس صلہ اور انعام کا مستحق ہوگا خواہ وہ پہلے سے وفادار ہو یا کوئی مخالف ہو اور اب ایمان لاکر اعمالِ صالحہ کا پابند ہو جائے اس آیت میں ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت اور اعمالِ صالحہ کا ذکر فرمایا یہ وہ چیزیں ہیں جو ہر پیغمبر کی شریعت میں مشترک ہیں اس لئے یہود اور نصاریٰ وغیرہ کا ذکر کیا کہ حضرت موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کے جو پیرو ان چیزوں کے پابند تھے وہ بھی اجر و ثواب اور نجات کے مستحق تھے لیکن یہ سب کچھ اسی وقت تک کے لئے تھا جب تک نبی آخر الزماں کی بعثت اس عالم میں نہیں ہوئی تھی لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد شریعتِ اسلامیہ کی پیروی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے سوا اور کوئی راہ نجات کی نہیں اور اس آیت میں پیغمبر کے ذکر نہ کرنے سے یہ نہ سمجھا جائے کہ پیغمبر پر ایمان لانا ضروری نہیں کیونکہ تمام امورِ شرعی کے ذکر کا ایک جگہ التزام نہیں ہے۔ ایمان کی تکمیل کیلئے یہ ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توحید اس کے فرشتے اس کی کتابیں اس کے رسول سب ہی کو تسلیم کیا جائے تعجب ہے کہ بعض لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لانے کو اس آیت سے کس طرح سمجھ لیا جبکہ عدمِ ذکر عدمِ ایمان کو مستلزم نہیں ایمان باللہ وہی معتبر ہو سکتا ہے جو پیغمبر کے سمجھانے اور بتانے سے اختیار کیا جائے رسالت کے واسطے سے جو توحید اختیار کی جائے وہی توحید ہے ورنہ وہ ایک مذاق ہے جو آج کل کے مدعیانِ توحید خدا کی توحید کیساتھ کر رہے ہیں حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی کسی فرقے پر موقوف نہیں یقین لانا شرط ہے اور عمل نیک اپنے اپنے وقت جس نے یہ کیا ثواب پایا یہ اس واسطے فرمایا کہ بنی اسرائیل اسی پر مغرور تھے کہ ہم پیغمبروں کی اولاد ہیں ہم ہر طرح خدا کے ہاں بہتر ہیں یہودی کہتے ہیں حضرت موسیٰؑ کی اُمت کو نصاریٰ حضرت عیسیٰؑ کی امت کو صابئین بھی ایک فرقہ ہیں حضرت ابراہیمؑ کو مانتے ہیں موضح القرآن۔ جہاں رسولوں پر ایمان لانے کا ذکر آئے گا وہاں اس مسئلہ پر انشاء اللہ مزید روشنی ڈالی جائیگی اللہ تعالیٰ نے ساتویں پارے میں فرمایا ہے والذین یؤمنون بالاخرۃ یؤمنون بہ یعنی جو لوگ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ اس (باقی ضمیمہ میں)

ف اور اے بنی اسرائیل تم اس واقعہ کو یاد کرو جب حضرت موسیٰؑ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ تم ایک بیل ذبح کرو اس پر حضرت موسیٰؑ کی قوم نے کہا کیا آپ ہمارا مذاق بنانا چاہتے ہیں اور ہم سے ہنسی کرتے ہیں حضرت موسیٰؑ نے فرمایا میں اس بات سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں جاہلوں میں سے ہو جاؤں (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ عامیل نامی ایک شخص تھا جو قتل ہو گیا تھا مرنے سے پہلے اس کا بیان قلم بند نہیں ہو سکا قاتلوں نے یہ ہوشیاری کی کہ مقتول کی لاش شارع عام پر یا کسی شخص کے دروازے کے آگے ڈال دی جب قاتل کا پتہ نہ چلا تو مقتول کے وارثوں نے حضرت موسیٰؑ سے عرض کی جناب ہمارے چچا کے قاتل کا پتہ نہیں چلتا آپ اللہ سے دعا کیجئے حالانکہ وہی بھتیجے قاتل تھے اس پر حضرت موسیٰؑ نے جب دعا کی تو یہ حکم ہوا حضرت موسیٰؑ نے قوم کو سنایا کہ اللہ تعالیٰ تم کو یہ حکم دیتا ہے کہ تم ایک بیل ذبح کرو اس پر قوم کے لوگوں نے یہ کہا کہ آپ کیا ہم سے مذاق کرنا چاہتے ہیں چونکہ تمسخر اور مذاق ایک عبث فعل ہے اور یہ کام سمجھ دار لوگوں کا نہیں ہے بلکہ جاہلوں کا کام ہے اس لئے موسیٰؑ نے کہا میں جاہلوں میں ہو جاؤں اس پر خدا کی پناہ مانگتا ہوں۔ ہم نے بقرۃ کا ترجمہ بیل کیا ہے چونکہ آگے کی آیت میں جو کام ذکر کیا ہے وہ عام طور پر بیل ہی کیا کرتا ہے۔ اس لئے ہم نے بیل ترجمہ کیا ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ گائے ہو اور وہ لوگ گائے سے کھیتی کا کام لیتے ہوں بیل کو استعمال نہ کرتے ہوں واللہ اعلم۔ بنی اسرائیل کی چونکہ عام عادت یہ تھی کہ ہر بات میں مجتیں نکالا کرتے تھے وہی طریقہ انھوں نے اس موقعہ پر بھی اختیار کیا چنانچہ جس قدر تحقیق کرتے گئے اسی قدر سختی بڑھتی گئی اور معاملہ سنگین ہوتا گیا شددوا علی انفسھم فشدد اللہ علیھم ان کی سمجھ میں قتل کی تحقیق کا تعلق بیل کے ذبح کرنے سے نہیں آیا اس لئے سوال جواب کرنے شروع کر دئے (تسہیل)

أَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ۖ قَالَ أَعُوذُ بِاللَّهِ أَنْ أَكُونَ مِنَ

کیا آپ ہم سے مذاق کرتے ہیں موسیٰؑ نے جواب دیا میں اس بات سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں جاہلوں میں سے

الْجَاهِلِينَ ﴿٦٧﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّن لَّنَا مَا هِيَ ۚ

ہو جاؤں ف انھوں نے کہا آپ اپنے رب سے ہمارے لئے درخواست کیجئے کہ وہ ہم کو اس بیل کے اوصاف بیان کر دے کہ وہ کیسا ہو

قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَلَا بِكْرٌ

موسیٰؑ نے کہا وہ فرماتا ہے کہ وہ بیل ایسا ہو جو نہ تو بہت بڑھا ہو اور نہ بالکل بچہ ہو بلکہ وہ بیل ان دونوں حالتوں کے

عَوَانٌ بَيْنَ ذَٰلِكَ ۖ فَافْعَلُوا مَا تُؤْمَرُونَ ﴿٦٨﴾ قَالُوا

درمیان متوسط عمر کا ہو سو جو تم کو حکم دیا گیا ہے اُس کو بجا لاؤ۔ وہ کہنے لگے ہماری خاطر

ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّن لَّنَا مَا لَوْنُهَا ۚ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ

اپنے رب سے اتنی درخواست اور کر دیجئے کہ وہ ہم کو بتا دے اُس کا رنگ کیسا ہو موسیٰ نے کہا خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ

إِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاءُ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النَّاظِرِينَ ﴿٦٩﴾

وہ ایک زرد رنگ کا بیل ہے جس کا رنگ بہت گہرا شوخ ہے جو دیکھنے والوں کو بھلا معلوم ہوتا ہے۔

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّن لَّنَا مَا هِيَ إِنَّ الْبَقَرَ

وہ کہنے لگے ہماری خاطر اپنے رب سے آپ اتنا اور دریافت کیجئے کہ وہ ہم کو بتا دے کہ وہ بیل کس قسم کا ہو کیونکہ وہ بیل

تَشَابَهَ عَلَيْنَا وَإِنَّا إِن شَاءَ اللَّهُ لَمُهْتَدُونَ ﴿٧٠﴾

ابھی ہم پر مشتبہ ہے اور اگر اللہ نے چاہا تو اب کے ہم ضرور راہ پالیں گے۔

قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُولٌ تُثِيرُ الْأَرْضَ

موسیٰؑ نے کہا خدا تعالیٰ فرماتا ہے وہ بیل محنت کش نہ ہو کہ زمین کو جوتتا ہو

وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيهَا ۚ قَالُوا

اور نہ وہ کھیتی میں آبپاشی کرتا ہو وہ صحیح سالم ہو اس میں کسی طرح کا داغ نہ ہو اس پر ان لوگوں نے کہا

الْآنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ۚ فَذَبَحُوهَا وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ ﴿٧١﴾ ع

اب آپ پوری اور صاف بات لائے پھر انھوں نے اُس بیل کو ذبح کیا اور وہ ایسا کرتے معلوم نہ ہوتے تھے ف

ع ۸ / ۱۰ / ۸

ف اُنھوں نے کہا اے موسیٰؑ آپ اپنے رب سے ہمارے لئے درخواست کیجئے کہ وہ اس بیل کا حال اور اس کا وصف بیان کرے کہ وہ کیسا ہو کتنا بڑا ہو حضرت موسیٰؑ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ بیل نہ تو بہت بوڑھا ہو اور نہ بالکل بچہ ہو بلکہ اس کی عمر ان دونوں حالتوں کے درمیان ہو اب جو کچھ تم کو حکم دیا گیا ہے اس کو کر ڈالو اس پر اُنھوں نے کہا آپ اپنے رب سے ہمارے لئے یہ درخواست اور کر دیجئے کہ وہ یہ بیان کرے کہ اُس بیل کا رنگ کیسا ہو حضرت موسیٰؑ نے کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ ایک ایسا بیل ہو جس کا رنگ زرد ہو اور زرد بھی بہت گہرا اور شوخ جو دیکھنے والوں کو فرحت بخش اور خوش آیند ہو یہ سنکر انھوں نے کہا اچھا ایک اور درخواست اپنے رب سے ہمارے لئے کر دیجئے کہ وہ ذرا واضح طور پر یہ بیان کر دے کہ وہ بیل کیسا ہو اور اس کے اوصاف کیا ہوں وہ گھر کھڑا رہتا ہو یا ہل میں جوتا جاتا ہو کیونکہ اس بیل کا معاملہ ہم پر مشتبہ ہو گیا ہے اور اس میں ابھی کچھ اشتباہ باقی ہے اور ہم انشاء اللہ اب کی دفعہ ضرور راہ پالیں گے اور اسکو ٹھیک ٹھیک سمجھ جائیں گے حضرت موسیٰؑ نے کہا اللہ فرماتا ہے کہ وہ بیل نہ تو ہل ہی میں جوتا گیا ہو جس سے زمین جوتی جائے اور نہ اس کو پانی میں لگایا گیا ہو جس سے کھیتی کی آب پاشی کی جائے صحیح سالم اور بے داغ ہو وہ کہنے لگے اب آپ صاف اور پورا جواب لائے ہیں پھر اُنھوں نے ان اوصاف کا بیل تلاش کر کے اس کو ذبح کیا حالانکہ پے در پے ان کے سوالات اور حجت بازی سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ یہ کام کرنیوالے نہیں ہیں (تیسیر) بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ایک شخص کی لڑکی تھی اس سے کسی نے شادی کا پیام دیا باپ نے انکار کر دیا اس پر اس پیام دینے والے نے لڑکی کے باپ کو قتل کر دیا قاتل کا پتہ نہ چلتا تھا اس پر بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰؑ سے درخواست کی کہ قاتل معلوم ہونا چاہئے تاکہ بے چینی دور ہو اور بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ عمویل یا عامیل ایک سرمایہ دار آدمی تھا اس کے وارثوں نے اسے قتل کر دیا پھر اس کو شہر کے دروازے پر یا کسی دوسرے محلہ میں ڈال آئے قریب تھا کہ ورثاء مقتول میں اور ان محلے والوں میں سخت جنگ ہو جائے لیکن کسی سمجھ دار شخص نے دونوں فریق میں یہ کہہ کر بیچ بچاؤ کرا دیا کہ جب ہم میں اللہ کا پیغمبر موجود ہے تو اس سے دریافت کرو تم آپس میں کیوں لڑتے ہو چنانچہ اس بات پر سب مل کر حضرت موسیٰؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے مفسرین کے اقوال سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ نزول تورات سے قبل کا ہے اور اس وقت تک بنی اسرائیل کو اس قسم کے قتل کا حکم معلوم نہ تھا جب حضرت موسیٰؑ نے جناب باری میں دعا کی تو ارشاد ہوا کہ تم ایک بیل کو ذبح کرو (باقی ضمیمہ میں)

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ؕ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ

اور یاد کرو جب تم لوگوں نے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا پھر تم ایک دوسرے پر اس کا الزام دھرنے لگے اور اللہ تعالیٰ کو اس امر کا ظاہر کرنا مقصود تھا

تَكْتُمُوْنَ ۚ﴿۷۲﴾ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ؕ كَذٰلِكَ يُحْيِ

جو تم چھپانا چاہتے تھے۔ اس لئے ہم نے حکم دیا کہ تم ذبح شدہ بیل کا ایک ٹکڑا مقتول سے لگادو اسی طرح اللہ تعالیٰ مُردوں کو

اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۳﴾ ثُمَّ

زندہ کردے گا اور وہ تم کو اپنی قدرت کی نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم عقل سے کام لو پھر

قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ

ان واقعات کے بعد تمہارے دل ایسے سخت ہو گئے کہ جیسے وہ پتھر ہیں یا

اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ

ان سے بھی زیادہ سخت اور پتھروں میں تو بعض پتھر ایسے بھی ہیں جن سے بڑی بڑی نہریں پھوٹ

الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَ

نکلتی ہیں اور ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو پھٹ جاتے ہیں اور ان سے پانی جھرنے لگتا ہے اور

اِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا

ان ہی پتھروں میں بعضے ایسے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ڈر سے اوپر سے نیچے گر پڑتے ہیں اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال

تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۴﴾ اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ

سے بے خبر نہیں ہے ف۲ اے مسلمانو! کیا تم اب بھی توقع رکھتے ہو کہ وہ تمہارے کہنے سے ایمان لے آئیں گے حالانکہ ان میں کچھ لوگ

فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ

ایسے بھی ہو گزرے ہیں جو اللہ کا کلام سنتے تھے پھر اس کو سمجھنے کے بعد اس میں تحریف کر دیا کرتے

بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

تھے حالانکہ وہ جانتے تھے یعنی اس کام کی برائی کو۔ اور منافقین یہود جب ایمان والوں سے ملتے ہیں تو

قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚۖ وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا

کہتے ہیں کہ ہم بھی مسلمان ہوگئے ہیں اور جب تنہائی میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو کافر یہود منافقین یہود سے کہتے ہیں کہ

ف۱ اور یاد کرو جب تم نے یعنی تمہارے اسلاف میں سے کسی نے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا پھر تم آپس میں جھگڑنے لگے اور ایک دوسرے پر اس کا الزام لگانے لگے حالانکہ اللہ تعالیٰ کو اس کا ظاہر کرنا مقصود تھا جس کو تم چھپانے اور مخفی رکھنے کے درپے تھے لہٰذا ہم نے حکم دیا کہ اس ذبح شدہ بیل کا ایک ٹکڑا اس مقتول کے جسم سے لگادو اللہ تعالیٰ اسی طرح قیامت میں مُردوں کو زندہ کردے گا اور تم کو وہ اپنی قدرت کی نشانیاں اور دلائل دکھاتا ہے تاکہ تم سمجھو اور عقل سے کام لو (تیسیر) غرض ان لوگوں نے بڑی قیمت ادا کر کے اس بیل کو حاصل کیا اور امرِ خداوندی کے موافق اس کو ذبح کیا پھر اس کا ایک حصہ خواہ وہ زبان ہو یا دُم کا کوئی حصہ ہو مرنے والے کے بدن سے لگایا جس سے وہ مقتول زندہ ہو گیا اور اس نے اپنے ان ہی وارثوں میں سے ایک شخص کا نام بتا دیا جو مدعی بنے پھرتے تھے الزام لگانے لگے کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص اپنے سے الزام کو دفع کرتا تھا اور دوسرے پر ڈالتا تھا اور یہ جو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس چیز کو جسے وہ چھپانا چاہتے تھے ظاہر کرنیوالا تھا ہر عمل کا یہی حال ہے خواہ کوئی عمل اچھا ہو یا بُرا ہو اور اس کو کتنا ہی چھپا کر کیا جائے وہ ظاہر ہوہی جاتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کوئی آدمی کسی ایسے پتھر میں جس میں نہ کوئی دروازہ ہو اور نہ کوئی روشن دان ہو گھس کر بھی کوئی عمل کریگا خواہ وہ کوئی بھی عمل ہو وہ ایک دن ظاہر ہو کر رہے گا۔ بیہقی نے حضرت عثمان سے روایت کی ہے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص کا کوئی پوشیدہ عمل خواہ نیک ہو یا بد اللہ تعالیٰ اس طرح ظاہر کر دیتا ہے جس طرح چادر کر اس چادر سے پہچانا جاتا ہے یعنی اس عمل کو چادر بنا کر اڑھا دیا جاتا ہے جس سے ہر شخص کو معلوم ہو جاتا ہے غرض نیکی بدی چھپتی نہیں اسی کو فرمایا واللہ مخرج ما کنتم تکتمون اور یہ جو فرمایا کذلک یحی اللہ الموتیٰ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح ہم نے عامیل کو زندہ کردیا اسی طرح ہم قیامت کے دن تمام مُردوں کو زندہ کردیں گے وہ اپنی توحید کے دلائل اور اپنی قدرت کی نشانیاں اسی طرح دکھایا کرتے ہیں تاکہ تم لوگ عقل سے کام لو عامیل کو اگرچہ بغیر اس کے بھی زندہ کر سکتے تھے لیکن ان کے کسی فعل کی مصلحت اور حکمت کا کون احاطہ کر سکتا ہے ممکن ہے کہ اس میں ادائے واجب کا امتحان مقصود ہو اور یتیم کو نفع پہونچانا ہو اور توکل کی برکت اور اولاد پر شفقت اور ماں کی اطاعت کا اظہار مقصود ہو واللہ اعلم حضرت شاہ صاحب رح موضح القرآن میں فرماتے ہیں بنی اسرائیل میں ایک شخص مارا گیا تھا اس کا قاتل معلوم نہ تھا اس کے وارث ہر کسی پر دعویٰ کرتے اللہ تعالیٰ نے اس طرح اس مُردے کو جلایا اس نے بتایا کہ ان وارثوں ہی نے مارا تھا موضح القرآن (تسہیل) ف۲ پھر اس قسم کے واقعات کے بعد بھی تمہارے قلوب سخت ہی رہے اور سخت بھی ایسے جیسے وہ پتھر ہیں یا یوں سمجھو کہ پتھر سے بھی سختی میں بڑھے ہوئے اور پتھروں میں تو بعض پتھر ایسے بھی ہیں کہ اُن سے نہریں اور ندیاں جاری ہوتی ہیں اور انہی پتھروں میں سے بعض ایسے پتھر بھی ہیں کہ وہ پھٹ جاتے ہیں اور شق ہو جاتے ہیں پھر ان سے پانی نکلنے لگتا ہے اور انہی پتھروں میں سے بعض پتھر ایسے ہیں جو خدا کے خوف اور ڈر سے نیچے گر پڑتے ہیں اور اوپر سے لڑھک آتے ہیں اور تم لوگ جو عمل کر رہے ہو اس سے اللہ تعالیٰ غافل اور بے خبر نہیں ہے (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ اس قدر احسانات اور اس قدر معجزات و دلائل کے باوجود تمہارے قلب سخت ہو گئے۔ حالانکہ قلب میں خشوع اور نرمی، عاجزی اور احسان مندی بڑھتی لیکن شومیٔ قسمت سے قساوت بڑھی ہم نے ابتدا سورت میں بتایا تھا کہ قساوت بھی رُوحانی امراض کا ایک درجہ ہے سورۂ مائدہ میں ارشاد ہے وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً یعنی ہم نے ان کے قلوب کو سخت کر دیا قساوت کے معنی ہیں، خشک ہو جانا اور سخت ہو جانا اور سیاہ ہو جانا یہاں قسوۃ قلب سے مراد ہے شفقت و رحمت کا قلب سے دور ہو جانا رجوع الی اللہ اور یقین و اذعان سے قلب کا خالی ہو جانا ایسے قلوب کو پتھر سے تشبیہ دی ہے بلکہ بعض امور میں پتھر سے بھی زیادہ سخت بتایا ہے اُردو میں بھی یہ محاورہ مستعمل ہے سنگدل اور قسی القلب اور سخت دل اُس شخص کو کہتے ہیں جو نرم دل اور شفیق نہ ہو اللہ تعالیٰ نے پتھروں کی تین قسمیں بتائی ہیں ایک وہ ہے جس سے اس قدر پانی جاری ہوتا ہے کہ دریا بن جاتا ہے۔ دوسرے اس سے ذرا کم کہ اس سے خالی پانی جھرنے یا رسنے لگتا ہے تیسری قسم اس سے بھی کم کہ اُس میں سے پانی تو نہیں نکلتا لیکن وہ خوفِ خداوندی کے باعث اوپر سے نیچے لڑھک پڑتے ہیں اور ان پر خوفِ الٰہی اور خشیتِ الٰہی کا یہ اثر ہوتا ہے کہ وہ اوپر سے نیچے گر جاتے ہیں۔ گویا ایک قسم کا نفع زیادہ اور دوسری قسم کا نفع کم اور (باقی ضمیمہ میں)

۲

ف کیا یہ یہود کے منافقین اور محرفین اتنی بات نہیں جانتے کہ وہ جو کچھ چھپاتے اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں اُس سب کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے (تیسیر) خلاصہ یہ کہ اس قسم کی تدبیروں سے کیا ہوتا ہے یہ تدابیر اور کسی چیز کو چھپانا تو وہاں مفید ہوتا ہے جہاں مقابلہ کسی انسان سے پڑے اور جہاں اللہ تعالیٰ کی ذات کا معاملہ ہے وہاں کوئی تدبیر اور اخفا کیا مفید ہو سکتا ہے لوگ جو کام چھپاتے ہیں مثلاً نفاق اور توریت کی تحریف وغیرہ وہ اس کو بھی جانتا ہے اور جو کام یہ علانیہ کرتے ہیں وہ اس کو بھی جانتا ہے تو کیا یہ یہود اتنی بات بھی نہیں جانتے پھر اگر منافقین یہود کچھ باتیں توریت کی مسلمانوں کو بتا دیتے ہیں تو یہ ان کو کیوں ملامت کرتے ہیں آگے توریت میں تحریف کرنے والوں کی مذمت اور ان کے انجام کا ذکر فرماتے ہیں اور اَن پڑھ عوام اور تعلیم یافتہ خواص دونوں کی حالت بیان کرتے ہیں (تسہیل) ف۲ اور انہی یہود میں کچھ ایسے اُمّی اور ناخواندہ لوگ بھی ہیں جو توریت کے علم کی تو خبر نہیں رکھتے اور کتابی علم سے ناواقف ہیں مگر انھوں نے محض سنی سنائی اور بے سند باتوں پر آرزوئیں اور اُمیدیں باندھ رکھی ہیں اور وہ لوگ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ محض بے بنیاد خیالات اور اندازے لگایا کرتے ہیں پھر ان لوگوں کیلئے بڑی خرابی ہوگی جو اپنے ہاتھوں سے تحریف کر کے توریت لکھتے ہیں اور لوگوں کو یہ بتاتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے پاس سے یہی حکم نازل ہوا ہے اور اس تحریف اور کذب بیانی سے ان کی غرض یہ ہوتی ہے کہ اس کے ذریعہ کچھ قلیل اور تھوڑی سی رقم وصول کریں لہٰذا جو تحریف شدہ کتاب ان کے ہاتھوں نے لکھی ہے اس کی وجہ سے ان کو بڑی خرابی پیش آنیوالی ہے اور جو رقم اور ثمن قلیل اس کے ذریعہ کماتے اور وصول کیا کرتے تھے اس کی وجہ سے بھی بڑی ہلاکت اور خرابی ان کو پیش آنے والی ہے (تیسیر) اُمِّیُّوْنَ سے مراد یہود کے عوام ہیں اور ہو سکتا ہے کہ عرب کے نصاریٰ یا مجوس ہوں اُمّیؔ اصل میں اس کو کہتے ہیں جسے نہ تو لکھنا آتا ہو اور نہ وہ کسی لکھی ہوئی چیز کو صحیح طور پر پڑھ سکتا ہو اور یہ واقعہ ہے کہ ہر قوم میں کچھ پڑھے لکھے اور سمجھ دار آدمی ہوتے ہیں اور کچھ عوام اور جاہل و ناخواندہ ہوتے ہیں اور ان کی معلومات کا ذریعہ وہی پڑھے لکھے لوگ ہوتے ہیں یہ انہی کی بات مانتے ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عالم اور غیر عالم مراد ہوں بہرحال عوام کی حالت تو یہ تھی کہ وہ خود تو کتاب توریت کو نہ پڑھ سکتے تھے اور نہ سمجھ سکتے تھے مگر چند جھوٹی اور بے سند باتوں پر بھروسہ کئے بیٹھے تھے مثلاً ہم نبیوں کی اولاد ہیں اور جنت ہمارا حق ہے یا جنت میں سوائے یہود و نصاریٰ کے اور کوئی نہیں جائیگا یا اگر ہم لوگ دوزخ میں گئے بھی تو صرف چند دن کیلئے جائیں گے اور چونکہ اس قسم کی باتیں محض سن سنا کر بڑوں کی تقلید میں کہا کرتے تھے اس لئے پورا یقین بھی حاصل نہیں تھا اسی کو فرمایا وان ھم الا یظنون کہ یہ ان پڑھ لوگ محض خیالات باندھا کرتے ہیں ان عوام اور ناخواندہ لوگوں کی حالت بیان کرنے کے بعد ان کے علماء کا حال بیان فرمایا کہ چھوٹے تو چھوٹے مگر بڑے سبحان اللہ ان کی حالت یہ تھی کہ وہ کتاب کی تحریف کر کے لکھتے تھے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تحریف ان سے پہلے لوگوں نے کی ہو اور یہ اس تحریف شدہ کتاب کو لکھتے ہوں اور انکو معلوم ہو کہ یہ کتاب محرف ہے بہرحال ایک طرف تحریف کرتے تھے اور دوسری طرف اس کو خدا کا کلام اور منزل من اللہ بتاتے تھے اور منشا صرف یہ ہوتا تھا کہ اس کارروائی سے کچھ پیسے حاصل کریں یعنی رشوت لیکر کتاب اللہ کی غلط تفسیر اور غلط معنی بتاتے تھے۔

أَتُحَدِّثُونَهُم بِمَا فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَاجُّوكُم بِهِ عِندَ

تم مسلمانوں کو توریت کی وہ باتیں کیوں بتایا کرتے ہو جو اللہ تعالیٰ نے تم پر کھول رکھی ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ مسلمان ان باتوں کی وجہ سے تمہارے رب کے سامنے تم پر

رَبِّكُمْ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٧٦﴾ أَوَلَا يَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ

الزام قائم کر دیں کیا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے ف۱ کیا وہ اتنا بھی نہیں جانتے کہ اللہ کو معلوم ہے

مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿٧٧﴾ وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ

جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں ف۱ اور کچھ ان میں ایسے ناخواندہ بھی ہیں جو توریت کا علم نہیں رکھتے

الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانِيَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ﴿٧٨﴾ فَوَيْلٌ

مگر انھوں نے محض سنی سنائی باتوں پر چند اُمیدیں قائم کر رکھی ہیں اور سوائے اس کے نہیں کہ وہ محض خیالات باندھا کرتے ہیں۔ سو بڑی

لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَٰذَا

خرابی ہے ان کے لئے جو تحریف کر کے اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں پھر لوگوں سے کہتے ہیں یہ اسی طرح خدا کے پاس سے

مِنْ عِندِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ فَوَيْلٌ لَّهُم

نازل ہوئی ہے تاکہ اس تحریف کے بدلے کچھ تھوڑا سا دنیا کا نفع حاصل کر لیں سو جو کچھ ان کے ہاتھوں نے لکھا

مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا يَكْسِبُونَ ﴿٧٩﴾

اسکی وجہ سے ان کے لئے بڑی خرابی ہے اور جو کچھ وہ حاصل کیا کرتے تھے اسکے باعث ان کے لئے بڑی خرابی ہے ف۲

وَقَالُوا لَن تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَةً ۚ قُلْ

اور یہود کہتے ہیں کہ گنتی کے چند دنوں کے سوا دوزخ کی آگ ہم کو مس بھی نہ کرے گی اے پیغمبر ان سے کہو

أَتَّخَذْتُمْ عِندَ اللَّهِ عَهْدًا فَلَن يُخْلِفَ اللَّهُ عَهْدَهُ ۖ

کیا تم نے اللہ سے اس معاملہ میں کوئی عہد لے لیا ہے کہ اب ہرگز اللہ اپنے عہد کے خلاف نہیں کرے گا

أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٨٠﴾ بَلَىٰ مَن كَسَبَ

یا اللہ کے ذمہ وہ بات لگاتے ہو جو تم نہیں جانتے۔ یوں نہیں ہو یہ کہتے ہیں بلکہ اصل بات یہ ہے کہ جس نے گناہ

سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ

کمائے اور اُس کو اُس کے گناہوں نے سب طرف سے گھیر لیا تو ایسے لوگ اہل

النصف

ع ۲/۲

جیسا آدمی دیکھا اس کو ویسا ہی مسئلہ بتا دیا ویل کی تفسیر میں ترمذی کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جہنم کی ایک بہت عمیق اور گہری وادی ہے دوسری آیت میں پھر دو جگہ لفظ ویل آیا ہے تو یا تو یہ پہلے لفظ ویل کی تاکید ہے اور یا اس وجہ سے کہ ان کے گناہ بھی متعدد تھے اس لئے بار بار ان کے لئے لفظ ویل استعمال کیا گیا تحریف لفظی اور معنوی کے مرتکب ہوتے تھے یعنی ایک غلط بات کو خدا کی طرف منسوب کرتے تھے اور پھر اس کے ذریعہ دنیاوی منافع اور رشوت بھی حاصل کرتے تھے جب کسی کے لئے خرابی اور ہلاکت اور تباہی وغیرہ کا اظہار کرنا ہوتا ہے تو اہل عرب ویل۔ ویح۔ ویس۔ ویہ۔ ویک اور ویب وغیرہ الفاظ بولا کرتے ہیں اور ان سب لفظوں کے معنی قریب قریب ایک ہی ہیں۔ غرض یہود کے عوام اور خواص کی جہالت اور دنیا طلبی کا انجام بیان کرنے کے بعد ان کے ایک اور دعویٰ کا رد فرماتے ہیں اور ان کے لغو اور بیہودہ دعویٰ کا رد فرما کر اپنے صحیح احکام کا اعلان کرتے ہیں حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یہ وہ لوگ ہیں جو عوام کو

باقی صفحہ ۱۹ پر

اُن کی خوشی کے موافق باتیں جوڑ کر لکھ دیتے ہیں اور نسبت کرتے ہیں طرف خدا کے اور رسول کے (موضح القرآن ، تسہیل) اور یہودیوں نے یہ بھی کہا کہ ہم کو گنتی کے چند ایام کے سوا دوزخ کی آگ چھوئیگی بھی نہیں آپ ان سے فرمائیے کیا تم نے اس بارے میں اللہ تعالیٰ سے کوئی وعدہ لے لیا ہے کہ وہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرے گا یا ویسے ہی اللہ تعالیٰ کے ذمہ ایسی بات لگاتے ہو جس کا تم علم نہیں رکھتے یوں نہیں بلکہ تم ہمیشہ آگ میں رہو گے کیونکہ ہمارا ضابطہ یہ ہے کہ جس نے قصداً گناہ کا ارتکاب کیا اور گناہ کرتا رہا اور اُس کے گناہوں نے اس کو سب طرف سے گھیر لیا تو ایسے ہی لوگ اہل جہنم اور دوزخی ہیں اور وہ اس دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے تو یہ لوگ اہل جنت ہیں وہ اس جنت میں ہمیشہ رہیں گے (تیسیر) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہود کا یہ خیال تھا کہ دنیا کی کل عمر سات ہزار برس ہے ہر ہزار سال کے بدلے ایک دن ہم لوگ آگ میں رہیں گے اور سات دن کے بعد عذاب منقطع ہو جائیگا ۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ہم لوگوں نے چالیس دن بچھڑے کی پرستش کی ہے بس چالیس دن آگ میں رہیں گے پھر نکال لئے جائینگے ابوہریرہ کی روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح خیبر کے روز یہود کو جمع کر کے دریافت کیا کہ دوزخی کون لوگ ہیں یہود نے جواب دیا کہ تھوڑے دن تو ہم لوگ رہیں گے اس کے بعد تم ہماری جگہ بھیج دیئے جاؤ گے حضورؐ نے فرمایا تم جھوٹے ہو ہم تمہاری جگہ نہ جائیں گے بلکہ تم ہی اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہو گے حضرت عکرمہؓ فرماتے ہیں ایک دن یہود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جمع تھے اور کچھ کہہ سن ہو رہی تھی یہود نے کہا ہم لوگ تو جہنم میں صرف چند روز کے لئے جائیں گے پھر ہمارے جانشین اور لوگ ہو جائیں گے اور حضورؐ کی طرف اشارہ کیا آپؐ نے فرمایا خدا تمہارا منہ کالا کرے ہم انشاء اللہ تمہارے قائم مقام نہ ہوں گے بلکہ تم ہی اس میں سدا رہو گے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ بعض اکابر فرماتے ہیں یہود چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھتے تھے اور حضرت عیسیٰؑ اور نبی آخر الزماںؐ کی نبوت کے منکر تھے اور حضرت موسیٰؑ کی شریعت کو منسوخ نہ سمجھتے تھے اس لئے انھوں نے یہ دعویٰ کیا کہ اگر ہم اپنے گناہوں کی وجہ سے جہنم میں گئے بھی تو ایمان کی وجہ سے ہمیشہ تو اس میں نہ رہینگے بلکہ تھوڑے دنوں میں نکل آئیں گے حالانکہ ان کے دعویٰ کی بنیاد ہی غلط ہے حضرت مسیحؑ اور نبی آخر الزماںؐ کی نبوت کے انکار کی وجہ سے وہ کافر ہیں اور کافر کو ہمیشہ دوزخ میں رہنا ہے بہرحال نزول کا واقعہ خواہ کچھ بھی ہو اور اسی طرح اس دعویٰ کے وجوہات خواہ کچھ بھی ہوں اللہ تعالیٰ نے جو جواب دیا وہ یہ ہے کہ کیا تم نے خدا سے کوئی عہد یا وعدہ لیا ہے کہ وہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کریگا پھر اگر وعدہ نہیں ہے تو اللہ پر بغیر کسی ایسی سند اور دلیل کے جس کا تم کو علم نہیں کیوں باتیں بناتے ہو امام رازی نے یہاں عہد کے معنی وعدہ کے کیے ہیں اس جواب کے بعد ایک اصولی ضابطہ فرمایا کہ تم ضرور ہمیشہ کے لئے آگ میں رہو گے کیونکہ ہمیشگی کا قاعدہ یہ ہے کہ کافر کیلئے ہمیشہ آگ ہے اور وہ مومن جو عمل صالح کا پابند ہے اس کے لئے ہمیشہ جنت ہے چنانچہ کافر کیلئے دو باتیں فرمائیں جس نے گناہ کمایا اور اُس کے گناہ نے اس کو سب طرف سے گھیر لیا حتیٰ کہ کسی نیکی کا اثر ہی باقی نہ رہا اور یہ گھیرا ایسا پڑا کہ دل میں ایمان اور تصدیق بھی باقی نہ رہی تو ظاہر ہے کہ اس

النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٨١﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

دوزخ ہیں وہ اس دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے ۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام

الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٨٢﴾ ع

کرتے رہے تو ایسے لوگ اہل جنت ہیں وہ اس جنت میں ہمیشہ رہیں گے

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا

اور یاد کرو جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ سوائے حق تعالیٰ کے کسی کی عبادت

اللّٰهَ ۟ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَ

نہ کرنا اور ماں باپ سے نیک سلوک کرنا اور قرابت داروں اور یتیموں اور محتاجوں سے بھی حسن سلوک سے

الْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ

پیش آنا اور عام لوگوں کو نرمی سے بھلی بات کہا کرنا اور نماز قائم رکھنا اور

اٰتُوا الزَّكٰوةَ ۭ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ

زکوٰۃ دیتے رہنا پھر تم پھر گئے مگر تم میں سے بہت تھوڑے اور تم ہو ہی رو گردانی

مُّعْرِضُوْنَ ﴿٨٣﴾ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ

کرنے والے اور یاد کرو جب ہم نے تم سے یہ عہد بھی لیا کہ تم آپس میں کشت و خون

دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ

نہ کرنا اور نہ تم آپس میں ایک دوسرے کو اپنے وطن سے جلا وطن کرنا ۔ پھر تم نے اس بات پر اقرار کیا

وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿٨٤﴾ ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَاۗءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ

اور تم بھی اسکی گواہی دیتے ہو یعنی تم کو بھی یہ اقرار تسلیم ہے ۔ پھر اب تم موجود تو ہو جو اپنے اقرار کے خلاف آپس میں کشت و خون بھی کرتے ہو

وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ ۡ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ

اور آپس میں ایک دوسرے کو جلا وطن بھی کرتے ہو وہ اس طور پر کہ اپنوں کے خلاف دوسروں کی

بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۭ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْھُمْ

ظلم اور گناہ کے ساتھ مدد کرتے ہو اور اگر وہی اپنے کبھی قیدی ہو کر تمہارے پاس آئیں تو تم سب ان کا فدیہ دیکر آزاد کراتے ہو

ع ۹ / ۱۱ / ۹

قسم کا احاطہ کفار ہی کے ساتھ مخصوص ہے لہٰذا اس آیت میں ان لوگوں کیلئے کوئی حجت نہیں ہے جو کبیرہ کے مرتکب پر بھی ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہنے کا حکم لگاتے ہیں کیونکہ آیت میں صرف گناہ کمانا نہیں ہے بلکہ گناہ کمانے کے ساتھ اُس کے گناہ تمام اطراف و جوانب سے اس کا احاطہ بھی کرلیں اور احاطہ کی جو تقریر ہم نے کی ہے اس کے بعد صرف کافر ہی رہ جاتے ہیں جو ہمیشہ عذاب میں رہیں گے اور اگر سیئہ سے شرک یا کفر مراد لیا جائے جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ ۔ مجاہد ۔ قتادہؒ ۔ عکرمہؒ اور حسنؒ اور حضرت ابوہریرہؓ اور عطاؒ وغیرہم کا قول ہے تو پھر مطلب صاف ہے کہ جس شخص نے شرک کا یا کفر کا ارتکاب کیا اور شرک و کفر نے اس کو اور اس کے دل کو ہر طرف سے گھیر لیا تو بس ایسے لوگ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے خلاصہ یہ ہوا کہ وہ مومن جو گناہ گار ہو اور بغیر توبہ کے مرجائے تو وہ اپنے گناہوں کی سزا بھگت کر ایک نہ ایک دن جہنم سے نکل جائیگا لیکن کافر اور مشرک کو کبھی دوزخ سے نکلنا نصیب نہ ہوگا ایک بات اور بھی ملحوظِ خاطر رہے کہ اہل جہنم کے ذکر میں تو فاولٰئک فرمایا اور اہل جنت کے ذکر میں بغیر فا کے اولٰئک فرمایا تو

(باقی ضمیمہ میں)

وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ إِخْرَاجُهُمْ ۚ أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ
حالانکہ اُن کا اخراج بھی تو تم پر حرام کیا گیا تھا تو کیا توریت کا کچھ حصہ مانتے ہو

الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ
اور اس کے بعض حصے سے انکار کرتے ہو سو جو شخص تم میں سے ایسا کرتا ہے

مِنْكُمْ إِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ
اس کی سزا سوائے اس کے کچھ نہیں کہ اس کے لئے دنیا کی زندگی میں ذلت ورسوائی ہو اور قیامت کے دن ایسے

إِلٰٓى أَشَدِّ الْعَذَابِ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿٨٥﴾ أُولٰٓئِكَ
لوگ سخت ترین عذاب میں ڈالدیے جائیں اور بہر حال جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے بے خبر نہیں ہے یہ لوگ

الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ز فَلَا يُخَفَّفُ
وہی ہیں جنھوں نے آخرت دیکر دنیا کی زندگی خریدلی سو نہ تو ان کے عذاب میں کسی وقت تخفیف کیا جائیگی

عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿٨٦﴾ ع وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى
اور نہ اُن کو کہیں سے مدد پہونچے گی ۔ ف۲ اور ہم نے موسیٰؑ کو کتاب

الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ز وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ
عطا کی اور اُس کے بعد پے در پے اور رسول بھیجتے رہے اور ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ کو

مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۗ اَفَكُلَّمَا
واضح معجزات عطا کئے اور اس کو روح القدس یعنی جبریل سے قوت دی پس کیا یہ امر واقعہ نہیں ہے کہ جب

جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيْقًا
کبھی بھی تمہارے پاس کوئی رسول تمہاری نفسانی خواہشات کے خلاف احکام لیکر آیا تو تم تکبر کرنے لگے پھر ان نبیوں میں سے بعض

كَذَّبْتُمْ ز وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ﴿٨٧﴾ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ۗ
کو تم نے جھٹلایا اور بعض کو تم قتل کر ڈالتے تھے ف۳ اور یہود کہتے ہیں کہ ہمارے دل محفوظ ہیں

بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٨٨﴾
یوں نہیں بلکہ اللہ نے انپر ان کے کفر کی وجہ سے لعنت کر رکھی ہے سو وہ بہت ہی تھوڑا ایمان رکھتے ہیں۔ ف۴

ف پھر اُس عہد و پیماں کے بعد تم لوگ اب موجود ہی ہو کہ باہم ایک دوسرے کو قتل بھی کرتے ہو اور اپنوں ہی میں سے کچھ کو ان کے گھروں سے جلاوطن بھی کرتے ہو اور اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اپنوں کے مقابلہ میں دوسری مخالف قوموں کی گناہ اور ظلم کیساتھ امداد کرتے ہو اور مخالفوں کے ساتھی بن کر اپنوں سے لڑتے ہو نیز گناہ اور ظلم کی حمایت میں لڑتے ہو پھر لطف یہ کہ اگر ان اپنوں میں سے کوئی گرفتار ہو کر اور قیدی بن کر تمہارے پاس پہونچ جائے تو تم اس کو فدیہ اور کچھ لے دے کر قید سے رہا کراتے ہو حالانکہ ان کا جلاوطن کرنا اور ان کو ان کے گھروں سے نکالنا بھی تو تم پر توریت کے حکم کے بموجب حرام کیا گیا ہے تو ایک حکم کی تعمیل تو اس طرح دوڑ کر کرتے ہو اور دوسری چیز جو ممنوع اور حرام تھی اُس کا بے تکلف ارتکاب کرتے ہو تو پھر کیا توریت کے بعض حصے کو مانتے ہو اور بعض حصے کو ماننے سے منکر ہوتے ہو تو تم لوگوں میں سے جو ایسا کرتا ہے اس کی سزا سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ دنیوی زندگی میں کم از کم اس کو ذلت و رسوائی نصیب ہو اور قیامت کے دن اس قسم کے لوگ شدید ترین عذاب میں ڈال دیے جائیں اور جو اعمال بد تم لوگ کر رہے ہو اس سے اللہ تعالیٰ بے خبر اور غافل نہیں ہے (تیسیر) مدینہ منورہ میں کفارِ عرب کے دو مشہور قبیلے آباد تھے اوس اور خزرج ان دونوں قبیلوں میں باہمی سخت عداوت تھی اور یہ دونوں قبیلے باہم جنگ بھی کیا کرتے تھے اور ان کی لڑائیاں بڑی دیرپا ہوتی تھیں اور مدتوں چلتی رہتی تھیں۔ مدینہ منورہ کے آس پاس یہودیوں کے بھی مختلف قبائل آباد تھے جیسے بنی قریظہ اور بنی نضیر اور بنی قینقاع وغیرہ جس طرح کفار میں اوس اور خزرج مشہور تھے اسی طرح یہود کے بنی قریظہ اور بنی نضیر دو قبیلے مشہور تھے اور چونکہ ان میں بھی باہم چشمک رہتی تھی اس لئے ضرورت تھی کہ یہ لوگ اپنے حمایتیوں کی تعداد بڑھائیں اور اپنے مخالفوں کو نیچا دکھائیں چنانچہ اوس نے تو بنی قریظہ سے عرب کے دستور کے مطابق حلف کر رکھا تھا اور خزرج نے بنی نضیر سے حلف کر رکھا تھا اب جب کبھی ان قبائل میں جنگ ہوتی تھی خواہ وہ اوس اور خزرج کے مابین ہو یا بنی قریظہ اور بنی نضیر کے درمیان ہو تو ان کے حلفا اور معاہد لوگوں کو بھی ساتھ لڑنا پڑتا تھا اوس لڑیں تو بنی قریظہ ان کے ساتھ ہوں اور بنی قریظہ لڑیں تو اوس ان کے ساتھ ہوں اسی طرح خزرج لڑیں تو بنی نضیر ساتھ ہوں اور بنی نضیر لڑیں تو خزرج ساتھ ہوں۔ یعنی جب جنگ ہو تو ایک طرف کفارِ عرب اور اہلِ کتاب ہوں اور دوسری طرف کفارِ عرب اور اہلِ کتاب ہوں۔ مدینہ کی مشہور لڑائیوں میں اسی دستور کے موافق جنگ ہوا کرتی تھی۔ اگرچہ اہلِ کتاب اور یہودی کفارِ عرب کے ہمراہ مل کر دوسرے کافروں اور یہودیوں سے لڑتے تھے لیکن بہر حال یہود یہود سے لڑتے تھے اور یہود یہود کو قتل بھی کرتے تھے اور یہود یہود کی بستیوں کو برباد بھی کرتے تھے اور ان بستیوں کے رہنے والوں کو ترکِ وطن پر مجبور بھی کرتے تھے اور جب اس جنگ میں کچھ یہودی گرفتار اور قید ہو جاتے تھے تو ان کو فدیہ وغیرہ دیکر چھڑاتے بھی تھے یہ یہودِ مدینہ کا طرزِ عمل تھا لیکن توریت میں ان کو تین حکم دیئے گئے تھے ایک تو یہ کہ آپس میں کشت و خون نہ کرنا، دوم یہ کہ آپس میں ایک دوسرے کو جلاوطن نہ کرنا۔ سوم یہ کہ اگر کوئی اپنا بھائی کبھی گرفتار ہو جائے اور قیدی بنا لیا جائے تو اس کا فدیہ ادا کر کے اسکو چھڑا لینا اب یہ لوگ توریت کے پہلے اور دوسرے حکم کی تو کھلا مخالفت کرتے تھے اور تیسرے حکم کو بڑے اہتمام کے ساتھ پورا کرتے تھے اسی کو فرمایا کہ توریت کا کچھ حصہ مانتے ہو اور کچھ کے منکر ہوتے ہو اگر یہ لوگ پہلے اور دوسرے حکم کو حکم ہی نہ مانتے ہوں تب تو شریعتِ موسوی کی رُو سے بھی صریح کافر تھے اور تکفر دون حقیقی کفر کے معنی میں ہوگا اور اگر حکم کو حکم مان کر خلاف ورزی کرتے تھے جیسا کہ ظاہر بھی ہے تو کفر کا تہدیداً استعمال ہوگا اور یہ بات ایک شرعی اصول کی بنا پر ہم نے کہی ہے ورنہ نبی آخر الزماںؐ کی نبوت کا انکار ہی ان کے کفر کے لئے کافی ہے لیکن یہاں اُس کفر کی بحث نہیں ہے بلکہ اس کفر میں گفتگو ہے جس کا تعلق توریت کے احکام کیساتھ ہے صاحب تفسیر عزیزی یہاں کفر سے حقیقی کفر مراد لیتے ہیں جیسا کہ ہم نے احتمال اول میں ذکر کیا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں رسوائی اور ذلت تو ان کی سزا ہے ہی جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کے دور میں ہوا جو انشاء اللہ آگے آئیگا لیکن اس سے زیادہ بھی سزا ہو سکتی ہے جیسے قتل وغیرہ خلاصہ یہ ہے کہ الا خزی میں کمی کی نفی کا حصہ ہے زیادتی کا نہیں (باقی ضمیمہ میں)

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ

اور جب اللہ کی طرف سے اُن کے پاس وہ کتاب آئی جو تصدیق کرتی ہے اس کتاب کی جو ان کے پاس ہے

وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا

حالانکہ پہلے کافروں کے خلاف فتح کی دعا کیا کرتے تھے پھر جب

جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۫ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿٨٩﴾

وہ ان کی جانی پہچانی چیز آگئی تو اُس کا انکار کر دیا سو خدا کی پھٹکار ہو انکار کرنیوالوں پر ف۱

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ

وہ شے بہت بُری ہے جس شے کے عوض انھوں نے اپنی جانوں کو خریدا وہ یہ کہ اُس کلام سے انکار کیا جو اللہ نے نازل کیا ہے

بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ

اور یہ انکار بھی محض اس ضد پر کہ وہ کلام اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہا اپنے فضل سے کیوں

عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ

نازل کیا سو وہ لوگ غضب پر غضب کے مستحق ہوگئے اور ایسے منکروں کے لئے توہین آمیز

مُّهِيْنٌ ﴿٩٠﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ

عذاب ہے اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اُن سب کتابوں پر ایمان لاؤ جو اللہ نے نازل کی ہیں تو کہتے ہیں ہم تو اسی

بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ ۗ وَهُوَ الْحَقُّ

کتاب پر ایمان لائیں گے جو ہم پر نازل ہوئی ہے اور جو اس کے علاوہ ہے اس کا انکار کرتے ہیں حالانکہ وہ کتابیں بھی برحق ہیں اور

مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ؕ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ

اس کتاب کی تصدیق کرنیوالی بھی ہیں جو اُن کے پاس ہے اے پیغمبر ان سے کہو اچھا اگر تم اپنی کتاب پر ایمان رکھتے تھے

مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٩١﴾ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ

تو گزشتہ زمانے میں اللہ کے نبیوں کو کیوں قتل کیا کرتے تھے۔ اور تمہارے پاس حضرت موسیٰ

مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ

واضح دلائل لیکر آئے پھر ان کے طور پر جانے کے بعد تم نے بچھڑے کو معبود بنا لیا اور تمہارا حال یہ ہے

ف۱ اور جب اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان یہود کے پاس وہ کتاب آئی جو اُس کتاب کی تصدیق کرنیوالی ہے جو اُن کے پاس ہے یعنی توریت حالانکہ یہ اُس قرآن کے نزول سے قبل کفار کے مقابلہ میں فتح طلب کیا کرتے تھے اور خدا تعالیٰ سے نصرت کی دعائیں مانگا کرتے تھے مگر جب وہ چیز جسکو یہ اچھی طرح جانتے اور پہچانتے ہیں آگئی تو اس کا انکار کر بیٹھے اور اس پر ایمان لانے سے منکر ہو گئے لہٰذا ایسے منکروں پر جو جانتے بوجھتے انکار کریں اللہ تعالیٰ کی پھٹکار اور لعنت ہو (تیسیر) پہلی کتاب سے مراد قرآن اور دوسری کتاب سے مراد توریت ہے تصدیق کا مطلب وہی ہے جو ہم اوپر عرض کر چکے ہیں یعنی قرآن توریت کے منجانب اللہ ہونے کی تصدیق کرتا ہے یا توریت میں جو پیشین گوئیاں قرآن اور نبی اُمی کے متعلق ہیں ان کو سچ کرنیوالا ہے۔ طلب فتح کا یہ مطلب ہے کہ جب کبھی کفار سے ان اہل کتا کی جنگ ہوتی تھی تو یہی یہود نبی آخر الزماں اور قرآن کا واسطہ دیکر اللہ تعالیٰ سے نصرت طلب کیا کرتے تھے اور کفار پر فتح حاصل کرنے کی دعا کیا کرتے تھے اللھم ربنا انا نسئلك بحق احمد النبی الامی الذی وعدتنا ان تخرجه لنا فی اخر الزمان وبكتابك الذی تنزل علیه اخر ما ینزل ان تنصرنا علی اعدائنا۔ یعنی اے اللہ اے ہمارے پروردگار ہم اس احمد نبی امی کے واسطے اور اس کی برکت سے دعا کرتے ہیں جس کا تو نے ہم سے وعدہ کیا ہے کہ تو ان کو ہمارے لئے آخر زمانے میں مبعوث فرمائے گا اور تیری اس کتاب کے واسطے سے جو آخری کتاب ہے تجھ سے دعا کرتے ہیں کہ تو ہمارے دشمنوں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔ یہ دعائیں تو قرآن سے قبل مانگتے تھے مگر جب وہ قرآن اور وہ احمد نبی اُمی تشریف لائے تو یہ جانتے ہوئے کہ یہ وہی نبی ہیں جن کا ذکر ہماری کتاب میں ہے اور یہ قرآن وہی کتاب ہے پھر انکار کر دیا استفتاح کا ترجمہ ہم نے وہی اختیار کیا ہے جو عام طور سے مشہور ہے لیکن ہو سکتا ہے کہ استفتاح کے معنی فتح کے ہوں جیسا کہ بعض حضرات اس کے قائل ہیں تو اب مطلب یہ ہوگا کہ اس قرآن کے آنے سے قبل تو تم خود کفار سے یہ بیان کیا کرتے تھے اور کافروں سے یہ کہا کرتے تھے کہ آخر زمانے میں ایک نبی آنیوالا ہے اور وہ ایک کتاب لانیوالا ہے اور وہ عرب میں پیدا ہونیوالا ہے مگر جب وہ خود تمہارا بیان کردہ نبی آ پہنچا اور وہ اپنے ہمراہ کتاب بھی لایا تو تم نے انکار کر دیا حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں جب غلبہ کافروں کا دیکھتے تو دعا مانگتے کہ نبی آخر الزماں شتاب پیدا ہو جب پیدا ہوا تو آپ ہی منکر ہوئے موضح القرآن۔ بہرحال استفتاح طلب نصرت و فتح کے معنی میں ہو یا فتح کے معنی میں ہو مطلب یہ ہے کہ اس قرآن کے نزول سے قبل اور اس پیغمبر کی تشریف آوری سے قبل تم کو ان کا حق ہونا تسلیم تھا لیکن جب یہ کتاب آئی تو تم ہی نے اس کو ماننے سے انکار کر دیا (تسہیل) باقی ضمیمہ میں ۔

اور اس بات کو یاد کرو جب ہم نے تم سے عہد اور قول لیا اور تمہارے اوپر طور کو معلق کر دیا اور تم کو حکم دیا کہ جو کتاب ہم نے تم کو دی ہے اس کو پوری عزیمت اور قوت سے قبول کرو تو انھوں نے پہاڑ کو دیکھ کر یہ کہہ اکہ ہم نے سن تو لیا لیکن ہم سے اس پر عمل نہیں ہوگا اور ان کی حالت یہ تھی کہ اُن کے کفر کے باعث اُن کے قلوب میں اس گئوسالہ کی محبت پیوست کر دی گئی تھی آپ فرما دیجئے اگر تم واقعی اپنے خیال اور گمان میں اہل ایمان ہو تو جن اعمال و افعال کی تم کو تمہارا ایمان تعلیم دے رہا ہے وہ افعال و اعمال بہت برے ہیں (تیسیر) مدعا یہ ہے کہ ان کے کفر اور حسد کی یہ حالت ہے کہ جب ان سے یہ مطالبہ کیا جائے کہ اور کتابوں پر بھی ایمان لاؤ تو جواب دیتے ہیں کہ جو کتاب ہماری جانب اتاری گئی ہے ہم تو اس پر ایمان لائیں گے اور توریت کے ماسوا دوسری کتابوں کا انکار کرتے ہیں تو اول تو اسی سے کافر ہوگئے پھر جس پر ایمان کے مدعی ہیں اس کی بھی یہ حالت ہے کہ گزشتہ زمانے میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو قتل کرتے رہے ہیں پھر لطف یہ ہے کہ توریت کے بعد کی جن کتابوں کے ساتھ کفر کا برتاؤ کر رہے ہیں وہ توریت کی تصدیق کرنے والی ہیں تو اب مطلب یہ ہوا کہ اُن کا توریت پر بھی ایمان نہیں ہے کیوں کہ انبیاء علیہم السلام کا قتل تو ہر آسمانی کتاب میں حرام اور ممنوع ہے۔ اسی طرح توریت کی تصدیق کرنے والی کتاب کی تکذیب خود توریت کی تکذیب کو مستلزم ہے۔ پھر ان کے دعوے کی تغلیط اس سے بھی ظاہر ہے کہ انھوں نے خود حضرت موسیٰ کی موجودگی میں کیا کیا۔ کہ جب حضرت موسیٰ بڑے بڑے دلائل لیکر آئے مثلاً عصا کا سانپ ہو جانا۔ ید بیضاء۔ دریا کا پھٹ جانا۔ پتھر میں سے بارہ چشموں کا نکلنا وغیرہ تو انھوں نے موسیٰ کے تشریف لانے کے بعد یا ان کے کوہ طور پر جانے کے بعد بچھڑے کو معبود بنا لیا۔ وانتم ظلمون کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم بچھڑے کو معبود بنانے میں بڑے ظلم و ستم کا ارتکاب کر رہے تھے۔ سمعنا وعصینا کا مطلب یہ ہے کہ زبان سے تو پہاڑ گرنے کے خوف سے کہتے تھے کہ ہم نے سُن لیا اور دل سے کہتے تھے کہ ہم نے قبول نہیں کیا یا ان کے طرز عمل نے یہ ثابت کر دیا کہ یہ دل سے قبول نہیں کر رہے تھے۔ اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ چونکہ واقع میں یہ ان کا کہنا دل سے نہ تھا اس لئے گویا زبانِ حال سے کہہ رہے تھے کہ ہم سے عمل نہیں ہوگا زبانِ قال سے جو کچھ کہہ رہے تھے زبانِ حال سے اس کا انکار کر رہے تھے۔ بچھڑے کی محبت ان کے قلوب میں اس طرح پلا دی گئی تھی جس طرح کسی کپڑے کو اگر رنگیں تو اس میں رنگ بیٹھ جاتا ہے اگرچہ بچھڑے کا قصہ ختم ہو چکا تھا ان کے کفر کی وجہ سے پھر وہ اثرات جو اس کی محبت کے قلب میں باقی رہ گئے تھے رفتہ رفتہ اثر پذیر ہوگئے اور چونکہ عام طریقہ سے ان کی عادت کفر و نافرمانی کی تھی اور شرک کی طرف طبعاً مائل تھے حتیٰ کہ دریا کے پار ہوتے ہی حضرت موسیٰ سے بُت فراہم کرنے کی فرمائش کر دی تھی اسی کفر و عصیان کی بدولت یہ نوبت ہوگئی کہ دل میں بچھڑے کی محبت نے جگہ پکڑ لی۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کی موجودگی میں گستاخیاں کرتے رہے جو پیغمبر توریت کی تبلیغ کے لئے مبعوث ہوئے ان کو قتل کر دیا۔ حضرت عیسیٰ تشریف لائے تو ان کی جان کے درپے ہوگئے اور اب نبی آخر الزماں کا دور آیا تو اُسی توریت کو آڑ بنا لیا اور قرآن پر ایمان لانے سے انکار کر دیا۔ اس پر فرماتے ہیں کہ اے محمدؐ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اگر یہ حرکات شنیعہ اور قبیحہ جو مذکور ہوئیں ایسی پر تمہارا ایمان ہے تو یہ افعال تو بہت ہی برے ہیں جن کی تمہیں تمہارا ایمان تعلیم دیتا ہے یا یہ کہ اگر تم اپنے زعم باطل میں ایمان والے ہو اور ان افعال کا تم اور تمہارے بڑے ارتکاب بھی کرتے رہے ہو تو یہ کام تو بہت ہی برے ہیں جن کی تعلیم تمہیں تمہارا ایمان دیتا ہے اور وہ ایمان ہی کیا جو توریت احکام کے خلاف اعمال پر آمادہ کرے مطلب یہ ہے کہ تم مومن ہی نہیں ہو حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی ظاہر میں کہا ہم نے مانا اور چھپے کہا کہ نہ مانا۔ موضح القرآن۔ (تسہیل) ف اے پیغمبر آپ ان لوگوں سے فرمائیے کہ اگر تمہارے خیال کے مطابق دار آخرت اور عالم آخرت اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہارے ہی لئے خاص ہے اور وہاں کے منافع اور عیش و آرام بلا شرکت غیرے خالص تمہارے لئے ہیں تو اچھا اگر تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو تو ذرا دیا تی ضیعہ ہیں،

وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۹۲﴾ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا

اگر تم ظلم کے خوگر ہوگئے اور یاد کرو جب ہم نے تم سے قول و قرار لیا اور کوہ طور کو اٹھا کر

فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا ؕ

تمہارے اوپر معلق کر دیا اور حکم دیا کہ جو ہم نے تم کو دیا ہے اس کو پوری عزیمت و قوت سے لو اور سنو

قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ۗ وَاُشْرِبُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ

انھوں نے جواب دیا ہم نے سن تو لیا اور ہم سے عمل نہ ہوگا اور انکی حالت یہ تھی کہ ان کے کفر کی وجہ سے اُن کے قلوب میں بچھڑے کی

بِكُفْرِهِمْ ؕ قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ

محبت اتار دی گئی تھی آپ کہہ دیجئے اگر تم ایمان والے ہو تو وہ باتیں بہت بری ہیں جو تم کو تمہارا

مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۳﴾ قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ

ایمان سکھاتا ہے ف آپ کہہ دیجئے اگر اللہ تعالیٰ کے ہاں دار آخرت یعنی جنت کی

عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ

تمام نعمتیں صرف تمہارے ہی لئے مخصوص ہیں دوسرے لوگوں کے لئے نہیں تو تم مرنے کی آرزو کرو

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًاۢ بِمَا قَدَّمَتْ

اگر تم سچے ہو اور ان اعمال کی وجہ سے جو اُن کے ہاتھ آگے بھیج چکے ہیں یہ کبھی بھی موت کی تمنا نہیں

اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۵﴾ وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ

کریں گے اور اللہ تعالیٰ ان ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ اور اے پیغمبر آپ ان کو اور دوسرے لوگوں سے زندگی

النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۛۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۛۚ يَوَدُّ

پر زیادہ حریص پائیں گے بلکہ ان لوگوں سے بھی زیادہ حریص پاؤ گے جو مشرک ہیں ان میں سے ایک ایک

اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ

یہ چاہتا ہے کہ وہ ہزار برس زندہ رہے اور اس کو اس قدر جینا

الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾ ع

عذاب سے تو کچھ بچا نہیں سکتا اور اللہ کی نگاہ میں ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں ف

مع ۲ عند المتاخرین ۱۲

ع ۱۱ ۱۰ ۱۱

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ

اے پیغمبر کہدو جو شخص جبرئیل کا دشمن ہے تو ہوا کرے جبرئیلؑ نے تو یہ قرآن خدا کے حکم سے آپ کے قلب پر اُتارا ہے اُس کی حالت

بِإِذْنِ اللَّهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَبُشْرَىٰ

یہ ہے کہ یہ قرآن ان کتابوں کی تصدیق کرتا ہے جو اس سے پہلے نازل ہو چکی ہیں اور یہ قرآن رہنما ہے اور خوش خبری کا پیغام ہے

لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿٩٧﴾ مَن كَانَ عَدُوًّا لِّلَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ

ایمان والوں کے لئے۔ اور جو شخص دشمن ہو اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کے رسولوں کا

وَجِبْرِيلَ وَمِيكَالَ فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِّلْكَافِرِينَ ﴿٩٨﴾ وَلَقَدْ

اور جبرئیلؑ اور میکائیلؑ کا تو بے شک اللہ دشمن ہے ایسے کافروں کا ف اور ہم نے

أَنزَلْنَا إِلَيْكَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ ۖ وَمَا يَكْفُرُ بِهَا إِلَّا الْفَاسِقُونَ ﴿٩٩﴾

آپکی طرف واضح دلائل نازل کئے ہیں اور ان دلائل کا انکار نہیں کرتے مگر وہی جو نافرمانی کے خوگر ہیں۔

أَوَكُلَّمَا عَاهَدُوا عَهْدًا نَّبَذَهُ فَرِيقٌ مِّنْهُم ۚ بَلْ

کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ جب کبھی بھی انھوں نے کوئی عہد کیا تو ان ہی میں سے ایک فریق نے اس عہد کو توڑ دیا بلکہ

أَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٠٠﴾ وَلَمَّا جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْ

ان میں سے اکثر لوگ تو یقین ہی نہیں رکھتے۔ اور جب اللہ کیطرف سے ان کے پاس ایک ایسا رسول آیا

عِندِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيقٌ مِّنَ الَّذِينَ

جو اُس کتاب کی تصدیق بھی کرتا ہے جو ان کے پاس ہے تو اہل کتاب ہی کے ایک

أُوتُوا الْكِتَابَ كِتَابَ اللَّهِ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ كَأَنَّهُمْ لَا

فریق نے اللہ کی کتاب یعنی توریت کو اس طرح پس پشت ڈال دیا گویا وہ اس کتاب کو

يَعْلَمُونَ ﴿١٠١﴾ وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُو الشَّيَاطِينُ عَلَىٰ مُلْكِ

جانتے ہی نہیں ف۲ اور یہ لوگ اُس علم کے پیچھے ہو لئے جو حضرت سلیمانؑ کے عہدِ سلطنت میں شیاطین

سُلَيْمَانَ ۖ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ وَلَٰكِنَّ الشَّيَاطِينَ

پڑھا کرتے تھے اور حضرت سلیمانؑ نے کفر نہیں کیا لیکن شیاطین نے کفر کا

ف۱ اے پیغمبر آپ فرما دیجئے جو شخص بلا وجہ جبرئیلؑ سے عداوت و دشمنی کرے تو کرے اس دشمنی کی کوئی وجہ تو ہے نہیں جبرئیل کا کام تو یہ ہے کہ اس نے یہ قرآن اے محمدؐ آپ کے قلب پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے نازل کیا ہے اس قرآن کی شان تو یہ ہے کہ یہ ان کتب سماویہ کی تصدیق کرنیوالا ہے جو اس سے پہلے نازل ہوئی ہیں اور یہ قرآن دینِ حق کی رہنمائی کرنیوالا ہے اور ایمان والوں کو بشارت و خوش خبری سُنانے والا ہے اب کوئی شخص خواہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہو خواہ اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں کا دشمن ہو خواہ خصوصیت کے ساتھ حضرت جبرئیلؑ اور میکائیلؑ کا دشمن ہو ان سب کی دشمنی ایک حیثیت رکھتی ہے اور اس دشمنی کی سزا یہ ہے کہ ایسے کافروں کا اللہ تعالیٰ دشمن ہے (تیسیر)۔ یہود سے کسی موقع پر گفتگو ہو رہی تھی دوران گفتگو میں جہاں اور باتیں ہو رہی تھیں ان میں اس کا بھی ذکر آ گیا کہ یہ قرآن کونسا فرشتہ لیکر آتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کا فرشتہ لیکر آتا ہے جس کا نام جبرئیلؑ ہے اس پر یہودی بگڑ کر بولے وہ جبرئیلؑ تو ہمارا دشمن ہے اس لئے کہ وہ وقتاً فوقتاً ہم پر سخت احکام لاتا رہا ہے نیز ہم کو تباہ و برباد کرتا رہا ہے اگر یہ قرآن وہ لاتا ہے تو ہم اس پر ایمان نہیں لا سکتے پہلی آیت میں اس اعتراض کا جواب ہے کہ جبرئیلؑ تو ایک درمیانی فرشتہ ہے وہ تو صرف قرآن کو پیغمبر تک پہونچا دیتا ہے پیغامبر میں تو دو باتیں ہونی ضروری ہیں ایک یہ کہ فرمانبردار ہو اور جو حکم اس کو دیا جائے وہ اس کی تعمیل کرے دوسرے وہ امانت دار ہو کہ پیغام میں کچھ کمی بیشی نہ کرے سو یہ دونوں باتیں جبرئیلؑ میں بوجہ اتم موجود ہیں وہ فرشتہ ہے اور فرشتے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کیا کرتے پھر اسکی امانت داری پر ہم خود اس کے شاہد ہیں۔ نیز یہ کون سی معقول بات ہے کہ ایک قاصد اور پیغامبر کی دشمنی کے باعث پیغام خداوندی کو ماننے سے انکار کر دیا جائے قرآن کو دوسری آسمانی کتابوں کے معیار پر جانچ کر دیکھو جبرئیلؑ کی ذات سے کیوں بحث کرتے ہو۔ اگر اس قرآن میں پہلی کتابوں کی تصدیق موجود ہے اور بنی نوع انسان کی ہدایت و رہنمائی کا سامان اس میں بدرجہ اتم موجود ہے اور ایمان لانیوالوں کے لئے بشارت اور خوشخبری سے لبریز ہے تو یہی وہ باتیں ہیں جو عام طور سے تمام کتب سماویہ میں پائی جاتی ہیں پھر اس پر ایمان لانے سے انکار کرنا حماقت و جہالت نہیں تو اور کیا ہے دوسری آیت میں ایک ضابطہ اور اصول بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے فرشتے اور اُس کے رسول اور جبرئیلؑ میکائیلؑ ان سب کی محبت اور عداوت ایک ہی حکم رکھتی ہے کیوں کہ مامور کی مخالفت آمر کی مخالفت سمجھی جاتی ہے جبرئیلؑ کیساتھ میکائیلؑ کا نام اس لئے لیا کہ شاید اُنھوں نے اپنی گفتگو میں یہ بھی کہا تھا کہ جبرئیلؑ کے علاوہ اگر میکائیلؑ یا کوئی اور فرشتہ اس قرآن کو لاتا تو اس کے مان لینے میں کچھ مضائقہ نہ تھا جیسا کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یہود نے کہا کہ یہ کلام لاتا ہے جبرئیلؑ اور وہ ہمارا دشمن ہے کئی بار ہمارے دشمنوں کو ہم پر غالب کر گیا کوئی اور فرشتہ لاتا تو ہم مانتے اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ فرشتے جو کرتے ہیں بے حکم نہیں کرتے جو اُن کا دشمن ہوا اللہ بے شک اس کا دشمن ہے (موضح القرآن) آگے کی آیتوں میں ان کے کفر کی علت اور ان کی عہد شکنی کا بیان ہے (تسہیل) ف۲ اور بلاشبہ ہم نے آپ کی جانب بہت سے دلائل واضحہ نازل فرمائے ہیں اور ایسے دلائل و براہین کا کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا مگر وہی شخص جو نافرمانی اور عدول حکمی کا عادی ہو اور کیا یہ امر واقعہ نہیں ہے کہ جب کبھی بھی ان لوگوں نے کوئی عہد کیا تو ان ہی میں سے ایک جماعت نے اس عہد کو توڑ پھینکا بلکہ ان میں اکثر تو ایسے ہیں کہ وہ اس عہد کا یقین ہی نہیں رکھتے اور جب ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ رسول تشریف لائے جو اُس کتاب کی جو اُن کے پاس ہے تصدیق بھی فرماتے ہیں تو اُن ہی اہل کتاب میں سے ایک فریق نے اللہ تعالیٰ کی کتاب یعنی توریت کو اس طرح پس پشت ڈال دیا کہ گویا ان کو بالکل اُس کتاب کے احکام کا علم ہی نہیں (تیسیر) یہود عام طور سے دلیل مانگا کرتے تھے ارشاد ہوا اے پیغمبر ہم نے تو آپ پر ایسی کتاب نازل کی ہے جو دلائلِ واضحہ اور براہین ساطعہ سے لبریز ہے اور اس کا ایک ایک لفظ اعجاز ہے۔ کوئی ہوش مند جس میں ذرا سی بھی قابلیت ہو ایسے محکم دلائل کا منکر نہیں ہو سکتا مگر ہاں ایسے فاسق ہی اُن دلائل کا انکار کر سکتے ہیں جو نافرمانی کے عادی ہو چکے ہوں اور ان یہود کی حالت تو یہ ہے کہ جب کبھی اُنھوں نے کوئی عہد کیا ہوگا تب ہی اُن ہی میں سے کسی نہ کسی فریق نے اس کو توڑا ہوگا۔ ان کی عادت ہی یہ ہے کہ ان تسلیم شدہ عہود و مواثیق کو توڑتے رہے ہیں جو اُن کو بھی تسلیم تھے بلکہ ان میں سے اکثر تو ایسے ہیں کہ جو اُن (باقی صفحہ ۲۴ پر)

(بقیہ صفحہ ۲۳) عہد و پیمان کا یقین بھی نہیں رکھتے یہی حالت آج اُس عہد کی کر رہے ہیں جو یہ نبی آخر الزماں کے بارے میں کر چکے ہیں کہ آج توریت الٰہی کو ایسا پس پشت ڈال دیا ہے جیسا اس کو جانتے ہی نہیں آخر توریت میں اُن کا ذکر موجود ہے اور اُن کو یہ بتایا گیا ہے کہ وہ توریت کا مصدق ہوگا اور جب وہی مصدق آیا تو انھوں نے اس کو نہیں مانا اور اپنی کتاب تک کو فراموش کر دیا خلاصہ یہ ہوا کہ قرآن تو قرآن یہ تو توریت کے بھی منکر ہیں آگے ان کی اور حرکات کفریہ کا بیان فرماتے ہیں (تسہیل) ف (تفسیر صفحہ ہذا) ان یہود نے کتاب الٰہی کے احکام کو تو پس پشت ڈال دیا اور اس کی بجائے اس چیز کے پیچھے ہو لئے اور اُس جادو کے علم کی اتباع اور پیروی اختیار کی جس کو حضرت سلیمانؑ کے عہد سلطنت میں شیاطین پڑھا کرتے تھے اور لوگوں میں اس علم کا چرچا کیا کرتے تھے اور حضرت سلیمانؑ کی طرف جادو کی نسبت کرتے تھے حالانکہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کفر نہیں کیا البتہ ان شیاطین کی یہ حالت تھی کہ وہ خود بھی جادو کرتے تھے اور لوگوں کو بھی جادو سکھایا کرتے تھے اور یہی وہ علم سحر ہے جس کا اتباع یہود کر رہے ہیں نیز ان یہود نے اس سحر کی اتباع اختیار کی جو بابل میں ان دو نوں فرشتوں پر ایک خاص حکمت کے ماتحت نازل کیا گیا تھا جن کا نام ہاروت اور ماروت تھا اور وہ دونوں فرشتے کسی شخص کو اس وقت تک سحر کا علم نہیں بتاتے تھے جب تک اس سے یہ نہ کہہ دیتے ہوں کہ اس بات کو خوب سمجھ لے کہ ہم خدا کی طرف سے مخلوق کیلئے ایک فتنہ اور آزمائش ہیں لہٰذا تو کفر کی بات نہ سیکھ اور اس کا معتقد ہو کر کافر نہ ہو اس پر بھی کچھ لوگ ان دونوں فرشتوں سے ایسی باتیں سیکھ لیتے تھے جن کے ذریعہ سے کسی مرد اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق اور جُدائی ڈلوادیں حالانکہ یقینی امر ہے کہ وہ جادوگر اُس سحر کے ذریعہ مشیت الٰہی اور اذنِ خداوندی کے بغیر کسی کو کچھ بھی نقصان نہیں پہونچا سکتے اور علم سحر کے حصول سے بس ایسی باتیں سیکھتے ہیں جو اُن کیلئے ضرر رساں ہیں اور ان کیلئے کسی خاص درجہ میں نافع نہیں اور یہ یہودی بھی یقیناً اس بات سے واقف ہیں کہ جس نے سحر اختیار کیا اور کتاب الٰہی کے بدلے میں جادو کو خریدا تو ایسے شخص کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں رہا اور بے شک وہ چیز بہت بُری ہے جس پر وہ اپنی جانوں کو فروخت کر رہے ہیں اور اپنے ایمانوں کو برباد کر رہے ہیں کاش وہ اس بات کو بھی جانتے کہ ان باتوں کا نتیجہ ابدی عذاب ہوگا اور کاش ان کو اتنی سمجھ ہوتی کہ وہ علم سے نفع حاصل کر سکتے (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ ان یہود کا یہ حال ہے کہ بجائے کتاب الٰہی کو پڑھنے اور اس پر عمل کرنے کے یہ اس جادو کے پیچھے مارے مارے پھرتے ہیں جو حضرت سلیمانؑ کے عہد میں شیاطین چپکے چپکے لوگوں کو سناتے اور بتاتے تھے کیونکہ حضرت سلیمانؑ کے عہد میں شیاطین اور انسان ملے جُلے رہتے تھے یہ شیاطین علم سحر انسانوں کو سکھاتے اور اس کی بڑی تعریف کرتے اور یہ کہتے کہ حضرت سلیمانؑ اسی سحر کی بدولت آج حکمراں بنے ہوئے ہیں اور یہ علم اُن ہی کا ہے تم بھی سیکھ لو یہ کہکر لوگوں کو سکھایا کرتے اور اس پر عمل کرنے کی ترغیب دیا کرتے اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمانؑ کی اس علم سے براءت ظاہر فرمائی کہ جو چیز باعتبار اعتقاد کے کفر ہو اور عمل کے اعتبار سے ناجائز اور حرام ہو اس کو سلیمانؑ کیوں اختیار کرتے بلکہ شیاطین ہی لوگوں کو سکھاتے اور بتاتے تھے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہود نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتے ہوئے یہ کہا ہو کہ یہ پیغمبر کس طرح سچا ہو سکتا ہے یہ تو سلیمانؑ کو نبی بتاتا ہے حالانکہ سلیمانؑ تو ایک جادوگر تھا جو اپنے جادو کے زور سے ہوا پر اڑا پھرتا تھا اللہ تعالیٰ نے اس کا رد فرمایا کہ شیاطین سلیمانؑ کی جانب نسبت کرتے تھے حالانکہ سلیمانؑ کا دامن اس سے بالکل پاک ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ شیاطین نے جادو کی کتابیں لکھ کر حضرت سلیمانؑ کی کرسی کے نیچے زمین میں دفن کر دی تھیں پھر حضرت سلیمانؑ کی وفات کے بعد اُن کتابوں کو نکال کر یہ مشہور کر دیا کہ سلیمانؑ جادو کے بہت بڑے ماہر تھے دیکھو یہ سب کتابیں اُن ہی کی ہیں اللہ تعالیٰ نے اس بات کو رد فرما دیا کہ سلیمانؑ کا اس علم سے کوئی واسطہ نہ تھا بلکہ یہ تمام کارروائی شیاطین کی تھی اور یہ یہود اس سحر کا بھی اتباع کرتے ہیں جو بابل میں ہاروت اور ماروت دو فرشتوں پر نازل کیا گیا تھا۔ ہاروت اور ماروت کے متعلق مفسرین نے بہت سے اقوال نقل کئے ہیں اور زہرہ ستارہ کا قصہ بھی نقل کیا ہے ان روایتوں کی امام رازی نے درایۃً اور ابن کثیر نے روایۃً تضعیف اور تنقیص کی ہے اور بعض محدثین نے ان کی توثیق فرمائی ہے (باقی ضمیمہ میں)

كَفَرُوا يُعَلِّمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ ۚ وَمَا أُنزِلَ عَلَى

ارتکاب کیا ان شیاطین کی حالت یہ تھی کہ لوگوں کو جادو سکھایا کرتے تھے اور اُس علم کے بھی پیچھے

الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوتَ وَمَارُوتَ ۚ وَمَا يُعَلِّمَانِ

ہو لئے جو ہاروت و ماروت نامی دو فرشتوں پر بابل میں نازل کیا گیا تھا اور وہ دونوں فرشتے کسی کو

مِنْ أَحَدٍ حَتَّىٰ يَقُولَا إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۖ

نہیں سکھاتے تھے جب تک سیکھنے والے سے یہ نہ کہہ دیا کرتے تھے کہ ہم دونوں ایک فتنہ کی چیز ہیں سو تو کافر مت ہو

فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ بِهِ بَيْنَ الْمَرْءِ وَ

اس پر بھی لوگ ان دونوں سے اس قسم کا سحر سیکھ لیتے تھے جس کے ذریعہ سے کسی مرد اور اسکی بیوی کے درمیان

زَوْجِهِ ۚ وَمَا هُم بِضَارِّينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ

تفریق ڈلوادیں حالانکہ وہ لوگ اس سحر کے ذریعہ کسی کو بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر ضرر نہیں

اللَّهِ ۚ وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ ۚ وَلَقَدْ عَلِمُوا

پہنچا سکتے اور وہ لوگ ان دونوں فرشتوں سے ایسی باتیں سیکھ لیتے تھے جو انکو نقصان دہ تھیں اور ان کیلئے نافع نہیں تھیں اور اتنی بات تو یہ بھی خوب

لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۚ وَلَبِئْسَ

جانتے ہیں کہ جس نے جادو کو اختیار کیا اس کیلئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے اور بہت ہی بُری ہے وہ چیز یعنی جادو جس

مَا شَرَوْا بِهِ أَنفُسَهُمْ ۚ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿١٠٢﴾ وَلَوْ أَنَّهُمْ

کے بدلے انھوں نے اپنی جانوں کو فروخت کیا کاش وہ سمجھ سے کام لیتے ف اور اگر وہ لوگ

آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَمَثُوبَةٌ مِّنْ عِندِ اللَّهِ خَيْرٌ ۖ لَّوْ كَانُوا

ایمان لاتے اور اس قسم کی حرکات سے پرہیز کرتے تو خدا کے ہاں سے بہتر بدلہ پاتے کاش ان کو

يَعْلَمُونَ ﴿١٠٣﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا

اتنی سمجھ ہوتی ف۱ اے ایمان والو! تم نبی کو اپنی طرف مخاطب کرنیکی غرض سے راعنا نہ کہا کرو

وَقُولُوا انظُرْنَا وَاسْمَعُوا ۗ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٠٤﴾

اور انظرنا کہدیا کرو اور پوری توجہ سے سنا کرو اور کافروں کیلئے دردناک عذاب ہے۔ ف۳

ع ۱۲ / ۱۲

مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ

کسی کافر کو خواہ وہ اہل کتاب سے ہو یا مشرکوں سے یہ بات پسند نہیں ہے

اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ

کہ کوئی بھلائی تمہارے رب کی جانب سے تم پر نازل کی جائے اور اللہ تعالیٰ جسکو چاہتا ہے

بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۰۵﴾ مَا نَنْسَخْ

اپنی رحمت کیساتھ مخصوص کرلیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل کا مالک ہے ف۱ ہم اگر کسی آیت کے حکم کو

مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَاۤ اَوْ مِثْلِهَا ؕ اَلَمْ تَعْلَمْ

موقوف کردیتے ہیں یا اس آیت کو یاد والوں کے ذہن سے بھلا دیتے ہیں تو ہم اس آیت سے بہتر یا اسی کی مثل لے آتے ہیں کیا تجھکو

اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۰۶﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ

معلوم نہیں کہ اللہ ہر شئی پر قادر ہے۔ کیا تجھ کو یہ معلوم نہیں کہ آسمانوں کی اور زمین کی

مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ

سلطنت اللہ ہی کے لئے ہے اور حق تعالیٰ کے سوا تمہارا کوئی

مِنْ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۰۷﴾ اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا

حمایتی اور مددگار نہیں ف۲ کیا مسلمانو! تم بھی اپنے رسول سے اسی طرح کے سوالات

رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ

کرنا چاہتے ہو جس طرح کے سوال اب سے پہلے موسیٰؑ سے کئے جاچکے ہیں اور جو شخص بجائے ایمان

الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۱۰۸﴾ وَدَّ كَثِيْرٌ

لانے کے کفر اختیار کرے تو بلاشبہ وہ شخص سیدھی راہ سے بھٹک گیا ف۳ ان اہل کتاب میں سے اکثر

مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۖۚ

محض اپنے طبعی بغض و حسد کی وجہ سے یہ چاہتے ہیں کہ کسی طرح تم کو تمہارے ایمان

حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ

لانے کے بعد پھر مرتد بنادیں باوجودیکہ ان پر حق ظاہر

ف۱ کافروں کو یہ بات ذرا بھی نہیں بھاتی خواہ وہ اہل کتاب میں سے ہوں یا مشرکوں میں سے ہوں اور وہ بالکل اس امر کو پسند نہیں کرتے کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے کوئی بھلائی اور بہتری تم پر نازل کی جائے حالانکہ یہ چیز ان کی خواہش پر موقوف نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور عنایت سے جس کو چاہتا ہے مختص کرلیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل کا صاحب اور مالک ہے (تیسیر) یعنی اہل کتاب کو اصالتاً اور مشرکوں کو تبعاً یہ امر ناگوار ہے کہ تم کو نبوت یا وحی یا اور کسی قسم کی نصرت و فتح وغیرہ حاصل ہو۔ یہود کو تو اہل کتاب ہونے کی وجہ سے حسد اور جلن تھی اور چونکہ مشرک صاحب کتاب نہیں تھے لیکن ان کو بھی اہل کتاب کی دیکھا دیکھی یہ ناگوار تھا کہ مسلمانوں کو فتح حاصل ہو یا نبی پر وحی نازل ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں اپنی رحمت یعنی نبوت۔ یا علم۔ یا وحی یا اور کسی قسم کی فتح و نصرت کسی سے دریافت کرکے نہیں دیا کرتا بلکہ اپنی مخلوق میں سے جسکو چاہتا ہوں اس رحمت کیلئے مخصوص کرلیتا ہوں آگے ان اہل کتاب کے ایک اور اعتراض کا جواب ہے۔ قرآن کا جب کوئی حکم اٹھالیا جاتا یا کسی آیت کی بجائے دوسری آیت نازل ہوجاتی تو کہتے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے سوچ سمجھ کر کیوں نہیں کوئی حکم دیا جواب اس کو اُٹھانا پڑا اور اس کی جگہ دوسرا حکم بھیجا یہ اعتراض ممکن ہے اہل کتاب نے کیا ہو یا مشرکوں اور اہل کتاب نے مل کر کیا ہو بعض لوگوں نے قبلہ کی تحویل اور تبدیل کے متعلق اس اعتراض کا ذکر کیا ہے بہرحال آگے کی آیتوں میں اسی اعتراض کا جواب ہے (تسہیل) ف۲ اور اگر ہم کسی آیت کے حکم کو موقوف کردیتے ہیں یا اس آیت کو یاد رکھنے والوں کے حافظہ سے بھلا دیتے ہیں تو اس کی بجائے اس سے بہتر اور نافع آیت لے آتے ہیں یا اسی کی مثل دوسری آیت لے آتے ہیں کیا اے اعتراض کرنے والے تو اتنی بات کو نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ ہر شئی پر قادر ہے اور کیا اے معترض تو یہ نہیں جانتا کہ آسمان اور زمین کی سلطنت خاص اللہ تعالیٰ ہی کی ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا تمہارا کوئی یار و مددگار بھی نہیں (تیسیر) نسخ کے معنی ہیں ایک چیز کو دوسری چیز کے ذریعہ مٹانا اور زائل کرنا اور اس کے پیچھے دوسری چیز کو ثابت کرنا جیسے دھوپ کا سایہ کو نسخ کرنا اور سایہ کا دھوپ کو منسوخ کرنا یا بڑھاپے کا جوانی کو نسخ کرکے اس کی جگہ قائم ہوجانا۔ اور ایک چیز کو بعینہ دوسرے مادہ میں نقل کردینا جیسے کہہ دیتے ہیں میں نے کتاب کو نسخ کرایا یعنی کتاب کی عبارت دوسری کتاب میں نقل کرالی۔ اب یہ لفظ کبھی فقط ازالہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور کبھی فقط ثابت کرنے کے معنی میں اور کبھی دونوں باتوں کیلئے استعمال کرتے ہیں اسی سے تناسخ ہے اور اسی سے وہ مناسخہ ہے جو میراث کی تقسیم میں استعمال ہوتا ہے بہرحال قرآن حکیم میں ایک حکم کو دوسرے حکم سے ہٹانے کے لئے استعمال ہوا ہے مطلب یہ ہوتا ہے کہ پہلے حکم کا جو وقت اللہ کے نزدیک بندوں کی مصلحت کے لحاظ سے مقرر ہوتا ہے جب وہ وقت پورا ہوجاتا ہے تو اس کی جگہ دوسرا حکم بھیجدیا جاتا ہے خواہ وہ آیت قرآن میں اور حافظوں کے ذہن میں باقی رہے یا حکم کیساتھ قرآن سے بھی نکال لی جائے اور ذہنوں سے بھی بھلادی جائے پھر اس کی جگہ دوسری آیت نازل فرمادیں جو پہلے حکم کے قائم مقام ہو اور پہلے حکم سے ملتا جلتا ہو یا پہلے حکم سے آسان ہو اور ثواب میں پہلے حکم کے ثواب سے زیادہ ہو اور یا بالکل ہی معاف فرمادیں غرض یہ سب صورتیں نسخ کی ہیں۔ پھر یہ نسخ یا تو اس طور پر ہو کہ قرآن کی منسوخ آیت ہی کو قرآن میں نہ رکھا جائے اور حکم کے ساتھ تلاوت کو بھی منسوخ کردیا جائے یا تلاوت باقی رکھی جائے اور حکم اٹھالیا جائے یا ناسخ اور منسوخ دونوں کو رکھا جائے یعنی ناسخ کی بھی تلاوت باقی رہے اور منسوخ کی بھی یا حکم باقی رہے اور تلاوت منسوخ کردیجائے اور جس طرح قرآن کی آیت قرآن کیلئے ناسخ ہوتی ہے اسی طرح صحیح اور قطعی الثبوت حدیث بھی ناسخ ہوسکتی ہے۔ علی اختلاف اقوال الائمہ رحمہم اللہ اجمعین۔ اور نسخ احکام میں ہوا کرتا ہے اخبار میں نہیں ہماری ابتدائی تقریر سے یہ بات صاف ہوگئی ہوگی کہ حق تعالیٰ کا نسخ وہ نہیں ہے جیسے کوئی حکومت اپنے حکم کو یا کوئی حکیم اپنے نسخہ کو غلط سمجھ کر بدلتا ہے یا کوئی حکومت اپنا حکم رعایا کی مخالفت سے ڈر کر بدلتی ہے بلکہ وہ حکیم مطلق اور مالک مطلق ان تمام عیوب سے پاک ہے اس کے نسخ کا مطلب یہ ہے کہ اس کے علم میں وہ حکم ہی اسی وقت کیلئے تھا جب وہ وقت منتہی اور پورا ہوگیا تو اس کو ہٹالیا اور جو دوسرا حکم اس کے بعد جاری ہونیوالا تھا اس کا اعلان کردیا۔ پہلا حکم بھی بندوں کی مصلحت کے اعتبار سے تھا اور دوسرا حکم بھی بندوں کی مصلحت کے اعتبار سے ہے اور بالکل اُس حکم کو (باقی ضمیمہ میں)

ف اہل کتاب میں سے اکثر لوگ محض اپنے ذاتی اور طبعی بغض وحسد کی وجہ سے یہ چاہتے ہیں اور دلی آرزو رکھتے ہیں کہ تم کو تمہارے ایمان لانے کے بعد پھر مرتد بنا دیں اور کافر کر دیں حالانکہ ان پر دین حق واضح ہو چکا ہے دین حق واضح ہو جانے کے بعد پھر اس قسم کی مذموم خواہش رکھتے ہیں لے مسلمانو اگر تم کو ان پر غصہ آئے تو اس وقت تک تم ان سے کوئی مواخذہ نہ کرو اور درگزر کرتے رہو جب تک اللہ تعالیٰ اپنا کوئی اور حکم تم کو نہ بھیجے یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے اور نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور تم جو اعمال خیر بھی اپنے بھلے کو آگے بھیجتے رہو گے ان سب اعمال کو یعنی ان کے ثواب کو اللہ تعالیٰ کے ہاں پورا پورا پاؤ گے یقین مانو! کہ تمہارے تمام اعمال اللہ تعالیٰ کے پیش نظر اور اس کی نگاہ میں ہیں (تیسیر) حضرت شاہ صاحبؒ قدیر پر حاشیہ لکھتے ہیں آخر حکم بھیجا یہود کو مدینے کے نزدیک سے نکال دیا۔ (موضح القرآن) مطلب یہ ہے کہ یہود کی یہ تمنا تو بہت بُری ہے لیکن ابھی انتقام کا موقع نہیں ہے بلکہ نظر انداز کرنے اور درگزر کرنے کا وقت ہے جب اللہ تعالیٰ جہاد کا حکم دیگا اُس وقت ان کے مناسب حال ان کے ساتھ کارروائی کرنا جو قتل کے لائق ہو اُس کو قتل کرنا جو جلا وطنی کے قابل ہو اس کو جلا وطن کردینا اور جن پر جزیہ کا حکم ہو ان پر حفاظتی محصول قائم کردینا اور جب تک جہاد کا حکم نہ آئے تم دوسرے فرائض ادا کرتے رہو جب جہاد فرض ہو جائے گا اس وقت اس فریضہ کا اضافہ کرلینا۔ آگے بھیجنے کا مطلب یہ ہے کہ جو کار خیر زندگی میں کرو گے ان سب کا ثواب اللہ کے خزانہ سے اُس عالم میں پاؤ گے آگے کی آیت میں بنی اسرائیل کے ایک اور دعوے کا رد فرماتے ہیں (تسہیل) ف۲ اور یہ یہود و نصاریٰ یوں کہتے ہیں کہ جنت میں ہرگز کوئی شخص سوائے ان لوگوں کے جو یہود ہوئے یا سوائے اُن لوگوں کے جو نصاریٰ ہوئے داخل نہ ہو سکے گا۔ یہ ان کی بنائی ہی باتیں ہیں جو دلیل سے خالی ہیں آپ ان سے فرمایئے اگر تم لوگ اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو اس دعویٰ پر دلیل پیش کرو واقعہ یہ ہے کہ دوسرے لوگ ضرور جنت میں جائیں گے کیونکہ آئین اور قاعدہ یہ ہے کہ جو شخص اپنا رُخ اللہ تعالیٰ کی طرف جھکا دے اور وہ خلوص کے ساتھ نیک روش کا پابند رہے تو ایسے لوگوں کا اجر و ثواب ان کے مالک کے پاس موجود و محفوظ ہے اور ایسے لوگوں پر نہ کسی قسم کا خوف و اندیشہ ہے اور نہ وہ کبھی غمگین ہوں گے (تیسیر)

الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ

ہو چکا سو بس تم اس وقت تک معاف کرو اور درگزر کرتے رہو جب تک کہ اللہ اپنا کوئی اور حکم بھیجے بیشک

عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٠٩﴾ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ ۚ وَمَا

اللہ ہر چیز پر قادر ہے ۔ اور تم نماز کو قائم رکھو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور جو

تُقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُم مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِندَ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ

اعمال خیر بھی تم اپنے لئے آگے بھیجو گے تو ان کا ثواب اللہ کے ہاں محفوظ پاؤ گے بیشک اللہ تمہارے

بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿١١٠﴾ وَقَالُوا لَن يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَن

سب کاموں کو دیکھ رہا ہے اور یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ جنت میں ہرگز کوئی داخل نہ ہو گا مگر وہی

كَانَ هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ ۗ تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ ۗ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ

لوگ جو یہود ہوں یا نصاریٰ یہ سب ان کی بے اصل آرزوئیں ہیں ۔ آپ کہہ دیجئے کہ

إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿١١١﴾ بَلَىٰ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ

اگر تم سچے ہو تو کوئی دلیل پیش کرو ۔ یوں نہیں جو وہ کہتے ہیں بلکہ اصل بات یہ ہے کہ جس نے اپنا رخ اللہ کی طرف جھکایا

مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِندَ رَبِّهِ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ

اور وہ نیک روش کا پابند بھی رہا تو ایسے شخص کو اس کا اجر اس کے رب کے پاس ملتا ہے اور ایسے لوگوں پر نہ کوئی خوف ہے اور

يَحْزَنُونَ ﴿١١٢﴾ وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصَارَىٰ عَلَىٰ شَيْءٍ

نہ وہ غمگین ہوں گے اور یہود نے کہا نصاریٰ کسی دین پر نہیں

وَقَالَتِ النَّصَارَىٰ لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلَىٰ شَيْءٍ وَهُمْ يَتْلُونَ

اور نصاریٰ نے کہا یہودی کسی دین پر نہیں حالانکہ یہ سب اپنی اپنی کتاب

الْكِتَابَ ۗ كَذَٰلِكَ قَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ

پڑھتے ہیں اسی طرح یہ لوگ بھی جو بے علم ہیں یعنی مشرکین عرب ان ہی کی سی بات کہنے لگے

فَاللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ

سو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان تمام امور میں ان کا فیصلہ کر دے گا جن کے متعلق یہ آپس میں

تشریح

ع ٩ ١٣ ١٣

مطلب یہ ہے کہ یہودی تو الگ اس کے مدعی ہیں کہ ہمارے سوا کوئی جنت میں نہ جانے پائے گا اور نصاریٰ الگ اس کے مدعی ہیں کہ ہمارے سوا اور کوئی نہیں جائے گا تو گویا جنت بس ان دونوں کے حصہ میں آگئی کہ یا فقط یہود جائیں گے یا صرف نصاریٰ جائیں گے چونکہ دونوں کا یہ دعویٰ اپنی اپنی جگہ بلا دلیل و سند کے ہے اس لئے دلیل کا مطالبہ فرمایا امانی امنیۃ کی جمع ہے جس کے معنی خواہش اور تمنا کے ہیں عرب امانی ایسے کلام پر بولا کرتے ہیں جو عاری عن الدلیل ہو آگے ضابطہ فرما دیا کہ جنت ایسی چیز نہیں جو کسی خاص فرقہ کا حصہ ہو بلکہ ہمارا قانون یہ ہے کہ جو دل سے مسلمان ہو اور نیکیوں کا پابند رہے تو اس کو اس کے رب کے پاس اجر ملتا ہے اسلم وجھہ للّٰہ کا مطلب یہ ہے کہ جس نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا اور سالم اللہ تعالیٰ ہی کا ہو گیا جیسے فرمایا رجلا سلما لرجل یعنی ایک شخص اس طور پر کسی کی کر دی جائے کہ دوسرا کوئی اس میں شریک نہ ہو ہر چند کہ وجھہ کے معنی چہرے کے ہیں لیکن وجہ بول کر ذات مراد لیا کرتے ہیں ہم نے ترجمہ میں دونوں کی رعایت کی ہے مطلب یہ ہے کہ اپنے آپ کو خالص اللہ تعالیٰ کے لئے کر دیا اور فرماں برداری اور اطاعت گزاری کے لئے اس کے قدموں پر منہ رکھ دیا قرآن میں یہ کلمات چند جگہ آئے ہیں اردو میں ایسا کوئی ایک لفظ ہم کو نہیں مل سکا جس سے اس کا ترجمہ کیا جائے ــــ احسان کے معنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تعبد اللّٰہ کانک تراہ سے کیے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی اس طور پر عبادت کیا کر کہ گویا تو اُس کو دیکھ رہا ہے مراد اخلاص ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جس کا اعتقاد پختہ ہوگا اور اس کے اعمال میں اخلاص ہوگا وہی اللہ تعالیٰ کے دربار میں اجر و ثواب پائے گا اور ہر قسم کے خوف و حزن سے مامون رہے گا جنت کسی خاص (باقی ضمیمہ میں)

يَخْتَلِفُونَ ﴿١١٣﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ

جھگڑا کر رہے ہیں ف اور اُس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی مساجد میں اُس کا نام

يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ

لینے کو منع کرے اور مساجد کی تخریب کے لئے کوشش کرتا پھرے ایسے لوگوں کو زیبا نہیں کہ

لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ۬ؕ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّ

مساجد میں داخل ہوں مگر ڈرتے ہوئے ان کے لئے دنیا میں بھی سخت رسوائی ہے اور

لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿١١٤﴾ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ

آخرت میں بھی اُن کو بڑا عذاب ہوگا ف اور خدا ہی کی ملک ہے مشرق بھی اور

الْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ

مغرب بھی سو جہاں سے بھی تم اسکی جانب متوجہ ہوگے وہیں اللہ تعالیٰ کی توجہ موجود ہے بیشک اللہ تعالیٰ صاحبِ وسعت اور ہر ایک

عَلِيْمٌ ﴿١١٥﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ لَّهٗ مَا

سے باخبر ہے ف اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اولاد رکھتا ہے وہ پاک ہے تمام عیوب سے بلکہ جو کچھ

فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿١١٦﴾ بَدِيْعُ

آسمانوں میں اور زمین میں ہے سب اُسی کی ملک ہے سب اُسی کے محکوم ہیں ایجاد کرنے والا ہے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ

آسمانوں کا اور زمین کا اور جب کسی کام کو پورا کرنا چاہتا ہے تو بس اس کو اتنا کہہ دیتا ہے کہ

كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿١١٧﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا

ہوجا سو وہ ہوجاتا ہے ف اور بے علم لوگ یوں کہتے ہیں کہ اللہ ہم سے کلام کیوں نہیں کرتا

اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ

یا ہمارے پاس کوئی اور دلیل کیوں نہیں آجاتی اسی طرح وہ لوگ بھی جو ان سے پہلے ہو گزرے ہیں ان ہی کی سی بات

مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ

کہہ چکے ہیں ان سب پہلوں اور پچھلوں کے دل آپس میں ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں بیشک ہم نے ان لوگوں کیلئے بہت سی دلیلیں صاف

ف (تفسیر صفحہ ہٰذا) اور اس شخص سے بڑھ کر کون گناہ گار ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی مساجد میں اس کا نام لینے اور اس کی عبادت کرنے سے روکے اور لوگوں کو منع کرے اور مساجد کی تخریب کرنے کے درپے ہو اور انکی ویرانی کے لئے کوشش اور سعی کرتا پھرے ان لوگوں کو یہ لائق نہ تھا کہ وہ مساجد میں بغیر کسی خوف اور ڈر کے داخل ہوتے یعنی جب کبھی مساجد میں آتے تو ڈرتے ہوئے آتے اس قسم کے ظالم لوگوں کیلئے دنیا میں بھی ذلت و رسوائی ہے اور آخرت میں بھی ان کو بڑا سخت عذاب ہوگا (تیسیر) مساجد کو ذکر الٰہی سے روکنے اور ان کے ویران کرنے کی کوشش کرنے کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کو اسلام لانے سے باز رکھا جائے اور لوگوں کو شکوک و شبہات میں مبتلا کیا جائے تاکہ لوگ نماز پڑھنی ترک کر دیں اور ترک صلوٰۃ مساجد کی ویرانی کا سبب ہو جائے یا مساجد کی تخریب کا مطلب یہ ہو کہ مساجد کی عمارت کو منہدم کر دیا جائے اور مساجد کو برباد کرا دیا جائے۔ اگر پہلا مطلب ہو تو اس میں مشرکین عرب اور اہل کتاب سب ہی شریک ہیں مشرکوں کا طرز عمل تو ظاہر ہی تھا کہ مسلمانوں کو مسجد حرام میں نماز پڑھنے سے منع کرتے تھے اور ایذا پہونچاتے تھے نمازیوں کے قریب آکر تالیاں اور سیٹیاں بجاتے تھے صلح حدیبیہ کے دنوں میں عمرہ کرنے اور مسجد حرام کا طواف کرنے سے مسلمانوں کو روک دیا اور مسجد حرام میں داخل ہی نہیں ہونے دیا رہے اہل کتاب تو ان کا ذکر ابھی آچکا ہے کہ ان کی خواہش بھی یہی رہتی تھی کہ وہ مسلمانوں کو مرتد کریں اور کوئی مسافر آتا جاتا تو اس کو بھی بہکا دیتے اور اسلام لانے سے روکتے اور اسلام سے روکنا یا مسلمانوں کو کافر بنانا مساجد کی ویرانی کو مستلزم ہے اس لئے اس گناہ اور ظلم میں سب ہی شریک ہیں اور مساجد اللہ میں مسجد حرام مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ داخل ہیں بلکہ اور تمام مساجد بھی داخل ہیں کیونکہ ہر جگہ کے کافر اس قسم کی ریشہ دوانیوں میں مبتلا ہیں اور اگر دوسرے معنی مراد ہوں تو پھر مساجد اللہ سے مراد مسجد اقصیٰ ہوگی اور جمع محض تعظیم کے لئے ہوگی اور اس کا تعلق طیطس نامی بادشاہ کے اُس واقعہ سے ہوگا جبکہ اُس نے مسجد اقصیٰ پر حملہ کیا تھا اور اُس زمانہ کے نصاریٰ نے اُس کی امداد کی تھی اور محض یہود کی دشمنی اور عداوت کی وجہ سے بیت المقدس کو برباد کر دیا تھا اور اُس دن سے بیت المقدس حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ تک ویران پڑی رہی اور پھر خلیفۂ دوم نے اس کو تعمیر کرایا بہرحال آیت کو اگر عام رکھا جائے تو زیادہ بہتر ہے اور یہ جو فرمایا کہ ان لوگوں کو یہ زیبا نہ تھا کہ مساجد میں بے باک اور نڈر ہو کر داخل ہوتے اس کے بھی دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک تو یہ کہ ان لوگوں کو مساجد میں بے باک اور بے خوف ہو کر داخل ہونا مناسب نہ تھا مساجد کو بہرحال خدا کا گھر کہا جاتا ہے اور خدا کو ہر مذہب و ملت کے لوگ قابل تعظیم سمجھتے ہیں لہٰذا جو مکان اُس کی طرف منسوب کیا جائے اس میں کم از کم ادب و احترام سے تو داخل ہونا چاہیے چہ جائے کہ اس کو خراب کرنے کے درپے ہو جائے اور اس میں خدا کا نام لینے سے روکا جائے یا اس کو منہدم کر دیا جائے یہ بہت ہی نامناسب بات ہے اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ یہ پیشین گوئی کے طور پر فرمایا ہو کہ یہ بے ادب اور گستاخ لوگ مساجد میں نہیں داخل ہوں گے مگر ڈرتے ہوئے چنانچہ یہ پیشین گوئی اسلامی اقتدار کے زمانے میں پوری ہو چکی مشرکوں کو تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں ایک اعلان کے ذریعہ مسجد حرام میں داخل ہونے کی ممانعت کر دی گئی جو انشاء اللہ سورۂ براءۃ میں آئے گا۔ اور خلیفۂ دوم اور خلیفۂ سوم کے عہد میں جب مسلمانوں کا قبضہ فلسطین اور شام پر ہو گیا تو بیت المقدس میں اگرچہ یہود و نصاریٰ کا داخلہ بند تو نہیں کیا گیا مگر اسلامی اقتدار کی وجہ سے جو یہودی یا نصرانی مسجد اقصیٰ میں عبادت یا زیارت کی وجہ سے جاتا تھا وہ ڈرتا ہوا جاتا تھا دنیا کی رسوائی سے مراد کفار کی مغلوبیت اور محکومیت اور قتل اور حفاظتی ٹیکس وغیرہ ہے کیونکہ یہ سب امور موجب ذلت و رسوائی ہیں اور یہ جو فرمایا خدا کے ذکر سے مساجد الٰہی کو روکنا اس لفظ ذکر میں جس طرح نماز داخل ہے اسی طرح اذان اور اعتکاف اور خدا کی تسبیح و تحمید یا اور کوئی مسنون وظیفہ بھی داخل ہے حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں نصاریٰ آپکو منصف جانتے تھے اور یہود کو ظالم کہ انھوں نے حضرت عیسیٰ سے دشمنی کی اور ہم نے ان کو مانا اللہ فرماتا ہے کہ جب نصاریٰ نے غلبہ پایا تو مسجد بیت المقدس کو ویران کیا اور یہود کی مسجدیں اجاڑیں یہود کی ضد سے یہ کیا انصاف ہے کہ آدمیوں کی ضد سے اللہ کی مسجدیں ویران کریں اور (باقی ضمیمہ میں)

لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿١١٨﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۙ

صاف بیان کردی ہیں جو یقین حاصل کرنا چاہتے ہیں ف۱ اے پیغمبر ہم نے آپکو دینِ حق دیکر خوش خبری دینے اور ڈر سنانے کو بھیجا ہے

وَّلَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ﴿١١٩﴾ وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ

اور آپ سے دوزخ میں جانیوالوں کی بازپرس نہ ہوگی ف۲ اور یہود و نصاریٰ آپ سے اُس وقت تک

الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۭ قُلْ اِنَّ هُدَى

ہرگز خوش نہیں ہو سکتے جب تک آپ ان کے دین کے پیرو نہ ہو جائیں آپ کہہ دیجئے سیدھی راہ تو وہی

اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ۭ وَلَىِٕنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَاۗءَهُمْ بَعْدَ الَّذِيْ

ہے جو راہ اللہ تعالیٰ بتائے اور اگر اس علم کے بعد جو آپ کے پاس پہونچ چکا ہے آپ نے بالفرض ان کی خواہشات کی

جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿١٢٠﴾

پیروی کرلی تو آپ کو اللہ کے ہاتھ سے بچانے والا نہ کوئی حمایتی ہوگا اور نہ مددگار۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ۭ اُولٰۗىِٕكَ

وہ اہلِ کتاب جو اپنی کتاب کی اس طرح تلاوت کیا کرتے ہیں جو اس کتاب کی تلاوت کرنیکا حق ہے تو ایسے

يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿١٢١﴾ ع

لوگ اس پر یعنی دینِ حق پر ایمان لے آتے ہیں اور جو اسکو نہیں مانتے تو وہی لوگ ہیں نقصان اٹھانے والے

يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ

اے اولادِ یعقوبؑ میرے وہ احسانات یاد کرو جو میں نے تم پر کئے ہیں

وَاَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٢٢﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا

اور یہ کہ میں نے اقوامِ عالم پر تم کو فوقیت عطا کی تھی۔ اور تم اُس دن سے ڈرو جس دن

تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَـيْـــًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا

کوئی شخص کسی کے ذرا بھی کام نہ آسکے اور نہ کسی کی طرف سے کوئی فدیہ قبول

عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿١٢٣﴾

کیا جائے اور نہ کسی کی طرف سے کوئی سفارش نفع دے گی اور نہ لوگوں کو کسی مددگار کی مدد پہونچ سکے۔ ف۳

ف۱ اے پیغمبر ہم نے آپ کو خلق کی ہدایت کے لئے دینِ حق دے کر بھیجا ہے تاکہ آپ ایمان لانے والوں کو خوش خبری دیں اور منکروں کو عذابِ خدا سے ڈرائیں اور آپ سے اہلِ دوزخ اور اصحابِ جحیم کی کوئی بازپرس نہ ہوگی (تیسیر) مدعا یہ ہے کہ اب تک یہود کے دعاوی اور ان کے اقوالِ فاسدہ کا رُد تھا اسی سلسلے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اعلان کیا اور آپ کی تسلی فرمائی۔ اعلان تو اس لئے کیا کہ اہلِ کتاب پر حجت قائم ہو کیونکہ وہ جانتے تھے کہ پیغمبر بشیر و نذیر ہوتا ہے۔ نیز کفارِ عرب کو بھی یہ بتانا تھا کہ آپؐ دینِ حق کو لے کر آئے ہیں اور آپ کا لقب بشیر و نذیر ہے وہ اگر چاہیں تو اہلِ کتاب سے دریافت کرلیں اور تسلی اس لئے کہ آپ اہلِ کتاب سے توقعات قائم نہ کریں یہ لوگ ماننے والے نہیں اور کسی کے ایمان لانے نہ لانے کے آپ ذمہ دار بھی نہیں اور نہ جہنم میں جانے والوں کی آپ سے کچھ بازپُرس ہونے والی ہے چنانچہ آگے اہلِ کتاب کی حالت بیان فرماتے ہیں کہ اے پیغمبر ان سے ایمان لانے کی اُمید نہ کرو اور نہ ان کو راضی کرنے اور خوش رکھنے کی فکر کرو حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی تجھ پر الزام نہیں کہ اُن کو مسلمان کیوں نہ کیا۔ (موضح القرآن) یہ بازپرس کی تفصیل ہے کہ اگر کوئی ایمان نہیں لائیگا تو وہ جہنم میں داخل ہوگا کیوں کہ جہنم ایمان نہ لانے والوں کی جگہ ہے اور جب جہنم والوں کی آپ سے بازپرس نہیں تو کسی کے ایمان نہ لانے کا آپ پر الزام نہیں (تسہیل)

ف۲ اور یہ یہود و نصاریٰ آپ سے ہرگز کبھی خوش نہ ہوں گے جب تک آپ ان کی ملت اور ان کے دین کے متبع اور پیرو نہ ہو جائیں اور چونکہ یہ بات ان کے طرزِ عمل سے ظاہر ہے اس لئے اے نبی آپ ان سے فرما دیجئے کہ ہدایت یعنی حقیقی سیدھی راہ تو وہی ہے جو راہ خدا تعالیٰ کسی کو بتا دے اور اے پیغمبر اگر کبھی آپ خدانخواستہ اس بات کے بعد کہ آپ کے پاس صحیح اور قطعی علم آچکا ہے ان کی خواہشات اور اُن کے خیالاتِ فاسدہ کی پیروی کرنے لگیں تو پھر آپ کو اللہ تعالیٰ سے بچانے والا نہ کوئی آپ کا حمایتی ہوگا اور نہ کوئی مددگار، وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب یعنی توریت و انجیل دی ہے اور وہ لوگ اُس کتاب کی تلاوت کا حق ادا کرتے ہوئے اس کی تلاوت کرتے ہیں تو وہ لوگ دینِ حق پر ایمان لے آتے ہیں اور صحیح راہ کو اختیار کرلیتے ہیں اور جو شخص اُس دینِ حق کو نہ مانے گا اور اس کا منکر ہوگا تو ایسے ہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہوں گے اور خسارے میں پڑیں گے (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ کی دشمنی اور تعصب کا تو یہ عالم ہے کہ وہ اے نبی آپ سے اُس وقت تک خوش نہیں ہو سکتے جب تک آپ اُن کے دین کو قبول نہ کرلیں، حالانکہ ان کے دین کی یہ حالت ہے کہ اوّل تو انھوں نے خود ہی اُس کو تحریف کرکے مسخ کر دیا تھا اور اب تو وہ منسوخ ہو جانے کے بعد محض خواہشاتِ نفسانی کا مجموعہ رہ گیا ہے اور یہ جو فرمایا قل ان ھدی اللہ ھو الھدیٰ یہ اس لئے کہ یا تو انھوں نے کہا ہوگا کہ آپ ہماری ملت قبول کرلیں تو ہم آپ سے خوش ہو جائیں اور آپ کی مخالفت ترک کر دیں یا ان کے عناد اور دشمنی سے یہ ظاہر ہوتا ہوگا کہ جب تک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کی ملت کے پیرو نہ ہوں گے وہ آپ سے مطمئن نہ ہوں گے لہٰذا ارشاد ہوا کہ اُن سے فرما دیجئے کہ ہدایت اور سیدھی راہ تو وہی ہے جو اللہ تعالیٰ بتائے ہر زمانے کی ہدایت اور اس کے طور طریقے جدا جدا ہوتے ہیں سابقہ دور میں توریت و انجیل کی بتائی ہوئی راہ خدا کی راہ تھی لیکن اس زمانے میں خدا کی راہ وہ ہے جو قرآن بتاتا ہے پھر پیغمبر کو خطاب فرما کر تنبیہ کی کہ اگر آپ اپنے حق اور علم صحیح آنے کے بعد ان کی تالیفِ قلوب کی غرض سے یا ان کے مسلمان ہو جانے کی توقع پر کبھی ان کی خواہشات کا بالفرض اتباع کیا تو اللہ تعالیٰ کی وہ نصرت و حمایت جو اس وقت تم کو حاصل ہے وہ سلب کرلی جائے گی اگرچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ظہور یا وقوع محال تھا لیکن ایک شخص کو جس سے کسی فعلِ شنیع کے ارتکاب کا اندیشہ نہ ہو یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر تم نے ایسا کیا تو اچھا نہ ہوگا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خطاب آپؐ کو ہو اور آپ کی اُمت کو تنبیہ مقصود ہو کہ یہود و نصاریٰ کی خواہشات کا اتباع حضرت حق کی ولایت اور نصرت کے منافی ہے۔ دوسری آیت میں بعض اہلِ کتاب کی تعریف ہے (باقی ضمیمہ میں)

وَاِذِ ابْتَلٰٓی اِبْرٰھٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّھُنَّ ؕ قَالَ

اور وہ وقت یاد کرو جب ابراہیمؑ کو اُسکے رب نے چند باتوں میں آزمایا سو وہ ان باتوں کو پوری طرح بجالایا تو خدا نے فرمایا کہ

اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ؕ

میں تجھ کو لوگوں کا مقتدا بناؤں گا وہ بولا اور میری اولاد میں سے بھی

قَالَ لَا یَنَالُ عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۲۴﴾ وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ

خدا نے فرمایا میرا یہ عہد و قرار ظالموں کو شامل نہ ہوگا ف اور جب ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کیواسطے

مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰھٖمَ

مرجع اور پناہ کی جگہ مقرر کیا اور کہا کہ مقام ابراہیمؑ کو نماز پڑھنے کی جگہ

مُصَلًّی ؕ وَعَھِدْنَآ اِلٰٓی اِبْرٰھٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ اَنْ طَھِّرَا

بنالیا کرو اور ہم نے ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کی طرف یہ حکم بھیجا کہ میرے گھر کو

بَیْتِیَ لِلطَّآئِفِیْنَ وَالْعٰكِفِیْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۱۲۵﴾

زائرین اور مجاورین کے لئے اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لئے خوب پاک رکھو

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰھٖمُ رَبِّ اجْعَلْ ھٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّ

اور جب ابراہیمؑ نے عرض کیا اے میرے رب اس جگہ کو ایک امن والا شہر بنادے اور

ارْزُقْ اَھْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْھُمْ بِاللّٰهِ وَ

اس شہر کے رہنے والوں میں سے جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لائے اسکو کھانے کیلئے

الْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِیْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗٓ

قسم قسم کے میوے عطا فرما خدا نے فرمایا اور جو شخص کفر کرے گا اس کو بھی تھوڑی مدت کیلئے خوب سود مند کروں گا پھر اس کو

اِلٰی عَذَابِ النَّارِ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ﴿۱۲۶﴾ وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰھٖمُ

جبراً دوزخ کے عذاب میں پہونچاؤں گا اور وہ پہونچنے کی بہت بُری جگہ ہے ف اور جب ابراہیمؑ خانہ کعبہ کی بنیادیں

الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ

اونچی کررہا تھا اور اُس کے ساتھ اسماعیلؑ بھی اے ہمارے پروردگار ہم سے قبول فرما۔

ف اور وہ واقعہ قابل ذکر ہے جب حضرت ابراہیمؑ کو اُن کے رب نے چند باتوں میں آزمایا اور ان کا امتحان لیا سو حضرت ابراہیمؑ نے ان تمام باتوں کو پورا کردیا اور وہ پوری طرح ان امور کو بجا لائے اس امتحان کی کامیابی پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں تم کو لوگوں کا امام اور مقتدا بناؤں گا یہ سن کر حضرت ابراہیمؑ نے عرض کی اور میری اولاد میں سے بھی بعض بعض کو پیشوا اور مقتدا بنائیے گا ارشاد ہوا میرا یہ عہد اور منصب انسانی کا یہ عہدہ اور منصب ظالموں کو نصیب نہیں ہوگا (تیسیر) ابتلا کے معنی امتحان کے ہیں۔ قرآن میں ابتلا اور بلا عام طور سے اس معنی میں استعمال ہوا ہے اور کہیں کہیں علم کو بھی اس معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ مثلاً ولنبلونکم بشیءٍ اور وبلوناھم بالحسنات والسیات یعنی ہم تمہارا امتحان لیں گے بعض مصائب میں مبتلا کرکے اور ہم نے ان کو آزمایا برائی اور بھلائی سے۔ اور فرماتے ہیں ولیعلم اللہ الذین اٰمنوا منکم اور علم اللہ ان فیکم ضعفا یعنی اللہ تعالیٰ یہ بات جان لے کہ تم میں مومن کون ہے اور اللہ نے یہ بات معلوم کرلی کہ تم میں کمزوری پیدا ہوگئی ہے۔ اور کبھی کبھی اسی معنی کیلئے فتنہ اور افتنان بھی استعمال ہوتا ہے انما اموالکم و اولادکم فتنۃ اور وظن داؤد انما فتنٰہ اور وھم لا یفتنون۔ یعنی تمہارے مال اور اولاد ایک قسم کا امتحان ہیں اور حضرت داؤد یہ سمجھ گئے کہ ہم نے ان کو امتحان میں مبتلا کردیا اور کیا وہ لوگ آزمائش کی غرض سے فتنوں میں مبتلا نہ کئے جائیں گے امتحان سے دو باتیں مقصود ہوتی ہیں ایک تو یہ کہ ممتحن کو طالب علم کا حال معلوم ہوجائے اور یہ معلوم کرلیا جائے کہ اس کی قابلیت کیسی ہے اور وہ کس درجہ کا مستحق ہے سو یہ معنی تو حضرت حق جل مجدہ کی شان کیلئے محال ہیں اور کسی طرح بھی یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کسی بندے کا امتحان اس لئے لیتے ہیں کہ اسکی حالت معلوم کریں کہ وہ کیسا ہے جبکہ وہ علام الغیوب ہیں اور ان کا علم ازلی تمام مخلوقات کو شامل ہے ہاں امتحان سے کبھی ایک اور بات بھی مقصود ہوتی ہے وہ یہ کہ طالب علم کی قابلیت اور استعداد کا دوسروں پر اظہار ہوجائے تاکہ اس کے ساتھ جو سلوک کیا جائے اس پر دوسروں کو کوئی اعتراض اور تعجب نہ ہو جیسے استاد کبھی دریافت کرتا ہے کہ جو لڑکا اس لفظ کے معنی بتائے گا اُس کو یہ انعام ملے گا حالانکہ استاد ہر طالب علم کی قابلیت سے واقف ہوتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ اس انعام کا کون مستحق ہے یا کبھی کسی مجرم کا امتحان اس غرض سے لیا جاتا ہے کہ اس کو اپنا مجرم ہونا ثابت ہوجائے اور جو سزا اس کو دی جائے اُس پر اس کو تعجب نہ ہو جیسے منافقوں کو جہاد کا حکم دیا اور ان کی کمزوری اور ان کے دل کا چور سب پر نمایاں ہوگیا اور خود ان کو بھی معلوم ہوگیا حضرت حق کا امتحان میں کسی بندے کو مبتلا کرنا اور اس کی آزمائش کرنا کا مطلب یہی دوسرا اور تیسرا ہوتا ہے جیسا ہم نے بیان کیا اور علم حاصل کرنے کا مطلب بھی یہی ہوتا ہے کہ کامیاب ہونیوالے اور ناکام ہونیوالوں کی حالت نمایاں ہوجائے یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ بندے کی حالت سے واقف ہونا چاہتے ہیں ہمیں اُمید ہے کہ ہماری اس تقریر کو سمجھ لینے کے بعد لفظ ابتلا، اور افتنان اور علم اور اختبار وغیرہ کے متعلق کوئی شبہ باقی نہ رہے گا یہ سب الفاظ قریب المعنی ہیں اور ان سب کا مطلب جب کبھی یہ الفاظ حضرت حق کی طرف منسوب ہوں یہی ہوتا ہے کہ بندے کی کمزوری یا اس کی ثابت قدمی کا اظہار ہوجائے اور پھر جو اچھا یا بُرا سلوک اسکے ساتھ کیا جائے اس پر کسی کو تعجب اور اعتراض کا موقع باقی نہ رہے کلماتٍ سے اس آیت میں مفسرین نے مختلف باتیں مراد لی ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جانب بہت سی باتیں منسوب ہیں جیسا کہ قرآن و حدیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے مثلاً چاند سورج اور کواکب کو دلائل سے شکست دینا قوم سے مناظرہ کرنا ایک ظالم بادشاہ سے بحث کرنا باپ کو اور قوم کو چھوڑ دینا بتوں کو توڑنا آگ میں ڈالا جانا ترکِ وطن کرنا۔ مناسک حج کا ادا کرنا۔ بیوی اور بچے کو خدا کے حکم سے بیت اللہ کے قریب لق و دق جنگل میں چھوڑ دینا۔ مونچھوں کا کتروانا۔ ڈاڑھی رکھنا کلی کرنا۔ ناک میں پانی دینا۔ مسواک کرنا۔ ناخن کترنا مانگ نکالنا یا سر منڈانا۔ بغل کو صاف کرنا استرا لینا۔ ختنہ کرنا۔ جمعہ کے دن غسل کرنا کعبہ کی اس کی بنیادوں پر از سر نو تعمیر کرنا غرض بہت سی باتیں حضرت ابراہیمؑ سے ثابت ہیں نہیں کہا جاسکتا کہ یہ سب باتیں کلمات میں داخل ہیں یا ان میں سے بعض باتیں داخل ہیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان کے علاوہ کچھ اور احکام ہوں جن کے بجالانیکا ان کو حکم دیا گیا ہو اور انھوں نے اس کی تعمیل کی ہو۔ اور اس کے بعد ان کو امامت کا لقب دیا گیا ہو اور (باقی ضمیمہ میں)

اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۲۷﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ

بیشک تو ہی ہے سننے والا جاننے والا۔ اے ہمارے پروردگار ہم کو اور زیادہ اپنا فرمانبردار بنا

لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۠ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا

اور ہماری اولاد میں سے ایک ایسی جماعت پیدا کر جو تیری فرماں بردار ہو اور ہم کو ہمارے حج کے احکام بھی

وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۸﴾ رَبَّنَا

سکھادے اور ہم سے درگزر فرما بیشک تو ہی بڑا درگزر کرنے والا بڑی مہربانی کرنیوالا ہے۔ اے ہمارے پروردگا

وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ

ان لوگوں میں ایک ایسا رسول مبعوث فرما جو انہی میں سے ہو وہ رسول تیری آیتیں ان کے روبرو تلاوت کیا کرے اور

يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ

ان کو کتاب اور دانائی کی باتیں سکھایا کرے اور ان کو پاک صاف بنائے بلاشبہ تو ہی ہے

الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۲۹﴾ ع وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ

بہت زبردست بڑی حکمت والا اور کون ایسا ہوگا جو ملتِ ابراہیمؑ سے اعراض کرے

اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ۭ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ

مگر ہاں وہی شخص جو اپنے آپ ہی کو نہ سمجھتا ہو اور ہم نے دنیا میں بھی ابراہیم کو منتخب کیا تھا

وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ

اور آخرت میں بھی وہ نیک لوگوں میں سے ہے۔ جس وقت ابراہیمؑ کے ربّ نے ابراہیمؑ سے کہا کہ

اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَوَصّٰى بِهَآ

تو فرماں بردار بن اس نے کہا میں فرماں بردار ہوا رب العالمین کا اور اسی ملت مذکورہ پر قائم رہنے

اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ۭ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى

کی ابراہیم اپنے بیٹوں کو وصیت کر گیا ہے اور یعقوبؑ بھی کہ اے میرے بیٹو اللہ نے تمہارے لئے

لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ ۭ

اس دین یعنی اسلام کو منتخب کیا ہے سو تم نہ مرنا مگر مسلمان ہی مرنا۔

ف۱ اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب ابراہیمؑ کعبہ کی بنیادیں بلند کر رہا تھا اور اساس کعبہ پر دیواریں اٹھا رہا تھا اور اس کے ہمراہ اس کا لڑکا بھی اس کام میں شامل تھا دونوں باپ بیٹے جناب باری کی خدمت میں عرض کر رہے تھے اے ہمارے پروردگار ہماری اس خدمت کو اور ہمارے اس عمل کو قبول فرمالے بیشک تو خوب سننے والا جاننے والا ہے اور اے ہمارے پروردگار ہم کو اور زیادہ مخلص اور مطیع فرماں بردار بنادے اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک ایسی جماعت پیدا کر جو تیری مطیع و فرماں بردار ہو اور اے ہمارے پروردگار ہم کو ہمارے حج کے احکام بتادے اور سکھادے اور ہم پر اپنی رحمت کیساتھ توجہ فرماتے ہوئے ہماری کوتاہیوں کو معاف فرمادے بیشک تو بڑی توجہ فرمانیوالا اور نہایت رحم کرنیوالا ہے اے ہمارے پروردگار اس امت مسلمہ میں ایک ایسا رسول مبعوث کیجیو جو انہی میں سے ہو اور اس کی شان یہ ہو کہ وہ تیری آیتیں ان کو پڑھ پڑھ کر سنایا کرے اور ان کو کتاب آسمانی اور اس کے احکام کے رموز اور حکمتیں سکھائے اور احکام قرآنی کے حکم و علل کی ان کو تعلیم دیا کرے اور اس تلاوت و تعلیم کے ذریعہ ان کو معاصی اور اخلاق رذیلہ سے پاک کردے اور اُن کی اصلاح کر کے ان کو سنوار دے اس میں شک نہیں کہ تو ہی کمال قوت اور کمال حکمت کا مالک ہے (تیسیر) کہا جاتا ہے کہ کعبہ کی اصل بنا تو حضرت آدم علیہ السلام نے ڈالی تھی مگر حضرت نوح علیہ السلام کے طوفان میں اس کا نشان باقی نہ رہا اور وہاں ایک ریت کا ڈھیر ہوگیا اسی ڈھیر کو صاف کر کے حضرت ابراہیمؑ نے بنیادوں کو اونچا کیا اور پھر اس پر دیواریں اٹھائیں بعض لوگوں نے دیواریں اونچی کرنا مراد لیا ہے ان کا مطلب شاید یہ ہوگا کہ بنیادیں تو بھری ہوئی تھیں دیواریں اونچی کر کے چھت پاٹی ہوگی ہم نے ترجمہ میں دونوں باتوں کی رعایت کر دی ہے حضرت اسمٰعیلؑ کے شامل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ چن رہے تھے اور حضرت اسمٰعیلؑ گارا اور پتھر دے رہے تھے یا دونوں باری باری تعمیر کرتے ہوں گے کسی خدمت کو انجام دینے کے بعد نیک بندوں کو اس کی قبولیت کی فکر ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اس عمل کو قبول فرمالے اسی قبولیت کی دعا فرمائی اور آخر میں فرمایا آپ ہماری دعا کے سننے والے بھی ہیں اور ہمارے قلب کی حالت سے واقف بھی ہیں کہ ہم یہ کام محض تیری خوشنودی کیلئے کر رہے ہیں دوسری دعا میں موجودہ خلوص کو بڑھانے اور فرماں برداری کو زیادہ کرنیکے ساتھ ساتھ اپنی اولاد میں سے بھی ایک ایسی جماعت پیدا کرنیکی درخواست کی ہے جو باپ دادا کے طریق پر قائم رہے کیونکہ یہ تو معلوم ہو چکا تھا کہ ان کی اولاد میں بعض ظالم بھی ہوں گے اس لئے ایک جماعت فرمایا اور اس جماعت سے غالباً حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد کیلئے اشارہ ہوگا اور ہوسکتا ہے کہ اُمت محمدیہ مراد ہو مناسک کے معنی غایت عبادت ہے اور عام طور پر یہ لفظ حج اور احکام حج کے لئے استعمال ہوتا ہے کیونکہ حج میں تکلیف اور مشقت بہت ہوتی ہے اور اکثر کام روزمرہ کی عادت کے خلاف کرنے پڑتے ہیں اور ہوسکتا ہے کہ یہاں عام عبادت مراد ہو اور یہی صحیح ہے مطلب یہ ہے کہ ہم کو ہماری تمام عبادتوں کے طریقے اچھی طرح سمجھادے اور سکھادے توبہ کے اصلی معنی رجوع کے ہیں جب یہ فعل بندے کیطرف منسوب ہوتا ہے تو اس کے معنی خدا کی طرف رجوع کرنے کے ہوتے ہیں کہ بندہ نے اپنی خطاؤں کو چھوڑ کر خدا کی طرف رجوع کیا اور جب خدا کی طرف اس فعل کی نسبت کی جاتی ہے تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی اور اپنے فضل اور اپنی رحمت کے ساتھ بندے کے حال پر توجہ فرمائی لیکن عام طور سے ترجمہ کرنیوالے بندے کا توبہ کرنا اور خدا تعالیٰ کا توبہ قبول کرنا ترجمہ کرتے ہیں۔ ہم نے تیسیر میں دونوں باتوں کی رعایت رکھی ہے چونکہ درگزر کرنے کے موقع پر حضرت حق کی مہربانی اور رحمت کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کو صفت رحیم سے دونوں باپ بیٹوں نے یاد کیا۔ آخری آیت میں جس پیغمبر کیلئے دعا فرمائی ہے وہ بالاتفاق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا میں اپنے باپ ابراہیمؑ کی دعا ہوں۔ کتاب سے مراد قرآن ہے اور حکمت سے مراد کسی نے کہا سنت ہے کسی نے کہا فہم ہے کسی نے کہا حق و باطل کے درمیان فصل کرنا ہے کسی نے کہا علم و عمل مراد ہے۔ کسی نے قرآن کی صحیح مراد کے سمجھنے کا سلیقہ مراد لیا ہے۔ تزکیہ کے معنی پاک کرنا اور سنوارنا ہے بحمداللہ ہم نے تیسیر میں تمام امور کا لحاظ رکھا ہے حضرت حق جل مجدہٗ کا انبیا کو مبعوث فرمانا اور اپنی مخلوق کو صحیح تعلیم سے آشنا کرنا چونکہ ان کے لئے انتہا مصالح پر مبنی ہے اور ان کی زبردست قوت کی دلیل ہے اس لئے اس دعا کو انک انت العزیز الحکیم پر ختم فرمایا۔ (باقی ضمیمہ میں)

أَمْ كُنتُمْ شُهَدَآءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ إِذْ قَالَ
اے یہود کیا تم یعقوبؑ کے مرتے وقت موجود تھے جب اس نے اپنے بیٹوں سے

لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِن بَعْدِي قَالُوا نَعْبُدُ إِلَٰهَكَ
دریافت کیا کہ تم میرے مرنے کے بعد کس کی عبادت کرو گے تو انھوں نے جواب دیا کہ ہم اسکی عبادت کرینگے جو آپکا معبود

وَإِلَٰهَ آبَائِكَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ إِلَٰهًا وَاحِدًا
ہے اور آپ کے باپ دادا ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ اور اسحاقؑ کا معبود ہے وہی معبود جو یکتا و یگانہ ہے

وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿۱۳۳﴾ تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا
اور ہم سب اسی کے اطاعت گزار رہیں گے۔ وہ ایک جماعت تھی جو گزر چکی ان کی کمائی

كَسَبَتْ وَلَكُم مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا
ان کے لئے ہے اور تمہارا کیا تمہارے لئے ہے اور ان کے کاموں کی تم سے کوئی بازپرس

يَعْمَلُونَ ﴿۱۳۴﴾ وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ تَهْتَدُوا قُلْ
نہ کی جائیگی۔ ف۲ اور یہ اہل کتاب مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ تم لوگ یہودی ہو جاؤ یا نصرانی تاکہ تم صحیح راہ پاؤ اے پیغمبر آپ ان سے کہدیجئے کہ

بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۱۳۵﴾
ہرگز نہیں بلکہ ہم نے تو حضرت ابراہیمؑ کی ملت اختیار کر رکھی ہے وہ ابراہیم جو سب سے کٹ کر صرف خدا کا ہو گیا تھا اور مشرکین میں سے نہیں تھا۔

قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنزِلَ إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ
تم کہدو کہ ہم ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور جو ہماری جانب نازل کیا گیا ہے اس پر اور اس پر جو حضرت ابراہیمؑ

وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ
اور حضرت اسماعیلؑ اور حضرت اسحاقؑ اور حضرت یعقوبؑ اور اس کی اولاد کی جانب بھیجا گیا اور اس پر بھی جو

مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَمَا أُوتِيَ النَّبِيُّونَ مِن رَّبِّهِمْ
حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کو دیا گیا اور اس پر بھی جو کچھ اور دوسرے پیغمبروں کو ان کے رب کی جانب سے عطا کیا گیا ہم ایمان لاتے ہیں

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿۱۳۶﴾
ان کے رسولوں میں سے کسی کو جدا نہیں کرتے یعنی سب کو رسول مانتے ہیں اور ہم اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں۔ ف

ف اور وہ ابراہیمؑ اسی بات کی اپنے بیٹوں کو وصیت فرما گئے اور حکم دے گئے اور حضرت یعقوبؑ بھی اپنے بیٹوں کو یہی حکم دے گئے اور وہ حکم یہ تھا کہ اے میرے بیٹو! اللہ نے اس دین اسلام کو تمہارے لئے منتخب فرمایا ہے لہٰذا تم مرتے دم تک اس پر قائم رہنا اور تم بجز اسلام کے اور کسی حالت پر نہ مرنا کیا جب حضرت یعقوب کی موت کا وقت قریب آیا تو تم خود وہاں موجود تھے جبکہ اس نے اپنے بیٹوں سے یہ دریافت کیا کہ تم میرے مرنے کے بعد کس کی پرستش کروگے تو ان سب نے جواب دیا کہ ہم اسی کی پرستش و عبادت کریں گے جو آپ کا اور آپ کے باپ دادا حضرت ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ اور اسحٰقؑ کا معبود ہے آپ اور آپکے بڑے جس معبود برحق کی عبادت کرتے رہے ہیں اُسی کی ہم عبادت کرتے رہیں گے وہی معبود برحق جو یکتا اور وحدہٗ لاشریک ہے اور ہم اسی کے مطیع و فرماں بردار رہیں گے وہ ایک جماعت تھی جو اپنے زمانے میں گزر چکی جو کچھ اُنھوں نے کمایا اور کسب کیا وہ اُن کے کام آئیگا اور جو کچھ تم کماؤگے اور کسب کروگے وہ تمہارے کام آئیگا اور اُن کے اعمال کی تم سے کوئی بازپرس اور پوچھ گچھ نہ کی جائیگی (تیسیر) وصیت کسی اچھی چیز اور کسی بھلے کام کی خواہ وہ دینی ہو یا دنیوی ہو آگے بڑھانے اور دوسرے تک پہونچانے کو کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ وہ مشرکین عرب اور یہود و نصاریٰ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام تو احترام کے ساتھ لیتے تھے اور انکی تعریف بھی بہت کرتے تھے مگر اس کے ساتھ ہی ان کو یہودی یا نصرانی یا مشرک کہتے تھے ان سب لوگوں کو حضرت ابراہیمؑ کے عقائد و اعمال سے آگاہ فرمایا۔ اور یہ بتایا کہ تم لوگ ابراہیمؑ کے متعلق جو کہتے ہو انکی وصیت اور ان کے اعمال اور ان کے اقوال تمہارے دعوے کے خلاف ہیں۔ چنانچہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی اولاد کو جو حکم دیا اور حضرت یعقوب نے بھی جو حکم دیا وہ تو یہ تھا کہ اسلام پر قائم رہنا اور اسلام ہی پر مرنا کیونکہ یہی دین اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے پسند فرمایا ہے اور بنی اسرائیل حضرت یعقوبؑ کی طرف چونکہ خاص طور پر یہ نسبت کرتے تھے کہ وہ تو مرتے وقت اپنی اولاد کو یہودی اور نصرانی رہنے کا حکم دے گئے تھے اس لئے فرمایا کہ تمہارے اس دعوے پر یا تو کوئی صحیح نقل اور معتبر روایت ہو یا تم نے خود ان سے مرتے وقت یہ حکم اور یہ وصیت سنی ہو اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کی موت کے وقت جو صحیح معاملہ پیش آیا تھا اس کو بیان فرمایا کہ اُس نے تو جب اپنے بیٹوں سے دریافت کیا تو انھوں نے یہ جواب دیا کہ ہم تو آپ کے اور آپکے بڑوں کی توحید پر قائم رہیں گے اور باپ دادوں کے ذکر میں حضرت اسماعیلؑ کا نام بھی لیا یہ اس لئے کہ چچا بھی باپ کے قائم مقام ہوتا ہے جیسے خالہ بمنزلہ ماں کے ہوتی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے چچا حضرت عباسؓ کے متعلق یہ قول مشہور ہے کہ اکرموا العباس فانہ بقیۃ ابائی یا عم اما شعرت ان عم الرجل صنو ابیہ (متفق علیہ) یعنی عباسؓ کا ادب و احترام کیا کرو وہ میرے باپ دادوں میں سے باقی رہ گیا ہے بہرحال جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ بنی اسرائیل کے پاس نہ کوئی صحیح نقل ہے اور نہ اپنا مشاہدہ ہے تو معلوم ہوا کہ ان کا دعویٰ غلط اور بے بنیاد ہے اور یہ لوگ ان بزرگوں کے ہم عقیدہ اور ہم مذہب نہیں ہیں اور ان کا نام لینا یا ان بزرگوں کی اولاد ہونا یا انکی محبت کا دعویٰ کرنا ان کے حق میں کچھ مفید اور نافع نہ ہوگا اس لئے فرمایا کہ تم سے تو ان کا کوئی ذکر بھی نہیں کیا جائیگا نہ تم سے اُن کے اعمال و افعال وغیرہ کی کوئی بازپرس ہوگی تو ایسی حالت میں تمہارے محض دعوی سے تم کو کیا نفع پہونچ سکتا ہے ہاں اگر ان کے نام لیوا اور ان کی اولاد ہونے کے ساتھ ساتھ ان کی اتباع بھی کرتے اور ان کی محبت کے دعوی کے ساتھ ان کے مسلک اور ان کے دین پر بھی چلتے اور ان کی صحیح اطاعت کرتے تو بیشک ان حضرات کی نسبت تمہارے لئے مفید اور نافع ہوتی ام کنتم کا خطاب ہوسکتا ہے کہ یہود کو ہو اور ہوسکتا ہے کہ نصاریٰ کو ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دونوں کو ہو واللہ اعلم اب آگے ان کی یہودیت اور نصرانیت کی تبلیغ اور دعوت کا رد فرماتے ہیں (تسہیل) ف۲ اور یہ یہود و نصاریٰ مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ تم یہودی ہو جاؤ یا نصرانی ہو جاؤ تاکہ تم بھی راہ پر آجاؤ اور راہ یافتہ ہو جاؤ یعنی یہود کہتے ہیں یہودی ہو جاؤ نصرانی کہتے ہیں نصاریٰ ہو جاؤ اے نبی آپ فرما دیجئے ہم نہ یہودی ہوں گے نہ نصرانی بلکہ ہم تو اس ابراہیمؑ کی ملت پر قائم رہیں گے جو ما سوائے اللہ سے ہٹ کر صرف اللہ تعالیٰ کا ہو گیا تھا اور وہ مشرکوں میں شامل نہ تھا یہ جن مسلمانوں کو اپنے مذہب کی تبلیغ کر رہے ہیں وہ ان سے کہدیں ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں اور اُس چیز پر ایمان رکھتے ہیں (باقی ضمیمہ میں)

ف سو اگر وہ یہود و نصاریٰ بھی اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح تم ایمان لائے ہو تو بلا شبہ وہ بھی ہدایت یافتہ اور راہ یاب ہو جائیں گے اور صحیح راستہ سے لگ جائیں گے اور اگر وہ دعوت حق کو قبول کرنے سے اعراض کریں اور منہ پھیر یں تو جائے تعجب نہیں ہے کیونکہ وہ تو بس مخالفت ہی میں مبتلا ہیں اور وہ تو ہیں ہی بر سر پیکار اب عنقریب اللہ تعالیٰ ان کی شرارت کے مقابلہ میں آپ کی مدد کرنے کے لئے کفایت فرمائیگا اور ان کے مقابلہ میں آپ کیلئے کافی ہوگا اور وہ سب باتیں سنتا اور سب کے حال کو جاننے والا ہے ہم پر تو اللہ تعالیٰ نے دین فطرت کا رنگ چڑھا دیا ہے اور اللہ سے بہتر رنگ چڑھانے میں دوسرا کون ہو سکتا ہے اور ہم اسی کے عبادت گزار اور اسی کے غلام ہیں (تیسیر) شقاق وفاق کا مقابل ہے وفاق کے معنی موافقت اور شقاق کے معنی مخالفت چونکہ ایک مخالف سے دوسرا مخالف پہلو پھیرتا اور بچا تا ہے اس کی مخالفت اور ضد اور ہٹ دھرمی کے موقعہ پر شقاق کا استعمال کرتے ہیں۔ کفایت کا ترجمہ اب اُردو میں متروک ہو گیا اس لئے نمٹ لینا سُلٹ لینا وغیرہ ترجمہ کرتے ہیں اصل مقصود یہ ہے کہ ان کے مقابلہ میں کسی اور کی ضرورت نہیں اے پیغمبر ان کیلئے بس میں ہی تیری طرف سے کفایت کروں گا اور میں ہی ان سے نمٹنے کو کافی ہوں اور ان کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ آپ کا ضامن ہے۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لئے فرمایا کہ ان کی شرارتوں سے آپ متاثر نہ ہوں ہم ان کیلئے کافی ہیں یہ تسلی کے ساتھ پیشین گوئی بھی ہے جو پوری ہوئی۔ جس طرح کپڑے کو رنگتے ہیں اور کپڑے پر رنگ چڑھاتے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہم کو دین فطرت اور دین حق میں رنگ دیا ہے اور قلب کا کوئی گوشہ ایسا باقی نہیں رہا جس میں اللہ تعالیٰ کا رنگ سرایت نہ کر گیا ہو۔ جب اللہ تعالیٰ کے رنگ دینے کی حالت یہ ہو تو بھلا اب اس رنگ کو کون اتار سکتا ہے اور وہ رنگ کس طرح دور ہو سکتا ہے اور پکے اور پختہ رنگ پر کس کا رنگ چڑھ سکتا ہے اور ہم اپنے رنگنے والے کو چھوڑ کر کہاں جا سکتے ہیں ہم تو اسی کے عابد اور اسی کے غلام رہیں گے یہاں تک مسلمانوں کا وہ جواب ہے جو اہل کتاب کو دیا گیا۔ بعض لوگوں نے صبغۃ اللہ کا یہ مطلب بیان کیا کہ ہم کو دین فطرت پر پیدا کیا ہے اور ہم کو استعداد قبولیت عطا فرمائی اور ہم نے اسی استعداد کی وجہ سے ایمان قبول کیا ہے اس تقدیر پر اس آیت کی جانب اشارہ ہوگا جو سورۂ روم میں آئیگی فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا بعض حضرات نے فرمایا ہے مراد رنگ چڑھانے سے تطہیر ہے چونکہ ایمان نفوس انسانی کو جملہ آلائشوں سے اور ہر قسم کی نجاست سے پاک کر دیتا ہے اس لئے مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو پاک کر دیا ہے اور اب ہمارے دل میں ایمان کے خلاف کسی چیز کا واہمہ اور شبہ بھی نہیں گزر سکتا بہرحال کوئی معنی کئے جائیں اصل مقصد ہم نے عرض کر دیا کہ اہل ایمان کی پختگی اور مضبوطی اور ثبات قدمی کا اظہار ہے اور یہ کہنا ہے کہ ہم کو اب کسی باطل کی دعوت دینا اور تبلیغ کرنا بیکار ہے ہر مسلمان اللہ کے رنگ میں ڈوبا ہوا ہے بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ اہل کتاب کے بپتسمہ کا جواب ہے جس کا نام نصاریٰ کی اصطلاح میں معمودیہ ہے وہ ساتویں دن بچہ کو زرد رنگ کے پانی میں غوطہ دیا کرتے ہیں یا جب کوئی شخص عیسائی ہوتا ہے تو اس کو ایک خاص رنگ کے ساتھ بپتسمہ دیتے ہیں حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ فرماتے ہیں کہ یہود نے ایک دفعہ حضرت موسیٰؑ سے دریافت کیا اے موسیٰ کیا تیرا رب رنگ بھی چڑھاتا ہے حضرت موسیٰؑ نے جواب دیا خدا سے ڈرو اللہ کے متعلق کیسا سوال کرتے ہو حضرت حق کی طرف سے ارشاد ہوا اے موسیٰ ان سے کہدو ہاں میں سرخ اور زرد اور سیاہ اور سب قسم کے رنگوں میں رنگ دیا کرتا ہوں حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں نصاریٰ کے پاس دستور تھا جس کو اپنے دین میں داخل کرتے ایک زرد رنگ بناتے اور اس کے کپڑے بھی رنگ دیتے اور اس پر ڈال بھی دیتے یہ اس کے مقابل فرمایا موضح القرآن بہرحال ملت ابراہیمی اور شریعت محمدیہ پر قائم رہنے اور دین حق پر پختہ رہنے کو خدائی رنگ اور خدا کی رنگت سے تعبیر کرنا بہترین تعبیر ہے (تسہیل) ف۲ اے نبی آپ ان اہل کتاب سے فرمایئے کیا تم لوگ ہم سے اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں کج بحثی اور کٹ حجتی کئے جاتے ہو حالانکہ وہ تمہارا بھی پروردگار ہے اور ہمارا بھی پروردگار ہے اور ہمارے اعمال ہمارے لئے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لئے ہیں اور ہم نے تو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے اپنے اعمال کو اور اپنے دین کو خالص کر رکھا ہے کیا تم اب بھی یہی کہے جاتے ہو کہ حضرت ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ اور اسحاقؑ اور یعقوبؑ اور یعقوبؑ کی اولاد (باقی ضمیمہ میں)

فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۖ وَ

پھر اگر وہ اہل کتاب بھی اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح تم ایمان لائے ہو تو بیشک وہ بھی ہدایت یافتہ ہوں گے اور

إِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ ۖ فَسَيَكْفِيكَهُمُ

اگر وہ روگردانی کریں تو سمجھ لو کہ وہی ہیں بر سر پیکار سو عنقریب آپ کی طرف سے اللہ تعالیٰ ان سے

اللَّهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿١٣٧﴾ صِبْغَةَ اللَّهِ ۖ وَمَنْ

نمٹ لیگا اور وہی ہے سننے والا جاننے والا ہم پر رنگ چڑھا دیا ہے اللہ نے اور رنگ

أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ صِبْغَةً ۖ وَنَحْنُ لَهُ عَابِدُونَ ﴿١٣٨﴾

چڑھانے میں اللہ سے بہتر کون ہو سکتا ہے اور ہم صرف اسی کے عبادت گزار ہیں ف

قُلْ أَتُحَاجُّونَنَا فِي اللَّهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ وَلَنَا أَعْمَالُنَا

اے پیغمبر ان سے کہو کیا تم ہم سے اللہ کے بارے میں کج بحثی کرتے ہو حالانکہ وہی ہمارا رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے اور ہمارے عمل

وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُخْلِصُونَ ﴿١٣٩﴾ أَمْ تَقُولُونَ

ہمارے لئے اور تمہارے عمل تمہارے لئے اور ہم تو خالص اسی کے اطاعت گزار ہیں کیا تم یہ کہتے ہو کہ

إِنَّ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطَ

ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ اور اسحاقؑ اور یعقوبؑ اور یعقوبؑ کی اولاد یہ سب کے

كَانُوا هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ ۗ قُلْ أَأَنْتُمْ أَعْلَمُ أَمِ اللَّهُ ۗ وَمَنْ

سب یہودی یا نصرانی تھے اے پیغمبر آپ ان سے کہئے کہ ان لوگوں کے مذہب سے تم زیادہ واقف ہو یا اللہ تعالیٰ اور اس شخص سے

أَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهُ مِنَ اللَّهِ ۗ وَمَا اللَّهُ

بڑھ کر کون ظالم ہو سکتا ہے جو ایسی گواہی کو چھپائے جو گواہی خدا کی جانب سے اس کے پاس موجود ہو اور اللہ تعالیٰ

بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿١٤٠﴾ تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۖ لَهَا مَا كَسَبَتْ

ان کاموں سے بے خبر نہیں ہے جو تم کر رہے ہو ف۲ وہ ایک جماعت تھی جو گزر گئی ان کی کمائی ان کے لئے ہے

وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ ۖ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٤١﴾ ع

اور تمہارا کیا تمہارے لئے ہے اور ان کے کاموں کی تم سے کوئی باز پرس نہیں کی جائیگی ف۳

ع ١٦ ١٢ ١٦

بقیہ صفحہ ۲

امداد و اعانت کے خواستگار ہوتے ہیں (تیسیر)

عبادت اور استعانت یہ دونوں چیزیں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے خاص ہیں۔ عبادت کے معنی ہیں انتہائی تذلل کے ساتھ کسی کی انتہائی تعظیم بجالانا اور ظاہر ہے کہ ایسی تعظیم اُس ہی کی کی جا سکتی ہے۔ جس سے بڑھ کر کوئی دوسرا محسن نہ ہو۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کے بندے پر اس قدر احسانات ہیں کہ اس کے مقابلہ میں کسی اور کے احسان نہیں ہیں۔ اس لئے عبادت کا صرف وہی مستحق ہے۔ جس طرح کسی دوسرے کی عبادت حرام ہے اسی طرح کسی دوسرے سے استعانت بھی ناجائز ہے کیونکہ مدد اس ہی سے طلب کی جاتی ہے جس کی قوت اور طاقت غالب ہو۔ چونکہ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی صاحب قوت و قدرت نہیں ہے اس لئے کسی دوسرے سے مدد طلب کرنی نہیں چاہیئے۔ اور نہ کسی کو مدد کی غرض سے پکارنا چاہیئے۔ باقی رہا آپس میں ایک دوسرے کا کام کرنا یا مقدمہ میں کوئی وکیل کرنا جیسا کہ بعض حضرات کہا کرتے ہیں۔ ان باتوں کا کوئی تعلق زیر بحث استعانت سے نہیں ہے۔ بلکہ یہ محض باہمی خدمات اور معاملات ہیں اعینوا یا عباد اللہ کی ضعیف روایت کا بھی اس استعانت سے کوئی واسطہ نہیں ہے کیونکہ وہ بھی محض ان مفوضہ خدمات کا طلب کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے کچھ بندوں کے سپرد فرمائی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے فرمایا تھا اذا سألت فاسئل اللہ واذا استعنت فاستعن باللہ یعنی جب تو کچھ مانگے تو خدا ہی سے مانگ اور جب تو مدد طلب کرے تو اللہ تعالیٰ ہی سے مدد طلب کیا کر۔ (تسہیل) ۶ ہم کو سیدھی راہ پر قائم رکھ۔ راہ ان لوگوں کی جن پر تو نے اپنا انعام و اکرام فرمایا ہے (تیسیر) سیدھی راہ سے مراد اسلام اور دین حق ہے۔ یہی وہ راہ ہے جس پر چلنے سے انسان مطلوب حقیقی تک پہنچ جاتا ہے۔ ہدایت کے معنی مفسرین نے راہ دکھانا۔ سیدھی راہ پر ثابت رکھنا اور سیدھی راہ کی توفیق دینا کئے ہیں۔ یہاں ان تمام معنی کی گنجائش ہے۔ آگے اس سیدھی راہ کو بتلاتے ہیں کہ وہ کن لوگوں کی راہ ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ وہ اُن لوگوں کی راہ ہے جن پر انعام و اکرام ہوا ہے۔ وہ چار قسم کے حضرات ہیں انبیاء۔ صدیقین۔ شہدا اور صالحین۔ جیسا کہ پانچویں پارے میں ارشاد فرمایا ہے فاولئک مع الذین انعم اللہ علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین اور ظاہر ہے کہ ان حضرات سے بڑھ کر اور کس کی راہ سیدھی ہو سکتی ہے۔ (تسہیل) ۷ وہ منعم علیہم وہ حضرات ہیں جن پر نہ کبھی غضب نازل کیا گیا اور نہ وہ راہ سے بے راہ ہو کر گمراہ ہوئے۔ (تیسیر) آیت میں مغضوب علیہم سے مراد یہود ہیں۔ اور ضالین سے مراد نصاریٰ ہیں۔ جیسا کہ چھٹے پارے میں ہے۔ من لعنہ اللہ وغضب علیہ اور پہلے پارے میں فرمایا وباءو بغضب من اللہ اور نصاریٰ کے متعلق چھٹے پارے میں ارشاد ہے۔ قد ضلوا من قبل واضلوا کثیرا سیدھی راہ کو ترک کرنے کی دو وجہ ہو سکتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ سیدھی راہ کی تحقیقات ہی نہ کرے۔ اور دوسری یہ کہ خوب تحقیقات کرے اور پھر اس کو اختیار نہ کرے سو تحقیقات نہ کرنے والے تو نصاریٰ ہیں اور باوجود تحقیقات کے عمل نہ کرنے والے اور جان بوجھ کر مخالفت کرنے والے یہود ہیں۔ جس طرح منعم علیہم علم و عمل سے متصف تھے اسی طرح یہ لوگ علم سے اور عمل سے کورے رہے اور غضب الٰہی اور گمراہی کے مستحق ہوئے۔ غیر المغضوب علیہم الذین سے بدل یا اس کی صفت ہے۔ اس لئے ہم نے اسی رعایت سے ترجمہ کیا ہے۔ تاکہ یہ بات اچھی طرح ذہن میں آجائے کہ یہی حضرات حقیقی منعم علیہم ہیں۔ جو ہر طرح کے غضب اور گمراہی سے محفوظ ہیں اور انہی کی راہ حقیقت میں سیدھی راہ ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یوں ترجمہ کیا جائے۔ راستہ ان لوگوں کا جن پر تو نے اپنا فضل و انعام کیا نہ راستہ ان کا جن پر غضب نازل کیا گیا۔ اور نہ ان کا راستہ جو راہ سے بے راہ ہوئے اور گمراہ ہوئے جیسا کہ بعض نے کیا ہے۔ اگرچہ تھوڑے سے فرق کے ساتھ مطلب اور مآل دونوں کا ایک ہی ہے لیکن ہم نے صاحب مدارک کا قول اختیار کیا ہے۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ موضح القرآن میں فرماتے ہیں۔ یہ سورت اللہ صاحب نے بندوں کی زبان سے فرمائی کہ اس طرح کہا کریں۔ موضح القرآن حضرت شاہ صاحبؒ نے اس میں اس شبہ کا جواب دیا ہے جو عام طور سے لوگ کیا کرتے ہیں کہ خدا کا کلام کیسے ہو سکتا ہے۔ کیا خدا خود اپنے نام سے شروع کرتا ہے اور خود ہی اپنے لئے صراط مستقیم طلب کرتا ہے۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کی زبان سے کہلوایا ہے کہ جب ہمارے دربار میں آیا کرو تو اس طرح ہم سے دعا کیا کرو۔ جاننا چاہیئے کہ یہ سورت ام القرآن ہے۔ تمام قرآن کو اس سورت کی تفسیر سمجھنا چاہیئے۔ اس سورت کے بہت سے نام ہیں۔ مثلاً فاتحۃ الکتاب۔ الحمد۔ ام القرآن۔ السبع المثانی۔ وافیہ کافیہ۔ کنز۔ شفا۔ اساس۔ صلوٰۃ۔ توحید۔ تعلیم مسئلہ وغیرہ اور ناموں کی کثرت۔ اس سورت کی اہمیت اور عظمت شان پر دلالت کرتی ہے۔ ایک حدیث قدسی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ سورۂ صلوٰۃ میرے اور میرے بندے کے درمیان آدھی آدھی تقسیم شدہ سورت ہے۔ نصف سورت کا تعلق مجھ سے ہے اور نصف سورت کا تعلق میرے بندے سے ہے۔ جب بندہ کہتا ہے الحمد للہ رب العالمین۔ تو حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ میرے بندے نے میری حمد بیان کی۔ اور جب بندہ کہتا ہے۔ الرحمٰن الرحیم تو خدا فرماتا ہے میرے بندے نے میری ثنا بیان کی اور جب بندہ کہتا ہے مالک یوم الدین تو ارشاد ہوتا ہے میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی اور جب بندہ ایاک نعبد و ایاک نستعین کہتا ہے تو حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے اور میرا بندہ جو مانگے وہ اس کو ملے گا۔ پھر جب بندہ سورت ختم کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ سورت کا یہ حصہ خالص میرے بندے کے لئے ہے اور بندہ جو سوال کرے وہ پورا ہوگا۔ یہ روایت امام مسلم نے حضرت ابوہریرہ سے نقل کی ہے۔ سورۂ فاتحہ کو ختم کرنے کے بعد آمین کہنا سنت ہے۔ اگرچہ یہ لفظ آمین قرآن کا لفظ نہیں ہے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ سورۂ فاتحہ کو ختم کرنے کے بعد آمین کہا کرو۔ فرشتے بھی آمین کہتے ہیں جس کی آمین فرشتوں کی آمین سے مل گئی تو اللہ تعالیٰ اس شخص کے پہلے تمام گناہ معاف کر دیتا ہے۔ آمین کے معنی ہیں یا اللہ میری دعا قبول فرمائے (تسہیل) ۵ محرم الحرام ۱۳۶۳ھ۔

بقیہ صفحہ ۳

کسی چیز میں شک و شبہ دو طریقے سے ہو سکتا ہے۔ ایک تو یہ کہ اس چیز میں واقعۃً شبہ ہو اور دوسرے یہ کہ کوئی شخص بلاوجہ اپنی سمجھ کی خرابی اور ہٹ دھرمی سے اس میں شبہ نکالے تو آیت لاریب فیہ میں پہلی صورت مراد ہے۔ دوسری صورت زیر بحث نہیں ہے اور یہ جو ارشاد فرمایا کہ یہ کتاب متقیوں کی راہ نما ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ متقیوں کے علاوہ دوسرے لوگوں کی راہ نما نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ یوں تو یہ کتاب تمام بنی نوع انسان کے لئے ہدایت ہے جیسا کہ سیقول میں ھدی للناس فرمایا ہے لیکن خاص طور پر وہ لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں جن کو خدا کا خوف ہے اور جن کے دل میں ڈر ہی نہیں وہ اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔ تقویٰ کے معنی ہیں پوری احتیاط کے ساتھ کسی چیز سے بچنا شرعی اصطلاح میں اس کے معنی ان چیزوں سے بچنا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے اور جن سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بچنے کا حکم دیا ہے۔ تقویٰ کے مختلف مراتب ہیں۔ کم سے کم اس شخص کو بھی متقی کہا جاتا ہے جو کفر و شرک سے بچتا ہے اور اس پر بھی لفظ متقی کا اطلاق کیا جاتا ہے جو ہر قسم کے کبائر اور صغائر سے بچتا ہے اور جو ماسوی اللہ کو ترک کر کے صرف خدا ہی کا ہو جاتا ہے اس کو بھی متقی کہا جاتا ہے۔ اس لئے جس طرح ایک اولوالعزم پیغمبر کو متقی کہتے ہیں اسی طرح اس گنہگار مسلمان کو بھی متقی کہہ سکتے ہیں جو صرف کفر و شرک اور بدعت سے بچتا ہے۔ اس تقریر سے یہ بات سمجھ میں آگئی ہوگی کہ یہ کتاب ہر درجہ کے انسان کے لئے راہ نما ہے خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر ہاں یہ ضرور ہے کہ اس کی رہنمائی سے وہی لوگ حقیقتاً بہرہ مند ہوتے ہیں جو خدا سے ڈرنے والے ہیں (تسہیل)

۲ وہ متقی لوگ ایسے ہیں جو پوشیدہ اور چھپی ہوئی باتوں پر یقین لاتے ہیں اور نماز کی پابندی کرتے ہیں اور ہم نے جو ان کو دیا ہے اس میں سے کچھ نیک کاموں میں خرچ کیا کرتے ہیں۔ اور وہ لوگ ایسے ہیں کہ وہ اس قرآن پر جو آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے یقین رکھتے ہیں اور ان کتابوں کو بھی مانتے ہیں جو آپ سے پہلے نازل کی جا چکی ہیں اور وہ لوگ آخرت پر بھی پورا پورا یقین رکھتے ہیں (تیسیر) غیب کی باتوں سے مراد وہ چیزیں ہیں جو ہماری نظروں سے غائب ہیں۔ مثلاً عالم برزخ کے احوال قیامت۔ جنت۔ دوزخ۔ مرنے کے بعد جی اٹھنا وغیرہ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جو کتابیں نازل ہو چکی ہیں ان کو ماننے کا مطلب یہ ہے کہ ان کو بھی خدا کی طرف سے نازل شدہ سمجھتے ہیں۔ اگرچہ ان پر عمل کرنا اب منسوخ ہو چکا ہے۔ اقامت صلوٰۃ سے مراد یہ ہے کہ جملہ رعایتوں کے ساتھ نماز کی پابندی رکھتے اور اس پر مداومت کرتے ہیں۔ خرچ کرنے سے مراد ہر قسم کا انفاق ہے۔ خواہ صدقات واجبہ ہوں یا نافلہ۔ آخرت سے مراد عالم معاد ہے یعنی قیامت کے متعلق جو باتیں قرآن نے فرمائی ہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی ہیں ان سب کے وقوع کا پورا یقین رکھتے ہیں۔ (تسہیل)

بقیہ صفحہ ۴

اور اپنی ضد اور اصرار میں ایسا بڑھا کہ سمجھانے والوں کو بے وقوف سمجھنے لگا اور اپنی بے احتیاطی اور بد پرہیزی کو اچھا سمجھنے اور اس کی تحسین کرنے لگا اور اپنے کو تندرست سمجھتا رہا اور اس کو یہ یقین ہو گیا کہ جو کچھ میں کر رہا ہوں وہی ٹھیک اور درست ہے اور میں صحت کی طرف ترقی کر رہا ہوں اسی حالت میں اس کی دق آخری مرتبہ پر پہنچ گئی اور ایک دن اس کے مرض نے اس کو موت کے گھاٹ اتار دیا اس مریض کی مثال کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے جس طرح یہ امراض جسمانیہ کی حالت ہے ٹھیک اسی طرح روحانی امراض کو سمجھ لیجئے۔ جس کے لئے روحانی اطبا یعنی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے ہیں اور ان کا کام اور ان کا وظیفہ ہی یہ ہے کہ وہ بندوں کی روحانی اصلاح کریں اگرچہ ان کو جسمانی امراض کے علاج میں بھی دخل ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد امراض کا علاج مروی ہے لیکن ان کا اصلی وظیفہ اور ان کا حقیقی کام انسانوں کی روحانی تربیت ہی ہے اور جس طرح جسمانی امراض میں دق اور سل۔ زکام اور کھانسی۔ نمونیہ اور میعادی بخار وغیرہ مشہور ہیں۔ اسی طرح روحانی امراض میں کفر اور شرک۔ فسق و فجور۔ نفاق اور استہزا وغیرہ مشہور و معروف ہیں اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا یہی کام ہے کہ وہ انسانوں کی روح اور ان کے قلوب کو ان امراض باطنیہ سے محفوظ رکھیں اور جو ان

امراض میں مبتلا ہوں ان کی مناسب دوا اور ان کے لئے مناسب پرہیز بتائیں۔ جسمانی امراض کی ابتدا جس طرح کبھی قبض سے اور کبھی زکام سے اور کبھی خوراک کی کثرت سے ہوتی ہے اور بڑھتے بڑھتے مریض کے تغافل سے آخر وہ مہلک اور لا علاج امراض میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح روحانی امراض کی ابتدا بھی قلب کی سیاہی سے ہوتی ہے اور بڑھتے بڑھتے مریض اپنی ضد اور ہٹ سے خطرناک اور افسوسناک حالت پر پہنچ جاتا ہے۔ فرض کیجئے ایک شخص کو ابتدا میں زکام ہوا۔ پھر اس کی بے احتیاطی کے باعث اس زکام نے کھانسی کی صورت اختیار کرلی۔ شروع شروع میں تجزیہ ہوئی پھر ہڈیوں میں بخار رہنے لگا۔ پھر کھانسی اور بخار نے دق کی شکل اختیار کرلی اور آگے چل کر مریض کی نالائقی اور بے احتیاطی کے باعث اس کی دق چہارم درجے پر پہنچ گئی۔ یہاں تک کہ اس کا مرض لا علاج ہوگیا اور ایک دن مرگیا۔ بالکل اسی طرح روحانی مریض کی ابتدا قلب کی سیاہی سے شروع ہوتی ہے۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب کوئی شخص بلا عذر کے ایک جمعہ میں غیر حاضر ہو جاتا ہے اور جمعہ کی نماز نہیں پڑھتا تو اس کے قلب پر ایک سیاہ نقطہ ہو جاتا ہے اگر دوسرے جمعہ کو بھی وہ غیر حاضر رہا تو دو سیاہ نقطے ہو جاتے ہیں اور تیسرے جمعہ کی غیر حاضری پر پورا قلب سیاہ ہو جاتا ہے۔ پھر قلب پر زنگ آنا شروع ہو جاتا ہے جیسا کہ فرماتے ہیں:۔ کلا بل ران علی قلوبهم ما كانوا يكسبون اس حالت کے بعد بھی اگر بندے نے اپنی اصلاح نہ کی اور برابر نافرمانی کرتا رہا تو اس کا دل خدا کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے ولا تطع من اغفلنا قلبه عن ذكرنا اس کے بعد بھی اگر بندہ باز نہیں آیا تو اس کے قلب میں سختی پیدا ہو جاتی ہے ارشاد فرماتے ہیں۔ وجعلنا قلوبهم قاسية اب بھی اگر باز نہیں آتا تو قلب پر مہر کردی جاتی ہے۔ فرماتے ہیں:۔ بل طبع الله عليها بكفرهم اس پر بھی اگر بد پرہیزی یعنی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی جاری رہی تو اس پر سے اپنی توفیق کا ہاتھ اٹھا لیتے ہیں اور جو وہ کرتا ہے اس کو کرنے دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔ نولہ ما تولیٰ جس طرح دق کے مریض کے آخری درجے کو جو تھا درجہ کہتے ہیں اسی طرح روحانی مریض کے آخری درجے کو حیلولۃ کہتے ہیں۔ وہ حالت وہ ہوتی ہے جب کسی بدنصیب کے قلب کے لئے حضرت حق خود روک بن جاتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔ لعلموا ان الله يحول بين المرء وقلبه بعض دفعہ جسمانی مرض کی یہ نوبت ہو جاتی ہے کہ بہتر سے بہتر دوا اور غذا مریض کو بجائے سود مند ہونے کے مضر اور نقصان دہ ہونے لگتی ہے اسی طرح روحانی مریض کی کبھی یہ نوبت ہو جاتی ہے کہ آیات قرآنی بجائے نفع دینے کے مرض کی زیادتی کا سبب بن جاتی ہیں۔ سورۂ توبہ کے آخری رکوع میں فرماتے ہیں:۔ فاما الذين في قلوبهم مرض فزادتهم رجسا الى رجسهم وماتوا وهم كافرون جسمانی مریض کی کبھی یہ حالت بھی ہوتی ہے کہ اس کو اپنی بد پرہیزی بھلی معلوم ہوتی ہے اور وہ اپنی بے احتیاطی کے متعلق یہ خیال کرتا ہے کہ وہ کوئی اچھا کام کر رہا ہے۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ مریض کی یہ حالت بڑی خطرناک ہے اور ایسے مریض کو شفا ناممکن ہے۔ ٹھیک اسی طرح روحانی مریض کی حالت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ افمن زين له سوء عمله فراه حسنا اور سورۂ کہف میں فرماتے ہیں يحسبون انهم يحسنون صنعا اسی بنا پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سائل کے جواب میں جو ایمان کے متعلق سوال کر رہا تھا ارشاد فرمایا تھا۔ اذا سرتك حسنتك وساءتك سيئتك فانت مومن یعنی جب تجھ کو تیری نیکی خوش کرے اور تیرا گناہ تجھ کو ملول کرے تو بس تو مومن ہے۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب تک نیکی اور بدی کا قلب میں احساس موجود ہے۔ اس وقت تک ایمان موجود ہے اور جس وقت نیکی اور بدی کا احساس جاتا رہے تو سمجھو کہ اب ایمان خطرے میں ہے قرآن نے روحانی مریض کی اسی خطرناک حالت کو بطور استعارہ مہر اور پردے سے تعبیر کیا ہے۔ روحانی مریض کا اس خطرناک حالت پر پہنچ جانا خود اس کی اپنی نافرمانی اور ہٹ دھرمی کے باعث ہوتا ہے اور اس کے گناہوں کے باعث اس کی حالت دن بدن خراب ہوتی چلی جاتی ہے اور یہ حالت کا خراب ہونا خدا کی طرف سے ایک قسم کا عتاب ہوتا ہے۔ اس لئے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مہر کردی اور ہم نے ان کو اپنی یاد سے غافل بنا دیا اور ہم نے ان کے دلوں کو سخت کر دیا۔ ورنہ جو اثرات مرتب ہوتے ہیں وہ سب بندے کے ہاتھوں کی کمائی کے باعث مرتب ہوتے ہیں۔ آیت زیر بحث میں جس مہر اور پردے کو بطور استعارہ ذکر کیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ظاہری اعتبار سے تو کان اور آنکھیں اور دل سلامت ہیں اور اپنا اپنا کام کرتے ہیں لیکن حق بات کے سننے اور سمجھنے اور دیکھنے کے لئے آنکھیں ایسی ہیں جیسے ان کے آگے پردہ پڑا ہوا ہے اور دل اور کان ایسے ہیں جیسے ان پر مہریں لگا دی ہیں اس لئے نہ حق بات کو سنتے ہیں نہ سمجھتے ہیں نہ دیکھتے ہیں ختم کے اصلی معنی تو کتم یعنی چھپانے کے ہیں لیکن مہر چونکہ آخر میں لگائی جاتی ہے اور مہر لگانا ایک ایسا فعل ہے جو حفاظت اور بچاؤ کی غرض سے سب سے آخر میں کیا جاتا ہے۔ اس لئے یہاں توفیق وغیرہ کی محرومی اور آخری بدنصیبی کو مہر سے تعبیر فرمایا ہے جس طرح مہر کے بعد کوئی چیز اندر داخل نہیں ہوتی اسی طرح ان کے قلب اور ان کے کان اور ان کی آنکھیں حق بات کو قبول نہیں کرتیں گویا ان کے عناد ان کی سرکشی اور ان کے غرور و تکبر کی وجہ سے جو حالت ان کے دل اور کانوں اور آنکھوں کی ہوگئی ہے وہ ایسی ہے جیسے کسی مہر زدہ چیز کی ہوتی ہے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ ان کو کفر پر مجبور کیا جا رہا ہے یا یہ اب معذور ہیں اور ان سے کسی باز پرس کا حق نہیں ہے۔ یہ تقریر ہم نے عوام کے لئے عرض کی ہے اگر اس کو اچھی طرح ذہن نشین کرلیا گیا تو انشاء اللہ آئندہ نہ کوئی اشکال پیش آئے گا اور نہ کسی شبہ کی وجہ سے پریشانی ہوگی۔ اس مضمون کو اچھی طرح سمجھ کر یاد کرلینا چاہیے میں وقتاً فوقتاً آئندہ اس مضمون کی طرف اشارہ کرتا رہوں گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ اب مخلص مسلمانوں اور کھلے کافروں کا ذکر کرنے کے بعد منافقوں کا ذکر فرماتے ہیں۔ منافق جو زبان سے اسلام کی صداقت خدا کی توحید اور رسول کی رسالت کا اقرار کرے لیکن دل سے اعتقاد نہ رکھے۔ اس قسم کے مخالف ابتدائے اسلام میں تو نہ ہونے کے برابر تھے لیکن جب مسلمان زور پکڑ گئے اور مسلمانوں کی قوت و شوکت بڑھ گئی اور کافروں کو کھلم کھلا مخالفت کی جرأت نہ ہوئی تو بدبختوں نے نفاق کا طریقہ اختیار کیا چنانچہ عام طور سے مدنی سورتوں میں منافقوں کا ذکر زیادہ آتا ہے۔ (تسہیل) اور لوگوں میں سے کچھ لوگ وہ ہیں جو ظاہر میں تو یہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان لے آئے ہیں۔ لیکن ان کی حالت یہ ہے کہ وہ مومن نہیں ہیں بلکہ منافق ہیں۔ وہ اپنے خیال میں اللہ کو اور مسلمانوں کو دھوکہ دے رہے ہیں حالانکہ وہ خود ہی اپنے آپ کو دھوکے میں مبتلا کر رہے ہیں۔ اور ان کو اس کا بالکل شعور اور تمیز نہیں ہے۔ ان لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی بیماری کو اور بڑھا دیا اور ان کو ان کی جھوٹی باتیں بنانے کے باعث دردناک سزا ملنے والی ہے (تیسیر) قلب اور زبان میں چونکہ موافقت نہ تھی اس لئے ان کو منافق فرمایا۔ پھر جس غرض کے لئے فریب دینے کی کوشش کی تھی وہ ناکام ہوگئی تو خود ہی دھوکہ کھایا۔ جو بات چھپانی چاہتے تھے وہ کسی نہ کسی طرح کھل گئی۔ یہ سمجھتے تھے ہم اس ترکیب سے دھوکہ دے رہے ہیں۔ حالانکہ خود دھوکے میں پڑ گئے اور پھر غفلت اور گمراہی کی وجہ سے دھوکہ کا احساس بھی نہیں کر رہے اور جو عداوت اور حسد کی بیماری ان کے قلوب میں ہے وہ ان کی بے احتیاطی اور بد پرہیزی کے باعث اور ترقی کر رہی ہے اور اللہ تعالیٰ اس میں اضافہ فرما رہا ہے جس قدر اسلام سے حسد کرتے ہیں اسی قدر اسلام اور مسلمان ترقی پذیر ہیں۔ اس لئے بیماری میں اور اضافہ ہو رہا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں ایک آزار یہ تھا کہ جس دین کو دل نہ چاہتا تھا اس کو قبول کرنا پڑا۔ دوسرا آزار اللہ نے زیادہ کیا کہ حکم کیا جہاد کا جن کے خیر خواہ تھے ان سے لڑنا پڑا (تسہیل)

اور جب ان منافقین سے یہ کہا جائے کہ تم ملک میں فساد برپا نہ کرو تو یہ لوگ جواب دیتے ہیں کہ ہم تو صرف اصلاح کرنے والے ہیں۔ آگاہ رہو یہی لوگ فساد کرنے والے ہیں مگر ان کو اپنے مفسد ہونے کا شعور نہیں (تیسیر) فساد اور اصلاح یہ دو لفظ قرآن میں عام طور سے استعمال ہوتے ہیں۔ اگرچہ فساد کے اصل معنی تو حد اعتدال سے نکل جانے کے ہیں اور اصلاح اس کا مقابل ہے یعنی حد اعتدال کی پابندی کرنے کا نام صلاح ہے مگر عام طور پر اس کے معنی ہر قسم کی شرارت اور ہر قسم کی نیکی اور اصلاح کئے جاتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فساد کا ترجمہ بگاڑ اور اصلاح کا ترجمہ سنوار کیا ہے۔ چونکہ آج کل یہ دونوں لفظ اردو میں بولے اور سمجھے جاتے ہیں اس لئے ہم نے ان کا کوئی خاص ترجمہ نہیں کیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب ان کو ان کی خفیہ شرارتوں سے باز رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے تو یہ اپنی مفسدانہ حرکات کا انکار کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ہم تو بغیر اصلاح کے اور کچھ کرتے ہی نہیں ہیں۔ حضرت حق ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ لوگ ہیں تو پہلے درجے کے مفسد اور شرارتی کیونکہ نہ تو خود اسلام قبول کرتے ہیں نہ دوسروں کو اسلام لانے دیتے ہیں۔ لیکن ان کو اپنے مفسد ہونے کا احساس نہیں (تسہیل)

بقیہ صفحہ ۵

بقیہ صفحہ ۵

اور اپنے کام لینے والوں نے صحیح کا مال خریدا جس نے نقصان کا سودا کیا وہ دیوالیہ ہوا۔ اس کو قرآن کی اصطلاح میں خاسر کہتے ہیں۔ اس اصطلاح کو اگر ملحوظ رکھا گیا تو انشاء اللہ اس قسم کی تمام آیتوں کا مطلب سمجھنے میں کوئی دشواری نہ ہوگی۔ اس آیت میں منافقین کی اسی حالت کا ذکر فرمایا ہے کہ ان کو سرمایۂ زندگی اور فطری استعداد عطا ہوئی تھی۔ چاہتے تو ایمان لا کر نفع کما سکتے تھے۔ لیکن نفع کا مال چھوڑ کر اس کے مقابلے میں کفر خرید لیا۔ اب ظاہر ہے کہ جو گھاٹے کا سودا کرنے والوں کا انجام ہوتا ہے وہی انجام ان کا بھی ہوا۔ دنیا میں بھی رسوا ہوئے کہ ان کے نفاق کا حال کھل گیا اور آخرت میں بھی دیوالیوں کے گروہ میں اٹھیں گے۔ ان کو تجارت کرتے وقت اتنی سمجھ بھی نہ آئی کہ وہ ایمان جس کا خالی زبان سے اظہار کیا جائے وہ نفع بخش نہیں ہوتا بلکہ قلب میں بھی وہی اعتقاد ہو جو زبان سے ظاہر کیا جاتا ہے۔ چونکہ ان بدبختوں نے مال خریدتے وقت صحیح سوجھ بوجھ سے کام نہیں لیا اس لئے فرمایا وما كانوا مهتدين اب آگے انہی منافقین کی دو مثالیں بیان فرماتے ہیں۔ تاکہ ان منافقین کا معاملہ اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے (تسہیل) ان کی حالت

اس گروہ کی حالت کے مشابہ ہے جس نے کہیں آگ جلائی ہو۔ پھر جب اس آگ نے اس گروہ کے ارد گرد اور آس پاس کی تمام چیزوں کو روشن کر دیا ہو تو اسی حالت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے نور کو سلب کر لیا ہو اور ان کو سخت تاریکیوں میں اس طرح چھوڑ دیا ہو کہ ان کو اپنے آس پاس کی کوئی چیز نظر نہ آتی ہو۔ وہ بہرے ہیں گونگے ہیں اور اندھے ہیں۔ لہٰذا وہ گمراہی سے ہدایت کی جانب نہیں لوٹیں گے (تیسیر) مثال کا خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح روشنی حاصل کرنے کی غرض سے کچھ لوگ شب کی تاریکی میں آگ جلائیں اور آگ کی روشنی سے فائدہ حاصل کرنا چاہیں اور جب وہ آگ ان لوگوں کے چاروں طرف کی چیزوں کو روشن کر دے تو ایک دم آگ کی روشنی کو خدا تعالیٰ زائل کر دے اور وہ لوگ اندھیروں میں متحیر اور حیرت زدہ ہو کر رہ جائیں۔ یہی حالت ان منافقین کی ہے کہ اسلام کی روشنی سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے کہ مسلمانوں میں مل جل کر مال غنیمت بھی حاصل کریں اور نکاح وغیرہ کے تعلقات قائم کر کے ورثہ کا بھی فائدہ اٹھائیں اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے محفوظ بھی رہیں۔ لیکن ٹھیک اس وقت جبکہ ان کی یہ حرکات بارآور ہونے کے قریب تھیں ان کے نفاق کا افشا ہو گیا اور ان کا بھانڈا پھوٹ گیا اور یہ حیران رہ گئے یا یہ مطلب ہے کہ دنیا میں چند روز اپنی مکاری سے فائدہ اٹھاتے رہے مگر مرنے کے بعد گوناگوں عذاب میں مبتلا کئے گئے۔ بہرحال ان کی حیرانی اور ان کے تحیر اور ان کے کفر و نفاق کی تاریکیوں میں مبتلا ہونے کی مثال بیان کی گئی ہے۔ اور چونکہ اس تحیر کی وجہ سے ان کی حالت یہ ہو گئی ہے کہ وہ نہ تو بات سنتے ہیں نہ سیدھی راہ کو کسی سے دریافت کر سکتے ہیں اور نہ راہ راست پر چل سکتے ہیں اور بالکل اس جماعت کی طرح جس کی آگ کا نور اور روشنی ختم ہو چکی ہو اور وہ تصویر حیرت بن کر رہ گئی ہو، ان بدبختوں کی حالت ہو گئی ہے تو بھلا اب یہ کیونکر کفر کی تاریکیوں اور اندھیروں سے نکل کر اسلام کی طرف آ سکتے ہیں۔ کہیں بہرا اور گونگا اور اندھا بھی سیدھی راہ پر لگ سکتا ہے۔ اس لئے فرمایا فھم لا یرجعون (تسہیل)

بقیہ صفحہ ۶

اسی طرح منافق کے دل میں کبھی اقرار ہے اور کبھی انکار۔ اللہ صاحب نے سورہ کے یہاں تک تین لوگوں کا احوال فرمایا۔ اول مومن دوسرے کافر جن کے دل پر مہر ہے یعنی قسمت میں ایمان نہیں (تیسیر) منافق جو دیکھنے میں مسلمان اور دل ان کا ایک طرف نہیں (تسہیل) ؎ اے افراد انسانی تم اپنے اس پروردگار کی بندگی اور عبادت بجا لاؤ۔ جس نے تم کو اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ توقع ہے کہ تم خدا کے عذاب سے بچ جاؤ۔ وہ پروردگار جس کی عبادت کے لئے تم کو دعوت دی جا رہی ہے وہ ایسا محسن ہے کہ اس نے تمہارے بسنے اور زندگی بسر کرنے کے لئے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا اور اس نے آسمان کی جانب سے پانی اتارا۔ اور اس پانی سے تمہاری غذا اور تمہارے کھانے کے لئے مختلف انواع و اقسام کے پھل اگائے۔ لہٰذا ایسے بڑے حقیقی محسن کا کسی کو ہمسر اور شریک نہ ٹھہراؤ۔ حالانکہ تم جانتے بوجھتے ہو (تیسیر) اس آیت میں تمام بنی نوع انسانی کو اپنے پروردگار کی عبادت کا حکم دیا گیا ہے۔ چونکہ عبادت انتہائی تذلل اور عاجزی اور خشوع و خضوع کا نام ہے۔ اس لئے انسان جو اشرف المخلوقات ہے اس کی عبادت کا وہی مستحق ہو سکتا ہے۔ جو تمام مخلوق سے بالا اور برتر اور تمام مخلوق کا مربی اور محسن ہے۔ زمین چونکہ پھیلی ہوتی ہے اس لئے اس کو فرش فرمایا۔ اور آسمان چونکہ قبہ نما ہے اس لئے اس کو بناء سے تعبیر کیا تقویٰ کے معنی جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں بچنے اور احتیاط کرنے کے ہیں۔ اس لئے ہم نے عذاب سے بچنے کے معنی کئے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ اس کا یہ مطلب ہو کہ تم متقیوں کے زمرے اور پرہیزگاروں کی جماعت میں شامل ہو جاؤ۔ جیسا کہ بیضاوی نے اختیار کیا ہے۔ اور یہ جو فرمایا کہ توقع اور امید ہے کہ تم متقی ہو جاؤ تو اس پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں غایہ اور توقع اور امید کے الفاظ کیوں ہیں وہ تو سب کچھ کر سکتے ہیں۔ اول تو یہ بات کہ کلام میں وہی محاورے اور بول چال کا وہی طریقہ استعمال کیا ہے جو عام طور سے انسان بولتے اور سمجھتے ہیں نیز یہ کہ بادشاہوں کے کلام میں اس قسم کے الفاظ وعدے کے وقت بولے جاتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے کلام میں بھی عسیٰ اور لعل سے مراد وعدہ ہی ہوتا ہے اور یہی ایک کریم کی شان ہے کہ جب وہ کہتا ہے اچھا دیکھا جائے گا یا یوں کہے اچھا دیکھو شاید ہو جائے یا یوں کہے امید ہے کہ ایسا ہو جائے تو ان سب کا مطلب یہی سمجھا جاتا ہے کہ وعدہ ہو گیا۔ اسی مطلب کے پیش نظر حضرت شاہ رفیع الدین صاحبؒ ان الفاظ کا ترجمہ تاکہ فرمایا کرتے ہیں۔ سماء اس چیز کو کہتے ہیں جو تمہارے اوپر سایہ فگن ہو یہاں آسمان مراد ہے کیونکہ وہ تمام عالم پر چھایا ہوا ہے۔ آسمان کی جانب سے پانی نازل کرنے کا مطلب یہ ہے جیسا کہ مفسرین فرماتے ہیں کہ آسمان سے غیر مرئی طریقہ پر بادلوں پر پانی نازل ہوتا ہے۔ پھر بادلوں سے زمین پر برستا ہے اور جو لوگ محض بخارات سے بارش کا تعلق سمجھتے ہیں ان کے لئے بھی ہمارا ترجمہ مضر نہیں۔ پھر جو پانی برستا ہے اس کے امتزاج اور زمین کے ساتھ ملنے سے مختلف پھل اور میوے پیدا ہوتے ہیں ند کے معنی مثل اور مخالف کے ہیں۔ جس کو اردو میں جواب کہتے ہیں جیسے فلاں چیز فلاں چیز کا جواب اور مقابل ہے یا یہ چیز اس چیز کی مثل ہے اسی لئے اہل لغت نے مماثلت اور مشارکت کے معنی لئے ہیں۔ ہم نے شاہ عبدالعزیز صاحبؒ دہلوی کا لفظ ہمسر اختیار کر لیا ہے کہ اس خدائے یکتا و یگانہ کا کوئی ہمسر نہ ٹھہراؤ اور یہ جو فرمایا کہ تم جانتے بوجھتے ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آخر سوچنے سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہو۔ اتنی بات ادنیٰ سے غور و فکر سے سمجھ میں آ سکتی ہے کہ جب اس کو "انہ عالم میں سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی دوسرا متصرف اور کارفرما نہیں ہے تو اس کی عبادت میں کسی دوسرے کو کیوں شریک و سہیم بنایا جائے۔ اب آگے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور قرآن کی حقانیت کا ذکر فرماتے ہیں۔ چونکہ توحید باری کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور قرآن کی صداقت پر بھی ایمان لانا ضروری ہے۔ اس لئے توحید کی مناسبت سے رسالت اور قرآن کا ذکر فرماتے ہیں (تسہیل)

بقیہ صفحہ ۷

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب بھی پھر سکتی ہے۔ اگر ضمیر کو حضور کی جانب پھیرا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ جیسا یہ ہمارا بندہ امی اور ان پڑھ ہے۔ اسی جیسے شخص سے تم سب مل کر ایک چھوٹی سی سورت بنا لاؤ۔ بعض مفسرین نے اس معنی کو اختیار کیا ہے اور من مثلہ سے من مثل عبدنا مراد لی ہے واللہ اعلم بالصواب (تسہیل) ؎ اور اے نبی آپ ان لوگوں کو جو ایمان لا چکے ہیں اور وہ نیک اعمال کے پابند ہیں۔ یہ مسرت آمیز خبر دے دیجئے کہ ان کے واسطے آخرت میں ایسی بہشتیں اور جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی۔ جب کبھی بھی ان کو ان بہشتوں میں سے کوئی پھل کھانے کو پیش کیا جائے گا تو وہ اس پیش کردہ پھل کو دیکھ کر ہر بار یہ کہیں گے کہ یہ تو وہی ہے جو اس سے پیشتر ہم کو دیا جا چکا ہے اور واقعہ بھی یہی ہے کہ ان کو دونوں دفعہ کے پھل صورت میں باہم ملتے جلتے دیئے جائیں گے اور ان لوگوں کے لئے جنت کے باغوں میں پاک صاف عورتیں ہوں گی اور یہ لوگ ان بہشتوں میں ہمیشہ رہیں گے (تیسیر) بشارت ایک ایسی خبر کو کہتے ہیں جو سننے والے کو مسرور کرنے والی ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ نیک عمل کرنے والے اہل ایمان کو یہ خوشخبری دی گئی ہے کہ ان کو اس عالم میں ایسے باغ دیئے جائیں گے جن کے نیچے پانی کی نہریں بہ رہی ہوں گی۔ یا تو باغ کے درخت نہروں کے کنارے پر لگے ہوئے ہوں گے۔ یا یہ مطلب ہے کہ پانی اور درختوں کے نیچے بہہ رہا ہوگا اور یہ اپنے محلوں میں سے اس باغ کا نظارہ کر رہے ہوں گے۔ جنت کے جو پھل ان کو کھانے کے لئے دیئے جائیں گے چونکہ وہ شکل و صورت میں دنیا کے پھلوں کے ہم شکل ہوں گے تو یہ تعجب سے کہیں گے یہ تو وہی پھل ہے جو ہم کو دنیا میں دیا گیا تھا۔ ان کو بتایا جائے گا کہ تم کھا کر دیکھو۔ اس پھل کی صورت تو دنیا کے پھل جیسی ہے لیکن اس کا مزہ دنیا کے پھلوں جیسا نہیں ہے یا یہ مطلب ہے کہ جنت ہی کے پھل جب ایک دفعہ کھائیں گے اور دوبارہ پھر ان کے سامنے وہ پھل لایا جائے گا تو کہیں گے یہ تو وہی ہے جو ہم ابھی کھا چکے ہیں۔ اس پر فرشتے ان کو متنبہ کریں گے کہ صورت ایک سی ہے لیکن مزہ ایک سا نہیں ہے بلکہ ایک ہی پھل کا ہر دفعہ نیا مزہ ہوگا۔ پاک کی ہوئی عورتیں جو فرمایا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر طرح کی ظاہری اور باطنی نجاست سے اہل جنت کی بیویوں کو اللہ تعالیٰ نے پاک اور صاف کر دیا ہے۔ جس طرح ان کو پیشاب پاخانہ وغیرہ کی ضروریات سے پاک رکھا گیا ہے اسی طرح ان کو باطنی آلائش حسد و کینہ اور بدخلقی وغیرہ سے بھی پاک صاف کر دیا ہوگا عام اس سے کہ وہ عورتیں دنیا کی ہوں یا جنت کی حوریں ہوں۔ ہمیشہ رہنے سے مراد یہ ہے کہ یہ ہر قسم کی نعمتیں دائمی ہوں گی۔ یہ لوگ وہاں سے کبھی نکالے نہ جائیں گے اور نہ ان کو موت آئے گی۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ بہشتیں کئی قسم کی ہوں گی۔ اور ہر ہر جنت میں مختلف درجات ہوں گے اسی لئے حضرت حق سبحانہٗ نے جمع کا صیغہ ذکر فرمایا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے جنت کے نام اس طرح مروی ہیں۔ جنت الفردوس۔ جنت عدن جنت النعیم۔ دار الخلد۔ جنت الماوی اور علیون۔ بعض مفسرین نے دار السلام۔ دار القرار۔ دار الجلال وغیرہ کا اور اضافہ فرمایا ہے چونکہ لوگوں کے اپنے اپنے اعمال کی وجہ سے مراتب مختلف ہوں گے اس لئے جنت میں بھی مختلف مراتب اور مختلف درجات عطا کئے جائیں گے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ جنت ایک ہی ہو اور اس کے مختلف درجات کے نام مختلف ہوں۔ جیسا کہ اہل تحقیق کا قول یہی ہے حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یعنی جنت کے ہر میوے کا مزہ جدا ہے اگرچہ صورت ملتی ہو صورت دیکھ کر جانیں گے کہ وہی قسم ہے جو کھا چکے ہیں اور چکھیں گے تو مزہ جدا پاویں گے (تسہیل) ؎ ہاں بے شک اللہ تعالیٰ اس بات سے نہیں شرماتا کہ خواہ وہ کوئی سی مثال بیان کرے۔ وہ مثال مچھر کی ہو یا اس سے بڑھ کر کسی چیز کی ہو۔ پھر جو اہل ایمان ہیں وہ تو خوب جانتے اور یقین کرتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ اور بیان کردہ مثال بالکل درست اور بہت باموقع ہے اور وہ لوگ جو کفر کی روش اختیار کر چکے ہیں وہ یہی کہتے ہیں کہ آخر اس مثال کے بیان کرنے سے اللہ تعالیٰ کا کون سا مقصد اور مطلب ہے اللہ تعالیٰ اس نازل کردہ مثال سے بہتوں کو گمراہ رکھتا ہے اور اسی مثال سے بہت سوں کو ہدایت عطا کرتا ہے۔

بقیہ صفحہ ۸

مریض کے سخت خطرے کی حالت ہے العیاذ باللہ۔

یہاں ان فاسقوں کی تین باتیں ذکر فرائیں۔ ایک تو اللہ تعالیٰ سے پختہ عہد کرنے کے بعد عہد شکنی۔ اور دوسرے ان تعلقات کو توڑنا جن کے ملانے اور جوڑنے کا حکم دیا گیا ہے اور زمین میں مفسدانہ روش اختیار کرنا۔ عہد سے مراد ہو سکتا ہے کہ وہی اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کا عہد ہو یا وہ عہد جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت اور کتابوں کے نازل کرنے سے ہوتا ہے کہ بندوں کی طرف سے بطور عبودیت یہ اقرار ہوتا ہے کہ ہم سب ان چیزوں کو مانیں گے ملانے والے تعلقات سے مراد وہ تمام تعلقات ہو سکتے ہیں جو شرعی طور پر مقرر کئے گئے ہیں۔ خواہ وہ بندے اور پروردگار کا تعلق ہو یا گور پیٹ کے رشتے اور قرابت داری کے تعلقات ہیں یا انبیاء اور علما اور صلحا کے تعلقات ہوں یا بنی نوع انسان کے ساتھ ہمدردی اور رواداری کے تعلقات ہوں بغرض ہر قسم کے تمام وہ تعلقات مراد لئے جا سکتے ہیں جن کو شریعت نے قائم رکھنے کا حکم دیا ہے۔ اسی طرح شرارت اور فساد بھی عام ہے۔ خواہ قتل و غارت گری اور ظلم ہو۔ خواہ اسلام قبول کرنے سے لوگوں کو روکنا اور مسلمانوں کو بہکانا ہو۔ خواہ اسلام کے خلاف سازشیں کرنا ہو۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر مفید تر شاؤں کا اثر الٹا اور مضر اثر ہوتا ہے اور یہی لوگ آخرت میں دیوالیے اور ٹوٹا اٹھانے والے ہوں گے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ قرآن شریف میں کہیں مثال فرمائی ہے کڑی کی کہیں مکھی کی۔ اس پر کافر عیب پکڑتے تھے کہ اللہ کی شان نہیں ان چیزوں کا ذکر کرنا۔ یہ کلام اس کا ہوتا تو ایسی چیزیں مذکور نہ ہوتیں۔ اس پر یہ دو آیتیں فرمائیں (تسہیل ۱۵) بھلا تم کیونکر اللہ تعالیٰ کی ناشکری اور ناسپاسی کرتے ہو حالانکہ تم بالکل بے جان تھے۔ پھر تم کو اس خدا نے زندہ کیا۔ پھر اس زندگی کے بعد وہ تم کو موت دے گا۔ پھر تم کو دوبارہ زندہ کرے گا۔ پھر اسی کی خدمت میں تم سب کی بازگشت ہوگی۔ وہ قادر مطلق ایسا ہے جس نے زمین کی تمام موجودات تمہارے نفع اور تمہارے فائدے کے لئے پیدا کی پھر اس نے آسمانوں کی تکمیل کی جانب توجہ فرمائی اور ان کو ٹھیک اور درست کیا اور ان کو سات آسمان بنا دیا اور وہ ہر ایک چیز کا خوب جاننے والا ہے (تیسیر) ان آیتوں کا تعلق رکوع کی ابتدائی آیت کے ساتھ ہے۔ بیچ میں قرآن اور رسالت کی دلیل تھی۔ پھر کفار کے معارضہ کا جواب تھا۔ اب پھر اصل مضمون کو شروع کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرو اور اس محسن حقیقی کے احسانات و انعامات پر غور کرو کہ تم بالکل بے جان اور مردہ تھے جس مادہ سے تم بنے ہو وہ ابتداً غذا کی شکل میں تھا جو تمہارے ماں باپ کے جسم میں ہضم و تحلیل کے تمام مدارج طے کرنے کے بعد نطفہ بن گیا پھر تم مادہ میں وہ نطفہ مختلف صورتیں اختیار کرتا رہا اور بالآخر اس بے جان کو اللہ تعالیٰ نے زندگی اور جان عطا فرمائی۔ پھر اس زندگی کے بعد موت دے گا یہ بھی اس کا احسان ہے۔ پھر اس موت کے بعد قیامت میں دوبارہ زندگی میسر ہوگی پھر تم سب اپنی پروردگار کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ بھلا جس کے اس قدر احسانات تم پر ہیں اس کے ساتھ تم ناسپاسی کیونکر کر سکتے ہو اور جو نافرمان ایسا کرتا ہے اس پر بڑا ہی تعجب ہے۔ یہ شبہ نہ کیا جائے کہ موت تو زندگی کی ضد ہے پھر دونوں احسان کس طرح ہو سکتے ہیں۔ اس لئے کہ عالم آخرت کی نعمتیں اور وہاں کی زندگی بدون اس موت کے حاصل نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا نعمت کا ذریعہ اور سبب بھی نعمت ہے۔ اس کے علاوہ موت کے اور بھی فوائد ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارذل عمر سے پناہ مانگا کرتے تھے۔ پھر دنیوی زندگی کا ذکر کرنے کے بعد اپنے اور احسانات کا ذکر فرماتے ہیں کہ صرف زندگی ہی دے کر نہیں چھوڑ دیا بلکہ تمہاری بقا کا سامان بھی مہیا کیا تمہارے فائدے کے لئے زمین کی تمام چیزیں پیدا کیں۔ کسی سے بالواسطہ فائدہ حاصل کرتے ہو کسی سے بلاواسطہ نفع اٹھاتے ہو اور اگر کسی کا فائدہ فی الحال معلوم نہ ہو تو یہ مطلب نہیں کہ اس میں فائدہ نہ ہو۔ قدرت کے ہزار ہا وہ منافع ہو اس نے اپنی کائنات میں انسان کے لئے رکھے ہیں۔ ان سب کا علم بیک وقت ہونا ضروری نہیں اور اس سے یہ بھی لازم نہیں آتا کہ جب ہر چیز مفید اور سود مند ہے تو وہ حلال بھی ہونی چاہئے۔ اس لئے کہ سنکھیا اور دوسری سمیات میں بہت سے فائدے ہیں۔ لیکن اطبا ان کے استعمال سے روکتے ہیں اسی طرح کوئی نہ کوئی فائدہ تو ہر شے میں ضرور ہے لیکن بعض طبائع کے لئے بعض اشیا میں ضرر بھی ہے اس لئے نفع اور ضرر کے لحاظ سے حلت و حرمت کا حکم دیا گیا ہے۔ پھر جس طرح زمین کی جملہ اشیاء میں بنی نوع انسان کے لئے منافع مضمر ہیں۔ اسی طرح آسمان سے بھی انسانی مخلوق کے بے شمار فوائد وابستہ ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ زمین و آسمان دونوں ہی سے انسان کی زندگی اور بقا کا تعلق ہے۔ اس لئے ارشاد ہوتا ہے کہ پھر اس نے آسمان کی خلقت کو کامل کرنے کی جانب توجہ کی۔ چنانچہ اس کو درست کر کے سات آسمان بنا دیئے اور وہ ہر جاندار کی تمام ضروریات کا پورا عالم ہے۔ آسمان و زمین کے بننے میں ایک مشہور بحث ہے کہ پہلے آسمان بنا یا زمین۔ یہ بحث چونکہ طویل ہے اس لئے ہم آئندہ کسی موقعہ پر عرض کریں گے۔ جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے احسانات کی دو قسمیں ہیں جس کو سورۂ لقمان میں ظاہری احسان اور باطنی احسان سے تعبیر فرمایا ہے ارشاد ہوتا ہے وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً یعنی اس نے تم پر اپنی نعمتیں خواہ وہ ظاہری ہوں یا باطنی پوری فرما دی۔ ظاہری نعمت اور احسان تو یہی ہے جیسے لباس مویشی سکونت کے مکان۔ زراعت کی زمین۔ کھانا پانی وغیرہ اور باطنی احسانات سے مراد اس قسم کے احسانات ہیں۔ جیسے علم۔ بزرگی۔ آبرو عزت۔ معاصرین پر فوقیت۔ اقتدار۔ مراتب کی بلندی اور تفوق وغیرہ۔ توحید کی بحث میں اب تک جن احسانات کا ذکر فرمایا ہے وہ ظاہری تھے۔ اب آگے باطنی احسانات کا تذکرہ فرماتے ہیں کہ ہم نے تمہارے باپ آدم کو علم دیا۔ خلافت عطا کی۔ اس کو مسجود ملائک بنایا۔ تم کو اس کی اولاد ہونے کا شرف عطا کیا۔ اسی مناسبت اور ربط کی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام کا پورا قصہ بیان فرماتے ہیں۔ تاکہ ظاہری احسانات کے ساتھ باطنی اور معنوی احسانات بھی فی الجملہ بنی نوع انسان کے سامنے آجائیں اور وہ دونوں قسم کے احسانات پر غور کریں اور یہ سوچیں کہ جب ان احسانات میں خدا تعالیٰ کا کوئی شریک اور سہیم نہیں ہے تو ہم اس کی ذات اور صفات یا اس کی عبادت میں کیوں کسی دوسرے کو شریک ٹھہرائیں (تسہیل ۱) اور وہ واقعہ قابل ذکر ہے جب اے پیغمبر آپ کے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا کہ یقیناً میں زمین پر ایک نائب بنانے والا ہوں۔ اس پر فرشتوں نے عرض کیا کیا آپ زمین پر ایسے لوگوں کو پیدا کریں گے جو اس میں فساد کریں گے اور خون ریزی کے مرتکب ہوں گے۔ حالانکہ ہم آپ کی حمد و ثنا کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور آپ کی طہارت اور تقدیس کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ اس کے پیدا کرنے کی جو حکمت و مصلحت میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب زمین میں آدم علیہ السلام کو پیدا کرنا چاہا اور ملائکہ اور جنات کی موجودگی کے باوجود ایک ایسی مخلوق کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا جو دونوں قسم کی استعداد سے متصف ہو اور اس کی طبیعت صلاح اور فساد دونوں کی جانب مائل ہونے والی ہو کیونکہ ملائکہ میں تو نافرمانی اور فساد کی صلاحیت ہی نہ تھی اور جنات میں اگرچہ اصلاح کی استعداد موجود تھی لیکن وہ بہت ضعیف تھی۔ اس لئے حضرت حق جل مجدہٗ کو فجور اور تقویٰ دونوں کی استعداد رکھنے والی مخلوق کو پیدا کرنا مقصود تھا اور اسی مخلوق کو اپنا نائب اور خلیفہ بنانا تھا تاکہ وہ زمین میں احکام شرعیہ کا نفاذ اور اجرا کرے۔ اور حدود الٰہیہ کو قائم کرے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے جب اس کا اظہار فرمایا تو فرشتوں نے عرض کیا آپ کیا ایسی مخلوق کو پیدا کریں گے جس میں سے کچھ لوگ جرائم اور مفاسد کے مرتکب ہوں گے۔ اور ہم برابر آپ کی تسبیح بیان کرتے ہیں اور سبحان اللہ۔ اور سبحان الملک القدوس ہمارا وظیفہ ہے یا یہ کہ ہم سبحان اللہ وبحمدہٖ اور سبحان الملک القدوس کے ساتھ آپ کی پاکی اور آپ کی تقدیس کیا کرتے ہیں۔ اس لئے کسی نئی مخلوق کو پیدا کرنے کی بجائے یہ نیابت اور خلافت کا کام ہمارے ہی سپرد کر دیا جائے۔ اس پر ارشاد ہوا کہ اس مخلوق کے پیدا کرنے میں جو مصالح اور حکمتیں ہیں ان کو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔ حضرت حق کا ملائکہ سے یہ فرمانا بطور مشورہ نہ تھا اور نہ ملائکہ کے جواب میں کوئی اعتراض تھا۔ جیسا کہ بعض لوگ ان باتوں کے قائل ہوئے ہیں رہی یہ بات کہ ملائکہ کو یہ معلوم کیسے ہوا کہ پیدا ہونے والی مخلوق میں سے کچھ لوگ فساد اور خون ریزی کے مرتکب ہوں گے تو اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ خلیفہ سے وہ سمجھے ہوں گے کیونکہ حدود شرعیہ کا نفاذ اور اجرا تو جب ہی ہو سکتا ہے جب کچھ لوگ حد اعتدال سے تجاوز کرنے والے ہوں یا حضرت حق کے فرمان انی خالق بشرا من طین سے سمجھے ہوں کہ جب اس کے اجزائے ترکیبیہ میں مٹی کو بھی دخل ہے تو یقیناً اس سے کوتاہیوں کا وقوع بھی ہوگا۔ جس طرح جنات کا ان کو تجربہ ہو چکا تھا۔ **فائدہ** ۔ نیکی اور بدی کے اعتبار سے مخلوق میں چار قسم کے احتمال ہو سکتے ہیں۔ اول یہ کہ صرف نیکی ہی نیکی کرے۔ دوسرے یہ کہ بدی ہی بدی کرنے والی ہو تیسرے یہ کہ نیکی اور بدی دونوں کا اس سے وقوع ممکن ہو۔ چوتھے یہ کہ نیکی اور بدی دونوں کی مکلف نہ ہو۔ لہٰذا فرشتے اور جنات تو پہلے سے تھے۔ اب انسان پیدا ہوا جو نیکی اور بدی دونوں کرنے والا تھا اور اس کے ساتھ غیر ذوی العقول حیوانات پیدا کئے گئے جو نہ نیکی کے مکلف ہیں نہ بدی کے ممکن ہے کہ اس طرح صفت خالقیت کے کمال کا ظہور منظور ہو (تسہیل)

بقیہ صفحہ ۹

کیونکہ شیطان تو جنات میں سے تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حکم ملائکہ اور جنات دونوں کو تھا۔ جیسا کہ بعض محققین کا یہی قول ہے اور قرینہ بھی اسی کو مقتضی ہے۔ کیونکہ یہ واقعہ آدم علیہ السلام کی فضیلت کے اظہار کا تھا۔ جب ملائکہ کو اس بزرگی کے اظہار کے لئے سجدے کا حکم دیا گیا تو جنات تو ان سے کہیں کم درجہ کی مخلوق ہیں ان کو کیوں نہ حکم دیا جاتا اور اسی وجہ سے صرف ملائکہ کا ذکر کیا گیا کیونکہ جنات کا اس حکم میں شامل ہونا بالکل ظاہر تھا۔ اس لئے ان کا ذکر ترک کر دیا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جنات بھی ملائکہ کی ایک

گھٹیا قسم ہوں جیسا کہ عبداللہ بن عباس سے منقول ہے کہ ملائکہ کی ایک قسم ایسی بھی ہے جن کے ہاں توالد و تناسل کا سلسلہ جاری ہے اور انہیں کو جنات کہتے ہیں۔ اگر یہ قول روایۃً صحیح ہو تب تو کوئی اشکال ہی نہیں اور اگر یہ حکم صرف ملائکہ ہی کو دیا گیا ہو تب بھی ابلیس چونکہ اپنی نیکی اور کثرت عبادت کی وجہ سے ملائکہ ہی کے ساتھ رہتا تھا اور حضرت آدم علیہ السلام کی فضیلت اور ان کی فضیلت کے تذکروں میں شریک رہتا تھا۔ اس لئے ابلیس بھی اس حکم میں شریک تھا جو حکم ملائکہ کو دیا گیا تھا جس طرح یہ شبہ صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح اس آیت سے غیر اللہ کے لئے سجدے کا استدلال کرنا بھی باطل اور لغو ہے کیونکہ اول تو یہ متعین نہیں کہ یہ سجدہ حقیقتاً حضرت آدمؑ ہی کو تھا یا حضرت آدم محض قبلہ تھے اور سجدہ اللہ تعالیٰ ہی کو تھا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ سجدہ اللہ تعالیٰ کے شکر کا سجدہ ہو اور آدم علیہ السلام اس شکر کے سجدے کا سبب ہوں۔ پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ صرف حضرت آدم علیہ السلام کی تعظیم کو کنایہ کے طور پر سجدے سے تعبیر کیا ہو۔ ان تمام صورتوں میں غیر اللہ کے سجدے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اور اگر یہی معنی تسلیم کر لئے جائیں کہ یہ سجدہ حضرت آدم علیہ السلام ہی کو تھا۔ اور ان کے لئے تحیۃ اور تعظیم کی غرض سے کیا گیا تھا۔ تب بھی یہ حکم اس مخلوق کو دیا گیا تھا۔ جس کے ساتھ ہمیں کوئی مناسبت نہیں اور نہ ہم ان کی باتوں کے مکلف ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ ہم کو کیا حکم دیا گیا ہے تو ظاہر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہمارے لئے کافی ہے۔ لو کنت آمراً ان یسجد لاحد لامرت المرأۃ ان تسجد لزوجہا یعنی اگر میں کسی کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو یہ حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کیا کرے۔ یہ روایت صحیح ہے اور اس روایت کے اگر تمام طرق کو جمع کیا جائے تو بیس صحابہ تک اس کا سلسلہ پہنچتا ہے۔ اس لئے بعض علماء اس کے متواتر ہونے کے قائل ہیں اور اس روایت کے مشہور ہونے میں تو شک ہی نہیں۔ لہٰذا اگر ملائکہ کے اس حکم کو عام بھی کر دیا جائے تو بھی یہ حدیث اس حکم کی ناسخ بھی جائے گی۔ اس لئے کہ یہ ظنی الثبوت اور قطعی الدلالۃ۔ روایت اس آیت کے حکم کو نسخ کرنے کے لئے کافی ہے۔ جو آیت قطعی الثبوت اور ظنی الدلالۃ ہو۔ پھر اس حدیث کی تائید قرآن کی آیت سے بھی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ فصلت میں ارشاد فرمایا لا تسجدوا للشمس ولا للقمر واسجدوا للہ الذی خلقھن یعنی عالم علوی کے بڑے بڑے کرتے سورج اور چاند بھی اس قابل نہیں کہ تم ان کو سجدہ کرو۔ بلکہ تم تو صرف اس اللہ تعالیٰ کو سجدہ کیا کرو جنہوں نے ان کو پیدا کیا ہے۔ قرآن اور حدیث اور اجماع اس امر کے لئے کافی ہے کہ سجدۂ تعظیمی کو غیر خدا کے لئے حرام سمجھا جائے۔ یہاں اس بحث کی زیادہ گنجائش نہیں ہے۔ اگر کوئی صاحب زیادہ تحقیق کرنا چاہیں تو کتب فقہ کی طرف رجوع کریں۔ اور ابلیس کے متعلق یہ جو فرمایا کہ وہ کافر ہو گیا۔ اس کے بھی دو مطلب بیان کئے گئے۔ ایک یہ کہ وہ کافر تھا۔ یعنی علم الٰہی میں وہ پہلے ہی سے کافر تھا اور اب اس کا کفر ظاہر ہو گیا۔ یا یہ کہ وہ ہمارے حکم کی تعمیل نہ کرنے اور ہمارے حکم کے مقابلے میں سرکشی کرنے سے کافر ہو گیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم (تسہیل) اور ہم نے آدم سے کہا کہ آدم تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو بسو اور جنت کی نعمتوں میں سے جہاں سے چاہو خوب اچھی طرح کھاؤ، مگر ہاں دیکھو اس فلاں درخت کے قریب نہ پھٹکنا ورنہ تم دونوں ان لوگوں میں سے ہو جاؤ گے جو اپنے حق میں ظلم کرنے والے ہیں (تیسیر) خلاصہ یہ ہے کہ حضرت آدمؑ کو پیدا کرنے کے بعد حق تعالیٰ نے ان کی پسلی سے ان کی بیوی حوا کو پیدا کیا اور حضرت آدمؑ کو اپنی بیوی کے ہمراہ جنت میں رہنے کا حکم دیا گیا اور جنت کی تمام نعمتیں اور وہاں کے پھل ان پر حلال کر دیئے گئے۔ البتہ ایک خاص درخت کے قریب جانے کی ممانعت کر دی گئی اور قریب جانے سے مراد اس کے کھانے کی ممانعت تھی جیسے تاکید کے طور پر کہتے ہیں کہ اس چیز کو ہاتھ بھی نہ لگانا۔ یہ شجر ممنوعہ یا تو گیہوں تھا یا انگور کا درخت تھا یا ہو سکتا ہے کہ اور کوئی درخت ہو۔ بہرحال آدم علیہ السلام جنت میں رہنے لگے لیکن شیطان ان کی فکر میں پڑ گیا اور آدم علیہ السلام کی وجہ سے جو اس کو ذلت ہوئی تھی اس کا انتقام لینے کی فکر کرنے لگا ادھر اللہ تعالیٰ نے آدمؑ اور حوا کو بھی اس کی دشمنی اور عداوت سے آگاہ کر دیا کہ دیکھو یہ تمہارا کھلا دشمن ہے اس کے کہنے میں نہ آجانا (تسہیل)

بقیہ صفحہ ۱۱

اس واقعہ کے بعد حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے پروردگار سے چند کلمات حاصل کر لئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آدم کو درگذر فرما دیا۔ بے شک وہ بڑی توبہ قبول کرنے والا اور نہایت مہربان ہے (تیسیر) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اس واقعہ پر بڑی ندامت اور پشیمانی ہوئی اور چاہتے ہوں گے کہ معافی طلب کروں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ حالت دیکھ کر ان کی رہنمائی فرمائی اور خود ہی ان کو معافی نامہ کے الفاظ سکھا دیئے۔ حضرت انسؓ وغیرہ سے مروی ہے کہ جو کلمات حضرت آدمؑ نے حاصل کئے تھے وہ یہ تھے لا الٰہ الا انت سبحانک وبحمدک عملت سوءً وظلمت نفسی فارحمنی انک انت ارحم الراحمین حضرت ابن عباس کی رائے یہ ہے کہ وہ کلمات یہ تھے:۔ ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا وترحمنا لنکونن من الخاسرین بہرحال حضرت آدم علیہ السلام پر از راہ ترحم توجہ فرمائی۔ اور جب حضرت آدم علیہ السلام و حوا کا معذرت نامہ پیش ہو گیا تو اس کو قبول فرما لیا اور آدمؑ و حوا کی توبہ قبول کر لی گئی۔ کیونکہ وہ بہت توبہ قبول کرنے والا اور بڑا مہربان ہے۔ اور اس سے بڑھ کر مہربانی کیا ہو گی کہ معذرت کے الفاظ بھی خود ہی بتلائے اور خود ہی توبہ قبول فرمائی۔ یہ شبہ نہ کیا جائے کہ جب توبہ قبول فرما لی تو پھر جنت میں واپس کیوں نہیں بھیجا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر رکھنے میں ہزاروں حکمتیں مضمر تھیں۔ اور خلافت و نیابت کا کام ان کے سپرد کرنا تھا اس لئے قصور معاف کر دیا۔ لیکن نیچے اترنے کے حکم کو منسوخ نہیں فرمایا حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یعنی آدمؑ کے دل میں اللہ نے کئی لفظ ڈال دیئے۔ اس طرح پکارا تو بخشا گیا وہ سورہ اعراف میں ہیں (تسہیل) ہم نے کہا اور ان کو حکم دیا کہ تم سب کے سب یہاں سے نیچے اتر جاؤ۔ پھر اگر تم کو میری ہدایت و رہنمائی پہنچے اور میرا پیغام ہدایت تم کو موصول ہو تو تم میں جو شخص بھی میری بھیجی ہوئی ہدایت کی پیروی کرے گا تو وہ ہر قسم کے خوف اور غم سے بے نیاز ہو گا اور ایسے لوگوں پر نہ کسی قسم کا ڈر ہو گا اور نہ وہ کبھی غمگین ہوں گے مگر ہاں جو لوگ اس پیغام ہدایت کو قبول کرنے سے انکار کریں گے اور میری نازل کردہ آیات اور براہین کو جھٹلائیں گے تو ایسے لوگ اہل جہنم اور دوزخی ہوں گے۔ اور وہ اس دوزخ میں ہمیشہ پڑے رہیں گے (تیسیر)

یہ حکم محض پہلے حکم کی تاکید ہے اور جن کو حکم دیا گیا ان میں بھی دو احتمال ہیں یا تو آدم و حوا اور آئندہ ان کی ہونے والی اولاد مراد ہے اور یا پھر آدم و حوا۔ اور ابلیس اور مور اور سانپ مراد ہیں اور اسی طرح لفظ منہا میں بھی دو احتمال ہیں یا تو یہ مطلب ہے کہ جنت سے باہر نکل جاؤ اور یا یہ مطلب ہے کہ آسمان سے نیچے جاؤ۔ بہرحال زمین پر پہنچتے وقت نسل آدم اور بنی نوع انسان کو آئندہ کے لئے یہ پیغام بھی سنا دیا کہ تم زمین میں جا کر آج کی باتوں کو فراموش کر دو گے۔ پھر میں تمہارے پاس اپنی ہدایت یعنی رسولؑ اور اپنی کتابیں اور اپنے احکام بھیجوں گا۔ پھر جو میرے فرستادہ احکام اور میرے بھیجے ہوئے رسولوں کی صحیح اتباع اور پیروی کریں گے تو وہ ہر قسم کے خوف اور غم سے محفوظ رہیں گے۔ لیکن جو بدنصیب دین حق کے منکر ہوں گے اور کفر کی روش اختیار کریں گے اور میرے دلائل اور میری نشانیوں اور میری نازل کردہ آیات کی تکذیب کریں گے تو یہ لوگ دوزخ کے مستحق ہوں گے اور یہ اس دوزخ میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔ خوف اس پریشانی کو کہتے ہیں جو آئندہ کسی آفت کے اندیشہ سے ہو اور حزن اس غم اور پریشانی کو کہتے ہیں جو کسی مصیبت کے واقع ہو جانے سے ہو مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں پر نہ کوئی آفت و مصیبت واقع ہو گی اور نہ ان کو کسی آنے والی مصیبت کا خطرہ ہو گا۔ البتہ دوسرا فریق طرح طرح کے آلام و مصائب اور سخت ترین عذاب میں گرفتار ہو گا۔ اب آگے ان ہی احسانات کے سلسلے میں ان خاص خاص احسانات کا ذکر فرماتے ہیں جو دنیا کی مختلف اقوام پر وقتاً فوقتاً فرمائے ہیں۔ بالخصوص بنی اسرائیل پر جو احسانات فرمائے ہیں ان کا ذکر کرتے ہیں اور بنی اسرائیل کو خاص طور پر خطاب فرمانے کی بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ ان کی ملک میں خاص اہمیت تھی۔ وہ انبیاء علیہم السلام کی اولاد تھے اور حضرت یعقوب کے گھرانے میں نبوت و حکمت کا سلسلہ عرصہ تک قائم رہنے کی وجہ سے ان کی اولاد کا بہت اعتبار تھا۔ حتیٰ کہ تمام اہل عرب ان کی عزت کرتے تھے۔ اور اپنی اکثر باتوں میں انہی کی طرف رجوع کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اسی وجہ سے ان کو خطاب فرمایا اور اپنے ان احسانات کا اظہار فرمایا جو ہزاروں برس سے ان کے خاندان پر ہوتے چلے آئے تھے اور وہ تمام پیشین گوئیاں یاد دلائیں جو ان کی کتابوں میں نبی آخر الزماںؐ کے متعلق مذکور تھیں تاکہ وہ اسلام کے قبول کرنے میں پیش قدمی کریں اور عرب کے لوگ جو ہر بات میں بنی اسرائیل کے فیصلوں کا انتظار کیا کرتے تھے وہ بھی ان کے مسلمان ہونے سے اسلام قبول کریں چونکہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد کے بے شمار واقعات ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ان پر بے شمار احسان ہیں۔ اس لئے آخر سیپارے تک ان ہی کا سلسل بیان ہے (تسہیل) اے اولاد یعقوب! تم میرے ان احسانات کو جو میں نے تم پر کئے ہیں یاد کرو اور تم میرے اس عہد کو پورا کرو جو تم نے مجھ سے کیا ہے تو میں بھی اس عہد کو پورا کروں گا جو میں نے تم سے کیا ہے اور تم مجھ ہی سے ڈرو (تیسیر) اسرائیل عبرانی زبان میں خدا کے بندے کو کہتے ہیں۔ یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام ہے ان کی اولاد کو خطاب فرمایا ہے اور اس عہد کے پورا کرنے کا مطالبہ کیا ہے جو انہوں نے کیا تھا۔ اس عہد کے متعلق مفسرین کے بہت سے اقوال ہیں حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں۔ بنی اسرائیل کہتے ہیں اولاد

حضرت یعقوبؑ کو ان ہی میں حضرت موسیٰؑ پیدا ہوئے اور توریت اتری اور فرعون سے خلاص کرا کر اور نجات دلوا کر ملک شام میں بسایا۔ ان سے اللہ تعالیٰ نے اقرار کیا تھا کہ حکم توریت پر قائم رہو گے اور جو نبی میں بھیجوں اس کے مددگار رہو گے تو ملک شام تم کو رہے گا۔ پھر وہ گمراہ ہوئے یعنی بدنیت ہوئے۔ رشوت لیتے اور مسئلہ غلط بتاتے اور خوشامد کے واسطے حق بات چھپاتے اور اپنی ریاست چاہتے پیغمبر کی اطاعت نہ کرتے اور پیغمبر کی صفت جو توریت میں لکھی تھی بدل ڈالی۔ اللہ تعالیٰ ان کو یاد دلاتا ہے اپنے احسان اور ان کی نافرمانی۔ موضح القرآن۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس عہد سے مراد یا تو وہی عام عہد ہے جس کو عہد الست کہتے ہیں یا ان عہود و میثاق کی طرف اشارہ ہے جو ان سے انبیاء کی معرفت وقتاً فوقتاً لئے گئے تھے جن کا ذکر قرآن میں کئی جگہ آیا ہے ولقد اخذ اللہ میثاق بنی اسرائیل اور لقد اخذ اللہ میثاق الذین اوتوا الکتاب وغیرہ۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اگر کوئی عہد کسی کو یاد نہ ہو تب بھی خالق اور مخلوق کے مابین اور محسن اور محسن الیہ کے درمیان قدرتی اور طبعی طور پر ایک عہد ہوتا ہے جب کسی کے احسانات اور انعامات سے آپ فائدہ اٹھا گئے تو اس کا صاف مطلب یہ ہو گا کہ آپ اس کے فرماں بردار اور شکر گذار رہیں گے خواہ اس قسم کا کوئی عہد نامہ لکھا جائے یا نہ لکھا جائے۔ ماں کے اور بچے کے درمیان کوئی عہد نامہ نہیں لکھا جاتا لیکن ہر بچہ طبعی طور پر جوان ہو کر اس امر کو جانتا ہے کہ مجھے ماں کی اطاعت کرنی چاہیے اور فرماں برداری میرے لئے ضروری ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے گوناگوں اور بے شمار احسانات سے ہم شب و روز متمتع اور بہرہ مند ہوتے ہیں۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اس کی ہر نعمت عہد نامہ کی ایک سطر ہے۔ خواہ بندہ کوئی عہد نامہ لکھے یا نہ لکھے۔ اسی طرح ان انعامات الٰہی کا لامتناہی سلسلہ اس امر کو ظاہر کرتا ہے کہ فرماں بردار اور شکر گزار لوگوں سے اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے کہ وہ ان کو ان کی اطاعت اور فرماں برداری کا بدلہ اور صلہ عطا فرماتا رہے گا۔ یہاں تک کہ ان کو جنت میں پہنچا کر دائمی طور پر انہیں جنت کا مالک بنا دے۔ یہی وہ عہد و پیمان ہے جس کی طرف مذکورہ آیت میں اشارہ فرمایا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جس طرح قرآن میں وعد اللہ المؤمنین والمؤمنات اور وعد اللہ الذین آمنوا منکم اور وعدا علیہ حقا جا بجا فرمایا ہے۔ اسی طرح سابقہ کتب سماویہ میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے بھی اس قسم کے الفاظ فرمائے ہوں اور انبیائے سابقین کی معرفت اس قسم کے عہد و پیمان بنی اسرائیل سے کیے ہوں جیسا کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا ہے اور قرآن میں بھی اس وعدے کی جانب اشارہ ہے لاکفرن عنکم سیئاتکم ولادخلنکم جنت تجری من تحتہا الانہار بہرحال حق تعالیٰ نے اپنے احسانات کو یاد دلاتے ہوئے ان سے ایفائے عہد کا مطالبہ کیا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ میں نے جو وعدے تم سے کیے ہیں میں بھی اس کو پورا کروں گا۔ یعنی دنیا میں بہترین زندگی اور آخرت میں دائمی نجات۔ اور آخر میں یہ جو فرمایا کہ مجھ سے ہی ڈرا کرو۔ اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ تم جو دنیوی لالچ اور دنیوی خوف کی وجہ سے میری عدول حکمی کر رہے ہو یہ طریقہ بہت ہی غلط ہے خوف اور ڈر کے لائق تو صرف میری ہی ذات ہے۔ لہٰذا صرف مجھ سے ہی ڈرو۔ اور جن پیشین گوئیوں کا ذکر تمہاری کتابوں میں موجود ہے اس کے مطابق جو رسول آیا ہے اور جو کتاب آئی ہے اس کو بلا کسی خوف اور بلا کسی چون و چرا کے تسلیم کر لو (تسہیل)

ف اور تم اس چیز پر جو میں نے نازل کی ہے جس کی حالت یہ ہے کہ وہ اس کتاب کی تصدیق کرنے والی ہے جو تمہارے پاس ہے۔ ایمان لے آؤ اور تم میری نازل کردہ چیز کے انکار کرنے میں پہل کرنے والے نہ ہو اور میری آیات و احکام کو تھوڑی اور معمولی قیمت پر فروخت نہ کرتے پھرو۔ اور صرف میری خفگی اور ناراضگی سے بچتے رہو (تیسیر) کتب سابقہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا تھا کہ آخر زمانے میں جو رسول آئے گا وہ تمہاری کتاب کو سچا بتلانے والا ہو گا۔ یہ ایک علامت تھی تاکہ بنی اسرائیل اس علامت کو دیکھ کر اس پر ایمان لے آئیں۔ بما انزلت سے مراد یا تو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اور یا قرآن ہے ہم نے دونوں احتمال کی رعایت رکھی ہے اور چونکہ توریت میں یہ علامت مذکور تھی اس لئے قرآن میں جا بجا فرمایا ہے۔ ولما جاءھم کتاب من عند اللہ مصدق لما معھم اور فرمایا۔ ولما جاءھم رسول من عند اللہ مصدق لما معھم گویا اس رسول کا اور قرآن کا نام ہی مصدق لما معھم رکھ دیا۔ یعنی وہ رسول جو توریت و انجیل کی تصدیق کرتا ہے یا وہ کتاب جو توریت و انجیل کی تصدیق کرنے والی ہے اور جو کتاب تمہارے پاس ہے اس کو سچا بتاتی ہے جیسا کہ آل عمران میں ہے۔ وانزل التورٰۃ والانجیل من قبل ھدی للناس بہرحال تصدیق کا مطلب یہ ہے کہ پہلی کتابوں کو منزل من اللہ تسلیم کرتی ہے۔ اگرچہ ان کے تمام احکام واجب التعمیل نہ ہوں اور خواہ ان میں کچھ تحریف و تبدیل ہو چکی ہو۔ لیکن وہ کتابیں آسمان سے نازل شدہ ضرور ہیں۔ لہٰذا جب اس رسول میں اور قرآن میں وہ نشانی موجود ہے جو تم کو بتائی گئی تھی۔ پھر اس پر ایمان کیوں نہیں لاتے۔ اور کفر میں پہل کیوں کرتے ہو۔ جب تم ہی جانتے بوجھتے اور واقف و باخبر لوگ ایمان نہ لاؤ گے تو عوام بھی تمہاری دیکھا دیکھی ایمان لانے سے انکار کر دیں گے اور ان کے کفر کا وبال بھی تم پر پڑے گا۔ ان بنی اسرائیل کے علماء کی حالت یہ تھی کہ وہ محض لوگوں کے دباؤ اور دنیوی لالچ اور اپنی عزت کے خیال سے احکام الٰہی کو بدل دیا کرتے تھے اور لوگوں کو غلط مسئلے بتا دیا کرتے تھے اور محض اس خیال سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لاتے تھے کہ ہماری ریاست اور وجاہت ختم ہو جائیگی اور یہی وہ حب جاہ اور حب مال ہے جس کے باعث وہ حسد اور کینہ جیسے مذموم امراض میں مبتلا تھے چنانچہ فرمایا کہ میری آیات کے مقابلے میں معمولی معاوضہ حاصل نہ کرو اور میری گرفت سے بچتے رہو۔ یعنی دنیا کا نفع خواہ کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہو مگر وہ آخرت کے مقابلے میں بہرحال قلیل ہی ہے۔ اوپر کی آیت میں فارھبون فرمایا اور یہاں فاتقون ارشاد ہوا۔ رہبت تو خوف کی ابتدائی حالت کو کہتے ہیں اور تقویٰ انتہائی اور کامل خوف کا نام ہے اس لئے دونوں میں فرق ہے یا اوپر کی آیت میں عدول حکمی سے ڈرانا تھا اور یہاں اپنے غصہ اور اپنے عذاب سے ڈرانا مقصود ہو۔ واللہ اعلم۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ توریت میں نشان بتایا تھا کہ جو کوئی نبی اٹھے اگر توریت کو سچا کہے تو جانو وہ سچا ہے نہیں تو جھوٹا ہے اور آیتوں پر تھوڑا مول یہ کہ دنیا کی محبت سے دین مت چھوڑو۔ موضح القرآن ف فائدہ۔ مصدقا لما معھم کا ایک مطلب تو وہی ہے جو ہم نے عرض کیا۔ اور ایک مطلب یہ بھی ہے کہ وہ پیغمبر یا وہ قرآن تمہاری کتاب کو سچا کرنے والا ہے۔ دونوں معنی میں فرق یہ ہے کہ پہلے معنی کا مطلب تو یہ ہے کہ یہ رسول یا یہ قرآن تمہاری کتابوں کو سچا بتاتا ہے اور ان کو سچا کہتا ہے۔ اور دوسرے معنی کا مطلب یہ ہے کہ جو تمہاری کتابوں میں توحید اور احکام اور رسول کی اطاعت وغیرہ مذکور ہے وہی باتیں یہ رسول بھی کہتا ہے اور وہی ملتے جلتے دلائل و احکام اس قرآن میں بھی ہیں۔ لہٰذا یہ رسولؐ اور قرآن تمہاری کتابوں کی سچائی اور صداقت کی تائید کرتا ہے (تسہیل)

بقیہ صفحہ ۱۱

پھر اس وقت جو لوگ ہمارے مطیع اور فرماں بردار ہیں اور جن پر ہم حکمرانی کر رہے ہیں وہ بھی سب ہاتھ سے نکل جائیں گے۔ اگر وہ سب مسلمان ہو گئے تب بھی ہم رہے گئے اور اگر وہ یہودی رہے تب بھی وہ ہمارے نہ رہیں گے ان ہی دو بیماریوں کا آگے کی آیت میں علاج مذکور ہے (تسہیل) ف اور تم لوگ محنت برداشت کرنے اور نماز پڑھنے سے قوت حاصل کرو اور مدد لو۔ اس میں شک نہیں کہ نماز شاق اور دشوار ضرور ہے مگر ان لوگوں پر نہیں جن کے قلوب خشوع و خضوع کے خوگر ہیں اور یہ خاشعین وہ لوگ ہیں جو اس بات کو جانتے ہیں کہ وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں اور وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ تم کو مال کی محبت اور اپنی عزت و جاہ کی خواہش محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے سے روک رہی ہے تو ان دونوں بیماریوں کا علاج کرنے کی غرض سے نماز اور صبر کو اختیار کرو۔ صبر کے معنی ہیں حبس النفس۔ اسلئے بعض حضرات نے اس کی تفسیر صوم سے کی ہے۔ مدعا یہ ہے کہ خواہشات و لذات کو ترک کرو اور منہیات سے باز رہو اور ترک منہیات پر جو تکلیف ہو اس کو برداشت کرو اور جب مصائب پر صبر کرنے کی عادت ہو جائے گی تو مال کے کم ہو جانے سے جو تم کو خطرہ ہے وہ باقی نہیں رہے گا۔ اسی طرح نماز جس میں علاوہ مختلف قیود اور پابندیوں کے عاجزی اور انکساری اور تواضع کو بہت بڑا دخل ہے۔ اس لئے نماز کی عادت سے حب جاہ کا علاج ہو جائے گا اور جب یہ دونوں مذموم خصلتیں جاتی رہیں گی تو ایمان کی لذت سے تم پوری طرح بہرہ اندوز ہو گے اور حسد جو ان بیماریوں سے پیدا ہو گیا تھا وہ بھی مرتفع ہو جائے گا۔ بہرحال خلاصہ یہ ہے کہ صبر اور صلوٰۃ دونوں چیزیں ایسی ہیں کہ اس سے مسلمان کو بہت فائدہ پہنچتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عام عادت یہ تھی کہ جب آپ کسی امر سے غمگین ہوتے اور گھبراتے تو فوراً نماز پڑھنے کھڑے ہو جاتے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی مروی ہے جیسا کہ احمد اور نسائی اور ابن حبان نے روایت کیا ہے کہ تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا یہی طریقہ تھا کہ جب وہ کسی امر سے گھبراتے اور پریشان ہوتے تھے تو اسی وقت نماز پڑھنے کھڑے ہو جاتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا واقعہ مشہور ہے کہ انہوں نے سفر میں اپنے بھائی یا بیٹے کے مرنے کی خبر سنی تو آپ نے انا للہ وانا الیہ راجعون کہا اور اسی وقت علیحدہ

ہو کر نماز ادا کی اور پھر فرمایا فعلنا کما امرنا اللہ تعالےٰ
ہم کو جس بات کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا ہم نے اس کو انجام
دیا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ نماز اور صبر سے مدد
حاصل کرو۔ اس لئے میں نے صبر بھی کیا اور نماز بھی پڑھی
اور یہ جو فرمایا کہ خاشعین پر نماز دشوار نہیں تو خشوع کے
لفظی معنی تو سکون کے ہیں یعنی کوئی حرکت نہ ہو جیسے زمین
کو وتری الارض خاشعۃ فرمایا ہے۔ یہاں مراد ہے اطاعت
و فرماں برداری کے ساتھ عاجزانہ سکون۔ قلب کی حرکت
یہ ہے کہ وہ ہر طرف دوڑتا پھرے اور مختلف خیالات
اس میں آتے رہیں اور اس کا سکون یہ ہے کہ جملہ خیالات
کو چھوڑ کر عاجزی کے ساتھ یکسو ہو جائے اور جب قلب کو خشوع
میسر ہو جائے گا تو جوارح جو قلب کے تابع ہیں ان میں
خود بخود سکون پیدا ہو جائے گا۔ پھر فرمایا کہ یہ یکسوئی کا
مرتبہ ان لوگوں کو میسر ہوتا ہے جو اس خیال میں مستغرق رہتے
ہیں کہ ان کو اپنے رب سے ملنا ہے اور وہ مرنے کے بعد
اسی کی طرف واپس ہونے والے ہیں سبحان اللہ آیت کی
کیا ترتیب ہے۔ پہلے حب جاہ اور حب مال کا علاج بتایا
پھر علاج کی دشواری کو آسان کرنے کی ترکیب بتائی۔ پھر اس
ترکیب کو اختیار کرنے کا طریقہ بتایا۔ اور اس طرح نسخہ
کو مکمل فرمادیا۔ ضروری فائدہ انہا کی ضمیر کا مرجع لوگوں نے
صلوٰۃ کو قرار دیا ہے لیکن ہوسکتا ہے کہ صبر اور صلوٰۃ دونوں
کی طرف ضمیر لوٹتی ہو۔ پھر انہم ملاقوا ربہم کا مطلب
یہ بیان کیا ہے کہ قیامت میں اس سے ملاقات کرنے کا یقین
رکھتے ہیں۔ لیکن اپنے اکابر نے اس کا یہ مطلب بھی بیان
کیا ہے کہ خشوع ان کو میسر ہوتا ہے جو یہ جانتے ہیں کہ
نماز میں بندہ اپنے رب کے رو برو ہوتا ہے اور نماز
حضرت حق تعالیٰ کی ملاقات اور اس کے رو برو پیش
ہونا ہے۔ اب مطلب یہ ہوگا کہ بے شک نماز کی پابندی
شاق ہوتی ہے مگر خاشعین کو نہیں اور خشوع ان کو میسر ہوتا
ہے جو جانتے ہیں کہ نماز میں حضرت حق سے ملاقات حاصل
ہوتی ہے اور ہم اپنے رب کی پیشی میں حاضر ہوتے ہیں
اور خواہ ہم اس کو نہ دیکھ سکیں مگر وہ تو ہم کو بہرحال دیکھتا ہی ہے
اور جب کسی بندے کو اس ملاقات کا اور مرکر واپس جانے
کا یقین ہو جائے تو یقیناً اس کے قلب کو خشوع حاصل ہو جائے گا
کیونکہ قلب بیک وقت تو چند باتوں کو سوچ ہی نہیں سکتا۔ جب
اسے ایک خیال میں لگ جائے گا تو اور خیالات کی جانب متوجہ
نہ ہو سکے گا اور یہ جانتے ہوئے کہ میں اپنے رب کے حضور
میں حاضر ہوں۔ اس کے بعد وہ کون سا قلب ہوگا جس میں
تواضع اور ادب اور عاجزی و انکساری نہ پیدا ہوگی اور یہی
خشوع کا صحیح مفہوم ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ توت
پکڑو محنت سہارنے سے اور نماز سے یعنی اس کی عادت کرو
تو سب کام دین کے آسان ہیں۔ (موضح القرآن) (تسہیل) ۷
اے یعقوبؑ کی اولاد! میرے ان احسانات کو یاد کرو جو
احسانات و انعامات میں نے تم پر کئے اور اس بات کو
بھی یاد کرو کہ میں نے تم کو اقوام عالم پر خاص فوقیت اور فضیلت
عطا کی تھی اور اس دن سے ڈرو جس دن نہ تو کوئی کسی کے
کام آسکے اور نہ کسی کی طرف سے کوئی سفارش قبول کی جاسکے
اور نہ کسی کی طرف سے کوئی فدیہ اور معاوضہ حاصل کیا جاسکے
اور نہ ان لوگوں کو کسی طرف داری اور مددگار
کی مدد پہنچ سکے (تیسیر) چونکہ یہاں سے احسانات کی تفصیل
شروع کرنی مقصود تھی اس لئے پھر ان کو تاکید کی غرض سے توجہ

دلائی گئی اور اقوام عالم سے مراد یا تو ان کے زمانے کی اقوام
ہیں اور یا پھر بزرگی اور فضیلت سے بعض خصوصیات مراد
ہوں گی جو ان کو عطا کی گئی ہوں گی۔ یہ مطلب نہیں کہ امت محمدیہ
پر بھی ان کو فضیلت اور برتری حاصل تھی۔ دوسری آیت میں
قیامت کے عذاب سے ترہیب اور تخویف ہے اور نیز ان کے
اس عقیدے کا بطلان ہے جو وہ کہا کرتے تھے کہ ہم بڑے
لوگوں کی اولاد ہیں ہم کو اس عالم میں کوئی خطرہ نہیں ہے کسی
مقدمہ میں مجرم کے لئے سزا سے بچنے کے عام طور سے چار ہی
طریقے ہوسکتے ہیں یا تو کوئی مجرم کی طرف سے وہ مطالبہ ادا
کرائے جو اس پر واجب ہے یا پھر کوئی زبردست
سفارش پہنچ جائے جس سے حاکم متاثر ہو جائے اور یا پھر
مجرم کو چھڑانے کی غرض سے کوئی فدیہ اور تاوان دے دیا
جائے اور یا کوئی زبردست مدد پہنچ جائے جو حکومت
سے زبردستی چھڑا کرلے جائے قیامت میں ان چاروں
صورتوں کا کافر کے لئے کوئی امکان نہیں۔ بنی اسرائیل کے
سلسلے میں جن احسانات کا ذکر فرمایا ہے ظاہر ہے کہ یہ احسانات
ان کے بڑوں پر اور گذشتہ لوگوں پر ہوئے تھے۔ جو
بنی اسرائیل نبی آخر الزماں کے دور میں تھے۔ ان پر یہ
احسانات نہیں ہوئے تھے لیکن پہلے لوگوں کے ساتھ اور
باپ دادا کے ساتھ جو احسان کیا جائے اس کا نفع اور اس کا
اثر اولاد کو بھی پہنچتا ہے۔ اس لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
کے زمانے اور دور کے بنی اسرائیل کو خطاب فرمایا بعض
لوگوں نے اس طرح بھی ترجمہ کیا ہے کہ اے بنی اسرائیل تم میرے وہ
احسانات یاد کرو جو میں نے تم پر یعنی تمہارے بڑوں پر
وقتاً فوقتاً کئے ہیں حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں بنی اسرائیل
کہتے تھے کہ ہم کیسے ہی گناہ کریں پکڑے نہ جائیں گے ہمارے
باپ دادے پیغمبر ہم کو چھڑا لیں گے۔ موضح القرآن (تسہیل)

بقیہ صفحہ ۱۲

حضرت شاہ صاحبؒ ظالمون کے نیچے کہتے ہیں اس کا
قصہ سورۂ اعراف اور سورۂ طٰہٰ میں بیان کیا گیا ہے۔
موضح القرآن (تسہیل) اور ہمارا وہ احسان یاد کرو جب ہم
نے موسیٰؑ کو کتاب توریت اور فرقان عطا فرمایا تاکہ تم سیدھی
راہ پاؤ اور اس پر چلتے رہو اور اے بنی اسرائیل! تم وہ
بات بھی یاد کرو جب حضرت موسیٰؑ نے اپنی قوم سے فرمایا
کہ اے میری قوم! بلاشبہ تم نے اس بچھڑے کو معبود بنا کر
اپنا بڑا نقصان کیا۔ اب اس شرک کی تلافی یوں ہی ہوسکتی ہے
کہ تم اپنے موجد اور خالق کی طرف رجوع کرو اور اس کی
جناب میں توبہ کرو جس کا طریقہ یہ ہے کہ تم آپس میں ایک دوسرے
کو قتل کرو اور یہ قتل تمہارے خالق کے نزدیک بہتر ہے چنانچہ
اس عمل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تم پر توجہ فرمائی اور تمہاری
توبہ قبول کی۔ یقین جانو! وہ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا اور
نہایت مہربان ہے (تیسیر) حضرت حق جل مجدہٗ کا یہ بہت
بڑا احسان تھا کہ اس نے بنی اسرائیل کی دینی اور دنیوی تربیت
کا سامان مہیا کیا اور حضرت موسیٰ کو ان کی ہدایت کے لئے
توریت اور فرقان عطا فرمایا۔ فرقان کے معنی فیصلہ کرنے
والی چیز ہے۔ یہاں یا تو وہ احکام ہیں جن سے حق و باطل
الگ الگ ہو جاتے ہیں یا توریت ہی کو فرقان فرمایا اور یا
فرقان سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات ہوں کہ
ان سے بھی سچ اور جھوٹ کا فیصلہ ہو جاتا ہے۔ بہرحال
حضرت موسیٰ جب واپس تشریف لائے تو انہوں نے اپنی

قوم کی بے ثباتی اور شرک کی آلودگی پر سخت افسوس کا اظہار
کیا اور ان سے کہا۔ اب تم اپنے پیدا کرنے والے کے جانب
توبہ کرو اور تمہاری توبہ جب قبول ہوگی جب تم ایک دوسرے
کو قتل کرو گے۔ جو لوگ گئو سالہ پرستی سے محفوظ رہے وہ
ان کو قتل کریں جو گئو سالہ پرستی کے مرتکب ہوئے۔ چنانچہ
ایسا ہی ہوا اور جو حکم ان کو ملا تھا اس کی تعمیل کی اور بلا رعایت
عزیز و اقارب بے گناہوں نے گنہ گاروں کو ایک میدان
میں بٹھا کر قتل کرنا شروع کیا۔ اس وقت تمام لوگوں پر ابر سے
یا آندھی سے تاریکی چھا گئی۔ جب تقریباً ستر ہزار آدمی قتل کئے
جا چکے تو وہ تاریکی ہٹ گئی اور روشنی ہوگئی اور قتل کے بند
کرنے کا حکم ہوا اور جو باقی رہ گئے تھے اور جو قتل ہو چکے
تھے۔ ان سب کی توبہ کے قبول ہونے کا اعلان کر دیا گیا۔ فائدہ
یا تو مرتدین کی توبہ یہی ہوگی کہ ان کو قتل کیا جائے اور یہ بھی
ہوسکتا ہے کہ زبان سے بھی توبہ کی ہو اور قتل کی سزا بھی ملی ہو
جیسا ہماری شریعت میں بھی یہ دستور ہے کہ زانی توبہ بھی
کرے اور رجم بھی کیا جائے۔ اسی طرح قتل عمد کا مرتکب توبہ
بھی کرے اور قتل بھی کیا جائے۔ واللہ اعلم آگے اور احسانات
یاد دلاتے ہیں۔ (تسہیل)

بقیہ صفحہ ۱۳

اور مزید برآں نیک روش اختیار کرنے والوں کے
ساتھ اور بھی سلوک کریں گے (تیسیر) جس بستی میں داخل ہونے
کا حکم ہوا تھا وہ بیت المقدس یا اس کے قریب اور کوئی
بستی تھی۔ اور ہوسکتا ہے کہ وہ اریحا ہو۔ جیسا کہ عبداللہ
بن عباس فرماتے ہیں۔ بہرحال بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے
کہ جب وادیٔ تیہ میں پڑے پڑے گھبرا گئے تو ان کو کسی
شہر میں جانے کا حکم ہوا جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔ لیکن اس
بستی یا شہر میں جاتے وقت یہ ہدایت کی گئی کہ سجدہ کرکے
اور شکر کے نفل پڑھ کر داخل ہونا یا تواضع اور عاجزی کرتے
ہوئے دروازے میں جانا یا کمر کو جھکائے ہوئے ادب
سے داخل ہونا اور زبان سے حطۃ کہتے جانا۔ یعنی ہمارے
گناہ ہم پر سے گرادے اور ہماری خطائیں اور کوتاہیاں
معاف کردے۔ اگر تم نے اس حکم کی تعمیل کی تو ہم تمہاری سب
خطائیں معاف فرمادیں گے اور نیک لوگوں کو اس کے علاوہ
اور زیادہ بھی دیں گے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں اس
جنگل میں پھنسے تھے۔ اپنی تقصیر سے کہ سورۂ مائدہ میں بیان
ہے۔ پھر ایک کھانے سے تھک گئے تب ایک شہر میں پہنچایا
اور حکم کیا کہ دروازے میں سجدہ کرکے جاؤ اور حطہ کہو یعنی
گناہ اترے۔ موضح القرآن۔ فائدہ۔ اگر اس واقعہ کا
تعلق بھی وادیٔ تیہ سے ہو جیسا کہ شاہ صاحبؒ نے فرمایا
تو یہ اسی واقعہ کا ایک حصہ سمجھا جائے۔ جس کا بیان آگے
آتا ہے اور یہ جو فرمایا کہ نیکو کار مخلصین کو زیادہ دیں گے
تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کو ثواب اور زیادہ دیا جائے گا
(تسہیل) پھر ان ظالموں اور ناانصافوں نے اس کلمہ کی
بجائے جس کا ان کو حکم دیا گیا تھا ایک اور کلمہ اس کلمہ کے
خلاف بدل لیا۔ یعنی جو کچھ بتایا تھا اس کے خلاف کہنے لگے
تب ہم نے ان ظالموں پر اس وجہ سے کہ وہ عدول حکمی اور
نافرمانی کیا کرتے تھے۔ آسمان سے عذاب نازل کیا۔ تیسرا
مطلب یہ ہے کہ ہماری بتائی ہوئی بات کا مذاق اڑایا حطۃ
کی بجائے۔ حبۃ فی شعیرۃ یا حنطۃ فی شعیرۃ یا حنطۃ کہنا شروع
کیا یعنی غلہ جو میں ملا ہوا آیا۔ گیہوں جو میں ملے ہوئے یا گیہوں

یا حنطۃ حمراء یعنی لال گیہوں۔ اور داخل ہوتے وقت بجائے تواضع کے پاؤں آگے پھیلا کے سرین کے بل زمین پر گھسٹتے ہوئے داخل ہوئے اس گستاخی اور سرکشی کے باعث اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب نازل کیا۔ یہ عذاب طاعون کا عذاب تھا۔ جس کی وجہ سے ستر ہزار آدمی مر گئے۔ حضرت اسامہ بن زید اور سعد بن مالک اور خزیمہ بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ یہ طاعون ایک عذاب ہے اور اس عذاب کا بقیہ ہے جس عذاب میں تم سے پہلے لوگ مبتلا کئے گئے تھے۔ جب یہ طاعون کسی سرزمین میں واقع ہو اور تم وہاں موجود ہو تو وہاں سے نہ نکلو۔ اور جب تم کو یہ اطلاع ملے کہ کسی سرزمین میں طاعون واقع ہے تو اس میں داخل بھی نہ ہو۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں یعنی ٹھٹھے سے حطۃ کے بدلے کہنے لگے حنطۃ یعنی گیہوں اور سجدے کے بدلے لگے سرین پر پھسلنے۔ پھر شہر میں جا کر ان پر طاعون پڑا یعنی وبا۔ پھوڑے کی دوپہر میں قریب ستر ہزار آدمی کے مرے۔ موضح القرآن۔ ہر چند کہ طاعون بھی منجملہ زمین کی بیماریوں کے ایک بیماری ہے۔ لیکن چونکہ اس کے وقوع کا حکم آسمانی تھا اس لئے اس کو آسمانی عذاب فرمایا (تسہیل)

بقیہ صفحہ ۱۴

جا کر کھیتی باڑی کرو تو تم کو تمہاری اشیاء مسئولہ مل جائیں گی۔ یہ شہر ارض تیہ کے آس پاس کوئی آبادی ہوگی۔ جہاں جانے کا حکم ہوا اور یہی ان کی وہ گستاخیاں اور نافرمانیاں تھیں جس کے باعث ان پر آئندہ ذلت و مسکنت لازم کر دی گئی۔ چنانچہ آج تک یہودیوں کی یہی حالت ہے۔ خواہ وہ کتنے ہی دولت مند ہوں لیکن اپنی حرص اور اپنے بخل کے باعث مسکنت اور فقر میں مبتلا ہیں اور یہ ذلت و مسکنت ان پر دائمی طور پر لازم کی گئی ہے جیسا کہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ اقوام عالم میں ان کی کوئی قیمت نہیں ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ذلت سے مراد ان کی محکومی اور غلامی ہو۔ جیسا کہ نویں پارے میں فرمایا ہے۔ واذ تاذن ربک لیبعثن علیہم الی یوم القیٰمۃ من یسومہم سوء العذاب۔ اور یہ سنت اللہ ہے کہ نافرمانو کی سزا اس طرح بھی دی جاتی ہے کہ حکمرانوں کی حکومت چھین کر ان کو محکوم اور غلام کر دیا جاتا ہے۔ اسی طرح یہود کے لئے بھی دائمی غلامی اور محکومی لکھ دی گئی ہو اور ہمارے زمانے میں جو ان کی حکومت قائم کرنے کی سعی کی جا رہی ہے تو وہ ظاہر ہے کہ فلسطین کے علاقہ میں جو حکومت قائم ہوگی وہ بھی موجودہ زمانے کی کوئی چھوٹی سی محکوم حکومت ہوگی۔ ایسی چھوٹی چھوٹی ریاستیں تو ان کی اس سے پیشتر بھی سلطنت عباسیہ کے دور میں بن چکی ہیں۔ آگے اس ذلت و مسکنت اور غضب الٰہی میں مبتلا ہونے کا سبب بیان فرمایا کہ یہ لوگ احکام الٰہی کو ماننے سے منکر ہوتے تھے اور نبیوں کو قتل کر دیا کرتے اور ناحق کا مطلب یہ ہے کہ یہ بھی جانتے تھے کہ انبیاء کو قتل کرنا بہت بڑا ظلم ہے تو ایک فعل کو ناحق سمجھتے ہوئے کرتے تھے۔ جیسا کہ ہم نے ترجمہ میں اشارہ بھی کیا ہے آگے پھر اس انکار اور قتل انبیاء کا سبب فرمایا کہ نافرمانی اور حدود الٰہیہ سے باہر نکل جانے کے عادی تھے۔ بعض مفسرین نے دوسرے ذلک کو بھی ذلت و مسکنت وغیرہ ہی کا سبب قرار دیا ہے۔ بہر حال ایک بات بالکل ظاہر ہے جس کو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ احکام الٰہی کو ترک کر دینا اور نافرمانی کا خوگر ہونا اور احکام شرعیہ کی توہین کرنا اور انبیاء علیہم السلام کی یا علمائے حق کی توہین و تذلیل کا مرتکب ہونا یہ ایسے امور ہیں جو دنیا میں ذلت اور فقر اور غضب الٰہی اور محکومی اور غلامی کو لازم کر دیا کرتے ہیں۔ یہود کی یہ سزا سن کر شاید کسی کو شبہ ہو کہ اب تو اگر توبہ کر کے کوئی یہودی ایمان بھی لائے تو شاید اس کی توبہ بھی قبول نہ ہو اور اس کا ایمان بھی غیر معتبر ہو۔ اس شبہ کا آگے کی آیت میں ازالہ فرماتے ہیں۔ یا یہود کے اس زعم باطل کا رد کرنا ہے کہ ہم چونکہ انبیاء کی اولاد ہیں اس لئے ہم خواہ کچھ بھی کرتے پھریں آخر جنت کے ہم ہی مالک ہوں گے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عام اعلان کرنا مقصود ہو جیسا کہ قرآن کا قاعدہ ہے کہ روحانی امراض اور اخلاقی خرابیوں کا ذکر کرتے ہوئے اصلاح اور علاج کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے اور کفار کے تذکرے میں مومنین کی جانب بھی توجہ دلاتا ہے۔ (تسہیل)

بقیہ صفحہ ۱۵

قرآن پر ایمان لاتے ہیں۔ آج کل آخرت پر ایمان رکھنا بھی ایک فیشن بن گیا ہے۔ آخرت پر ایمان کا دعویٰ اور قرآن سے انکار ایک عجیب مضحکہ خیز سی چیز ہے۔ پھر لطف یہ ہے کہ اس قسم کی مضحکہ انگیز باتوں کا قرآن سے استدلال نعوذ باللہ من شرور انفسنا آگے پھر اپنے احسانات اور ان کی احسان فراموشی کا تذکرہ فرماتے ہیں (تسہیل) اور وہ بات یاد کرو جب ہم نے تم سے عہد اور قول و قرار لیا اور تمہارے سروں پر طور پہاڑ کو اٹھا کر معلق کر دیا اور حکم دیا کہ جو کتاب ہم نے تم کو دی ہے اس کو پوری قوت اور کوشش کے ساتھ فوراً قبول کرو اور جو احکام اس کتاب میں مذکور ہیں ان کو یاد رکھو اور پڑھتے رہو تاکہ تم متقی ہو جاؤ اور عذاب الٰہی سے محفوظ رہو۔ پھر تم اس قول و قرار کے بعد اپنے عہد سے پھر گئے۔ پھر اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی مہربانی تم پر نہ ہوتی تو یقیناً تم بڑا نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاتے (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ جب ان کو توریت عطا ہوئی تو اس کے احکام ان کو سخت معلوم ہوئے اور ان کے حال کے مناسب بعض احکام تھے بھی سخت تو انہوں نے پہلے تو یہ کہنا شروع کیا کہ ہم سے اللہ تعالیٰ خود فرمائے کہ یہ کتاب ہم نے عطا کی ہے اس پر حضرت موسیٰ ایک جماعت کو طور پر لے کر پہنچے وہاں جو بات پیش آئی اس کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔ جب موسیٰ اس جماعت کو واپس لے کر آئے تو اس نے شہادت بھی دے دی اور شہادت میں اتنا فقرہ اور بڑھا دیا کہ ہاں یہ کتاب تو اللہ تعالیٰ نے ہی عطا فرمائی ہے مگر اتنا کہہ دیا ہے کہ تم سے جو عمل ہو سکے وہ کرنا اور جو نہ ہو سکے تو اس کو ہم معاف کر دیں گے۔ بغرض اس کے بعد قوم نے بالکل ہی صاف طور سے کہہ دیا کہ جناب اس توریت کے احکام پر عمل کرنا ہمارے بس کا کام نہیں۔ چنانچہ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا اور وہ طور پہاڑ کا ایک حصہ اٹھا کر لے آئے اور ان پر اس کو معلق کر دیا۔ بنی اسرائیل یہ دیکھ کر توبہ کرنے لگے اور سجدے میں گرے مگر سجدہ آدھے چہرے پر کیا اور ایک آنکھ سے اس پہاڑ کو دیکھتے رہے کہ کہیں ہم پر گرتا تو نہیں۔ حکم ہوا اس کتاب کو مضبوطی اور قوت کے ساتھ قبول کرو اور جو احکام اس میں ہیں ان کو پڑھتے رہو تاکہ وہ احکام یاد رہیں۔ آخر انہوں نے تسلیم کیا اور قول و قرار کیا اسی عہد کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے مگر اس میثاق کے بعد پھر اپنے عہد سے پھر گئے۔ اس پر بھی اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل فرمایا ورنہ اگر اس کی طرف سے گرفت ہوتی تو بالکل ہی تباہ و برباد ہو جاتے۔ چنانچہ آگے اپنی گرفت اور اپنے عذاب کا ایک واقعہ بتاتے ہیں۔ یہاں اگر یہ شبہ کیا جائے کہ اسلام میں تو جبر نہیں ہے۔ پھر بنی اسرائیل پر کیوں جبر کیا گیا اور پہاڑ ان پر معلق کر کے ان سے کیوں عہد لیا گیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک کسی کو اسلام قبول کرنے پر ابتداءً مجبور نہیں کیا جا سکتا لیکن کوئی اسلام قبول کرنے کے بعد شریعت کے ماننے سے انکار کرے یا احکام الٰہی کو تسلیم نہ کرے تو اس پر جبر کیا جا سکتا ہے۔ یہ لوگ چونکہ پہلے اپنی رغبت سے اسلام قبول کر چکے تھے۔ اس لئے ان کو شریعت موسوی پر قائم رہنے اور اس پر عمل کرنے کی غرض سے مجبور کیا گیا۔ نزول توریت سے قبل یہ لوگ خود ہی مطالبہ کرتے تھے کہ کوئی کتاب ہم کو دی جائے۔ جب کتاب عنایت ہوئی تو اس کے قبول کرنے سے انکار کرنے لگے۔ اس پر پہاڑ معلق کیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ یہود کے ہاں اب تک سجدے کا دستور یہی ہے کہ چہرے کے بائیں حصہ پر سجدہ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل کا مطلب یہ ہے کہ توبہ کی توفیق عطا فرمائی یا مرتے دم تک مہلت دے دی اور اس عہد شکنی کے عوض کوئی عتاب نازل نہیں کیا۔ بعض مفسرین نے فضل اللہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مراد لی ہے تو اس صورت میں یہ خطاب ان یہود سے ہوگا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں موجود تھے اور اب مطلب یہ ہوگا کہ توریت میں نبی آخر الزماں پر ایمان لانے کا بھی عہد لیا گیا تھا۔ تمہارے بڑوں نے تو اس نبی کا زمانہ پایا ہی نہیں مگر تم نے پایا اور تم ایمان نہیں لائے تو جس طرح تمہارے بڑے عہد شکنی کے مرتکب ہوئے تھے تم بھی اس کے مرتکب ہو رہے ہو۔ لیکن یہ پیغمبر اللہ تعالیٰ کا ایک انعام ہے۔ اس کی برکت سے اب کوئی ایسا عذاب نازل نہ ہوگا جیسا پہلے لوگوں پر نازل ہوتا رہا ہے واللہ اعلم حضرت شاہ صاحب تتمقوت پر فرماتے ہیں۔ جب تورات اتری تو کہنے لگے ہم سے اتنے حکم نہ ہوں گے۔ تب پہاڑ اوپر آیا کہ گر پڑے تب ڈر کر قبول کیا موضح القرآن (تسہیل) اور تم ان لوگوں کا حال تو خوب اچھی طرح جانتے ہو جنہوں نے تم میں سے ہفتہ کے بارے میں زیادتی کی تھی اور جو احکام ہفتہ کے دن کے لئے ان کو دیئے گئے تھے۔ ان احکام کی مخالفت میں حد سے تجاوز کر گئے تھے۔ پھر ہم نے ان کو حکم دیا کہ تم بندر ہو جاؤ۔ ذلیل و خوار اور پھٹکارے ہوئے۔ پھر ہم نے اس واقعہ مسخ اور عقوبت کو ان لوگوں کے لئے جو وہاں موجود تھے اور جو پیچھے آنے والے تھے۔ ایک عبرت آموز واقعہ بنا دیا اور جو لوگ خدا سے ڈرنے والے ہیں ان کے لئے اس واقعہ کو موجب نصیحت و موعظت بنا دیا (تیسیر) منجملہ اور احکام کے یہود کو یہ بھی حکم تھا کہ ہفتہ کے دن عبادت میں مشغول رہا کرو اور اس دن مچھلیاں نہ پکڑا کرو۔ لیکن کچھ لوگوں نے کھلم کھلا اور کچھ لوگوں نے حیلہ اور فریب کر کے ہفتہ کے دن مچھلیاں پکڑنی شروع کر دیں۔ آخر ان پر مسخ کا عذاب نازل ہوا اور اللہ تعالیٰ کے امر تکوینی سے یہ لوگ بندر بنا دیئے گئے۔ ان کی صورتیں تو بندروں کی سی ہو گئیں مگر فہم باقی رہا ایک دوسرے کو دیکھتے اور پہچانتے تھے اور روتے تھے آخر تیسرے دن سب مر گئے۔ ان پر ایسا خوفناک قہر نازل

ہوا کہ صرف بندر ہو جاؤ پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ خاسئین بھی فرمایا جس کے معنی ذلیل اور رحمت سے دور اور دھتکارے ہوئے کے ہیں۔ ان بندر نما انسانوں نے تین دن تک نہ کچھ کھایا اور نہ پیا اور نہ ان کی نسل باقی رہی بلکہ وہ سب مرگئے اور یہ بات بھی صحیح نہیں ہے کہ آج کل جو بندر ہیں یہ ان کی اولاد ہیں۔ بلکہ بندر ایک مستقل جانور ہے۔ جو ہمیشہ سے چلا آتا ہے۔ یہ لوگ تو ان بندروں کی شکل بنا دیئے گئے تھے۔ باقی عقل و شعور سب آدمیوں کا سا موجود تھا۔ حضرت ابن عباس کا قول ہے کہ ان کے جوان بندر اور بوڑھے سوئر کی شکل میں منتقل کر دیئے گئے۔ مابین یدیہا کا ایک مطلب تو وہ ہے جو ہم نے اختیار کیا کہ جو لوگ وہاں موجود تھے اور جو بعد میں آئے ان کے لئے یہ واقعہ عبرت انگیز اور سبق آموز کر دیا گیا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ بستیاں مراد ہوں جو شہر کے آگے اور پیچھے آباد تھیں۔ بہرحال جو لوگ اس واقعہ کے دیکھنے والے ہیں اور جو بعد میں آنے والے ہیں ان کے لئے یہ دردناک واقعہ نکال یعنی عبرت ہے اور جو اہل خوف و تقوی ہیں ان کے لئے موعظت و نصیحت ہے اس لئے کہ لوگ دو ہی قسم کے ہوتے ہیں۔ نافرمان اور فرماں بردار سو نافرمانوں کے لئے اس واقعہ کو نکال فرمایا اور فرماں برداروں کے لئے موعظت ارشاد ہوا۔ یہ واقعہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں ہوا تھا تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ نویں پارے میں آجائے گی۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے بھی سورہ اعراف پر محمول کیا ہے (تسہیل)

بقیہ صفحہ ۱۶

چنانچہ اس قسم کے بیل کو بڑی مشکل سے تلاش کیا تو بنی اسرائیل کو معلوم ہوا کہ اس عمر اور اس رنگ و روپ کا بیل ایک لڑکے کی ملک ہے جو جنگل میں چرتا رہتا ہے اور سوائے اس لڑکے کے وہ بیل کسی کے ہاتھ نہیں آ سکتا۔ صاحب درمنثور حضرت وہب بن منبہ سے نقل کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں ایک بڑا نیک آدمی تھا۔ اس کا ایک لڑکا تھا اور اس کے پاس ایک بچھڑا تھا۔ اس نیک شخص نے مرتے وقت اس بچھڑے کو خدا کے سپرد کر کے جنگل میں چھوڑ دیا اور اپنی بیوی سے کہہ دیا کہ جب یہ لڑکا بڑا ہو جائے تو اس سے کہنا کہ وہ جنگل میں جا کر خدا سے یوں دعا کرے کہ اے الٰہ! ابراہیم و اسحاق و یعقوبؑ میں تجھ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ بچھڑا میرے پاس آجائے۔ یہ لڑکا جب بڑا ہوا تو ماں کا بہت خدمتگار تھا جو مزدوری کر کے لاتا تھا اس میں سے ایک تہائی خیرات کرتا تھا اور ایک تہائی خرچ کرتا تھا اور ایک تہائی ماں کو دے دیا کرتا تھا۔ ماں نے اس کو یہ کہہ دیا تھا کہ جب تک مجھ سے نہ دریافت کر لے اس بچھڑے کا سودا کسی سے نہ کیجیو۔ ابتداءً ایک آسمانی فرشتے نے بطور امتحان اس لڑکے سے بات چیت کی اور تین دن تک اس بچھڑے کی قیمت لگاتا رہا لیکن لڑکا ہر روز یہ کہتا رہا کہ میں اپنی ماں سے دریافت کر لوں۔ فرشتہ یہ کہتا رہا کہ تو چاہے جتنی قیمت لے لے مگر اپنی ماں سے دریافت نہ کر۔ آخر تیسرے دن فرشتے نے کہا کہ اس کی قیمت بہت آئے گی مگر تو اس وقت تک اس بیل کو فروخت نہ کیجیو جب تک اس کی کھال بھر کر سونا نہ حاصل کر لے۔ لڑکا ہر روز کی بات اپنی ماں کو بتاتا رہا۔ ماں نے کہا بیٹا! جب تک مجھ سے دریافت نہ کر لے کسی سے ہاں نہ کیجیو۔ بنی اسرائیل تلاش کرتے ہوئے اس لڑکے کے پاس پہنچے اور اس بیل کی قیمت لگاتے رہے۔ یہ کہتا رہا میں اپنی ماں سے دریافت کر لوں۔ آخر فرشتے نے جو قیمت بتائی تھی اس قیمت پر ماں نے اجازت دے دی اور بیل کا سودا ہو گیا۔ لڑکے نے جنگل میں جا کر دعا کی اور وہ بیل اس لڑکے کے پاس آ کھڑا ہوا۔ بہرحال اس غیر مرفوع روایت کا درجہ کیسا ہی ہو اور قتل کے وجوہات کچھ بھی ہوں قرآن شریف سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے وہ صرف اس قدر ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل میں کوئی خون ہوا اور قاتل کا پتہ نہ چلا اللہ تعالیٰ نے یہ احسان کیا کہ قاتل کو معلوم کرنے کا طریقہ بتایا تاکہ صحیح انصاف ہو سکے اور مقتول کا خون رائیگاں نہ ہو اور قاتل کے ساتھ جو سازش میں شریک تھے وہ نمایاں ہو جائیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ اگر یہ لوگ انشاء اللہ نہ کہتے تو کبھی ان کو اس کا پتہ نہیں لگتا۔ حضرت عبداللہ ابن عباس نے فرمایا ہے جو شخص زرد رنگ کا جوتہ پہنے گا تو جب تک اس جوتہ کو استعمال کریگا وہ خوش اور مسرور رہے گا۔ بعض حضرات نے اس موقعہ پر ترتیب آیات کی بحث کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ چونکہ قتل کے بعد بنی اسرائیل کو بیل ذبح کرنے کا حکم ہوا تھا اس لئے واذ قتلتم کی آیت مقدم ہوئی اور واذ قال موسیٰ لقومہ کی آیت مؤخر ہوئی۔ یہ شبہ کرنے کے بعد پھر اس کے جوابات دیئے ہیں۔ ہمارے خیال میں اس بحث کی یہاں ضرورت نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ نزول کی ترتیب اور ہو اور تلاوت کی ترتیب دوسری ہو۔ نیز یہ کہ ترتیب خواہ کچھ ہو لیکن واقعہ بہرحال پورا ذکر کر دیا گیا۔ اور چونکہ اوپر سے بنی اسرائیل کی بدعنوانیوں اور شرارتوں کا ذکر چلا آ رہا ہے اس لئے وہ سلسلہ بھی قائم رکھا گیا (تسہیل)

بقیہ صفحہ ۱۷

تیسری قسم کا نفع کچھ نہیں۔ یعنی ان میں پانی وغیرہ کچھ نہیں جو خلق خدا کی نفع رسانی کا موجب ہوتا۔ لیکن اس میں بھی خدا کا خوف اور ڈر تو ہے۔ مگر بنی اسرائیل ایسے قسی القلب اور سخت دل ہیں کہ ان تینوں قسم کے پتھروں سے گئے گذرے ہیں۔ پتھروں کی یہ تینوں حالتیں ہمارے سامنے ظاہر ہیں اور ان پر کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ جو لوگ کسی زمانے میں جمادات اور نباتات کو بے حس سمجھ کر اعتراض کیا کرتے تھے وہ بھی جمادات و نباتات کے احساسات کے قائل ہو چکے ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ بعض پتھر خوف و دہشت سے نہیں بلکہ برسات یا آندھی میں محض طبعاً اوپر سے نیچے گر جاتے ہوں اور لڑھک آتے ہوں۔ لیکن اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ جب ان میں ایک قسم کی روح احساس موجود ہے تو وہ خدا کے خوف اور ڈر سے گرتے ہوں یا دونوں باتیں ہوں۔ بعض پتھر پانی اور ہوا کی طاقت سے گر جاتے ہوں اور بعض خوف الٰہی سے گرتے ہوں اس سے ہمارے مقصد کو کوئی ضرر نہیں اور یہی وہ ادراک و شعور ہے جس کو قرآن عزیز نے یاجبال اوبی معہ والطیر اور تسبح لہ السموٰت السبع والارض ومن فیھن اور لو انزلنا ھذا القرآن علی جبل لرأیتہ خاشعاً متصدعاً من خشیۃ اللہ سے تعبیر کیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہ اُحد کے متعلق ارشاد فرمایا تھا۔ یہ ایک پہاڑ ہے ہم اس سے محبت کرتے ہیں اور یہ ہم سے محبت کرتا ہے۔ صحیح مسلم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ فرماتے تھے: میں اب تک اس پتھر کو پہچانتا ہوں جو بعثت سے قبل مجھ کو سلام کیا کرتا تھا۔ حجر اسود کا قیامت میں اپنے بوسہ دینے والوں کے حق میں شہادت دینا بھی ثابت ہے۔ غرض قرآن و احادیث میں اس قسم کی بہت سی چیزیں ہیں جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جمادات میں بھی مثل نباتات کے حس و ادراک و شعور موجود ہے۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ کائنات کا ذرہ ذرہ قدرت کے اس فیضان سے بہرہ مند ہے۔ خواہ ہم کائنات کی قوت حسیہ کے ادراک سے محروم اور غافل ہوں اور ہم نے ابھی تک وہ ترقی نہ کی ہو جس سے کائنات کے ہر ذرے کی قوت حسیہ کا ہم کو شعور حاصل ہو سکے۔ ابن عمر کی حدیث میں مرفوعاً آیا ہے۔ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تم اللہ تعالیٰ کے ذکر کے علاوہ اور باتیں بہت نہ کیا کرو۔ یہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے علاوہ بہت باتیں کرنا قساوت قلب ہے۔ اور سب لوگوں میں اللہ تعالیٰ سے وہی شخص دور ہوتا ہے جس کا قلب قاسی ہے حضرت انس کی ایک روایت میں مرفوعاً یہ الفاظ ہیں کہ چار چیزیں بدبختی اور بدنصیبی ہیں۔ ایک آنکھ کا خشک ہونا۔ یعنی آنکھ سے آنسو کا نہ نکلنا۔ دوسرے دل کی سختی۔ تیسرے طویل اور لمبی لمبی امیدیں اور چوتھے دنیا کی حرص۔ اور یہ جو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے کردار سے غافل نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ کہ اپنی بداعمالیوں کی سزا بھگتنے کو تیار رہو (تسہیل)۔ کیا اے مسلمانو! تم اب بھی اس کی امید کرتے ہو کہ یہ یہودی تمہاری بات مان لیں گے اور تمہارے کہنے سے ایمان لے آئیں گے۔ حالانکہ ان میں تو کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو اللہ تعالیٰ کا کلام سنتے تھے۔ پھر اس کو سمجھنے کے بعد اس میں تحریف و تغیر کر دیا کرتے تھے اور اس کلام کو کچھ کا کچھ کر ڈالتے تھے۔ اور کمال یہ ہے کہ اس فعل کی برائی کو جانتے بھی تھے اور جب ان یہودیوں کے منافق لوگ اہل ایمان حضرات سے ملتے ہیں تو اپنے ایمان کا اقرار اور اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ ہم ایمان لے آئے اور جب یہ آپس میں ایک دوسرے کے پاس تنہا ہوتے ہیں اور تنہائی میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو دوسرے کافر یہودی ان منافق یہودیوں سے کہتے ہیں کہ تم توریت کی وہ باتیں جو اللہ تعالیٰ نے تم پر کھولی ہیں مسلمانوں کو کیوں بتا دیتے ہو۔ اس کا انجام یہ ہوگا کہ مسلمان تمہارے رب کے روبرو قیامت میں ان ہی باتوں کی وجہ سے جو تم ان کو بتاتے ہو تم پر الزام قائم کر دیں گے اور تم کو خدا کے سامنے مغلوب کر دیں گے۔ کیا تم لوگ اتنی صاف بات بھی نہیں سمجھتے (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ یہود کی عام احسان فراموشی اور قلبی قساوت کا ذکر کرتے ہوئے درمیان میں ان مسلمانوں کو ایک خاص انداز سے خطاب فرمایا۔ جنہوں نے یہود سے بوجہ ان کے اہل کتاب ہونے کے بہت سی توقعات قائم کر رکھی تھیں اور ان کو مسلمان بنانے کی سعی میں سرگرم تھے! اس خطاب سے مقصد یہ ہے کہ ان مسلمانوں کو سمجھایا جائے اور تسلی دی جائے کہ بھلا یہ لوگ کب ایمان قبول کر سکتے ہیں۔ ان کی حالت تو یہ ہے کہ یہ سمجھ بوجھ کر کلام الٰہی میں تحریف کرنے سے تو چوکتے نہیں اور تحریف سے مراد یہ ہے کہ یا تو الفاظ کو بدل دیتے ہیں یا تفسیر غلط کرتے ہیں یا دونوں قسم کی تحریف کے مرتکب ہوتے ہیں۔ پھر ان کے نفاق کی حالت یہ ہے کہ جب تم سے ملتے ہیں تو ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں اور خوشامد کے طور پر اپنی کتاب کی بعض باتیں بھی تم سے کہہ دیتے ہیں کہ توریت میں نبی آخر الزماں کے متعلق یہ آیا ہے اور قرآن کے متعلق ہماری کتاب میں یہ لکھا ہے۔ لیکن جب یہ منافق اپنے دوسرے ہم مشربوں سے تنہائی میں ملتے ہیں تو

وہ ان کو ذلت دیتے اور دھمکاتے ہیں کہ ہم نے جو باتیں مسلمانوں سے چھپا رکھی ہیں تم وہ سب ان سے خوشامد میں کہہ دیتے ہو اور اپنی کتاب کی باتیں اور پیشین گوئیوں کا ان سے ذکر کر دیتے ہو۔ اب اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جب قیامت میں پروردگار کے روبرو تمہارا اور ان کا جھگڑا ہوگا تو وہ خود تم کو تمہاری باتوں سے اور تمہاری ہی کتاب سے قائل کر دیں گے اور تم کو کوئی جواب بن نہ پڑے گا۔ تم اتنی صاف بات بھی نہیں سمجھتے کہ اپنا بھید کسی دشمن سے نہیں کہنا چاہیئے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ وہ جو ان میں منافق تھے خوشامد کے واسطے اپنی کتاب میں سے پیغمبر آخر الزماں کی باتیں مسلمانوں کے پاس بیان کرتے اور وہ جو مخالف تھے ان کو اس پر الزام دیتے کہ اپنے علم میں سے ان کے ہاتھ سند کیوں دیتے ہو (موضح القرآن) بعض مفسرین نے اس جھگڑے اور غلبہ کا تعلق دنیا ہی میں مراد لیا ہے اور عند ربکم کے معنی تمہارے رب کے پاس سے نازل کردہ مضمون کئے ہیں ان کی تفسیر کا خلاصہ اس طرح ہے کہ تمہاری ان باتوں کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ مسلمان تم کو مناظرے میں مغلوب کر دیں گے اور تم کو یہ کہہ کر قائل کر دیں گے کہ دیکھو یہ مضمون اللہ تعالیٰ کے پاس سے تمہاری کتاب میں آیا ہے اور خدا کا یہ نازل کردہ مضمون توریت میں موجود ہے مسلمانوں کو تو خبر نہیں کہ ہماری کتاب میں کیا ہے جب تم ہی ان کو بتادو گے تو وہ بحث مباحثہ میں اسی بات کو لے کر تم کو قائل کر دیں گے۔ اس تقریر پر آیت کا تعلق اس دنیا کے مناظروں سے ہوگا۔ آخرت سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب۔ آگے اس بات کا جواب ارشاد فرماتے ہیں (تسہیل)

بقیہ صفحہ ۱۹

اس فرق میں یہ اشارہ ہے کہ شرک و کفر تو خلود نار کا سبب واقعی ہے۔ لیکن ایمان اور عمل صالح خلود جنت کا سبب واقعی نہیں ہے۔ بلکہ خلود جنت محض اللہ تعالیٰ کے فضل پر موقوف ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ گھیر لیا گناہ نے یعنی گناہ کرتا ہے اور شرمندہ نہیں ہوتا۔ (موضح القرآن) حضرت شاہ صاحبؒ نے جو کچھ فرمایا ہے یہ وصف بھی کفر ہی کی علامت ہے۔ اگر یہ شبہ ہو کہ کافر بھی تو نیک کام کرتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حالت کفر میں کوئی نیکی قبول نہیں۔ نیز ان کو ان کے اچھے کاموں کا بدلہ دنیا ہی میں مل جاتا ہے۔ من کان یرید الحیوٰۃ الدنیا و زینتھا الخ — جس طرح دنیا میں کافر کو اس کے جرائم گھیر لیتے ہیں اسی طرح آخرت میں سب طرف سے اس کو جہنم گھیرے گی۔ سورۂ عنکبوت میں ارشاد ہے وان جھنم لمحیطۃ بالکٰفرین عالم مثال میں کفر و شرک ہی کی شکل کا نام تو جہنم ہے اور جس کو یہاں گناہ کہا جاتا ہے اسی کا نام تو وہاں سانپ بچھو اور انگارے ہیں (تسہیل) ۳۳ اور وہ زمانہ یاد کرو جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد اور قول قرار لیا کہ تم سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کی عبادت نہ کرنا اور اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرنا اور ان کی خوب خدمت کرنا اور قرابت داروں اور محتاجوں اور یتیموں کے ساتھ بھی بھلائی اور نیکی کرنا اور لوگوں سے جب کوئی بات کہنا تو نرمی اور خوش خلقی سے بھلی بات کہنا اور نماز کی پابندی رکھنا اور زکوٰۃ ادا کرتے رہنا۔ پھر تم میں سے سوائے تھوڑے سے آدمیوں کے اور سب اپنے قول و قرار اور عہد و پیمان سے [illegible] پھر جانے ...

عادی ہی ہو (تیسیر) یہ بھی یہود کے اسلاف کی عہد شکنیوں کا تذکرہ ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جو یہودی تھے ان کو خطاب ہو۔ کیوں کہ وہ بھی آخر ان ہی کی اولاد تھے۔ نیز یہ کہ اس قسم کی وعدہ خلافیوں اور عہد شکنیوں میں وہ بھی مبتلا تھے۔ جو حرکات اور بے ہودگیاں ان کے بزرگ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ کیا کرتے تھے، وہی یہ نبی آخر الزماں اور ان کے ہمراہیوں کے ساتھ کیا کرتے تھے اور یہ بھی ممکن ہے کہ مسلمانوں کو توجہ دلانا مقصود ہو کہ ان یہودیوں کی تو یہ حالت ہے اور تم ان سے ایمان لانے کی امید کر رہے ہو۔ عہد کا مطلب یہاں بھی وہی ہے جو ہم پہلے عرض کر چکے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر بات پر اقرار نامہ تحریر کرایا جائے بلکہ ہمارا بندہ ہونا اور ان کا خالق و مالک ہونا ہی عہد ہے کہ ان کا کام حکم دینا اور ہمارا کام تعمیل کرنا ہے۔ جب موسیٰ کو خدا کا پیغمبر اور توریت کو خدا کی کتاب تسلیم کر لیا تو اس کا ہر حکم ایک عہد ہے اور یہی معلوم ہوتا ہے کہ توریت کے بعض احکام کو اس آیت میں عہد سے تعبیر فرمایا ہے اور یہ وہی باتیں ہیں جو تقریباً ہر پیغمبر کے عہد میں احکام الٰہی کی فہرست میں شامل ہی رہیں اور قرآن میں تو یہ امور بڑی تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں۔ اس آیت میں سب سے پہلے حضرت حق کی عبادت کا حکم ہے۔ پھر ماں باپ کی خدمت و اطاعت کا ذکر ہے۔ اس کے بعد قرابت داروں کی بھلائی اور خیر خواہی ہے۔ پھر مساکین و یتامیٰ کا ذکر۔ پھر بول چال کی عام تہذیب بتائی ہے اور لوگوں کے ساتھ گفتگو کا طریقہ تعلیم فرمایا ہے۔ پھر نماز اور زکوٰۃ کا ذکر ہے۔ ان تمام احکام کی پابندی پر ان سے عہد و پیمان کو یاد دلا کر ان کی عہد شکنی کو یاد دلایا ہے اور ان مخصوص لوگوں کو مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ جو نبی آخر الزماں کی تشریف آوری سے قبل اپنے اپنے پیغمبروں کے حکم کی تعمیل کرتے رہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد آپ پر اور آپ کے قرآن پر ایمان لے آئے۔ اگرچہ ان کی تعداد بہت ہی کم ہے۔ پھر آخر میں ان کی عام عادت کا اعلان کیا ہے۔ سبحان اللہ کیا خوب ترتیب ہے اور اس قدر فرق مراتب کی رعایت ہے۔ آگے اسی قسم کے ایک اور عہد کا ذکر ہے جس میں سے یہود نے بعض حصہ کو چھوڑ دیا اور بعض حصے پر رسماً عمل کرتے رہے۔ (تسہیل) ۳۴ اور وہ زمانہ یاد کرو جب کہ ہم نے تم سے اس امر پر عہد لیا کہ تم آپس میں خون ریزی اور خانہ جنگی نہ کرنا اور تم ایک دوسرے کو جلا وطن نہ کرنا اور نہ ان کو ان کے گھروں سے نکالنے پر مجبور کرنا۔ پھر تم نے اس کا اقرار کیا اور تم بھی اپنے بڑوں کے اس اقرار کو مانتے ہو (تیسیر) اوپر کی آیت میں باہمی حسن سلوک اور صلہ رحمی کا حکم تھا۔ یہاں خانہ جنگی، خون ریزی اور ایک دوسرے کو ستانے اور گھروں سے نکالنے کی ممانعت ہے۔ کیونکہ باہمی احسان اور صلہ رحمی کی تکمیل اسی صورت میں ہو سکتی تھی کہ اپنوں کو دکھ نہ پہنچاؤ اور ستاؤ نہیں۔ بلکہ اچھا سلوک کرو۔ وانتم تشھدون۔ کا ایک مطلب تو وہ ہے جو ہم نے ترجمہ میں عرض کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے یہودی بھی یہ مانتے تھے کہ ہمارے اسلاف نے توریت کے اس حکم کو تسلیم کیا تھا اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ وانتم تشھدون۔ اسی اقرار کی تاکید ہو۔ اب معنی یہ ہوں گے کہ اقرار بھی کوئی چلتا ہوا اقرار نہیں بلکہ اقرار بھی ایسا کہ تم اس کی شہادت بھی دیتے ہو یعنی بہت پختہ اقرار۔ اس آیت میں بھی عہد اور قول قرار سے وہی توریت [illegible] حکم مراد ہے جس کی طرف ہم نے اوپر اشارہ

کیا تھا کہ ہر ہر حکم پر اقرار نامہ نہیں لکھا جاتا۔ بلکہ جو کتاب منزل من اللہ کو تسلیم کر لیتا ہے تو وہ اس کے تمام احکام کا پابند ہو جاتا ہے اور کسی کتاب کو آسمانی کتاب تسلیم کر لینا ہی اس کے سب احکام پر عمل کرنے کا عہد اور قول و قرار ہو جاتا ہے اور جس طرح توریت کا یہ حکم عام طور سے پہلے اور پچھلے سب یہودیوں کو تسلیم تھا اسی طرح سوئے اتفاق سے توریت کے اس حکم کی مخالفت بھی عام تھی حتیٰ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جو یہودی تھے وہ بھی سب کے سب باہمی خون ریزی اور اپنوں کو ان کے گھروں سے نکالنے کے مرتکب ہوتے تھے۔ چنانچہ آگے ارشاد فرماتے ہیں (تسہیل)

بقیہ صفحہ ۲۰

یعنی دنیا کی زندگی میں ان کی ذلت و رسوائی تو ضروری ہے خواہ اس کا وقوع کبھی ہو۔ باقی اس سے زیادہ بھی کوئی اور سلوک ہو تو ہو سکتا ہے۔ اور چونکہ ان قبائل کی لڑائیاں محض باہمی انتقام اور لغو و فضول باتوں پر ہوا کرتی تھیں اس لئے تظاھرون علیھم بالاثم والعدوان فرمایا کہ ہر حلیف اپنے حلیف کا ظلم اور گناہ پر ساتھ دیتا تھا۔ یعنی لڑائی کا مقصد خواہ کتنا ہی برا ہو مگر اپنے حلیف کا ساتھ دینا ہوتا تھا۔ تو یہ اثم و عدوان پر تعاون اور امداد ہوئی۔ تظاہر کے معنی ہیں تعاون۔ اثم کے معنی ہیں گناہ اور ذنب۔ عدوان کے معنی ہیں تجاوز فی الظلم حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی اپنی قوم غیر کے ہاتھ پھنسے تو چھڑانے کو موجود ہوا اور آپ ان کے ستانے میں قصور نہیں کرتے۔ اگر خدا کے حکم پر چلتے ہو تو دونوں جگہ چلو۔ موضح القرآن۔ (تسہیل) ۳۵ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے آخرت کے بدلے دنیوی زندگی کو خرید لیا۔ پھر اب ان پر سے نہ تو کسی وقت عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ کہیں سے ان کو کسی طرح کی مدد پہنچ سکے گی (تیسیر) خلاصہ یہ کہ جو لوگ بعض احکام کی متابعت کریں اور بعض احکام کو پس پشت ڈال کر اس سے بے اعتنائی برتیں تو ان کی سزا وہی ہے جو اوپر کی آیت میں تجویز کی گئی اور اس سزا کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ وہ ہیں جنہوں نے آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کے چند روزہ منافع کو اختیار کر رکھا ہے۔ یہاں بھی وہی بیع و شرا کو بطور استعارہ استعمال کیا ہے جیسا کہ ہم ابتدائے سورت میں عرض کر چکے ہیں کہ جہاں تو دو استعدادوں میں سے ایک کو بے کار کر دینا اور ایک کی پیروی کرنا ہے۔ فجور اور تقویٰ کی دو راہوں میں سے تقویٰ کو ترک کر کے فجور کی راہ کو اختیار کر لینا ایسا ہی ہے جیسے ایک چیز کو دے کر دوسری خرید لی۔ چاہتے تو آخرت کی بھلائی حاصل کر لیتے لیکن آخرت کی بھلائی کے مقابلے میں دنیا کے عارضی منافع اور عارضی ریاست و وجاہت کو اختیار کر لیا اور توریت کے احکام کو پس پشت ڈال دیا اس لئے اب ان کو ایسا سخت عذاب ہوگا کہ اس عذاب میں کسی وقت بھی تخفیف نہ ہوگی اور نہ ان کے کسی رشتہ دار یا دوست کی طرف سے ان کی کوئی امداد اور پیروی وغیرہ ہو سکے گی۔ اب آگے ان کے اور افعال شنیعہ کا ذکر فرماتے ہیں۔ (تسہیل) ۳۶ اور اے بنی اسرائیل ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تمہاری ہدایت کی غرض سے توریت، کتاب دی۔ پھر ان کی وفات کے بعد بھی ہم نے مختلف انبیاء کا سلسلہ جاری رکھا اور یکے بعد دیگرے لگاتار پیغمبر بھیجے ہیں تاکہ وہ تم کو توریت کی تعلیم دیتے رہیں اور تم کو اس پر عمل کرنے کی ترغیب دیں۔ یہاں تک کہ ہم نے حضرت عیسیٰ ابن مریم کو پیغمبر بنا کر بھیجا اور ان کو واضح دلائل اور معجزات عطا فرمائے اور

ان کو روح القدس کے ساتھ تقویت دی اور کیا یہ افسوسناک اور تعجب خیز واقعہ نہیں ہے کہ جب کبھی بھی تمہارے پاس کوئی رسول ایسے احکام لے کر آیا جن کو تمہارا دل نہ چاہتا تھا اور وہ تمہاری خواہش کے خلاف ہوتے تھے تب ہی تم نے اس پیغمبر کے مقابلے میں تکبر اور سرکشی کا رویہ اختیار کیا اور اس کے ساتھ تحقیر آمیز سلوک کرنے لگے۔ چنانچہ ان پیغمبروں میں سے بعض کو تم نے جھوٹا بتایا اور بعض کو تم قتل ہی کر ڈالتے تھے۔ (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ تمہاری ہدایت و اصلاح کے لئے برابر پیغمبر آتے رہے جو حضرت موسیٰ کے تابع اور توریت کے عامل ہوتے تھے۔ البتہ حضرت عیسیٰ بن مریم چونکہ صاحب شریعت مستقلہ تھے اس لئے انہوں نے بعض سابقہ احکام کو بدلا جیسا کہ تیسرے پارے میں انشاء اللہ آجائے گا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام سریانی زبان میں ایشوع ہے۔ ان کی ماں کا نام مریم ہے۔ عیس کے معنی سریانی میں خادم کے ہیں۔ بینات سے مراد انجیل اور وہ معجزات ہیں جو ان کو عطا ہوئے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد اور حضرت عیسیٰؑ سے قبل جو پیغمبر تشریف لائے ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں شمویل۔ الیاس۔ حزقیل۔ الیسع۔ یونس۔ زکریا۔ یحییٰ۔ شعیا۔ حزقیل۔ داؤد۔ سلیمان۔ ارمیا۔ روح القدس کی مفسرین نے بہت سی تفسیریں کی ہیں۔ لیکن جمہور کے نزدیک اس سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ قل نزلہ روح القدس من ربک بالحق۔ اور ظاہر ہے کہ یہاں حضرت جبریل ہی مراد ہیں۔ حدیث میں آتا ہے۔ ان روح القدس نفث فی روعی۔ یعنی جبریل نے یہ بات میرے قلب میں ڈالی ہے۔ ابن جریر نے اسی قول کو راجح بتایا ہے۔ روح القدس کی تائید کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح کو انہوں نے ہی مریم میں پھونکا اور ان کے ہی دم کرنے سے حضرت مریم کا حمل قرار پایا۔ نیز یہود کی دشمنی کے باعث حضرت جبریل آپ کی حفاظت کرتے تھے۔ آسمان پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تشریف لے جانا بھی ان ہی کی وساطت سے ہوا۔ الغرض بنی اسرائیل نے تمام پیغمبروں کو اذیت پہنچائی اور ان کی تحقیر کی۔ اور انبیاء کی اطاعت سے انکار کیا اور حضرت زکریا اور یحییٰ کو قتل کرنا تو مشہور ہے جیسا کہ انشاء اللہ آگے آجائے گا۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ روح القدس کہتے ہیں جبرئیل کو ہر وقت ان کے ساتھ رہتے تھے۔ موضح القرآن۔ ہو سکتا ہے کہ روح القدس سے مراد اسم اعظم ہو جس کی برکت سے وہ مُردوں کو زندہ اور بیماروں کو تندرست کرتے ہوں یا جو روح ان میں پھونکی گئی تھی اسی روح کو روح القدس فرمایا ہو اور اس روح میں بشریت سے ملکیت غالب ہو۔ جیسا کہ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی نے تفسیر عزیزی میں فرمایا ہے واللہ اعلم (تسہیل ہے) اور وہ یہودی کہتے ہیں کہ ہمارے دل بالکل محفوظ ہیں کہ اس میں کوئی دوسری بات داخل ہی نہیں ہو سکتی۔ یہ بات نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے یہود پر ان کے کفر کی وجہ سے لعنت کر دی ہے اور ان کو اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے۔ سو وہ بہت ہی تھوڑا ایمان رکھتے ہیں (تیسیر) یہود کا یہ قول یا تو بطور عذر تھا کہ ہم کیا کریں۔ ہمارے دل پر تو پردے پڑے ہوئے ہیں۔ تمہاری باتیں ہمارے دل میں جگہ نہیں کرتیں۔ اور زیادہ دلیل کے طور پر کہتے ہوں کہ مسلمانو! تمہاری باتیں ہم پر کیا اثر کر سکتی ہیں۔ ہمارے دل تو ہر طرح محفوظ ہیں اور ہو سکتا ہے کہ ان کا یہ قول بطور تفاخر ہو کہ ہمارے دل تو علوم و حقائق سے لبریز ہیں اور اب ان میں کسی دوسری بات کی گنجائش ہی کہاں ہے صاحب کشاف نے کہا اغلف۔ اس شخص کو کہتے ہیں جو غیر مختون ہو۔ ہم نے اس لئے ترجمہ محفوظ کے ساتھ کیا ہے۔ یہ یہود کا ایک خاص محاورہ تھا۔ مطلب یہ ہے کہ ہم اپنے اعتقاد میں بڑے مضبوط اور پختہ ہیں۔ ہم پر تمہارے مذہب کی کوئی بات اثر انداز نہیں ہو سکتی۔ ہمارے دلوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں۔ اور ان پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں اور وہ بالکل لبریز اور پُر ہیں۔ سورہ فصلت میں ارشاد ہے۔ وقالوا قلوبنا فی اکنۃ مما تدعونا الیہ یعنی اے پیغمبر! جس کی طرف تو ہم کو بلاتا ہے اس سے ہمارے دلوں کے غلاف اور پردے روک بنے ہوئے ہیں۔ ان کے اس لغو قول کا جواب فرماتے ہیں کہ اس محرومی اور حرمان نصیبی کا وہ سبب نہیں ہے جو یہ بیان کرتے ہیں۔ بلکہ اس کا سبب وہ لعنت ہے جو ان کے کفر کی وجہ سے اللہ نے ان پر کی ہے۔ لعنت کے معنی ہیں ہٹا دینا اور دور کر دینا۔ یہاں مقصد یہ ہے کہ ہر خیر سے ان کو دھکے دے دیئے گئے ہیں اور حضرت حق نے ان کو اپنی رحمت سے محروم کر دیا اور چونکہ اسلام پر ایمان لانا اور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنا خدا کا بڑا انعام اور اس کی بڑی رحمت ہے۔ اس لئے یہ راندۂ درگاہ الٰہی اس رحمت سے محروم ہیں۔ اور یہ رحمت سے دوری اور پھٹکار ان پر ابتداءً نہیں ہوئی بلکہ ان ہی کے کفر اور نافرمانی کی وجہ سے ان کے ساتھ یہ سلوک کیا گیا۔ تھوڑے ایمان کا یہ مطلب کہ اسلام کے وہ معتقدات جو شریعت موسوی میں بھی مذکور ہیں ان کو تو مانتے ہیں لیکن باقی شریعت محمدیہ کو نہیں مانتے یا یہ کہ جو موسیٰ علیہ السلام لائے ہیں اس کو مانتے ہیں اور جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں اس کو نہیں مانتے اور شریعت محمدیہ کا انکار یا بعض کا اقرار اور بعض کا انکار کفر ہے قلوب کا ملعون ہونا بھی امراض باطنیہ کے درجوں میں سے ایک سخت خطرناک درجہ ہے۔ جس کے بعد مریض کی صحت کا امکان باقی نہیں رہتا۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یہودی اپنی تعریف میں کہتے تھے کہ ہمارے دل پر غلاف ہے۔ یعنی سوا اپنے دین کی بات کے کسی کی بات ہم کو اثر نہیں کرتی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حق بات اثر نہ کرے یہ نشان ہے لعنت کا موضح القرآن۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے ایک بہت لطیف اشارہ فرمایا یعنی اثر نہ کرنے کے بھی دو مطلب ہیں اگر باطل اور بری بات اثر نہ کرے تو یہ بات اچھی ہے۔ لیکن اگر کسی بدقسمت پر اچھی بات اور حق بات اثر نہ کرے تو سمجھو کہ یہ خدا کی لعنت کا اثر ہے۔ تھوڑے سے ایمان رکھنے کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ حضرت موسیٰؑ کی کتاب پر بھی پورا ایمان نہیں رکھتے۔ ورنہ اس کتاب میں تو نبی آخر الزماں کے متعلق پیشین گوئیاں بھی ہیں۔ اگر یہ اپنی ہی کتاب پر پورا ایمان رکھتے ہوتے اور پوری کتاب مانتے تو نبی ہی پر ایمان لے آتے مطلب یہ ہوا کہ یہ بدنصیب تمام باتیں اپنے دین کی بھی نہیں مانتے اور تمہارے دین کے تو منکر ہی ہیں۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ قلب کی چار قسمیں ہیں۔ ایک تو صاف کہ اس میں چراغ روشن ہے اور وہ چراغ چمک رہا ہے۔ یہ دل تو مومن کا دل ہے جس میں ایمان کا چراغ روشن و درخشاں ہے۔ دوسرا قلب وہ ہے جس پر غلاف چڑھا ہوا ہے اور غلاف کا منہ بندھا ہوا ہے یہ کافر کا دل ہے تیسرا قلب وہ ہے جو اوندھا ہے یہ منافق کا دل ہے۔ چوتھا قلب دو رنگی ہے کہ اس کا ایک حصہ سیاہ اور ایک حصہ سفید ہے یہ دل اس منافق کا ہے جس میں ایمان بھی اور کفر بھی کبھی یہ رنگ اختیار کرتا ہے اور کبھی وہ رنگ اس دل میں ایمان و نفاق دونوں جمع ہیں مسند احمد بن حنبل مختصراً (تسہیل)

بقیہ صفحہ ۲۱

وہ چیز بہت بُری ہے جس کے بدلے انہوں نے اپنی جانوں کو خریدا اور وہ بُری چیز یہ ہے کہ انہوں نے محض حسد کی بنا پر اس چیز سے انکار کر دیا جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے یعنی قرآن اور اس حسد کی وجہ بھی یہ ہے کہ وہ قرآن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اپنے بندوں میں سے جس بندے پر چاہا کیوں نازل فرمایا لہٰذا یہ لوگ غضب بالائے غضب کے مستحق ہو گئے۔ اور ان کافروں کو ایسا عذاب ہوگا جو ان کو سخت ذلیل کرنے والا ہے (تیسیر) ہم اوپر عرض کیا تھا کہ بیع اور شراء کے الفاظ کثرت استعمال کی وجہ سے بعض دفعہ جبکہ مقابلہ میں کوئی سکہ نہ ہو ایک دوسرے پر بولے جاتے ہیں۔ اسی بنا پر بعض مفسرین نے یہاں اشتروا کے معنی بیع کے کیے ہیں یعنی انہوں نے اپنی جانوں کو جس چیز کے بدلے فروخت کر دیا وہ بہت بری ہے مطلب یہ ہے کہ انہوں نے اپنے زعم باطل کی بنا پر نجات آخروی کے لئے جس چیز کو اختیار کیا ہے وہ بُری چیز ہے یا یہ مطلب ہے کہ جس چیز کے بدلہ انہوں نے اپنی جانوں کو بیچا وہ بہت بُری ہے اور وہ چیز جس کے بدلے یہ بیع اور شرا ہوئی وہ قرآن کو خدا کی کتاب ماننے سے ان کا منکر ہونا ہے اور ان کا یہ انکار بھی کسی معقول سبب کی بنا پر نہیں کیونکہ قرآن کے انکار پر کوئی معقول دلیل تو ہو ہی نہیں سکتی بلکہ یہ انکار محض اس ضد پر ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس بندے پر اپنے فضل سے چاہے اس قرآن کو نازل کرے گویا ضد کو یہ حق نہیں کہ وہ اپنے کسی محبوب بندے پر اس قرآن کو نازل کرے اور اگر اس نے ایسا کیا ہے کہ ان بدبختوں کی خواہش کے خلاف محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ قرآن اتار دیا ہے تو بس اب یہ اس ضد میں اس کے ماننے سے انکار کر رہے ہیں اور یہ جو فرمایا کہ غضب بالائے غضب کے مستحق ہو گئے تو ایک تو قرآن کا انکار اور دوسرے حسد یا ایک بچھڑے کی پرستش اور اس پر نبی رحمت کا انکار یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل کا کفر۔ پھر اس پر نبی امی اور قرآن کا انکار غرض سب احتمال ہیں جیسا انہوں نے کفر پر کفر کیا ویسا ہی یہ غضب پر غضب کے مستحق ہوئے توہین آمیز عذاب کا یہ مطلب ہے کہ آگ کے عذاب کے علاوہ ذلت بھی میسر ہوگی۔ چونکہ کفر کے ساتھ عناد۔ ضد اور استکبار بھی تھا۔ اس لئے آگ کے ساتھ تذلیل و توہین کا سامان بھی فراہم ہوگا۔ آگے ان کے حسد اور ان کی ضد اور ان کے کفر کی اور باتیں ذکر فرماتے ہیں (تسہیل) ہے اور جب ان یہود سے کہا جاتا ہے کہ تم دوسری کتب سماویہ پر بھی جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہیں ایمان لاؤ جیسے انجیل اور قرآن۔ تو یہ جواب دیتے ہیں کہ بس ہم تو اس کتاب پر ایمان لائیں گے جو ہماری جانب نازل کی گئی ہے۔ یعنی توریت کو مانیں گے۔ اور اس کے علاوہ دوسری کتابوں کا انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ دوسری کتب سماویہ بھی حق ہیں اور وہ کتابیں اس کتاب کی تصدیق کرنے والی ہیں جو ان کے پاس ہے آپ ان سے پوچھئے۔ اچھا اگر تم توریت پر ایمان رکھتے ہو تو اب سے پہلے خدا کے نبیوں کو کیوں قتل کیا کرتے تھے۔ اور تمہارے ایمان کی تو یہ حالت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تمہارے

پاس صاف اور واضح دلائل لے کر تشریف لائے تھے تو تم نے ان کے طور پر جانے کے بعد ایک بچھڑے کو معبود تجویز کر لیا! اور تم تو ہمیشہ سے ظلم اور ناانصافی کے خوگر ہو۔

بقیہ صفحہ ۲۲

موت کی تمنا تو کر کے دکھاؤ اور یوں کہو کہ ہم موت کی تمنا کرتے ہیں (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ تم دلائل اور بحث و مباحثہ سے قائل نہیں ہوتے تو آؤ میں تم سے ایک بہت ہی ہلکا سا مطالبہ کرتا ہوں۔ اسی پر تمہارے سچ اور جھوٹ کا فیصلہ ہو جائے گا۔ اور تم کو معلوم ہو جائے گا کہ سچا کون ہے۔ اور جھوٹا کون ہے۔ تمہارا دعویٰ تو یہ ہے کہ آخرت میں تم ہی نجات یافتہ ہو۔ اور جنت کے تم ہی مستحق ہو۔ اور دنیا کے انسانوں میں سے سوائے تمہارے اور کوئی عالم آخرت میں نجات یافتہ نہیں ہے۔ اول تو ہم سب پہلے ہی پہل جنت میں داخل کر دئے جائیں گے اور اگر کوئی گنہگار جہنم میں چلا بھی گیا تو وہ بھی چند دن کے لئے جائے گا پھر اس پر سے عذاب اٹھا لیا جائے گا۔ اور وہ بھی جنت میں داخل ہو جائے گا۔ بس اس عقیدے پر تو معاملہ سہل ہو گیا۔ اب تم موت کی تمنا اور آرزو کرو اور یہ کہہ دو کہ یا اللہ ہم کو موت دے دے۔ کیونکہ ان تمام نعمتوں کو موت ہی روکے ہوئے ہے اگر موت آ جائے تو وہ سب نعمتیں جو دار آخرت سے متعلق ہیں تم کو میسر آ جائیں۔ ہر چند کہ موت سے طبعاً انسان گھبراتا ہے اور کچھ خوف بھی ہوتا ہے۔ لیکن جس شخص کو آخرت میں قرب الٰہی اور نجات کا یقین ہو تو اس کو من وجہ موت ضرور مرغوب اور محبوب ہونی چاہیئے۔ اور یہاں وہ موت نہیں ہے جس کی حدیث میں ممانعت آئی ہے بلکہ یہ تو خاص حالات ہیں۔ پھر یہ موت بھی لقائے الٰہی کے شوق میں ہوگی۔ تو یہ موت وہ نہیں ہے جو انسان دنیا کے مصائب سے گھبرا کر مانگتا ہے۔ آگے بطور پیشین گوئی فرماتے ہیں کہ چونکہ ان کے دل میں چور ہے اس لئے یہ کبھی بھی موت کی تمنا کرنے اور اپنے لئے موت مانگنے پر آمادہ نہ ہوں گے حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہتے تھے کہ جنت میں ہمارے سوا کوئی نہ جاوے گا۔ اور ہم کو عذاب نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر یقیناً بہشتی ہو تو مرنے سے کیوں ڈرتے ہو۔ موضح القرآن (تسہیل) اور ہم بتائے دیتے ہیں کہ یہ مدعیان نجات و فلاح اپنے ان اعمال کفریہ کے باعث جو یہ اپنے ہاتھوں آگے بھیج چکے ہیں کبھی بھی موت کی تمنا نہیں کریں گے اور اللہ تعالیٰ ان ظالموں کے حال کو خوب جانتا ہے۔ اور اے پیغمبر! یہ موت کی تمنا کیا کریں گے۔ آپ ان کو دوسرے عام لوگوں سے بھی زندگی کا زیادہ حریص پائیں گے اور اور لوگوں کا تو کہنا ہی کیا آپ ان کو مشرکین سے بھی حیات دنیویہ کا بڑھ کر حریص و آرزومند پائیں گے۔ ان کی حالت تو یہ ہے کہ ان میں سے ایک ایک شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کی عمر ہزار برس کی ہو جائے۔ اور فرض کرو اگر اتنی عمر ہو بھی جائے تب بھی اس قدر جینا اس کو عذاب سے تو کچھ بچا نہیں سکتا اور یہ جو کچھ کر رہے ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کے پیش نظر ہے۔ (تیسیر) قرآن نے جو پیشین گوئی فرمائی تھی وہ پوری ہوئی اور اس سے ہی معلوم ہو گیا کہ ان کو اپنے دعاوی اور اپنی باتوں پر خود ہی اطمینان نہیں ہے اور جو کچھ ظاہر کر رہے ہیں اس میں یہ جھوٹے ہیں۔ مرنے کی تمنا کیسی؟ ان کو تو جینے کی ہوس و حرص سب سے زیادہ ہے اور عجیب بات تو یہ ہے کہ ان مشرکین عرب سے بھی ان کو زیادہ جینے کی خواہش ہے جو عالم آخرت کے بالکل ہی منکر ہیں اور جو یوں کہتے ہیں ان ھی الا حیوتنا الدنیا نموت و نحیی وما نحن بمبعوثین۔ تو جن کے سامنے صرف دنیا ہی دنیا ہے اور آخرت کی زندگی پر اعتقاد ہی نہیں اور وہ یہ چاہتے ہیں کہ چونکہ صرف دنیا ہے اس لئے یہاں زیادہ سے زیادہ زندگی میسر ہو جائے۔ یہ یہودی باوجود اس کے کہ عالم آخرت پر یقین رکھتے ہیں اور وہاں کے عیش کو خالص اپنے لئے کہتے ہیں اور وہاں کی آسائش سے دوسروں کو محروم سمجھتے ہیں پھر بھی یہ ان مشرکین سے زیادہ زندہ رہنے کی حرص رکھتے ہیں اور ان میں سے ایک ایک اس خواہش میں مبتلا ہے کہ ہزار ہزار سال زندہ رہے۔ حالانکہ اگر اتنی بڑی عمر ہو بھی جائے تو اس قدر جینا عذاب سے نہیں بچا سکتا۔ خلاصہ یہ کہ اخروی مفاد و منافع کے استحقاق کا اعتقاد رکھتے ہوئے پھر درازیٔ عمر کی تمنا بس یہ دعویٰ ہی دعویٰ ہے ورنہ دل میں یہ بھی خوب سمجھتے ہیں کہ ان کی بداعمالیوں اور بداعتقادیوں کے باعث ان کا جو کچھ حشر ہونے والا ہے (تسہیل) وق

بقیہ صفحہ ۲۴

لیکن قرآن کا جہاں تک تعلق ہے اس سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ جادو کے دو طریقے رائج تھے۔ ایک وہ جو عہد سلیمانی میں شیطان سکھایا کرتے تھے۔ اور دوسرے وہ جو خاص حکمت و مصلحت کے ماتحت بابل میں دو فرشتوں کو دے کر بھیجا گیا تھا۔ وہ فرشتے بھی سحر کا علم سکھاتے تھے۔ لیکن جب کوئی ان کے پاس سیکھنے جاتا تو وہ پہلے اس کو یہ فہمائش کر دیا کرتے تھے کہ ہم بطور ایک آزمائش کے خدا کی طرف سے آئے ہیں۔ تو ایسا علم نہ سیکھ جس کی تاثیر پر اعتقاد رکھنا کفر ہے اور اس کے عمل کی بھی اکثر صورتیں کفر ہیں۔ اگر کوئی اصرار کرتا تو وہ اس کو سکھا دیتے اور لوگ عام طریقے سے وہ باتیں سیکھ لیتے جن سے بیوی اور اس کے شوہر کے مابین جھگڑا کرا دیں اور دونوں میں جدائی ڈلوا دیں۔ اگرچہ بدون مشیت الٰہی اور اس کے ارادے کے وہ جادوگر کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے اور جادو سیکھنے والے ان فرشتوں سے ایسی باتیں حاصل کیا کرتے تھے جو ان کو سراسر ضرر رساں ہوتی تھیں اور ان کے لئے کوئی خاص نافع نہ ہوتی تھیں۔ حضرت حق تعالیٰ نے علم سحر کا ذکر کرنے کے بعد پھر یہود کو تنبیہ فرمائی اور یہ فرمایا کہ یہ لوگ بھی اس کی خرابیوں کو جانتے ہیں اور ان کو یہ بات معلوم ہے کہ جو شخص اس کام کو اختیار کرتا ہے آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہے اور چونکہ یہ اپنے علم پر عمل نہیں کرتے اس لئے ان کا جاننا نہ جاننے کے برابر ہے۔ اس لئے آخر میں فرمایا لو کانوا یعلمون جیسا کہ ہم نے ترجمے کے خلاصہ میں عرض کیا ہے۔ جن روایات کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے۔ ان کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام کے زمانے میں جب بنی آدم کے گناہ بکثرت آسمان پر چڑھنے لگے تو بعض فرشتوں نے اس پر قیل و قال شروع کی اور بنی آدم کا ذکر نفرت و حقارت سے کرنے لگے۔ اس پر حق تعالیٰ نے ان کو خطاب فرمایا کہ چونکہ بنی آدم میں قوت غضب اور قوت شہوت وغیرہ ودیعت کی گئی ہے اس لئے ان سے گناہ سرزد ہوتے ہیں۔ اگر تم میں بھی اس قسم کی قوتیں رکھ دی جائیں اور تم کو زمین پر بھیج دیا جائے تو تم بھی اس قسم کے معاصی میں مبتلا ہو جاؤ۔ فرشتوں نے عرض کیا اے پروردگار ہم تو تیری نافرمانی کسی طرح نہیں کر سکتے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا اچھا تم اپنے میں سے دو فرشتوں کو منتخب کر دو کہ میں ان مذکورہ خواہشات سے متصف کر کے ان کو زمین میں بھیجوں۔ چنانچہ فرشتوں نے ہاروت اور ماروت کو اپنے میں سے منتخب کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو قوائے نفسانیہ سے متصف فرما کر بابل میں بھیج دیا۔ اور ارشاد فرمایا کہ تم انسانوں کو زنا اور شراب اور قتل وغیرہ معاصی سے روکو اور لوگوں میں جو جھگڑا ہو اس کا فیصلہ کیا کرو اور شام کے وقت اس اسم اعظم کو پڑھ کر آسمان پر آ جایا کرو اور صبح کو پھر زمین پر چلے جایا کرو۔ جب انہوں نے یہ کام شروع کیا تو بابل کے اطراف میں ان کی بڑی شہرت ہو گئی کہ دو شخص بابل میں ایسے آئے ہیں جو نہایت انصاف کے ساتھ بلا رو رعایت لوگوں کے درمیان فیصلہ کرتے ہیں اور کسی سے رشوت وغیرہ نہیں لیتے۔ چنانچہ اہل مقدمات فصل خصومات کی غرض سے ان کے پاس آنے لگے۔ ایک دن اسی فصل خصومات کے سلسلے میں ایک عورت بھی ان کے پاس آئی جو بہت خوبصورت تھی۔ اور اپنے زمانے کی عورتوں میں سب سے زیادہ حسین تھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ وہ عورت فارس کی تھی۔ اور اس کا نام بے رخت تھا۔ وہ بہت عمدہ لباس پہن کر آئی اور اپنے خاوند کے خلاف اس نے اپنے حق کا مطالبہ کیا اور دراصل میں اس کو اسم اعظم کا شوق تھا۔ اور وہ اسی کی تلاش میں آئی تھی۔ چنانچہ ہاروت اور ماروت اس حسینہ کو دیکھ اس پر فریفتہ ہو گئے اور اس سے برے کام کی خواہش ظاہر کی۔ اس نے جواب دیا کہ تم اور مذہب پر ہو، میں اور مذہب پر ہوں۔ پھر میرا خاوند بڑا غیرت دار آدمی ہے۔ اس کو معلوم ہوگا تو وہ مجھے قتل کر ڈالے گا۔ تم پہلے میرے بت کو سجدہ کرو۔ پھر میرے خاوند کو قتل کرو۔ اس کے بعد تمہاری بات پوری ہو سکتی ہے ان دونوں نے کہا معاذ اللہ شرک اور قتل یہ ہم سے کس طرح ہو سکتا ہے۔ یہ سن کر وہ عورت چلی گئی۔ لیکن ان دونوں پر اس کے عشق کا غلبہ ہو گیا۔ اور جب یہ اس کی محبت میں پریشان ہو گئے تو انہوں نے اس کو پیغام بھیجا کہ ہم دونوں تیرے ہاں مہمان ہونا چاہتے ہیں۔ اس نے بخوشی منظوری دے دی جب یہ اس کے ہاں پہنچے تو اس نے اپنے مکان کو خوب آراستہ کیا اور خود بھی خوب بنی سنوری اور دسترخوان کو پرتکلف کھانوں سے سجایا اور دستور کے موافق شراب بھی دسترخوان پر رکھی۔ جب یہ وہاں پہنچے تو اس نے ان سے باتیں شروع کیں۔ اور اس نے کہا تم اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکتے ہو بشرطیکہ چار باتوں میں سے کسی ایک بات کو منظور کر دیا تو میرے صنم کو سجدہ کرو یا میرے خاوند کو قتل کر دیا مجھے وہ اسم اعظم بتاؤ جس کو پڑھ کر تم آسمان پر چڑھ جاتے ہو یا شراب کا ایک جام پی لو۔ یہ سن کر ان دونوں نے مشورہ کیا اور دوسرے گناہوں کو سخت سمجھ کر شراب پر رضامند ہو گئے۔ چنانچہ شراب کا ایک جام پی لیا۔ شراب کا نشہ ہونا تھا کہ اس کو اسم اعظم بھی بتا دیا اور اس کے بت کو بھی سجدہ کر لیا اور اس کے خاوند کو قتل بھی کر دیا۔ بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ وہ عورت اسم اعظم پڑھ کر آسمان پر اڑ گئی اور اللہ تعالیٰ نے اس کی روح زہرہ نامی ستارے سے ملا دی۔ جب ان فرشتوں کا نشہ اترا تو ان کو اسم اعظم یاد نہ رہا تھا۔ اب یہ بہت پچھتائے اور بہت نادم ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے حالات سے فرشتوں کو آگاہ کیا۔ اور یہ فرمایا کہ یہ فرشتے جو عالم شہود کے رہنے والے تھے۔ جب قوائے

نفسانیہ پر قابو نہ پاسکے اور ہر قسم کے معاصی میں مبتلا ہو گئے تو بنی آدم نے تو اس عالم کو دیکھا بھی نہیں اور ان کو تو شہود نصیب بھی نہیں ہوا اگر وہ معاصی میں مبتلا ہوئے تو ان پر تم کیوں ناراض ہوتے ہو اور کیوں ان پر نفرت کرتے ہو۔ ملائکہ نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور اہل زمین کے لئے استغفار شروع کر دی۔ ان دونوں فرشتوں کو جب توبہ کی کوئی شکل سمجھ میں نہیں آئی تو حضرت ادریس علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے درخواست کی کہ آپ ہمارے لئے دعا فرمایئے تاکہ ہماری توبہ قبول ہو سکے۔ حضرت ادریس نے فرمایا۔ میں جمعہ کے روز تمہارے لئے دعا کروں گا۔ چنانچہ جمعہ کے روز حضرت ادریس علیہ السلام نے فرمایا۔ میں نے تمہارے لئے دعا کی تھی مگر آج قبول نہیں ہوئی آئندہ جمعہ تک انتظار کرو۔ جب دوسرا جمعہ ہوا تو حضرت ادریس علیہ السلام نے کہا۔ حق تعالیٰ تم کو اختیار دیتا ہے چاہے آخرت کا عذاب اختیار کر لو چاہے دنیا کا عذاب قبول کر لو۔ چنانچہ فرشتوں نے دنیا کے عذاب کو ہلکا سمجھ کر اُسے اختیار کر لیا اور اب وہ زنجیروں میں جکڑے ہوئے ایک آتشین کنوئیں میں اُلٹے لٹکے ہوئے ہیں اور ہر روز فرشتے ان کو باری باری آکر کوڑے لگاتے ہیں اور پیاس کے مارے ان کی زبانیں لٹکی ہوئی ہیں۔ یہ وہ روایت ہے جس کو بیہقی اور مسند امام احمد نے نقل کیا ہے۔ روایت کی صحت و عدم صحت سے ہمیں بحث کرنی مقصود نہیں ہے جس قدر مفہوم قرآن عزیز کی آیت سے ظاہر ہوتا تھا وہ ہم نے عرض کر دیا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہاروت و ماروت فرشتے نہ ہوں بلکہ انسانوں میں سے دو آدمیوں کا نام ہو۔ اور ان کے زہد و اتقا کی وجہ سے ان کو فرشتہ فرمایا ہو اور ان پر علم سحر کی حقیقت و کیفیت الہام فرمادی گئی ہو اور اس وقت کے لوگ جو عام طور پر سحر اور جادو ٹونے کے شغل میں مبتلا تھے حتیٰ کہ انبیاء علیہ السلام کے معجزات کو بھی جادو سمجھتے تھے۔ اس کو صاف کرنے کی غرض سے دو شخصوں کو اس کام کے لئے مقرر کیا ہو تاکہ وہ سحر اور معجزے کی حقیقت سے لوگوں کو آگاہ کر دیں اور یا وہ فرشتے ہی ہوں ان کو یہ کام سپرد کیا گیا ہو اور انبیاء علیہم السلام کے تقدس اور برتری کو مد نظر رکھتے ہوئے ان سے یہ کام لینا مناسب نہ ہو اس لئے فرشتوں کے ذریعہ اس کی تفصیلات سے آگاہ فرمایا ہو۔ چنانچہ فرشتوں کا یہ کہنا کہ انما نحن فتنۃ فلا تکفر اس سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مقصد خاص تھا کہ لوگوں کو سحر کی تعلیم و تفصیل کے ساتھ اس کی خرابی اور اس کے نقصانات سے بھی آگاہ کر دیں۔ اور یہ بتا دیں کہ ہم لوگوں کے لئے ایک امتحان ہیں۔ خدا تعالیٰ ایک بُری چیز کی برائی کو ظاہر کر کے یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ کون اس کو سمجھ کر اور سیکھ کر اس سے بچتا ہے اور کون مبتلا ہوتا ہے۔ اس تقریر سے وہ فرق بھی سمجھ میں آگیا ہوگا جو شیاطین اور ہاروت و ماروت کے طریقۂ تعلیم میں تھا۔ شیاطین تو تعلیم بھی دیتے تھے اور اس پر عمل کرنے کی ترغیب بھی دیتے تھے۔ اور فرشتے ایک شے کی حقیقت سے تو آگاہ کرتے تھے مگر اس سے بچنے اور پرہیز کرنے کی ترغیب دیتے تھے۔ اس کی بالکل ایسی مثال ہے کہ کوئی شخص ایک کافر سے فلسفہ اور علوم عقلیہ حاصل کرے اور وہ کافر استاد اس طالب علم کو اس طرح تعلیم دے کہ خود اس کو کافر بنا دے اور گمراہ کر دے اور ایک یہی علوم عقلیہ کسی دین دار عالم سے پڑھے کہ اس کو فلسفہ کا علم بھی حاصل ہو جائے اور وہ نصرت حق کی حمایت اور باطل کے رد میں اس

کو استعمال کرے اور وہ اس علم سے کسی کو گمراہ نہ کرے اور یہ استاد پڑھاتے وقت اس طالب علم سے یہ عہد بھی لے لے کہ دیکھو یہ علم بڑا خطرناک ہے کسی ملحد اور بے دین سے مقابلہ ہو جائے تو ضرورت کے طور پر بس اس کو استعمال کر لینا اور یہ نہ کرنا کہ دین حق کی مخالفت میں اس کو استعمال کرو۔ یہی وہ فرق ہے جو شیاطین کے اور فرشتوں کے سحر سکھانے اور سحر کی تعلیم دینے میں تھا۔ ایسا جادو جس میں خبیث ارواح یا کواکب سے استعانت حاصل کی جائے یا الفاظ کفریہ کا استعمال کیا جائے یا غیر اللہ کی عبادت اور شیاطین سے امداد طلب کی جائے۔ خواہ اس سے کسی کو نقصان پہنچایا جائے یا نفع پہنچایا جائے تو یہ حرام و کفر ہے۔ اور اگر کفریہ الفاظ نہ ہوں اور ان سے بغیر شرعی اجازت کے کسی کو نقصان پہنچایا جائے یا ہلاک کیا جائے یا کوئی ناجائز غرض حاصل کی جائے تو یہ فسق ہے اور اگر ایسے کلمات ہوں کہ جن کا مفہوم اور ان کے معنی سمجھ میں نہ آتے ہوں تو اس کے استعمال سے بچنا واجب ہے باقی کسی جائز عمل سے ارواح طیبہ یا ملائکہ کو متوجہ کرنا یا کسی مریض کے گلے میں لکھ کر ڈال دینا یا پانی میں گھول کر پلانا یا پھونک کر دم کر دینا یہ سب امور مباح ہیں۔ باقی سحر کے اقسام اور تفصیلات معلوم کرنے کے لئے تفسیر عزیزی کو ملاحظہ کیا جائے۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ قرآن کا مفہوم ہاروت و ماروت اور زہرہ کے اس قصے پر موقوف نہیں ہے جس کو ہم نے نقل کیا ہے۔ اگر اس روایت کو صحیح نہ مانا جائے جیسا کہ ابن کثیر نے کہا ہے تب بھی قرآن کا مطلب اور مفہوم اپنی جگہ قائم ہے۔ سحر کے اثرات بھی دوسری مہلک یا غیر مہلک اشیاء کے اثرات کی طرح حضرت حق تعالیٰ کے حکم اور ان کی مشیت پر موقوف ہیں۔ بالذات کوئی چیز نہیں ہیں اور یہ بات بھی نہیں ہے کہ سحر کا اثر صرف تفریق زوجین کے لئے ہوتا ہے جیسا کہ بعض نے سمجھا ہے۔ بلکہ اس کے اثرات بہت وسیع ہیں جیسا کہ روزمرہ کے حالات اس پر شاہد ہیں۔ (تسہیل ہو) اور اگر یہ یہودی ایمان لے آتے اور تقویٰ کی روش اختیار کرتے اور اس قسم کی حرکات شنیعہ اور بداعمالیاں ترک کر دیتے تو خدا تعالیٰ کے ہاں ان کا معاوضہ اور بدلہ ان باتوں سے بدرجہا بہتر ہوتا جن میں وہ مبتلا ہیں۔ کاش ان کو اتنی سمجھ ہوتی (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ یہودی جو دنیا کے لالچ اور پیغمبر آخر الزماں کی عداوت میں ہر قسم کی بداعمالی کا ارتکاب کرتے پھرتے ہیں۔ اگر خدا کے آخری نبی پر ایمان لے آتے اور ان بداعمالیوں سے پرہیز کرتے تو اللہ کے ہاں جو کچھ اس کا معاوضہ ملتا وہ اس فائدہ سے کہیں زیادہ ہوتا جس کو وہ سحر اور کفر کے ذریعہ حاصل کرتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی یہود نے اپنے دین اور کتاب کا علم چھوڑ دیا اور لگے تلاش میں اعمال سحر کے اور سحر لوگوں میں دو طرف سے آیا۔ ایک حضرت سلیمان کے عہد میں آدمی اور شیطان ملے رہتے تھے۔ ان شیطانوں سے سیکھا اور یہود اس کو نسبت کرتے تھے حضرت سلیمان کی طرف کہ ہم کو ان ہی سے پہنچا ہے اور جن و انس پر ان کی حکومت اسی جادو کے زور سے تھی۔ سو اللہ تعالیٰ نے بیان کر دیا کہ یہ کام کفر کا ہے سلیمان کا کام نہیں۔ اس کے عہد میں شیطانوں نے سکھایا ہے اور دوسرے ہاروت و ماروت کی طرف سے وہ شہر بابل میں دو فرشتے تھے جو بصورت آدمی رہتے تھے۔ ان کو علم سحر معلوم تھا۔ جو کوئی طالب اس کا جاتا اول کہہ دیتے کہ اس میں ایمان جاتا رہے گا۔ پھر اگر وہ چاہتا تو سکھا دیتے۔ اللہ تعالیٰ کو آزمائش منظور تھی۔ سو اللہ تعالیٰ

نے فرمایا کہ ایسے عملوں سے آخرت کا کچھ فائدہ نہیں بلکہ نقصان ہے اور دنیا میں بھی ضرر پاتے ہیں اور بغیر حکم خدا کے کچھ کر نہیں سکتے اور علم دین اور علم کتاب سیکھتے تو اللہ کے ہاں ثواب پاتے۔ موضح القرآن .... یہود کی عام حالت یہ تھی کہ وہ کوئی نہ کوئی شرارت کرتے ہی رہتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں انہوں نے ایک اور شرارت شروع کی۔ مجلس میں شریک ہونے والوں کا قاعدہ تھا کہ جب کوئی بات سمجھ میں نہ آتی تھی تو کہا کرتے تھے اس کو پھر فرما دیجئے یا ہماری رعایت کیجئے یا ہمارا انتظار کیجئے یا ہماری طرف بھی ملاحظہ فرمایئے۔ بہرحال اس قسم کے جملے بولا کرتے تھے یہودی تو ذو معنی الفاظ بولنے کے عادی ہی تھے۔ انہوں نے اپنی زبان میں سے گالی اور برائی کا ایک کلمہ ایسا نکالا کہ عبرانی میں تو اس کے معنی گالی تھے اور عربی میں اس کے معنی رعایت کرنے اور لحاظ رکھنے کے تھے۔ وہ لفظ تھا رَاعِنَا۔ اس لفظ کو یہ حضور کی مجلس میں تقریر کے دوران میں بولتے۔ مسلمان سمجھتے کہ یہ بھی ہماری طرح حضور کو اپنی طرف مخاطب کرنے کی غرض سے بولتے ہیں تاکہ سرکار تقریر میں ان کا بھی لحاظ رکھیں۔ اس لئے مسلمان بھی رَاعِنَا کہنے لگے۔ آگے کی آیت میں اس کا رد فرماتے ہیں اور مسلمانوں کو دوسرا لفظ تعلیم فرماتے ہیں (تسہیل) اے ایمان لانے والو! تم پیغمبر کو مخاطب کرتے وقت رَاعِنَا نہ کہا کرو بلکہ اگر نبی کو اپنی جانب متوجہ کرنا ہو تو انظرنا کہا کرو اور یہ بات سن لو اور یاد رکھو اور ان کافروں کے لئے جو نبی کی شان میں گستاخی اور بے ادبی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ بڑا الم انگیز عذاب ہے (تیسیر) حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ یہود پیغمبر کی مجلس میں بیٹھتے اور حضرت کلام فرماتے۔ بعضی بات جو نہ سنی ہوتی چاہتے کہ پھر تحقیق کریں تو کہتے رَاعِنَا یعنی ہماری طرف بھی متوجہ ہو۔ ان سے مسلمان بھی سیکھ کر کسی وقت یہ لفظ کہتے۔ اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا کہ یہ لفظ نہ کہو اگر کہنا ہو تو انظرنا کہو اس کے بھی معنی یہی ہیں اور آگے سے سنتے رہو کہ پوچھنا ہی نہ پڑے۔ یہود کو اس لفظ کے کہنے میں دغا تھی۔ اس کو زبان دبا کر کہتے تو راعینا ہو جاتا یعنی ہمارا چرواہا اور ان کی زبان میں رَاعِنَا احمق کو بھی کہتے ہیں۔ موضح القرآن۔ واسمعوا کی جو توجیہ حضرت شاہ صاحبؒ نے بیان فرمائی ہے وہ بھی محض بعض مفسرین کا قول ہے واللہ اعلم۔ آگے یہود کی ایک اور پوشیدہ بات کو ظاہر کرتے ہیں اور وہ بات ایسی ہے کہ اس میں مشرک بھی ان کے ہم نوا تھے۔ ظاہر میں تو جب کبھی مسلمانوں سے ملتے تو یہی کہتے کہ ہماری یہ آرزو ہے کہ تم پر کوئی ایسی بھلی بات نازل ہو جو ہمارے دین سے بھی بھلی ہو اور ہم بھی تمہارا دین اختیار کر لیں مگر کیا کریں تمہارے دین میں کوئی بات ہمارے دین سے بہتر اور اچھی ہے ہی نہیں اس لئے ہم تمہارے دین کو قبول نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس دروغ بیانی کا رد فرماتے ہیں (تسہیل)

بقیہ صفحہ ۲۵

اٹھا لینا بھی مصالح خداوندی اور بندوں کے حالات کے اعتبار سے ہے۔ آیت کے ایک حصہ میں نسخ اور اس کی صورت کا اعلان ہے اور آیت کے باقی ٹکڑے بطور دلائل کے ہیں یعنی معترض کو بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر شے پر قدرت رکھتا ہے۔ ایک حکم کی جگہ دوسرے حکم کو جاری کرنے پر پورا قادر ہے۔ پھر اس دعویٰ کی دلیل ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کی تمام سلطنت اسی کی ہے۔ اس کو کسی کا خوف نہیں۔ پھر تمہارا

سرپرست وحامی اور تمہارا مددگار ہے۔ جو حکم دیتا ہے اس میں تمہاری مصلحت کی رعایت ہوتی ہے۔ سبحان اللہ الفاظ کی کیا خوب ترتیب وتشکیل ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ قدیر پر حاشیہ کہتے ہیں۔ یہ بھی یہود کا ایک طعن تھا کہ تمہاری کتاب میں بعض آیت منسوخ ہوتی ہے۔ اگر اللہ کی طرف سے تھی تو پھر کیا عیب دیکھا کہ موقوف کی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عیب نہ پہلی میں تھا نہ پچھلی میں۔ پر حاکم ہر وقت جو چاہے سو حکم کرے۔ موضح القرآن۔ آگے کی آیت میں مسلمانوں کو خطاب فرماتے ہیں اور اہل کتاب کی دشمنی سے آگاہ کرتے ہیں اور وقت کے مناسب مسلمانوں کو عمل کرنے کا طریقہ بتلاتے ہیں اور بعض مسلمان جو کبھی کبھی غیر ضروری سوال کر لیا کرتے تھے اس سے منع فرماتے ہیں (تسہیل) کیا مسلمانو! تم یہ چاہتے ہو کہ اپنے رسول سے ایسے غیر ضروری اور بے موقع سوالات کرو جس طرح اس سے پہلے حضرت موسیٰؑ سے سوالات کئے جا چکے ہیں اور جو شخص ایمان کے بدلے کفر کو اختیار کرے تو یقین جانو وہ شخص سیدھی اور صحیح راہ سے بھٹک گیا اور دور جا پڑا۔ تیسیر۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہودی بہت بے ہودہ اور بے جا سوال کیا کرتے تھے۔ مسلمانوں کو اس غلط روی سے باز رہنے کی ہدایت اس آیت میں فرمائی ہے اور ہدایت کا ایک بہترین پیرایہ اختیار کیا ہے ایمان کے بدلے کفر کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان ہو کر کفر کی باتیں کرے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ یعنی یہود کے بہکانے سے تم اپنے نبی کے پاس شبہے نہ لاؤ۔ جیسے وہ اپنے نبی کے پاس لاتے تھے۔ شبہے نکالنے گویا یقین چھوڑ کر انکار پکڑنا ہے۔ موضح القرآن۔ یہ ممکن ہے جس طرح یہود کافروں کو ابھارا کرتے تھے کبھی کبھی مسلمانوں سے بھی کہتے ہوں کہ تم اپنے نبی سے یہ بات پوچھو یا فلاں سوال کرو۔ اس لئے مسلمانوں کو تنبیہ فرمائی ہو کہ تم ایسا نہ کرنا۔ بعض لوگوں نے ام تریدون سے یہود کو خطاب مراد لیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس آیت میں یہود مراد ہوں۔ اس صورت میں مطلب اس طرح ہوگا۔ اے یہودیو! کیا تم اپنے اس پیغمبر سے بھی اس قسم کے سوالات کرنا چاہتے ہو۔ جس طرح تمہارے بڑے اس رسول کی تشریف آوری سے قبل حضرت موسیٰ علیہ السلام سے سوال کر چکے ہیں۔ ان سوالات کی تفصیل چھٹے پارے میں مذکور ہے۔ (تسہیل)

بقیہ صفحہ ۲۶

شخص یا خاص فرقہ کی میراث نہیں ہے کہ اس کو ملے دوسرے کو نہ ملے (تسہیل، ق)۔ اور یہود نے کہا نصاریٰ کسی قابل اعتبار شے پر نہیں اور نصاریٰ نے کہا یہود کسی قابل اعتبار شئی پر نہیں حالانکہ یہ لوگ توریت وانجیل کی تلاوت بھی کرتے ہیں اور ان دونوں کی دیکھا دیکھی عرب کے بے پڑھے لکھے جاہل بھی ان ہی کی سی بات کہنے لگے کہ یہود و نصاریٰ کسی شے پر نہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ ان سب لوگوں کے مابین ان امور کا فیصلہ کر دے گا۔ جن امور میں یہ اختلاف کیا کرتے ہیں (تیسیر) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتے ہیں کہ جب نجران کے نصاریٰ کا وفد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو یہود کے علماء بھی آ گئے۔ اتفاقاً دونوں میں گفتگو ہونے لگی گفتگو نے مناظرے کی شکل اختیار کر لی۔ رافع بن حرملہ یہودی نے کہا تم کسی دین پر نہیں۔ یعنی تمہارا دین کچھ نہیں۔ اس پر عیسائیوں نے یہود کو کہا کہ تم کسی دین پر نہیں۔ یعنی تمہارا مذہب کچھ نہیں شے سے مراد بنیاد یا دین ہے اور مطلب یہ ہے کہ ایک نے دوسرے کے دین کی تحقیر کی اور ہیچ بتایا۔ حالانکہ یہ اپنی اپنی کتابوں میں ایک دوسرے کی تصدیق دیکھتے اور پڑھتے ہیں۔ پھر بھی ایک دوسرے کی تکفیر کرتے ہیں۔ لا یعلمون سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک عرب کے مشرک ہیں۔ چونکہ یہ لوگ عام طور سے امی اور بے پڑھے لکھے تھے اس لئے ان کو لا یعلمون سے تعبیر فرمایا انہوں نے بھی یہود ونصاریٰ کے مذہب کو برا کہنا شروع کر دیا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان مشرکین عرب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ الفاظ کہے ہوں کہ یہ پیغمبر بھی کسی دین پر نہیں۔ بہرحال اس واقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی اور یہ جو فرمایا کہ قیامت میں فیصلہ کر دے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حقیقی اور عملی فیصلہ اس دن ہوگا۔ اگرچہ دلائل اور براہین کے اعتبار سے حق اور باطل یہاں بھی فیصل شدہ ہے۔ لیکن اس دن اہل باطل کو عذاب میں بھیج دیا جائے گا۔ اور اہل حق اجر کے مستحق ہوں گے۔ اس لئے وہاں کا فیصلہ حقیقی فیصلہ ہوگا۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں جن کے پاس علم نہیں وہ عرب کے لوگ تھے کہتے کہ حضرت ابراہیمؑ کا دین رکھتے تھے۔ پھر آخر بہک کر بت پوجنے لگے۔ ایسے شخص کو مشرک کہتے۔ وہ اپنی ہی راہ حق بتاتے تھے۔ موضح یعنی یہود و نصاریٰ کی لڑائی سے ان کو بھی جوش آتا تو انہوں نے سب ہی کو بے دین قرار دیدیا اور اپنے ہی مذہب کو حق کہنے لگے (تسہیل)۔

بقیہ صفحہ ۲۷

فرماتا ہے کہ یہ بھی لائق نہیں کہ اس ملک میں حاکم رہیں۔ آخر اللہ تعالیٰ نے وہ ملک شام مسلمانوں کے ہاتھ لگایا۔ موضح القرآن معلوم ایسا ہوتا ہے کہ شاہ صاحبؒ نے دوسرا قول اختیار کیا ہے آگے آیت میں بھی یہی تفصیل ملحوظ خاطر رہے (تسہیل، ق) اور مشرق ومغرب دونوں اللہ ہی کی مملوک ہیں۔ لہٰذا تم جہاں سے بھی اس کی جانب اپنا رخ کرو گے اور اس کی جانب متوجہ ہو گے ادھر ہی اللہ تعالیٰ کا رخ اور اس کی ذات اور اس کی توجہ موجود ہوگی۔ یقین جانو! کہ اللہ تعالیٰ بڑا صاحب وسعت اور فراخ حوصلہ اور کمال علم کا مالک ہے۔ (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ مشرکین عرب جو مسلمانوں کو مسجد حرام سے روکتے ہیں اور مسلمانوں کو مسجد حرام میں نماز پڑھنے نہیں دیتے اور مسلمانوں کو اس سے رنج ہوتا ہے اور وہ مکانوں یا جنگلوں میں جا کر نماز ادا کرتے ہیں تو ان کو اس آیت میں تسلی دی ہے کہ یہ گھبرانے کی بات نہیں اللہ تعالیٰ تو مشرق ومغرب یعنی تمام روئے زمین کا مالک ہے وہ کسی خاص مکان کے ساتھ مختص نہیں ہے۔ بلکہ تم کو جہاں بھی موقعہ ملے اور تم جس جگہ سے بھی اللہ تعالیٰ کا رخ کرو گے اور اس کی جانب متوجہ ہو گے وہیں اس کی توجہ کو موجود پاؤ گے۔ اس کا علم اور اس کی وسعت رحمت سے کائنات کا کوئی گوشہ خالی نہیں ہے۔ بعض مفسرین نے اس آیت کو تحویل قبلہ کے سلسلے کی ایک کڑی بتایا ہے اور اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ جب مسلمانوں کو بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا یا بیت المقدس سے کعبہ کی طرف نماز پڑھنے کا حکم ملا تب یہود نے اعتراض کیا کہ مسلمانوں نے ایک جہت چھوڑ کر دوسری جہت کیوں اختیار کی۔ اس پر فرمایا کہ تمام جہات کے ہم ہی مالک ہیں۔ ہم ہر طرف موجود ہیں بلکہ تمام کائنات پر ہم محیط اور چھائے ہوئے ہیں۔ ہمیں اختیار ہے کہ خواہ کوئی جہت مقرر کر دیں۔ کسی جہت کی پرستش تو مقصود ہے ہی نہیں اصل پرستش تو ہماری ہے۔ قبلہ خواہ کعبہ ہو یا بیت المقدس ہو وہ تو محض تنظیم کی غرض سے ہے تاکہ عبادت کے وقت سب مسلمانوں کا رخ ایک طرف ہو اور عبادت میں یک جہتی کا مظاہرہ ہو یہ نہ ہو کہ ایک مسلمان مشرق کی طرف سجدہ کر رہا ہو اور دوسرا مغرب کی طرف کر رہا ہو اور خدا کی عبادت میں بھی انتشار اور تفریق ہو یہ بات جماعتی زندگی پر بری طرح اثر انداز ہوتی ہے۔ اس لئے ایک جہت کا تقرر کیا گیا ہے۔ رہا یہ امر کہ کعبہ چھوڑ کر بیت المقدس کی جہت کیوں اختیار کی یا بیت المقدس چھوڑ کر پھر کعبہ کو اختیار کیوں کیا سو اس کی مصلحت کو ہم ہی خوب جانتے ہیں اور چونکہ ہم ہی کمال علم کے مالک اور کامل العلم ہیں اس لئے ہمارا کوئی حکم حکمت اور مصلحت سے خالی نہیں ہوتا۔ بہرحال کسی جہت کا تقرر اور اس کا تعین قومی نقطۂ نگاہ اور مسلمانوں کی مرکزیت کے لحاظ سے ضروری ہے۔ ورنہ نہ کعبہ کی پرستش مقصود ہے اور نہ بیت المقدس کی بعض حضرات نے یہود و نصاریٰ کے باہمی جھگڑے سے اس آیت کا تعلق بیان کیا ہے یہ بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ یہ بھی یہود اور نصاریٰ کا جھگڑا تھا کہ ہر کوئی اپنے قبلہ کو بہتر بتاتا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ مخصوص ایک طرف نہیں۔ اس کے حکم سے جس طرف منہ کرو وہ متوجہ ہے۔ موضح القرآن (تسہیل، ق) اور لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اولاد رکھتا ہے۔ میں اس کی ہر عیب سے پاکی بیان کرتا ہوں۔ اس کو صاحب اولاد کہنا کس قدر لغو اور مہمل بات ہے بلکہ جو مخلوق بھی آسمانوں میں اور زمین میں ہے وہ سب اس کی مملوک ہے اور مملوک ہونے کے ساتھ سب اس کے محکوم اور مطیع ومنقاد ہیں کہ اس کا ہر حکم ان پر جاری اور نافذ ہو کر رہتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ آسمان وزمین کا موجد ہے اور اس کی شان یہ ہے کہ جب وہ کسی کام کو پورا کرنا چاہتا ہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ بس اس کو کہہ دیتا ہے۔ ہو جا! سو وہ ہو جاتا ہے (تیسیر) یہود حضرت عزیرؑ کو اور نصاریٰ حضرت مسیحؑ کو ابن اللہ کہا کرتے تھے اور کبھی اپنے آپ کو بھی خدا کا بیٹا کہہ دیا کرتے تھے۔ نحن ابناء اللہ واحباءہ یعنی ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں۔ مشرکین عرب بھی ان کی دیکھا دیکھی فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہنے لگے اور چونکہ فرشتے نظر نہ آتے تھے اور ان کا ذکر آتا تھا تو ان بدبختوں نے یہ طعنہ دیا کہ بھلا فرشتے ہمارے سامنے کیسے آ سکتے ہیں۔ وہ تو اللہ کی بیٹیاں ہیں اس لئے پردے میں رہتی ہیں۔ غرض اس آیت میں ان سب کی بات نقل کر کے پہلے تعجب فرماتے ہیں۔ پھر اس دعویٰ کا رد کرتے ہیں۔ سبحانہ ایسا ہی ہے جیسے ہم اردو میں تعجب کے موقعہ پر کہا کرتے ہیں سبحان اللہ کیا خوب بات ہے۔ بیہقی نے حضرت طلحہ بن عبید اللہ سے روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا یا رسول اللہ سبحان اللہ کا کیا مطلب ہے۔ حضور نے ارشاد فرمایا۔ تنزیه الله من کل سوء ہر عیب سے اللہ تعالیٰ کی پاکی اور برات کرنا حضرت عبد اللہ بن عباس سے کسی نے دریافت کیا جناب ہم لا الہ الا اللہ۔ الحمد للہ۔ اللہ اکبر کا مطلب تو جانتے ہیں لیکن یہ سبحان اللہ کیا ہے حضرت عبد اللہ بن عباس نے جواب دیا اس کلمہ کا کون انکار کر سکتا ہے یہ تو ایسا کلمہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے پسند فرمایا ہے اور فرشتوں کو اس کے کہنے کا حکم دیا ہے اور اس کی مخلوق میں سے بہترین انسان اس کلمہ کے کہنے کے لئے مضطرب اور بے چین رہتے ہیں۔ ابن ابی حاتم نے حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سبحان اللہ اسم لا یستطیع الناس ان ینتحلوه۔ یعنی یہ ایک ایسا نام اور کلمہ ہے جس کو لوگ اپنے لئے نہیں استعمال کر سکتے کیونکہ ہر قسم کے عیوب اور کمزوری سے سوائے اللہ تعالیٰ کے کون منزہ ہو سکتا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ اہل کتاب میں سے بعض بے وقوفوں نے یہ خیال کر کے کہ اللہ تعالیٰ کا لاولد ہونا اس کے لئے عیب

ہے۔ یہ عقیدہ گھڑا ہوا جیسا کہ قاضی بیضاوی نے فرمایا کہ سابقہ ارباب شرائع اللہ تعالیٰ پر باپ کا اطلاق کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ ہمارا باپ تو چھوٹا باپ ہے اور اللہ تعالیٰ بڑا باپ ہے کیونکہ سب کی پرورش کرتا ہے۔ ابتداً محض تعظیم و ادب کے لئے استعمال کیا گیا پھر بتدریج اس کی طرف گمراہوں نے اولاد کی نسبت کردی ہو۔ بہرحال بات کہیں سے آئی مگر گمراہی کا عقیدہ بن گئی۔ حضرت حق تعالیٰ اس عقیدہ کا رد فرماتے ہیں کہ جو چیز تمہارے لئے قابل فخر ہے وہ اللہ تعالیٰ کے لئے عیب ہے۔ تم اس کو اپنے اوپر قیاس نہ کرو۔ بیٹا باپ کا جز ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ تبعیض و تجزی سے پاک ہے۔ باپ بیٹے کا محتاج ہوتا ہے۔ بیماری میں بڑھاپے میں اس کو اولاد کی احتیاج ہوتی ہے۔ مرنے کے بعد وارث کی اور کام کو سنبھالنے والے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ غنی اور بے نیاز ہے۔ بیٹا باپ کا مددگار ہوتا ہے اُسے کسی معین و مددگار کی ضرورت نہیں۔ باپ کوئی کام کرتا ہے تو بیٹا اس کا ہاتھ بٹاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین بغیر کسی مادے اور بغیر کسی مشین اور آلے کے اور بغیر کسی ہاتھ بٹانے والے کے اور بغیر کسی نمونہ کو دیکھنے کے خود ہی ایجاد کئے اور بنا کھڑے کئے اور وہاں تو ہر کام کی یہی حالت ہے کہ بس کن کہنے کی دیر ہے۔ ارادے کا تعلق اس شے سے ہوا اور وہ ظاہر ہوئی۔ پھر بیٹا باپ کا ہمسر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہمسر سے پاک ہے۔ غرض وہ جب ہر قسم کی احتیاج اور تغیرات اور ہر قسم کے ہمسر اور شریک سے بالاتر ہے تو اس کے لئے اولاد کا ثابت ہونا اور اس پاک ذات کی طرف اولاد کی نسبت کرنا اس کی سخت توہین ہے۔ ایک حدیث قدسی میں شتمنی اور کذبنی کے الفاظ آئے ہیں۔ یعنی ابن آدم مجھ کو گالی دیتا ہے اور میری تکذیب کرتا ہے جبکہ وہ یہ کہتا ہے کہ میری کوئی اولاد ہے حالانکہ نہ میرا کوئی ہمسر اور نہ میں کسی سے پیدا ہوا۔ یعنی مجھ کو کسی نے جنا نہیں تو جب مجھ کو کسی نے جنا ہی نہیں تو مجھ سے کون پیدا ہو سکتا ہے۔ لم یلد ولم یولد کا یہی مطلب ہے اور میری تکذیب یہ ہے کہ ابن آدم یوں کہتا ہے کہ میں مخلوق کو مرنے کے بعد دوبارہ نہیں پیدا کر سکتا حالانکہ میں نے ہی تو ابتداءً مخلوق کو پیدا کیا ہے پھر دوبارہ اس کو کیوں نہیں بنا سکتا۔ قانتون کا مطلب یہ ہے کہ تمام موجودات پر میرا ہی حکم چلتا ہے نہ کوئی موت کو ٹال سکتا ہے نہ بیماری کو نہ فقر کو ٹال سکتا ہے نہ غنی کو۔ اب آگے ان کافروں کا ایک اور قول نقل فرما کر اس کا رد فرماتے ہیں اور اس قول میں یہ احتمال ہے کہ فقط یہود کا ہو یا صرف اہل کتاب کا ہو یا فقط کفار عرب کا ہو یا اس لئے کہ وہ بات میں سب شریک ہوں۔ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل) ف اور جو لوگ علم سے بے بہرہ ہیں وہ یوں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سے بلا واسطہ کیوں کلام نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی دلیل اور نشانی کیوں نہیں آجاتی۔ جس پر اس پیغمبر کی نبوت ثابت ہو جائے جس طرح کی یہ باتیں کہہ رہے ہیں۔ اسی طرح کی باتیں اور مطالبے وہ لوگ بھی کر چکے ہیں جو ان سے پہلے ہوئے ہیں ان پہلے اور پچھلے جاہلوں کے قلوب آپس میں ایک دوسرے کے مشابہ ہیں۔ یقین جانو کہ ہم نے تو بہت سے دلائل رسالت محمدیہ کے ان لوگوں کے لئے واضح طور پر بیان کر دیئے ہیں جو اطمینان و یقین حاصل کرنے کے طلبگار ہیں (تیسیر) علم سے بے بہرہ ہیں۔ یعنی جاہل جیسے کفار عرب یا جاہل اہل کتاب یا وہ اہل کتاب کے علاوہ بے عمل ہیں اور وہ اپنے علم سے نفع اٹھانے کی اہلیت نہیں رکھتے۔ غرض ان سب جاہلوں کی یہ بات ہے۔

ایۃ سے یہ مطلب ہے کہ کوئی معقول دلیل یا کوئی معجزہ اور یہ جو فرمایا قلوب ایک دوسرے کے مشابہ ہیں یہ اسی کافرانہ ذہنیت کی طرف اشارہ ہے جو عام طور سے کفار میں ساری ہے۔ کوئی کافر پہلی قوموں میں سے ہو یا ہمارے زمانے کا ہو سب کی ذہنیت اور سب کے اعتراضات ملتے جلتے ہوں گے اور یہ کفر کی آب و ہوا کا ہی اثر ہے۔ ان کی ان باتوں کا جو جواب دیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اور کیا دلیل چاہتے ہیں۔ دلائل تو ہم صاف صاف بیان کر چکے ہیں۔ قرآن کی ہر آیت ایک مستقل دلیل ہے۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اپنی نبوت پر ایک مجسم دلیل ہے۔ کائنات عالم کا ایک ایک ذرہ جس کی طرف قرآن توجہ دلاتا ہے وجود باری اور اس کی وحدانیت پر ایک روشن اور واضح دلیل ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ تمام دلائل ان ہی لوگوں کے لئے ہیں جو ان سے نفع اٹھائیں اور وہ لوگ وہ ہیں جو یقین و اطمینان حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ورنہ سرکش اور معاند کے لئے کوئی دلیل بھی مفید نہیں۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں یعنی اگلی امت جو یہود تھے وہ بھی اپنے نبی سے یہی کہتے تھے جواب کے لوگ کہنے لگے۔ موضح القرآن۔ شاہ صاحبؒ نے یہاں بھی ایک قول اختیار کرلیا ہے۔ (تسہیل)

بقیہ صفحہ ۲۸

جیسے عبداللہ بن سلام اور ان کے ہمراہی جنہوں نے دین حق کو قبول کرلیا تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں داخل ہو گئے تھے۔ تلاوت کا حق ادا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ کتاب کے حلال وحرام کو سمجھتے ہیں اور اس میں تحریف و تبدیل نہیں کرتے تو جو لوگ کتاب آسمانی کی تلاوت پوری توجہ کے ساتھ اس پر عمل کرنے کی غرض سے کرتے ہیں وہ تو اسلام کو قبول ہی کرلیتے ہیں اور نبی آخر الزماں پر ایمان لے ہی آتے ہیں اور جو محض نام کے تلاوت کرنے والے ہیں وہ ایمان سے محروم رہتے ہیں اور ان ہی کا دیوالہ نکل جاتا ہے اور بعض لوگوں نے یہ مطلب بھی بیان کیا ہے کہ جو لوگ اہل کتاب میں سے اپنی اپنی کتاب کی تلاوت اس طرح کرتے ہیں کہ تلاوت کا حق ادا کرتے ہیں تو وہ ہی اس کتاب پر ایمان رکھتے ہیں۔ یعنی اہل کتاب میں سے وہ لوگ جو صرف توریت و انجیل کا نام لیتے ہیں اور صحیح طریقہ پر اس کو پڑھتے بھی نہیں وہ دین موسوی اور عیسوی پر بھی ایمان نہیں رکھتے۔ ہاں جو لوگ ان کتابوں کو توجہ کے ساتھ پڑھتے ہیں وہ کم از کم ان سے بہتر ہیں جو محض نام کے یہودی یا عیسائی ہیں اور ان سے یہ توقع ہو سکتی ہے کہ اگر وہ اپنی اپنی کتابوں کو اسی طرح توجہ کے ساتھ پڑھتے رہے تو ایک دن اسلام پر ایمان لے آئیں گے اور نبی آخر الزماں کے حلقہ بگوش ہو جائیں گے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آیت عام ہو اور مسلمان بھی اس میں شامل ہوں اور مطلب یہ ہو کہ جو اپنی کتاب کو اس کی تلاوت کا حق ادا کر کے پڑھتا ہے وہی اس پر ایمان رکھتا ہے اور جو سرسری طور پر تلاوت کرتے ہیں اور غور و تدبر کے ساتھ نہیں پڑھتے وہ اس کتاب پر برائے نام ایمان رکھتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت ابن عباس سے ابن ابی حاتم نے نقل کیا ہے کہ جو تلاوت کا حق ادا کر کے پڑھتے ہیں وہی اس کے اتباع اور اس کی پیروی کا حق ادا کرتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ جب تلاوت کرتے ہوئے جنت کا ذکر آئے تو خدا تعالیٰ سے جنت طلب کیا کرو اور

جب قرآن میں جہنم کا ذکر آئے تو اس سے پناہ مانگا کرو۔ یہ قرآن کی تلاوت کا حق ہے واللہ اعلم۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی یہود میں کم لوگ با انصاف بھی تھے کہ اپنی کتاب کو پڑھتے تھے سمجھ کر۔ وہ اس قرآن پر ایمان لائے ایک ان کے عالم تھے عبداللہ بن سلام۔ ان کے ساتھ کئی اور بھی مسلمان ہوئے۔ موضح القرآن۔ ان تفصیلات کے بعد آخر میں پھر ایک دفعہ بنی اسرائیل کو اپنے احسانات کی جانب توجہ دلاتے ہیں اور ان کے اکثر ناشائستہ کاموں اور نافرمانیوں کا ذکر کرنے کے بعد پھر ان کو قیامت کے دن سے ڈراتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ (تسہیل) ف اے یعقوبؑ کی اولاد! تم میرے ان احسانات کو یاد کرو جو انعامات و احسانات میں نے تم پر کئے ہیں اور اس بات کو بھی یاد کرو کہ میں نے تم کو اقوام عالم پر خاص فوقیت و برتری عطا کی تھی اور اس دن سے ڈرو جس دن نہ تو کوئی کسی کے کام آسکے اور نہ کسی کی طرف سے کوئی فدیہ اور معاوضہ قبول کیا جائے اور نہ کسی کو کوئی سفارش مفید و نافع ہو اور نہ ان کو کسی طرف دار کی طرف داری اور کسی مددگار کی مدد پہنچ سکے (تیسیر) اقوام عالم کا مطلب وہی ہے جو ہم نے پہلے اسی قسم کی آیت کے تحت میں عرض کیا تھا کہ یا تو اس زمانہ کی اقوام مراد ہیں اور یا پھر بعض خصوصیات میں ان کو برتری اور فوقیت حاصل ہو۔ یہ مطلب نہیں کہ قیامت تک جو لوگ پیدا ہوں گے ان پر بھی ان کو فضیلت حاصل تھی کیونکہ امت محمدیہ بہرحال تمام اُمم سابقہ سے بہتر اور برتر امت ہے۔ مجرم کو حاکم کی سزا سے نجات دلانے اور بچانے کی یہی چند صورتیں ہیں کہ کوئی مجرم کی طرف سے مطالبہ اور وہ حق ادا کر دے جو اس کے ذمہ واجب ہے اور یا کوئی کسی کی طرف سے فدیہ اور تاوان ادا کر کے مجرم کو چھڑا لے۔ جیسا کہ آج کل جرمانہ کی رقم جو مجرم کی طرف سے ادا کر دے تو مجرم رہا ہو جائے گا یا پھر کوئی سفارش سود مند ہوتی ہے اور حاکم کسی کی سفارش سے متاثر ہو کر مجرم کو درگزر کر دیتا ہے اور یا پھر کوئی زبردستی چھڑا کر لے جائے جیسا کہ فاتح عام طور سے مفتوح قوم کے قیدیوں کو چھوڑ دیتے ہیں یا کمزور حکومتوں میں خود مجرم کے طرف دار مجرم کو چھین لیتے ہیں۔ غرض ان چیزوں میں سے کوئی چیز بھی قیامت کے دن کافروں کے حق میں چلنے والی نہیں ہے یہاں تک یہود کی حرکات مذمومہ کا ذکر تھا اور جن حرکات میں نصاریٰ اور مشرکین عرب بھی ان کے ہم نوا تھے ان کا بھی ذکر ان کے ساتھ فرمایا۔ اب آگے کی آیتوں میں تحویل قبلہ کی تمہید ہے اور تحویل قبلہ سے قبل کعبہ اور بنائے کعبہ کا ذکر فرمایا اور کعبہ کے ساتھ حضرات ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کا ذکر ضروری تھا۔ اس لئے حضرت ابراہیمؑ کا ذکر فرماتے ہیں۔ نیز ضمناً یہود کے اس مشہور خیال کا بھی رد ہے کہ ہم حضرت ابراہیمؑ کی اولاد ہیں۔ اور نبوت ان ہی کی اولاد کا حق ہے۔ لہٰذا سوائے یعقوبؑ کی اولاد کے ہم کسی نبی پر ایمان نہیں لائیں گے اور چونکہ ہم ان کی اولاد میں ہیں اس لئے ہم دوزخ میں بھی نہیں جائیں گے۔ اور ہم ہی حضرت ابراہیمؑ کے دین پر ہیں وہ بھی یہودی تھے ہم بھی یہودی ہیں۔ ان سب امور کو بہترین ترتیب و تمہید کے ساتھ مع تحویل قبلہ کی بحث کے چوتھے رکوع تک بیان فرماتے ہیں۔ اور چونکہ حضرت ابراہیمؑ کی بزرگی مشرکین عرب میں بھی مشہور تھی اور وہ بھی اپنے آپ کو ابراہیمؑ کے دین پر سمجھتے تھے۔ اس لئے ان کو بھی حضرت ابراہیمؑ کے واقعات سے تنبیہ مقصود ہے۔ (تسہیل)

بقیہ صفحہ ۲۹

بجائے نبوت کے لفظ امامت اس لئے فرمایا کہ ان کی امامت اور ان کی اقتدا ہمیشہ کے لئے ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کے بعد جس قدر نبی تشریف لائے ان کو حضرت ابراہیمؑ کی اقتدا اور ان کی پیروی کا حکم دیا گیا اور ان ہی کے طریقہ کو اختیار کرنے کے لئے فرمایا پھر وہ خود بھی ایک بہت بڑی امت کے مقتدا تھے۔ یعنی ان کی امت ایک بہت بڑی جماعت تھی جو ان کی اقتدا کرتی تھی۔ چونکہ ان کی اولاد میں نیک اور بد دونوں قسم کے لوگ ہونے والے تھے جیسا کہ سورۂ والصّٰفّٰت میں ہے ومن ذریتھما محسن وظالم لنفسہ مبین اس لئے فرمایا کہ تیری اولاد میں سے یہ عہدہ ظالموں کے سپرد نہیں کیا جائے گا۔ ظالم سے یہاں مراد گناہ گار ہیں۔ چونکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام معصوم ہوتے ہیں۔ اس لئے کوئی گناہ گار نبوت کا مستحق نہیں ہوسکتا۔ اگر یہ شبہ کیا جائے کہ حضرت آدم کے ذکر میں فتکونا من الظّٰلمین اور عصٰی آدم ربہ فغوی آیا ہے اور حضرت یونس علیہ السلام کے ذکر میں انی کنت من الظّٰلمین آیا ہے تو وہاں نبوت ظلم کے ساتھ کیوں جمع ہوگئی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ظلم کے مختلف درجات ہیں اور ہر ایک شخص کا مرتبہ الگ الگ ہے یہاں حقیقی ظلم مراد نہیں ہے بلکہ معمولی سی لغزش کو انہوں نے اپنی شان کے منافی سمجھ کر ظلم سے تعبیر کیا ہے اور اسی طرح حضرت حق نے آدم کے لئے عصیاں کا لفظ فرمایا ہے۔ وہاں بھی عصیاں سے حقیقی عصیاں مراد نہیں ہے۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ عصیاں اور ظلم کے جو الفاظ کسی نبی کے متعلق استعمال کئے گئے ہیں وہ ان کی شان کے لحاظ سے بطور مجاز استعمال کئے گئے ہیں۔ ورنہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نہ کبیرہ گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں اور نہ قصداً کسی صغیرہ گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اس موقعہ پر بعض مفسرین نے اور بہت سی باتیں بیان کی ہیں اور مختلف مباحث کا ذکر کیا ہے اور اہل سنت اور حضرات امامیہ کے اختلاف کا بھی ذکر کیا ہے لیکن ہم نے تطویل کے اندیشہ سے ان سب کو چھوڑ دیا ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ اعلان امامت اگر اس وقت کیا گیا تھا کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تبلیغ احکام کی اجازت نہ تھی تب تو مطلب یہ ہوگا کہ تم کو لوگوں کا امام بنایا جائے گا اور تم کو تبلیغ احکام کا کام سپرد کیا جائے گا اور اگر تبلیغ احکام کی اجازت ہوچکی تھی تب اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تمہاری امت کو بڑھاؤں گا اور لوگوں کو بکثرت تمہارے دین میں شامل کروں گا اور تم کو ان سب کا امام بناؤں گا۔ واللہ اعلم۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ بنی اسرائیل بہت مغرور اس پر تھے کہ ہم اولاد ابراہیمؑ ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کو وعدہ دیا کہ نبوت اور بزرگی تیرے گھر میں رہے گی اور ہم ابراہیمؑ کے دین پر ہیں اور اس کا دین ہر کوئی مانتا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ ان کو سمجھاتا ہے۔ اللہ کا وعدہ ابراہیمؑ کی اولاد کو ہے جو نیک راہ پر چلیں اور اس کے دو بیٹے تھے۔ پیغمبر ایک مدت اسحاق کی اولاد میں بزرگی رہی۔ اب اسماعیل کی اولاد میں پہنچی اور اس کی دعا ہے دونوں کے حق میں اور فرماتا ہے کہ دین اسلام ہمیشہ سے ایک ہے۔ سب پیغمبر اور سب امتیں اسی پر گذری ہیں۔ وہ یہ کہ جو حکم اللہ بھیجے پیغمبر کے ہاتھ سو قبول کرنا۔ اب مسلمان ہیں اسی راہ پر اور تم اس سے پھرے ہو موضح القرآن۔ اب آگے آیتوں میں کعبہ اور اس کی تعمیر اور حضرت ابراہیمؑ کی دعاؤں کا ذکر فرماتے ہیں (تسہیل)

ایک اور وہ بات بھی قابل ذکر ہے جب ہم نے خانۂ کعبہ کو لوگوں کے لئے مرجع اور ثبت ہونے کی جگہ اور موضع امن اور مقام اطمینان مقرر کیا اور یہ حکم دیا کہ مقام ابراہیمؑ کو برکت حاصل کرنے کی غرض سے نماز پڑھنے کی جگہ بناؤ کہ طواف سے فارغ ہوکر وہاں دو رکعتیں پڑھا کرو اور ہم نے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیل کو یہ حکم دیا کہ خانۂ کعبہ کو زائرین اور آفاقی لوگوں کے لئے اور مجاورین و مقامی لوگوں کے لئے اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لئے خوب پاک اور صاف رکھنا یعنی تعمیر کے بعد اس کی تطہیر کا خوب اہتمام کرنا اور وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے کہ جب ابراہیمؑ نے جناب باری میں عرض کی۔ اے میرے پروردگار اس نو آبادی کو ایک مستقل شہر بنا دے اور شہر بھی امن و امان کا بنا اور اس شہر کے رہنے اور بسنے والوں میں سے جو۔ اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اس کو گوناگوں اور مختلف اقسام کے پھلوں سے روزی عطا کر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ رزق رسانی میں خصوصیت نہیں برتی جائے گی بلکہ جو نافرمانی کریگا اور کفر کی راہ اختیار کرے گا اس کو بھی چند روزہ زندگی میں خوب عیش و آرام سے سودمند کروں گا۔ اور تھوڑے دنوں دنیوی منافع کو اسے برتنے کا موقعہ دوں گا پھر مرنے کے بعد اس کو مجبور و مضطر کرکے آتش دوزخ میں پہنچاؤں گا اور وہ دوزخ بازگشت کی بہت بُری جگہ ہے (تیسیر) بیت اللہ کو مرجع اس لئے فرمایا کہ وہاں بار بار لوٹنے کی خواہش ہوتی ہے۔ یا اس لئے کہ ہر سال لوگوں کی الٹ پلٹ ہوتی رہتی ہے اور خدا کے مہمان آتے جاتے رہتے ہیں۔ مثابہ لوگوں کے جمع ہونے کی جگہ کو بھی کہتے ہیں ہم نے ترجمہ میں دونوں کی رعایت کی ہے۔ امن کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص خانہ کعبہ کا طواف اور مناسک حج ادا کرتا ہے وہ دوزخ سے مامون ہوجاتا ہے اور یہ مطلب ہوسکتا ہے کہ حرم میں جو شخص داخل ہوجاتا ہے وہ مامون سمجھا جاتا ہے اور اس سے کوئی تعارض نہیں کیا جاتا جیسا کہ سورۂ عنکبوت میں فرماتے ہیں اولم یروا انا جعلنا حرما آمنا ویتخطف الناس یعنی کیا دیکھتے نہیں کہ ہم نے حرم کعبہ کو امن والا کر دیا ہے۔ حالانکہ حرم کے باہر اور اس کے آس پاس لوگ مارے اور لوٹے جاتے ہیں۔ اگرچہ آئمہ میں تھوڑا سا اختلاف ہے لیکن حنفیہ کا مسلک یہی ہے کہ قاتل اگر حرم میں داخل ہوجائے تو اس کو وہاں قتل کی سزا نہیں دی جائے گی البتہ اس کے ساتھ ایسا سلوک کیا جائے گا کہ وہ پریشان ہوکر حرم چھوڑ دے۔ پھر حرم سے باہر قتل کر دیا جائے گا۔ مقام ابراہیمؑ ایک پتھر کا نام ہے جس پر کھڑے ہوکر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانۂ کعبہ کی تعمیر کو بلند کیا تھا اور اسی پر کھڑے ہوکر حج کا اعلان فرمایا تھا۔ حدیث میں آتا ہے کہ مقام ابراہیمؑ اور سنگ اسود یہ دونوں پتھر حضرت آدم علیہ السلام جنت سے اپنے ہمراہ لائے تھے۔ اور یہ قیامت میں حج و زیارت کرنے والوں کے حق میں شہادت دیں گے اور ان کو آنکھیں اور زبان عطا ہوگی قاضی بیضاوی نے کہا یہ حکم امت محمدیہ کے لئے ہے کہ وہ مقام ابراہیمؑ کو نماز پڑھنے کی جگہ مقرر کریں اور یہ حکم اس کے قریب نماز ادا کرنے سے بھی حاصل ہوسکتا ہے۔ آج کل یہ پتھر ایک تہ خانے میں رکھ دیا گیا ہے اور تہ خانہ کی چھت پر اس پتھر کے بالائی محاذ میں طواف کے بعد دو رکعتیں پڑھتے ہیں۔ طائفین سے مراد بیرونی اور آفاقی لوگ ہیں اور عاکفین سے مکی بھی مراد ہو سکتے ہیں اور وہ لوگ بھی مراد ہوسکتے ہیں جو مسجد الحرام میں عبادت کرنے اور مسجد کی خدمت کرنے کی غرض سے ٹھہر جاتے ہوں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس جگہ کے لئے دعا فرمائی کہ اس کو شہر بنا دے یعنی اس کی آبادی بڑھا کر اس کو شہر کی حیثیت عطا کر دے۔ نیز یہ شہر امن دینے والا ہو۔ امن کی تفسیر اوپر کی آیت میں گذر چکی ہے۔ پھلوں کی دعا کرتے وقت اس خیال سے کہ منصب امامت میں اللہ تعالیٰ نے ظالموں کا انکار فرما دیا تھا خود ہی نافرمانوں کو مستثنا کر دیا لیکن یہاں ارشاد ہوا۔ ابراہیم کافروں کو اپنی دعا سے مستثنا کیوں کرتے ہو یہ فرق دنیوی معاملات میں نہیں ہے رزق تو ہر برے بھلے۔ مومن کافر۔ دوست دشمن باغی اور وفادار حتیٰ کہ تمام مخلوق کو دیا جائے گا۔ البتہ قیامت میں باغیوں کو کشاں کشاں اور مار مار کر جہنم میں داخل کر دیا جائے گا۔ اور پھلوں کی روزی کا یہ مطلب نہیں کہ صرف پھل ہی کھانے کو دیئے جائیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ اور اناج کے علاوہ پھل بھی عنایت کیجیو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے طائف کی سرزمین کو حضرت ابراہیمؑ کی دعا کا مظہر بنا دیا۔ (تسہیل)

بقیہ صفحہ ۳۰

اب آگے حضرت ابراہیم کی ملت اور ان کے طریقہ کا ذکر فرماتے ہیں۔ اور ان کے خاندان کا توحید الٰہی پر قائم رہنا اور اسلام پر زندہ رہنا اور اسلام پر مرنا ان سب امور پر توجہ دلاتے ہیں تاکہ حضرت اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب علیہ السلام کی اولاد کو عبرت ہو اور وہ غور کریں کہ ابراہیم علیہ السلام کی ملت پر کون قائم ہے اور ان کے صحیح جانشین اور قائم مقام کون ہیں (تسہیل) ہاں اور کون شخص ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت اور اس کے دین کو قبول کرنے اور اختیار کرنے سے روگردانی اور ناپسندیدگی کا اظہار کرے مگر ہاں وہی شخص روگردانی کرے گا جو اپنی ذات ہی سے بےخبر ہو یعنی ایسا احمق ہو جو اپنے آپ کو بھی نہ سمجھتا ہو اور اس کو خود اپنی بھی معرفت حاصل نہ ہو۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ ہم نے اس ملت کے لئے ابراہیمؑ کو منتخب فرمایا تھا اور اس کو برگزیدہ کیا تھا اور اسی ملت کی وجہ سے وہ آخرت میں بھی زمرۂ صالحین اور نیک و شائستہ لوگوں میں سے ہے جس وقت اس کے رب نے اس کو القا اور الہام کے طور پر فرمایا کہ اے ابراہیمؑ! تو اطاعت و فرماں برداری اختیار کر اس نے کہا۔ میں نے رب العالمین کی اطاعت و فرماں برداری اختیار کی اور اپنے تمام کام رب العالمین کے سپرد کر دیئے (تیسیر) سفہٗ کے معنی بےوقوف ہونے کے ہیں۔ جو شخص اپنی قدر و قیمت اور اپنے مرتبہ سے بےخبر ہو اس کو اپنی ذلت کا احساس بھی نہیں ہوتا اور جو اپنے آپ کو نہ پہچانے وہ خدا کو کیا پہچانے گا۔ اسی لئے بعض لوگوں نے سفہ نفسہ کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ اس نے نفس کو ذلیل کر لیا اور اپنی ذات کو حقیر کیا۔ بہرحال ملت ابراہیمی سے وہی شخص اعراض کرسکتا ہے جو پرلے درجہ کا احمق اور سفیہ ہو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تو وہ شان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ملت اسلامی کی تبلیغ کے لئے برگزیدہ کیا اور ان کے ثبات اور ان کی اولوالعزمی کی شہادت دی کہ وہ قیامت میں بھی جماعت صلحا میں سے ہے اور ان کا متصف بالکمال ہونا دائمی ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ جس وقت قوم کی کواکب پرستی کو دیکھ کر دل بےزار ہوا۔ اس وقت یہ بات قلب میں ڈالی گئی اور اسی القا کو قال سے تعبیر فرمایا ہے کہ ابراہیم راستہ تو ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ بندہ اپنے کو

ہمارے سپرد کر دے اور ہمارے احکام کی تعمیل کے لئے اپنی ذات کو وقف کر دے۔ چنانچہ انہوں نے فوراً اس کو قبول کر لیا۔ ہم نے اسلام کے بہت سے معنی کا لحاظ رکھتے ہوئے ترجمہ کیا ہے۔ "مسلمان ہو جا" "اپنے دین کو خالص خدا کے لئے کر دے" "اسلام پر قائم رہ" "فرماں بردار بن" "اطاعت شعار ہو جا" "اپنی ذات کو میرے سپرد کر دے" "مطیع و منقاد ہو جا" غرض بہت سے معنی ہیں اور یہاں سب مراد لئے جا سکتے ہیں۔ غرض حضرت ابراہیم کے زمانے میں کفر و بت پرستی کا کتنا ہی زور ہو، لیکن بہرحال اسلام موجود تھا، ادھر طلب میں اسلام القا ہوا اور اُدھر انہوں نے قبول کرنے کا اعلان کیا اور یہی وہ تعمیل ارشاد ہے جس نے ابراہیمؑ کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔ آج قرآن جو آسمانی کتابوں میں سے آخری کتاب ہے ان کے اوصاف ظاہری اور باطنی اور ان کے اخلاق اور ان کے صبر و تحمل اور ان کی جرأت و دلیری سے اور ان کے مراتب علیا اور ان کے درجات عُلیٰ سے لبریز نظر آتا ہے (تسہیل)

بقیہ صفحہ ۳۱

جو ہماری طرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے بھیجی گئی اور ہم ان چیزوں کو بھی مانتے ہیں جو حضرت ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ اور اسحاقؑ اور یعقوبؑ اور ان کی اولاد کی جانب بھیجی گئیں اور جو کچھ حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کو دیا گیا اس کو اور جو کچھ اور انبیاء علیہم السلام کو ان کے پروردگار کی جانب سے دیا گیا اس سب کو مانتے ہیں اور اس کے حق ہونے پر ایمان رکھتے ہیں اور ان سب رسولوں پر ایمان بھی اس طرح رکھتے ہیں کہ ہم ان رسولوں میں سے کسی ایک کو بھی جدا نہیں کرتے کہ کسی پر ایمان لائیں اور کسی پر ایمان نہ لائیں۔ بلکہ ان سب کی رسالت پر یکساں ایمان رکھتے ہیں اور ہم تو خدا تعالیٰ کے مطیع و فرماں بردار ہیں۔ وہ جو حکم دیتا ہے اس کے آگے سر جھکاتے ہیں (تیسیر) ہم نے حنیفا کو حضرت ابراہیمؑ کا حال بنایا ہے۔ لیکن ملت کی قید بھی بن سکتی ہے پھر مطلب یہ ہوگا کہ ہم اس ملت ابراہیمی پر قائم رہیں گے جو ملت بالکل سیدھی اور صاف ہے اور اس میں کسی قسم کی کجی نہیں ہے۔ حنیف کے معنی ہیں باطل سے کٹ کر اور پھر کر حق کی طرف ہو جانا۔ مطلب یہ ہے کہ تمہاری یہودیت اور نصرانیت اول تو تحریف شدہ ہے پھر وہ دونوں منسوخ ہو چکی ہیں۔ اس لئے ان پر ایمان لانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ رہے مشرکین عرب سو حضرت ابراہیم مشرک بھی نہ تھے۔ پھر محض ان کا نام استعمال کر کے گمراہی کی دعوت دینا ایک لغو اور مہمل فعل کا ارتکاب کرنا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وما کان من المشرکین سے یہود و نصاریٰ کے بعض مشرکانہ عقائد کی طرف اشارہ ہو اور مطلب یہ ہو کہ وہ یہودیت و نصرانیت جو تحریف شدہ اور منسوخ ہونے کے علاوہ مشرکانہ عقائد کو بھی شامل ہو وہ کب قبول کرنے اور اختیار کرنے کے قابل ہو سکتی ہے اور پھر ان لوگوں کے لئے کس طرح قابل قبول ہو سکتی ہے جو ملت ابراہیمی کو اپنی راہ بنائے ہوئے ہیں اور خدا کے سب پیغمبروں اور ان کی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں اور خدا کے رسولوں کو رسول اور ان کی کتابوں کو آسمانی کتابیں تسلیم کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار ہیں جس زمانے میں اس نے جو حکم بھیجا اس پر عمل کرتے ہیں اور جس کو اللہ تعالیٰ منسوخ فرما دیتا ہے اس کو چھوڑ دیتے ہیں۔ مسلمان مشہور کتب سماویہ کے علاوہ ان صحیفوں تک کو مانتے ہیں جو حضرت ابراہیمؑ اور موسیٰ پر نازل ہوئے تھے۔ اور

تمہاری حالت یہ ہے کہ یہودی حضرت عیسیٰؑ کو نبی نہیں مانتے ان کی کتاب کو کتاب برحق تسلیم نہیں کرتے۔ نصاریٰ کی یہ حالت ہے کہ وہ یہود کے مخالف اور دشمن ہیں تو کہاں تم اور کہاں مسلمان۔ لہٰذا یہود و نصاریٰ کی یہ تبلیغ مسلمانوں کو ہدایت کے نام پر گمراہی کی دعوت دینا ہے۔ حضرات مفسرین نے اس موقعہ پر ملت اور شریعت کے فرق پر بڑی تفصیلی بحثیں کی ہیں بالخصوص حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحبؒ دہلوی نے اس مسئلے پر بڑی سیر حاصل بحث فرمائی ہے۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا ملت ابراہیمی پر قائم رہنا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ملت ابراہیمؑ کی اتباع کا حکم دینا اس سے بظاہر یہ شبہ ہوتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی مستقل اور جدید شریعت نہیں ہے بلکہ آپ شریعت ابراہیمی کے پیرو اور تجدید کرنے والے ہیں۔ اس لئے حضرات مفسرین نے اس شبہ کا ازالہ فرمایا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ملت تو تمام انبیاء علیہم السلام کی مشترک ہے اور ملت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری اور اس کی اطاعت کرنا اور چونکہ یہ سب میں مشترک ہے۔ اس لئے ایک پیغمبر کو یہ حکم دیا جا سکتا ہے کہ تم اپنے سے پہلے پیغمبر کی ملت پر چلو جیسا کہ ساتویں پارے میں انبیاء سابقین کا ذکر فرمانے کے بعد حضرت حق نے ارشاد فرمایا اولٰئک الذین ھدی اللہ فبھداھم اقتدہ یعنی یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ہدایت سے نوازا تھا سو آپ بھی ان کی ہدایت کی اقتدا کیجئے۔ جب یہ بات سمجھ میں آگئی تو اب شریعت کو سمجھنا چاہئے۔ شریعت ہر زمانے کی ضرورت کے لحاظ سے ہر پیغمبر کی مختلف ہوتی ہے۔ اگرچہ مقصد وہی حضرت حق کی اطاعت ہوتا ہے لیکن ہر زمانے کے اعتبار سے اس کے خصوصی طریقے بدلے ہوئے ہوتے ہیں جیسا کہ چھٹے پارے میں فرمایا لکل جعلنا منکم شرعۃ ومنھاجا یعنی ہم نے تم میں سے ہر ایک کو ایک دستور اور ایک راستہ عطا کیا۔ لہٰذا شریعت ان تمام کلیات و جزئیات اور اصول و فروع کا نام ہے جو کسی اولوالعزم پیغمبر کو جو صاحب شریعت ہو عطا کی جائے۔ اب یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی شریعت اور جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت اور ہے آپ کی شریعت ایک مستقل اور جدید شریعت ہے اور چونکہ اکثر مسائل اصولیہ و فروعیہ میں حضرت ابراہیمؑ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے باہم توافق اور اتحاد ہے۔ اس لئے ملت ابراہیمؑ کو شریعت محمدیہ اور شریعت محمدیہ کو ملت ابراہیمیہ کہہ دیا جاتا ہے اور مسلمانوں کا اہل کتاب کو یہ جواب دینا کہ ہم تو ملت ابراہیمی کے پابند ہیں۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ ملت ابراہیمی جو شریعت محمدیہ ہے ہم اس کے پابند ہیں تم بھی اس شریعت محمدیہ کے پیرو ہو جاؤ جو صورتاً اور معناً بہت سی باتوں میں ملت ابراہیمی کے مرادف اور ہم معنی ہے۔ اب چاہے یوں کہو کہ شریعت محمدیہ پر ایمان لے آؤ جو ملت ابراہیمی سے ملتی جلتی ہے اور چاہے یوں کہو کہ ملت ابراہیمی کے پابند ہو جاؤ جو شریعت محمدیہ سے ملتی جلتی ہے۔ اب رہی یہ بات کہ اس طرح تو حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی شریعت کو بھی ملت ابراہیمی کہا جا سکتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ملت تو سب پیغمبروں کی یکساں ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے اصول اور عقائد تو یقیناً سب کے یکساں ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد جس قدر پیغمبر ہوئے ہیں ان سب کی ملت حضرت ابراہیمؑ کی ملت ہے بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت حضرت نوحؑ

اور حضرت آدم علیہما السلام کی ملت ہے لیکن شریعت موسویہ اور شریعت عیسویہ کو اس بنا پر ملت ابراہیم نہیں فرمایا کہ ملت ابراہیم کے اصول اور بعض فروع میں جو تطابق اور توافق شریعت محمدیہ کو حاصل ہے وہ شریعت موسویہ اور عیسویہ کو حاصل نہیں ہے۔ نیز یہ کہ حضرت ابراہیمؑ کی ہستی اور ان کی بزرگی سب کے نزدیک مسلم تھی۔ یہودی۔ نصرانی۔ مشرکین عرب سب ان کا نام احترام کے ساتھ لیتے تھے۔ اس لئے سب کو یہ دعوت دی گئی کہ اگر تم لوگ ابراہیم کے سچے نام لیوا ہو اور ان کے صحیح پیرو بننا چاہتے ہو تو اس کی صرف ایک ہی شکل ہے کہ تم شریعت محمدیہ کے پیرو ہو جاؤ کیونکہ اس وقت صرف شریعت محمدیہ ہی ایسی شریعت ہے جو اپنے اصول اور اکثر فروع میں ملت ابراہیمی کا صحیح چربہ ہے۔ یہ ان مباحث کا بہت ہی مختصر خلاصہ ہے جو اس موقعہ پر مفسرین نے بیان کیا ہے۔ اگر اس کو محفوظ کر لیا گیا تو انشاء اللہ آئندہ تفسیر میں بہت مدد ملے گی۔ اور یہ جو ہم نے کہا کہ اصول اور اعتقادیات میں تو سب مشترک ہیں لیکن شریعت کے فروعی مسائل اکثر جدا جدا ہوتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ بعض فروعی باتیں بھی سب پیغمبروں میں یکساں ہوتی ہیں۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اربع من سنن المرسلین الحیاء والنکاح والتعطر والسواک یعنی چار چیزیں سب پیغمبروں کا طریقہ رہی ہیں۔ حیا کرنا۔ نکاح کرنا۔ خوشبو لگانا اور مسواک کرنا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ملت میں تو سب مشترک ہوتے ہی ہیں۔ مگر شریعت کی بھی بعض باتوں میں اشتراک ہو سکتا ہے لیکن اس قسم کے معمولی اشتراک کی وجہ سے کسی صاحب شریعت پیغمبر کو یہ نہیں کہیں گے کہ وہ فلاں پیغمبر کی شریعت کا تابع ہے۔ مگر ہاں جبکہ وہ پیغمبر صاحب شریعت نہ ہو اور کسی دوسرے پیغمبر کی شریعت کا تابع ہو جیسا حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ علیہما السلام کے درمیانی انبیاء اور چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود صاحب شریعت اور ایک مستقل شریعت کے منبع ہیں۔ اس لئے آپ کو شریعت ابراہیمی کا تابع اور پیرو کہنا صحیح نہیں ہوگا۔ ہاں ملت ابراہیمی کا تابع کہا جا سکتا ہے (تسہیل)

بقیہ صفحہ ۳۲

یہ سب لوگ یہودی یا نصرانی تھے۔ آپ ان سے فرمائیے اچھا یہ تو بتاؤ تم زیادہ ان لوگوں کے دین سے واقف ہو یا اللہ تعالیٰ۔ حالانکہ تم جانتے ہو مگر جان بوجھ کر چھپاتے ہو اور اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہو سکتا ہے جو ایسی شہادت کو چھپائے اور اس گواہی کا اخفا کرے جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کو پہنچی ہو اور وہ شہادت اس کے پاس موجود ہو اور اللہ تعالیٰ ان اعمال سے غافل اور بے خبر نہیں ہے جو تم کر رہے ہو (تیسیر) محاجہ اس مناظرے کو کہتے ہیں جو محض مکابرہ اور مجادلہ ہو تحقیق حق کی غرض سے نہ کیا جائے۔ سبط اس درخت کو کہتے ہیں جس کی بہت سی ٹہنیاں اور شاخیں ہوں۔ یہاں اسباط سے مراد کسی شخص کی اولاد اور اولاد کی اولاد ہے۔ بعض حضرات نے کہا ہے حضرت اسماعیلؑ کی اولاد کو قبیلہ کہا جاتا ہے۔ اور حضرت اسحاقؑ کی اولاد کو اسباط کہا جاتا ہے۔ بہرحال ایک شخص کی اولاد جو پھیل جائے اس کو قبیلہ اور سبط کہتے ہیں یہاں حضرت یعقوبؑ کے بارہ بیٹوں کی اولاد یں مراد ہیں۔ ہر بیٹے کی اولاد ایک سبط ہے حضرت یعقوبؑ کی اولاد میں جو حضرات نبی ہوئے ان سب کو یہ لوگ یہودی اور نصرانی کہتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ تم لوگ بلاوجہ کا جھگڑا کئے چلے جاتے

ہو کر ہم جنت میں جائیں گے اور محمدی مسلمان نہیں بخشے جائیں گے
حالانکہ یہ بحث کی کون سی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہارا بھی رب ہے
ہمارا بھی رب ہے۔ ہر ایک کے اعمال بھی اپنے اپنے لئے ہیں۔
نہ ربوبیت میں کوئی تخصیص ہے نہ اعمال میں۔ پھر اس قسم کی
کٹ حجتی سے کیا فائدہ؟ اور خدا کا شکر ہے ہم نے اپنے
آپ کو شرک کی آمیزش سے بچا کر اللہ کے لئے خالص کر رکھا ہے
نہ ہم کسی کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں، نہ ہم نے کسی انسان کو اللہ
کے علاوہ اپنا رب بنا رکھا ہے جو کام کرتے ہیں حضرت حق کی
خوشنودی کے لئے کرتے ہیں۔ کیونکہ اخلاص اور مخلصین
له الدین کے معنی ہی یہ ہیں۔ پھر نہ بخشے جانے کا مطلب
کیا ہے۔ اور یہ بھی ان کے مکابرے اور مجادلے کا
جواب ہے۔ اپنے اخلاص کا دعویٰ نہیں ہے۔ شهادة
عنده من الله مطلب یہ ہے کہ ان کو خود بھی معلوم
ہے کہ کوئی نبی یہودی اور نصرانی نہیں تھا بلکہ سب ملتِ
اسلامیہ کے پابند تھے اور سب کا مذہب اسلام تھا جو
اصل پیغمبروں کا مذہب ہے۔ لیکن یہ جان بوجھ کر اپنی
کتاب کی بات کو جو ایک قسم کی آسمانی شہادت ہے چھپا دیتے
ہیں۔ آگے پھر مکرر تاکید کے طور پر یہ فرماتے ہیں کہ جو بزرگ
گزر چکے ان کو اپنی اغراض مشئومہ کے لئے مت استعمال
کرو۔ اور گزشتہ لوگوں پر غلط الزام لگانے سے بچو۔
چنانچہ فرماتے ہیں (تسہیل) کہ وہ بڑے لوگوں کی ایک
جماعت تھی جو اپنے زمانے میں گزر چکی۔ جو کچھ انہوں نے
کمایا وہ ان کے لئے ہے اور ان کے کام آئے گا اور
جو کچھ تم کما رہے ہو اور کسب کر رہے ہو وہ تمہارے
کام آئے گا۔ اور ان کے اعمال کی تم سے کوئی باز پرس
اور پوچھ گچھ تک نہ کی جائے گی۔ (تیسیر) مطلب وہی ہے
کہ جو کچھ وہ کر گئے۔ اس کے متعلق تم سے سوال تک نہ
ہوگا۔ چہ جائیکہ ان کا محض انتساب تمہارے کام آئے اور وہ
بھی ایسی حالت میں جب کہ تمہارے اعمال، تمہارے
عقائد ان بزرگوں کے صریح خلاف ہوں تو اس صورت
میں تمہاری ان کے ساتھ نسبت یا فرضی محبت کے جھوٹے
دعوے کب کام آ سکتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا
تعارف مکہ کی عظمت۔ خانۂ کعبہ کی تعمیر اور حضرت ابراہیمؑ کی
ملت وغیرہ کا ذکر کرنے اور تمہید بیان کرنے کے بعد اب
تحویلِ قبلہ اور اس کے متعلقات کو بیان فرماتے ہیں (تسہیل)

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ
اب بے وقوف لوگ یوں کہیں گے کہ مسلمانوں کو اپنے اس قبلہ سے کس چیز نے

قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا ۚ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ
پھیر دیا جس پر وہ کچھ عرصہ سے قائم تھے آپ کہہ دیجئے کہ سب مشرق اور مغرب اللہ ہی کی

الْمَغْرِبُ ۚ يَهْدِي مَنْ يَّشَاءُ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۴۲﴾
ملک ہیں وہ جس کو چاہتا ہے سیدھی راہ چلاتا ہے (۱)

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ أُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلَى
اور اسی طرح ہم نے تم کو ایک معتدل امت بنایا ہے تاکہ تم لوگوں کے مقابلہ میں

النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ۗ وَمَا جَعَلْنَا
گواہ ہو اور تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گواہ ہوں (۲) اور وہ قبلہ جس قبلہ پر اے پیغمبر

الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ
آپ عارضی طور سے قائم تھے اس کو تو ہم نے صرف اس لئے مقرر کیا تھا کہ ہم اس شخص کو جو رسول کی پیروی

الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ۗ وَإِنْ كَانَتْ
کرتا ہے اس شخص سے متمیز کر دیں جو اپنی ایڑیوں کے بل الٹا پھر جاتا ہے اور بیشک وہ عارضی تبدیلی

لَكَبِيْرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ۗ وَمَا كَانَ
بہت شاق ہوئی گراں لوگوں پر نہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے رہنمائی فرمائی اور اللہ تعالیٰ کی شان

اللّٰهُ لِيُضِيْعَ إِيْمَانَكُمْ ۗ إِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ
یہ نہیں ہے کہ وہ تمہارے ایمان کو ضائع کر دے بیشک اللہ لوگوں پر بہت شفقت کرنے والا

رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۳﴾ قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ ۚ
نہایت مہربان ہے (۳) بیشک ہم آپ کے منہ کا بار بار آسمان کی طرف پھیرنا ملاحظہ کر رہے ہیں

فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۠ فَوَلِّ وَجْهَكَ
سو ہم آپ کو اسی قبلہ کی جانب پھیر دیں گے جس کو آپ پسند کرتے ہیں بس اب آپ اپنا منہ

ربع

۲/۱

(۱) کچھ دن جاتے ہیں کہ بے وقوف لوگ یوں کہیں گے کہ مسلمانوں کو اس قبلہ کی سمت سے کس نے دوسرے قبلہ کی سمت پھیر دیا جس پر یہ کچھ عرصہ سے یعنی تقریباً سولہ سترہ مہینے سے قائم اور اُس سمت کی جانب متوجہ تھے آپ ان کے جواب میں فرما دیجئے کہ ہر سمت خواہ وہ مشرق ہو یا مغرب اللہ ہی کی مملوک اور اسی کی ملک ہے وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے صحیح راہ بتا دیتا ہے (تیسیر) سفیہ کے معنی ہیں کم عقل۔ سفہاء سے یہاں مراد یا تو یہود ہیں۔ یا منافق اور مشرک ہیں۔ یا اہل کتاب اور مدینہ کے منافق مشرک ہیں اور یہ بھی احتمال ہے کہ بعض کچے اور خام مسلمان ہوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سب مشرک ہوں اور یہ واقعہ ہے کہ جو اس قسم کے جاہلانہ اور کم عقلی کے شبہات نکالے اور بے سوچے سمجھے اعتراض کرے وہ بیوقوف اور کم عقل ہی ہے یہود کا اعتراض تو اس بنا پر ہو سکتا ہے کہ وہ نسخ کے قائل نہ تھے عام اہل کتاب کو یوں شبہ ہو سکتا ہے کہ یہ پیغمبر تو سب پیغمبروں کا نام لیتا ہے اور سب کا مذہب اسلام بتاتا ہے پھر اس قبلہ کو اس نے کیوں ترک کیا جو سب انبیاء کا قبلہ تھا۔ منافقوں کو یہ شبہ ہوا کہ یہ شخص خود مذبذب ہے ابھی کل بیت المقدس کو قبلہ بنایا تھا آج اس کو بدل دیا اگر واقعی یہ شخص خدا کا پیغمبر ہوتا تو ایسا نہ کرتا۔ مشرکوں نے کہا اپنے باپ کے قبلہ کو، واج دینا چاہتا ہے اس لئے اس نے بیت المقدس کو چھوڑ کر کعبہ کو قبلہ ٹھہرایا ہے۔ غرض جتنے منہ اتنی باتیں ہر قوم اور ہر فرقے اپنے نقطۂ نگاہ سے اعتراضات کئے اور یہ ایک طبعی بات تھی کہ کعبہ کو چھوڑ کر بیت المقدس کو قبلہ بنایا مسلمانوں کو بارِ خاطر ہوا اور بیت المقدس سے کعبہ کی طرف رُخ کرنا اہل کتاب کو ناگوار گزرا جب تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں مقیم رہے تو کعبہ کی طرف نماز ادا کرتے رہے مگر ایسی سمت اختیار فرماتے رہے کہ کعبہ بھی سامنے رہتا تھا اور صخرہ بیت المقدس کی جہت بھی حاصل ہوتی تھی یعنی کعبہ کی جنوبی دیوار جو دونوں رکنوں کے مابین ہے اس طرف منہ کرکے کھڑے ہوتے تھے اور دونوں قبلوں کی رعایت رکھتے تھے لیکن مدینہ منورہ تشریف لے جانے کے بعد یہ نوعیت حاصل نہ ہو سکی اور لامحالہ ایک جہت اختیار کرنی پڑی اور بعض مصالح کے اعتبار سے وہ بیت المقدس کی جہت اختیار فرمائی جو اہل کتاب کا قبلہ تھا ہجرت کا مہینہ ربیع الاول سے لیکر دوسرے رجب کے نصف تک آپ بیت المقدس کی جانب نماز پڑھتے رہے اس لئے محدثین نے سولہ یا سترہ مہینے کہے ہیں اور چونکہ آپ کو کتبِ سماویہ میں ذوالقبلتین فرمایا تھا اس لئے آپ سے وہ بات پوری کرائی گئی بعض لوگوں نے کہا ہے کہ بیت المقدس یعنی صخرۃ اللہ کو قبلہ تجویز کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خود اپنے اجتہاد سے تجویز کردہ تھا بعض نے کہا نہیں بلکہ حضرت حق کے حکم سے تھا یہ کوئی ایسا اختلاف نہیں ہے ممکن ہے کہ جو جہت آپ نے اجتہاد سے تجویز کی ہو خدا کی طرف سے اسی جہت کی بعد میں منظوری آگئی ہو اور یہ تو ظاہر ہی ہے کہ صخرۃ اللہ کی بجائے کعبہ کو قبلہ مقرر کرنا آپ کے اختیار میں نہ تھا اگرچہ آپ کو اس کی تمنا اور خواہش تھی مگر آپ حکم الٰہی کے منتظر تھے اور وحی کے انتظار میں آسمان کی طرف دیکھتے تھے جیسا کہ آگے کی آیتوں سے معلوم ہوگا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ مدینہ پہنچکر جو قبلہ اختیار کیا وہ خدا کے حکم ہی سے آپ نے اختیار کیا تھا۔ سب سے پہلی نماز جو سولہ یا سترہ مہینے کے بعد کعبہ کی جانب پڑھی گئی وہ عصر کی نماز تھی۔ نسائی نے ابو سعید بن معلی سے روایت کی ہے کہ پہلی نماز ظہر کی تھی۔ اکثر مفسرین کا یہی قول ہے کہ آپ مسجد بنی سلمہ میں ظہر کی نماز پڑھ رہے تھے دو رکعتیں پڑھ چکے تھے کہ تحویل قبلہ کا حکم ملا اور آپ نماز ہی میں کعبہ کی طرف گھوم گئے اور تمام نمازی بھی آپ کے ساتھ کعبہ کی طرف گھوم گئے مسجد بنی سلمہ کو اسی وجہ سے مسجد القبلتین کہا جاتا ہے البتہ اہل قبا کو دوسرے دن صبح کی نماز میں یہ اطلاع پہونچی اور کسی آنیوالے نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل ہوا ہے اور مسلمانوں کا قبلہ کعبہ کو مقرر کر دیا گیا ہے چنانچہ سب لوگ صخرۂ بیت المقدس کی جانب سے کعبہ کی سمت پھر گئے صراط مستقیم سے یہاں مراد جہت کعبہ ہے یا کبھی بیت المقدس اور کبھی کعبہ کی تعیین مراد ہو حضرت حق تعالیٰ جس جہت کو کعبہ قرار دیدیں وہی صراط مستقیم ہے۔ بعض حضرات نے صراط مستقیم سے خدا کی توفیق مراد لی ہے اور مطلب یہ ہے کہ گمراہ لوگ بلا وجہ احکام خداوندی کے اسباب و علل پر بحث کرتے ہیں اور احکام کی تعمیل پر توجہ نہیں کرتے مگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرما دیتا ہے (باقی ضمیمہ میں)

ف۱ اور اے نبی ہم آپ کا وحی کے انتظار میں بار بار اپنے مُنہ کو آسمان کی طرف پھیرنا اور مُنہ اٹھا اٹھا کر دیکھنا ملاحظہ فرما رہے ہیں لہٰذا آپ اطمینان فرمائیے کہ ہم آپ کو اُسی قبلہ کی جانب پھیر دیں گے اور متوجہ ہونے کا حکم دیدیں گے جس قبلہ کو آپ پسند کرتے ہیں سو اب آپ اپنا منہ مسجدِ حرام کی جانب پھیر لیجئے اور مسجد حرام کی جانب منہ کرکے نماز پڑھا کیجئے اور تم سب یعنی مسلمان اور پیغمبر جہاں کہیں بھی ہو آئندہ نماز میں اپنا منہ مسجد حرام کی ہی جانب کیا کرو اور یہ اہل کتاب عام طور سے اس بات کو جانتے ہیں کہ یہ کعبہ کو قبلہ معین و مقرر کرنیکا حکم بالکل صحیح ، ٹھیک اور ان کے رب کی جانب سے نازل شدہ ہے اور اللہ تعالیٰ ان کے ان کاموں سے جو وہ کر رہے ہیں بے خبر اور غافل نہیں ہے (تیسیر) تقلب کے معنی اولنا بدلنا پھیرنا۔ الٹ پلٹ کرنا وغیرہ ہے چونکہ آپ حکم الٰہی کے انتظار میں بار بار اپنا چہرۂ مبارک اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا کرتے تھے کہ شاید کوئی فرشتہ آتا ہو اس حالت کو فرمایا کہ ہم دیکھ رہے ہیں جہاں کہیں کا مطلب یہ ہے کہ خواہ مدینہ میں ہوں یا مدینہ سے کہیں باہر ہوں بلکہ اگر بیت المقدس میں بھی آپ تشریف لے جائیں تو بھی نماز کعبہ ہی کی طرف منہ کرکے پڑھیے۔

شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا
مسجد حرام کی طرف پھیر لیجئے اور آئندہ تم سب لوگ جہاں کہیں بھی ہو نماز میں اپنے چہروں کو

وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ
اسی مسجد حرام کی طرف کیا کرو اور یہ اہل کتاب بھی خوب اچھی طرح جانتے ہیں کہ

لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ
یہ تحویل قبلہ واقعی ٹھیک ہے اور ان کے رب کی جانب سے ہے اور جو کچھ وہ کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ

عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٤٤﴾ وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا
اس سے بے خبر نہیں ہے ف۱ اور اگر آپ اہل کتاب کے سامنے تمام دلائل

الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَآ اَنْتَ
پیش کردیں تب بھی وہ آپ کے قبلہ کی پیروی کرنیوالے نہیں ہیں اور نہ آپ ان کے قبلہ کی

بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ؕ
پیروی کرنے والے ہیں اور وہ آپس میں بھی ایک دوسرے کے قبلہ کی پیروی نہیں کرتے

وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ
اور اگر آپ نے باوجود اس یقین کے جو آپ کے پاس آچکا ہے خدانخواستہ انکی خواہشات

مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٤٥﴾ اَلَّذِيْنَ
کی پیروی کی تو بے شک آپ بھی اس وقت ظالموں میں سے ہوجائیں گے۔ جن لوگوں کو ہم نے

اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ
کتاب دی ہے وہ اس رسول کو اسی طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں

وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿١٤٦﴾
اور بعض لوگ انمیں سے وہ بھی ہیں جو دیدہ و دانستہ امرِ حق کو چھپاتے ہیں۔

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿١٤٧﴾ ع
حق وہی ہے جو آپ کے رب کی جانب سے نازل ہوا سو آپ ہرگز شک کرنیوالوں میں شامل نہ ہوں ف۲

وقف لازم

وقف منزل

١٧ ع ١

٣/٢

اہل کتاب کے علم کی وجہ یہ ہے کہ ان کی کتابوں میں مذکور ہے کہ وہ نبی آخر الزماں ذوالقبلتین ہوگا اور اس کا قبلہ کعبہ ہوگا۔ اس بنا پر وہ جانتے ہیں کہ یہ حکم حق ہے اور رب العالمین کی طرف سے نازل شدہ ہے بجائے کعبہ کے مسجد الحرام فرمایا اس لئے کہ مدینہ منورہ میں کعبہ بعینہٖ تو نظر نہ آتا تھا اس لئے جہت کی رعایت سے مسجد حرام کا نام لیا اور دور والوں کا حکم بھی یہی ہے کہ ان کو کعبہ کی جہت اور سمت کی جانب منہ کرنا چاہئے۔ رہا یہ امر کہ مسجد حرام کو مسجد حرام کیوں کہتے ہیں تو یہ اس کی حرمت اور احترام کی وجہ سے اس کا نام رکھا گیا ہے نیز مسجد حرام بلکہ تمام حرم میں قتل و قتال اور شکار وغیرہ کرنا حرام ہے یا اہل تصوف کے نزدیک ماسوای اللہ کو دیکھنا وہاں حرام ہے۔ اس آیت سے حکم کی ایک اور علت بھی آسانی کے ساتھ سمجھ میں آسکتی ہے وہ یہ کہ کعبہ کو قبلہ تجویز کرنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش کو پورا کرنا منظور تھا۔ اس لئے کعبہ کو قبلہ مقرر کیا گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خواہش کیوں ہوئی کہ کعبہ کو قبلہ مقرر کیا جائے تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کی استعداد کمالی کا مقتضا یہی تھا کہ آپ ایسی آرزو فرمائیں یا اس لئے کہ چونکہ کعبہ حضرت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کا تعمیر کردہ تھا اس لئے آپ چاہتے ہوں کہ اس کو قبلہ مقرر کر دیا جائے۔ اور چونکہ آپ کا مولد اور آپ کی پیدائش شہر مکہ میں ہوئی تھی اس لئے بھی ممکن ہے کہ آپ اس کی تمنا کرتے ہوں اور یہ وجہ بھی ہوسکتی ہے کہ آپ کی علامات نبوت میں سے یہ علامت مشہور تھی کہ اس نبی کا قبلہ کعبہ ہوگا اس غرض سے آپ کا قلب اس کی خواہش کرتا ہو اور بھی بہت سی وجوہ مفسرین نے نقل کی ہیں واللہ اعلم۔

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں جب تک بیت المقدس کی طرف نماز تھی تو حضرت کا دل چاہتا کعبہ کو نماز میں آسمان کی طرف نگاہ کرتے شاید فرشتہ حکم لاتا ہو کعبہ کی طرف کا پھر یہ آیت اُتری تب سے کعبہ مقرر ہوا۔ (موضح القرآن) (تسہیل)

ف۲ اور اے پیغمبر ان اہل کتاب کی ضد اور مخالفت کا یہ حال ہے کہ اگر آپ ان اہل کتاب کے روبرو ہر قسم کے تمام دلائل بھی پیش کردیں تب بھی یہ آپ کے قبلہ کو ماننے والے نہیں اور چونکہ آپ کا قبلہ اب ہمیشہ کے لئے کعبہ مقرر ہوچکا ہے تو آپ بھی ان کے قبلہ کی پیروی کرنے والے نہیں اور ان اہل کتاب کی تو یہ حالت ہے کہ یہ آپس میں بھی ایک فریق دوسرے فریق کے قبلہ کو نہیں مانتا اور اے پیغمبر اگر آپنے اس بات کے بعد کہ آپ کے پاس صحیح اور قطعی علم آچکا ہے خدانخواستہ کہیں ان اہل کتاب کی خواہشات نفسانی کا اتباع کیا تو یقیناً آپ بھی اس وقت ظالموں میں شمار ہوں گے جن لوگوں کو ہم نے کتاب آسمانی عطا کی ہے وہ اس پیغمبر کو خوب اچھی طرح پہچانتے ہیں اور ایسا پہچانتے ہیں جیسا اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں اور ایک جماعت ان میں ایسی ہے کہ وہ لوگ امرِ حق کو چھپاتے ہیں حالانکہ وہ اس کے حق اور قطعی ہونے کو خوب جانتے ہیں اے پیغمبر امرِ حق وہی ہے جو آپ کے رب کی جانب سے نازل ہو لہٰذا آپ ہرگز شک کرنے والوں میں شامل نہ ہوں اور آپ کا شمار شک کرنیوالوں میں نہ ہو (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ اہل کتاب کی مخالفت اور سرکشی کا یہ عالم ہے کہ آئندہ کوئی صورت جہتِ قبلہ میں اتحاد کی نہیں ہے۔ ان کے سامنے دُنیا بھر کے (باقی ضمیمہ میں)

ف اور آخر اس کعبہ کی جہت کو قبلہ مقرر کرنے میں تعجب کی کیا بات ہے ہر قوم - ہر گروہ اور ہر ایک ملت کا ایک قبلہ رہا ہے جس کی طرف وہ اپنی عبادت کے وقت منہ کرتا رہتا ہے تو اس میں بحث کرکے اپنا وقت کیوں ضائع کرتے ہو تم نیک اعمال میں بڑھنے اور آگے نکلنے کی کوشش کرو تم جہاں کہیں بھی ہوگے اللہ تعالیٰ تم سب کو اپنے حضور میں حاضر کرے گا یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری طرح قدرت رکھتا ہے (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ اس عالم میں ہر گروہ کی خواہ وہ اہل باطل ہو یا اہل حق ہو ایک نہ ایک ایسی جہت ہوا کرتی ہے جس کی طرف وہ اپنی عبادت کے وقت منہ کرتا ہو کہ اہل حق ہو یعنی کسی آسمانی کتاب کا عامل ہو تو آسمانی حکم کی بنا پر اور اہل باطل ہو تو اپنی رائے اور اپنی سمجھ سے کوئی نہ کوئی سمت اختیار کرتا رہا ہے۔ پھر اگر امت محمدیہ جو ایک مستقل امت اور مستقل شریعت کی پابند ہے اس کے لئے بھی ایک قبلہ مقرر کر دیا گیا تو آخر اس میں بلا وجہ بحث کیوں کرتے ہو بس اس بحث کو ترک کرو نیکیاں اور اعمال خیر کے حاصل کرنے میں لگ جاؤ اور یہ بات یاد رکھو کہ تم کہیں بھی ہو یا کوئی جہت بھی اختیار کرو تم سب کو ایک دن اللہ تعالیٰ اپنے روبرو حاضر کرنے والا ہے اور یہ سب کو سمیٹ کر قیامت کے میدان میں جمع کر لینا اللہ تعالیٰ پر کچھ دشوار نہیں کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی یہ ضد کرنی کہ ہمارا قبلہ بہتر ہے یا تمہارا عبث ہے بہتری اسی کی ہے جو نیکیوں میں زیادہ ہو ہر امت کو ایک ایک قبلہ کا حکم ہوا تھا آخر سب کو ایک جگہ جمع ہونا ہے موضح القرآن حضرت شاہ صاحبؒ کی یہ تفسیر اس مشہور قول کی بنا پر ہے جو عام طور سے لوگوں نے اختیار کیا ہے یعنی ولکل سے ہر امت مراد ہو اور مطلب یہ ہو کہ ہر امت کیلئے اللہ تعالیٰ ایک قبلہ معین کرتا رہا ہے لہٰذا امت محمدیہ کا قبلہ بھی اس نے کعبہ کو مقرر کر دیا لیکن احقر کا ترجمہ اس سے عام ہے اور میں نے ولکل سے ہر ملت اور اس کے ماننے والے مراد لئے ہیں خواہ وہ ملت باطلہ ہو یا ملت آسمانی ہو اور اس کے ماننے والے خواہ کتابی ہوں یا غیر کتابی اگر وہ ملت کسی پیغمبر کی ہوگی تب تو ظاہر ہے کہ ان کا قبلہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے مقرر ہوا ہوگا اور اگر وہ ملت کافرہ اور ملت مشرکہ ہوگی تو اس نے اپنی رائے اور اپنے بڑوں کے دیکھا دیکھی کوئی جہت اور سمت اپنی عبادت کے لئے مقرر کی ہوگی بہرحال عبادت کے لئے کسی سمت خاص کا تقرر ایک عام دستور کے مطابق ہے ملت آسمانی اور ملت کافرہ میں فرق یہ ہے کہ پہلا گروہ اپنا قبلہ خدا کے حکم سے تجویز کرتا ہے اور قبلہ کو محض عبادت کے وقت اس کی طرف منہ کر لینا سمجھتا ہے اور صرف اپنی تنظیم کی غرض سے ایسا کرتا ہے اور دوسرا گروہ یہ کام محض شیطان اور اصنام پرستوں کے مشورہ سے کرتا ہے اور جہت قبلہ کو محض اس کی طرف منہ کر لینے کی چیز نہیں سمجھتا بلکہ اس کو معبود سمجھ کر اس کے آگے جھکتا ہے۔ بہرحال جب یہ دستور ایسا عام ہے تو امت محمدیہ نے ایسا کون سا نیا کام کیا ہے جو اس کو ہدف ملامت بنا کر مطعون کیا جا رہا ہے اور ہر جگہ اسی کا چرچا ہو رہا ہے اہل کتاب کہہ رہے ہیں انبیاء کا قبلہ اس نبی نے ترک کر دیا، مشرک کہہ رہے ہیں کہ اگر ابراہیم کی مسجد کو قبلہ بنانا تھا تو بیت المقدس کو کیوں قبلہ بنایا تھا اس آیت میں مسلمانوں کو بے موقع بحث و مباحثہ سے روکنا اور اعمال خیر کی ترغیب دینا مقصود ہے، بعض حضرات نے خیرات سے مراد قبلہ کا حکم لیا ہے یعنی کعبہ کو قبلہ بنانا یہ عمل خیر ہے

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اَيْنَ

اور ہر ایک گروہ کی ایک سمت رہی ہے جس کی طرف وہ اپنی عبادت کے وقت منہ کرتا رہا ہے سو مسلمانوں تم نیک کاموں میں سبقت کرو

مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ

تم جہاں کہیں بھی ہوگے اللہ تعالیٰ تم سب کو قیامت میں جمع کر دے گا یقیناً اللہ تعالیٰ

شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۴۸﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ

ہر شئے پر قادر ہے ف اور آپ جہاں کہیں سے بھی باہر جائیں یعنی سفر کیجئے تو اپنا منہ

شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَاِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَمَا اللّٰهُ

نماز پڑھتے وقت مسجد حرام کی جانب کر لیا کیجئے اور بیشک یہ حکم حق ہے اور آپ کے رب کی جانب سے ہے اور جو کام تم کرتے ہو

بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۹﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ

اللہ تعالیٰ ہرگز اس سے بے خبر نہیں ہے ف اور جہاں کہیں سے آپ باہر جائیں تو اپنا منہ نماز پڑھتے وقت

شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ

مسجد الحرام کی جانب رکھا کیجئے اور تم لوگ جہاں کہیں بھی ہوا کرو اپنے منہ نمازوں میں اسی طرف

شَطْرَهٗ ۙ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ۗ اِلَّا الَّذِيْنَ

کیا کرو تاکہ لوگوں کو تمہارے خلاف الزام قائم کرنے کا کوئی موقع نہ رہے مگر ہاں وہ جو ان میں سے بالکل

ظَلَمُوْا مِنْهُمْ ۗ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ ۗ وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ

ہی ہٹ دھرم ہیں سو ایسے لوگوں سے مت ڈرو اور مجھ سے ڈرتے رہو اور اس لئے بھی تاکہ تم پر اپنے فضل

عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۰﴾ ۛ كَمَاۤ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ

کی تکمیل کروں اور اس واسطے بھی تاکہ تم صحیح راہ پاؤ ف۳ یہ احسان بھی اسی طرح ہے جس طرح ہم نے تم

رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ

لوگوں میں تمہارے ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ہماری آیتیں تم کو پڑھ پڑھ کر سناتا ہے اور تم کو پاک صاف کرتا ہے اور

الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ ؕ

تم کو کتاب اور دانائی کی باتیں سکھاتا ہے اور تم کو ان چیزوں کی تعلیم دیتا ہے جن کو تم خود نہیں جان سکتے تھے۔

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

ع ۲

تم اس حکم کی تعمیل میں مبادرت کرو۔ بعض لوگوں نے اعمال خیر کو عام بنایا اور فاستبقوا کے امر کو عام کہا ہے یعنی یہ حکم اہل کتاب اور مسلمانوں سب کو ہے کہ اللہ تعالیٰ کو جو حکم دینا تھا وہ دے چکا اب تم لوگ بے کار بحث مباحثہ نہ کرو بلکہ نیک اعمال کرنے میں جلدی کرو واللہ اعلم یہ آیت بھی منجملہ اور اسباب و علل کے ایک سبب ہے یعنی جس طرح قبلہ کے سلسلے میں اور اسباب اور مصالح ذکر فرمائے تھے یہ بھی اس حکم کی ایک مصلحت ہے کہ جس طرح اور سب امتوں کا قبلہ رہا ہے اس امت مستقلہ اور معتدلہ کا بھی ایک قبلہ ہونا چاہئے تھا استباق ایسے بڑھنے کو کہتے ہیں جس میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کرتا ہے اور واقعی اعمال خیر اسی قابل ہیں کہ ان میں ایک کو دوسرے سے بڑھنے اور آگے نکلنے کی ضرورت ہے والسابقون السابقون اولئک المقربون اب آگے اسی قبلہ کی عمومیت کا اعلان فرماتے ہیں کہ مسلمان خواہ سفر میں ہوں یا حضر میں ہوں ان کا قبلہ مسجد حرام ہی ہوگا (تسہیل) ف۲ اور آپ جس جگہ سے بھی کہیں باہر سفر میں تشریف لے جائیں تو اپنا چہرہ نماز میں (باقی ضمیمہ میں)

ف جس طرح ہم نے کعبہ کو قبلہ مقرر کر کے تم پر اپنی نعمت کی تکمیل فرمائی اُسی طرح ہم نے تم لوگوں میں ایک عظیم المرتبت رسول بھیجا جو تم میں ہی سے ہے اور اس کی شان یہ ہے کہ وہ تم کو ہماری آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتا ہے اور تم کو شرک وکفر کی گندگی سے پاک کرتا ہے اور محاسن اخلاق کے ساتھ تمہیں سنوارتا ہے اور تم کو کتاب الٰہی کی تعلیم دیتا ہے اور اُس کتاب الٰہی کے احکام کی حکمتیں اور ان کے رموز سکھاتا ہے اور فہم و دانش کی باتیں بتاتا ہے اور تم کو وہ باتیں بتاتا ہے جن کی تم کو نہ تو خبر تھی اور جن کو نہ تم خود جان سکتے تھے لہٰذا تم مجھ کو یاد کرو میں بھی تم کو اپنی رحمت و مہربانی سے یاد رکھوں گا اور میرے احسانات کا شکر بجا لاتے رہو اور میری نافرمانی اور ناسپاسی نہ کرو (تیسیر) کاف تشبیہ میں بعض مفسرین نے اتمام نعمت کے سلسلے میں بجائے کعبہ کے آخرت کو اختیار فرمایا ہے اور حضرت ابراہیمؑ کی دعا قبول فرمانے کے ساتھ ربط دیا ہے بعض نے فاذکرونی کے ساتھ اس کاف کو ربط دیا ہے چونکہ اس قسم کی ترکیبوں میں وسعت ہے اس لئے جو ترکیب چاہیں اختیار کریں چونکہ کچھ احسانات اور حضرت ابراہیمؑ کی دعا وغیرہ کے واقعات

فَاذْكُرُونِيٓ أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ ﴿۱۵۲﴾ ع

سو تم ان نعمتوں پر مجھ کو یاد کرو میں تم کو یاد رکھوں گا اور میرے احسانات کا شکر یہ ادا کرتے رہو اور میری نافرمانی نہ کیا کرو ف

يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ط

اے ایمان والو صبر سے اور نماز سے قوت حاصل کرو

إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِينَ ﴿۱۵۳﴾ وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي

بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ف اور جو لوگ خدا کی راہ میں شہید کئے جائیں

سَبِيلِ اللّٰهِ أَمْوَاتٌ ط بَلْ أَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُونَ ﴿۱۵۴﴾

ان کو یوں نہ کہو کہ وہ مُردے ہیں بلکہ وہ لوگ زندہ ہیں لیکن تم ان کی زندگی کا ادراک نہیں کر سکتے

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ

اور البتہ ہم تمہیں قدرے خوف اور بھوک اور مال و جان کے نقصان

الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ط وَبَشِّرِ الصّٰبِرِينَ ﴿۱۵۵﴾ الَّذِينَ

اور پھلوں کی کمی سے آزمائیں گے اور آپ ان صبر کرنے والوں کو بشارت دے دیجئے کہ جب ان پر

إِذَآ أَصَابَتْهُمْ مُّصِيبَةٌ لا قَالُوٓا إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّآ إِلَيْهِ رٰجِعُونَ ﴿۱۵۶﴾ ط

کسی قسم کی کوئی مصیبت بھی آتی ہے تو وہ یوں کہتے ہیں کہ ہم اللہ ہی کے ملک ہیں اور ہم سب اسی کی طرف واپس جانے والے ہیں ف

أُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ قف وَأُولٰٓئِكَ

یہی وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی جانب سے خاص خاص عنایتیں بھی ہونگی اور عام رحمت بھی ہوگی اور یہی

هُمُ الْمُهْتَدُونَ ﴿۱۵۷﴾ إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ج

لوگ صحیح راہ یافتہ ہیں ف بیشک صفا اور مروہ پہاڑ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں یعنی مواقع عبادت کی

فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَّطَّوَّفَ

علامتیں ہیں سو جو شخص بیت اللہ کا حج کرے یا عمرہ کرے تو ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان سعی کرنے میں اسکے ذمہ ذرا بھی

بِهِمَا ط وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا لا فَإِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ ﴿۱۵۸﴾

گناہ نہیں اور جو اپنے شوق سے کوئی نیکی کرے تو اللہ تعالیٰ بڑا قدردان ہے سب جاننے والا ف

ع ۱۸ / ۵ / ۲

اوپر بیان ہو چکے ہیں اور آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا تذکرہ فرمایا ہے تو مطلب یہ ہے کہ ابتدا میں بھی احسان کا ذکر اور آخر میں بھی احسان کا ذکر کرنے سے یہ بات معلوم ہو جائے کہ اُمّت محمدیہ کی زندگی حضرت حق کے احسانات میں گھری ہوئی ہے اور تمام زندگی اور تمام حالات ظاہر و باطنی حضرت حق کے انعامات اور احسانات پر مشتمل ہیں باقی آیات و احکام۔ تزکیہ کتاب حکمت وغیرہ کے الفاظ وہی ہیں جو پہلے پارے کے آخر میں گزر چکے ہیں ہم نے تیسیر میں کافی تفصیل کر دی ہے مالم تکونوا تعلمون کا مطلب صاف ہے کہ جو باتیں بدون وحی الٰہی کے نہ معلوم ہو سکیں ان کو کس کی مجال ہے کہ سوائے انبیاء کے معلوم کر سکے یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے اپنے پیغمبر کی معرفت وہ باتیں ہم کو بتائیں جس سے دنیا کے تمام انسان یکسر ناآشنا تھے جو دعا حضرت ابراہیم نے تعمیر کعبہ کے زمانے میں فرمائی تھی وہ لفظ بلفظ پوری ہوئی دونوں آیتوں کو بیک وقت سامنے رکھ کر پڑھئے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کا چربہ ہے ایک طرف حضرت خلیلؑ ہاتھ پھیلا کر دعا کر رہے ہیں اور دوسری طرف قدرت کی خاموش قلم قبولیت دعا کا اعلان لکھ رہی ہے تم مجھ کو یاد کرو میں تم کو یاد رکھونگا الفاظ مقابلہ کے لئے استعمال فرمائے ہیں باقی کہاں بندے کا ذکر اور کہاں ان کی یاد پھر لطف یہ ہے کہ انعامات الٰہی پر خدا کا ذکر کرنا یا ان نعمتوں کو یاد کر کے اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرماں برداری میں مشغول ہونے پر بھی صلہ اور جزا کا اعلان فرمایا کہ اگر تم میری نعمتوں پر شکریہ کے طور میری اطاعت اور میرے محسن ہونے کا تذکرہ کرو گے تو اس ذکر پر بھی میں تم کو نوازوں گا اور میں بھی دنیوی مصائب و آلام کے موقع پر اور قبر کی وحشت اور میدان حشر کی گھبراہٹ میں تم کو فراموش نہیں کروں گا آگے کے الفاظ میں شکر کی تاکید فرمائی ہے جو خود ازدیاد نعمت کا موجب ہے لئن شکرتم لازیدنکم یعنی جس قدر شکر کرتے جاؤ گے میں نعمتیں بڑھاتا جاؤں گا۔ دوسرے جملہ میں ناسپاس اور ناشکری کو ممنوع قرار دیا ہے اور یہ بھی مہربانی ہے کہ دوا کے ساتھ پرہیز کی بھی تاکید کی جا رہی ہے اور ان چیزوں کے ممنوع ہونے کا اعلان کر رہے ہیں جو مضر ہیں۔ کیوں کہ کفران نعمت سلب نعمت کو اسی طرح مستلزم ہے جس طرح بد پرہیزی بربادیٔ صحت کو بلکہ موت کو مستلزم ہے ولئن کفرتم ان عذابی لشدید سبحان اللہ کیا کلام ہے اور کس قدر رعایتیں ہیں کہ جن کا احاطہ ناممکن ہے۔ حدیث قدسی میں آتا ہے اے ابن آدم جب تو نے میرا ذکر کیا تو میرا شکر ادا کیا اور جب تو نے مجھ کو فراموش کر دیا تو میرا کفر کیا۔ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ذکر کبھی زبان سے ہوتا ہے۔ کبھی قلب سے اور کبھی جوارح سے زبان کا ذکر تو یہ ہے کہ انسان سبحان اللہ الحمد للہ وغیرہ کہے قلب کا ذکر یہ ہے کہ دلائل قدرت پر غور و فکر کرے۔ اور جوارح کا ذکر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں منہمک ہو جائے اور بندے کا کوئی عضو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرنے پائے ایک اور حدیث قدسی میں ہے جسکو بخاری اور مسلم نے نقل کیا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب بندہ میرا ذکر کرتا ہے اور اس کے دونوں ہونٹ حرکت کرتے ہیں تو میں اس کے پاس اور اس کے ساتھ ہی ہوتا ہوں حضرت ابوموسیٰ اشعری کی روایت میں مرفوعاً آیا ہے ذاکر کی مثال ایسی ہے جیسا زندہ شخص اور جو ذکر نہیں کرتا اس کی مثال ایسی ہے جیسے میت ذکر کی فضیلت میں کثرت احادیث مروی ہیں جو کتب احادیث سے معلوم ہو سکتی ہیں۔ (باقی ضمیمہ میں)

ف۱ یقیناً جو لوگ ان مضامین اور احکام کو چھپاتے ہیں جن کو ہم نے نازل فرمایا ہے اور وہ احکام صاف و واضح ہیں اور وہ مضامین و احکام صحیح راستہ دکھانیوالے ہیں اور یہ لوگ ان مضامین کا اخفا بھی اس کے بعد کرتے ہیں جبکہ ہم عام لوگوں کے لئے ان کو خوب کھول کر کتب سماویہ میں بیان کر چکے ہیں۔ اس صراحت و وضاحت کے باوجود جو بدبخت ان مضامین و احکام کو چھپاتے ہیں تو ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ بھی لعنت فرماتا ہے اور لعنت کرنیوالے بھی ایسوں پر لعنت بھیجتے ہیں مگر ہاں وہ حضرات اس لعنت سے مستثنیٰ ہوتے ہیں جو اس قسم کے جرم سے رجوع کر لیں اور تائب ہو جائیں اور اپنے اس فعل کی تلافی کر دیں اور حق بات کو ظاہر کر دیں تو میں ایسے لوگوں پر رحمت کے ساتھ توجہ فرماتا ہوں اور ان کی توبہ قبول کر لیتا ہوں اور میں تو بہت توبہ قبول کرنے والا اور بڑی مہربانی قبول کرنیوالا ہوں البتہ جو لوگ اپنی کافرانہ روش پر قائم رہیں اور کفر ہی کی حالت میں مر بھی جائیں تو ایسے بدبختوں پر خدا تعالیٰ کی لعنت اور مزید براں فرشتوں کی اور انسانوں کی بھی سب کی لعنت اس طرح پر پڑتی رہے گی کہ وہ اس لعنت میں ہمیشہ گرفتار رہیں گے ایسے لوگوں پر سے نہ تو کسی وقت عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ ان کو کوئی مہلت دی جائے گی (تیسیر) بظاہر آیت کا تعلق اہل کتاب اور ان کے ان علماء سے ہے جو نبی آخر الزماں کی نبوت اور آپ کی نسبت ان صاف اور واضح پیشین گوئیوں کا اخفا کرتے تھے جو توریت و انجیل اور دوسرے صحیفوں میں مذکور تھیں جیسا کہ ہم نے ربط کی تقریر میں عرض کیا ہے اگرچہ آیت عام ہے اور اس میں ہر کاتم حق کو داخل کیا جا سکتا ہے خواہ وہ امت محمدیہ کا کوئی شخص ہو یا امم سابقہ کا کوئی عالم ہو۔ ہم نے ما سے مراد مضامین اور احکام لئے ہیں تاکہ کتاب کی ہر ایک بات کو شامل ہو جائے۔ کوئی کاتم حق یہ کہہ سکتا تھا کہ میں ان احکام کو بیان تو کر دوں مگر وہ مغلق بہت ہیں اور بہت پیچیدہ اور اُلجھے ہوئے ہیں اس لئے میں ان کو بیان نہیں کرتا اور چھپاتا ہوں اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے یہ فرما کر دروازہ بند کر دیا کہ اوّل تو وہ مضامین میرے نازل کردہ ہیں پھر خود نہایت صاف اور واضح ہیں پھر ان کا ایک ایک لفظ ہدایت سے لبریز ہے اور میں نے ان کو خوب کھول کر اور واضح طور پر بیان کیا ہے۔ ایسے مضامین کو چھپانا تو محض خیانت اور بددیانتی سے ہو سکتا ہے ورنہ ان کے چھپانے اور اخفا کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی لعنت کا یہ مطلب ہے کہ وہ ان کو اپنی رحمت سے دور پھینک دیتا ہے اور اپنی بارگاہ سے دفع کر دیتا ہے یعنی بھلے کاموں کی توفیق سلب کر لیتا ہے لاعنون سے مراد فرشتے اور مسلمان ہیں خواہ وہ جنات میں سے ہوں یا انسانوں میں سے ہوں۔ بعض نے کہا کہ جن و انس کے علاوہ دوسری مخلوق مراد ہے خواہ وہ چوپائے ہوں۔ یا حشرات الارض ہوں یا پرندے ہوں چونکہ ملعون انسان کی نحوست کا تمام عالم کی اشیاء پر اثر پڑتا ہے اس لئے سب ہی ایسے انسان پر لعنت کرتے ہیں جو حق بات کو چھپا کر خدا تعالیٰ کے دین کو نقصان پہونچائے۔ بالخصوص وہ طاعنہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے مضامین و احکام کو چھپائیں اور رحمۃ للعالمین کی خوبیوں کا کتمان کر کے لوگوں کو آپ پر ایمان لانے سے روکیں خدا کی مخلوق کے لعنت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ملعون کے حق میں بددعا کرتے ہیں حضرت مجاہد کا قول ہے جب بارش نہیں ہوتی اور قحط پڑتا ہے تو ہر جان دار حتیٰ کہ چیونٹے اور بچھو اور موذی کیڑے بھی فساق و فجار کے حق میں بددعا کرتے ہیں کہ خدا ان پر لعنت کرے ان کے گناہوں کی وجہ سے ہم کو بھی قحط میں مبتلا ہونا پڑا توبہ کا مطلب ہم بیان کر چکے ہیں بندے کی توبہ یہ کہ ندامت اور پشیمانی کے ساتھ خدا کی طرف رجوع کرے اور خدا تعالیٰ کی توبہ یہ کہ رحمت کے ساتھ بندے کی جانب توجہ فرمائے اور چونکہ خالی توبہ کافی نہ تھی اس لئے اصلحوا کا لفظ بڑھایا کہ تلافی بھی کرے اور اُس نقصان کا تدارک بھی کرے جو اس کی شرارت اور کتمان حق سے بنی نوع انسان کو پہنچا ہے اور جو امر حق اس نے چھپایا تھا اس کو ظاہر کر دے اور لوگوں کو بتا دے چونکہ یہاں اہل کتاب کا ذکر ہے اس لئے مطلب یہ ہوگا کہ توبہ کر کے مسلمان ہو جائیں اور جن لوگوں کو کتمان حق کر کے گمراہ کیا تھا ان کے سامنے اُس حق کا اظہار کریں اور اگر ایسا نہ کریں گے اور اپنے کفر پر قائم رہیں گے اور کتمان حق کا ارتکاب کر کے خود بھی توبہ اور ایمان سے محروم رہیں گے اور دوسروں کو بھی نبی آخر الزماں کی رسالت پر ایمان لانے سے روکیں گے اور اسی حالت پر ان کو (باقی صفحہ میں)

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ

بیشک جو لوگ ان مضامین کو چھپاتے ہیں جن کو ہم نے نازل کیا ہے اور ان کی حالت یہ ہے کہ وہ صاف و صریح ہیں اور صحیح راستہ

مِن بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ ۙ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ

دکھانیوالے ہیں بعد اس کے کہ ہم ان مضامین کو کتابیں لوگوں کیلئے خوب کھول کر بیان بھی کر چکے ہیں تو ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ

اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ ﴿١٥٩﴾ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا

بھی لعنت کرتا ہے اور سب لعنت کرنیوالے بھی ان پر لعنت کرتے ہیں۔ مگر ہاں وہ لوگ جو توبہ کر لیں اور اصلاح کر لیں

وَبَيَّنُوا فَأُولَٰئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿١٦٠﴾

اور حق بات کو صاف صاف بیان کر دیں تو میں ایسے لوگوں کی توبہ قبول کر لیتا ہوں اور میں بکثرت توبہ قبول کرنیوالا نہایت مہربانی کرنیوالا ہوں

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ

بے شک جو لوگ کفر کرتے رہے اور کفر کی ہی حالت میں مر گئے تو ایسے لوگوں پر

لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿١٦١﴾ خَالِدِينَ

اللہ کی لعنت اور فرشتوں کی اور آدمیوں کی سب کی۔ یہ لوگ اس لعنت میں ہمیشہ

فِيهَا ۖ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ﴿١٦٢﴾ وَ

رہیں گے ان پر سے نہ تو کسی وقت عذاب ہلکا کیا جائیگا اور نہ ان کو مہلت ہی دیجائیگی ف۱ اور

إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۖ لَّا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَٰنُ الرَّحِيمُ ﴿١٦٣﴾ ع

تمہارا معبود حقیقی تو ایک ہی معبود ہے اسکے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ بے انتہا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

ع ١٩ / ١١ / ٣

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ

بلاشبہ آسمانوں کے اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کے باہمی اختلاف میں

وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنفَعُ

اور ان کشتیوں میں جو سمندر میں لوگوں کے فائدے کی چیزیں لے کر

النَّاسَ وَمَا أَنزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِن مَّاءٍ فَأَحْيَا بِهِ

چلتی ہیں اور اس پانی میں جسکو اللہ نے آسمان کی جانب سے نازل کیا پھر اس پانی سے زمین کو

ف۱ اور جو تم سب لوگوں کے معبود بننے کا مستحق ہے وہ تو صرف ایک ہی معبود ہے اس کے سوا کوئی دوسرا عبادت کے لائق نہیں وہی بے حد مہربان اور انتہائی رحم کرنے والا ہے بلاشبہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے اور بنانے میں اور رات و دن کے آگے پیچھے آنے جانے اور گھٹنے بڑھنے میں اور ان کشتیوں اور جہازوں میں جو سمندر کے اندر لوگوں کے فائدے کی چیزیں اور اسباب و سامان لیکر چلتے ہیں اور اس پانی میں جس کو اللہ تعالیٰ نے آسمان کی جانب سے اتارا اور برسایا پھر اس پانی سے زمین کو اس کے مرنے اور بالکل خشک ہوجانے کے بعد زندہ اور تروتازہ کیا اور اس زمین میں ہر قسم کے حیوانات کو پھیلادیا اور ہواؤں کے رُخ اور کیفیات بدلنے میں اور اس بادل میں جو آسمان وزمین کے مابین مقید و مسخر رہتا ہے ان سب چیزوں میں ان لوگوں کے لئے وجود باری اور توحید الٰہی کے بڑے دلائل موجود ہیں جو صحیح عقل رکھتے ہیں اور عقل سلیم سے کام لیتے ہیں (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ چونکہ وہ صفت رحمت میں کامل ہے اس لئے وہی مستحق عبادت بھی ہوسکتا ہے اور وہی معبود ہونے کے قابل ہے اس کے سوا نہ کسی کی رحمت اس قدر عام ہے اور نہ کوئی اس کے سوا معبود ہے رحمان رحیم مبالغہ کے صیغے ہیں اور اسی رعایت سے ان کا ترجمہ کیا گیا ہے حضرت اسماءؓ بنت یزیدؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں کہ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ان دو آیتوں میں ہے ایک سورۂ بقرہ کی آیت الٰھکم الٰہ واحد لا الٰہ الا ھو الرحمٰن الرحیم اور دوسری آل عمران کی یہ آیت الٓمّٓ اللہ لا الٰہ الا ھو الحی القیوم حضرت انسؓ کی روایت یہ ہے کہ ان دونوں آیتوں سے زیادہ سرکش شیاطین کے حق میں کوئی دوسری چیز سخت نہیں ہے اگرچہ رحمان و رحیم کے الفاظ بھی دلیل کے قائمقام ہیں لیکن آگے اور چند دلائل بیان فرمائے تاکہ مسئلہ توحید کو مختلف پہلوؤں سے ثابت کیا جائے چنانچہ عالم علوی اور عالم سفلی کی ایسی اہم اشیاء کا ذکر فرمایا جن کی تخلیق میں نہ خدا کے سوا کسی کو دخل ہے اور نہ سوائے خدا کے کوئی دوسرا بنا سکتا ہے اور نہ یہ نظام اس خوبی کے ساتھ کسی کی شرکت میں چل سکتا ہے آسمان وزمین کی ساخت اور ان کی پیدائش جس طرز پر کی گئی ہے اور جو فوائد ان سے مخلوق کے وابستہ ہیں وہ کسی پر مخفی اور پوشیدہ نہیں ہیں جس قدر دنیا سائنس میں ترقی کرتی جاتی ہے اور نئی نئی ہلاکت آفرین ایجادیں کرتی ہے اسی قدر اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ چیزوں کے کمالات نمایاں ہوتے جاتے ہیں اور ابھی نہیں کہا جاسکتا کہ فضاء آسمانی میں اور اسی طرح ذرات ارضی میں قدرت کی کون کون سی قوتیں پوشیدہ ہیں ارض وسما کی وہ بے پناہ طاقتیں جو ابتک معلوم ہوسکی ہیں ان میں سے ہر ہر طاقت اللہ تعالیٰ کی ذات اُن کی وحدانیت اور اُن کی الوہیت پر ایک مستقل دلیل اور ایک مضبوط گواہ ہے۔ لیل و نہار کے اختلاف کا مطلب یہ ہے کہ ایک کے پیچھے دوسرا آتا اور جاتا رہتا ہے بلکہ اختلاف کا مفہوم اس قدر عام ہے کہ اس میں دن کا گھٹنا اور بڑھنا اور مختلف مقامات کے اوقات کا اختلاف بھی شامل ہے۔ رات دن کا یہ اختلاف اللہ تعالیٰ کی توحید کے لئے ایک بہت بڑی دلیل ہے اسی طرح دریاؤں اور سمندروں میں کشتیوں اور جہازوں کا چلنا اور ہر قسم کے اسباب اور مال تجارت کو اِدھر سے اُدھر لے جانا اور لاکھوں آدمیوں کو اس کنارے سے اس کنارے پر لے جانا بالکل ظاہر ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ موجودہ دور نے جہاز رانی میں جو ترقی کی ہے اس نے دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے کو ملادیا ہے سمندروں کی یہ تسخیر بھی اس کے کمال خالقیت کی کھلی ہوئی دلیل ہے۔ گرمی کے موسم میں جو زمین خشک ہوجاتی ہے اس کو زمین کی موت سے تعبیر فرمایا ہے اور بارش کے بعد زمین پر جو سبزہ اور تروتازگی نظر آتی ہے اس کو اُس کی زندگی فرمایا ہے۔ بارش کا برسنا اور زمین کا ہر سال مرکر زندہ ہونا جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس پر ایک دلیل ہے اسی طرح ان کی الوہیت اور ان کی توحید پر بھی دلیل ہے بلکہ قیامت میں مُردوں کے دوبارہ زندہ ہونے کی بھی دلیل ہے۔ دابۃ ہر اُس حیوان کو کہتے ہیں جو زمین پر چلتا ہے خواہ وہ ذوی العقول ہو یا غیر ذوی العقول ہو۔ مطلب یہ ہے کہ آسمان سے پانی برسایا اس سے مختلف نباتات پیدا فرمائیں جو ایک جاندار کی زندگی اور زندہ رہنے کا سامان ہے پھر اس نباتات سے فائدہ اٹھانے کے لئے جاندار اور ذی روح مخلوق کو پیدا کیا تاکہ وہ زمین کی پیداوار کھاکر زندہ رہے۔ ہواؤں کا چلنا اور ان کا رخ بدلنا جس کو تصریف الریاح فرمایا ہے (باقی ضمیمہ میں)

الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَ

اُس کے مرے پیچھے زندہ فرمایا اور ہر قسم کے حیوانات اس زمین میں پھیلا دیئے

تَصْرِيفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَ

اور ہواؤں کے رُخ بدلنے میں اور اس ابر میں جو آسمان وزمین کے درمیان حکم الٰہی کا

الْأَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ وَمِنَ النَّاسِ

پابند رہتا ہے اہل عقل کیلئے بڑے دلائل ہیں ف۱ اور لوگوں میں بعض ایسے لوگ بھی ہیں

مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ أَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ

جو اللہ کے علاوہ اوروں کو بھی خدا کا ہمسر قرار دیتے ہیں یہ لوگ ان شریکوں سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی محبت اللہ سے کرنی چاہئے

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا أَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ

اور جو ایمان والے ہیں وہ خدا تعالیٰ سے محبت کرنے میں نہایت سخت اور بہت مضبوط ہیں اور کاش یہ ظالم لوگ اس وقت کو

ظَلَمُوْٓا إِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ أَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ

جس وقت عذاب کا مشاہدہ کریں گے اب جان لیتے کہ ہر قسم کی قوت اللہ ہی کے لئے ہے

وَّأَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ﴿۱۶۵﴾ إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا

اور یہ کہ اللہ سخت عذاب کرنے والا ہے ف۲ وہ وقت ایسا ہوگا جبکہ وہ لوگ جنکی پیروی کیجاتی تھی ان لوگوں سے علیحدگی اختیار

مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَأَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ

کرلیں گے جو انکی پیروی کیا کرتے تھے اور وہ سب عذاب کا مشاہدہ کرلیں گے اور ان کے تمام باہمی تعلقات

الْأَسْبَابُ ﴿۱۶۶﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً

منقطع ہوجائیں گے۔ اور وہ لوگ جو پیروی کرنیوالے تھے اس حالت کو دیکھ کر یوں کہیں گے کاش ہمکو دوبارہ دنیا میں جانیکا کسی طرح موقع مل جائے

فَنَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ

تو ہم بھی ان سے اسی طرح بیزاری کا اظہار کریں جس طرح انھوں نے آج ہم سے بیزاری ظاہر کی ہے اللہ تعالیٰ یوں اُن کے

أَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ﴿۱۶۷﴾ ع

اعمال انہیں موجب حسرت و پشیمانی کرکے دکھائے گا اور ان کو دوزخ کی آگ سے نکلنا کبھی نصیب نہ ہوگا۔ ف۳

ع ۲۰ / ۴

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ كُلُوا۟ مِمَّا فِى ٱلْأَرْضِ حَلَٰلًا طَيِّبًا وَلَا

اے لوگو زمین کی چیزوں میں سے جو حلال و پاکیزہ چیزیں ہیں اُنھیں کھاؤ اور

تَتَّبِعُوا۟ خُطُوَٰتِ ٱلشَّيْطَٰنِ ۚ إِنَّهُۥ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿١٦٨﴾

شیطان کے قدم بقدم نہ چلو بلاشبہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے ف۱

إِنَّمَا يَأْمُرُكُم بِٱلسُّوٓءِ وَٱلْفَحْشَآءِ وَأَن تَقُولُوا۟ عَلَى

وہ تو تم کو صرف بُری باتوں اور بے حیائی ہی کے کاموں کا حکم دیتا ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ

ٱللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿١٦٩﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ ٱتَّبِعُوا۟ مَآ

پر بے جانے بوجھے خوب بہتان باندھو ف۲ اور جب ان منکروں سے کہا جاتا ہے کہ جو حکم اللہ نے نازل کیا

أَنزَلَ ٱللَّهُ قَالُوا۟ بَلْ نَتَّبِعُ مَآ أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ ءَابَآءَنَآ ۗ

ہے تم اس پر چلو تو جواب دیتے ہیں نہیں ہم تو اسی طریقہ پر چلیں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے

أَوَلَوْ كَانَ ءَابَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْـًٔا وَلَا يَهْتَدُونَ ﴿١٧٠﴾

بھلا اگر ان کے باپ دادا نہ کچھ سمجھ رکھتے ہوں اور نہ وہ صحیح راہ یافتہ ہوں تب بھی یہ ان ہی کی پیروی کریں گے ف۳

وَمَثَلُ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ كَمَثَلِ ٱلَّذِى يَنْعِقُ بِمَا لَا

اور ان کافروں کو حق بات کی طرف بلانے کی مثال اس شخص کی سی مثال ہے جو کسی ایسے جانور کے پیچھے چلاتا ہو جو سوائے پکار

يَسْمَعُ إِلَّا دُعَآءً وَنِدَآءً ۚ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْىٌ فَهُمْ لَا

اور آواز کے اور کچھ نہ سنتا ہو یہ کفار بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں سو یہ کچھ سمجھتے

يَعْقِلُونَ ﴿١٧١﴾ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ كُلُوا۟ مِن طَيِّبَٰتِ

بوجھتے نہیں ف۴ اے ایمان والو جو پاکیزہ روزی ہم نے تمکو عطا فرمائی ہے اس میں

مَا رَزَقْنَٰكُمْ وَٱشْكُرُوا۟ لِلَّهِ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ﴿١٧٢﴾

سے کھاؤ اور اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاؤ اگر تم اسی کے عبادت گزار ہو۔

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ ٱلْمَيْتَةَ وَٱلدَّمَ وَلَحْمَ ٱلْخِنزِيرِ وَمَآ

اللہ تعالیٰ نے تو تم پر بس مُردہ جانور حرام کیا ہے اور خون اور سور کا گوشت اور وہ

ف۱ اے لوگو! زمین میں جو چیزیں موجود ہیں ان میں سے وہ چیزیں جو شرعاً حلال و پاکیزہ ہوں ان کو تم کھاؤ اور دیکھو شیطان کی پیروی نہ کرو اور اس کے قدم بقدم نہ چلو کیونکہ وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو اشیاء خوردنی تمہارے لئے زمین میں پیدا کی ہیں ان میں سے جو شریعت نے حلال و پاکیزہ فرمائی ہیں ان کو حسب ضرورت کھانے اور استعمال کرنے کی اجازت ہے ایسا نہیں کرنا چاہئے کہ حلال چیزوں کو حرام کرکے بیٹھ جاؤ اور ان کا کھانا ترک کردو جیسا کہ بعض یہود اب تک اپنی منسوخ شریعت کی حرام کردہ چیزوں کو حرام سمجھ رہے ہیں یا بعض عرب کے قبائل بعض جانوروں کو بتوں کے لئے خاص کر لیتے تھے اور ان کی سواری اور ان کے گوشت کو حرام سمجھتے تھے یا جیسے مشرکین ہند گائے کو قابل تعظیم سمجھ کر اس کا گوشت نہیں کھاتے یا بعضے جاہل اپنی یا اپنے عزیزوں کی بیماری کی وجہ سے اپنے پر بعض ماکولات اور مشروبات کو حرام کر لیتے ہیں یا جیسے بعض لوگ غصہ میں کسی چیز کے کھانے پر قسم کھا لیتے ہیں اور اس چیز کو اپنے اوپر حرام کر لیتے ہیں یا جیسے بعض جاہل صوفی ٹھنڈا پانی اور لذیذ کھانوں کو اپنے اوپر حرام کر لیتے ہیں اور اس کو اعلیٰ درجہ کی ریاضت و عبادت سمجھتے ہیں تحریم کے یہ سب طریقے حرام ہیں جو چیزیں شریعت محمدیہ نے حلال کی ہیں ان کو حرام کرنے کا حق کسی کو نہیں ہے۔ حلال کے ساتھ طیب کی قید بھی لگائی۔ بعض حضرات نے طیب سے خوش ذائقہ اور لذیذ اشیاء مراد لی ہیں یعنی جو چیز شرعاً حلال ہو اور مرغوب طبع اور لذیذ بھی ہو اگر طیب کے یہ معنی کئے جائیں تو دواؤں کو مستثنیٰ کرنا ہوگا۔ کیونکہ دوا کا استعمال جائز ہے اور بسا اوقات دوا مرغوب طبع اور لذیذ نہیں ہوتی خلاصہ یہ ہے کہ وہ چیز حلال و طیب ہو تونی حد ذاتہ حرام ہو جیسے شراب۔ خون۔ مردار وغیرہ۔ اور نہ کسی عارض کی وجہ سے اس میں حرمت آئی ہو جیسے رشوت۔ غصب۔ سود۔ اشیاء مسروقہ وغیرہ۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہ رسالت میں ایک دفعہ درخواست کی تھی یا رسول اللہ میرے لئے دعا کر دیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے مستجاب الدعوات کر دے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے سعد میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ بعض دفعہ انسان حرام کا ایک لقمہ کھا لیتا ہے اور اس کی دعا اس حرام کے لقمہ کی وجہ سے چالیس دن تک قبول نہیں ہوتی جس شخص کا گوشت رشوت اور سود کے مال سے بڑھیگا اس کے لئے دوزخ کی آگ ہی سزاوار ہے یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ جس طرح بتوں کی عظمت اور ان کے احترام کی وجہ سے کسی جانور یا کسی کھیت کو یا کسی جانور کے دودھ کو یا کسی مادہ کے اس بچہ کو جو پیٹ میں ہو حرام سمجھنا ایک شیطانی اور مشرکانہ فعل ہے اسی طرح کسی سانڈ کو یا بکرے اور مرغ کو تقرب کی نیت سے غیر اللہ کے نام پر نامزد کرنا بھی ایک حرام فعل ہے اور یہ بھی حلال کو حرام کرنے کی ایک صورت ہے جسکی تفصیل انشاء اللہ چند آیتوں کے بعد آجائے گی مطلب یہ ہے کہ خواہ کوئی ایسا فعل کیا جائے جس سے حلال جانور حرام ہو جائے اور اس میں حرمت آجائے یا غیر اللہ کی تعظیم اور تقرب کی نیت سے کسی حلال کو اپنے اوپر حرام کر لو۔ یہ دونوں صورتیں غیر شرعی اور خطوات شیطان سے ہیں غرض جو ماکولات و مشروبات حق تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہیں انکو کھاؤ پیو بشرطیکہ ان میں کوئی شرعی ممانعت نہ ہو خَطْوَةٌ یا خُطْوَةٌ اس فاصلہ کو کہتے ہیں جو چلنے والے کے دونوں قدم کے درمیان ہوتا ہے یعنی ایک قدم اٹھا کر دوسرا قدم رکھنے کے مابین کا فاصلہ لیکن چونکہ اب یہ پیروی کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اس لئے ہم نے تیسیر میں دونوں کا لحاظ رکھا ہے حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ عرب کے لوگوں نے دین ابراہیم کو کئی طرح بگاڑا تھا اول سوائے خدا کے اوروں کو پوجنے لگے اور ان کی نیاز جانور ذبح کرنے لگے کہ وہ مردار ہوتا ہے اور کفر ہے اور مواشی میں سے کئی چیزیں حرام ٹھہرائیں سورۂ مائدہ اور انعام میں جن کا بیان ہے اور گوشت خوک حلال سمجھا ان باتوں پر اللہ تعالیٰ ان کو الزام دیتا ہے۔ موضح القرآن۔ اب آگے شیطان کے طریقۂ کار کا ذکر ہے کہ وہ کیسی بری باتوں پر انسان کو ابھارتا اور آمادہ کرتا ہے (تسہیل) ف۲ شیطان کا کام تو سوائے اس کے کچھ نہیں کہ وہ تم کو بُری اور بے حیائی کی باتیں سکھاتا ہے اور نیز یہ تعلیم دیتا ہے کہ تم اللہ کے ذمہ ایسی باتیں لگاؤ جن کی نہ تمہارے پاس کوئی سند ہے اور نہ تم ان باتوں کی حقیقت کو جانتے ہو (تیسیر) سوء سے ہر قسم کے معاصی ہیں اور فحشاء سے گناہوں کی بدترین قسم مراد ہے اس لئے فحشاء کی تعبیر زنا کے ساتھ اور بخل کے ساتھ کی گئی ہے۔
(باقی ضمیمہ میں)

أُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ

جانور جو خدا کے سوا کسی دوسرے کے نام نامزد کر دیا گیا ہو یعنی تقرب کی نیت سے اس پر بھی اگر کوئی شخص بے بس ہو جائے بشرطیکہ نہ تو وہ

فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٧٣﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

طالب لذت ہو اور حد سے بڑھنے والا تو اس شخص پر کچھ گناہ نہیں ہے بیشک اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا نہایت مہربانی کرنے والا ہے ف اس میں کوئی

يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَشْتَرُوْنَ

شبہ نہیں کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی کتاب کو چھپاتے ہیں اور اس چھپانے پر حقیر معاوضہ

بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۙ اُولٰٓئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا

حاصل کرتے ہیں تو ایسے لوگ بس اور کچھ نہیں اپنے پیٹوں میں صرف آگ

النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۚ ۖ

بھر رہے ہیں اور ایسے لوگوں سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نہ کلام کریگا اور نہ ان کو پاک کرے گا

وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿١٧٤﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ

اور ان کو دردناک سزا ہوگی۔ یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت کے

بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَآ اَصْبَرَهُمْ

بدلے گمراہی اور مغفرت کے بدلے عذاب خرید لیا ہے سو یہ لوگ دوزخ کی آگ کو کس قدر

عَلَى النَّارِ ﴿١٧٥﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ؕ

برداشت کرنیوالے ہیں۔ یہ عذاب مذکور اس بنا پر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کتاب کو ٹھیک ٹھیک اتارا تھا

وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِى الْكِتٰبِ لَفِيْ شِقَاقٍ

اور جن لوگوں نے ایسی ٹھیک کتاب میں اختلاف ڈالا تو وہ لوگ یقیناً ایک ایسی مخالفت میں پڑے ہیں جو طریقہ حق

بَعِيْدٍ ﴿١٧٦﴾ ع لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ

سے بہت دور ہے ف کوئی یہی نیکی نہیں ہے کہ تم اپنے منہ مشرق کی

الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ

طرف کر دو یا مغرب کی طرف بلکہ نیکی تو یہ ہے کہ جو شخص اللہ پر اور

ف اے ایمان والو! جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تم کو عطا کی ہیں ان میں جس کو چاہو حسب ضرورت کھاؤ اور استعمال کرو اور اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لاؤ اگر تم اسی کے بندے اور عبادت گزار ہو اللہ تعالیٰ نے تو بس تم پر یہ چیزیں حرام کی ہیں۔ مردہ جانور اور بہتا خون اور سور کا گوشت اور ایسا جانور جو تقرب کی نیت سے غیر اللہ کے ساتھ نامزد کر دیا گیا ہو ان سب چیزوں کو اس نے حرام کیا ہے پھر ان میں یہ گنجائش اور آسانی رکھی ہے کہ جو شخص بھوک سے بیقرار اور بے بس ہو جائے بشرطیکہ تو لذت اور مزے کا طالب ہو اور نہ ضرورت و حاجت کی مقدار سے تجاوز کرنے والا ہو تو ایسی حالت میں اگر وہ کچھ تھوڑا سا کھا لے اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا بیشک اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والا نہایت مہربانی کرنے والا ہے (تیسیر) خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ کافروں کی دیکھا دیکھی کسی حلال کو حرام اور حرام کو حلال بنانے کی کوشش نہ کریں اور نہ کسی ایسے فعل کا ارتکاب کریں جس سے حلال چیز حرام ہو جائے چونکہ اشیا میں اصل اباحت ہے جب تک ان کی حرمت پر کوئی دلیل نہ ہو اس لئے طیبات کی قید کے ساتھ ان کی عام اجازت دے دی کہ اگر کھانا چاہو تو طیبات کو کھاؤ اگر کھانے کی چیز ہو اور اگر برتنے کی چیز ہو تو اس کو برتو اور استعمال کرو عام اجازت ہے البتہ جو چیزیں ناپاک اور نجس ہیں ان سے اجتناب کرو ہم نے ان کو حرام کر دیا ہے اور وہ یہی ہیں جیسے مُردہ جانور یعنی جو جانور اپنی موت سے مر جائے اور اس کو ذبح کرنے کی نوبت نہ آئے تفصیل انشاء اللہ سورۂ مائدہ میں آجائے گی اور بہنے والا خون جو عام طور سے ذبح کے وقت بہتا ہے کلیجی اور تلی حلال ہے۔ کیونکہ وہ دم مسفوح نہیں ہے اسی طرح مردہ جانوروں میں سے ٹڈی اور مچھلی مستثنیٰ ہے یہ اگر اپنی موت سے بھی مر جائیں تو ان کا کھانا جائز ہے چونکہ عام طور سے سور کھانے والے اس کا گوشت کھاتے ہیں اس لئے گوشت کا ذکر فرما دیا ورنہ سور کے نجس العین ہونے کی وجہ سے اس کی ہر چیز کا کھانا اور استعمال کرنا حرام ہے خواہ اس کی چربی ہو یا اس کے اعصاب ہوں یا اس کی کھال ہو اور ما اھل بہ لغیر اللہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی بت یا دیوی یا کسی بزرگ یا کسی پیر اور پیغمبر کے لئے کوئی جانور نامزد کر دیا جائے اور اس کے ذبح سے محض غیر اللہ کا تقرب اور ان کی خوشنودی مقصود ہو۔ ایسے نامزد جانور کو خواہ اللہ تعالیٰ ہی کا نام لیکر ذبح کیا جائے تب بھی اس کا کھانا حرام ہے۔ باغ کا ترجمہ ہم نے طالب لذت سے کیا ہے یہ معنی صاحب مدارک سے لئے گئے ہیں ورنہ عام طور سے اس کے معنی نافرمانی کرنے والا کئے جاتے ہیں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تو امام وقت کا باغی مراد ہے اور حنفیہ اس کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ نافرمانی کرنے والا نہ ہو یعنی اضطرار کی حالت سے قبل ہی کھانے بیٹھ جائے مگر صاحب مدارک نے جو معنی کئے ہیں ان میں کسی توجیہ کی ضرورت نہیں اس لئے ہم نے وہ معنی اختیار کر لئے ایسا ہی اختلاف عاد میں بھی ہے امام شافعی کے نزدیک یہ مطلب ہے کہ وہ کوئی ناجائز سفر نہ کر رہا ہو مثلاً چوری یا زنا وغیرہ کے ارادے سے سفر نہ کر رہا ہو اور حنفیہ کے نزدیک یہ مطلب ہے کہ حد سے تجاوز کرنے والا نہ ہو یعنی خوب پیٹ بھر کر نہ کھائے بلکہ محض تھوڑا سا جان بچانے کی غرض سے کھائے خلاصہ یہ ہے کہ یہ شخص جو بھوک سے بے قرار ہو جائے اور مرنے لگے تو محرمات کا بقدر ضرورت استعمال کر سکتا ہے بشرطیکہ اس کا مقصد مزہ حاصل کرنا نہ ہو اور نہ اس کا مقصد پیٹ بھر کر کھانا ہو تو اس پر کھا لینے میں کوئی گناہ نہیں۔ ضروری فائدہ اس موقعہ پر ایک بات تو یہ سمجھ لینی چاہیے کہ ہمارے زمانے میں عوام اور بعض خواص اس ما اھل بہ میں بہت الجھتے ہیں ان کا خیال یہ ہے کہ جب ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لے لیا جائے اور بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کیا جائے تو وہ جانور پھر حرام نہیں ہونا چاہیے خواہ وہ غیر اللہ ہی کے نام کا ہو لیکن ان لوگوں کا یہ خیال صحیح نہیں ہے اللہ تعالیٰ کا نام لیکر ذبح کرنا کسی حرام کو حلال نہیں کر سکتا اگر یہ بات ہوتی تو ہر حرام جانور کو اللہ کا نام لیکر ذبح کرنے کے بعد کھا سکتے حالانکہ یہ بدیہی البطلان ہے اللہ کے نام کی بجائے اگر غیر اللہ کا نام لے کر ذبح کیا جائے تو حلال جانور بھی حرام ہو جائیگا لیکن اگر حرام جانور کو اللہ کا نام لے کر ذبح کیا جائے تو وہ حلال نہیں ہو سکتا اس اصول کو ذہن نشین کر لینا چاہیے اب غور کرنا چاہیے جو جانور تقرب کی نیت سے غیر اللہ کے ساتھ نامزد کر دیا اس میں محض اس نیت اور نامزدگی کی وجہ سے حرمت آ گئی کیونکہ نیت کرنے والے کا مقصد یہ ہے کہ میں اس جانور کو قربانی (ضمیمہ میں)

ع ٢١ — ٩ — ٥

ف۱ کوئی سب نیکوں میں یہی نیکی نہیں ہے کہ تم عبادت کے وقت اپنا رخ مشرق کی جانب کرلو یا مغرب کی طرف کرلو بلکہ اصل بھلائی اور حقیقی نیکی تو اس شخص کی ہے جو اللہ تعالیٰ پر اور یوم آخرت پر اور ملائکہ کے وجود پر اور تمام کتب سماویہ [illegible] اور سب پیغمبروں پر ایمان لائے اور ان پر یقین رکھے اور مال کی محبت کے باوجود اہل قرابت کو اور بن باپ کے بچوں کو اور مساکین کو اور مسافروں کو اور سوال کرنیوالوں کو مال دیتا ہو اور [illegible] چھڑانے میں مال دیتا ہو اور نماز کی پابندی کرتا ہو اور زکوٰۃ بھی ادا کرتا ہو اور وہ لوگ جو ان تمام کاموں کے ساتھ ساتھ اپنے عہد کو بھی ادا کرنے والے ہوں جب وہ کوئی عہد کریں اور وہ خصوصیت کے ساتھ تنگدستی اور بیماری میں اور معرکہ کارزار کے وقت صبر کرنے والے اور ثابت قدم رہنے والے ہوں یہ حضرات جو ان خوبیوں کیساتھ متصف ہیں یہی سچے اور راست گو ہیں اور یہی حقیقی متقی اور پرہیزگار ہیں (تیسیر) بِرّ ہر اس پسندیدہ فعل کو کہتے ہیں جو اپنے کرنے والے کو جنت میں پہونچادے مطلب یہ ہے کہ اے اہل کتاب تم نے تمام نیکیوں اور اعمال خیر کو صرف اس بات میں منحصر کردیا ہے کہ مشرق مغرب کی طرف منہ کرلو بس اس کے بعد اور کسی کام کی ضرورت نہیں حالانکہ یہ بات نہیں ہے بلکہ تمہارا دین چونکہ منسوخ ہوچکا ہے اس لئے بیت المقدس کی جہت غربی یا شرقی کی جانب منہ کرلینا ہی کوئی نیکی نہیں ہے نیز یہ کہ اعتقادات صحیحہ اور دیگر اعمال خیر کو ترک کردینا اور ان سے بے اعتنائی برتنا اور صرف جہت قبلہ کو اہمیت دینا اور اسی کو باعث مغفرت اور نجات سمجھنا کوئی بھلائی اور نیکی نہیں ہے بلکہ اصل بھلائی تو یہ ہے کہ جہاں تک عقیدے اور ایمان کا تعلق ہے اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لائے اور فرشتوں کے وجود پر ایمان لائے اور سب آسمانی کتابوں کو تسلیم کرے اور تمام پیغمبروں پر یقین لائے سب پیغمبروں میں نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل ہیں اور جہاں تک اعمال کا اور معاملات کا تعلق ہے اس اعتبار سے بھی بھلائی اور نیکی اُس شخص کی ہے جو مال کی محبت اور حاجت کی موجودگی میں اپنا مال غربا کو دیتا ہو جیسا کہ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا یا رسول اللہ کونسا صدقہ بڑا ہے آپ نے فرمایا ایسی حالت میں صدقہ دینا کہ تو تندرست ہو اور مال کا خواہش مند ہو تنگدستی اور فقر کا خوف دامنگیر ہو اور مال داری کی توقع رکھتا ہو اور اتنی تاخیر نہ کرے کہ جان گلے میں آجائے اور اس وقت کہے کہ اتنا فلاں کو دینا اور اتنا فلاں شخص کو دینا۔ مطلب یہ ہے کہ مال زندگی اور تندرستی میں صدقہ کرے جبکہ یہ خیال ہو کہ پیسہ رہے گا تو میرے کام آئے گا جیسا کہ عام طور سے انسان کو خیال ہوتا ہے کہ نہ معلوم کیا وقت ہے وقت بے وقت کو پیسہ رہنا چاہئے کہیں ایسا نہ ہو کہ خرچ ہوجائے تو میں محتاج ہوجاؤں بلکہ اس کو اور بڑھانا چاہئے۔ ان تمام باتوں سے بے خوف اور بے نیاز ہوکر خیرات کرے یہ نہیں کہ مرتے وقت تک مال کو چھاتی سے لگائے بیٹھا رہے اور مرنے کے وقت وصیت کرنے لگے کہ فلاں کو اتنا اور فلاں کو اتنا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ خدا کی محبت میں مال صرف کرے جیسا کہ بعض حضرات نے اختیار کیا ہے اور یہ معنی اس وقت ہوں گے جب حبہ کی ضمیر کو خدا کی طرف پھیرا جائے۔ رشتے کنبے کے لوگوں کو مقدم کیا کیونکہ اگر اہل قرابت محتاج اور فقیر ہوں تو ان کے دینے میں دوہرا اجر ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے

وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى

یوم آخرت پر اور فرشتوں پر اور سب کتب سماویہ پر اور تمام نبیوں پر ایمان لائے اور باوجود

الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ

مال کی محبت اور احتیاج کے قرابت داروں کو اور یتیموں کو اور مسکینوں کو

وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ

اور مسافروں کو اور سائلوں کو اور غلاموں کو آزاد کرانے میں مال دیتا ہو اور نماز

الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا

کی پابندی کرتا ہو اور زکوٰۃ بھی ادا کرتا ہو اور اپنے عہد کو پورا کرنیوالے جب

عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ

عہد کرلیں اور وہ جو تنگدستی میں اور بیماری میں اور لڑائی کی سختی کے وقت ثابت قدم

الْبَاْسِ ۭ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۭ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ

رہنے والے ہوں یہی سب لوگ وہ ہیں جو سچے ہیں اور یہی لوگ

الْمُتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ

پرہیزگار ہیں ف اے ایمان والو! مقتولین کے بارے میں تم پر قصاص

الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ۭ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ

لازم کیا گیا ہے آزاد کے بدلے آزاد اور غلام کے عوض غلام

وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ۭ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ

اور عورت کے عوض عورت پھر جس قاتل کو اس کے بھائی یعنی طالب قصاص کیجانب سے کچھ معاف کر دیا جائے

فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ۭ ذٰلِكَ

تو طالب دیت یعنی وارث مقتول کو بھلائی کی پیروی کرنی چاہئے اور قاتل کو خوش دلی کے ساتھ اسے خون بہا ادا کر دینا چاہئے یہ حکم

تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ۭ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ

دیت و عفو تمہارے رب کی جانب سے آسانی اور مہربانی ہے پھر جو شخص اس آسانی کے بعد زیادتی کرے گا

مروی ہے کہ مسکین کو صدقہ دینا ایک صدقہ ہے اور رشتہ دار کو صدقہ دینا دوہرا صدقہ ہے اس لئے کہ صدقہ بھی ہے اور صلہ بھی اور ارشاد ہے افضل الصدقۃ علی ذی الرحم الکاشح صدقات میں سے افضل وہ صدقہ ہے جو ایسے قرابت دار کو دیا جائے جو ناخوش اور بدخو ہو یعنی جو رشتہ دار تجھ سے روگرداں رہتا ہو اور تجھ کو برا بھلا کہتا ہو اس کو دینا افضل صدقہ ہے یتامیٰ سے مراد وہ نابالغ بچے جن کا باپ مرجائے مساکین سے وہ لوگ مراد ہیں جن کی آمدنی ان کی ضروریات کے لئے کافی نہ ہوتی ہو جیسا کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مسکین وہ نہیں ہے کہ جس کو ایک کھجور یا دو کھجوریں اور ایک لقمہ یا دو لقمے بس کرتے ہیں اور وہ ان کو لیکر لوٹ جاتا ہے یعنی وہ دریوزہ گر جو گلی کوچوں میں مانگتے پھرتے ہیں جہاں سے کچھ مل گیا وہ لیکر آگے بڑھ گئے بلکہ مسکین وہ ہے جس کو اس قدر مال میسر نہ ہو جو اس کی ضرورت کے لئے کافی ہوجائے اور نہ اس کی حالت کو کوئی جانتا ہو کہ اس کو کچھ پہنچا دے مسافر جو تنگدست ہو اور سفر میں اس کے پاس زادِ راہ نہ ہو یا زادِ راہ خرچ ہوجائے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ابن السبیل سے مراد (باقی ضمیمہ میں)

فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۸﴾ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي

تو اُس کو دردناک عذاب ہوگا۔ اور اے صاحبانِ عقل اس حکم قصاص میں تمہاری زندگی اور بقا

الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۹﴾ كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ

ہے اُمید ہے کہ تم لوگ ناحق کی خونریزی سے پرہیز کروگے تم پر یہ بھی فرض کیا جاتا ہے کہ جب تم میں سے کسی کے مرنے کا

الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۚ ۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ

وقت آجائے بشرطیکہ وہ کچھ مال بھی چھوڑنے والا ہو تو وہ اپنے ماں باپ اور رشتہ داروں کے لئے انصاف کیساتھ

بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۸۰﴾ فَمَنْۢ بَدَّلَهٗ بَعْدَ

وصیت کر مرے یہ حکم خدا سے ڈرنے والوں پر لازم ہے ف۲ پھر جو کوئی اس وصیت کو سننے کے بعد اسے

مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

تبدیل کرے گا تو اس کا گناہ انہی لوگوں پر ہوگا جو اس کو تبدیل کریں گے بیشک اللہ تعالیٰ

سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۸۱﴾ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ

سننے والا جاننے والا ہے ف۳ پھر اگر کسی شخص کو وصیت کرنوالے کی جانب سے نادانستہ کسی غلطی کا یا دانستہ کسی حق تلفی کا

اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ

علم ہوا ہو اور وہ وصیت کو بدل کر دونوں میں صلح کرا دے تو اس شخص پر کوئی گناہ نہیں بیشک اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا

رَّحِيْمٌ ﴿۱۸۲﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ

بڑی مہربانی کرنے والا ہے ف۴ اے ایمان لانیوالو جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر روزہ فرض کیا گیا تھا

كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۳﴾

اسی طرح تم پر بھی روزے کا رکھنا فرض کیا گیا ہے اس امید پر کہ تم پرہیزگار ہو جاؤ ف۵

اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى

گنتی کے چند دنوں میں روزہ رکھ لیا کرو پھر جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا سفر میں ہو تو

سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ

اس کے ذمہ اور دوسرے دنوں سے گنتی کا پورا کرنا ہے اور وہ لوگ جو طاقت رکھتے ہوں

ف اے ایمان والو! ان مقتولین کے بارے میں جو عمداً قتل کئے جائیں تم پر قصاص فرض کیا جاتا ہے۔ آزاد آدمی قتل کیا جائے آزاد آدمی کے بدلے میں اور غلام قتل کیا جائے غلام کے بدلے میں اور عورت قتل کی جائے عورت کے عوض میں مگر ہاں جس قاتل کے لئے اس کے بھائی طالبِ قصاص کی جانب سے کچھ معاف کردیا جائے اور اولیائے مقتول میں سے کوئی شخص اپنے قصاص کا حق قاتل کو معاف کردے تو پھر فریقین کو اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ طالب دیت کو تو بھلائی اور معقول بات کی پیروی کرنا ہے اور قاتل کو خوش دلی اور خوبی کے ساتھ طالبِ دیت کو خوں بہا ادا کر دینا اور پہونچا دینا ہے یہ حکم دیت وعفو تمہارے پروردگار کی جانب سے تخفیف وترحم ومہربانی ہے پھر اس قانونی تخفیف کے بعد اگر کوئی شخص زیادتی اور تعدی کرے گا تو اس کو آخرت میں بڑا دردناک عذاب ہوگا اور اے صاحبانِ خرد وفہم اس قانون قصاص میں تمہاری زندگی اور تمہاری جانوں کا بچاؤ ہے ہم کو امید ہے کہ تم قانون کی خلاف ورزی اور ناحق کی خوں ریزی سے پرہیز کروگے (تیسیر) قصاص کے معنی ہیں برابر اور مماثلت کے یعنی ایک انسان کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے جو اس نے کیا ہے قتل کیا ہے تو قتل کیا جائے۔ ہاتھ کاٹا ہے تو ہاتھ کاٹا جائے کسی نے کسی کا پاؤں کاٹا ہے تو پاؤں کاٹا جائے وغیرہ وغیرہ۔ قتلی جمع ہے قتیل بمعنی مقتول کی۔ چونکہ یہاں قتل عمد کا قصاص بیان کیا گیا ہے اس لئے ہم نے تیسیر میں قتل عمد کی قید لگا دی ہے۔ قتل عمد اُس کو کہتے ہیں جس میں قاتل قصداً کسی شخص کو کسی آہنی ہتھیار سے یا کسی ایسی چیز سے جس سے گوشت کٹ کر خون بہ سکے قتل کردے اس آیت میں اس قسم کے قتل کا قصاص مذکور ہے۔ رہا قتل خطا تو اس کا حکم پانچویں پارے میں انشاء اللہ تعالیٰ آجائے گا خواہ خطا کی یہ شکل ہو کر کسی مسلمان کو کافر حربی سمجھ کر قتل کردیا جائے یا تیر کسی شکار پر چلایا اور وہ تیر کسی مسلمان کو لگ گیا اور وہ مرگیا یہ سب صورتیں وہیں ذکر کی جائیں گی۔ زمانۂ جاہلیت میں قصاص کو ایک تماشا بنا رکھا تھا بڑے لوگوں پر قصاص معاف تھا صرف تھوڑا سا روپیہ دے دلا کر مقتول کے وارثوں کو خاموش کردیا جاتا تھا ایک طرف تو یہ تھا کہ چھوٹے آدمیوں کی جان کی کوئی قیمت ہی نہ تھی دوسری طرف کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ مقتول کے وارث بجائے قاتل کے اس کے کسی عزیز کو قتل کر ڈالتے تھے اور کبھی ایسا ہوتا تھا کہ بجائے ایک شخص کے قاتل کے خاندان کے بہت سے آدمیوں کو قتل کردیا جاتا تھا لیکن اسلام جو ایک منصفانہ شریعت لے کر آیا تھا اس نے ان تمام غلطیوں کی اصلاح کی جس میں دنیا مبتلا تھی اور قصاص کا مکمل قانون دنیا کے روبرو پیش کردیا چنانچہ اس آیت کا نزول بھی ایسے موقع پر ہوا جبکہ دو قبیلوں میں باہمی نزاع تھا ایک قبیلے کے کئی خون دوسرے قبیلے کے ذمے چڑھ گئے تھے مقتولین کا قبیلہ قصاص کا طالب تھا۔ قاتلوں کا قبیلہ چونکہ باعزت اور بڑے لوگوں کا قبیلہ تھا اس لئے وہ اپنی برتری کے باعث اس مساوات سے انکار کرتے تھے یا واقعہ اس طرح تھا کہ مقتولین کا قبیلہ بڑے لوگوں کا قبیلہ تھا وہ انتقام کے لئے یہ مطالبہ کرتا تھا کہ ہم اپنے غلام کے بدلے میں تمہارا آزاد آدمی قتل کریں گے اور لونڈی کے بدلے میں تمہاری آزاد عورت کو قتل کریں گے کیونکہ ہم قوت اور مال میں تم سے اونچے ہیں۔

بہرحال ان لوگوں نے اپنا فیصلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو پیش کیا اس پر یہ قانون قصاص نازل کیا گیا۔ اس مختصر تمہید کے بعد اس آیت کے متعلق چند باتیں سمجھ لینی چاہئیں (۱) اسلامی قانون میں کسی مقتول کے قصاص کا حق اس کے ورثاء کا حق تسلیم کیا گیا ہے۔ حکومت کو نافذ کرنے کا حق ہے لیکن اگر ورثاء مقتول کو معاف کردیں تو حکومت کو خود بدلہ لینے کا حق نہیں ہے اور انصاف بھی یہی ہے کہ کسی شخص کے مرنے کا اثر جس جماعت اور جس سوسائٹی پر پڑتا ہے اس کو ہی یہ حق ہونا چاہئے کہ چاہے وہ انتقام لے یا معاف کردے یا خون بہا لے لے۔ ہاں حکومت وہاں خود مدعی ہوسکتی ہے جہاں مقتول کا کوئی وارث نہ ہو اور مقتول کی جانب سے کوئی مدعی نہ ہو موجودہ تہذیب میں یہ دستور نہیں ہے۔ اور یہ کہا جاسکتا ہے کہ کافر حکومتوں کا قانون اسلامی قانون کے خلاف ہے کیونکہ مروجہ قانون میں سرکار خود مدعی ہوتی ہے۔ (۲) جب قانون اسلامی میں قصاص اولیائے مقتول کا حق ہے تو وہ معاف بھی کرسکتے ہیں یا بجائے قصاص کے خون بہا لے سکتے ہیں۔ جس طرح وہ فیصلہ کرلیں حکومت کو فریقین کا فیصلہ تسلیم کرنا ہوگا (۳) دیت یا خون بہا کی مقدار اسلام نے (باقی ضمیمہ میں)

ف گنے ہوئے چند دن ہیں جن کا روزہ رکھا کرو پھر ان میں بھی یہ رعایت کی جاتی ہے کہ جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا سفر پر ہو تو اس پر دوسرے دنوں کو شمار کر کے ان میں روزہ رکھنا ہے اور جو لوگ طاقت رکھتے ہوں اور روزہ نہ رکھنا چاہیں تو ان کے ذمہ روزے کا فدیہ اور بدلا ہے جو ایک مسکین کا کھانا ہے اور جو شخص اپنی رغبت اور خوشی سے زیادہ کار خیر کرے تو یہ اس کے لئے بہتر ہے اور اگرچہ ہم نے بیمار اور مسافر کو اور اہل طاقت کو بھی روزہ نہ رکھنے کی اجازت دیدی ہے لیکن اس حال میں بھی تمہارا روزہ رکھنا تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے اگر تم روزے کی فضیلت اور اس کی قدر و منزلت کو جانتے ہو (تیسیر) گنے ہوئے چند دن کا مطلب یہ ہے کہ تیس یا انتیس ۲۹ دن ہیں۔ بیمار سے مراد ایسا بیمار ہے جس کو روزہ رکھنا شاق اور ناقابل برداشت ہو یا روزہ رکھنے سے اس کی بیماری میں اضافہ اور زیادتی ہوتی ہو۔ سفر سے مراد وہ سفر ہے جس کو شرعی سفر کہتے ہیں۔ یعنی تین منزل کے قصد سے نکلے اور جہاں جا کر قیام کرے وہاں پندرہ دن یا پندرہ دن سے زیادہ ٹھہرنے کی نیت نہ ہو اگر پندرہ دن کی نیت وہاں ٹھہرنے کی کرے گا تو مسافر کا حکم اس پر جاری نہ ہوگا۔ اور بیمار اور مسافر کو رمضان کے بعد اپنے قضا روزے رکھنے ہوں گے۔ چاہے متواتر روزے رکھ لے یا وقفے کے ساتھ رکھ لے لیکن بہتر یہ ہے کہ دوسرے رمضان کے آنے سے پہلے پہلے روزوں کی قضا رکھ لے لیکن اگر سوء اتفاق سے دوسرا رمضان آگیا اور پہلے رمضان کی قضا باقی ہے تو دوسرے رمضان کے روزے رکھنے کے بعد پھر پہلے رمضان کے روزوں کو پورا کرے۔ مسافر اگر سفر میں روزہ رکھ سکتا ہو لیکن نہ رکھے تو نہ رکھنا جائز ہے البتہ رکھ لے تو افضل ہے جو شخص صبح صادق سے پہلے مسافر بن جائے تو اس کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے لیکن کوئی روزہ رکھ کر صبح صادق کے بعد سفر کرے تو اس کو افطار کا حق نہیں ہے مگر یہ کہ کوئی شدید تکلیف پیش آجائے فدیۃ طعام مسکین کا حکم ابتدائی تھا جو لوگوں کو روزے کا خوگر بنانے کی وجہ سے دیا گیا تھا۔ مسکین کے کھانے کا مطلب یہ ہے کہ ایک مسکین کو دونوں وقت پیٹ بھر کے کھانا کھلائے یا مروجہ اسی تولہ کی تول سے پونے دو سیر گیہوں ایک مسکین کو دیدے ایک روزے کا فدیہ ایک ہی مسکین کو دیا جا سکتا ہے۔ اب یہ فدیہ کا حکم صرف شیخ فانی اور دائم المرض مریض کے لئے ہے تندرست و توانا کے لئے نہیں رہا۔ شیخ فانی سے وہ ضعیف بوڑھا مراد ہے جس میں روزہ رکھنے کا سکت نہ ہو اور آئندہ بھی طاقت آنے کی امید نہ ہو اور دائم المرض سے مراد وہ مریض ہے جس کو صحت کی امید نہ ہو اور وہ ایسے مرض میں مبتلا ہو جس کی وجہ سے روزہ رکھنا ناممکن اور ناقابل برداشت ہو صرف ان لوگوں کے لئے یہ حکم ہے کہ یہ روزہ نہ رکھیں اور فدیہ دیا کریں اور اگر ان کے پاس فدیہ دینے کو نہ ہو تو اللہ تعالیٰ سے استغفار کیا کریں اور بخشش مانگا کریں اور اگر اتفاقاً شیخ فانی میں طاقت آجائے اور مریض اچھا ہو جائے تو باوجود فدیہ ادا کر دینے کے بھی ان کو قضا رکھنی ہوگی اور فدیہ کا ان کو ثواب مل جائیگا اور یہ جو فرمایا فمن تطوع خیراً تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی بجائے ایک مسکین کو کھانا کھلانے کے دو مسکینوں کو یا تین مساکین کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھلائے اور یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ ایک مسکین کو پونے دو سیر کی بجائے دو سیر یا دو سیر سے زائد گیہوں دیدے یا روزہ بھی رکھے اور فدیہ بھی دے غرض یہ سب صورتیں تطوع کو شامل ہیں اور جو ایسا کرے گا اس کے لئے بہتر ہوگا یعنی کار خیر کی اور خیرات کی کثرت مفید ہی ہوگی وان تصوموا خیر لکم کا مطلب یہ ہے کہ مریض اور مسافر اور وہ صاحب استطاعت کہ جس کو ابتدا میں اجازت دی گئی تھی اور اب منسوخ ہو چکی ہے اگر یہ تینوں رعایت سے فائدہ اٹھانا چاہیں تو اٹھا سکتے ہیں لیکن اگر یہ روزے کی فضیلت کو جانتے ہوں تو ان کے لئے روزہ رکھ لینا ہی بہتر ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں اول یہی حکم اترا کہ مریض و مسافر چاہیں تو پھر قضا کرلیں اور جن کو طاقت ہے یعنی بے عذر ہیں وہ چاہیں کہ پھر قضا کریں تو بالفعل ہر روزے کے بدلے ایک فقیر کو کھلائیں اور تو بھی بہتر ہے روزہ ہی رکھیں پھر اس کے بعد جو آیت اتری اس میں فقط مریض و مسافر کو رخصت ملی قضا کی اور کسی کو نہیں۔ موضح القرآن۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے جو بات فرمائی ہے اس کی جانب بہت کم لوگوں نے توجہ کی ہے حضرت شاہ صاحبؒ کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح مریض اور مسافر کو رخصت تھی کہ وہ بیماری اور سفر میں روزہ نہ رکھیں پھر بعد میں قضا کرلیں اسی طرح ابتدا میں صاحب طاقت کو بھی رخصت دی گئی تھی کہ وہ پے در پے اگر روزے نہ رکھ سکے اور عادت نہ ہونے کی وجہ سے متواتر روزے رکھنے دشوار ہوں تو (باقی ضمیمہ میں)

فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ ۖ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ

تو ان کے ذمہ فدیہ ہے جو ایک مسکین کا کھانا ہے پھر جو کوئی اپنی خوشی سے نیکی کرے تو وہ اسکے لئے

لَّهُ ۚ وَأَن تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿١٨٤﴾

بہتر ہے اور تمہارا روزہ رکھنا تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے بشرطیکہ تم سمجھ رکھتے ہو ف

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى

ماہ رمضان وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا ہے قرآن کا وصف یہ ہے کہ وہ لوگوں

لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَن

کے لئے راہ نما ہے اور ہدایت کے صاف و واضح اور حق سے باطل کو جدا کرنیوالے دلائل کا مجموعہ ہے سو جو

شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۖ وَمَن كَانَ مَرِيضًا أَوْ

شخص تم میں سے اس مہینے کو پائے تو اس کو چاہیے کہ اس ماہ کے روزے رکھے اور جو شخص بیمار ہو

عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۗ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ

یا سفر میں ہو تو اس کے ذمہ اور دوسرے دنوں سے گنتی کا پورا کرنا ہے اللہ تعالیٰ کو تمہارے لئے آسانی

الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَ

منظور ہے اور اسکو تمہارے لئے دشواری منظور نہیں یہ رعایت کے احکام اسلئے دیئے گئے تاکہ تم گنتی کو پورا کرلیا کرو

لِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿١٨٥﴾

اور تاکہ تم اس احسان پر کہ خدا نے تم کو صحیح طریقہ بتا دیا اس کی بزرگی بیان کیا کرو اور تاکہ تم شکر بجا لاؤ ف

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ

اور اے پیغمبر جب آپ سے میرے بندے میرے متعلق دریافت کریں تو میں قریب ہی ہوں ہر پکارنے والے کی پکار کو پہنچتا ہوں

دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۖ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا

جب وہ مجھ کو پکارتا ہے سو ان کو چاہیے کہ وہ میرے احکام مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں

بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ﴿١٨٦﴾ أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ

تاکہ وہ نیک راہ پائیں ف روزے کی شب میں اپنی عورتوں سے تمہارے لئے اختلاط

الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ ؕ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ
حلال کردیا گیا ہے وہ عورتیں تمہارا لباس ہیں اور تم ان کی

لَّهُنَّ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ
پوشاک ہو اللہ تعالیٰ اس بات سے واقف ہے کہ تم اپنے حق میں خیانت کر رہے تھے

فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ ۚ فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ
سو اب اس نے تمہاری توبہ قبول کرلی اور تم کو درگزر فرمایا پس اب تم ان سے بے تکلف ہم بستری

وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ۪ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى
کیا کرو اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے مقدر کردیا ہے اس کو طلب کرو اور تم کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ

يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ
صبح صادق کی سفید دھاری رات کی سیاہ دھاری سے متمیز

مِنَ الْفَجْرِ ۪ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ۚ وَلَا
ہوجائے پھر رات تک روزے کو پورا کیا کرو

تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ ۙ فِى الْمَسٰجِدِ ؕ تِلْكَ
اور مساجد میں جب تم اعتکاف کی حالت میں ہو تو ان عورتوں سے قربت نہ کرو یہ

حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ
احکام اللہ تعالیٰ کی مقررہ حدود ہیں سو ان کے نزدیک بھی نہ جاؤ اسی طرح اللہ تعالیٰ لوگوں کے لئے

اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ
اپنے احکام بیان کیا کرتا ہے تاکہ وہ خلاف ورزی سے بچیں ف اور تم آپس میں ناجائز طور پر ایک دوسرے

بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا
کا مال نہ کھاؤ اور نہ ان مالوں کو اس غرض سے حکام تک پہونچاؤ کہ لوگوں کے

فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ
مالوں کا ایک حصہ ناحق ظلم سے کھا جاؤ اور تم کو

ف روزے کی رات میں یعنی رمضان المبارک کی راتوں میں تمہارے لئے اپنی عورتوں سے خواہ وہ بیویاں ہوں یا باندیاں ہوں اختلاط اور ملنا حلال کردیا گیا اور ممانعت کا حکم موقوف ہوا وہ عورتیں تمہارا لباس ہیں اور تم ان کی پوشاک اور لباس ہو اللہ تعالیٰ کو یہ بات پہلے ہی سے معلوم تھی کہ تم احکام الٰہی میں خیانت کرکے اپنے حق میں جرم کا ارتکاب کر رہے ہو مگر چونکہ تم نے معذرت کی تو اللہ تعالیٰ نے تم پر مہربانی اور اپنے کرم کے ساتھ توجہ فرمائی اور تم کو معاف فرمادیا اور تم کو درگزر کیا لہٰذا اب تم ان سے اگر چاہو تو بے تکلف ہم بستری اور مباشرت کرسکتے ہو ہماری طرف سے کوئی روک ٹوک نہیں اور جو چیز اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے لکھ دی ہے اور مقدر کردی ہے اس کو طلب کرو اور جس طرح تم کو ہم بستری کی اجازت ہے اسی طرح تم کو یہ بھی اجازت ہے کہ تم رمضان کی راتوں میں اس وقت تک کھاتے پیتے رہو جب تک صبح صادق کی سفید دھاری رات کے سیاہ خط سے تمہارے لئے متمیز اور نمایاں ہو پھر صبح صادق سے لیکر شام کا سورج غروب ہونے یعنی رات تک روزے کو پورا کیا کرو اور دیکھو جب مساجد میں معتکف ہو اور اعتکاف کی حالت میں ہو تو اپنی عورتوں سے قربت اور اختلاط اور ہم بستری نہ کرو یہ مذکورہ احکام اللہ تعالیٰ کی حدود اور اس کے ضابطے ہیں لہٰذا ان حدود کے قریب بھی نہ جانا کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارا کوئی قدم مقررہ حدود سے باہر نکل جائے جس طرح اللہ تعالیٰ نے یہ احکام بیان فرمائے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے دوسرے احکام بھی صاف صاف کھول کر بیان کیا کرتا ہے تاکہ لوگ احکام الٰہی کی خلاف ورزی سے بچتے رہیں (تیسیر) ابتدا میں جیسا کہ بعض مفسرین نے لکھا ہے روزے کا یہ دستور تھا کہ شام کو افطار کے بعد کھانا پینا وغیرہ حلال ہوجاتا تھا اور یہ صرف عشاء کی نماز پڑھنے تک رہتا تھا عشاء کی نماز سے فارغ ہوئے اور دوسرا روزہ شروع ہوگیا اور اگر کوئی اتفاق سے روزہ کھول کر سوگیا تو اس کے سوتے ہی دوسرا روزہ شروع ہوجاتا تھا اور کھانا پینا اور عورتوں کے پاس جانا حرام ہوجاتا تھا۔ ایک دن اتفاق سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ عشاء کی نماز سے فارغ ہوکر جو گھر گئے تو اپنی گھر والی سے مبتلا ہوگئے چنانچہ غسل کرنے کے بعد روتے ہوئے اور اپنے اوپر ملامت کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا تمام واقعہ عرض کیا۔ یارسول اللہ میں عشاء کی نماز پڑھ کر گھر گیا تو میری گھر والی خوشبو لگائے ہوئے تھی میرے نفس نے اس کو مجھے بہت ہی خوش نما کرکے دکھایا اور میں اس کے پاس چلا گیا حضور نے ان کا قصہ سن کر فرمایا عمرؓ تیری شان تو اس لائق نہ تھی اس پر اور چند لوگوں نے کھڑے ہوکر اسی قسم کی بات کا اعتراف کیا کہ یارسول اللہ ہم کو بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا ایک واقعہ قیس بن صرمہ انصاری کو پیش آگیا وہ دن بھر کے تھکے ہارے کھیت سے آئے تھے روزہ کھول کر کھانا طلب کیا گھر والی نے کہا تھوڑی سی دیر ہے یہ لیٹ گئے اتنے میں آنکھ لگ گئی سونے کے بعد دوسرا روزہ شروع ہوگیا جب دوسرا دن ہوگیا تو یہ دوپہر کو بیہوش ہوگئے اس واقعہ کا ذکر بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا گیا۔ اس قسم کے واقعات رونما ہونے پر یہ آیتیں نازل ہوئیں رفث کے معنی عبداللہ ابن عباسؓ سے منقول ہیں کہ یہ کلمہ بہت جامع ہے ایک شخص اپنی بیوی سے جو جو کچھ کرسکتا ہے یہ کلمہ اس سب کو شامل ہے۔ مگر یہاں اس سے مراد جماع ہے ہم نے تیسیر میں اختلاط اور ملنا کیا ہے تاکہ سب باتوں کو شامل ہوجائے مردوں عورتوں کو باہم لباس فرمایا۔ عورت کو لباس فراش اور ازار کہا بھی جاتا ہے۔ نیز یہ اس مفہوم کے لئے بہترین کنایہ ہے جس کو یہاں ادا کرنا مقصود ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ میاں بیوی کے تعلقات کی جانب اشارہ ہو کہ ایک دوسرے کا راز دار اور پردہ پوش ہے عبداللہ ابن عباسؓ سے اس کی تفسیر منقول ہے کہ ایک دوسرے کے لئے تسکین اور سکون قلب ہے۔ اور یہ جو فرمایا ہم کو معلوم تھا کہ تم خیانت کر رہے ہو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں یہ بات موجود تھی کہ اس قسم کے حادثات پیش آئیں گے تم اپنی جانوں پر ظلم کروگے بہرحال اب تم معذرت کر رہے ہو اور اپنے اوپر ملامت کر رہے ہو تو ہم تم کو سب کاموں کی صبح صادق تک کے لئے اجازت دیتے ہیں رات کو اپنی عورتوں کے ساتھ ہم بستری کرو اور کھاؤ پیو اب روزہ ہی صبح صادق سے شروع ہوگا اور رات تک پورا ہوگا ماکتب اللہ لکم سے مراد یا تو رخصت اور اجازت کی طرف اشارہ ہے یا اولاد کی طرف اشارہ ہے جو اصل مقصد ہے ازدواجی زندگی کا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ فطری مقام کی طلب اور غیر فطری محل سے اجتناب مراد ہو (باقی ضمیمہ میں)

تَعْلَمُونَ ﴿١٨٨﴾ يَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الْأَهِلَّةِ ۖ قُلْ هِيَ

معلوم بھی ہو ﴿۱۸۸﴾ اے پیغمبر آپ سے ہر مہینے نئے چاند نکلنے کا حال دریافت کرتے ہیں آپ کہہ دیجئے

مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ۗ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا

یہ چاند لوگوں کے لئے اور حج کے لئے اوقات کی شناخت کا ذریعہ ہیں اور یہ کوئی نیکی نہیں ہے

الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَىٰ ۗ

کہ تم گھروں میں دروازے کو چھوڑ کر ان کے پیچھے کی جانب سے آؤ بلکہ نیکی تو یہ ہے کہ جو شخص تقویٰ اختیار کرے

وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ

اور گھروں میں ان کے دروازوں سے آیا کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تاکہ

تُفْلِحُونَ ﴿١٨٩﴾ وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ

تم فلاح پاؤ ﴿۱۸۹﴾ اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں ان لوگوں سے جنگ کرو

يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴿١٩٠﴾

جو تم سے لڑتے ہیں اور حد سے تجاوز نہ کرو بیشک اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ﴿۱۹۰﴾

وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُمْ مِنْ

اور جہاں تم ان کو پاؤ قتل کرو اور جہاں سے انہوں نے تم کو جبراً نکالا ہے تم بھی ان کو

حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ ۚ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَ

وہاں سے نکال باہر کرو اور شرک کا فتنہ قتل سے کہیں زیادہ سخت ہے اور

لَا تُقَاتِلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّىٰ يُقَاتِلُوكُمْ

مسجد حرام کے آس پاس یعنی حرم میں اس وقت تک تم ان سے نہ لڑو جب تک کہ وہ خود تم سے وہاں

فِيهِ ۖ فَإِنْ قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ ۗ كَذَٰلِكَ جَزَاءُ

نہ لڑیں پھر اگر وہ وہاں بھی لڑنے پر آمادہ ہو جائیں تو تم بھی ان کو قتل کرو اس قسم کے کافروں کی ایسی ہی

الْكَافِرِينَ ﴿١٩١﴾ فَإِنِ انْتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١٩٢﴾

سزا ہے ﴿۱۹۱﴾ پھر اگر وہ باز آ جائیں تو اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے ﴿۱۹۲﴾

ع ۲۳ — ۶ — ۷

ف۱ اے پیغمبر آپ سے کچھ لوگ ہر مہینے چاند کے نکلنے اور اس کے بڑھنے گھٹنے کا حال دریافت کرتے ہیں آپ فرما دیجئے وہ چاند اپنے گھٹنے بڑھنے کے اعتبار سے اوقات کی پہچان کا ذریعہ ہیں کہ ان سے مقررہ اوقات معلوم ہوتے رہتے ہیں اور اس بات میں کہ تم احرام باندھنے کے بعد اپنے گھروں میں دروازے کو چھوڑ کر ان کی پشت اور ان کے پیچھے کی جانب سے آیا کرو کوئی نیکی اور فضیلت نہیں ہے لیکن نیکی تو اس شخص کی ہے جو شخص نیکی اور تقویٰ اختیار کرے اور معصیت سے بچے اور گھروں میں ان کے دروازوں سے آیا کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو توقع ہے کہ تم دونوں جہان میں کامیاب ہو گے اور فلاح پاؤ گے (تیسیر) اوپر کی آیتوں میں روزے کا ذکر تھا جس میں صرف صبح سے شام تک کھانا پینا وغیرہ حرام ہوتا ہے پھر دائماً ناجائز مال کے کھانے کی مخالفت بھی آ گئے حج کا بیان آنے والا ہے جس کی طرف اس آیت میں بھی اشارہ ہے اور رمضان کو رویت ہلال سے اور حج کو شوال اور ذی قعدہ اور ذی الحجہ کے چاندوں سے ظاہری مناسبت ہے اس لئے اس آیت میں ہلال کا ذکر فرمایا۔ حضرت ابن عباس سے ابن عساکر نے نقل کیا ہے کہ حضرت معاذ بن جبل اور ثعلبہ بن عنمہ جو دونوں انصاری ہیں انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کیا۔ یا رسول اللہ یہ کیا بات ہے کہ چاند جس دن دکھائی دیتا ہے تو ایک دھاگے کی طرح باریک ہوتا ہے پھر بڑھتا رہتا ہے یہاں تک کہ پورا ہو کر اپنے کمال کو پہونچ جاتا ہے اس کے بعد پھر گھٹنے لگتا ہے یہاں تک کہ ایسا ہی ہو جاتا ہے جیسا پہلے تھا آخر یہ چاند ایک حالت پر کیوں نہیں رہتا اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اے پیغمبر آپ سوال کرنیوالوں سے کہہ دیجئے کہ یہ لوگوں کے لئے اوقات کے معلوم کرنے کا ذریعہ ہیں اور فریضۂ حج کے لئے بھی کیونکہ رمضان کے روزوں کی قضا تو دوسرے دنوں میں ہو سکتی ہے لیکن حج کے دن تو مقرر اور اس کا وقت معین ہے اگر وقت میں غلطی ہو جائے تو پھر دوسرے ہی سال حج کے ارکان ادا ہو سکتے ہیں اس لئے حج کا ذکر خصوصیت سے فرمایا۔ لوگوں کے لئے اوقات کا مطلب یہ ہے کہ خواہ معاملات ہوں یا عبادات جن چیزوں کا وقت مقرر ہے یا لوگ اس کا وقت مقرر کرتے ہیں مثلاً اجارہ۔ قرض۔ بیع و شرا ثمن کی ادائگی یا بیع کا سپرد کرنا یا روزہ اور زکوٰۃ عید کی نماز عدت حمل کی مدت اور رضاعت وغیرہ ان میں بعض چیزیں وہ ہیں جن کی توقیت اختیاری ہے بعض وہ ہیں جن کی توقیت شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جانب سے ہو چکی ہے اور اب اُس میں تغیر و تبدل کا کسی کو حق نہیں تو اس قسم کے معاملات اور عبادات کے اوقات کی شناخت ہو جاتی ہے اس چاند کی تغیر و تبدل میں یہ مصلحت ہے کیوں کہ سورج تو ایک حالت پر رہتا ہے گھٹتا بڑھتا نہیں اگرچہ اس کے طلوع و غروب میں تبدیلی ضرور ہوتی ہے اور وہ ایک نئی مشرق سے نکلتا اور نئی مغرب میں ڈوبتا ہے لیکن اس کا احساس بہت کم ہوتا ہے اور تاخیر سے ہوتا ہے۔ اور چاند چونکہ ہر مہینے گھٹتا بڑھتا ہے اور پھر اس کی تبدیلی اور کمی بیشی بھی ایک ضابطہ کے ماتحت ہے، اس لئے اس کی طرف ذہن بہت جلد متوجہ ہو جاتا ہے حالانکہ یہ ایک ایسا حساب ہے کہ اس میں کسی کو دقت اور دشواری نہیں لوگ قمری حساب سے برسوں کا حساب کر لیتے ہیں بلکہ چاند کو دیکھ کر بتا دیتے ہیں آج فلاں تاریخ ہے۔ اور چونکہ قمری حساب نہایت سہل اور آسان ہے بلکہ یوں سمجھو کہ فطری اور طبعی حساب ہے جس کو ہر پڑھا لکھا اور بے پڑھا لکھا سمجھ سکتا ہے اس لئے صاحب شریعت نے اس کو ہی اختیار فرمایا، اور عبادات میں ضروری طور پر اسی کو مقرر فرمایا۔ رہے معاملات تو اگرچہ اسمیں رخصت ہے اگر شمسی حساب سے کوئی شخص وقت مقرر کرے تب بھی جائز ہے لیکن معاملات میں بھی اگر قمری حساب اختیار کیا جائے تو آسان اور بہتر یہی ہے اور چونکہ شریعت نے اپنے تمام کاموں کے لئے اسی کو اختیار کیا ہے اس لئے قمری حساب کے راجح اور بہتر ہونے میں تو کسی کو انکار ہی نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کسی مسلمان کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ راجح کو چھوڑ کر مرجوح کو اختیار کرے حضرت حق تعالیٰ نے چاند کی منازل کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے لتعلموا عدد السنین والحساب اب زیر بحث لوگوں کے سوال کا مطلب اگر یہی تھا کہ وہ ہلال کی غرض اور اس کے گھٹنے بڑھنے کا مقصد دریافت کرنا چاہتے تھے تب تو جواب سوال کے مطابق ہے اور اگر ان کا منشا یہ تھا کہ وہ کوئی ریاضی اور ہیئت کا مسئلہ حل کرنا چاہتے تھے اور یہ پوچھنا چاہتے تھے کہ یہ کیونکر اور کس طرح ہوتا ہے تب جواب اسلوب حکیم پر ہوگا جیسا کہ عام مفسرین کا رجحان یہی ہے۔ واللہ اعلم۔

وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ

اور ان سے اس وقت تک جنگ جاری رکھو کہ فتنہ یعنی شرک باقی نہ رہے اور دین فقط اللہ ہی کا

لِلّٰهِ ؕ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹۳﴾

ہو جائے پھر اگر وہ لوگ باز آجائیں تو سوائے ظالموں کے کسی پر دست درازی کی اجازت نہیں

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ

حرمت والا مہینہ بدلا ہے حرمت والے مہینے کا اور ادب و احترام تو بدلے کی چیزیں ہیں

فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا

سو جو کوئی تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اس کو اسی زیادتی کی سزا دو جیسی

اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ

زیادتی اس نے تم پر کی ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو اور یہ بات خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ

الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا

ڈرنے والوں کے ساتھ ہے ف۱ اور تم اللہ کی راہ میں خرچ بھی کرو اور اپنے آپ کو خود اپنے

بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۛۚ وَاَحْسِنُوْا ۛۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ

ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو اور خلوص سے کام کیا کرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ مخلصین کو

الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۹۵﴾ وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ؕ فَاِنْ

پسند فرماتا ہے ف۲ اور حج اور عمرے کو خاص اللہ تعالیٰ کیلئے پورا پورا ادا کیا کرو پھر اگر

اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ وَلَا تَحْلِقُوْا

تم روک دیئے جاؤ تو قربانی کا جو جانور تم کو میسر ہو وہ ادا کرو اور تم اپنے سروں کو اس وقت

رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ

تک نہ منڈاؤ جب تک وہ قربانی اپنے ٹھکانے سے نہ پہنچ جائے اور اگر تم میں سے کوئی شخص

مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ

بیمار ہو جائے یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو تو وہ روزے رکھ کر

ع ۱

ف۱ اور ان کفار عرب سے اس وقت تک جنگ جاری رکھو جب تک کہ فتنہ کا بالکل سد باب ہو جائے اور دین خالص اللہ تعالیٰ ہی کا ہو جائے پھر اگر یہ کفار عرب اپنے کفر سے باز آجائیں اور مشرکانہ روش سے توبہ کر کے مسلمان ہو جائیں تو یہ بات یاد رکھو کہ دست درازی اور سزا کی سختی کی اجازت سوائے ظالموں کے اور کسی پر نہیں ہے (تیسیر) یعنی ہر چند کہ عام کفار کے ساتھ جنگ کا قاعدہ یہ ہے خواہ وہ جارحانہ ہو یا مدافعانہ کہ ان سے کوئی معاہدہ ہو جائے یا وہ جزیہ یعنی حفاظتی ٹیکس ادا کرنا قبول کرلیں تو جنگ ختم کر دی جائے لیکن عرب کے بت پرستوں کے ساتھ جنگ کا یہ قاعدہ نہیں ہے کیوں کہ یہ لوگ وہ ہیں جن میں پیغمبر اسلام پیدا ہو ان کے سامنے قرآن نازل ہوا اُن کے سامنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی گزری اور باوجود ان تمام باتوں کو دیکھنے کے انھوں نے جو سلوک اسلام اور پیغمبر اسلام اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ کیا وہ نہایت معاندانہ تھا اس لئے ان کو جزیرۃ العرب سے یا تو بالکل باہر کر دیا جائے اور نکال دیا جائے یا ان کو قتل کر دیا جائے یا یہ لوگ شرک چھوڑ کر اسلام کے حلقہ بگوش ہو جائیں۔ اس لئے فرمایا کہ ان سے برابر جنگ جاری رکھو یہاں تک کہ ان کا فتنہ باقی نہ رہے اور بت پرستی بالکل ختم ہو جائے اور مرکز اسلام ان سے پاک ہو جائے اور عرب میں کوئی مشرک باقی نہ رہے اور دین خالص اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہو جائے دین کے معنی جزا اور طاعت کے ہیں اگرچہ شریعت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے مطلب یہ ہے کہ اس مقدس سرزمین پر اللہ تعالیٰ ہی کا قانون جاری ہو اُسی کی فرماں برداری ہو اور اُسی کا بھیجا ہوا دین رائج ہو اور اقتدار مسلمانوں کے ہاتھ میں ہو ہاں اگر یہ لوگ توبہ کر کے اسلام قبول کرلیں اور کفر و شرک سے باز آجائیں تو قانون میں سوائے ظالموں کے کسی دوسرے پر تعدی دست درازی۔ زیادتی اور سزا میں سختی کی اجازت نہیں ہے۔ ظلم کے معنی ہیں کسی چیز کو اسکی وضع کے خلاف استعمال کرنا اور غیر موضع لہٗ میں استعمال کرنا مثلاً کوئی ٹوپی کو جوتی کی جگہ اور جوتی کو ٹوپی کی جگہ استعمال کرے یا کُرتے کو پاجامہ کی جگہ اور پاجامہ کو کرتے کی جگہ استعمال کرے تو لغت کے اعتبار سے اسکو ظالم کہا جا سکتا ہے اس معنی کی رعایت سے مشرک کو ظالم کہا جاتا ہے کہ وہ اس عبادت کو جو اللہ تعالیٰ کے لئے مقرر کر رکھی تھی۔ بتوں کے لئے اور غیر اللہ کیلئے استعمال کرتا ہے۔ لہٰذا سب سے بڑے ظالم وہ لوگ ہیں جو مشرک ہیں۔ لیکن جب یہ توبہ کر کے مسلمان ہو جائیں تو ظالم نہ رہیں گے اور سزا کی سختی ہے صرف ظالموں کے لئے لہٰذا ان پر کسی سختی کی اجازت نہ ہوگی۔ کیونکہ اب یہ ظالم اور ناانصاف نہیں رہے۔

عدوان کے معنی تو در اصل زیادتی اور تجاوز کے ہیں اور ظاہر ہے کہ کفار کے ساتھ جو سلوک کیا جاتا ہے اور جو سزا ان کو ان کے کردار کے بدلے میں دی جاتی ہے وہ ظلم اور عدوان نہیں ہے بلکہ وہ حق اور انصاف ہے کیونکہ وہ تو بغاوت اور شرارت کی سزا ہے لیکن قرآن نے محض مماثلت اور مشارکت کی وجہ سے ظلم کی جزا کو عدوان فرما دیا جیسا کہ سورۂ شوریٰ میں ارشاد ہے وجزاؤ سیئۃ سیئۃ مثلھا حالانکہ ہم قصاص کی بحث میں بتا چکے ہیں کہ یہ تعزیر میں مثلیت کا نفاذ ناممکن ہے۔ مثلاً گالی کی سزا گالی نہیں ہو سکتی اور زنا بالجبر کی سزا زنا بالجبر نہیں ہو سکتا وقس علیٰ ہذا اس لئے یہ صرف لفظی مماثلت ہے ورنہ ہر جرم کی سزا میں حقیقی مماثلت نہیں ہے اسی طرح یہاں بھی عدوان کے لفظ کا استعمال فرمایا ہے۔ بہرحال یہاں تک مسلمانوں کے اُن شکوک کا جواب ہو گیا جو عمرے کی قضا کے وقت ان کو پیش آرہے تھے اور کفار عرب کے لئے ایک مستقل قانون بھی بتا دیا اب صرف ایک شبہ باقی رہ گیا وہ یہ ہے کہ عمرے کی قضا ذی قعدہ میں ادا کرنے جائیں گے اور یہ مہینہ اشہر حرام میں سے ہے اس میں جنگ کرنا ممنوع ہے اگر کفار لڑنے پر تل گئے تو ہم کیا کریں گے اس کا جواب آگے کی آیت میں آتا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی لڑائی کا فرض سے اسی واسطے ہے کہ ظلم موقوف ہو اور دین سے گمراہ نہ کر سکیں اور حکم اللہ کا جاری رہے اگر تابع ہو کر رہیں تو لڑائی کی حاجت نہیں اور ایمان تو دل پر موقوف ہے زور سے مسلمان کرنا کیا حاصل' موضح القرآن' سبحان اللہ شاہ صاحبؒ نے چند سطروں میں کیا خوب بات فرمائی اور جہاد کا فلسفہ کس خوبی سے بیان فرمایا چند لفظوں میں وہ بات سمجھا دی جو آج کل لوگوں کی سمجھ میں بڑی مشکل سے آتی ہے۔ یعنی جہاد کا مقصد کسی شخص کے ضمیر کی آزادی کو سلب کرنا نہیں اور نہ جہاد اس غرض سے کیا جاتا ہے کہ کسی کو زبردستی مسلمان بنایا جائے (باقی ضمیمہ میں)

اَوۡ صَدَقَةٍ اَوۡ نُسُكٍ ۚ فَاِذَاۤ اَمِنۡتُمۡ ۟ فَمَنۡ تَمَتَّعَ

یا صدقہ دے کر یا قربانی کرکے سر منڈوانے کا فدیہ ادا کردے پھر جب تم مطمئن ہو تو جو شخص عمرے کو

بِالۡعُمۡرَةِ اِلَى الۡحَجِّ فَمَا اسۡتَيۡسَرَ مِنَ الۡهَدۡىِ ۚ فَمَنۡ

حج کیساتھ ملاکر فائدہ اُٹھائے اس پر ایک قربانی جو اس کو میسر ہو لازم ہے پھر اگر کسی متمتع کو

لَّمۡ يَجِدۡ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِى الۡحَجِّ وَسَبۡعَةٍ اِذَا

قربانی میسر نہ ہو تو بجائے قربانی کے اس کے ذمہ تین روزے تو ایام حج میں ہیں اور سات روزے جب تم حج سے فارغ

رَجَعۡتُمۡ ؕ تِلۡكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ؕ ذٰلِكَ لِمَنۡ لَّمۡ يَكُنۡ

ہوکر واپس ہو تب ہیں یہ تین اور سات پورے دس ہوئے یہ عمرے کو حج سے ملاکر فائدہ اٹھانا ان لوگوں کو جائز ہے جن کے

اَهۡلُهٗ حَاضِرِى الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعۡلَمُوۡۤا

اہل و عیال مسجد حرام کے قرب و نواح میں نہ رہتے ہوں یعنی آفاقی ہوں اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور اچھی طرح

اَنَّ اللّٰهَ شَدِيۡدُ الۡعِقَابِ ﴿۱۹۶﴾ ع اَلۡحَجُّ اَشۡهُرٌ مَّعۡلُوۡمٰتٌ ۚ

جان لو کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے زمانۂ حج کے چند مہینے ہیں جو معروف و مشہور ہیں

فَمَنۡ فَرَضَ فِيۡهِنَّ الۡحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوۡقَ ۙ

پھر جس نے ان مہینوں میں اپنے اوپر حج لازم کرلیا تو زمانۂ حج میں نہ بے حجابی کی باتیں کرنا جائز ہے

وَلَا جِدَالَ فِى الۡحَجِّ ؕ وَمَا تَفۡعَلُوۡا مِنۡ خَيۡرٍ يَّعۡلَمۡهُ

اور نہ بے حکمی کرنا اور نہ باہم کسی قسم کا جھگڑا کرنا اور تم جو بھلائی کرو اللہ تعالیٰ اس کو

اللّٰهُ ؕ وَتَزَوَّدُوۡا فَاِنَّ خَيۡرَ الزَّادِ التَّقۡوٰى وَاتَّقُوۡنِ

جانتا ہے اور زاد راہ ہمراہ لے لیا کرو کیونکہ زاد راہ کا بہترین فائدہ گناہ سے بچنا ہے اور اے صاحبانِ

يٰۤاُولِى الۡاَلۡبَابِ ﴿۱۹۷﴾ لَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَبۡتَغُوۡا

عقل مجھ سے ڈرتے رہو اس بارے میں تم پر کوئی گناہ نہیں کہ موسم حج میں

فَضۡلًا مِّنۡ رَّبِّكُمۡ ؕ فَاِذَاۤ اَفَضۡتُمۡ مِّنۡ عَرَفٰتٍ

اپنے رب کا فضل یعنی ذرائع معاش تلاش کرو پھر جب تم عرفات سے مزدلفہ کیلئے لوٹو

ع ۲۴ / ۸

وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

ف اور جب تم حج اور اسی طرح عمرے کی نیت کرلو تو حج اور عمرے کو محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا جوئی کے لئے پوری طرح ادا کیا کرو پھر اگر تم سوا اتفاق سے کسی دشمن یا کسی مرض یا خرچ کی کمی کے باعث روک دیئے جاؤ اور حج یا عمرہ بجا نہ لاسکو تو تم کو جو جانور قربانی کا میسر ہو اس کے قربانی کرکے احرام ختم کردو اور حلال ہو جاؤ لیکن یہ خیال رکھو کہ جب تک تمہاری قربانی کا جانور اپنے ٹھکانے پر نہ پہونچ جائے یعنی کوئی شخص اس کو حرم میں لیجا کر ذبح نہ کردے اس وقت تک اپنے سروں کو نہ منڈواؤ اور احرام سے نہ نکلو مگر ہاں کوئی ایسا بیمار ہو کہ جس میں سر منڈانا ضروری ہو یا اُس کے سر میں کوئی تکلیف ہو مثلاً درد ہو یا زخم ہو یا سر میں جوئیں پڑ گئی ہوں تو لاچاری کو سر منڈالے مگر فدیہ دیدے اور فدیہ کی یہ تین صورتیں ہیں کہ یا تو تین روزے رکھے یا چھ مساکین کو فی مسکین صدقۂ فطر کے برابر گیہوں دیدے اور یا ایک قربانی کردے پھر جب تم مطمئن ہو یعنی کوئی رکاوٹ پیش ہی نہ آئے یا دشمن اور مرض وغیرہ کی رکاوٹ دور ہو جائے تو ہر شخص عمرے کو حج کے ساتھ ملاکر فائدہ اٹھائے اور دونوں کو ایک ہی سفر میں ادا کرے تو اس پر ایک قربانی جو اس کو میسر آسکے ضروری اور لازمی ہے لیکن کسی متمتع کو اگر قربانی میسر نہ ہو تو اس پر تین روزے تو ایام حج میں ہیں اور سات روزے اس وقت ہیں جب وہ بالکل حج سے فارغ ہوکر واپس ہو یہ تین اور سات پورے دس دن کے دس روزے ہوئے۔ یہ سہولت و آسانی کہ ایک ہی سفر میں عمرے کو حج سے ملاکر فائدہ حاصل کرنا چاہو تو کرلو صرف اس شخص کے لئے ہے جس کے اہل و عیال مسجد حرام کے آس پاس نہ رہتے ہوں یعنی میقات کے اندر کا رہنے والا نہ ہو بلکہ میقات سے باہر کا باشندہ ہو جس کو اصطلاح میں آفاقی کہتے ہیں اور دیکھو تمام احکام کی بجا آوری میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور یہ بات اچھی طرح جان لو کہ اللہ تعالیٰ حکم کی خلاف ورزی کرنیوالوں کو سزا دینے میں بہت سخت ہے (تیسیر) ہم نے تیسیر میں ضرورت کے لائق ترجمہ کا کافی خلاصہ کردیا ہے۔ اب چند ضروری باتیں عرض کرنا چاہتے ہیں (۱) حج تو ارکان مخصوصہ کا نام ہے۔ جو سرمایہ داروں پر فرض ہوتا ہے اور عمر میں صرف ایک دفعہ فرض ہوتا ہے اور اس کے ادا کرنے اور احرام باندھنے کے دن بھی مخصوص ہوتے ہیں البتہ عمرے کیلئے کوئی دن خاص نہیں جب چاہے عمرہ کرسکتا ہے البتہ رمضان میں عمرہ کرنے کی فضیلت احادیث میں آئی ہے ورنہ تمام سال میں جب چاہے عمرہ کرسکتا ہے۔ عمرہ اس کا نام ہے کہ حرم سے باہر نکل کر عمرہ کا احرام باندھے۔ خانۂ کعبہ کا طواف کرے اور صفا مروہ کے درمیان سعی کرے اور سر منڈوا کر احرام کھولدے عورت ہو تو سر نہ منڈوائے بلکہ ایک انگل سر کے بال کتر کر احرام سے نکل آئے۔ ہر چند کہ حج مالداروں پر فرض ہے اور عمرہ نہ فرض ہے نہ واجب بلکہ سنت موکدہ ہے لیکن جو شخص خواہ اس پر حج فرض نہ ہو حج کی نیت سے اشہر حج میں احرام باندھ لے اور اسی طرح کوئی عمرے کی نیت سے عمرے کا احرام باندھ لے تو پھر حج اور عمرے کا پورا کرنا ضروری اور واجب ہو جاتا ہے۔ جیسے نفل نماز کی نیت باندھنے کے بعد اور نفلی روزے کی نیت کرلینے کے بعد نماز اور روزے کا پورا کرنا ضروری اور لازمی ہو جاتا ہے (۲) اب فرض کرو کسی نے حج کا یا عمرے کا احرام باندھا اور وہ کسی وجہ سے روک دیا گیا۔ مثلاً بدامنی ہو گئی۔ یا کوئی دشمن مانع ہو گیا جیسے حدیبیہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو کفار مکہ نے روک دیا تھا۔ یا کوئی بیماری پیش آگئی۔ یا کسی کے پاس روپیہ ختم ہو گیا تو ایسی حالت میں احرام ختم کردے مگر اس طرح نہیں کہ رُکتے ہی احرام کھول کر بیٹھ جائے بلکہ ایک قربانی کسی کے ہاتھ جو اپنا معتبر ہو حرم میں بھیج دے اور اس کو تاریخ بتادے کہ فلاں تاریخ حرم میں پہونچ کر اس قربانی کو ذبح کردینا اور جب وہ تاریخ آئے اور اس امر کا ظن غالب ہو کہ اس معتبر شخص نے میری قربانی ذبح کردی ہوگی تو اس وقت سر منڈواکر حلال ہو جائے۔ اور یہ جو قرآن میں ہدی کا لفظ آیا ہے اس سے بکری۔ دُنبہ۔ بھیڑ۔ گائے اور اونٹ مراد ہوتے ہیں۔ اب ان میں سے جو میسر ہو کم درجہ ایک بھیڑ یا بکرا یا دنبہ ہے۔ غرض جو توفیق ہو اس کو حرم میں بھیجکر ذبح کرادے پھر حلال ہو۔ اسکو دم احصار کہتے ہیں۔ (۳) اسی حلال ہونے اور سر منڈوانے کے سلسلہ میں ایک اور مسئلہ بھی حضرت حق تعالیٰ نے بتادیا جو احصار اور غیر احصار دونوں حالتوں میں جاری ہوگا۔ (باقی ضمیمہ میں)

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۪ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا
تو مشعر حرام کے پاس خدا کا ذکر کرو اور خدا کا ذکر بھی اس طرح کرو جس طرح تم کو
هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۱۹۸﴾
بتا رکھا ہے اور بیشک تم اس بتانے سے پہلے بالکل ہی ناواقف تھے
ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا
پھر اس کا خیال رکھو کہ تم بھی وہیں جا کر واپس آیا کرو جہاں سے عام لوگ واپس آیا کرتے ہیں اور اللہ
اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۹﴾ فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ
تعالیٰ سے توبہ کرو بیشک اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔ پھر جب تم حج کے تمام کام پورے کر چکو
فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ؕ
تو اللہ کا ذکر کیا کرو جس طرح تم اپنے باپ دادوں کا ذکر کیا کرتے تھے بلکہ خدا کا ذکر اس سے بھی زیادہ کرو
فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا وَ
پھر لوگوں میں بعض ایسے ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب ہم کو سب کچھ دنیا ہی میں دیدے بس
مَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﴿۲۰۰﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ
ایسے شخص کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ اور لوگوں میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں
رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِى الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً
اے ہمارے رب ہم کو دنیا میں بھی خیر و خوبی عطا فرما اور آخرت میں بھی خوبی و بھلائی عطا کر
وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۱﴾ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا
اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کیلئے ان کی کمائی کے باعث
كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۲۰۲﴾ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ
ثواب کا حصہ ہے اور اللہ تعالیٰ بڑی جلدی حساب لینا ہے ف۲ اور گنتی کے چند دنوں میں اللہ تعالیٰ کا
اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِىْ يَوْمَيْنِ فَلَآ
ذکر کرتے رہو پھر جو کوئی منیٰ سے جلدی کر کے دو ہی دن میں چلا گیا تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں

ف اور اگر تم سفر حج میں کچھ سامان تجارت بھی لے جانا چاہو تو تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں کہ تم اپنے پروردگار کا فضل یعنی تجارت کا نفع حاصل کرو اور معاش کی تلاش کرو پھر جب تم لوگ عرفات میں قیام کر کے واپس لوٹو تو مشعر حرام کے پاس قیام کر کے خدا کا ذکر کرو اور ذکر کرنے اور خدا تعالیٰ کو یاد کرنے میں اپنی رائے کو دخل نہ دو بلکہ جس طرح تم کو اللہ تعالیٰ نے بتا دیا ہے اور سکھا دیا ہے اس طرح اس کو یاد کرو اور یقین جانو کہ تم طریقہ ذکر سکھنے اور بتانے سے قبل بالکل جاہل اور بے علم تھے (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں اہل عرب جب حج کرنے آتے تھے تو تجارت کا سامان بھی اپنے ہمراہ لے آیا کرتے تھے اب اسلام کے بعد بعض لوگوں کو خیال ہوا کہ شاید یہ جائز نہ ہو اس کو بتایا کہ حج میں تجارت بھی کرنی چاہو تو کر سکتے ہو اور تمہارے رب نے جو فضل اور نفع تمہارے لئے مقدر کر دیا ہے اسے تلاش اور اس کی جستجو کر سکتے ہو۔ بہرحال مقصد اصلی تو حج ہو اور اگر تجارت بھی تبعاً ہو جائے تو کوئی حرج نہیں یہ مقصد نہ ہو کہ غرض تجارت ہو اور حج تابع ہو اور خیال کیا جائے کہ حج بھی کرتے آئیں گے اس طرح اگرچہ حج تو ہو جائیگا لیکن ثواب میں کمی ہو جائے گی اور اگر مقصد یہ ہو کہ سفر تو حج ہی کی غرض سے کرنا ہے لاؤ کچھ تجارت کا سامان بھی لے چلو اگر کچھ نفع ہو گیا تو خرچ میں سہولت ہو جائے گی اور خیرات بھی کرنے کا موقع ملے گا تو ایسی تجارت میں علاوہ نفع کے ثواب بھی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے عام طور سے قرآن شریف میں تجارت کے نفع کو اپنا فضل فرمایا ہے اور واقعی نفع فضل ہے بھی کیونکہ سو روپے کا جو مال تھا وہ فرض کرو سوا سو کا فروخت ہوا تو پچیس روپے کہاں سے آئے اسی زیادتی کو حق تعالیٰ اپنا فضل فرماتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ سفر حج میں تجارت مباح ہے رہا ثواب کی کمی بیشی کا معاملہ تو اس کا دارومدار نیت پر ہے جیسا کہ ہم نے تفصیل کر دی ہے۔ اور یہ جو فرمایا کہ عرفات سے لوٹو تو مشعر حرام کے پاس خدا کی یاد کرو اس کی تفصیل یہ ہے کہ نویں تاریخ کی شام کو جب وقوف عرفات سے واپس ہو تو اس پہاڑ کے پاس جس کا نام مشعر الحرام ہے اور اس پہاڑ پر سیقدہ کے قریب امام کھڑے ہو کر دعا کرتا ہے ٹھہرا کرو اور وہاں مغرب اور عشاء کی نماز ملا کر پڑھا کرو۔ اور ایک اذان اور ایک اقامت کے ساتھ دونوں نمازیں ادا کیا کرو اور اس میں تمہارے قیاس کو دخل نہ ہونا چاہئے بلکہ اس طرح کرو جس طرح تم کو بتایا ہے نماز تو افضل ذکر ہے اسکے علاوہ اور بھی جو ذکر ہو سبحان اللہ۔ الحمدللہ۔ لا الٰہ الا اللہ۔ اللہ اکبر اور دعا اور دعا میں تضرع اور گریہ و زاری اسی پہاڑ کے پاس ہو اس میدان کو مزدلفہ کہتے ہیں اور اگرچہ سوائے بطن محسر کے تمام مزدلفہ میں قیام کر سکتے ہیں لیکن مشعر حرام کے پاس قیام افضل ہے۔ جس طرح میدان عرفات میں سب جگہ سوائے بطن عرنہ کے ٹھہر سکتے ہیں لیکن جبل رحمت کے قریب ٹھہرنا افضل ہے اسی طرح مزدلفہ میں مشعر حرام کے قریب ٹھہرنا افضل ہے ہاں بطن محسر جو مزدلفہ کے بائیں طرف نیچے کو ایک وادی ہے اس میں قیام نہیں کرنا چاہئے اور یہ جو فرمایا کہ اس بتانے سے قبل تم ناواقف اور بے علم تھے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر قسم کی خوبی اور بھلائی اور نجات کا طریقہ یہ سب چیزیں تو آسمانی وحی پر موقوف ہیں وہ نہ بتائے تو کسی کو کچھ بھی خبر نہ ہو۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں گناہ نہیں کہ تلاش کرو فضل اپنے رب کا یعنی حج میں مال تجارت بھی لے جاؤ روزی کمانے کو تو منع نہیں لوگوں نے اس میں شبہ کیا تھا کہ شاید حج قبول نہ ہو اس واسطے فرمایا' موضح القرآن' (تسہیل) ف۲ پھر دیکھو اے قریش اس کا خیال رکھو جہاں سے سب لوگ وقوف کر کے واپس آتے ہیں۔ یعنی عرفات سے تو تم بھی وہیں جا کر وہاں سے لوٹا کرو یہ نہ کیا کرو کہ مزدلفہ ہی میں رہ جایا کرو اور زمانہ جاہلیت میں جو کرتے رہے اس سے توبہ کرو اور آئندہ کے لئے ان رسوم کا ارادہ ترک کر دو اگر ایسا کرو گے تو یقین جانو! اللہ تعالیٰ غفور ہے تمہاری سابقہ خطاؤں کو معاف کر دے گا اور وہ بڑا رحیم ہے آئندہ تم پر مہربانی کرے گا اور تم کو عمل خیر کی توفیق عطا فرمائیگا (تیسیر) مکہ کے قریش اپنے آپ کو مجاور حرم سمجھتے تھے اس لئے جب حج کو نکلتے تو منیٰ سے چل کر مزدلفہ میں ٹھہر جاتے اور سب لوگوں کے ساتھ عرفات میں نہ جاتے اور کہتے ہم اللہ والے اور حرم کے رہنے والے ہیں ہم حرم سے باہر نہیں جائیں گے اور عام لوگوں کے ساتھ عرفات میں جا کر ٹھہرنے کو اپنی شان کے خلاف سمجھتے تھے۔ مزدلفہ چونکہ حرم میں ہے اور عرفات حرم سے باہر ہے اس لئے قریش عرفات میں نہ جاتے تھے اس لئے ان کو تنبیہ فرمائی کہ حج کے احکام بجا لانے میں مجاور اور غیر مجاور سب برابر ہیں۔

(باقی صفحہ میں)

ف۱ اور منا میں اللہ تعالیٰ کا گنتی کے چند روز تک ذکر کرتے رہو یعنی دس گیارہ، بارہ یا تیرہ بھی اور جو شخص دسویں کے بعد دو ہی دن میں مکہ واپس آنے میں جلدی کرے تو اُس پر بھی کچھ گناہ نہیں اور جو مکہ واپس ہونے کے لئے ان دو دنوں میں تاخیر کرے یعنی بجائے بارھویں کے تیرھویں کو آئے تو اس پر بھی کچھ گناہ نہیں یہ سب طور طریقے اس شخص کے لئے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور جو نہ ڈرے اس کو گناہ ثواب سے کیا غرض اور تم لوگ اللہ تعالیٰ کی گرفت سے ڈرتے رہو اور اس بات کو خوب جان لو کہ تم سب اسی کے حضور میں جمع کئے جاؤ گے (تیسیر) مزدلفہ سے واپس پر منا میں قیام کرنے کا حکم ہے یہاں دس تاریخ کی صبح کو پہونچتے ہیں منا میں تین پتھر ہیں جن کو جمرہ کہتے ہیں ان پر سات سات کنکریاں ماری جاتی ہیں کنکریاں مارنے کو رمی کہتے ہیں۔ دسویں تاریخ کو تو صرف جمرۂ عقبہ کی رمی ہوتی ہے باقی گیارہ بارہ کو اور کوئی ٹھہرے تو تیرہ کو بھی تینوں جمروں کی رمی کی جاتی ہے جمرۂ عقبہ کی رمی کا وقت طلوع صبح صادق کے بعد سے شروع ہو جاتا ہے ہر کنکری مارتے وقت اللہ اکبر کہنا مستحب ہے

اِثْمَ عَلَيْهِ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ لِمَنِ اتَّقٰى وَ

اور جس نے دو دن سے تاخیر کی تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں یہ سب باتیں اس شخص کیلئے ہیں جو خدا سے ڈرے

اتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾ وَمِنَ

اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور یہ بات اچھی طرح جان لو کہ تم سب اسی کے روبرو جمع کئے جاؤ گے ف۱ اور لوگوں میں سے

النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ

بعض آدمی ایسا بھی ہے کہ دنیوی زندگی کے کاموں میں اسکی باتیں اے پیغمبر آپکو بڑی دلکش معلوم ہوتی ہیں اور وہ اپنے

اللّٰهَ عَلٰي مَا فِيْ قَلْبِهٖ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ﴿۲۰۴﴾ وَاِذَا تَوَلّٰى

دل کی باتوں پر اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتا جاتا ہے حالانکہ وہ آپکے تمام مخالفوں میں سخت لڑاکا ہے۔ اور جب وہ آپکی مجلس سے لوٹتا ہے

سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَ

تو شہر میں اس غرض سے دوڑ دھوپ کرتا پھرتا ہے کہ اس میں فساد برپا کرے اور کھیتوں کو اور مویشیوں کو ہلاک و

النَّسْلَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ﴿۲۰۵﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُ

برباد کردے اور اللہ تعالیٰ تباہ کاری کو پسند نہیں فرماتا۔ اور جب اس سے یہ کہا جاتا ہے کہ تو

اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ۭ

خدا سے ڈر تو اس کا گھمنڈ اس کو گناہ پر اور اُبھارتا ہے پس ایسے شخص کی کافی سزا جہنم ہے

وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۲۰۶﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ

اور وہ بہت ہی بُری آرام گاہ ہے ف۱ اور لوگوں میں سے بعض ایسا مخلص بھی ہے جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل

ابْتِغَاۗءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰۷﴾

کرنیکے لئے اپنی جان تک صرف کر ڈالتا ہے اور اللہ تعالیٰ ایسے بندوں پر بڑی شفقت کرتا ہے ف۲

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَاۗفَّةً ۠ وَلَا

اے ایمان والو تم سب پوری طرح اسلام میں داخل ہو جاؤ اور

تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۰۸﴾

شیطان کے قدم بہ قدم نہ چلو وہ یقیناً تمہارا کھلا دشمن ہے

گیارہ بارہ کو تینوں جمروں کی رمی کی جاتی ہے اور ان تاریخوں میں رمی کا وقت زوال کے بعد شروع ہوتا ہے اور کوئی تیرہ کو بھی ٹھہرے تو اُس دن بھی رمی کرنا ضروری ہوتا ہے مگر حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک تیرھویں کی صبح صادق کے بعد بھی رمی کی جا سکتی ہے اگرچہ افضل یہی ہے کہ تیرھویں کو بھی زوال کے بعد رمی کی جائے آیت میں انہی تین دنوں کی طرف اشارہ ہے اختیار ہے کہ بارھویں کو تینوں جمروں کی رمی کرکے مکہ چلے آؤ اور چاہو تو تیرہ کو رمی کر کے آؤ۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں ان آیتوں میں یہ فرمانا کہ کفر کے وقت دستور تھا کہ حج سے فارغ ہو کر تین روز عید کے بعد خوشی کرتے اور بازار لگاتے اور اپنے باپ دادوں کے ساکے بیان کرتے اب اللہ نے تین روز ٹھہرنا مقرر کیا کہ اللہ کو یاد کرو اُن دنوں میں دوپہر کو کنکر پھینکتے ہیں اور ہر نماز کے بعد تکبیر کہتے ہیں اور سوائے نماز ہر وقت اور کوئی چاہے تو دو ہی دن رہ کر رخصت ہو اور تین دن رہے تو بہتر اور یہ فرمایا جن کو رغبت نری دُنیا پر ہے وہ آخرت سے محروم ہیں اب حج کا مذکور ہو چکا' موضح القرآن' خلاصہ یہ کہ اسلام نے اس مذموم رسم کو بھی بدل دیا۔ کیونکہ گزشتہ باپ دادوں کا ذکر کرنا ایک قسم کا بے جا فخر اور بے کار بات تھی ان کے واقعات کو دہرانے سے نہ ان کو کچھ فائدہ نہ بیان کرنے والوں کو کچھ حاصل اس کی جگہ اللہ تعالیٰ کا ذکر مقرر کیا گیا۔ حج کے ذکر میں چونکہ دو قسم کے لوگوں کا ذکر آیا تھا ایک وہ جو دنیا ہی دنیا چاہتے ہیں دوسرے وہ جو دارین کی بھلائی کے طالب ہیں اب آگے اسی قسم کے دو شخصوں کا ذکر فرماتے ہیں ایک بدترین منافق ہے اور دُوسرا مخلص مسلمان ہے (تسہیل) ف

اور لوگوں میں سے بعض آدمی ایسا بھی ہے کہ جس کی باتیں اور اُس کی گفتگو جو محض دنیوی زندگی کی غرض اور مقصد سے ہوتی ہے آپ کو حیرت زدہ کر دیتی ہے اور آپ کو وہ باتیں دل کش اور خوش کن معلوم ہوتی ہیں اور اس کی حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ خدا کی قسمیں کھا کھا کر اور اپنے مافی الضمیر پر خدا شاہد خدا شاہد کہہ کر آپ کو یقین دلاتا ہے حالانکہ وہ آپ کی مخالفت کرنے والوں اور آپ سے مخاصمت رکھنے والوں میں سب سے زیادہ شدید الخصومت اور بڑا جھگڑالو ہے اور جب وہ آپ کے پاس سے اور آپ کی مجلس سے پیٹھ پھیر کر جاتا ہے تو وہ اس غرض سے دوڑ دھوپ کرتا پھرتا ہے اور کوشش کرتا ہے اور اس قسم کی تدابیر اختیار کرتا ہے کہ شہر میں کوئی فساد برپا کرے اور لوگوں کی کھیتوں کو تباہ کر دے اور مویشیوں کو تباہ کر دے اور اللہ تعالیٰ فساد اور تباہ کاری کو پسند نہیں کرتا اور جب اس کو بطور نصیحت کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا خوف کر اور اللہ تعالیٰ سے ڈر تو اس کا گھمنڈ اور غرور اور اس کا عزہ اور نخوت اور زیادہ اس کو گناہ پر ابھارتی اور آمادہ کرتی ہے لہٰذا ایسے شخص کی کافی سزا جہنم ہے اور وہ بہت بُری آرام گاہ ہے یعنی جہنم (تیسیر) ہم نے تیسیر میں مفسرین کے تمام اقوال کا کم و بیش خلاصہ کر دیا ہے یہ واقعہ یا تو ایک خاص شخص اخنس بن شریق سے تعلق رکھتا ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا تو قسمیں کھا کر آپ کی محبت اور آپ پر ایمان رکھنے کا یقین دلاتا اور جب واپس جاتا تو شرارت کرتا مسلمانوں کی پختہ کھیتوں کو آگ لگا دیتا مویشیوں کو ہلاک کر دیتا بعض لوگوں نے کہا کہ آیت عام ہے ہر منافق کو شامل ہے بلکہ ہر اس شخص کو شامل ہے جو کفر کو چھپائے اور ایمان کو ظاہر کرے اور جھوٹ کو چھپائے اور جھوٹ کو سچ کر کے ظاہر کرے۔ (باقی ضمیمہ میں)

فَإِن زَلَلْتُم مِّن بَعْدِ مَا جَاءَتْكُمُ الْبَيِّنَاتُ فَاعْلَمُوا
پھر اگر باوجود اس کے بھی کہ تم کو صاف صاف احکام و دلائل پہونچ چکے تم ڈگمگا جاؤ تو خوب جان لو کہ
أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٠٩﴾ هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا أَن يَأْتِيَهُمُ
اللہ تعالیٰ بڑا زبردست بڑی حکمت والا ہے ۔ کیا یہ لوگ صرف اس بات کی راہ دیکھ رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ
اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلَائِكَةُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ ۚ وَ
اور فرشتے بادلوں کے سائبانوں میں ان کے پاس آئیں اور سب کاموں کا فیصلہ ہی کر دیا جائے اور
إِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿٢١٠﴾ سَلْ بَنِي إِسْرَائِيلَ كَمْ
تمام امور کی بازگشت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہوگی ف اے پیغمبر آپ بنی اسرائیل سے پوچھئے کہ
آتَيْنَاهُم مِّنْ آيَةٍ بَيِّنَةٍ ۗ وَمَن يُبَدِّلْ نِعْمَةَ اللَّهِ مِن
ہم نے کس قدر واضح دلائل ان کو عطا فرمائے تھے اور جو شخص خدا کی نعمت کو بعد اس کے کہ وہ نعمت
بَعْدِ مَا جَاءَتْهُ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٢١١﴾ زُيِّنَ
اس کے پاس آچکی ہو بدل ڈالیگا تو یقین جانو کہ خدا تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے ف دنیا کی زندگی
لِلَّذِينَ كَفَرُوا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُونَ مِنَ الَّذِينَ
منکروں کی نظر میں خوشنما کر دی گئی ہے اور وہ منکر ایمان والوں سے تمسخر کرتے ہیں
آمَنُوا ۘ وَالَّذِينَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ وَاللَّهُ يَرْزُقُ
حالانکہ اصحاب تقویٰ قیامت میں ان کافروں سے بالا و برتر ہوں گے اور اللہ تعالیٰ جسکو چاہتا ہے
مَن يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٢١٢﴾ كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً
بے اندازہ روزی عطا فرماتا ہے ف سب لوگ ابتداءً ایک ہی طریق پر تھے
فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ وَأَنزَلَ
پھر ان میں باہم اختلاف واقع ہوا تو اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو بھیجا جو خوشخبری دیتے تھے اور ڈراتے تھے اور اللہ
مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا
تعالیٰ نے ان نبیوں کے ساتھ سچی کتاب بھی نازل کی تاکہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے مابین ان باتوں کا فیصلہ کر دے جن میں وہ مختلف ہو رہے تھے

ع ۲۵ ۱۴ ۹

وقف لازم

ف اے ایمان والو! تم اسلام میں پوری طرح داخل ہو جاؤ اور اسلام کے تمام احکام مانو! اور شیطان کے قدم بہ قدم نہ چلو اور اس امر کا یقین کر رکھو کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ پھر اگر اس کے بعد بھی کہ تم کو صاف صاف احکام اور روشن دلائل پہونچ چکے ہیں تم سیدھی راہ سے ڈگمگا جاؤ گے اور پھسل جاؤ گے تو سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ بڑا زبردست اور بڑی حکمت کا مالک ہے۔ کیا یہ لوگ جو دلائل کی روشنی حاصل ہونے کے بعد بھی راہِ مستقیم سے ہٹتے ہیں صرف اس بات کی راہ دیکھ رہے ہیں اور صرف اس امر کے منتظر ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور فرشتے بادل کے سائبانوں میں ان کے پاس آئیں اور تمام کاموں کا فیصلہ ہی کر دیا جائے اور تمام فیصلہ ہی چکا دیا جائے حالانکہ بندوں کے تمام کاموں کا مرجع تو اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے اور تمام امور اُسی کی طرف لوٹائے جائیں گے (تیسیر) شریعتِ موسویہ میں بعض باتیں ناجائز تھیں اور بعض کی تعظیم ضروری تھی مثلاً ہفتہ کے دن کی تعظیم ضروری تھی اور اونٹ کا گوشت اور دودھ حرام تھا۔ اب بعض یہود نے اسلام قبول کرنے کے بعد یہ خیال کیا کہ اسلام میں ہفتہ کے دن کی توہین اور تذلیل ضروری نہیں اور شریعتِ موسویہ میں تعظیم واجب ہے اسی طرح اونٹ کا گوشت کھانا اور دودھ پینا اسلامی شریعت میں فرض نہیں اور شریعت موسویہ میں حرام ہے۔ اس لئے اگر ہم لوگ ہفتہ کے دن کی تعظیم کا اعتقاد رکھیں مگر عملاً تعظیم نہ کریں اور اونٹ کا گوشت اور دودھ ترک کر دیں۔ اگرچہ حرام ہونے کا اعتقاد نہ رکھیں تو اس میں شریعتِ موسویہ کی رعایت بھی ہو جائیگی اور اسلام میں بھی ہم کسی بدعت کے مرتکب نہ ہوں گے۔ بعض نومسلم یہود نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دریافت کیا یا رسول اللہ اگر ہم رات کو تہجد کی نماز میں بجائے قرآن شریف کے توریت پڑھ لیا کریں تو اس میں کوئی خرابی تو نہیں۔ اس قسم کے شکوک و شبہات کو دور کرنے کی غرض سے فرمایا کہ اسلام میں پوری طرح داخل ہو یہ نہ کرو کہ کچھ یہودیت اختیار کرو اور کچھ اسلام کی باتیں مانو! اسلام ایک کامل مذہب ہے اور اس کا کامل ہونا جب ہی ہے کہ جس چیز کی رعایت اسلام میں نہیں ہے اس کی رعایت نہ کی جائے اور کسی ایسے کام کو جو اسلام نے دین نہیں بتایا اس کو دین سمجھ کر نہ کیا جائے ایسا کرنا ایک شیطانی لغزش ہے اور اسی حکم سے بدعات اور رسوماتِ کفریہ کو لازم سمجھ کر کرنا اور بدعات کو دین سمجھ کر بجا لانے کی خرابی اور مردود ہونا معلوم ہوتا ہے۔ بعض حضرات نے اس آیت کو بھی عام رکھا ہے اور ان اہل کتاب کیساتھ خاص نہیں رکھا جو مسلمان ہو چکے تھے لیکن آگے کی آیتوں کے ربط کا لحاظ رکھتے ہوئے پہلا ہی قول بہتر معلوم ہوتا ہے اگرچہ عموم کی گنجائش بھی ہے اور یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ سب کے سب اسلام میں داخل ہو جاؤ سلم خواہ فتح سین کے ساتھ ہو یا کسرۂ سین کے ساتھ ہو دونوں کے معنی انقیاد اور اطاعت اور اسلام کے ہیں۔ صحیح تحقیق یہی ہے کافۃ کے معنی پورے کے ہیں یعنی پورے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ اور پوری طرح شریعتِ اسلامیہ کے فرماں بردار بن جاؤ۔ الزلل کے اصلی معنی تو پاؤں پھسل جانے کے ہیں مگر یہاں مراد یہ ہے کہ دینِ حق سے عدول کر جاؤ اور راہِ حق کو چھوڑ دو بیّنٰت کے معنی روشن دلیل اور واضح حجت ہیں۔ چونکہ بعض نے یہاں اس لفظ سے احکام مراد لئے تھے اس لئے ہم نے ترجمہ اور تیسیر میں دونوں کا لحاظ رکھا ہے۔ عزیز حکیم کا مطلب یہ ہے کہ بے پناہ قوت کے مالک ہیں چاہیں تو ابھی سزا دے دیں لیکن چونکہ حکیم ہیں اس لئے بعض مصالح کے اعتبار سے مجرم کی فوری گرفت نہیں کرتے۔ ھل ینظرون کے لفظی معنی یہ ہیں کہ یہ لوگ نہیں انتظار کرتے مگر اس بات کا ہم نے محاورے کی رعایت سے یوں ترجمہ کیا ہے کہ یہ لوگ صرف اس امر کے منتظر ہیں۔ ظلّۃ کہتے ہیں سائبان کو یا وہ چیز جو سایہ کرے حتیٰ کہ آج کل چھتری کو بھی ظلہ کہہ دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی تشریف آوری کی حقیقت تو معلوم نہیں ہو سکتی۔ ابن جریر نے ایک روایت ابوہریرہ سے نقل کی ہے حدیث طویل ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ جب لوگ حشر کے میدان میں کھڑے ہوں گے اور گرمی اور پسینوں سے پریشان ہو رہے ہوں گے تو سب انبیاء کی خدمت میں شفاعت کی غرض سے حاضر ہوں گے اور آخر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس سفارش پر آمادہ ہو جائیں گے کہ مخلوق کا حساب کتاب لے کر ان کو جنت اور دوزخ میں بھیجا جائے چنانچہ آپ سجدے میں خدا کی حمد و ثنا (باقی ضمیمہ میں)

۴/۱

ف سب لوگ ابتدا میں ایک ہی جماعت اور ایک ہی خیال اور ایک ہی طریق کے تھے پھر باہم مختلف ہو گئے اور ان میں اختلاف رونما ہوا تو اس اختلاف کے رفع کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھیجا جن کا حال یہ تھا کہ وہ حق کے قبول کرنے والوں کو بشارت دیا کرتے تھے اور منکرین حق کو ان کے انجام سے ڈرایا کرتے تھے اور ان پیغمبروں کے ہمراہ مختلف کتابیں اور صحیفے بھی برحق اور برمحل نازل فرمائے تاکہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے مابین ان کے امور مختلفہ کا فیصلہ فرما دے اور جس امر حق میں انھوں نے جھگڑا شروع کر رکھا تھا اس کو صاف کر دے لیکن واقعہ یہ ہوا کہ اس کتاب میں اور کسی نے اختلاف نہیں پیدا کیا مگر ان ہی لوگوں نے اختلاف کیا جن کو وہ کتاب دی گئی تھی اور یہ اختلاف بھی محض آپس کی ضد سے اور ہٹ سے کیا اور اس کے بعد کیا جبکہ ان کو واضح دلائل اور صاف احکام پہنچ چکے پھر اللہ تعالیٰ نے اس امر حق میں ہمیشہ اپنے فضل اور اپنی توفیق سے ایمان والوں کی رہنمائی فرمائی جس میں لوگ اختلاف کیا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے راہ راست کی جانب اس کی رہنمائی فرماتا ہے (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ حضرت آدم کی اولاد ابتدا میں سب کی سب ایک ہی طریق کی پابند تھی اور وہ طریق اسلام تھا پھر جب ان کی اولاد بڑھی تو ان میں اختلاف شروع ہو گیا اور باپ نے جو تعلیم دی تھی اس کے پابند نہ رہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے آگے پیچھے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو کتابیں اور صحیفے دیکر بھیجا یعنی پیغمبر آئے اور ان پر حسب ضرورت آسمانی کتابیں اور صحائف بھی نازل ہوتے رہے۔ یہ آسمانی کتابیں حق وانصاف پر مشتمل تھیں اور جس قسم کی ضرورت اُس زمانے میں درپیش تھی ٹھیک ٹھیک اس ضرورت کو پورا کرنیوالی تھیں۔ ان انبیاء کی بعثت اور نزول کتب کا مقصد یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ ان امور مختلفہ کا جن میں لوگ اختلاف کر رہے تھے فیصلہ کر دے کیونکہ پیغمبر اور کتب سماویہ کا کام یہی ہے کہ وہ امر واقعی کو ظاہر کر دیتی ہیں اور امر واقعی کے ظاہر ہو جانے کے بعد امر غیر حق خود بخود ختم ہو جاتا ہے بہر حال ہونا تو یہی چاہیے تھا کہ باہمی سب اختلافات ختم ہو جاتے اور حضرت آدم علیہ السلام کے طریقہ کو سب لوگ اختیار کر لیتے مگر ہوا یہ کہ بعض لوگوں نے اس کتاب کو نہ مانا اور اس میں ہی اختلاف پیدا کر دیا اور یہ اختلاف صرف ان ہی لوگوں نے کیا جن کو وہ کتاب ملی تھی۔ یعنی پڑھے لکھے اور سمجھ دار لوگوں نے کیونکہ ابتدائی مخاطب یہی لوگ ہوتے ہیں اور ان ہی سے یہ امید ہوتی ہے کہ یہ خود سمجھ کر دوسروں کو سمجھائیں گے اور ان کو راہ راست پر لائیں گے۔ لیکن یہاں انہی لوگوں نے اس کتاب میں اختلاف پیدا کر دیا۔ اور یہ اختلاف بھی اُس حالت میں کیا جب ان کو واضح دلائل اور صاف و روشن احکام پہنچ چکے اور یہ اختلاف بھی محض آپس کے حسد کی وجہ سے کیا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فیہ کی ضمیر امر حق کی طرف راجع ہو یعنی جن لوگوں کو کتاب ملی تھی انھوں نے ہی امر حق میں اختلاف پیدا کر دیا۔ بینات کا مطلب یہ ہے کہ پیغمبروں کے معجزے دیکھنے اور کتاب کے احکام معلوم کرنے کے باوجود پھر جھگڑا کیا۔ اس پر ہم نے اہل ایمان کی اپنے حکم اور اپنی رحمت و فضل سے اُس معاملہ میں جس میں یہ لوگ اختلاف کر رہے تھے صحیح رہنمائی کی۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہر زمانہ میں ایسا ہوتا رہا ہے پہلے تو لوگ کچھ دنوں ایک راہ پر رہے۔ پھر کفر و ایمان کی راہیں تقسیم ہو گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس اختلاف کو مٹانے کی غرض سے پیغمبر بھیجے کتابیں نازل فرمائیں۔ تاکہ امر حق کو ظاہر کر دیا جائے۔ لیکن دلائل واضحہ آ جانے کے بعد بھی لوگوں نے محض آپس کے حسد اور ضد سے نبیوں کی تکذیب اور کتابوں کا انکار شروع کر دیا اور کتاب کی صداقت اور اس کے مطالب میں اختلاف کرنے لگے اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم سے اہل ایمان کو صحیح ہدایت عطا فرمائی اور وہ لوگوں کی مختلف فیہ باتوں سے محفوظ رہے۔ اور یہ ہدایت الی الحق حضرت حق کی مشیت پر موقوف ہے جس کو وہ چاہتا ہے سیدھی راہ بتا دیا کرتا ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ اختلاف کرنے والوں سے مراد وہ لوگ ہوں جو آدمؑ سے لیکر نوحؑ تک اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جو لوگ حضرت نوحؑ کے ساتھیو میں سے بچ گئے تھے ان کی اولاد ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہود و نصاریٰ ہوں اور راہ راست پر قائم رہنے والے اُمّتِ محمدیہ کے مسلمان ہوں واللہ اعلم۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی اللہ نے کتابیں اور نبی متعدد بھیجے اس واسطے نہیں کہ ہر فرقہ کو جُدی راہ فرمائی اللہ کے ہاں سے سب خلق کو ایک ہی راہ کا حکم ہے جس وقت اس راہ سے کسی طرف بچلے ہیں اللہ نے نبی بھیجا کہ بتا دے اور

(باقی ضمیمہ میں)

فِيهِ ۚ وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِنْ

اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی وہی لوگ اپنے پاس صاف وواضح احکام آئے پیچھے

بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۖ فَهَدَى اللَّهُ

محض آپس کی ضد سے اس کتاب میں اختلاف کرنے لگے پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے

الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ ۗ

اس امر حق میں ہمیشہ اہل ایمان کی راہ نمائی فرمائی جس میں اختلاف کرنے والے اختلاف کرتے تھے

وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿٢١٣﴾ أَمْ

اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے سیدھی راہ دکھا دیتا ہے وف کیا

حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ

تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ تم کو ابھی تک ان لوگوں کے سے

الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۖ مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَ

واقعات پیش نہیں آئے جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کو بڑی سختی اور تکلیف پہونچی اور

الضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوا حَتَّىٰ يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ

مصائب کی کثرت سے وہ ہلا ڈالے گئے یہاں تک کہ رسول اور اس کے ساتھی ایمان لانے والے

آمَنُوا مَعَهُ مَتَىٰ نَصْرُ اللَّهِ ۗ أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ

کہہ اٹھے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد کب آئے گی آگاہ رہو بیشک اللہ تعالیٰ کی مدد بہت ہی

قَرِيبٌ ﴿٢١٤﴾ يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ ۖ قُلْ مَا أَنْفَقْتُمْ

قریب ہے وف لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ خدا کی راہ میں کیا خرچ کریں آپ فرما دیجئے مال میں سے

مِنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ وَالْيَتَامَىٰ

جو کچھ بھی خرچ کرو سو ماں باپ کا حق ہے اور قرابت داروں کا اور بن باپ کے بچوں کا

وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۗ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ

اور محتاجوں کا اور مسافر کا اور تم جو کار خیر بھی

خَيْرٌ فَإِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿٢١٥﴾ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَ

کرو وہ اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے ف۱ تم پر جہاد فرض کیا گیا ہے اور

هُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ

وہ جہاد تم پر شاق ہے اور یہ ہوسکتا ہے کہ ایک چیز تم کو ناپسند ہو اور وہی تمہارے لئے

لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ

بہتر ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرتے ہو اور وہ چیز تمہارے لئے بری ہو اور بہتری کی حقیقت کو اللہ ہی جانتا ہے

وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٢١٦﴾ (ع) يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ

اور تم نہیں جانتے ف۲ لوگ آپ سے حرمت والے مہینے میں جنگ کرنے کو

قِتَالٍ فِيْهِ ۗ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ۗ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ

دریافت کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ اس مہینے میں جنگ کرنا بڑے گناہ کی بات ہے لیکن اللہ کی راہ

اللّٰهِ وَكُفْرٌ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ

سے روکنا اور اللہ تعالیٰ کا انکار کرنا اور مسجد حرام سے روکنا اور مسجد حرام سے اس کے اہل یعنی مسلمانوں کو

مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۗ

نکال دینا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اُس لڑائی سے بھی بڑا گناہ ہے اور ایسی فتنہ انگیزی خونریزی سے بدرجہا بڑھ کر ہے

وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ

اور کفار تم سے ہمیشہ جنگ کرتے رہیں گے تاکہ اگر ان کا بس چل جائے تو تم کو تمہارے

اِنِ اسْتَطَاعُوْا ۗ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ

دین سے برگشتہ کردیں اور جو شخص تم میں سے اپنے دین سے پھر جائیگا اور پھر حالت کفر ہی میں

وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا وَ

مرجائیگا تو ایسے لوگوں کے دنیا اور آخرت میں سب اعمال ضائع

الْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٢١٧﴾

ہوجاتے ہیں اور یہی لوگ دوزخی ہیں اور وہ اس دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔

ف۱ مسلمانو! تم پر جہاد کرنا فرض کیا گیا ہے۔ اور وہ جہاد تم پر اپنی طبیعت کے اعتبار سے شاق اور گراں معلوم ہوتا ہے اور یہ ہوسکتا ہے کہ ایک چیز تم پر گراں اور شاق ہو اور وہ حقیقت میں تمہارے لئے بہتر ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ تم کسی کام کو پسند کرتے ہو اور کوئی امر تم کو مرغوب و محبوب ہو اور وہ حقیقتاً تمہارے لئے شر اور موجب خرابی اور ہلاکت ہو اور بہتری کی بُری بھلی حقیقت کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم صحیح طور پر نہیں جانتے کہ تمہارے حق میں کیا چیز اچھی اور نافع ہے اور کیا چیز بُری اور ضرر رساں ہے (تیسیر) جہاد و قتال کے متعلق ہم اوپر ذکر کرچکے ہیں کہ جہاد ایک آئینی لڑائی کو کہتے ہیں جو محض اپنے تحفظ اور دینِ حق کی آزادی اور اعلاء کلمۃ اللہ کی غرض سے لڑی جاتی ہے اور مقصد محض یہ ہوتا ہے کہ دین حق پر عمل کرنے میں مخالفوں کی طرف سے کوئی مزاحمت نہ کی جائے۔ جہاد فرض کفایہ ہے اگر ایک جماعت مسلمانوں کی جہاد کرتی رہے تو دوسروں پر ضروری اور فرض نہیں البتہ اگر کفار یلغار کردیں اور دشمن کا ہجوم ہو تو اُس وقت جہاد فرض عین ہوجاتا ہے۔ جہاد کی بہت سی شرطیں ہیں جن کا متحقق ہونا جہاد کے لئے ضروری ہے اگر شرطیں متحقق نہ ہوں تو جہاد فرض نہیں ہوگا۔ چوں کہ جہاد میں ترک وطن کرنا پڑتا ہے۔ اور مال خرچ ہوتا ہے اور مختلف تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس لئے ہر شخص پر طبعاً گراں ہوتا ہے اور یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ناپسند اور گراں ہوتا ہے طبعاً کسی کام کا شاق ہونا اور بات ہے اور اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھ کر اُس کو حق سمجھنا اور اس پر عمل کرنا اور بات ہے۔ اس آیت سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ ہر حکم کی حکمت اور اس کی حقیقی مصلحت کو سمجھنا ہمارے علم اور ہماری عقل سے بالاتر ہے ایک جہاد پر کیا موقوف ہے عام اوامر الٰہیہ کا یہی حال ہے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے ان کی مصالح کا پوری طرح کون احاطہ کرسکتا ہے۔ ہم جہاد اور قتال کو ایک خطرناک چیز سمجھتے ہیں لیکن کون جانتا ہے کہ جہاد میں مسلمانوں کی زندگی مضمر ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں ہے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد تمہارے اوپر واجب ہے ہر امیر کے جھنڈے کے نیچے جہاد کرو خواہ وہ امیر نیک اور صالح ہو یا فاسق و فاجر ہو۔ حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن فرمایا کہ مکہ فتح ہوجانے کے بعد مکہ سے ہجرت کرنا ختم ہوگیا مگر ہاں جہاد اور نیت باقی ہے جب تم کو بلایا جائے اور جہاد کے لئے نکلنے کو کہا جائے تو نکل آیا کرو۔ (تسہیل)

ع ۲۶ / ۶ / ۱۰

ف۲ اے پیغمبر لوگ آپ سے شہر حرام میں لڑنے اور جنگ کرنے کے متعلق سوال کرتے ہیں اور یہ بات دریافت کرتے ہیں کہ رجب جو حرمت والے مہینوں میں سے ایک مہینہ ہے اس مہینے میں جنگ کرنا کیسا ہے آپ فرما دیجئے کہ شہر حرام میں جان بوجھ کر لڑنا اور قتال کرنا بڑا جرم ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی راہ سے اور اُس کے دین سے لوگوں کو روکنا اور اللہ تعالیٰ کا انکار کرنا اور اُس کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام یعنی کعبہ سے لوگوں کو روکنا اور مسلمانوں کو مسجد حرام میں عبادت کرنے سے منع کرنا اور جو لوگ مسجد حرام کے حقیقی اہل اور اُس کی تولیت اور نگرانی کے اپنی پرہیزگاری اور تقوے کے باعث حقیقی مستحق تھے ان کو وہاں سے نکالنا اور ان کو پریشان کرکے مسجد حرام سے نکلنے اور ہجرت کرنے پر مجبور کرنا یہ سب باتیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک شہر حرام میں قتال کرنے سے جرم اور گناہ میں بہت بڑی ہیں اور دین میں اس قسم کی فتنہ پردازی باعتبار مضرت اور قباحت اُس قتل سے کہیں بڑھ کر ہے جو اس وقت زیر بحث ہے اور اے مسلمانو! یہ مشرک تم سے ہمیشہ لڑتے رہیں گے اور تم سے برابر جنگ کا سلسلہ جاری رکھیں گے تاکہ یہ تم کو اگر ان کا بس چل جائے تو دین حق سے باطل کی طرف لوٹا دیں اور تم کو تمہارے دین سے پھیر دیں اور برگشتہ کردیں اور تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے گا اور مرتد ہوجائے گا پھر کفر ہی کی حالت میں مرجائے گا تو ایسے لوگوں کے تمام نیک اعمال دنیا اور آخرت دونوں میں نیست و نابود ہوجائیں گے یعنی کئے نہ کئے برابر ہوجائیں گے اور ایسے ہی لوگ اہل جہنم ہیں یہ اس جہنم میں ہمیشہ رہیں گے (تیسیر) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر سے تقریباً دو مہینے پہلے

(باقی ضمیمہ میں)

ف۱ جو لوگ دین حق پر ایمان لائے اور اللہ کی راہ میں ہجرت کی یعنی ترک وطن کیا اور خدا کی راہ میں جہاد کیا تو حقیقتاً یہی لوگ ایسے ہیں جو کہ رحمت خداوندی کے امیدوار ہیں اور ایسے ہی لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے امیدوار ہوا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بڑا ہی مغفرت اور مہربانی کرنے والا ہے (تیسیر) جہاد کی نیت سے جانا بھی جہاد ہی ہے اس لئے ایمان اور ہجرت تو پہلے ہی سے موجود تھے اب جہاد کو نکلے تو مجاہد بھی ہو گئے اور اگر کوئی معمولی غلطی ہو گئی ہو تو ہم غفور ہیں اس کو معاف کر دیں گے اور رحیم ہیں اس لئے تمہارے ایمان لانے اور تمہاری ہجرت اور تمہارے جہاد کو قبول فرما کر تم پر مہربانی فرمائیں گے (تسہیل)

ف۲ اور اے پیغمبر لوگ آپ سے شراب اور جوئے کی بابت دریافت کرتے ہیں اور آپ سے ان دونوں چیزوں کے بارے میں سوال کرتے ہیں آپ ان سے فرما دیجئے اور ان کو جواب دیدیجئے کہ شراب اور جوئے میں بڑا گناہ ہے یعنی ان دونوں کی وجہ سے انسان بڑے بڑے گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے اور ہاں لوگوں کے لئے ان میں کچھ فائدے اور منافع بھی ہیں مگر ان دونوں کی وجہ سے جن گناہوں کا ارتکاب ہوتا ہے وہ گناہ ان کے نفع اور ان کے فائدوں سے بڑھے ہوئے ہیں اور چونکہ فوائد سے خطرات بڑے ہیں اس لئے یہ دونوں ترک کر دینے کے قابل ہیں اور اے پیغمبر لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کیا خرچ کیا کریں اور کس قدر خرچ کیا کریں آپ ان سے فرما دیجئے جو ضرورت سے فاضل ہو اور جس کا خرچ کرنا سہل اور آسان ہو اللہ تعالیٰ اپنے احکام کو تمہارے لئے اسی طرح واضح اور صاف صاف بیان فرماتا ہے کہ تم دنیا اور آخرت کے معاملات میں ان احکام کو سوچ لیا کرو اور ان پر غور کر لیا کرو اور سوچ سمجھ کر ہمارے بیان کردہ احکام کے موافق عمل کیا کرو اور اے پیغمبر لوگ آپ سے یتیموں یعنی بن باپ کے بچوں کے بارے میں سوال کرتے ہیں اور ان کے مال اور ان کی نگرانی وغیرہ کا حکم دریافت کرتے ہیں آپ ان سے فرما دیجئے کہ بہرحال ان کے مال اور ان کی حالت کی سنوار اور اصلاح بہت بہتر ہے یعنی بہرصورت یتیموں کے مصالح کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے۔ اور اگر بعض دشواریوں کی وجہ سے ان کے مال اور ان کا خرچ اپنے خرچ کے ساتھ شریک کر لو اور ملا لو تو وہ تمہارے بھائی ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے مال کو برباد کرنے خورد برد کرنے والے کو اور ان کی اصلاح اور درستی اور ان کے مال کی حفاظت کرنیوالے کو الگ الگ جانتا اور پہچانتا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو قانون کی سختی سے تم کو مشقت اور مصیبت میں ڈال دیتا کیونکہ اللہ تعالیٰ بڑا زبردست ہے اس لئے ایسا کر سکتا تھا اور چونکہ وہ بڑا صاحب حکمت ہے اس لئے ایسا نہیں کیا اور قانون کو نرم رکھا (تیسیر) شراب اور جوئے کے مفاسد لوگ روز دیکھتے تھے اور جب تک ان کی ممانعت نازل نہیں ہوئی تھی لوگ شراب پیتے اور جوا کھیلتے تھے لیکن بعض سلیم الطبع حضرات ان کی خرابیوں کو محسوس کرتے تھے چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دعا فرماتے تھے اللھم بین لنا فی الخمر بیانا شافیا یعنی یا اللہ شراب کے بارے میں ایسا بیان نازل فرما جو شافی ہو۔ پھر جب یہ آیت نازل ہوئی تو اس کے بعد بھی حضرت عمرؓ نے یہی دعا کی اس کے بعد یاایھا الذین اٰمنوا لا تقربوا الصلوٰۃ کی آیت نازل ہوئی پھر بھی حضرت عمرؓ نے یہی دعا کی پھر جب ساتویں پارے کی آیت نازل ہوئی تب حضرت عمرؓ نے فرمایا انتھینا انتھینا یعنی ہم نے ترک کر دی اور ہم باز آ گئے۔ بہرحال جوئے کے نقصانات اور شراب کی خرابیوں کو دیکھ کر یہ سوال مسلمانوں نے کیا تھا اس پر جو جواب دیا گیا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جوا اور شراب بالذات خواہ گناہ نہ ہوں لیکن یہ دونوں بڑے بڑے جرائم اور گناہ کی بڑی بڑی باتوں کا ذریعہ بن جاتے ہیں اور انسان کے افعال ہی کو گناہ اور ثواب سے تعبیر کیا جاتا ہے اور ان ہی پر حرام و حلال کا حکم لگتا ہے۔ ورنہ کسی شی کی ذات اور عین کو گناہ نہیں کہا جاتا اس لئے فرمایا فیھما اثم کبیر۔ یعنی ان دونوں کے استعمال میں گناہ کی بڑی بڑی باتیں چھپی ہوئی ہیں۔ مثلاً شراب پینے سے عقل زائل ہو جاتی ہے اور عقل ہی گناہوں سے روکنے والی ہے جب عقل ہی جاتی رہی تو پھر معاصی کا کیا ٹھکانا ہے۔ زنا اور قتل وغیرہ سب اسی شراب ہی کی پیداوار ہیں اسی طرح جوئے سے مال کی محبت اور حرص اور لالچ پیدا ہو جاتا ہے پھر انسان مال حاصل کرنے کے ناجائز طریقے اختیار کر لیتا ہے رہے منافع تو وہ بھی ظاہر ہیں شراب میں طاقت اور سرور وغیرہ حاصل ہوتا ہے جوئے میں جیتنے کی خوشی اور حصول مال کی لذت میسر ہوتی ہے بلا مشقت مال مل جاتا ہے۔ لیکن مفاسد زیادہ اور منافع کم ہیں۔ جو نفع ہوتا ہے اس کے مقابلہ میں جن گناہوں کا ارتکاب ہوتا ہے وہ بہت زیادہ ہیں (باقی ضمیمہ میں)

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا

بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور خدا کی راہ میں ہجرت کی اور جہاد کیا

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ

تو یہی لوگ رحمت خداوندی کے امیدوار ہیں اور اللہ تعالیٰ

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۱۸﴾ يَسْــَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۭ قُلْ

بڑا بخشنے والا بڑی مہربانی کرنے والا ہے لوگ آپ سے شراب اور جوئے کا حکم دریافت کرتے ہیں آپ فرما دیجئے

فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۡ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ

کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے کچھ فائدے بھی ہیں لیکن ان دونوں کا گناہ ان کے فائدے سے

مِنْ نَّفْعِهِمَا ۭ وَيَسْــَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ڛ قُلِ

بہت بڑھا ہوا ہے اور لوگ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا خیرات کیا کریں آپ فرما دیجئے

الْعَفْوَ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ

جو ضرورت سے فاضل ہو اللہ تعالیٰ اسی طرح تمہارے لئے اپنے احکام کو صاف صاف بیان کرتا ہے

تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱۹﴾ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَيَسْــَٔلُوْنَكَ عَنِ

تاکہ تم غور و فکر کیا کرو۔ دنیا اور آخرت کے معاملات میں اور لوگ آپ سے یتیموں کا حکم

الْيَتٰمٰى ۭ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ۭ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ

دریافت کرتے ہیں آپ فرما دیجئے بہرصورت ان کے حال کی اصلاح کرنا بہت بہتر ہے اور اگر تم ان کے خرچ کو شامل کر لو

فَاِخْوَانُكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ۭ وَلَوْ

تو وہ تمہارے بھائی ہیں اور اللہ تعالیٰ بگاڑنے والے کو سنوارنے والے سے الگ پہچانتا ہے اور اگر

شَاۗءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۰﴾ وَلَا

اللہ تعالیٰ چاہتا تو تم کو مشقت میں ڈال دیتا یقیناً اللہ تعالیٰ کو ہر بات پر غلبہ حاصل ہے اور ہر کام کی حکمت معلوم ہے ۔ اور

تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۭ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ

مسلمانو! مشرک عورتوں سے جب تک وہ ایمان نہ لائیں نکاح نہ کرو اور یاد رکھو ایک مسلمان لونڈی مشرک

مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ

آزاد عورت سے کہیں بہتر ہے خواہ وہ مشرکہ عورت تم کو بھلی ہی کیوں نہ معلوم ہوتی ہو اور مشرک جب تک ایمان نہ لے آئیں

حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۗ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ

ان کے نکاح میں مسلمان عورتیں نہ دو اور یاد رکھو ایک مسلمان غلام مشرک آزاد مرد سے کہیں بہتر ہے خواہ

اَعْجَبَكُمْ ۗ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚۖ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا

وہ مشرک مرد تم کو کتنا ہی بھلا کیوں نہ معلوم ہوتا ہو یہ مشرک مرد و عورت دوزخ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے

اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ

حکم سے جنت اور مغفرت کی طرف بلاتا ہے اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے لئے اس غرض سے اپنے احکام صاف صاف بیان کرتا ہے

لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۲۱﴾ ۧ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ۭ

تاکہ وہ نصیحت قبول کریں ۔ ف اور لوگ آپ سے حیض کا حکم پوچھتے ہیں

قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَاۗءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا

آپ کہہ دیجئے وہ گندی چیز ہے لہٰذا تم حالت حیض میں عورتوں کی ہم بستری سے علیٰحدہ رہا کرو اور جب تک

تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ

وہ پاک نہ ہو جائیں ان سے ہم بستر نہ ہوا کرو پھر جب وہ اچھی طرح پاک ہو جائیں تو

مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَ

جہاں سے تم کو اللہ نے حکم دیا ہے وہاں سے ان کے پاس جاؤ یقیناً اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے اور

يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴿۲۲۲﴾ نِسَاۗؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۠ فَاْتُوْا

پاک صاف رہنے والوں سے محبت رکھتا ہے ف تمہاری بیویاں تمہاری کھیتی ہیں سو اپنی کھیتی میں

حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ۡ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ۭ وَاتَّقُوا

جس روش سے چاہو آؤ اور اپنے لئے آگے بھی کچھ بھیجو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے

اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۲۳﴾

رہو اور اس بات کو اچھی طرح جان لو کہ تم یقیناً اس کے حضور میں پیش ہونے والے ہو اور اے پیغمبر ایمان والوں کو بشارت دے دیجئے

ع ۲۷ ۵ ۱۱

ف اور مسلمانو! تم شرک کرنے والی عورتوں سے اس وقت تک نکاح نہ کرو جب تک وہ مسلمان نہ ہو جائیں اور یہ امر یقینی ہے کہ ایک مسلمان عورت خواہ وہ باندی ہی کیوں نہ ہو ایک شرک کرنے والی عورت سے بدرجہا بہتر ہے خواہ وہ مشرکہ آزاد بیوی کیوں نہ ہو اور اگرچہ وہ مشرکہ تم کو اپنے مال اور حسن و جمال اور اپنے خاندان کی وجہ سے اچھی ہی کیوں نہ معلوم ہو اور جن مسلمان عورتوں کے نکاح کا تم کو اختیار حاصل ہے انکو اُس وقت تک شرک کرنیوالے مردوں کے نکاح میں نہ دو جب تک وہ مشرک مسلمان نہ ہو جائیں اور یہ بات یقینی ہے کہ ایک مسلمان مرد خواہ وہ غلام ہی کیوں نہ ہو ایک مشرک مرد سے بدرجہا بہتر ہے خواہ وہ مشرک مرد آزاد ہی کیوں نہ ہو اور اگرچہ وہ مشرک مرد اپنے مال اور اپنے خاندان کی وجہ سے تم کو بھلا ہی کیوں نہ معلوم ہوتا ہو اس ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ یہ مشرک جہنم کی طرف بلاتے ہیں اور ایسے اعمال و عقائد کی ترغیب دیتے ہیں جو جہنم میں لے جانے کا موجب ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے حکم سے جنت اور مغفرت کی دعوت دیتا ہے اور ایسے اعمال و عقائد کی ترغیب دیتا ہے جو مغفرت کا موجب اور دخول جنت کا ذریعہ ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے احکام لوگوں کے لئے اس واسطے صاف اور واضح طور پر بیان فرماتا ہے تاکہ وہ لوگ نصیحت قبول کریں اور ان احکام پر عمل پیرا ہو کر جنت اور مغفرت کے مستحق ہو جائیں (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ مسلمان کسی مشرکہ سے نکاح نہیں کر سکتا خواہ وہ بُت پرست ہو یا کواکب پرست ہو یا کسی اور مخلوق کو پوجتی ہو۔ اسی طرح مسلمان عورت کسی مشرک اور کافر کے نکاح میں نہیں دی جا سکتی خواہ وہ بُت پرست ہو یا کواکب پرست ہو یا کسی اور مخلوق کو پوجتا ہو۔ اور خواہ وہ کافر اہل کتاب ہو۔ البتہ مسلمان ایک کتابیہ سے نکاح کر سکتا ہے جیسا کہ سورۂ مائدہ میں آجائے گا غرض یہ چار صورتیں ہیں (۱) مرد مسلمان ہو اور عورت مشرکہ ہو۔ (۲) مرد مسلمان ہو اور عورت کتابیہ ہو۔ مثلاً یہودیہ ہو یا نصرانیہ ہو۔ (۳) عورت مسلمان ہو اور مرد مشرک ہو (۴) عورت مسلمان ہو اور مرد کتابی یعنی یہودی یا نصرانی ہو۔ ان چاروں صورتوں میں صرف دوسری صورت جائز ہے باقی تینوں صورتیں حرام ہیں۔ دوسری صورت جو جائز ہے اس میں اس امر کی پابندی ضروری ہے کہ وہ کتابیہ صحیح معنی میں کتابیہ ہو۔ ایسا نہ ہو کہ نہ وہ خدا کی قائل ہو۔ نہ حضرت عیسیٰ کو مانتی ہو نہ انجیل پر ایمان رکھتی ہو۔ جیسا کہ آج کل ہمارے تعلیم یافتہ حضرات یورپ اور امریکہ کی عورتوں سے نکاح کر لیتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اہل کتاب ہیں حالانکہ وہ نہ عیسائی ہوتی ہیں اور نہ صحیح معنی میں یہودی ہوتی ہیں اس لئے بغیر تحقیق کے ان کا مذہب معلوم کئے بغیر ان سے نکاح کرنا نہیں چاہئے۔ اسی طرح بعض مسلمان بھی آج کل نئے نئے عقائد اختیار کر رہے ہیں اور عقائد و اعمال میں یورپین اقوام کے نقش قدم پر چل رہے ہیں نکاح سے پہلے ان کے بھی خیالات و عقائد کی خوب تحقیق کر لینی چاہئے اور شرک کی بھی حالت یہی ہے اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے علم یا قدرت میں یا اور دوسری صفت خداوندی میں کسی کو اللہ تعالیٰ کا مماثل سمجھتا ہو تو وہ مشرک ہے خواہ وہ اپنے مسلمان ہونے کا مدعی کیوں نہ ہو۔ نکاح کا معاملہ چونکہ اہم ہے اس لئے نکاح سے پہلے ان امور کی تحقیق ضروری ہے۔ اور یہ جو فرمایا کہ مسلمان باندی مشرکہ بیوی سے اور مومن غلام مشرک آزاد سے بہتر ہیں ہم نے اس کو تیسیر میں خلاصہ کر دیا ہے اور یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ شرافت اسلامی کفر کی تمام شرافتوں سے اعلیٰ اور برگزیدہ ہے۔ کافر خواہ کسی جہت سے بھی اچھا کیوں نہ ہو لیکن بہرحال وہ ایک مسلمان سے کمتر ہے۔ اور یہ جو فرمایا کہ مشرک آگ کی طرف بلاتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ نکاح کی وجہ سے جو مخالطت اور مقارنت حاصل ہوگی وہ محرک ہوگی کفر اور شرک کی اور کفر و شرک د... ...رنے موجب ہیں۔ اگرچہ یہ احتمال کتابیہ عورتیں میں بھی تھا لیکن اوّل تو کتابیہ کا ضرر مشرکہ سے کم ہے پھر بیوی بجائے اس کے کہ مرد پر اثر انداز ہو مرد کے خیالات سے خود متاثر ہو جاتی ہے اور اگر کہیں ایسا ہو کہ مرد کے عیسائی یا یہودی ہو جانے کا احتمال قوی ہو مثلاً ایک ایسی کتابیہ ہو جو پہلے مسلمان خاوندوں کو عیسائی یا یہودی بنا چکی ہو اور اس امر کا ظن غالب ہو کہ یہ عورت اگر نکاح میں آئی تو اس مسلمان کو بھی عیسائی یا یہودی کر لے گی تو ایسی حالت میں ممانعت کی جا سکتی ہے۔ مسلمانوں میں جو فرق ضالّہ ہیں ان کا بھی عام طور سے یہی حکم ہے کہ ان کی لڑکیوں سے نکاح کیا جا سکتا ہے مگر مسلمان اپنی لڑکیاں ان کے نکاح میں نہیں دے سکتے۔ (باقی ضمیمہ میں)

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَ
اور اپنی قسموں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کو آڑ نہ بناؤ کہ اس کے نام کی قسمیں کھا کر نیک سلوک کرنے سے اور

تَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٢٤﴾
پرہیزگار رہنے سے اور لوگوں کے مابین باہم صلح کرانے سے اجتناب کرو اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتا سب کو جانتا ہے ف۱

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْۤ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ
اللہ تعالیٰ تمہاری ان قسموں پر جو لغو و لایعنی ہوں تم سے مواخذہ نہیں کریگا مگر ہاں ان قسموں پر جن کا

بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿٢٢٥﴾ لِلَّذِيْنَ
تمہارے دلوں نے ارادہ کیا ہے تم سے مواخذہ فرمائیگا اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا بڑا بردبار ہے ۔ ف جو لوگ

يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ
اپنی بیویوں سے ہم بستر نہ ہونے کی قسم کھا بیٹھیں تو ان کو چار ماہ کی مہلت ہے پھر اگر

فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٢٢٦﴾ وَاِنْ عَزَمُوا
یہ لوگ اس عرصہ میں رجوع کر لیں تو اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا نہایت مہربانی کرنے والا ہے ۔ اور اگر یہ لوگ چھوڑنے

الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٢٧﴾ وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ
ہی کا پختہ ارادہ کر لیں تو اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے ف۱ اور جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہو وہ اپنے

بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ
کو تین حیض تک روکے رکھیں اور اگر وہ اللہ تعالیٰ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہیں

مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْۤ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ
تو ان کو یہ بات حلال نہیں کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ان کے رحموں میں پیدا کیا ہے اس کو چھپائیں

وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ
اور ان مطلقہ عورتوں کے خاوند ان سے عدت کے اندر رجوع کر لینے کے حق دار ہیں

ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْۤا اِصْلَاحًا ؕ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ
بشرطیکہ وہ حسن سلوک کا ارادہ رکھتے ہوں اور عورتوں کا حق بھی ایسا ہی ہے جیسا دستور کے مطابق مردوں کا

ف اور اللہ تعالیٰ کے نام کی قسمیں کھا کر اپنی قسموں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو آڑ اور حجاب نہ بناؤ کہ بھلائی اور نیک سلوک کرنے سے اور تقویٰ اختیار کرنے سے اور لوگوں کے مابین اصلاح کرنے سے بچ جاؤ یعنی خلق کی اصلاح اور ان کے مابین مصالحت اور پرہیزگاری اور حسن سلوک جیسی باتوں کے نہ کرنے پر قسم کھا بیٹھو اور اللہ تعالیٰ سب کی باتیں سنتا اور سب کے دلوں کی نیت کو جانتا ہے (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ کار خیر اور بھلے کام جیسے حسن سلوک، تقویٰ، اور لوگوں کی اصلاح یہ ایسی باتیں ہیں کہ ان کو کرنا چاہئے نہ یہ کہ ان پر قسم کھا بیٹھو کہ ہم یہ کام نہیں کریں گے اور اگر کوئی کہے کہ یہ کام کرو تو عذر کریں کہ میں تو قسم کھا چکا ہوں اس لئے معذور ہوں۔ جو شخص ایسا کرتا ہے تو گویا وہ اللہ تعالیٰ کو اور اس کے نام کو نیک اعمال کے ترک کرنے کے لئے آڑ اور نشانہ بناتا ہے ایسا کرنے سے اس آیت میں منع فرمایا ہے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کی بہن کو بشیر بن نعمان انصاری نے طلاق دیدی تھی اس پر انھوں نے قسم کھالی کہ میں بشیر کے ساتھ نہ کوئی بھلائی کروں گا نہ ان کے گھر جاؤں گا نہ میاں بیوی کے ملاپ کی کوشش کروں گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اللہ کے نام پر تو بھلے کام کی کثرت ہونی چاہئے نہ یہ کہ اللہ کے نام کو بھلے کام کے چھوڑنے کے لئے آڑ بنالو بلکہ کبھی ایسی قسم کھالو تو اس قسم کا کفارہ ادا کر دو اور کار خیر کو ترک نہ کرو لایمانکم کا تعلق لا تجعلوا اور عرضۃ دونوں سے ہو سکتا ہے۔ عرضۃ کے چند معنی ہیں۔ قوت - ہمت - نشانہ - دو چیزوں کے درمیان آڑ اور حجاب - یہاں آخری معنی مراد ہیں۔ اصلاح بین الناس کا مفہوم بہت عام اور وسیع ہے اور رفاہ عام کے تمام کاموں کو شامل ہے۔ اسی طرح ان تبروا بھی ہر قسم کی بھلائی اور نیکی کو شامل ہے اور سچ تو یہ ہے کہ حضرت حق نے ان تین لفظوں میں تمام ابواب خیر کو جمع کر دیا ہے - خلاصہ یہ ہے کہ ہر قسم کے اعمال خیر کو خواہ وہ ذاتی ہوں یا قومی اور جماعتی ہوں ان کو بجالاتے رہو اور ان کو ترک کرنے پر قسم نہ کھاؤ کیونکہ اعمال خیر قابل ترک چیز نہیں ہیں چہ جائیکہ تم ان کے ترک کرنے پر قسم کھا بیٹھو۔ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر کوئی شخص کسی چیز پر قسم کھا بیٹھے پھر اس کے خلاف میں بہتری اور خیر دیکھے تو اس کو چاہئے کہ اس خیر اور بہتر چیز کو کرے اور اپنی قسم کا کفارہ دے دے حضرت شاہ صاحبؒ ارشاد فرماتے ہیں یعنی خدا کی قسم اچھا کام چھوڑنے پر نہ کھاؤ مثلاً ماں باپ سے نہ بولوں گا یا اس فقیر کو نہ دوں گا اور اگر کھا بیٹھے تو قسم توڑے اور کفارت دے۔ موضح القرآن' اب آگے قسم کی تفصیل بیان فرماتے ہیں (تسہیل) ف۲ اللہ تعالیٰ تم سے تمہاری ان قسموں پر جو لایعنی اور لغو و بے ہودہ ہوں کوئی مواخذہ نہیں فرمائے گا مگر ہاں ان قسموں پر تم سے مواخذہ فرمائے گا اور تمہاری گرفت کرے گا جن کا تمہارے دلوں نے قصد اور ارادہ کیا ہے یعنی جان بوجھ کر جھوٹ بولنے کا ارادہ کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑا صاحب مغفرت اور صاحب حلم ہے کہ لغو و لایعنی پر گرفت نہیں کرتا اور قصداً جھوٹی قسم کھانے پر فوری دار و گیر نہیں فرماتا بلکہ اپنے حلم سے مجرم کو مہلت دیتا ہے۔ (تیسیر) لغو ایسے کلام کو کہتے ہیں جو بلا ضرورت اور بدون احتیاج بولا جائے یا اس میں کوئی خیر اور بھلائی نہ ہو۔ یعنی ایسا کلام جو ساقط الاعتبار ہو اور اس کا کوئی شمار نہ ہو۔ یہ لفظ دیت کی بحث میں بھی آتا ہے اور وہاں بھی اس کو اس معنی میں استعمال کیا جاتا ہے یہاں بھی اسی معنی میں ہے کہ اس قسم کا کوئی شمار نہیں اور وہ ساقط الاعتبار ہے۔ قسم کھانے والا کسی گزرے ہوئے واقع پر قسم کھائے جیسے کوئی کہے خدا کی قسم جمعہ کے روز بارش ہوئی تھی۔ یا مستقبل پر کھائے جیسے کوئی کہے کہ خدا کی قسم میں کل ضرور آؤں گا۔ اب اگر قسم کھانے والے نے ماضی پر قسم کھائی اور جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھائی بارش ہوئی تھی جمعرات کے دن اور قصداً جھوٹ بولا اور جمعہ بتایا تو اس قسم کا نام غموس ہے اور اگر اس نے جان کر جھوٹ نہیں بولا بلکہ اس کا پختہ خیال تھا کہ بارش جمعہ کو ہوئی تھی اگرچہ حقیقت میں اس کا یہ خیال غلط تھا مگر اس نے اپنے نزدیک سچی قسم کھائی تو اس کو لغو کہتے ہیں اسی طرح مستقبل پر قسم کھانے والے نے قسم کھائی کہ میں کل آؤں گا یہ قسم منعقدہ ہے اور ایک صورت مستقبل کی یہ ہے کہ قسم کھانے کا ارادہ نہ تھا نہ قسم کھانی چاہتا تھا بلا ارادہ منہ سے قسم نکل گئی تو اس قسم کو بھی اس اعتبار سے کہ اس پر کوئی مواخذہ نہیں لغو میں داخل کیا گیا ہے۔ لہٰذا قسموں کی تین شکلیں ہوتی ہیں (۱) لغو - اس پر نہ کوئی گناہ اور نہ کوئی مواخذہ (۲) غموس اس پر حنفیہ کے نزدیک اخروی مواخذہ ہے۔

(باقی ضمیمہ میں)

بِالْمَعْرُوْفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ

حق عورتوں پر ہے اور ہاں مردوں کو عورتوں پر ایک گونہ فضیلت ہے اور اللہ تعالیٰ کمال قوت اور کمال

حَكِيْمٌ ﴿۲۲۸﴾ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ

حکمت کا مالک ہے وہ طلاق رجعی دو مرتبہ ہے پھر ان دو طلاقوں کے بعد حسن معاشرت کیساتھ رکھ لینا ہے یا

تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ

بھلے طریقے سے چھوڑ دینا ہے اور تم کو یہ حلال نہیں ہے کہ جو کچھ تم ان کو دے چکے ہو

اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا

اس میں سے کچھ واپس لے لو مگر ہاں جبکہ دونوں میاں بیوی کو اس بات کا خوف ہو کہ وہ دونوں اللہ تعالیٰ

حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ

کی مقررہ حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے سو اگر تم لوگوں کو اس کا ڈر ہو کہ وہ دونوں میاں بیوی حدود خداوندی کو قائم

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ تِلْكَ حُدُوْدُ

نہ رکھ سکیں گے تو اس مال کے دینے لینے میں ان دونوں پر کچھ گناہ نہیں عورت خاوند کو دیکر اپنی جان چھڑالے یہ مذکورہ احکام حدود

اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ

خداوندی ہیں ان سے آگے نہ بڑھو اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی مقررہ حدود سے آگے نکلے گا

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۲۹﴾ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ

تو ایسے ہی لوگ ظالم ہیں پھر اگر دو طلاقوں کے بعد شوہر اس عورت کو تیسری طلاق بھی دیدے تو وہ عورت تیسری طلاق کے بعد

مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا

اس شخص کیلئے حلال نہ ہوگی تاوقتیکہ وہ اس شخص کے سوا کسی دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے پھر اگر وہ دوسرا خاوند اس عورت کو

جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ

طلاق دیدے تو ان دونوں پر اس میں کوئی گناہ نہیں کہ پھر وہ دونوں باہم تعلقات وابستہ کرلیں بشرطیکہ انہیں کا یقین ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ

اللّٰهِ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۰﴾

کی مقررہ حدود کو قائم رکھ سکیں گے اور یہ مذکورہ احکام اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ ضابطے ہیں جنکو وہ ان لوگوں کیلئے صاف صاف بیان کرتا ہے جو دانشمند ہیں

ع ۲۸ / ۱۲

ف اور وہ عورتیں جن کو طلاق دی گئی ہو وہ اپنے آپ کو نکاح کرنے سے تین حیض تک روکے رکھیں اور تین حیض کے پورا ہونے تک انتظار کریں اور اگر وہ اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہیں تو اُن کو اُس چیز کا چھپانا حلال نہیں جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے ان کے رحم میں پیدا کیا ہو خواہ وہ حیض ہو یا حمل ہو اور جن عورتوں کو رجعی طلاق دی گئی ہو اُن کے خاوند اُن کو عدت کی مدت کے اندر اندر لوٹا لینے کا حق رکھتے ہیں کہ رجوع کرکے ان کو لوٹا لیں بشرطیکہ ان کا مقصد اصلاح اور حسن سلوک ہو محض عورت کو ستانے اور اذیت دینے کی نیت نہ ہو اور عورتوں کے حقوق بھی مردوں پر ویسے ہی ہیں جیسے دستور شرعی کے موافق مردوں کے حقوق اُن عورتوں پر ہیں ہاں یہ ضرور ہے کہ مردوں کو عورتوں پر ایک خاص درجہ اور فضیلت و برتری حاصل ہے اور اللہ تعالیٰ کمال قوت کا مالک ہے جو اس کے احکام کی مخالفت کرتا ہے اس کو سزا دینے کی قدرت رکھتا ہے اور کمال حکمت کا مالک ہے جو احکام مقرر کرتا ہے وہ انتہائی مصلحت اور حکمت کے ساتھ کرتا ہے (تیسیر) بعل کے معنی ہیں سید۔ مالک یہاں خاوند مراد ہے اصلاح کے معنی جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں بنانے اور سنوارنے اور حالات کو سازگار بنانے کے ہیں یہاں میاں بیوی کے تعلقات میں اصلاح سے مراد حسن سلوک اور بہترین معاشرت کے ہیں۔ معروف کے معنی مشہور ہیں یہاں وہ برتاؤ مراد ہے جو شریعت کے موافق ہو اور بھلے لوگوں میں رائج ہو یعنی ایک کا دوسرے کو تکلیف نہ پہونچانا اور آپس میں ایک دوسرے کے آرام و آسائش کی رعایت کرنا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے چند مسائل بیان فرمائے ہیں۔ (۱) مرد جب عورت کو طلاق دے تو اُس مطلقہ عورت کو طلاق کے بعد تین حیض آنے تک انتظار کرنا چاہیے تاکہ رحم کی حالت معلوم ہو جائے اور آئندہ اولاد میں کوئی مغالطہ واقع نہ ہو جب تک تین حیض پورے نہ ہو جائیں اُس وقت تک کسی مرد سے نکاح نہ کرے ورنہ نکاح معتبر نہ ہوگا۔ یہ امام ابو حنیفہؒ کا مسلک ہے اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بجائے حیض کے لفظ قروء سے طہر مراد ہے۔ یعنی تین حیض کی بجائے تین طہر پورے کرنے ہوں گے طہر ان دنوں کو کہتے ہیں جن میں عورت کو حیض نہ آتا ہو بہرحال اس انتظار کی مدت کا نام عدت ہے اور عدت ہر اُس عورت پر واجب ہے کہ اس کے خاوند نے اس سے ہم بستری کی ہو یا خلوت صحیحہ کی ہو جو ہم بستری کے قائم مقام ہے۔ جس عورت سے اس کے خاوند نے نہ ہم بستری کی ہو نہ اُس سے خلوت صحیحہ کی ہو پھر اس کو طلاق دی ہو تو اس پر عدت نہیں جس کا بیان انشاء اللہ سورۂ احزاب میں آجائیگا۔ پھر یہ کہ مطلقہ عورت آزاد ہو باندی نہ ہو باندی کی عدت تین حیض سے کم ہے نیز یہ کہ مطلقہ عورت کو حیض آتا ہو نہ صغیرہ ہو کہ ابھی حیض شروع ہی نہیں ہوا نہ اتنی بڑھیا ہو کہ جس کا حیض آنا بند ہو چکا ہو جس کو آئسہ کہتے ہیں اور نہ حاملہ ہو۔ صغیرہ اور آئسہ اور حاملہ کی عدت کا ذکر انشاء اللہ تعالیٰ سورۂ طلاق میں آئے گا۔ غرض آزاد ہو حیض آتا ہو۔ اس سے ہم بستری یا خلوت صحیحہ ہو چکی ہو۔ ایسی عورت کو طلاق دی جائے تو یہ طلاق خواہ رجعی ہو یا بائنہ ہو یا بائنہ مغلظہ ہو بہرحال اسکو تین حیض پورے ہونے تک عدت گزارنی ضروری اور لازمی ہوگی۔ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو طلاق ہی حیض کی حالت میں دی ہو تو وہ حیض عدت میں شمار نہیں ہوگا بلکہ اس کے علاوہ تین حیض پورے کرنے ہوں گے (۲) مطلقہ عورتوں کو اپنے رحم کی حالت کو چھپانے کی ممانعت ہے۔ اس سے عدت کے حساب میں غلطی پڑ جانے کا اندیشہ ہے نیز بعض صورتوں میں خاوندوں کو نقصان پہونچنے کا اندیشہ ہے۔ اس لئے اگر حمل ہو تو صاف کہہ دے کہ مجھ کو حمل ہے اور حمل نہ ہو تو بتادے کہ مجھے حمل نہیں ہے۔ حمل اور حیض کی تحقیق کبھی طلاق کے بعد ہوتی ہے اور کبھی طلاق سے قبل خاوند معلوم کرنا چاہتا ہے تاکہ طلاق صحیح اور شرعی طور پر دے۔ بہرحال طلاق سے قبل ضرورت ہو یا طلاق کے بعد وہ صحیح حالت کو نہ چھپائیں بلکہ صاف بتادیں ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کا ذکر اس لئے فرمایا کہ ایمان کا مقتضا یہ ہے کہ سچی بات کہی جائے یہ مطلب نہیں کہ ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت نہ ہو تو رحم کی حالت کا چھپانا جائز ہو جائے۔ (۳) عورت کو طلاق رجعی دینے کے بعد عدت کے اندر اگر خاوند رجعت کرنا چاہیں تو وہ اس کا حق رکھتے ہیں خواہ عورت رضامند ہو یا نہ ہو یہ رجعت صرف (باقی ضمیمہ میں)

ف اور جب تم نے اپنی عورتوں کو رجعی طلاق دے دی ہو اور وہ مطلقہ عورتیں اپنی عدت پوری کرنے کے قریب پہونچ جائیں تو پھر دو باتوں میں سے ایک بات ضروری ہے کہ ان کو یا تو شرعی دستور کے موافق روک لو اور ان سے رجوع کر لو یا ان کو شرعی قاعدے سے خوش اسلوبی کے ساتھ چھوڑ دو اور ان کو ستانے اور تکلیف پہونچانے کی غرض سے کہ ان پر ظلم و زیادتی کیا کروگے نہ روک رکھو اور جو شخص ایسا کرے گا کہ ظلم و زیادتی کے ارادے سے ان کو ستانے کے لئے روکے گا تو وہ اپنے حق میں بُرا کرے گا اور خود ہی اپنا نقصان کرے گا اور آیاتِ الٰہی اور احکام الٰہی کو ہنسی کھیل نہ ٹھہراؤ اور اللہ تعالیٰ کے ان احسانات کو یاد کرتے رہو جو اس نے تم پر کئے ہیں اور بالخصوص اس کتاب کو اور حکمت و دانائی کی باتوں کو یاد کرو جو اس نے تم پر اس غرض سے نازل فرمائی ہیں کہ اُن کی وجہ سے تم کو نصیحت فرمائے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور اس بات کو اچھی طرح جان لو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے (تیسیر) حضرت ابن عباس۔ مجاہد۔ مسروق۔ حسن۔ قتادہ اور ضحاک وغیرہم نے فرمایا ہے کہ بعض لوگوں کا طریقہ یہ تھا کہ وہ اپنی عورت کو رجعی طلاق دے دیتے اور جب وہ اپنی عدت پوری کرنے کے قریب ہوتی تو رجوع کر لیتے چند دن بعد پھر طلاق دے دیتے اور جب وہ عدت پوری کرنے کے لگ بھگ ہوتی تو پھر رجوع کر لیتے اور چند دن بعد پھر طلاق دے دیتے غرض اس طرح اس کو تنگ کرتے کہ بجائے تین حیض کے نو حیض میں اس کا پیچھا چھوٹتا زمانۂ جاہلیت میں اس سے زیادہ بُری حالت تھی اس دور میں طلاق کا کوئی شمار ہی نہیں تھا اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ عورتوں کو تنگ کرنے سے محفوظ رکھا جائے اگرچہ یہ مسئلہ اوپر بھی آیا ہے لیکن وہاں ضمناً ذکر فرمایا تھا یہاں مستقلاً بیان کرنا مقصود ہے اس لئے تکرار نہیں ہے۔ نیز اوپر کی آیت سے صرف اتنا معلوم ہوا تھا کہ طلاق رجعی کے بعد رجوع کا حق ہے اور ایک یا دو طلاقوں کے بعد رجوع ہو سکتا ہے اس آیت میں اس کی تصریح ہے کہ یہ رجعت عدت کے اندر ہونی چاہئے اور مقصود رجعت سے گھر کرنا اور آئندہ حسن سلوک سے رہنا ہو محض عورت کو ستانا اور عدت کو طویل کرنا نہ ہو ابن ابی حاتم نے حضرت عروہ سے نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں تجھ کو طلاق بھی نہیں دوں گا اور تیرے پاس بھی نہیں جاؤں گا۔ اُس نے پوچھا یہ کیونکر ہوگا اس نے جواب دیا طلاق دوں گا اور جب عدت پُوری ہونے لگے گی رجوع کر لوں گا۔ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے خاوند کی بات سنائی اس وقت تک غالباً طلاق کی تحدید نازل نہیں ہوئی تھی اس واقعہ کے بعد اوپر والی آیت بھی نازل ہوئی کہ طلاق رجعی دو مرتبہ ہے اور یہ آیت بھی نازل ہوئی کہ اس قسم کی قانونی گنجائش نکال کر عورت کو ضرر پہونچانا اپنے اوپر خود ظلم کرنا ہے اور احکام الٰہی کے ساتھ مذاق کرنا ہے۔ قانون کا منشا دیکھنا چاہئے تم نے قانونی گنجائش نکال کر اس کے اصل منشا کے خلاف کرنا شروع کر دیا تو ایسا کرنا آیاتِ الٰہی کے ساتھ استہزا کرنا ہے اسی لئے فرمایا۔ فقد ظلم نفسہ۔ ابن جریر نے ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشعریین پر خفگی کا اظہار فرمایا اس پر میں نے عرض کی یا رسول اللہ اشعر والوں پر کیوں ناراض ہوتے ہیں حضورؐ نے فرمایا تم میں سے کچھ لوگ اِدھر طلاق دیتے ہیں اُدھر رجوع کرتے ہیں یہ طلاق کا طریقہ مسلمانوں کا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ یہ اللہ کے احکام کا مذاق اڑا رہے ہیں۔

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ

اور جب تم نے عورتوں کو طلاق رجعی دیدی ہو اور وہ اپنی عدت پوری کرنیکے قریب پہنچ جائیں تو رجوع کر کے ان کو

بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ ۚ وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ

دستور کے مطابق یا تو روک لو یا شائستہ طریق پر ان کو رخصت کر دو اور ان کو ستانے کی غرض سے

ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ

نہ روک رکھو تاکہ ان پر ظلم کرو۔ اور جو شخص ایسا کرے گا تو بے شک وہ اپنی ہی جان پر

نَفْسَهُ ۚ وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا ۚ وَاذْكُرُوا

ظلم کرے گا اور اللہ تعالیٰ کے احکام کو ہنسی کھیل نہ بناؤ اور اللہ تعالیٰ کے ان احسانات کو جو اس نے

نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمَا أَنزَلَ عَلَيْكُم مِّنَ الْكِتَابِ وَ

تم پر کئے ہیں یاد کرتے رہو اور نیز اس کتاب کو اور ان حکمت و دانش کی باتوں کو یاد کرو جو اس نے تمہارے لئے اس غرض

الْحِكْمَةِ يَعِظُكُم بِهِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ

سے نازل کی ہیں کہ تم کو ان کے ذریعہ سے نصیحت فرمائے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ

بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٢٣١﴾ وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ

ہر شے کو خوب جانتا ہے ف اور جب تم عورتوں کو طلاق دیدو اور وہ اپنی عدت

أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَن يَنكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ

پوری کر چکیں تو تم ان کو اس بات سے نہ روکو کہ وہ اپنے تجویز کردہ خاوندوں سے نکاح کر لیں

إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُم بِالْمَعْرُوفِ ۗ ذَٰلِكَ يُوعَظُ بِهِ

جبکہ وہ عورتیں اور وہ مرد جن سے نکاح کرنا مقصود ہے آپس میں دستور شرعی کے موافق رضامند ہوں اس حکم

مَن كَانَ مِنكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۗ

کے ذریعہ اس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو تم میں سے اللہ پر اور یوم آخرت پر یقین رکھتا ہے

ذَٰلِكُمْ أَزْكَىٰ لَكُمْ وَأَطْهَرُ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ

اس حکم پر عمل کرنا تمہارے لئے بڑی صفائی اور بہت پاکیزگی کی بات ہے اور اللہ جانتا ہے اور تم

ع ۲۹ / ۳ / ۱۳

امساک اور تسریح کی بحث ہم اوپر کر چکے ہیں یعنی رجوع کرو تو نیت یہ ہو کہ اچھا سلوک کروگے اور آئندہ پہلے طور طریق پر نبھاؤ گے۔ اور چھوڑ دو تو خوش اسلوبی کے ساتھ اس کے حقوق ادا کر کے رخصت کر دو۔ رجوع اس غرض سے نہ ہو کہ عورت کی عدت طویل کر دو تاکہ اس پر تعدی اور زیادتی کرو یا رجوع کر کے کوئی اور تکلیف پہونچاؤ۔ ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کی آیات سے مذاق کرنا ہے۔ حسن۔ قتادہ مقاتل اور ربیع کا ایک قول یہ ہے کہ اس ... وہ شخص مراد ہے جو طلاق دے کر کہتا ہے کہ میں نے تو ہنسی سے کہہ دیا تھا اور ہزل کیا تھا۔ عبادہ بن صامت کا قول ہے کہ کوئی آدمی کسی سے کہتا کہ میں نے اپنی لڑکی کو تیرے نکاح میں دیا پھر کہہ دیتا میں تو ہنسی سے کہہ رہا تھا۔ اسی طرح بعض لوگ غلام کو آزاد کر دیتے اور کہتے ہم نے تو یوں ہی ہنسی میں کہا تھا اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ (باقی صفحہ میں)

لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۲﴾ وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ

نہیں جانتے۔ ف۱ اور مائیں اپنی اولاد کو پورے دو سال دودھ

حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ وَ

پلائیں یہ حکم اس کے لئے ہے جو شیر خوارگی کی مدت پوری کرنی چاہے۔ اور

عَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ

ان دودھ پلانے والی عورتوں کا روٹی کپڑا دستور کے موافق بچے والے یعنی باپ کے ذمہ ہے

لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ ۢ

کسی شخص کو تکلیف نہیں دی جاتی مگر اس کی بساط کے موافق نہ تو ماں کو اس کے بچہ کی وجہ سے ضرر

بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۚ وَعَلَى الْوَارِثِ

پہونچایا جائے اور نہ باپ کو اس کے بچہ کی وجہ سے کوئی ضرر پہونچایا جائے اور باپ نہ ہو تو بچہ کے محرم وارث

مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا

پر یہی حکم ہے پھر اگر دونوں ماں باپ آپس کی رضامندی اور مشورے سے قبل از وقت

وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ؕ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ

دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر کچھ گناہ نہیں اور اگر تم اپنی اولاد کو کسی اور انا کا

تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ

دودھ پلوانا چاہو تو بھی تم پر کچھ گناہ نہیں جبکہ تم ان کا وہ حق ان کو ادا کردو

مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ

جو تم نے دستور کے مطابق ان کو دینا کیا تھا اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ

اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۳﴾ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ

تمہارے تمام اعمال کو دیکھ رہا ہے۔ ف۱ اور جو لوگ تم میں سے وفات

مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ

پا جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ بیویاں اپنے آپ کو چار ماہ اور دس دن

ف۱ اور مائیں اپنی اولاد کو پورے دو سال دودھ پلائیں خواہ یہ مائیں مطلقہ ہوں یا نکاح میں ہوں یہ کامل دو سال کی مدت اُس کے لئے ہے جو شیر خوارگی اور رضاعت کو پورا کرنا چاہے اور اُسے شیر خوارگی کی تکمیل مقصود ہو اور شرعاً جس کا وہ بچہ ہے اُس کے ذمہ ان ماؤں کا مناسب دستور کے مطابق کھانا اور کپڑا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی شخص کو مکلف نہیں کیا جاتا اور کوئی حکم نہیں دیا جاتا مگر اُس کی وسعت اور بساط کے موافق چونکہ عورتوں کو دودھ پلانا آسان ہے اور مردوں کو عورت کا خرچہ اٹھانا سہل ہے اس لئے دونوں کی وسعت کے قابل ہر ایک کو حکم دیا گیا۔ نہ کسی ماں کو اس کے بچہ کی وجہ سے نقصان پہونچایا جائے اور نہ کسی مولود لہ یعنی باپ کو اس کے بچہ کی وجہ سے ضرر اور نقصان پہنچایا جائے۔ اور اگر کسی بچہ کا باپ زندہ نہ ہو تو بچہ کا جو محرم وارث ہو اُس کے ذمہ اسی کے مثل حکم ہے اور اگر چند وارث ہوں تو پھر ہر ایک کے ذمہ اپنے اپنے ورثہ کی رقم کے موافق خرچ کی ذمہ داری ہے یعنی بچہ کے مرنے کے بعد جو اُس کے وارث بنتے ہوں اُن پر بچہ کی پرورش کا حق ہے پھر اگر دونوں ماں باپ آپس کی رضامندی اور آپس کے مشورے سے دو سال سے کم میں دودھ چھڑانا چاہیں تو دونوں پر ایسا کرنے میں کوئی گناہ نہیں اور اگر تم اپنی اولاد کو ماں کے علاوہ کسی اور انّا سے دودھ پلوانا چاہو تو بھی تم پر کوئی گناہ نہیں جبکہ تم اُن کو اُن کا وہ حق قاعدے اور دستور کے موافق ادا کردو اور اُن کے حوالے کردو جو تم نے ان کو دینا کیا تھا یعنی جو اجرت اُن سے طے ہوئی ہے وہ قاعدے کے موافق خواہ پہلے خواہ پیچھے ان کے حوالے کردو اور اللہ تعالیٰ سے اُس کے احکام کے بارے میں ڈرتے رہو اور اس بات کو اچھی طرح سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال کو خوب اچھی طرح دیکھ رہا ہے (تیسیر) چونکہ اوپر کی آیتوں میں عورتوں کی طلاق اور عدت وغیرہ کا ذکر تھا اُسی کی مناسبت سے رضاعت کا ذکر بھی فرمایا کیونکہ عام طور سے طلاق کے قصے میں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ شیر خوار بچوں کا کیا ہوگا ان کو ماں دُودھ پلائے گی یا مرد کوئی انتظام کرے گا۔ اسی قسم کے امور کے متعلق ایک مستقل ضابطہ ارشاد ہوتا ہے۔ اور بچہ کی ماں چونکہ بچہ کی تربیت اور اسکی اصلاح وغیرہ کی اپنی ماتا اور کمال شفقت کے باعث زیادہ نگرانی کرسکتی ہے اسلئے اسکو مقدم فرمایا اور اس کو ترجیح دی اور اُس کے استحقاق کو ظاہر فرمایا اور حکم دیا کہ مائیں اپنے بچوں کو دودھ پلایا کریں۔ یہ حکم استحبابی ہے۔ بعض لوگوں نے اس حکم کو وجوبی قرار دیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ دیانتہً یہ حکم وجوبی ہو اور کوئی عورت بلا کسی عذر اور مجبوری کے دودھ پلانے سے انکار کرے تو آخرت میں اس سے باز پرس ہو، لیکن قضاءً اُس کو مجبور نہیں کیا جائے گا۔ اور قاضی اُس کو دودھ پلانے پر مجبور نہیں کرے گا کہ وہ ضرور دودھ پلائے مگر ہاں خاص خاص صورتوں میں جبر کیا جائے گا جن کو ہم آگے عرض کریں گے۔ (۱) دودھ پلانے کی حالت میں باپ کے ذمہ کھانے اور کپڑے کا ذکر فرمایا تاکہ یہ بات سمجھ میں آجائے کہ جس طرح عورت کو دودھ پلانا ضروری ہے اسی طرح اُس شخص پر جس کے لئے بچہ جنا جاتا ہے یعنی باپ پر عورت کا کھانا کپڑا واجب ہے اور ظاہر ہے کہ عورت کا کھانا کپڑا دو صورتوں میں مرد پر واجب ہوتا ہے ایک جبکہ عورت نکاح میں ہو اور دوسرے جبکہ وہ عدت میں ہو اور انہی دو صورتوں میں ماں کو حکم دیا گیا ہے کہ اگر کوئی عذر نہ ہو تو وہی دودھ پلائے کیونکہ اگر وہ نہ بچہ کے باپ کے نکاح میں ہو اور نہ باپ کی عدت میں ہو پھر تو وہ ایک اجنبی عورت کے حکم میں ہوگی اور اگر وہ دودھ پلائے گی تو اس کو دودھ پلانے کی اجرت دی جائے گی اور بچہ کا باپ اس کو دودھ پلانے کی مزدوری دے گا نہ یہ کہ اُس کے کھانے کپڑے کا ذمہ دار ہوگا۔ اور جب ان دونوں مذکورہ حالتوں میں کہ عورت نکاح میں ہو یا عدت میں پہلے ہی سے نان و نفقہ واجب ہے پھر رضاعت کو نان و نفقہ کے ساتھ مقید فرمانا شاید اس غرض سے ہو کہ عورت کا نان و نفقہ تو اُس کی خدمت اور پابندی کی وجہ سے مرد پر لازم ہوتا ہے اور جب وہ بچہ کو دودھ بھی پلائے گی تو

(باقی ضمیمہ میں)

ف اورتم پراس بارے میں کوئی گناہ نہیں کہ جن عورتوں کے خاوند مر چکے ہوں اور وہ موت کی عدت گزار رہی ہوں تم ان کو پیغام نکاح سے متعلق کوئی بات اشارۃً کنایۃً کہہ دو یا ان سے نکاح کرنے کی خواہش کو اپنے دل میں مخفی اور پوشیدہ رکھو۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات معلوم ہے کہ تم ضرور ان عورتوں کے نکاح کا خیال اور دھیان کرو گے۔ اور تم ان کا ذکر مذکور کرو گے۔ تو اچھا! ذکر کرو اور ان سے نکاح کی رغبت رکھو لیکن ان سے تصریح کے ساتھ اور کھلے الفاظ میں کسی پوشیدہ چیز یعنی نکاح کی بات چیت نہ کرو اور چھپا کر نکاح کا وعدہ نہ کرو مگر ہاں اتنی ہی بات کہو جتنی قاعدے کے موافق اور شرعی دستور کے مطابق ہو اور تم اس وقت تک ان سے عقد نکاح کا ارادہ بھی نہ کرو جب تک ان کی عدت مقررہ اور مفروضہ اپنی میعاد کو نہ پہنچ جائے یعنی عدت پوری نہ ہو جائے اور اس بات کو خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے قلوب کی باتوں کو خوب جانتا ہے لہٰذا تم اللہ تعالیٰ کی گرفت سے ڈرتے رہو اور اس کا یقین کرو کہ اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت کا مالک اور بڑا صاحب تحمل ہے اگر دل میں نکاح کی ٹھان لی تھی تو تو بہ کرو وہ بخشنے والا ہے اور اس کی فوری گرفت نہ کرنے پر بے خوف نہ ہو جاؤ کیونکہ وہ بڑا حلیم ہے عقوبت میں جلدی نہیں کیا کرتا (تیسیر) کسی شخص کو ایسے الفاظ کے ساتھ اپنا مطلب سمجھانا جن الفاظ کے مختلف معنی ہوں اور ان الفاظ کے کئی مطلب ہوں ایسے ذو معنیٰ اور ذو مطالب الفاظ کے ساتھ اپنے مطلب کو سمجھانے اور بیان کرنے کو تعریض کہتے ہیں یہ تعریض تصریح کا مقابل ہے تصریح کے معنی ہیں صاف الفاظ میں اپنا مطلب بیان کرنا کسی عمل سے یا کسی قول سے نکاح کی درخواست کرنا اور نکاح کا پیغام دینا اس کو خطبہ کہتے ہیں خا کے کسرے کے ساتھ اور خا کے ضمہ کے ساتھ جس کو خطبہ کہتے ہیں اس سے وہ کلام مراد ہوتا ہے جو پند و نصائح پر مشتمل ہو اور جس میں عام لوگوں کو خطاب کیا جائے اُردو میں ہمارے یہاں خطبہ کے معنیٰ منگنی کیا جا سکتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کے خطبہ پر خطبہ نہ کیا کرے یعنی اگر ایک بھائی نے کسی جگہ منگنی کا پیام دے رکھا ہے تو جب تک اس بھائی کی بات چیت ختم نہ ہو جائے تم وہاں منگنی کا پیام نہ بھیجو۔ اکنان کے معنی ہیں چھپانا عزم کے معنی ہیں ارادے کا آخری درجہ جس کے بعد فعل صادر ہو جاتا ہے۔ انسانی ارادے کے مختلف درجات ہیں۔ سانح۔ خاطر۔ تفکر۔ ارادہ۔ ہمت۔ عزم۔ غرض عزم آخری درجہ کا نام ہے جو فعل سے مربوط ہوتا ہے۔ یعنی عزم فعل کے بالکل متصل اور قریب ہوتا ہے۔ عُقدہ کے معنی بھی ارتباط کے ہیں۔ یہاں وہ ارتباط مراد ہے جو عاقدین کے عقد سے حاصل ہوتا ہے مطلب یہ ہے کہ متوفی عنہا زوجہا جس کی عدت چار مہینے دس دن ہے جب وہ عورتیں عدت میں ہوں تو ان کو صاف الفاظ میں نکاح کا پیام نہ دو نہ ان سے نکاح کی بات چیت کرو نہ ان سے کوئی وعدہ کرو نہ ان سے کوئی وعدہ لو۔ اور نہ صراحۃً ان معتدہ عورتوں سے اس قسم کی گفتگو کرو۔ البتہ مبہم میں کوئی بات کہہ دو تو مضائقہ نہیں اسی طرح اگر دل میں نکاح کی بات پوشیدہ رکھو تو بھی مضائقہ نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو یہ معلوم ہے کہ تم ان عورتوں کا تذکرہ ضرور کرو گے۔ اور تم ان کے دھیان سے خالی نہ رہو گے۔ ذکر کا مطلب یہ ہے کہ باہم ان کا تذکرہ کرو گے کہ وہ عورت نیک ہے اور وہ بیوہ بھی ہے اگر اس کی عدت پوری ہو جائے تو میں اس سے نکاح کروں۔ یا ذکر کا مطلب یہ ہے کہ ان کے خیال میں لگے رہو گے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ بیوہ عورت عدت کے بعد کسی دوسرے شخص سے نکاح کر لے اور میں یوں ہی رہ جاؤں۔ بہرحال اس قسم کے تذکرے اور ذکر اذکار کا کوئی مضائقہ نہیں لیکن کھلم کھلا اس پوشیدہ بات کا وعدہ نہ کر رکھو سِرًا کے معنی پوشیدہ اور خفیہ چیز کے ہیں یہاں لوگوں نے مختلف معنیٰ بیان کئے ہیں ہم نے ان معنی میں سے نکاح کو اختیار کیا ہے۔ آیت زیر بحث میں قول معروف سے وہی تعریض مراد ہے یعنی مبہم میں اشارۃً کچھ کہنے کی اجازت ہے رہا عزم نکاح اور وہ بھی عدت میں سو وہ حرام ہے۔ خلاصہ یہ کہ عدت موت کی ہو یا طلاق بائن کی اس کے دوران میں کسی مرد کو یہ جائز نہیں کہ صاف الفاظ میں عورت سے نکاح کی بات چیت کرے یا اس سے کوئی وعدہ حاصل کرے یعنی تصریحاً پیغام دینا حرام ہے۔ اور اشارۃً مبہم میں کہنا جائز ہے اور دل سے یہ ارادہ کرنا کہ عدت ہی میں اس سے نکاح کروں گا یہ حرام ہے اور دل میں یہ ارادہ کرنا کہ عدت گزرنے کے بعد اس سے نکاح کروں گا یہ جائز ہے۔ اور جو عورت رجعی طلاق کی عدت گزار رہی ہو اس سے (باقی صفحہ ۶۰ پر)

أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا

روکے رکھیں پھر جب وہ اپنی عدت کی مدت پوری کر چکیں تو دستور شرعی کے موافق

جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۗ

اپنے متعلق وہ عورتیں جو کارروائی کریں اس کا تم پر کوئی گناہ نہیں

وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿٢٣٤﴾ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ

اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال سے پوری طرح باخبر ہے ف اور اس بات میں تم پر کچھ گناہ نہیں

فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنَنْتُمْ

کہ زمانہ عدت میں ان عورتوں کو پیغام نکاح دینے کے متعلق کوئی بات اشارۃً کنایتاً

فِي أَنْفُسِكُمْ ۚ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ سَتَذْكُرُونَهُنَّ وَ

ان سے کہہ دو یا اپنے دل میں نکاح کی خواہش کو پوشیدہ رکھو اللہ تعالیٰ کو یہ معلوم ہے کہ ضرور تم ان سے نکاح کا خیال

لَٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا إِلَّا أَنْ تَقُولُوا

کرو گے لیکن تم ان سے مخفی طور پر نکاح کا وعدہ نہ کر رکھو مگر ہاں اتنی ہی بات کہو جتنی

قَوْلًا مَّعْرُوفًا ۚ وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ

دستور شرعی کے موافق ہو اور جب تک مقررہ عدت اپنی میعاد کو نہ پہنچ جائے اس وقت

حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ

تک عقد نکاح کا ارادہ بھی نہ کرو اور یقین جانو کہ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اللہ تعالیٰ

مَا فِي أَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوهُ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ

اس کو خوب جانتا ہے سو اس سے ڈرتے رہو اور یقین مانو کہ اللہ تعالیٰ

غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿٢٣٥﴾ ع لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ

بڑا بخشنے والا بڑے تحمل والا ہے ف اگر تم عورتوں کو ایسی حالت میں طلاق دے دو کہ

النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً ۚ

نہ تو تم نے ان کو ہاتھ لگایا ہو اور نہ تم نے ان کا کوئی مہر مقرر کیا ہو تو

ع ۳۰ / ۱۴

(بقیہ صفحہ ۵۹) تصریحاً اور تعریضاً دونوں طرح حرام ہے۔ واللہ اعلم۔ حضرت شاہ صاحبؒ ارشاد فرماتے ہیں یعنی عورت ایک خاوند سے چھوٹی ہے اور عدت میں ہے تب تک کسی اور کو روا نہیں کہ اس سے نکاح باندھ لیوے یا صاف کر رکھے مگر دل میں نیت رکھے کہ یہ فارغ ہوئی تو میں نکاح کروں گا یا اُس کو پردے میں سُنا رکھے تا اس سے پہلے کوئی اور نہ کہہ بیٹھے پردہ یہ کہ ایک بات کہہ دے مردج سے مثلاً عورت کو کہے کہ تجکو ہر کوئی عزیز کرلے گا یا کہے کہ مجکو ارادہ نکاح ہے (موضح القرآن) اب آگے طلاق اور مہر کے متعلق چند اور مسائل کا ذکر فرماتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ (تسہیل) (تفسیر صفحہ ہذا)

ف اگر تم عورتوں کو ایسی حالت میں طلاق دیدو کہ نہ تو تم نے اُن سے ہم بستری کی ہو اور نہ اُن سے خلوتِ صحیحہ ہوئی ہو اور نہ نکاح کے وقت کوئی ان کا مہر مقرر کیا ہو تو تم پر اُن کو مہر نہ دینے میں کچھ گناہ نہیں اور نہ تم پر ان کے مہر کا کوئی مطالبہ اور مواخذہ ہے۔ البتہ ایسی عورتوں کو کوئی فائدہ ضرور پہونچاؤ اور ان کے ساتھ کوئی سلوک ضرور کرو یہ سلوک کرنا دستور اور قاعدے کے مطابق ہو اور صاحب حیثیت اور صاحب مقدرت پر یہ سلوک اس کی حیثیت کے لحاظ سے ہے اور تنگ دست پر اس کی حیثیت کے لحاظ سے لازم ہے۔ نیز یہ سلوک کرنا اور فائدہ پہونچانا نکوکار اور خوش معاملہ لوگوں پر ضروری اور واجب ہے (تیسیر) جناح جنوح سے ہے جس کے معنی مائل ہونے کے ہیں میانہ روی اور خیر سے شر کی طرف مائل ہوجانا مراد ہے یہی اثم اور گناہ کا مفہوم ہے۔ متاع کا مفہوم ہم اوپر عرض کرچکے ہیں تمتیع کے معنی متعہ دینے کے ہیں۔ یعنی ان کو نفع پہونچاؤ فائدہ دو۔ عورتوں کی طلاق کے سلسلے میں جہاں جہاں یہ لفظ آیا ہے وہاں اس کے معنی یہی ہیں متعہ دینا۔ آیت زیر بحث میں متعہ سے مراد ہے ایک جوڑا ان کو دیدو مطلب یہ ہے کہ جس طرح طلاق کی مختلف صورتیں ہیں اسی طرح عورت کی بھی باعتبار مہر اور ہم بستری وغیرہ مختلف صورتیں ہیں۔ مثلاً چار صورتیں تو ظاہر ہی ہیں (۱) عورت سے نکاح کرتے وقت کچھ مہر مقرر ہی نہیں کیا اور مہر کا نام ہی نہیں لیا اور طلاق بھی ہاتھ لگانے سے پہلے دیدی نہ ہم بستری ہوئی نہ خلوتِ صحیحہ (۲) نکاح کرتے وقت مہر کی کوئی خاص رقم یا کوئی چیز مقرر ہوئی اور ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دیدی (۳) نکاح کے وقت کوئی مہر مقرر نہیں ہوا اگر طلاق ہم بستری کے بعد یا خلوتِ صحیحہ کے بعد دی (۴) نکاح کے وقت مہر مقرر ہوا اور طلاق خلوتِ صحیحہ یا ہم بستری کے بعد دی زیر بحث آیت اور اس کے آگے آیت میں صرف پہلی اور دوسری صورت کا ذکر ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جس عورت کا کوئی مہر مقرر نہ تھا اور طلاق بھی ہاتھ لگانے اور خلوتِ صحیحہ سے قبل ہی دے دی تو ایسی عورت کا مہر نہ دینے کا تم پر کوئی مطالبہ نہیں ہاں اس کو کپڑوں کا ایک جوڑا شرعی دستور کے مطابق ضرور دے دو یعنی ایک کُرتا ایک کساوا یا سربند۔ اور ایک لمبی چادر جس میں عورت کا تمام جسم ڈھک جائے۔ یہ جوڑہ جس کو قرآن نے متعہ فرمایا ہے یہ نیک لوگوں پر یعنی مسلمانوں پر واجب ہے اور اس جوڑے میں مرد کی حیثیت کا اعتبار ہے مال دار ہو تو تینوں کپڑے بڑھیا ہوں اور غریب ہو تو معمولی۔ بیدے مگر کسی طرح پانچ درہم سے کم قیمت کے نہ ہوں۔ جس عورت سے خاوند نے ہم بستری نہ کی ہو اس کو غیر مدخول بہا اور جس سے ہم بستری کی ہو اس کو مدخول بہا کہتے ہیں یہ دونوں اصطلاحیں یاد رکھنے سے آئندہ مسائل سمجھنے میں آسانی ہوگی۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں۔ اگر نکاح کے وقت مہر کچھ نہ آیا تو بھی نکاح درست ہے مہر پیچھے ٹھہرا ہے تو اگر بن ہاتھ لگائے عورت کو طلاق دے تو مہر کچھ لازم نہ آیا لیکن کچھ خرچ دینا ضرور ہے خرچ کیا ایک جوڑا پوشاک کا موافق اپنے حال کے موضح القرآن۔ شاہ صاحبؒ نے اس کی تصریح فرمادی کہ نکاح بہرحال ہو جائیگا خواہ مہر کا نام لیا جائے یا نہ لیا جائے جس عورت کا مہر نکاح کے وقت مقرر نہ کیا جائے تو اس کو مہر مثل دینا ہوتا ہے مہر مثل کا مطلب یہ ہے کہ جو عورت کی قوم میں دستور ہو یعنی اس عمر کی اور اس شکل صورت وغیرہ کی عورت کا مہر اس کی قوم میں بند صا کرتا ہو یا جو اس عورت کی بہنوں یا پھوپھیوں کا ہو غرض ددھیال کی لڑکیوں میں سے اس جیسی لڑکی کا جو مہر مقرر ہوتا ہو وہ مہر مثل کہلاتا ہے اب آگے دوسری صورت کا ذکر فرماتے ہیں یعنی عورت کا مہر مقرر ہوا تھا مگر طلاق ہاتھ لگانے اور خلوتِ صحیحہ سے پہلے دی۔ خلوتِ صحیحہ چونکہ ہم بستری کے قائم مقام ہے اس لئے ہم اس کو ہر بار ذکر کردیتے ہیں (تسہیل) (باقی صفحہ ۶۱)

وَّمَتِّعُوهُنَّ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ

تم پر کوئی گناہ نہیں ہاں طلاق دینے کے بعد ایسی عورتوں سے کچھ سلوک کرو سلوک صاحب وسعت پر اس کی حیثیت کے موافق لازم ہے اور

قَدَرُهُ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ ﴿٢٣٦﴾

تنگدست پر اس کی حیثیت کے موافق یہ سلوک کرنا دستور کے مطابق ہو نیک اور خوش معاملہ لوگوں پر ایسا سلوک کرنا واجب ہے ف

وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ وَ

اور جن عورتوں کے لئے تم کچھ مہر مقرر کرچکے تھے اگر ان کو ہاتھ لگانے سے قبل

قَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ

طلاق دے دو تو جو مہر تم نے مقرر کیا تھا اس کا نصف ادا کرنا ضروری ہے

إِلَّا أَنْ يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَ الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ

مگر یہ کہ وہ عورتیں معاف کردیں یا وہ شخص جس کے ہاتھ میں نکاح کا معاملہ ہے وہ رعایت

النِّكَاحِ ۚ وَأَنْ تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۚ وَلَا تَنْسَوُا

کردے اور تمہارا اپنے حقوق کو معاف کردینا تقوے سے زیادہ قریب ہے اور تم آپس میں

الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٢٣٧﴾

ایک دوسرے پر احسان کرنے کو فراموش نہ کرو بلاشبہ تم جو کچھ کرتے ہو وہ سب اللہ کے پیش نظر ہے

حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ وَ

سب نمازوں کی محافظت کرو اور خاص کر درمیان والی نماز کی اور

قُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ ﴿٢٣٨﴾ فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ

اللہ تعالیٰ کے روبرو باادب کھڑے ہوا کرو ف پھر اگر تم کو خوف ہو تو پیادہ کھڑے کھڑے پڑھ لو

رُكْبَانًا ۖ فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ

یا سواری پر پڑھ لو پھر جب تم امن حاصل کرلو تو خدا کو اس طرح یاد کرو جس طرح تم کو سکھادیا ہے

مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿٢٣٩﴾ وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ

جو تم پہلے نہیں جانتے تھے ف اور جو لوگ تم میں سے مرنے لگیں

وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا ۚ وَصِيَّةً لِّأَزْوَاجِهِم مَّتَاعًا

اور اپنے پیچھے اپنی بیویاں چھوڑیں تو وہ اپنی بیویوں کے حق میں ایک سال تک خرچ دینے

إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ ۚ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ

اور ان کو گھر سے نہ نکالنے کی وصیت کر جائیں ہاں اگر وہ خود نکل جائیں تو تم پر اس دستوری بات میں

عَلَيْكُمْ فِي مَا فَعَلْنَ فِي أَنفُسِهِنَّ مِن مَّعْرُوفٍ ۗ

کوئی گناہ نہیں جو وہ اپنی ذات کے لئے کریں

وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٤٠﴾ وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ ۖ

اور اللہ تعالیٰ کمال قوت اور کمال حکمت کا مالک ہے۔ اور سب مطلقہ عورتوں کے ساتھ بہرحال دستور کے موافق سلوک کرنا ہے

حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ﴿٢٤١﴾ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ

ایسا کرنا پرہیزگاروں پر ایک حق ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے احکام تمہارے لئے صاف صاف

آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿٢٤٢﴾ ع أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا

بیان فرماتا ہے تاکہ تم سمجھو ف کیا آپ نے ان لوگوں کے واقعہ کو ملاحظہ نہیں کیا جو موت کے ڈر

مِن دِيَارِهِمْ وَهُمْ أُلُوفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ

سے اپنے گھروں سے نکل گئے تھے حالانکہ وہ ہزاروں تھے سو اللہ نے انکو

لَهُمُ اللَّهُ مُوتُوا ثُمَّ أَحْيَاهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ

حکم دیا کہ مرجاؤ پھر خدا تعالیٰ نے ان کو زندہ کر دیا ہے بیشک اللہ تعالیٰ

عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ﴿٢٤٣﴾

لوگوں پر بڑا فضل فرماتا ہے لیکن بہت لوگ شکر ادا نہیں کرتے

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ

اور اللہ کی راہ میں جنگ کرو اور خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ سننے والا

عَلِيمٌ ﴿٢٤٤﴾ مَّن ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا

جاننے والا ہے۔ کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ کے طور پر قرض دے

۳۱ ع ۷ ۱۵

ف اور جو لوگ تم میں سے مرنے لگیں یعنی موت کے قریب ہوں اور وہ اپنے پیچھے اپنی بیویاں چھوڑ رہے ہوں تو اُن کو لازم ہے کہ وہ اپنی بیویوں کے لئے ایک سال تک نان ونفقہ سے فائدہ اٹھانے اور گھر سے نہ نکالنے کی وصیت کر جایا کریں پھر اگر وہ چار مہینے دس دن کی عدت پوری کر کے خود بخود گھر سے نکل جائیں تو تم پر اس قاعدے کی بات میں کوئی گناہ نہیں جسکو وہ عورتیں اپنے بارے میں طے کریں اور اپنے حق میں جو بات تجویز کریں۔ اور اللہ تعالیٰ بڑا زبردست اور کمال حکمت کا مالک ہے (تیسیر) اسلام سے پیشتر زمانۂ جاہلیت میں منجملہ اور بُری بُری رسموں کے ایک یہ رسم بھی تھی کہ خاوند کے مرجانے کے بعد عورت کو ایک سال تک عدت کراتے تھے۔ اور عورت کو وحشیانہ تکالیف پہونچاتے تھے جیسا کہ اب تک بھی اُن قوموں میں جو اسلام کی برکت سے محروم ہیں اس قسم کا دستور چلا آتا ہے کہ بیوہ کو نکاح نہیں کرنے دیتے اور اس سے بُرا سلوک کرتے ہیں اسلام نے بیوہ عورت کیلئے چار مہینے اور دس دن کی عدت مقرر کر دی اور اگر بیوہ حمل سے ہو تو پھر اس کی عدت وضع حمل تک ہے خواہ کسی وقت بھی بچہ ہو جائے۔ اور چونکہ ابتداً میراث کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ اور محض مُردے کی وصیت پر دینا دلانا موقوف تھا جیسا کہ اسی پارے کی ابتدا میں بیان ہو چکا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے بیوہ عورتوں کیلئے یہ حکم دیا کہ ان کے حق میں سال بھر تک نان ونفقہ کی مرتے وقت وصیت کر جاؤ اور یہ بھی وصیت کر جاؤ کہ عورت کو سال بھر تک گھر سے نہ نکالیں اور عورت کو یہ اختیار دیا گیا کہ اگر وہ چاہے تو خاوند کے گھر میں ایک سال تک سکونت پذیر رہ سکتی ہے۔ وارثوں کو نکالنے کا حق نہیں ہاں عورت کو یہ حق تھا کہ وہ چار مہینے دس دن پورے کرنے کے بعد یا اگر حاملہ ہو تو وضع حمل کے بعد اپنے حقوق سے دست بردار ہونا چاہے تو ہو سکتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ جب تک عورتوں کی میراث کا حکم نہیں آیا تھا اس وقت یہ حکم تھا کہ خاوند مرتے وقت عورت کے لئے ایک سال تک نان نفقہ اور مکان میں رہنے کی وصیت کر جائے اسی کو متاعاً فرمایا ہے۔ جب عورتوں کی میراث کا حکم نازل ہو گیا تو اب یہ حکم باقی نہیں رہا۔ بلکہ عورت اپنے خاوند کے ترکہ میں سے اپنے نان ونفقہ وغیرہ کا انتظام کرے وصیت کی ضرورت نہیں بلکہ کوئی وصیت کرے گا تو وصیت باطل ہوگی۔ اور یہ جو فرمایا اگر خود بخود نکل جائیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ عدت پوری کرنے کے بعد چلی جائیں تو تم پر یعنی حکام یا ورثا پر کوئی گناہ نہیں کیونکہ ان کو اختیار ہے اگر وہ فائدہ نہ حاصل کرنا چاہیں تو نہ کریں۔ معروف سے وہی شرعی قاعدہ مراد ہے وہ جو کچھ بھی کریں انہیں کرنے دو اُن کے حق خود اختیاری میں خلاف شرع کوئی دخل نہ دو۔ من معروف کا جناح علیکم کے متعلق کیا جائے یا فیما فعلن کے مطلب میں کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔ ہاں اگر خلاف شرع کسی حرکت کے اقدام کا ارادہ کریں تو ہر شخص کو حسب اطاعت روکنے کا حق ہے عزیز اور حکیم کا یہی مطلب ہے کہ اگرچہ وہ صاحب قوت ہیں لیکن جو حکم دیتے ہیں بندوں کی رعایت اور مصلحت کے لحاظ سے دیتے ہیں۔ شاید یہ آیت حکیم بن حارث طائفی کی بیوہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے یہ حکیم بن حارث طائف سے مدینہ منورہ ہجرت کر کے چلے گئے تھے۔ وہیں انھوں نے وفات پائی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکیم کے دوسرے ورثا پر تو ورثہ تقسیم کر دیا لیکن بیوی کو کچھ نہیں دیا اور فرمایا تمہارا حق سال بھر تک نان نفقہ اور سکنیٰ ہے۔ بعض حضرات نے آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اسلام میں پہلے حسب دستور سابق ایک ہی سال کی عدت تھی اور یہ حکم اسی سے ہے البتہ میراث نہ ہونے کی وجہ سے سال بھر کے نان ونفقہ اور سکنیٰ کی وصیت کا حکم تھا واللہ اعلم اگر ایسا ہوتا تو شاید لاجناح نہ فرماتے کیونکہ عدت کی مدت پوری کئے بغیر گھر سے نکلنے کی نہ اجازت ہوتی نہ اجازت دینے والے گناہ سے بچتے یہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ عدت تو چار مہینے دس دن مقرر ہو چکی تھی لیکن پرانی رسم کی وجہ سے عورتیں ایک سال تک رہنا چاہتی ہوں گی اس لئے وصیت کا حکم کر دیا اور عورتوں کو اختیار دیا۔ یا کہ عدت صرف چار مہینے دس دن ہے لیکن اگر تم بیٹھنا چاہو تو سال بھر تک کے لئے تمہارے نان نفقہ اور رہنے کا انتظام کر دیا گیا ہے سال سے پیشتر چلی جاؤ تو تمہیں اختیار ہے مگر عدت کی میعاد پوری کر کے نکلو واللہ اعلم بالصواب حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یہ حکم تھا جبکہ مُردے کے اختیار پر رکھا تھا وارثوں کو دلوانا اب جو سب کے (باقی ضمیمہ میں)

فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ؕ وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَ
پھر اللہ تعالیٰ اس قرض کو قرض دینے والے کیلئے دگنا کردے بہت سے گنا اور اللہ تعالیٰ ہی تنگی دیتا ہے اور

يَبْصُۜطُ ۪ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۴۵﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ
وہی فراخی بھی دیتا ہے اور تم سب کی بازگشت اسی کی طرف ہوگی ف۱ کیا آپ نے بنی اسرائیل کی ایک جماعت کے اس

بَنِىْۤ اِسْرَآءِيْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى ۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِىٍّ لَّهُمُ
قصے کو ملاحظہ نہیں کیا جو موسیٰ کے بعد پیش آیا جب ان لوگوں نے اپنے زمانہ کے پیغمبر سے یہ کہا کہ

ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ قَالَ هَلْ
ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کردیجئے تاکہ ہم اللہ کی راہ میں جہاد کریں اس پیغمبر نے جواب دیا کیا

عَسَيْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ؕ قَالُوْا
تم سے اس کی بھی توقع ہے کہ اگر تم پر جہاد فرض کیا جائے تو تم جہاد نہ کرو ان لوگوں نے کہا

وَمَا لَنَاۤ اَلَّا نُقَاتِلَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ
ہمارے لئے ایسی کون سی گنجائش باقی ہے کہ ہم اللہ کی راہ میں جہاد نہ کریں حالانکہ ہم اپنے گھروں سے

دِيَارِنَا وَاَبْنَآئِنَا ؕ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا
بے گھر کر دیئے گئے اور اپنے بچوں سے جدا کر دیئے گئے پھر جب ان پر جہاد واجب کیا گیا تو ان میں سے

اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۴۶﴾ وَقَالَ لَهُمْ
بجز معدودے چند کے سب پھر گئے اور اللہ تعالیٰ ظالموں سے خوب واقف ہے ف۱ اور ان لوگوں سے ان کے پیغمبر

نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ؕ قَالُوْۤا
نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے طالوت کو بادشاہ مقرر فرما دیا ہے اس پر وہ بولے

اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ
اس طالوت کو ہم پر حکومت کرنے کا حق کیسے حاصل ہو سکتا ہے حالانکہ ہم حکومت کے اس سے زیادہ

مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ؕ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰهُ
حق دار ہیں اور اس کو تو مال کی وسعت بھی عطا نہیں کی گئی نبی نے جواب دیا بلا شبہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے

وقف لازم

ف۱ جو قصہ مذکور ہوا اس پر غور کرو اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتال کرو اور اس بات کو یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ سب کی باتیں سُنتا اور سب کی نیتوں کو جانتا ہے کون شخص ایسا ہے جو اللہ تعالیٰ کو اچھے طور پر یعنی اخلاص کے ساتھ قرض دے تو اللہ تعالیٰ اس کے قرض دینے کے اجر و ثواب کو دُگنا کر دے اس طور پر کہ اُس دُگنے میں بہت سے دگنے ملا دے یعنی بے انتہا ثواب بڑھا دے اور اللہ تعالیٰ ہی تنگی دیتا ہے اور وہی کشائش عطا کرتا ہے اور تم اسی کی طرف واپس کئے جاؤ گے (تیسیر) ان دونوں آیتوں میں جہاد فی سبیل اللہ اور انفاق فی سبیل اللہ کا ذکر ہے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کو قرض مجازاً فرمایا ہے ورنہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی سب کا مالک ہے۔ قرض کے معنی قطع اور کاٹنے کے ہیں لیکن بلا پر بولتے ہیں خواہ وہ اچھی ہو یا بُری اور گزشتہ اعمال پر بھی قرض بولا کرتے ہیں خواہ وہ اچھے ہوں یا بُرے ہوں۔ یہاں قرض اقراض کے معنی میں ہے اور جس طرح جانوں کے بدلے میں جنت کی بیع کو کنایہ کے طور پر فرمایا ہے اسی طرح فی سبیل اللہ خرچ کرکے ثواب لینے کو قرض سے کنایہ کیا ہے ورنہ حقیقتہً اللہ تعالیٰ قرض مانگنے سے منزہ اور پاک ہے۔ واللہ ھو الغنی الحمید قرض حسن کی تفسیر میں بعض نے اخلاص کیا ہے جس میں ریا اور دکھاوا نہ ہو۔ بعض نے جہاد میں خرچ کرنے کو قرض حسن کہا ہے۔ کسی نے خوش دلی سے دینے کو کہا جس میں سائل پر احسان نہ رکھا جائے اور تکلیف نہ دی جائے کسی نے کہا ثواب کی امید پر دینے کو قرض حسن کہتے ہیں۔ بعض نے کہا وصول کرتے وقت تقاضے میں سختی نہ ہو۔ کسی نے کہا قرض دار سے کوئی فائدہ حاصل نہ کیا جائے۔ ضعف کے معنی ہیں کسی چیز میں اس کی مثل اور اُس کے برابر اور ملا دینا۔ جس کو ہمارے ہاں دگنا کرنا کہتے ہیں یہ ضاد کے کسرے سے ہے باقی ضمہ سے ہو تو کمزوری کے معنی ہوں گے۔ بعض اہل لغت نے ضاد کے فتحہ کے ساتھ بھی یہی معنی کئے ہیں حضرت حق تعالیٰ نے لفظ ضعف کی جمع فرمائی پھر کثیرۃ اور بڑھایا ایک مرتبہ دگنا کرنا نہیں بلکہ بے شمار مرتبہ اس میں دگنے ملاتے رہنا جب ہی تو حدیث میں فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالیٰ ایک کھجور کے ٹکڑے کے برابر صدقہ کو اس طرح پالتا ہے جس طرح تم لوگ گھوڑے کے بچہ کو پالتے ہو قیامت میں وہ کھجور کا ٹکڑا اُحد پہاڑ کے برابر ہوگا۔ حساب میں جیسے ذو اضعاف اقل کہتے ہیں یہ اس کا مقابل ہے وہاں تقسیم کرتے کرتے چھوٹا عدد نکالتے ہیں اور یہاں دوگنا دوگنا کرتے کرتے اس کو شمار سے باہر کر دیتے ہیں اور مطلب یہ ہوتا ہے کہ قرض حسنہ والے کے ثواب کو سوائے خدا کے اور کوئی نہیں جانتا۔ ابن المنذر نے حضرت سفیانؒ سے نقل کیا ہے کہ جب آیت من جاء بالحسنۃ نازل ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی الٰہی میری اُمت کا ثواب بڑھا دے۔ پھر الذین ینفقون اموالھم فی سبیل اللہ کی آیت نازل ہوئی تب بھی آپؐ نے یہی فرمایا۔ پھر من ذا الذی یقرض اللہ کی آیت نازل ہوئی اس پر بھی حضورؐ نے یہی فرمایا۔ پھر آخر میں آیت انما یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب نازل ہوگئی۔ قبض کے معنی تنگی اور بسط کے معنی کشائش ہے اُردو میں یہ دونوں لفظ استعمال ہوتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ تنگ دستی اور کشائش حضرت حق ہی کے قبضے میں ہے اس لئے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے ڈرنا اور گھبرانا نہیں چاہئے۔ حضرت ابوالدحداح انصاریؓ کا واقعہ طبرانی اور بیہقی نے نقل کیا ہے کہ انھوں نے اس آیت کو سن کر پوچھا یا رسول اللہ کیا خدا تعالیٰ قرض طلب کرتا ہے آپ نے فرمایا ہاں! انھوں نے عرض کیا اپنا ہاتھ بڑھایئے سرکار کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر کہا میں نے اپنا وہ باغ جو چار دیواری میں ہے اللہ تعالیٰ کو قرض دیا اس باغ میں کھجوروں کے چھ سو درخت تھے اُن کے بیوی بچے بھی اُس باغ میں رہتے تھے باغ کے دروازے پر کھڑے ہو کر اپنی بیوی کو آواز دی اور اُس سے کہا بال بچوں کو لیکر باہر نکل آ میں نے یہ باغ اللہ تعالیٰ کو قرض دے دیا ہے ابن حبان اور بیہقی وغیرہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ انفاق فی سبیل اللہ کے سلسلے میں سب سے پہلے تیسرے پارے کی آیت مثل الذین ینفقون اموالھم نازل ہوئی جس میں ایک نیکی کو سات سو تک بڑھانے کا وعدہ ہے اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی یا اللہ میری اُمت کے اجر کو زیادہ کر دے پھر یہ آیت من ذا الذی نازل ہوئی (باقی تیسیر میں)

عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۭ وَاللّٰهُ

مقابلہ میں اسی کو پسند فرمایا ہے اور اس کو علم کی وسعت اور قد و قامت کے پھیلاؤ میں بڑھا دیا ہے اور اللہ تعالیٰ

يُؤْتِيْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۴۷﴾ وَ

اپنی سلطنت جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ صاحب وسعت اور بڑا جاننے والا ہے ؔا اور

قَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ

ان لوگوں سے ان کے نبی نے کہا کہ طالوت کے بادشاہ ہونے کی علامت یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ

التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا

صندوق آجائے گا جس میں تمہارے رب کی جانب سے تسکین قلب کا سامان ہے اور کچھ وہ بقیہ

تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ۭ

اشیاء بھی ہیں جو حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ چھوڑ گئے تھے اس صندوق کو فرشتے اٹھا کر لائیں گے

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۴۸﴾ ع

یقیناً اس صندوق کے آنے میں تمہارے لئے بڑی نشانی ہے اگر تم ایمان رکھتے ہو ؔب

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ ۙ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ

پھر جب طالوت فوجیں ہمراہ لے کر باہر نکلا تو اس نے کہا یقیناً اللہ تعالیٰ تم کو ایک نہر سے

بِنَهَرٍ ۚ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ لَّمْ

آزمائیگا سو جو شخص اس نہر کا پانی پی لے گا وہ میرا نہیں ہے اور جس نے اس کے پانی کو

يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّيْٓ اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً ۢ

نہ چکھا تو یقیناً وہ میرا ہے مگر ہاں جو اپنے ہاتھ سے ایک چلو بھر لے تو اتنی

بِيَدِهٖ ۚ فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ۭ فَلَمَّا

رخصت ہے پھر ان میں سے بجز معدودے چند کے سب نے اس کا پانی پی لیا پھر جب طالوت

جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۙ قَالُوْا لَا

اور اس کے ساتھی ایمان والے اس نہر کو پار کر گئے تو کچھ لوگ کہنے لگے کہ ہم میں

ع ۳۲ ۶ ۱۶

ف۱ اوران لوگوں سے جو بادشاہ کا مطالبہ کر رہے تھے اُن کے پیغمبر حضرت شمویلؑ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر طالوتؑ کو بادشاہ مقرر فرمایا ہے اس پر وہ کہنے لگے کہ طالوت کو ہم پر حکومت اور حکمرانی کا حق کیسے مل سکتا ہے حالانکہ اس کے مقابلہ میں ہم حکومت و حکمرانی کے زیادہ مستحق اور حق دار ہیں اور اس کو تو کچھ مال کی وسعت بھی نہیں دی گئی۔ یہ سُنکر ان کے پیغمبر نے جواب دیا کہ اوّل تو اللہ تعالیٰ نے تمہارے مقابلہ میں اس کو پسند اور منتخب فرمایا ہے اور پھر اس کو سیاسی امور اور جنگی فنون کا علم وسیع پیمانے پر دیا اور اُس کے ظاہری جسم اور قد و قامت کے پھیلاؤ میں اس کو زیادتی دی یعنی علم اور جسم دونوں باتیں اس کے مناسب اس کو زیادہ کر دیں۔ اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنا ملک اور اپنی بادشاہت عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ صاحب وسعت و کشائش اور بڑا جاننے والا ہے (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ پیغمبر نے ان کے اعتراضات اور شبہے کے کئی جواب دیئے (۱) چونکہ اللہ تعالیٰ کو انتخاب اور برگزیدگی کا حق حاصل ہے اس نے اُس کو چُن لیا اور پسند فرمایا (۲) پھر میدان جہاد میں سیاسی علم اور فن حرب کی ضرورت ہوتی ہے وہ علم اللہ تعالیٰ نے اس کو خوب شرح و بسط کے ساتھ دیا ہے (۳) بادشاہ کو ظاہری وجاہت اور رعب و دبدبہ کی ضرورت ہوتی ہے اس کے لئے خدا تعالیٰ نے اس کو جسم کا پھیلاؤ کافی دیا ہے کہ تم سب میں وہ بلند قامت ہے اور ہر شخص کے دل میں اس کو دیکھنے سے ہیبت پیدا ہوتی ہے (۴) یہ کہ اللہ تعالیٰ مالک الملوک ہے سلطنت اور بادشاہت سب اُسی کی ہے وہ جس کو چاہے دے تم کون اس پر اعتراض کرنے والے (۵) اللہ تعالیٰ صاحب وسعت وکشائش ہے اس کو یہ کیا مشکل ہے کہ وہ کسی کو مال بھی دیدے یہی تمہارا بڑا اعتراض اور شبہ تھا اور جب سلطنت دے دی تو مال کا شبہ ہی ختم ہوگیا (۶) وہ بڑا علیم اور جاننے والا ہے وہی خوب جانتا ہے کہ کون بادشاہت کا اہل ہے اور کس میں بادشاہت کی صلاحیت ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں طالوت کی قوم میں آگے سلطنت نہ تھی اور کسب کرتا تھا ان کی نظر میں حقیر لگا نبیؑ نے فرمایا کہ سلطنت حق کسی کا نہیں اور بڑی لیاقت ہے عقل اور بدن کی کشائش یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان پیغمبر کو ایک عصا بتایا کہ جس کا قد اس کے برابر ہو سلطنت اسکو ہے اس کے برابر قد اسی کا آیا۔ موضح القرآن، اور شاید انہوں نے طالوت کی بادشاہت پر کوئی اور ایسی دلیل اور نشانی طلب کی ہوگی جس کا وہ خود بھی مشاہدہ کرنا چاہتے ہوں اس پر اللہ تعالیٰ نے اُن کے منجانب اللہ بادشاہ مقرر ہونے کی ایک اور دلیل فرمائی تاکہ بنی اسرائیل کو طالوت کے بادشاہ ہونے کی اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کے تقرر پر کوئی شبہ باقی نہ رہے اس آیت سے علماء اہل سنت نے امامت کی موروثیت کے ابطال پر استدلال کیا ہے۔ بسطۃ کے معنی فضیلت اور وسعت کے ساتھ کئے گئے ہیں ہم نے تیسیر میں دونوں کی رعایت رکھی ہے۔ (تسہیل)

ف۲ اور ان کے نبی حضرت شمویل نے ان سے کہا کہ طالوت کے منجانب اللہ بادشاہ مقرر ہونے کی یہ علامت ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق بلا کسی سعی کے آجائیگا۔ جس میں تمہارے رب کی جانب سے سکون و طمانیت اور برکت کا سامان ہے اور کچھ وہ بقیہ اشیاء بھی ہیں جو موسیٰؑ اور ہارونؑ چھوڑ گئے تھے اس صندوق کو فرشتے اٹھا کر لے آئیں گے بلاشبہ اس صندوق کے آجانے میں تمہارے لئے بہت بڑی نشانی ہے بشرطیکہ تم یقین کرنے والے ہو اور تم ایمان رکھتے ہو (تیسیر)۔ بنی اسرائیل میں اوپر سے لوگوں سے ایک صندوق چلا آتا تھا ان کا خیال اس کے متعلق یہ تھا کہ حضرت آدم علیہ السلام کیساتھ یہ صندوق اُترا تھا۔ بہرحال حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جب یہ صندوق پہونچا تو اس میں وہ توریت رکھا کرتے تھے اور یہ صندوق ایک متبرک چیز خیال کی جاتی تھی۔ جب کبھی دشمنوں سے لڑتے تو یہ صندوق اسلامی لشکر میں فرشتے لئے رہتے اور اس صندوق کی برکت سے فتح کے اُمیدوار رہتے۔ حضرت موسیٰؑ کی وفات کے بعد جب بنی اسرائیل میں خرابی پھیلی تو قوم عمالقہ کے لوگ وہ صندوق اُن سے چھین کر لے گئے آخر اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں وحشت ڈالدی کیونکہ اُن کے بہت سے آدمی اس صندوق کی بے ادبی کرنے کی وجہ سے مرگئے۔ تو انھوں نے گھبرا کر اس صندوق کو دو بیلوں پر رکھ کر اپنے ملک سے باہر نکال دیا اور بیلوں کو چھوڑ کر چلے گئے فرشتے ان بیلوں کو ہنکا لائے اور اس طرح (باقی ضمیمہ میں)

ف۱ اور جب طالوت اور اس کے ساتھی مسلمان جالوت اور اس کی فوجوں کے بالمقابل کھلے میدان میں نکل کر آئے تو حضرت حق کی جناب میں دعا کرنے لگے اور انھوں نے کہا اے ہمارے پروردگار ہم پر صبر و استقلال انڈیل دے اور ہمارے قدم جمائے رکھ اور ہم کو ثابت قدم رکھ اور اس کافر قوم پر ہم کو غالب کر اور ہماری مدد فرما (تیسیر) براز زمین کے کھلے میدان کو کہتے ہیں اور جو چیز کھلے میدان میں ہوتی ہے وہ نمایاں اور ظاہر ہوتی ہے اس لئے بَرازکا ترجمہ ظہور کرتے ہیں ظاہر ہوئے سامنے آئے مطلب یہ ہے کہ میدان جنگ میں نکلکر سامنے آئے افراغ کے معنی ہیں انڈیلنا۔ اُردو میں بولا کرتے ہیں ساری مشک انڈیل دو۔ صراحی میں جو کچھ ہے سب انڈیل دو۔ یہاں صبر کے طلب کرنے میں مبالغہ ہے یعنی ہمارے قلوب پر جتنا صبر ہو سب ڈال دے۔ آخری ٹکڑے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے قہر کے ساتھ ہماری مدد فرما یعنی ان کافروں پر غالب کردے دعا کے الفاظ میں بہترین ترتیب ہے اور صبر و استقلال کی طلب ہے کہ ہمارے قلب پر بکثرت صبر نازل فرما۔ صبر سے ثبات قدم حاصل ہوتا ہے پھر اس کی دعا کی اور آخر میں صبر و استقامت جو غلبہ کا موجب ہے اُس غلبہ اور فتح کی دعا کی۔ اور دعا کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ قلت تعداد کی وجہ سے انتہائی اضطراب تھا۔ کہاں تین سو تیرہ اور کہاں جالوت کی فوج لیکن پھر بھی ان لوگوں کی ہمت کو شاباش ہے کہ انھوں نے صبر و استقلال کا دامن نہیں چھوڑا اور جناب باری کی درگاہ میں التجا کی اور عاجزانہ درخواست کی آگے اللہ تعالیٰ ان کی فتح و کامرانی کا تذکرہ فرماتا ہے اور اسلامی جہاد کا فلسفہ اور جنگ کی حکمت بیان فرماتا ہے (تسہیل) ف۲ اس دعا کے بعد طالوت کے ساتھیوں نے جالوت والوں کو اللہ تعالیٰ کی مدد سے چکنا چور کردیا اور ان کو شکست دے دی اور ایشا کے لڑکے داؤد نے جالوت کو قتل کردیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد داؤد کو سلطنت اور حکمت یعنی نبوت عطا کی اور اور بھی جو جو کچھ اللہ تعالیٰ نے چاہا اور داؤد کے لئے مناسب سمجھا اس کو تعلیم کردیا اور سکھا دیا اور اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو یعنی اہل باطل کو بعض لوگوں یعنی اہل حق کے ہاتھوں دفع نہ کرائے اور اہل باطل کو شکست نہ دلاتا رہے تو زمین تباہ ہوجائے اور زمین اہل شر و فساد کی شرارتوں اور فساد سے بھر جائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ اہل عالم پر بڑا صاحب فضل ہے کہ بُروں کو اچھوں کے ہاتھوں دفع کرادیتا ہے اور بُروں کو مغلوب کرتا رہتا ہے (تیسیر) ہزم کے معنی ہیں توڑنے کے یہاں مقابل کی شکست مراد ہے ہم نے تیسیر میں دونوں رعایتیں رکھی ہیں مطلب یہ ہے کہ دونوں لشکر جب بالمقابل ہوئے تو جالوت اپنا فوجی لباس پہنکر تنہا آگے بڑھا اور کہنے لگا کہ تم سب کو میں اکیلا ہی کافی ہوں آؤ پہلے مجھ سے مقابلہ کرو اس وقت شمویل نبی کے کہنے سے طالوت نے ایشا کو بلایا اور ان سے دریافت کیا کہ تمہارے کتنے لڑکے ہیں انھوں نے عرض کیا میرے چھ لڑکے ہیں حضرت داؤد کا ذکر نہیں کیا کیونکہ وہ چھوٹے تھے اور اُس وقت میدان جنگ میں بھی نہیں تھے بلکہ وہ بکریاں چرانے گئے ہوئے تھے مگر شمویل نبی کے حکم سے داؤد کو بلایا گیا جب داؤد حسب طلب آرہے تھے تو راہ میں اُن کو تین پتھروں نے آواز دیکر کہا اے داؤد ہم کو تو اٹھالے ہم تجھے کام دیں گے۔ چنانچہ انھوں نے وہ پتھر اُٹھالئے اور جب شمویل نبی کی خدمت میں حاضر ہوئے تو شمویل نبی نے جالوت کے مقابلہ کے لئے ان کو منتخب کیا چنانچہ انھوں نے وہ تینوں پتھر اپنے گوپیہ میں رکھ لئے اور آگے بڑھے۔ اور جالوت کو للکارا جالوت نے کہا مجھ کو تجھ پر رحم آتا ہے تو کیوں میرے ہاتھ سے مرنے کی خواہش کرتا ہے حضرت داؤد نے فرمایا۔ نہیں میں ہی تیرا مقابلہ کروں گا۔ چنانچہ حضرت داؤد نے اپنا گوپیا پھرا کر وہ تینوں پتھر اس کے ماتھے پر مارے اس کا ماتھا ہی صرف کھلا ہوا تھا باقی تمام بدن زرہ بکتر سے ڈھکا ہوا تھا حسن اتفاق سے وہ پتھر اس کے سر میں گھس گئے سر پاش پاش ہوگیا۔ جالوت کے مرتے ہی اس کا لشکر فرار ہوگیا اور اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو فتح دی اور ان کا ملک واپس ہوا۔ اس واقعہ کے بعد طالوت نے اپنی بیٹی کی حضرت داؤد سے شادی کردی اور طالوت کے بعد وہ بادشاہ ہوئے اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد کو ملک بھی عنایت کیا اور نبوت بھی عطا فرمائی۔ حکمت کا مفہوم وسیع ہے اور سب سے بڑی دانش اور فہم صحیح نبوت ہے یہاں وہی مراد ہے۔ اور جو کچھ سکھایا وہ لوہے کی زرہ بنانا اور پہاڑوں کو اور پرندوں کو مسخر کرنا وغیرہ ہوگا یا حسن صوت ہوگا اور ہوسکتا ہے کہ تدبیر سلطنت اور انتظام حکومت ہو واللہ اعلم۔ اور یہ جو فرمایا بعض کو بعض سے دفع کراتے رہتے ہیں اس کا مفہوم بھی عام ہے۔ ایک تو یہی شریروں کو نیکوں کے ہاتھوں دباتے رہتے ہیں اور کافروں کو جو مفسد ہیں (باقی ضمیمہ میں)

طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ

یہ طاقت نہیں کہ آج جالوت اور اس کے لشکر کا مقابلہ کرسکیں اور جو لوگ یہ سمجھتے تھے کہ ان کو

يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۙ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ

خدا کے سامنے جانا ہے انھوں نے کہا بسا اوقات ایسا ہوا ہے کہ چھوٹی چھوٹی جماعتیں

غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ

اللہ کے حکم سے بڑی بڑی جماعتوں پر غالب آئی ہیں اور اللہ تعالیٰ ثابت قدم

الصّٰبِرِيْنَ ﴿٢٤٩﴾ وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ

رہنے والوں کے ساتھ ہے ف۱ اور جب وہ لوگ جالوت اور اُس کی فوجوں کے سامنے آئے

قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَ

تو اُنھوں نے خدا کی جناب میں عرض کی اے ہمارے پروردگار جتنا صبر ہے سب ہم پر انڈیل دے اور ہم کو ثابت قدم

انْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٢٥٠﴾ فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ

رکھ اور اس کافر قوم پر غالب کرنے میں ہماری مدد فرما۔ پھر طالوت کے ساتھیوں نے خدا کے حکم سے جالوت والوں کو

اللّٰهِ ۙ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَ

شکست دیدی اور داؤد نے جالوت کو مار ڈالا اور اللہ تعالیٰ نے داؤد کو سلطنت اور

الْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ؕ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ

نبوت عطا فرمائی اور جو کچھ اور بھی چاہا اس کو سکھادیا اور اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو

بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ

بعض لوگوں کے ذریعہ دفع نہ کرتا رہے تو زمین تباہ ہوجائے لیکن اللہ تعالیٰ

اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿٢٥١﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ

اہل عالم پر بڑا فضل کرنے والا ہے ف۲ یہ اللہ کی آیتیں ہیں

نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٢٥٢﴾

جو ہم آپ کو صحیح پڑھ کر سناتے ہیں اور بے شک آپ پیغمبروں میں سے ہیں ف۳

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِّنْهُمْ

یہ جتنے پیغمبر ہیں ہم نے ان میں سے بعض حضرات کو بعض پر فضیلت و بزرگی عطا فرمائی ہے بعض ان میں

مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ۭ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى

سے وہ ہیں جن کو اللہ نے شرف ہم کلامی بخشا اور ان کے بعض کو مراتب و درجات میں بلند فرمایا اور مریم کے بیٹے عیسیٰؑ

ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ

کو ہم نے دلائل واضحہ عطا فرمائے اور ہم نے روح قدس کے ذریعہ اس کی تائید فرمائی اور اگر خدا کو منظور ہوتا

اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا

تو وہ لوگ جو پیغمبروں کے بعد ہوئے وہ ان صاف احکام کے بعد جو ان کو موصول

جَاۗءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ

ہو چکے تھے آپس میں نہ لڑتے لیکن ان لوگوں نے آپس میں اختلاف کیا پھر کوئی ان میں سے

اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۣ

ایمان لایا اور کوئی ان میں سے کافر ہوا اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو یہ لوگ آپس میں نہ لڑتے

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ۝۲۵۳ ع يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا

لیکن اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔ ف۱ اے ایمان والو

اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ

جو کچھ ہم نے تم کو دیا ہے اُس میں سے اُس دن کے آنے سے پہلے پہلے کچھ خرچ کر دو جس دن نہ تو کسی قسم کی خرید

فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ۭ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ

فروخت ہوگی اور نہ دوستی کام آئے گی اور نہ کوئی سفارش چلے گی اور جو لوگ منکر ہیں وہی

الظّٰلِمُوْنَ ۝۲۵۴ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ڬ لَا

ظالم ہیں ف۲ اللہ تعالیٰ ایسا ہے کہ اس کے سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں وہ زندہ ہے ہمیشہ قائم رہنے والا ہے اس پر

تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ۭ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا

نہ اونگھ طاری ہوتی ہے نہ نیند۔ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے

ف۱ یہ جتنے رسول ہیں ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فوقیت اور فضیلت عطا فرمائی ہے ان میں سے بعض وہ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا اور ان کو کسی فرشتے کے بغیر ہم کلامی کا شرف بخشا اور اُن کے بعض کو درجات و مراتب میں بلند مقامات پر فائز کیا اور ہم نے عیسیٰؑ بن مریم کو دلائل واضحہ اور معجزاتِ ظاہرہ عطا فرمائے اور ہم نے روح القدس یعنی جبریل علیہ السلام سے ان کو قوت بخشی اور جبریلؑ کے ذریعہ اُن کی تائید کی اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو جو لوگ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد ہوتے رہے یعنی اُن کی اُمت کے لوگ وہ اُن صاف اور کھلے کھلے دلائل کے بعد جو ان کو پیغمبروں کی رسالت سے پہونچ چکے تھے آپس میں قتل و قتال نہ کرتے اور دینِ حق میں باہم اختلاف نہ کرتے۔ لیکن انہوں نے آپس میں اختلاف کیا اور باہم دین میں مختلف ہو گئے لہٰذا کوئی ان میں ایمان لایا اور کوئی ان میں کافر ہوا یعنی کفر ہی پر قائم رہا اور یہ باہمی اختلاف قتل و قتال کا موجب ہوا اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا اور اس کو منظور ہوتا تو یہ لوگ آپس میں قتل و قتال نہ کرتے لیکن اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے جو اُس کی حکمت کا مقتضا ہوتا ہے وہ اُس کی قدرت پورا کر کے رہتی ہے (تیسیر) یہاں ان رسولوں کی طرف اشارہ ہے جن کا ذکر اوپر آ چکا ہے یا وہ رسول مراد ہیں جن کا حال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا جا چکا ہے اور بظاہر یہ ہے کہ انک لمن المرسلین کی جانب اشارہ فرمایا ہے اور تمام رسول مراد ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ تمام رسول نفسِ رسالت میں اگرچہ مساوی ہیں جیسا کہ لا نفرق بین احد من رسلہ سے ظاہر ہے کہ ہم سب رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں یہ تفریق نہیں کرتے کہ کسی پر ایمان لائیں اور کسی پر ایمان نہ لائیں باقی ان سب کا آپس میں مراتب و درجات اور خصوصیات کے اعتبار سے تفاوت تو یہ ظاہر ہے اور اسی امر کو اس آیت میں بیان کرتا ہے جیسا کہ سورۂ بنی اسرائیل میں ارشاد فرمایا ہے۔ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰي بَعْضٍ وَّاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا۔ یعنی ہم نے بعض نبیوں کو بعض سے زیادہ کیا اور ہم نے داؤدؑ کو زبور عطا فرمائی۔ خلاصہ یہ ہے کہ تمام انبیاء و مرسلین کی خصوصیات یکساں نہیں ہیں کسی کو کسی خصوصیت سے نوازا ہے کسی کو کسی مرتبے سے سرفراز فرمایا ہے۔ مثلاً کسی کی شریعت کامل ہے کسی کی اکمل ہے۔ کسی پر مستقل کتاب نازل کی گئی ہے۔ کسی پر صرف چند صحیفے نازل فرمائے ہیں کسی کی اُمت کم ہے کسی کی زیادہ۔ کسی کو چند معجزات دیئے گئے اور کسی کو بکثرت معجزات سے نوازا گیا۔ کوئی مستقل شریعت کا مالک اور وارث بنایا گیا اور کوئی صرف دوسرے رسولوں کی شریعت کا عامل اور محافظ کیا گیا۔ کسی کے پاس حضرت جبریلؑ صرف ایک مرتبہ یا ایک مرتبہ سے چند مرتبہ زائد تشریف لائے اور کسی کے پاس بکثرت آتے رہے اور کسی کی ہر وقت نگہبانی کرتے رہے۔ قتادہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو خلیل بنایا۔ حضرت موسیٰؑ کو کلیم کیا۔ حضرت عیسیٰؑ کو آدم کی طرح بدون نطفہ کے پیدا کر کے اپنا کلمہ اور اپنی روح ٹھہرایا۔ حضرت داؤدؑ کو زبور اور حکمت و نبوت اور حسنِ صوت سے نوازا اور حضرت سلیمانؑ کو ایک ایسا ملک اور سلطنت بخشی جو ان کے علاوہ کسی دوسرے کو عنایت نہیں کی اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اگلی اور پچھلی خطائیں معاف فرما دیں۔ صاحب خازن نے فرمایا ہے کہ تمام امت کا اس مسئلہ پر اتفاق ہے کہ ہمارے پیغمبر افضل الانبیاء ہیں۔ آپ کی رسالت کا پیام تمام مخلوق کے لئے ہے۔ اور آپؐ کو بے شمار دلائل اور معجزات دے کر تمام مخلوق کیلئے مبعوث فرمایا ہے۔ اور کوئی نشانی اور کوئی معجزہ ایسا نہیں ہے جو کسی نبی کو دیا گیا ہو مگر یہ کہ آپ کو اُس سے بڑھ کر عطا کیا گیا ہے تمام انبیاء کے معجزات ختم ہو گئے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا معجزہ قرآن کریم قیامت تک باقی رہنے والا ہے جس کے جواب سے تمام انسان اور جنات عاجز ہو چکے ہیں۔ حضرت جابرؓ سے بخاری اور مسلم نے مرفوعاً نقل کیا ہے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مجھے پانچ باتیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں (۱) مجھے وہ رعب اور ہیبت دی گئی ہے جس کا اثر مخالف کے قلب پر ایک مہینے کی راہ سے پڑتا ہے۔ یعنی میرا مخالف اور دشمن مجھ سے اس قدر فاصلہ پر ہو کہ اُسے مجھ تک پہونچنے میں ایک مہینہ صرف ہو تو وہ اتنے فاصلہ سے میری ہیبت اپنے قلب میں محسوس کرے گا۔ (باقی ضمیمہ میں)

فِي الْأَرْضِ ۗ مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ ۚ

سب اسی کی ملک ہے ایسا کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کی جناب میں کسی کی سفارش کر سکے

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۖ وَلَا يُحِيطُونَ

جو کچھ لوگوں کے روبرو ہو رہا ہے اور جو کچھ ان کے بعد ہونیوالا ہے وہ سبکو جانتا ہے اور وہ سب اس کی معلومات میں سے

بِشَيْءٍ مِنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَاوَاتِ

کسی شئے کا بھی احاطہ نہیں کر سکتے مگر ہاں جس قدر وہ خود چاہے اُس کا تخت حکومت سب آسمانوں اور

وَالْأَرْضَ ۖ وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ ﴿٢٥٥﴾

زمین پر چھایا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ پر آسمان و زمین کی حفاظت کچھ گراں نہیں گزرتی اور وہی سب سے برتر اور بزرگ تر ہے ف۱

لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ ۖ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ

دین کے بارے میں کوئی زبردستی نہیں یقیناً ہدایت کی راہ گمراہی سے نمایاں اور ممتاز ہو چکی ہے سو جس شخص

يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ

نے تمام معبودان باطلہ کا انکار کیا اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا تو اُس نے ایک ایسا مضبوط

بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٥٦﴾

حلقہ پکڑ لیا جس کو کبھی ٹوٹنا نہیں اور اللہ خوب سننے والا جاننے والا ہے ف۲

اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى

اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا ساتھی اور مددگار ہے جو اہلِ ایمان ہیں ان کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کیطرف

النُّورِ ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَوْلِيَاؤُهُمُ الطَّاغُوتُ يُخْرِجُونَهُمْ

لاتا ہے اور جو لوگ منکر ہیں ان کے دوست شیاطین ہیں جو اُن کو روشنی سے

مِنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ ۗ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ

نکال کر تاریکیوں کی طرف لیجاتے ہیں یہ سب لوگ اہلِ دوزخ ہیں وہ اس

فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢٥٧﴾ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ

دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے ف۳ اے پیغمبر کیا آپ نے اس شخص کا قصہ ملاحظہ نہیں کیا جس نے حضرت ابراہیم سے

ع ٣٤/٢ — ٥/٢

ف۱ اللہ تعالیٰ ایسا ہے کہ اس کے سوا کوئی دوسرا عبادت اور بندگی کے قابل نہیں وہ زندہ ہے جس کو کبھی موت نہیں آئے گی وہ خود قائم رہنے والا اور دوسروں کو قائم رکھنے والا ہے۔ اُس پر نہ اُونگھ طاری ہو سکتی ہے اور نہ اُس کو نیند دبا سکتی ہے۔ جو موجودات آسمانوں میں ہے اور جو مخلوقات زمین میں ہے سب اُسی کی ملک ہے اور اُسی کی مملوک ہے۔ ایسا کون ہے جو اُس کی بارگاہ میں اُس کی اجازت کے بغیر کسی کی سفارش کر سکے جو کچھ لوگوں کے روبرو ہو رہا ہے وہ اُس کو بھی جانتا ہے اور جو اُن کے بعد ہونیوالا ہے اُس کو بھی جانتا ہے اور وہ تمام مخلوقات و موجودات اُس کی معلومات میں سے کسی شئے کو بھی اپنے احاطۂ علمی میں نہیں لا سکتے مگر ہاں جس قدر وہ کسی کو علم دینا چاہے اور اُس کی کرسی نے سب آسمانوں اور زمین کو اپنے اندر لے رکھا ہے اور اُس کی کرسی سب کو محیط اور سب پر چھائی ہوئی ہے اور آسمانوں اور زمین دونوں کی حفاظت اُس کو کچھ شاق اور گراں نہیں گزرتی اور وہ سب سے بلند و بالاتر اور عظیم الشان ہے (تیسیر) حضرت حق جل مجدہٗ کی حیات کا یہ مطلب ہے کہ وہ حیاتِ ازلی اور ابدی کے ساتھ متصف ہے اور اُس پر کبھی موت نہیں آئے گی۔ قیوم ہمیشہ قائم رہنے والا اور ہر شئے کی تدبیر کرنیوالا اور تمام عالم کو سنبھالنے والا۔ خود قائم رہنے والا اور دوسروں کو قائم رکھنے والا۔ سنة۔ اونگھ جس سے مزاج کو فتور پیش آجائے یہ وہ حالت ہے جو سونے سے ذرا پہلے پیش آتی ہے۔ ابتدائی حالت کو سنة کہتے ہیں اس سے زیادہ کو نعاس اور اس سے زیادہ کو نوم کہا جاتا ہے۔ بعض لوگوں نے سنة کا تعلق دماغ سے اور نعاس کا تعلق آنکھوں سے اور نوم کا تعلق دل سے بتایا ہے۔ اور بعض نے نعاس اور سنة کو ایک ہی چیز کہا ہے۔ بہرحال دماغی اعضا کا جو استرخا نیند کی حالت میں ہوتا ہے وہ سنة اور نعاس کی حالت میں نہیں ہوتا۔ کرسی کے معنی مشہور ہیں۔ جو لکڑی یا اور کسی چیز کے مختلف اجزا کو جوڑ کر بنائی جاتی ہے اور بیٹھنے کے کام آتی ہے۔ لیکن یہاں یا تو محض اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اُس کے جلال کی وسعت کو ظاہر کرنا ہے یا اُس کے علم کی وسعت مراد ہے یا اس کی سلطنت کی وسعت اور پھیلاؤ کا اظہار مراد ہے۔ یا اس کی وسعتِ قدرت مراد ہے۔ اور عام علماء سلف کا قول یہ ہے کہ وہ ایک جسم ہے۔ تمام آسمانوں اور زمین سے بڑا اور عرشِ الٰہی سے چھوٹا جیسا کہ دارقطنی اور خطیب نے ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے۔ کہ کرسی اتنی بڑی ہے کہ اس کا اندازہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں کر سکتا اور ابن جریر اور ابوالشیخ اور ابن مردویہ اور بیہقی نے حضرت ابوذر غفاریؓ سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کرسی کو دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ ساتوں آسمان و زمین کرسی کے مقابلہ میں ایسے ہیں جیسے ایک بہت بڑے میدان اور صحرائے عظیم میں ایک چھلا اور حلقہ پڑا ہوا ہو اور عرش کی وسعت کا یہ حال ہے کہ عرش کی کوئی حد نہیں عرش کے مقابلہ میں کرسی کی یہی حالت ہے کہ جیسے ایک بڑے جنگل میں کوئی چھوٹا سا چھلا یا حلقہ پڑا ہوا ہو واللہ اعلم۔ اود کے معنی اصل تو کسی چیز کا بوجھ پڑنے سے ٹیڑھے ہو جانے کے ہیں یہاں مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر زمین و آسمان کی حفاظت کچھ ثقیل نہیں۔ بلند و بالاتر کا مطلب یہ کہ ہر قسم کے عیب اور نقص سے بالاتر ہے اور عظیم الشان کا مطلب یہ ہے کہ وہ جملہ صفاتِ کمالیہ سے متصف ہے یا یہ کہ اس کی ذات سب کی عقل و فہم سے بالاتر ہے اور وہ سب سے بزرگ اور عظمت میں بڑھا ہوا ہے سب اُس کے آگے حقیر ہیں۔ یعلم ما بین ایدیھم وما خلفھم کے کئی معنی ہو سکتے ہیں۔ یعنی امور دنیا کو بھی جانتا ہے اور امور آخرت کو بھی جانتا ہے اور تمام مخلوقات کے حاضر و غائب حالات کو جانتا ہے۔ غرض جو کچھ مخلوق کے آگے آئے گا اور جو ان کے پیچھے گزر چکا وہ سب سے واقف اور باخبر ہے۔ ہم نے ترجمہ اور تیسیر میں ایک معنی اختیار کرلئے ہیں ورنہ اس جملہ کی بہت سی صورتیں ہو سکتی ہیں الا بما شاء کا مطلب یہ ہے کہ حضرت حق کی معلومات کا کوئی احاطہ تو کر ہی نہیں سکتا مگر ہاں جس قدر وہ کسی کو علم دینا چاہیں اُس قدر دیدیتے ہیں۔ یہی حالت شفاعت اور سفارش کی ہے کہ اُن کی جناب میں کسی کی مجال نہیں کہ لب کشائی کر سکے مگر ہاں جس کو وہ اجازت دیدیں اور جس شخص کے حق میں سفارش کی اجازت دیدیں تو بے شک وہ اس کی سفارش کر سکتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت میں حضرت حق کی توحید اور اس کی صفات کی (باقی ضمیمہ میں)

فِىْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّیَ

ان کے رب کے بارے میں اس وجہ سے جھگڑا کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو حکومت دے رکھی تھی۔ جب ابراہیمؑ نے کہا

الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْیٖ وَاُمِیْتُ ؕ قَالَ

میرا رب وہ ہے جو جلاتا اور مارتا ہے اس شخص نے کہا میں بھی جلاتا اور مارتا ہوں ۔ حضرت ابراہیمؑ نے

اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ

فرمایا اچھا اللہ تعالیٰ تو آفتاب کو مشرق سے نکالا کرتا ہے پھر تو اس کو

بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی

مغرب سے نکال لا یہ سن کر وہ کافر حیران رہ گیا اور اللہ تعالیٰ ایسے

الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿٢٥٨﴾ اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰی قَرْیَةٍ وَّهِیَ

ظالموں کی رہبری نہیں فرماتا ف یا اسی طرح آپ نے اس شخص کا واقعہ ملاحظہ نہیں کیا جو ایک بستی پر ایسی حالت میں گزرا کہ وہ بستی

خَاوِیَةٌ عَلٰی عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰی یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ

اپنی چھتوں پر گری پڑی تھی اس شخص نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ اس بستی کو اس کے مرے پیچھے کیونکر

بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ

زندہ کرے گا اس پر اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو سو سال تک مُردہ رکھا پھر اسکو زندہ کر اٹھایا

قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ؕ قَالَ لَبِثْتُ یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ ؕ

اور اس سے پوچھا تو کتنی مدت اس حالت میں رہا اس نے جواب دیا میں ایک دن رہا ہوں گا یا ایک دن سے بھی کچھ کم

قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰی طَعَامِكَ وَ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا نہیں بلکہ تو اس حالت میں سو سال رہا ہے۔ اب تو اپنے کھانے پینے کی چیزوں کو دیکھ لے کہ

شَرَابِكَ لَمْ یَتَسَنَّهْ ۚ وَانْظُرْ اِلٰی حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ

ان میں ذرا تغیر نہیں ہوا اور اپنے گدھے کو بھی دیکھ اور اس تمام کار۔ دائی سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہم تجھ کو

اٰیَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَی الْعِظَامِ كَیْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ

اس زمانے کے لوگوں کے لئے ایک نشانی بنائیں اور تو اپنے گدھے کی ہڈیوں کی طرف دیکھ کہ ہم انکو کسطرح جوڑتے ہیں

ربع

ف اے نبی کیا آپ کو اُس ناسپاس شخص کا واقعہ معلوم نہیں ہوا اور آپ نے اُس کا قصہ ملاحظہ نہیں فرمایا جس نے اس بنا پر کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کو حکومت اور سلطنت عطا فرمائی تھی حضرت ابراہیمؑ سے انکے رب کے بارے میں جھگڑا اور مجادلہ کیا تھا یہ جھگڑا اُس وقت پیش آیا جبکہ وجود باری کے سلسلہ میں اُس کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کہ میرا پروردگار ایسا ہے جو جلاتا اور مارتا ہے اُس پر یہ ناسپاس شخص بولا میں بھی جلاتا اور مارتا ہوں یہ سن کر حضرت ابراہیمؑ نے اُس بیوقوف اور موٹی عقل کے انسان سے فرمایا اچھا اللہ تعالیٰ آفتاب کو روزمرہ مشرق سے نکالا کرتا ہے تو کسی دن مغرب سے نکال کر لے آ۔ حضرت ابراہیمؑ کی یہ بات سن کر وہ کافر ناسپاس مبہوت و متحیر رہ گیا۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ دستور ہے کہ وہ ایسے نا انصاف اور بے جا روش اختیار کرنیوالوں کی کسی طرح رہنمائی نہیں فرماتا۔ (تیسیر) کہا جاتا ہے کہ یہ بادشاہ نمرود بن کنعان بن سام بن نوح تھا جس کی سلطنت بابل اور اطراف بابل میں پھیلی ہوئی تھی یہ بادشاہ بڑا متکبر تھا اور اپنی خدائی کا مدعی تھا اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو اسی بادشاہ کے عہد میں مبعوث فرمایا تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بت شکنی کے بعد یا کسی اور موقعہ پر اس بادشاہ سے مکالمہ ہو گیا۔ کہتے ہیں انھوں نے اس کو سجدہ نہ کیا جب اس نے اعتراض کیا تو انھوں نے فرمایا کہ میں تو صرف اپنے رب ہی کو سجدہ کرتا ہوں اس پر گفتگو بڑھ گئی اُس نالائق نے اس بنا پر کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کو سلطنت عطا کی تھی بجائے شکر اور احسان ماننے کے معاندانہ روش اختیار کی اور حضرت ابراہیمؑ سے حق تعالیٰ کے وجود کی دلیل طلب کی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا رب جلاتا اور مارتا ہے یعنی استدلال کا وہ طریقہ اختیار کیا جس کو خَوَاصُّ الشَّیْءِ عَلٰی وُجُوْدِہٖ کہتے ہیں مطلب یہ تھا کہ اجسام و اجساد کو زندگی عطا کرنا اور ان کی حیات کو سلب کرنا میرے پروردگار کی صفات کے خواص میں سے ہے اور جب تابع ثابت ہے تو متبوع بھی ثابت ہے۔ ورنہ لازم آئیگا کہ شی موجود نہ ہو اور اس کی صفت کے خواص موجود ہو جائیں نمرود نے اس استدلال پر ایک احمقانہ نقض وارد کر دیا اور کہا میں بھی جلاتا اور مارتا ہوں یعنی ان خواص کو اپنے لئے ثابت کیا اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ یہ بیوقوف جلانے اور مارنے کے معنی ہی نہیں سمجھا جلانے کے یہ معنی نہیں کہ کسی زندہ کو زندہ چھوڑ دے اور کسی زندہ کو قتل کر دے اور اس کی جان نکل جائے جیسا کہ اُس احمق نے یہ فعل کر کے بھی دکھایا کہ دو شخصوں کو بلایا ایک واجب القتل کو معاف کر دیا اور ایک بے گناہ کو قتل کر دیا۔ حالانکہ زندگی عطا کرنے اور مارنے کا مطلب یہ ہے کہ کسی بے جان کو جان عطا فرمائے اور کسی جاندار کی جان اپنے اختیار سے نکالے یہ نہیں کہ اُس کی گردن جدا کر دے اور وہ مر جائے اور گردن جدا کرنے کے بعد اُس کو زندہ بھی رکھنا چاہے تو زندہ نہ رکھ سکے۔ غرض حضرت ابراہیمؑ نے یہ دیکھ کر کہ جلانے اور مارنے کی حقیقت کو تو یہ سمجھ نہیں سکتا ایک اور جواب دیا کہ اچھا اللہ تعالیٰ آفتاب کو مشرق سے طلوع کرتا ہے تو اُس کو مغرب سے نکال کر دکھا اس پر وہ کافر ہو بچکا ہو کر رہ گیا۔ آخر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس قسم کے ظالموں اور نا انصافوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ ہم نے اس موقعہ پر مختصر خلاصہ کر دیا ہے ورنہ اس موقعہ پر مفسرین نے جو مباحث کئے ہیں وہ بہت طویل اور عجیب و غریب ہیں۔ اگر کسی صاحب کو ان تمام مباحث کے ملاحظہ کرنے کا شوق ہو تو وہ تفسیر کبیر اور روح المعانی کا مطالعہ کریں۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے دلائل سیدھے سادے اور عام موشگافیوں سے بالاتر ہوتے ہیں ہو سکتا ہے کہ ربی الذی یحیی و یمیت دلیل ہو جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا ہے اور ہو سکتا ہے کہ مثال ہو جیسا کہ بیضاوی نے اختیار کیا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ نمرود اس امر کا مدعی ہو کہ میں وہ سب کچھ کر سکتا ہوں جو خدا کر سکتا ہے اس پر حضرت ابراہیمؑ نے نقض کے طور پر یہ جواب دیا ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نمرود خدا کا منکر نہ ہو بلکہ مشرک اور کواکب پرست ہو۔ اگر یہ صورت ہو تو اب ساری بحث کا رخ دوسرا ہو گا۔ اور یہ زیادہ قرین قیاس ہے کہ وہ فلک الافلاک کی حرکت کو فاعل مختار سمجھتا ہو۔ اور اس پر حضرت ابراہیمؑ نے اس کے سامنے آفتاب کا ذکر کیا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کا استدلال سے منشا یہ ہو کہ کارخانۂ حیات و ممات کا تمام نظم میرے پروردگار کے اختیار میں ہے احیا اور اماتت صرف اُسی کے قبضہ میں ہے۔ اس بے وقوف نے استدلال کے صغریٰ پر نقض پیش کر دیا (باقی ضمیمہ میں)

نَكْسُوْهَا لَحْمًا ؕ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ

پھران پرکس طرح گوشت چڑھاتے ہیں پھر جب اس پر یہ تمام امور ظاہر ہوگئے تو وہ کہنے لگا میں خوب جانتا ہوں کہ بیشک اللہ تعالیٰ

عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۵۹﴾ وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ

ہرشئی پر پوری طرح قادر ہے ف اور وہ زمانہ یاد کرو جب ابراہیمؑ نے عرض کیا اے میرے رب مجھے یہ بات

اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰى ؕ قَالَ اَوَ لَمْ تُؤْمِنْ ؕ

دکھا دیجئے کہ آپ مُردوں کو کس کیفیت سے زندہ کریں گے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا تم اس بات پر یقین نہیں لائے

قَالَ بَلٰى وَ لٰكِنْ لِّیَطْمَىِٕنَّ قَلْبِیْ ؕ قَالَ فَخُذْ

ابراہیمؑ نے عرض کیا کیوں نہیں یقین تو رکھتا ہوں لیکن یہ چاہتا ہوں کہ مشاہدہ کیفیت سے میرے قلب کو اطمینان حاصل ہوجائے

اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَیْكَ ثُمَّ اجْعَلْ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اچھا تم چار پرندے لو پھر ان کو اپنے سے مانوس کرلو پھر ہر پہاڑ پر ان پرندوں کے

عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ یَاْتِیْنَكَ

ٹکڑوں میں سے ایک ایک ٹکڑا رکھ دو پھر ان پرندوں کو پکارو تو وہ سب پرندے تمہارے پاس دوڑتے ہوئے

سَعْیًا ؕ وَ اعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۲۶۰﴾ؑ مَثَلُ الَّذِیْنَ

آجائیں گے اور اس بات کو اچھی طرح جان لو کہ اللہ تعالیٰ بڑا زبردست بڑی حکمت والا ہے ف ان لوگوں کے خرچ کی

یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ

مثال جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ایسی مثال ہے جیسے ایک دانہ

اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ

اس دانے نے سات بالیں اگائیں ہر ایک بال میں سو سو دانے اور اللہ تعالیٰ جسکے لئے چاہتا ہے

وَ اللّٰهُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۶۱﴾

اور بڑھا دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑا فیاض اور بڑے علم والا ہے ف

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ

جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں پھر

ع ۳۵ / ۳

ف یا آپ نے اُسی طرح اس واقعہ کو ملاحظہ نہیں کیا جو اُس شخص کو پیش آیا جس کا ایک بستی پر ایسی حالت میں گزر ہوا کہ وہ بستی اپنی چھتوں پر گری پڑی تھی یعنی برباد اور ویران ہوچکی تھی پہلے مکانات کی چھتیں گریں پھر چھتوں پر دیواریں گر پڑیں اس بستی کے رہنے والے سب مرگئے اور وہ بالکل برباد ہوگئی اُس شخص نے بستی کو اس حالت میں دیکھ کر کہا اللہ تعالیٰ اس بستی کی موت اور اس کی ویرانی کے بعد اس کو کس کیفیت سے زندہ کرے گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو پورے سو برس مُردہ رکھا اور سو سال کے بعد پھر اس کو زندہ کرکے اٹھا کھڑا کیا اور اس سے دریافت کیا بھلا تو اس حالت میں کتنے دن رہا ہوگا اور تجھ پر کتنی مدت گزری ہوگی اس نے جواب دیا کہ میں اس حالت میں ایک دن یا ایک دن سے بھی کچھ کم رہا ہوں گا تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا نہیں بلکہ تو اس حال میں سو سال رہا ہے سو اب تو اپنے کھانے پینے کے سامان کو دیکھ لے کہ اس میں کوئی تغیر نہیں ہوا اور وہ جوں کا توں رکھا ہے اور ذرا نہیں سڑا گلا اور اپنے گدھے کو بھی دیکھ کہ اس کی کیا حالت ہوگئی اور ہم نے یہ کام اس لئے کیا ہے تاکہ تجھ کو لوگوں کے لئے اپنی قدرت کی ایک نشانی اور نظیر بنائیں اور تو اب اپنے گدھے کی ہڈیوں کی طرف بھی دیکھ کہ ہم ان ہڈیوں کو کس طرح جوڑتے ہیں اور ابھار کر ترکیب دیتے ہیں پھر ان ہڈیوں پر کس طرح گوشت پہناتے اور چڑھاتے ہیں پھر جب اس پر یہ تمام امور ظاہر ہوگئے یعنی اپنا زندہ ہونا اور سو برس تک کھانے اور پینے کی اشیاء کا باقی رہنا اور گدھے کا سڑ گل کر دوبارہ زندہ ہونا تو اس شخص نے کہا میں یقین رکھتا ہوں اور خوب جانتا ہوں کہ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے (تیسیر) حضرات مفسرین نے اوکالذی کی مختلف ترکیبیں کی ہیں۔ اور پہلی آیت کی طرح اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ اے نبی کیا آپ کو اس جیسے آدمی کا حال معلوم نہیں ہوا جو ایک بستی پر گزرا تھا۔ یہاں تخصیص کی غرض سے حرف تشبیہ بڑھا دیا ہے۔ کیونکہ دوبارہ زندہ کرنے کی کیفیت سے بیشمار لوگ بے خبر بلکہ دوبارہ زندہ ہونے کے منکر ہیں اور ہوسکتا ہے کہ کاف تشبیہ زائد ہو اور مطلب یہ ہو اے نبی کیا آپ نے اُس شخص کو یا اُس شخص کے واقعہ کو نہیں دیکھا۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بجائے الفاظ کے معنی پر عطف ہو اور مطلب یہ ہو کہ اے نبی آپ نے اُس جیسے آدمی کا حال معلوم نہیں کیا جس نے حضرت ابراہیمؑ سے جھگڑا کیا یا اُس جیسے آدمی کے حال کا آپ کو علم نہیں ہوا جو ایک بستی پر گزرا۔ حضرت علیؓ ابن عباسؓ۔ حسنؒ قتادہ وغیرہم کا قول ہے کہ یہ صاحب حضرت عُزیرؑ بن شرخیا تھے۔ اس قول کو ابن کثیر نے مشہور کہا ہے۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہ حضرت خضرؑ ہیں بستی سے مراد یا تو بیت المقدس ہے یا وہ بستی ہے جس کا ذکر ابھی ہوچکا ہے یعنی جس سے ہزاروں آدمی موت کے خوف سے نکل گئے تھے۔ یا کوئی اور گاؤں ہو بہرحال حضرت عزیر علیہ السلام اثنا سفر میں جب اس ویران شدہ بستی پر گزرے تو اس کو اس حالت میں دیکھا کہ لوگ بھاگ گئے سب مرکھپ گئے سارے مکانوں کی چھتیں گر گئیں اور چھتوں پر دیواریں آپڑیں اس ویران اور تباہ شدہ بستی کو دیکھ کر خیال آیا کہ اس ویران آبادی کو اللہ تعالیٰ دوبارہ کس طرح زندہ کرے گا یہ زندگی یا تو قیامت کی زندگی مراد ہوگی یا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ یہ بستی پھر کس طرح آباد ہوگی۔ اور یہ بات نہیں کہ اُن کو قیامت کی زندگی پر یقین نہیں تھا بلکہ ان کا مطلب یہ تھا کہ زندہ ہونے کی بہت سی صورتیں ہوسکتی ہیں نہ معلوم حضرت حق تعالیٰ کون سی صورت اختیار کریں گے کیونکہ وہ ایک کام کو کئی طرح کرسکتے ہیں اور اگر بیت المقدس کی آبادی مراد ہو تب بھی یہ ایک عجیب امر تھا کہ ایک بستی بالکل ویران اور تباہ ہوچکی لوگ سب مرچکے عمارتیں سب منہدم ہوچکیں اب اللہ تعالیٰ دوبارہ اس کو آباد کرنے کا کیا طریقہ اختیار فرمائیں گے اور یہ بستی اجڑنے پیچھے دوبارہ کیوں کر آباد ہوگی۔ اس تقدیر پر بستی کے لوگوں کی زندگی کا سوال نہیں ہوگا بلکہ خود بستی کے دوبارہ تعمیر ہونے کا سوال ہوگا۔ چونکہ علماء نے دو قول نقل کئے ہیں اور دونوں ہی باتوں کی گنجائش ہے ہوسکتا ہے کہ بستی کے مرنے والے باشندوں کی زندگی کا سوال ہو اور قیامت میں ان کے زندہ ہونے کی کیفیت معلوم کرنا چاہتے ہوں اور ہوسکتا ہے کہ خود بستی کی ویرانی پر تعجب ہوا ہو اور اس کے دوبارہ آباد ہونے کی کیفیت معلوم کرنا چاہتے ہوں۔ بہرحال جب حضرت عزیرؑ (باقی ضمیمہ میں)

ف۱ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں پھر خرچ کرنے کے بعد نہ تو سائل پر جس کو دیا ہے کوئی احسان جتلاتے ہیں اور نہ اُس کو کوئی تکلیف دیتے ہیں تو ایسے لوگوں کو اُن کے پروردگا ر کے ہاں اُن کا ثواب ملے گا اور اُن کا اجر اُن کے رب کے پاس موجود ہے اور اُن کو نہ کسی قسم کا خوف پیش آئیگا اور نہ وہ کبھی غمگین اور مغموم ہوں گے سائل کو نرم بھلی اور مناسب بات کہدینا یعنی جب دینے کو کچھ نہ ہو اور سائل کو معاف کردینا اور اس کو درگزر کردینا یہ اُس صدقہ اور خیرات سے کہیں بہتر ہے جس کے پیچھے ایذا رسانی اور سائل کو تکلیف پہونچانا ہو۔ اور اللہ تعالیٰ تمہاری خیرات سے بے نیاز اور بے پرواہ ہے اور نافرمانوں اور کوتاہی کرنے والوں کے ساتھ اس کا برتاؤ حلیمانہ ہے اور وہ بڑا تحمل والا ہے (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ بعض لوگوں کو یہ عادت ہوتی ہے کہ نیک کام کرنے اور کسی خیرات دینے کے بعد احسان جتاتے ہیں اور اپنی خیرات کو بار بار دُہراتے ہیں یا سائل کو جتاتے ہیں یا سائل کو قول اور فعل سے تکلیف پہونچاتے ہیں۔ مثلاً طعنہ دیتے ہیں کہ میں نے تم کو اتنا دیا اور تمہارے ساتھ ایسا سلوک کیا یا دینے کے بعد اُس سے کوئی خدمت لیتے ہیں یا اور کسی برتاؤ سے اذیت پہونچاتے ہیں۔ غرض اسی قسم کی تمام باتیں ثواب کو نقصان پہونچاتی ہیں۔ جو لوگ اپنی خیرات اور انفاق فی سبیل اللہ کو ایسی باتوں سے محفوظ رکھتے ہیں نہ احسان جتاتے ہیں نہ سائل کو اذیت پہونچاتے ہیں تو ایسے لوگوں کے عمل کا ثواب انکے رب کے پاس محفوظ ہے اور اُن کے جانے پر اُن کے عمل کا اجر اُن کو عطا کیا جائے گا اور قیامت کے دن نہ تو ان کو خوف پیش آئے گا اور نہ گزشتہ اعمال کے متعلق وہ کبھی غمگیں ہوں گے ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ خوف کا تعلق آنے والے واقعات سے ہوتا ہے اور غم کا تعلق پچھلے واقعات سے ہوتا ہے۔ یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ وہ دارین میں ہر قسم کے خوف اور غم سے محفوظ رہیں گے۔ ہوسکتا ہے کہ آیت حضرت عثمان اور حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی شان میں نازل ہوئی ہو کیونکہ یہ دونوں بزرگ ہمیشہ مجاہدین کی بڑی خدمت کیا کرتے تھے اور ہر جہاد میں اپنے مال سے حصہ لیتے تھے اور ان کے دل میں کبھی احسان جتانے یا کسی کو تکلیف پہونچانے کا خطرہ تک نہ پیدا ہوتا تھا۔ بعض علماء نے فرمایا ہے احسان جتانا نفاق کے مشابہ ہے اور ایذا رسانی ریا کے مشابہ ہے۔ بہرحال اپنے صدقات کو جو شخص مَن اور اذی سے محفوظ رکھے گا وہ ہر قسم کے خوف اور غم سے محفوظ رہے گا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن یزیدؒ فرماتے ہیں کہ میرے والد کہا کرتے تھے اگر کسی کو کچھ دو اور تم دیکھو کہ جب تم اس کو آتے جاتے کہیں سلام کرتے ہو تو وہ شرمندہ ہوتا ہے یا تمہارا سلام کرنا اس پر گراں ہوتا ہے تو اس کو سلام نہ کیا کرو۔ کبھی یہ من اور اذی میں داخل نہ ہوجائے دوسری آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب نادار ہو اور دینے کو کچھ نہ ہو تو سائل کو نرم اور مناسب بات کہدو اور اگر سائل بدتمیزی کرے جیسا کہ آج کل سائلوں کی عام عادت ہے تو ضبطِ نفس سے کام لو اور اس کو درگزر کردو۔ سائل کے جواب میں مناسب و معقول بات کہدینا اور سائل کے بُرا بھلا کہنے کو معاف کردینا یہ ایسے دینے سے بدرجہا بہتر ہے کہ دیکر اس کے ساتھ کوئی ایسا برتاؤ کرو جو اُس کی رنجیدگی اور دل آزاری کا موجب ہو آخر میں فرمایا اللہ تو خود غنی ہے وہ تمہاری خیرات کا محتاج نہیں ہے یہ دینا دلانا تو تمہارے ہی بھلے کو ہے اللہ تعالیٰ کو کوئی ضرورت نہیں ہے اُس کی ذات تو بے پرواہ ہے اور وہ چونکہ حلیم ہے اور بڑا تحمل والا ہے اس لئے صدقات کے معاملہ میں جو لوگ بے احتیاطی کرتے ہیں یا دیکر احسان جتاتے ہیں اور سائل کو دکھ پہنچاتے ہیں اُن کی گرفت میں جلد بازی نہیں کرتا اور ان کی پکڑ نہیں کرتا۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی مانگنے والے کو نرمی سے جواب دینا اور اُس کی بدخوئی پر درگزر کرنا بہتر ہے اس سے کہ دیوے پھر اُس کو بار بار دباوے یہ سمجھے کہ میں نے تو اللہ کو دیا ہے اُس کو کیا پرواہ ہے مگر اپنا بھلا کرتا ہوں (موضح القرآن) حدیث میں آتا ہے کلمہ طیبہ صدقہ ہے اور معروف یہ ہے کہ تو اپنے بھائی سے خندہ پیشانی کے ساتھ بات کرے۔ حضرت عمرو بن دینارؒ کی روایت میں ہے کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی صدقہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حق بات سے زیادہ محبوب نہیں ہے۔ کیا اے مخاطب تو نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول نہیں سنا کہ وہ فرماتا ہے قول معروف و مغفرۃ الخ۔ (باقی ضمیمہ میں)

لَا يُتْبِعُونَ مَآ أَنفَقُوا مَنًّا وَلَآ أَذًى لَّهُمْ أَجْرُهُمْ

خرچ کرنیکے بعد نہ تو احسان جتاتے ہیں اور نہ تکلیف پہونچاتے ہیں تو ایسے ہی لوگوں کا ثواب

عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٢٦٢﴾

ان کے رب کے ہاں محفوظ ہے اور ان پر نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

قَوْلٌ مَّعْرُوفٌ وَمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّن صَدَقَةٍ يَتْبَعُهَآ

سائل کو نرمی سے جواب دے دینا اور اُس کو معاف کردینا اُس خیرات سے کہیں بہتر ہے جس خیرات کے

أَذًى ۗ وَاللَّهُ غَنِيٌّ حَلِيمٌ ﴿٢٦٣﴾ يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا

پیچھے ایذا رسانی ہو اور اللہ بے نیاز ہے تحمل والا فا اے ایمان والو اپنے

لَا تُبْطِلُوا صَدَقَٰتِكُم بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ كَالَّذِي

صدقات کو احسان جتا کر اور ایذا پہونچا کر اس شخص کی طرح ضائع نہ کرو جو اپنا مال

يُنفِقُ مَالَهُۥ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ

محض لوگوں کے دکھانے کو خرچ کرتا ہے اور وہ نہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے اور نہ قیامت کے

الْآخِرِ ۖ فَمَثَلُهُۥ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَأَصَابَهُۥ

دن پر سو ایسے ریاکار کی حالت ایسی ہے جیسے ایک صاف چکنا پتھر کہ اس پر معمولی سی مٹی پڑی ہوئی ہو پھر اس پتھر پر

وَابِلٌ فَتَرَكَهُۥ صَلْدًا ۖ لَّا يَقْدِرُونَ عَلَىٰ شَيْءٍ مِّمَّا

زور کی بارش ہوجائے اور وہ بارش اس کو بالکل صاف کرکے چھوڑ دے ایسے لوگ اپنے کئے ہوئے کاموں کا کوئی

كَسَبُوا ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَٰفِرِينَ ﴿٢٦٤﴾ وَمَثَلُ

فائدہ حاصل نہ کرسکیں گے اور اللہ تعالیٰ ایسے ناسپاس لوگوں کی رہبری نہیں کیا کرتا فا اور ان لوگوں کے خرچ کی

الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَٰلَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَ

مثال جو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے اور اپنے دلوں کو تقویت پہونچانے کے لئے خرچ کرتے ہیں

تَثْبِيتًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ أَصَابَهَا

ایسی مثال جیسے ایک باغ جو کسی اونچی جگہ پر واقع ہو اس پر زور کا مینہ پڑ جائے

ف بھلا تم میں سے کوئی شخص اس بات کو پسند کرتا ہے اور اس امر کو دوست رکھتا ہے کہ اُس کا ایک باغ ہو کھجوروں اور انگوروں کا اُس باغ کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں اور اُس باغ میں علاوہ کھجوروں اور انگوروں کے اور بھی مختلف قسم کے بکثرت پھل موجود ہوں اور اس باغ کے مالک کی حالت یہ ہو کہ اُس کو بڑھاپا پہنچ چکا ہو اور اُس کا بڑھاپا آ گیا ہو اور اُس کی اولاد کمزور اور ناتواں ہو کام سنبھالنے کے قابل نہ ہو اور باغ کی دیکھ بھال کی صلاحیت نہ رکھتی ہو ایسی حالت میں جبکہ وہ خود بوڑھا ہو اور بچے ناتواں ہوں اُس باغ پر ایک ایسا گرم بگولا آ جائے جس میں تیز آگ ہو اور وہ باغ اس آگ بھرے بگولے سے جل جائے اور خاکستر ہو جائے جس طرح اللہ تعالیٰ نے یہ واقعہ بیان کیا ہے اسی طرح وہ تمہاری رہنمائی اور تمہارے سمجھانے کو اپنے واضح اور صاف دلائل بیان فرماتا ہے تاکہ تم سوچو اور غور و فکر سے کام لو (تیسیر) اعصار اُس سخت ہوا کو کہتے ہیں جو چکر کاٹتی ہوئی اُوپر کو ستون کی طرح اٹھتی ہے اور عام طریقہ سے گرمی کے موسم میں یہ ہوائیں چلا کرتی ہیں اُردو میں اس کو بگولا کہتے ہیں عربی میں اس کو زوبعۃ بھی کہتے

وَابِلٌ فَآتَتْ أُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ فَإِنْ لَمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ

تو وہ دُگنا پھل لائے اور اگر اس پر زور کا مینہ نہ بھی پڑے تو ہلکی سی پھوار ہی

فَطَلٌّ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٢٦٥﴾ أَيَوَدُّ أَحَدُكُمْ

اس کو کافی ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اس سکو اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے ف بھلا تم میں سے کوئی اس بات کو

أَنْ تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ مِنْ نَخِيلٍ وَأَعْنَابٍ تَجْرِي

پسند کرتا ہے کہ اُس کا کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ ہو اس باغ کے نیچے نہریں جاری ہوں اس

مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ لَهُ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَأَصَابَهُ

باغ میں اس شخص کیلئے اور بھی ہر قسم کے میوے موجود ہوں اور اس شخص کی حالت یہ ہو کہ اس کو بڑھاپا

الْكِبَرُ وَلَهُ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَاءُ فَأَصَابَهَا إِعْصَارٌ

پہونچ چکا ہو اور اس کی اولاد کمزور ناتواں ہو پھر اُس باغ پر ایک ایسا بگولا آ جائے

فِيهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ

جس میں آگ بھری ہوئی ہو اور وہ باغ خاکستر ہو جائے یوں اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اپنے دلائل واضح طور پر بیان

لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ﴿٢٦٦﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا

کرتا ہے تاکہ تم غور و فکر سے کام لو ف اے ایمان والو اپنی کمائی میں سے اور ان چیزوں میں سے جو ہم نے

مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ

تمہارے لئے زمین سے پیدا کی ہیں عمدہ چیزیں خیرات کیا کرو

الْأَرْضِ ۖ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنْفِقُونَ وَ

اور خراب و ناکارہ چیزوں میں سے خیرات کرنے کا قصد بھی نہ کیا کرو حالانکہ

لَسْتُمْ بِآخِذِيهِ إِلَّا أَنْ تُغْمِضُوا فِيهِ ۚ وَاعْلَمُوا

تم خود بھی ایسی ناکارہ چیز لینے والے نہیں مگر ہاں یہ دوسری بات ہے کہ تم اسکے لینے میں چشم پوشی سے کام لو اور یقین جانو

أَنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ﴿٢٦٧﴾ الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَ

کہ اللہ تعالیٰ کسی کا محتاج نہیں ہے اور سزاوار حمد و ثنا ہے ف شیطان تم کو مفلسی سے ڈراتا ہے اور

ع ۳۶ / ۶ / ۴

ہیں عوام کا خیال یہ ہے کہ اس میں جن ہوتے ہیں۔ عرب کے لوگ بھی اس کو بہت بڑا جن سمجھتے تھے اور اُم زوبعہ اور ابو زوبعہ ان بگولوں کو کہا کرتے تھے اور یہ بھی کہا کرتے تھے کہ ان بگولوں میں شیطان مارد ہوتا ہے جب ہوا چکر کاٹتی ہوئی اُڑتی ہے تو کوڑا کرکٹ بلکہ بعض دفعہ بڑی بڑی چیزوں کو اُڑا لیجاتی ہے خاص کر ریگستانی علاقہ میں تو ان بگولوں کی وجہ سے سفر بند ہو جاتا ہے ان میں اس قدر حرارت اور سمیت ہوتی ہے کہ ہر جان دار کو یہ ہوا ہلاک کر دیتی ہے۔ اور نباتات کا تو کہنا ہی کیا ہے ود کے معنیٰ میں محبت اور تمنا دونوں شامل ہوتے ہیں اسلئے کہیں محبت اور کہیں تمنا معنیٰ کئے جاتے ہیں باوجود اور پھلوں کے کھجور اور انگور کا اس لئے ذکر کیا کہ ان دونوں کے درخت بکثرت ہوں من کل الثمرات کا یہ مطلب ہے کہ اور بھی مختلف قسم کے پھل ہوں حقیقی استغراق مراد نہیں ہے۔ بخاری میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک دفعہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت فرمایا تھا کہ یہ آیت کس کے بارے میں ہے۔ صحابہ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا ایک بات کہو تم جانتے ہو یا نہیں ؟ حضرت ابن عباسؓ نے عرض کیا اے امیر المومنین اس آیت کے متعلق میرے جی میں ایک بات آئی ہے حضرت عمرؓ نے فرمایا اے میرے بھتیجے جو تیرے جی میں ہے اُسے کہہ ڈال اپنے آپ کو حقیر نہ سمجھ اس پر حضرت ابن عباسؓ نے کہا یہ عمل کی مثال ہے انھوں نے فرمایا کون سے عمل کی مثال ہے تب حضرت ابن عباسؓ نے عرض کیا اے امیر المومنین ایک شخص نے اللہ کی طاعت کی پھر اللہ تعالیٰ نے ایک شیطان بھیجا اور وہ شخص جو طاعت الٰہی میں مشغول تھا گناہ کرنے لگا یہاں تک کہ اسکے سارے عمل غرق ہو گئے۔ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں اسی روایت کو مبنی قرار دیا ہے اگرچہ یہ آیت صدقات کی بحث میں مذکور ہے لیکن اپنی عمومیت کے باعث تمام اعمال حسنہ کو شامل ہے یعنی عمل کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ قیامت کے دن اس کے اعمال کا ثواب کام آئے جہنم سے بچے اور جنت میں داخل ہو۔ دنیا میں بھی اس کے اعمال پر اثرات مرتب ہوں نیک کاموں کی توفیق میسر ہو ایک عمل کی مقبولیت سے دوسرے عمل کی توفیق ملے پھر تیسرے کی پھر چوتھے کی اسی طرح اعمال حسنہ میں ترقی ہوتی رہے حتیٰ کہ اعمال صالحہ میں لذت اور حلاوت پیدا ہو جائے اور طاعات الٰہی میں ایک خاص قسم کی کیفیت اور سرور پیدا ہو جائے اور یہ بات جب ہی ہوتی ہے جب عمل کرنے والا تمام شروط و قیود کی رعایت کرکے وہ عمل بجا لائے اور اگر شروط و قیود کی پابندی نہ کرے مثلاً کسی بدنصیب میں ایمان نہ ہو تب تو کوئی عمل صحیح ہی نہ ہوگا اور اگر ایمان تو تھا لیکن ریا اور دکھاوے کا خیال آ گیا۔ یا سائل پر احسان رکھا یا سائل کو تکلیف پہونچا دی یا حرام مال سے خیرات کر دی یا ہونے ساتھ کوئی گھٹیا اور خراب چیز دیدی وغیرہ تو اگرچہ ایمان کی وجہ سے عمل صحیح ہو گیا لیکن ثواب مرتب نہ ہوا یا ثواب مرتب ہوا تو کم ہوا یا عمل کی برکت اور نور سلب ہو گیا۔ اور دوسرے نیک عمل کی توفیق نصیب نہ ہوئی بلکہ عمل کے غیر مقبول ہو جانے کی وجہ سے کسی گناہ میں مبتلا ہو گیا جیسا کہ اہل ذوق ان امور کو سمجھتے ہیں کہ شرائط و قیود کی کوتاہی کا صرف یہی نقصان (باقی ضمیمہ میں)

يَأْمُرُكُم بِالْفَحْشَاءِ ۖ وَاللَّهُ يَعِدُكُم مَّغْفِرَةً مِّنْهُ

تم کو ناشائستہ امور کی ترغیب دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ تم سے اپنی مغفرت اور اپنے

وَفَضْلًا ۗ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٦٨﴾ يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَن

فضل کا وعدہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑا صاحب وسعت اور سب سے واقف ہے وہ جسکو چاہتا ہے صحیح فہم

يَشَاءُ ۚ وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا

عطا کرتا ہے اور جو شخص صحیح فہم سے بہرہ ور کیا گیا اس کو بلاشبہ بہت بڑی بھلائی عطا

كَثِيرًا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿٢٦٩﴾ وَمَا

کی گئی اور نصیحت نہیں قبول کرتے مگر وہی جن کو صحیح عقل ہے۔ ف۳ اور تم لوگ

أَنفَقْتُم مِّن نَّفَقَةٍ أَوْ نَذَرْتُم مِّن نَّذْرٍ فَإِنَّ

جو کچھ بھی اور جہاں کہیں بھی خرچ کرتے ہو یا کسی قسم کی کوئی منّت مانتے ہو سو یقیناً

اللَّهَ يَعْلَمُهُ ۗ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنصَارٍ ﴿٢٧٠﴾ إِن

اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے اور بے جا کام کرنے والوں کا کوئی مددگار نہ ہوگا ف۱ اگر تم

تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۖ وَإِن تُخْفُوهَا وَ

صدقات ظاہر کرکے دو تو یہ بھی اچھی بات ہے اور اگر تم ان صدقات کو پوشیدہ رکھو اور

تُؤْتُوهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَيُكَفِّرُ عَنكُم

فقیروں کو پہونچا دو تو یہ چھپاکر دینا تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے اور خدا تعالیٰ تمہارے گناہوں

مِّن سَيِّئَاتِكُمْ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿٢٧١﴾ لَّيْسَ عَلَيْكَ

میں سے بعض گناہ تم سے دور کردیگا اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سب سے باخبر ہے ف۲ کافروں کو صحیح راہ

هُدَاهُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ ۗ وَمَا تُنفِقُوا

پر لگا دینا آپ کے ذمہ لازم نہیں ہے مگر ہاں اللہ تعالیٰ جسکو چاہے صحیح راہ پر لگا دے اور تم مال میں سے جو خیرات کرتے ہو

مِنْ خَيْرٍ فَلِأَنفُسِكُمْ ۚ وَمَا تُنفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ

تو اپنے ہی بھلے کو کرتے ہو اور تم بجز اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے اور کسی غرض کے لئے خیرات

ف۱ اور تم لوگ جو کچھ بھی خرچ کرتے ہو اور جس قدر خرچ کرتے ہو اور جس طرح بھی خرچ کرتے ہو اور جہاں کہیں خرچ کرتے ہو یا تم کسی قسم کی نذر اور منّت مانتے ہو سو اللہ تعالیٰ اُس سب کو جانتا ہے اور بے جا کام کرنے والوں کا کوئی مددگار اور ساتھی اور حمایتی نہ ہوگا (تیسیر) نذر کہتے ہیں دل سے کسی چیز کو اپنے اوپر لازم کرلینا خواہ وہ اچھی ہو یا بُری ہو اور شرعاً نذر کا مطلب یہ ہے کہ کسی ایسی نیکی کو جس کی شریعتِ اسلامیہ میں نظیر موجود ہو اپنے اوپر لازم کرلینا خواہ وہ عبادت مالیہ ہو یا بدنی خواہ مشروط ہو یا غیر مشروط۔ بہرحال صدقات اور خیرات کے ساتھ نذر کو بھی شامل کردیا کیونکہ نذر کرنے اور منت ماننے کے بعد اُس منت کا پورا کرنا واجب ہوجاتا ہے۔ اگر مشروط اور معلق ہو تو شرط پوری ہونے کے بعد اور اگر مشروط نہ ہو تو جس طرح منت مانی ہو اُس کا پورا کرنا ضروری ہوتا ہے۔ آیت اپنے عموم کی وجہ سے ہر قسم کے خرچ پر اور ہر قسم کی نذر پر صادق آتی ہے۔ جیسا کہ ہم نے تیسیر میں اشارہ کردیا ہے۔ حضرت حق کے علم اور اطلاع کا منشا یہ ہے کہ خرچ زیادہ ہو یا کم ہو طاعت میں خرچ کردیا معصیت میں طاعت میں خرچ کرکے احسان جتادیا سائل کو اذیت پہونچادی دکھاوے کو خرچ کردیا اللہ کیلئے خرچ کرد ردّی اور گھٹیا مال دیا عمدہ۔ اسی طرح منت اچھی مانو یا بُری۔ اللہ تعالیٰ کے لئے نذر مانو یا غیر اللہ کے نام کی منت مانو۔ نذر کو پورا کردیا نہ پورا کرد غرض ہم کو تمام باتوں کا علم ہوتا ہے۔ طاعت کو صحیح طور پر بجا لاؤ گے اور منت کو صحیح طور پر ادا کروگے تو اجر و ثواب عطا فرمائیں گے اور اگر کوتاہی کروگے اور شرائط و قیود کے پورا کرنے میں کمی کروگے یا غیر اللہ کے نام کی منتیں مانوگے یا معصیت کی نذر کروگے یا اللہ کے نام کی نذر کو پورا نہ کروگے تو ہم سزا دیں گے اور تمہارے اجر و ثواب کو کم کردیں گے یا بالکل غارت کردیں گے آخر میں فرمایا جو لوگ شرائط کے پورا کرنے کی رعایت نہیں کرتے اور احکام الٰہی کی مخالفت کرتے ہیں یا فسق و فجور میں خرچ کرتے ہیں وہ ظالم ہیں اور ایسے ظالموں کا قیامت میں کوئی حمایتی اور مددگار نہ ہوگا۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی منت قبول کی تو واجب ہوگئی اب ادا نہ کرے تو گناہگار ہے نذر اللہ کے سوا کسی کی نہ چاہئے مگر یہ کہے کہ اللہ کے واسطے فلانے شخص کو دوں گا تو مختار ہے۔

(موضح القرآن) حضرت شاہ صاحبؒ کا مطلب یہ ہے کہ منت صرف اللہ تعالیٰ ہی کے نام کی ہونی چاہئے غیر اللہ کے نام کی منت حرام ہے ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے میرا کام کردیا تو میں فلاں غریب کو کھانا کھلاؤں گا یا کوئی مسجد تعمیر کروں گا یا فلاں بزرگ کی روح کو ثواب پہونچاؤں گا یا ایک کنواں کھدواکر کسی بزرگ کیلئے وقف کردوں گا یہ طریقہ نذر میں جائز ہے مگر نذر اور منت فقط خدا تعالیٰ کے نام پر کی جائے اب آگے صدقات کی کیفیت بیان فرماتے ہیں کہ صدقہ کا ظاہر کرنا بہتر ہے یا پوشیدہ طور پر دینا اچھا ہے چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں (تسہیل) ف۲ اگر تم اپنے صدقات ظاہر کرکے دو اور علانیہ خیرات کرو تو بھی یہ اچھی بات ہے اور اگر ان صدقات کو پوشیدہ رکھو اور پوشیدہ طور پر فقیروں کو پہونچادو اور فقرا کو دیدو تو یہ چھپاکر فقیروں کو دینا تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے کچھ گناہ تم سے دور کردیگا اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ تمہارے کئے ہوئے سب کاموں سے پوری طرح باخبر ہے (تیسیر) چونکہ لوگوں کے حالات مختلف ہیں۔ کوئی علانیہ دینے کو پسند کرتا ہے کوئی چاہتا ہے چھپاکر دے حضرت حق تعالیٰ نے دونوں طرح دینے کی اجازت عطا فرمادی اگرچہ اخفا کو ترجیح دی کہ یہ طریقہ ہر اعتبار سے مامون و محفوظ ہے اس میں ریا کا بھی کوئی موقع نہیں اور فقیر کو بھی شرمندگی نہیں ہوتی اور اگر کسی کو پورا اطمینان ہو اور اس کی نیت یہ ہو کہ دوسروں کو بھی خیرات کی ترغیب ہو تو علانیہ خیرات میں بھی مضائقہ نہیں۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے صدقات واجبہ کا ظاہر کرکے دینا بہتر ہے اور صدقاتِ نافلہ کا چھپاکر دینا بہتر ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا ایک قول ہے کہ نفلی خیرات کا خفیہ دینا علانیہ دینے سے ستر درجے زیادہ افضل ہے اور صدقاتِ مفروضہ کا علانیہ دینا چھپاکر دینے سے پچیس درجے زیادہ افضل ہے اور یہی حال دوسرے فرائض و نوافل کا ہے۔ کہ فرائض کو ظاہر کرکے ادا کرے اور نوافل کو پوشیدہ رکھے بعض حضرات نے صدقاتِ نافلہ اور صدقاتِ مفروضہ دونوں میں اخفا کو افضل کہا ہے۔ بہرحال سب قسم کی گنجائش ہے اور صحیح بات یہ ہے کہ ہر شخص کی حالت جدا ہے اور ہر شخص اپنے قلب کی کیفیت کا خود ہی صحیح اندازہ لگا سکتا ہے (باقی تفسیر میں)

ف تم لوگ جو کچھ خرچ کرنے ہو اس کے اصل حقدار وہ فقیر اور حاجت مند لوگ ہیں جو جہاد فی سبیل اللہ اور خدمت دین کی غرض سے پابند کردیئے گئے ہیں اور مقید ہوگئے ہیں۔ اور اسی پابندی اور خدمات دینیہ کی وجہ سے وہ ملک میں کہیں جا آ نہیں سکتے اور کمانے کے لئے کہیں آتے جاتے نہیں ان کے سوال نہ کرنے اور سوال سے پرہیز کرنے کی وجہ سے ناواقف آدمی ان کو تو انگر اور مالدار سمجھتا ہے۔ اے مخاطب البتہ تو ان کی احتیاج اور ان کے فقر کو اُن کی حالت ان کی ہیئت اور ان کے چہرے مُہرے سے پہچان سکتا ہے۔ وہ لوگوں سے لپٹ لپٹ کر مانگتے نہیں پھرتے اور تم جو کچھ مال میں سے خیرات کرتے ہو اور کام کی جو چیز بھی خرچ کرتے ہو یقین جانو اللہ تعالیٰ کو وہ خوب معلوم ہے اور اللہ تعالیٰ کو اس کی پوری اطلاع ہے (تیسیر) احصار ۔ روک دینا جیسا کہ دوسرے پارے میں عرض کیا جاچکا ہے۔ یہاں مطلب یہ ہے کہ دینی مشاغل کی وجہ سے انھوں نے اپنے کو روک رکھا ہے وہ دینی مشاغل خواہ جہاد ہو خواہ علم دین کا حاصل کرنا ہو۔ بہرحال ایک خاص خدمت کیلئے انھوں نے اپنے آپ کو وقف کر رکھا ہے۔ لا یستطیعون ضربا فی الارض کا یہ مطلب ہے کہ دینی مشاغل کے باعث کمانے کیلئے کہیں آ جا نہیں سکتے یہ مطلب نہیں کہ اپاہج ہیں۔ بلکہ عادۃً جب آدمی ایک کام میں منہمک ہوتا ہے اور چوبیس گھنٹے اس میں لگا رہتا ہے تو اور کوئی کام نہیں کرسکتا اسی طرح یہ لوگ بھی ہر وقت طلب علم اور جہاد کے کاموں میں مشغول رہتے ہیں اس لئے کوئی دوسرا کام نہیں کرسکتے۔ تعفف ۔ مقصود اور مراد سے نفس کو بتکلف بچانا۔ اور مقصد کو ترک کردینا۔ یہاں یہ مطلب ہے کہ سوال سے بچتے ہیں۔ اور اپنی حاجت کسی کے روبرو بیان نہیں کرتے سوال سے بالکل اجتناب کرتے ہیں۔ سیما ۔ اُس علامت کو کہتے ہیں جس سے خبر پہنچائی جائے یہاں ان کی شکستہ حالی اور فقر و فاقہ کا اضمحلال مراد ہے۔ یعنی چہرے پر جو فقر و فاقہ کی وجہ سے زردی نمایاں ہو رہی ہے اس سے اُن کے فقر کا پتہ چل سکتا ہے۔ اور بظاہر چونکہ وہ خوددار واقع ہوئے ہیں کسی سے سوال کرتے نہیں تو بے خبر لوگ ان کو دولت مند سمجھتے ہیں حالانکہ ہیں وہ محتاج ۔ الحاف ۔ لپٹنا سر ہو جانا جیسا کہ عام طور سے ہمارے زمانے کے سائل کرتے ہیں کہ دینے والے کو پیچھا چھڑانا مشکل ہو جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ بالکل سوال نہیں کرتے چہ جائیکہ کسی کو لپٹیں یا تنگ کریں۔ یا کسی کو بُرا بھلا کہیں۔ اس آیت میں جن لوگوں کو دینے کی ترغیب ہے۔ وہ مہاجرین ہیں جو مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ آگئے تھے اور مسجد نبوی کے ایک چبوترے پر قیام پذیر تھے یہ لوگ قرآن شریف سیکھتے تھے اور دینی تعلیم حاصل کرتے تھے اور حسب ضرورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے جہاد کیلئے جاتے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں یہ تقریباً چار سو آدمی تھے۔ مدینہ میں ان کا کوئی مکان نہ تھا۔ مسجد کے چبوترے پر پڑے رہتے تھے رات کو قرآن سیکھتے تھے اور جہاد کیلئے یہ لوگ مخصوص تھے۔ مجاہدؒ کا قول ہے یہ لوگ قریش کے مہاجر تھے۔ سعید بن جبیرؒ کا قول ہے یہ وہ لوگ ہیں جو جہاد میں زخمی ہوجانیکی وجہ سے بے کار ہو گئے تھے بعض لوگوں نے کہا آیت عام ہے ہر ایسے محتاج کو دینے کا حکم ہے جو سوال سے بچتا ہو اور اُس کی خودداری کے باعث لوگ اس کو غنی سمجھتے ہوں۔ جیسا کہ بعض خوش پوشاک شریف کہ عام لوگ ان کی حالت سے بے خبری کے باعث ان کو دولت مند سمجھتے ہیں مگر وہ محتاج ہوتے ہیں بعض حضرات نے کہا ہے کہ مطلقاً سوال کی نفی نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ دینے والوں کو تنگ نہیں کرتے سوال کرتے ہیں تو نرمی سے سوال کرتے ہیں۔ مگر یہ مطلب تعفف کے منافی ہے ایک ضروری بات اور بھی یاد رکھنی چاہئے کہ حق دار کا یہ مطلب نہیں کہ ان کے علاوہ کسی دوسرے کو نہ دو بلکہ صدقات کا ایک خاص ضابطہ ہے کہ ضرورت اور احتیاج کا اندازہ لگا لیا جائے کبھی ایک خاص سبب کی وجہ سے فقراء کا ایک گروہ زیادہ مستحق ہوتا ہے۔ اور کسی دوسرے مخصوص سبب کی وجہ سے دوسرے گروہ کو ترجیح ہوتی ہے۔ یہاں بھی یہی مطلب ہے کہ اصل میں تو یہی لوگ مستحق ہیں لیکن کسی اور عارض کی وجہ سے یا کسی اور ضرورت کے پیش نظر ان کے علاوہ دوسروں کو دینے میں ثواب کا زیادہ ہونا ممکن ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی بڑا ثواب ہے ان کا دینا جو اللہ کی راہ میں اٹک گئے ہیں کما نہیں سکتے۔ (باقی ضمیمہ میں)

وَجْهِ اللّٰهِ ۗ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ

نہیں کرتے اور تم اپنے مال میں سے جو کچھ بھی خیرات کروگے تو اس کا ثواب تم کو پورا پورا پہنچا دیا جائیگا اور تمہارے

لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۲﴾ لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ

حق میں کمی نہیں کی جائے گی ف صدقات کے اصل حقدار وہ فقراء ہیں جو جہاد کی غرض سے

سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ

پابند کردیئے گئے ہیں یہ لوگ کہیں ملک میں جا آ نہیں سکتے ان کے سوال نہ کرنیکی وجہ سے

يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُهُمْ

ناواقف شخص ان لوگوں کو مالدار سمجھتا ہے اے مخاطب تو ان کے فقر کو انکے چہرے کی علامت سے

بِسِيْمٰهُمْ ۚ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا

پہچان سکتا ہے وہ لوگوں سے لپٹ لپٹ کر سوال نہیں کرتے پھرتے اور مال میں سے جو کچھ بھی

مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۷۳﴾ ع الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ

تم خیرات کرتے ہو وہ یقیناً اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے ف جو لوگ رات اور دن پوشیدہ

اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ

اور علانیہ اپنے مال خیرات کیا کرتے ہیں تو ان کے رب کے پاس ان کا

عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۴﴾

ثواب محفوظ ہے اور ان پر نہ کسی قسم کا خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ

جو لوگ سود خوار ہیں وہ نہیں اٹھیں گے مگر جیسے وہ شخص اٹھتا ہے جسکو آسیب نے

الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ۭ ذٰلِكَ

چٹ کر حواس باختہ کردیا ہو یہ سزا ان کو اس لئے ہوگی

بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ

کہ انھوں نے کہا تھا کہ بیع بھی تو مثل سود کے ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بیع کو

ع ۳۷ رکوع ۵

وقف منزل

وقف لازم

ف۱ اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا اور صدقات کو بڑھاتا ہے اور صدقات کی پرورش کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کسی ناسپاس کفر کرنیوالے گناہ کرنیوالے کو پسند نہیں کرتا (تیسیر) مطلب صاف ہے کہ سود کو ہماری حمایت اور ہمدردی حاصل نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ سود کو مٹانے کے درپے ہے اگر دنیا میں سود خوار کو مالی نقصان نہ بھی ہو تو آخرت میں تو یقیناً خالی ہاتھ بلکہ مجنون و پاگل ہو کر اُٹھے گا۔ اور دنیا میں بھی اتنا تو ہوتا ہی ہے کہ سود خوار کے مال میں برکت نہیں ہوتی اور سود خوار کی طبیعت میں اس جرم سے بہت سی اخلاقی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ لالچ حرص۔ بخل۔ بے رحمی۔ طاعت کی توفیق کا سلب ہو جانا یہ وہ بیماریاں ہیں جو ہر شخص کو سود خوار میں نظر آتی ہیں۔ ہاں سود کے مقابلہ میں صدقات وخیرات کو ہماری سرپرستی حاصل ہے۔ ہم صدقات کرنیوالوں کے مال کو بڑھاتے ہیں اور ان کے ثواب کو زیادہ کرتے ہیں حدیث میں آتا ہے جس نے اپنی پاک کمائی سے ایک کھجور کے برابر صدقہ کیا تو اللہ تعالیٰ اُس کو قبول کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نہیں قبول کرتا مگر پاک چیز کو پھر اللہ تعالیٰ اُس صدقہ کو بڑھاتا اور پالتا ہے جیسے تم تم اپنی گھوڑی کے بچھڑے کو پالتے۔ مطلب یہ کہ جس طرح گھوڑی کے بچھڑے کی حفاظت کرتے ہو اور اس کی پرورش کا خیال رکھتے ہو اسی طرح اللہ تعالیٰ صدقہ دینے والوں کے صدقہ کی پرورش اور نگرانی کرتا ہے۔ طبرانی نے ابوبرزہ اسلمیؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ ایک روٹی کا ٹکڑا اللہ تعالیٰ کے پاس بڑھ کر اُحد پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے۔ اور حدیث میں آتا ہے کہ صدقہ دینے سے مال کم نہیں ہوتا۔ خلاصہ یہ ہے کہ سود کا مال خواہ بڑھتا ہوا نظر آئے مگر وہ حقیقتاً گھٹتا ہے اور صدقہ دینے سے مال خواہ کم ہوتا دکھائی دے مگر وہ بڑھتا اور زیادہ ہوتا ہے ہم نے دوسرے پارے میں بھی ایک موقعہ پر عرض کیا تھا۔ کہ قرآن کا ایک خاص فلسفہ اور خاص نظریہ ہے۔ دنیا تعداد کی کمی بیشی کو جانتی ہے۔ جو چیز تعداد میں زیادہ ہو اس کو زیادہ اور جو تعداد میں کم ہو اس کو کم سمجھا جاتا ہے لیکن قرآن کہتا ہے کہ تعداد کی کمی بیشی قابل اعتبار نہیں بلکہ یہ دیکھو کہ پاک کیا ہے اور ناپاک کیا ہے۔ حرام کیا ہے اور حلال کیا ہے لا یستوی الخبیث والطیب ولو اعجبك كثرة الخبيث یعنی ناپاک اور پاک دونوں برابر نہیں ہو سکتے خواہ ناپاک کی زیادتی اور کثرت کتنی ہی خوش نما معلوم ہوتی ہو۔ یہی وہ چیز ہے جس کا اپنے خاص انداز میں قرآن بار بار اعلان کرتا ہے اور یہی وہ چیز ہے جس کا دنیا کی مادی آنکھیں ہمیشہ انکار کرتی ہیں مگر یہ کہ خدا تعالیٰ جسکو صحیح فہم عطا کر دے وہ اُس کو سمجھتا اور دیکھتا ہے اس کو ہم اپنے الفاظ میں انوار و برکات کے سلب ہو جانے سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ حرام کے ارتکاب سے توفیق طاعت سلب ہو جاتی ہے۔ عمل کی برکت اور نور جاتا رہتا ہے۔ اور یہی وہ چیز ہے جو بحث مباحثہ سے سمجھ میں مشکل سے آتی ہے البتہ ارباب سلوک اور اصحاب ذوق اس کو خوب سمجھتے ہیں اس فلسفہ کو ظاہر کر دینے کے بعد آخر میں کفار اور اثیم سے بیزاری کا اظہار فرمایا۔ ہو سکتا ہے کہ کفار سے مراد وہ لوگ ہوں جو سود کو حلال اور بیع کی مثل کہنے پر اصرار کرتے ہوں اور اثیم سے وہ مراد ہوں جو حرام کے ارتکاب میں مشغول رہتے اور انہماک رکھتے ہوں اور ہو سکتا ہے کہ آیت عام ہو اور ہر ناسپاس اور مرتکب جرائم سے ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا ہو۔ حضرت حق جل مجدہٗ کی شان اس سے برتر اور بلند ہے کہ وہ کسی خوگر کفر اور جرائم پیشہ شخص کی جانب التفات فرمائے بلکہ وہ ایسے لوگوں کو ناپسند کرتا ہے اور ایسے نالائقوں کو دوست نہیں رکھتا۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی مال دار ہو کر محتاج کو قرض بھی مفت نہ دے جب تک سود نہ رکھ لے یہ نعمت کی ناشکری ہے (موضح القرآن)

اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ۚ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ

حلال کیا ہے اور سود کو حرام کر دیا ہے پھر جس شخص کے پاس اُس کے رب کی جانب سے نصیحت

رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ۗ وَاَمْرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ۗ وَ

پہونچ چکی اور وہ آئندہ کے لیے باز آ گیا تو جو گزر چکا اور اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے اور جو

مَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا

کوئی دوبارہ پھر وہی کرے تو ایسے ہی لوگ دوزخی ہیں وہ اس آگ میں

خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷۵﴾ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِى الصَّدَقٰتِ ۗ

ہمیشہ رہیں گے ف۱ اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے

وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ﴿۲۷۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

اور اللہ تعالیٰ کسی ناسپاس گنہگار کو پسند نہیں کرتا ف۲ البتہ جو لوگ ایمان

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا

لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور نماز کی پابندی کی اور زکوٰۃ

الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ

ادا کی تو ان کے رب کے پاس ان کا ثواب محفوظ ہے اور نہ ان کو کسی قسم کا

عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۷﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا

خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ف۳ اے ایمان والو

اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِىَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ

اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جو سود باقی رہ گیا ہے اُسے چھوڑ دو اگر تم تحقیقی

مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷۸﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ

ایمان دار ہو ف پھر اگر تم ایسا نہیں کرتے تو اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے

مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ

جنگ کا اعلان سن لو اور اگر تم توبہ کر لو تو تمہارے اصل مال تمہارے لئے ہیں

محق۔ محاق کے معنی ہیں تدریجی طور پر کسی چیز کا کم ہونا یہاں تک کہ وہ چیز بالکل ختم ہو جائے۔ جیسے چاند کا نور کم ہوتے ہوتے بالکل ختم ہو جاتا ہے بھلا جس چیز کے کم کرنے اور گھٹانے کے درپے خود حق تعالیٰ جل شانہٗ ہو اُس کو زیادتی اور بڑھوتری کا سبب سمجھنا اس سے بڑھ کر بھی کوئی نادانی ہو سکتی ہے (تسہیل) ف۲ البتہ جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لائے اور اعمالِ صالحہ بجالائے یعنی اوامر کو بجا لائے اور نواہی سے باز رہے اور خاص طور پر نماز کے پابند رہے اور زکوٰۃ ادا کرتے رہے تو ایسے لوگوں کا اجر ان کے رب کے پاس محفوظ ہے اور ایسے لوگوں کو اُن کا ثواب اُن کے رب کے ہاں ملے گا اور ان لوگوں کو نہ کسی قسم کا خوف ہوگا اور نہ یہ لوگ کبھی غمگین ہوں گے (تیسیر) اوپر کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے کافرانہ اقوال و افعال کی مذمت فرمائی تھی اور کافروں کے انجام کا ذکر کیا تھا (باقی ضمیمہ میں)

ف اور اگر مدیون صاحب عسرت اور تنگدست ہو تو اس کو اس کے خوش حال اور آسودہ حال ہونے تک مہلت دینے کا حکم ہے اور اس وقت تک کے لئے ایسے مدیون کو مہلت دینی چاہئے جس وقت تک اُس کا ہاتھ با فراغت ہو اور رہی یہ بات کہ تم اپنا قرض اور لینا بالکل ہی معاف کر دو اور مطالبہ ترک کر دو تو یہ تمہارے لئے مہلت دینے سے زیادہ بہتر اور بدرجہا اچھا ہے بشرطیکہ تم اس بہتری کو سمجھو اور تم کو معاف کر دینے کے ثواب کی خبر ہو (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ اگر مدیون تنگدست ہے تو اس کو مرفہ الحال ہونے تک مہلت دو۔ اور بالکل ہی قرض کو اس کے ذمہ سے معاف کر دینا یہ مہلت دینے سے زیادہ اچھا ہے اور ایسا کرنے میں مہلت دینے سے زیادہ ثواب ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس مہلت ہی کو تصدق فرمایا ہو اور مطلب یہ ہو کہ مہلت دیدیا کرو کیونکہ یہ مہلت دینا ایک قسم کا صدقہ ہے اور یہ صدقہ تمہارے لئے بہتر ہے واللہ اعلم عمران بن حصینؓ سے مرفوعاً منقول ہے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی مسلمان جو اپنے مدیون کی مدتِ دَین پوری ہونے کے بعد اس کو مہلت دیتا ہے تو مہلت کے ہر دن میں اس کو صدقہ کا ثواب ملتا ہے

اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿٢٧٩﴾ وَاِنْ كَانَ

نہ تم کسی پر زیادتی کرو اور نہ تم پر زیادتی کی جائے ف اور اگر مدیون تنگدست

ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ؕ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا

ہو تو اُس کو اُس کے خوش حال ہونے تک مہلت دینی چاہئے اور رہی یہ بات کہ تم اس تنگدست کو معاف ہی کر دو

خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٢٨٠﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا

تو یہ تمہارے لئے اور بھی بہتر ہے بشرطیکہ تم سمجھو ف اور اُس دن سے ڈرو جس دن تم سب خدا کی

تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ۖ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا

طرف لوٹائے جاؤ گے پھر ہر شخص نے جو کچھ کمایا ہے وہ اس کو پورا پورا

كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿٢٨١﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا

دیا جائے گا اور اُن پر کسی قسم کا ظلم نہیں کیا جائیگا ف اے ایمان والو

اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ؕ

جب تم آپس میں ایک مقررہ مدت کے لئے قرض کا معاملہ کرنے لگو تو اُس کو لکھ لیا کرو

وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۖ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ

اور لکھنے والے کو چاہئے کہ وہ تمہارے مابین انصاف کیساتھ لکھ دے اور کاتب لکھنے سے

اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ

انکار نہ کرے بلکہ جیسا کچھ اللہ تعالیٰ نے اسکو سکھایا ہے اس کے موافق لکھدیا کرے اور جس کے ذمہ حق ہے یعنی مدیون خود دستاویز

عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ

کا مضمون لکھوائے اور اس مدیون کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے جو اس کا پروردگار ہے اور لین دار کے حق میں کچھ کم نہ کرے

فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا

پھر اگر وہ مدیون کم عقل یا کمزور ہو یا دستاویز کا مضمون بتانے اور لکھوانے کی

اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ

صلاحیت نہ رکھتا ہو تو اس مدیون کا مختار کار انصاف کے ساتھ لکھوا دے ف

ع ٣٨ ٨ ٦

بہرحال ظاہر معنی وہی ہیں جو ہم نے پہلے ذکر کئے ہیں اور وہی عام مفسرین کی رائے ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ کہ قیامت کے دن عرشِ الٰہی کے سایہ میں سب سے پہلے اُس شخص کو جگہ دی جائے گی۔ جو تنگدست مدیون کو مہلت دیتا ہے یا اسکو معاف کر دیتا ہے اور اپنا مطالبہ یہ کہہ کر چھوڑ دیتا ہے کہ میرا جو کچھ تیرے ذمہ نکلتا ہے وہ میں اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور خوشنودی کی غرض سے تجھ پر صدقہ کرتا ہوں اور یہ کہہ کر قرضہ کی دستاویز کو جلا دیتا ہے اس روایت کو طبرانی نے نقل کیا ہے اسی طرح حضرت عثمان اور ابی الیسر وغیرہ سے مروی ہے کہ جس نے مقروض کو مہلت دی یا اس کے ذمے سے اپنے قرضہ کو گرا دیا تو یہ شخص قیامت کے دن عرشِ الٰہی کے سایہ میں ہوگا۔ حضرت ابو قتادہؓ کا ایک واقعہ ہے کہ وہ اپنے مقروض سے قرضہ مانگنے گئے تو وہ چھپ گیا اُنہوں نے اس سے دریافت کیا تو نے چھپنے کی کیوں کوشش کی۔ اُس نے کہا ناداری اور مفلسی کی وجہ سے ابو قتادہ نے کہا قسم کھا کر تو واقعی مفلس ہے اُس نے قسم کھائی کہ واقعی میں مفلس ہوں اس پر ابو قتادہ نے دستاویز منگا کر اس کے حوالے کر دی اور کہا میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ آپ فرماتے تھے جس نے تنگدست مقروض کو مہلت دی یا اس کو معاف کر کے سبکدوش کر دیا تو اللہ تعالیٰ اس شخص کو قیامت کی سختیوں سے نجات دے گا۔ مسلم کی وہ روایت تو مشہور ہی ہے کہ تم سے پہلے لوگوں میں سے ایک شخص کی فرشتے جب جان نکالنے آئے تو اس سے دریافت کیا کہ تو نے کوئی نیک کام کیا ہے اُس نے کہا میں نے تو کبھی کوئی بھلا کام نہیں کیا فرشتوں نے کہا یاد کر شاید تجھے کوئی اپنی نیکی یاد آجائے اُس نے کہا میں ایک کاروباری آدمی ہوں لوگوں کو قرض بھی دیا کرتا تھا لیکن جب میں اپنے کارندوں کو تقاضے کیلئے بھیجتا تھا تو یہ فہمائش کر دیا کرتا تھا کہ خوش حال مقروض کو مہلت دیدینا اور تنگدست کو درگزر کر دینا۔ شاید اللہ تعالیٰ مجھ سے درگزر فرمائے۔ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ موت کو حکم دیا کہ ہمارے اس بندے کو درگزر کر دو۔ اور اس کے ساتھ رحمت کا معاملہ کرو۔ بہرحال اس باب میں بہت سی روایتیں ہیں۔ البتہ یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ جس طرح قرض خواہ کو رعایت کرنے کا حکم ہے۔ اسی طرح مقروض کو بھی تاکید ہے کہ قرض کو ادا کر دے اور مقروض نہ مرے بخاری نے ابو موسیٰؓ سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ کبیرہ گناہوں کے بعد سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ کوئی بندہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے کہ وہ مقروض مرا ہو اور قرض کی ادائیگی کے لئے کچھ چھوڑ کے بھی نہ مرا ہو۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے بخاری اور مسلم نے روایت کی ہے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بندہ ادائیگی کی نیت سے قرض لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کا قرض ادا کر دیتا ہے اور جو لوگوں کا مال کھا جانے کی نیت سے قرض لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔ اور فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کوئی شخص اللہ کی راہ میں شہید کیا جائے پھر زندہ کیا جائے پھر شہید کیا جائے اور اُس کے ذمہ کسی کا دینا ہو تو وہ جب تک قرض ادا نہیں کر دیگا جنت میں نہ جاسکے گا۔ (باقی ضمیمہ میں)۔

بِالْعَدْلِ ۖ وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ ۖ
اور تم اپنے مردوں میں سے دو شاہدوں کو گواہ کر لیا کرو

فَإِنْ لَمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّنْ
اور اگر دو مرد میسر نہ ہوں تو جن گواہوں کو تم قابلِ اطمینان سمجھ کر پسند کرو ان میں سے ایک مرد اور دو

تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ
عورتیں گواہ ہو جائیں تاکہ ان دونوں عورتوں میں سے اگر ایک عورت بھول جائے تو

إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَىٰ ۚ وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا ۚ
دوسری اس کو یاد دلادے اور گواہ جب بُلائے جائیں تو انکار نہ کریں

وَلَا تَسْأَمُوا أَنْ تَكْتُبُوهُ صَغِيرًا أَوْ كَبِيرًا إِلَىٰ أَجَلِهِ ۚ
اور تم دَین کے کسی معاملہ کو اس کی مقررہ میعاد تک لکھنے سے اکتایا نہ کرو خواہ وہ دَین کا معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو

ذَٰلِكُمْ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ وَأَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَأَدْنَىٰ
یہ میعادی دستاویز کا لکھ لینا اللہ کے نزدیک بہت انصاف کی بات ہے اور گواہی کیلئے بھی یہ طریقہ بہت درست ہے اور اس بات سے

أَلَّا تَرْتَابُوا ۖ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيرُونَهَا
بھی قریب تر ہے کہ تم کسی شک و شبہ میں نہ پڑ جاؤ مگر ہاں کوئی سودا نقد اور دست بدست ہو جس کا تم آپس میں لین دین

بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَلَّا تَكْتُبُوهَا ۗ وَأَشْهِدُوا
کیا کرتے ہو تو اس معاملہ کے تحریر نہ کرنے میں تم پر کوئی گناہ نہیں اور ہاں اس قسم کی خرید و فروخت کے وقت بھی

إِذَا تَبَايَعْتُمْ ۚ وَلَا يُضَارَّ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ ۚ وَإِنْ
احتیاطاً گواہ کر لیا کرو اور نہ کسی کاتب کو نقصان پہنچایا جائے اور نہ کسی گواہ کو اور اگر تم

تَفْعَلُوا فَإِنَّهُ فُسُوقٌ بِكُمْ ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ وَيُعَلِّمُكُمُ اللَّهُ ۗ
ایسا کروگے تو یہ تمہارے لئے گناہ کی بات ہوگی اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اللہ تعالیٰ تم کو باہمی معاملات کی تعلیم دیتا ہے

وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٢٨٢﴾ وَإِنْ كُنْتُمْ عَلَىٰ سَفَرٍ وَلَمْ
اور اللہ تعالیٰ ہر شئی سے واقف ہے ف۱ اور اگر تم کہیں سفر میں ہو اور دستاویز لکھنے کو

ف۱ اور علاوہ دستاویز کے اپنے مَردوں میں سے دو شخصوں کو گواہ بھی کرلیا کرو یعنی دونوں شخص مسلمان ہوں۔ عاقل بالغ ہوں۔ آزاد ہوں اور عادل و دیندار ہوں۔ پھر اگر وہ دو گواہ جن کو تم اس معاملہ دین پر گواہ بنانا چاہتے ہو مرد نہ ہوں یعنی دو مرد میسر نہ آئیں تو ایک مرد اور دو عورتیں ایسے گواہوں میں سے گواہ کرلیا کرو جن کو تم دیندار اور معتبر ہونے کی وجہ سے پسند کرتے ہو یعنی فاسق اور قلیل المروۃ وغیرہ نہ ہوں ایک مرد کی جگہ دو عورتیں اس لئے مقرر کی گئی ہیں کہ اُن دونوں عورتوں میں سے کوئی ایک عورت شہادت دیتے وقت کچھ بھول جائے تو ان میں سے ایک دُوسری کو یاد دلادے اور اس طرح شہادت مکمل ہوسکے اور گواہ جب گواہ بننے کے لئے بلائے جائیں تو گواہ بننے سے انکار نہ کیا کریں اور تم اُس دَین کے میعادی معاملہ کو بار بار لکھنے سے اکتایا نہ کرو اور سستی نہ کیا کرو خواہ وہ دَین کا معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو بلکہ جو میعاد اہلِ معاملہ مقرر کریں اس میعاد تک کے لئے لکھ دیا کرو (تیسیر) شہداء جب طلب کئے جائیں تو انکار نہ کریں اس کے دو مطلب بیان کئے گئے ہیں ایک یہ کہ گواہ بننے کو بلائے جائیں دوسرا یہ کہ گواہی دینے کو بلائے جائیں ہم نے پہلی صورت اختیار کی ہے کیونکہ گواہی دینے کا حکم آگے آرہا ہے۔ گواہی دینے کو بلائے جائیں تو حاضری کا حکم وجوبی ہوگا اور گواہ بننے کو بلائے جائیں تو حاضری کا حکم استحبابی ہوگا ہم نے جو صورت اختیار کی ہے اس میں گواہ بننے والوں کو گواہ فرمانا باعتبار مایؤل کے فرمایا یعنی جن دو مَردوں کو بلایا ہے اگرچہ وہ بالفعل گواہ نہیں ہیں لیکن معاملہ کو سنتے ہی اور دستاویز پر اقرار لیتے ہی گواہ ہو جائینگے ان تکتبوہ کی ضمیر کے بھی تین مرجع ہو سکتے ہیں ایک حق۔ دوسرا دَین۔ تیسرا کتاب۔ یعنی چھوٹا ہو یا بڑا۔ یا دَین کا معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا۔ یا دستاویز چھوٹی ہو یا بڑی اُس کے لکھنے سے گھبرایا اور اکتایا نہ کرو۔ اسی طرح الیٰ اجلہ کی ضمیر کے بھی تین مرجع ہو سکتے ہیں۔ ہم نے ایک صورت اختیار کرلی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دستاویز تو صرف اس غرض کیلئے لکھوائی جاتی ہے کہ دستاویز کو دیکھ کر معاملہ کی تفصیل یاد آجائے ورنہ دعویٰ کے ثبوت کیلئے تو اصل گواہوں کی ضرورت ہے دستاویز ہو اور گواہ نہ ہوں تو حق ثابت نہ ہوگا اور گواہ ہوں مگر دستاویز نہ ہو تو حق ثابت ہو جائیگا بشرطیکہ گواہ گواہی کے وثیق ہوں یعنی مسلمانوں کے باہمی معاملات میں گواہ مسلمان ہوں عادل ہوں فاسق نہ ہوں۔ آزاد ہوں غلام نہ ہوں بالغ ہوں نابالغ نہ ہوں۔ جس کے حق میں گواہی دے رہے ہوں اُس کے عزیز نہ ہوں۔ جس کے خلاف گواہی دیں اس سے ان کی کوئی عداوت نہ ہو اور چونکہ دعویٰ کا ثبوت گواہوں پر موقوف ہے اس لئے ارشاد ہوا کہ دستاویز کی تحریر کے ساتھ دو گواہ بھی اپنے میں سے بنالیا کرو تاکہ وہ دستاویز کو سُن لیں یا واقعہ کا مشاہدہ کرلیں یا مدیون ان کے سامنے حق کا اقرار کرلے یا دستاویز کا مضمون سن کر ان گواہوں کے روبرو اس کی تصدیق کرے اور اس کی صحت کا اقرار کرلے بہرحال شہادت کی تفصیلات بھی فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے پھر ارشاد فرمایا اگر دو مرد مُوجود نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں گواہ بنالو۔ اور مَردوں کے نہ ملنے کا یہ مطلب ہے کہ دو نہیں ملتے ایک ملتا ہے یہ مطلب نہیں کہ کوئی مرد ملتا ہی نہیں یعنی نفی الشمول کا طریقہ مطلوب ہے شمول النفی کا نہیں لہٰذا اگر ایک مرد موجود ہو تو دو عورتیں ایک مرد کے قائم مقام ہو سکتی ہیں جبکہ حدود و قصاص کا مقدمہ نہ ہو عام طریقہ سے چونکہ عورتیں حافظہ کی کمزور ہوتی ہیں اور واقعات کو صحیح طور سے کم یاد رکھتی ہیں اور ان کے ذہن سے اکثر باتیں نکل جاتی ہیں یا صحیح طور پر بیان کرنے کی قدرت نہیں رکھتیں اس لئے دو عورتوں کو ایک مرد کے قائم مقام کر دیا گیا ہے۔ ان تضل احدٰھما تعلیل کے قائم مقام ہے اور یہ علۃ عدد کی بیان فرمائی جیسا کہ ہم نے تیسیر میں اشارہ کر دیا ہے ورنہ اصل علۃ تو تذکیر ہے لیکن ان کا بھول جانا چونکہ سبب ہے تذکیر کا اس لئے ضلال ہی کو علت قرار دیدیا۔ بھولنے کا مطلب بھی یہ ہے کہ واقعہ یا واقعہ کا کچھ حصہ ذہن سے نکل جائے تو دوسری یاد دلادے اور اس طرح شہادت کی تکمیل ہو جائے ممن ترضون کا مطلب ہم نے تیسیر میں ظاہر کر دیا ہے کہ شہادت کے اہل ہوں اور تم ان کو عادل اور معتبر ہونے کی وجہ سے پسند کرتے ہو۔ ولا تسئموا ان تکتبوہ۔ میں نے تین احتمال عرض کئے تھے ان تینوں احتمالات کی گنجائش ہے یعنی دَین کے معاملہ کو یا حق کے معاملہ کو لکھنے سے ملول نہ ہو کرو اور اکتایا نہ کرو خواہ دَین کا معاملہ یا وہ حق چھوٹا ہو یا بڑا ہو۔ اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ دستاویز کے لکھنے سے اکتایا نہ کرو خواہ وہ دستاویز چھوٹی ہو یا بڑی ہو اُس کی طے شدہ میعاد تک کے لئے لکھ دیا کرو۔ (باقی ضمیمہ میں)

تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوضَةٌ ۖ فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُم

کاتب نہ پاؤ تو کوئی چیز باقبضہ رہن کردیجائے اور اگر ایسے موقعہ پر تم میں سے ایک دوسرے کا

بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ أَمَانَتَهُ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ

اعتبار کرلے تو جس شخص کا اعتبار کیا گیا ہے یعنی مدیون اسکو چاہئے کہ اعتبار کرنیوالے کا حق پورا پورا ادا کردے اور اُس اللہ

رَبَّهُ ۗ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۚ وَمَن يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ

تعالیٰ سے ڈرتا رہے جو اُس کا پروردگار ہے اور شہادت کو چھپایا نہ کرو اور جو شہادت کو چھپائیگا تو یقیناً

آثِمٌ قَلْبُهُ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿٢٨٣﴾ لِّلّٰهِ مَا فِي

اُس کا قلب مجرم ہوگا اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اُس سب سے واقف ہے ف جو کچھ آسمانوں میں ہے

السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَإِن تُبْدُوا مَا

اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ ہی کی ملک ہے اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے

فِي أَنفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ يُحَاسِبْكُم بِهِ اللّٰهُ ۖ

تم اُس کو ظاہر کردو یا چھپائے رکھو اللہ تعالیٰ تم سے اس کا محاسبہ کرے گا

فَيَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ ۗ وَ

پھر جس کو چاہے بخش دے گا اور جس کو چاہے عذاب کرے گا اور

اللّٰهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٨٤﴾ آمَنَ الرَّسُولُ

اللہ تعالیٰ ہر شئی پر پوری طرح قادر ہے ف رسول پر جو کچھ اُس کے رب کیجانب سے

بِمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مِن رَّبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ ۚ كُلٌّ

نازل کیا گیا ہے وہ اس پر یقین لایا اور مومنین بھی اُس پر یقین لائے یہ سب کے سب

آمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَا

اللہ تعالیٰ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اُس کی کتابوں پر اور اُس کے رسولوں پر ایمان لائے کہتے ہیں کہ ہم

نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِ ۚ وَقَالُوا سَمِعْنَا وَ

اُس کے رسولوں پر ایمان لانے میں کسی رسول کی تفریق نہیں کرتے اور ان سب نے یوں کہا ہم نے سُنا اور

ع ۳۹ / ۷

ف۱ اور اگر تم دَین کا معاملہ کرتے وقت کہیں سفر میں ہو اور دستاویز لکھنے کو کاتب نہ پاؤ یعنی دستاویز کی تکمیل دشوار اور ناممکن ہو تو ایسی حالت میں رہن رکھنے کی کوئی چیز جو مدیون دائن کے قبضہ میں دیدے تاکہ اس سے لین دار کو اطمینان حاصل ہو جائے اور اگر ایسے موقعہ پر تم آپس میں ایک دوسرے کا اعتبار کرو اور رہن کی ضرورت نہ سمجھو تو جس شخص کا اعتبار کیا گیا ہے یعنی مدیون اُس کو چاہئے کہ جس شخص نے اعتبار کیا ہے یعنی دائن اس کا حق پورا پورا ادا کردے اور اللہ تعالیٰ سے جو اُس کا پروردگار ہے ڈرے اور شہادت کو چھپایا نہ کرو اور جو شخص شہادت کا اخفا کرے گا اور گواہی کو چھپائے گا تو اس کا قلب مجرم و گنا ہگار ہوگا اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اُس سب سے واقف ہے (تیسیر) رہن کے معنی ہیں کسی شے کو روک لینا۔ شریعت میں اُس چیز کا نام ہے جو کسی ایسے حق کے بدلے میں روکی جائے جس حق کا اُس سے پورا وصول کرنا مقصود ہو اس لئے فقہا نے کہا ہے۔ رہن ایک ایسا عقد لازم ہے جس کا استرداد راہن کو مرتہن سے اُس وقت تک جائز نہیں ہے جب تک مرتہن کا ایک درہم بھی باقی ہے جو شخص کوئی چیز رہن رکھے اس کو راہن اور جس کے پاس رکھی جائے اُس کو مرتہن اور جو شئے رکھی جائے اُس کو مرہون کہتے ہیں۔ رہن کے عقد میں بھی ایجاب اور قبول ضروری ہے اور دَین کی تکمیل اس وقت ہوتی ہے جب مرتہن شئی مرہون پر قبضہ کرلے جب تک مرتہن کا مرہون پر قبضہ نہ ہو جائے رہن کا عقد صحیح نہ ہوگا چونکہ عام طور پر سفر میں لکھنے پڑھنے اور گواہوں کے ملنے میں دشواری ہوتی ہے اس لئے رہن کے معاملہ کو سفر کے ساتھ مقید فرمایا ورنہ یہاں حقیقی شرط مراد نہیں ہے۔ لہٰذا جس طرح سفر میں رہن کا معاملہ جائز ہے اسی طرح حضر میں بھی جائز ہے اور جس طرح کاتب میسر نہ آنے کی صورت میں جائز ہے اسی طرح کاتب کی موجودگی میں بھی رہن کا معاملہ جائز اور درست ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زرہ کا واقعہ مشہور ہے جو ایک یہودی کے پاس رہن تھی یہودی کا نام ابوالشحم تھا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس صاع جَو کے بدلے میں اپنی زرہ رہن رکھی تھی اور اپنے اہل و عیال کے لئے اس سے جَو حاصل کئے تھے اور جب حضورؐ کی وفات ہوئی تو آپ کی زرہ مرہون تھی اور ظاہر ہے کہ یہ معاملہ مدینہ منورہ میں ہوا تھا جو حضر بھی تھا اور وہاں کاتب کا میسر آنا بھی دشوار نہ تھا ولم تجدوا کاتباً کا یہ مطلب ہے کہ دستاویز کی ترتیب دشوار اور ناممکن ہو مثلاً کاتب موجود ہے مگر قلم اور دوات موجود نہیں یا قلم دوات بھی ہے لیکن کاغذ نہ ملے یا کاتب موجود ہے لیکن وہ اچھی طرح کتابت نہیں کرسکتا یہ سب صورتیں ولم تجدوا کاتباً کو شامل ہیں فرھٰن مقبوضۃ کے معنی بھی کئی طرح ہو سکتے ہیں یعنی سفر ہو اور کتابت کی دشواری ہو تو جس چیز پر اعتماد اور اعتبار کیا جائے وہ رہن باقبضہ ہے یا یوں ترجمہ کیا جائے تو پھر وہ شخص صاحب حق ہو وہ کوئی چیز رہن رکھ لے یا یوں ترجمہ کیا جائے کہ اگر سفر ہو اور لکھنے کی دشواری ہو تو تم لوگ باہمی اطمینان کیلئے رہن رکھنے کی چیزوں میں سے کوئی چیز صاحب حق کے پاس رہن رکھ دو ہم نے ترجمہ اور تیسیر میں تینوں معنی کی رعایت رکھی ہے اگرچہ مطلب سب کا یکساں ہے رہن کی تجویز کے بعد پھر ارشاد فرمایا کہ یہ شکل اطمینان کی غرض سے ہے ورنہ اگر باہم تم ایک دوسرے پر بلا دستاویز اور گواہ اور بلا رہن کے اعتبار کرلو تو پھر نہ دستاویز اور گواہ بنالے کی ضرورت ہے اور نہ کسی چیز کو گرو رکھنے کی ضرورت ہے البتہ ایسی صورت میں اس امر کا خیال رکھنا چاہئے کہ صاحب حق جس نے مدیون کا اعتبار کیا ہے اُس کا حق ٹھیک ٹھیک اُسی طرح ادا کیا جائے جس طرح کسی کی امانت ادا کی جاتی ہے۔ دَین کو امانت محض ایک خاص نسبت کی وجہ سے فرمادیا یعنی جس طرح امانت امین پر لازم ہوتی ہے اسی طرح دَین بھی مدیون پر لازم ہوتا ہے ورنہ دین اور امانت میں جو فرق ہے وہ ظاہر ہے۔ اپنے بعض اکابر نے امانتہٗ کی ضمیر کا مرجع مدیون کو قرار دیکر یوں ترجمہ کیا ہے کہ پھر وہ شخص جس کا اعتبار کیا گیا ہے اپنے اعتبار کو پورا کرے۔ یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے بہرحال مطلب یہ ہے کہ ایسی حالت میں جبکہ محض اعتبار اور شخصی بھروسہ پر کوئی معاملہ کیا جائے تو اس کی ادائیگی میں یہ سمجھ کر کوتاہی نہ کی جائے کہ نہ دستاویز اور گواہ ہیں نہ کوئی چیز رہن ہے تو ہم سے کوئی کیا لے لیگا (باقی ضمیمہ میں)

ف۱ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو تکلیف نہیں دیتا اور کسی کو مکلف نہیں بناتا مگر اس کی بساط اُس کی وسعت اور اُس کی طاقت و اختیار کے موافق یعنی جتنی گنجائش ہوتی ہے اتنا ہی ہر شخص کو مکلف بنایا جاتا ہے ہر شخص کو نفع اور ثواب بھی اُس کا ملتا ہے جو اُس نے کمایا اور ہر شخص پر وبال اور عذاب بھی اُسی کا ہوتا ہے جو اُس نے کوشش کر کے کمایا۔ جن مسلمانوں کا اوپر ذکر ہوا ہے وہ یوں دعا کرتے ہیں اے ہمارے پروردگار اگر ہم بھول جائیں یا چوک جائیں تو بھول اور چوک پر ہماری گرفت نہ کیجئے اور ہم سے مواخذہ نہ کریئے اے ہمارے پروردگار ہم پر کسی ایسے شاق اور سخت حکم کا بارنہ ڈالئے جیسا آپ نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا یعنی جس طرح ہم سے پہلوں پر اُن کی نافرمانیوں کے باعث سخت احکام بھیجے گئے ہم کو اُن احکام شاقہ سے محفوظ رکھئے اے ہمارے پروردگار ہم سے ویسا بارِ گراں اٹھوائیے اور ہم پر وہ بوجھ نہ ڈالئے جس کی برداشت ہم سے نہ ہو سکے اور جس کے اٹھانے کی ہم کو طاقت نہ ہو یعنی دنیا اور آخرت میں ایسے مصائب اور ایسی بلاؤں سے ہم کو محفوظ رکھئے جن کی سہار ہم سے نہ ہوسکے ہم سے درگزر کیجئے اور ہم کو بخش دیجئے یعنی ہماری پردہ پوشی کیجئے اور ہم کو رسوا نہ کیجئے۔ اور ہم پر رحم فرمایئے آپ ہمارے آقا اور مولیٰ اور کارساز ہیں۔ اور جب ہم آپ کے غلام اور آپ ہمارے مولا ہیں تو کافروں کے مقابلہ میں ہماری مدد فرمایئے اور ہمارے دشمنوں پر ہم کو غلبہ عنایت کیجئے اور کافر لوگوں پر ہم کو غالب فرمایئے (تیسیر) لا یکلف اللہ نفسا کا مطلب یہ ہے کہ امورِ شرعیہ میں کسی شخص کو ایسا حکم نہیں دیا جاتا جو ناقابلِ برداشت اور انسان کی قدرت سے باہر ہو۔ قدرت سے مراد یہاں، وہ قدرت ہے جس پر احکام شرعیہ کی بنا رکھی گئی ہے۔ جیسا کہ ہم نے ختم اللہ علیٰ قلوبھم اور ان الذین کفروا سوآء کی آیت میں اشارہ کیا تھا اور یہی وہ قدرت ہے جو فعل سے قبل ہر شخص میں موجود ہوتی ہے اور یہی وہ قدرت ہے جس کی بنا پر ہر کافر کو ایمان کی دعوت دی جاتی ہے خواہ وہ فرعون ہو یا ابوجہل اور یا وہ اُن کافروں میں سے ہو جن کے متعلق حضرت حق نے لایؤمنون فرمایا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قدرت اور طاقت سے کم تکلیف دی جاتی ہے مثلاً ظہر اور عصر میں چھ رکعتیں پڑھنے کی بھی طاقت تھی مگر چار مقرر فرمائیں۔ خلاصہ یہ کہ احکام شرعیہ ہر انسان کی وسعت کے موافق ہوتے ہیں یا وسعت و طاقت کی حد سے بھی کم ہوتے ہیں تاکہ ان کا پورا کرنا اور بجا لانا آسان ہو اور شرعیہ کی تصریح فقیر نے اس لئے کی کہ یہاں اُن کی ہی بحث ہے اور اُن ہی سے متعلق یہ بتانا ہے کہ اگر امورِ شرعی طاقت سے باہر ہوتے تو انسان اُن کے بجا لانے سے قاصر رہتا اور اس کو آخرت میں نقصان ہوتا اور محض ضرر و نقصان حضرت حق کے فضل و کرم کے منافی ہے باقی امورِ شرعیہ کے علاوہ دوسرے آلام و مصائب اور دُکھ درد وغیرہ جو کفارۂ سیأت یا رفع درجات کا سبب ہوتے ہیں وہ نہ یہاں زیرِ بحث ہیں اور نہ وہ حضرت حق کے فضل و کرم کے منافی ہیں۔ لھا ما کسبت وعلیھا ما اکتسبت کا مطلب یہ ہے کہ نفع و نقصان اور ثواب و عذاب کا تعلق اُن ہی اُمور کے ساتھ ہے جو انسان اپنے قصد اور ارادے سے کرے اعمال خواہ اچھے ہوں یا بُرے قلب کے ہوں یا اعضا کے وہی اعمال لائق ثواب اور قابلِ عذاب ہوں گے جو اختیاری ہوں گے اور انسان نے اپنے قصد اور ارادے سے جان بوجھ کر کئے ہوں گے۔ کسب اور اکتساب میں تھوڑا سا فرق ہے اکتساب میں ذرا مشقت اور جد و جہد زیادہ ہے۔ چونکہ انسان بُرائی کو شوق سے کرتا ہے اور خواہشات نفسانی کو پُورا کرنے کی غرض سے ہر قسم کی تکلیف کو برداشت کر لیتا ہے اس لئے اکتساب کے ساتھ وبال اور عذاب کو بیان کیا اور کسب کے ساتھ نفع کا ذکر فرمایا جیسا کہ لھا ما کسبت اور علیھا ما اکتسبت سے ظاہر ہے اگرچہ قرآن میں خیر کیلئے اکتساب اور شر کیلئے کسب کا بھی استعمال ہوا ہے مگر یہاں کسب سے مراد اُمورِ خیر اور اکتساب سے مراد امورِ شر ہیں جو بات ما فی انفسکم سے پیش آئی تھی اور جو شبہ افعالِ اختیاری اور غیر اختیاری پر دارو گیر اور محاسبہ کا پیش آیا تھا وہ قرآن کے ان دونوں جملوں سے دور ہو گیا بلکہ اس کے ساتھ بطور قاعدہ کلیہ خطا اور نسیان کا بھی استثنیٰ ہو گیا۔ کیونکہ ایک شخص باوجود کوشش کے کسی چیز کو بھول گیا اور قوتِ حافظہ نے اُس چیز کو فراموش کر دیا تو یہ بھی انسانی اختیار سے باہر ہے۔ اور اسی طرح کرنا کچھ چاہتا تھا اور بلا قصد ہو گیا کچھ (باقی ضمیمہ میں)

اَطَعْنَا ۫ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸۵﴾ لَا

خوشی سے قبول کیا اے ہمارے پروردگار ہم تیری مغفرت کے آرزومند ہیں اور تیری ہی طرف سب کی بازگشت ہے۔ ف۱

يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۭ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ

اللہ تعالیٰ کسی شخص کو تکلیف نہیں دیتا مگر اُس کی بساط کے موافق اس کی کمائی کا نفع بھی اسی کے لئے ہے اور

عَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ۭ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ

اُس کے کئے کا وبال بھی اُسی پر ہے اے ہمارے پروردگار اگر ہم بھول جائیں یا چوک جائیں تو

اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا

ہم سے اُس پر مواخذہ نہ کر اے ہمارے پروردگار ہم پر کسی ایسے سخت حکم کا بار نہ ڈال جیسے

حَمَلْتَهٗ عَلَي الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا

ہم سے پہلوں پر تو نے ڈالا تھا اے ہمارے پروردگار ہم سے وہ بارِ گراں نہ اٹھوا

طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۪ وَاغْفِرْ لَنَا ۪ وَارْحَمْنَا ۪

جس کے اٹھانے کی ہم میں طاقت نہ ہو اور ہم سے درگزر فرما اور ہم کو بخش دے اور ہم پر رحم فرما

اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَي الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۸۶﴾ ع

تو ہمارا آقا ہے لہٰذا ان لوگوں کے مقابلہ میں جو کافر ہیں ہماری مدد فرما

سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرٰنَ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ مِائَتَا اٰيَةٍ وَعِشْرُوْنَ رُكُوْعًا

سورۂ آلِ عمران مدنی ہے اور یہ دو سو آیتیں اور بیس رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے۔

الٓمّٓ ﴿۱﴾ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ الْـحَيُّ الْقَيُّوْمُ ﴿۲﴾ ۭ نَزَّلَ

الٓمّٓ اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ زندہ ہے ہمیشہ تھمنے والا ہے۔ اُس نے آپ پر

عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ

کتاب نازل فرمائی جو حق و صداقت پر مشتمل ہے وہ کتاب ان کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے نازل ہو چکی ہیں

ع ۴۰ ۳ ۸

ف۱ اللہ تعالیٰ ایسا ہے اور اللہ تعالیٰ کی شان ایسی ہے کہ اُس کے سوا کوئی دوسرا مستحقِ عبادت نہیں اور اُس کے سوا کوئی دوسرا معبود بنانے کے قابل نہیں وہ زندہ ہے اس کو کبھی موت نہیں آئے گی وہ خود قائم رہنے والا اور تمام کائنات کا سنبھالنے والا ہے۔ اُسی نے اے پیغمبر آپ پر یہ کتاب یعنی قرآن نازل کیا ہے جو حق و صداقت پر مشتمل اور اُن کتبِ سماویہ کی جو اس قرآن سے پہلے نازل ہوئی تھیں تصدیق کرنیوالا اور اُن کو سچا کرنے والا ہے اور اُسی نے اے پیغمبر اس قرآن سے پہلے لوگوں کی ہدایت اور رہنمائی کیلئے توریت اور انجیل کو نازل فرمایا تھا اور اُسی نے فرقان یعنی حق و باطل میں فرق پیدا کرنے والی چیزیں نازل فرمائیں یقین جانو جو لوگ نشاناتِ خداوندی اور آیاتِ الٰہی کو قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں اُن کو سخت سزا ملنے والی ہے اور اللہ تعالیٰ کمال قوت کا مالک اور مجرموں سے بدلا لینے والا ہے (تیسیر) الحی القیوم کو آیت الکرسی کی تفسیر میں بیان کر چکے ہیں حی وہ جو کبھی مرنے والا نہیں ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے۔ قیوم۔ خود قائم رہنے والا اور دوسروں کی حفاظت کرنیوالا کائنات عالم کا سنبھالنے والا اور ہر شی کی تدبیر کرنے والا۔ وغیرہ۔ حق کے معنی اصل تو مطابقت اور موافقت کے ہیں لیکن قرآن میں بہت سے معنیٰ کیلئے استعمال ہوا ہے۔ یہاں عدل ، صدق اور دلائل قطعیہ حقیقیہ کے معنیٰ کئے گئے ہیں۔ یعنی اس قرآن کے تمام احکام مبنی بر انصاف ہیں یا اس میں جو واقعات بیان کئے گئے ہیں وہ مبنی بر صداقت ہیں۔ یا اس کے تمام دلائل قطعی اور یقینی ہیں اور اس بات کو ظاہر کرتے ہیں کہ یہ کتاب اللہ کی جانب سے آئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مستحقِ عبادت نہیں ہے کیونکہ وہ ہمیشہ زندہ رہنے والا اور تمام کائناتِ عالم کو سنبھالنے والا ہے اور چونکہ یہ صفات اس کے علاوہ کسی دوسرے میں نہیں ہیں اس لئے وہی مستحقِ عبادت بھی ہو سکتا ہے۔ آیت کے پہلے ٹکڑے میں توحید کا دعویٰ ہے اور دوسرے حصہ میں اس کی دلیل ہے۔ آگے نقلی دلیل کا ذکر ہے کہ جس طرح قرآن توحید کا مدعی ہے اسی طرح دوسری کتبِ سماویہ میں بھی یہی مذکور ہے اور وہ کتابیں بھی ہماری جانب سے نازل کردہ ہیں وہ توریت ہو یا انجیل سب آسمانی کتابیں اللہ تعالیٰ کی توحید اور اُس کی وحدانیت کی طرف دعوت دیتی ہیں تو جب نقلی دلیل سے بھی یہی ثابت ہے اور تمام آسمانی کتابوں نے بھی وہی بات کہی ہے جو قرآن کہتا ہے اس لئے قرآن کی اس بات کا انکار نہ کرو بلکہ شرک سے توبہ کر کے کتبِ سماویہ کی بتائی ہوئی توحید پر ایمان لاؤ۔ قرآن کو تصدیق کرنے والا فرمایا یا تو اسلئے کہ اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اور ان کو منزل من اللہ بتاتا ہے یا یہ مطلب ہے کہ قرآن چونکہ خود سابقہ کتبِ سماویہ کی پیشین گوئی کے موافق ہے اس لئے ان کو سچا کرتا ہے کہ جیسا انھوں نے اپنے زمانے میں بتایا تھا ویسا ہی ہوا۔ حق و باطل میں فرق کرنیوالی چیزیں دوسری کتبِ سماویہ ہیں۔ یا معجزات ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فرقان سے زبور مراد ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خود قرآن مراد ہو اور قرآن کی عظمتِ شان کی وجہ سے اس کا مکرر ذکر فرمایا ہو واللہ اعلم۔ دلائل عقلیہ اور نقلیہ کے بعد فرماتے ہیں کہ جو لوگ

وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۝۳ مِنْ قَبْلُ هُدًى

اور اُس نے توریت اور انجیل کو۔ اس کتاب سے پہلے لوگوں کی ہدایت کیواسطے نازل کیا تھا

لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ؕ۵ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ

اور اُسی نے حق و باطل میں امتیاز کرنیوالی چیزیں نازل فرمائیں بے شک جو لوگ اللہ کی آیتوں کے

اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝۴

منکر ہوئے ان کیلئے سخت عذاب ہے اور اللہ تعالیٰ بڑا زبردست اور صاحب انتقام ہے ف۱

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي

یقیناً اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے نہ زمین میں اور

السَّمَآءِ ؕ۵ هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ

نہ آسمان میں - وہی تو ہے جو رحم مادر میں تمہاری صورت جس طرح چاہتا ہے

يَشَآءُ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۶ هُوَ الَّذِيْٓ

بناتا ہے اُس کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں وہ بڑا زبردست بڑی حکمت والا ہے ف۲ وہ ذات وہ ہے

اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ

جس نے آپ پر کتاب یعنی قرآن نازل فرمایا اس کتاب کی بعض آیات تو واضح اور محکم ہیں وہی آیتیں

اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ

اس کتاب کی اصل اور بنیاد ہیں اور بعض دوسری آیتیں ایسی ہیں جو مختلف معنی کو شامل ہیں سو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ کتاب کی انہی

زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ

آیتوں کے پیچھے پڑے رہتے ہیں جو مختلف المعنیٰ اور مختلف المراد ہیں تاکہ کوئی فتنہ برپا کرنے کی راہ نکال لیں

وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ۚ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ؔ

اور نیز اس لئے کہ اس مشتبہ المراد کا مطلب تلاش کریں حالانکہ اس کا حقیقی مفہوم کوئی نہیں جانتا مگر اللہ تعالیٰ

وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ

اور پختہ کار اہل علم یوں کہتے ہیں کہ ہم ان آیات متشابہات پر یقین رکھتے ہیں ہر ایک محکم

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم
وقف لازم وقف منزل

اللہ تعالیٰ کے اس قدر صاف و صریح احکام کی خلاف ورزی کریں گے وہ سخت ترین سزا کے مستحق ہوں گے آخر میں فرمایا اللہ تعالیٰ کمال قوت اور بے پناہ طاقت کا مالک ہے مجرم اس کی گرفت سے بچ کر کہیں جا نہیں سکتا اور چونکہ وہ صاحبِ انتقام ہے اس لئے ہر مشرک سے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اُس کی مخلوق کو شریک کرتا ہے بدلہ لیگا۔ یعنی بدلہ لے بھی سکتا ہے اور بدلہ لیگا بھی (تسہیل)

ف۲ بلاشبہ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز نہ زمین میں پوشیدہ ہے اور نہ آسمان میں وہی تو ہے جو تمہاری ماؤں کے پیٹ میں تمہاری صورت جس طرح چاہتا ہے بناتا ہے اُس کے سوا اور کوئی حقیقی معبود اور مستحقِ عبادت نہیں وہ کمال قوت اور کمال حکمت کا مالک ہے (تیسیر) توحید باری پر ایک اور دلیل بیان فرمائی جس سے اس کا کمال علم اور کمال قدرت معلوم ہوا۔ علم کی یہ حالت ہے کہ زمین و آسمان کی کوئی حقیر سے حقیر چیز بھی اُس سے مخفی اور چھپی ہوئی نہیں تصرفات کا یہ عالم کہ ماں کے رحم میں بھی اُس کی صفتِ خالقیت کی کارفرمائیاں جاری ہیں (باقی ضمیمہ میں)

ف اللہ تعالیٰ کی وہ ذات ہے جس نے آپ پر کتاب یعنی قرآن نازل فرمایا اس قرآن میں دو طرح کی آیتیں ہیں کچھ آیتیں اس قرآن میں سے محکمات ہیں یعنی جن کی مراد میں اشتباہ اور ان کے مطلب میں خفا نہیں ہے بلکہ ان کا مطلب ظاہر ہے اور وہ آیات محکمات قرآن و احکام کا اصلی مدار اور اصل بنیاد ہیں اور دوسری آیتیں متشابہات ہیں یعنی جن کا مطلب اور مفہوم خفی ہے اور اُن میں اشتباہ کی گنجائش ہے۔ لہٰذا جن لوگوں کے دلوں میں کجی اور ٹیڑھ پن ہے وہ قرآن کے اُس حصہ اور اُن آیات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں جو مختلف المعنی اور مشتبہ المراد ہیں۔ تاکہ یہ لوگ دین میں کوئی شورش و فتنہ تلاش کریں نیز ان کی یہ غرض ہوتی ہے کہ اس مشتبہ المراد کی کوئی غلط توجیہ اور تاویل تلاش کریں اور اس کو اپنے مطلب کے معنی پہنائیں حالانکہ ان مشتبہ المراد آیات کا اور قرآن کے اس مشتبہ المراد حصہ کا صحیح مفہوم سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا اور جو لوگ علم میں پختہ کار ہیں اور علم دین میں پختہ اور مضبوط ہیں وہ قرآن کے اس مشتبہ المراد حصہ کے متعلق یوں کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے اور ہم اس پر یقین رکھتے ہیں یہ سب ہمارے پروردگار ہی کی طرف سے ہے یعنی خواہ وہ ظاہر المعنی آیات ہوں یا اُن کے معنی خفی ہوں سب ہمارے رب کی جانب سے نازل شدہ ہیں۔ اور بات یہ ہے کہ کسی چیز سے صحیح سبق صرف وہی لوگ حاصل کرتے ہیں اور وہی لوگ نصیحت پکڑتے ہیں جو دانشمند اور اہل عقل و خرد ہیں (تیسیر) محکم کے اصل معنی روکنے کے ہیں۔ محکم مضبوط اور پختہ آیات محکمات سے یہاں قرآن کی وہ آیات مراد ہیں جو ہر قسم کے اشتباہ سے محفوظ ہوں۔ شبہ کے معنی مثل کے ہیں اسی سے تشابہ اور مشابہت ہے جو دو چیزیں آپس میں ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہوں وہاں بولا جاتا ہے۔ یہاں متشابہات سے مراد قرآن کی وہ آیات ہیں جن کے معنی اور جن کی مراد ظاہر نہ ہو تفصیل آگے عرض کی گئی زیغ کے معنی راستی اور استقامت سے مائل ہو جانا یعنی ایک طرف کو جھک جانا کج ہونا ٹیڑھا ہو جانا۔ عام طور سے قرآن نے اس کو قلب کی بیماریوں کیلئے استعمال کیا ہے۔ راہ مستقیم سے جب کسی بدنصیب انسان کا دل پھر جائے اور باطل کی جانب متوجہ ہو جائے تو اس موقعہ پر استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ سورۂ صف میں ہے۔ فلما زاغوا ازاغ اللہ قلوبھم ۔ رسخ کے معنی ثابت۔ پختہ۔ جمے ہوئے کے ہیں۔ راسخون فی العلم سے مراد وہ اہل علم ہیں جو اپنے علم میں نہایت مضبوط اور ہر قسم کے شبہات سے محفوظ ہیں اَول کے معنی ہیں کسی شی کا اپنی اصل کی طرف لوٹنا اور کسی چیز کو اُس کی غایت مراد کی طرف پھیرنا۔ اسی لئے تاویل کے دو معنی کئے جاتے ہیں ایک حقیقت شی اور ایک انجام شی مطلب آیت زیر بحث کا یہ ہے کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ نے آپ پر اے پیغمبر نازل فرمایا ہے اس کی آیات اپنے منطوق اور مفہوم کے اعتبار سے دو طرح کی ہیں ایک کا نام ان میں سے محکمات ہے اور یہی آیات اصل کتاب اور قرآن کی بنیاد ہیں اور دوسری آیات کا نام متشابہات ہے لہٰذا اب جن لوگوں کے دل میں زیغ اور کجی ہے وہ تو دین میں فتنہ اور فساد کی جستجو اور تلاش کی غرض سے ان آیات متشابہات ہی کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور اس غرض سے متشابہات کے پیچھے چلتے ہیں کہ اُن آیات کی حقیقت تلاش کریں اور اپنے مطلب کے معنی بیان کریں۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ ان کا صحیح اور حقیقی مفہوم سوائے اللہ تعالیٰ کے یا جس کو وہ بتائے اور کوئی دوسرا نہیں جانتا اور پختہ کار اہل علم کا قول یہ ہوتا ہے کہ ہم ان متشابہات پر ایمان رکھتے ہیں اس لئے کہ مقصود ان آیات سے یہی ہے کہ ان پر ایمان لائے۔ یہ سب کا سب قرآن خواہ محکمات ہو اور خواہ متشابہات سب ہمارے رب ہی کی جانب سے نازل ہوا ہے اور نصیحت کی باتیں صرف وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو عقل سلیم سے بہرہ مند ہیں۔ آیت کا مطلب سمجھ لینے کے بعد اس موقعہ پر چند گزارشات کا دل نشین کر لینا ضروری ہے۔ (۱) تشابہ کے معنی ہم نے آپس میں ملتی جلتی بتائے ہیں جس طرح ایک لفظ کے بہت سے معنی باہم ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔ اسی طرح قرآن کی تمام آیات اپنی خوبی اور اپنے حسن اور کمال فصاحت کی وجہ سے آپس میں ملتی جلتی اور باہم متشابہ ہیں اور چونکہ محکم کے معنی مضبوط کے ہیں اور قرآن کی تمام آیات کلام الٰہی ہونے کی وجہ سے پختہ مضبوط اور محکم ہیں اس لئے تمام آیات کو محکم بھی کہا جا سکتا ہے اور چونکہ قرآن کی تمام آیات کو حق ہونے کی وجہ سے محکم اور حسن و خوبی میں باہم مماثل ہونے کی وجہ سے

(باقی صفحہ میں)

عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ⑦ رَبَّنَا

اور متشابہ ہمارے رب ہی کی طرف سے ہے اور نصیحت صرف وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو صاحبان عقل و خرد ہیں۔ اے

لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا

ہمارے رب جب تو ہم کو ہدایت دے چکا تو اب ہدایت کے بعد ہمارے دلوں کو کجی میں مبتلا نہ کر اور اپنے

مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً ۚ إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ ⑧ رَبَّنَا

پاس سے ہم کو رحمت عطا فرما بے شک تو بڑا ہی دینے والا ہے۔ اے ہمارے پروردگار

إِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ

یقیناً تو سب لوگوں کو اس دن جمع کرنیوالا ہے جس دن کے واقع ہونے میں ذرا شک و شبہ نہیں بلا شبہ اللہ تعالیٰ

لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ ⑨ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ

وعدہ خلافی نہیں کیا کرتا ف یقین جانو جن لوگوں نے کفر کی روش اختیار کر رکھی ہے

عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۖ وَ

تو اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں نہ اُن کے مال کچھ کام آ سکتے ہیں اور نہ اُن کی اولاد اور

أُولَٰئِكَ هُمْ وَقُودُ النَّارِ ⑩ كَدَأْبِ آلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَ

ایسے ہی لوگ دوزخ کا ایندھن ہوں گے۔ ان لوگوں کا حال ایسا ہے جیسے فرعون والوں کا اور

الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ

اُن کا جو فرعون والوں سے پہلے تھے کہ اُنھوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی تھی پھر انجام یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اُنکو

بِذُنُوبِهِمْ ۗ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ⑪ قُلْ لِلَّذِينَ

ان کے گناہوں کی وجہ سے پکڑ لیا اور اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔ جن لوگوں نے کفر کا رویہ اختیار کر رکھا ہے

كَفَرُوا سَتُغْلَبُونَ وَتُحْشَرُونَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ ۚ وَ

آپ ان سے کہدیجئے کہ تم عنقریب مغلوب کئے جاؤ گے اور تم سب جمع کرکے دوزخ کی طرف ہانکے جاؤ گے اور وہ بہت

بِئْسَ الْمِهَادُ ⑫ قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئَتَيْنِ

ہی بری آرامگاہ ہے ف یقیناً ان دو جماعتوں میں جو باہم ایک دوسرے سے نبرد آزما ہوئی تھیں تمہارے لئے بڑی عبرت آموز

ع ۹ / ۹

الْتَقَتَا ؕ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَأُخْرَىٰ كَافِرَةٌ

نشانی تھی ایک جماعت تو اللہ کی راہ میں جنگ کر رہی تھی اور دوسرا فریق کافروں کا تھا جو

يَرَوْنَهُمْ مِثْلَيْهِمْ رَأْيَ الْعَيْنِ ۚ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهِ

صریح طور پر آنکھوں سے ان کو اپنے سے دو چند دیکھ رہے تھے اور اللہ تعالیٰ اپنی امداد سے

مَنْ يَشَاءُ ۗ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِأُولِي الْأَبْصَارِ ⑬

جسکو چاہتا ہے قوت دیتا ہے یقیناً اس واقعہ میں آنکھوں والوں کے لئے بڑی عبرت ہے

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ

لوگوں کے لئے اشیائے مرغوبہ کی محبت جیسے عورتیں اور بیٹے

وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ

اور سونے چاندی کے ڈھیر اور نشان دار گھوڑے

الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۗ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ

اور مویشی اور کھیتی باڑی بھلی اور خوش نما کر دی گئی ہے مگر یہ سب چیزیں دنیوی زندگی میں برتنے کا

الدُّنْيَا ۖ وَاللّٰهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الْمَآبِ ⑭ قُلْ أَؤُنَبِّئُكُمْ

سامان ہیں اور بہترین مرجع یعنی ٹھکانا تو اللہ ہی کے پاس ہے ف اے پیغمبر آپ ان سے کہئے کیا میں تم کو

بِخَيْرٍ مِنْ ذٰلِكُمْ ۚ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٌ

اس دنیوی سامان سے بہتر چیزیں بتاؤں جو لوگ تقویٰ کی روش اختیار کریں ان کیلئے ان کے رب کے ہاں ایسے باغ ہیں

تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَأَزْوَاجٌ

جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں وہ ان باغوں میں ہمیشہ رہیں گے اور ان کیلئے پاکیزہ

مُطَهَّرَةٌ وَرِضْوَانٌ مِنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ ⑮

عورتیں ہیں اور مزید براں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی انہیں حاصل ہوگی اور سب بندے اللہ کی نگاہ میں ہیں

الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا إِنَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا

یہ اہل تقویٰ وہ ہیں جو یوں کہا کرتے ہیں اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لائے سو تو ہمارے گناہوں کو معاف کردے

ف لوگوں کیلئے اشیائے مرغوبہ جیسے عورتیں اور نرینہ اولاد اور سونے چاندی کے ڈھیر کے ڈھیر لگے ہوئے اور نشان لگے ہوئے گھوڑے۔ اور مویشی اور زرعی زمین کی محبت خوش نما، خوش منظر اور خوش آیند کردی گئی ہے۔ یعنی لوگوں کیلئے ان چیزوں کی محبت کو زینت دیدی گئی ہے لیکن یہ سب چیزیں دنیوی زندگی کا سامان اور جو برتنے کی چیزیں ہیں اور اچھا ٹھکانا اور انجام کار کی خوبی تو اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے (تیسیر) قنطرہ اصل میں عبور کرنے کی چیز کو کہتے ہیں جیسے پل چونکہ مال بھی انسانی زندگی کو عبور کرنے کا ذریعہ ہے اس لئے بکثرت مال کو کہتے ہیں۔ قناطیر المقنطرہ ڈھیر کا ڈھیر مال۔ صحابہ سے مختلف تفسیریں منقول ہیں ہوسکتا ہے کہ بارہ سو دینار ہوں اور ہوسکتا ہے کہ ایک بیل کی کھال بھر کر سونا ہو اور ہوسکتا ہے کہ ایک لاکھ دینار ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ بارہ سو مثقال ہوں اور ہوسکتا ہے کہ اسی ہزار رطل ہو چونکہ ضرورت اور حرص الگ الگ ہے اس لئے اس کی تفسیریں بھی مختلف ہیں۔ تزئین کے معنی ہم دوسرے پارے میں بتا چکے ہیں کہ آراستہ کرنے اور اچھا کرکے دکھانے کو کہتے ہیں کبھی یہ فعل خالق ہونے کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہوتا ہے اور کبھی وسوسہ ڈالنے والے یعنی شیطان کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ قرآن میں دونوں طرح استعمال کیا گیا ہے۔ اور کبھی واقعی تزیین ہوتی ہے جیسے:- وزینا السماء الدنیا بمصابیح اور کبھی بناوٹی تزیین ہوتی ہے جیسے افمن زین له سوء عمله برے اعمال میں حقیقی تزیین کہاں رکھی ہے مگر شیطان اُن کو آراستہ کرکے خوش نما کر دیتا ہے شہوات جس کا ترجمہ خواہش کیا جاتا ہے یہاں اس سے مشتہیات۔ محبوبات ہیں ہم نے اشیاء مرغوبہ ترجمہ کیا ہے۔ قرآن نے مبالغہ کی رعایت سے بجائے شہوات کے حب الشہوات فرمایا یعنی شہوات تو کجا ان کی محبت بھی محبوب اور خوش منظر ہے۔ الخیل المسومة موٹے اور خوش نما گھوڑے یا پلے ہوئے گھوڑے جو چراگاہ میں چرتے ہوں یا نشان دار۔ خواہ وہ قدرتی سفید اور سیاہ نشان ہو۔ یا داغ دیکر نشان ڈالا گیا ہو۔ انعام کا اطلاق عام طور سے گائے۔ اونٹ، بکری اور بھیڑ پر ہوتا ہے مگر امام ابو حنیفہ نے وحشی جانوروں کو بھی جیسے ہرن اور نیل گائے وغیرہ کو انعام میں داخل کیا ہے۔ انعام نعم کی جمع ہے۔ اگرچہ نعم بھی جمع کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے۔ حرث سے مراد وہ زمینیں، جن پر کھیتی کی جائے یا باغ لگایا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ فانی لذتوں سے بے رغبتی پیدا ہو اور دائمی لذتوں کا شوق حاصل ہو۔ اکثر علماء نے اس آیت کو شہوات کی مذمت پر حمل کیا ہے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے چونکہ یہ چیزیں اکثر فتنے کا موجب ہوتی ہیں اور انسانی قلب میں ان کی محبت بہت سی خرابیوں کا موجب ہوجاتی ہے۔ اور کافر تو اُن ہی چیزوں کو مقصود بالذات سمجھتے ہیں اس لئے ان چیزوں کی محبت کے انہاک سے روکنا مقصود ہے تاکہ لوگ علی الاطلاق ان چیزوں کی طرف میلان نہ کریں۔ یہ سب خواہشات انسانی فطرت کا مقتضا ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور دین حق کی تعلیم کا منشا یہ ہے کہ لوگ علی الاطلاق ان خواہشات کی محبت میں نہ پڑے رہیں جو محض چندروزہ زندگی کا سامان ہیں بلکہ اس سے بہتر اور مفید چیز کی تلاش کریں جو اُخروی زندگی کیلئے سود مند ہو اسی لئے آخر میں فرمایا واللہ عندہ حسن المآب اب آگے اس بھلائی اور خوبی کی وضاحت فرماتے ہیں اور وہ طریقہ تعلیم کرتے ہیں جس سے انسان اُس بھلائی اور خوبی کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے حاصل کرسکتا ہے۔ سامع کو خاص طور پر متوجہ کرنے کی غرض سے انداز بیان اچھوتا اختیار کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں (تسہیل) ف اے پیغمبر آپ اپنے مخاطبین سے دریافت کیجئے کیا میں تم کو ایسی چیزیں بتادوں جو اس دنیوی مذکورہ سامان سے بدرجہا بہتر ہوں لہٰذا سُن لو جو لوگ تقویٰ کی روش اختیار کرتے ہیں اور دنیوی خواہشات کے پورا کرنے میں احتیاط سے کام لیتے ہیں اُن کیلئے اُن کے پروردگار اور مالک کے پاس ایسے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں وہ اُن باغوں میں ہمیشہ رہیں گے اور اُن کے لئے ایسی بیویاں ہوں گی جو ہر قسم کے ظاہری اور باطنی عیب سے پاک و مبرا ہوں گی اور مزید برآں اللہ تعالیٰ کی جانب سے رضا مندی اور خوشنودی کی بے بہا نعمت ان کو میسر ہوگی اور اللہ تعالیٰ بندوں کے حال اور ان کے اعمال پر پوری نظر رکھتا ہے یہ اہل تقویٰ ایسے لوگ ہیں جو یوں کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لائے اور ہم نے آپکی اور آپ کے نبی کی تصدیق کی سو آپ ہمارے گناہوں
(باقی ضمیمہ میں)

(بقیہ صفحہ ۸۰)

کو معاف کر دیجئے اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا لیجئے۔ یہ لوگ صبر کرنیوالے اور راستباز ہیں اور فرماں برداری کرنے والے اور خدا کی راہ میں اپنے مال خرچ کرنے والے اور شب کے آخری حصہ میں بخشش و مغفرت طلب کرنے والے ہیں (تیسیر) تقویٰ کے معنی ہم بیان کر چکے ہیں ڈرنا بچنا۔ پرہیز کرنا یہاں ہو سکتا ہے کہ خواہشات نفسانی اور مرغوبات نفس کو حاصل کرنے میں احتیاط کرنا اور آگے متقیوں کی صفات کے لحاظ سے یہاں یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ ماسوی اللہ سے قطع تعلق اور ماسوی اللہ سے اعراض۔ بیویوں کے پاک ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ظاہری آلائش مثلاً پیشاب۔ پاخانہ۔ حیض۔ تھوک وغیرہ سے پاک اور باطنی مثلاً بغض۔ حسد کینہ وغیرہ سے پاک۔ رضوان سے مراد اللہ تعالیٰ کی ایسی رضامندی ہے جس کے ادراک کا احاطہ نہ کیا جا سکے۔ بہت بڑی رضامندی یہ کہ اللہ تعالیٰ اہل جنت سے فرمائیگا احل علیکم رضوانی فلا اسخط علیکم بعدہ ابداً۔ یعنی میں نے اپنی رضا تمہارے لئے حلال کر دی ہے اور اب اس کے بعد تم سے کبھی ناراض نہیں ہوں گا قانت کا ترجمہ اوپر گزر چکا ہے۔ قنوت کے بہت سے معنی ہیں۔ دائمی اطاعت گزار۔ قیام کرنا۔ ادب سے کھڑا ہونا۔ فروتنی اور عاجزی وغیرہ۔ سحر سے مراد شب کا آخری حصہ اور رات کا آخری ثلث۔ خلاصہ یہ کہ مرغوبات نفس کے مقابلہ میں یہ نعمتیں بدرجہا بہتر ہیں۔ اور یہ نعمتیں اہل تقویٰ کیلئے خاص ہیں۔ نعمتوں کے آگے ان اہل تقویٰ کی توصیف و تعریف ہے۔ یوں تو جنت کی تمام نعمتیں ایسی ہیں کہ جن کی تعریف نہیں کی جا سکتی حدیث میں آتا ہے مالا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر۔ یعنی نہ کسی آنکھ نے وہ نعمتیں دیکھیں نہ کسی کان نے سنیں اور نہ کسی بشر کے قلب پر ان کا کبھی خطرہ گزرا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا کسی بندے سے راضی ہو کر ملاقات کرنا اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا اعلان یہ نعمت جنت کی ساری نعمتوں سے بڑھ کر ہے اور چونکہ نعمتیں مختلف ہیں اور بندوں کی حالت بھی مختلف ہے اس لئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے اعمال اور احوال پر گہری نظر رکھتا ہے۔ مغفرت کی دعا سے پہلے ایمان کا ذکر کرنا اس کا مطلب یہ ہے کہ مجرد ایمان استحقاق مغفرت کا سبب ہے۔ اور استحقاق مغفرت کیلئے نفس ایمان کافی ہے۔ جیسا کہ حضرت معاذ کی حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ صرف اسی کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور بندوں کا حق اللہ پر یہ ہے کہ وہ اس شخص کو عذاب نہ کرے جو اس کے ساتھ شریک نہ کرے۔ الخ۔ مغفرت کی دعا کے ساتھ عذاب دوزخ سے بچنے کی دعا بھی کرتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ دوزخ سے بچا کر جنت میں داخل کر دیجئے۔ متقیوں کے اوصاف بیان کرنے میں بہترین ترتیب رکھی ہے اور ہر قسم کی طاعات کو شامل کر لیا ہے۔ خواہ وہ اخلاق و اقوال ہوں اور خواہ وہ اعمال بدنی اور مالی ہوں مثلاً صبر خواہ منہیات سے باز رہنے پر ہو خواہ طاعات کی تکلیف اور خواہ مصائب و حوادثات پر ہو نفس کی برائی کا علاج ہے اور بدنی اصلاح کے تمام اقوال صدق میں داخل ہو گئے اور تمام افعال کو لفظ قنوت شامل ہے۔ اور عبادات مالی کیلئے انفاق۔ غرض اخلاق اقوال۔ اعمال بدنی و مالی سب بالاستیعاب بجا لاتے ہیں اور ان تمام عبادات روحانی و جسمانی کے بعد پھر شب کے آخری حصہ میں اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرتے ہیں۔ اور اس سے ڈرتے رہتے ہیں

وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿١٦﴾ اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَ

اور ہم کو دوزخ کی عذاب سے بچا لے۔ یہ لوگ صبر کرنیوالے اور سچ بولنے والے ہیں اور

الْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ﴿١٧﴾

فرماں بردار اور خیرات کرنے والے ہیں اور شب کی آخری گھڑیوں میں استغفار کرنیوالے ہیں۔

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ

اللہ تعالیٰ نے خود اس بات کی شہادت دی ہے کہ بجز اس کے کوئی معبود نہیں ہے اسکی شان یہ ہے کہ وہ انصاف کیساتھ کارخانہ عالم کا انتظام کرنیوالا ہے اور فرشتوں نے

قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿١٨﴾ اِنَّ

بھی اسی کی شہادت دی اور اہل علم نے بھی اسی کا اقرار کیا اس زبردست اور حکمت والے کے سوا کوئی معبود ہونیکے قابل نہیں یقیناً

الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۟ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ

دین تو اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہی ہے اور اہل کتاب نے جو اسلام کے بارے میں اختلاف کیا تو ایسی حالت کے بعد اختلاف کیا

اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًاۢ

کہ جب ان کو اسلام کا حق ہونا معلوم ہو چکا تھا اور یہ اختلاف بھی آپس کے حسد کی

بَيْنَهُمْ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ

وجہ سے کیا اور جو شخص آیات خداوندی پر ایمان لانے سے انکار کریگا تو سن لو خدا بہت جلد حساب لینے

الْحِسَابِ ﴿١٩﴾ فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ

والا ہے۔ اب بھی اگر اے پیغمبر آپ سے یہ لوگ کج بحثی کریں تو آپ کہدیجئے کہ میں اور میرے پیرو تو اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرماں برداری

وَمَنِ اتَّبَعَنِ ؕ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ

قبول کر چکے ہیں اور آپ اہل کتاب اور عرب کے ان پڑھوں سے بھی دریافت فرمایئے کیا تم ابھی اسلام

ءَاَسْلَمْتُمْ ؕ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا

قبول کرنے ہو پھر اگر وہ لوگ اسلام لے آئیں تو یقیناً وہ راہ یافتہ ہو جائینگے اور اگر وہ قبول اسلام سے روگردانی کریں

فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿٢٠﴾ اِنَّ

تو بس آپکے ذمہ صرف پیغام پہونچا دینا ہے اور سب بندے اللہ کی نگاہ میں ہیں بلاشبہ

ع ۱۱

مطلب یہ ہے کہ تہجد کی نماز پڑھتے ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ بخشش کی دعا کرتے ہیں۔ اور سحر کی قید اس لئے لگائی کہ یہ وقت اطمینان اور توجہ الی اللہ کا ہوتا ہے اور یہ وقت دعا کی قبولیت کا ہے اور اس وقت اٹھ کر نماز پڑھنا اور استغفار کرنا نفس پر کٹھن بھی بہت ہے۔ سورۂ ذاریات میں فرمایا ہے کانوا قلیلا من اللیل ما یھجعون وبالاسحارھم یستغفرون۔ یعنی اہل تقویٰ کا یہ ایک خاص وصف ہے کہ رات کو بہت تھوڑی دیر سونا اور سحری کے وقت شب کی کوتاہیوں پر استغفار کرنا۔ کوتاہی یہ کہ عبادت میں جو قصور ہو گیا ہو اس کی معافی یا شب میں تھوڑی دیر بھی کیوں سوئے اس پر معافی خواہ ہوتے ہیں۔ اوپر کی آیت میں جن مرغوبات نفس کی طرف اشارہ فرمایا تھا وہ عورتیں۔ بیٹے۔ بکثرت مال۔ گھوڑے۔ مویشی۔ اور زرعی زمین تھی۔ اس کے مقابلہ میں جنت پاکیزہ بیویاں اور رضائے الٰہی کا تذکرہ کیا۔ اسی بات ظاہر ہے کہ صرف جنت ہی تمام نعمتوں کا نام ہے۔ دنیا کی مذکورہ تمام مرغوبات وہاں موجود ہوں گی۔ جیسا کہ فرمایا وفیھا ما تشتھیہ الانفس وتلذ الاعین (باقی ضمیمہ میں)

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ

جو لوگ آیاتِ الٰہی کا انکار کرتے ہیں اور ناحق جانتے ہوئے نبیوں کو قتل

حَقٍّ وَيَقْتُلُونَ الَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ

کرتے ہیں اور لوگوں میں سے جو عدل و انصاف کی ترغیب دیں ان کو بھی قتل کر دیتے ہیں

فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿۲۱﴾ أُولٰئِكَ الَّذِينَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ

اے پیغمبر آپ ایسے لوگوں کو ایک دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے اعمال

فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ﴿۲۲﴾ أَلَمْ تَرَ إِلَى

دنیا اور آخرت دونوں میں ضائع ہو گئے اور ان کا کوئی بھی مددگار نہ ہوگا ف۱ کیا آپ نے ان لوگوں کو

الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِنَ الْكِتَابِ يُدْعَوْنَ إِلَىٰ

ملاحظہ نہیں فرمایا جنکو توریت کے علم سے ایک اچھا خاصا حصہ دیا گیا ہے مگر ان کی حالت یہ ہے کہ جب انکو اس کتاب کی طرف

كِتَابِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلَّىٰ فَرِيقٌ مِنْهُمْ وَهُمْ

اس غرض سے بلایا جاتا ہے کہ وہ کتاب ان کے مابین فیصلہ کر دے تو انہی میں سے ایک فریق بے رخی کیا کرتا

مُعْرِضُونَ ﴿۲۳﴾ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ

حق سے انحراف کرتا ہے۔ ان کے اس اعراض و انحراف کا سبب یہ ہے کہ یہ یوں کہا کرتے ہیں کہ ہم کو گنتی کے چند دنوں کے سوا

إِلَّا أَيَّامًا مَعْدُودَاتٍ وَغَرَّهُمْ فِي دِينِهِمْ مَا كَانُوا

دوزخ کی آگ مس بھی نہ کریگی اور ان کو ان کے دین کے بارے میں ان کی افترا پردازیوں نے

يَفْتَرُونَ ﴿۲۴﴾ فَكَيْفَ إِذَا جَمَعْنَاهُمْ لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيهِ

مبتلائے فریب کر رکھا ہے۔ پھر ان کا کیا حال ہوگا کہ جب ہم انکو اس دن جمع کریں گے جس دن کے آنے میں ذرا بھی شک و شبہ

وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۲۵﴾

نہیں ہے اور ہر شخص کو اس کے کیے کا پورا پورا بدلہ دیدیا جائیگا اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ ف۲

قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَ

اے پیغمبر آپ یوں کہا کیجئے اے اللہ اے تمام سلطنت کے مالک تو جسے چاہے حکومت دے اور

ف۱ بلاشبہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے احکام اور اُس کی آیات اور اُس کی ہدایات کو ماننے سے انکار کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کو ناحق جانتے ہوئے قتل کر ڈالتے ہیں اور خدا کی مخلوق میں سے جو لوگ عدل و راستی اور حق و انصاف کی تعلیم و ترغیب دیتے ہیں اُن کو بھی قتل کر ڈالتے ہیں۔ سو اے پیغمبر ایسے لوگوں کو دردناک عذاب کی خوشخبری دیدیجئے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت دونوں میں ضائع ہو گئے اور اُن کے تمام اعمالِ صالحہ غارت ہو گئے۔ اور اُن کا کوئی حامی و مددگار نہ ہوگا یعنی عذاب کے وقت (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ خصائل مذکورہ بنی اسرائیل میں سے فرقۂ یہود کے ہیں اور اگرچہ یہ کام سابقہ لوگوں نے کئے تھے لیکن حضورؐ کے زمانہ کے یہودی بھی اپنے اسلاف کی ان حرکات شنیعہ کو پسندیدہ نگاہ سے دیکھتے تھے اس لئے ان افعال کی نسبت تمام یہود کی طرف صحیح ہے اور یہود کے یہ خلف صرف یہی نہیں کہ اپنے اسلاف کی ان نازیبا حرکات کو پسند کرتے تھے۔ بلکہ نبی آخر الزمانؐ کے قتل کی سازش بھی کیا کرتے تھے۔ اس لئے پہلے اور پچھلے سب ہی مورد الزام قرار پائے حضرت ابو عبیدہ بن جراح فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب کا مستحق کون ہوگا آپ نے ارشاد فرمایا جو شخص کسی نبی کو قتل کر دے یا ایسے شخص کو قتل کر دے جو بھلائی کا حکم کرے اور بُری باتوں سے روکے۔ پھر حضورؐ نے یہ آیت پڑھی ویقتلون النبیین بغیر حق ویقتلون الذین یامرون بالقسط من الناس پھر آپؐ نے فرمایا اے ابو عبیدہؓ بنی اسرائیل نے تینتالیس پیغمبروں کو ایک دن دوپہر تک قتل کر دیا پھر اُن کی جگہ اُنکے متبعین میں سے ایک سو بارہ عالموں نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی خدمت اپنے ذمہ لے لی لیکن ان بنی اسرائیل نے ان سب علماء اور صوفیاء کو بھی شام تک قتل کر ڈالا۔ ان ہی لوگوں کا وہ واقعہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان فرمایا ہے۔ بعض روایت میں ایک سو ستر ہیں بغیر حق کا مطلب یہ ہے کہ یہود جانتے تھے کہ انبیاء علیہم السلام کا قتل کرنا حرام ہے۔ اور نبی کا قتل کرنا بہرحال ناحق ہے اسی لئے ہم نے ترجمہ اور تیسیر میں ناحق جانتے ہوئے ترجمہ کیا ہے اور ہم یہ بات سورۂ بقرہ میں بتا بھی چکے ہیں۔ اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ وہ صرف نبیوں کو ہی قتل نہیں کرتے تھے بلکہ اُن کے جانشین علماء اور زہاد کو بھی قتل کر دیا کرتے تھے۔ گویا ہدایت کی تمام راہیں اور سب دروازے ہی مسدود کرنے کے درپے تھے اور ہمیشہ اہلِ باطل کا یہی دستور رہا ہے کہ انھوں نے پیغمبر کے بعد علماءِ حق کو قتل کیا ہے اور اُن کے اثر کو زائل کرنے کی ہمیشہ کوشش کی ہے تاکہ حق کی مخالفت میں ان اہلِ باطل کو آسانیاں مہیا ہو جائیں اور کوئی جائز و ناجائز کہنے والا باقی نہ رہے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی آواز بند ہو جائے حبطت کے معنی ہم سورۂ بقرہ میں بیان کر چکے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ان حرکات کے باعث اُنکے تمام نیک اعمال برباد ہو گئے۔ دنیا میں بھی ان کی تمام کوششیں بیکار گئیں اور کوئی مفید نتیجہ برآمد نہیں ہوا اور آخرت میں بھی ان کے بھلے اعمال کا اُن کو کوئی پھل نہیں ملا۔ اور عذاب کے وقت اُن کا کوئی حامی بھی نہیں نکلا جو اُن کی کچھ مدد کرتا اور ہر کافر کے کفر کا انجام یہی ہوا کرتا ہے عذاب کی خبر کو بشارت سے تہکماً ذکر فرمایا ہے جس طرح ایک ذی اقتدار سزا دیتے وقت کہا کرتا ہے کہ میں تم کو بشارت دیتا ہوں تم کو جیل بھیجا جائے گا یا سخت سزا دی جائے گی۔ آگے یہود کے ایک اور واقعہ کا ذکر ہے۔ کسی موقعہ پر اثنائے گفتگو میں یہود نے کسی بات کا دعویٰ کیا تھا اور یہ کہا تھا کہ ہماری کتاب میں ایسا ہی لکھا ہے ہو سکتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو یہودی کہہ کر توریت کی طرف نسبت کی ہو جیسا کہ حضرت عکرمہ نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ زانی کو رجم کرنے کے سلسلہ میں کوئی غلط مسئلہ توریت کا نام لیکر بیان کر دیا ہو جیسا کہ کلبی نے بواسطہ ابو صالح حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے۔ بہرحال اس بات پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مطالبہ کیا کہ توریت لاؤ اور جو کچھ تم کہتے ہو وہ توریت میں دکھاؤ اس پر ان لوگوں نے توریت لانے سے انکار کر دیا جس نے یہ غلط بیانی کی اُس کا نام ابن صوریا نعیم بن عمرو تھا۔ بہرحال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے (تسہیل)

ف۲ اے پیغمبر کیا آپ نے ان لوگوں کا حال ملاحظہ نہیں کیا جن کو کتاب سماوی یعنی توریت کے علم میں سے ایک خاصا اچھا حصہ دیا گیا ہے یعنی توریت کے اچھے خاصے عالم ہیں (باقی ضمیمہ میں)

ف اے مالک الملک تو رات کے کچھ حصہ کو دن میں داخل کر دیتا ہے۔ اور تو دن کے بعض حصے کو رات میں داخل کر دیتا ہے یعنی کبھی کے دن بڑے کبھی کی رات اور اے مالک تو ہی جان دار چیز کو
• بے جان سے نکالتا ہے اور بے جان چیز کو جان دار سے نکالتا ہے اور تو جسے چاہتا ہے بیشمار روزی عطا فرماتا ہے (تفسیر) ملکی انقلاب اور چھوٹی اقوام کو عروج ترقی عطا کرنے پر رات اور دن کے چھوٹے بڑے ہونے سے استدلال کرنا اور مُردوں سے زندہ اور زندوں سے مُردوں کے نکالنے کا ذکر کرنا یہ استدلال حضرت حق تعالیٰ ہی کے کلام میں مل سکتا ہے نہ کسی اور کو نظام کائنات پر یہ دسترس حاصل ہے اور نہ کوئی اس قسم کا استدلال کر سکتا ہے۔ سردی کے موسم میں رات بڑی ہوتی ہے اور گرمی کے موسم میں دن بڑا ہوتا ہے۔ اس کو ایلاج سے تعبیر فرمایا ہے یعنی دن رات میں چلا جاتا ہے اور رات دن میں چلی جاتی ہے۔ بے جان سے جان دار جیسے انڈے سے بچّہ اور جان دار سے بے جان جیسے پرندے سے انڈا۔ یا جیسے مومن سے کافر اور کافر سے مومن۔ جاہل سے عالم اور عالم سے جاہل۔ غلام قوموں سے حکمراں نکلتے ہیں اور حکمراں قوموں میں سے غلام نکلتے ہیں۔ غلامی کی تاریکی حکمرانی کے نور سے بدل جاتی ہے اور حکمرانی کے نور کو کبھی بغاوت کی تاریکی غلام کر کے ڈال دیتی ہے۔ غریبوں کی اولاد سرمایہ دار ہوتی ہے اور سرمایہ داروں کی اولاد کو مزدور کر دیا جاتا ہے۔ غرض کیا خوب استدلال ہے جس قدر چاہے مطلب بیان کرتے چلے جاؤ۔ اور انقلاب ملکی کی عام طور سے دو صورتیں ہوتی ہیں ایک تو کبھی دو قوموں میں اُتار چڑھاؤ رہتا ہے کبھی روم کا غلبہ فارس پر کبھی فارس کا غلبہ روم پر اور کبھی خلاف توقع ایسے لوگ برسرِ اقتدار آ جاتے ہیں جن کے متعلق خیال بھی نہیں ہوتا کہ یہ اتنی ترقی کر جائیں گے اور اسی طرح بعض دفعہ ایسی پُرانی اور بڑی مضبوط سلطنت پاش پاش ہو جاتی ہے جس کے متعلق خیال بھی نہیں ہوتا کہ یہ ختم ہو جائیگی جیسا ہمارے دور میں جاپان اور جرمن کا زوال اٹلی اور فرانس کا زوال اور ان دونوں کی تباہی غرض تولج اللیل کی آیت میں ہر قسم کے انقلاب پر استدلال کیا جا سکتا ہے آخر میں جو بے شمار رزق کا اظہار فرمایا اس میں بھی ایک طرف مسلمانوں کو تسلی ہے اور دوسری طرف وفد نجران کو اطمینان دلانا مقصود ہے کہ کسی سلطنت کے منصب اور وظیفہ کا خیال حق کے قبول کرنے سے مانع نہ ہونا چاہئے رزق کے مالک تو ہم ہیں جس کو چاہتے ہیں بے شمار روزی سے سرفراز فرماتے ہیں۔ ابو العباس المقری کا قول ہے کہ قرآن میں بغیر حساب تین معنی کے لئے آتا ہے۔ بلا مشقت۔ بلا شمار۔ اور بلا مطالبہ۔ حضرت علیؓ سے مروی ہے سورۂ فاتحہ۔ آیت الکرسی اور۔ ایک آیت شهد الله انه اور ایک آیت قل اللهم کی بغیر حساب تک یہ آیتیں اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتی ہیں کہ جو ہم کو پڑھے اس کے متعلق کوئی امید افزا بات ہونی چاہئے ارشاد ہوتا ہے جو تم کو ہر نماز کے بعد پڑھے گا میں اُس کا ٹھکانا جنت میں بناؤں گا۔ اور اس کو حظیرۃ القدس میں جگہ دوں گا۔ ایک حدیث قدسی کا مضمون یہ ہے کہ میں اللہ ہوں تمام بادشاہوں کا بادشاہ ہوں بادشاہوں کے قلوب اور اُن کی پیشانیاں میرے قبضے میں ہیں لہٰذا جب میرے بندے میری فرماں برداری کرتے ہیں تو میں بادشاہوں کے قلوب مخلوق پر مہربان کر دیتا ہوں اور جب میرے بندے نافرمانی کرتے ہیں تو میں ان کے بادشاہوں کے قلوب ان پر سخت کر دیتا ہوں تم ایسے موقعہ پر بادشاہوں کو بُرا بھلا نہ کہا کرو بلکہ اپنی اصلاح کیا کرو اور نافرمانی سے توبہ کیا کرو۔ بہرحال ان آیتوں سے یہ بات واضح ہو گئی کہ ہر قسم کی حکومت۔ عزت۔ ذلت۔ ترقی۔ تنزل۔ امیری۔ غریبی۔ غرض کائنات کے تمام نشیب و فراز حضرت حق کے قبضے اور اختیار میں ہیں جب یہ بات معلوم ہو گئی تو دین حق کے قبول کرنے میں کسی قرابت یا زمانۂ جاہلیت کی دوستی۔ یا کسی حکومت سے راہ و رسم اور اس کا منصب۔ مانع نہیں ہونا چاہئے بلکہ اس قسم کی دوستیاں اور تعلقات جو دینِ حق کے قبول کرنے میں مانع ہوں سب نظر انداز کر دیئے جائیں بلکہ سب کو ختم کر دینا چاہئے۔ آگے اسی مضمون کی تصریح اور وضاحت فرماتے ہیں حضرت شاہ صاحبؒ کہتے ہیں۔ یعنی یہود جانتے تھے کہ جاہ ادل ہم میں بزرگی تھی وہی ہمیشہ رہے گی۔ اللہ کی قدرت سے غافل ہیں جس کو چاہے عزیز کرے اور سلطنت دیوے اور جس سے چاہے چھین لیوے اور ذلیل کرے۔
(باقی ضمیمہ میں)

تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاۤءُ ۡ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاۤءُ وَتُذِلُّ

تو جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور تو جس کو چاہے عزت عطا کرے اور تو جسکو چاہے

مَنْ تَشَاۤءُ ؕ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

ذلیل کردے ہر قسم کی بھلائی تیرے ہی اختیار میں ہے بلاشبہ تو ہر چیز پر پوری طرح

قَدِيْرٌ ﴿۲۶﴾ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِى النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِى

قادر ہے ف تو رات کو دن میں داخل کر دیتا ہے اور تو ہی دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے

الَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَىَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ

اور تو ہی جان دار کو بے جان سے نکالتا ہے اور تو ہی بے جان کو جان دار سے

مِنَ الْحَىِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاۤءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۷﴾

نکالتا ہے اور تو جس کو چاہتا ہے بے شمار روزی عطا کرتا ہے ف

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَاۤءَ مِنْ دُوْنِ

مسلمان! مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست

الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ

نہ بنائیں اور جو شخص مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بنائیگا تو اس کا اللہ سے کوئی

فِىْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ؕ وَيُحَذِّرُكُمُ

واسطہ نہیں مگر یہ کہ ان کے شر سے بچنے کی خاطر تمہیں ایسا کرنا پڑے (تو ظاہری رواداری میں مضائقہ نہیں) اور اللہ تعالیٰ

اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸﴾ قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا

تم کو اپنے سے ڈراتا ہے اور اللہ ہی کی طرف واپس جانا ہے ف اے نبی آپ کہدیجئے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے خواہ تم اسکو

فِىْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَيَعْلَمُ مَا

چھپاؤ یا تم اس کا اظہار کرو بہرحال اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے اور جو کچھ آسمانوں میں

فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

ہے اور جو کچھ زمین میں ہے وہ اس سب کو بھی جانتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر کامل

ف اے پیغمبر آپ اُن لوگوں سے جو خدا کی محبت اور دوستی کے مدعی ہیں فرما دیجئے کہ اگر تم لوگ واقعی اپنے خیال اور اپنے زعم میں اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو اور تمہاری یہ بھی خواہش ہے کہ تمہاری محبت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بھی تم سے محبت کرے تو تم لوگ میری پیروی اور میری اتباع کرو جب تم ایسا کرو گے تو اللہ تعالیٰ بھی تم سے محبت کرے گا اور تمہارے تمام گناہ معاف فرما دے گا اور اللہ تعالیٰ بڑا معاف کرنیوالا بڑی مہربانی فرمانے والا ہے (تیسیر) حُبّ، حِبّ، اَلْحُبَاب، محبت، اَلْحِبَاب، یہ سب ہم معنیٰ ہیں۔ محبت کے معنی ہیں کسی چیز کے کمال کی وجہ سے نفس کا اُس چیز کی طرف مائل ہونا۔ یعنی نفس کسی چیز میں کمال کا ادراک کرے پھر اُس چیز کی طرف مائل ہو اور اُس چیز کا تقرب اور اس سے قربت حاصل کرنے کے ذرائع اختیار کرے۔ لیکن یہاں عام محبت زیر بحث نہیں ہے بلکہ یہاں جو محبت زیر بحث ہے وہ بندے کا اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا اور اللہ تعالیٰ کا بندے سے محبت کرنا ہے بندے کی محبت میں تو لغوی معنیٰ کی گنجائش ہو بھی سکتی ہے رہا حضرت حق تعالیٰ کی جانب سے محبت کا اظہار تو اس محبت میں لغوی معنیٰ کی گنجائش نہیں ہے۔ اسی لئے اس موقعہ پر اہل علم نے بہت سے معنیٰ کئے ہیں۔ اور بعض نے مقتضائے محبت کو محبت کا ہم معنیٰ قرار دے لیا ہے۔ محبت کے جو معنیٰ ہم نے عرض کئے ہیں وہ قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کردہ معنی ہیں ورنہ راغب نے تو لغوی معنیٰ صرف اسقدر بیان کئے ہیں کہ کسی چیز کو اچھا سمجھ کر اس کا ارادہ کرنا۔ اس قسم کی بحث کے مختلف درجے اور مراتب ہیں۔ بہر حال جو محبت یہاں زیر بحث ہے وہ یہ ہے کہ محبت کرنیوالے کا قلب محبوب کیساتھ اسقدر مشغول ہو اور محبوب کا اُنس اس قدر غالب ہو کہ کسی دوسری جانب التفات نہ کر سکے اور غیر کا دھیان نہ کرے اور ہر وقت توجہ محبوب کی جانب رہے۔ حضرات صوفیہ کا قول ہے العشق نار فی القلوب تحرق ماسوی المحبوب۔ یعنی محبت اور عشق قلب کی ایک آگ ہے جو محبوب کے سوا ہر چیز کو پھونک ڈالتی ہے یعنی قلب کی توجہ کو غیر اللہ سے بالکل منقطع کر دیتی ہے اور غیر اللہ کو ایسا نسیاً منسیاً کر دیتی ہے کہ گویا غیر کا وجود ہی نہیں ہے۔ یہاں تک کہ خود انسان اپنے وجود کو بھی فراموش کر دے۔ اس محبت کا مقتضی یہ ہوتا ہے کہ محبوب کی مرضی اور اُس کی رضا جوئی میں لگا رہتا ہے اور محبوب کی ہر ناپسند چیز کو بُرا سمجھتا ہے قطع نظر کسی خوف یا طمع کے یعنی بالذات نہ کوئی لالچ مقصود ہوتا ہے نہ کوئی خوف دامن گیر ہوتا ہے۔ اگرچہ خوف و طمع ہو لیکن مقصود بالذات اُدھر توجہ نہ ہو۔ یہ وہ محبت ہے جو بندہ کی جانب منسوب ہوتی ہے اور یہ بندے کا اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ کی محبت پر یہ باتیں چسپاں نہیں ہوتیں نہ وہ کسی سے غافل ہوتا ہے اور نہ کسی جانب ایسا متوجہ ہوتا ہے کہ دوسری جانب کی خبر نہ رہے اسلئے اللہ تعالیٰ کی محبت ایک خالص انس ہے۔ جس کا منشا یہ ہے کہ بندے کو اپنی جانب متوجہ رکھیں اور غیر کی جانب متوجہ ہونے کی اُس کو مہلت اور فرصت نہ دیں مطلب یہ کہ اُس کو اپنے ہی کام میں لگائے رکھیں اسی محبت کو حضرات صوفیہ کی اصطلاح میں محبت ذاتیہ کہتے ہیں۔ اس محبت کی مزید تشریح یوں ہو سکتی ہے کہ جیسے ماں اپنے بیٹے سے بغیر کسی کمال کا لحاظ کئے ہوئے محبت کرتی ہے۔ گویا ماں کی محبت بھی بعینہ محبت ذاتیہ نہیں ہے۔ اس تقریر کے بعد قاضی بیضاوی کی تعریف کا یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ قاضی نے جو کچھ کہا اس سے وہ محبت مراد ہو سکتی ہے جس کو محبت صفاتیہ کہا جاتا ہے واللہ اعلم۔ خلاصہ یہ ہے کہ اگر محض محبوب کی ذات بدون کسی کمال کا لحاظ کئے سبب محبت ہو تو محبت ذاتیہ کہلاتی ہے اور اگر محبوب کے بعض کمال کو مرأۃ محبت اور سبب محبت قرار دیں تو اس کو محبت صفاتیہ کہتے ہیں۔ بغوی نے اس سلسلے میں جو کچھ کہا ہے اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا تو یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی اتباع کریں اور اُس کی طاعت بجا لائیں اور مرضیات الٰہی کی تلاش و جستجو کریں اور اللہ کی محبت بندوں سے یہ ہے کہ وہ ان کو اطاعت و فرماں برداری کا بدلہ دے اور ان کی محبت کو سراہے اسی طرح اور بھی مفسرین نے بہت سی باتیں فرمائی ہیں لیکن ان سب کو محبت کا مقتضا کہا جا سکتا اور جب یہ سلسلۂ محبت کسی بندے کیساتھ قائم ہوتا ہے تو اس کے بہت سے اثرات ظاہر نمایاں ہوتے ہیں جن کا یہاں احاطہ کرنا مشکل ہے۔ اور چونکہ محبت کا سب سے بڑا اثر (باقی ضمیمہ میں)

قَدِيْرٌ ﴿٢٩﴾ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ

قدرت رکھتا ہے۔ وہ دن یاد رکھو جس دن ہر شخص اُس بھلائی کو جو اُس نے کی۔ اپنے روبرو

مُّحْضَرًا ۚ وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۚ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا

موجود پائیگا اور جو اُس نے برائی کی تھی اسکو بھی اپنے سامنے موجود پائیگا۔ حالت دیکھ کر آرزو کریگا کہ کیا اچھا ہوتا

وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًا بَعِيْدًا ۭ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ وَاللّٰهُ

جو اس شخص کے اور اس دن کے مابین بہت دور کا فاصلہ ہو جاتا اور اللہ تعالیٰ تمکو اپنے سے ڈراتا ہے اور اللہ تعالیٰ

رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿٣٠﴾ ع قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ

بندوں پر بڑی شفقت کرنیوالا ہے ف اے نبی آپ لوگوں سے کہہ دیجئے اگر تم واقعی اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو

فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ

تو میری پیروی اختیار کرو اس پر اللہ تعالیٰ تم سے محبت کریگا اور تمہارے گناہوں کو معاف فرما دے گا

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٣١﴾ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ

اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے ف آپ کہہ دیجئے تم اللہ اور رسول کی فرماں برداری کرو

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٣٢﴾ اِنَّ

پھر اگر وہ لوگ روگردانی کریں تو یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ ایسے منکروں کو پسند نہیں کرتا ف یقیناً

اللّٰهَ اصْطَفٰٓي اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ

اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو اور نوحؑ کو اور ابراہیمؑ کے گھرانے کو اور عمران کے گھرانے کو

عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ﴿٣٣﴾ ۙ ذُرِّيَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ ۭ وَاللّٰهُ

اقوام عالم پر برگزیدہ فرمایا تھا۔ یہ ایک نسل تھی جس میں بعض بعض سے پیدا ہوئے تھے اور اللہ تعالیٰ

سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٣٤﴾ ۚ اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّىْ

خوب سننے والا جاننے والا ہے ف وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب عمران کی بیوی نے کہا اے میرے پروردگار

نَذَرْتُ لَكَ مَا فِيْ بَطْنِيْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّىْ ۚ اِنَّكَ

میں نے اس بچہ کو جو میرے پیٹ میں ہے تیری نذر کیا کہ وہ سب کاموں سے آزاد رہ کر تیری خدمت کے لئے وقف ہوگا سو تو میری طرف سے اس نذر کو

ربع — ع ١٠ — ١١

اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ

قبول فرمالے بیشک تو خوب سننے والا جاننے والا ہے۔ پھر جب عمران کی بیوی نے اس حمل کو جنا تو بولی اے میرے پروردگار

اِنِّیْ وَضَعْتُهَآ اُنْثٰى ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ؕ وَ

میں نے تو یہ لڑکی جنی ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے جو کچھ اُس نے جنا اور

لَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى ۚ وَاِنِّیْ سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَاِنِّیْٓ

لڑکا اس لڑکی جیسا نہیں ہو سکتا اور میں نے اس لڑکی کا نام مریم رکھا ہے اور میں

اُعِيْذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿۳۶﴾

اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں ف۔

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ

آخر کار مریم کو اس کے رب نے اچھی قبولیت کیساتھ قبول فرمالیا اور اُس کو اچھے اُٹھان اُٹھایا

وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۚ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ

اور زکریا کو اُس کا نگراں بنادیا جب کبھی بھی زکریا مریم کے پاس مسجد میں اس کے رہنے کی جگہ آتے

وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ؕ

تو مریم کے پاس کھانے کی کوئی نہ کوئی چیز پاتے زکریا پوچھتے اے مریم یہ چیزیں تیرے پاس کہاں سے آئیں

قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ

وہ جواب دیتی یہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے آئیں یقیناً اللہ تعالیٰ جسکو چاہتا ہے بے سان وگمان

بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۷﴾ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ

رزق پہونچاتا ہے ف اس موقع پر زکریا نے اپنے رب سے دعا کی عرض کیا اے میرے پروردگار

هَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ

مجھ کو اپنی بارگاہ سے نیک اولاد عطا فرما بے شک تو دعا کا

الدُّعَآءِ ﴿۳۸﴾ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّیْ فِی

سننے والا ہے۔ اس پر فرشتوں نے زکریا کو جبکہ وہ مسجد میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے

ف پھر جب عمران کی عورت نے اس ما فی بطنی یعنی حمل کو جنا تو حسرت و یاس کے لہجے میں بولی اے میرے پروردگار میں نے تو اس ما فی بطنی کو لڑکی جنی حالانکہ جو کچھ اس نے جنا اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتا ہے اور لڑکا اُس شان کا نہیں ہو سکتا جس شان کی وہ لڑکی ہے اور اے میرے رب میں نے اس لڑکی کا نام مریم رکھا ہے اور میں اس لڑکی کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے آپ کی پناہ اور آپ کی حفاظت وصیانت میں دیتی ہوں (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ جب حنہ کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی تو اس نے حسرت وافسوس کے ساتھ عرض کیا کہ اے بار الٰہ میں نے تو لڑکی جنی۔ آگے جملہ معترضہ کے طور پر حضرت حق کا فرمان ہے کہ جو کچھ اس نے جنا اس کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے اور اگرچہ وہ لڑکی ہے لیکن جس شان اور مرتبہ کی وہ لڑکی ہے اُس جیسا وہ لڑکا نہیں ہو سکتا تھا جس کی وہ خواہش رکھتی تھی۔ آگے پھر عمران کی بیوی کا کلام ہے کہ میں نے اس کا نام مریم رکھ دیا ہے اور میں نے اُس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے آپ کی پناہ میں دیدیا ہے۔ حنہ کا یہ کہنا کہ رب انی وضعتھا انثیٰ اللہ تعالیٰ کو اطلاع دینے کی غرض سے نہ تھا کبھی یہ شبہ کیا جائے کہ خبر دینے کا مقصد تو علم یا لوازم علم ہوتا ہے اسی لئے ہم نے تیسیر میں حسرت وافسوس کے الفاظ لکھے ہیں کہ یہاں اللہ تعالیٰ کو معلوم کرانا مقصود نہ تھا بلکہ اپنے افسوس کا اظہار تھا کہ اُمید تو یہ تھی کہ لڑکا ہوگا لیکن ہوگئی لڑکی جو لڑکے کی طرح مسجد کی خدمت نہ کر سکے گی۔ آگے حضرت حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جو کچھ اُس کے ہاں ہوا وہ ہمیں معلوم ہے لیکن اُس کو کیا معلوم کہ جس لڑکے کی وہ آرزو کر رہی تھی اگر اس کے ہاں لڑکا ہو جاتا تو اس لڑکی جیسا نہیں ہوتا یہ لڑکی تو بڑی شان اور مرتبہ کی لڑکی ہے۔ ولیس الذکر کالانثیٰ کا ایک ترجمہ یہ بھی ہے کہ لڑکا لڑکی کی مانند نہیں ہو سکتا یعنی علی الاطلاق لڑکے اور لڑکی کی عدم مساوات کا اظہار ہو۔ جیسا کہ اکثر مفسرین نے یہی معنی کئے ہیں۔ لیکن ہم نے اپنے اکابر کی رعایت سے پہلے معنی اختیار کئے ہیں۔ دوسری تقدیر پر یوں معنی ہوں گے اور یہ واقعہ ہے کہ لڑکا لڑکی جیسا نہیں ہوتا۔ مریم ان کی اصطلاح میں عبادت گزار کو کہتے تھے اور یہ جو فرمایا کہ میں نے اُس کا نام مریم رکھا ہے اس میں حضرت مریم کی یتیمی کی جانب ایک لطیف اشارہ ہے کہ اس بچی کا باپ تو مر چکا ہے لہٰذا نام بھی میں نے ہی رکھا ہے اگر باپ زندہ ہوتا تو وہ نام رکھتا۔ حضرت ابوہریرہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کوئی بچہ ایسا نہیں کہ جب وہ پیدا ہو تو شیطان اپنی دو اُنگلیاں اُس کے پہلو میں نہ چبھوئے مگر حضرت مریم اور اُن کا لڑکا حضرت عیسیٰؑ شیطان کے اس کچوکے سے محفوظ رہے۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ شیطان ہر پیدا شدہ بچہ کی پسلی میں اپنی دو انگلیاں چبھوتا ہے اُس پر بچہ روتا ہے۔ لیکن حضرت حنہ نے چونکہ اپنی بچی کو اور آئندہ ہونے والی اس کی اولاد کو خدا کی پناہ میں دیدیا تھا۔ اسلئے شیطان ان کو مس نہیں کر سکا۔ بعض روایت میں حضرت فاطمہ کے متعلق بھی ہے کہ جب اُن کا نکاح ہوا تو یہی الفاظ حضورؐ سے ثابت ہیں کہ آپ نے رخصت کے وقت یوں دعا فرمائی اللھم انی اعیذھا بك وذریتھا من الشیطان الرجیم۔ حضرت علیؓ کے متعلق بھی اسی قسم کی دعا دینا ابن حبان نے حضرت انسؓ سے نقل کی ہے۔ بہرحال اگر یہ روایتیں صحیح ہوں تو مذکورہ بالا حدیث میں حصر حقیقی نہ ہوگا بلکہ حصر اضافی ہوگا واللہ اعلم۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یہ بیچ میں اللہ نے فرمایا کہ اللہ کو بہتر معلوم ہے۔ اور بیٹا نہ ہو جیسی وہ بیٹی باقی اُس کا کلام ہے وہ نااُمید ہوئی کہ میری نذر پوری نہ پڑی کیونکہ دستور لڑکی نیاز کرنے کا نہ تھا۔ موضح القرآن۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے ان دو جملوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ وہ دونوں جملے یعنی واللہ اعلم بما وضعت ولیس الذکر کالانثیٰ۔ حضرت حنہ کا کلام نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اس کے بعد وانی سمیتھا سے پھر حضرت مریم کی والدہ کا کلام ہے۔ بعض قرار نے وضعت تا کے جزم اور عین کے سکون سے پڑھا ہے اس تقدیر پر وضعت کی تا متکلم کی ہوگی اور معنی دوسرے ہو جائیں گے۔ لیکن ہم نے اس تقدیر پر بحث نہیں کی ہے۔ یہ قرات ابن عامر، ابوبکر اور یعقوب کی ہے۔ دوسرے قرار حفص کے موافق ہیں اور ہم نے ان ہی کی قرات کے لحاظ سے ترجمہ کیا ہے۔ اب آگے حضرت مریم کی قبولیت اور ان کی پرورش وغیرہ کا ذکر فرماتے ہیں چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل)
(باقی ضمیمہ میں)

ف۱ اس موقع پر حضرت زکریاؑ نے اپنے رب سے دعا کی اور یوں عرض کیا اے میرے پروردگار مجھ کو خاص اپنی بارگاہ سے نیک اور اچھی اولاد عنایت کر دیجئے بلاشبہ آپ دعا کے بہت سننے والے ہیں یعنی سنتے اور قبول فرماتے ہیں۔ اس پر فرشتوں نے ان کو جبکہ وہ مسجد میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے پکار کر کہا کہ اللہ تعالیٰ تم کو یحییٰ نامی لڑکے کی بشارت دیتا ہے جس کی حالت یہ ہوگی کہ وہ کلمۃ اللہ یعنی حضرت عیسیٰؑ کی تصدیق کرنیوالا اور سردار یعنی دینی پیشوا ہوگا اور اپنی خواہشات نفس پر پوری طرح قابو یافتہ ہوگا اور وہ نکوکاروں میں سے ایک نبی ہوگا (تیسیر) خلاصہ یہ کہ جب حضرت زکریاؑ نے مریم کے پاس بار بار بے فصل اور بے موسم کے پھل دیکھے تو خیال کیا کہ میرے ہاں بھی خلاف عادت اور بے فصل اولاد ہو جائے تو کچھ بعید نہیں۔ گو حضرت حق کی قدرت پر پہلے سے بھی اعتقاد تھا لیکن ہمت نہ پڑتی تھی اب بے فصل کے میووں کا آنا دیکھ کر جرأت ہوئی کیونکہ یہ خواہش پرانی تھی کہ کوئی ایسا جانشین ہو جائے جو آل یعقوبؑ کی دینی امانتوں کا وارث ہو اس لئے اُسی وقت یا اُسی جگہ جناب باری میں یہ درخواست کی حضرت زکریاؑ کی دعا قرآن میں کئی جگہ مذکور ہے لیکن سب کا مفاد ایک ہی ہے اگرچہ الفاظ مختلف ہیں اور یہ ہو سکتا ہے کہ مختلف اوقات میں مختلف الفاظ کہے ہوں اور ہو سکتا ہے کہ ایک ہی دعا میں سب الفاظ کہے ہوں اور یہاں اُن کا ایک حصہ مذکور ہو ذریۃ کے ساتھ طیبہ کی قید بھی لگائی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ بابرکت اور نیک ہو۔ یا گناہوں سے پاک اور معصوم ہو۔ بشارت دینے والے چند فرشتے بھی ہو سکتے ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فقط جبرئیلؑ ہوں اور اُن کی عظمت و سرداری کی وجہ سے اُن کو جمع کے لفظ سے تعبیر کیا ہو۔ بظاہر محراب سے یہاں مسجد مراد ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کی عبادت کا کوئی مخصوص حجرہ اور مقصورہ ہو۔ کلمۃ اللہ سے مراد حضرت عیسیٰؑ اور ان کی نبوت ہے اور ان کو کلمۃ اللہ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ بغیر باپ کے محض اللہ تعالیٰ کے حکم اور اُس کے لفظ کُن سے پیدا ہوئے تھے یا جس طرح اللہ کے کلام سے ہدایت حاصل ہوتی ہے اسی طرح حضرت عیسیٰؑ سے لوگ رہنمائی حاصل کرتے تھے حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ دونوں ایک زمانے میں ہوئے ہیں۔ البتہ حضرت یحییٰؑ چھ مہینے حضرت عیسیٰؑ سے بڑے تھے اور انھوں نے سب سے پہلے حضرت عیسیٰؑ کی تصدیق کی تھی۔ سید کے معنی سردار جو اپنی قوم کا سردار ہو یہاں دینی اقتدار اور دینی پیشوائی مراد ہے۔ حصر کے معنی حبس کے ہیں۔ یہاں مراد یہ ہے کہ اپنی خواہشات کو روکنے والا ہوگا۔ یعنی اس قدر ذی مرتبت ہوگا کہ جو خواہشات مباح ہیں اُن سے بھی پرہیز کریگا حضرت ابوہریرہؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ تمام بنی آدم اللہ تعالیٰ سے کوئی نہ کوئی گناہ لیکر ملاقات کریں گے مگر یحییٰ بن زکریاؑ صرف ایسے شخص ہوں گے جن کے پاس کوئی گناہ نہ ہوگا۔ نبی کے ساتھ صالحین کی قید کا مطلب یہ ہے کہ ایسا نبی جو نیک لوگوں کی اولاد میں سے ہوگا۔ یا یہ مطلب کہ ایسا نبی جو نہ کبیرہ کا مرتکب ہو نہ صغیرہ کا۔ یا یہ مطلب کہ انبیائے معصومین میں سے ہوگا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہاں صلاح سے مراد وہ صلاح ہو جس کا مرتبہ اس صلاح سے بلند ہے جو نبوت کے لئے ضروری ہے اور وہ ہر نبی میں ہوتی ہے لیکن یہ وہ صلاح ہے کہ اگر اس درجہ کی صلاح نہ ہو تب بھی نبوت میں کوئی نقصان نہیں۔ ہر نبی صالح ہوتا ہے مگر

الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا ۢ بِكَلِمَةٍ

آواز دے کر کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو یحییٰ کی بشارت دیتا ہے وہ کلمۃ اللہ یعنی حضرت عیسیٰؑ کی تصدیق

مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۳۹﴾

کرنیوالا ہوگا اور سردار ہوگا اور خواہشات پر پورا قابو یافتہ ہوگا اور وہ نکوکاروں میں سے ایک نبی ہوگا ف۱

قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَ

زکریاؑ نے عرض کیا اے میرے پروردگار میرے ہاں لڑکا کس طرح ہوگا حالانکہ مجھ پر بڑھاپا آ پہونچا اور

امْرَاَتِيْ عَاقِرٌ ۭ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاۗءُ ﴿۴۰﴾

میری عورت بچہ جننے کے قابل نہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اسی حالت میں ہوگا کیونکہ اللہ جو چاہتا ہے کر دیتا ہے۔

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ

زکریاؑ نے عرض کیا اے میرے پروردگار میرے لئے کوئی نشانی مقرر فرما دیجئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تمہارے لئے نشانی یہ ہے

النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ۭ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّ

کہ تم تین دن تک لوگوں سے سوائے اشارے کے کوئی بات چیت نہ کر سکو گے اور تم اپنے رب کو بکثرت یاد کرتے رہو اور

سَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿۴۱﴾ ع وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰۗىِٕكَةُ

شام و صبح اس کی پاکی بیان کرتے رہو ف۲ اور وہ وقت قابل ذکر ہے جب فرشتوں نے مریم سے

يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ

کہا اے مریم بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تجھ کو منتخب فرمایا اور تجھ کو ہر قسم کی آلودگی سے پاک رکھا اور سب جہان کی

عَلٰي نِسَاۗءِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۲﴾ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ

عورتوں کے مقابلہ میں تجھ کو چن لیا۔ اے مریم تو اپنے رب کی فرماں بردار بن کر رہ اور سجدہ کیا کر

وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَاۗءِ الْغَيْبِ

اور رکوع کرنیوالوں کے ساتھ رکوع کیا کر۔ اے نبی یہ باتیں غیب کی خبروں میں سے ہیں

نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۭ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ

جو ہم آپ کی طرف وحی کے ذریعہ پہنچاتے ہیں ورنہ آپ ان لوگوں کے پاس اسوقت موجود تھے جبکہ وہ اس بات پر کہ ان میں سے مریم کا نگراں

ع ۱۱ ۱۲

یہاں جس صلاح کا ذکر ہے وہ عام صلاح سے بلند ہے۔ اسی بناء پر حضرت سلیمانؑ نے اپنی دعا میں کہا تھا وادخلنی برحمتك فی عبادك الصالحین یہ صلاح کا وہ مرتبہ ہے جس کے حاصل کرنے کے انبیاء بھی متمنی ہوتے ہیں۔ حضرت یحییٰؑ کو نبیا من الصالحین فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایسا نبی ہوگا جو صلاح کے انتہائی مرتبہ پر فائز ہوگا۔ بہرحال فرشتوں کی معرفت حضرت زکریاؑ کو تفصیلی بشارت دیدی گئی اور ہونے والے لڑکے کا نام اور اُس کے اوصاف بھی بیان کر دیئے گئے۔ اگرچہ یہ بشارت نماز میں دی گئی لیکن حضرت حق کی جانب سے چونکہ یہ پیام دیا گیا تھا اس لئے توجہ الی اللہ کے منافی نہیں ہوا بلکہ حضرت حق کی جانب توجہ کے بڑھانے کا موجب ہوا۔ لہٰذا یہ شبہ نہ کیا جائے کہ نماز میں جو پیام دیا گیا اُس سے توجہ الی اللہ کو نقصان پہونچا ہوگا۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں گواہی دے گا اللہ کے حکم کی یعنی مسیحؑ کی جو حضرت عیسیٰؑ پیدا ہوئے حضرت یحییٰؑ لوگوں کو آگے سے خبر دیتے تھے حضرت عیسیٰؑ کو اللہ نے خطاب دیا ہے (باقی ضمیمہ میں)

أَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۠ وَمَا كُنتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَخْتَصِمُونَ ﴿٤٤﴾
کون بنے اپنی اپنی قلمیں قرعہ اندازی کیلئے ڈال رہے تھے اور آپ ان کے پاس اسوقت موجود تھے جبکہ وہ لوگ آپس میں جھگڑ رہے تھے ف

إِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ إِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ
وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جبکہ فرشتوں نے کہا اے مریم اللہ تعالیٰ تجھ کو ایک ایسے کلمہ کی بشارت دیتا ہے جو

مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيهًا فِي
خدا کی جانب سے ہوگا یعنی اس کے لفظِ کُن کا ظہور ہوگا اس کا نام مسیح عیسیٰؑ ابن مریم ہوگا وہ دنیا اور آخرت میں

الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ﴿٤٥﴾ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ
ذی مرتبت ہوگا اور مقرب بارگاہ لوگوں میں سے ہوگا ف اور وہ لوگوں سے پنگوڑے میں بھی

فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَمِنَ الصّٰلِحِينَ ﴿٤٦﴾ قَالَتْ رَبِّ أَنّٰى
کلام کریگا اور پوری عمر کا ہو کر بھی اور وہ اعلیٰ درجہ کے نکوکاروں میں سے ہوگا ف مریم نے کہا اے میرے پروردگار

يَكُونُ لِي وَلَدٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ ۖ قَالَ كَذٰلِكِ
میرے ہاں لڑکا کیونکر ہوگا حالانکہ مجھ کو کسی شخص نے چھوا تک بھی نہیں جواب ملا یوں ہی ہوگا

اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۚ إِذَا قَضٰٓى أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ
اللہ تعالیٰ جو چاہے پیدا کر دیتا ہے جب وہ کسی کام کا فیصلہ کر لیتا ہے تو بس اسکو صرف اتنا کہدیتا ہے کہ

كُن فَيَكُونُ ﴿٤٧﴾ وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ
ہو جا چنانچہ وہ ہو جاتا ہے ف اور اللہ تعالیٰ اس کو کتب سماویہ کی اور دانائی کی باتوں کی اور توریت

وَالْإِنجِيلَ ﴿٤٨﴾ وَرَسُولًا إِلٰى بَنِىٓ إِسْرٰٓءِيلَ ۙ أَنِّى
اور انجیل کی تعلیم دے گا۔ اور بنی اسرائیل کے لئے اسکو رسول مقرر کرے گا وہ بنی اسرائیل سے کہیگا میں تمہارے

قَدْ جِئْتُكُم بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ ۙ أَنِّىٓ أَخْلُقُ لَكُم
رب کی نشانی لیکر تمہارے پاس آیا ہوں وہ یہ ہے کہ میں تمہارے سامنے مٹی سے

مِّنَ الطِّينِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَأَنفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ
ایک پرندے کی صورت بناتا ہوں پھر اس کے اندر پھونک مارتا ہوں تو وہ خدا کے حکم سے

ف وہ وقت یاد کرو جب فرشتوں نے حضرت مریم سے کہا اے مریم یقیناً اللہ تعالیٰ تجھ کو ایک ایسے کلمہ کی بشارت دیتا ہے جو اس کی جانب سے ہوگا یعنی بغیر کسی باپ کے محض اللہ کے حکم سے تیرے ہاں بچہ پیدا ہوگا۔ اس کا نام اور لقب اور اس کی کنیت مسیح عیسیٰ بن مریمؑ ہوگا وہ دنیا اور آخرت دونوں میں ذی وجاہت اور آبرو والا ہوگا اور وہ مقربین بارگاہِ الٰہی میں سے ہوگا (تیسیر) فرشتوں سے مراد چند فرشتے یا حضرت جبریلؑ ہیں۔ مسیح کے معنی بہت سے ہیں۔ بکثرت سفر کرنیوالا۔ ہاتھ پھیرنے والا۔ ہر قسم کی پلیدگی سے صاف کیا گیا۔ صدیق۔ بابرکت۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ معرب ہو اور اصل لفظ کوئی عبرانی ہو۔ صاحب قاموس فرماتے ہیں اس کے اشتقاق میں علماء کے پچاس اقوال ہیں۔ احادیث میں دجال کو بھی مسیح کہا گیا ہے وہ بھی اس کی سیاحت یا ممسوح العین ہونے کی وجہ سے کہا اور اصل یہ ہے کہ مسیح اضداد میں سے ہے اس کے معنی بابرکت کے بھی ہیں اور ملعون کے بھی ہیں۔ بابرکت ہونے کے اعتبار سے حضرت عیسیٰؑ کا لقب ہے اور ملعون ہونے کے اعتبار سے دجال کا۔ اس کے معرب ہونے میں بھی کئی قول ہیں۔ عام طریقہ سے مفسرین نے ایشوع کا معرب کہا ہے واللہ اعلم۔ کلمۃ اللہ کی وجہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ چونکہ ان کی پیدائش عام طور پر مرد و عورت کی مواصلت سے نہیں ہوئی بلکہ غیر فطری طور پر بغیر باپ کے ہوئی تھی اور وہ محض لفظِ کن کے مظہر تھے اس لئے ان کو کلمۃ اللہ کہا جاتا ہے۔ اگرچہ اس عالم کی ہر چیز ہی لفظِ کُن کا ظہور ہے لیکن اس عالم تکوین میں ہر چیز کا کوئی نہ کوئی سبب متعارف موجود ہے۔ لیکن حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش میں چونکہ سبب متعارف مفقود تھا اس لئے ان کا لقب کلمۃ اللہ فرمایا۔ اور ان کو ابن مریمؑ کہنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ چونکہ ان کا کوئی باپ نہ تھا اس لئے بجائے باپ کے ان کی نسبت ماں کی طرف کی گئی۔ دنیا کی وجاہت یہ کہ وہ نبی اور مقتدر تھے اور آخرت کی وجاہت یہ کہ جنت میں بلند مقام پر فائز ہوں گے اور لوگوں کی شفاعت کریں گے جو تقرب انبیاء کو حاصل ہوتا ہے وہ ان کو بھی حاصل ہوگا۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں حضرت عیسیٰؑ کی بشارت پہلے نبیوں نے دی تھی کہ مسیح پیدا ہوگا جس سے بنی اسرائیل کو عروج ہوگا۔ مسیح کے معنیٰ جس کے ہاتھ لگانے سے بیمار اچھے ہوں یا جس کا کہیں وطن نہ ہو ہمیشہ سیاحی میں رہے سو حضرت عیسیٰؑ پیدا ہوئے اور یہود ان کو نہیں مانتے جب یہود میں دجال پیدا ہوگا وہ آپ کو مسیح کہے گا یہود اس کو مسیح مانیں گے (موضح القرآن) یعنی دجال مسیح ہونے کا بھی دعویٰ کرے گا اور یہود اس کو جو کچھ وہ کہے گا تسلیم کریں گے یہ حضرت عیسیٰؑ کے انکار کی لعنت کا اثر ہوگا کہ دجال کی خدائی پر ایمان لائینگے اب آگے حضرت عیسیٰؑ کے اور اوصاف مذکور ہیں (تسہیل) ف۲ اور وہ لوگوں سے گہوارے اور ماں کی گود میں بھی کلام کرے گا اور بڑی عمر کو پہونچکر بھی لوگوں سے کلام کرے گا یعنی حالتِ رضاعت و طفولیت کے کلام میں اور بڑی عمر کے کلام میں باہم کوئی فرق نہ ہوگا اور وہ ان نکوکار لوگوں میں سے ہوگا جو صلاح کے انتہائی مرتبہ پر فائز ہوتے ہیں (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ وہ صاحبِ معجزات ہوگا۔ جو بچپنے میں بھی لوگوں سے بات چیت کرے گا۔ مہد اس مقام کو کہتے ہیں جو بچوں کیلئے بنایا جاتا ہے خواہ ماں کی گود ہو۔ یا گہوارہ ہو۔ جھولا ہو یا پنگورا ہو۔ صلاح کا مطلب ہم اوپر بیان کر چکے ہیں یعنی صلاح اور نکوکاری کا بلند سے بلند مرتبہ۔ کہولت میں مفسرین کے کئی قول ہیں عام طور سے کہولت چالیس سال کے بعد کی عمر کو کہتے ہیں۔ اُن کا رفع الی السماء کہولت سے قبل ہوا ہے کیونکہ جب ان کو آسمان پر اٹھایا گیا تو ان کی عمر تینتیس سال تھی۔ لہٰذا کہولت میں کلام کرنا اُن کا باقی ہے اور قرآن کی یہ پیشین گوئی اُس وقت پوری ہوگی جب وہ آسمان سے نازل ہوں گے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی ہدایت کی باتیں سکھا دے گا لوگوں کو سو وہ باتیں حضرت عیسیٰؑ نے ماں کی گود میں کہیں یا نبی ہو کر کہیں (موضح القرآن) اب آگے حضرت مریم کا قول ہے کہ یہ بشارت کس طرح پوری ہوگی اور اس کی شکل کیا ہوگی کیونکہ بچہ تو مرد و عورت کی مواصلت سے ہوتا ہے اور مجھ کو تو کسی اجنبی مرد نے ہاتھ تک نہیں لگایا۔ تو مجھ کو نکاح کا حکم دیا جائیگا یا بدون باپ کے بچہ ہوگا چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل) ف۳ اس پر حضرت مریم نے کہا اے میرے پروردگار میرے ہاں لڑکا کس طرح ہوگا حالانکہ مجھ کو تو کسی آدمی نے چھوا تک بھی نہیں فرشتے کے واسطے سے جواب دیا گیا کہ اسی طرح بلا مرد کے تیرے ہاں بچہ ہوگا اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے (باقی ضمیمہ میں)

ف۱ اور اے بنی اسرائیل میرا حال یہ ہے کہ میں اس کتاب توریت کی جو مجھ سے پہلے نازل ہو چکی ہے تصدیق کرنیوالا اور اُس کو سچا بتانے والا ہوں اور میں اس لئے آیا ہوں کہ بعض ایسی چیزیں جو شریعتِ موسوی میں تم پر حرام کر دی گئیں تھیں اُن کو تمہارے لئے حلال کر دوں یعنی بحیثیت ایک صاحب شریعت اور صاحب کتاب نبی ہونے کے توریت کے بعض احکام کو منسوخ کر دوں اور ایسا کرنے کا مجھے حق ہے کیونکہ میں کہہ چکا ہوں کہ میں اپنی نبوت پر تمہارے رب کی طرف سے دلیل اور نشان لیکر آیا ہوں لہٰذا اے بنی اسرائیل تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو اور تمام دینی امور میں میری اطاعت کرو (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ جب معجزات صریحہ اور دلائل واضحہ سے میرا نبی ہونا ثابت ہو گیا اور یہ معلوم ہو گیا کہ میں مستقل کتاب اور مستقل شریعت لے کر آیا ہوں تو اب مجھ پر ایمان لانا اور میری اطاعت کرنا ضروری ہے اور مجھ کو بعض احکام سابقہ کے منسوخ کرنے کا بھی حق ہے جیسے جانوروں کی چربی اور گوشت کا بعض حصہ تم پر حرام تھا میں اُس کی حرمت کو منسوخ کر کے اس کی حلت کا حکم دوں گا۔ اور یہ توریت کی تصدیق کے منافی نہیں ہے بلکہ جس طرح قرآن کا بعض حصہ بعض کو منسوخ کرتا ہے حالانکہ تمام قرآن مومن بہ ہے اسی طرح توریت کا مصدق ہونے کے باوجود بعض احکام کو منسوخ کر دوں گا۔ آگے ان کی تصدیق کا باقی حصہ مذکور ہے (تسہیل) ف۲ یقین جانو اللہ تعالیٰ میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے لہٰذا تم اُس کی عبادت اور بندگی اختیار کرو اور یاد رکھو یہی راستہ سیدھا ہے (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ دین کی سیدھی راہ اور نجات کا صحیح راستہ یہی ہے کہ بندے کے عقائد و اعمال درست ہوں ربی و ربکم میں عقیدے کی اصلاح ہے اور فاعبدوہ میں اعمال کی بجا آوری کا خلاصہ ہے میرا بھی رب ہے یہ شاید اس لئے فرمایا کہ مبادا بے باپ کے پیدا ہونے اور میرے متعلق پیار و محبت کے کلمات فرمانے کی وجہ سے کہیں میرے متعلق کوئی غلط عقیدہ قائم نہ کر لیا جائے بلکہ وہ جس طرح تمام مخلوق کا خالق اور مالک ہے اسی طرح وہ میرا خالق اور مالک ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں حضرت عیسیٰ کے وقت توریت میں سے کئی حکم جو مشکل تھے موقوف ہوئے باقی وہی توریت کا حکم تھا۔ موضح القرآن اب آگے حضرت عیسیٰ کے اور واقعات مذکور ہیں اور عبارت کا تعلق اس طرح ہے کہ حضرت عیسیٰؑ پیدا ہوئے انھوں نے اپنی قوم سے بچپن میں کلام کیا جوان ہوئے توریت اور انجیل کے عالم ہوئے لوگوں کو ہدایت کی دعوت دی۔ معجزات دکھائے۔ لیکن بنی اسرائیل نے انکار کیا ان کے درپے آزار ہوئے یہاں تک کہ ان کو قتل کرنے کے لئے آمادہ ہو گئے چنانچہ جب آنھوں نے اس سخت مخالفت کو ملاحظہ فرمایا تو اپنے اعوان و انصار کو جمع کیا۔ (تسہیل) ف۳ لہٰذا جب حضرت عیسیٰؑ نے بنی اسرائیل کی جانب سے کفر و انکار دیکھا اور آپ کو ان کے کفر کا پورا علم ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ کون ہے جو کافروں کے مقابلہ میں دین حق کی حمایت کرنے کو اللہ کے واسطے میرا مددگار ہو۔ اس پر حواریوں نے عرض کیا ہم اللہ تعالیٰ کے دین اور اس کے رسول کے مددگار ہیں ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور آپ اس امر پر گواہ رہیے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے اور اس کے رسول کے فرماں بردار ہیں۔ (تیسیر) حور کے معنی ہیں خالص سفید۔ ہو سکتا ہے کہ یہ دھوبی ہوں جو کپڑے کو سفید کرتے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ یہ مچھلی کا شکار کرنیوالے ہوں یا ملاح ہوں۔ بہرحال حواری کے معنی مددگار کے ہیں جو انبیاء علیہم السلام کی مدد کریں۔ کلبی کا قول ہے کہ اس سے اُن کی جماعت کے بزرگ لوگ مراد ہیں جن کی تعداد بارہ تھی، قتادہ نے کہا ان کے مشیر اور وزیر تھے اور ایسے لوگ تھے جو خلافت کے اہل تھے بہرحال جب کفار کا عناد اور دشمنی ظاہر ہو گئی تو حضرت عیسیٰؑ نے اپنے حواریین کے روبرو یہ فرمایا۔ حواریین اگر بنی اسرائیل میں سے تھے تب تو ظاہر ہے کہ ایک پارٹی بنی اسرائیل میں سے ان پر ایمان لائی ہوگی اور اگر بنی اسرائیل کے علاوہ یہ لوگ ہوں تب بھی حضرت عیسیٰؑ پر ایمان لے آئے ہوں گے کیونکہ ان کے ہاں کوئی نبی نہ ہوگا۔ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ وہ تمام بنی اسرائیل کے نبی تھے۔ بنی اسرائیل کے علاوہ جو لوگ تھے ان کی حیثیت میں ذرا تفصیل ہے۔ اگر ان میں کوئی دوسرا نبی مبعوث ہوا تھا تب تو ان کو بھی اصول میں حضرت عیسیٰؑ کا اتباع واجب تھا اگرچہ فروع میں نہیں اور اگر ان میں کوئی دوسرا نبی مبعوث نہیں تھا تو ان کو حضرت عیسیٰؑ پر ایمان لانا ضروری تھا۔

(باقی صفحہ ۸۹ پر)

طَيْرًا بِإِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَأُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ وَأُحْيِ

سچ مچ کا پرندہ بن جاتا ہے اور میں مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو تندرست کر دیتا ہوں اور میں خدا کے حکم سے

الْمَوْتٰى بِإِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَأْكُلُوْنَ وَمَا

مُردوں کو زندہ کر دیتا ہوں اور جو کچھ تم کھاتے ہو اور جو کچھ دوسرے دن کیلئے اپنے گھروں میں

تَدَّخِرُوْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ۭ إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ

رکھ آتے ہو میں تمہیں وہ سب بتا دیتا ہوں بلاشبہ ان امور مذکورہ میں تمہارے لئے بڑی دلیل ہے

إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۴۹﴾ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ

اگر تم ایمان لانیوالے ہو گے اور میں اس توریت کی تصدیق کرنیوالا بن کر آیا ہوں جو مجھ سے پہلے

مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِأُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ

نازل ہوئی تھی اور میں اسلئے آیا ہوں کہ بعض وہ چیزیں جو تم پر حرام کر دی گئی تھیں انکو تمہارے لئے حلال کر دوں

وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۣ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوْنِ ﴿۵۰﴾

اور میں تمہارے پاس تمہارے رب کی دلیل لیکر آیا ہوں لہٰذا تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری فرماں برداری کرو ف۱

إِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ

بے شک اللہ تعالیٰ میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے سو تم اُس کی عبادت کرو یہی سیدھا

مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۵۱﴾ فَلَمَّا أَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ

راستہ ہے ف۲ پھر جب عیسیٰ کو بنی اسرائیل کی جانب سے کفر کا یقین ہوا تو اُس نے کہا

مَنْ أَنْصَارِيْ إِلَى اللّٰهِ ۭ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ

کون ہے جو اللہ کے کام میں میرا مددگار ہو حواری بولے اللہ کے مددگار

أَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِأَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۵۲﴾

ہم ہیں ہم اللہ پر ایمان لائے اور اے عیسیٰ تم اس پر گواہ رہو کہ ہم فرماں بردار ہیں ف۳

رَبَّنَا اٰمَنَّا بِمَا أَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا

اے ہمارے پروردگار جو کچھ تو نے نازل کیا ہم اس پر ایمان لائے اور ہم نے رسول کی پیروی اختیار کی لہٰذا ہم کو بھی ان

(بقیہ صفحہ ۸۸) اور اصول و فروع دونوں میں ان کی اتباع واجب تھی۔ مزید تفصیل انشاء اللہ سورۂ صف میں آجائے گی۔ حضرت عیسیٰؑ سے گواہ رہنے کی درخواست اس لئے کی کہ قیامت میں ہر پیغمبر اُن لوگوں کی شہادت دے گا جو اُس کے ہاتھ پر شرف باسلام ہوئے ہوں گے اور اُس کے مددگار رہے ہوں گے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں حضرت عیسیٰؑ کے بارہ یار کا خطاب تھا حواری۔ حواری اہل کہتے ہیں دھوبی کو ان میں پہلے جو دو شخص ان کے تابع ہوئے دھوبی تھے حضرت عیسیٰؑ نے اُن کو کہا کپڑے کیا دھویا کرتے ہو میں تم کو دل دھونے سکھا دوں وہ ان کے ساتھ ہوئے اس طرح سب کو یہی خطاب ٹھہر گیا۔ فائدہ اس آیت کے معنی یہ کہ حضرت عیسیٰؑ اصل رسول تھے واسطے بنی اسرائیل کے جب یہ معلوم کیا کہ یہ میرا دین قبول نہ کریں گے چاہا کہ اور کوئی میرے دین کو رواج دے۔ حواریوں کے ہاتھ سے غیروں کو دین پہنچا، اب تک بنی اسرائیل اُن کے دین میں کم ہیں (موضح القرآن) شاہ صاحبؒ کے انداز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حواری بنی اسرائیل میں سے نہ تھے۔ اگرچہ اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ حواری بنی اسرائیل میں سے تھے۔ اگر حواری بنی اسرائیل میں سے نہ ہوں تب بھی ہم عرض کر چکے ہیں کہ ان لوگوں میں سے کوئی نبی اگر مبعوث ہوا تو اصولاً اور اگر کوئی نبی مبعوث نہ ہوا تھا تو اصولاً و فروعاً ان لوگوں کو حضرت عیسیٰؑ کی اتباع واجب تھی واللہ اعلم۔ حضرت عیسیٰؑ کو اطمینان دلانے کے بعد حواریوں نے حضرت حق کی جناب میں دعا کی چنانچہ فرماتے ہیں (تسہیل)

ف (تفسیر صفحہ ہذا): حواریوں نے کہا اے ہمارے پروردگار ہم اُن تمام احکام پر جو آپ نے نازل فرمائے ہیں ایمان لائے اور ہم نے اس رسول یعنی عیسیٰ علیہ السلام کی پیروی اختیار کی لہٰذا آپ ہم کو گواہی دینے والوں اور تصدیق کرنے والوں کے ہمراہ لکھ دیجئے اور اُن لوگوں کے ساتھ ہمارا بھی اندراج کر لیجئے جو آپ کی وحدانیت کی گواہی دیتے ہیں اور آپ کے رسولوں کی تصدیق کرتے ہیں۔ (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ عام مسلمانوں میں جو آپ کی وحدانیت اور آپ کے رسولوں کی رسالت کا اقرار کرنے والے ہیں اُن میں ہمارا نام بھی لکھ دیجئے۔ اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ انبیاء کے ساتھ لکھ دیجئے کیوں کہ قیامت میں انبیاء علیہم السلام شہادت دیں گے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اُمتِ محمدیہ کے ساتھ ہمارا نام لکھ دے کیونکہ یہ اُمت بھی قیامت کے دن شہادت دینے والی ہوگی واللہ اعلم۔ اب آگے یہود کے مکر و فریب کا اور اُن کی ناکامی کا ذکر ہوتا ہے (تسہیل) ف اور بنی اسرائیل کے اُن لوگوں نے جو حضرت عیسیٰؑ کے مخالف اور اُن کی نبوت کے منکر تھے ایک چال چلی اور خفیہ تدبیر کی اور اللہ تعالیٰ بھی اُن کو شکست دینے کی غرض سے ایک چال چلا اور اُن کے جواب میں اُس نے بھی ایک خفیہ تدبیر کی اور اللہ تعالیٰ تمام تدبیر کرنے والوں میں بہتر اور عمدہ تدبیر کرنے والا ہے (تیسیر) مخالفوں کی تدبیر یہ تھی کہ حضرت عیسیٰؑ کو گرفتار کرایا اور سولی پر چڑھانے کا سامان کیا اور یہ چاہا کہ حضرت عیسیٰؑ کو ہلاک کر دیں اور اللہ تعالیٰ کی تدبیر یہ کہ اُن کو مع الخیر آسمان پر اُٹھا لیا اور اُن کے مخالفوں میں سے ایک شخص کو اُن کی ہم شکل اور اُن کا مشابہ کر دیا جس کو اُنھوں نے سولی پر چڑھا دیا۔ اور اُن کو اس تبدیلی کی خبر بھی نہیں ہوئی اسی کو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بہترین تدبیر کرنے والا ہے کیونکہ اُس کی چال اور اُس کی تدبیر سب کی تدبیر اور چالوں پر غالب ہوتی ہے

ع ۵ / ۱۳ / ۱۴

مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ

لوگوں کے ساتھ لکھ دے جو حق کی شہادت دینے والے ہیں ف اور یہود ایک چال چلے اور اللہ تعالیٰ انکے توڑ کیلئے دوسری چال چلا اور اللہ تعالیٰ تمام

الْمٰكِرِيْنَ ﴿۵۴﴾ ع اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَ

چال چلنے والوں میں بہترین چال چلنے والا ہے ف اس وقت اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے عیسیٰؑ میں تیرے دنیا میں رہنے کی مدت پوری کروں گا اور

رَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

تجھ کو اپنی طرف اُٹھا لینے والا ہوں اور میں تجھ کو کافروں کے اتہامات سے پاک کرنے والا ہوں

وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى

اور میں تیری پیروی کرنے والوں کو روز قیامت تک ان لوگوں پر جو منکر ہیں

يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَىَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ

غالب رکھنے والا ہوں پھر تم سب کی بازگشت میری طرف ہوگی اس وقت میں تمہارے مابین ان باتوں کا فیصلہ کر دوں گا جن میں تم

فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۵۵﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ

باہم اختلاف کیا کرتے تھے ف سو وہ لوگ جنھوں نے کفر کی روش اختیار کی اُن کو تو دنیا میں بھی اور

عَذَابًا شَدِيْدًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۫ وَمَا لَهُمْ مِّنْ

آخرت میں بھی سخت عذاب کروں گا اور ان لوگوں کا کوئی

نّٰصِرِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

مددگار نہیں ہوگا۔ اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے تو

فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۷﴾ ذٰلِكَ

اللہ تعالیٰ ان کا حق الخدمت ان کو پورا پورا دیگا اور اللہ تعالیٰ ناانصافوں کو پسند نہیں کرتا۔ یہ باتیں

نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ﴿۵۸﴾

جو ہم آپ کو پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں یہ دلائل اور حکمت آمیز نصیحت ہے ف یقیناً

اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ

عیسیٰؑ کا حال خدا کے نزدیک ایسا ہی ہے جیسا آدمؑ کا حال کہ اس کے قالب کو مٹی سے

مکر۔ کسی شخص کو حیلہ بہانہ سے ایسی چیز کی طرف کھینچ لانا جو اس کو نقصان دہ ہو۔ راغب نے کہا کسی شخص کو حیلہ بہانہ سے اُس کے مقصد اور ارادے سے پھیر دینا۔ یہ مکر کسی اچھی غرض کیلئے کیا جائے تو محمود ہے اور کسی برے مقصد کیلئے کیا جائے تو مذموم ہے جیسے سورۂ فاطر میں فرمایا ولا یحیق المکر السیئ الا باھلہ۔ عام طریقہ سے قرآن میں مکر اور کید کفار کی اُن سازشوں پر بولا گیا ہے جو وہ اپنے اپنے پیغمبروں کے خلاف کیا کرتے تھے۔ عزیز مصر کی بیوی کے ساتھ جن عورتوں نے یوسفؑ کو آمادہ کرنے کی چال چلی تھی اُن کی چال کو بھی مکر فرمایا ہے۔ حضرت حق جل مجدہٗ چونکہ کافروں کی سازشوں کو ناکام کر دیتا ہے اس لئے اُس کی جانب بھی مکر اور کید کی نسبت جواباً اور جزاءً کر دی جاتی ہے۔ نیز اس لئے کہ اُن کا مکر محمود ہے کیونکہ اُن کا مکر انبیاء کی حمایت و حفاظت اور کفار کو ناکام کرنے کیلئے ہوتا ہے۔ اور چونکہ اُن کی گرفت اچانک اور بے سان و گمان ہوتی ہے اور اُن کی پکڑ سے مجرم فرار نہیں ہو سکتا اس لئے خیر الماکرین فرمایا یعنی اُن کا مکر نہایت قوی نہایت مضبوط اور نہایت خفیہ ہوتا ہے (باقی ضمیمہ میں)

تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۵۹﴾ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا

بنایا پھر اسکو کہا کہ ہو جا چنانچہ وہ ہو گیا اے نبی یہ امور واقعیہ ہیں جو آپ کے رب کی جانب سے بتائے گئے ہیں تو آپ ان لوگوں

تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۶۰﴾ فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ

میں شامل نہ ہوں جو شک کرنیوالے ہیں ف پھر آپ کے پاس صحیح علم آجانے کے بعد جو شخص

مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ

آپ سے کج بحثی کرے تو آپ فرما دیجئے اچھا آؤ ہم تم مل کر اپنے اپنے بیٹوں کو اور اپنی اپنی

اَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ

عورتوں کو بلالیں اور خود ہم اپنے آپ کو بھی شریک کریں

ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ﴿۶۱﴾

پھر ہم سب مل کر خدا کی جناب میں اس طور پر دعا کریں کہ اُن پر اللہ کی لعنت ڈالیں جو جھوٹے اور ناحق پر ہوں ف

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ؕ

بالیقین یہ جو کچھ بیان ہوا یہی واقعات حق ہیں اور بجز اللہ تعالیٰ کے کوئی معبود ہونیکے لائق نہیں

وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۶۲﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ

اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی بڑا زبردست بڑی حکمت والا ہے۔ پھر اگر وہ انحراف کریں تو بیشک

اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿۶۳﴾ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ

اللہ تعالیٰ فساد برپا کرنیوالوں سے خوب واقف ہے۔ آپ اہل کتاب سے کہدیجئے اے اہل کتاب

تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ

ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں مشترک ہے وہ یہ کہ سوائے خدا تعالیٰ کے ہم

اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا

کسی کی عبادت نہ کریں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور اللہ تعالیٰ کے سوا ہم میں سے کوئی

بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا

ایک دوسرے کو رب بنائے پھر اگر وہ لوگ اس دعوت سے بھی روگردانی کریں تو تم لوگ ان سے کہدو کہ

ف اب اگر کوئی شخص اس کے بعد کہ آپ کے پاس صحیح علم آچکا اور ایسے واضح دلائل آچکے جس سے یقینی علم حاصل ہو جاتا ہے پھر کج بحثی اور کٹ حجتی کرنے لگے تو آپ یوں فرما دیجئے کہ اچھا اگر تم دلیل سے نہیں مانتے تو آؤ ہم تم ملکر اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو اور اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو بلالیں اور ہم اپنے آپ کو اور تم کو بھی ملا کر جمع کرلیں پھر ہم ملکر نہایت عاجزانہ اور گڑگڑا کر اس طرح دعا کریں کہ جھوٹوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت بھیجیں۔ یعنی یوں دعا کریں کہ ہم میں اور تم میں جو جھوٹا اور ناحق پر ہو اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت نازل ہو (تیسیر) لعنت کے معنی ہم بتا چکے ہیں کہ اللہ کی رحمت سے دور ہونے کو کہتے ہیں جو رحمت سے دور ہوگا وہ غضب اور قہر سے نزدیک ہوگا۔ بَهْلَة کے معنی چھوڑ دینے اور ترک کرنے کے ہیں۔ ابتہال کی دعا کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی رحمت جھوٹوں سے علیحدہ ہو جائے اور جھوٹوں کو خدا کی رحمت چھوڑ دے۔ ابتہال کی دعا میں تضرع کی بھی رعایت ہوتی ہے اسی لئے ہم نے تیسیر میں گڑگڑانا کیا ہے۔ ندع ابناءنا کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں۔ تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ ہم اپنی عورتوں کو بلائیں تم اپنی عورتوں کو بلاؤ۔ ہم اپنے آپ کو بلائیں تم اپنے آپ کو بلاؤ ہم نے ترجمہ اور تیسیر میں لفظی ترجمہ کا خلاصہ کر دیا ہے۔ مدعا یہ ہے کہ اگر تم لوگ دلیل کے قائل نہیں ہوتے تو آؤ قطع حجت کیلئے آپس میں مل کر مباہلہ کریں۔ مباہلہ یہ کہ تم اپنے عزیز واقربا کو لے آؤ ہم اپنے عزیز واقربا کو لے آئیں اور ہم تم اپنے آپ بھی شریک ہوں پھر ہم تم سب مل کر ایک میدان میں جمع ہو کر یوں خدا سے دعا کریں کہ اے اللہ جو گروہ ہم میں جھوٹا اور ناحق پر ہو تو اس کو اپنی رحمت سے دور کر دے۔ اس موقعہ پر حضرات مفسرین نے بہت سی روایتیں نقل کی ہیں اُن میں سے بعض روایات صحیح ہیں اور بعض کی اسناد میں غرابت ہے بہرحال ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ ۹ھ ہجری میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران کے حاکم کو بھی ایک خط لکھا تھا جس میں ان کے سامنے تین باتیں پیش کی تھیں۔ خط کی عبارت یہ تھی۔ بسم اله ابراهيم واسحاق ويعقوب من محمد النبي رسول الله الى اسقف نجران فانى احمد اليكم اله ابراهيم واسحق ويعقوب اما بعد فانى ادعوكم الى عبادة الله من عبادة العباد وادعوكم الى ولاية الله من ولاية العباد فان ابيتم فالجزية فان ابيتم فقد اذنتكم بحرب والسلام۔ یعنی شروع کرتا ہوں ابراہیم اور اسحٰق اور یعقوب کے معبود کے نام سے یہ خط ہے محمد رسول اللہ کی جانب سے طرف نجران کے حاکم اور سردار کے میں حمد وثنا کرتا ہوں حضرت ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کے معبود کی۔ حمد وثنا کے بعد میں تم کو دعوت دیتا ہوں کہ تم بندوں کی عبادت چھوڑ کر اللہ کی عبادت اختیار کرو اور بندوں کی سرپرستی سے نکل کر خدا کی سرپرستی میں آجاؤ پھر اگر تم اپنے ہی دین پر قائم رہنا چاہتے ہو تو جزیہ دینا قبول کرو اور اگر جزیہ بھی قبول نہیں کرتے تو جنگ کیلئے تیار ہو جاؤ۔ والسلام۔ اس خط کو پڑھنے کے بعد نجران کے سردار نے مشیران خاص سے مشورہ کیا۔ سب سے پہلے شرحبیل بن وداعہ سے مشورہ کیا شرحبیل نے کہا بادشاہ کو معلوم ہے کہ حضرت اسمٰعیل کی اولاد میں ایک نبی کے آنے کا وعدہ ہماری کتابوں میں موجود ہے۔ کچھ بعید نہیں ہے کہ یہ وہ ہی نبی ہو۔ یہ دین کی بات ہے اس میں میں کیا کہہ سکتا ہوں چنانچہ شرحبیل کے بعد ابہم۔ سید اور عاقب سے بادشاہ نے مشورہ کیا۔ پھر ایک دن وادی نجران کے تمام ذمہ دار لوگوں کو بلا کر مشورہ کیا اور رائے یہ قرار پائی کہ پہلے چند آدمیوں کو بطور وفد مدینہ بھیجا جائے اور اس وفد کو یہ اختیار دیا جائے کہ وہ اُس شخص کا حال دیکھ کر اور تمام ماحول کا اندازہ لگا کر جو مناسب سمجھے فیصلہ کر آئے اور ہم سب لوگ اس فیصلے کے پابند ہوں چنانچہ اس بنا پر یہ وفد حاضر ہوا اور یہاں آکر گفتگو کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی مسجد میں نماز پڑھنے کی اجازت بھی دی اور یہ لوگ اپنے طریق پر مشرق کی طرف مُنہ کرکے نماز پڑھتے رہے۔ اس سلسلے میں جو آیتیں نازل ہوتی رہیں حضور اُن کو سُناتے رہے تا آنکہ آخر میں ان سے کہا گیا کہ اچھا آؤ اب آخری فیصلہ کیلئے مباہلہ منظور کرو۔ چنانچہ انھوں نے اول مہلت طلب کی اور وفد کے تمام ممبروں نے باہم مشورہ کیا۔ دوسرے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسینؓ اور حضرت حسنؓ اور حضرت علیؓ کے ہمراہ تشریف لائے حضرت فاطمہؓ پیچھے پیچھے تھیں

(باقی ضمیمہ میں)

ف۱ اے اہل کتاب۔ تم حضرت ابراہیمؑ کے بارے میں کیوں جھگڑا کرتے ہو کہ وہ یہودیت مسلک رکھتے تھے یا نصرانیت حالانکہ توریت اور انجیل نہیں نازل ہوئی مگر حضرت ابراہیمؑ کے بعد تو کیا تم پھر اتنی بات بھی نہیں سمجھتے (تیسیر) یعنی کیسے بے وقوف اور کم عقل ہو کہ توریت جو یہودیت کا مخزن ہے اور انجیل جو نصرانیت کا سرچشمہ ہے جب یہ دونوں کتابیں اُن کے زمانہ میں موجود ہی نہ تھیں بلکہ اُن کی وفات کے بعد نازل ہوئی ہیں تو ان کی یہودیت اور نصرانیت کا سوال ہی کیسے پیدا ہو سکتا ہے اسی لئے فرمایا افلا تعقلون تو کیا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یہود و نصاریٰ کا جھگڑا یہ تھا کہ ہر کوئی کہتا تھا کہ ابراہیمؑ ہمارے دین پر تھا (موضح القرآن) اب آگے اہل کتاب کو ایک اور تنبیہ کرنے کے بعد حضرت ابراہیمؑ کا مسلک ظاہر فرماتے ہیں (تسہیل) ف۲ سنو! تم لوگ ایسے ہو کہ اُن چیزوں میں تو کج بحثی کیا ہی کرتے تھے جن کا تم کو تھوڑا بہت علم تھا اور تم اُن کی تھوڑی بہت واقفیت رکھتے تھے پھر اب تم ایسی باتوں میں کیوں حجت کرتے ہو اور کیوں جھگڑتے ہو جن کا تم کو بالکل ہی علم نہیں اور تم اُن سے کچھ بھی واقفیت نہیں رکھتے اور اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیمؑ کے طریقہ کو جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ حضرت ابراہیمؑ نہ یہودی تھے اور نہ وہ نصرانی تھے بلکہ وہ ایک مخلص فرمانبردار اور سیدھی راہ چلنے والے مسلمان تھے اور وہ ابراہیمؑ مشرکوں میں سے بھی نہ تھے (تیسیر) تھوڑے بہت علم کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ اور حضرت عزیرؑ کے معجزات وغیرہ کا تو تم کو تھوڑا بہت علم تھا اس میں تو بحث مباحثہ کر کے تم غلط نتیجے نکالا کرتے ہو اور حضرت عزیرؑ اور عیسیٰؑ کو اپنی غلط نتیجوں کی بنا پر حضرت حق کا شریک بنائے بیٹھے ہو اب جن باتوں کا علم نہیں ان میں کیوں بحث و تکرار کرتے ہو جب تھوڑے بہت علم کے باوجود بعض خرق عادات کی بنا پر بندے کو الوہیت میں شریک ٹھہرا چکے تو اب نہ جاننے کی حالت میں خدا جانے کیا گل کھلاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے یعنی ابراہیمؑ کے طریقہ کو۔ اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ جن باتوں میں تم جھگڑتے ہو ان کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہر نبی پر جو احکام نازل ہوئے ہیں اُن کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور اگر یہ شبہ کیا جائے جیسا کہ بعض نے کہا ہے کہ سب سے علم کی نفی کرنا مشکل ہے جبکہ ان میں اکثر عالم اور اَحبار بھی تھے اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا علم جو غلط نتائج کا موجب ہو اور بے عملی اور گمراہی کا سبب ہو اُس میں اور جہل میں کوئی فرق نہیں گویا ایسا علم عدمِ علم کے برابر ہے۔ لفظ حنیف کے معنی ہم پہلے بیان کر چکے ہیں یعنی سب سے کٹ کر صرف اللہ تعالیٰ کا ہو جائے۔ مفسرین نے اس لفظ کے بہت سے معنی بیان کئے ہیں ہم نے ان معنی میں سے مخلص اختیار کر لیا ہے اور ایسا مسلمان جو تمام غلط راستوں کو چھوڑ کر اور سب سے قطع تعلق کر کے ایک راہ کا ہو جائے اس سے بڑھ کر کون مخلص ہو سکتا ہے۔ یہودیت، نصرانیت کی نفی کے ساتھ مشرکوں کی بھی نفی کر دی اس کی وجہ ہم پہلے پارے میں عرض کر چکے ہیں۔ کہ حضرت ابراہیمؑ کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ ہر شخص ان سے اپنی نسبت قائم کرتا تھا اور ہر ملت والا حضرت ابراہیمؑ کو اپنی ملت کا کہتا تھا یا اپنی ملت کو حضرت ابراہیمؑ کی ملت سمجھتا تھا اس لئے اُن کا حقیقی مسلک بیان فرما کر تمام ادیانِ باطلہ کی نفی فرما دی کہ وہ ان موجودہ مللِ باطلہ میں سے کسی ملت پر بھی نہ تھا۔ وہ تو سچا پکا مخلص اور سیدھی راہ پر چلنے والا مسلمان تھا۔ اب آگے اُن لوگوں کا بیان ہے جو حضرت ابراہیمؑ سے واقعی صحیح نسبت رکھتے ہیں اور جو اُن کی ملت کے اعتبار سے اُن سے قریب تر ہیں چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل) ف۳ یقیناً حضرت ابراہیمؑ کیساتھ لوگوں میں سے قریب تر اور خصوصی نسبت رکھنے والے وہ لوگ ہیں جو اُن کے زمانے میں اُن کے پیرو اور متبع تھے اور یہ نبی اور وہ اہل ایمان جو اس نبی پر ایمان لائے وہ حضرت ابراہیمؑ سے قریب تر اور خصوصی نسبت رکھنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ مسلمانوں کا حامی و کارساز ہے (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ تم لوگ حضرت ابراہیمؑ سے کس طرح اپنی مناسبت اور خصوصیت بیان کرتے ہو وہ چونکہ یہودیت اور نصرانیت سے قبل گزرے ہیں اس لئے وہ نہ تو یہودی تھے نہ نصرانی۔ رہی یہ بات کہ تم اُن کی ملت پر ہو اور یہودیت و نصرانیت کا مسلک وہی ہے جو حضرت ابراہیمؑ کا تھا تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ نہ تمہارے اصول اُن سے ملتے ہیں اور نہ تمہارے مسائل فرعیہ اُن سے مطابقت و موافقت رکھتے ہیں لہٰذا تم کو کوئی قرب اور کوئی مناسبت حضرت ابراہیمؑ سے نہیں البتہ اگر کوئی

(باقی ضمیمہ میں)

اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ﴿٦٤﴾ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تُحَاجُّونَ

تم اس بات پر گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں ف۱ اے اہل کتاب تم ابراہیمؑ کے بارے میں

فِي إِبْرَاهِيمَ وَمَا أُنزِلَتِ التَّوْرَاةُ وَالْإِنجِيلُ إِلَّا

کیوں جھگڑا کرتے ہو حالانکہ توریت اور انجیل تو ابراہیمؑ کے بعد نازل

مِن بَعْدِهِ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٦٥﴾ هَا أَنتُمْ هَٰؤُلَاءِ

ہوئی ہیں پھر کیا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے ف۲ سو تم وہ لوگ ہو جو اُن باتوں میں

حَاجَجْتُمْ فِيمَا لَكُم بِهِ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَاجُّونَ فِيمَا

تو کج بحثی کیا ہی کرتے تھے جن کا تم کو تھوڑا بہت علم تھا اب تم ان امور میں کیوں جھگڑتے ہو

لَيْسَ لَكُم بِهِ عِلْمٌ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٦٦﴾

جن کا تم کو بالکل ہی علم نہیں اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَٰكِن كَانَ

ابراہیمؑ نہ یہودی تھے اور نہ وہ نصرانی تھے بلکہ وہ

حَنِيفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿٦٧﴾ إِنَّ

ایک مخلص فرماں بردار تھے اور وہ شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے ف۳ حضرت

أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ لَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ وَهَٰذَا

ابراہیمؑ سے قریب تر لوگوں میں سے حقیقتاً وہ لوگ تھے جو اُس کے پیرو تھے اور یہ

النَّبِيُّ وَالَّذِينَ آمَنُوا ۗ وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٦٨﴾

نبی اور مسلمان اس سے قریب تر ہیں اور اللہ تعالیٰ مسلمانوں کا کارساز ہے

وَدَّت طَّائِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يُضِلُّونَكُمْ

اور بعض اہل کتاب اس بات کی دل سے آرزو کرتے ہیں کہ وہ کسی طرح تم کو گمراہ کر دیں

وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ﴿٦٩﴾ يَا أَهْلَ

اور وہ کسی کو گمراہ نہیں کرتے مگر اپنے ہی آپ کو اور ان کو اس کا شعور نہیں اے اہل

ف اے اہل کتاب تم کیوں حق اور سچ بات کو باطل اور جھوٹ کے ساتھ ملاتے ہو اور جانتے بوجھتے ہوئے کیوں حق کو چھپاتے ہو اور حق کو ظاہر نہیں کرتے (تیسیر) تلبسون الحق بالباطل کی تفسیر ہم پہلے پارے میں بیان کر چکے ہیں۔ یہود کے علماء کی عام عادت یہ تھی کہ اپنی دنیا دی وجاہت کے لئے بعض احکام کو تو سرے ہی سے ترک کر دیا تھا۔ بعض باتوں میں تحریف لفظی کے مرتکب ہوتے تھے بعض الفاظ کے معنی بدل دئے تھے اور بعض احکام کو چھپا رکھا تھا۔ غرض اسی قسم کی شرارتوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں توریت کے بعضے حکم تو موقوف ہی کر ڈالے تھے غرض کے واسطے اور بعض آیتوں کے معنی پھیر ڈالے تھے اور بعض چیز چھپا رکھی تھی ہر کسی کو خبر نہ کرتے تھے جیسے بیان پیغمبر آخری کا۔ (موضح القرآن) مدعا یہ ہے کہ جو صورت بھی اختیار کی جائے اور احکام الٰہی اور آیات الٰہی کے بیان کرنے میں جس طرح کی بھی خیانت کی جائے خواہ وہ کتمان ہو تبدیل و تحریف ہو خواہ لفظی ہو یا معنوی ہو۔ تلبسون الحق بالباطل میں داخل ہے اور علماء سو کا ہمیشہ یہی طریق کار رہا ہے۔ نعوذ باللہ من ذلک۔ اب آگے ان کی بعض اور چالاکیوں کا پردہ چاک کیا جاتا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل)

الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۷۰﴾

کتاب۔ تم آیات الٰہی کا کیوں انکار کرتے ہو حالانکہ تم خود ان کے قائل ہو

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ

اے اہل کتاب تم حق کو باطل کے ساتھ کیوں مخلوط کرتے ہو اور کیوں

الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَقَالَتْ طَّاۤىِٕفَةٌ مِّنْ اَهْلِ

سچی بات کو جان بوجھ کر چھپاتے ہو ف۱ اور اہل کتاب میں سے کچھ لوگوں نے کہا

الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِیْۤ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ

کہ اس نبی کے ماننے والوں پر جو کتاب نازل ہوئی ہے اس پر دن کے ابتدائی حصہ میں ایمان

النَّهَارِ وَاكْفُرُوْۤا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَلَا

لے آؤ اور دن کے آخری حصہ میں اس سے انکار کردو شاید اس تدبیر سے مسلمان اپنے دین سے پھر جائیں۔ اور انھوں نے

تُؤْمِنُوْۤا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِیْنَكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى

باہم یہ بھی کہا کہ بجز اس شخص کے جو تمہارے دین کا پیرو ہو اور کسی کی تصدیق نہ کرو ف۲ اے نبی آپ کہہ دیجئے فی الحقیقت ہدایت تو وہی ہے جو

اللّٰهِ ۙ اَنْ یُّؤْتٰۤى اَحَدٌ مِّثْلَ مَاۤ اُوْتِیْتُمْ اَوْ یُحَآجُّوْكُمْ

اللہ کی ہدایت ہے یہ سب کچھ اس لئے کر رہے ہو کہ جو تم کو دیا گیا تھا وہ کسی اور کو کیوں دیا گیا یا تمہارے رب کی جناب میں اور لوگ

عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰهِ ۚ یُؤْتِیْهِ

تم پر کیوں غلبہ حاصل کرلیں اے نبی آپ کہہ دیجئے یقیناً ہر قسم کا فضل اللہ کے اختیار میں ہے وہ اپنا فضل جس کو چاہتا ہے

مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ﴿۷۳﴾ یَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ

عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑا فیاض اور کمال علم کا مالک ہے ف۳ وہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت کے لئے

مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ﴿۷۴﴾ وَمِنْ

خاص کرلیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل کا مالک ہے ف۴ اور اہل کتاب میں سے

اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ یُّؤَدِّهٖۤ

کوئی شخص تو ایسا ہے کہ اگر اے مخاطب تو اسکو مال و دولت کے ایک ڈھیر کا امین بنادے تو وہ اسے تجھ کو

ع ۸ / ۱۵

ف۲ اور اہل کتاب میں سے کچھ لوگوں نے آپس میں کہا اور باہم مل کر مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی ایک سازش کی کہ اس نبی کے ماننے والوں یعنی مسلمانوں کی جانب جو کتاب نازل ہوئی اس پر ظاہری طور پر دن کے ابتدائی حصہ میں یعنی صبح کے وقت ایمان لے آؤ پھر دن کے آخری حصہ میں یعنی شام کو اُسی کتاب کا انکار کردو شاید اس تدبیر سے مسلمان اپنے دین سے پھر جائیں اور انھوں نے آپس میں یہ بھی کہا کہ دیکھو سوائے اس شخص کے جو تمہارے دین کا پیرو ہو اس بارے میں کسی اور کا یقین نہ کرنا یعنی سوائے یہود کے کسی اور کو یہ بھید نہ بتانا اے پیغمبر آپ ان سے یہ کہہ دو کہ ان لچر تدبیروں سے کچھ نہیں ہوتا یقین جانو ہدایت تو وہی ہے جو اللہ کسی کو ہدایت عطا کرے تم یہ سب کچھ اس جلن میں کر رہے ہو کہ جو تم کو دیا گیا تھا اُس جیسی چیز کسی اور کو کیوں دی گئی یا تمہارے رب کے روبرو اور دوسرے لوگ تم پر کیوں غلبہ حاصل کرلیں اے پیغمبر آپ فرما دیجئے بلاشبہ ہر قسم کا فضل اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے وہ اُس فضل کو جو اس کے قبضہ میں ہے جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑا صاحب وسعت اور بڑے علم والا ہے (تیسیر) ان آیتوں میں جہاں تک ان کی سازش کا تعلق ہے اُس کا خلاصہ تو صرف اس قدر ہے کہ صبح کو جا کر مسلمان ہو جاؤ اور شام کو یہ کہتے ہوئے واپس آجاؤ کہ ہم تو اس دین کو سچا سمجھ کر مسلمان ہوئے تھے مگر یہاں آکر معلوم ہوا کہ کچھ بھی نہیں یہاں تو بڑی پول ہے اور سب کارروائیاں مصنوعی اور جھوٹی ہیں محض ایک قسم کا ڈھونگ بنا ہوا ہے اس سے زیادہ اور کچھ نہیں لہٰذا ہم تو مایوس ہو کر پھر اپنے ہی دین میں جاتے ہیں۔ ہمارے اس جانے اور واپس آنے کا یہ اثر ہوگا کہ کچے مسلمان اسلام سے پھر جائیں گے اور یہ سمجھیں گے کہ یہ لوگ تو اہل کتاب اور تعلیم یافتہ لوگ تھے اور پھر راست باز بھی تھے اور انھوں نے اسی وجہ سے اسلام کو سچا مذہب سمجھ کر قبول کیا تھا لیکن جب یہ تعلیم یافتہ لوگ اس مذہب سے مطمئن نہیں ہوئے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ مذہب ٹھیک اور قابل قبول نہیں ہے۔ اس لئے ہم بھی اس کو چھوڑ دیں اور اس سے لوٹ چلیں یہ ان کی سازش اور اصلیت کا خلاصہ ہے۔ البتہ ولا تؤمنوا الا لمن تبع دینکم کے مفسرین نے مختلف معنی بیان کئے ہیں ہو سکتا ہے کہ اس کا یہ مطلب ہو کہ دیکھو ظاہری طور پر مسلمان ہونا اور اپنے اصل دین کا اقرار مسلمانوں کے سامنے نہ کرنا بلکہ جو لوگ تمہارے دین کے پیرو ہوں صرف اُن کے سامنے اپنے اصل دین یہودیت کا اقرار کرنا۔ اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ تم یہ نہ سمجھ لینا کہ واقعی تم مسلمان ہوگئے ہو بلکہ اصل میں اور سچے دل سے بدستور تم انہی کی بات مانو جو تمہارے دین کے پیرو ہیں اور جو شخص شریعت موسوی کا متبع ہو تو اُسی کی بات ماننا اور اُسی کی تصدیق کرنا جیسا کہ ہم نے ترجمہ میں اشارہ کیا ہے اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ دیکھو اس کارروائی سے تمہارا مقصد یہ ہو کہ جو اہل کتاب مسلمان ہوگئے ہیں اُن کو اسلام سے نکال لاؤ اور آئندہ کوئی ہم میں سے مسلمان نہ بنے جب تم جیسے ذی اثر اور معتمد لوگ اسلام کو قبول کر کے واپس ہوگئے تو جو اہل کتاب مسلمان ہو چکے ہیں اُن کے پاؤں ضرور اُکھڑ جائیں گے۔ اب مطلب یہ ہوگا کہ فرضی ایمان لاؤ (باقی ضمیمہ میں)

إِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُم مَّنْ إِن تَأْمَنْهُ بِدِينَارٍ لَّا يُؤَدِّهِ

ادا کردے اور اُن ہی میں سے کوئی شخص ایسا بھی ہے کہ اگر تو اس کو ایک دینار کا امین بنادے تو وہ تجھ کو وہ دینار

إِلَيْكَ إِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَائِمًا ۗ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ

بھی ادا نہ کرے اِلّا یہ کہ تو اُس کے سر پر ہر وقت کھڑا رہے ان کی اس خیانت کا سبب یہ ہے کہ

قَالُوا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيِّينَ سَبِيلٌ وَيَقُولُونَ

وہ کہتے ہیں کہ ان پڑھ یعنی غیر اہل کتاب کا حق دبا لینے میں ہم پر کوئی مواخذہ نہیں انکی حالت یہ ہے

عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٧٥﴾ بَلَىٰ مَنْ أَوْفَىٰ

کہ وہ جان بوجھ کر اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں۔ مواخذہ کیوں نہ ہوگا جو شخص اپنے اقرار کو

بِعَهْدِهِ وَاتَّقَىٰ فَإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ﴿٧٦﴾ إِنَّ

پورا کرے گا اور خیانت سے پرہیز کریگا تو یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کو پسند فرماتا ہے ف یقیناً

الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا

جو لوگ اللہ تعالیٰ سے عہد کرکے اس عہد کو اور نیز اپنی قسموں کو تھوڑی سی قیمت پر فروخت

قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَلَا

کر ڈالتے ہیں تو ایسے لوگوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور نہ اللہ تعالیٰ

يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَ

اُن سے کلام کرے گا اور نہ قیامت کے دن اُن کو نگاہ بھر کے دیکھے گا اور

لَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٧٧﴾ وَإِنَّ مِنْهُمْ

نہ اُن کو پاک کرے گا اور اُن کے لئے سخت دردناک سزا ہے ف اور اُن ہی اہل کتاب میں سے

لَفَرِيقًا يَلْوُونَ أَلْسِنَتَهُم بِالْكِتَابِ لِتَحْسَبُوهُ مِنَ

بعض لوگ ایسے ہیں جو کتاب پڑھتے وقت زبان کو کچھ اس طرح پھیر کر پڑھ جاتے ہیں کہ تم اس تحریف شدہ حصہ کو

الْكِتَابِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ

کتاب ہی کا حصہ سمجھو حالانکہ وہ کتاب کا حصہ نہیں ہے اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جو ہم نے پڑھا ہے وہ اللہ کے پاس سے

ف اور ان اہل کتاب میں سے بعض شخص تو ایسا ہے کہ اگر اے مخاطب تو اُس کے پاس ڈھیر کا ڈھیر مال بھی امانت رکھدے تو جب تو طلب کرے وہ اُس مال کو تجھے ادا کردے اور اُنہی اہل کتاب میں سے کوئی ایسا بھی ہے کہ اے مخاطب اگر تو اُس کے پاس ایک دینار بھی امانت رکھدے تو وہ تجھ کو وہ دینار بھی ادا نہ کرے مگر یہ کہ تو ہر وقت اُس کے سر پر کھڑا رہے یہ امانت کا ادا نہ کرنا اور ان کا خیانت کرنا اس وجہ سے ہے کہ یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ ان پڑھ یعنی غیر اہل کتاب کا حق مار لینے میں ہم پر کوئی الزام اور کوئی مواخذہ نہیں اور یہ لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتے ہیں حالانکہ یہ خود اس بات کے غلط ہونے کو جانتے ہیں۔ مواخذہ کیوں نہ ہوگا ضرور ہوگا بات یہ ہے کہ جو شخص اپنے عہد کو پورا کرے گا اور خیانت و کفر کی روش سے بچتا رہے گا تو یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ ایسے پرہیزگاروں کو پسند کرتا اور دوست رکھتا ہے (تیسیر) قنطار کو اس سورت کے شروع میں بتایا جا چکا ہے کہ مال کے انبار کو کہتے ہیں دینار سونے کے سکے کو کہتے ہیں شاہ صاحبؒ نے اشرفی ترجمہ کیا ہے یہاں مراد تھوڑا مال ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اہل کتاب میں کچھ لوگ تو امین اور امانت کے سچے ہیں اُن کے پاس کتنا ہی مال رکھ دو جب ان سے طلب کرو وہ فوراً نکال کر رکھدیں اور بعض ایسے کم بخت لیچڑ ہیں کہ اُن کے پاس تھوڑا سا مال مثلاً ایک گنی امانت رکھ دو تو طلب کرنے کے وقت وہ اشرفی بھی واپس نہ کریں بلکہ موقع لگے تو مکر جائیں مگر ہاں لینے والا اُن کے سر پر کھڑا رہے یعنی خوب تقاضہ کرے اور اُن کے خلاف حاکم کے ہاں دعویٰ کر دے یا خوشامد کر کے مانگے تب ان سے وہ امانت وصول ہو جائے تو ہو جائے خیر یہاں تک تو بخل اور لیچڑپنے کی بات تھی لیکن آگے فرمایا ان نادہندوں نے ایک مسئلہ بنا رکھا ہے اور وہ مسئلہ یہ ہے کہ یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ اُن عرب کے جاہل لوگوں کا مال کھا جانا ہمارے لئے حلال ہے یعنی جو لوگ اہل کتاب نہیں ہیں اُن کی رقم خواہ کسی طرح کھا جاؤ سب جائز ہے خیانت کرلو۔ دھوکہ دیدو۔ چرا چھپا کے ان کا حق مار لو سب جائز ہے۔ یہ لوگ اللہ کی جانب جھوٹی بات کی نسبت کرتے ہیں حالانکہ دل سے یہ لوگ بھی جانتے ہیں کہ توریت میں کوئی حکم ایسا نہیں ہے جس میں یہ کہا گیا ہو کہ غیر اہل کتاب کا مال تم کو خیانت سے کھا جانا جائز ہے اور ایسا کرنے سے تم پر کوئی الزام نہیں۔ آگے فرمایا بلیٰ یعنی تم پر الزام ضرور ہوگا اور تم سے اس قسم کی خیانت پر ضرور مواخذہ ہوگا کیونکہ ہمارا قاعدہ یہ ہے اور آسمانی شریعت کا قانون یہ ہے کہ جو شخص اپنے عہد کو پورا کرے گا خواہ وہ عہد اللہ تعالیٰ سے کیا ہو یا کوئی جائز اور صحیح عہد بندے سے کیا ہو اُس عہد کی پابندی کرے گا اور خدا سے ڈرتا رہے گا جس میں خیانت اور کفر سے بچنا بھی آ گیا کیونکہ جو خدا سے ڈریگا وہ کفر اور خیانت سے پرہیز کرے گا تو اللہ تعالیٰ ایسے پرہیزگاروں کو محبوب رکھتا ہے آیت کے شانِ نزول کے بارے میں بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ امانت دار حضرات سے وہ اہل کتاب مراد ہیں۔ جو اسلام قبول کر چکے تھے یا بعد میں انھوں نے اسلام قبول کر لیا۔ یہ آیت ان کی تعریف اور مدح میں نازل ہوئی ہے۔ کسی نے عبداللہ بن سلامؓ کے پاس بارہ سو ١٢٠٠ اوقیہ امانت رکھا تھا اور انہوں نے طلب کرنے کے وقت جوں کا توں ادا کر دیا تھا اور جن لوگوں کی خیانت کا ذکر ہے اور جن کی مذمت کی گئی ہے اُن سے مراد کعب بن اشرف یا فنحاص بن عازوراء ہے کہ کسی قریشی نے اُس کے پاس ایک دینار امانت رکھوایا تھا مگر اس نے اس میں بھی خیانت کرلی۔ بہرحال آیت کا نزول خواہ کسی خاص موقع کے ساتھ تعلق رکھتا ہو مگر آیت کا مفہوم عام ہے۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ اللہ صاحب مسلمانوں کو سناتا ہے کہ جن کی یہ نیت ہے کہ پرایا حق کھانے کو یہ مسئلہ بنا لیا کہ ہم کو غیر دین والوں کی امانت میں خیانت کرنی روا ہے اُن کی بات دین کے مقدمہ میں کیا سند ہو سکے ہمارے ہاں بھی کافر حربی کا مال زور سے لینا روا ہے لیکن امانت میں خیانت روا نہیں (موضح القرآن) حضرت شاہ صاحبؒ نے فقہ کے ایک اور مسئلہ کی طرف بھی اشارہ فرما دیا کہ ہمارے ہاں جو حربی کے مال اور اُس کے خون کو مباح کہا گیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ زور کر اس کا مال چھین سکتے ہو یا اُس کی رضامندی سے لے سکتے ہو لیکن جھوٹ بول کر یا خیانت کر کے حربی کا مال لینا جائز نہیں۔ اور بات بھی یہ ہے کہ آسمانی شریعت میں خیانت اور کذب کی اجازت ہو بھی نہیں سکتی پھر اہل کتاب کا یہ کہنا کہ لیس علینا فی الامیین سبیل۔ اس کا مطلب بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے نزدیک حربی غیر حربی کا سوال نہ تھا بلکہ وہ غیر اہل کتاب کو اپنے سے (باقی ضمیمہ میں)

عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى
نازل شدہ ہے حالانکہ وہ اللہ کی جانب سے نازل شدہ نہیں ہے اور وہ

اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿٧٨﴾ مَا كَانَ لِبَشَرٍ
جان بوجھ کر اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں ف۱ کسی بشر کا یہ کام نہیں

اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ
کہ اللہ تعالیٰ اس کو کتاب دے اور صحیح علم و فہم عطا فرمائے اور نبوۃ عنایت کرے پھر

يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
وہ لوگوں سے یوں کہے کہ تم خدا کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ

وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ
بلکہ وہ تو یہی کہے گا کہ تم لوگ چونکہ کتاب الٰہی کی تعلیم دیتے ہو اور خود بھی اسے پڑھتے ہو اس لئے

وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿٧٩﴾ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا
تم اللہ والے یعنی خدا پرست بن جاؤ - اور نہ ایسا بشر لوگوں سے یہ کہے گا کہ تم

الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ؕ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ
فرشتوں کو اور نبیوں کو اپنا رب قرار دے لو کیا جب تم مسلمان ہو چکے تو اس کے بعد

اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿٨٠﴾ ع وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ
وہ تم کو کفر کا حکم دے گا ف۲ اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب اللہ تعالیٰ نے

النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ
نبیوں سے عہد لیا تھا کہ جو کچھ میں تم کو کتاب اور حکمت عطا کروں پھر تمہارے پاس کوئی ایسا

رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ
رسول آئے جو اس کتاب کی جو پہلے سے تمہارے پاس موجود ہو تصدیق کرنیوالا ہو تو تم ضرور اس پر ایمان لانا اور

لَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ
اس کی مدد بھی کرنا خدا نے دریافت کیا کیا تم نے اقرار کیا اور اس بات میں میرا عہد

ع ۸/۹ ۱۶

ف۱ کسی بشر سے ایسی بات نہیں ہو سکتی کہ اللہ تعالیٰ اس کو کتاب اور صحیح فہم و دانش اور نبوت عطا فرمائے پھر وہ لوگوں سے یوں کہے کہ تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اور اس کی توحید کو ترک کر کے میرے بندے بن جاؤ وہ تو یہی کہے گا کہ تم لوگ چونکہ کتاب الٰہی کی دوسروں کو تعلیم دیتے ہو اور چونکہ خود بھی اس کتاب الٰہی کو پڑھتے ہو اس لئے تم سچے اور پکے اللہ والے بن جاؤ یعنی صرف اسی کی عبادت کرو اور نہ ایسا بشر تم سے یہ کہے گا اور نہ تم کو وہ یہ تعلیم دے گا کہ تم فرشتوں کو اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کو اپنا رب قرار دے لو اور ان کو اپنا رب بنا بیٹھو کیا کہیں یہ ممکن ہے کہ ایک نبی تمہارے مسلمان ہوئے پیچھے تم کو کفر کی بات کہے اور تم کو کفر کرنے پر آمادہ کرے (تیسیر) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ وفد نجران کی گفتگو میں بعض یہودی بھی شامل ہو گئے تھے ایسی حالت میں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اسلام کی دعوت دے رہے تھے اور ان کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کی طرف بلا رہے تھے حاضرین میں سے ابو رافع قرظی یہودی نے کہا اے محمد کیا تم یہ چاہتے ہو کہ نصاریٰ جس طرح حضرت عیسیٰؑ کی عبادت کرتے ہیں ہم لوگ آپ کی عبادت کریں۔ آپ نے یہ سنکر فرمایا خدا کی پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ میں کسی کو غیر اللہ کی عبادت کی دعوت دوں نہ مجھے اللہ تعالیٰ نے اس کام کیلئے مبعوث فرمایا اور نہ مجھے اس امر کا حکم دیا ہے کہ میں لوگوں کو غیر اللہ کی عبادت کا حکم کروں اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ حضرت حسنؒ سے مروی ہے کہ کسی شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا یا رسول اللہ ہم آپس میں ایک دوسرے سے ملاقات کے وقت سلام علیک کرتے ہیں اور آپ سے بھی ملاقات کے وقت سلام علیک کرتے ہیں تو ہم لوگ آپکو سجدہ کیوں نہ کیا کریں اس پر آپ نے فرمایا نہیں سجدہ نہ کرو اور کسی کو یہ لائق نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ مخلوق میں سے کسی کو سجدہ کرے البتہ تم اپنے نبی کا اکرام اور اس کی عزت کر سکتے ہو اور اس کی اہل کے حق کا اعتراف کر سکتے ہو لیکن سجدہ نہیں کر سکتے اس پر یہ آیت نازل ہوئی مقاتل اور ضحاک کا قول یہ ہے کہ نصاریٰ نے کہا تھا کہ ہم کو تو حضرت عیسیٰؑ یہ حکم دے گئے تھے کہ مجھ کو رب قرار دینا اور مجھے رب بنانا۔ بہر حال آیت مذکورہ بالا میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی جانب سے صفائی دی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیاء میں سے کوئی بھی ایسا نہیں کر سکتا اور نہ کسی پیغمبر کی یہ مجال ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو آسمانی کتاب عطا فرمائے خواہ وہ قرآن ہو یا توریت و انجیل ہو اور اس کو حکم یعنی دین کا صحیح فہم یا فیصلہ کی قوت عطا کی جائے اور نبوت دی جائے اور اس قدر نعمتوں کے بعد وہ لوگوں کو توحید کی دعوت دینے کی بجائے معاذ اللہ اپنا بندہ بنانے کی دعوت دے اور ان سے یہ کہے کہ تم میرے بندے بن جاؤ بلکہ وہ تو لوگوں سے یہ کہے گا کہ تم ربانی یعنی توحید کے مبلغ۔ یا فقیہ اور عالم۔ یا خلق کے خیر خواہ یا حلال و حرام کے عالم یا علم و عمل میں کامل۔ مکمل اور مخلص بن جاؤ اور علم و عمل کا اور قرب الٰہی کا انتہائی مرتبہ حاصل کرو۔ کیونکہ تم اللہ کی کتاب پڑھاتے ہو اور خود پڑھتے ہو اس تعلیم و تدریس کا مقتضا یہی ہے کہ تم ربانی بنو اور اللہ والے ہو جاؤ۔ اور اگر عالم بالکتاب نہ بھی ہو تب بھی من وجہ تو علم رکھتے ہو اور موحدین کیلئے اتنا ہی کافی ہے۔ اور وہ بشر جس کو روحانیت کے ان مراتب سے نوازا گیا ہو وہ یہ بھی لوگوں سے نہیں کہہ سکتا کہ تم فرشتوں کو یا نبیوں کو رب بنا لو جیسا کہ تم کہہ رہے ہو کہ حضرت عیسیٰ ہم کو یہ حکم دے گئے تھے۔ اور بھلا تم ہی تو ذرا سوچو کہیں ایسا ہو سکتا ہے کہ جب تم مسلمان ہو چکے تو تمہارے مسلمان ہوئے پیچھے وہ بشر مذکور تم کو کافر بننے والی بات کہے گا اور تم کو کفر کرنے کی ترغیب دے گا۔ آیت کی جو تقریر فقیر نے کی ہے اس کے بعد کوئی شبہ نہ رہے گا اور نہ کسی شبہ کو جواب دینے کی ضرورت ہوگی۔ ربانی جس طرح بہت بڑے مرتبے کے آدمی کو کہا جاتا ہے اسی طرح صرف موحد پر بھی بولا جا سکتا ہے اگرچہ بظاہر آیت میں یہود مخاطب تھے لیکن واقعہ یہ ہے کہ اسلام کے خلاف ہر اہل باطل کا آیت میں رد ہے اور بزرگوں کا نام لیکر جو اہل باطل غلط کارروائیاں کرتے ہیں ان کا اس آیت میں رد کیا گیا ہے۔ رہی یہ بات کہ یہود اگر مخاطب ہیں تو ان کو مسلمان کس طرح کہا گیا اس کا جواب یہ ہے کہ وہ اپنے کو مسلمان سمجھتے تھے۔ اس لئے ان کے خیال کی بنا پر کہدیا کہ کسی مسلمان کو پیغمبر شرک کی تعلیم یا شرک کا امر کس طرح کر سکتا ہے اور یہ بھی ضروری نہیں کہ صرف کتاب کی تعلیم دینا اور کتاب کو پڑھنا ہی خدا پرست بننے کا سبب ہو (باقی ضمیمہ میں)

ف۱ پھر جو شخص اس پختہ عہد کے بعد انبیا کی اُمتوں میں سے پھر جائے گا تو ایسے ہی لوگ فاسق اور بے حکم ہیں (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ یہ عہد اگرچہ بظاہر انبیاء سے تھا لیکن تبعاً ان کی امم کے ساتھ تھا۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام تو بوجہ عصمت اور معصوم ہونے کے ایسا کر نہیں سکتے کہ قول و قرار کے بعد عہد شکنی کریں البتہ امم سے اس کا امکان ہے اس لئے ہم نے تیسیر میں امم کر دیا ہے کہ اگر ان کی اُمتوں میں سے کوئی ایسا کرے گا کہ سابقہ پیشین گوئیوں کے تحت آئے ہوئے پیغمبر پر ایمان نہیں لائے گا اور اس کی مدد نہیں کرے گا تو ایسے لوگ فاسقوں میں شمار ہوں گے اور اسلام سے خارج سمجھے جائیں گے جیسا کہ بنی اسرائیل نے کیا۔ کہ کسی پر ایمان لائے اور کسی پر ایمان نہ لائے بلکہ دشمنی اور عداوت کا اظہار کیا۔ اور نبی آخر الزماں کی سب نے متفقہ مخالفت کی۔ بعض حضرات نے فمن تولی کو عام رکھا ہے اور عصمت انبیاء کا یہ جواب دیا ہے کہ عصمت سے محنت اور ذمہ داری دور نہیں ہوتی اگرچہ خلاف کا وقوع کبھی نہ ہو واللہ اعلم۔ آگے پھر اصل بحث کا اعادہ ہوتا ہے اور اسلام کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے چونکہ اس تمام قول و قرار میں اصل اسلام کی بحث ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی تاکید ہے اس لئے اسی کی وضاحت فرماتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل) ف۲ کیا اب یہ لوگ اللہ کے دین یعنی اسلام کے سوا کسی اور طریقہ کے متلاشی ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ اس کے جاہ و جلال کے سامنے تمام مخلوق جو آسمانوں میں اور زمین میں ہے خوشی اور ناخوشی سے سب کی سب سرافگندہ ہے اور جس قدر مخلوق آسمان و زمین میں ہے سب اس کی تابع فرمان ہے خواہ کوئی خوشی سے ہو یا ناخوشی سے کوئی اختیار سے ہو یا بے اختیاری سے اور سب کو اسی کی جناب میں پلٹنا اور واپس ہونا ہے (تیسیر) خدا کے دین سے مراد اسلام ہے یہی سب پیغمبروں کا دین رہا ہے اب آخر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُسی دین فطرت کے داعی اور پیغامبر ہیں جو احکام لیکر یہ آئے ہیں اُن کو قبول کرو اور ان کی بات مانو اب اُنہی کی پیروی میں فلاح و نجات ہے۔ اور اُنہی کا دین خدا کا دین ہے اور اُن ہی کا طریقہ اس کا بتایا ہوا طریقہ ہے۔ اور یہ جو فرمایا ولہ اسلم اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کے معنی ہیں انقیاد و اطاعت۔ تو یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقہ کے علاوہ اور طریقہ بھی کون سا ہو سکتا ہے۔ جب ہر طرف اُسی کی خدائی جلوہ گر ہے اور اُسی کی کارفرمائی اور اُسی کی حکومت ہے تو بندے کو سوائے اس کے اور کیا چارہ کار ہے کہ جو دین اس نے بھیجا ہے اس کو قبول کرے کیونکہ زمین و آسمان کی بسنے والی تمام مخلوق اُس کی مطیع و منقاد ہے خواہ خوشی سے اسکے آگے سرنگوں ہوں جیسے ملائکہ اور مسلمان کہ انھوں نے خوشی اور اپنے دل سے اللہ کی اطاعت قبول کی یا ناگواریٔ طبع کے ساتھ اطاعت و انقیاد پر آمادہ ہوئے ہوں جیسے منافق یا کافر کہ مسلمانوں کے اقتدار کی ہیبت سے جھک گئے۔ یا خدا کے عذاب کو دیکھ کر اطاعت و انقیاد کا اعلان کرنے لگے جیسے وہ لوگ جو عذاب کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا اعلان کرنے لگتے ہیں جیسے یہود کہ پہاڑ کو سروں پر دیکھ کر جھک گئے اور جیسے فرعون کہ غرق کے وقت اپنے ایمان کا اعلان کرنے لگا اور ہو سکتا ہے کہ کرھا سے مراد عدم اختیار ہو اگر یہ معنی ہوں تو پھر عالم تکوینی کے حوادثات و واقعات مراد ہوں گے جن سے تمام مخلوق بلکہ کائنات کا ہر ذرہ اثر پذیر ہوتا ہے۔ ان حوادثات پر جو عالم تکوینی میں مشیت ایزدی کے ماتحت ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں اُن سے کوئی خوش ہو یا ناخوش سب کو اُن کے سامنے گردن جھکانی ہی پڑتی ہے۔ اب اسلم سے مراد وہ تسخیر ہوگی جس میں کائنات کی ہر شیٔ مبتلا ہے۔ جس کو ہماری اصطلاح میں کہا کرتے ہیں کہ ہر چیز خدا کے حکم کے تابع ہے آخر میں فرمایا کہ سب کو قیامت میں لوٹ کر اُسی کے حضور میں حاضر ہونا اور جواب دہی کرنا ہے۔ ان حالات میں سوائے اس کے کیا چارہ ہے کہ اُسی کا بھیجا ہوا دین قبول کیا جائے۔ ورنہ قیامت میں ہم کیا منہ لیکر جائیں گے تمہاری حالت یہ ہے کہ تم اسلام کو چھوڑ کر کسی اور دین کی تلاش میں لگے ہوئے ہو۔ شان نزول کے سلسلہ میں کہا گیا ہے کہ یہود اپنے کو حضرت ابراہیمؑ کے دین پر کہتے تھے اور نصاری اپنے کو بتاتے تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت ابراہیمؑ تم دونوں کے دین سے بری ہیں اس پر یہ لوگ بہت بگڑے چنانچہ ان کے بگڑنے پر یہ آیت نازل ہوئی حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں (باقی ضمیمہ میں)

إِصْرِي ۖ قَالُوا أَقْرَرْنَا ۚ قَالَ فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُم

قبول کیا پیغمبروں نے عرض کیا ہم نے اقرار کیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا اب تم سب گواہ رہو اور میں بھی اس اقرار پر

مِّنَ الشَّاهِدِينَ ﴿٨١﴾ فَمَن تَوَلَّىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ

تمہارے ساتھ گواہ ہوں ف۱ پھر جو کوئی اس پختہ عہد کے بعد پھر جائے تو

هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿٨٢﴾ أَفَغَيْرَ دِينِ اللَّهِ يَبْغُونَ وَلَهُ

ایسے ہی لوگ نافرمان ہیں۔ کیا یہ لوگ اللہ کے دین کے علاوہ کسی اور دین کے متلاشی ہیں حالانکہ

أَسْلَمَ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَ

جو آسمانوں اور زمین میں ہے سب خوشی یا ناخوشی سے اُسی کے تابع فرمان ہیں اور

إِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ﴿٨٣﴾ قُلْ آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ عَلَيْنَا

سب اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے ف۲ اے نبی آپ کہہ دیجئے ہم اللہ پر ایمان لائے اور جو کچھ ہم پر نازل کیا گیا ہے اس پر

وَمَا أُنزِلَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَ

ایمان لائے اور اس پر بھی ایمان لائے جو ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ اور اسحٰقؑ اور

يَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَ

یعقوبؑ اور یعقوبؑ کی اولاد پر نازل کیا گیا اور اس پر بھی ایمان لائے جو موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو اور

النَّبِيُّونَ مِن رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ وَ

دیگر انبیاء کو ان کے رب کی جانب سے دیا گیا تھا ہم ایمان لانے میں ان پیغمبروں میں سے کسی کو بھی جدا نہیں کرتے اور

نَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿٨٤﴾ وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ

ہم اللہ ہی کے فرماں بردار ہیں۔ اور جو شخص اسلام کے سوا کسی دوسرے دین کا

دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ

خواہش مند ہوگا تو اس کا وہ دین ہرگز مقبول نہ ہوگا اور وہ شخص آخرت میں نقصان

الْخَاسِرِينَ ﴿٨٥﴾ كَيْفَ يَهْدِي اللَّهُ قَوْمًا كَفَرُوا بَعْدَ

اٹھانے والوں میں سے ہوگا ف۲ بھلا خدا تعالیٰ ایسے لوگوں کی کیوں کر رہنمائی فرمائیگا جو اپنے ایمان لانے کے بعد

ف۱ ایسے ظالم اور بدکردار لوگوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر اللہ کی اور ملائکہ کی اور انسانوں کی سب کی لعنت پڑتی ہے اور یہ لعنت بھی اس طور پر کہ یہ لوگ اس لعنت میں ہمیشہ مبتلا رہیں گے نہ اُن پر سے کسی وقت جہنم کا عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ اُن کو کسی قسم کی کوئی مہلت دی جائے گی مگر ہاں وہ لوگ جو اس کافرانہ روش اور بغاوت و سرکشی کے بعد توبہ کرلیں اور اپنے ظاہر و باطن کی اصلاح اور درستی کرلیں تو یقین جانو اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا نہایت رحم کرنیوالا ہے پھر ایسے باغیوں اور سرکشوں کی توبہ قبول کرکے انہیں معاف کردے گا اور بخشدے گا (تیسیر) لعنت کی مفصل تفسیر دوسرے پارے میں گزر چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی لعنت کا یہ مطلب ہے کہ اس کی رحمت سے دوری ہوتی ہے فرشتوں کی اور لوگوں کی لعنت یہ کہ وہ لعنت کی دعا کرتے ہیں۔ لوگوں سے مراد یہاں مسلمان ہیں جو کافروں پر لعنت بھیجتے رہتے ہیں یا مومن اور کافر دونوں ہیں کیوں کہ بے ایمان اور ظالم پر سب ہی لعنت کی دعا کرتے ہیں خواہ وہ لعنت کرنے والا خود بھی اس میں مبتلا ہو مگر اس کا احساس نہیں ہوتا جھوٹ بولنے والا بھی کہہ دیا کرتا ہے کہ جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہو۔ اور ہوسکتا ہے کہ وہ لوگ مراد ہوں جو قیامت میں ایک دوسرے پر لعنت کریں گے۔ ویلعن بعضھم بعضا۔ تخفیف کا یہ مطلب ہے کہ کفار پر عذاب میں تخفیف نہ ہوگی۔ مہلت نہ ملنے کا یہ مطلب کہ جو وقت اُن کیلئے عذاب کا مقرر ہے اسی وقت داخل کردئے جائیں گے یہ نہیں ہوگا کہ کچھ دیر کیلئے مہلت دیدی جائے۔ یا عذاب میں داخل ہونے کے بعد کسی وقت بھی مہلت نہیں ملے گی بلکہ مسلسل عذاب ہوگا۔ خلدین فیھا کا یہ مطلب کہ ہمیشہ لعنت میں مبتلا رہیں گے یا ہوسکتا ہے کہ جہنم کی آگ میں ہمیشہ رہیں گے چونکہ لعنت ہی کا اثر آگ ہے اس لئے دونوں طرف ضمیر پھر سکتی ہے۔ اصلاح سے مراد ایمان کی اصلاح کرلیں۔ یا ملک میں جو فساد اور شرارت برپا کر رکھی تھی اُس کی اصلاح کرلیں یا ظاہر و باطن دونوں کی اصلاح کرلیں چونکہ اوپر کی آیت میں دو احتمال تھے اس لئے ہم نے تیسیر میں من بعد ذلک کا ترجمہ کرتے ہوئے دونوں کی رعایت ملحوظ رکھی ہے اگر مرتدین مراد لئے جائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ ارتداد کے بعد توبہ کرلیں اور ایمان لے آئیں اور اگر معاند و سرکش اور ہٹ دھرم اہل کتاب مراد لئے جائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ اس عناد و سرکشی سے باز آجائیں اور مسلمان ہوجائیں کہتے ہیں کہ اس آیت کو سن کر بعض مرتدین تائب ہوئے اور پھر اسلام میں داخل ہوگئے۔ اب آگے توبہ کی اور وضاحت فرماتے ہیں کہ توبہ کس حالت میں مقبول ہوتی ہے (تسہیل) ف۲ بلاشبہ جن لوگوں نے حق کو تسلیم کرنے اور ماننے کے بعد کفر کا رویہ اختیار کیا پھر کفر ہی میں بڑھتے رہے اور کفر میں زیادہ ہوتے چلے گئے تو ایسے لوگوں کی توبہ ہرگز مقبول نہ ہوگی اور یہ لوگ پرلے درجہ کے گمراہ ہیں۔ جن لوگوں نے کفر کی روش اختیار کی اور وہ کفر ہی کی حالت میں مر بھی گئے تو یقین جانو کہ ان لوگوں میں سے کسی کا زمین بھر کر سونا بھی قبول نہ کیا جائے گا اگرچہ وہ اپنے فدیہ میں اس قدر سونا دینا بھی چاہے اور اُن لوگوں کو دردناک عذاب ہوگا اور ان کا کوئی حامی و مددگار نہ ہوگا (تیسیر)

إِيمَانِهِمْ وَشَهِدُوا أَنَّ الرَّسُولَ حَقٌّ وَجَاءَهُمُ
اور اس اقرار کرنیکے بعد کہ یہ رسول برحق ہے اور اس کے بعد کہ ان کے پاس واضح دلائل آچکے پھر کفر

الْبَيِّنَاتُ ۚ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿٨٦﴾ أُولَٰئِكَ
اختیار کر بیٹھے اور اللہ تعالیٰ ایسے ستم شعار لوگوں کی رہنمائی نہیں فرمایا کرتا ایسے لوگوں کی

جَزَاؤُهُمْ أَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ
سزا یہ ہے کہ ان پر اللہ کی اور ملائکہ کی اور سب لوگوں کی

أَجْمَعِينَ ﴿٨٧﴾ خَالِدِينَ فِيهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ
لعنت ہوگی۔ وہ اس لعنت میں ہمیشہ مبتلا رہیں گے نہ ان پر سے کسی وقت عذاب

الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ﴿٨٨﴾ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا
ہلکا کیا جائیگا اور نہ ان کو مہلت ہی دیجائیگی۔ مگر ہاں وہ لوگ جنھوں نے اس حالت کے بعد

مِن بَعْدِ ذَٰلِكَ وَأَصْلَحُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٨٩﴾
توبہ کرلی اور اپنی اصلاح کرلی تو یقین مانو اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا نہایت رحم والا ہے ف۱

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا
بے شک جن لوگوں نے ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کرلیا پھر وہ کفر میں بڑھتے ہی چلے گئے

لَّن تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الضَّالُّونَ ﴿٩٠﴾
تو ایسے لوگوں کی توبہ ہرگز قبول نہیں کیجائیگی یعنی مرتے وقت اور یہی لوگ پرلے درجہ کے گمراہ ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَن يُقْبَلَ
یقین رکھو جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور کفر ہی کی حالت میں مر بھی گئے تو ایسے شخص سے پوری زمین بھرکے

مِنْ أَحَدِهِم مِّلْءُ الْأَرْضِ ذَهَبًا وَلَوِ افْتَدَىٰ بِهِ
سونا بھی نہ قبول کیا جائیگا اگرچہ وہ زمین بھر کر سونا اپنے فدیہ میں دینا بھی چاہے

أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ وَمَا لَهُم مِّن نَّاصِرِينَ ﴿٩١﴾ ع ۹ / ۱۱ / ۱۷
یہی لوگ ہیں جن کیلئے دردناک عذاب ہے اور ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ ف۲

اُن لوگوں سے مراد وہی بارہ مرتدین ہیں جن میں سے شاید حارث لے تو پھر نادم ہوکر اسلام قبول کرلیا تھا اور صحیح طور پر اپنی اصلاح کرلی تھی اور دین کی خدمت میں مشغول ہوگئے تھے باقی لوگ مرتد ہی رہے اور کفر میں سخت ہوتے چلے گئے اس آیت میں ان کی حرماں نصیبی اور گمراہی کا ذکر ہے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اُن لوگوں سے مراد یہود ہوں کہ وہ حضرت موسیٰؑ پر ایمان لائے پھر حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ کفر کیا پھر کفر میں اور بڑھے اور نبی آخرالزماں پر بھی ایمان لانے سے انکار کردیا۔ اور ان کی نبوت کے ساتھ کا فرانہ برتاؤ کیا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد یہود و نصاریٰ دونوں ہوں اور مراد اُن کے ایمان سے یہ ہو کہ وہ اپنی اپنی کتابوں میں اسلام کی حقانیت اور نبی آخرالزماں کی نبوت کا حال پڑھ کر یہ تسلیم کرتے تھے کہ یہ کتاب اور یہ نبی وہی ہے جس کی اطلاع ہم کو دی گئی تھی لیکن اس بات کو ماننے اور تسلیم کرنے کے باوجود پھر کفر کرتے تھے اور کفر میں بڑھتے چلے جاتے تھے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد منافقین ہوں جو ظاہر میں اسلام کا اظہار کرتے تھے مگر باطن میں اسلام دشمنی ان کا شیوہ تھا۔

(باقی ضمیمہ میں)

بقیہ صفحہ ۶۵

(۲) تمام زمین کو میرے لئے مسجد اور پاک قرار دیا گیا ہے۔ لہذا میری امت میں جس شخص پر کسی جگہ نماز کا وقت آجائے تو وہ وہیں نماز ادا کر لیا کرے۔ یعنی تمام زمین مسجد ہے یہ ضروری نہیں کہ جہاں مسجد نہ ہو تو مسجد تلاش کرتا پھرے۔ جیسے مسافر جنگل میں جا رہا ہو یا جہاز میں سفر کر رہا ہو تو جہاں وقت آجائے اپنا کپڑا بچھا کر نماز پڑھ لے (۳) اور میرے لئے غنائم کو حلال کر دیا ہے۔ حالانکہ مجھ سے پہلے کسی کے لئے غنیمت حلال نہ تھی (۴) مجھ کو شفاعت کا مرتبہ عطا کیا گیا ہے یعنی قیامت کے دن مجھ کو شفاعت کی اجازت دی جائے گی۔ (۵) مختلف نبی اپنی اپنی قوموں کی طرف مبعوث ہوئے تھے اور میری بعثت تمام لوگوں کے لئے عام ہے۔ حضرت ابو ہریرہ کی روایت میں ہے جس کو مسلم نے نقل کیا ہے کہ مجھ کو دوسرے انبیاء پر چھ باتوں میں فضیلت دی گئی ہے (۱) مجھ کو جوامع الکلم کی نعمت سے نوازا گیا ہے۔ یعنی میرا کلام جامع ہوتا ہے (۲) میری مدد رعب اور ہیبت سے کی گئی ہے۔ (۳) میرے لئے غنائم حلال کر دیئے گئے ہیں (۴) میرے لئے تمام زمین کو مسجد اور طہور کر دیا گیا ہے۔ (۵) میں تمام مخلوقات کے لئے مبعوث کیا گیا ہوں (۶) اور مجھ پر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری کا سلسلہ ختم کر دیا گیا ہے یعنی میرے بعد اب کوئی نیا نبی نہیں آئے گا رہا یہ امر کہ حدیث میں آتا ہے کہ تم مجھ کو انبیاء پر فضیلت نہ دیا کرو یا ایک حدیث میں ہے کہ تم مجھ کو حضرت یونسؑ پر بھی فضیلت نہ دیا کرو۔ یا یہ کہ تم یوں نہ کہا کرو کہ میں یونس سے بہتر ہوں۔ ان تمام احادیث کا مفاد یہ ہے کہ فضیلت کی تفصیل میں نہ جاؤ بلکہ یہ معاملہ خدا کے سپرد کر دو وہی خوب جانتا ہے کہ ایک نبی کو دوسرے نبی پر کس قسم کی فوقیت حاصل ہے۔ یا ہو سکتا ہے کہ حضور کی مراد یہ ہو کہ اس طرح فضیلت بیان نہ کرو جو دوسرے انبیاء کی توہین کو مستلزم ہو جیسا کہ ہمارے زمانے کے قصہ گو واعظ اور جاہل نعت خواں کیا کرتے ہیں۔ جن سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا اور کلام بھی بلا واسطہ فرمایا اگرچہ بلا حجاب نہیں۔ وہ موسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں حضرت آدم کے بارے میں بھی فرمایا ہے۔ انہ نبی مکلم یعنی وہ ایک ایسے نبی ہیں جن سے کلام کیا گیا ہے اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی شرف تکلم حاصل ہے لیکن عام مفسرین نے اس آیت میں حضرت موسٰی علیہ السلام مراد لئے ہیں۔ چھٹے پارے میں ارشاد ہے وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا، درجات و مراتب کی بلندی سے بعض نے حضرت ابراہیمؑ اور بعض نے حضرت ادریسؑ مراد لئے ہیں لیکن ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کو بے شمار مراتب اور گوناگوں مدارج و مناصب عالیہ سے سرفراز فرمایا ہے۔ جیسا کہ اوپر حدیث سے معلوم ہو چکا ہے کہ مجھ کو وہ دیا گیا ہے جو کسی کو نہیں دیا گیا۔ اور آپ کی عظمت شان کی وجہ سے ان درجات کو مبہم رکھا گیا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی شان اس قدر بلند و برتر ہے کہ ذہن ان کے سوا کسی اور کی طرف منتقل ہی نہیں ہو سکتا حضرت عیسٰیؑ ابن مریم کی تخصیص اس لئے فرمائی کہ یہود و نصاریٰ نے ان کے متعلق انتہائی افراط و تفریط سے کام لیا ہے یہود نے ان کی تحقیر میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی اور نصاریٰ نے ان کی تعظیم ایسی کی کہ ان کو خدا کا بیٹا قرار دے دیا۔ بینات سے مراد حضرت عیسٰی علیہ السلام کے وہ مشہور معجزات ہیں جن کا ذکر آگے آجائے گا۔ مثلاً مُردوں کو زندہ کرنا۔ بیماروں کو اچھا کرنا اور ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد انجیل ہو جو دلائل واضحہ کو مشتمل تھی۔ روح القدس۔ عام طور سے حضرت جبریل علیہ السلام کو کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔ قل نزله روح القدس، قدس کے معنی طہارت اور برکت کے ہیں یا قدس تقدیس یعنی تطہیر کے معنی میں ہے۔ شاید جبریل کو اس وجہ سے روح کہا گیا ہو کہ جس طرح روح جسمانی حیات کا سبب اور ذریعہ ہے اسی طرح حضرت جبریل معنوی اور باطنی حیات کا ذریعہ اور سبب ہیں۔ کیونکہ تمام آسمانی کتابیں جو بے شمار علوم اور روحانیت کا سرچشمہ ہیں حضرت جبریل ہی کی معرفت نازل ہوئی ہیں حضرت جبریل کی تائید کا مطلب یہ ہے کہ ابتدا سے لے کر انتہا تک حضرت جبریل نے ان کی امداد و نگرانی کی۔ نفخ روح کے وقت سے لے کر جب تک وہ آسمان پر تشریف لے گئے اس وقت تک حضرت جبریل ان کے مددگار بنے رہے جیسا کہ ساتویں پارے میں ارشاد ہے۔ اذ ایدتك بروح القدس، اور ہو سکتا ہے کہ روح القدس سے خود حضرت عیسٰی علیہ السلام مراد ہوں اور ظاہر ہے کہ ان کی روح کو قدس اس بنا پر کہا گیا ہے کہ وہ نطفہ کی تخلیق اور حیض کی غذا سے پاک و صاف تھے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قدس سے مراد حضرت حق جل مجدہٗ کی ذات اقدس ہو اور روح سے مراد حضرت جبریل ہوں اور یہ اضافت اور نسبت تشریفی ہو لیکن عام طور سے مفسرین کے نزدیک روح القدس سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں۔ حضرت حسانؓ کے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ احادیث میں آتے ہیں۔ روح القدس معك، اور کبھی فرماتے و جبریل معك، پہلے پارے میں بھی اس لفظ کی مختصر تحقیق گذر چکی ہے بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت علم اور قول کا مظہر حضرت جبریل علیہ السلام ہیں جس طرح صفت حیات کا مظہر حضرت اسرافیل اور صفت ارادہ اور جود کا مظہر حضرت میکائیل اور صفت قدرت کا مظہر حضرت عزرائیل علیہم السلام ہیں۔ لہذا حضرت جبرئیل کو مظہر علم ہونے کے اعتبار سے روح القدس اور مظہر قول ہونے کے اعتبار سے روح الامین کہتے ہیں واللہ اعلم۔ آیت کے آخری حصہ میں اپنی حکمت اور اپنی مشیت کا اظہار فرمایا ہے جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی اور تشفی دینا مقصود ہے اور حضور کو یہ بتانا ہے کہ باوجود انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری اور دلائل و معجزات اور کتب سماویہ کے نزول و ظہور کے بعد بھی تمام بنی نوع انسان کا دین حق کو قبول نہ کرنا اور باہم اختلاف اور قتل و قتال کرنا اور کسی کا مسلمان ہونا اور کسی کا منکر و کافر رہنا یہ کوئی نئی بات نہیں اگر آپ پر بھی سب لوگ ایمان نہیں لاتے اور امر حق کا انکار کرتے ہیں تو آپ کو اس پر حزن و ملال نہ ہونا چاہیئے۔ یہ امور تو ہماری حکمت و مشیت کے ماتحت ہوتے ہیں۔ اور ہم جو چاہتے ہیں کرتے ہیں۔ البتہ اگر ہم چاہتے تو ایسا نہ ہوتا۔ لیکن ہماری حکمت کا مقتضا یہ نہ ہوا کہ ہم جبر و اکراہ کے ساتھ کسی کو مسلمان بنائیں۔ لہذا کسی پیغمبر کی امت میں بھی ایسا نہ ہوا کہ سب کے سب مسلمان ہو جاتے۔ رہا حکمت کا معاملہ تو یہ ضروری نہیں کہ بندوں کو اس کی پوری حقیقت معلوم ہو جائے ہمارے لئے صرف اتنا عقیدہ ضروری ہے کہ ایسا کرنے میں حضرت حق کی کوئی مصلحت و حکمت ضرور ہے۔ اقتتال فرمایا اختلاف کو جیسا کہ ہم نے تیسیر میں اشارہ بھی کیا ہے یہ اس لئے کہ باہمی اختلاف ہی بڑھتے بڑھتے قتل و قتال کا موجب ہو گیا اور چونکہ اس کا بھی احتمال تھا کہ اختلاف رہتا اور قتل و قتال کی نوبت نہ آتی۔ اس لئے مکرر فرمایا ولو شاء الله ما اقتتلوا، تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ یہ بات بھی مشیت پر موقوف تھی۔ چونکہ مشیت کا تعلق ترک قتال سے نہ ہوا۔ لہذا قتال اور اختلاف دونوں واقع ہوئے۔ اور بات بھی یہی ہے کہ اس کی مشیت اور اس کے ارادے پر کوئی قابو یافتہ نہیں ولکن الله یفعل ما یرید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اظہار اور دوسرے پیغمبروں کے مراتب وغیرہ کا ذکر فرمانے کے بعد جو ایک خاص مناسبت سے آگیا تھا پھر اسی مضمون سابق کا اعادہ فرماتے ہیں یعنی وہی لفظ ہو جس کو ولکن البر من امن باللہ میں فرمایا۔ اسی کی تفصیل و توضیح مقصود ہے چنانچہ ابھی چند سطریں پیشتر قرض حسنہ کا ذکر فرمایا تھا اسی سلسلہ میں انفاق فی سبیل اللہ کی پھر تاکید فرماتے ہیں۔ اس کے آگے اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی ذات و صفات کا ذکر ہو گا جو رسالت کے ذکر سے مربوط ہے۔ اس کے بعد پھر انفاق فی سبیل اللہ کی مختلف صورتیں ذکر کی جائیں گی (تسہیل) اے ایمان والو! جو کچھ ہم نے تم کو عطا کیا ہے اور جو چیزیں ہم نے تم کو دے رکھی ہیں اس میں سے اس دن کے آنے سے پہلے پہلے کچھ خرچ کرتے رہا کرو جس دن نہ تو کوئی خرید و فروخت ہو سکے گی اور نہ آپس کی دوستی اور یاری چلے گی۔ اور نہ سفارش ہو گی اور جو لوگ دین حق کا انکار کرنے والے ہیں وہی اپنی جان پر ظلم کر رہے ہیں۔ (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ قیامت کے آنے سے پہلے خدا کی راہ میں خرچ کر دیکھو کہ قیامت سے پہلے جو نیک کام کر لو گے وہی قیامت میں مفید ہوں گے۔ باقی قیامت کے دن اگر چاہو کہ نیک عمل کہیں سے خرید کر لے آؤ یا کسی دوست سے نیکیاں حاصل کر لو یا کسی شخص کی سفارش سے نیک اعمال کا مطالبہ ترک کرا دو اور نیک اعمال پیش کرنے سے سبکدوش ہو جاؤ جیسا کہ دنیا میں ہوتا ہے تو ان تینوں باتوں میں سے وہاں کوئی بات بھی ہونے والی نہیں۔ ظاہر ہے کہ خرید و فروخت تو وہاں سرے سے ہے ہی نہیں کیونکہ وہ دن بیع و شرا کا نہیں ہے۔ رہی دوستی تو وہ بھی صرف متقیوں میں قائم رہے گی ورنہ تمام دوست اس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے اور ایک دوسرے پر لعنت کرتے ہوں گے ثم هو يوم القيمة يكفر بعضكم ببعض ويلعن بعضكم بعضا، البتہ پرہیزگار لوگوں کی دوستیاں اپنے حال پر رہیں گی الاخلاء يومئذ بعضهم لبعض عدو الا المتقين، رہی سفارش تو اول تو کوئی کسی کی سفارش بلا اجازت اور بلا حکم خداوندی کر ہی نہ سکے گا۔ جیسا کہ چند سطروں کے بعد ابھی آتا ہے۔ دوم یہ کہ سفارش کے لئے بھی کم از کم کسی چیز کی ضرورت ہے اور کچھ نہ ہو تو خدا کی توحید اور انبیاء پر ایمان تو ہو کفر خالص کے لئے تو سفارش کی اجازت ہی نہ ہو گی۔ وما للظلمين من حميم ولا شفيع يطاع، آیت میں جو انفاق کا حکم دیا گیا ہے اس سے یا تو زکوٰۃ مراد ہے جیسا کہ اکثر نے کہا ہے اور

ارک زکوٰۃ کو حضرت حق نے زجراً مشرک فرمایا ہے وویل للمشرکین الذین لا یؤتون الزکوٰۃ ، اگر انفاق سے زکوٰۃ مراد ہو تو تارکین زکوٰۃ کو قیامت کی وعید سنانا مقصود ہوگا۔ اور ہو سکتا ہے کہ زکوٰۃ کے علاوہ صدقات نافلہ مراد ہوں۔ تب بھی قیامت کا ذکر کرنے سے صدقات کی کثرت پر ترغیب دلانا مقصود ہوگا کہ جو دن ایسی پریشانی اور بے بسی کا ہو اس دن کے آنے سے پہلے جو بھلائی کر سکتے ہو اس سے غافل نہ رہو اور جو ہو سکتا ہے کرتے رہو۔ ہم نے ترجمہ اور تیسیر میں دونوں باتوں کی رعایت رکھی ہے آخر میں ہر کافر کو ظالم فرمایا ہے۔ حضرت عطا فرمایا کرتے تھے الحمد للہ الذی قال والکفرون ھم الظلمون ولم یقل والظلمون ھم الکفرون ، یعنی خدا کا شکر ہے کہ اس نے ہر کافر کو ظالم فرمایا اور ہر ظالم کو کافر نہیں فرمایا۔ بہرحال کافر اپنے اوپر ظلم کرنے سے ایسے ہو گئے کہ قیامت میں نہ کسی کی دوستی ان کو مفید ہوگی نہ کسی کی سفارش ان کے کام آئے گی حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی عمل کا وقت ابھی ہے۔ آخرت میں نہ عمل بکتے ہیں نہ کوئی آشنائی سے دیتا ہے نہ کوئی سفارش سے چھڑا سکتا ہے جب تک پکڑنے والا نہ چھوڑے موضح القرآن۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے جس خوبی سے آیت کی تفسیر فرمائی ہے اس کی تعریف نہیں کی جا سکتی۔ (تسہیل) ف

بقیہ صفحہ ۹۶

عظمت کا اظہار کیا گیا ہے۔ وہ ہمیشہ سے موجود ہے۔ وہی تمام مخلوقات کا موجد ہے۔ ہر قسم کے نقصان اور تغیر و تبدل سے پاک اور بری ہے۔ سب چیزوں کا مالک اور تمام کائنات اس کی مملوک ہے۔ ہر چیز کا علم رکھتا ہے اور ہر چیز پر اس کو کامل قدرت و عظمت حاصل ہے۔ نہ اس کی اجازت کے بغیر کسی کو کسی کی سفارش کا حق حاصل ہے اور نہ کوئی کام اس پر گراں اور دشوار ہے اور نہ اس کو کوئی کام مغلوب کر سکتا ہے۔ نہ وہ کسی کام سے تھکتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں سب حقیر اور سب اس کے بندے ہیں۔ اس کا علم سب کو محیط ہے اور اس کی معلومات پر کسی کو احاطہ میسر نہیں۔ قرآن کی اس آیت کا نام آیت الکرسی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی بن کعب سے دریافت کیا۔ اے کعب! کتاب اللہ میں کون سی آیت افضل ہے۔ انہوں نے پہلے تو تامل کیا۔ حضور نے پھر دریافت کیا۔ تو انہوں نے عرض کیا۔ آیت الکرسی۔ آپ نے فرمایا۔ اے ابو منذر تجھ کو علم مبارک ہو۔ اس آیت کی ایک زبان اور دو ہونٹ ہیں۔ یہ عرش کے قریب اللہ تعالیٰ کی تقدیس کرتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ عالم مثال میں اللہ تعالیٰ نے اس کو شکل و صورت عنایت کی ہے۔ اور یہ آیت خدا کی پاکی بیان کرنے میں مشغول ہے۔ حضرت انس کی ایک روایت میں اس آیت الکرسی کو ربع قرآن فرمایا ہے۔ یعنی اس کے پڑھنے کا ایسا ثواب ہوتا ہے جیسے کسی نے چوتھائی قرآن پڑھا۔ یا یہ مطلب کہ تمام قرآنی مضامین کے ایک چوتھائی مضامین کو صرف یہ ایک آیت شامل ہے۔ نسائی کی ایک روایت میں ہے جس شخص نے آیت الکرسی کو پڑھا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایک فرشتے کو مقرر کرتا ہے جو اس وقت سے لے کر دوسرے دن تک اس کی نیکیاں لکھتا اور اس کے گناہ مٹاتا رہتا ہے۔ حضرت علیؓ سے ایک روایت ہے کہ میں نے ممبر پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ جو شخص ہر نماز مفروضہ کے بعد آیت الکرسی پڑھتا ہے تو اس شخص کو جنت میں داخل ہونے سے سوائے موت کے اور کوئی چیز روکنے والی نہیں۔ یعنی موت آ جائے تو چلا جائے۔ صرف موت بیچ میں مانع ہے۔ ورنہ یہ شخص جنتی تو ہو چکا۔ اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ آیت الکرسی پر کوئی شخص مواظبت اور دوام اختیار نہیں کرتا مگر صدیق یا عابد یعنی ہر نماز مفروضہ کے بعد آیت الکرسی پڑھنا یا عام طور سے آیت الکرسی کی قرأت کا اہتمام کرنا یہ صدیق اور عابد کا کام ہے۔ ہر شخص اس کو اختیار نہیں کر سکتا۔ اور جو شخص اپنی خواب گاہ میں سوتے وقت آیت الکرسی پڑھ لیا کرتا ہے تو وہ خود بھی مامون رہتا ہے اور اس کا پڑوسی اور پڑوسی کا پڑوسی اور آس پاس کے اور چند گھر بھی مامون رہتے ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ایک اور روایت میں ہے۔ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی گھر ایسا نہیں ہے کہ اس میں آیت الکرسی پڑھی جائے۔ مگر یہ کہ تیس دن تک اس گھر سے شیاطین الگ رہتے ہیں اور چالیس رات تک اس گھر میں کوئی جادوگرنی یا جادوگر داخل نہیں ہو سکتا۔ یعنی وہ گھر جادو کے اثر سے محفوظ رہتا ہے۔ اے علی تم خود بھی آیت الکرسی کو سیکھ لو اور اپنے اہل و عیال کو بھی سکھاؤ اور اپنے پڑوسیوں کو بھی سکھاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے بڑی کوئی آیت نازل نہیں فرمائی۔ ابو داؤد اور ترمذی نے حضرت اسماء بنت یزید بن السکن سے روایت کی ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ان دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہے ایک اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم ، اور دوسری الم اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم ، علماء سند سے اس بارے میں بکثرت اقوال منقول ہیں کہ الحی القیوم کے ساتھ جو دعا مانگی جائے وہ قبول ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ اسم اعظم ہے۔ اسم اعظم کی مزید تفصیل میں نے اپنی کتاب مشکل کشا میں بیان کی ہے۔ احادیث میں کئی واقعات ایسے آئے ہیں کہ جنات صحابہ کی کھجوریں اور غلے چرا لیتے تھے۔ جب انہوں نے ان جنات کو پکڑ لیا تو انہوں نے کہا۔ تم ہم کو چھوڑ دو ہم تم کو ایسی چیز بتائیں گے جس کی وجہ سے تم اور تمہارا مال جنات سے بالکل محفوظ رہے گا۔ اس پر ان جنات نے صحابہ کو آیت الکرسی بتائی۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس واقعہ کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا اس نے سچ کہا اگرچہ وہ جھوٹا ہے۔ ایک روایت میں ہے۔ اس خبیث نے سچ کہا۔ احادیث میں یہ واقعات کئی طرح منقول ہیں۔ ایک واقعہ ابی بن کعب کا ہے کہ ان کی کھجوریں گم ہو جاتی تھیں۔ ایک رات وہ جاگتے رہے تو انہوں نے ایک شخص کو پکڑ لیا جس کے ہاتھ کتے کے ہاتھوں جیسے تھے اور ان پر بال تھے۔ بالآخر اس نے آیت الکرسی بتا کر اپنا پیچھا چھڑایا۔ دوسرا واقعہ ابو ایوب کا ہے۔ ان کا غلہ ایک جن چرا لیا کرتا تھا۔ انہوں نے دو دفعہ تو اس کو چھوڑ چھوڑ دیا مگر تیسری مرتبہ چھوڑنے سے انکار کر دیا تو اس نے ان سے کہا اگر آپ مجھے چھوڑ دیں تو میں ایک ایسی چیز تم کو بتاؤں جس کی وجہ سے کوئی جن اور شیطان تمہارے غلہ کو ہاتھ نہ لگا سکے۔ پھر اس نے آیت الکرسی بتائی۔ ایک واقعہ حضرت ابو ہریرہ کا ہے جس کو بخاری نے فضائل القرآن میں نقل کیا ہے۔ وہ بھی اسی قسم کا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو صدقۂ فطر کا نگہبان مقرر کیا۔ ان کا کھانا ایک شیطان اس میں سے لے جاتا تھا تیسری بار ان سے بھی اس شیطان نے یہ کہا کہ اگر آپ سوتے وقت آیت الکرسی پڑھ لیا کریں تو تمہاری ایک فرشتہ حفاظت کرے گا اور صبح تک کوئی شیطان تمہارے پاس نہ آ سکے گا حضور نے اس واقعہ کو سن کر فرمایا۔ وہ ہے تو جھوٹا مگر یہ بات اس نے سچ کہی۔ ابن مردویہ نے حضور کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں اما علمت ان ذٰلک کذٰلک ، یعنی ابو ہریرہ کیا تو نہیں جانتا کہ یہ بات اسی طرح سے ہے یعنی آیت الکرسی ایسی ہی چیز ہے۔ ایک چوتھا قصہ ابن مسعود سے منقول ہے۔ اس میں ایک شخص کا ایک جن سے کشتی لڑنے اور جن کو پچھاڑ دینے کا واقعہ ہے۔ اس نے بھی دو تین مرتبہ پچھڑنے کے بعد یہ کہا کہ تم آیت الکرسی پڑھا کرو۔ تمہارے پاس کوئی جن نہ آ سکے گا۔ بہرحال آیت الکرسی کی احادیث میں بڑی فضیلت آئی ہے۔ توحید الٰہی اور انبیا کی رسالت جن میں نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت بھی شامل ہے متصلاً بیان کرنے کے بعد دین کے متعلق جبر و اکراہ کی نفی فرماتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل) اللہ دین حق قبول کرنے میں کسی قسم کی زبردستی اور جبر و اکراہ نہیں کیونکہ ہدایت کی راہ گمراہی سے ممتاز اور نمایاں ہو چکی ہے اور اسلام کفر سے صاف طور پر الگ دکھائی دے رہا ہے۔ لہٰذا جو شخص تمام معبودان باطلہ سے منکر ہوا اور اس نے تمام طاغوتی طاقتوں کا انکار کیا اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا تو اس نے ایک ایسا مضبوط حلقہ پکڑ لیا جس کو کسی طرح ٹوٹنا نہیں اور اللہ تعالیٰ ہر ایک کی بات کو خوب سننے والا اور ہر ایک کے قلب کی حالت کو خوب جاننے والا ہے (تیسیر) رشد حقیقت میں تو غی کا مقابل ہے لیکن عام طور سے ہدایت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ بعض اہل لغت نے رَشَد اور رُشد میں فرق کیا ہے رُشد (بضم الاولی) کا تعلق تو امور دنیوی اور اخروی دونوں سے ہے۔ اور رَشَد (بفتحتا) کا تعلق صرف امور اخروی سے ہے۔ البتہ راشد اور رشید دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ غوی کے معنی اصل میں جہل کے ہیں مگر ایسا جہل جس کا تعلق اعتقاد سے ہو۔ کبھی انسان ہر قسم کے اعتقاد سے خالی ہوتا ہے اور کبھی شی فاسد کے اعتقاد میں مبتلا ہوتا ہے اس دوسری قسم کو غی کہتے ہیں۔ بعض نے کہا بد اعتقادی کے باعث جو اعمال کرتا ہے ایسے جاہل کو غوی کہتے ہیں۔ اس لئے اس جہل کو غی کہا جاتا ہے جو اعمال میں ہو عام طور سے غی کا ترجمہ گمراہ کیا جاتا ہے۔ طاغوت کے معنی ہیں نافرمانی میں حد سے تجاوز کر جانے والا ہر وہ باطل معبود جس کی اللہ کے سوا عبادت کی جائے اور خدا کے سوا اس کو معبود بنایا جائے۔ کاہن اور ساحر اور شیطان۔ اور ہر سرکش و مردود جن، اور گمراہی کا سردار۔ مفرد اور جمع دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ کبھی جمع کے لئے طواغیت بھی بولتے ہیں۔ عروہ اس شی کو کہتے ہیں جس کا سہارا پکڑا جائے۔ اور سہارے کے طور پر اسی شی کو مضبوط پکڑ لیا جائے یا پکڑ کر لٹک جائے، خواہ وہ رسی ہو، لوہے کی زنجیر ہو یا کوئی جگہ ہو۔ یا کوئی حلقہ اور کڑا ہو۔ غرض کسی شے سے مضبوطی کے ساتھ وابستہ ہو کر خطرے سے نکل جائے۔ اس آیت کے بارے میں مفسرین کے تقریباً سات قول ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ عرب کی بعض عورتیں جن کے بچے جیا نہیں کرتے تھے وہ اس قسم کی منت مان لیا کرتی تھیں کہ اگر میرا بچہ جی جائے گا

تو میں اس کو یہودی یا نصرانی بنا دوں گی۔ چنانچہ انصار کے بعض بچے بنونضیر کے ہاں رہتے تھے اور انہوں نے یہودی مذہب اختیار کر لیا تھا۔ جب اسلام آیا اور بنونضیر جلاوطن کئے گئے تو ان یہودی بچوں کے ماں باپ نے چاہا کہ ان کو زبردستی مسلمان کر لیا جائے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں حصین نامی ایک انصاری کے دو بچے نصرانی تھے اور وہ مسلمان تھے حصین نے یہ چاہا کہ دونوں نصرانی بچوں کو زبردستی مسلمان بنا لیا جائے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ دونوں لڑکے چند نصرانی سوداگروں کے کہنے سننے سے نصرانی ہو گئے تھے۔ یہ سوداگر کشمش لا کر مدینہ میں فروخت کیا کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ کا بھی ایک واقعہ ہے کہ ان کا ایک غلام تھا جس کا نام اسبق تھا وہ چاہتے تھے کہ وہ مسلمان ہو جائے لیکن وہ یہ آیت پڑھ کر فرمایا کرتے تھے۔ دین میں اکراہ نہیں ہے۔ میں زبردستی نہیں کر سکتا۔ البتہ اگر یہ مسلمان ہو جائے تو میں اس سے بعض امور مسلمین میں مدد حاصل کروں۔ بہرحال شان نزول کچھ بھی ہو آیت کا مطلب یہ ہے کہ دین حق کے قبول کرنے میں حقیقتاً کوئی جبر واکراہ نہیں کیونکہ اکراہ تو جب ہو کہ کسی چیز کی خوبی واضح اور ظاہر نہ ہو۔ اسلام تو ایسی چیز ہے جس کی صداقت دلائل ساطعہ اور براہین قاطعہ سے واضح ہے اور رشد یعنی اسلام غی یعنی کفر سے ممتاز ہو چکا ہے۔ لہٰذا جبر واکراہ کی ضرورت نہیں۔ ابن کثیر نے کہا یہاں نفی معنی میں نہی کے ہے اور مطلب یہ ہے کہ اسلام قبول کرنے میں جبر واکراہ سے کام نہ لو بلکہ لوگوں کو اپنی رغبت اور شوق سے قبول کرنے دو۔ لیکن ہمارا ترجمہ ابن کثیر کے منافی نہیں ہے۔ کیونکہ اکراہ کی نفی کو اکراہ کی نہی لازم ہے۔ علامہ زمخشری کا قول یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب کو مسلمان کر دیتا لیکن دین میں اکراہ کا حکم نہیں اس لئے وہ مجبور کر کے کسی کو زبردستی مسلمان نہیں بناتا ولو شاء ربک لامن من فی الارض کلہم جمیعا، یعنی اگر آپ کا پروردگار چاہتا تو وہ تمام لوگ جو روئے زمین پر بستے ہیں ایمان لے آتے۔ خلاصہ یہ کہ دین حق کو قبول کرنے میں فی نفسہٖ تو کوئی اکراہ نہیں ہے باقی مرتد۔ یا حربی یا جزیرۃ العرب کے اصنام پرست وغیرہ کے جو احکام ہیں وہ دوسرے سبب سے ہیں۔ رہا جزیہ اور حفاظتی ٹیکس تو اس کا تعلق بھی اسلامی اقتدار اور برتری سے ہے بلکہ جزیہ تو اور اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام میں اکراہ نہیں ہے اگر اسلام میں زبردستی ہوتی اور ہر شخص کو مجبور کر کے مسلمان بنانا ضروری ہوتا تو کسی کافر کو اس کے کفر پر باقی رہنے کی اجازت ہی کیوں دی جاتی۔ خواہ جزیہ ادا کرنے ہی کی صورت میں ہو اور اسلامی اقتدار تسلیم کرنے ہی کی حالت میں ہو۔ طاغوت کے ساتھ کفر کرنے کو ایمان باللہ سے مقدم فرمایا اس لئے کہ جب تک خصائل رذیلہ سے پاک نہ ہو اور میل کچیل دور نہ کیا جائے۔ اس وقت تک خصائل حمیدہ اور زیب و زینت کی گنجائش نہیں ہوتی لہٰذا ایمان باللہ کے لئے یہ ضروری ہے کہ پہلے عقائد باطلہ اور شیطانی قوتوں کا انکار کیا جائے ان سب امور سے توبہ کی جائے اور اللہ تعالیٰ جو وحدہٗ لاشریک ہے اس پر ایمان لایا جائے اور اس کے تمام احکام کو بجا لانے کی سعی کی جائے جو شخص طاغوت کا کافر اور اللہ کا مومن ہو گا وہ شخص ایسا ہے جس کی تمثیل آگے بتائی ہے کہ اس نے ایک ایسا مضبوط کڑا پکڑ لیا اور اس نے ایک ایسی مضبوط رسی کو مضبوطی سے پکڑ لیا جو ٹوٹنے

اور چھوٹنے والی نہیں۔ انفصام کے معنی انقطاع کے ہیں اور استمساک کے معنی ہیں کسی چیز کو خوب مضبوط پکڑنا۔ ہر مخلص مسلمان جو ماسوی اللہ سے منقطع ہو کر اسلام کو اختیار کرتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جس نے کسی مضبوط چیز کو خوب مضبوطی سے پکڑ رکھا ہو۔ اور گرنے کے خطرے سے محفوظ ہو۔ لہٰذا اسلام میں کسی بطلان اور ہلاک کا اندیشہ نہیں ہاں یہ دوسری بات ہے کہ کوئی بدقسمت خود اس رسی کو چھوڑ دے اور ہلاکت میں جا پڑے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی جہاد کرنا یہ نہیں کہ زور سے اپنا دعویٰ قبول کرواتے ہیں بلکہ جس کام کو سب نیک کہتے ہیں اور کرتے ہیں وہی کرواتے ہیں۔ موضح القرآن۔ اب آگے اہل ایمان کی تعریف اور اصحاب طاغوت کی مذمت ہے (تسہیل) ف۳ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا ساتھی اور معاون و مددگار ہے جو ایمان لائے ان کو کفر کی تاریکیوں سے ایمان کی روشنی کی طرف نکال لاتا ہے اور جو لوگ کافرانہ روش رکھتے ہیں اور اہل کفر ہیں ان کے دوست شیاطین ہیں۔ خواہ وہ جن ہوں یا انسان ہوں۔ یہ شیاطین ان کو ایمان کی روشنی سے کفر کی تاریکیوں کی جانب نکالتے اور بہکاتے ہیں۔ لہٰذا ایسے لوگ جو اسلام کو چھوڑ کر کفر کو اختیار کریں اصحاب نار اور اہل جہنم ہیں۔ یہ لوگ اس دوزخ کی آگ میں ہمیشہ رہنے والے ہیں (تیسیر) ولی کے معنی قریب کے ہیں۔ یہ قرب کبھی باعتبار محبت کے ہوتا ہے اور کبھی باعتبار نصرت اور مدد کے ہوتا ہے اس لئے اس کے بہت سے معنی کئے جاتے ہیں۔ دوست، ہمدرد، کارساز۔ مددگار، سرپرست، خیرخواہ وغیرہ۔ ہم نے محبت و نصرت دونوں کے لحاظ سے ساتھی اور معاون کر دیا ہے۔ اخراج کا مطلب یہ ہے کہ شکوک و شبہات اور وساوس و خطرات سے اہل ایمان کو محفوظ رکھتا ہے یا یہ مطلب ہے کہ کفر سے بچا کر انہیں ایمان کی طرف نکال لاتا ہے اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ نور ایمان سے بڑھا کر نور ایقان تک پہنچاتا ہے اور نور ایقان سے بڑھا کر عین الیقین کے نور تک پہنچاتا ہے اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ جس کی قسمت میں ایمان کے نور سے منور ہونا ہے اور اللہ تعالیٰ کے علم میں وہ ہدایت کا اہل ہے اسے کفر کی تاریکی سے بچا کر ایمان کی روشنی کی جانب لے آتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ایک شبہ کی بنا پر لوگوں نے مختلف جواب دینے کی کوشش کی ہے اور اسی وجہ سے کئی طور پر لفظ اخراج کا مطلب بیان کیا گیا ہے اور وہ شبہ یہ ہے کہ اخراج کا تقاضہ یہ ہے کہ پہلے کوئی شخص داخل ہو پھر اس کو نکالا جائے تو جو لوگ اہل ایمان ہیں وہ کفر میں کب داخل ہیں جو ان کو تاریکی سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے۔ صاحب روح المعانی نے اس شبہ کا جواب یہ دیا ہے کہ اخراج کے معنی روکنے کے ہیں۔ اخراج کے لئے یہ ضروری نہیں کہ داخل ہونے کے بعد اخراج متحقق ہو۔ لہٰذا مطلب یہ ہے کہ اہل ایمان کو کفر کی تاریکیوں سے روکتا اور بچاتا ہے۔ فقیر کے نزدیک یہ تمام تکلفات ہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ اہل ایمان کو حضرت حق تعالیٰ کی حمایت اور سرپرستی حاصل ہے اور اس حمایت سے جو اثرات مرتب ہوتے رہتے ہیں ان کو اخراج سے تعبیر فرمایا ہے اور چونکہ اہل کفر کے رفیق شیاطین اور گمراہ کرنے والے لوگ ہوا کرتے ہیں لہٰذا ان بدبختوں کی دوستی سے جو نتائج پیدا ہوتے ہیں ان کو بھی اخراج سے تعبیر فرما دیا ہے اہل ایمان نور ہدایت کی طرف بڑھتے ہیں اور اہل کفر سرکشی

اور طغیانی کی تاریکیوں میں گھستے چلے جاتے ہیں۔ طاغوت کی طرف اخراج کی نسبت مجازی ہے۔ چونکہ طاغوت کافروں کے کفر کا سبب ہیں۔ اس لئے ان کی طرف اخراج کی نسبت کر دی ہے اسی طرح ان کو اولیاء کہنا بھی مجاز ہے وہ کافروں کے اولیاء نہیں بلکہ وہ تو ان کے دشمن اور ان کو جہنم میں لے جانے کے سبب ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی جہاد ہے کافروں کی ضد توڑنے کو اور ہدایت اللہ کرتا ہے جس کی قسمت میں رکھی ہے ان کو شبہ آیا تو ساتھ ہی خبردار کر دیا۔ (موضح القرآن) حضرت شاہ صاحبؒ نے جو تقریر فرمائی ہے وہ مختصر اور نہایت عمدہ ہے اور یہ وہ معنی ہیں جن کو ہم نے تسہیل میں ابتداءً اختیار کیا ہے۔ یعنی شکوک و شبہات وغیرہ سے اہل ایمان کو محفوظ رکھتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ اب آگے انہی معاملات مذکورہ کے متعلق مختلف اشخاص کے تین قصے مذکور ہیں (تسہیل) ف۴

بقیہ صفحہ ۶۷

حضرت ابراہیمؑ نے اس نقض پر منع وارد کیا کہ اگر تو ایسا کر سکتا ہے تو اچھا۔ آفتاب روز شام کو مرتا اور صبح کو زندہ ہوتا ہے۔ آفتاب کے غروب کو مرنا اور طلوع کو زندہ ہونا محاورہ ہے۔ حدیث میں الشمس حیۃ آتا ہے۔ لہٰذا دلیل سے عدول نہ ہوا بلکہ زندہ کرنے کا ایک اور مطالبہ پیش کر دیا کہ اچھا اگر تیرا یہ دعویٰ صحیح ہے کہ تو بھی احیا اور اماتت کا مالک ہے تو آفتاب کو مرتے ہی زندہ کر دے جس وقت آفتاب مر رہا ہو اور مغرب کے افق میں دفن ہو رہا ہو تو اسی وقت اس کو زندہ کر کے واپس لے آ۔ اس پر وہ مبہوت ہو گیا۔ میں نے شاید اپنی دوسری تقریر سیرت میں اس پر مفصل تبصرہ کیا ہے۔ بہرحال دوسری آیت میں مومنوں کا ولی اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو فرمایا تھا اور کافروں کا ولی مجازاً طاغوت کو فرما دیا تھا۔ دونوں کا نتیجہ ظاہر ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کی سرپرستی اور اعانت چونکہ حضرت ابراہیمؑ کو حاصل تھی۔ وہ کامیاب ہوئے اور طاغوت کے ہمدرد اور پیرو رسوا اور ذلیل ہوئے۔ اور نمرود ایسا مبہوت ہوا کہ اس کے منہ سے یہ بھی نہ نکلا کہ ابراہیم تم یہ کام اللہ تعالیٰ سے کرا دو کہ وہ آفتاب کو مغرب سے طلوع کر دے۔ اس کے دل میں غالباً یہ ڈر بیٹھ گیا کہ اگر میں نے ایسا کہا تو یہ پیغمبر ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ بات ہو جائے اور اگر کہیں آفتاب مغرب سے نکل آیا تو ابھی تو صرف سمجھدار اور پڑھے لکھے لوگوں میں بے عزتی ہوئی ہے۔ پھر عوام میں بھی میری ہوا کرکری ہو جائے گی۔ شاید واللہ لا یہدی القوم الظلمین میں اسی جانب اشارہ ہو کہ اس قسم کے لوگوں کو ہدایت نہیں نصیب ہوا کرتی۔ یہ ہدایت خواہ استدلال کی ہو یا یہ ہدایت اسلام کی ہو یا یہ ہدایت نجات کے طریقہ کی ہو یا قیامت میں جنت کی راہ مراد ہو۔ تمام احتمالات ہیں اس لئے ہم نے تیسیر میں عرض کیا ہے کہ کسی طرح رہنمائی نہیں فرماتا کیونکہ یہ وہ بدقسمت ہیں جو حجت قائم ہو جانے اور دلیل ظاہر ہو جانے بلکہ لاجواب ہو جانے کے بعد بھی قبول حق کا ارادہ نہیں کرتے اور حضرت حق کا دستور یہ ہے کہ جب کوئی بندہ قبول حق کا ارادہ کرتا ہے تو وہ ہدایت کو پیدا کر دیتے ہیں۔ بعض حضرات نے ربہٖ کی ضمیر نمرود کی طرف لوٹائی ہے۔ لیکن اکثر مفسرین نے حضرت ابراہیمؑ ہی کو ضمیر کا مرجع قرار دیا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ ایک بادشاہ تھا وہ اپنے

تیئں سجدہ کرواتا تھا۔ سلطنت کے غرور سے حضرت ابراہیمؑ نے اس کو سجدہ نہ کیا۔ اس نے پوچھا۔ انہوں نے کہا کہ میں اپنے رب ہی کو سجدہ کرتا ہوں۔ اس نے کہا۔ رب تو میں ہوں انہوں نے کہا میں رب حاکم کو نہیں کہتا۔ رب وہ ہے جو جلا دے اور مارے۔ اس نے دو قیدی منگائے جس کو بلا ناپہنچتا تھا کرڈالا اور جس کو مارنا پہنچتا تھا چھوڑ دیا۔ تب انہوں نے آفتاب کی دلیل سے لاجواب کیا (موضح القرآن) حضرت شاہ صاحبؒ کا رجحان بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات دلیل کے طور پر فرمائی تھی۔ لیکن جب وہ نہ سمجھا اور یہ معلوم ہوگیا کہ یہ بہت موٹی عقل کا انسان ہے تو انہوں نے دوسرا جواب دے کر اس کو لاجواب کر دیا۔ اور حضرت حق تعالیٰ کے وجود یا اس کی وحدانیت کو ثابت کر دیا گیا جو اصل مدعا اور مطلوب تھا۔ یہ جو حدیث میں آتا ہے کہ قیامت کے قریب آفتاب مغرب سے طلوع ہوگا اس کی وجہ شاید یہ بھی ہو کہ خلیل علیہ السلام کے محاجہ میں اس کا تذکرہ آیا تھا اور حضرت خلیل نے نمرود سے فرمایا تھا کہ تو آفتاب کو مغرب سے نکال کر دکھا۔ واللہ اعلم اب آگے ایک اور شخص کا ذکر فرماتے ہیں جس کے ذکر سے قیامت کے دن قبروں سے مردوں کا زندہ ہونا اور بعث بعد الموت کا مسئلہ واضح ہوتا ہے اور توحید و رسالت کے ساتھ اس مسئلے کو خصوصی تعلق ہے اور اعتقادی مسائل میں نہایت اہم مسئلہ ہے۔ جس میں تمام دنیا کے کافر ایک طرف ہیں اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ان کے متبعین ایک طرف ہیں (تسہیل) ق

بقیہ صفحہ ۶۸

اس ویران شدہ بستی پر سفر کرتے ہوئے گذرے تو یہ ایک گدھے پر سوار تھے۔ کچھ کھانے اور پینے کا سامان ان کے ساتھ تھا بستی کو دیکھ کر یہ خیال ہوا کہ دشمنوں نے اس بستی کو بالکل تخت و تاراج کر دیا۔ اب یہ کس طرح آباد ہوگی۔ اس فرمانے کے بعد وہاں انہوں نے قیام کیا۔ نیند آگئی سونے کی حالت میں اللہ تعالیٰ نے ان کی جان قبض کر لی جس وقت وہ سوئے اس وقت چاشت کا وقت تھا۔ اللہ تعالیٰ نے جب ان کو زندہ کیا اس وقت کچھ دن باقی تھا۔ وہ یہ سمجھے کہ اگر کل سویا تھا تو آج ایک دن بعد آنکھ کھلی اور اگر آج ہی سویا تھا تو ایک دن سے کم ہی وقت گزرا حالانکہ وہ سو برس کے بعد زندہ کئے گئے تھے۔ زندہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے بواسطۂ جبریل یا براہ راست ان سے سوال کیا کہ تم کتنی دیر یہاں رہے۔ انہوں نے اپنے خیال کے موافق عرض کر دیا کہ ایک دن یا دن سے کم رہا۔ اس پر ارشاد ہوا۔ تم اس حالت میں سو برس تک رہے۔ اب قدرت کا کرشمہ دیکھو کہ تمہارا جسم صحیح سلامت رہا۔ کھانے پینے کی چیزیں انجیر، انگور، انگور کا شربت وغیرہ بھی ویسا کا ویسا ہی رکھا رہا چونکہ کھانے پینے کی چیزوں کو جسم کے عناصر سے ایک خاص مناسبت ہے بلکہ یہی کھانا پانی ہے جو معدے میں تحلیل ہو کر جسم بن جاتا ہے۔ یہ سب سلامت رہا نہ سڑا نہ گلا۔ نہ کسی قسم کی بدبو اور کھٹاس پیدا ہوئی۔ اور اسی کے ساتھ اپنی سواری کے گدھے کو بھی دیکھو کہ وہ گل سڑ کر ریزہ ریزہ ہوگیا۔ یہ کارروائی اس لئے کی گئی تاکہ ہم تجھ کو لوگوں کے لئے ایک نظیر اور ایک قدرت کا نمونہ اور نشان بنائیں اور لوگ اس امر کا یقین کریں کہ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے انقلاب کا مالک ہے۔ مارنا جلانا، ویران کرنا اور آباد کرنا اور تمام عالم کو ویران کر دینے کے بعد مخلوق کو از سر نو پیدا کر دینا یہ سب اس کی قدرت اور اختیار میں ہے۔ چنانچہ ان کے گدھے کو ان کے سامنے زندہ کر دیا گیا۔ آہستہ آہستہ ہر چیز سمٹ سمٹ کر اپنی جگہ آگئی ہڈیاں ابھر کر جمع ہوگئیں ڈھانچہ بن گیا۔ گوشت پوست پیدا ہوگیا۔ قدرت کے یہ عجائبات دیکھ کر انہوں نے بے ساختہ کہا کہ میں یہ خوب جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ یعنی پہلے جو میں نے انی یحیی کہا تھا وہ محض احیا کی کیفیت اور صورت معلوم کرنے کی غرض سے کہا تھا۔ یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت پر ہم کو کوئی شبہ تھا۔ اب آنکھ کھول کر دیکھا تو وہ بستی بھی خوب آباد تھی۔ نئے نئے مکان بن چکے تھے اور جو لوگ بھاگ گئے تھے وہ پھر آکر آباد ہو گئے تھے۔ حملہ آور بادشاہ مر چکا تھا اور اس کی فوج اور سلطنت ختم ہو چکی تھی۔ اب حکومت دوسری تھی۔ حضرت عزیر نے زندہ ہو کر بچوں کو بڈھا دیکھا۔ لوگوں سے کہا میں عزیر ہوں۔ لوگوں نے کہا عزیر تو کہیں مر کھپ گیا۔ تم جھوٹ بولتے ہو۔ مدتوں سے عزیر کا تو کہیں پتہ ہی نہیں۔ چونکہ حضرت عزیر کو توریت حفظ تھی۔ لوگوں نے مطالبہ کیا کہ اگر آپ عزیر ہیں تو ہم کو توریت لکھوا دو کیونکہ ہماری توریت کو حملہ آور بادشاہ تباہ کر گیا ہے اور توریت کے قاریوں کو اس نے قتل کر ڈالا ہے اور اب ہمارے پاس توریت کا کوئی مکمل نسخہ نہیں۔ چنانچہ حضرت عزیر نے توریت کا مکمل نسخہ اپنے حافظہ سے قلم بند کرا دیا۔ تب لوگوں کو یقین آیا کہ یہ واقعی حضرت عزیر علیہ السلام ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے سو برس کے بعد زندہ کیا اور ان کے جسم کو اور ان کے کھانے پانی کو محفوظ رکھا اور ان کی سواری کے گدھے کو ان کے سامنے زندہ کیا اور جس بستی کو ویران و برباد دیکھا تھا اس کو زندہ ہو کر پھر آباد اور پہلے سے زیادہ پر رونق دیکھا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ واقعہ بیت المقدس کی ویرانی اور بخت نصر کے حملے سے متعلق ہو۔ بہرحال اس واقعہ میں تقریباً وہ تمام امور نمایاں ہوگئے جو قیامت کے دن کی زندگی کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ مثلاً مرنے کے بعد زندہ کرنا اور ایک طویل مدت کے بعد زندہ کرنا دوبارہ زندہ کرنے تک روح کا باقی رہنا۔ بعض اجسام کا جوں کا توں رہنا اور بعض کا گل سڑ کر خاک ہو جانا۔ خاک شدہ اجسام کو خاص کیفیت سے جمع کرنا اور اجزاء جسمیہ کو جمع کرنے اور ترتیب دینے کے بعد زندہ کر دینا۔ مرنے اور دوبارہ زندہ ہونے کی درمیانی مدت کا صحیح علم نہ ہونا۔ ہم اوپر عرض کر چکے ہیں کہ یہ واقعہ قیامت کی زندگی کے لئے بھی نشان ہو سکتا ہے اور انقلابی واقعات کے لئے بھی دلیل بن سکتا ہے اور یہی دو تفسیریں ہیں جن کی طرف مفسرین گئے ہیں حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یہ شخص حضرت عزیر پیغمبر تھے۔ بخت نصر ایک بادشاہ تھا۔ کافر بنی اسرائیل پر غالب ہوا۔ شہر بیت المقدس کو ویران کیا۔ تمام لوگ بندی میں پکڑے گئے۔ تب حضرت عزیر اس شہر پر گذرے تعجب کیا کہ یہ شہر پھر کیونکر آباد ہو اسی جگہ ان کی روح قبض ہوئی۔ سو برس کے بعد زندہ ہوئے۔ ان کا کھانا اور پینا پاس دھرا تھا اسی طرح اور سواری کا گدھا مر کر ہڈیاں اسی شکل سے دھری تھیں۔ وہ ان کے روبرو زندہ ہوا۔ اس سو برس میں بنی اسرائیل قید سے خلاص اور شہر پھر آباد ہوا۔ انہوں نے زندہ ہو کر آباد ہی دیکھا (موضح القرآن) حضرت شاہ صاحبؒ کا منشا بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ بستی کی آبادی کا دیکھنا مطلوب تھا۔ قیامت میں مردوں کے زندہ ہونے کی کیفیت مطلوب نہ تھی۔ لیکن جیسا کہ ہم نے عرض کیا تھا کہ دونوں باتوں کی گنجائش ہے۔ اس لئے ہم نے تسہیل میں دونوں امر ظاہر کر دیئے۔ عرش مسقف چیز کو کہتے ہیں۔ بیل چڑھانے کی ٹٹیوں کو عریش کہتے ہیں عروش جمع ہے یہاں چھتیں مراد ہیں۔ نشز زمین کے ابھرے ہوئے حصے کو کہتے ہیں نشوز اٹھنا، کھڑے ہو جانا، نافرمان عورت جو اپنے خاوند سے بغض رکھے۔ اس کی مخالفت کرے اس کو ناشزہ کہتے ہیں۔ یہاں گدھے کی ہڈیوں کو ابھارنا اور جمع کرنا مراد ہے۔ یعنی ان میں روح حیات پیدا کر دیتے ہیں جس سے وہ ابھرتی اور سمٹتی معلوم ہوں گی۔ لم یتسنہ کا مطلب یہ ہے کہ برسہا برس گذرنے کے باوجود کھانے پینے کی چیزیں متغیر نہیں ہوئیں اور اپنی حالت پر قائم رہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان پر اتنی مدت اور اتنے برس نہیں گذرے (تسہیل) ق لم یتسنہ سنۃ یا سنھۃ سے مشتق ہے۔ اب آگے اسی قسم کا ایک واقعہ حضرت ابراہیمؑ کا مذکور ہے تاکہ احیاء موتی کا مسئلہ اور صاف ہو جائے۔

(تسہیل) ق اور اس وقت کو یاد کرو جب کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا۔ اے میرے پروردگار! مجھ کو یہ چیز دکھا دیجئے کہ آپ قیامت میں مردوں کو کس کیفیت سے زندہ کریں گے اور مرنے کے بعد تمام اجسام کو کس طرح جمع کر کے زندہ کر دیں گے۔ حضرت حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اے ابراہیم کیا تم مردوں کے زندہ ہونے پر یقین نہیں لائے۔ انہوں نے عرض کیا۔ کیوں نہیں بے شک میں مردوں کے زندہ ہونے پر یقین رکھتا ہوں۔ لیکن یہ گذارش اس لئے کر رہا ہوں تاکہ زندہ ہونے کی کیفیت کو مشاہدہ اور معائنہ کرنے سے میرے قلب کو اطمینان اور سکون حاصل ہو جائے اور جس چیز کو علم الیقین کا مرتبہ حاصل ہے اسے عین الیقین کا درجہ حاصل ہو جائے۔ حضرت حق نے ارشاد فرمایا اچھا اگر تم یہ چاہتے ہو تو چار پرندے لے لو اور پھر ان کو اپنے سے ہلا لو اور مانوس کر لو۔ پھر ہر ایک پہاڑ پر ان پرندوں میں سے ایک ایک ٹکڑا اور ایک ایک حصہ رکھ دو اور ان کے پارچے اور ٹکڑے مختلف پہاڑوں پر رکھنے کے بعد ان پرندوں کو بلاؤ اور پکارو اس پر وہ سب پرندے زندہ ہو کر تمہارے پاس دوڑتے ہوئے چلے آئیں گے اور اس بات پر خوب یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ کمال قوت و قدرت اور کمال حکمت کے مالک ہیں (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ احیاء موتی کا یقین تو حاصل ہے اور اس پر ایمان ہے کہ آپ قیامت میں تمام مرنے والوں کو زندہ کریں گے اور سب زندہ ہو کر آپ کے روبرو حاضر ہوں گے۔ لیکن دل یہ چاہتا ہے کہ زندہ ہونے کی کیفیت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں تاکہ مشاہدہ سے قلب کو اطمینان حاصل ہو۔ چنانچہ اس پر یہ حکم دیا گیا کہ چار اڑنے والے جانور لے کر اپنے سے مانوس کر لو۔ عام مفسرین نے فصرھن کا یہی ترجمہ کیا ہے۔ البتہ عبداللہ بن عباسؓ نے اس کا ترجمہ ٹکڑے ٹکڑے کرنا کیا ہے۔ یعنی ان پرندوں کو ذبح کر کے اور ان کو چاک کر کے ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر لو۔ جیسا کہ لفظ جزاء سے اس معنی کی تقویت ہوتی ہے۔ ہر پہاڑ کا مطلب یہ ہے کہ جس جس پہاڑ کو تم مناسب سمجھو اور جس جس پہاڑ پر رکھنا ممکن ہو ان پرندوں کے ٹکڑے اور پر رکھ دو۔ دوڑتے ہوئے آنے کا مطلب یہ ہے کہ پاؤں سے چل کر آئیں گے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اڑ کر تیرے پاس آجائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ حضرت خلیل کے آواز دیتے ہی سب گوشت اور پر وغیرہ اپنی اپنی جگہ آگئے اور ان میں زندگی پیدا کر دی گئی اور وہ حضرت ابراہیمؑ کی طرف بھاگتے ہوئے چلے آئے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت

ابراہیمؑ نے ان چاروں پرندوں کے سر اپنے پاس رکھے اور ان کے ٹکڑے اور بوٹیاں مختلف پہاڑوں پر رکھ کر ان کو بلایا۔ وہ درست ہو کر آئے اور حضرت ابراہیمؑ کے سامنے اپنے اپنے سروں سے جڑ گئے۔ ہو سکتا ہے کہ ایسا ہوا ہو اور ہو سکتا ہے کہ پہاڑوں پر سے پوری طرح زندہ ہو کر اپنے اپنے سروں کے ساتھ آئے ہوں۔ علامہ ابن قیم نے مدارج السالکین میں عزیز کا ترجمہ کمال قوت اور حکیم کا ترجمہ کمال حکمت کیا ہے۔ یہاں مطلب یہ ہے کہ اس بات کا یقین رکھو کہ میں کمال قوت کا مالک ہوں۔ دنیا میں بھی مُردوں کو زندہ کر سکتا ہوں۔ لیکن ایسا نہیں کرتا کیونکہ میں کمال حکمت کا مالک ہوں۔ وہی کرتا ہوں جو میری حکمت کا تقاضا ہوتا ہے اور حکیم کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوا کرتا۔ بعض حضرات نے یہاں چند باتیں بیان کی ہیں۔ اوّل تو حضرت علیؓ کا ایک قول نقل کیا ہے جو مشہور ہے لیکن اس کی صحت کا علم نہیں۔ وہ قول یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ فرماتے ہیں کہ اگر میرے سامنے سے پردے ہٹا دیئے جائیں تو میرے یقین میں کوئی زیادتی نہیں ہوگی۔ حضرت علیؓ کا مطلب یہ ہے کہ اگر دوزخ جنت میرے سامنے آجائے اور میں میدان محشر کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں تب بھی میرے یقین میں کوئی اضافہ نہ ہوگا۔ لیکن حضرت علیؓ کے اس قول کا کوئی تعلق حضرت ابراہیمؑ کے واقعہ سے نہیں ہے کہ اس پر بحث کی جائے۔ حضرت ابراہیمؑ اگر یہ فرماتے کہ مشاہدے سے میرا یقین بڑھ جائے گا تب کوئی بات کہی جا سکتی تھی۔ یہاں تو محض کیفیت کا معائنہ مطلوب ہے۔ ایمان اور یقین کا سوال تو بلیٰ کہنے کے بعد ختم ہو گیا۔ حضرت علیؓ نے یقین کی زیادتی سے انکار فرمایا ہے نہ یہ کہ میدان محشر کا معائنہ کرنے اور تفصیلی حالات کا مشاہدہ کرنے کے بعد معلومات میں بھی اضافہ نہ ہوگا۔ یہ امر یقینی ہے کہ مثلاً شہر مکہ پر یقین رکھنے والوں کا مکہ معظمہ کی زیارت کرنے کے بعد یقین زیادہ نہیں ہوتا لیکن مکہ معظمہ کے تفصیلی حالات ضرور معلوم ہو جاتے ہیں جو اس زیارت سے پہلے معلوم نہ تھے اسی طرح سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس مشاہدے سے پرندوں کے گوشت کا سمٹنا ہڈیوں کا ڈھانچہ بننا ان پر گوشت وغیرہ کا چڑھنا، پروں کا گوشت پر لگنا، پھر زندہ ہونا اور آواز دینے پر دوڑتے ہوئے چلے آنا یہ سب کیفیت ملاحظہ فرمائی جو اس منظر کے مشاہدہ کرنے سے پہلے ان کو معلوم نہ تھی۔ مُردوں کے زندہ ہونے پر کوئی بے اطمینانی نہ تھی مگر شاید یہ خیال ہوتا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ تو ہر صورت سے زندہ کرنے پر قادر ہیں۔ مگر آخر زندہ کرنے کے وقت کیا صورت اختیار فرمائیں گے۔ اسی کی درخواست تھی اور اسی درخواست کو پورا کرنے کی غرض سے یہ امور مشاہدہ کرائے گئے کہ پہلے چار جانوروں کو پالنے اور شناخت کرنے کا حکم دیا گیا۔ پھر ان کو ذبح کرنے اور ٹکڑے ٹکڑے کرنے کا حکم ہوا پھر ارشاد ہوا مختلف پہاڑوں پر ان کے قطعات میں سے ایک ایک حصہ رکھ دو پھر آواز دے کر مُردوں کے زندہ کرنے کی کیفیت دیکھو کہ کیونکر ہر ایک چیز سمٹ سمٹ کر ڈھانچہ تیار ہوتا ہے اور پھر جب مادہ جمع ہو کر ایک شکل اختیار کر لیتا ہے تو مبدأ فیاض کی جانب سے روح حیات عطا کر دی جاتی ہے۔ چنانچہ ان تمام امور کو مشاہدہ کرنے کے بعد احیاء کی اس کیفیت کا علم ہو گیا جو اس سے پہلے نہ تھا۔ نیز اس بحث میں یہ امر بھی ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ وہ یقین جو ایک پیغمبر کو حاصل تھا۔ وہ اس یقین سے کہیں زیادہ تھا جو ایک صحابی کو میسر تھا۔ دوسری بات جو اس موقعہ پر زیر بحث ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ قول ہے جو کتب احادیث میں مروی ہے یعنی نحن احق بالشک من ابراھیم، حالانکہ اس جملہ کا مطلب علماء محدثین نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے مقابلہ میں تو ہم لوگ اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ ہم کو احیاء موتیٰ میں شک ہوتا۔ لیکن جب ہم کو ہی شک نہیں تو بھلا حضرت ابراہیمؑ کو کیونکر شک ہو سکتا ہے۔ اس مطلب کے پیش نظر تو یہ حدیث شک کی نفی کرتی ہے۔ نہ یہ کہ معاذ اللہ حضرت ابراہیمؑ کے شک کو ظاہر کرتی ہے۔ تیسری بات حضرت ابن عباس کا ایک قول ہے۔ مافی القراٰن عندی اٰیۃ ارجیٰ منہا یعنی قرآن میں اس سے زیادہ کوئی آیت میرے نزدیک امید دلانے والی اور امید بندھانے والی نہیں ہے۔ حالانکہ اس کا بھی یہ مطلب نہیں ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو شک تھا۔ اور ان سے کوئی مواخذہ نہیں ہوا لہٰذا شک اور تردد بھی قابل عفو ہے اور قابل مواخذہ نہیں ہے۔ بلکہ حضرت عبد اللہ ابن عباس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی یہ درخواست ان کے مرتبہ خلت پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس سوال کو بھی پورا کر دیا جو انہوں نے اپنی دوستی کے اعتماد پر کیا تھا اور جو عام طور سے دنیا میں کسی کو نہیں دکھایا جاتا۔ اس لئے یہ آیت سب سے زیادہ اس امر میں ارجیٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کی بات پوری کر دیتا ہے۔ اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ نجات کے لئے تنہا ایمان کافی ہے۔ زیادہ کرید کرنے کی ضرورت نہیں اور اس اعتبار سے یہ آیت ارجیٰ ہے۔ بہرحال حضرت ابراہیمؑ کا یہ سوال مطلقاً کسی شک کی بنا پر نہ تھا بلکہ محض احوال کا معائنہ مطلوب تھا جیسا کہ لفظ کیف سے معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ اسی روایت میں حاکم نے ایک ٹکڑا اور بھی نقل کیا ہے اور وہ یہ ہے۔ فرضی من ابراھیم قولہ بلیٰ، اس کے بعد اب عبد اللہ بن عباس کا مطلب بالکل صاف ہو جاتا ہے۔ پوری روایت ابن مسیب نے اس طرح بیان کی ہے کہ ابن عباس اور ابن عمرو ایک دفعہ آپس میں گفتگو کرنے لگے کہ بتاؤ قرآن میں سب سے زیادہ امید دلانے والی آیت کون سی ہے۔ اس پر عبد اللہ بن عمرو نے قل یٰعبادی الذین اسرفوا علیٰ انفسہم کی آیت پڑھی۔ تب عبد اللہ بن عباس نے فرمایا اس آیت سے بھی زیادہ ارجیٰ اس امت کے لئے حضرت ابراہیمؑ کا یہ قول ہے۔ رب ارنی کیف تحی الموتیٰ قال اولم تؤمن قال بلیٰ ولکن لیطمئن قلبی فرضی من ابراھیم قولہ بلیٰ مطلب یہ ہے کہ دل اور زبان کا اقرار کافی ہے۔ اور اس اقرار کے بعد کسی قسم کا وسوسہ مضر نہیں۔ اس لئے یہ آیت اس امت کے لئے زیادہ امید بندھانے والی ہے اور اس میں رعایت زیادہ ہے۔ اسی بنا پر ابن عطیہ نے حضرت عبد اللہ ابن عباس کی بالغ نظری کا اعتراف کرتے ہوئے کہا ہے کہ عبد اللہ ابن عباس نے وہ بات کہی جس کو سمجھنے سے عبد اللہ بن عمرو کا فہم قاصر رہا۔ واللہ اعلم بالصواب۔ بعض لوگوں نے اس دور میں آیت زیر بحث کے ساتھ ایک عجیب جدت اختیار کی ہے۔ انہوں نے ترجمہ اس طرح کیا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو یہ حکم ہوا تھا کہ چار جانور لے کر ان کو اپنے سے ہلا لو یہاں تک کہ جب آواز دو تو وہ تمہاری آواز پر چلے آئیں۔ پھر ایک ایک جانور کو ایک ایک پہاڑ پر بٹھا دو اور ان کو بلاؤ تو وہ تمہارے پاس دوڑتے ہوئے چلے آئیں گے جیسے کوئی کبوتر باز کبوتروں کو آواز دیتا ہے۔ اور وہ آجاتے ہیں۔ جب یہ آواز ہوتے ہوئے پرندے آجائیں تو سمجھ لو کہ اللہ بڑا ہی قدرت والا بڑی حکمت والا ہے۔ اسی طرح مردے خدا کی آواز پر بھاگے چلے آئیں گے۔ یہ ترجمہ اور تفسیر عجیب دلچسپ ہے۔ کاش قرآن کے الفاظ بھی اس لغو اور مہمل تفسیر کی مساعدت کرتے۔ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ مُردوں کے آنے کی حالت معلوم کرنا چاہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے کبوتر باز یا مرغ باز کا طریقہ بتا کر ان کو دکھا دیا۔ ان کا سوال مُردوں کو زندہ کرنے کی کیفیت سے نہ تھا۔ اعاذنا اللہ من ذلک، نیز یہ کہ زندہ جانور کو پہاڑ پر بٹھانے یا چھوڑنے کے لئے ثم اجعل علیٰ کل جبل منہن جزءًا نہیں بولا جاتا۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ چار جانور لائے۔ ایک مور، ایک مرغ، ایک کوا، ایک کبوتر۔ ان کو اپنے ساتھ ہلایا کہ پہچان رہے۔ پھر ذبح کیا۔ ایک پہاڑ پر چاروں کے سر رکھے۔ ایک پر پَر، ایک پر دھڑ، ایک پر پاؤں چلے بیچ میں کھڑے ہو کر ایک کو پکارا۔ اس کا سر اٹھ کر ہوا میں کھڑا ہوا، پھر دھڑ ملا، پھر پر لگے، پھر پاؤں وہ دوڑتا چلا آیا۔ اسی طرح چاروں آئے۔ **فائدہ** یہ تین قصے فرمائے۔ اس پر کہ اللہ آپ ہدایت کرنے والا ہے جس کو چاہے اگر شبہ پڑے تو ساتھ ہی جواب بھیجے۔ اب آگے پھر جہاد کا ذکر ہے اور اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کا (موضح القرآن) بعض حضرات نے کبوتر کی جگہ بطخ کہا ہے۔ بہرحال مُردوں کو زندہ کرنا اور جانوروں کو تجویز کرنا۔ پھر جانور بھی مخصوص مقرر کرنا، یہ سب باتیں قدرت و حکمت سے متعلق ہیں اس لئے آخر میں فرمایا واعلم ان اللہ عزیز حکیم، چونکہ آیت الکرسی میں اللہ تعالیٰ کے علم و قدرت وغیرہ کا ذکر تھا اس کی مناسبت سے یہ تین قصے ذکر فرمائے۔ اب آگے وہی سابقہ مضمون بیان ہوتا ہے۔ یعنی اللہ کی راہ میں جہاد کرنا اور جہاد کے لئے خرچ کرنا اور مال دینا۔ چونکہ انفاق فی سبیل اللہ کی صورتیں مختلف ہیں اور ان کے اجر و ثواب کی حالتیں بھی مختلف ہیں اس لئے اس کو مختلف عنوان سے مسلسل بیان فرماتے ہیں (تسہیل) جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں ان لوگوں کے خرچ کی مثال اور ان کے خیرات کئے ہوئے مالوں کی حالت ایسی ہے جیسے ایک دانہ کی حالت جس نے سات بالیں اگائیں۔ یعنی اس سے سات بالیں نکلیں۔ ہر بال میں سو سو دانے ہوئے اور اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہتا ہے اس سات سو کی تعداد سے بھی اور بڑھا دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑا صاحب وسعت، بڑا فیاض اور بڑا صاحب علم ہے۔ تیسرا اوپر جو قرض حسنہ کا ذکر کیا تھا اسی کی تفصیل ہے اور راہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کی فضیلت کا بیان ہے۔ فی سبیل اللہ سے مراد یا تو جہاد ہے اور یا ہر کار خیر میں خرچ کرنے کی فضیلت مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں خلوص کے ساتھ خیرات کرتے ہیں اور ان کا مقصد ریا اور دکھاوا نہیں ہوتا۔ ان کے خرچ کئے ہوئے مالوں کے بڑھنے کی مثال ایسی ہے جیسے ایک دانے سے سات سو دانے پیدا ہوتے ہیں اسی طرح ان کا ثواب بھی سات سو تک پہنچتا ہے۔ ہم اوپر عرض کر چکے ہیں کہ عام طور سے ایک نیکی کی دس نیکیاں ملتی ہیں۔ یعنی دس گنا ثواب ہوتا ہے۔ لیکن کبھی خیرات کرنے والے کے خلوص اور اس کی مشقت کی رعایت سے ثواب سات سو گنا ہو جاتا ہے اور کبھی اس سے بھی زیادہ اور کبھی بے شمار و بے حساب ثواب عطا ہوتا ہے۔ یہی حالت زمین کی پیداوار

ئی ہے. جیساکہ باجرے اور جوار وغیرہ میں۔ عام طور سے دیکھا جاتا ہے اور کبھی کبھی گیہوں میں بھی پیداوار کی ایسی حالت ہوتی ہے۔ زمین اچھی ہو اور وقت پر پانی مل جائے تو ایک دانے سے سات سو اور سات سو سے بھی زائد دانے پیدا ہوتے ہیں۔ اسی طرح خیرات کرنے والوں کی خیرات کا حال ہے۔ جس قدر خلوص زیادہ ہوگا اسی قدر ثواب زیادہ ہوگا. ایک مفلس اپنے افلاس کے باوجود جو خیرات کرے گا اُس کا اجر و ثواب ایک سرمایہ دار کی خیرات سے زائد ہوگا۔ کیونکہ غریب آدمی کو ایک پیسہ یا ایک روٹی خیرات کرنی جس قدر مشکل ہے اس کے مقابلہ میں ایک دولت مند کو سو روپے دیدینے کچھ مشکل نہیں ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اجر کی زیادتی اور بڑھوتری خلوص اور مشقت پر موقوف ہے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی بناء پر صحابہ کرام کے تھوڑے سے جَو کی خیرات کو دوسروں کے پہاڑ کے برابر سونا خیرات کرنے سے زیادہ فرمایا ہے اور یہ زیادتی محض صحابہ کے خلوص اور غربت کی وجہ سے فرمائی ہے۔ واللہ یُضٰعِفُ لمن یشاء، کا ایک مطلب تو یہ ہے جو ہم نے ترجمہ اور تیسیر میں اختیار کیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہتا ہے سات سو سے بھی ثواب بڑھا دیتا ہے۔ اور ایک مطلب یہ بھی ہے کہ یہ سات سو کی زیادتی اس کے لئے ہوتی ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔ بعض حضرات نے دوسرے معنی اختیار کئے ہیں واللہ اعلم۔ ابن مسعود کی روایت میں ہے کہ ایک شخص نے ایک اونٹنی معہ نکیل کے اللہ کی راہ میں دی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ تجھ کو قیامت میں سات سو اونٹنیاں دی جائیں گی۔ ہر ایک اونٹنی کے نکیل پڑی ہوئی ہوگی عمران بن حصین کی روایت میں ہے جس نے اللہ کی راہ میں کچھ دیا اور وہ خود جہاد میں شریک نہ ہو سکا تو اللہ تعالیٰ ہر درہم کے عوض اس کو سات سو درہم عطا فرمائے گا۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی واللہ یضاعف لمن یشاء، آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے واسع علیم فرمایا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ہم صاحب وسعت ہیں۔ یعنی ثواب زیادہ دینے میں ہمارے ہاں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ لوگوں نے گنجائش اور کشائش ترجمہ کیا ہے۔ اردو میں بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے۔ فلاں شخص کا دسترخوان بڑا وسیع ہے۔ فلاں شخص دینے لینے میں بڑا وسیع حوصلہ ہے ہم نے صاحب وسعت اور فیاض کر دیا ہے۔ علیم کا یہ مطلب ہے کہ ہم ہر شخص کی حالت سے خوب واقف ہیں۔ جس میں جس قدر خلوص ہوگا اور خیرات کرنے میں جس قدر مشقت اٹھائے گا اسی قدر اس کے ثواب میں زیادتی ہوگی۔ اب آگے بعض اور ایسی باتیں بیان فرماتے ہیں جن کا خیال رکھنا صدقہ دینے والوں کو ضروری ہے۔ اگر صدقہ کے ساتھ ان باتوں کی رعایت نہ کی جائے تو صدقہ کا ثواب کم ہو جائے گا۔ بلکہ بعض دفعہ باطل ہو جائے گا۔ اور اگر ان شرائط کی رعایت رکھی گئی تو اجر و ثواب میں زیادتی ہوگی۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل) ف

بقیہ صفحہ ۶۹

چونکہ ایذا رسانی کا مفہوم عام ہے۔ احسان جتلانے سے بھی سائل کو کلفت ہوتی ہے اس لئے دوسری آیت میں صرف ایذا رسانی کا ذکر کیا اور من یعنی احسان جتلانے کا ذکر نہیں فرمایا۔ اب آگے من اور اذیٰ والے صدقہ کی ایک مثال بیان فرماتے ہیں جس سے ریاکار کی خیرات کا حال بھی معلوم ہو جائے گا۔ اور یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ جو لوگ صدقہ دیکر احسان رکھتے یا خیرات لینے والے کو تکلیف پہنچاتے ہیں ان کا صدقہ باطل اور بے کار ہے (تسہیل) اے ایمان والو! تم احسان جتا کر یا سائل کو ایذا پہنچا کر اپنے صدقات کے ثواب کو اس شخص کی طرح ضائع نہ کرو جو اپنا مال محض لوگوں کے دکھانے کو خرچ کرتا ہے اور وہ نہ تو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے اور نہ یوم آخرت پر اس کو یقین ہے۔ لہٰذا اس منافق کی حالت ایسی ہے جیسے فرض کرو ایک صاف چکنا پتھر کہ اس پر تھوڑی سی مٹی جمع ہوئی ہو پھر اس پتھر پر زور کی بارش ہو جائے اور وہ بارش اس پتھر کو بالکل صاف کر کے چھوڑ دے یعنی جیسا تھا ویسا ہی کر دے۔ لہٰذا ایسے لوگوں کو اپنی کمائی میں سے کچھ بھی نفع حاصل نہ ہوگا اور یہ لوگ اپنے کئے ہوئے کاموں سے کوئی فائدہ حاصل نہ کر سکیں گے۔ اور ان کی کمائی ذرا بھی ان کے ہاتھ نہ لگے گی اور اللہ تعالیٰ ایسے منکر اور ناسپاس لوگوں کی رہنمائی نہیں کیا کرتا۔ (تیسیر) صفوان صاف چکنا اور سخت پتھر، جو چٹم میں بڑا ہو۔ صلد۔ بالکل صاف پتھر جس پر کوئی غبار وغیرہ نہ ہو۔ وابل۔ موٹی موٹی بوندوں کی تیز اور بکثرت بارش۔ چونکہ بارش کے مختلف حالات ہوتے ہیں کبھی ہلکی کبھی پھوار۔ کبھی ذرا تیز کبھی بہت زور کی اس لئے عرب کے لوگ ہر قسم کی بارش کا علیحدہ علیحدہ نام رکھتے ہیں۔ ترتیب یوں ہے۔ رش۔ طش۔ طل۔ نضح۔ ھطل وبل۔ اوپر کی آیت میں من اور اذیٰ کی تفصیل ہم عرض کر چکے ہیں۔ اس آیت میں بھی اگر ایذا رسانی کو عام لے لیا جائے اور ہر قسم کی ایذا رسانی مراد ہو تو من کے معنی یہ ہوں گے کہ لوگوں پر احسان جتاتا پھرے۔ جیسے بعض شیخی خوروں کی عادت ہوتی ہے کہ میں نے یہ کیا اور میں نے وہ کیا۔ یا یہ کہ صدقہ دے کر اللہ پر احسان رکھے جیسا کہ حضرت ابن عباس کا یہی قول ہے۔ اور اگر ایذا رسانی کو عام نہ لیا جائے تو پھر یہ مطلب ہوگا کہ سائل پر احسان جتا کر اور اس کو ایذا پہنچا کر اپنے صدقات کو باطل نہ کرو اور ابطال ثواب کے لئے دونوں باتوں کا ہونا ضروری نہیں بلکہ صرف احسان جتانا یا فقط تکلیف پہنچانا بھی ابطال اجر کے لئے کافی ہے اسی لئے ہم نے تیسیر میں واؤ کا ترجمہ یا کیا ہے۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ ان دونوں باتوں میں سے ہر ایک بات ثواب کو کھو دیتی ہے۔ صدقات کے باطل ہو جانے سے مراد ثواب کا باطل ہو جانا ہے۔ ثواب کے باطل ہو جانے میں کئی قول ہیں۔ بعض حضرات نے کہا ہے احسان جتانے یا تکلیف پہنچانے سے ثواب ضائع ہو جاتا ہے اور گناہ قائم ہو جاتا ہے۔ بعض نے کہا نہ ثواب ہوتا ہے اور نہ گناہ۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ آیت میں ابطال سے ثواب کا بڑھنا اور زیادہ ہونا مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ثواب کا بڑھنا باطل ہو جاتا ہے اور احسان جتانے کا گناہ باقی رہتا ہے۔ کرخیؒ نے اسی کو راجح کہا ہے۔ واللہ اعلم۔ خلاصہ یہ ہے کہ کسی نیکی اور طاعت کی صحت اور بقا کے لئے کچھ شرطیں ہیں۔ مثلاً ہر انسان کے لئے طاعت کی صحت اور بقا کے لئے ایمان شرط ہے۔ اگر ایمان نہ ہو تو نہ نیکی صحیح ہے اور نہ اس کا ثواب باقی ہے۔ چنانچہ کافر کی کسی نیکی کا کوئی ثمرہ نہیں۔ اگر کوئی مسلمان مرتد ہو جائے تو اس کے تمام نیک اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ اسی کو حبط کہتے ہیں۔ پھر جس طرح طاعات کی صحت وبقا کے لئے ایمان شرط ہے اسی طرح ایمان کے بعد کچھ اور بھی قیود ہیں۔ مثلاً ایک مسلمان کی طاعت جب صحیح ہوگی جب اس میں اخلاص ہو۔ اسی طرح کسی طاعت مثلاً صدقہ کا ثواب جب باقی رہے گا جب اس میں من اور اذیٰ نہ ہو۔ لہٰذا منافق کا صدقہ تو اس وجہ سے باطل ہوا کہ وہاں ایمان ہی نہ تھا۔ اور مومن کے صدقات کا اجر اس لئے ضائع ہوا کہ وہاں اخلاص اور ترک من واذیٰ موجود نہ تھا۔ اگر اخلاص ہو تو صدقہ صحیح ہوگا۔ لیکن ترک من واذیٰ نہ ہو تو صدقہ کا ثواب باقی نہ رہے گا۔ لہٰذا منافق کی طاعت تو شرط صحت یعنی ایمان کے موجود نہ ہونے سے ضائع ہوئی اور مسلمان کی طاعت اگرچہ ایمان کی وجہ سے صحیح تو ہوئی لیکن شرط بقا یعنی ترک من واذیٰ کے موجود نہ ہونے سے ضائع ہوئی اور اس کو بقا میسر نہ ہوا۔ اس موقعہ پر بعض معتزلہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ سیات بھی کفر کی طرح حسنات کو ضائع کر دیا کرتے ہیں جیسا کہ من واذیٰ نے صدقہ کے اجر کو باطل کر دیا۔ ہم نے جو تقریر اوپر کی ہے اس سے معتزلہ کا یہ استدلال بیکار ہو جاتا ہے کیونکہ کسی مخصوص حسنہ میں اگر بقا کی شرط مفقود ہو جانے کی وجہ سے اس حسنہ کو کوئی مخصوص سیئہ حبط اور باطل کر دے تو اس مخصوص جزیہ سے معتزلہ کا وہ کلیہ کس طرح ثابت ہو سکتا ہے کہ ہر سیئہ ہر حسنہ کو اسی طرح ضائع کر دیتی ہے جس طرح کفر اور ارتداد حسنات کو ضائع کر دیتا ہے۔ اس مقام پر اس تقریر کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ جو فقیر نے پہلے پارے میں بلٰی من کسب سیئۃ واحاطت بہ خطیئتہ کی تفسیر کرتے ہوئے عرض کی تھی۔ اور یہ بات اچھی طرح یاد رکھنی چاہیئے کہ یہاں شرط بقا کے مفقود ہونے کی وجہ سے مسلمان کا ثواب ضائع ہوا۔ یہ مطلب نہیں کہ ہر سیئہ ہر حسنہ کے لئے موجب حبط ہے اور یہاں منافق و ریاکار کے ساتھ تشبیہ بھی صرف اس بات میں ہے کہ ثواب سے دونوں محروم رہے ہاں مشبہ بہ میں محرومی کی وجہ نفاق اور ریا ہے اور مشبہ کی محرومی کی وجہ من اور اذیٰ ہے یہ اس وقت ہے جب مشبہ مومن اور مشبہ بہ منافق ہو اور اگر مشبہ بہ کا فرد منافق نہ ہو اور عدم ایمان باللہ اور عدم ایمان بالآخرت کی قید...... حقیقی نہ ہو جیسا کہ بعض نے کہا ہے تو پھر مطلب یہ ہوگا کہ ریاکار ہونا مومن کی شان سے بعید ہے اور ریاکاری منافق کے قابل ہے مشبہ اور مشبہ بہ میں عقائد کا فرق نہ ہوگا حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں اور اوپر مثال فرمائی خیرات کی جیسے ایک دانہ بویا اور سات بالیں نکلیں۔ سات سو دانے ملے۔ یہاں فرمایا کہ نیت شرط ہے اگر دکھاوے کی نیت سے خرچ کیا تو جیسے دانہ بویا پتھر میں جس پر تھوڑی سی مٹی نظر آتی تھی جب مینہ پڑا وہ صاف رہ گیا۔ اس میں کیا اُگے گا۔ (موضح القرآن) بغویؒ نے محمود بن لبید سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجھ کو تمہارے متعلق بڑا خطرہ شرک اصغر کا ہے لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ شرک اصغر کیا ہے۔ آپ نے فرمایا وہ ریا ہے۔ جس دن بندوں کو ان کے اعمال کا صلہ ملے گا تو اس دن اللہ تعالیٰ ریاکاروں سے فرمائے گا۔ تم ان ہی لوگوں کے پاس جاؤ جن کے دکھانے کو اعمال کیا کرتے تھے، اپنا ثواب اُن ہی سے حاصل کرو۔ بعض حضرات نے معتزلہ کا رد اور طریقہ پر بھی کیا ہے۔ ہم نے صرف مختصراً یہاں اپنے اکابر سے سنی ہوئی تقریر کو دہرا دیا ہے اگر کسی صاحب کو مزید تحقیق مطلوب ہو تو وہ روح البیان اور روح المعانی کا مطالعہ فرمائیں۔ اب آگے ان مخلصین کی خیرات کا ذکر فرماتے ہیں جو محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے اور اپنے نفس کو طاعات الٰہی پر آمادہ کرنے کی غرض

سے صدقہ دیتے ہیں (تسہیل) ؏ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور خوشنودی کی جستجو کرنے کی غرض سے اور اپنے دلوں کو مضبوط کرنے اور تقویت پہنچانے کے لئے اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔ ان کے خرچ کئے ہوئے مالوں کی حالت ایسی ہے جیسے ایک باغ کی حالت کہ وہ باغ کسی بلند مقام پر اور ٹیلے پر واقع ہو پھر اس پر زور کی بارش ہو جائے اور اس پر خوب مینہ پڑ جائے تو وہ دگنا اور چوگنا پھل لائے اور اگر اس پر زور کی بارش نہ بھی برسے تو معمولی سی پھوار اور ہلکی سی بارش بھی اس کے لئے کافی ہے اور تمہارے تمام اعمال کو جو تم کرتے رہتے ہو اللہ تعالیٰ خوب دیکھتا ہے (تیسیر) اوپر کی آیت میں ان لوگوں کا ذکر تھا جن کا صدقہ اجر کے اعتبار سے ایسا تھا جیسے دھلا ہوا پتھر۔ یعنی جو مٹی پڑی تھی یا اس مٹی میں کوئی دانہ جما تھا وہ سب بہہ گیا۔ خواہ وہ احسان رکھنے اور ایذا پہنچانے کی وجہ سے ہو۔ خواہ ریا اور دکھاوے کی وجہ سے ہو اور خواہ مشبہ اور مشبہ بہ دونوں مسلمان ہوں اور خواہ مشبہ مسلمان ہو اور مشبہ بہ حقیقی کافر اور منافق ہو اس لئے ہم نے اوپر کی آیت میں کافرین کا ترجمہ منکر اور ناسپاس کیا تھا۔ اب مخلصین کا ذکر ہے۔ اور چونکہ مخلصین کا ہر کار خیر محض اس غرض سے ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور خوشنودی حاصل ہو جائے اور وہ اسی تلاش میں رہتے ہیں تو زکوٰۃ و خیرات میں بھی ان مخلصین کی یہی نیت ہوتی ہے اس لئے ارشاد فرمایا ابتغاء مرضات اللہ ، نیز اس قسم کے حضرات کی یہ خواہش بھی ہوتی ہے کہ طاعت اور کار خیر کے بجالانے میں جو مشقت ہوتی ہے اور مشقت سے نفس گھبراتا ہے اس لئے کسی طرح نفس کو خوگر بنایا جائے چنانچہ وہ بار بار کار خیر کو بجالاتے ہیں اور مجاہدہ کرتے ہیں تاکہ ان کا نفس طاعت و عبادت کا خوگر ہو جائے تو گویا خیرات کرنے سے ان کا دوسرا مقصد یہ بھی ہوتا ہے کہ اپنے نفس کو طاعات الٰہی پر آمادہ کیا جائے اور اپنے نفوس کو مضبوط اور اپنے قلوب کو تقویت پہنچائی جائے تاکہ احکام الٰہی کی تعمیل میں کوئی قوت مزاحمت نہ کر سکے اسی کو حضرت حق تعالیٰ نے وتثبیتا من انفسہم سے تعبیر فرمایا ہے اور ہو سکتا ہے کہ تثبیت کے معنی تصدیق کے ہوں جیسا کہ قتادہ ابو صالح کا قول ہے اور اسی کو ابن جریر نے اختیار کیا ہے اور ہو سکتا ہے کہ مطلب یہ ہو کہ ثواب کی امید رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے اجر کی توقع رکھتے ہیں اس قول کو ابن کثیر نے اختیار کیا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سچے اور پکے دل سے خیرات کرتے ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان مخلصین کو ایک خاص بصیرت حاصل ہے جو ان کو طاعت الٰہی میں ثابت قدم رکھتی ہے۔ یہ سب اقوال سلف سے منقول ہیں۔ اور ان سب کی گنجائش ہے۔ اور بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اوپر کی آیت میں خیرات و صدقات کے بطلان کی دو صورتیں فرمائی تھیں ایک من واذی اور دوسری ریا اور دکھاوا۔ اور چونکہ ریاکاری کا اصل منشا اور جڑ اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر صحیح ایمان کا نہ ہونا ہے اس لئے ولا یؤمن باللہ والیوم الآخر بھی فرمایا تھا۔ اگر یہ ایمان بالکل نہ ہو تو کافر یا منافق ہوگا اور اگر ایمان تو ہو مگر پختہ نہ ہو تو کچا مسلمان ہوگا۔ یہی دو قول اوپر کی آیت کے متعلق مفسرین سے منقول ہیں اور ان ہی کی طرف ہم نے تسہیل میں اشارہ بھی کر دیا ہے۔ بہرحال ریاکار خواہ منافق اور کافر ہو خواہ وہ مسلمان ہو جس کا عقیدہ کچا اور خام ہو۔ دو ہی صورتیں ثواب کو ضائع کرنے والی تھیں۔ ایک ثواب کی زیادتی کو برباد کرنے والی تھی اور ایک بالکل ثواب کو باطل کرنے والی تھی۔ اور وہ دونوں چیزیں جس سے اجر و ثواب میں نقصان اور بطلان ہوتا تھا ان دونوں کو اوپر کی آیت میں ذکر فرمایا تھا تو اب اس آیت میں ان دونوں کے مقابلہ میں ایسی دو چیزیں ذکر فرمائیں جو ثواب کو بڑھانے والی اور دگنا چوگنا کرنے والی ہیں۔ پہلی آیت میں احسان جتانے اور تکلیف پہنچانے کو بطلان یا نقصان کا سبب قرار دیا تھا۔ اس آیت میں اس کے مقابلہ کے لئے ابتغاء مرضات اللہ فرمایا۔ یعنی وہ لوگ تو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے اپنے مال خرچ کرتے ہیں اور جس شخص کا منتہائے نظر خدا تعالیٰ کی رضامندی ہوگا وہ کسی پر نہ اپنی خیرات کا احسان جتلائے گا اور نہ سائل کو تکلیف دے گا۔ بلکہ وہ تو سائل کا ممنون ہوگا اور یہ سمجھے گا کہ سائل تو حضرت حق کی رضامندی کا سبب اور ذریعہ ہے۔ اور کوئی بھی ایسا بے وقوف ہو سکتا ہے کہ جو شخص اس کے حصول مقصد میں اس کی مدد کرے اس کو برا بھلا کہے یا اس پر کسی قسم کا احسان جتلائے۔ اسی طرح اوپر کی آیت میں ریاکاری اور دکھاوے کو بطلان صدقہ کا موجب بتایا تھا۔ اس کے مقابلہ میں وتثبیتا من انفسہم فرمایا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کی خیرات ریاکاری سے بھی پاک ہوتی ہے کیونکہ ان کا اعتقاد خام نہیں ہوتا بلکہ ان کے قلوب اس بارے میں پختہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کا صدقہ قبول فرمائے گا اور ان کو اپنی مہربانی اور فضل سے ثواب عطا کرے گا۔ اور چونکہ ان حضرات کو ثبات نفس کی دولت اور مرتبہ نصیب ہے اس لئے ان کو کبھی ریا اور دکھاوے کا خیال بھی نہیں گذرتا اب خلاصہ یہ ہوا کہ یہ لوگ چونکہ رضائے الٰہی کے جویاں ہیں اس لئے ان کا صدقہ من واذی سے پاک ہوتا ہے اور چونکہ ان کا مقصد ثبات نفس ہوتا ہے اور پختہ اعتقاد کے ساتھ خیرات کرتے ہیں اس لئے ان کا صدقہ ریا اور دکھاوے سے بھی پاک ہوتا ہے۔ لہٰذا اس قسم کے مخلصین کی خیرات اور صدقات کی یہ مثال اور یہ حالت ہے کہ جیسے کوئی باغ کسی بلند مقام پر یا کسی اچھی زمین پر واقع ہو پھر اگر اس پر زور کا مینہ برس جائے تو وہ دوسرے باغوں کے مقابلہ میں دگنا پھل لائے یا خود اپنی پہلی فصل کے مقابلہ میں دگنا چوگنا پھل لائے اور اگر زور کی بارش نہ بھی ہو تو معمولی اور خفیف سی بارش بھی اس کو کافی ہو جائے۔ یہ دو باتیں اس لئے فرمائیں کہ سب مخلصین بھی ایک حالت پر نہیں ہوتے۔ اخلاص میں بھی کمی بیشی ہوتی ہے اور نسبتاً فرق ہوتا ہے اس لئے بارش کی کمی بیشی سے پھلوں کی کمی اور زیادتی میں بھی نسبتاً فرق ہوگا۔ اگرچہ دونوں حالتوں میں صدقہ کا قبول ہونا اور ثواب میں بڑھوتری یقینی ہے لیکن باہم نسبتاً فرق اور تفاوت ہو سکتا ہے اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ بجائے اخلاص کی کمی بیشی کے مال کی کمی بیشی مراد ہو یعنی جو بہت مال خرچ کرے گا اس کو بہت ثواب ملے گا اور جو تھوڑا مال خرچ کرے گا تو اس کو تھوڑا اجر ملے گا۔ ہاں نیت کا درست ہونا اور شرائط و قیود کی پابندی کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ ربوۃ۔ اس عمدہ اور اچھی زمین کو کہتے ہیں جو کسی بلند مقام پر واقع ہو۔ بعض لوگوں نے کہا ہے بلند مقام پر ہونا ضروری نہیں۔ صرف عمدہ اور اچھی ہو اور پیداوار کے اعتبار سے بہترین ہو۔ ہم نے تسہیل میں دونوں معنی کی رعایت رکھی ہے ضعف کے معنی میں اگر صرف زیادتی کا لحاظ رکھا جائے، تو ضعفین کے معنی دگنا ہوں گے۔ اور اگر ضعف میں دگنے کا لحاظ رکھا جائے تو ضعفین کے معنی چوگنے ہوں گے۔ ہم نے تیسیر میں دونوں معنی کی رعایت رکھتے ہوئے دگنا چوگنا ترجمہ کیا ہے اور مخلص بندوں کی خیرات اور حضرت حق کے فضل و احسان کے اعتبار سے چوگنا زیادہ مناسب ہے۔ واللہ اعلم۔ طل۔ اس بارش کو کہتے ہیں جو طش سے قدرے زائد اور نضح سے کم ہو۔ جیسا کہ اوپر کی آیت میں معلوم ہو چکا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ قیامت کے دن تین قسم کے لوگوں سے اللہ تعالیٰ نہ تلطف و مہربانی کے ساتھ بات کرے گا نہ رحمت کے ساتھ ان کو دیکھے گا اور نہ ان کو اپنے قرب سے نوازے گا۔ اور ان کو دردناک عذاب ہوگا ایک تو وہ جو صدقہ دے کر احسان جتاتا ہے۔ دوسرا وہ جو ماں باپ کا نافرمان ہے۔ تیسرا وہ جو شراب پینے کا عادی ہے نسائی۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ مینہ سے مراد بہت مال خرچ کرنا اور اوس سے مراد تھوڑا مال۔ سو اگر نیت درست ہے تو بہت خرچ کرنا بہت ثواب اور تھوڑا بھی کام آتا ہے۔ جیسے خالص زمین پر باغ ہے۔ جتنا مینہ برسے اس کو فائدہ ہے بلکہ اوس بھی کافی ہے۔ اور نیت درست نہیں تو جس قدر زیادہ خرچ کرے ضائع ہے۔ کیونکہ زیادہ مال دینے میں کھاؤ بھی زیادہ ہے۔ جیسے پتھر پر دانہ جتنا زور کا مینہ برسے اور ضرر کرے کہ مٹی دھوئی جائے (موضح القرآن) حضرت شاہ صاحبؒ کا مطلب صاف ہے۔ اگر اخلاص نہ ہو اور نیت خراب ہو اور مقصد ریاکاری ہو تو نقصان ہی نقصان ہے خواہ تھوڑا خرچ کرے یا بہت اور اگر اخلاص ہو، نیت صحیح ہو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور نفس کی اصلاح مقصود ہو تو فائدہ ہی فائدہ ہے۔ خواہ بہت مال خرچ کر دیا تھوڑا۔ اب آگے ایک لطیف اور عبرت انگیز عنوان کے ساتھ ان لوگوں کی حالت بیان کرتے ہیں جن کے صدقات و طاعات بعض کوتاہیوں کی وجہ سے اور شرائط و قیود کی پابندی نہ کرنے کے باعث فاسد و بیکار ہو جائیں (تسہیل) ؏

بقیہ صفحہ ۷۰

نہیں ہوتا کہ اعمال خیر کم ہو جائیں۔ یا ثواب میں کمی ہو جائے بلکہ بعض دفعہ شرائط و قیود کی بے اعتنائی کسی گناہ میں مبتلا کر دینے کا سبب بن جاتی ہے۔ پھر محرومی اور مایوسی کی ایسی حالت ہو جاتی ہے جیسے ایک بوڑھے آدمی کا ہرا بھرا باغ جل کر خاک ہو جائے۔ اور اس کے بچے چھوٹے چھوٹے ہوں۔ بوڑھے اور بچوں کا ذکر احتیاج کی انتہائی تصویر ہے اور ضرورت کا مکمل نقشہ ہے۔ یعنی آدمی خود بوڑھا ہو اور بچے چھوٹے چھوٹے ہوں ایسے وقت میں آمدنی کا ذریعہ برباد ہو جائے تو اس مصیبت کو سمجھنے والے ہی سمجھتے ہیں۔ اس لئے آخر میں فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اپنے دلائل اور نظائر کو اس طرح بیان فرماتا ہے تاکہ تم لوگ غور و فکر کرو اور کسی صحیح نتیجے پر پہنچ جاؤ اور وہ یہ کہ دنیا کو زائل ہونے والا اور آخرت کو پیش آنے والا سمجھو جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا ہے۔ جو نیک کام کرو یا مثلاً صدقہ دو اور خیرات کرو تو جو اس کے ثواب اور ثواب کو بڑھانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے جو شرطیں بیان فرمائی ہیں ان کی رعایت کو ملحوظ رکھو کہیں ایسا نہ ہو کہ اپنی کوتاہی اور شرائط سے بے اعتنائی کی وجہ سے قیامت میں اس بڈھے باغ والے کی طرح حسرت و افسوس سے ہاتھ ملو یا دنیا میں نیک اعمال کی توفیق سے محروم ہو جاؤ۔ یا کسی خطرناک گناہ میں مبتلا ہو جاؤ یا اعمال حسنہ کے انوار و برکات کو کھو بیٹھو اور جب اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہو تو تہی دامن اور خائب و خاسر ہو کر پیش ہو۔ حضرت عبداللہ بن عباس نے کیا خوب فرمایا کہ شیطان کے آنے سے وہ بندہ بچا ہے نیک

اعمال کے گناہ کرنے لگا شیطان کا آنا یہی ہے کہ اعمال خراب ہو جائیں۔ نیک اعمال کی شرائط و قیود میں کوتاہی کرادے ابھی بہت کچھ کہا جا سکتا ہے۔ لیکن ہم نے تطویل کے خوف سے اپنی تفسیر کو مختصر کر دیا ہے۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جس طرح ایک کافر و منافق کے اعمال ایمان نہ ہونے کی وجہ سے ناقابل اعتبار قرار دیئے جاتے ہیں۔ اسی طرح اخلاص کے فقدان سے ایک مومن کے اعمال اور ان کا ثواب بھی برباد ہو جاتا ہے اور مومن کے اعمال کو بھی حبط سے تعبیر کر دیا جاتا ہے۔ اسی لئے ہم نے تسہیل میں دونوں رعایتیں رکھی ہیں تاکہ یہ بات معلوم ہو جائے کہ مذکورہ تمثیل کا تعلق مومن اور کافر دونوں سے ہو سکتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حاکم نے بڑھاپے کے لئے ایک دعا نقل کی ہے جو حسب ذیل ہے۔ اللھم اوسع رزقک علی عند کبر سنی وانقضاء عمری۔ یعنی یا اللہ میرے بڑھاپے اور میری عمر کے پورا ہونے کے وقت اپنی روزی کو مجھ پر وسیع کر دیجیو۔ مطلب یہ ہے کہ بڑھاپا اور عمر کا آخری دور بڑا نازک دور ہوتا ہے اور وہ بڑی احتیاج کا زمانہ ہوتا ہے۔ ہاتھ پاؤں تھک جاتے ہیں اور ضروریات بڑھ جاتی ہیں اس وقت کے لئے یہ دعا تعلیم فرمائی ہے کہ الٰہی اس نازک دور میں وسعت رزق سے میری مدد فرمائیو۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں اب مثال فرمائی احسان رکھنے والے کی جو اپنی خیرات اچھی کو ضائع کرے۔ جیسے جوانی کے وقت باغ حاصل کیا توقع سے کہ بڑی عمر میں کام آوے۔ عین کام کے وقت جل گیا ــــ موضح القرآن۔ اعمال صالحہ اور صدقات کے سلسلہ میں تین قسم کی صورتیں اب تک زیر بحث آچکی ہیں (۱) عمل میں صحت کی شرط بھی موجود ہو اور ثواب کی زیادتی اور بقا کے قیود بھی موجود ہوں۔ (۲) عمل میں سرے سے صحت کی شرط ہی نہ پائی جائے۔ مثلاً ایمان و اخلاص ہی مفقود ہو۔ (۳) صحت کی شرط یعنی ایمان تو موجود لیکن ثواب کی بقا۔ ثواب کی زیادتی اور عمل کے مقبول ہونے کی شرائط نہ ہوں۔ چنانچہ اب سب امور کو حضرت حق تعالیٰ نے مختلف نظائر اور تمثیلات کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ اگرچہ الفاظ کے عموم کی وجہ سے مفسرین کے اقوال مختلف ہو گئے ہیں۔ بہرحال اب آگے پھر بعض شرائط و قیود کا ذکر فرماتے ہیں۔ یہ قیودات بھی صدقہ کی مقبولیت۔ ثواب کی زیادتی اور بقائے اجر کے سلسلے میں ہیں۔ کچھ تو اوپر بیان ہو چکے ہیں مثلاً ترک من و اذی۔ اور ریاکاری سے اجتناب وغیرہ اور کچھ آگے آیت میں مذکور ہوتے ہیں (تسہیل) ۲۶۷ اے ایمان والو! تم اپنی کمائی میں سے اور ان چیزوں میں سے جو ہم نے تمہارے بھلے کے لئے زمین سے نکالی اور پیدا کی ہیں اچھی عمدہ اور حلال چیزیں خدا کی راہ میں خرچ کیا کرو اور ناکارہ اور نکمی چیزوں کا قصد اور ارادہ نہ کیا کرو کہ ان میں سے خدا کی راہ میں خرچ کرو۔ حالانکہ تم خود کبھی اس خراب اور ناکارہ چیز کو لینے پر آمادہ نہیں ہوتے مگر ہاں اس کے لینے میں چشم پوشی اور رعایت سے کام لو تو یہ دوسری بات ہے اور اس بات کو اچھی طرح جان لو کہ اللہ تعالیٰ تمہاری خیرات سے مستغنی ہے وہ تمہاری خیرات کا محتاج نہیں ہے اور وہ جملہ صفات کمالیہ سے متصف اور سزاوار حمد و ثنا ہے (تیسیر) یہاں طیب کو خبیث کے مقابلہ میں ذکر کیا ہے۔ اسی مناسبت سے ہر لفظ کے تین تین معنی ہو سکتے ہیں۔ طیب حلال۔ خبیث حرام۔ طیب طاہر اور پاک۔ خبیث نجس اور گندہ۔ طیب جس کو دل پسند کرے اور طبیعت کو مرغوب ہو۔ خبیث دل سے اتری ہوئی اور ناپسندیدہ چیز۔ ان ہی معنی کی رعایت سے لوگوں نے ترجمہ کیا ہے۔ اغماض، چشم پوشی کرنا۔ غنی، بے پروا، مستغنی، احتیاج سے پاک۔ حمید، مستحق حمد اور سزاوار ثناء مطلب یہ ہے کہ جب مسلمان خدا کی راہ میں خرچ کریں تو اچھی عمدہ۔ حلال اور پسندیدہ چیز خرچ کیا کریں۔ حرام۔ ناپاک اور دل سے اتری ہوئی چیز خیرات نہ کیا کریں۔ جو چیز اللہ کے لئے خرچ کریں خواہ وہ ان کی اپنی کمائی ہو اور خواہ زمین کی پیداوار ہو۔ کمائی سے مراد تجارت بھی ہو سکتی ہے۔ مواشی بھی ہو سکتے ہیں۔ حضرت مقدامؓ نے مرفوعاً نقل کیا ہے۔ فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کسی شخص نے اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر کھانا نہیں کھایا۔ یعنی ہر شخص کی بہترین خوراک وہی ہے جو اس کی اپنے ہاتھ کی کمائی ہو۔ ومما اخرجنا لکم من الارض سے زراعت اور کھیتی باڑی اور پھول پھل حتیٰ کہ چاندی سونے اور لوہے کی کانیں بھی مراد ہو سکتی ہیں۔ جیسا کہ فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے۔ کہ عشری زمین میں جو کچھ پیدا ہو اس میں عشر واجب ہوتا ہے بشرطیکہ بارش وغیرہ کا پانی دیا جائے۔ اور اگر پانی کنوئیں سے کھینچ کر دیا جائے تو عشر کا نصف واجب ہوتا ہے معادن اور رکاز کے احکام بھی کتب فقہ میں تفصیلاً درج ہیں۔ اسی طرح مال تجارت میں بھی زکوٰۃ واجب ہے۔ آیت مذکورہ میں جس انفاق کا ذکر ہے اس سے عام طور پر مفسرین نے صدقات واجبہ مراد لئے ہیں۔ اگرچہ نفلی صدقات بھی مراد لئے جا سکتے ہیں۔ اور اس کی بھی گنجائش ہے کہ دونوں مراد ہوں بہرحال خدا کی راہ میں جو چیز دی جائے وہ عمدہ اور نفیس ہو۔ پھر فرمایا ایسی چیز کے دینے کی نیت بھی نہ کیا کرو جو دل سے اتری ہوئی اور خراب ہو۔ کیونکہ طبعاً آدمی اچھی چیز کو پسند کرتا ہے اور ناکارہ چیز کو پسند نہیں کرتا۔ اسی لئے فرمایا کہ خراب چیز اگر تم کو کوئی دے تو تم بھی اس کو نہیں لیتے۔ خواہ کوئی بطور ہدیہ تم کو پیش کرے یا تمہارے حق کے طور پر تم کو دے تو تم اس کو لینا گوارا نہیں کرتے اور اگر کسی وقت چشم پوشی سے کام لو اور رعایت سے رکھ لو تو وہ دوسری بات ہے۔ اس لینے کو لینا نہیں کہتے۔ لینا اور قبول کرنا تو وہی ہے جو نشاط اور قلب کی خوشی کے ساتھ قبول کیا جائے۔ پھر جب تم خود نکمی اور خراب چیز لینا گوارا نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں بری اور دل سے اتری ہوئی چیز کیوں دیتے ہو۔ اللہ تعالیٰ تمہاری خیرات اور تمہارے صدقات کا محتاج نہیں ہے وہ تو جملہ صفات سے متصف اور سب خوبیوں کا مالک ہے۔

شان نزول سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب بعض سستی چیزیں بازار سے خرید لاتے تھے اور خیرات کر دیا کرتے تھے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ براء بن عازب فرماتے ہیں کہ انصار اپنے باغوں میں سے کھجور کے خوشہ لاکر اصحاب صفہ کے لئے مسجد میں لٹکا دیا کرتے تھے۔ اصحاب صفہ بھوک کے وقت ان خوشوں میں سے کھجوریں جھاڑ کر کھا لیا کرتے تھے بعض حضرات نے ایسے خوشے لاکر لٹکا دیئے جس میں ناقص اور ردی کھجوریں تھیں۔ اس پر حضرت حق تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی۔ کہ دل سے اتری ہوئی چیز خیرات نہ کیا کرو۔ بلکہ جید اور عمدہ چیز خدا کی راہ میں دیا کرو۔ باسی روٹی کھوٹا روپیہ۔ سڑا ہوا سالن۔ گلی ہوئی ترکاری۔ گھن کھایا اناج کھوٹی چاندی۔ کھوٹا سونا وغیرہ سب اسی قسم کی چیزیں ہیں۔ جن کی ممانعت کی گئی۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ یہ حکم ان کے لئے ہے جن کو اللہ نے مقدرت دی ہے۔ اور جن کے پاس خود ہی اچھی چیز نہ ہو اور ان کا خود گزارا نکمی اور خراب چیزوں پر ہو وہ مستثنیٰ ہیں ان کو جو کچھ میسر ہو وہ اسی میں سے دے دیں۔

لینفق ذوسعۃ من سعتہ ومن قدر علیہ رزقہ فلینفق مما اتاہ اللہ چونکہ اعمال کے لئے شرائط اور قیود کی پابندی ضروری ہے اور شیطان اس پابندی میں خلل انداز ہوتا ہے۔ کبھی وضو خراب کرا دیتا ہے۔ کبھی نماز میں وسوسہ انداز ہوتا ہے کبھی زکوٰۃ میں رکاوٹ پیدا کر دیتا ہے۔ کبھی شرائط کی خلاف ورزی پر آمادہ کرتا ہے۔ کبھی حرص اور لالچ دلا کر بری اور نکمی چیز خیرات کرا دیتا ہے اور کبھی خیرات ہی کرنے سے مانع ہوتا ہے۔ اس لئے آگے کی آیت میں اس کے مکائد اور وساوس سے ہوشیار کرتے ہیں اور شیطان کی مذمت فرماتے ہیں۔ اور اپنی مغفرت اور فضل کی جانب توجہ دلاتے ہیں۔ تاکہ مرض کے ساتھ پرہیز کی طرف بھی اشارہ ہو جائے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی خیرات قبول ہونے کی یہ بھی شرط ہے کہ مال حلال کمایا ہو، حرام نہ ہو اور بہتر چیز اللہ کی راہ میں دیوے۔ یہ نہیں کہ بری چیز خیرات میں لگادے کہ لینے دینے میں آپ ویسی چیز قبول نہ کرے مگر ناچار ہو کر کیونکہ اللہ بے پروا ہے محتاج نہیں اور خوبیوں والا ہے خوب سے خوب پسند کرتا ہے۔ موضح القرآن (تسہیل) ۲۶۸ شیطان تم کو مفلسی اور محتاجی سے ڈراتا ہے اور تم کو ناشائستہ اور بری باتوں کی ترغیب اور مشورہ دیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ تم کو اپنی طرف سے گناہ بخشنے اور زیادہ دینے کا وعدہ کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑا صاحب وسعت بڑا فیاض اور ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے صحیح فہم عطا فرما دیتا ہے اور یقین جانو کہ جس کو صحیح فہم دیدیا گیا اس کو بہت بڑی بھلائی اور خیر کثیر سے نوازا گیا اور نصیحت تو صرف وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو صحیح اور خالص عقل رکھتے ہیں (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ شیطان تم کو یہ کہہ کر ڈراتا ہے کہ دیکھو اگر خیرات کرو گے یا عمدہ اور نفیس چیزیں بانٹ کر بیٹھ جاؤ گے تو دیوالہ نکل جائے گا۔ فقیر اور محتاج ہو جاؤ گے۔ ایک طرف ڈراتا ہے دوسری طرف بری بات یعنی بخل کی ترغیب دیتا ہے اور خدا کی راہ میں خرچ نہ کرنے کا مشورہ دیتا ہے۔ جب ایسا ہو تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ یاد کرو۔ اس کا وعدہ یہ ہے کہ جب ہماری راہ میں خرچ کرو گے تو عام دستور کے مطابق ہم تمہارے گناہ بخش دیں گے۔ کیونکہ نیکی اور طاعت کفارۂ سیات کا موجب ہوتی ہے ان الحسنات یذھبن السیات، نیز یہ کہ ہم تم کو اپنا فضل عطا فرمائیں گے۔ یعنی دنیا میں مال بڑھا دیں گے یا آخرت میں ثواب زیادہ دیں گے۔ پھر فرمایا یہ بات بالکل صاف اور ظاہر ہے مگر وہی سمجھتا ہے جس کو صحیح فہم اور دین کی سمجھ عطا ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ چونکہ ہر شخص کی حالت کو خوب جانتا ہے اس لئے جس کو چاہتا ہے دین کے فہم اور صحیح سمجھ سے بہرہ مند کر دیتا ہے اور بات تو یہ ہے کہ جس کو دین کا فہم عطا کر دیا گیا اس کو خیر کثیر کا مالک بنا دیا گیا۔ حدیث میں آتا ہے ہر روز جب خدا تعالیٰ کے بندے صبح کرتے ہیں تو دو فرشتے آواز لگاتے ہیں ایک کہتا ہے یا اللہ خرچ کرنے والے کو عوض عطا فرما دے۔ دوسرا کہتا ہے یا اللہ روک کر رکھنے والے کا مال تلف کر دے۔ سورۂ سبا میں ارشاد ہے۔ وما انفقتم من شیء فھو یخلفہ۔ تم جو کچھ خرچ کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کا عوض عطا فرما دیتا ہے۔ وعید اور وعد میں فرق یہ ہے کہ وعید عام طور سے شر کے لئے استعمال ہوتا ہے اور وعد شر اور خیر دونوں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ یعنی ہوتے دونوں وعدے ہیں لیکن ایک ضرر اور نقصان کا

وعدہ اور ایک نفع کا اور کبھی نقصان کا وعدہ اس لئے ہم نے یعدکم کا ترجمہ ڈرانے سے کیا ہے۔ شیطان کا ڈرانا یہی کہ مختلف قسم کے وسوسے ڈالتا ہے اور اوہام و تخیلات میں مبتلا کرتا ہے فحشا کا ترجمہ عام طور سے بے حیائی کیا جاتا ہے۔ صاحب کشاف نے کہا ہے کہ اہل عرب بخیل کو بھی فاحش کہتے ہیں اور یہی معنی یہاں زیادہ مناسب ہیں کہ شیطان بخل کی ترغیب دیتا ہے اور سخی کو بخیل بنانے کی سعی کرتا ہے۔ امر کے معنی حکم کرنے کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جب شیطان کسی انسان پر قابو پا لیتا ہے تو حکمانہ انداز میں مشورہ دیتا ہے۔ بخشش سیات کا مطلب یہ ہے کہ صدقہ دینے اور خیرات کرنے سے صغیرہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ فضل کے معنی زیادتی۔ بزرگی۔ بڑائی وغیرہ کے ہیں۔ یہاں خیرات کرنے والوں کے مال کی یا ثواب کی افزونی مراد ہے۔ حکمت کے مفسرین نے بہت سے معنی کئے ہیں لیکن تقریباً سب قریب المعنی ہیں۔ یہاں دین کا صحیح فہم اور قرآن کی صحیح سمجھ مراد ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ واسع علیم پر فرماتے ہیں یعنی جب دل میں خیال آوے کہ مال خیرات میں دے ڈالوں تو میں مفلس رہ جاؤں اور ہمت آوے بےحیائی پر کہ اللہ تعالیٰ کی تاکید سن کر پھر بھی خرچ نہ کرے تو جان لیوے کہ یہ شیطان کی طرف سے آیا اور جب خیال آوے کہ خیرات سے گناہ بخشے جاویں گے اور اللہ کے یہاں کمی نہیں چاہے گا تو اور دے گا تو جان لیوے کہ یہ اللہ کی طرف سے آیا۔

(موضح القرآن) فقیہ ابو اللیث فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دنیاوی سامان کو متاع قلیل فرمایا ہے اور دین کے فہم کو خیر کثیر فرمایا ہے۔ لہٰذا ایک عالم دین کو کسی دنیادار کے سامنے اپنے آپ کو ذلیل نہیں کرنا چاہیئے۔ بہرحال خلاصہ یہ ہے کہ ایک طرف شیطان کے وسوسے اور تخیلات ہیں۔ فقر و افلاس کے اندیشے ہیں۔ بخل کی ترغیب و تحریص ہے اور دوسری طرف حضرت حق جل و علا جو بڑے فیاض اور صاحب وسعت ہیں ان کی مغفرت اور فضل کا وعدہ ہے۔ مگر ان باتوں کا صحیح فیصلہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کو حضرت حق نے دین کا صحیح فہم عطا کیا ہے اور جو لوگ ارباب سلوک ہیں وہی شیطان کی تخویف اور خدا کے وعدوں کو صحیح طور پر سمجھتے ہیں اور یہ اندازہ لگاتے ہیں کہ کون سی بات رفع کرنے کے قابل ہے اور کون سی ایمان لانے اور قبول کرنے کے لائق ہے حضرت شاہ صاحبؒ نے خوب فرمایا ہے اور نہایت مناسب اور موزوں تقسیم کی ہے۔ مگر جب تک کوئی شیخ کامل نہ ہو اور کسی مرشد کی صحبت میسر نہ ہو ان باتوں پر واقفیت حاصل نہیں ہوتی۔ اور نہ ان خطرات کا صحیح احساس اور ادراک ہوتا ہے جو قلب پر وارد ہوتے رہتے ہیں۔ آیت کے آخر میں صحیح عقل والوں سے اپیل ہے۔ کیونکہ جن کے پاس عقل سلیم ہے اور جو عقل خالص کے مالک ہیں وہی قرآنی نصائح سے نصیحت پذیر ہوتے ہیں۔ (تسہیل) ف

بقیہ صفحہ ۱۷

اگرچہ صدقات کا کفارۂ سیات ہونا ظاہر ہے خواہ علانیہ ہوں یا خفیہ یہ مطلب نہیں کہ صرف خفیہ صدقات سے سیات دور کئے جائیں گے علانیہ سے نہیں۔ مگر یہاں دونوں احتمال ہیں کہ یہ جملہ یکفر عنکم یا تو مستقل جملہ ہے اور یا ان تخفوھا کی قید ہے۔ ہم نے جو کچھ عرض کیا ہے وہ پہلی تقدیر پر عرض کیا گیا ہے اور اگر دوسری صورت ہو تب بھی اس معنی کو مستلزم نہیں کہ علانیہ صدقہ دینے سے گناہ معاف نہ ہوں گے۔ بلکہ اس

تخصیص کا منشا صرف اس قدر ہوگا کہ خفیہ دینے والے کو ایک ایسے فائدہ سے آگاہ کرنا ہوگا جو قریب الحصول ہے۔ آیت کی دوسری ترکیب کی بنا پر ترجمہ یوں ہوگا کہ اگر تم اپنے صدقات چھپا کر دو گے تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور تمہارے کچھ گناہ اس اخفا سے معاف ہو جائیں گے یا یہ اخفا تمہارے کچھ گناہ تم سے دور کر دے گا۔ واللہ اعلم۔ گناہ سے مراد صغیرہ گناہ ہیں اور یہی جمہور کا مذہب ہے کہ اعمال خیر سے صغائر دور ہو جاتے ہیں۔ وہاں اخفش نے اس من کو زائدہ قرار دیا ہے۔ اور اس تقدیر پر یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے تمام گناہ تم سے دور کر دے گا۔ فقیر عرض کرتا ہے کہ یہ معنی بھی کچھ مستبعد یا جمہور کے خلاف نہیں ہیں۔ صغائر تو صرف صدقات کی برکت سے زائل کر دیئے جائیں گے اور کبائر کے لئے انہی صدقات کی برکت سے توبہ کی توفیق نصیب ہو جائے گی اور اس طرح تمام سیات زائل کر دیئے جائیں گے۔ کیونکہ کبائر کی معافی کے لئے علماء نے دو ہی صورتیں فرمائی ہیں ایک توبہ دوسرے فضل و رحمت۔ البتہ کسی عمل خیر کا مقبول ہو جانا شرط ہے اور اگر بدنصیبی سے کوئی عمل قبولیت کا درجہ حاصل نہ کر سکے تو پھر صغائر کی بھی توقع نہیں چہ جائیکہ کبائر۔ آخر میں ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال کی خبر رکھتا ہے۔ خواہ کوئی عمل علانیہ ہو یا خفیہ ہم سے کوئی عمل پوشیدہ نہیں ہے۔ اسی طرح تمہارے صدقات بھی خواہ علانیہ ہوں یا پوشیدہ۔ بہرحال ہم سے مخفی نہیں ہیں۔ حدیث میں آتا ہے قیامت کے دن سات قسم کے آدمی عرش الٰہی کے سایہ میں ہوں گے۔ ان سات میں ایک وہ شخص بھی ہوگا جو سیدھے ہاتھ سے دیتا ہے اور بائے ہاتھ کو خبر نہیں ہوتی۔ ایک اور حدیث میں ہے۔ پوشیدہ صدقہ اللہ تعالیٰ کے غضب کو بجھا دیتا ہے۔ انس بن مالک سے ایک روایت مروی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو پیدا کیا تو فرشتوں نے عرض کیا۔ اے اللہ بھلا اس مخلوق سے بھی کوئی مخلوق سخت آپ نے پیدا کی ہے۔ ارشاد ہوا۔ لوہا اس سے زیادہ سخت ہے۔ فرشتوں نے عرض کی۔ لوہے سے بھی کوئی سخت ہے۔ ارشاد ہوا۔ ہاں آگ ہے۔ پھر فرشتوں نے عرض کی الٰہی آگ سے بھی کوئی چیز زیادہ سخت ہے۔ ارشاد ہوا پانی۔ پھر فرشتوں نے عرض کیا الٰہی پانی سے بھی کوئی چیز سخت ہے۔ ارشاد ہوا ہم نے ہوا کو پیدا کیا ہے۔ پھر فرشتوں نے عرض کیا اے پروردگار! بھلا ہوا سے بھی کوئی چیز سخت تر ہے۔ ارشاد ہوا ہمارا وہ بندہ جو سیدھے ہاتھ سے دیتا ہے اور الٹے ہاتھ کو خبر نہیں ہونے دیتا۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول بعض مفسرین نے نقل کیا ہے کہ اس آیت میں صدقات مفروضہ اور نافلہ دونوں مراد ہیں اور دونوں میں بجائے اعلان کے اخفا افضل ہے۔ واللہ اعلم۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں اگر نیت دکھاوے کی نہ ہو تو خیرات کھلی بھی بہتر کہ اوروں کو شوق آوے اور چھپی بھی بہتر ہے کہ لینے والا نہ شرماوے (موضح القرآن) اب آگے صدقات کے متعلق ایک اور بات ارشاد ہوتی ہے۔ بعض لوگ صرف مسلمانوں کو خیرات دیتے تھے اور کافروں کو نہیں دیا کرتے تھے۔ مدینہ کے بعض انصار اس خیال سے اپنے کافر رشتہ داروں کو خیرات نہیں دیتے تھے کہ وہ مسلمان ہو جائیں اور خیرات کی رکاوٹ سے اسلام قبول کر لیں۔ اس پر آگے کی آیت نازل ہوئی (تسہیل) ف۔ اے پیغمبر! ان کافروں کو ہدایت پر لے آنا اور صحیح راہ پر لگا دینا اور اوامر و نواہی کا پابند کر دینا آپ کے ذمہ ضروری اور لازم نہیں ہے۔ البتہ یہ کام تو اللہ تعالیٰ

کا ہے وہ جس کو چاہے صحیح راہ سے بہرہ ور کر دے اور مقصود و مطلوب تک اس کو پہنچا دے اور مسلمانو! تم جو کچھ بھی اپنے مال میں سے خرچ کرتے ہو اور جو کچھ بھی صدقہ خیرات کرتے ہو سو اپنے ہی نفع کی غرض سے اور اپنے ہی بھلے کو کرتے ہو اور تم سوائے اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور اس کی خوشنودی کے اور کسی غرض کے لئے خرچ نہیں کرتے۔ تمہارا مقصد تو صدقات خیرات سے صرف اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنا ہوتا ہے اور جو کچھ تم اپنے مال میں سے خرچ کرو گے اور جو کچھ صدقہ خیرات کرو گے وہ سب تم کو پورا پورا دیا جائے گا۔ یعنی اس کا ثواب بےکم و کاست تم کو پورا مل جائے گا اور تمہارے حق میں کوئی کمی اور کوتاہی نہ کی جائے گی اور کسی طرح تمہاری حق تلفی نہ ہوگی۔ (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ اس خیال سے کسی کافر کے ساتھ سلوک نہ کرنا کہ وہ مسلمان ہو جائے اور اسلام قبول کر لے یہ طریقہ کسی کو ہدایت کرنے کا نہیں ہے اور نہ پیغمبر پر یہ واجب اور فرض ہے کہ وہ ہر شخص کو ہدایت پر لائے۔ بلکہ ہدایت کا معاملہ تو اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ ہے۔ پیغمبر کا کام نصیحت کرنا ہے اور صحیح راہ کا بتا دینا ہے۔ باقی راہ پر لگا دینا یہ حضرت حق تعالیٰ کی شان اور ان کا کام ہے اور جب بات یہ ہے کہ ہدایت خدا کے قبضے میں ہے تو پھر حسن سلوک اور نفلی خیرات سے کافروں کو محروم کرنا یہ کوئی صحیح جذبہ نہیں ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جس طرح انصار یا بعض مسلمان کافروں کو صدقہ دینا پسند نہیں کرتے تھے اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی منع فرما دیا تھا کہ چونکہ اب مسلمانوں کی تعداد بڑھ گئی ہے اس لئے صرف مسلمانوں ہی کو خیرات دی جائے۔ ان دونوں روایتوں کو ابن ابی حاتم نے نقل کیا ہے۔ آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ جب خیرات کرنے سے تمہارا منشا بھی یہی ہے کہ تم کو نفع پہنچے اور واقع بھی یہی ہے کہ صدقات و خیرات کا فائدہ تم کو ہی پہنچتا ہے۔ تو پھر اس بحث میں کیوں پڑتے ہو کہ مسلمان کو دو اور کافر کو نہ دو۔ باقی رہا بعض مسلمانوں کا یہ خیال کہ اس طرح کافر اسلام کی طرف راغب ہوں گے اور یہ سمجھیں گے کہ اگر ہم اسلام کے حلقہ بگوش ہو جائیں تو ہم کو بھی مالی فائدہ حاصل ہوگا۔ اور مسلمان ہم کو بھی صدقات و خیرات سے مستفید کریں گے تو اس خیال کو چھوڑ دو یہ ہمارا کام ہے۔ ہم جس کو چاہیں اسلام کی توفیق عطا فرمائیں۔ تم کو جو کچھ دینا ہے تم بنی نوع انسان کی ہمدردی کا خیال رکھ کر دو وما تنفقون الا ابتغاء وجه الله کا بعض حضرات نے یوں ترجمہ کیا ہے جب تک نہ خرچ کرو گے مگر اللہ کی خوشی چاہ کر بعض نے یوں ترجمہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے سوا اور کسی غرض سے خرچ نہ کیا کرو۔ بہرحال سب معنی کی گنجائش ہے۔ وما تنفقون میں جو ما ہے وہ نفی کا بھی ہو سکتا ہے اور نہی کا بھی ہو سکتا ہے اور وما تنفقوا من خیر کی قید بھی بن سکتا ہے۔ جیسا کہ شاہ صاحبؒ نے اختیار کیا ہے۔ یعنی جو کچھ تم خیرات کرو گے سو اپنے ہی بھلے کو کرو گے بشرطیکہ تم بجز اللہ کی رضا جوئی کے اور کسی غرض کے لئے خرچ نہ کرو۔ واللہ اعلم۔ آیت میں جن نفقات کا ذکر فرمایا وہ نفلی صدقات ہیں۔ اس آیت میں زکوٰۃ کا حکم نہیں ہے۔ جس طرح کافروں کی حالت مختلف ہے اسی طرح ان کے احکام بھی مختلف ہیں۔ مثلاً جو کافر حربی ہو اسے کسی قسم کا صدقہ خواہ فرض ہو یا نفل دینا جائز نہیں۔ البتہ جو کافر ذمی ہوں ان کو زکوٰۃ اور عشر کے علاوہ دوسرے صدقات دینے جائز ہیں۔ خواہ وہ دوسرے صدقات واجبہ ہوں۔ جیسے صدقۂ فطر یا نافلہ ہوں۔ جیسے عام صدقہ۔ یہ حنفیہ کا مسلک ہے بعض علماء کا قول ہے لو انفقت علی شر خلق الله لكان لك

ثواب نفقتك. یعنی اگر تو بد ترین خلق پر بھی خیرات کرے گا تو اس کا بھی تجھ کو ثواب عطا کیا جائے گا۔ بعض لوگوں نے حدیث لا یاکل طعامك الا تقی سے ممانعت پر استدلال کیا ہے۔ حالانکہ حدیث میں جس طعام کی پرہیزگاروں کے ساتھ تخصیص کی گئی ہے وہ دعوت کا کھانا ہے اور کافر کو جس طعام کے دینے کی اجازت ہے وہ حاجت کا کھانا ہے۔ یعنی اپنی دعوت پر بلاؤ اور گھر پر دعوت کرو تو نیک لوگوں کی کرو اور کوئی حاجت مند آجائے تو خواہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو اس کو کھانا کھلا دو۔ ورنہ اگر حدیث سے عموم لیا جائے تو فاسق مسلمان کو بھی خیرات دینا ممنوع ہو جائے گا۔ واللہ اعلم۔ اب آگے مستحقین کا تعارف کراتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ ہر حاجت مند اس امر کا مستحق ہے کہ جب اس کی حاجت معلوم ہو تو اس کو پورا کر دو۔ لیکن حقیقی مستحق تمہارے صدقات و نفقات کے وہ لوگ ہیں جن کی صفتیں آگے بیان کی جاتی ہیں۔ تم جب صدقہ دو تو ایسے ہی لوگوں کو تلاش کر کے دو اور یوں کوئی بھی ضرورت مند آجائے اور تم کو کسی حاجت مند کی حاجت کا پتہ لگ جائے تو اس کی حاجت پوری کرنے میں دریغ نہ کرو۔ (تسہیل) ف

بقیہ صفحہ ۷۲

اور اپنی حاجت ظاہر نہیں کرتے۔ جیسے حضرت کے اصحاب تھے۔ اہل صفہ نے گھر بار چھوڑ کے حضرت کی صحبت پکڑی تھی علم سیکھنے کو اور جہاد کرنے کو۔ اسی طرح اب بھی جو کوئی حفظ کرے قرآن کو یا علم دین میں مشغول ہو لوگوں کو لازم ہے کہ ان کی مدد کریں۔ (موضح القرآن) خلاصہ یہ ہے کہ جو لوگ دینی خدمت میں مشغول ہوں اور جہاد میں یا طلب علم میں لگے رہتے ہوں ان کی خدمت کرنی چاہیئے۔ نیز آیت میں سوال کی مذمت بالخصوص الحاف کے ساتھ سوال کرنے کی برائی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک شخص لکڑیوں کا گٹھا اپنی کمر پر لاد کر لائے اور اس کو فروخت کر کے اپنی گذر کرے یہ بہتر ہے کہ لوگوں سے سوال کرے۔ پھر کوئی دے اور کوئی نہ دے۔ اور فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ اس شرم والے بردبار کو جو لوگوں سے سوال کرنے میں پرہیز کرتا ہے پسند کرتا ہے۔ اور اس بدزبان سائل پر غضبناک ہوتا ہے جو لوگوں سے لپٹ کر مانگتا ہے اور دینے والوں کو تنگ کرتا ہے۔ ایک اور روایت اوپر گذر چکی ہے کہ فقیر وہ نہیں ہے جو مانگتا پھرتا ہے اور اس کو ایک نوالہ یا دو نوالے لوٹا دیتے ہیں۔ بلکہ فقیر وہ متعفف ہے جو لوگوں سے لپٹ کر نہیں مانگتا۔ یعنی ایک نوالہ مل گیا تو دوسرے مکان پر جا آواز لگائی۔ مزنی فرماتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ایک خطبے میں فرما رہے تھے جو سوال سے بچا اللہ تعالیٰ اس کو سوال کرنے سے محفوظ کر دے گا۔ جس نے بے نیازی سے کام لیا اللہ تعالیٰ اس کو بے نیاز کر دے گا۔ جس شخص نے پانچ اوقیئے ہوتے ہوئے سوال کیا تو یہ الحاف کا مرتکب ہوا۔ مزنی کو ان کی والدہ نے بھیجا تھا کہ جاؤ بیٹا تم بھی کچھ حضور سے مانگ کر لاؤ سب لوگ حضور سے سوال کر کے لا رہے ہیں۔ یہ جب پہنچے تو حضور تقریر فرما رہے تھے۔ تقریر کے الفاظ سن کر انہوں نے سوچا کہ ایک اونٹنی میرے پاس ہے ایک میرے ملازم کے پاس ہے۔ پانچ اوقیہ سے تو یہ دو اونٹنیاں ہی زائد ہیں۔ یہ لوٹ کر چلے آئے۔ اور اپنی والدہ کو واقعہ سنا دیا۔ اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے۔ سوال کی حرمت کے نصاب میں علماء

کے مختلف اقوال ہیں مشہور یہ ہے کہ صدقۃ الفطر اور قربانی کے وجوب کا جو نصاب ہے وہی سوال کی حرمت کا نصاب ہے۔ یعنی حاجت اصلیہ سے زائد جس شخص کے پاس ساڑھے سات تولہ سونے اور چوّن تولے چاندی کی قیمت کا سامان ہو اس پر سوال حرام ہے۔ واللہ اعلم۔ اب آگے انفاق فی سبیل اللہ کی تعمیم مذکور ہے۔ یعنی خیرات کا کوئی وقت اور کوئی زمانہ خاص نہیں۔ جب موقعہ ہو اور جس وقت ضرورت ہو خیرات کرو۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل) ف جو لوگ اپنے مال رات کو اور دن کو خفیہ اور علانیہ خدا کی راہ میں خرچ کرتے رہتے ہیں تو ایسے لوگوں کو قیامت میں ان کے رب کے حضور ان کا ثواب ملے گا۔ اور ان کا اجر ان کے رب کے پاس محفوظ اور موجود ہے۔ نیز ایسے لوگوں کو نہ کسی قسم کا خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ بلا کسی زمانے کی تخصیص کے اور بلا حالات کے اتار چڑھاؤ کے ان لوگوں کو خیرات کرنے سے دھیان ہے۔ نہ رات اور دن کا خیال کرتے ہیں نہ پوشیدہ اور علانیہ کی بحث میں پڑتے ہیں بلکہ جیسا موقعہ ہوتا ہے خرچ کرتے ہیں۔ اگرچہ خفیہ خیرات علانیہ خیرات سے بہتر ہے۔ لیکن بعض موقعہ ایسے ہوتے ہیں کہ چھپانے کے انتظار میں حاجت مند کا کام خراب ہوتا ہے۔ تو علانیہ ہی دے دیتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ ضرورت مند کی ضرورت اور حاجت کا خیال رکھنا مقدم ہے۔ خوف اور غم کا مطلب ہم اوپر کئی مرتبہ بیان کر چکے ہیں۔ یعنی نہ ان کو کوئی ایسی ناگوار چیز پیش آئے گی جس کا خوف ہو اور نہ کسی گذشتہ واقعہ پر ان کو غم اور افسوس ہوگا۔ یعنی ہر اعتبار سے مطمئن اور مامون ہوں گے۔ رہی یہ بات کہ قیامت کے دن ہر شخص خوف زدہ ہوگا اور بڑے سے بڑا آدمی ڈر رہا ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کی ہیبت اور دار و گیر سے ڈرنا اور بات ہے اور خوف و غم کی کسی چیز کا پیش نہ آنا اور بات ہے۔ ان دونوں باتوں میں فرق ہے۔ بعض حضرات نے کہا ہے آیت حضرت صدیق اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں نازل ہوئی۔ بعض نے کہا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے بعض نے کہا عبدالرحمٰن بن عوف کے حق میں یہ آیت اتری ہے۔ بہرحال شان نزول کچھ بھی ہو آیت کا حکم عام ہے۔ جو شخص بھی بلا قید زمانہ اور بلا تخصیص احوال خرچ کرتا رہتا ہے اس کو یہ آیت شامل ہے۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ پوشیدہ خیرات علانیہ سے بہتر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خفیہ کو آشکارا پر مقدم کیا ہے۔ اب آگے اور ایسے احکام بیان کئے جاتے ہیں جن کا تعلق مال سے ہے۔ مثلاً بلا سود کے قرض دینا۔ قرض دار کو مہلت دینا۔ تنگدست کو قرض معاف کر دینا۔ لین دین کو تحریر کر لینا۔ لیتے دیتے وقت گواہ مقرر کرنا۔ کاتب موجود نہ ہو تو رہن رکھنا۔ اور کسی چیز کا گرو رکھ کر کام نکال لینا۔ وغیرہ۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ یہاں تک خیرات کا بیان تھا، آگے سود کو حرام فرمایا۔ جب خیرات کا تقید ہوا تو قرض کا دینا ادنیٰ ہے۔ قرض پر سود کاہے کو لیا چاہیئے۔ (موضح القرآن) مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے خیرات کی تاکید فرمائی اور محتاج پر خرچ کرنے کا حکم دیا تو کسی ضرورتمند کو قرض دینا تو اس سے کم درجے کی چیز ہے۔ قرض میں تو رقم واپس ہوتی ہے اور قرض تو کوئی ضرورتمند ہی لیتا ہے۔ خیرات تو بعض دفعہ بلا ضرورت بھی لوگ لے لیتے ہیں۔ لہٰذا کسی حاجتمند کو قرض دے کر اس پر سود کیوں لیا جائے۔ (تسہیل) ف جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قیامت میں قبروں سے نہیں اٹھیں گے۔

مگر جیسے وہ شخص اٹھتا ہے جس کو شیطان یعنی آسیب نے چھو کر حواس باختہ کر دیا ہو اور خبطی بنا دیا ہو۔ یہ سزا ان کو اس لئے دی جائے گی کہ ان سودخوروں نے یہ کہا تھا کہ بیع بھی تو سود کی مثل ہے اور جب بیع حلال ہے تو سود جو اسی کی مثل ہے وہ بھی حلال ہے۔ حالانکہ بیع کو اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہے۔ اور سود کو اس نے حرام قرار دیا ہے۔ پھر اب جس شخص کو اس کے رب کی جانب سے نصیحت پہنچ چکی اور وہ سود کھانے اور سود کو حلال کہنے سے باز آگیا اور آئندہ کے لئے قول اور فعل سے رک گیا تو جو کچھ اس سے پہلے ہو چکا وہ اسی کا رہا۔ یعنی اس حکم سے قبل جو سود لے چکا اس کی واپسی ضروری نہیں اور اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔ اور جس شخص نے اس تحریم کے بعد پھر اعادہ کیا خواہ سود کھایا یا سود کو حلال کہا تو ایسے لوگ اہل دوزخ ہیں۔ یہ اس دوزخ میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ (تیسیر) ربٰو کے معنی ہیں زیادتی اور شرعاً اس کے معنی ہیں وہ زیادتی جو بدون کسی عوض کے حاصل کی جائے۔ مثلاً دس تولہ چاندی کے بدلہ میں کوئی شخص بارہ تولہ چاندی وصول کرے تو یہ دو تولہ چاندی ایسی زیادتی ہے جو بغیر کسی عوض کے وصول کی گئی۔ اس زیادتی کو ربٰو کہتے ہیں۔ سود کھانے کا مطلب یہ ہے کہ سود لیتے ہیں لینے کو کھانے سے تعبیر فرمایا۔ اس لئے کہ مالی منافع اور فوائد میں کھانا خاص اہمیت رکھتا ہے......

یتخبطہ الشیطان من المس کا مطلب یہ ہے کہ جو حالت آسیب زدہ شخص کی ہوتی ہے وہی قبروں سے اٹھتے وقت ان سود خواروں کی حالت ہوگی۔ یعنی بدحواس اور مجنون ہوں گے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ مرگی کے مریض کی طرح بے ہوش ہوں گے۔ جب لوگ قبروں سے نکل کر موقف کی طرف بھاگتے ہوں گے تو سود خوار مرگی والے کی طرح گرے پڑے ہوں گے۔ یا یہ مطلب ہو کہ کبھی گرتے ہوں گے، کبھی اٹھتے ہوں گے اور چونکہ سود خوار جو غریب سے زائد روپیہ وصول کرتا ہے اور روپیہ کا اثر خاص طور پر دل و دماغ پر زیادہ ہوتا ہے جیسا کہ عام طور سے دیکھا جاتا ہے کہ مال کے نقصان کا دماغ پر بہت زیادہ اثر پڑتا ہے اس لئے سود خوار کے دل و دماغ کو قیامت میں بےکار کر دیا جائے گا۔ اعاذنا اللہ منہ، عوف بن مالک کی روایت میں مرفوعاً آیا ہے کہ جس شخص نے سود کھایا وہ قیامت کے دن مجنون اور خبطی بن کر کھڑا ہوگا۔ بعض روایات میں سود خوار کا خون کی نہر میں غوطہ کھانا بھی مروی ہے۔ جیسا کہ معراج کے واقعات میں علامہ زرقانی نے بعض احادیث نقل کی ہیں۔ ان احادیث کا مطلب بھی یہی ہے کہ سرمایہ دار غریب کا خون چوستا ہے اس لئے سزا بھی اسی قسم کی تجویز کی گئی ہے۔ خبیث جنات کا جو اثر ہوتا ہے اس کو شیطان کا مس فرمایا ہے۔ ہمارے ہاں لوگ اس کو آسیب کا اثر کہتے ہیں اسی رعایت سے ہم نے آسیب زدہ کہا ہے۔ جو لوگ جنات اور آسیب کے اثر کے قائل نہیں ہیں انہوں نے اس موقعہ پر عجیب تاویلات و توجیہات سے کام لیا ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جو سرے سے جنات ہی کے قائل نہیں ہیں۔ اگر جنات کے قائل ہوں اور ان کے اس اثر کا انکار کریں کہ وہ کسی کو لپٹ کر پاگل یا مجنون کر دیتے ہیں تب بھی کچھ گنجائش ہو سکتی ہے لیکن یہ لوگ تو سرے سے ہی جنات کے وجود ہی کے منکر ہیں اور چونکہ جنات کا انکار نصوص صریحہ کے خلاف ہے اس لئے قابل التفات نہیں۔ بہرحال سود خوار قیامت کے دن مختل الدماغ اور فاسد العقل ہوں گے انما البیع مثل الربٰو کا مطلب یہ ہے کہ یہ سود کھانے والوں کا استدلال ہے۔ وہ سود کو بیع پر قیاس کرتے ہیں اور دونوں چیزوں کو نفع اندوزی میں ایک کو دوسرے کی مثل بتلاتے ہیں اور جب بیع حلال ہے تو سود بھی حلال ہے یا ان کے استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر سود حرام ہو تو لازم آئے گا کہ بیع بھی حرام ہو کیونکہ بیع بھی.

سود کی شل ہے اور لازم باطل لہٰذا ملزوم بھی باطل ہے۔ حالانکہ اس استدلال کا باطل ہونا بالکل ظاہر ہے کہ جو حلال و حرام کا مالک ہے وہ خود فرماتا ہے کہ ہم نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے اور نص صریح کے مقابلہ میں سود خواروں کا استدلال لغو اور باطل ہے۔ جب دونوں میں تماثل ہی نہیں تو پھر استدلال ہی ختم ہے۔ سود خواروں کے استدلال کا دارومدار تو تماثل پر تھا اس تماثل کی نفی فرما دی۔ یعنی حلال و حرام میں تماثل کہاں ہے جو تمہارا استدلال صحیح ہو موعظۃ کے معنی نصیحت کے ہیں۔ یہاں مراد اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی ہیں مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی چیز کی ممانعت آجائے اور لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ خدا تعالیٰ نے سود کو حرام قرار دیا ہے۔ تو اب جو کوئی سود خوری سے باز آجائے اور سود کو بیع کی طرح حلال کہنا چھوڑ دے تو سابقہ لیا ہوا سود اس کی ملک شمار ہوگا اور اس کو واپس کرنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ البتہ سود کا حکم موصول ہو جانے کے بعد پھر اس کا مرتکب ہوگا تو یقیناً دوزخی ہوگا اور دوزخی بھی کیا بلکہ ہمیشہ آگ کے عذاب میں مبتلا ہوگا۔ کیونکہ اس نے حرام کو حلال کہا اور کسی حرام چیز کو حلال کہنا یا حلال کہہ کر اس کا استعمال کرنا کفر ہے اور کفر خلود نار کا موجب ہے لہٰذا یہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا فلہ ما سلف فرمانے کے بعد و امرہ الی اللہ بھی ارشاد فرمایا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ باز آجانے والے کا معاملہ ہمارے ساتھ متعلق ہے تم کو اس سے کوئی مطالبہ کرنے یا اس کے متعلق کسی قسم کی بدگمانی کرنے کا حق نہیں ہے۔ اگر اس نے نیک نیتی کے ساتھ توبہ کی ہے اور صدق دل سے سود کو ترک کیا ہے تو ہم اس کی توبہ کو قبول کرلیں گے اور اس کی توبہ اس کو نفع دے گی۔ یا یہ مطلب ہے کہ قیامت کے دن ہم ہی اس کے بارے میں فیصلہ کریں گے اس کے بارے میں تم کو کوئی فیصلہ کرنے کا حق نہ ہوگا۔ واللہ اعلم۔ ومن عاد کا مطلب کئی طرح بیان کیا گیا ہے۔ کیونکہ اوپر دو قسم کے جرم کا ذکر کیا گیا ہے۔ اول سود کھانا، دوسرے اس کو بیع کی طرح حلال کہنا۔ اسی رعایت سے عود کے معنی بھی کرنے چاہئیں یعنی جس شخص نے نصیحت اور اللہ تعالیٰ کا حکم موصول ہونے کے بعد پھر سود کھایا اور اس کو بیع کی طرح حلال کہا۔ تو اس شخص کے لئے دوزخ کا دخول بھی ہے اور اس میں خلود بھی ہے یا سود تو نہیں کھایا مگر اس کو بیع کی طرح حلال کہا۔ تو یہ بھی دوزخی ہے اور ہمیشہ اس میں رہنے والا ہے کیونکہ حرام کو حلال کہنے والا کافر ہے اور کافر ہمیشہ عذاب میں رہنے والا ہے یا فقط سود کھایا مگر حلال سمجھ کر کھایا تو بھی ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔ ایک شکل یہ بھی ہو سکتی ہے کہ سود کھایا مگر حرام سمجھ کر کھایا، تو یہ صورت یہاں زیر بحث نہیں ہے کیونکہ عود جب ہی صادق آئے گا جب سابقہ اور مروجہ صورتوں میں سے کسی صورت کا ارتکاب عمل میں آئے۔ اور ظاہر ہے کہ حرام سمجھ کر سود کھانے والا نزول تحریم سے قبل کوئی بھی نہ تھا۔ اس لئے معتزلہ کا یہ کہنا کہ فاسق بھی ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔ اس آیت سے ثابت نہیں ہو سکتا یہاں صرف وہی صورتیں زیر بحث ہیں جن کا ارتکاب پہلے سے ہوتا چلا آیا ہے۔ یعنی سود کو حلال سمجھ کر کھانا اور اس کو بیع کی شل بتانا۔ واللہ اعلم۔ احادیث سے اور حضرت عبداللہ بن عباس کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ سود خوار ہیں وہ قیامت کے دن قبروں سے خبطی اور مجنون ہو کر اٹھیں گے۔ یعنی فقط سود کھانے والوں کی بھی یہ حالت ہوگی خواہ وہ انما البیع مثل الربوا کہتے ہوں یا نہ کہتے ہوں۔ معراج کے بیان میں یہ بھی آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کچھ لوگوں پر گذرے جن کے پیٹ اتنے بڑے تھے جیسے ایک گھر اور اس پیٹ میں سانپ بھرے ہوئے تھے۔ آپ کو بتایا گیا کہ یہ سود خوار ہیں۔ آپ نے یہ بھی دیکھا کہ ایک شخص خون کی نہر میں پڑا ہے۔ جب وہ کنارے پر آتا ہے تو منہ کھول دیتا ہے۔ اور ایک فرشتہ کنارے پر کھڑا رہتا ہے وہ اس کے منہ میں ایک پتھر دے دیتا ہے یا پتھر مارتا ہے اور وہ پھر اسی نہر میں لوٹ جاتا ہے۔ ابن مسعود کی روایت میں ہے کہ سود کے تہتر دروازے ہیں۔ سب سے کم درجہ کا دروازہ یہ ہے جیسے اپنی ماں سے برے فعل کا مرتکب ہو۔ ایک اور روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے اور کھلانے والے پر اور گواہوں پر اور سود کی کتابت کرنے والوں پر لعنت کی ہے حضرت ابو ہریرہ کی روایت میں مرفوعاً آیا ہے۔ سونا بدلے میں سونے کے اور چاندی بدلے میں چاندی کے اور گیہوں بدلے میں گیہوں کے اور جو بدلے میں جو کے اور کھجور بدلے میں کھجور کے اور نمک بدلے میں نمک کے برابر سرابر اور ہاتھ در ہاتھ ہونے چاہئیں، اگر کوئی کمی بیشی ہوگی تو وہ سود ہوگا۔ حنفیہ نے اس حدیث کی رو سے ان اشیاء میں سود کی علت کیل مع الجنس اور وزنی مع الجنس قرار دی ہے یعنی دونوں چیزیں وزن سے فروخت ہوتی ہوں یا پیمانے سے دی جاتی ہوں۔ اور ایک ہی جنس کی ہوں تو ان میں کمی بیشی اور ادھار سود ہوگا۔ باقی مسائل ربوا کی تفصیل کتب فقہ سے معلوم کرنی چاہیئے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی منع سے پہلے جو لیا دنیا میں پھر دینا نہیں پہنچتا اور آخرت میں اللہ کا اختیار ہے چاہے تو بخشے باقی بعد منع کے جو لیوے وہ دوزخی ہے اور خدا کے حکم کے سامنے عقل کی دلیل لائی اس کی بھی سزا ہے جو فرمائی (موضح القرآن) ہمارے زمانہ میں سود کے مسئلہ نے خاص اہمیت حاصل کر رکھی ہے۔ یورپ کے حریصانہ طرز عمل نے اور رائشیلے کے ہاجنوں کی زر پرستی نے بعض لوگوں کو سود خواری کا گرویدہ بنا دیا ہے اور وہ نہیں سمجھتے کہ اسلام نے جس چیز کو حرام کیا ہے اس کی حرمت میں کس قدر حکمتیں پنہاں ہیں۔ وہ دولت کی ظاہری فراوانی کو دیکھ کر اس کی طرف مائل ہوتے ہیں اور یہ نہیں دیکھتے کہ اسی سود خواری کے باعث دنیا میں کمیونزم اور سوشلزم کو ترقی ہو رہی ہے اور وہ دن دور نہیں جب دنیا میں ایک ایسا انقلاب آئے گا جو تمام سرمایہ داروں کو زیر و زبر کر کے رکھ دے گا۔ افسوس ہے کہ مسلمانوں کو ایسے زمانے میں سود خواری کا شوق پیدا ہوا ہے جبکہ سود خوار دنیا خود سود خواری سے پریشان ہو گئی ہے اور سود خواری کچھ عرصہ کی مہمان رہ گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حلال کے ہزاروں دروازے کھول رکھے ہیں۔ ان دروازوں پر قناعت نہ کرنا اور حرام چیزوں کی طرف نگاہ کرنا یہ دانشمندوں کا کام نہیں ہے۔ اگر سود کا کچھ ظاہری نفع معلوم بھی ہوتا ہے تو وہ دائمی اور پائدار نہیں ہے۔ بلکہ وہ بہت سی خرابیوں اور تباہیوں کی جڑ ہے۔ چنانچہ آگے کی آیت میں اسی خرابی کی طرف اشارہ فرماتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ (تسہیل)

بقیہ صفحہ ۷۳

زیر بحث آیت میں اس کے مقابلہ میں اہل ایمان کے اقوال و افعال کا ذکر فرمایا ہے۔ جیسا کہ قرآن مقدس کا طریقہ اور دستور ہے۔ اوپر کی آیت میں کافروں کا قول انما البیع مثل الربوا کا ذکر تھا یہاں اس کے مقابلہ میں امنوا فرمایا۔ وہاں سود کھانے کا ذکر تھا یہاں عملوا الصالحات اور آتوا الزکوٰۃ فرمایا اور اعمال صالح کے ساتھ نماز کا ذکر بھی فرمایا۔ کیونکہ نماز کو تمام اعمال میں ایک خصوصیت حاصل ہے اور نماز کو حرام سے بچانے اور حلال پر آمادہ کرنے میں بڑا دخل ہے اوپر کی آیتوں میں سود کو گھٹانے کا ذکر کیا تھا۔ یہاں مسلمانوں کے اجر کا اعلان فرمایا اور اس اجر کو اپنے پاس فرمایا اور ظاہر ہے کہ جس اجر و ثواب کا اللہ تعالیٰ ضامن اور امین ہو اس کا کیا ٹھکانا ہوگا۔ اوپر کی آیت میں دخول جہنم اور اس میں ہمیشہ رہنے کا ذکر تھا۔ اس آیت میں ہر قسم کے خوف سے بے خوف رہنے اور ہر غم سے بے غم ہونے کا ذکر ہے۔ یعنی نہ کوئی خطرہ پیش آئے گا اور نہ کسی مقصود و مطلوب کے فوت ہونے کا رنج و غم ہوگا۔ بہرحال جس ترتیب سے کفار کی مذمت فرمائی تھی اسی ترتیب سے اہل ایمان کے لئے بشارت کا اظہار فرمایا۔ اوپر کی آیت میں آئندہ سود لینے کی ممانعت فرمائی تھی۔ آگے کی آیت میں ارشاد ہوتا ہے کہ پچھلا چڑھا ہوا بھی نہ لو (تسہیل) اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اس کی گرفت سے ڈرو اور جو رقم سود کی بقایا ہے اسے بالکل چھوڑ دو۔ اگر تم حقیقی اور کامل مومن ہو کیونکہ کمال ایمان کا مقتضا یہی ہے کہ جو حکم دیا جائے اس کی تعمیل کی جائے۔ (تیسیر) سدی نے کہا یہ آیت حضرت عباس بن عبدالمطلب اور بنی مغیرہ کے ایک شخص کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ بعض لوگوں نے کہا ثقیف کے کچھ لوگوں کا قریش پر قرض تھا۔ انہوں نے مول اور بیاج دونوں کا مطالبہ کیا تھا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ زمانہ جاہلیت میں مختلف طریقہ سے سرمایہ دار سود لیا کرتے تھے۔ اور یہ تو عام بات تھی کہ مقروض کو میسر نہ ہوا تو میعاد بڑھا دی اور میعاد کے ساتھ اصل رقم میں اضافہ کر دیا۔ مثلاً سو روپے قرض لئے اور ایک سال کی میعاد مقرر کی اور اس پر سود مقرر کر لیا۔ مثلاً ایک سو دس قرار دیئے۔ اب سال بھر کے بعد مقروض کو بن نہ آیا اس نے کہا چھ مہینے کی میعاد اور بڑھا دو۔ سرمایہ دار نے میعاد بڑھا دی۔ مگر قرض کی رقم کو ایک سو بیس کر دیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے سود کی ممانعت فرمائی۔ اور گذشتہ کا لیا ہوا سود درگذر فرما دیا۔ تو آئندہ کے لئے حکم جاری کر دیا کہ آئندہ کوئی سود کا مطالبہ نہ کیا جائے اور جو سود چڑھا ہوا ہے اس کو بالکل چھوڑ دیا جائے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی منع آنے سے پہلے جو لے چکے سو لے چکے اور اگلا چڑھا ہوا اب نہ مانگو (موضح القرآن) ہم نے اوپر عباس بن عبدالمطلب کے جس شریک کا ذکر کیا ہے اس کا نام تفسیر مظہری نے خالد بن الولید بتایا ہے۔ واللہ اعلم۔ اب آگے اس حکم کی تعمیل نہ کرنے والوں کو وعید سنا کر تنبیہ کرتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل) پھر اگر تم نے ایسا نہ کیا یعنی پچھلے چڑھے ہوئے سود کا مطالبہ ترک نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے ایک سخت جنگ کا یقین کرو اور اللہ و رسول کی جانب سے جنگ کا اعلان سن لو اور ہوشیار و خبردار ہو جاؤ۔ یعنی دنیا میں تمہارے خلاف جہاد ہوگا اور آخرت میں تم کو آگ کا عذاب دیا جائے گا۔ اور اگر تم توبہ کر لو تو تم کو تمہارے اصل مال پہنچتے ہیں اور تم کو اپنی اصل رقم لینے کا حق ہے۔ نہ تم سود کا مطالبہ کر کے کسی پر ظلم کرو اور نہ تم پر زیادتی اور ظلم کیا جائے کہ تمہاری اصل رقم واپس نہ کی جائے یا اس رقم میں سے دیا ہوا سود وضع کر لیا جائے۔ (تیسیر) فاذنوا۔ ذال کے زیر اور زبر دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ ہم نے تیسیر میں دونوں قراءتوں کی رعایت سے ترجمہ کر دیا ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے جنگ کے اعلان کا مطلب یہ ہے کہ رسول کی طرف سے جہاد اور

اللہ تعالیٰ کی طرف سے قیامت میں عذاب۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن سود خوار سے کہا جائے گا۔ لڑائی کے لئے اپنے ہتھیار سنبھال لے۔ عمرو بن العاص کی روایت میں ہے۔ جب کسی قوم میں سود خواری عام ہوگی تو اس پر قحط واقع ہو جائے گا اور جب کسی قوم میں رشوت خواری بڑھے گی تو اس پر ہیبت اور رعب چھا جائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ جب تم لوگ سود کھانے سے باز نہ آؤ گے اور بقایا کا مطالبہ کرو گے تو پیغمبر تم سے جہاد کرے گا۔ جیسا کہ آج بھی اگر کوئی شخص سود کھائے تو امام کو حق ہے کہ اس سے توبہ کا مطالبہ کرے اور اس کو قید کرے۔ اگر وہ توبہ نہ کرے یہاں تک کہ وہ حکم الٰہی کی طرف رجوع کرے اور اگر وہ صاحب قوت ہو اور اس کے حمایتی مزاحمت کریں اور اس کو قید ہونے سے روکیں تو ان لوگوں کے خلاف جہاد کرے۔ یہی حکم ہے ان لوگوں کے لئے جو نماز کے تارک ہوں یا زکوٰۃ کے تارک ہوں یا کسی اور فرض کے تارک ہوں یا کبائر میں سے کسی کبیرہ کے مرتکب ہوں اور کبیرہ کے ارتکاب پر اصرار کریں اور امام کے جبر کرنے پر مزاحمت کریں اور گروہ بنا کر مقابلہ کریں۔ تو ان لوگوں کا حکم باغیوں کا ہوگا اور ان کے خلاف جہاد کرنا واجب ہوگا بلکہ اگر کسی سنت متوارثہ کے ترک پر اصرار کریں اور گروہ بندی کر کے مقابلہ پر آمادہ ہو جائیں تو ان کے خلاف بھی امام کو جہاد کرنا ضروری ہوگا۔ وان تبتم کا مطلب یہ ہے کہ اگر توبہ کر لیں اور پچھلے سود کا مطالبہ ترک کر دیں تو وہ اپنی اصل رقم لے سکتے ہیں۔ اگرچہ توبہ نہ کرنے کی شکل کا یہاں صراحۃً ذکر نہیں ہے لیکن ظاہر ہے کہ اگر سود کو حرام سمجھتے ہوئے توبہ نہیں کرتے تو باغی ہیں ان پر باغیوں کے احکام جاری ہوں گے اور اگر معاذ اللہ حلال سمجھ کر توبہ نہیں کرتے تو مرتد ہوں گے۔ اور ان پر مرتدین کے احکام جاری ہوں گے۔ یہ تمام احکام کتب فقہ میں مذکور ہیں۔ نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ تم پر کوئی ظلم کرے۔ اس کا مطلب صاف ہے جیسا کہ تیسیر میں عرض کیا جا چکا ہے تم پر ظلم یہ کہ تمہاری اصل رقم نہ دلوائی جائے۔ یا لیا ہوا سود واپس دلوایا جائے اور دوسروں پر ظلم یہ کہ اصل رقم یعنی مول سے زیادہ حاصل کرو۔ اس آیت کو مسلمانان بنی مغیرہ اور بنی عمرو نے سن کر کہا۔ ہم اللہ تعالیٰ کی جناب میں توبہ کرتے ہیں ہم کو اللہ اور اس کے رسول سے لڑنے کی طاقت اور ہمت نہیں ہے چنانچہ صرف راس المال یعنی اصل رقم اور مول لینے پر راضی ہو گئے اور سود کے بقایا کا مطالبہ ترک کر دیا۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ یعنی اگلا سود لیا ہوا تمہارے اصل مال میں حساب کرے تو تم پر ظلم ہے اور منع کے بعد اگلا چڑھا سود تم مانگو تو تمہارا ظلم ہے۔ (موضح القرآن) لا تظلمون ولا تظلمون کی اس تشریح کے بعد کچھ عرض کرنے کی ضرورت نہیں۔ البتہ صاحب تفسیر مظہری نے ایک اور بات بھی کہی ہے۔ وہ یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے مطل الغنی ظلم، یعنی ہوتے ساتے قرض خواہ کو ٹالنا اور قرض کی ادائیگی میں تاخیر کرنا ظلم ہے۔ یہ جو فرمایا کہ نہ تم پر کوئی ظلم کرے۔ اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ تمہاری اصل رقم کے لوٹانے میں ہوتے ساتے کوئی تاخیر نہ کرے۔ اور تمہارے مطالبے پر فوراً تمہاری رقم ادا کر دی جائے سبحان اللہ کیا معتدل قانون ہے۔ ایک طرف مقروض سے سود لینے کو منع فرمایا تو دوسری طرف مقروض کو تاکید فرمائی کہ اگر ہوتے ساتے نہ دو گے یا قرض کی ادائیگی میں تاخیر کرو گے اور قرض خواہ کو ٹال مٹول بتاؤ گے تو ظالم قرار دیئے جاؤ گے۔ (تسہیل)

بقیہ صفحہ ۷۴

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ یعنی جب دیکھا سود موقوف ہوا اب لگو مفلس سے تقاضا کرنے۔ یہ نہ چاہیئے۔ بلکہ فرصت دو اور اگر توفیق ہو تو بخش دو۔ (موضح القرآن) اب آخر میں دوسرے احکام کو بیان کرنے سے قبل قیامت کے دن کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے اور رب العالمین کی پیشی میں حاضر ہونے کا ذکر کیا جاتا ہے تاکہ جو احکام دیئے گئے ہیں ان کی تعمیل یہ سمجھ کر کرو کہ ایک دن خدا کے سامنے جانا ہے اور وہاں ہر شخص کو اس کی کمائی کا بدلہ ملنا ہے۔ (تسہیل) ۔ اور مسلمانو! تم اس دن سے ڈرو جس دن تم سب خدا کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ اور اللہ تعالیٰ کی جناب میں حاضر کئے جاؤ گے۔ پھر اس دن ہر شخص کو اس کی کمائی اور اس کے کئے کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ہر شخص کو اپنے کئے کی پوری جزا ملے گی۔ خواہ وہ خیر ہو یا شر ہو۔ اور ان پر کسی قسم کا ظلم نہ کیا جائے گا۔ یعنی نہ اجر میں کمی اور نہ سزا میں زیادتی۔ لہٰذا تمام احکام کی تم بھی پوری پوری پابندی کیا کرو تاکہ اس دن کہیں ذلت و رسوائی نہ ہو۔ (تیسیر) قرآن مقدس کا یہ طریقہ ہے کہ وہ اوامر و نواہی کی بحث میں قیامت کا اور خدا کی پیشی میں جانے کا اور دوزخ کی ہولناکی اور جنت کی بشارت کا ذکر کرتا ہے۔ تاکہ ان چیزوں کے اثر سے طاعت کی رغبت اور معصیت کی نفرت ہو۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہ آخری آیت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ نزول آیت کے بعد جبریل نے عرض کیا یا رسول اللہ اس آیت کو سورۂ بقرہ کی دو سو اسی آیت کے بعد رکھئے۔ یعنی سورہ بقرہ میں اس آیت کا نمبر دو سو اکیاسی ہو۔ سدی نے کہا اس آیت کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صرف اکیس دن زندہ رہے بعض کا قول ہے کہ اکیاسی دن زندہ رہے واللہ اعلم۔ (تسہیل) ۔ اے ایمان والو! جب تم آپس میں ایک میعاد معین تک اُدھار اور قرض کا معاملہ کیا کرو۔ یعنی ایسا معاملہ جس میں باہم عقد کرنے والوں میں سے کسی ایک کے ذمہ دَین لازم آتا ہو تو اس معاملہ کو ایک دستاویز کی شکل میں لکھ لیا کرو۔ اور تمہارے مابین جو کوئی لکھنے والا ہو اس کو چاہیئے کہ وہ عدل و انصاف کے ساتھ لکھے یعنی مضمون میں کمی بیشی نہ کرے اور فریقین میں سے کسی کی رعایت نہ کرے اور لکھنے والا لکھنے سے انکار نہ کرے بلکہ جیسا اللہ تعالیٰ نے اس کو سکھایا ہے۔ اس کاتب کو چاہیئے کہ اس کے موافق لکھ دیا کرے اور کاتب کو دستاویز کا مضمون وہ شخص بتائے اور لکھوائے جس کے ذمہ حق کا ادا کرنا ہے۔ یعنی مدیون جس پر دَین واجب ہے خواہ وہ دَین ثمن ہو یا مبیع ہو۔ اور لکھوانے والے کو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ سے جو اس کا پروردگار ہے ڈرتا رہے اور اس حق کے لکھوانے اور بتلانے میں کچھ کمی نہ کرے بلکہ صحیح صحیح لکھوائے اور اس حق میں سے کچھ کم نہ کرے۔ پھر اگر وہ مدیون جس کے ذمہ دَین واجب ہے ناقص العقل اور خفیف العقل ہو یا کمزور ہو یعنی بہت بوڑھا یا نابالغ ہو یا وہ کسی وجہ سے خود دستاویز کا مضمون بتانے اور لکھوانے کی صلاحیت اور استعداد نہ رکھتا ہو تو ایسی حالت میں اس کا کارندہ اور مختار کار انصاف کے ساتھ ٹھیک ٹھیک لکھوا دے۔ (تیسیر) ولا یضار کاتب میں بینکم کا تعلق کاتب سے بھی ہو سکتا ہے اور ولیکتب سے بھی ہو سکتا ہے ہم نے ترجمہ میں ایک قول کی رعایت سے اور تیسیر میں دوسرے قول کی رعایت سے ترجمہ کیا ہے۔ اسی طرح کما علمہ اللہ کی ترکیب میں بھی دو احتمال تھے۔ ہم نے ایک کو اختیار کر لیا ہے جیسا کہ ہمارے لفظ بلکہ سے سمجھ میں آ سکتا ہے۔ ولا یبخس منہ کی ضمیر میں بھی دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ حق میں کمی نہ کرے دوسرا یہ کہ حق کے لکھوانے میں کمی اور کوتاہی نہ کرے۔ ہم نے تیسیر میں دونوں کی رعایت کر دی ہے۔ ولیہ میں بھی مفسرین کے دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ جس پر حق واجب ہے اس کا کارکن اور دوسرا یہ کہ مجبوری کی حالت میں صاحب حق لکھوا دے یعنی جس کا لینا ہے وہی دستاویز کا مضمون لکھوا دے۔ ہم نے پہلی صورت اختیار کر لی ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ بعض معاملات تو ہاتھ در ہاتھ ہوتے ہیں جیسے روپیہ دیا کوئی چیز لے لی۔ روپیہ دیا مکان لے لیا۔ روپیہ دیا گیہوں لے لئے۔ قیمت دی غلام خرید لیا۔ یہ نقد اور ہاتھ در ہاتھ کا سودا کہلاتا ہے۔ اس کا حکم آگے آئے گا اور بعض معاملات اُدھار اور قرض کے ہوتے ہیں جس میں عوض فی الحال نہیں ہوتا بلکہ بعد کو عوض ادا کرنے کی کوئی میعاد ہوتی ہے۔ مثلاً گیہوں لے لئے اور قیمت ایک مہینے بعد دی۔ نکاح کر لیا داخ ہو گئی اور مہر دو سال بعد دیا۔ ایک شخص ملازم رکھ کر خدمت لے لی اور تنخواہ چھٹے مہینے دی۔ اس قسم کے معاملات کا یہاں حکم بیان کیا گیا ہے۔ اس قسم کے معاملات کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ چیز فی الحال لے لی اور قیمت ادا کرنے کا کوئی وعدہ کر لیا کہ دو مہینے میں دیں گے یا چاند کی فلاں تاریخ کو دیں گے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ چیز کی قیمت فی الحال ادا کر دی اور چیز دینے کا کوئی وعدہ کر لیا کہ تین مہینے میں دیں گے یا چاند کی فلاں تاریخ کو دیں گے۔ اس کو شہر والے کم سمجھتے ہیں البتہ زمیندار اور کاشتکار خوب سمجھتے ہیں۔ اس کو بیع سلم کہتے ہیں اور کاشتکار اس کو بدنی کہتے ہیں۔ یہ بیع عام طور سے دیہات میں بہت ہوتی ہے۔ مثلاً آپ کاشتکار کو ایک بھاؤ ٹھہرا کر روپیہ بانٹ آئے اور یہ وعدہ لے آئے کہ ہم اپریل کی پندرہ تاریخ کو تم سے سو من گیہوں یا ہزار من جو یا دس من گھی لیں گے۔ اس کو بدنی کہتے ہیں اور یہ شریعت اسلامی میں بعض شرائط کے ساتھ جائز ہے۔ آیت میں ان دونوں صورتوں کا بیان ہے۔ خواہ چیز فی الحال لو اور قیمت بعد میں دو خواہ قیمت فی الحال دو اور مال بعد میں لو۔ اسی کو اذا تداینتم بدین الی اجل مسمّٰی کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ اور یہ ان تمام شکلوں کو شامل ہے جس میں دو معاملہ کرنے والوں میں سے ایک کے ذمہ حق لازم ہوتا ہو۔ خواہ ثمن کا، خواہ بیع کا اور چونکہ ادھار کا معاملہ ایسا معاملہ ہے کہ اس میں بھگتان آگے چل کر ہوتا ہے خواہ وہ بھگتان قیمت کا ہو یا وہ بھگتان شے کا ہو۔ اس لئے قرآن نے الی اجل مسمّٰی کا لفظ قانون میں بڑھایا ہے۔ یعنی میعاد صاف طور سے معین ہو کہ فلاں مہینے کی فلاں تاریخ کو بھگتان ہوگا۔ میعاد مجہول نہ ہو مثلاً یوں نہ کہے کہ جس دن مینہ برسے گا اس دن دوں گا یا جس دن آندھی آئے گی اس دن ادا کروں گا۔ یا جب فصل کٹے گی جب دوں گا۔ اور چونکہ قرض کے معاملات میں میعاد زیر بحث ہوتی ہے اس لئے تحریر کا حکم دیا۔ تاکہ آئندہ کوئی جھگڑا نہ پیدا ہو۔ اگرچہ جمہور علماء کے نزدیک یہ حکم استحبابی ہے۔ وجوبی نہیں لیکن بعض نے وجوبی کہا ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ جہاں معاملہ تھوڑا ہو اور کسی قسم کے جھگڑے اور خطرہ کا اندیشہ نہ ہو وہاں تحریر نہ کرائی جائے تو مضائقہ نہیں لیکن جہاں کسی جھگڑے کا خطرہ یقینی ہو اور کسی حقدار کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہو تو وہاں ضرور تحریر کرا لی جائے۔ اور تحریر کا معاملہ دَین ہی پر کیا موقوف ہے ہاتھ در ہاتھ کے معاملہ میں بھی اگر مصلحت کا تقاضہ ہو تو تحریر کرا لینی چاہیئے۔ مثلاً کوئی مکان نقد روپیہ لے کر خریدا لیکن یہ اندیشہ ہوا کہ کل کوئی حق دار نکل آیا یا شفیع نے قیمت کم لگا کر لینا چاہا یا فروخت کرنے والا منکر ہو گیا تو ان احتمالات کے

پیش نظر اگر ضرورت محسوس کی جائے تو دستاویز لکھوالی جائے کاتب کو جو حکم ہے وہ بھی استحبابی ہے اور اسی وجہ سے کتابت پر اجرت لینا جائز رکھا گیا ہے۔ اگرچہ بعض علماء نے واجب اور بعض نے واجب علی الکفایہ فرمایا ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ کسی بستی میں سوائے ایک کاتب کے کوئی دوسرا کاتب ہی نہ ہو اور عاقدین اس سے کتابت کا مطالبہ کریں تو اس کو انکار کرنے کا حق نہ دیا جائے اور وجوباً اس کو لکھنے کا حکم دیا جائے۔ اُدھار کی ایک شکل اور بھی ہو سکتی ہے۔ وہ یہ کہ ثمن بھی ادھار ہو اور مبیع بھی اُدھار ہو اس کو کالے بالکالے کہتے ہیں اس قسم کی بیع مختلف فیہ ہے اور حنفیہ کے نزدیک یہ بیع ناجائز ہے اور یہ اس آیت میں زیر بحث نہیں ہے۔ علیہ الحق کا مطلب یہ ہے کہ جس کے ذمہ حق کی ادائیگی ہے وہی دستاویز کا مضمون لکھوائے تاکہ اس کے اقرار سے حق ثابت ہو جائے کیونکہ حق کے لئے اقرار کا ہونا ضروری ہے اور وہ اسی طرح حاصل ہو سکتا ہے کہ جس پر حق ہے وہی دستاویز لکھوائے۔ یہاں سفیہاً کا مطلب یہ ہے کہ عقل کا ناقص۔ نیم مجنوں کبھی کچھ کہتا ہے کبھی کچھ۔ یا بوڑھا بہت ہے کہ کہتا کچھ ہے منہ سے نکلتا کچھ ہے۔ اسی طرح نابالغ کہ اس کی بات بھی ٹھکانے کی نہیں ہوتی۔ یا یہ باتیں نہ ہوں مگر وہ جس پر حق کی ادائیگی واجب ہے۔ دستاویز کا مضمون لکھوانے کی صلاحیت نہیں رکھتا ہو۔ مثلاً گونگا ہے۔ غیر ملکی ہے جو بول نہیں سکتا یا مریض ہے یا پردہ نشین عورت ہے جو کاتب کے روبرو نہیں آ سکتی یا دستاویز کی عبارت نہیں لکھوا سکتا تو اس کا کارندہ یا مختار کار یا وارث ٹھیک ٹھیک لکھوا دے۔ حضرت ابن عباس اور مجاہد کا یہ قول ہے کہ ایسی مجبوری کی حالت میں جس کا حق چاہیئے یعنی دائن اور لین دار ہی لکھوا دے اس صورت میں اگرچہ اقرار حق کا فائدہ تو حاصل نہیں ہوگا لیکن پھر بھی فی الجملہ یہ فائدہ تو حاصل ہی ہو جائے گا کہ جو چیز زبانی کہی جاتی وہ تحریر میں آجائے گی اور آئندہ نزاع کا خطرہ نہ رہے گا واللہ اعلم۔ خلاصہ یہ ہے (۱) مسلمان جب کوئی ایسا معاملہ کریں جس میں دونوں عاقدین میں سے کسی ایک کے ذمہ حق باقی رہتا ہو تو اس کے لئے ایک میعاد معین ہونی چاہیئے۔ اور اسی مقررہ میعاد پر دائن کو مدیون سے اپنا مطالبہ کرنا چاہیئے (۲) اس قسم کے معاملات کے لئے مناسب یہ ہے کہ دستاویز لکھ لی جایا کرے (۳) ہر چند کہ دستاویز کا لکھنا مستحب ہے لیکن اگر کوئی عارض اور ضرورت پیش آجائے تو امر استحبابی موکد ہو جائے گا (۴) دستاویز کا لکھنا صرف اسی قسم کے معاملات کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ ہر ایسے معاملہ کا جس میں باہمی نزاع کا خطرہ ہو تحریر کر لینا مناسب ہے (۵) جس معاملہ کے متعلق کتابت کا حکم ہوا ہے اسی کے متعلق کاتب کو یہ حکم ہے کہ وہ کتابت سے انکار نہ کرے بلکہ اللہ تعالیٰ نے جو طریقہ کتابت کا اس کو تعلیم کر رکھا ہے اس کے موافق جب ضرورت ہو لکھ دیا کرے انکار نہ کرے (۶) دستاویز کا مضمون لکھوانے کی ذمہ داری اس شخص پر ہے جو مدیون ہے خواہ قیمت کی ادائیگی کا اس پر حق ہو یا مبیع کی ادائیگی کا (۷) دستاویز کا مضمون لکھوانے والے کو یہ بھی حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور حق والے کے حق میں کوئی کمی نہ کرے اور لکھوانے میں اس کو نقصان نہ پہنچائے (۸) اگر سوئے اتفاق سے دستاویز لکھوانے والا اس قابل نہ ہو تو اس کا مختار یا وارث یا کارندہ لکھوا دے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایسی مجبوری کی حالت میں کہ جب مدیون لکھوانے کی اہلیت ہی نہیں رکھتا تو دستاویز کا مضمون دائن ہی لکھوا دے (۹) آیت سے اگرچہ ہر معاملہ دین کی کتابت کا حکم مفہوم ہوتا ہے۔ جیسے بیع اور بیع سلم اور اجارہ اور قرض بلکہ نکاح اور خلع اور صلح وغیرہ کو بھی تداین کا مفہوم شامل ہے۔ لیکن حضرت عبداللہ بن عباس نے اس آیت سے بیع سلم یعنی بدنی کو مراد لیا ہے۔ اور بظاہر یہی مناسب بھی ہے کیونکہ اوپر کی آیتوں میں سود کو حرام فرمایا تھا جو ظاہری اعتبار سے نقصان دہ سمجھا جاتا ہے۔ اس لئے اس کی حرمت کے ساتھ بیع سلم کی حلت کا اظہار فرمایا۔ اور منشا یہ ہے کہ ہم نے سود کو حرام کیا تو اس کی حرمت پر ایمان لاؤ اور اس سے اجتناب کرو۔ ہم تم کو بیع سلم کی اجازت دیتے ہیں اگر تم دولت ہی کمانی چاہتے ہو تو بیع سلم سے کماؤ۔ یہ بیع تمہارے لئے حلال ہے اور اس میں نفع کی بہت امید ہے۔ عبداللہ بن عباس کی اس روایت کی بنا پر عام طور سے مفسرین نے یہاں بیع سلم سے بحث کی ہے بیع سلم کو ہم بتا چکے ہیں کہ اس کو ہماری اصطلاح میں بدنی کہتے ہیں (۱۰) بدنی یا بیع سلم کے مسائل کتب فقہ سے معلوم کئے جا سکتے ہیں یہاں صرف اتنی بات یاد رکھنی چاہیئے کہ بیع سلم ان چیزوں میں جو کیلی ہوں یا وزنی ہوں جائز ہے بلکہ جو چیزیں گنتی سے فروخت ہوتی ہیں ان میں بھی جائز ہے بشرطیکہ ان معدودات میں زیادہ فرق نہ ہو یعنی کوئی چھوٹا کوئی بڑا نہ ہو۔ وزنی چیزوں میں سونا چاندی شامل نہیں ہے۔ اور بیع سلم اسی بیع کو کہتے ہیں جو موجل ہو۔ یعنی مبیع بعد میں ادا کی جائے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کی سات شرطیں ہیں جن کا عقد کے وقت ذکر کرنا ضروری ہے۔ (۱) جنس معلوم ہو۔ مثلاً گیہوں۔ چنا۔ باجرہ وغیرہ۔ (۲) نوع معلوم ہو۔ یعنی سفید ہو یا لال ہو۔ کھجور برنی ہو یا غیر برنی ہو وغیرہ (۳) صفت معلوم ہو یعنی تازی ہو گی یا پرانی ہو گی۔ اعلیٰ درجے کی ہو گی یا اوسط درجے کی ہو گی۔ (۴) مقدار معین ہو۔ دس سیر ہو گی یا من بھر ہو گی (۵) مدت معین ہو مثلاً دو ماہ میں یا چار ماہ میں ادا کرنی ہو گی۔ (۶) راس المال کی مقدار کا اظہار۔ (۷) اور اس مکان اور مقام کا نام جہاں مال سپرد کیا جائے گا بعض شرطوں کے متعلق امام صاحب اور صاحبین میں اختلاف بھی ہے جو کتب فقہ سے معلوم ہو سکتا ہے۔ اب آگے قانون کی اور دفعات کا بیان ہے (تسہیل)

بقیہ صفحہ ۷۵

یہاں اجل سے وہ مدت مراد ہے جو آپس میں عاقدین کے مابین طے ہو۔ اور چونکہ دستاویز آئندہ کے لئے معاملہ کی شرائط وغیرہ کو مستحضر کرنے میں مفید ہوتی ہے اور دستاویز کو پڑھ کر وہ باتیں یاد آجاتی ہیں جو معاملہ کے وقت طے ہوئی تھیں اور اس طرح باہمی نزاع اور جھگڑا نہیں بڑھتا اور مسلمانوں میں باہم منازعت نہیں پیدا ہوتی۔ ایسی چیز جو مسلمانوں کو باہم جھگڑنے سے روکتی ہو اس کے لکھنے سے اکتانا یا اس میں سستی نہیں کرنی چاہیئے۔ بلکہ جب کوئی ایسا معاملہ لکھنے کو کہے اور تم کو لکھنا آتا ہو تو اس کو لکھ دیا کرو اب آگے قانون کی مصلحت اور بعض صورتوں کا استثنا ذکر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل) یہ لکھ لینا اللہ کے نزدیک بہت انصاف کی بات ہے یعنی انصاف کو خوب قائم رکھنے والا ہے۔ اور گواہی کے لئے بہت معین و مددگار ہے۔ اور شہادت کا خوب درست رکھنے والا ہے اور یہ لکھ لینا اس بات سے قریب تر ہے اور اس امر کے لائق ہے کہ تم یعنی گواہ۔ حاکم اور صاحب حق کسی شک و شبہ میں نہ پڑ جاؤ۔ لہٰذا ان مصالح کا لحاظ رکھتے ہوئے دین کے معاملہ کو قلم بند کر لینا ہی بہتر اور اچھا ہے مگر ہاں کوئی سودا نقد اور دست بدست ہو جس کا تم آپس میں لین دین کیا کرتے ہو اور روزمرہ لیتے دیتے رہتے ہو تو اس قسم کی تجارت اور لین دین کے نہ لکھنے میں تم پر کوئی الزام اور کوئی ضرر نہیں۔ ہاں اس قسم کی خرید و فروخت میں بھی احتیاطاً گواہ کر لیا کرو۔ اور دیکھو نہ تو کسی کاتب کو نقصان پہنچایا جائے اور نہ کسی گواہ کو تکلیف پہنچائی جائے اور اگر تم ایسا کرو گے یعنی کاتب کو یا گواہ کو تکلیف پہنچاؤ گے تو یہ تمہارے لئے گناہ کی بات ہے اور اس میں تم گنہگار ہو گا۔ اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو یعنی اس کے احکام کی مخالفت نہ کرو اور اللہ تعالیٰ تم کو ایسے مفید احکام کی تعلیم دیتا ہے جو تمہارے لئے دنیا میں بھی سودمند ہیں اور دین میں بھی اور اللہ تعالیٰ سب چیزوں کا جاننے والا اور ہر شے سے واقف ہے (تیسیر) لا یضار کا ایک مطلب تو وہ ہے جو ہم نے بیان کیا مگر دوسرے معنی اور بھی ہو سکتے ہیں۔ یعنی نہ کاتب نقصان پہنچائے اور نہ گواہ۔ پہلے معنی بنا بر معقول ہیں اور دوسرے معنی بنا بر عاقل ہیں۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے جو دین کے معاملات کی کتابت کا حکم دیا تو اس میں تمہارے بھلے کی بات ہے۔ اول تو یہ کہ اللہ کے نزدیک یہ بڑے انصاف کی بات ہے اور اس سے انصاف خوب قائم رہتا ہے۔ اور تحریر کی وجہ سے کسی کی حق تلفی نہیں ہو سکتی دوئم شہادت دینے میں یہ تحریر خوب مدد پہنچاتی ہے۔ شاید اس تحریر کو دیکھ کر واقعہ یاد کر لیتا ہے۔ اس طرح یہ تحریر شہادت کو مضبوط کرنے میں مفید ہوتی ہے سوئم یہ کہ تحریر کی موجودگی میں نہ گواہ شبہ میں پڑ سکتا ہے نہ حاکم اور نہ لین دار کو کوئی شبہ ہو سکتا ہے اور نہ دین دار کسی شک میں پڑ سکتا ہے۔ لہٰذا جب دستاویز بھی ہو اور گواہی دینے والے گواہ بھی ہوں، تو صاحب حق کا حق ثابت ہونے میں کوئی خطرہ باقی نہیں رہ سکتا۔ اور انصاف طلب کرنے والے کو صحیح انصاف مل سکتا ہے۔ اس کے بعد یہ شبہ ہوتا تھا کہ اگر کتابت اس قدر مفید ہے تو کیا ہر چھوٹا بڑا معاملہ جو صبح سے شام تک ہم لیتے دیتے رہتے ہیں وہ بھی تحریر میں آیا کرے۔ مثلاً چار آنے کے آلو لائیں تو وہ بھی لکھوائیں اور آٹھ آنے کی پیاز لائیں تو وہ بھی لکھی جائے۔ حضرت حق تعالیٰ نے اس قسم کے دست بدست لین دین کو مستثنیٰ قرار دیا اور فرمایا۔ الا ان تکون تجارۃ حاضرۃ تدیرونھا بینکم۔ تجارت حاضرہ کا مطلب یہی ہے کہ آمنے سامنے کا لین دین جو تم میں روزمرہ دائر ہے۔ اس قسم کے لین دین کی کتابت ضروری نہیں۔ نہ تم پر کوئی الزام ہے اور نہ کسی نقصان کا اندیشہ ہے۔ ہاں اس قسم کے معاملات میں بھی گواہ کر لیا کرو تو احتیاطاً اچھا ہے۔ کیونکہ اس قسم کا اندیشہ تو بہرحال ہے ہی کہ کل کلاں کو کوئی بات نکل آئے دکان دار کہنے لگے مجھے پیسے وصول نہیں ہوئے یا میں نے تو یہ مال نہیں فروخت کیا بلکہ جو میں نے فروخت کیا تھا وہ دوسرا مال تھا۔ یا میں نے خیار عیب کی شرط نہیں لگائی تھی۔ اسی طرح مشتری کہنے لگے کہ میں تو جا کر یعنی خیار شرط کے ساتھ لے گیا تھا۔ یا مجھ کو ابھی پورا مال نہیں ملا۔ بہرحال اس قسم کے نزاع کا خطرہ رہتا ہے اس لئے اگر ہر سودے پر گواہ کر لو تو اچھا ہے۔ کاتب اور گواہ کو ضرر نہ پہنچانے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے شغل کا خیال نہ کیا جائے اور اپنے کام کے لئے ان کو مجبور کیا جائے یا کاتب کو کتابت کی اجرت نہ دی جائے یا اجرت کے لئے اس کو پریشان کیا جائے یا ایک مقدمہ میں کئی گواہ ہوں اور ایک گواہ بیمار ہو یا کمزور ہو یا کسی کام میں مشغول ہو اور وہ کہے دوسرے گواہ کو لے جاؤ اور تم کہو کہ نہیں تم ہی چلو اور میری شہادت دو یا گواہ کے آنے جانے کا خرچ اس کو نہ دیا جائے اور کاتب اور گواہ کا نقصان پہنچانا یہ کہ دستاویز میں کمی بیشی کر دے یا باوجود فرصت کے کتابت سے انکار کر دے یا اجرت بہت زیادہ

طلب کرے گواہ کا نقصان یہ کہ گواہ زیادہ نہ ہوں اور صرف دو ہی گواہ ہوں۔ پھر گواہی سے عذر کریں یا کوئی کام نہ ہو پھر بہانہ کریں۔ بہرحال ہم نے دونوں معنی کر دیئے ہیں اور دونوں کی گنجائش ہے اگرچہ پہلے معنی کو بعض حضرات نے ترجیح دی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نہ کاتب اور گواہ اہل معاملہ کو تکلیف پہنچائیں اور نہ اہل معاملہ کی جانب سے کاتب کو اور گواہ کو کوئی ضرر پہنچایا جائے۔ بہرحال یہ ضرر جس کی طرف سے بھی ہو گناہ اور فسق کی بات ہے اور یہ جو فرمایا کرنہ لکھنے میں الزام نہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی دنیوی نقصان کا اندیشہ نہیں۔ ورنہ ظاہر ہے کہ اس رکوع میں ہر امر استحبابی ہے اور روزمرہ کا لین دین جس کو تجارت حاضرہ فرمایا ہے اس میں کتابت کا حکم نہ دینا آسان اور تکلیف سے بچانے کی غرض سے۔ خلاصہ یہ کہ یہ پورا قانون مسلمانوں کو باہمی منازعت اور آپس کے جھگڑوں سے بچانے کے لئے ہے۔ اگر کہیں اس قسم کا اندیشہ نہ ہو یا ضعیف ہو تو وہاں کتابت کی ضرورت نہ ہوگی۔ اور کسی معاملہ میں باہمی نزاع کا خطرہ قوی ہو خواہ وہ تجارت حاضرہ ہی کیوں نہ ہو تو وہاں کتابت اور شہادت کا اہتمام نافع اور مفید ہوگا۔ آخر میں بندوں کو قوانین کی بے اعتنائی سے ڈرایا ہے اور اپنے احسان کا اظہار کیا ہے کہ اس قسم کے قوانین جس میں تمہارے دین اور تمہاری دنیا کے مصالح مضمر ہیں۔ ہم نے تم کو تعلیم کئے ہیں۔ کیونکہ ہم ہی تمہارے دین و دنیا کے نشیب و فراز کو جانتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں اس آیت میں دو چیز کی تقید فرمایا ایک تو دو کے معاملہ کو لکھنا کہ اس میں کبھر تصفیہ نہ ہو اور اپنے تئیں شبہ نہ پڑے اور شاہد کو دیکھ کر یاد آوے۔ دوسرے شاہد کر لینا ہر معاملہ پر دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں جن کو ہر کوئی پسند رکھے اور تقید فرمایا کہ تو نویسندہ اور شاہد نقصان کسی کا نہ کریں۔ جو حق واجبی ہے سو ہی ادا کریں۔ اور لکھنے میں جو دینے والا اپنی زبان سے کہے سو لکھیں یا اس کا کوئی بزرگ کہے اگر اس کو عقل نہ ہو۔ (موضح القرآن) حضرت شاہ صاحبؒ نے پوری آیت کا خوب خلاصہ نکالا ہے۔ چونکہ کوئی بات اس میں نئی اور زائد نہیں ہے اس لئے اس پر کچھ عرض کرنے کی ضرورت نہیں۔ اب آگے شہادت اور رہن بالقبض کے بارے میں ارشاد ہے (تسہیل) اف

بقیہ صفحہ ۷۶

حالانکہ زبان کا پاس اور صاحب حق کا اعتبار دستاویز اور رہن وغیرہ سے کہیں بڑھ کر ہے۔ اور یہ جو فرمایا شہادت کا اخفا نہ کیا کرو اس کا مطلب یہ ہے کہ شہادت غلط دے دو یا بالکل ہی شہادت نہ دو۔ اس طرح اصل معاملہ مخفی ہو جائے گا۔ اور ایسا کرنے والا کتمان شہادت کا مجرم ہوگا۔ اگر گواہ کو گواہی کے لئے طلب کیا جائے اور یہ جانتا ہو کہ میری گواہی نہ ہونے سے کسی حق دار کا حق ضائع ہو جائے گا تو اس کو گواہی دینا فرض ہے جیسا کہ ہم ولا یاب الشہداء میں اشارہ کر چکے ہیں اور اگر کسی صاحب حق کو یہ معلوم نہ ہو کہ فلاں شخص کو میرا معاملہ معلوم ہے تو وہ شخص جس کو معاملہ معلوم ہے اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ اگر میں شہادت نہ دوں گا تو صاحب حق کا حق مارا جائے گا خود جا کر صاحب حق کو بتا دے کہ مجھے آپ کے حق کا علم ہے آپ اگر چاہیں تو مجھ کو شہادت کے لئے طلب کر سکتے ہیں۔ اس کہنے کے بعد اگر صاحب حق اس کو گواہی میں طلب نہ کرے تو پھر اس گواہ پر یہ واجب نہیں کہ خود قاضی کی عدالت میں جا کر شہادت دے اور چونکہ ادائے شہادت واجب ہے اس لئے اس پر کوئی اجرت حاصل کرنا بھی ناجائز ہے۔ البتہ سواری کا کرایہ یا ریل کا خرچ لیا جا سکتا ہے۔

نفس شہادت کی کوئی اجرت نہیں لی جا سکتی۔ اور یہ جو فرمایا فانہ اٰثم قلبہ یہ اس لئے کہ قلب افضل اعضائے انسانی میں رئیس الاعضاء ہے اس لئے گناہ کی نسبت اس کی طرف کی تاکہ گناہ کی اہمیت معلوم ہو۔ نیز اس لئے کہ قلب ارادہ نہ کرتا تو زبان کیوں جھوٹ بولتی اور کسی چیز کا اخفا اور چھپا لینا یہ کام ہے بھی قلب کا۔ اور اس لئے بھی کہ یہ نہ سمجھا جائے کہ جھوٹی گواہی سے صرف زبان ہی گناہگار ہوتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں بنی آدم کے جسم میں ایک لوتھڑا اور مضغہ ہے اگر وہ درست ہے تو تمام جسم صحیح اور درست رہتا ہے اور اگر وہ خراب ہو جائے تو پھر تمام جسم خراب ہو جاتا ہے۔ سن لو وہ لوتھڑا قلب ہے۔ اس روایت کو شیخین نے نقل کیا ہے۔ قلب کی اہمیت جسمانی اطبا کے نزدیک بھی مسلم ہے۔ اس لئے وہ عام طور سے قلب کی اصلاح کے درپے رہتے ہیں اور روحانی اطبا کو بھی قلب کی فکر رہتی ہے اور یہی وہ مقام ہے جہاں روحانیت اور مادیت دونوں کی تقسیم صاف سمجھ میں آجاتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام اور علمائے کرام اور مشائخ عظام بھی قلب سے بحث کرتے ہیں اور ڈاکٹر اور طبیب وغیرہ بھی قلب سے بحث کرتے ہیں۔ لیکن ایک کا مقصد قلب کی اصلاح سے روحانی اصلاح مراد ہوتی ہے اور دوسرے فریق کا مقصد قلب کی اصلاح اور تقویت سے جسم کی اصلاح مقصود ہوتی ہے۔ حالانکہ جسم فانی ہے اور روح باقی ہے۔ آج کل ہماری توجہ ان اطباء کی طرف زیادہ ہے جو فانی چیز کو کچھ دنوں کے لئے سنبھالتے اور درست رکھتے ہیں اور جن کا علاج بھی عارضی اور اس سے حاصل شدہ صحت بھی عارضی اور ان اطباء کی طرف ہماری توجہ کم ہے جو روح کے معالج ہیں اور جن کی اصلاح اور سنبھال دائمی زندگی بخشنے والی ہے۔ بہرحال اس تفصیل اور تقسیم کو یاد رکھنے کی ضرورت ہے۔ یہ بات آپ کو تمام قرآن کی تفسیر میں روشنی دے گی۔ اور قرآن کا سمجھنا آپ کے لئے سہل ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ۔ تفسیر مظہری نے بعض حضرات سے نقل کیا ہے کہ قلب کے گناہگار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ قلب مسخ ہو جاتا ہے اور یہ ہو سکتا ہے کیونکہ ہر گناہ قلب کی روحانیت کو ضرر پہنچاتا ہے۔ قلب سے نیکی کی توفیق کا سلب ہو جانا اس کا مسخ ہو جانا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں اکبر الکبائر یعنی بڑے گناہوں میں سب سے بڑے گناہ ایک تو اللہ کے ساتھ شرک کرنا ہے۔ دوسرے جھوٹی شہادت دینا ہے تیسرے شہادت کو چھپانا ہے۔ آیت کا آخری جملہ واللہ بما تعملون علیم۔ اگرچہ عام ہے لیکن اس میں خاص اشارہ بھی ہے کہ ہم تمام اعمال کو جانتے ہیں خواہ وہ تمہارے جوارح اور اعضاء ظاہری سے متعلق ہوں اور خواہ ان اعمال کا تعلق تمہارے قلوب سے ہو ہم سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔ اب آگے کی آیت میں ان ہی اعمال کی مزید تحقیق ارشاد فرماتے ہیں تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ قلب کے افعال و اعمال میں سے وہ کون سی چیزیں ہیں جو اللہ کے نزدیک قابل مواخذہ ہیں اور وہ کون سی چیزیں ہیں جو قابل درگذر ہیں۔ سورۂ بقرہ میں جس کثرت کے ساتھ عقائد و اعمال کا ذکر آیا ہے اور ذات و صفات پر جو دلیلیں بیان کی گئی ہیں اور احکام کا فلسفہ جس خوبی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور تمثیلات اور امم سابقہ کے حالات و واقعات کو جس طرح ظاہر کیا گیا ہے ان سب کا لحاظ رکھتے ہوئے سورۂ بقرہ کا اختتام بھی ایسی جامع آیات کے ساتھ فرمایا ہے جن کی خوبیاں بیان کرنے سے ہماری یہ تفسیر عاجز اور قاصر ہے۔ (تسہیل) جو مخلوق آسمانوں میں ہے اور جو مخلوق زمین میں ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہے اور تمام کائنات اسی کی مملوک ہے اور جو باتیں تمہارے دلوں میں

ہیں تم اپنے جی کی ان باتوں کو اگر ظاہر کر دو یا ان کو دل ہی دل میں پوشیدہ رکھو۔ دونوں حالتوں میں اللہ تعالیٰ تم سے ان باتوں کا حساب لے گا۔ اور حساب لینے کے بعد جس کو بخشنا چاہے گا بخش دے گا اور جس کو عذاب کرنا اور سزا دینا منظور ہوگا اس کو عذاب کرے گا اور سزا دے گا اور اللہ تعالیٰ ہر شے پر پوری طرح قادر ہے۔ خواہ وہ اپنی مخلوق میں سے کسی کو معاف کر دے یا کسی کو سزا دے۔ (تیسیر) بعض مفسرین نے ما فی انفسکم سے مراد کتمان شہادت لی ہے لیکن آیت اپنے مفہوم کے اعتبار سے عام ہے اور قرائن سے بھی یہی صحیح ہے۔ روایات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو اس کے ظاہری عموم سے صحابہ کرام سخت پریشان ہوئے اور انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ اب تک تو ہم یہی سمجھتے تھے کہ افعال اختیاریہ پر مواخذہ اور محاسبہ ہوگا۔ اب اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان افعال قلبیہ پر بھی محاسبہ ہوگا جو ہمارے اختیار اور ہماری طاقت سے باہر ہیں اور جن کے روکنے پر اور جن سے بچنے پر ہم کو کوئی دسترس نہیں ہے۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ازراہ شفقت و محبت آیت کے ظاہری مفہوم کے پیش نظر ان صحابہ سے فرمایا کیا تم اہل کتاب کی طرح سمعنا و عصینا کہنے کا ارادہ کرتے ہو یعنی ہم نے سنا اور سن کر نہیں قبول کیا بلکہ تمہاری شان تو یہ ہونی چاہیئے کہ یوں کہو سمعنا واطعنا غفرانک ربنا والیک المصیر چنانچہ صحابہ نے یہی الفاظ کہے اور سمع و اطاعت کا اعلان کیا اس پر آگے کی آیتیں نازل ہوئیں اس واقعہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ آیت کے مفہوم کو عام سمجھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کی موافقت کی اگرچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آیت کے صحیح مفہوم سے واقف تھے اور آپ کو آیت کا صحیح مطلب معلوم تھا۔ اور آپ جانتے تھے کہ آیت کا مفہوم اگرچہ عام ہے لیکن غیر اختیاری افعال مراد نہیں ہیں۔ پھر بھی صحابہ کی دل جوئی اور رعایت شفقت کا لحاظ رکھتے ہوئے آپ نے آیت کو ظاہری مفہوم پر حمل کیا اور صحابہ کو تسلی دی اور سمجھایا کہ اہل کتاب کی روش اختیار نہ کرو بلکہ سمع و طاعت جو مسلمانوں کا طریقہ ہے اسے اختیار کرو اور خدا تعالیٰ سے مغفرت کی التجا کرو۔ آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح ظاہری اعضاء یعنی ہاتھ، پاؤں، کان، آنکھ، زبان وغیرہ کے افعال دو قسم کے ہوتے ہیں۔ بعض اختیاری، بعض غیر اختیاری۔ اسی طرح اعمال قلبیہ کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک اختیاری اور ایک غیر اختیاری۔ مثلاً اپنے ارادے سے کسی کو مارنا، گالی دینا، جھوٹ بولنا، شراب پینا، غیبت کرنا وغیرہ یہ سب افعال اختیاری ہیں۔ اور بلا کسی قصد کے کوئی بات منہ سے نکل جائے یا بلا قصد ہاتھ کی حرکت غلط ہو جائے یا کہنا کچھ چاہتا ہو اور منہ سے کچھ اور نکل جائے اس قسم کے تمام افعال کو غیر اختیاری کہتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ افعال اختیاری پر تو مواخذہ ہے لیکن غیر اختیاری افعال پر مواخذہ نہیں ہے۔ یہی حالت انسانی قلوب کی بھی ہے۔ مثلاً ریا، نفاق، کبر، عجب، حسد، کینہ، دنیا کی محبت وغیرہ یہ وہ اعمال ہیں جو قلب کی طرف منسوب ہوتے ہیں اور چونکہ دل صدہا خطرات و وساوس کی گزرگاہ بھی ہے اس لئے بہت سے فاسد خیالات اس میں آتے اور نکل جاتے ہیں اور کبھی جم بھی جاتے ہیں۔ اور آہستہ آہستہ قوی ہو کر پختہ ارادہ بن جاتے ہیں اس پختہ ارادہ کو عزم گناہ کہتے ہیں۔ قلب انسانی کے یہ تمام اعمال خواہ وہ خیالات و وساوس ہوں یا وہ ریا اور نفاق اور کبر و حسد ہوں اور خواہ وہ کسی گناہ کے عزائم ہوں یہ سب ما فی انفسکم میں داخل ہیں۔ اور ان سب پر محاسبہ کا اعلان ہے۔ البتہ

وہ خیالات و وساوس جو آئے اور نکل گئے۔ اور دل ان پر جما نہیں وہ قابل عفو ہیں۔ جیسا کہ آگے کی آیت میں اس کی وضاحت آجائے گی۔ وہ خیالات جو آتے جاتے رہتے ہیں اور جو دل میں جگہ پکڑنے کے بعد عزم بن جاتے ہیں ان کی پانچ قسمیں ہیں اور یہ سب قصد و ارادے کے مراتب ہیں۔ جن کے نام درجہ بدرجہ رکھے گئے ہیں۔ قصد کا پہلا درجہ ہاجس ہے۔ دوسرا خاطر۔ تیسرا حدیث النفس۔ چوتھا ہم پانچواں عزم۔ ان پانچوں کو بعض حضرات نے نظم بھی کر دیا ہے۔ ملاحظہ ہو:۔

مراتب القصد خمس هاجس ذکروا
وخاطر فحديث النفس فاستمعا
يليه همّ فعزم كلها رفعت
سوى الاخير ففيه الاخذ قد وقعا

مطلب یہ ہے کہ سوائے عزم اور پختہ ارادے کے باقی سب قابل معافی ہیں۔ ان تبدوا کا مطلب یہ ہے کہ کبھی دل کی بات دل ہی میں رہتی ہے مگر کبھی انسان کی زبان اور ہاتھ پاؤں سے ظاہر ہو جاتی ہے۔ مثلاً دل میں کفر کا عزم کیا پھر کفر کا اظہار بھی کر دیا۔ دل میں تکبر تھا پھر اس کو زبان سے ظاہر بھی کر دیا۔ دل میں کسی مسلمان کو مارنے کا ارادہ کیا پھر ہاتھ سے اس کو مار بھی دیا۔ دل میں شراب پینے کا عزم کیا پھر شراب کو منہ سے پی بھی لیا۔ دل سے کسی بری مجلس میں جانے کا ارادہ کیا پھر پاؤں سے چل کر اس مجلس میں شریک بھی ہو گیا۔ یہ سب صورتیں مافی انفسکم کے ظاہر کرنے کی ہیں۔ تخفوہ کا یہ مطلب ہے کہ دل ہی میں یہ باتیں رہیں اور ان کا ظہور نہیں ہوا۔ اگر ظہور نہ ہو تب بھی ان سب باتوں کا محاسبہ ہو گا۔ سوائے ان چار قسموں کے خیالات کا یعنی ہاجس۔ خاطر۔ حدیث النفس اور ہم کہ یہ قابل عفو ہیں اور ان کا مواخذہ نہ ہو گا۔ جو کچھ احقر نے عرض کیا ہے اس سب کا حاصل یہ ہے (۱) اعضاء ظاہری سے بعض اعمال کا صدور اختیاری ہے۔ بعض کا غیر اختیاری (۲) افعال قلوب کی بھی دو قسمیں ہیں۔ بعض اختیاری اور بعض غیر اختیاری (۳) افعال اختیاریہ پر محاسبہ اور مواخذہ ہو گا۔ (۴) افعال غیر اختیاریہ خواہ وہ جوارح سے صادر ہوں، خواہ قلب ان کی گذرگاہ ہو وہ قابل عفو اور لائق درگذر ہیں۔ (۵) آیت کے ظاہری عموم سے یہ آیت بعض طبائع پر شاق ہوئی جس سے لوگ گھبرائے اور دربار رسالت میں مودب ہو کر اپنی پریشانی کا اظہار کیا (۶) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی آیت کو اس کے ظاہر پر محمول فرمایا۔ (۷) آیت کا ظاہر پر محمول فرمانا یہ آپ کی غایت شفقت اور غایت محبت پر مبنی تھا اور ایسا ہوتا ہے بعض اور مواقع پر بھی ہوا ہے۔ جیسا کہ استغفر لهم او لا تستغفر لهم کی آیت میں انشاء اللہ آجائے گا۔ وہاں بھی شوق استغفار کی وجہ سے آپ نے ظاہری مفہوم کا اعتبار کیا اور ستر مرتبہ سے زائد استغفار کرنے کا اظہار فرمایا۔ (۸) جن لوگوں کی طبیعت پر شاق ہوا تھا ان کو تسلی دے کر سمع و طاعت کی تاکید فرمائی جو اس امت کے مسلمانوں کی ایک امتیازی شان ہے (۹) آگے آیت میں پیغمبر اور مسلمانوں کی تعریف ہے اور ان کی وفاداری کو سراہا گیا ہے (۱۰) آخری آیت میں اس آیت کی توضیح اور مضمون کی وضاحت فرما کر اس غلط فہمی کو دور کیا گیا ہے جس کے باعث عام طبائع گرانی محسوس کر رہے تھے۔ (۱۱) اس وضاحت کو بعض مفسرین نے نسخ فرمایا ہے اور اس آخری آیت کو اس زیر بحث آیت کا ناسخ قرار دیا ہے حالانکہ وہ ناسخ نہیں ہے۔

بلکہ جو معنی مخفی تھے ان کو اس آخری آیت نے واضح کر دیا ہے۔ واللہ اعلم۔ حدیث میں آتا ہے۔ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ نے میری امت سے محض دل کی باتوں کو جب تک وہ زبان سے نہ کہیں یا اس پر عمل نہ کریں درگذر فرما دیا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یہاں سے معلوم ہوا کہ دل کے خیال پر بھی حساب ہو گا۔ یہ سن کر اصحاب نے حضرتؐ سے عرض کیا۔ یہ حکم سخت مشکل ہے۔ فرمایا کہ بنی اسرائیل کی طرح انکار مت کرو بلکہ قبول رکھو اور اللہ سے مدد چاہو۔ پھر لوگوں نے کہا کہ ہم ایمان لائے اور قبول کیا۔ اللہ کے یہاں یہ بات پسند ہوئی تب اگلی دو آیتیں اتریں۔ ان میں حکم آیا کہ مقدور سے باہر کی چیز کی تکلیف نہیں۔ اب جو کوئی دل میں خیال گناہ کا کرے اور عمل میں نہ لاوے اس کو گناہ نہیں لکھتے (موضح القرآن) سلف کے مفسرین سے مختلف اقوال منقول ہیں۔ بعض نے کہا یہ آیت منسوخ ہے اور آگے کی آیتیں اس کی ناسخ ہیں۔ بعض نے کہا ناسخ نہیں بلکہ مراد کی وضاحت کرنے والی ہیں اور سلف کے بزرگ اس قسم کی آیات کو بھی جو مراد کو واضح کرنے والی ہوتی ہیں ناسخ کہہ دیا کرتے ہیں۔ ورنہ یہ حقیقی نسخ نہیں ہے۔ کیونکہ نسخ احکام میں جاری ہوتا ہے اخبار میں نہیں بعضؒ کا خیال ہے کہ یہ آیت محکم ہے اور اس کا عام مفہوم اپنی حالت پر باقی ہے۔ مافی انفسکم پر حساب ہو گا۔ اگرچہ قلوب کے غیر اختیاری اعمال پر صرف حساب یسیر ہو گا۔ حساب مناقشہ نہیں ہو گا۔ حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ بندوں سے فرمائے گا کہ جو اعمال تم ظاہر میں کرتے تھے نامۂ اعمال کی کتاب میں میرے لکھنے والوں نے وہی لکھے ہیں اور جو کچھ تم اپنے دلوں میں پوشیدہ رکھتے تھے میں آج تم سے اس کا حساب لوں گا۔ اور جس کو چاہوں گا بخش دوں گا۔ اور جس کو چاہوں گا عذاب دوں گا۔ حضرت ابن عباس کے قول کا مفاد بھی اسی قدر معلوم ہوتا ہے کہ قلوب کی اختیاری اور غیر اختیاری اعمال پر محاسبہ ہو گا اور ہو سکتا ہے کہ غیر اختیاری پر صرف حساب یسیر ہو اور اختیاری پر حساب مناقشہ ہو واللہ اعلم۔ صحیح تحقیق ہماری نظر میں وہی ہے جو ہم نے اوپر نقل کی ہے اور وہی اپنے اکابر کی تحقیق ہے (تسہیل)

رسول یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب جو کچھ ان کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا وہ رسول اس کی تصدیق کرتے اور اس کے حق ہونے پر ایمان رکھتے ہیں اور مسلمان بھی اس نازل شدہ چیز کے حق ہونے پر ایمان لاتے اور اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ رسول اور مسلمان سب کے سب اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان اور اعتقاد رکھتے ہیں اور وہ کہتے ہیں ہم اس کے رسولوں پر ایمان لانے میں کسی رسول کی تفریق نہیں کرتے کہ کسی کو مانیں اور کسی کو نہ مانیں کسی کو پیغمبر سمجھیں اور کسی کو پیغمبر نہ سمجھیں اور ان سب یعنی رسول اور مومنین نے یوں کہا۔ ہم نے آپ کا فرمان سنا اور تمام احکامات کو بخوشی مانا اور رغبت کے ساتھ قبول کیا۔ اے ہمارے پروردگار! ہم آپ کی مغفرت اور بخشش کے خواہش مند ہیں۔ ہماری مغفرت فرما دیجئے اور ہم سب کی بازگشت آپ ہی کی طرف ہے اور ہم سب کو آپ ہی کی طرف لوٹنا ہے۔ (تیسیر) ما انزل الیہ من ربہ سے مراد یا تو قرآن ہے یا قرآنی اوامر و نواہی ہیں اور ہو سکتا ہے کہ جو احکام سورۂ بقرہ میں بیان ہوئے ہیں وہ مراد ہوں مثلاً نماز۔ زکوٰۃ۔ صیام۔ احکام حج اور جہاد حیض اور طلاق۔ اور ایلا کا حکم وغیرہ۔ مطلب یہ ہے کہ مسلمان قرآن کو کلام الٰہی مانتے ہیں اور جو احکام نازل ہوتے ہیں اس پر ایمان لاتے ہیں اور قرآن کے حق ہونے پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ اس اعلان کے بعد قرآن پر اعتقاد رکھنے کی تفصیل بیان فرمائی تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ کن کن چیزوں پر اعتقاد رکھنے اور ایمان لانے کو قرآن پر ایمان لانا کہتے ہیں۔ اس سلسلہ میں یہاں چار باتیں فرمائیں۔ اول اللہ تعالیٰ پر یعنی اس کی توحید اور اس کی ذات و صفات پر ایمان رکھنا۔ دوسرے فرشتوں پر یعنی وہ خدا کے بندے اور اس کے مطیع و فرمانبردار اور اس کے برگزیدہ ہیں۔ تیسرے تمام کتب سماویہ پر کہ وہ سب کتابیں اپنے اپنے زمانے میں واجب التعمیل تھیں اور ان کے بتائے ہوئے احکام پر عمل کرنا ضروری تھا۔ چوتھے رسولوں پر یعنی ان پر اس طرح ایمان لانا کہ کسی رسول کی رسالت میں تفریق نہ کرنا بلکہ سب کو خدا کا رسول اور پیغامبر ماننا یہ نہیں کہ کسی رسول پر ایمان لائیں کسی پر نہیں۔ پھر اس تفصیل کے بعد سب کی طرف سے سمع و طاعت کا اعلان بخشش کی طلب اور آخرت میں حضرت حق جل مجدہ کی بارگاہ میں پیشی اور حاضری کا اقرار ہے۔ آیت میں مسلمانوں کی مدح اور مسلمانوں کی تعریف کرنا اور ان کی وفاشعاری اور اطاعت گذاری کا اظہار مقصود ہے اور مسلمانوں کی تقویت اور ان کے مرتبہ کی رفعت کے لحاظ سے پیغمبر کا ذکر بھی ان کے ساتھ کر دیا ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ رسول کا ایمان صحابہ کے ایمان سے اکمل اور مبنی علی المشاہدہ ہے بلکہ آپ اول المسلمین ہیں اور اجمالاً آپ کو پہلے سے تمام امور پر ایمان حاصل ہے۔ اور صحابہ کا ایمان کامل اور حجت و براہین سے ناشی ہے۔ اس لئے دونوں میں تفاوت اور فرق ہے، مگر باوجود تفاوت اور فرق کے پھر بھی صحابہ کے ایمان کے ساتھ رسول کے ایمان کا ذکر فرمانا ایسا ہی ہے جیسے دسویں پارے میں آیت یایھا النبی حسبک اللہ ومن اتبعک من المؤمنین میں صحابہ کے ساتھ رسول کا یا اپنا ذکر فرمایا ہے۔ یعنی اے نبی آپ کو اللہ تعالیٰ اور وہ مسلمان جو آپ کے پیرو ہیں کافی ہیں یا یہ معنی ہیں کہ اے نبی آپ کی اور آپ کے پیرو مسلمانوں کی حفاظت کے لئے اللہ تعالیٰ کافی ہے اسی طرح آیت زیر بحث میں بھی باوجود تفاوت ایمانی کی صحابہ کے ایمان ساتھ رسول کے ایمان کا ذکر فرمایا ہے۔ ہم نے اسی فرق کی رعایت سے تیسیر میں فرق کر دیا ہے اور یوں ترجمہ کیا ہے کہ رسول قرآن کی تصدیق کرتے ہیں اور اس پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ اور مسلمان قرآن کو مانتے اور جو احکام نازل ہوتے ہیں ان پر ایمان لاتے ہیں۔ ہم نے ابھی عرض کیا ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے سے اجمالاً تمام امور پر ایمان حاصل ہے۔ اس پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ پھر سورۂ زخرف میں کیوں ارشاد فرمایا ماکنت تدری ما الکتاب ولا الایمان، شبہ کا جواب یہ ہے کہ سورۂ زخرف میں تفصیل کی نفی فرمائی ہے اجمال کی نہیں اور ہماری تقریر میں اجمال کا ذکر ہے تفصیل کا نہیں لہٰذا کوئی تعارض نہیں ہے غفرانک کے دو معنی ہو سکتے ہیں ہم نے تیسیر میں دونوں کو ظاہر کر دیا ہے۔ ہم کو بخش دیجئے یا ہم بخشش کے آرزومند ہیں۔ والیک المصیر کا مطلب یہ ہے کہ ہم سب کی بازگشت صرف آپ ہی کی طرف ہے خواہ مرنے کے وقت یا قبروں سے اٹھنے کے وقت۔ بہرحال مسلمانوں کی مدح اور تعریف توضیح میں ایک خاص مناسبت سے آگئی تھی اب آگے کی آیت میں وان تبدوا مافی انفسکم کی وضاحت اور اصل مراد کا ذکر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ (تسہیل)

بقیہ صفحہ ۷۷

مثلاً نشانہ لگایا تھا ہرن پر یا شیر پر گولی لگ گئی کسی آدمی کو یا رمضان میں کلی کرنا چاہتا تھا اور حلق میں پانی چلا گیا تو یہ امور

بھی غیر اختیاری ہیں اور لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا سے یہ چیزیں بھی معاف اور مستثنا ہو گئیں۔ لیکن آگے ایک خاص پیرایہ کے ساتھ مزید غیر اختیاری امور کے استثنا کی وضاحت فرمائی اور ایک دعا تعلیم کی تاکہ اس امت کو جن چیزوں سے مستثنیٰ قرار دینا ہے وہ ایک عاجزانہ درخواست کے ذریعہ سے کیا جائے اور درخواست کو قبول فرما کر مسلمانوں کو مطمئن کر دیا جائے۔ اور یہ بھی قرآن کا ایک اسلوب اور طریقہ ہے کہ جو چیزیں لا یکلف اللہ میں بطور قاعدہ کلیہ داخل تھیں ان کو جزئی طور پر بھی ظاہر کر دیا۔ بلکہ ان کے ساتھ بعض مزید رعایتوں کا بھی اعلان فرما دیا۔ تاکہ حضرت حق جل مجدہٗ کی معافی اور رعایت کا اعلان امور غیر اختیاریہ کی تمام انواع کو شامل ہو جائے۔ اور تکلیف مالا یطاق کی طرف سے اس امت کو مطمئن کرایا جائے۔ یہی وہ وضاحت اور تشریح ہے جس کو حضرت ابو ہریرہ اور دوسرے سلف نے نسخ قرار دیا ہے۔ جیسا کہ ہم اوپر عرض کر چکے ہیں کہ یہ حقیقی نسخ نہیں ہے۔ مگر یہ کہ اس طرح توجیہ کی جائے اور یوں کہا جائے کہ ما فی انفسکم اگرچہ اخبار ہے لیکن یہ جملہ دلالت کرتا ہے نفس کے خصائل رذیلہ کی تحریم پر جیسا کہ کتب علیکم الصیام کا جملہ روزے کی فرضیت اور ایجاب پر دلالت کرتا ہے اور ما فی انفسکم اگرچہ خصائل رذیلہ کی تحریم پر دلالت کرتا تھا۔ لیکن عمومیت کی وجہ سے یہ جملہ وساوس نفس اور دل کی باتوں کو بھی شامل تھا۔ اور یہ جملہ چونکہ تحریم کے حکم میں ہے اس لئے قلب کی سب باتیں حرام ہوئیں۔ خواہ وہ خصائل رذیلہ ہوں یا خواہ وہ وساوس و خطرات ہوں اور تحریم تکلیف ہے اور لا یکلف اللہ میں اس تکلیف کی نفی ہے لہذا لا یکلف اللہ ناسخ ہوا ما فی انفسکم کی بعض ان چیزوں کے لئے جو انسانی وسعت سے خارج ہیں اور وہ وساوس و خطرات نفس ہیں واللہ اعلم۔ فقیر عرض کرتا ہے کہ اس تکلف سے یہ بہتر ہے کہ یوں کہا جائے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اور بعض سلف نے مجازاً نسخ فرمایا ہے ورنہ حقیقتاً نسخ نہیں ہے۔ مزید تحقیق منظور ہو تو تفسیر مظہری ملاحظہ کی جائے۔ إصْرٌ کے معنی ہیں مقید ہو جانا۔ بندہ بن جانا کسی چیز کو روک لینا۔ ایسا بوجھ جو اٹھ نہ سکے اور جس کو لے کر انسان چل نہ سکے۔ ایسا تنگ لباس جس کو پہن کر چل نہ سکے۔ سخت عہد وغیرہ۔ یہاں مراد تکالیف شاقہ ہیں۔ بہرحال حاصل کلام یہ ہے (۱) کہ رکوع کی پہلی آیت کا ظاہری مفہوم یہ تھا کہ اعمال اختیاری اور غیر اختیاری خواہ وہ قلب کے ہوں یا اعضاء کے سب پر محاسبہ ہوگا اور مواخذہ کیا جائے گا حتیٰ کہ طبعی کبھی وساوس وخطرات آ جاتے ہیں اور بھول چوک سے جو کوئی غلطی بلا قصد ہو جاتی ہے وہ بھی قابل تعزیر اور لائق گرفت ہوگی۔ (۲) اس ظاہری مفہوم کے اعتبار سے صحابہ کرام مضطرب اور پریشان ہوئے (۳) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سمع و طاعت کا حکم دیا۔ (۴) صحابہ نے ارشاد نبوی کی تعمیل کی اور ربنا و لکنا غفرانک ربنا کہا (۵) حضرت حق نے تکلیف بالمحال کے عدم وقوع کا اعلان فرما کر مضطرب اور بے چین طبیعتوں کو اطمینان دلایا (۶) اگرچہ اس آیت کے عموم میں خطا اور نسیان بھی قاعدہ کلیہ کے طور پر داخل تھے لیکن ایک دعا تعلیم فرما کر خطا اور نسیان کی بھی صراحت فرما دی بلکہ اس سے زیادہ اور بھی بعض باتوں کو واضح فرما دیا۔ (۷) دعا کا طریقہ شاید اس لئے اختیار کیا کہ آیت میں نسخ کا احتمال موجود تھا۔ کیونکہ آیت کا مفہوم اور معنی یہ ہے کہ بندہ مکلف نہیں ہے اور مکلف ہونا نہ ہونا ایک شرعی حکم ہے اور شرعی حکم میں نسخ کا احتمال ہوتا ہے۔ اس لئے صحابہ نے دعا کی کہ الٰہی اس حکم کو منسوخ نہ فرمایئے بلکہ جس طرح عدم تکلیف مالا وسعت کا اعلان فرمایا ہے۔ اس حکم کو ہمیشہ کے لئے مقرر کر دیجئے۔ یہ فائدہ تو دعا کا صحابہ کے زمانہ میں ہوا۔ باقی حضور کی وفات اور نزول قرآن کے ختم ہو جانے اور نسخ کا اندیشہ جاتے رہنے کے بعد دعا کا یہ فائدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا احسان مسلمانوں کو یاد رہے اور جس دعا کی برکت سے جو حکم ہمیشہ کے لئے مقرر رہا اس کو تلاوت کے وقت یاد رکھیں۔ واللہ اعلم۔ (۸) حضرت ابن عباس سے۔ ابن ماجہ۔ ابن المنذر۔ ابن حبان۔ طبرانی۔ دار قطنی حاکم اور بیہقی نے نقل کیا ہے۔ ان اللہ تجاوز عن امتی الخطاء والنسیان وما استکرھوا علیہ بعض روایتوں میں رفع عن امتی بھی آیا ہے۔ اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ خطا اور نسیان اور جو کام اکراہ کے ساتھ کرایا جائے اس پر میری امت سے مواخذہ نہیں ہوگا۔ اور قیامت میں گرفت نہیں ہوگی۔ اور یہی منشا قرآن کی آیت کا بھی ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ دنیا میں بھی ان چیزوں پر کوئی حکم مرتب نہیں ہوگا۔ جیسا کہ قتل خطا پر وجوب کفارہ اور حرمان میراث۔ نماز میں نسیاناً بات کر لینے سے نماز کا فاسد ہو جانا۔ روزے میں خطاء کھانے پینے سے روزے کی قضا کا لزوم اکراہ سے طلاق کا واقع ہو جانا وغیرہ ان مسائل میں آئمہ کا جو اختلاف ہے وہ کتب فقہ سے معلوم ہو سکتا ہے بہرحال دنیا میں خطا و نسیان وغیرہ پر احکام مرتب ہوتے ہیں آخرت کا مواخذہ معاف ہے (۹) بعض حضرات نسیان اور خطا کا فرق نہیں جانتے۔ نسیان میں تو چیز یاد ہی نہیں ہوتی جیسے کوئی نماز کو بھول جائے۔ اور نماز کا وقت نکل جائے۔ یا روزے کو بالکل بھول جائے اور کچھ کھا لے۔ لیکن خطا میں چیز تو یاد ہوتی ہے مگر ہاتھ کی لغزش سے بے اختیار فعل سرزد ہو جاتا ہے اردو میں چوکنا بولتے ہیں۔ کہا کرتے ہیں میں ذرا چوک گیا۔ (۱۰) لہا ما کسبت کی جو شرح ہم نے کی ہے اس پر یہ شبہ نہ کیا جائے۔ کہ جب صرف کاسب اور مکتسب اپنے اپنے فعل کے ذمہ دار ہیں تو اگر کوئی شخص کسی نیک کام کا بانی ہو یا کوئی کسی برے کام کا موجد ہو تو اس پر دوسرے لوگوں کے نیک اور بد کا کوئی اثر نہ ہونا چاہیئے۔ مثلاً کسی نے مسجد بنائی تو جو لوگ اس مسجد میں نماز پڑھیں ان نمازیوں کی نماز پڑھنے کا کوئی ثواب مسجد بنانے والے کو نہ ملے اور اسی طرح جب کوئی ناچ گھر تعمیر کرے تو جو لوگ اس ناچ گھر میں ناچ کرائیں ان کا کوئی گناہ اس بانی کو نہ ہو۔ اگرچہ نصوص سے یہ ثابت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس نے کوئی اچھا طریقہ جاری کیا تو اس کو خود بھی اس کا ثواب ملتا ہے اور جو لوگ اس اچھے طریقہ پر عمل کریں گے تو اس کا ثواب بھی اس شخص کو ملے گا۔ اور جو شخص کوئی .... بری رسم جاری کرے گا تو اس پر عمل کرنے والوں کے گناہ میں سے اس رسم کے جاری کرنے والے کو بھی حصہ ملے گا۔ تو کسی کو اگر ایسا شبہ ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ لہا ما کسبت کے منافی نہیں ہے۔ کیونکہ یہ شخص بہرحال اس اچھے یا برے کام کا سبب تو یقیناً ہے۔ اور یہ خود اپنے ارادے سے اس اچھے یا برے کام کا سبب بنا ہے۔ لہٰذا اس سبب سے جو نتائج ہوں گے ان کا یہ بھی ذمہ دار ہوگا۔ کیونکہ اس کے کسب یا اکتساب کو اور اس کے ارادے کو اس میں دخل ہے اور یہی ہماری تشریح کا مقصد ہے کہ خواہ اس کام کو کیا ہو یا دوسروں کے لئے کوئی راستہ قائم کیا ہو اگر اچھی راہ ڈالی ہے تو اچھوں کے کام کا اس کو بھی فائدہ پہنچے گا اور اگر بری رسم ڈالی ہے تو بروں کے کام کا ضرر بھی اس کو حاصل ہوگا۔ اگرچہ اچھوں کے ثواب میں اور بروں کے عتاب میں کچھ کمی نہ ہوگی۔ (۱۱) لہا ما کسبت پر بعض لوگوں کو یہ بھی شبہ ہوتا ہے کہ ایصال ثواب بھی اس تقدیر پر بیکار ہو جاتا ہے کیونکہ جب اپنے کسب اور اکتساب کا نفع اور نقصان ملتا ہے تو اگر کوئی دوسرا شخص اپنے کسی کام کا ثواب دوسرے کو پہنچائے یا اپنا ثواب کسی کو ہبہ کرے تو موہوب لہٗ کو اس واہب کے کسی ثواب سے کوئی فائدہ نہ پہنچنا چاہیئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ثواب اصل میں تو کاسب ہی کو ہوتا ہے اور ابتداءً اچھے کام کا ثواب کرنے والے ہی کو ہوتا ہے لیکن واہب کے واسطے سے موہوب لہٗ کو ملتا ہے۔ اور یہ لہا ما کسبت کے منافی نہیں ہے ثواب ابتداءً تو اسی کو ہوا جو کاسب ہے مگر کاسب کے ہبہ کر دینے سے موہوب لہٗ کو پہنچا۔ معتزلہ نے جو ایصال ثواب کے منکر ہیں وان لیس للانسان الا ما سعیٰ سے یہی استدلال کیا ہے۔ اس کا جواب بھی یہی ہے کہ اجر تو سعی کرنے والے ہی کو ابتداءً ملا۔ مگر صاحب اجر نے اپنا اجر دوسرے کی طرف منتقل کر دیا۔ لہذا جس طرح لہا ما کسبت سے استدلال کرنا غلط ہے۔ اسی طرح وان لیس للانسان سے بھی معتزلہ کا استدلال صحیح نہیں ہے موہوب لہٗ کو بغیر کسب کے ثواب کا حصول اور چیز ہے اور کاسب کو ثواب سے محروم کر دینا اور چیز ہے۔ فافہم۔ (۱۲) پہلی دعا میں خطا اور نسیان پر مواخذہ نہ کرنا ہے جو بوجہ غیر اختیاری ہونے کے ضمناً لا یکلف اللہ نفسا میں داخل ہے دوسری درخواست میں یہ عرض کیا گیا ہے کہ جو تکالیف شاقہ پہلی امتوں پر واقع ہوئی تھیں ان سے ہم کو محفوظ رکھیئے۔ مثلاً توبہ کے لئے قتل کی شرط یا ناپاک کپڑے کو قطع کرنا یا زکوٰۃ کے لئے چوتھائی مال کا ادا کرنا یا رات کے گناہ کا صبح کو دروازے پر لکھ دیا جانا وغیرہ۔ تیسری درخواست میں یہ عرض کیا گیا ہے کہ ہم کو دنیا اور آخرت میں ایسی تکالیف اور بلاؤں سے محفوظ رکھیئے جن کی ہم کو سہار نہ ہو۔ ان ہی تینوں دعاؤں کی رعایت سے آگے واعف عنا واغفر لنا وارحمنا فرمایا، واعف عنا کا تعلق خطاء و نسیان کی کوتاہی سے ہے اور واغفر لنا کا تعلق ان تکالیف شاقہ سے ہے جن کا تعلق امم سابقہ سے تھا اور وارحمنا کا تعلق دنیا اور آخرت کی بلاؤں اور مصائب سے ہے (۱۳) اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ واعف عنا کا مطلب یہ ہو کہ ہمارے گناہوں پر مواخذہ نہ کیجئے اور ہماری تقصیرات کو درگزر فرمایئے اور واغفر لنا کا مطلب یہ ہو کہ ہمارے گناہ مٹا دیجئے اور ہمارے عیوب کی پردہ پوشی فرمایئے۔ اور وارحمنا کا مطلب یہ ہو کہ چونکہ طاعت کا بجا لانا اور سیئات سے بچنا آپ کی رحمت اور آپ کے فضل پر موقوف ہے اس لئے ہم پر رحم فرمایئے۔ (۱۴) یہ بات سمجھ میں آ گئی ہوگی کہ تکلیف مالا یطاق عقلاً ممتنع نہیں ہے بلکہ حضرت حق تعالیٰ مختار اور قادر و مالک ہے۔ جو چاہے حکم دے البتہ شریعت نے اس کے عدم وقوع کی اطلاع دی ہے۔ اس لئے شرعاً ممتنع ہے اور یہ حضرت حق تعالیٰ کا فضل ہے۔ (۱۵) حدیث میں آتا ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان آیتوں کی تلاوت فرمائی تو تینوں دعاؤں میں سے ہر دعا پر ارشاد ہوا۔ میں نے قبول کی اور اسی طرح فانصرنا علی القوم الکافرین پر فرمایا۔ میں نے قبول کی کسی روایت میں نعم اور کسی میں فعلت آیا ہے اور کسی میں عفوت وغفرت ورحمت بھی آیا ہے (۱۶) دعا اور اس کی قبولیت کے متعلق ہم سیقول کے پارے میں مفصل بحث کر چکے ہیں۔ اگر کسی مصلحت کی بنا پر دعا کی قبولیت ظاہر نہ ہو تو یہ بھی قبول ہی ہوتا ہے۔ حدیث میں یہ بھی آتا ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان آیات کی تلاوت فرماتے تھے تو فانصرنا علی القوم الکافرین کے بعد آمین فرماتے تھے۔ (۱۷) کفار پر غلبہ حاصل کرنے کی دعا پر ان دعاؤں کا سلسلہ ختم فرمایا یہ اس لئے کہ جب سب کام حسب منشا ہو گیا یعنی گناہوں کی معافی

اور تکالیف شاقہ اور مصائب و آلام کا تحفظ کر دیا گیا۔ تو اب سوال پیدا ہوا تھا کیونکہ اطمینان حاصل کرنے کے بعد اس امر کی ضرورت ہے کہ احکام شرع پر عمل کیا جائے اور حضرت حق کے حکم کی تعمیل کی جائے اور احکام کی بجا آوری کے لئے اس امر کی ضرورت ہے کہ کوئی طاقت مقابلہ میں مزاحمت کرنے والی نہ ہو خواہ وہ نفس امارہ ہو خواہ وہ شیطان ہو جو سب سے بڑا کافر ہے یا وہ ان کے متبع انسان ہوں جو اسی کی فوج ہیں اور یہ سب قوم کافرین میں شامل ہیں۔ اس لئے دین کے کاموں میں رکاوٹ پیدا کرنے والی طاقتوں کے مغلوب ہونے کی دعا کی گئی۔ دعا سے پہلے حضرت حق کے آقا اور مولا ہونے کا اعتراف کیا گیا اور بندوں نے عرض کیا آپ ہمارے مولا ہیں ہم آپ کے غلام ہیں۔ اور آقا اور مولا اپنے غلاموں کو ان کے دشمنوں سے بچاتا ہے اور ان کی مدد فرما کر اپنے غلاموں کو ان کے دشمنوں پر غالب فرماتا ہے اور دشمنوں کو مغلوب کرتا ہے لہٰذا آپ ہماری مدد فرمایئے۔ تاکہ ہم ان دشمنوں پر جو آپ کے بھی دشمن ہیں اور آپ کی محبت والفت کی وجہ سے ہمارے بھی دشمن ہیں کیونکہ ان کے دشمن ہونے کی وجہ ہی صرف آپ کی ذات ہے۔ اگر ہم آپ کو چھوڑ دیں تو سب کافر ہمارے دوست ہو جائیں۔ لہٰذا ایسے بدبخت دشمنوں پر اپنے غلاموں کو فتح مند فرما اور اپنے غلاموں کی مدد فرما۔ سبحان اللہ کیا ترتیب ہے اور کیسا اچھا اسلوب ہے (۱۸) حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت حق جل مجدہٗ نے غفرانک کے بعد ارشاد فرمایا۔ میں نے بخش دیا۔ اور اخطانا کے بعد فرمایا لا اؤاخذکم۔ یعنی میں گرفت نہیں کروں گا۔ ولا تحمل کے بعد فرمایا لا احمل علیکم یعنی تم پر امم سابقہ کی طرح بھاری وزن نہیں ڈالوں گا اور ولا تحملنا کے بعد فرمایا لا احملکم، یعنی دنیوی اور آخروی مصائب و آلام کے بار جو تمہاری استطاعت سے باہر ہوں تم سے نہیں اٹھواؤں گا۔ (۱۹) یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ گناہ کی مثال ایسی ہے کہ جیسے زہر جس طرح زہر کا قاعدہ ہے کہ خواہ دانستہ کھاؤ یا بھول کر کھاؤ یا چوک کر کھاؤ اپنا اثر کرتا ہے۔ اسی طرح گناہ کا قاعدہ ہے کہ جس طرح بھی واقع ہو اس کا اثر ضرور ہوتا ہے۔ خواہ خطا اور نسیان کی وجہ سے قیامت میں مواخذہ نہ ہو لیکن یہ مطلب نہیں کہ قلب پر بھی اس گناہ کا اثر مرتب نہیں ہوتا۔ مثلاً قلب پر زنگ کا آجانا۔ سینہ میں تنگی کا پیدا ہو جانا۔ عبادت کا ذوق کم ہو جانا۔ دین سے بے پروائی کا پیدا ہو جانا۔ شریعت کی وقعت کا کم ہو جانا چونکہ ان خطرات کا اندیشہ ہے اور گناہ کے یہ اثرات ہیں۔ اس لئے گناہ کے معاملہ میں انسان کو بہت ہوشیار اور چوکنا رہنے کی ضرورت ہے۔ خواہ وہ گناہ کبیرہ ہو یا صغیرہ اور خواہ وہ گناہ عمداً ہو یا خطاءً ہو یا بھول کر ہو۔ سورۂ بقرہ کی یہ آخری آیات اس قدر جامع ہیں کہ ابھی بہت کچھ کہنے کی ضرورت ہے جو کچھ ہم نے عرض کیا ہے یہ ایک بحر ناپیدا کنار میں سے ایک قطرہ بلکہ قطرہ کی نمی بھی نہیں ہے مگر تطویل کے خوف سے ترک کیا جاتا ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس بے غایت و بے نہایت ہے۔ اسی طرح اس کے کلام کی خوبیاں اور لطافتیں بھی بے غایت و بے نہایت ہیں۔ واللہ اعلم بمراده — حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ یہ دعا اللہ نے پسند فرمائی تو قبول کی جگہ بھی ہم پر بھاری نہیں رکھے اور دل کا خیال بھی نہیں پکڑا اور بھول چوک بھی معاف کی۔ (موضح القرآن) دل کے خیال سے وہی خیال مطلب ہے جو آئے اور نکل جائے۔ اور اگر کرجم جائے اور گناہ پر ارادہ کر دے جس کو عزم کہتے ہیں تو اس پر مواخذہ ہوگا جیسا کہ

ہم عرض کر چکے ہیں حضرت عبداللہ بن مسعود سے مرفوعاً منقول ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی رات آسمانوں پر تشریف لے گئے تو آپ فرماتے ہیں مجھے تین چیزیں اللہ تعالیٰ نے عنایت فرمائیں۔ (۱) پانچ وقت کی نماز (۲) سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں (۳) میری اُمت میں سے جو شخص شرک نہ کرے اس کی مغفرت۔ مطلب یہ ہے کہ یہ مغفرت توبہ سے ہو یا اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہو یا گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد ہو بہرحال جو شرک سے محفوظ رہا اس کی نجات ایک دن یقینی ہے۔ ابو مسعود انصاری سے مرفوعاً مروی ہے۔ سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتیں جو شخص رات کو پڑھ لے گا تو یہ دونوں آیتیں اس کے لئے کافی ہوں گی۔ نعمان بن بشیر سے مروی ہے۔ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین و آسمان کی پیدائش سے دو ہزار سال قبل اللہ تعالیٰ نے قضا و قدر کے جو حالات مرتب فرمائے تھے اس میں سے سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتیں نازل فرمائی ہیں۔ یہ دونوں آیتیں جس گھر میں تین راتوں میں پڑھی جاتی ہیں اس گھر کے قریب شیطان نہیں پھٹکنے پاتا۔ حضرت ابو مسعود انصاری کی روایت میں ہے سورۂ بقرہ کی یہ دونوں آیتیں اللہ تعالیٰ نے جنت کے خزانوں میں سے نازل فرمائی ہیں۔ جو شخص ان دونوں آیتوں کو عشاء کی نماز کے بعد پڑھ لیتا ہے تو یہ دونوں آیتیں قیام لیل سے اس کے لئے کافی ہو جاتی ہیں۔ یعنی رات کو اٹھنا نہ ہو تب بھی تہجد کی نماز کا ثواب ملتا ہے۔ ابو سعید خدری کی روایت میں ہے کہ سورۂ بقرہ قرآن کی ترازو ہے اس کا سیکھنا موجب برکت ہے۔ اور اس کو چھوڑ دینا موجب حسرت ہے۔ اور اس سورت پر بطلہ یعنی جادوگروں کا کوئی قابو نہیں چل سکتا۔ مطلب یہ ہے کہ اس کے پڑھنے والے جادو کے اثر سے محفوظ رہتے ہیں۔ بیہقی نے ایک ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ سورۂ بقرہ کی تلاوت کرنے والوں کو قیامت میں تاج پہنایا جائے گا۔ حضرت ابوہریرہ کی روایت میں ہے۔ دو آیتیں قرآن کی ایسی ہیں کہ وہ دونوں شفاعت کرنے والی ہیں۔ اور وہ دونوں اللہ تعالیٰ کو محبوب ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ان آیتوں سے محبت کرتا ہے وہ دونوں آیتیں سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں ہیں۔ ابو عبید نے روایت کیا ہے۔ جس گھر میں سورۂ بقرہ کی تلاوت کی جاتی ہے تو اس گھر سے اس سورت کو سنتے ہی شیطان نکل جاتا ہے۔ مسند احمد میں مرفوعاً روایت ہے کہ سورۂ بقرہ اور آل عمران کو سیکھو۔ یہ دونوں سورتیں قیامت میں سائبان کی طرح سایہ فگن ہوں گی۔ سہل بن سعد کی روایت میں ہے۔ ہر شے کا ایک کوہان اور ہر شے کا ایک بلند مقام ہوتا ہے اور قرآن کا کوہان اور قرآن کی بلند جگہ سورۂ بقرہ ہے۔ جس شخص نے دن کے وقت اس سورت کو کسی گھر میں پڑھا تو تین دن تک اور اگر کسی نے رات میں پڑھا تو تین رات تک شیطان اس گھر میں داخل نہیں ہو سکتا۔ حضرت عمر بن خطاب سے موقوفاً ابو عبید نے نقل کیا ہے۔ جس شخص نے سورۂ بقرہ اور آل عمران کی کسی رات میں تلاوت کی تو وہ اس رات قانتین میں لکھا جاتا ہے یعنی پرہیزگار اور باادب لوگوں میں اس کا نام درج کر لیا جاتا ہے۔ دارمی نے مغیرہ بن شفیع سے روایت کیا ہے کہ جو شخص سوتے وقت سورۂ بقرہ کی دس آیتیں تلاوت کر کے سوتا ہے تو ایسا شخص قرآن نہیں بھولے گا۔ چار آیتیں تو ابتدائی بقرہ کی یعنی الم سے مفلحون تک۔ اور تین آیتیں آیت الکرسی سے خالدون تک اور تین آیتیں آخر کی یعنی للہ ما فی السموٰت سے قوم الکافرین تک۔ فقیر نے یہ احادیث۔ خازن۔ درمنثور اور تفسیر مظہری سے نقل کی ہیں۔ ابن کثیر نے اور بھی بعض روایات نقل کی ہیں مگر ہم نے تطویل کے خوف سے ان کو چھوڑ دیا ہے صرف

ایک روایت ابن کثیر کی نقل کر دیتے ہیں جو ابن کثیر نے ابن مردویہ سے نقل کی ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خواتیم سورۂ بقرہ کو پڑھتے تو ہنس دیتے اور خوش ہو کر فرماتے کہ یہ آیتیں عرش الٰہی کے نیچے جو خزانہ ہے اس میں سے دی گئی ہیں اور جب آیت من یعمل سوءًا یجز بہ اور آیت وان لیس للانسان الا ما سعیٰ وان سعیہ سوف یریٰ ثم یجزٰہ الجزاء الاوفیٰ پڑھتے تو آپ کے منہ سے انا للہ وانا الیہ راجعون نکل جاتا اور آپ سست ہو جاتے۔ مطلب یہ ہے کہ سورۂ بقرہ کی آیتوں میں چونکہ رعایت اور آسانی کی بشارت ہے تو ان کو پڑھ کر خوش ہوتے اور چونکہ ان آیتوں میں مواخذے کا ذکر ہے اور ہر برائی پر بدلہ ملنے کا ذکر ہے اور پورا پورا بدلہ ملنے کا تذکرہ ہے۔ تو ان کو پڑھ کر رحمۃ للعالمین کی طبیعت سست ہو جاتی۔ اور آپ چپ چپ ہو جاتے اور کبھی منہ سے امت کی محبت میں انا للہ بھی نکل جاتا۔ اللھم صل علٰی سیدنا محمد وعلٰی آل سیدنا محمد وبارک وسلم (تسہیل)

الحمدللہ کہ آج ۹ ذی الحجہ ۱۳۶۵ھ شنبہ کے روز دن کے گیارہ بجے سورۂ بقرہ کی تفسیر اپنے علم کی کوتاہی اور بے بضاعتی کے اعتراف کے ساتھ ختم کر رہا ہوں۔ واقعہ یہ ہے کہ جو کچھ عرض کیا گیا ہے وہ قرآنی مطالب اور مفاہیم کی وسعت کے لحاظ سے کالعدم ہے اور ایک سمندر میں سے ذرا سی نمی کے برابر بھی نہیں ہے۔ جو کچھ اپنے بزرگوں سے سنا اور جو کچھ ان کی تفسیروں سے سمجھ میں آیا اس کا خلاصہ کر دیا ہے مجھے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے امید ہے کہ یہ تفسیر مسلمانوں کے لئے نافع ہوگی۔ میں اللہ تعالیٰ کی جناب میں دست بدعا ہوں کہ وہ ترجمہ، تیسیر، تسہیل کو قبول فرمائے۔ اور فقیر کا خاتمہ اسلام پر ہو اور وہ اپنی رحمت سے اس فقیر کو زمرۂ صالحین میں داخل کر دے۔ اب آگے سورۂ عمران کی تفسیر شروع ہوتی ہے:۔

تمہید

سورۂ آل عمران مدینہ منورہ میں نازل ہوئی ہے۔ اس میں دو سو آیتیں اور تین ہزار چار سو اسی کلمے اور چودہ ہزار پانچسو بیس حروف ہیں۔ اس سورت کے مضامین سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مدینہ منورہ کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی ہے۔ مدینہ منورہ جاتے ہی جنگ بدر کا حادثہ پیش آیا۔ اس میں اگرچہ مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی لیکن اس فتح نے سارے عرب میں انتقام کی آگ بھڑکا دی اور تمام کفار کی توجہ کو اس طرف لگا دیا کہ مسلمانوں سے کسی نہ کسی طرح بدر کا انتقام لیا جائے۔ چنانچہ تھوڑے ہی دنوں بعد غزوۂ اُحد اور بدر صغریٰ کے واقعات اس امر کے شاہد ہیں کہ یہ سب اسی خواہش انتقام کے نتائج تھے۔ اور چونکہ یہود و نصاریٰ کی ہمدردیاں بھی ان لڑائیوں میں کفار مکہ کے ساتھ تھیں اس لئے اس سورت میں ان کو بھی خطاب ہے۔ یوں تو عام طور سے قرآن نے اہل کتاب کو خطاب کیا ہے۔ جیسا کہ ہم نے سورۂ بقرہ میں عرض کیا تھا کہ اہل کتاب کتب سماویہ کی تمام پیشینگوئیوں سے واقف تھے اور وہ جانتے تھے کہ یہ رسول وہی ہے جس کا ہماری کتابوں میں ذکر موجود ہے۔ نیز یہ کہ اس قسم کی باتوں میں کفار عرب ان پر اعتماد کرتے تھے۔ اس لئے بار بار ان سے دریافت کرتے تھے کہ یہ نبی کیا واقعی سچا ہے اور کیا واقعی خدا کا فرستادہ ہے اگر ایسا ہو تو ہم اس پر ایمان لے آئیں۔ ان حالات کے پیش نظر قرآن نے بنی اسرائیل کے علما اور مشائخ سے ایمان لانے کی جگہ جگہ اپیل کی ہے اور بنی اسرائیل کے واقعات کو بار بار ذکر کیا ہے۔ اور اسرائیلی قوموں کی ترقی اور ان کے تنزل کا بہ کثرت تذکرہ فرمایا ہے اور ان کو الزامی جواب دے کر ساکت اور لاجواب کیا ہے اور ان کی ذمہ داریوں سے ان کو آگاہ فرمایا ہے اور اہل عرب کو خدا کی راہ

سے روکنے کے متعلق منع فرمایا ہے اور چونکہ ہجرت کے بعد مختلف وفود کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا بالخصوص یہود و انصاریٰ کے وفود بھی چاروں طرف سے آتے تھے۔ کچھ کو انہیں کفار عرب اُبھار کر بھیجتے تھے کہ جاؤ اور مسلمانوں سے گفتگو کر کے انہیں قائل کرو اور کچھ خود بھی ان لوگوں میں کھلبلی مچی ہوئی تھی۔ اور ان کو خیال تھا کہ اگر نبی آخر الزماں کی تحریک سرسبز ہو گئی تو اس کا اثر سب سے زیادہ اہل کتاب کی قیادت اور سیادت پر پڑے گا۔ اس لئے ان وفود کی آمد اور ان کے سوالات کے جوابات کا بھی اس سورت میں ذکر ہے اور چونکہ اسلامی اقتدار اور اسلامی قوت و شوکت کی ترقی کے باعث منافقوں کا سلسلہ بھی شروع ہو چکا تھا اس لئے منافقوں کی ریشہ دوانیوں کو بھی ظاہر کیا گیا ہے۔ خاص کر غزوۂ احد میں ان منافقوں نے خفیہ اور اعلانیہ مسلمانوں کی ہزیمت اور پسپائی کا جو سامان فراہم کیا تھا اس پر مفصل تبصرہ بھی ہے۔ بہرحال ایک حصہ اس سورت کا اہل کتاب سے متعلق ہے اور ایک حصہ جنگ بدر، غزوۂ احد، بدر صغریٰ اور شہدائے بیر معونہ سے متعلق ہے۔ اور ایک حصہ میں مسلمانوں کو خطاب ہے۔ اور غزوہ احد میں جو نقصان مسلمانوں کو ہوا تھا اس پر منصفانہ اور بے لاگ تبصرہ کے ساتھ مسلمانوں کی دل جوئی اور کوتاہیوں پر معافی کا اظہار ہے۔ ایک حصہ منافق و اہل کتاب سے متعلق ہے اور ایک حصہ نجران کے نصاریٰ جو وفد کی شکل میں آئے تھے۔ اور تقریباً ساٹھ آدمی تھے۔ ان کے شبہات کا عقلی اور نقلی جواب دینے سے متعلق ہے۔ اس لحاظ سے یہ سورت سورۂ بقرہ کے ساتھ اس قدر مرابط ہے کہ گویا یہ سورت سورۂ بقرہ کا تتمہ یا سورۂ بقرہ کا ایک حصہ ہے اور اس سورت کی جگہ اپنے مضامین کے اعتبار سے سورۂ بقرہ ہی کے بعد مناسب تھی۔ سورت کی ابتدا انصاریٰ کے عقیدۂ تثلیث اور الوہیت مسیح کے ابطال سے کی گئی ہے جس کے ضمن میں مشرکین عرب اور اصنام پرستوں کا رد بھی ہو جاتا ہے۔ مفسرین کا بیان ہے کہ نجران کے نصاریٰ کا ایک وفد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تھا جس میں عیسائیوں کے بڑے بڑے لوگ شریک تھے اور ان کی تعداد ساٹھ تھی۔ ان میں سے چودہ آدمی ان کے اشراف تھے اور چودہ میں سے تین وہ تھے جو بہت بڑے سردار اور تمام امور کے ذمہ دار تھے۔ اور تمام کام انہی لوگوں کے مشورے سے ہوتے تھے۔ ایک کا نام عاقب تھا۔ دوسرے کا نام ایہم تھا تیسرے کا نام ابو حارثہ بن علقمہ تھا۔ یہ لوگ لباس فاخرہ زیب بدن کئے ہوئے تھے۔ یہ وفد عصر کے وقت مسجد نبوی میں داخل ہوا دیکھنے والوں نے ان کو دیکھ کر کہا۔ ہم نے آج تک اس شان کا وفد نہیں دیکھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو مسجد نبوی میں نماز کی اجازت دی اور اصحاب سے فرمایا۔ یہ لوگ اپنے طور پر اپنی عبادت کریں۔ ان کو چھوڑ دو یہ چاہیں تو مشرق کی طرف منہ کر کے اپنی نماز ادا کریں۔ یعنی اپنے طور پر ہماری مسجد میں اپنی نماز پڑھ لیں۔ نماز کے بعد ان لوگوں میں سے ایہم اور عاقب نے گفتگو کا سلسلہ شروع کیا اور حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں مختلف سوالات کئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اسلام کی دعوت دی۔ انہوں نے جواب دیا۔ ہم آپ سے بھی پہلے اسلام لا چکے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ تم نے کذب بیانی کی۔ تمہارا دعویٰ ہے کہ اللہ کے اولاد ہے۔ تم صلیب کی عبادت کرتے ہو اور تم سور کا گوشت کھاتے ہو اور یہ چیزیں اسلام کے منافی ہیں۔ پھر تم کیسے مسلمان ہو۔ انہوں نے کہا۔ اگر عیسیٰؑ اللہ کا بیٹا نہیں ہے تو پھر اس کا باپ کون ہے۔ یہ کہہ کر سب عیسائی حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں جھگڑا کرنے لگے۔ تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ کیا تم نہیں جانتے کہ ہمارا پروردگار زندہ ہے اور وہ کبھی نہیں مرے گا اور حضرت عیسیٰ پر فنا طاری ہونے والی ہے۔ انہوں نے کہا صحیح ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ ہمارا پروردگار تمام کائنات کو سنبھالنے والا اور ہر چیز کی حفاظت کرنے والا ہے اور ہر شے کو روزی دینے والا ہے۔ انہوں نے کہا وہ ایسا ہی ہے۔ آپ نے فرمایا کیا عیسیٰ بھی ان باتوں میں سے کسی چیز کا مالک ہے۔ انہوں نے جواب دیا نہیں پھر آپ نے فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔ خواہ وہ آسمانوں میں ہو یا زمین میں عاقب اور ایہم نے کہا بے شک ہم جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کیا حضرت عیسیٰ سوائے ان باتوں کے جو ان کو بتا دی گئی تھیں تمام مخفی باتوں سے واقف تھے۔ ان دونوں نمائندوں نے جواب دیا۔ نہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ بلاشبہ ہمارے رب نے جیسا چاہا حضرت عیسیٰ کی صورت کو ان کی ماں کے پیٹ میں بنایا اور ہمارا پروردگار نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے۔ انہوں نے کہا بے شک ہم تسلیم کرتے ہیں۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ حضرت عیسیٰ کی والدہ نے ان کو حمل میں رکھا جس طرح دوسری عورتیں اپنے بچوں کو حمل میں رکھتی ہیں۔ پھر ان کی والدہ نے ان کو اسی طرح جنا جس طرح عورت اپنے بچہ کو جنتی ہے۔ پھر ان کو اسی طرح غذا دی گئی جس طرح بچوں کو غذا دی جاتی ہے پھر وہ عیسیٰ کھاتے تھے اور پیتے تھے۔ اور قضائے حاجت بھی کیا کرتے تھے۔ ان دونوں نمائندوں نے اس کا اقرار کیا اس پر حضور نے فرمایا جب تم کو یہ باتیں تسلیم ہیں تو تم ان کی الوہیت اور خدا کا بیٹا ہونے کا دعویٰ کس طرح کرتے ہو۔ اس پر یہ لوگ خاموش ہو گئے۔ اس کے بعد آل عمران کی ابتدائی آیتیں نازل ہوئیں۔ جن کی تعداد اسی سے کچھ زیادہ ہے۔ اب آل عمران کی تفسیر شروع کی جاتی ہے۔ فقیر احمد سعید کان اللہ لہٗ

الٓمّٓ (تیسیر) سورۂ بقرہ کی ابتدا میں عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ حروف مقطعات ہیں اور ان کی مراد اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ جو حضرات اس کے معنی بیان کرتے ہیں وہ حقیقی معنی کے مدعی نہیں اور جو اس کے معنی بیان کرنے سے انکار کرتے ہیں وہ حقیقی معنی کا انکار کرتے ہیں۔ اس لئے دونوں فریق میں محض لفظی نزاع کے علاوہ کوئی اختلاف نہیں ہے۔ یہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو اس کے حقیقی معنی سے آگاہ کر دیا ہو۔ (تسہیل)

بقیہ صفحہ ۱۸

بچہ کو جیسی چاہتا ہے شکل و صورت عطا کرتا ہے۔ پانی پر تصویر کھینچتا ہے اور جیسی چاہتا ہے ویسی کھینچتا ہے۔ پھر

انگلی لمبے اور چار انگل چھوٹے سانچے میں کروڑوں صورتیں بناتا ہے اور ایک کو دوسرے سے ممتاز رکھتا ہے اور ایک صورت دوسری صورت سے علیحدہ پہچانی جاتی ہے۔ جب وہ ایسا ہے تو فطرت انسانی اور ضروریات انسانی کا اس سے بڑھ کر کون واقف ہو سکتا ہے اور جب کوئی اور دوسرا ان صفات مذکورہ یعنی دائمی حیات۔ کامل قیومیت۔ کامل علم۔ کامل قدرت اور بے پناہ طاقت سے متصف نہیں ہے تو اس پاک ذات کے علاوہ کوئی دوسرا عبادت کا مستحق اور معبود بننے کا اہل کیونکر ہو سکتا ہے۔ نیز اس تصویر سازی سے معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ کی تصویر بھی ان کی ماں کے پیٹ میں اسی نے بنائی ہے۔ پھر جو اپنی شکل و صورت کی ترتیب اور وضع میں خدا تعالیٰ کا محتاج ہو وہ خدا کا ہمسر اور شریک کس طرح ہو سکتا ہے اور صرف شکل و صورت ہی کیا بلکہ ہر قسم کی روحانی اور جسمانی تربیت اور ترقی میں جو مخلوق خدا کی محتاج ہو وہ کب اس لائق ہو سکتی ہے کہ اسے مالک حقیقی کی عبادت میں شریک کیا یا اپنا حاجت روا اور مشکل کشا سمجھا جائے۔ یہاں تک تو عقیدۂ تثلیث اور عقیدۂ شرک کا ابطال اور توحید الٰہی کا اثبات تھا۔ اب آگے نجرانی وفد کے بعض اور شبہات کا جواب ہے۔ جیسا کہ بعض روایات میں آتا ہے کہ بعض ارکان وفد نے دوران گفتگو میں یہ بھی کہا تھا کہ مسلمان بھی حضرت عیسیٰ کو کلمۃ اللہ اور روح اللہ کہتے ہیں اور ممکن ہے کہ یہ بھی کہا ہو کہ ہمارا یہ عقیدہ کہ مسیح خدا کا بیٹا ہے یہ ہماری آسمانی کتاب یعنی انجیل سے ماخوذ ہے اور تم لوگ بھی ہماری کتاب کو منزل من اللہ کہتے ہو کیونکہ انجیل میں بعض آیتیں ایسی ہیں جن میں مخلوق کو خدا تعالیٰ نے اولاد کے الفاظ سے تعبیر کیا یا خود حضرت عیسیٰ نے کبھی اپنی تقریر میں اللہ تعالیٰ کو اس کی ربوبیت کے اعتبار سے باپ فرمایا ہو۔ حالانکہ یہ محض شفقت و محبت اور پیار کی وجہ سے کہا گیا تھا۔ مگر عیسائیوں نے غلط تاویلات کر کے سچ مچ مسیح کو خدا کا بیٹا بنا لیا اور مسیح کو اور اس کی ماں کو خدا کی الوہیت کا حصہ دار بنا لیا۔ چنانچہ اس کا جواب دیتے ہیں۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ کتب سماویہ میں بعض محکمات ہوتے ہیں اور بعض متشابہات جہاں تک عقائد و احکام کا تعلق ہے اس میں محکمات سے استدلال کیا جاتا ہے اور متشابہات پر تو اجمالاً ایمان لانے کا حکم دیا جاتا ہے اور ان آیات متشابہات کی توجیہ اور تاویل اور اس میں غور و خوض اور انہماک ممنوع ہوتا ہے۔ کیونکہ آیات متشابہات عام طور سے مجمل اور خفی المراد ہوتی ہیں اس لئے اگر کوئی ان پر ایمان لانے کی بجائے ان کے حقیقی معنی کی کھوج لگانے کے درپے ہوتا ہے تو وہ ایک فتنہ کا دروازہ کھولتا ہے۔ اس لئے کہ ان آیات متشابہات کے حقیقی معنی تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ اس کھوج لگانے والے کو ان معنی کا صحیح پتہ تو ملے گا نہیں اور خود گمراہ ہو جائے گا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ (تسہیل)

بقیہ صفحہ ۷۹

متشابہ کہہ سکتے ہیں۔ اس لئے اب اس شبہ کی گنجائش نہ رہی کہ سورۂ زمر میں اللہ تعالیٰ نے پوری کتاب کو متشابہ اور سورۂ ہود میں تمام آیات کو محکم کیوں فرمایا ہے اور اسی شبہ کو رفع کرنے کی وجہ سے ہم نے تسہیل میں (منطوق و مفہوم کے اعتبار دو طرح کی ہیں) عرض کیا ہے تاکہ یہ بات سمجھ میں آجائے کہ یہاں مفہوم اور منطوق کی حیثیت سے تقسیم کا بیان ہے

(۲) دین فطرت اور دین حق کا انداز تمام ادیان باطلہ سے جدا اور ممتاز ہے۔ مثلاً دین باطل میں بت پرستی ہے۔ ایک مشرک کے سامنے بت رکھا ہوتا ہے۔ وہ اس کی حالت کو جانتا ہے بلکہ وہ بت اسی صنم پرست کے ہاتھ کا بنا ہوا ہے اس لئے وہ اس کی حقیقت اور ماہیت کو خوب سمجھتا ہے۔ وہ بت پرست جانتا ہے کہ یہ میرا بنایا ہوا ہے یہ ایک دیوتا کی مورت ہے اور یہ پتھر یا لکڑی کی بنی ہوئی ہے لیکن دین حق میں صرف ایک بن دیکھے خدا کی طرف دعوت دی گئی ہے۔ وہ بن دیکھا خدا، نہ دیکھا جا سکتا ہے، نہ اس کو ہاتھ لگا کر چھوا جا سکتا ہے۔ نہ اس کی ذات وصفات کی حقیقت کا پتہ لگ سکتا ہے۔ قرآن کہتا ہے وہ قادر مطلق ہے۔ وہ سنتا ہے، وہ انسانی قلوب کے بھیدوں سے واقف ہے۔ وہ کلام کرتا ہے یہ قرآن اسی کا کلام ہے، وہ عرش پر قائم ہے۔ قرآن یہ سب باتیں بتاتا ہے اور جس کے متعلق بتاتا ہے وہ نظر کے سامنے نہیں۔ اور قرآن جس زبان میں یہ صفات بیان کرتا ہے وہ وہی عربی زبان ہے جس میں قرآن نازل ہوا ہے۔ وہ سننے کو سمع سے اور دیکھنے کو بصر سے اور عرش پر قائم ہونے کو استوا علی العرش سے سمجھاتا ہے۔ اب بجز اس کے کیا چارہ ہے کہ ہم ان سب چیزوں پر ایمان لائیں اور ساتھ ہی ان الفاظ کے صحیح معنی اور صحیح مراد متعین کرنے میں اپنی عاجزی اور بے بسی کا اظہار کریں۔ اس لئے کہ ہم کو اگرچہ ان الفاظ کے معنی تو معلوم ہیں۔ لیکن ہم اللہ تعالیٰ کے سننے اور دیکھنے اور عرش پر قائم ہونے کی صحیح حقیقت نہیں سمجھ سکتے اور یہ بات صرف ان ہی الفاظ قرآنی پر موقوف نہیں بلکہ ان تمام امور فوق الطبعیات پر یہ بات صادق آتی ہے جو انسانی عقول اور انسانی فہم وادراک سے ماوراء اور بالاتر ہیں۔ اور آسمانی کتابیں ان کو اپنی اپنی زبان میں بیان کرتی چلی آئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات پر کیا موقوف ہے۔ عالم برزخ۔ عالم ارواح سب کی یہی حالت ہے۔ چونکہ سلف نے کسی خاص ضرورت کی وجہ سے چند چیزوں پر بحث کی ہے اس لئے یہی چیزیں عام طور سے مفسرین کی بحث کا بھی موضوع بنی ہوئی ہیں۔ مثلاً حروف مقطعات استوا علی العرش۔ ید اللہ اور سمع وبصر وغیرہ۔ ایک طرف اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس جملہ قیودات سے پاک اور دوسری طرف انسانی اعضا کا اثبات۔ ایک طرف جملہ قیودات مکانی سے منزہ اور دوسری طرف عرش پر قیام۔ یہی وہ چیزیں ہیں کہ جن کو قرآن نے متشابہات فرمایا ہے اور یہی وہ متشابہات ہیں جن کو سلف نے معنی معلوم اور حقیقت مجہول کہا ہے اور یہی وہ امور ہیں جن پر سلف بلا کسی توجیہ اور تاویل کے ایمان رکھتے تھے۔ اور ان پر بحث کرنے سے اجتناب کرتے تھے۔ اور اس راہ میں سلف ہی کا طریقہ اسلم اور اس قابل ہے کہ اسی کو اختیار کیا جائے۔ اگرچہ خلف نے اہل باطل کو جواب دینے اور سمجھانے کی غرض سے توجیہ اور تاویل کا جو طریقہ اختیار کیا ہے اس سے فقیر کو انکار نہیں۔ لیکن۔ اسلم۔ احوط اور احکم طریقہ وہی ہے جو سلف کا طریقہ ہے۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور اتنا ہی ہر مسلمان کی نجات کے لئے کافی ہے کہ امنا بہ کل من عند ربنا (۳) اور یہ جو فرمایا کہ ام الکتاب ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ یہی آیتیں قرآن کی بنیاد ہیں۔ اس لئے متشابہات کے معنی ان ہی کے موافق کرنے چاہئیں اور کوئی مطلب متشابہات کا ایسا نہیں بیان کرنا چاہیئے جو آیات محکمات کے خلاف ہو (۴) محکمات وہ آیتیں ہیں جن کی عبارت بالکل صاف ہو اور ایک لغت عربی کے عالم کو اس کے معنی سمجھنے میں کوئی اشتباہ نہ ہو خواہ بلا تامل سمجھے خواہ تھوڑے سے تامل کے بعد سمجھ لے۔ یہی وہ آیتیں ہیں جو نزول قرآن کی غرض کو پورا کرتی ہیں۔ ان ہی میں عبرت وموعظت اور عقائد واعمال اور امر ونواہی۔ عبادات واخلاق وغیرہ کے احکام بیان کئے گئے ہیں ان ہی میں گمراہوں کو اسلام کی دعوت دی گئی ہے اور ان ہی آیات میں انسانی ضروریات کے ہر شعبہ پر روشنی ڈالی گئی ہے اور دنیا کے لئے ایک مکمل پروگرام بتایا ہے جو معاش و معاد کے لئے کافی ہے اور تشنگان راہ حق کو سیراب کرنے اور گمشدگان راہ حق کو صحیح راہ بتلانے کے لئے کافی ہے (۵) متشابہات وہ آیات ہیں کہ جن کی مراد سامع پر مشتبہ ہو اور باوجود طلب وتامل کے اس کی اصلی مراد معلوم نہ ہو سکے مگر یہ کہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی اس کے معنی اور مراد بیان فرمادیں یا کسی کو انوار نبوت کی برکت سے شرح صدر کی دولت نصیب ہو جائے۔ ان متشابہات کی مختلف اقسام ہیں۔ مثلاً آیت متشابہ کا لغوی مدلول بھی معلوم نہ ہو جیسے حروف مقطعات یا یہ کہ اس کے لغوی معنی اور مدلول تو معلوم ہے لیکن کسی عقلی یا نقلی محذور کی وجہ سے لغوی مدلول مراد نہ لے سکیں۔ پھر اگر کسی کو مدلول لغوی معلوم ہو تو اس کی بھی یہ شکل ہو سکتی ہے کہ مدلول لغوی واحد ہو یا اس کا لغوی مدلول متعدد ہو اور چند معنی میں مشترک اور محتمل ہو۔ پھر جو بہت سے معنی کو مشترک ہو اس میں بھی یہ احتمال ہے کہ کسی ایک مدلول اور ایک معنی کو کسی دلیل قطعی یا دلیل ظنی سے ترجیح دی گئی ہو یا نہ دی گئی ہو بلکہ تمام مدلولات کی حیثیت مساوی ہو۔ یہ تمام صورتیں متشابہ کی ہیں۔ (۶) ایک تقسیم علماء اصول نے بھی کی ہے وہ بھی خیال میں رہنی چاہیئے۔ اگرچہ اس کی نوعیت ذرا مختلف ہے ان کے ہاں تقسیم اس طرح ہے۔ ظاہر۔ نص۔ مفسر۔ محکم۔ پھر ان چار قسموں کے مقابل چار قسمیں اور ہیں خفی۔ مشکل۔ مجمل اور متشابہ یہ سب صورتیں الفاظ کے ظہور اور خفاء پر مبنی ہیں مثلاً کسی کلام کے معنی ظاہر ہیں مگر یہ ظاہری معنی کسی تاویل کے محتمل ہیں یا نہیں ہیں اور اگر معنی کا ظہور مجرد صیغہ کے ساتھ ہو تو وہ ظاہر ہے اور اگر ظہور کے ساتھ سوق کلام بھی اس کا موید ہو تو وہ نص ہے اسی طرح جس میں احتمال تاویل تو نہ ہو مگر نسخ کا احتمال ہو تو وہ مفسر ہے اور اگر نسخ کا احتمال نہ ہو تو وہ محکم ہے۔ اور اگر کلام کے معنی میں خفا ہو تو پھر کئی صورتیں ہیں اگر خفا نفس صیغہ کی وجہ سے نہ ہو بلکہ کسی عارض کی وجہ سے ہو تو وہ خفی ہے اور اگر نفس صیغہ کی وجہ سے ہو مگر تامل سے معنی سمجھے جا سکتے ہیں تو مشکل ہے اور اگر متکلم کی جانب توضیح مراد کی توقع ہو تو مجمل ہے اور اگر توقع بھی نہ ہو اور غور وتامل سے حقیقی معنی کا ادراک بھی نہ ہو تو متشابہ ہے۔ (۷) متشابہات کے متعلق علماء کے دو قول ہیں ایک تو یہ کہ ان کے تعیین معنی اور حقیقی مراد سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا اور دوسرا قول یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی حقیقی مراد سے واقف تھے۔ (۸) چونکہ یہ امر ظاہر ہے کہ حضرت حق جل مجدہٗ کی تمام صفات خواہ وہ سمع ہو یا بصر ہو یا نزول الی سماء الدنیا ہو یا استوا علی العرش ہو وہ صفات ایسی نہیں ہیں جو مستلزم بالمادیۃ ہوں۔ اس لئے احتیاط کا مقتضا یہ ہے کہ لغوی معنی تو کئے جائیں لیکن ساتھ میں یہ قید لگا دیجئے کہ وہ سنتا ہے مگر اس کا سننا ہماری طرح کا سننا نہیں ہے، وہ دیکھتا ہے مگر اس کا دیکھنا ہمارا جیسا دیکھنا نہیں ہے۔ وہ عرش پر اپنی شان کے لائق قائم ہے۔ اس طرح سلف اور خلف کے طریقہ میں مآل کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں رہتا۔ (۹) سلف کے قول کو ہم ابھی اوپر عرض کر چکے ہیں۔ ان کا مسلک یہ ہے کہ استوا معلوم کیفیت مجہول استوا پر ایمان واجب اور اس کی پوچھ گچھ کرنا بدعت

(۱۰) لیکن جیسا کہ فقیر نے عرض کیا کہ خلف کو دشواریاں تبلیغ میں پیش آئیں اور عجم کو قرآن سمجھانے میں جو دقتیں رونما ہوئیں اس لئے انہوں نے متشابہات میں ایک خاص طریقہ اختیار کیا۔ جو ان تبلیغی اور اہم مقاصد کے لحاظ سے جائز تھا۔ اور اس خاص طریقہ کے اختیار کرنے میں سلف کی مخالفت کا الزام ان پر عائد نہیں کرنا چاہیئے۔ (۱۱) ہمارے اس خلاصہ کے بعد جو ہم نے بہت سی تفاسیر سے کیا ہے۔ تیسیر اور تسہیل کا مطلب واضح ہو گیا ہوگا۔ چنانچہ ہماری ان گذارشات کے بعد یہ معلوم ہو گیا ہوگا کہ بجائے اس کے کہ متشابہ کی مراد محکم سے حاصل کریں اور متشابہات کو آیات محکمات کی طرف لوٹائیں یا خدا کے سپرد کریں بعض شرارت پسند اور فتنہ جو طبیعتیں ان متشابہات کو اپنے مطلب کے معنی پہنانے کی جستجو میں رہتی ہیں اور ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ دین فطرت میں فتنہ برپا کریں۔ جیسا کہ اہل باطل کا دستور چلا آتا ہے اور ان سب اہل باطل میں اول جس فرقہ نے خروج کیا وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشینگوئی کے مطابق خوارج کا فرقہ تھا۔ اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ واجعلنا ممن یذکر من اولی الالباب، حضرت شاہ صاحبؒ ارشاد فرماتے ہیں اس سورت میں نصاریٰ کو سمجھانا منظور ہے کہ حضرت مریم کو خدا کی عورت کہتے اور حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا اور وہ بہکے تھے اس پر کہ اللہ کی مہربانی کے الفاظ ان کے حق میں سنے تھے ایسے کہ بندگی سے زیادہ مرتبہ چاہیں۔ اس واسطے اللہ صاحب فرماتا ہے کہ ہر کلام میں اللہ نے بعض باتیں رکھی ہیں جن کے معنی صاف نہیں کھلتے تو جو گمراہ ہو ان کے معنی عقل سے لگے پکڑنے اور جو مضبوط علم رکھے وہ ان کے معنی اور آیتوں سے ملا کر سمجھے جو جڑ کتاب کی ہے اس کے موافق سمجھ پائے تو سمجھے اور اگر نہ پاوے تو اللہ پر چھوڑ دے کہ وہی بہتر جانے ہم کو ایمان سے کام۔ (موضح القرآن) شاہ صاحبؒ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ نصاریٰ نے انجیل کے ایسے الفاظ کو اختیار کر لیا جو متشابہ کے حکم میں تھے۔ اور محض حضرت حق نے اپنی مہربانی سے وہ پیار کے الفاظ اپنی مخلوق کے لئے یا حضرت عیسیٰ کے لئے استعمال کئے تھے۔ ان لوگوں نے اپنے مطلب کی تاویل کر کے عیسیٰ کو خدا کا بیٹا اور حضرت مریم کو خدا کی بیوی کہا اور ان کو اللہ تعالیٰ کی الوہیت میں شریک کر کے اقانیم ثلاثہ کی شکل وضع کی اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ روح اللہ اور کلمۃ اللہ سے جو استدلال وفد نجران نے کیا تھا اس کا جواب ہو کہ یہ اضافت تشریفی ہے اور یہ الفاظ متشابہات میں سے ہیں۔ ان کا مطلب آیات محکمات کو دیکھنے سے یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ ایک ایسی روح ہیں جس کے موجود ہونے کا سبب صرف اللہ تعالیٰ کا امر اور اس کا کلمہ کن ہے۔ اور دوسرے اسباب پیدائش سے وہ منزہ ہیں۔ اب آگے ان راسخون فی العلم کی دعا نقل ہوتی ہے۔ کہ وہ لوگ اس قدر پختہ مسلمان ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ سے اس طرح عاجزانہ درخواست کرتے ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پختہ مسلمانوں کو دعا تعلیم فرمائی گئی ہو اور مطلب یہ ہو کہ باوجود پختہ مسلمان ہونے کے ہم سے یوں دعا کیا کرو۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل) اے ہمارے پروردگار! جب تو ہم کو ہدایت کر چکا اور تو نے ہم کو سیدھی راہ پر لگا دیا تو ہدایت کرنے کے بعد ہمارے قلوب کو کج نہ کر اور ہمارے دلوں کو زیغ اور کجی میں مبتلا نہ کر اور ہم کو اپنے پاس سے خاص رحمت عطا کر۔ یقیناً تو بڑا فیاض اور بہت عطا کرنے والا ہے۔ اے ہمارے پروردگار! یقیناً تو سب لوگوں کو میدان حشر میں اس دن جمع کرنے والا ہے جس

دن کے واقع ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں. کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کیا کرتا۔ جو وعدہ کرتا ہے اس کو پورا کرتا ہے اور چونکہ قیامت کا اس نے وعدہ فرمایا ہے لہذا یہ ضرور پورا ہو گا۔ (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ جب آپ نے اپنی کتاب نازل فرما کر اور اپنے رسول کو بھیج کر ہماری ہدایت کا سامان کر دیا اور ہم کو محکم اور متشابہ پر ایمان لانے کی توفیق عطا فرما دی تو اب اس کرم نوازی کے بعد ہم کو دین حق اور راہ راست سے گمراہی اور اہل باطل کی راہ کی طرف مائل نہ کیجیو۔ اور ہمارے قلوب ان لوگوں کی طرح کج نہ کیجیو۔ جو متشابہ کے پیچھے محض فتنہ وفساد کی غرض سے پڑے رہتے ہیں۔ اور آیات متشابہات کی نئی نئی توجیہات وتاویلات اختراع کیا کرتے ہیں۔ اور ہم کو اپنے خزانے سے خاص رحمت جسے توفیق اور تثبیت کہتے ہیں عطا فرما دے۔ کیونکہ آپ بڑے داتا اور بڑے بخشش کنندہ ہیں۔ آپ سے جو مانگا جائے وہ آپ عنایت کرتے ہیں اور یہ توفیق وتثبیت ہم اس لئے طلب کر رہے ہیں کہ ہم کو قیامت کے آنے کا یقین ہے اور ہم جانتے ہیں کہ ایک دن ایسا آنے والا ہے جس دن آپ سب لوگوں کو میدان قیامت میں جمع فرمائیں گے اور ہر شخص کو اس کے اعمال کی جزاو سزا کا حکم دیں گے۔ یہ آپ نے وعدہ فرمایا ہے۔ اور آپ کا وعدہ ٹلا نہیں کرتا۔ حدیث میں آتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کوئی دل ایسا نہیں ہے جو رحمان کی دونوں انگلیوں کے مابین نہ ہو۔ اگر وہ اس کو سیدھا رکھنا چاہے تو سیدھا رکھتا ہے۔ اور چاہے تو اس کو ٹیڑھا کر دیتا ہے. نبی کریم عام طور سے فرمایا کرتے تھے یا مثبت القلوب ثبت قلبی علی دینک، اے قلوب کے ثابت رکھنے والے! میرے قلب کو اپنے دین پر ثابت رکھیو۔ ابوموسیٰ اشعری کی روایت میں ہے۔ فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے قلب کی مثال ایسی ہے جیسے ایک پر کسی جنگل میں پڑا ہو اور ہوائیں اس کو الٹتی پلٹتی رہتی ہوں۔ اب آگے دین حق کے منکروں کا ذکر فرماتے ہیں کہ جو لوگ ان واضح آیات ودلائل کے بعد حق کا انکار کرتے ہیں۔ ان کا دنیا اور آخرت میں کیسا برا انجام ہونے والا ہے. چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں۔

(تسہیل) بلاشبہ جن لوگوں نے کفر وانکار کی روش اختیار کر رکھی ہے۔ ان کو اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں نہ ان کے مال کچھ کام آئیں گے اور نہ ان کی اولاد اور ایسے ہی لوگ جہنم کا ایندھن ہوں گے۔ ان لوگوں کا حال اور ان کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے جیسا فرعون والوں کا اور ان کا جو آل فرعون سے پہلے ہو گذرے ہیں کہ انہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔ چنانچہ اس تکذیب کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے گناہوں کی وجہ سے ان کو پکڑ لیا اور اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔ اے پیغمبر! جن لوگوں نے دین حق کی دعوت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تم لوگ بہت جلد مغلوب کئے جاؤ گے یعنی دنیا ہی میں مسلمانوں کے ہاتھ سے اور آخرت میں تم لوگ جہنم کی طرف جمع کر کے ہانکے جاؤ گے اور وہ جہنم بہت ہی بری آرام گاہ اور رہنے کا برا ٹھکانہ ہے۔ (تیسیر) دأب کے معنی ہیں کسی کام میں محنت کرنا۔ یہاں شان۔ حال اور عادت و طریقہ مراد ہے۔ مہاد کے معنی فرش۔ قرارگاہ۔ آیت کا تعلق کفار قریش سے یا اہل کتاب سے ہے یا دونوں سے بھی ہو سکتا ہے۔ اگرچہ جنگ بدر کا تعلق صرف کفار قریش سے تھا اور ان ہی کی ہزیمت اور مغلوبیت کے متعلق آیت میں پیشینگوئی ہے۔ لیکن مدینہ کے یہود بھی

انجام کے منتظر تھے اور بظاہر جنگ کو ایک تماشائی کی حیثیت سے دیکھ رہے تھے۔ مال اور اولاد کا اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں بیکار ہونے کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقابل ہو کر اللہ تعالیٰ کی بات نہ چلنے دیں دوسرا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور عنایت کے بغیر مال اور اولاد ان کافروں کی نجات کے لئے کافی ہو جائے۔ حضرت حق نے دونوں صورتوں کی آیت میں نفی فرما دی۔ ایندھن کا مطلب سورۂ بقرہ کے تیسرے رکوع میں بیان ہو چکا ہے۔ وقود اس کو کہتے ہیں جس سے آگ روشن کی جائے اور آگ جلائی جائے۔ اور یہ جو فرمایا کہ داب آل فرعون اس کے کئی طرح معنی کئے گئے ہیں. مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کے کرتوت بھی ویسے ہی ہیں جیسے فرعون والوں کے اور ان سے پہلے لوگوں کے کرتوت تھے۔ فرعون سے پہلے لوگ جیسے عاد. ثمود۔ قوم لوط وغیرہ اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ان کفار کا طریقہ اور ان کی عادت اور ان کا حال بھی رسولوں کی تکذیب کرنے میں اور ان پر عذاب کے نازل ہونے میں ویسا ہی ہے جیسے آل فرعون اور ان سے پہلے لوگوں کا تھا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ کافر بھی اسی طرح دوزخ کا ایندھن ہوں گے۔ اور مال و اولاد ان کے بھی اسی طرح بیکار ہوں گے جیسے آل فرعون وران کے پیش رو لوگوں کا ہو چکا ہے۔ ہم نے اوپر کہا ہے کہ آیت میں یہود بھی مراد ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ ابن عباس سے مروی ہے کہ جب مسلمان اہل بدر کو شکست دے کر واپس ہوئے تو آپ نے بنی قینقاع میں یہود کو جمع کر کے فرمایا کہ تم لوگ اسلام قبول کر لو مبادا تمہارا حشر بھی ویسا ہی ہو جیسا اہل بدر کا ہوا اس پر یہودی نے جواب دیا۔ آپ کفار قریش پر ہم کو قیاس نہ کیجئے۔ یہ لوگ ان پڑھ اور ناتجربہ کار ہیں۔ اگر پڑھے لکھے لوگوں سے ہاتھ ملائے تو آپ کو حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ اور آپ کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ ہم جیسے لوگوں سے جنگ کرنا آسان نہیں ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے دونوں ہی پر عذاب نازل کیا۔ کفار قریش پر قتل اور قید کی مصیبت آئی اور یہود پر قتل۔ قید۔ جلا وطنی اور جزیہ مقرر کیا گیا۔ مقاتل کا قول ہے کہ آیت کا تعلق کفار مکہ سے ہے۔ ابن عباس نے فرمایا کہ جب بدر کی ہزیمت مدینہ کے یہود کو معلوم ہوئی تو انہوں نے آپس میں کہا کہ یہ وہی نبی ہے جس کی حضرت موسیٰ نے ہم کو بشارت دی تھی کہ اس کا جھنڈا ناکام ہو کر نہیں لوٹے گا۔ اس پر بعض یہود نے کہا۔ جلدی نہ کرو ابھی ایک دو واقعات اور ہو نے دو پھر آخری رائے قائم کرنا۔ چنانچہ احد کی جنگ جب مسلمانوں کے حق میں ناسازگار ہوئی تو یہ لوگ شک میں پڑ گئے۔ اور ان لوگوں نے نقض عہد کیا اور کفار عرب کو کعب بن اشرف بھڑکاتا پھرا اور آخر یہود کا بھی وہ انجام ہوا جو ہم اوپر عرض کر چکے ہیں۔ بہرحال آیت کا تعلق خواہ کفار قریش سے ہو خواہ مدینہ کے یہود سے ہو خواہ دونوں سے ہو۔ لیکن عام نہیں ہے بلکہ خاص کافروں کے متعلق ہے۔ اس لئے یہ شبہ نہ کیا جائے کہ ہر جگہ کے کافر تو مغلوب نہیں ہیں۔ البتہ قیامت کے عذاب میں سب شریک ہیں۔ اور آخرت کا عذاب سب کو شامل ہے۔ بئس المھاد کا مطلب یہ ہے کہ وہ قرارگاہ بہت بری ہے جو یہ اپنے لئے تیار کر رہے ہیں یا وہ آرام گاہ بہت بری ہے جو ان کے لئے مقرر کی گئی ہے۔ دونوں تقدیروں پر مراد اس سے جہنم ہے۔ اب آگے بدر میں جو کچھ ہوا اس کا مختصر سا ذکر فرماتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی تائید اور نصرت اور بعض خرق عادت حالات کو شامل ہے۔ (تسہیل) بلاشبہ تمہارے لئے ان دو جماعتوں میں بڑی عبرت آموز نشانی تھی۔ جو میدان بدر میں ایک دوسرے سے باہم نبرد آزما ہوئی تھیں اور دونوں

جماعتیں آپس میں بھڑی تھیں۔ ایک گروہ تو اللہ کی راہ میں لڑ رہا تھا یعنی اعلاء کلمۃ اللہ کی غرض سے جنگ کر رہا تھا۔ اور دوسرا فریق کافروں کا تھا جو کھلی آنکھوں ان کو اپنے سے دوچند دیکھ رہے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنی امداد سے قوت دیتا ہے اور جس کی چاہتا ہے اپنی فتح ونصرت کے ساتھ تائید کرتا ہے۔ یقین جانو اس واقعہ میں آنکھیں رکھنے والوں کے لئے بڑی عبرت ہے۔ (تیسیر) حضرت حق نے کفار کے عنقریب مغلوب ہونے کی جو پیشینگوئی اوپر کی آیت میں فرمائی تھی اس کا اس آیت میں ثبوت ہے کہ کفار باوجود صریح اکثریت کے کس طرح بدر کے میدان میں مغلوب ہوئے کیونکہ اس غزوہ میں مسلمانوں کی تعداد صرف تین سو تیرہ تھی۔ ستتر آدمی تو مہاجرین میں سے تھے۔ اور مہاجرین کے علم بردار حضرت علی یا مصعب بن عمیر تھے۔ اور دو سو چھتیس مسلمان انصار میں سے تھے۔ اور انصاریوں کے علمبردار سعید بن عبادہ تھے۔ اسلامی فوج کے پاس ستر اونٹ۔ دو گھوڑے۔ آٹھ تلواریں اور چھ زرہیں تھیں مسلمانوں کا یہ کل جنگی سامان تھا۔ دوسری طرف تقریباً ساڑھے نو سو کافر تھے۔ جن میں سے سات سو کے پاس اونٹ اور ایک سو کے ساتھ گھوڑے تھے۔ ان کا سردار عتبہ بن ربیعہ بن عبد الشمس تھا۔ یہ جنگ ہجرت کے اٹھارہ مہینے کے بعد رمضان میں واقع ہوئی تھی۔ دونوں فوجوں میں تعداد کے اعتبار سے، سامان کے اعتبار سے اور بڑی بات یہ کہ اخلاق کے اعتبار سے نمایاں فرق تھا۔ ایک طرف گانے والی عورتیں ساتھ تھیں۔ شراب کا ہر وقت دور چل رہا تھا۔ گانے والیاں جنگی ترانے گا گا کر ابھار رہی تھیں۔ دوسری طرف نماز تھی۔ خدا تعالیٰ سے دعائیں تھیں۔ رونے کا چرچا تھا۔ بات بات پر اللہ تعالیٰ کا نام تھا۔ قرآن شریف کی تلاوت تھی۔ اس طرح دو لشکروں کی مڈ بھیڑ ہوئی۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنی فتح ونصرت کے ساتھ مسلمانوں کی مدد فرمائی اور مسلمانوں کو کامیابی ہوئی اور بدر کی فتح نے تمام کفار عرب پر مسلمانوں کی دھاک بٹھا دی۔ اور بڑے بڑے زبردست اور سرکش کافر اسلام پر سنجیدگی سے غور کرنے لگے۔ آیت میں جو لکم کا خطاب ہے اس میں بھی تین احتمال ہیں۔ یا اہل کتاب کو خطاب ہے یا کفار قریش کو یا دونوں کو بھی مخاطب بنایا جا سکتا ہے اور چونکہ نافع اور یعقوب اور دوسرے بعض قراء کی قرأت میں بجائے یرونھم کے ترونھم ہے۔ اس لئے اس جملہ کے بہت سے معنی کئے گئے ہیں اور اسی غرض سے ہم نے تیسیر میں کوئی بات ظاہر نہیں کی۔ اور چونکہ اس دن خرق عادت کے حد پر ایک فریق دوسرے فریق کو صحیح تعداد سے کئی گنا بڑھتی دیکھ رہا تھا۔ اس لئے ترجمہ کرنے والوں نے یرونھم مثلیھم کی ضمیروں کے مختلف مرجع قرار دیئے ہیں. مزید تشریح سورۂ انفال میں آ جائے گی۔ سورۂ انفال کی آیت میں اور سورۂ آل عمران کی آیت میں کوئی تناقض نہیں ہے۔ یہ تقلیل اور تکثیر مختلف حالات میں ہوئی ہے۔ ابتداً کم دکھانے کی مصلحت یہ تھی کہ دونوں فریق بھڑ جائیں۔ بھڑ جانے کے بعد تھوڑوں کو بہت دکھانا اس غرض سے تھا کہ مشرکوں کا دل ٹوٹ جائے۔ بہرحال جن کی قرأت پر یہاں یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ مشرک مسلمانوں کو اپنے سے دوچند دیکھ رہے تھے۔ یعنی تین سو تیرہ کو دو ہزار دیکھ رہے تھے۔ اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ کافر مسلمانوں کو ان کی تعداد سے دوچند دیکھ رہے تھے۔ یعنی تین سو تیرہ کو چھ سو چھبیس سمجھ رہے تھے۔ اور یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ مسلمان مشرکوں کو اپنے سے دوچند دیکھ رہے تھے۔ یعنی ہزار کی تعداد صرف چھ سو چھبیس دکھائی دے رہی تھی۔ اور بعض اکابر نے اپنے ذوق کے موافق یوں معنی کئے ہیں۔ کہ یہ کافر اپنے کو مسلمانوں سے کئی حصہ زیادہ دیکھ

رہے تھے۔ اور یہ دیکھنا بھی صریح آنکھوں کا دیکھنا تھا۔ اور اگرچہ یہاں دیکھنے سے مراد علم ہے جیسا کہ ہم نے اوپر عرض کیا ہے کہ سمجھ رہے تھے لیکن یہ علم چونکہ معائنہ اور مشاہدہ سے حاصل ہوا تھا اس لئے سبب کا مسبب کی بجائے نام لیا ہے۔ بہرحال جو معنی بھی لئے جائیں سب کی گنجائش ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حسب وعدہ کفار مغلوب ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح نصیب فرمائی۔ اسی کو حضرت حق نے آیۃ فرمایا ہے کفار کے لئے یہ بہت بڑی نشانی تھی اور یہود کے لئے بھی بہت بڑی نشانی تھی کہ قلت تعداد اور بے سروسامانی کے باوجود اللہ تعالیٰ نے تھوڑی تعداد اور بے سروسامان لوگوں کے ہاتھوں کفار کی بہت بڑی جماعت اور بھاری جمعیت کو شکست دلوائی۔ اس کو آخر میں فرمایا۔ ان فی ذلک لعبرۃ لاولی الابصار، یعنی اس سبق آموز واقعہ میں ان لوگوں کے لئے بڑی عبرت اور بڑا سبق ہے جو دیدۂ بینا اور دیکھنے والی نگاہ رکھتے ہیں چونکہ ان آیات میں کفار کا ذکر تھا اور مال اور اولاد کے کام نہ آنے کا تذکرہ تھا اب آگے اس کی مزید تصریح فرماتے ہیں اور اسی کے ساتھ ان چیزوں کا بیان کرتے ہیں جو قیامت میں مفید اور کام آنے والی ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ یعنی جنگ بدر میں جس کا قصہ سورۂ انفال میں ہے مسلمانوں سے کافر تین برابر تھے۔ اللہ دو ہی برابر دکھاتا تھا۔ کہ خوف نہ کھاویں۔ پھر اللہ نے مسلمانوں کو فتح دی۔ اس سے چاہیئے کہ سب کافر عبرت پکڑیں۔ (موضح القرآن) تسہیل)

بقیہ صفحہ ۸۱

وہاں ہر خواہش پوری ہوگی۔ سواریاں بھی ہوں گی۔ اولاد بھی نیک انسان کی اس کے قریب ہوگی۔ جنت کی تعمیر ہی سونے اور چاندی سے ہوگی، مگر باوجود اس کے پھر بھی جنت کے ساتھ بیویوں کا ذکر فرمایا اور ایک رضوان کا ذکر فرمایا۔ اس کی وجہ بعض یہ معلوم ہوتی ہے کہ عورت چونکہ تسکین خاطر اور دلجمعی کا سبب ہے اس لئے اس کا خصوصیت سے ذکر فرمادیا۔ رہی رضامندی اور رضائے الٰہی چونکہ وہ تمام نعمتوں میں اہم نعمت ہے بلکہ جنت کی طلب اور خواہش بھی اسی غرض کے لئے ہے اور حضرت حق کی رضا کا محل ہے اس لئے اس کو خاص طور پر ذکر فرمایا۔ یہ مطلب نہیں کہ بس ان چیزوں کے علاوہ وہاں کچھ اور نہ ہوگا۔ بلکہ وہاں وہ سب کچھ ہوگا جو یہاں نظر آتا ہے اور اس سے بہت زیادہ ہوگا اور دائمی ہوگا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ رضائے الٰہی سے روح کو جو کیف اور سرور نصیب ہوگا اور جو روحانی لذت میسر ہوگی اس کا تو اندازہ ہی نہیں لگایا جاسکتا۔ صاحب تفسیر مظہری حضرت قاضی ثناء اللہ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ صابرین سے مراد صوفیہ، غازی اور شہداء ہیں۔ صادقین سے مراد علماء ہیں۔ قانتین سے مراد وہ زاہد ہیں جو نمازوں میں طویل قیام کرتے ہیں۔ منفقین سے مراد وہ نیک دولت مند ہیں جو حلال سے روپیہ کماتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خیرات کرتے ہیں۔ اور مستغفرین بالاسحار سے وہ توبہ کرنے والے مراد ہیں جو نادانی سے کوئی غلطی کر بیٹھتے ہیں۔ اور گناہ کے متصل ہی توبہ کرتے اور معافی چاہتے ہیں۔ احقر عرض کرتا ہے کہ اہل تقویٰ کی صفات کے متعلق مفسرین نے بہت سی تفسیریں کی ہیں۔ اور ان سب کی گنجائش ہے، ولکل من فی ایعشقون من اھب۔ ہم نے صرف مطلب بیان کر دیا ہے اور باقی مباحث اور بہت سی احادیث کو چھوڑ دیا ہے۔ اب آگے پھر توحید کا مکرر ذکر فرماتے ہیں۔ کیونکہ یہ تمام بحث اثبات توحید اور ابطال تثلیث سے شروع ہوئی ہے۔

بیچ میں بعض مناسبت سے دوسری باتیں آگئیں، عقلی اور نقلی دلائل کے بعد پھر ان موانع کا ذکر فرمایا جو انسان کو امر حق کے قبول کرنے سے روکتے ہیں۔ آخر میں پھر توحید کا ذکر کیا۔ تاکہ سامع کو تمام بحث مستحضر ہو جائے اور اس کے بعد عام طور پر اہل کتاب اور کفار عرب کو اسلام کی دعوت دی گئی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین کی توحید اور ان کے اسلام کا اعلان کیا گیا۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں (تسہیل) اللہ تعالیٰ نے خود بنفس نفیس اس امر کی شہادت دی ہے کہ اس کے سوا کوئی دوسرا معبود ہونے کے لائق نہیں اور اس کی شان یہ ہے کہ وہ عدل و انصاف کے ساتھ ہر چیز کا انتظام رکھنے والا ہے اور فرشتوں نے اور دوسرے اہل علم نے بھی حضرت حق کی توحید اور اس کے یکتا ہونے پر شہادت دی ہے۔ پھر کہا جاتا ہے کہ اس معبود برحق کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں۔ وہ کمال قوت اور کمال علم و حکمت کا مالک ہے۔ (تیسیر) بغوی نے روایت کیا ہے کہ دو یہودی عالم شام سے مدینہ آئے تھے۔ انہوں نے مدینہ کو دیکھ کر کہا کہ یہ شہر تو بالکل اس شہر کے مشابہ ہے جو نبی آخر الزماں کا وطن ہوگا۔ اور جس کا ذکر ہماری کتابوں میں موجود ہے۔ اس پر ایک نے دوسرے کی تصدیق کی جب یہ لوگ مدینہ میں داخل ہوئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے آپ کی صفات سے آپ کو پہچان کر دریافت کیا آپ محمدؐ ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں میرا نام محمد ہے۔ پھر انہوں نے کہا کیا آپ احمد ہیں۔ آپ نے فرمایا میرا نام محمد بھی ہے احمد بھی ہے۔ اس کے بعد انہوں نے کہا اچھا ایک بات اور بتا دیجئے۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں سب سے بڑی شہادت کون سی ہے۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں اور انہوں نے جب یہ آیتیں سنیں تو وہ مسلمان ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ کی شہادت کا مطلب یہ ہے کہ تمام کتب سماویہ میں اس کا فرمان توحید موجود ہے اور یہی اس کی شہادت ہے۔ جب اللہ تعالیٰ تمام کائنات کا مالک اور خالق ہے اور مخلوق کے ذرے ذرے کا اس کو علم ہے اور وہ خود گواہی دیتا ہے کہ میرے سوا میری تمام مخلوق میں کوئی قابل عبادت نہیں ہے اور نہ کوئی معبود ہونے کا مستحق ہے تو اس سے بڑھ کر اور کس کی گواہی معتبر ہوسکتی ہے۔ پھر دوسری شہادت فرشتوں کی ہے فرشتے انتظامات کائنات کے کارندے ہیں وہ بھی یہی شہادت دیتے ہیں اور ان کی تسبیح و تحمید سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ کائنات میں کوئی ہستی اس قابل نہیں کہ سوائے اللہ کے معبود بننے کا مستحق اور اہل ہو۔ فرشتے چونکہ خود توحید کے مقر ہیں اس لئے یہی ان کی شہادت ہے۔ باقی اہل علم تو وہ خود بھی توحید کے قائل ہیں اور دوسروں کو بھی اللہ تعالیٰ کی توحید کی دعوت دیتے ہیں اور مختلف دلائل سے تقریر اور تحریر میں اثبات توحید کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ ان کی شہادت ہے۔ ان تین زبردست شہادتوں کے بعد کسی مشرک کو شرک کی گنجائش کہاں باقی رہتی ہے۔ ایک خود باری تعالیٰ کی شہادت دوسری فرشتوں کی شہادت۔ تیسری اہل علم کی شہادت۔ قائماً بالقسط کے معنی کئی طرح کئے گئے ہیں۔ لیکن ہم نے ایک معنی اختیار کئے ہیں اور قائماً کو اللہ تعالیٰ سے حال رکھا ہے جیسا کہ ہمارے ترجمہ اور تیسیر سے ظاہر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ شہادت اللہ تعالیٰ کی راستی اور انصاف کے ساتھ یا قیام انصاف کی غرض سے ہے جو اصل مقصد شہادت کا ہے جیسا کہ پانچویں پارے میں ارشاد ہے۔ کونوا قوامین بالقسط شہداء للہ، اور یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ وہ ہر چیز کا انصاف اور اعتدال کے ساتھ انتظام کرنے والا ہے یعنی توحید کی شہادت کے ساتھ اس کی یہ شان بھی ہے کہ وہ پوری کائنات کا اعتدال کے ساتھ انتظام چلا رہا ہے اور جب جس کی یہ شان ہے تو اس کے علاوہ دوسرا کون ہے جس کو اس کا

ہمسر کہا جاسکے۔ آخر میں پھر مضمون شہادت کی تاکید ہے جو مستقل دلیل عقلی بھی ہے کہ جب وہی ہر قسم کی قوت و حکمت کا مالک ہے تو وہی معبود برحق ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ آخری جملہ قائماً بالقسط کی دلیل ہو اس لئے کہ انصاف کے لئے دو باتوں کی علاوہ سے ضرورت ہوتی ہے۔ ایک حکومت و قوت کہ اس کے فیصلے سے کوئی سرتابی نہ کر سکے۔ دوسرے حکمت کہ جو فیصلہ کرے دانائی اور حکمت کے ساتھ کرے اور خوب جانچ کر فیصلہ صادر کرے اس لئے فرمایا لا الٰہ الا ھو العزیز الحکیم۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ عیسائیوں کے کفارے کا رد ہے کہ تم جو یہ کہتے ہو کہ سب کی طرف سے ایک شخص کو کفارہ کر دیا گیا۔ یہ تو بالکل انصاف کے خلاف ہے اور اللہ تعالیٰ انصاف کا حاکم ہے۔ اور اعتدال کے ساتھ انتظام عالم کا حقیقی منتظم ہے۔ وہ ایسا غیر منصفانہ فیصلہ کس طرح کرسکتا ہے کہ مسیح کو ساری مخلوق کا ذمہ دار ٹھہرا کر اس کا کفارہ لے اور تمام مجرموں کو بری کر دے واللہ اعلم بالصواب۔ یوں تو احتمالات بہت ہیں لیکن بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ توحید کی اہمیت کے لحاظ سے اولاً توحید کو بیان کرنے کے بعد مکرر ذکر کر دیا گیا ہے۔ بعض لوگوں نے قائماً بالقسط کو اولو العلم کا حال کہا ہے۔ اور اس کی بھی گنجائش ہے جیسا کہ ہم پہلے اشارہ کر چکے ہیں۔ جب توحید کا مسئلہ صاف اور اسلام کی بنیاد اسی کلمۂ توحید پر قائم ہے اور توحید اسلام کے لئے بمنزلۂ بنیاد ہے تو اب آگے اسلام کی عام دعوت کا ذکر فرماتے ہیں۔ اور جھگڑالو لوگوں کے لئے اپنے پیغمبر کی زبانی اسلام کا اعلان کراتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں (تسہیل) بلاشبہ دین حق اور پسندیدہ دین اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف اسلام ہی ہے۔ اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی یعنی اہل کتاب نے اسلام کی صداقت سے اختلاف نہیں کیا مگر اس وقت جب کہ ان کو اسلام کی حقانیت اور صداقت کا علم پہنچ چکا۔ اس علم کے پہنچ جانے کے بعد ان لوگوں نے دین حق سے اختلاف کیا اور یہ اختلاف بھی محض باہم حسد اور ایک دوسرے سے بڑھنے کی خاطر کیا۔ اور جو شخص اللہ کی آیتوں کا انکار کرے گا اور کافرانہ روش اختیار کرے گا تو یقین جانو! کہ اللہ تعالیٰ بہت جلد اس کا حساب لینے والا ہے۔ پھر اگر اب بھی یہ لوگ اے پیغمبر! آپ سے کج بحثی اور خواہ مخواہ کی کٹ حجتی کریں تو آپ ان سے فرما دیجئے کہ میں اور میرے پیرو تو سب اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرماں برداری قبول کر چکے اور میں نے اور جو میرے پیرو ہیں انہوں نے اپنا سر تسلیم اللہ کے آگے خم کر دیا۔ اور آپ اہل کتاب اور مشرکین عرب سے دریافت کیجئے کہ کیوں جی تم سب بھی اسلام قبول کرتے ہو اور جو دین ہم نے اختیار کر رکھا ہے تم بھی اس کو قبول کرتے ہو۔ سو اگر وہ لوگ مسلمان ہو جائیں تو سمجھو کہ وہ راہ پر آگئے۔ اور اگر وہ لوگ روگردانی کریں اور بدستور اپنا منہ موڑیں تو آپ پر ان کی کوئی ذمہ داری نہیں۔ کیونکہ آپ کے ذمہ تو صرف پیغام الٰہی اور احکام خداوندی کا پہنچا دینا ہے اور آگے خود اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے اعمال و احوال کو دیکھنے والا ہے (تیسیر) ہم الحمد اور سیقول میں اس آیت کے مضامین کا کچھ حصہ بیان کر چکے ہیں۔ یہاں نجران کے نصاریٰ کے سلسلے میں یہ مضمون بیان کیا گیا ہے۔ اسلام کے معنی ہم بیان کر چکے ہیں۔ سونپنا، تفویض کرنا، اپنے کو کسی کے سپرد کر دینا۔ اور کسی کے حوالے کر کے اس کے آگے گردن ڈال دینا اور اس کی اطاعت و فرماں برداری اور احکام کی بجا آوری کے لئے سر جھکا دینا۔ یہ سب معنی لفظ اسلام کے آتے ہیں۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مذہب کو بھی اسلام اسی لئے کہا جاتا ہے کہ ایک مسلمان میں یہ سب باتیں ہوتی ہیں۔ وہ اپنے آپ کو خدا کے سپرد کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کی

تعمیل کے لئے اپنا سر جھکا دیتاہے۔ اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان کی مثال ایک فرماں بردار اونٹ کے ساتھ دی ہے کہ جب اس کو بٹھاؤ بیٹھ جاتاہے اور جب اس کو اٹھاؤ تو وہ اٹھ کھڑا ہوتاہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا مذہب مادیات اور روحانیات دونوں پر مشتمل ہے اس لئے اس سے بہتر کوئی مذہب نہیں ہو سکتا۔ سو سائنس اور انسانی عقل جو مذہب بھی تجویز کرے گی اس میں ہرگز اتنی جامعیت نہیں ہو سکتی۔ اور نہ وہ اتنی ضروریات کو پورا کر سکتاہے جو خود خالق کائنات اور مالک عباد اپنے بندوں کے لئے تجویز کرے گا۔ یہی وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے اسلام کو اپنا پسندیدہ اور مقبول مذہب فرمایاہے۔ پھر اہل کتاب کے اختلاف کی طرف اشارہ فرمایاہے کہ بات یہ نہیں ہے کہ یہ لوگ اسلام کی حقانیت سے واقف نہیں ہیں۔ کیونکہ جو مذہب ان کو ملا تھا وہ بھی تو اسلام تھا اور وہی کمل رنگ میں خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا ہے۔ اور جو کتر بیونت اہل کتاب نے اپنے مذہب میں کر دی تھی اس سب کو چھانٹ کر آخری نبی کی امت کو دیا گیاہے۔ اور ان کو اس مذہب اسلام کی صداقت کا علم ل چکاہے۔ اور اس کی حقانیت کا یقین ان کو حاصل ہو چکاہے۔ کیونکہ اول تو خود ان کی کتابوں میں اسلام کی تعریف موجود ہے جو خود ان کا مذہب تھا۔ پھر یہ کہ ان کی کتابوں میں پیشینگوئی موجود ہے جس سے آخری نبی کا مذہب اسلام اور آخری پیغمبر کی کتاب کا نام قرآن ظاہر ہوتاہے۔ انہوں نے اپنے مذہب کو بھی محض ذاتی اغراض اور آپس میں ایک دوسرے پر زیادتی کرنے کی غرض سے بدل ڈالا۔ نصاریٰ نے یہود کی دشمنی میں اور یہود نے نصاریٰ کی عداوت میں باہم اختلاف کیا اور آخری نبی کے دین کو قبول کرنے سے بھی محض آپس کے حسد اور حب جاہ اور حب ریاست کی وجہ سے انکار کیا اور اس کے قبول کرنے میں جان بوجھ کر اختلاف ڈالا۔ اس ضد اور ہٹ دھرمی پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وجوہات کچھ بھی ہوں جو بھی آیات الٰہی کے ماننے اور قبول کرنے سے انکار کرے گا تو ہمیں اس سے حساب لیتے دیر نہیں لگتی۔ ہم اس سے جلد حساب لینے والے ہیں سریع الحساب کے ہم سورۂ بقرہ میں دو معنی بیان کر چکے ہیں۔ لیکن یہاں یہی ایک معنی مناسب ہیں۔ اتنی کھلی اور واضح دلیل کے بعد بھی یہ لوگ اگر بحث و مباحثہ کریں۔ جیساکہ انہوں نے کیا۔ یہاں مجادلہ کو مجازاً محاجہ فرمایاہے۔ بہرحال جب یہ کج بحثی پر آمادہ ہو جائیں تو ان سے کہہ دو کہ میں تو اپنی ذات کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر چکا ہوں اور وہ لوگ جو میرے پیرو ہیں وہ بھی اپنا رخ اللہ تعالیٰ کی طرف کر چکے ہیں۔ یعنی میں اور میرے ساتھی تو مسلمان ہیں تم اسلام قبول کرو یا نہ کرو۔ پھر ارشاد فرمایا کہ اے پیغمبر! آپ ان اہل کتاب سے اور ان پڑھوں یعنی مشرکین عرب سے دریافت کیجئے کہ تم مسلمان ہوتے ہو اور کیا تم لوگ اسلام قبول کرتے ہو۔ آپ کے اس دریافت کرنے پر اگر یہ لوگ اسلام لے آئیں تو یہ صحیح راہ پر پڑ جائیں گے اور اگر حسب عادت نہ مانے اور منہ موڑا تو اے پیغمبر! آپ کے ذمہ تو صرف احکام کا پہنچا دینا ہے۔ آپ ان کے قبول کرنے نہ کرنے کے ذمہ دار نہیں ہیں آپ اسلام کی دعوت ان لوگوں تک پہنچا دیجئے باقی ہم اپنے بندوں کے احوال پر خود خوب گہری نگاہ رکھتے ہیں۔ جیسا مناسب سمجھیں گے ویسا سلوک کریں گے۔ ہم نے آیت کی تفسیر تمام اقوال کو سامنے رکھ کر کی ہے۔ ہماری تقریر سب صورتوں کو شامل ہے بعض مفسرین نے اس اختلاف سے یہود و نصاریٰ کا باہم اختلاف مراد لیا ہے اور بعض نے اہل کتاب اور مسلمانوں کا اختلاف مراد لیا ہے۔ پھر آیت کا تعلق وفد نجران کے نصاریٰ سے ہے ہم نے سب کی رعایت رکھ کر تقریر کی ہے۔ آیت اپنی عمومیت کے اعتبار سے ہر شکل کی گنجائش رکھتی ہے۔ واللہ اعلم۔ آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ مذہب حق اللہ کے نزدیک اسلام ہے۔ اہل کتاب نے علم صحیح پہنچ جانے کے بعد محض باہمی حسد کے باعث اختلاف ڈالا۔ اور اسلام کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ لہٰذا جو احکام الٰہی کا منکر ہوگا اس سے بہت جلد حساب لیا جائے گا۔ یہ دلائل سن کر بھی جھگڑا کریں اور خواہ مخواہ کی کٹ حجتی نکالیں تو اپنے اور اپنے ساتھیوں کے اسلام کا اعلان کر دو اور سب کو اسلام کی دعوت پیش کر دو۔ قبول کر لیں تو فبہا ان کا بھلا ہے نہ قبول کریں تو ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دو۔ وہ دانا اور بینا ہے۔ نجران کے نصاریٰ سے اس بحث کی ابتدا ہوئی تھی۔ پھر یہود کا ذکر بھی ان کے ساتھ آ گیا۔ عام دعوت میں اہل کتاب کے ساتھ مشرکین عرب کو بھی شامل کیا گیا۔ اب آگے یہود کے بعض افعال شنیعہ اور حرکات قبیحہ کا ذکر ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ ان پڑھ کہتے تھے عرب کے لوگوں کو کہ ان کے پاس پہلے پیغمبروں کا علم نہ تھا (موضح القرآن) حضرت شاہ صاحبؒ نے لفظ امی۔ امیین کی وضاحت فرمائی ہے اہل کتاب میں حب جاہ، حب مال اور حب ریاست کا ہونا پہلے پارے میں گذر چکاہے اسی طرح باہم ایک دوسرے پر ظلم اور زیادتی کا حال بھی پہلے پارے میں تظاھرون علیھم بالاثم والعدوان کی تشریح کرتے وقت گذر چکا ہے۔ رہی یہ بات منکرین کے مقابلے میں صرف اتنا کہہ دینا کہ میں تو اسلام قبول کر چکا تم کو اختیار ہے یہ کس طرح کافی ہو سکتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ عام منکرین کو جواب نہیں دیا گیاہے بلکہ ان خاص منکروں کو جواب دیا گیاہے جو کسی شبہ کی بنا پر منکر نہ تھے بلکہ محض عداوت اور عناد کی بنا پر انکار کرتے تھے۔ . . . . ایسے لوگوں کے سامنے مکرر دلائل کا بیان کرنا بے کار ہوتا ہے۔ اسلمت وجھی کے معنی بھی من اسلم وجھہ میں گذر چکے ہیں۔ یعنی اپنا منہ اللہ کے سامنے دھر دیا ہے۔ یہ لفظی ترجمہ ہے اور مطلب وہی انقیاد و اطاعت۔ تسلیم و رضا اور تفویض الی اللہ ہے اور یہی ایک مسلمان کی زندگی کا حقیقی مقصد ہے۔ (تسہیل) ف۲

بقیہ صفحہ ۱۴

ان لوگوں کو اس غرض کے لئے کتاب الٰہی کی طرف دعوت دی جاتی ہے تاکہ وہ کتاب اللہ ان کے مابین مذہبی اختلاف کا فیصلہ کر دے اور توریت کو پڑھنے سے صحیح حکم معلوم ہو جائے تو کچھ لوگ ان ہی میں سے اس دعوت الی الکتاب سے بے رخی اور اعراض و انحراف کرتے ہوئے پہلو تہی کرتے ہیں اور منہ پھیر لیتے ہیں ان کی اس بے رخی اور اعراض و انحراف کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ یوں کہتے کہ ہم کو تو آتش دوزخ صرف چند روز کے سوا اس بھی نہیں کرے گی۔ اور ان کو ان کے دین کے بارے میں ان کی ان افترا پردازیوں اور ان کے خود ساختہ عقائد نے مبتلائے فریب کر رکھا ہے اور ان کو دھوکے میں ڈال رکھاہے مگر اس گھڑی ان کا کیا حال ہوگا اور ان پر کیا بنے گا جب ہم ان سب کو اس دن جمع کریں گے جس دن کے آنے میں ذرا شک و شبہ نہیں اور اس روز ہر شخص کو اس کی کمائی کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور کسی پر بالکل ظلم نہ کیا جائے گا۔ (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ جب مسئلہ کی تحقیق کے لئے انہی کی مسلمہ کتاب کی طرف ان کو بلایا جاتاہے کہ لاؤ اپنی کتاب لے آؤ تاکہ وہ ان کے درمیان صحیح فیصلہ کر دے اور جو مذہبی اختلاف ہے وہ دور ہو جائے۔ تو ان کے اچھے خاصے علماء کا حال یہ ہے کہ اس معقول مطالبے سے پہلو تہی اور روگردانی کر جاتے ہیں۔ آگے وجہ بیان فرمائی کہ اس بے رخی کا سبب یہ ہے کہ یہ لوگ یوں سمجھے بیٹھے ہیں کہ یہ جہنم میں جانے ہی کے نہیں اور اگر کہیں ان کو جانا بھی پڑا تو صرف گنتی کے چند دن وہ چالیس دن ہوں یا سات دن ہوں بہرحال ان دنوں کے بعد جہنم سے نکل آئیں گے۔ حضرت حق نے فرمایا ان کو ان کے خود ساختہ عقائد اور خانہ ساز افترا پردازی نے فریب خوردہ کر رکھا ہے اور یہ لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ آخری آیت میں تخویف اور وعید ہے کہ اس دن ان پر کیسی بری بنے گی جس دن خدا کے رو برو سب جمع ہوں گے اور وہ دن قیامت کا ایسا ہے کہ اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ پھر اس دن صرف اجتماع ہی نہیں بلکہ ہر شخص کو اپنے اپنے کئے کا بدلہ بھی پانا ہے پھر جب تمہارے ان مجرمانہ اعمال اور غلط عقائد کا بدلہ ملے گا تو کیا حال ہوگا۔ آخری ٹکڑے میں ظلم کی نفی ہے یعنی نہ ثواب میں کمی اور نہ سزا میں زیادتی۔ حضرت شاہ صاحبؒ یفترون کے تحت فرماتے ہیں۔ یہ ذکر یہود کا ہے کہ قضیے میں اپنی کتاب پر بھی عمل نہیں کرتے اور گناہ پر دلیر ہیں۔ اس غرہ پر کہ ان کے پہلے جھوٹ بنا کر کہہ گئے ہیں کہ ہم میں اگر کوئی بہت گناہ گار ہوگا تو سات دن سے زیادہ عذاب نہ پاوے گا۔ (موضح القرآن) فقیر سورۂ بقرہ میں یہود کے اس قول کی تفصیل عرض کر چکاہے۔ چالیس دن کا قول شاید اس بنا پر ہو کہ ان کے بزرگوں نے چالیس دن تک گئوسالہ پرستی کی تھی۔ واللہ اعلم چونکہ اوپر جنگ بدر کی طرف اشارہ آیا تھا۔ اور اس وقت مسلمانوں کی حالت مالی اعتبار سے جیسی نازک تھی اس کا مختصر تذکرہ ہو چکا ہے اور یہ امر طبعی ہے کہ جب انسان اپنے مخالفوں کو اچھی حالت میں دیکھتاہے اور اپنے کو فقر و افلاس میں مبتلا پاتا ہے تو قدرتی طور پر یہ خیال ہوتاہے کہ کافروں کے ساتھ ایسی خوش حالی کا معاملہ اور اپنوں کے ساتھ اس قسم کے فقر و فاقہ کا برتاؤ کیوں ہے۔ ممکن ہے کہ کسی نے اس کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش گذار بھی کیا ہو اور آپ نے مسلمانوں کو اطمینان دلایا ہو جیساکہ بعض روایات سے معلوم بھی ہوتاہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فارس اور روم کے فتح ہونے کی بشارت دی تھی۔ اور اس پر بعض اہل کتاب نے مذاق بھی اڑایا تھا۔ حضرت حق جل مجدہٗ نے اس سوال اور خواہش کا جواب بہترین اور نہایت لطیف پیرایہ میں دیا۔ جو بظاہر ایک دعا ہے۔ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تعلیم کی گئی ہے۔ لیکن اس دعا میں وہ سب کچھ ہے جس کی ایسے موقع پر ضرورت تھی مسلمانوں کے لئے اطمینان بھی ہے۔ اپنی قدرت اور مالکیت کا اظہار بھی ہے دن رات اور مردے زندے کے ذکر میں انقلاب کی ایک مکمل تصویر بھی ہے۔ آئندہ کی ترقی اور مالی برتری اور غلبہ کی طرف اشارہ بھی ہے۔ غرض ایسا عمدہ پیرایہ اختیار کیاہے جس کی خوبیاں بیان بلکہ تصور سے ہی باہر ہیں۔ اگر اس آیت پر اجزاء کے اجزا بھی لکھے جائیں تو کم ہیں۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔ (تسہیل) ف۳ اے پیغمبر! آپ یوں کہیئے۔ اے اللہ! مالک تمام ملک کے تو جس کو چاہتا ہے اپنے ملک کا کوئی حصہ عنایت کر دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ملک واپس لے لیتاہے اور تو جس کو چاہے غلبہ دیتاہے اور جس کو چاہتاہے پست اور ذلیل کر دیتاہے۔ تیرے ہی قبضے اور اختیار میں خیر ہے۔ بلاشبہ ہر چیز پر تو پوری طرح قادر ہے۔ (تیسیر) ملک سے مراد تمام عالم امکان ہے حضرت حق تعالیٰ کو اپنی کائنات پر چونکہ ہر قسم کے تصرف کا حق حاصل ہے اس لئے جس کو جس قدر چاہتاہے ملک دیدیتاہے

اور جس سے جس قدر حصۂ ملک واپس لینا چاہتا ہے اس کے قبضے سے نکال لیتا ہے۔ اور واپس کر لیتا ہے جس کو چاہتا ہے غلبہ اور اقتدار دے دیتا ہے۔ خواہ دنیا میں خواہ آخرت میں اسی طرح جس کو پست اور ذلیل کرنا چاہے پست اور ذلیل کر دیتا ہے۔ خواہ دنیا میں خواہ آخرت میں۔ خیر کا مالک تو ہی ہے۔ چونکہ یہاں طلب خیر مقصود ہے اس لئے خیر کا ذکر فرمایا۔ ورنہ ظاہر ہے کہ جس طرح خیر اس کے اختیار میں ہے اسی طرح شر بھی اس کے اختیار میں ہے۔ جیسا کہ آخری ٹکڑے میں اس طرف اشارہ بھی ہے۔ انك على كل شئ قدير میں خیر و شر دونوں داخل ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ادب کی رعایت سے شر کا ذکر نہ فرمایا ہو۔ مالك الملك کی ترکیب میں دو احتمال تھے پہلے ایک کی رعایت ترجمہ میں اور دوسرے کی رعایت تیسیر میں کی ہے۔ جس طرح اس آیت میں مسلمانوں کے اطمینان کا سامان ہے اور ان کو یہ بتایا ہے کہ سلطنت خواہ مادی ہو یا روحانی عزت و ذلت خواہ دنیوی ہو یا اخروی۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ وہ جب چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے کسی کو اپنے ملک کا کچھ حصہ دے دیتا ہے۔ اس لئے مسلمانوں کو گھبرانا اور پریشان نہیں ہونا چاہیئے۔ قوموں کے نشیب و فراز اور اُتار چڑھاؤ ہمارے ہی اختیار میں ہیں یہ ہو سکتا ہے کہ آج کے غریب کسان اور اونٹ و بکریاں چرانے والے لوگ کل روم و فارس کے تاجدار بنا دیئے جائیں۔ یہ کوئی مستبعد نہیں ہے۔ اسی طرح اس آیت میں حب جاہ حب ریاست کے متوالوں کو بھی تنبیہ ہے۔ جیسا کہ وفد نجران کے امیر الوفد ابو حارثہ بن علقمہ نے کہا بھی تھا کہ اگر ہم مسلمان ہو جائیں اور اسلام قبول کر لیں تو ہمارے وہ تمام وظائف جو عیسائی سلطنتوں سے ہم کو ملتے ہیں بند ہو جائیں گے اور اس وقت جو عزت و آبرو ہم کو حاصل ہے وہ جاتی رہے گی۔ اس پر تنبیہ فرمائی کہ تمام عالم تو ہمارا ہے۔ ہم جس کو چاہتے ہیں اپنے ملک کا کوئی حصہ کسی کو دے کر حکمران بنا دیتے ہیں اور جب چاہتے ہیں کسی سے حکمرانی چھین لیتے ہیں۔ آج جن سلطنتوں کے تم وظیفہ یاب ہو اگر کل وہ سلطنتیں بھی نہ رہیں تو کیا کرو گے اور اس حصہ ملک کے اگر مسلمان حاکم ہو گئے جس کے آج عیسائی ہیں تو پھر تمہارا کیا حشر ہوگا۔ اب اسی اُتار چڑھاؤ اور تاریخی انقلاب پر ایک اور استدلال فرماتے ہیں اور اس کا طریقہ بھی خوب ہی اختیار فرمایا ہے۔ یعنی وہ بھی اللّٰھم مالك الملك کا ایک حصہ ہے اور اسی دعا کا جز ایک جو اپنے پیغمبر کو تعلیم فرمائی ہے۔ مگر ایک ٹکڑا دعویٰ ہے عموم مالکیت کا اور دوسرا ٹکڑا اس عموم کی دلیل ہے کہ زمین کی حکومتوں کی الٹ پلٹ اسے کیا مشکل ہے۔ جو دن رات کی الٹ پلٹ کرتا ہے۔ تاریک زمانہ کو روشن کرتا اور روشن حصہ کو بے نور کر دیتا ہے۔ اور اس کے نزدیک پست اقوام کو اونچا کر دینا اور اونچوں کو نیچا کر دینا کون سا مشکل کام ہے جو مُردوں سے زندہ اور زندوں سے مردہ نکالتا ہے۔ سبحان اللہ کیا ترکیب ہے اور کیا حسن بیان اور کیا خوب استدلال ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل)

بقیہ صفحہ ۸۲

اور جاہلوں میں سے کامل پیدا کرے اور کاملوں میں سے جاہل اور جس کو دیا چاہے رزق بے حساب دیوے۔ موضح القرآن یعنی دائمی طور پر یہود کو ہی برتری رہے۔ یہ ضروری نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ نصاریٰ کو برتری حاصل ہو جائے اور ہو سکتا ہے کہ مسلمان زمین کے وارث بنا دیئے جائیں۔ دنیاوی برتری کا

کوئی اعتماد نہیں۔ (تسہیل ہے) مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست اور رفیق نہ بنائیں اور جو شخص ایسا کرے گا یعنی مسلمانوں کو نظر انداز کر کے کافروں سے دوستی بڑھائے گا تو اللہ تعالیٰ سے اس کی دوستی کا کوئی واسطہ اور کوئی تعلق نہیں۔ مگر ہاں وہ حالت مستثنیٰ ہے کہ تم کو کافروں کے شر سے بچنے کے لئے ایسا کرنا پڑے اور تم کو ان سے کوئی سخت اندیشہ ہو اور تم بظاہر ان سے دوستانہ طرز عمل اختیار کر لو اور اللہ تعالیٰ تم کو اپنے سے ڈراتا اور خوف دلاتا ہے اور تم کو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔ یعنی بہر حال آخری مرجع اسی کی ذات ہے (تیسیر) مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں سے دوستی کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کو بالکل نظر انداز کر دیا جائے۔ یا مسلمانوں سے بھی دوستی کریں اور کافروں کو بھی دوست بنائے رکھیں۔ ہم اس سورت کی تمہید میں عرض کر چکے ہیں کہ مسلمان کے لئے مدینہ منورہ کا ابتدائی دور بڑی مشکلات کا دور تھا۔ جنگ بدر میں مسلمانوں کو جو بے پناہ کامیابی اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہوئی اس نے مدینہ کی زندگی میں مسلمانوں کے لئے نئی نئی شکلیں پیدا کر دیں۔ ایک طرف اہل کتاب کی خفیہ اور اعلانیہ ریشہ دوانیاں دوسری طرف مدینہ کے لوگوں میں منافقین کی کثرت۔ اور ان کی خفیہ سازشیں۔ پھر جو لوگ مکہ سے ہجرت کر کے آئے تھے اور ان کے متعلقین مکہ میں رہ گئے تھے۔ ان کا خیال کہ کہیں کفار ان کو گزند نہ پہنچائیں۔ پھر بعض کا قرابت داروں اور رشتہ داروں کا خیال اور ان کے تعلقات کی فکر۔ پھر بعض مسلمانوں کا کفار مکہ کی قید اور اسیری میں مبتلا رہنا۔ ان کا رنج اور خیال یہ سب وہ باتیں تھیں جن کی وجہ سے مسلمان سخت پریشان تھے۔ اگر سب سے کھلم کھلا بگاڑیں تو خطرہ اور اگر دوستانہ رکھیں اور دوستانہ میں کوئی بات منہ سے نکل جائے اور اپنا کوئی بھید ظاہر ہو جائے تو مشکل۔ پھر کافروں کی حالت بھی مختلف تھی۔ بعض کافر تھے مگر باوجود کفر کے مسلمانوں کے ہمدرد تھے۔ اور مرنجاں مرنج پالیسی رکھتے تھے۔ بعض ظاہر میں مسلمان ہو گئے تھے۔ لیکن اندرونی طور پر مسلمانوں کے سخت دشمن تھے اور مہاجرین کے خلاف ہر وقت پروپگنڈہ کرتے رہتے تھے۔ بعض مسلمان بھی یہ چاہتے تھے کہ گو ہم مسلمان ہو گئے اور کفر کی ملت کو ہم نے ترک کر دیا لیکن جو سابقہ تعلقات تھے ان کو باقی رکھنا چاہیئے۔ تعلقات اپنی جگہ اور مذہب اپنی جگہ۔ اگرچہ یہ سب باتیں اس قابل تھیں کہ تمدنی اور شہری زندگی میں ان کا لحاظ رکھا جاتا ہے اور یہ ان باہمی تعلقات اور باہمی رواداری کے مختلف الخیال حضرات کا ایک شہر میں رہنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ لیکن سیاسی نقطۂ نگاہ اور اسلام کے عام مفاد کا خیال بہر حال مقدم رکھا جاتا ہے۔ اگر مسلمان اور کافر یوں باہم کھچڑی کی طرح رہتے اور باہمی میل جول اور دوستانے بحالہ باقی رہتے تو نہ کفر سے منافرت پیدا ہوتی اور نہ دل کھول کر مسلمان اعلائے کلمۃ اللہ کر سکتے اور نہ کفر و اسلام باہم متمیز ہوتے اور نہ مسلمانوں کو وہ غلبہ میسر ہوتا جو ان کی زندگی کا اصل مقصد تھا۔ بلکہ اسلام ایک مخلوط مذہب بن کر رہ جاتا۔ کیونکہ تعلقات اور دوستانے کا اثر خیالات پر پڑنا یقینی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس خطرے سے بچانے کے لئے صاف طور پر کافروں سے ترک موالات کا حکم دے دیا تاکہ کفر مسلمانوں کے خیال میں کوئی خاص اور امتیازی جگہ حاصل نہ کرنے پائے اور چونکہ یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ کافر اللہ تعالیٰ کے دشمن ہیں اور مسلمان اللہ تعالیٰ کے دوست ہیں۔ اس لئے فرمایا کہ ہم سے دوستانہ تعلقات جب ہی رہ سکتے ہیں

جب کافروں سے دوستانہ ترک کر دیا جائے فلیس من اللہ فی شئ کا مطلب یہی ہے کہ ہماری دوستی کے اعتبار سے تمہاری کوئی حیثیت باقی نہیں رہے گی۔ اور ہماری دوستی سے تم کو ہاتھ دھونے پڑیں گے۔ باقی کفار کے غلبہ کی حالت کو مستثنیٰ قرار دیا تاکہ قانون مکمل ہو جائے۔ اگر کفار کہیں مسلمانوں کی بدقسمتی سے غالب ہو جائیں تو اس میں قلب کی حفاظت کرتے ہوئے کئی طرح کی گنجائش ہے۔ ظاہری طور پر دوستانہ طرز عمل بھی اختیار کر سکتے ہو بلکہ خطرہ قوی ہو جائے اور ہلاکت کا اندیشہ یقینی ہو تو زبان سے کلمۂ کفر کے اجرا کی بھی رخصت ہے جیسا کہ انشاء اللہ سورۂ نحل میں آجائے گا۔ باقی رہی مدارات اور ملاطفت یعنی خوش خلقی اور ظاہر طور پر نرم گفتگو اور مواسات یعنی احسان اور نفع رسانی اور مشارکت یعنی کسی متحدہ مقصد میں باہم اشتراک یا کافر مہمان کی تواضع۔ تو یہ سب امور علیحدہ ہیں اور آیت میں اس کی ممانعت نہیں ہے اور نہ یہ چیزیں تمدنی زندگی میں چل سکتی ہیں۔ مثلاً فرض کیجئے کہ ایک بستی میں کافر اور مسلمان دونوں رہتے ہیں۔ اس پر ڈاکو حملہ کرتے ہیں یا شیر حملہ کرتے ہیں یا آگ لگ جاتی ہے تو ایسی صورت میں مسلمانوں کا کافروں کے ساتھ باہم تعاون کرنا جائز بلکہ ضروری ہوگا۔ کوئی کافر بطور مہمان کے آجائے تو اس کی مہمان نوازی کرنی ہوگی۔ اور اس توقع پر کسی کافر کے ساتھ اچھا برتاؤ بھی کرنا جائز ہوگا کہ شاید وہ اسلام قبول کرے اور مسلمانوں کے حسن سلوک سے اس کے دل میں اسلام گھر کر جائے۔ بہر حال صدہا مسائل اس ضمن میں ایسے ہیں جو مقامی علماء سے دریافت کئے جا سکتے ہیں یا فقہ کی کتابوں میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ آیت میں کفار سے دوستانہ کی ممانعت ہے۔ خواہ وہ ظاہری ہو یا باطنی اور کسی کافر سے اس کے کفر کی وجہ سے دوستانہ کرنا اور اس کو رفیق بنانا یہ کفر ہے۔ باقی دوستانہ کے علاوہ دوسرے امور خواہ وہ تلطف و مہربانی ہو، احسان ہو، زکوٰۃ کے علاوہ صدقہ ہو، ایک کافر سے مل کر دوسرے کافر کا مقابلہ ہو، غیر متعصب کافر سے نرم برتاؤ اور حسن سلوک ہو، مہمان کی خاطر تواضع ہو۔ یہ سب وہ باتیں ہیں جن کا حکم مسلمانوں کے منافع اور حالات کے مناسب جدا جدا ہوگا۔ البتہ حربی کافر کا حکم بالکل الگ ہے۔ اور اسی طرح جنگ کی حالت اور امن کی حالت کے احکام بھی جدا ہیں اور معاہد اور ذمی کے احکام بھی الگ ہیں۔ ہم نے جو تفصیل عرض کی ہے وہ شان نزول کی کسی روایت کے خلاف نہیں ہے۔ خواہ نزول کی وجہ وہ ہو جو مقاتل نے اختیار کی ہے یا وہ ہو جو کلبی نے اختیار کی ہے۔ یعنی خواہ آیت کا تعلق حاطب بن بلتعہ کے واقعہ سے ہو اور خواہ عبد اللہ بن ابی کے واقعہ سے ہو۔ ہماری تقریر کسی روایت کے منافی نہیں۔ رہی یہ بات کہ حضرات اثنا عشریہ نے اس آیت سے تقیہ کے جواز پر استدلال کیا ہے تو اس کا مفصل جواب اگر دیکھنا ہو تو حضرت مولانا شاہ عبد العزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تحفۂ اثنا عشری کا مطالعہ کیا جائے۔ یہاں اتنی بات یاد رکھنی چاہیئے کہ شیعہ حضرات کے معروف تقیہ کا اس آیت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ آیت میں صرف یہ بات بتائی گئی ہے کہ خوف کے وقت ضرر سے بچنے کے لئے دوستی کا اظہار کر دیا جائے اور عداوت کا اظہار نہ کیا جائے اور شیعوں کے تقیہ میں کفر کا اظہار اور ایمان کا اخفا ہوتا ہے نیز تقیہ متعارفہ کسی فائدے کے حصول کے لئے بھی کیا جا سکتا ہے پھر شیعوں کا تقیہ معمولی سے خوف کے موقعہ پر بھی کیا جا سکتا ہے اور بعض شیعی روایات سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میاں کے باہمی قضیوں میں بھی تقیہ کی اجازت ہے۔ اور معاذ اللہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ جیسے بہادر اور غیور صحابی کو بھی بعض معمولی باتوں

میں تقیہ کا مرتکب ظاہر کیا گیا ہے۔ اور سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تقیہ کی رسم کا مخالف بتایا گیا ہے۔ غرض قرآن کی آیت الا ان تتقوا منہم تقاۃ کو کوئی دور کا واسطہ بھی حضرات امامیہ کے تقیہ سے نہیں ہے۔ آیت کے آخری دونوں جملے وعید کے طور پر فرمائے گئے ہیں۔ ویحذرکم اللہ نفسہ اور الی اللہ المصیر۔ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کی شان عظمت وجلال اس قابل ہے کہ اس سے ڈرو اور اس کے مقابلہ میں اس کی مخلوق سے خوف نہ کرو اور اس کے احکام کو بجالانے میں پوری طرح ہوشیار رہو۔ کیونکہ تم سب کا آخری ٹھکانہ اور آخری مرجع صرف اسی کی ذات ہے۔ لہٰذا اُس سے ڈرو اور اس کے دشمنوں کو دوستی کے خفیہ اور علانیہ پیام نہ روانہ کرو نہ اس کے اعدا کو اپنا اولیا بناؤ۔ اب آگے کی آیت میں اسی مضمون کی مزید تصریح اور تاکید فرماتے ہیں تاکہ خفیہ اور علانیہ اور ظاہری اور باطنی موالات سے پرہیز کیا جائے اور موالات کفار کا قانون بالکل کمل ہو جائے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ (تسہیل) ۲۹ اے پیغمبر! آپ ان سے کہہ دیجئے جو کچھ تمہارے سینوں میں پوشیدہ ہے اگر تم اپنے اس مافی الضمیر کو چھپائے رکھو تب اور اگر تم اپنے کسی عمل سے اس کو ظاہر کر دو تب ہر حال میں اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے اور ایک تمہارے مافی الضمیر پر کیا منحصر ہے اللہ تعالیٰ تو جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اس سب کو بھی جانتا ہے۔ زمین وآسمان کی کوئی چیز اس سے مخفی نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر کامل قدرت رکھتا ہے۔ لہٰذا مجرموں کو سزا دینے پر اسے قدرت حاصل ہے۔ اس دن کو یاد کرو جس دن ہر شخص اپنی کی ہوئی بھلائی کو اور اپنی کی ہوئی بُرائی کو اپنے سامنے دھرا پائے گا یعنی بُرائی اور بھلائی کا پھل سامنے آجائے گا۔ اس روز آدمی یہ تمنا کرے گا اور اس حالت کو دیکھ کر یہ خواہش کرے گا کہ کیا اچھا ہوتا جو اس شخص کے اور اس دن کے مابین بہت دور کی مسافت اور بہت دور کا فاصلہ ہوتا یعنی یہ دن ابھی دیکھنے میں نہ آتا اور اللہ تعالیٰ تم کو اپنے سے ڈراتا اور خوف دلاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑی شفقت ومہربانی کرنے والا اور ان کا بہی خواہ ہے اور اس کی یہ شفقت ظاہر ہے کہ بندوں کو قبل از وقت خطرے سے ہشیار کرتا ہے۔ (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کا علم زمین وآسمان کی ہر شے کو محیط ہے خواہ وہ چھپی ہو یا کھلی ہو اس لئے وہ تمہارے قلوب کے پوشیدہ بھیدوں سے بھی واقف ہے خواہ تم ان کو ظاہر کرو یا نہ کرو اگر تم کفار سے پوشیدہ موالات کرو گے یا علانیہ دوستی کا پیغام بھیجو گے تو ہم کو سب معلوم ہے اور چونکہ جس طرح اس کا علم ہر شے کو محیط ہے اسی طرح اس کی قدرت بھی ہر شے کو محیط ہے لہٰذا ہمارے احکام کی جب مخالفت کرو گے خواہ وہ چھپ کر کرو یا آشکارا کرو ہم اس کی مخالفت کی سزا دیں گے۔ آگے کی آیت میں سزا کے دن کا ذکر فرمایا کہ وہ دن ایسا ہوگا کہ اس دن ہر انسان کا کیا اس کے روبرو دھرا ہوگا۔ خواہ وہ اچھا ہو یا بُرا۔ اور اس دن ہر شخص یہ خواہش کرتا ہوگا کہ یہ دن کہیں مجھ سے دور چلا جائے۔ اور کسی طرح یہ دن نظر نہ آئے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نامۂ اعمال کے دور ہونے کی تمنا کرے گا۔ اور یہ خواہش کرے گا کہ کاش میرے اور میرے ان اعمال کے درمیان دور و دراز کا فاصلہ ہو جاتا اور میرے اعمال میرے سامنے نہ آتے اور اس دن کے خوف کا یہ حال ہوگا اور میرے اعمال کی دہشت کا یہ عالم ہوگا کہ نیک اعمال کی طرف بھی متوجہ نہ ہو سکے گا۔ یہ تو ان لوگوں کا حال ہوگا جن کے پاس اچھے اور بُرے عمل مخلوط ہوں گے۔ وہ بھی گھبرا کر یہ کہیں گے لو ان بینہا وبینہ امدا بعیدا اور جس کے پاس صرف بُرے ہی بُرے اعمال ہوں گے اس کا تو پوچھنا ہی کیا ہے کہ اس پر کیا بنے گی۔ رہا وہ شخص کہ جس کے پاس نیک ہی نیک اعمال ہوں گے یا وہ شخص کہ جس کو اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی سے اپنے سایۂ عاطفت میں چھپا لے تو اس کا اس آیت میں ذکر نہیں ہے۔ اس آیت کی ترکیب میں کئی طریقے اختیار کئے گئے ہیں۔ ہم نے ان میں سے صرف ایک مشہور طریقہ کی بنا پر ترجمہ کیا ہے واللہ اعلم۔ چونکہ حضرت حق تعالیٰ کا خوف گناہوں سے محفوظ رہنے کا صحیح علاج ہے اس لئے اس مفید علاج کی دوبارہ تاکید فرمائی اور یحذرکم اللہ نفسہ فرما کر اس کی جانب اشارہ فرمایا اور چونکہ گناہ سے بچانا اور گناہوں سے بچنے کا علاج بتانا یہ حضرت حق تعالیٰ کی بہت بڑی مہربانی اور اپنے بندوں پر بہت بڑی شفقت ہے۔ اس لئے آخر میں فرمایا واللہ رءوف بالعباد یاد رکھنا چاہیئے کہ میدان حشر میں حالات مختلف ہوں گے اور سینکڑوں واقعات پیش آئیں گے اور گنہگار صدہا باتیں کہیں گے یہاں پیش آنے والے واقعات میں سے صرف ایک واقعہ کا ذکر ہے۔ یعنی ایک وقت ایسا بھی ہوگا جب ہر شخص نامۂ اعمال کو سامنے دھرا دیکھ کر یوں کہے گا لو ان بینہا وبینہ امدا بعیدا بعض حضرات نے اس مسافت کو مشرق سے مغرب تک بتایا ہے۔ یعنی اتنی دوری کی خواہش کرے گا جیسے مشرق سے مغرب دور ہے۔ لیکن ہم نے عرض کر دیا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ یہ دن یا یہ اعمال نگاہ سے اوجھل ہو جائیں اور نظر نہ آئیں۔ اب آگے اہل کتاب کے بعض غلط دعاوی کا جواب ہے اور نبی کریم صلی اللہ کی اتباع اور آپ پر ایمان لانے کی بحث ہے۔ اور توحید کے ساتھ رسالت پر ایمان لانے کی ضرورت کا اظہار ہے اور یہ بات بتانی ہے کہ یہ تمام انبیا علیہم السلام ایک ہیں اور ان کی ایک ہی برادری ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ حضرت موسیٰؑ اور عیسیٰؑ وغیرہم پر تو ایمان لاؤ اور نبی آخر الزماں کی نبوت کا انکار کرو بلکہ جس طرح مسلمان نبی آخر الزماں پر ایمان رکھنے کے ساتھ حضرت آدم سے لیکر حضرت عیسیٰ تک سب رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں اسی طرح دوسرے لوگوں کو بھی کرنا چاہیئے۔ اور یہ سمجھ کر کہ ہم خدا کے محبوب اور اس کی اولاد ہیں۔ چنانچہ ہم کو کسی پر ایمان لانے کی ضرورت نہیں۔ یہ خیال بالکل غلط ہے۔ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور آپ پر ایمان لانا مقدم ہے اتباع کے بعد اتباع نبوی کی برکت سے خدا تعالیٰ جو نیک دہ بن سکتے ہو اور جس مرتبہ سے سرفراز فرمائے اس سے سرفراز ہو سکتے ہو۔ چنانچہ دور رکوع تک مسلسل اور مربوط یہ بحث چلی گئی ہے اور جن نبیوں کا زمانہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے قریب گزرا تھا ان کا ذکر ذرا تفصیل سے فرمایا ہے کیونکہ اہل کتاب میں ان نبیوں کا تذکرہ جاری تھا۔ ان کا ذکر کرنا اہل کتاب کے لئے موثر بھی تھا اور ان تاریخی غلطیوں کی اصلاح بھی مقصود تھی جو بعض پڑھے لکھے لوگوں نے اپنی اغراض کے ماتحت تاریخ کی ترتیب میں پیدا کر دی تھیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یوں دعا فرمایا کرتے تھے۔ یَاحَنَّانُ یَامَنَّانُ یَاذَاالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ بَاعِدْبَیْنِیْ وَبَیْنَ خَطِیْئَتِیْ کَمَا بَاعَدْتَ بَیْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَنَقِّنِیْ مِنَ الْخَطَایَا کَمَا یُنَقَّی الثَّوْبُ الْاَبْیَضُ مِنَ الدَّنَسِ وَاغْسِلْنِیْ بِمَآءِ الثَّلْجِ وَالْبَرَدِ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الْعَظِیْمَ وَ اَتُوْبُ اِلَیْہِ۔

ایک اور ضعیف روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو دیکھ کر ایک دن فرمایا۔ اپنی حالت پر عجب نہ کرو اور خود بینی سے کام نہ لو۔ اور اپنے نیک اعمال کی کثرت اور گناہوں کی قلت کو نہ دیکھا کرو بلکہ ہر شخص کو یہ دیکھنا چاہیئے کہ اس کا خاتمہ کس حالت پر ہوتا ہے۔ اعمال کا انحصار خاتمہ پر ہے۔ اگر تم میں سے کوئی شخص قیامت کے دن ستر نبیوں کے برابر بھی عبادت لے کر آئے گا تو وہ بھی قیامت کے خوف اور ہول کو دیکھ کر یہ تمنا کرے گا کہ کاش اس کے پاس عبادت اور زیادہ ہوتی۔ (تسہیل)

بقیہ صفحہ ۸۴

یہ ہوتا ہے کہ عاشق محبوب کی مرضی اور اس کی رضا کا جویاں رہتا ہے اور اس کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہیں کرنا چاہتا اور حضرت حق تعالیٰ کی مرضی اور غیر مرضی کو معلوم کرنے میں قیاس اور رائے کو دخل نہیں۔ کوئی شخص اپنے قیاس سے یہ بات متعین نہیں کر سکتا ہے کہ حضرت حق تعالیٰ کو کیا بات پسندیدہ ہے اور کون سی بات ناپسندیدہ ہے یہ امر موقوف ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم پر اس لئے فرمایا جو لوگ محبت خداوندی کے مدعی ہیں ان کو میری اتباع لازم ہے۔ اگر میری اتباع نہیں کریں گے تو وہ اپنے دعوؤں میں جھوٹے اور کذاب ہوں گے۔ کیونکہ محبت کا سب سے بڑا کام رضائے مولا اور اس کی ناراضگی سے بچنا ہے اور یہ بات بدون میری اتباع کے حاصل نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا میری اتباع کرو اور چونکہ محبت الٰہی کی بڑی غرض یہ ہوتی ہے کہ حضرت حق تعالیٰ بندے کو اپنی خاص توجہ سے بہرہ مند فرمائیں جس کو اللہ کی محبت کرنے سے تعبیر فرمایا ہے تو یہ بھی میری اتباع پر موقوف ہے۔ اس لئے اگر تم میری اتباع کرو گے تو میں ہی تم کو وہ طریقہ تعلیم کروں گا جن سے اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ محبت کرے گا۔ لہٰذا تمہارا یہ مقصد بھی میری اتباع ہی سے پورا ہو سکے گا۔ اس لئے فرمایا یحببکم اللہ اور اسی طرح ویغفر لکم ذنوبکم کا مطلب سمجھ لینا چاہیئے۔ کیونکہ گناہوں کی معافی کا طریقہ بھی میں ہی تعلیم کر سکتا ہوں۔ خلاصہ مطلب یہ ہوا کہ اے پیغمبر! جو لوگ اللہ تعالیٰ کی محبت کے مدعی ہیں اور ان کا یہ گمان ہے کہ ہماری محبت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بھی ہم سے محبت فرماتا ہے اور ہمارے گناہ معاف کر دیتا ہے ان سے کہہ دو کہ یہ سب امور میری اتباع پر موقوف ہیں۔ جب تک میری اتباع نہ کرو گے تم کو کچھ حاصل نہ ہوگا اور تمہارے سب دعاوی جھوٹے اور باطل ہیں۔ اگر تم میری پیروی کرو گے اور میرے بتلائے ہوئے طریقوں پر عمل کرو گے تو اللہ تعالیٰ تم سے محبت بھی کرے گا اور تمہارے گناہ بھی بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا اور بڑا مہربانی کرنے والا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی کوئی کسی کی محبت کا دعویٰ کرے تو اس طرح محبت کرے جس طرح محبوب چاہے نہ جس طرح اپنا جی چاہے اور اسی طرح چاہے تو محبوب اس کو چاہے اور اللہ بندوں کو چاہے تو یہی کہ ان پر مہربانی ہو اور گناہ پر نہ پکڑے اور خیالات عبث ہیں۔ (موضح القرآن) حضرت مفسرین نے اس آیت میں

مختلف ترکیبیں اختیار کی ہیں لیکن ہم نے آسان اور سہل ترکیب کی بنا پر ترجمہ اور تسہیل کی ہے تاکہ مطلب آیت کا آسانی سے سمجھ میں آسکے۔ اب آگے ایک اور شبہ کا جواب فرماتے ہیں۔ جیسا کہ بعض معترضین کی جانب سے کہا گیا تھا کہ ہم خدا سے تعلق رکھنے والے ہیں۔ ہم کو پیغمبر سے کیا واسطہ۔ اس کا جواب دیا گیا کہ پیغمبر کی اطاعت اور اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔ کیونکہ پیغمبر کوئی خود ساختہ انسان نہیں ہے بلکہ ہمارا فرستادہ ہے لہٰذا اس کے حکم کی تعمیل بعینہ ہمارے حکم کی تعمیل ہے (تسہیل) اے پیغمبر! آپ ان سے یہ بھی فرما دیجئے کہ تم اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ پھر اگر یہ لوگ اس سے اعراض کریں اور روگردانی کے مرتکب ہوں تو یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ کافروں سے محبت نہیں کرتا اور ایسے منکروں کو پسند نہیں فرماتا (تیسیر) حدیث میں آتا ہے۔ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میری تمام امت جنت میں داخل ہوگی۔ مگر جس نے انکار کیا لوگوں نے دریافت کیا وہ انکار کرنے والے کون لوگ ہیں۔ آپ نے فرمایا جس نے میرا کہا مانا اور میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے نافرمانی کی اس نے انکار کیا۔ دوسری روایت میں ہے جس نے محمدؐ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے محمدؐ کی نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ مذکورہ بالا دو آیتوں میں بنی نوع انسان کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایسے اصول اور ہدایت کی ایسی راہ تجویز کی ہے جس کو اختیار کرنا ہی انسان کی دائمی نجات کا سبب ہو سکتا ہے۔ (۱) اللہ تعالیٰ کی محبت کا معاملہ ایسا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی ذات کا اقرار کرتا ہے وہ ضرور کسی نہ کسی درجہ میں اللہ تعالیٰ کی محبت کا مدعی ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ کافر بلکہ مشرک بھی اس امر کے مدعی ہیں کہ ہم خدا سے محبت کرنے والے ہیں اور اسی وجہ سے حضرت حق نے جہاں مختلف طریقے اپنے عذاب کے بیان کئے ہیں ان میں ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ ہم نافرمانوں سے کلام نہیں کریں گے اور ان کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھیں گے جیسا کہ دوسرے پارے میں گذر چکا ہے اور اس پارے کے آخر میں بھی ان شاء اللہ آئے گا۔ اور یہ دھمکی جب ہی موزوں اور مناسب ہو سکتی ہے جب کہ کافر میں یہ خیال کتنا ہو کہ خدا تعالیٰ میرا محبوب ہے۔ میں نے اس سے محبت کی ہے اور قیامت میں وہ مجھ سے اچھا برتاؤ کرے گا۔ ہم دوسرے پارے میں اس بات کی طرف اشارہ کر چکے ہیں چونکہ اس خیال میں نہ صرف اہل کتاب مبتلا ہیں بلکہ جس کافر اور مشرک سے بات کیجئے وہ اس خیال میں مبتلا ہوگا۔ اس لئے اس محبت کے سلسلے میں ایک ایسا پائدار اور مضبوط اصول بیان کیا گیا جس نے کھرے اور کھوٹے کو بالکل الگ الگ کر دیا۔ (۲) محبت کے معنی کچھ بھی ہوں۔ خواہ وہ ذاتی ہو یا صفاتی ہو اور بندے کی محبت کے معنی اور ہوں اور خدا کی محبت کے معنی اور ہوں۔ بہرحال محبوب کی محبت کا وہی طریقہ صحیح ہو سکتا ہے جو محبوب کو پسند ہو۔ ورنہ خواہ کتنی ہی محبت ہو جب محبوب ہی کو پسند نہ ہو تو بے کار ہے۔ ایسی ناپسندیدہ محبت اور عداوت میں کوئی فرق نہیں۔ جب یہ بات سمجھ میں آگئی تو اب غور کرو کہ اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ محبت کو معلوم کرنے کا طریقہ کیا ہے۔ سوائے انبیاء علیہم السلام کے اور کسی کو وہ طریقہ معلوم ہو سکتا ہے۔ اس لئے اپنے رسول کو بتلایا کہ اے پیغمبر! جو آپ کی پیروی کرے اور آپ کے قدم بہ قدم چلے وہی ہم سے صحیح محبت کرنے والا ہے اور اسی کو یہ توقع رکھنی چاہیئے کہ ہم اس سے محبت کریں گے۔ اس لئے کہ جیسی کوئی بندہ ہماری طرف پیش قدمی کرے گا ویسا ہی جواب ہماری طرف سے بھی ہوگا۔ کوئی ہمارا ذکر کرتا ہے تو ہم اس کا ذکر کرتے ہیں۔ کوئی ہم سے غفلت اختیار کرتا ہے تو ہم بھی اس سے ویسا ہی برتاؤ کرتے ہیں اور جو ہم سے محبت کرتا ہے تو ہم بھی اس سے محبت کرتے ہیں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ محبت وہی ہو جو ہماری نظر میں محبت ہو اور ہم اسی کی محبت کو قابل التفات اور قابل توجہ سمجھتے ہیں جو ہمارے پیغمبر کی اتباع اور پیروی کرتا ہے (۳) یہی حالت اطاعت کی ہے کہ پیغمبر کی اطاعت کو اپنی اطاعت کے ساتھ ذکر فرمایا تاکہ یہ بات معلوم ہو جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح اطاعت اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت ہے۔ کیونکہ رسول کو اللہ تعالیٰ نے ہی مطاع قرار دیا ہے۔ اور جو ان کے مطاع کی اطاعت بجا لاتا ہے وہ درحقیقت خدا ہی کے حکم کی تعمیل کرتا ہے۔ (۴) آخر میں کافروں کی محبت کا انکار فرمایا کہ جو ہمارے رسول کی اطاعت نہیں کرتا یا ہمارے رسول کی رسالت کو نہیں مانتا وہ کافر ہے اور کافر کسی طرح بھی ہم کو محبوب نہیں (۵) شاید یاد ہوگا کہ ہم نے پہلے پارے میں عرض کیا تھا کہ ایک جگہ تمام باتیں مذکور نہیں ہوتیں۔ اگر ایک جگہ کسی چیز کا ذکر نہ آئے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ چیز قابل تعمیل نہیں ہے جو بات وہاں مذکور نہ تھی اس کا ذکر یہاں موجود ہے۔ بہرحال قرآن میں بہت سے مقامات ایسے ہیں جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لانا اور آپ کی اطاعت کرنا ضروری قرار دیا ہے اور جب تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لا کر آپ کی اتباع نہ کی جائے اس وقت تک نہ توحید قابل اعتبار ہے اور نہ محبت کا دعویٰ قابل سماعت ہے۔ اس لئے کہ رسول سے بے نیاز ہو کر جو طریقہ بھی اختیار کیا جائے گا وہ غیر آئینی اور غیر معتبر ہوگا۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی بندے کی محبت یہی کہ شوق سے اللہ کے کام پر اور حکم پر دوڑے **فائدہ** اب آگے سے مذکور ہے کہ اللہ نے حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ کو محبت کے لفظ فرمائے ہیں یا پسند کے لفظ فرمائے ہیں۔ سو محبت اللہ کی بندوں پر تو یہی ہے جو سن چکے اور پسند کے لفظ اکثر مقربوں کو فرمائے ہیں۔ ایسے لفظوں سے شبہ نہ کھایا چاہیئے (موضح القرآن) ہم نے اس سورت کی تمہید میں عرض کیا تھا کہ کتب سماویہ میں بعض الفاظ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو متشابہات کہتے ہیں۔ اسی قسم کے بعض الفاظ حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ کے متعلق بھی انجیل میں فرمائیں ہوں گے یا آدم کی اولاد کو اپنی اولاد فرمایا ہوگا۔ ان الفاظ سے بعض اہل باطل نے اولاد اور بیوی کا عقیدہ بنا لیا اور حضرت عیسیٰ کو معاذ اللہ خدا کا بیٹا اور اپنے کو خدا کا دوست اور اولاد سمجھنے لگے۔ اور اسی فاسد عقیدے کو نجران کے عیسائی قرآن کے الفاظ کلمۃ اللہ اور روح اللہ سے ثابت کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے اسی کا جواب دیا ہے۔ کہ محبت یا پسندیدگی کے الفاظ کا مطلب یہ نہیں جو عیسائی لیتے ہیں۔ بلکہ محبت سے مراد انبیاء کی اتباع ہے اور پسندیدگی کے الفاظ عام انبیاء کے متعلق بھی ارشاد ہوئے ہیں۔ کچھ حضرت عیسیٰؑ کی ان الفاظ میں تخصیص نہیں ہے۔ (تسہیل) بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو اور حضرت نوحؑ کو اور حضرت ابراہیمؑ کی اولاد کو اور عمران کی اولاد کو اقوام عالم پر برگزیدہ فرمایا تھا یعنی نبوت کے لئے ان کو پسند فرمایا تھا۔ یہ لوگ ایک نسل اور ایک ہی سلسلے کے تھے۔ ان میں سے بعض بعض کی اولاد تھے اور اللہ تعالیٰ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔ یعنی معترضین کی باتوں کو سنتا ہے اور پسندیدہ اور منتخب حضرات کے احوال کو جانتا ہے (تیسیر) صفوہ خالص چیز کو کہتے ہیں جو ہر قسم کی آمیزش سے پاک ہو۔ یہاں اصطفاء سے مراد پسند فرمانا۔ چن لینا۔ منتخب کر لینا مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور حضرت نوح اور حضرت ابراہیم و عمران کی بعض اولاد کو اپنی نبوت و رسالت کے لئے منتخب فرمایا تھا اور ان لوگوں کو اہل عالم پر برتری عنایت فرمائی تھی۔ حضرت ابراہیم کی اولاد میں حضرت اسحاق اور حضرت اسماعیل کہ سب پیغمبر ان ہی کی اولاد میں ہوئے۔ اسرائیلی پیغمبر حضرت اسحاق کی اولاد میں اور نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسماعیل کی اولاد میں۔ حضرت عمران سے مراد اگر حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے والد ہیں تو حضرت موسیٰؑ اور ہارون کی نبوت کی طرف اشارہ ہوگا اور اگر عمران سے حضرت مریم کے والد مراد ہوں جیسا کہ یہی ظاہر ہے تو پھر ان کی اولاد سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہوں گے۔ ذریۃ آل عمران اور آل ابراہیم سے بدل یا حال ہے یا حضرت نوح سے بھی بدل ہو سکتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ سب ایک ہی سلسلے کے لوگ ہیں۔ باعتبار دین باعتبار تبلیغ ایک دوسرے کے حامی اور مددگار ہیں یا یہ کہ ایک دوسرے کے ساتھ خاندانی تعلق رکھتے ہیں کہ یہ سب حضرات آدم کی اولاد ہیں۔ اور آپس میں بھی ایک دوسرے کی اولاد اور ایک دوسرے کی نسل ہیں۔ گویا یہ حضرات دین و ملت کے اعتبار سے بھی ایک سلسلے کے لوگ ہیں اور باپ بیٹے ہونے کی حیثیت سے بھی ایک خاندان کے لوگ ہیں۔ بعض حضرات نے یہاں بھی ترجمہ میں آل ابراہیم سے حضرت ابراہیم اور آل عمران سے حضرت عمران کو مراد لیا ہے۔ جیسے دوسرے پارے کے آخر میں مما ترک آل موسیٰ وآل ہارون میں اختیار کیا تھا۔ بہرحال اجمالاً اولوالعزم پیغمبروں کا ذکر آیت میں آگیا اور اگرچہ آل ابراہیم میں آل عمران بھی داخل تھے لیکن تعمیم کے بعد ان کا ذکر بطور تخصیص کیا گیا۔ حضرت ابراہیم کی نبوت کا شاید اس لئے ذکر نہ فرمایا ہو کہ ان کی نبوت سب لوگوں کے نزدیک مسلم تھی۔ حتیٰ کہ کفار مکہ بھی اپنے کو ان ہی کی ملت پر سمجھتے تھے۔ اور ایک لطیف انداز میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی جانب بھی اشارہ فرما دیا تاکہ جو لوگ آپ کی نبوت کے منکر تھے ان کو تنبہ ہو جائے کہ جب حضرت ابراہیم کا گھرانا نبوت کے لئے ایک منتخب گھرانا ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر کیوں تعجب کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ اب آگے حضرت مریم۔ حضرت عیسیٰ حضرت یحییٰ اور حضرت زکریا کا حال ذرا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے تاکہ ایک طرف صحیح واقعات دنیا کو معلوم ہو جائیں اور دوسری طرف نجران کے عیسائیوں کی غلط فہمی کا ازالہ ہو جائے اور جو باتیں عیسائیوں نے حضرت مسیح اور حضرت مریم کے متعلق غلط مشہور کر رکھی ہیں ان کا جواب ہو جائے۔ چونکہ آگے کی آیتوں میں حضرت عیسیٰ کی زندگی پر صحیح تبصرہ ہے اور مسلسل تین رکوع تک یہ بحث چلی گئی ہے اس لئے بعض لوگوں نے ان ہی آیات کا تعلق وفد نجران

سے بتایا ہے۔ لیکن تحقیق بات وہ ہے جو ہم تمہید میں عرض کر چکے ہیں کہ اس سورت کی ابتدا ہی وفد نجران کے شکوک شبہات کے جواب سے ہوئی ہے۔ رہی یہ بات کہ بیچ میں بعض اور باتیں بھی بیان ہوئی ہیں تو وہ قرآن کا ایک داب اور قاعدہ ہے کہ وہ کسی مناسبت سے بطور جملہ معترضہ کے بیچ میں بیان کر جاتا ہے۔ اور پھر اصلی مضمون کو شروع کر دیتا ہے۔ (تسہیل) ف؎ وہ وقت قابل ذکر ہے جبکہ عمران بن ماثان کی بیوی حنہ بنت فاقوذا نے اپنے حمل کے متعلق جناب باری میں عرض کیا۔ اے میرے پروردگار! میں نے اس بچہ کو جو میرے پیٹ میں ہے آپ کی نذر کر دیا کہ وہ آپ کی خدمت کے لئے تمام کاموں سے آزاد اور فارغ البال رکھ کر وقف ہوگا۔ یعنی میں اس سے کوئی کام نہ لوں گی وہ صرف بیت المقدس کی خدمت کے لئے وقف ہوگا۔ لہٰذا آپ میری جانب سے اس کو جس کی میں نے نذر کی ہے قبول فرما لیجئے۔ یقیناً آپ بڑے سننے والے اور بڑے جاننے والے ہیں۔ یعنی میری عاجزانہ دعا کو سنتا بھی ہے اور میری نیت کو جانتا بھی ہے (تیسیر) مفسرین نے بیان کیا ہے کہ حضرت حنہ کے اولاد نہ ہوتی تھی۔ ایک دن انہوں نے ایک پرندے کو دیکھا کہ وہ اپنے بچے کو بھرا رہا ہے۔ اس وقت ان کو اپنے لئے بچہ کا خیال آیا اور انہوں نے یہ تمنا کی کہ میرے ہاں جو اولاد ہوگی وہ میں بیت المقدس کی خدمت کے لئے سب کاموں سے آزاد کر کے وقف کر دوں گی۔ چنانچہ حسن اتفاق سے حنہ حاملہ ہو گئیں اور عمران کا انتقال ہو گیا۔ جب ان کو اپنا حاملہ ہونا معلوم ہو گیا تو انہوں نے اس توقع پر کہ بیٹا ہوگا یا اس تمنا میں کہ میرے ہاں بیٹا ہو ایسی نذر مان لی جو لڑکوں کے لئے مانی جاتی تھی اور ایسی نذر جو اپنے اختیار اور اپنی ملک میں نہ ہو ان کی شریعت میں جائز ہو سکتی تھی۔ چنانچہ اکثر لوگ اپنے لڑکوں کو بیت المقدس کی خدمت کے لئے وقف کر دیا کرتے تھے اور وہ مسجد کے حجروں میں جو مجاوروں کی سکونت کے لئے بنائے جاتے تھے ان میں رہتے تھے اور مسجد میں جھاڑو اور روشنی وغیرہ کا کام کرتے تھے اور زائرین کی خدمت کیا کرتے تھے۔ اسی طرح حضرت حنہ نے بھی یہ عرض کیا کہ اے میرے رب! میں تیرے لئے اس مافی بطنی کی نذر مانتی ہوں کہ اس کو تمام کاموں سے آزاد رکھا جائے گا اور بس تیرے گھر کی خدمت کے لئے وہ وقف ہوگا یعنی اور کوئی شغل اس کے ذمہ نہ ہوگا۔ کوئی کاروبار اور نکاح بیاہ وغیرہ سب سے آزاد ہوگا۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں۔ اس امت میں دستور تھا کہ بعضے لڑکوں کو ماں باپ اپنے حق سے آزاد کرتے اور اللہ کی نیاز کرتے پھر تمام عمر ان کو دنیا کے کام میں نہ لگاتے اور ہمیشہ مسجد میں وہ عبادت کیا کرتے۔ عمران کی عورت کو حمل تھا اس نے آگے سے یہی نذر کر رکھی (موضح القرآن) ہم نے عرض کیا تھا کہ اس قسم کی نذر ماننا ان کی شریعت میں جائز تھا۔ مگر لڑکوں کے لئے مخصوص تھا۔ یعنی لڑکوں کے لئے نذر مانتے تھے۔ اب آگے ارشاد ہوتا ہے کہ بجائے لڑکے کے اتفاقاً حنہ کے ہاں لڑکی ہوئی۔ (تسہیل)

بقیہ صفحہ ۸۵

ف؎ الغرض حضرت مریم کو ان کے پروردگار نے عمدہ طریقہ کے ساتھ قبول فرمایا اور ان کو اچھے اٹھان اٹھایا یعنی عمدہ طور پر ان کو نشو و نما کیا اور حضرت زکریا کو ان کا سرپرست اور نگران بنا دیا۔ پھر جب کبھی حضرت زکریا ان کے مقررہ حجرے میں تشریف لاتے تو حضرت مریم کے پاس کچھ نہ کچھ کھانے کی چیزیں موجود پاتے۔ حضرت زکریا دریافت کرتے۔ اے مریم یہ چیزیں تیرے لئے کہاں سے آئیں۔ وہ جواب دیتیں۔ یہ روزی اور کھانے پینے کی چیزیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے آتی ہیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے بے سان و گمان اور بلا مشقت و تعب روزی عنایت فرماتا ہے (تیسیر) محراب۔ کسی مجلس کے صدر مقام کو کہتے ہیں۔ مسجد کی محراب کو اس وجہ سے محراب کہتے ہیں کہ وہ شیطان سے مقابلہ کرنے کا مقام ہے یا دنیاوی مشاغل اور خیالات سے مقابلہ کرنے کی جگہ ہے۔ یہاں وہ حجرہ اور بالاخانہ مراد ہے جو زائرین کی عبادت اور مجاورین کی سکونت کے لئے بیت المقدس میں بنے ہوئے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ حضرت مریم کے لئے کوئی خاص حجرہ تعمیر کیا گیا ہو۔ قبول حسن کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح لڑکوں کی نذریں قبول کی جاتی تھیں۔ ان ہی نذروں میں سے مریم کو بوجہ احسن قبول فرمایا۔ انبات کے معنی اگانے کے ہیں۔ یہاں مراد ان کی نشو و نما ہے اور مطلب یہ ہے کہ ان کو ابتدا ہی سے بڑا عبادت گزار اٹھایا اور اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ عام بچوں کے مقابلے میں ان کے بڑھنے اور ہوشیار ہونے کی رفتار تیز تھی۔ مثلاً دوسرے بچے ایک سال میں جس قدر بڑھتے اور ہوشیار ہوتے ہیں وہ ایک مہینے میں اتنی بڑھتی اور ہوشیار ہو جاتی تھیں۔ ان کو جس حجرے میں رکھا تھا اس کو حضرت زکریا مقفل کر کے جاتے تھے۔ جب واپس آ کر کھولتے تو دیکھتے ان کے حجرے میں مختلف قسم کے پھل اور بے موسم کے میوے رکھے ہوئے ہیں اس لئے بطور تعجب دریافت کرتے۔ یہ روزی کہاں سے آئی۔ ان اللہ یرزق من یشاء بغیر حساب یا تو حضرت مریم ہی کا قول ہے اور ھو من عند اللہ سے لے کر آخر تک حضرت مریم ہی کا جواب ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آخری جملہ حضرت حق کا ارشاد ہو جو مریم کی تائید میں فرمایا ہو۔ کہ بے شک اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے بلا مشقت روزی دیتا ہے۔ کفیل۔ کافل اسے کہتے ہیں جو کسی کا ضامن ہو اور اس کے لئے امور کی تدبیر کرتا ہو۔ حضرت زکریا اس زمانے کے پیغمبر تھے۔ یہ حضرت سلیمان کی اولاد میں سے تھے اور حضرت مریم کے خالو ہوتے تھے۔ حنہ کی بہن اشیاع بنت فاقوذا ان کے نکاح میں تھیں۔ بہرحال حضرت مریم کی والدہ حضرت مریم کو ایک کپڑے میں لپیٹ بیت المقدس میں لائیں اور مسجد کے احبار کے سامنے رکھ دیا۔ یہ لوگ بیت المقدس کے دربان اور مزدور تھے۔ جیسے کعبہ میں معلم وغیرہ ہوتے ہیں یہ لوگ حضرت ہارون کی اولاد میں سے تھے اور مریم کے والد حضرت عمران مسجد کے امام تھے۔ چنانچہ مریم کی والدہ نے کہا یہ بچی اللہ کے لئے نذر لائی ہوں۔ تم لوگ اس کو سنبھالو اور اس کی پرورش کرو۔ مجاورین مسجد نے اس خیال سے کہ ان کے امام کی لڑکی ہے۔ اس کو بہت پسند کیا اور ہر شخص نے یہ خواہش کی کہ اس کی پرورش کر دوں۔ حضرت زکریا نے فرمایا کہ میں اس کی پرورش کا زیادہ مستحق ہوں کیونکہ میں اس کا خالو ہوتا ہوں۔ چونکہ ہر شخص کو پرورش کا شوق بڑھا ہوا تھا۔ اس لئے رفع منازعت کی غرض سے قرعہ پر سب کا اتفاق ہوا اور قرعہ حضرت زکریا کے حق میں نکلا اور مریم ان کے سپرد کر دی گئیں مجاورین کی تعداد ستائیس بتائی گئی ہے۔ جب حضرت مریم حضرت زکریا کی نگرانی میں دے دی گئیں تو انہوں نے حضرت مریم کو ایک محراب یعنی بالاخانہ میں رکھا جو بلندی پر تھا اور زینہ میں چڑھ کر جانا پڑتا تھا۔ وہیں ان کی پرورش کا سامان کیا ہو سکتا ہے کہ ان کے لئے کوئی انا مقرر کی ہو یا بدون انا کے ان کی پرورش کی ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کی خالہ نے ان کی پرورش کی ہو۔ حضرت مریم کے پاس بے فصل کے پھلوں کا آنا یہ حضرت مریم کی کرامت تھی حضرات اہل سنت نے اولیاء اللہ کی کرامت پر اسی سے استدلال کیا ہے۔ حضرت زکریا کے ہاں کوئی نرینہ اولاد نہ تھی یا تو ان کے ہاں اولاد ہوتی نہ تھی یا ممکن ہے کہ لڑکیاں ہوتی ہوں مگر کوئی لڑکا نہ ہو۔ بہرحال مریم ان کی نگرانی میں بڑھی پلیں اور چونکہ قرعہ میں حضرت زکریا کا نام نکلا اور اس میں ایک اعجازی شکل نمایاں ہوئی۔ ہم اس کی تفصیل ان شاء اللہ آگے عرض کریں گے۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں۔ ان کی ماں نے خواب دیکھا کہ اگرچہ یہ لڑکی ہے اللہ نے یہی نیاز میں قبول کی اس کو مسجد میں لے جا۔ وہ لے گئی مسجد کے بزرگوں نے پہلے کہا کہ لڑکی کا رکھنا دستور نہیں۔ جب اس کا خواب سنا تب قبول کیا اور حضرت زکریا کی عورت ان کی خالہ تھی۔ وہی رکھنے لگی۔ ان کے واسطے مسجد میں الگ حجرہ بنایا۔ دن کو یہ وہاں عبادت کرتیں رات کو حضرت زکریا اپنے ساتھ گھر لے جاتے۔ ان سے یہ کرامت دیکھی کہ بے موسم میوہ خدا کے ہاں سے آتا تب حضرت زکریا جو ساری عمر اولاد سے ناامید تھے اب امیدوار ہوئے کہ شاید میوہ بے موسم مجھ کو بھی ملے۔ اسی جگہ اولاد کی دعا کی (موضح القرآن) اب آگے حضرت زکریا کی دعا اور حضرت یحییٰ کا قصہ مذکور ہے۔ اس کے بعد پھر حضرت مریم کا قصہ بیان ہوگا (تسہیل) ف؎

بقیہ صفحہ ۸۶

اپنا حکم یعنی محض حکم سے پیدا ہوئے بغیر باپ کے (موضح القرآن) اس بشارت سے پہلے تو حضرت زکریا سائل تھے لیکن بشارت کے بعد یہ فکر ہوئی کہ اولاد کی صورت کیا ہوگی اور کس طرح ہوگی چنانچہ آگے حضرت زکریا کا قول ذکر کیا جاتا ہے (تسہیل) ف؎ اس بشارت کو سن کر حضرت زکریا نے عرض کیا اے پروردگار! میرے ہاں لڑکا کس طرح ہوگا اور اس کے ہونے کی صورت کیا ہوگی۔ کیونکہ میری حالت تو یہ ہے کہ مجھ کو بڑھاپے نے آ لیا ہے اور میری بیوی بھی بڑھاپے کی وجہ سے بچہ جننے کے قابل نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اسی طرح یعنی اسی حالت میں کہ تم بوڑھے ہو اور تمہاری بیوی بانجھ ہے۔ تمہارے ہاں لڑکا ہو جائے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔ اس پر حضرت زکریا نے عرض کیا۔ اے میرے پروردگار! میرے لئے کوئی نشانی مقرر کر دیجئے۔ یعنی کوئی ایسی نشانی جس سے مجھے حمل کا قرار پانا معلوم ہو سکے۔ اس پر ارشاد ہوا۔ تمہاری نشانی یہ ہے کہ تم تین دن تک لوگوں سے سوائے اشارے کے کوئی بات چیت نہ کر سکو گے۔ اور تم اپنے رب کو بکثرت یاد کرتے رہنا اور شام صبح اس کی تسبیح و پاکی بیان کرتے رہنا (تیسیر) عاقر مرد کو بھی کہتے ہیں اور عورت کو بھی کہتے ہیں۔ عاقر سے مراد وہ عورت و مرد جن کے اولاد نہ ہو۔ رمز کے معنی ہیں ہاتھ یا سر کا اشارے سے کسی بات کا جواب دینا یا ہونٹوں کی حرکت سے کچھ کہنا۔ عشی زوال کے وقت سے لیکر صبح صادق یا رات کے کچھ حصہ تک کے وقت کو کہتے ہیں۔ یہ لفظ ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کے وقت تک کو شامل ہے۔ ابکار صبح صادق سے لیکر چاشت تک

کے وقت کو شامل ہے۔ حضرت زکریا کا انی یکون لی غلام کہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ کیفیت دریافت کرنا چاہتے تھے کہ آخر اس کی صورت کیا ہوگی۔ میں بوڑھا ایک سو بیس سال کی میری عمر۔ میری بیوی اٹھانوے سال کی بڑھیا۔ کسی دوسری بیوی سے لڑکا ہوگا یا اسی سے ہوگا۔ یہ جوان کردی جائے گی یا مجھ کو از سر نو جوان بنایا جائے گا۔ کیا شکل ہوگی۔ اس کا جواب دیا گیا کہ اسی حالت میں ہو جائے گی۔ کیونکہ ہم جس کام کو کرنا چاہتے ہیں اُسے کر گذرتے ہیں۔ نشانی طلب کرنا شاید اس غرض سے ہو کہ خوشی حاصل ہونے میں جلدی ہو نیز علامت ظاہر ہوتے ہی آپ کا شکر بجالاؤں اور شکر کی بجاآوری میں مشغول ہو جاؤں۔ سورہ مریم میں تین رات فرمایا اور یہاں تین دن۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تین دن رات مسلسل چپ لگ جائے گی۔ نشانی بھی ایسی عنایت فرمائی کہ سوائے شکر کے جو ان کا مقصود تھا اور کوئی بات نہ کر سکیں۔ بعض حضرات نے کلام نہ کرنے کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ تین دن رات تم کسی سے کلام نہ کرنا مگر اشارے سے اگرچہ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ قوتِ گویائی باقی رہے اور کلام کی ممانعت کردی گئی ہو لیکن بظاہر یہی ہے اور نشانی یہی ہو سکتی ہے کہ قوتِ گویائی سلب کرلی جائے گویا عدم کلام اضطراری تھا اختیاری نہیں اس لئے ہم نے ترجمہ اور تیسیر میں اس جانب اشارہ کیا ہے کہ تم بات چیت نہ کر سکو گے۔ یعنی کلام کرنے کی قدرت ہی باقی نہ رہے گی۔ اور ایک لطیف اشارہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہماری نشانی یہ ہے کہ جس عضو کو تم کارآمد سمجھ رہے ہو اس کو بے کار کردیں گے اور جس عضو کو تم بے کار سمجھے ہو اس کو کارآمد کردیں گے۔ آگے ذکر و تسبیح کی تاکید فرمائی۔ ذکر سے مراد قلبی ذکر بھی ہو سکتا ہے اور ذکر لسانی بھی مراد ہو سکتا ہے۔ اگرچہ ان کا خود بھی مقصد نشانی سے یہی تھا کہ میں شکر کی بجاآوری میں مشغول ہو جاؤں۔ لیکن ذکر الٰہی کی اہمیت کے لحاظ سے اس کی تاکید فرمائی۔ صبح شام کا مطلب یہ ہے کہ ضروریات کو مستثنا کر کے ہر وقت ذکر الٰہی اور تسبیح الٰہی میں مشغول رہو۔ کیونکہ لوگوں سے گفتگو کرنے کے لئے زبان بند کی گئی تھی۔ لیکن جب ذکر الٰہی اور تسبیح الٰہی کرنا چاہتے تو زبان اپنا کام کرتی تھی۔ مفسرین کے اور بھی مختلف اقوال ہیں لیکن ان کو نقل کرنا ایک غیر ضروری تطویل ہوگا۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ پھر جب حضرت یحییٰ ماں کے پیٹ میں پڑے تو حضرت زکریا کی تین دن یہی حالت رہی کہ آدمی سے کلام نہ کر سکتے۔ اس وقت ان کی عمر ایک کم سو برس کی تھی اور ان کی عورت کی عمر دو کم سو اور ان ہی دنوں میں حضرت مریم کے پیٹ سے حضرت عیسیٰ پیدا ہوئے (موضح القرآن) ہم نے اوپر عرض کیا تھا کہ یا تو حضرت زکریا ہمیشہ بے اولاد تھے یا صرف لڑکیاں ہوتی تھیں۔ لڑکا کوئی نہ تھا۔ بہرحال حضرت یحییٰ کی پیدائش کا جن دنوں قصہ ہوا وہ دن ایسے تھے کہ جب اولاد کا کوئی وہم و گمان ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ اب آگے حضرت مریم اور ان کے ہاں حضرت عیسیٰ کے پیدا ہونے کا ذکر ہے۔ دونوں پیغمبر حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ کا ذکر اس لئے ساتھ کیا گیا کہ اوّل تو یہ ایک ہی زمانے میں تھے۔ دوسرے یہ کہ دونوں کی پیدائش میں اہل عالم کے لئے ایک بہت بڑا معجزہ اور بڑی نشانی تھی۔ چھ مہینے پہلے حضرت یحییٰ کا واقعہ ہو چکا تھا۔ چھ مہینے بعد حضرت عیسیٰ کا واقعہ ہوا اور یہ دونوں واقعے محض خرقِ عادت کے طور پر معجزانہ شکل میں ہوئے۔ ایک جگہ ماں باپ تھے مگر بے کار

اور دوسرے موقعہ پر صرف ماں تھی سے پیدائش ہوئی اور یہ قصے خاص طور پر نجران کے عیسائی وفد کو سنائے کہ حضرت عیسیٰ کو محض بن باپ کے پیدا ہونے سے خدا کی الوہیت میں شریک کرنا بالکل بے معنی اور کھلی گمراہی ہے۔ اگر بلا اسباب کے کسی بچہ کا پیدا ہونا اس کو خدا کا بیٹا یا خدا کا ہمسر بنا سکتا ہے تو تم لوگ حضرت یحییٰ کے متعلق اس عقیدے کا اظہار کیوں نہیں کرتے۔ حالانکہ ان دونوں بچوں کی پیدائش کا ایک ہی سا طریقہ اور انداز ہے (تسہیل) ۔۔۔ اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب فرشتوں نے حضرت مریم سے کہا کہ اے مریم! بلاشبہ تجھ کو اللہ تعالیٰ نے منتخب اور مقبول فرمایا اور تجھ کو ہر قسم کے بُرے افعال و اخلاق کی آلودگی سے پاک کیا اور اس زمانہ کی تمام عورتوں کے مقابلہ میں تجھ کو برگزیدہ اور منتخب کیا۔ اے مریم! اپنے رب کی فرماں بردار اور اطاعت گزار رہیو اور سجدہ یعنی نماز ادا کرتی رہیو اور نماز میں رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع بھی کیا کیجیو۔ یہ واقعات مذکورہ اے پیغمبر منجملہ غیب کی خبروں کے ہیں جو ہم آپ کے پاس وحی کرتے ہیں۔ اور وحی کے ذریعہ آپ تک پہنچاتے ہیں۔ حالانکہ آپ ہیکل کے ان احبار کے پاس اس وقت موجود نہ تھے۔ جب وہ مریم کی نگرانی اور کفالت کے بارے میں کہ کون شخص ان کا سرپرست مقرر ہو اپنی اپنی قلمیں قرعہ کی غرض سے پانی میں ڈال رہے تھے۔ اور نہ آپ ان احبار کے پاس اس وقت موجود تھے جبکہ یہ لوگ آپس میں اختلاف اور جھگڑا کر رہے تھے۔ یعنی ہر راہب یہ چاہتا تھا کہ عمران کی بیٹی مریم پرورش کے لئے میرے سپرد کی جائے (تیسیر) فرشتوں سے مراد یہاں بھی چند فرشتے ہو سکتے ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت جبریل مراد ہوں۔ بہرحال اصطفا کا یہ مطلب ہے کہ تجھ کو قبول فرمایا اور تیری ماں نے جو نذر مانی تھی وہ قبول ہوئی۔ پھر زکریا کو تیرا کفیل بنایا اور بے فصل کے پھل تجھ کو پہنچائے اور کرامت کا تجھ سے ظہور ہوا۔ تطہیر کا مطلب یہ کہ شیطان کے اثر سے تجھ کو محفوظ رکھا۔ گناہوں سے بچایا۔ کسی غیر مرد کے ہاتھ لگنے سے محفوظ رکھا۔ یہ باتیں ہر عورت کو کہاں نصیب ہوتی ہیں اس لئے مکرر فرمایا کہ تجھ کو اپنے زمانے کی تمام اہل جہاں کی عورتوں پر برگزیدگی عنایت کی اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فرشتوں نے دو دفعہ خطاب کیا ہو۔ ایک دفعہ اس انتخاب کا ذکر کیا ہو جس کا اثر بچپنے میں نمایاں ہوا اور دوسرا خطاب حضرت مریم کو جوان ہونے کے بعد کیا ہو اور اس برگزیدگی کا اظہار کیا ہو کہ تجھ کو لڑکا عنایت فرمایا اور تجھ کو اور تیرے بیٹے کو اہل عالم کے لئے نشانی بنایا۔ اور حضرت عیسیٰ سے بچپنے میں تیری برارت کرائی۔ بہرحال یا تو ایک ہی خطاب میں مکرر ان کی پسندیدگی کا اظہار کیا اور یا خطاب ہی دو دفعہ کیا اور دونوں دفعہ ان کی برگزیدگی کا اظہار فرمایا اور یہ جو فرمایا کہ تمام اہل عالم کی عورتوں پر فضیلت عطا فرمائی۔ اس سے مراد یہ ہے کہ تمہارے زمانے میں جو دنیا جہان کی عورتیں ہیں ان کے مقابلہ میں تم کو پسند فرمایا۔ حضرت فاطمہ، حضرت خدیجہ، حضرت عائشہ اور فرعون کی بیوی آسیہ کے متعلق جو اہل عالم کی عورتوں پر فضیلت کے الفاظ آئے ہیں اوّل تو ان میں اپنا مسلک توقف ہے۔ نیز جو معنی ہم نے کئے ہیں اس کے بعد کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔ حضرت فاطمہ، عائشہ، خدیجہ اور آسیہ کی فضیلت کے متعلق تمام روایات صاحب تفسیر مظہری نے اس آیت کے تحت جمع کردی ہیں۔ اگر ملاحظہ کرنی ہوں تو وہاں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔ چونکہ

فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کے تین احسان ذکر کئے تھے۔ ایک برگزیدہ اور پسند فرمانا۔ دوسرے تطہیر جو ہر قسم کے بُرے اعمال اور ناپسندیدہ اخلاق سے پاک ہونے کی طرف اشارہ ہے اور ہو سکتا ہے کہ ماہواری ایام سے بھی پاک ہونے کو شامل ہو جیسا کہ بعض کا قول ہے۔ تیسرے تمام دنیا جہان کے لوگوں پر فضیلت۔ ان تین احسانوں کا ذکر کرنے کے بعد فرشتوں نے حضرت حق کا شکر یہ ادا کرنے کا حکم دیا۔ قنوت کے معنی ہم عرض کر چکے ہیں۔ اگر یہاں اطاعت و فرماں بردار ترجمہ کیا جائے تو واسجدی کے معنی نماز کئے جائیں۔ جیسا کہ ہم نے کیا۔ اور اگر قنوت کے معنی قیام کئے جائیں اور نماز میں تطویلِ قیام مراد ہو تو پھر سجدے کے معنی نماز کرنے کی ضرورت نہیں۔ اب مطلب یہ ہوگا کہ اے مریم خدا کے رو برو نماز میں طویل قیام کیا کرو اور سجدہ کیا کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کیا کرو۔ سجدہ اگرچہ رکوع کے بعد ہوتا ہے لیکن ارکان صلوٰۃ میں چونکہ خاص اہمیت رکھتا ہے اس لئے اس کو مقدم فرما دیا اور ہو سکتا ہے کہ ان کی شریعت میں سجدہ رکوع سے پہلے ہوتا ہو۔ بہرحال یہاں ذکر میں ترتیب کی رعایت نہیں ہے بلکہ ارکان صلوٰۃ کی ادائیگی پر متوجہ کرنا ہے اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ بعض یہود نے نماز میں رکوع ترک کردیا تھا اور بعض رکوع کرتے تھے۔ اس لئے فرمایا کہ جو لوگ رکوع کے پابند ہیں ان کی طرح نماز پڑھنا۔ یہ مطلب نہیں کہ رکوع کرنے والوں کی ہر نماز میں ان کے ساتھ رکوع کر بلکہ صرف یہ منشا ہے کہ تمہاری نماز میں رکوع بھی ہونا چاہئے۔ یہ معیت ایسی ہی ہے جیسے فرمایا کہ کونوا مع الصادقین یعنی سچوں کا طریقہ اختیار کرو۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رکوع میں عام لوگ کوتاہی کرتے ہیں۔ ذرا جھکے اور کھڑے ہو کر سجدے میں چلے گئے اور کبھی سیدھے کھڑے بھی نہیں ہوتے اور سجدے میں چلے جاتے ہیں جیسا کہ ہم آج کل دیکھتے ہیں۔ اس لئے رکوع کی تاکید فرمائی۔ کہ رکوع رکوع کرنے والوں کی طرح کیا کرو۔ آخری آیت میں ان واقعات مذکورہ کے بیان کرنے پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر استدلال ہے کہ بدون کسی سے سنے ہوئے اور بغیر کسی کتاب میں پڑھے ہوئے اور بغیر آنکھوں سے دیکھے ہوئے آپ کا ان واقعات کو بیان کرنا یہ خرقِ عادت ہے اور یہ آپ کا اعجاز ہے کہ آپ ہزاروں برس پہلے کے واقعات اس طرح تفصیل کے ساتھ صحیح صحیح بتاتے ہیں۔ سوائے اس کے کہ یہ خبریں ہم آپ پر وحی کرتے ہیں اور کیا ذریعہ ہو سکتا ہے۔ اور یہی آپ کے نبی ہونے کی کھلی ہوئی دلیل ہے۔ کیونکہ آپ تو نہ بیت المقدس کے مجاوروں کی قرعہ اندازی کے وقت موجود تھے اور نہ جب ان میں جھگڑا ہو رہا تھا اس وقت آپ وہاں موجود تھے۔ لہٰذا ہم ہی آپ کو بتلانے والے ہیں۔ یہ مضمون بھی وفد نجران سے تعلق رکھتا ہے کہ اس واضح دلیل کے بعد بھی تم لوگوں کو اس نبی پر ایمان لانے میں کیوں تامل ہوتا ہے۔ قلموں کا ذکر اس لئے ہوا کہ شاید ان لوگوں میں قرعہ اندازی کا یہی طریقہ ہوگا کہ ہر شخص اپنی قلم پانی پر ڈالتا ہوگا جس کی قلم پانی کے بہاؤ کے خلاف الٹی بہنے لگتی ہوگی یا پانی میں کھڑی ہو جاتی ہوگی اس کا حق سمجھا جاتا ہوگا۔ اسی قرعہ کے قلموں کی طرف اشارہ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جب ہیکل کے ان سب احبار نے پانی میں قلمیں ڈالیں تو حضرت زکریا کی قلم بجائے بہاؤ پر بہنے کے الٹی بہنے لگی یا پانی پر کھڑی ہوگئی اور حضرت زکریا ہی مرحوم

کے کفیل قرار پائے۔ لفظ وحی قرآن میں بہت سے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یہاں وہ وحی مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے انبیاء کی طرف بھیجی جاتی ہے۔ قرعہ کا دستور اس آخری شریعت میں بھی ہے لیکن جن حقوق کے اسباب شریعت سے معلوم ہوں ان میں ناجائز ہے۔ مثلاً شریعت نے بتا دیا ہے کہ قاری اور غیر قاری میں امامت کا مستحق قاری ہے۔ اب اگر کوئی قاری غیر قاری میں قرعہ اندازی کرے تو یہ قرعہ اندازی ناجائز ہوگی۔ البتہ جن حقوق کے اسباب شریعت نے ذکر نہیں کئے وہاں قرعہ اندازی ہو سکتی ہے۔ حضرت مریم سے فرشتوں کا خطاب کرنا نبوت کی دلیل نہیں ہے۔ کیونکہ بالاتفاق حضرت مریم نبی نہیں تھیں۔ اگرچہ صدیقیت کا مرتبہ ان کو حاصل تھا۔ اور صرف فرشتوں کا ہم کلام ہونا نبوت کی دلیل بھی نہیں ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ ارشاد فرماتے ہیں مسجد کے بزرگوں نے جب حضرت مریم کی ماں کا خواب سنا تو سب لگے چاہنے کہ ہم پالیں مریم کو فیصل اس بات پر ہوا کہ ہر ایک نے اپنا قلم جس سے تورات لکھتے تھے پانی بہتے میں ڈالا۔ سب قلم بہاؤ پر بہے اور حضرت زکریا کا قلم اُلٹا اوپر کو بہا۔ تب ان ہی کی طرف اس کا پالنا ٹھہرا۔ (موضح القرآن) اب آگے حضرت عیسیٰ کے پیدا ہونے کی بشارت اور ان کے اوصاف مذکور ہیں تاکہ وفد نجران کو حضرت عیسیٰ کی صحیح حقیقت اور ان کے متعلق قرآن کا نظریہ معلوم ہو جائے۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں (تسہیل)

بقیہ صفحہ ۸۲

یعنی وہ کسی واسطے اور سبب کا محتاج نہیں ہے۔ وہ جب کسی شے کو پورا کرنے کا فیصلہ کرتا ہے اور کسی چیز کو پورا کرنا چاہتا ہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اس چیز کو کہتا ہے کہ موجود ہو جا۔ بس وہ چیز موجود ہو جاتی ہے (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ حضرت مریم نے کیفیت دریافت کی جواب دیا گیا کہ بغیر آدمی کے ہاتھ لگائے اور کسی مرد کے صحبت کئے بغیر ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اسباب و وسائط کا محتاج نہیں ہے۔ جس طرح وہ کسی چیز کو اسباب کے ساتھ بتدریج پیدا کرنے پر قادر ہے اسی طرح دفعۃً اور بلا اسباب و وسائط کے بھی پیدا کرنے پر قادر ہے۔ جب وہ کسی چیز کو موجود کرنا چاہتا ہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ اس چیز کو حکم دیتا ہے کہ موجود ہو۔ وہ موجود ہو جاتی ہے۔ اگر اسباب و وسائط سے موجود ہونے کا حکم ہوتا ہے تو اسباب و وسائط سے ہو جاتی ہے۔ اور اگر بلا اسباب و وسائط کے حکم ہوتا ہے تو بلا اسباب و وسائط کے موجود ہو جاتی ہے۔ ان کے ارادے اور ان کی مشیت کے تعلق پر عالم تکوین کی ہر شے کے وجود و عدم کا دارومدار ہے قضٰی امرًا اگرچہ احکام کی قضا پر بولا جاتا ہے۔ لیکن یہاں حضرت حق جل مجدہٗ کا ارادہ مراد ہے۔ یعنی جب وہ کسی چیز کے موجود کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو بس اس کو یہ کہتا ہے کہ موجود ہو جا۔ وہ چیز موجود ہو جاتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جملہ مقدورات پر کمال قدرت حاصل ہے جس وقت چاہتا ہے جس طرح چاہتا ہے اس کو موجود کر دیتا ہے۔ اگرچہ عالم امکان میں عام طریقہ اسباب و وسائط کے ساتھ جاری ہے لیکن جب وہ چاہے اور جس کے لئے چاہے اور جس کو چاہے بلا وسائط و اسباب پیدا کر دیتا ہے۔ اب آگے حضرت عیسیٰ کے مزید اوصاف اور فضائل مذکور ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل)

اور اس عیسیٰ بن مریم کو اللہ تعالیٰ عام کتب سماویہ کی تعلیم دیگا اور اس کو فہم و دانش کی باتیں سکھائے گا اور خاص طور پر اس کو تورات و انجیل کی تعلیم دے گا اور اس کو تمام بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر اور یہ پیغام دے کر بھیجے گا کہ اے بنی اسرائیل میں تمہارے پاس اپنے پروردگار کی جانب سے بہت بڑی دلیل لے کر آیا ہوں۔ وہ یہ کہ میں تمہارے سامنے مٹی کے گارے سے ایک پرندے جیسی صورت اور مجسمہ بناتا ہوں پھر اس مصنوعی مجسمے کے اندر پھونک مار دیتا ہوں تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے سچ مچ کا پرندہ بن جاتا ہے اور میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے مادرزاد اندھے اور کوڑھ کے بیمار کو اچھا کر دیتا ہوں اور مردوں کو زندہ کر دیتا ہوں اور جو کھانا تم اپنے گھروں میں کھا کر آتے ہو اور جو دوسرے دن کے لئے اپنے گھروں میں رکھ آتے ہو وہ سب تم کو بتا دیتا ہوں۔ بلاشبہ ان معجزات مذکورہ میں میری نبوت کے لئے کافی دلیل ہے اگر تم ایمان لانے پر آمادہ ہو (تیسیر) کتاب کا ترجمہ ہم نے کتب سماویہ کیا ہے۔ مراد اس سے وہ صحائف اور کتابیں ہیں جو توریت و انجیل کے علاوہ وقتاً فوقتاً نازل ہوتی رہی ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مراد کتاب سے فن کتابت اور فن تحریر ہو۔ جیسا کہ بعض نے اس کو اختیار کیا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ حضرت عیسیٰ بڑے خوش خط تھے۔ بنی اسرائیل میں سب سے پہلے نبی حضرت یوسف مبعوث ہوئے تھے اور سب سے آخری نبی حضرت عیسیٰ تھے۔ جیسا کہ صاحب تفسیر مظہری نے کہا ہے۔ بآیۃ سے معلوم ہوتا تھا کہ شاید صرف ایک معجزہ ہوگا لیکن تفصیل میں کئی معجزے بیان کئے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہر معجزہ ایک مستقل دلیل ہے۔ مٹی کا مجسمہ بنا کر اس میں پھونک مارتے تھے۔ شاید اس شریعت میں تصویر بنانا جائز ہوگا۔ باذن اللہ کی قید بار بار اس لئے لگائی تاکہ کسی طرح الوہیت کا شبہ نہ ہو سکے۔ یعنی میں جو کچھ کرتا ہوں وہ سب اللہ تعالیٰ کے حکم سے کرتا ہوں۔ مفسرین نے کہا ہے کہ جب حضرت عیسیٰ نے نبوت کا دعویٰ کیا اور معجزات کا ذکر کیا تو بنی اسرائیل نے ان سے چمگادڑ کی فرمائش کی۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ نے پہلے مٹی کی چمگادڑ بنائی پھر اس میں پھونک ماری اور وہ زندہ ہو کر اڑ گئی وہب کا قول ہے کہ لوگوں کے سامنے وہ جانور اڑا جاتا تھا لیکن زندہ نہیں رہتا تھا۔ بلکہ کہیں دور جا کر گر پڑتا تھا۔ تاکہ خالق اور مخلوق کے فعل میں امتیاز باقی رہے۔ حضرت عیسیٰ کے زمانے میں چونکہ اطبائے یونان کا زور تھا اور ان کی طب کا ہر جگہ چرچا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو ایسے معجزات عطا فرمائے جو ان کے دور کے لئے موزوں اور مناسب تھے اور جن امراض سے تمام اطباء عاجز تھے حضرت عیسیٰ کو ان کی صحت اور ان کو اچھا کر دینے کا معجزہ عطا فرمایا۔ اکمہ مادرزاد اندھا۔ یا وہ جو دن کو دیکھے اور رات کو نہ دیکھ سکے یا وہ جو رات کو دیکھے اور دن کو نہ دیکھ سکے۔ ابرص وہ جس کے جسم پر کوڑھ کے داغ ہوں یہ وہ امراض تھے جو لاعلاج سمجھے جاتے تھے۔ حضرت عیسیٰ نے ان ہی کا ذکر فرمایا۔ اس جملہ میں باذن اللہ کی قید اکمہ اور ابرص اور مُردوں کے زندہ کرنے کے ساتھ بھی ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ ہم نے اختیار کیا ہے اور ہو سکتا ہے کہ صرف احی الموتیٰ کی قید ہو۔ مردوں کے زندہ کرنے کے متعلق صحیح تعداد نہیں بتائی جا سکتی۔ مفسرین نے چار شخصوں کا ذکر کیا ہے جو حضرت عیسیٰ کی دعا سے زندہ ہو گئے تھے۔ واللہ اعلم۔ فی بیوتکم کی قید میں بھی یہ احتمال ہے کہ صرف تدخرون کی قید ہو۔ اگرچہ ہم نے تاکلون اور تدخرون دونوں کی قید رکھی ہے جیسا کہ تیسیر سے ظاہر ہے۔ اگر فقط تدخرون کی قید ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ تم جو کچھ کہیں کھا آتے ہو اس کی بھی میں تم کو خبر دیتا ہوں اور جو کچھ دوسرے روز کے لئے گھر میں رکھ آتے ہو اس کی بھی خبر دیتا ہوں۔ بہرحال خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تمام فضائل و اوصاف حضرت مریم کو بتائے گئے کہ جو لڑکا تیرے ہاں بغیر باپ کے ہوگا وہ کتب سماویہ کا عالم ہوگا۔ اور حکمت الٰہی اور مصالح الٰہیہ کا رازدار ہوگا۔ توریت و انجیل سے باخبر ہوگا۔ اس کو رسول اور صاحب معجزات بنا کر تمام بنی اسرائیل کی طرف بھیجا جائے گا۔ وہ ان کو اپنی رسالت کے ساتھ اپنے معجزات سے بھی آگاہ کرے گا۔ وہ ہزاروں بیماروں کو اچھا کرے گا۔ مُردوں کو زندہ کرے گا۔ وہ لوگوں سے یہ بھی کہے گا کہ تم جو کچھ کھاتے ہو اور جو دوسرے وقت کے لئے بچا کر رکھ آتے ہو میں وہ بھی تم کو بتا دوں گا۔ اور یہ دلائل میری نبوت و رسالت کیلئے کافی ہیں۔ اگر تم ایمان لانا چاہو اور ہم نے جو تمام بنی اسرائیل کہا ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ سوائے بنی اسرائیل کے دوسرے ان پر ایمان لانے کے مکلف نہ تھے۔ بلکہ بنی اسرائیل کی عمومیت کے لحاظ سے تمام کہا گیا ہے۔ البتہ نبوت کی جو عمومیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے وہ عمومیت حضرت عیسیٰ کو حاصل نہیں تھی۔ اس لئے الیٰ بنی اسرائیل فرمایا۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں حضرت عیسیٰ کو توریت اور ہر کتاب بغیر پڑھے آتی تھی اور یہ سب معجزے ہوتے تھے۔ (موضح القرآن) وہب کا قول ہے کہ حضرت عیسیٰ کے پاس ہزار ہا مریض آتے تھے اور جو آنے کے قابل نہ ہوتا تھا اس کے پاس حضرت عیسیٰ خود تشریف لے جاتے تھے۔ ہزاروں اندھوں، لنگڑوں اور کوڑھیوں کو ان کی دعا سے شفا ہوتی تھی۔ وہ ذیل کی دعا پڑھا کرتے تھے :۔

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ اِلٰهُ مَنْ فِي السَّمَآءِ وَاَنْتَ اِلٰهُ مَنْ فِي الْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ فِيْهِمَا غَيْرُكَ وَاَنْتَ جَبَّارُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَجَبَّارُ مَنْ فِي الْاَرْضِ لَا جَبَّارَ فِيْهِمَا غَيْرُكَ وَاَنْتَ مَلِكُ مَنْ فِي السَّمَآءِ وَمَلِكُ مَنْ فِي الْاَرْضِ لَا مَلِكَ فِيْهِمَا غَيْرُكَ قُدْرَتُكَ فِي الْاَرْضِ كَقُدْرَتِكَ فِي السَّمَآءِ سُلْطَانُكَ فِي الْاَرْضِ كَسُلْطَانِكَ فِي السَّمَآءِ اَسْئَلُكَ بِاسْمِكَ الْكَرِيْمِ وَوَجْهِكَ الْمُنِيْرِ وَمُلْكِكَ الْقَدِيْمِ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ،

وہب نے کہا یہ دعا گھبراہٹ اور جنون کے مریض پر پڑھنے اور پانی میں گھول کر پلانے سے انشاء اللہ بالکل فائدہ ہو جاتا اور گھبراہٹ و جنون کا مریض شفایاب ہوگا۔ اب آگے حضرت عیسیٰ کی رسالت کی مزید تشریح اور ان کی تقریر مذکور ہے (تسہیل)

بقیہ صفحہ ۸۹

اور یہ بالکل ایسا ہی محاورہ ہے جیسے کوئی بادشاہ باغیوں پر قابو پانے کے بعد کہتا ہے کہ تم لوگ تو میری سلطنت کا تختہ الٹنے کی ترکیب اور ترتیب کر ہی رہے تھے۔ مگر ہم نے کیسا داؤ کیا کہ تم سب کو گرفتار کر لیا۔ مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہم نے تمہاری سازش اور تمہاری تدبیر کو اپنی سازش اور اپنی تدبیر سے خاک میں ملا دیا۔ ہم پہلے پارے میں بھی اس بحث کو تفصیلاً عرض کر چکے ہیں۔ آگے بھی اکثر مقامات پر یہ چیزیں آئیں گی۔ مثلاً یخادعون اللہ وھو خادعھم نسوا اللہ فنسیھم وغیرہ یہ تمام افعال محض مقابلۃً حضرت حق کی طرف نسبت کئے جاتے ہیں۔ آیت زیر بحث میں کچھ بھی اشکال ہے

کہ مسیح کے مخالفوں نے حکومت میں ان کی غلط سلط شکایتیں کر کے ایک یہودی بادشاہ سے ان کی سولی کا حکم حاصل کر لیا اور ان کو ایک مکان میں محصور کر دیا۔ جب سولی کا وقت آیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو آسمان پر اٹھا لیا اور ایک شخص جس کا نام طیطیانوس تھا وہ ان کا ہم شکل کر دیا گیا۔ لوگ اس کو پکڑ لائے اور اس کی چیخ و پکار پر توجہ نہ کی اور اس کو سولی پر چڑھا دیا اور اس کے ساتھ ہر قسم کا سفاکانہ برتاؤ کیا اور سب کچھ کرنے کے بعد یہ احساس ہوا کہ صلیب زدہ اگر عیسیٰ تھا تو طیطیانوس کہاں ہے اور اگر صلیب زدہ طیطیانوس تھا تو عیسیٰ کہاں گئے۔ پھر اس کے بعد مختلف روایتیں بنی اسرائیل میں مشہور ہو گئیں۔ قرآن نے ان سب غلط واقعات کا رد کر دیا اور جو صحیح چیز تھی وہ ظاہر کر دی اور یہ بتا دیا کہ یہود کے تمام منصوبے خاک میں ملا دیئے گئے۔ وہ نہ حضرت عیسیٰ کو قتل کر سکے اور نہ صلیب دے سکے بلکہ اللہ تعالیٰ کی تدبیر کارگر ہوئی کہ وہ ان کو صحیح سلامت اپنی حفاظت میں لے گیا۔

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یہود کے عالموں نے اس وقت کے بادشاہ کو بہکایا کہ یہ شخص ملحد ہے توریت کے حکم کے خلاف بتاتا ہے۔ اس نے لوگ بھیجے کہ ان کو پکڑ لاویں۔ جب وہ پہنچے حضرت عیسیٰ کے یار سرک گئے۔ اس شتابی میں حق تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو آسمان پر اٹھا لیا اور ایک صورت ان کی رہ گئی اس کو پکڑ لائے پھر سولی پر چڑھایا! (موضح القرآن) اس واقعہ کی زیادہ تفصیل تو انشاء اللہ چھٹے پارے میں آئے گی۔ یہاں صرف ان پیشینگوئیوں کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس رات ان کو بتائیں جس رات بعض ان کے معتمد لوگوں نے ان کو گرفتار کرایا اور حکومت کے مقابلے میں بزدلی کا ثبوت دیا اور معمولی سے نفع پر حضرت عیسیٰ کا پتہ بتا دیا۔ جب حضرت عیسیٰ سے اپنوں نے اس قسم کی بیوفائی کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اطمینان دلایا۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں (تسہیل) اس وقت اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ سے فرمایا۔ اے عیسیٰ! تم یقین رکھو کہ میں تمہاری موت و حیات پوری کروں گا۔ یعنی دنیاوی زندگی کو پورا کرنے والا ہوں اور میں تجھ کو اپنی طرف اٹھا لینے والا ہوں اور میں تم کو ان کافروں کے اتہامات سے جو تمہارے منکر ہیں پاک کرنے والا ہوں اور جو لوگ تیرے تابع اور تیرا کہنا ماننے والے ہیں ان کو میں قیامت تک ان لوگوں پر جو تیرے منکر ہیں غالب اور بالادست رکھنے والا ہوں۔ پھر تم سب کی واپسی قیامت کے روز میری ہی طرف ہوگی۔ لہٰذا اس وقت میں تم سب کے درمیان ان امور کا فیصلہ کر دوں گا جن امور میں تم باہم اختلاف کیا کرتے تھے۔ (تیسیر) اس آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ان کی گرفتاری کے وقت چند وعدے فرمائے۔ ایک وعدہ تو یہ تھا کہ اس وقت جو کچھ ہو رہا ہے اس سے گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ تمہاری مدت حیات جس قدر مقرر ہے اس کو پورا کروں گا۔ اس سے پہلے تم کو کوئی نہیں مار سکتا۔ دوسرا وعدہ اپنی جانب اٹھا لینے کا۔ یعنی یہ سب تدبیریں ختم ہوتی جاتی ہیں۔ اور میں تم کو اپنی جانب یعنی ملاءِ بالا کی جانب اٹھائے لیتا ہوں تیسرا وعدہ الی سے تطہیر کا کیا گیا کہ تم کو ان تمام اتہامات سے بری کر دوں گا۔ جو تم پر تمہارے منکر دشنام طرازی لگاتے رہے ہیں اور تم کو ان کی صحبت اور ان کی معیت سے پاک کر دوں گا۔ چوتھا وعدہ منکروں پر متبعین کی بالادستی کا کیا گیا اور آخر میں اس فیصلے کا ذکر فرمایا جو حقیقی اور عملی طور پر قیامت میں ہوگا۔ اور چونکہ وہ فیصلہ مکمل اس

سے نہ ہوگا۔ کیونکہ دلائل کا فیصلہ تو اب بھی موجود ہے۔ بلکہ وہ فیصلہ عمل سے ہوگا۔ اس لئے آگے کی آیت میں اس کی تفصیل مذکور ہے۔ ان وعدوں میں ترتیب نہیں ہے۔ کیونکہ واؤ کا مقتضا ترتیب نہیں ہے۔ خواہ کوئی پہلے پورا ہو یا کوئی پیچھے پورا ہو۔ بہرحال وعدے سب پورے ہوں گے۔ اتباع سے مراد یہاں کامل اتباع نہیں ہے۔ اس لئے یہ پیشین گوئی مسلمان اور نصاریٰ دونوں پر صادق آتی ہے اور آج تک یہود کا یہی حشر دیکھنے میں آتا ہے کہ یا وہ نصاریٰ کے ماتحت ہیں یا مسلمانوں کے ماتحت ہیں۔ اور اگر کوئی معمولی ریاست جمہوری اصول پر بنا بھی دی جائے اور کسی بڑی حکومت کے زیر انتداب اس کا وجود متحقق بھی ہو جائے تو وہ ناقابل اعتبار ہے اور ایسی حکومت کو مستقل حکومت نہیں کہا جا سکتا۔ میں نے جو کہا کامل اتباع مراد نہیں ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان ان کی نبوت کو تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن فروع میں ان کا اتباع نہیں کرتے۔ اسی طرح نصاریٰ ان کے تمام احکام کو نہیں مانتے۔ لہٰذا برتری اور بالادستی کی شرط صرف اس قدر ہے کہ اتباع کرنے والے ہوں خواہ من کل الوجوہ متبع نہ ہوں۔ توفی کے اصلی معنی پورا لینے کے ہیں۔ عام طور پر حق کے وصول کرنے پر بولا جاتا ہے۔ اہل عرب اسی معنی میں بولا کرتے تھے۔ قرآن نے اس کا استعمال قبض روح کے معنی میں بھی کیا ہے۔ ورنہ عرب کو یہ معلوم ہی نہ تھا کہ موت کے وقت یا نیند کے وقت اللہ تعالیٰ کوئی چیز قبض کر لیتا ہے۔ چونکہ لفظ کے اصلی معنی قبضہ کرنے اور حق کے پورا لینے اور پورا کرنے کے ہیں۔ اسی معنی کے لحاظ سے موت اور نیند میں بھی استعمال ہوا۔ جیسا کہ فرمایا وهو الذي يتوفكم بالليل اور فرمایا الله يتوفى الانفس حين موتها والتي لم تمت في منامها نیند کی حالت میں بھی کوئی چیز قبض کی جاتی ہے اور موت کے وقت بھی کوئی چیز قبض کی جاتی ہے۔ بہرحال روح حیات کا قبض ہو یا روح منام کا قبض ہو۔ یا روح مع الجسد کا قبض ہو سب پر توفی کا استعمال جائز اور صحیح ہے۔ توفی کے معنی صرف قبض روح کرنا لغت میں ایک ایسی قید لگانا ہے جسے کوئی اہل علم نہیں کر سکتا۔ اور اس سے زیادہ گمراہی اور کج روی یہ ہے کہ یوں کہا جائے جب فاعل خدا ہو اور مفعول ذی روح ہو تب معنی قبض روح کے ہوں گے۔ یہ بھی لغت میں اپنی طرف سے ایک قید بڑھانا ہے۔ حالانکہ اس قید کے بعد بھی وہ منشا پورا نہیں ہوتا۔ جیسا کہ قرآن نے اس قید کے ساتھ بھی نیند کے معنی لئے ہیں بلکہ والتي لم تمت في منامها کے ساتھ تصریح کر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فاعل اور ذی روح کے مفعول ہونے کے باوجود موت مراد نہیں ہے بلکہ نیند مراد ہے۔ ہم نے صاحب مدارک کے معنی کو ترجیح دی ہے اور اسی بنا پر یہ عرض کیا ہے کہ لفظ متوفی سے یہاں حضرت عیسیٰ کو اطمینان دلایا گیا ہے کہ تمہارے خلاف قتل کی جو تدابیر ہو رہی ہیں تم اطمینان رکھو کہ اس میں تمہارے دشمن کامیاب نہیں ہوں گے بلکہ تمہاری اجل کا جو وقت مقرر ہے اس میعاد مقررہ کو پورا کروں گا اب اگر یہ ترجمہ بھی کیا جائے کہ میں تم کو بھولوں گا یا تم کو سلاؤں گا اور نیند کی حالت میں اٹھالوں گا تو بھی مضائقہ نہیں۔ اور جب یہ ثابت ہے کہ ان کی وفات طبعی ہوگی اور وہ اس زمین پر اپنی طبعی موت سے مریں گے تو وہ تمام باتیں جو ان کے متعلق آجکل کہی جاتی ہیں سب بے کار اور اختراعی ہیں۔ اور چونکہ ان کی پیدائش ایک غیر عادی طور پر ہوئی تھی اور ان کے معجزات میں بھی ایک انوکھا ڈھنگ تھا اس لئے ان کی موت میں بھی ایک خصوصی رنگ اختیار کیا گیا کہ ان کو ایک عرصہ تک آسمان پر رکھا گیا

اور قیامت کے قریب ان کو زمین پر بھیجا جائے گا۔ اور نزول کے بعد ان کی وفات ہوگی اور مدینہ کی سرزمین میں مدفون ہوں گے۔ اس آیت میں متوفیک بالکل اس طرح استعمال ہوا ہے جس طرح ایک ذمہ دار آفیسر کو واپس بلا لیا جائے۔ گویا یہ اطلاع دی گئی کہ اے عیسیٰ! گھبراؤ نہیں۔ میں تم کو واپس بلالوں گا اور تم کو عالم بالا کی جانب اٹھا لوں گا۔ ایک سیدھی سادھی بات کو آجکل لوگوں نے اپنی اغراض کے ماتحت ایک افسانہ بنا لیا ہے اگر ایسا ہوتا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ہو چکی ہوتی تو قرآن کو اتنی بات کہنے میں کیا تکلف تھا کہ حضرت عیسیٰ کے متعلق بنی اسرائیل میں اس قدر قیاس آرائیاں کی جا رہی ہیں وہ مر چکے اور فلاں جگہ مدفون ہیں۔ جاؤ اور جا کر دیکھ لو۔ قرآن نے بجائے اس کہنے کے یوں فرمایا وما قتلوه وما صلبوه ولكن شبه لهم اور فرمایا وما قتلوه يقينا بل رفعه الله اليه رہی یہ بات کہ سلف میں سے کسی نے متوفی کا ترجمہ موت کیا ہے تو تفسیر ہمارے مقصد کے منافی نہیں۔ ہم تو خود ہی کہہ رہے ہیں کہ حضرت عیسیٰ کو اپنی طبعی موت سے مرنے کی اطلاع دی گئی ہے اور زندگی کی میعاد کو پورا کرنے کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔ پھر یہ کہ حضرت عبداللہ بن عباس جن کی طرف اس تفسیر کی نسبت ہے وہ خود حضرت عیسیٰ کے متعلق رفع الی السماء کا عقیدہ رکھتے ہیں اور وہ بھی اس کے قائل ہیں کہ قرب قیامت میں ان کا نزول ہوگا اور وہ دجال کو قتل کریں گے اور ان کی وفات ہوگی اور وہ مدینہ منورہ میں دفن ہوں گے۔ خلاصہ یہ ہے کہ آیت سے یہ ثابت نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ہو چکی اور وہ اپنی طبعی موت سے مر کر زمین میں دفن ہو چکے اور وہ قیامت کے قریب تشریف نہیں لائیں گے۔ اور جس عیسیٰ بن مریم کے تشریف لانے کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اطلاع دی ہے۔ وہ آسمان سے نہیں آئے گا بلکہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوگا۔ یہ تمام باتیں اس زمانہ کی پیداوار ہیں جو اہل باطل نے اپنی اغراض نفسانی کو پورا کرنے کے لئے گھڑی ہیں اور حکومت کافرہ کی خوشنودی کے لئے گھڑی گئی ہیں۔ نعوذ باللہ من شرور انفسنا۔

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں حضرت عیسیٰ کے تابع اول نصاریٰ تھے پیچھے مسلمان ہیں جو ہمیشہ غالب رہے۔ (موضح القرآن)

اب آگے وہ تفصیل مذکور ہے جو قیامت میں عملی فیصلے کے وقت ظاہر ہوگی (تسہیل) پس لہٰذا ان اختلاف کرنے والوں میں جن لوگوں نے کفر کی روش اختیار کی ہوگی ان کو ان کے کفر کی وجہ سے دنیا اور آخرت دونوں میں سخت سزا دوں گا اور شدید عذاب کروں گا اور ان لوگوں کا کوئی حامی اور مددگار نہ ہوگا اور جو لوگ مومن ہوں گے اور نیک اعمال کے پابند رہے ہوں گے تو ان کو اللہ تعالیٰ ان کے نیک اعمال کی مزدوریاں اور ان کا حق الخدمت پورا پورا عطا فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ ظالموں اور ناانصافوں کو پسند نہیں فرماتا اور محبوب نہیں رکھتا اے پیغمبر یہ واقعات جو ہم آپ کو پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور آپ پر بذریعہ وحی ان کی تلاوت کرتے ہیں۔ یہ منجملہ دلائل نبوت اور منجملہ حکمت آمیز تذکرے کے ہیں یعنی ایسا تذکرہ جو حکمت سے لبریز ہو (تیسیر) دنیا کے عذاب سے مراد یہ ہے کہ قتل کئے جائیں۔ قید کئے جائیں۔ ان کی تذلیل کی جائے۔ جزیہ مقرر کیا جائے یا اور کسی قسم کے مصائب و آلام میں مبتلا کئے جائیں۔ قیامت کے دن فیصلہ کرنے کے بعد پھر دنیا و آخرت میں عذاب کرنے کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں جو سزا دی جا چکی ہوگی وہ اور آخرت کی سزا دونوں یکساں شمار ہوں گی۔ یعنی ان کے جرائم پر دونوں سزاؤں کا مجموعہ مرتب ہوگا۔ اجر کے معنی مزدوری اور حق ہے۔ یہاں وہ ثواب مراد ہے جو اعمال کے صلہ میں عطا ہوگا۔ حضرت

شاہ صاحبؒ اجر کا ترجمہ نیگ کیا کرتے ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حق الخدمت کے معنی نیگ کرنا بہترین ترجمہ ہے۔ نیگ دہلی میں عام طور سے استعمال ہوتاہے اور یہ ایسے موقعہ پر بولا جاتاہے جہاں محنت اور خدمت برائے نام ہواور مزدوری پوری دی جائے۔ اور یہ جو فرمایا کہ اللہ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ظالم مبغوض ہے ذلك نتلوه عليك من الايات کی ترکیب کئی طرح کی گئی ہے۔ ہم نے ان میں سے ایک کو اختیار کرلیاہے۔ ان واقعات سے مراد وہ واقعات ہیں جواوپر بیان کئے گئے یعنی حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ کے واقعات۔ آیات سے مراد قرآنی آیات بھی ہوسکتی ہیں . . . .

اور معجزات ودلائل بھی ہوسکتے ہیں۔ الذکر الحکیم سے مراد قرآن ہے اور ہوسکتاہے کہ لوح محفوظ مراد ہو واللہ اعلم۔ حضرت جبریل کی تلاوت کو سبب امر ہونے کی وجہ سے حضرت حق نے اپنی طرف منسوب کیا اور یوں فرمایا کہ ہم آپ پر تلاوت کرتے ہیں اور آپ کو پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں۔ دلائل کا مطلب یہ ہے کہ یہ واقعات اللہ تعالیٰ کی قدرت پر بھی دلیل ہیں اور آپ کی صداقت اور آپ کی نبوت پر بھی دلیل ہیں۔ کیونکہ یہ زمانۂ سابق کے واقعات اس طرح صحیح اور بالتفصیل سوائے وحی کے کوئی نہیں بیان کرسکتا۔ اب آگے ایک اور دلیل عیسائیوں کے دعوئی الوہیت کے رد میں مذکور ہے۔ (تسہیل) یقین جانو! کہ حضرت عیسیٰ کا حال عجیب اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسا ہی ہے جیسا آدم کا حال عجیب کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے قالب کو مٹی سے بنایا پھر ان کے اس مٹی کے قالب اور مجسمہ کو حکم دیا کہ ہوجا سو وہ ہوگیا۔ یعنی حکم دیتے ہی ایک جان دار آدمی بن گیا۔ یہ امور مذکورہ اصل حقیقت ہے جو آپ کے رب کی جانب سے بتائی گئی ہے۔ سو اے پیغمبر آپ ان لوگوں میں سے نہ ہوجانا جو شک کرنے والے ہیں (تیسیر) تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ وفد نجران کے عقیدۂ فاسدہ کا بطلان کیا جائے اور یہ بتایا جائے کہ مسیح کے متعلق الوہیت کا اعتقاد محض باطل اور لغو ہے۔ حضرت عیسیٰ ایک انسان تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی مصالح کے تحت بن باپ کے پیدا کیا اور ان کو وہ معجزات عطا کئے جو ان کی نبوت کے لئے صریح دلیل تھے۔ پھر ان کو ان کے دشمنوں سے محفوظ رکھا اور ان کو اپنی طرف اٹھالیا۔ اور معاندین کے تمام مکائد اور سازشوں کو ناکام بنا دیا۔ ان تمام مہربانیوں کی وجہ سے جو ان کے پروردگار نے ان کے ساتھ کیں نہ وہ خدا بن گئے اور نہ خدا کے شریک ہوگئے۔ اور نہ ان باتوں سے وہ خدا کے بیٹے کہلانے کے مستحق ہوگئے۔ بلکہ حضرت حق تعالیٰ کے ایک بندے اور رسول ہیں۔ اور حضرت حق کو یہ اختیار ہے کہ وہ اپنے بندوں کو جس طرح چاہے نوازے اور جس طرح چاہے ان سے خدمت لے۔ رہی یہ بات کہ بن باپ کے پیدا ہونے سے تم نے یہ عقیدہ اختراع کیا تو یہ کون سی ایسی بات ہے۔ آخر حضرت آدم تو بن باپ اور بن ماں کے پیدا ہوئے تھے اور شبہ یہ کا عجیب وغریب حال تو مشبہ سے بھی زیادہ ہے۔ پھر جب بلا باپ اور بلا ماں کے پیدا ہونے والا خدا کے ساتھ شرکت کا حقدار نہیں ہے تو جو شخص صرف بن باپ کے پیدا ہواہے وہ کس طرح الوہیت کا مستحق ہوسکتاہے آخر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا کہ آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں۔ اس کا مطلب ہم دوسرے پارے میں عرض کرچکے ہیں کہ یا تو اس خطاب سے آپ کی امت مراد ہے اور یا محض تاکید وتثبیت کی غرض سے آپ کو فرمایا گیاہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ جس طرح آپ اب تک ہر قسم کے شک سے پاک ہیں اسی طرح آئندہ بھی شک کرنے والوں کا کوئی اثر قبول نہ کریں۔ کیونکہ حق وہی ہے جو آپ کے رب نے آپ کو بتادیاہے۔ آپ ان لوگوں کی باتوں سے متاثر نہ ہوں جو آدم کو بلا باپ اور بلا ماں کے پیدا ہونا تسلیم کرتے ہوئے پھر حضرت عیسیٰ پر طرح طرح کے اتہام لگاتے ہیں۔ جیسے یہود اور نہ ان کی باتوں سے متاثر ہوں جو گھڑی گھڑی یہ کہتے ہیں کہ اچھا آخر ان کا باپ کون تھا۔ بن باپ کے پیدا ہونے پر تو اس قدر حجت کرتے ہیں اور اتنا غور نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ جو قدیم اور جملہ عیوب سے منزہ اور پاک ہے اس سے عیسیٰ پیدا ہوجائے جو حادث بھی ہو کھانے پینے اور سونے کا محتاج ہو بول وبراز کا عادی ہو۔ جیسے نصاریٰ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ نصاریٰ اس بات پر بہت جھگڑے کہ عیسیٰ بندہ نہیں اللہ کا بیٹاہے۔ آخر کہنے لگے کہ وہ اللہ کا بیٹا نہیں تو تم بتاؤ کس کا بیٹاہے؟ اس کے جواب میں یہ آیت اتری کہ آدم کو نہ ماں نہ باپ۔ عیسیٰ کو باپ نہ ہو تو کیا عجب (موضح القرآن) اب آگے ان تمام استدلالات عقلیہ اور نقلیہ کو بیان فرمانے کے بعد ایک اور بات اتمام حجت کے طور پر بیان فرماتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتاہے (تسہیل)

بقیہ صفحہ ۹۰

آپ نے فرمایا۔ اے اللہ یہ میرے گھر والے ہیں۔ ابن عساکر کی روایت میں ہے جعفر بن محمد سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ہمراہ فاطمہ زہرا اور حضرت علی اور حضرت ابوبکر اور حضرت عثمان اپنی اپنی اولاد کو لئے ہوئے تھے۔ یہ دیکھ شرجیل نے اپنے ہمراہیوں سے کہا۔ دیکھو! اگر یہ شخص رسول ہے اور تم اس سے مباہلہ کرتے ہو تو تم عرب کی نظروں میں ہمیشہ مطعون رہوگے اور اہل عرب کے دل میں تمہاری جانب سے ہمیشہ دشمنی قائم رہے گی اور تم اسلام کے پہلے مخالف سمجھے جاؤگے۔ اور دیکھو! اگر یہ شخص نبی مرسل ہے تو تمہارا ایک بال اور ناخن بھی صحیح سلامت نہیں بچے گا اور تم سب زندہ واپس نہیں جاؤگے اور تم کو خدا کی لعنت گھیرلے گی۔ بلکہ نجران کی تمام آبادی تباہ وبرباد ہوجائیگی اس پر شرجیل کے ہمراہیوں نے کہا پھر آپ کی کیا رائے ہے۔ شرجیل نے کہا میری رائے یہ ہے کہ آپ ان سے فیصلہ کرلیں۔ اور مباہلہ نہ کریں۔ یہ شخص منصف ہے۔ یہ جو فیصلہ کردے گا وہ صحیح ہوگا۔ اس پر دوسرے ارکان بھی متفق ہوگئے۔ شرجیل نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ آج کا دن اور آج کی رات اور کل صبح تک جو فیصلہ آپ ہمارے حق میں فرمائیں گے ہمیں منظور ہوگا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میرے فیصلے کو تم نے مان لیا لیکن تمہاری قوم نے نہیں مانا تو کیا ہوگا۔ شرجیل نے کہا اس کی بابت میرے ہمراہی سرداروں سے دریافت کرلیجئے۔ آپ نے ان سرداروں سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا نجران کے تمام لوگ شرجیل کی بات کو مانتے ہیں اور اس کی بات کا انکار نہیں کرسکتے۔ دوسرے دن شرجیل پھر خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا۔ میں نے تم کو تین باتیں لکھی تھیں۔ تم ان میں سے کون سی بات قبول کرتے ہو۔ اس پر شرجیل نے کہا۔ ہم آپ سے جنگ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اور ہم اپنے مذہب کو چھوڑنا بھی نہیں چاہتے۔ آپ اپنے مذہب پر رہیں اور ہم اپنے مذہب پر رہیں۔ آپ جو جزیہ مقرر کردیں گے اس کو ہم ادا کردیا کریں گے۔ تب حضور نے فرمایا۔ نجران کی تمام آمدنی تم رکھو ہم کو صرف دو ہزار حلّے دے دیا کرو۔ ایک ہزار حلّے صفر کے مہینے میں دے دیا کرو اور ایک ہزار رجب کے مہینے میں ادا کردیا کرو چنانچہ اس پر عہد نامہ لکھا گیا۔ اور وفد نجران کی درخواست کے موافق ان کے ہمراہ ایک امین شخص کا بھیجنا منظور کرلیا حضور نے اپنا امین جس کو منتخب کیا وہ حضرت ابوعبیدہ بن جراح تھے۔ ان تمام روایتوں کا جو اس باب میں منقول ہیں ابن کثیر سے ہم نے خلاصہ نقل کردیاہے۔ حضرت ابن عباس سے ایک روایت کتب احادیث میں مروی ہے کہ ایک دن ابوجہل نے کہا اگر میں محمد کو کعبہ کے پاس نماز پڑھتے دیکھتا تو ان کی گردن دبا دیتا۔ یہ سن کر حضور نے فرمایا کہ اگر وہ ایسا کرتا تو خدا کے فرشتے کھلم کھلا پکڑ لیتے اور اگر یہود موت کی تمنا کرلیتے تو مرجاتے اور اپنی جگہ آگ میں دیکھ لیتے اور اگر نصاریٰ کا وفد مباہلہ کرلیتا تو وہ اپنے مال اور گھر بار کو واپس نہ پاتے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اکثر علماء کے نزدیک چند شرائط کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی مباہلہ کو جائز رکھا ہے۔ جیساکہ امام احمد بن حنبل۔ حافظ ابن حجر اور حضرت عبد اللہ بن مسعود سے اس قسم کا مطالبہ منقول ہے کہ آپ نے اپنے مخالفوں سے مباہلہ کا مطالبہ کیا تھا۔ مباہلہ کرنے والے اہل تقویٰ ہوں اور مسئلہ یقینی ہو ظنی نہ ہو تو مباہلہ کیا جاسکتا ہے۔ اور بھی بعض شروط ہیں جو کتب فقہ سے معلوم ہوسکتی ہیں مباہلہ پر چونکہ عیسائی تیار نہیں ہوئے اس لئے مباہلہ نہیں ہوسکا اور نہ اس کا انجام معلوم ہوسکا۔ لیکن اتنا بعض روایات سے معلوم ہوتاہے کہ اگر مباہلہ ہوتا تو وہ لوگ تباہ وبرباد ہوجاتے۔ یا سؤر اور بندر کردیئے جاتے یا ان کو آگ گھیر لیتی اور اس کا اب بھی امکان ہے کہ اگر مباہلہ کیا جائے تو اہل باطل کو کوئی سخت نقصان پہنچ جائے۔ واللہ اعلم۔ مباہلہ میں صرف فریقین کی شرکت ضروری ہے۔ اعزاء اور اقارب کا جمع کرنا ضروری نہیں۔ اعزا کا جمع کرنا محض اہتمام کی غرض سے ہوتاہے اور اپنے دعویٰ کو سچا ثابت کرنے کے لئے ہوتاہے گویا ہم اپنی بات کو اس قدر سچا سمجھتے ہیں کہ خود بھی میدان مباہلہ میں حاضر ہیں اور اپنے محبوب ترین اعزا کو بھی ہم نے حاضر کردیاہے۔ یہ بات اپنی سچائی کے کامل یقین کا موجب ہوتی ہے ابناءنا کا مفہوم اس آیت میں عام ہے۔ بیٹا ہو، بیٹے کا بیٹا ہو، نواسا ہو، داماد ہو سب پر ہی صادق آتاہے۔ اسی طرح لفظ نساء سے خاص زوجہ مراد نہیں بلکہ گھر کی عورتیں مراد ہیں۔ خواہ وہ بیوی ہو یا بیٹی ہو۔ انفسنا سے مراد خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہے۔ ابن عساکر کی روایت سے یہ مراد اور واضح ہوجاتی ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوتاہے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عثمان اور ان کی اولادیں بھی ہمراہ تھیں۔ اس سے معلوم ہوتاہے نہ صلبی اولاد مراد تھی اور نہ خاص مباہلہ کرنے والوں کی بیویاں مراد تھیں۔ بلکہ محض خاندان اور قرابت دار مقصود تھے اور ان سب کا جمع کرنا بھی محض اثبات یقین کے لئے تھا ورنہ آپ نے فرمادیا تھا کہ جب ہم دعا کریں تو تم لوگ آمین کہنا بعض شیعی حضرات نے کہاہے کہ حضرت علی نہ عورتوں میں تھے نہ بیٹوں میں۔ لہٰذا وہ انفسنا میں شامل تھے اور ان کو انفسنا میں داخل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ رسول اللہ کے عین اور ان کے مساوی تھے۔ اور جب وہ رسول کے مساوی تھے تو وہی خلافت بلافصل کے مستحق تھے۔ صاحب تفسیر مظہری نے اس استدلال کے کئی جواب دیئے ہیں۔ از انجملہ ایک جواب قاضی صاحبؒ نے یہ بھی دیاہے کہ اگر یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ آیت مباہلہ میں لفظ انفسنا میں حضرت علی داخل ہیں تو زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتاہے کہ حضرت علی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلقین میں سے تھے۔

خواہ یہ تعلق دینی ہو یا نسبی ہو۔ یہ مطلب نہیں کہ حضرت علی بی یا ان کے بالکل ہم پلہ اور مساوی ہیں۔ قرآن میں یہ لفظ بہت جگہ استعمال کیا گیا ہے۔ مثلاً لا تخرجون انفسکم من دیارکم تقتلون انفسکم۔ ظن المؤمنون والمؤمنت بانفسھم خیرا اور ولا تلمزوا انفسکم ان تمام مواقع میں سے کہیں بھی نہ عین مراد ہے نہ مساوات و ہمسری مراد ہے۔ یہ جواب چونکہ سہل تھا اس لئے ہم نے یہاں اس کو نقل کر دیا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ نصاریٰ اس قدر سمجھانے پر بھی اگر قائل نہ ہوں تو ان کے ساتھ قسم کا معاملہ کرو۔ یہ بھی ایک صورت فیصلہ کی ہے کہ دونوں طرف اپنی جان سے اور اولاد سے حاضر ہوں اور دعا کریں کہ جو کوئی ہم میں جھوٹا ہے اس پر لعنت اور عذاب پڑے۔ پھر حضرت آپ اور حضرت فاطمہ اور امام حسن اور امام حسین اور حضرت علی کو لے کر گئے۔ ان نصاریٰ میں جو دانا تھے انہوں نے مقابلہ نہ کیا اور جزیہ دینا قبول رکھا۔ موضح القرآن اب آگے پھر اہتمام کے طور پر توحید کو مکرر بیان فرماتے ہیں تاکہ خلاصہ کے طور پر تمام بیان پھر مستحضر ہو جائے۔ اور نصاریٰ کو تنبیہ ہو (تسہیل) خلاصہ یہ جو کچھ مذکور ہوا یہی حق اور سچی بات ہے اور بجز اللہ تعالیٰ کے کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں اور یقیناً اللہ تعالیٰ بڑی قوت و طاقت اور بڑی حکمت و دانش کا مالک ہے۔ پھر اگر یہ لوگ ان دلائل واضحہ اور براہین ساطعہ کے بعد بھی سرتابی اور روگردانی کریں تو آپ ان سے بات ختم کر دیجئے اور ان کا معاملہ خدا کے سپرد کر دیجئے۔ بے شک اللہ تعالیٰ اہل فساد اور شرارت کرنے والوں کو خوب جانتا ہے (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ کے متعلق جو افسانے یہود و نصاریٰ نے گھڑ رکھے ہیں وہ صحیح نہیں ہیں بلکہ اصل حقیقت وہ ہے جو ہم نے بیان کر دی ہے۔ اور ان تمام واقعات مذکورہ میں یہ امر بالکل منکشف ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حقیقی معبود ہے اور نہ کوئی عبادت کے لائق اور قابل ہے۔ کیونکہ وہی کمال قوت اور کمال حکمت کا مالک ہے اور جب کوئی دوسرا اس جیسا نہ عزیز ہے نہ حکیم ہے تو کوئی دوسرا معبود کیونکر ہو سکتا ہے۔ آخر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطمینان دلایا گیا ہے کہ اگر معاندین ان تمام دلائل کو سننے کے بعد بھی حق کی طرف مائل نہیں ہوتے تو آپ ان کی فکر نہ کیجئے اللہ تعالیٰ ان خباثت پسندوں سے خوب واقف ہے وہ ان کو ان کی کارروائیوں پر سزا دے گا۔ اب آگے ایک اور انداز سے دین حق کی دعوت دی جاتی ہے۔ یہ دعوت یا تو صرف نجران کے عیسائیوں کو ہے اور یا عام طور پر نصاریٰ اور یہود دونوں کو ہے اور یہی دوسری صورت ظاہر ہے (تسہیل) اے پیغمبر! آپ اہل کتاب سے کہئے کہ اے اہل کتاب! ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں طور پر مسلم اور مشترک ہے وہ یہ کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے ہم کسی کی عبادت نہ کریں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور اللہ تعالیٰ کے سوا ہم میں سے کوئی ایک دوسرے کو رب نہ ٹھہرائے اور کوئی کسی کو رب نہ قرار دے۔ پھر اگر وہ اہل کتاب اس توحید اور ترک شرک کی دعوت کو بھی قبول نہ کریں تو اے مسلمانو! تم ان سے کہہ دو کہ تم لوگ اس بات کے گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں اور ہم اس بات کو مانتے ہیں تم نہیں مانتے تو تم جانو (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ یہ تین باتیں ایسی ہیں جو اصولاً ہر پیغمبر کی تعلیم میں موجود ہیں اور کوئی آسمانی کتاب ایسی نہیں جس میں توحید کا اثبات اور شرک کی مذمت نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو رب بنانے کی ممانعت نہ ہو۔ یہ وہ چیزیں ہیں کہ سب کتب سماویہ میں مسلم ہیں اور یہ باتیں ہم تم میں مشترک ہیں تو آؤ ہم تم ان باتوں پر تو جمع ہو جائیں۔ تم نے جو عزیر کو یا مسیح کو خدا کا بیٹا اور اس کو خدا کی الوہیت میں شریک کر رکھا ہے۔ یہ باتیں چھوڑ دو۔ اسی طرح اپنے علماء اور رہبان کی باتوں کو اس طرح مانتے ہو جس طرح خدا کے احکام کو مانتے ہو۔ خواہ تمہارے علماء خدا کے احکام کے خلاف کہیں تب بھی تم ان کی اطاعت کرتے ہو۔ یہ سب باتیں تمہاری شریعت میں بھی حرام ہیں ان کو ترک کر دو۔ غرض اتنی صاف اور کھلی ہوئی بات کو ماننے سے بھی اعراض کریں تو ان سے کہہ دو کہ تم لوگ ہمارے متعلق گواہ رہو کہ ہم سب کتب سماویہ کو مانتے ہیں اگر تم نہیں مانتے تو تم جانو۔ حضرت عدی بن حاتم کی روایت میں ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ ہم اپنے علماء اور مشائخ کی عبادت تو نہیں کرتے۔ آپ نے فرمایا کیا وہ تمہارے حلال اور حرام کے مالک نہیں بنے ہوئے ہیں جو وہ کہہ دیتے ہیں تم اس کو اختیار کر لیتے ہو۔ عدی نے کہا۔ ہاں یہ بات تو ہے۔ آپ نے فرمایا یہی تو وہ بات ہے کہ تم نے خدا کے مقابلے میں ان کو رب بنا رکھا ہے یعنی تم لوگ ایسے مسائل میں بھی ان کا اتباع کرتے ہو جو نصوص قطعیہ کے خلاف ہوتا ہے خلاصہ یہ ہوا کہ یہ لوگ ان باتوں کو جانتے تھے اور پھر بھی شرک میں مبتلا تھے۔ اور ایسی توجیہات اور تاویلات کرتے تھے جیسی ہمارے زمانے کے مبتدعین اور قبر پرست کرتے ہیں۔ یعنی خدا تعالیٰ کی صفات مختصہ کو بندوں کے لئے ثابت کرتے تھے اور بالذات اور بالعرض کا فرق کرتے تھے۔ حالانکہ یہ فرق صفات غیر مختصہ میں ہو سکتا ہے لیکن باری تعالیٰ کی صفات مختصہ میں یہ فرق نہیں چل سکتا۔ اسی طرح احکام میں یہ کرتے تھے کہ جو احکام ان کی کتابوں میں قطعی طور پر بغیر کسی معارض کے منصوص تھے ان کے خلاف بھی جو حکم ان کے راہب دیتے تھے۔ اس پر عمل کرتے تھے اور ایک غیر مشروع تقلید میں مبتلا تھے جو اہل باطل کا شیوہ ہے۔ باقی رہے مسائل ظنیہ اور قیاسیہ جن میں کئی احتمال ہوں اور کسی ایک احتمال کو مجتہد کے قیاس سے ترجیح حاصل ہوئی ہو اور اس کی ترجیح کسی نص قطعی سالم من المعارض اور اجماع کے خلاف نہ ہو تو اس پر عمل کرنا جیسا کہ آئمہ اربعہ کی تقلید کرنے والے کرتے ہیں تو یہ اس آیت میں داخل نہیں اور اس آیت سے اس مشروع تقلید کی حرمت پر استدلال کرنا جو آج کل عام اہل اسلام کا معمول ہے بڑی زیادتی اور توجیہ الکلام بما لا یرضیٰ بہ قائلہ کے مرادف ہے۔ اور یہ جو اس آیت میں اصول پر دعوت دی گئی ہے اس کا یہ مطلب ہے کہ اگر اہل کتاب اصول سے متفق ہو جائیں اور اسلام کے اصول مان لیں تو فروع پر متفق ہو جانا اور جزئیات کو تسلیم کر لینا سہل اور آسان ہو جائے گا۔ گویا یہ دعوت ایک تدریجی دعوت ہے کہ اچھا آؤ جن باتوں میں ہمارا تمہارا اختلاف نہیں ہے اور جو باتیں تمہارے نزدیک بھی صحیح ہیں ان کو تو مان لو اور غیر اللہ کی عبادت شرک اور تقلید جامد غیر مشروع سے تو توبہ کر لو۔ دوسری باتوں پر پھر غور کر لینا۔ اب آگے اسی سلسلے کی ایک اور بات کا ذکر ہے جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اثبات بھی ضمناً ہوتا ہے اور یہود و نصاریٰ کے باہمی جھگڑے کا ایک نہایت واضح فیصلہ ہو جاتا ہے وہ یہ کہ جب نجران کے عیسائیوں کا وفد آیا تو مدینہ کے بعض یہود بھی ان سے ملنے آئے۔ اثنائے گفتگو میں حضرت ابراہیم کا ذکر نکل آیا تو یہود نے کہا۔ ابراہیم یہودی تھا۔ نصاریٰ کہنے لگے نہیں بلکہ ابراہیم نصرانی تھا۔ اس پر آگے آیتیں نازل ہوئیں (تسہیل) ﴿ﷺ﴾

بقیہ صفحہ ۹۱

کوئی قرب اور خصوصی تعلق ان سے حاصل ہے تو وہ لوگ وہی ہو سکتے ہیں جو ان کے زمانے میں ان پر ایمان لائے ان کے ساتھ رہے۔ ہر دکھ درد میں ان کے شریک رہے ان کی پیروی کرتے رہے اور پھر یہ نبی اور اس کی امت ہو سکتی ہے۔ کیونکہ یہ اصول میں تو بالکلیہ اور بے شمار فروع میں بھی ملت ابراہیمی کی پابند ہے اور ان کی ملت کا نام ہی ملت ابراہیمی ہے۔ اگرچہ یہ نبی ایک مستقل شریعت رکھتا ہے جو تمام شرائع سابقہ کی ناسخ ہے لیکن جہاں تک ملت کا تعلق ہے اس میں اور ملت ابراہیمی میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اور اتنی بات سے کہ دونوں ملتیں یکساں ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے استقلال پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ جیسا کہ ہم پہلے پارے میں بالتفصیل عرض کر چکے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ نہ تم حضرت ابراہیم کی امت ہو اور نہ تم اصول اور اکثر فروع میں ان کے موافق ہو۔ لہٰذا تم کو ان سے قرب اور خصوصیت کا کوئی حق نہیں۔ اس کے حق دار تو ان کی امت کے لوگ ہیں اور یہ نبی یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور اس کی امت ہے جو اس پر ایمان لائی ہے۔ آخر میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کی ولایت و حمایت کا اعلان فرمایا۔ کیونکہ یہ لوگ تمام انبیاء پر ایمان رکھتے ہیں۔ بخلاف یہود و نصاریٰ کے کہ کسی پر ایمان لاتے ہیں اور کسی پر ایمان نہیں لاتے۔ اور جن پر ایمان لاتے ہیں ان کی شریعت کو بھی اپنے مطلب کا بنا لیتے ہیں اور اپنے ڈھب کی شریعت پر عمل کرتے ہیں۔ لہٰذا ان کے مقابلے میں اہل ایمان کے لئے اپنی حمایت اور اپنے ثواب کی بشارت کا اظہار فرمایا۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ اللہ صاحب نے فرمایا کہ ابراہیم کو یہودی یا نصرانی اگر اس معنی سے کہتے ہو کہ توریت اور انجیل پر عمل کرتا تھا تو صریح بے عقل ہے۔ توریت اور انجیل اس سے بعد نازل ہوئی ہیں۔ اور اگر یہ غرض ہے کہ اس وقت بھی اہل ہدایت کا نام تھا یہود اور نصاریٰ تو بھی غلط ہے۔ بلکہ ابراہیم نے اپنے تئیں حنیف کہا ہے۔ حنیف کے معنی جو کوئی ایک راہ حق پکڑے اور سب راہ باطل چھوڑ دے۔ اور مسلم کے معنی حکم بردار اور اگر یہ غرض ہے کہ دینوں میں یہود کے دین کو یا نصاریٰ کے دین کو زیادہ مناسبت ہے۔ ابراہیم کے دین سے سو اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ زیادہ مناسبت ابراہیم سے اس وقت کی امت کو تھی یا پچھلی امتوں میں اس نبی کی امت کو ہے تو یہ امت نام میں بھی اور راہ میں بھی ابراہیم سے مناسبت زیادہ رکھتی ہے کہ اپنی راہ کے حق ہونے پر کسی کی موافقت سے دلیل جب پکڑے کہ اپنے اوپر وحی نہ آتی ہو سو یہ اللہ والی ہے۔ مسلمانوں کا یہ کہ اس کے حکم پر چلتے ہیں۔ موضح القرآن حضرت شاہ صاحبؒ نے جو تفصیل فرمائی ہے وہ مطلب کی وضاحت کے لئے بہت کافی ہے۔ اب آگے اہل کتاب کی مزید خواہشات فاسدہ کا رد کیا جاتا ہے اور ان کو آیات خداوندی کے انکار پر تنبیہ کی جاتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ (تسہیل) اے اہل کتاب میں سے بعضے لوگ دل سے یہ چاہتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح تم کو دین حق سے گمراہ اور بے راہ کر دیں مگر وہ سوائے اپنے آپ کے کسی اور کو گمراہ نہیں کر سکتے یعنی خود ہی گمراہی کے وبال میں مبتلا ہوتے ہیں اور ان کی حالت یہ ہے کہ ان کو اس وبال میں مبتلا ہونے کی خبر بھی نہیں۔ اے

اہل کتاب تم کیوں آیات خداوندی کا انکار کرتے ہو۔ حالانکہ تم ان کے آیات الہٰی ہونے کے قائل اور مقر ہو۔ (تیسیر)
بعض اہل کتاب نے معاذ بن جبل۔ حذیفہ بن الیمان اور عمار بن یاسر وغیرہم کو اپنے مذہب میں شامل ہونے کی دعوت دی تھی۔ اور یہ کہا تھا کہ تم لوگ ہمارے دین میں آجاؤ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ اگرچہ آیت کا مورد خاص ہے لیکن حکم عام ہے۔ یعنی اگرچہ اہل کتاب کے بعض لوگوں کی باوجود گمراہ ہونے کے عام خواہش یہ ہے کہ وہ تم کو بھی گمراہ کردیں۔ حالانکہ گمراہ کرنا ان کے اختیار میں نہیں۔ کوئی بدقسمت خود اسلام کو چھوڑ کر گمراہ ہوجائے تو یہ بات دوسری ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ وہ اپنی ان حرکات سے خود اپنے ہی کو گمراہ کررہے ہیں، اور وہ گمراہی یہ کہ وبال اور گناہ میں گرفتار ہورہے ہیں اور دعوت الی الباطل کے وبال میں مبتلا ہورہے ہیں اور اس وبال کا ان کو شعور اور اطلاع بھی نہیں کہ ان مغویانہ سرگرمیوں کا ضرر ان کو کس طرح پہنچے گا۔ ہماری تقریر سے وہ شبہ دور ہوگیا ہوگا جو عام طور سے کیا جاتا ہے کہ جب وہ خود گمراہ ہیں تو پھر گمراہ اپنے کو کیا گمراہ کرے گا۔ اس طرح تحصیل حاصل ہوگا۔ جواب صاف ہے کہ گمراہی سے مراد گمراہی کے وبال میں گرفتار ہونا ہے۔ اہل کتاب چونکہ توریت وانجیل کی صداقت کے قائل اور مقر تھے۔ اور ان کتابوں میں نبی آخر الزماں کی نبوت اور ان کے قرآن کا ذکر تھا اس لئے فرمایا کہ تم آیات الہٰی کے قائل ہوتے ہوئے بھی پھر ان آیات کے منکر ہو۔ اور یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ خلوت میں بیٹھ کر تم بھی اس کا اعتراف کرتے ہو کہ یہ رسول وہی معلوم ہوتا ہے جس کا ہماری کتابوں میں ذکر ہے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ روزمرہ قرآن کے نزول کا مشاہدہ کرتے رہتے ہو اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کو دیکھتے رہتے ہو پھر کیوں قرآن کے منکر ہوتے ہو اور اس رسول پر ایمان نہیں لاتے حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ یعنی توریت کے قائل ہو پھر اسی کے خلاف کہتے ہو۔ موضح القرآن۔
شاہ صاحبؒ کے فرمانے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آیات اللہ سے مراد توریت ہے۔ اب مطلب یہ ہوگا کہ تم توریت کے کلام الہٰی ہونے کے قائل ہو۔ پھر اس کے بتلائے ہوئے پیغمبر پر ایمان نہیں لاتے تو اس کتاب کا انکار کررہے ہو جس کو خود کلام الہٰی مانتے ہو۔ بہرحال قرآن کا انکار بھی توریت کے بلکہ جملہ کتب سماویہ کے انکار کو مستلزم ہے۔ مدعا یہ ہے کہ قرآن کے منکر ہونے سے توریت کا انکار بھی لازم آتا ہے۔ دونوں طرح مطلب بیان کیا جاسکتا ہے خواہ آیات اللہ سے قرآن مراد لیا جائے خواہ آیات اللہ سے توریت مراد لی جائے۔ واللہ اعلم۔ اب آگے ان کی تلبیس اور تحریف وغیرہ کی مذمت کا بیان ہے۔ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل)

بقیہ صفحہ ۹۲

مگر صرف ان لوگوں کی غرض سے جو تمہارے دین کے پیرو ہیں یعنی جس طرح ہوسکے ان کو بچاؤ۔ جو پھنس گئے ہیں ان کو اس تدبیر سے نکال لاؤ اور جو ابھی نہیں پھنسے ہیں ان کو اس تدبیر سے متنفر کردو اور یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ اس تمام سازش کے معاملہ میں سوائے اپنے کسی کو رازدار نہ بنانا اور کسی کا سوائے اپنے یقین نہ کرنا۔ کبھی ایسا نہ ہو کہ کسی مسلمان کو اس سازش کا بھید بتادو۔ بس اسی شخص کو معلوم ہو جو تمہارے دین کا پیرو ہو یہ معنی تیسیر میں ہم نے اختیار کئے ہیں اور ابن کثیر کا رجحان ان ہی معنی کی طرف پایا جاتا ہے۔ اس کے بعد کی آیت میں اس سازش کا جواب ہے کہ ان بوسیدہ چالوں سے کیا ہوتا ہے۔ ہدایت تو جس کو ملتی ہے وہ خدا کے دیئے سے ملتی ہے اور جب وہ کسی کو ہدایت پر قائم رکھنا چاہے تو اسے کون اکھیڑ سکتا ہے۔ اور کسی اغوا کرنے والے کا اغوا کیا کارگر ہوسکتا ہے پھر اس سازش کی اصل علت کی جانب اشارہ فرمایا کہ اس قسم کی سازشیں محض اس حسد اور جلن کی وجہ سے کررہے ہو کہ بنی اسماعیل کی رسالت اور نبوت کو برداشت نہیں کرسکتے اور یہ حسد ہے کہ بنی اسرائیل کو جو بزرگی اور فضیلت اور کتاب اور نبوت عطا ہوئی تھی وہ کسی اور کو یعنی بنی اسماعیل کو کیوں دی جارہی ہے۔ اور شریعت موسویہ کی جو اجارہ داری ہم کو حاصل تھی وہ کیوں ختم ہورہی ہے۔ نیز اس وجہ سے کہ اور لوگ تمہارے رب کی جناب میں تم پر غلبہ کیوں حاصل کرلیں۔ مفسرین نے اوبحاجوکم عند ربکم کے بھی بہت سے معنی کئے ہیں۔ ہم پہلے پارے میں لیحاجوکم به عند ربکم کی تفسیر مفصل عرض کرچکے ہیں۔ ہوسکتا ہے مراد یہ ہو کہ دوسرے لوگ مناظرے میں ہم پر کیوں غالب آئیں اور یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ دوسرے تم پر اس دین حق کی تعیین میں کیوں غالب آجائیں جو تمہارے پروردگار کے پاس سے تم کو ملا ہے۔ یعنی آسمانی کتاب جو تم کو ملی تھی وہ اوروں کو کیوں دی گئی۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ کے روبرو تمہاری بات کیوں نیچی ہو۔ اور دوسرے کیوں تم پر غلبہ حاصل کریں۔ اور تم کو قیامت میں تمہاری کتابوں سے کیوں الزام دیں۔ بہرحال دو باتوں کا حسد تم کو کھائے جاتا ہے ایک یہ کہ بنی اسماعیل کو نبوت اور کتاب اور شریعت کیوں مل گئی۔ اور دوسرے یہ کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے مسلمان ہم پر کیوں تفوق اور غلبہ حاصل کریں اور وہاں مناظرے میں ان سے کیوں قائل ہونا پڑے۔ سازش اور چالاکی کی جو دو علتیں مذکور ہوئیں یعنی ان یؤتی مثل ما اوتیتم او یحاجوکم عند ربکم، اس کا جواب دیا گیا کہ نبوت و رسالت اور آسمانی کتاب یا خدا کی جناب میں بزرگی و برتری یہ حضرت حق تعالیٰ کا فضل ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل پر پورا اختیار رکھتا ہے جس کو چاہے عطا فرمائے۔ اگرچہ فضل عام طور سے قرآن میں مالی اور   کے نفع وغیرہ پر استعمال ہوتا ہے لیکن کبھی اپنے مفہوم کی عمومیت کے باعث نبوت و رسالت کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ ورنہ عام طور سے نبوت وغیرہ کے لئے رحمت کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ آخر میں فرمایا اللہ تعالیٰ بڑا صاحب وسعت ہے اس کے فضل میں کوئی کمی نہیں اور بڑے علم والا ہے۔ وہی خوب جانتا ہے کہ کس کو کیا دینا مناسب ہے اور کس وقت دینا مناسب ہے اسی بنا پر آگے اپنی رحمت کے اختصاص کو بیان فرمایا ہے (تسہیل) چونکہ وہ واسع العطایا اور ہر شخص کی حالت سے پوری طرح واقف ہے اس لئے اپنے فضل و رحمت کے لئے جس کو چاہتا ہے خاص کرلیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑا صاحب فضل ہے (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ اس کی رحمت اس کے قبضے میں ہے۔ وہ جس کو چاہے اپنے فضل اور اپنی رحمت سے نوازے۔ اگر اس نے بنی اسماعیل کو نبوت عطا فرمادی تو اس پر حسد اور جلن کی کوئی وجہ نہیں حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ بعضے یہود نے آپس میں مشورت کی کہ تم صبح کو جاکر ظاہر میں مسلمان ہوجاؤ اور شام کو پھر جاؤ تو شاید مسلمان بھی پھر جاویں۔ جانیں کہ یہ لوگ منصف تھے کہ اپنا دین چھوڑ کر ہمارے دین میں آئے تھے۔ پھر کچھ ایسی غلطی پائی کہ پھر گئے اور آپس میں کہا کہ دل سے ہرگز یقین نہ کریو مگر اپنے دین والوں کی بات تاکسی کے دل میں سچ اسلام نہ آجائے سو اللہ تعالیٰ نے ان کا فریب کھول دیا۔ فرمایا تو کہہ ہدایت وہی جو اللہ دے تمہارے فریب سے کوئی گمراہ نہ ہوگا۔ مگر تم یہ حسد کرتے ہو کہ آگے نبوت اور بزرگی بنی اسرائیل میں تھی۔ اب اور فرقے میں کیوں ہوئی یا دین کی مددگاری میں ہمارے مقابل اور کوئی کیوں ہوا سو یہ اللہ کا فضل ہے۔ جس کو چاہا دیا کسی کو حق نہیں (موضح القرآن) حضرت شاہ صاحبؒ نے جو خلاصہ بیان فرمایا ہے اس کا مطلب بالکل صاف ہے لاتؤمنوا اور یحاجوکم میں شاہ صاحبؒ نے ایک قول اختیار کرلیا ہے ہم عرض کرچکے ہیں کہ مختلف معنی کی گنجائش ہے۔ جو چاہے اختیار کرلیا جائے۔ نتیجہ کے اعتبار سے تقریباً سب کا ایک ہی مفاد ہے۔ اوپر کی آیتوں میں اہل کتاب کی اس خیانت کا ذکر تھا جو وہ دین میں کرتے تھے۔ اب آگے ان کی اس خیانت کا ذکر ہے جو وہ مال میں کیا کرتے تھے۔ اور چونکہ مال کے معاملہ میں سب یکساں نہ تھے۔ اس لئے دونوں فریق کا ذکر فرماتے ہیں۔ معاملات کا تعلق بھی دین سے ہے۔ معاملات میں بھی وہی برا ہوتا ہے جو دینی اعتبار سے کمزور ہوتا ہے اور معاملات کی کمزوری بھی اس میں ہوتی ہے جس کا دین ضعیف ہوتا ہے۔ اس لئے آگے کا مضمون سابقہ مضمون کے ساتھ مربوط ہے (تسہیل)۔

بقیہ صفحہ ۹۳

کمتر اور جاہل دان پڑھ سمجھتے تھے اس لئے اپنے کو اس کا مستحق سمجھتے تھے کہ ان کا مال کھا لینا اور ان کا حق دبا لینا ہم کو جائز اور روا ہے۔ اگر کسی کو آیت کی عمومیت پر یہ شبہ ہو کہ اگر آیت کو عام رکھا جائے اور یہ کہا جائے کہ آیت میں امانت داروں کی مدح ہے۔ خواہ وہ کافر ہوں یا مسلمان ہوں تو اس تقریر پر کافر کے ایک فعل کی تعریف لازم آئے گی۔ حالانکہ کافر کا کوئی عمل بدون اسلام کے مقبول نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں مقبول عدم مقبول کی بحث نہیں بلکہ یہاں تو ایک اچھے فعل کی تعریف کرنا مقصود ہے۔ خواہ اس کا مرتکب کافر ہی کیوں نہ ہو اور یہی وہ اسلام کی خوبی۔ فیاضی اور انصاف ہے کہ وہ ہر اچھی بات کو سراہتا ہے۔ خواہ وہ کافر ہی کی ہو۔ امانت داری ایک بہترین فعل ہے اگر وہ کافر میں ہو تب بھی قابل ستائش ہے اور مسلمان میں ہو تب بھی قابل تعریف ہے۔ باقی رہا مقبول ہونا تو یہ ظاہر ہے کہ کافر کی کوئی بھلائی جب تک وہ مسلمان نہ ہو قابل قبول نہیں۔ البتہ دنیا میں اس کو کوئی فائدہ پہنچ جائے اس کے مال و اولاد میں زیادتی ہوجائے یا قیامت میں اس خوبی کی وجہ سے تھوڑی بہت عذاب میں کمی ہوجائے وہ دوسری بات ہے۔ اوپر لیس علینا فی الامیین سبیل کا رد تھا۔ اور ان کے دعویٰ کی تکذیب تھی۔ اب آگے اسی تکذیب کی تاکید اور وفائے عہد کی فضیلت اور عہد شکنوں کی مذمت اور ان کے لئے وعید کا ذکر ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل) بے شک یقیناً جو لوگ عہد خداوندی کو اور نیز اپنی قسموں کو معمولی قیمت کے عوض فروخت کر ڈالتے ہیں اور جو عہد انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا ہے اس کے مقابلے میں حقیر معاوضہ لیلیتے ہیں اور اسی طرح جو قسمیں وہ کسی معاملے پر کھاتے ہیں ان قسموں کے مقابلہ میں بھی حقیر معاوضہ لے لیتے ہیں تو ایسے لوگوں کو آخرت میں کوئی حصہ نہ ملے گا۔ اور یہ آخرت کی نعمتوں سے بالکل محروم رہیں گے اور نہ خدا تعالیٰ قیامت کے روز ان سے مہربانی کے ساتھ کلام

کرے گا اور نہ ان کی طرف رحمت و محبت سے دیکھے گا اور نہ ان کو گناہوں کی آلائش سے پاک کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا (تیسیر) عہد خداوندی سے ہر قسم کے احکام مراد ہیں۔ کیونکہ ہر بندہ فطری طور پر اس امر کا مکلف ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرے اور اس کے سب رسولوں پر ایمان لائے۔ اور ہم دوسرے پارے میں عہد کی حقیقت عرض کر چکے ہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ ہر شخص نے کوئی عہد نامہ لکھا ہے۔ بلکہ جس طرح ہر شخص طبعاً جانتا ہے کہ ماں کی اطاعت کرنا اور اس کی خدمت بجا لانا ضروری ہے یا حاکم کی اطاعت کرنا ضروری ہے یا میونسپلٹی جو سڑکیں اور روشنی کا انتظام کرتی ہے اس کو ٹیکس دینا ضروری ہے۔ حالانکہ ہر شخص سے کوئی عہد نہیں کیا جاتا۔ اسی طرح فطری طور پر ہر شخص سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات واجب الاطاعت ہے۔ اور یہود و نصاریٰ تو چونکہ توریت و انجیل پر ایمان رکھتے تھے اور کتب سماویہ پر ایمان لانا ایک قسم کا صاف و صریح عہد تھا۔ نبی آخر الزماں پر ایمان لانے کا لیکن یہود و نصاریٰ نے محض دنیوی لالچ کی وجہ سے عہد شکنی کی اور جو عہد توریت و انجیل کی وساطت سے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے لیا تھا۔ انہوں نے اس کے مقابلے میں قلیل و حقیر معاوضہ لے کر اس کے خلاف کیا۔ بہرحال فطری عہد مراد ہو یا وہ عہد ہو جو اہل کتاب نے توریت و انجیل پر ایمان لانے سے کیا تھا۔ یا آپس میں کسی معاملہ پر قسم کھائی اور پھر دنیوی نفع کی غرض سے اپنی قسم کے خلاف کریں اور قسموں کے مقابلے میں حقیر معاوضہ حاصل کرلیں۔ تو ایسے لوگوں کے لئے یہ وعید فرمائی ہے۔ ثمن قلیل فرمایا دنیا کے نفع کو اور یہ واقعہ ہے کہ دنیا کا کتنا ہی بڑا فائدہ کیوں نہ ہو آخرت کے مقابلے میں قلیل اور حقیر ہی ہے اسی کو آیت میں اشتروا سے تعبیر کیا ہے گویا جو لوگ دنیوی فوائد کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ سے عہد شکنی کرتے ہیں اور اپنی قسموں کو توڑتے ہیں گویا وہ تھوڑا مول لے کر اللہ تعالیٰ کے عہد کو اور اپنی قسموں کو بیچ ڈالتے ہیں۔ لاخلاق کا مطلب یہ ہے کہ آخرت کی نعمتوں میں سے ان کا کوئی حصہ نہ ہوگا۔ کلام اور نظر سے مراد یہ ہے کہ شفقت آمیز کلام نہیں ہوگا اور نہ رحمت بھری نگاہ سے ان کو دیکھا جائے گا۔ تزکیہ سے مراد یا تو گناہوں سے پاک کرنا ہے اور ہوسکتا ہے کہ یہ مطلب ہو کہ اللہ تعالیٰ ان کی مدح اور تعریف نہیں فرمائے گا۔ جیسا کہ تفسیر مظہری نے اس کی تصریح کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کسی بندے کی تعریف کرنا اس کا مطلب یہی ہے کہ اس کے گناہ بخش دیئے جائیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ جو معاملہ قیامت کے دن مومنین کے ساتھ ہوگا وہ ان عہد شکنوں اور قسمیں کھا کر قسموں کو توڑنے والوں کے ساتھ نہیں ہوگا۔ بلکہ ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی ملاقات اس شان اور اس حال کے ساتھ ہوگی کہ وہ ان پر غضبناک ہوگا۔ کلام نہ کرنا اور نگاہ بھر کر نہ دیکھنا کنایہ ہے غصہ اور غضب سے۔ آیت زیر بحث میں دو گناہ ذکر کئے گئے ہیں۔ ایک اللہ سے عہد کر کے پھرنا اور ایک قسمیں کھا کر توڑنا بظاہر ایک کا تعلق حقوق اللہ سے اور دوسرے کا تعلق حقوق العباد سے ہے۔ حقوق اللہ کے سلسلے میں یہ امید کی جاسکتی ہے کہ اگر کوئی بندہ کفر و شرک سے پاک ہو تو اس کے باقی جرائم کو نظر انداز کر دیا جائے۔ لیکن حقوق العباد کے مواخذے سے اس وقت تک چھٹکارا غیر ممکن ہے جب تک صاحب حق اپنا معاف نہ کرے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ تین دیوان یعنی تین رجسٹر ہیں۔ ایک رجسٹر تو ایسا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کی کچھ پروا نہیں۔ اور ایک رجسٹر ایسا ہے کہ اس میں سے اللہ تعالیٰ کوئی چیز نہیں چھوڑے گا۔ اور تیسرا رجسٹر وہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو ہرگز معاف نہیں کرے گا۔ جو رجسٹر حضرت حق کے نزدیک کچھ زیادہ اہم اور قابل التفات نہیں ہے۔ وہ کسی بندے کا اپنی جان پر ان معاملات میں ظلم کرنا ہے جو بندے اور خدا کے درمیان ہیں اور وہ رجسٹر جس کی مغفرت اور بخشش نہیں ہوگی وہ کفر و شرک کا رجسٹر ہے۔ اور وہ رجسٹر جس کی کوئی بات چھوڑی نہ جائے گی وہ بندوں کے باہمی حقوق ہیں۔ جن کا قصاص اور بدلہ ضرور لیا جائے گا۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اعمال کی تین قسمیں ہیں۔ ایک کفر و شرک تو وہ ناقابل مغفرت ہیں۔ دوسرے کفر و شرک کے علاوہ دوسری کوتاہیاں تو وہ اس قابل ہیں کہ ان کو نظر انداز کر دیا جائے۔ اور وہ چاہے تو اپنی رحمت سے ان کو معاف کر دے۔ تیسرے وہ حقوق جو بندوں سے تعلق رکھتے ہیں تو حقوق العباد میں سے کوئی چیز معاف نہیں کی جائے گی۔ بلکہ ہر ایک کا بدلہ لیا جائے گا۔ آیت زیر بحث کا تعلق بظاہر یہود سے ہے کہ انہوں نے کفر کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف اور آپ کی نعت کو چھپایا۔ لیکن یہ ہوسکتا ہے کہ آیت کا نزول اشعث بن قیس اور ان کے چچا زاد بھائی کے قصے میں ہوا ہو یا اشعث بن قیس اور ایک یہودی کے بارے میں ہو۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ امرئ القیس بن عابس کندی اور ربیعہ بن عیدان حضرمی کے جھگڑے میں نازل ہوئی ہو۔ ان تمام جھگڑوں کا خلاصہ یہ ہے کہ اشعث بن قیس کا ایک کنواں ان کے چچا زاد بھائی کی زمین میں تھا۔ انہوں نے بھائی کے خلاف دعویٰ کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اشعث تیرے پاس شہادت ہے۔ اشعث نے انکار کیا تو آپ نے فرمایا پھر تیرے بھائی کی قسم پر فیصلہ ہوگا۔ اشعث نے کہا یا رسول اللہ وہ تو قسم کھا جائے گا۔ آپ نے فرمایا اگر کوئی شخص جھوٹی قسم کھا کر کسی مسلمان کا مال کھائے گا تو قیامت کے دن وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر غضبناک ہوگا۔ دوسرے واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ اشعث کی ایک زمین یہودی کے پاس تھی۔ اس نے انکار کر دیا۔ انہوں نے دعویٰ کیا۔ آپ نے شہادت طلب کی۔ اشعث نے کہا میرے پاس گواہ تو نہیں ہیں آپ نے فرمایا پھر مدعا علیہ کی قسم پر فیصلہ ہوگا۔ اشعث نے کہا۔ جناب وہ تو جھوٹی قسم کھا لے گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ تیسرے واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ قیس بن عابس کندی اور ربیعہ حضرمی کا بھی ایک قطعہ زمین کا تھا۔ حضرمی نے کہا یا رسول اللہ اس کندی نے میری زمین دبالی ہے۔ آپ نے فرمایا تیرے پاس شہادت ہے۔ حضرمی نے انکار کیا۔ آپ نے فرمایا کندی کی قسم پر فیصلہ ہوگا۔ حضرمی نے کہا یا رسول اللہ یہ شخص فاجر ہے اس کو جھوٹی قسم کھا لینا کیا مشکل ہے۔ اس پر آپ نے فرمایا جو شخص جھوٹی قسم کھا کر کسی کے مال پر قبضہ کرے گا تو وہ اللہ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ جذام کے مرض میں مبتلا ہوگا۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ بہرحال آیت اپنے عموم کے اعتبار سے ان سب واقعات کے ساتھ تعلق رکھتی ہے اگرچہ بظاہر سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت کا تعلق یہود کی عہد شکنی سے اور اپنے عہد و پیمان سے پھر جانے کے ساتھ بہت گہرا ہے۔ حدیث میں آتا ہے تین شخص ایسے ہیں جن سے نہ تو اللہ تعالیٰ کلام کرے گا۔ نہ ان کو نگاہ بھر کے دیکھے گا۔ نہ ان کے گناہوں سے ان کو پاک کرے گا۔ ایک تو وہ شخص جو برساتی پانی پر قبضہ کرلیتا ہے اور کسی مسافر کو پانی نہیں لینے دیتا۔ یعنی جنگل میں جو پانی گڑھوں میں برسات کا کھڑا ہو جاتا ہے اس پر قبضہ کرلیتا ہے اور کسی مسافر کو نہیں لینے دیتا۔ دوسرا وہ شخص جو عصر کی نماز کے بعد جھوٹی قسم کھا کر مال فروخت کرتا ہے تا کہ کسی مسلمان کا مال قسم کے پردے میں دھوکہ دے کر کھا جائے۔ تیسرے وہ جو دنیوی اغراض کے خیال سے کسی امام کے ہاتھ پر بیعت کرلیتا ہے اگر وہ مطلب پورا ہوگیا تو بیعت پر قائم رہا۔ اور اگر وہ غرض پوری نہ ہوئی تو امام سے بغاوت کردی۔ یہ حدیث مختلف الفاظ سے تمام کتب احادیث میں آئی ہے حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ یہ یہود میں صفت تھی کہ ان سے اللہ نے اقرار لیا تھا۔ اور قسمیں دی تھیں کہ ہر نبی کے مددگار رہیو۔ پھر غرض دنیا کے واسطے پھر گئے اور جو کوئی جھوٹی قسم کھائے دنیا لینے کے واسطے اس کا یہی حال ہے۔ موضح القرآن۔ اب آگے یہود کی بعض اور شرارتوں کا ذکر ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل) ۷۸ اور بلاشبہ ان اہل کتاب میں سے بعض لوگ ایسے چالاک اور ہوشیار ہیں کہ وہ کتاب پڑھنے میں اپنی زبانوں کو کچھ ایسا الٹ پھیر دے کر پڑھتے ہیں تاکہ تم لوگ اس بناوٹی اور ملائی ہوئی چیز کو بھی کتاب ہی کا ایک حصہ سمجھو۔ حالانکہ جو کچھ انہوں نے زبان کو پھیر دے کر پڑھا ہے وہ کتاب کا حصہ نہیں ہے۔ پھر یہی نہیں کہ اتنی ہی تحریف پر بس کریں۔ اس کے بعد زبان سے یہی کہتے ہیں کہ جو کچھ ہم نے پڑھا ہے یہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے نازل شدہ ہے۔ حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ نہیں ہے اور یہ لوگ جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹ بات منسوب کرتے ہیں (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ تحریف لفظی کرتے ہیں کہ غیر کتاب کو کتاب کہہ کر پڑھ جاتے ہیں اور پڑھتے بھی کچھ اس طرح زبان کو دبا کر اور پھیر دے کر پڑھتے ہیں کہ سننے والے کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ عبارت بھی کتاب کی ہے۔ اور ہوسکتا ہے کہ تحریف معنوی کی طرف اشارہ ہو کہ کتاب کا مطلب کچھ اس طرح چکر دے کر بیان کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعی کتاب کا مطلب یہی ہوگا۔ حالانکہ مطلب وہ نہیں ہوتا۔ پھر زبان سے ان الفاظ کی یا اس مضمون کی توثیق بھی کرتے ہیں کہ جو کچھ ہم نے پڑھا ہے یا جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے وہی اللہ تعالیٰ کا منشا ہے۔ اور یا یہی الفاظ خدا کی جانب سے آئے ہیں حالانکہ نہ وہ خدا کا منشا ہے نہ وہ الفاظ خدا کے نازل کردہ ہیں۔ ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ اپنے مطلب کے لئے جان بوجھ کر خدا پر جھوٹ بولتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ یعنی بن پڑھوں کو دغا دیتے ہیں۔ اپنی عبارت بنا کر قرآن کی طرح پڑھنے لگے کہ اللہ نے یوں فرمایا ہے۔ (موضح القرآن) لَیًّا کے معنی بٹنے کے ہیں۔ یہاں مراد یہ ہے کہ زبان کو جھٹکا دے کر اور مروڑ کر ایسی بات کہی جائے۔ جس سے حق کے ساتھ باطل مخلوط اور ملتبس ہو جائے۔ اس امت میں اگرچہ تحریف لفظی کا موقعہ اہل باطل کو میسر نہ آسکا۔ لیکن اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ تحریف معنوی میں اس امت کے اہل باطل اور علمائے سوء نے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی نعوذ باللہ من شرور انفسنا حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اس آیت کا تعلق یہود و نصاریٰ دونوں سے ہے۔ اسی لئے ہم نے ترجمہ میں اہل کتاب کا لفظ اختیار کیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ فقط یہود یا فقط نصاریٰ مراد ہوں۔ اگرچہ ظاہر یہی ہے کہ دونوں مراد ہیں۔ اب آگے ابو رافع قرظی کے الزام کا رد ہے۔

چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل) ف۲

بقیہ صفحہ ۹۴

اور ایک عام آدمی جو کتاب نہ پڑھ سکتا ہو اس کو ربانی بننے کے لئے نہ کہا جائے ۔کیونکہ ہم تسہیل میں اس کا جواب دے چکے ہیں کہ من وجہ تو ہر شخص کو علم ہوتا ہے اس لئے کو نوا ربانیین کا حکم ہر شخص کو ہے ۔ اگرچہ اہل علم کی ذمہ داری زیادہ ہے ۔حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں ۔ یہود مسلمانوں سے کہتے تھے کہ تمہارا نبی ہم کو کہتا ہے کہ بندگی کرو اللہ کی ۔ ہم تو آگے سے اسی کی بندگی کرتے ہیں ۔ مگر وہ چاہتا ہے کہ میری بندگی کرو ۔ سو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس کو نبی کرے اور وہ لوگوں کو کفر سے نکال کر مسلمانی میں لاوے ۔ پھر کیونکر ان کو کفر سکھا دے ۔ مگر تم کو یہ کہتا ہے کہ تم میں جو آگے دینداری تھی کتاب کا پڑھنا اور سکھانا وہ نہیں رہی ۔ اب میری صحبت میں وہی کمال حاصل کرو ۔

(موضح القرآن) اب آگے عہد کے سلسلے میں مزید تفصیل بیان فرماتے ہیں کہ ایک عہد تو وہ فطری یا وہ عام عہد ہے جو الست بربکم کے عہد سے مشہور ہے اس کے علاوہ ہم نے تمام انبیاء علیہم السلام سے بھی عہد لیا ہے ۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل) ف اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام سے یہ عہد لیا کہ جو کچھ میں تم کو کتاب اور علم و حکمت عطا کروں پھر تمہارے پاس کوئی اور ایسا رسول آئے جو اس چیز کی جو تمہارے پاس موجود ہو یعنی جو کتاب اور علم میں نے تم کو عطا کیا اس کی تصدیق کرنے والا ہو تو تم ضرور اس کی رسالت پر ایمان بھی لانا اور اس کی مدد بھی کرنا پھر اللہ تعالیٰ نے یہ عہد لینے کے بعد ارشاد فرمایا ۔ کیا تم نے اقرار کیا اور اس بات پر میرے عہد اور میرے فرمان کو قبول کیا رسولوں نے عرض کیا ہاں ۔ اے خدا ! ہم نے اقرار کیا اور آپ کے فرمان کو قبول کیا ۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ۔ اچھا تم اپنے اس اقرار کے گواہ رہنا اور میں تمہارے ساتھ تمہارے اس اقرار پر گواہ ہوں ۔ (تیسیر) اِصْرِ کے معنی ہیں پختہ عہد عہد سے مراد یہ ہے کہ عالم ارواح میں ہر پیغمبر سے عہد لیا گیا ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہر پیغمبر سے اس عالم میں بذریعہ وحی عہد لیا ہو ۔ انبیاء علیہم السلام سے جو عہد لیا گیا ہے ظاہر ہے کہ ہر پیغمبر کی امت بھی اس میں شریک ہے ۔ کیونکہ اس حکم کی عمومیت ظاہر ہے یہ نہیں ہو سکتا کہ پیغمبر کو تو اس نبی پر ایمان لانے اور اس کی مدد کرنے کا حکم دیا جائے اور اس کی امت کو نظر انداز کر دیا جائے یا تو اس عہد میں نبیوں کی امتیں بھی داخل ہیں اور یا یہ کہ حضرت حق تعالیٰ نے انبیاء سے عہد لیا اور ہر ہر نبی نے اپنی اپنی امت سے اسی مضمون پر عہد لیا ۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس عہد سے یہاں انبیاء کی امتیں مراد ہیں ۔ جیسا کہ عبداللہ بن مسعود کی ایک قرأت سے ظاہر ہوتا ہے ۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ عہد تو انبیاء سے لیا گیا اور ان کی امتیں اس عہد میں تبعاً شامل ہیں ۔ مصدق لما معکم کے یہاں بھی دو مطلب ہیں ۔ ایک تو وہی جو مشہور ہے ۔ یعنی تمہاری کتاب اور تمہارے مسلک کی تصدیق کرتا ہو اور اس کو سچا بتاتا ہو ۔ دوسرا مطلب یہ کہ تمہاری کتاب اور تمہارے علم میں جو اس نبی کی علامت بتائی گئی ہو اس کے مطابق ہو اور اس پیشین گوئی کا مصداق ہو تو اس کو تسلیم کرنا اور اس کی ہر طرح مدد کرنا ۔ اس آیت میں جس رسول کا ذکر ہے اس سے مراد بظاہر صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہے ۔ جیسا کہ حضرت علی کا قول ہے

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ عہد ہر نبی کے متعلق ہو یعنی بعد کے آنے والے پر پہلے آنے والے سے عہد لیا گیا ہو ۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس کا قول ہے ۔ یعنی حضرت ابراہیم سے حضرت موسیٰ کے متعلق اور حضرت موسیٰ سے حضرت عیسیٰ کے متعلق اور حضرت عیسیٰ سے نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق عہد لیا گیا ہو ۔ خلاصہ یہ (۱) کہ تمام انبیاء علیہم السلام سے اصالتاً اور ان کی امتوں سے تبعاً یہ عہد لیا گیا (۲) کتاب اور حکمت دینے کا مطلب یہ ہے کہ کوئی مستقل کتاب ہو یا کوئی صحیفہ ہو یا کم از کم علم شریعت ہو جس سے کوئی نبی خالی نہیں ۔ (۳) جاء کم کا مطلب یہ ہے کہ وہ نبی تمہارے زمانے میں آ جائے تو تم اور تمہاری امت اس کی توثیق و تائید کرے اور اگر تمہارے بعد آئے تو پھر تمہاری امت کو چاہئے کہ وہ اس پر ایمان لائے ۔ اور اس کی مدد کرے (۴) تصدیق کا مطلب یہ ہے کہ جس کام کی تبلیغ پر ہم نے تم کو مامور کیا ہے اسی دین کی وہ تبلیغ کرتا ہو ۔ بہرحال مطلب یہ ہے کہ بھلا کوئی نبی جو مامور من اللہ ہے وہ شرک و کفر کی کس طرح تعلیم دے سکتا ہے ۔ البتہ عام لوگوں کو یہ حکم دیا جاتا ہے کہ وہ انبیاء پر ایمان لائیں اور ان کی اطاعت و فرماں برداری کریں اور نبیوں کی مدد کریں ۔ عام لوگوں کا تو ذکر ہی کیا ہے ہم تو ہر پیغمبر سے اس قسم کا قول و قرار لے چکے ہیں کہ جب کسی نبی کے بعد دوسرا نبی آئے اور دلائل شرعیہ سے اس کی نبوت ثابت ہو تو پہلے نبی کو چاہئے کہ وہ اس پر ایمان لائے اور اس کی مدد کرے ۔ اور چونکہ سب سے آخر میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لانے والے تھے اس لئے ہر پیغمبر کا عہد آپ کی نبوت و اعانت کو شامل تھا ۔ اسی واسطے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر آج موسیٰ زندہ ہوتے تو ان کو بھی میری اتباع کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا اور چونکہ نبی آخر الزماں کا ورود حضرت عیسیٰ کے بعد واقع ہوا اور اس عالم میں جس کو عالم شہادت کہتے ہیں آپ کی تشریف آوری حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ہوئی اس لئے خود حضرت عیسیٰ نے اپنی امت کو اطلاع بھی دی اور خود قیامت کے قریب جب آپ آسمان سے نازل ہوں گے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے موافق فیصلے فرمائیں گے ۔ والحمد للہ علیٰ ذٰلک ۔ آخر میں اس عہد پر مزید اقرار لیا گیا ہے ۔ گواہ رہنے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے اقرار سے پھرنا نہیں ۔ تم اور تمہاری امت دونوں اس پر قائم رہنا حضرت حق تعالیٰ کی شہادت کا مطلب یہ ہے کہ میں اس تمام عہد و پیمان سے واقف اور باخبر ہوں ۔ یہ بھی مزید توثیق و تاکید کے لئے فرمایا ۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں ۔ اللہ نے اقرار لیا نبیوں کا یعنی نبیوں کے مقدمہ میں بنی اسرائیل سے قرار لیا ۔ موضح القرآن حضرت شاہ صاحبؒ کا رجحان بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ عہد انبیاء کی وساطت سے ان کی امتوں سے لیا گیا تھا ۔ بہرحال اگر نبیوں سے لیا گیا تب بھی لامحالہ ان کی امتیں شامل ہیں ۔ اور اگر امتوں سے لیا گیا تب امتیں ذمہ دار ہیں ۔ غرض جو آنے والے نبی کو پائیں ان پر اس کی امداد و اعانت اور اس کی توثیق و تائید ضروری ہے ۔ اب آگے نقض عہد پر تنبیہ اور وعید ذکر ہے ۔ چنانچہ ارشاد ہے ۔ (تسہیل)

بقیہ صفحہ ۹۵

یعنی ہر عہد کا جو حکم فرمایا اس کے سوا اور دین قبول نہیں (موضح القرآن) اب آگے اسلام کی حقیقت کو اور واضح فرمایا ۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہوا کہ آپ اتمام حجت کے طور پر اسلام کی مزید تفصیل ان کے آگے بیان کر دیجئے ۔ (تسہیل) اے پیغمبر آپ اسلام کا ماحصل بیان کرنے کی غرض سے فرما دیجئے کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور وہ احکام جو ہم پر نازل کئے گئے ہیں ان پر بھی ایمان لائے اور اس حکم پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو ابراہیم پر اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب پر اور یعقوب کی اولاد میں سے جو نبی ہوئے ہیں ان پر نازل کیا گیا ہے اور ہم اس چیز پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ اور دوسرے نبیوں کو عطا کی گئی تھی ۔ ہم ان پیغمبروں میں سے کسی ایک کو بھی ایمان لانے میں جدا نہیں کرتے ۔ یعنی تفریق اس طرح کہ کسی پر ایمان لائیں اور کسی پر ایمان نہ لائیں یا کسی کو رسول مانیں اور کسی کو نہ مانیں ۔ اور ہم تو اللہ تعالیٰ ہی کے فرماں بردار اور تابع فرمان ہیں اور جو شخص مذہب اسلام کے علاوہ کسی دوسرے مذہب کی خواہش کرے گا اور کسی دوسرے دین کو طلب کرے گا تو وہ دین اس شخص کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے ہاں ہرگز مقبول و منظور نہیں ہوگا ۔ اور وہ شخص آخرت میں سخت نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا ۔ یعنی بالکل دیوالیہ ہوگا ۔ (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ اسلام ایک ایسا مذہب ہے کہ وہ تمام آسمانی کتابوں اور تمام نبیوں کو حق مانتا ہے ۔ خواہ وہ ابراہیم و اسماعیل یا اسحاق و یعقوب ہوں خواہ یعقوب کی اولاد میں جو نبی ہو گذرے ہیں وہ ہوں اور ان کی تعلیمات ہوں اور خواہ موسیٰ اور عیسیٰ کو جو تعلیم دی گئی تھی وہ ہو ۔ غرض ہم تو اللہ تعالیٰ کے مطیع اور فرماں بردار ہیں اور یہی اسلام ہے اور اسی بنا پر ہم مسلمان ہیں ۔ ہمارے ہاں انبیاء علیہم السلام میں کوئی تفریق نہیں ۔ بلکہ ہم سب کو رسول مانتے ہیں ۔ اور اسی سلسلے کی آخری کڑی نبی آخر الزماں کو تسلیم کرتے ہیں اور جب ہم ہر پیغمبر پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کی تعلیم کو حق مانتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ اہل کتاب اس آخری نبی پر ایمان نہ لائیں اور اس کے دین کو جس کا نام ہمیشہ سے اسلام چلا آتا ہے قبول نہ کریں ۔ اسلام کی وضاحت اور مسلمانوں کے عقیدے کا اظہار کرنے کے بعد ارشاد فرمایا کہ جو کوئی شخص اس اسلام کو چھوڑ کر کسی دوسرے دین کی جستجو کرے گا اور اس کو حاصل کرنے کی کوشش کریگا تو اس کا وہ دین اللہ تعالیٰ کی جناب میں غیر مقبول اور قابل رد ہوگا ۔ اور جب کوئی ناقابل قبول دین لے کر قیامت میں آئے گا تو سوائے اس کے کہ نقصان اٹھائے اور کیا ہوگا ۔ ہم اوپر بتا چکے ہیں کہ خاسر اس تاجر کو کہتے ہیں جو راس المال اور نفع سب ختم کر دے ۔ اور قرآن عام طور سے اس زندگی پر تجارت کے الفاظ استعمال کرتا ہے ۔ کیونکہ یہ زندگی انسان کا راس المال ہے ۔ جو شخص اس راس المال کو برباد کر کے قیامت میں حاضر ہوگا اس کا حشر یہی ہوگا کہ وہ قیامت میں خالی ہاتھ پھرتا ہوگا ۔ اور سوائے نقصان کے اس کو کوئی فائدہ [illegible] پہلے پارے میں ہم تفصیل سے عرض کر چکے ہیں ۔ [illegible] سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ جب تک نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لائے اور ان کی شریعت کو معمول بہا نہ بنائے اس وقت تک نجات نہیں ہو سکتی ۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد آپ ہی کی شریعت انسانوں کے لئے موجب فلاح و موجب نجات ہے جس طرح آفتاب کا نور تمام روشنیوں کو معطل اور بے کار کر دیتا ہے اسی طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے نور نے تمام انوار سابقہ کو ختم کر دیا ہے ۔ اب آگے ان لوگوں کا ذکر ہے جو جان بوجھ کر اور صداقت اسلام سے پوری واقفیت رکھنے کے باوجود اسلام کے قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں یا قبول کر کے مرتد ہو جاتے ہیں اور دین سے پھر جاتے ہیں ۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں ۔ (تسہیل) ف۲ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ

ان لوگوں کو ہدایت کی توفیق بخشے جو ایمان لانے کے بعد اور زبان سے اس بات کی شہادت دینے کے بعد کہ یہ رسول اپنے دعویٰ میں سچا ہے۔ اور اس کے بعد کہ ان کو اسلام کی صداقت کے واضح دلائل پہنچ چکے۔ ان تمام انعامات کے بعد پھر وہ لوگ کافر ہوگئے اور انہوں نے کفر اختیار کر لیا اور۔ اللہ تعالیٰ ایسے ظالم اور ستم شعار لوگوں کو ہدایت کی توفیق نہیں دیا کرتا (تیسیر) آیت کا تعلق یا تو ان بارہ آدمیوں سے ہے جو مسلمان ہونے کے بعد مرتد ہوگئے تھے اور مدینہ سے کہ چلے گئے تھے۔ جیسے حارث بن سوید اور طعمہ بن اُبیرق اور حجوج بن اسلت وغیرہ اور یا اس آیت کا تعلق متعصب اور معاند یہود و نصاریٰ سے ہے۔ جیسا کہ حضرت ابن عباس کا قول ہے۔ پہلی تقریر پر مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی کس طرح سرپرستی فرمائے گا اور بھلا ان کو کس طرح ہدایت دے گا جنہوں نے دل سے ایمان قبول کیا اور زبان سے اس امر کا اقرار کیا کہ بے شک یہ رسول برحق ہے اور ان کو ہر قسم کے دلائل قرآنیہ سے بھی آگاہی ہو چکی اور باوجود حضرت حق کی ان تمام مہربانیوں اور ہدایت نوازیوں کے پھر وہ کافر ہوگئے اور کفار سے جا ملے اور اللہ تعالیٰ ایسے ستم شعاروں کی رہنمائی نہیں فرمایا کرتا اور ایسے لوگوں کو فلاح و نجات کا راستہ نہیں دکھاتا۔ دوسری تقریر پر مطلب اس طرح ہوگا۔ بھلا اللہ تعالیٰ ایسے معاند اور سرکشوں کو ہدایت کی توفیق کس طرح دے گا جن کی حالت یہ ہے کہ آپس میں بیٹھ کر اپنے قلبی یقین کا اظہار کرتے ہیں۔ اور زبان سے بھی کہتے ہیں کہ یہ رسول سچا ہے اور ان کے پاس اسلام کی صداقت کے دلائل بھی آچکے ہیں۔ بلکہ یہ اس رسول کے آنے سے پہلے اس کا نام لے کر دشمنوں کے مقابلہ میں فتح کی دعائیں کیا کرتے تھے۔ اس رسول کی بشارتوں سے ان لوگوں کی کتابیں بھری پڑی ہیں اور باوجود آنکھوں سے دیکھنے اور دل سے سمجھنے اور زبان سے اقرار کرنے کے پھر کفر کی روش اختیار کئے ہوئے ہیں۔ تو ایسے ضدی اور ہٹ دھرم لوگوں کو فلاح دائمی اور نجات حقیقی کی ہدایت و رہنمائی کی کوئی ذمہ داری کس طرح لی جا سکتی ہے۔ غرض قلبی معرفت اور زبانی اقرار کے باوجود کفر پر اڑے رہنا یا اس سے بڑھ کر یہ کہ اسلام قبول کر لینے کے بعد مرتد ہو جانا یہ ایسے جرائم ہیں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی توفیق ہدایت ان سے سلب ہو جاتی ہے اور یہ لوگ دائمی عذاب اور دائمی لعنت کے مستحق ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ آگے اسی لعنت و عذاب کا ذکر فرماتے ہیں۔ (تسہیل)

بقیہ صفحہ ۹۶

اور یہ اسلام کے لئے کھلے کافروں سے زیادہ ضرر رساں تھے۔ مجاہد کا قول ہے کہ اس سے تمام کافر مراد ہیں کیوں کہ ہر کافر خدا کے خالق ہونے کو مانتا ہے۔ لیکن اس کے نازل کردہ دین کے خلاف رہتے ہیں اور اسلام کی مخالفت میں بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ ہم نے ترجمہ میں اور تیسیر میں ان سب احتمالات کی رعایت کو ملحوظ رکھا ہے۔ لن تقبل توبتہم مراد یا تو مرتے وقت کی توبہ ہے کہ تمام عمر کفر کرتے رہے اور جب موت کے فرشتے سامنے آئے تو توبہ کرنے لگے یا عذاب سر پر آگیا۔ اور عذاب نے گھیر لیا تو توبہ کی سو جھی اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس توبہ سے وہ توبہ مراد ہو جو ظاہر میں مسلمانوں کو مطمئن کرنے کی غرض سے کی جائے جیسا کہ منافق کیا کرتے تھے۔ دل سے گناہ کے ترک کرنے کا ارادہ نہ ہو۔ محض رسمی توبہ ہو اور یا وہ توبہ مراد ہے جو کفر سے تو نہ ہو باقی دوسرے گناہوں سے جس کو کافر بھی برا سمجھتے ہیں۔ ان اعمال سے توبہ کر لی جائے۔ مثلاً کفر پر اور اسلام دشمنی پر قائم رہیں اور جھوٹ سے یا چوری اور جوئے سے توبہ کر لیں تو یہ توبہ بے کار ہے۔ اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ایسے گمراہ اور شرارت پسند لوگوں کو توبہ کی توفیق ہی نصیب نہ ہو اور یہ محروم القسمت ہمیشہ توبہ سے محروم رہیں۔ واللہ اعلم۔ دوسری آیت میں ان کافروں کا ذکر ہے جو آخر وقت تک کفر پر اڑے رہے اور بدقسمتوں کو موت بھی کفر ہی پر آگئی۔ ان کے متعلق یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ انہوں نے زندگی میں کفر سے توبہ تو کی نہیں لیکن شاید وہاں کچھ جرمانہ دے کر اور فدیہ بھر کر نجات حاصل کر لیں۔ دوسری آیت میں کفر پر مرنے والوں کا انجام اور شبہ مذکور کا جواب ہے کہ اول تو وہاں کسی کے پاس مال ہی نہ ہوگا اور اگر فرض کرو کہ وہاں کسی کو مال میسر بھی آجائے اور وہ پوری زمین بھر کر سونا اپنے فدیہ میں خود بخود دینا بھی چاہے تو بھی قبول نہیں کیا جائیگا اور جو نہ دے تو اس کا تو ذکر ہی کیا ہے اور ہم نے جو خود بخود کہا وہ اس لئے کہ اگر حاکم کے جرمانہ کئے بغیر کوئی شخص ایک معقول رقم دینے پر تیار ہو جائے تو زیادہ نفع کی امید ہوتی ہے بخلاف اس کے کہ حاکم کی طرف سے کوئی جرمانہ کر کے اس کا مطالبہ کیا جائے۔ طیہ یہاں یہ حالت ہے کہ مجرم خود اپنی طرف سے زمین بھر کر سونا دے رہا ہے اور وہ بھی قبول نہیں کیا جاتا اور یہ جو ہم نے کہا اگر مجرم کو مال میسر آجائے یہ اس بنا پر کہا کہ چھٹے پارے میں لو ان لہم ما فی الارض جمیعاً فرمایا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک فرضی صورت اختیار کی ہے ورنہ ظاہر ہے کہ وہاں مجرم کے پاس مال کہاں ہوگا۔ چونکہ اس آیت میں قیامت کا ذکر نہیں ہے اس لئے یہاں یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ ایسے کافر جو مرتے دم تک کافر ہی رہے ان کا نیکی بھی تو قبول نہیں۔ خواہ وہ اپنی زندگی میں زمین بھر کر سونا بھی خیرات کریں۔ ان کی اس کافرانہ روش کے باعث مقبول نہیں کیونکہ جب تک کافر ایمان نہ لائے اس کا کوئی اچھا عمل قبول نہیں ہوتا اور جب سونے کی بھری ہوئی زمین بھی ناقابل قبول ہے تو ظاہر ہے کہ اس سے کم صدقہ یا خیرات کیا قبول ہوگا۔ اور اگر آیت کو قیامت ہی پر محمول کیا جائے تب بھی یہ سمجھ لینا چاہئے کہ سونے سے بھری ہوئی زمین بھی ناقابل قبول ہوگی تو جو اس سے کم دے یا بالکل نہ دے اس کا تو کہنا ہی کیا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے اوپر کی آیت میں ضالون پر حاشیہ لکھا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔ یعنی یہود پہلے اقرار رکھتے تھے کہ یہ نبی حق ہے۔ جب ان سے مقابلہ ہوا تو منکر ہوگئے اور بڑھتے گئے انکار میں یعنی لڑائی کو مستعد ہوگئے ان کی توبہ ہرگز قبول نہ ہوگی۔ یعنی ان کو توبہ کرنا ہی نصیب نہ ہوگا کہ قبول ہو (موضح القرآن) حدیث میں آتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت میں اس شخص سے فرمائے گا جس کو سب سے کم عذاب ہو رہا ہوگا۔ بھلا یہ تو بتا اگر تجھ کو تمام روئے زمین کی دولت میسر ہو تو کیا تو اپنے فدیہ میں دے کر اس عذاب سے نجات حاصل کرے۔ وہ عرض کرے گا بے شک اگر میرے پاس اتنی دولت ہو اور وہ دینے سے میں عذاب سے بچ جاؤں تو ضرور دے دوں۔ ارشاد ہوگا میں نے تو تجھ سے جب تو آدم کی پشت میں تھا اس سے بہت کم اور ہلکی چیز کا مطالبہ کیا تھا اور وہ یہ کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کیجیو۔ لیکن تو اتنی ہلکی بات کو بھی ماننے پر آمادہ نہ ہوا اور آج تمام دنیا کی دولت دینے کو تیار ہے۔ اب آگے مال خرچ کرنے کا نفع بتاتے ہیں کہ مال کا خرچ کرنا مفید اور نافع ہو سکتا ہے۔ لیکن ایمان کی شرط ہے۔ اگر ایمان لانے کے بعد اچھی، عمدہ اور محبوب چیز میں سے خرچ کرو گے تو نفع ہوگا اور بہت بڑی بھلائی کے مالک ہو گے۔ بخلاف کافروں کے جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے کہ وہ چاہے کچھ بھی خیرات کر دیں اس پر آخرت میں کوئی خاص نفع مرتب نہ ہوگا۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں (تسہیل)۔

ف۱ تم لوگ اس وقت تک حقیقی بھلائی اور کامل و مکمل نیکی نہیں حاصل کر سکو گے جب تک تم اپنی محبوب اور عزیز ترین چیزوں میں سے کچھ خرچ نہ کرو اور بہرحال تم جو کچھ بھی خرچ کرو گے خواہ وہ محبوب ہو یا غیر محبوب سو اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتا ہے (تیسیر) بِرّ کے معنی سورۂ بقرہ میں گزر چکے ہیں بِرّ کی نسبت اگر بندے کی جانب ہو تو اس سے مراد طاعت، صدق اور وسعت احسان لیا کرتے ہیں اور خدا کی طرف اگر یہ لفظ مضاف ہو تو اس کے معنی رضا، رحمت، جنت ہوا کرتے ہیں۔ حضرت ابوبکر ورّاق فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ تم لوگ میری بِرّ کو اس وقت تک حاصل نہیں کر سکتے جب تک اپنے بھائیوں کے ساتھ بِرّ نہ کرو۔ حاصل یہ ہے کہ جب تک محبوب کو اپنے سے جدا نہ کرو گے مطلوب تک نہ پہونچو گے حضرت واسطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا پسندیدہ چیزوں میں سے کچھ خرچ کرنا بِرّ تک پہونچا دیتا ہے اور اگر کوئی شخص رب تک پہونچنا چاہے تو اسکو کونین سے دست برداری کرنی چاہئے۔ بِرّ کا استعمال صدق اور حسن خلق کیلئے بھی آتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود سے مرفوعاً روایت ہے۔ تم لوگ صدق کو لازم پکڑو صدق انسان کو بِرّ تک پہونچاتا ہے اور بِرّ انسان کو جنت میں لے جاتی ہے۔ آدمی ہمیشہ سچ بولتا اور سچ کا خیال رکھتا ہے یہاں تک کہ اسکو صدیقین میں لکھدیا جاتا ہے اور دیکھو کذب سے بچو کذب انسان کو فسق و فجور تک لیجاتا ہے اور فجور آدمی کو آگ میں داخل کر دیتا ہے آدمی ہمیشہ جھوٹ بولتا اور جھوٹ بولنے کی فکر میں رہتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے نزدیک جھوٹا لکھدیا جاتا ہے۔ نواس بن سمعان سے مرفوعاً روایت ہے کسی نے دریافت کیا یا رسول اللہ بِرّ کیا ہے آپ نے فرمایا حسن خلق۔ اس نے عرض کیا اثم کیا ہے۔ آپ نے فرمایا جو تیرے سینے میں کھٹکے اور تو اس کو لوگوں کے علم میں لانا پسند نہ کرے۔ بہرحال بِرّ کے معنی جو کچھ بھی ہوں یہاں مراد یہ ہے کہ تم حقیقت بِرّ اور کمال خیر کو نہیں پہونچ سکتے جب تک پسندیدہ اور محبوب چیز سے کچھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہ کرو اور یہ ترجمہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم ایسا ثواب جو تم کو جنت میں لے جائے نہیں حاصل کر سکتے جب تک پسندیدہ چیزوں میں سے کچھ خدا کی راہ میں خیرات نہ کرو۔ پھر فرمایا اس کا خیال رکھو جو بھی خرچ کرو گے اور جیسا بھی خرچ کرو گے اور جس وقت بھی خرچ کرو گے ان سب حالتوں سے اللہ تعالیٰ باخبر ہے۔ خواہ اچھی چیز خیرات کرو اور دل سے خیرات کرو یا بُری چیز خیرات کرو اور دکھاوے کو خیرات کرو۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی جس چیز سے دل بہت لگا ہو اُس کا خرچ کرنا بڑا درجہ ہے اور ثواب ہر چیز میں ہے شاید یہود کے ذکر میں یہ آیت اس لئے فرمائی کہ ان کو اپنی ریاست بہت عزیز تھی جس کے تھامنے کو نبی کے تابع نہ ہوتے تھے تو جب وہی نہ چھوڑیں اللہ کی راہ میں درجۂ ایمان نہ پاویں (موضح القرآن) شاہ صاحبؒ نے خوب بات فرمائی اور ربط کی تقریر بھی خوب فرمائی۔ گویا محبوب ریاست و وجاہت کی محبت اور بِرّ ایمان۔ فقیر عرض کرتا ہے کہ دونوں لفظوں میں اتنی گنجائش ہے کہ جو معنی چاہے کرلو۔ خلاصہ یہ ہے کہ مقصود حقیقی جب حاصل ہوگا جب عزیز ترین چیز خدا کی راہ میں قربان کر دو گے۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اسلام کی عزت اور اسلامی اقتدار مقصود ہے تو جان اور مال خدا کی راہ میں قربان کر دو۔ سبحان اللہ کیا کلام ہے۔ جس کی وسعت کا کوئی ٹھکانا ہی نہیں حضرت حسن فرماتے ہیں آیت کے معنی یہ ہیں کہ تم اُس وقت تک ابرار میں شامل نہیں ہو سکتے جب تک اپنی محبوب چیزوں میں سے کچھ خرچ نہ کرو۔ اس آیت کو سن کر اکثر صحابہ نے اپنی بہترین اور پسندیدہ چیزیں خیرات کر دیں حضرت ابو طلحہؓ کے باغ کا واقعہ تو سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ حضرت عمرؓ نے ایک لونڈی کو جو اُن کو پسندیدہ تھی آزاد کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے بھی ایسا ہی کیا زید بن حارثہؓ نے آیت کو سن کر اپنا گھوڑا جس کا نام سبل تھا اور جو اُن کو بہت ہی محبوب تھا صدقہ کر دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بشارت دی کہ اے زیدؓ تمہارا وہ صدقہ اللہ تعالیٰ نے قبول فرما لیا۔ ابوذر غفاریؓ کا واقعہ ہے کہ ان کے ہاں ایک مہمان آ گیا تو انھوں نے اپنے غلام سے کہا میری اونٹنیوں میں سے بہترین اونٹنی لا کر ذبح کر دو ایک دُبلی سی اونٹنی لے آیا حضرت ابوذرؓ نے فرمایا تو نے مجھ سے خیانت کی اس نے کہا یہی اونٹنی سب اونٹنیوں سے بہتر ہے چنانچہ اس کو حلال کیا کسی نے حضرت ابوذر سے کہا کہ ضرورت کا بھی خیال رکھئے (باقی ضمیمہ میں)

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۵

جب تک تم ان چیزوں میں سے جنکو تم عزیز رکھتے ہو کچھ خرچ نہ کرو گے اس وقت تک تم حقیقی بھلائی کو ہرگز نہ پہونچو گے

وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۹۲﴾ كُلُّ

اور تم جو کچھ بھی خرچ کرتے ہو سو اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتا ہے ف نزول تورات سے قبل

الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ

کھانے کی تمام چیزیں بنی اسرائیل پر بجز ان چند چیزوں کے حلال تھیں

اِسْرَآءِیْلُ عَلٰی نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ

جو حضرت یعقوبؑ نے اپنے اوپر حرام کر لی تھیں

قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۳﴾

آپ ان سے فرما دیجئے اگر تم راست گو ہو تو تورات لے آؤ اور اسکو لا کر پڑھ دو۔

فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ

پھر جو کوئی اس صاف مطالبہ کے بعد بھی اللہ پر جھوٹی افترا پردازی کرے

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۹۴﴾ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ فَاتَّبِعُوْا

تو یہی لوگ ہیں بے انصاف ف آپ کہہ دیجئے اللہ نے سچ فرمایا اب تم

مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۹۵﴾

ملت ابراہیم کا اتباع کرو جو سب سے یکسو ہو کر خدا کا ہو چکا تھا اور وہ شرک کرنیوالوں میں شامل نہ تھا۔

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا

یقیناً سب سے پہلا مکان جو لوگوں کی عبادت کیلئے مقرر کیا گیا وہ ہی مکان ہے جو مکہ میں ہے اس مکان کی حالت یہ ہے کہ

وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۶﴾ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ

وہ برکت والا ہے اور وہ تمام عالم کیلئے موجب ہدایت ہے۔ اس مکان میں بہت سی واضح نشانیاں ہیں ان جملہ ابراہیم کے کھڑے ہونیکی

اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ وَلِلّٰهِ عَلَى

جگہ ہے اور جو اس گھر کے حرم میں داخل ہوا وہ امن یافتہ ہوا اور ان لوگوں کے ذمہ اس گھر کا

وقف جبریل علیہ السلام

النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ۚ وَ

حج کرنا اللہ تعالیٰ کا ایک حق ہے جو اس گھر تک راہ پانے کی استطاعت رکھتے ہوں اور

مَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِينَ ﴿۹۷﴾ قُلْ

جو شخص منکر ہو جائے تو یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ اہل عالم کی پروا نہیں رکھتا ف۱ آپ کہہ دیجئے

يٰٓأَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ شَهِيدٌ

اے اہل کتاب تم آیات الٰہی کا کیوں انکار کرتے ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ ان سب کاموں سے باخبر ہے

عَلٰى مَا تَعْمَلُونَ ﴿۹۸﴾ قُلْ يٰٓأَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّونَ

جو تم کر رہے ہو ف۲ آپ کہہ دیجئے اے اہل کتاب تم ایسے شخص کو اللہ کی راہ سے

عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُونَهَا عِوَجًا وَّأَنْتُمْ

کیوں روکتے ہو جو اللہ پر ایمان لائے اس طور پر کہ تم اس راہ میں کجی یعنی عیب تلاش کرتے رہتے ہو حالانکہ

شُهَدَآءُ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۹۹﴾ يٰٓأَيُّهَا

تم خود حقیقت سے باخبر ہو اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ تعالیٰ اس سے غافل نہیں ہے۔ ف۳ اے

الَّذِينَ اٰمَنُوٓا إِنْ تُطِيعُوا فَرِيقًا مِّنَ الَّذِينَ

ایمان والو اگر تم اہل کتاب میں سے کسی گروہ کا کہنا

أُوتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوكُمْ بَعْدَ إِيمٰنِكُمْ كٰفِرِينَ ﴿۱۰۰﴾

مانو گے تو وہ لوگ تم کو تمہارے ایمان لانے کے بعد پھر کافر بنا دیں گے ف۴

وَكَيْفَ تَكْفُرُونَ وَأَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ

اور تم کس طرح کفر قبول کر سکتے ہو حالانکہ تم کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سنائی جاتی ہیں

اللّٰهِ وَفِيكُمْ رَسُولُهٗ ۗ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ

اور تم میں اس کا رسول بھی موجود ہے اور جس نے اللہ تعالیٰ کو یعنی اُس کے دین کو مضبوط پکڑا تو بیشک

هُدِيَ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿۱۰۱﴾ ع يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا

اس کی سیدھی راہ کی جانب رہنمائی کی گئی ف۵ اے ایمان لانے والو

ع ۱۰ — ۱۰ — ۱

۷/۲

ف۱ اے پیغمبر آپ ان اہل کتاب سے فرمائیے اے اہل کتاب تم لوگ آیات الٰہی اور احکام خداوندی کے ساتھ کیوں کفر کرتے ہو اور حقائق واقعیہ کے قبول کرنے سے کیوں انکار کرتے ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ ان تمام کارروائیوں سے جو تم کرتے ہو باخبر اور آگاہ ہے اور تم جو کچھ کر رہے ہو وہ ان سب پر مطلع ہے اور یہ سب کچھ اس کے روبرو ہو رہا ہے۔ (تیسیر) شہداء کے معنی موجود اور حاضر ہونے کے ہیں یہاں مراد یہ ہے کہ جو تم کر رہے ہو اس کی موجودگی میں کر رہے ہو پھر بھی تم کو اُس کی نافرمانی کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں ہوتی۔ بغوی نے اس آیت کے شان نزول میں شماس بن قیس کا ایک واقعہ ذکر کیا ہے یہ بڑا متعصب تھا اور مسلمانوں کی ترقی کو بڑے خطرے کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ اسلام سے پہلے مدینہ کے دو مشہور قبیلے اوس اور خزرج میں بڑی دشمنی تھی اور ان میں بڑی کشاکشی رہتی تھی آئے دن لڑائیاں ہوتی تھیں لیکن مسلمان ہونے کے بعد اللہ نے ان میں الفت پیدا کر دی اور سب آپس میں بھائی بھائی ہو گئے اور کفر کے زمانے کی دشمنی اور وہ تمام اشعار جو ایک دوسرے کی ہجو میں کہا کرتے تھے سب بھول بھال گئے ان دونوں قبیلوں کے کچھ لوگ آپس میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے شماس نے انکو اس طرح گھل مل کر باتیں کرتے دیکھا تو جل گیا اور اسکو یہ فکر دامن گیر ہوا کہ کسی طرح ان میں پھوٹ ڈلوائی جائے چنانچہ اس نے ایک شخص کو فریقین کے اشعار دیکر بھیجا اور یہ ہدایت کی کہ ان کی مجلس میں جا کر یہ اشعار پڑھ دے اشعار زمانۂ جاہلیت کے فخریہ اور ہجو آمیز اشعار تھے اُس نے جا کر وہ اشعار وہاں پڑھ دیئے اشعار پڑھنے سے وہ بھولا ہوا منظر ایک دم سامنے آگیا اور فریقین میں جوش پیدا ہو گیا اور لڑائی کیلئے فریقین آمادہ ہو گئے اور ایک تاریخ مقرر ہو گئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب معلوم ہوا تو آپ ان لوگوں کے پاس تشریف لے گئے اور ان کو سمجھایا نب لوگوں کو تنبیہ ہوئی اور وہ سمجھے کہ ہم سے بڑی غلطی ہوئی اور ہم شیطانی حرکت پر آمادہ ہو گئے پھر اس تنبیہ پر بہت نادم ہوئے اور آپس میں مل کر روئے اور سب نے توبہ کی۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں پہلے اُن پر ملامت فرمائی اور ان کے کفر پر اور دوسرے مسلمانوں کو گمراہ کرنے پر ان کی مذمت فرمائی چنانچہ آگے کی آیت میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے اگرچہ الفاظ میں عموم ہے جیسا کہ قرآن کا قاعدہ ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس واقعہ کے علاوہ مسلمانوں کو گمراہ کرنے اور بہکانے کے اور طریقے بھی اختیار کرتے ہونگے بہرحال ارشاد ہوتا ہے (تسہیل) ف۲ اے نبی آپ ان اہل کتاب سے یہ بھی فرمائیے کہ اے اہل کتاب تم ایسے شخص کو اللہ کی راہ سے جو ایمان لائے کیوں روکتے ہو اور اُس شخص کو جو ایمان لا چکا ہو کیوں اللہ کی راہ سے ہٹاتے ہو اور تمہاری حالت یہ ہے کہ تم اس راہ میں کجی اور عیب نکالنے کی تلاش میں لگے رہتے ہو حالانکہ تم خود ان حرکات کے مذموم ہونے کو جانتے ہو اور سبیل اللہ کے راہ راست ہونے پر گواہ ہو اور اس راہ کی حقانیت سے باخبر ہو اور اللہ تعالیٰ اُن کاموں سے جو تم کیا کرتے ہو غافل اور بےخبر نہیں ہے (تیسیر) اللہ کی راہ سے مراد اسلام ہے۔ چونکہ اہل کتاب ان لوگوں کو جو مسلمان ہو جاتے تھے مرتد کرنے کی کوشش کرتے تھے اور جو ایمان لانے والے ہوتے تھے ان کو بہکا کر ایمان لانے سے روکتے تھے اس لئے ہم نے تیسیر میں اس کا لحاظ رکھ کر وضاحت کی ہے۔ اللہ کی راہ سے روکنے میں اغوا کے تمام طریقے داخل ہیں خواہ وہ تخویف و ترغیب ہو یا آسمانی کتابوں میں لفظی اور معنوی تحریف ہو یا کوئی اور طریقہ گمراہ کرنے کا ہو سب کو روکنا اور ہٹانا شامل ہے۔ عوجا مفعول بہ ہے اور مفعول لہ بھی ہو سکتا ہے ہم نے پہلی صورت اختیار کی ہے۔ کجی ڈھونڈھنے کا مطلب یہ ہے کہ اسلام میں عیب اور نقص تلاش کرتے رہتے ہیں اور مختلف طریقوں سے اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ کرتے رہتے ہیں۔ راہ کی وجہ سے عوج فرمایا کیونکہ ٹیڑھا اور کج ہونا راستہ کیلئے موزوں اور مناسب ہے۔ وانتم شھداء کا مطلب ہم نے تیسیر میں واضح کر دیا ہے۔ یعنی اپنی حرکات کی قباحت اور اسلام کی صداقت سے باخبر ہو۔ اور یہ جو فرمایا کہ تمہارے کاموں سے اللہ تعالیٰ غافل نہیں ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اُس سے ڈرتے رہو اور ان حرکات سے باز آؤ ورنہ تم کو سخت سزا دی جائے گی۔ اہل کتاب کے اعمال قبیحہ پر تنقید کرنے کے بعد مسلمانوں کو فہمائش کی جاتی ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ (تسہیل) (باقی ضمیمہ میں)

ف۱ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ایسا ڈرو جیسا کہ اُس سے ڈرنے کا حق ہے اور دیکھو تم کو موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو یعنی حالتِ اسلام ہی پر دَم نکلے اور تم سب باہم متفق ہو کر اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوط پکڑے رہو اور آپس میں نااتفاقی اور پھوٹ نہ ڈالو اور حق سے جدا نہ ہو جاؤ اور اللہ تعالیٰ کے اس احسان کو یاد کرو جو اس نے تم پر کیا ہے جبکہ تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں الفت و محبت ڈال دی سو تم اسکے فضل کی بدولت بھائی بھائی ہو گئے اور تم لوگ دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر کھڑے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے تم کو اس گڑھے سے بچا لیا (تیسیر) تقویٰ کی تفصیل ہم پہلے پارے میں کر چکے ہیں کہ تقویٰ کے مختلف مدارج ہیں۔ کم سے کم یہ کہ شرک سے بچتا ہو اور زیادہ سے زیادہ یہ کہ ہر قسم کے گناہ سے بچتا ہو اور ہر نیکی کو بجا لاتا ہو یہاں حق تقتہ سے تقویٰ کا وہی اعلیٰ درجہ مراد ہے یہ مطلب نہیں ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال کا حق ہے کیونکہ اس کی عظمت کا حق کون ادا کر سکتا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ جو حق ادا کرنا تم پر عائد ہوتا ہے اس کو پورا کر دو یعنی کفر و شرک سے جس طرح بچنا ضروری ہے اسی طرح تمام گناہوں سے بچو اور جیسا کہ آپس میں لڑنے کو تیار ہو گئے تھے اور مسلمان مسلمان کو قتل کرنے پر آمادہ ہو گیا تھا ایسا آئندہ نہ کرو کیونکہ یہ حق تقتہ کے منافی ہے۔ مسلمون سے مراد یہاں مخلصون اور کمال ایمان ہے۔ چونکہ اوپر تقویٰ میں حق تقتہ کی قید لگائی تھی اس لئے مطلب یہ ہے کہ مرو تو ایسی حالت میں مرنا کہ کامل اور مخلص مسلمان ہو۔ کیونکہ کمال تقویٰ۔ کمال اخلاص کی دلیل ہے۔ اب آیت کا خلاصہ یہ ہوگا کہ مسلمانو! تقویٰ کا بلند مرتبہ اختیار کرو اور اس پر آخر دم تک قائم رہو یہاں تک کہ جب مرو تو ایسی حالت پر مرو اس حالت کے علاوہ اور کسی حالت پر تم کو موت نہ آئے۔ اس تقریر کے بعد جو ہم نے عرض کی ہے۔ فاتقوا اللہ ما استطعتم کی آیت کو اس آیت کا ناسخ قرار دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ بندے پر جو تقویٰ کا حق عائد ہوتا ہے وہ استطاعت میں داخل ہے۔ واللہ اعلم۔ تقویٰ اور موت علی الاخلاص کی تاکید کے بعد ارشاد فرمایا کہ اللہ کی رسی کو باہم متفق اور متحد ہو کر مضبوط پکڑے رہو اور ایک دوسرے سے الگ الگ نہ ہو جاؤ اللہ کی رسی سے مراد قرآن یا ایمان۔ یا عہدِ خداوندی یا اعتماد علی اللہ وغیرہ مراد ہے۔ اسی کا استعمال بطور استعارہ کیا گیا ہے۔ جس طرح رسی پکڑ کر چلنے سے انسان محفوظ رہتا ہے اور خطرے سے بچا رہتا ہے جیسا کہ عام طور سے دیکھا جاتا ہے کہ دونوں طرف رسی کے دونوں سرے بندھے ہوئے ہوں تو لوگ رسی کو پکڑ کے بے خوف و خطر چڑھتے اترتے ہیں یہاں چونکہ قوموں کی ہدایت اور ثابت قدمی کا معاملہ ہے اس لئے فرمایا کہ تم سب متفق ہو کر قرآن کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہو۔ یا اللہ کے اعتماد کی رسی کو مضبوط پکڑو یا خدا سے جو عہد کیا ہے اُس پر مضبوطی کیساتھ قائم رہو۔ یا اس سلسلے کو جو تمہارے اور تمہارے رب کے درمیان ہے اس کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہو خواہ وہ قرآن ہو یا اسلام ہو تاکہ تم بلاخوف و خطر اپنی راہ پر سلامتی کے ساتھ گذر جاؤ اور منزلِ مقصود تک پہونچ جاؤ اور راستے کی گمراہیوں سے محفوظ رہو۔ اس حکم کے بعد پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے احسان کی طرف توجہ دلائی کہ دیکھو اسلام سے پہلے تم لوگ آپس میں کیسے ایک دوسرے کے جانی دشمن تھے اوس اور خزرج کا ہی صرف معاملہ نہیں ہے بلکہ تمام عرب ایک دوسرے سے برسرِ پیکار تھے اور تم سب باہم رقابتی جنگ میں مبتلا تھے مگر اللہ تعالیٰ نے تم پر یہ احسان فرمایا کہ تمہارے قلوب میں باہم الفت و محبت ڈال دی اور اسلام قبول کرتے ہی تم سب آپس میں بھائی بھائی ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کے فضل و انعام سے جو الفت و محبت کی شکل اختیار کی تھی اس سے باہمی رقابتیں اور عداوتیں ختم ہو گئیں اور قومی زندگی میں یہ بات اگر کسی قوم کو میسر ہو جائے کہ اس کے افراد باہم متفق و متحد اور باہمی آویزش سے پاک ہوں تو یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت اور اس کا بہت بڑا فضل ہے اس کے بعد ایک اور احسان کی جانب توجہ دلائی جو حقیقتاً اس احسان مذکور کی بنیاد ہے اور یہ الفت و محبت اسی کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے وہ یہ کہ تم لوگ ایک آگ کے بھرے ہوئے گڑھے کے بالکل کنارے پر کھڑے تھے اور اس گڑھے میں گرنے والے ہی تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے تم کو اس سے بچا لیا یعنی تم لوگ کفر و شرک میں مبتلا تھے اور جاہلانہ گمراہیوں نے تم پر گھیرا ڈال رکھا تھا

اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ

اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تم نہ مرنا مگر اس حال میں کہ

مُسْلِمُونَ ﴿١٠٢﴾ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا

تم مسلمان ہو۔ اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑے رہو اور

تَفَرَّقُوا ۚ وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً

جُدا جُدا نہ ہو جاؤ اور اللہ کے اس احسان کو جو تمہارے اوپر اس نے کیا ہے یاد رکھو جبکہ تم آپس میں ایک دوسرے کے سخت دشمن تھے

فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا

پھر اس نے تمہارے قلوب میں الفت پیدا کر دی سو تم اس کے فضل سے آپس میں بھائی بھائی ہو گئے

وَكُنْتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا ۗ

اور تم لوگ آگ کے ایک گڑھے کے کنارے پر تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تم کو اُس گڑھے سے بچا لیا ف۱

كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿١٠٣﴾

اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے دلائل صاف و واضح طور پر بیان کرتا ہے تاکہ تم لوگ راہ پر قائم رہو ف۲

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ

اور تم میں ایک گروہ ایسا ضرور ہونا چاہیے جو بھلائی کی طرف لوگوں کو دعوت دیا کریں اور نیک کاموں کا

بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ

حکم کیا کریں اور بُرے کاموں سے روکا کریں اور ایسے ہی لوگ مراد کو

الْمُفْلِحُونَ ﴿١٠٤﴾ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا

پہونچنے والے ہیں ف۳ اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنھوں نے باوجود اس کے کہ انکے پاس واضح

مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۚ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ

دلائل آ چکے تھے پھر انھوں نے آپس میں تفریق پیدا کی اور باہم اختلاف کرنے لگے اور ایسے ہی لوگوں

عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٠٥﴾ يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ

کیلئے اس دن بڑا عذاب ہے۔ جس دن بعض چہرے روشن ہوں گے اور بعض چہرے

(باقی ضمیمہ میں)

ف۱ اور تم اے مسلمانو! ان لوگوں کی طرح نہ ہوجانا جنھوں نے باوجود اس کے کہ ان کے پاس واضح دلائل آچکے تھے اور انھوں نے واضح دلائل اور واضح احکام پہونچ جانے کے بعد پھر دین میں باہم تفریق کرلی۔ اور جدا جدا ٹولیاں بنالیں اور راہِ راست سے جدا ہوگئے اور محض اپنی نفسانی خواہشات اور آپس کی ضد سے باہم اختلاف کرنے لگے اور ایسے ہی لوگوں کیلئے اُس دن بہت بڑا عذاب ہے اور وہ بڑے ہولناک عذاب میں مبتلا ہوں گے جس دن بہت سے چہرے سفید یعنی روشن اور چمکتے ہوئے ہوں گے اور بہت سے چہرے اُس دن سیاہ ہوں گے لہٰذا جن لوگوں کے چہرے کالے اور سیاہ ہوں گے اُن سے کہا جائے گا کیا تم ہی لوگوں نے اپنے ایمان لائے پیچھے کافرانہ روش اختیار کی تھی اور تم ہی ایمان کے بعد کافر ہوئے تھے اچھا تو اب تم اپنے اُس کافرانہ طریق کی سزا کا مزہ چکھو جو تم نے اختیار کی تھی اور جو کفر تم کیا کرتے تھے اس کی وجہ سے عذاب کا مزہ چکھو اور رہے وہ لوگ جن کے منہ روشن اور چمکدار ہوں گے سو وہ تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کے دامن میں ہوں گے اور رحمت خداوندی کے سایہ میں ان کو جگہ ملے گی اور وہ اس رحمت میں ہمیشہ رہیں گے (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ تم ان لوگوں کی طرح آپس میں پھوٹ نہ ڈال لینا جو عام طور پر اہلِ کتاب اور کافروں کا شیوہ رہا ہے یا اہلِ بدعت اور اہلِ فسق کا طریقہ رہا ہے کہ واضح دلائل اور صاف و صریح احکام آجانے کے بعد بھی اصولِ دین میں تفرقہ اندازی کرتے ہیں اور اپنی نفسانی خواہشات کے پیشِ نظر فروعی مسائل میں بھی اختلاف کرتے ہیں۔ ایسے فرقہ پرست اور تفرقہ انداز لوگوں کو اُس دن بڑا عذاب ہوگا جس دن بہت سے ایمان داروں کے چہرے روشن اور چمکتے ہوئے ہوں گے اور بکثرت کافروں اور فاسقوں اور اہلِ بدعات اور اہلِ اہواء کے چہرے سیاہ ہونگے ان موخر الذکر لوگوں سے جن کے چہرے سیاہ ہونگے کہا جائے گا کیا تم ایمان لانے کے بعد کافر ہوگئے تھے یا تم نے ایمان کا اقرار کرنے کے بعد کافرانہ روش اختیار کی تھی اور عملی کفر کیا تھا۔ لہٰذا اب تم اپنے اُس اعتقادی اور عملی کفر کی پاداش میں عذاب کا مزہ چکھو۔ اور وہ ایمان دار اور مخلص اور کتاب و سنت کے پابند لوگ جن کے چہرے روشن ہوں گے وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے سایۂ عاطفت میں ہوں گے اور وہ اس رحمت میں ہمیشہ رہیں گے۔ رحمت سے مراد جنت ہے چونکہ جنت میں داخل ہونا حضرت حق تعالیٰ کی رحمت اور اس کے فضل پر موقوف ہے اس لئے جنت کو رحمت فرمایا۔ اس آیت میں مفسرین کے کئی قول ہیں۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ الذین تفرقوا میں سب ہی لوگ داخل ہیں خواہ وہ مرتد ہوں۔ کافروں میں سے اہلِ کتاب ہوں یا عام کفار ہوں منافق ہوں یا فساق و فجار ہوں یا اہلِ بدعت اور فرقِ باطلہ ہوں۔ سب کو یہ آیت شامل ہے۔ کیونکہ ہر شخص کے اختلاف کا مبنیٰ اپنی اپنی اغراض اور نفسانی خواہشات ہیں۔ جن کے باعث کوئی مرتد ہوگیا۔ کوئی منافق بن گیا۔ زبان سے اسلام کا اقرار کیا اور دل سے کافر رہا کوئی کفر ہی پر قائم رہا۔ کوئی باوجود مسلمان ہونے کے بدعت کی طرف مائل ہوگیا۔ کسی نے فسق کی راہ اختیار کی۔ اور کوئی دین میں جداگانہ راہ قائم کر بیٹھا جیسے اسلام میں فرقِ باطلہ۔ جنھوں نے اہلِ سنت والجماعت سے اختلاف کیا اور نئے نئے فرقے بنالئے۔ حضرت ابوامامہ کا قول ہے کہ یہ لوگ خوارج ہیں۔ جب آیت کو عام رکھا جائے تو اسی کی مناسبت سے اکفرتم کا ترجمہ کیا جائے جیسا کہ ہم نے تیسیر میں اس کی تشریح کردی ہے۔ کیونکہ کفر بھی دو قسم کا ہے ایک اعتقادی ایک عملی۔ اہلِ کتاب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے قبل آپ کو تسلیم کیا اور آپ کی نبوت کو مانا۔ لیکن آپ کی بعثت کے بعد آپؐ کا انکار کیا اور کفر کے مرتکب ہوئے۔ منافق بھی حقیقی کفر کے مرتکب ہوئے۔ رہے کافر تو وہ بھی یوم میثاق میں حق تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کرچکے تھے مگر دنیا میں آکر اُس اقرار سے پھر گئے۔ یہی حال مرتدین کا ہے کہ دنیا میں آکر ایمان لائے پھر کافر ہوگئے۔ یہ سب لوگ اعتقادی کافر ہیں رہے فساق و فجار۔ اور اہلِ بدعت واہواء تو وہ لوگ عملی کافر ہیں۔ ان سے کہا جائے گا کہ تم نے مسلمان ہونے کے بعد کفر کے سے کام کئے۔ اب خلاصہ یہ ہوا کہ اے مسلمانو! تم ان کفار اور مرتدین اور اہلِ بدعت اور اہلِ اہواء کی طرح نہ ہونا جنھوں نے دین کے اصول میں یا دین کے فروع میں محض اپنی نفسانی خواہشات کی بنا پر باہم تفرقہ ڈالا اور اختلاف پیدا کیا اور عذابِ عظیم کے مستحق ہوئے (باقی ضمیمہ میں)

وُجُوهٌ ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ أَكَفَرْتُمْ

سیاہ ہوں گے سو جو لوگ رو سیاہ ہوں گے ان سے کہا جائیگا کیا تم نے اپنے ایمان لانیکے بعد کافرانہ

بَعْدَ إِيمَانِكُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿۱۰۶﴾

روش اختیار کی تھی اچھا اب اس کفر کی پاداش میں جس کے تم مرتکب ہوئے تھے عذاب کا مزہ چکھو

وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَفِي رَحْمَةِ اللَّهِ ۖ

اور رہے وہ لوگ جن کے چہرے روشن ہوں گے تو وہ خدا کی رحمت یعنی جنت میں ہونگے

هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۱۰۷﴾ تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ

وہ اس رحمت میں ہمیشہ رہیں گے یہ اللہ تعالیٰ کی آیتیں ہیں جو ہم آپکو ٹھیک ٹھیک پڑھکر

بِالْحَقِّ ۗ وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِلْعَالَمِينَ ﴿۱۰۸﴾ وَلِلَّهِ مَا فِي

سناتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اہلِ عالم پر ذرا سا بھی ظلم کرنا نہیں چاہتا اور جو کچھ آسمانوں میں

السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿۱۰۹﴾

اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ ہی کی ملک ہے اور تمام امور کی بازگشت اللہ ہی کی طرف ہوگی

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ

تم اے اُمتِ محمدیہ بہترین اُمت ہو ایسی اُمت جو عام لوگوں کے فائدے کیلئے ظاہر کیگئی ہے تم نیک کام کرنیکو کہتے ہو

وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ۗ وَلَوْ آمَنَ

اور بُرے کاموں سے منع کرتے ہو اور تم اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہو اور اگر اہلِ کتاب بھی

أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ ۚ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ وَ

ایمان لے آتے تو ان کے حق میں بہتر ہوتا ان اہلِ کتاب میں سے بعض تو مؤمن ہیں اور

أَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿۱۱۰﴾ لَنْ يَضُرُّوكُمْ إِلَّا أَذًى ۖ وَ

اکثر ان میں سے نافرمان ہیں یہ لوگ تم کو معمولی سی اذیت کے علاوہ کوئی بڑا نقصان ہرگز نہیں پہونچا سکیں گے اور

إِنْ يُقَاتِلُوكُمْ يُوَلُّوكُمُ الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنْصَرُونَ ﴿۱۱۱﴾

اگر وہ تم سے جنگ کریں گے تو تم کو پیٹھ دکھا کر بھاگیں گے پھر کسی طرف سے انکی مدد بھی نہیں کی جائے گی۔

ع ۱۱ ۸ ۲

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ
وہ خواہ کہیں بھی پائے جائیں ان پر ذلت لازم کر دیگئی مگر یہ کہ وہ اللہ کا ذمہ اور

اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ
لوگوں کی پناہ حاصل کر لیں اور وہ غضب الٰہی کے مستحق ہو گئے اور

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ
ان پر ذلت و پستی چمٹا دی گئی یہ اس وجہ سے ہوا کہ وہ احکام خداوندی کا

بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا
انکار کرتے تھے اور ناحق جانتے ہوئے پیغمبروں کو قتل کر دیا کرتے تھے اور انکی اس دلیری کا سبب تھا کہ

عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ لَيْسُوْا سَوَآءً ؕ مِنْ اَهْلِ
وہ نافرمانی کے خوگر تھے اور حدود الٰہیہ سے نکل جاتے تھے۔ ف تمام اہل کتاب برابر

الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَ
نہیں ہیں انہی میں سے ایک جماعت ایسی بھی ہے جو دین حق پر قائم ہے یہ لوگ رات کی گھڑیوں میں آیات الٰہی کی تلاوت

هُمْ يَسْجُدُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ
کرتے ہیں درانحالیکہ وہ نماز پڑھتے ہیں یہ لوگ اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور

يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ
نیک کاموں کا حکم دیتے ہیں اور بُرے کاموں سے منع کرتے ہیں اور بھلے کاموں میں

فِى الْخَيْرٰتِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ
جلدی کرتے ہیں اور یہ مذکورہ حضرات نیک لوگوں میں سے ہیں۔ اور یہ لوگ جو کار خیر بھی کریں گے

خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ
اس کی ناقدری نہیں کی جائیگی اور اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے ف یقین جانو

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِىَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ
جن لوگوں نے کفر کی روش اختیار کر رکھی ہے تو اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں نہ ان کے مال کچھ کام آسکیں گے

ول اے مسلمانو! وہ اہل کتاب تم کو بجز معمولی اور خفیف اذیت کے کوئی بڑا نقصان ہرگز نہیں پہونچا سکیں گے اور اگر کبھی وہ تم سے مقابلہ پر آمادہ ہو جائیں اور تم سے جنگ کریں تو میدان جنگ سے تم کو پیٹھ دکھا کر بھاگ جائیں گے پھر ان کی کہیں سے کوئی مدد نہیں کی جائیگی اور کسی طرف سے ان کی کوئی حمایت نہیں ہوگی وہ خواہ کہیں بھی ہوں اور کہیں بھی پائے جائیں اُن پر ذلت و بے قدری اور بے امنی لازم کر دی گئی ہے مگر ہاں دو صورتوں میں وہ محفوظ رہ سکتے ہیں کہ وہ کوئی ایسا ذریعہ حاصل کریں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو یا کوئی ایسا ذمہ اور دستاویز حاصل کریں جو لوگوں کی طرف سے ہو اور یہ لوگ غضب الٰہی کے مستحق ہو گئے اور ان پر پستی اور مسکنت چمٹا دی گئی یہ ذلت اور غضب ان پر اس وجہ سے پڑا کہ وہ احکام الٰہی کو ماننے سے انکار کرتے تھے اور یہ جانتے ہوئے کہ نبیوں کا قتل کرنا حق کے خلاف ہے پھر نبیوں کو قتل کر دیا کرتے تھے اور اس دلیری و بے باکی اور جرأت علی الاثم کی وجہ یہ تھی کہ وہ لوگ نافرمانی کے عادی اور خوگر ہو چکے تھے اور خدا کی مقررہ حدود سے آگے نکل نکل جاتے تھے (تیسیر) بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کا تعلق یہود سے ہے اور مطلب یہ ہے کہ وہ تم کو سوائے اس کے کہ برا بھلا کہہ کر اور گالیاں دیکر کچھ تکلیف پہونچائیں تو پہنچائیں باقی اور کوئی ضرر اور کوئی معتد بہ نقصان تم کو نہیں پہنچا سکیں گے اور اگر کبھی ہمت کر کے مقابلہ کو نکل آئے اور میدان کارزار میں آکھڑے ہوئے تو پیٹھ دیکر بھاگ جائیں گے کیونکہ ان میں مقابلہ کی جان نہیں ہے۔ اول تو سرمایہ دار اور عیش پرست لوگ ہیں پھر ملعون و مغضوب ہیں اسلئے ان میں جنگ کرنے اور مرنے کی ہمت نہیں ہے پھر یہ کہ ان کو اپنی نافرمانیوں کے باعث اپنا انجام معلوم ہے نیز یہ کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت حاصل نہیں ہے جو کامیابی اور فتح کی اصل شرط ہے اس لئے سوائے اس کے کہ پیٹھ دیکر بھاگیں اور کیا کریں گے ایسی حالت میں ان کی کہیں سے کوئی مدد بھی نہیں کی جائے گی۔ ذلت اور مسکنت کی تشریح ہم پہلے پارے میں کر چکے ہیں۔ یہاں ذلت سے مراد یہ ہے کہ ان کی جان اور مال محفوظ نہیں اسی لئے ہم نے تیسیر میں اشارہ کر دیا ہے کہ یہ لوگ جہاں بھی پائے جائیں اور جب بھی پائے جائیں ذلت ان سے وابستہ ہے اور یہ لوگ مباح الدم اور مباح المال ہیں نہ ان کی جان مامون ہے نہ ان کا مال۔ ہاں مامون ہونے کے دو طریقے ہیں ایک یہ کہ اللہ کا ذمہ ان کو حاصل ہو جائے دوسرے یہ کہ مسلمانوں سے کوئی معاہدہ ہو جائے۔ یہاں حبل من اللہ و حبل من الناس سے مراد ذمہ ہے جس طرح رسّی کو پکڑ کے انسان خطرات سے نجات حاصل کرتا ہے اسی طرح ایک کافر معاہدے اور پناہ حاصل کر کے امان حاصل کرتا ہے اس لئے یہاں اس پناہ اور ذمہ کو جو خدا کی جانب سے اور بندوں کی جانب سے حاصل ہو جائے اس کو حبل من اللہ اور حبل من الناس سے تعبیر کر دیا ہے۔ امان کی صورتیں دو ہو سکتی ہیں ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی تصریح فرمائی ہو جیسے جزیہ کہ اگر یہ لوگ جزیہ دینا منظور کریں تو ان کو امن دیدو۔ اور دوسری صورت یہ کہ امام کی رائے پر موقوف ہو اور وہ جس طرح مناسب سمجھے بعض شرائط کے ساتھ امن دیدے اسی وجہ سے مفسرین نے اس موقع پر کئی طرح تفسیر کی ہے۔ مثلاً حبل من اللہ سے مراد یہ ہے کہ توریت کا نام لیتے ہیں اور کچھ بچی کھچی رسموں پر توریت کی عمل کرتے ہیں اس لئے پڑے ہیں یا یہ کہ شریعت نے ان کو مستثنیٰ کر دیا ہو مثلاً کوئی راہب ہو۔ یا کوئی عبادت گزار ہو۔ یعنی جو لوگ لڑائی میں کوئی حصہ نہیں لیتے بلکہ ہر وقت عبادت الٰہی میں مشغول رہتے ہیں یا بڈھے اور عورتیں اور بیمار وغیرہ کہ ان کو مارنے کا حکم نہیں ہے۔ یا یہ کہ جزیہ دینے کو تیار ہو جائیں۔ یا یہ کہ اسلام مراد ہو کہ اگر اسلام قبول کر لیں تو مامون ہو سکتے ہیں یہ سب صورتیں حبل من اللہ کی ہیں اور حبل من الناس کا یہ مطلب ہے کہ مسلمانوں سے معاہدہ کر لیں۔ یا مسلمانوں کی رعایا بن جائیں اور جزیہ دینا قبول کر لیں یا کسی اور طرح مسلمان ان کو امن دیدیں۔ غرض نتیجے کے اعتبار سے اللہ کا ذمہ اور مسلمانوں کا ذمہ ایک ہی ہے لیکن بہرحال ذمۃ اللہ اور ذمۃ المسلمین دو چیزیں ہیں۔ اسی وجہ سے بعض حضرات نے یوں ترجمہ کیا ہے کہ ان کو اللہ کا ذمہ یا مسلمانوں کا ذمہ ہی ذلت اور تباہی سے بچا سکتا ہے ہم نے تیسیر میں اسی طرح ترجمہ کیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ یہود اپنی شرارتوں کے باعث ذلت و مسکنت اور غضب الٰہی کے مستحق قرار پا چکے ہیں یہ جہاں کہیں بھی پائے جائیں ان کے ساتھ کوئی رعایت نہ کی جائے۔ البتہ دو حالتیں مستثنیٰ ہیں۔ کہ مسلمان ان کو پناہ دیدیں اور ان سے کوئی معاہدہ کر لیں یا یہ کہ اللہ تعالیٰ کا قانون ان کو مستثنیٰ کرتا ہو (باقی ضمیمہ میں)

مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿١١٦﴾

اور نہ ان کی اولاد اور وہ کافر دوزخ کے لوگ ہیں وہ اس دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے

مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِىْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ

کفار اس دنیا کی زندگی میں جو کچھ خرچ کرتے ہیں اس کی مثال اس ہوا کی سی ہے

فِيْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ؕ

جس میں سخت پالا ہو وہ سرد ہوا ایسے لوگوں کی کھیتی کو جا لگے جنھوں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہو پھر وہ پالے والی ہوا اس کھیتی کو بالکل

وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿١١٧﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

نیست و نابود کر دے اور اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن وہ خود ہی اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں ۔ اے ایمان

اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ

لانیوالو اپنوں کے علاوہ کسی دوسرے کو اپنا خصوصی رازدار نہ بناؤ ان کا حال یہ ہے کہ وہ تمہارے خلاف فتنہ انگیزی میں

خَبَالًا ؕ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۚۖ

کوئی کوتاہی نہیں کرتے وہ تمہارے نقصان پہنچنے کی دل سے تمنا کرتے ہیں فی الحقیقت ان کی دشمنی ان کے منہ سے ٹپکی پڑتی

وَمَا تُخْفِىْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ

ہے اور جو عداوت ان کے سینوں نے چھپا رکھی ہے وہ اس سے کہیں بڑھ کر ہے بیشک ہم نے تم کو تمہارے کام کی باتیں بتا دی ہیں

كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿١١٨﴾ هٰٓاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ

بشرطیکہ تم کچھ سمجھ رکھتے ہو ۔ ہاں اے مسلمانو تم ایسے ہو کہ ان سے محبت کرتے ہو اور وہ تم سے محبت نہیں رکھتے

وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚۖ

حالانکہ تم تمام آسمانی کتابوں پر ایمان رکھتے ہو اور وہ لوگ جب تم سے ملتے ہیں تو کہدیتے ہیں ہم ایمان لے آئے

وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ؕ قُلْ

اور جب وہ تنہا ہوتے ہیں تو تم پر مارے غصے کے اپنی انگلیاں چبا چبا ڈالتے ہیں آپ کہدیجئے

مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿١١٩﴾

تم آپ اپنے غصے سے مر رہو بے شک اللہ تعالیٰ کو سینوں کے راز تک خوب معلوم ہیں ۔

ف رہے وہ لوگ جنھوں نے کفر کی روش اختیار کر رکھی ہے تو یقیناً اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اس کی گرفت کے مقابلہ میں نہ ان کافروں کے مال کچھ کام آسکیں گے اور نہ ان کی اولاد کچھ کام آسکے گی اور یہ لوگ اہل دوزخ اور دوزخ میں رہنے والے ہیں اور یہ اس دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے یہ کافر جو کچھ دنیوی زندگی میں خرچ کرتے اور خیر خیرات کرتے ہیں اس کی حالت تباہ و برباد ہونے میں ایسی ہے جیسے اس ہوا کی حالت جس میں سخت پالا اور تیز سردی ہو اور وہ پالے والی ہوا ایک ایسی قوم کی کھیتی کو جا لگے جنھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کا ارتکاب کیا ہو اور وہ سرد ہوا اس کھیتی کو برباد کر ڈالے اور بالکل نیست و نابود کر دے اور اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود ہی کفر و بددینی کے مرتکب ہو کر اپنی جانوں پر ظلم توڑ رہے تھے اور اپنے کو نقصان پہونچا رہے تھے (تیسیر) آیت کا تعلق بظاہر سیاق و سباق سے یہود کے ساتھ ہے لیکن اس معاملہ میں چونکہ تمام کفار مشترک ہیں اس لئے ان الذین کفروا خواہ وہ اہل کتاب ہوں یا کفار مکہ ہوں بلکہ خیرات و صدقات کے ثواب سے محرومی میں تو بعض ریاکار مسلمان بھی مشترک ہیں ۔ عموم کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ مکہ کے بعض کافر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے سامنے اپنے مال و اولاد کی کثرت پر فخر کیا کرتے تھے اور ان دونوں چیزوں کی کثرت سے اپنے معذب نہ ہونے پر استدلال کیا کرتے تھے جیسا کہ سورۂ سبا میں ان کا قول ذکر کیا وقالوا نحن اکثر اموالا واولادا وما نحن بمعذبین یعنی ہم مال اور اولاد میں بہت زیادہ ہیں اور ہم عذاب نہیں دیئے جا سکتے ۔ اس لئے حضرت حق تعالیٰ نے عموم کے ساتھ فرمایا ۔ مال کا کام نہ آنا اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں تو ظاہر ہی ہے کہ وہاں مال ہوگا ہی نہیں تو کام کیا آئیگا اور اگر فرض کرو کسی کے پاس ہو بھی تو فدیہ میں قبول نہیں کیا جائیگا ۔ خواہ زمین سے بھرا ہوا سونا ہی کیوں نہ ہو ۔ رہی اولاد تو بھلا جہاں نفسی نفسی کا ہنگامہ ہو وہاں اولاد کیا نفع دے سکتی ہے ۔ اسی سورۃ میں چند رکوع پیشتر اسی مضمون کی آیت گزر چکی ہے وہاں مزید تفصیل مذکور ہے ۔ چونکہ مال و اولاد کے نافع ہونے کی نفی فرمائی تھی اس لئے خیال ہوتا تھا کہ بعض کافر طاعات میں بھی تو خرچ کرتے ہیں اس کا ثواب تو ان کو ملے گا ۔ کیوں کہ کافر جو خیرات کرتے ہیں کچھ تو ایسے کاموں میں خرچ کرتے ہیں جو واقعی مسلمانوں کے نزدیک بھی اچھے ہیں مثلاً مخلوق کی خدمت کرنا غربا کو کھانا کھلانا محتاجوں کا علاج کرنا کہ یہ کام اچھے ہیں اور بعض کام ایسے ہیں جو ان کے نقطۂ نگاہ سے اچھے ہیں مثلاً مندر بنانا اپنے مذہب کی اشاعت پر خرچ کرنا اس قسم کے انفاق پر یہ توقع ہوتی تھی کہ قیامت میں کچھ فائدہ ان کو ملے گا اس لئے آگے کی آیت میں اس قسم کی امید کا رد فرمایا کہ ان کو کسی قسم کی خیرات عذاب سے نہ بچا سکے گی کیوں کہ اگر کفر کی ترویج میں خرچ کیا ہے تب تو اس کا بے کار رہنا ظاہر ہی ہے اور محتاج و مساکین پر اگر خرچ کیا تب بھی اس کی قبولیت کے لئے ایمان شرط ہے اور ایمان ہے نہیں اسلئے فرمایا کہ دنیوی زندگی میں ان کے انفاق کی حالت ایسی ہے جیسے پالا ماری کھیتی جس کو پالے کی ہوا لگ جائے اور وہ جل کر خاک ہو جاتی ہے اسی طرح ان کی خیرات کا حال ہے اور قوم کے ساتھ جو یہ قید لگائی کہ انھوں نے اپنی جانوں پر کفر کرکے ظلم کر رکھا تھا ۔ یہ شاید اس لئے لگائی کہ اگر یہ لوگ کافر نہ ہوتے بلکہ مسلمان ہوتے تب بھی پالا کھیتی کو اجاڑ دیتا لیکن نقصان پر کچھ نہ کچھ اجر ضرور ملتا جیسا قاعدہ ہے کہ مسلمان کو اگر کوئی نقصان پہونچتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے عوض اجر دیتا ہے یا اس بندے کی خطائیں معاف کر دیتا ہے لیکن پالے کی ہوا نے کھیتی بھی اجاڑی اور چونکہ یہ کافر تھے اس لئے کوئی نفع مرتب نہیں ہوا جیسا کہ سورۂ فرقان میں ہے وقدمنا الی ما عملوا من عمل فجعلناہ ھباء منثورا ۔ یہاں تشبیہ مفرد بالمفرد بھی ہوسکتی ہے مثلاً یوں کہا جائے کہ کافر کا مال خرچ کرنا اس کے مال کو اس طرح برباد اور ختم کرتا ہے جس طرح پالے کی ہوا کھیتی کو برباد کر دیتی ہے یعنی مال خرچ ہو جاتا ہے ۔ اور فائدہ کچھ حاصل نہیں ہوتا ۔ واللہ اعلم ۔ ہم نے تشبیہ مرکب کی صورت پر تفسیر کی ہے ۔ یعنی کافر کے انفاق کو پورے واقعہ سے تشبیہ ہے ۔ آخری آیت میں اولاد کے متعلق کوئی بات نہیں فرمائی یہ اس لئے کہ خیرات میں جو نفع کا احتمال تھا وہ وہاں نہیں ہے ۔ نیز یہ اولاد کا بے کار رہنا بالکل بدیہی ہے اگر اولاد مسلمان ہے تو وہ قیامت میں کافر کی سخت مخالف ہوگی اور اگر اولاد کافر ہوئی تو وہ خود ہی عذاب میں مبتلا ہوگی صر کے معنی ہیں سخت تیز سردی اور ٹھنڈک ۔ بعض اہل لغت نے فرمایا ہے کہ قرآن میں عام طور سے ریح کا لفظ عذاب آلود ہوا کیلئے استعمال ہوا ہے اور رحمت کیلئے ریاح بولا گیا ہے (باقی ضمیمہ میں)

إِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَإِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ

اگر اے مسلمانو تم کو کچھ بھلائی پہنچتی ہے تو وہ ان کے لئے رنجیدہ ہوتی ہے اور اگر تم کو کوئی ناگوار حالت پیش آتی

يَفْرَحُوا بِهَا ۖ وَإِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ

ہے تو وہ اس سے خوش ہوتے ہیں اور اگر تم صبر کرتے رہو اور تقوے کے پابند رہو تو ان لوگوں کی فریب آمیز تدبیر تم کو ذرا بھی نقصان

شَيْئًا ۗ إِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ﴿١٢٠﴾ وَإِذْ غَدَوْتَ

نہ پہونچا سکے گی یقیناً انکے تمام اعمال اللہ تعالیٰ کے احاطۂ علم میں ہیں۔ اور اے نبی آپ اس واقعہ کو یاد کیجئے کہ جس وقت آپ

مِنْ أَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ۗ

اپنے اہل خانہ سے علی الصباح باہر نکلے تھے اور مسلمانوں کو لڑائی کی غرض سے مختلف ٹھکانوں پر مقرر کر رہے تھے

وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿١٢١﴾ إِذْ هَمَّتْ طَائِفَتَانِ مِنْكُمْ أَنْ

اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتا جانتا ہے۔ اس وقت تم میں سے دو قبیلے بزدلی دکھانے کا قصد کر رہے

تَفْشَلَا وَاللَّهُ وَلِيُّهُمَا ۗ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿١٢٢﴾

تھے حالانکہ اللہ ان کا مددگار رہا اور مؤمنوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ

اور بلا شبہ اللہ تعالیٰ بدر کے میدان میں تمہاری مدد کر چکا تھا حالانکہ تم اس وقت کمزور و بے بس تھے لہٰذا تم اللہ تعالیٰ سے

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿١٢٣﴾ إِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ أَلَنْ

ڈرتے رہو تاکہ تم شکر گزار رہو یہ نصرت اس وقت ہوئی تھی جب آپ مسلمانوں سے فرما رہے تھے کیا

يَكْفِيَكُمْ أَنْ يُمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلَاثَةِ آلَافٍ مِنَ

تم کو یہ بات کافی نہیں ہوگی کہ تمہارا پروردگار تین ہزار نازل شدہ

الْمَلَائِكَةِ مُنْزَلِينَ ﴿١٢٤﴾ بَلَىٰ ۚ إِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا

فرشتوں سے تمہاری مدد کرے۔ ہاں کیوں نہیں اگر تم جنگ میں ثابت قدم رہو اور نافرمانی سے پرہیز

وَيَأْتُوكُمْ مِنْ فَوْرِهِمْ هَٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ

کرو اور دشمن تم پر دفعتہً لوٹ پڑیں تو تمہارا رب

ف ہاں! اے مسلمانو! سن لو! تم ایسے ہو کہ تم تو اُن کافروں سے اپنی قرابت اور پرانے دوستانے کی وجہ سے محبت کا برتاؤ کرتے ہو اور وہ تم سے بالکل محبت نہیں کرتے حالانکہ تم تمام کتب سماویہ پر اجمالاً اور تفصیلاً ایمان رکھتے ہو اور وہ تمہاری کتاب پر باوجود اس کے بھی ایمان نہیں رکھتے اور یہ ایسے منافق ہیں کہ جب تم سے ملتے ہیں اور ملاقات کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے اور جب تنہا ہوتے ہیں اور تم سے الگ ہو جاتے ہیں تو تم پر غصے اور جلن کے مارے اپنی انگلیاں کاٹ ڈالتے ہیں اور چبا چبا جاتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ تم اپنے غصہ میں جل مرو اور مارے غصے کے مر جاؤ بے شک اللہ تعالیٰ سینوں کی باتوں اور دل کے رازوں کو خوب جانتا ہے۔ اے مسلمانو! اگر تم کو کچھ بھلائی پہنچتی ہے اور کوئی اچھی حالت تم کو پیش آتی ہے تو بھلائی اُن کے لئے رنجیدہ ہوتی ہے اور ان کیلئے موجب حزن ہوتی ہے اور اگر سوء اتفاق سے تم کو کوئی ناگوار حالت پیش آجاتی ہے اور تم کو کوئی مصیبت پہونچتی ہے تو اس مصیبت سے یہ بہت خوش ہوتے ہیں۔ اور اگر تم صبر و استقلال کا شیوہ اختیار کرو اور تقویٰ اور پرہیزگاری کے پابند رہو تو ان لوگوں کی کوئی شرارت آمیز تدبیر تم کو ذرا بھی نقصان نہیں پہنچا سکے گی اور تمہارے خلاف اُن کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوگی۔ یقین جانو کہ جو کارروائیاں یہ لوگ کرتے ہیں ان سب کو اللہ تعالیٰ کے علم نے گھیر رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ کا علم ان سب کو حاوی اور احاطہ کئے ہوئے ہے (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کو تنبیہ کی گئی ہے۔ اور دونوں کے برتاؤ کا فرق بیان کیا گیا ہے۔ یعنی تمہاری یہ حالت ہے کہ تم ان سے محبت کا برتاؤ کرتے ہو اور قرابت داری یا باہم تعلقات کی رعایت کرتے ہو اور ان کی خباثت کا یہ حال ہے کہ تم سے ذرا محبت نہیں کرتے اور نہ کوئی محبت آمیز برتاؤ کرتے ہیں۔ دل سے بھی محبت نہیں اور برتاؤ میں بھی ذرا لحاظ نہیں پھر تمہاری حالت تو یہ ہے کہ تم تمام کتب سماویہ پر ایمان رکھتے ہو جن کتابوں کا ذکر قرآن میں آگیا ہے ان پر تو تفصیلی اعتقاد رکھتے ہو اور جن کا ذکر نہیں آیا ان پر اجمالی ایمان رکھتے ہو اور ان بدبختوں کی یہ حالت ہے کہ یہ نہ تمہارے نبی کو نبی مانتے ہیں اور نہ تمہارے قرآن کو آسمانی کتاب مانتے ہیں اور اس معاملہ میں ذرا رواداری کرنے کو تیار نہیں۔ پھر ان کے نفاق کا یہ عالم ہے کہ جب تم سے ملتے ہیں تو اپنے ایمان کا اقرار کرتے ہیں تم سمجھتے ہو کہ یہ تمہارے نبی اور تمہاری کتاب پر ایمان لے آئے حالانکہ ان کے دل میں اپنی کتاب اور اپنا رسول ہوتا ہے اور جب تنہائی میں اپنی ٹولی کے ساتھ ہوتے ہیں تو تمہاری ترقی اور تمہاری برتری پر جلے مرتے ہیں اور اپنی انگلیاں دانتوں سے کاٹتے ہیں۔ بہرحال آپ کہہ دیجئے کہ تم اپنے غصہ میں آپ ہی مر رہو اللہ تعالیٰ کو جو ترقی دینی ہے اور اسلام کو جس قدر سربلند کرنا ہے وہ کر کے رہے گا۔ تمہارے جلنے سے کیا ہوتا ہے اور چونکہ اللہ سینوں کی باتوں اور دل کے بھیدوں کو جانتا ہے اس لئے ان سب سے تم کو آگاہ کر دیتا ہے کہ یہ تمہارے ایسے دشمن ہیں۔ پھر ان کی یہ حالت ہے کہ تم کو تھوڑی سی بھلائی بھی میسر ہو جاتی ہے تو وہ بھی ان کیلئے رنج و غم کا موجب ہوتی ہے اور تم کو تھوڑی سی تکلیف بھی پہنچ جاتی ہے تو ان کے ہاں شادیانے بجنے لگتے ہیں مگر ہم تم کو بتاتے ہیں کہ ان کی مخالفانہ تدابیر تم کو کوئی نقصان نہیں پہونچا سکتیں بشرطیکہ تم صبر سے کام لو اور جادۂ استقلال کو ہاتھ سے نہ جانے دو اور اپنے جذبات کو قابو میں رکھو اور پرہیزگاری اور تقویٰ کی راہ پر قائم رہو یہ دو باتیں ایسی ہیں کہ ان کے خوگر اگر رہو گے تو انکی شرارتیں اور ریشہ دوانیاں تم پر ہرگز اثر انداز نہ ہوں گی اور بھلا ان کی مخالفانہ کارروائیاں کس طرح اثر انداز ہو سکتی ہیں جبکہ وہ سب اللہ تعالیٰ کے احاطۂ علمی میں ہیں اور ان کی کوئی تدبیر اللہ تعالیٰ کے علم سے باہر نہیں ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ان آیات میں یہود کا ذکر ہے کیونکہ وہی سب سے زیادہ مسلمانوں کی مخالفت میں پیش پیش تھے۔ اور جب پڑھے لکھے لوگوں کا یہ عالم تھا تو عوام دشمنی کا کیا کہنا ہے بہرحال ہم عرض کر چکے ہیں کہ مدینہ میں سازشوں کا جو جال بچھا ہوا تھا اس میں کم و بیش سب ہی غیر مسلم شریک تھے کوئی کم اور کوئی زیادہ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں اکثر منافق بھی یہود میں تھے اس واسطے اُن کے ذکر کے ساتھ اِن کا ذکر بھی فرمایا اب آگے جنگ احد کی باتیں مذکور کیں کہ اس میں بھی مسلمانوں نے بعضے کافروں کا کہا مان لیا تھا اور لڑائی سے پھر چلے تھے (باقی ضمیمہ میں)

ع ۲ / ۱۱ / ۴

ف۱ میدان بدر میں یہ نصرت و امداد اُس وقت ہوئی تھی جب آپ مسلمانوں سے یوں فرما رہے تھے کہ کیا تمہارے اطمینان قلب کیلئے یہ بات کافی نہیں ہے کہ تمہارا پروردگار تین ہزار نازل شدہ فرشتوں سے تمہاری امداد فرمائے جو آسمان سے اسی کام کیلئے نازل کئے جائیں گے۔ ہاں کیوں نہیں حق تعالیٰ کا یہ وعدہ تمہاری تقویت کیلئے ضرور کافی ہوگا بلکہ اگر تم مقابلہ میں ثابت قدم رہو گے اور تقویٰ اور پرہیزگاری کے پابند رہو گے اور اگر دشمن جوش میں آکر تم پر دفعۃً ٹوٹ پڑیں گے تو اللہ تعالیٰ اُسی آن تمہاری مدد پانچ ہزار فرشتوں سے کرے گا جن کی علامت اور نشان مخصوص ہوں گے (تیسیر) تسویم کے معنی علامت لگانا۔ یہ علامت یا تو فرشتوں پر ہو جیسے فوجی وردی یا خاص قسم کے عمامے اور ہو سکتا ہے کہ نشان دار گھوڑے مراد ہوں اب یہ مطلب ہوگا کہ وہ پانچ ہزار فرشتے نشان دار گھوڑوں پر سوار ہوں گے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پلے ہوئے گھوڑے مراد ہوں جو جنگل میں چرتے ہیں جیسا کہ ہم اسی سورت کے دوسرے رکوع میں عرض کر چکے ہیں۔ حضرت علی ابن ابی طالب کا قول ہے کہ فرشتے سفید پشمینہ پہنے ہوئے تھے اور ان کے گھوڑوں کی پیشانی پر بھی علامت تھی۔ حضرت ابوہریرہ کا قول ہے کہ سفید پشمینے میں سُرخ اون کا بانا تھا ابن عباس کا قول ہے کہ فرشتے صوف کا لباس پہن کر آئے تھے۔ کول کا قول ہے کہ فرشتے عمامے باندھے ہوئے تھے۔ ابن عباس کا قول یہ ہے کہ بدر کے روز فرشتوں کی دستار سیاہ تھی جس کے شملے کمر پر پڑے ہوئے تھے۔ اور حنین کے روز ان کی دستار سرخ تھی۔ حضرت علی اور ابن عباس کا ایک قول یہ ہے کہ فرشتوں کے عمامے سفید تھے۔ ہشام بن عروہ اور کلبی کا قول ہے کہ عمامہ کا رنگ زرد تھا۔ بعض نے عماموں کا رنگ سبز کہا ہے اور ملائکہ کے گھوڑے ابلق تھے۔ واللہ اعلم، یہ فرشتوں کا آنا بظاہر بدر کے میدان میں ہوا جیسا کہ اوپر کی آیت سے معلوم ہوتا ہے۔ لیکن ضحاک اور عکرمہ نے اس بشارت کا تعلق احد سے بتایا ہے۔ بعض کا قول ہے کہ یہ فرشتوں کا واقعہ احزاب کے دن ہوا اور احزاب کے بعد جب آپ نے بنو قریظہ اور بنو نضیر کا محاصرہ کیا اور ان کے قلعے فتح نہ ہوئے تو آپ واپس آئے واپس تشریف لاکر غسل کرنا چاہتے تھے کہ جبرئیل آئے اور انھوں نے کہا آپ لوگوں نے کپڑے اتار ڈالے حالانکہ ہم نے ابھی اپنا جنگی لباس زیب بدن کر رکھا ہے آپ نے پھر مسلمانوں میں اعلان کر دیا اور پھر واپس جاکر قریظہ اور نضیر کا محاصرہ کیا اس دن تین ہزار فرشتوں سے اللہ نے مدد کی اور یہ دونوں قبیلے فتح ہو گئے۔ حضرت ابن عباس اور مجاہد کا قول ہے کہ ملائکہ نے سوائے بدر کے اور کسی جنگ میں قتال نہیں کیا یوں آنے کو حنین میں بھی آئے احزاب میں بھی آئے لیکن اُنکا آنا محض تقویتِ قلب اور ثباتِ قدم کیلئے ہوتا تھا۔ انکے آنے کی غرض قتال نہ ہوتی تھی البتہ جنگ بدر میں بعض ایسے واقعات منقول ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں نے قتال میں بھی کچھ حصہ لیا ہے۔ واللہ اعلم سورۂ انفال کے پہلے رکوع میں ایک ہزار فرشتوں کا ذکر فرمایا ہے اور یہاں پہلے تین ہزار اور پھر پانچ ہزار کا ذکر ہے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ تینوں وعدے بدر کے ساتھ مخصوص ہیں اور غزوۂ احد کے ساتھ ان کے نزول کا تعلق نہیں ہے۔ جن لوگوں نے اس بشارت کا تعلق غزوۂ اُحد سے رکھا ہے وہ اذ تقول للمؤمنین کو واذ غدوت سے بدل قرار دیتے ہیں اور جو لوگ بدر سے اس بشارت کا تعلق ظاہر کرتے ہیں وہ اذ تقول کو ولقد نصرکم اللہ کا ظرف قرار دیتے ہیں جیسا کہ تیسیر میں ہم نے اسی قول کو اختیار کیا ہے اور یہی مفسرین کے نزدیک راجح ہے۔ بہرحال جب مسلمان بدر کے میدان میں آئے اور اپنی بے سروسامانی کو دیکھ کر حضرت حق کی جناب میں دعا کی تو ایک ہزار فرشتوں کا وعدہ کیا گیا اور مردفین فرمایا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ ہزار کے پیچھے اور فرشتوں کے بھی آنے کی توقع ہے۔ دوسرا وعدہ شاید اس وقت کیا گیا ہو جب کرز بن جابر محاربی کے آنے کی افواہ مشہور ہوئی ہو اور مسلمانوں کو یہ معلوم کر کے کہ کرز بن جابر کفار کی امداد کو آرہا ہے پریشانی ہوئی ہو اس وقت تین ہزار کی اطلاع دی ہو جیسا کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے اور تیسرا وعدہ تو تصریحاً صبر و تقویٰ کے ساتھ مشروط ہے۔ چنانچہ صحابہ کا صبر و تقویٰ جنگ بدر میں ظاہر ہے اور اسی بنا پر یہ کہا جاتا ہے کہ تیسرا وعدہ بھی پورا ہوا یعنی پہلے ہزار فرشتے آئے پھر تین ہزار آئے پھر پانچ ہزار آئے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کل پانچ ہزار آئے ہوں۔

(باقی ضمیمہ میں)

بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَمَا

پانچ ہزار مخصوص نشان والے فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا اور اللہ تعالیٰ نے

جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ؕ

یہ امداد محض تمہاری خوشی کیلئے مقرر کی اور اس لئے تاکہ تمہارے دل اس امداد سے اطمینان حاصل کریں

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۱۲۶﴾ لِيَقْطَعَ

اور نصرت و فتح تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی جانب سے ہے جو بڑی قوت و حکمت کا مالک ہے نیز اس لئے تاکہ

طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا

اُس نے منکرین حق کے ایک گروہ کو اللہ تعالیٰ ہلاک کر دے یا اُن کو اس قدر ذلیل و مغلوب کر دے کہ وہ ناکام ہو کر واپس

خَآئِبِيْنَ ﴿۱۲۷﴾ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ

لوٹ جائیں۔ ت اے پیغمبر ان کے معاملہ میں تمہیں کوئی اختیار نہیں ہے خواہ اللہ تعالیٰ ان کو توبہ کی توفیق دے

عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي

یا ان کو سزا دے کیوں کہ وہ ظالم ہیں۔ ت اور جو کچھ آسمانوں میں

السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ

اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ ہی کی ملک ہے وہ جس کو چاہے بخش دے اور

يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۹﴾ ع

جس کو چاہے عذاب کرے اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت کرنیوالا نہایت رحم کرنے والا ہے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا

اے ایمان والو تم کئی گنے بڑھا کر سود

مُّضٰعَفَةً ۠ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ وَاتَّقُوا

نہ کھاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو تاکہ تم فلاح پاؤ اور اس آگ سے

النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ

ڈرو جو منکروں کے لئے تیار کی جا چکی ہے۔ اور اللہ اور رسول کا

الربع

ع ۹ ۱۳ ۴

وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿١٣٢﴾ وَسَارِعُوا إِلَى

کہا مانو تاکہ تم پر رحم کیا جائے ف۱ اور اپنے رب کی بخشش کیطرف

مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَ

اور نیز اُس جنت کی طرف چلنے میں جلدی کرو جس کی چوڑائی اور عرض ایسا ہے جیسے آسمانوں کا اور

الْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ ﴿١٣٣﴾ الَّذِينَ يُنفِقُونَ

زمین کا پھیلاؤ وہ جنت پرہیزگاروں کے لئے تیار کی جاچکی ہے۔ وہ لوگ ایسے ہیں جو خوش حالی

فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَ

اور تنگ دستی دونوں حالتوں میں خیرات کرتے رہتے ہیں اور غصہ کو ضبط کرنیوالے اور

الْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿١٣٤﴾

لوگوں سے درگزر کرنیوالے ہیں اور اللہ تعالیٰ ایسے نیک لوگوں کو بہت پسند کرتا ہے

وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ

اور وہ لوگ جب کوئی صریح گناہ کر بیٹھتے ہیں یا اپنی جانوں پر اور کسی قسم کی زیادتی کرگزرتے ہیں

ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ وَمَن يَغْفِرُ

تو اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے اور اس سے اپنے گناہوں کی معافی چاہنے لگتے ہیں اور بات بھی یہ ہے کہ سوائے اللہ تعالیٰ

الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَىٰ مَا فَعَلُوا وَ

کے گناہوں کی مغفرت کر بھی کون سکتا ہے اور دیدہ و دانستہ اپنے کئے پر

هُمْ يَعْلَمُونَ ﴿١٣٥﴾ أُولَٰئِكَ جَزَاؤُهُم مَّغْفِرَةٌ مِّن

اصرار نہیں کرتے ف۲ یہی وہ لوگ ہیں جن کا صلہ اُن کے رب کی جانب سے بخشش

رَّبِّهِمْ وَجَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ

اور ایسے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں یہ لوگ ان باغوں میں ہمیشہ

فِيهَا ۚ وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ ﴿١٣٦﴾ قَدْ خَلَتْ مِن

رہیں گے اور کیا خوب مزدوری ہے کام کرنے والوں کی ف۳ بلاشبہ تم سے پہلے

ف۱ اور اے مسلمانو! اس آگ سے بچو جو دراصل کافروں کیلئے تیار کی گئی ہے اور دیکھو اللہ اور اس کے رسول کا کہا مانو اور اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو اور خوشی سے ان کے احکام بجالایا کرو تو توقع ہے کہ تم دنیا اور آخرت میں رحم کئے جاؤ (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری ہی دنیا میں ذلت و رسوائی سے اور قیامت میں دوزخ سے بچا سکتی ہے لہٰذا ایمان لانے کے بعد اللہ اور رسول کی فرماں برداری میں لگے رہو پہلی آیت میں دوزخ سے بچنے کا حکم تھا۔ دوسری آیت میں اُس کا علاج ہے اب آگے جنت کی ترغیب اور تقوے کی تاکید ہے (تسہیل)

ف۲ اور اپنے پروردگار کی مغفرت اور اُس جنت کی طرف جلدی جلدی چلو اور دوڑو جس کی وسعت اور پھیلاؤ ایسا ہے جیسے سب آسمان و زمین کا پھیلاؤ۔ وہ جنت اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کیلئے تیار کی گئی ہے یہ خدا سے ڈرنے والے وہ لوگ ہیں جو خوش حالی اور تنگ دستی دونوں حالتوں میں خرچ کرتے رہتے ہیں اور خیرات کیا کرتے ہیں خواہ عیش اور فارغ البالی کی حالت میں ہوں یا تنگ دستی اور پریشانی میں مبتلا ہوں اور وہ غصے کے ضبط کرنے والے اور لوگوں کی تقصیرات سے درگزر کرنیوالے ہیں اور اللہ تعالیٰ ایسے نیک کرداروں اور نیک روش اختیار کرنیوالوں کو بہت پسند فرماتا ہے (تیسیر) اوپر کی آیتوں میں سود کھانے کی ممانعت فرمائی تھی پھر منہیات سے عموماً اور سود سے خصوصاً بچنے پر فلاح و کامیابی کی توقع دلائی۔ اس کے بعد آگ سے بچنے کی تاکید فرمائی جو کافروں کا مسکن ہے اور انہی کیلئے تیار کی گئی ہے اور یہ بتایا کہ اگر سود کو حلال کہکر کھاؤ گے تو تم بھی کافروں کی طرح اس آگ میں ڈال دیئے جاؤ گے اور اگر حلال کہہ کر نہ کھاؤ گے تب بھی یہ خطرہ ہے کہ عذاب کئے جاؤ اگرچہ وہ عذاب دائمی نہ ہو اس کے بعد اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کا حکم دیا جو تمام آفات سے بچاؤ کا موجب ہے خواہ وہ اِس عالم کی آفات ہوں یا عالم آخرت کی آفات ہوں اس کے بعد جنت اور مغفرت کی طرف دوڑنے اور تیز چلنے کا حکم دیا یعنی ان اعمال کے بجالانے میں جلدی کرو اور سبقت سے کام لو جو اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور جنت میں لے جانے کا ظاہری سبب ہیں۔ اور چونکہ ہر شخص زمین و آسمان کی وسعت اور پھیلاؤ کو سمجھتا ہے تو اس لئے جنت کی چوڑائی کو سمجھانے کیلئے آسمان و زمین کے پھیلاؤ کا ذکر فرمایا اور جب چوڑائی اس قدر ہے تو اُس کے طول کا کیا کہنا ہے۔ کیونکہ طول عرض سے زیادہ ہوتا ہے۔ پھر عرض کا بھی یہاں یہ مطلب نہیں کہ سب آسمان و زمین کے پھیلاؤ سے زیادہ نہ ہوگا بلکہ مطلب یہ ہے کہ اُس کی چوڑائی اتنی تو ہے ہی باقی اس سے زیادہ کی نفی نہیں۔ پھر اس جنت کو اہلِ تقویٰ کا مسکن فرمایا اور یہ بتایا کہ یہ جنت اہلِ تقویٰ کے لئے تیار کی گئی ہے اور متقین کی تفسیر میں ہم بتاچکے ہیں کہ تقوے کے مختلف درجات ہیں کم سے کم تقویٰ کا درجہ یہ ہے کہ انسان شرک اور بدعت سے بچتا ہو اور تقویٰ کا اعلیٰ مرتبہ یہ ہے کہ ہر گناہ سے بچتا ہو اور نیکی بجالاتا ہو۔ غرض تقوے کا اطلاق ایک گناہ گار مسلمان پر بھی ہو سکتا ہے جو شرک و بدعت سے احتراز کرتا ہو اور ایک نبی اور ولی پر بھی ہو سکتا ہے۔ یہاں متقی کی دونوں قسموں کا ذکر ہے پہلے اعلیٰ مرتبہ کے اہلِ تقویٰ کا ذکر ہے۔ کہ متقی وہ لوگ ہیں جن کی سخاوت کا یہ حال ہے کہ خوش حال ہوں جب بھی اُن کا انفاق جاری رہتا ہے۔ اور کبھی تنگدست ہوں تب بھی اُن کی خیرات کا سلسلہ جاری رہتا ہے سراء اور ضراء کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ کیونکہ انسانی زندگی دو حال سے خالی نہیں یا راحت و عیش ہے یا مصیبت و فقر ہے۔ اہلِ تقویٰ وہ لوگ ہیں کہ خواہ وہ کسی حالت میں ہوں اُن کا ہاتھ برابر چلتا رہتا ہے اور اپنی حیثیت کے مطابق مخلوق کی نفع رسانی میں مشغول رہتے ہیں آیت کے دوسرے حصہ میں ان کی تعریف ان الفاظ میں ہے کہ وہ غصہ کو پی جاتے ہیں اور غصہ کو ضبط کرلیتے ہیں اور لوگوں کی خطاؤں کو معاف کردیا کرتے ہیں اور چونکہ یہ مرتبہ بہت بلند ہے کہ کسی شخص سے مخلوق کو نفع پہونچے اور مخلوق اس کے ضرر سے محفوظ رہے۔ اس لئے ایسے احسان کرنیوالوں سے اپنی محبت کا اظہار فرمایا احسان کی دو صورتیں ہیں ایک جلب منفعت اور دوسری دفع مضرت تو یہ اہلِ تقویٰ اس مرتبہ کے لوگ ہیں کہ ان سے کسی کو نقصان کا خطرہ نہیں اور ہر حال میں مخلوق کو ان سے فائدہ ہی پہنچتا ہے اور یہ لوگ چونکہ احسان میں کامل ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ کو ان سے محبت بھی کامل ہے اور وہ ان محسنین سے بہت محبت کرتا ہے۔ بہت محبت ہم نے اسی غرض سے کہا تاکہ یہ معلوم ہوجائے کہ (باقی ضمیمہ میں)

قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ
اکثر واقعات گزر چکے ہیں سو تم زمین میں چلو پھرو اور دیکھ لو کہ

كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَ
تکذیب کرنیوالوں کا انجام کیسا ہوا ف۱ یہ مضمون لوگوں کیلئے ایک صاف و صریح بیان ہے اور

هُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۸﴾ وَلَا تَهِنُوْا وَلَا
جو لوگ خدا سے ڈرنیوالے ہیں ان کیلئے ہدایت اور نصیحت ہے ۔ اور تم کم ہمت نہ ہو اور

تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾
غمگین نہ ہو حالانکہ تم ہی غالب رہو گے بشرطیکہ تم کامل مؤمن ہو ف۲

اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ
اگر تم کو کوئی زخم پہونچ گیا یعنی اُحد میں تو بلا شبہ کافر قوم کو بھی ایسا ہی زخم پہنچ چکا ہے

مِّثْلُهٗ ؕ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ
یعنی بدر میں اور یہ زمانے کے حوادثات ہیں جن کو ہم باری باری قوموں کے درمیان گردش دیتے رہتے ہیں

وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ
تم پر یہ وقت اس لئے لایا گیا تاکہ اللہ تعالیٰ پختہ ایمان والوں کو تمیز کر دے اور اس لئے بھی کہ تم میں سے بعض کو شہادت

شُهَدَآءَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ وَلِيُمَحِّصَ
کا مرتبہ عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ۔ اور اس لئے بھی

اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ اَمْ
کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ہر قسم کے میل کچیل سے نکھار دے اور کافروں کے زور کو مٹا ڈالے ف۳ کیا

حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ
تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تم یوں ہی جنت میں جا داخل ہو گے حالانکہ ابھی اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جو تم میں

الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۲﴾
سے جہاد کرنیوالے ہیں متمیز نہیں کیا اور نہ ابھی اُن کو نمایاں کیا جو مصائب پر ثابت قدم رہنے والے ہیں۔

ف۱ یقیناً تم سے پہلے بھی بہت سے واقعات ہو چکے ہیں اور مختلف دور گزر چکے ہیں اور مختلف طریقوں کے لوگ ہو چکے ہیں اگر تم ان کے حالات کا مشاہدہ کرنا چاہتے ہو تو زمین میں چلو پھرو اور چل پھر کر دیکھ لو کہ میری اور میرے رسولوں کی تکذیب کرنیوالوں کا انجام کیسا ہوا یعنی کفار کس طرح ہلاک و برباد ہوئے (تیسیر) سنن سُنّۃ کی جمع ہے جس کے معنی طریقہ ہے۔ یہاں مراد ہے اہل طریقہ۔ یا دور۔ یا حالات و وقائع۔ ہم نے تیسیر میں سب کا لحاظ رکھا ہے چنانچہ مطلب یہ ہے کہ پہلے زمانے میں بھی اچھے بُرے لوگ گزر چکے ہیں اور تم سے پہلے دَور میں بھی مختلف الخیال لوگ ہوئے ہیں اور ان میں قتل و قتال بھی ہوتے رہے ہیں لیکن نتیجے اور انجام کے اعتبار سے تکذیب کرنے والے ہی ہلاک ہوئے ہیں اگر تم ان کی اُجڑی ہوئی بستیوں کو اور اُن کے برباد شدہ مکانات کو بچشم خود دیکھنا چاہتے ہو تو گھروں سے نکل کر ان بستیوں تک جاؤ اور اپنی آنکھوں سے دیکھ لو کہ وہ مکذبین کس حالت میں ہیں اور ان کا انجام کیسا ہوا۔ اور یہ جو ہم نے سیروا فی الارض کو مشروط کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ سیروا فی الارض کوئی خاص سفر کا حکم نہیں ہے بلکہ مشروط ہے ایک شرط محذوف کے ساتھ کہ اگر تم کو گزشتہ لوگوں کے حالات معلوم کرنے ہیں تو جاؤ جا کر دیکھ لو حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی کافروں کا مقابلہ نبیوں سے قدیم دستور ہے۔ ہر ملک کی خبر تحقیق کرو تو جانو کہ اول نبیوں پر بھی تکلیفات گزری ہیں لیکن آخر جھٹلانے والے خراب ہی ہوتے ہیں۔ جنگ اُحد میں ستر مسلمان کامل شہید ہوئے اور لڑائی بگڑی اس واسطے حق تعالیٰ تقویت فرماتا ہے (موضح القرآن) بہر حال جیسا کہ ہم اوپر عرض کر چکے ہیں کہ ان آیات میں مسلمانوں کی تسلی اور تقویت مطلوب ہے اور مختلف عنوان سے اس مطلوب کا اظہار دور تک چلا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل) ف۲ یہ مضمون مذکور عام لوگوں کیلئے ایک کافی بیان ہے اور ہدایت و نصیحت کا موجب ہے ان لوگوں کیلئے جو خدا سے ڈرنے والے ہیں اور تم جو اس وقت مغلوب ہو گئے ہو اس سے ہمت نہ ہارو اور جو لوگ شہید ہو گئے ہیں اُن پر غمگین نہ ہو حالانکہ انجام کار تم ہی غالب ہو گے بشرطیکہ پورے پورے مومن رہے اور تمہارا ایمان صحیح رہا (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے کہ جاؤ اور جا کر کفار کا انجام دیکھ لو یہ بیان عبرت حاصل کرنے کو لوگوں کے لئے کافی ہے اور ہدایت و بصیرت ہے اور موعظت نصیحت ہے ان لوگوں کیلئے جو خدا سے ڈرنے والے ہیں اس میں متقیوں کی دونوں قسمیں آگئیں۔ گویا عوام کی عبرت کیلئے کافی بیان ہے۔ اور بصیرت حاصل کرنیکی بات اُن کیلئے جو تقویٰ کے اونچے درجہ پر فائز ہیں اور حق و باطل کو سمجھتے ہیں اور نصیحت مسلمانوں کیلئے جو اسکے موافق عمل کریں اور کفار کے اس عارضی غلبے سے بدل پست نہ کرو اور مرنے والوں پر رنجیدہ نہ کرو حالانکہ تم ہر اعتبار سے غالب ہو انجام کے اعتبار سے بھی اور اس امید کے اعتبار سے بھی جو تم کو اللہ تعالیٰ سے ہے وہ ان کو نہیں ہے۔ تمہارے مرنے والے جنت میں اور اُن کے مرنے والے جہنم میں۔ پھر دنیا کی جسمانی تکلیف میں دونوں برابر ان تکونوا تالمون فانھم یالمون کما تالمون وترجون من اللہ ما لا یرجون۔ یا تو اس آیت کا نزول اُس وقت ہوا ہو جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جاؤ ان کافروں کا تعاقب کرو اور یہ تعاقب مسلمانوں کو شاق گزرا ہو اور ہو سکتا ہے کہ یہ آیت اُس وقت نازل ہوئی ہو جب خالد بن ولید جو اُس وقت تک کافر تھے ایک جماعت مشرکین کی لیکر آئے تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا اللھم لا یعلن علینا اللھم لا قوۃ لنا الا بک۔ یا اللہ ان کو ہم پر غلبہ اور برتری نہ دیجیو یا اللہ ہم کو سوائے تیرے اور کوئی قوت نہیں ہے۔ چنانچہ اس دعا کے بعد مشرکین کو ہزیمت ہوئی اور یہ جو فرمایا ان کنتم مؤمنین اس کا مطلب یہ ہے کہ جو ایمان کا مقتضا ہے اس پر تم ثابت رہے۔ ایمان کا مقتضا یہ ہے کہ ثواب کی امید رکھو اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھنے کی وجہ سے قلب قوی رہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ اگر تمہارا ایمان صحیح رہا تو انجام کار تم کو ہی غلبہ ہوگا اس کا مطلب بھی وہی ہے کہ استقلال اور تقوے کے پابند رہے ہم نے تیسیر میں دونوں باتوں کا لحاظ رکھا ہے اب آگے پھر اسی تقویت اور تسلی کو دوسرے انداز سے بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل) ف۔ اے مسلمانو! اگر تم کو اس غزوہ اُحد میں کچھ زخم اور صدمہ و پریشانی لاحق ہوئی تو گھبرانے کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ گزشتہ سال کافر قوم کو بھی اسی قسم کا زخم اور صدمہ پہونچ چکا ہے اور ہم ان ایام کو یعنی زمانہ کے حوادثات (باقی ضمیمہ میں)

وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَلْقَوْهُ

اور بلاشبہ تم تو موت کی ملاقات سے پہلے راہِ حق میں مرنے کی تمنا کیا کرتے تھے

فَقَدْ رَأَيْتُمُوهُ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ﴿۱۴۳﴾ وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا

سو اب تو تم نے اس موت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا ف اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم صرف ایک

رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ أَفَإِنْ مَاتَ

رسول ہیں بلاشبہ ان سے پہلے اور رسول بھی گزر چکے ہیں پھر اگر وہ وفات پا جائیں

أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ ۚ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ

یا شہید کر دیئے جائیں تو کیا تم اپنی ایڑیوں کے بل لوٹ جاؤ گے اور جو شخص اپنی ایڑیوں کے بل الٹا

عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا ۗ وَسَيَجْزِي اللَّهُ

پھر جائیگا تو وہ ہرگز خدا کا کچھ نہ بگاڑے گا اور ان لوگوں کو جو شکر گزار رہیں گے عنقریب اللہ تعالیٰ

الشَّاكِرِينَ ﴿۱۴۴﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا

صلہ عطا فرمائے گا ف اور بغیر حکمِ الٰہی کسی جان دار کا مرنا ممکن

بِإِذْنِ اللَّهِ كِتَابًا مُؤَجَّلًا ۗ وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا

نہیں اس نے موت کا مقررہ وقت لکھ رکھا ہے اور جو شخص اپنے کیے کا پھل دنیا میں چاہتا

نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الْآخِرَةِ نُؤْتِهِ مِنْهَا ۚ

ہے تو ہم اسکو دنیا کا حصہ دیدیتے ہیں اور جو شخص آخرت کے ثواب کی خواہش کرتا ہے تو ہم اس کو آخرت کے ثواب کا حصہ عطا فرمائیں گے

وَسَنَجْزِي الشَّاكِرِينَ ﴿۱۴۵﴾ وَكَأَيِّنْ مِنْ نَبِيٍّ

اور ہم بہت جلد شکر گزاروں کو صلہ عنایت فرمائیں گے ف۳ اور بہت نبی ایسے ہو چکے ہیں جن کی معیت میں

قَاتَلَ مَعَهُ رِبِّيُّونَ كَثِيرٌ فَمَا وَهَنُوا لِمَا

بکثرت با خدا لوگوں نے جہاد کیا ہے پھر اللہ کی راہ میں جو تکالیف بھی ان مجاہدین کو پہنچیں

أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَمَا ضَعُفُوا وَمَا

ان کی وجہ سے نہ تو انھوں نے ہمت ہاری اور نہ وہ سست پڑے اور نہ وہ

ع ۱۴ / ۱۴ / ۵

ف ۔ ہاں تو اے مسلمانو! کیا تم نے یہ خیال کر رکھا ہے اور تم یہ سمجھے بیٹھے ہو کہ تم یوں ہی جنت میں بغیر کسی آزمائش و امتحان کے داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو تو ظاہری طور پر جانا ہی نہیں جو تم میں سے جہاد کرنے والے ہیں اور اُن مسلمانوں کو نمایاں نہیں فرمایا جنھوں نے تم میں جہاد کیا ہو اور نہ ابھی اُن کو ظاہری طور پر دیکھا اور نہ نمایاں کیا جو مصائب پر ثابت قدم رہنے والے اور جہاد کی تکالیف کو برداشت کرنے والے ہیں اور بلاشبہ تم تو موت کی ملاقات کرنے اور موت کے سامنے آنے سے پہلے موت کی بڑی تمنا اور شہید ہو کر مرنے کی بڑی آرزو کیا کرتے تھے لہٰذا اب تو تم نے اس موت کو اپنی کھلی آنکھوں دیکھ لیا تھا اور موت کا سامان تمہاری نگاہوں کے سامنے تھا پھر کیوں بھاگ کھڑے ہوئے اور موت کو آتا دیکھ کر کیوں گھبرا اٹھے (تیسیر) جنت میں داخل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ بغیر کسی سرزنش اور عذاب کے دخولِ اوّلی حاصل ہو اور درجاتِ عالیہ میسر ہوں ۔ سو یہ مرتبہ بدون مشقت اور تکالیف کے حاصل نہیں ہوتا ورنہ یوں جنت میں جانے کو تو ہر مسلمان داخل ہو ہی جائے گا۔ خواہ عذاب بھگت کر یا رحمتِ خداوندی کے بل پر۔ جہاد اور صبر کا مطلب یہ ہے کہ جہاد پوری طرح ہو اور اُس جہاد میں خوب مصائب برداشت کرے ورنہ چھوٹی موٹی جھڑپیں تو ہوتی ہی رہتی ہیں ۔ یعلم کا مطلب وہی ہے جو ابھی ہم بیان کر چکے اور دوسرے پارے میں اس کی تفصیل ہو چکی ہے۔ عدم علم سے مراد شئی کی نفی ہے۔ کیونکہ حضرت حق کے علم کا تعلق معلومات سے ہوتا ہے جب علم کی نفی فرمائی تو معلومات جو علم کا متعلق ہے اس کی بھی نفی ہوگئی ۔ جیسے کہا کرتے ہیں ما علم اللہ فی فلان خیراً ۔ تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ فلاں شخص میں خیر ہی نہیں اگر ہوتی تو علمِ الٰہی کا اُس سے تعلق ہوتا یہاں بھی مطلب یہی ہے کہ نہ تم میں کسی نے اسے ہم کر جہاد کیا نہ جہاد کے مصائب پر صبر کیا اگر کوئی ایسا کرتا تو اللہ تعالیٰ کے علم کا اُس سے تعلق ہوتا اور وہ اس کی معلومات میں سے ہوتا بہر حال دوسری صورت وہ ہے جو ہم نے ترجمہ میں عرض کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابھی جہاد کرنیوالوں کو جہاد نہ کرنے اور جی چرانے والوں سے متمیز نہیں فرمایا نہ صابروں کو غیر صابروں سے ابھی نمایاں کیا۔ دوسری آیت کا مطلب یہ ہے کہ بعض مسلمان شہدائے بدر کے فضائل سن سن کر شہادت کی تمنا کیا کرتے تھے کہ کاش ہم کو بھی کوئی ایسا موقعہ میسر آئے اور ہم بھی شہادت کا درجہ پائیں اور ان فضائل کو حاصل کریں جو شہدائے بدر کو حاصل ہوئے تھے ان کو اس آیت میں تنبیہ ہے کہ یا تو شوقِ شہادت کا یہ عالم تھا اور یا اب یہ حالت ہے کہ جب شہادت کا موقعہ آیا اور شہادت کا سامان دکھائی دیا اور مرنے اور جان دینے کا وقت آیا تو میدانِ شہادت چھوڑ نکلے اس لئے مسلمانوں پر تعریض اور ملامت فرمائی ہم اوپر غزوۂ اُحد کے مختصر حالات عرض کر چکے ہیں۔ اُس دن سو اتفاق سے ہوا یہ کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن جبیر کی سرکردگی میں ایک دستہ پچاس تیر اندازوں کا گھاٹی میں متعین کیا تو یہ فرما دیا کہ تم لوگ جب تک یہاں بیٹھے ہو گے کافر ہم پر غالب نہیں ہوں گے ۔ چنانچہ جب جنگ شروع ہوئی تو مسلمان اللہ کے حکم سے غالب آئے اور کفارِ قریش کو ہزیمت ہوئی اور کافر بُری طرح بھاگے ۔ مسلمان مالِ غنیمت پر قبضہ کرنے میں مشغول ہو گئے گھاٹی کے بیٹھنے والوں نے جب یہ دیکھا تو عبداللہ بن جبیر کی مرضی کے خلاف سوائے گیارہ آدمیوں کے سب نکل پڑے اور مالِ غنیمت حاصل کرنے میں شامل ہو گئے ۔ بھاگتے ہوئے کافروں نے گھاٹی خالی دیکھی تو خالد بن ولید نے اپنے لشکر کو لیکر گھاٹی پر حملہ کر دیا گیارہ آدمیوں نے مقابلہ کیا مگر بے سود رہا۔ مسلمانوں کو شہید کر دیا اور خالد نے گھاٹی پار کرلی. اور جو مسلمان مالِ غنیمت جمع کر رہے تھے ان پر کافر ٹوٹ پڑے ۔ اسلامی فوج میں ابتری اور سراسیمگی پھیل گئی ابن قمیہ نے ایک پتھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر پھینکا جس سے چہرۂ انور زخمی ہو گیا ایک دانت شہید ہو گیا اور آپ لہولہان ہو گئے اور آپ زمین پر بیٹھ گئے اور آپ پر غشی طاری ہو گئی ابن قمیہ نے چاہا کہ آپ کو شہید کر دے مگر مصعب بن عمیر جو اسلامی فوج کے علمبردار تھے انھوں نے مدافعت کی اسی وقت کسی شیطان نے یہ آواز لگا دی کہ محمد قتل کر دیئے گئے اس افواہ نے مسلمانوں کا دماغ مختل کر دیا اور لوگوں میں مختلف باتیں ہونے لگیں کسی نے کہا ابوسفیان سے امان طلب کرو۔ منافقوں نے کہا جب محمد قتل ہو گئے تو اب اپنا پہلا ہی دین اختیار کر لو۔ کسی نے کہا اب اگر محمد نہیں ہیں تو ہم ہی زندہ رہ کر کیا کریں گے چلو لڑو اور سب شہید ہو جاؤ۔ کسی نے کہا اگر محمد قتل ہو گئے تو حضرت کا رب تو قائم ہے (باقی تفسیر میں)

ف۱ اور بہت سے نبی ایسے ہو چکے ہیں جن کے ساتھ ہو کر اُن کی امت کے بہت سے صلحاء اور بکثرت باخدا لوگ کفار سے لڑے ہیں یعنی تم سے پہلے بھی بکثرت اللہ والوں نے اپنے اپنے زمانہ کے نبیوں کے ساتھ ہو کر کافروں سے جہاد کیا ہے پھر اُن باخدا لوگوں کو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے جو مصائب پیش آئے ان کی وجہ سے نہ تو انھوں نے امر حق بجا لانے میں ہمت ہاری اور نہ ان کے قلب میں ضعف اور سستی پیدا ہوئی اور نہ اُن کے جسم شکست پڑے اور نہ وہ باطل کے آگے سرنگوں ہوئے اور نہ اہلِ باطل سے دبے اور اللہ تعالیٰ ایسے ہی مستقل مزاج اور ثابت قدم رہنے والوں کو پسند فرماتا ہے جو ہر قسم کے مصائب برداشت کرنے کے باوجود اپنی جگہ سے نہ ہلیں اور ان باخدا مجاہدین کے مُنہ سے سوائے اس دعا کے اور کوئی بات نہیں نکلی کہ اے ہمارے پروردگار ہماری خطاؤں کو (اور ہمارے کاموں میں ہماری زیادتی اور حد سے نکل جانے کو بخش دیجئے اور کفار کے مقابلہ میں ہم کو ثابت قدم اور جمائے رکھئے اور ان کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد فرمایئے اور اُن پر ہم کو غالب کیجئے۔ لہٰذا اس استقلال اور اس عاجزانہ دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا کا بدلا بھی دیا۔ یعنی فتح اور ملک اور اقتدار وغیرہ اور آخرت کا بھی ان کو عمدہ عطا فرمایا یعنی جنت اور اپنی خوشنودی سے نوازا اور اللہ تعالیٰ ایسے نیک کردار اور نیک روش اختیار کرنیوالوں کو محبوب رکھتا ہے جو مصائب و شدائد میں استقلال اور توکل علی اللہ کے پابند رہتے ہیں۔

(تیسیر) مطلب یہ ہے کہ جہاد کے مصائب کا یہ موقعہ صرف تمہارے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ پہلے بھی انبیا کے ساتھ ہو کر اللہ والے لوگ جہاد کر چکے ہیں۔ پھر ان سے تو کسی کمزوری کا اظہار نہیں ہوا۔ نہ انہوں نے ہمت ہاری۔ نہ سستی دکھائی نہ دشمنوں کے مقابلے میں ذرا جھکے استکان کے معنی ہیں اطاعت قبول کر لینا جھک جانا۔ غرض ان سے کوئی بات ایسی سرزد نہیں ہوئی جو مسلمانوں کے لئے موجب شرمندگی اور باعث ذلت ہوتی ایک تم ہو کہ ذرا سی تکلیف میں گھبرا اُٹھے اور جہاد سے بھاگ نکلے اور ابو سفیان سے امن حاصل کرنے کا ارادہ کرنے لگے۔ پھر ان مجاہدین کی دعا نقل فرمائی۔ ذنوب اور اسراف ان دونوں سے یا تو کبائر مراد ہیں اور ایک لفظ دوسرے لفظ کی تاکید ہے۔ یا ذنوب سے صغائر اور اسراف سے کبائر مراد ہیں۔ ہم نے دوسرے معنی اختیار کئے ہیں جیسا کہ تیسیر سے ظاہر ہے۔ اسراف کے معنی ہیں حد سے نکل جانا۔ یہاں شاید میدان جہاد کی بے عنوانیاں مراد ہوں۔ ثواب الدنیا کی تفسیر میں بعض حضرات نے فتح اور غنیمت کہا ہے اور جو لوگ کہتے ہیں کہ پہلی امتوں پر غنائم حلال نہیں تھے جیسا کہ حدیث میں آتا ہے تو وہ ثواب دنیا سے صرف فتح اور ملک کرتے ہیں۔ فقیر عرض کرتا ہے کہ حدیث سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ امم سابقہ پر غنائم حلال نہیں تھے۔ یعنی مجاہدین غنائم کو استعمال نہیں کر سکتے تھے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ غنائم پر قبضہ کر کے مساکین کو بھی نہیں دے سکتے تھے یا جمع کر کے آسمانی آگ کے جلانے کو بھی کسی پہاڑ پر نہیں رکھ سکتے تھے بہرحال احتیاطاً ہم نے لفظ غنیمت کو ترجمہ اور تیسیر میں نہیں رکھا ہے واللہ اعلم۔ اب آگے اللہ تعالیٰ کی ولایت اور اس کی مدد پر بھروسہ رکھنے کی تاکید اور کافروں کی اطاعت اور ان کے مشوروں پر عمل کرنے کی ممانعت مذکور ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل)

اسْتَكَانُوا ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ ﴿١٤٦﴾ وَمَا كَانَ

دشمن کے آگے جھکے اور اللہ ایسے ہی ثابت قدم رہنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ اور اُن مجاہدین نے

قَوْلَهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَ

سوائے اتنی بات کے اور کچھ نہیں کہا کہ اے ہمارے پروردگار ہماری خطاؤں کو

إِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا

اور اس زیادتی کو جو ہمارے کاموں میں ہم سے واقع ہوئی ہو بخش دے اور ہمارے قدم جمائے اور ان کافروں کے

عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿١٤٧﴾ فَآتَاهُمُ اللَّهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا

مقابلے میں ہماری مدد فرما۔ سو اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا کا بھی ثواب دیا

وَحُسْنَ ثَوَابِ الْآخِرَةِ ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿١٤٨﴾ ع

اور آخرت کے بھی اچھے صلہ سے ان کو نوازا اور اللہ تعالیٰ ایسے ہی نکوکاروں کو پسند کرتا ہے ف۱

ع ۱۵ ۵ ۶

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تُطِيعُوا الَّذِينَ كَفَرُوا

اے ایمان والو اگر تم ان لوگوں کی جنھوں نے کفر کی راہ اختیار کر رکھی ہے اطاعت و فرماں برداری کرو گے

يَرُدُّوكُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوا خَاسِرِينَ ﴿١٤٩﴾

تو وہ تم کو تمہاری ایڑیوں کے بل لوٹا دیں گے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم سخت نقصان میں جا پڑو گے۔

بَلِ اللَّهُ مَوْلَاكُمْ ۖ وَهُوَ خَيْرُ النَّاصِرِينَ ﴿١٥٠﴾

وہ تمہارے مددگار نہیں ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ تمہارا رفیق و مددگار ہے اور وہ سب سے بہتر مدد کرنے والا ہے ف۲

سَنُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَا

ہم عنقریب اُن منکرین حق کے قلوب میں اس وجہ سے ہیبت ڈال دیں گے کہ اُنھوں نے

أَشْرَكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا ۖ وَمَأْوَاهُمُ

اللہ کے ساتھ اُن چیزوں کو شریک ٹھہرایا ہے جن کے شریک ہونے پر اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نہیں نازل کی اور اُن لوگوں

النَّارُ ۚ وَبِئْسَ مَثْوَى الظَّالِمِينَ ﴿١٥١﴾ وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ

کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ ظالموں کے رہنے کی بہت بُری جگہ ہے ف۳ اور یقیناً اللہ تعالیٰ نے تم سے اپنا وعدہ

ف۲ - اے ایمان والو! اگر تم نے کافروں کی اطاعت کی اور ان لوگوں کا کہنا مانا جنھوں نے کفر کی روش اختیار کر رکھی ہے تو وہ تم کو کفر کی طرف اُلٹا پھیر دیں گے اور کفر میں واپس کر دیں گے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم سخت نقصان میں پڑ جاؤ گے اور بالکل ناکام ہو جاؤ گے وہ تمہارے دوست اور خیرخواہ نہیں ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ تمہارا حمایتی اور مددگار ہے اور وہ سب سے بہتر مدد کرنے والا ہے (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ جب حضورؐ کی خبرِ وفات سے احد میں مسلمانوں کے پاؤں اکھڑے تو منافقوں اور کافروں نے عجیب عجیب مشورے دیئے کسی نے کہا ابو سفیان کی امان میں آجاؤ کسی نے کہا اب تم لوگ اپنے پہلے ہی دین کو اختیار کر لو۔ اس آیت میں اُن کے مشوروں کی خرابی بیان فرمائی ہے اور یہ بتایا ہے کہ وہ تمہارے خیرخواہ اور دوست نہیں ہیں کہ تم کو کوئی بھلا مشورہ دیں گے۔ بعض تو ان میں سے کھلم کھلا ہی کفر قبول کرنے کو کہہ رہے ہیں اور جو لوگ دوست بن کر مشورہ دے رہے ہیں وہ بھی ایسا نقصان دہ مشورہ دے رہے ہیں

(باقی ضمیمہ میں)

ف۔ اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ تو تم سے اپنے وعدۂ نصرت و فتح کو اُس وقت سچا کر چکا تھا اور تم کو اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا تھا جس وقت تم اُن کافروں کو خدا کے حکم سے ابتدائے جنگ ہی میں کاٹ رہے تھے اور قتل کر رہے تھے یہاں تک کہ جب تم نے خود ہی بُزدلی اور کمزوری دکھائی اور تم نے نامردی کی اور پیغمبرؐ کے حکم کی تعمیل میں باہم جھگڑنے اور اختلاف کرنے لگے اور باوجود اُس کے کہ تمہاری محبوب اور دل خواہ چیز تم کو آنکھوں سے دکھادی تم نے پیغمبر کی عدول حکمی کی اور اُن کے کہنے پر نہ چلے تمہاری اس وقت یہ حالت تھی کہ بعض تم میں سے وہ تھے جو دنیا حاصل کرنا چاہتے تھے اور بعض وہ تھے جو صرف آخرت چاہتے تھے اور آخرت ہی کے طلب گار تھے ۔ پھر اس حالت کے بعد ہی پانسہ پلٹ گیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کی طرف سے تمہارا رخ پھیر دیا اور تم کو کافروں کے مقابلہ میں پسپا کر دیا اور معاملہ اُلٹ گیا تاکہ اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان کی آزمائش فرمائے ۔ اور یقین جانو ! کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو معاف فرما دیا اور تمہارے قصور سے درگزر فرمایا بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑا صاحب فضل ہے اور وہ مسلمانوں کے حال پر بڑا فضل کرنے والا ہے (تیسیر)

اللّٰهُ وَعْدَهٗۤ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰۤى اِذَا فَشِلْتُمْ وَ

اُس وقت سچا کر چکا تھا جس وقت تم کافروں کو اس کے حکم سے کاٹ رہے تھے یہاں تک کہ جب تم نے خود ہی

تَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَرٰىكُمْ

ہمت ہار دی اور حکم کی تعمیل میں باہم جھگڑنے لگے اور بعد اس کے کہ تمکو تمہاری دل خواہ چیز یعنی فتح اللہ تعالیٰ نے دکھا دی

مَّا تُحِبُّوْنَ ؕ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ

دی تم نے عدول حکمی کی تم میں سے بعض وہ تھے جو دنیا چاہتے تھے اور بعض تم میں سے آخرت

يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ

کے خواہش مند تھے تب اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کی طرف سے تمہارا رخ پھیر دیا تاکہ وہ تمہاری آزمائش

وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى

کرے اور یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ نے تمکو معاف کر دیا اور اللہ تعالیٰ ایمان والوں پر بڑا فضل

الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۲﴾ اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰۤى اَحَدٍ

کرنیوالا ہے ۏ اور وہ وقت یاد کرو جب تم چڑھائی پر بھاگے چلے جا رہے تھے اور کسی کو پلٹ کر دیکھتے تک نہ تھے

وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِىْۤ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّاۢ بِغَمٍّ

حالانکہ رسول تمہارے پیچھے کی جانب سے تم کو پکار رہے تھے پھر تمکو اللہ تعالیٰ نے رسول کو رنج پہنچانے کی پاداش میں

لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَاۤ اَصَابَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ

رنج دیا تاکہ تم آئندہ کسی چیز کے ہاتھ سے نکل جانے اور کسی مصیبت کے پیش آجانے پر غمگین نہ ہوا کرو اور جو کچھ

خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵۳﴾ ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ

تم کرتے ہو اللہ اس سب سے باخبر ہے ۏ پھر اللہ تعالیٰ نے اس رنج کے بعد تم پر اطمینان

الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَطَآئِفَةٌ

نازل کیا جو ایک اونگھ تھی یہ غنودگی تم میں سے ایک گروہ پر تو پوری طرح چھا گئی تھی اور ایک جماعت وہ تھی

قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ

جس کو اپنی جانوں ہی کی فکر پڑی تھی یہ لوگ خدا کے بارے میں ناحق اور ناروا خیالات باندھ رہے تھے

حسؔ کے معنی ہیں کسی چیز کو کاٹ کاٹ کر ختم کرنا مثلاً درخت کو یا کھیتی کو یہاں مراد یہ ہے کہ کافروں کا استیصال کر دینا۔ یعنی بکثرت قتل کرنا۔ تنازع کے معنی باہم رائے میں اختلاف کرنا۔ جھگڑنا۔ عصیاں کے معنی نافرمانی کرنا۔ عدول حکمی کرنا۔ حکم کے بجالانے میں کوتاہی کرنا۔ ما تحبون سے مراد یہاں فتح اور کامرانی ہے ۔ صرف کے معنی ہیں پھیر دینا۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ کہ اگر تم مستقل مزاجی اور تقوے سے کام لوگے تو ہم تم کو کامیاب کریں گے ۔ یہ وعدہ تو ابتداہی میں اس نے سچا کر دیا جبکہ تم اُن کو اُس کے حکم سے گاجر مولی کی طرح کاٹ رہے تھے مگر تم لوگوں نے آپس میں جھگڑا شروع کر دیا اور گھاٹی کے بیٹھنے والوں نے عبداللہ بن جبیر کی یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عدول حکمی کی ۔ تم سے کہا تھا بیٹھے رہنا مگر تم قبل از وقت گھاٹی چھوڑ آئے اور مال غنیمت کے حصول میں لگ گئے ۔ حالانکہ فتح و کامرانی تم کو دکھادی اور تمہاری آنکھوں کے سامنے فتح کھڑی تھی ۔ مگر تم نے بنی بنائی فتح کو خود بگاڑا۔ گھاٹی والوں نے گھاٹی چھوڑ دی اور تم مال غنیمت کے سنگوانے میں ان کافروں کے پیچھے دوڑے چلے گئے ۔ رسولؐ تم کو پکارتا رہا۔ مگر تم نے ایک نہ سُنی ۔ دنیا کی رغبت اور محبت اگرچہ یہاں بالذات نہیں معلوم ہوتی اور صحابہ کی دنیا طلبی بھی حصولِ آخرت کی غرض سے ہی تھی جیسا کہ بعض اہل سلوک نے فرمایا ہے لیکن حضرات صحابہ کیلئے اس کو بھی پسند نہیں فرمایا اور تعریض کے طور پر فرمایا کہ کوئی تم میں سے دنیا کو مقصد بنا بیٹھا اور کوئی تم میں سے آخرت کا طالب رہا۔ یعنی جو گھاٹی میں بیٹھے رہے یا وہ لوگ جو پیغمبر کو گھیرے رہے اور آپ کے نگراں اور محافظ بنے رہے ۔ اور جب دنیا کی محبت قلب میں آتی ہے تو بزدلی اور نامردی اُس کا لازمی نتیجہ ہے جیسا کہ ابوداؤد کی روایت سے معلوم ہو چکا۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرمایا کرتے تھے جب تک یہ آیت نازل نہیں ہوئی مجھے بالکل اس کا علم نہیں ہوا کہ ہم میں سے بھی کوئی ایسا ہے جو حصولِ دنیا کا طالب ہو۔ بہرحال جب یہ کوتاہیاں اور بدعنوانیاں تم سے سرزد ہوئیں تو تم کو آزمانے اور تمہارے ایمان کا امتحان لینے کی غرض سے پانسہ پلٹ گیا اور خالد بن ولید کو گھاٹی میں گھس آنے کا موقع مل گیا اور یا تو وہ کافر بھاگ رہے تھے اور یا اب تم بھاگنے لگے ۔ بہرحال فشل ۔ تنازع فی الامر ۔ امیر کے حکم کی خلاف ورزی یہ چند باتیں اُوپر تلے ایسی ہوئیں جن کی نحوست سے فتح شکست سے بدل گئی ۔ اور ہم نے دوسرا طریقہ ابتلا کا اختیار کیا یعنی فتح و نصرت میں بھی امتحان تھا۔ اور اب مصائب و آلام میں بھی امتحان مقصود ہے ۔ ونبلوکم بالشر والخیر فتنۃ کامرانی کی غرض بھی یہ ہوتی ہے کہ دیکھیں کہاں تک شکر بجا لاتے ہو اور مصائب و آلام اور ناکامی کی بھی غرض یہ ہوتی ہے کہ دیکھیں کہاں تک صبر کرتے ہو ۔ یہ ہو سکتا ہے کہ یہ تمام غلطیاں اجتہادی ہوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کو اپنی غلطیوں پر ندامت ہوئی ہو بہرحال معافی کا اعلان کر دیا گیا اور قیامت کے مواخذے سے سبکدوش فرما دیا اور لوگوں کو ان کی شان میں کوئی قابلِ اعتراض بات کہنے سے روک دیا اور یہ صحابہ کے حال پر بہت بڑی شفقت و عنایت ہے ۔ جیسا کہ اس شفقت آمیز اور کرم آلود عتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ غلطیوں کے ذکر میں معافی کا اعلان بھی فرمایا۔ اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا مسلمانوں پر بڑا ہی فضل ہے ۔ نعمت دیکر آزمائے جب بھی اس کا فضل ہے تکلیف دیکر آزمائے جب بھی اس کا فضل ہے ۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی اول غلبہ مسلمانوں کا تھا کہ کافروں کو مار تھے۔

(باقی ضمیمہ میں)

ف پھر اس مذکورہ رنج و غم کے بعد امن و اطمینان اور راحت نازل فرمائی جو ایک اونگھ تھی یعنی امن و راحت کی صورت یہ ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے ایک اونگھ بھیجی کہ سب لوگ جس حالت میں تھے اونگھنے لگے اس اونگھ کا اثر یہ ہوا کہ یہ غنودگی تم میں سے ایک جماعت پر تو پوری طرح چھا گئی اور مسلمانوں پر تو اس غنودگی کا پورا غلبہ ہوگیا اور ایک جماعت وہ تھی جس کو اپنی جانوں ہی کی فکر پڑی ہوئی تھی۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھوٹے اور ناروا اور غیر واقع خیالات باندھ رہے تھے جو محض جاہلوں جیسے احمقانہ خیالات تھے (تیسیر) اَمَنَةً نُّعَاسًا کا یہ مطلب ہے کہ ایک ایسی غنودگی نازل فرمائی جو امن و سکون والی تھی اور جس سے مسلمانوں کا خوف و ہراس اور ہر قسم کی پریشانی اور خطرات سب دور ہوگئے اور سارا غم غلط ہوگیا۔ یغشی طائفۃ سے مراد یہ ہے کہ اس غنودگی کا مسلمانوں پر گہرا اثر ہوا حضرت ابو طلحہؓ فرماتے ہیں جن لوگوں پر غنودگی طاری ہوئی تھی ان میں میں بھی تھا۔ اونگھ ایسی آئی کہ میرے ہاتھ سے تلوار گر گئی میں نے ہوشیار ہوکر تلوار اٹھائی مگر وہ پھر ہاتھ سے گر گئی۔ نعاس کی تفصیل ہم آیت الکرسی کی تفسیر میں عرض کرچکے ہیں۔ دوسرا گروہ منافقین کا تھا جنکو اپنی جانوں کی فکر پڑی ہوئی تھی کہ دیکھئے اب کیا ہوتا ہے۔ شاید پھر حملہ آور آتے ہیں یا اپنے گھر واپس چلے جاتے ہیں ہم یہاں سے زندہ جاتے ہیں یا یہیں کھیت ہوجاتے ہیں۔ چنانچہ ان پر اس غنودگی کا کوئی اثر نہیں ہوا اور وہ اس امن و راحت سے محروم رہے جو مسلمانوں کو نصیب ہوئی۔ اور اللہ تعالیٰ نے منافقین کو مسلمانوں سے متمیز کردیا۔ یہ منافق طرح طرح کے گمان اور اٹکلیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں دوڑا رہے تھے ان کے یہ سب ظنون غیر واقعی اور ناحق و ناروا تھے اور اللہ تعالیٰ کی شان اس سے منزہ ہے کہ اس کے بارے میں ایسے گمان کئے جائیں یہ گمان زمانہ جاہلیت اور اہل جاہلیت کے سے گمان تھے جیسے کافر کیا کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے امن و راحت کا یہ سامان کیا کہ تھوڑی دیر کیلئے سب پر غنودگی طاری کردی۔ مسلمان تو اونگھنے لگے مگر منافقین اپنی اپنی بدگمانیوں میں مبتلا رہے اور خدا کے بارے میں طرح طرح کی اٹکلیں دوڑاتے رہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ اسلام کی مدد نہیں کرے گا۔ یا مسلمان اب ختم ہوجائیں گے۔ یا پیغمبر قتل کردیئے گئے وغیرہ وغیرہ۔ اب آگے ان منافقین کی دو رخہ پالیسی اور ان کی باتوں کا ذکر ہے کہ زبان سے کچھ کہتے ہیں اور دل میں کچھ چھپاتے ہیں شکست کی وجہ زبان سے اور بتاتے ہیں دل میں اور وجہ چھپائے ہوئے ہیں زبان سے بھی جو کچھ کہتے ہیں وہ بھی گول مول اور ذو معنی کہتے ہیں۔ ان کی باتیں اور ان باتوں کا جواب مذکور ہے (تسہیل)

ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ۖ يَقُولُونَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْأَمْرِ

جو محض جاہلانہ خیالات تھے ف۲ وہ یوں کہہ رہے تھے بھلا ہمارے بھی اختیار میں کوئی

مِنْ شَيْءٍ ۗ قُلْ إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلّٰهِ ۗ يُخْفُونَ فِي

چیز ہے آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اختیار تو سب اللہ ہی کے ہاتھ ہے یہ لوگ اپنے دلوں میں

أَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُونَ لَكَ ۖ يَقُولُونَ لَوْ كَانَ لَنَا

ایسی باتیں چھپائے ہوئے ہیں جو آپ کے سامنے ظاہر نہیں کرتے ان کا اصل کہنا یہ ہے کہ اگر اس معاملہ میں

مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ۗ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِي

ہمیں کچھ بھی اختیار ہوتا تو ہم اس میدان میں قتل نہ کئے جاتے آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم لوگ اپنے اپنے

بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلٰى

گھروں میں بھی رہتے تو بھی جن کے لئے قتل مقدر ہوچکا تھا وہ ضرور نکل کر اپنے قتل ہونیکے مقامات

مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِي صُدُورِكُمْ

تک جا پہنچتے اور یہ معاملہ اس لئے پیش آیا تاکہ جو کچھ تمہارے سینوں میں ہے اللہ تعالیٰ اسکو آزمائے یعنی ظاہر

وَلِيُمَحِّصَ مَا فِي قُلُوبِكُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ

کردے اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اس کو صاف کردے اور اللہ سینوں کی باتوں سے

الصُّدُورِ ﴿۱۵۴﴾ إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى

بخوبی واقف ہے ف۳ بلاشبہ جس دن دو جماعتیں باہم نبرد آزما ہوئی تھیں اس دن جو لوگ پیٹھ

الْجَمْعَانِ ۙ إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا

دکھا گئے تھے تو اس لغزش کا سبب سوائے اس کے کچھ نہ تھا کہ انکے بعض اعمال کی وجہ سے شیطان نے ان کے

كَسَبُوا ۚ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ۗ إِنَّ اللّٰهَ

قدم ڈگمگا دیئے تھے اور بلاشبہ جن سے لغزش ہوئی ان کو اللہ تعالیٰ نے معاف فرمادیا واقعی اللہ تعالیٰ

غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿۱۵۵﴾ يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لَا تَكُونُوا

بڑا درگذر کرنیوالا بڑے تحمل والا ہے ف۴ اے ایمان والو تم ان لوگوں کی مانند نہ ہوجانا

ع ۱۶ / ۷

ف۲ وہ گمان کرنے والے یوں کہہ رہے تھے بھلا ہمارے اختیار میں بھی کوئی چیز ہے۔ اور کچھ کام بھی ہمارے ہاتھ میں ہے اے پیغمبر آپ ان سے فرمادیجئے کہ اختیار تو سب اللہ ہی کا ہے اور سب کام تو اللہ ہی کے ہاتھ ہے یہ لوگ اپنے دلوں میں ایسی بات چھپائے ہوئے ہیں جس کو آپ کے سامنے کھل کر نہیں ظاہر کرتے وہ دراصل یوں کہتے ہیں کہ اگر ہمارے ہاتھ کچھ کام ہوتا اور اس معاملہ میں ہمیں کچھ بھی اختیار ہوتا تو ہم اس جگہ اور اس میدان کارزار میں مارے نہ جاتے یعنی ہم میں سے جو لوگ مارے گئے وہ نہ مارے جاتے اے پیغمبر آپ ان سے فرمادیجئے اگر تم اپنے اپنے گھروں میں بھی رہتے اور اپنے گھروں ہی میں بیٹھے رہتے تب بھی جن لوگوں کیلئے خدا کی جانب سے قتل مقدر ہوچکا تھا وہ ان مقامات کی طرف جانے کے لئے نکل پڑتے جہاں وہ قتل ہو ہو کر گرے ہیں۔ اور جو کچھ یہ واقعہ پیش آیا اس لئے پیش آیا تاکہ اللہ تعالیٰ اس بات کی آزمائش کرے جو تمہارے سینوں میں ہے یعنی تمہارے ایمان کی آزمائش کرنے کے لئے ایسا ہوا اور اس لئے ہوا تاکہ اللہ تعالیٰ اس حصہ کو ہر قسم کے میل کچیل سے صاف کردے اور نکھار دے جو تمہارے دلوں میں ہے اور اللہ تعالیٰ سینوں کی سب باتوں سے خوب واقف ہے اور باطن کی سب باتوں کو خوب جانتا ہے (تیسیر) مضجع کے معنی ہیں مصرع یعنی لیٹنے اور پچھڑنے کی جگہ۔ قبر کو بھی مضجع کہتے ہیں۔ اور خوابگاہ کو بھی مضجع کہتے ہیں اسی طرح مقتل کو بھی مضجع فرمایا۔ مطلب یہ ہے کہ لشکر میں جو منافق تھے ان کی یہ حالت تھی کہ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ کے بارے میں مختلف قسم کے جاہلانہ خیالات قائم کر رہے تھے اور جب کوئی ان سے دریافت کرتا کہ یہ شکست کیوں ہوئی تو ایک معصوم سا فقرہ کہدیتے کہ ہمارے اختیار میں کوئی چیز نہیں اور ہمیں کوئی اختیار نہیں ہے۔ لوگ یہ سمجھتے کہ (باقی ضمیمہ میں)

كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا

جو منکر ہیں اور اپنے بھائیوں کو جب وہ بھائی کہیں ملک میں سفر کرتے ہیں یا کسی

فِى الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا

جہاد میں غازی ہوتے ہیں (اور اتفاقاً مر جاتے یا شہید ہو جاتے ہیں) تو یوں کہتے ہیں اگر یہ لوگ ہمارے پاس

مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا ۚ لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ

رہتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے یہ بات اس لئے کہتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ اس بات کو انکے

حَسْرَةً فِىْ قُلُوْبِهِمْ ۗ وَاللّٰهُ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ ۗ وَاللّٰهُ

قلوب میں موجب حسرت و افسوس بنا دے ف۲ ورنہ در اصل اللہ تعالیٰ ہی جلاتا اور مارتا ہے اور جو کچھ

بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۱۵۶ وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ وہ سب دیکھ رہا ہے۔ اور اگر تم لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے جاؤ

اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا

یا تم اپنی موت سے مر جاؤ تو اللہ کی بخشش اور رحمت جو تم کو ملنے والی ہے وہ اُن چیزوں سے کہیں بہتر ہے جو یہ

يَجْمَعُوْنَ ۝۱۵۷ وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِ۟لَى اللّٰهِ

جمع کر رہے ہیں۔ اور خواہ تم اپنی موت سے مر یا مارے جاؤ بہرحال تم سب یقیناً اللہ ہی کے پاس

تُحْشَرُوْنَ ۝۱۵۸ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ

جمع کئے جاؤ گے ف۱ اے نبی یہ اللہ کی بڑی مہربانی ہے کہ آپ ان کے حق میں نرم دل واقع ہوئے اور اگر

كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۠

کہیں آپ تند خو اور دل کے سخت ہوتے تو یہ لوگ کبھی کے آپکے پاس سے منتشر ہو چکے ہوتے

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِى الْاَمْرِ ۚ

سو اب آپ ان کو معاف کر دیجئے اور ان کیلئے خدا سے بخشش طلب کیجئے اور ان سے اہم کاموں میں مشورہ کرتے رہا کیجئے

فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ

پھر جب آپ کسی چیز کا پختہ ارادہ کرلیں تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیجئے بیشک اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں کو

ف۱ اے ایمان والو! تم اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جانا اور ان لوگوں کی سی باتیں نہ کرنا جو کافرانہ روش اختیار کئے ہوئے ہیں یعنی منافق ہیں وہ اپنے بھائیوں کے متعلق جب وہ بھائی کہیں ملک میں سفر کو نکلیں یا وہ کسی غزوے میں غازی بن کر شریک ہوں اور اتفاقاً وہ مر جائیں یا قتل کر دئیے جائیں تو یوں کہتے ہیں کہ اگر یہ ہمارے بھائی ہمارے ہی پاس رہتے اور سفر میں یا جہاد میں نہ جاتے تو یہ لوگ نہ مرتے اور نہ قتل کئے جاتے۔ یہ بات اس لئے کہتے ہیں اور اس کا انجام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں اس بات کو موجب حسرت بنا دے اور ان کے قلوب میں پشیمانی اور افسوس کا سبب کر دے (تیسیر) غزی غازی کی جمع ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مسلمانو! تم ان منافقوں کی طرح باتیں نہ کرنا جو ہر مرنے والے اور قتل کئے جانے والے کے متعلق خواہ وہ کسی سفر میں مر جائیں یا مارے جائیں یا کسی غزوہ میں غازی بن کر اپنی موت سے مر جائیں یا شہید کر دئیے جائیں یہ کہا کرتے ہیں کہ اگر یہ ہمارے بھائی یعنی مسلمان اگر ہمارے پاس رہتے اور مدینہ سے باہر نہ جاتے تو نہ مرتے نہ مارے جاتے جیسا کہ اُحد میں شہید ہونے والے مسلمانوں کو کہدیا کہ لو کان لنا من الامر شیئ ما قتلنا ھھنا۔ مسلمانوں کو بھائی یا تو ہم وطن ہونے کی وجہ سے کہا یا نسب کے اعتبار سے کہ سب ایک ہی برادری کے تھے یا عقیدے کے اعتبار سے کہا ہو کیونکہ وہ اپنے کو بھی مسلمان ہی ظاہر کیا کرتے تھے۔ بہرحال چونکہ یہ لوگ تقدیر الٰہی کے منکر ہیں اور اللہ تعالیٰ پر صحیح اعتقاد نہیں رکھتے اس لئے ایسی باتیں کہا کرتے ہیں۔ کہیں تم اے مسلمانو! ایسی باتیں کرکے ان منافقوں کی مانند نہ ہو جانا۔ آگے اس غلط بات کا نتیجہ بیان کیا ہے کہ جس خیال کی بنا پر یہ بات اُن کے منہ سے نکلتی ہے یہ غلط خیالی اور یہ غلط بیانی اُن کیلئے اللہ تعالیٰ موجب حسرت و پشیمانی بنا دے۔ کیونکہ تقدیر الٰہی کے منکروں کو ہر حادثہ پر یہی حسرت ہوتی ہے کہ ہائے اگر فلاں تدبیر اختیار کرتے تو شاید یہ کام ہو جاتا چونکہ مرنے اور مارے جانے کا احتمال سفر میں بھی ہے اور جہاد میں بھی اس لئے ہم نے تسہیل میں چاروں باتیں عرض کر دیں اگرچہ عام طور پر سفر میں مرنے کا احتمال زیادہ ہے اور مارے جانے کا کم ہے جس طرح جہاد میں مارے جانے کا احتمال زیادہ ہے اور اپنی موت سے مرنیکا احتمال کم ہے۔ بعض حضرات نے لیجعل اللّٰہ کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ منافقوں کے اس کہنے کی غرض یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری باتوں سے اُن مسلمانوں کے قلب میں حسرت و پشیمانی پیدا کر دے کہ یہ لوگ کہتے تو سچ ہیں واقعی اگر ہم مدینہ میں رہتے تو محفوظ رہتے۔ مگر یہ معنی ذرا بعید ہیں اس لئے ہم نے لام کو لام عاقبت قرار دیکر ترجمہ کیا ہے جیسے لیکون لھم عدوا وحزنا۔ کا لام لام عاقبت ہے۔ واللہ اعلم۔ اب آگے منافقوں کی اس بات کا جواب ہے چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں (تسہیل) ف۲ ورنہ حقیقت حال یہ ہے کہ جلاتا اور مارتا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ وہ سب دیکھ رہا ہے اور تمہارا کوئی عقیدہ یا عمل اس سے پوشیدہ نہیں ہے اور اگر تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں مار دئیے جاؤ یا تم اپنی موت سے مر جاؤ تو یقیناً اللہ تعالیٰ کی وہ بخشش جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے اور وہ مہربانی جو تم کو حاصل ہونیوالی ہے وہ مغفرت و رحمت یقیناً دنیا کی ان چیزوں سے بدرجہا بہتر ہے جو چیزیں یہ کافر جمع کیا کرتے ہیں۔ اور اگر تم ویسے بھی اپنی موت سے مر گئے یا مار دئیے گئے تب بھی کیا ہے۔ بہرحال تم سب یقینی طور پر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جمع کئے جاؤ گے اس سے بچکر تو کہیں نہیں جا سکتے (تیسیر) ان منافقوں کا کہنا یہ تھا کہ سفر میں نہ جاتے اور جہاد میں شریک نہ ہوتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے۔ حضرت حق تعالیٰ نے جواب دیا کہ مارنے اور جلانے والا تو حقیقتاً اللہ تعالیٰ ہے۔ بہت سے آدمی سفر سے اور جہاد سے زندہ آتے ہیں اور بہت سے گھر میں بیٹھے بیٹھے مرتے ہیں اور کبھی مار دئیے جاتے ہیں تو احیا اور اماتت تو خدا کے ہاتھ میں ہے خواہ کوئی سفر میں ہو یا حضر میں یا کوئی میدان جنگ میں ہو یا مجلس صلح میں بیٹھا ہو۔ دوسرا جواب یہ دیا کہ مرنا تو بہرحال ہے پھر بجائے اس کے کہ گھر میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرو اگر اللہ کی راہ میں تم شہید کر دئیے جاؤ یا اپنی موت سے مر جاؤ۔ اور اسی طرح سفر میں مر جاؤ یا مار دئیے جاؤ تو جو مغفرت اور رحمت اللہ تعالیٰ کی جانب سے میسر ہوگی وہ اُن چیزوں سے بدرجہا بہتر ہے جو یہ کافر گھر میں بیٹھ کر جمع کرتے ہیں۔ اگر سفر سے مراد یہاں کسی نیک کام کا سفر ہو تب تو رحمت و مغفرت کے میسر آنے میں کوئی شبہ ہی نہیں (باقی صفحہ)

الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿١٥٩﴾ اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَ

محبوب رکھتا ہے ف۱ اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے تو تم پر کوئی غالب آنیوالا نہیں اور

اِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَ

اگر وہ تمہاری امداد سے ہاتھ اٹھالے تو دوسرا کون ہے جو اس کے دست کش ہوئے پیچھے تمہاری مدد کر سکے اور

عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿١٦٠﴾ وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ

مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ ہی کی ذات پر بھروسہ رکھنا چاہئے ف۲ اور نبی کی یہ شان نہیں کہ

اَنْ يَّغُلَّ ؕ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ

وہ خیانت کرے اور واقعہ یہ ہے کہ جو شخص خیانت کریگا تو جو چیز اس نے چھپائی ہوگی وہ اسے قیامت کے دن لیکر حاضر ہوگا

ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿١٦١﴾

پھر ہر شخص کو اسکی کمائی کا پورا پورا بدلہ دیا جائیگا اور اُن پر کوئی ظلم نہ کیا جائے گا ف۳

اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ

بھلا ایک ایسا شخص جو رضائے الٰہی کا تابع ہو کیا وہ اس شخص کی مثل ہو سکتا ہے جو غضب الٰہی کا مستحق ہو

وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿١٦٢﴾ هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ

اور اس کا ٹھکانا جہنم ہو اور وہ جہنم لوٹ کر جانیکی بہت ہی بُری جگہ ہے۔ ان لوگوں کے اللہ کے ہاں

اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٦٣﴾ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ

الگ الگ درجے ہیں اور اللہ سب کے اعمال پر نظر رکھتا ہے ف۴ واقعی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر

عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ

احسان کیا جبکہ انہی میں سے ان میں ایک ایسا رسول بھیجا

يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ

جو ان پر خدا کی آیتیں تلاوت کرتا ہے اور اُن کی زندگی کو سنوارتا ہے اور اُن کو کتاب اور

الْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿١٦٤﴾

دانائی کی تعلیم دیتا ہے اور بلاشبہ اس رسول کی تشریف آوری سے قبل یہ لوگ کھلی گمراہی میں مبتلا تھے ف۵

ف۱ باوجود اس کے کہ ان لوگوں سے کچھ کوتاہیاں ہوئیں پھر بھی اللہ تعالیٰ کی آپ پر اور مسلمانوں پر یہ مہربانی ہے کہ آپ ان کے حق میں نرم دل واقع ہوئے اور ان پر نرم دل رہے اور ان کو کوئی ملامت نہیں کی اور اگر آپ کہیں تند خو اور سخت دل ہوتے اور بات بات پر سخت گیری فرماتے تو یہ کبھی کے آپ کے پاس سے منتشر ہو چکے ہوتے پھر جب آپ کا برتاؤ اُن سے مہربانی آمیز رہا اور آپ نے انکی لغزش پر ان کو کچھ نہیں فرمایا تو اپنا حق ان کو دل سے بھی معاف کر دیجئے اور زبان سے بھی ان کیلئے استغفار کر دیجئے۔ تاکہ ان کیلئے زیادہ موجب شفقت اور تسلی خاطر کا سبب ہو اور آئندہ بھی بدستور ان سے اہم اور مخصوص باتوں میں مشورہ کرتے رہا کیجئے۔ یعنی ان باتوں میں جن میں وحی نازل نہ ہوئی ہو پھر جب مشورہ کرنے کے بعد کسی جانب پختہ رائے قائم کریں تو خدا تعالیٰ پر بھروسہ اور اعتماد کرکے اس کام کو کر لیا کیجئے بلاشبہ اللہ تعالیٰ ایسے توکل کرنیوالوں کو پسند فرماتا ہے جو مشورے کی برکت بھی حاصل کریں اور اللہ تعالیٰ پر توکل بھی رکھیں (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ حضرت حق کی آپ پر اور آپ کی امت پر یہ مہربانی ہے کہ اُن کے حق میں آپ قدرتی طور پر نرم واقع ہوئے ہیں چنانچہ باوجود اس کے کہ انکی غلطی اور کوتاہی سے آپ کو تکلیف پہونچی اور آپ اگر چاہتے تو ان کو ملامت کر سکتے تھے لیکن آپ نے ضبط سے کام لیا اور ان کو ایک لفظ نہیں کہا اگر آپ خدانخواستہ کہیں تند خو اور سخت قلب ہوتے تو یہ لوگ بکھر جاتے اور آپ کے فیوض و برکات سے محروم ہو جاتے اور پھر خدا جانے کس ہلاکت کے گڑھے میں جا گرتے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کی اس سیاسی اور بین الاقوامی غلطی پر ناراض ہوں اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو کچھ تنبیہ کا ایک عجیب و غریب عنوان مقرر کیا آپ کے اخلاق کی تعریف فرمائی اور تند خوئی کے نقصانات ظاہر فرمائے اور یہ بھی فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے اگر اس کی رحمت نہ ہوتی تو آپ کی امت اس طرح آپ سے مستفیض نہ ہوتی اس کے بعد سفارش فرمائی کہ ہم نے تو ان کو معاف فرما دیا اب تم اپنا حق ان کو معاف کر دو اور اللہ تعالیٰ سے ان کیلئے استغفار بھی کر دو تاکہ ان کے ساتھ آپ کی شفقت و مہربانی کی تکمیل ہو جائے اور ان کو اطمینان اور تسلی ہو جائے پھر آئندہ کیلئے ایک ضابطہ بھی تعلیم کر دیا کہ جن امور میں اللہ تعالیٰ کی وحی آ جائے اس میں تو کسی سے پوچھنے گچھنے کی ضرورت نہیں البتہ دیگر امور میں ان سے بدستور مشورہ کرتے رہا کیجئے۔ کیونکہ ان کا دل بھی خوش ہوگا اور ہر ایک کی رائے بھی معلوم ہو جائیگی اور اُمت کیلئے یہ موجب رحمت ہوگا جیسا کہ قتادہ سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ آیت اُتری تو فرمایا اللہ اور اس کے رسول کو تو مشورے کی ضرورت نہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اس باہمی مشاورت کو میری امت کے لئے ایک رحمت بنایا ہے عبدالرحمان ابن غنم سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ سے فرمایا اگر تم دونوں کسی مشورے پر متفق ہو جاؤ تو میں اس کے خلاف نہ کروں یعنی میری یہ خواہش ہے کہ تم دونوں کے متفقہ مشورے کی مخالفت نہ کروں۔ اور چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عام عادت مشورے کی تھی اس لئے ہم نے بدستور عرض کیا ہے جیسا کہ آپ نے اُحد کی جنگ میں مدینہ سے نکلنے نہ نکلنے کا مشورہ کیا پھر یہ مشورہ کیا کہ فوجوں کا پڑاؤ کہاں ہو غزوہ احزاب میں مشورہ کیا غزوہ حدیبیہ میں مشورہ کیا حضرت عائشہ کے بارے میں اور تہمت لگانے والوں کے بارے میں مشورہ کیا۔ چونکہ آپ ہمیشہ مشورہ فرماتے تھے اسلئے حضرت حق نے فرمایا کہ ان کی غلطی سے متاثر ہو کر مشورہ بند نہ کر دینا بلکہ بدستور مشورہ کرتے رہنا۔ پھر آگے ایک اور ضابطہ فرمایا۔ کہ جب آپ ایک رائے قائم کرلیں اور پختہ ارادہ کرلیں تو خدا پر بھروسہ کرکے اس کام کو کر ڈالئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورہ اور آپ کی مشاورت کے بارے میں علماء کے چند قول ہیں (۱) مشورہ کرنے کا حکم آپ کو وجوبی تھا (۲) مشورہ کرنے کا حکم محض ندبی تھا۔ (۳) مشورہ محض خوشنودیٔ مسلمین کی غرض سے تھا ورنہ اصل میں آپ کسی کی رائے کے پابند نہ تھے آپ کی آخری رائے اور آپ کا عزم کسی کی رائے کے مخالف ہو یا موافق آپ ہی کا عزم ہر اعتبار سے واجب الاتباع تھا جیسا کہ خود حضورؐ نے فرمایا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کو کسی کے مشورے کی حاجت نہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اس باہمی مشاورت کو میری امت کیلئے رحمت بنایا ہے (باقی تتمہ میں)

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا
یہ تمہارا کیا حال ہے کہ جب تم کو اُحد میں مصیبت پہونچی تو کہنے لگے کہ یہ مصیبت کہاں سے آگئی حالانکہ بدر میں

قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ؕ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
تم اس سے دگنی تکلیف پہنچا چکے ہو آپ ان سے فرما دیجئے کہاں سے کیا یہ مصیبت خود تمہارے ہی پاس سے آئی بیشک اللہ تعالیٰ

عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۶۵﴾ وَمَآ اَصَابَكُمْ یَوْمَ الْتَقَى
ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے ف اور دو جماعتوں کے نبرد آزما ہونے کے دن جو نقصان تم کو

الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِیَعْلَمَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۶۶﴾ وَلِیَعْلَمَ
پیش آیا وہ قضائے الٰہی سے پیش آیا اور اس لئے پیش آیا تاکہ اللہ تعالیٰ مومنین کو تمیز کر دے اور اس لئے بھی تاکہ

الَّذِیْنَ نَافَقُوْا ۖۚ وَقِیْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ
خدا تعالیٰ منافقوں کو نمایاں کر دے اور ان منافقوں سے یہی تو کہا گیا تھا آؤ یا تو اللہ کی راہ میں

اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ؕ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا اتَّبَعْنٰكُمْ ؕ هُمْ
جنگ کرو یا کم از کم دشمنوں کی مدافعت ہی کرو ف اس پر وہ کہنے لگے اگر ہم اس لڑائی کو واقعی لڑائی سمجھتے تو ہم ضرور تمہارے

لِلْكُفْرِ یَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِیْمَانِ ۚ یَقُوْلُوْنَ
ساتھ چلتے اس دن وہ منافق بہ نسبت ایمان کے کفر سے قریب تر ہو گئے وہ اپنے منہ سے ایسی باتیں

بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَیْسَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا
کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہوتیں حالانکہ جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اللہ تعالیٰ اُس کو خوب

یَكْتُمُوْنَ ﴿۱۶۷﴾ ۚ اَلَّذِیْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ
جانتا ہے ف یہ ایسے لوگ ہیں جو خود تو بیٹھے رہے اور اپنے ان بھائیوں کی نسبت جو شہید ہو گئے یوں کہدیا کہ اگر وہ ہمارا کہنا

اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ؕ قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ
مان لیتے تو ہرگز نہ مارے جاتے آپ ان سے فرما دیجئے اچھا اگر تم اس قول میں سچے ہو تو اب تم

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۱۶۸﴾ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا
اپنے اوپر سے موت کو ٹال دینا ف اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے ہیں ان کو

ف اور جب تم کو میدان اُحد میں ایک تکلیف پہنچی حالانکہ تم اس تکلیف کی دو مثل بدر میں اپنے مخالفوں کو پہنچا چکے ہو تو کیا یوں کہتے ہو کہ یہ مصیبت کہاں سے اور کدھر سے آگئی آپ فرما دیجئے کہ یہ مصیبت آکہاں سے گئی یہ مصیبت خود تمہاری طرف سے آئی اور تمہارے ہی ہاتھوں کی بدولت آئی یقین جانو! اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے (تیسیر) جس طرح ایک شکست خوردہ فوج کو صدمہ و حیرانی اور تعجب ہوتا ہے وہی صورت اُحد میں بھی مسلمانوں کو پیش آئی۔ یہاں تعجب کی وجہ اس قدر زیادہ تھی کہ علاوہ جلیل القدر صحابہ کے جو حقیقت شناس تھے عام لوگ یہ سمجھ رہے تھے کہ جب خدا کا رسول ہم میں موجود ہے پھر ہم اسلام کی بلندی کیلئے لڑنے نکلے ہیں کافروں کی زیادتی بھی ہے کہ ہم پر چڑھ کر آئے ہیں ایسی حالت میں شکست کا کیا کام۔ اب شکست ہو جانے سے حیرانی اور تعجب ہوا پھر وجوہات شکست پر بحث ہونے لگی کہ ایسا کیوں ہوا کدھر سے یہ ہار آئی اور ہم کو ہزیمت کیونکر ہوئی۔ حضرت حق نے اس کا جواب دیا اور ان کے تعجب کو دور کیا اور فرمایا تمہاری وجہ سے یہ مصیبت آئی نہ رسول کی نافرمانی کرتے اور نہ گھاٹی چھوڑ کر نکلتے نہ یہ ہزیمت پیش آتی اللہ تعالیٰ کو سب قدرت ہے وہ چاہے غلبہ دے چاہے مغلوب کر دے۔ بدر میں تم نے اطاعت کی تو ستر کافر قتل ہوئے ستر کو گرفتار کیا اور تمہاری فتح ہوئی اُحد میں بھی شروع شروع کامیابی ہوئی لیکن قصور ہوتے ہی جنگ کا رنگ بگڑ گیا اور ستر مسلمان شہید ہو گئے۔ بدر کو دو مثل اس لئے فرمایا۔ کہ قیدیوں پر قابو پا لینا بھی ان کے قتل ہی کرنے کے برابر ہے اگر تم چاہتے تو قتل کر سکتے تھے لیکن تم نے فدیہ لے کر چھوڑ دیا تو یہاں ستر اور وہاں ایک سو چالیس پھر تعجب کی کیا وجہ ہے۔ شکست کی باقی حکمتیں اوپر بیان ہو چکی ہیں کچھ اور آگے آتی ہیں۔ خلاصہ یہ کہ تعجب نہ کرو۔ تسلی پکڑو پہلے جیت چکے ہو۔ اگر اب کے ہار گئے اور وہ بھی اپنی غلطی سے تو حیرانی کی کوئی وجہ نہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی تم بدر کی لڑائی میں ستر کافروں کو مار چکے ہو۔ اور ستر کو پکڑ لائے تھے تمہاری اس لڑائی میں ستر شہید ہوئے تو بد دل کیوں ہوتے ہو سو یہ بھی اپنے قصور سے کہ بے حکمی سے لڑے یا قصور یہ کہ بدر کے اسیروں کو مار نہ ڈالا مال لے کر چھوڑ دیا اور حضرتؐ نے فرمایا تھا کہ اگر ان کو چھوڑتے ہو تم میں ستر آدمی شہید ہونگے لوگوں نے قبول کر کے مال لیا اور ان کو چھوڑا۔ (موضح القرآن) شاہ صاحبؒ کے فرمانے سے وہ بات صاف ہو گئی جو ہم اوپر کہہ آئے ہیں ایک خطا سابق اور ایک خطا لاحق اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ غلطی اور غلطی اور کوتاہی غلطی اور کوتاہی کو بڑھاتی ہے۔ اب آگے اور تسلی دی جاتی ہے اور منافقوں کے بعض اعتراضات کا جواب بھی دیا جاتا ہے (تسہیل) ف اور جس دن دو جماعتیں باہم نبرد آزما ہوئیں اور آپس میں بھڑیں اُس دن جو نقصان تم کو پہنچا اور جو مصیبت تم پر پڑی یعنی میدان اُحد میں پس وہ تو قضائے الٰہی اور مشیت ایزدی سے پڑی اور اس لئے پڑی تاکہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو پرکھ لے اور اس لئے بھی یہ نقصان پہونچا تاکہ اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو نمایاں کر دے جنھوں نے منافقانہ روش اختیار کر رکھی ہے اور ان منافقین سے اتنا ہی تو کہا گیا تھا کہ آؤ اگر ہمت ہو تو اللہ کی راہ میں لڑو یا ہمت نہ ہو تو کم از کم دشمن کی مدافعت ہی کرو اپنی تعداد کو دکھا کر ان کو مرعوب ہی کر دو کہ مسلمانوں کی کثرت دیکھ کر ان کافروں کے پاؤں اکھڑ جائیں (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں گھبرانے اور پریشان ہونے کی بات نہیں میدان مقابلہ میں جو کچھ ہوا اور تم کو شروع میں کامیابی اور بعد میں ناکامی ہوئی وہ تو مشیت اور اللہ تعالیٰ کی حکمت کے ماتحت ہوئی کیونکہ تمہاری کوتاہی کے باعث اس کو تمہیں مکمل فتح دینی منظور نہ تھی اس کے علاوہ اور بھی اس کی بے شمار حکمتیں تھیں جن میں سے کچھ تو پہلے بیان ہو چکیں اور ان میں سے بعض یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ظاہری طور پر مسلمانوں کو پرکھنا اور جانچنا چاہتا تھا اور وہ یہ چاہتا تھا کہ مسلمانوں کو متمیز کر دے اور جن لوگوں نے اس دن منافقانہ برتاؤ کیا ان کو نمایاں اور آشکارا کر دے۔ تاکہ منافق الگ اور مسلمان الگ پہچانے جائیں۔ پھر اس کو بیان کیا جو عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں نے اُحد میں کیا تھا جس وقت عبداللہ اپنے ساتھیوں کو لے کر میدان سے واپس ہونے لگا تو ان سے کہا گیا کہ جاؤ نہیں اس سے نقصان پہونچے گا تم کو چاہئے تو یہ ہے کہ تم ہمارے ساتھ مل کر دشمن سے لڑو اور اگر لڑنے کی ہمت نہ ہو تو کم از کم شریک رہو تاکہ تمہاری وجہ سے ہماری تعداد زیادہ دکھائی دے۔

(باقی ضمیمہ تیسیر)

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴿۱۶۹﴾

تو اے مخاطب مُردہ نہ سمجھ بلکہ وہ تو زندہ ہیں اپنے پروردگار کے مقرب ہیں انکو روزی عطا کی جاتی ہے

فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ

جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اُن کو دیا ہے اس پر وہ خوش وخرم ہیں اور وہ اُن لوگوں کے متعلق بھی

بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ

جو پیچھے رہ جانیوالوں میں سے ابھی اُن تک نہیں پہونچے خوش اور مطمئن ہیں کہ ان پر بھی نہ کسی قسم کا خوف ہوگا

عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ

اور نہ وہ غمگین ہوں گے یعنی اگر شہید ہوکر آجائیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے احسان اور اُس کے فضل

مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ

کی وجہ سے خوش وخرم رہتے ہیں اور نیز اس بنا پر کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے ثواب کو

الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۱﴾ ۚ اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ

ضائع نہیں کرتا جن لوگوں نے زخم خوردہ ہونے کے باوجود اللہ اور رسول کے

بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ

حکم کو قبول کیا ان میں سے جو لوگ نیک کردار

وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۲﴾ ۚ اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ

اور پرہیزگار ہیں اُن کیلئے بڑا ثواب ہے ف یہ لوگ وہ ہیں جن سے لوگوں نے کہا کہ کافروں نے

النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ

تمہارے مقابلہ کیلئے ایک بڑا سامان جمع کیا ہے لہٰذا تم ان سے ڈرتے رہنا پھر اس خبر نے انکے ایمان کو اور قوی تر کردیا

وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴿۱۷۳﴾ فَانْقَلَبُوْا

اور انھوں نے جواب دیا ہم کو اللہ تعالیٰ کافی ہے اور وہ خوب کارساز ہے ف چنانچہ یہ لوگ

بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ

اللہ کی نعمت اور اس کے فضل سے مالامال ہوکر اس طرح واپس آئے کہ ان کو ذراسی تکلیف بھی نہ پہونچی

وقف لازم

ع ۱۷ / ۱۶ / ۸

مع ۲ — عند المتقدمین ۱۲

ف اور اے مخاطب جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے تو اُن کو دوسرے مُردوں کی طرح مُردہ نہ سمجھ بلکہ وہ تو ایک قسم کی زندگی کے ساتھ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار کے مقرب اور اُسکے ہاں مقبول ہیں اُن کو روزی دی جاتی ہے اور ان کو رزق ملتا ہے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمت اور اپنے فضل وکرم سے عطا فرمایا ہے وہ اُس سے خوب خوش وخرم ہیں اور اس کی وجہ سے بہت مگن ہیں اور جس طرح وہ اپنی حالت پر مگن ہیں اُسی طرح ان لوگوں کے متعلق بھی خوش اور مطمئن اور پُر امید ہیں جو دنیا میں ابھی زندہ ہونے کی وجہ سے اُنکے پیچھے رہ گئے ہیں اور ابھی ان تک نہیں پہنچے اور اُن سے ملے نہیں کہ اگر وہ بھی ہماری طرح شہید ہوکر یہاں آئے تو نہ ان کو کوئی خوف پیش آئے گا اور نہ وہ کسی طرح غمگین ہوں گے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی نعمت اور اس کے فضل وکرم کی وجہ سے خوش ہوتے ہیں اور نیز اس وجہ سے خوش ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے اعمال کا اجر وثواب ضائع نہیں کیا کرتا (تیسیر) ان آیتوں کا تعلق یا تو شہداء اُحد سے ہے اور یا شہداء بیر معونہ سے ہے جن کو عامر بن طفیل کی جماعت نے شہید کیا تھا اور وہ سب کے سب قرآن کے قاری تھے کافروں کو قرآنی تعلیم کی غرض سے لے گئے تھے اور راستے میں ان کو شہید کر ڈالا اُن لوگوں کے متعلق بعض اور آیات بھی چند روز کیلئے نازل ہوئی تھیں جو بعد میں اٹھالی گئیں کیونکہ مسلمان اُن کے جبراً قتل سے بڑے متاثر تھے اس لئے اُن کے متعلق کوئی آیت نازل ہوئی تھی جو چند دن کے بعد منسوخ ہوگئی۔ بہرحال جہاد میں جو لوگ قتل کردئے جاتے ہیں اور میدان کارزار میں جو حضرات شہید ہوجاتے ہیں ان کے متعلق عوام کے خیالات کی اصلاح مقصود ہے اور منافقوں کو اور کافروں کو یہ بات بتانی ہے کہ وہ لوگ بڑے مرتبے کے ہیں تم ان کی موت کو حقیر اور معمولی موت سمجھتے ہو حالانکہ وہ زندہ ہیں اور ایک خاص قسم کی زندگی اُن کو میسر ہے اگرچہ اس زندگی کی کیفیت زندوں کی سمجھ میں نہ آئے لَا تَحْسَبَنَّ کا خطاب عام ہے اور جو خطاب کی صلاحیت رکھتا ہو وہ مخاطب ہے اور ہوسکتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ خطاب خاص ہو مگر ہم نے پہلا قول اختیار کیا ہے۔ عند ربھم سے مراد مرتبہ کا قرب اور اُن کی مقبولیت ہے۔ حدیث میں آتا ہے۔ شہداء کی ارواح سبز رنگ کے یا سفید رنگ کے پرندوں کے پیٹ میں رہتی ہیں اور جنت کی نعمتوں سے متمتع ہوتی ہیں جنت میں جہاں چاہتی ہیں جاتی آتی ہیں۔ شام کو ان کی ارواح عرش الٰہی کے نیچے قندیلوں میں آکر بسیرا کرتی ہیں اور چونکہ شہداء کے بھی مختلف درجات ہیں اس لئے ہوسکتا ہے کہ بعض کی ارواح جنت میں جاتی ہوں اور بعض اُس نہر پہ رہتی ہوں جو جنت کے دروازے کے باہر ہے اور وہاں اُن کو ان کا رزق پہونچایا جاتا ہو فرحین کا مطلب یہ ہے کہ وہ انتہائی خوشی میں ہیں اُس انعام کے سبب جو اللہ نے اُن پر کیا ہے اور اس سے بڑھ کر اور کیا فضل ہوگا کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے کم اور تمام مسلمانوں سے زائد ان کی ارواح کو سرور اور لذت حاصل ہے پھر اس خوشی کے علاوہ اپنے ان مخلص ساتھیوں کی طرف سے بھی مطمئن ہیں جو ابھی تک شہید ہوکر اُن تک نہیں پہونچے اور یا اطمینان اس بنا پر ہے کہ جو بشارتیں سنا کرتے تھے ان سے خود سود مند ہو رہے ہیں اس لئے پُر امید ہیں کہ ساتھی بھی شہید ہوں گے تو وہ بھی ہر قسم کے خوف اور ہر قسم کے غم سے مامون ہوں گے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ لم یلحقوا بھم سے شہید اور غیر شہید دونوں قسم کے مخلص مسلمان مراد ہوں اور مطلب یہ ہو کہ جو مسلمان ہمارے پیچھے رہ گئے ہیں اور ابھی نہیں آئے وہ اگر شہید ہوکر آئیں گے تب تو ہمارے ساتھ مل ہی جائیں گے اور اگر اپنی موت سے بھی مر کر آئے اور ایمان وخلوص لیکر آئے تب بھی ہر قسم کے خوف اور حزن سے مامون ہوں گے خلاصہ یہ کہ وہ ان دو قسم کی خوشیوں سے لذت اندوز ہو رہے ہیں ایک تو یہ کہ خود عیش میں ہیں اور آزادی کے ساتھ سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہر جگہ کی سیر کرتے پھرتے ہیں دوسرے یہ کہ پیچھے آنیوالوں کی طرف سے مطمئن اور مسرور ہیں کہ وہ آجائیں گے تو اُن کو بھی ایک خاص پُرلطف زندگی میسر ہو جائیگی اگر شہید ہوکر آئے تو سبحان اللہ! اور اگر شہید نہ ہوئے اور خلوص وایمان کے ساتھ آئے تو بھی مامون زندگی کے وارث بنادئے جائیں گے۔ آخر میں ان دونوں خوشیوں کا ذکر باقی ضمیمہ میں)

وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ﴿١٧٤﴾

اور یہ لوگ رضائے الٰہی کے پیرو رہے اور اللہ تعالیٰ بڑا فضل فرمانے والا ہے۔

اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۪ فَلَا تَخَافُوْهُمْ

اس کے سوا اور کوئی بات نہیں کہ یہ شیطان ہے جو اپنے دوستوں سے ڈرایا کرتا ہے سو تم ان شیطان کے دوستوں

وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٧٥﴾ وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ

سے نہ ڈرنا اور صرف مجھ ہی سے ڈرنا اگر تم حقیقت میں صاحب ایمان ہو اور اے پیغمبر آپ کو وہ لوگ جو دوڑ دوڑ کر کفر

يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ

میں جا گرتے ہیں آزردہ خاطر نہ کریں یہ جلدباز لوگ اللہ تعالیٰ کو ہرگز کچھ بھی نقصان نہیں پہونچا سکتے

يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ

اللہ یہ چاہتا ہے کہ آخرت کے ثواب میں ان کا کوئی حصہ نہ رکھے اور ان کو

عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿١٧٦﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ

بڑا سخت عذاب ہونا ہے ف۲ بلاشبہ جن لوگوں نے ایمان کو چھوڑ کر

بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿١٧٧﴾

کفر خرید ا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا ذرہ بھر بھی کچھ نہیں بگاڑ سکتے اور ان کیلئے دردناک عذاب ہے۔ ف۳

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ

اور منکرین حق اس مہلت کو جو ہم ان کو دیا کرتے ہیں یہ نہ سمجھیں کہ یہ ہمارا ڈھیل دینا ان کے

لِّاَنْفُسِهِمْ ؕ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ

حق میں بہتر ہے یہ ڈھیل تو ہم ان کو اس لئے دیتے ہیں تاکہ وہ گناہ میں اور ترقی کر جائیں اور ان کو ذلت آمیز

مُّهِيْنٌ ﴿١٧٨﴾ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ

عذاب ہونیوالا ہے ف۴ اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ وہ مسلمانوں کو اسی حالت پر چھوڑے رکھے جس حالت پر

اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ؕ وَ

تم اس وقت ہو جب تک کہ وہ ناپاک کو پاک سے جدا نہ کر دے اور

ف۱ چنانچہ یہ لوگ واپس آئے اور اس شان کے ساتھ واپس آئے کہ اللہ کی نعمت اور اس کے فضل کے ساتھ لوٹے یعنی ثواب اور تجارت کے نفع سے مالامال ہو کر واپس آئے اور ان کو ذرا بھی کوئی ناگوار بات پیش نہیں آئی اور کسی معمولی سی تکلیف نے بھی ان کو مس تک نہیں کیا اور وہ لوگ رضائے الٰہی اور اس کی مرضی کے تابع رہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل کا مالک ہے۔ مسلمانو! سوائے اسکے کوئی بات نہیں کہ یہ بدخبر اور دہشت پھیلانے والا عملاً شیطان ہے جو اپنے ہم مذہب اور ہم مشرب دوستوں سے تم کو ڈراتا ہے لہٰذا تم ان سے نہ ڈرو اور صرف اللہ ہی سے ڈرو اگر تم ایمان والے ہو (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ مسلمان جو محسن بھی تھے اور متقی بھی انھوں نے حسبنا اللہ نعم الوکیل کہا اور کفار کے تعاقب میں روانہ ہو گئے یا حسب وعدہ بدر پہونچے اور نہایت کامیاب واپس آئے ابوسفیان کے آنے کی ہمت نہ ہوئی اور یہ عافیت، مال اور عزت سے بھرپور واپس آئے۔ نعمت سے مراد عزت سلامتی۔ عافیت۔ ثواب دشمن پر دھاک وغیرہ اور فضل سے مراد مال ہے تجارت کا نفع ہے۔ لم یمسسہم سوء کا مطلب یہ ہے کہ جب مقابلہ نہیں ہوا تو مسلمانوں کو کوئی گزند ہی نہیں پہونچا۔ رضائے الٰہی کی اتباع کا یہ مطلب ہے کہ باوجود حالات کے ناسازگار ہونے کے پھر نکل کھڑے ہوئے اور زخموں کی پرواکئے بغیر خدا کے حکم کی تعمیل کرنے کو چل کھڑے ہوئے اور رضائے الٰہی پر ہی دراصل تمام مہربانیوں کا دارومدار ہے اور حضرت حق تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے باعث مسلمان نعمت اور فضل سے بہرہ ور ہوئے۔ پھر شیطانی افعال کے مرتکب کو شیطان فرمایا جو شیطانی کام کرے وہ شیطان ہے۔ مسلمانوں کو خوف زدہ کرنا اور بزدل بنانا اور جہاد سے روکنا یہ شیطان کا کام ہے۔ اولیاءہٗ میں ہم نے اسی لئے ہم مشرب اور ہم مذہب کی قید لگا دی ہے تاکہ یہ شبہ نہ ہو کہ شیطان کو تو بنی آدم کا دشمن فرمایا ہے دوستی کیسی؟ یہاں شیطان سے ابلیس مراد نہیں ہے بلکہ بعض کافروں اور منافقوں کو ان کے عمل بد کی وجہ سے شیطان فرمایا ہے۔ اور عملاً کی قید سے یہ فائدہ ہے کہ شیطانی کام کے وقت وہ شیطان ہیں ہو سکتا ہے کہ کل کو وہ تائب ہو کر مسلمان ہو جائیں اور شیطنت کو ترک کر دیں۔ حضرت حق نے کفار کے خوف سے روکا اور اپنے ہی خوف کا حکم دیا اور ایمان کی شرط اس لئے لگائی کہ ایمان کا مقتضا یہی ہے کہ غیر اللہ کے ڈر سے دل پاک اور نڈر ہو۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی وہ شخص جو خبر کہتا تھا اس کو شیطان سکھاتا ہے (موضح القرآن) شاہ صاحب نے شیطان کہنے کی ایک اور وجہ بیان فرمائی۔ کہ چونکہ شیطان اس کو سکھاتا تھا اور وہ شیطان کی تعلیم پر چلتا تھا اس لئے اس کو شیطان فرمایا۔ فقیر عرض کرتا ہے کہ یہ انسان نما شیطان بہت ہی خطرناک ہیں۔ ان کا ضرر بہت خوفناک ہے۔ اعاذنا اللہ منہم۔ اس آیت میں مخلصین کو جو بشارتیں دی گئی ہیں اور ان کی جو مدح فرمائی ہے اور جن دینی اور دنیوی برکتوں سے ان کو نوازا ہے وہ سب اسی استجابت اور اتباع رضوان اللہ کی بدولت ہے جس کا ان آیتوں میں ذکر فرمایا ہے۔ اور ہم کئی دفعہ عرض کر چکے ہیں کہ احکام کی تعمیل ہی وہ چیز ہے جو بندے کو بلند سے بلند مرتبہ کا وارث بنا دیتی ہے۔ اسی طرح یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے کہ تجارت کے نفع کو فضل فرمایا ہے جس سے معلوم ہوا کہ مطلقاً مال مذموم نہیں ہے۔ اگرچہ بڑے لوگوں کیلئے مال کی کثرت محمود نہ ہو لیکن مال کی عام طور سے مذمت کرتے پھرنا اور ہر سرمایہ دار کو برا کہنا اور برا سمجھنا یہ طریقہ کوئی شرعی طریقہ نہیں ہے۔ بعض اہل سلوک نے فرمایا ہے خدا کے خوف کی تین قسمیں ہیں۔ ایک اس کی عقوبت کا ڈر یہ ڈر تو عوام کا ڈر ہے۔ اور ایک اس کے بعد اور دوری کا خوف یہ خواص کا خوف ہے۔ اور ایک اللہ تعالیٰ کا خوف یہ اخص الخواص کا خوف ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور دعا میں انہی تینوں قسموں کی طرف اشارہ ہے اعوذ بعفوك من عقابك واعوذ برضاك من سخطك واعوذ بك منك۔ اب آگے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی فرمائی اور منافقین کی ان حرکات سے رنج اور حزن آپ کو ہوتا تھا اس کا مداوا فرمایا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل) ف۲ اور اے پیغمبر آپ کو وہ لوگ آزردہ خاطر نہ کریں اور آپ کیلئے ایسے لوگ موجب حزن و ملال نہ ہوں جو دوڑ دوڑ کر کفری باتوں میں جا گرتے ہیں اور کفر کی طرف جانے میں جلدی کرتے ہیں جیسے منافق کہ ذرا کافروں کی کوئی بات اونچی ہوئی اور لگے کھلم کھلا کفر کی حمایت کرنے یہ جلدباز لوگ اللہ تعالیٰ کو یعنی اس کے دین کو یقیناً کوئی نقصان نہیں پہونچا سکیں گے۔ (باقی ضمیمہ میں)

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ

اللہ تعالیٰ کا یہ طریقہ بھی نہیں ہے کہ وہ تم کو عام طور پر اس قسم کے غیبی امور سے آگاہ کردے مگر ہاں اس کام کیلئے

مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۖ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ

وہ اپنے رسولوں میں سے جسکو چاہتا ہے منتخب کرلیا کرتا ہے سو تم اللہ پر اور اس کے تمام رسولوں پر ایمان لے آؤ اور

تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿١٧٩﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ

نفاق سے اجتناب کرو تو تم کو بڑا اجر حاصل ہوگا۔ ف اور جو لوگ اس چیز میں

الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ

جو اللہ نے ان کو اپنے فضل سے عطا فرمائی ہے بخل کیا کرتے ہیں وہ ہرگز یہ خیال نہ کریں کہ یہ کام

خَيْرًا لَّهُمْ ۭ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ۭ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا

ان کے حق میں کچھ اچھا ہے بلکہ یہ بخل کرنا ان کے لئے بہت بُرا ہے جس مال پر یہ بخیل لوگ بخل کررہے ہیں عنقریب

بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَ

قیامت کے روز اسی مال کے یہ لوگ طوق بناکر پہنائے جائیں گے اور کل آسمانوں اور زمین کی میراث

الْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿١٨٠﴾ لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ

اللہ ہی کیلئے ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے ف بلاشبہ اللہ نے ان لوگوں کا

قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ

قول سُن لیا ہے جنھوں نے یوں کہا کہ اللہ تعالیٰ فقیر ہے اور ہم مال دار ہیں

سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّ

جو کچھ اُنھوں نے کہا ہے ہم اُس کو لکھ رکھیں گے اور ان کا ناحق جانتے ہوئے انبیاء کو قتل کرنا بھی لکھیں گے اور

نَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿١٨١﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ

ہم ان سے کہیں گے کہ لو! جلانیوالے عذاب کا مزہ چکھو۔ یہ عذاب اس کا بدلا ہے۔ جو تمہارے ہاتھوں نے

اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿١٨٢﴾ ۚ

آگے بھیجا تھا اور یہ امر یقینی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے ف

ع ٩ / ١٨ / ٩ — وقف لازم

ف اللہ تعالیٰ کا یہ ارادہ نہیں ہے اور وہ یہ نہیں چاہتا کہ مسلمانوں کو اس ملی جلی حالت میں رہنے دے جس پر تم سب اس وقت ہو یعنی مخلص اور منافق سب مخلوط ہوں بلکہ مصائب و شدائد کا نزول اُس وقت تک ضروری ہے جب تک اللہ تعالیٰ ناپاک کو پاک سے متمیز اور جُدا نہ کردے یعنی منافق کو مخلص مسلمان سے الگ نہ کردے اور نہ اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے اور نہ اس کا یہ ارادہ ہے کہ وہ ایسے امور غیبیہ پر تم کو عام طور سے مطلع کردے اور اس قسم کے اُمور سے تم کو آگاہ کردے مگر ہاں وہ جس کو چاہے اپنے منتخب کردہ رسولوں میں سے اس قسم کی باتوں سے مطلع کردے لہٰذا تم اللہ تعالیٰ پر اور اُس کے سب رسولوں پر ایمان لے آؤ اور ہر قسم کے کفر و نفاق سے بچتے رہو اور پرہیز کرتے رہو تو تم کو بڑا اجر و ثواب ملے گا اور تم عذاب الیم سے اور عذاب عظیم سے بچ جاؤ گے۔ (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ میدان اُحد میں جو مصائب تم پر نازل ہوئے اُس کی بعض حکمتوں سے تو تم کو آگاہ کردیا گیا اور ان کے علاوہ ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلصین اور منافقین کو گڈمڈ اور مخلوط رکھنا نہیں چاہتا ہے بلکہ منافقین کو نمایاں اور ظاہر کردینا چاہتا ہے جس حالت پر تم سب اس وقت ہو کہ منافق بھی مسلمانوں میں ایسے رلے ملے ہیں کہ اُن کا پتہ لگنا مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ تم کو اس حالت میں رکھنا نہیں چاہتا اور چونکہ نفاق و اخلاص کا پتہ دو طرح لگ سکتا تھا ایک تو یہ کہ آزمائش کے طور پر مصائب و آلام نازل کئے جائیں اور منافق ان سے گھبرا کر کھل جائیں جیسا کہ اُحد میں ہوا۔ کہ کچھ تو واپس چلے گئے اور جو رہ گئے وہ بھی واہی تباہی بکنے لگے۔ بہرحال چونکہ ہمارا مقصد منافقین کو مخلصین سے متمیز کرنا ہے اس لئے ہماری حکمت یہ ہے کہ ہم اس قسم کے مصائب و آلام کا سلسلہ اُس وقت تک جاری رکھیں جب تک یہ مقصد پورا نہ ہوجائے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ وہ تم میں سے ہر ایک کو منافقین کے نام سے آگاہ کردے۔ اور منافقین کے قلوب کی پوشیدہ باتوں سے آگاہ کردے تو حق تعالیٰ کو یہ بھی منظور نہیں کہ وہ غیب کی باتوں سے عام طور پر ہر کس و ناکس کو آگاہ کردے اور اس قسم کی پوشیدہ باتیں کہ فلاں شخص کے دل میں یہ کھوٹ ہے۔ اور فلاں کے دل میں اس قدر خلوص بھرا ہوا ہے۔ عام لوگوں کو بتائے کیونکہ یہ امور غیب ہیں اور امور غیبیہ سے ہر شخص کو آگاہ کرنے کا قاعدہ نہیں۔ البتہ اس عموم سے وہ صورت مستثنیٰ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اپنے منتخب بندوں میں سے جو رسول ہیں اور رسالت کے مرتبے پر فائز ہیں اُن میں سے جس کو چاہے اور جو بات چاہے اُس سے آگاہ کردے۔ لہٰذا اب جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ کفار کا عیش و آرام اور مسلمانوں کے مصائب و آلام کفر کی خوبی اور اسلام کی برائی سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ کافر کی زندگی خواہ کتنی ہی عیش و مسرت کی زندگی ہو وہ اس امر کی دلیل نہیں ہوسکتی کہ کافر کا مذہب حق و صداقت پر مبنی ہے اور نہ مسلمان کی تکلیف و مصیبت اس بات کی دلیل ہوسکتی ہے کہ اُس کا مذہب غلط ہے اور معاذ اللہ اسلام صحیح مذہب نہیں ہے بلکہ کفر کا بطلان اور اسلام کی حقانیت کے لئے دوسرے دلائل ہیں۔ تو تم سب لوگ اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر اور اسکے سب رسولوں پر ایمان لاؤ اور تقویٰ کی روش اختیار کرو جس کا کم سے کم درجہ یہ ہے کہ شرک اور نفاق سے بچو اگر تم نے اخلاص کے ساتھ ایمان قبول کرلیا اور منافقت ترک کردی تو تم کو بڑا اجر ملے گا اور جس قسم کی سزاؤں کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ یعنی عذاب عظیم۔ عذاب الیم۔ اور عذاب مہین اُن سب عذابوں سے محفوظ و مامون رہوگے۔ فقیر نے جو کچھ تیسیر اور تسہیل میں عرض کیا ہے یہ روح المعانی اور روح البیان سے ماخوذ ہے۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ اس کے بعد اہل علم کو کسی شبہ کی گنجائش نہ رہے گی۔ فقیر نے تمام شبہات کو اپنی تقریر میں صاف کردیا ہے۔ جن کا خلاصہ یہ ہے (١) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں جو مسلمان تھے اور بالخصوص مدینہ کے مسلمان مراد ہیں جن میں مسلمانوں کے اقتدار کی وجہ سے بعض منافق شامل ہوگئے تھے جو غنیمت کی تقسیم کے وقت آستینیں چڑھا چڑھا کر جھگڑتے تھے اور مصائب کا مقابلہ کرنے سے گھبراتے تھے بلکہ خفیہ ریشہ دوانیاں کرتے تھے (٢) غایت لیذر سے نہیں ہے جس پر یہ شبہ کیا جائے کہ تمیز کے بعد مخلوط چھوڑ دیا جائے گا بلکہ مطلب یہ ہے کہ غیب کا علم نہ ملنے کی وجہ سے منافقین کا پتہ لگانے کی اس کے علاوہ کوئی صورت نہیں کہ مصائب و شدائد نازل ہوا کریں

(باقی ضمیمہ میں)

اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ

یہ لوگ ایسے ہیں جو یوں کہتے ہیں کہ اللہ نے ہم کو حکم دے رکھا ہے کہ ہم کسی رسول کی اُسوقت تک

لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ط قُلْ

تصدیق نہ کریں جب تک وہ ہمارے پاس ایسی قربانی نہ لائے کہ اسکو آگ کھا جائے۔ آپ ان سے

قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِيْ

فرما دیجئے کہ مجھ سے پہلے بہت سے رسول تمہارے پاس روشن نشانیاں لیکر آئے تھے اور بعینہٖ یہ نشانی بھی لیکر آئے تھے جسکا

قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۸۳﴾ فَاِنْ

تم مطالبہ کر رہے ہو پھر اگر تم سچے ہو تو تم نے ان پیغمبروں کو کیوں قتل کیا تھا ف اگر اس پر بھی

كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ

یہ آپکی تکذیب کریں تو آپ سے پہلے بہت سے ایسے رسولوں کو جھٹلایا جا چکا ہے جو واضح دلائل

وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿۱۸۴﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ط

اور صحیفے اور روشن کتاب لے کر آئے تھے۔ ہر جان دار موت کا مزہ چکھنے والا ہے

وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ط فَمَنْ زُحْزِحَ

اور تم اپنے اعمال کے پورے پورے بدلے قیامت ہی کے دن دیئے جاؤ گے۔ پھر جو شخص آگ سے

عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ط وَمَا الْحَيٰوةُ

دور رکھا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا تو بلاشبہ وہی کامیاب ہوا اور دنیا کی زندگی

الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۱۸۵﴾ لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَ

سوائے اس کے کچھ نہیں کہ ایک دھوکے کا سامان ہے ف بلاشبہ تم اپنے مالوں اور جانوں کے

اَنْفُسِكُمْ قف وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ

بارے میں ابھی اور آزمائے جاؤ گے اور جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب دی جا چکی ہے ان سے اور نیز

مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ط

مشرکوں سے ابھی بہت سی تکلیف دہ باتیں تم کو سننی پڑیں گی

ف یہود ایسے غلط گو لوگ ہیں جو یوں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے نبیوں کی معرفت ہم کو یہ حکم دے رکھا ہے اور ہم سے عہد لے رکھا ہے کہ ہم کسی مدعیٔ نبوت پر اُس وقت تک ہرگز ایمان نہ لائیں جب تک وہ ہمارے سامنے کوئی خاص معجزہ یعنی کوئی ایسی قربانی اور نذر و نیاز نہ لائے کہ اُس کو آسمانی آگ کھا جائے یعنی آسمان سے آگ نازل ہو اور وہ آگ اُس نیاز کو جلا دے چوں کہ آپ نے یہ خاص معجزہ دکھایا نہیں اس لئے ہم لوگ آپ پر ایمان نہیں لائے۔ اے پیغمبر آپ ان سے فرما دیجئے کہ بلاشبہ مجھ سے پہلے بہت سے رسول تمہارے پاس بکثرت روشن دلائل اور واضح معجزات لے کر آئے اور بعینہٖ یہ معجزہ بھی لے کر آئے جس کو تم کہہ رہے ہو کہ ہم کو خدا نے ایسا حکم دے رکھا ہے تو تم نے ان پیغمبروں کو کیوں قتل کیا تھا (تیسیر) یہود کے بڑے بڑے لوگوں کی ایک جماعت کے قول کو ظاہر فرمایا ہے۔ کعب بن اشرف۔ مالک بن الصیف، وہب بن یہودہ۔ زید بن التابوہ۔ فنحاص بن عازور، حیی بن اخطب وغیرہ جمع ہو کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھوں نے یہ بات بنائی۔ کہ ہم لوگ آپ کو اس لئے نبی ماننے سے معذور ہیں کہ پہلے نبیوں کی معرفت اللہ تعالیٰ ہم سے یہ عہد لے چکا ہے کہ جب تک کوئی مدعی نبوت خواہ وہ کیسا ہی ہو تم کو قربانی کا معجزہ نہ دکھائے اور اس کی نیاز کو آسمانی آگ نہ جلائے اُسوقت تک اُس پر ایمان نہ لانا چونکہ آپ یہ مخصوص معجزہ دکھاتے نہیں اس لئے ہم آپ پر ایمان نہیں لاتے مطلب یہ ہے کہ اُن کی دو باتیں تھیں ایک تو یہ ان اللہ عھد الینا۔ اور دوسری وہ جو اس کو لازم ہے۔ یعنی یہ کہ اگر آپ یہ بات کر دکھائیں تو ہم آپ کی نبوت پر ایمان لے آئیں۔ پہلی بات تو ان کی بلا دلیل تھی صرف ان کے دلوں کی ایک تراشی ہوئی بات تھی اسی لئے انھوں نے کوئی دلیل پیش بھی نہیں کی اور یہ بات بھی غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی خاص معجزے کے ساتھ ایک ایسے نبی کی نبوت پر ایمان لانے کو موقوف کر دے جس کی نبوت کتب سماویہ سے ثابت ہو البتہ یہ ضرور ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے معجزات کا ظہور ہوتا ہے اور ان معجزات کو ان کے دعویٔ نبوت کی تقویت میں دخل بھی ہوتا ہے لیکن کسی خاص معجزے کیساتھ ان کو مقید کر دینا یہ تو بالکل ہی مہمل چیز ہے بلکہ اگر کسی قوم نے اپنے نبی سے کوئی خاص معجزہ طلب بھی کیا ہے تو اس میں احتیاط برتی گئی ہے اور ہمیشہ منہ مانگا معجزہ دکھانے سے انکار کیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ اگر منہ مانگا معجزہ دیکھنے کے بعد کوئی قوم ایمان نہیں لائے گی تو اس کو عذاب سے بالکل ختم کر دیا جائیگا پس جب عام طور پر قوموں کے مُنہ مانگے معجزات اور نشانات دکھانے سے انکار کیا گیا ہے اور ایمان نہ لانے کی حالت میں ان معجزات کو عذاب استیصال کا سبب قرار دیا گیا ہے۔ تو کسی نبی کی نبوت کو کسی مخصوص معجزے کے ساتھ وابستہ کر دینا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ بات صرف اتنی ہے جیسا کہ بعض مفسرین نے فرمایا ہے اور بائبل سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل میں یہ دستور چلا آتا تھا کہ جب کوئی شخص اپنا ذبیحہ یا نذر و نیاز خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کرنا چاہتا تھا تو وہ اُس ذبیحہ کو پہاڑ پر یا مکان کی چھت پر رکھ دیتا تھا اور اُس زمانہ کا نبی دعا کرتا تھا اس پر آسمان سے ایک سفید رنگ کی آگ نازل ہوتی تھی جو اُس قربانی یا ذبیحہ کو جلا دیتی تھی اُس آگ میں دھواں نہیں ہوتا تھا اور اس کے نازل ہوتے وقت ایک ہلکی سی بھنبھناہٹ ہوتی تھی۔ اس آگ کا قربانی کو جلا دینا قربانی کے مقبول ہونے کی علامت بھی جاتی تھی۔ یہ شاید پُرانا دستور تھا۔ نبی کا دعا کرنا اور آگ کا نازل ہونا یہ نبی کا معجزہ تھا جہاں اور معجزات کا ظہور اس سے ہوتا تھا وہاں یہ بھی ایک معجزہ تھا اس سے زیادہ اس واقعہ کی اور کوئی حقیقت نہیں ہے۔ قربانی ہر اُس چیز کو کہتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ بنایا جائے اگرچہ اب عام طور سے ذبیحہ پر بولا جاتا ہے۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ پہلی اُمتوں پر غنیمت کا مال حلال نہیں تھا اس لئے غنائم کا بھی یہی طریقہ تھا کہ غنائم کے اموال پہاڑ پر رکھ دیا کرتے تھے اور آسمان کی آگ اس کو آ کر جلا دیا کرتی تھی۔ بہرحال انبیاء بنی اسرائیل کا یہ ایک معجزہ ہوتا تھا کہ ان کی دعا کی برکت سے لوگوں کی نیاز اس طرح قبول ہوتی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یہ دستور موقوف ہو چکا تھا بلکہ سدی کا بیان ہے کہ حضرت مسیح کے زمانے میں بھی یہ دستور نیاز کا باقی نہ رہا تھا۔ (باقی تفسیر میں)

ف اے مسلمانو! بلاشبہ تم اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے نقصان کے سلسلہ میں ابھی اور آزمائے جاؤ گے اور یقیناً تم کو ان لوگوں سے جو تم سے پہلے کتاب دئے گئے ہیں یعنی اہل کتاب سے اور ان لوگوں سے جو مشرک ہیں ابھی اور بہت سی تکلیف دہ اور دل آزار باتیں سننی پڑیں گی اور اگر تم نے ان آئندہ آنے والے مصائب پر صبر کیا اور ان باتوں کو برداشت کیا اور تقوے کے پابند رہے تو یقین جانو یہ صبر و تقویٰ بڑے اہم اور تاکیدی احکام میں سے ہیں۔ اور یہ ہمت اور اولوالعزمی کے کاموں میں سے ہیں (تیسیر) چونکہ اوپر فنحاص اور حضرت ابوبکر صدیق کا واقعہ گزر چکا ہے اُسی سلسلے میں آیت نازل ہوئی ہے کہ ابھی اور اس قسم کی دل خراش اور دل آزار باتیں سننی ہوں گی۔ اور بعض روایات میں ہے کہ کعب بن اشرف یہودی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی شان میں اکثر ہجو کے اشعار کہا کرتا تھا اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت بدر کے واقعہ سے پہلے نازل ہوئی ہے بعض نے کہا دل آزاری سے مراد ہے قصیدوں کی تشبیب میں عورتوں کا ذکر کرنا

وَإِن تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ
اور اگر تم نے صبر کیا اور تقوے کے پابند رہے تو یقیناً یہ بڑی ہمت اور عزم کے
الْأُمُورِ ﴿١٨٦﴾ وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا
کام ہیں ف اور یاد کرو جب اللہ نے اہل کتاب سے اس بات کا عہد
الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ فَنَبَذُوهُ
لیا تھا کہ تم اس کتاب کو لوگوں کے روبرو صاف صاف بیان کر دو گے اور اس کو چھپاؤ گے نہیں پھر ان اہل کتاب نے
وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا
اس عہد کو پس پشت ڈال دیا اور اس کتاب کے بدلے میں بہت ہی معمولی قیمت حاصل کر لی
فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُونَ ﴿١٨٧﴾ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ
سو کیا ہی بری ہے وہ چیز جو یہ حاصل کر رہے ہیں ف اے پیغمبر آپ ان لوگوں کو ہرگز عذاب سے نجات پانے والا
بِمَا أَتَوا وَّيُحِبُّونَ أَن يُحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا
اور محفوظ نہ سمجھئے جو اپنے کئے پر خوش ہیں اور جو کام انھوں نے نہیں کیا
فَلَا تَحْسَبَنَّهُم بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ
اس پر ستائش و تعریف کے خواہش مند ہیں بلکہ ایسے لوگوں کو دردناک عذاب
أَلِيمٌ ﴿١٨٨﴾ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ وَاللَّهُ
ہونا ہے۔ اور کل آسمانوں کی اور زمین کی بادشاہت اللہ ہی کے لئے ہے اور اللہ تعالیٰ
عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٨٩﴾ إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَ
ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے ف بلاشبہ آسمانوں کے اور زمین کے
الْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِّأُولِي
بنانے میں اور رات اور دن کے آگے پیچھے آنے میں ان لوگوں کیلئے بڑے بڑے دلائل ہیں
الْأَلْبَابِ ﴿١٩٠﴾ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا
جو اہل عقل و خرد ہیں ف یہ وہ لوگ ہیں جو کھڑے اور بیٹھے اور پہلوؤں پر لیٹے

بہر حال آیت میں اہل کتاب اور مشرکین کی جارحانہ کارروائیوں کی مذمت کرنا ہے اور مسلمانوں کو آئندہ اس قسم کے امتحانات سے باخبر کرنا ہے۔ اور صبر اور تقویٰ کی تاکید کرنا ہے۔ واللہ اعلم۔ مطلب یہ ہے کہ ابھی کیا ہے اور غزوۂ اُحد میں تم نے کیا دیکھا ہے ابھی نہ معلوم اور کیا کیا امتحان تم پر آئیں گے اگر دنیا میں امن اور سلامتی کا پیغام پہنچانا اور اعلاء کلمۃ اللہ کی غرض سے زندہ رہنا ہے تو قدم قدم پر بدمعاشوں اوباشوں اور شرارت پسندوں کی رکاوٹ کو دور کرنا پڑے گا۔ اور روزمرہ جارحانہ کارروائیوں کی مدافعت کرنی ہوگی۔ اور ایک فنحاص کیا بلکہ ہر ایک اہل کتاب اور مشرک کی دل آزار باتیں سننی ہوں گی۔ اور جب تک مسلمانوں کے ہاتھ اقتدار اور قوت نہ آئے گی یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ لہٰذا ہم اپنے سابقہ وعدے کو پھر یاد دلاتے ہیں کہ اگر تم اے مسلمانو! ثابت قدم رہے اور استقلال سے جمے رہے اور تقویٰ کے پابند رہے تو یہ تمہارے لئے انجام کے اعتبار سے بہتر ہوگا اور تم کامیاب ہوگے اور تم کو کوئی نقصان نہ ہوگا کیونکہ یہ کام معزمات امور سے ہیں یا یہ کام ان کاموں میں سے ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے تاکید فرمائی ہے عزم کے معنی ہیں کسی رائے پر اس طرح قائم رہنا کہ اُس کو کر گزرنا۔ عزیمت اور رخصت اُردو میں بھی استعمال ہوتا ہے اور مسائل فقہیہ میں تو عام طور سے یہ لفظ مستعمل ہے۔ یہاں دو معنی کئے ہیں ایک تو یہ کہ یہ ایسے کام ہیں جن پر ہر شخص کو رغبت کرنی چاہئے اور ہمت سے ان کو کر گزرنا چاہئے اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے تاکیدی احکام ہیں جن کو پورا کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ ہم نے تیسیر میں دونوں معنی کا لحاظ رکھا ہے۔ شرط کی جزا یا تو محذوف ہے۔ جیسا کہ ہم نے تسہیل میں اشارہ کیا ہے کہ اگر صبر کرو گے اور تقوی کے پابند رہوگے تو وہ تمہارے حق میں بہتر ہوگا۔ اس صورت میں آخری جملہ دلیل اور علت ہوگی۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ذٰلک سے مخاطبین کا صبر مراد ہو ایسی صورت میں آخری جملہ بھی شرط کا جواب ہو سکتا ہے اب آگے یہود کی حقیقی عہد شکنی کا ذکر ہے۔ کہ ان شریروں نے ایک طرف تو فرضی عہد گھڑ رکھا ہے اور پیغمبر پر ایمان نہ لانے کا اس کو بہانہ بنا لیا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان سے اس قسم کا کوئی عہد نہیں لیا اور دوسری طرف اُن کی یہ حالت ہے کہ جس بات کا واقعی عہد لیا تھا اس عہد کو انھوں نے پس پشت ڈال دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل)

ع ۱۹ ۹ ۱۰

ف اور وہ واقعہ یاد کرو جبکہ اللہ تعالیٰ نے ان اہل کتاب سے انبیاء کی یا کتب سماویہ کی معرفت یہ عہد لیا کہ تم اس کتاب کے تمام مضامین کو لوگوں کے سامنے صاف صاف بیان کرنا اور کتاب کے کسی مضمون اور کسی حکم کو چھپانا نہیں اور نہ پوشیدہ رکھنا لیکن انھوں نے اس عہد کا یہ حشر کیا کہ اس عہد کو اپنی پیٹھوں کے پیچھے ڈال دیا اور اس پر عمل نہ کیا اور اُس کتاب کے بدلے میں انھوں نے معمولی قیمت اور کم حقیقت معاوضہ حاصل کر لیا وہ چیز بہت بُری ہے جس کو یہ لوگ حاصل کر رہے ہیں (تیسیر) عہد کا مطلب یہ ہے کہ ان کو انبیاء کی معرفت یا ان کی کتابوں میں یہ حکم دیا گیا تھا اور انھوں نے اس کو قبول کیا تھا کہ ہم کتاب کے مضامین اور احکام میں خیانت نہیں کریں گے۔ واشتروا بہ سے مراد کتاب ہے جیسا کہ ہم نے اختیار کیا ہے اور ہو سکتا ہے کہ بجائے کتاب کے عہد مراد ہو مطلب میں کوئی فرق نہیں ہے۔ حضرت حق نے دنیا کا مال لے لیکر مسائل کو چھپانا۔ تحریف کرنا۔ مسئلہ غلط بتانا ان سب کو اشترا سے تعبیر فرمایا گویا روپیہ
(باقی ضمیمہ میں)

وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ

ہر حال میں خدا کو یاد کیا کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی ساخت میں غور و فکر

الْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا

کیا کرتے ہیں اور یوں کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار تو نے ان چیزوں کو عبث اور بیکار نہیں بنایا ہے تو ہر عیب سے پاک ہے

عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾ رَبَّنَاۤ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ

سو تو ہم کو آگ کے عذاب سے بچالے اے ہمارے پروردگار جس کو تو نے دوزخ میں داخل کر دیا تو درحقیقت اسکو

اَخْزَيْتَهٗ ۗ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۱۹۲﴾ رَبَّنَاۤ اِنَّنَا

رسوا ہی کر دیا اور ایسے گناہ گاروں کا کوئی بھی مددگار نہیں۔ اے ہمارے پروردگار ہم

سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِیْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ

نے ایک پکارنے والے کو سنا جو ایمان کی منادی کر رہا تھا کہ تم لوگ اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ

فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا

سو ہم ایمان لے آئے اے ہمارے پروردگار اب آپ ہمارے گناہوں کو بخش دیجئے اور ہماری سب برائیاں ہم سے دور کر دیجئے

وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ﴿۱۹۳﴾ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی

اور ہم کو نیک لوگوں کیساتھ موت دیجئے۔ اے ہمارے پروردگار جن چیزوں کا آپنے اپنے رسولوں کی معرفت ہم سے وعدہ کیا ہے

رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ

وہ ہم کو عطا کر دیجئے اور ہم کو قیامت کے دن رسوا نہ کیجئے بلاشبہ آپ وعدہ خلافی

الْمِيْعَادَ ﴿۱۹۴﴾ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَاۤ اُضِيْعُ عَمَلَ

نہیں کیا کرتے پھر اُن کے پروردگار نے ان کی دعا قبول فرمالی اور ارشاد ہوا کہ میں تم میں سے کسی محنت کرنیوالے کی

عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ

محنت کو خواہ وہ مرد ہو یا عورت ضائع کرنیوالا نہیں ہوں تم سب آپس میں ایک دوسرے کی

بَعْضٍ ۚ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ

مثل ہو سو جنھوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور

ف وہ اولی الالباب ایسے ہیں جو ہر حال میں خواہ کھڑے ہوں یا بیٹھے ہوں۔ خواہ کسی پہلو پر لیٹے ہوں اللہ تعالیٰ کی یاد کیا کرتے ہیں اور آسمانوں کی اور زمین کی ساخت اور ان کے پیدا ہونے میں غور و فکر کرتے ہیں اور غور و فکر کے نتیجے کو اس طرح ظاہر کرتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ اے پروردگار تو نے یہ سب کچھ فضول۔ عبث اور بے کار بے مقصد نہیں بنایا ہے بلکہ اس مخلوق کے بنانے میں تیری بیشمار حکمتیں اور مصلحتیں پوشیدہ ہیں ہم تجھ کو ہر عیب سے پاک سمجھتے ہیں سو تو ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچالے (تیسیر) اہل عقل و خرد کا وصف بیان فرمایا کہ یہ لوگ زمین و آسمان کی پیدائش میں غور و فکر کرتے ہیں یعنی زمین و آسمان کا باہمی ربط اور اس سے جو مختلف احوال و کیفیات کا ظہور ہوتا ہے اُس پر گہری نظر ڈالتے ہیں اور نتیجہ خیز فکر سے کام لیتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی توحید اور اُس کے کمال قدرت پر ایمان لاتے ہیں کیوں کہ غور و فکر ایک تو وہ ہے جو آج کل کے سائنسداں اور فلسفہ والے غور و فکر کرتے ہیں۔ جس کا نتیجہ سوائے گمراہی کے اور کچھ نہیں اور ایک غور کرنا یہ ہے کہ نظام عالم پر غور فکر کرنے کے خالق کی وحدانیت کو تسلیم کیا جائے اور اس کے احکام کو قبول کیا جائے جو ایک مومن کامل کی شان ہے اور یہی اُن اہل عقل و خرد کا کام ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ایک غور تو ہے طرز خلقت پر مثلاً آسمان کس طرح بنے زمین کس طرح بنی۔ ستاروں کی گردش آسمان کی گردش کے تابع ہے یا ان کی حرکت مستقل ہے۔ جو تارے ثوابت ہیں ان کی کیفیت کیا ہے ان تمام باتوں کا تعلق علم ہیئت سے ہے۔ اور ایک غور و فکر کا مطلب یہ ہے کہ یہ تمام نظام کسی خاص حکمت اور مصلحت کے ماتحت بنا ہے یا محض فضول اور عبث اور کھیل ہے۔ یہ غور و فکر ہے غرض خلقت میں اور آیت میں یہی زیر بحث ہے اور اسی کا وہ نتیجہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ پر ایمان یا اُس ایمان کی تقویت۔ اور یہ جو فرمایا کھڑے بیٹھے اور لیٹے ذکر الٰہی میں مشغول رہتے ہیں۔ اس ذکر سے مراد ذکر لسانی اور ذکر قلبی دونوں ہیں۔ بلکہ نماز جو سرتاپا ذکر ہے اس کو بھی شامل ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس ذکر اللہ سے نماز مراد لی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابوالدردا کا قول ہے کہ ایک گھڑی کا تفکر پوری شب کی عبادت سے بہتر ہے۔ دیلمی نے حضرت انسؓ سے مرفوعاً اس کو نقل کیا ہے۔ حضرت ابوہریرہ نے مرفوعاً روایت کیا ہے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گھڑی کا فکر ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ ایک شخص لیٹا ہوا آسمان کو اور تاروں کو دیکھ رہا تھا اس نے کہا میں خوب جانتا ہوں کہ اس کائنات کا ایک پروردگار اور خالق ہے یا اللہ مجھ کو بخشدے اللہ تعالیٰ نے اس شخص پر نظر رحمت ڈالی اور اُس کو بخش دیا۔ ابن المنذر نے حضرت عون کا قول روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ میں نے حضرت ام سلمہ سے دریافت کیا تھا۔ کہ افضل عبادت کیا ہے انہوں نے فرمایا تفکر اور اعتبار یعنی غور و فکر کرنا اور عبرت حاصل کرنا۔ عامر بن قیسؓ فرماتے ہیں میں نے بہت سے صحابہ سے سُنا ہے کہ ایمان کا نور یا ایمان کی ضیاء تفکر ہے۔ حضرت شیخ ابوسلیمان دارانی کا قول ہے جب میں اپنے گھر سے باہر نکلتا ہوں تو جس چیز پر میری نظر پڑتی ہے اس کو اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت دیکھتا ہوں اور مجھے اس سے عبرت حاصل ہوتی ہے۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے اجازت لیکر اٹھے آپ نے مشک سے پانی نکالا وضو کیا۔ مسواک کی اور نماز پڑھنی شروع کی اور نماز میں روتے رہے یہاں تک کہ آپ کے آنسو نیچے گرتے رہے پھر سجدے میں بھی اس قدر روئے کہ زمین تر ہو گئی۔ پھر آپ صبح تک روتے ہی رہے جب حضرت بلالؓ حاضر ہوئے اور انھوں نے رونے کا سبب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے آل عمران کی آخری آیتیں نازل فرمائی ہیں اُس شخص پر افسوس ہے جس نے ان آیتوں کو پڑھا اور ان پر غور نہیں کیا حضرت ابن عباس اپنا چشم دید واقعہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو اٹھے وضو کیا اور آسمان کی طرف دیکھ کر ان فی خلق السمٰوٰت کی آیتیں پڑھیں بعض روایات میں تہجد کے وقت آپ کا آل عمران کی آخری آیتوں میں سے دس آیات کا پڑھنا ثابت ہے جو آپ آسمان کی طرف دیکھ کر پڑھا کرتے تھے۔ اور جب غور و فکر کا نتیجہ عبرت اور ایمان ہے تو اس لئے یہ اولوالالباب اس نتیجے پر پہونچ کر کہتے ہیں ہم آپ کی جملہ عیوب سے پاکی بیان کرتے ہیں خاصکر اس عیب سے پاک بیان کرتے ہیں کہ آپ کوئی عبث اور لایعنی کام کریں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے دوزخ سے بچاؤ کی درخواست ہے کہ آپ

(باقی ضمیمہ میں)

ف۱ پھر ان لوگوں کے پروردگار نے ان کی دعا قبول فرمالی اور ان کی درخواست منظور فرمالی اور یوں فرمایا کہ میرا دستور یہ ہے کہ میں کسی محنت کرنیوالے کی محنت کو جو تم میں سے محنت کرنے والا ہو ضائع نہیں کیا کرتا اور جو شخص تم میں سے نیک عمل کرنیوالا ہو اس کے نیک عمل کو اکارت اور ضائع نہیں کیا کرتا خواہ وہ نیک کام کرنے والا مرد ہو یا عورت ہو۔ کیونکہ تم سب آپس میں ایک دوسرے کی مثل اور ایک دوسرے کے جزو ہو۔ لہٰذا جن لوگوں نے ہجرت اختیار کی اور وہ اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میری راہ میں وہ طرح طرح کی مختلف قسم کی تکلیفیں دیئے گئے۔ اور اس سے بڑھ کر یہ کہ انھوں نے میری راہ میں جہاد بھی کیا اور بہت سے شہید بھی کئے گئے تو میں ضرور ان لوگوں کی تمام خطائیں ان سے دور کردوں گا اور معاف کردوں گا اور یقیناً ان کو ایسے باغات میں داخل کردوں گا جن کے محلات اور سیرگاہوں کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی، ان کو یہ صلہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سے ملے گا اور اللہ تعالیٰ ہی کے پاس بہترین صلہ ہے (تیسیر) استجابت کے معنی ہیں جواب دینا۔ قبول کرلینا۔ منظور کرلینا۔ کسی پکارنے والے کی پکار پر پہونچ جانا۔ انی لا اضیع۔ بطور سبب کے ہے کہ میرا قاعدہ اور میرا دستور اور میری عادت یہ ہے کہ تم میں سے ایمان لانے کے بعد جو شخص محنت شاقہ برداشت کرے گا اور اعمال نیک بجا لا رہے گا تو میں اُس کے کام کا صلہ اور ثواب ضائع نہیں کروں گا اور چونکہ اس معاملہ ثواب اور اجر میں مرد اور عورت کا کوئی فرق نہیں اس لئے فرمایا بعضکم من بعض یعنی اس معاملہ میں مرد اور عورت سب ایک ہی جیسے ہیں یا یہ مطلب کہ سب کی اصل ایک ہی ہے یا یہ کہ مرد عورت سے اور عورت مرد سے ہے یعنی ایک دوسرے کا جزو ہے واللہ اعلم۔ ہم نے ترجمہ اور تیسیر میں چند اقوال کا لحاظ رکھا ہے ورنہ معنی تو اور بھی بہت سے ہیں پھر اسی دستور پر تفریع ہے اور عمل کرنیوالوں کے چند اہم اعمال کی تصریح ہے جو مضمون سابق کے مناسب ہے۔ کہ جن لوگوں نے ترک وطن کیا اور یہ ترک وطن بھی ان بیچاروں کو مجبور کرکے کرایا گیا اور ان کو محض اس جرم میں کہ وہ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لے آئے تھے ان کو وطن سے اور ان کے گھروں سے نکالا گیا۔ اور میرے راستے میں اُن کو اور صدہا قسم کی تکلیفیں پہنچائی گئیں اور ترک وطن گھروں سے نکالا جانا اور ایذا رسانی اور قتل و قتال اور شہادت یہ سب میری وجہ سے ہوئی اور مجھ پر ایمان لانے کی وجہ سے یہ سب کچھ ہوا اور میرا دستور بھی ہے کہ میں کسی عمل کرنیوالے کے عمل کے اجر و ثواب کو برباد نہیں کرتا لہٰذا ان انتھک کام کرنیوالوں کو اپنے اعلان کے ذریعہ مطلع کرتا ہوں کہ میں ان لوگوں کے تمام قصور معاف کردوں گا اور تمام تقصیرات کو انکی مٹا دونگا تقصیرات سے مراد صغائر تو ظاہری ہیں۔ جیسا کہ اکثر نے کہا ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ حقوق الٰہی کا جہاں تک تعلق ہے ان سیآت کو صغائر سے عام رکھا جائے جیسا کہ بعض اکابر نے کہا ہے البتہ اس عام میں سے حقوق العباد کو مستثنیٰ کردیا جائے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ دَین اور قرض معاف نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم اور قتلوا اور قتلوا کا یہ مطلب نہیں کہ سب کے سب جہاد کرنیوالے شہید ہوگئے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ جو مر گئے وہ مر گئے باقی آخر تک میدان جہاد میں جمے رہے جیسا کہ ہم نے تیسیر میں اشارہ کیا ہے کہ بہت سے مارے بھی گئے۔ اسی طرح فی سبیلی کا تعلق بھی تمام افعال مذکورہ سے ہے جیسا کہ ہم نے تسہیل میں وضاحت کردی ہے۔ واللہ عندہ حسن الثواب کا مطلب یہ ہے کہ بہترین اور اچھا صلہ تو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کہیں نہیں مل سکتا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس ثواب مذکور سے اور بہتر ثواب بھی اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور اس سے اشارہ قرب الٰہی اور دیدار الٰہی کی جانب ہو واللہ اعلم۔ اور نہروں کے نیچے بہنے کا مطلب وہی ہے جو ہم کئی دفعہ عرض کرچکے ہیں کہ باغوں کی سطح اونچی ہو اور نہروں کی سطح نیچی ہو یا نہروں کے کنارے پر باغ ہوں اور یا یہ کہ جو بارہ دری اور محل اور سیرگاہ ہو اس کے نیچے نہروں کا پانی بہہ رہا ہو۔ واللہ اعلم۔ اب آگے کافروں کے انجام کا بیان کرتے ہیں جیسا کہ قرآن کا قاعدہ ہے تاکہ دونوں باتوں پر غور کرنے کا موقعہ مل جائے اور ایمان و کفر کی حقیقت اور دونوں کا انجام معلوم ہوتا ہے اور اوپر یہ بحث آ بھی چکی ہے کہ کفار کے عیش اور اہل ایمان کی مصیبت سے دھوکہ نہ کھانا چاہئے چنانچہ پہلی آیت میں کفار کے عیش کی بے ثباتی اور دوسری آیت میں اہل تقویٰ کا اجر و ثواب اور تیسری آیت میں مومنین اہل کتاب جو اپنی شریعت کے بعد نبی آخر الزماں کی شریعت پر ایمان لائے انکے اجر و ثواب

أُوذُوا فِي سَبِيلِي وَقَاتَلُوا وَقُتِلُوا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ

میری راہ میں ستائے گئے اور انھوں نے جہاد کیا اور شہید کئے گئے تو یقیناً ان کے سب قصور

سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا

معاف کردوں گا اور ضرور ان کو ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں

الْأَنْهَارُ ثَوَابًا مِّنْ عِندِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عِندَهُ حُسْنُ

بہ رہی ہوں گی یہ اللہ کی جانب سے ان کو صلہ ملے گا اور بہترین صلہ اللہ ہی کے

الثَّوَابِ ﴿١٩٥﴾ لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ ﴿١٩٦﴾

پاس ہے۔ اے پیغمبر شہر بہ شہر کافروں کا آنا جانا آپ کو کسی مغالطہ میں مبتلا نہ کردے

مَتَاعٌ قَلِيلٌ ثُمَّ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿١٩٧﴾

یہ تھوڑے سے دنوں کا فائدہ ہے پھر ان کا آخری ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ دوزخ کیا ہی بری آرامگاہ ہے

لَٰكِنِ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي

مگر ہاں جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہیں ان کیلئے ایسے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں

مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا نُزُلًا مِّنْ عِندِ

بہ رہی ہوں گی وہ ان باغوں میں ہمیشہ کے لئے سکونت پذیر ہوں گے یہ اللہ تعالیٰ کیطرف سے ان کی مہمانی

اللَّهِ ۗ وَمَا عِندَ اللَّهِ خَيْرٌ لِّلْأَبْرَارِ ﴿١٩٨﴾ وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ

ہوگی اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ نیک بندوں کیلئے بہت ہی بہتر ہے۔ اور بیشک اہل کتاب میں سے کچھ لوگ ایسے

الْكِتَابِ لَمَن يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْكُمْ وَمَا أُنزِلَ

ضرور ہیں جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اس تعلیم پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو تمہاری طرف بھیجی گئی ہے اور اس پر بھی

إِلَيْهِمْ خَاشِعِينَ لِلَّهِ لَا يَشْتَرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ ثَمَنًا

جو انکی طرف بھیجی گئی ہے ان کی حالت یہ ہے کہ وہ اللہ کے آگے عاجزی کرنیوالے ہیں نیز آیات الٰہی کے مقابلے میں کم حقیقت

قَلِيلًا ۗ أُولَٰئِكَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ

معاوضہ نہیں لیتے پھر یہی وہ لوگ ہیں جن کا صلہ ان کے رب کے پاس موجود ہے بلاشبہ اللہ تعالیٰ

کا ذکر ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل) ف اے پیغمبر آپ کو ان کافروں کا شہر بشہر تجارت اور دنیوی فوائد کیلئے چلنا پھرنا اور آنا جانا کسی غلطی اور دھوکے میں مبتلا نہ کردے یہ بہت تھوڑا سا فائدہ ہے جو تھوڑے دنوں کیلئے ہے اور مرنے کے بعد کچھ بھی نہیں پھر ان کا آخری ٹھکانا جہنم ہے اور وہ جہنم بہت ہی بُری آرام گاہ ہے۔ لیکن برعکس اس کے وہ لوگ جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں ان کے رہنے کیلئے ایسے باغات ہیں جن کے محلات اور سیرگاہ کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی ان باغوں میں وہ ہمیشہ سکونت پذیر رہیں گے یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی مہانی اور مہمانی کا سامان ہوگا اور جو چیزیں اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں وہ نیک لوگوں کیلئے کفار کے ان چند روزہ دنیوی ساز و سامان سے بدرجہا بہتر ہیں اور یقیناً اہل کتاب میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ضرور ہیں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کتاب اور اس تعلیم پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو تمہاری طرف بھیجی گئی ہے اور اُس کتاب کے ساتھ بھی اعتقاد رکھتے ہیں جو ان کی طرف بھیجی گئی تھی اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے میں اُن کی حالت یہ ہے کہ وہ اس کے آگے عاجزی کرتے ہیں اور اُس سے ڈرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی آیات کے مقابلہ میں دنیا کا کم حقیقت معاوضہ نہیں حاصل کرتے پھرتے اور اللہ کی آیات بے حقیقت قیمت کے عوض فروخت نہیں کیا کرتے ایسے لوگوں کو اُن کے رب کے ہاں اُن کا اجر ملے گا اور یہی وہ لوگ ہیں جن کی مزدوری اور حق الخدمت ان کے پروردگار کے پاس موجود ہے۔ یقین مانو! کہ اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب کرنے والا ہے اور وہ بہت جلد ہی حساب بے باق کردیا کرتا ہے (تیسیر) لا یغرنک میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور مطلب یہ ہے کہ آپ کو اپنی رائے پر ثابت رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ معاذ اللہ آپ میں کوئی تزلزل رونما تھا اور اس قسم کا کوئی خیال کرنا حضور انور کی عصمت کے بھی منافی نہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خطاب آپ کو ہے مگر مراد آپ کی اُمت ہو جیسا کہ عام طور پر حکم سردار اور حاکم کے نام ہو مگر مراد اس کے متبعین اور ماتحت ہوتے ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خطاب ہر مخاطب کو ہو۔

سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹۹﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا

بہت جلد حساب کردیا کرتا ہے ف اے ایمان والو مصائب پر صبر کرو اور دشمن کے مقابلہ میں ثابت قدم رہو

وَرَابِطُوْا ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۲۰۰﴾ ع

اور آمادہ و مستعد رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم مقصد میں کامیاب ہو ف ۲

سُوْرَةُ النِّسَآءِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّسِتٌّ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَّاَرْبَعٌ وَّعِشْرُوْنَ رُكُوْعًا

سورۂ نساء مدنی ہے اور یہ ایک سو چھہتر آیتیں اور چوبیس ۲۴ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ

اے انسانو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان دار سے

نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا

پیدا کیا اور اسی جان دار سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بکثرت مرد اور

رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ

عورتوں کو پھیلا دیا اور اُس اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دیکر ایک دوسرے سے مطالبہ کیا کرتے ہو اور قرابت

بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ﴿۱﴾ وَاٰتُوا

کے تعلقات کو قطع کرنے سے پرہیز کرو یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ تم پر نگراں ہے ف۲ اور یتیموں کے

الْيَتٰمٰۤى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۠

مال ان کو دیتے رہا کرو اور پاک مال کو ناپاک مال سے نہ بدلو

وَلَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَهُمْ اِلٰۤى اَمْوَالِكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ

اور ان کے مال اپنے مالوں کے ساتھ ملا کر خورد برد نہ کرو یقیناً ایسا کرنا بہت

حُوْبًا كَبِيْرًا ﴿۲﴾ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى

بڑا گناہ ہے ف۳ اور اگر تم کو اس بات کا اندیشہ ہو کہ تم یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف نہ کرسکو گے

ع ۲۰ / ۱۱ / ۱۱

تَقَلُّبُ کے معنی لوٹ پلٹ۔ چلت پھرت آنا جانا۔ خواہ وہ تجارت کی غرض سے ہو یا نفع کی غرض سے ہو بہرحال شہر بشہر اُن کا جانا اور دنیوی منافع اور مکاسب کا حاصل کرنا اور سیر و تفریح کے مزے اڑانا یہ باعث رشک نہ ہونا چاہئے اور اس سے کسی مغالطہ میں مبتلا نہ ہو جیسا کہ بعض لوگوں کو خیال ہو جاتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے دشمن تو دنیا بھر کے مزے لوٹتے پھرتے ہیں اور ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں اور پھر ہر قسم کے مصائب میں مبتلا ہیں تو کافروں کا یہ عیش اور یہ عارضی فائدہ قابل التفات نہ ہونا چاہئے یہ مزے آخرت کے مقابلے میں اول تو کوئی حقیقت نہیں رکھتے پھر یہ لوگ آخرت میں ہر فائدے سے محروم ہیں کیونکہ ان کا آخری ٹھکانا دوزخ ہے۔ مہد کے معنی ہم بتا چکے ہیں کہ مہد اصل میں تو اس جگہ کو کہتے ہیں جو بچہ کے سونے کے لئے بناتے ہیں لیکن عام طور سے فرش۔ بچھونا۔ اور رہنے کی جگہ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے مہاد کا ترجمہ منزل کیا ہے۔ تقلب کو متاع فرماتے ہیں۔ مسبب کو سبب کے قائم مقام کردیا ہے۔ ورنہ تقلب متاع کا سبب ہے لکن الذین اتقوا کا یا تو یہ مطلب ہے کہ جو لوگ اُن میں سے اپنے پروردگار سے ڈریں اور ایمان لے آئیں تو ان کے لئے آخرت میں بھی ثواب ہے۔ اور یا یہ مطلب ہے کہ کسی کو یہ وہم نہ ہو کہ نفس تقلب اور مکاسب و منافع کا مقتضا جہنم اور ثواب آخرت سے محرومی ہے نہیں بلکہ جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہیں وہ باوجود تجارت کرنے اور شہر در شہر جاکر نفع حاصل کرنے کے بھی اجر و ثواب کے حق دار ہوں گے۔ مطلب یہ ہے کہ آخرت کا اجر و ثواب تو اہل تقویٰ کیلئے ہے اگر وہ تاجر ہوں اور شہر بشہر آتے جاتے بھی ہوں تو وہ آخرت سے محروم نہ ہوں گے کیونکہ تجارت کرنا یا سیر و سیاحت کی غرض سے یا تبدیلِ آب و ہوا کی غرض سے سفر کرنا یا تفریح کیلئے کہیں جانا آنا اگر تقویٰ کے ساتھ ہو تو موجب جہنم نہیں ہے۔ آخرت کی محرومی کا اصل سبب تو کفر ہے۔ نزلاً کے معنی مہانی یا وہ چیز جو مہمان کے لئے تیار کی جائے۔ بہرحال اہل تقویٰ کا یہ مرتبہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے مہمان ہوں گے اور جن باغات کا ذکر کیا گیا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی مہانی کا سامان ہوگا۔ وما عند اللہ خیرا کا ایک مطلب تو وہی ہے جو ہم نے تیسیر میں عرض کیا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ (باقی ضمیمہ میں)

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ

توان کی بجائے اور عورتیں جو تم کو پسند ہوں ان میں سے دو دو اور تین تین اور چار چار عورتوں سے

وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا

نکاح کرلو پھر اگر تم کو یہ خوف ہو کہ تم چند عورتوں کے درمیان انصاف نہ کرسکو گے تو ایک ہی بیوی پر اکتفا کرو یا ان باندیوں پر

مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا ﴿۳﴾ وَاٰتُوا

قناعت کرو جو تمہاری مِلک ہوں بے انصافی سے بچنے کے لئے یہ طریقہ زیادہ قرینِ صواب ہے ف۱ اور تم عورتوں کو

النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ۭ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ

ان کے مہر خوش دلی کے ساتھ ادا کردیا کرو ہاں اگر وہ خوش دلی کے ساتھ خود بخود اس

شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْۗـــــًٔـا مَّرِيْۗـــــًٔـا ﴿۴﴾ وَلَا تُؤْتُوا

مہر میں سے کچھ تم کو چھوڑدیں تو اس کو رچتا پچتا سمجھ کر کھاؤ ف۲ اور اے سرپرستو تم

السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِىْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّ

اپنے وہ مال جن مالوں کو اللہ تعالیٰ نے تم سب لوگوں کے گزارے کا سبب بنایا ہے بیوقوف اور ناسمجھ یتیموں کے سپرد نہ کردو

ارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۵﴾

البتہ ان مالوں سے اُن کو کھلاتے اور پہناتے رہو اور ان سے معقول بات کہتے رہو ف۳

وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ

اور یتیموں کی عقل و شعور کا جائزہ لیتے رہا کرو یہاں تک کہ جب وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں پھر اگر تم ان میں صلاحیت و

مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ

اہلیت دیکھو تو ان کے مال ان کے سپرد کردو اور اس خوف سے کہ کہیں وہ یتیم بڑے

اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ۭ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا

نہ ہوجائیں ان کے مال جلدی جلدی فضول خرچی کرکے نہ کھا جاؤ اور یتیم کا جو سرپرست دولتمند ہو

فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ

تو وہ یتیم کے مال سے بالکل پرہیز کرے اور جو سرپرست حاجتمند ہو تو وہ دستور کے موافق بقدرِ حاجت کھا لیا کرے

ف۱ اور اگر تم کو اس امر کا اندیشہ ہو کہ تم یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف نہ کرسکو گے اور ان کے مہر وغیرہ کے متعلق تم عدل و انصاف کی رعایت نہ رکھ سکو گے تو ان یتیم لڑکیوں کے علاوہ تم اور دوسری حلال عورتوں میں سے جو تم کو کسی وجہ سے پسند ہوں ان سے نکاح کرلو اور یہ نکاح خواہ دو دو عورتوں سے کرو خواہ تین تین عورتوں سے خواہ چار چار عورتوں سے بہرحال کوئی شخص چار عورتوں سے زائد کو نکاح میں نہ رکھے پھر اگر ایک سے زیادہ عورتوں کو نکاح میں رکھنے سے اس امر کا ظن غالب ہو کہ تم ان میں مساویانہ برتاؤ نہ کرسکو گے اور ان عورتوں کے درمیان عدل قائم نہ رکھ سکو گے تو پھر ایک ہی عورت پر اکتفا کرو یا قواعد شرعیہ کے موافق ان باندیوں پر اکتفا کرو جن کے تمہارے داہنے ہاتھ مالک ہوئے ہیں یعنی وہ باندیاں جو تمہاری مملوک ہیں۔ یہ طریقہ اختیار کرنے میں اس امر کی پوری توقع ہے کہ تم ایک جانب نہ ڈھل جاؤ اور ناانصافی کے مرتکب نہ ہو (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ محض اس خیال سے کہ یتیم لڑکی مالدار ہے اور صاحب حسن و جمال ہے اور ہماری سرپرستی میں ہے تو لاؤ ادنے پونے مہر باندھ کر اس لڑکی سے نکاح کرو تاکہ اس کا مال قبضہ میں رہے۔ یہ طریقہ اپنی ولایت و سرپرستی سے غلط فائدہ اٹھانے کا ہے۔ لہٰذا اگر تم کو ذرا سا بھی خطرہ ہو کہ تم یتیمہ کے بارے میں انصاف نہ کرسکو گے تو اس سے نکاح نہ کرو اور اس کے علاوہ دوسری عورتیں جو تمہارے لئے حلال ہوں اور تم کو کسی وجہ سے خواہ حسن و جمال کے اعتبار سے خواہ قابلیت اور خاندان کے اعتبار سے پسند ہوں ان سے نکاح کرلو ہاں یہ ضرور ہے کہ اور عورتوں سے بھی نکاح کرو تو اس قید کے ساتھ کرو کہ ان کی تعداد چار عورتوں سے نہ بڑھنے پائے یعنی ایک وقت میں چار عورتوں سے زائد نکاح میں نہ ہوں۔ خواہ تم میں سے ہر ایک مرد دو دو عورتوں سے خواہ تین تین عورتوں سے خواہ چار چار عورتوں سے نکاح کرلے مگر ہر ایک شخص چار سے زائد کو نکاح میں نہ رکھے اور اگر ایک سے زائد عورتوں کے رکھنے میں اس امر کا یقین ہو کہ تم ان میں عدل قائم نہ رکھو گے اور مساویانہ برتاؤ نہ رکھ سکو گے بلکہ کسی کے ساتھ سلوک میں زیادتی اور کسی کے ساتھ کمی واقع ہوگی تو ایسی حالت میں ایک ہی بیوی پر بس کرو اور ایک سے زائد نہ کرو یا صرف اپنی مملوکہ باندیوں پر قناعت کرو کیونکہ ان میں نہ مہر کی ادائیگی ہے اور نہ وجوباً تقسیم لازم ہے جو ناانصافی کا خوف پیدا ہو بخلاف آزاد عورتوں کے کہ ان کے حقوق باندیوں سے زیادہ ہیں یہ امر مذکور اور یہ طریقہ جو ہم نے بیان کیا ہے یہ تم کو ناانصافی اور گمراہی سے بچالینے میں قریب تر اور قرینِ مصلحت ہے۔ خلاصہ آیت زیر بحث کا یہ ہے (۱) ہر چند کہ ولی کو یہ حق ہے کہ اگر کوئی یتیمہ اُس کی نگرانی میں ہو اور شرعاً اس سے نکاح جائز ہو تو وہ اپنی ولایت سے اس کا خود اپنے سے نکاح کرسکتا ہے۔ لیکن اس حق کو اغراض فاسدہ کے لئے استعمال نہیں کرنا چاہئے مثلاً اس خیال سے کہ اس کا نکاح کسی اور سے ہوگا تو اس کی دولت دوسری طرف منتقل ہوجائے گی یا میں کسی اور عورت سے شادی کروں گا تو مجھ کو مہر زیادہ ادا کرنا ہوگا یہ معاملہ گھر کے گھر میں ہی تھوڑا سا مہر دیکر کرلوں گا تو ہوجائیگا اس کا کوئی کہنے سننے والا تو ہے ہی نہیں مزید تفصیل اس مسئلے کی انشاء اللہ تعالیٰ پانچویں پارے کے آخر میں آجائے گی۔ یہاں اس قدر فرمایا کہ یتیمہ (۱) امر کی مستحق ہے کہ اس کے ساتھ انصاف کیا جائے اور اس کو نقصان سے بچایا جائے اگر کسی قسم کی کارروائی سے اس کے ساتھ ناانصافی کا اندیشہ ہو تو اس سے باز رہو (۲) اگر تم کو نکاح کرنا ہے اور تم کو نکاح کی ضرورت ہے تو اور عورتیں موجود ہیں یہ کیا ضرور ہے کہ یتیمہ ہی سے نکاح کرو اور اس کو نقصان پہونچاؤ یا اس کے مال پر قبضہ قائم رکھو۔ لہٰذا محرمات کو چھوڑ کر جو عورتیں تم کو پسند ہوں ان سے نکاح کرلو۔ پسند کی صورتیں مختلف ہوتی ہیں کسی عورت کی خوش سلیقگی مشہور ہو۔ یا حسن و جمال میں شہرت رکھتی ہو یا تم کو خاندان کے اعتبار سے پسند ہو۔ یا جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ جب کسی عورت سے منگنی کا ارادہ کیا جائے تو اس کے چہرے کو دیکھا جاسکتا ہے بشرطیکہ اس کی استطاعت ہو۔ اس مضمون کی حدیث ابوداؤد اور ترمذی نے جابر اور مغیرہ بن شعبہ سے نقل کی ہے۔ بہرحال پسند کی جو شکل بھی ہو (۳) یہ جو فرمایا دو اور تین اور چار چار یہ محض مخاطبین کے اعتبار سے ہے جیسا کہ ہم نے تیسیر میں اشارہ کردیا ہے۔ اس کی شکل ایسی ہے جیسے کوئی حاضرین پر کھجوریں تقسیم کرتے وقت کہے کہ اس میں سے دو دو تین تین چار چار لے لو۔ تو اس تقسیم کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہر شخص کو (باقی ضمیمہ میں)

ف ۱ اور تم یتیموں کی آزمائش کرتے رہو اور ان کی عقل اور ان کے شعور کا جائزہ لیتے رہو یہاں تک کہ جب وہ نکاح کی عمر کو پہونچ جائیں اور بالغ ہوجائیں پھر اگر بالغ ہونے کے بعد تم ان میں صلاحیت واہلیت اور سلیقہ وتمیز دیکھو اور ان میں رشد وہوشیاری پاؤ تو ان کے اموال اُن کے سپرد کر دو اور دیکھو اس خیال سے کہ کہیں وہ یتیم بڑے نہ ہوجائیں اور بالغ نہ ہوجائیں ان کے مال جلدی جلدی فضول خرچی کرکے نہ کھا جاؤ اور خرچ نہ کر ڈالو۔ اور یتامیٰ کے اولیا میں سے جو شخص صاحب ثروت اور مستغنی ہو تو وہ یتیم کا مال کھانے سے اپنے کو بالکل بچائے اور محفوظ رکھے اور اُن اولیاء میں سے جو شخص محتاج وحاجت مند ہو تو وہ دستور کے موافق بقدر حاجت حق خدمت کے طور پر کچھ لے لیا کرے اور کھالیا کرے اور دیکھو جب یتیم کے بالغ ہونے کے بعد اس کا مال اس کے سپرد کرنے لگو تو استحباباً اس سپردگی پر لوگوں میں سے گواہ بنالیا کرو اور یوں تو حساب لینے اور حساب سمجھنے میں اللہ تعالیٰ کی ذات کافی ہے اور وہ سب کی دیانت وامانت اور خیانت سے باخبر ہے (تیسیر) حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی یتیم کا مال اپنے خرچ میں نہ لاؤ مگر اُس کا رکھنے والا محتاج ہو تو خدمت کے در ماہہ لیوے اور جس وقت باپ مرے تو پنچایت کے روبرو یتیم کا مال اما نتار کو سونپ دیں جب یتیم بالغ ہو تو اس کے موافق حوالے کرے جو خرچ ہوا وہ سمجھادے اور اُس وقت بھی شاہدوں کو دکھادے (موضح القرآن) آیت کا مطلب یہ ہے کہ یتیموں کی دیکھ بھال رکھو اور ان کی معاملہ فہمی کا جائزہ لیتے رہو کبھی دو چار پیسے کا سودا سلف کبھی کچھ ان سے فروخت کرادیا اور اس قسم کی بیع اور شرا جو ولی کی اجازت سے ہو نابالغ کی بھی نافذ ہوجاتی ہے اس لئے ان کو سدھاتے اور اُن کی عقل کا جائزہ لیتے رہو۔ یہاں تک کہ وہ بالغ ہوجائیں۔ جس کی اصل علامت تو انزال اور حیض اور موئے زہار ہیں اور یا پھر لڑکے اور لڑکی کیلئے پندرہ سال کی عمر کا ہوجانا ہے۔ حنفیہ کے نزدیک پندرہ سال مفتی بہ ہیں۔ بالغ ہونے کے بعد اگر تم ان میں رشد یعنی سمجھ داری۔ مال کی حفاظت کا سلیقہ لین دین کی تمیز دیکھو تو ان کے اموال ان کے سپرد کردو اور چونکہ بعض لوگوں کے قلوب میں بلاوجہ یہ جذبہ ہوتا ہے کہ یتیم کا مال کھا اڑا کے برابر کردیا کہ بالغ ہونے کے وقت تک کچھ باقی نہ بچے جو اس کو دینا پڑے محض حساب کے کاغذ دیکر یتیم کو چلتا کردیں اور یہ جذبہ کبھی تو حسد سے ہوتا ہے اور کبھی مال کی محبت اس کا سبب ہوتی ہے لوگ اس غلط جذبہ کے ماتحت یتیم کا مال اسکے بالغ ہونے سے پہلے ہی برابر کردیا کرتے تھے اس برابر کرنے کی دو صورتیں ہوتی تھیں یا تو خود اُس مال میں خورد برد کرکے اُڑا دیتے تھے اور یا یتیم پر بلاضرورت صرف کر ڈالتے تھے اور ضرورت سے زیادہ کھانے اور کپڑے میں خرچ کرکے اُس کا مال برابر کردیا کرتے تھے حق تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا کہ یتیم کا مال محض اس خطرے سے کہ کہیں بڑا نہ ہوجائے اس کے بڑے ہونے سے پیشتر ہی جلدی جلدی فضول خرچی کرکے کھا نہ جاؤ۔ اور چونکہ سرپرست کا خود کھا جانا اور بلاضرورت یتیم پر خرچ کردینا ان دونوں باتوں کی ذمہ داری سرپرست ہی پر عائد ہوتی ہے اس لئے انہی کو مخاطب کرکے فرمایا ولا تاکلوھا اسی رعایت سے ہم نے تیسیر میں کھانے کے ساتھ خرچ کر ڈالنے کا اضافہ کیا ہے۔ اس ممانعت سے یتیم کے مال میں تصرف کا ایک ضابطہ بیان فرمادیا کہ سرپرستوں میں جو لوگ غنی ہیں اور اللہ نے ان کو کھانے کو دے رکھا ہے خواہ وہ صاحب نصاب نہ ہوں یعنی بہت بڑے مال دار اور صاحب نصاب نہ بھی ہوں مگر محتاج اور حاجت مند بھی نہ ہوں تو ایسے لوگوں کو بالکل احتیاط کرنی چاہئے اور یتیم کے مال سے اپنے آپ کو بچانا چاہئے اور اس کے مال میں سے بالکل تھوڑا کھانے سے بھی پرہیز کریں اور اگر سرپرست محتاج ہو اور فقیر ہو تو پھر موافق دستور کے اُس مال میں سے کچھ تھوڑا کھالے یعنی لے لے۔ دستور کے موافق کا مطلب یہ کہ جس سے ضروری حاجت رفع ہوسکے اور یہ لینا حق الخدمت یا خدمت کی اجرت کے طور پر ہوگا۔ اس ضابطہ کے بعد پھر مال سپرد کرنے کے وقت کے لئے ایک استحبابی حکم بیان کیا کہ جب یتیم بالغ ہوجائے اور اُس میں کاروبار کا اور لین دین کا سلیقہ بھی دیکھو تو پھر اُس کا مال اس کے حوالے کردو لیکن مال حوالے کرتے وقت اور حساب سمجھاتے وقت اگر گواہ بھی بنالو تو اچھا ہے کیونکہ اگر کسی وقت باہمی نزاع ہوا تو یہ گواہ کام دیں گے پھر آخر میں یہ بھی فرمادیا کہ یوں تو اللہ تعالیٰ حساب لینے والا کافی ہے (باقی تیسیر میں)

فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ؕ

یعنی حق الخدمت کے طور پر پھر جب تم یتیموں کے مال اُن کے حوالے کرنے لگو تو اُن پر گواہ کر لیا کرو

وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۞ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ

اور حساب سمجھنے کو درحقیقت اللہ تعالیٰ کافی ہے ف۱ ماں باپ اور قرابت دار جو ترکہ چھوڑ جائیں

الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۠ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا

اس میں سے مردوں کا بھی حصہ ہے اور ماں باپ اور قرابت دار جو کچھ

تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ؕ

ترکہ چھوڑ جائیں خواہ وہ کم ہو یا زیادہ اس میں سے عورتوں کا بھی حصہ ہے

نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۞ وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى

ہر ایک کا یہ حصہ مقرر شدہ ہے ف۲ اور جب ترکہ کی تقسیم کے موقع پر کچھ دور کے قرابت دار

وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا

اور یتیم اور مساکین آ حاضر ہوں تو ان کو بھی اس ترکہ میں سے کچھ استحباباً دیدیا کرو اور ان کیسا

لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۞ وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا

شیریں کلامی سے بات کیا کرو ف۳ اور لوگوں کو یہ خیال کرکے ڈرنا چاہیے کہ اگر وہ خود اپنے

مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ ۠ فَلْيَتَّقُوا

بعد کمزور ونا تواں اولاد چھوڑتے تو ان کو ان بچوں کے بارے میں کیسے کیسے اندیشے ہوتے پس ان لوگوں کو چاہیے

اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۞ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ

کہ وہ خدا کا خوف کریں اور یتیموں سے سیدھی اور سچی بات کہا کریں ف۴ بلاشبہ جو لوگ بغیر کسی حق شرعی کے یتامیٰ کا

اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ

مال کھاتے ہیں تو اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں

وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ۞ يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ۗ

اور وہ عنقریب دہکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے ف۵ اللہ تعالیٰ تمکو تمہاری اولاد کے بارے میں حکم دیتا ہے

ع ۱۰ / ۱ / ۱۲

لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ ۚ فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ

یعنی ترکہ کی تقسیم کا کہ مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصے کے برابر ہے پھر اگر فقط لڑکیاں ہی لڑکیاں دو یا دو سے

اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۖ وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا

زیادہ ہوں تو میّت کے مال متروکہ میں سے ان سب لڑکیوں کا دو تہائی ہوگا اور اگر صرف ایک ہی لڑکی ہو تو اسکے

النِّصْفُ ۚ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا

لئے نصف ہوگا ف۲ پھر اگر میت صاحب اولاد ہو تو اس کے ماں باپ میں سے ہر ایک کو میت کے

تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَ

مال متروکہ کا چھٹا چھٹا حصہ ملے گا اور اگر اس میت کے کوئی اولاد نہ ہو اور

وَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ

صرف والدین ہی اس کے وارث ہوں تو اس میت کی ماں کا ایک تہائی حصہ ہوگا اور اگر اس لاولد میت کے ایک سے زائد بہن یا بھائی

فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۗ

ہوں تو ماں بجائے تہائی کے چھٹے حصے کی حقدار ہوگی یہ سب تقسیم میت کی اس وصیت کو جو اس نے کی ہو پورا کرنے اور قرض ادا کرنے کے بعد کیجائیگی ف۳

آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ

تم اپنے باپ دادوں اور بیٹوں پوتوں کے متعلق یہ نہیں جانتے کہ ان میں سے باعتبار نفع رسانی کے تم سے کون قریب تر

نَفْعًا ۚ فَرِيضَةً مِنَ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا

ہے یہ حصے خدا کی طرف سے مقرر کیے گئے ہیں یقیناً اللہ تعالیٰ سب سے واقف

حَكِيمًا ﴿١١﴾ وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَمْ

اور بڑی حکمت والا ہے ف۴ اور تم کو اپنی بیویوں کے ترکہ میں سے جو وہ چھوڑ مریں نصف مال ملے گا بشرطیکہ ان کے

يَكُنْ لَهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ

کوئی اولاد نہ ہو پھر اگر ان کے کوئی اولاد ہو تو تم کو ان کے ترکہ کا ایک چوتھائی

الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا

ملے گا یہ آدھا یا چوتھائی اس وصیت کو جو انھوں نے کی ہو پورا کرنے یا کچھ قرض ہو تو اسکو

ف۱ اللہ تعالیٰ تم کو تمہاری اولاد کی میراث کے بارے میں حکم دیتا ہے اور تم کو ہدایت کرتا ہے وہ یہ کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصہ کے برابر ہوگا۔ پھر اگر اولاد میں صرف لڑکیاں ہی ہوں۔ یعنی بیٹیوں کے ساتھ کوئی بیٹا نہ ہو اور وہ لڑکیاں بھی دو ہوں یا دو سے زیادہ ہوں تو ان کو مورث کے مال متروکہ کا دو ثلث ملے گا یعنی اُن کا مورث جو مال چھوڑ کر مرا ہے اُس مال کا دو تہائی اُن سب لڑکیوں پر برابر تقسیم کر دیا جائے اور اگر صرف ایک ہی لڑکی ہو تو اسکو مورث کے مال متروکہ کا نصف حصہ ملے گا (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ ایک تو اس قاعدے کی ہدایت کی جاتی ہے کہ جب کسی کی اولاد میں بیٹے اور بیٹیاں دونوں ہوں تو لڑکے کو دوہرا اور لڑکی کو اکہرا دیا جائے گا خواہ ایک لڑکا ہو اور باقی لڑکیاں خواہ کئی لڑکے ہوں اور کئی لڑکیاں ہوں تقسیم کا طریقہ یہی ہوگا۔ ہاں اگر مرنے والے کی اولاد میں لڑکیاں ہی لڑکیاں ہوں اور کوئی لڑکا نہ ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں اگر لڑکی ایک ہی ہو تو آدھا ترکہ اُس کو دیدیا جائے اور باقی دوسرے ورثا کو دیا جائے اور اگر ایک لڑکی سے زائد لڑکیاں ہوں خواہ وہ دو ہوں یا دو سے بھی زائد ہوں تو ان سب لڑکیوں کو دو تہائی مال متروکہ میں سے دیدیا جائے اور برابر سب پر تقسیم کر دیا جائے مثلاً ایک شخص نے چھ بیٹیاں چھوڑیں اور ترکہ میں پینتالیس روپے چھوڑے تو دو تہائی ترکہ کے تیس روپے ہوئے۔ ہر ایک لڑکی کو پانچ پانچ روپے دیدے جائیں باقی پندرہ روپے دوسرے ورثا پر تقسیم کیے جائیں۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ سب سے پہلے میت کے مال میں سے تجہیز و تکفین کا خرچ نکالا جائے گا پھر اگر میت پر کچھ قرض ہو تو وہ ادا کیا جائیگا۔ اُس کے بعد اگر اُس نے کوئی جائز وصیت کی ہو تو ترکہ کے تیسرے حصہ میں سے وہ وصیت پوری کی جائے گی ان سب باتوں کے بعد جو کچھ بچیگا وہ وارثوں پر تقسیم ہوگا۔ مزید تفصیل انشاء اللہ آگے آجائے گی (تسہیل) ف۲ اور اگر میت صاحب اولاد ہے تو میت کے دونوں ماں باپ کیلئے مال متروکہ میں سے ہر ایک کا چھٹا چھٹا حصہ ہوگا اور اگر میت کی اولاد نہ ہو اور صرف ماں باپ ہی اس کے وارث ہوں تو میت کی ماں کا حصہ بجائے چھٹے حصے کے تیسرا حصہ ہوگا۔ اور اگر اس لاولد میت کے ایک سے زائد بھائی یا بہن ہوں خواہ وہ بھائی بہن حقیقی ہوں یا علاتی ہوں یا اخیافی ہوں تو ایسی صورت میں ماں کو بجائے تہائی حصہ کے میت کے مال متروکہ کا چھٹا حصہ ملے گا۔ یہ سب حصے اُس وصیت کو پورا کرنے کے بعد ملیں گے جس کی مرنے والا وصیت کر گیا ہو یا اگر مرنے والے کے ذمہ کچھ قرض ہو تو قرض بھی ادا کرنے کے بعد ملیں گے (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ اگر مرنیوالے کی اولاد بھی ہو اور اس کے ماں باپ بھی ہوں تو ماں باپ دونوں میں سے ہر ایک کیلئے چھٹا چھٹا حصہ مقرر ہے۔ اولاد خواہ لڑکے ہی لڑکے ہوں یا لڑکیاں ہی لڑکیاں ہوں یا دونوں ملے جلے ہوں بہر حال ماں باپ کا چھٹا چھٹا حصہ ہے اور اگر مرنے والے کی اولاد بالکل نہ ہو یعنی نہ بیٹا اور نہ بیٹی اور فقط ماں باپ ہی وارث ہوں۔ فقط کا یہ مطلب کہ مرنیوالے کے بھائی بہن بھی نہ ہوں جیسا کہ آگے آتا ہے۔ تو ایسی صورت میں جبکہ نہ تو میت کی کوئی اولاد ہو اور نہ کسی قسم کے بہن بھائی ہوں اور ماں باپ ہوں تو پھر ماں کو مال متروکہ کا ایک ثلث ملے گا۔ اور باقی ظاہر ہے کہ باپ کو مل جائے گا۔ اور اگر مرنے والے کی اولاد تو ہے نہیں اور ماں باپ کے علاوہ ایک سے زیادہ بہن بھائی بھی ہیں خواہ یہ بہن بھائی باپ ماں شریک ہوں جن کو حقیقی کہتے ہیں یا باپ شریک ہوں جن کو علاتی کہتے ہیں یا ماں شریک ہوں جن کو اخیافی کہتے ہیں تو ایسی صورت میں جبکہ میت کے ماں باپ اور بہن بھائی موجود ہوں تو اس صورت میں پھر ماں کو بجائے تہائی کے چھٹا حصہ ترکہ کا ملے گا۔ یعنی بہن بھائیوں کی وجہ سے ماں کا حصہ کم ہو جائیگا اگرچہ باقی ماندہ اس صورت میں بھی باپ ہی کو ملے گا۔ آگے صراحتہً اس بات کو ظاہر فرمایا کہ مال متروکہ کی تقسیم اس وقت ہوگی جبکہ حقوق متقدمہ علی الارث کو ادا کر دیا جائے اور وہ تجہیز و تکفین کے بعد وصیت اور قرض ہے یعنی سب سے پہلے تجہیز و تکفین کا خرچ نکالا جائے۔ پھر اگر کچھ قرض ہو مثلاً بیوی کا مہر دینا ہو تو وہ ادا کیا جائے اس کے بعد اگر کوئی شرعی وصیت ہو تو تیسرے حصہ میں سے مال متروکہ کے اس کو پورا کیا جائے۔ شرعی کا یہ مطلب کہ وارث کے حق میں وصیت نہ ہو۔ وصیت ایک تہائی سے زائد نہ ہو اور کسی امر غیر شرعی کی وصیت نہ ہو۔ بہر حال تجہیز و تکفین اور ادائے قرض (باقی ضمیمہ میں)

أَوْ دَيْنٍ ۚ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِن لَّمْ يَكُن

ادا کرنیکے بعد ملیگا اور اس مال میں سے جو تم چھوڑ مرو ان عورتوں کا ایک چوتھائی ہوگا بشرطیکہ تمہاری کوئی

لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَإِن كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا

اولاد نہ ہو اور اگر تمہاری کوئی اولاد ہو تو پھر ان عورتوں کا تمہارے ترکہ میں سے آٹھواں حصہ ہوگا

تَرَكْتُم ۚ مِّن بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۗ وَ

یہ چوتھا یا آٹھواں حصہ تمہاری اس وصیت کو جو تم نے کی ہو پورا کرنے یا کچھ قرض ہو تو اسکو ادا کرنیکے بعد ملیگا

إِن كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ

اور اگر کوئی صاحب میراث میت خواہ وہ مرد ہو یا عورت ایسی ہو کہ نہ اسکے والدین ہوں اور نہ کوئی اولاد ہو اور اس میت کا ماں شریک

أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَإِن

ایک بھائی یا بہن ہو تو ان دونوں میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ ہوگا اور اگر یہ

كَانُوا أَكْثَرَ مِن ذَٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ

ماں شریک بھائی بہن دو ہوں یا دو سے بھی زیادہ ہوں تو مال متروکہ کی ایک تہائی میں سب برابر کے

مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصَىٰ بِهَا أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَارٍّ ۚ

شریک ہونگے یہ تقسیم اس وصیت کو جو کی گئی ہو پورا کرنے اور کچھ قرض ہو تو اسکو ادا کرنیکے بعد ہوگی بشرطیکہ میت قرض اور وصیت سے کسی کو نقصان

وَصِيَّةً مِّنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ ﴿١٢﴾ تِلْكَ

نہ پہنچائے یہ اللہ تعالیٰ کیجانب سے حکم کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ سب جاننے والا بڑے تحمل والا ہے یہ سب

حُدُودُ اللَّهِ ۚ وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ

احکام مذکورہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کریگا تو اللہ تعالیٰ اسکو ایسے

جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ وَ

باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی یہ لوگ ان باغوں میں ہمیشہ رہیں گے اور

ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿١٣﴾ وَمَن يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَ

یہی بڑی کامیابی ہے - اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور

ف۱ اور تمہارے لئے اس مال میں سے جو تمہاری بیویاں چھوڑ مریں آدھا حصہ مقرر ہے اگر ان بیویوں کی کوئی اولاد نہ ہو اور اگر اُن کی کوئی اولاد ہو خواہ تم سے یا کسی دوسرے شوہر سے تو پھر تم کو ان کے مال متروکہ میں سے ایک چوتھائی ملے گا لیکن انھوں نے کوئی وصیت کی ہو تو اس وصیت کو پورا کرنے اور اگر کچھ قرض ہو تو اُس قرض کو ادا کرنے کے بعد دیا جائیگا اور اُن بیویوں کیلئے تمہارے اس مال میں سے جو تم چھوڑ مرو ایک چوتھائی حصہ مقرر ہے بشرطیکہ تمہارے کوئی اولاد نہ ہو اور اگر تمہارے کوئی اولاد ہو خواہ ان موجودہ بیویوں سے یا کسی اور عورت سے تو پھر ان کو بجائے چوتھائی کے آٹھواں حصہ ملے گا لیکن اس وصیت کو پورا کرنے کے بعد جو تم نے کی ہو اور اگر کچھ قرض ہو تو اُس قرض کو بھی ادا کرنے کے بعد اُن کا حصہ اُن کو دیا جائے گا (تیسیر) خلاصہ یہ ہے کہ تمہاری بیویوں کے مال متروکہ میں سے اگر اُن کے کوئی اولاد نہ ہو تو تمہارا نصف ہے اور اگر اُن بیویوں کے کوئی اولاد ہو خواہ تم سے ہو یا پہلے شوہر سے ہو اور خواہ لڑکا ہو یا لڑکی ہو۔ ایک ہو یا ایک سے زائد ہو بہرحال اولاد کی موجودگی میں بجائے نصف کے تمہارا چوتھائی حصہ ہوگا یعنی اولاد کی وجہ سے کم ہو جائیگا۔ مگر یہ دیا جب ہی جائے گا جب ان بیویوں کی وصیت کو جو انھوں نے کی ہے پورا کر دیا جائیگا یا اگر ان کے ذمہ کچھ قرض ہو تو اس کو ادا کر دیا جائے گا۔ یعنی وصیت اگر ہو تو اس کو پورا کرنے کے بعد اور قرض اگر ہو تو اس کو ادا کرنے کے بعد جو کچھ بچے گا اس میں آدھا یا چوتھائی دیا جائیگا اور تمہارے مال متروکہ میں سے ان بیویوں کا چوتھائی ہے خواہ وہ ایک ہو یا چار ہوں بشرطیکہ تمہارے کوئی اولاد نہ ہو اور اگر تمہارے کوئی اولاد ہو خواہ وہ لڑکا ہو یا لڑکی ہو ایک ہو یا ایک سے زیادہ ہو موجودہ بیویوں سے ہو یا کسی پہلی بیوی سے ہو بلکہ خواہ لونڈی کے پیٹ سے ہو بہرحال اولاد کی موجودگی میں بیویوں کو بجائے چوتھائی کے آٹھواں حصہ ملے گا مگر اس وصیت کو پورا کرنے کے بعد جو تم نے کی ہو یا اگر کچھ قرض ہو تو اس قرض کو ادا کرنے کے بعد۔ یعنی حقوق متقدمہ علی الارث کی ادائیگی کے بعد مال تقسیم ہوگا۔ ہم اوپر عرض کر چکے ہیں کہ تجہیز و تکفین کا خرچ بھی ترکہ کی تقسیم سے مقدم ہے۔ یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ اولاد کی موجودگی میں بیوی کا آٹھواں اور اولاد نہ ہو تو چوتھائی حصہ ہے بیوی خواہ ایک ہو یا ایک سے زیادہ ہوں بس یہی حصہ ملے گا۔ مثلاً کسی کی چار بیویاں ہوں تو اُن چاروں کا آٹھواں یا چوتھائی حصہ ہوگا اور وہ اسی حصہ کو آپس میں برابر برابر بانٹ لیں گی اگر چار آنے ہوئے تو ایک بیوی کے حصے میں ایک آنہ آئے گا اور اگر دو آنے ہوئے تو ایک بیوی کے حصے میں دو پیسے آئیں گے حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یہاں تک مرد اور عورت کی میراث فرمائی عورت کے مال میں مرد کو آدھا ہے اگر عورت کی اولاد نہیں اور اگر اولاد ہے اس مرد سے یا اور سے تو مرد کو چوتھائی اور اسی طرح مرد کے مال میں عورت کو چوتھائی اگر مرد کے اولاد نہیں اور اگر اولاد ہے تو عورت کو آٹھواں حصہ ہر جنس مال میں نقد یا جنس سلاح یا زیور یا حویلی یا باغ باقی عورت کا مہر میراث سے جدا ہے قرض میں داخل ہے۔ (موضح القرآن) اب آگے میت کے اخیافی بہن بھائیوں کے سہام مذکور ہیں اگرچہ یہاں مختصراً ملکھے جاتی ذکر انشاء اللہ تعالیٰ اس سورت کے آخر میں آئیگا (تسہیل)

ف۲ اور اگر کوئی صاحب میراث میت یعنی جس کی میراث دوسروں کو ملنے والی ہو خواہ یہ میت مرد ہو یا عورت بہرحال یہ صاحب میراث میت اگر کلالہ ہو یعنی جس کے نہ اصول ہوں اور نہ فروع ہوں اور اُس میت کا ماں شریک ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔ یعنی ان دونوں میں سے جو بھی ہوگا وہ اس کلالہ کے مال متروکہ میں سے چھٹے حصہ کا وارث ہوگا اور اگر یہ ماں شریک بہن بھائی ایک سے زیادہ ہوں یعنی دو ہوں یا دو سے بھی زائد ہوں تو وہ سب مال متروکہ میں سے ایک تہائی مال میں برابر کے شریک ہوں گے۔ میراث کی یہ تقسیم اس وصیت کو جو کی گئی ہو پورا کرنے اور اگر کچھ قرض ہو تو اُس قرض کو بھی ادا کرنے کے بعد کی جائیگی بشرطیکہ مرنیوالا وصیت اور قرض سے کسی کو نقصان پہونچانے والا نہ ہو اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ حکم کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کمال علم اور کمال حکمت کا مالک ہے۔ وصیت کرنیوالوں اور قرض کا اقرار کرنیوالوں کی نیت کو بھی جانتا ہے اور اپنے احکام کی مصلحت و حکمت سے بھی واقف ہے (تیسیر) حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں (باقی ضمیمہ میں)

ف۱ یہ تمام احکام مذکورہ اللہ تعالیٰ کی باندھی ہوئی حدیں اور اُس کے مقرر کردہ ضابطے ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی صحیح اطاعت و فرمانبرداری کریگا تو اللہ تعالیٰ اس کو ایسے باغوں میں ابتداءً ہی داخل کردے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی یہ لوگ ان باغوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ بغیر کسی عذاب کے ابتداءً جنت میں داخل ہوجانا اور وہاں ہمیشہ رہنا بہت بڑی کامیابی ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اللہ و رسول کا کہنا نہ مانے گا اور اس کی باندھی ہوئی حدوں کو توڑ کر بڑھ جائیگا اور اس کے مقررہ ضابطوں سے تجاوز کرنے پر اصرار کرے گا اور اس کے قوانین کی بالکل خلاف ورزی کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو آگ میں داخل کردیگا۔ اور اس کا حال یہ ہوگا کہ وہ اس آگ میں ہمیشہ ہمیشہ پڑا رہے گا اور اس کو ذلت و اہانت آمیز اور رسوا کن عذاب ہوگا (تیسیر) ان دونوں آیتوں میں مخلص مسلمان اور کامل کافر کا ذکر ہے اُسی رعایت سے ہم نے تیسیر میں اپنے ترجمہ کا خلاصہ کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ مسلمان جو اعتقاداً اور عمل دونوں کے اعتبار سے صحیح راہ پر قائم ہے وہ تو بغیر کسی عذاب کے ابتداءً ہی جنت میں داخل کردیا جائیگا اور جنت اُس کا ہمیشہ کیلئے مسکن اور قرارگاہ ہوگی اور جو کافر ہے یعنی اعتقاداً اور عملاً ہر اعتبار سے کفر پر قائم ہے تو اُس کا ٹھکانہ دائمی طور پر جہنم ہے رہے وہ لوگ جو اعتقاداً مسلمان ہیں اور اُن کے اعمال اسلامی نہ ہوں اور اُن سے گناہ سرزد ہوتے رہتے ہوں اُن کے لئے عذاب کے بعد آخر میں نجات ہے یہ بحث پہلے پارے میں تفصیل کے ساتھ گزرچکی ہے رہی یہ بات کہ کسی کا اعتقاد غیر اسلامی ہو لیکن عمل اچھے ہوں تو ایسا شخص بھی کافر ہے سو یہ بحث بھی پہلے پارے میں آچکی ہے۔ کہ اعتقاد اعمال کا مبنیٰ ہے اگر کسی کا اعتقاد صحیح نہیں ہے تو اُس کے سب اعمال اکارت ہیں۔ بہرحال میراث اور یتامیٰ کی بحث کو ان دو آیتوں پر ختم کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ معاملات نہایت اہم اور بہت ہی غور طلب ہیں۔ یتامیٰ کی اور اُن کے مال کی حفاظت اور ورثاء کے حصص کی صحیح تقسیم یہ ایسے امور ہیں کہ ان میں کوتاہی کبیرہ گناہ ہے اور قرآن کے مقابلہ میں خاندانی رسوم اور خاندانی رواج کو ترجیح دینا اور اُن پر اڑنا کفر ہے۔ جیسا کہ لڑکیوں کے ترکہ میں بعض ہندوستان کے خاندان شریعت کے مقابلہ میں رواج کو ترجیح دے رہے ہیں اور اس گناہ سے تائب ہونیکو تیار نہیں ہیں اور لڑکیوں کا حق ان کو دینے پر آمادہ نہیں ہیں ابن ماجہ نے حضرت انس رضؓ سے مرفوعاً نقل کیا ہے جس نے کسی وارث کی میراث کو قطع کیا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جنت سے اس کی میراث کو قطع کردے گا۔ بخاری اور مسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاص سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بیماری میں عیادت کی غرض سے ان کے پاس تشریف لائے تو انھوں نے عرض کیا۔ یارسول اللہ میرے پاس مال بہت ہے اور فقط ایک بیٹی وارث ہے تو کیا میں اپنا دو ثلث مال خیرات کرسکتا ہوں۔ آپ نے فرمایا نہیں انھوں نے کہا اچھا آدھا مال دے سکتا ہوں آپ نے فرمایا نہیں انھوں نے عرض کی اچھا ایک ثلث فرمایا ہاں ایک ثلث خیرات کرسکتا ہے اور ثلث بھی بہت ہے اگر تو اپنے ورثا کو مالدار چھوڑ کر مرے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ ان کو محتاج چھوڑ کر مرے جو لوگوں سے مانگتے پھریں۔ مطلب یہ ہے کہ ورثا کے لئے مال چھوڑ کر مرنا اس سے بہتر ہے کہ تو وصیت کرکے اپنی دولت ختم کرجائے اور ورثا محتاج رہ جائیں۔ حضرت معاذ بن جبل کا قول ابن ابی شیبہ نے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے مالوں کی تہائی تم پر صدقہ کردی ہے کہ تم اپنی نیکیاں زیادہ بڑھالو۔ یعنی تیسرا حصہ تمہارے مالوں کا تمہارے لئے چھوڑ دیا ہے کہ تم وصیت کرکے اپنی نیکیاں بڑھالو۔ ہرچند کہ ایک ثلث کی وصیت کرنا جائز ہے لیکن صحابہ کا عام رجحان یہی ہے کہ وصیت ثلث سے بھی کم ہو تو بہتر ہے۔ شاید یاد ہوگا ہم دوسرے پارے میں عرض کرچکے ہیں کہ میراث کے احکام جاری ہونے سے قبل ورثا کیلئے وصیت جائز تھی لیکن جب ہر وارث کا حصہ مقرر کردیا گیا تو اب کسی وارث کیلئے وصیت جائز نہیں ہے اگر کوئی وارث کے حق میں وصیت کرجائیگا تو وہ وصیت نافذ نہ ہوگی۔ یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ قرآن نے جو حصے بیان کئے ہیں اُن کی تفصیل یہ ہے۔ آدھا۔ چوتھائی۔ آٹھواں۔ دو تہائی۔ ایک تہائی۔ چھٹا حصہ۔ (باقی ضمیمہ میں)

يَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ

اللہ کی مقررہ حدود سے تجاوز کرنے پر اصرار کریگا تو خدا تعالیٰ اسکو آگ میں داخل کریگا جسمیں وہ ہمیشہ رہیگا اور اس کو

مُّهِينٌ ﴿۱۴﴾ ع وَاللَّاتِي يَأْتِينَ الْفَاحِشَةَ مِن نِّسَائِكُمْ

توہین آمیز عذاب ہوگا ف۱ اور تمہاری بیویوں میں سے جو عورتیں بدکاری کی مرتکب ہوں تو تم

فَاسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً مِّنكُمْ ۖ فَإِن شَهِدُوا

اُن عورتوں کے خلاف اپنوں میں سے چار مردوں کی گواہی لاؤ پھر اگر وہ چاروں گواہی دیدیں

فَأَمْسِكُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ حَتَّىٰ يَتَوَفَّاهُنَّ الْمَوْتُ

تو تم ان بدکار عورتوں کو گھروں میں اس وقت تک قید رکھو کہ ان کو موت اٹھالے

أَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا ﴿۱۵﴾ وَاللَّذَانِ يَأْتِيَانِهَا

یا اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی اور راہ مقرر کرے ف۲ اور تم میں سے جو دو شخص اس بدکاری کے

مِنكُمْ فَآذُوهُمَا ۖ فَإِن تَابَا وَأَصْلَحَا فَأَعْرِضُوا

مرتکب ہوں تو تم ان دونوں کو اذیت پہنچاؤ پھر اگر وہ دونوں توبہ کریں اور آئندہ اپنی اصلاح کرلیں تو تم ان دونوں سے درگزر کرو

عَنْهُمَا ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيمًا ﴿۱۶﴾ إِنَّمَا

بیشک اللہ تعالیٰ بڑا توبہ قبول کرنیوالا نہایت مہربان ہے ف۳ سوائے اسکے نہیں کہ

التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوءَ

جس توبہ کا قبول کرنا اللہ کے ذمہ ہے وہ تو اُن لوگوں کی توبہ ہے جو نادانی سے کوئی بُرا فعل

بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ مِن قَرِيبٍ فَأُولَٰئِكَ

کرگزرتے ہیں پھر وہ قریب ہی وقت میں یعنی حضور موت سے پہلے توبہ کرلیتے ہیں تو یہی لوگ ہیں

يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿۱۷﴾

جن کی توبہ اللہ تعالیٰ قبول فرمالیتا ہے اور اللہ تعالیٰ صاحب علم و حکمت ہے۔

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتَّىٰ

اور اُن لوگوں کی توبہ کوئی قابل توجہ نہیں جو گناہ کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ

ع ۲ / ۴ / ۱۳

ف سوائے اس کے نہیں کہ وہ توبہ جس کا قبول کرنا وعدے کی بنا پر اللہ کے ذمہ ہے وہ تو اُن لوگوں کی توبہ ہے جو کوئی گناہ خواہ کبیرہ ہو یا صغیرہ اپنی نادانی اور بے وقوفی سے کر گزرتے ہیں پھر وہ قریب ہی وقت میں یعنی حضور موت سے قبل اور موت کے آنے سے پہلے پہلے توبہ کر لیتے ہیں تو یہی لوگ وہ ہیں جن کی توبہ اللہ تعالیٰ قبول کر لیتا ہے اور نظر عفو کے ساتھ ان پر توجہ فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ کمال علم اور کمال حکمت کا مالک ہے۔ وہ ہر توبہ کرنے والے کی نیت سے باخبر ہے اور گناہگار کی گرفت جلدی نہ کرنے کی حکمت سے واقف ہے اور ایسے لوگوں کی توبہ کسی توجہ کے قابل نہیں ہے جو گناہوں کے مرتکب ہوتے رہتے ہیں یہاں تک کہ جب ان گناہگاروں میں سے کسی کے سامنے موت ہی آ کھڑی ہوتی ہے اور عالم آخرت نظر آنے لگتا ہے تو یوں کہتا ہے کہ میں اب توبہ کرتا ہوں لہٰذا نہ تو ان کی توبہ قابل قبول ہے اور نہ ان لوگوں کی توبہ قابلِ توجہ اور لائقِ قبول ہے جو حالت کفر پر مرے ہیں اور ان کو کفر کی حالت پر موت آئی ہے۔ اُن کفر پر مرنے والوں کیلئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ (تیسیر)

إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْـٰٔنَ

جب اُن میں سے کسی کے سامنے موت ہی آ کھڑی ہو یعنی موت کے فرشتے نظر آنے لگیں تو کہنے لگے میں اب توبہ

وَلَا الَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارٌ ۚ أُولَـٰئِكَ

کرتا ہوں اور نہ اُن لوگوں کی توبہ قابل توجہ ہے جو کفر ہی کی حالت میں مرے ہیں یہ وہ لوگ ہیں

أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٨﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا

جن کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے ف اے ایمان والو تم کو

يَحِلُّ لَكُمْ أَن تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرْهًا ۖ وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ

یہ بات حلال نہیں کہ تم عورتوں کو زبردستی میراث میں لے لو اور نہ یہ حلال ہے کہ بلا وجہ

لِتَذْهَبُوا بِبَعْضِ مَا آتَيْتُمُوهُنَّ إِلَّا أَن يَأْتِينَ

اُنکو اس غرض سے قید کر رکھو کہ جو کچھ تم نے ان کو دیا ہے اس میں سے کچھ واپس لے لو مگر ہاں اسوقت جبکہ وہ کسی

بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ

صریح بے حیائی کی مرتکب ہوں اور عورتوں کے ساتھ حسن سلوک سے زندگی بسر کرو

فَإِن كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ

پھر اگر تم ان کو پسند نہ کرو تو ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو پسند نہ کرو مگر اللہ تعالیٰ نے

اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا ﴿١٩﴾ وَإِنْ أَرَدتُّمُ اسْتِبْدَالَ

اسی میں بہت زیادہ بھلائی رکھی ہو ف اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری

زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَارًا

بیوی بدلنا چاہو اور تم اس ایک کو جس کو چھوڑنا چاہتے ہو ڈھیر مال دے چکے ہو

فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا ۚ أَتَأْخُذُونَهُ بُهْتَانًا وَ

تو تم اس مال میں سے کچھ بھی واپس نہ لو کیا تم بہتان رکھ کر اور صریح ظلم کے مرتکب ہو کر اس مال کو

إِثْمًا مُّبِينًا ﴿٢٠﴾ وَكَيْفَ تَأْخُذُونَهُ وَقَدْ أَفْضَىٰ بَعْضُكُمْ

واپس لینا چاہتے ہو۔ اور تم اس مال کو کیونکر واپس لے سکتے ہو حالانکہ تم آپس میں ایک دوسرے تک پہنچ چکے ہو

گناہ کیساتھ جہالت کی قید کا مطلب یہ ہے کہ گناہ کرنے والے حماقت اور بے وقوفی ہی سے کرتے ہیں ورنہ گناہ اس قابل نہیں کہ کوئی سمجھدار انسان اس کا ارتکاب کرے حضرت مجاہد کا قول ہے جس نے اللہ کی نافرمانی کی وہ جاہل ہے۔ حضرت ابو العالیہ فرماتے ہیں کہ حضرات صحابہ کہا کرتے تھے کہ بندہ جو گناہ کرتا ہے وہ جہالت ہے۔ خواہ گناہ عمداً ہو یا خطاءً ہو۔ حضرت قتادہ کا قول ہے کہ صحابہ کا اس پر اجماع ہے کہ گناہ کرنے والا جاہل اور بے وقوف ہے۔ من قریب کا مطلب یہ ہے کہ موت سے قبل توبہ کر لے خواہ ایک سال قبل خواہ ایک مہینہ قبل یا ایک ہفتہ قبل بہرحال اُس عالم کی چیزیں نظر آنے سے قبل توبہ کرنے والے کی توبہ مقبول ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ مریض کو خواہ کتنی ہی مایوسی ہو جائے لیکن اس نے موت کے فرشتے نہ دیکھے ہوں تو اُس کی توبہ معتبر ہے اور اللہ تعالیٰ سے قبولیت کی امید ہے۔ البتہ جب وہ عالم نظر آجائے اور اُس عالم کے لوگ نظر آجائیں اور پھر کوئی گناہگار توبہ کرے تو وہ توبہ قابل قبول نہیں۔ ابو داؤد طیالسی نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے فرمایا جس نے مرنے سے ایک سال یا ایک مہینہ یا ایک جمعہ یا ایک ساعت قبل بھی توبہ کر لی تو اس کی توبہ قبول ہے۔ ایوب تابعی نے ان سے کہا اے ابن عمر اللہ تعالیٰ تو من قریب فرماتا ہے یعنی گناہ کے قریب ہی توبہ کرلے آپ موت کے قریب فرماتے ہیں۔ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا میں تجھ سے وہ کہتا ہوں جو میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ حضرت امام احمدؒ نے عبد الرحمٰن بن سلمانؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت کے چار اصحاب ایک جگہ جمع تھے ان میں سے ایک نے کہا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ مرنے سے پہلے ایک دن قبل توبہ کرنے والے کی توبہ اللہ تعالیٰ قبول کر لیتا ہے۔ دوسرے نے کہا میں نے سنا ہے مرنے سے آدھے دن قبل جو توبہ کرتا ہے اس کی توبہ قبول ہو جاتی ہے تیسرے نے کہا میں نے حضور سے سنا ہے ایک ساعت قبل مرنے سے جو توبہ کرتا ہے اسکی توبہ قبول ہو جاتی ہے۔ چوتھے نے کہا میں نے حضور سے سنا ہے آپ فرماتے تھے جب تک مرنے والے کا گھنگرو نہ بولنے لگے اُس وقت تک کی توبہ مقبول ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے جو روایت ابن مردویہ نے نقل کی ہے اس میں بھی مالم یغرغر کے الفاظ موجود ہیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ مرنے والے کی یہ وہ حالت ہے جب فرشتے موت کے نظر آجاتے ہیں۔ اور اسی کو حالت یاس کہا جاتا ہے یہ وہ وقت ہے کہ اس وقت نہ عاصی کی توبہ مقبول ہے اور نہ کافر کا ایمان مقبول ہے۔ مرنے سے پہلے پہلے تمام اوقات کو قریب فرمایا کیونکہ دنیا کا تمام زمانہ قریب ہی ہے۔ حضور موت سے پہلے پہلے جس وقت توبہ کی توفیق ہو جائے اُس کو قریب ہی سمجھنا چاہئے۔ پہلی آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ جن لوگوں کی توبہ کا قبول کرنا اللہ کے ذمہ ہے اور یہ ذمہ بھی اس لئے کہ اُس نے وعدہ فرمایا ہے کہ ہم توبہ قبول کرنے والے ہیں۔ اُسی کی یہ تفصیل ہے کہ ہر شخص کی توبہ قبول کرنے کے ہم ذمہ دار نہیں ہیں بلکہ اُن لوگوں کی توبہ قبول کرنے کے ذمہ دار ہیں کہ جو اپنی حماقت اور جہالت سے کوئی گناہ کر بیٹھا وہ گناہ خواہ صغیرہ ہو یا کبیرہ پھر اس کو احساس ہوا اور اس نے مرنے سے پہلے پہلے توبہ کر لی اگرچہ حالتِ یاس ہی میں توبہ کی مگر یہ توبہ قبول کر لی جاتی ہے اور اس کے گناہ معاف کر دئے جاتے ہیں۔ علم و حکمت کا مطلب ہم تیسیر میں عرض کر چکے ہیں کہ توبہ کرنے والے کی نیت اور اُس کے اخلاص کا ہم کو علم ہے اور چونکہ ہم حکیم ہیں اس لئے یہ ہماری حکمت ہے کہ ہم مجرم کو رسوا نہیں کرتے

(باقی ضمیمہ میں)

إِلَىٰ بَعْضٍ وَأَخَذْنَ مِنكُم مِّيثَاقًا غَلِيظًا ﴿٢١﴾ وَلَا تَنكِحُوا

یعنی لطف اندوز ہو چکے ہو اور وہ عورتیں تم سے شرعاً ایک قسم کا مضبوط عہد لے چکی ہیں ف۱ اور جن عورتوں سے

مَا نَكَحَ آبَاؤُكُم مِّنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۚ إِنَّهُ

تمہارے باپ دادا نکاح کر چکے ہوں تم ان سے نکاح نہ کرنا مگر جو پہلے ہو چکا وہ ہو چکا درحقیقت یہ

كَانَ فَاحِشَةً وَمَقْتًا وَسَاءَ سَبِيلًا ﴿٢٢﴾ ع حُرِّمَتْ

باپ دادا کی منکوحہ سے نکاح کرنا بڑی ناشائستہ بات اور بڑے غضب کا کام تھا اور بہت ہی برا طریقہ تھا۔ف۲ تم پر تمہاری

عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَ

مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری

خَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ

خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو

اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُم مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ

دودھ پلایا ہے اور تمہاری دودھ شریک بہنیں اور تمہاری بیویوں کی

نِسَائِكُمْ وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُم مِّن نِّسَائِكُمُ

مائیں یہ سب حرام کی گئی ہیں اور تمہاری سوتیلی بیٹیاں بھی جو عام طور سے تمہاری ہی پرورش میں رہتی ہیں

اللَّاتِي دَخَلْتُم بِهِنَّ فَإِن لَّمْ تَكُونُوا دَخَلْتُم بِهِنَّ

تم پر حرام کی گئی ہیں بشرطیکہ تم ان کی ماں کیساتھ ہم بستری کر چکے ہو اور اگر تم نے سوتیلی بیٹی کی ماں کیساتھ ہم بستری نہ کی ہو

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ

تو سوتیلی لڑکی سے نکاح کرنے میں تم پر کوئی گناہ نہیں یعنی ماں کو طلاق دینے کے بعد اور تمہارے ان بیٹوں کی بیویاں بھی تم پر حرام ہیں جو

مِنْ أَصْلَابِكُمْ وَأَن تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ

بیٹے تمہاری پشت سے ہوں یعنی لے پالک نہ ہوں اور یہ بات بھی تم پر حرام کی گئی ہے کہ تم دو بہنوں کو ایک ساتھ اپنے نکاح میں رکھو

إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٢٣﴾

مگر جو گزشتہ دور میں ہو چکا وہ ہو چکا بے شک اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔

ع ۸ ۱۴

ف۱ اور اگر تم خود اپنی خوشی اور اپنی رغبت سے ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی کرنا چاہو اور تم اس ایک کو یعنی پہلی بیوی جس کو چھوڑنا چاہتے ہو بطور مہر یا بطور ہبہ ڈھیر مال دے چکے ہو اور مال کے انبار اس کو تم نے دیدیئے ہوں تو اس مال میں سے عورت کو تنگ اور پریشان کر کے کچھ بھی واپس نہ لو کیا تم اس عورت پر نافرمانی اور بدکاری کا بہتان رکھ کر اور اس کے مال میں صریح گناہ یعنی ظلم کے مرتکب ہو کر اس مہر کے یا ہبہ کے مال کو واپس لینا چاہتے ہو اور بھلا تم اس مال کو کیسے واپس لے سکتے ہو حالانکہ تم آپس میں ایک دوسرے تک پہنچ چکے ہو یعنی لطف اندوز ہو چکے ہو اور آپس میں ایک دوسرے سے بے تکلف مل چکے ہو اور نیز یہ کہ وہ عورتیں تم سے ایک مضبوط و مستحکم عہد اور اقرار لے چکی ہیں (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ عورت کا کوئی قصور نہیں صرف تم اس کو بدلنا چاہتے ہو ایک کو چھوڑ کر اس کی جگہ دوسری عورت سے شادی کرنا چاہتے ہو۔ تو ایسی حالت میں جو کچھ بھی تم اس کو دے چکے ہو۔ وہ یا اس کا کوئی حصہ واپس نہ لو خواہ وہ مہر ہو یا مہر کا وعدہ ہو یا مہر کے علاوہ اور کچھ اس کو بطور ہبہ دیا ہو اور اس مال کی مقدار ایک ڈھیر اور انبار ہی کیوں نہ ہو۔ مہر تو اس لئے واپس نہیں لے سکتے کہ عورت کا کوئی قصور نہیں اور ہبہ اس لئے واپس نہیں لے سکتے کہ تعلقات زوجیت میں ہبہ کا رجوع جائز نہیں۔ اب سوائے اس کے کوئی شکل نہیں کہ اس پر نافرمانی اور بدچلنی وغیرہ کا بہتان لگاؤ اور صریح گناہ کے مرتکب ہو کر اس سے کچھ مال حاصل کر لو۔ لہٰذا جو مال حاصل کرو گے وہ ظلم ہوگا۔ ایک علت تو حکم کی اتاخذونہ بھتانا واثما مبینا سے ظاہر ہو گئی کہ ایک بے قصور عورت سے اس کو دیا ہوا مال خواہ وہ مہر ہو یا کچھ اور ہبہ کے طور پر دیا ہوا مال واپس لینا بہتان اور ظلم کو مستلزم ہے اگر زبان سے نہ بھی کہو تب بھی یہ سمجھا جائیگا کہ مال دیکر عورت نے طلاق حاصل کی ہے تو ضرور عورت میں کوئی خرابی ہوگی ورنہ خاوند کیوں ناجائز مال لیتا اور اگر ہبہ ہے تب اس کا ظلم ہونا ظاہر ہی ہے کیونکہ زوجیت کے تعلقات میں ہبہ واپس نہیں ہو سکتا اور تم نے واپس لے لیا۔ دوسری آیت میں علاوہ وجہ مذکور یعنی بہتان اور گناہ کے اور دوسری وجہ بھی بیان فرمائی۔ کہ تم دیا ہوا مال واپس لے بھی کس طرح سکتے ہو حالانکہ تم ان عورتوں سے مل بھی چکے ہو یعنی خلوت صحیحہ یا ہم بستری کر چکے ہو لہٰذا مہر جس چیز کا بدل ہے وہ چیز تم حاصل کر چکے چیز حاصل کرنے کے بعد اب اس کے بدل یعنی مہر کو اگر نہیں دیا ہے تو کیسے روک سکتے ہو اور اگر دے چکے ہو تو کیسے واپس لے سکتے ہو۔ نیز یہ کہ وہ عورتیں تم سے ایک پختہ اور مستحکم اقرار لے چکی ہیں پھر اب اس اقرار کے بعد جو نکاح کے وقت مہر کی ادائیگی کا ہو چکا ہے اس سے تم کس طرح پھر سکتے ہو بہرحال صورت مذکورہ میں عورت کو دیا ہوا یا اس سے وعدہ کیا ہوا مال واپس لینا اور یا ادا نہ کرنا چار برائیوں سے خالی نہیں (۱) بہتان کے مرتکب ہو گے (۲) یا صریح ظلم کے مرتکب ہو گے (۳) یا عورت سے لطف اندوز ہو کر لطف اندوزی کا بدل نہ دو گے یعنی مبدل منہ لو گے اور بدل کے منکر ہو گے (۴) یا عہد شکن ہو گے چونکہ آیت کے عموم کا لحاظ رکھتے ہوئے بعض مفسرین نے ہبہ کو بھی شامل کر دیا تھا اس لئے ہم نے بھی شامل کر لیا ورنہ ظاہر ہے کہ آیت میں مہر ہی کی بحث ہے۔ البتہ فلا تاخذ وامنہ شیئاً میں گنجائش ضرور ہے۔ اس رعایت سے ہم نے ہبہ کو شامل کر لینا مناسب سمجھا۔ مستحکم اقرار کے متعلق ابن عباسؓ اور مجاہد کا قول ہے کہ وہ نکاح کا وہ کلمہ ہے جس پر مہر باندھا جاتا ہے۔ حضرت حسنؒ ابن سیرینؒ ضحاکؒ اور قتادہؒ کا قول ہے کہ اس سے عورت کے ولی کا یہ قول مراد ہے کہ میں نے اس عورت کا نکاح تجھ سے اس وعدہ پر کیا جو اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے بارے میں مردوں سے لیا ہے۔ اور وہ وعدہ یہ ہے کہ یا بھلے مانسوں کی طرح اس عورت کو رکھو گے یا احسان اور نیکی کے ساتھ چھوڑ دو گے حضرت شعبی اور عکرمہ کا قول ہے کہ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان مراد ہے کہ تم عورتوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو کیونکہ تم نے ان کو اللہ کی امانت کے طور پر حاصل کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے کلمہ کے ساتھ وہ تمہارے لئے حلال ہوئی ہیں اس روایت کو مسلم نے نقل کیا ہے۔ بہرحال یا عاقد کا قول ہے یا خود کلمۂ نکاح ہے جو مہر پر موقوف ہے۔ واللہ اعلم۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی جب مرد عورت تک پہنچا تو اس کا تمام مہر لازم ہو گیا اب بغیر اس کے چھوڑے نہیں چھوٹتا اور عہد گاڑھا یہی کہ حکم شرع سے عورت مرد کے قبضے میں آئی (باقی ضمیمہ میں)

بقیہ صفحہ ۹۷

آپ نے فرمایا میری ضرورت کا دن تو وہ ہوگا جس دن میں قبر میں رکھا جاؤں گا۔ حضرات صحابہؓ کے اقوال اس بارے میں مختلف ہیں کہ یہاں خرچ سے مراد صدقات واجبہ ہیں یا صدقات نافلہ ہیں۔ عام رائے یہ ہے کہ صدقات نافلہ مراد ہیں اس آیت کی تفسیر سے یہ بات بھی سمجھ میں آگئی ہوگی کہ ثواب تو ہر قسم کی خیرات کرنے سے ملتا ہے لیکن زیادہ ثواب پسندیدہ چیز خیرات کرنے سے ملتا ہے۔ اب آگے یہود کے ایک اور غلط دعوے کی تکذیب فرماتے ہیں چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل) ۲ جملہ اشیاء خوردنی جو مابہ النزاع ہیں یہ سب نزول توراۃ سے قبل بنی اسرائیل پر حلال تھیں بجز ان چند چیزوں کے جو حضرت یعقوب نے خود اپنی ذات پر حرام کرلی تھیں یعنی اونٹ کے گوشت اور اونٹ کے دودھ کے علاوہ باقی جو چیزیں کھانے پینے کی عام طور سے حلال ہیں وہ سب بنی اسرائیل پر بھی نزول توراۃ سے قبل حلال تھیں۔ اے پیغمبر آپ ان سے یہ مطالبہ کیجئے کہ توراۃ لاؤ اور اس کو لاکر پڑھو اگر تم سچے اور راستباز ہو تاکہ ہمارا تمہارا جھگڑا صاف ہوجائے پھر اب اگر کوئی اس صحیح مطالبے اور حقیقی الزام قائم ہوجانے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بات کی تہمت لگائے اور جھوٹی افترا پردازی کرے تو ایسے لوگ ظالم اور بڑے بے انصاف ہیں (تیسیر) یہود کے ظلم اور عدوان کی وجہ سے حضرت حق نے جو بعض حلال چیزیں ان پر حرام فرمائی تھیں جب قرآن نے ان کی حرمت اور حرمت کے سبب کا انکشاف کیا تو یہ لوگ بڑے ناراض ہوئے اور انہوں نے کہنا شروع کیا یہ ہم پر غلط الزام ہے کیونکہ یہ چیزیں تو حضرت ابراہیم بلکہ حضرت نوح کے زمانے سے حرام چلی آتی ہیں بلکہ تم مسلمان لوگ جو اپنے کو ملت ابراہیمی کا پیرو بتاتے ہو تم ملت ابراہیمی کے پیرو نہیں ہو بلکہ ہم اس کی ملت کے صحیح پیرو ہیں اور اس کے زمانے میں جو چیزیں حرام تھیں ہم ان کو حرام سمجھتے ہیں اور تم ان چیزوں کو حلال سمجھ کر کھاتے ہو لہٰذا تم ملت ابراہیمی کے پیرو نہیں ہو۔ اس جھگڑے کا اس آیت میں جواب دیا گیا ہے۔ یہاں جن چیزوں کی حلت و حرمت مابہ النزاع ہے وہ وہی ہیں جو آٹھویں پارے میں مذکور ہیں یعنی ناخن والے جانور اور جانوروں کی چربی کا بعض حصہ وغیرہ۔ آیت میں جو جواب دیا گیا اور یہود پر جو حجت تمام کی گئی اس کا خلاصہ یہ ہے (۱) جو چیزیں ہمارے تمہارے درمیان مابہ النزاع ہیں مثلاً بعض جانور اور جانوروں کی چربی کا بعض حصہ وغیرہ۔ تم کہتے ہو یہ حضرت نوح اور حضرت ابراہیم کے زمانے سے حرام چلی آتی ہیں اور ہم کہتے ہیں کہ یہ چیزیں توریت سے قبل کسی زمانے میں بھی بنی اسرائیل پر حرام نہیں تھیں البتہ توریت جب نازل ہوئی اس وقت یہ چیزیں بنی اسرائیل کی سرکشی اور ظلم کی وجہ سے حرام ہوئیں مطلب یہ کہ یہاں ان ہی چیزوں کی حلت و حرمت کا فیصلہ ہے جن میں یہود اور اہل اسلام کے درمیان گفتگو ہو رہی ہے کل الطعام سے مراد یہ ہے کہ وہ طیبات اور حلال چیزیں جو عام طور سے کھائی جاتی ہیں یعنی مطعومات اور طیبات اور وہ چیزیں مراد نہیں جو حرام ہیں مثلاً سور کا گوشت۔ خون۔ مردار جانور وغیرہ۔ اسی لئے ہم نے تیسیر میں اشیاء خوردنی ان کا ترجمہ کیا ہے۔ (۲) البتہ اشیاء خوردنی میں سے جو دو یا ایک چیز بنی اسرائیل پر قبل از نزول توراۃ حرام تھیں وہ اونٹ کا گوشت تھا یا گوشت اور دودھ دونوں تھے۔ اور ان کی حرمت کی ایک خاص وجہ تھی اور وہ وجہ کوئی سرکشی یا ظلم نہ تھا بلکہ حضرت یعقوب کسی خاص تکلیف دہ مرض میں مبتلا ہوگئے تھے وہ عرق النسا ہو یا اور اسی قسم کا کوئی مرض ہو ان کو اطبا نے مشورہ دیا کہ آپ اونٹ کا گوشت اور دودھ استعمال نہ کیا کریں انہوں نے ان دونوں چیزوں کو اپنے اوپر حرام کرلیا اور ان کی وجہ سے ان کی اولاد نے بھی اس کا استعمال ترک کردیا اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت یعقوب نے خود ہی یہ منت مانی ہو کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے مرض سے شفا دیدے گا تو میں اپنی محبوب غذا یعنی اونٹ کا گوشت کھانا چھوڑ دوں گا۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو مرض سے شفا دیدی تو انہوں نے اپنی منت اور نذر کی بنا پر اونٹ کا گوشت کھانا اپنے اوپر حرام کرلیا اور اس حرمت کا سلسلہ حضرت یعقوب کی اولاد میں بھی جاری رہا (۳) غالباً ان کی شریعت میں ایسا کرنا روا ہوگا کہ کسی حلال چیز کو نذر کے طور پر حرام کرلیا جائے بہرحال انہوں نے جو اونٹ کا گوشت اور دودھ حرام کرلیا تھا وہ حرمت ان کی اولاد میں جاری رہی۔ ان کی اولاد میں یہ حرمت خواہ حکم الٰہی سے جاری رہی ہو جیسا کہ بعض نے کہا ہے اور خواہ محض حضرت یعقوب کی اتباع میں اولاد نے ایسا کیا ہو۔ اگرچہ یہ طریقہ شریعت محمدیہ میں روا نہیں ہے بلکہ یہاں کسی حلال کو حرام کرنا یمین ہے اور اس یمین کو توڑ کر کفارہ ادا کرنا ضروری ہے۔ (۴) پس حضرت یعقوب کی ان حرام کردہ دو چیزوں کے علاوہ اور کوئی چیز توراۃ کے نازل ہونے کے وقت تک حرام نہ تھی۔ اور چونکہ اس عرصہ میں بنی اسرائیل کی سرکشی اور ظلم حد سے بڑھ چکا تھا اس لئے ان کو سزا دینے کی غرض سے بعض حلال چیزیں ان پر حرام کردی گئیں۔ یہ چیزیں نہ حضرت ابراہیم کی ملت میں حرام تھیں اور نہ حضرت نوح کے زمانے میں حرام ہوئیں اور نہ ہم جو ملت ابراہیمی کے پیرو ہیں ان چیزوں کو اب حرام سمجھتے ہیں (۵) اس واقعہ سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اس قسم کا نسخ کہ کوئی حلال حرام ہوجائے اور کوئی حرام حلال کردیا جائے پہلی شرائع میں بھی ہوتا رہا ہے اگر اس شریعت محمدیہ نے بھی پہلی شریعت کی کوئی بات منسوخ کردی تو کون سے تعجب کی بات ہے۔ (۶) پھر حکم دیا گیا کہ ان سے توراۃ منگا کر پڑھواؤ اور ان سے کہو تم اگر سچے ہو تو توراۃ لاکر پڑھو تاکہ صحیح حقیقت ظاہر ہوجائے اور سچ جھوٹ سے نمایاں ہوجائے لیکن یہود توراۃ لانے پر آمادہ نہ ہوئے۔ (۷) پھر آخر میں فرمایا اب اگر اس مطالبے کے بعد اور اس کھلے الزام کے بعد جو توراۃ نہ لانے کی وجہ سے ان پر آگیا پھر بھی کوئی بدبخت یہی کہے جائے کہ یہ چیزیں ملت ابراہیمی میں حرام تھیں اور یہ بدبخت اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بات کی تہمت لگائے جائے تو بس ایسے ہی بدبخت تو ظالم اور ناانصاف ہیں (۸) آیت کے ترجمہ میں لوگوں کو بہت الجھاؤ ہوتا ہے اس لئے ہم کو اس قدر وضاحت کی ضرورت پیش آئی اور اب ہم کو توقع ہے کہ انشاء اللہ کوئی اشکال باقی نہیں رہے گا اور نہ کوئی شبہ پیش آئے گا۔ اور ربط آیات کے سلسلے میں بھی ایک اور بات سمجھ میں آگئی ہوگی کہ اوپر کی آیت میں محبوب چیز کے ترک کرنے کا ذکر تھا اور اس آیت میں ایک پیغمبر کی محبوب چیز کے ترک کا ذکر ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یہود کہتے کہ تم کہتے ہو ہم ابراہیم کے دین پر ہیں اور ابراہیم کے گھرانے میں جو چیزیں حرام تھیں سو کھاتے ہو جیسے اونٹ کا گوشت اور دودھ۔ اللہ نے فرمایا کہ جتنی چیزیں اب لوگ کھاتے ہیں سب ابراہیم کے وقت حلال تھیں جب تک توریت نازل ہوئی توریت میں خاص بنی اسرائیل پر حرام ہوئی ہیں مگر ایک اونٹ حضرت یعقوب نے اس کے کھانے سے قسم کھائی تھی ان کی تبعیت سے ان کی اولاد نے بھی چھوڑ دیا تھا اس قسم کا سبب یہ تھا کہ ان کو ایک مرض ہوا تھا انہوں نے نذر کی اگر میں صحت پاؤں تو جو میری بہت بھاوت کی چیز ہو وہ چھوڑ دوں ان کو یہی بہت بھاتا تھا سو نذر کے سبب چھوڑ دیا موضح القرآن۔ جب یہود کا دعویٰ باطل ہوگیا اور توراۃ لاکر نہ پڑھنے سے معلوم ہوا کہ وہ جھوٹے تھے اور مسلمان جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ حق ہے اور وہی ملت ابراہیمی ہے۔ اس لئے آگے ملت ابراہیمی اور اس ملت کی بعض چیزوں کا ذکر فرماتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ (تسہیل) ۳ اے نبی آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا یعنی تم پر جو چیزیں حرام کی گئیں وہ تمہاری سرکشی کے باعث ہوئیں ورنہ وہ چیزیں حضرت ابراہیم کی ملت میں حرام نہ تھیں لہٰذا جب قرآن کی صداقت ثابت ہوگئی تو اب تم ملت ابراہیمی کے پیرو ہوجاؤ۔ وہ ابراہیم جو سب سے یکسو ہوکر صرف خدا کا ہوگیا تھا اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا۔ بلاشبہ جو مکان سب سے پہلے لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کی غرض سے مقرر کیا گیا وہ مکان وہ ہے جو شہر مکہ میں واقع ہے اس مکان کی شان یہ ہے کہ وہ بڑا بابرکت ہے اور اقوام عالم کے لئے رہنما اور مرکز ہدایت ہے۔ اس مکان میں بہت سی واضح اور کھلی نشانیاں ہیں منجملہ ان نشانیوں کے اس میں مقام ابراہیم ہے یعنی ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ اور جو شخص اس مکان کی متعلقہ حدود یعنی حرم میں داخل ہوگیا وہ مامون اور امن یافتہ ہوا یعنی شرعاً وہ مستحق امن ہوجاتا ہے اور لوگوں میں سے اس شخص پر اس گھر کا حج کرنا اللہ تعالیٰ کا ایک حق ہے جو اس گھر تک راہ پانے کی استطاعت و قدرت رکھتا ہو اور جو شخص احکام خداوندی کو نہ مانے اور منکر ہوجائے تو یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ اہل عالم سے بے نیاز ہے اور اللہ تعالیٰ اہل عالم کی پروا نہیں رکھتا کسی منکر کے انکار سے اس کو کوئی ضرر نہیں پہنچتا (تیسیر) صدق اللہ کا مطلب یہ ہے کہ جو بات یہود و نصاریٰ کے متعلق یا حضرت ابراہیم کے متعلق یا مسلمانوں کے متعلق یا ان سب کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمائی وہ سب سچ اور حق ہے جیسے اوپر فرمایا تھا ان اولی الناس بابراھیم الخ اور جب اللہ تعالیٰ کا فرمودہ سچ ہے تو سوائے اس کے نجات و فلاح دارین کا اور کیا طریقہ ہے کہ ملت ابراہیم کے پیرو ہوجاؤ۔ حنیف کے معنی اوپر عرض کئے جاچکے ہیں۔ یہاں ابراہیم کی قید بھی ہوسکتی ہے اور ملت کی بھی قید ہوسکتی ہے اور یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ اے اہل کتاب سب ملتوں سے الگ ہوکر صرف ملت ابراہیم کے پیرو ہوجاؤ۔ اول بیت کا یہ مطلب ہے کہ سب سے پہلے پانی میں سے کعبہ کی زمین نمودار ہوئی یا سب سے پہلے حضرت آدم نے اس کو بنایا۔ یا یہ مطلب ہے کہ حضرت نوح کے طوفان کے بعد جب کوئی نشان باقی نہ رہا تو سب سے پہلے حضرت ابراہیم نے اس کی تعمیر کی یا یہ کہ حضرت آدم کی پیدائش سے دو ہزار سال قبل فرشتوں نے تعمیر کی۔ خلاصہ یہ کہ سب سے پہلی مسجد اور معبد یہی مکان ہے جو خدا کی عبادت کے لئے مقرر کیا گیا۔ بکۃ سے مراد مکہ ہے۔ اہل عرب با کی جگہ میم اور میم کی جگہ با کا استعمال کرتے ہیں۔ جیسے نمیط اور نبیط۔ کازم اور کازب۔ ہوسکتا ہے کہ بکہ سے وہ جگہ مراد ہو جہاں کعبہ تعمیر ہوا ہے۔ لیکن صحیح یہی ہے کہ بکہ سے شہر مکہ مراد لیا جائے۔ مبارکا سے مراد یہ ہے کہ وہ کعبہ ہر قسم کی برکتوں کا سرچشمہ اور منبع ہے خواہ وہ برکات ظاہری ہوں یا باطنی حسی ہوں یا معنوی جملہ برکات دینی اور دنیوی سے اس گھر کو معمور کیا اور اس گھر کو ہدایت الٰہی کا مرکز قرار دیا پیغمبر

آخرالزماں کو وہیں مبعوث کیا قرآن وہیں نازل ہوا۔ پھر یہ کہ اطراف عالم کے لوگ نمازوں میں اسی کی جانب رخ کرتے ہیں۔ ہر طرف سے لوگ وہاں حج کرنے ہر سال آتے ہیں۔ یہ سب باتیں ظاہر کرتی ہیں کہ وہ مکان اقوام عالم کے لئے موجب ہدایت و برکت ہے۔ اٰیٰت بینات کا مطلب یہ ہے کہ اس میں بہت سی نشانیاں ہیں خواہ وہ تشریعی ہوں یا تکوینی۔ انہی نشانات میں سے ایک مقام ابراہیم ہے جس پر حضرت ابراہیم نے کھڑے ہو کر کعبہ کی تعمیر کی تھی۔ اور اس پتھر میں حضرت ابراہیم کے پاؤں کا نشان اب تک موجود ہے۔ اور چونکہ اس پتھر کو مصلی بنانے کا حکم ہے اس لئے یہ نشان شرعی بھی ہے اور تکوینی بھی۔ اور اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت نوح کے طوفان کے بعد اس گھر کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سب سے پہلے تعمیر کیا تھا۔ جیسا کہ ہم پہلے پارے میں عرض کر چکے ہیں۔ پھر یہاں حج کا مقرر ہونا، صفا مروہ کے درمیان دوڑنا، تلبیہ پکارنا، پرندوں کا کعبہ پر سے نہ گذرنا، درندوں کا حرم میں شکار نہ کرنا وغیرہ غرض تشریعی نشانات کا تو وہ گھر گہوارہ ہی ہے اور بعض تکوینی نشانات بھی دیکھنے والوں کو نظر آتے ہیں۔ پھر یہ کہ جو اس مکان کی حدود میں داخل ہو جاتا ہے وہ مامون ہے یعنی شرعاً اس کو امن دینے کا حکم ہے۔ یا یہ کہ وہ آخرت میں عذاب سے مامون ہے۔ ہر چند کہ اس گھر کے متعلقہ نشانات میں سے اکثر نشانات تو شرعی ہیں لیکن تکوینی نشانات بھی یہاں ایسے موجود ہیں جن کا اعتراف کفار عرب بھی کرتے تھے۔ وللّٰہ علی الناس حج البیت کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے ذمہ اللہ تعالیٰ کا یہ ایک حق ہے کہ اس گھر کا حج کیا کریں لیکن ہر شخص پر نہیں بلکہ اس شخص پر حج کرنا فرض ہے جو اس گھر تک پہنچنے کی سبیل رکھتا ہو اور اس گھر تک راہ پانے کی استطاعت رکھتا ہو یعنی زاد سفر اور سواری وغیرہ کی طاقت ہو تندرست ہو۔ راہ میں امن ہو وغیرہ مزید شرائط کتب فقہ میں مذکور ہیں۔ اور یہ جو فرمایا ومن کفر۔ تو اس سے حج کی تاکید مراد ہے کہ اگر کوئی شخص ان تمام شرائط کے متحقق ہو جانے کے باوجود جن سے ایک مسلمان عاقل بالغ پر حج فرض ہو جاتا ہے پھر حج نہ کرے تو ایسا شخص کفر کے قریب ہو جاتا ہے۔ یا یہ کہ حج کی فرضیت کا منکر ہو گیا تو ایسا شخص کافر ہے۔ وہ یہودی ہو کر مر جائے یا نصرانی ہو کر مر جائے۔ اللہ تعالیٰ کا اہل عالم سے مستغنی بے نیاز اور بے پرواہ ہونا تو ظاہر ہی ہے۔ آیت زیر بحث کی تفسیر میں صحابہ اور تابعین کے بہت سے اقوال منقول ہیں۔ ہم نے تطویل کے خوف سے ان کی تفصیل نہیں کی بلکہ تیسیر و تسہیل میں ان اقوال کا خلاصہ یا کچھ اشارے کر دیئے ہیں۔ ان آیتوں میں کعبہ کا ذکر اس واسطے کیا کہ شاید اہل کتاب نے یہ اعتراض بھی کیا ہو کہ تم لوگ اگر سب نبیوں کے ماننے والے ہو تو بیت المقدس کو چھوڑ کر کعبہ کی جانب کیوں نماز پڑھتے ہو حالانکہ ہمارا قبلہ تمہارے قبلہ سے قدیم اور افضل ہے۔ وہ انبیاء کی ہجرت گاہ ہے۔ حضرت ابراہیم بھی عراق سے ہجرت کر کے وہیں چلے گئے تھے اور شام کے علاقے میں سکونت پذیر ہو گئے تھے لہٰذا تم کو اگر حضرت ابراہیم سے نسبت ہے تو کعبہ کو چھوڑ کر بیت المقدس کو اپنا قبلہ بناؤ۔ اس لئے ان کے جواب میں کعبہ کی حقیقت بیان کی گئی۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یہ بھی یہود کا شبہ تھا کہ ابراہیم کا گھرانا ہمیشہ سے شام میں رہا اور بیت المقدس کو قبلہ رکھا اور تم مکہ میں ہو اور کعبہ کو قبلہ کرتے ہو تم کیوں کر ابراہیم کے وارث ہوئے سو اللہ نے فرمایا کہ ابراہیم کے ہاتھ سے اول عبادت خانہ اللہ کے نام پر یہی بنا اور اس میں بزرگی کی نشانیاں اور خوارق ہمیشہ دیکھتے رہے ہیں اصل مقام ابراہیم کا یہی ہے۔ موضح القرآن۔ آیات زیر بحث کا خلاصہ یہ ہے۔ (۱) اللہ تعالیٰ کے فرمان اور اس کے اقوال کی صداقت اور حقانیت کا اعلان۔ (۲) اقوام عالم کو ملت ابراہیمی یعنی اسلام کی دعوت (۳) حضرت ابراہیم اور ان کی ملت کا حنیف ہونا یعنی افراط و تفریط سے پاک ہونا اور حضرت ابراہیم کا مشرک نہ ہونا (۴) بیت اللہ کا سب سے پہلا معبد اور عبادت گاہ ہونا اور عبادت کے لئے سب سے پہلے اس گھر کا مقرر ہونا (۵) ہر قسم کی برکات کا اس گھر سے وابستہ ہونا اور اس گھر کا مرکز ہدایت ہونا۔ (۶) اس میں مختلف نشانات کا موجود ہونا خواہ وہ نشانات شرعی ہوں یا خوارق عادات کے طور پر ہوں (۷) ان نشانات میں سب سے بڑی نشانی اور سب سے بڑی دلیل اس گھر کے پاس مقام ابراہیم کا موجود ہونا ہے (۸) اس گھر کی حدود شرعیہ میں داخل ہونے والے کا مامون ہونا حتیٰ کہ درندوں کا شکار سے اجتناب کرنا اور جو خلوص دل سے حرم میں داخل ہو اور مناسک حج بجا لائے آخرت میں اس کا عذاب سے مامون ہونا (۹) جس شخص کو اس گھر تک پہنچنے کی استطاعت ہو اس کو عمر میں ایک دفعہ اس گھر کا ضرور حج کرنا اور اس میں کوتاہی نہ کرنا حج کی مشروعیت چونکہ بیت اللہ کی وجہ سے ہے اور بیت اللہ اپنی جگہ قائم ہے اس لئے تمام عمر میں صرف ایک دفعہ حج کرنا فرض ہے۔ (۱۰) حج سے غفلت کرنے والوں پر اور مستطیع حضرات کی کوتاہی پر اللہ تعالیٰ کی خفگی اور ناراضگی کا اظہار۔ حضرات ارباب سلوک نے کعبہ کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ کعبہ ایک لطیفہ ربانی ہے۔ کعبہ اینٹ پتھروں کا نام نہیں ہے کعبہ تجلیات الٰہی کا حقیقی مہبط ہے۔ کعبہ اگرچہ عالم خلق سے ہے لیکن اس کی حقیقت کو کوئی محسوس نہیں کر سکتا اور نہ کوئی اس کا ادراک کر سکتا ہے۔ کعبہ اگرچہ محسوسات میں سے ہے لیکن باوجود محسوس کے غیر محسوس اور باوجود مدرک کے غیر مدرک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اشیاء ممکنہ کو وجوب کے لئے مرآت اور آئینہ بنایا ہے اور عدم کو وجوب اور وجود کے لئے مظہر قرار دیا ہے۔ حقیقت کعبہ سے حقیقت قرآن بلند ہے اور حقیقت قرآنی سے حقیقت صلوٰۃ بالا ہے۔ اور یہی وہ مقام ہے جہاں سالک کی سیر منتہی ہو جاتی ہے اور یہی مقام فناء بقا ہے۔ اور اس مقام سے اوپر معبودیت خالصہ ہے جہاں کسی کا گذر نہیں ہوتا اور یہی وہ مقام ہے جس کی طرف معراج کی شب میں اشارہ کیا گیا تھا کہ اے محمد ٹھہر جاؤ تمہارا پروردگار نماز پڑھ رہا ہے۔ یہ باتیں عوام کی سمجھ سے بالاتر ہیں۔ مزید تفصیل منظور ہو تو تفسیر مظہری کا مطالعہ کیا جائے۔ اس تقریر کے بعد شاید وہ واقعہ بھی سمجھ میں آ جائے جو حضرت رابعہ بصریہ کے واقعات میں آتا ہے کہ کعبہ ان کے استقبال کو گیا تھا واللہ اعلم۔ اب تک اہل کتاب کے اعتراضات کا جواب تھا اب آگے ان کے بعض افعال پر ملامت اور توبیخ ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ (تسہیل)

بقیہ صفحہ ۹۸

ف۲ اے ایمان والو! اگر تم نے ان لوگوں میں سے کسی فرقہ کی بات مانی جن کو کتاب دی گئی ہے یعنی اہل کتاب میں سے کسی فریق کا کہنا مانا تو وہ لوگ تم کو تمہارے ایمان لانے کے پیچھے پھر کافر بنا دیں گے اور کفر پر تم کو لوٹا دیں گے (تیسیر) حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے شبہوں کا جواب دے کر مسلمانوں کو فرمایا کہ ان کی بات مت سنو یہی علاج ہے نہیں تو شبہے سنتے سنتے اپنی راہ سے نکل جاؤ گے اب بھی ہر مسلمان کو چاہئے کہ شبہے والوں کی بات نہ سنے اس میں دین کی سلامتی ہے اور جھگڑنے سے شبہے بڑھتے ہیں موضح القرآن مطلب یہ ہے کہ کوئی پارٹی ہو خواہ شماس بن قیس کا گروہ ہو یا کوئی اور فریق ہو تمہاری دشمنی میں سب برابر ہیں اگر کسی فریق کا کہنا مانو گے تو وہ تم کو تمہارے مسلمان ہونے کے بعد پھر کافر بنا دیں گے۔ یہ کفر اعتقاداً ہو یا عملاً ہو یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے بدگمان ہو جاؤ اور اعتقاداً کافر بن جاؤ یا کسی اور کفر کے کام میں مبتلا ہو جاؤ جیسے ابھی باہم قتل و قتال پر آمادہ ہو گئے تھے اور زمانہ جاہلیت کا مرض عود کر آیا تھا۔ وہ تو ہمارے رسول کی بروقت توجہ سے معاملہ ٹل گیا ورنہ ابھی آپس میں کشت و خون کا بازار گرم ہو گیا تھا صحابہ کا یہ فرمانا بالکل صحیح ہے کہ ہم نے کوئی دن ایسا نہیں دیکھا جس کا ابتدائی حصہ انتہائی خطرناک اور قبیح ہو اور اس کا آخری حصہ نہایت بہتر اور عمدہ ہو یعنی صبح کو مسلمان شماس بن قیس کے داؤ میں آ گئے اور باہم جنگ کے لئے آمادہ ہو گئے اور شام کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سمجھانے سے انہوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا اور آپس میں گلے مل گئے اور سب بھائی بھائی ہو گئے بہرحال قرآن نے اس موقعہ پر ایک ضابطہ مقرر کر دیا اور بتا دیا کہ اہل کتاب کی باتوں میں نہ آؤ اور کسی فریق کا کہنا نہ مانو ورنہ یہ لوگ پھر تم کو کفر کی طرف پھیر دیں گے۔ ہم نے شان نزول کی رعایت سے کفر میں تعمیم کر دی تاکہ کفر اعتقادی اور کفر عملی دونوں کو ہماری تفسیر شامل ہو جائے۔ یہ ضابطہ جو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے ہر موقعہ کے لئے مفید اور مشعل راہ ہے۔ مسلمانوں کو ہمیشہ اہل باطل اور اہل شکوک و شبہات کی باتوں سے الگ رہنا چاہئے جیسا کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا ہے سلامتی اور عافیت اسی میں ہے ورنہ طبعاً جب انسان بار بار ایک بات کو سنتا ہے تو اس سے متاثر ہو جاتا ہے۔ آگے مسلمانوں کو تسلی اور ان پر اطمینان کا اظہار ہے۔ (تسہیل) ف۳ اور بھلا تم کفر کی روش کس طرح اختیار کر سکتے ہو۔ حالانکہ تم کو اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں اور تم میں اللہ تعالیٰ کا رسول موجود ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کو یعنی اس کے دین کو مضبوط پکڑتا ہے تو یقیناً ایسا شخص راہ راست اور صراط مستقیم کی جانب رہنمائی کیا جاتا ہے (تیسیر) اعتصام کسی چیز کو مضبوط پکڑنا۔ اللہ تعالیٰ کو مضبوطی کے ساتھ پکڑنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے دین کو مضبوط پکڑنا یا کتاب کو مضبوط پکڑنا یا ایمان کو مضبوط پکڑنا یا یہ کہ ماسوی اللہ سے یکسو ہو کر صرف اللہ پر توکل کرنا اور اللہ سے تعلق قائم رکھنا۔ آیات اللہ سے مراد احکام الٰہی یا قرآن ہے رسول اللہ سے مراد حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانو! تم کو یہ کس طرح جائز ہو سکتا ہے کہ اللہ کا رسول تم میں موجود ہے، قرآن کی تم پر تلاوت کی جاتی ہو ایسی حالت میں کہ قرآن اور پیغمبر تم میں موجود ہو اور پھر تم عملاً یا اعتقاداً کفر کی طرف مائل ہو جاؤ اور کافرانہ روش اختیار کرنے پر آمادہ ہو جاؤ۔ کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے اپنا تعلق مضبوط رکھتا ہے تو اس کو راہ راست پر قائم رہنے کی توفیق نصیب ہوتی ہے اور اس کو راہ راست کی ہدایت کی جاتی ہے۔ اس آیت میں جن مسلمانوں کو خطاب ہے وہ صحابہ ہیں کیونکہ اس زمانے میں قرآن اور رسول دونوں موجود تھے۔ اور چونکہ قرآن قیامت تک مسلمانوں میں باقی رہنے والا ہے اور اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت اور آپ کی رحمت بھی قیامت تک سایہ افگن ہے اس لئے حضرات صحابہ کے

علاوہ عام مسلمان بھی مراد لئے جا سکتے ہیں واللہ اعلم۔ اب آگے مسلمانوں کو تقوے اور پرہیزگاری کی تاکید ہے اور احسانات خداوندی کو یاد دلاتا ہے اور مسلمانوں کو باہمی خانہ جنگی کی ممانعت اور باہمی تفریق کے نقصانات سے آگاہ کرتا ہے۔ (تسہیل)۔

بقیہ صفحہ ۹۹

اور یہ چیزیں دوزخ کے گڑھے میں گر جانے کا سبب اور جہنم میں جانے کی علت تھیں مگر اللہ تعالےٰ نے تم کو اسلام کی بدولت اس گڑھے میں گرنے سے بچا لیا۔ اور اسلام قبول کرنے کی برکت سے وہ سبب زائل ہو گیا لہٰذا اب تم ایسی حرکات کے مرتکب نہ ہو کر جو سبب زائل ہوا تھا خدانخواستہ کہیں وہ پھر عود کر آئے۔ اگر اسلام کے بعد اور الفت و محبت جو تمہارے قلوب میں پیدا کر دی گئی ہے اس کے بعد زمانۂ جاہلیت کی طرح پھر آپس میں لڑو گے اور ایک دوسرے کا گلا کاٹو گے تو وہ نعمت سلب ہو جائے گی اور الفت و محبت زائل ہو جائے گی۔ اور کبائر کے ارتکاب سے اسلام کی نعمت اگر زائل نہ بھی ہو گی تو مضمحل تو ضرور ہو جائے گی۔ فانقذکم منھا کی ضمیر کا مرجع گڑھا بھی ہو سکتا ہے آگ بھی ہو سکتی ہے اور کفار بھی ہو سکتا ہے ہم نے ایک صورت اختیار کر لی ہے۔ ولا تفرقوا کے بھی کئی معنی ہیں۔ ہم نے تیسیر میں وضاحت کر دی ہے مطلب آپس کی تفریق سے روکنا ہے یا امر حق سے کٹ کر علیحدہ ہو جانے کی ممانعت ہے جیسا کہ کثرت احادیث میں اس کی ممانعت آئی ہے اور اہل حق کی جماعت کے ساتھ رہنے اور امام کا ساتھ دینے کی تاکید منقول ہے۔ حضرت ابوہریرہ سے امام احمد اور امام مسلم نے نقل کیا ہے اللہ تعالےٰ تمہاری تین باتوں کو پسند کرتا ہے اور تین باتوں سے ناخوش ہوتا ہے اور تم پر غصے ہوتا ہے پسندیدہ تین باتیں یہ ہیں (۱) اللہ کی بندگی کرنا اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا (۲) اللہ کی رسی کو متفق و متحد ہو کر مضبوط پکڑے رہنا (۳) جو سلطان والی مقرر ہو جائے اس کی خیرخواہی کرنا۔ جن تین باتوں پر وہ غضب ناک ہوتے ہیں وہ یہ ہیں (۱) بے کار قیل و قال کرنا (۲) مال کو ضائع کرنا (۳) بکثرت اور بلا ضرورت سوال کرنا۔ غرض اہل حق کی جماعت سے جدا نہیں ہونا چاہئے ورنہ شیطان اچک لے گا جیسا کہ بھیڑیا اس بکری کو آسانی سے لے بھاگتا ہے جو اپنے ریوڑ سے علیحدہ ہو جاتی ہے۔ یہ مضمون بھی حضرت معاذ بن جبل کی روایت کا ہے جس کو امام احمد نے نقل کیا ہے۔ اس کے بعد اپنے دلائل کی عمومیت کا اظہار فرماتے ہیں (تسہیل) ف۲ جس طرح اللہ تعالےٰ نے یہ احکام مذکورہ اور پر واضح طور پر بیان فرمائے ہیں اسی طرح اپنے اور احکام بھی وہ واضح اور صاف صاف طور پر بیان کرتا رہتا ہے تاکہ تم راہ راست پر ثابت قدم رہو (تیسیر) حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں ایک مجلس میں مسلمان اور یہود تھے یہود نے مسلمانوں کو آپس میں لڑا دیا اور قریب ہوا کہ شمشیر چلے حضرت آپ وہاں پہنچے اور صلح کرا دی۔ فرمایا اس طرح کہ مدینہ کے لوگ دو فرقے تھے اسلام سے پہلے آپس میں الجھے تھے اور دونوں طرف بہت لوگ مرے تھے اس وقت یہود نے دونوں کو وہی لڑائی یاد دلا کر غصہ چڑھایا اور لڑا دیا۔ حق تعالےٰ نے مسلمانوں کو خبردار کرتا ہے کہ نہ بہکو اور آپس کا اتفاق نعمت سمجھو اور یہود کی طرح پھوٹ کر لڑنے ہو موضح القرآن حضرت شاہ صاحبؒ نے اسی شماس بن قیس کی شرارت اور فتنہ جوئی کی طرف اشارہ فرمایا ہے جس نے اوس اور خزرج

کو لڑانے کا سامان کیا تھا۔ بہرحال اوپر کی آیتوں میں کفار کی گمراہی اور خدا کی راہ سے روکنے کی مذمت تھی پھر مسلمانوں کو صحیح راہ پر قائم رہنے کا حکم تھا اب آگے کی آیت میں مسلمانوں کو یہ حکم دیا جاتا ہے کہ وہ دوسروں کو بھی تبلیغ کیا کریں اور دوسروں کو بھی صحیح راہ دکھانے اور بتانے کا فریضہ انجام دیا کریں چونکہ اسلام ایک عالمگیر حقانیت کا داعی ہے لہٰذا دوسروں کو اس کی دعوت دینا ضروری ہے (تسہیل) ف۳ اور تم میں مبلغین اور داعین الی الحق کی ایک ایسی جماعت ضرور ہونی چاہئے جو دوسرے لوگوں کو خیر اور بھلائی کی طرف دعوت دیا کریں اور اس جماعت کے لوگ دوسروں کو بھلے کام کرنے کا حکم دیا کریں اور برے کاموں سے ان کو منع کیا کریں اور ایسے ہی لوگ جو تبلیغ کا فریضہ ادا کریں گے اپنے مقصد میں کامیاب ہونے والے ہیں (تیسیر) خیر سے ہر قسم کی صلاح مراد ہے خواہ عقائد کی درستی ہو یا اعمال و اخلاق کی ہو یا دین و دنیا دونوں کی اصلاح ہو۔ ابن مردویہ نے ابوجعفر محمد بن باقر سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ خیر سے مراد کتاب اللہ کی اور میری سنت کی پیروی ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ جب اس آیت کی تلاوت کرتے تھے تو فرماتے تھے خیر سے مراد یہ ہے کہ مصائب و آلام کے وقت اللہ تعالیٰ سے دعا کریں اور مسلمانوں کی پریشانی کو رفع کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ سے دعا کیا کریں اس تقدیر پر اس جماعت سے مراد صلحا اور نیک لوگوں کی جماعت مراد ہو گی۔ اور ہو سکتا ہے کہ تبلیغ کی دو قسمیں کی جائیں ایک یہ کہ غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دی جائے اور ان کو مسلمان بنایا جائے اور دوسری قسم یہ کہ مسلمانوں کو بھلے کام کا حکم کیا جائے اور برے کاموں سے روکا جائے۔ بہرحال خیر سے عام احکام مراد ہیں معروف سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کو شرعاً اور عقلاً مستحسن سمجھا جاتا ہے اور منکر سے مراد وہ چیزیں ہیں جو شرعاً اور عقلاً بری سمجھی جاتی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ معروف سے مراد وہ امور ہوں جو کتاب و سنت کے موافق ہوں اور منکر سے وہ چیزیں مراد ہوں جو ان دونوں کے خلاف ہوں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ معروف سے مراد طاعت اور منکر سے مراد معاصی ہوں۔ بہرحال معروف میں فرض، واجب، مستحب و مندوب وغیرہ سب شامل ہیں اور منکر میں حرام، مکروہ تحریمی، مکروہ تنزیہی وغیرہ سب شامل ہیں۔ اگر یہ جماعت امام مقرر کرے تب تو امر کے معنی حکم کرنے کے ظاہر ہیں۔ اور اگر خود مسلمان ایسی جماعت بنائیں اور حکومت کی سرپرستی اس کو حاصل نہ ہو تو ظاہر ہے کہ امر کے معنی یہ ہوں گے کہ اچھی باتوں کو کہیں اور بری باتوں کو سمجھا کر ان سے منع کریں۔ اور چونکہ اس جماعت کے افراد کو من وجہ فوقیت اور خصوصیت حاصل ہے اس لئے امر کا لفظ ان لوگوں کے لئے قرآن نے استعمال فرمایا ہے۔ خواہ یہ امام کی طرف سے مامور ہوں یا نہ ہوں مامور نہ ہونے کا یہ مطلب کہ امام غفلت کرے یا بدقسمتی سے امام ہی نہ ہو جیسے ہمارے دور میں امام کا وجود مفقود ہے بہرحال امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو علما نے فرض کفایہ فرمایا ہے اور امۃ کے لفظ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر کچھ لوگ اس خدمت کو انجام دیتے رہیں تو دوسرے لوگوں سے مواخذہ نہ ہو گا ورنہ سب گنہگار ہوں گے۔ جس طرح جہاد کا حکم ہے۔ باقی رہا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا التزام ان ہی لوگوں پر عائد ہو گا جو معروف و منکر سے واقف ہوں یعنی اہل علم ہوں ہمارے زمانے میں غیر اہل علم نے جو وعظ گوئی کا پیشہ اختیار کر لیا ہے اور بعض جاہل میلاد خوانوں کو لوگوں نے عالم سمجھ لیا ہے یہ لوگ مسلمانوں کے لئے بجائے نفع سخت نقصان دہ ثابت ہوئے ہیں مسلمانوں میں سے اچھے برے کی تمیز جاتی رہی ہے اور وہ

ہر خوش گلو گویے کو عالم سمجھنے لگے ہیں اور اسی وجہ سے اسلامی اخلاق کا انحطاط ہو رہا ہے۔ یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ امر بالمعروف کے مختلف درجے ہیں جو شخص امر بالمعروف پر قدرت رکھتا ہے تو امور واجبہ میں نصیحت کرنا اس پر واجب ہو گا اور امور مستحبہ میں مستحب ہو گا اور اگر قدرت نہ ہو اور یہ جانتا ہو کہ لوگ مجھ کو نقصان پہنچائیں گے اور میں برداشت نہ کر سکوں گا تو امور واجبہ میں وجوب نہ رہے گا البتہ اگر ہمت کرے تو ثواب کا مستحق ہو گا اور اجر پائے گا۔ پھر قدرت کے بھی مختلف درجے ہیں اگر ہاتھ سے بری باتوں کو روک سکتا ہے تو منہیات شرعیہ کو ہاتھ سے روکنا واجب ہو گا، ورنہ زبان سے کہنا واجب ہو گا اور اگر اتنی استطاعت بھی نہ ہو اور اہل فسق کا غلبہ ہو تو دل سے ہی نفرت کرنا کافی ہو گا اور بری بات کو قلب سے برا جاننا ضروری ہو گا۔ جیسا کہ ابوسعید خدری کی روایت مشہور ہے جس کو مسلم نے نقل کیا ہے۔ جب ہاتھ اور زبان کی قدرت نہ رہے اور مایوس ہو جائے تو ایسے وقت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ترک کر دینے میں مضائقہ نہیں البتہ فساق و فجار کی صحبت سے اجتناب ضروری ہو گا اور ایسی مجالس کو ترک کر دینے کا حکم ہو گا۔ ہم پہلے پارے میں اتامرون الناس بالبر کی تفسیر میں تفصیلاً عرض کر چکے ہیں۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا خود بھی پابند ہونا چاہئے لیکن بدقسمتی سے اگر کوئی عالم خود بے عمل ہو تو اس کی بے عملی کو عذر بنا کر عوام کو ترک عمل کی اجازت نہ ہو گی اگرچہ کسی عالم کا بے عمل ہونا بہت بری بات ہے۔ نعمان بن بشیر کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالےٰ کی حدود میں مداہنت کرنے والوں اور اللہ کی حدود کو توڑنے والوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک جہاز کے مختلف درجوں میں لوگ سوار ہیں نیچے درجے والے پانی لینے کی غرض سے اوپر آتے ہیں اور یہ اوپر کے درجے والے ان کو ستاتے ہیں اور پانی حاصل کرنے سے منع کرتے ہیں اس پر نیچے کے درجے والے جہاز کے تختہ کو توڑنا شروع کر دیتے ہیں تاکہ پانی حاصل کریں اس پر اوپر کے لوگ ان کے پاس جاتے ہیں اور دریافت کرتے ہیں کہ تم یہ کیا حرکت کر رہے ہو۔ وہ جواب دیتے ہیں ہم کو پانی کی ضرورت ہے جب ہم اوپر جاتے ہیں تو تم لوگ ہم کو ستاتے اور تکلیف پہنچاتے ہو حضور فرماتے ہیں تم ان کو جہاز کا تختہ توڑنے سے روکو اور ان کو پانی کی سہولت بہم پہنچاؤ ورنہ وہ بھی تباہ ہوں گے اور تم بھی غرق ہو جاؤ گے۔ اور اگر تم نے جہاز کے تختوں کو توڑنے سے بچا لیا تو تم بھی بچ جاؤ گے اور وہ بھی بچ جائیں گے۔ اس روایت کو بخاری نے نقل کیا ہے۔ حضرت حذیفہ کی روایت میں ہے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرتے رہو ورنہ قریب ہے کہ تم پر اللہ تعالےٰ اپنے پاس سے ایسا عذاب بھیجے گا کہ پھر تم خواہ کتنی دعائیں کرو گے وہ قبول نہیں ہو گا۔ حضرت ابن مسعود کی روایت میں مرفوعاً آیا ہے کہ جب بنی اسرائیل کے لوگ معاصی میں مبتلا ہوئے تو ان کے علما نے ان کو سمجھایا لیکن وہ باز نہ آئے تو ان کے علما نے مداہنت اختیار کر لی اور ان کی مجالس میں شریک ہونے لگے اور ان سے علیحدگی اختیار نہیں کی تو اللہ تعالےٰ نے ان پر حضرت داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان سے لعنت کرائی۔ حضرت اسامہ بن زید کی روایت ہے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو قیامت کے دن جہنم میں ڈالا جائے گا اور اس کی آنتیں اس کے پیٹ سے باہر نکل پڑیں گی اور وہ اپنی آنتوں کے چاروں طرف اس طرح گھومتا ہو گا جس طرح چکی کا گدھا چکی کے چاروں طرف

پھرتا ہے۔ لوگ اس کو دیکھ کر کہیں گے کیا تو وہ شخص نہیں ہے جو دنیا میں ہم کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیا کرتا تھا۔ وہ جواب دے گا ہاں میں وہی ہوں لیکن میں بدقسمت جن باتوں کا تم کو حکم دیا کرتا تھا خود ان کو نہیں کیا کرتا تھا۔ یعنی بے عمل واعظ تھا۔ بغوی نے شرح السنۃ میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں یہ روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شب معراج میں ایک ایسی قوم پر گذرے جن کے ہونٹ قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے۔ آپ نے حضرت جبریل سے دریافت کیا یہ کون لوگ ہیں جبریل نے جواب دیا یہ آپ کی امت کے خطیب ہیں جو لوگوں کو خیر پر عمل کرنے کو کہتے تھے اور اپنے آپ کو فراموش کئے ہوئے تھے بہرحال ایک جماعت دعوت الی الخیر اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے مقرر رہنی چاہئے۔ اگر کچھ لوگ یہ کام کرتے رہے تو یہ لوگ اپنے مقصد میں کامیاب ہوں گے یعنی ان کو اجر ملے گا اور دنیا میں مسلمانوں کو فائدہ پہنچے گا، ان کی مردم شماری میں اضافہ ہو جائے گا جس کی آجکل جمہوریت میں بڑی ضرورت ہے۔ قیامت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں سے خوش ہوں گے کیونکہ امت کی کثرت آپ کے لئے موجب فخر و مباہات ہے۔ نیز مسلمانوں کے عقائد اعمال اور ان کے اخلاق درست رہیں گے۔ باقی رہی آیت یایھا الذین امنوا علیکم انفسکم اس کے متعلق انشاء اللہ تعالےٰ بشرط زندگی ساتویں پارے میں عرض کریں گے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں معلوم ہوا کہ مسلمانوں میں فرض ہے ایک جماعت قائم رہے جہاد کرنے کو اور دین کا تقید رکھنے کو تا خلاف دین کوئی نہ کرے اور جو اس کام پر قائم ہوں وہی کامیاب ہیں اور یہ کہ کوئی کسی سے تعرض نہ کرے موسٰی بدین خود عیسٰی بدین خود یہ راہ مسلمانی کی نہیں موضح القرآن حضرت شاہ صاحبؒ نے زبانی تبلیغ کے ساتھ جہاد کو بھی شامل کر لیا۔ ہم اوپر عرض کر چکے ہیں آیت میں ہر قسم کی گنجائش ہے ہو سکتا ہے کہ دعوت الی الخیر سے جہاد مراد ہو۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بعض ضدی اور ہٹ دھرم مسلمانوں سے بھی جہاد کی نوبت آجائے جیسا کہ مانعین زکوٰۃ سے قرن اول میں ہوا۔ اب آگے پھر تفریق اور باہم نااتفاقی کی تفصیل مذکور ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر افضل جہاد ہے۔ یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے بہت بڑے عالم کی ضرورت نہیں ہے بلکہ جس بات کی خوبی اور جس کام کی برائی کا کسی کو علم حاصل ہو وہ اتنی ہی بات کی تبلیغ کر سکتا ہے مثلاً نماز کی فرضیت کو ہر شخص جانتا ہے تو ایک بے نمازی سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ نماز فرض ہے تو نماز پڑھا کر اسی طرح شراب کی حرمت سے عام آدمی واقف ہیں اس لئے ایک شرابی کو یہ کہہ کر روکا جا سکتا ہے کہ تو شراب نہ پیا کر اس کو شریعت نے حرام کیا ہے۔ بہرحال ہم نے یہاں مختصر طور پر چند باتیں لکھ دی ہیں ورنہ اس بحث میں فرعی مسائل بہت ہیں۔ اب آگے مسلمانوں کے باہم متحد رہنے اور تفریق سے بچنے کی تفصیل مذکور ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل)

بقیہ صفحہ ۱۰۰

خواہ یہ عذاب دائمی ہو جیسے اعتقادی کافروں کے حق میں یا عرصہ دراز تک کے لئے ہو جیسے فساق اور اہل بدعت وا ہوا کے حق میں اعاذنا اللہ منہا اس تقریر کے بعد حضرات صحابہ اور ائمہ مجتہدین کے باہمی اختلافات پر کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ان تمام اختلافات کا مبنی محض دلائل ظنیہ اور اجتہاد ہے۔ اور بغیر کسی تعصب اور بغیر کسی مکابرے اور بغیر کسی نفسانیت کے ہے۔ بلکہ یہ اختلافات تو رحمت اور بندوں کی گنجائش اور وسعت کا سبب ہے۔ جیسا کہ عبد بن حمید نے اپنی مسند میں اور دارمی اور ابن ماجہ نے اور ابن عساکر اور حاکم نے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میں نے اپنے رب سے اپنے صحابہ کے اس اختلاف کا سوال کیا جو میرے بعد ان میں رونما ہونے والا ہے۔ ارشاد ہوا تیرے اصحاب اے محمد میرے نزدیک ایسے ہیں جیسے آسمان کے تارے کہ کوئی نور میں زیادہ اور قوی ہے اور کوئی نور میں کم اور ضعیف ہے لیکن ہر ایک میں نور موجود ہے لہٰذا ان میں سے جس کسی کو کوئی شخص اختیار کرے گا اور باوجود ان کے باہمی اختلافات کے کسی ایک کو اختیار کرے گا وہ میرے نزدیک ہدایت پر ہوگا۔ اسی طرح بیہقی نے مدخل میں عمر بن عبد العزیز سے اور طبقات ابن سعد نے قاسم بن محمد سے نقل کیا ہے کہ میرے اصحاب کا اختلاف تمہارے لئے رحمت ہے اور محمد کے اصحاب کا اختلاف اللہ کے بندوں کے لئے رحمت ہے حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں معلوم ہوا کہ سیاہ منہ ان کے ہیں جو مسلمانی میں کفر کرتے ہیں یعنی منہ سے کلمۂ اسلام کہتے ہیں اور عقیدہ خلاف اسلام کے رکھتے ہیں سب فرقے گمراہ یہی حکم رکھتے ہیں موضح القرآن۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے ایک پہلو اختیار کر لیا ہے لیکن آیت میں گنجائش ہے کہ تمام معنی اختیار کئے جا سکتے ہیں جیسا کہ ہم نے تسہیل میں مفصلاً عرض کر دیا ہے۔ آگے کی آیت میں اس سزا و جزا کی واقعیت کی اطلاع اور ان سزاؤں کے مناسب ہونے کا اظہار ہے (تسہیل) ف یہ اللہ تعالےٰ کے ارشادات ہیں جو ہم آپ کو ٹھیک ٹھیک پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور ان کی آپ کے روبرو صحیح صحیح تلاوت کرتے ہیں اور اللہ تعالےٰ بندوں پر کسی قسم کا ظلم کرنا نہیں چاہتا۔ لہٰذا جو سزا بندوں کو دی جاتی ہے اور جو سزا ان کے لئے تجویز کی جاتی ہے وہ بالکل مناسب اور عین انصاف کے موافق ہوتی ہے۔ (تیسیر) حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی جہاد اور امر معروف کا جو حکم فرمایا یہ ظلم نہیں خلق پر ان کی تربیت ہے موضح القرآن۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے اس آیت کو ولتکن منکم کی آیت سے ربط دیا ہے۔ بہرحال حضرت حق تعالےٰ پر ظلم کا اطلاق تو کسی طرح ہو ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ وہ مطلق مالک ہے اس پر کوئی شئی واجب نہیں جس کے خلاف کرنے پر اس کا ظلم کہا جائے۔ سب ان کے حقیقی مملوک ہیں وہ جو کچھ بھی کریں وہ ظلم نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح کسی شئی کو غیر ما وضع لہ میں استعمال کرنا بھی وہاں نہیں ہو سکتا۔ اس لئے حضرت حق جل مجدہٗ کے لئے ظلم کے یہاں حقیقی معنی تو ہو ہی نہیں سکتے بلکہ مطلب یہ ہے کہ تم لوگ جس کو ظلم کہتے ہو اور عقلاً و شرعاً بندوں کے افعال و اعمال سے جو ظلم کہلاتا ہے وہ بھی وہاں نہیں کہ کسی کے ثواب میں کمی کر دے یا کسی کی سزا بڑھا دے، یا کوئی ناقابل برداشت حکم بھیج دے۔ یا وسعت سے زیادہ تکلیف دے۔ بلکہ جو احکام تم کو دیتا ہے اس سے محض تمہاری تربیت اور تزکیہ نفس مقصود ہوتا ہے اور بدکرداری کی جو سزا تجویز کرتا ہے اور جو پاداش دیتا ہے وہ بالکل مناسب اور موزوں ہوتی ہے۔ اور جو برتاؤ کسی کے ساتھ کرتے ہیں وہ عین حکمت اور مصلحت کے موافق ہوتا ہے۔ اب آگے تمام کائنات پر اپنی ملکیت اور اختیارات مطلقہ کا اظہار ہے (تسہیل) ف اور تمام مخلوقات جو بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب حضرت حق تعالےٰ کی مملوک اور اس کی ملک ہے اور جملہ امور اور تمام مقدمات کی بازگشت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہے (تیسیر) حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں جہاد میں خلق کی جان اور مال تلف ہو تو مالک کے حکم سے ہے سب چیز مال اللہ کا ہے موضح القرآن حضرت شاہ صاحبؒ نے چونکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تفسیر جہاد سے کی ہے اسی لئے اسی کی مناسبت سے یہ شرح فرمائی ہے بہرحال جب تمام مخلوق اس کی ملک ہے تو اپنی ملک میں تصرف کرنا ہر اعتبار سے جائز ہے۔ اس لئے وہاں ظلم کا صدور متحقق ہی نہیں ہو سکتا لہٰذا جو سزا تجویز ہوگی وہ عین انصاف ہوگا اور چونکہ وہ مالک ہے اور سب اس کے مملوک ہیں اور مملوک پر اطاعت واجب ہوتی ہے۔ لہٰذا سب پر اس کی اطاعت واجب ہے اور چونکہ اسی کی جانب تمام مقدمات اور تمام کاموں کا مرجع ہے۔ اس کے علاوہ کوئی دوسرا صاحب اختیار نہ ہوگا اس لئے جو کچھ کرو اس کے اختیار اور اس کے جاہ و جلال کا لحاظ رکھ کر کرو۔ اور اس کی گرفت کے خوف سے کرو۔ کیونکہ ایک بااختیار حاکم کے روبرو پیش ہونا ہے ایسا حاکم جس کے اوپر کوئی حاکم نہیں اب آگے پھر اس درمیانی بحث کو ختم کرتے ہوئے مسلمانوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ایک دوسرے عنوان سے تاکید فرماتے ہیں اس کے بعد پھر اہل کتاب کا بیان ہوگا جو اصل مضمون ہے اور اوپر سے مسلسل چلا آرہا ہے (تسہیل) ف اے امت محمدیہ! تم لوگ تمام جماعتوں میں سے اچھی جماعت اور تمام امتوں میں سے بہترین امت ہو ایسی امت کہ عام لوگوں کی نفع رسانی کے لئے اور عام لوگوں کے فائدے کے لئے ظاہر کی گئی ہے۔ اور وہ فائدہ یہ ہے کہ تم لوگوں کو اچھے کام کرنے کو کہتے ہو اور برے کاموں سے روکتے ہو۔ اور تم خود بھی اللہ تعالےٰ پر ایمان لاتے ہو اور اس ایمان باللہ پر قائم رہتے ہو اور اگر یہ اہل کتاب جو تمہارے مخالف ہیں یہ بھی ایمان لے آتے تو ان کے حق میں بہتر ہوتا اور جس حالت میں یہ اب ہیں اس سے اچھے ہو جاتے کیونکہ خیر امت میں داخل ہو جاتے لیکن یہ سب مسلمان نہیں ہوئے بلکہ ان میں سے کچھ تو مسلمان ہیں اور بکثرت ان میں سے کافر اور نافرمان (تیسیر) امت محمدیہ کو خیر امت فرمایا۔ جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم افضل رسل ہیں۔ جیسا کہ تیسرے پارے کے آخر میں گذرا کہ تمام انبیا علیہم السلام سے آپ پر ایمان لانے اور آپ کی مدد کرنے پر عہد لیا گیا۔ پھر چوتھے پارے میں ان کے معبد یعنی کعبہ کو اول بیت فرمایا۔ پھر شریعت محمدیہ کی فضیلت اور اس کو مضبوطی کے ساتھ پکڑنے کا ذکر ہوا۔ اب اس امت کے خیر الامم ہونے کا اظہار فرمایا۔ اس خیریت کے متعلق مفسرین کے تین قول ہیں کہ یا تو اس سے صحابہ مراد ہیں جیسا کہ حضرت عمر کا قول ہے۔ یا اس خیر امت سے مراد مہاجرین ہیں جیسا کہ عبداللہ بن عباس سے منقول ہے یا اس سے مراد تمام امت محمدیہ ہے جیسا کہ عام رجحان یہی ہے کہ تمام امت محمدیہ افضل الامم ہے

البتہ صحابہ کا قرن تمام امت میں افضل قرن ہے۔ طبرانی نے مرفوعاً روایت کی ہے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جنت کا داخلہ اس وقت تک تمام انبیا پر ممنوع ہے جب تک میں جنت میں داخل نہ ہو جاؤں اور جب تک میری امت جنت میں داخل نہ ہو جائے اس وقت تک دوسری امتوں پر جنت کا داخلہ حرام ہے۔ یعنی نبیوں میں سب سے پہلے میں داخل ہوں گا اور امم میں سب سے پہلے میری امت داخل ہو گی۔ حضرت جابر سے مرفوعاً روایت ہے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل جنت کی کل صفیں ایک سو بیس ہوں گی جن میں اسی صفیں صرف میری امت کی ہوں گی اور باقی دوسری امتوں کی ہوں گی۔ حضرت ابو سعید خدری سے مرفوعاً روایت ہے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میری امت ایسی ہے جیسے بارش۔ بارش کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ پہلا دور اس کا مفید اور بہتر ہو گا یا پچھلا حصہ مفید اور نافع ہو گا۔ یعنی بارش ہر طرح بہتر ہے کبھی ابتدائی بارش پیداوار کے لئے مفید ہوتی ہے اور کبھی آخری بارش مفید اور نافع ہوتی ہے۔ اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے۔ اگرچہ اس امت کو مختلف اعتبار سے افضلیت حاصل ہے لیکن یہاں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی خصوصیت کا ذکر فرمایا ہے۔ اور یہاں اس خصوصیت کا ذکر اس لئے فرمایا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی غرض سے اس امت میں جہاد بھی ہو گا اور منکر کو قوت و طاقت سے دبایا جائے گا منکر میں کفر و شرک، بدعت، اور فسق و فجور اور رسومات قبیحہ وغیرہ سب داخل ہیں۔ نیز یہ کہ اس امت کی دعوت عام ہے اور تمام اہل عالم کے لئے ہے۔ یہ دو باتیں دوسری امم کو حاصل نہ تھیں کسی امت میں جہاد تھا لیکن اس کی دعوت عالمگیر نہ تھی اور کسی میں جہاد کا بھی حکم نہ تھا۔ اس امت کی دعوت بھی عالمگیر ہے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے جہاد کا بھی حکم ہے۔ اگر کوئی قوم دعوت اسلام کا مقابلہ کرے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں رکاوٹ پیدا کرے تو اس سے جہاد کرو اور قوت سے اس کو دفع کرو تاکہ تبلیغ میں رکاوٹ نہ پیدا ہو۔ غرض یہ امت ہر طرح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو انجام دیتی ہے خواہ تحریر و تقریر سے ہو یا تلوار سے ہو۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ساتھ تؤمنون باللہ بھی فرمایا۔ تؤمنون باللہ میں تمام احکام اسلام آ گئے۔ جیسا کہ طلحہ بن عبید اللہ کی روایت میں مرفوعاً آیا ہے کہ تم جانتے ہو ایمان باللہ کیا ہے لوگوں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول جانتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا ایمان باللہ اس کو کہتے ہیں کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت دینا۔ نماز کی پابندی کرنا۔ زکوٰۃ دینا رمضان کے روزے رکھنا اور مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ نکالنا۔ اگرچہ تؤمنون باللہ دوسری امتوں میں بھی تھا لیکن چونکہ یہ شریعت مکمل ہے اس لئے اس امت کے مومنوں کو بھی ایک کمال اور برتری حاصل ہے اور یہ وجہ بھی اس امت کی خیریت اور بہتری کی ہو سکتی ہے۔ نیز یہ کہ خدا تعالیٰ کی وحدانیت اور شرک کی مذمت کا جس قدر اہتمام اس امت میں ہے دوسری امتوں میں اس قدر اہتمام اور تشیوع نہیں تھا اس لئے اس خصوصیت کا ذکر کیا۔ خلاصہ یہ ہوا کہ یہ امت لوگوں کو نفع رسانی اور خلق کی ہدایت کے لئے عالم وجود میں آئی ہے اور یہ نفع رسانی اس کی تمام اہل عالم سے وابستہ ہے اور سب کو اچھے کام کرنے کو کہتی ہے اور بری باتوں سے منع کرتی ہے۔ اور اس تبلیغی سلسلے میں ہر ایک نرم اور گرم طریقہ اختیار کرتی ہے بلکہ اعلاء کلمۃ اللہ اور دین حق کی ترویج اور اصول اسلامی کی اشاعت میں جان تک دینے سے دریغ نہیں کرتی پھر یہ کہ خود بھی ایک کامل و اکمل شریعت پر ایمان رکھتی اور تمام احکام اسلامی پر عمل کرتی ہے معروف کو بجا لاتی ہے اور منکر سے اجتناب کرتی ہے۔ ان خصوصیات کی وجہ سے یہ امت محمدیہ خیر امم اور افضل امم ہے۔ امت محمدیہ کی خیریت اور بہتری کا اظہار کرنے کے بعد اہل کتاب کو ترغیب ہے کہ اگر یہ لوگ بھی ایمان لے آتے تو خیر الامم میں داخل ہو جاتے بلکہ ان کو دوہرا ثواب ملتا ایک اپنے نبی پر ایمان لانے اور اس کے احکام کو بجا لانے کا اور دوسرا نبی آخر الزماں پر ایمان لا کر اسلام میں داخل ہونے کا لیکن ان میں سے محض چند لوگ حضرت عبد اللہ بن سلام۔ بادشاہ نجاشی اور کعب احبار وغیرہ تو مسلمان ہوئے اور بہت زیادہ تعداد ان کی اپنی ریاست اور وجاہت کے شوق میں کافر ہی رہی حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی یہ امت ہر امت سے بہتر ہے اسی دو صفت کو امر معروف یعنی جہاد اور ایمان۔ یعنی توحید کا تقید اس قدر اور دین میں نہیں موضح القرآن۔ یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ اس امت کا خیر الامم ہونا صرف ان دو باتوں میں جو حضرت شاہ صاحب نے فرمائی ہیں منحصر نہیں ہے اور نہ صرف ان تین باتوں پر منحصر ہے جو فقیر نے عرض کی ہیں۔ جیسا کہ ہم اوپر عرض کر چکے ہیں کہ یہ امت بہت سی خصوصیات اور مختلف اعتبارات سے خیر الامم ہے۔ چونکہ اسی آیت میں معاندین اہل کتاب کی اکثریت کا ذکر آیا تھا۔ اور اہل کتاب کی عداوت ظاہر ہی تھی۔ ادھر امت محمدیہ کو عام دعوت کا حکم تھا تو اب خیال ہوتا تھا کہ دشمنوں کی اکثریت ہے ایسے موقعہ پر اسلام کی دعوت اور تبلیغ میں بہت دشواریاں پیدا ہوں گی۔ آگے ان دشواریوں اور خطرات کی جانب سے مسلمانوں کو مطمئن فرمایا (تسہیل)

بقیہ صفحہ ۱۰۱

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ الناس، کا لفظ عام ہو اور مطلب یہ ہو کہ کسی حکومت کی رعیت بن کر ان کی پناہ میں آ جائیں اور محفوظ رہیں۔ بہر حال حفاظت خود اختیاری سے یہ لوگ محروم کر دیئے گئے اور یہ خود مختار ہو کر بغیر کسی دوسرے کا سہارا لئے مامون و محفوظ نہیں رہ سکتے۔ اور اس دنیا میں اس سے بڑھ کر اور کیا ذلت و رسوائی ہو سکتی ہے کہ کسی قوم کے پاس اپنے کو زندہ رکھنے کا سامان نہ ہو مسکنت کا مطلب بھی یہی ہے کہ باوجود سرمایہ دار ہونے کے اپنے بخل اور کنجوسی کی وجہ سے ان پر مسکنت چھائی ہے۔ اور اس سے بڑھ کر مسکین کون ہو سکتا ہے کہ جس کے پاس روپے ہوں اور اس کی قسمت میں اپنی کمائی سے فائدہ اٹھانا نہ ہو۔ ہو سکتا ہے کہ ذلت سے مراد غیر مامون ہونا اور مسکنت سے مراد غلام رہنا ہو۔ چونکہ الفاظ قرآنی میں بڑی وسعت ہے اس لئے ہر شخص نے اپنے ذوق کے موافق تفسیر کی ہے۔ ہم نے تسہیل میں تمام اقوال کی زیادہ سے زیادہ رعایت کی ہے۔ قانون الٰہی یہ ہے کہ جب کسی قوم کی شرارت اور نافرمانی اور نیک بندوں کی ایذا رسانی اور حق کو حق جان کر اس سے روگردانی یہ باتیں حد سے بڑھ جاتی ہیں اور چھوٹے بڑے سب ان باتوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کا غضب اس قوم کو عام طور سے گھیر لیتا ہے یہود کا یہی حشر ہوا کیونکہ ان لوگوں نے نبی آخر الزماں کا انکار کیا قرآن سے روگردانی کی اپنے زمانے کے انبیا کو قتل کیا اور یہ جانتے ہوئے قتل کیا کہ انبیا کا قتل کرنا بدترین معصیت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حدود کو توڑا ان سب باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ پوری قوم ذلت اور غلامی مغلوبی اور محتاجی میں مبتلا کر دی گئی اور اللہ تعالیٰ کے غضب میں پوری کی پوری قوم گھر گئی۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں سوائے دست آویز یعنی یہود دنیا میں کہیں اپنی حکومت سے نہیں رہتے بغیر دست آویز اللہ کے کہ بعضی رسمیں توریت کی عمل میں لاتے ہیں اس کے طفیل سے پڑے ہیں اور بغیر دست آویز لوگوں کے یعنی کسی کی رعیت ہیں اس کی پناہ میں پڑے ہیں موضح القرآن۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے حبل کا ترجمہ دست آویز کیا ہے اسی کی مناسبت سے شرح فرمائی ہے اور یہ واقعہ ہے کہ شاہ صاحبؒ کی شرح مختصر اور نہایت جامع ہے۔ اللہ تعالیٰ کی دست آویز کا یہ مطلب کہ توریت کا نام لیتے ہیں اور اس کی کچھ باتوں پر عمل کرتے ہیں اس کے صدقہ میں جی رہے ہیں اور لوگوں کی دست آویز کا یہ مطلب کہ غلام ہیں اور رعیت بن کر دوسروں کے سہارے پر پڑے ہیں اپنی کوئی مضبوط اور پائیدار حکومت نہیں۔ قرآن کی یہ ایک پیشین گوئی تھی جو پوری ہوئی یہود نے جہاں جہاں مسلمانوں سے مقابلہ کیا شکست کھائی جیسا کہ بنی قینقاع۔ بنی قریظہ۔ بنی نضیر اور خیبر وغیرہ میں ہوا۔ اور جس ذلت و مسکنت اور غضب میں مبتلا ہوئے تھے اس سے آج تک نکلنا نصیب نہیں ہوا۔ چونکہ اہل کتاب کے اوپر دو حصے فرمائے تھے ایک حصہ مسلمان اور دوسرا معاند۔ معاندین کی اکثریت کا اظہار فرمایا تھا اکثریت سے جو خطرہ لاحق ہوتا تھا اس کو دور فرما دیا کہ اگر معاندین زیادہ ہیں تو ان کی اکثریت کا کوئی تکرتہ کرد یہ تمہارے مقابلہ میں جم نہیں سکتے۔ اب آگے دونوں قسموں کی تفصیل بیان فرماتے ہیں۔ (تسہیل) ف ۲ یہ سب اہل کتاب یکساں نہیں ہیں بلکہ ان ہی اہل کتاب میں سے ایک جماعت اور کچھ لوگ وہ بھی ہیں جو دین حق اور سیدھی راہ پر قائم ہیں اور اپنی بات پر جمے ہوئے ہیں یہ لوگ رات کی گھڑیوں اور اوقات شب میں اللہ تعالیٰ کی آیتیں یعنی قرآن کی تلاوت کرتے ہیں اور ان کی حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں سجدہ ریز ہوتے ہیں یعنی تہجد کی نماز پڑھتے ہیں (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ اہل کتاب سب برابر نہیں ہیں بلکہ ان میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو بالکل سیدھی راہ پر قائم ہیں افراط و تفریط سے پاک ہیں اور اسلام پر جمے ہوئے ہیں جیسے حضرت عبد اللہ بن سلام اور ان کے چند ساتھی جو اسلام لے آئے تھے ان ہی کو امۃ قائمۃ فرمایا ہے ان لوگوں کی عبادت کی حالت یہ ہے کہ فرائض تو فرائض نوافل تک بڑی پابندی کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ ساعات شب اور رات کے اوقات میں قرآن شریف کی تلاوت کرتے اور نمازیں پڑھتے ہیں۔ یسجدون سے مراد نماز ہے چونکہ سجدہ نماز میں خاص اہمیت رکھتا ہے اور نماز کا بہت بڑا اور اہم جز ہے اس لئے نماز کی بجائے سجدہ استعمال کیا ہے اور جز بول کر کل مراد لیا ہے۔ نماز سے مراد تہجد کی نماز ہے آگے پھر انہی مخلصین کی مدح اور تعریف مذکور ہے (تسہیل) ف ۳ یہ لوگ اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر پوری طرح ایمان رکھتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو اچھے کاموں کی ترغیب دیتے ہیں اور نیک کام کرنے کو کہتے ہیں اور برے کاموں سے منع کرتے اور روکتے ہیں اور بھلائی کے کاموں میں دوڑتے اور جلدی کرتے ہیں اور ہمیشہ سرگرم رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ مذکورہ حضرات نیک۔ اور

شائستہ لوگوں میں سے ہیں اور یہ لوگ جو نیک کام بھی کریں گے اس کی ناقدری نہیں کی جائے گی اور اس کے ثواب سے یہ لوگ محروم نہیں کئے جائیں گے اور اس ناقدری اور محرومی کا بھلا احتمال ہی کب ہو سکتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں اور متقیوں کو خوب جانتا ہے (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ یہ امت قائمہ جس کا ذکر ہم کر رہے ہیں یہ ایسی جماعت ہے کہ اس کے تمام افراد اللہ تعالےٰ اور یوم آخرت پر صحیح ایمان رکھتے ہیں یعنی کامل مومن ہیں پھر دوسروں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی کرتے ہیں پھر ان کے عمل کی خود یہ حالت ہے کہ کوئی نیک کام سامنے آجائے تو اس کی طرف دوڑتے اور لپکتے ہیں یعنی کوئی نیک کام نہیں چھوڑتے۔ جب ان کے اعتقاد اور عمل کی یہ حالت ہے تو اسی وجہ سے اللہ تعالےٰ کے نزدیک ان کا شمار نیک لوگوں میں ہے۔ دوسری آیت میں ان کی طاعات و عبادات کی قبولیت کا ذکر ہے اور ان کے اہل تقویٰ میں سے ہونے کا اظہار ہے۔ فلن یکفروہ کا مطلب یہ ہے کہ خدمات کا اعتراف کیا جائے گا اور ایسا نہیں ہوگا کہ ان کی عبادات و طاعات کو نظر انداز کر دیا جائے کیونکہ ہم ایسے آقا نہیں ہیں کہ لوگوں کی حالت سے بے خبر ہوں یا کسی کی سعی اور محنت کے قدر دان نہ ہوں۔ جب یہ دونوں باتیں نہیں تو ان کی محنت کا پھل کس طرح ضائع ہو سکتا ہے ان کی شان تو یہ ہے وکان اللہ شاکراً علیما۔ یعنی اللہ تعالےٰ قدر دان اور جاننے والا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یہود میں پانچ سات آدمی حق پرست تھے وہ مسلمان ہو گئے ان کے سردار عبداللہ بن سلام تھے حق تعالےٰ نے ہر جگہ اہل کتاب کی مذمت میں سے ان کو نکال لیا ہے یہ بھی ان ہی کا مذکور تھا موضح القرآن۔ جاننا چاہیے کہ امت قائمہ میں تمام اوصاف اور خوبیاں شامل تھیں لیکن خصوصی طور پر ان کے نیک اعمال اور اعتقاد کو علیحدہ بیان فرمایا۔ اب آگے ان اہل کتاب کا ذکر ہے جو کفر پر قائم رہے اور اسلام قبول کرنے اور نبی آخر الزمان پر ایمان لانے سے بچتے اور بھاگتے رہے۔ (تسہیل)

بقیہ صفحہ ۱۰۲

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی جو مال خرچ کیا اور اللہ کی رضا پر نہ دیا آخرت میں دیا نہ دیا برابر ہے۔ موضح القرآن۔ ان آیتوں میں کفار کے عموماً اور یہود کے خصوصاً احوال کا ذکر تھا اور ان کی برائیاں مذکور تھیں اب آگے مسلمانوں کو خطاب ہے کہ جب ان لوگوں کے عناد کا یہ حال ہے اور ان کے کفر و نفاق کی یہ حالت ہے تو ان سے رازدارانہ تعلقات قائم نہ کرو مبادا دوستانے میں کوئی بھید کی بات تمہارے منہ سے نکل جائے اور تمہارے دشمن اس بھید سے ناجائز فائدہ اٹھالیں (تسہیل) ف ۲ اے ایمان والو تم اپنی جماعت اور اپنے لوگوں کے علاوہ دوسرے مذاہب کے لوگوں میں سے کسی کو اپنا رازدار نہ بناؤ کیونکہ وہ لوگ تمہارے ساتھ فساد کرنے میں اور تمہارے خلاف فتنہ انگیزی میں کوئی کوتاہی نہیں کرتے اور کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے جس چیز سے تم کو نقصان پہنچے وہ ان کو محبوب ہے اور یہ لوگ تمہارے ضرر کو دل سے دوست رکھتے ہیں جو چیز بھی تمہارے لئے موجب مشقت و تکلیف ہو اس کی یہ تمنا رکھتے ہیں ان کے دل کے بغض کا یہ عالم ہے کہ حقیقتاً وہ بغض ان کے منہ سے نکلا پڑتا ہے یعنی بات چیت میں ان کے منہ سے ان کے دل کا بغض ظاہر ہو جاتا ہے اور جو دشمنی اور بغض ان کے سینوں میں بھرا ہوا ہے اور ان کے دلوں میں پوشیدہ ہے وہ اس سے بہت زیادہ ہے جو کبھی کبھی ان کے منہ سے ظاہر ہوتا رہتا ہے۔ دیکھو ہم نے تم کو پتے کی باتیں بتا دی ہیں اور ان کی عداوت و بغض کی علامات ظاہر کر دی ہیں بشرطیکہ تم عقل رکھتے ہو اور سمجھ سے کام لو (تیسیر) بطانۃ اصل میں نیچے کی چیز کو کہتے ہیں جیسے لحاف وغیرہ کا استر۔ یہاں وہ شخص مراد ہے جس کو اپنی پوشیدہ بات سے واقف کرنے اور اطلاع دینے کے لئے خاص کر لیا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کے علاوہ کسی کو اپنے بھید اور راز بتانے کے لئے مخصوص نہ کرو۔ خبال اس فساد اور خرابی کو کہتے ہیں جو حیوان کو مضطرب کر دے جیسے جنون یا کوئی اور ایسا مرض جس سے عقل خراب ہو جائے۔ یہاں شر اور فساد اور فتنہ انگیزی وغیرہ مراد ہے۔ عنت کے معنی مشقت اور کسی ایسے امر میں مبتلا کر دینا جس میں انسان کے تلف ہو جانے کا اندیشہ ہو یہاں مطلب یہ ہے کہ کافر ایسی چیزوں کے متمنی رہتے ہیں جو تم کو پریشانی اور تباہی میں مبتلا کرنے والی ہیں۔ الی۔ یالو کے معنی ہیں کمی کرنا۔ کوتاہی کرنا۔ یہاں مطلب یہ ہے کہ تمہاری تباہی کا کوئی موقعہ ہاتھ سے یہ لوگ جانے نہیں دیتے۔ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ مدینہ کی ہجرت اور مسلمانوں کا اقتدار شروع ہونے کے بعد مدینہ اور اس کے آس پاس کی بستیاں سازشوں کی ایک آماجگاہ بنی ہوئی تھیں۔ ہر وقت مسلمانوں کے خلاف سازشیں ہوتی رہتی تھیں خواہ وہ یہود کی جانب سے ہوں یا منافقین کی جانب سے یا سب کافر اور اہل کتاب ان سازشوں میں شریک ہوں۔ پھر یہ کہ اسلام سے پہلے ان سب کے آپس میں بڑے گہرے تعلقات تھے کوئی کسی کا حلیف تھا اور کوئی کسی کا۔ اب اسلام کے بعد ایک عجیب صورت پیدا ہو گئی رسوں کے تعلقات اور آپس کا ملنا جلنا اور دوستانے اب بھی قائم رکھے گئے۔ مہاجرین تو خیر مکہ سے آئے تھے ان کے تعلقات تو کافروں سے نہ تھے لیکن انصار کے اکثر تعلقات تھے۔ حالات سازگار ہوں تو اس قسم کے تعلقات زیادہ خطرناک نہیں ہوتے آدمی دشمن کے ساتھ بھی بعض حالات میں مل بیٹھتا ہے۔ لیکن مدینہ میں جو حالت تھی وہ بالکل مختلف اور ناسازگار تھی مسلمان علیحدہ اپنے بچاؤ اور ترقی کی صورتوں پر غور کرتے تھے اور کافر الگ مسلمانوں کو ختم کرنے کی اسکیمیں بناتے تھے اگر ان حالات میں بھی سابقہ میل جول اور دوستانے قائم رکھے جاتے تو یقیناً اس کا خطرہ تھا کہ مسلمانوں کی بعض جنگی اسکیمیں کافروں کو معلوم ہو جائیں اور ان اسکیموں کے ظاہر ہو جانے سے مسلمانوں کو سیاسی نقصان پہنچتا اس لئے مسلمانوں کو آگاہ کیا گیا کہ اب ان دوستانوں کو ختم کیا جائے اور اس میل جول اور خصوصی تعلقات سے اجتناب کرو اور اس قسم کے تعلقات کو روکنے کے لئے دو ہی صورتیں ہو سکتی تھیں ایک یہ کہ مسلمانوں کو ان تعلقات کے نقصانات سے آگاہ کیا جائے دوسرے یہ کہ کافروں کے صحیح جذبات سے مسلمانوں کو مطلع کیا جائے مسلمانوں کے برتاؤ اور کافروں کے برتاؤ کے فرق کو نمایاں کیا جائے۔ چنانچہ اس آیت میں اور آگے کی آیتوں میں ان دونوں پہلوؤں کا اظہار فرمایا ہے۔ اور جن باتوں کو اس پارے کے پہلے رکوع میں اشارتاً فرمایا تھا یہاں ان کو تفصیل سے ذکر کیا ہے اور کافروں سے مخصوص اور رازدارانہ تعلقات میں جو دینی اور دنیوی مضرتیں مخفی تھیں ان سے مسلمانوں کو مطلع کیا گیا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی مسلمانوں کو کافروں سے دوستی نہ کرنی چاہیے وہ ہر طرح دشمن ہیں موضح القرآن ہم کفار کے تعلقات کی تفسیر اسی سورت کے تیسرے رکوع میں عرض کر چکے ہیں۔ ایک عام ضابطہ یاد رکھنا چاہیے۔ نہ تو سب کافر برابر ہیں نہ زمانے کے حالات ہمیشہ یکساں ہیں۔ اقتدار کے زمانے کے احکام اور ہیں غلامی کے دور کے احکام اور ہیں۔ ایک غیر متعصب کافر کے احکام دوسرے ہیں اور متعصب کفار کے احکام جدا ہیں۔ اور یہ تمام تفصیل کتب فقہ میں مل سکتی ہے۔ اور بعض مواقع پر جصاص رازی نے بھی بعض آیات کے تحت میں اس قسم کے مسائل کو وضاحت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اگرچہ یہاں سخت معاندین کا ذکر ہے اور مدینہ کے حالات بھی ایسے ہی تھے کہ مسلمانوں کو پھونک پھونک کر قدم رکھنے کی ضرورت تھی ہمیشہ ہی اس امر کی ضرورت ہے کہ کفار سے تعلقات میں ہمیشہ اور ہر حال میں احتیاط کرنی چاہیے اور رازدار تو کسی صورت میں بھی نہیں بنانا چاہیے۔ حضرت فاروق اعظم تو اپنی خلافت کے زمانے میں کسی غیر مسلم کو اپنا کاتب بھی نہیں مقرر کرتے تھے۔ اور یہ جو فرمایا کہ عداوت و بغض ان کے منہ سے ٹپکا پڑتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ لاکھ یہ بچا بچا کر گفتگو کرتے ہیں مگر ان کے دل کی خباثت کا اظہار کبھی کبھی ہو ہی جاتا ہے اور باقی جو کچھ ان کے سینوں میں بھرا ہوا ہے تو وہ تو بہت زیادہ ہے۔ اب آگے ان کے اوصاف فاسدہ کا اظہار فرماتے ہیں اور یہ بات بتاتے ہیں کہ تم میں اور ان میں بڑا فرق ہے۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں (تسہیل)

بقیہ صفحہ ۱۰۳

اور منافقوں نے اپنے نفاق کی باتیں ظاہر کی تھیں۔ موضح القرآن۔ حضرت شاہ صاحبؒ کا رجحان بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان آیات کا تعلق یہود سے ہے۔ ان یہود میں بھی چونکہ کچھ لوگ منافق تھے اس لئے حضرت شاہ صاحب نے ان کی طرف بھی اشارہ کر دیا۔ مذکورہ بالا آیات میں اسلام کے دشمنوں کی ذہنیت کا اظہار فرمایا تھا اور ان کی عداوت اور بغض اور غصہ کے مارے انگلیوں کا کاٹنا ان کا نفاق، اور دشمنی کا منہ سے ظاہر ہونا اور سینے میں بڑی بڑی تمناؤں کا پوشیدہ ہونا مسلمانوں سے محبت نہ کرنا اور محبت آمیز برتاؤ بھی کرنے پر آمادہ نہ ہونا اور قرآن کو آسمانی کتاب تسلیم نہ کرنا اور مسلمانوں کے معمولی فائدے کو بھی برداشت نہ کرنا خواہ وہ اسلام کی ترقی ہو یا مال غنیمت کا حصول یا کسی علاقہ میں فتح کا حاصل ہونا ہر غرض ہر بھلائی پر جلنا اور مسلمانوں کے نقصان پر خوش ہونا اور فخر و مباہات کا اظہار کرنا یہ سب باتیں تفصیل سے بیان فرمائی تھیں اور آخر میں مسلمانوں کو اطمینان دلایا تھا اور یہ فرمایا تھا کہ اگر تم برداشت اور استقلال سے کام لیتے رہے اور کسی حال میں بھی تقوے کا دامن نہ چھوڑا تو کفار کی اسلام دشمنی سے تم کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا اور ان کی تمام سازشیں اور مکاریاں بیکار کر دی جائیں گی۔ اب آگے ان سب چیزوں کا عملی ثبوت واقعات کی روشنی میں بیان فرماتے ہیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ دوست کی دوستی اور دشمنوں کی دشمنی کا حقیقی امتحان میدان جنگ اور مصائب و آلام ہی کے وقت ہوتا ہے مصیبت و پریشانی کے وقت معلوم ہوتا ہے کہ دوست کون ہے اور دشمن کون ہے۔ اپنا کون ہے اور پرایا کون ہے اور ایک دوست دشمن کی شناخت کیا بلکہ خود ایک مسلمان کے اسلام اور اس کے خلوص کا امتحان بھی ایسے ہی مواقع پر ہوتا ہے کہ ایک مسلمان میدان جنگ میں اور مصائب و آلام میں کہاں تک صبر و استقلال اور تقوے کا پابند رہتا

ہے اس لئے آگے چند لڑائیوں کا ذکر فرماتے ہیں۔ ان لڑائیوں میں دشمنوں کی عداوتیں نمایاں ہوگئیں اور جن مواقع میں مسلمانوں نے کوتاہیاں ہوئیں اور صبر واستقلال کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیا تو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑا اور حاصل شدہ فتح نے شکست کی صورت اختیار کر لی اور جس جنگ میں مسلمانوں نے ہمت واستقلال سے کام لیا اس میں اللہ تعالےٰ کی تائید حاصل رہی اور باوجود اسباب کی بے سروسامانی اور تعداد کی قلت کے اللہ تعالےٰ کے حکم سے شاندار فتح حاصل ہوئی۔ چونکہ غزوۂ احد میں ایسے واقعات پیش آئے تھے جن سے دشمنوں کی عداوتیں ظاہر ہوئی تھیں اور مسلمانوں سے بھی بعض کوتاہیاں سرزد ہوئی تھیں اس لئے غزوۂ احد کو تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے اور بیچ میں تھوڑا سا ذکر غزوۂ بدر کا بھی آگیا ہے اور آخر میں بدر صغریٰ یعنی غزوۂ حمراء الاسد پر اس سلسلے کو ختم کر دیا ہے۔ چنانچہ آگے ابتدائی آیتوں میں غزوۂ احد کا ذکر ہے۔ غزوۂ احد ۳ھ ہجری شوال کے مہینے میں واقع ہوا ہے۔ آل عمران کے ابتدائی حصے میں ہم اس شاندار فتح کا ذکر کر چکے ہیں جو مسلمانوں کو ایک سال پہلے بدر کے میدان میں حاصل ہو چکی تھی۔ چونکہ اس لڑائی میں ستر کافر مارے گئے تھے اور ستر گرفتار ہوئے تھے اور یہ تعداد اس زمانہ میں بہت سمجھی جاتی تھی۔ اگرچہ بعد میں قیدیوں کو رہا بھی کر دیا گیا تھا جس کی تفصیل انشاء اللہ سورۂ انفال میں آجائے گی مگر اس فتح نے تمام عرب میں مسلمانوں کی دھاک بٹھا دی تھی اور کافر اس دن سے اس فکر میں لگے ہوئے تھے کہ کسی طرح اپنی شکست کے داغ کو دھوئیں۔ چنانچہ ایک سال کے بعد کفار نے ایک بھاری جمعیت کے ساتھ جس کی تعداد تین ہزار تھی مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاری کی اور مدینہ سے تقریباً تین میل کے فاصلہ پر کوہ احد کے دامن میں اپنا لشکر جا اتارا۔ تین ہزار آدمی اور اشعار پڑھ پڑھ کر غیرت دلانے والی عورتیں بھی اس لشکر کے ساتھ تھیں اور بڑا سازوسامان ان کے ہمراہ تھا یہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار ومہاجرین سے مشورہ کیا کہ مدینے سے نکل کر حملہ کرنا بہتر ہوگا یا مدینہ میں رہ کر ان کے حملہ کی مدافعت مفید ہوگی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی رائے یہ تھی کہ مدینہ میں رہ کر ان کی مدافعت اچھی طرح ہوسکے گی۔ اس موقعہ پر عبداللہ بن ابی منافق سے بھی رائے لی گئی اس کی رائے بھی یہی ہوئی کہ مدینہ کی سرحد پر مورچہ قائم کرنا چاہیئے اور مدینے سے باہر نہیں جانا چاہیئے اکثر انصار کی بھی یہی رائے تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اپنا خواب اور اس کی تعبیر بھی بیان فرمائی آپ نے فرمایا میں نے خواب میں ایک بیل دیکھا اور اس کی تعبیر میں نے خیر اور کامیابی سمجھی اور میں نے اپنی تلوار پر کوئی عیب محسوس کیا اور اس سے میں نے ہزیمت سمجھی۔ پھر میں نے دیکھا کہ میں نے اپنا ہاتھ زرہ میں داخل کیا ہے اور زرہ کو ڈھال بنایا اس کی تعبیر میں نے مدینہ کو سمجھا۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود بعض جوشیلے نوجوان مدینہ میں رہنے پر رضامند نہ ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ہم باہر نکل کر ان پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ غرض مسلمانوں کے شوق شہادت کو دیکھتے ہوئے سرکار مکان میں تشریف لے گئے اور جنگی وردی پہن لی اور زرہ وغیرہ زیب بدن فرمالی اور باہر تشریف لائے اس وقت بعض لوگوں نے درخواست کی کہ اگر آپ فرمائیں تو ہم لوگ اپنا مورچہ مدینہ ہی کو مقرر کر لیں آپ نے فرمایا ایک نبی کو یہ زیبا نہیں کہ جب وہ ہتھیار لگالے اور جنگی وردی پہن لے تو پھر بغیر جنگ کئے اپنے کپڑے اور ہتھیار اتار دے۔ چنانچہ آپ مدینہ سے جب تشریف لے چلے تو آپ کے ہمراہ ایک ہزار مسلمان تھے۔ اگرچہ ان نوجوانوں کے جوش کو بعض سنجیدہ حضرات نے پسند نہیں کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی منشا کے خلاف مدینہ سے نکلنے کو اچھا نہیں سمجھا لیکن بہرحال جب ایک امر طے ہوگیا تو سب نے اس کی تعمیل کی البتہ عبداللہ بن ابی بن سلول منافق اپنے ساتھیوں کو لیکر لوٹ آیا اور کہنے لگا جب ہماری بات نہیں مانی گئی تو ہم اس جنگ میں شریک نہیں ہوتے بعض لوگوں نے سمجھایا تو اس نے جواب دیا یہ کوئی جنگ نہیں ہے اگر ہم سمجھتے کہ واقعی جنگ ہے تو ہم تمہارے ساتھ چلتے۔ کم وبیش تین سو آدمی جو اس کی ٹولی میں تھے وہ بھی اسی کے ساتھ واپس ہوگئے اور اس طرح کل سات سو آدمی میدان جنگ میں پہنچے عبداللہ بن ابی کی پارٹی کو دیکھ کر دو اور قبیلے بنو حارثہ اور بنو سلمہ کے مسلمانوں کی طبیعت بھی بیٹھنے لگی اور ان کے دلوں میں کچھ وسوسے گذرنے لگے لیکن اللہ تعالےٰ نے ان کو سنبھال لیا اور ان کی ہمت بڑھادی اور وہ خدا کے فضل سے قائم رہے۔ اسی سنبھال کو فرمایا ہے واللہ ولیھما۔ اور عتاب آمیز بشارت فرمائی جیسا کہ ہم آگے عرض کریں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان جنگ میں پہنچ کر صفیں ترتیب دیں اور عبداللہ بن جبیر کی سرکردگی میں پچاس تیرانداز پہاڑ کی گھاٹی میں مقرر کر دیئے تاکہ دشمن اگر پیچھے سے حملہ کرے تو گھاٹی سے تیرانداز دشمن کا مقابلہ کریں اور ان کو حملہ نہ کرنے دیں۔ اور آپ نے ان کو ہدایت کی کہ تم اس گھاٹی سے نہ نکلنا اور یہیں جمے رہنا اگر تمہارا دشمن بھاگ بھی جائے تو اس کا پیچھا نہ کرنا اور اس گھاٹی سے نہ ہٹنا لیکن حسن اتفاق سے جب پہلی مرتبہ مسلمانوں کو فتح ہوئی اور کافروں کے پیر اکھڑ گئے تو ان پچاس آدمیوں میں گھاٹی سے نکلنے نہ نکلنے پر اختلاف ہوگیا بعض لوگوں نے کہا مسلمانوں کو فتح ہوگئی اب یہاں بیٹھنا بیکار ہے بعض نے کہا جب تک حضورؐ ہم کو حکم نہ دیں یہاں سے ہٹنا نہیں چاہیئے۔ غرض اس اختلاف کا نتیجہ یہ ہوا کہ سوائے بارہ آدمیوں کے سب گھاٹی سے باہر نکل آئے۔ بھاگتے ہوئے دشمن نے گھاٹی کو خالی دیکھا تو وہ گھاٹی کی طرف سے پلٹ پڑا اور اچانک مسلمانوں کو گھیر لیا اور جنگ کا پاسہ بالکل پلٹ گیا اور جو فتح مسلمانوں کو حاصل ہوئی تھی وہ شکست میں تبدیل ہوگئی اور تھوڑی سی کوتاہی سے بنا بنایا کام بگڑ گیا۔ اس جنگ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی گزند پہنچا۔ اور مسلمان بھی بکثرت شہید ہوئے مسلمانوں کی فوج میں ابتری پھیل گئی کسی نے یہ خبر مشہور کر دی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہوگئے۔ یہ غلط خبر مدینے پہنچی تو مدینہ میں اضطراب اور بے چینی پیدا ہوگئی۔ غرض انہی واقعات کی آگے کی آیات میں تفصیل ہے۔ چند آیتوں میں جنگ بدر کے بعض واقعات ہیں ورنہ تین چار رکوع تک غزوۂ احد کے واقعات مذکور ہیں اور جیسا کہ قرآن کا قاعدہ ہے کہ جو بات مناسب ہوتی ہے اس کو بھی بیان کر دیتا ہے اسی طرح یہاں بھی غزوۂ احد کے بیان میں بعض دوسرے نصائح اور مواعظ کا بھی تذکرہ آگیا ہے۔ اور شکست کی مصلحتوں پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے اور عبداللہ بن ابی کی پارٹی کے علاوہ جو منافق مسلمانوں میں شامل تھے ان کی بھی معاندانہ حرکات کا بیان ہے ہم انشاء اللہ تفسیر میں ہر چیز کو بیان کرتے رہیں گے (تسہیل) فٹ اور اے نبی آپ اس واقعہ کو یاد کیجئے جب آپ صبح ہی صبح اپنے اہل خانہ سے باہر نکلے تھے اور مسلمانوں کو کفار سے مقابلہ کرنے کی غرض سے مختلف مقامات پر بٹھا رہے تھے اور مختلف ٹھکانوں پر ان کو جمانے اور بٹھانے کے لئے آمادہ کر رہے تھے اور اللہ تعالےٰ اس وقت کی تمام باتیں سنتا اور تمام حالات کو جانتا تھا اور اس وقت یہ قصہ بھی پیش آیا تھا کہ تم میں سے مسلمانوں کی دو جماعتیں یعنی بنو سلمہ اور بنو حارثہ بزدلی دکھلانے اور ہمت ہارنے پر آمادہ ہوگئے تھے اور ان کے دل میں بزدلانہ خیالات پیدا ہو چلے تھے اور وہ عبداللہ بن ابی کی طرح اپنے گھروں کو لوٹ جانے کا قصد کر رہے تھے اور اللہ تعالےٰ ان دو قبیلوں کا مددگار اور کارساز تھا۔ اور مسلمانوں کو چاہیئے کہ اللہ تعالےٰ ہی پر بھروسہ رکھا کریں اور اسی پر اعتماد کیا کریں (تیسیر) فشل۔ ضعف اور جبن کو کہتے ہیں یعنی کمزوری اور بزدلی۔ اھل سے مراد حضرت عائشہؓ ہیں یعنی حضرت عائشہ کے مکان سے علی الصباح نکلے تھے اور لشکر کے ہمراہ تشریف لے گئے تھے۔ ھمت کا مطلب یہ ہے کہ عبداللہ بن ابی کی دیکھا دیکھی ان کو بھی یہ خیال ہوا کہ ہم بھی چلے جائیں اور اپنے گھر جا بیٹھیں۔ لیکن یہ خیال چونکہ محض ھم کے درجہ میں تھا اس لئے اس کا وقوع نہیں ہوا پھر یہ کہ اللہ تعالےٰ کی سرپرستی۔ اس کی مدد اور اس کی حفاظت شامل حال تھی اس لئے یہ لوگ فرار سے محفوظ رہے ولیھما کا ترجمہ بعض حضرات نے عاصمھما کیا ہے۔ بہرحال جس کو خدا تعالےٰ کی حمایت اور نصرت حاصل ہو وہ کس طرح گناہ کا مرتکب ہوسکتا تھا حضرت جابر بن عبداللہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ آیت ہمارے بارے میں نازل ہوئی ہے اور یہ آیت ہمارے لئے بڑی مسرت کا موجب ہے کہ اس میں اللہ تعالےٰ کی ولایت اور اس کے ولی ہونے کی خوش خبری ہے۔ اور یہ بھی صحابہ پر اللہ تعالےٰ کی عنایت ہے کہ ان پر جو تعریض فرمائی وہ بشارت آمیز فرمائی۔ اور یہ جو طائفتان میں منکم کی قید لگائی اس کا مفاد یہ ہے کہ دو قبیلے جنہوں نے ایسا ارادہ کیا تھا تم ہی میں سے تھے تاکہ یہ معلوم ہوجائے کہ عبداللہ بن ابی اور اس کی پارٹی تم میں سے یعنی مسلمانوں میں سے نہیں ہے خلاصہ یہ کہ گو ان دونوں قبیلوں نے ایسا خیال کیا تھا مگر اللہ ان کا ولی تھا بھلا کب ان کو ایسا کرنے دیتا چنانچہ اس نے ان کی ہمت بندھادی۔ اور آئندہ کے لئے بھی ہم تم کو اور سب مسلمانوں کو حکم دیتے ہیں کہ فقط اللہ تعالےٰ ہی پر بھروسہ رکھا کریں اور اس قسم کے امتحانات اور ابتلا کے مواقع سے گھبرایا نہ کریں۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں جب حضرت مکہ سے مدینہ میں آئے اس کے ڈیڑھ برس کے بعد جنگ بدر ہوئی مکہ کے لوگوں سے اللہ تعالےٰ نے فتح دی مسلمانوں کو ستر آدمی کافر مارے گئے اور ستر اسیر آئے اگلے سال کافر جمع ہو کر مدینہ پر چڑھ آئے۔ حضرت نے مسلمانوں سے مشورت کی اکثر کہنے لگے ہم شہر میں لڑیں گے اور حضرت کی مرضی بھی یہی تھی اور بعض کہنے لگے کہ یہ عار ہے بلکہ میدان میں مقابل ہوں گے آخر یہی مشورت قبول ہوئی۔ جب حضرت شہر سے باہر نکلے عبداللہ بن ابی کافر تھا مدینہ کا ساکن وہ بھی شریک جنگ تھا ناخوش ہو کر پھر گیا کہ ہمارے قول پر عمل نہ کیا اور اس کے بہکانے سے دو قبیلے انصار کے بھی پھر چلے آخر ان کے سردار عوام کو سمجھا کر لے آئے اللہ تعالےٰ مسلمانوں کو تقویت دیتا ہے کہ اللہ پر توکل چاہیئے اطاعت حکم میں اندیشہ نہ کرے موضح القرآن۔ پھر چلے کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے بھی قصد کیا۔ اور سردار عوام کو سمجھا کر لے آئے اس کا مطلب یہ ہے کہ سرداروں کے سمجھانے سے انہوں نے اپنا ارادہ

ترک کر دیا۔ اب آگے جنگ بدر میں جو نصرت اللہ تعالےٰ کی جانب سے مسلمانوں کو حاصل ہوئی تھی اور جس کی بڑی وجہ مسلمانوں کا استقلال اور تقوے کی پابندی تھی اس کا بیان فرماتے ہیں (تسہیل) ف۳ اور بلاشبہ اللہ تعالےٰ تم مسلمانوں کی بدر کے میدان میں مدد کر چکا ہے اور تم کو منصور اور فتحمند فرما چکا ہے حالانکہ تم بہت کمزور اور بے سر و سامان تھے اور چونکہ یہ نصرت و فتح تمہارے تقوے کی برکت سے ہوئی تھی لہٰذا آئندہ بھی اللہ تعالےٰ سے ڈرتے رہو تاکہ تم شکر کے خوگر ہو اور اللہ تعالےٰ کا شکر بجا لاتے رہو (تیسیر) بدر ایک کنوئیں کا نام ہے اسی نام سے یہ میدان مشہور ہے جہاں بدر کی لڑائی ہوئی تھی۔ اذلۃ ذلیل کی جمع ہے۔ مراد یہاں یہ ہے کہ تعداد میں کم، ساز و سامان میں کم۔ غرض ہر طرح ضعیف و کمزور اور بے سر و سامان تھے اور یہ کامیابی تقوے کی برکت سے ہوئی تھی۔ تقوے کا مفہوم چونکہ عام ہے اس لئے اس میں صبر و استقلال بھی داخل ہے۔ لہٰذا جس کی برکت سے کامیابی ہوئی اسی چیز کو اپنی زندگی کا جز بنا لو۔ کیونکہ انعامات الٰہی کا شکر یہی ہے کہ انسان تقوے کا پابند رہے تاکہ آئندہ بھی اس کے احسانات کی بارش ہوتی رہے۔ اس واقعہ کی مزید تفصیل سورۂ انفال میں انشاء اللہ آ جائے گی۔ آگے اپنی تائید اور اپنی مدد کے اسباب اور اس کی صورتیں بیان فرماتے ہیں چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل)۔

بقیہ صفحہ ۱۰۴

یعنی ہر وعدے کی تعداد میں پہلی تعداد شامل ہو۔ اور بعض نے کہا کہ تیسرے وعدے کی شرط یاتوکم من فورھم تھی وہ پوری نہیں ہوئی اس لئے پانچ ہزار نہیں آئے۔ اور جن لوگوں نے یاتوکم من فورھم کو شرط قرار نہیں دیا اور صرف تاکید کے لئے رکھا ہے ان کے نزدیک پانچ ہزار کا وعدہ بھی پورا ہوا۔ من فورھم کا مطلب بعض نے فرط غضب بیان کیا ہے اور بعض نے ایک دم ٹوٹ پڑنا کیا ہے۔ ہم نے تیسیر میں دونوں کو ملا کر ترجمہ کیا ہے۔ بہرحال ان تینوں وعدوں کی وجوہات کچھ بھی ہوں لیکن اصل وجہ وہی استقلال اور تقویٰ ہے۔ اور یہی دونوں چیزیں ہر قسم کی اعانت و امداد کی اصل بنیاد ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا جب کوئی بندہ گناہوں سے بچتا اور تقوے کی روش اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی روحانی اور مخفی طاقتیں اس کی معین و مددگار ہو جاتی ہیں اور اس قسم کی مخفی اعانت کا تجربہ ہر دور میں کیا جا سکتا ہے۔ یہ حضرت حق تعالیٰ کا ایسا قانون ہے جو اس کے نیک بندوں پر قیامت تک نافذ ہوتا رہے گا مگر یہ کہ اس کی مصلحت اور اس کی حکمت کے خلاف نہ ہو۔ چنانچہ صحابہ نے جن لڑائیوں میں استقلال اور پرہیزگاری کا دامن تھامے رکھا ان لڑائیوں میں ان کو کامیابی ہوئی اور جہاں ان دونوں باتوں میں کچھ کوتاہی واقع ہوئی اس کا خمیازہ بھگتنا پڑا خواہ کوتاہی ابتداء میں واقع ہوئی ہو جیسے غزوۂ احد اور حنین میں یا آخر میں ہوئی ہو جیسے بدر کی فتح کے بعد قیدیوں کا فدیہ لیکر ان کو رہا کر دینا جس کا خمیازہ جنگ احد میں بھگتنا پڑا۔ گویا غزوۂ احد میں جو کچھ ہوا وہ دو کوتاہیوں کا نتیجہ تھا ایک سابق یعنی فدیہ لیکر قیدیوں کو چھوڑنا اور ایک لاحق یعنی رسول کی بلا اجازت گھاٹی سے نکل آنا اور یہ ہو سکتا ہے کہ کسی کوتاہی کا خمیازہ کچھ دنوں بعد اٹھانا پڑے اب آگے اس نصرت اور بشارت و امداد کی حکمت کا بیان فرماتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل) ف۲ اور اللہ تعالےٰ نے فرشتوں سے یہ امداد محض اس لئے فرمائی کہ تم کو فتح کی بشارت اور خوشی حاصل ہو اور تاکہ تمہارے قلب کو اضطراب اور پریشانی سے اطمینان حاصل ہو اور تمہارے دل اس امداد سے مطمئن ہو جائیں ورنہ نصرت و مدد تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی جانب سے اور اسی کے پاس سے ہوتی ہے جو کمال قوت کا مالک اور بڑا زبردست اور کمال حکمت کا مالک ہے۔ عزیز کا تقاضا یہ ہے کہ بغیر کسی سبب کے غلبہ حاصل ہو جائے مگر حکمت اور اس کے حکیم ہونے کا مقتضا یہ ہے کہ جب چاہے اسباب سے غلبہ عطا کرے اور اس فتح اور غلبہ کی حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ منکرین حق کے ایک گروہ کو ہلاک کر دے یا ان میں سے بعض کو اس قدر ذلیل و خوار کر دے کہ وہ ناکام و نامراد ہو کر واپس لوٹ جائیں (تیسیر) لیقطع طرفا وما النصر الا من عند اللہ میں جو فتح و نصرت ہے اس کی علت ہے یا نصرکم اللہ کی علت ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہ بھی وماجعلہ اللہ کی علت ہو جیسا کہ ہمارے ترجمہ اور تیسیر کے فرق سے سمجھ میں آ سکتا ہے۔ کبت کے معنی رسوا کرنا۔ توڑ دینا کسی کو اٹھا کر پھینک دینا اور پچھاڑ دینا اور یہ جو فرمایا کہ ایک گروہ کو بالکل ہلاک کر دیں یا رسوا اور ذلیل کر دیں اس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں میں سے ایک بات ہو جائے یا دونوں باتیں ہو جائیں چنانچہ یہاں دونوں ہوئیں کہ ستر مارے بھی گئے اور ستر قید بھی ہوئے اور باقی خائب و خاسر ہو کر بھاگ گئے۔ اس امداد بالملٰکہ کی دو حکمتیں بیان فرمائیں ایک بشارت فتح دوسرے اطمینان قلوب۔ یہی دو باتیں یہاں تسلی دینے کے لئے مطلوب تھیں کہ نفع بھی حاصل ہو اور مجاہد ضرر سے بھی محفوظ رہیں اور یہ جو فرمایا کہ مدد تو اللہ ہی کے پاس سے ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسباب پر فقط بھروسہ نہیں کرنا چاہئے۔ وہ چاہیں تو اپنی زبردست طاقت سے بلا کسی سبب کے کامیاب فرما دیں کیونکہ کامیابی اور فتح تو اصل میں انہی کے قبضے میں ہے اور وہ اسباب کے محتاج نہیں لیکن وہ حکیم ہیں اس لئے نظام عالم کو اسی حکمت کے ماتحت قائم کر رکھا ہے۔ اور بات بھی یہ ہے کہ اس عالم تکوینی کے بھیدوں کا کون احاطہ کر سکتا ہے۔ پوری قوت و طاقت کے ہوتے ہوئے شکست اور باوجود بے سر و سامانی کے فتح۔ ملائکہ کی تشریف آوری کو اطمینان قلوب کا موجب فرمایا اس کی تفصیل انشاء اللہ سورۂ انفال میں آ جائے گی۔ چونکہ غزوۂ بدر اور غزوۂ احد میں ایک مناسبت تھی اس لئے بیچ میں بدر کا ذکر فرمایا اب آگے پھر غزوۂ احد کا ذکر فرماتے ہیں (تسہیل) ف۳ اے پیغمبر آپ کو ان کافروں کے معاملہ میں کوئی اختیار نہیں تفویض کیا گیا ہے ان کے مسلمان ہونے یا کافر رہنے میں آپ کو کوئی دخل نہیں ہے خواہ اللہ تعالےٰ ان پر رحمت و شفقت کے ساتھ توجہ فرمائے اور وہ مسلمان ہو جائیں یا اللہ تعالےٰ ان کو دنیا ہی میں کوئی سزا دے کیونکہ یہ بڑا ظلم کر رہے ہیں اور اپنے ظلم کی وجہ سے سزا کے مستحق ہیں (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض سرکش اور ظالموں کے حق میں بد دعا کی تھی اس سے آپ کو منع کیا گیا کہ آپ ان کے حق میں ہلاک ہونے کی بد دعا نہ کریں بلکہ یہ ہمارا کام ہے کہ ہم ان کو توبہ کی توفیق دیدیں اور وہ مسلمان ہو جائیں یا ان کو سزا دیں اگر وہ کفر پر اصرار کرتے رہیں۔ آپ کا کام تو تبلیغ کرنا اور ان کو ہمارے احکام پہنچانا ہے۔ اور ان کی باتوں کے مقابلہ میں برداشت اور صبر کرنا ہے۔ فراء نے کہا او یتوب احتی ان کے معنی میں ہے ابن عیسیٰ نے کہا او الا ان کے معنی میں ہے مطلب یہ ہے کہ تمہیں ان کے معاملہ میں کہ وہ مسلمان ہوتے ہیں یا کافر رہتے ہیں کوئی دخل دینے کا حق نہیں یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو جائیں تو تم کو اس وقت خوشی ہوگی اور اگر کفر کی وجہ سے ان کو ہم عذاب کریں تو اس وقت آپ کے صبر کا بدلہ ہو جائے گا اور آپ کے قلب کو تسلی ہو جائے گی۔ اس آیت کا تعلق بظاہر غزوۂ احد سے ہے۔ احد میں چونکہ ستر صحابہ شہید ہوئے تھے اور کفار نے انتہائی وحشت و بربریت کا مظاہرہ کیا تھا حضرت حمزہؓ کی لاش کے ساتھ بہت ہی وحشیانہ برتاؤ کیا تھا۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی کافروں نے اس جنگ میں گزند پہنچایا۔ آپ کی پیشانی مبارک کو زخمی کیا۔ حضورؐ کے خود کی کڑیاں رخسار مبارک میں گھس گئیں سامنے کے چار دانتوں میں سے نیچے کا داہنا دانت شہید ہو گیا جسم مبارک سے بہت خون نکلا۔ آپ پر غشی طاری ہو گئی۔ کفار نے مشہور کر دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم قتل کر دیئے گئے۔ اس غلط خبر سے عام مسلمانوں میں سراسیمگی پھیل گئی۔ اس نازک موقعہ پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے بے ساختہ نکلا کیف یفلح قوم شجوا نبیھم وکسروا رباعیتہ۔ بھلا اس قوم کو کس طرح فلاح نصیب ہوگی جس نے اپنے نبی کو زخمی کیا اور اپنے نبی کے دانت کو شہید کیا۔ اور آپ نے چند لوگوں کے حق میں بد دعا کا ارادہ کیا اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں بعض حضرات نے کہا ہے کہ بیر معونہ پر جو کافروں نے ستر قاریوں کو شہید کر دیا تھا آپ نماز میں ان کے لئے بد دعا کرتے تھے اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ بعض کا قول ہے کہ آپ نماز کی آخری رکعت میں رکوع کے بعد قنوت پڑھتے تھے اور قبیلۂ رعل۔ ذکوان۔ اور عصیہ کے لئے بد دعا فرماتے تھے اور ان قبیلوں پر لعنت بھیجتے تھے، اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں اور آپ کو ایسا کرنے سے منع کیا گیا۔ اور ہلاک و عدم ہلاک کے بارے میں آپ کے اختیار کی نفی فرمائی واللہ اعلم۔ لوگوں نے ان مختلف اقوال کی بہت سی توجیہات بیان کی ہیں۔ یہ ہو سکتا ہے کہ آیت کسی ایک موقعہ پر نازل ہوئی ہو اور دوسرے موقعہ پر اس کی جانب توجہ دلائی ہو۔ بہرحال علماء محققین کی رائے یہی معلوم ہوتی ہے کہ ان آیتوں کا تعلق غزوۂ احد کے ساتھ ہے کیونکہ اس موقعہ پر مسلمان بہت متاثر تھے اور بالخصوص حضرت حمزہؓ کی شہادت اور ان کا مثلہ کرنا۔ ناک کان کاٹ کر ان کا ہار بنا کر پہننا حضرت حمزہ کا کلیجہ نکال کر اس کو چبانا پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کو گزند پہنچانا یہ سب امور ایسے تھے جن کا مسلمانوں پر بہت زیادہ اثر تھا اور بعض صحابہ نے فرمایا تھا کہ اگر ہم کو موقعہ ملا اور کفار پر ہم نے قابو پایا تو ہم سود در سود ان کافروں سے وصول کریں گے خود حضورؐ نے بھی حضرت حمزہ کی نعش کو دیکھ کر فرمایا تھا کہ میں کافروں کو ستر بد دعائیں دوں گا۔ اس پر سورۂ نحل کی آخری آیتیں نازل ہوئیں اور اسی سلسلے میں یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ رہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بد دعا کرنا یا بد دعا کا قصد کرنا تو ظاہر ہے کہ یہ اجتہاداً تھا نہ آپ کو ممانعت کی گئی تھی نہ حکم دیا گیا تھا اس لئے آپ کی معصومیت پر کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ اب آگے اس اختیار پر جو نفی فرمائی تھی اس کی مزید تاکید ہے اور اس پر دلیل ہے کہ یہ اختیار تمہیں کیوں نہیں اور ہم کو کیوں ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں حق تعالےٰ نے پیغمبر کو تربیت فرمائی کہ بندے کو اختیار نہیں ہے اللہ تعالےٰ جو چاہے سو کرے اگرچہ کافر تمہارے دشمن ہیں اور ظلم پر ہیں لیکن چاہے ان کو ہدایت دے اور چاہے عذاب کرے اپنی طرف سے بد دعا نہ کرو (موضح القرآن)۔ یہ امت بھی کیا خوش قسمت ہے کہ اگر اللہ تعالےٰ عذاب کو پیغمبر سے دریافت کرے تو

پیغمبر رضامند نہ ہوں جیسا کہ طائف میں ہوا اور کبھی پیغمبر بددعا پر آمادہ ہوں تو اللہ تعالےٰ روک دے۔ صد شکر کہ بہتیم میاں رد کریم (تسہیل) ۚ اللہ تعالےٰ کے اختیار کی دلیل یہ ہے کہ جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ بھی زمین میں ہے سب اللہ ہی کی ملک ہے اور سب اس کے مملوک ہیں وہ جس کو چاہے بخشدے اور جس کو چاہے سزا دے اور عذاب کرے اور اللہ تعالےٰ بڑی مغفرت کرنے والا اور بڑی مہربانی کرنے والا ہے۔ (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ جب سب اس کے مملوک ہیں تو اسی کو تصرف کا حق حاصل ہے وہ جس کی چاہے مغفرت فرمادے یعنی اس کو اسلام نصیب ہو جائے جو مغفرت کا اصل مبنیٰ ہے اور جس کو چاہے عذاب کرے یعنی وہ اسلام سے محروم رہے اور عذاب کا مستحق قرار پائے۔ آخر میں اپنے غفور اور رحیم ہونے کا اعلان فرمایا تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ وہ معاف کرنے اور مہربانی کرنے میں بڑا فیاض ہے بشرطیکہ قانون میں ملزم کے لئے تھوڑی سی بھی گنجائش موجود ہو۔ چونکہ اوپر استقلال اور تقوے کی تاکید تھی اور یہ آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ تقوے کی پابندی میں تھوڑی سی کوتاہی تو بدر کے آخر میں ہوئی یعنی فدیہ لیکر قیدیوں کو رہا کر دیا اور دوسری کوتاہی احد میں ہوئی کہ پیغمبر کی بلا اجازت گھاٹی چھوڑ دی اس لئے تقوے کی بار بار تاکید فرماتے ہیں اور تقوےٰ چونکہ نام ہے گناہوں سے بچنے کا اس لئے بعض اہم گناہ جیسے سود کا لین دین اس کی جانب توجہ دلاتے ہیں اور قاعدہ ہے کہ اگر کوئی ایک گناہ کا مرتکب ہو جائے تو اس کی نحوست سے دوسرے گناہوں میں بھی مبتلا ہو جاتا ہے جس طرح ایک نیکی دوسری نیکی کی توفیق کا سبب بن جاتی ہے اسی بنا پر بعض محققین نے فرمایا کہ اگر بدر میں کوتاہی سرزد نہ ہوتی تو شاید احد میں بھی غلطی سرزد نہ ہوتی۔ بہر حال تقوے کی پابندی کے سلسلے میں سود سے بچنے کا حکم دیا کیونکہ سود تقوے کے لئے سخت مضر ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اوپر قبیلہ بنی حارثہ اور بنی سلمہ کی بزدلی پر تنبیہ فرمائی تھی۔ آگے اس کا علاج بتاتے ہیں۔ کیونکہ بزدلی حرام کا مال کھانے سے پیدا ہوتی ہے اور نیکی کی توفیق سلب ہو جاتی ہے۔ سب سے بڑی طاعت جہاد ہے اگر سود کھاؤ گے تو جہاد کے معاملہ میں بزدل ہو جاؤ گے نیز اس لئے کہ سود خوار بے رحم ہوتا ہے وہ غریب کے ساتھ ذرا ہمدردی نہیں کرتا اور اپنے روپے کا معاوضہ چاہتا ہے لہٰذا جو غریب پر سود چھوڑنے کو تیار نہیں وہ میدان جہاد میں جان دینے کو کب تیار ہوگا۔ جو مال پر بخل کرتا ہے وہ جان پر اور بھی بخیل ہوگا۔ اور ربط کی تقریر یوں بھی ہو سکتی ہے کہ اوپر کی آیتوں میں مسلمانوں کو حکم ہوا تھا کہ یہود سے رازدارانہ تعلقات نہ رکھو۔ اور یہود سے ذاتی تعلقات کے علاوہ مسلمانوں کے لین دین کے تعلقات بھی بہت تھے جن میں سود کا لین دین بھی بکثرت تھا اور مسلمانوں کے لئے یہ بڑا دشوار تھا کہ تعلقات کس طرح منقطع کریں۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا یہود سے تعلقات بہر حال قطع کرنے ہیں کیونکہ ان کی سازشیں غزوۂ احد میں بھی اپنا کام کر رہی ہیں۔ اور مسلمانوں کو ناکام کرنے میں یہ لوگ سعی کر رہے ہیں اس لئے ہم تم کو حکم دیتے ہیں کہ سود کا لین دین بند کر دو تاکہ یہود سے تعلقات قطع کرنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئے۔ فقیر کے نزدیک ربط کی وہ تقریر بہت مناسب اور اوفق بالحدیث ہے جو ایک دفعہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی تھی کہ جونکہ شہدائے۔۔۔

کو دیکھ کر مسلمانوں نے کہا تھا کہ اگر اب کے ہم کو کفار پر قابو ہوا تو ہم ان سے ان مرنے والوں کا سود تک وصول کر لیں گے۔ اس پر حضرت حق نے فرمایا کہ عدل و انصاف اور تقوے کو کسی حالت میں ہاتھ سے نہ جانے دو اور سود لینے کا خیال چھوڑ دو بلکہ وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم۔ یہ کہ جب کبھی دشمنوں سے بدلہ لینے کا موقعہ ہو تو اسی قدر بدلہ لو جس قدر تم کو تکلیف پہنچائی گئی ہو۔ سورۂ نحل کے آخر میں جس کی تصریح فرمائی اسی کو یہاں لاتاکلوا الربوا کی نہی سے تعبیر کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل) ۖ اے ایمان والو تم کئی کئی گنے بڑھا بڑھا کر اور کئی کئی حصے زائد کر کے سود نہ کھاؤ اور اللہ تعالےٰ سے ڈرتے رہو امید ہے کہ تم کو فلاح نصیب ہوگی اور تم اپنے مقصد میں کامیاب ہو گے (تیسیر) سورۂ بقرہ میں ہم سود کی تفصیل عرض کر چکے ہیں۔ عام طور سے وہاں کے سود خواروں کے دو طریقے تھے ایک یہ کہ سود پر روپیہ قرض دیا اور میعاد پر وصول نہ ہوا تو سود کو اصل میں ملا کر پوری رقم پر سود شروع کر دیا پھر اگر وصول نہ ہوا تو اس سود کو اصل میں ملا دیا۔ جیسا ہندوستان کے بنئے کیا کرتے ہیں اور اس کو سود در سود کہتے ہیں۔ اور کمپنی نے قصداً مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی غرض سے قانوناً اس کو ہندوستان میں جاری کیا تھا۔ دوسرا طریقہ یہ تھا کہ کسی نے کوئی چیز قرض خریدی اور ایک مدت مقرر کر دی مدت پر روپیہ وصول نہ ہوا تو سود بڑھا کر اور مہلت دیدی۔ دوسری مدت پر روپیہ وصول نہ ہوا تو اور مہلت دیدی اور سود بڑھا دیا۔ اور ہر مہلت پر ایسا ہی کرتے رہے۔ چونکہ یہ طریقے ان کے ہاں رائج تھے اور اسی کو اضعافاً مضاعفۃ کہتے ہیں اس لئے آیت میں اس بڑھا بڑھا کر سود کھانے سے منع فرمایا اضعافاً مضاعفۃ کی قید واقعی ہے احترازی نہیں۔ جیسا کہ بعض اہل باطل کہتے ہیں کہ دونے پر دونے کی حرمت ہے دونے سے کم ہو تو جائز ہے حالانکہ یہاں مفہوم مخالف کا اعتبار نہیں ہے۔ یہ قید ایسی ہے جیسے کوئی کہے مسجد حرام میں غیبت نہ کرو یا عالم کے سامنے جھوٹ نہ بولو تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ مسجد حرام کے باہر غیبت جائز ہے یا غیر عالم کے روبرو جھوٹ بولنا جائز ہے۔ اضعافاً مضاعفۃ کی تفصیل ہم قرض حسنہ کے بیان میں واضح کر چکے ہیں۔ بنی نضیر کے یہودی ثقیف کے عربوں سے ایسا ہی سود وصول کیا کرتے تھے۔ بہر حال سود تھوڑا ہو یا بہت سود کی سب قسمیں حرام ہیں جیسا کہ تیسرے پارے میں گذر چکا ہے اور اگر یہاں وہ سود مراد ہو جو مسلمانوں نے شہدائے احد کو دیکھ کر کہا تھا کہ ہم ستر مسلمانوں کا بدلہ مع سود کے وصول کریں گے تو ظاہر ہے کہ پھر اس حکم کا مطلب یہ ہوگا کہ قابو پانے کے بعد بھی عدل و انصاف سے کام کرو اور کافروں کے قتل کرنے میں شرعی احکام کی رعایت رکھو۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں شاید سود کا ذکر یہاں اس واسطے فرمایا کہ اوپر مذکور ہوا جہاد میں نامردی کا اور سود کھانے سے نامردی آتی ہے دو واسطے ایک یہ کہ مال حرام کھانے سے توفیق طاعت کم ہوتی ہے اور بڑی طاعت جہاد ہے دوسرے یہ کہ سود لینا کمال بخل ہے کہ اپنا مال جتنا دیا تھا لے لیا بیچ میں کسی کا کام نکلا یہ بھی مفت نہ چھوڑے، اس کا جدا بدلہ لینا چاہے تو جس کو مال پر اتنا بخل ہو وہ جان کب دیا چاہے موضح القرآن۔ حضرت شاہ صاحب کے منشے کی تفصیل ربط کی تقریر میں مذکور ہو چکی۔ فلاح پانے کا مطلب یہ ہے کہ جنت میسر ہو جائے اور دوزخ سے بچ جاؤ۔ اب آگے جہنم سے بچنے کی تاکید ہے جو اصل میں کافروں کی جگہ ہے لیکن بعض گنہگار

مسلمان بھی اس میں داخل ہوں گے خواہ دائمی طور پر نہ رہیں چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل)

بقیہ صفحہ ۱۰۵

جن متقیوں کی تعریف کی گئی ہے وہ کمال تقویٰ پر فائز ہیں۔ اہل تقویٰ کی دوسری قسم کا ذکر آگے آتا ہے۔ اور یہ جو فرمایا کہ وہ جنت متقیوں کے لئے تیار کی گئی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ کیونکہ اہل تقویٰ کے جو معنی ہم نے عرض کئے ہیں اس سے ہر مسلمان کا متقی ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ ہاں یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ کوئی کم درجہ کا متقی ہے اور کوئی بڑے درجہ کا متقی ہے۔ اسی طرح انفاق میں بھی عموم ہے۔ مال سے نفع پہنچانا یا علم سے نفع پہنچانا غرض خدا کی مخلوق کو نفع پہنچانا ہیں۔ حدیث میں آتا ہے سخی اللہ تعالےٰ سے قریب ہے جنت سے قریب ہے۔ لوگوں سے قریب ہے۔ اور دوزخ سے دور ہے اور بخیل اللہ سے دور ہے جنت سے دور ہے۔ لوگوں سے دور ہے اور آگ سے قریب ہے۔ حدیث میں ہے جس شخص نے باوجود اس کے کہ وہ بدلہ لے سکتا تھا اپنے غصہ کو پی لیا اور غصہ ضبط کر لیا تو اللہ تعالےٰ اس کے قلب کو امن اور ایمان سے بھر دے گا۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ قیامت میں ایک پکارنے والا آواز دے گا وہ لوگ کہاں ہیں جن کے ثواب اللہ تعالےٰ کے ذمہ ہیں۔ یہ آواز سن کر صرف وہ لوگ کھڑے ہوں گے جنہوں نے لوگوں کی تقصیرات کو معاف کیا ہوگا حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے احسان کے بعد احسان کرنا مکافات ہے اور برائی کے بعد برائی کرنا مجازات ہے اور برائی کے جواب میں بھلائی کرنا کرم اور جود ہے اور بھلائی کے جواب میں برائی کرنا کمینگی اور بدبختی ہے۔ اور یہ جو حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرقل کے جواب میں لکھا تھا جب اس نے دریافت کیا تھا کہ جنت کا پھیلاؤ آسمانوں اور زمین کے برابر ہے تو دوزخ کہاں ہے۔ آپ نے لکھا تھا بھلا تم دیکھتے ہو جب دن آتا ہے تو رات کہاں ہوتی ہے اور جب رات آتی ہے تو دن کہاں ہوتا ہے۔ اس پر یہود نے کہا تھا آپؐ نے یہ جواب ایسا ہی دیا جیسے تورات میں ہے۔ حضرت ابن عباس اور بعض دیگر صحابہ سے بھی ایسا ہی جواب منقول ہے۔ اس جواب کا یہ مطلب ہے کہ دن کی موجودگی میں رات کا نظر نہ آنا اس کو مستلزم نہیں کہ رات کہیں نہ ہو اسی طرح رات کی موجودگی میں دن کا نہ ہونا اس کو مستلزم نہیں کہ دن کہیں بھی نہ ہو بلکہ جہاں اللہ تعالےٰ چاہتا ہے وہاں رات اور دن موجود ہوتے ہیں اسی طرح دوزخ بھی جہاں اللہ تعالےٰ چاہتا ہے وہاں ہوتی ہے اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ جب دن اس عالم کے ایک رخ کو ڈھانک لیتا ہے تو دوسرے رخ پر اس کے رات ہوتی ہے اور جب رات اس عالم کے ایک رخ پر چھا جاتی ہے تو دوسرے رخ پر دن ہوتا ہے یہی حالت جنت و دوزخ کی ہے کہ جنت اعلیٰ علیین میں ہے اور جہنم اسفل سافلین میں ہے بعض آثار الٰہیہ میں ہے کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے اے ابن آدم جب تجھ کو غصہ آئے تو مجھ کو یاد کر جس وقت مجھ کو غصہ آئے گا میں بھی تجھ کو یاد رکھوں گا اور تجھ کو ان لوگوں کے ہمراہ ہلاک نہ کروں گا جو ہلاک ہونے والے ہیں (ابن ابی حاتم) حضرت انس بن مالک سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ جس نے اپنے غضب کو روکا اللہ تعالیٰ اس سے اپنے عذاب کو روک لے گا اور جس نے اپنی زبان کو روکا اللہ تعالےٰ اس کے عیب کو چھپائے گا۔ اور جس شخص نے معذرت کی تو اللہ اس کی معذرت کو قبول کرے گا (ابو یعلیٰ)۔ ابن کثیر نے

کہا یہ حدیث غریب ہے۔ ابوہریرہ کی روایت ہے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلوان وہ نہیں ہے جو دوسروں کو پچھاڑتا پھرتا ہے بلکہ پہلوان وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے کو قابو میں رکھتا ہے۔ یہ مضمون بہت سی احادیث میں آیا ہے۔ حارثہ بن قدامہ نے عرض کیا یارسول اللہ مجھے کوئی نفع کی بات بتا دیجئے تاکہ میں اس کو یاد رکھوں۔ آپ نے فرمایا غصہ نہ کیا کر۔ حارثہ نے بار بار دریافت کیا اور آپ یہی فرماتے رہے غصہ نہ کیا کر (احمد) حضرت ابوہریرہ کی روایت میں ہے غصہ کا گھونٹ پی لینے سے بہتر کوئی گھونٹ نہیں ہے (ابن مردویہ مرفوعاً) غصہ کے ضبط کرنے اور لوگوں کی تقصیرات معاف کرنے کے باب میں بکثرت احادیث مروی ہیں۔ اب آگے متقیوں کی دوسری قسم کا بیان ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ (تسہیل) ۳ اور دوسرے وہ لوگ ہیں کہ جب وہ کوئی صریح گناہ کر بیٹھتے ہیں اور کوئی زیادتی ان سے سرزد ہو جاتی ہے یا کوئی اور کسی قسم کی زیادتی اپنی جانوں پر کر گذرتے ہیں تو فوراً ہی اللہ تعالیٰ کی ہیبت و جلال کا دھیان کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حق کو یاد کر لیتے ہیں پھر اس سے اپنے گناہوں کی بخشش اور معافی طلب کرنے لگتے ہیں اور بات بھی یہ ہے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے اور ہے بھی کون جو گناہوں کو بخشتا ہو اور گناہوں کو معاف کر دیتا ہو اور وہ لوگ اپنے افعال قبیحہ پر اڑ اور ہٹ نہیں کرتے اور اپنے کئے پر جانتے بوجھتے اصرار نہیں کیا کرتے (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ ایسے گناہگار جو گناہوں کے مرتکب ہوتے رہتے ہیں لیکن گناہ کے بعد فوراً ہی ان کو تنبہ ہوتا ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کی گرفت کا تصور کر کے گناہ معاف کرانے کی فکر میں لگ جاتے ہوں اور توبہ کرنے لگتے ہوں اور توبہ بھی کامل کرتے ہوں، اور وہ یہ کہ پھر اس گناہ پر اڑتے نہ ہوں اور اس پر ہٹ نہ کرتے ہوں اور دوبارہ اس کا ارتکاب نہ کرتے ہوں۔ اور ان کی حالت یہ ہو کہ وہ جانتے ہوں کہ ہم نے گناہ کیا ہے اور گناہ کی توبہ ضروری ہے اور یہ بھی جانتے ہوں کہ اللہ تعالیٰ توبہ کا قبول کرنے والا اور گناہوں کو معاف کرنے والا ہے، تو ایسے مسلمان بھی متقیوں میں شامل ہیں اگرچہ یہ لوگ کم درجہ کے متقی ہیں۔ آیت میں دو قسم کے گناہوں کی طرف اشارہ فرمایا ایک کو فاحشہ فرمایا اور دوسرے کو اپنی جانوں پر ظلم سے تعبیر کیا۔ فحش کے معنی قبیح اور حد سے نکل جانے کے ہیں۔ عام طور سے اس کا اطلاق زنا پر ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس سے یہاں کبیرہ گناہ مراد ہوں اور ظلموا علیٰ انفسھم سے مراد صغیرہ ہوں۔ یا فحشاء سے مراد زنا ہو اور ظلموا انفسھم سے مراد زنا سے کم درجے کی چیزیں ہوں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فاحشہ سے مراد حقوق العباد ہوں اور دوسرے گناہوں سے مراد حقوق اللہ ہوں۔ غرض قرآن کے ان دو جملوں میں ہر قسم کے گناہ داخل ہیں خواہ وہ چھوٹے ہوں یا بڑے ہوں بندوں کے ہوں یا صرف اللہ تعالیٰ کے ہوں۔ ذکروا اللہ کا مطلب یہ ہے کہ زبان سے یا قلب سے اللہ تعالیٰ کو یاد کیا اور اس کی عظمت و جلال۔ اس کے وعدے اور وعید اس کا حق عبادت و اطاعت یاد کر کے توبہ استغفار میں مشغول ہو گئے۔ اگر بندے کے حق میں خیانت کی تھی تو توبہ کے ساتھ ساتھ بندے سے بھی اس کا حق معاف کرا لیا اور اس کا حق اس کو پہنچایا۔ اور اگر صرف حق اللہ کا تھا تو حق سے معافی چاہی اور اس کے روبرو خشوع اور خضوع سے گڑگڑائے اصرار نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ گناہوں ہی کے ہو رہیں یا گناہ پر فخر کریں اور اپنے گناہوں کی تعریف کریں۔ یا توبہ کرتے وقت گناہ کا پھر ارادہ ہو۔ اور توبہ سے ترک فعل کا پختہ ارادہ نہ ہو اور اپنے گناہ پر ندامت نہ ہو۔ یہ سب صورتیں اصرار میں داخل ہیں۔ وھم یعلمون کا مطلب یہ ہے کہ وہ یہ جانتے ہیں کہ گناہ پر اصرار کرنا خود مستقل ایک گناہ ہے اور یہ عقیدہ خدا کے خوف کی وجہ سے ہو یعنی اعمال کی اصلاح بھی کرتے ہوں اور عقائد بھی درست ہوں۔ ضحاک نے کہا یہ جانتے ہوں کہ اللہ تعالیٰ مغفرت کا مالک ہے۔ حسین بن فضل نے کہا وہ یہ بات جانتے ہوں کہ ان کا ایک رب ہے جو گناہ معاف کر دیتا ہے۔ بعض نے کہا ان کا یہ عقیدہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت ایسی ہے کہ خواہ گناہ کتنے ہی ہوں وہ سب معاف کر دیتا ہے۔ بعض نے کہا وہ یہ جانتے ہوں کہ جب استغفار کیا جائے تو اللہ تعالیٰ معاف کر دیتا ہے۔ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ قرآن میں دو آیتیں ایسی ہیں کہ جو گناہ کا مرتکب ان آیتوں کو پڑھتا ہے اور پھر استغفار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ بخش دیتا ہے۔ ایک تو یہی والذین اذا فعلوا کی آیت اور دوسری پانچویں پارے کی آیت ومن یعمل سوءًا او یظلم نفسہ۔ حضرت ابوہریرہ کی روایت میں ہے کہ ایک آدمی گناہ کرتا ہے اور وہ کہتا ہے اے میرے رب مجھ سے گناہ ہو گیا تو اس کو بخش دے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے گناہ کیا اور وہ جانتا ہے کہ میرا رب ہے جو گناہ پر پکڑتا اور گناہ کو معاف کر دیتا ہے۔ میں نے اپنے بندے کا گناہ بخش دیا۔ پھر بندے سے کوئی اور گناہ ہو جاتا ہے۔ پھر وہ عرض کرتا ہے اے میرے رب مجھ سے قصور ہو گیا تو معاف فرما دے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے کو یہ معلوم ہے کہ اس کا رب گناہ پر گرفت کرتا ہے اور گناہ کو معاف کر دیتا ہے۔ میں نے اپنے بندے کا گناہ بخش دیا۔ پھر اس بندے سے ایک تیسرا گناہ ہو جاتا ہے وہ بندہ پھر معافی مانگتا ہے اور اللہ تعالیٰ پھر معاف کر دیتا ہے۔ اور فرماتا ہے اب وہ جو چاہے کرے یعنی خواہ وہ کچھ کرے اگر مجھ سے بخشش کی درخواست کرتا رہے گا تو میں معاف کرتا رہوں گا یعنی اسے مجھ سے مایوس نہ ہونا چاہئے۔ (احمد بخاری مسلم) حضرت ابن عباس سے مرفوعاً روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ میں خطا بخش ہوں اور گناہ معاف کرنے پر قدرت رکھتا ہوں تو اس شخص کے گناہ معاف کر دوں گا اور مجھے کوئی پروا نہیں بشرطیکہ وہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے۔ (طبرانی) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص اپنے گناہوں پر استغفار کرتا رہتا ہے وہ اصرار کرنے والوں میں شمار نہیں ہوتا خواہ اس سے ستر بار گناہ کا ارتکاب کیوں نہ ہو۔ (ابوداؤد و ترمذی) حضرت صدیق اکبر سے مرفوعاً روایت ہے کہ گناہوں پر قائم رہتے ہوئے استغفار کرنے والا ایسا ہے جیسے کوئی اپنے رب سے مذاق کرتا ہو۔ (بیہقی) امام احمد کی مسند میں ہے کہ جس شخص سے کسی گناہ کا صدور ہو جائے اور وہ وضو کر کے دو رکعت نفل پڑھے اور اللہ سے بخشش طلب کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو بخش دیتا ہے۔ مسلم میں اتنا اور زائد ہے کہ وضو کے بعد کہے أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ پھر دو رکعتیں پڑھے اور گناہ معاف کرائے تو اس کا گناہ بخش دیا جاتا ہے۔ ابن کثیر نے اس روایت کی توثیق کی ہے۔ انس بن مالک کا قول ہے کہ مجھ کو یہ بات پہنچی ہے کہ جب یہ آیت والذین اذا فعلوا نازل ہوئی تو شیطان رویا۔ (عبدالرزاق) عطاف بن خالد فرماتے ہیں مجھ کو یہ بات پہنچی ہے کہ اس آیت کے نزول پر شیطان بہت رویا اور جب اس کی ذریت نے رونے کا سبب دریافت کیا تو اس نے کہا کتاب اللہ میں ایک آیت نازل ہوئی ہے اس آیت کے بعد بنی آدم کو کوئی گناہ نقصان نہیں پہنچائے گا۔ انہوں نے دریافت کیا وہ کونسی آیت ہے تو شیطان نے یہ آیت بتائی۔ اس کی ذریت نے کہا ہم ان پر اہوا اور خواہشات نفسانی کے دروازے کھول دیں گے جن کی وجہ سے وہ گناہوں کو اچھا سمجھنے لگیں گے اور توبہ کی طرف مائل نہ ہوں گے۔ اس پر شیطان مطمئن ہوا۔ فقیر کہتا ہے کہ ہمارے زمانے میں یہی حالت ہے کہ لوگ گناہوں کے ارتکاب پر شرمندہ نہیں ہوتے بلکہ بدترین گناہوں کو اچھا سمجھ کر کرتے ہیں اور اہل بدعت کی تو عام طور پر یہی حالت ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ صدیق اکبر سے ایک اور مرفوع روایت ہے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تم لا الٰہ الا اللہ اور استغفار کو اپنے اوپر لازم کر لو۔ کیونکہ شیطان نے کہا ہے کہ میں نے لوگوں کو گناہوں سے ہلاک کیا اور لوگوں نے مجھ کو لا الٰہ الا اللہ اور استغفار سے ہلاک کر دیا۔ جب میں نے یہ دیکھا تو میں نے ان کو اہوا اور خواہشات نفس سے ہلاک کیا وہ گناہ کرتے ہیں اور گناہ کو اچھا سمجھتے ہیں (ابویعلیٰ) اب آگے ان لوگوں کی جزا اور ان کے صلے کا ذکر ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل) ۴ یہی وہ لوگ ہیں جن کی جزا اور صلہ مغفرت اور بخشش ہے ان کے رب کی جانب سے اور ایسے ایسے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی یہ لوگ ان باغوں میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ کیا خوب مزدوری اور اچھا حق الخدمت ہے ان کام کرنے والوں کا (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اگرچہ کم درجے کے ہیں کیونکہ کبھی کبھی کبائر و صغائر اور حقوق العباد اور حقوق اللہ میں مبتلا ہوتے رہتے ہیں لیکن چونکہ اسی کے ساتھ اللہ کو یاد بھی کرتے اور توبہ کر لیتے ہیں اس لئے ان کو بھی مغفرت سے نوازا جائے گا اور وہ جنت جو متقیوں کے لئے تیار کی گئی ہے ان کو بھی اس میں داخل کیا جائے گا وہ باغ اور ان کے محلات کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ آخر میں اجر کی مدح فرمائی کہ یہ مزدوری بہت اچھی ہے جو ان کو ملے گی۔ یہ ان باغوں سے کبھی علیحدہ نہیں کئے جائیں گے۔ اب آگے غزوۂ احد کا پھر ذکر ہے اور زمانہ کے اتار چڑھاؤ سے مسلمانوں کو تسلی دینا مقصود ہے اور ان کی ہمت بندھانی ہے کہ اس قسم کی چیزیں نئی نہیں ہیں بلکہ دنیا میں ہمیشہ ہوتی رہی ہیں اہل حق کو بھی نقصان پہنچتا ہے اور ظاہری تکالیف سے دوچار ہونا پڑتا ہے لیکن انجام کار خسارہ ہمیشہ اہل باطل ہی کو ہوتا ہے۔ (تسہیل)

بقیہ صفحہ ۱۰۶

اور غالب و مغلوب ہونے کو ان لوگوں کے درمیان باری باری ادلتے بدلتے رہا کرتے ہیں۔ تمہارے ساتھ یہ معاملہ اس سال اس لئے کیا گیا تاکہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو ظاہری طور پر بھی جان لیں اور ان کو دوسروں سے متمیز کر دیں اور نیز تم میں سے بعض کو شہید بنانا اور شہادت کا مرتبہ عطا فرمانا تھا اور یہ بات یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ ظالموں یعنی کافروں اور مشرکوں کو پسند نہیں کرتا اور کسی حال میں بھی ان سے محبت نہیں کرتا اور تمہارے ساتھ یہ معاملہ اس لئے بھی ہوا کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ہر قسم کے میل کچیل سے صاف کر دے اور ان کو نکھار دے اور اس لئے بھی ایسا ہوا کہ اللہ تعالیٰ

کافروں کے زور اور ان کی طاقت کو بتدریج ختم کر دے۔ (تیسیر) قَرْحٌ اور قُرْحٌ کے معنی ہیں جراحت اور زخم چونکہ غزوۂ احد میں مسلمان زخمی بھی ہوئے، شہید بھی ہوئے اور پیغمبر کے گزند سے صدمہ بھی ہوا اور ہزیمت بھی ہوئی۔ چونکہ بعض مفسرین نے یہاں ہزیمت کے ساتھ تفسیر کی تھی اس لئے ہم نے تیسیر میں سب الفاظ نقل کر دیئے ہیں۔ یہ زخم ظاہری ہوں یا باطنی قرح سب کو شامل ہے۔ مداولت کے معنی ہیں ہرتے پھرتے رہنا۔ اردو میں بولا کرتے ہیں زمانہ سب کے ساتھ یکساں نہیں رہتا۔ اصل میں تداول کا استعمال کھانے کے موقعہ پر بولا جاتا ہے۔ جب ایک دوسرے کو کھانے کے جوڑ دیکر دستر خوان تک پہنچاتا ہے۔ مثلاً ایک شخص نے دیگ سے کھانا نکال کر اپنے سے قریب والے کو دیا اس نے دوسرے کو دیا اس نے تیسرے کو تیسرے نے چوتھے کو اسی طرح ادلتے بدلتے دستر خوان تک پہنچ گیا اسی کو ہم نے زمانے کے ہیر پھیر سے تعبیر کیا ہے۔ یہ بھی حضرت حق تعالیٰ کی بڑی عمیق مصلحت و حکمت ہے کہ کبھی کسی کو فاتح اور کسی کو مفتوح فرماتے رہتے ہیں تاکہ کافر ایمان لانے پر مجبور نہ ہو جائیں بلکہ سوچ کر اور سمجھ کر آزادیٔ رائے کے ساتھ اسلام قبول کریں۔ اس لئے اس عالم تکوین میں کسی قوم کے ساتھ نمایاں اور آشکارا خصوصی برتاؤ نہیں کیا جاتا۔ اور حضرت حق تعالیٰ کی یہ وہ حکمت بالغہ ہے جو ہر شخص نہیں سمجھتا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ جس پر رحم فرمائے اور اس کو صحیح سمجھ دے۔ کُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ۚ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا ہے ہم اس فریق کی بھی اور اس فریق کی بھی آپ کے رب کی عطا سے مدد کرتے رہتے ہیں اور آپ کے رب کی عطا اور اس کے فیض پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ اسی مضمون کو یہاں وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ سے ظاہر کیا ہے۔ اور یہ بتایا ہے کہ گزشتہ سال تم کو غلبہ ہوا تھا اب کے سال تمہارے مخالف کو ہو گیا یہ تو ہمارا عام طریقہ ہے جو لوگوں کے مابین رائج کر رکھا ہے یہ دستور نہ صرف قوموں میں رائج ہے بلکہ افراد میں بھی پایا جاتا ہے کبھی کوئی سربلند ہے کبھی کوئی۔ کبھی کوئی خاندان آبرو میں زیادہ ہے کبھی کوئی خاندان۔ کبھی کوئی قوم برسر اقتدار ہے کبھی کوئی قوم۔ اس دنیوی شکست سے متاثر نہ ہو اس شکست میں بھی نہ معلوم کس قدر حکمتیں پوشیدہ ہیں پھر چند اور حکمتیں بیان فرمائیں۔ ان حکمتوں میں سے ایک یہ کہ مسلمانوں کا امتحان ہو جائے کیونکہ یہی مواقع ہیں جن میں مخلص اور منافق نظر آجاتا ہے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ تو ہر ایک کو پہلے ہی سے جانتا ہے۔ اللہ کے علم کی بحث دوسرے پارے میں گزر چکی ہے اگر علم کے معنی جاننے کے کئے جائیں تو یوں ترجمہ کیا جائے کہ وہ جانتا تو ہے ہی مگر اس طرح ظاہری طور پر بھی جان لیتا ہے اور اگر وہ معنی کئے جائیں جو ہم نے حضرت شاہ ولی اللہ اور حضرت شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہما کے ترجموں سے اخذ کئے ہیں تو پھر کسی تیمک کی ضرورت نہیں یعنی یہاں علم سے مراد یہ ہے کہ دوسروں کو معلوم ہو جائے کہ کون مخلص ہے اور کون منافق ہے بُرے اور بھلے میں امتیاز ہو جائے۔ اگر یہ مصیبت اور پریشانی نہ آتی تو لوگوں میں امتیاز نہ ہوتا اور وہ ایک دوسرے سے متمیز نہ ہوتے۔ ان حکمتوں میں سے دوسری یہ کہ تم میں سے بعض کو شہادت کا مرتبہ عطا کرنا مقصود تھا اور یہ مرتبہ اس پر موقوف تھا کہ مسلمان کافروں کے ہاتھوں مارے

جائیں اور شہدائے احد کا لقب حاصل کریں اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ تم میں سے بعض کو قیامت میں بطور گواہ پیش کریں اور تم کو شدائد و مصائب کو برداشت کرنے والوں کی فہرست میں پیش کیا جائے اور تم بطور شہادت پیش ہو۔ واللہ اعلم۔ بیچ میں ایک شبہ کا ازالہ بطور جملہ معترضہ کے فرما دیا کہ کہیں یہ نہ سمجھ بیٹھنا کہ ظالموں کے ساتھ ہماری کوئی ہمدردی ہے یا ہم کافروں اور مشرکوں کو پسند کرتے ہیں۔ ہماری پسندیدہ چیز تو ایمان و اطاعت اور صبر و استقلال ہے یہ باتیں جس میں ہوں گی وہ ہمارا محبوب ہے۔ کافر اور مشرک میں یہ باتیں کہاں رکھی ہیں جو وہ ہمارے محبوب اور پسندیدہ ہوں گے۔ اور نہ یہ شکست و فتح پر موقوف ہے کہ کوئی یہ سمجھ لے کہ جس کی فتح ہوئی وہی خدا کا دوست ہے اور جس کی شکست ہوئی وہ خدا کا مبغوض ہے۔ فتح و شکست تو جنگ کے لازمی نتائج ہیں ان سے ہماری محبت و عدم محبت کو نہ جانچا کرو۔ بلکہ محبت کا تعلق ایک اور چیز سے ہے اور فتح و شکست کا تعلق اور چیز سے ہے۔ جملہ معترضہ کے بعد پھر فرمایا کہ ہماری حکمتوں میں سے تیسری حکمت یہ ہے کہ ہم مسلمانوں کے اخلاق و اعمال کا تصفیہ کر دیں اور مسلمانوں سے میل کچیل کو دور کر دیں تمحیص کے معنی ہیں نکھارنا جس طرح سونے چاندی کو گلا کر ان کا میل کچیل صاف کرتے ہیں اسی طرح ہمارا مقصد یہ تھا کہ تم کو مصائب و شدائد میں مبتلا کر کے ہر قسم کے میل کچیل سے تم کو صاف کر دیں اور تمہارے اعمال و اخلاق کو نکھار دیں۔ اور آخری حکمت یہ فرمائی کہ اس طرح ہم کافروں کو آہستہ آہستہ مٹا دیں۔ محق کے معنی ہم تیسرے پارے میں بتا چکے ہیں محق کے معنی تھوڑا تھوڑا کسی چیز کو کم کر دینا جس طرح چاند کا نور آہستہ آہستہ روز بروز کم ہوتا رہتا ہے اور آخر ایک دن سب نور ختم ہو جاتا ہے اسی طرح ہماری حکمت یہ ہے کہ تھوڑا تھوڑا کر کے کافروں کی قوت کو ختم کر دیں۔ اگر ہر سال تم ہی غالب ہوتے رہو تو کافر لڑنے کو آمادہ نہ ہوں گے اور اگر کبھی تم بھی مغلوب ہو جاؤ گے خواہ مغلوب ہونے میں تمہاری بھی کوتاہی کو دخل ہو تو پھر ان کا حوصلہ بڑھے گا اور وہ تم سے لڑنے کو آئیں گے اور اس طرح ہم ان کے زور کو توڑ دیں گے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم پر ظلم کرنے سے وہ خدا کے قہر میں مبتلا ہو کر ہلاک ہو جائیں گے اور کثرت مظالم سے ان کی تباہی کا پیمانہ لبریز ہو جائے گا اور جلد تباہ ہوں گے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی فتح اور شکست بدلتی چیز ہے اور مسلمانوں کو شہادت کا درجہ ملنا تھا اور مومن اور منافق کا پرکھنا منظور تھا اور مسلمانوں کو سدھارنا اس واسطے اتنی شکست ہوئی نہیں تو اللہ کافروں سے راضی نہیں۔ موضح القرآن۔ سبحان اللہ حضرت شاہ صاحبؒ نے کس قدر مختصر اور جامع خلاصہ بیان کیا ہے جو حضرت شاہ صاحبؒ ہی کا حصہ ہے۔ اور یعلم کا ترجمہ پرکھنا اور تمحیص کا ترجمہ سدھارنا بھلا اس اردو کا جواب کیا ہو سکتا ہے۔ مس القوم قرح مثلہ سے بعض حضرات نے انبیاء سابقین اور ان کے ساتھی مراد لئے ہیں اور مطلب یوں بیان کیا ہے کہ اگر تم کو زخم اور مصائب پہنچے تو یہ کوئی نئی بات نہیں تم سے پہلے پیغمبروں اور مسلمانوں کو بھی اس قسم کی تکالیف پہنچ چکی ہیں۔ مگر ہم نے اس کو غیر مشہور ہونے کی وجہ سے اختیار نہیں کیا۔ اس آیت میں مثل کا لفظ ہر اعتبار سے مماثل نہیں جیسا کہ تسہیل میں معلوم ہو چکا اب آگے مسلمانوں کی مزید تقویت اور اطمینان کی غرض سے ارشاد ہوتا ہے۔ (تسہیل)

بقیہ صفحہ ۱۰۷

وہ تو حی لا یموت ہے۔ اور جب اب محمد زندہ ہے تو آؤ جس کے نام پر حضور شہید ہوئے ہیں ہم بھی لڑ کر اسی کے نام پر شہید ہو جائیں۔ چنانچہ مخلصین کی ایک جماعت کمربستہ ہو کر لڑنے میں مشغول ہو گئی۔ اتنے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر فرمایا الیّ عباد اللہ انا رسول اللہ۔ اے اللہ کے بندو! میرے پاس آؤ میں اللہ کا رسول ہوں۔ جس طرح آپ کی وفات کو سنکر سب کے دل ٹوٹ گئے تھے زندگی کی خبر سنتے ہی جو لوگ بھاگ رہے تھے اور پہاڑیوں کی طرف رخ کئے چلے جا رہے تھے ان کے دل میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور نئے سرے سے ڈھارس بندھ گئی اور مسلمان سمٹ کر حضور کے چاروں طرف جمع ہو گئے۔ سب سے پہلے کعب بن مالک نے آپ کو پہچانا اور انہوں نے چلا کر کہا مسلمانو! ادھر آؤ محمد صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں۔ چنانچہ جب سب لوگ جمع ہو گئے اور پھر حملہ کی تیاری کرنے لگے تو مشرکین واپس چلے گئے۔ ان ہی واقعات کے متعلق آگے کی آیتوں میں مسلمانوں پر تعریض ہے اور تسلی اور تقویت قلب کا سامان ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ (تسہیل) ۱۲۲ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم صرف اللہ تعالیٰ کے ایک رسول ہی تو ہیں بلا شبہ آپ سے پہلے اور بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں تو پھر اگر وہ وفات پا جائیں یا فرض کرو وہ شہید ہی کر دیئے جائیں تو کیا تم لوگ اپنی ایڑیوں کے بل جہاد سے یا اسلام سے واپس لوٹ جاؤ گے، اور جو شخص بھی اپنے دین سے اور خواہ جہاد سے الٹا پھر جائے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کا کچھ بھی نقصان نہ کرے گا اور وہ اللہ تعالیٰ کو کوئی ضرر نہ پہنچائے گا اور بہت جلد اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو نیک عوض اور صلہ عطا فرمائے گا جو شکر گزار رہیں گے۔ (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ محمدؐ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ بس ایک رسول ہیں ان سے پہلے اور رسول بھی گزر چکے ہیں پھر اگر وہ اپنی طبعی موت سے مر جائیں یا مار ڈالے جائیں وہ کوئی خدا تو نہیں ہیں جو نہ مرتا ہے اور نہ اس کو کوئی مار سکتا ہے۔ تو کیا تم لوگ میدان جہاد کو یا معاذ اللہ دین اسلام کو چھوڑ کر واپس چلے جاؤ گے اور اگر کوئی واپس چلا جائے گا تو اللہ تعالیٰ کا کچھ نہ بگاڑے گا بلکہ اپنا ہی نقصان کرے گا اور اللہ تعالیٰ عنقریب حق شناس اور شکر گزار لوگوں کو اچھی جزا اور اچھا بدلہ عطا فرمائے گا۔ اس موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے بجائے ماتت کے خلت فرمایا۔ خلت کے معنی گزر جانے، چھوڑ کر چلے جانے اور ہو چکنے وغیرہ کے ہیں۔ یہ اس لئے کہ حضرت عیسیٰ چونکہ زندہ ہیں مگر گزر جانے والوں میں وہ بھی شامل ہیں۔ اسی آیت سے حضرت صدیق اکبرؓ نے حضور کی وفات کے دن استدلال کیا تھا اور تمام صحابہ کو یہ کہہ کر سنبھالا تھا من کان یعبد محمدا فان محمدا قد مات ومن کان یعبد اللہ فھو حی لا یموت۔ یعنی جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا تو وہ سن لے کہ محمد کی وفات ہو گئی اور جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا تو اللہ تعالیٰ زندہ ہے وہ کبھی مرے گا نہیں۔ یہ آیت تمام صحابہ کے روبرو پڑھی گئی تھی۔ اور تمام صحابہ خلت کا مطلب یہی سمجھتے تھے کہ گزر گئے اور چلے گئے کسی نے بھی اس آیت سے موت مراد نہیں لی۔ اور یہ جو فرمایا علی عقبیہ یہ ایک محاورہ ہے جیسا ہم اردو میں کہتے ہیں کہ ابھی آئے تھے کھڑے کھڑے اپنی ایڑیوں کے بل لوٹ گئے۔ مطلب یہ ہوتا ہے کہ واپس چلے گئے اور

الٹے ہی لوٹ گئے۔ شاکرین کا مطلب یہاں یہ ہے کہ ایسے نازک مواقع پر مستقل رہتے ہیں اور تکالیف کو ہمت سے سہارتے ہیں ان کو اچھا بدلہ عطا ہوگا اور جلدی شاید اس لئے کہا کہ قیامت جلدی آنے والی ہے یا دنیاوی فتح کی طرف اشارہ ہو واللہ اعلم۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں اس جنگ احد میں بعضے مسلمان کامل بھی ہمت ہٹ گئے تھے اس لئے کہ ایک کافر نے اپنی فوج میں پکارا کہ میں محمد کو مار آیا اور حضرت کو زخم سے خون بہت گیا تھا ضعف آ کر ایک گڑھے میں گرے تھے مسلمانوں نے حضرت کو نہ دیکھا یہ بات یقین ہو گئی۔ جب حضرت ہوشیار ہوئے تو میدان میں جو لوگ حاضر تھے ان کو جمع کر کے پھر لڑائی قائم کی تب کافر پھر کر چلے گئے سو اللہ تعالے نے فرمایا کہ رسول زندہ رہے یا نہ رہے دین اللہ کا ہے اس پر قائم رہو اور اشارت نکلتی ہے کہ حضرت کی وفات پر بعضے لوگ پھر جاویں گے اور جو قائم رہیں گے ان کو بڑا ثواب ہے اسی طرح ہوا کہ بہت لوگ حضرت کے بعد مرتد ہوئے اور حضرت صدیق نے ان کو پھر مسلمان کیا اور بعضوں کو مارا موضح القرآن۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے خلاصہ میں سب چیزیں آگئیں۔ ہمارے زمانے کے بعض اہل باطل نے اس آیت سے وفات مسیح پر استدلال کیا ہے اور عجیب انداز سے اس آیت کا مطلب بیان کیا ہے لیکن اس کا کوئی تعلق حضرت عیسیٰ کی وفات سے نہیں ہے اور نہ الرسل کا الف لام استغراقی ہے یہ الف لام ایسا ہی ہے جیسے چھٹے پارے کے آخر میں قد خلت من قبلہ الرسل میں آیا ہے۔ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو زندہ آسمان پر اٹھایا جاتا تب بھی صحابہ کو اتنا ہی صدمہ ہوتا جیسا حضور کی وفات سے ہوا۔ اب آگے اسی مضمون کی اور تاکید و وضاحت ہے۔ (تسہیل) ۱۴۵ اور بغیر اذن الٰہی اور بدون اللہ تعالے کے حکم کے کسی جاندار کا مرنا اور اس کو موت آنا ممکن نہیں خواہ طبعاً مرے یا قتل کیا جائے ہر ایک کی موت کا وقت لکھا ہوا ہے جس میں تقدیم و تاخیر نہیں ہوتی اور جو شخص اپنے اعمال کا بدلہ اور نتیجہ دنیا میں حاصل کرنا چاہتا ہے تو ہم اس کو دنیا کے حصہ میں سے اپنی مشیت کے موافق دیدیتے ہیں اور جو شخص آخرت کا ثواب اور اخروی بدلہ چاہتا ہے تو ہم اس کو آخرت کے ثواب کا حصہ دیدیتے ہیں اور ہم عنقریب ایسے شکر گذاروں کو اچھا بدلہ اور نیک صلہ عطا فرمائیں گے۔ (تیسیر) خلاصہ یہ ہے کہ موت کا ایک مقرر وقت لکھا ہوا ہے اور کوئی کسی طرح مرے اللہ تعالے کے حکم کے بغیر مر نہیں سکتا مرنا اس کے لئے ممکن ہی نہیں۔ اور چونکہ موت مشیت اور حکم الٰہی پر موقوف ہے تو اس پر گھبرانے کی کوئی وجہ نہیں بلکہ حکم الٰہی پر راضی رہنے کی ضرورت ہے اور جب موت کا مقررہ وقت لکھا ہوا ہے تو میدان سے بھاگنے اور میدان چھوڑنے کی ضرورت نہ تھی بلکہ توکل اور ثابت قدمی کی ضرورت تھی۔ اور چونکہ بعض لوگ غنیمت جمع کرنے کی خواہش میں مبتلا ہو گئے تھے اور بعض جنگ کی کامیابی اور مسلمانوں کی فتح کے خواہشمند تھے اور اس طرح اس دن دو گروہ تھے اس لئے آخر میں فرمایا کہ جو اپنے اعمال کا پھل دنیا ہی میں چاہتے ہیں تو ہم ان کو دنیوی حصہ جس قدر چاہتے ہیں دیدیتے ہیں مگر آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے اور جو اپنے کئے کا اخروی صلہ چاہتے ہیں تو ان کا حصہ ان کو آخرت میں دیتے ہیں بلکہ دنیا بھی ملتی ہے اور دین بھی۔ پھر مزید اطمینان کے لئے فرمایا کہ بہت جلد ہم شاکرین کو جزا اور صلہ دینے والے ہیں۔ دنیوی حصہ میں ہم نے مشیت کی قید اس لئے لگائی کہ سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا ہے عجلنا لہ فیھا ما نشاء اور ثواب اخروی چونکہ وعدے کی بنا پر ہے اس لئے فرمایا ومن اراد الاخرۃ وسعی لھا سعیھا فاولئک کان سعیھم مشکورا۔ اوپر کی آیت میں نیک اعمال بجا لانے والوں کو شاکرین فرمایا تھا اس آیت میں آخرت کے ثواب کی نیت رکھنے والوں کو شاکرین فرمایا ہے۔ اس لئے تکرار نہیں ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس شاکرے ایک تیسری قسم ہو یعنی بعض وہ جو دنیوی پھل چاہتے ہیں اور بعض وہ جو اخروی پھل چاہتے ہیں اور کچھ وہ بندے بھی ہیں جن کا مقصد نفس شکر ہے نہ ان کے سامنے دنیا ہے نہ آخرت ان کو فرمایا کہ ہم ان کو عنقریب ان کی نیک نیتی کا صلہ دیں گے اور اس کو بتانا نہیں چاہتے کہ ہم ان کو کیا کچھ دیں گے کیونکہ وہ کسی فہم و ادراک میں نہیں آ سکتا۔ شکر کا ترجمہ اہل لغت نے عرفان الاحسان کیا ہے ہم نے تیسیر میں حق شناس کر دیا ہے۔ حدیث میں انس بن مالک سے مرفوعاً آیا ہے جس شخص کی طلب آخرت کی طلب ہوتی ہے اللہ تعالے اس کے دل میں غنا رکھ دیتا ہے اور اس کی ہمت مضبوط کر دیتا ہے اور دنیا اس کے پاس ذلیل ہو کر آتی ہے۔ اور جس شخص کی نیت دنیا طلب کرنے کی ہوتی ہے تو اللہ تعالے اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان یعنی پیشانی پر فقر اور محتاجگی رکھ دیتا ہے اور اس کی ہمت پراگندہ کر دیتا ہے اور اس کے لئے جو لکھ دیا گیا ہے اس سے زائد نہیں ملے گا۔ (بغوی) حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی جو لوگ اس دین پر ثابت رہیں گے ان کو دین بھی ملے گا اور دنیا بھی لیکن جو کوئی اس نعمت کی قدر جانے (موضح القرآن) اب آگے امم سابقہ کے بعض مخلصین کی ثابت قدمی اور استقامت اور ان کے جہاد کا ذکر فرما کر مسلمانوں کو غیرت دلائی جاتی ہے اور ان کے صبر و استقامت اور میدانی جہاد میں ان کی دعا کا ذکر فرماتے ہیں چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ (تسہیل)

بقیہ صفحہ ۱۰۸

بقیہ صفحہ ۱۰۸

جس کا نتیجہ وہی ہوگا کہ تم سے اسلام کا دامن چھوٹ جائے گا اگر ایسا ہوا تو یہ تمہارے لئے سخت نقصان دہ ہوگا اور تم قیامت میں بالکل دیوالئے ہو جاؤ گے۔ دوسری آیت میں یہ بتایا ہے کہ تمہارا خیر خواہ اور مددگار تو بس اللہ تعالے ہی ہے اور وہی بہترین حمایتی ہے اس لئے اسی کی اطاعت بجا لاؤ۔ حضرت شاہ صاحبؒ خاسرین پر لکھتے ہیں یعنی اس جنگ میں جو مسلمانوں کے دل ٹوٹے تو کافروں نے اور منافقوں نے وقت کو غنیمت پایا بعضے الزام دینے لگے بعضے خیر خواہی کے پردے میں بہکانے لگے تا آگے لڑائی پر دلیری نہ کریں حق تعالے خبردار کرتا ہے کہ دشمن کا فریب نہ کھاؤ۔ موضح القرآن۔ حدیث میں آتا ہے کہ ابو سفیان نے اعل ھبل اعل ھبل کے احد سے واپس ہوتے وقت نعرے لگائے تھے۔ ہبل ان کے بت کا نام تھا یعنی ہبل اونچا ہو بلند ہو حضورؐ نے صحابہ سے فرمایا تم اس کا جواب دو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا جواب دیں۔ آپ نے فرمایا کہو اللہ اکبر۔ پھر ابو سفیان نے کہا لنا العزی ولا عزی لکم یعنی ہمارا حمایتی عزیٰ ہے اور تم کو عزیٰ کی حمایت حاصل نہیں۔ حضور نے فرمایا تم اس کے جواب میں یہ نعرہ لگاؤ اللہ مولانا ولا مولی لکم۔ یعنی اللہ ہمارا حمایتی اور مولیٰ ہے وہ تمہارا مولیٰ نہیں ہے۔ عزیٰ بھی کفار قریش کے ایک بت کا نام ہے۔ بہرحال اب آگے اسی دعوے کا ثبوت پیش کرتے ہیں اور اپنی مدد کو ظاہر کرتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں۔ (تسہیل) ۱۵۱ ہم ابھی ان منکرین حق کے دلوں میں اس وجہ سے ہیبت ڈالدیں گے کہ انہوں نے ایسی چیز کو اللہ تعالے کا شریک ٹھہرایا ہے اور ان چیزوں کو اللہ تعالے کا شریک مقرر کیا ہے جن کے شریک ہونے اور قابل شرکت ہونے پر کوئی دلیل اللہ تعالے نے نازل نہیں فرمائی یعنی جن چیزوں کو مشرکین نے اللہ تعالے کا شریک مقرر کیا وہ عقلاً اور نقلاً کسی طرح بھی اس کے شریک بننے کے قابل نہیں ہیں اور ان کافروں کا مسکن اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ جہنم ایسے ظالموں کے رہنے کی بہت بری جگہ ہے۔ (تیسیر) حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی وہ جو رہیں اللہ کے اور جو رکے دل میں ڈر ہوتا ہے اس واسطے ان کے دل میں اللہ تعالے ہیبت ڈالے گا۔ موضح القرآن۔ مطلب یہ ہے کہ چونکہ مسلمانوں کو اللہ تعالے کی ولایت اور تائید حاصل ہے اس لئے ان کے دل مضبوط اور باہمت ہوتے ہیں۔ ان کو ان تمام بشارتوں پر یقین ہوتا ہے جو اللہ کی راہ میں مرنے والوں کو دی گئی ہیں۔ ان کو اپنے مستقبل کی بھلائی پر کامل یقین ہے کافروں کو یہ مرتبہ حاصل نہیں نہ ان کو دوسری زندگی پر اعتبار ہے۔ نہ خدا کی تائید اور مغفرت حاصل ہے۔ چنانچہ اس پیشین گوئی کا اس طرح ظہور ہوا کہ احد سے کافر دوبارہ بغیر لڑے واپس ہو گئے۔ پھر راستے میں آکر خیال بھی کیا کہ ایسا اچھا موقعہ چھوڑ کر چلے آئے یہ موقعہ تو مسلمانوں کو ختم کر دینے کا بہترین تھا چلو پھر مدینہ واپس چلو مگر ان کے قلوب میں ایسا رعب اور ہیبت پڑی کہ دوبارہ مدینہ پر حملہ کی ہمت نہ پڑی۔ پھر تھوڑے دنوں کے بعد بدر صغریٰ کی تیاری کی مگر وہاں بھی مقابلے کی ہمت نہ پڑی۔ شرک پر نہ کوئی دلیل لفظی ہے نہ معنوی، نہ عقلی ہے نہ نقلی اس لئے مشرک کو خود بھی اپنے شرک پر بھروسہ نہیں ہوتا اور دوسری زندگی پر ایمان نہ ہونے سے اس کو اپنا مستقبل تاریک نظر آتا ہے اور بظاہر یہی وجہ اس کے مرعوب اور کم ہمت ہونے کی ہے اور اسی لئے وہ موت کو پسند نہیں کرتا اور چونکہ اس کے سامنے یہی دنیا کی زندگی ہوتی ہے اس لئے اس کو دنیا کی محبت بھی بہت ہوتی ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک دور ایسا آئے گا کہ میری امت کے مسلمانوں کو مٹانے اور فنا کرنے کی غرض سے تمام کفار ایک دوسرے کو بلا بلا کر جمع ہو جائیں گے اور میری امت کو اس طرح فنا کرنے کے درپے ہو جائیں گے جس طرح ایک بھوکی جماعت کسی بڑے پیالے میں ایک دم ہاتھ ڈال کر ختم کر دیتی ہے کسی نے پوچھا یا رسول اللہ کیا ہماری تعداد اس دن کم ہوگی۔ آپ نے فرمایا نہیں تم آج سے اس دن تعداد میں بہت زیادہ ہوگے۔ پھر کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ پھر جب کفار کی باوجود قلت تعداد کے ہمت نہیں پڑتی تو اس دن کس طرح آمادہ ہو جائیں گے۔ آپ نے جواب دیا تم میں وہن پیدا ہو جائے گا۔ کسی نے پوچھا حضور وہن کیا ہے۔ آپ نے فرمایا دنیا کی محبت اور موت سے کراہیت اور نفرت۔ حب الدنیا وکراھیۃ الموت (ابو داؤد) اب آگے اللہ تعالے اس ہزیمت کے اسباب و علل بیان فرماتے ہیں اور الزام کے ساتھ ساتھ معافی کا اعلان فرما کر تسلی اور بشارت بھی دیتے ہیں اور اس شبہ کا جواب بھی ہے جب

سے بعض کو خلجان ہو رہا تھا کہ غلبہ کا وعدہ کیوں پورا نہیں کیا گیا چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ (تسہیل)

بقیہ صفحہ ۱۰۹

اور وہ بھاگے تھے اور آثار فتح کے نظر آتے تھے کسی کو خوشی تھی مال کی اور کسی کو غلبۂ اسلام کی۔ جب مسلمانوں سے پیغمبر کی بے حکمی ہوئی تب مقدمہ الٹا ہو گیا۔ وہ بے حکمی ایک یہ کہ حضرت نے پچاس آدمی تیرانداز پہاڑ کی راہ پر کھڑے کئے تھے نگہبانی کو باقی لشکر لڑنے لگا جب ان تیراندازوں نے فتح اور غلبہ دیکھا اس جگہ سے چاہا چلے آویں شریک فتح ہوں اور غنیمت لیویں بعضوں نے منع کیا وہ نہ مانے وہاں دس آدمی رہ گئے اس طرف سے کافروں کی فوج پچھاڑی پر آپڑی۔ دوسری یہ کہ جب کافر بھاگنے لگے تو مسلمان دوڑے تعاقب کو حضرت پیچھے سے پکارتے رہے کہ میری طرف آؤ آگے مت جاؤ اس طرف جو غنیمت نظر آئی لوگ نہ پھرے اس بے حکمی سے شکست پڑی۔ موضح القرآن۔ آیت سے معلوم ہوا کہ امیر کی مخالفت کا کبھی تمام قوم کو خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے۔ جیسا کہ عبداللہ بن جبیر کی مخالفت کا نتیجہ ہوا۔ اسی طرح پیغمبر کی عدول حکمی خواہ عوام کی جانب سے ہو مگر عتاب میں خواص بھی مبتلا ہوتے ہیں۔ جیسا احد میں ہوا۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ بے حکمی سے نعمت سلب ہو جاتی ہے جیسا کہ فتح کی نعمت ہاتھ سے جاتی رہی۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جس طرح ایک نیکی سے دوسری نیکی کی توفیق نصیب ہوتی ہے اسی طرح ایک غلطی اور بے حکمی سے بہت سی غلطیوں اور بے حکمیوں کی جرأت ہوتی ہے اور ایک برائی دوسری برائی کا سبب ہوتی ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ دنیا کی رغبت بعض دفعہ بہت سی خطاؤں کا موجب ہو جاتی ہے۔ حب الدنیا راس کل خطیئۃ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اجتہادی غلطی قابل عفو ہے بلکہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اجتہادی خطا پر بھی اجر ملتا ہے۔ آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑا مرتبہ ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ دنیوی مصائب کفارۂ سیآت کا موجب ہوتے ہیں اور اخروی گرفت کو ہٹا دیتے ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ دنیا کی طلب اگرچہ دینی غرض سے ہو لیکن خواص کے حق میں محمود نہیں۔ واللّٰہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب فرمایا کہ منکم من یرید الدنیا حضرت حق کی جانب سے شکوہ ہے کہ کسی کو دنیا مطلوب ہے اور کسی کو آخرت لیکن وہ کون ہے جس کو صرف میری ذات مطلوب ہو۔ اب آگے پھر ان ہی امور کا تتمہ ہے۔ (تسہیل) ۱۵۳ اے مسلمانو! وہ وقت یاد کرو جب تم جنگلوں اور پہاڑوں کی چڑھائی کی طرف چڑھے چلے جا رہے تھے اور کسی کو پلٹ کر دیکھتے تک بھی نہ تھے اور رسول تمہارے پیچھے کی جانب کھڑا تم کو پکار رہا تھا کہ اے اللہ کے بندو میرے پاس آؤ مگر تم نے سنا ہی نہیں سو اللہ تعالیٰ نے رسول کو رنج پہنچانے کے سبب تم کو رنج دیا یعنی تم نے رسول کو غم دیا اس کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے تم کو غم دیا۔ اور تم کو تربیت فرمائی تاکہ آئندہ تم کسی چیز کے فوت ہو جانے اور ہاتھ سے نکل جانے پر غمگین نہ ہوا کرو اور نہ کسی مصیبت پر جو تم کو پیش آ جائے آئندہ مغموم ہوا اور اللہ تعالیٰ ان سب کاموں سے جو تم کرتے ہو باخبر ہے (تیسیر) اصعاد کے معنی ہیں زمین میں دور نکل جانا یعنی کوئی شخص آپ کے سامنے سے ہٹ کر دور نکل جائے۔ اور صعود کے معنی ہیں پہاڑ پر یا سیڑھی پر یا ٹیلے پر چڑھ جانے کے بعض اہل لغت نے کہا ہے۔ اصعاد۔ صعود۔ تصعید سب ہم معنی ہیں یعنی اونچی جگہ چڑھنا۔ یہاں شاید اس لئے تصعدون فرمایا کہ جب مسلمان تتر بتر ہوئے تو جس طرف جس کا منہ اٹھا وہ بھاگا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب افاقہ ہوا تو آپ نے لوگوں کو پکارا۔ آپ اور آپ کے ساتھی جہاں کھڑے تھے وہ جگہ ذرا نشیب میں تھی اور لوگ جس طرف بھاگ رہے تھے اس کی سطح اس نشیب والی زمین کی سطح سے اونچی تھی اس لئے فرمایا تم چڑھے چلے جا رہے تھے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بدحواسی میں کوئی پہاڑ پر چڑھ کر بھاگا ہو اور کوئی ٹیلے پر چڑھ گیا ہو۔ ہم نے ترجمہ اور تیسیر میں دونوں کی رعایت رکھی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہزیمت خوردہ فوج کی طرح سراسیمہ اور بدحواس بھاگے چلے جاتے تھے۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا حال سنکر اور بھی حواس باختہ ہو گئے۔ ادھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پکارا نشیب میں سے اور ظاہر ہے کہ خون نکل جانے کی وجہ سے آواز بھی ضعیف ہو گی۔ اس لئے یا تو آواز انہوں نے سنی نہیں یا سنی تو ان کو موت کا یقین ایسا تھا کہ انہوں نے باور نہیں کیا اور یہ سمجھے کہ یہ حضور کی آواز نہیں ہو سکتی حضور کی تو وفات ہو چکی۔ جب آپ کی آواز نہ سنی تو کعب بن مالک نے للکارا چنانچہ کعب کی آواز پر سب لوگ آکر جمع ہو گئے۔ چونکہ یہ صورت ایسی نامناسب واقع ہوئی کہ رسول کا پکارنا اور مسلمانوں کا پلٹ کر نہ دیکھنا اس لئے اس پر عتاب فرمایا اور تنبیہ کی کہ اگر تم ذرا توجہ کے ساتھ سنتے تو تم کو معلوم ہو جاتا کہ یہ پکار واجب التعمیل پکار تھی۔ بہرحال مسلمانوں کی اس حرکت سے حضور کو رنج پہنچا اور غم ہونا ظاہر ہے۔ یہ جو کچھ ہم نے عرض کیا وہ عام مفسرین کے قول کی بنا پر عرض کیا۔ باقی حضرت شاہ صاحبؒ نے جو کچھ فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ جب ابتدائً فتح ہوئی اور کافر بھاگے تو مسلمانوں نے تعاقب کیا تاکہ یہ کافر جس قدر مال چھوڑ کر بھاگ جائیں اچھا ہے کیونکہ ہم ان کا پیچھا کریں گے تو یہ سب سامان چھوڑ کر اپنی جان بچانے کی غرض سے بھاگ جائیں گے اور حضور اس وقت پکار رہے ہوں کہ واپس آ جاؤ اور غنیمت کے لالچ میں دور نکلے نہ چلے جاؤ۔ اگر ایسا ہوا ہو جیسا کہ حضرت شاہ صاحب نے فرمایا ہے تو اب اس توجیہ کی ضرورت نہ ہو گی جو اوپر عرض کی گئی بلکہ یہ ایک دوسری غلطی اور عدول حکمی ہو گی اور شکست کا دوسرا سبب ہو گا جیسا کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا بھی ہے۔ اب اس طرح رسول کی پکار کے دو واقعے ہو گئے۔ ایک جب کا واقعہ جب غنیمت کا مال حاصل کرنے کو کفار کے تعاقب میں بڑھے چلے جا رہے تھے اور دوسرا اس وقت جب شکست کھا کر بھاگ رہے تھے۔ دوسرے موقعہ پر ضعف کی وجہ سے آہستہ پکارا ہو گا اور جب آپ کی آواز بھاگنے والوں تک نہ پہنچی ہو گی تو کعب بن مالک نے پکارا ہو گا۔ بہرحال یہ پکارنا ہزیمت کے وقت کا ہو یا یہ پکارنا غنیمت کے وقت کا ہو لوگوں کی کوتاہی سے حضور کو غم ہوا اور اسی کی پاداش میں تم کو بھی غم دیا۔ تم نے پیغمبر کا دل تنگ کیا اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلے میں تم کو رنج دیا اور ہو سکتا ہے کہ غمّاً بغمٍّ کا یہ مطلب ہو کہ تم کو غم پر غم دیا اور اگر یہ معنی کئے جائیں تو غم بالائے غم ظاہر ہی ہے۔ ابتدائی کامرانی کے فوت ہونے کا غم پھر مسلمانوں کے مارے جانے اور زخمی ہونے کا غم، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر وفات کا غم۔ یا یہ مطلب ہو کہ کامرانی کے فوت ہونے، غنیمت کے ہاتھ سے نکل جانے اور مسلمانوں کے مرنے کا غم تو تھا ہی اس پر یہ غم پڑا کہ نبی کریم کے وفات پانے کی خبر مشہور ہو گئی جس سے رہے سہے اوسان بھی کھو دیئے۔ بہرحال پہلے معنی ہوں یا دوسرے مطلب شدت غم اور پریشانیوں کی کثرت ہے۔ چونکہ اپنے اکابر نے پہلے معنی اختیار کئے ہیں اس لئے ہم نے بھی وہی معنی لئے ہیں یعنی پیغمبر کو غم دینے کی وجہ سے غم دیا۔ اگرچہ دوسرے معنی کی بھی گنجائش ہے اور اکثر مفسرین نے غمّاً متصلاً بغمٍّ کیا ہے واللہ اعلم۔ آگے پھر غمّاً بغمٍّ کے سبب کو ظاہر فرما دیا اور اس میں بھی ایک تلطف آمیز اشارہ ہے کہ یہ غم بالائے غم یا حضور کو غم دینے کی پاداش میں غم اس وجہ سے دیا گیا کہ تم کو مضبوط کر دیں اور تم میں خوب مضبوطی پیدا ہو جائے اور تم مصائب و شدائد پر صبر کے خوگر ہو جاؤ اور تم یہ سمجھ لو کہ کسی نفع ظاہری کا فوت ہو جانا اور کسی مصیبت کا پہنچ جانا یہ حضرت حق کی مشیت اور ان کی حکمت و مصلحت پر موقوف ہے تاکہ آئندہ کوئی چیز ہاتھ سے نکل جائے اور کوئی مصیبت پیش آ جائے تو تم کو صدمہ نہ ہو۔ لہٰذا تمہارے اخلاق کی تربیت اور مصائب کو برداشت کرنے کا خوگر بنانا مقصود تھا۔ اور سارے بندوں پر بلا اور مصائب کا نزول ایسی ہی مصالح کے ماتحت ہوا کرتا ہے۔ آخر میں یہ بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ ہر شخص کے اعمال سے اور اس کی نیت سے باخبر ہے جو کچھ کرو یہ سوچ کر کرو کہ اللہ تعالیٰ کو تمام کاموں کی خبر رہتی ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی تم نے رسول کا دل تنگ کیا اس کے بدلے تم پر تنگی آئی تاآگے کو یاد رکھو کہ حکم پر چلئے کچھ ہاتھ سے جاوے یا کچھ بلا سامنے آوے موضح القرآن۔ اب آگے اس غم کے ازالے کا اظہار اور منافقوں کی دو رخہ پالیسی اور ان کے اعتراضات کا جواب ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ (تسہیل)

بقیہ صفحہ ۱۱۰

یہ کہتے مسلمان ہیں کامیابی اور ناکامی کو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے حوالے کرتے ہیں۔ اگر اس فقرے کا اور مطلب بھی ہو سکتا تھا۔ مثلاً یہ کہ کچھ بنے گا یا سب بگڑا ہی رہے گا، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کچھ غنیمت وغیرہ مسلمانوں کے ہاتھ لگے گی یا خالی ہاتھ رہیں گے۔ غرض اللہ تعالیٰ نے بھی اس فقرے کا خوب جواب دیا کہ بے شک اختیار تو سب اللہ ہی کے ہاتھ ہے۔ اس کے بعد پھر ان کی شرارت اور منافقت کا اظہار فرمایا کہ جو کچھ ان کے دل میں بھرا ہوا ہے اور جو کچھ ان کے جی میں پوشیدہ ہے اے پیغمبر اس کو آپ کے سامنے ظاہر نہیں کرتے اور کھل کر نہیں کہتے۔ ظاہر میں یہ ایک سیدھی اور معصوم سی بات کہتے ہیں لیکن ان کا اصل منشا یہ ہے کہ اگر ہمارا کچھ اختیار چلتا اور ہماری بات مانی جاتی اور ہماری رائے پر عمل ہوتا تو یہ دن دیکھنا نہ پڑتا اور ہم اس جنگ میں قتل نہ کئے جاتے یعنی جو لوگ مقتول ہوئے وہ قتل نہ ہوتے حضرت حق تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ جس کو جہاں مرنا ہوتا ہے وہیں مرتا ہے۔ اگر تم اپنے گھروں میں بھی بیٹھے رہتے اور تمہارے مقدر میں یہ ہوتا کہ احد پہاڑ کی تلیٹی میں مرو گے تو تم گھروں سے نکلتے اور مقتل تک پہنچ کر رہتے یہ ناممکن تھا کہ تم نہ مرتے۔ جو نقصان مقدر ہو چکا تھا وہ ٹلنے والا نہ تھا اور اس شکست میں جو منافع مضمر تھے اس کا تم کو علم نہیں حالانکہ

اللہ تعالےٰ کو تمہارے سینے کی چیز یعنی تمہارے ایمان کی آزائش کرنی تھی۔ اور منافقوں کو ظاہر کرنا تھا چنانچہ مصائب سامنے آتے ہی منافقوں کا نفاق کھل گیا اور مخلص مسلمانوں کا ایمان اور مضبوط و محقق ہو گیا۔ اور نیز اللہ تعالےٰ کا مقصد یہ تھا کہ وہ تمہارے دلوں کو کمزوری اور وساوس و خطرات کی آلائشوں سے نکھار کر پاک و صاف کر دے۔ چنانچہ ان غیر معمولی مصائب و آلام سے مومنین کی توجہ اللہ تعالےٰ کی جانب اور زائد ہوئی اور ان کے اعتقاد ایمان میں خوب صفائی اور جلا ہو گئی۔ آخر میں سینوں کی پوشیدہ باتوں سے اپنے علم اور اپنی واقفیت کا اظہار فرمایا کہ ہمیں تو ہر چھپی سے چھپی بات کا علم ہے لیکن ہماری آزمائش کا مقصد یہ ہو سکے ہے کہ منافقین کی حقیقت آشکارا ہو جائے اور لوگ ان کو اچھی طرح سمجھ لیں۔ اس آیت میں بعض لوگوں کو شبہ ہوا کہ منافق تو سب عبداللہ بن ابی کے ہمراہ واپس ہو گئے تھے باقی ماندہ لوگوں میں منافق کوئی نہ تھا اس لئے یہ باتیں مدینہ میں کہی جا رہی ہوں گی۔ حالانکہ ہم عرض کر چکے ہیں کہ بدر کی فتح کے بعد سے مدینہ منورہ میں دشمنوں کی سازشوں کا جال بچھا ہوا تھا۔ اس لئے تین سو منافق جو عبداللہ بن ابی کی ٹولی میں تھے وہ تو واپس چلے گئے تھے لیکن اور منافق لشکر میں موجود تھے اور منافقوں نے یہ جو کہا کہ ہم اس جگہ قتل نہیں کئے جاتے۔ مرنے والوں کو ہم کہنا اس کی وجہ یہ ہے کہ بہر حال سب کے سب ہم وطن تھے۔ آپس میں برادریاں تھیں اس لئے ان کو اپنا ہی سمجھتے تھے۔ ابتلا اور تمحیص کا ذکر اوپر آ چکا ہے پھر اس کو فرمانا یا تو بطور تاکید ہے کہ اس شکست میں بڑا نفع ہوا کہ منافقوں کا حال کھل گیا اور مومنین کا ایمان خالص ہو گیا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے اور مسلمانوں کو تسلی دینے کی غرض سے فرمایا تھا اور یہاں منافقین کے خیالات کا رد کرنے کی غرض سے فرمایا کہ نقصان میں منافع بھی پوشیدہ تھے اور حقیقی نقصان جس کو گناہ کہتے ہیں اس کی معافی کا اعلان آگے کی آیت میں فرماتے ہیں۔ اور دوسرے **یقولون** کا مطلب یہ ہے کہ منافق آپس میں کہتے ہوں یا دل ہی دل میں کہتے ہوں یا کسی مسلمان سے بھی کہتے ہوں کہ ہماری رائے پر عمل کرتے تو یہ نقصان نہ ہوتا مگر تم نے چند جوشیلے نوجوانوں کے کہنے میں آ کر یہ ہزیمت کھائی واللہ اعلم۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں اس شکست میں جن کو شہید ہونا تھا ہو چکے اور جن کو ہٹنا تھا ہٹ گئے اور جو میدان میں باقی رہے ان پر اونگھ آئی اس کے بعد رعب اور دہشت رفع ہو گئی اور اتنی دیر حضرت کو غشی رہی پھر جب ہوشیار ہوئے سب حضرت پاس جمع ہو کر پھر لڑائی قائم کی اور سست ایمان والے کہنے لگے کہ کچھ بھی کام ہمارے ہاتھ ہے ظاہر یہ معنی کہ اس شکست کے بعد کچھ بھی ہمارا کام بنا رہے گا یا بالکل بگڑ چکا یا یہ معنی کہ اللہ نے چاہا سو کیا ہمارا کیا اختیار اور نیت میں یہ معنی تھے کہ ہماری مشورت پر عمل نہ کیا جو اتنے لوگ مرے۔ اللہ تعالےٰ نے دونوں معنوں کا جواب فرما دیا اور بتایا کہ اللہ کو اس میں حکمت منظور تھی تاکہ صادق اور منافق معلوم ہو جائیں۔ موضح القرآن۔ اب آگے اس لغزش کے اسباب کی طرف اشارہ ہے اور آخر میں پھر معافی کا اعلان ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل) ﴿۱۵۵﴾ یقین جانو کہ جس دن احد کے میدان میں دو جماعتیں باہم نبرد آزما ہوئی تھیں اور آپس میں بھڑی تھیں اس دن جو لوگ میدان سے ہٹ گئے اور جنہوں نے اس دن لڑائی سے پشت پھیری تو سوائے اس کے نہیں کہ ان کو ان کے بعض اعمال کی وجہ سے اور ان کی غلطی اور خطا کی شامت سے شیطان نے لغزش دیدی اور ان کے قدم ڈگمگا دیئے۔ بلاشبہ جن کو شیطان نے بہکا دیا تھا اور جن سے لغزش ہوئی تھی اللہ تعالےٰ نے ان کو معاف فرما دیا اور ان کو درگذر کر دیا یقین مانو اللہ تعالےٰ بڑا بخشنے والا ہے اور بڑے تحمل کا مالک ہے یعنی بخش بھی دیا اور گرفت بھی کوئی سخت نہیں کی۔ (تیسیر) حضرت ابن عباس سے مروی ہے۔ یہ معافی کا اعلان حضرت عثمان۔ رافع بن المعلی۔ اور خارجہ بن زید کے لئے ہوا ہے اور یہ آیت ان ہی کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ فقیر عرض کرتا ہے نزول کسی کے حق میں ہو لیکن جنگ سے جس قدر لوگ ہٹے تھے ان سب کی معافی مراد ہے۔ کیونکہ اس دن سوائے تیرہ آدمیوں کے جن میں سے کچھ مہاجرین تھے اور کچھ انصار تھے باقی سب ہی جنگ سے ہٹ گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو معاف فرما دیا اور اب جو لوگ کسی بزرگ پر لب کشائی کرتے ہیں وہ نالائق اللہ تعالےٰ پر معترض ہوتے ہیں۔ گویا اللہ تعالےٰ تو معاف فرما چکا لیکن ان بدبختوں کی نظر میں باوجود اللہ تعالےٰ کے معاف کر دینے کے مورد عتاب ہیں۔ **ببعض ما کسبوا** سے یا تو ان کے پہلے کچھ قصور اور خطائیں مراد ہیں۔ اور ہو سکتا ہے کہ گھاٹی کو چھوڑ دینا اور پیغمبر کی آواز پر متوجہ نہ ہونا اور دنیا طلب کرنے کی خواہش مراد ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اشارہ اس غلطی کی طرف ہو جو بدر کے قیدیوں سے فدیہ لے لیا تھا جیسا کہ بعض نے کہا ہے ایک غلطی سابق اور دوسری لاحق۔ واللہ اعلم۔ بہر حال ہم اوپر عرض کر چکے ہیں کہ جس طرح کسی نیک عمل سے نیکی کی توفیق میسر ہوتی ہے اسی طرح کسی قصور اور خطا سے شیطان کا قابو اور اس کا وسوسہ بڑھتا ہے اور ایک غلطی بہت سی غلطیوں کا سبب بن جاتی ہے۔ اور اگر فوری تدارک نہ کیا جائے تو انسان شیطان کی لپیٹ میں آ جاتا ہے اعاذنا اللہ من مکائد الشیطان۔ اوپر کی آیتوں میں بھی معافی کا اعلان فرما دیا تھا یہاں یا تو محض تاکید معافی کی مقصود ہے یا منافقین کے خیالات کا رد کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس پر تبصرے کی ضرورت نہیں کیونکہ اللہ تعالےٰ نے اس لغزش کو معاف فرما دیا ہے۔ آخری حصہ میں غفور حلیم فرمایا مغفرت یہ کہ خطا معاف کر دی۔ حلم یہ کہ معمولی سی ہزیمت ہوئی کوئی سخت گرفت نہیں فرمائی۔ آیت میں کس قدر مہربانی اور تلطف کا اظہار ہے خطا کے ذکر کے ساتھ فوراً ہی معذرت اور معذرت کے ساتھ فوراً ہی معافی کا اعلان پھر مستقل مغفرت اور حلم کا اظہار۔ سبحان اللہ وبحمدہ۔ یعنی پہلے پیٹھ پھیر لینے اور جنگ سے ہٹ جانے کا ذکر کیا پھر فرمایا وہ تو شیطان نے بعض کوتاہیوں کے باعث ان کے ساتھ ایسا کیا اور ان کے قدم پھسلا دیئے۔ اور شیطانی حرکت نے ایسا کرایا۔ پھر آگے اطمینان ہے کہ اگر ایسا ہو گیا تو کچھ مضائقہ نہیں ہم نے معاف فرما دیا۔ اور یہ معاف کر دینا اور حلم سے کام لینا تو ہماری عام عادت ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ اس جنگ میں جو لوگ ہٹ گئے ہیں ان پر گناہ نہیں رہا۔ موضح القرآن۔ اب آگے منافقین کے قول کی مزید تشریح فرما کر مسلمانوں کو منع فرماتے ہیں کہ تم ان منافقوں کے ان کافرانہ اقوال سے متاثر نہ ہونا یہ تقدیر الٰہی کے منکر ہیں اور یہ انکارات کے لئے مزید موجب حسرت و ندامت ہے۔ کیوں کہ تقدیر الٰہی پر ایمان رکھنے والوں کو جو اطمینان نصیب ہوتا ہے وہ منکرین تقدیر کو نہیں حاصل ہوا کرتا۔

چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ (تسہیل)

بقیہ صفحہ ۱۱۱

اور قرینہ بھی اسی کا ہے کہ سفر سے مراد نیک سفر ہے لیکن اگر سفر مطلق بھی ہو اور قتل کر دیا جائے یا اپنی موت سے مر جائے تب بھی غربت کی موت بہر حال قابل رحم ہے خلاصہ یہ ہے کہ اول تو سفر اور جہاد کو موت میں کوئی خاص دخل نہیں اور نہ گھر میں بیٹھنے کو زندگی میں کوئی خاص دخل ہے بلکہ موت اور زندگی میں حقیقی دخل اللہ تعالےٰ کو ہے اور اگر فرض کرو کہ سفر کو اور جہاد کو کوئی دخل ہو بھی تب بھی سفر میں اور جہاد میں مرنا خدا تعالےٰ کی مغفرت اور رحمت کا موجب اور اس سے کہیں بہتر ہے جو یہ لوگ جمع کرتے ہیں یعنی دنیا کے مال و متاع سے اللہ تعالےٰ کی رحمت اور مغفرت بہت بہتر ہے۔ اس لئے فرمایا کہ جو مال حلال سے حاصل کیا جائے اس میں بھی کچھ نہ کچھ بہتری ہوتی ہے۔ آخر میں فرمایا تم کسی طرح مرو یا مارے جاؤ تم سب کو خدا کی جناب میں حاضر ہونا ہے اور تم اسی کے روبرو جمع کئے جاؤ گے اس لئے اللہ تعالےٰ سے انس و محبت بڑھاؤ اور فراق سے نجات پاؤ۔ اور یہ جو اوپر کی آیت میں فرمایا تھا **لیجعل اللہ ذلک حسرۃ** ایک مطلب تو اس کا وہ تھا جو ہم عرض کر چکے ہیں اور ایک وہ ہے جو بعض اور لوگوں نے بیان کیا ہے اور ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کے **ما ماتوا وما قتلوا** کہنے کا مطلب مسلمانوں سے کوئی ہمدردی کے طور پر نہ تھا بلکہ اس غرض سے تھا کہ مسلمان بزدل ہو کر بیٹھ جائیں اور جہاد میں نہ جایا کریں۔ اور وہ بات پوری نہ ہوئی اور مسلمان جہاد باز نہ آئے اس لئے یہ کہنا ان کا ان کے حق میں اللہ تعالیٰ نے موجب حسرت کر دیا اور باعث ندامت کا سبب کر دیا۔ اب اس توجیہ کی شاید ضرورت نہ رہے کہ مومنین سے کافروں کو ایسی کیا ہمدردی تھی جو انہوں نے یہ کہا پھر ہمدردی ثابت کرنے کے لئے مختلف توجیہات کی جائیں۔ واللہ اعلم حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی نیک کام پر نکلے اور مر گئے یا مارے گئے تو نکلنے پر افسوس نہ کرے اس میں انکار آتا ہے تقدیر کا اور آخرت کا نہ دیکھنا دنیا کے جینے کو دیکھنا یہ خصلت ہے کافروں کی۔ موضح القرآن۔ شاہ صاحبؒ کا مقصد بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ سفر سے مراد ان کے نزدیک نیک سفر ہے واللہ اعلم۔ اب آگے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے اور صحابہ کو معاف فرما دینے کے بعد حضور کو حکم ہے کہ میں نے ان کو معاف کر دیا تم بھی اپنا حق ان کو معاف کر دو۔ (تسہیل)

بقیہ صفحہ ۱۱۲

(۴) حضرت عبداللہ بن عباس کا قول ہے کہ وشاورھم سے مراد ابوبکر اور عمر ہیں۔ روایت کے دوسرے الفاظ یہ ہیں کہ یہ آیت ابوبکر اور عمر کے بارے میں اتری یہ دونوں آپ کے وزیر تھے اور سب مسلمانوں کے باپ تھے (۵) حضرت علی بن ابی طالب سے مرفوعاً روایت ہے کہ حضرت سے کسی نے دریافت کیا یا رسول اللہ عزم کیا ہے آپ نے فرمایا اہل رائے سے مشورہ لینا اور ان کی رائے اور ان کے کہنے پر چلنا (ابن مردویہ) خلاصہ یہ ہے کہ آجکل کی یورپین جمہوریت کا اس آیت میں کوئی سامان نہیں ہے اور چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود واجب الاتباع تھے اس واسطے آپ پر کسی کی رائے کا اتباع لازم نہ ہوا اور ابوبکر و عمر سے مشورہ کرنا بھی آپ کے لئے

استحبابی ہوا اور آپ کسی اقلیت اور اکثریت کی رائے کے تابع نہ تھے۔ بہرحال آپ مشورہ تو کیا ہی کرتے تھے اب اور زیادہ تاکید فرمائی تاکہ مسلمان یہ نہ سمجھیں کہ آپ کا دل رنجیدہ ہے جو ہم سے آپؐ نے مشورہ ترک کر دیا۔ آپ کی مبارک عادت تو یہ تھی کہ اپنے دیئے ہوئے مشورے پر بھی کسی کو عمل کرنے کے لئے مجبور نہیں کرتے تھے جیسا کہ بریرہ اور مغیث کے قصہ میں مشہور ہے اور یہی وہ آزادی رائے ہے جس کو اسلام کا طغرائے امتیاز کہا جاتا ہے۔ ہم نے جو کہا کہ اس آیت میں موجودہ جمہوریت کا سامان نہیں ہے۔ یہ اس لئے کہ یہ محض کافروں کی وضع کی ہوئی جمہوریت ہے۔ کہ مسئلہ کی اہمیت پر بحث نہ ہو اور احمقوں کی رائے سے ایک چیز پاس کر دی جائے۔ اس لعنتی جمہوریت کے کرشمے ہم برسوں سے دیکھ رہے ہیں۔ بعض دفعہ بہترین پبلک مفاد کی چیز گر جاتی ہے اور مخصوص طبقہ کے مفاد کی چیز پاس ہو جاتی ہے۔ اسلام کی جمہوریت اس سے بدرجہا بلند ہے۔ اس میں رائے کی آزادی ہے۔ سوچنے سمجھنے کا موقعہ ہے اہم معاملات میں اگرچہ رائے کی تعمیم نہیں ہے لیکن اہل الرائے سے رائے لیا جانا ضروری ہے۔ پھر آخری فیصلہ امام کے ہاتھ میں ہے تاکہ جماعتی نظم قائم رہے۔ یہ نہ سمجھا جائے جیسا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس صورت میں مشاورت بیکار ہو جائے گی یہ بات صحیح نہیں ہے بلکہ مشورے سے بہت تقویت اور بڑی مدد ملتی ہے اور یہ تو اختلاف کی شکل میں ہے ورنہ حضرت علی کی مرفوع روایت سے معلوم ہو چکا ہے کہ اہل الرائے حضرات کی رائے کا اتباع کیا جائے۔ اور رہا یہ امر کہ حضرت عمرؓ نے انتخاب خلافت کے لئے جو سب کمیٹی بنائی تھی اس میں غالباً حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے متعلق یہ فیصلہ کر دیا تھا کہ اختلاف کی شکل میں جس پارٹی کی طرف عبدالرحمٰن کی رائے ہو، اس پارٹی کے فیصلے کو ترجیح دی جائے جیسا کہ طبقات میں ابن سعد نے کہا ہے تو یہ حضرت عمرؓ نے اپنے حق کا استعمال کیا اور چونکہ وہی کمیٹی کے ممبر نامزد کر رہے تھے اس لئے انہی کو یہ شرط لگانے کا بھی حق تھا کہ اگر دونوں طرف کمیٹی کے ممبر برابر ہو جائیں تو جس طرف عبدالرحمان بن عوف ہوں اسی کی رائے راجح مانی جائے۔ جس کو آجکل کاسٹنگ ووٹ کہتے ہیں اس سے ملتی جلتی شکل سمجھ لیجئے۔ یہاں آیت کا یہ مطلب ہے کہ مسلمانوں سے مشورہ کرتے رہا کیجئے تاکہ ان کو خوشی ہو۔ سب کی سنکر عام جذبات کا اندازہ ہو جائے رائے عامہ کی واقفیت کا فائدہ پہنچے اور آپ کی جانب استبداد رائے کا شبہ نہ کیا جائے۔ پھر جب مشورہ کے بعد خواہ وہ حسب ضرورت عوام سے ہو یا خواص سے آپ ایک قطعی فیصلہ کر لیں اور آخری رائے قائم کر لیں تو جو چیز آپ کے نزدیک بہتر اور مفید ہو اس کو کر لیجئے اور اس کے کرتے وقت خدا پر توکل اور اسی پر بھروسہ کیجئے کیونکہ وہی جانتا ہے کہ بہتر اور مفید کیا ہے اور خیر کس میں ہے۔ یہ بات نہ آپ جانتے ہیں اور نہ مشورہ دینے والے جانتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

اس لئے تم اپنا معاملہ اسی کے سپرد کر دو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ایسے توکل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ مشورہ کرنے اور عزم کرنے کے بعد پھر توکل کا حکم دینا اس بات کی دلیل ہے کہ تدبیر کے باوجود توکل کرنا چاہئے اور تدبیر کے ساتھ ساتھ خدا پر اعتماد کرنا ضروری ہے۔ اور جن لوگوں نے توکل کا یہ مطلب سمجھ رکھا ہے کہ انسان تدبیر نہ کرے اور اپنے کو مہمل چھوڑ دے اور اپنے کو متوکل سمجھے، یہ طریقہ غلط ہے۔ البتہ اگر کوئی قوی القلب ہو اور تدبیر ظنی ہو تو اس حالت میں ایسی تدبیر کا ترک کر دینا جائز ہے۔ البتہ اگر تدبیر محض وہمی ہو تو ایسی تدبیر کا ترک کر دینا ضروری ہے اور اگر وہ تدبیر دینی ہے تو اس کا ترک قابل مذمت ہے اور اگر تدبیر دنیوی ہو اور اس کا مفید ہونا عادتاً یقینی ہو تو اس کا ترک بھی ناجائز ہے۔ خلاصہ یہ کہ تدبیر توکل کے منافی نہیں۔ البتہ تدبیر کی مختلف قسمیں ہیں اور اسی طرح لوگوں کے قلب کی حالت بھی مختلف ہے۔ جس مرتبہ کا آدمی ہو اور جیسی تدبیر ہو اس کے موافق عمل کرے۔ یہ بحث بہت وسیع ہے جس پر انشاء اللہ آئندہ کسی موقعہ پر تبصرہ کیا جائے گا۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں شاید حضرت کا دل خفا ہوا ہو گا اور چاہا ہو گا کہ اب سے ان کی مشورت نہ پوچھئے سو حق تعالیٰ نے سفارش کی اور فرمایا کہ اول مشورت لینی بہتر ہے جب ایک بات ٹھہرا چکے پھر پس و پیش نہ کرتے۔ موضح القرآن۔ اب آگے توکل کی عام تاکید اور اپنی مدد کا اظہار فرماتے ہیں جس طرح اوپر فرمایا تھا وما النصر الا من عند اللہ اسی کی تفصیل آگے مذکور ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ (تسہیل) ف ۲ اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرمائے اور تمہارا ساتھ دے تو تم پر کوئی فتح حاصل نہیں کر سکتا اور کوئی تم پر غالب آنے والا نہیں اور اگر وہ تمہارا ساتھ نہ دے اور تم سے اپنا ہاتھ اٹھالے تو دوسرا ایسا کون ہے جو اس کے دستکش ہوئے پیچھے تمہاری مدد کر سکے اور تمہارا ساتھ دیکر تم کو غالب کر سکے۔ لہٰذا مسلمانوں کو صرف اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہئے (تیسیر) آیت میں مسلمانوں کو تسلی دینا اور شکست کی وحشت کو دور کرنا مقصود ہے اور یہ بتانا مقصود ہے کہ تم کسی کے بہکانے میں نہ آؤ کامیابی اور کامرانی ہوتی ہے تو ہماری مدد سے اور شکست و ناکامی ہوتی ہے تو ہماری سرپرستی اور ساتھ چھوڑ دینے سے ہوتی ہے۔ اور جب تمام امور میں اصل دارومدار ہماری ہی ذات ہے تو مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اللہ ہی پر بھروسہ رکھا کریں کیونکہ ہمارے سوا کوئی ان کی مدد اور حمایت کرنے والا نہیں۔ [illegible] کی آیت میں پیغمبر کو توکل کا حکم تھا اس آیت میں عام مسلمانوں کو وہی حکم ہے توکل کے معنی ہیں اپنے کام کو اللہ کے سپرد کر دینا۔ اب آگے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دیانت و امانت کا اظہار فرماتے ہیں کیونکہ جب پیغمبر سے ہم نے تمہارا قصور معاف کرا دیا تو اب تم بھی ان باتوں سے توبہ کرو اور آئندہ کے لئے احتیاط کرو جو بلا وجہ کی کبھی کبھی بدگمانی کر بیٹھتے ہو اور پیغمبر کی شان میں کوئی نامناسب اور نازیبا بات کہہ بیٹھتے ہو مثلاً اسی جنگ میں تم گھاٹی کو مال غنیمت کے شوق میں چھوڑ نکلے اور یہ سمجھے کہ غنیمت کے مال میں کہیں پیغمبر تمہارے حق میں خیانت نہ کرے اس لئے چلو خود ہی چل کر قبضہ کریں اس قسم کے رکیک خیالات کا آئندہ اعادہ نہ ہو۔ اور نبی کی شان کو پوری طرح سمجھو اس کی ذات بنی نوع انسان کے لئے ایک رحمت ہے اور وہ تو تم کو اعلیٰ مرتبے کا انسان بنانے کے لئے تشریف لائے ہیں اس لئے ان کی مقدس ذات اور ان کے مرتبے کے بارے میں پورے ہوشیار رہو اور پوری طرح ان کے ادب و احترام کو ملحوظ رکھو۔ چنانچہ فرماتے ہیں (تسہیل) ف ۳ اور نبی کی یہ شان نہیں اور نہ اس کے لئے کسی طرح یہ زیبا ہے کہ وہ معاذ اللہ کسی قسم کی کوئی خیانت کرے خواہ وہ مال غنیمت میں ہو یا خدا تعالیٰ کے احکام میں سے کسی حکم کی ہو یا کسی کی خفیہ اور رازدارانہ بات میں ہو یا کسی کا قصور معاف کر دینے میں ہو کیونکہ خیانت تو قیامت کے دن ذلت و رسوائی کا موجب ہے بھلا رسول سے ایسا کام کس طرح سرزد ہو سکتا ہے جو قیامت میں ذلت و رسوائی کا سبب ہے اور خیانت ذلت و رسوائی کا سبب اس طرح ہوگی کہ جو شخص خیانت کا مرتکب ہو گا وہ اپنی خیانت کردہ چیز کو قیامت میں لیکر حاضر ہو گا اور اس خیانت کی ہوئی چیز کو خواہ وہ اشیاء میں سے ہو یا اعمال میں سے قیامت کے دن حاضر کرے گا۔ پھر ان خیانتوں میں سے ہر شخص کو اس کے کئے کا اور ہر ایک کو اس کی کمائی کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر کسی طرح کا کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ کہ جرم سے زیادہ سزا دی جائے یا نیکیوں کا ثواب گھٹا دیا جائے (تیسیر) حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں اس سے مراد یا تو مسلمانوں کی خاطر جمع کرنی ہے تا یہ نہ جانیں کہ حضرت نے ہم کو ظاہر معاف کیا اور دل میں خفا ہیں پھر کبھی خفگی نکالیں گے یہ کام نبیوں کا نہیں کہ دل میں کچھ اور ظاہر میں کچھ یا مسلمانوں کو کچھ سمجھانا ہے کہ حضرت پر گمان نہ کریں کہ غنیمت کا مال کچھ چھپا رکھیں شاید یہ اس واسطے فرمایا کہ وہ تیر انداز مورچہ چھوڑ کر دوڑے غنیمت کو کہ کیا حضرت ان کو حصہ نہ دیتے یا بعضی چیز چھپا رکھتے اور کہتے ہیں بدر کی لڑائی میں ایک چیز غنیمت میں سے گم ہو گئی کسی نے کہا شاید حضرت نے اپنے واسطے رکھی ہوگی اس پر یہ نازل ہوا۔ موضح القرآن۔ شان نزول کے متعلق مختلف اقوال ہیں مشہور یہ ہے کہ بدر میں مال غنیمت کی ایک سرخ چادر گم ہو گئی تھی بعض ناسمجھ لوگوں نے یا منافقوں نے یہ کہہ دیا کہ یہ چادر شاید حضور نے لے لی۔ اس کا جواب دیا گیا ہے اور غزوۂ احد میں بدر کے واقعہ کا ذکر شاید اس مناسبت سے کیا ہو کہ جس طرح آپ نے وسعت اخلاق سے اس موقعہ پر اس الزام کو درگذر فرما دیا تھا اسی طرح غزوۂ احد کے قصور کو بھی معاف فرما دیجئے ہو سکتا ہے کہ آیت کے نزول کی کوئی اور وجہ ہو شاہ صاحب نے تین باتیں ذکر کی ہیں صحیح یہ ہے کہ آیت کو عام رکھا جائے، کیونکہ خیانت کی بہت سی اقسام ہیں اور اللہ تعالیٰ کا رسول ہر قسم کی خیانت سے پاک ہے۔ مال کی خیانت تو ظاہر ہی ہے کہ غنیمت کے مال میں خیانت کی جائے یا کچھ کسی کی امانت میں خیانت کرے یا مقررہ حق سے زائد لے لے جیسے زکات اور عشر وصول کرنے والے عمال کیا کرتے ہیں۔ بات کی خیانت یہ کہ کوئی شخص اپنا راز کہے اور اس کی تشہیر کر دی جائے۔ یا کسی کو معاف کر دے اور دل میں کپٹ رکھے۔ حکم کی خیانت یہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم کچھ نازل ہو اور بیان کچھ اور کر دے یا اللہ تعالیٰ کی وحی میں سے کچھ چھپا لے۔ غرض اللہ کے رسول کا دامن ہر قسم کی خیانت اور بد دیانتی کی آلودگی سے پاک ہے۔ رسول کی برأت کرنے کے بعد خیانت پر وعید فرمائی کہ جو شخص خیانت کرے گا تو وہ اس شے کو قیامت میں حاضر کرے گا جس میں اس نے خیانت کی ہوگی۔ اگر مال ہو گا تو مال حاضر کرے گا اور اگر بجائے مال کے اعمال ہوں گے تو ان کو کوئی شکل دیدی جائے گی جسے وہ لیکر حاضر ہو گا۔ جس طرح ہر عمل کو اس دن علیحدہ علیحدہ شکل عنایت ہوگی۔ پھر فرمایا ثم توفی یعنی ہر خائن کو اس کی خیانت کا یا ہر شخص کو اپنے اپنے کئے کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ ہم نے تیسیر میں تمام اقوال کی رعایت رکھ کر خلاصہ کیا ہے۔ حدیث میں آتا ہے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑی خیانت ایک گز بھر زمین ہے۔ تم دو آدمیوں کو دیکھتے ہو کہ ایک دوسرے کے ہمسایہ ہوتے ہیں پھر ایک پڑوسی

دوسرے پڑوسی کی ایک گز زمین دبا لیتا ہے قیامت کے دن یہ زمین اس ناجائز دبا لینے والے کے گلے میں طوق ہوگی۔ اور زمین کے ساتوں پردوں یعنی تحت الثریٰ تک کی زمین کا یہ حصہ اس کے گلے میں پڑا ہوا ہوگا۔ اس حدیث کو مالک ابن اشجعی سے امام احمد نے نقل کیا ہے۔ ابن جریر نے حضرت عبداللہ بن عباس سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ میں قیامت میں تم میں سے ایک ایک کو پہچانوں گا۔ ایک شخص اپنے اوپر بکری لادے ہوئے آئے گا وہ بکری جو میں میں کر رہی ہوگی اور مجھ کو پکارے گا میں کہوں گا آج اللہ کے سامنے میں تیرے کچھ کام نہیں آسکتا میں نے تجھ کو جو حکم پہنچانا تھا وہ پہنچا دیا تھا۔ اس حدیث میں اونٹ اور گھوڑے اور گائے کا بھی ذکر آیا ہے۔ غرض جو جانور خیانت سے لیا ہوگا اس کو اپنی کمر پر لادے لادے پھرتا ہوگا اور اسی حالت میں حضور سے درخواست کرے گا کہ مجھ کو بچائیے۔ حضور فرمائیں گے میں تو تجھ کو جائز ناجائز بتا چکا تھا اب میں کیا کر سکتا ہوں۔ حضرت امام احمد حضرت ابوحمید ساعدی سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ ازد کے ایک شخص ابن لتبیہ نامی کو کہیں کا عامل بنایا تھا کہ وہ صدقات وصول کر کے لائے جب وہ صدقات کا مال وصول کر کے لایا تو کہنے لگا یا رسول اللہ اس قدر مال تو بیت المال کا ہے اور اس قدر مال میرا ہے یہ مجھ کو ہدیے میں ملا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو جمع کر کے ممبر پر ایک تقریر فرمائی اور فرمایا اس عامل کا کیا حال ہے کہ ہم اس کو ایک کام کے لئے مقرر کرتے ہیں اور جب وہ واپس آتا ہے تو کہتا ہے یہ تمہارا اور یہ میرے ہدیے کا ہے وہ اپنے ماں باپ کے گھر بیٹھا رہے پھر دیکھے کہ اس کو کتنے ہدایا ملتے ہیں اور کون اس کو ہدیہ دیتا ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے کہ تم میں سے جو کوئی شخص جس چیز کی خیانت کرے گا وہ قیامت میں اس کو لیکر آئے گا اگر وہ اونٹ ہے تو اونٹ کو گردن پر لادے ہوئے ہوگا اور وہ اونٹ بڑبڑاتا ہوگا۔ اگر بکری ہے تو بکری گردن پر لادے ہوئے ہوگا اور وہ بکری میں میں کرتی ہوگی۔ پھر دونوں ہاتھ اٹھا کر تین مرتبہ فرمایا یا اللہ میں نے پہنچا دیا۔ ابوحمید کا دوسرا لفظ یہ ہے کہ حضور نے فرمایا عمال کے ہدایا غلول ہیں۔ یعنی سرکاری ملازموں کو جو ہدایا ملتے ہیں ان کو بھی غلول اور خیانت فرمایا ہے۔ حضرت معاذ کو جب آپ نے یمن روانہ کیا تو کسی کو بھیج کر ان کو راستہ سے واپس بلایا اور ان سے فرمایا کہ دیکھو بلا میری اجازت کے کسی کی کوئی چیز نہ لینا کیونکہ ایسا کرنا خیانت ہے اور جو شخص خیانت کرے گا تو وہ اس خیانت کردہ چیز کو قیامت میں لیکر حاضر ہوگا۔ جاؤ میں نے یہی بات کہنے کو بلایا تھا۔ (ترمذی) عدی بن عمیرہ کا لفظ یہ ہے حضور نے فرمایا لوگو! جو کوئی تم میں سے ہمارے کام پر عامل بنا پھر اس نے ایک سوئی یا سوئی سے زیادہ کوئی چیز چھپائی تو یہ خیانت ہے۔ حضرت امام احمد نے ابورافع سے ایک واقعہ نقل کیا ہے ابورافع کہتے ہیں حضور عصر کی نماز کے بعد کبھی کبھی قبیلہ عبدالاشہل تشریف لے جاتے تھے اور مغرب تک واپس آجایا کرتے تھے۔ ایک دن حضور واپس آرہے تھے میں پیچھے پیچھے تھا حضور جب بقیع کے پاس سے گذرے تو ایک قبر کو دیکھ کر فرمایا اف لک اف لک۔ یہ جملے افسوس اور حقارت کے لئے بولے جاتے ہیں۔ ابورافع کہتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آج تو آپ نے نئی بات فرمائی کیا آپ نے یہ مجھے کہا ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں یہ ایک شخص کی قبر ہے میں نے اس کو عامل بنا کر بھیجا تھا اس نے ایک پوستین یا ایک قمیص خیانت کر لی تھی میں نے دیکھا کہ قبر میں اس کو آگ کا پوستین یا قمیص پہنا رکھی ہے۔ کتب احادیث میں اس قسم کی بکثرت احادیث مختلف اسناد سے مروی ہیں بعض کی ان میں سے اسناد ضعیف بھی ہیں بہرحال خیانت جس پر وعید بیان کی گئی ہے اس کے کبیرہ گناہ ہونے میں تو شک ہی نہیں۔ اب آگے پھر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت اور آپ کے بلند مرتبے کی وضاحت فرماتے ہیں۔ اور تنبیہ کرتے ہیں کہ پیغمبر کی بابرکت ذات کو اپنی طرح نہ سمجھو وہ خود پاکیزہ اور گناہوں سے پاک ہیں بلکہ بنی نوع انسان کو پاک کرنے والے اور صحیح ہدایت دینے والے ہیں۔ اگرچہ آگے کی آیت کا مفہوم بھی ہے۔ اور قرآن کا مشہور قاعدہ ہے کہ وہ عام پہلو مدنظر رکھتا ہے اگرچہ شان نزول خاص ہو نیز عمومیت کا لحاظ اس لئے رکھا کہ احد میں پیغمبر اور پیغمبر کے مخلص ساتھی آگے کی بشارت میں شریک کئے جائیں واللہ اعلم۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ (تسہیل) ف۲ بھلا ایک ایسا شخص جو رضائے الٰہی کا ہر وقت جویاں اور رضائے حق کا بالکل تابع ہو گیا وہ اس شخص کی مثل ہو سکتا ہے جو غضب الٰہی کا مستحق ہوا اور خدا کا غصہ اور غضب لیکر واپس آیا اور اس بدبخت کا ٹھکانا جہنم ہوا اور وہ جہنم بازگشت کی بری جگہ ہے۔ یہ دونوں شخص ہرگز برابر نہیں ہو سکتے اس قسم کے لوگوں کے اللہ تعالیٰ کے ہاں الگ الگ مختلف درجات ہیں اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ان اعمال کو جو یہ کرتے رہتے ہیں خوب دیکھتے ہیں اس لئے ہر شخص کے ساتھ اس کے عمل کے موافق سلوک کیا جائے گا (تیسیر) حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں یعنی نبی اور سب خلق برابر نہیں طمع کے کام ادنی نبیوں سے نہیں ہوتے موضح القرآن۔ ہم ابھی عرض کر چکے ہیں کہ من اتبع سے مراد رسول اور کمن باء سے مراد خائن اور بددیانت کی عدم مساوات کا اظہار ہے اور آیت کی عمومیت کے پیش نظر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انصار و مہاجرین اور منافقین کی عدم مساوات مراد ہو۔ بلکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہر اچھے برے اور نیک و بد کی عدم مساوات مراد ہو۔ سب معنی ظاہر ہیں اور سب کی گنجائش ہے۔ اب آگے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کا ایک مستقل نعمت ہونا بیان کرتے ہیں (تسہیل) ف۵ حقیقتاً اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر بڑا احسان فرمایا جب کہ ان ہی میں سے ان میں ایک ایسا عظیم الشان پیغمبر بھیجا کہ وہ ان کو اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور ان لوگوں کو سنوارتے اور سدھارتے ہیں اور ہر قسم کے اخلاق رذیلہ اور صفات ضیمہ سے پاک کرتے ہیں اور کتاب الٰہی کی تعلیم دیتے ہیں اور فہم و دانش کی باتیں سکھاتے ہیں اور بلاشبہ یہ لوگ آپ کی بعثت اور آپ کی توجہات خصوصی سے قبل کفر و شرک کی صریح گمراہی میں مبتلا تھے (تیسیر) اس آیت کی تفسیر پہلے اور دوسرے پارے میں گذر چکی ہے۔ احسان کی عظمت تو اس سے ظاہر ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے اس احسان کا اظہار فرمایا اور اللہ تعالیٰ جس احسان کا ذکر فرمائے اس کی عظمت اور رفع شان کا کیا ٹھکانا ہے۔ مسلمانوں کا ذکر اس لئے کیا کہ اس احسان کی قدر کرنے والے اور اس سے فائدہ اٹھانے والے صرف مسلمان ہی ہیں ورنہ یہ احسان حضرت حق کا جملہ بنی نوع انسان پر بلکہ کائنات کے ہر ایک عالم پر ہے۔ انفسھم کا یہ مطلب ہے کہ عرب میں سے یا قریش میں سے یا بنی ہاشم میں سے یا بنی آدم میں سے مبعوث فرمایا۔ وہ کوئی غیر خاندان کے نہیں غیر ملکی نہیں کوئی جن اور فرشتہ نہیں۔ کوئی عجمی ہوتا تو یوں کہتے قوم عربی اور رسول عجمی۔ غیر خاندان کا ہوتا تو یوں کہتے نہیں اس کے چال چلن کا پتہ نہیں۔ اگر کوئی جن یا فرشتہ ہوتا تو غیر جنس ہونے کی وجہ سے مانوس نہ ہوتے۔ پھر وہ اگر کوئی معجزہ پیش کرتا تو اس کے معجزے کو خارق عادت نہ سمجھتے بلکہ یوں کہتے کہ فرشتے اور جن غیر معمولی طاقت کے مالک ہوتے ہیں اس لئے خوارق عادات افعال ان کی خصوصیت میں سے ہوں گے۔ پھر جن کو اور فرشتے کو اور غیر ملکی کو تم سے کوئی خاص ہمدردی نہ ہوتی جیسا کہ غیر ملکیوں کے متعلق روزمرہ کا مشاہدہ ہے۔ بہرحال یہ پیغمبر بشر ہے حضرت ابراہیم کی اولاد میں سے ہے عربی النسل ہے۔ قریشی ہے ہاشمی ہے۔ ہر طرح دیکھا بھالا ہے اس کے مخالف بھی اس کے ثناخواں ہیں۔ پھر اس کے کام بھی سن لو! (۱) کہ اللہ کی آیتیں تم پر تلاوت کرتا ہے جن کو اہل زبان ہونے کی وجہ سے تم خوب سمجھتے ہو اور ان آیات میں ظاہر و باطن کی جس قدر اصلاح کا سامان ہے وہ تم جانتے ہو۔ (۲) تزکیہ یعنی کفر و شرک اور جاہلانہ رسومات کی آلائش سے تم کو پاک اور صاف کرتا ہے۔ تمہارے اخلاق کو بناتا اور سنوارتا ہے اور تمہارے اخلاق کو سدھارتا اور ہر قسم کی خرابی سے پاک کرتا ہے۔ (۳) کتاب اللہ کی تعلیم یعنی اس کی تفسیر سکھاتا ہے جو بات سمجھ میں نہیں آتی اس کو سمجھاتا ہے کوئی شبہ پیش آجائے تو اس کا جواب دیتا ہے اور قرآن کے حقیقی منشا کو بتاتا ہے۔ جیسا کہ ایک عیسائی نے حضرت مریم کا نام اخت ہارون سنکر ایک صحابی پر اعتراض کیا تھا کہ ہارون تو حضرت موسیٰ کے بھائی کا نام تھا تمہارے قرآن نے مریم کے بھائی کا نام ہارون بتایا ہے۔ اس پر وہ صحابی خاموش ہوگئے اور جب انہوں نے حضور کی خدمت میں یہ شبہ پیش کیا تو آپ نے برجستہ فرمایا یہ کیسا شبہ ہے کیا مختلف آدمیوں کا ایک سا نام نہیں ہوتا اس میں اعتراض کی کیا بات ہے۔ حضرت موسیٰ کے بھائی کا بھی نام ہارون تھا اور حضرت مریم کے بھائی کا نام بھی ہارون تھا۔ (۴) حکمت و دانش سکھاتا ہے ہو سکتا ہے کہ اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ اور آپ کی سنن مراد ہو۔ اور ہو سکتا ہے کہ قرآن کے غوامض و اسرار اور نکات و لطائف مراد ہوں یا بعض حکمتیں اور مصالح مراد ہوں۔ چنانچہ اس علم و عمل کے پیکر نے چند دن کی صحبت کے اثر سے دنیا بھر کی درماندہ قوم کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا اور وہی دنیا کی بلند و بالا قوم اس پیغمبر کی مقدس تعلیم سے منحرف ہو کر کس قدر پستی میں جا رہی ہے اور یورپ کی تقلید میں مبتلا ہو کر کہاں پہنچ گئی ہے۔ بہرحال پہلے ٹکڑے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت بیان فرمائی۔ پھر آپ کے چار کام بتائے پھر آخر میں فرمایا کسی شخص کی خوبیاں اور اس کے وجود کی برکت اس طرح معلوم ہو سکتی ہے کہ اس کی تشریف آوری سے قبل کی اور اس کی تشریف آوری کے بعد کی دونوں حالتوں کا موازنہ کرو تاکہ تم کو معلوم ہو سکے کہ اس کی تعلیمات سے قبل تم کیا تھے اور اس کی تعلیمات کے بعد تم کیا ہوگئے۔ اس وقت تم کہاں کھڑے تھے اور اب کہاں پہنچ گئے ہو۔ اس وقت تمہاری تہذیب کی دنیا میں کیا قیمت تھی اور اب کیا بھاؤ ہے اس کو معلوم کر کے اللہ تعالیٰ کی اس نعمت اور اس رحمت اور اس برکت کی قدر کرو جس کو اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت دیکر اور اس مجموعہ کا نام محمد رکھ کر تمہارے پاس بھیجا ہے۔ یہی حضرت ابراہیم کی دعا ہے اور یہی حضرت عیسیٰؑ کی بشارت ہے جو محمد کے

نام سے اس وقت دنیا میں ضوفشاں ہے۔ اللھم صل علی سیدنا محمد وعلی آل سیدنا محمد وبارک وسلم۔ اور ہم نے جواوپر عرض کیا تھا کہ مسلمانوں کی خصوصیت صرف اس وجہ سے فرمائی کہ مسلمانوں نے اس نعمت کی قدر کی ورنہ آپ کی رحمت اور آپ کی ضیاپاشی سے کائنات کا ذرہ ذرہ مستفید اور فیضیاب ہورہا ہے۔ یہ اس لئے عرض کیا کہ سورہ انبیاء میں آپ کے متعلق فرمایا ہے وماارسلنٰک الا رحمۃ للعلمین اب آگے پھر اصل بحث کی طرف عود ہے یہ باتیں تو بعض مناسبت سے درمیان میں آگئی تھیں جو قرآن کی فصاحت وبلاغت کا انتہائی کمال ہے کہ جو بات درمیان میں آجائے اسے تشنہ نہیں چھوڑتا اور پھر اصل مضمون کو شروع کردیتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ (تسہیل)

بقیہ ❀ صفحہ ❀ ۱۱۳

اور کافر مرعوب ہوجائیں اور اس طرح تم لڑائی میں نہ سہی مدافعت میں تو شریک ہو۔ اگر خدانخواستہ اس جنگ میں مسلمان مغلوب ہوگئے اور مدینہ پر حملہ ہوگیا تو کافر بلاامتیاز مسلمان اور منافق کے سب کو قتل کریں گے اور سب کو لوٹیں گے اس لئے تم لڑتے نہیں تو دشمن کی مدافعت ہی کرو۔ اس پر عبداللہ بن ابی نے جو جواب دیا اس کو بیان فرماتے ہیں۔ (تسہیل) ف۲ ان منافقوں سے جو کہا گیا تھا اس کا انہوں نے یہ جواب دیا کہ اگر ہم اس لڑائی کو کوئی قرینے اور ڈھنگ کی لڑائی سمجھتے اور واقعی لڑائی جانتے تو ضرور ہم تمہارے ساتھ رہتے۔ یہ لڑائی کہاں ہے یہ تو اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالنا اور کھلا ہوا خطرہ مول لینا ہے۔ یہ منافق اس دن بہ نسبت ایمان کے کفر سے قریب تر ہوگئے یعنی ظاہر میں بھی ان کا قرب الی الکفر ہونا کھل گیا یہ منافق اپنے منہ سے ایسی باتیں کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں ہوتیں اور جن باتوں کو یہ چھپاتے ہیں اللہ تعالےٰ ان کو خوب جانتا ہے (تیسیر) منافقوں کا جواب کس قدر زہرآلود ہے یعنی یہ کوئی قرینے کی لڑائی ہے۔ ایک طرف ٹڈی دل فوج ہر قسم کا سامان جنگ اور تمام فوج پوری طرح مسلح۔ اور دوسری طرف کچھ بھی نہیں خواہ مخواہ کی بھیڑ اکٹھی کرتے ہے کہیں لڑائی جیسی جاتی ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ ہم لوگ لڑائی کے فن سے واقف نہیں اس لئے یہ کوئی لڑائی نہیں ہے، بلکہ اپنے کو تباہ کرنا ہے۔ اور یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ تم لوگ لڑائی سے ناواقف ہو ہمارا کہنا نہیں مانا مدینہ چھوڑ کر یہاں چلے آئے یہ بھی کوئی لڑائی کا ڈھنگ ہے۔ یہ تو اپنے کو خطرے میں ڈالنا ہے ہم تمہارے ساتھ نہیں رہ سکتے۔ حضرت حق نے فرمایا یوں تو منافق پہلے بھی مسلمان نہیں تھے لیکن ظاہری رواداری اور برتاؤ کے اعتبار سے اسلام اور ایمان سے قریب معلوم ہوتے تھے لیکن اس کہنے اور اس بیہودہ جواب دینے سے اس دن یہ ظاہری طور پر بھی بجائے ایمان کے کفر سے قریب ہوگئے بلکہ یہ قرب اس قرب سے اقرب اور قریب تر ہے۔ کیونکہ مسلمانوں کے ساتھ ان کا سابقہ برتاؤ تو دل سے نہ تھا اور یہ بات انہوں نے دل سے کہی ہے۔ اس لئے بہ نسبت قرب الی الایمان کے قرب الی الکفر زیادہ ہے۔ اور یہ بدبخت دل میں جو کچھ چھپائے ہوئے ہیں اس کو اللہ تعالےٰ جانتا ہے۔ اس کتمان سے یا تو مراد یہ ہے کہ مسلمان مغلوب ہوں اور ہم

15

خوش ہوں اور یہ بھی کہ ان کے دل میں یہ ہے کہ ہم کو مسلمانوں کے ساتھ مل کر لڑنا ہی نہیں خواہ لڑائی قرینے کی ہو یا بے قرینے کی ہو حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یہ بھی منافقوں کا کلام تھا کہ ہم کو معلوم ہو لڑائی یعنی ظاہر میں کہا کہ جس وقت لڑائی دیکھیں گے تو شامل ہوں گے یا کہا کہ ہم لڑائی کے قاعدے سے واقف نہیں اور دل میں طعن دیا کہ ہماری مشورت نہیں مانتے ان کو لڑائی معلوم ہوئی اسی لفظ سے کفر سے قریب ہوگئے اور ایمان سے دور موضح القرآن۔ اب آگے ان کے ایک اور قول کا جواب ہے (تسہیل) ف۲ یہ منافق ایسے لوگ ہیں جو خود تو اپنے گھروں میں بیٹھے رہے اور اپنے ان بھائیوں کے متعلق جو میدان میں شہید ہوئے انہوں نے یوں کہا کہ اگر وہ لوگ ہمارا کہا مان لیتے اور ہمارے منع کرنے سے میدان میں نہ جاتے تو وہ بے کار اور بے فائدہ مارے نہ جاتے۔ اے پیغمبر آپ ان سے فرمادیجئے اچھا اگر تم اس دعوے میں سچے ہو کہ میدان میں جانے سے ہی آدمی مرتا ہے اور گھر میں بیٹھنے سے نہیں مرتا تو تم اپنے اوپر سے موت کو رفع کردینا اور موت کو ٹلادینا۔ (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ اگر موت کا کوئی وقت مقرر نہیں اور موت کسی نظم کے ماتحت نہیں ہے اور حضرت حق تعالےٰ کے حکم کو کسی کے مرنے جینے میں دخل نہیں ہے بلکہ محض اتنی بات ہے کہ گھر میں بیٹھے رہنے سے انسان جیتا ہے اور میدان میں جانے سے مرتا ہے اگر تمہاری یہ بات سچی ہے اور اس دعوے میں کچھ صداقت ہے تو تم تو بہرحال گھر میں ہی بیٹھے رہے تھے اب تم موت کو اپنے پر سے ٹلادینا اور اگر یہ بات نہیں ہے بلکہ موت اپنے وقت پر آکر رہتی ہے خواہ کوئی گھر میں ہو یا گھر سے باہر ہو تو پھر میدان جنگ ہی میں جاکر کیوں نہ مرو۔ اور گھر میں بیٹھ کر بے کار اور بے فائدہ کیوں مرو۔ بے کار اور بے فائدہ کی قید ہم نے اس لئے بڑھائی کہ منافق شہدا کی موت کو ایسی ہی موت سمجھتے تھے اور اسی کا آگے جواب آتا ہے۔ اور یہ جو بھائی فرمایا اس وجہ وہی ہے جو ہم عرض کرچکے ہیں کہ مدینہ والے آپس میں نسبی اور خاندانی تعلق رکھتے تھے۔ اب آگے شہدا کی فضلت اور منافقوں کے اس گمان اور خیال کا جواب ہے کہ وہ غزوۂ احد کے مسلمانوں کی موت کو بے کار اور بے فائدہ سمجھتے تھے۔ (تسہیل)۔

بقیہ ❀ صفحہ ❀ ۱۱۴

سبب صراحۃً فرمایا کہ وہ خوش ہیں ایک تو اس سبب سے کہ وہ خود اچھی حالت میں ہیں اور دوسرے اس سبب سے کہ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کسی اہل ایمان کے اعمال کا اجر ضائع نہیں فرماتا بلکہ جو مسلمان جس مرتبہ کا عمل لیکر آتا ہے اس کو اس کے مرتبہ کے موافق درجہ اور ثواب عنایت فرماتا ہے۔ اس مسرت وشادمانی سے بڑھ کر اور کیا مسرت ہوسکتی ہے کہ کوئی شخص خود اپنی جانب سے اور اپنے متعلقین کی جانب سے مطمئن اور پرامید ہو۔ تنبیہ شہدا کے متعلق ہم مفصل بحث دوسرے پارے کے تیسرے رکوع میں کرچکے ہیں اور وہاں بتاچکے ہیں کہ عالم برزخ کی زندگی ہر شخص کے ادراک میں نہیں آسکتی لیکن یہ یقینی ہے کہ مرنے کے بعد زندگی ضرور ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس عالم کی زندگی کے مختلف مدارج ہیں۔ ایک انبیا کی زندگی ہے۔ ایک وہ

زندگی ہے جو شہدا کو حاصل ہے۔ ایک وہ زندگی ہے جو علما کو حاصل ہے۔ ایک وہ زندگی ہے جو حافظ قرآن کو حاصل ہے۔ اسی طرح درجہ بدرجہ ہے۔ انبیاء کی زندگی اتنی قوی ہے کہ اس کا اثر اس عالم میں بھی پایا جاتا ہے۔ مثلاً ان کی بیویوں سے نکاح نہ کرنا، ان کے ورثہ کا تقسیم نہ ہونا۔ ان کے جسم کا قبر میں محفوظ رہنا۔ ان کی ارواح کا جسم کے ساتھ قائم رہنا۔ قبر پر جاکر سلام کرنے والے کے سلام کو سننا اور اس کا جواب دینا۔ شہدا کی زندگی ان سے کم درجہ کی ہے۔ مثلاً ان کے عمل کا بڑھتے رہنا۔ عالم برزخ میں ان کی ارواح کا عرش الہٰی کے نیچے رہنا۔ ان کو جنت کا رزق پہنچنا۔ اللہ تعالےٰ کا ان سے دریافت کرنا کہ تم کیا چاہتے ہو اور ان کا یہ کہنا کہ ہم کو دنیا میں پھر بھیجدے تاکہ تیرے دین کی خدمت کرتے ہوئے پھر شہید ہوں اور اللہ تعالےٰ کا یہ فرمانا کہ مرنے کے بعد کسی کو واپس بھیجنا ہمارے فیصل شدہ امر کے خلاف ہے۔ پھر ان کے جسم کو زمین کا نہ کھانا اور قبر میں سلامت رہنا۔ احادیث میں اس زندگی کو جن الفاظ سے تعبیر کیا ہے اس کی حقیقت کو سمجھنا بھی عوام کے ادراک سے خارج ہے۔ البتہ نفوس قدسیہ اور اہل سلوک حضرات اس زندگی کو سمجھتے ہوں تو سمجھتے ہوں۔ لم یلحقوا بھم من خلفھم سے اکثر مفسرین نے مجاہدین کو مراد لیا ہے اس لئے ہم نے ترجمے میں وہ مشہور قول اختیار کیا ہے لیکن بعض حضرات نے مجاہدین اور عام مخلصین دونوں مراد لئے ہیں ہم نے تیسیر اور تسہیل میں دونوں تفسیروں کی رعایت رکھی ہے۔ واللہ اعلم حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں شہیدوں کو مرنے کے بعد ایک طرح کی زندگی ہے کہ اور مردوں کو نہیں۔ کھانا پینا اور عیش اور خوشی پوری ہے۔ اوروں کو قیامت کے بعد ہوگی۔ موضح القرآن۔ اب آگے غزوۂ بدر صغریٰ اور غزوہ حمراء الاسد کا ذکر ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل) ف۲ جن لوگوں نے اللہ اور رسول کے کہنے کو قبول کرلیا بعد اس کے کہ وہ زخم خوردہ تھے اور ان کو زخم لگ چکا تھا اور باوجود زخمی اور زخم خوردہ ہونے کے اللہ ورسول کی دعوت الی الجہاد پر لبیک کہا ان لوگوں میں جو لوگ نکوکار اور متقی وپرہیزگار ہیں ان کے لئے آخرت میں بہت بڑا اجر وثواب ہے (تیسیر) مفسرین کے ان آیات کے بارے میں دو قول ہیں ایک تو یہ کہ ان کا تعلق غزوۂ حمراء الاسد سے ہے جو مدینہ منورہ سے تقریباً آٹھ میل ہے اور دوسرا قول جو مجاہد وعکرمہ کی طرف منسوب ہے وہ یہ ہے کہ ان آیات کا تعلق بدر صغریٰ سے ہے جو تقریباً غزوۂ احد کے ایک سال بعد واقع ہوا۔ چونکہ حسن اتفاق سے یہ دونوں غزوے آپس میں ملتے جلتے ہیں اس لئے دونوں قول زیر بحث آگئے غزوۂ حمراء الاسد میں بھی مسلمان زخم خوردہ تھے بلکہ تازہ زخم خوردہ تھے اور بدر صغریٰ میں بھی زخم خوردہ تھے اگرچہ زخموں کو عرصہ ہوگیا تھا۔ غزوۂ حمراء الاسد میں بھی ابوسفیان نے قبیلۂ عبدالقیس کے قافلے والوں کو سمجھا بجھا کر بھیجا تھا کہ مسلمانوں کو مرعوب کرنا اور کہنا ابوسفیان پوری قوت کے ساتھ واپس آرہا ہے اور بدر صغریٰ کے موقعہ پر نعیم بن مسعود کو اس کام کے لئے مدینہ منورہ بھیجا تھا کہ جاکر مسلمانوں کو مرعوب کرو اور ان سے کہو بدر صغریٰ کا معرکہ بڑا زبردست ہوگا اور اب کے ابوسفیان بڑی تیاری سے آرہا ہے۔ پھر جس طرح حمراء الاسد میں کافر مرعوب ہوگئے اور مقابلہ کی ہمت نہیں پڑی یہی حشر کافروں کا بدر صغریٰ میں ہوا۔

ہے جو آخرت کے مقابلہ میں دنیا کو ترجیح دے ورنہ اگر کوئی دنیا کو آخرت کے حصول کا ذریعہ بنائے تو اس کے لئے نعم المال الصالح للرجل الصالح آیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مقصود بالذات خیال کرو تو بری چیز ہے اور اگر نیکیاں کماؤ اور جان و مال دیکر جنت خرید لو تو اچھی چیز ہے واللہ اعلم۔ ملاحظہ ہو روح المعانی۔ حضرت ابن عمرو سے امام احمد نے مرفوعاً نقل کیا ہے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص یہ چاہتا ہے کہ دوزخ سے الگ تھلگ رہے اور جنت میں داخل کر دیا جائے تو اس کو ایسی حالت میں موت آئے کہ وہ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو۔ اور اس کو چاہیے کہ لوگوں سے ایسا برتاؤ کرے جیسا برتاؤ اپنے ساتھ کرتا ہے۔ ایک اور حدیث شریف میں ہے خدا کی قسم دنیا آخرت کے مقابلے میں اس سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی جیسے کوئی اپنی انگلی کو دریا میں ڈال کر نکال لے اور پھر دیکھے کہ وہ انگلی کیا لیکر نکلی۔ اب آگے مسلمانوں کو صبر و استقامت کی تلقین ہے اور مشرکین و یہود کی ایذا رسانی کا تذکرہ ہے اور جان و مال کے امتحان کا ذکر ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ (تسہیل)۔

بقیہ صفحہ ۱۱۸

لیکر مسائل اور احکام الٰہی کو بیچ ڈالا۔ یا مسائل کے بدلے میں دنیاوی منافع خرید لئے۔ لیکن مقصد استبدال ہے اور اشترا کو استبدال سے استعارہ کیا ہے۔ اسی لئے ہم نے ترجمہ میں حاصل کرنا کیا ہے۔ کہ کتاب کے مقابلہ میں کم حقیقت مال حاصل کر لیا۔ کم ثمن قلیل اس لئے فرمایا کہ دنیا کا کتنا ہی بڑا فائدہ کیوں نہ ہو آخرت کے مقابلہ میں کم ہی ہے جیسا کہ ہم کئی بار عرض کر چکے ہیں۔ آخر میں فرمایا وہ چیز بہت بری ہے جو یہ حاصل کر رہے ہیں کیونکہ اس کا انجام عذاب الیم اور جہنم ہے۔ حضرت ابن عباس اور ابن جبیر کا قول ہے کہ اس آیت سے یہود کے احبار مراد ہیں۔ اور دوسرا قول جو علقمہ کے واسطے سے ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس سے نصاریٰ کے علماء مراد ہیں۔ بہر حال ہو سکتا ہے کہ دونوں ہوں۔ بہر حال جو عالم دنیوی لالچ کی وجہ سے دین کی بات کو چھپائے اس کو یہ وعید شامل ہے خواہ دنیوی لالچ مال یا جاہ ہو یا ظالم حکام کو خوش کرنے کی غرض سے ہو۔ البتہ جہاں کسی جاہل کے بگڑ جانے کا اندیشہ ہو اور عالم کو یہ خطرہ ہو کہ یہ اپنی ناسمجھی کی وجہ سے گمراہ ہو جائے گا وہاں کسی دقیق بات کو نہ بیان کیا جائے تو وہ صورت اس سے مستثنیٰ ہے۔ حدیث میں آتا ہے جس شخص سے کوئی علم کی بات دریافت کی گئی اور اس نے اس کو چھپا لیا تو قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی لگام ڈالی جائے گی۔ حضرت حسن بن عمارہ کا واقعہ تو مشہور ہے کہ وہ زہری کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ وہ زمانہ ہے جب زہری نے حدیث کا بیان کرنا ترک کر دیا تھا۔ حسن بن عمارہ نے زہری کو آواز دی جب وہ باہر آئے تو ان سے کہا میں اس لئے آیا ہوں کہ آپ کوئی حدیث مجھے سنائیں انہوں نے فرمایا تم جانتے ہو میں نے تو حدیث کا بیان کرنا ترک کر دیا ہے۔ حسن نے کہا اگر آپ نہیں بیان کرتے تو میری حدیث سنئے۔ انہوں نے فرمایا اچھا سناؤ۔ حسن نے کہا مجھ سے عیینہ بن حکم نے بیان کیا اور عیینہ نے نجم الجزار سے روایت کی نجم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ حضرت علیؓ فرماتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان پڑھوں پر علم کا سیکھنا اس وقت تک لازم نہیں کیا جب تک اہل علم پر علم کا سکھانا لازم نہیں کر دیا۔ یہ سنکر زہری نے حسن بن عمارہ کے سامنے چالیس حدیثیں روایت کیں حضرت ابوہریرہ کا قول ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے اگر اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے عہد نہ لیا ہوتا کہ مضامین کو لوگوں کے سامنے بیان کرنا اور چھپانا نہیں تو میں تمہارے سامنے کبھی حدیث نہ بیان کرتا یہ کہہ کر قرآن کی زیر بحث آیت پڑھا کرتے تھے۔ بہر حال یہود کی یا اہل کتاب کی یہ بڑی زیادتی ہے کہ انہوں نے معمولی لالچ کی خاطر کتاب کو چھپایا اور اس کے مضامین میں خیانت کی اور سب سے بڑا کتمان حق یہ کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو صفات توریت و انجیل میں مذکور تھیں ان کو عوام کے روبرو ظاہر نہیں کیا اور ان کو چھپا لیا۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ اپنی اس عہد شکنی پر بجائے شرمندہ اور نادم ہونے کے فخر کرتے اور خوش ہوتے چنانچہ آگے کی آیت میں اس فخر اور مباہات کی مذمت اور وعید مذکور ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔ (تسہیل) ف۲ اے پیغمبر جو لوگ ایسے ہیں کہ اپنے کئے پر خوش ہوتے ہیں اور اپنی بدکرداری اور بداعمالی پر خوش اور نازاں ہوتے ہیں اور جو نیک کام انہوں نے نہیں کئے ان پر یہ چاہتے ہیں کہ ان کی تعریف کی جائے۔ یعنی برے کام کے کرنے پر خوش اور نیک کام کے ترک پر مدح و ثنا کے جویاں سو اے پیغمبر آپ ایسے شخصوں کو ہرگز ہرگز عذاب الٰہی سے نجات یافتہ نہ سمجھیں اور یہ خیال نہ کریں کہ ایسے لوگ عذاب الٰہی سے محفوظ رہیں گے۔ بلکہ ان کو دردناک عذاب ہوگا۔ اور تمام آسمانوں اور زمین کی سلطنت و بادشاہت اللہ تعالیٰ ہی کے لئے خاص ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے اور ہر شے پر پوری قدرت رکھتا ہے (تیسیر) یہود کا عام طریقہ یہ تھا کہ حق کو چھپاتے تھے اور اظہار حق سے گریز کرتے تھے۔ جس کو کرتے تھے یعنی حق کا کتمان اس پر تو خوش ہوتے تھے۔ اور جس کو ترک کر رکھا تھا یعنی حق کا اظہار اس پر چاہتے تھے کہ لوگ ہماری تعریف کریں اور ہم کو سراہیں۔ حضرت ابوسعید خدری کا قول ہے کہ منافقین لڑائی میں جانے سے بچتے تھے اور گھروں میں بیٹھ رہتے تھے اور جب حضورؐ میدان جہاد سے واپس تشریف لاتے تو آ کر اپنے خلوص کا اظہار کرتے اور قسمیں کھا کھا کر اپنا عذر پیش کرتے اور یہ چاہتے کہ مسلمان ہمارے خلوص اور ایمان کی تعریف کریں۔ مروان نے اپنے چوبدار ابو رافع کو حضرت عبداللہ بن عباس کے پاس بھیجکر دریافت کرایا تھا کہ یہ آیت کن لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا تھا کہ یہ آیت اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ یہود کتاب میں تحریف کرتے تھے حق کے خلاف فیصلے کرتے تھے اور ان تمام حرکات شنیعہ پر خوش ہوتے تھے اور نماز روزے کے تارک تھے اور چاہتے تھے کہ ہماری تعریف کی جائے بہر حال شان نزول کا تعلق اسی قسم کے لوگوں کے ساتھ ہے۔ اور ایسے ہی لوگوں کے لئے یہ وعید فرمائی ہے جو برے کام کر کے خوش ہوتے ہیں اور جو اچھا کام نہیں کرتے اس پر مدح سرائی کے خواہشمند ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے متعلق یہ وعید ہے کہ تم ان کو عذاب سے بچنے والا نہ سمجھو ان کو دنیا میں بھی عذاب ہوتا ہے یعنی ان کی فضیحت و رسوائی ہوتی ہے اور آخرت میں تو ان کے لئے دردناک عذاب ہے ہی۔ کا تحسبن میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے جیسا کہ ہم نے اختیار کیا ہے اور ہو سکتا ہے کہ خطاب عام ہو۔ اگرچہ آیت کا تعلق یہود اور منافقین سے ہے لیکن آیت اپنے عموم کی وجہ سے سب کو شامل ہے۔ فرح سے مراد معاصی پر فرح ہے۔ اور حمد سے مراد حمد کی خواہش کرنا اور مدح سرائی کی ہوس کرنا اور اہتمام کرنا ہے۔ رہا کسی نیکی پر مدح کی ہوس اور مدح کا اہتمام یہ بھی شرعاً محمود نہیں ہے۔ باقی طبعاً اگر کسی نیکی پر فرح ہو اور طبعاً کسی کی تعریف محبوب ہو تو یہ گناہ نہیں۔ یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ فرح ایسی خوشی کو کہتے ہیں جس میں عجب اور اترانا ہو۔ اس قسم کی خوشی مذموم ہے اچھے کام پر بھی ناپسندیدہ ہے اور برے کام پر تو انتہائی مذموم ہے۔ اسی طرح کام کے نہ کرنے پر مدح کی خواہش یا اچھا کام ترک کرنے پر مدح سرائی کی ہوس یہ بھی مذموم ہے۔ البتہ کوئی اچھا کام کیا اور اس پر کسی نے بغیر خواہش اور بغیر طلب تعریف کر دی اور اس قسم کی تعریف و مدح طبعاً محبوب ہوئی تو اس میں مضائقہ نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اذا سرتک حسنتک وساءتک سیئتک فانت مؤمن یعنی تیری نیکی تجھ کو مسرور کرے اور تیرا گناہ تجھ کو ملول کرے تو تو مومن ہے۔ یہاں حضورؐ نے سرور فرمایا ہے۔ ہم نے جو تقریر اوپر کی ہے اس سے سرور اور فرح کا فرق معلوم ہو گیا ہوگا۔ خلاصہ یہ ہے نیک کام کرنے اور برے کام کے ترک کرنے پر عجب ہونا اور اترانا اور مدح کی خواہش اور ہوس کرنا اور مدح کو اہم مقصد قرار دینا مذموم ہے۔ البتہ اگر طبعاً مسرت اور خوشی ہو اور کسی مدح کرنے والے کی مدح طبعاً پسند ہو تو مضائقہ نہیں۔ اور برا کام کرنا یا بھلے کام کو ترک کر دینا اور اس پر خوش ہونا اور اترانا اور اس پر مدح کی خواہش اور ہوس کرنا اور مدح کو اہم مقصد قرار دینا یہودیت اور منافقت ہے۔ اور اسی کی آیت میں مذمت اور وعید آئی ہے۔ اس پر آخرت کا عذاب یقینی اور دنیا کی سزا کا اندیشہ ہے۔ ورنہ عام طور پر نیک کام کرنے اور برے کام کے ترک پر طبعاً کس کا دل مسرور نہیں ہوتا اور صحیح تعریف اور مدح کس کو نہیں بھاتی یہی مطلب ہے اس جواب کا جو حبر الامت حضرت ابن عباس نے حاکم مدینہ مروان کو ابو رافع چوبدار کی معرفت دیا تھا اور جو معنی ہم نے آیت کے وعید کے ساتھ کئے یقیناً اس اعتبار سے اس آیت کا کوئی تعلق مسلمانوں سے نہیں ہے۔ دوسری آیت میں جرم کی سزا کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی سلطنت و بادشاہت اور اس کی وسعت قدرت کا ذکر فرمایا ہے اور یہ قرآن کا ایک خاص داب اور قاعدہ ہے کہ سزا کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی حکومت و قدرت کا اظہار فرماتا ہے تاکہ مجرم یہ سمجھ لے کہ جس کے قانون کی خلاف ورزی کر رہا ہوں اس سے بچکر کہیں جا نہیں سکتا کیونکہ اسکی حکومت و قدرت تمام کائنات کو محیط ہے۔ حضرت شاہ صاحب الیم پر کہتے ہیں وہی یہود مسئلے غلط بتاتے اور رشوتیں کھاتے اور پیغمبر کی صفت چھپاتے پھر خوش ہوتے کہ ہم کو کوئی پکڑ نہیں سکتا اور امید رکھتے کہ لوگ ہماری تعریف کریں کہ خوب عالم اور دین دار اور حق پرست ہیں۔ موضح القرآن۔ اب آگے حضرت حق تعالیٰ کی قدرت و حکومت کے دلائل ہیں چونکہ اوپر اس کی حکومت کا ذکر آیا ہے اس لئے اس پر دلیل بیان کرتے ہیں نیز جیسا کہ ہم اوپر عرض کر چکے ہیں کہ اسلام

کی حقانیت اور خدا کی توحید پر عقلی اور نقلی شواہد موجود ہیں، ان کو دیکھنا چاہیے بلاوجہ پیغمبر سے معجزہ طلب کرنا ایک عامیانہ مطالبہ ہے۔ اور منہ مانگا معجزہ طلب کرنے اور اس کے پورا ہو جانے کے بعد پھر ایمان نہ لانا اور تمام قوم کو ہلاکت میں ڈالنا ایک غلط اقدام ہے۔ اس لئے بجائے لغو اور عامیانہ مطالبات کے حق کو دلیل سے سمجھو اور مانو اطبرانی اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس سے یہی روایت کی ہے کہ مشرکین نے عناداً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ پہاڑ کو سونے کا بنا دو اس پر یہ آیت نازل ہوئی (تسہیل) ف۱۔ یقیناً آسمانوں کے اور زمین کے بنانے میں اور رات اور دن کے آگے پیچھے یکے بعد دیگرے آنے جانے میں اہل عقل وخرد اور صحیح عقل رکھنے والوں کے لئے توحید کے بڑے بڑے دلائل موجود ہیں۔ (تیسیر) اوپر کی آیت میں ولله ملك السموات والارض ایک دعویٰ تھا اس آیت میں اس کی دلیل ہے۔ ہم پارۂ سیقول کے چوتھے رکوع میں عرض کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں شکوک وشبہات کرنے والے دو قسم کے ہیں۔ ایک تو وہ جو خدا کے وجود ہی کے منکر ہیں اور دوسرے وہ جو اس کے وجود کو تسلیم کرتے ہیں لیکن اس کے ساتھ کسی نہ کسی کو شریک کر دیتے ہیں۔ پہلی قسم کے آدمی کو ملحد یا دہریہ کہتے ہیں اور دوسری قسم کے آدمی کو مشرک کہتے ہیں۔ آج کل یورپ میں بکثرت لوگ ملحد اور اللہ تعالیٰ کے وجود کے منکر ہیں۔ اور ایشیا میں بکثرت لوگ مشرک ہیں۔ قرآن عام طور سے توحید کے دلائل بیان کرنے میں ان ہر دو فریق کو سامنے رکھتا ہے۔ اور یہ بات ہم کئی دفعہ عرض کر چکے ہیں کہ جہاں تک انسانوں کے اعتقادیات کا تعلق ہے یہی چند مسائل ہیں جس میں دنیا بھر کے کافر اور مشرک ایک طرف ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ماننے والے اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھنے والے ایک طرف ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا وجود۔ اس کی توحید۔ اس کے بھیجے ہوئے پیغامبر۔ قرآن اور دیگر کتب سماویہ۔ قیامت۔ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا۔ چونکہ یہ مسائل نہایت اہم ہیں اس لئے قرآن نے اعتقادی مباحث میں ان چیزوں سے بار بار بحث کی ہے اور مختلف عنوانات سے بحث کی ہے۔ چنانچہ اس موقعہ پر بھی یا تیں سمجھ لیجئے کہ یہ عالم امکان اپنے وجود میں جس طرح ایک واجب الوجود کا محتاج ہے اسی طرح وہ واجب الوجود ہر ممکن کی شرکت سے بھی پاک ہے۔ واجب الوجود کا تعدد بدیہی طور پر محال ہے۔ سہل اردو میں یہ بات اس طرح سمجھ لیجئے کہ کوئی بدون صانع کے نہیں ہوا کرتا جب آپ کسی چیز کو دیکھتے ہیں تو فوراً ذہن اس کے بنانے والے کی جانب جاتا ہے۔ خواہ وہ چیز کتنی معمولی ہو یا غیر معمولی ہو جب بدون بنانے والے کے کوئی چیز نہیں بن سکتی تو یہ عالم خود بخود کس طرح بن سکتا ہے۔ لہٰذا کوئی اس کا بنانے والا ہوگا اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور وہی اس کا خالق ہے۔ اور جب وہی سب کائنات کا خالق اور مالک ہے تو پھر اس عالم کے بنانے میں کسی کی شرکت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ جب کوئی اور تھا ہی نہیں تو شرکت کیسی۔ اس عالم امکان کا ہر ذرہ اپنے وجود اور اپنی ذات میں واجب الوجود کا محتاج ہے۔ اور جو چیز اپنے وجود و ثبوت میں محتاج ہوگی وہ چیز اپنے جملہ لوازمات میں محتاج ہوگی۔ لہٰذا ایک طرف احتیاج ہی احتیاج اور دوسری طرف وجوب ہی وجوب۔ تو ایسی حالت میں شرکت باری کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ رہا واجب الوجود کا تعدد تو انشاء اللہ تعالیٰ بشرط زندگی سورۂ انبیا میں عرض کریں گے یا کسی اور موقعہ پر ذکر آجائے گا۔ یہ مسئلہ تو قرآن میں اکثر مقامات پر زیر بحث آئے گا۔ لُبّ کہتے ہیں عقل خالص کو اسی لئے ہم نے اس کا ترجمہ صحیح عقل کیا ہے۔ کیونکہ عقل وخرد کا تو ہر شخص مدعی ہے۔ لیکن ہر شخص کی عقل کو یہ رسائی کہاں کہ وہ وجوب و امکان کو سمجھ سکے اس لئے قرآن عقل سلیم اور عقل صحیح سے اپیل کرتا ہے جو ہر قسم کے شوائب واوہام سے پاک ہو۔ صاحبان الباب کی آگے کی آیت میں حالت بیان ہوگی حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی نبی سے معجزہ مانگنا کیا ضرور جو بات وہ کہتا ہے یعنی توحید اس کی نشانیاں سارے عالم میں نمودار ہیں موضح القرآن۔ شاہ صاحبؒ نے شان نزول کی جانب اشارہ فرمایا ہے جیسا کہ ہم اوپر کہہ چکے ہیں اب اولی الالباب کے اوصاف بیان ہوتے ہیں۔ (تسہیل)

بقیہ صفحہ ۱۱۹

ہم کو آگ کے عذاب سے بچا لیجئے۔ کیونکہ ایمان کا مقتضا یہی ہے کہ انسان کو دوزخ سے بالکل بچا لیا جائے اور اگر کبھی کسی وجہ سے چند دن کے لئے دوزخ میں جانا بھی پڑے تو جلدی وہاں سے نکل جائے۔ اب آگے چند اور درخواستیں مذکور ہیں جو اسی بنیاد پر کی گئی ہیں اور جن کا مبنیٰ یہی ایمان اور توحید ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ عبث نہیں بنایا یعنی اس عالم کا انتہا ہے دوسرے عالم میں۔ موضح القرآن۔ شاہ صاحب نے باطل کی شرح خوب فرمائی۔ جہاں اس عالم کا وجود خدا تعالیٰ کی توحید کے لئے دلیل ہے وہیں اس کے تغیرات اس امر پر بھی دلیل ہیں کہ یہ عالم فنا ہونے والا ہے اور اس کے بعد دوسرا عالم ہے۔ تو گویا غور وفکر کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور یوم آخرت پر ایمان لاتے ہیں۔ (تسہیل) ف۲۔ اے ہمارے پروردگار ہم دوزخ کے عذاب سے اس لئے پناہ مانگتے ہیں کہ بلاشبہ جس کو تو نے دوزخ میں داخل کر دیا تو واقعی اس کو رسوا ہی کر دیا اور ایسے ظالموں اور ناانصافوں کا کوئی بھی ساتھی اور مددگار نہیں۔ اے ہمارے پروردگار ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا کہ وہ ایمان لانے کے واسطے منادی کر رہا ہے اور یہ کہہ رہا ہے کہ تم لوگ اپنے رب پر ایمان لے آؤ لہٰذا اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لے آئے اے ہمارے پروردگار اب تو ہمارے بڑے گناہوں کو بھی بخش دے اور ہماری چھوٹی خطاؤں کو بھی ہم سے زائل کر دے اور ہمارے قصوروں کو بھی معاف کر دے اور ہم کو نیک لوگوں میں شامل رکھتے ہوئے موت دے یعنی نیکی پر خاتمہ فرما۔ اے ہمارے پروردگار جن چیزوں کا تو نے اپنے رسولوں کی معرفت ہم سے وعدہ کیا ہے وہ چیزیں ہم کو عطا کر دے اور ہم کو قیامت کے دن رسوا نہ کرنا اور یقیناً تو وعدہ خلافی نہیں کیا کرتا اور اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔ (تیسیر) اوپر کی آیت میں حضرات اولی الالباب کے ذکر وفکر کا ذکر تھا اور مصنوعات عالم سے ایک خالق اور واجب الوجود پر استدلال کا ذکر فرمایا تھا اور آخر میں حضرت کی تنزیہ اور تقدیس کا ذکر کرنے کے بعد ان کی درخواست مذکور تھی کہ اے پروردگار دوزخ کے عذاب سے ہم کو بچا لیجئے اب ان آیات میں ان کی اور دعائیں مذکور ہیں۔ دعائیں نہایت جامع ہیں۔ پہلی دعا میں دوزخ سے پناہ مانگنے کی وجہ بیان کی ہے کہ دوزخ میں جس کو آپ نے داخل کر دیا تو اسے رسوا کر دیا کیونکہ تمام مخلوق کے روبرو رسوائی ہوئی اور کوئی اس کا مددگار اور حمایتی بھی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ دوزخ میں بھیجنا حضرت حق کے قہر کی علامت ہے اور مقہور کی حمایت کرنا ان کے قہر کو رفع کرنا ہے اور یہ ہو نہیں سکتا ورنہ ان کا عجز لازم آئے گا۔ اور بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس سے کافر مراد ہیں اور من تدخل النار کا مطلب یہ ہے کہ جس کو ہمیشہ کے لئے جہنم میں داخل کر دیا۔ اگرچہ یہ احتمال بھی ہے کہ اس سے گناہگار مومن مراد ہوں۔ تیسری درخواست میں ضمناً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اعتراف ہے اور استدلال عقلی کے بعد نقلی دلیل کے ساتھ بھی اپنے ایمان لانے کا اظہار ہے۔ اور کبائر وصغائر کی معافی کے لئے درخواست ہے اور خاتمہ بخیر ہونے کی دعا ہے۔ مع الابرار سے مراد معیت زمانی نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب ہماری موت آئے تو ہم زمرۂ ابرار میں شامل ہوں اور ہمارا نیک لوگوں میں شمار ہو۔ منادیاً ینادی للایمان سے مراد سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور یہ جو فرمایا کہ ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا کہ وہ دعوت الی الایمان دے رہا ہے۔ یہ سننا بلاواسطہ ہے ان لوگوں کے لئے جو حضور کے زمانے میں موجود تھے اور بالواسطہ سننا ہے ان لوگوں کے لئے جو بعد میں آنے والے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ منادی سے مراد قرآن ہو۔ اور قرآن کا منادی ہونا ہر زمانے میں ہے۔ اس کے بعد آخری دعا میں یہ عرض کیا ہے کہ اے پروردگار جس طرح ہم نے آپ سے عذاب اور گناہوں کے ضرر سے بچنے کی درخواست کی ہے اسی طرح ہم آپ سے دینی اور دنیوی منافع کے بھی طلبگار ہیں اور آپ نے اپنے رسولوں کی زبان سے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ ہم اپنے مومن اور نیک بندوں کو دنیا میں نصرت وفتح عطا کریں گے اور آخرت میں ان کو ثواب اور جنت عطا فرمائیں گے اس لئے ہم آپ سے عرض کرتے ہیں کہ جن چیزوں کا آپ نے وعدہ کیا ہے وہ ہم کو عنایت کر دیجئے۔ اور چونکہ قیامت کے دن یہ بھی اندیشہ ہے کہ کچھ عتاب یا ملامت یا کچھ دن عذاب کے بعد جنت میں بھیجا جائے اس لئے ہماری درخواست ہے کہ ہم کو ہر قسم کی رسوائی سے محفوظ رکھا جائے اور بغیر کسی رسوائی اور توبیخ وتعذیب کے ہم کو جنت میں بھیجدیا جائے۔ آخر میں انك لا تخلف الميعاد کہہ کر اس وہم کو رفع کر دیا گیا کہ آپ کی طرف سے خلف وعدہ کا احتمال نہیں ہے لیکن ہم کو اس کا خطرہ ہے کہ کہیں ہم اپنے اس معیار پر پورے نہ اتریں جس معیار کے لوگوں سے آپ نے وعدہ فرمایا ہے اس لئے ہم کو ان نیک لوگوں جیسا کر دیجئے اور ویسا ہی رکھئے جس سے ہم اس وعدے کے مستحق رہیں۔ ان امنوا بربکم کی تفسیر کئی طرح کی گئی ہے ہم نے ایک طریقہ اختیار کر لیا ہے جو ہمارے ترجمے سے ظاہر ہے۔ ذنوب سے مراد کبیرہ اور سیات سے مراد صغیرہ گناہ ہیں اور ہو سکتا ہے کہ پہلے اور پچھلے گناہ مراد ہوں۔ اور ہو سکتا ہے کہ ذنب سے مراد وہ گناہ ہیں جن کو گناہ جان کر کیا ہو

حالانکہ جو علم خواص باری تعالیٰ ہے یعنی ذاتی اور محیط وہ کسی مخلوق کے لئے ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ اور ان حرماں نصیبوں کے لئے اس آیت میں اس کی کوئی گنجائش ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی حق تعالیٰ مومن اور منافق کو اس طرح کھولتا ہے اور غیب سے خبر کسی کو نہیں بھیجتا مگر رسولوں کو۔ موضح القرآن۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے کس قدر مختصر خلاصہ نکالا ہے اور کیا خوب نکالا ہے۔ اب آگے پھر اہل کتاب کے بعض اعتراضات کا جواب ہے بیچ میں ایک خاص مناسبت سے غزوہ احد کا ذکر فرمایا تھا اور اس کے تفصیلی واقعات کا اظہار اور تمام شکوک وشبہات کا جواب فرمایا مسلمانوں کو تسلی دی گئی اور ان کی کوتاہی کے معاف کرنے کا اعلان کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مسلمانوں کی سفارش فرمائی۔ ان تمام واقعات کے بعد یہودیوں کے ایک اعتراض کا جواب اور اس جواب کی تمہید ہے۔ یہ تو ظاہر ہی ہے کہ یہود عام طور پر سخت بخیل ہوتے ہیں اور بخیل نہ دینے کے صد ہا بہانے تلاش کیا کرتا ہے۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے قرض حسنہ کا مطالبہ کیا اور قرض پر اضعاف مضاعفہ کا وعدہ فرمایا تو یہود نے نہایت گستاخی کے ساتھ سرکار رسالت مآب میں کہا اے محمد اللہ تعالیٰ مفلس اور فقیر ہو گیا ہے جو بندوں سے قرض مانگتا ہے۔ اور چونکہ اس کا منشا ان یہود کا وہی جبلی بخل تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے پہلے بخل کی مذمت فرمائی اور آگے ان کی گستاخی اور جرأت کا جواب دیا۔ (تسہیل) ف۲ اور وہ لوگ جو ایسی چیز کے خرچ کرنے میں بخل کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل وکرم سے عطا فرمائی ہے یہ سمجھیں اور ہرگز یہ خیال نہ کریں کہ یہ بخل کرنا اور بخل کی روش اختیار کرنا ان کے حق میں کچھ اچھا ہے ہرگز نہیں بلکہ یہ بخل کرنا ان کے لئے بہت برا ہے۔ کیونکہ قیامت کے دن یہ لوگ اس مال کا طوق بنا کر پہنائے جائیں گے جس مال میں انہوں نے بخل کیا تھا یعنی وہی چیز جس میں بخل کیا تھا قیامت کے روز ان کے گلے میں طوق ہو گی۔ اور آسمانوں کی اور زمین کی تمام میراث اللہ تعالیٰ ہی کی ہے اور آخر میں سب آسمان وزمین اور جو کائنات ان کے اندر ہے ان سب کا وارث وہی ہو گا اور تم لوگ جو اعمال کرتے ہو ان سب سے اللہ تعالیٰ باخبر ہے (تیسیر) ربط کی ایک تقریر تو ہم اوپر کر چکے ہیں لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اوپر جہاد کا ذکر تھا اور جہاد میں جان دینے کا ثواب فرمایا تھا اسی سلسلے میں بذل مال کا بھی ذکر فرمایا اور بخل کی مذمت فرمائی۔ بما اتاھم اللہ کا یہ مطلب تھا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کا تقاضا تو یہ تھا کہ اس کی راہ میں خوب خرچ کرتے لیکن ان بدبختوں نے الٹا اس کو اپنے بخل کا سبب بنا لیا۔ طوق ڈالے جانے کا مطلب یہ ہے کہ سونے چاندی کا طوق گرم کر کے گلے میں ڈالا جائے گا یا آگ کا طوق ان کے گلے میں ڈالا جائے گا یا جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ ان کے مال کو اژدہے کی شکل عطا کر دی جائے گی اور وہ بخیل کے گلے میں لپٹ کر بخیل کے منہ کو اپنے جبڑوں سے چباتا رہے گا۔ اور جب تک میدان حشر قائم رہے گا اور لوگ حساب کتاب سے فارغ ہوں گے یہ سانپ اس بخیل پر اسی طرح مسلط رہے گا اور یہ سانپ کہے گا انا کنزک انا مالک میں تیرا خزانہ ہوں میں تیرا مال ہوں۔ بعض لوگوں نے اس وعید کو مانعین زکوٰۃ پر محمول کیا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ ہر قسم کے حقوق واجبہ کی ادائیگی میں بخل کرنے والے مراد ہیں۔ خواہ وہ اپنا نفس ہو یا اپنے اہل وعیال ہوں، یا حاجت مند عزیز واقارب ہوں۔

یا ہمسایہ ہو۔ غرض جن حقوق کا ادا کرنا واجب اور لازم ہے ان سب میں کوتاہی اور بخل کرنے والے شامل ہیں۔ اسی طرح علم کے بخیل اور کتمان حق کرنے والے مال کے بخیل سے بھی بدتر ہیں۔ آخر میں بخلا کی حماقت کا اظہار فرمایا کہ یہ لوگ اتنی بات نہیں سمجھتے کہ سب کی موت کے بعد اس کائنات کا وارث اللہ تعالیٰ ہی ہے یہ سب کچھ اسی کی ملک ہے اور آخر میں وہی رہ جائے گا اور وہی سب کا مالک ہو گا پھر بھی تو جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ اسی کا ہو گا اور اگر زندگی میں اس کی راہ پر خرچ کر دو اور حقوق واجبہ ادا کرو تو اجر کے مستحق ہو گے اور اگر آخر میں سب کچھ اس کے پاس رہا تو تم کو ثواب بھی نہیں ملے گا۔ اور یہ جو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری سخاوت سے بھی واقف ہے اور تمہارے بخل سے بھی واقف ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ ظاہری اعمال کے ساتھ تمہاری نیت اور تمہارے خلوص سے باخبر ہے لہٰذا جو خرچ کرو خالص نیت سے خرچ کرو حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں جو کوئی زکوٰۃ نہ دے گا اس کا مال اژدہا بن کر گلے میں ہار پڑے گا اور اس کے کلے چیرے گا اور اللہ وارث ہے آخر تم مر جاؤ گے اور مال اسی کا ہو گا تم اپنے ہاتھ سے دو تو ثواب پاؤ۔ موضح القرآن ہم نے عرض کیا تھا کہ بعض حضرات نے یہاں بخل سے زکوٰۃ نہ دینے والے مراد لئے ہیں۔ اور جس حدیث میں اژدہے کا گلے کا ہار بننا اور اونٹ کا کاٹنا اور گائے کا سینگ مارنا وغیرہ کا ذکر آتا ہے اس میں مانعین زکوٰۃ مراد ہیں اس لئے بعض علماء نے آیت کی تفسیر بھی مانعین زکوٰۃ سے کی ہے بعض نے کتمان علم سے کی ہے۔ اور بعض نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ صفات جو توریت میں مذکور ہیں ان کو چھپانے سے کی ہے لیکن ہم عرض کر چکے ہیں کہ بہتر یہ ہے کہ آیت کو عام رکھا جائے اور جملہ حقوق واجبہ کی ادائیگی میں بخل کرنا مراد لیا جائے واللہ اعلم۔ اب آگے اس گستاخانہ بات کا جواب ہے جو یہود نے کہی تھی۔ (تسہیل) ف۳ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ان گستاخ لوگوں کا وہ گستاخانہ قول سن لیا ہے جو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے قرض حسنہ طلب کرنے پر کہا تھا کہ اللہ محتاج ومفلس ہے اور ہم غنی اور مالدار ہیں۔ ہم ان کی کہی ہوئی بات کو یقیناً ان کے نامۂ اعمال میں لکھ دیں گے اور اسی طرح ان گستاخ لوگوں کا یہ جانتے ہوئے کہ قتل انبیا ناجائز ہے پھر انبیا علیہم السلام کو قتل کرنا بھی لکھا جائے گا اور ان کو سزا دیتے وقت ہم کہیں گے کہ لو اب آتش سوزاں کے عذاب کا مزہ چکھو اور اس وقت ہم یہ بھی کہیں گے یہ عذاب ان افعال واقوال کفریہ کی پاداش میں ہے جو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجے تھے اور تم نے اپنے ہاتھوں سمیٹے تھے اور یہ امر یقینی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔ (تیسیر) حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ جب من ذالذی یقرض اللہ قرضا حسنا کی آیت نازل ہوئی تو یہود نے کہا اے محمد تیرا رب فقیر ہو گیا بندوں سے مانگنے لگا۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں (ابن مردویہ۔ ابن ابی حاتم) دوسرا لفظ ابن عباس کا یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ ایک روز یہود کے بیت المدراس میں تشریف لے گئے وہاں بہت سے یہودی اپنے بہت بڑے عالم اور حبر فنحاص کے گرد جمع ہیں فنحاص کے ساتھ ان کا ایک اور بہت بڑا عالم بھی موجود تھا جس کا نام اشیع تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا اے فنحاص تو اللہ سے ڈر اور اسلام لے آ تو خوب جانتا ہے کہ محمد اللہ کے رسول ہیں اور تمہارے پاس اللہ کی طرف سے حق لیکر آئے ہیں اور اس کی صفات تم توریت وانجیل میں پاتے ہو۔ اس پر فنحاص نے کہا اے ابوبکر ہم کو اللہ کی کوئی احتیاج نہیں بلکہ خود اللہ تعالیٰ ہمارا محتاج ہے ہم اس سے غنی ہیں اگر وہ غنی ہوتا تو ہمارے آگے کیوں عاجزی کرتا اور ہم سے کیوں قرض مانگتا اور تمہارے نبی ہم کو تو سود کھانے سے منع کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اگر غنی ہوتا تو وہ کیوں سود دیتا اور سود پر قرض لیتا اس گستاخی پر حضرت ابوبکرؓ نے فنحاص کے منہ پر ایک طمانچہ مارا اور فرمایا اگر تمہارے ہمارے مابین معاہدہ نہ ہوتا تو قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے میں تجھ کو قتل کر دیتا تو ہماری تکذیب کر سکتے ہو تو کرو لیکن اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی نہ کرو۔ اس واقعہ کے بعد فنحاص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور ابوبکر کی شکایت کی حضرت ابوبکر کو حضورؐ نے طلب کیا اور واقعہ دریافت کیا ابوبکرؓ نے تمام واقعہ عرض کر دیا اور یہ بھی کہا کہ اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کرنے سے مجھے غصہ آ گیا اور میں نے اس کے طمانچہ مارا فنحاص نے اپنے الفاظ سے انکار کیا اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ (ابن ابی حاتم) (۱) فنحاص کا یہ کہنا اور دوسرے لوگوں کا اس پر خوش ہونا اور فنحاص کو منع نہ کرنا اس کا مطلب یہ ہوا کہ سب لوگوں نے اس گستاخی کا ارتکاب کیا۔ (۲) یہود کا یہ قول بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ استہزاً ہو گا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حقیقتاً ان کا عقیدہ بھی یہ ہو کہ معاذاللہ خدا تعالیٰ محتاج ہے اور ہم غنی ہیں اور وہ فقر وافلاس کی وجہ سے بندوں سے قرض مانگتا ہے۔ بہرحال مذاق ہو یا عقیدتاً ہو ہر حالت میں ان کلمات کا کہنا کفر اور آیات قرآنی کی تکذیب ہے۔ اگر عقیدتاً یہ بات کہی ہو تب تو کفر میں شک ہی نہیں اور اگر مذاقاً ہو تب بھی آیات قرآنی کی تکذیب کو مستلزم ہے۔ (۳) اور جب یہ بات کافرانہ تھی تو اس پر وعید فرمائی۔ چنانچہ یہ فرمانا کہ اللہ تعالیٰ نے سن لیا ہے یہ عتاب کا انداز ہے اور یہ ایسا سننا نہیں ہے جیسا سمع اللہ لمن حمدہ میں ہے۔ اور چونکہ سماع علم بالمسموع کو لازم ہے اس لئے مطلب یہ ہے کہ جو کچھ ان یہود نے کہا وہ ہم کو معلوم ہے۔ اس لئے نامۂ اعمال میں درج کرنے کا ذکر کیا کہ یہ مجرم پر عادتاً زیادہ حجت ہوتا ہے کہ جو کچھ تو نے کہا وہ تیری رپورٹ میں لکھا ہوا ہے۔ (۴) اسی کے ساتھ ان کے قتل انبیا کی بھی کتابت کا ذکر کیا تاکہ یہ بات معلوم ہو جائے کہ یہ الفاظ کہہ کر تو انہوں نے نبی آخر الزماں کی تکذیب ہی کی ہے یہ تو ایسے نالائق اور بدکردار ہیں کہ انبیا علیہم السلام کو قتل کر چکے ہیں اور یہ جانتے ہوئے انہوں نے نبیوں کو قتل کیا ہے کہ انبیا کا قتل حرام اور حق کے خلاف ہے۔ (۵) اگرچہ انبیا کو ان کے بڑوں نے قتل کیا تھا لیکن یہ لوگ اپنے بڑوں کی مذمت نہیں کرتے تھے بلکہ ان کے اس فعل پر راضی تھے اس لئے ان کی طرف بھی قتل انبیاء کی نسبت کی گئی۔ (۶) اس کے بعد صراحتاً وعید کا اظہار فرمایا کہ ہم جس وقت ان کو سزا دیں گے تو یوں فرمائیں گے خواہ یہ وقت قبر میں ہو یا میدان حشر میں یا جہنم میں ڈالتے وقت (۷) سنکتب اور نقول کی نسبت مجازی ہے کیونکہ نامۂ اعمال فرشتے لکھتے ہیں اور اسی طرح عذاب کے وقت فرشتے کہیں گے ذوقوا اور ہو سکتا ہے کہ نقول کی نسبت حقیقی ہو اور سنکتب کی مجازی ہو۔ (۸) حریق کے معنی

حرق ہیں اور اضافت بیانیہ ہے۔ کیونکہ عذاب دینے والا تو در حقیقت اللہ تعالےٰ ہے یا اضافت سبب کی طرف ہے اور سبب کو قائمقام فاعل کے کر دیا ہو جیسا کہ بعض محققین نے اختیار کیا ہے۔ (۹) ذوق کے معنی تو اصل میں تھوڑی سی چیز کو منہ میں یا زبان پر رکھ کر چکھنے کے ہیں لیکن اب استعمال میں وسعت ہو گئی ہے اور ہر قسم کے محسوسات کے ادراک پر بولا جاتا ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مال اکثر کھانے پینے کے کام میں آتا ہے اور یہ لوگ بخیل تھے اس کی مناسبت سے ذوقوا کہا جائے گا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ چونکہ یہود نے ان اقوال سے انبیا کے متبعین کو تکلیف پہنچائی اور دکھ دیا اور مسلمانوں کے قلوب کو جلایا اس لئے اس کے عوض اسی جیسا عذاب ان کے لئے مقرر کیا گیا واللہ اعلم (۱۰) چونکہ اچھا برا کام کرنے میں ہاتھوں کو زیادہ دخل ہوتا ہے اس لئے بما قدمت ایدیکم فرمایا۔ مطلب یہ ہے کہ سب کچھ تمہارے ہی اعمال کا بدلہ اور تمہارے ہی اعمال کی پاداش ہے ورنہ ہم تو کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتے اور اللہ تعالےٰ ظالم نہیں ہے اور وہ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔ اگر معاذ اللہ وہ ظالم ہوتا تو اس کی یہ صفت بھی کامل ہوتی اور ذرا سا ظلم بھی بہت اور بے اندازہ ہوتا اس لئے مبالغہ کا صیغہ استعمال فرمایا واللہ اعلم۔ حضرت شاہ صاحبؒ حریق پر فرماتے ہیں یہود نے جو یہ آیت سنی کہ اقرضوا اللہ کہنے لگے اللہ ہم سے قرض مانگتا ہے تو اللہ محتاج ہے اور ہم دولت مند ہیں۔ موضح القرآن۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہم ان کی باتوں سے واقف ہیں اور آج کی بات سے کیا واقف ہیں ہم تو ان کی اس قتل و خونریزی سے بھی واقف ہیں جو یہ حرام جان کراپنے اپنے پیغمبروں کے ساتھ کرتے رہے ہیں جیسے حضرت یحییٰ اور حضرت ذکریا کا واقعہ تو قریب ہی کا ہے۔ اور جب ہم کو ان کے اقوال و افعال معلوم ہیں تو وہ قاعدے کے موافق سب ان کے نامۂ اعمال میں درج کر دیئے جاتے ہیں اور ان کی سزا ان کو بھگتنی پڑے گی اور ان سے یہ کہا جائے گا کہ عذاب حریق کا مزہ چکھو چونکہ تم نے مسلمانوں کو بہت طعنے دے دے کر جلایا تھا لہٰذا اب جلانے والے عذاب کی سزا کا مزہ چکھو۔ اور یہ بھی کہہ دیا جائے گا کہ یہ سزا اس کمائی کے عوض ہے جو تم نے خود اپنے ہاتھوں کمائی تھی کیونکہ یہ بات تو مسلم اور یقینی ہے کہ اللہ تعالےٰ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔ ظلم وہاں ہے ہی نہیں وہاں تو عدل ہی عدل ہے بداعمالوں کے ساتھ جو ہو وہ عدل اور نیک اعمال والوں کے ساتھ جو ہو وہ فضل۔ اب آگے اس سلسلے میں ان کی افترا پردازی اور ان کے قبائح میں سے ایک اور واقعہ کا ذکر فرماتے ہیں۔ (تسہیل)۔

بقیہ صفحہ ۱۱۷

یہود نے اس واقعہ کو سامنے رکھ کر یہ افترا کیا کہ قربانی کو اس طرح آگ کا نازل ہو کر کھا جانا یہ ہر مدعی نبوت کے لئے ضروری تھا۔ اگر وہ یہ مخصوص معجزہ نہ دکھائے تو وہ نبی نہیں ہو سکتا۔ اور چونکہ ان کی یہ بات بلا دلیل اور محض جھوٹ تھی اور اس کا جواب بھی بالکل ظاہر تھا اس لئے اس کی جانب کوئی التفات نہیں فرمایا بلکہ جواب دوسری بات کا دیا جو لزوماً ان پر عائد ہوتی تھی۔ اور جواب بھی ایسا الزامی دیا جس سے پہلی بات کا افترا ہونا خود بخود ظاہر ہو گیا جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اچھا اگر کسی نبی کی نبوت کا یہی معیار صداقت ہے جو تم کہتے ہو تو تم نے ان انبیا کو کیوں قتل کیا جو علاوہ اور معجزات کے یہ معجزہ بھی لیکر آئے تھے۔ گویا ان کی نبوت فریقین کے نزدیک مسلم تھی ہمارے نزدیک تو اس لئے کہ وہ صاحب معجزات تھے اور یہ صاحب معجزات ہونا ان کی نبوت کے لئے کافی تھا اور تمہارے نزدیک اس لئے کہ وہ آگ کا معجزہ بھی رکھتے تھے پھر تم نے ان کو قتل کیا۔ تو اس سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ تمہارے نزدیک نہ تو کسی مدعی نبوت کی نبوت کا یہ معیار ہے اور نہ خدا کا یہ حکم ہے۔ اور اگر میرے ہاتھ سے یہ معجزہ ظاہر بھی ہو جائے تب بھی تم مجھے نبی تسلیم نہیں کرو گے کیونکہ اس مخصوص معجزے کے ظاہر کرنے والوں کو قتل تک کر چکے ہو تو بھلا تم سے کیا امید ہو سکتی ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں بعضے رسولوں سے یہ معجزہ ہوا کہ کچھ چیز اللہ کی نیاز رکھی پھر آسمان سے آگ آئی اس کو کھا گئی بس وہ قبول ہوئی۔ اب یہود بہانہ پکڑتے تھے کہ ہم کو یہ حکم ہے کہ جس سے یہ معجزہ نہ دیکھیں اس پر یقین نہ لاویں اور یہ جھوٹے بہانے تھے ہر نبی کو معجزے ملے ہیں جدا سب کو ایک ہی معجزہ کیا لازم۔ موضح القرآن۔ رہی یہ بات کہ پیغمبروں کے قتل کی نسبت ان کی طرف کیوں کی گئی جبکہ قتل ان کے بڑوں نے کیا تھا تو اس کا جواب ہم ابھی اوپر آیت میں عرض کر چکے ہیں اور سورۂ بقرہ میں بھی کئی بار عرض کیا گیا ہے۔ اگر یہ شبہ کیا جائے کہ ان کا یہ مطالبہ پورا کر کے دیکھ لیا جاتا تو کیا حرج تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مطالبہ عناداً تھا صدق دل سے نہ تھا۔ نیز اس کے بعد یہ لوگ ایمان نہ لاتے اور عذاب استیصال کے مستحق ہوتے اور اس امت پر عذاب استیصال پہنچنا مقصود نہیں ہے پھر یہ کہ نبی آخر الزماں کا دور ایک علمی دور ہے اور ترقی یافتہ زمانہ ہے۔ اس میں علمی مباحث اور عقلی دلائل کی اہمیت ہے۔ قانونی ترقیاں اس امر کی مستدعی ہیں کہ قانون سے بحث کی جائے اور اپنی صداقت دنیا کو سمجھائی جائے۔ معجزات تو وقتی ہوا کرتے ہیں اگر معجزات کو نبوت کی شرط بھی تسلیم کر لیا جائے تو قرآن شریف کا معجز ہونا کافی ہے اور یہ معجزہ قیامت تک قائم رہنے والا ہے۔ جس کا جواب دینے سے دنیا عاجز رہی اور آئندہ بھی عاجز رہے گی۔ اس لئے جس پیغمبر کی نبوت پر شواہد عقلیہ اور نقلیہ موجود ہوں اور جس کا کمال اور بنی نوع انسان کے لئے ہدایت ہونا ظاہر ہو اس پیغمبر کو ہر منہ مانگے معجزے کی تعمیل ضروری نہیں۔ مزید برآں جب کہ اس منہ مانگے معجزے کی مانگ بھی محض عناداً ہو اور اس میں صداقت کا کوئی شائبہ نہ ہو۔ اب آگے اپنے پیغمبر کو تسلی دیتے ہیں۔ چونکہ ان یہود کی ناشائستہ حرکات سے حضور کو حزن و ملال ہونا ظاہر ہے اس لئے آپ کی تسلی فرمائی اور نہ ماننے والوں کے لئے وعید اور ماننے والوں کے لئے بشارت کا اظہار فرمایا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ (تسہیل)، ف ۱ اے پیغمبر اگر یہ معاندین اس پر بھی آپ کی تکذیب کریں تو آپ آزردہ خاطر نہ ہوں کیونکہ آپ سے پہلے بھی بکثرت رسولوں کی تکذیب کی جا چکی ہے اور بہت سے ایسے رسول جھٹلائے جا چکے ہیں جو دلائل و معجزات لیکر آئے تھے اور چھوٹے چھوٹے صحیفے لیکر اور روشن کتاب لیکر آئے تھے۔ جب ان کی تکذیب سے بھی یہ معاندین باز نہ آئے تو آپ ان کی تکذیب سے ملول نہ ہوں۔ ہر جاندار تم میں سے موت کا مزا چکھنے والا ہے اور بس مرنے کے بعد تم میں سے ہر ایک کو اپنے اپنے اعمال کی پوری پاداش قیامت کے دن ملے گی اور تم اپنے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیئے جاؤ گے۔ پھر جو شخص اس دن دوزخ سے دور رکھا گیا اور بچا لیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا تو بلاشبہ وہ کامیاب اور فائز المرام ہوا اور دنیاوی زندگی تو سوائے اس کے کچھ بھی نہیں کہ ایک دھوکے کا سامان اور ایک دھوکے کا سودا ہے (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ معاندین ایک قسم کے عادی مجرم اور تکذیب پیشہ لوگ ہیں ان کا دستور ہمیشہ یہی رہا ہے اور اپنے اپنے زمانے میں ہر پیغمبر کے ساتھ ان کا یہی سلوک رہا ہے۔ خواہ وہ پیغمبر بڑے بڑے معجزات لیکر آیا خواہ چھوٹے چھوٹے صحائف لایا۔ یا کوئی بڑی کتاب جیسے توریت انجیل اور زبور لیکر آیا۔ بڑی کتاب کو اس کی شان اور مضامین کے اعتبار سے منیر اور روشن فرمایا۔ جب ان کی عادت ہی یہ ہے اور ہر پیغمبر صاحب کتاب اور صاحب معجزات کے ساتھ ان کا سلوک ہی یہ ہے تو مرگ انبوہ جشنے دارد آپ کیوں ملول خاطر ہوں۔ رہی یہ بات کہ ایسے عادی مجرموں کو اور تحمل و برداشت کرنے والوں اور ایمان لانے والوں کو یوں ہی چھوڑ دیا جائے گا تو یہ بات نہیں ہے بلکہ تم سب کو مرنا اور موت کا مزا چکھنا ضرور ہے اور قیامت کے دن ہر ایک کو تم میں سے اپنے اپنے کئے کا پھل بھگتنا اور اجر حاصل کرنا ہے اور اس دن کامیابی کا سب سے بڑا راز یہ ہے کہ کوئی شخص دوزخ سے بچا کر جنت میں داخل کر دیا جائے۔ یہی حقیقی کامیابی ہے۔ زحزح کے معنی ہیں جلدی سے کسی چیز کو ہٹا لینا۔ ظاہر تو یہی ہے کہ اس سے وہ کامل مومن مراد ہیں جو دوزخ سے بالکل محفوظ رہیں اور جنت میں چلے جائیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کچھ دنوں معاصی کی پاداش بھگت کر نکال لئے جائیں یہ شکل بھی جلدی سے ہٹا لینے کی ہے۔ اگر یہ معنی کئے جائیں تو اس طرح سب مسلمان مراد ہوں گے اور ہمیشہ جہنم میں رہنے والوں کے مقابلے میں جس عرصہ میں بھی کوئی جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کر دیا جائے وہ کامیاب اور فائز المرام ہی ہے البتہ اس کی کامیابی ان حضرات مخلصین سے کم ہے جو جہنم سے پرے ہی پرے جنت میں داخل کر دیئے جائیں۔ دھوکے کا سامان اور دھوکے کا سودا دنیوی زندگی کو اس لئے فرمایا کہ اس کی ظاہری رونق کو دیکھ کر آدمی اس میں پھنس جاتا ہے اور چند دن کے بعد کھوٹے مال کی حقیقت اور اس کی قلعی کھل جاتی ہے اور چونکہ عارضی چیز ہے اس لئے اس میں انہماک کی اور اس کو مقصود بالذات بنانے کی مذمت کی گئی ہے۔ سورۂ قصص میں ہے وما اوتیتم من شیٔ فمتاع الحیٰوۃ الدنیا وزینتھا وما عند اللہ خیر وابقی۔ یعنی جو کچھ تم کو دیا گیا ہے وہ دنیوی زندگی کا سامان اور یہاں کی رونق ہے اور اللہ کے ہاں جو کچھ ملنے والا ہے وہ بہت بہتر اور بہت پائے دار ہے۔ یہاں دنیوی زندگی کو دھوکے کی ٹٹی اور دھوکے کا سودا کہنے سے یہی مطلب ہے کہ اس زندگی کو اصل مطلوب نہ بناؤ اور اس کو مقصود بالذات نہ سمجھو اور اس سے محبت نہ کرو بلکہ اس کو حصول آخرت کا ذریعہ بناؤ۔ غرور مصدر بھی ہو سکتا ہے اور غار کی جمع بھی ہو سکتی ہے۔ حضرت قتادہ کا قول ہے یہ دنیا ایسا سامان ہے جو چھوڑ دیا جائے گا اور اپنے لوگوں کو مضمحل کر دے گا تم اس سامان سے جس قدر ہو سکے اللہ تعالےٰ کی طاعت حاصل کر لو حضرت علیؓ نے فرمایا ہے یہ ہاتھ لگانے میں بڑی نرم ہے مگر اس کا زہر قاتل اور جان لیوا ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے یہ تشبیہ آخرت کے مقابلہ میں ہے اور اس شخص کی تشبیہ

حمراء الاسد میں جس طرح مسلمانوں نے کچھ تجارت کا مال خرید کر نفع کمایا اسی طرح بدر صغریٰ پر بہت سا مال فروخت کر کے خوب نفع کمایا۔ ان اسباب کی بنا پر مفسرین کی شان نزول کے بارے میں دو رائیں ہو گئیں۔ اکثر کی رائے یہی ہے کہ غزوۂ حمراء الاسد مراد ہے اور بعض کی رائے یہ ہے کہ نہیں بلکہ بدر صغریٰ کا واقعہ مراد ہے۔ اور چونکہ دونوں واقعے آپس میں ملتے جلتے ہیں اس لئے اس بحث میں زیادہ کھینچا تانی نہیں ہونی چاہئے۔ قرآن کی عمومیت کے پیش نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ قرآن کا مقصد دونوں غزووں کی طرف اشارہ کرنا ہو اور یہ کچھ مستعد نہیں واللہ اعلم غزوہ حمراء الاسد جب ابو سفیان احد کی جنگ سے اپنے لشکر کو لے کر لوٹا اور روحا تک آ گیا جو مکہ اور مدینہ کے وسط میں ایک مقام ہے تو اس کو ہوش آیا اور اس نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا اور یہ خیال ہوا کہ ہم اپنی کامیابی کو چھوڑ کر چلے آئے اگر ایک حملہ دوبارہ اور کرتے تو مسلمانوں کا ہمیشہ کو قصہ ختم ہو جاتا۔ یہ خیال کر کے دوبارہ واپسی کا قصد کیا۔ یہ بات جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوئی تو آپ نے مسلمانوں کو جمع کر کے ابو سفیان کے تعاقب کا حکم دیا اگرچہ مسلمان زخموں سے چور ہو رہے تھے لیکن انہوں نے اللہ اور رسول کی اس دعوت کو قبول کیا اور ابو سفیان کے تعاقب میں روانہ ہو گئے اور حمراء الاسد تک پہنچے۔ اللہ تعالیٰ نے ابو سفیان کے قلب میں رعب ڈال دیا اور وہ بجائے واپس آنے کے مکہ چلا گیا راستے میں اس کو قبیلۂ عبدالقیس کا ایک قافلہ ملا قافلہ والوں سے یہ کہتا گیا کہ تم ذرا اتنا کام کرنا کہ مسلمانوں کو ہماری طرف سے خوف دلانا اور کہنا کہ ابو سفیان بہت بڑی تیاری کر رہا ہے اور اب کی دفعہ اس کا خیال ہے کہ ہم مسلمانوں کا بالکل خاتمہ کر دیں گے مسلمانوں نے ان باتوں کو سن کر کہا حسبنا اللہ و نعم الوکیل۔ اور اتفاقاً حضور کو تاجروں کا وہاں ایک قافلہ مل گیا اور مسلمانوں نے اس قافلہ سے کچھ مال خرید لیا اور اس مال میں مسلمانوں کو بہت نفع ہوا۔ غزوہ بدر صغریٰ۔ یہ واقعہ اس طرح ہوا کہ ابو سفیان نے احد سے لوٹتے وقت کہا تھا کہ ہم آئندہ بدر صغریٰ میں موسم کے موقعہ پر تم کو ختم کریں گے اور پھر بدر میں لڑائی ہو گی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چیلنج کو منظور کر لیا لیکن آئندہ موسم کے موقعہ پر مکہ میں قحط پڑ گیا۔ ابو سفیان کا لشکر مرظہران تک آیا بھی لیکن پھر ہمت نہیں پڑی اور اس موقعہ پر ایک شخص نعیم بن مسعود کو کچھ دیکر اس خدمت پر مقرر کر گیا کہ تو جا کر مسلمانوں کے سامنے ہماری قوت اور ساز و سامان کا چرچا کر تاکہ مسلمان مرعوب ہو جائیں۔ اور بدر میں نہ آئیں اور ہماری بات بن جائے۔ یہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں مسلمانوں کو جمع کر کے ایک تقریر کی اور ابو سفیان کا چیلنج یاد دلایا اور تقریر میں آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر تم لوگ میرے ساتھ چلنے پر آمادہ نہ ہو گے تو میں تنہا تلوار لیکر چلا جاؤں گا اور مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ میری مدد کرے گا اور میں اکیلا ہی کامیاب ہو کر لوٹوں گا۔ مسلمانوں پر ایک طرف احد کے زخموں کا اثر تھا۔ بعض کے زخم اچھے نہ ہوئے تھے ادھر نعیم بن مسعود کی باتوں کا چرچا تھا کہ اب کے ابو سفیان بڑی تیاری سے آ رہا ہے۔ لیکن مسلمانوں نے کہا حسبنا اللہ و نعم الوکیل اور مسلمانوں کا کمال ایمانی اور بڑھ گیا اور اس میں مزید قوت پیدا ہو گئی چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حسب وعدہ بدر میں پہنچ گئے دشمن تو آیا نہیں اور موسم کی وجہ سے وہاں بازار لگتا تھا مسلمانوں نے وہاں خوب تجارت کی اپنا مال وہاں فروخت کیا اور نفع کما کر وہاں سے واپس آ گئے اللہ تعالیٰ نے کافروں کو مرعوب کر دیا اور وہ میدان بدر تک نہیں پہنچ سکے۔ ان ہی دونوں واقعوں کا آگے کی آیتوں میں ذکر ہے (یہی دونوں واقعے آگے کی آیتوں میں مذکور ہیں) حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں جب جنگ احد فتح ہوئی ابو سفیان جو کہ سردار تھا کافروں کا کہہ گیا کہ اگلے بدر پر پھر لڑائی ہے اور حضرت نے قبول کر لیا۔ جب اگلا سال آیا حضرت نے لوگوں کو حکم کیا کہ چلو لڑائی کو اس وقت جنہوں نے رفاقت کی اور تیار ہوئے ان کو یہ بشارت ہے کہ شکست کے بعد پھر جرأت کی۔ موضح القرآن۔ حضرت شاہ صاحب کا رجحان بھی مجاہد اور عکرمہ کی تفسیر کی جانب معلوم ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہ جو فرمایا للذین احسنوا منھم اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان میں کچھ محسن اور کچھ غیر محسن تھے اور کچھ متقی اور کچھ غیر متقی تھے۔ بلکہ یہ ایک اعلان ہے جو ایسے موقعہ پر ہوا کرتا ہے کہ جو وفادار رہے گا اس کو انعام ملے گا۔ خواہ سب کے سب وفادار ثابت ہوں اور ظاہر ہے کہ جنہوں نے باوجود زخمی ہونے کے اللہ و رسول کی دعوت جہاد کو قبول کیا وہ سب ہی محسن اور متقی تھے اور سب ہی اجر عظیم کے مستحق تھے۔ اب آگے اسی قصہ کا تتمہ ہے۔ (تسہیل) ف۲ یہ کہنا ماننے والے اور دعوت جہاد کو قبول کرنے والے ایسے مخلص لوگ ہیں کہ کچھ لوگوں نے یعنی عبدالقیس والوں نے یا نعیم بن مسعود نے جب ان سے کہا کہ ان کافروں نے تمہارے مقابلہ کے لئے بڑا سامان جمع کیا ہے اور اب کے حملہ پوری تیاری سے ہو گا لہٰذا تم ان سے ڈرتے رہنا اور تم کو ان سے خوف کرنا چاہئے۔ تو اس خبر نے ان کے ایمان کو اور قوی کر دیا اور ان کے جوش ایمانی اور کمال ایمانی کو اور بڑھا دیا اور انہوں نے نہایت استقلال سے بے خوف ہو کر جواب دیا کہ تمام کاموں میں اللہ تعالیٰ ہم کو کافی اور بس ہے اور جملہ امور کے لئے وہی بہتر وکیل اور کارساز ہے (تیسیر) حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں ابو سفیان نے چاہا کہ حضرت وعدے پر نہ آویں تو الزام ان پر رہے اور لڑائی سے خوف کھایا ایک شخص مدینہ کی طرف جاتا تھا اس کو کچھ دینا کیا کہ وہاں اس طرف کی ایسی خبریں کہیو کہ وہ خوف کھاویں۔ اور جنگ کو نہ آویں وہ شخص مدینہ میں پہنچکر کہنے لگا کہ مکہ کے لوگوں نے بڑی جمعیت کی تم کو لڑنا بہتر نہیں مسلمانوں کو حق تعالیٰ نے استقلال دیا اور یہی کہا کہ ہم کو اللہ بس ہے۔ آخر بدر پر گئے تین روز تجارت کر کر نفع لیکر پھر آئے اگلی آیتوں میں بھی یہی ذکر ہے موضح القرآن۔ آیت میں دو جگہ الناس آیا پہلے الناس سے مراد پروپگنڈہ کرنے والے لوگ ہیں خواہ وہ عبدالقیس کے قافلے والے ہوں خواہ نعیم بن مسعود ہو۔ اگرچہ نعیم ایک شخص تھا لیکن وہ بہت سے آدمیوں کی ترجمانی کر رہا تھا اس لئے اس کو الناس کہدیا۔ دوسرے الناس سے مراد کفار مکہ اور ان کے حلیف ہیں۔ قد جمعوا لکم کا مطلب یہ ہے کہ اجتماع کے اعتبار سے بھی اب کے تعداد بہت ہو گی اور سامان کے اعتبار سے بھی بڑا سامان مکہ والوں نے تمہارے تباہ کرنے کی غرض سے جمع کیا ہے۔ فزادھم ایمانا کا مطلب یہ ہے کہ کفار سے ڈرانے والوں کے ڈرانے کا اثر الٹا ہوا بجائے ڈرنے کے مسلمانوں کا ایمان ان کی باتوں سے اور مضبوط ہو گیا۔ ایمان کی زیادتی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تصدیق بڑھتی گھٹتی ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ جوش ایمانی۔ اور کمال ایمانی میں اضافہ ہو گیا کیونکہ نفس تصدیق زیادہ نہیں ہوا کرتی حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بخاری نے نقل کیا ہے کہ حسبنا اللہ ونعم الوکیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وہ آخری جملہ ہے جو انہوں نے آگ میں ڈالے جانے کے وقت کہا تھا حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب تم کسی سخت مشکل میں گرفتار ہو جاؤ تو حسبنا اللہ و نعم الوکیل۔ پڑھا کرو۔ ابن مردویہ نے اس روایت کو نقل کیا ہے۔ حضرت عوف بن مالک سے روایت ہے کہ حضور نے دو آدمیوں کے مابین فیصلہ کیا جس شخص کے خلاف فیصلہ ہوا تھا اس نے کہا حسبی اللہ و نعم الوکیل۔ حضور نے فرمایا اس کو لوٹا کر لاؤ۔ جب وہ حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا تو نے کیا کہا تھا اس نے کہا میں نے حسبی اللہ و نعم الوکیل کہا تھا۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ عجز اور بے چارگی پر ملامت کرتا ہے ہاں تجھ کو ہوشیار رہنا چاہئے جب کوئی کام تجھ پر غالب آ جائے تو اس وقت یہ جملہ کہا کر۔ حضرت عائشہؓ جب صفوان بن معطل کی سواری پر سوار ہوئی تھیں تو انہوں نے بھی حسبنا اللہ و نعم الوکیل کہا تھا جس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ان کی برأت نازل فرمائی۔ شداد بن اوس سے ابو نعیم نے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ یہ کلمہ پڑھنے والے کے لئے موجب امان ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سخت غمگین ہوتے تو اپنے چہرہ مبارک اور سر پر ہاتھ پھیرتے اور حسبی اللہ و نعم الوکیل پڑھتے۔ اس روایت کو ابن ابی الدنیا نے نقل کیا ہے۔ وکیل اس کو کہتے ہیں جس کے کام سپرد کیا جائے۔ عرب کے لوگ جمع لشکر اور جیش کو بولتے ہیں۔ صاحب مواہب لدنیہ نے فرمایا ہے کہ نعیم بن مسعود نے غزوۂ احزاب میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ ایسے بہت سے لوگ ہیں جن کی ابتدائی روش کفر و نفاق کی رہی اور آخر میں مشرف بالاسلام ہو گئے۔ فمنھم من یولد کافرا و یحیی کافرا و یموت مومنا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پہلے الناس سے مراد مدینہ کے منافق ہوں اور انہوں نے مسلمانوں کو مرعوب کرنے کی غرض سے اس قسم کی خطرناک افواہیں مشہور کی ہوں۔ واللہ اعلم۔ اب آگے بدر سے یا حمراء الاسد سے مسلمانوں کی کامیاب واپسی کا ذکر فرماتے ہیں (تسہیل)

بقیہ صفحہ ۱۱۵

اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ آخرت میں ان کو بالکل کوئی حصہ نہ دے اور اس محرومی کے ساتھ ساتھ ان کو بڑا ہی سخت عذاب ہو گا اور بڑی سخت سزا ان کو دی جائے گی۔ (تیسیر) حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی منافق لوگ کہ جہاں مسلمانوں کی نیچ دیکھی اور کفر کی باتیں کرنے لگے موضح القرآن۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ منافقوں کے اس کھل جانے سے جس کو قرآن نے یسارعون فی الکفر سے تعبیر کیا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قلق ہوتا ہو گا اور آپ کا قلق اور ملال طبعاً محض اس بنا پر ہوتا ہو گا کہ اس سے دین کو نقصان پہنچے گا اور دوسرے مسلمانوں پر برا اثر پڑے گا۔ اس سے آپ کو مطمئن فرمایا کہ اللہ کے دین کو یہ لوگ کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ اور جب دین کی

طرف سے ہم آپ کو مطمئن کر رہے ہیں تو اب تم طول خاطر نہ ہو۔ کیونکہ جس ضرر سے تم رنجیدہ ہوتے ہو اس سے ہم تم اطمینان دلا رہے ہیں۔ اسی کے ساتھ تکوینی طور پر ایک اور بات فرمائی جس کو یرید اللّٰہ سے تعبیر کیا۔ یہاں ارادہ یا چاہنا اس معنی میں نہیں کہ اس کو یہ بات پسند ہے یا اس کی مرضی کے موافق ہے بلکہ وہی بات ہے جو ہم شروع میں عرض کر چکے ہیں کہ مریض کی بد پرہیزی کا یہ تکوینی اثر ہے کہ طبیب مطلق اس سے دستکش ہو جائے اور جس کا نتیجہ یہ ہو کہ مریض ابدی طور پر روحانی زندگی سے محروم ہو جائے، اور کفر کی موت مر جائے۔ ہم بار بار اس امر کو صاف کر چکے ہیں کہ ہر بری بات کا ایک اثر ہوتا ہے بعینہٖ جس طرح ہر بد پرہیزی کا ایک اثر ہوتا ہے۔ بد پرہیزی کا انتہائی اثر موت ہے اور روحانی بد پرہیزی کا اثر آخرت کے اجر و ثواب سے محرومی ہے یہ اصل حقیقت ہے گناہ اور اس کے انجام کی اور اسی کو فرمایا ہے یرید اللّٰہ الا یجعل لھم حظا فی الاٰخرۃ۔ اسی کو اللہ تعالےٰ کی صفت اضلال کے مظہر سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہئے جب نافرمانی کے خوگر ہو گئے اور بد پرہیزی سے باز نہ آؤ گے تو نتیجہ یہی ہو گا اور روحانی زندگی سے محروم ہو جاؤ گے۔ پھر فرمایا صرف حرمان نصیبی ہی نہیں بلکہ ایسے اشقیا اور بد نصیبوں کے لئے عذاب عظیم بھی ہے۔ آگے پھر اسی کی تفصیل و تاکید ہے (تسہیل) ۲۔ یقین جانو! جن لوگوں نے ایمان کو چھوڑ کر اس کی جگہ کفر اختیار کر رکھا ہے یہ لوگ اللہ تعالےٰ کے دین کو ہرگز ذرہ برابر بھی نقصان نہ پہنچا سکیں گے اور ان کو نہایت ہی دردناک عذاب ہو گا اور بڑی دردناک سزا ملے گی۔ (تیسیر) اس آیت میں عام طور سے فرمایا کوئی منافق ہو۔ کافر ہو پھر کافر بھی یہودی ہو نصرانی ہو غرض کوئی ہو کہیں کا ہو جو اس صلاحیت اور استعداد کو چھوڑ کر جس سے ایک انسان اسلام قبول کرتا ہے اس استعداد اور صلاحیت سے کام لے گا جو کفر قبول کرنے میں ممد و معاون ہوتی ہے، تو ایسے لوگ سن لیں کہ وہ اللہ کے دین کا کوئی نقصان نہیں کر سکتے اور ان کا انجام بھی وہی ہو گا جو اوپر ذکر ہو چکا ہے یعنی بڑا عذاب اور انتہائی دردناک عذاب ان لوگوں کو دیا جائے گا یہاں اسی ایک استعداد کو معطل اور دوسری استعداد سے کام لینے کو خرید و فروخت سے تعبیر کیا ہے۔ ورنہ حقیقی خرید فروخت نہیں ہے۔ بلکہ ایک چیز کے بدلے میں جس کو اگر چاہتے تو اختیار کر سکتے تھے (یعنی ایمان) دوسری چیز اختیار کر لی یعنی کفر گویا ایک چیز کے بدلے میں دوسری چیز لے لی۔ یہی مطلب ہے اشتروا الکفر بالایمان کا جیسا کہ ہم کئی دفعہ بیان کر چکے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ دوڑ دوڑ کر کفر کی طرف جاؤ اور یا کھلم کھلا کافر بنو، ایسے لوگ اللہ کو اور اس کے رسول کو اور اسلام کو تو کچھ نقصان پہنچا نہ سکیں گے البتہ خود ہی عذاب عظیم اور عذاب الیم کے مستحق ہوں گے۔ اب آگے کافروں کی ایک بات کا جواب ہے۔ ہم اوپر کئی مرتبہ عرض کر چکے ہیں کہ ان کی گرفت بھی حکمت سے خالی نہیں اور ان کا ڈھیل دینا بھی مصلحت سے خالی نہیں۔ اسی ڈھیل اور مہلت کا ذکر فرماتے ہیں کیونکہ کافر اس مہلت سے یہ استدلال کرتے تھے کہ اگر ہم واقعی اللہ کی نظر میں مغضوب ہیں تو وہ ہم کو پکڑ کیوں نہیں لیتا اور جب وہ کوئی گرفت نہیں کرتا اور ہم برابر عیش کر رہے ہیں تو قیامت میں بھی ہم سے کوئی مواخذہ نہ ہو گا اور وہاں کا عیش بھی ہم کو ہی میسر آئے گا۔ اس استدلال کی غلطی پر تنبیہ کی جاتی ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل) ۳۔ اور جو منکرین حق کفر میں مبتلا ہیں اور کفر کر رہے ہیں وہ عذاب کی اس مہلت کو جو ہم نے ان کو دے رکھی ہے یہ نہ سمجھیں کہ ہمارا ان کو عذاب سے یہ مہلت دینا ان کے حق میں کچھ بہتر اور مفید ہے۔ یہ ڈھیل تو ہم ان کو بس اس لئے دے رہے ہیں تاکہ وہ گناہ میں اور ترقی کر جائیں اور کفر میں اور بڑھ جائیں کیونکہ جتنی عمر زیادہ ہو گی کفر اور افعال کفریہ زیادہ ہوں گے۔ اور آخرت میں ان کو توہین آمیز اور ذلیل و رسوا کن عذاب ہو گا (تیسیر) کافروں کے ظاہری عیش اور عزت و غلبہ کی حقیقت ظاہر فرمائی اور یہ بتایا کہ دنیا میں مجرم کو فوری عذاب نہ آنا اور اس کی گرفت میں جلدی نہ کرنا کچھ اس کے حق میں اچھا نہیں ہے ان راہ گم کردہ لوگوں کا یہ خیال کرنا کہ دنیوی عیش اور کثرت مال و جاہ اور عارضی فتح اور کامرانی ان کے حق میں کوئی خیر ہے، نہیں یہ تو ایک مرتبہ دینا ہے پوری طرح عذاب دینے کا جس طرح قرآن میں اور جگہ بھی فرمایا ایحسبون انما نمدھم بہ من مال و بنین نسارع لھم فی الخیرات۔ یعنی کیا یہ کافر یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم جو ان کو مال میں اور بیٹوں میں بڑھا رہے ہیں تو کوئی ان کے ساتھ بھلائی میں جلدی کر رہے ہیں۔ غرض اس قسم کی آیات کا مطلب یہ ہے کہ یہ امہال سبب ہے آئندہ عقوبت اور بھرپور عذاب کا لیکن کافر اس امہال کو جو سبب ہے عقوبت فی المآل کا سبب قرار دے لیتا ہے ازدیاد اثم کا کیونکہ وہ اس امہال کو آئندہ عقوبت کا سبب ہی نہیں سمجھتا اس لئے گناہ زیادہ کرتا ہے یا اس بنا پر کہ اس کی طبیعت کا مقتضا ہی یہ ہے کہ جتنا اس کو موقعہ ملے گا وہ گناہ ہی کرے گا۔ لہٰذا امہال اصل میں تو سبب ہے عقوبت کا لیکن کافر نے اس سبب کے سبب کو جو ازدیاد اثم ہے اختیار کر رکھا ہے اس لئے حضرت حق نے سبب کے سبب کو قائم مقام سبب کے بیان فرمایا اور یہ انتہائی بلاغت ہے۔ ورنہ ازدیاد اثم سبب ہے امہال کا اور امہال سبب ہے عقوبت فی المآل کا۔ اسی لئے اہل سنت نے لیزدادوا کے لام کو علت کا لام قرار دیا ہے بخلاف معتزلہ کے کہ انہوں نے اس لام کو عاقبت کہا ہے۔ فقیر نے جو عرض کیا ہے اس سے معتزلہ کی توجیہ کا بطلان ظاہر ہے۔ مقاتل نے اس آیت کا شان نزول مشرکین مکہ کے حق میں بتایا ہے۔ عطاء نے کہا قریظہ اور نضیر کے یہودیوں کی عیش پسندی کے سلسلے میں اس کا نزول ہوا ہے حضرت ابوبکر سے مرفوعاً روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللّٰہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا لوگوں میں سے کون سا آدمی بہتر ہے۔ آپ نے فرمایا جس کی عمر طویل ہو اور اس کے عمل اچھے ہوں پھر پوچھا آدمیوں میں برا آدمی کون ہے آپ نے فرمایا جس کی عمر طویل ہو اور اس کے عمل برے ہوں۔ اس روایت کو احمد۔ ترمذی اور دارمی نے روایت کیا ہے۔ بیہقی نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے فرمایا نبی کریم صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے قیامت میں ایک پکارنے والا پکار کر کہے گا ساٹھ برس والے کہاں ہیں۔ ابن عباس نے کہا یہی وہ عمر ہے جس کو قرآن نے کہا ہے اولم نعمرکم ما یتذکر فیہ من تذکر وجاءکم النذیر۔ آیت میں جو لفظ خیر آیا ہے وہ تفضیل کے لئے نہیں ہے۔ اور اگر تفضیل کے لئے ہو تو یہ مطلب ہو گا کہ کافر چونکہ امہال کو بہت بہتر سمجھتے تھے اس لئے اسم تفضیل بول لائے۔ اس آیت میں کافروں کے غلط نظریہ کا جواب تھا کیونکہ وہ اس امہال سے استدلال کرتے تھے کہ اگر ہم برے ہیں اور خدا کی مرضی کے خلاف کام کر رہے ہیں تو وہ ہم کو عذاب کیوں نہیں کرتا اور ہماری گرفت کیوں نہیں ہوتی۔ اب آگے مسلمانوں پر جو مصائب و آلام آتے ہیں جیسے غزوۂ احد میں ہوا، اس کی بعض حکمتیں بیان کرتے ہیں تاکہ یہ شبہ نہ کیا جائے کہ اگر مسلمان حق پر ہوتے تو ان پر بلائیں اور مصیبتیں کیوں نازل ہوتے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل)

بقیہ صفحہ ۱۱۶

یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک منافق مسلمانوں سے نمایاں نہ ہو جائیں جیسا کہ تیسیر میں اس کی طرف اشارہ ہے (۳) لیطلعکم علی الغیب کا مطلب یہ ہے کہ اس قسم کے امور کہ فلاں منافق ہے اور فلاں مخلص ہے ہر شخص کو نہیں بتائے جاتے۔ اور چونکہ آیت میں اسی کی بحث ہے اس لئے ہم نے تیسیر میں ایسے امور کو غیبیہ عرض کیا ہے تاکہ یہ شبہ نہ کیا جائے کہ بعض اہل اللہ کو کشف کے ذریعہ سے بعض باتیں معلوم ہو جاتی ہیں تو اول تو یہاں عام باتیں زیر بحث نہیں۔ پھر کشف کو غیب دانی نہیں کہتے کشف تو ایک ظنی چیز ہے وحی کے مقابلے میں اس کی کوئی حقیقت نہیں پھر کسی ولی کے کشف کے لئے دوسرے مسلمان مکلف نہیں۔ (۴) یجتبی من رسلہ میں من بیانیہ ہے اسی رعایت سے ہم نے تسہیل میں خلاصہ کیا ہے کہ اللہ تعالےٰ اپنے بندوں میں سے جن کو منتخب فرماتا ہے یعنی وہ منتخب اور چیدہ بندے رسول ہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ منتخب شدہ حضرات میں سے اطلاع علی الغیب کے لئے پھر منتخب کرتا ہے۔ غرض رسولوں کا یہ مرتبہ ہے کہ اللہ تعالےٰ غیب کی کسی بات پر آگاہ کرنا چاہے تو ان کو وحی کے ذریعہ کر دیتا ہے یا ایسے قرائن بتا دیتا ہے جس سے وہ اس پوشیدہ بات کو معلوم کر لیتے ہیں۔ اسی کو ہم نے تیسیر اور تسہیل میں صاف کیا ہے تاکہ یہ شبہ نہ کیا جائے کہ رسول بھی بعضے منتخب اور بعضے غیر منتخب ہیں۔ اس کی زیادہ تفصیل ان شاء اللہ تبارک الذی پارہ انتیس میں عالم الغیب فلا یظھر علی غیبہ احدا میں آ جائے گی جو سورۂ جن کی آخری آیت ہے اور ہو سکتا ہے کہ من تبعیضیہ ہو اور مطلب یہ ہو کہ بعض رسولوں کو اپنے غیب کی باتوں سے باخبر کر دیتا ہے واللّٰہ اعلم۔ (۴) جب یہ بات معلوم ہو گئی کہ دنیوی مصائب و آلام اور عیش و عشرت کو کفر اور اسلام کے بطلان و صداقت میں کوئی دخل نہیں تو فاٰمنوا کا ربط صاف ہے کہ اسلام کی صداقت پر ہزارہا دلائل عقلی و نقلی موجود ہیں ان کو سمجھ کر اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ۔ تم مسلمانوں کی ہزیمت اور کفار کی فتح سے جو استدلال کرتے ہو یہ طریقۂ استدلال غلط اور لغو ہے۔ البتہ مسلمانوں پر دنیوی مصائب کا نزول اور اس پر صبر و استقامت کی وجہ سے اللہ کے نزدیک ماجور و مقبول ہونا یقینی ہے۔ لیکن یہاں اس کی بحث نہیں ہے یہاں تو صرف یہ بحث ہے کہ کافروں کی عارضی فتح کفر کے حق ہونے کی دلیل ہے اور مسلمانوں کی عارضی ہزیمت ان کے ناحق پر ہونے کی دلیل ہے۔ خوب سمجھ لیجئے اور زیادہ تحقیق منظور ہو تو روح المعانی ملاحظہ کیجئے۔ (۵) بعض اہل باطل نے اس آیت سے انبیا کے لئے جمیع مغیبات کا علم ثابت کیا ہے۔

اور سیات سے وہ گناہ مراد ہوں جو جہالت سے کئے ہوں۔ بہرحال ہم نے حضرت عبداللہ بن عباس کا قول اختیار کیا ہے۔ تکفیر کے معنی اصل میں توڑھانک لینے کے ہیں لیکن عام طور سے ازالہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بڑے گناہ معاف کر دیجئے اور چھوٹی موٹی تقصیرات پر پردہ ڈال دیجئے۔ بہرحال دوزخ سے بچ جانا اور جنت میں داخل ہو جانا۔ طاعات کی توفیق کامل ہو جانا اور گناہوں کا معاف ہو جانا۔ یہی وہ چیزیں ہیں جس کی ایک مسلمان کو ضرورت ہے۔ اور یہ سب باتیں ان دعاؤں میں موجود ہیں۔ آگے کی آیت میں ان دعاؤں کی اجابت اور قبولیت کا اعلان ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ (تسہیل)

بقیہ صفحہ ۱۲۱

اللہ تعالٰے کے پاس اپنے نیک بندوں کے لئے جو کچھ بھی ہے یعنی جو چیزیں ہم نے ذکر کی ہیں اس کے علاوہ بھی جو کچھ ہے مثلاً قرب۔ رحمت۔ کرامت۔ رویت یہ مذکورہ اور غیر مذکورہ سب چیزیں بہرحال متاع قلیل سے بدرجہا بہتر ہیں۔ آخر میں بعض ان اہل کتاب کا ذکر فرمایا جو مسلمان ہو گئے تھے۔ ان کے اوصاف میں چند باتیں فرمائیں۔ اللہ تعالٰے پر ایمان۔ قرآن اور اسلامی تعلیمات پر ایمان۔ اور توریت و انجیل پر اعتقاد۔ اللہ تعالٰے کی جناب میں خشوع اور خضوع۔ اور کتمان حق کا ترک یعنی رشوتیں لیکر اور دنیوی عزت و وجاہت کی خاطر جو تحریف و تبدیل کرتے تھے یا حضورؐ کی نعت چھپاتے تھے اس سے توبہ۔ ایسے نومسلموں کے لئے بھی اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا۔ حساب جلدی لینا کنایہ ہے جلدی اجرت کے مل جانے کا جو حساب جلدی کرے گا وہ بے باق بھی جلدی کر دے گا اور جو حساب کا لیچڑ ہو گا وہ بھگتان کا بھی لیچڑ ہو گا۔ یا جلدی کا مطلب یہ ہے کہ قیامت قریب ہے اور یہ حساب اللہ تعالٰے قیامت کے دن لے گا۔ ہم تفصیل پہلے عرض کر چکے ہیں۔ اردو میں بھی دونوں محاورے استعمال ہوتے ہیں ایک حساب جلدی لینا یعنی حساب لینے میں تاخیر نہ کرنا۔ اور ایک جلدی لینا یعنی جلدی سے کر دینا اور سکنڈوں میں ختم کر دینا۔ ان اللہ سریع الحساب میں دونوں کی گنجائش ہے ہو سکتا ہے کہ لکن الذین اتقوا سے مراد نومسلم یہودی عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی ہوں۔ اور ان من اھل الکتاب سے مراد نومسلم نصرانی نجاشی اور اس کے ساتھی ہوں۔ اور ہو سکتا ہے کہ دونوں آیتوں کا تعلق فقط نومسلم یہود سے ہو یا فقط نومسلم نصاریٰ سے ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لکن سے مراد نومسلم کافر ہوں، اور ان من اھل الکتاب سے نومسلم یہود و نصاریٰ ہوں شان نزول میں روایات مختلف ہیں۔ البتہ وان من اھل الکتاب سے نجاشی کا مراد ہونا یقیناً راجح اور صحیح ہے۔ واللہ اعلم۔ چونکہ شروع سورت میں نجران کے نصاریٰ اور وفد نجران کے شبہات کا جواب تھا اس لئے آخر میں نجاشی کے اسلام اور اس کے اجر و ثواب کا تذکرہ اور اس کے خشوع و خضوع کا ذکر فرمانا مناسبت کے اعتبار سے بعید از قیاس نہیں ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالٰے عنہ سے روایت ہے کہ جب نجاشی کا انتقال ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ تم اپنے بھائی کے لئے استغفار کرو۔ اس پر بعض لوگوں نے کہا یا رسول اللہ کیا آپ ایک حبشی کے لئے جو حبشہ میں رہتا تھا استغفار کا حکم کرتے ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ابن جریر کی روایت میں ہے جب نجاشی مر گیا جس کا نام اصحمہ تھا تو آپ نے اصحاب کو حکم دیا کہ تمہارا بھائی اصحمہ مر گیا ہے پھر آپ نے باہر نکل کر جنازے کی نماز کی طرح نماز پڑھی چار تکبیریں کہیں اس پر منافقوں نے کہا ایک حبشی کے لئے نماز پڑھتے ہیں جو حبشہ میں مرا ہے اس پر اللہ تعالٰے نے یہ آیت نازل فرمائی۔ آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ (۱) کفار کی خوش حالی اور عیش کو دیکھ کر متاثر نہ ہوا و مغالطہ نہ کھاؤ یہ چند روزہ نفع ہے جو نا قابل التفات ہے کیونکہ یہ تمام منافع آخرت کے مقابلہ میں ہیچ ہیں۔ (۲) اس کا یہ مطلب نہ سمجھنا کہ اگر کوئی مسلمان خوشحال ہو اور تجارت سے نفع کماتا ہو تو اس کا سفر بھی موجب حرماں ہے اور اس کا بھی آخری ٹھکانا جہنم ہے نہیں بلکہ مسلمان اس سے مستثنیٰ ہیں۔ (۳) تقویٰ سے مراد یہاں بھی ہر مرتبہ کا تقویٰ ہے جو قائلین توحید و رسالت کو بھی شامل ہے اسی لئے ہم نے ترجمہ مسلمان کیا ہے۔ اور جب معمولی درجہ کا موحد مسلمان مستثنیٰ ہے تو متقی بالاولیٰ مستثنیٰ ہوں گے۔ (۴) ایسے خوش حال مسلمانوں کے لئے خواہ وہ نومسلم ہی ہوں باغ ہیں اور نہریں ہیں اور یہ چیزیں اللہ تعالٰے کی طرف سے بطور مہمانی ہیں۔ (۵) یہ تمام مذکورہ چیزیں اور ان کے علاوہ اور جو کچھ اللہ تعالٰے کے ہاں ہے وہ نیک لوگوں کے لئے کافروں کی خوش حالی سے کہیں بہتر ہے۔ (۶) اہل کتاب میں خواہ وہ نصرانی ہوں یا یہودی ہوں جو کتب سماویہ پر اعتقاد رکھے گا اور اللہ تعالٰے کے ساتھ اعتقاد رکھے گا اور اللہ کے سامنے عاجزی کرے گا اور آیات الٰہی کو کم حقیقت قیمت پر فروخت کرتا نہ پھرے گا اور رشوتیں لیکر احکام الٰہی کو بدلے گا نہیں اور حق بات کو چھپائے گا نہیں تو ایسے نومسلم لوگوں کے لئے اللہ کے پاس ان کا اجر و ثواب موجود ہے اور ان کے ساتھ بھی وہی معاملہ ہو گا جو مسلمانوں کے ساتھ ہو گا۔ (۷) اللہ تعالٰے کے حساب لینے میں تاخیر نہیں ہے اور وہ بہت جلد حساب لے لیتا ہے اس کے حساب کرنے میں دیر نہیں لگتی۔ (۸) خاشعین للہ سے معلوم ہوا کہ یہ نومسلم اہل کتاب کا ذکر ہے کیونکہ اللہ تعالٰے کو تو عام طور سے غیر مسلم اہل کتاب بھی مانتے تھے لیکن ان میں خشوع نہ تھا۔ اور اسی بنا پر وہ نبی آخر الزماں اور قرآن کی مخالفت کرتے تھے۔ واللہ اعلم۔ اب سورت کے ختم پر تمام معاملات پر جو اہل اسلام کو کفار کی جانب سے پیش آئے تھے اور جن کا ذکر اس سورت میں آ رہا ہے ان معاملات کے لئے ایک ضابطہ بیان کرتے ہیں اور اسی ضابطہ پر اس سورت کو ختم فرمایا ہے۔ (تسہیل) ۲۰۰ اے ایمان والو تم مصائب پر صبر کرو اور تکالیف کو برداشت کرو اور جب جہاد اور میدان جنگ میں ہو تو دشمن کے مقابلے میں مضبوطی کے ساتھ جمے رہو اور حق کی خدمت کے لئے آمادہ و مستعد اور کمربستہ رہو اور ہر حال میں اللہ تعالٰے سے ڈرتے رہو تاکہ تم اپنے مقصد میں پوری طرح کامیاب اور فائز المرام ہو۔ (تیسیر) آیت میں مسلمانوں کو چار باتوں کا حکم دیا گیا ہے۔ پہلی بات کا مطلب یہ ہے کہ اپنے دین پر قائم رہو جس قسم کی تکالیف پیش آئیں ان کو ہمت کے ساتھ برداشت کرو خواہ وہ تکلیف نفس اور شیطان کے مقابلہ کی وجہ سے پیش آئے یا حضرت حق کی محبت اور عبادت میں پیش آئے یا کفار اور دشمنان دین کی جانب سے پیش آئے۔ یا اور کسی قسم کی بلا اور مصیبت پیش آئے دوسری بات کا مطلب یہ ہے کہ اگر اہل باطل سے مقابلہ ہو جائے تو ان سے مقابلہ میں ایسا صبر کرو کہ تمہارا صبر دشمنوں کے صبر پر غالب آ جائے۔ پہلا صبر عام ہے اور مصابرت میں خاص قسم کا صبر مراد ہے یعنی ایسا صبر جو دشمنوں کے مقابلہ میں کیا جائے۔ تیسری بات کا مطلب یہ ہے کہ خدمت کے لئے آمادہ اور کمربستہ رہو خود بھی مستعد رہو اور اپنے سامان اور گھوڑوں کو بھی تیار رکھو۔ مرابطہ کی تفصیل تو ہم ابھی عرض کریں گے۔ یہاں دو معنی ذہن نشین کر لینے چاہئیں۔ ایک معنی تو یہ ہیں کہ دارالاسلام کی حدود کا پہرہ دو اس حد کی حفاظت کرو جو دارالاسلام اور دارالکفر کے مابین ہے تاکہ دشمن اسلامی ملک کی حد میں داخل نہ ہو سکے اور دوسرے معنی یہ ہیں اللہ تعالٰے کے عام احکام کی پابندی اور اس پابندی پر مواظبت اس دوسرے معنی میں ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا بھی داخل ہے کیونکہ یہ بھی ایک حکم ہے اگرچہ استحبابی ہے چوتھی بات کا مطلب یہ ہے کہ حضرت حق جل مجدہٗ سے ڈرتے رہو اور یہ ڈرنا ہر حال میں ہے۔ اگر اللہ تعالٰے کا خوف ہو گا تو ہر حکم کے بجالانے میں خلوص اور نیک نیت رہے گی اور جو عمل نیک نیتی پر مبنی ہو گا وہ مقبول ہو گا اور یہی مقصد کی کامیابی ہے کہ حق تعالٰے کی خوشنودی کی غرض سے جو کام کیا جائے اس کو وہ قبول فرمالے اور جو ثمرہ ایک مقبول عمل پر مرتب ہوتا ہے وہ مرتب ہو جائے۔ حدیث میں آیا ہے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا میں تم کو ایسا عمل نہ بتاؤں جو خطاؤں کو مٹا دیتا ہے اور درجوں کو اونچا کرتا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا تکلیف کے وقت اچھی طرح وضو کرنا مساجد کی طرف بکثرت جانا اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا یہی رباط ہے یہی رباط ہے یہی رباط ہے۔ (مسلم نسائی) حضرت ابوہریرہ نے ابوسلمہ بن عبدالرحمان سے کہا تو جانتا ہے یہ آیت ان لوگوں کے حق میں نازل ہوئی ہے جو مسجدوں کو آباد رکھتے ہیں۔ نماز وقت پر پڑھتے ہیں پھر وہاں بیٹھ کر اللہ تعالٰے کا ذکر کرتے ہیں۔ یہی قول ہے حضرت علیؓ حضرت جابر بن عبداللہ۔ ابوایوب۔ ابن عباس۔ سہل بن حنیف اور محمد بن کعب قرظی کا رضی اللہ تعالٰے عنہم اجمعین۔ حضرت سہل بن سعد سے مرفوعاً روایت ہے کہ اللہ تعالٰے کی راہ میں ایک دن کا دینا دنیا اور ما فیہا سے بہتر ہے (بخاری مسلم) سلمان فارسی کے مرفوعاً الفاظ یہ ہیں کہ اللہ کی راہ میں ایک دن رات کا رباط ایک مہینے کے روزوں اور رات کی عبادت سے بہتر ہے اگر ایسی حالت میں مر جائے گا تو اس کا عمل قیامت تک جاری رہے گا۔ (مسلم) حضرت ابوہریرہ سے مرفوعاً روایت ہے جو شخص رباط کی حالت میں مرا وہ قبر اور قیامت کے فتنے سے مامون ہو گیا اور اس کو صبح شام رزق دیا جاتا ہے اور اس کے لئے قیامت تک مرابط کا ثواب لکھا جاتا ہے۔ (احمد) امام احمد نے ابوریحانہ سے نقل کیا ہے اللہ تعالٰے کی راہ میں ایک شب جاگنے والی آنکھ پر جہنم حرام کر دی گئی ہے۔ غرض اس باب میں بیشمار احادیث مروی ہیں اور دونوں معنی کی گنجائش ہے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں قول اختیار کئے ہیں۔ خواہ مواظبت علی الطاعات اختیار کر لیا جائے یا حدود دارالاسلام

کی حفاظت وحراست اختیار کرلیا جائے۔ ایک قول کا تعلق زمانۂ امن سے ہے اور دوسرے کا زمانۂ جنگ سے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں ثابت رہو یعنی دین پر۔ اور مقابلے میں یعنی جہاد میں اور لگے رہو یعنی کافروں کے سامنے۔ موضح القرآن۔ حضرت عثمان بن عفان سے داری نے نقل کیا ہے جو شخص کسی شب کو آل عمران کی آخری آیات کی تلاوت کرلیتا ہے تو وہ رات اس کی عبادت میں لکھی جاتی ہے۔ داری نے مکحول سے یہ بھی نقل کیا ہے جو شخص جمعہ کے دن آل عمران کا آخری حصہ تلاوت کرتا ہے تو فرشتے رات تک اس کے لئے رحمت کی دعا کرتے رہتے ہیں۔ (تسہیل)

الحمد للہ کہ آج ۲۰ صفر ۱۳۶۶ھ چہارشنبہ کے روز دن کے گیارہ بجے اپنے تقصیر علی کے اعتراف کے ساتھ سورۂ آل عمران کی تفسیر ختم کر رہا ہوں۔ اس حقیقت کا مکرر اعتراف کرتا ہوں کہ قرآنی مطالب اور مفاہیم کی وسعت کے مقابلے میں میری تفسیر محض لاشی ہے اور ایک ناپیدا کنار سمندر میں سے ذرا سی نمی بھی نہیں ہے۔ جو کچھ اپنے اساتذہ سے سنا اور جو اپنے اکابر کی تفاسیر سے سمجھا اس کا خلاصہ عرض کردیا ہے تاکہ عوام کو یہ کہنے کا موقعہ نہ ملے کہ ہم کو کسی نے قرآن کا ترجمہ نہیں سمجھایا ہم قرآن کو کس طرح سمجھتے۔ فقیر کو خدا کے فضل وکرم سے پوری توقع ہے کہ یہ تفسیر اور ترجمہ مسلمانوں کے لئے مفید ہوگا میں اللہ تعالیٰ کی جناب میں ملتجی ہوں کہ ترجمہ، تیسیر اور تسہیل کو قبول فرمائے اور مجھے دین و دنیا کی ذلت ورسوائی سے محفوظ رکھے اور فقیر کا خاتمہ اسلام پر فرمائے اور زمرۂ صالحین ومرابطین میں داخل کردے۔ اللھم وفقنا لما تحب وترضٰی واجعلنا من المرابطین۔ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ اجمعین۔

اب آگے سورۂ نساء کی تفسیر شروع ہوتی ہے۔ فقیر احمد سعید کان اللہ لہ۔ ۲۷ صفر ۱۳۶۶ھ یوم چہارشنبہ۔

سُوْرَۃُ النِّسَاءِ مَدَنِیَّۃٌ وَّھِیَ مِائَۃٌ وَّسِتٌّ وَّسَبْعُوْنَ اٰیَۃً وَّاَرْبَعٌ وَّعِشْرُوْنَ رُکُوْعًا

تمہید

سورۂ نساء مدینہ منورہ میں نازل ہوئی ہے۔ اس سورت میں ایک سو چھہتر آیتیں ہیں اور تین ہزار پینتالیس کلمے ہیں اور چھ ہزار تیس حروف ہیں اور یہ سورت چوبیس رکوع پر مشتمل ہے۔ سورۂ آل عمران اور سورۂ بقرہ میں جو آیتیں بیان کی گئی ہیں یہ سورت ان میں سے بہت سی باتوں کی تفسیر ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورت بھی غزوۂ احد کے لگ بھگ ہی نازل ہوئی ہے۔ کیونکہ ان ابتدائی لڑائیوں میں مسلمانوں کی جماعتی اور تمدنی پوزیشن میں نمایاں فرق ہوگیا تھا۔ وہی عرب جو دنیا کی قوموں میں ایک ناقابل التفات چیز تھے اب ایک قابل توجہ قوم بن چکے تھے۔ بڑے بڑے درباروں میں ان کے تذکرے ہوتے تھے۔ سوسائٹی بتدریج بڑھ رہی تھی اور سوسائٹی کی ضروریات بھی وسیع ہو رہی تھیں۔ کاروباری۔ تجارتی۔ تمدنی اور سیاسی تعلقات مختلف ممالک اور مختلف اقوام سے وسیع ہو رہے تھے۔ اب عرب محض ایک سوسمار کھانے والی قوم نہ تھی بلکہ ایک مستقل تمدن اور مستقل تہذیب کے ساتھ دنیا کے سامنے تھی۔ پھر عرب میں علاوہ کفار عرب کے یہود ونصاریٰ کی بھی تعداد بکثرت تھی۔ پھر عرب کے آس پاس مختلف خیالات کی قومیں آباد تھیں جن سے لین دین کے تعلقات تو پہلے ہی تھے اب سیاسی تعلقات کی تہذیب وترتیب بھی شروع تھی۔ یہ وہ تمام ضروریات تھیں جن میں سے بعض کو اس سورت میں پیش کیا گیا ہے۔ اگرچہ غزوۂ احد میں مسلمانوں کو ایک گونہ ہزیمت ہوئی تھی لیکن غزوۂ حمراء الاسد اور بدر صغریٰ نے مسلمانوں کی ساکھ کو پھر سنبھال لیا۔ البتہ ستر مسلمانوں کی شہادت نے سوسائٹی اور جماعت میں ایک نئی صورت حالات پیدا کردی ہے۔ اور مقتولین کے ورثے کا سوال۔ عزیزوں کے نابالغ بچوں کا سوال۔ ان کی بیوہ عورتوں کا سوال۔ تعداد ازواج کا مسئلہ۔ عورتوں کی حرمت وحلت کا مسئلہ۔ کون کون سی عورتوں سے نکاح جائز ہے اور کون کون سی عورتوں سے نکاح ناجائز ہے۔ تعداد ازواج کی صورت میں عورتوں کے باہمی حقوق۔ ایک بیوی ہو تو اس کے ساتھ سلوک۔ میاں بیوی کی باہمی پوزیشن۔ مرد کی ذمہ داری اور عورت کی ذمہ داری۔ عورت اور مرد کے مابین جھگڑا ہو تو اس کا تصفیہ۔ تصفیہ حقوق کے سلسلے میں عدل وانصاف سے کام لینا اور کسی کی سفارش اور چکنی چپڑی باتوں میں نہ آجانا۔ بڑھتی ہوئی سوسائٹی کے پیش نظر اہل قرابت کے ساتھ سلوک۔ گود پیٹ کے رشتوں کی حفاظت اور باہم حسن سلوک۔ پھر پڑوسیوں کے حقوق۔ یہ سب باتیں آپ کو اس سورت میں ملیں گی۔ پھر جماعت کی اخلاقی اصلاح کے پیش نظر نشہ بندی کی تحریک اور اس کی طرف تدریجی اقدام سفر اور غزوات میں بعض سہولتوں کا اعلان۔ میدان جنگ میں نماز کا طریقہ یعنی صلوٰۃ الخوف۔ ان تمام امور کے ساتھ یہود کی توبیخ اور نصاریٰ کو فہمائش۔ کفار عرب کو تنبیہ۔ منافقوں کے لئے وعید۔ مسلمانوں کو نفرا دو بیہودہ سوسائٹیوں سے روکنے کے احکام۔ یہ تمام باتیں اس سورت میں آپ کو تفصیلی طور پر نظر آئیں گی۔ اور اس طرح اس سورت کو آل عمران سے علاوہ ظاہری ربط کے معنوی طور پر بڑا ربط ہے اور اس سورت کو اپنی سابقہ سورتوں کی تفسیر کہنا کسی طرح بے جا نہیں ہے۔ الغرض یہ سورت عبادات اور معاملات باہمی اور غیر مسلموں کے ساتھ معاملات کی ایک خاصی اچھی تفصیل ہے۔ جس کو ہم انشاء اللہ تفسیر میں عرض کریں گے۔ ظاہری ربط کی حالت یہ ہے کہ آل عمران کو تقوے کے حکم پر ختم کیا تھا اور اس سورت کو تقوے ہی کے حکم سے شروع فرمایا ہے۔ اور چونکہ غزوۂ احد کے بعد جو چیزیں نہایت ضروری تھیں ان کو مقدم فرمایا۔ اور یتامیٰ کا ذکر سب سے پہلے شروع فرمایا اور سب سے اول تمہید میں یہ بات بتادی کہ بنی نوع انسان کی تخلیق ایک مرد اور ایک عورت سے ہوئی ہے اور اس اعتبار سے تم سب ایک ہی ہو۔ البتہ برتاؤ میں ہم نے ارحام یعنی گود پیٹ کے رشتوں کو مقدم رکھا ہے۔ تم بھی قرابت کے بارے میں احتیاط سے کام لیا کرو۔ اب سورۂ نساء کی تفسیر شروع ہوتی ہے۔ فقیر احمد سعید کان اللہ لہ۔

اللہ تعالیٰ کے نام کی برکت سے شروع کرتا ہوں جو بے حد مہربان اور بڑی رحمت کرنے والا ہے۔

ف۳ اے بنی نوع انسان! تم لوگ اپنے اس پروردگار کے احکام کی مخالفت سے ڈرو جس نے تم کو ایک جاندار یعنی حضرت آدم سے پیدا کیا اور اسی جاندار سے اس کا جوڑا یعنی حضرت حوا کو بنایا اور پھر ان دونوں سے بکثرت مرد وعورت کو دنیا میں پھیلا دیا اور ہم تم کو پھر تاکیداً حکم دیتے ہیں کہ اس اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو جس کے نام کا واسطہ دیکر اور جس کے نام کی قسمیں دے دے کر تم اپنے اپنے حقوق کا مطالبہ کیا کرتے ہو اور ایک دوسرے سے اپنا حق مانگتے ہو۔ اور دیکھو ارحام یعنی قرابت داری اور رشتہ داری کے بارے میں احتیاط کرو اور گود پیٹ کے تعلقات منقطع کرنے سے پرہیز کرو اور رشتہ داری کے حقوق کو ضائع کرنے سے ڈرتے رہو۔ اور اس بات کا یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ تم سب کے اعمال واحوال پر نگراں اور پوری طرح مطلع ہے۔ (تیسیر) بث کے معنی ہیں کسی چیز کو بلاترتیب پھیلا دینا۔ تسائل کے معنی ہیں باہم ایک دوسرے سے سوال کرنا، پوچھ گچھ کرنا، مطالبہ کرنا، اپنے اپنے حقوق طلب کرنا۔ ارحام رحم کی جمع ہے، رحم عورت کی بچہ دانی کو کہتے ہیں۔ یہاں اس سے مراد رشتہ داری اور قرابت کے تعلقات ہیں جس کو ناتا اور گود پیٹ کے رشتے کہا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ احکام کے ذکر سے پہلے تقوے کا حکم آیا اور تقوے کے سلسلے میں اپنی ربوبیت اور خالقیت کا اظہار فرمایا تاکہ یہ معلوم ہوجائے کہ بنی نوع انسان پر حضرت حق کا یہ بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے انسان کو اشرف المخلوق بنایا اور پیدا کرنے کے بعد ہر اعتبار سے بتدریج اس کی تربیت فرمائی۔ لہٰذا ایسے مربی اور ایسے خالق کے ہر حکم کی تعمیل کرنی چاہئے اور اس کے احکام کی مخالفت سے بچنا اور ڈرنا چاہئے۔ پھر پیدائش کے سلسلے میں تین طریقوں کا اظہار فرمایا کہ سب سے پہلے صرف مٹی سے ایک جاندار کو پیدا کیا پھر اس سے یعنی اس کی بائیں پسلی سے اس کی بیوی حوا کو پیدا کیا۔ جیسا کہ احادیث میں آیا ہے۔ اور تیسرا طریقہ وہ جو عام طور سے رائج ہے اور جو اس وقت بھی دنیا میں بطور سنت اللہ کے جاری ہے۔ عقلی طریقہ سے چار صورتیں ہوسکتی تھیں ایک بن ماں باپ کے پیدا ہونا۔ ایک بن ماں کے پیدا ہونا۔ ایک بن باپ کے پیدا ہونا۔ ایک ماں باپ سے پیدا ہونا۔ ان چار میں سے تین کا بیان یہاں ہے اور ایک آل عمران میں حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کے ذکر میں گذر چکا۔ چونکہ تمام اعمال کا مبنیٰ تقویٰ اور خشیت اللہ ہے اس لئے اپنی ذات سے ڈرنے کا پھر مکرر ذکر فرمایا۔ اور قرابت داری کے تعلقات سے بھی ڈرایا اور ان تعلقات میں حزم واحتیاط کی طرف اشارہ فرمایا۔ گویا اللہ تعالیٰ کے خوف سے اور اس کی گرفت سے ڈرو اور رشتہ داروں کے حقوق سے ڈرتے رہو۔ چونکہ یہ دونوں چیزیں عوام میں متعارف ہیں اور اہل عرب بکثرت بولا کرتے تھے۔ اسالک باللہ اور باللہ وبالرحم اور انا شدک باللہ والرحم۔ یعنی میں تم سے خدا کا واسطہ دیکر اپنا حق مانگتا ہوں۔ یا تم کو رشتہ داری کا واسطہ دیتا ہوں کہ ایسا کرو۔ یا تم کو خدا کی قسم دیتا ہوں۔ یا تم کو رشتہ داری کی قسم دیتا ہوں۔ یا تم کو اللہ تعالیٰ کا اور رشتہ داری کا واسطہ دیکر کہتا ہوں۔ خلاصہ یہ ہے کہ جن چیزوں کو تم اپنا حق مانگتے وقت استعمال کرتے ہو ان ہی چیزوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ تم کو ڈراتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی قوت وطاقت اور اس کے بے پناہ عذاب سے ڈرو اور ارحام سے ڈرنے کا مطلب یہ ہے کہ رشتہ داروں اور قرابت داروں کے تعلقات کو بگاڑنے اور ان کے حقوق میں کوتاہی کرنے سے ڈرو۔ رقیب کے معنی دیکھ بھال کرنے والا۔ نگہبان۔ اطلاع رکھنے والا۔ اردو اور فارسی کے شعراء اس

چچا کو طلب کیا اور ان کو حکم دیا کہ شہید بھائی کے مال میں سے دو ثلث لڑکیوں کو دے اور آٹھواں حصہ اس کی بیوہ کو دو اور جو بچے وہ تیرا ہے۔ علما نے حضرت جابر کی پہلی روایت کو سورۂ نساء کی آخری آیت کا شان نزول قرار دیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ راویوں نے دونوں حدیثوں کو خلط ملط کر دیا ہے۔ اگرچہ امام بخاری نے اس حدیث کو اسی جگہ نقل کیا ہے واللہ اعلم۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں اس آیت میں دو میراثیں فرمائیں اولاد کی اور ماں باپ کی اگر ملے ہوں مرد اور عورت تو مرد کا دوہرا حصہ عورت کا اکہرا اور اگر فقط عورتیں ہیں تو ایک کو آدھا مال اور زیادہ ہوں تو دو تہائی برابر بانٹ لیویں اور ماں کا حصہ اگر میت کو اولاد ہے یا بھائی بہن ہیں ایک سے زیادہ تو چھٹا حصہ اور اگر دونوں نہیں تو تہائی اور باپ کا حصہ اگر میت کو اولاد ہے تو چھٹا حصہ اور اگر اولاد نہیں تو عصبہ ہوا اور میت کا مال اول اس کے دفن اور کفن کو لگائیے جو کچھ بچے وہ اس کے قرض میں دیجئے جو کچھ بچے تو اس کی وصیت میں ایک تہائی تک لگائیے اس کے بعد میراث کے حصے ہیں اور ان حصوں میں عقل کا دخل نہیں اللہ صاحب نے مقرر فرمائے وہ سب سے دانا تر ہے۔ موضح القرآن۔ آیت میں اٰبَاؤُكُمْ وَاَبْنَاؤُكُمْ سے مراد اصول و فروع ہیں۔ باپ دادا پر دادا وغیرہ کو اصول کہتے ہیں اور بیٹے پوتے پراتے وغیرہ کو فروع کہتے ہیں۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ میراث کی تقسیم میں ہم اپنی حکمت کو جانتے ہیں تم کو کیا خبر کہ تمہارے لئے دنیا میں فروع زیادہ مفید ہوں گے یا اصول زیادہ نفع رساں ہوں گے کبھی بیٹا نافع ہوتا ہے اور کبھی باپ دادا مفید ثابت ہوتے ہیں۔ اسی طرح آخرت میں نہ معلوم کون نفع رساں ثابت ہوتا ہے اور کس سے توقع ہے اس لئے تم حصص کی تقسیم میں دخل نہ دو بلکہ جس طرح ہم نے اپنی حکمت بالغہ اور غامضہ سے تقسیم مقرر کر دی ہے اسی طرح ورثا پر تقسیم کیا کرو۔ ہو سکتا ہے کہ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا کا اشارہ وصیت کی جانب ہو اور مطلب یہ ہو کہ وصیت کو پورا کیا کرو اور یہ نہ سمجھو کہ مرنے والے نے وصیت کر کے ہم کو دنیوی نقصان پہنچایا اگرچہ بظاہر دنیوی نقصان معلوم ہوتا ہے لیکن آخرت کا نفع ہے۔ تم اس وصیت کو جاری کر کے آخرت کا ثواب حاصل کرو۔ واللہ اعلم۔ بہر حال ہم کیا اور ہماری عقل ہی کیا اللہ تعالیٰ نے میت کے مال کی جو تقسیم ورثا میں مقرر کی ہے وہی صحیح ہے اور اس پر عمل کرنا چاہیے۔ اور اسی پر ایمان رکھنا چاہیے۔ اور یہ واقعہ ہے کہ اس ترقی کے دور میں دنیا کے مروجہ قوانین میں سے کوئی قانون اس سے بہتر تقسیم نہیں پیش کر سکا۔ بلکہ اب تو یورپ اور ایشیا کی قومیں اسی تقسیم کو قبول کر رہی ہیں۔ اب آگے زوجین یعنی میاں بیوی کے حصص مذکور ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل)

بقیہ صفحہ ۱۲۵

یعنی میراث فرمائی بھائی بہن کی سو باپ اور بیٹے کے ساتھ بھائی بہن کو کچھ نہیں جب باپ بیٹا نہ ہو تب بھائی بہن کو پہنچے۔ بھائی بہن تین طرح ہیں ایک سگے جو ماں باپ میں شریک ہیں یا سوتیلے جو باپ میں شریک ہیں یا اخیافی جو ماں میں شریک ہیں یہ میراث ان تیسروں کی ہے۔ ایک کو چھٹا حصہ اور زیادہ کو تہائی ان میں مرد اور عورت کو برابر اور وہ دو قسم کے بھائی بہن مثل اولاد کے ہیں جب باپ بیٹا نہ رہا ہو پہلے سگے وہ نہ ہو تو سوتیلے اس سورت کے آخر ان کی میراث ہے اور یہ فرمایا کہ وصیت پہلے ہے جب اوروں کا نقصان نہ کیا ہو نقصان کی صورت دو طرح ہے ایک یہ کہ مال کی تہائی سے زیادہ وصیت کرے سو اس کا جاری ہونا زیادہ نہیں دوسرا یہ کہ جس کو میراث کا حصہ ملے گا اس کو اپنی طرف سے رعایت کر کر کچھ اور دے سو اس کا جاری ہونا معتبر نہیں اگر سب وارث راضی ہوں تو یہ دونوں وصیتیں قبول رکھیں نہیں تو نہ رکھیں۔ فائدہ یہ پانچ میراثیں جو فرمائیں یہ حصہ داروں کی ہیں اور ان کے سوا اور ہر قسم کے وارث ہیں جن کو عصبہ کہتے ہیں ان کو حصہ نہیں اگر عصبہ ہوا اور حصہ دار نہ ہو تو سب مال عصبہ لیوے اور جو دونوں ہوں تو حصہ داروں سے جو بچے وہ عصبہ لیوے اور جو کچھ نہ بچے تو کچھ نہ لیوے وہ عصبہ اصل تو وہ ہے جو مرد ہو عورت نہ ہو اور عورت کا واسطہ نہ رکھے اس کے چار درجے ہیں۔ اول درجے میں بیٹا اور پوتا ہے دوسرے درجے میں باپ اور دادا تیسرے درجے میں بھائی اور بھتیجا۔ چوتھے درجے میں چچا یا چچا کا بیٹا یا پوتا ایک درجے میں اگر کئی شخص ہوں تو جو میت سے قریب ہو وہ مقدم ہے جیسے پوتے سے بیٹا بھتیجے سے بھائی مقدم ہے پھر سوتیلے سے سگا مقدم ہے باقی اولاد میں اور بھائیوں میں مرد کے ساتھ عورت بھی عصبہ ہے اوروں میں نہیں۔ فائدہ اگر دونوں قسم کے وارث نہ ہوں تو تیسری قسم ہے ذوالرحم یعنی ایسے قرابت والے جس میں واسطہ عورت کا ہے اور حصہ دار نہیں جیسے نواسا اور نانا۔ اور بھانجا اور ماموں اور خالہ اور پھوپھی اور ان کی اولاد ان کا حساب بھی عصبہ کا سا ہے۔ موضح القرآن۔ آیت زیر بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ میت خواہ مرد ہو یا عورت مگر نہ تو اس میت کے باپ دادا پر دادا وغیرہ ہوں اور نہ بیٹا۔ پوتا۔ پراتا وغیرہ ہوں اور یہ میت بھی ایسی ہو جس کا ورثہ دوسروں کو ملنے والا ہو یعنی اس کے ترکہ میں مال ہو جس کے دوسرے وارث ہوتے ہیں۔ اور اس میت کے ایک ماں شریک بھائی یا ایک ماں شریک بہن ہو تو ان میں سے جو کوئی ہو اس کو چھٹا حصہ اس کلالہ میت کے مال میں سے دیا جائے گا اور اگر یہ ماں شریک بھائی بہن دو یا دو سے زائد ہوں تو سب کو ایک ثلث دیدیا جائے گا اور سب پر وہ ایک ثلث برابر برابر تقسیم ہوگا۔ اور یہاں وہ دوہرے اور اکہرے کا قاعدہ نہیں ہوگا مگر یہ تقسیم میت کی وصیت کو پورا کرنے اور اگر میت کے ذمہ کچھ قرض ہو تو اس کو چکانے کے بعد ہوگی۔ وصیت اور دین کا ذکر تو اوپر بھی کئی جگہ آیا ہے۔ یہاں غَيْرَ مُضَآرٍّ بھی فرمایا ہے۔ یہ قید بھی ایسی ہے کہ اس کا ہر وصیت اور دین میں اعتبار ہوگا۔ مضار میں بنا بر فاعل کا بھی احتمال ہے اور بنا بر مفعول کا بھی احتمال ہے۔ اگرچہ مطلب میں کوئی خاص فرق نہیں ہے خواہ میت نے نقصان پہنچایا ہو یا ورثا کو نقصان پہنچایا گیا ہو بات ایک ہی ہے۔ وصیت کا نقصان یہ کہ وارث کے حق میں وصیت کر جائے۔ یا ثلث سے زائد کر جائے یا وصیت تو ثلث کی کرے مگر وصیت سے نیت ہو کہ وارث کو نقصان پہنچاؤں اور اس کا حصہ کم کر دوں۔ یہی حالت قرض کی ہے کہ مرتے وقت کسی کے قرض کا فرضی اقرار کر مرے یا کسی وارث کو زیادہ دلائے اور دوسرے وارث کو محروم کرنے کی غرض سے کسی قرض کا اقرار کرے۔ بہر حال اس قسم کے دین اور اس قسم کی وصیت کو اگر دوسرے ورثا اجازت دیدیں تو نافذ ہو جائیں گے ورنہ نہیں اور بعض صورتوں میں جب کہ محض ورثا کو نقصان پہنچانے کی غرض سے اس قسم کی کارروائی کرے تو عند اللہ گناہگار بھی ہوگا بعض حضرات نے غَيْرَ مُضَآرٍّ کو وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ کی تمہید بنایا ہے۔ اس تقدیر پر مطلب یہ ہوگا کہ یہ حکم اللہ تعالیٰ کی جانب سے کسی کے لئے ضرر رساں نہیں ہے بلکہ ہر شخص کے مناسب حال حکم دیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔ اس آیت میں جیسا کہ ہم نے عرض کیا ہے ماں شریک بہن بھائی کا حصہ بتایا گیا ہے۔ اہل علم کا اس پر اجماع بھی ہے اور بعض صحابہ کی قرأت سے بھی معلوم ہوتا ہے اور چونکہ اوپر ماں کا حصہ سدس اور ثلث بتایا تھا اس سے بھی سمجھ میں آجاتا ہے کہ یہ سدس اور ثلث ماں شریک بہن بھائیوں کا ہے۔ باقی رہے حقیقی بہن بھائی یا علاتی تو ان کا بیان سورت کے آخر میں آجائے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔ مزید تفصیل اگر مطلوب ہو تو کتب فرائض سے معلوم کیجئے یا مقامی علما سے دریافت کیجئے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے موضح القرآن میں مناسب تفصیل کر دی ہے اگرچہ وہ بھی اس قابل ہے کہ علما سے اس کو سمجھا جائے۔ اب آگے احکام کی تعمیل کرنے پر جنت کی بشارت اور عدم تعمیل پر دوزخ کی وعید بیان فرماتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ (تسہیل)

بقیہ صفحہ ۱۲۶

ان مذکورہ حصوں کی تقسیم کے حقدار بارہ اشخاص ہیں۔ چار مرد اور آٹھ عورتیں۔ چار مرد یہ ہیں باپ۔ دادا۔ زوج یعنی خاوند اور ماں شریک بھائی۔ آٹھ عورتیں یہ ہیں۔ بیوی۔ بیٹی۔ پوتی حقیقی بہن۔ علاتی بہن، اخیافی بہن۔ والدہ اور جدہ صحیحہ یعنی دادی۔ یہ بارہ قسمیں ذوی الفروض کہلاتی ہیں۔ اس کے بعد عصبات ہیں اور ان میں شریعت کا یہ قاعدہ ہے کہ جو میت سے قریب تر ہوگا وہ دوسروں پر مقدم ہوگا۔ ذوی الفروض سے اگر کچھ بچ جائے تو اس کا حقدار عصبہ ہوتا ہے۔ البتہ باپ ذوی الفروض بھی ہے اور بعض صورتوں میں عصبہ بھی ہوتا ہے۔ اگر عصبات نہ ہوں تو پھر ذوی الارحام مستحق ہوتے ہیں۔ باقی تفصیل فرائض کی کتابوں سے معلوم کیجئے یا مقامی علما سے دریافت کیجئے۔ اب آگے عورتوں کے حقوق اور ان کے احکام ذکر ہیں۔ چونکہ زمانۂ جاہلیت میں یتامیٰ کے ساتھ اور اہل میراث کے ساتھ جس طرح غیر منصفانہ اور جابرانہ سلوک ہوتا تھا اسی طرح عورتوں کے ساتھ بھی سخت ناانصافی کا برتاؤ کیا جاتا تھا۔ جیسا کہ ہندوستان کی کافر قوموں میں اب تک وہ وحشیانہ سلوک موجود ہے۔ اور مسلمانوں کی بعض ان قوموں میں بھی وہ غیر منصفانہ طریقے عورتوں کے ساتھ برتے جاتے ہیں جو اس ترقی کے دور میں بھی کافرانہ رسموں میں مبتلا ہیں۔ عورتوں کے یہ احکام تقریباً تین چار رکوع تک مسلسل بیان ہوئے ہیں البتہ کسی خاص مناسبت سے درمیان میں بعض اور باتیں بھی آگئی ہیں جیسا کہ قرآن کی بلاغت کا قاعدہ اور کلام الٰہی کی خاص خوبی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ (تسہیل) ف۔ اور تمہاری عورتوں میں سے جو عورتیں بے حیائی یعنی زنا کی مرتکب ہوں تو تم لوگ ان کے اس فعل پر اپنوں میں سے چار مردوں کی گواہی لو۔ پھر اگر وہ چاروں مسلمان مردان کے خلاف گواہی دیدیں اور اپنی آنکھوں سے زنا کے وقوع کا دیکھنا بیان کریں تو ان عورتوں کو

سزا کے طور پر گھروں میں قید کر دو اور اس وقت تک ان عورتوں کو مقید رکھو کہ یا تو موت کے فرشتے ان کی جان قبض کرلیں اور یا اللہ تعالےٰ ان کے لئے کوئی اور راہ مقرر کر دے اور کوئی دوسرا حکم ان کے لئے تجویز کر دے (تیسیر) حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یہ حکم زنا کا فرمایا کہ چار مرد مسلمان شاہد چاہئیں پھر ابھی حد نازل نہ فرمائی وعدہ رکھا آخر حد نازل ہوئی۔ موضح القرآن۔ مطلب یہ ہے کہ تمہاری عورتوں میں سے یعنی وہ عورتیں جو تمہاری منکوحہ ہوں جیسا کہ عام مفسرین نے کہا ہے یا تمہاری عورتوں سے مراد وہ عورتیں ہوں جو مسلمان ہوں جیسا کہ بعض نے کہا ہے۔ بہرحال تمہاری عورتوں میں سے جو عورتیں زنا کی مرتکب ہوں۔ یا کسی اجنبی مرد سے لواطت کرائیں۔ یا آپس میں ایک عورت دوسری عورت سے ساحقت (چپٹی بازی) کرے فاحشہ کا لفظ ان سب باتوں کو شامل ہے۔ غرض منکوحہ عورتوں میں جب کوئی عورت اس قسم کی گندی اور فحش باتوں میں سے کسی کی مرتکب ہو تو حکام کو یا خاوندوں کو چار گواہ طلب کرنے چاہئیں۔ یہ چاروں گواہ عاقل بالغ اور مسلمان مرد ہوں، ان میں کوئی عورت نہ ہو۔ پھر اگر یہ چاروں عاقل بالغ مسلمان مرد گواہی دیدیں اور اس فعل شنیعہ کا اپنی آنکھوں سے دیکھا بتائیں تو ایسی عورتوں کو فی الحال یہ سزا دو کہ ان کو گھروں میں مقید کر دو اور گھروں سے ان کو کہیں نکلنے کی اجازت نہ دو۔ اور یہ قید اس وقت تک رکھو کہ یا تو ان کو موت کے فرشتے قبض کرلیں یا ان کے لئے کوئی اور حکم اللہ تعالےٰ نازل فرمائے۔ ابتدا میں منکوحہ عورت کی یہی سزا مقرر ہوئی تھی بعد میں جب زنا کی حد مقرر ہو گئی اور سورۂ نور نازل ہوئی تو یہ حکم باقی نہ رہا۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں زن فاجرہ کا یہ حکم تھا کہ اس کو گھر میں قید رکھا جائے کہیں نکلنے نہ دیا جائے پھر اگر مر جائے تو مرجائے اور زندہ رہے تو زندہ رہے۔ یہاں تک کہ سورۃ نازل ہوگئی۔ یہ صرف منکوحہ عورتوں کا حکم تھا۔ اس آیت میں نہ تو غیر منکوحہ کا ذکر ہے اور نہ مردوں کی سزا کا ذکر ہے آگے تعمیم فرماتے ہیں اور باقی ماندہ لوگوں کا اور حکم بیان کرتے ہیں۔ (تسہیل) ف ۳ اور تم میں سے جو دو شخص بھی اس مذکورہ بے حیائی کا ارتکاب کریں تو ان دونوں کو اذیت پہنچاؤ پھر اگر وہ اذیت پہنچانے کے بعد دونوں اپنے گناہ سے توبہ کرلیں اور آئندہ کے لئے اپنی اصلاح کرلیں اور آئندہ اس فعل فاحش کا ارتکاب نہ کریں تو ان سے درگذر کر دو اور ان کا پیچھا چھوڑ دو۔ یقین جانو کہ اللہ تعالےٰ بڑا توبہ قبول کرنے والا اور بہت مہربانی کرنیوالا ہے۔ (تیسیر) حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ اگر دو مرد فعل بد کریں ان کا حکم بھی اس وقت مجمل ایذا دینی فرمائی اور اگر توبہ کریں تو ایذا نہ دو پھر جب حد نازل ہوئی تو اس کی حد جدا فرمائی اس میں علما کو اختلاف رہا کہ وہی حد ہے اس کی بھی یا شمشیر سے قتل کر دیا کچھ اور طور سے۔ موضح القرآن۔ مطلب یہ ہے کہ اوپر کی آیت میں منکوحہ عورتوں کو قید رکھنے کا حکم تھا اس آیت سے محض ایذا ثابت ہوئی کہ ایسے بدکاروں کو لعنت ملامت کرو اور زبان سے برا بھلا کہو۔ یا زبان سے ملامت کرو اور ایک دو جوتا بھی رسید کرو۔ اس لئے بعض مفسرین کو ان دونوں احکام کے جمع کرنے میں مشکل پیش آئی اور لوگوں نے دونوں کے جمع کرنے میں مختلف طریقے اختیار کئے۔ مثلاً (۱) بعض نے

کہا اذیت سب کے لئے ہے منکوحہ ہو یا غیر منکوحہ۔ مرد ہو یا عورت۔ البتہ منکوحہ کو برا بھلا کہنے کے ساتھ گھروں میں قید بھی کر دو۔ (۲) بعض نے کہا پہلی آیت صرف منکوحہ عورتوں کے بارے میں ہے اور دوسری آیت منکوحہ عورتوں کے علاوہ باقی سب بدکاروں کے لئے ہے۔ خواہ وہ مرد ہوں یا ناکتخدا عورتیں ہوں۔ (۳) بعض حضرات نے فرمایا پہلی آیت بعد میں نازل ہوئی ہے اور دوسری آیت پہلے نازل ہوئی ہے اگرچہ تلاوت میں عکس ہے یعنی نزول میں مقدم ہے اور تلاوت میں موخر ہے۔ (۴) بعض نے فرمایا کہ واللذان سے مراد صرف مرد ہیں اور دوسری آیت میں فاحشہ سے مراد لواطت ہے۔ جو حضرت لوط کی قوم کا شعار تھا۔ یہ حضرت مجاہد کا قول ہے اور اسی کو حضرت شاہ صاحب نے اختیار کیا ہے جیسا کہ موضح القرآن سے معلوم ہوتا ہے۔ مفسرین کے اس اشکال کا اصل مبنی یہ ہے کہ واللذان سے مراد زانی اور زانیہ ہیں یا فقط دو مرد ہیں۔ جو لوگ اس سے مراد زانی اور زانیہ لیتے ہیں وہ اس اشکال کی جو ہم نے عرض کیا ہے مختلف توجیہات کرتے ہیں اور جو لوگ اس سے صرف مرد مراد لیتے ہیں اور اس آیت میں فاحشہ سے لواطت مراد لیتے ہیں نہ تو ان کی مراد پر کوئی اشکال وارد ہوتا ہے اور نہ ان کو کسی توجیہ کی ضرورت پیش آتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ بدکاری اور فحش کی مختلف صورتیں ہیں اور بدکاری کا ارتکاب کرنے والوں کی مختلف حالتیں ہیں جس کی تفصیل انشاءاللہ سورۂ نور میں آجائے گی۔ یہاں اس قدر سمجھ لینا چاہئے۔ جب کسی شخص نے کسی عورت سے بدکاری کی تو وہ دونوں محصن ہوں گے یا غیر محصن ہوں گے۔ احصان کا مطلب یہ ہے کہ عاقل بالغ آزاد مسلمان کسی عاقلہ بالغہ۔ آزاد مسلمہ سے صحیح نکاح کے ساتھ مباشرت کرے۔ اگر ایسا ہو تو یہ مرد و عورت محصنہ کہلاتے ہیں۔ اور اگر کسی مسلمان مرد و عورت کو یہ موقعہ میسر نہ آیا ہو تو ان کو غیر محصن کہتے ہیں۔ بہرحال مرتکب بالزنا محصن ہوں گے یا غیر محصن ہوں گے۔ یا ایک ان دونوں میں سے محصن ہوگا اور دوسرا غیر محصن ہوگا۔ قرآن سے پہلے توریت میں زانیوں کے لئے رجم کی سزا مقرر تھی یعنی زانیوں کے لئے سنگسار کرنے کا حکم تھا۔ قرآن نے اس مسئلے کو تدریجاً شروع کیا۔ بعض مفسرین کے قول کی بنا پر سب سے پہلے اذیت کا حکم نازل ہوا یعنی زانیہ مرد اور عورت کو لعنت ملامت کرو اور غیرت دلاؤ۔ پھر محصنہ عورت کو قید کرنے کا حکم دیا گیا کہ محصنہ عورتوں کو گھروں میں سزا کے طور پر قید رکھو۔ پھر حضرت عبادہ بن صامت کی روایت کی بنا پر جو مسلم نے نقل کی ہے۔ عورتوں کو قید رکھنا موقوف ہوا۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگو! اس حکم کو مجھ سے حاصل کرلو اللہ تعالےٰ نے عورتوں کے لئے جس راہ کا وعدہ کیا تھا وہ راہ اور وہ قانون بیان کر دیا۔ دیکھو زانی اور زانیہ اگر باکرہ ہوں یعنی ناکتخدا ہوں تو ہر ایک کو سو سو کوڑے لگاؤ اور ایک سال کے لئے جلا وطن کرنے کی سزا دو۔ اور اگر دونوں مجرم کتخدا یعنی ثیب ہوں تو ان کو سو سو کوڑے مارے جائیں اور سنگسار کیا جائے۔ اس کے بعد سورۂ نور کی آیت الزانیۃ والزانی نازل ہوئی جس میں صرف تازیانوں کا حکم تھا اس کے بعد حضرت ماعز صحابی کا واقعہ پیش آیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان

کو رجم یعنی سنگسار کیا۔ اور آئندہ کے لئے یہ حکم متعین رہا کہ زانی اور زانیہ اگر غیر محصن ہوں تو ہر ایک کو سو سو تازیانے مارے جائیں اور اگر دونوں محصن ہوں تو دونوں کو رجم کیا جائے۔ اور ایک محصن اور دوسرا غیر محصن ہو تو غیر محصن کو تازیانے اور محصن کو رجم۔ رہا لواطت کا معاملہ تو اس میں علما کا اختلاف ہے اور بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی سزا حاکم کی رائے پر موقوف ہے۔ اسی طرح مساحقت کرنے والی عورتیں بھی۔ مزید تفصیل انشاءاللہ سورۂ نور میں بشرط زندگی آجائے گی۔ یہاں ترتیب احکام کا خاکہ ذہن نشین کرلینا چاہئے۔ اور یہ بھی ملحوظ خاطر رہنا چاہئے کہ ان مذکورہ سزاؤں کے نفاذ کا حق صرف امام اور حاکم کو ہے ہر شخص کو قانون استعمال کرنے کا حق نہیں ہے۔ اب چونکہ ان آیتوں میں توبہ کا حکم آیا تھا اس لئے آگے توبہ کی قبولیت و عدم قبولیت کا ذکر ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ (تسہیل)

بقیہ صفحہ ۱۲۷

اور اس کی گرفت میں جلدی نہیں کرتے۔ دوسری آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ ان لوگوں کی توبہ ناقابل توجہ ہے جو ہمیشہ گناہوں کا ارتکاب کرتا رہے اور جب موت سرہانے آکھڑی ہو اور فرشتے موت کے آموجود ہوں تو توبہ کرنے لگے تو ایسوں کی توبہ قابل توجہ نہیں اور جس طرح توبہ میں ان تاخیر والوں کی اس توبہ کا کوئی اعتبار نہیں جو مرتے وقت حالت یاس میں کی جائے اسی طرح ان کافروں کی توبہ اور ان کے ایمان لانے کا بھی کوئی اعتبار نہیں جو مرتے دم تک کفر کرتے رہے اور موت کے فرشتوں کو دیکھ کر کفر سے توبہ کرنے لگے اور ایمان کا اقرار کرنے لگے تو ایسے کافروں کی توبہ اور ان کا ایمان بھی ناقابل اعتبار ہے۔ اور ان کے لئے دردناک عذاب تیار ہے۔ غرض فاسق مسلمان جو اپنے فسق پر تمام عمر اڑے رہیں اور اصرار کرتے رہیں اور توبہ میں تاخیر کرتے رہیں اور توبہ پر آمادہ نہ ہوں۔ اور توبہ کو آج کل پر ٹلاتے رہیں وہ فاسق مسلمان اور وہ کافر جو دین حق کے منکر ہیں اس معاملہ میں دونوں برابر ہیں حالت یاس یعنی عالم آخرت کا معائنہ کرنے کے بعد نہ فاسق کی توبہ قبول ہے اور نہ کافر کا ایمان مقبول ہے۔ اہل تحقیق کا یہی مذہب ہے۔ واللہ اعلم۔ ولا الذین یموتون وھم کفار کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ حالت کفر پر مرنے والوں کا قیامت کے دن مشاہدۂ عذاب کے وقت ایمان لانا معتبر نہ ہوگا۔ اور فاسق کے لئے جو یہ کہا گیا کہ حضور موت کے وقت اس کی توبہ قبول نہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ اس توبہ پر مغفرت کا وعدہ نہیں۔ باقی ان کی مشیت اور ان کے فضل کا معاملہ دوسرا ہے اور اس کی یہاں بحث نہیں ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی جب موت یقین ہو چکی اور آخرت نظر آنے لگی تب توبہ قبول نہیں اور اس سے پہلے قبول ہے۔ مسلمان کی توبہ اور کافر اگر گناہ سے توبہ کرے وہ گناہ نہیں اترتا مگر جو مسلمان ہو کر مرے۔ موضح القرآن۔ بعض اہل علم نے دونوں آیتوں کا مطلب اس طرح بیان کیا ہے کہ حضرت حق جل مجدہٗ کا توبہ قبول کرنے میں ایک مقررہ ضابطہ ہے۔ جن لوگوں کی توبہ قبول کرنے کا وعدہ ہے اور بحسب وعدہ جن کی توبہ قبول کرنا ان کے ذمے ہے وہ لوگ وہ ہیں جو کبھی غلطی سے کوئی گناہ کر بیٹھتے ہیں پھر اس گناہ کے بعد فوراً ہی

اس کا خرچ اس میں چلاؤ جب بالغ ہو اور عقل پیدا کر لے تب مال حوالے کرو لیکن بات معقول کہو یعنی تسلی کرو کہ مال تیرا ہے ہمارا نہیں ہم تیری خیر خواہی کرتے ہیں۔ موضح القرآن۔ خلاصہ یہ ہے (۱) اگرچہ آیت عام ہے اور اسی لئے عبداللہ بن عباس نے تیرے بیٹے اور تیری عورتیں کیا ہے اور عبداللہ بن مسعود کی بھی یہی رائے ہے کہ ناسمجھ عورتوں اور لڑکوں کو مال حوالے نہ کرو حضرت ابوہریرہ کا قول ہے کہ فہا سے مراد خادم ہیں۔ سفیہ اگر بالغ بھی ہو تو مال اس کے سپرد نہ کیا جائے۔ ابن کثیر نے کہا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے سفہا کو تصرف سے روکا ہے اس کو شریعت میں حجر کہتے ہیں یعنی کسی کو تصرف فی المال سے روک دینا خواہ یہ روکنا لڑکپن کی وجہ سے ہو یا جنون کی وجہ سے ہو یا کم عقلی کے باعث ہو۔ غرض ان مسائل کی تفصیل دیکھنی ہو تو کتب فقہ میں کتاب الحجر کا مطالعہ کریں یہ شریعت کا ایک مستقل قانون ہے کہ حاکم مال کی حفاظت کرے اور بدسلیقہ لوگوں کی آمدنی اور خرچ پر کنٹرول کرے تاکہ نااہل لوگ دولت کو برباد نہ کریں۔ اور کنگال نہ بن جائیں۔ (۲) حضرت سعید بن جبیر اور دیگر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ اس آیت سے یتامیٰ مراد ہیں نابالغی کی حالت میں تو ان کا مال ان کے حوالے کیا ہی نہیں جا سکتا لیکن اس آیت میں قرآن کا منشا یہ ہے کہ اگر ان میں خرید فروخت کا سلیقہ نہ ہو اور طبیعت میں لاابالی پن ہو تو بالغ ہوتے ہی ان کے مال ان کے حوالے نہ کرو بلکہ چندے ٹھہرو اور ذرا توقف کرو اور جب ان میں مال رکھنے کی سمجھ آ جائے تب ان کے اموال ان کے سپرد کرو۔ ہم نے تیسیر اور ترجمہ میں اسی قول کو اختیار کیا ہے اور آگے خود قرآن میں اس کی تصریح آتی ہے۔ (۳) چونکہ یتامیٰ کے اموال ان لوگوں کی نگرانی میں ہوتے ہیں اس مناسبت سے اموالکم فرمایا ورنہ حقیقت میں وہ مال ان ہی یتیموں کے ہیں اور سرپرست محض اموال کے نگراں ہیں۔ (۴) جعل اللہ لکم قیاما میں ایک بہت بڑے مسئلے کی طرف اشارہ فرمایا اور مال کی اہمیت اور اس کی قدر ظاہر کی اور مبذرین و مسرفین کو تنبیہ فرمائی کہ مال کو تو اللہ تعالےٰ نے سرمایۂ حیات بنایا ہے اس کو بے وقوفوں اور کم عقلوں کے ہاتھ دیکر تباہ و برباد نہ کرو بلکہ پیسے کو پیسے کی طرح خرچ کرنے کی جب تمیز آ جائے جب ان کے حوالے کرو۔ (۵) ہم نے جو سلیقہ اور تمیز کہا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ یا تو خرید و فروخت اور لین دین کا سلیقہ ہی نہ ہو یا سلیقہ ہو مگر بے پروائی سے استعمال نہ کرتا ہو۔ (۶) حضرت امام ابو حنیفہ کے نزدیک اگر یتیم بالغ ہو جائے اور اس میں سفاہت ہو تو اس کے مال کو ولی پچیس سال کی عمر ہونے تک روک سکتا ہے اگر پچیس سال کی عمر ہونے پر بھی اس کی سفاہت و کم عقلی دور نہ ہو تو اس کا مال اس کے حوالے کر دیں۔ (۷) سفاہت و جنون و پاگل پن میں فرق ہے۔ اگر کوئی مجنوں یا پاگل یا نیم پاگل ہے تو اس کا مال پچیس سال کے بعد بھی اس کے حوالے نہ کیا جائے گا بلکہ جب تک اس کا دماغ صحیح نہ ہو جائے اس کو تصرف کا حق نہ ہوگا۔ اب آگے اسی مسئلہ کی مزید تفصیل مذکور ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ (تسہیل)

بقیہ صفحہ ۱۲۳

وہ ہر شخص کی دیانت کو بھی جانتا ہے اور ہر شخص کی خیانت سے بھی واقف ہے۔ اس موقع پر چند باتیں یاد رکھنی چاہئیں۔ (۱) نابالغ کے تصرفات مثلاً بیع شراء ولی کی اجازت سے اگر ہوں تو نافذ ہو جاتے ہیں جیسا کہ ہم نے تسہیل میں اشارہ کر دیا ہے (۲) سفیہ ایسے شخص کو کہتے ہیں جو مال کی حفاظت اور مال کو خرچ کرنے کا سلیقہ نہ رکھتا ہو یا سلیقہ رکھتا ہو تو اس سلیقے کو بے پروائی سے اختیار نہ کرتا ہو۔ (۳) بلوغ کی اصل علامت تو یہی ہے کہ احتلام ہو۔ یا عورت کو حیض آ جائے یا موئے زہار پیدا ہو جائیں لیکن اپنے ائمہ نے اس کے لئے پندرہ پندرہ سال کی عمر مقرر کر دی ہے اور یہی حنفیہ کے نزدیک صحیح ہے۔ (۴) رشد کے لئے امام ابوحنیفہ نے آخری عمر پچیس سال فرمائی اس عمر میں کچھ نہ کچھ سمجھ آ ہی جاتی ہے اور کچھ سلیقہ اور تمیز پیدا ہو جاتا ہے جو مال سپرد کر دینے کو کافی ہے البتہ شعبی اور ضحاک اور دوسرے اہل علم نے فرمایا ہے کہ جب تک کامل رشد نہ پیدا ہو اس کو مال حوالے نہ کیا جائے خواہ وہ بوڑھا ہو جائے یا اس کی عمر سو برس کی ہو جائے۔ (۵) بالمعروف کا مطلب جمہور علما نے وہی بیان کیا ہے جو ہم عرض کر چکے ہیں حضرت عائشہ اور اکثر صحابہ اسی کے قائل ہیں لیکن حضرت ابن عباس اور حضرت عمر اور شعبی اور مجاہد اور مقاتل اور ابو وائل وغیرہ کا خیال یہ ہے کہ حاجت مند ولی یتیم کے مال سے قرض لے سکتا ہے جب میسر ہو ادا کر دے لیکن ادا نہ کرنے کی نیت سے کچھ نہیں لے سکتا۔ واللہ اعلم۔ (۶) بعض حضرات نے دونوں اقوال کو اس طرح جمع کیا ہے کہ فقیر یتیم کے مال میں سے اجرت کے طور پر بقدر حاجت لے سکتا ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ جب میسر آ جائے اور حاجت نہ رہے تو جو فقیری کی حالت میں لیا تھا، واپس کر دے تاکہ یتیم کو نقصان نہ پہنچے۔ صاحب ہدایہ نے حضرت عائشہ کا قول اختیار کیا ہے اور واپسی کی شرط نہیں لگائی ہے۔ نہ استحباباً اور نہ وجوباً۔ (۷) مال سپرد کرتے وقت گواہ بنانا مستحب ہے۔ اب آگے زمانۂ جاہلیت کی ایک اور رسم کو رد فرماتے ہیں۔ زمانۂ جاہلیت میں یتیم کو میراث کا مستحق نہیں سمجھتے تھے اس لئے آگے کی آیت میں اس کا بطلان مذکور ہے۔ (تسہیل) ف۲ ماں باپ اور قریبی رشتہ دار مرتے وقت جو کچھ بھی چھوڑ جائیں خواہ قلیل ہو یا کثیر اس میں سے مردوں کا بھی حصہ مقرر ہے خواہ وہ مرد بڑے ہوں یا چھوٹے اور ماں باپ اور قریبی رشتہ دار مرتے وقت جو کچھ چھوڑ جائیں خواہ وہ تھوڑا ہو یا بہت اس میں سے عورتوں کا بھی حصہ مقرر ہے خواہ وہ عورتیں چھوٹی ہوں یا بڑی ہر ایک مرد و عورت کا یہ حصہ قطعی طور پر مقرر ہے۔ (تیسیر) حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کفر کی رسم میں عورت کو وارث نہ گنتے اب عورت کو بھی میراث ٹھہری۔ موضح القرآن۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ مشرک لوگ مرنے والے کا مال متروکہ عورتوں اور چھوٹے لڑکوں کو نہیں دیا کرتے تھے صرف بڑے لڑکوں کو دیدیا کرتے تھے اللہ تعالےٰ نے اس آیت میں کفار کی اس مذموم رسم کا ابطال فرمایا۔ ابن کثیر نے اس روایت کو قتادہ اور سعید بن جبیر سے نقل کیا ہے۔ حضرت جابر کا قول ہے کہ ام حرام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ میرے خاوند کا انتقال ہو گیا ہے اور اس نے دو بیٹیاں چھوڑی ہیں ان کے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس روایت کو ابن مردویہ نے نقل کیا ہے بعض مفسرین نے کہا ہے کہ مال متروکہ میں اگر اسلحہ اور گھوڑے وغیرہ ہوتے تو مشرک یہ سامان حسب سمائے جوان لڑکوں کے دوسرے ورثا کو نہ دیتے اس پر یہ حکم نازل ہوا۔ بہرحال خلاصہ یہ ہے کہ مرنے والا خواہ کچھ چھوڑ کر مرے ترکہ کی مستحق اس کی چھوٹی اور بڑی سب اولاد ہوگی۔ اسی طرح کوئی بہت ہی قریبی رشتہ دار مر جائے تو اس کا ترکہ اس کے قریبی رشتہ داروں پر خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں سب پر شرعی حصہ کے موافق تقسیم ہوگا۔ چھوٹے بڑے کا کوئی امتیاز نہ ہوگا۔ مال متروکہ کم ہو یا زیادہ وارث لڑکے ہوں یا لڑکیاں۔ بڑے ہوں یا چھوٹے ہر ایک کو شرعی حصہ کے موافق دیا جائے گا۔ اس آیت میں ترکے کے مستحقین کا ذکر تھا اب آگے غیر مستحقین کے ساتھ استحباباً رعایت کرنے کا حکم مذکور ہے۔ (تسہیل) ف۳ اور جب وارثوں میں ترکہ کی تقسیم کے وقت کچھ دور پرے کے رشتہ دار جو اس ترکہ کے مستحق نہ ہوں اور یتیم و مساکین آ جائیں اور یہ رشتہ دار اور یتیم و مساکین آ موجود ہوں تو ان کو بھی اس ترکہ میں سے استحباباً کچھ دیدیا کرو اور ان رشتہ داروں اور یتامیٰ و مساکین سے خوبی۔ نرمی اور شیریں کلامی کے ساتھ بات کیا کرو۔ (تیسیر) حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی جس وقت میراث تقسیم ہو اور برادری کے لوگ جمع ہوں تو جن کو حصہ نہیں پہنچتا اور قرابتی ہیں یا یتیم یا محتاج ہیں تو کچھ کھلا کر رخصت کرو اور بات معقول کہو یعنی جواب سخت نہ دو اور اگر توقع زیادہ کریں تو عذر کرو۔ موضح القرآن۔ آیت زیر بحث کا خلاصہ یہ ہے (۱) کہ کسی میت کا ترکہ جب کہ وہ ترکہ اس کے ورثا و مستحقین پر تقسیم کیا جا رہا ہو۔ اور ہر وارث کو اس کے شرعی سہام کے موافق مال سنبھلوایا جا رہا ہو اس وقت کچھ دور پرے کے رشتہ دار یہ سمجھ کر آ جائیں کہ ہم بھی برادری کے ہیں کچھ ہم کو بھی میت کے مال میں سے ملے گا اسی طرح کچھ یتامیٰ و مساکین یہ سمجھ کر آ جائیں کہ مرنے کا مال تقسیم ہو رہا ہے کچھ ہم کو بھی خیرات کے طور پر ملے گا۔ تو ایسے موقعہ پر ان لوگوں کو بھی اس ترکہ میں سے کچھ کھلا پلا دو یا کچھ تھوڑا بہت دیدو یہ حکم استحبابی ہے وجوبی نہیں۔ (۲) ظاہر ہے کہ جو کچھ ان غیر مستحقین کو دیا جائے گا وہ بالغوں کے حصہ میں سے دیا جائے گا میت کے جو وارث نابالغ ہیں ان کے مال میں تصرف نہ کیا جائے گا۔ ہمارے زمانے میں یہ عام دستور ہے کہ مرنے کے بعد میت کے مال میں سے برادری کی دعوت کر دیتے ہیں اس دعوت کا نام پھول ہے۔ یا تیجہ رکھتے ہیں اور سب لوگ اس دعوت میں شریک ہوتے ہیں اور کوئی یہ نہیں پوچھتا کہ یہ دعوت بالغوں کے مال میں سے ہو رہی ہے یا نابالغوں کے مال میں سے ہو رہی ہے۔ اور اس طرح تقسیم سے پہلے لوگ یتیموں کا حصہ کھا لیتے ہیں اور خدا کا خوف نہیں کرتے (۳) یہ حکم استحبابی ہے یا وجوبی، اس میں متقدمین کے دو مسلک رہے ہیں کچھ وجوب کے قائل تھے اور کچھ لوگ استحباب کے۔ حضرت ابن عباس کا یہ قول ہے کہ یہ دینا لینا یا کھلانا پلانا اس وقت ہے جب مرنے والا وصیت کر جائے کہ ترکہ کی تقسیم کے وقت اگر غیر مستحق قرابتی اور یتامیٰ و مساکین آ جائیں تو ان کو بھی کچھ دیدینا تب دینا ہوگا ورنہ نہیں۔ چنانچہ جب حضرت ابوبکرؓ کے پوتے نے اپنے باپ عبدالرحمان کا ترکہ تقسیم کیا تو اس وقت حضرت عائشہؓ زندہ تھیں انہوں نے جب گھر والوں کو تھوڑا تھوڑا دلوایا اور یہی آیت پڑھی واذا

حتضر القسمۃ تھا۔ عبداللہ بن عباس کو جب یہ واقعہ معلوم ہوا تو انہوں نے فرمایا یہ بات کچھ ٹھیک نہیں ہوئی یہ آیت تو وصیت کے بارے میں ہے اگر عبدالرحمان وصیت کر گیا ہوتا تو ایسا کرنا چاہیے تھا۔ (۴) پھر اس میں بھی دو قول ہیں کہ یہ حکم منسوخ ہو گیا یا باقی ہے۔ عبداللہ عباس کا ایک قول یہ ہے کہ آیت میراث نے اس حکم کو منسوخ کر دیا اور ایک قول یہ ہے کہ یہ حکم بحالہ باقی ہے مگر محققین اس کے قائل ہیں کہ وجوب منسوخ ہو گیا البتہ استحباب باقی ہے۔ عام اہل علم اور آئمہ اربعہ نسخ کے قائل ہیں اور وہ اس حکم کو منسوخ کہتے ہیں۔ واللہ اعلم (۵) قول معروف کا یہ مطلب ہے کہ نرم کلامی سے پیش آؤ اہل قرابت کو کچھ دیکر یہ سمجھاؤ کہ اس ترکہ میں تمہارا کوئی حق نہیں ہے اور نہ تم شرعی وارث نہیں ہو اور دوسروں کو کچھ دیکر ان پر احسان نہ رکھو اور ان کو بھی نرمی سے سمجھا دو کہ تم کو جو کچھ دینا تھا وہ دیدیا اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں ہے۔ اب آگے تیامی کی ہمدردی اور ان پر شفقت کرنے کی غرض سے ایک تمثیلی واقعہ بیان فرماتے ہیں جو یتیموں کی حفاظت اور ان کے مال کی صیانت کے سلسلے میں اپیل کا بہترین طریقہ ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ (تسہیل) ف۴ اور تیامی کے بارے میں لوگوں کو یہ خیال کر کے ڈرنا چاہئے کہ اگر وہ خود مرتے وقت اپنے پیچھے چھوٹے چھوٹے کمزور و ناتواں بچے چھوڑیں تو ان کو ان بچوں کی کس طرح فکر ہو اور وہ ان کے بارے میں کیسے کیسے اندیشے کریں کہ دیکھئے ہمارے بعد ان چھوٹے بچوں کا کیا حال ہو گا اور کون ان کی دیکھ بھال کرے گا۔ بس اسی طرح دوسروں کے بچوں کا بھی خیال کریں اور اس بات کو سوچ کر یعنی اگر ہم چھوٹے بچے چھوڑ کر مرتے تو ان کے متعلق کیا چاہتے۔ یتیموں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہیں اور خدا کے حکم کی مخالفت کرنے سے جو یتیموں کے بارے میں اس نے دیا ہے اجتناب کریں۔ اور یتیموں سے سیدھی سچی اور موقع کی بات کہا کریں۔ (تیسیر) حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی مرے کے پیچھے اس کی اولاد کے حق میں قصور نہ کریں اپنے اوپر قیاس کریں کہ ہماری اولاد رہ جائے تو ہم کو کیا فکر ہو۔ موضح القرآن۔ دنیوی امور میں تیامی کے ساتھ حسن سلوک کی ترغیب کا قرآن نے بہترین اور دل کش طریقہ اختیار کیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ دوسروں کی کمزور و ناتواں اولاد کے ساتھ سلوک کرتے وقت اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر دیکھو کہ تم اگر مرتے اور ایسے ہی چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑ جاتے تو تم ان کے متعلق کیا چاہتے وہی دوسرے مرنے والوں کی اولاد کے ساتھ کرو سبحان اللہ کیا خوب انداز بیان ہے۔ اس تمثیلی واقعہ کو بیان کر کے پھر فرمایا کہ بس اس بات کا خیال کر کے خدا سے ڈرتے رہیں یعنی یتیموں کی دل آزاری نہ کریں اور ان کو ہاتھ سے کوئی تکلیف نہ پہنچائیں ان کا مال برباد نہ کریں۔ پھر قول سدید کا حکم دیا یعنی ہاتھ سے ضرر نہ پہنچائیں اور زبان سے ان کی دل جوئی اور تلطف کا برتاؤ کریں۔ اور موقع کی بات کہیں یعنی ان کی تعلیم اور تادیب کا خیال رکھیں۔ حدیث میں آتا ہے جب کسی یتیم کو مارا جاتا ہے اور وہ روتا ہے تو اس کے رونے سے عرش الٰہی ہل جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ملائکہ سے دریافت کرتا ہے جس کے باپ کو میں نے مٹی میں چھپا دیا ہے اس کے بچہ کو کس نے رلایا حالانکہ وہ جانتا ہے۔ فرشتے عرض کرتے ہیں ہم کو علم نہیں۔

ارشاد ہوتا ہے جو اس بچہ کو راضی کر دے گا میں اس کو قیامت کے دن اپنے پاس سے راضی کر دوں گا۔ اوپر کی آیت میں یتیم کو ہر قسم کی تکلیف سے خواہ وہ جسمانی ہو یا مالی محفوظ رکھنے کا حکم ولیتق اللّٰہ سے معلوم ہوا اور اس کی ہر قسم کی شفقت اور تعلیم و تربیت اور تادیب کا حکم ولیقولوا قولا سدیدا سے معلوم ہوا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وصیت میں احتیاط کا حکم ہو کہ اتنی وصیت نہ کر جاؤ کہ پیچھے ورثا تکلیف اٹھائیں ورثا کو غنی چھوڑ کر مرنا اس سے بہتر ہے کہ ورثا کو نقیر کر جاؤ۔ ابن عطیہ اور دوسرے اہل علم کا یہی خیال ہے کہ اس آیت میں وصیت سے احتیاط مراد ہے لیکن راجح قول وہی ہے جو ہم نے اختیار کیا ہے۔ اب آگے تیامی کا مال ظلم اور زور سے کھا جانے والوں کے متعلق اخروی وعید کا ذکر ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ (تسہیل) ف۵ یقین جانو! جو لوگ یتیموں کا مال ظلم سے یعنی ناروا طور پر بلا استحقاق شرعی کھا جاتے ہیں تو اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ اپنے پیٹوں میں آگ کے انگارے بھرتے ہیں اور وہ بہت جلد جہنم کی دہکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے۔ (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ بلا استحقاق شرعی ایسا کرتے ہیں اور یہی ظلم ہے۔ اگر شرعی حق کے ساتھ ایسا کریں یعنی فقیر ہوں اور اجرت کے طور پر کچھ کھالیں تو اس کا حکم اوپر گذر چکا ہے کہ وہ جائز ہے۔ اور جس طرح یتیم کا مال خود کھانا حرام ہے اسی طرح دوسروں کو کھلانا بھی حرام ہے بلکہ اس کے مال سے خیرات کرنا بھی حرام ہے ہم نے عرض کیا تھا کہ ہمارے ہاں عام طور سے لوگ اس بلا میں مبتلا ہیں کہ نابالغوں کا مال بیسویں اور چالیسویں کے نام سے کھاتے اور کھلاتے ہیں۔ اور یہ جو فرمایا کہ آگ کے انگارے پیٹوں میں بھرتے ہیں یہ انجام کے اعتبار سے فرمایا۔ جیسا کہ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کشفی حالت میں دکھایا گیا کہ کچھ لوگ آگ کے انگارے کھا رہے ہیں اور وہی انگارے نکل رہے ہیں۔ آپ کو بتایا گیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو تیامی کا مال ظلماً کھا جاتے تھے۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ لوگ اس آیت کو سنکر اس قدر خوف زدہ ہوئے کہ تیامی کا کھانا پکانا وغیرہ بالکل الگ کر دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے وان تخالطوھم کی آیت نازل فرمائی جو دوسرے پارے میں گذر چکی ہے۔ اسی لئے ہم نے ظلم کا ترجمہ ناروا اور بلا استحقاق شرعی کیا ہے۔ حدیث میں آتا ہے قیامت کے دن یتیم کا مال ناجائز طور پر کھانے والا قبر سے اس حال میں اٹھے گا کہ اس کے منہ سے اور ناک سے اور کانوں سے آگ کے شعلے نکلتے ہوں گے ہر شخص اس کو دیکھ کر پہچان لے گا کہ یہ ظلم سے یتیم کا مال کھانے والا ہے۔ حضرت ابو برزہ سے بھی ایسی ہی ایک روایت منقول ہے۔ اس میں اتنا اور ہے کہ جب حضورؐ نے یہ کیفیت بیان فرمائی تو کسی نے پوچھا یا رسول اللہ یہ کون لوگ ہیں آپ نے فرمایا کیا تو نہیں جانتا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ان الذین یاکلون اموال الیتامی ظلما۔ حضرت ابو ہریرہ سے مرفوعاً ابن مردویہ نے نقل کیا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا دو کمزوروں کا مال کھانے سے پرہیز کرو ایک عورت اور ایک یتیم۔ صحیحین میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے کبیرہ گناہ گنوائے تو اس میں یتیم کے مال کو ظلماً کھانا بھی گنوایا۔ ہو سکتا ہے کہ آیت کا تعلق ان

لوگوں سے ہو جو یتیموں کو ورثہ نہ دیتے تھے اور اس طرح ان کا مال خورد برد کر دیا کرتے تھے جیسا کہ زید بن اسلم نے کہا ہے۔ بہر حال شان نزول کچھ بھی ہو لیکن آیت کا حکم عام ہے۔ اوپر کی آیت میں اہل میراث کا اجمالاً ذکر آیا تھا اگرچہ اس آیت میں ذوی الفروض اور عصبات اور ذوی الارحام کی جانب اشارہ تھا لیکن اب صراحۃً بعض اہل میراث کے حصص کا بیان فرماتے ہیں۔ شریعت میں اس علم کو فرائض کا علم کہا جاتا ہے۔ اور احادیث میں اس علم کی بہت تاکید آئی ہے۔ ان حصص کی مزید تفصیلات تو کتب حدیث اور فقہ اور کتب فرائض سے معلوم ہو سکتی ہیں لیکن قرآن نے اس رکوع میں اور سورت کے آخری رکوع میں اصولی طور پر بعض مسائل اجمالاً بیان کر دیئے ہیں شان نزول سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض صورتیں میراث کے متعلق مسلمانوں کو پیش آئی تھیں ان کے متعلق سرکار رسالت آب سے سوال کیا گیا اور قرآن نے ان کا جواب دیا چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ (تسہیل)۔

بقیہ صفحہ ۱۲۴

اور وصیت کو پورا کرنے کے بعد جو کچھ بچے وہ ورثا پر تقسیم کر دیا جائے۔ اور قرآن کی عبارت میں چونکہ وصیت کو دین پر مقدم کیا ہے اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ وصیت دین پر مقدم ہے۔ اول تو یہاں ترتیب مقصود نہیں ہے، دوسرے یہ کہ وصیت کی جانب سے ورثا توجہ کم کرتے ہیں اس لئے اس کی اہمیت بتانے کی غرض سے اس کو مقدم فرمایا ہے تاکہ ورثا وصیت میں کوتاہی نہ کریں۔ ورنہ عملاً دین وصیت پر مقدم ہے۔ چونکہ ورثا کے حصے اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائے ہیں اس لئے آگے اس کی حکمت و مصلحت بیان فرماتے ہیں اور اپنے علیم و حکیم ہونے کو ظاہر کرتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ (تسہیل) ف۳ تم اپنے باپ دادوں اور بیٹوں پوتوں یعنی اصول و فروع کے متعلق صحیح طور پر یہ نہیں جانتے کہ دین و دنیا کے اعتبار سے ان میں سے کون تمہاری نفع رسانی کے لئے تم سے قریب تر ہے اور دونوں عالم میں نفع پہنچانے کے اعتبار سے ان میں سے کون تم سے زیادہ قریب ہے یہ میراث کے حصے اور میراث کی تقسیم کا یہ حکم اللہ تعالیٰ کی جانب سے مقرر کیا گیا ہے۔ اس امر کا یقین کرو کہ اللہ تعالیٰ کمال علم اور کمال حکمت کا مالک ہے اور سب کے حال سے باخبر اور بڑی حکمت والا ہے۔ (تیسیر) حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ میری بیماری میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کو تشریف لائے تو میں بے ہوش پڑا ہوا تھا۔ آپ نے میرے مکان میں آکر وضو کیا اور مجھ پر پانی چھڑکا تب مجھ کو ہوش آیا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے مال کے متعلق مجھے کیا حکم ہوتا ہے میں اپنے مال کو کیا کروں۔ میرے سوال پر آیت یوصیکم اللّٰہ نازل ہوئی۔ حضرت جابر ہی سے ایک روایت امام احمد نے نقل کی ہے کہ سعد بن ربیع کی عورت حضورؐ کی خدمت میں آئی اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ میری دو بیٹیاں ہیں ان کا باپ احد میں شہید ہو گیا ہے اور ان لڑکیوں کے چچا نے ان کا سب مال لے لیا ہے کچھ بھی نہیں چھوڑا اور جب تک ان لڑکیوں کے پاس کچھ مال نہ ہو ان کا نکاح نہیں ہو سکتا۔ حضورؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس معاملہ میں حکم دے گا اس پر آیت میراث نازل ہوئی۔ حضورؐ نے لڑکیوں کے

لفظ کو بہت استعمال کرتے ہیں اور باوجود بکثرت مستعمل ہونے کے پھر بھی اس لفظ نے اپنے حقیقی معنی کو ترک نہیں کیا بعض قرا نے ادحام کی میم کو کسرہ پڑھا ہے۔ یعنی تساءلون باللہ وبالارحام۔ ہم نے تسہیل میں اس قرأت کا بھی خلاصہ کر دیا ہے۔ حضرت عائشہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ رحم عرش الٰہی کے نیچے لٹکا ہوا ہے اور وہ کہتا ہے۔ سن لو! جو مجھ کو ملائے گا اللہ تعالٰے اس کو ملائے گا اور جو مجھ کو قطع کرے گا اللہ تعالٰے اس کو قطع کر دے گا۔ حضرت انس کی روایت میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کے رزق میں وسعت ہو اور اس کی خطاؤں سے درگذر کیا جائے تو وہ رحم کو قطع نہ کرے یعنی رشتہ داروں سے میل جول ترک نہ کرے۔ بہرحال رحم کی عظمت اور قرابت داری کی اہمیت اس سے ہی ظاہر ہے کہ اللہ تعالٰے نے رحم کا ذکر اپنے نام کے ساتھ کیا ہے۔ حدیث قدسی میں آتا ہے اللہ تعالٰے فرماتا ہے میں اللہ ہوں میں رحمان ہوں میں نے رحم کو اپنے نام سے مشتق کیا ہے جو اس کو ملائے گا میں اس کو ملاؤں گا اور جو اس کو قطع کرے گا میں اس کو قطع کروں گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ بنی نوع انسان کو بحیثیت انسان ہونے کے آپس میں ہمدردی کرنی چاہئے اور آپس میں ایک کو دوسرے کے ساتھ انسانیت کا سلوک کرنا چاہئے۔ اور جہاں اس اشتراک کے ساتھ اور دوسری خصوصیت بھی ہو مثلاً قرابت کی تو وہاں اور زیادہ اس کا خیال رکھو اور پوری احتیاط کرو اور ان کے حقوق کو مقدم رکھو حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی ایک آدم سے حوا بنائی اور ان سے سارے لوگ اور خبردار رہو ناتوں سے یعنی بدسلوکی مت کرو آپس میں موضح القرآن۔ اس تمہید کے بعد احکام کا سلسلہ شروع فرماتے ہیں اور یہی وہ چیزیں ہیں جو جنگ کے بعد پیش آیا کرتی ہیں یعنی تیامی۔ اور مرنے والوں کی میراث۔ اور بیوہ عورتوں کا حکم۔ کیونکہ مردوں کی تعداد کم ہو جاتی ہے اور عورتیں چونکہ معرکہ میں کم جاتی ہیں اس لئے ان کی تعداد زیادہ ہو جاتی ہے۔ اس لئے تیامی کا حکم بیان فرماتے ہیں۔ (تسہیل) اور تیامی یعنی بن باپ کے بچوں کا مال انہی کو دیتے رہو اور حسب ضرورت انہی پر خرچ کرتے رہو اور اچھی چیز کو بری چیز سے نہ بدلو اور ان بن باپ کے بچوں کا مال اپنے اموال کے ساتھ ملا کر خورد برد نہ کرو یقیناً ایسا کرنا یعنی اچھی چیزوں کو بری چیزوں سے بدلنا یا ہوتے ساتھے بلا ضرورت ان کے مال سے نفع حاصل کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ اوصیا اور اولیا کو چاہئے کہ ان کے پاس یتیموں کا جو مال ہو وہ اس مال کو تیامی کی ضروریات پر خرچ کرتے رہیں اور حسب ضرورت ان کو دیتے ہیں اور ان کے مال میں ادل بدل نہ کریں کہ اچھی چیز ان کے مال میں سے نکال لیں اور بری چیز ان کے مال میں رکھ دیں جیسا کہ زمانۂ جاہلیت میں ہوا کرتا تھا اسی طرح ان کے اموال کو اپنے اموال میں شامل کر کے خورد برد نہ کریں کہ اپنے مال کے ساتھ ان کا مال کھا جائیں اور ہوتے ساتھے بلا ضرورت ہم نے اس لئے کہا کہ اگر یہ نگراں اور پرورش کرنے والا مالدار ہو تو ایسا کرنا حرام ہے البتہ اگر فقیر ہو تو دستور کے موافق حق الخدمت کے طور پر کچھ کھا سکتا ہے جس کا حکم آ جائے گا۔ اسی لئے ہم نے عرض کیا ہے کہ ہوتے ساتھے ان کا مال اپنے مال میں ملا کر نہ کھا جاؤ۔ اس قسم کی کارروائی کرنا کہ اچھا مال نکال کر اس کی جگہ برا رکھ دینا یا ہوتے ساتھے ان کا مال کھا جانا بڑا گناہ ہے۔ جو مطلب آیت کا ہم نے بیان کیا ہے یہ اس شان نزول کی بنا پر ہے جو ابن جریر نے سدی سے نقل کیا ہے۔ اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یتیم کے ریوڑ میں سے موٹی بکری نکال کر اپنے ریوڑ میں سے ایک دبلی اور بیمار بکری یتیم کے ریوڑ میں ملا دیتے تھے اسی طرح یتیم کے مال میں سے کھرا دینار نکال کر اس کے مال میں کھوٹا دینار رکھ دیتے تھے اور کہتے تھے بکری کی جگہ بکری اور دینار کی جگہ دینار۔ اس ادل بدل کو اللہ رب العزت نے حرام فرمایا اس تقدیر پر تبدل کے معنی تغیر کے ہوں گے اور مطلب یہ ہو گا کہ حلال مکتسب کو حرام مغتصب سے نہ بدلو یعنی تم نے جو مال کمایا ہے وہ حلال ہے اور یتیم کا جو مال تم نے غصب کیا تو وہ اس غصب کرنے کی وجہ سے حرام ہے تو حلال کو حرام سے نہ بدلو! اگرچہ ولا تتبدلوا الخبیث بالطیب کا مفہوم بہت ہی عام ہے۔ اور بہت سے معنی ہو سکتے ہیں مثلاً کفر کو ایمان سے نہ بدلو یا بری عادت کو اچھی عادت سے نہ بدلو۔ یا بداخلاق عورت کو خوش اخلاق عورت سے نہ بدلو۔ یا بری تجارت کو اچھی تجارت سے نہ بدلو غرض الفاظ میں بڑی گنجائش ہے۔ لیکن یہاں مطلب وہی ہے جو ہم نے عرض کیا ہے۔ اور یہ جو فرمایا ان کے مال اپنے مال میں شامل کر کے خورد برد نہ کرو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے مال میں بے جا تصرف نہ کرو یہ مطلب نہیں ہے کہ بس ان کا مال کھاؤ نہیں اور جو کچھ چاہے کرو۔ جیسا کہ بعض بدمعاملہ لوگ کہتے ہیں کہ قرآن نے کھانے کی ممانعت کی ہے کپڑا بنانے کی ممانعت نہیں کی ہے۔ کھانے کا ذکر اس لئے کیا ہے کہ مال کا اہم مفاد اور بڑی غرض کھانا اور پیٹ پالنا ہے۔ ورنہ یہ مطلب نہیں ہے کہ یتیم کا مال اپنے مال میں شامل کر کے کھاؤ نہیں اور جس طرح چاہے اس کا مال اڑاؤ۔ اور دوسرے پارے میں جو اختلاط کی اجازت دی ہے اس پر اس ممانعت کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ کیونکہ وہاں ملانے سے یہ غرض نہیں ہوتی کہ یتیم کا مال کھا جائیں بلکہ وہاں اس دشواری کا دور کرنا ہوتا ہے جو علیحدہ علیحدہ توا چولھا رکھنے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اور یہاں غرض شامل کرنے سے اس کا مال تلف کرنا ہے۔ اور چونکہ فقیر کو حق الخدمت کے طور پر یتیم کے مال میں سے خدمت کی اجرت لینا جائز ہے جیسا کہ چند آیتوں کے بعد آ جائے گا اس لئے ہم نے ہوتے ساتھے اور بلا ضرورت کی قید لگائی ہے جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں۔ اپنے بعض اکابر نے ولا تاکلوا اموالھم کا ترجمہ اس طرح کیا ہے۔ اور ان کے مال مت کھاؤ اپنے مالوں کے رہنے تک! اس ترجمہ میں اگر کاش میں شکل نہ ہوتا تو ایک خوبی یہ ہے کہ الی اپنے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور الی کو مع کے معنی میں لے کر ترجمہ کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ اور ایک خوبی اس ترجمہ میں اور بھی ہے جس کو اہل علم سمجھتے ہیں کہ اس ترجمہ سے یتیم کا مال کھانے کی حرمت ثابت ہوتی ہے خواہ وہ تبدیل کے بعد ہو یا بلا تبدیل ہو۔ واللہ اعلم۔ آیت زیر بحث کا ایک دوسرا شان نزول وہ ہے جس کو ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر سے نقل کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ قبیلۂ غطفان کا ایک آدمی تھا اس کے پاس اس کے یتیم بھتیجے کا بہت مال تھا جب وہ بھتیجا بالغ ہو گیا تو اس نے چچا سے اپنا مال طلب کیا۔ چچا نے انکار کر دیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ معاملہ پیش ہوا تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس آیت کو سن کر یتیم کے چچا نے کہا اطعنا اللہ ورسولہ نعوذ باللہ من الحوب الکبیر۔ یعنی ہم اللہ تعالٰے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتے ہیں اور کسی بڑے گناہ کے مرتکب ہونے سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں۔ اس شان نزول کی بنا پر بعض حضرات نے واتوا الیتمی اموالھم کا ترجمہ اس طرح کیا ہے کہ یتیموں کو جب وہ بالغ ہو جائیں تو ان کے مال سپرد کر دو اور دیدو۔ اس تقدیر پر اول تو یتیم کے معنی میں بالغ یتیم کرنا ہو گا۔ حالانکہ یتیم اس بن باپ کے بچے کو کہتے ہیں جو بالغ نہ ہوا ہو۔ بالغ ہو جانے کے بعد پھر عرفاً اور شرعاً اس پر لفظ یتیم کا اطلاق نہیں ہوتا۔ نیز ہم نے اس لئے اس کو اختیار نہیں کیا کہ بالغوں کا حکم مستقلاً آگے آرہا ہے اگر یہاں بھی وہ معنی لئے جائیں تو بلاوجہ تکرار ہو گی بہرحال اس معنی سے بھی ہم کو انکار نہیں اور اس کی بھی گنجائش ہے۔ اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ اے اولیا اور اوصیا تم یتیموں کے مال کی حفاظت کرو کسی طرح اس مال کو نقصان پہنچانے کے درپے نہ ہو اور جب وہ یتیم اس مال کی واپسی کے مستحق ہو جائیں تو وہ مال بلا کم و کاست ان کے سپرد کر دو۔ واللہ اعلم۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں جس لڑکے کا باپ مر جائے تو اس کے بڑوں کو تقید ہے کہ اس کے مال میں ہاتھ نہ ڈالیں اور بدل نہ لیں اور احتیاط سے رکھیں جب بالغ ہو تو حوالہ کر دیں۔ موضح القرآن۔ حوب کے معنی حضرت عبداللہ بن عباس نے گناہ اور ظلم کے ہیں ہم نے حبر الامت کا ایک قول اختیار کر لیا ہے۔ تبدل کے معنی میں صاحب روح المعانی نے بڑی سیر حاصل بحث کی ہے جو صاحب تفصیل پسند کرتے ہوں وہ روح المعانی ملاحظہ فرمائیں۔ اب آگے اسی سلسلے میں یتیموں کے اور حقوق بیان کرتے ہیں مثلاً زمانہ جاہلیت میں بعض اولیا یہ بھی کرتے تھے کہ کسی یتیم لڑکی کو مالدار دیکھا اور خوب صورت سمجھا تو اس کو نکاح میں لے آئے اور چونکہ خود پرورش کنندہ ہوتے تھے اور دوسرا کوئی شخص اس لڑکی کی وکالت کرنے والا نہ ہوتا تھا اس لئے اس خوب صورت اور مالدار لڑکی کا مہر اس کی حیثیت سے بہت کم مقرر کر لیا کرتے تھے۔ خود ہی اس لڑکی کے سرپرست اور خود ہی نکاح کرنے والے اور اپنے نکاح میں لانے والے اور خود ہی مہر مقرر کرنے والے۔ اس طرز عمل سے یتیموں کو بہت نقصان پہنچتا تھا اللہ تعالٰے نے نقصان کے اس طریقہ پر بھی تنبیہ فرمائی۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ (تسہیل)۔

بقیہ صفحہ ۱۲۲

اختیار ہے کہ ان کھجوروں میں سے دو اٹھائے خواہ تین اور خواہ چار لے لے۔ نہ یہ مطلب ہوتا ہے کہ چار سے زائد لے لے اور نہ یہ مطلب ہوتا ہے کہ تمام اعداد کو جمع کر کے نو کھجوریں اٹھالو۔ اور نہ یہ مطلب ہوتا ہے کہ ہر شخص اٹھارہ کھجوریں اٹھالے۔ جیسا کہ بعض اہل باطل نے سمجھا ہے۔ رہا یہ امر کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کی تعداد نو تھی تو ظاہر ہے کہ وہ آپ کی خصوصیت تھی۔ یہ دو دو اور چار چار کی بات اردو میں بکثرت استعمال ہوتی ہے۔ مثلاً جب بہت محتاج اور مزدور دن

کے متعلق کوئی دریافت کرے کہ ان کو کیا دیدوں اور کوئی جواب میں کہے کہ جو مناسب سمجھو دیدو ہر ایک کو دو دو آنے چار چار آنے دیدو یا دو دو تین تین پیسے دیکر چلتا کرو تو اس کا مطلب کوئی بھی یہ نہیں سمجھتا کہ ہر ایک مزدور کو چھ آنے یا پانچ پیسے دینے ہیں۔ دینے والا بھی سمجھتا ہے کہ ہر ایک کو دو دو آنے دینے یا چار چار آنے دینے ہیں۔ یہی مطلب یہاں سمجھنا چاہئے۔ اور سورۂ فاطر میں جو فرشتوں کے پروں کا حال بیان کیا ہے وہاں اول تو تقسیم کی بحث نہیں ہے اور نہ وہاں تحدید مراد ہے۔ پھر یہ کہ وہاں فرمایا ہے یزید فی الخلق مایشاء۔ اگر فرشتوں کے پر چار سے زیادہ بھی ہوں جیسے حضرت جبریل کے چھ سو پر بعض روایتوں سے معلوم ہوتے ہیں تو اس آیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا اس فرق کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہئے۔ (۴) چونکہ آزاد عورتوں میں نان نفقہ کی مساوات ضروری ہے۔ اور راتوں کی تقسیم ضروری ہے اور اس میں کوتاہی کرنے والوں کے لئے سخت وعید آئی ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ چند بیویوں میں ناانصافی کرنے والا قیامت میں اس حالت سے حاضر ہوگا کہ اس کی ایک جانب مفلوج ہوگی یعنی فالج زدہ حالت میں پیش ہوگا۔ اس لئے ارشاد ہوا کہ اگر ظن غالب یہ ہو کہ تم سے انصاف نہ ہو سکے گا اور تم ایک جانب جھک پڑو گے تو پھر ایک ہی عورت پر بس کرو اور ایک سے زیادہ کا خیال ترک کر دو۔ اور اگر کوئی یہ شبہ کرے کہ عدل کی استطاعت تو غیر ممکن ہے جیسا کہ پانچویں پارے میں مذکور ہے ولن تستطیعوا ان تعدلوا تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہاں جس عدل کی طرف قرآن نے اشارہ کیا ہے وہ قلب کی محبت ہے اور یہ امر واقعہ ہے کہ قلب کی محبت اختیاری چیز نہیں ہے۔ اور وہ قابل مواخذہ بھی نہیں ہے۔ اور جو چیز فرض ہے اور انسان کی استطاعت میں داخل ہے وہ ہے مساویانہ برتاؤ۔ دین لین کا برتاؤ اور رات کو سونے کا برتاؤ اس میں عدل و انصاف کا حکم ہے اور جس کی نفی فرمائی وہ قلب کا اثر ہے بلکہ قلب میں اگر کسی عورت کی محبت زیادہ ہو اور پھر بھی اس کے ساتھ برابری کا سلوک کرے تو یہ اور بھی اجر کی بات ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم باوجود حضرت عائشہؓ سے مخصوص محبت رکھنے کے پھر برتاؤ میں یکسانیت برتتے تھے اور فرمایا کرتے تھے یا اللہ تقسیم اپنے بس کے موافق کر رہا ہوں اور جو چیز میرے بس سے باہر ہے اس پر تو مجھے کوئی ملامت نہ کیجیو۔ لہٰذا اس فرق کو بھی اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے اور کسی دھوکہ باز کے دھوکہ میں مبتلا نہ ہونا چاہئے۔ کیونکہ آجکل قرآن کا نام لیکر دھوکہ دینے والوں کی اکثریت ہے (۵) ایک عورت کے حقوق پورا کرنے میں بھی کوتاہی کا خوف ہو تو پھر شرعی باندیوں پر اکتفا کر لو اور صرف باندیوں ہی پر قناعت کرو اگرچہ ایک بیوی کے ساتھ بھی باندیاں رکھی جا سکتی ہیں بلکہ چند بیویوں کے ساتھ بھی باندیوں کا استعمال جائز ہے لیکن ہم نے آیت کے ظاہری سیاق اور لفظ او کی رعایت سے یہ ترجمہ کیا ہے کہ اگر ایک آزاد عورت کے حقوق بھی پورے نہ کر سکو تو فقط لونڈیوں سے کام چلاؤ کیونکہ باندیوں میں تقسیم واجب نہیں اور نہ مہر واجب ہے کیونکہ باندی بغیر نکاح کے حلال ہے اس لئے باندیوں میں یہ خطرہ نہیں ہے۔ (۶) یہ حکم جو بیان کیا گیا ہے اور یہ طریقہ جو بتایا گیا ہے کہ یتیمہ کو چھوڑ کر اور عورتوں سے چار تک نکاح کر لو۔ چار میں عدم انصاف کا خطرہ ہو تو ایک ہی پر قناعت کرو۔ یا ایک منکوحہ اور باقی باندیاں رکھ لو یا فقط باندیوں پر قناعت کرو۔ بہرحال یہ طریقہ تم کو ناانصافی اور گمراہی سے بچانے کے لئے بہت قریب ہے۔ اور یہ طریقہ تم کو ظلم سے بچانے کے لئے قریب تر ہے۔ عدل کے معنی بعض نے جھک جانا کیا ہے۔ بعض نے ظلم کیا ہے۔ مجاہد نے گمراہی کیا ہے۔ یہ لفظ میراث کی تقسیم میں بھی آتا ہے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کثرت عیال کیا ہے۔ چونکہ امام شافعیؒ کے اس قول کو عام مفسرین نے اختیار نہیں کیا اس لئے ہم نے تیسیر میں اس معنی کو چھوڑ دیا ہے۔ عدل کے اصل معنی تجاوز عن الحد ہیں۔ یہاں مراد غیر مشروع میل اور جھکاؤ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس معاملہ میں ظلم سے بچنے کے لئے یہ طریقہ اور طریقوں سے قریب تر ہے یا یہ مطلب ہے کہ اس طرح بے انصافی نہ ہونے کی توقع قریب تر ہے۔ واللہ اعلم۔ اس موقعہ پر چونکہ یتیمہ کے مہر کو کم کرنے اور اس کو نقصان پہنچانے کی مذمت فرمائی تھی اس لئے اب آگے مہر کا ایک مستقل مسئلہ بیان فرمایا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ (تسہیل ۴) اور تم لوگ اپنی بیویوں کے مہران کو خوش دلی کے ساتھ ادا کر دیا کرو پھر اگر وہ اپنے دل کی خوشی اور رضامندی سے اس مہر میں سے کچھ تم کو چھوڑ دیں تو تم اس کو لذیذ اور خوشگوار سمجھتے ہوئے کھاؤ اور اس کو استعمال کرو۔ (تیسیر) صداق سے مراد عورت کا مہر ہے۔ صدقات یعنی عورتوں کے مہر نحلۃ۔ عطیہ۔ فریضہ۔ دیانت۔ ھبۃ طیب نفس۔ ھنیئاً۔ لذیذ۔ خوش گوار۔ مریئاً۔ زود ہضم مطلب یہ ہے کہ تم لوگ عورتوں کو ان کے مہر خوش دلی کے ساتھ یا ان کا فریضہ سمجھ کر۔ یا دیانتداری کے ساتھ ادا کر دیا کرو۔ ہاں اگر وہ خود اس مہر میں سے اپنے دل کی خوشی سے بلا کسی قسم کے جبر و اکراہ اور بدون کسی طلب کے خود بخود کچھ معاف کر دیں اور تمہارے ذمہ سے ساقط کر دیں یا وصول کرنے کے بعد تم کو کچھ یا سب واپس کر دیں تو تم کو اس کا استعمال جائز ہے اس کو خوب مزے سے کھاؤ پیو۔ خلاصہ یہ ہے کہ مہر ادا کرنے کی تاکید ہے۔ آیت میں مخاطب شوہر ہیں یا ہو سکتا ہے کہ لڑکی کے اولیا ہوں جیسا کہ بعض کا خیال ہے کہ پہلے یہی دستور تھا کہ عورت کا مہر اس کے اولیا وصول کر لیا کرتے تھے اور عورت کو کچھ نہیں دیتے تھے۔ بہرحال اس آیت میں یہ بات ظاہر فرمائی کہ مہر عورت کا ایک حق ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض کیا گیا ہے۔ لہٰذا اس حق کو ایک فریضہ سمجھ کر خوش دلی کے ساتھ عورت کو ادا کیا کرو۔ البتہ اگر عورتیں اپنے حق میں سے اور اس فریضہ میں سے جو اللہ نے ان کے لئے مقرر کیا ہے اپنی خوشی سے تم کو معاف کر دیں اور چھوڑ دیں۔ جس کو ابرا کہتے ہیں یعنی اہل حق اپنے حق کا جزو یا کل چھوڑ دے یا وصول کرنے کے بعد اسی طرح مہر کا کچھ حصہ یا تمام کا تمام تم کو واپس کر دیں تو اس کا برتنا اور کھانا جائز ہے۔ اسے مرغوب طبع اور زود ہضم سمجھ کر کھاؤ۔ آیت کی تفسیر ہم نے مفسرین کے تمام اقوال کی رعایت رکھ کر کی ہے۔ اور یہ جو فرمایا ہے کہ اس کو کھاؤ حالانکہ مال سے اور کام بھی لیا جا سکتا ہے۔ اس کی وجہ ہم پہلے کئی مرتبہ بیان کر چکے ہیں کہ مال سے جو منافع حاصل کئے جا سکتے ہیں ان میں اہم نفع اور بڑی غرض کھانا ہوتا ہے اس لئے اس کا ذکر فرمایا ورنہ یہ مقصد نہیں کہ عورت جو مہر تم کو واپس کرے اس کو سوائے کھانے کے اور کسی کام میں نہ لاؤ۔ بلکہ ان کا واپس کردہ مہر پیسہ ہے اور جس طرح اور اموال موہوبہ میں ہر قسم کا تصرف جائز ہے اسی طرح واپس شدہ مہر میں بھی ہر قسم کا تصرف جائز ہے۔ آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جبر و اکراہ سے جو مہر معاف کر دیا جائے وہ اللہ کے نزدیک معاف نہیں ہوتا اور اسی طرح یہ بھی معلوم ہوا کہ مہر عورت کی ملک ہے اس میں بغیر اس کی مرضی اور خوشی کے کسی کو تصرف کا اختیار نہیں ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مہر کی واپس کردہ رقم کو ھنیئاً مریئاً۔ اس لئے اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے مہر میں سے کچھ پیسے لیکر شہد خرید لے اور اس شہد میں بارش کا پانی ملا لے تو یہ شہد جس بیمار کو پلایا جائے اس کو شفا ہوگی۔ فقیر عرض کرتا ہے کہ اگر اس شہد پر سورۂ فاتحہ پڑھ کر پھونک دی جائے تو شفا کی توقع زیادہ ہے واللہ اعلم۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی اگر جانو کہ یتیم لڑکی سے ہم نکاح کریں گے تو اس کا حق ادا نہ کریں گے کیونکہ اس کا حق مانگنے والا نہیں تو عورتیں بہت ہیں کچھ کمی نہیں ایک مرد کو دو بھی تین بھی چار بھی روا ہیں اس سے زیادہ جمع کرنی روا نہیں کیونکہ اتنے میں بھی انصاف کرنا مشکل ہے زیادہ میں کب ہو سکا سو اس قدر بھی جب کرو کہ جانو انصاف سے رہو گے نہیں تو ایک ہی بس ہے یا اپنی لونڈی کفایت ہے جس کو کئی عورتیں ہوں تو واجب ہے کھانے پہننے میں اور دینے لینے میں برابر رکھے اور رات رہنے میں باری باندھے اگر نہ کرے گا تو قیامت میں اس کا آدھا بدن گھسٹتا چلے گا اور تقید فرمایا کہ عورت مومن کا مہر پورا خوشی سے ادا کرو اگر وہ خوشی سے کچھ چھوڑ دے تو روا ہے۔ موضح القرآن۔ یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ باندی سے مراد شرعی باندی ہے۔ آج کل ہندوستان میں جن لڑکیوں کو لونڈی یا باندی کہا جاتا ہے وہ شرعی لونڈیاں نہیں ہیں اور ان کو بغیر نکاح کے استعمال کرنا حرام ہے۔ اب آگے یتیموں کے اموال اور ان کی تفویض کا حکم بیان فرماتے ہیں۔ (تسہیل) ۵ اور اے سرپرستو! تم اپنے وہ مال جن مالوں کو اللہ تعالیٰ نے تمہاری معیشت اور گذران کا سبب بنایا ہے اور تم سب کے لئے اس کو سرمایۂ زندگی کیا ہے ان اموال کو ناسمجھ اور کم عقلوں کے سپرد نہ کرو ہاں ان کو ان اموال میں سے کھلاتے اور پہناتے رہو اور ان کو معقول و بھلی بات کہتے رہو۔ (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ وہ یتیم جو تمہاری زیر نگرانی ہیں اور جن کے مال تمہاری حفاظت میں ہیں اور حفاظت کی غرض سے وہ مال تمہارے سپرد کئے گئے ہیں اور چونکہ یہ مال ایسی چیز ہے کہ تم سب کی زندگی کا سرمایہ اور سہارا ہے اس لئے یتیم جب بالغ ہو جائیں تو ذرا دیکھ بھال کر یہ مال ان کے سپرد کیا کرو ناسمجھ اور کم عقلوں کو نہ پکڑا دیا کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اپنی کم عقلی کے باعث مال کو برباد کر ڈالیں اور اس کو اڑا ڈالیں۔ ہاں ان پر خرچ کرتے رہو اور ان سے معقول بات کہتے رہو مثلاً یوں کہو کہ مال تمہارا ہی ہے ہم تو محض نگراں ہیں تم ہی کو دیدیں گے تمہاری خیر خواہی اور بھلائی مدنظر ہے اس لئے تم کو ابھی نہیں دیتے۔ جب تم کو خرچ کرنے کا ڈھنگ اور سلیقہ آ جائے گا تو تمہارے حوالے کر دیں گے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی لڑکا بے عقل ہے اس کا مال اس کے ہاتھ نہ دو

تائب ہوجاتے ہیں تو ایسے لوگوں کی توبہ وہ ضرور قبول کرلیتا ہے۔ رہے وہ لوگ جو جرائم پیشہ ہیں اور ہمیشہ گناہوں کا ارتکاب کرتے رہتے ہیں اور جب موت سامنے آکھڑی ہوتی ہے اس وقت توبہ کرنے لگتے ہیں تو ایسے لوگوں کی توبہ قبول کرنے کا نہ کوئی وعدہ ہے اور نہ کوئی ذمہ ہے بلکہ اس کے فضل پر موقوف ہے اور نہ ان لوگوں کی توبہ مقبول ہے جو کفر پر مر جاتے ہیں بلکہ ان کے لئے تو دردناک عذاب ہم نے تیار کر رکھا ہے ان کی توبہ قبول کرنے کا کوئی سوال ہی نہیں۔ واللہ اعلم بعض حضرات نے دوسری آیت میں جو سیآت ہے اس کی تفسیر شرک سے کی ہے جیسے حضرت عبداللہ بن عباس اور بعض نے نفاق سے کی ہے۔ اگر یہ تفسیر اختیار کی جائے تو دوسری آیت کا تعلق صرف اہل نفاق اور اہل شرک سے ہوگا جیسا کہ حضرت سعید بن جبیر سے مروی ہے کہ پہلی آیت کا تعلق اہل ایمان سے ہے اور درمیانی حصہ کا تعلق منافقین سے ہے اور آخری حصہ کا تعلق کافروں سے ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اب آگے پھر عورتوں کے حقوق کا ذکر ہے اور ان احکام کا بیان ہے جو عورتوں کے حقوق کے متعلق ہیں بعض احکام میں اولیا کو خطاب ہے اور بعض احکام میں براہ راست خاوندوں کو خطاب ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ (تسہیل)

اے ایمان والو! تمہارے لئے یہ بات حلال نہیں کہ تم عورتوں پر زبردستی قابض ہوجاؤ اور ان کی جان اور ان کے مال کے زبردستی مالک بن جاؤ۔ اور نہ ان کو اس غرض سے مقید رکھو اور روکے رہو کہ جو مال تم نے ان کو دیا ہے اس مال میں سے کوئی حصہ ان سے واپس لے لو اور کچھ حصہ اس مال کا ان سے وصول کرلو مگر ہاں اس وقت جب کہ وہ کسی صریح بے حیائی اور ناشائستہ حرکت کی مرتکب ہوں تو ایسی صورت میں ان کو مقید کرنا جائز ہے اور دیکھو عورتوں سے حسن سلوک کے ساتھ زندگی بسر کرو اور خوبی اور بھلائی کے ساتھ ان سے گذران کرو پھر اگر تم ان کو پسند نہ کرو اور وہ طبعاً تم کو پسند نہ ہوں تو اس بات کو یاد رکھو کہ ایسا ہوسکتا ہے اور یہ ممکن ہے کہ تم ایک شے کو ناپسند کرو اور تم کو ایک چیز نہ بھلائے مگر اللہ تعالیٰ نے اس میں کوئی خوبی اور دینی و دنیوی کوئی بڑی بھلائی رکھدی ہو۔ لہٰذا اس توقع پر کہ شاید ان سے کوئی بہت بڑا نفع تم کو میسر آجائے تم ان کو برداشت کیا کرو۔ (تیسیر) زمانۂ جاہلیت میں عورتوں کے ستانے کا یہ بھی ایک طریقہ تھا کہ خاوند کے مرنے کے بعد اس کے بعض ورثا یا اقربا اپنا کپڑا اس کے سر پر ڈال دیتے تھے اور اس رسم کی وجہ سے وہ بیوہ کے حق دار ہوجاتے تھے پھر اگر چاہتے تو خود اس سے نکاح کرلیتے۔ اور کوئی مہر اس کا مقرر نہ کرتے یعنی جس نے اپنا کپڑا پہلے اس کے سر پر ڈالدیا وہی اس عورت کا حق دار شمار ہوتا تھا۔ اگر وہ خود اس بیوہ سے نکاح کرے تو سابقہ مہر کافی ہوتا تھا یعنی مرنے والے نے جو مہر مقرر کیا تھا اسی مہر میں یہ اس کپڑا ڈالنے والے کی منکوحہ ہوجاتی تھی۔ اور اگر اس حق دار نے اس کا نکاح کسی دوسرے سے کیا تو جدید مہر مقرر ہوتا تھا اور وہ مہر یہ کپڑا ڈالنے والا لیا کرتا تھا۔ اور کبھی ایسا بھی کرتے تھے کہ بیوہ سے نہ خود نکاح کرتے اور نہ اس کو کسی غیر سے نکاح کرنے دیتے بلکہ اگر وہ اپنے خاوند کے ورثہ میں سے کچھ دیدیتی تو اس کو چھوڑ دیتے اور اگر وہ کچھ مال نہ دیتی تو اس کو قید رکھتے یہاں تک کہ جب وہ مرجاتی تو اس کا تمام مال ہتھیا لیتے۔ چنانچہ ابو قیس کے انتقال کے بعد ان کی بیوہ کبیشہ کے ساتھ ابو قیس کے لڑکے نے یہی حرکت کی اس لڑکے کا نام حصن تھا اور یہ ابو قیس کی دوسری بیوی سے تھا۔ گویا کبیشہ کے سوتیلے لڑکے نے قبضہ کرلیا۔ اور کبیشہ کے نکاح کا وارث ہوگیا۔ اب نہ اس کے قریب جائے نہ اس کو روٹی کپڑا دے اور تنگ کرے اور یہ سب کچھ محض اس توقع پر کہ کبیشہ سے کچھ رقم اینٹھ لوں۔ کبیشہ نے حضور کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنا واقعہ سنایا، حضور نے ارشاد فرمایا جا اپنے گھر میں بیٹھ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تیرے بارے میں کوئی حکم نازل فرمائے۔ چنانچہ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اور چونکہ یہ عورت کے اختیار کی بات تھی کہ چاہے وہ نکاح کرے یا نہ کرے اور کس سے نکاح کرے یا نہ کرے اور کہاں رہے یا نہ رہے اور اپنا مال کس کو دے اور کس کو نہ دے اس لئے حضرت حق جل مجدہٗ نے کرھا کی قید بڑھائی کہ عورت کے حق میں زبردستی مداخلت کا تم کو کوئی حق نہیں۔ وہ اگر اپنی خوشی سے رہے یا اپنی خوشی سے اپنا کچھ مال تم کو دیدے یا اپنی خوشی سے خاوند کے اقربا میں سے کسی سے نکاح کرے تو وہ کرسکتی ہے لیکن اے مسلمانو! یعنی اے میت کے ورثا تم کو یہ حق نہیں ہے کہ تم زبردستی عورت کی مرضی کے خلاف اس کے یا اس کے مال کے وارث اور مالک بن جاؤ۔ غرض عورت کے بیوہ ہوجانے اور خاوند کے مرجانے کے بعد خاوند کے اولیا اور خاوند کے ورثا اور اولیا کو اس عورت پر یا اس کے مال پر تصرف کرنے اور زبردستی مالک بننے کا حق نہیں۔ اور جو تقریر ہم نے اوپر کی ہے اس سے یہ بات سمجھ میں آگئی ہوگی کہ وہ اپنی خوشی سے جو چاہے کرے یعنی نکاح کرنا یا مال دینا یا سسرال میں یا میکے میں رہنا اس میں کسی کو زبردستی کرنے کا حق نہیں یہ مطلب نہیں کہ اگر وہ راضی ہو تو میت کے ورثا اس کے وارث اور مالک بن سکتے ہیں۔ آیت کے اس ابتدائی فقرے میں بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خاوند کے اقربا اور اولیا مخاطب ہیں لیکن یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس خطاب میں خاوند بھی شامل ہو اور یہ مطلب ہو کہ جس طرح متوفی خاوند کے ورثا کو یہ بات حلال نہیں کہ وہ زبردستی عورت کے یا اس کے مال کے وارث بن جائیں اسی طرح خاوند کو بھی یہ حلال نہیں کہ عورت کو بلا وجہ تنگ کرے اور اس غرض سے اس کو ستائے کہ وہ کچھ مال دیدے تو اس کو چھوڑے ورنہ نہ تو اس سے خلع کرے اور نہ اس کو روٹی کپڑا دے۔ آیت کے دوسرے فقرے کا مطلب یہ ہے کہ عورت کو جس بے جا میں محض اس غرض سے نہ رکھو کہ جو مال تم نے اس کو دیا ہے اس میں سے کچھ جھپٹ لو تو اس کو چھوڑ دو یا اس کو دوسرے نکاح کی اجازت دو۔ اس فقرے میں بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کے خاوند مراد ہیں۔ لیکن یہ بھی ہوسکتا ہے کہ خاوند کے ورثا اور اولیا بھی مخاطب ہوں اور مطلب یہ ہو کہ جس طرح خاوند کو یہ حق نہیں کہ وہ عورت کو محض اس غرض سے مقید رکھے کہ جو مہر میں نے اس کو دیا ہے یہ اس میں سے کچھ واپس کردے تو اس کو طلاق دوں یا طلاق دینے کے بعد عورت کو کسی سے نکاح نہ کرنے دے اور یہ چاہے کہ مہر کے حصے میں سے کچھ اس سے وصول کرلوں تو دوسرے سے نکاح کی اجازت دوں۔ اسی طرح متوفی خاوند کے ورثا کو یہ حق نہیں کہ وہ کسی بیوہ کو محض اس لئے دوسرا نکاح نہ کرنے دیں اور اس کو روکے رکھیں کہ جو مال اس کو اس کے خاوند سے ملا ہے اس میں سے کچھ جھپٹ لیں تو اس کو نکاح کرنے کی اجازت دیں اس تقدیر پر لتذھبوا ببعض ما اتیتموھن کا مطلب یہ ہوگا کہ تمہارے متوفی رشتہ دار نے جو کچھ اس عورت کو دیا ہے اس میں سے کچھ اس سے وصول کرلیں۔ جو تفسیر ہم نے کی ہے اسی تفسیر کی بنا پر الا ان یاتین بفاحشۃ مبینۃ کا مطلب سمجھنا چاہئے۔ اس آیت میں فاحشہ سے مراد یا تو شوہر کی نافرمانی اور عورت کا ناشزہ ہونا ہے۔ اور یا فاحشہ سے مراد زنا ہو۔ لہٰذا اگر آیت میں خاوند مخاطب ہو جیسا کہ ظاہر یہی ہے۔ تب یہ مطلب ہوگا مگر ہاں اگر عورت بدخلق اور خاوند کی نافرمان ہو تو خاوند کو یہ جائز ہے کہ اس سے مال لیکر اس کو چھوڑے لیکن یہ مال مہر سے زائد نہ ہو۔ اور اگر فاحشہ سے مراد زنا ہو تو مطلب یہ ہوگا مگر ہاں اگر یہ عورتیں زنا کی مرتکب ہوں تو خاوند کو یہ جائز ہے کہ ان سے کچھ مال لیکر ان کو نکال دے۔ یہ مال لینا بطور جرمانہ کے تھا کہ اپنا دیا ہوا مال زناکار بیوی سے لیکر اس کو نکال دو مگر کہا جاتا ہے کہ یہ حکم ابتدائے اسلام میں تھا اب نہیں ہے۔ اور اگر مخاطب متوفی خاوند کے اولیا ہوں تب ظاہر ہے کہ فاحشہ سے مراد زنا ہی ہوسکتا ہے اور اب مطلب یہ ہوگا کہ اے میت کے وارثو تم کو کسی حالت میں بھی یہ حلال نہیں یا تم کو کسی سبب سے بھی یہ حلال نہیں کہ تم ان بیوہ عورتوں کو قید میں رکھو مگر ہاں اگر وہ زنا کی مرتکب ہوں تو ان کو مت جانے دو اور ان کو گھروں میں مقید رکھو۔ جیسا کہ رکوع کی پہلی آیت میں گذر چکا ہے اور اس صورت میں صرف عضل سے استثنا ہوگا اور مال لینے سے کوئی واسطہ نہ ہوگا۔ یہ تمام تقریر ہم نے صاحب تفسیر مظہری اور صاحب روح البیان سے نقل کی ہے۔ ورنہ آسان صورت وہی ہے جو ہم تسہیل کی ابتدا میں عرض کرچکے ہیں اور وہ یہ یاایھا الذین امنوا میں مخاطب متوفی خاوند کے اولیا اور ورثا ہیں اور ولا تعضلوھن میں مخاطب عورتوں کے خاوند ہیں۔ اور فاحشہ سے مراد عورت کی بدخلقی اور نشوز ہے اس طرح تفسیر بھی مختصر ہوجاتی ہے اور کوئی اشکال بھی نہیں پیدا ہوتا۔ واللہ اعلم بعض اہل تحقیق نے فرمایا ہے کہ اس تقسیم اور تخصیص کی ضرورت نہیں بلکہ دونوں جگہ جماعت مسلمین مخاطب ہے اور مطلب یہ ہے کہ عورتوں کی آزادی میں بے جا مداخلت نہ کرو اور ان سے روپیہ اینٹھنے کی کوشش نہ کرو مگر ہاں جب کہ وہ نافرمان اور بدخلق ہوں یا وہ زنا کی مرتکب ہوں۔ واللہ اعلم۔ آگے کے فقرے کا مطلب واضح ہے کہ عورتوں کے ساتھ حسن سلوک سے زندگی گذارو اس فقرے میں بظاہر عورتوں کے خاوند ہی مخاطب ہیں اگرچہ اس میں بھی عموم کی گنجائش ہے۔ آیت کے آخری حصہ میں ایک ضابطہ بیان فرمایا کہ اگر کبھی طبعاً تم کو وہ پسند نہ آئیں اور تمہارا دل ان کو پسند نہ کرے تو بھی ان کو یہ سمجھ کر برداشت کرو کہ اللہ تعالیٰ برائی میں سے بھلائی پیدا کیا کرتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ یہی ناپسندیدہ عورت تمہاری خدمت گذار اور تمہاری ہمدرد ہو۔ یا اس کے ہاں کوئی ایسا نصیبے والا بچہ ہوجائے جو خاندان کے لئے موجب عزت اور آخرت میں موجب بخشش ہو۔ یا کوئی چھوٹا بچہ ہوکر مرجائے اور وہ والدین کی بخشش اور

نجات کا ذریعہ ہوجائے۔ یا اور کچھ نہ ہو تو ناپسند چیز پر صبر کرنے کا ثواب تو بہرحال حاصل ہوگا۔ اس لئے اگر کوئی عورت کبھی ناپسند ہو تو اس کو طلاق دینے پر آمادہ نہ ہوجاؤ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں اس آیت میں دو حکم ہیں میت مرجاوے تو اس کی عورت اپنے نکاح کی مختار ہے میت کے بھائیوں کو زور آوری سے اپنے نکاح میں لینا نہیں پہنچتا اور نہ ان کو روکنا پہنچے نکاح سے کہ عاجز ہوکر کچھ جو میت نے دیا تھا وہ پھیر جاوے مگر بے شرع بات سے البتہ روکنا چاہئے۔ دوسرا حکم یہ کہ عورتوں سے گذران کرے تحمل کے ساتھ اگر اس میں بعضی چیز ناپسند ہو تو شاید کچھ خوبی بھی ہو بدخو کے ساتھ بدخوئی نہ چاہئے۔ موضح القرآن۔ چونکہ اوپر کی آیت میں یہ بات ظاہر ہوچکی ہے کہ اگر عورت نافرمان اور بدخو ہو تو اس سے مال یعنی مہر واپس لیکر یا مہر معاف کراکے طلاق دے سکتے ہیں اور ایسی ناشزہ عورت سے دیا ہوا مال واپس لینا جائز ہے لیکن مہر کی مقدار سے زائد نہ ہو اب آگے کی آیت میں اسی کی تفصیل ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ عورت اگر خراب ہو تو ایسی حالت میں بے شک اس کا مہر یا مہر کا کچھ حصہ واپس لیکر اس کو چھوڑنا جائز ہے لیکن ایسا نہ ہو تو بلاوجہ مہر کی واپسی جائز نہیں۔ چنانچہ جن حالتوں میں مال کی واپسی جائز نہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مثلاً ایک عورت دل سے اتر گئی اب تم اس کی جگہ دوسری عورت سے نکاح کرنا چاہتے ہو تو اس وجہ سے پہلی بیوی کو تنگ کرنا شروع کردو اور اس پر کوئی بہتان لگادو اور اس کو بدکار مشہور کرکے اس سے مہر واپس کرانا چاہو تاکہ وہ مہر لیکر نئی دلہن کو دو اور اس بے گناہ سے روپیہ چھین کر نئی شادی رچاؤ جیسا کہ زمانۂ جاہلیت میں عام طور سے ایسا کیا کرتے تھے کہ ایک عورت دل سے اتر گئی تو اس کو کوئی عیب لگادیا اور بدنام کرنا شروع کردیا اور اس کی شہرت کو نقصان پہنچا کر اس دباؤ میں اس سے مہر واپس لے لیا اور وہ مہر دوسری بیوی کے نکاح میں ادا کردیا حضرت حق تعالےٰ نے اس قسم کی نازیبا حرکت سے ممانعت فرمائی اور یہ حکم دیا کہ ایسی حالت میں مہر کا کوئی حصہ واپس نہیں لے سکتے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ (تسہیل)۔

بقیہ صفحہ ۱۲۸

والد اس کا مال نہیں۔ موضح القرآن۔ خلاصہ یہ ہوا کہ اگر عورت کی جانب سے بدخلقی اور نافرمانی کا اظہار ہو تو اس سے کچھ مال لیکر جس کی مقدار مہر سے زائد نہ ہو اس کو چھوڑنا اور طلاق دینا جائز ہے اور اگر بداخلاقی مرد کی جانب سے ہو اور حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی ہو یا بلاوجہ عورت کو علیحدہ کرنا چاہتا ہو تو ایسی حالت میں جو کچھ اس کو دے چکا ہو یا دینے کا وعدہ ہو اس میں سے کچھ واپس نہ کرے خواہ اس کی مقدار کچھ بھی ہو۔ باقی اگر لمس سے پہلے طلاق کی نوبت آجائے تو نصف مہر ادا کرنا ہوگا۔ باقی مسائل خلع کے اور مہر کے دوسرے پارے میں گذر چکے ہیں۔ فائدہ احادیث میں عورتوں کا مہر تھوڑا باندھنے کی فضیلت آئی ہے۔ عام طور سے حضورؐ کی بیویوں اور صاحبزادیوں کا مہر چار سو درم یا چار سو درم سے کم ہوتا تھا صحابہ بھی عام طور سے اسی مقدار کی پابندی کرتے تھے۔ پھر کچھ لوگوں نے مہر کی مقدار میں غلو شروع کردیا حضرت عمرؓ نے ایک دن اپنی تقریر میں مہر کی تحدید کرنی چاہی مگر ایک قریشی عورت نے واتیتم احدٰھن قنطارًا سے استدلال کرتے ہوئے حضرت عمر کو ایسا کرنے سے منع کیا۔ اور حضرت عمرؓ نے اس عورت کے اعتراض کو تسلیم کرلیا۔ اور ابو یعلی کی روایت میں اتنا اور بھی ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا فمن شاء ان یعطی من مالہ ما احب فلیفعل. یعنی جو کسی شخص کو مناسب معلوم ہو وہ کرے۔ بہرحال آیت سے مہر کی زیادتی کا جواز معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی زیادہ مہر مقرر کرے گا تو وہ نافذ ہوجائے گا اور حدیث میں جو تاکید ہے وہ عدم جواز کو مستلزم نہیں لہذا ہو سکتا ہے کہ جائز مع الکراہت ہو۔ اور حضرت عمرؓ نے جو عورت کی بات تسلیم کرلی اس کا مطلب یہی معلوم ہوتا ہے کہ لوگ چار سو درم سے مہر زیادہ باندھنے کو حرام نہ سمجھنے لگیں۔ واللہ اعلم۔ حضرت ابن عباس نے مرفوعاً بیان کیا ہے کہ عورتوں میں سے بہترین عورت وہ ہے جس کا مہر کم ہو۔ (ابن حبان) برکت کے اعتبار سے سب میں بڑی عورت وہ ہے جس کے مہر کا ادا کرنا سہل اور آسان ہو (احمد بیہقی) اب آگے اور ان کی رسومات قبیحہ کا ابطال فرماتے ہیں جن میں لوگ بکثرت مبتلا تھے۔ اکثر محرمات سے نکاح کرلیتے تھے اور بعض حلال عورتوں کو حرام سمجھتے تھے۔ آگے کی آیتوں میں اسی قسم کے مسائل کی تفصیل ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ (تسہیل) ۲۲ اور تم ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن عورتوں سے تمہارے باپ دادا پردادا وغیرہ نکاح کرچکے ہوں مگر جو بات پہلے گذر چکی وہ گذر چکی اور اسلام سے پہلے جو کرچکے وہ کرچکے یہ باپ دادا کی منکوحہ سے نکاح کرنا بڑی بے حیائی کی بات ہے اور بڑے غضب کا کام اور بہت برا طریقہ ہے۔ (تیسیر) زمانۂ جاہلیت میں یہ بھی ایک دستور تھا کہ باپ کے مرنے کے بعد بیٹا اس سے نکاح کرلیتا تھا اگرچہ کفر کے زمانے میں بھی بعض شائستہ لوگ اس کو ناپسند کرتے تھے اور ایسے نکاح کو نکاح مقت کہا کرتے تھے اور اس نکاح سے جو اولاد ہوتی تھی اس کو مقتی کہتے تھے۔ اللہ تعالےٰ نے اس حرکت شنیعہ کی مذمت میں تین الفاظ فرمائے۔ فاحشۃ۔ مقت۔ اور سبیل سوء۔ ہوسکتا ہے کہ ان الفاظ سے شرعی برائی مراد ہو اور مطلب یہ ہو کہ شرعاً بڑی بے حیائی اور اللہ تعالےٰ کی بے زاری اور غصہ کا موجب ہے اور شرعاً یہ طریقہ بہت ہی برا طریقہ ہے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ فعل عقلاً بڑی بے حیائی کا فعل اور اہل عقل کے نزدیک بہت قابل نفرت ہے اور عادتاً بھی یہ برا طریقہ ہے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بعض سے عقلی برائی مراد ہو اور بعض سے شرعی برائی کی طرف اشارہ ہو۔ ہر شخص نے اپنے اپنے ذوق کے موافق شرح کی ہے اور گنجائش سب کی ہے۔ بہرحال قرآن کا منشا اس فعل کی انتہائی مذمت کرنا ہے۔ اباء سے مراد اصول ہیں باپ کی منکوحہ ہو یا دادا کی یا نانا کی۔ اگر کسی عورت سے ان لوگوں نے نکاح کیا ہو تو ان کی اولاد کو اس عورت سے نکاح کرنا حرام ہوگا۔ اس حرمت کے لئے صرف نکاح کافی ہے خواہ شوہر نے وطی کی ہو یا نہ کی ہو۔ اور جب صرف باپ کا نکاح کرنا ہی اس عورت کو بیٹے کے لئے حرام کردیتا ہے تو نکاح کے بعد وطی تو بالاولیٰ موجب حرمت ہوگی اور وطی کے متعلق تو امام ابو حنیفہ اور امام احمد کا یہ مذہب ہے کہ وطی خواہ نکاح فاسدہ کے ساتھ ہو یا نکاح صحیح کے ساتھ ہو بہرحال بیٹے کو موطوءۃ الاب سے نکاح کرنا حرام ہے بلکہ باپ نے اگر کسی عورت سے زنا کیا ہو تو اس مزنیہ سے بھی بیٹے کو نکاح کرنا حرام ہے۔ فقہ میں اس حرمت کو حرمت مصاہرہ کہتے ہیں۔ مزید تفصیل مقامی علما سے دریافت کرلی جائے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں مگر جو ہوچکا یعنی کفر میں اس کا پرہیز نہ کرتے تھے سو اسلام کے بعد وہ گناہ نہ رہا آگے سے پرہیز چاہئے۔ موضح القرآن۔ شاہ صاحب کا مطلب یہ ہے کہ کفر کے زمانے میں جو گناہ ہوئے وہ تو اسلام لانے سے معاف ہوگئے۔ لیکن آئندہ خیال رکھو کہ کوئی مسلمان سوتیلی ماں سے نکاح نہ کرے۔ سوتیلی ماں سے نکاح کی ممانعت فرمانے کے بعد دوسری عورتوں کی حرمت کا بیان فرمایا تاکہ مسلسل اس کی تکمیل کردی جائے۔ زمانۂ جاہلیت میں جیسا کہ ہم سورۂ بقرہ میں عرض کرچکے ہیں نکاح کا کوئی خاص نظم نہ تھا۔ نہ حرام حلال کی تمیز تھی۔ نکاح جانتے تھے لیکن اس سے واقف نہ تھے کہ کس عورت سے نکاح کرنا چاہئے اور کس سے نہیں کرنا چاہئے۔ ملت ابراہیمی کو بالکل فراموش کرچکے تھے۔ کچھ لوگ اہل کتاب سے دریافت کرلیا کرتے تھے لیکن اہل کتاب کی خود مذہبی حالت خراب تھی۔ یہ اسلام کا بنی نوع انسان پر بڑا احسان ہے کہ اس نے حرام اور حلال کے احکام کو واضح طور پر بیان فرمادیا۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں۔ (تسہیل) ۲۳ تم پر حسب ذیل عورتیں حرام کردی گئی ہیں یعنی ان سے نکاح کرنا حرام ہے اگر نکاح کروگے تو وہ نکاح باطل ہوگا۔ تمہاری مائیں اور تمہاری بہنیں خواہ عینی ہوں یا باپ شریک ہوں یا ماں شریک ہوں اور تمہاری پھوپیاں۔ خواہ وہ تمہارے باپ کی علاتی بہنیں ہوں یا حقیقی بہنیں ہوں یا اخیافی ہوں اور تمہاری خالائیں خواہ وہ تمہاری ماں کی حقیقی بہنیں ہوں خواہ علاتی ہوں خواہ اخیافی ہوں اور تمہارے بھائی کی بیٹیاں یعنی بھتیجیاں خواہ وہ حقیقی بھائی کی بیٹیاں ہوں یا علاتی کی ہوں یا اخیافی بھائی کی بیٹیاں ہوں۔ اور تمہاری بہن کی بیٹیاں یعنی بھانجیاں خواہ وہ تمہاری حقیقی بہنوں کی بیٹیاں ہوں یا علاتی اور اخیافی بہنوں کی ہوں اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہے یعنی شیر خوارگی کی حالت میں تم نے جن کا دودھ پیا ہو۔ خواہ وہ عورت کوئی رشتہ دار ہو یا غیر ہو۔ اور تمہاری وہ بہنیں جو دودھ شریک ہوں یعنی تم نے ان کی ماں کا دودھ پیا ہو۔ اگرچہ مختلف اوقات میں پیا ہو۔ اور تمہاری بیویوں کی مائیں۔ اور تمہاری بیویوں کی بیٹیاں جو کسی دوسرے خاوند سے ہوں اور تمہاری پرورش میں ہوں جیسا کہ عام دستور ہے کہ بیوی کے ہمراہ جو اولاد آتی ہے اس کی پرورش بھی کرنی پڑتی ہے مگر اس بیوی کی بیٹی سے نکاح کرنا جب حرام ہوگا جب تم نے اس بیوی سے ہم بستری کی ہو اور اگر ہم بستری کی نوبت نہ آئی ہو اور ہم بستری سے پہلے ہی اس عورت کو طلاق دیدی ہو تو اس کی بیٹی سے نکاح کرنا حرام نہیں۔ غرض صرف نکاح سے کیلئے بیٹی حرام نہیں ہوتی صحبت شرط ہے صحبت اور ہم بستری کے بعد حرام ہوجاتی ہے۔ (تیسیر) امھٰتکم ماں کو نانی کی ماں کو دادی کو سب کو شامل ہے۔ اسی طرح بیٹی نواسی اور پرنواسی اور پوتی پروتی وغیرہ سب کو شامل ہے۔ خالہ پھوپی اور بہن بھانجیوں اور بھتیجیوں کی تفصیل ہم تیسیر میں عرض کرچکے ہیں۔ دودھ شریک بہن کا مطلب یہ ہے کہ تم نے کسی لڑکی کی حقیقی ماں کا دودھ پیا ہو یا رضاعی ماں کا دودھ پیا ہو اسی طرح اس نے تمہاری حقیقی ماں کا دودھ پیا ہو یا تمہاری رضاعی ماں کا دودھ پیا ہو یہ سب صورتیں حرمت کو قائم کرتی ہیں بشرطیکہ شیر خوارگی کی مدت میں دودھ

پیا ہو۔ حدیث میں آتا ہے۔ یحرم من الرضاع کا دودھ پینے سے حرمت قائم نہیں ہوتی۔ شیرخوارگی کی مدت
مایحرم من النسب۔ یعنی نسب سے جو چیز حرام ہوتی دوسرے پارے میں بیان ہو چکی ہے۔ امہٰت نسائکم میں
ہے وہی دودھ پینے سے حرام ہو جاتی ہے۔ حضرت علی بھی بیوی کی ماں اور ماں کی ماں اور بیوی کی دادی وغیرہ سب
کرم اللہ وجہہ کا بیان ہے کہ میں نے ایک دفعہ حضرت حمزہ شامل ہیں۔ فی حجورکم کی قید حقیقی نہیں ہے بلکہ بطور عادت ذکر
کی صاحبزادی کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ دیا کی گئی ہے جیسا کہ ہم تیسیر میں ظاہر کر چکے ہیں۔ عام قاعدہ اور
تھا کہ آپ اس سے نکاح کر لیں۔ آپ نے فرمایا تجھے معلوم دستور یہی ہے کہ دوسری بیوی کی اولاد بھی مرد کی پرورش میں
نہیں حمزہ میرا دودھ شریک بھائی ہے اور اللہ تعالٰے نے ہوتی ہے۔ اگر پرورش میں نہ ہو اور لڑکی کہیں اور رہتی ہو
جو رشتے ولادت سے حرام قرار دیئے ہیں وہی رشتے دودھ تب بھی یہی حکم ہے۔ البتہ صحبت و ہم بستری شرط ہے۔
سے بھی حرام کر دیئے ہیں۔ (مسلم) حنفیہ کے نزدیک مدت اگر دوسری بیوی سے ہم بستری کی نوبت نہ آئے اور
رضاعت میں دودھ کا ایک قطرہ یا دو قطرے پی لینا بھی بیوی مرجائے یا اس کو طلاق ہو جائے تو اس کی بیٹی سے
حرمت کے لئے کافی ہیں مگر شیرخوارگی کی مدت کے بعد کسی عورت نکاح جائز ہے۔ اب آگے اور محرمات کا ذکر ہے۔ (تسہیل)

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ
اور وہ عورتیں بھی تم پر حرام ہیں جو دوسروں کے نکاح میں ہوں مگر ہاں جو تمہاری ملک میں آ جائیں یعنی دار الحرب سے قید ہو کر آنیوالی

كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا
یہ تحریم کے احکام تم پر اللہ کیطرف سے فرض ہوئے ہیں ف۵ اور ان محرمات مذکورہ کے علاوہ اور باقی عورتوں کو تمہارے لئے اس طرح پر حلال کر دیا گیا

بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ۭ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ
ہے کہ تم اپنے اموال یعنی مہر کے بدلے انکو حاصل کرو بشرطیکہ تمہارا مقصد انکو حبالۂ نکاح میں لانا ہو محض شہوت رانی نہ ہو پھر نکاح کے بعد تم

بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ۭ وَلَا جُنَاحَ
نے ان سے جس طرح بھی فائدہ اٹھایا ہو اسکے بدلے انکو ان کے مقررہ مہر ادا کرو اور مہر مقرر کرنے کے بعد تم

عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ
آپس میں کسی کی بیشی پر رضا مند ہو جاؤ تو تم پر کچھ گناہ نہیں بے شک اللہ تعالیٰ

كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۲۴﴾ وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا
بڑا صاحب علم و حکمت ہے ف۶ اور تم میں سے جس شخص کو آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح

اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ
کرنیکی مقدرت نہ ہو تو وہ تمہاری اُن مسلمان باندیوں سے نکاح کرلے جو تمہاری

اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ۭ
مملوکہ ہوں اور اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان کی حالت کو خوب اچھی طرح جانتا ہے

بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ
تم سب آپس میں ایک ہو ف۷ لہٰذا ان باندیوں کے مالکوں کی اجازت سے ان کیساتھ نکاح کر لیا کرو

وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ
اور ان کے مہر دستور کے موافق ان کو دیدیا کرو مگر ہاں وہ باندیاں پاک دامن ہوں

مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَآ اُحْصِنَّ
نہ علانیہ زنا کار ہوں اور نہ خفیہ آشنائی کرتی ہوں پھر جب وہ باندیاں حبالۂ نکاح میں آجائیں

ف۱ اور تمہارے اُن بیٹوں کی بیویاں جو تمہاری پشت سے اور تمہاری نسل سے ہوں یعنی متبنیٰ۔ مُنہ بولے اور لے پالک نہ ہوں۔ کیونکہ لے پالک اور متبنیٰ کو حرمت میں کوئی دخل نہیں اور لے پالک کی بیوی حرام نہیں اور تم پر یہ بھی حرام ہے کہ تم دو بہنوں کو ایک ساتھ نکاح میں رکھو خواہ وہ دونوں رضاعی بہنیں ہوں یا نسبتی ہوں مگر ہاں جو اس حکم سے پہلے ہو چکا وہ ہو چکا اور گزشتہ دور میں جو کر چکے وہ کر چکے اس پر مواخذہ نہیں۔ یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا اور بڑی مہربانی کرنیوالا ہے۔ اور عورتوں میں سے وہ عورتیں بھی تم پر حرام کی گئی ہیں جو دوسروں کی منکوحہ اور شوہر والیاں ہوں مگر ہاں اُن میں سے وہ عورتیں مستثنیٰ ہیں جو تمہاری مملوک ہو جائیں اور تمہارے داہنے ہاتھ ان کے مالک ہو جائیں یعنی وہ شوہر والی عورتیں جو دار الحرب سے قید ہو کر آ جائیں اور اُن کے شوہر دار الحرب میں رہ جائیں یہ عورتیں اگر حاملہ ہوں تو وضع حمل کے بعد اور اگر حاملہ نہ ہوں تو ایک حیض آ جانے کے بعد حلال ہیں۔ ان مذکورہ بالا عورتوں کی تحریم کو اللہ نے تم پر لکھ دیا ہے اور تم پر ان احکام کو فرض کر دیا ہے (تیسیر) بیٹوں کی بیویوں سے مراد بیٹوں۔ پوتوں۔ پردتوں۔ نواسوں کنواسوں وغیرہ سب کی بیویاں ہیں اور ان کی حرمت بھی صرف نکاح کرنے سے ہو جاتی ہے۔ اگر نکاح کے بعد وطی بھی ہو جائے تو بدرجۂ اولیٰ اُس سے نکاح کرنا حرام ہوگا بلکہ اگر بیٹا کسی عورت سے زنا کرے تو بھی باپ اس سے نکاح نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ ہم اوپر باپ کی منکوحہ کے معاملہ میں عرض کر چکے ہیں ہاں یہ ضرور ہے کہ یہ بیٹا یا پوتا پردتا اور نواسہ کو اسا نسل سے ہو مُنہ بولا اور لے پالک نہ ہو۔ اور بہنوں کو جمع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ بیک وقت دو بہنوں کو نکاح میں نہیں رکھ سکتے اور یہی حکم دو لونڈیوں کا بھی ہے کہ دو لونڈیوں کو بھی جمع نہیں کر سکتے اگر وہ دونوں بہنیں ہوں اگرچہ ملک میں جمع ہو سکتی ہیں لیکن وطی میں جمع نہیں کر سکتے۔ شوہر والی عورتوں کے حرام ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جب تک کسی عورت کا خاوند طلاق نہ دے یا وہ مر نہ جائے اور وہ عورت طلاق یا موت کی عدت پوری نہ کرے اس عورت سے نکاح کرنا حرام ہے۔ البتہ وہ شوہر والی اس حکم سے مستثنیٰ ہے جو دار الحرب سے دار الاسلام میں قید کر کے لائی جائے اور وہ تمہاری مملوک کر دی جائے تو تم اس کو ایک حیض کے بعد یا بچہ جن لینے کے بعد استعمال کر سکتے ہو۔ آخر میں فرمایا کہ یہ احکام تم پر اللہ تعالیٰ نے فرض کر دیئے ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں سات ناتے حرام فرمائے ایک ماں اس میں داخل ہے نانی اور دادی یعنی جو عورت کہ اُس شخص کی جڑ ہے دوسری بیٹی اس میں داخل ہے نواسی اور پوتی یعنی جو اسی کی شاخ ہے تیسری بہن چوتھی بھتیجی پانچویں بھانجی یعنی جو اس کے ماں باپ میں ملتی ہے چھٹی پھوپی ساتویں خالہ جو ماں باپ سے ملتی ہے بشرطیکہ بے واسطہ ملتی ہو اور جو واسطے سے ملے وہ حلال ہے جیسے پھوپی کی بیٹی۔ فائدہ اور دودھ کے دو ناتے فرمائے ماں اور بہن اشارت ہے کہ ساتوں ناتے اس میں حرام ہیں فائدہ اور سُسرال کے چار ناتے فرمائے عورت کو مرد کی جڑ اور شاخ اور مرد کو عورت کی جڑ اور شاخ مگر شاخ جب حرام ہے کہ نکاح کے بعد صحبت بھی ہوئی ہو اور جڑ فقط نکاح سے حرام ہے دودھ سے بھی یہ چار ناطے حرام ہوئے لیکن دودھ پینا وہی معتبر ہے کہ اُسی عمر میں پیے بڑی عمر میں پینا معتبر نہیں فائدہ اس جگہ ناتا سگا اور سوتیلا اور اخیافی سب معتبر ہے اور دودھ میں سوتیلا ناتا معتبر ہے۔ فائدہ بعد اس کے منع فرمایا جمع کرنا دو بہنوں کا اس اشارت سے معلوم ہوا ساتوں ناتوں کا جمع کرنا حرام ہے اور سسرال کے ناتوں میں جمع کرنا حرام نہیں فائدہ آخر کو حرام فرمائی نکاح بندھی عورت یعنی ایک کے نکاح میں ہے تو پھر کسی کو اس کا نکاح حرام ہے مگر یہ کہ اپنی ملک ہو جاوے اس کی صورت یہ کہ کافر مرد اور عورت میں نکاح تھا وہ عورت قید میں جس کو پہونچی اس کو حلال ہے۔ فائدہ اور دودھ کا ناتا یا سسرال کا مرد کو اپنی لونڈی سے ہے تو اس کی صحبت حرام ہے اور ملک میں رہا کرے فائدہ اور جو فرمایا کہ عورتیں تمہارے بیٹوں کی جو تمہاری پشت سے ہیں یعنی لے پالک کو بیٹا نہ جانو کسی حکم میں وہ بیٹا نہیں (موضح القرآن) حضرت شاہ صاحبؒ نے بہت تفصیل کے ساتھ احکام کو واضح کر دیا ہے اگرچہ زبان پرانی ہونے کی وجہ سے اس کے سمجھنے میں طبیعت اُلجھتی ہے۔ لیکن مسائل تقریباً سب آگئے ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے نسب کی حرمت کو ناتے سے تعبیر فرمایا ہے (باقی ضمیمہ میں)

فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى

اور اس کے بعد وہ زنا کا ارتکاب کریں تو اُن پر اس سزا کی نصف سزا ہے جو غیر منکوحہ

الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ

آزاد عورتوں کو دیجاتی ہے یہ باندی سے نکاح کی اجازت تم میں سے اُس شخص کو ہے جو بدکاری سے

مِنْكُمْ ؕ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۵﴾ ع

ڈرتا ہو اور ضبط و صبر سے کام لینا تمہارے لئے بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا نہایت رحم کرنیوالا ہے ف

يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ

اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ وہ اپنے احکام تمہارے لئے صاف صاف بیان کردے اور یہ کہ جو لوگ تم سے پہلے ہو گزرے ہیں

مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۶﴾

اُن کے طریقوں پر تم کو چلائے اور یہ کہ تمہاری جانب توجہ فرمائے اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والا اور بڑی حکمت والا ہے

وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۟ قف وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ

اور اللہ تعالیٰ تم پر رحمت کے ساتھ توجہ کرنا چاہتا ہے اور وہ لوگ جو اپنی نفسانی خواہشات کی

يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا ﴿۲۷﴾ يُرِيْدُ

پیروی کرتے ہیں وہ یہ چاہتے ہیں کہ تم سیدھی راہ سے ہٹکر بہت بڑی کج روی میں جا پڑو ف اللہ تعالیٰ

اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ﴿۲۸﴾

تم پر سے بوجھ کو ہلکا کرنا چاہتا ہے اور انسان طبعاً کم زور پیدا کیا گیا ہے ف

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ

اے ایمان والو تم آپس میں ایک دوسرے کے مال غیر شرعی طریق پر

بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۟ قف

نہ کھاؤ مگر ہاں وہ مال جو آپس کی خرید و فروخت سے باہمی رضامندی کیساتھ ہو تو مضائقہ نہیں

وَلَا تَقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿۲۹﴾

اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو بے شک اللہ تعالیٰ تم پر بہت مہربان ہے۔

ع ۳ / ۱

منزل ۱

۹ / ۲

ف ۔ لہٰذا ان باندیوں کے مالکوں کی اجازت سے ان کے ساتھ نکاح کرلیا کرو اور ان باندیوں کے مہران کو یعنی ان کے مالکوں کو دستورِ شرعی کے موافق دیدیا کرو اور یہ مہر دینا اور اُن سے نکاح کرنا اس حال میں ہو کہ وہ پاک دامن ہوں ان کا مقصد حبالۂ نکاح میں مقید ہونا ہو وہ نہ تو علانیہ بدکاری کرنے والی ہوں اور نہ خفیہ آشنائی کرنے والی ہوں یعنی اُن کے مہر نکاح کے مقابلہ میں دیئے جائیں زنا یا متعہ کی اجرت نہ ہو پھر جب وہ باندیاں حبالۂ نکاح میں آجائیں اور تمہاری منکوحہ ہو جائیں اس کے بعد اگر وہ زنا کی مرتکب ہوں تو ان پر اُس سزا کی نصف سزا جاری ہوگی جو اُن آزاد عورتوں پر جاری ہوتی ہے جو غیر منکوحہ ہوں یعنی باکرہ عورت پر جو زنا کی حد ہے سو کوڑے اس کی نصف سزا پچاس تازیانے اس منکوحہ باندی کو لگائے جائیں گے یہ باندی سے نکاح کی اجازت تم میں سے اُس غیر مستطیع کو ہے جو زنا میں مبتلا ہونے سے ڈرتا اور خوف کھاتا ہو اور اس کو اندیشہ ہو کہ اگر نکاح نہ کروں گا تو بدکاری میں مبتلا ہو جاؤں گا اور تمہارا صبر کرنا اور ضبط سے کام لینا بہرحال تمہارے لئے بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا نہایت مہربانی کرنیوالا ہے۔ اگر کوئی کوتاہی ہوجائیگی تو اسے معاف کردے گا اور مہربانی یہ کہ احکام میں ہر شخص کی رعایت کرتا ہے (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ جب مقدرت نہ ہو اور باندی سے نکاح کرو تو اسکے مالک کی اجازت کے بغیر نہیں کرسکتے لہٰذا ان کے مالک کی اجازت سے نکاح کرلو اور مملوک کی ہر چیز چونکہ مالک کی ہوتی ہے اس لئے اُن کا مہر اُن کے مالک کو دیدو۔ معروف کا یہ مطلب کہ شرعی طریق پر جس طرح اور دَین ادا کیا جاتا ہے اسی طرح اس دَین کو بھی ادا کرو اور ہوتے ساتھ مہر ادا کرنے میں ٹال مٹول نہ کرو نکاح کے ساتھ ان باندیوں کی حالت بھی بیان کردی کہ ان کا مقصد نکاح میں آنا ہو بدکاری یا خفیہ آشنائی کرنا نہ ہو۔ یعنی نکاح اسی قاعدہ سے ہو جو شریعت کا قاعدہ ہے۔ گواہ ہوں۔ مہر ہو ایجاب قبول ہو۔ کھلا زنا یا خفیہ خانگی بازی نہ ہو اور نکاح میں رہنا مقصود ہو متعہ کی طرح یہ تعلق موقت نہ ہو۔ اسی کیساتھ سزا کا حکم بھی بیان فرمادیا کہ اگر نکاح میں آنے کے بعد اور منکوحہ بن جانیکے بعد ان سے بے حیائی کا ارتکاب ہو اور وہ بدکاری کی مرتکب ہوں تو اُن کو آزاد عورت غیر محصنہ کی نصف سزا ہے۔ محصنہ اور غیر محصنہ کی بحث ہم اوپر کرچکے ہیں آزاد مرد و عورت غیر محصنہ کی سزا سو کوڑے ہیں اور آزاد مرد و عورت محصنہ کی سزا سنگساری ہے لیکن لونڈی غلاموں کی سزا نصف ہے اور موت نصف ہو نہیں سکتی اس لئے باوجود محصنہ ہونیکے بھی پچاس تازیانے ہی لگائے جائیں گے۔ آخر میں پھر اس امر کی جانب اشارہ فرمایا کہ باندی سے نکاح کرنا بدرجۂ مجبوری ہونا چاہئے اور جیسا کہ ہم عرض کرچکے ہیں کہ اولاد کی تربیت اور خانہ داری کی رعایت اور اولاد کی حریت کے لحاظ سے باندی مناسب نہیں ہے اس لئے فرمایا کہ آزاد عورت کے اخراجات کی عدم استطاعت کے باوجود باندی سے نکاح کرنا اُس شخص کیلئے مناسب ہے جس کو تم میں سے یہ اندیشہ ہو کہ نکاح نہ کرنے کی صورت میں مجھ سے زنا کا ارتکاب ہوجائیگا۔ عنت کے معنی کسی ہڈی کا جڑکر ٹوٹ جانا ہے پھر ہر مشقت اور ضرر کیلئے استعمال ہونے لگا یہاں زنا مراد ہے اور واقعی زنا کا ضرر سب سے بڑھ کر ہے۔ لہٰذا جس کو زنا میں مبتلا ہونے کا خطرہ نہ ہو اس کو باندی سے نکاح کرنا مناسب نہیں پھر فرمایا اور اس خطرے کے باوجود بھی تم اپنے نفس پر قابو رکھو اور ضبط نفس سے کام لو تو یہ اس امر سے بہتر ہے کہ کسی کی لونڈی سے نکاح کرو پھر ارشاد ہوا کہ ہم غفور ہیں اگر کوئی کوتاہی ہوگئی مثلاً باوجود قدرت علی الحرہ کے باندی سے نکاح کرلیا۔ یا معمولی خطرہ محسوس ہوتے ہی باندی سے نکاح کرلیا اور ضبط نفس سے کام نہیں لیا تو ہم سے معافی کی اُمید رکھو اور ہم رحیم ہیں کہ جو حکم دیتے ہیں اُس میں ہر شخص کیلئے وسعت رکھتے ہیں اور ہر شخص کے حال کی رعایت رکھتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ فرمایا جس کو مقدور نہ ہو آزاد عورت سے نکاح کرنے کا اور صبر میں ڈرتا ہو کہ مجھ سے حرام ہو جاوے تو روا ہے کسی کی لونڈی سے نکاح کرلے مالک کے اذن سے اور چھپی یاری سے منع فرمایا تو نکاح میں شاہد لازم ہوئے۔ اور جس کے نکاح میں ایک عورت آزاد ہے اس کو کسی کی لونڈی سے نکاح حلال نہیں اور اُن پر جو آدھی مار فرمائی یعنی آزاد مرد یا عورت (باقی ضمیمہ میں)

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ

اور جو شخص بطور زیادتی اور ظلم ان افعال ممنوعہ کا ارتکاب کریگا تو ہم عنقریب اُس کو آگ میں

نَارًا ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿٣٠﴾ اِنْ تَجْتَنِبُوْا

داخل کریں گے اور ایسا کرنا اللہ تعالیٰ پر بہت آسان ہے ف جن کاموں سے تم کو منع کیا جارہا ہے

كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ

اگر تم ان ممنوعات میں سے جو بڑے بڑے گناہ ہیں اُنسے بچتے رہوگے تو ہم تمہارے چھوٹے چھوٹے قصور تم سے زائل کردینگے اور ہم تم کو

مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ﴿٣١﴾ وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ

ایک باعزت مقام میں داخل کریں گے ف اور جن چیزوں میں ہم نے تم کو آپس میں ایک دوسرے پر فوقیت اور

عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ

برتری عطا کی ہے اُن چیزوں کی ہوس اور تمنا نہ کیا کرو مردوں کا ان کی استعداد کے موافق حصہ ہے اور عورتوں کا

نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَسْـَٔلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ

ان کی استعداد کے موافق حصہ ہے اور اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل مانگا کرو بے شک

اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا ﴿٣٢﴾ وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِیَ

اللہ تعالیٰ ہر چیز کا جاننے والا ہے ف اور ہم نے ہر اس مال متروکہ کے جس کو ماں باپ

مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ؕ وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ

اور قرابت دار چھوڑ جائیں وارث مقرر کردئے ہیں اور وہ لوگ جن سے تم نے عہد و پیمان

اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ

کیا ہو یعنی مولی الموالات تو ان کو ان کا حصہ دیدو بلاشبہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کے

شَهِيْدًا ﴿٣٣﴾ ع اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ

پیش نظر ہے ف مرد عورتوں پر کارفرما و حکمراں ہیں اس بنا پر کہ اللہ تعالیٰ نے

اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ

ان میں سے بعض کو بعض پر بزرگی اور برتری عطا فرمائی ہے اور نیز اس بنا پر کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کئے ہیں

ع ٥/٨/٢

ف اے ایمان والو! تم آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق اور غیر شرعی طور مت کھاؤ اور ان کو مت استعمال کرو مگر ہاں وہ مال جو آپس کی تجارت اور خرید و فروخت سے باہمی رضامندی کے ساتھ ہو تو اُس کے کھانے اور استعمال کرنے میں مضائقہ نہیں اور دیکھو تم اپنے آپ کو قتل نہ کرو اور آپس میں ایک دوسرے کو قتل نہ کرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ تم پر بڑی مہربانی کرنے والا ہے اور جو شخص از راہِ زیادتی اور ظلم ان افعال ممنوعہ کا ارتکاب کرے گا تو ہم عنقریب اُس کو جہنم کی آگ میں داخل کریں گے اور یہ سزا دینا اور کسی مجرم کو جہنم کی آگ میں داخل کرنا اللہ تعالیٰ پر بالکل آسان اور بہت سہل ہے (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ یتامیٰ اور بیوگان کے مال پر کیا موقوف ہے کوئی مال بھی جو غیر مباح طور پر حاصل ہو وہ نہ کھاؤ اس کا کھانا حرام ہے۔ باطل کے معنی ہم نے غیر شرعی کئے ہیں تاکہ غیر مباح اور مکروہ اور حرام وغیرہ سب کو شامل ہوجائے البتہ ان اموال کے کھانے کی اجازت ہے جو مثلاً کسی تجارت کے ذریعہ حاصل ہوں اور وہ تجارت بھی باہمی رضامندی کے ساتھ ہو اس میں مبادلۃ المال بالمال کے دوسرے عقود بھی داخل ہوگئے بشرطیکہ یہ تجارت اور دوسرے معاملات قواعدِ شرعیہ کی پابندی کے ساتھ کئے جائیں جس معاملہ میں شرعی احکام کی پابندی کو نظر انداز کردیا جائیگا وہی باطل میں داخل ہوجائیگا اور اس کا کھانا اور برتنا حرام ہوگا۔ یہاں بھی مال کیساتھ کھانا فرمایا کیونکہ مال کے اہم منافع اور مقاصد میں کھانے پینے کو بڑا دخل ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے بھی کئی مرتبہ عرض کرچکے ہیں اور اسی لئے ہم نے کھانے کیساتھ استعمال کرنے کا لفظ بڑھادیا ہے تاکہ یہ معلوم ہوجائے کہ حرام کا مال صرف کھانا ہی حرام نہیں بلکہ کسی اور مصرف میں استعمال کرنا بھی حرام ہے لا تقتلوا انفسکم سے مراد خودکشی تو ظاہر ہی ہے اور یہ اسلام کا بہت بڑا احسان ہے کہ اُس نے دنیا کی تمام قوموں کو خودکشی کی بُرائی سے آگاہ کیا ورنہ دنیا کی تہذیبیں اس کو جرم ہی نہیں سمجھتی تھیں اور جان کو اپنا سمجھ کر اس کو تلف کردینا اپنا قانونی حق خیال کرتی تھیں یہ بات اسلام نے ظاہر کی کہ اپنی جان کو تلف کردینا بھی جرم ہے جیسا کہ احادیث میں تفصیل موجود ہے کہ جو شخص اپنی جان کو چھری سے قتل کرے گا یا پہاڑ پر سے گرا کر اپنے کو ہلاک کریگا یا کسی اور دھاردار چیز سے خودکشی کرے گا تو وہ قیامت تک عالم برزخ میں اسی طرح قتل کیا جاتا رہے گا اور اگر ولا تقتلوا انفسکم کا مطلب یہ ہے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو قتل نہ کرو کیونکہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان کو قتل کرنا بھی اپنے ہی کو قتل کرنا ہے تو اس کی حرمت اور گناہ تو ظاہر ہی ہے جیسا کہ اسی پارے میں اس کی تفصیل آجائے گی۔ اور یہ واقعی اللہ تعالیٰ کی بڑی مہربانی اور بندہ نوازی ہے کہ اُس نے انسان کی جان کو تلف کرنے سے روکنے کی شکل نکالی اور ایسا قانون بنادیا جس سے قتل کو جرم قرار دیا گیا۔ آگے مزید تنبیہہ فرمائی کہ جو مذکورہ بالا گناہ کا ارتکاب کرے گا اور ارتکاب بھی ظلم و عدوان کے طور پر کرے گا تو اس کو جہنم میں داخل کیا جائیگا۔ اگرچہ دخول جہنم قیامت کے دن ہوگا لیکن قیامت چونکہ کچھ دور نہیں ہے اس لئے عنقریب فرمایا۔ عدوان کے معنی حد سے تجاوز کرنا ہے۔ ہم نے اس کا ترجمہ زیادتی کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کسی کا مال زیادتی اور ظلم سے کھالیا یا کسی کو ظلم اور زیادتی سے قتل کردیا یا کسی وارث کی میراث کو ظلم اور زیادتی سے دبالیا یا کسی کی منکوحہ کو ظلم و زیادتی سے لے بھاگا تو ایسے لوگوں کی سزا جہنم ہے۔ بعض مفسرین نے اس وعید کا تعلق صرف قتل سے بیان کیا ہے ہوسکتا ہے کہ قتل نفس کی اہمیت کے لحاظ سے صرف قتل ہی پر وعید فرمائی ہو اگرچہ عموم بہتر ہے بہرحال اس صورت میں عدوان کا مطلب یہ ہوگا کہ قتل خطا اور غلطی سے نہ ہو یعنی مارتا تھا کسی اور کو اور تیر کسی اور کو لگ گیا یا کسی حاکم نے کوئی غلط فیصلہ کردیا اور ایک بے گناہ کو پھانسی ہوگئی بلکہ قصداً زیادتی اور ظلم سے کسی کو ناحق قتل کیا ہو تو اس وعید کا مستحق ہوگا اور دوزخ میں ڈال دینا اور آگ میں داخل کردینا اللہ تعالیٰ کو کچھ مشکل نہیں خواہ کوئی کافر ہو یا عاصی مسلمان ہو بلکہ یہ جہنم کی سزا دینا اس پر بالکل آسان اور سہل ہے جہنم کو اس نے اسی کام کیلئے پیدا کر رکھا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی مغرور نہ ہو کہ ہم مسلمان دوزخ میں کیونکر جائیں گے اللہ پر یہ بھی آسان ہے (موضح القرآن) خلاصہ یہ کہ قانون کی خلاف ورزی بہرحال خلاف ورزی ہے کوئی مسلمان ہو یا کافر۔ اگر کوئی مسلمان فاسق ہو اور توبہ کرکے نہ مرا ہو تو بہرحال وہ سزا کا مستحق ہے اور جبتک اہل حق معاف نہ کرے نجات کی کوئی صورت نہیں۔

(باقی ضمیمہ میں)

فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ

پس جو عورتیں نیک ہیں خاوندوں کی فرمانبردار ہوتی ہیں اور حفاظت کے باعث جو اللہ نے انکے حقوق کی کی ہے وہ اپنے خاوندوں کی پیٹھ پیچھے انکے حقوق کی

وَالّٰتِىْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ

نگہداشت کرتی ہیں اور جن عورتوں کی سرکشی کا تم کو ڈر ہو تو پہلے اُن کو سمجھاؤ پھر اُن کو اُن کے

فِى الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا

بستروں میں تنہا چھوڑ دو پھر اُن کو مارو اگر اس پر وہ تمہاری فرماں بردار ہو جائیں تو پھر انکے خلاف الزام

عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ﴿۳۴﴾ وَاِنْ خِفْتُمْ

کی خواہ مخواہ کوئی راہ تلاش نہ کرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ سب سے بالا اور سب سے بڑا ہے ف۱ اور اگر تم لوگوں کو

شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ

میاں بیوی میں باہمی کش مکش کے بڑھ جانیکا خوف ہو تو ایک منصف شخص مرد کے خاندان سے اور ایک منصف شخص عورت کے

اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَاۤ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ

خاندان سے منتخب کر کے بھیجو اگر یہ دونوں شخص اصلاح کا ارادہ کرلیں گے تو اللہ تعالیٰ ان دونوں میاں بیوی کے مابین موافقت کی راہ پیدا کردیگا بیشک

كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ﴿۳۵﴾ وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا

اللہ تعالیٰ سب کو جانتا اور ہر معاملے سے باخبر ہے اور تم سب اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اسکے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو

وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ

اور ماں باپ کیساتھ نیک برتاؤ کرو اور قرابت داروں کیساتھ بھی اور یتیموں کیساتھ بھی اور مساکین کے ساتھ بھی

وَالْجَارِ ذِى الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ

اور قریب کے پڑوسی کے ساتھ بھی اور دُور کے پڑوسی کیساتھ بھی اور پاس کے بیٹھنے والے کے ساتھ بھی

وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا

اور مسافر کے ساتھ بھی اور ان کے ساتھ بھی جو تمہارے مملوک ہیں حسن سلوک سے پیش آؤ یقیناً اللہ تعالیٰ ایسے

يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ﴿۳۶﴾ ۙ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ

لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو تکبر کرنیوالے شیخی مارنیوالے ہوں ف۲ وہ جو کہ خود بھی بخل کرتے ہوں

ف۱ مرد عورتوں پر قوّام یعنی کارفرما اور حکم راں ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان مردوں اور عورتوں میں سے بعض کو بعض پر فضیلت اور بزرگی و برتری عطا فرمائی ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر فطری برتری عطا کی ہے اور نیز اس سبب سے یہ برتری مردوں کو حاصل ہے کہ انھوں نے مہر اور نان نفقہ وغیرہ میں اپنا مال خرچ کیا ہے۔ لہٰذا جو عورتیں نیک ہیں وہ اس برتری کے باعث مردوں کی فرماں بردار ہوتی ہیں اور ان کی اطاعت کرتی ہیں اور مرد کی عدم موجودگی میں بھی اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں کے حقوق کی حفاظت کی ہے وہ مردوں کے حقوق کی حفاظت ونگرانی کرتی ہیں یعنی مرد کی اولاد اس کی آبرو اور اُس کے مال کی دیکھ بھال رکھتی ہیں اور وہ عورتیں کہ جن کی بدخوئی اور سرکشی کا تم کو ڈر ہو اور تم قرائن وحالات سے ان کی نافرمانی کا یقین کرو تو تم اُن کو پہلے زبان سے نصیحت کرو اور ان کو سمجھاؤ اور وہ نہ مانیں تو اُن کو ان کے بستروں میں اور ان کی خوابگاہوں میں تنہا چھوڑ دو اس پر بھی نہ مانیں تو ان کو ضرب خفیف کے ساتھ مارو پھر اگر وہ تمہاری مطیع ہو جائیں اور اس کارروائی کے بعد تمہاری اطاعت کرنے لگیں تو پھر ان کے خلاف خواہ مخواہ الزام کی کوئی راہ اور اُن پر زیادتی کرنے کا کوئی بہانہ تلاش نہ کرو اور یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ سب سے بلند و برتر اور سب سے بڑا ہے (تیسیر) قوّام۔ رئیس۔ حاکم، مودب۔ قیّم اُس شخص کو کہتے ہیں جو کسی نظام کو درست حالت میں چلانے اور اس کی حفاظت ونگرانی کرنے اور اس کی ضروریات کو مہیا کرنے کا ذمّہ دار ہو۔ نشوز۔ کے معنی ہیں بلند ہونا یہاں عورت کے نشوز سے اس کی بدخوئی۔ بددماغی اور نافرمانی۔ خاوند کی مخالفت اور اس سے بغض وغیرہ مراد ہے — قانتات سے مراد خاوند کی فرماں بردار عورتیں یا اللہ تعالیٰ کی حکم بردار عورتیں ہیں۔ مضجع وہ جگہ جہاں انسان کسی پہلو سے لیٹتا ہے۔ ہم نے بستره اور خواب گاہ ترجمہ کیا ہے بما حفظ اللہ کا کئی طرح ترجمہ کیا گیا ہے اور مفسرین کے کئی قول ہیں ہم نے ایک قول اختیار کرلیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مرد عورتوں پر حاکم اور اُن کے نگراں اور ان کے ادب دینے والے ہیں اور اُن کو یہ حق حکمرانی اور تسلط دو وجہ سے حاصل ہے۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے بعض کو بعض پر برتری عطا کی ہے جیسا کہ مرد کو طبعاً اس قسم کی خصوصیات اور قوتیں عطا فرمائی ہیں جو عورت کو حاصل نہیں ہیں اس لئے مرد ہی اس امر کا مستحق ہے کہ خاندانی زندگی میں عورت کا قیّم اور خبرگیراں ہو اور عورت فطرتاً اس کی اہل ہے کہ وہ مرد کی حفاظت اور خبرگیری میں رہے اور دوسری وجہ مرد کے قیم ہونے کی یہ ہے کہ مرد ان کی ضروریات پر اپنے مال خرچ کرتے ہیں جیسا کہ ہم نے تیسیر میں عرض کیا ہے کہ ان کے مہر اور ان کے نان نفقہ اور دیگر ضروریات میں مرد اپنا مال صرف کرتے ہیں۔ اس وجہ سے بھی ان کو عورتوں پر کارفرمائی کا حق حاصل ہے۔ لہٰذا اس حق برتری اور حق حکمرانی کا لحاظ رکھتے ہوئے جو عورتیں نیک اور صالح ہیں وہ خاوندوں کی اطاعت وفرمانبرداری کرتی ہیں اور اس کے حکم کی تعمیل کرتی ہیں اور صرف یہی نہیں کہ اس کے حکم کی تعمیل کرتی ہیں بلکہ جب وہ کہیں چلا جاتا ہے تو اس کی پیٹھ پیچھے بھی اس کے مال کی اولاد کے اور اس کے ناموس کی حفاظت کرتی ہیں اور یہ حفاظت اس وجہ سے کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انکے حقوق کی حفاظت فرمائی ہے اور خاوندوں پر ان کے حقوق عائد کئے ہیں اور اس فقرے کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق وحفاظت سے ان کے حقوق کی حفاظت کرتی ہیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ محفوظ وہ ہے جس کو خدا تعالیٰ محفوظ رکھے اور بھی کئی مطلب ہوسکتے ہیں ہم نے تیسیر اور ترجمہ میں ایک قول اختیار کرلیا ہے۔ ہمارے اختیار کردہ قول کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے حقوق کی حفاظت کی ہے اور مردوں کو ان کے حقوق پورا کرنے کی تاکید کی ہے جیسا کہ دوسرے پارے میں فرمایا ہے ولهن مثل الذی علیهن بالمعروف اس لئے وہ بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کے موافق مردوں کے حقوق کی حفاظت کرتی ہیں مرد کی موجودگی میں بھی اور عدم موجودگی میں بھی حضرت حق تعالیٰ نے مرد کی حاکمیت اور اس کی برتری اور عورتوں کی محکومیت اور اطاعت وفرماں برداری کا ذکر فرمانے کے بعد مردوں کو فرمایا کہ جو عورتیں خاوند کی نافرمانی کریں اور تم کو قرائن سے ان کا نشوز معلوم ہو جائے خواہ وہ ان کے قول سے معلوم ہو یا ان کے فعل سے۔ مثلاً کوئی بات ان سے کہو اور وہ ترش ہو کر جواب دیں۔

(باقی ضمیمہ میں)

ف۱ وہ متکبر و فخور جو خود بھی بخل کرتے ہوں اور دوسرے لوگوں کو بھی اپنے قول و فعل سے بخل کی تعلیم دیتے ہوں اور بخل کرنا سکھاتے ہوں اور وہ اُس چیز کو چھپاتے ہوں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ان کو عطا فرمائی ہے اور ہم نے ایسے نافرمانوں اور ناسپاسوں کیلئے اہانت آمیز اور ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو بھی پسند نہیں فرماتا جو لوگ اپنے مال لوگوں کو دکھانے کی غرض سے خرچ کرتے ہیں اور نہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ یوم آخرت پر اعتقاد رکھتے ہیں اور بات تو یہ ہے کہ جس کا ساتھی اور مصاحب شیطان ہو تو وہ بُرا ساتھی اور بُرا مصاحب ہے۔ (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ اہلِ حقوق کے ساتھ احسان نہ کرنے کی وجہ عام طور سے انسان کا تکبر اور خود پسندی اور اُس کا بخل ہوتا ہے۔ اسی کا اس آیت میں ذکر کیا ہے کہ یہ لوگ خود بھی بخل کے خوگر ہیں اس لئے نہ ماں باپ کا حق ادا کرتے ہیں اور نہ مساکین و محتاج کو کچھ دیتے ہیں اور نہ پڑوسیوں کی اور مسافروں کی خبر گیری کرتے ہیں اور نہ اپنے مملوک کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتے ہیں اور یہ ایسے بخیل ہیں کہ دوسروں کو بھی بخل کی ترغیب دیتے ہیں یہ تو زبان سے بخل سکھانا ہوا یا ان کی دیکھا دیکھی دوسروں کو بھی بخل کا شوق ہوتا ہے یہ فعل سے بخل کا سکھانا ہوا اور فرمایا کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے اُس فضل کو چھپاتے ہیں جو اُس نے اُن پر کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے جو اُن کو دے رکھا ہے اُس کو یہ لوگ چھپاتے ہیں۔ چھپانے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے کو مفلس ظاہر کرتے ہیں۔ اور اہلِ حق سے کہتے ہیں کہ ہمارے پاس کیا رکھا ہے جو ہم تم کو دیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ اگر مال غربا کو دیتے رہیں تو اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اظہار ہو لیکن یہ بخل کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی نعمت کو ظاہر نہیں ہونے دیتے اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اشارہ یہود کی طرف ہو کیونکہ اُنھوں نے ان پیشین گوئیوں کے ظاہر کرنے میں بخل سے کام لیا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق توریت میں مذکور تھیں آخر میں اہانت آمیز عذاب کا ذکر فرمایا کہ ایسے ناسپاس لوگ جو متکبر اور شیخی مارنے والے اور بخیل اور بخل کی تعلیم دینے والے اور اللہ کے فضل کو چھپانے والے ہوں اُن کیلئے ذلیل و رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے اسی کے ساتھ ریا کاروں کا ذکر بھی فرمایا کہ جو لوگ اللہ پر اور قیامت کے دن پر تو اعتقاد نہیں رکھتے اور کچھ دیتے بھی ہیں تو اس میں لوگوں کا دکھاوا مقصود ہوتا ہے تو اس قسم کے منافق بھی اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں اور چونکہ ان تمام خرابیوں کی اصل جڑ شیطان کی دوستی ہے اور ایک ہم نشین کا اثر دوسرے ہم نشین پر پڑنا ضروری ہے اس لئے آخر میں فرمایا کہ شیطان جس کا قرین اور ہم جلیس و ہم صحبت ہو تو وہ بُرا ہم جلیس ہے کیونکہ اسکی دوستی سے سوائے نقصان اور ضرر کے کوئی فائدہ نہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں مال دینے میں بخل کرنا جیسا اللہ کے نزدیک بُرا ہے ویسا ہی خلق کے دکھانے کو دینا اور قبول وہ ہے جو حق داروں کو دے جن کا مذکور اوّل ہوا خدا کے یقین سے اور آخرت کی توقع سے دے (موضح القرآن) حدیث میں آتا ہے ان الله يحب ان يرى اثر نعمته عليك یعنی اللہ تعالیٰ اس کو پسند کرتا ہے کہ وہ اپنی نعمت کا اثر تجھ پر دیکھے مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی فضل کیا ہے تو اس کو استعمال کرے یہ نہیں کہ صندوق میں بند کر کے رکھ دے ان آیتوں میں جن چیزوں کی مذمت فرمائی تھی مثلاً۔ کبر۔ بخل۔ خدا کی نعمت کا کتمان۔ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے سے انکار۔ ریاکاری۔ اور شیطان کی دوستی۔ ان سب باتوں کے مقابلہ میں اُن باتوں کی ترغیب دیتے ہیں جو ان برائیوں کی ضد ہیں اور اُن تمام نیک باتوں کا خلاصہ صرف تین چیزوں میں بیان فرمایا ہے اور درحقیقت اصولی طور پر وہی تین چیزیں ان تمام مذکورہ امراض کا علاج ہیں چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل) ف۲ اور ان کا کیا بگڑ جاتا اور ان پر کونسی آفت نازل ہو جاتی اگر یہ لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آتے اور یوم آخرت کے واقع ہونے کا اعتقاد رکھتے اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ ان کو دیا ہے اس میں سے کچھ خیرات کیا کرتے اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی حالت کو خوب جانتا ہے یقین جانو! کہ اللہ تعالیٰ کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرے گا بلکہ وہ تو ایسا کریم ہے کہ اگر ایک چھوٹی سی نیکی ہوگی تو اپنی مہربانی سے اس کو کئی گنا کر کے اُس کا ثواب عنایت کرے گا۔ (باقی ضمیمہ میں)

وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُونَ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ

اور دوسروں کو بھی بخل کرنا سکھاتے ہوں اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ان کو دیا ہے

مِنْ فَضْلِهِ ۗ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ﴿٣٧﴾ وَ

اس کو چھپاتے ہوں اور ہم نے ایسے نافرمانوں کیلئے ذلیل کرنیوالا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اور

الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُونَ

وہ لوگ بھی خدا کو ناپسند ہیں جو اپنے مال محض لوگوں کے دکھانیکو خرچ کرتے ہیں اور وہ نہ اللہ پر ایمان

بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ ۗ وَمَنْ يَكُنِ الشَّيْطَانُ لَهُ قَرِينًا

رکھتے ہیں اور نہ روز آخرت پر اور بات یہ ہے کہ جس کا ساتھی شیطان ہوا

فَسَاءَ قَرِينًا ﴿٣٨﴾ وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ آمَنُوا بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ

سو وہ بہت ہی برا ساتھی ہے ف۲ اور ان لوگوں پر کونسی آفت نازل ہوجاتی اگر یہ لوگ اللہ پر اور آخرت کے دن پر

الْآخِرِ وَأَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللَّهُ ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِهِمْ

ایمان لے آتے اور جو کچھ اللہ نے ان کو دیا ہے اس میں سے کچھ خیرات کیا کرتے اور اللہ تعالیٰ ان سے خوب

عَلِيمًا ﴿٣٩﴾ إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۖ وَإِنْ تَكُ

واقف ہے۔ یقین مانو اللہ تعالیٰ کسی شخص پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا اور اگر ایک چھوٹی سی

حَسَنَةً يُضَاعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَدُنْهُ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٤٠﴾

نیکی بھی ہوگی تو اللہ تعالیٰ اس کو کئی گنا بڑھادے گا اور اپنے پاس سے مزید اجر عظیم عطا فرمائے گا ف۳

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ

بھلا اس وقت ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جب ہم ہر ایک امت میں سے ایک ایک حوال بتانیوالا طلب کریں گے اور اے محمد آپکو ان

عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا ﴿٤١﴾ يَوْمَئِذٍ يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَ

لوگوں پر یعنی آپکی اُمت پر بطور گواہ کے لائیں گے۔ اس دن وہ لوگ جنھوں نے دین حق کا انکار کیا تھا اور

عَصَوُا الرَّسُولَ لَوْ تُسَوَّىٰ بِهِمُ الْأَرْضُ وَلَا يَكْتُمُونَ

رسول کی نافرمانی کی تھی یوں آرزو کریں گے کاش زمین پھٹ جائے اور وہ سما جائیں اور وہ اللہ تعالیٰ سے اس دن

اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴿٤٢﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ

کوئی بات چھپا نہ سکیں گے ف ۱ اے ایمان والو جب تم نشے کی حالت میں ہو تو اُس وقت تک کہ

وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا

جب تک تم زبان سے جو کچھ کہتے ہو اُسے سمجھنے نہ لگو نماز کے قریب نہ جاؤ اور اسی طرح جنابت کی حالت میں بھی نماز نہ پڑھو

عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ

جب تک کہ غسل نہ کر لو الا یہ کہ تم مسافر ہو اور اگر کبھی تم بیمار ہو یا

عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ

سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی شخص جائے ضرورت سے فارغ ہو کر آئے یا تم عورتوں سے

النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا

ملے ہو اور پھر تم پانی پر قدرت نہ پاؤ تو ایسی حالت میں تم پاک زمین کا قصد کرو اور اپنے چہروں پر

بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿٤٣﴾ اَلَمْ

اور ہاتھوں پر مسح کر لو یعنی تیمم کر لیا کرو بیشک اللہ تعالیٰ بڑا درگزر کرنے والا اور بڑا بخشش کرنیوالا ہے ف ۲ کیا

تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ

اے مخاطب تو نے ان لوگوں کی حالت پر نظر نہیں کی جن کو توریت کے علم سے ایک کافی حصہ دیا گیا ہے مگر وہ لوگ گمراہی

الضَّلٰلَةَ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ؕ ﴿٤٤﴾ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ

خرید رہے ہیں اور وہ یہ چاہتے ہیں کہ تم بھی صحیح راہ سے بھٹک جاؤ ف ۳ اور اللہ تعالیٰ تمہارے

بِاَعْدَآئِكُمْ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۙ وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ﴿٤٥﴾

دشمنوں کو خوب جانتا ہے اور اللہ تعالیٰ حمایت کرنے کو کافی ہے اور اللہ تعالیٰ کا مددگار ہونا ہی کافی ہے۔

مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَ

یہودیوں میں سے کچھ لوگ وہ ہیں جو الفاظ کو اپنے اصلی مواقع سے پھیر دیتے ہیں اور دینِ حق میں طعنہ زنی کی غرض سے

يَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّ

اپنی زبانوں کو پیچ دے کر کہتے ہیں ہم نے سُنا اور نہ مانا ہماری بات سُن نہ سنایا جائے تو اور

ع ۶ / ۹

ف ۱ بھلا اس وقت ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جب ہم ہر ایک اُمت میں سے ایک ایک گواہ یعنی احوال بتانے والا میدانِ حشر میں طلب کریں گے اور اے پیغمبر آپ کو اُن لوگوں پر یعنی آپ کی امت پر گواہی دینے اور اُن کے احوال بتانے کی غرض سے طلب کریں گے۔ اُس دن ان لوگوں کا جنھوں نے دنیا میں کفر کیا ہوگا اور اللہ کے رسول کا کہنا نہ مانا ہوگا یہ حال ہوگا کہ وہ اس بات کی تمنا اور آرزو کریں گے کہ کاش اُن پر زمین پھٹ جاتی اور وہ اس میں سما جاتے اور ان پر زمین برابر کر دی جاتی اور وہ زمین کے پیوند ہو جاتے اور وہ اللہ تعالیٰ سے کوئی بات پوشیدہ نہ رکھ سکیں گے کیونکہ معتبر گواہوں کی شہادت کے بعد اس کے سوا چارہ بھی کیا ہے کہ اپنے جرائم کا خود ہی اقرار کریں (تیسیر) قیامت کے دن جس طرح تمام امتوں سے یہ دریافت کیا جائیگا کہ تم نے اپنے اپنے پیغمبروں کی دعوت کا کیا جواب دیا تھا اسی طرح پیغمبروں کو بھی بُلا کر ان کی امت کے متعلق دریافت کیا جائے گا کہ تمہاری اُمتوں نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا اُسی کو شہادت کہا گیا ہے تاکہ جرم ہر فرد جرم قائم کی جا سکے۔ اس شہادت کی تفصیل ہم دوسرے پارے میں عرض کر چکے ہیں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پیغمبروں کے ساتھ ان کی امت کے بھی بعض مخلصین کا بیان لیا جائے اسی سلسلے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اپنی امت کے احوال دریافت کئے جائیں گے۔ یہاں اُمت سے مراد حضورؐ کی امت دعوت ہے حضرت سعید بن مسیبؓ کا ایک قول قرطبی نے نقل کیا ہے کہ آپؐ کی تمام امت ہر روز صبح شام آپ کے روبرو پیش کی جاتی ہے اس لئے آپ ان کی علامات سے قیامت کے دن ان کو پہچان لیں گے۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو آپؐ نے حکم دیا کہ اے عبداللہ سورۂ نسا سناؤ انھوں نے پڑھنا شروع کیا جب اس آیت پر پہونچے تو کہا عبداللہ بس کرو عبداللہ ابن مسعود نے دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے اس قدر آنسو بہہ رہے تھے کہ رخسار مبارک اور ریش مبارک سب تر تھی۔ اس موقع پر آپ نے فرمایا یارب شهدت على من انا بين اظهرهم فكيف بمن لم اره - یعنی اے رب میں ان پر تو شہادت دے سکتا ہوں جن میں میں موجود ہوں لیکن جن کو میں نے نہیں دیکھا ان پر شہادت کیوں کر دوں گا (ابن ابی حاتم) حضرت سعید بن مسیبؓ کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ قیامت میں سب کو شناخت کر لیں گے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ امت اجابت کی طرح امت دعوت پر بھی کوئی خاص علامت ہو، امت اجابت کی شناخت کا ذکر تو احادیث میں آتا ہے کہ آثارِ وضو سے پہچانے جائیں گے۔ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ امت اجابت پر بھی کوئی علامت لگا دی جائے۔ دوسری آیت میں خود ہی اُس وقت کی حالت کا جواب دیا ہے کہ اس دن کافر اور رسول کے نافرمان زمین کا پیوند بننے کی تمنا کرتے ہوں گے یعنی مر جائیں اور زمین میں دفن ہو جائیں جیسا کہ قتادہؓ اور ابو عبیدہ نے کہا ہے اور بعضوں نے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ ہم قبروں سے اٹھائے نہ جاتے کلبی نے کہا جب جانوروں کو حکم دیا جائیگا کہ مٹی ہو جاؤ اس وقت کافر یہ تمنا کریں گے کہ ہم بھی مٹی ہو جاتے۔ بات نہ چھپانے کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ کسی وقت جھوٹ بھی بولیں جیسے عذاب کو دیکھ کر کہیں گے والله ربنا ما كنا مشركين لیکن آخر میں اپنے کفر کا اعتراف کریں گے اور کوئی بات حضرت حق سے چھپا نہ سکیں گے حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی ہر اُمت اور ہر عہد کے لوگوں کا احوال اُس وقت کے پیغمبر سے اور معتبر نیک بختوں سے بیان کرائیں گے منکروں کا انکار اور اطاعت والوں کی اطاعت بیان ہوگی تب منکر آرزو کریں گے کہ ہم انسان نہ ہوتے مٹی میں مل کر خاک ہو جاتے (موضح القرآن)۔ شاہ صاحبؒ نے جو کچھ فرمایا ہے اس کے بعد شناخت اور عدم شناخت کی کوئی بحث باقی نہیں رہتی۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت ان تعذبهم فانهم عبادك کی تلاوت کرتے وقت جو کچھ فرمایا تھا وہ انشاء اللہ سورۂ مائدہ کے آخر میں عرض کیا جائیگا۔ چونکہ اوپر کی آیت میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم ہوا تھا اور عبادات میں سب سے اہم نماز ہے اس لئے نماز اور اس کے متعلق بعض مسائل کا ذکر فرمایا۔ اور یہ واقعہ ہے کہ اگر نماز کو اس کی تمام رعایتوں کے ساتھ ادا کیا جائے تو وہ بیشمار اخلاقی امراض کا علاج ہے۔ اور (باقی ضمیمہ میں)

ف اور اللہ تعالیٰ تمہارے اُن دشمنوں کو خوب جانتا ہے اور اُن دشمنوں سے خوب واقف ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارا سرپرست ہے اور تمہاری حمایت کرنے کو کافی ہے اور وہ باعتبار ایک مددگار کے تمہاری مدد کو کافی ہے۔ ان یہود میں سے کچھ لوگ وہ ہیں جو کلام الہٰی کو اور توریت کے الفاظ کو اس کے محل اور موقع سے پھیر دیتے ہیں یعنی الفاظ کی لفظی اور معنوی تحریف کرتے ہیں اور نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں گفتگو کرتے وقت اپنی زبانوں کو پیچ دیکر دین میں طعنہ زنی کرنے کی غرض سے ذو معنیین الفاظ بولتے ہیں اور یوں کہتے ہیں سنا ہم نے اور نہ مانا ہم نے۔ آپ سُنئے نہ سنائے جائیں آپ۔ اور آپ ہماری رعایت فرمائیے اور اگر یہ لوگ بجائے ان ذو معنیین الفاظ کے ان الفاظ کو اس طرح کہتے کہ سنا ہم نے اور مان لیا ہم نے اور آپ سُنئیے۔ اور آپ ہماری جانب بھی توجہ فرمائیے تو یہ کہنا ان کا ان کے حق میں بہتر اور نافع ہوتا اور فی نفسہ یہ بات بہت درست اور با موقع ہوتی۔ لیکن انھوں نے یہ سیدھی سادھی بات اختیار نہیں کی اور کافرانہ اور معاندانہ روش پر چلے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان کو اپنی رحمت سے دور کر دیا لہٰذا اب وہ ایمان نہیں لائیں گے مگر ان میں سے بہت تھوڑے لوگ (تیسیر) من الذین ھادوا کی ترکیب میں کئی قول ہیں ہم نے ایک قول کی بنا پر ترجمہ کیا ہے مطلب یہ ہے کہ ان گم کردہ راہ یہود میں سے کچھ لوگ وہ ہیں جو توریت کے کلمات کو پھیر دیتے ہیں۔ یا تو الفاظ ہی بدل دیتے ہیں کہ اصل الفاظ کی جگہ اور الفاظ پڑھ دیتے ہیں یا کتاب میں لکھ دیتے ہیں اور یا کلمات تو نہیں بدلتے مگر ان کلمات کی توجیہ اور تاویل ایسی کرتے ہیں اور ایسے بیڈھب طریقے سے اُس کا مطلب بیان کرتے ہیں جو کلام الہٰی کے منشا کے بالکل خلاف ہوتا ہے۔ جیسا کہ ہمارے زمانہ کے اہل بدعت اور اہل اہواء کیا کرتے ہیں یہ شرارت وضلالت تو ان کی کلام الہٰی کے ساتھ ہے اس کے علاوہ جب کبھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں آتے ہیں تو طعن وتشنیع اور دشنام دہی کی نیت سے ذو معنیین الفاظ بولتے ہیں اور بولتے بھی اس طرح ہیں کہ اپنی زبانوں کو دبا کر اور مڑوڑ کر اور پیچ دیکر کہتے ہیں کہ اگر کوئی توجہ سے نہ سنے تو معلوم ہو کہ جو کچھ کہہ رہے ہیں صحیح کہہ رہے ہیں مثلاً کہتے ہیں۔ سمعنا۔ وعصینا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے آپ کا کلام سن لیا اور آپ کے مخالفوں کی بات نہیں مانی۔ اور ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ سنا اور قبول نہیں کیا۔ یا یہ مطلب ہے کہ سمعنا زبان سے کہتے ہیں اور دل میں وعصینا کہتے ہیں یا یہ کہ سمعنا صاف زبان سے کہتے ہیں اور وعصینا دبا کر کہدیتے ہیں۔ دوسرا لفظ مجلس میں یہ کہتے ہیں واسمع غیر مسمع جس کا ظاہری مطلب یہ ہے کہ آپ ہماری بات سنیئے خدا کرے آپ کو کوئی بات مخالفانہ نہ سنائی جائے اور مقصد یہ ہوتا تھا کہ آپ کوئی خوشی کی بات نہ سن سکیں۔ تیسرا لفظ وہی ہے جو ہم سورۂ بقرہ میں بتا چکے ہیں یعنی انظرنا کی بجائے راعنا اور کبھی زبان کو دبا کر راعینا کہدیا کرتے تھے جو ان کی زبان میں ایک سوقیانہ لفظ ہے بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضورؐ کو اپنی جانب متوجہ کرنے کی غرض سے راعنا کہہ رہے ہیں۔ یعنی ہماری بھی رعایت فرمائیے مگر نیت توہین کی ہوتی تھی۔ غرض زبان سے ان جرائم کا ارتکاب کرتے تھے اور دل سے تحقیر اور طعن مقصد ہوتا تھا یا یہ کہ زبان سے ذرا مؤدبانہ لہجے میں کہتے تھے کہ کسی کو طعن محسوس نہ ہو مگر

رَاعِنَا لَيًّا بِأَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّينِ ۚ وَلَوْ أَنَّهُمْ قَالُوا

ہماری رعایت کر حالانکہ اگر یہ لوگ بجائے ذو معنی الفاظ کے یوں کہتے کہ

سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَ

ہم نے سنا اور قبول کیا اور سن لیجئے اور ہماری جانب توجہ فرمائیے تو یہ کہنا ان کے حق میں بہتر ہوتا اور

أَقْوَمَ وَلَٰكِن لَّعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ

ان کی یہ بات بہت درست ہوتی مگر ان کے کفر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے لہٰذا وہ ایمان نہیں

إِلَّا قَلِيلًا ﴿٤٦﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ آمِنُوا بِمَا

لاتے مگر بہت کم اے وہ لوگو! جنھیں کتاب دی گئی ہے تم اس کتاب کو مان لو جو ہم نے

نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُم مِّن قَبْلِ أَن نَّطْمِسَ

نازل کی ہے درانحالیکہ وہ کتاب اس کتاب کی تصدیق کرنے والی ہے جو تمہارے پاس موجود ہے قبل اسکے کہ ہم چہروں کے نشانات

وُجُوهًا فَنَرُدَّهَا عَلَىٰ أَدْبَارِهَا أَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّا

مٹا کر سپاٹ کر دیں پھر ان چہروں کو انکی پیٹھ کی طرف پھیر دیں یا ہم ان ایمان لانیوالونکو اسی طرح ملعون کر دیں جس طرح ہم نے

أَصْحَابَ السَّبْتِ ۚ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا ﴿٤٧﴾ إِنَّ اللَّهَ

ہفتہ والوں کو ملعون کیا تھا اور اللہ تعالیٰ کا حکم پورا ہو کر ہی رہتا ہے ف بلاشبہ اللہ تعالیٰ

لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن

اس بات کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھیرایا جائے اور شرک سے کم درجہ کے گناہوں کو جس کے چاہے

يَشَاءُ ۚ وَمَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدِ افْتَرَىٰ إِثْمًا عَظِيمًا ﴿٤٨﴾

بخشدیگا اور یہ بھی ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو شریک ٹھہرایا تو اس نے بہت ہی بڑے جرم کا ارتکاب کیا ف

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يُزَكُّونَ أَنفُسَهُم ۚ بَلِ اللَّهُ يُزَكِّي

اے پیغمبر کیا آپنے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو بڑے پاکباز بنتے ہیں یوں نہیں بلکہ بات یہ ہے کہ اللہ جس کو چاہے

مَن يَشَاءُ وَلَا يُظْلَمُونَ فَتِيلًا ﴿٤٩﴾ انظُرْ كَيْفَ

پاکیزہ کر دے اور ان پر ایک تاگے کے برابر بھی ظلم نہ ہوگا۔ بھلا دیکھئے تو یہ اللہ تعالیٰ پر

دل سے نیت توہین کی کرتے تھے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مجلس سے جا کر طعنہ زنی کرتے تھے کہ ہم آج پردے پردے میں سب کچھ کہہ آئے اگر یہ نبی ہوتا تو اس کو ہماری بات کا کچھ تو پتہ چلتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان ذو معنیین الفاظ کے مقابلہ میں دوسرے الفاظ تعلیم کئے جو اپنے معنی میں صاف تھے اور فرمایا اگر پہلے لفظ کی بجائے سمعنا واطعنا کہتے یعنی ہم نے سنا اور قبول کیا اور ہم تعمیل کا وعدہ کرتے ہیں اور دوسرے لفظ کی بجائے صرف واسمع کہتے یعنی ہماری بات کو توجہ کے ساتھ سن لیجئے اور غیر مسمع کو چھوڑ دیتے اور تیسرے کلمہ کی جگہ انظرنا کہتے یعنی ہماری جانب بھی توجہ فرمائیے تو یہ الفاظ ان کیلئے ان کے شرارت آمیز فقروں سے بہتر ہوتے اور ان کی یہ بات سیدھی سادھی مضبوط اور منصفانہ ہوتی لیکن انھوں نے ایسا نہیں کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن پر لعنت فرمائی اور اُن کو اپنی رحمت سے دور پھینک دیا اور اس لعنت کا اثر یہ ہوا کہ اب ان سوائے تھوڑے سے مخصوص لوگوں کے اور کسی کو ایمان نصیب نہیں ہوگا اور وہ تھوڑے سے وہی ہیں جو لعنت سے محفوظ رہے اور چنانچہ وہ ایمان بھی لے آئے۔
(باقی ضمیمہ میں)

ف۱ اے پیغمبر کیا آپ نے ان لوگوں کا حال نہیں دیکھا جو اپنے کو مقدس بناتے اور بڑے پاکباز بنتے ہیں حالانکہ اپنے کہنے سے کوئی پاکیزہ اور پاک باز نہیں بنا کرتا بلکہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے مقدس اور پاکیزہ کردے اور ان پر ایک تاگے برابر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ بھلا دیکھئے تو یہ اللہ تعالیٰ پر کیسا جھوٹ بہتان باندھ رہے ہیں اور اس پر کیسی جھوٹی تہمت لگا رہے ہیں اور یہی بات کہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ افترا کرتے ہیں اُن کے صریح مجرم اور گناہ گار ہونے کیلئے کافی ہے (تیسیر) اس آیت میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آیت میں خطاب عام ہو۔ مطلب یہ ہے کہ یہود کے اُس خیال کو رد کرنا مقصود ہے جو انھوں نے اپنے متعلق قائم کر رکھا تھا جیسا کہ شانِ نزول سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت کچھ نابالغ بچوں کو لیکر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپ سے دریافت کیا یا رسول اللہ کیا ان بچوں پر کوئی گناہ ہے حضورؐ نے فرمایا نہیں اس پر کہنے لگے جناب ہماری بھی یہی حالت ہے ہم جو گناہ دن کو کرتے ہیں وہ رات کو معاف کردیئے جاتے ہیں اور جو گناہ ہم رات کو کرتے ہیں وہ دن کو معاف کردیئے جاتے ہیں بعض نے کہا یہود و نصاریٰ دونوں کا رد ہے۔ کیونکہ وہ کہا کرتے تھے کہ جنت میں یہود و نصاریٰ کے علاوہ اور کوئی نہیں جا سکے گا۔ بہرحال شانِ نزول کوئی خاص ہو لیکن آیت سب کو شامل ہے جو لوگ اپنے آپ کو مقدس ظاہر کرتے ہوں اور اپنے کو مقبولِ بارگاہ کہتے ہوں ان کو اس قسم کے دعاوی سے روکا گیا ہے اور ان کو یہ بتایا گیا ہے کہ یہ کام تو اللہ تعالیٰ کا ہے وہ جس کو چاہے مقدس و مقبول کردے۔ جیسا کہ سورۂ نجم میں فرمایا ہے فلا تزکوا انفسکم ھو اعلم بمن اتقی یعنی اپنے آپ کو مقدس ظاہر نہ کیا کرو اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ کون پرہیز گار ہے اور بات بھی یہی ہے کہ خاتمہ کا حال اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ پھر یہ کہ اپنے منہ سے خود اپنی تعریف کرنا اور اپنے کو پاکباز کہنا عُجب۔ خود پسندی اور کبر کی دلیل ہے اس لئے اس سے بچنا چاہئے اور شریعت میں انہی خطرات کی وجہ سے اس کی ممانعت آئی ہے۔ بعض دفعہ یہ بھی ہوتا ہے کہ لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور وہ کچھ کا کچھ سمجھنے لگتے ہیں۔ ہاں اگر کسی کا تقدس بذریعہ وحی اور الہام ہو تو اس کے اظہار میں کوئی مضائقہ نہیں جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے متعلق فرمانا کہ خدا کی قسم میں آسمان میں بھی امین ہوں اور زمین والوں میں بھی امین ہوں یا خدا کی قسم تم میرے بعد مجھ سے زیادہ کسی کو امین نہ پاؤ گے۔ یا ابوبکرؓ اور عمرؓ کو جنت کے کھول کا سردار فرمانا۔ اور حسن و حسین کو جنت کے نوجوانوں کا سردار فرمانا یا حضرت فاطمہؓ کو جنت کی عورتوں کا سردار فرمانا اور اسی طرح بعض اولیاء اللہ کا اپنے متعلق کچھ فرمانا جو بذریعہ کشف الہام ہو یا تحدیثِ نعمت کے طور پر اللہ تعالیٰ کی کسی نعمت کو ظاہر کرنا۔ یہ سب چیزیں یہود کے ان دعاوی سے علیحدہ ہیں اور ان کی اجازت ہے۔

ولا یظلمون فتیلا۔ کا مطلب یہ ہے کہ یہود کو ان غلط بیانیوں اور گندم نمائی و جو فروشی کی سزا ضرور دی جائیگی مگر اس سزا میں ان پر دھاگے کے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائیگا۔ بلکہ ان کے جرم کے موافق ان کو سزا دی جائیگی اور یوں بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اپنے بندوں کی تطہیر اور ان کا تزکیہ فرماتا ہے اور اس تطہیر و تزکیہ میں ذرا ظلم نہیں کرتا کہ اہل کو نظر انداز کردے اور نا اہل کی تطہیر کردے۔ واللہ اعلم۔ دوسری آیت میں ان کے اس افترا اور کذب پر پھر اپنے رسول کو خطاب کیا ہے کہ اے محمدؐ ان کو دیکھئے تو کیسی جرأت کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر افترا اور جھوٹا طوفان گھڑ رہے ہیں اور ان کے تقدس کا بھانڈا تو اس ایک حرکت ہی سے پھوٹ جاتا ہے ایسے لوگ بھلا مقدس اور مقبولِ بارگاہ ہو سکتے ہیں جو خدا پر جھوٹ افترا کریں۔ اور بہتان باندھیں ان کے صریح مجرم ہونے کے لئے ان کی یہی ایک حرکت کافی ہے لہٰذا یہ لوگ تو مجرم اور گناہگار ہیں۔ مقدس اور پاکباز نہیں ہیں اور جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں وہ غلط اور جھوٹ ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فتیلا پر فرماتے ہیں۔ یہود کو حضرت سے مخالفت ہوئی تو مکہ کے مشرکوں سے متفق ہوئے ان کی خاطر سے بتوں کی تعظیم کی کہا تمہاری راہ بہتر ہے مسلمانوں سے اور یہ سب حسد تھا کہ نبوت اور ریاست ہمارے سوا اور کسی میں کیوں ہوئی اللہ پاک نے اسی پران کو الزام دیا ان سب آیتوں میں یہی مذکور ہے (موضح القرآن)

(باقی ضمیمہ میں)

يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ ۖ وَكَفَىٰ بِهِ إِثْمًا مُّبِينًا ﴿٥٠﴾

کیسا جھوٹ بہتان باندھ رہے ہیں اور یہی بات صریح گناہ کے لئے کافی ہے ف۱

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُؤْمِنُونَ

اے پیغمبر کیا آپ نے ان لوگوں کو ملاحظہ نہیں کیا جن کو کتاب آسمانی سے ایک کافی حصہ دیا گیا ہے یہ لوگ اسکے باوجود

بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوتِ وَيَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا

بتوں پر اور شیطان پر ایمان لاتے ہیں اور یہ لوگ کافروں کی نسبت یوں کہتے ہیں کہ

هَٰؤُلَاءِ أَهْدَىٰ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا سَبِيلًا ﴿٥١﴾ أُولَٰئِكَ

یہ کفار مسلمانوں کی بہ نسبت زیادہ سیدھی راہ پر ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں

الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ ۖ وَمَن يَلْعَنِ اللَّهُ فَلَن تَجِدَ لَهُ

جن پر اللہ نے لعنت کی ہے اور جس شخص کو خدا ملعون کردے تو آپ اس ملعون کا کسی کو مددگار

نَصِيرًا ﴿٥٢﴾ أَمْ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَإِذًا لَّا يُؤْتُونَ

نہ پائیں گے ف کیا ان یہود کا حکومت میں کوئی حصہ ہے اگر ایسا ہوا تو یہ لوگوں کو ذرا سی بھی

النَّاسَ نَقِيرًا ﴿٥٣﴾ أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَىٰ مَا آتَاهُمُ

کوئی چیز نہ دیں۔ یا یہ اس نعمت پر لوگوں سے حسد کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اُن کو اپنے

اللَّهُ مِن فَضْلِهِ ۖ فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ

فضل سے عطا فرمائی ہے اگر یہ بات ہے تو ہم اس سے پہلے بھی ابراہیم کے خاندان والوں کو کتاب اور نبوت عطا کرچکے ہیں

وَآتَيْنَاهُم مُّلْكًا عَظِيمًا ﴿٥٤﴾ فَمِنْهُم مَّنْ آمَنَ بِهِ وَمِنْهُم مَّن

اور ہم نے ان کو بڑی سلطنت بھی عطا کی تھی پھر عام لوگوں میں سے کچھ تو اس پر ایمان لائے اور کچھ لوگوں نے اس سے

صَدَّ عَنْهُ ۚ وَكَفَىٰ بِجَهَنَّمَ سَعِيرًا ﴿٥٥﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا

اعراض کیا اور دوزخ کی دہکتی ہوئی آگ کافی ہے۔ جن لوگوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا

بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصْلِيهِمْ نَارًا كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُم

بالیقین ہم ان کو ایک تیز آگ میں داخل کریں گے جب کبھی بھی ان کی کھالیں جل جائیں گی

ع ۸ / ۴

ف۱ پھر ان لوگوں میں سے کچھ تو اس کتاب اور حکمت پر ایمان لے آئے اور کچھ لوگ اس سے اعراض اور روگردانی کرتے رہے ایسے منکروں کیلئے دوزخ کی تیز آگ سزا کو کافی ہے۔ یقین جانو! جن لوگوں نے ہماری آیات واحکام کو قبول کرنے سے انکار کیا تو ہم ان کو مستقبل قریب میں ایک تیز آگ میں داخل کریں گے جہاں ان کی برابر یہ حالت رہے گی کہ جب کبھی بھی ان کی کھالیں جل جائیں گی تو ہم ان کھالوں کی جگہ اور دوسری کھالیں بدل دیں گے خواہ ایک دن میں کتنی ہی بار یہ واقعہ پیش آئے تاکہ وہ برابر عذاب کا مزہ چکھتے رہیں بلاشبہ اللہ تعالیٰ کمال قوت کا اور کمال حکمت کا مالک ہے۔ وہ ہر جلی ہوئی کھال کو بدل سکتا ہے اور یہ دوسری کھال بدل دینا بھی اس کی حکمت کا مقتضا ہے (تیسیر) سعیر۔ وہ آگ جو خوب دھونکا کر روشن کی جائے۔ نضج۔ جلنا۔ پکنا۔ جھلس جانا۔ فمنھم کی ضمیر سے مراد یہود بھی ہو سکتے ہیں اور انبیائے مذکورہ کے زمانے کے لوگ بھی ہو سکتے ہیں۔ بہٖ سے مراد حضرت ابراہیمؑ بھی ہو سکتے ہیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہو سکتے ہیں۔ کتاب وحکمت بھی ہو سکتے ہیں۔ ہم نے تیسیر میں سب کا لحاظ رکھا ہے پہلی آیت کا مطلب یہ ہے کہ ان روگردانی کرنے والوں کو اگر دنیا میں نہ بھی پکڑا گیا تو قیامت میں ان کیلئے ایک سخت اور تیز آگ کی سزا کافی ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی ہمیشہ اللہ نے ابراہیمؑ کے گھر میں بزرگی دی ہے اب بھی اسی کے گھر میں پیغمبر جو کوئی قبول نہ رکھے وہ بے انصاف ہے (موضح القرآن) آیت میں اگر ایمان لانے والوں سے یہود مراد ہوں تو عبداللہ ابن سلامؓ اور ان کے ساتھی شاید مراد ہوں گے اور اگر دوسرے پیغمبروں کی امتیں یا حضرت ابراہیمؑ کے زمانے والے مراد ہوں تو بھی ہر زمانہ میں دو فریق رہے ہیں۔ دوسری آیت کا مطلب یہ ہے کہ ایسے منکروں کو قیامت کے دن ہم ایک تیز آگ میں داخل کریں گے اور جب اُن کی ایک کھال جل جائے گی تو ہم فوراً دوسری کھال پیدا کر دیں گے۔ حضرت یحییٰ حضرمی کا قول ہے کہ مجھ کو یہ بات پہونچی ہے کہ کافر کو سو (۱۰۰) کھالیں دی جائیں گی۔ ہر کھال میں نیا عذاب ہوگا۔ حضرت حسنؓ نے کہا ستر ہزار بار کھال جلے گی اور دوسری کھال دی جائے گی۔ حضرت ابن عمرؓ نے مرفوعاً کہا ہے کہ ایک ساعت میں سو بار تغیر و تبدل ہوگا۔ بغوی نے کعب سے روایت کیا ہے کہ ایک گھڑی میں ایک سو بیس (۱۲۰) مرتبہ کھال بدلی جائے گی واللہ اعلم مطلب عذاب میں دائماً رہنا ہے اور اس خیال کی تغلیط کرنا ہے کہ جل بھنکر ختم ہو جائیں گے یہ نہیں ہوگا بلکہ جب کھال جل چکے گی تو دوسری کھال بدل دی جائیگی بدلنے کا مطلب یہ ہے کہ یا تو پہلی ہی کھال کو پھر درست کر دیا جائے گا اور یا یہ مطلب ہے کہ اور دوسری کھال یعنی بالکل نئی بدل دی جائے گی۔ صاحب روح المعانی کا خیال یہی ہے کہ کھال نئی اور دوسری ہوگی۔ اور اکثر حضرات کا خیال یہ ہے کہ پہلی کو بدلکر نیا کر دیں گے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول یبدلون جلودا ابیضاء کامثال القراطیس کا بھی یہی مطلب بیان کیا گیا ہے' واللہ اعلم بہرحال اُس پہلی کھال کو درست کر دیا جائے یا دوسری کھال دیدی جائے مطلب وہی ہے کہ عذاب کسی وقت منقطع نہ ہوگا۔ بلکہ عذاب کا سلسلہ مسلسل جاری رہے گا۔ عیاذاً باللہ من النار (تسہیل)

الربع

بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ

تو ہم ان کھالوں کی جگہ اور دوسری کھالیں بدل دیں گے تاکہ وہ عذاب کا مزہ چکھتے رہیں بیشک اللہ تعالیٰ

عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۵۶﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

بڑی قوت اور بڑی حکمت والا ہے ف۱ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے

سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ

ہم ان کو عنقریب ایسے باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہونگی وہ ان باغوں میں ہمیشہ

فِيْهَآ اَبَدًا ۭ لَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۡ وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا

ہمیشہ رہیں گے ان لوگوں کیلئے ان باغوں میں پاکیزہ بیویاں ہوں گی اور ہم ان کو بے حد گھنی چھاؤں میں

ظَلِيْلًا ﴿۵۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا

رکھیں گے ف۲ اور دیکھو اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں اُن کو ادا کر دیا کرو

وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ۭ

اور یہ بھی حکم دیتا ہے کہ جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے لگو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا کرو

اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ﴿۵۸﴾

جس بات کی اللہ تعالیٰ تم کو نصیحت کرتا ہے یقین جانو وہ بہت ہی اچھی ہے ف۳ بلاشبہ اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتا اور دیکھتا ہے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ

اے ایمان والو تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور

اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ

اُن کی بھی جو تم میں سے صاحب حکم ہوں پھر اگر تم کسی بات میں باہم جھگڑنے لگو تو اس بات کو

اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ

اللہ اور اُس کے رسول کی طرف لوٹا دیا کرو بشرطیکہ تم اللہ پر اور آخرت کے دن پر

الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿۵۹﴾ ع ۸ اَلَمْ تَرَ اِلَى

یقین رکھتے ہو یہ طریقہ بہتر اور انجام کے اعتبار سے بہت اچھا ہے ف۴ اے نبی کیا آپ نے اُن لوگوں کو ملاحظہ نہیں کیا

ع ۹ ۸ ۵

ف۲ اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے ہم ان کو عنقریب ایسے باغات میں داخل کریں گے جن کی بارہ دریوں اور سیرگاہوں کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ یہ لوگ ان باغوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے ان لوگوں کیلئے ان باغات میں پاک وصاف بیویاں ہوں گی یعنی جو اخلاق کے اعتبار سے بھی پاک ہوں گی اور دوسری نجاستوں سے بھی پاک ہوں گی اور ہم اُن لوگوں کو نہایت گنجان سایوں اور بے حد گھنی چھاؤں والے مقامات میں داخل کریں گے (تیسیر) فمنھم من اٰمن بہٖ کی آیت میں دو گروہوں کا ذکر کیا تھا روگردانی اور اعراض کرنے والوں کا انجام پہلی آیت میں بیان فرمایا اور پہلے فریق کا ذکر اس آیت میں فرمایا۔ مستقبل اور عنقریب سے مراد قیامت ہی کا دن ہے۔ بیویوں کے پاک صاف ہونے کا مطلب ہم نے تیسیر میں کھول دیا ہے اور پہلے پارے میں بھی بتا چکے ہیں کہ بغض وعداوت اور حسد رکھنے سے دل صاف ہوں گے اور حیض ونفاس اور پیشاب وپاخانہ کی آلائشوں سے پاک ہوں گی۔ جنت کے نیچے نہروں کے بہنے سے مراد یہ ہے کہ (باقی ضمیمہ میں)

الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ
جو دعویٰ تو یہ کرتے ہیں کہ جو کچھ آپ پر نازل ہوا وہ اس پر ایمان رکھتے ہیں اور وہ ان کتابوں پر بھی
اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ
ایمان رکھتے ہیں جو آپ سے پہلے نازل ہوئیں اور ان کی حالت یہ ہے کہ وہ لوگ اپنے مقدمات شیطان سے فیصلہ کرانا چاہتے ہیں
وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ۭ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ
حالانکہ اُن کو اس شیطان کے نہ ماننے کا حکم دیا جاچکا ہے اور شیطان کی یہ خواہش ہے کہ ان کو
يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿۶۰﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ
گمراہ کرکے صحیح راستے سے بہت دور لے جا ڈالے۔ اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے
اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ
نازل کردہ حکم کی طرف اور رسول کی طرف آؤ تو آپ ان منافقوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ آپ سے انتہائی
عَنْكَ صُدُوْدًا ﴿۶۱﴾ فَكَيْفَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا
اعراض کرتے ہیں ف پھر اس وقت اُن کا کیا حال ہوتا ہے کہ جب ان پر انکے ہاتھوں کے سابقہ اعمال کی وجہ
قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ثُمَّ جَاۗءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ ڰ بِاللّٰهِ اِنْ
سے کوئی مصیبت آپڑتی ہے تو پھر یہ آپ کے پاس خدا کی قسمیں کھاتے ہوئے آتے ہیں کہ
اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّتَوْفِيْقًا ﴿۶۲﴾ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ
ہمارا مقصد تو سوائے بھلائی اور باہمی میل ملاپ کے اور کچھ نہیں تھا۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جو کچھ ان کے
اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۤ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ
دلوں میں ہے اللہ تعالیٰ اُس کو خوب جانتا ہے اس لئے آپ اُن سے کوئی تعارض نہ کیجئے اور انکو نصیحت کرتے رہیے اور ان کے
فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًۢا بَلِيْغًا ﴿۶۳﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ
متعلق اُن سے ایسی بات کہیے جو اُن پر اثر انداز ہو ف اور ہم نے ہر ایک رسول کو اسی واسطے بھیجا ہے کہ
اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ
بحکم خداوندی اسکی اطاعت کی جائے اور اگر یہ لوگ اسی وقت جبکہ انھوں نے خود اپنے حق میں برائی کی تھی

ف اے پیغمبر کیا آپ نے ان لوگوں کو ملاحظہ نہیں کیا جو اپنی زبانوں سے تو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ جو کچھ آپ پر نازل ہوا ہے وہ اس پر ایمان رکھتے ہیں یعنی قرآن پر ہمارا ایمان ہے اور وہ ان کتابوں پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو آپ سے پہلے نازل کی گئی ہیں یعنی توریت و انجیل پر بھی ہمارا اعتقاد ہے۔ لیکن ان دعاوی اور اس کہنے کے باوجود ان کا حال یہ ہے کہ وہ لوگ اپنے مقدمات شیطان سے فیصلہ کرانا چاہتے ہیں اور اپنے مقدمات شیطان کے پاس لے جانا چاہتے ہیں حالانکہ ان کو یہ حکم دیا جاچکا ہے کہ وہ شیطان کو نہ مانیں اور اس شیطان پر اعتقاد نہ رکھیں اور شیطان کی خواہش تو یہ ہے اور وہ تو یہ چاہتا ہے کہ انکو گمراہ کرکے اور بھٹکا کے صحیح راہ سے دور لیجا ڈالے اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم اللہ کے نازل کردہ قانون کی طرف آؤ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آؤ کہ وہ اس قانون کے موافق تمہارا فیصلہ کردیں تو آپ ان منافقین کو ملاحظہ کرتے ہیں کہ وہ آپ سے بالکل پہلوتہی اور انتہائی اعراض کرتے ہیں (تیسیر) شان نزول کے سلسلے میں کئی باتیں بیان کی جاتی ہیں۔ ایک تو وہی مشہور واقعہ ہے جو حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ کسی منافق کا ایک یہودی کے ساتھ کچھ جھگڑا تھا یہودی کی خواہش تھی کہ مقدمہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا جائے منافق کہتا تھا کعب ابن اشرف جو بڑا متعصب اور یہود میں رئیس تھا یہ مقدمہ اس کے پاس لے جایا جائے۔ چونکہ کعب بن اشرف بڑا راشی تھا اس لئے منافق سمجھتا تھا کہ وہاں کچھ دے دلا کر اپنے حق میں فیصلہ کرالوں گا۔ یہودی جانتا تھا کہ صحیح انصاف نبی آخرالزماںؐ کے ہاں ہوگا۔ اس لئے وہ زور دیتا تھا منافق نے خیال کیا اگر میں انکار کروں گا تو میرا بھانڈا پھوٹ جائیگا کیونکہ مجھ کو مسلمان سمجھا جاتا ہے بالآخر معاملہ حضورؐ کی خدمت میں پیش ہوا حضورؐ نے یہودی کے حق میں فیصلہ کردیا منافق نے باہر نکل کر کہا میں تو اس فیصلے کو نہیں مانتا میں تو حضرت عمرؓ سے فیصلہ کراؤنگا چنانچہ دونوں حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت عمرؓ کو تمام واقعہ سنایا حضرت عمرؓ نے فرمایا ٹھہر جاؤ میں فیصلہ کرتا ہوں یہ کہہ کر اندر گئے اور تلوار لاکر منافق کا سر اڑا دیا اور فرمایا رسول کا فیصلہ جو نہ مانے اسکا یہی فیصلہ ہے اس واقعہ کے بعد حضرت عمرؓ کا لقب فاروق رکھا گیا۔ اس منافق کے رشتہ دار حضرت عمرؓ کے اس فعل پر بہت چراغ پا ہوئے حضورؐ کی خدمت میں قصاص کا مطالبہ کرتے ہوئے آئے اسپر یہ آیتیں نازل ہوئیں اس منافق کا نام بشر بتایا جاتا ہے۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ابو برزہ اسلمی ایک کاہن تھا جس کو یہودی حکم بنایا کرتے تھے بعض مسلمان بھی اس کاہن کو حکم بنانے کے لئے آمادہ ہوگئے۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ حضرت ابن عباسؓ کا ایک قول یہ ہے کہ جلاس بن صامت۔ اور معتب بن قشیر اور رافع بن زید اور بشر یہ سب لوگ اسلام کے مدعی تھے۔ ایک جھگڑے میں جو یہود کے ساتھ پیش آیا یہود یہ چاہتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصلہ کرائیں اور یہ مدعیان اسلام کہتے تھے کہ کاہن کے پاس چلو ہم اُن حکام سے فیصلہ کرانا چاہتے ہیں جو زمانہ جاہلیت سے حکام چلے آتے ہیں۔ اسی طرح اور بھی بعض واقعات کو نزول کا سبب قرار دیا گیا ہے۔ اور یہ ہوسکتا ہے کہ یہ تمام واقعات ان آیات کے نزول کا سبب ہوں — طاغوت کی تحقیق ہم اوپر کئی دفعہ بیان کرچکے ہیں یہاں شیطان ترجمہ کیا ہے۔ ہر شخص جو نافرمان اور سرکش ہو اُس کو طاغوت کہا جاتا۔ یہاں مراد وہ شخص ہے جو اسلامی قانون کے خلاف فیصلہ کرے۔ خواہ وہ کعب بن اشرف ہو یا ابو برزہ کاہن ہو یا کسی طاغوتی حکومت کا اور کوئی حاکم ہو جو خلاف ما انزل اللہ فیصلہ کرے وہ طاغوت ہے طاغوت کو حکم بنانا یا اُس کے پاس مقدمات لے جانے کو دو وجہ سے منع فرمایا ایک تو یہ کہ طاغوت یعنی شیطان کے نہ ماننے کا حکم دیا گیا ہے اور جب اسکے نہ ماننے کا حکم ہے تو ہر اعتبار سے اس کی مخالفت کرنی چاہئے دوسرے یہ کہ شیطان تمہارا دشمن ہے تم کو راہ حق سے گمراہ کرکے دور پھینکنا چاہتا ہے۔ یعنی ایسا گمراہ کرنا چاہتا ہے اور سیدھی راہ سے ہٹا کر اتنی دور لے جانا چاہتا ہے کہ پھر راہ حق ڈھونڈھنے سے بھی نہ پاؤ۔ لہٰذا ایسے دشمن سے پرہیز کرنا چاہئے چہ جائے کہ تم اس کو فصل خصومات کا حق دیتے ہو اور اپنے کو مسلمان کہتے ہو یہ تو کھلا ہوا نفاق ہے آگے اُن کی پہلوتہی کو صراحتہً ذکر فرمایا کہ جب اُن کو قرآن اور رسول کی طرف آنے کی دعوت دی جاتی ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ ما انزل اللہ اور (باقی ضمیمہ میں)

جَآءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ
آپ کے پاس آجاتے اور حاضر ہونیکے بعد اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرتے اور رسول بھی ان کیلئے معافی طلب کرتا تو

لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا ﴿٦٤﴾ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ
یہ لوگ ضرور اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنیوالا رحم کرنیوالا پاتے۔ سو قسم ہے آپکے رب کی شیطان کو حکم بنانیوالے اسوقت تک مومن نہیں ہونگے

حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِيٓ
جب تک یہ اپنے تمام باہمی جھگڑوں میں آپ ہی کو منصف نہ بنائیں پھر جو فیصلہ آپ کر دیں اس پر اپنے

أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿٦٥﴾ وَلَوْ
دلوں میں کوئی گرانی نہ محسوس کریں اور پوری طرح آپکے فیصلے کو تسلیم کریں۔ ف ١ اور اگر

أَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ أَنِ اقْتُلُوٓا أَنفُسَكُمْ أَوِ اخْرُجُوا مِن
ہم ان منافقوں پر یہ بات فرض کر دیتے کہ تم اپنی جانوں کو ہلاک کر دیا اپنے گھروں کو چھوڑ کر

دِيَارِكُم مَّا فَعَلُوهُ إِلَّا قَلِيلٌ مِّنْهُمْ ۖ وَلَوْ أَنَّهُمْ فَعَلُوا
نکل جاؤ تو سوائے چند آدمیوں کے ان میں سے کوئی بھی اس حکم کی تعمیل نہ کرتا اور اگر یہ لوگ جس بات کی ان کو نصیحت

مَا يُوعَظُونَ بِهِۦ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَأَشَدَّ تَثْبِيتًا ﴿٦٦﴾
کی جاتی ہے اس پر عمل کیا کرتے تو ان کے حق میں بہتر ہوتا اور ایمان کو پختہ کرنے کا موجب ہوتا

وَإِذًا لَّآتَيْنَاهُم مِّن لَّدُنَّآ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٦٧﴾ وَلَهَدَيْنَاهُمْ
اور جب یہ ایسا کرتے تو ہم ان کو اپنی طرف سے بہت بڑا ثواب عطا کرتے۔ اور ضرور انکو

صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ﴿٦٨﴾ وَمَن يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُولَ
صحیح راہ چلاتے۔ اور جو کوئی اللہ اور رسول کی اطاعت کرے گا

فَأُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَ
تو یہ لوگ ان حضرات کے ہمراہ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے یہ حضرات انبیاء ہیں اور

الصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِينَ ۚ وَحَسُنَ أُولٰٓئِكَ
صدیق ہیں اور شہداء ہیں اور صلحا ہیں اور یہ حضرات بڑے اچھے

ف ١ اور ہم نے کسی رسول کو مبعوث نہیں کیا مگر اس لئے کہ بحکم خداوندی اس کی اطاعت کی جائے یعنی تمام پیغمبروں کی بعثت کا مقصد خاص یہی ہوتا ہے کہ باذن الٰہی ان کی اطاعت و فرمانبرداری کی جائے اور ان کو مطاع سمجھا جائے اور اگر یہ لوگ اُسی وقت جبکہ انھوں نے گناہ کر کے خود اپنے حق میں برائی کی تھی اور اپنے کو نقصان پہنچایا تھا آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے اور پھر اللہ تعالیٰ کی جناب میں بخشش طلب کرتے اور نادم ہو کر اپنے گناہ کی معافی چاہتے اور رسول بھی اُن کیلئے بخشش و مغفرت کے خواستگار ہوتے تو یہ لوگ ضرور اللہ تعالیٰ کو معاف کرنے والا اور مہربانی کرنیوالا پاتے پھر قسم ہے آپ کے رب کی یہ لوگ اس وقت تک خدا کے نزدیک مومن نہیں ہوں گے اور ایمان دار شمار نہیں کئے جائیں گے جب تک یہ بات نہ ہو کہ جو جھگڑا ان کے مابین واقع ہو اس میں آپ ہی کو منصف بنائیں اور اس جھگڑے کا فیصلہ اور تصفیہ آپ ہی سے کرائیں اور جب آپ فیصلہ فرما دیں تو آپ کے فیصلے سے اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ پائیں اور کوئی گرانی محسوس نہ کریں اور آپ کے فیصلے کو ہر اعتبار سے پوری طرح تسلیم کریں (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ ہر پیغمبر کے بھیجنے کا بڑا مقصد یہی ہوتا ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے اور چونکہ پیغمبر کی اطاعت حضرت حق کے حکم اور انکے منشا کے مطابق ہے اس لئے یہ رسول کی اطاعت بھی خدا ہی کی اطاعت ہے جیسا کہ آگے آجائے گا اور چونکہ پیغمبر کی تشریف آوری کا بڑا مقصد یہی ہوتا ہے اسی لئے ہر پیغمبر نے اپنی تقریر میں فاتقوا اللّٰه واطیعون فرمایا جیسا کہ سورۂ شعرا میں انشاء اللہ آجائے گا۔ اور چونکہ یہ اطاعت منشاء الٰہی کے موافق ہوتی ہے۔ اس لئے باذن اللّٰه کی قید کو ظاہر کر دیا کہ رسول کی یہ اطاعت بحکم خداوندی ہوتی ہے۔ اس تمہیدی فقرے کے بعد اصل واقعہ کا صحیح حل بتایا کہ طاغوت کے پاس فیصلہ لے جانے کی جس غلطی کا ارتکاب ہوا تھا اس کا علاج یہ نہ تھا کہ جھوٹی قسمیں کھا کر جھوٹ بولیں۔ ان اردنا الا احسانا وتوفیقا بلکہ گناہ کا اصل علاج اور اس غلطی کا اصل حل تو یہ تھا کہ آپ کی خدمت میں نادم ہو کر حاضر ہوتے کفر و نفاق سے توبہ کر کے ایمان لاتے اور جو گناہ ہوا تھا اس کی اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگتے۔ ہم نے ایمان کی شرط اسلئے لگائی کہ ایمان اصل مبنی ہے اگر ایمان نہ لاتے تو منافق اور کافر کا کسی گناہ سے توبہ کرنا کوئی چیز نہیں کفر و نفاق کی موجودگی میں گناہ سے توبہ ناقابل اعتبار ہے بہرحال آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ ایمان لاتے اور اپنی جانوں پر جو ظلم کیا تھا یعنی طاغوت کے پاس جانے کا گناہ اس سے خدا کی جناب میں استغفار کرتے اور اداھر رسول بھی ان کیلئے استغفار کرتا کیونکہ انکی اس ناشائستہ حرکت سے جو رسول کو گرانی ہوئی تھی وہ دُور ہو جاتی اور وہ بھی ان سے راضی ہو کر ان کیلئے بخشش مانگتا تو ان کا کام بن جاتا۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کو توّاب و رحیم پاتے اگرچہ کافر اور عاصی کی توبہ کا معاملہ محض اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ جو گنہگار نادم ہو کر اللہ تعالیٰ کے روبرو توبہ کرے اور پشیمان ہو کر اُس سے معافی مانگے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے لیکن اس آیت میں دو باتیں اور زائد بیان فرمائی ہیں۔ ایک حضور کی خدمت میں حاضر ہونا اور دوسرے آپ کا ان کیلئے استغفار کرنا۔ ایک قید کی وجہ تو ظاہر ہی ہے جس کی طرف ہم نے تسہیل میں اشارہ بھی کیا ہے یعنی رسول کے پاس نہ آنا اور طاغوت کے پاس جانا اس کی تلافی کے لئے فرمایا کہ رسول کی خدمت میں حاضر ہوتے اور رسول کو جو اذیت پہنچائی تھی اس کی تلافی اور تدارک کرتے البتہ دوسری قید کہ رسول بھی ان کیلئے بخشش طلب کرتا تو اس کیلئے لوگوں نے مختلف وجوہ بیان کئے ہیں۔ لیکن ایک سیدھی اور آسان بات یہ ہے کہ آپکا استغفار کرنا اور ان کیلئے بخشش طلب کرنا آپ کے راضی ہونے کی دلیل ہوگی اور یہ معلوم ہو سکے گا کہ پیغمبر کو جو تکلیف پہونچی تھی وہ اُس نے معاف کر دی۔ یا یوں کہا جائے کہ پیغمبر کا استغفار توبہ کے لئے کوئی لازمی شرط نہ تھی۔ بلکہ ان کے لئے توفیق توبہ کی زیادتی اور صحیح توبہ کا سبب تھی۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ پیغمبر کا استغفار نفس توبہ کی قید نہیں ہے بلکہ کامل توبہ کی قید ہے واللہ اعلم۔ بہرحال کسی بزرگ سے استغفار کی درخواست کرنا اور اپنی توبہ کے ساتھ اس کو بھی اپنے لئے استغفار میں شریک کر لینا اس کیلئے موجب برکت اور موجب قبولیت اور موجب تقویت ہونے سے انکار نہیں کیا جا سکتا اگرچہ نفس توبہ کیلئے ضروری نہ ہو۔ دوسری آیت میں ایک مکمل ضابطہ فرمایا اور اپنی ذات کی قسم کھا کر اس کو موکد فرمایا مطلب یہ ہے کہ یہ طاغوت کو حکم بنانے والے اور جھوٹی قسمیں کھا کر (باقی ضمیمہ میں)

رَفِيقًا ﴿٦٩﴾ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ۚ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيمًا ﴿٧٠﴾ ع

رفیق ہیں۔ یہ معیت و رفاقت اللہ تعالیٰ کی جانب سے بڑی بزرگی ہے اور اللہ تعالیٰ کا واقف ہونا کافی ہے ف۱

يٰٓاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا خُذُوا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوا ثُبَاتٍ

اے ایمان والو اپنے بچاؤ کا سامان لے لو پھر جیسا موقع ہو خواہ چھوٹی چھوٹی ٹولیاں بن کر نکلو

اَوِ انْفِرُوا جَمِيعًا ﴿٧١﴾ وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ

یا سب اکٹھے ہو کر نکلو اور بیشک تم میں سے کوئی کوئی آدمی ایسا بھی ہے جو تاخیر کرتا ہے پھر اگر

اَصَابَتْكُمْ مُّصِيبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ

اتفاقاً تم کو کوئی مصیبت پیش آ گئی تو یہ کہتا ہے کہ اللہ نے مجھ پر بڑا ہی فضل کیا کہ میں

اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيدًا ﴿٧٢﴾ وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ

ان مجاہدین کے ہمراہ معرکہ میں موجود نہ تھا ف۲ اور اگر اللہ کی طرف سے تم پر کوئی فضل ہو گیا

لَيَقُولَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِي

تو اس طور پر جیسے تم میں اور اس میں کوئی دوستانہ تعلق ہی نہ تھا یوں کہتا ہے اے کاش میں بھی

كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوزَ فَوْزًا عَظِيمًا ﴿٧٣﴾ فَلْيُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ

ان مجاہدین کے ہمراہ ہوتا تو میں بھی بڑی کامیابی حاصل کرتا ف۳ اگر ایسے لوگ جہاد سے جان چرائیں تو ان

اللّٰهِ الَّذِينَ يَشْرُونَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَمَنْ

مخلص مسلمانوں کو جو دنیا کی زندگی آخرت کے عوض فروخت کر چکے ہیں یہ چاہئے کہ وہ اللہ کی راہ میں جنگ کریں اور

يُّقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ

جو کوئی شخص بھی اللہ کی راہ میں جہاد کرے گا پھر خواہ وہ قتل ہو جائے یا غلبہ حاصل کر لے بہرحال ہم اسکو اجرِ عظیم

اَجْرًا عَظِيمًا ﴿٧٤﴾ وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَ

عطا فرمائیں گے ف۴ اور اے مسلمانو آخر تمکو کیا عذر ہے کہ تم خدا کی راہ میں اور ان کمزور و بے بس

الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ

لوگوں کی خاطر جنگ نہیں کرتے جن میں کچھ مرد ہیں اور کچھ عورتیں ہیں اور کچھ بچے ہیں

ع ۹ / ۱۱ / ۶

ف۱ اے ایمان والو! اپنے بچاؤ کا سامان لے لو اور جو احتیاطی تدابیر کر سکتے ہو وہ کر لو۔ پھر کافروں سے جنگ کرنے کی غرض سے خواہ چھوٹی چھوٹی ٹولیاں بنا کر اور چند آدمی مل مل کر نکلو یا سب اکٹھے اور مجتمع ہو کر نکلو یعنی جیسا موقع دیکھو اُس کے مطابق نکلو (تیسیر) حِذْر اور حَذَر دونوں کے ایک ہی معنی ہیں جیسے اَثَر اور اِثْر حِذْر اُس چیز کو کہتے ہیں جس سے دشمن کے مقابلہ میں اپنا بچاؤ کیا جائے۔ وہ بچاؤ ہتھیاروں سے ہو ڈھال سے ہو۔ یا اور کسی احتیاطی تدبیر سے ہو سب کو حِذْر کہا جاتا ہے۔ ثبۃ ایک چھوٹی سی جماعت کو کہتے ہیں۔ جو دس آدمیوں کی یا اس سے زائد کی ہو۔ بعض نے کہا جو جماعت دو سے اوپر ہو اسکو ثبۃ کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ چھوٹی چھوٹی جماعتیں بنا کر دشمن کا مقابلہ کرنے نکلو یا ایک جیش اور لشکر بنا کر کوچ کرو جیسا موقع دیکھو اور جس قسم کی لڑائی ہو اُسی قسم کی لشکر میں ترتیب اختیار کرو۔ شاید یاد ہو گا ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ مدینہ منورہ میں کافر اور منافق اہلِ کتاب جس قسم کی شرارتیں کرتے تھے اور مسلمانوں کی ترقی میں جس طرح رکاوٹ پیدا کرتے تھے اُسی قسم کے احکام اُن کے مقابلہ کیلئے وقتاً فوقتاً نازل ہوتے تھے اور اس قسم کے جہاد و قتال کے احکام نازل ہونے سے منافقوں کی حقیقت کا خوب پتہ چلتا تھا اور مسلمانوں کو اپنے اور بیگانے میں امتیاز ہو جاتا تھا۔ اگرچہ روزمرہ کے معاملات میں بھی منافقوں کی کمزوریاں ظاہر ہوتی رہتی تھیں لیکن جہاد کے موقعہ پر اُن کی حالت عجیب وغریب ہوتی تھی اور ان کو اپنا کفر و نفاق چھپانا مشکل ہو جاتا تھا اور نیز یہ کہ کچے اور خام مسلمانوں کا حال معلوم ہو جاتا تھا چنانچہ آگے اسی قسم کے لوگوں کا حال مذکور ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی لڑائی میں اپنا بچاؤ کرنا زرہ کر یا سپر کر یا تدبیر کر یا ہنر کر منع نہیں (موضح القرآن) ہم نے ابھی عرض کیا تھا کہ حذر کا مفہوم بہت عام ہے اس لئے حضرت شاہ صاحبؒ نے سب صورتیں بیان فرما دیں اور احکام الٰہی کی ترتیب کا حسن ملاحظہ ہو کہ پہلے بچاؤ کے سامان کا حکم دیا پھر جہاد کیلئے نکلنے کو فرمایا۔ جو لوگ احتیاطی تدابیر اور سامان کی فراہمی سے بے نیازی برتتے ہیں اُن کو غور کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح سامانِ حفاظت کو خُروج پر مقدم فرمایا ہے۔ اب آگے بعض اُن لوگوں کا حال ہے جو نکلنے میں توقف اور ٹال مٹول کرتے ہیں اور نتیجہ کا انتظار کرتے ہیں (تسہیل)

ف۲ اور بخدا تم میں سے کوئی کوئی شخص ایسا بھی ہے کہ جو جہاد میں شریک ہونے سے تاخیر کرتا ہے اور مجاہدین کے ہمراہ نکلنے میں ٹال مٹول کرتا ہے اور شریک نہیں ہوتا پھر اگر تم کو سوء اتفاق سے کوئی حادثہ پیش آ گیا اور تم پر کوئی مصیبت آ پڑی تو یہ اپنی عدم شرکت پر خوش ہو کر کہتا ہے کہ واقعی اللہ تعالیٰ نے مجھ پر بڑا ہی فضل کیا کہ میں ان مجاہدین کے ہمراہ اس معرکۂ کارزار میں موجود نہیں تھا ورنہ میں بھی اس پیش آمدہ مصیبت میں مبتلا ہو جاتا (تیسیر) چونکہ یہ منافق مسلمانوں میں ملا جلا ہوتا ہے اس لئے منکم فرمایا ورنہ ظاہر ہے کہ منافق مسلمانوں میں سے نہیں ہے۔ یہاں منکم سے مسلمانوں اور منافقوں کا مجموعہ مراد ہے۔ لیبطئن کے لازمی اور متعدی دونوں معنی کئے ہیں یعنی خود سستی کرنا اور جہاد میں شرکت سے بچنا اور دیر لگانا ہے اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ دوسروں کو شرکت سے روکتا ہے۔ بہرحال فتح و شکست تو جنگ کے ساتھ لازمی چیز ہے اس لئے اگر کبھی مسلمانوں کو شکست ہو گئی تب تو قد انعم اللہ علی اذ لم اکن معھم شہیدا کہتا ہے اور اگر حسن اتفاق سے اللہ تعالیٰ کے فضل سے مسلمانوں کو فتح ہو گئی تو اس وقت اس کے الفاظ کا بیان آگے آتا ہے (تسہیل)

ف۳ اور اگر اے مسلمانو! تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے تم پر کوئی انعام ہو گیا یعنی فتح ہو گئی اور غنیمت مل گئی۔ تو یہ خود غرض منافق اس طور پر کہ گویا تم میں اور اُس میں کوئی دوستانہ تعلق ہی نہ تھا یوں کہتا ہے۔ اے کاش! یعنی کیا اچھا ہوتا کہ میں بھی ان مجاہدین کے ہمراہ ہوتا اور ان کے شریکِ حال رہتا تو مجھ کو بھی بڑی کامیابی حاصل ہوتی اور میں بھی بڑا کامیاب ہوتا (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ جب تم کو خدا کا فضل پہنچ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ تم کو فتح و غنیمت عطا کرتا ہے تو یہی جہاد سے بیٹھ رہنے والا اور جہاد میں جانے سے تاخیر کرنے والا حسرت سے کہتا ہے اور کہتا بھی اس طور پر ہے کہ گویا تم میں اور اُس میں بالکل کوئی تعلق ہی نہیں ہے اور کوئی دوستی ہی نہیں ہے۔ اے کاش میں بھی ان لوگوں کے ہمراہ ہوتا تو

(باقی ضمیمہ میں)

ف۱ اور اے مسلمانو! آخر تم کو کیا عذر ہے کہ تم خدا کی راہ میں یعنی اعلاء کلمۃ اللہ کیلئے اور کمزور و بے بس مسلمانوں کی خاطر جہاد نہ کرو جن میں کچھ مرد ہیں اور کچھ عورتیں ہیں اور کچھ بچے ہیں اور وہ کفار کے مظالم سے تنگ آ کر یوں دعا کر رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو اس بستی سے کسی طرح نکال جس کے رہنے والے سخت ظالم ہیں اور ہمارے لئے اپنی طرف سے اور اپنے پاس سے کوئی حمایتی سرپرست اور والی پیدا کر دے اور اپنی طرف سے اور اپنے پاس سے ہمارے لئے کوئی مددگار بھیج دے جو ان ظالموں کے مقابلے میں ہماری مدد کرے اور ہم کو پنجۂ ستم سے رستگاری دلائے (تیسیر) قریۃ سے مراد یہاں مکہ معظمہ ہے مستضعفین سے مراد وہ مسلمان ہیں جو ہجرت نہ کر سکے اور مکہ کے کافر ان پر طرح طرح کے مظالم کیا کرتے تھے حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرمایا کرتے تھے کہ میں اور میری ماں ان مستضعفین میں شامل ہیں۔ احادیث میں اور بھی بعض لوگوں کے نام آتے ہیں۔ بہرحال جہاد کا ایک سبب یعنی اعلاء کلمۃ اللہ تو موجود ہی ہے جبتک اقتدار مسلمانوں کے ہاتھ میں نہ آئیگا اللہ تعالیٰ کا دین بلند نہیں ہوگا۔ پھر اس پر سے ایک سبب اور بھی ہوگیا کہ بعض مظلوم مسلمان مکہ میں قید ہیں اور وہ بے چارے اپنی بےبسی کی وجہ سے حضرت حق کی بارگاہ میں دعائیں کر رہے ہیں۔ پھر جب جہاد کے اسباب تو یہ موجود ہیں اور قوی داعی تمہارے سامنے ہے پھر تمہارے پاس کیا عذر ہے کہ تم اُسکی بنا پر جہاد نہ کرو۔ آیت سے معلوم ہوا کہ اگر مسلمان کفار کی قید میں ہوں تو انکو کافروں کی قید سے رہا کرانا چاہئے اور حسب استطاعت اس کام میں کوشش کرنی چاہئے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی دو واسطے لڑائی تم کو ضرور ہے ایک تو اللہ کا دین بلند کرنے کو دوسرے مظلوم مسلمان جو کافروں کے ہاتھ میں بے بس پڑے ہیں اُن کی خلاصی کرنے کو شہر مکے میں ایسے لوگ بہت تھے کہ حضرت کے ساتھ ہجرت نہ کر سکے اور اُن کے اقربا ان پر ظلم کرنے لگے کہ مسلمان سے پھر کافر کریں (موضح القرآن) غرض آیت میں ترغیب و تحریض ہے مسلمانوں کو جہاد پر چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کیلئے سامان نجات پیدا کر دیا کچھ تو فتح مکہ سے پہلے نکل آئے پھر مکہ فتح ہوگیا اور عتاب بن اسید کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کا والی مقرر کیا اور انھوں نے اپنی ولایت کے دور میں مسلمانوں کی خوب خدمت کی۔ آیت میں ولی اور نصیر سے مراد ہو سکتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہوں یا ولی سے مراد حضورؐ ہوں اور نصیر سے مراد عتاب بن اُسیدؓ ہوں یا دونوں سے مراد عتاب بن اسیدؓ ہی ہوں بہرحال پہلا قول راجح ہے۔ وہ مستضعفین تو اللہ تعالیٰ سے والی اور نصیر طلب کر رہے تھے اُن کی دعا قبول ہوئی اور مکہ کے قیدیوں نے رہائی پائی۔ واللہ اعلم یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ اعلاء کلمۃ اللہ تو جہاد کا ایک مستقل سبب ہے اور اس سبب کو بعض دوسرے اسباب سے مزید قوت پہونچ جاتی ہے۔ جیسے دشمنوں کا غلبہ۔ یا کفار کا ہجوم۔ یا شعائر اللہ کی بے حرمتی یا مسلمانوں پر ظلم وغیرہ تفصیل کتب فقہ میں ملاحظہ کیجئے یا مقامی علماء سے دریافت کیجئے۔ آگے پھر تحریض اور مسلمانوں اور کافروں کی جنگ کا فرق بیان فرماتا ہے جس سے جہاد کا فلسفہ اور اسلام جنگ کی حکمت بھی معلوم ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل)

ف۲ جو لوگ اہلِ ایمان ہیں اور ایمان لا چکے ہیں اور کامل مومن ہیں وہ تو اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں یعنی اُن کی جنگ کا مقصد اللہ کے دین کو بلند کرنا ہوتا ہے کیونکہ دنیا کا امن اللہ تعالیٰ ہی کے قانون سے ہو سکتا ہے اور جو لوگ اہلِ کفر ہیں اور کفر کی روش اختیار کئے ہوئے ہیں وہ شیطان کی راہ میں لڑتے ہیں یعنی اُن کا مقصد کفر کا غلبہ ہوتا ہے لہٰذا اے مسلمانو! تم شیطان کے دوستوں اور شیطان کے حمایتیوں سے جہاد کرو اور اس بات کو یقین رکھو کہ شیطان کی تدبیر کمزور اور اس کا داؤ ادچھا اور بودا ہوتا ہے (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ ایک طرف کامل اہلِ ایمان ہیں جن کا مقصد یہ ہے کہ دنیا میں خدا کا قانون رائج ہو اور اللہ تعالیٰ کا حکم بلند ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کا مالک ہے اور اس کے قانون میں اتنی لچک اور رعایت ہے کہ تمام مخلوق کے ساتھ انصاف کیا جائے اور جب انصاف کی حکومت ہوگی تو امن قائم رہے گا دنیا کے امن کیلئے یہ ضروری ہے کہ دنیا میں وہ قانون رائج ہو جو خدا کا قانون ہے۔ لہٰذا کامل مومن جب جنگ کرتا ہے تو اس کے سامنے یہی ایک مقصد ہوتا ہے۔ لیکن اس کے مقابلے میں کفار کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ کفر کی ترویج ہو اور کفر کا غلبہ ہو اور طاغوتی قوتیں برسرِ اقتدار آئیں تاکہ دنیا میں کفر و شرک خوب چمکے اور چونکہ کفر و شرک شیطان کی راہیں ہیں اس لئے کافر شیطان کے کام میں اس کی مدد کرتے ہیں۔ (باقی ضمیمہ میں)

يَقُولُونَ رَبَّنَآ أَخْرِجْنَا مِنْ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ

یہ سب کے سب خدا سے دعا کر رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو اس بستی سے نکال جسکے باشندے

أَهْلُهَا وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا وَاجْعَل لَّنَا

ظالم ہیں اور اپنی طرف سے ہمارے لئے کوئی حمایتی پیدا کر اور اپنی طرف سے ہمارے لئے

مِن لَّدُنكَ نَصِيرًا ﴿٧٥﴾ الَّذِينَ آمَنُوا يُقَاتِلُونَ فِي

کوئی مددگار مقرر فرما۔ ف۱ جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ اللہ کی

سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ

راہ میں لڑتے ہیں اور جنھوں نے کفر کا رویہ اختیار کیا ہے وہ شیطان کی راہ میں

الطَّاغُوتِ فَقَاتِلُوا أَوْلِيَاءَ الشَّيْطَانِ ۖ إِنَّ كَيْدَ

لڑتے ہیں سو اے خدا کے دوستو تم شیطان کے حمایتیوں سے جہاد کرو یقین رکھو کہ

الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا ﴿٧٦﴾ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ قِيلَ لَهُمْ

شیطان کا داؤ اُدچھا ہوتا ہے ف۲ اے مخاطب کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو یہ حکم دیا گیا تھا

كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ فَلَمَّا

کہ تم ابھی اپنے ہاتھوں کو روکے رہو اور نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو پھر جب

كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ

ان جہاد کا تقاضہ کرنیوالوں پر جہاد فرض کیا گیا تو یکایک انہی میں سے کچھ لوگ کافروں سے ایسا ڈرنے لگے

كَخَشْيَةِ اللَّهِ أَوْ أَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ

جیسے کوئی خدا سے ڈرتا ہو یا خدا کے ڈر سے بھی زیادہ اور یہ ڈرپوک لوگ یوں کہنے لگے اے ہمارے پروردگار تو نے

عَلَيْنَا الْقِتَالَ لَوْلَا أَخَّرْتَنَا إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ ۗ قُلْ

ابھی ہم پر کیوں جہاد فرض کر دیا اور تھوڑی مدت کے لئے تو نے ہم کو مہلت کیوں نہ دی ف۳ آپ کہدیجئے

مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقَىٰ وَلَا

دنیا کا فائدہ بہت تھوڑا ہے اور آخرت اُس شخص کے لئے ہر طرح بہتر ہے جو خدا سے ڈرے اور ایک

ع ۱۰ | ۶ | ۷

تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿٧٧﴾ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَ

تاگے کے برابر بھی تمہاری حق تلفی نہیں کی جائیگی ف رہی موت تو جہاں کہیں بھی تم ہوگے تم کو موت وہیں آلیگی خواہ

لَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ؕ وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ

تم چونے کے پختہ قلعوں ہی میں محفوظ ہو اور اگر ان منافقوں کو بھلائی کی کوئی بات پیش آئے

يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ

تو کہتے ہیں یہ بھلائی اللہ کی جانب سے ہے اور اگر ان کو کوئی تکلیف پہونچ جاتی ہے

يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ؕ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ

تو کہتے ہیں یہ تکلیف تیری بدولت پہونچی ہے آپ کہدیجئے یہ سب باتیں اللہ ہی کی جانب سے ہوا کرتی ہیں

فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ﴿٧٨﴾

آخر ان لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ یہ بات سمجھنے کے قریب ہوکر بھی نہیں نکلتے ف

مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۫ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ

اے انسان تجھ کو جو بھلائی پیش آتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی جانب یعنی اُس کے فضل سے ہوتی ہے اور جو مصیبت تجھ پر

فَمِنْ نَّفْسِكَ ؕ وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ؕ وَكَفٰى

آتی ہے وہ خود تیری بدولت یعنی تیرے اعمال کی وجہ سے ہوتی ہے اور اے محمد ہم نے سب لوگوں کیلئے آپکو رسول بناکر بھیجا ہے اور اس بات پر

بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿٧٩﴾ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ

اللہ تعالیٰ کی گواہی کافی ہے جس شخص نے رسول کی اطاعت کی تو بلاشبہ اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی

وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ﴿٨٠﴾ؕ وَيَقُوْلُوْنَ

اور جس نے روگردانی کی تو بہرحال ہم نے آپ کو ان پر نگہبان بناکر نہیں بھیجا۔ اور یہ منافق بظاہر تو یوں کہتے ہیں

طَاعَةٌ ۫ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ

کہ ہم فرماں بردار ہیں مگر جب آپکے پاس سے نکلتے ہیں تو انہی میں سے کچھ لوگ رات کو ان باتوں کیخلاف مشورے کرتے ہیں

غَيْرَ الَّذِيْ تَقُوْلُ ؕ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ۚ فَاَعْرِضْ

جو باتیں آپ سے کہہ چکے تھے اور جو مشورے یہ راتوں کو کیا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو لکھتا رہتا ہے اب آپ ان کو نظر انداز

ف رہا موت کا معاملہ تو موت کی تو یہ حالت ہے کہ تم جہاں کہیں بھی ہوگے موت تم کو وہیں آلے گی خواہ تم چونے کے پختہ سے پختہ قلعوں ہی میں محفوظ کیوں نہ ہو اور ان منافقوں کی حالت یہ ہے کہ اگر ان کو کوئی بھلائی اور اچھی بات پیش آجاتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ من جانب اللہ ہے اور اللہ کی طرف سے اتفاقاً پیش آگئی ہے اور اگر اُن کو کوئی بُرائی اور بُری حالت پیش آجاتی ہے تو اے پیغمبر یہ یُوں کہتے ہیں کہ یہ بُرائی تیری بدولت ہے اور تیری بے تدبیری کا نتیجہ ہے آپ ان سے فرما دیجئے یہ سب باتیں اللہ ہی کی جانب سے ہیں آخر ان لوگوں کو کیا ہوگیا کہ یہ بات سمجھنے کے قریب ہوکر بھی نہیں نکلتے (تیسیر) بروج مُشیدہ۔ سنگین۔ پختہ۔ بلند۔ ریختے کی چنائی سے تعمیر کئے ہوئے قلعے۔ تشیید چونے اور قلعے کو ملاکر کسی عمارت کی تعمیر کرنا۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ یہ منافقوں کا ذکر ہے کہ اگر تدبیر جنگ درست آئی اور فتح وغنیمت ملی تو کہتے ہیں اللہ کی طرف سے ہوئی یعنی اتفاقاً بن گئی۔ حضرت کی تدبیر کے قائل نہ ہوتے تھے اور اگر بگڑ گئی تو الزام رکھتے حضرت کی تدبیر کا اللہ صاحب نے فرمایا کہ سب اللہ کی طرف سے ہے یعنی پیغمبر کی تدبیر اللہ کا الہام ہے غلط نہیں اور بگڑی کو بگڑا نہ بوجھو یہ اللہ تم کو سدھاتا ہے تمہاری تقصیر پر اگلی آیت میں کھول کر فرمادیا (موضح القرآن) مطلب یہ ہے کہ ان مسلمانوں کا ذکر بیچ میں ایک خاص مناسبت سے آگیا تھا جنھوں نے جہاد کا حکم سنکر تاخیر کی تمنا کی تھی ان کو سمجھا دیا گیا کہ تاخیر کی تمنا بے کار ہے۔ جہاد اور قتال کو موت میں کوئی دخل نہیں موت تو بہرحال تم کہیں بھی ہو آکر رہے گی اگر تم کسی مضبوط عمارت میں بھی پناہ گزیں ہوجاؤ تو وہاں بھی موت آلے گی حضرت عبدالرحمان بن عوف اور اُن کے ساتھیوں کو یہ جواب دینے اور ان کو سمجھانے کے بعد پھر اصل مضمون کو شروع فرماتے ہیں کیونکہ اُوپر کی آیتوں میں منافقین کی سستی اور تاخیر کا ذکر تھا اور وہ چونکہ جہاد کو موت میں دخیل مانتے تھے جیسا کہ چوتھے پارے میں اُنکے اقوال گزر چکے ہیں۔ مثلاً لو کانوا عندنا ما ماتوا وما قتلوا یا لو اطاعونا ما قتلوا۔ وغیرہ اس لئے ان کا جواب دیتے ہیں۔ چونکہ بعض مفسرین نے الم تر الی الذین قیل لھم کی پُوری آیت کو منافقین سے متعلق کیا ہے لیکن وہ قول مرجوح تھا اس لئے ہم نے اس کو چھوڑ دیا۔ اور پہلا قول جو راجح تھا اسکو اختیار کرلیا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ اور اسی قول کی بنا پر ہم نے یہ تقریر کی ہے۔ خلاصہ یہ کہ وان تصبھم حسنۃ سے منافقین کے اعتراض کا جواب ہے یعنی اگر ان کو کوئی حسنۃ پیش آجائے مثلاً فتح ہوجائے اور غنیمت مل جائے تو کہتے ہیں یہ اللہ کی جانب سے ہے اور اس کہنے کا مطلب بھی یہ ہوتا ہے کہ یہ فتح اتفاقاً حاصل ہوگئی کیونکہ اللہ تعالیٰ پر تو ان کو اعتقاد ہی نہیں محض ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ پیغمبر کی اور مسلمانوں کی تو بے تدبیری اور غلطی میں شک نہیں مگر اتفاقیہ فتح ہوگئی اور ان کو اگر کوئی بُری حالت پیش آجاتی ہے یعنی شکست اور ہزیمت ہوجاتی ہے تو الزام آپ پر رکھ دیتے ہیں کہ یہ آپ کی اور آپ کے ساتھیوں کی بے تدبیری اور غلط رائے کے نتائج ہیں۔ چنانچہ اس اعتراض کا جواب بتایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہ آپ کہدیجئے نعمت اور بلا راحت اور مصیبت فتح اور شکست سب اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے۔ اگرچہ ایک کا مبنیٰ اس کا فضل وکرم ہے اور دوسرے کا مبنیٰ ہماری کوتاہی اور غلطی ہے جیسا کہ ابھی آگے آتا ہے۔ اتنی سیدھی اور صاف بات کے نہ سمجھنے پر آخر میں اظہار تعجب کیا گیا ہے۔ کہ اس قوم کو کیا ہوگیا ہے کہ بات کا سمجھنا تو کیسا سمجھنے کے قریب بھی نہیں پھٹکتے یعنی انتہائی ناسمجھ ہیں۔ بعض حضرات نے حسنۃ اور سیئۃ کی تفسیر کو عام رکھا ہے۔ یعنی بھلائی کا یہ مطلب کہ بارش اچھی ہوگئی۔ باغ میں پھل خوب آئے کھیتی خوب ہوئی تو کہہ دیا یہ اتفاقی بات ہے اور اگر کبھی قحط ہوگیا کوئی وبا آگئی تو کہدیا اے پیغمبر یہ تیری نحوست کا اثر ہے اور یہ بالکل وہی اعتراض ہے جو موسیٰ کی قوم کیا کرتی تھی فاذا جاءتھم الحسنۃ قالوا لنا ھذہٖ وان تصبھم سیئۃ یطیروا بموسیٰ ومن معہ۔ بعض حضرات نے اس آیت کو غزوۂ احد کا تتمہ سمجھ کر تفسیر کی ہے واللہ اعلم اب آگے ان آخری فقروں کی مزید تفصیل ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل) ف۲ اے انسان جو بھلائی اور خوش حالی تجھ کو پیش آتی ہے اور جو راحت تجھ کو میسر ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوتی ہے یعنی محض اُس کے فضل سے ہوتی ہے اور اے انسان (باقی ضمیمہ میں)

ف۱ کیا یہ لوگ قرآن کی فصاحت و بلاغت اور اس کے اعجاز میں غور او ر تدبر سے کام نہیں لیتے اور اگر یہ قرآن اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی جانب سے ہوتا اور خدا کے سوا کسی اور کا کلام ہوتا تو اُس میں یہ لوگ بکثرت تفاوت پاتے جیسا کہ عام طور سے دوسروں کے کلام میں ہوا کرتا ہے۔ (تیسیر) حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی مخلوق ہر حال میں اُس حال کے موافق بولتا ہے غصے میں مہربانی والوں کی طرف دھیان نہیں رہتا اور مہربانی میں غصے والوں کی طرف دنیا کے بیان میں آخرت یاد نہ آوے اور آخرت کے بیان میں دنیا بے پرواہی میں عنایت کا ذکر نہیں اور عنایت میں بے پروائی کا تو اُس حال کا کلام سنے دوسرے حال سے مخالف نظر آوے اور قرآن شریف جو خالق کا کلام ہے یہاں ہر بیان میں دوسری جانب بھی نظر ہوتی ہے غور کرنے سے معلوم ہوا کہ ہر چیز کا بیان ہر مقام میں ایک راہ پر ہے یہاں منافقوں کا مذکور تھا اس میں بھی ہر بات پر الزام اسی قدر ہے جتنا چاہئے اور جماعت میں سے انہی پر الزام ہے جو لائق الزام ہیں اسی واسطے فرمایا کہ بعضے ان میں سے یوں کرتے ہیں

عَنۡهُمۡ وَتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ‌ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيۡلًا ﴿۸۱﴾ اَفَلَا

کیجئے اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھئے اور اللہ ہی کا کارساز ہونا کافی ہے۔ ف۱ کیا

يَتَدَبَّرُوۡنَ الۡقُرۡاٰنَ‌ ؕ وَلَوۡ كَانَ مِنۡ عِنۡدِ غَيۡرِ اللّٰهِ

یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے اور اگر یہ قرآن اللہ کے سوا کسی اور کی جانب سے ہوتا

لَوَجَدُوۡا فِيۡهِ اخۡتِلَافًا كَثِيۡرًا‏ ﴿۸۲﴾ وَاِذَا جَآءَهُمۡ اَمۡرٌ مِّنَ

تو اس میں یہ لوگ بہت تفاوت پاتے ف۲ اور ان لوگوں کو جب کوئی اطلاع موصول ہوتی ہے

الۡاَمۡنِ اَوِ الۡخَـوۡفِ اَذَاعُوۡا بِهٖ‌ ؕ وَلَوۡ رَدُّوۡهُ اِلَى

خواہ وہ امن کی ہو یا خوف کی تو یہ اُس کو ہر ایک سے کہتے پھرتے ہیں اور اگر وہ اس خبر کو شہرت دینے سے قبل

الرَّسُوۡلِ وَاِلٰٓى اُولِى الۡاَمۡرِ مِنۡهُمۡ لَعَلِمَهُ الَّذِيۡنَ

پیغمبر تک اور ان لوگوں تک پہنچا دیتے جو ان میں سے ذمہ دار حضرات ہیں تو اسکی صحیح حقیقت کو ان میں سے وہ حضرات اچھی طرح سمجھ لیتے

يَسۡتَنۡۢبِطُوۡنَهٗ مِنۡهُمۡ‌ ؕ وَلَوۡلَا فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ وَرَحۡمَتُهٗ

جو بات کی تہ میں سے بات کا صحیح نتیجہ اخذ کر لیا کرتے ہیں اور اگر تم لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور مہربانی نہ ہوتی

لَاتَّبَعۡتُمُ الشَّيۡطٰنَ اِلَّا قَلِيۡلًا‏ ﴿۸۳﴾ فَقَاتِلۡ فِىۡ سَبِيۡلِ

تو یقیناً چند آدمیوں کے سوا تم سب کے سب شیطان کے پیچھے ہو لئے ہوتے ف۳ بہرحال اے محمدؐ آپ خود اللہ کی راہ میں جہاد

اللّٰهِ‌ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفۡسَكَ‌ وَحَرِّضِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ‌ ۚ

کیجئے۔ آپ سوائے اپنے ذاتی فعل کے اور کسی کے ذمہ دار نہیں ہیں ہاں مسلمانوں کو ترغیب دیجئے

عَسَى اللّٰهُ اَنۡ يَّكُفَّ بَاۡسَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا‌ ؕ وَاللّٰهُ اَشَدُّ

اللہ تعالیٰ سے بعید نہیں کہ وہ کافروں کی لڑائی کو روک دے اور اللہ تعالیٰ باعتبار جنگ کے بڑا

بَاۡسًا وَّاَشَدُّ تَـنۡكِيۡلًا‏ ﴿۸۴﴾ مَنۡ يَّشۡفَعۡ شَفَاعَةً حَسَنَةً

طاقت ور اور بلحاظ سزا دینے کے بہت سخت ہے ف۴ جو شخص کوئی اچھی سفارش کریگا تو سفارش

يَّكُنۡ لَّهٗ نَصِيۡبٌ مِّنۡهَا‌ ۚ وَمَنۡ يَّشۡفَعۡ شَفَاعَةً سَيِّئَةً

کرنیوالے کو بھی اس میں سے ایک حصہ ملے گا۔ اور جو شخص کوئی بُری سفارش کرے گا تو سفارش

(موضح القرآن) اختلاف کثیرہ کا یہ مطلب ہے کہ ایک ایک مضمون میں اگر اختلاف ہوتا صدہا مضامین تھے ان سب کا اختلاف کثیر اختلاف بن جاتا لیکن یہاں کسی ایک مضمون میں بھی اختلاف نہیں لہٰذا یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ بشر کے کلام میں یہ یکسانیت کہاں نہ کسی جگہ فصاحت و بلاغت کی کمی۔ نہ توحید و تشریک حلال و حرام کے بیان میں کہیں تناقض اور تفاوت پھر غیب کی اطلاعات میں نہ کوئی خبر ایسی جو واقع کے مطابق نہ ہو۔ نہ نظم قرآنی میں کہیں یہ فرق کہ بعض فصیح ہو اور بعض رکیک۔ ہر بشر کی تقریر و تحریر میں ماحول کا اثر ہوتا ہے۔ اطمینان کا اور انداز پریشانی کا اور انداز مسرت کے وقت اور رنگ اور رنج کے وقت اور رنگ۔ قرآن ہر قسم کے تفاوت اور تناقض سے پاک اور بالاتر ہے۔ اور یہی کلام الٰہی ہونے کی واضح دلیل ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ بہت صاف ہے اگرچہ اُردو پرانی ہے لیکن مطلب واضح اور صاف ہے۔ پھر شاہ صاحبؒ نے ربط کے سلسلے میں بھی ایک بات بہت خوب فرمائی کہ دیکھو منافقین کا ذکر ہے اس موقع پر قرآن کا انضباط ملاحظہ ہو کہ مخالفین کے ذکر میں بھی جو قابل الزام تھے اُن کا ہی ذکر کیا سب کو برا نہ کہا اور یہ نہیں فرمایا کہ سب لوگ راتوں کو اُلٹا مشورہ کرتے ہیں بلکہ طائفۃ کہکر ان سرداروں اور بڑے لوگوں کی خیانت کا اظہار فرمایا اور اسی مناسبت سے یہاں قرآن کی حقانیت کا ذکر فرمایا۔ اب آگے اسی قسم کے لوگوں کی بعض اور حرکات کا ذکر ہے جو علاوہ دینی نقصان کے انتظاماً اور سیاستہً بھی نقصان دہ ہیں اور ان کا ذکر کرتے ہوئے اُس کا صحیح طریقہ بھی تعلیم فرمایا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل) ف۲ اور اُن لوگوں کو جب کوئی اطلاع موصول ہوتی ہے اور جب انکو کوئی نئی خبر پہنچتی ہے۔ خواہ وہ اطلاع امن کی ہو جیسے فتح اور سلامتی خواہ وہ خبر خوف کی ہو جیسے ہزیمت اور ارتداد وغیرہ تو یہ اُسی خبر کو مشہور کر دیتے ہیں اور ہر ایک سے کہتے پھرتے ہیں اور اگر یہ لوگ اُس خبر کو مشہور کرنے اور اُس اطلاع کو جا بجا کہتے پھرنے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک یا اُن لوگوں تک پہونچا دیتے جو ان میں سے ذمہ دار اور ذی رائے اور اہل بصیرت ہیں تو اس خبر کی صحیح حقیقت کو ان میں سے وہ ذمہ دار اور اہل الرائے حضرات سمجھ لیتے جو بات کی تہ میں سے بات کا صحیح نتیجہ اخذ کر لیا کرتے ہیں اور وہ اس خبر کو پہچان لیتے جو ان میں سے خبر کی تحقیق کر لیا کرتے ہیں اور تحقیق کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کا تم پر خصوصی فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو یقیناً چند آدمیوں کے سوا تم سب کے سب شیطان کے پیچھے ہو لئے ہوتے۔ اور تم سب کے سب شیطان کے پیرو ہو جاتے مگر تھوڑے سے وہ لوگ بچ جاتے جن کو عقل سلیم سے بہرہ ملا ہے۔ (تیسیر) اس آیت میں یا تو انہی منافقین کا ذکر ہے جن کا ذکر اوپر سے چلا آ رہا ہے۔ یا کمزور مسلمانوں کا ذکر ہے۔ بہرحال منافقین کا ذکر ہو تو منھم فرمانے کا یہ مطلب ہوگا کہ منافقوں کے ظاہری حال کے اعتبار سے منافقوں کو مسلمانوں میں شامل کرتے ہوئے منھم فرما دیا۔ اور اگر کمزور مسلمان ہوں تب اس توجیہ کی ضرورت نہیں اذاعت کے معنی ہیں افشا اور اظہار ہم نے محاورے کا ترجمہ کر دیا ہے ایک ایک سے کہتے پھرنا۔ رد کے معنی لوٹانے کے ہیں۔ یہاں مطلب یہ ہے کہ رسولؐ یا اولی الامر کے سپرد کر دیتے اور شائع کرنے سے پہلے اُس خبر کو ان لوگوں کے حوالے کر دیتے۔

يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ مُّقِيْتًا ﴿٨٥﴾

کرنیوالے کو بھی اس برائی میں سے ایک حصہ ملے گا اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ ف

وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَاۤ اَوْ رُدُّوْهَا ؕ

اور جب تم کو کوئی سلامتی کی دعا دے یعنی سلام علیک کرے تو تم اس سے بہتر الفاظ میں سلام کا جواب دو یا کم از کم اپنی الفاظ کیسا دعا دو جو پہلے

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ حَسِيْبًا ﴿٨٦﴾ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ

شخص نے کہے تھے بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے۔ اللہ وہ ہے کہ اُسکے سوا کوئی معبود ہونیکے

اِلَّا هُوَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ وَ

لائق نہیں وہ یقیناً تم سب کو قیامت کے دن جمع کرے گا جس کے آنے میں ذرا شبہ نہیں اور

مَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴿٨٧﴾ فَمَا لَكُمْ فِی

اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر بات کا سچا کون ہو سکتا ہے ف پھر اے مسلمانو یہ تم کو کیا ہو گیا کہ

الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ؕ

تم منافقین کے بارے میں دو گروہ بن گئے حالانکہ ان منافقوں نے جو کام کئے ہیں اُن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ انکو اُلٹا پھیر چکا ہے

اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ

کیا تم یہ ارادہ کرتے ہو کہ ان لوگوں کو راہ پر لے آؤ جنکو اللہ تعالیٰ نے ہدایت سے محروم کر رکھا ہے حالانکہ جس کو اللہ تعالیٰ راہ سے

اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿٨٨﴾ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا

ہٹا دے تو اسکے لئے آپ کہیں کوئی راہ نہ پائیں گے ف وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ جس طرح وہ خود کافر ہو گئے ہیں اسی طرح تم بھی

كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ حَتّٰی

کافر ہو جاؤ تاکہ وہ اور تم سب ایک سے ہو جاؤ لہٰذا تم ان میں سے اُس وقت تک کسی کو اپنا دوست نہ بناؤ جب تک

يُهَاجِرُوْا فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَ

وہ اللہ کی راہ میں ہجرت نہ کریں پھر اگر وہ ہجرت سے اعراض کریں تو تم جہاں کہیں بھی ان پر قابو پاؤ

اقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۪ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ

ان کو گرفتار کرو اور ان کو قتل کرو اور ان میں سے کسی کو اپنا رفیق

النصف — ع ١١ / ٨

ف اور جب تم کو کوئی دعا دے یعنی سلام علیکم کرے تو تم اس کے سلام سے اچھے اور بہتر الفاظ میں اس کو سلام کر دو یعنی اس کے سلام کا جواب دو یا کم از کم ویسے ہی الفاظ کہہ دو اور انہی الفاظ میں اسکو جواب دیدو جو پہلے شخص نے کہے تھے یقین جانو اللہ تعالیٰ ہر چیز پر محاسب اور ہر بات کا حساب لینے والا ہے (تیسیر) تحیۃ اصل میں زندگی کی دعا دینے کو کہتے ہیں اہل عرب جب آپس میں ملتے تھے تو ایک دوسرے کو حیاک اللہ کہتا تھا پھر تحیۃ مطلقاً دعا میں استعمال ہونے لگا۔ یہاں اس کے معنی ملاقات کے وقت سلام علیکم کرنے کے ہیں۔ آسمانی تہذیب میں ہمیشہ ملاقات کا تحیۃ سلام رہا ہے جو قومیں آسمانی تہذیب سے محروم ہیں اُن کے ہاں مختلف طریقے ہیں۔ کفار عرب کا طریقہ ہم نے عرض کر دیا۔ نصاریٰ کا سلام منہ پر ہاتھ رکھ لینا تھا۔ یہود کا سلام انگلی اٹھا لینا تھا۔ مجوسیوں کا سلام ذرا جھک جانا تھا۔ لیکن اسلام نے پھر آسمانی تہذیب کو زندہ کیا اور فرمایا فسلموا علیٰ انفسکم تحیۃ من عند اللہ اس کہنے کی ضرورت نہیں کہ السلام علیکم یعنی سلامتی کی دعا۔ کفار عرب کے حیاک اللہ سے بہت جامع ہے کیونکہ یہ دین و دنیا کی سلامتی کو شامل ہے۔ حدیث میں سلمان فارسیؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضورؐ کی مجلس میں آیا اُس نے کہا السلام علیک یا رسول اللہ، آپؐ نے فرمایا وعلیک السلام ورحمۃ اللہ پھر دوسرا شخص آیا اس نے کہا السلام علیک یا رسول اللہ ورحمۃ اللہ آپؐ نے جواب دیا وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ پھر ایک تیسرا شخص آیا اُس نے کہا السلام علیک یا رسول اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ آپؐ نے فرمایا وعلیک۔ اُس نے کہا یا رسول اللہ مجھ سے پہلے آنیوالوں کے جواب میں آپ نے زیادہ جواب دیا اور بڑھا کر جواب عنایت کیا مگر مجھ کو صرف وعلیک فرمایا۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ تو نے ہمارے لئے کچھ چھوڑا ہی نہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے بہتر جواب دو یا ویسا ہی جواب دیدو۔ ہم نے ویسا ہی جواب دیدیا۔ عمر بن حصینؓ کی روایت میں آیا ہے کہ ایک شخص حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور السلام علیکم کہہ کر بیٹھ گیا حضورؐ نے فرمایا دس ہیں۔ پھر دوسرا آیا اس نے کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ اور بیٹھ گیا۔ آپؐ نے فرمایا بیس ہیں۔ پھر تیسرا آیا اور وہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہہ کر بیٹھ گیا۔ آپؐ نے فرمایا تیس ہیں یعنی الفاظ کی زیادتی کے ساتھ نیکیاں زیادہ ہوتی گئیں سلام کے آداب کی تفصیل تو فقہ کی کتابوں سے معلوم ہو سکتی ہے۔ یہاں چند باتیں یاد رکھنی چاہئیں۔

(١) سلام کا جواب دینا واجب علی الکفایہ ہے۔ اگر حاضرین میں سے ایک شخص نے بھی جواب دیدیا تو سب سبکدوش ہو گئے اور اگر کسی نے بھی جواب نہیں دیا تو سب واجب کے تارک ہوئے (٢) جو سلام شرعی آداب کا لحاظ رکھ کر کیا جائے اسی کا جواب دینا واجب ہوگا۔ مثلاً کوئی بول و براز میں مشغول ہو یا نماز پڑھتا ہو یا قرآن کی تلاوت کرتا ہو یا خطبہ سن رہا ہو وغیرہ۔ ایسی حالت میں کوئی سلام کرے تو اس کا جواب دینا واجب نہیں بلکہ ایسے مواقع پر سلام کرنا ہی خود مکروہ ہے (٣) سلام کے جواب میں وعلیکم السلام کہنا واجب ہے باقی سلام کرنے والے سے بہتر کلمات کہنا یا انہی کو لوٹا کر کہہ دینا یہ باتیں اختیار میں ہیں یعنی فقط جواب تو واجب ہے باقی زیادہ جواب دینا یا کم دینا یا انہی کلمات کو لوٹا دینا ان سب کا اختیار ہے۔ (٤) احادیث میں جو الفاظ مروی ہیں وہ سلام کے ساتھ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ہیں ان سے زیادہ اور الفاظ ثابت نہیں ہیں (٥) کسی کافر کو بلا کسی خاص ضرورت کے ابتداءً سلام نہیں کرنا چاہئے۔ البتہ کوئی ضرورت ہو تو سلام میں ابتدا کی جا سکتی ہے (٦) کافر کے سلام کا جواب بھی واجب نہیں۔ اگرچہ جواب دینا جائز ہے۔ (٧) فقہا نے کافر کو دنیوی اعتبار سے دعا دینا یا اس کو اسلام کی دعا دینا جائز رکھا ہے۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے ایک یہودی کو جو حضورؐ کیلئے ایندھن لایا تھا دعا دی تھی۔ اور فرمایا تھا اللھم جمّلہ۔ چنانچہ ستر سال کی عمر تک اس یہودی کے بال سیاہ ہی رہے (٨) جس طرح بلا ضرورت کافر کو ابتداءً سلام نہ کرنا چاہئے اسی طرح اہل بدعت کو بھی ابتداءً سلام نہیں کرنا چاہئے۔ (٩) اگر سلام کرنے میں کسی کافر نے شرارت آمیز الفاظ استعمال کئے ہوں تو اس کو صرف وعلیکم کہہ دینا چاہئے۔ جیسا کہ بعض یہود کا قاعدہ تھا کہ وہ السلام علیک کو دبا کر السام علیک کہا کرتے تھے۔ اور حضورؐ بھی اس کے جواب میں وعلیکم فرما دیا کرتے تھے۔

(باقی ضمیمہ میں)

ف مگر ہاں ان کفار میں سے وہ لوگ گرفتاری اور قتل سے مستثنیٰ ہیں جو کسی ایسی قوم سے جا ملیں جس قوم سے تمہارا باہمی معاہدہ اور صلح ہے یعنی یہ لوگ اُس قوم سے عہد کرلیں جو پہلے سے تمہاری معاہد ہے یا یہ کہ وہ ایسی حالت میں خود تمہارے پاس آجائیں کہ وہ تم سے جنگ کرلے میں اور نیز اپنی قوم سے لڑنے میں کبیدہ خاطر ہوں اور اُن کے دل اس بات سے منقبض ہوں کہ وہ تم سے اور نیز اپنی قوم سے لڑیں۔ تو ان دونوں صورتوں میں انکو نہ گرفتار کرو اور نہ قتل کرو اور تم لوگ اللہ تعالیٰ کا احسان مانو کیونکہ اگر اللہ چاہتا تو وہ ان کو تم پر مسلط کردیتا اور ان کو تم پر دلیر کردیتا سو وہ تم سے ضرور لڑتے پھر اگر یہ لوگ صلح کرکے تم سے کنارہ کش رہیں اور تم سے جنگ نہ کریں اور تم سے مصالحانہ رویہ رکھیں اور سلامت روی اختیار کریں تو اس حالت میں اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے خلاف تمہارے لئے زیادتی یعنی پکڑ دھکڑ اور قتل کی کوئی راہ نہیں رکھی۔

(تیسیر) حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی اس ملنے کھلنے سے تو ان کو لڑائی میں مت بچاؤ مگر دو صورت میں یا وہ ہم قسم ہیں تمہارے صلح والوں سے تو وہ بھی صلح میں داخل ہیں یا لڑائی سے عاجز ہوکر تم سے آپ صلح کریں اس پر کہ نہ اپنی قوم کی طرف ہوکر تم سے لڑیں نہ تمہاری طرف ہوکر ان سے تو اگر اس عہد پر قائم رہیں تو تم بھی اللہ کا احسان جانو کہ تمہارے لڑنے سے بند ہوئے (موضح القرآن) ہم ابھی اوپر عرض کرچکے ہیں کہ ان آیتوں میں کسی ایسی جماعت کا ذکر ہے جو مسلمانوں سے میل جول بڑھانے کی غرض سے مدینہ منورہ میں آئی اور اپنے اسلام کا اظہار کرتی رہی پھر بہانہ بناکر مدینے سے چلی گئی اور مکہ والوں سے جا ملی۔ ایسے ہی لوگوں کا اوپر بیان تھا ان کے متعلق جو حکم بیان فرمایا اور جس سلوک کا حکم دیا وہ حکم وہی تھا جو عام حربی کافروں کا ہوتا ہے اور چونکہ اس وقت کافروں کی بعض قومیں ایسی بھی تھیں جو مسلمانوں سے عہد کرچکی تھیں جیسے اسلمی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کی روانگی سے قبل ہی ہلال بن عویمر اسلمی سے اس امر پر صلح کرچکے تھے کہ ہلال کی قوم نہ ہمارے خلاف کسی قوم کی مدد کرے گی اور نہ ہماری مدد کرے گی۔ اور جو شخص ہلال کی قوم سے جا ملے گا اور ہلال کی قوم اُس کو پناہ دیدے گی اس کو ہماری جانب سے بھی امن ہوگا یا جیسے بنو مدلج کے لوگ کہ ان کی طرف سے سراقہ مدلجی نے اسی قسم کا معاہدہ کیا تھا یا بنو خزیمہ بن عامر بن عبدمناف۔ یا خزاعہ یا بنو بکر بن زید۔ غرض اس قسم کے مختلف قوموں سے حضورؐ کے معاہدے موجود تھے۔ اب جو ان مرتدین یعنی مدینہ چھوڑ کر بھاگنے والوں کا ذکر فرمایا اور قتل و اخذ کا حکم دیا تو ان میں سے دو قسم کے لوگوں کو مستثنیٰ کردیا اور چونکہ عام حربی کفار کا بھی یہی حکم ہے جیسا کہ ہم نے عرض کیا ہے تو یہ حکم مرتدین اور غیر مرتدین دونوں کو شامل ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ حربی کفار کو خواہ وہ مدینے سے بھاگنے والوں میں سے ہوں خواہ ممالک حربیہ کے رہنے والے ہوں ان کو پکڑو اور قتل کرو اور ان کو ولایت و نصرت کے لالچ سے چھوڑ دو نہیں البتہ اگر ان کفار میں سے کوئی تمہاری معاہد قوموں میں سے کسی قوم سے جا ملے اور ان کی پناہ میں آجائے یا کچھ لوگ اس معاہد قوم سے صلح کرلیں تو وہ بھی تمہارے عہد میں داخل ہوجائیں گے اور تم کو اُن کے قتل کرنے یا گرفتار کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ انہی حربی کفار میں سے کوئی قوم تمہاری معاہد قوم سے تو مصالحت نہ کرے اور نہ ان کی پناہ میں آئے بلکہ تم سے براہِ راست صلح کی درخواست کرے اور صلح کا طریقہ یہ ہو کہ وہ نہ تم سے لڑیں گے اور نہ تمہارے ساتھ ہوکر اپنی قوم سے لڑیں گے۔ تو یہ بھی ایک صورت مصالحت کی ہے اگر اس طرح صلح ہوجائے تو اپنے ہاتھ روک لو۔ غرض اس قوم کے کفار کا بچاؤ دو طریقوں سے ہوسکتا ہے ایک طریقہ بالواسطہ اور دوسرا طریقہ بلا واسطہ۔ بالواسطہ یہ کہ ان میں سے کوئی تمہاری معاہد قوم سے جا ملے تو وہ بھی تمہاری مصالحت میں داخل ہوجائے گا۔ اور بلا واسطہ یہ کہ تم سے خود مصالحت کرلیں۔ خواہ وہ مصالحت کم از کم اسی شرط پر ہو کہ آئندہ نہ تم سے لڑیں گے اور نہ تمہاری طرف سے لڑیں گے۔ ان دونوں طریقوں میں سے جو طریقہ بھی اختیار کرلیں تو ان پر کسی قسم کی پکڑ دھکڑ یا قتل وغیرہ کا تم کو کوئی حق نہیں۔ درمیان میں اپنی مہربانی اور اپنے احسان کا ذکر فرمایا کہ یہ ہمارا احسان ہے کہ ہم نے ان کو مرعوب کردیا اور ان کو پیغام صلح پر مجبور کردیا اگر ایسا نہ ہوتا اور ہم ان کو جری اور دلیر رکھتے تو وہ لوگ یقیناً تم سے نبرد آزما رہتے۔ مگر اللہ نے تم کو اس پریشانی سے بچا لیا۔ بس اب صلح کرنے کے بعد (باقی ضمیمہ میں)

وَلِيًّا وَّلَا نَصِيرًا ﴿٨٩﴾ إِلَّا الَّذِينَ يَصِلُونَ إِلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ

اور مددگار نہ بنانا مگر ہاں وہ لوگ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں جو کسی ایسی قوم سے جا ملیں جس قوم سے

وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ أَوْ جَاءُوكُمْ حَصِرَتْ صُدُورُهُمْ أَن

تمہارا باہمی معاہدہ ہے یا وہ ایسی حالت میں تمہارے پاس آجائیں کہ وہ تم سے جنگ کرنے میں

يُقَاتِلُوكُمْ أَوْ يُقَاتِلُوا قَوْمَهُمْ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ

نیز اپنی قوم سے لڑنے میں کبیدہ خاطر ہوں اور اگر اللہ چاہتا

لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقَاتَلُوكُمْ ۚ فَإِنِ اعْتَزَلُوكُمْ

تو اُن کو تم پر دلیر کردیتا سو وہ تم سے یقیناً جنگ کرتے پھر اگر وہ تم سے کنارہ کش رہیں

فَلَمْ يُقَاتِلُوكُمْ وَأَلْقَوْا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ

اور تم سے جنگ نہ کریں اور تم سے مصالحانہ رویہ رکھیں تو ایسے لوگوں کے خلاف اللہ نے تمہارے لئے

اللَّهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا ﴿٩٠﴾ سَتَجِدُونَ آخَرِينَ

زیادتی کی کوئی راہ نہیں رکھی ان کے علاوہ تم کچھ ایسے لوگوں کو بھی پاؤ گے

يُرِيدُونَ أَن يَأْمَنُوكُمْ وَيَأْمَنُوا قَوْمَهُمْ كُلَّمَا

جن کا مقصد یہ ہے کہ تم سے بھی بے خوف رہیں اور اپنی قوم سے بھی امن میں رہیں مگر ان کی حالت یہ ہے کہ

رُدُّوا إِلَى الْفِتْنَةِ أُرْكِسُوا فِيهَا ۚ فَإِن لَّمْ يَعْتَزِلُوكُمْ

جب کبھی ان کو کسی شرارت کی طرف بلایا جاتا ہے تو اس میں جا گرتے ہیں لہٰذا اس قسم کے لوگ اگر تم سے کنارہ کشی اختیار

وَيُلْقُوا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوا أَيْدِيَهُمْ

نہ کریں اور تم سے مصالحانہ رویہ نہ رکھیں اور اپنے ہاتھ نہ روکیں تو ایسے عہد شکنوں کو

فَخُذُوهُمْ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ ۚ وَ

تم جہاں کہیں پاؤ گرفتار کرو اور ان کو قتل کرو اور

أُولَٰئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا مُّبِينًا ﴿٩١﴾ ع

اس گروہ کے خلاف کارروائی کرنے کے لئے ہم نے تم کو کھلی سند مہیا کردی ہے

ع ١٢ / ٩

١ / ١

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَ

اور کسی مومن کا یہ کام نہیں کہ وہ کسی مومن کو ناحق قتل کرے مگر غلطی سے اور

مَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ

جو شخص کسی مومن کو غلطی سے قتل کر دے تو قاتل کے ذمہ ایک مسلمان غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا

وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ۭ

اور نیز مقتول کے وارثوں کو خون بہا پہنچانا ہے الا یہ کہ مقتول کے وارث خون بہا معاف کر دیں

فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَھُوَ مُؤْمِنٌ

پھر اگر وہ مقتول خطاءً ایک ایسی قوم کا باشندہ ہو جو تمہاری دشمن ہے حالانکہ وہ مقتول خود مسلمان ہو

فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۭ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ

تو ایسی صورت میں قاتل کے ذمہ صرف ایک مسلمان غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا ہے اور اگر وہ مقتول کسی ایسی قوم کا فرد ہو کہ اس قوم کے

وَبَيْنَھُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَھْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ

اور تمہارے درمیان کوئی معاہدہ ہے تو اس صورت میں ورثائے مقتول کو خون بہا پہنچانا اور نیز ایک مسلمان

رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ

غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا ہے پھر جس کو لونڈی غلام میسر نہ ہو تو دو مہینے کے لگاتار

مُتَتَابِعَيْنِ ۡ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِــيْمًا

روزے رکھنے ہیں توبہ کا یہ طریقہ اللہ کی جانب سے مقرر ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا

حَكِــيْمًا ۝۹۲ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَــزَاۗؤُهٗ

اور حکمت والا ہے ف اور جو شخص کسی مسلمان کو قصداً قتل کر دے تو اس کی سزا

جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْھَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَ

جہنم ہے کہ وہ اس میں پڑا رہے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہوا اور اس پر لعنت کی اور

اَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ۝۹۳ يٰٓاَيُّھَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا

اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے بہت بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے ف اے ایمان والو! جب تم اللہ کی راہ میں

ف ۱ اور کسی مومن کو یہ زیبا نہیں اور کسی مومن کی یہ شان نہیں کہ وہ کسی مومن کو ناحق بغیر کسی حق شرعی کے مار ڈالے مگر یہ کہ غلطی کی حالت میں ایسا ہو جائے اور جو شخص کسی مومن کو غلطی سے مار ڈالے تو اس قاتل کے ذمہ شرعاً ایک مسلمان غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا ہے اور نیز مقتول کے اہل یعنی اس کے وارثوں کو خون بہا پہنچانا اور ادا کرنا ہے اِلّا یہ کہ وہ ورثائے مقتول اُس خون بہا کو خیرات یعنی معاف کر دیں (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو قتل نہیں کر سکتا مگر خطا کی حالت میں ایسا ہو جائے تو معذوری ہے۔ پھر اگر خطاءً کسی سے ایسا ہو جائے۔ جیسا کہ عیاش ابن ربیعہؓ نے ایک مسلمان کو کافر سمجھ کر مار ڈالا تھا۔ تو ایسی حالت میں ایک رقبہ مومنہ آزاد کرنا چاہئے۔ رقبہ مومنہ سے مراد یہ ہے کہ مسلمان غلام یا ایک مسلمان باندی کو آزاد کرنا واجب ہے اور اس کے علاوہ قاتل پر یہ بھی واجب ہے کہ وہ مقتول کا خون بہا مقتول کے وارثوں کو شرعی حصص کے موافق ادا کرے اور اگر مقتول کا کوئی وارث نہ ہو تو خون بہا کی رقم بیت المال میں داخل کی جائے۔ اس موقع پر چند باتیں یاد رکھنی چاہئیں (۱) ناحق اور غیر شرعی کا یہ مطلب ہے کہ قصاص وغیرہ کے سلسلہ میں قتل نہ ہو بلکہ ابتداءً بغیر کسی حق شرعی کے کسی کو قتل کیا جائے (۲) اس قسم کے قتل کی آٹھ صورتیں ہو سکتی ہیں۔ مقتول یا مسلمان ہوگا یا ذمی ہوگا۔ یا حربی ہوگا یا معاہد اور مستامن ہوگا۔ یہ چار قسم کے مقتول ہوئے۔ پھر قتل کی بھی دو صورتیں ہیں یا عمداً کسی قاتل نے قتل کیا ہوگا یا خطاءً قتل کیا ہوگا لہٰذا یہ آٹھ شکلیں ہوتی ہیں (۳) قتل عمد کی بھی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ آلۂ قتل یا کسی دھاردار چیز سے قتل کرے۔ دوسرے یہ کہ کسی ہتھیار اور دھاردار چیز سے قتل نہ کرے اس کو شبہ عمد کہتے ہیں کیونکہ اس میں بھی عمد موجود ہے۔ اگرچہ عمداً کی دونوں قسموں میں باہم فرق ہے (۴) کسی مسلمان کو حربی سمجھ کر قتل کر دینا یا کسی جانور پر گولی چلائی اور وہ کسی مسلمان کو جا لگی۔ یا کسی آدمی کو درخت کا ریچھ سمجھ کر اس پر گولی چلا دی یہ سب شکلیں قتل خطا کو شامل ہیں۔ اور بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہاں وہی پہلی شکل مراد ہے۔ یعنی کسی مسلمان کو حربی کافر سمجھ کر قتل کر دیا۔ شان نزول سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے (۵) عیاش بن ربیعہ مخزومی مکہ سے مدینہ جانے کے لئے نکلے تھے۔ ان کی ماں نے کھانا پینا چھوڑ دیا اور اپنے دو بیٹوں سے جن کا نام حارث اور ابوجہل تھا کہا جب تک تم عیاش کو ڈھونڈھ کر نہ لاؤ گے میں نہ کچھ کھاؤں گی نہ پانی پیوں گی۔ اور نہ چھت کے نیچے بیٹھوں گی چنانچہ یہ لڑکے دیکھنے نکلے اور عیاش کو راستہ میں سے پکڑ لائے اور باوجود عیاش سے وعدہ کرنے کے اس کو باندھ لیا اور مکہ میں لا کر قید کر دیا ہاتھ پاؤں باندھ کر اس کو دھوپ میں ڈال دیا اور طرح طرح سے اس پر ظلم کیا ہر کوئی آتا اور اس سے کہتا کہ تو اسلام کو چھوڑ دے چنانچہ حارث بن زید نے بھی عیاش کو یہی مشورہ دیا عیاش نے قسم کھائی کہ مجھ کو موقع مل گیا اور میں نے تجھ کو اکیلا پایا تو تجھ کو قتل کر دوں گا۔ اتفاق کی بات کچھ عرصہ بعد جب عیاش مدینہ پہونچ گئے تو انھوں نے ایک دن حارث کو قبا کے سامنے آتا ہوا دیکھا انکو یہ خبر نہ تھی کہ حارث مسلمان ہو چکا تھا انھوں نے موقع پا کر حارث کو قتل کر دیا اس قتل کو خطاء فرمایا۔ اور اس کے بعض احکام یہاں مذکور ہیں (۶) بہرحال خطاءً قتل کے دو حکم مذکور ہیں۔ ایک مسلمان غلام یا باندی کو آزاد کرنا دوسرے خون بہا دینا جس کو دیت کہتے ہیں۔ (۷) یہ دیت مقتول کے ورثاء پر تقسیم کی جاتی ہے اور شرعی حصوں کی طرح تقسیم ہوتی ہے ہاں اگر مقتول کے وارث بعض یا کل رقم معاف کر دیں یا بعض وارث اپنا حصہ معاف کر دیں تو معاف ہو جاتی ہے (۸) خون بہا میں اگر اونٹ دیئے جائیں تو سو اونٹ ہیں اور اگر نقد دیا جائے تو ایک ہزار دینار یا دس ہزار درہم دیئے جائیں (۹) سو اونٹ جو دیت میں دیئے جائیں گے امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک ایک عمر کے نہ ہوں گے۔ بلکہ پانچ قسم کی عمر کے ہوں گے۔ بیس جذعہ۔ بیس حقہ۔ بیس بنت لبون۔ بیس بنت مخاض اور بیس ابن مخاض۔ جذعہ وہ اونٹ جو چار سال پورے کر کے پانچویں میں لگا ہو۔ اور حقہ وہ اونٹ جو تین سال پورے کر کے چوتھے میں لگا ہو۔ اور بنت لبون وہ اونٹ جو دو سال پورے کر کے تیسرے سال میں لگا ہو۔ اور بنت مخاض وہ اونٹ جو ایک سال پورا کر کے دوسرے سال میں لگا ہو نر اور مادہ کے فرق کی وجہ سے پانچویں قسم کو ابن مخاض کہا۔ (باقی ضمیمہ میں)

ضَرَبْتُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ
سفر کیا کرو تو ہر بات کی تحقیق کر لیا کرو اور کسی ایسے شخص کو جو تم کو سلام علیک کرے
اَلْقٰۤى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ
یوں نہ کہہ دیا کرو کہ تو مسلمان نہیں ہے تم دنیوی زندگی کا ساز و سامان
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۫ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ؕ كَذٰلِكَ
چاہتے ہو تو اللہ کے پاس بکثرت غنیمتیں موجود ہیں آخر تم بھی تو پہلے
كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ
ایسے ہی تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان فرمایا لہٰذا خوب تفتیش کر لیا کرو بلاشبہ تم جو کچھ
كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿٩٤﴾ لَا يَسْتَوِى الْقٰعِدُوْنَ
کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے ف۱ جو مسلمان بغیر کسی عذرِ شرعی کے جہاد سے
مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِى الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ
بیٹھ رہنے والے ہیں وہ ان مجاہدین کے برابر نہیں ہو سکتے جو اپنی
فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ فَضَّلَ اللّٰهُ
جانوں اور مالوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان
الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ
مجاہدین کو جو اپنی جانوں اور اپنے مالوں سے جہاد میں مشغول رہتے ہیں بیٹھ رہنے والوں پر درجہ کے اعتبار سے بڑی فضیلت اور
دَرَجَةً ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَفَضَّلَ اللّٰهُ
بزرگی دی ہے اگرچہ ہر ایک بیٹھ رہنے والے اور لڑنے والے سے اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ کر رکھا ہے مگر ہاں مجاہدین کو
الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿٩٥﴾ دَرَجٰتٍ
گھر بیٹھ رہنے والوں کے مقابلے میں بہت بڑا اجر عطا فرمایا ہے ۔ وہ اجر عظیم بہت سے درجے ہیں
مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿٩٦﴾ ع
جو خدا کی جانب سے عطا ہوں گے اور بخشش ہے اور مہربانی ہے اور اللہ تعالیٰ بڑا ہی بخشنے والا اور بڑی مہربانی کرنے والا ہے

ع ١٣ ٥ ١٠

ف۱ اے ایمان والو! جب تم اللہ کی راہ میں جہاد کیلئے سفر کیا کرو تو ہر کام کو کرنے سے پہلے تحقیق کر لیا کرو اور جو شخص تم کو سلام علیک کرے اور اپنے انقیاد و اطاعت کا تمہارے سامنے اظہار کرے تم اس کو یوں نہ کہہ دیا کرو کہ تو مسلمان نہیں ہے۔ یہ تو اپنی جان بچانے کو اپنے اسلام کا اظہار کر رہا ہے ورنہ تو دل سے مسلمان نہیں ہے۔ دراں حالیکہ تم دنیوی زندگی کا ساز و سامان چاہتے ہو اور تمہاری خواہش یہ ہوتی ہے کہ دنیا کا ساز و سامان حاصل کریں تو اللہ تعالیٰ کے پاس بکثرت غنیمت کے مال موجود ہیں اور آخر یہ بھی تو سوچو کہ تم خود بھی تو اس زمانے سے پہلے ایسے ہی تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان فرمایا لہٰذا اچھی طرح چھان بین کیا کرو اور اس امر کا یقین رکھو کہ جو اعمال تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ ان سب کی خبر رکھتا ہے اور ان سب سے باخبر ہے (تیسیر) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بواسطہ عکرمہ مروی ہے کہ ایک شخص جو بنی سلیم کی بکریاں چراتا تھا صحابہ کی ایک جماعت پر سے گزرا اس نے ان کو کہا السلام علیکم انھوں نے کہا اس نے ہم کو اس لئے سلام کیا ہے تاکہ ہم سے پناہ حاصل کرے، یہ خیال کر کے اس کو قتل کر دیا اور اس کی بکریاں ہنکا لائے اُس پر یہ آیت نازل ہوئی ایک دوسری روایت کلبی نے نقل کی ہے۔ جس کا ماحصل یہ ہے کہ غالب بن فضالہ کی سرکردگی میں ایک جماعت مسلمانوں کی روانہ کی گئی تھی جب وہ ایک بستی کے قریب پہونچے تو بستی کے لوگ سب بھاگ گئے لیکن اُس تمام بستی میں ایک شخص مسلمان تھا جس کا نام مرداس بن نہیک تھا۔ اس نے یہ خیال کیا کہ میں تو مسلمان ہوں مجھے کون قتل کرے گا۔ وہ بستی سے نہیں بھاگا لیکن اس نے یہ خیال کیا کہ شاید یہ چھوٹا سا لشکر مسلمانوں کا نہ ہو بلکہ کوئی اور لوگ ہوں اس لئے وہ احتیاطاً ایک پہاڑ کے دامن میں چھپ گیا۔ مگر جب اس کو یہ معلوم ہو گیا کہ یہ لشکر مسلمانوں کا ہے اور اُس نے مسلمانوں کا نعرہ تکبیر سنا تو وہ پہاڑ کے دامن سے نکل کر کلمہ پڑھتا ہوا اور سلام علیک کرتا ہوا اس لشکر کی جانب آیا۔ اس پر اُسامہ بن زیدؓ نے جھپٹ کر وار کر دیا اور اس کو قتل کر ڈالا اور اس کی بکریاں لے آئے جب مدینے آئے تو حضورؐ کو بہت غمگین پایا اور آپؐ نے یہ آیت پڑھی اور اُسامہؓ سے کہا تم نے باوجود کلمہ توحید اور سلام وغیرہ کے اس کو قتل کر دیا۔ اُسامہؓ نے عرض کی یا رسول اللہؐ میرے لئے استغفار فرمائیے آپؐ نے فرمایا کس طرح استغفار کروں جو کلمہ لا الٰہ الا اللہ اس نے کہا تھا اس کا کیا کروں۔ یہاں تک کہ آپ بار بار یہی کرتے رہے۔ اور اُسامہؓ کو ایک مملوک آزاد کرنے کا حکم دیا۔ امام احمد و طبرانی نے عبداللہ بن حدردؓ سے اس کے لگ بھگ ایک واقعہ نقل کیا ہے اس میں مقتول کا نام عامر بن الاضبط الاشجعی اور قاتل کا نام محلم بتایا ہے اور اس میں صرف عامر کے سلام علیک کا ذکر ہے ابن مندہ نے اس واقعہ کو فداد کی طرف منسوب کیا ہے کہ اس نے کہا میں مومن ہوں لیکن اس کے کہنے کا کسی نے یقین نہیں کیا اور اس کو قتل کر دیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ چونکہ روایات مختلف ہیں اس لئے سلام کا ترجمہ کسی نے سلام علیک کیا ہے اور کسی نے استسلام و انقیاد کیا ہے۔ ہم نے تیسیر میں دونوں کی رعایت کی ہے۔ چونکہ یہ واقعہ سفر میں پیش آیا تھا اس لئے ضربتم فی سبیل اللہ فرمایا ورنہ خواہ سفر ہو یا حضر دونوں میں یہی حکم ہے مطلب یہ ہے کہ مسلمانو! جب تم جہاد میں جاؤ تو ہر بات کی خوب چھان بین کر لیا کرو خواہ وہ قتل کا معاملہ ہو یا کوئی اور معاملہ ہو غرض اچھی طرح تحقیق کر کے کیا کرو اور ایسا شخص جو تم کو مسلمانوں کی طرح سلام علیک کرے یا تمہارے سامنے اپنی اطاعت کا اظہار کرے جیسے کلمہ پڑھنا یا اپنے کو مومن کہنا تو تم ایسے شخص کو یہ نہ کہا کرو کہ تو مسلمان نہیں ہے۔ اور محض اپنے بچاؤ کیلئے اپنے کو مسلمان ظاہر کر رہا ہے۔ لا تقولوا۔ کے ساتھ یہ قید لگائی کہ تمہاری حالت یہ ہے کہ تم اس کہنے سے دنیوی سامان کی خواہش کرتے ہو کہ اس کو غیر مسلم کہہ کر قتل کر دو اور اس کے مال پر قبضہ کر لو اگر تمہاری یہ خواہش ہے تو اللہ تعالیٰ کی قدرت میں بہترا مالِ غنیمت موجود ہے جو تم کو اس کی پسندیدگی اور اس کی مرضی سے اپنے وقت پر حاصل ہوگا۔ اور جب کوئی چیز حضرت حق تعالیٰ کی خوشنودی سے حاصل ہو سکتی ہے تو اس کی مرضی کے خلاف کیوں حاصل کرو۔ پھر فرمایا تمہاری بھی پہلے حالت ایسی ہی تھی کہ تمہارا صرف اپنے کو مسلمان کہنا کافی سمجھا جاتا تھا اور تمہارے باطن کی تفتیش نہ کی جاتی تھی۔ یا یہ مطلب کہ تم دنیوی اغراض کیلئے پہلے ناحق خون کیا کرتے تھے (باقی ضمیمہ میں)

ف۱ یقیناً جب فرشتے ایسے لوگوں کی جان قبض کرتے ہیں جو باوجود استطاعت کے ہجرت نہ کرکے اپنے حق میں بُرا کر رہے ہیں تو اس وقت وہ فرشتے ان سے دریافت کرتے ہیں کہ تم لوگ کس حالت میں تھے اور کیا کام کیا کرتے تھے وہ جواب دیتے ہیں ہم اس سرزمین میں محض عاجز و بےبس تھے وہ فرشتے کہتے ہیں کیا اللہ تعالیٰ کی زمین وسیع اور کشادہ نہ تھی کہ تم اُس زمین میں ترک وطن کرکے چلے جاؤ اور یہاں سے نکل جاؤ لہٰذا ایسے لوگوں کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ دوزخ بہت بُری بازگشت اور پھر جانے کی بُری جگہ ہے۔ مگر ہاں جو مرد اور عورتیں اور بچے واقعی ایسے بےبس ہوں کہ نہ تو وہ کوئی تدبیر کرسکتے ہوں اور نہ راستے سے واقف ہوں (تیسیر) شاید یاد ہوگا ہم نے اس صورت کی تمہید میں عرض کیا تھا کہ مسلمان مدینہ میں جس قدر ترقی کرتے جاتے تھے اور ملک میں ان کا اقتدار بڑھتا جاتا تھا اسی قدر نئی نئی ضروریات پیش آتی جاتی تھیں اور ان ضروریات کے متعلق احکام نازل ہوتے رہتے تھے مکہ کی زندگی میں مجبوریاں ہی مجبوریاں تھیں ہجرت کے بعد ایک ایسی سرزمین نصیب ہوئی جہاں مسلمان بےخوف وخطر احکام اسلامی پر عمل کرنے کے قابل ہوئے لہٰذا جو لوگ مکہ میں باقی رہ گئے تھے اور بےبسی کی زندگی بسر کر رہے تھے ان کیلئے ضروری ہوا کہ وہ آزاد سرزمین پر چلے جائیں اسی طرح اگر آس پاس کی بستی میں کوئی مسلمان ہوگیا اور وہاں کفار کے غلبہ کی وجہ سے آزادانہ احکامِ اسلامی پر عمل نہ کرسکتا ہو تو اس کو بھی حکم ہوا کہ وہ آزاد سرزمین کی طرف ہجرت کرکے نکل آئے یہاں تک کہ ہم نے ابھی کچھ اوپر عرض کیا تھا کہ ہجرت کلمۂ توحید کے قائم مقام قرار دی گئی ہجرت کرکے دارالاسلام میں چلا آنا توحید و رسالت کا اقرار شمار ہوتا تھا اور جو شخص ہجرت کرکے نہ آئے اُس کی ولایت اور نصرت کی ممانعت کی گئی۔ اور جس طرح جہاد عام مفاد انسان کے لئے فرض کیا گیا اسی طرح ہجرت خاص مفاد کے لحاظ سے فرض کی گئی۔ جہاد سے عام انسانوں کو امن دینا اور امن کی زندگی بسر کرنے کا موقع دینا ہوتا ہے کہ اصل اشاعت اسلامی کا مقصد یہی ہے تو ہجرت میں شخصی امن اور شخصی عافیت اور آزادی کے ساتھ احکام اسلامی پر عمل مقصود ہوتا ہے اور چونکہ ترکِ وطن ایک مشکل اور سخت کام ہے اس لئے لوگ وطن کے لالچ میں بےبسی کی زندگی پر قناعت کرتے تھے ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے وعید نازل کی کیونکہ ہجرت کی قدرت اور استطاعت کے ہوتے ہوئے ہجرت نہ کرنا اس کا مطلب یہ ہے کہ پورے دین پر عمل نہ کرنے اور تمام احکام کے بجا نہ لانے پر رضامند ہو۔ اسلئے تارکین ہجرت پر وعید فرمائی۔ اور یہاں اُس وعید کا ایک مخصوص طریقہ اختیار کیا۔ کہ جو لوگ باوجود قدرت و استطاعت کے تارک ہجرت ہوں اور ترکِ ہجرت کی وجہ سے گناہ گار ہوں جیسا کہ فرض کا تارک گنہگار ہوتا ہے تو اُس کی جان نکالتے وقت اُس سے فرشتے سوال کرتے ہیں کہ فیمَ کنتم یعنی تم کس حال میں تھے یعنی کیا تم مسلمان تھے جیسا کہ تم اپنی زبان سے کہا کرتے تھے یا تم کافر تھے جیسا کہ تمہارا مقام ظاہر کرتا ہے اور بلا عذر کفار کے ساتھ تمہاری موافقت اور ان کے ساتھ تمہارے رہن سہن سے ظاہر ہوتا ہے۔ یا یہ مطلب کہ تم دین کے کیا کیا ضروری کام کیا کرتے تھے اور کون کون سے کام چھوڑے بیٹھے تھے۔ یا یہ مطلب کہ تم قوت وضعف کی کس حالت میں تھے سوال چونکہ توبیخاً ہوگا اس لئے بعض لوگوں نے یہ مطلب بیان کیا کہ تم کچھ بھی نہیں تھے اور تمہارا کوئی دین نہیں تھا۔ وہ جواب میں اپنی بےبسی کا اظہار کرتے ہیں کہ ہم اس سرزمین میں مغلوب تھے یعنی کفار کے دباؤ کی وجہ سے تمام ضروریاتِ دین پر عمل نہ کرسکتے تھے۔ وہ جواب دیں گے کہ کیا خدا کی زمین کشادہ نہیں ہے تم کو کسی اور ایسی جگہ چلا جانا چاہئے تھا جہاں تم تمام ضروریاتِ دین پر عمل کرسکتے اور آزادی کے ساتھ احکامِ اسلامی کو بجا لاتے اور فرائض کو ادا کرتے۔ فرشتوں کی اس بات کو سن کر یہ کوئی جواب نہ دیں گے اور ان پر چونکہ جرم ثابت ہوجائے گا تو اس کی جزا بیان فرمائی۔ آگے ان لوگوں کو مستثنیٰ فرمایا جو واقعی بےبس اور ہجرت کے قابل نہیں ہیں۔ استثنیٰ متصل ہو تو ماواھم کی ضمیر سے استثنا ہوگا اور اگر استثنا منقطع ہے تو مطلب ظاہر ہی ہے ہم نے ترجمہ اور تیسیر میں دونوں کی رعایت رکھی ہے۔ جن مردوں کی جانب اشارہ فرمایا ہے اُن سے وہ مرد مراد ہیں جو بوڑھے ہوں۔ یا اپاہج ہوں۔ یا صاحبِ عیال ہوں۔ پیدل چل نہ سکتے ہوں۔ سواری کی استطاعت نہ ہو۔
(باقی ضمیمہ میں)

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيٓ أَنفُسِهِمْ

بیشک فرشتے جب ان لوگوں کی جان قبض کرتے ہیں جو ہجرت نہ کرکے اپنے حق میں بُرا کر رہے ہیں تو وہ فرشتے ان

قَالُوا فِيمَ كُنتُمْ ۖ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي

سے پوچھتے ہیں کہ تم کس حال میں تھے وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم اس سرزمین میں

الْأَرْضِ ۚ قَالُوٓا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا

بےبس تھے فرشتے جواب میں کہتے ہیں کہ کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم ہجرت کرکے وہاں

فِيهَا ۚ فَأُولٰٓئِكَ مَأْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَسَآءَتْ مَصِيرًا ﴿٩٧﴾

چلے جاؤ سو ایسے لوگوں کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ دوزخ بہت ہی بُری بازگشت ہے۔

إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَ

مگر ہاں جو مرد اور عورتیں اور بچے واقعی ایسے

الْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ

بےبس ہوں کہ نہ تو وہ کوئی تدبیر کرسکتے ہیں اور نہ وہ راستے سے

سَبِيلًا ﴿٩٨﴾ فَأُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ أَن يَعْفُوَ عَنْهُمْ ۚ

واقف ہیں ف۱ تو کچھ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ ایسے معذوروں کو معاف فرمادے

وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُورًا ﴿٩٩﴾ وَمَن يُهَاجِرْ فِي

اور اللہ تعالیٰ بڑا معاف کرنے اور بہت بخشنے والا ہے ف۲ اور جو شخص اللہ کی راہ میں

سَبِيلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيرًا

ترکِ وطن کرے گا تو وہ زمین میں بہت جگہ اور بڑی

وَسَعَةً ۚ وَمَن يَخْرُجْ مِن بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى

فراخی پائے گا اور جو شخص اللہ اور اُس کے رسول کے لئے اپنے گھر سے ہجرت کی نیت سے

اللّٰهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ

نکل کھڑا ہوا پھر اتفاقاً اُس کو موت نے آ لیا تو ایسے شخص کا اجر و ثواب

ف اور جب تم ملک میں سفر کرو تو سفر کی حالت میں تم پر اس بات کا کوئی گناہ نہیں کہ تم نمازمیں قصر کیا کرو یعنی جس نمازمیں چار فرض ہیں بجائے چار کے دو پڑھا کرو اور اگر تم اس بات کا خوف کرتے ہو کہ کافر تم کو اپنی شرارت سے کسی فتنے اور پریشانی میں مبتلا کریں گے۔ بلاشبہ کافر تمہارے صریح اور کھلے ہوئے دشمن ہیں (تیسیر) حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں سفر جو تین منزل کا ہو اس میں چار رکعت فرض میں سے دو ہی پڑھنی چاہئیں اور کافر کے ستانے کا ڈر اس وقت تھا جب یہ حکم آیا اس تقریب سے معافی ملی ہر وقت کو اور پوری نہ پڑھے کہ اللہ صاحب کی بخشش سے بے پروائی ہوتی ہے اور سنت کا تقید سفر میں نہیں رہتا۔ (موضح القرآن) مطلب یہ ہے کہ شرعی سفر وہ معتبر ہے جو کم از کم تین منزل کا ہو۔ تین منزل سے کم کا سفر قصر کیلئے کافی نہیں۔ قصر سے مراد یہ ہے کہ جن نمازوں کی چار رکعتیں فرض ہیں جیسے ظہر عصر اور عشا ان میں بجائے چار فرضوں کے دو فرض پڑھے جائیں۔ اور کافروں کی شرارت کے اندیشہ کا ذکر اُس وقت کے حالات کی بنا پر فرمایا ہے۔ اب اگر یہ اندیشہ نہ بھی ہو تب بھی قصر کرنا ہوگا جیسا کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔ حنفیہ کے نزدیک سفر میں نماز کا قصر کرنا رخصت نہیں بلکہ عزیمت ہے یعنی یہ اختیار نہیں کہ چاہے دو پڑھے یا پوری چار پڑھ لے۔ بلکہ دو ہی پڑھنی چاہئیں۔ سفر میں سنتوں کی تاکید باقی نہیں رہتی لیکن سنتوں میں قصر نہیں ہے۔ اگر سنتیں نہ پڑھے تو مواخذہ نہیں لیکن پڑھے تو پوری پڑھے۔ وتر چونکہ واجب ہیں اس لئے انکی حالت بدستور رہے گی۔ سفر خواہ خشکی کا ہو یا تری کا دونوں کا حکم یکساں ہے۔ مسافر جب کسی شہر یا قصبہ میں قیام پذیر ہو تو اگر پندرہ دن یا پندرہ دن سے زیادہ دن کے رہنے کی نیت کرے تو وہ شرعاً مسافر نہیں رہتا بلکہ وہ مقام جہاں اس نے پندرہ یا پندرہ دن سے زیادہ قیام کی نیت کی ہے وہ وطن اقامت ہو جاتا ہے اور یہ جو فرمایا فلیس علیکم جناح اس کا یہ مطلب نہیں کہ چاہے قصر کرو یا نہ کرو کوئی گناہ نہیں بلکہ یہ ایک شبہ کا جواب ہے کہ شاید قصر کریں اور چار کی بجائے دو رکعتیں پڑھیں تو کوئی گناہ ہو اس گناہ کی نفی فرمائی ہے کہ کوئی گناہ نہیں بلکہ دو پڑھنی چاہئیں۔ حضرت یعلی بن اُمیہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ سے دریافت کیا کہ اے امیر المومنین اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر تم کو کافروں کی فتنہ پردازی کا اندیشہ ہو تو قصر کرنے میں کوئی گناہ نہیں۔ اور اب تو امن حاصل ہو چکا ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا مجھ کو بھی یہ خیال ہوا تھا تو میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا تو آپؐ نے جواب دیا یہ ایک رعایت اور صدقہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے تم پر صدقہ کیا ہے لہٰذا تم اس کا صدقہ اور اسکی رعایت کو قبول کرو (مسلم) اس روایت سے معلوم ہوا کہ اگرچہ خاص حالات میں رعایت کا اعلان کیا گیا تھا مگر یہ رعایت ہر سفر میں دائماً ہے۔ اس موقع پر اور بھی مختلف مباحث ہیں مزید تفصیل مطلوب ہو تو تفسیر مظہری اور کتب فقہ کا مطالعہ کیا جائے۔ ہم ان میں سے بعض چیزوں کا ذکر سورۂ بقرہ میں روزے کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے عرض بھی کر چکے ہیں اب آگے کفار کے خطرے کے وقت نماز کا طریقہ تعلیم فرماتے ہیں۔ اور نماز کے اس طریقہ کو جو آگے مذکور ہوتا ہے صلوٰۃ الخوف کہتے ہیں۔ یہاں عام طور پر سفر کا لحاظ کرتے ہوئے دو رکعتوں کے پڑھنے کا طریقہ تعلیم فرمایا ہے لیکن اگر سفر نہ ہو بلکہ مسلمانوں کو اپنی بستی کے قریب ہی جہاد کرنے کی نوبت آئے تو اسی طریقہ سے چار رکعتیں پڑھنی ہوں گی یعنی بجائے ایک رکعت کے دو رکعتیں ایک گروہ امام کے ساتھ پڑھے گا اور دو رکعتیں دوسرا گروہ امام کے ساتھ ادا کرے گا۔ بہرحال اب صلوٰۃ الخوف کا طریقہ تعلیم فرماتے ہیں چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

ع ١٤ / ١١

أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿١٠٠﴾ وَ

اللہ کے ذمہ ثابت ہو چکا اور اللہ تعالیٰ بڑی بخشش کرنیوالا نہایت مہربانی کرنیوالا ہے ف اور

إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ

جب تم ملک میں سفر کرو تو تم کو اس پر کوئی گناہ نہیں

أَن تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ إِنْ خِفْتُمْ أَن

کہ تم نماز میں قصر کیا کرو اگر تم کو یہ خوف

يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ إِنَّ الْكَافِرِينَ كَانُوا لَكُمْ

کافر تم کو کسی پریشانی میں مبتلا کر دیں گے بلاشبہ کافر تمہارے

عَدُوًّا مُّبِينًا ﴿١٠١﴾ وَإِذَا كُنتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ

کھلے دشمن ہیں۔ ف اور جب آپ ان مسلمانوں کے درمیان موجود ہوں اور آپ اپنے

الصَّلَاةَ فَلْتَقُمْ طَائِفَةٌ مِّنْهُم مَّعَكَ وَلْيَأْخُذُوا

ہمراہیوں کو نماز پڑھانے کھڑے ہوں تو چاہیئے کہ ان میں سے ایک گروہ آپ کے ساتھ نماز پڑھنے کھڑا ہو جائے اور یہ لوگ اپنے اپنے ہتھیار

أَسْلِحَتَهُمْ فَإِذَا سَجَدُوا فَلْيَكُونُوا مِن وَرَائِكُمْ

اپنے ساتھ لے لیں پھر جب یہ لوگ سجدہ کر چکیں تو ان کو چاہیئے کہ وہ تمہارے پیچھے چلے جائیں اور

وَلْتَأْتِ طَائِفَةٌ أُخْرَىٰ لَمْ يُصَلُّوا فَلْيُصَلُّوا مَعَكَ

دوسرا گروہ جس نے ابھی نماز نہیں پڑھی اُن کو چاہیئے کہ وہ آ جائیں اور آپ کے ہمراہ نماز پڑھیں

وَلْيَأْخُذُوا حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ ۗ وَدَّ الَّذِينَ

لیکن یہ دوسرا گروہ بھی اپنے بچاؤ کا سامان اور اپنے ہتھیار اپنے ساتھ لے لے کیونکہ کافر یہ آرزو رکھتے ہیں

كَفَرُوا لَوْ تَغْفُلُونَ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتِعَتِكُمْ

کہ کسی طرح تم اپنے اسلحہ اور اپنے جنگی سامان سے غافل ہو جاؤ

فَيَمِيلُونَ عَلَيْكُم مَّيْلَةً وَاحِدَةً ۚ وَلَا جُنَاحَ

تو وہ تم پر ایک دم ٹوٹ پڑیں اور اگر تم کو بارش کی وجہ سے کوئی دشواری

(تسہیل) ف اور اے پیغمبر جب آپ ان مسلمانوں میں تشریف رکھتے ہوں اور آپ ان میں موجود ہوں اور آپ اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھانے کا ارادہ کریں اور ان کو نماز پڑھانے کے ارادے سے کھڑے ہوں تو ایسی حالت میں یوں کرنا چاہیئے کہ مسلمانوں کے دو حصے کر دئے جائیں ان دو میں سے ایک گروہ تو آپ کے ساتھ نماز پڑھنے کھڑا ہو جائے اور یہ لوگ جو آپ کے ساتھ نماز میں شریک ہونے والے ہیں حسب ضرورت اپنے اپنے ہتھیار اپنے ساتھ رکھیں یعنی ہتھیار بند ہو کر نماز پڑھیں۔ پھر جب یہ لوگ سجدہ کر چکیں یعنی ایک رکعت پوری کر چکیں تو (باقی ضمیمہ میں)

ف۱ یہ سامان بچاؤ اور ہتھیار ساتھ رکھنے کا حکم اس لئے دیا گیا ہے کہ کافر یہ چاہتے ہیں کہ تم کسی طرح اپنے ہتھیاروں اور جنگی سامانوں سے غافل ہو جاؤ اور ہتھیار وغیرہ لینے میں ذرا غفلت کر جاؤ تو وہ تم پر ایک دم ٹوٹ پڑیں اور تم پر یکبارگی حملہ کر دیں۔ اور اگر تم کو بارش کی وجہ سے ہتھیاروں کے لیکر چلنے میں دشواری اور تکلیف محسوس ہو یا تم بیمار ہو اور بیماری کی وجہ سے ہتھیار نہیں لگا سکتے تو تم پر اس میں بھی کچھ گناہ نہیں کہ تم اپنے ہتھیار اتار کر رکھ دو اور صرف اپنی حفاظت کا سامان لے لو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لئے ذلت آمیز اور رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے (تیسیر) حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یہ نماز خوف فرمائی کہ اگر وقت مقابلہ کا ہو تو فوج دو حصہ ہو جائے ہر جماعت آدھی نماز میں امام کے شریک ہو اور آدھی جُدی پڑھے۔ جب تک دوسری جماعت دشمن کے مقابل رہے اور اُس وقت نماز میں آمد و رفت معاف ہے اور ہتھیار اور زرہ یا سپر ساتھ رکھیں اور اگر اس قدر بھی فرصت نہ ہو تو جماعت موقوف کریں تنہا پڑھ لیں پیادہ اور سوار بہ اشارہ اگر یہ بھی فرصت نہ ملے تو قضا کریں۔ (موضح القرآن)

عَلَيْكُمْ إِنْ كَانَ بِكُمْ أَذًى مِّنْ مَّطَرٍ أَوْ كُنْتُمْ

ہو یا تم بیمار ہو تو تم کو اس بات میں بھی کچھ گناہ نہیں کہ تم اپنے

مَّرْضَىٰ أَنْ تَضَعُوا أَسْلِحَتَكُمْ ۖ وَخُذُوا حِذْرَكُمْ ۗ

ہتھیار اتار کر رکھ دو اور صرف اپنی حفاظت کا سامان لے لو

إِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ﴿١٠٢﴾ فَإِذَا

یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لئے ذلت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے ف۱ پھر جب

قَضَيْتُمُ الصَّلَاةَ فَاذْكُرُوا اللَّهَ قِيَامًا وَّقُعُودًا

تم یہ نماز پوری کر چکو تو تم کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے

وَّعَلَىٰ جُنُوبِكُمْ ۚ فَإِذَا اطْمَأْنَنْتُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ ۚ

ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے رہو پھر جب تم کو ہر طرح اطمینان نصیب ہو جائے تو تم قاعدے کے موافق نماز ادا کرو

إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوْقُوتًا ﴿١٠٣﴾

بے شک نماز مقرر اور معین اوقات کے ساتھ مسلمانوں پر فرض کی گئی ہے ف۲

وَلَا تَهِنُوا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ ۖ إِنْ تَكُونُوا تَأْلَمُونَ

اور تم دشمن کا پیچھا کرنے میں ہمت نہ ہارو اگر تم دکھی ہوتے ہو

فَإِنَّهُمْ يَأْلَمُونَ كَمَا تَأْلَمُونَ ۖ وَتَرْجُونَ مِنَ اللَّهِ

تو وہ کافر بھی اسی طرح دکھی ہوتے ہیں جس طرح تم دکھی ہوتے ہو اور تم اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کی ایسی ایسی امیدیں رکھتے ہو

مَا لَا يَرْجُونَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١٠٤﴾ إِنَّا

جو اُن کو نصیب نہیں ہیں اور اللہ تعالیٰ کمال علم اور حکمت کا مالک ہے ف۳ بے شک ہم نے

أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ

آپ پر ایک سچی کتاب نازل کی ہے تاکہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ آپ کو بتا دیا ہے آپ اس کے

بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ ۚ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَائِنِينَ خَصِيمًا ﴿١٠٥﴾

مطابق لوگوں کے مابین فیصلہ کریں اور آپ خیانت کرنے والوں کے طرف دار نہ بنیں۔

صلوٰۃ خوف میں اسلحہ اور سامانِ حفاظت کو ہمراہ لینا بعض کے نزدیک وجوب اور بعض کے نزدیک مستحب ہے۔ اور دشواری کے اوقات میں ہتھیار اتار رکھنے کی اجازت ہے لیکن بچاؤ کا سامان جس کو شاہ صاحبؒ نے زرہ اور ڈھال وغیرہ سے تعبیر کیا ہے اس سامان کا لینا واجب ہے۔ صلوٰۃ خوف کا طریقہ احادیث میں مختلف طرح منقول ہے حاکم نے آٹھ طریقے بیان کئے ہیں اور ابن حبان نے نو طریقے نقل کئے ہیں بہرحال اس باب میں گنجائش ہے کہ جس طرح چاہیں ادا کر لیں بشرطیکہ وہ طریقہ مروی عنہ ہو۔ اور یہ جو فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کیلئے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کافروں کے ساتھ جس برتاؤ کا ذکر کیا گیا ہے یہ تو دنیا میں ہے اور آخرت میں ان کے ساتھ جو کچھ ہونے والا ہے وہ یہ ہے کہ ان کے لئے سخت اہانت آمیز عذاب تیار ہے اب آگے امن و اطمینان اور بے خوفی کی حالت میں نماز کو عام دستور کے موافق پابندیٔ اوقات اور ارکان مشروعہ کی رعایت کے ساتھ ادا کرنے کا حکم فرماتے ہیں چنانچہ ارشاد ہے (تسہیل) ف۲ پھر جب تم یہ نماز خوف پوری کر چکو تو اللہ تعالیٰ کو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے یاد کرتے رہو اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کی مداومت کرو پھر جب تم کو ہر طرح اطمینان نصیب ہو جائے یعنی مسافر ہو تو سفر ختم ہو جائے اور جہاد میں ہو تو دشمن کا خوف جاتا رہے۔ تب تم نماز کو اس کے عام قاعدے کے مطابق پڑھنے لگو یقیناً نماز مسلمانوں پر معین و مقررہ اوقات کیساتھ موقت اور فرض ہے (تیسیر) کتاب کے معنی ہیں مکتوب یعنی مفروض۔ موقوت۔ محدود بالاوقات۔ یعنی نماز مسلمانوں پر فرض کی گئی ہے اور اوقات کے ساتھ محدود ہے مطلب یہ ہے کہ جب تم لوگ صلوٰۃ الخوف ادا کر چکو تو پھر حسب عادت اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہو جاؤ اور ذکر الٰہی پر مداومت کرو۔ خواہ کھڑے ہو۔ بیٹھے ہو۔ خواہ لیٹے ہو ہر حالت میں خدا کو یاد کرتے رہو اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے۔ کہ جب تم نماز کا ارادہ کرو تو جیسا موقع ہو اُس طرح پڑھو۔ کھڑے ہو کر پڑھنے کا موقع ہو تو کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر پڑھنے کا موقع ہو تو بیٹھ کر اور لیٹ کر پڑھنے کا موقع ہو تو لیٹ کر نماز پڑھو۔ اس صورت میں ذکر اللہ سے مراد نماز ہے اس کے بعد امن کی حالت کا حکم بیان فرمایا۔ کہ جب تم مطمئن ہو جاؤ اور سفر سے یا جہاد سے فارغ ہو جاؤ تو پھر نماز کو اس کے عام قاعدے کے مطابق ادا کرو۔ اور بجائے دو رکعتوں کے چار پڑھو اور نماز میں چلنا پھرنا اور آگے آنا پیچھے جانا ترک کر دو آخر میں فرمایا کہ نماز مسلمانوں پر فرض ہے اور وقت کے ساتھ محدود و موقت ہے جس کو مقررہ وقت ہی میں پڑھنا چاہئے۔ اور نماز کو اس کے وقت سے بغیر کسی عذر شرعی کے خارج نہیں کیا جا سکتا۔ عذر شرعی کا یہ مطلب کہ سو جائے یا بھول جائے یا معرکۂ کارزار میں مشغول ہو یا بیہوشی وغیرہ ہو جائے۔ بہرحال سفر میں جو رعایت تھی یعنی چار رکعتوں کی بجائے دو رکعتیں اور جہاد میں جو رعایت تھی یعنی ایک گروہ امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھ کر دشمن کے مقابل چلا جائے اور دوسرا گروہ چلا آئے۔ جس عارض کی وجہ سے یہ رعایت کی گئی تھی جب وہ عارض زائل ہو جائے تو نماز کو اس کی اصل اور مقررہ ہیئت کے ساتھ پڑھنے لگو۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ (باقی ضمیمہ میں)

ف۱ اے پیغمبر ہم نے آپ کی جانب ایک سچی کتاب نازل کی ہے یعنی کتاب حق کے ساتھ نازل ہوئی ہے اس کے تمام امور حق اور سچے ہیں تاکہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے جو بتادیا ہے آپ اُس کے مطابق اس واقع خاص میں لوگوں کے مابین فیصلہ کریں اور جب آپ کو چور کا اصل حال معلوم ہوگیا تو آپ خیانت کرنے والوں کے طرف دار نہ بنیں اور خائنوں کی طرف داری نہ کریں اور اسید بن عروہ کے کہنے سے جو طبعاً چور کی بے گناہی کی طرف آپ کو میلان ہوگیا تھا وہ آپ کی شان کے مناسب نہ تھا۔ اس لئے آپ اس سے اللہ تعالیٰ کی جناب میں استغفار کیجئے بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت اور نہایت مہربانی کرنے والا ہے اور آپ ان لوگوں کی طرف سے جو اپنے حق میں خود خیانت کررہے ہیں اور اپنے آپ کو نقصان پہونچا رہے ہیں بحیثیت ایک فریق کے کوئی جواب دہی نہ کیجئے یعنی چور کی حمایتوں کی جانب سے بلاشبہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو دوست نہیں رکھتا اور پسند نہیں فرماتا جو خیانت کرنے والا اور جرائم پیشہ اور گناہ گار ہو۔ ان لوگوں کی حالت یہ ہے کہ لوگوں سے تو پردہ کرتے ہیں اور اپنی خیانت کو عام لوگوں سے چھپاتے پھرتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ سے نہیں شرماتے اور اس سے حیا نہیں کرتے حالانکہ اللہ تعالیٰ جس طرح ہر وقت ان کے ساتھ ہوتا ہے اُسی طرح اُس وقت بھی اُن کے ساتھ ہوتا ہے اور ان کی کارروائیوں کو دیکھتا ہے جبکہ یہ لوگ رات کو ایسی باتوں کا مشورہ کرتے ہیں جو باتیں اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف اور اُس کو ناپسند ہوتی ہیں۔ اور یقین جانو! کہ اُن کی تمام کارروائیاں اور ان کے تمام اعمال اللہ تعالیٰ کے احاطۂ علم میں ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اُن کے تمام اعمال کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ (تیسیر) حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یہ اوّل و آخر کی آیت میں ذکر ہے۔ ایک تھہ کا حضرت کے وقت ایک انصاری کی زرہ آٹے میں دھری گم ہوگئی صبح کو تلاش کی تو آٹے کا خط دیکھا ایک شخص کے گھر تک اُس کا نام طعمہ بن ابیرق تھا وہاں جھاڑا لیا تو نہ پائی وہ خط آگے دیکھا ایک یہودی کے گھر تک زید نام وہاں پائی۔ اُس یہودی نے کہا کہ مجھ کو طعمہ نے سپرد کی طعمہ نے کہا میں بَری ہوں۔ چور دہی ہے طعمہ کی قوم نے رات کو مشورت کی ہم حضرتؐ کے پاس سب مل کر گواہی دینگے کہ طعمہ بَری ہے تو حضرت ہماری حمایت کریں گے اور یہودی چور ٹھہرے گا۔ صبح کو یہی کیا اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں حضرت کو خبردار کردیا کہ فی الحقیقت چور یہی تھا طعمہ (موضح القرآن) خصیم جھگڑنے والا۔ خوّان بہت خیانت کرنے والا۔ اثیم۔ گناہگار یہاں بشیر یا طعمہ مراد ہے۔ یستخفون۔ پردہ کرنا چھپانا۔ شرمانا۔ محیط۔ گھیرنے والا۔ احاطہ کرنے والا۔ یہاں احاطۂ علمی مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ کتاب جو آپ پر نازل کی ہے یہ مشتمل برحق ہے اس سے آپ کو واقعۂ زیربحث معلوم ہوجائے گا۔ نزول کتاب کا مقصد اور اس موقع پر یہ خاص وحی بھیجنے کا سبب یہ ہے کہ جو بات آپ کو اللہ تعالیٰ نے بتادی ہے آپ اس کے موافق فیصلہ کریں۔ اور وہ یہ ہے کہ بشیر یا طعمہ چور ہے اور جو لوگ اس کی حمایت کررہے ہیں وہ خائن ہیں اور جب آپ کو معلوم ہوگیا تو آپ خائنوں کی طرف داری نہ کریں۔ اور اُسید کے یا لوگوں کے کہنے سُننے سے جو آپ کی طبیعت کا میلان ہوگیا تھا وہ آپ کی شان کے مناسب نہ تھا اس لئے اس سے استغفار کیجئے اور اللہ تعالیٰ کی جناب میں بخشش طلب کیجئے۔ اور جو لوگ جان بوجھ کر چور کی حمایت کررہے ہیں وہ اپنے نفس کے ساتھ خیانت کررہے ہیں اور اپنے آپ کو نقصان پہونچا رہے ہیں تو آپ ایسے خائنوں کی طرف سے ایک فریق بن کر کوئی جواب دہی نہ کیجئے۔ اور کوئی جھگڑا نہ کیجئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی خیانت کرنے والے اور گناہگار کو پسند نہیں کرتا تو ایسے ناپسندیدہ اشخاص کی جانب سے آپ کو جواب دہی کرنا اور ان کی حمایت کرنا کس طرح درست ہوسکتا ہے۔ جن بے حیاؤں کی حالت یہ ہے کہ لوگوں سے تو چوری کے معاملے کو چھپاتے ہیں اور چور کو بے گناہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے پھرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے نہیں شرماتے۔ جو ہر وقت اُن کے ساتھ ہے اور اپنے علم کے اعتبار سے اُن کی ہر حرکت و سکون سے باخبر ہے یہاں تک کہ شب کو جو پنچایت کرتے ہیں اور آپس میں جو مشورہ کرتے ہیں کہ کسی طرح طعمہ یا بشیر پر چوری کا الزام نہ لگنے دو۔ اور پنچایت میں ایسی باتیں کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُس وقت بھی باعتبار علم کے اُن کے پاس ہوتا ہے

(باقی ضمیمہ میں)

وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۱۰۶ۚ

اور آپ اللہ تعالیٰ سے استغفار کیجئے یقیناً اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا نہایت مہربانی کرنے والا ہے۔

وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَھُمْ ۭ

اور آپ اُن لوگوں کی طرف سے فریق بن کر کوئی جواب دہی نہ کیجئے جو خود اپنے حق میں خیانت کررہے ہیں

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ۱۰۷ۚۙ

یقیناً اللہ تعالیٰ کسی ایسے شخص کو پسند نہیں کرتا جو خائن اور جرائم پیشہ ہو۔

يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ

اُن لوگوں کی حالت یہ ہے کہ یہ عام لوگوں سے تو پردہ کرتے ہیں مگر خدا سے نہیں شرماتے

اللّٰهِ وَھُوَ مَعَھُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ

حالانکہ خدا اس وقت بھی اُن کے پاس ہوتا ہے جب یہ لوگ رات کو ایسی باتوں کے مشورے کرتے ہیں جو

الْقَوْلِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ۱۰۸

باتیں خدا کو ناپسند ہیں اور ان کی تمام کارروائیاں اللہ تعالیٰ کے احاطۂ علم میں ہیں ف۱

ھٰٓاَنْتُمْ ھٰٓؤُلَاۗءِ جٰدَلْتُمْ عَنْھُمْ فِي الْحَيٰوةِ

ہاں تم وہ لوگ ہو جو دنیوی زندگی میں تو ان خائنوں کی طرف سے

الدُّنْيَا ۣ فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْھُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

جھگڑ رہے ہو پھر قیامت کے دن ان کا طرف دار بن کر اللہ تعالیٰ سے کون جواب دہی کرے گا

اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ۱۰۹ وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْۗءًا

یا وہ کون شخص ہے جو اس دن ان کا وکیل بنے گا ف۲ اور جو شخص کوئی بدی کرے یا اپنی ہی جان کو

اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا

نقصان پہنچائے پھر اللہ تعالیٰ سے معافی کا طلب گار ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کو بڑا معاف کرنے والا اور بڑی مہربانی

رَّحِيْمًا ۱۱۰ وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰي

کرنے والا پائے گا ف۳ اور جو شخص کسی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے تو وہ اپنی ہی ذات کے لئے وبال

ف۱ اور جو شخص کوئی چھوٹا گناہ کرے یا کسی بڑے گناہ کا مرتکب ہو۔ پھر اُس گناہ کی تہمت کسی بے گناہ اور ناکردہ گناہ پر لگادے تو ایسے شخص نے یقیناً بہت بڑے بہتان اور کھلے گناہ کا بوجھ اپنے سر پر لادلیا اور اپنے سر پر بڑے بہتان اور صریح گناہ کا بوجھ دھر لیا اور اے پیغمبر! اگر آپ پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اُس کی رحمت نہ ہوتی اور اس معاملہ میں آپ پر اُس کی خاص عنایت نہ ہوتی تو چور کے حمایتیوں میں سے تو ایک گروہ نے آپ کو غلطی میں مبتلا کرنے کا ارادہ ہی کرلیا تھا۔ اور یہ ارادہ کرنیوالے بجز اس کے کہ اس ارادے سے اپنے آپ کو وبال میں مبتلا کرلیں آپ کو کسی قسم کی غلطی اور گمراہی میں نہیں ڈال سکتے اور نہ آپ کو کسی قسم کا نقصان پہونچا سکتے ہیں۔ اور آپ کو کوئی کسی غلطی میں کس طرح مبتلا کرسکتا ہے اور آپ کو کوئی ضرر کیسے پہونچا سکتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب نازل فرمائی ہے اور اس نے آپ کو حکمت و دانش کی تعلیم دی ہے۔ اور آپ کو اس نے وہ وہ باتیں سکھائیں اور بتائیں جن کو آپ خود نہیں جان سکتے تھے اور ان کو نزولِ وحی سے پہلے آپ نہیں جانتے تھے اور آپ پر اللہ تعالیٰ کا بڑا ہی فضل ہے (تیسیر) خطیٔہ اور اثم کا ترجمہ کئی طرح کیا گیا ہے۔ ہم نے صغیرہ اور کبیرہ کو اختیار کرلیا ہے بہت کے معنی تحیر کے ہیں جیسا کہ ہم نے تیسرے پارے میں عرض کیا تھا۔ بہتان۔ اس کذب کو کہتے ہیں جو کسی بے گناہ کی طرف منسوب کرکے اس کو حیرت میں ڈالدیا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کسی ناکردہ گناہ کی طرف کوئی گناہ خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو کوئی شخص منسوب کردے تو یہ گناہ کی طرف منسوب کرنا خود بہت بڑا بہتان اور کھلے ہوئے گناہ کا اپنے سر پر لادلینا ہے۔ جب اس معاملہ میں خاص بشیر نے یا طعمہ نے ایک بے گناہ لبید یا زید یہودی کی طرف اپنی کی ہوئی چوری کو منسوب کردیا تو اس چور نے علاوہ چوری کے گناہ کے ایک اور بہتان اور گناہ سر پر لادلیا اور چونکہ بعض لوگ اس واقعہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو متاثر کرنے کی کوشش کررہے تھے اور طعمہ یا بشیر کی حمایت کیلئے آپکو آمادہ کررہے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں بھیجکر آپ کو صحیح معاملہ سے آگاہ فرمادیا اس لئے فرمایا کہ یوں تو اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت آپ پر ہمیشہ ہی سایہ فگن رہتی ہے۔ لیکن اس معاملہ خاص میں اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اُس کی رحمت آپ کی دستگیری نہ کرتی تو چور کے طرفدار آپ کو غلط فہمی میں مبتلا کردیتے کیونکہ ایک گروہ نے ان لوگوں میں سے ایسا ارادہ کرلیا تھا۔ حالانکہ ایسے لوگ آپ کو تو کیا بہکاتے خود ہی اس بُرے ارادے کی وجہ سے اپنی جانوں کو مبتلائے عذاب کرلیتے اور آپ کو ذرا سا بھی نقصان اس معاملۂ خاص میں نہ پہنچا سکتے۔ معاملۂ خاص کی قید ہم نے اس بنا پر لگائی کہ ضررِ مطلق کی نفی مراد نہیں ہے بلکہ ضررِ خاص اور وہ یہ کہ مثلاً کوئی غلط فیصلہ حاصل کرلیں اور بھلا آپ کو نقصان پہونچانا یا آپ کو غلطی میں ڈالدینا کیسے ممکن ہوسکتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کتاب عنایت فرمائی ہے جس میں منجملہ اور باتوں کے اس واقعہ کی صحیح اطلاع بھی ہے پھر یہ حکمت و دانش کا نزول بھی آپ پر فرمادیا ہے جس کا مقتضا عدل و انصاف اور اصابتِ رائے ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ وہ مفید اور بصیرت افروز باتیں تعلیم کی ہیں جن سے آپ پہلے واقف نہ تھے اور نہ ان کو ہمارے علاوہ کوئی اور سکھا سکتا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ اس سے اسرارِ الٰہیہ مراد ہوں اور ہوسکتا ہے کہ دنیا اور آخرت کا بیان مراد ہو۔ اور ہوسکتا ہے کہ حلال و حرام مراد ہو۔ جیسا کہ قتادہ نے کہا ہے اور ہوسکتا ہے کہ احکامِ شرائع اور احکامِ دین مراد ہوں۔ آخر میں فرمایا کہ اے پیغمبر اللہ تعالیٰ کا آپ پر بڑا فضل ہے۔ اور جب کسی پر اللہ تعالیٰ کا فضلِ عظیم ہو تو اس کو کب کوئی نقصان پہونچا سکتا ہے۔ فضلِ عظیم سے مراد بعض حضرات نے نبوت لی ہے۔ کیونکہ نبوت سے بڑھ کر کوئی فضل نہیں ہے واللہ اعلم۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ کوئی شخص تم میں سے اپنے فیصلہ کو یوں نہ کہا کرے کہ جو اللہ نے مجھ کو بتایا میں نے اس کے موافق فیصلہ کیا ہے کیونکہ یہ چیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی فرما سکتے تھے۔ ہاں ہم کو انصاف کیساتھ فیصلہ کرنے کی پوری کوشش کرنی چاہیے۔ لیکن کوئی شخص اپنے فیصلے کو یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ فیصلہ خدا نے مجھ کو بتایا ہے چونکہ اوپر کی آیتوں میں بنو ابیرق اور ان کے طرفداروں کے باہمی

نَفْسِهٖ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۱۱﴾ وَمَنْ يَّكْسِبْ

کماتا ہے اور اللہ تعالیٰ کمالِ علم اور کمالِ حکمت کا مالک ہے۔ اور جو شخص کوئی صغیرہ یا

خَطِيْۗـــــَٔةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْۗــــــًٔـا فَقَدِ احْتَمَلَ

کبیرہ گناہ کرے پھر اس گناہ کی تہمت کسی ناکردہ گناہ کے ذمے لگا دے تو یقیناً ایسے شخص نے بہت بڑے

بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۲﴾ ع وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ

بہتان اور کھلے گناہ کا بوجھ اپنے سر پر دھر لیا۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اُس کی رحمت

وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّاۗىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ۭ

آپ پر نہ ہوتی تو ان لوگوں میں سے ایک گروہ نے آپ کو غلطی میں مبتلا کرنے کا ارادہ ہی کرلیا تھا

وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَھُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ

اور یہ لوگ گمراہ نہیں کرسکتے مگر اپنے ہی آپ کو اور یہ لوگ آپ کو ذرا سا بھی نقصان

شَيْءٍ ۭ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَ

نہیں پہنچا سکتے اور اللہ نے آپ پر کتاب اور دانائی کی باتیں نازل فرمائی ہیں اور

عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۭ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ

آپ کو وہ وہ باتیں سکھائیں جو آپ خود نہیں جان سکتے تھے اور اللہ تعالیٰ کا آپ پر بڑا ہی

عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾ لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىھُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ

فضل ہے ف۱ عام لوگوں کے باہمی مشوروں میں بسا اوقات بھلائی نہیں ہوتی مگر ہاں اُن لوگوں کے

بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۢ بَيْنَ النَّاسِ ۭ

باہمی مشورے جو خیرات کرنے یا کسی اور نیک کام کرنے یا لوگوں کے مابین صلح و صفائی کرادینے کی ترغیب دیں

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَاۗءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ

اور جو شخص خدا کی خوشنودی اور رضا جوئی کے لیے یہ کام کرے گا تو ہم اُس کو عنقریب

نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۱۴﴾ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ

بہت بڑا اجر عطا فرمائیں گے ف۲ اور جو شخص بعد اس کے کہ اس پر امرِ حق واضح ہو چکا تھا

ع ۱۶ — ۸ — ۱۴

(باقی ضمیمہ میں)

ف اور جو شخص باوجود اس کے کہ اُس پر امرِ حق واضح ہو چکا تھا اور اُس کے لئے سیدھی راہ ظاہر ہو چکی تھی پھر بھی اس ظہورِ حق کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرے گا اور سب مسلمانوں کی راہ کے خلاف چلے گا اور مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر دوسرے راستے پر ہو لیتا ہے یعنی مسلمانوں کے اعتقاد اور عمل کو چھوڑ کر دوسرے اعتقاد اور عمل اختیار کرتا ہے تو ہم اُس کو اسکی اختیار کردہ راہ کے سپرد کر دیں گے اور جو کچھ وہ کرتا ہے اُس کو کرنے دیں گے اور آخرت میں اُس کو جہنم میں داخل کریں گے ۔ اور وہ دوزخ بہت بُری بازگشت ہے (تیسیر) حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں رسول نے فرمایا کہ اللہ کا ہاتھ ہے مسلمانوں کی جماعت پر جس نے جُدی راہ پکڑی وہ جا پڑا دوزخ میں پس جس بات پر اُمت کا اجماع ہوا وہی اللہ کی مرضی ہے اور منکر ہوا سو دوزخی ہے (موضح القرآن)۔ مطلب یہ ہے کہ جس شخص پر یہ بات ظاہر ہو چکی کہ دینِ اسلام یا اسلام کا بتایا ہوا طریقہ صحیح ہے ۔ اور یہ بات یا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے سے ظاہر ہوئی ہو جیسے بشیر یا طعمہ کے قصے ہیں ۔ یا یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور آپ کے لائے ہوئے احکام آپ کے معجزات وغیرہ سے اُس پر ظاہر ہو چکے ہوں اور پھر امرِ حق اور دینِ حق کے ظاہر ہو جانے کے بعد وہ رسول کی مخالفت کرنے لگے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مخالف ہو جائے جیسا کہ بشیر یا طعمہ کے متعلق مشہور ہے کہ وہ حضورؐ کے فیصلے کے بعد مرتد ہو گیا اور کفارِ مکہ سے جا ملا ۔ اور مسلمانوں کی راہ اُس نے چھوڑ دی اور مسلمانوں کا جو اعتقاد اور عمل تھا اُس کے خلاف کفار کا عقیدہ اور کفار کا عمل اختیار کر لیا ۔ تو ایسے شخص کی دو سزائیں قرآن نے بیان فرمائیں ایک تو یہ کہ دنیا میں جو طریقہ اُس نے اختیار کیا ہے اُسی پر اسکو چھوڑ دیتا ہوں اور یہ معنیٰ بھی ہو سکتے ہیں کہ جو کرتا ہے وہ کرنے دیتا ہوں یا یہ معنیٰ ہیں کہ جس طرف جاتا ہے اُس کو اُسی طرف کے حوالے اور سپرد کر دیتا ہوں ۔ لوگوں نے مختلف ترجمے کئے ہیں اور اُن سب کا خلاصہ یہ ہے کہ میں اس کی سرپرستی سے ہاتھ اُٹھا لیتا ہوں اور یہ بالکل ایسا محاورہ ہے جیسے کوئی نالائق بیٹے کو کہتا ہے کہ مجھے اس سے کوئی مطلب نہیں اُس کا جو جی چاہے کرتا پھرے ۔ میرا اُسکا کوئی واسطہ نہیں ۔ گویا حضرت حق تعالیٰ نے اپنی ناراضگی اور بے زاری کو ان الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے ۔ کہ نولہ ما تولی ۔ اور یہ ایک انسان کی بدنصیبی اور بدبختی ہے کہ حضرت حق کی مہربانی اُس بدنصیب سے دست کش ہو جائے اور یہ بھی اُنہی روحانی بیماریوں میں سے ایک بیماری ہے جن کی جانب ہم شروع سے توجہ دلاتے چلے آئے ہیں کہ نافرمانیوں اور گناہوں کے مختلف ثمرات ہیں ۔ بعض دفعہ بتدریج ہوتا ہے اور بعض حرکت پر فوراً ہی راندۂ درگاہ کر دیا جاتا ہے ۔ ایسے انسان کی جو حق کو حق دیکھ لینے کے بعد رسول کی مخالفت کرے اور مسلمانوں کی راہ چھوڑ کر دوسری راہ چلے اسکو دنیا میں تو یہ سزا ملتی ہے کہ اُس سے اپنی شفقت و رحمت کا ہاتھ اٹھا لیتے ہیں اور اُس کو اسکی حالت پر چھوڑ دیتے ہیں اور قیامت میں اُس کو جہنم میں داخل کر دیں گے ۔ اور واپس ہونے کے اعتبار سے جہنم بہت بُرا مقام اور بہت بُری جگہ ہے وَیَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ سے بعض حضرات نے اجماعِ مسلمین کے حجت ہونے پر استدلال کیا ہے جیسا کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے اشارہ فرمایا ہے ۔ کہتے ہیں کہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کسی شخص کے سوال کرنے پر تین رات دن تک قرآن میں غور کیا اور ہر دن میں تین مرتبہ اور ہر رات میں تین مرتبہ پورے قرآن کو پڑھا ۔ اور تیسرے دن سوال کرنے والے کو اس آیت سے جواب دیا ۔ اور سائل کو مطمئن کر دیا ۔ صاحبِ روح المعانی نے اس واقعہ کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے ۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے سبیل المؤمنین سے وہ طریقہ مراد ہے جس پر مسلمان ہمیشہ سے چلتے آئے ہیں وہی اعتقاد اور وہی عمل قابلِ اعتبار ہے ۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں دو باتوں کیلئے وعید فرمائی ہے ایک رسول کی مخالفت اور دوسرے اجماع کی مخالفت ۔ رسول کی مخالفت ایک مستقل سبب ہے عذاب کا اور اجماع کی مخالفت ایک مستقل سبب ہے عذاب کا ۔ ان دونوں باتوں میں سے یعنی رسول کی پیروی اور مسلمانوں کے اجماع کی اتباع جس نے کسی کی بھی کوئی مخالفت کریگا وہ مستوجبِ سزا ہوگا ۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ویتبع غیر سبیل المؤمنین دلیل ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت پر ۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر طریقہ کا

(باقی ضمیمہ میں)

بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ

پھر پیغمبر کی مخالفت کریگا اور مسلمانوں کی راہ یعنی اعتقاد و عمل کو چھوڑ کر دوسری راہ اختیار کرے گا

الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَ

تو ہم اُس کو اس کی اختیار کردہ راہ کے سپرد کر دیں گے اور اُس کو جہنم میں داخل کریں گے اور وہ دوزخ

سَآءَتْ مَصِيْرًا ۝١١٥ ع اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ

بہت بُری بازگشت ہے ف بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس بات کو نہیں بخشے گا کہ اُس کے ساتھ

يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۭ

کسی کو شریک کیا جائے اور شرک سے کم درجے کے گناہوں کو جس کے لئے وہ چاہے بخشدے گا

وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ۝١١٦

اور جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا وہ دور کی گمراہی میں جا پڑا ف

اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ

یہ مشرک خدا کو چھوڑ کر صرف عورتوں کی عبادت کرتے ہیں اور یہ مشرک نہیں عبادت کرتے

اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ۝١١٧ لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ

مگر شیطان کی جو سرکش ہے ۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کر رکھی ہے اور جس نے خدا سے یوں کہا تھا کہ میں

مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۝١١٨ وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ

تیرے بندوں میں سے ضرور اپنا مقررہ حصہ لے کر رہوں گا اور میں ان کو ضرور گمراہ کروں گا

وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ

اور یقیناً میں ان کو بے بنیاد امیدوں میں الجھاؤں گا اور میں ان کو یہ تعلیم دوں گا کہ وہ چوپاؤں کے کان

الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ۭ وَ

چیریں اور کاٹیں اور میں ان کو یہ بھی سکھاؤں گا کہ وہ خدا کی بنائی ہوئی صورتوں میں تغیر و تبدیل کریں اور

مَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ

جس نے اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا رفیق بنایا وہ بلاشبہ

ع ١٧ ٣ ١٤

وقف لازم

ف اور میں یقیناً تیرے بندوں کو صحیح راہ سے گمراہ کردوں گا اور میں اُن کو بے بنیاد امیدوں میں الجھاؤں گا تاکہ وہ معاصی میں بتلا ہوں اور میں ان کو یہ بھی تعلیم دوں گا کہ وہ چوپایوں کے کان کو چیریں اور کاٹیں اور میں اُن کو یہ بھی سکھاؤں گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی خلق میں صورتاً اور صفتاً تغیر و تبدل کریں۔ اور اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی صورتوں کو بگاڑیں۔ اور جس شخص نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا رفیق بنایا اور دوست تجویز کیا یقین جانو! وہ صریح نقصان اور کھلے ٹوٹے میں جا پڑا اور وہ کھلا دیوالیہ ہوگیا۔ شیطان ان لوگوں سے غلط وعدے کیا کرتا ہے اور اُن کو بے بنیاد آرزوؤں اور اُمیدوں میں مبتلا کیا کرتا ہے۔ اور شیطان اُن سے جو وعدے کرتا ہے اور جو توقعات بھی ان کو دلاتا ہے وہ صرف دھوکہ اور فریب ہے (تیسیر) ضلال اور امانی سے ہر قسم کی گمراہی اور امیدیں دلانا مراد لیا جا سکتا ہے۔ لیکن بعض لوگوں نے اضلال سے مراد اعتقاد کی گمراہی اور تمنیت سے گناہوں پر امیدیں دلانا مراد لیا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے امانی کی تفسیر میں توبہ کی تاخیر اور توبہ کرنا نہ کیا ہے کلبی کا قول ہے کہ امانی کا مطلب یہ ہے کہ نہ دوزخ ہے نہ جنت اور نہ مرنے کے بعد جی اٹھنا۔ بعض نے کہا امانی کا مطلب یہ ہے کہ گناہوں کے ساتھ جنت کی توقع دلاؤں گا۔ تبتیک کے معنی ہیں کاٹنا اور پھاڑنا اور چونکہ کفار کا عام طریقہ بھی یہی تھا کہ جانوروں کو اپنے بتوں کے نام پر جب چھوڑتے تھے تو ان کے کان تھوڑے تھوڑے کاٹ دیتے تھے یا بیچ میں سے کان چیر دیا کرتے تھے اور ان کو بحیرہ اور سائبہ وغیرہ کہتے تھے جس کی تفصیل انشاء اللہ ساتویں پارے میں آجائے گی۔ ہم نے ترجمہ میں دونوں لفظ لکھ دئے ہیں تغییر فی خلق اللہ بھی عام ہے جس میں ہر قسم کی غیر شرعی تغییر داخل ہے خواہ وہ صورت کی تغییر ہو۔ مثلاً کسی جانور کی آنکھ پھوڑ دینا۔ یا کسی انسان کا داڑھی منڈانا یا مرد کا عورت کی صورت اور عورت کا مرد کی صورت بنانا۔ بدن کو گدوانا۔ یا کسی جانور اور آدمی کا مثلہ کرنا یا صفت کی تغییر مثلاً چاند سورج کو معبود بنانا یا پتھروں کی عبادت کرنا۔ یا فطرتِ سلیمہ کو بدلنا۔ یا عورت کا عورت سے بدفعلی کرنا۔ یا مرد کا مرد کو عورت کی جگہ استعمال کرنا وغیرہ۔ یہ سب صورتیں تغییر کو شامل ہیں۔ اسی طرح کسی مرد کو خصی کرنا بلکہ بعض نے تو یہاں تک عموم لیا ہے کہ داڑھی کے خضاب کو بھی شامل کرلیا ہے اور اسی لئے ہم نے غیر شرعی تغییر کا لفظ استعمال کیا ہے تاکہ ختنہ کرانا اور ناخن کتروانا اور بڑھی ہوئی داڑھی کو شرعی حد تک کتروانا اور شرعی طور پر خضاب وغیرہ کی چیزیں اس تغییر میں داخل نہ ہوں۔ اور اس تغییر سے وہی تغییر مراد لی جائے جو شریعت میں ناجائز ہے۔ ہم نے امانی میں جو بے بنیاد کی قید لگائی ہے اُس کا منشا بھی یہی ہے کہ شیطان کی وہ تمام توقعات جو وہ دلاتا ہے وہ محض بے بنیاد اور محض سراب ہوتی ہیں غرور کے معنی ہیں دھوکہ۔ فریب۔ دغا۔ مطلب یہ ہے کہ اس کے تمام وعدے بظاہر نفع کے ہوتے ہیں لیکن وہ ضررِ محض ہوتے ہیں۔ اس لئے اس کے وعدہ دلانے کو فریب فرمایا۔ اضلال اور امانی کی جو تفسیر پہلے کی ہے اس میں ہر قسم کے گناہ آجاتے ہیں۔ خواہ وہ عقائد کے ہوں یا اعمال کے خواہ وہ کفریہ عقائد و اعمال ہوں خواہ وہ فاسقانہ اعمال ہوں۔ غرض یعدھم ویمنیھم۔ اور ولاضلنھم میں شیطان کے وہ تمام مکائد اور وساوس اور اس کی تمام سیئہ کاریاں داخل ہیں جو بنی آدم کی تباہی اور نقصان کا موجب ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ مبینا پر فرماتے ہیں۔ جانوروں کے کان چیریں یہ کافروں کا دستور تھا کہ جب کوئی گائے کا یا بکری کا ایک بچہ بت کے نام کا کردیا اُس کے کان میں نشان ڈال دیتے اور صورت بدلنا یہ کہ لڑکے کے سر میں چوٹی رکھتے بت کے نام کی۔ مسلمانوں کو ان کاموں سے بچنا ضرور ہے اپنے بزرگوں سے یہ معاملت نہ کرنے کا فرض جن سے کرتے تھے بزرگ ہی جان کر کرتے تھے۔ (موضح القرآن) اب آگے شیطان کے وعدوں پر یقین کرنے والوں اور اُس کی امید دلانے پر بھروسہ رکھنے والوں کا انجام بیان فرماتے ہیں اور شیطان کے متبعین کے بعد اُن لوگوں کا ذکر فرماتے ہیں جو اہلِ ایمان ہیں اور یہ قرآن کا عام قاعدہ ہے کہ مشرک اور بداطوار لوگوں کے ذکر کے ساتھ نیک بندوں کا ذکر بھی کرتا ہے تاکہ تصویر کے دونوں رُخ سامنے رہیں اور احکام کا ہر پہلو پیشِ نظر رہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے ف۲ یہ لوگ جو شیطان کے فرماں بردار ہیں یہی وہ ہیں جن کا آخری ٹھکانا جہنم ہے (باقی تتمیہ میں)

خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِينًا ﴿١١٩﴾ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيهِمْ ۖ وَ

جو صریح نقصان میں جا پڑا۔ شیطان ان لوگوں سے وعدہ کرتا ہے اور ان کو بے بنیاد آرزوؤں میں مبتلا کیا کرتا ہے

مَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ إِلَّا غُرُورًا ﴿١٢٠﴾ أُولَٰئِكَ

اور شیطان ان سے جو بھی وعدہ کرتا ہے وہ صرف فریب ہی فریب ہے ف ان شیطان کے

مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَلَا يَجِدُونَ عَنْهَا مَحِيصًا ﴿١٢١﴾

فرماں برداروں کا ٹھکانا دوزخ ہے اور اس دوزخ سے یہ لوگ کہیں بھاگنے کی جگہ نہ پائیں گے

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنُدْخِلُهُمْ

اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے ہم اُن کو عنقریب ایسے باغوں میں داخل کریں گے

جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا

جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی یہ لوگ ان باغوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے

أَبَدًا ۖ وَعْدَ اللَّهِ حَقًّا ۚ وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ

اللہ تعالیٰ نے اس کا وعدہ فرمایا ہے اور سچا وعدہ فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کون بات کا سچا

قِيلًا ﴿١٢٢﴾ لَّيْسَ بِأَمَانِيِّكُمْ وَلَا أَمَانِيِّ أَهْلِ الْكِتَابِ ۗ

ہو سکتا ہے ف مسلمانو! نہ تو تمہاری آرزوؤں پر موقوف ہے اور نہ اہل کتاب کی اُمیدوں پر

مَن يَعْمَلْ سُوءًا يُجْزَ بِهِ وَلَا يَجِدْ لَهُ مِن

بلکہ بات یہ ہے کہ جو شخص بھی کوئی بُرائی کرے گا وہ اُس کی سزا دیا جائے گا اور وہ اللہ تعالیٰ کے

دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿١٢٣﴾ وَمَن يَعْمَلْ مِنَ

سوا نہ کوئی اپنا حمایتی پائے گا اور نہ مددگار ف اور جو شخص

الصَّالِحَاتِ مِن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ

کوئی بھلا کام کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ ہو وہ مومن

فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ نَقِيرًا ﴿١٢٤﴾ ع

تو ایسے نیک مومن جنت میں داخل ہوں گے اور ان کے حق میں تل برابر کمی نہیں کی جائے گی۔

وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ

اور اس شخص سے بہتر اور اچھا کس کا طریقہ ہو سکتا ہے جس نے اللہ کے آگے سر تسلیم خم کر دیا ہو اور وہ

مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ

نیک روش کا پابند بھی ہو اور سب ملتوں سے یکسو ہو کر صرف ملت ابراہیمی کی پیروی کرتا ہو اور اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ

اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿۱۲۵﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى

کو اپنا خالص دوست بنایا تھا ف۱ اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے وہ سب

الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَىْءٍ مُّحِيْطًا ﴿۱۲۶﴾ ع وَ

اللہ ہی کا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے ف۲ اور

يَسْتَفْتُوْنَكَ فِى النِّسَآءِ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ

یہ لوگ آپ سے عورتوں کے بارے میں حکم دریافت کرتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تم کو ان عورتوں کے بارے میں حکم دیتا ہے

وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِى الْكِتٰبِ فِىْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِىْ

اور وہ آیتیں بھی اس حکم کو بیان کرتی ہیں جو قرآن میں تم پر تلاوت کی جاتی ہیں وہ آیتیں ان یتیم عورتوں کے بارے میں ہیں

لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ

جن کو تم ان کا مقررہ حق نہیں دیتے اور یہ چاہتے ہو کہ ان سے

تَنْكِحُوْهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَ

نکاح کر لو اور کم زور بچوں کے بارے میں اور

اَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ

نیز یہ کہ تم یتیموں کے معاملہ میں انصاف پر قائم رہو اور تم جو بھی بھلا کام کرو گے

فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ﴿۱۲۷﴾ وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ

خدا تعالیٰ اس سے خوب واقف ہے ف۳ اور اگر کسی عورت کو اپنے خاوند کیطرف سے

مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ

زیادتی یا بے رغبتی کا خوف ہو تو دونوں میاں بیوی کو اس میں کوئی گناہ نہیں کہ

١٨ ع ١١ ١٥

ف۱ اور جو کوئی شخص کوئی نیک کام کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو تو ایسے نکوکار مومن جنت میں داخل ہوں گے اور اُن پر ذرا بھی ظلم نہیں کیا جائے گا اور اُن کے حق میں تل برابر بھی کمی نہیں کی جائے گی اور اس شخص سے بہتر اور اچھا کس کا دین اور کس کا طریقہ ہو سکتا ہے جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی جناب میں سر تسلیم خم کر دیا ہو اور اپنے آپ کو اُس کے سپرد کر دیا ہو اور وہ نکوکار اور مخلص ہو اور نیک روش کا پابند ہو اور وہ سب ملتوں سے یکسو ہو کر صرف ملت ابراہیمؑ کا پیرو اور متبع ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کو اپنا خالص دوست بنایا تھا۔ نقیر سے مراد بہت حقیر شئے کھجور کی گٹھلی پر جو چھلکا ہوتا ہے اس کو نقیر کہتے ہیں۔ ظلم کی نفی فرمائی کیونکہ جہاں عدل ہی عدل ہو وہاں ظلم کہاں۔ من الصالحات میں اہل علم نے من تبعیضیہ مراد لیا ہے کیونکہ تمام اعمال صالحہ پر کون عمل کر سکتا ہے۔ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ کے معنی ہم پہلے پارے میں بیان کر چکے ہیں۔ انقیاد۔ استسلام۔ لفظی ترجمہ تو وہی ہے جس نے اپنا منہ دھرا اللہ کے سامنے انسان کا چہرہ چونکہ اشرف اعضا ہے اسلئے کامل اطاعت اور مجسم حوالگی کو ان الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ محسن کی تفسیر بھی گزر چکی ہے۔ لوگوں نے بہت سے معنی کئے ہیں۔ ہم نے مخلص اختیار کر لیا ہے۔ حدیث میں اس کے معنی اس طرح بیان کئے گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کر گویا تو اس کو دیکھ رہا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح ایک ادنیٰ غلام اپنے آقا کے روبرو اور اُس کے سامنے اس کی خدمت بجا لاتا ہے۔ اسی طرح مخلصانہ طور پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنی چاہئے حنیف کے معنی سب سے کٹ کر اور سب سے اپنا رخ پھیر کر ایک طرف ہو جانا۔ بعض لوگوں نے یہاں ملت کی قید بتائی ہے اور بعض نے ابراہیمؑ کی اور بعض نے واتبع کی ضمیر سے اس کو حال بنایا ہے۔ ہم نے تیسری صورت کو اختیار کر لیا ہے کیونکہ ہمارے نزدیک یہی راجح ہے۔ خلیل ایسے دوست کو کہتے ہیں۔ جو خالص ہو۔ بعض نے کہا یہ لفظ خلال سے مشتق ہے اور بعض کے نزدیک خلل سے مشتق ہے۔ کسی نے کہا خلۃ سے مشتق ہے۔ بہر حال حضرت حق کی جناب میں یہ درجہ بہت ہی ممتاز درجہ ہے مگر محبت سے کم ہے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام خلت خالصہ کے مرتبہ پر فائز تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوبیت خالصہ سے فائز المرام فرمایا تھا اور محبوبیت کی راہ میں خلت سے گزرنا ہوتا ہے اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے جس طرح ابراہیمؑ کو خلیل بنایا تھا اسی طرح مجھ کو بھی خلیل بنایا ہے۔ یعنی محبوب بنانے سے قبل مجھ کو خلیل بنایا۔ خلت کی شرط یہ ہے کہ بندہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا مطیع و فرماں بردار ہو خواہ اُس کی جان کا معاملہ ہو خواہ اُس کی اولاد کا اور مال کا ہو اور محبت کی شرط یہ ہے کہ محب محبت میں فنا ہو جائے۔ اور سوائے محبوب کے کوئی چیز باقی نہ رہے ہر طرف وہی ہو بلکہ خود اپنی ذات بھی پیش نظر نہ رہے۔ واللہ اعلم۔ بہرحال یہ مقام اور خلت و محبت کا فرق ایسا عمیق اور باریک ہے کہ جس کا سمجھنا مشکل ہے۔ ان مراتب سے مراد انتہائی قرب اور انتہائی مقبولیت ہوا کرتی ہے۔ آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ اہل کتاب جو فخر کر رہے ہیں اور محض اُمیدوں پر عمارت تعمیر کر رہے ہیں یہ بے کار اور فضول ہے بلکہ جو شخص آخری شریعت پر ایمان لائے اور نیک اعمال کا پابند ہو۔ وہی جنت میں داخل ہوگا اور اس پر کوئی ظلم نہیں ہوگا۔ اور چونکہ یہ بات صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب اور آپ کے صحیح متبعین پر صادق آتی ہے اس لئے ان کا ذکر ایک نئے عنوان سے فرمایا۔ کہ اُس سے بہتر کس کا دین ہو سکتا ہے جو مسلمان ہو مخلص ہو اور ملت ابراہیمی کا پیرو ہو۔ اور تمام ادیان باطلہ کو چھوڑ کر اُس نے ملت ابراہیمی کی پیروی اختیار کی ہو اور ابراہیم علیہ السلام چونکہ ہمارے خالص دوست تھے اس لئے جو ان کے طریقے پر چلے گا وہ ہمارا دوست ہوگا اور وہ جنت میں داخل ہوگا چونکہ یہ باتیں مسلمانوں میں ہیں اس لئے وہی آخرت میں فائز و کامیاب ہوں گے آگے اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرماں برداری پر دلیل بیان فرمائی تاکہ معلوم ہو کر اس کی اطاعت کے سوا انسان کو کوئی چارہ نہیں۔ کیونکہ دو باتیں کسی شخص کی اطاعت کا سبب ہو سکتی ہیں ایک سلطنت اور دوسرے علم۔ یہ دونوں چیزیں حضرت حق ہی کو حاصل ہیں جس کی سلطنت بھی کامل۔ اور جس کا علم بھی کامل ہے۔

(باقی ضمیمہ میں)

ف۱ اور اگر کسی عورت کو اپنے خاوند کی طرف سے لڑنے جھگڑنے اور زیادتی کرنے کا یا بے رغبتی اور بے پروائی کا خوف ہو تو ایسی حالت میں دونوں میاں بیوی کو اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ دونوں آپس میں کسی خاص طور پر صلح کرلیں اور باہم کسی بات پر خود ہی صلح کرلیں اور یہ آپس میں صلح کرلینا بہر حال بہتر ہے۔ اور ہر انسان کے سامنے طبعاً حرص رکھی ہوئی ہے اور ہر جی میں حرص و بخل کی خواہش ودیعت کی گئی ہے۔ اور اگر تم عورتوں کے ساتھ نیکی کرو اور اُن کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو اور احتیاط سے کام لو تو تم اجر کے مستحق ہوگے کیونکہ بلاشبہ تم جو کام کرتے ہو اللہ تعالیٰ اُن سب کاموں سے باخبر ہے۔ (تیسیر) نشوز کے معنی ہم عرض کرچکے ہیں۔ اعراض منہ پھیرنا۔ بے رغبتی اور بے پروائی کا اظہار کرنا۔ شُحّ کے معنی بخل اور حرص ہم نے اس کا ترجمہ کہیں بخل آمیز حرص اور کہیں حرص آمیز بخل کیا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی مرد کا دل پھرا دیکھے اور عورت اُس کی خوشی کرنے کو اپنا حق کچھ چھوڑ دے تو روا ہے اور جیوں کے سامنے دھری ہے حرص یعنی مال بچنا ہر کسی کو خوش لگتا ہے۔ البتہ مرد راضی ہو جاوے گا (موضح القرآن)

عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ؕ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ؕ وَ

وہ آپس میں کسی خاص طور پر صلح کرلیں اور یہ صلح بہر حال بہتر ہے اور

اُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ؕ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا

طبعاً ہر انسان کے سامنے حرص رکھی ہوئی ہے اور اگر تم اچھا برتاؤ کرو اور احتیاط سے کام

فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۲۸﴾ وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا

لو تو یقین رکھو کہ جو اعمال تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اُن سے باخبر ہے ف اور تم سے یہ تو کبھی نہ ہو سکے گا کہ

اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا

تم اپنی سب بیویوں میں برابری رکھو یعنی محبت میں خواہ تم کتنے ہی خواہش مند ہو لہٰذا تم ایسا نہ کرنا

كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ؕ وَاِنْ تُصْلِحُوْا

کہ ایک طرف تو بالکل مائل ہو جاؤ اور ایک کو ایسا ڈال رکھو جیسے ادھر میں لٹکی ہوئی اور اگر تم اپنا طرز عمل درست

وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۲۹﴾ وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا

کرلو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو بیشک اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا نہایت مہربانی کرنے والا ہے ف اور اگر دونوں میاں بیوی ایک دوسرے سے جدا ہی

يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا

ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اپنی کشائش کی برکت سے ہر ایک کو بے نیاز کردے گا اور اللہ تعالیٰ بڑا صاحب وسعت

حَكِيْمًا ﴿۱۳۰﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَ

اور بڑی حکمت والا ہے۔ اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے وہ سب اللہ ہی کی ملک ہے اور

لَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ

بلاشبہ ہم نے ان لوگوں کو جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی حکم دیا تھا اور

اِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا

تم کو بھی یہی حکم دیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور یہ کہ اگر تم کفر کی روش اختیار کروگے تو یقین جانو جو کچھ

فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا

آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے وہ سب اللہ ہی کا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑا بے نیاز

ازدواجی زندگی میں نشوز خواہ عورت کی جانب سے ہو خواہ مرد کی جانب سے بڑی تکلیف دہ چیز ہے۔ اس سے میاں بیوی دونوں کی زندگی پر بُرا اثر پڑتا ہے اور زندگی تلخ ہو جاتی ہے۔ اگر عورت کی جانب سے نشوز ہو تو چونکہ خاوند کو من وجہ عورت پر برتری اور فوقیت حاصل ہے اس لئے اس کا علاج اور تھا جو اسی پارے کے شروع میں گزر چکا ہے اور یہ اگر نشوز مرد کی جانب سے ہو مثلاً بداخلاقی۔ کج روی۔ بات بات پر بدمزاجی یا یہ کہ عورت کی جانب سے بے توجہی اور بے رخی۔ غرض یہ سب وہ باتیں ہیں جو عورت کیلئے تکلیف دہ اور موجب اذیت ہوتی ہیں اس لئے ان کے دفع کرنے کا طریقہ یہاں سکھایا۔ بعض حضرات نے نشوز اور اعراض کا ایک ہی مطلب بیان کیا ہے۔ لیکن نحاس وغیرہ نے فرق بیان کیا ہے۔ اور مفسرین کے بیان سے بھی ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ نشوز اعراض سے بڑھا ہوا ہے۔ غرض آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ عورت کو اگر قرائن سے اس امر کا احتمال غالب ہو کہ خاوند کی جانب سے نشوز اور اعراض کا برتاؤ ہوگا۔ اور عورت طلاق اور جدائی نہ چاہتی ہو تو آپس میں بغیر کسی حَکَم کے بنائے ہوئے کسی خاص طور پر صلح کرلیں عورت اپنا حق چھوڑ دے یا کم کردے۔ مثلاً نان نفقہ چھوڑ دے یا کم کردے یا اپنی باری چھوڑ دے۔ اور شوہر اُس کو قبول کرلے اور اس طرح صلح ہو جائے تو یہ صلح بہر حال روزمرہ کی جھک جھک اور طلاق و فراق سے بہتر ہے۔ پھر فرمایا واحضرت الانفس الشح۔ یہ جملہ بطور دلیل کے فرمایا ہے۔ کیونکہ طبعاً ہر انسان کے دل میں مال کی حرص اور مال پر بخل موجود ہے۔ جب خاوند کو فائدہ نظر آئے گا تو وہ اس شرط کو مان لے گا۔ نان و نفقہ کی کمی یا بالکل چھوڑ دینے میں تو مال کا فائدہ دکھائی دے گا اور باری معاف کردینے میں پابندی اُٹھ جائے گی اور دوسری بیویوں کے لئے ایک رات مل جائے گی اس طرح یہ خواہش اور یہ حرص پوری ہو جائے گی اور وہ جب دیکھے گا کہ میرا مطلب پورا ہوتا ہے تو وہ طلاق نہ دے گا اور صلح پر رضامند ہو جائے گا۔ اور اس صلح سے عورت کی خواہش بھی پوری ہو جائے گی کہ وہ کسی طرح نکاح میں رہے اور اُس کو طلاق نہ ہو اگرچہ مردوں کو اس طرح صلح کرلینا جائز ہے لیکن پھر بھی احسان اور تقوے کی جانب ان کو توجہ دلائی کہ اگر ان کے حقوق چھڑوانے کی خواہش نہ کرو اور نشوز و اعراض میں احتیاط برتو۔ اور ان سے بداخلاقی اور بے رخی کا برتاؤ نہ کرو تو تم کو اجر و ثواب ملے گا۔ اور اس کا یقین کرو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے باخبر اور واقف ہے۔ لہٰذا اگر احسان اور تقوے کی روش اختیار کروگے تو تم کو اجر ضرور ملے گا۔ کہتے ہیں کہ یہ آیت خولہ بنت محمد بن مسلمہ اور اُس کے خاوند سعد بن ربیع کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ جب خولہ کا نکاح ہوا تو وہ جوان تھی بڑھاپے میں سعد نے اور بیوی کرلی اس پر زیادتی کرنے لگا خولہ طلاق لینا نہ چاہتی تھی اُس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ بخاری نے کہا کہ کوئی شخص تھا جو نیا وہ مال دار نہ تھا وہ اپنی بیوی کو چھوڑنا چاہتا تھا۔ بیوی نے اپنے حقوق چھوڑ دیئے۔ اور طلاق نہ لی۔ صحابہ کی ایک جماعت نے سودہ بنت زمعہ کی شان میں اس آیت کا نزول ذکر کیا ہے بہر حال آیت کا نزول کسی ایک واقعہ سے تعلق رکھتا ہو یا چند واقعات سے تعلق ہو اس سے اصل حکم پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اور ہم نے جو صلح کے ترجمہ میں خاص کا لفظ استعمال کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ
(باقی ضمیمہ میں)

حَمِیْدًا ﴿۱۳۱﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ

اور جملہ صفات محمودہ سے متصف ہے۔ اور جو چیزیں آسمانوں میں ہیں اور جو چیزیں زمین میں ہیں ان سب کا مالک اللہ ہی ہے

وَكَفٰی بِاللّٰهِ وَكِیْلًا ﴿۱۳۲﴾ اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ اَیُّهَا

اور کارسازی کیلئے اللہ تعالیٰ کافی ہے ف اگر وہ چاہے تو اے لوگو تم سب کو لے جائے اور تمہاری جگہ

النَّاسُ وَیَاْتِ بِاٰخَرِیْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰی ذٰلِكَ

دوسروں کو لے آئے اور اللہ تعالیٰ اس لانے اور لے جانے پر پوری طرح

قَدِیْرًا ﴿۱۳۳﴾ مَنْ كَانَ یُرِیْدُ ثَوَابَ الدُّنْیَا فَعِنْدَ

قادر ہے۔ جو شخص صرف دنیا کے انعام کی خواہش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے

اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِیْعًا ۢ

پاس دنیا اور آخرت دونوں کا انعام موجود ہے اور اللہ تعالیٰ خوب سننے والا اور

بَصِیْرًا ﴿۱۳۴﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ

دیکھنے والا ہے ف اے ایمان والو انصاف پر مضبوطی کیساتھ قائم

بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤی اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ

رہنے والے اور اللہ تعالیٰ کیلئے گواہی دینے والے رہو یہ شہادت اگرچہ خود تمہارے حق میں یا تمہارے ماں

وَالْاَقْرَبِیْنَ ۚ اِنْ یَّكُنْ غَنِیًّا اَوْ فَقِیْرًا فَاللّٰهُ

باپ اور قرابت داروں کے حق میں مضر ہی کیوں نہ ہو فریق معاملہ خواہ مال دار ہو یا نادار بہرحال اللہ تعالیٰ

اَوْلٰی بِهِمَا ۫ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰۤی اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ

ان دونوں کا تم سے زیادہ خیر خواہ ہے لہٰذا تم خواہش نفس کی پیروی نہ کرنا کبھی تم حق سے ہٹ جاؤ

وَاِنْ تَلْوٗۤا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

اور اگر تم ہیر پھیر سے شہادت دوگے یا شہادت سے پہلو تہی کروگے تو یقین رکھو تم جو کچھ کرتے ہو اللہ تعالیٰ

خَبِیْرًا ﴿۱۳۵﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ

اس سے باخبر ہے ف۲ اے ایمان لانے والو تم اللہ پر اور اس کے رسول پر

ع ۱۹ ۸ ۱۶

ف اگر وہ چاہے تو اے لوگو تم سب کو ایک ہی دفعہ معدوم کردے اور تم سب کو فنا کردے اور تمہاری جگہ دوسروں کو لا موجود کرے اور کسی دوسری مخلوق کو تمہاری جگہ لے آئے اور یہ تمہارا فنا کردینا اور دوسروں کو تمہاری جگہ لے آنا اس پر اللہ تعالیٰ کو پوری قدرت حاصل ہے اور اللہ تعالیٰ ایسا کرنے پر قادر ہے۔ اور دیکھو جو شخص صرف دنیا کا معاوضہ اور دنیا کا انعام چاہتا ہے تو وہ غلطی کرتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے پاس تو دنیا اور آخرت دونوں کا معاوضہ اور انعام موجود ہے تو ایسی حالت میں اعلیٰ کو چھوڑ کر ادنیٰ پر کیوں قناعت کرے اور اللہ تعالیٰ خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تو ہر اعتبار سے مستغنی اور بے نیاز ہے اور وہ کسی کی اطاعت اور عبادت کا محتاج نہیں ہے۔ جو بندہ عبادت کرتا ہے اور اس کی اطاعت بجا لاتا ہے تو وہ اپنے ہی فائدے اور نفع کو ایسا کرتا ہے۔ لہٰذا تم اس کی اطاعت کو غنیمت سمجھو کہ اس نے تم کو اپنے کام میں لگا رکھا ہے۔ ورنہ وہ تو اس پر بھی قادر ہے کہ تم سب کو بیک وقت فنا کردے اور تمہاری جگہ اور مخلوق کو لا بسائے اور ان کو اپنے کام میں لگا دے اور وہ مخلوق اسکے احکام کی بجا آوری میں مشغول ہو جائے اور جب یہ عبادت و اطاعت کا کام دوسروں کے سپرد کیا جا سکتا ہے تو تم اپنی سعادت سمجھو کہ یہ کام تم سے لیا جا رہا ہے اس شفقت آمیز تنبیہ کے بعد ایک اور بات تعلیم فرمائی کہ دیکھو جو اطاعت کرو اور جو حکم بجا لاؤ اس میں آخرت کے ثواب کا خیال کیا کرو اور صرف دینوی منافع کا خیال نہ کیا کرو۔ دین کے کاموں کا ثواب فقط دنیا میں طلب کرنا بڑی کمزوری اور غلطی کی بات ہے اور اس کا یہ مطلب نہ سمجھنا کہ اللہ تعالیٰ کے پاس معاوضہ اور ثواب نہیں ہے اُس کے پاس تو دنیا اور آخرت دونوں کا انعام موجود ہے۔ کوئی شخص اپنی غلطی سے دنیا میں لینا چاہے تو یہ لینے والے کا نقصان ہے اسلئے طلب کرنیوالے کو آخرت کے انعام کی توقع کرنی چاہیے کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ آخرت کا ثواب چاہنے والوں کو تو دنیا اور آخرت دونوں میں انعام ملتا ہے اور فقط دنیا کے خواستگاروں کو آخرت میں محرومی ہوتی ہے۔ اس لئے بہترین تہذیب سکھائی۔ اسی قسم کے مضمون کی آیت چوتھے پارے میں بھی گذر چکی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی غایت شفقت اور مہربانی ہے کہ احکام کی بجا آوری کے ساتھ انعام مانگنے کا بھی طریقہ تعلیم فرمایا۔ حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ آیت ان یشا یذھبکم سے مشرکین اور منافقین مراد ہیں۔ بعض مفسرین نے آیت کو عام رکھا ہے وکان اللہ سمیعا بصیرا کا مطلب یہ ہے کہ ہر ایک شخص کی درخواست کو خواہ وہ دنیا کے لئے ہو یا دین کے لئے۔ سنتا ہے اور ہر شخص کے اعمال کو اور ہر شخص کی نیت کو دیکھتا ہے دونوں آیتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ موجودہ تمام مخلوق کو فنا کر دینے اور اس کی جگہ دوسری مخلوق کو موجود کر دینے پر قادر ہے۔ خواہ وہ مخلوق بشر ہو یا فرشتے ہوں۔ بہرحال وہ تم سے اطاعت کرنے میں بہتر ہوگی اور تم جیسی نہ ہوگی۔ جیسا کہ سورہ محمدؐ میں ہے۔ وان تتولوا یستبدل قوما غیرکم ثم لا یکونوا امثالکم۔ اللہ تعالیٰ اس قسم کے انقلاب پر پوری طرح قادر ہے۔ اگرچہ قوموں کی الٹ پلٹ ہمیشہ ہوتی رہتی ہے۔ جیسا کہ آٹھویں پارے میں ہے کما انشاکم من ذریۃ قوم اخرین اوپر کے لوگ مرتے جاتے ہیں اور ان کی جگہ نوجوان لیتے رہتے ہیں۔ لیکن یہاں یکبارگی کسی قوم کا استیصال مراد ہے دنیا کے معاوضہ کا خلاصہ یہ ہے کہ جہاد میں مثلاً صرف غنیمت مقصود ہو۔ یا اور کسی نیک کام کا بدلا دُنیا ہی میں حاصل کرنا مقصود ہو تو اللہ تعالیٰ کی قدرت میں دونوں باتیں موجود ہیں لیکن مسلمان کو چاہیے کہ اعلیٰ درجہ کی چیز کو چھوڑ کر ادنیٰ درجہ کی چیز اختیار نہ کرے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی سب مل کر شرع پر قائم رہو تو اللہ دنیا بھی دے اور آخرت بھی (موضح القرآن) حضرت شاہ صاحبؒ کا مقصد بھی یہ ہے کہ نیت نیک رکھو دنیا کی دولت اور شہرت وغیرہ کی آرزو نہ کرو اگر نیت نیک ہوگی تو اللہ تعالیٰ دنیوی خواہش بھی پوری کردے گا۔ اور آخرت میں بھی اجر عطا فرمائے گا۔ اوپر سے مختلف احکام کا بیان ہو رہا ہے کچھ عبادات کا بیان تھا کچھ معاملات کا بیان تھا۔ اسی میں طعمہ اور بشیر کا ذکر ہوا۔ معاملات میں چونکہ فیصلہ کرنیوالوں کو اور گواہوں کو اور خود صاحب معاملہ کو عدل و انصاف کی ضرورت ہے۔

(باقی ضمیمہ میں)

ف اے ایمان لانے والو! اور دعوتِ حق کو قبول کرنے والو! تم اللہ تعالیٰ پر یقین لاؤ اور اُس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ اور اُس کتاب پر یقین لاؤ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر نازل فرمائی ہے اور اُن کتبِ سماویہ کے حق ہونے پر بھی ایمان لاؤ جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اور نبیوں پر نازل فرمائی تھیں۔ اور دیکھو جس شخص نے اللہ تعالیٰ کا انکار کیا اور جس نے اُس کے فرشتوں کا انکار کیا اور جس نے اس کی کتابوں کا اور اس کے رسولوں کا انکار کیا اور اسی طرح جس شخص نے روزِ قیامت کا انکار کیا تو ایسا شخص بلا شبہ ایسی گمراہی میں جا پڑا جو راہِ راست سے بہت دُور ہے (تیسیر) ایمان لانے والو ایمان لاؤ کا مطلب لوگوں نے کئی طرح بیان کیا ہے۔ بعض نے کہا منافقین کو خطاب ہے اور مطلب یہ ہے کہ زبان سے ایمان لانے والو جب تک ان تمام باتوں پر دل سے ایمان نہ لاؤ گے تم ایمان والے نہ ہوگے۔ بعض نے کہا یہود و نصاریٰ کو خطاب ہے اور مطلب یہ ہے کہ عیسیٰؑ اور موسیٰؑ پر ایمان لانے والو تم قرآن پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ۔ بعض نے کہا کہ مشرکین کو خطاب ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ معبودانِ باطلہ پر اعتقاد رکھنے والو! اللہ اور اس کے رسول پر اور کتابوں پر ایمان لاؤ۔ بعض نے کہا مومنین کو ارشاد ہے ایمان لانے والو! تم ایمان پر ثابت قدم رہو۔ اور ایمان پر قائم رہو۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اجمالی طور پر ایمان لانے والوں کو ایمان مفصل کی تعلیم دی ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہر مکلف بالایمان کو خطاب ہو یعنی جن لوگوں پر ایمان لانا فرض ہے وہ اس طرح ایمان لائیں بہرحال اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اُس کی ذات اور اس کی صفات پر ایمان لاؤ۔ رسول سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس ہے اُن پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اُن کو اللہ تعالیٰ کا فرستادہ مانو اور ان کی رسالت کے حق ہونے پر ایمان لاؤ۔ کتاب سے مراد قرآن شریف ہے اُس کے حق اور منزل من اللہ ہونے پر ایمان لاؤ۔ دوسری کتابوں سے مراد وہ کتبِ سماویہ ہیں جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے قبل نازل ہو چکی ہیں ان کے حق ہونے پر ایمان لاؤ اگرچہ اب اُن پر عمل کرنے کا حکم نہیں ہے لیکن وہ کتابیں منزل من اللہ تھیں اور اُن کے نزول کے زمانے میں اُن پر عمل کرنا فرض تھا۔ اور چونکہ وہ بتدریج نازل نہ ہوئی تھیں اس لئے اُن کے متعلق انزال اور قرآن چونکہ بتدریج نازل ہوا ہے اس لئے اس کے متعلق تنزیل فرمایا۔ اور کتبِ سماویہ اور قرآن اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے میں فرشتوں اور رسولوں اور قیامت وغیرہ پر ایمان لانا بھی آگیا اسلئے آگے فرمایا جو اللہ تعالیٰ کی ذات کا یا اُس کی صفات کا یا اس کے فرشتوں کا یا اسکی کتابوں کا یا اس کے رسولوں کا یا روزِ قیامت کا منکر ہوا ان چیزوں میں سے کسی چیز کا بھی اس نے انکار کیا تو وہ انتہائی گمراہی میں جا گرا۔ اور حق سے اتنی دور چلا گیا کہ اب راہِ حق کا پانا اس پر سخت دشوار ہے حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ ایمان والے فرمایا ہے اُن کو جو ظاہر میں مسلمان ہیں سو اُن کو تاکید ہے کہ جب تک دل سے یقین نہ لاویں گے ان سب چیزوں کا تو خدا کے ہاں مسلمان نہیں (موضح القرآن) اب آگے ارتداد کے نتائج کا بیان فرماتے ہیں۔

رَسُولِهِ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهِ

اور اُس کتاب پر جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل کی ہے اور اُن کتابوں پر

وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ

جو پہلے نازل فرمائی تھیں ایمان لاؤ اور جس شخص نے اُس کے

بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ

فرشتوں کا اور اُس کی کتابوں کا اور اُس کے رسولوں کا اور روزِ آخرت کا انکار کیا

فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿۱۳۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

تو بلاشبہ وہ راہِ راست سے بہت دور جا پڑا ف بلاشبہ جو لوگ مسلمان ہوئے

ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا

پھر کافر ہو گئے پھر مسلمان ہوئے پھر کافر ہو گئے پھر اپنے کفر میں بڑھتے

كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ

چلے گئے تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ہرگز نہیں بخشے گا اور نہ اُن کی رہنمائی

سَبِيْلًا ؕ﴿۱۳۷﴾ بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمَا ﴿۱۳۸﴾

فرمائے گا ف آپ ان منافقوں کو یہ مژدہ سنا دیجئے کہ ان کیلئے بڑی دردناک سزا ہے

الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ

جو مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست

الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ

بناتے ہیں کیا یہ منافق کافروں کے پاس عزت تلاش کرتے ہیں تو یاد رکھیں کہ

الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ﴿۱۳۹﴾ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ

عزت تو سب کی سب اللہ ہی کے قبضے میں ہے ف اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ تم مسلمانوں کی جانب یہ حکم قرآن میں نازل کر چکا

اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا

ہے کہ جب تم کسی مجلس میں سنو کہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ کفر کیا جاتا ہے اور اس کی آیات کا مذاق اڑایا جاتا ہے

(تسہیل) ف بلاشبہ جو لوگ مسلمان ہوئے پھر مسلمان ہونے کے بعد کافر ہو گئے۔ کافر ہونے کے بعد پھر مسلمان ہو گئے مسلمان ہونے کے بعد پھر کافر ہو گئے۔ پھر اپنے کفر میں بڑھتے اور زیادہ ہوتے چلے گئے تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ہرگز نہیں بخشے گا اور نہ ان کی مقصود تک پہونچنے میں رہنمائی فرمائے گا (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ اگر ارتداد کے بعد تائب ہو جائیں اور نادم ہو کر ایمان لے آئیں تو بہرحال ایمان قبول ہوگا اور اگر ارتداد کے بعد کوئی ایمان نہ لائے اور ارتداد ہی پر مر جائے تو نہ اس کی مغفرت اور نہ اس کی مقصود تک رہنمائی یعنی جنت میں جانے کا راستہ نہیں دکھایا جائے گا۔ اگرچہ ایک دفعہ مرتد ہو کر کوئی ارتداد پر قائم رہے تب بھی یہی سزا ہے اور کوئی بار بار ایمان لائے بار بار مرتد ہو تب بھی یہی سزا ہے لیکن یہاں دو دفعہ ایمان و کفر کا ذکر محض اس لئے کیا کہ کوئی واقعہ اسی طرح پیش آیا ہوگا۔ اور کچھ لوگوں نے ایسا کیا ہوگا۔ اس لئے نزول میں اس کی طرف اشارہ ہے ورنہ دوسری مرتبہ شدہ کفر وا کہنا کوئی قید نہیں ہے اور جس طرح ایک بار مرتد ہو کر ارتداد پر قائم رہنے کی یہی سزا ہے اسی طرح ہر ارتداد کے بعد نادم ہو جانے اور توبہ کر لینے پر مغفرت کی توقع ہے

(باقی ضمیمہ میں)

ف ۱ اور اے مسلمانو! بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہاری جانب قرآن میں یہ فرمان بھیج چکا ہے یعنی سورۂ انعام میں جس کا ماحصل یہ ہے کہ جب تم کسی مجمع اور کسی مجلس میں یہ سنو کہ احکام الٰہیہ اور آیاتِ خداوندی کے ساتھ کفر کیا جارہا ہے اور ان آیاتِ الٰہی کے ساتھ استہزاء اور مذاق کیا جارہا ہے تو تم اُن لوگوں کے پاس اُس وقت تک نہ بیٹھو جب تک وہ اس کفر و استہزاء کو چھوڑ کر کوئی اور گفتگو شروع نہ کریں کیونکہ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اس حالت میں تم بھی گناہ میں اُنہی جیسے ہوجاؤ گے۔ یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ منافقوں کو اور کافروں کو سب کو جہنم میں جمع کرنے والا ہے۔ یہ منافق لوگ ایسے ہیں جو تمہارے متعلق کسی نہ کسی حادثے کے انتظار میں لگے رہتے ہیں پھر اس انتظار کے بعد اگر اللہ تعالیٰ کی جانب سے تم کو فتح میسر آگئی اور تمہاری فتح ہوگئی تو تم سے کہنے لگتے ہیں کہ کیا ہم تمہارے ساتھ جہاد میں شریک نہیں تھے لہٰذا ہم کو بھی غنیمت میں سے حصہ دلواؤ اور اگر سوءِ اتفاق سے کافروں کو عارضی غلبہ کا کچھ حصہ مل گیا تو اُن سے جاکر کہتے ہیں کہ کیا ہم تم پر فلاں موقع پر غالب نہیں ہو چلے تھے اور کیا جب تم مغلوب ہورہے تھے تو ہم نے مسلمانوں سے تم کو بچا نہیں لیا

فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ

تو تم ان لوگوں کے پاس اس وقت تک نہ بیٹھو جب تک وہ کوئی اور بات شروع

غَيْرِهِ ۚ إِنَّكُمْ إِذًا مِثْلُهُمْ ۗ إِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ

نہ کردیں ورنہ تو تم بھی ایسی حالت میں انہی جیسے ہوگے۔ یقین جانو کہ اللہ سب

الْمُنٰفِقِينَ وَالْكٰفِرِينَ فِي جَهَنَّمَ جَمِيعًا ﴿١٤٠﴾ الَّذِينَ

منافقوں کو اور کافروں کو جہنم میں جمع کرنے والا ہے۔ وہ منافق ایسے ہیں

يَتَرَبَّصُونَ بِكُمْ ۚ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِنَ اللّٰهِ

کہ تمہارے متعلق انتظار میں لگے رہتے ہیں پھر اگر اللہ تعالیٰ کی جانب سے تمہاری فتح ہوگئی

قَالُوا أَلَمْ نَكُنْ مَعَكُمْ ۖ وَإِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِينَ

تو کہنے لگے کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے اور اگر کافروں کو کچھ حصہ

نَصِيبٌ ۙ قَالُوا أَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ

مل گیا تو ان سے کہنے لگتے ہیں کیا ہم تم پر غالب نہیں ہو چلے تھے اور کیا ہم نے تم کو

مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ

مسلمانوں سے بچا نہیں لیا؟ بس اللہ تعالیٰ ہی تمہارے مابین قیامت کے دن فیصلہ کردیگا

وَلَنْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ

اور اللہ تعالیٰ کافروں کو مسلمانوں کے مقابلہ میں برتری کی ہرگز کوئی

سَبِيلًا ﴿١٤١﴾ إِنَّ الْمُنٰفِقِينَ يُخٰدِعُونَ اللّٰهَ وَهُوَ

راہ نہ دیگا بلاشبہ اپنے خیال میں یہ منافق اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دے رہے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ

خٰدِعُهُمْ ۚ وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوا كُسَالٰى ۙ

ان کو اس دھوکہ کی سزا دینے والا ہے اور یہ منافق جب نماز کیلئے کھڑے ہوتے ہیں

يُرَاءُونَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ اللّٰهَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿١٤٢﴾

تو محض لوگوں کے دکھلانے کو بڑی کاہلی اور الکساہٹ سے کھڑے ہوتے ہیں اور خدا کا ذکر بھی نہیں کرتے مگر مختصر سا

(تیسیر) مطلب یہ ہے کہ جو لوگ مسلمان ہیں ان کو اہلِ باطل کی مجالس میں شرکت سے اجتناب کرنا چاہئے کیوں کہ اگر ان کی کافرانہ بکواس پر رضامند ہو تب تو کفر ہے یا نفاق ہے اور اگر کراہت کے ساتھ شرکت ہو مگر کسی عذرِ شرعی کے بغیر ہو تب فسق ہے۔ البتہ اگر جبراً ہو تو معذور ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو شریک نہیں ہونا چاہئے اور اگر تبلیغ وغیرہ کی نیت سے شریک بھی ہوں تو جس وقت اہلِ مجلس آیاتِ الٰہی کا انکار کریں اور ان آیات کے ساتھ استہزاء کریں تو وہاں سے ٹل جانا چاہئے۔ جب تک وہ اس قسم کی بیہودات کو چھوڑ کر اور باتیں شروع نہ کردیں اُس وقت تک اُس مجلس سے کنارہ کش رہنا چاہئے۔ اور یہ جو فرمایا کہ انکم اذاً مثلھم یہ بطور تعلیل ہے کہ ہم تم کو اس لئے منع کرتے ہیں کہ اگر تم ایسے وقت بھی اہلِ مجلس کے ہم نشین ہوگے تو گناہ میں اُن ہی جیسے ہوجاؤ گے خواہ تمہارا گناہ فسق ہو اور اُن کا گناہ کفر ہو۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں جو شخص ایک مجلس میں اپنے دین کے عیب سنے۔ پھر اُنہی میں بیٹھے اگرچہ آپ نہ کہے وہی منافق ہے (موضح القرآن) عام مفسرین نے وقد نزل علیکم سے مراد مخلص مسلمان لئے ہیں بعض نے خطاب کو عام رکھا ہے خواہ وہ حقیقی مسلمان ہوں یا صرف زبانی مسلمان ہوں اور بعض نے صرف منافق مراد لئے ہیں۔ شاید شاہ صاحبؒ نے بھی علیکم سے منافقین ہی مراد لئے ہیں واللہ اعلم بہرحال ہر قسم کی گنجائش ہے اگر فقط منافقین مراد ہوں تو مطلب یہ ہوگا کہ تم جب مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہو تو ایسی مجالس میں کیوں شریک ہوتے ہو اور اگر شریک ہوگے اور کفریات کے وقت اُن کے ساتھ بیٹھے رہوگے تو تم بھی انہی میں شمار ہوگے اور تمہارے ساتھ بھی اُنہی جیسا معاملہ ہوگا۔ نزل علیکم کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم پر یہ حکم براہِ راست نازل ہوا تھا بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ فرمان پیغمبر کی وساطت سے تم کو پہونچ چکا ہے اگرچہ وہ حکم مکہ میں دیا گیا تھا مگر مکہ کے ساتھ مخصوص نہ تھا بلکہ اُس پر ہر وقت عمل کرنے کی ضرورت ہے اور انتقام کی طاقت نہ ہو اور ایسی مجالس کو بند نہ کرسکو تو ان سے ایسے وقت علیحدہ تو ہوجایا کرو اور یہ اظہارِ ناراضگی بہترین طریقہ ہے جو آج کل بھی رائج ہے۔ ان اذا سمعتم آنکھوں سے دیکھنے کو بھی شامل ہے۔ اور کانوں سے سننے کو بھی مطلب یہ ہے کہ تم کو ہزلیات کا یقین ہوجائے اور اگر تمہارے سامنے شروع ہو تو اٹھ کر چلے آؤ اور پہلے سے معلوم ہوجائے تو وہاں جاؤ نہیں۔ تربص انتظار کرنا۔ عرب جب بولتے ہیں تربصت الامر بفلان تو مطلب ہوتا ہے انتظرت وقوعہ بہ یہاں مراد یہ ہے کہ منافق تمہارے بارے میں کسی نہ کسی حادثے اور نئی بات کے منتظر رہتے ہیں۔ استحواذ غالب آجانا قابو پالینا۔ مغلوب کرلینا۔ الاستحواذ الاستیلاء۔ مسلمانوں کی فتح کو فتح من اللہ فرمایا اور کفار کا غلبہ چونکہ عارضی اور ناقابلِ التفات تھا اس لئے اس کو نصیب یعنی کچھ حصہ مل گیا۔ باقی مطلب صاف ہے کہ منافقوں کی یہ دو رخہ پالیسی رہتی ہے اِدھر بھی اور اُدھر بھی تم کامیاب ہوئے تو اپنے کو تمہارا کہدیا اور کافر کچھ کامیاب ہوئے تو یہ کہدیا کہ ہم نے تو مسلمانوں کی فتح کو روکا ہے اگر ہم خفیہ کارروائی نہ کرتے تو مسلمان تم پر فتح پا ہی لیتے۔ اور چونکہ مسلمانوں کی فوج میں یہ بحیثیت مسلمان شامل تھے اسلئے نستحوذ کہا

(باقی ضمیمہ میں)

ف بلاشبہ یہ منافق اپنے خیالِ فاسد اور زعمِ باطل میں اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دے رہے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ اُن کے اس مکر و فریب کی اُن کو سزا دینے والا ہے اور یہ منافق جب نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو محض لوگوں کے دکھانے کے لئے بڑی سستی اور الکساہٹ سے کھڑے ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی نہیں کرتے مگر یوں ہی مختصر سا ان کی حالت یہ ہے کہ کفر و ایمان کے مابین تردد و تذبذب میں مبتلا ہیں اور اُدھر میں لٹکے ہوئے ہیں۔ پوری طرح مسلمانوں کی طرف اور نہ پوری طرح کافروں کی طرف اور بات یہ ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ ہی گمراہی میں مبتلا رکھے تو اے مخاطب تو اس کے لئے ایمان لانے اور مومن ہونے کی کوئی راہ نہ پائے گا (تیسیر) خدع۔ مخادعت وغیرہ کی تفسیر گزر چکی ہے۔ خدع کے معنی دھوکہ۔ مکر۔ فریب۔ دغا۔ کسالی۔ کسلان کی جمع ہے۔ کسل کا لفظ اُردو میں بھی استعمال ہوتا ہے ایک کام کے کرنے کو جی نہ چاہے اور کسی وجہ سے کرنا پڑے۔ تو بولا کرتے ہیں فلاں شخص ہارے جی سے کام کر رہا ہے۔ جس کام میں نشاط اور انبساط نہ ہو۔ چونکہ نماز پر اعتقاد نہیں اس لئے مارے باندھے کی نماز ہے۔ اسی حالت کا بیان ہے یراؤن محض دکھاوے کے لئے اٹھتے بیٹھتے ہیں اسی بنا پر نماز میں کچھ پڑھتے بھی نہیں کسی وقت خالی زبان ہلادی۔ یا ایک آدھ کلمہ کہدیا کہ برابر والا سمجھے کہ کچھ پڑھ رہے ہیں یا جہری نماز میں لوگوں کے سنانے کو کچھ پڑھ دیا یا سری میں چپکے کھڑے رہے۔ تذبذب کے معنی ہیں دو باتوں کے درمیان تردد۔ اور یہ لفظ بھی عام طور پر اردو میں بولا جاتا ہے۔ جب دو کاموں میں سے کسی ایک جانب پختہ رائے نہ قائم ہو تو کہتے ہیں مجھے تردد ہے۔ یا میں اس معاملہ میں مذبذب ہوں اور اصل میں مذبذب جیسا کہ صاحب کشاف نے کہا ہے اُس کو کہتے ہیں جو دونوں جانب سے دفع کیا جائے۔ گل بازی کے کھیل کی طرح جس طرف جائے وہی پھینکے اور اپنی طرف سے دوسری طرف دفع کرے۔ چونکہ دل سے کافر ہیں اس لئے مسلمانوں میں مشتبہ اور نامقبول اور چونکہ ظاہر میں مسلمان ہیں اس لئے کافروں میں مشتبہ اور نامقبول۔ خلاصہ یہ ہے کہ منافق کفر کو چھپا کر اور اسلام کو ظاہر کرکے اپنے خیال میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ چال چل رہے ہیں حالانکہ اُس کی ڈھیل سے یہ خود ہی دھوکہ کھا رہے ہیں۔ اور وہ ان کو اس چال کا بدلہ دینے والا ہے۔ ان منافقوں کی حالت یہ ہے کہ نماز پڑھنے کو اٹھتے ہیں تو بڑے کسل کے ساتھ مارے باندھے کو اٹھتے ہیں محض مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگ دیکھ لیں ہم نمازی ہیں چونکہ نماز کو نہ فرض سمجھتے ہیں نہ بدبختوں کو ثواب کی اُمید ہے اسلئے نماز میں تسبیح اور تشہد وغیرہ بھی نہیں پڑھتے یوں ہی کچھ تھوڑا سا پڑھ لیا تو پڑھ لیا۔ کفر و ایمان کے درمیان اَدھر لٹکے ہوئے ہیں۔ نہ پورے اِدھر نہ پورے اُدھر۔ حضرت حق کا گمراہ کرنا وہی ہے جس کو ہم بتا چکے ہیں کہ عزمِ فعل کے وقت اللہ تعالیٰ فعل کو پیدا کر دیتا ہے۔ اسی لئے باعتبار خلق اسکی طرف اور باعتبار کسب بندے کی طرف فعل کو منسوب کیا جاتا ہے۔ ہم نے ترجمہ اور تیسیر میں اس قسم کی تفصیل سے بچنے کے لئے مبتلا رکھے ترجمہ کیا ہے۔ ہمارا مطلب وہی ہے جو ہم کئی مرتبہ عرض کر چکے ہیں کہ جب کوئی بندہ اپنی شرارت اور طغیان میں بڑھتا چلا جاتا ہے تو حضرت حق تعالیٰ اُس کی سرپرستی سے ہاتھ اٹھا لیتے ہیں اور اُس سے نیک توفیق کو سلب کر لیتے ہیں یا یوں سمجھو کہ جب کوئی مریض بدپرہیزی کو اپنا شیوہ بنا لیتا ہے تو طبیب اس کی اصلاح سے دست کش ہو جاتا ہے۔ بس اسی حالت کو قرآن اضلال سے تعبیر کرتا ہے۔ اب چاہے جس طرح ترجمہ کرلو۔ اس آیت میں اُن کے ایمان کی طرف سے نااُمیدی کا اظہار کیا گیا ہے۔ کیونکہ جس نالائق مریض سے طبیب دست کش ہو جائے اس کے لئے شفا کی کیا اُمید ہو سکتی ہے۔ صحاح میں حضرت ابن عمرؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ منافق کی مثال اُس بکری کی سی ہے جو بکریوں کے دو گلوں کے درمیان حیران و پریشان پھرتی ہو۔ کبھی اس گلہ میں دوڑتی ہو کبھی دوسرے گلہ کی طرف لپکتی ہو۔ اور وہ یہ نہ سمجھتی ہو کہ اس کو کس گلہ میں شریک ہو کر اُس کے ہمراہ چلنا چاہئے۔ اب آگے ایسے کافروں کی دوستی اور رفاقت سے ممانعت کی جاتی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل) اے ایمان والو! تم مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست اور رفیق نہ بناؤ خواہ وہ کھلے کافر ہوں یا منافق ہوں کیا تم اُن سے (باقی ضمیمہ میں)

مُّذَبْذَبِينَ بَيْنَ ذَٰلِكَ لَا إِلَىٰ هَٰؤُلَاءِ وَلَا إِلَىٰ

کفر اور ایمان کے مابین تردد و تذبذب کی حالت میں مبتلا ہیں نہ پورے اُن مسلمانوں کی طرف اور نہ پورے

هَٰؤُلَاءِ ۚ وَمَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَلَن تَجِدَ لَهُ

اُن کافروں کی طرف اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہی میں مبتلا رکھے تو اے مخاطب تو اس کے لئے

سَبِيلًا ﴿١٤٣﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا

کوئی راہ نہ پائے گا ف اے ایمان والو تم مسلمانوں کو

الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۚ

چھوڑ کر کافروں کو اپنا رفیق نہ بناؤ

أَتُرِيدُونَ أَن تَجْعَلُوا لِلَّهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا مُّبِينًا ﴿١٤٤﴾

کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اپنے خلاف صریح الزام قائم کرلو ف

إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ

یقین جانو منافق دوزخ کے سب سے نیچے کے طبقہ میں ہوں گے

وَلَن تَجِدَ لَهُمْ نَصِيرًا ﴿١٤٥﴾ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَ

اور تو اُن کے لئے ہرگز کوئی مددگار نہ پائیگا۔ مگر ہاں وہ لوگ جو توبہ کرلیں اور

أَصْلَحُوا وَاعْتَصَمُوا بِاللَّهِ وَأَخْلَصُوا دِينَهُمْ لِلَّهِ

اپنی حالت کو سنوار لیں اور اللہ پر پورا اعتماد رکھیں اور اپنے دین کو اللہ کے لئے خالص کرلیں

فَأُولَٰئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ ۖ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ

تو یہ لوگ ایمان والوں کے ساتھ ہوں گے اور عنقریب ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ

أَجْرًا عَظِيمًا ﴿١٤٦﴾ مَّا يَفْعَلُ اللَّهُ بِعَذَابِكُمْ إِن

اجرِ عظیم عطا فرمائے گا۔ اگر تم شکر گزار رہو اور ایمان لے آؤ تو اللہ تعالیٰ تم کو

شَكَرْتُمْ وَآمَنتُمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ شَاكِرًا عَلِيمًا ﴿١٤٧﴾

سزا دیکر کیا کریگا حالانکہ اللہ تعالیٰ بڑا قدر شناس اور سب کا حال جاننے والا ہے ف

بقیہ صفحہ ۱۲۹

قرآن نے ان آیات میں تین قسم کی محرمات کا ذکر فرمایا ہے محرمات نسبیہ دوسرے محرمات رضاعیہ تیسرے محرمات بالمصاہرت۔ حضرت شاہ صاحبؒ کی عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ جو عورتیں نسب کے واسطے سے حرام ہیں ان میں سے ایک تو ماں ہے اور ماں میں تمام اصول داخل ہیں نانی، نانی کی ماں اور دادی دادی کی ماں اوپر تک۔ دوسری بیٹی ہے۔ بیٹی میں تمام فروع داخل ہیں۔ نواسی کی نواسی پوتی پڑپوتی نیچے تک۔ تیسری عورت بہن ہے۔ چوتھی بھتیجی ہے۔ پانچویں بھانجی ہے۔ یہ وہ رشتے ہیں جو باپ سے ملتے ہیں۔ مثلاً بہن خواہ کسی قسم کی ہو۔ بھتیجی یعنی بھائی کی بیٹی وہ بھائی خواہ کسی قسم کا ہو۔ بھانجی یعنی بہن کی بیٹی وہ بہن خواہ کسی قسم کی یعنی سگی یا سوتیلی۔ ان محرمات میں سے چھٹی پھوپی اور ساتویں خالہ۔ یعنی باپ کی بہن خواہ وہ کسی قسم کی ہو اسی طرح خالہ یعنی ماں کی بہن خواہ کسی قسم کی ماں کی سگی بہن ہو یا سوتیلی۔ آخر میں شاہ صاحبؒ نے فرمایا جو باپ ماں سے بلاواسطہ ملتی ہوں یعنی پھوپی اور خالہ جو باپ ماں کی بہنیں ہیں وہ حرام ہیں ان کی اولاد حرام نہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ خالہ زاد بہن اور پھوپی زاد بہن سے نکاح حرام نہیں ہے۔ پھر شاہ صاحبؒ نے محرمات رضاعیہ کا ذکر کیا ہے اور اس میں یہ بتایا کہ جس طرح نسب سے حرمت آتی ہے اسی طرح دودھ کی شرکت سے بھی آتی ہے۔ لہٰذا جو رشتے نسب کی وجہ سے حرام ہیں وہ دودھ کی وجہ سے بھی حرام ہیں یعنی رضاعی بیٹی۔ رضاعی پھوپی۔ رضاعی خالہ اور رضاعی بھتیجی اور رضاعی بھانجی بھی حرام ہے۔ پھر اس کے بعد شاہ صاحبؒ نے حرمت مصاہرت کا ذکر فرمایا۔ اس میں یہ بتایا کہ عورت کو مرد کے اصول اور فروع حرام ہیں اور مرد کو عورت کے اصول و فروع حرام ہیں۔ پھر ان دونوں میں شاہ صاحبؒ نے یہ فرق بیان کیا کہ اصول تو صرف نکاح کرتے ہی حرام ہو جاتے ہیں۔ جیسے ایک مرد سے نکاح کرتے ہی اس مرد کا باپ دادا عورت پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتا ہے۔ اور ایک عورت سے نکاح کرتے ہی اس کی ماں نانی اور دادی وغیرہ اس مرد کے لئے ہمیشہ کو حرام ہو جاتی ہیں البتہ فروع میں اس وقت حرمت آتی ہے جب نکاح کے بعد صحبت بھی ہو جائے اور اگر کوئی مرد صحبت سے پہلے طلاق دیدے تو عورت کی فروع مرد کے لئے حرام نہیں جیسے ربیبہ یعنی عورت کی گیلڑ بیٹی۔ یہ دخول سے پہلے عورت کی فروع سے نکاح کا جائز ہونا صرف مرد کے لئے ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ مرد کی منکوحہ بھی اگر قبل از دخول مطلقہ ہو جائے تو مرد کے لڑکے کو اس سے نکاح کرنا جائز ہوگا یعنی گیلڑ بیٹی مرد کے لئے حلال ہو سکتی ہے مگر باپ کی منکوحہ سے نکاح جائز نہیں ہو سکتا جیسا کہ اوپر گذر چکا پھر شاہ صاحبؒ نے دودھ کے تعلقات کا بھی یہی حکم فرمایا اور دودھ کی مدت کے اندر دودھ پینے کا ذکر فرمایا۔ پھر شاہ صاحبؒ نے ان تعلقات کی تصریح فرمائی جن میں دو عورتوں کو بیک وقت جمع نہیں کر سکتے۔ دو بہنوں کا ذکر تو قرآن میں موجود ہی ہے۔ شاہ صاحبؒ کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ پھوپی بھتیجی۔ خالہ بھانجی کو بھی جمع نہیں کر سکتے اور اس موقعہ پر فقہا کا قاعدہ مشہور ہے کہ ایسی دو عورتیں جن میں سے اگر ایک کو مرد فرض کیا جائے تو دونوں کا نکاح آپس میں ناجائز ہو تو ان دو عورتوں کو جمع نہیں کر سکتے۔ البتہ جب ایک مر جائے یا اس کو طلاق دیدی جائے اور طلاق کی مدت پوری ہو جائے تو دوسری سے نکاح ہو سکتا ہے۔ مثلاً دو بہنیں اگر ان میں ایک کو مرد فرض کرلیں تو بھائی بہن ہوں گے اور بھائی بہن کا نکاح حرام ہے لہٰذا دو بہنوں کو نکاح میں جمع نہیں کیا جا سکتا باقی مسائل سب صاف ہیں اور ہم تسہیل میں بہت توضیح سے بیان کر چکے ہیں۔ اب آگے عورتوں کے متعلق بعض اور مسائل مذکور ہیں۔ (تسہیل) اور ان محرمات مذکورہ کے سوا باقی اور عورتیں اس طور پر تمہارے لئے حلال کر دی گئی ہیں کہ تم اپنے اموال کے عوض ان کو تلاش کرو اور اپنے اموال کے ذریعہ ان کو حاصل کرو اور یہ حاصل کرنا اس طرح ہو کہ تم ان کو بیوی بناؤ اور ان کو حبالۂ نکاح میں رکھو تمہارا مقصد محض مستی نکالنا نہ ہو پھر نکاح کے بعد تم نے شرعی قوانین کے مطابق ان سے جس طرح بھی نفع اٹھایا ہو اور ان سے فائدہ حاصل کیا ہو لہٰذا اس کے عوض ان کے مقررہ مہر ان کو دیدو اور مقرر شدہ مہر کے بعد تم میاں بیوی آپس میں کسی کمی بیشی پر باہم رضامند ہو جاؤ یعنی بیوی کچھ گھٹا دے یا سب معاف کر دے یا میاں مقررہ مہر سے کچھ زیادہ کر دے تو ایسا کرنے میں تم پر کوئی گناہ نہیں۔ یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ کامل علم اور کمال حکمت کا مالک ہے تمہارے احوال سے بخوبی واقف ہے اور اس کے تمام احکام کسی نہ کسی حکمت اور مصلحت پر مبنی ہیں (تیسیر) حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی جو عورتیں حرام فرما دیں ان کے سوا سب حلال ہیں چار شرط سے اول یہ کہ طلب کرو یعنی زبان سے ایجاب و قبول درمیان آوے۔ دوسرے یہ کہ مال دینا قبول کرو یعنی مہر۔ تیسرے یہ کہ قید میں لانے کی طرح ہو مستی نکالنے کی نہ ہو یعنی ہمیشہ کو وہ عورت اس مرد کی ہو جاوے اس کے چھوڑے بغیر نہ چھوٹے یعنی مدت کا ذکر نہ آوے کہ مہینہ تک یا برس تک اس لئے متعہ حرام ٹھہرا چوتھی شرط سورۂ مائدہ میں فرمائی۔ اور یہاں بھی لونڈیوں کے نکاح میں آگے فرمائی ہے کہ چھپی یاری نہ ہو یعنی لوگ شاہد ہوں کم سے کم دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں۔ پھر فرمایا جو عورت کام میں آئی اس کا مہر پورا دینا پڑا یعنی صحبت ہوئی یا خلوت ہوئی اب کسی طرح مہر نہیں چھوٹتا اور جب تک کام میں نہیں آئی تو اگر مرد چھوڑے تو آدھا مہر دے اور اگر عورت ایسا کام کرے کہ نکاح ٹوٹ جاوے تو سب مہر اتر گیا پھر فرمایا کہ بعد مہر مقرر کرنے کے جو دونوں اپنی خوشی سے بڑھا دیں یا گھٹا دیں وہ بھی معتبر ہے۔ موضح القرآن۔ ما وراء ذلکم کا مطلب یہ ہے کہ جو عورتیں دلالتاً یا اشارتاً اپنے محرم کی وجہ سے مذکور ہوئیں وہ اور اسی طرح وہ عورتیں جن کی حرمت سنت اور آثار صحابہ سے ثابت ہو جائے ان کے علاوہ باقی اور سب عورتیں تمہارے لئے شرائط مذکورہ کے ساتھ حلال ہیں۔ وہ شرائط یہ ہیں:۔ (۱) کہ ان عورتوں کو اپنے مالوں کے ذریعہ حاصل کرو۔ ابتغا کے معنی تلاش اور طلب کے ہیں۔ یہاں مراد یہ ہے کہ مہر مقرر کرو اور باقاعدہ طرفین سے ایجاب و قبول ہو اگر نکاح کے وقت مہر کا نام نہ لیا جائے تب بھی نکاح ہو جائے گا۔ اور مہر مثل لازم ہوگا۔ جیسا کہ سورۂ بقرہ میں گذر چکا ہے بہرحال ایجاب و قبول ہو اور مہر مقرر ہو۔ مہر کا تقرر حقیقتاً ہو یعنی نکاح کے وقت مہر کا نام لیا جائے یا حکماً کہ مہر مثل لازم ہو جائے (۲) ان عورتوں کو بیوی بنا کر رکھنا ہو اور عورت کو حبالۂ نکاح میں لانا ہو یعنی شرعی طریق سے نکاح کیا جائے نکاح کے وقت گواہ بھی موجود ہوں اور نکاح موقت نہ ہو کہ تین دن تک کے لئے نکاح کر دیا ایک مہینے کے لئے کر دیا ایک سال کے لئے کر دو (۳) محض مستی نکالنا مقصود نہ ہو جیسا کہ زنا میں یا متعہ میں ہوتا ہے اگرچہ مال وہاں بھی خرچ کرنا ہوتا ہے۔ بہرحال ان شرائط سے زنا اور متعہ خارج ہو گیا۔ کیونکہ وہ شرعی نکاح نہیں ہے متعہ کی حقیقت اس سے زیادہ نہیں ہے کہ وہ ابتداء اسلام میں مشروع تھا پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی حرمت کا اعلان فرما دیا اور قیامت تک کے لئے اس کو حرام کر دیا۔ جیسا کہ مسلم نے ربیع بن سبرہ ابن معبد جہنی سے روایت کیا ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خیبر سے پہلے متعہ مشروع تھا پھر خیبر میں حرام ہوا پھر یوم اوطاس میں تین دن کے لئے اجازت دی گئی اور پھر ہمیشہ کے لئے حرام کر دیا گیا جیسا کہ بعض روایات سے ثابت ہے۔ بہرحال فتح مکہ کے بعد اس کی حرمت ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان فرمانے کے بعد پھر حلال نہیں ہوا اور علمائے حق اور اہل سنت کا یہی مسلک ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے خیبر میں اس کے حرام ہونے کی تصریح موجود ہے اس کے بعد کہا جاتا ہے کہ تین دن کے لئے اوطاس میں اجازت ہوئی تھی پھر ہمیشہ کے لئے حرام کر دیا گیا۔ فما استمتعتم کا مطلب یہ ہے کہ شرعی طریقہ سے جو نفع ان عورتوں سے حاصل کرو تو ان کو ان کا مقرر مہر ادا کرو یعنی ہم بستری یا خلوت صحیحہ کہ وہ خلوت بھی ہم بستری کے حکم میں ہے اگر ان دو صورتوں میں سے کوئی صورت پیش آ جائے تو ان کا پورا مہر تمہارے ذمہ واجب ہے وہ ان کو دے دو چونکہ مہر نفع کے مقابلہ میں ہوتا ہے اس لئے اس کو اجور فرما دیا۔ اور اگر ان سے انتفاع کی نوبت نہ آئی ہو اور انتفاع سے پہلے طلاق کی نوبت آ جائے تو پھر نصف مہر دینا ہوگا۔ جیسا کہ سورۂ بقرہ میں بیان ہو چکا ہے آیت کے آخری حصے میں مہر کی کمی بیشی کرنے کی باہمی رضامندی سے اجازت دی گئی ہے اگر میاں بیوی باہم رضامند ہوں تو عورت کچھ کم کر دے یا سب معاف کر دے اس کو حق ہے اسی طرح خاوند اگر خوش ہو کر مہر میں اضافہ کر دے تو اس کو بھی اجازت ہے قانون کے آخر میں علم و حکمت سے اشارہ اس طرف فرمایا کہ ہمارا کوئی قانون حکمت سے خالی نہیں نیز عمل کرنے والوں کی حالت سے ہم بخوبی واقف ہیں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ ان تبتغوا باموالکم سے یہ امر ظاہر ہے کہ مہر کے لئے مال کا ہونا ضروری ہے نیز یہ کہ ان تبتغوا باموالکم میں باندیاں بھی داخل ہیں اگر آزاد عورتوں سے نکاح کرو تو ان کو مہر کے ذریعہ حاصل کرو اور اگر لونڈیاں خریدنی چاہو تو ان کی قیمت ادا کر کے خریدو۔ اب آگے اسی نکاح کے سلسلے میں بعض اور مسائل مذکور ہیں مثلاً یہ کہ ایک مسلمان جس طرح آزاد عورت سے جو مسلمان ہو نکاح کر سکتا ہے اسی طرح ایک لونڈی سے بھی اس کے آقا کی اجازت سے نکاح کر سکتا ہے لیکن آزاد عورت سے اگر نکاح کرنے کی استطاعت ہو تو لونڈی سے نکاح کرنا پسندیدہ نہیں ہے۔ کیونکہ اول تو لونڈی کے پیٹ سے جو اولاد ہوگی وہ غلام ہوگی۔ پھر لونڈی دوسرے کی مملوک ہوگی خدمت وہ لے گا اور ہمبستری کا حق خاوند کو ہوگا۔ ایسی حالت میں ممکن ہے کہ کسی وقت دونوں کے حقوق میں ٹکراؤ ہو جائے یا وہ کہیں لے کر چلا جائے یا وہ کسی وقت اس لونڈی کو دوسرے آدمی کے ہاتھ فروخت کر دے۔ پھر یہ کہ لونڈی کو گھرداری کا اتنا سلیقہ بھی نہیں ہوتا جو آزاد عورت کو ہوتا ہے پھر آزاد عورت اور لونڈی کے پردے میں بھی فرق ہے غرض ان تمام صورتوں کے پیش نظر ان سے نکاح کرنے میں بعض قیود عائد کر دی ہیں اگرچہ وہ قیود حنفیہ کے نزدیک احترازی نہیں ہیں اور وہ قیود حقیقی شرط نہیں ہیں۔ بلکہ وہ اولویت کے درجہ میں ہیں اگر کوئی ان قیود کے خلاف کرے گا تو نکاح ہو جائے گا اگرچہ مع الکراہت ہوگا لیکن شوافع کے نزدیک ان کے مشہور قاعدے کی بنا پر کہ مفہوم مخالف کا معتبر ہوتا ہے نکاح نہیں ہوگا۔ بہرحال آگے ان قیود کا ذکر فرماتے ہیں۔ (تسہیل) اور تم میں سے جو شخص آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کی استطاعت اور مقدرت نہ رکھتا ہو یعنی زیادہ مہر دینے کو نہ ہو یا ایک آزاد عورت کی شان کے لائق اس کے اخراجات برداشت کرنے کی استطاعت نہ ہو۔ تو وہ تمہاری

ان مسلمان باندیوں سے نکاح کرے جو تمہاری مملوکہ ہوں اور اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان کی حالت کو خوب اچھی طرح جانتا ہے اور تمہارے ایمانوں سے پورا واقف ہے اور تم آپس میں ایک دوسرے کے برابر سب ایک جیسے ہو۔ یعنی بنی آدم ہونے میں کوئی فرق نہیں (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ جو شخص حرہ مسلمہ یعنی آزاد عورت جو مسلمان ہو اس سے نکاح کرنے کی استطاعت اور مقدرت نہ رکھتا ہو اور حرہ عورت کے اخراجات برداشت کرنا اس کی طاقت سے باہر ہو اور بغیر بیوی کے رہ نہ سکتا ہو اور یہ خطرہ ہو کہ اگر نکاح نہ کروں گا تو زنا میں مبتلا ہو جاؤں گا تو ایسے شخص کو اجازت ہے کہ وہ آپس میں کسی ایسی عورت مسلمہ سے شادی کرے جو تم میں سے کسی کی لونڈی ہو۔ کیونکہ لونڈی کے اخراجات بہرحال بیوی سے کم ہوں گے اور چونکہ باندی کو کم درجہ کا سمجھا جاتا تھا اور بیوی کے مقابلے میں باندی سے نکاح کرنا موجب عار خیال کیا جاتا تھا اس لئے اس ننگ و عار کو کم کرنے کی وجہ سے فرمایا کہ اس میں کوئی شرم کی بات نہیں آخر وہ بھی انسان ہے۔ انسانیت میں سب برابر ہیں ایک ہی باپ کی اولاد ہیں رہا ایمان تو ایمان کے اعتبار سے بھی کسی کو گھٹیا بڑھیا سمجھنا مناسب نہیں۔ کیونکہ ہر شخص کے ایمان کی حالت ہم ہی جانتے ہیں ایمان کی حقیقت تک کسی کی سوائے ہمارے رسائی نہیں لہٰذا لونڈی سے نکاح کرنے میں ننگ و عار نہ ہونی چاہیئے بالخصوص ایسی حالت میں جبکہ مجبوری ہو اور آزاد عورت کے اخراجات کی طاقت نہ ہو جیساکہ ہم نے ابھی اوپر عرض کیا ہے کہ حنفیہ کے نزدیک ان کے عام قاعدے کی بنا پر یہ قیود احترازی نہیں ہیں بلکہ زیادہ سے زیادہ ان سے اولویت سمجھی جا سکتی ہے اس لئے ان حضرات سے بعض مسائل میں احناف کا اختلاف ہو گیا ہے جو ہر قید میں مفہوم مخالف کا اعتبار کرتے ہیں لہٰذا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حرہ سے نکاح کی مقدرت کے باوجود کوئی باندی سے نکاح کرے گا تو جائز ہوگا اگرچہ مکروہ تنزیہی ہوگا جیساکہ ہم عرض کر چکے ہیں۔ یہی حال مومنات کی قید کا ہے کہ مسلمان باندی سے نکاح کرنا افضل ہے اگر کتابیہ ہوگی تب بھی نکاح ہو جائے گا۔ اب آگے باندی کے نکاح کی بعض تفصیلات مذکور ہیں اور اسی سلسلے میں جرائم کے ارتکاب پر لونڈی اور بیوی کو سزا دینے میں جو فرق ہے اس کا بھی ذکر ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل)

بقیہ صفحہ ۱۳۰

اگر نکاح سے فائدے لے چکے پھر زنا کرے تو سنگسار ہو اور بغیر نکاح کے زنا کرے تو سو کوڑے مارنے سو فرمایا کہ لونڈی کو نکاح کئے پر بھی زنا کی حد پچاس کوڑے ہیں زیادہ نہیں یہی حکم ہے غلام کا موضح القرآن ہم نے تیسیر اور تسہیل میں کافی تفصیل کر دی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے۔ (۱) آزاد عورت مسلمہ کے نکاح کی استطاعت نہ ہو تو باندی مسلمہ سے نکاح کرلو اگر باوجود استطاعت کے باندی سے نکاح کرو گے تو احناف کے نزدیک نکاح ہو جائے گا۔ لیکن مکروہ تنزیہی ہوگا۔ (۲) باندی سے نکاح کرنے میں عار نہ سمجھو کیونکہ ہر ایک کے ایمان کی حالت اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کوئی آزاد ہو یا غلام سب انسان آدم کی اولاد ہیں (۳) باندیوں سے نکاح کرو تو ان کے مہر شرعی دستور کے مطابق ادا کرو جس کی صورت یہ ہے کہ ان کے مہر ان کے مالکوں کو دیدو (۴) شرعی دستور یہ ہے کہ مہر ایک قسم کا دین ہے جس طرح اور دیون حسب وعدہ ادا کئے جاتے ہیں اسی طرح حسب وعدہ یہ دین بھی ادا کرنا چاہیئے یہاں معروف سے خوش اسلوبی اور بہترین طور پر مہر کی ادائیگی مراد ہے (۵) جن باندیوں سے نکاح کرتے ہو وہ عفیفہ اور پاکدامن ہوں ان کا مقصد منکوحہ بننا ہو محض اپنی شہوت کو پورا کرنا اور علانیہ بدکاری یا خفیہ آشنائی کرنا نہ ہو۔ (۶) باندی سے نکاح بغیر اس کے مالک کی اجازت کے نہیں ہو سکتا (۷) نکاح میں گواہوں کا ہونا ایجاب و قبول ہونا وغیرہ سب اسی طرح ہوگا جس طرح آزاد عورتوں کے نکاح میں ہوتا ہے نکاح میں بیوی اور باندی کے کوئی فرق نہیں ہے (۸) جب وہ تمہارے حبالۂ نکاح میں آ جائیں اور تمہاری منکوحہ ہو جائیں اور خدانخواستہ ان سے زنا کا ارتکاب ہو جائے تو ان کو نصف سزا دی جائے گی یعنی بجائے سو تازیانوں کے صرف پچاس کوڑے مارے جائیں اور یہی حکم غلام کا ہے۔ لونڈی غلاموں کو سنگسار نہیں کیا جائے گا۔ (۹) باندی سے نکاح کرنا اس وقت مناسب ہے جب زنا میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ ہو۔ (۱۰) ہر حالت میں خواہ زنا کا خطرہ ہو یا نہ ہو غلبۂ شہوت پر صبر کرنا اور نفس کو روکنا اور اس پر قابو رکھنا باندی کے ساتھ نکاح کرنے سے بہتر ہے (۱۱) اگر آزاد عورت نکاح میں موجود ہو تو اس پر باندی لانا ممنوع ہے جیسا کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا ہے (۱۲) احصان کے حقیقی معنی تو تحرز اور بچاؤ کے ہیں لیکن ان آیتوں میں چار معنوں کے لئے استعمال ہوا ہے اول نکاح کے لئے جیسے **والمحصنٰت من النساء** میں دوسرے عفت جیسے محصنین میں تیسرے حریت جیسے **ان ینکح المحصنٰت** میں چوتھے اسلام جیسے **فاذا احصن** میں۔ اگر فاذا احصن میں یوں ترجمہ کیا جائے کہ جب وہ باندیاں مسلمان ہو جائیں اور بدکاری کی مرتکب ہوں تو اس ترجمہ پر یہ ایک مستقل مسئلہ ہوگا اور اگر یہ معنی نہ کئے جائیں بلکہ وہی ترجمہ کیا جائے جو ہم نے کیا ہے یعنی جب وہ منکوحہ بن جائیں اور ان کو منکوحہ بنا لیا جائے تو اس ترجمہ پر اوپر کے مضمون سے تعلق ہوگا اور اس کو مستقل مسئلہ نہ کہا جائے گا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ آیت میں جس سزا کا ذکر ہے وہ اُن ہی لونڈیوں غلاموں کی سزا ہے جو مسلمان ہیں۔ ایک ضروری تنبیہ! بعض اہل باطل نے **فما استمتعتم به منهن** سے اس متعہ پر استدلال کیا ہے جو شیعوں کے ہاں اب تک رائج ہے ہم اس کے متعلق مختصراً اوپر عرض کر چکے مزید تفصیل اگر مطلوب ہو تو تفسیر مظہری کا مطالعہ کیا جائے۔ چونکہ متعہ کی حلت و حرمت کی کیفیت مختلف رہی ہے اس لئے یہ ہو سکتا ہے کہ بعض صحابہ کو آخری بار کی حرمت کا علم نہ ہوا ہو اور وہ آخر وقت تک حلت کا فتویٰ دیتے رہے ہوں اس سلسلے میں حضرت عبداللہ ابن عباس کا نام لیا جاتا ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ وہ آخر عمر تک جب کہ وہ نابینا ہو چکے تھے اس عمر میں بھی یہ فرماتے تھے کہ اضطراری حالت میں متعہ کیا جا سکتا ہے۔ لیکن بیہقی اور ابوعوانہ نے ان کا رجوع نقل کیا ہے اور عبداللہ بن زبیر کی حکومت میں حضرت عبداللہ ابن عباس نے اس مسئلہ سے رجوع کر لیا تھا اور حضرت حبر الامت کو جب بکثرت لوگوں سے یہ معلوم ہو گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ہمیشہ کے لئے حرام کر دیا ہے چنانچہ ابوعوانہ نے ابن جریج سے ان کا یہ اعلان نقل کیا ہے کہ انہوں نے بصرہ میں فرمایا اشهدوا انی قد رجعت عنها یعنی گواہ رہو کہ میں نے متعہ کی حلت کے فتویٰ سے رجوع کر لیا ہے اور چونکہ متعہ پہلے حلال تھا پھر حرام ہوا پھر ہمیشہ کے لئے حرام ہو گیا اسی بنا پر حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اسلام میں ایسی کوئی چیز نہیں جانتا جو حلال کی گئی ہو پھر حرام کر دی گئی ہو پھر حلال کی گئی ہو پھر حرام کی گئی ہو سوائے متعہ کے۔ بہرحال احادیث کی ان تصریحات کے بعد متعہ کی حلت کا قول سوائے اہل باطل کے اور کون کر سکتا ہے۔ اٹھارویں پارہ میں ہے۔ **الا علی ازواجهم او ما ملكت ایمانهم فانهم غیر ملومین - فمن ابتغی وراء ذلك فاولٰئك هم العادون**۔ اس آیت کے بعد سوائے بیویوں اور باندیوں کے کوئی شکل حلال کی باقی نہیں رہتی۔ واللہ اعلم

اب آگے اپنے احکام کی مصالح اور بندوں پر اپنے احسان کا ذکر فرماتے ہیں اور یہ کلام الٰہی کا ایک مخصوص طرز بیان ہے کہ احکام بیان کرنے کے بعد ان احکام کی بھی بعض حکمتیں بیان کر دیتا ہے اور یہ تو ظاہر ہی ہے کہ حق تعالیٰ کا ان احکام کو تفصیل کے ساتھ بیان کر دینا بندوں پر بہت بڑا احسان ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل) اللہ تعالیٰ کو منظور ہے اور وہ یہ چاہتا ہے کہ اپنے احکام تمہارے لئے صاف صاف بیان فرما دے اور ان لوگوں کے احوال اور طریقے کو بتا دے جو تم سے پہلے ہو گذرے ہیں اور ان سابقہ لوگوں کے یعنی انبیاء صالحین کے طریقوں پر تم کو چلائے اور وہ تم پر مہربانی اور رحمت کے ساتھ توجہ فرمائے اور اللہ تعالیٰ کمال علم اور کمال حکمت کا مالک ہے اور اللہ کو ان احکام اور پہلے لوگوں کے طریقے بتانے سے یہ منظور ہے کہ وہ تم پر رحمت و مہربانی کے ساتھ توجہ فرمائے اور وہ لوگ جو خواہشات نفسانی کے پیرو ہیں اور اپنے مزوں کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ وہ یہ چاہتے ہیں اور ان شہوت پرستوں کو یہ منظور ہے کہ تم سیدھی راہ سے ہٹ کر بہت بڑی کجی اور کج روی میں جا پڑو۔ اور راہ راست سے مڑ کر بہت دور ہو جاؤ (تیسیر) تبیین کے معنی کسی چیز کو صاف اور واضح طور پر بیان کرنے کے ہیں۔ چونکہ اوپر بعض احکام بیان فرمائے تھے۔ اس لئے فرمایا ہم یہ چاہتے ہیں کہ تمہارے روبرو ان احکام کی بعض حکمتیں تم سے صاف صاف بیان کر دیں۔ سنن کے معنی ہیں طریقے۔ مطلب یہ ہے کہ تم سے پہلے جو انبیاء اور صلحا گذرے ہیں ان کے ان طریقوں پر تم کو چلائیں جو تمہاری شریعت میں منسوخ شدہ نہ ہوں۔ کیونکہ سوائے چند باتوں کے اور باقی امور سب انبیاء کی شرائع میں ملتے جلتے ہی ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سنن سے مراد پہلے لوگوں کے واقعات و حالات ہوں جیسا کہ بعض حضرات نے اختیار کیا ہے تو اب ہدایت کا ترجمہ چلانا نہیں بلکہ دکھانا اور بتانا ہوگا۔ اور مطلب یہ ہوگا کہ احکام کی تبیین عمل کرنے کے لئے اور پہلوں کے واقعات عبرت کی غرض سے بیان کئے ہیں۔ بہرحال دونوں باتوں سے مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر توجہ فرمائے۔ احکام بیان کئے اور پہلوں کے حالات بتائے یا پہلوں کے طریقہ پر چلائے غرض اس سب سے مہربانی کے ساتھ تمہارے حال پر توجہ فرمانا اور تم پر عنایت کرنا ہے۔ کیونکہ جو باتیں بھی ہم بیان فرماتے ہیں ان میں تمہارا نفع ہی نفع ہے۔ بعض حضرات نے یتوب علیکم سے مراد توبہ لی ہے اور یوں ترجمہ کیا ہے کہ وہ تم کو توبہ کی توفیق دے اور تم کو معصیت سے فرماں برداری کی جانب لوٹائے واللہ اعلم۔ آخر میں علم و حکمت کا ذکر فرمایا تاکہ یہ بات ظاہر ہو جائے کہ بندوں کی ضرورت سے وہ بخوبی واقف ہے اور چونکہ حکیم ہے اس لئے بندوں کی مصلحت کی رعایت رکھتا ہے پھر تاکید کے طور پر مکرر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو تو تمہارے حال پر مہربانی کے ساتھ توجہ کرنا منظور ہے اور ان احکام کے بیان کرنے اور پہلے لوگوں کا راستہ دکھانے کی وجہ یہی ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اوپر کی آیت میں یتوب علیکم سے مراد گناہوں کی مغفرت ہو اور دوسری آیت میں یتوب علیکم سے مراد کمال مہربانی اور نیک امور کی توفیق ہو اس تقریر پر تکرار لازم نہ آئے گی۔ بہرحال اللہ تعالیٰ کا مقصد تو اپنے بندوں

پر مہربانی فرماتا ہے اور جو لوگ شہوات کے پیرو ہیں وہ یہ چاہتے ہیں کہ تم راہ حق سے باطل کی جانب مائل ہو جاؤ اور ایسی کج راہی میں جا پڑو جس کے بعد راہ حق کی جانب واپسی کی کوئی توقع نہ رہے یتبعون الشهوات سے مراد فاسق فاجر لوگ ہیں اور ہو سکتا ہے زانی ہوں یا نصاریٰ ہوں اور ہو سکتا ہے کہ مجوس ہوں کیونکہ وہ سگی بہن اور بھانجی بھتیجی سے نکاح کر لیتے تھے اس لئے ان کی جانب سے ان محرمات پر کوئی اعتراض کیا گیا ہو اور ہو سکتا ہے کہ یہود ہوں کیونکہ ان کے ہاں بھی علاتی بہن سے نکاح درست تھا اور وہ بھی علاتی بھتیجی اور بھانجی سے نکاح کرنے کو جائز سمجھتے تھے جیسا کہ بعض نے کہا ہے چونکہ شان نزول میں مختلف روایات ثابت ہیں اس لئے تفسیر میں بھی اقوال مختلف ہو گئے ہیں۔ میل عظیم جس کے معنی ہم نے بڑی کجی اور کجراہی کیا ہے۔ اس کے بھی دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ حرام کو حلال سمجھ کر مرتکب ہو۔ دوسرے یہ کہ گناہ کو گناہ سمجھے مگر دلیری کے ساتھ اس کا مرتکب ہو۔ پہلی صورت کا تعلق کفار کے ساتھ ہے اور دوسری صورت کا تعلق فساق کے ساتھ ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کافر یہ چاہتے ہوں کہ تم حرام کو حلال کہنے لگو اور فاسق یہ چاہتے ہوں کہ تم خوب جی کھول کر گناہ کرو۔ شہوات سے وہ خواہشات مراد ہیں جو غیر شرعی ہیں اور انہی کا اتباع مذموم ہے۔ اور جو باتیں شرعاً مباح اور جائز ہیں ان کی خواہش مذموم نہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی بری صحبت جو آدمی کا دل ڈرائے برے کام پر اور شرع پر مقید نہ رہنے دے۔ موضح القرآن حضرت شاہ صاحبؒ نے کیا خوب خلاصہ بیان فرمایا ہے۔ بری صحبت کو اس کج روی میں بڑا دخل ہے خواہ وہ کسی کی ہو۔ ہر برا آدمی یہی چاہتا ہے کہ دوسرے کو اپنے رنگ میں رنگ لے۔ آگے اللہ تعالیٰ احکام میں آسانی اور تخفیف کا اظہار فرماتا ہے تاکہ احکام کی مصلحت کے ساتھ یہ بات بھی ظاہر ہو جائے کہ احکام میں رعایت اور آسانی بھی منظور ہے تاکہ ان کو بجا لانے میں کوئی دشواری نہ ہو۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل) اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ وہ تم پر آسانی اور تخفیف فرمائے اور تم پر سے بوجھ کو ہلکا کر دے کیونکہ انسان کو طبعاً کمزور پیدا کیا گیا ہے (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ انسان اور مکلفین کے مقابلہ میں چونکہ طبعاً کمزور بنایا گیا ہے اور احکام شاقہ کا تحمل نہیں کر سکتا اس لئے اللہ تعالیٰ تم پر آسانی کرنا چاہتا ہے اور یہ اس کے علم و حکمت اور رحمت و شفقت کا کمال ہے اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ سابقہ امم پر جو احکام مقرر کئے تھے اس میں تمہاری حالت کا لحاظ کرتے ہوئے تخفیف منظور ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ تم پر سے اس بوجھ کو ہلکا کر دیں کیونکہ اول تو انسان ضعیف الخلقت ہے پھر آخری امت اپنے قویٰ اور ہمت کے اعتبار سے اور بھی زیادہ کمزور ہے اور جس قدر قیامت کا زمانہ قریب آتا جائے گا یہ ضعف اور کمزوری زیادہ ہوتی جائے گی۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کو تم پر تخفیف منظور ہے۔ اور یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ پہلی امتوں سے اس امت میں احکام کی آسانی زیادہ ہے حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی شرع میں کسی چیز کی تنگی نہیں کہ کوئی حلال کو چھوڑے اور حرام کو دوڑے۔ موضح القرآن اوپر کی آیتوں میں حرمت و حلت کے بعض مخصوص احکام تھے۔ مثلاً یتیموں کا مال نہ کھاؤ یتیموں پر ظلم نہ کرو۔ وارثوں کی میراث نہ مارو۔ اب آگے ان احکام کی تعمیم فرماتے ہیں (تسہیل) ف

بقیہ صفحہ ۱۳۱

قتل بلا عمد وغیرہ کی تفصیل انشاء اللہ آگے آجائے گی اب

آگے آیت میں عام کبائر سے بچنے کی ترغیب مذکور ہے کہ اگر تم لوگ کبائر سے بچتے رہو گے خواہ وہ مذکورہ ہوں یا غیر مذکورہ تو تم کو اس سے بہت فائدہ پہنچے گا۔ اوپر کی آیت میں کبائر کے ارتکاب پر ترہیب تھی اب کبائر سے بچنے پر ترغیب ہے۔ (تسہیل) جن کاموں سے تم کو منع کیا جا رہا ہے اور جن اعمال و افعال سے بچنے کا تم کو حکم دیا جا رہا ہے یعنی جن گناہوں کے ارتکاب سے تم کو روکا جاتا ہے ان میں جو بڑے بڑے گناہ ہیں اگر تم ان سے اجتناب کرو اور کبیرہ گناہوں سے بچتے رہو تو ہم تمہارے صغیرہ گناہ اور چھوٹی چھوٹی خطائیں اپنے قاعدے کے مطابق معاف کر دیں گے اور تم سے ان خطاؤں کو دور کر دیں گے اور تم کو ایک معزز جگہ اور باعزت مقام میں داخل کریں گے یعنی جنت میں داخل کر دیں گے (تیسیر) ہم نے عرض کیا تھا کہ اوپر کی آیت میں قتل نفس پر اور غیر مباح طریقوں سے مال کھانے پر اور نیز دوسرے جرائم پر دوزخ کی وعید فرمائی تھی اب اس آیت میں کبائر سے بچنے پر صغائر کی معافی اور جنت عطا کرنے کی خوش خبری ہے۔ اس آیت سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ ممنوعات شرعیہ کی دو قسمیں ہیں ایک کبیرہ اور ایک صغیرہ یا یوں کہا جائے کہ منہیات کی دو قسمیں ہیں ایک کبیرہ اور ایک صغیرہ جس کو سیئات کہا گیا ہے۔ بہرحال جہاں تک حضرت حق تعالیٰ کی بزرگی اور برتری کا معاملہ ہے اس کے مقابلہ میں تو ہر نافرمانی کو کبیرہ کہا جا سکتا ہے کیونکہ ان کی عظمت و جلال کے لحاظ سے چھوٹی سی تقصیر اور نافرمانی بھی کبیرہ اور بڑی ہے لیکن اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ شریعت میں اس قسم کی تقسیم موجود ہے بعض گناہوں پر وعید کا ذکر آیا ہے بعض گناہوں پر حد جاری کرنے کا حکم ہے۔ اور بعض پر اس قدر سختی اور تغلیظ نہیں ہے۔ سورۂ والنجم میں فرمایا الذین یجتنبون کبائر الاثم والفواحش الا اللمم۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ فواحش اور لمم دو چیزیں ہیں۔ اسی طرح اس آیت میں بھی ما تنهون عنه کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کبائر الاثم ایک قسم ہے اور سیئات دوسری قسم ہے گویا مقسم تو منہی عنہ ہے اور اس مقسم کی دو قسمیں ہیں اور دونوں کا مصداق الگ الگ ہے۔ اس لئے بعض اہل تحقیق نے فرمایا ہے کہ اس تقسیم کا مبنیٰ گناہ کی کیفیت ہے جو گناہ زیادہ ضرر رساں اور بہت قبیح ہے وہ کبیرہ کہا جاتا ہے اور جس گناہ میں یہ بات نہیں ہے اس کو صغیرہ کہتے ہیں۔ اس تقسیم کا مبنیٰ یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے اعتبار سے ایک کم ہے اور ایک زیادہ ہے۔ بہرحال مبنیٰ کچھ بھی ہو یہ تقسیم مسلّم ہے۔ کہ ایک کبیرہ ہے اور دوسرا سیئہ یا لمم یا صغیرہ ہے۔ اسی سلسلے میں ایک اور بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ بندوں کی حالت چونکہ مختلف ہے اس لئے کبھی کبھی بڑے لوگوں کو معمولی سے گناہ پر سخت تنبیہ ہو جاتی ہے۔ بلکہ معمولی درجے کے لوگ جس کو حسنات سمجھتے ہیں مقربین بارگاہ کی نظر میں ان ہی کو سیئات سمجھا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ بعض اہل سلوک کا قول مشہور رہے۔ وجودك ذنب لا يقاس به ذنب آخر یعنی خود تیرا وجود ہی ایک ایسا گناہ ہے جس سے بڑا کوئی دوسرا گناہ نہیں۔ مقربین بارگاہ کی معمولی لغزش کو بھی گناہ قرار دیدیا جاتا ہے۔ اس تمام گذارش کو ذہن نشین کر لینے کی ضرورت ہے بہرحال جب گناہوں کی دو قسمیں معلوم ہو گئیں تو اب یہ بات زیر بحث ہے کہ کبیرہ گناہ کون کون سے ہیں اور صغیرہ کون کون سے ہیں۔ اس میں بھی سلف کے مختلف اقوال ہیں اور صحیح بات یہ ہے کہ کبائر کا حصر مشکل ہے۔ ان تمام اقوال میں حضرت ابوطالب مکی کا وہ قول زیادہ واضح ہے جو صاحب روح المعانی نے نقل کیا ہے۔ حضرت ابوطالب مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کبائر کی صحیح تعداد سترہ ہے۔ ان سترہ میں سے چار گناہ تو قلب کے ہیں۔ (۱) شرک (۲) اصرار علی المعصیۃ (۳) قنوط یعنی اللہ کی رحمت سے ناامیدی (۴) امن من مکر اللہ تعالیٰ یعنی اللہ کی گرفت سے بے خوف ہو جانا۔ پھر فرماتے ہیں ان سترہ میں سے چار زبان کے ہیں۔ (۱) کسی پاک دامن پر تہمت لگانا (۲) جھوٹی گواہی (۳) جادو کرنا (۴) جھوٹی قسم کھانا۔ پھر فرماتے ہیں ان سترہ میں سے تین پیٹ کے ہیں۔ (۱) یتیم کا ظلماً مال کھانا (۲) سود کھانا (۳) نشے کی چیز کا پینا۔ پھر فرماتے ہیں ان سترہ میں سے دو شرمگاہ کے ہیں (۱) زنا (۲) لواطت۔ پھر فرماتے ہیں ان سترہ میں سے دو گناہ ہاتھ کے ہیں (۱) چوری کرنا (۲) کسی کو بے گناہ قتل کرنا۔ پھر فرماتے ہیں ان سترہ میں سے ایک گناہ پاؤں کا ہے۔ (۱) میدان جہاد سے بھاگنا۔ پھر فرماتے ہیں ایک کا تعلق پورے جسم سے ہے (۱) ماں باپ کی نافرمانی کرنا۔ ان سترہ کے علاوہ باقی تمام گناہ صغیرہ ہیں واللہ اعلم حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کبیرہ گناہ وہ ہیں جن پر قرآن و حدیث میں صاف وعدہ دیا دوزخ کا یا اللہ کا غصہ۔ یا حد مقرر فرمائی اور تقصیر وہ کہ منع فرمایا اور کچھ زیادہ نہیں موضح القرآن آیت زیر بحث کا بعض معتزلہ اور اہل باطل نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اگر کوئی شخص کبیرہ گناہ سے بالکل بچتا رہے یہاں تک کہ ایک کبیرہ گناہ بھی اس سے سرزد نہ ہو خواہ وہ صغیرہ گناہ کتنے ہی کرتا رہے تو وہ سب صغیرہ معاف کر دیئے جائیں گے اور اگر کسی نے ایک کبیرہ کا بھی ارتکاب کر لیا تو اب معافی نہیں ہوگی۔ یعنی بالکل کبیرہ نہ ہو تو صغیرہ کی معافی ضروری اور اگر صغیرہ کے ساتھ ایک یا دو کبیرہ بھی ہو گئے تو معافی ناممکن اور سب پر عذاب ضروری۔ لیکن اہل سنت کے نزدیک اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے۔ بلکہ آیت کا مطلب قواعد شرعیہ کی بنا پر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بہرحال خواہ کوئی صورت ہو مواخذہ کرنے اور معاف کرنے کا اختیار موجود ہے۔ کوئی شخص تمام عمر کبیرہ گناہ نہ کرے اور صغیرہ برابر کرتا رہے تب بھی ان کو اختیار ہے اور اگر کوئی کبیرہ صغیرہ ملا کر کرتا ہے تب بھی ان کو اختیار ہے خواہ وہ سب معاف فرما دے اور خواہ سب پر عذاب فرمائے۔ اسی بنا پر فقیر نے تیسیر میں اپنے قاعدہ کے مطابق کا لفظ بڑھایا ہے تاکہ حضرت حق تعالیٰ کا قاعدہ پیش نظر رہے اور وہ یہ ہے کہ کبیرہ گناہ سے اجتناب کرے اور نیک اعمال بجا لاتا رہے تب صغائر کی معافی اور ازالہ کی توقع ہے۔ اس آیت میں ایک چیز کا ذکر ہے اور دوسری جگہ دوسری بات کا ذکر ہے۔ جیسا کہ فرمایا ان الحسنات يذهبن السيئات اور جیسا کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں اس کی تفصیل موجود ہے کہ ایک وقت کی نماز دوسرے وقت کی نماز تک اور ایک جمعہ کی نماز دوسرے جمعہ کی نماز تک اور ایک رمضان کے روزے دوسرے رمضان کے روزوں تک کے درمیانی اوقات کے تمام گناہوں کا کفارہ ہیں بشرطیکہ کبائر سے اجتناب کرتا رہے۔ یعنی یہ نمازیں اور روزے صغائر کا کفارہ ہوں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ صغائر کی معافی کا وعدہ دو باتوں پر ہے۔ ایک کبائر سے اجتناب اور دوسرے طاعات کی بجا آوری۔ جب تک یہ دونوں باتیں جمع نہیں ہوں گی صغائر کی مغفرت کی توقع نہیں بعض اہل تحقیق نے فرمایا ہے کہ اس آیت زیر بحث میں بھی دونوں باتیں مذکور ہیں ایک صراحتہً جیسے ان تجتنبوا کبائر اور دوسری ترویاً مثلاً ترک نماز یا ترک صوم کہ یہ افعال بھی کبائر میں داخل ہیں لہٰذا معلوم ہوا کہ جن کبائر سے اجتناب ضروری ہے ان سے کبائر ہے

وہ جن کا ترک کبیرہ گناہ ہے ان کو بجالاتا رہے۔ تب ہم صغائر کو درگذر فرمادیں گے۔ غرض آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ جو کبائر سے بچے اور اعمال صالحہ اور حسنات بجالاتا ہے تو اس کا اثر یہ ہوگا کہ اس سے صغائر دور کردیئے جائیں گے اور اگر کوئی کبائر سے اجتناب کرے اور اعمال صالحہ کو ترک کردے تو اس سے یہ وعدہ نہ ہوگا۔ یہ ہم نے آیت کی تفسیر کے طور پر عرض کیا ہے ورنہ حضرت حق تعالیٰ کے فضل کا معاملہ بالکل دوسرا ہے کیونکہ اس کا فضل کبیرہ کے ساتھ بھی متعلق ہوسکتا ہے اور صغیرہ کے ساتھ بھی۔ لہٰذا جس طرح کبیرہ پر فضل کا احتمال ہے اسی طرح صغیرہ پر عذاب کا احتمال ہے۔ آیت زیر بحث کا اہل سنت کے مسلک کے موافق یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے اگر تم لوگ کبیرہ گناہ سے اجتناب کروگے اور کبیرہ گناہ سے بچ نکلو گے تو وہ ذرائع اور وسائل اور وہ افعال جو تم نے اس کبیرہ کے لئے کئے تھے ان پر کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔ جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ کی روایت میں مرفوعاً آیا ہے کہ ابن آدم کے ذمہ پر جو زنا کا حصہ مقرر فرما دیا ہے وہ ضرور اس کو حاصل کرے گا۔ لہٰذا زنا میں آنکھوں کا حصہ دیکھنا ہے اور زبان کا حصہ اس اجنبی عورت سے باتیں کرنا ہے اور نفس کا حصہ اس کی خواہش کرنا ہے۔ پاؤں کا حصہ اس کی طرف چلنا ہے لیکن ان سب باتوں کا تحقق اور عدم تحقق شرم گاہ پر موقوف ہے۔ اگر شرم گاہ نے زنا کی تصدیق کردی تو سب گناہ گار ٹھہرے اور اگر شرم گاہ نے تکذیب کردی یعنی زنا سے بچ گیا تو یہ سب ذرائع اور وسائل خود بخود معاف ہوگئے جو فی نفسہ مباح یا زیادہ سے زیادہ صغیرہ گناہ تھے اسی طرح ایک شخص نے چاقو خریدا اور دل میں یہ خیال کیا کہ چاقو سے فلاں شخص کو قتل کروں گا لیکن مباشرت قتل سے پہلے تائب ہوگیا اور بچ گیا تو یہ چاقو کا خریدنا معاف ہوگیا۔ یہ مطلب زیادہ واضح اور صاف ہے۔ اب معنی یہ ہیں کہ اگر تم کبائر سے اجتناب کروگے تو ہم ان ذرائع اور وسائل کو معاف فرمادیں گے جو تم نے ان کبائر کے حصول کی غرض سے اختیار کئے ہوں گے اگر آیت کی یہ توجیہ کی جائے جو آخر میں ہم نے بعض اکابر سے نقل کی ہے تو تیسیر میں اپنے قاعدے کے مطابق کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ واللہ اعلم بالصواب۔ بہرحال معتزلہ نے جو استدلال اس آیت سے کیا ہے وہ ناقابل التفات ہے اور صحیح بات وہی ہے جو حضرات اہل سنت نے فرمائی ہے اب آگے کبائر سے مجتنب رہنے اور طاعت کرنے کی فضیلت مذکور ہے اور میراث کے متعلق چند اور چیزیں بیان فرمائی ہیں (تسہیل) اور وہ امور جن میں ہم نے تم کو آپس میں ایک دوسرے پر فضیلت اور برتری عطا فرمائی ہے ان امور میں سے کسی امر کی ہوس اور حرص نہ کیا کرو۔ مردوں کے لئے ان کی استعداد اور اعمال کے موافق حصہ ہے اور عورتوں کے لئے ان کی استعداد اور اعمال کے موافق حصہ ہے اور دیکھو! اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل مانگا کرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے (تیسیر) شان نزول سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا تھا یا رسول اللہ یہ کیا بات ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ مردوں کا ذکر کرتا ہے۔ عورتوں کا نام نہیں لیتا۔ میراث میں مرد کو دوہرا اور عورت کو اکہرا حصہ ملتا ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک عورت نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ مرد کو دوہرا حصہ ہے گواہی میں بھی دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہے۔ عمل میں بھی ہمارا یہ حال ہے کہ کوئی نیکی کریں تو ہم کو آدھا ثواب ملے۔ اس پر یہ آیت اتری

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں عورتوں نے حضرت سے پوچھا کہ کیا سبب ہے حق تعالیٰ ہر جگہ مردوں پر حکم فرماتا ہے۔ عورتوں کا نام نہیں لیتا اور میراث میں مرد کو حصہ دوہرا ٹھہرایا اس پر یہ آیت اتری (موضح القرآن) مطلب یہ ہے کہ خدا کی مخلوق میں ایک کو ایک پر فضیلت و برتری دیکھنے میں آتی ہے۔ خواہ وہ فضائل کسبی ہوں خواہ وہ وہبی ہوں اللہ تعالیٰ کا یہی طریقہ جاری ہے اور اس کی مصلحت کا یہی تقاضا ہے کہ نظام عالم کو اس طرح قائم رکھے خواہ اس کمی بیشی کی مصلحت ہم کو معلوم ہو یا نہ ہو۔ مثلاً مرد کو ایک خلقی اور فطری برتری ہے اور یہ برتری ایک ایسی چیز ہے کہ باوجود ترقی کے عورت مرد کی جگہ حاصل نہیں کرسکی جو کمزوریاں قدرت کی طرف سے لے کر آئی ہے وہ موجود ہیں۔ مرد ایک پیدائشی برتری لے کر آیا ہے اسی برتری کی بنا پر اس کی ذمہ داریاں زیادہ ہیں ان ہی ذمہ داریوں کی رعایت سے اس کا حصہ عورت سے دگنا ہے۔ عورت کا ضعف اور مرد کی اصابت رائے کے لحاظ سے اس کی شہادت کو قوی رکھا گیا ہے یہ وہ باتیں ہیں جن میں کسب کو دخل نہیں۔ اب کوئی عورت یہ ہوس کرے کہ میں مرد بن جاؤں تو یہ ہوس ممنوع ہے۔ اس لئے ہم نے اکتساب کا استعارۃً تبعیہ کے طور پر استعداد کیا ہے۔ کہ ہر ایک مرد و عورت کو اس کی استعداد کے لحاظ سے حصہ ملتا ہے خواہ وہ میراث کا حصہ ہو یا شہادت و گواہی دینے کا حصہ ہو اور جو لوگ اکتساب کا ترجمہ اعمال سے کرتے ہیں ان کا مطلب یہ ہے کہ مردوں کے اعمال کا حصہ آخرت میں ان کے لئے ہے اور عورتوں کے اعمال کا حصہ آخرت میں ان کے لئے ہے بہرحال آیت اپنے عموم کے اعتبار سے ہر قسم کے فضائل کو شامل ہے یہ فضیلت قویٰ کے اعتبار سے ہو یا جاہ اور مال کے اعتبار سے ہو۔ عزت و آبرو کے اعتبار سے ہو یا اعمال کے اعتبار سے ہو پھر یہ فضیلت خواہ کسبی ہو یا وہبی ہو دینی ہو یا دنیاوی ہو البتہ اگر کسبی چیزیں ہوں تو ان میں جد و جہد کی اجازت ہے اور اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل طلب کرنے کا حکم ہے اور یہ بات اسی کے اختیار میں ہے کہ وہ کس شخص کو کس چیز کا مستحق سمجھتا ہے کیونکہ وہ ہر چیز سے واقف ہے اور ہر شخص کی اہلیت اور صلاحیت سے باخبر ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کے الفاظ یہ ہیں کہ کوئی شخص اس امر کی تمنا نہ کرے کہ کاش اس کے پاس فلاں شخص کی طرح مال ہوتا یا فلاں شخص کی طرح میرے ہاں اولاد ہوتی یہی قول ہے حسن کا ابن سیرین کا عطا اور ضحاک کا۔ ابن مسعودؓ نے ترمذی اور ابن مردویہ نے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس سے فضل کی دعا کرنا بہت پسند ہے۔ ابن جریر کی روایت میں ہے کہ اللہ کی نگاہ میں وہ بندہ پسندیدہ ہے جو کشادگی کو دوست رکھتا ہے یعنی تنگی اور مصیبت کو رفع کرنے کی دعا کرتا ہے۔ کشادگی کا انتظار کرنا افضل عبادت ہے۔ اور صحیح حدیث میں آتا ہے کہ دو شخصوں پر غبطہ کرنا جائز ہے ایک وہ کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کی نعمت سے سرفراز فرمایا ہو اور وہ ہر وقت قرآن کی خدمت میں لگا رہتا ہو رات اور دن اس کا مشغلہ قرآن ہو اور دوسرا وہ شخص کہ جس کو اللہ نے مال دیا ہو اور رات و دن اس کو خدا کی راہ میں خرچ کرتا رہتا ہو۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ خادم قرآن اور سخی کی حالت کو دیکھ کر یہ کہنا جائز ہے کہ اگر مجھے بھی اس کی مثل نعمت مل جاتی تو میں بھی یہی کرتا اور یہ ہم پہلے ہی عرض کرچکے ہیں کہ کسبی اعمال میں جد و جہد اور اللہ تعالیٰ کا فضل طلب کرنا جائز ہے یعنی اعمال خیر کی کوشش کرے اور خدا سے اس کا فضل طلب کرے تو اس میں مضائقہ نہیں اس حدیث میں زیادہ سے زیادہ ترغیب ہے

نعمت کی مثل پر تمنا کرنے کی اور آیت میں نہی ہے لیکن نعمت پر تمنا کرنے کی نہیں بہرحال فضائل کسبیہ میں اگر کوئی شخص کوشش اور محنت کرکے زیادہ ثواب حاصل کرے تو آیت اس کے منافی نہیں اور اگر آیت سے صرف فضائل خصوصی اور فطری کیلئے تمنا کی ممانعت مراد لی جائے تو پھر کسی توجیہ کی ضرورت نہیں ہے جیسا کہ ابن عباس اور عطا نے فرمایا ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کو تمنا کرنے سے روکنے کے بارے میں ہے جو یوں کہا کرتے تھے کہ فلاں کے پاس یہ ہے اور فلاں کے پاس یہ ہے اور ان عورتوں کے بارے میں ہے جو یوں کہا کرتی تھیں کہ اگر ہم مرد ہوتے تو ہم بھی جہاد کیا کرتے واللہ اعلم۔ بہرحال اس آیت میں میراث کی تقسیم پر ایک شبہ کا جواب تھا۔ اب آگے کی آیت میں پھر میراث کا ذکر ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل) اور ہم نے ہر اس مال کے جو ماں باپ اور قرابت دار چھوڑ جائیں وارث مقرر کئے ہیں یعنی بطور ترکہ چھوڑ مریں اس کے وارث ہم نے مقرر کردیئے ہیں اور وہ لوگ جن سے تمہارے عہد و پیمان ہوچکے ہیں یعنی آپس میں یہ عہد باندھ رکھا ہو کہ اگر زندگی میں مجھ کو کوئی دیت وغیرہ دینی پڑے تو وہ تم ادا کرنا اور میں مرجاؤں تو میرا ترکہ تم لے لینا ایسے عہد کرنے والے کو مولی الموالاۃ کہتے ہیں۔ تو ان لوگوں کو ان کا حصہ دیدو اور حسب وعدہ جو مولی الموالاۃ کا حق ہے وہ ان کو دے دو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر نگراں اور ہر چیز پر مطلع ہے (تیسیر) مولی۔ کے معنی ہم پہلے بیان کرچکے ہیں۔ ناصر۔ حامی۔ سرپرست۔ آقا۔ آزاد شدہ غلام۔ غلام کو آزاد کرنے والا۔ بھتیجا۔ پڑوسی غرض بہت سے معنی ہیں۔ یہاں وارث مراد ہے۔ خواہ وارث ذوی الفروض ہوں۔ یا عصبات یا ذوی الارحام۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے موالی کی تفسیر صرف عصبات منقول ہے۔ عقدت ایمانکم۔ وہ لوگ جن سے تمہارا عہد ہوا ہو۔ چونکہ عہد کرتے وقت یا آپس میں حلف کرتے وقت ہاتھ ملایا کرتے تھے اور ہاتھ ملا کر عہد کرتے تھے اس لئے عقدت ایمانکم فرمایا کسی عہد پر ہاتھ ملانے کا دستور ہمارے ہاں بھی ہے۔ اگر ہاتھ نہ بھی ملایا جائے تب بھی عہد زبان سے کافی ہے۔ بہرحال زمانۂ جاہلیت میں اس قسم کے عہد کا دستور تھا۔ دو شخص آپس میں حلف اور عہد کرلیا کرتے تھے یہ عہد ایک دوسرے کی باہمی امداد اور خیر خواہی اور دیت پر ہوا کرتا تھا اور ان دونوں میں سے جو مرجاتا تھا اس کے مال کا وارث بھی وہی حلیف ہوتا تھا۔ یہ لوگ مولی الموالاۃ کہلاتے تھے اور مولی الموالات کو باقاعدہ وارث سمجھا جاتا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں مہاجرین اور انصار کے مابین جو بھائی چارہ قائم کیا تھا وہ بھی اسی دستور کے مطابق تھا۔ پھر ایک طرف تو مسلمانوں کی تعداد بڑھتی گئی اور دوسری طرف میراث کے احکام نازل ہوتے رہے یہاں تک کہ مولی الموالات کا چھٹا حصہ مقرر کردیا گیا۔ فاتوھم نصیبھم میں شاید اسی چھٹے حصہ کی طرف اشارہ ہو۔ اس کے بعد کچھ اور تبدیلیاں ہوئیں۔ یہاں تک کہ مولی الموالات کا حصہ ختم ہوگیا۔ البتہ عہد کا استحقاق رہا کہ اگر دو آدمی آپس میں ایسا کوئی عہد کریں اور حلف کریں تو سوائے ورثہ کے اور تمام امور میں اس عہد کو پورا کرنا چاہیئے۔ یعنی مدد۔ خیر خواہی اور افادت وغیرہ بدستور کرنی چاہیئے۔ البتہ میراث میں سے کچھ نہیں ملے گا۔ اگر اس قسم کے معاہدین کے کچھ ورثا ہوں خواہ وہ ذوی الفروض ہوں یا عصبہ ہوں یا ذوی الارحام ہوں تو تمام ترکہ ان پر ہی تقسیم ہوگا۔ مولی الموالاۃ کو کچھ نہیں ملے گا۔ البتہ مولی الموالاۃ کے لئے

وصیت جائز ہوگی۔ جیسے بھتیجے کے لئے یا منہ بولے بھائی کے لئے کوئی وصیت کر دے تو وہ وصیت جاری ہوگی بشرطیکہ ثلث مال سے زائد نہ ہو اور ایسے معاہدین کا کوئی وارث ہی نہ ہو تو امام مالک اور امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ پھر بھی مولی الموالاۃ کو کچھ نہیں ملے گا اور تمام ترکہ بیت المال میں داخل کر دیا جائے گا۔ لیکن امام ابوحنیفہ اور امام احمد کے نزدیک ایسی حالت میں کل میراث مولی الموالاۃ کو ملے گی۔ اور یہ جو حدیث میں آیا ہے لاحلف فی الاسلام اس کا مطلب یہ ہے کہ آپس میں ترکہ پر جو عہد و پیمان اور قسا قسمی کا قاعدہ جاری تھا وہ باقی نہیں رہا اور جیسا پہلے ورثا کو محروم کر دیا جاتا تھا اور عہد کرنے والے کو ترکہ مل جاتا تھا وہ بات ختم ہوگئی۔ یہ امر بھی ملحوظ خاطر رہے کہ یہ عہد دونوں طرف سے ہونا ضروری نہیں بلکہ کبھی ایک ہی طرف سے ہوتا ہے اور جس طرح یہ عہد ہو سکتا ہے اسی طرح بعض وجوہ سے فسخ بھی ہو سکتا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ اکثر لوگ حضرت کے ساتھ اکیلے مسلمان ہوئے تھے ان کے اقربا کافر رہے تو حضرت نے دو دو مسلمانوں کو آپس میں بھائی کر دیا وہی ایک دوسرے کے وارث ہوتے جب ان کے اقربا مسلمان ہوئے تب یہ آیت اتری کہ میراث ہے قرابت ہی پر اور قول کے بھائیوں سے زندگی میں سلوک رہے یا مرتے وقت کچھ وصیت کر دو ۔ (موضح القرآن) اور یہ جو ہم نے عرض کیا تھا کہ دو عہد کرنے والوں میں مدد اور خیر خواہی وغیرہ جاری رہنی چاہیئے یہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے ایک قول کی بنا پر عرض کیا ہے حضرت جرالامۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فاتوھم نصیبھم کے یہی معنی کئے ہیں۔ چونکہ اوپر کی آیت میں ایک نطری اور طبعی فضیلت کا ذکر فرمایا تھا اور اس قسم کی فضیلت پر ہوس وحرص کی ممانعت فرمائی تھی اور ہر ایک مرد اور عورت کی استعداد کا ذکر فرمایا تھا۔ جس سے مرد و عورت کا فرق سمجھ میں آتا تھا اب اس کی تفصیل ہے۔ کیونکہ جب دونوں میں فرق ہے تو یقیناً ان کے حقوق بھی جدا جدا ہونگے۔ اور ان حقوق میں کبھی کبھی اختلاف بھی پیدا ہوگا۔ اس لئے آگے کی آیتیں ان ہی حقوق کو ظاہر کرتی ہیں اور اختلاف کی صورت میں فیصلے کا طریقہ بتاتی ہیں (تسہیل)

بقیہ صفحہ ۱۳۲

یا پیچھ کے بولیں اور ان کو کوئی حکم دو اور نہ تعمیل نہ کریں۔ یہ وہ امور ہیں جن سے عورت کی بدخوئی۔ بدذہنی اور اس کی نافرمانی معلوم ہو سکتی ہے لہٰذا ان کی اصلاح کرو۔ ورنہ بدمزاج اور ناشزہ عورت سے ازدواجی زندگی تلخ ہو جانے کی اصلاح کے علی الترتیب تین طریقے بتائے کہ اول زبان سے نصیحت کرو اس کو سمجھاؤ کہ تمہارا یہ طریقہ غلط ہے اور اللہ و رسول کی مرضی کے خلاف ہے۔ وہ مان جائے تو خیر اور اگر نہ مانے تو اظہار ناراضگی کے طور پر اس کے ساتھ سونا چھوڑ دو اور اس کو تنہا بستر پر پڑا رہنے دو لیکن رہو گھر ہی میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کا ایک قول یہ ہے کہ اس سے پیٹھ موڑ کے سو۔ اگر تمہارے اس فعل سے بھی وہ متاثر نہ ہو اور نشوز سے باز نہ آئے تو اس کو مار بھی سکتے ہو۔ مگر ایسا مارنا جس کو ضرب خفیف کہا جاتا ہے۔ یعنی لکڑی سے نہ مارو اور ایسا نہ مارو کہ اس کی ہڈی ٹوٹ جائے یا زخم ہو جائے۔ حضرت حسن بصریؒ کا قول ہے کہ ایسا نہ مارو جس سے بدن پر کوئی نشان پڑ جائے بلکہ مسواک یا کپڑے سے رومال کا کوڑا بنا کے مار دے حضرت امام شافعیؒ کا قول ہے کہ ضرب کا ترک افضل ہے اگرچہ مارنا مباح ہے۔ اس تدبیر کے بعد اگر وہ رام ہو جائیں اور نشوز کو ترک کر دیں تو پھر خواہ مخواہ ان پر زیادتی کرنے کا کوئی بہانہ تلاش نہ کرو اور ان پر الزام قائم کرنے کی کوئی راہ نہ ڈھونڈو اور اپنی برتری کا ناجائز استعمال نہ کرو اور یہ بات یاد رکھو کہ حقیقی بلندی۔ برتری اور بالادستی اور ہر قسم کی بڑائی اللہ تعالیٰ ہی کو زیبا ہے تم کو جو بالادستی عطا فرمائی ہے وہ محض خانہ داری کے انتظام کو قائم رکھنے اور ازدواجی زندگی کو خوش گوار بنانے کی غرض سے عطا فرمائی ہے۔ تم کو اس غرض سے بالادست نہیں بنایا ہے کہ تم ان پر ظلم کرو اور بلا وجہ ان کو ستاؤ۔ شان نزول کے باب میں جو روایتیں آئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض عورتوں نے خاوند کے مارنے کی شکایت سرکار رسالت پناہ سے کی تھی آپ نے چاہا کہ شوہر سے قصاص دلوائیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ حضورؐ نے فرمایا اردت امرا اراد اللہ غیرہ یعنی میں نے ایک ارادہ کیا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے خلاف ارادہ فرمایا (ابن مردویہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداءً عورتوں کو مارنے کی ممانعت فرمائی تھی۔ پھر حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ عورتیں تو سر پر چڑھ گئی ہیں۔ پھر آپ نے اجازت دے دی کہ نشوز کی حالت میں معمولی طور پر مار سکتے ہو اس پر عورتوں کی ایک جماعت نے حضورؐ کو آ کر گھیر لیا اور اپنے خاوندوں کا شکوہ کیا۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا عورتوں نے مجھ سے اپنے خاوندوں کا شکوہ کیا ہے۔ وہ لوگ کچھ اچھے نہیں ہیں ۔ (ترمذی۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ ابن ماجہ) حضرت ابوہریرہؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ بہتر عورت وہ ہے کہ جب تو اس کو دیکھے تو وہ تجھ کو خوش کر دے اور جب تو اس کو کوئی حکم دے تو وہ اس کی تعمیل کرے اور جب تو اس سے غائب ہو تو وہ تیری آبرو اور تیرے مال کی حفاظت کرے پھر حضورؐ نے یہ آیت پڑھی یعنی فالصلحت قنتت حفظت (ابن ابی حاتم) عبدالرحمان بن عوف سے مرفوعاً روایت ہے۔ جس عورت نے پانچوں وقت کی نماز پڑھی۔ رمضان کے روزے رکھے۔ اپنی عصمت کی حفاظت کی اور اپنے شوہر کی اطاعت کی تو اس سے کہا جائے گا کہ تو جنت کے جس دروازے سے چاہے جنت میں داخل ہو جا۔ (احمد) حضرت معاویہ قشیریؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم پر عورت کا کیا حق ہے آپ نے فرمایا جب کھائے اس کو کھلا اور جب تو پہنے تو اس کو پہنا اور اس کے منہ پر نہ مار اور اس کو برا نہ کہہ اور اس کو نہ چھوڑ مگر گھر میں (مسند) حضرت جابرؓ کی روایت میں ہے۔ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں عورتوں کے حقوق کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ وہ تمہاری قید میں ہیں تمہارا حق ان پر یہ ہے کہ وہ تمہارے بستر پر اس کو نہ آنے دیں جس کو تم پسند نہ کرتے ہو پھر اگر وہ ایسا کریں تو تم ان کو مارو مگر غیر موثر مارنا یعنی جس سے جسم پر نشان نہ پڑے اور ان کا حق تم پر ان کا روٹی کپڑا ہے موافق دستور کے (مسلم) حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی اللہ نے مرد کا درجہ اونچا بنایا تو عورت کو حکم برداری چاہیئے اور اگر ایک عورت بدخوئی کرے تو مرد پہلے درجے سمجھائے دوسرے درجے جدا سوئے لیکن اسی گھر میں پھر آخر درجے مارے بھی لیکن نہ ایسا کہ ضرب پہنچے پھر اگر بظاہر مطیع ہو جائیں تو کرید نہ کرے تقصیروں پر اللہ سب پر حاکم ہے۔ باقی ہر تقصیر کی ایک حد ہے اور مارنا آخر کا درجہ ہے ــــ (موضح القرآن) اب آگے زوجین کی باہم مخالفت اور کشمکش کا علاج تجویز فرماتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل) اور اگر تم لوگ ان دونوں میاں بیوی کے مابین باہمی مخالفت اور ضد اور کشمکش کے بڑھ جانے سے خوف کرو اور تم کو قرائن سے یہ معلوم ہو جائے کہ ان دونوں میں باہم کشمکش دشمنی تک پہنچ گئی ہے کہ یہ اس کو آپس میں نہیں سلجھا سکیں گے تو ایسی حالت میں ایک شخص جو عادل ہو اور اصلاح کی صلاحیت رکھتا ہو مرد کے خاندان سے اور ایک شخص اسی قابلیت کا عورت کے خاندان سے جو عادل ہو ان میاں بیوی کے پاس بھیجو تاکہ وہ دونوں شخص ان کے معاملات کو سلجھا دیں اور ان کا باہمی تصفیہ کرا دیں اگر وہ دونوں شخص واقعی اصلاح کا ارادہ کریں گے اور ان کا مقصد واقعی اصلاح ذات البین ہوگا تو اللہ تعالیٰ ان دونوں کی سعی سے ان دونوں میاں بیوی کے درمیان موافقت اور الفت پیدا کر دے گا۔ یقین کرو اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے اور ہر معاملہ سے باخبر ہے۔ وہ حکمین کی نیت کو بھی جانتا ہے اور زوجین کے ارادوں اور حالات سے بھی واقف ہے اگر حکمین کی نیت تصفیہ کی ہوگی اور زوجین کا ارادہ ان کے مشورہ پر عمل کرنے کا ہوگا تو یقیناً ان کے مابین اللہ تعالیٰ موافقت واقع کر دے گا۔ (تیسیر) بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آیت میں خطاب زوجین کے اعزا کو یا عام لوگوں کو ہے۔ کہ اگر وہ یہ دیکھیں کہ ان دونوں میں روز جھگڑا اور ان بن رہتی ہے تو وہ ایک شخص کو بیوی کی طرف سے اور ایک کو خاوند کی طرف سے مقرر کر دیں اور ظاہر ہے کہ یہ تقرر بھی زوجین کی مرضی سے ہوگا اس صورت میں اگر شوہر اور بیوی اپنے اپنے حکم کو کچھ خاص اختیار دے دیں مثلاً بیوی اپنے حکم کو خلع کا وکیل بنا دے یا شوہر اپنے حکم کو طلاق کا وکیل بنا دے تو پھر دونوں حکمین کو اپنے اپنے موکل اور موکلہ کی ہدایت کے موافق عمل کرنے کا حق ہوگا ورنہ اس جگہ حکمین کا صرف اتنا کام مذکور ہے کہ یہ دونوں شخص مشیر ہوں گے اور دونوں کے سامنے ایسی تدابیر اور صورتیں پیش کریں گے جن پر عمل کرنے سے دونوں کا گھر بس جائے اور ان میں باہم موافقت پیدا ہو جائے اس سے زیادہ ان حکمین کا اور کوئی کام نہیں ہے اور نہ اس سے زیادہ کا ان کو حق ہوگا۔ اب اگر وہ دونوں منصف شخص اصلاح کا ارادہ کریں گے اور زوجین ان کے مشورہ پر عمل کرنے پر آمادہ ہوں گے۔ تو انشاء اللہ ان میں موافقت ہو جائے گی۔ اس آیت میں حکمین کو صرف اسی قدر اختیارات مذکور ہیں حنفیہ کا مسلک یہی ہے اور امام شافعی کا قول جدید بھی یہی ہے۔ اور اگر آیت میں خطاب حکام کو ہو تو مسئلہ کی صورت دوسری ہو جائے گی ۔ جیسا کہ حضرت علیؓ نے ایک موقعہ پر فریقین سے ایک ایک حکم لے کر ان کو حکم دیا تھا کہ جاؤ دیکھو اگر اتفاق کی صورت ہو تو اتفاق کرا دو اور اگر ایسا موقعہ نہ دیکھو تو تفریق کرا دو ۔ یا حضرت عثمانؓ نے ایک دفعہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ اور حضرت معاویہؓ کو حکم بنا کر ایسا ہی حکم دیا تھا لیکن کسی والی اور حاکم کا حکم مقرر کرنا یا زوجین کا حکم مقرر کرنا اور ان کو اختیار دینا اس کا حکم دوسرا ہے۔ اس سے اس آیت میں کوئی تعارض نہیں ہے آیت میں صرف موافقت کا ذکر فرمایا ہے۔ تفریق کا کوئی ذکر نہیں اسی لئے حضرت حسن بصریؒ۔ قتادہؒ۔ زید ابن اسلم اور امام احمد وغیرہ کا یہی قول ہے کہ یہ حکم دونوں کا ملاپ کرا سکتے ہیں۔ لیکن جدائی کا ان کو حق نہ ہوگا واللہ اعلم۔ ہم نے تیسیر میں تصریح کر دی ہے کہ حکم ایسے شخص کو منتخب کیا جائے جو عادل ہو، اور تصفیہ کی صلاحیت رکھتا ہو یہ دونوں حکم میاں۔ بیوی کی موافقت اور اصلاح کا جذبہ اگر لے کر جائیں گے تو انشاء اللہ کامیاب ہوں گے من اھلہ اور من اھلھا کی قید استحبابی ہے اگر زوجین کے اہل نہ ہوں گے تب بھی ان کا حکم ہونا جائز ہوگا۔ اب

تک زوجین کے حقوق یتامیٰ کے حقوق اور وارثوں کے حقوق مذکور تھے آگے ان حقوق کو اور وسیع طور پر بیان فرماتے ہیں اور وسعت حقوق میں چونکہ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لانا بھی شامل ہے اس لئے اس کا بھی بیان ہے اور قیامت پر ایمان لانے کا بھی ذکر ہے اور حقوق اللہ اور حقوق العباد میں کوتاہی کرنے والوں کی سزا بھی مذکور ہے اور یہ سلسلہ رکوع کے آخر تک چلا گیا ہے۔ اور ہم یہ بات پہلے ہی کئی بار عرض کر چکے ہیں کہ قرآن ان مسائل اعتقادیہ پر بار بار مختلف انداز و عنوان سے بحث کرتا ہے جو شریعت اسلامیہ کی اصل روح ہیں اور ان میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے پیرو ایک جانب ہیں اور تمام دنیا کے کافر و منکر ایک جانب ہیں اور وہی مسائل اعتقادیہ تمام اعمال و اخلاق اور معاشرت وغیرہ کی اصل بنیاد ہیں اس لئے احکام کے سلسلے میں ان مسائل اساسیہ کا تذکرہ ضروری ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل) اور تم سب لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی بندگی کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ اور اپنے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ اور اچھا برتاؤ کرو اور اہل قرابت کے ساتھ بھی اچھا برتاؤ کرو اور یتیموں کے ساتھ بھی اور محتاج و مساکین کے ساتھ بھی اور اس پڑوسی کے ساتھ بھی جو قریب کا پڑوسی ہو اور ساتھ کے بیٹھنے والے یعنی ہم صحبت و ہم مجلس کے ساتھ بھی اور مسافر کے ساتھ بھی اور ان لونڈی اور غلاموں کے ساتھ جن کے تمہارے داہنے ہاتھ مالک ہوئے ہیں یعنی اپنے ممالیک کے ساتھ بھی۔ یقین جانو! اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پسند نہیں فرماتا جو تکبر کرنے والے، شیخی مارنے والے ہوں (تیسیر) خدا کی عبادت کا مطلب یہ ہے کہ اُس کو وحدہٗ لاشریک سمجھو اور صرف اسی کی عبادت کرو۔ شریک نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی ذات میں یا اس کی صفات میں کسی کو شریک نہ کرو۔ عبادت کے معنی ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ شرک کو بھی چند مرتبہ بیان کیا جا چکا ہے۔ کوئی انسان ہو یا غیر انسان ہو سب خدا کی مخلوق ہیں اور واجب الوجود کے مقابلہ میں ہر ممکن حقیر اور کم درجے کا ہے۔ اس لئے اس کی مخلوق میں کوئی بھی اس کا مستحق نہیں کہ حضرت حق جل مجدہٗ کے ساتھ اس کو شریک کیا جائے اور جو شخص ایسا کرتا ہے وہ بڑا ہی ظالم اور ناسپاس ہے۔ اپنی عبادت کا حکم دینے اور شرک سے منع کرنے کے بعد والدین کا ذکر فرمایا کہ ان کے ساتھ احسان اور نیکی کرو۔ ماں باپ کے ساتھ احسان کرنے کی قرآن و حدیث میں بار بار تاکید فرمائی ہے اور ان میں سے کسی ایک کی نافرمانی کو بھی کبیرہ گناہوں میں سے شمار کیا ہے۔ ماں باپ کے بعد دوسرے اہل قرابت کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا اگر خدا تعالیٰ مقدرت دے تو ماں باپ کے بعد دوسرے اہل قرابت کا خیال رکھے اگر پیسہ نہ ہو تو ہاتھ پاؤں سے اپنی خدمت کرے یتامیٰ اور مساکین کا ذکر تیسرے اور چوتھے پارے میں مفصل گزر چکا ہے۔ قریب کے پڑوسی کا مطلب یہ ہے کہ اس کا دروازہ اپنے دروازے کے قریب ہو دور کا پڑوسی یہ کہ اُس کا دروازہ دور ہو اور فاصلے سے ہو لیکن محلہ ایک ہی ہو۔ والجار ذی القربیٰ کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ پڑوسی بھی ہو اور قرابت دار بھی ہو۔ اور جنب کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ پڑوسی ہو مگر قربت دار نہ ہو والصاحب بالجنب کا مطلب یہ ہے کہ روز کے آنے جانے والے، اُٹھنے بیٹھنے والے ہوں ایسے ہی شخص کو ہم مجلس اور ہم صحبت بھی کہا جاتا ہے۔ مسافر عام ہے خواہ وہ آپ کا رفیق سفر ہو یا نہ ہو اور خواہ وہ آپ کا مہمان ہو یا نہ ہو مسافر

ہو اور ضرورت مند ہو تو اس کے ساتھ حسن سلوک کا حکم ہے لونڈی غلام کا مطلب یہ کہ شرعاً وہ تمہارے مملوک ہوں اور یہ چیز آج کل ہمارے ملک میں مفقود ہے نہ شرعاً کوئی لونڈی ہے نہ غلام ہے۔ بہرحال اگر لونڈی غلام ہوں تو ان کے ساتھ بھی حسن سلوک کا حکم ہے۔ آخر میں اس سبب کی طرف اشارہ ہے جو ان احکام کے بجالانے میں کوتاہی کا موجب ہوتا ہے ان میں سے ایک تو تکبر ہے یعنی اپنے آپ کو بڑا سمجھنا اور دوسرے کو ناقابل التفات سمجھنا۔ اور متکبر عام طور سے شیخی خورہ ہوتا ہے کیونکہ اپنی بڑائی کرتا رہتا ہے۔ دل میں تکبر ہوگا تو زبان سے ضرور شیخی کی باتیں کرے گا ایسے لوگوں کو فرمایا کہ ہم متکبر اور شیخی خوروں کو پسند نہیں کرتے۔ دوسرا سبب آگے کی آیت میں آجائے گا۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی اوّل اللہ کا حق ادا کرو پھر ماں باپ کا پھر ان سب کا درجہ بدرجہ ہمسایہ قریب کا حق زیادہ ہے اور ہمسایہ اجنبی کا اس سے پیچھے قریب یعنی قرابتی اور برابر کا رفیق جو ایک کام میں ساتھ شریک ہو جیسے ایک استاد کے دو شاگرد یا ایک خاوند کے دو نوکر اور فرمایا کہ ان کے حق ادا نہ کرنے والا وہی ہے جس کے مزاج میں تکبر اور خود پسندی ہے کہ کسی کو اپنے برابر نہیں سمجھتا (موضح القرآن) حدیث میں آتا ہے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل ہمسایہ کے حق میں ہمیشہ مجھے تاکید کرتے رہے یہاں تک کہ مجھے یہ گمان ہوا کہ شاید ہمسایہ کا ورثہ مقرر ہو جائے گا۔ امام احمد اور ترمذی نے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ ہمسایوں میں بہتر وہ شخص ہے جو اپنے ہمسائے میں قریب تر ہو حضرت عمرؓ سے مرفوعاً امام احمد نے نقل کیا ہے کہ بغیر اپنے ہمسایہ کے پیٹ بھر کر نہ کھاؤ یعنی یہ نہ ہو کہ تم پیٹ بھر کر کھاؤ اور تمہارا ہمسایہ بھوکا رہے۔ مقداد بن الاسود کی روایت میں ہے کہ حضور نے اپنے اصحاب سے دریافت فرمایا تم زنا کو کیا سمجھتے ہو۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ زنا کو اللہ اور اُس کے رسول نے قیامت تک کے لئے حرام فرما دیا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ ایک ہمسایہ کی عورت کے ساتھ زنا کرنا غیر ہمسایہ کی دس عورتوں کے ساتھ زنا کرنے سے زیادہ بدتر ہے۔ اسی طرح حضور نے چوری کو دریافت کیا اور جب اصحاب نے اس کو حرام کہا تو حضور نے فرمایا۔ ہمسایہ کے گھر میں چوری کرنا دس گھر چوری کرنے سے زیادہ بدتر ہے۔ اس روایت کو امام احمدؒ نے نقل کیا ہے۔ جابر بن عبداللہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ پڑوسی تین قسم کے ہیں۔ ایک وہ جس کا ایک حق ہے۔ اور ایک وہ ہمسایہ ہے جس کے دو حق ہیں اور ایک وہ ہمسایہ ہے جس کے تجھ پر تین حق ہیں جس کا ایک حق ہے وہ ہمسایہ وہ ہے جو مشرک ہو اور تیرا قرابتدار نہ ہو۔ اور جس کے دو حق ہیں وہ مسلمان پڑوسی ہے۔ ایک اسلام کا حق دوسرا پڑوس کا حق اور جس ہمسایہ کے تین حق ہیں وہ وہ ہے جو پڑوسی ہو، مسلمان ہو اور قرابت دار بھی ہو۔ اس کا ایک حق پڑوسی ہونے کا، دوسرا اسلام کا تیسرا رشتہ داری کا (بزار) حضرت عائشہؓ سے بخاری نے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ میں نے حضور سے دریافت کیا یا رسول اللہ میرے دو پڑوسی ہیں میرے ہدیہ کا کون زیادہ مستحق ہے۔ حضور نے جواب دیا جس کا دروازہ تیرے دروازے سے زیادہ قریب ہے۔ حضرت ابوذر سے مسلم نے مرفوعاً نقل کیا ہے جب سالن پکاؤ تو ہمسایہ کے حق کا خیال رکھو اور ذرا پانی ڈال کر شوربا بڑھا دو۔ قرطبی نے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ میں ایک محلے میں آکر ٹھہرا ہوں جو ہمسایہ مجھ سے زیادہ قریب ہے وہی

مجھ کو زیادہ ایذا پہنچاتا ہے۔ حضور نے ابوبکرؓ عمرؓ اور علیؓ کو حکم دیا کہ مسجد کے دروازے پر پکار دو کہ ہمسایہ کا حق چالیس گھروں تک ہے اور جس کی شرارت سے اس کے ہمسایے مامون نہیں وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ ماملکت ایمانکم میں بعض مفسرین نے لونڈی غلاموں کے علاوہ جانوروں کو بھی شامل کیا ہے۔ بہرحال لونڈی غلاموں کے حقوق کی بھی بہت تاکید آئی ہے۔ حضرت ابن عمرؓ سے مرفوعاً مسلم نے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا آدمی کے گناہ گار ہونے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ اپنے مملوک کا کھانا روک لے۔ ابوذرؓ سے مرفوعاً مسلم نے روایت کیا ہے کہ جب خادم تمہارے پاس کھانا لائے تو اگر اس کو اپنے ساتھ بٹھا سکو تو ایک دو لقمہ اس کو دے دو کیونکہ اس نے اس کھانے کے تیار کرنے میں گرمی اور مشقت اٹھائی ہے ابوہریرہ کے مرفوعاً الفاظ یہ ہیں مملوک کے لئے کھانا اور کپڑا ہے اور اس کو طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دی جائے حضرت ابوذر کی ایک اور مرفوع روایت میں ہے کہ تمہارے مملوک تمہارے بھائی ہیں جو تم کھاؤ وہ ان کو کھلاؤ۔ جو تم پہنو وہی کو پہناؤ اور اس کو ایسے کام کی تکلیف نہ دو جو اس پر غالب ہو یعنی وہ اس کو کر نہ سکے اور اگر ایسا کام اس کے سپرد کرو تو اس کا ہاتھ بٹاؤ اور اس کی مدد کرو۔ متکبر اور فخر کرنے والے کے لئے بھی بہت سی حدیثوں میں وعید آئی ہے جو کسی دوسرے موقعہ پر بیان ہوں گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ بہرحال احسان نہ کرنے اور حق داروں کو ان کے حق سے محروم کرنے میں تکبر اور فخر کو بڑا دخل ہے۔ اس لئے مختال اور فخور پر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ اب آگے اس قسم کے متکبرین اور شیخی خوروں کے اور اوصاف بیان فرماتے ہیں (تسہیل)

بقیہ صفحہ ۱۳۲

اور اُس ثواب کے علاوہ اپنے پاس سے بطور اپنے انعام کے اور اجر عظیم عطا فرمائے گا۔ یعنی نیکی کو بڑھا کر ثواب دے اور اپنے پاس سے اور مزید ثواب عظیم عطا فرمائے۔ (تیسیر) اللہ پر ایمان اور آخرت پر ایمان کا مطلب یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ کو تسلیم کر لیتے اور خدا کے دیئے ہوئے مال میں سے کچھ خیرات کرتے رہتے تو ان کا کیا نقصان ہو جاتا مگر محض اپنی ہٹ دھرمی اور ضد کی وجہ سے اسلامی احکام کو قبول نہیں کرتے اور اپنے مالوں میں بخیل بنے بیٹھے ہیں۔ اسلام تو ایک ایسا مذہب ہے کہ ہر اعتبار سے مفید ہی مفید ہے پھر فرمایا اللہ تعالیٰ تو ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا، نہ کسی کے ثواب کو کم کرتا ہے اور نہ کسی کو بلا وجہ عذاب کرتا ہے بلکہ اس کی شان تو ایسی ہے کہ چھوٹی سی نیکی کو بھی کم از کم دس گنا کر کے اس کا ثواب دیتا ہے اور بلا معاوضہ جو کچھ اپنے پاس سے محض اپنے فضل سے بطور انعام دیتا ہے اس کا تو ٹھکانا ہی کیا ہے حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی اللہ کی راہ میں خرچ کرنا کسی طرح نقصان دہ نہیں۔ آخرت کا ثواب بے شمار ہے دنیا میں بھی عوض پاتا ہے۔ اس پر رسول خدا نے قسم کھائی ہے (موضح القرآن) ابوداؤد طیالسی نے حضرت انسؓ سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ ظلم نہیں کرتا کسی مومن پر جو وہ نیکی کرتا ہے اس کا بدلا اس کو دنیا میں رزق دیتا ہے اور آخرت میں اس کا صلہ عطا فرماتا ہے اور کافر کو دنیا میں کھلاتا ہے۔ لیکن قیامت کے دن اس کی کوئی نیکی نہ ہوگی۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں۔ مجھ کو یہ بات پہنچی ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ مومن کو

ایک نیکی کے بدلے میں ایک لاکھ نیکیاں دیتا ہے۔ ابوعثمان کہتے ہیں کہ میں حج یا عمرے کو گیا تھا تو میں نے حضرت ابوہریرہ سے ملاقات کرکے ان سے اس روایت کو دریافت کیا۔ تو انہوں نے اس کی تصدیق کی اور قسم کھا کر فرمایا کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے اس واقعہ کو امام احمد نے اور ابن ابی حاتم نے نقل کیا ہے۔ اب آگے تتمہ کے طور پر قیامت میں ان منکرین کا جو حشر ہونے والا ہے اس کا بیان فرماتے ہیں اور چونکہ ایمان باللہ رسول پر ایمان لانے کو مستلزم ہے اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر بھی صراحۃً مذکور ہے (تسہیل)

بقیہ صفحہ ۱۳۴

بے شمار مفاسد سے وہ نماز روکنے والی ہے۔ اس لئے درمیان میں نماز کا ذکر کر دیا گیا۔ تاکہ جن امراض کا اوپر ذکر کیا گیا تھا خواہ وہ حقوق الٰہیہ ہوں یا حق العباد، ان کا علاج بھی معلوم ہو جائے اور ہم یہ بات اس سورت کی تمہید میں عرض کر چکے تھے کہ جنگ بدر کے بعد اسلام کی ترقی کا ایک خاص دور شروع ہو چکا تھا اس کے بعد غزوۂ احد کے باعث نئی نئی ضرورتیں پیش آگئی تھیں اور نئے نئے سوال سامنے آگئے تھے۔ نیز تجارت اور جہاد کی وجہ سے مختلف مقامات میں سفر کی ضرورت بھی پیش آتی تھی۔ اس لئے اس سورت میں ان تمام حالات کے پیش نظر مختلف مسائل مذکور ہوئے ہیں۔ چنانچہ نماز کے ساتھ تیمم کا ذکر فرمانا ان ہی ضروریات کو پورا کرتا ہے جو مسلمانوں کو بعض غزوات میں پیش آئی تھیں (تسہیل)

اے ایمان والو! جب تم نشے کی حالت میں ہو تو اُس وقت تک کہ جو کچھ تم زبان سے کہتے ہو اس کو سمجھنے نہ لگو نماز کے قریب نہ جاؤ۔ یعنی اس وقت تک کہ دماغ صحیح نہ ہو جائے اور جو منہ سے کہتے ہو اس کو سمجھنے نہ لگو نماز مت پڑھو۔ اور اسی طرح جب تم جنابت کی حالت میں ہو تو بھی اس وقت تک نماز نہ پڑھو جب تک تم غسل نہ کرلو مگر یہ کہ تم مسافر ہو تو مسافر کے غسل کا حکم آگے آتا ہے اور اگر کبھی تم بیمار ہو یا کبھی سفر میں ہو اور غسل کی یا وضو کی ضرورت پیش آجائے اور یا بغیر مرض اور سفر کے تم میں سے کوئی شخص جائے ضرور سے فارغ ہوکر آئے اور تم کو وضو کی ضرورت پیش آجائے یا تم نے عورتوں سے قربت کی ہو اور ان سے ملے ہو اور تم کو غسل کی ضرورت پیش آجائے پھر تم ان تمام صورتوں میں پانی کے استعمال پر قدرت نہ پاؤ یعنی اس بنا پر قدرت نہ ہو کہ پانی ملتا نہیں یا ملتا ہے تو اس کا استعمال سخت ضرر رساں ہے یا کوئی درندہ اور کوئی ظالم پانی تک پہنچنے نہیں دیتا یا دور بہت ہے تو ایسی حالت میں تم پاک زمین کا قصد کرو اور اس زمین پر دو بار ہاتھ مار کر اپنے چہروں اور اپنے ہاتھوں کا مسح کر لیا کرو یعنی ایک دفعہ زمین پر ہاتھ مار کر منہ پر پھیر لو اور دوسری دفعہ ہاتھ مار کر کہنیوں تک ہاتھوں پر پھیر لیا کرو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑا معاف کرنے والا اور بڑا بخشنے والا ہے۔ اسی لئے وہ تم کو ایسے آسان حکم دیتا ہے جن کے بجا لانے میں تم کو کوئی دقت اور دشواری نہ ہو اور جو کام تم پانی سے کرتے ہو معذوری کے وقت خاک سے کرلو۔ (تیسیر)

دوسرے پارے میں ہم شراب کے متعلق مفصل عرض کر چکے ہیں اور وہاں ہم نے بتایا تھا۔ کہ یسئلونک عن الخمر والمیسر کی آیت جب نازل ہوئی، تو حضرت عمرؓ نے دعا کی یا اللہ اس خمر کے متعلق اور تفصیل بیان نازل فرما۔ چنانچہ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔ اس پر بھی حضرت عمرؓ نے یہی فرمایا کیونکہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اوقات نماز میں شراب نہ پیو کیونکہ نماز تو موخر ہو نہیں سکتی اس کو تو اپنے وقت میں ادا کرنا ہوگا اور حالت سکر میں نماز کے قریب جانے کی ممانعت آگئی جب تک سکر دور نہ ہو اور آدمی اپنے منہ کی کہی بات کو سمجھنے نہ لگے۔ نماز نہ پڑھے اور نہ معلوم نشہ اترنے تک نماز کا وقت فوت ہو جائے لہٰذا اوقات صلوٰۃ میں شراب نہ پی جائے۔ اس آیت میں بھی چونکہ عام حرمت کا اعلان نہ تھا اس لئے حضرت عمرؓ نے مکرر دعا کی اور اس کے بعد سورۂ مائدہ کی آیت نازل ہوئی۔ شان نزول سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے ہاں دعوت تھی وہاں حسب دستور شراب پی گئی۔ اتنے میں مغرب کی نماز کا وقت آگیا۔ حضرت عبدالرحمٰن یا حضرت علیؓ یا کوئی اور صاحب امام بنے قل یا ایھا الکافرون نماز میں پڑھی لیکن لا اعبد کی جگہ اعبد پڑھ گئے اور نحن نعبد ما تعبدون پڑھ دیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اور سکر کی حالت میں نماز پڑھنے سے منع کر دیا گیا۔ حضرت انس کی حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص اونگھنے لگے تو اس کو چاہیئے کہ جاکر سو رہے یہاں تک کہ وہ سمجھنے لگے کہ وہ کیا پڑھتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ سکر ہو یا نیند کا غلبہ ہو اور آدمی یہ نہ سمجھ سکے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے تو اس وقت نماز نہ پڑھے۔ اور جس طرح سکر یا نیند کی حالت میں نماز کا پڑھنا اس وقت تک ممنوع ہے جب تک آدمی اپنے منہ کی بات نہ سمجھ لے۔ اسی طرح جس پر غسل واجب ہو وہ بھی اُس وقت تک نماز نہیں پڑھ سکتا جب تک غسل نہ کرلے۔ لہٰذا اس مسئلے کو بھی اسی کے ساتھ ذکر فرمایا اور چونکہ مریض اور مسافر کو جنابت اور وضو میں تیمم کی رعایت دینی تھی اس لئے اس رعایت کا بھی اعلان فرمایا۔ ہم نے تیسیر میں لفظی ترجمہ کا کافی خلاصہ کر دیا ہے۔ آیت زیر بحث میں چونکہ عابری سبیل اور علی سفر دو مرتبہ آگیا ہے اس لئے لوگوں کو ترجمہ میں اشکال ہوتا ہے حالانکہ بات صرف اتنی ہے کہ چونکہ آگے مریض اور مسافر کو پانی نہ ملنے کی حالت میں تیمم تعلیم کرنا تھا اس لئے جنب کے ساتھ عابری . . . . . استثنا فرما دیا تاکہ جنابت کے غسل اور مریض مسافر کے تیمم میں کسی کو شبہ نہ ہو جائے۔ لہٰذا مطلب یہ ہے کہ مسلمانو! نشے کی حالت میں ہو تو اس وقت تک نماز نہ پڑھو جب تک منہ کی کہی بات سمجھنے نہ لگو اور جنابت کی حالت میں ہو تو اس وقت تک نماز نہ پڑھو جب تک غسل نہ کرلو۔ مگر مسافر کا حکم اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ وہ ہم آگے بیان کریں گے۔ اب آگے فرمایا اور اگر تم بیمار ہو یا مسافر ہو یعنی وہ مسافر جس کو ہم مستثنیٰ کر چکے ہیں اور یہ مریض اور مسافر پانی کے استعمال پر قدرت نہ رکھتے ہوں۔ مریض تو بیماری کی وجہ سے اور مسافر اپنے سفر کی وجہ سے کہ پانی بہت دور ہے یا تم میں مریض اور مسافر نہ ہو بلکہ ویسے ہی تم میں سے کسی کا وضو ٹوٹ جائے یا نہانے کی حاجت ہو جائے۔ وضو ٹوٹنے کی صورت یہ کہ پیشاب اور پاخانہ وغیرہ سے فارغ ہوا ہو اور نہانے کی حاجت کی صورت یہ کہ بیوی سے قربت کی ہو۔ بہرحال مسافر کو پانی نہ ملے تب اور بیمار کو پانی ضرر رساں ہو تب اور تندرستی کی حالت میں گھر بیٹھے ہو اور وضو یا غسل کی ضرورت ہو اور پانی میسر نہ آئے تب ان سب حالتوں میں پاک زمین سے تیمم کرلیا کرو جس کی صورت یہ ہے کہ دو بار زمین پر ہاتھ مار کر ایک دفعہ منہ پر پھیر لیا کرو اور دوسری دفعہ کہنیوں تک ہاتھوں پر پھیر لیا کرو۔ یہ اللہ تعالیٰ کی معافی اور بخشش ہے کہ وہ تم پر آسان احکام جاری کرتا ہے۔ غالباً اس تفصیل کے بعد آیت کا مطلب سمجھ لینے میں کوئی اشکال نہ رہا ہوگا حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ اس آیت میں ذکر ہے تیمم کا پہلے جو مذکور ہوا کہ کافر آخرت میں آرزو کریں گے کہ خاک میں مل جاویں خاک انسانوں کی پیدائش ہے اور اپنی پیدائش کی طرف جانا گناہوں سے بچاؤ ہے اس واسطے مٹی ملنے سے بھی طہارت فرمائی۔ فائدہ پہلے حکم فرمایا کہ نشہ میں نماز کے پاس نہ جاؤ۔ یہ حکم جب تھا کہ نشہ حرام نہ ہوا تھا لیکن نماز سے مانع ٹھہرا تھا اور اگر اب نیند سے بے ہوش ہو یا مرض سے کہ اپنے منہ کا لفظ نہ بوجھے تو اس حالت کی نماز درست نہیں پھر قضا کرے فائدہ پھر فرمایا کہ جنابت میں نماز کے پاس نہ جاؤ جب تک غسل نہ کرو مگر راہ چلتے یعنی سفر میں کہ اس کا حکم آگے ہے۔ پھر فرمایا اگر پانی کا عذر ہو اور طہارت ضرور ہو تو زمین سے تیمم کرو پانی کا عذر تین صورت سے بتایا اور طہارت کا ضرور ہونا دو صورت سے ایک صورت پانی کے عذر کی یہ کہ مریض ہو یا پانی ضرر کرتا ہو دوسری یہ کہ سفر در پیش ہے پانی پینے کو رکھا ہے آگے دور تک نہ ملے گا تیسری یہ کہ پانی موجود نہیں اس تیسری کے ساتھ دو صورتیں طہارت کی ضرورت کی فرمائیں ایک یہ کہ شخص جائے ضرور سے آیا وضو کی حاجت ہے دوسرے یہ کہ عورت سے لگا غسل کی حاجت ہے۔ فائدہ اب تیمم کا طریق یہ کہ پاک زمین پر دونوں ہاتھ مارے پھر منہ کو مل لیا تمام پھر دونوں ہاتھ مارے پھر ہاتھوں کو مل لیا کہنی تک (موضح القرآن) حضرت شاہ صاحبؒ نے چند مسائل کا ذکر بھی کیا ہے اس سلسلے میں ہم انشاءاللہ بشرط زندگی سورۂ مائدہ میں عرض کریں گے۔ اصل آیت جو تیمم کے بارے میں نازل ہوئی ہے وہی ہے اور یہاں تو تیمم کا ذکر شاید اسلع کے بارے میں آیا ہے کیونکہ اسلع کو ایک دن غسل کی حاجت ہوگئی اور موسم سردی کا تھا، رات بہت ٹھنڈی تھی۔ یہ اسلع حضرت کے خادم تھے جب آپ نے اسلع کو آواز دی تو انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ مجھے غسل کی ضرورت ہے اور سردی ایسی ہے کہ اگر میں غسل کرلوں تو شاید مرجاؤں یا بیمار ہو جاؤں۔ اس پر حضرت جبرئیل علیہ السلام یہ آیتیں لائے۔ تو اس آیت کا نزول سرد راتوں میں جبکہ اندیشہ ہو مرض یا ہلاکت کا تیمم کی رخصت کے لئے تھا۔ اس واقعہ کو طبرانی نے حضرت اسلع سے نقل کیا ہے بہرحال اس آیت سے جو مسائل مستنبط ہوتے ہیں ان میں باہم ائمہ کا اختلاف ہے۔ جو فقہ کی کتابوں سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔ ہم نے جو کچھ عرض کیا ہے وہ فقہ حنفیہ کے موافق عرض کیا ہے۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ تیمم میں نیت فرض ہے اور غسل کا اور وضو کا تیمم ایک ہی طرح ہے غسل کے تیمم میں غسل کی اور وضو کے تیمم میں وضو کی نیت کرنی چاہیئے۔ زمین سے تیمم کرنا چاہیئے لیکن جو چیز زمین کی جنس سے ہو اس سے بھی تیمم ہو سکتا ہے۔ تیمم میں حنفیہ کے نزدیک دو ضربیں ہیں جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں۔ اوپر کی آیت میں ویکتمون ما آتھم اللہ من فضلہ سے اہل کتاب کا نبی آخر الزماں کی نعت کے کتمان کی طرف اشارہ فرمایا تھا اب ان ہی اہل کتاب کی بعض اور شرارتوں کا اور ان کی مذموم حرکات کا ذکر فرماتے ہیں اور یہ سلسلہ دور تک چلا گیا ہے کہیں کہیں کسی خاص مناسبت سے دوسرے مسائل کا تذکرہ آگیا ہے ورنہ تقریباً تین رکوع تک اہل کتاب اور بالخصوص یہود کا ہی بیان ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ (تسہیل)

اے مخاطب کیا تو نے ان لوگوں کی حالت پر نظر نہیں کی اور تو نے ان کو متعجبانہ نظر سے نہیں دیکھا جن کو کتاب یعنی توریت سے کافی حصہ ملا ہے اور توریت کے علم سے ان کو کافی اور ایک اچھا خاصا حصہ ملا ہے مگر باوجود اس کے وہ لوگ کفر کی گمراہی خرید رہے ہیں اور انہوں نے گمراہی کو اختیار کر رکھا

ہے اور صرف یہی نہیں کہ وہ خود گمراہ ہیں بلکہ وہ یہ چاہتے ہیں کہ تم بھی صحیح راہ سے بھٹک جاؤ اور گمراہ ہو جاؤ (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ یہود خود تو باوجود پڑھے لکھے ہونے کے گمراہ ہو ہی چکے ہیں اور ہدایت چھوڑ کر گمراہی اختیار کر چکے ہیں مگر تمہارے گمراہ کرنے کی بھی مختلف تدابیر کرتے رہتے ہیں اور تمہارے خلاف ان کی ریشہ دوانیاں جاری ہیں اور وہ یہ چاہتے ہیں کہ تم بھی گمراہ ہو جاؤ اور اسلام سے ہٹ جاؤ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ یہود کو فرمایا کہ کچھ ملا کتاب کا ایک حصہ یعنی لفظ پڑھنے کو ملے ہیں اور عمل کرنا نہیں ۔ (موضح القرآن) حضرت شاہ صاحبؒ نے نصیباً پر یہ حاشیہ لکھا ہے ہم نے یہیں نقل کر دیا ہے۔ شاہ صاحبؒ نے چونکہ نصیباً کا ترجمہ ملا ہے کچھ ایک حصہ کیا ہے اس لئے اس کے موافق خلاصہ بھی فرمایا ہے۔ الم تر ایسے موقعہ پر بولتے ہیں جہاں کسی تعجب انگیز واقعہ کی طرف توجہ دلانا ہوتا ہے اور مطلب یہ ہوتا ہے کہ اے مخاطب اگر تو ان لوگوں کی حالت پر غور کرتا اور ان کے حال کو دیکھتا تو ضرور تعجب کرتا۔ اب آگے ان کی دشمنی اور اپنی حمایت و دوستی کا ذکر فرماتے ہیں ۔ (تسہیل)۔

بقیہ صفحہ ۱۳۵

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ الا قلیلاً کو لعنہم سے استثنا بنایا جائے اور یوں ترجمہ کیا جائے کہ اللہ نے ان پر لعنت کی۔ مگر بہت تھوڑے لوگوں پر لہٰذا اب یہ ایمان نہیں لائیں گے مگر ہاں وہ ایمان لے آئیں گے جو لعنت سے محفوظ رہے ہیں جیسے حضرت عبداللہ بن سلامؓ اور ان کے ساتھی۔ چنانچہ جن لوگوں کی طرف اشارہ تھا انہوں نے اسلام قبول کیا۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں راعنا لفظ بولتے تھے اس کا بیان سورۂ بقرہ میں ہوا اسی طرح حضرت بات فرماتے تو جواب میں کہتے سنا ہم نے اس کے معنی یہ ہیں کہ قبول کیا لیکن آہستہ کہتے کہ نہ مانا یعنی فقط کان سے سنا اور دل سے نہ سنا اور حضرت کو خطاب کرتے تو کہتے سن نہ سنایا جائیو ظاہر میں یہ دعا نیک ہے کہ تو ہمیشہ غالب رہے کوئی تجھ کو بری بات نہ سنا سکے اور دل میں نیت رکھتے کہ تو بہرہ ہو جائیو ایسی شرارت کرتے پھر دین میں عیب دیتے کہ اگر یہ شخص نبی ہوتا تو ہمارا فریب معلوم کرتا وہی اللہ صاحبؒ نے واضح کر دیا۔ موضح القرآن لا یؤمنون الا قلیلاً کے تحت میں بعض مفسرین نے بہت سی باتیں کہی ہیں اور تقریباً وہ باتیں جو ہم سورۂ بقرہ کے پہلے رکوع میں عرض کر چکے ہیں کہ یہ لا یؤمنون بندے کے سلب اختیار کو مستلزم نہیں اللہ تعالیٰ کے علم میں جو کفر پر مرنے والے تھے ان کے متعلق فرمایا۔ یہ مطلب نہیں کہ قیامت تک کوئی یہودی مسلمان ہی نہیں ہوگا۔ اگر کوئی شخص اپنے افعال شنیعہ کی وجہ سے ناقابل التفات قرار پا جائے لیکن وہ ان افعال سے باز آجائے اور تائب ہو جائے تو وہ افعال قبیحہ سب ختم ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح بہتر ہوتا۔ اسمیں بھی بعض باتیں قابل بحث ہیں ان کا خلاصہ صرف اس قدر ہے کہ ذو معنیین الفاظ کے ترک کے ساتھ ایمان بھی لے آتے تب تو بہتر ہوتا ہی۔ اور اگر ایمان نہ لاتے اور ذو معنیین الفاظ ترک کر دیتے تب بھی دنیا میں تہذیب و شائستگی اور آداب مجلس کے اعتبار سے ان کے حق میں بہتر ہوتا نیز قیامت میں بھی اس کا امکان تھا کہ عذاب میں کچھ تخفیف ہو جاتی جیسا کہ باہم کفار کے عذاب میں تفاوت ثابت ہے۔ واللہ اعلم اب آگے اہل کتاب کو خطاب کر کے فرماتے ہیں کہ اگر تم ہمارے

احکام کی خلاف ورزی سے باز نہ آؤ گے تو پھر دنیا ہی میں تم پر ایسا کوئی عذاب بھیجا جائے گا جیسے تمہارے بڑوں پر بھیجا جا چکا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل) اے وہ لوگو! جن کو توریت نامی کتاب دی گئی ہے۔ تم اس قرآن پر ایمان لاؤ جو ہم نے نازل فرمایا ہے اور جس کی شان یہ ہے کہ وہ قرآن اس کتاب کی تصدیق کرنے والا ہے جو تمہارے پاس ہے یا اس کتاب کی پیشینگوئی کے موافق ہے جو تمہارے پاس ہے اور یہ ایمان بھی اس بات سے پہلے پہلے لے آؤ کہ ہم تمہارے چہروں کے نشانات کو مٹا کر بالکل سپاٹ کر دیں پھر ان چہروں کے نقش و نگار مٹانے کے بعد ان کو ان کے پیچھے کی جانب پلٹ دیں اور پھیر دیں۔ یا ان ایمان نہ لانے والوں پر ہم ایسی خاص لعنت کریں جس طرح ہم نے ہفتہ والوں پر لعنت کی تھی اور جس طرح وہ لوگ جو ہفتہ کے دن زیادتی کیا کرتے تھے ملعون قرار دیئے گئے تھے اور اللہ تعالیٰ جو حکم کرتا ہے وہ پورا ہی ہو کر رہتا ہے (تیسیر) حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی ایمان لاؤ پہلے اس سے کہ عذاب پاؤ صورت بدل جاوے یا جانور بن جاؤ ہفتے والوں کی طرح ان کا بیان ہے سورۂ اعراف میں (موضح القرآن)۔ ہفتہ والوں کا کچھ ذکر سورۂ بقرہ میں بھی گذر چکا ہے باقی انشاء اللہ سورۂ اعراف میں آجائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر ایمان نہ لاؤ گے تو ان دو قسموں کے عذاب میں سے کسی ایک عذاب یا دونوں کے مستحق ہو گے۔ باقی اگر اللہ تعالیٰ ان عذابوں میں سے کوئی نہ بھیجے اور دنیا میں محفوظ رہو تو اس کی یہ رحمت اور مہربانی ہوگی ان نطمس وجوھا فنردھا میں دونوں احتمال ہیں کہ چہرے کے نقش و نگار کو مٹا کر پورے چہرے کو پیٹھ کی جانب الٹ دیں جیسا کہ ہم نے اختیار کیا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ چہرے کو گدی کے ساتھ سپاٹ کر دیں یعنی چہرے کو گدی کی طرف نہ پھیریں بلکہ گدی کی مانند سپاٹ اور صاف کر دیں حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا ہے کہ چہرے کو ایسا سپاٹ کر دیں جیسے اونٹ کے پاؤں کا تلوا۔ مصدق کے دونوں معنی کو ہم نے تیسیر میں ظاہر کر دیا ہے بعض مفسرین نے کہا ہے چونکہ ان میں سے بعض لوگ ایمان لے آئے اس لئے یہ عذاب ان پر واقع نہیں ہوا بعض نے کہا ابھی منتظر ہیں بعض نے کہا قیامت سے قبل یہود پر یہ عذاب واقع ہوگا۔ بہرحال لوگوں کے مختلف اقوال ہیں اگرچہ قرآن میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جس سے یہ معلوم ہو کہ اگر ایمان نہ لاؤ گے تو طمس اور مسخ واقع ہو جائے گا۔ بلکہ احتمال ہے جو وقوع اور عدم وقوع دونوں کو شامل ہے ۔ واللہ اعلم اب آگے شرک پر عدم مغفرت کا اعلان ہے اور یہود کے باوجود کفر و شرک کے مرتکب ہونے کے ان کے اس کہنے کا رد بھی ہے کہ ہم بخش دیئے جائیں گے اور ہماری مغفرت کر دی جائے گی۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل) بے شک اللہ تعالےٰ اس بات کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا جائے اور اس کے سوا جتنے گناہ خواہ وہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ جس کے لئے چاہے گا بخش دے گا۔ اور بات بھی یہی ہے کہ جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا اور کسی کو اس کے ساتھ شریک قرار دیا تو اس نے بہت ہی بڑے جرم کا ارتکاب کیا اور یہی وجہ ہے کہ اس کو معاف نہیں کیا جائے گا اور وہ دائمی عذاب میں رہے گا۔ (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ شرک ایسا بڑا گناہ ہے کہ عذاب کرنے اور سزا دینے کے بعد بھی نہیں بخشا جاتا۔ البتہ جو گناہ شرک کے علاوہ ہوں اور شرک سے کم درجے کے ہوں ان کی بخشش کی توقع ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے بغیر عذاب اور بدون سزا کے معاف کر دے اوپر لا تعذروا کو اہمیتاً فرمایا تھا اس لئے شرک کی وعید کا ذکر فرمایا۔ نیز یہ کہ تمام یہود کافر تو تھے ہی اور بعض عقائد مشرکیہ میں بھی مبتلا تھے اس لئے یہود کے بیان

میں اس کا ذکر فرمانا زیادہ مناسب ہوا۔ بہرحال کفر اور شرک دونوں ہی غیر مغفور ہیں اس لئے یہود کو اپنی بخشش کی توقع نہ رکھنی چاہیئے۔ باوجود ان عقائد باطلہ کے یہود کے دعاوی یہ تھے کہ ان کے برابر خدا کی جناب میں کوئی مقبول نہیں وہ خدا کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں چونکہ یہ ان کے دعاوی اور اپنی آپ صفائی اور پاکیزگی بیان کرنا ایک نامعقول فعل تھا اس لئے آگے اس کا رد فرمایا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ (تسہیل)۔

بقیہ صفحہ ۱۳۶

حضرت معاویہ سے مرفوعاً احمد اور ابن ماجہ نے نقل کیا کہا ہے تم ایک دوسرے کی مدح اور پاکیزگی بیان کرنے سے بچو کیونکہ ایسا کرنا ذبح کرنے کے مترادف ہے یعنی بڑھا چڑھا کر ایک دوسرے کی خوبیاں بیان کرنا یا اپنی خود تعریف کرنا ایسا ہے جیسے ایک نے دوسرے کو ذبح کر دیا۔ مطلب یہ ہے کہ اس قسم کی باتوں سے قلب پر جو اثر ہوتا ہے وہ روحانی موت کے مترادف ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اپنی تعریف خود اپنے منہ سے کرنا مذموم ہے مگر یہ کہ وحی یا الہام کے ذریعہ کسی کا تقدس معلوم ہو یا تحدیث نعمت کے طور پر کبھی کسی چیز کا اظہار کیا جائے وحی کی ہم مثالیں بیان کر چکے ہیں الہام کی اور کشف کی مثالیں اولیاء اللہ کے کلام میں مل سکتی ہیں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور قول قدمی ھذہ علی رقبۃ کل ولی اللہ ان ہی اقوال میں سے ہے واللہ اعلم۔ آگے یہود کی اور شرارتوں اور فتنہ انگیزیوں کا ذکر ہے (تسہیل) اے پیغمبر کیا آپ نے ان لوگوں کا حال نہیں دیکھا جن کو کتاب آسمانی یعنی توریت کے علم کا ایک کافی حصہ دیا گیا ہے مگر یہ لوگ باوجود اس کے بتوں پر اور شیطان پر ایمان رکھتے ہیں اور بت کی اور شیطان کی تصدیق کرتے ہیں اور یہ لوگ کفار مکہ کے متعلق یوں کہتے ہیں کہ یہ کفار مسلمانوں کی بہ نسبت زیادہ سیدھی راہ پر ہیں اور یہ کافر مسلمانوں سے زیادہ راہ یافتہ ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے اور اللہ تعالیٰ جس پر لعنت کرے اور اپنی رحمت سے دور کر دے تو آپ اس ملعون کا کسی کو حامی اور مددگار نہ پائیں گے اور ایسے ملعون کا کوئی حامی آپ کو نظر نہیں آئے گا۔ (تیسیر) الم تر میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہاں بھی خطاب عام ہو۔ اور اس قسم کے خطاب سے غرض یہ ہوتی ہے کہ ان لوگوں کی حالت بہت ہی تعجب انگیز اور دیکھنے کے قابل ہے اگر آپ دیکھیں تو تعجب کریں۔ طاغوت کے معنی ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ طغیان کے معنی حد سے تجاوز کرنے کے ہیں۔ جبت کے معنی ہیں صنم۔ اور ہو سکتا ہے کہ جبت جبس کا معرب ہو اور یہ کسی خاص بت کا نام ہو۔ اور پھر خدا کے علاوہ ہر معبود کو جبت کہنے لگے ہوں۔ اسی طرح طاغوت بھی ہر باطل کو کہتے ہیں وہ شیطان ہو۔ یا خدا کے علاوہ کوئی دوسرا معبود ہو۔ بہرحال جبت کا اطلاق اس پر کیا جاتا ہے جس میں ذرا سی بھی خیر اور بھلائی نہ ہو اور طاغوت کا اطلاق اس پر کیا جاتا ہے جو سرکش اور حد سے تجاوز کرنے والا ہو نیز ایک بت کا نام بھی تھا ہم اس سورت کی تمہید میں عرض کر چکے ہیں کہ مسلمانوں کی ترقی روکنے کی فکر سے تمام معاند اور مخالف قوتیں آپس میں اتحاد و اتفاق کی سعی میں مشغول تھیں ان ہی کوششوں میں سے ایک خاص کوشش کی جانب اس آیت میں اشارہ ہے کہ حیی بن اخطب اور کعب ابن اشرف یہود کے بڑے بڑے عالم اور رئیس لوگ کفار قریش سے ملے اور دوستی کی کوشش کی اور اُدھر کفار قریش

کو بھی اس امر کی ضرورت تھی کہ عرب میں اہل کتاب کی ہمدردی حاصل کریں تاکہ مسلمانوں کا مقابلہ پوری طرح کیا جا سکے۔ چنانچہ جب دونوں پارٹیوں میں صلح کی گفتگو شروع ہوئی۔ تو ابوسفیان نے کہا تم چونکہ آسمانی کتاب کے قائل ہو اور تم محمد کے عقیدے سے زیادہ قریب ہو اس لئے ہم کو تم پر اعتماد نہیں کبھی کل تم محمد کے ساتھ ہو جاؤ۔ ان لوگوں نے کہا کہ آخر تم کو کس طرح اعتماد ہوگا۔ ابوسفیان نے کہا ہم ایک ہی طرح اطمینان کر سکتے ہیں کہ تم ہمارے معبودوں کے سامنے سجدہ کرو۔ چنانچہ اس پر یہود کے روساء نے بتوں کو سجدہ کیا اور قریش عرب اور یہود کا باہم عہد ہوا کہ محمد کے خلاف ہم ایک دوسرے کی مدد کریں گے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ قریش نے یہود سے کہا کہ ہم لوگ حجاج کی خدمت کرتے ہیں۔ مہمانوں کے لئے پانی کا انتظام کرتے ہیں۔ تم ہی بتاؤ کہ ہم بہتر ہیں یا محمدؐ اور اس کے ساتھی جو اپنے کو مسلمان کہتے ہیں یہ بہتر ہیں۔ اس پر یہود نے کہا تم ان مسلمانوں سے زیادہ بہتر اور زیادہ راہ یافتہ ہو۔ بہرحال تاریخی واقعہ کی نوعیت کچھ بھی ہو لیکن اتنا قرآن کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ یہود نے مسلمانوں کے مقابلے میں کافروں کو هٰٓؤُلَاۤءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا کہا۔ اور یہ کہنا ہی ان کے کافر اور ملعون ہونے کے لئے کافی ہے خواہ انہوں نے یہ بات دل سے نہ کہی ہو پھر بھی طریقۂ کفر کو طریقۂ اسلام سے بہتر اور اچھا تو کہا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ کفر کی راہ اور کفار قریش کا طریقہ حق ہے اور اسلام کی راہ اور مسلمانوں کا طریقہ باطل ہے۔ اور یہ ہم نے بعض مفسرین کی رائے کے مطابق عرض کیا ہے کیونکہ انہوں نے اس فقرے کا مطلب یہود کی حالت کو دیکھتے ہوئے یہ سمجھا ہے کہ چونکہ وہ اہل کتاب تھے اور مسلمانوں کی طرح وہ بھی کفار کو غلط راہ پر سمجھتے تھے اس لئے ان کا اس فقرہ سے یہ مطلب تھا کہ باطل تو دونوں ہیں مگر نسبتاً تم پھر بھی مسلمانوں سے بہتر ہو۔ ہماری تقریر سے واضح ہوگیا ہوگا کہ نیت ان کی کچھ بھی ہو لیکن ان کے کافر ہونے کے لئے ان کے الفاظ کافی ہیں رہی یہ بات کہ ان پر لعنت کی وجہ بھی یہی ہے کہ انہوں نے یہ الفاظ کہے یا لعنت کی وجہ ان کی دوسری شرارتیں ہوں اور لعنت کا یہ اثر ہو کہ ان کے منہ سے یہ جملے نکلے تو اس سے مطلب میں کچھ فرق نہیں پڑتا اور ہاں اس کا امکان ضرور ہے کہ ان کی دوسری شرارتیں اور فتنہ انگیزیاں ان پر لعنت کا سبب ہوئیں اور لعنت کے جو اثرات ہوا کرتے ہیں وہ ظاہر ہے کہ انسان بگڑتا ہی چلا جاتا ہے اسی طرح جب یہ ملعون قرار دے دیئے گئے تو اس کے بعد اور خراب ہوتے چلے گئے۔ حتیٰ کہ جبت اور طاغوت کے آگے سجدہ ریز بھی ہوئے اور ان کی پوجا کرنے کی تصدیق اور ان کی حقانیت کو زبان سے بھی تسلیم کر لیا۔ اگر سجدے کا واقعہ نہ بھی ہوا ہو تب بھی اهدى سبيلا سے بت پرستی کی توثیق و تصدیق ہوگئی اور اسی کو قرآن نے یؤمنون بالجبت والطاغوت فرمایا ہے یؤمنون کا ترجمہ خواہ ایمان لانا یا ایمان رکھنا کیا جائے جبت اور طاغوت کی تصدیق کرنا یا ان کو ماننا کیا جائے۔ مطلب وہی ہے جو ہم نے تسہیل میں عرض کر دیا ہے۔ مددگار کو نہ پانے کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن جب ان کو عذاب کا حکم ہوگا تو اے پیغمبر ان ملعونوں کا کوئی حامی و مددگار تم کو نظر نہیں آئے گا۔ اب آگے ان کی مزید ناشائستہ حرکات کا ذکر ہے جن سے منشاء ان کا حسد اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض تھا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل ۵) کیا ان یہود کے پاس حکومت کا کوئی حصہ ہے اگر ایسا ہوتا تو یہ دوسرے لوگوں کو ذرا سی بھی کوئی چیز نہ دیتے۔ یا یہ دوسرے لوگوں سے یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب سے ان نعمتوں پر حسد کر رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے عنایت کی ہیں تو ان نعمتوں کا عطا ہونا بھی کوئی نئی بات نہیں ہے کیونکہ ہم اب سے پہلے بھی حضرت ابراہیمؑ کے خاندان والوں کو کتاب آسمانی اور حکمت و نبوت سے نواز چکے ہیں اور ہم اس خاندان ابراہیم کے لوگوں کو سلطنت بھی عطا کر چکے ہیں۔

(تیسیر) نقیر۔ نقرۂ گٹھلی کے اوپر کا چھلکا یا نقطہ مراد ہے بہت ہی حقیر چیز جس کی کوئی قیمت نہ ہو اور سلطنت کا حصہ رکھتے ہوئے کسی حقیر چیز کا بھی نہ دینا انتہائی بخل ہے۔ الناس سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے اور آپ کو کثرت صفات کے باعث جمع سے تعبیر کیا ہے یا آپ کے اصحاب مراد ہیں یا دونوں مراد ہیں۔ مسلمان جو تدریجی ترقی کر رہے تھے اور بالخصوص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور آپ کی بیویوں کی تعداد پر جو یہود کی جانب سے اعتراض کئے گئے تھے ان کا جواب ہے مطلب یہ ہے کہ کیا ان کا کوئی حصہ سلطنت میں ہے یعنی ان کو حکومت میں کوئی حصہ نہیں ہے اگر ان کا کوئی حصہ ہو، یا ان کو کچھ دیدیا جائے تو یہ ایسے بخیل ہیں کہ ذرا سی بھی کوئی چیز لوگوں کو نہ دیں تو جب ان کی سلطنت میں سے مسلمانوں کو کچھ نہیں مل رہا ہے کیوں کہ ان کے پاس سلطنت ہی نہیں پھر ان کو اعتراض کرنے کا کیا حق ہے اور کیوں مسلمانوں کی ترقی اور پیغمبر کی مرفہ الحالی اور ان کی نو بیویوں پر اعتراض کرتے ہیں اور یہ انتہائی بخل کی علامت ہے کہ خود دینے کے قابل نہیں اور اگر کبھی دینے کے قابل ہو جائیں تو کسی کو پھوٹی کوڑی بھی نہ دیں اور کسی دوسرے کی ترقی کو دیکھ بھی نہ سکیں۔ اور اس کی ترقی اور خوش حالی پر معترض ہوں۔ اس فقرے میں یہود کی انتہائی ذہانت اور عمل کی کمزوری کا اظہار ہے۔ پھر فرمایا کہ کیا یہ لوگ اس بات سے جل رہے ہیں اور ان نعمتوں پر حسد کر رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا فرمائی ہیں تو یہ بات بھی کوئی قابل حسد نہیں کیونکہ یہ کوئی نئی بات نہیں ہو بلکہ خاندان ابراہیمیؑ پر اللہ تعالیٰ نے مختلف نعمتیں نازل فرمائی ہیں۔ کتاب سے بھی نوازا ہے۔ حکمت یعنی نبوت بھی ابراہیمؑ کی اولاد میں رہی ہے اور ہم نے ابراہیمؑ کے خاندان والوں کو بڑی بڑی سلطنتیں بھی دی ہیں۔ آخر یہ پیغمبر بھی اسی گھرانے کا ایک روشن چراغ ہے اگر اس کو نبوت اور قرآن دیا گیا اور عرب کے بعض حصوں پر اس کو اقتدار حاصل ہوگیا تو اس میں حسد کی کیا بات ہے حضرت یوسفؑ۔ حضرت داؤدؑ۔ حضرت سلیمانؑ یہ سب وہ لوگ ہیں جن کو نبوت اور سلطنت عطا ہوئی تھی اور ان پیغمبروں کی بھی کئی کئی بیویاں تھیں اور یہ سب لوگ حضرت ابراہیم کی اولاد تھے پھر اگر ان ہی کی اولاد میں سے آج ایک شخص کو یہ سب کچھ مل گیا تو اس پر جلے مرنا اور حسد کرنا انتہائی حماقت اور کم علمی کی دلیل ہے۔ حکمت کے معنی یہاں بعض نے نبوت کیا ہے بعض نے کتاب کا فہم کیا ہے بعض اپنے بزرگوں نے علم لدنی کیا ہے واللہ اعلم چونکہ ہر دور میں ایسا ہوتا رہا ہے کہ کچھ لوگ اپنے پیغمبر پر ایمان لاتے رہے ہیں اور کچھ ایمان لانے سے رد کتے رہے ہیں چنانچہ حضورؐ کے زمانے میں بھی یہودیوں سے کچھ لوگ مسلمان ہو گئے تھے اور اکثر لوگ مخالفت پر کمربستہ رہے اور آخر وقت تک لوگوں کو روکتے رہے۔ آگے ان کی تفصیل ہے۔ روکنے والوں کے لئے عذاب کی وعید ہے اور ایمان لانے والوں کے لئے دائمی جنت کی بشارت ہے۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں۔ (تسہیل)۔

بقیہ صفحہ

جنت کے مساکن۔ محلات اور تفریح گاہوں کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جیسا کہ عام طریقہ سے باغات کا قاعدہ ہے کہ باغ کے کنارے دریا بہہ رہا ہو اور دریا کا منظر محلات کے سامنے ہو گنجان سایہ یا گھنی چھاؤں کا مطلب بھی یہی ہے کہ جن مقامات میں سکونت پذیر ہوں گے اور جن مقامات پر بسائے جائیں گے وہ گہری اور گھنی چھاؤں میں ہوں گے۔ ظل ظلیلا۔ ایک محاورہ ہے جو مبالغہ کے لئے بولا جاتا ہے جیسے شمس شامس۔ لیل لئیل اور یوم الیوم وغیرہ۔ اسی سایہ کو سورہ واقعہ میں و ظل ممدود فرمایا ہے۔ یعنی گھنا بھی ہوگا اور دراز بھی ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ عرش الٰہی کا سایہ مراد ہو اور ہو سکتا ہے کہ رحمت کا سایہ ہو اور ہو سکتا ہے کہ جنت کے درختوں کا سایہ ہو اور ہو سکتا ہے کہ اسباب راحت سے کنایہ ہو کیونکہ اہل زبان سایہ کو راحت کا سبب سمجھتے تھے حدیث میں آتا ہے السلطان ظل اللہ۔ واللہ اعلم۔ سایہ ہوگا اور بغیر آفتاب کے ہوگا۔ بہرحال جس طرح پہلا فریق دائمی عذاب میں مبتلا رہے گا اور عذاب کا مزہ چکھتا رہے گا اسی طرح دوسرا فریق دائماً راحت و آرام میں رہے گا۔ چونکہ یہود کا یہ عام طریقہ تھا کہ توریت کے احکام کو چھپاتے تھے اور جن تک ان احکام کو پہنچانے کا حکم تھا ان تک نہیں پہنچاتے تھے حضورؐ کی نعت کو چھپاتے تھے۔ کسی معاملہ میں پنچ بنتے تھے تو ناانصافی کرتے تھے اس لئے ان کے ان افعال قبیحہ پر تنبیہ فرماتے ہیں۔ اگرچہ آیت کا نزول کسی خاص معاملہ سے تعلق رکھتا ہو لیکن حکم سب کے لئے عام ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل) بلاشبہ اللہ تعالیٰ تم کو اس بات کا حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں ان اہل امانت کو ادا کر دیا کرو اور ان تک پہنچا دیا کرو اور نیز یہ حکم دیتا ہے کہ جب تم لوگوں کے مابین کوئی فیصلہ اور تصفیہ کیا کرو تو انصاف کے ساتھ کیا کرو۔ اور یقین جانو! کہ اللہ تعالیٰ تم کو جس بات کی نصیحت کرتا ہے وہ بات بہت اچھی ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ خوب سننے اور دیکھنے والا ہے۔

(تیسیر) حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی امانت میں خیانت مت کرو اور چکوتی میں خاطر مت کرو خواہ کسی کے واسطے یہ عادتیں یہود میں بہت تھیں۔ اسی واسطے بعضے کچے مسلمان قضیہ چکانے کو حضرت کے پاس نہ آتے کہ یہ کسی کی خاطر نہ رکھیں گے اور یہود کے عالموں پاس جاتے کہ وہ خاطر کریں گے آگے مسلمانوں کو تقید فرمایا کہ جب تک ہر قضیے میں اور ہر حکم میں رسول ہی کی طرف رجوع نہ رکھو اور دل سے اس کے حکم پر راضی نہ ہو جب تک تم کو ایمان نہیں (موضح القرآن) اگرچہ آیت کا شان نزول اکثر علماء مفسرین کے نزدیک عثمان بن طلحہ کے بارے میں ہے جیسا کہ روایات میں آتا ہے کہ فتح مکہ کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خانہ کعبہ کی کنجی عثمان بن طلحہ سے جو کلید بردار تھے حاصل کر لی اور کنجی پر قبضہ کر لیا۔ اس پر حضرت جبریلؑ نازل ہوئے اور یہ آیتیں تلاوت فرمائیں۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان بن طلحہ کو بلا کر وہ کنجی ان کو واپس دے دی اور دیتے وقت فرمایا خالدۃ تالدۃ یعنی ہمیشہ ہمیشہ یہ کنجی تیرے پاس رہے گی۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آیت کسی اور موقعہ پر نازل ہوئی ہو اور حضور نے کنجی واپس کرتے وقت چونکہ یہ آیت پڑھی تھی اس لئے لوگ یہ سمجھے ہوں کہ یہ آیت اسی معاملہ میں نازل ہوئی ہے۔ بہرحال ہم عرض کر چکے ہیں کہ

شان نزول خواہ کچھ ہو مگر آیت اس قدر عام ہے کہ ہر اہل حق کو حق ادا کرنے کی اس میں تاکید موجود ہے حتیٰ کہ انسان کے اعضا کا بھی انسان پر حق ہے اور ان حقوق کو پورا کرنے کا حکم ہے جس چیز کا حق بھی انسان کے ذمہ ہو وہ ایک امانت ہے اور اس کی ادائیگی ضروری ہے۔ بلکہ اہل سلوک کا یہ قول مشہور ہے کہ کل کمال فی الممکن فھو لیس بذاتہ بل مقتبس من مرتبۃ الوجوب وامانۃ مودعۃ مستعارۃ منہ تعالےٰ۔ یعنی ممکن کا ہر کمال اپنا ذاتی کمال نہیں ہے بلکہ واجب جل مجدہٗ کا عطا کردہ اور اس کی ایک امانت ہے جو ممکن کو مستعار طور پر عطا کی گئی ہے۔ بہرحال آیت کا مطلب یہ ہے کہ تمام اہل حقوق کے حقوق ان تک پہنچا دو اور کسی کا حق غصب نہ کرو اور شان نزول سے اس کی تائید ہوتی ہے کیونکہ عثمان بن طلحہ کے پاس کنجی ایک مدت سے چلی آتی تھی۔ فتح کے دن حضرت علیؓ نے ان سے چھین لی تھی۔ وہ کنجی ان کا ایک حق تھا جو ان کو امانت کی آیت نازل ہونے پر واپس کیا گیا۔ گویا وہ کنجی جو ارباب حل وعقد نے ان کے حوالے کی تھی۔ اور کعبہ کے دروازے کا منتظم بنایا تھا وہ کام قیامت تک کے لئے ان ہی کے سپرد کر دیا گیا۔ اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ کسی ایسے متولی کو جو نیک ہو اور انتظام کی صلاحیت رکھتا ہو اُس کو وقف سے علیحدہ نہ کیا جائے۔ اگرچہ ان اللہ یامرکم میں خطاب عام ہے لیکن بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اہل حقوق کے حقوق کی واپسی اور فیصلے میں انصاف کرنا یہ خطاب حکام کو ہے۔ جیسا کہ بعض مفسرین نے اس کو ترجیح دی ہے۔ اور یہ جو فرمایا ان اللہ نعما یعظکم بہ اس کا مطلب یہ ہے کہ امانت کی واپسی اور قضایا میں عدل وانصاف جس کی اللہ تعالیٰ تم کو نصیحت فرما رہا ہے یہ بہت اچھی چیز ہے آیت کو سمیع اور بصیر پر ختم فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ ادائے امانت اور عدل وانصاف کے بارے میں تم جو باتیں کہتے ہو اُن کو وہ سنتا ہے اور جو افعال تم کرتے ہو ان کو وہ دیکھتا ہے۔ اس لئے جو کہو اور جو کرو وہ سوچ سمجھ کر کہو اور کرو۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حق ہو یا بندے کا حق ہو یا خود اپنے نفس کا حق ہو سب کو صحیح طور پر ادا کرنا چاہیئے اور ہر معاملہ میں انصاف کرنا چاہیئے۔ الفاظ کی جامعیت بے حد تفصیل کی محتاج ہے اور سچ تو یہ ہے کہ قرآن کے یہ دو جملے پوری شریعت محمدیہ پر حاوی ہیں سبحان من جعل القرآن معجزا۔ حدیث میں آتا ہے ایسا بہت کم ہوتا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کسی تقریر میں یہ الفاظ نہ فرماتے ہوں کہ جو شخص امانت پوری نہیں کرتا وہ مومن نہیں ہے اور جو عہد کو پورا نہ کرے اس کا کوئی دین نہیں (بیہقی) صحیح احادیث میں امانت کی خیانت کو علامات نفاق میں سے شمار کیا گیا ہے۔ حضرت ابوذرؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ میں نے سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی یا رسول اللہ مجھے عامل بنا دیجئے اور کسی مقام پر عامل کر دیجئے۔ حضور نے ارشاد فرمایا۔ اے ابوذر تو ایک کمزور آدمی ہے اور یہ حکومت ایک امانت ہے قیامت کے دن یہ ندامت اور رسوائی کا موجب ہے۔ مگر ہاں وہ شخص محفوظ ہے جو صحیح حق وصول کرے اور جس کا حق ہو اُس کو پورا پورا ادا کرے۔ مسلم روایت کا ایک ٹکڑا یہ ہے کہ اے ابوذرؓ! میں تجھ کو کمزور پاتا ہوں اور میں جو بات اپنے لئے پسند کرتا ہوں وہی تیرے لئے پسند کرتا ہوں۔ دو آدمیوں میں بیچ بننے سے احتراز کر اور یتیم کے مال کا متولی بننے سے بچتا رہ (مسلم) مطلب یہ ہے کہ دونوں باتیں بڑی ذمہ داری کی ہیں اور ان میں کوتاہی ہو جانے کا خطرہ ہے اس لئے عام آدمی کو ان سے بچنا چاہیئے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی روایت میں مرفوعاً آیا ہے کہ انصاف کرنے والے رحمٰن کی دائیں جانب نور کے ممبروں پر بیٹھے ہوں گے اور رحمان کے دونوں ہی ہاتھ دائیں ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ہر فیصلہ انصاف کے ساتھ کرتے ہیں خواہ معاملہ ان کی اہل کا ہو یا ان لوگوں کا ہو جن پر یہ والی بنائے گئے ہوں (مسلم)۔ حضرت ابوسعیدؓ کی روایت میں مرفوعاً آیا ہے کہ قیامت کے دن اللہ کے نزدیک سب لوگوں سے زیادہ محبوب وہ لوگ ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے سب سے قریب وہ لوگ ہوں گے جو امام عادل ہیں۔ اور سب لوگوں سے زیادہ مبغوض اور مجلس کے اعتبار سے دور اور عذاب کے اعتبار سے سخت وہ لوگ ہوں گے جو امام ظالم ہیں (ترمذی) مطلب یہ ہے کہ ظالم حاکموں کے لئے سخت وعید ہے اور منصف حاکموں کے لئے بشارت ہے۔ حضرت عائشہؓ کی روایت میں مرفوعاً آیا ہے کہ تم جانتے ہو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سایہ میں کون شخص سبقت کرنے والا ہے لوگوں نے کہا اللہ اور اس کے رسول ہی کو معلوم ہے۔ آپ نے فرمایا یہ سبقت کرنے والے وہ لوگ ہیں کہ جب ان کا حق ان کو دیا جائے تو اس کو قبول کرلیں اور ان سے حق طلب کیا جائے تو اس کو ادا کر دیں۔ اور جب لوگوں میں تصفیہ کریں تو ایسا تصفیہ کریں جیسا اپنے لئے کرتے ہیں (احمد بیہقی) مطلب وہی ہے کہ فیصلہ ایسا منصفانہ کریں جیسا اپنے لئے چاہتے ہیں۔ اب آگے عام مسلمانوں کو اطاعت وفرماں برداری کا حکم دیتے ہیں یعنی حاکموں کو نصیحت کرنے کے بعد محکوموں کو فرماں برداری اور حاکموں کا حکم ماننے کی تاکید فرماتے ہیں (تسہیل) ف۔ اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور اُس کے رسول کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی بھی فرماں برداری بجا لاؤ جو تم میں سے صاحب حکم ہوں خواہ وہ علماء ہوں یا امراء ہوں پھر اگر تم میں اور ان اولی الامر میں کوئی جھگڑا آ پڑے اور تم باہم جھگڑنے لگو تم کہو یہ حکم شریعت کے خلاف ہے اور حاکم کہے میں نے قوانین اسلام کے موافق یہ حکم دیا ہے۔ غرض کسی بات میں اگر جھگڑا پڑ جائے تو اس بات کو اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول یعنی کتاب وسنت کی طرف لوٹا دو یعنی کتاب وسنت پر اس چیز کو پیش کر دو بشرطیکہ تم اللہ تعالیٰ پر اور یوم آخرت کے وقوع پر ایمان رکھتے ہو یہ طریقہ جھگڑے کے وقت کتاب وسنت کی طرف رجوع کرنا دنیا میں بھی بہتر ہے اور آخرت میں بھی اس کا انجام اور مآل بہت اچھا اور خوش آیند ہے (تیسیر) حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ اختیار والے بادشاہ اور قاضی اور جو کسی کام پر مقرر ہو اُس کے حکم پر چلنا ضرور ہے جب تک وہ خلاف خدا اور رسول حکم نہ کرے اگر صریح خلاف کرے تو وہ حکم نہ مانئے۔ اگر دو مسلمان جھگڑتے ہیں ایک نے کہا چل شرع میں رجوع کریں۔ دوسرے نے کہا میں شرع نہیں سمجھتا یا مجھے شرع سے کام نہیں وہ بیشک کافر ہوا (موضح القرآن) آیت میں اولی الامر سے مراد یا تو والی، حاکم، قاضی اور امراء ہیں یا علماء یا فقہاء ہیں یا اہل قرآن اور اہل علم ہیں یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہیں۔ یا اہل عقل اور اہل رائے ہیں۔ یہ سب اکابر سلف سے منقول ہیں اگرچہ راجح وہی پہلا قول ہے یعنی حاکم اور اہل حکومت کی اطاعت کو قرآن نے لازم قرار دیا ہے شان نزول میں جو احادیث آئی ہیں ان سے بھی ایسا معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہ آیت یا تو عبداللہ بن حذافہ بن قیس بن عدیؓ کے بارے میں اتری ہے جبکہ حضور نے ان کو ایک چھوٹے سے لشکر کا امیر بنایا تھا۔ اور یا ایک دوسرے لشکر کے بارے میں اتری ہے جس پر حضور نے ایک انصاری کو امیر بنایا تھا وہ امیر کسی بات پر لشکر والوں سے ناخوش ہو گیا اور اس نے کہا کیا تم کو میری اطاعت کا حکم نہیں دیا گیا ہے۔ اہل لشکر نے کہا ہاں دیا گیا ہے۔ اس نے کہا اچھا لکڑیاں جمع کرو اور جمع شدہ لکڑیوں میں آگ لگا کر تم کو قسم ہے کہ اس آگ میں گھس جاؤ۔ لشکر میں سے ایک نوجوان نے کہا۔ ہم تو حضور کے پاس آگ سے بچنے کے لئے جمع ہوئے ہیں اور آگ سے بھاگ کر ہم نے حضرت کے دامن میں پناہ لی ہے۔ تم جلدی نہ کرو پہلے حضرت سے چل کر پوچھ لو اگر حضور فرمائیں تو آگ میں داخل ہو جانا چنانچہ یہ سب لوگ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے واقعہ کو سن کر فرمایا۔ اگر تم آگ میں داخل ہو جاتے تو پھر کبھی آگ سے نہیں نکلتے۔ امیر کی اطاعت تو امر معروف میں ہوتی ہے۔ امر منکر میں نہیں۔ حضرت علیؓ سے اس روایت کو صحیحین میں نقل کیا ہے۔ آیت میں مسلمانوں کو خطاب ہے اور ان کو مخاطب کرتے ہوئے یہ حکم دیا ہے کہ جماعتی نظام قائم رکھنے کی غرض سے جب تم پر کوئی شخص تم ہی میں سے حاکم مقرر ہو جائے اور یہ تقرر عام انتخابات سے ہو یا کسی اور طریقے سے جو شریعت میں قابل تسلیم ہو تو پھر وہ اولی الامر ہے اور اس کی اطاعت بھی ضروری ہے بشرطیکہ اس کا حکم اللہ اور اس کے رسول کے فرمان کے خلاف نہ ہو اور جب یہ بات محکوم و حاکم دونوں کے نزدیک بالاتفاق معتبر ہو کہ حاکم کا حکم اللہ و رسول کے فرمان کے خلاف نہیں ہے تو اس کو ماننا اور اس پر عمل کرنا ضروری ہوگا۔ البتہ اگر وہ حکم جو حاکم نے دیا ہے وہ بالاتفاق اللہ و رسول کے فرمان کے خلاف ہے تو اس میں اطاعت ضروری نہیں بلکہ مخالفت موجب اجر و ثواب ہے۔ یعنی حاکم بھی جانتا ہے کہ یہ حکم کتاب وسنت کے خلاف ہے اور محکوم بھی جانتا ہے تو ایسے امور میں اطاعت نہ کرے اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں صورتیں اتفاق کی ان ہی امور میں ہوں گی جو صراحۃً نص میں موجود ہوں اور ان کی حلت وحرمت کے احکام صاف طور پر مذکور ہوں۔ لیکن کوئی ایسی صورت اگر پیش آ جائے کہ حاکم اور محکوم کے درمیان اختلاف ہو جائے کہ حاکم کا حکم اللہ و رسول کے فرمان کے خلاف ہے یا نہیں تو اس کو کتاب اللہ و سنت رسول پر پیش کرو۔ یعنی جب رسول موجود نہ ہوں اور ان کی وفات ہو جائے۔ البتہ اگر رسول موجود ہوں تو الی اللہ والرسول اپنے معنی پر ہے۔ اور حضور کی وفات کے بعد اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن وسنت پر جس میں اجماع اور مجتہد کا قیاس اور خلفائے راشدین کا فرمان بھی داخل ہے۔ ان چیزوں سے فتویٰ حاصل کرو یا ان چیزوں کے جاننے والوں سے فتویٰ حاصل کر کے اس پر عمل کرو۔ یہ تفصیل جو فقیر نے کی ہے متوسط لوگوں کے لئے کافی ہے بعض حضرات نے اجماع و قیاس کی مخالفت میں اس آیت سے استدلال کیا ہے اور تقلید شخصی کی مذمت کی ہے اور اس آیت کے تحت میں بہت سی لایعنی اور بے سر و پا باتیں لکھی ہیں۔ جن کا جواب اس موقعہ پر محض تطویل کا موجب ہوگا ہم نے تسہیل میں کافی اشارہ کر دیا ہے اور ان مسائل پر اب تک بہت سے رسالے اور کتابیں لکھی جا چکی ہیں اس لئے ہم اس موقعہ پر کچھ عرض کرنا مناسب نہیں سمجھتے۔ قرآن نے جو کچھ کہا ہے وہ ایک سیدھی سادھی اور اصولی بات ہے۔ قرآن کی آیت کو کھینچ تان کر اپنے مقاصد کے مطابق بنانا اہل علم کی شان کے مناسب اور شان کے شایاں نہیں ہے۔ آگے ان لوگوں کا ذکر ہے جو اپنے معاملات میں اللہ کے رسول کو چھوڑ کر

دوسروں کو اپنا حکم اور پنچ بنانا چاہتے ہیں اور انصاف سے بچ کر اپنی خواہش کے موافق فیصلہ کرانا چاہتے ہیں۔ خواہ وہ منافق ہوں اور خواہ وہ کچے اور کمزور خیال کے مسلمان ہوں۔ منافق خواہ کفار میں سے ہوں یا یہود میں سے ہوں۔ بہرحال ایسے لوگوں کا رد اور ان کی تنبیہ مقصود ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل)

بقیہ صفحہ ۱۴۸

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب آؤ تو آپ اس وقت منافقوں کو دیکھتے ہوں گے کہ وہ اس دعوت پر نہ صرف بے التفاتی کرتے ہیں بلکہ آپ سے اعراض اور پہلو بچانے کی کوشش کرتے ہیں صد۔ اور صد ودا۔ دونوں کے معنی اعراض کرنے اور پہلو بچانے کے ہیں۔ آگے اس مقتول منافق کے اولیاء کے آنے کا اور عذر معذرت کا ذکر فرماتے ہیں (تسہیل) پھر اس وقت ان کا کیا حال ہوتا ہے اور ان پر کیسی بنتی ہے جب ان کے ان اعمال اور حرکات کی بدولت جو یہ پہلے کر چکے ہوتے ہیں ان پر کوئی مصیبت آپڑتی ہے تو پھر یہ آپ کی خدمت میں اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھاتے ہوئے حاضر ہوتے ہیں کہ ہم جو دوسری جگہ گئے تھے تو خدا کی قسم ہمارا سوائے اس کے اور کچھ مقصد نہ تھا کہ آپس میں کوئی بھلائی کی صورت نکل آئے اور باہم موافقت اور میل ملاپ ہو جائے (تیسیر) حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں مدینے میں ایک یہودی اور ایک منافق کہ ظاہر میں مسلمان تھا جھگڑنے لگے۔ یہودی نے کہا کہ چل محمدؐ پاس صلی اللہ علیہ وسلم منافق نے کہا کہ چل کعب بن اشرف پاس وہ یہود کا سردار تھا آخر کار حضرت پاس آئے۔ حضرت نے یہودی کا حق ثابت کیا۔ منافق نے باہر نکل کر کہا کہ چلو عمرؓ پاس۔ یہ حضرت کے حکم سے مدینہ میں قضا کرتے تھے۔ منافق نے جانا کہ حمیت اسلام کریں گے۔ جب گئے ان کے آگے یہودی نے کہہ دیا کہ حضرت پاس ہم جا چکے ہیں وہ مجھ کو سچا کر چکے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے منافق کی گردن ماری۔ اس کے وارث حضرت کے پاس دعویٰ خون کو آئے اور قسمیں کھانے لگے کہ ہم گئے تھے اس واسطے کہ شاید صلح کروا دیں تب یہ آیتیں نازل ہوئیں اور ان کا نام فاروق فرمایا۔ موضح القرآن۔ مطلب یہ ہے کہ جب ان منافقین کی ان حرکات ناشائستہ کے باعث ان پر کوئی مصیبت نازل ہو جاتی ہے خواہ وہ مصیبت ان کے راز کا افشا ہو جانا ہو یا ان کی خیانت کا کھل جانا ہو۔ یا حضرت عمرؓ کا قتل کر دینا ہو یا کوئی اور مصیبت ہو جو منافقوں پر نازل ہوتی رہتی ہے۔ تو پھر یہ آپ کی خدمت میں قسمیں کھا کھا کر صفائی دیتے ہوئے آتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ ہمارا طاغوت کے پاس جانا اور کعب بن اشرف یا ابوبرزہ کاہن کے پاس جانا اس غرض سے نہ تھا کہ ہم ان کو حق پر جانتے تھے۔ یا آپ کے فیصلے کو ناحق سمجھتے تھے بلکہ ان کے پاس جانے کا صرف یہ مقصد تھا کہ وہ باہم فریقین کو کچھ دبا کر باہم فیصلہ کرا دیں اور آپس میں مصالحت کرا دیں کیونکہ حاکم تو صاحب حق سے رعایت کرنے کو نہیں کہہ سکتا اور ہم یہ چاہتے تھے کہ فریقین کی بات رہ جائے اور آپس میں مخالفت نہ پڑے اور باہم میل ملاپ ہو جائے یہ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ کچھ صاحب حق کو دبایا جائے اور کچھ مدعا علیہ کو، اور باہم ایک سمجھوتہ اور راضی نامہ کرا دیا جائے ہم تو اس لئے ان کے پاس گئے تھے اور معاذ اللہ آپ کو ناحق پر سمجھ کر ان کے پاس ہرگز نہیں گئے تھے۔ منافقین کے سابقہ اعمال کا مطلب یہ ہے کہ رسول سے پہلو تہی کر کے دوسروں سے فیصلہ کرانا

چاہتے ہیں۔ اور مصیبت سے مراد عام ہے۔ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ صفائی دینے کا مطلب بھی ظاہر ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کی عبارت کا یہ مطلب ہے کہ اعمال سابقہ سے مراد حضرت عمرؓ کے پاس جانا اور مصیبت سے مراد حضرت عمرؓ کا قتل کر دینا ہے اس تقریر پر صفائی کا مطلب یہ ہوگا کہ فیصلہ تو حضور ہی کا صحیح تھا اور ہم اس کے صحیح ہونے پر ایمان رکھتے ہیں۔ حضرت عمرؓ کے پاس تو ہم صرف اس لئے گئے تھے کہ وہ آپ کے فیصلے کو جو یہودی کے حق میں تھا اس طرح اجرا کر دیں کہ یہودی کو کچھ سمجھا بجھا کر اس سے اس کے حق میں کمی کرا دیں اور آپس میں دونوں کو گلے لگا دیں اور باہم میل ملاپ کرا دیں۔ خدانخواستہ ہمارا یہ مطلب نہ تھا کہ ہم آپ کے فیصلے کو غلط سمجھتے تھے۔ غرض شان نزول کی کوئی روایت اختیار کی جائے ہر روایت کی بنا پر آیت کی تفسیر ہو سکتی ہے۔ واللہ اعلم۔ آگے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے اس بیان اور اس توجیہ کی جو انہوں نے قسمیں کھا کر کی تھی اس کی تکذیب اور تغلیط کرتا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل) یہ وہ لوگ ہیں کہ جو کچھ ان کے دلوں میں ہے اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتا ہے اور ان کے مافی الضمیر سے خوب واقف ہے یعنی ان کا کفر اور نفاق اس کو خوب معلوم ہے لہٰذا بہ تقاضائے مصلحت آپ ان سے کوئی تعارض نہ کیجئے اور ان سے تغافل و چشم پوشی کا برتاؤ کیجئے اور ان کو نصیحت فرماتے رہئے اور ان کے حق میں اور ان کے بارے میں ان سے ایسی بات کہا کیجئے جو ان پر اثر انداز اور ان کے لئے مؤثر اور ان کی اصلاح کے لئے کافی ہو (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ جو کفر و نفاق ان کے دلوں میں بھرا ہوا ہے اس کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور یہ اپنے کفر و نفاق کی بنا پر چونکہ شریعت اسلامیہ کے فیصلہ کو پسند نہیں کرتے اس لئے دوسروں کے پاس جاتے ہیں لیکن اس وقت مصلحت اور حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ آپ ان سے کوئی مواخذہ نہ کریں۔ البتہ ان کو نصیحت فرماتے رہیں کہ اس قسم کی حرکات سے باز آجاؤ یہ باتیں بری ہیں اور ان کے حق میں ایسی بات کہو جو مؤثر ہو یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے قلوب کی باتوں کو جانتا ہے اس سے کوئی بات پوشیدہ نہیں ہے۔ تم اپنی اصلاح کرو اور اپنے نفسوں کو خصائل رذیلہ اور صفات ذمیمہ سے پاک کرو وغیرہ وغیرہ بلیغ وہ کلام ہے جس کا مدلول مقصود کے مطابق ہو۔ بعض حضرات نے فاعرض عنھم کے یہ معنی کئے ہیں کہ ان کا عذر قبول کرنے سے اعراض کیجئے یا منافق مقتول کا جو خون بہا طلب کر رہے ہیں اس سے اعراض کیجئے کیوں کہ اس کا خون ناقابل التفات اور یہ خون کا مطالبہ بے کار ہے۔ واللہ اعلم۔ اب آگے ان منافقوں کے لئے دوسری بات فرماتے ہیں کہ اگر قسمیں کھا کر غلط بات کہنے کی بجائے یہ لوگ رسول کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے جرم کا اقرار کر لیتے اور توبہ استغفار کرتے تو ان کے لئے بہتر ہوتا (تسہیل)۔

بقیہ صفحہ ۱۴۹

اپنے کو مسلمان ظاہر کرنے والے اس وقت تک خدا کے نزدیک مسلمان نہیں ہو سکتے اور اس وقت تک ان کا ایمان خدا کے ہاں معتبر نہیں ہو سکتا جب تک یہ لوگ اس امر کی پابندی نہ کریں کہ آپس کا کوئی جھگڑا خواہ وہ جانی ہو یا مالی یا کوئی اور چھوٹا بڑا قصہ ہو غرض جو قضیہ اور جھگڑا ہو اس میں آپ ہی کو حکم بنائیں اور اس جھگڑے کا فیصلہ آپ ہی سے کرائیں اور آپ کی شریعت اور آپ کے قانون کے موافق اس جھگڑے کو طے کرائیں اور جو کچھ آپ طے کر دیں اس پر دل تنگ نہ ہوں

دل کی تنگی اور عدم ضیق کا یہ مطلب کہ ان کا قلب اس فیصلے سے مطمئن ہو یہ خیال نہ کریں کہ آپ نے حق کے خلاف فیصلہ کیا یا آپ نے فیصلے میں خیانت کی باقی رہی وہ تنگی اور گرانی جو اپنے خلاف فیصلہ سن کر دل پر ہوتی ہے وہ ایک طبعی اور فطری چیز ہے جو کسی جج کا فیصلہ اپنے خلاف سن کر قلب پر ایک اثر پڑتا ہے وہ دوسری چیز ہے۔ یہاں مراد معاندانہ اور منکرانہ تنگی ہے اور وہ شک و شبہ ہے جو شکی لوگوں کے دل میں پیدا ہوتا ہے اسی لئے حضرت مجاہد نے ضیق کی تفسیر شک سے کی ہے۔ تسلیم سے مراد انقیاد یعنی بلا کسی ناگواری کے رغبت کے ساتھ ظاہراً اور باطناً اطاعت و فرماں برداری کے جذبے سے آپ کے فیصلے کو قبول کریں جب تک یہ طریقہ اختیار نہ کریں گے یہ لوگ مومن نہ ہوں گے اور بارگاہ خداوندی میں ان لوگوں کا شمار مومنوں میں نہیں ہوگا۔ ہم نے جو شریعت اور قانون کا لفظ استعمال کیا ہے وہ اس لئے کہ آپ کی وفات کے بعد آپ کو حکم بنانے کا مطلب آپ کی شریعت اور آپ کے قوانین کی جانب رجوع کرنا ہے بعض مفسرین نے آیت فلا وربک لا یؤمنون کے تحت ایک واقعہ حضرت زبیرؓ اور ایک انصاری کا نقل کیا ہے۔ اور اس آیت کا شان نزول اس قصے کو قرار دیا ہے۔ قصہ کا خلاصہ اس قدر ہے کہ پانی حاصل کرنے پر ان دونوں کا قصہ تھا۔ زبیرؓ کا کھیت بالائی حصے میں تھا اور اس انصاری کا کھیت نیچے کے حصے میں تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زبیرؓ کے حق میں فیصلہ دیا کہ زبیر اپنے کھیت میں پہلے پانی دے اور پھر پانی کو نیچے کے کھیت میں جانے کے لئے چھوڑ دے اس پر فریق ثانی کے منہ سے یہ نکل گیا کہ زبیرؓ آپ کی پھوپی کا لڑکا ہے۔ اس لئے ایسا فیصلہ کیا ہے۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غضب آلود لہجہ میں فرمایا۔ زبیرؓ تو اپنی زمین کو پانی پلا اور پانی کو روک لے یہاں تک کہ تیرے کھیت کی مینڈھ تک پانی پہنچ جائے۔ جب یہ دونوں فریق حضورؐ کے پاس سے نکلے اور مقدادؓ نے ان سے دریافت کیا تو اس انصاری نے استہزاء کہا کہ اپنی پھوپی کے بیٹے کے لئے فیصلہ کر دیا اور پانی کا حق اس کو دلوا دیا اس انصاری کی بات کو سن کر ایک یہودی نے کہا جو حضرت مقدادؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ خدا ان لوگوں کو ہلاک کرے کہ یہ ان کے رسول اللہ ہونے کی شہادت دیتے ہیں اور پھر ان کے فیصلے پر معترض بھی ہوتے ہیں اور ان پر طرف داری کا الزام لگاتے ہیں۔ خدا کی قسم ہم نے موسیٰؑ کی زندگی میں ایک گناہ کیا تھا۔ اس پر موسیٰؑ نے ہم کو بلا کر کہا کہ تمہاری توبہ اس وقت قبول ہوگی جب تم اپنے آپ کو قتل کر دو گے چنانچہ ایسا ہی ہوا اور ہم میں سے ستر ہزار آدمی قتل ہوئے تب ہماری توبہ قبول ہوئی اور ہم نے اپنے پروردگار کی رضامندی حاصل کی۔ حضرت زبیرؓ کا یہ مقابل جس کو انصاری کہا جاتا ہے شاید کوئی منافق ہوگا۔ بہرحال شان نزول کا اگر یہ واقعہ بھی ہو تب بھی ہماری گذارش کے منافی نہیں کیونکہ یہ آیتیں مسلسل منافقوں کی کمزوری کے بیان میں ہیں اور خاص طور پر حضورؐ کے بعض فیصلوں پر اعتراض کرنے پر اور حضورؐ کی بجائے غیروں کو حکم بنانے پر جن کمزوریوں کا ان کی جانب سے اظہار ہوتا تھا ان آیتوں میں ان کا رد ہے۔ اب آگے صحیح اطاعت کرنے والوں کے فوائد اور ان منافع کا ذکر ہے جو کامل فرماں برداروں کو ملنے والے ہیں (تسہیل) اور اگر ہم لوگوں پر یہ بات فرض کر دیتے کہ تم اپنے آپ کو قتل کر دو اور خودکشی کر دیا اپنے گھروں کو چھوڑ کر نکل جاؤ اور وطن سے

بے وطن ہو جاؤ تو سوائے معدودے چند اور تھوڑے سے لوگوں کے ان میں سے اس حکم کی کوئی بھی تعمیل نہ کرتا اور اگر یہ منافق جس بات کی ان کو نصیحت کی جاتی ہے یعنی رسول کی کامل اطاعت اور ان کے فیصلوں پر رضامندی اور طاغوت کو حکم بنانا وغیرہ اس پر عمل کرتے اور اس نصیحت کو بجا لاتے تو ان کے حق میں ثواب کے اعتبار سے بہتر اور ایمان کی تکمیل کے اعتبار سے پختہ اور مضبوط کرنے والا ہوتا (تیسیر) حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی مالک کے حکم میں تو جان تک دریغ نہ کرنا چاہیئے۔ اگر اللہ ویسے حکم کرتا تو یہ منافق کب کر سکتے۔ یہ حکم تو نصیحت کے ہیں انہیں پر چلیں تو نفاق جاتا رہے اور مومن ہو جاویں۔ غنیمت نہیں سمجھتے (موضح القرآن)۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ جن باتوں کا ان کو حکم دیا جا رہا ہے اور جن باتوں کی ان کو نصیحت کی جا رہی ہے وہ تو آسان اور سہل باتیں ہیں اور ان سے بھی یہ جان چرا رہے ہیں۔ اگر فرض کرو ہم لوگوں پر خودکشی کو فرض کر دیتے یا ترک وطن کو فرض کر دیتے اور احکام مقصودہ کی طرح یہ چیزیں لوگوں پر فرض ہو جاتیں تو سوائے ان چند لوگوں کے جن کے ایمان کامل ہیں اور کوئی بھی اس حکم اور اس فریضہ کو ان میں سے پورا نہ کرتا۔ لیکن اب جن آسان اور سہل باتوں کو ان پر لازم کیا گیا ہے اور جن باتوں کی ان کو نصیحت کی گئی ہے ان کو بجا لائیں اور ان کی پوری پوری تعمیل کریں تو ان کے حق میں ثواب کے اعتبار سے بہتر ہوگا۔ یعنی زیادہ اطاعت کرنے میں زیادہ ثواب ملے اور نیز تکمیل دین اور کمال ایمان کیلئے ان احکام کی بجا آوری مضبوطی اور تثبیت کا سبب ہو۔ کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ دین کی خدمت کرنے سے انسان کا عقیدہ پختہ ہوتا ہے اور باطن کی اصلاح ہوتی ہے۔ چونکہ علیہم کی ضمیر کے مرجع میں دو قول تھے۔ اس لئے ہم نے ترجمہ میں ایک قول کی اور تیسیر میں دوسرے قول کی رعایت رکھی ہے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عمرؓ حضرت عمار بن یاسرؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ نے فرمایا۔ اگر ایسا حکم ہوتا تو خدا کی قسم ہم اس حکم کی تعمیل کرتے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے ہم کو محفوظ رکھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کا جب یہ قول سنا تو فرمایا کہ میری امت میں ایسے لوگ ہیں جن کے ایمان ان کے دلوں میں پہاڑوں سے بھی زیادہ جمے ہوئے ہیں۔ اگر کوئی یہ شبہ کرے کہ جہاد اور ہجرت تو اب بھی اسلام میں ہے اور جہاد میں قتل اور ہجرت میں ترک وطن ہوتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ چیزیں مقصود نہیں ہیں بلکہ اعلاء کلمۃ اللہ کے سلسلے میں کبھی کبھی پیش آ جاتی ہیں۔ اصل مقصد تو اعلاء کلمۃ اللہ ہے۔ اگر اعلاء کلمۃ اللہ بدون جہاد اور بدون ہجرت کے حاصل ہو جائے تو نہ جہاد کی ضرورت ہے اور نہ ہجرت کی۔ اور قلیل سے تمام کامل مومن مراد ہیں۔ خواہ وہ صحابہ ہوں یا غیر صحابہ۔ کیونکہ فاسق و فاجر اور کافروں کے مقابلے میں کامل مومن قلیل ہی ہوتے ہیں۔ اب آگے کثرت ثواب اور تثبیت ایمان جو کامل اطاعت و فرماں برداری کا ثمرہ تھا اس پر جو اثرات مرتب ہونے والے ہیں ان کا اظہار فرماتے ہیں کامل اطاعت و فرماں برداری سبب بنا کثرت ثواب اور تثبیت ایمان فی القلوب کا اور یہ دونوں چیزیں سبب تھیں دوسرے منافع کا۔ چنانچہ ان منافع کا آگے ذکر ہے۔ ارشاد ہوتا ہے تفصیل اور جب یہ ایسا کرتے تو اس وقت ہم آخرت میں اپنی خاص رحمت سے ان کو بہت بڑا اجر عطا کرتے اور یقیناً ہم صحیح راستے پر ان کو چلاتے اور ان کو سیدھا راستہ بتا دیتے جو جنت اور جناب قدس تک پہنچتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا۔

اور اللہ و رسول کا حکم مانے گا تو یہ لوگ جنت میں ان حضرات کے ہمراہ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل اور کامل انعام فرمایا۔ یہ حضرات انعم اللہ علیہم انبیاء ہیں اور صدیقین ہیں اور شہدا ہیں اور صلحا یعنی نیک لوگ ہیں اور یہ حضرات مذکورہ جس کے رفیق ہوں تو بہت اچھے اور بڑے خوب رفیق ہیں۔ یہ ان حضرات کی معیت و رفاقت کا میسر آ جانا اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک خاص فضل ہے اور اللہ تعالیٰ بندوں کے احوال کو جاننے والا اور خبر رکھنے والا کافی ہے (تیسیر) اس امر کا خیال رکھنا چاہیئے کہ ولو انا کتبنا علیھم میں عام لوگ مراد لئے جائیں تو زیادہ مناسب ہے اگرچہ ہم نے دونوں باتوں کی رعایت رکھی ہے۔ ترجمہ میں علیہم کا ترجمہ منافق کیا ہے اور تیسیر میں لوگوں کیا ہے۔ اور یہ ہم نے محض مفسرین کے دونوں اقوال کی رعایت سے کیا ہے۔ اگر علیہم کا مرجع منافقین ہوں۔ تب تو وہی شرح ہوگی جو حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمائی ہے اور الا قلیل منہم کا مطلب یہ ہوگا کہ ان میں سے بہت تھوڑے لوگ مسلمان ہو کر ان احکام کی پابندی کرتے۔ اور اگر علیہم کا مرجع عام لوگ ہوں جیسا کہ ہم نے تیسیر میں اختیار کیا ہے تو مطلب اس طرح ہوگا کہ اگر ہم لوگوں پر اس قسم کے احکام فرض کر دیتے تو سوائے چند مومنین کاملین کے اور کوئی ان میں سے ان احکام کی تعمیل نہ کرتا اس صورت میں یہ ایک درمیانی جملہ ہوگا۔ بہرحال ولو انھم کا مرجع بالاتفاق منافقین ہیں۔ اور مطلب یہ ہے کہ اگر یہ منافقین ان باتوں کی پابندی کرتے جن کی ان کو نصیحت کی جا رہی ہے اور اس پر عمل کرتے عمل کی برکت سے ان کو بہتری اور تثبیت قلب میسر ہو جاتی جو کامل اطاعت کا ثمرہ ہے تو ہم ان کو علاوہ ان کے اعمال کے خاص اپنے پاس سے اجر عظیم عطا فرماتے اور سیدھی راہ پر ان کو چلاتے اور جنت میں ان کو پہنچا دیتے اور جنت میں پہنچانے کے لئے ان کی رہنمائی کرتے خلاصہ یہ کہ کامل اطاعت و فرماں برداری کی برکت سے دنیا میں خیر اور تثبیت حاصل ہوتی اور آخرت میں ان کو اپنے فضل خاص سے نوازا جاتا اور ان کو جنت میں داخل کیا جاتا۔ ان منافقین کی اصلاح کا طریقہ اور ان کے نفاق کا علاج بیان فرمانے کے بعد عام مسلمانوں کو عمل صالح اور اللہ و رسول کی اطاعت و فرماں برداری کی ترغیب فرمائی۔ اور یہ بتایا کہ اگر کسی کو کمال اطاعت میسر نہ بھی ہو لیکن احکام ضروریہ کی بجا آوری میں کوتاہی نہ کرتا ہو اور اللہ و رسول کی اطاعت بجا لاتا ہو تو اس کو بھی اللہ تعالیٰ اپنے فضل خاص سے یہ مرتبہ عنایت فرمائیں گے کہ بڑے لوگوں کی اس کو معیت و رفاقت میسر ہو جائے گی اور یہ بڑے لوگ جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنا انعام کیا ہے انبیاء اور صدیق اور شہدا اور صلحا ہیں۔ اور یہی وہ حضرات ہیں جن کو سورۂ فاتحہ میں صراط الذین انعمت علیھم فرمایا تھا۔ اگرچہ صدیق اور صالح نبی سے عام ہے لیکن جب انبیاء کا ذکر بھی آ گیا تو معلوم ہوا صدیقین اور صالحین سے مراد غیر انبیاء ہیں۔ یعنی نبی اور وہ لوگ جو نبی تو نہیں ہیں مگر صدیق ہیں۔ شہید ہیں یا صالح اور نیک فطرت لوگ ہیں ان کی معیت و رفاقت ان اہل طاعت کو میسر ہوگی جو ان سے کم درجے کے ہوں گے۔ اور چونکہ ان کے اعمال ان لوگوں کے ہم پلہ نہ ہوں گے ورنہ یہ بھی ان چاروں قسموں میں سے کسی قسم میں داخل ہو جاتے اس لئے فرمایا ذلک الفضل من اللہ کہ اگرچہ ان کے اعمال انعم اللہ علیہم جیسے نہ ہوں گے تب بھی اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل خاص اور اپنی مہربانی سے ان بزرگوں کی معیت و رفاقت نصیب کر دے گا اور یہ لوگ باعتبار رفاقت و معیت بڑے اچھے لوگ ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ نبی وہ لوگ جن کو اللہ کی طرف سے وحی آوے یعنی فرشتہ ظاہر میں پیغام کہہ جاوے اور صدیق وہ کہ جو وحی میں آوے ان کا جی آپ ہی اس پر گواہی دے اور شہید وہ جن کو پیغمبر کے حکم پر ایسا صدق آیا کہ اس پر جان دیتے ہیں اور نیک بخت وہ جن کی طبیعت نیکی ہی پر پیدا ہوئی ہے تو جو لوگ ایسے نہیں لیکن حکم برداری میں لگے جاتے ہیں اللہ اُن کو بھی ان کے ساتھ گنے گا (موضح القرآن) ابن ابی حاتم نے مسروقؒ سے مرسلاً روایت کی ہے کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضورؐ کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ ہم کو آپ کی جدائی بن نہیں آتی۔ لیکن جب آپ کی وفات ہو جائے گی تو آپ کسی اور مقام پر ہوں گے اور ہم کسی اور مقام پر ہوں گے۔ تو جنت میں ہمارے اور آپ کے درمیان جدائی ہو جائے گی۔ سعید بن جبیرؓ کی روایت میں ہے کہ ایک انصاری حضور کی خدمت میں حاضر ہوا اور وہ کچھ غمگین تھا۔ حضورؐ نے اس سے دریافت فرمایا کہ تو غمگین کیوں ہے۔ اس نے عرض کیا یا رسولؐ مجھے ایک ہی غم کھائے جاتا ہے۔ یہاں ہم آپ کی خدمت میں آتے ہیں آپکی صورت دیکھتے ہیں آپ کے پاس بیٹھتے ہیں۔ آپ کل انبیاء علیہم السلام کے ہمراہ ہوں گے اور ہم آپ کے دیدار سے محروم ہو جائیں گے۔ مجھ کو یہ غم کھائے ڈالتا ہے۔ اسی قسم کے اور بہت سے واقعات ہیں جو کتب احادیث میں مفصلاً مذکور ہیں۔ اسی میں ربیعہ بن کعبؓ کا واقعہ ہے۔ حضرت ثوبانؓ کا واقعہ اور بات یہ ہے کہ ایسا کون مسلمان ہوگا جس کی یہ تمنا نہ ہوگی کہ اس کو ان لوگوں کی رفاقت میسر نہ ہو۔ لہٰذا بہ کثرت لوگوں نے اس قسم کی آرزو کا اظہار کیا ہوگا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور اس آیت کے نزول سے مسلمانوں میں ایک خاص قسم کی مسرت کا اظہار کیا گیا۔ اسی سلسلے میں وہ مشہور روایت بھی ہے جس کو ابن کثیرؒ نے روایت کیا ہے کہ صحابہ کی ایک جماعت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا یا رسول اللہ ایک شخص ایک قوم کو دوست رکھتا ہے مگر اس قوم کے مانند اس کے اعمال نہیں ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا۔ المرء مع من احب۔ یعنی آدمی جس سے محبت کرتا ہے اسی کے ہمراہ ہوگا۔ آیت میں جس معیت کا اظہار کیا گیا ہے اس سے مراد ان درجات کا حصول نہیں ہے جو انعم اللہ علیہم کو حاصل ہوں گے۔ ورنہ فاضل اور مفضول میں مساوات لازم آ جائے گی بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بڑے لوگ اپنے مقامات سے اتر کر ان کے پاس آیا کریں گے اور جنت کے باغوں میں ان کے پاس بیٹھیں گے۔ جیسا کہ ابن جریر نے نقل کیا ہے کہ اس آیت کو سن کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اوپر والے اور بلند مرتبہ لوگ نیچے والوں کے پاس آیا کریں گے اور جنت میں اللہ تعالیٰ کے انعامات کا ذکر کیا کریں گے اور اس کی تعریف کریں گے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نیچے والوں کو ان کی خدمت میں حاضر ہونے ان کے پاس بیٹھنے اور ان کی زیارت سے مشرف ہونے کی اجازت ہو۔ واللہ اعلم بہرحال صورت وہاں جو کچھ بھی ہو۔ جن لوگوں کو جدائی اور ترک رفاقت کا خطرہ تھا ان کا خطرہ اس آیت نے دور کر دیا اور یہ بات معلوم ہو گئی کہ جو لوگ اللہ اور رسول کی پوری پوری اطاعت نہیں کرتے مگر اطاعت و فرماں برداری کی دھن میں لگے رہتے ہیں اور نیک بندوں سے محبت رکھتے ہیں۔ وہ بھی نیک لوگوں کی رفاقت سے محروم نہ رہیں گے۔ گو اس مرتبہ کے نہ ہوں۔ وکفیٰ باللہ علیما کا یہ مطلب ہے کہ

کون اطاعت و فرماں برداری کرتا ہے اور کون کسی سے سچی اور واقعی محبت کرتا ہے اور کون کسی کے نقش قدم پر چلتا یا چلنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس بات کا جاننے والا اللہ تعالیٰ کافی اور بس ہے۔ اس کو سب کی حالت کا علم ہے اور وہ باعتبار علیم ہونے کے کافی ہے۔ یہاں تک مختلف لوگوں کا اور مختلف اعمال کا بیان تھا اب آگے اعمال کے سلسلے میں جہاد کا بیان ہوتا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ علیہا پر حاشیہ لکھتے ہیں۔ آگے سے ذکر ہے جہاد کا۔ موضح القرآن (تسہیل)

بقیہ صفحہ ۱۴۰

میں بھی بڑا کامیاب ہوتا۔ یعنی مجھے بھی خوب مال ملتا۔ غرض مسلمانوں سے کوئی واسطہ نہیں بجائے اس کے کہ مسلمانوں کی کامیابی پر خوش ہوتا اور اس خبر پر مسرت ہوتی اپنے مال نہ ملنے پر افسوس کرتا ہے اور اس سے بڑھ کر خود غرضی اور اجنبیت اور بیگانگت کیا ہو سکتی ہے۔ مودۃ تینا تو میلا کے قلب میں ہوتی ہی نہ تھی۔ اس لئے محض تہکماً فرمایا۔ یا یہ مطلب ہے کہ ظاہری طور پر جس مودت کا اظہار کیا کرتا تھا اس کا بھی اس موقعہ پر خیال نہیں کرتا اور ایسی باتیں کرتا ہے جیسے تم میں اور اس میں کوئی تعلق نہیں ہے۔ بعض لوگوں نے کان لم تکن کو شہیدا کے متعلق کہا ہے۔ واللہ اعلم اس آیت میں شکست کو مصیبت فرمایا۔ یہ ظاہری اعتبار سے عام لوگوں کے خیال کے مطابق فرمایا ہے ورنہ مسلمانوں کی شکست بھی اپنے دامن میں ہزار ہا خوبیاں اور بھلائیاں رکھتی ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی ایک شخص منافق ہے کہ خدا کے حکم پر نہیں دوڑتا بلکہ نفع دنیا کتا ہے اگر لوگوں کو اس کام میں تکلیف پہنچی تو اپنے الگ رہنے پر ریجھتا ہے اور اگر لوگوں کو فائدہ پہنچا تو پچھتاتا ہے اور دشمنوں کی طرح حسد کرتا ہے (موضح القرآن) حسد یہی کہ ہائے مسلمانوں کو مل گیا اور میں خالی ہاتھ رہ گیا۔ اب آگے پھر جہاد کی ترغیب ہے (تسہیل) لہٰذا اگر اس قسم کے منافق اور تاخیر کرنے والے جہاد سے جان چراتے ہیں تو وہ مخلص مسلمان جنہوں نے دنیوی زندگی کے مقابلہ میں آخرت کو اختیار کر رکھا اور دنیا کی زندگی کو آخرت کے عوض فروخت کئے بیٹھے ہیں ان کو چاہیئے کہ وہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں اور جو شخص اللہ کی راہ میں لڑے گا خواہ وہ قتل کر دیا جائے یعنی مغلوب ہو جائے یا وہ غلبہ حاصل کرے اور غالب ہو جائے۔ بہرحال ہم اس کو آخرت میں بہت بڑا اجر و ثواب عطا فرمائیں گے مذ میرا یشرون الحیوۃ الدنیا کا ترجمہ دو طرح کیا گیا ہے ایک یہ کہ دنیوی زندگی کو آخرت کے عوض فروخت کر دیا ہے جیسا کہ ہم نے اختیار کیا ہے۔ دوسرے یہ کہ جن لوگوں نے دنیوی زندگی کو آخرت کے مقابلے میں اختیار کر رکھا ہے۔ اگر یہ معنی کئے جائیں تو آیت کے پہلے فقرے کا مطلب یہ ہوگا کہ مسلمانوں کو چاہیئے کہ اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑیں جو دنیوی زندگی کو آخرت کے مقابلے میں اختیار کئے ہوئے ہیں۔ یعنی کافروں سے جنگ کرو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فلیقاتل کا فاعل وہی مذکورہ جان چرانے والا شخص ہو اور اسی کو یہ حکم دیا گیا ہو کہ خالی باتیں بنانے سے کوئی فائدہ نہیں اگر یہ شخص واقعی فوز اور کامیابی کا خواہشمند ہے تو اس کو چاہیئے کہ گھر سے نکل کر اللہ کی راہ میں کافروں اور منافقوں سے جنگ کرے پھر اللہ کی راہ میں جنگ کرتے کرتے مارا جائے گا یا غالب آجائے گا تو ہر طرح فائدہ ہی فائدہ اور اجر عظیم ملے گا اور آخرت میں بہت بڑے ثواب کا مستحق ہوگا خلاصہ یہ کہ اگر یہ شخص فوز عظیم کا خواہشمند ہے تو اس کو چاہیئے اپنا قلب درست کرے اور گھر سے نکل کر میدان جہاد میں جائے اور کفار و منافقین کا مقابلہ کرے پھر دیکھے کہ اس کو فوز عظیم اور اجر عظیم کس قدر عطا ہوتا ہے۔ بہرحال مفسرین کے مختلف اقوال میں سے ہم نے ایک قول اختیار کر لیا ہے۔ اور جو قول ہم نے اختیار کیا ہے اس میں فلیقاتل کا فاعل الذین کو قرار دیا ہے۔ اور یہی عام مفسرین کی رائے ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ الذین کو مفعول قرار دیا جائے اور فلیقاتل کا فاعل مخلص مسلمانوں کو قرار دیا جائے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فلیقاتل کا فاعل شخص مذکور کو قرار دیا جائے واللہ اعلم حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی مسلمانوں کو چاہیئے زندگی دنیا پر نظر نہ رکھیں آخرت چاہیں اور سمجھیں کہ اللہ کے حکم میں ہر طرح نفع ہے (موضح القرآن) اب آگے پھر اسی مضمون کو ذرا اور تفصیل کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔ جہاد میں ایک مقصد تو ظاہر ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بات بلند ہوتی ہے اور اسلام کا اقتدار بڑھتا ہے۔ یہاں ایک اور دوسری بات بھی فرمائی کہ جو کمزور مسلمان کافروں کے قبضے میں ہیں اور بے چارے اپنی مدافعت نہیں کر سکتے ان کے لئے بھی کافروں سے لڑنا چاہیئے۔ تاکہ وہ مسلمان آزاد ہو جائیں اور اپنے مذہب پر آزادی کے ساتھ عمل کر سکیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل)۔

بقیہ صفحہ ۱۴۱

لہٰذا اے مسلمانو! تم کو حکم دیا جاتا ہے کہ تم شیطان کے دوستوں اور مددگاروں سے جنگ کرو تاکہ دنیا میں شیطانی طاقت پھیلنے نہ پائے اور اگر تم کو یہ خوف ہو کہ جب ہم کافروں سے لڑیں گے تو چونکہ وہ شیطان کے حمایتی ہیں اس لئے شیطان ان کو لڑنے کے داؤں گھات بتلائے گا اور ان کو مختلف تدبیریں سکھائے گا اور انکو ایسے داؤں پیچ بتلائے گا جن کی وجہ سے ہم اس کے حمایتوں کو شکست نہ دے سکیں گے تو اے مسلمانو! اس قسم کا اندیشہ نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ تم کو یقین دلاتا ہے کہ شیطان کی تدبیر ضعیف اور کمزور ہے اور اس کا داؤں اچھا داؤں ہے۔ پھر یہ کہ تمہارے ساتھ میری اعانت اور میری نصرت ہے۔ لہٰذا تم کو گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ قرآن میں نصرت کا وعدہ بہت جگہ مذکور ہے اور ہم اوپر بتا بھی چکے ہیں کہ کامل مومن کے ایمان کا مقتضا یہی ہے کہ اس کی مدد ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے مخلصین کو معاندین پر غلبہ دیتا ہے۔ لیکن کبھی کسی مانع کی وجہ سے ایسا نہیں ہوتا اور وہ مقتضا پورا نہیں ہوتا خواہ وہ مانع حضرت حق کی جانب سے کوئی ابتلا اور امتحان ہو یا وہ مانع حضرت حق کی اطاعت میں کوتاہی ہو یا کوئی اور ایسی غلطی ہو جس کا علم ہم کو نہ ہو۔ یا حق تعالیٰ کی کوئی اور مصلحت ہو واللہ تعالیٰ اعلم اب آگے پھر جہاد کی ترغیب ہے اور ایک نئے عنوان سے ہے۔ جس میں دنیا کی بے ثباتی اور موت کا لزوم وغیرہ بھی مذکور ہے۔ اور مسلمانوں کی شکایت بھی ہے اگرچہ شکایت بھی تلطف آمیز ہے۔ کیونکہ وہ لوگ بہرحال مہاجر مسلمان ہیں۔ لیکن طبعاً ایسا ہوتا ہے کہ مصائب کے وقت طبیعت کا اقتضا اور ہوتا ہے اور اطمینان و راحت کے وقت طبیعت کا اقتضا دوسرا ہوتا ہے۔ بات یہ ہے کہ مکہ معظمہ میں جب کفار مسلمانوں کو ستاتے تھے اور طرح طرح سے فرائض اسلامی کے بجالانے میں رکاوٹ ڈالتے تھے، تو مسلمانوں کو جوش آتا تھا اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قتال اور جہاد کی اجازت مانگتے تھے لیکن اس وقت مسلمانوں کی ایسی حالت نہ تھی کہ ان کو جہاد کا حکم دیا جاتا۔ اور جب مسلمان ہجرت کر کے مدینہ منورہ آگئے اور یہاں آزاد آب و ہوا میں سانس لینے کا موقعہ میسر آیا اور اطمینان نصیب ہوا تو طبیعت کا وہ جوش کم پڑ گیا لیکن مدینہ میں آزاد حکومت کے قیام کی وجہ سے جہاد کی شرائط متحقق ہو گئیں اور اشاعت دین اور اعلاء کلمۃ اللہ اور مکہ کے قیدیوں کی رہائی اور کفار عرب کی بے جا مزاحمت اور اہل کتاب کی ساز باز۔ ان تمام امور کے پیش نظر جہاد کی فرضیت کا اعلان کیا گیا اور جہاد فرض کیا گیا۔ تو وہی مسلمان جو مکہ میں جہاد کا تقاضا کیا کرتے تھے اس حکم کو سن کر سرد مہری دکھلانے اور پس و پیش کرنے لگے اور بعض کو یہ خیال ہوا کہ ذرا ہم اور مضبوط ہو جاتے اس وقت یہ حکم ہوتا تو ہم اس کو اچھی طرح انجام دیتے آگے کی ان آیتوں میں اسی قسم کا تذکرہ ہے اور اسی واقعہ کی جانب اشارہ ہے کچھ لوگوں کو تنبیہ بھی ہے دلاسا اور تسلی بھی ہے۔ جو کچھ انہوں نے کہا تھا اس کا جواب بھی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ (تسہیل) ملک اے مخاطب! کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو یہ حکم دیا گیا کہ تم ابھی اپنے ہاتھوں کو روکے رہو۔ یعنی جو لوگ مکہ میں جہاد کا تقاضا کر رہے تھے اور جہاد کی اجازت مانگ رہے تھے ان سے کہا گیا کہ ابھی ٹھہرو اور اپنے ہاتھوں کو روکے رہو اور نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو۔ پھر جب ان پر جہاد فرض کر دیا گیا اور مدینہ میں ان کو قتال کا حکم دیا گیا تو ان کی یہ حالت ہوئی کہ اسی وقت ان میں سے کچھ لوگ کافروں اور دین حق کے مخالف لوگوں سے ایسا ڈرنے لگے جیسے کوئی خدا سے ڈرتا ہو یا خدا کے ڈر سے بھی زیادہ ڈرنا اور یہ ڈرنے والے لوگ یوں کہنے لگے۔ اے ہمارے پروردگار تو نے ابھی ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا اور تھوڑی مدت تک کے لئے تو نے ہم کو اور مہلت کیوں نہ دے دی۔ اے پیغمبر آپ ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ دنیا کا فائدہ اور یہاں کا تمتع بہت تھوڑا اور محض چند روزہ ہے اور آخرت ہر اعتبار سے اس شخص کے لئے بہتر ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا اور اس کی عدول حکمی سے بچتا ہے اور یہ یاد رکھو کہ ایک دھاگے کے برابر بھی تمہاری حق تلفی نہ کی جائے گی (تیسیر) حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں۔ جب تک مسلمان مکہ میں تھے اور کافر ایذا دیتے تھے اللہ تعالےٰ ان کو لڑنے سے تھامتا تھا اور صبر کا ذکر فرماتا تھا جب حکم لڑائی کا آیا تو سمجھے کہ ہماری مراد ملی۔ لیکن بعضے کچے مسلمان کنارہ کرتے ہیں اور موت سے ڈرتے ہیں اور اللہ کے برابر آدمیوں سے خطرہ کرتے ہیں (موضح القرآن) حضرت ابن عباس کا قول ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور ان کے ساتھی حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ جب ہم مشرک تھے تو اپنی قوم میں ہماری بڑی عزت تھی۔ اب مسلمان ہونے کے بعد لوگ ہم کو ذلیل کرتے ہیں۔ حضورؐ نے جواب دیا مجھ کو اللہ تعالیٰ نے درگذر کرنے کا حکم دیا ہے لہٰذا تم لوگ اپنے مخالفوں سے قتال نہ کرو۔ پھر جب اللہ تعالےٰ حضور کو مدینے میں لے آیا اور جہاد فرض ہوا تو یہی لوگ جہاد سے بچنے لگے (ابن ابی حاتم نسائی) سُدی نے کہا مکہ میں صرف نماز اور زکوٰۃ فرض تھی۔ مگر لوگ اللہ سے قتال مانگتے تھے۔ جب قتال فرض ہوا تو ایک فریق لوگوں سے ڈرنے لگا بہرحال آیت کا مطلب یہ ہے کہ مکہ میں مسلمان ناتواں تھے ان کو صرف نماز کا اور جو مالدار ہوں ان کو نماز کے ساتھ زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم تھا کہ اس وقت یہ چاہتے تھے کہ جہاد کا بھی

حکم ہو جائے۔ چنانچہ حضورؐ سے جہاد کا تقاضا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم تھا کہ ابھی کسی سے لڑائی جھگڑا نہ کرو اور کسی پر مدافعانہ یا جارحانہ ہاتھ نہ اٹھاؤ۔ پھر جب مدینہ میں جہاد فرض ہوا تو ان پر دہشت طاری ہو گئی اور طبعاً کافروں سے ڈرنے لگے جو حقیقتاً موت کا ڈر تھا کیونکہ کافروں کا مقابلہ کرنے سے ڈرنا موت کے ڈر کو مستلزم ہے جیسا کہ ان کے قول لولا اخرتنا الی اجل قریب سے مفہوم ہوتا ہے اور اسی بنا پر جواب میں وہی پہلو اختیار کیا گیا اور موت کے آنے کو زیادہ واضح فرمایا اور جیسا کہ ہم نے رابط کی تقریر میں عرض کیا تھا کہ یہ تنبیہ اور شکایت لطف آمیز ہے۔ کیونکہ یہ لوگ مہاجر اور مخلص مسلمان تھے۔ اور انہوں نے جہاد کے حکم پر کوئی اعتراض نہیں کیا تھا بلکہ ایک تمنا تھی کہ چند سے اور مہلت مل جاتی تاکہ ہم زیادہ منظم اور مضبوط ہو کر اپنے مخالفوں کا مقابلہ کرتے پھر اس تمنا میں بھی دو احتمال ہیں کہ صرف دل میں کہا یا زبان سے کہا اگر دل میں اس قسم کا وسوسہ آیا تب تو کوئی مواخذہ ہی نہیں اور اگر زبان سے ہی تمنا کی تب بھی یہ تمنا مضبوط اور منظم ہونے کی غرض سے تھی، کوئی معترضانہ نہ تھی۔ اس لئے معصیت نہ تھی اور صرف معمولی سی تنبیہ یا شکایت کا انداز اختیار کیا گیا اور یہ جو فرمایا کہ مخالف لوگوں سے ڈرنے لگے جیسے خدا سے ڈرتے ہیں یا اس سے بھی زیادہ۔ تو یہ ڈرنا طبعاً تھا اور مجازاً ایسا فرمایا گیا اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ سے جس طرح بندہ ڈرتا ہے اسی طرح اس کی رحمت اور فضل کا بھی امیدوار ہوتا ہے اس لئے اس کا خوف رحمت آلود ہوتا ہے اور کافروں کے خوف میں صرف ایک ہی جہت ہوتی ہے وہاں رحم کا کوئی سوال اور خیال نہیں ہوتا اس لئے اس کو مجازاً اشد فرمایا اور یہ مطلب نہیں ہے کہ جب طبعاً کسی شخص کے قلب پر غیر اللہ کے خوف کا غلبہ ہوتا ہے تو اس وقت خدا کا خوف دل میں نہیں رہتا یا خدا کے خوف سے دل یکسر خالی ہو جاتا ہے یا خدا کے خوف سے بندہ بے نیاز ہو جاتا ہے کیونکہ خدا کے خوف سے بے پروا ہو جانا تو کفر ہے اور یہی وہ فرق ہے جس کو خوارج نے نہیں سمجھا اور کبیرہ کے ارتکاب پر کفر کا حکم جاری کر دیا بعض مفسرین نے او اشد خشیۃ کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ بعض تو کافروں سے ایسا ڈرنے لگے جیسے کوئی خدا سے ڈرتا ہے اور بعض خدا کے ڈرنے سے بھی زیادہ ڈرنے لگے۔ اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ان کے ڈرنے کو ایسا ڈرنا سمجھو جیسے خدا سے ڈرنا تو بھی صحیح ہے اور خدا کے ڈر سے بھی اگر زیادہ کہو تو بھی صحیح ہے بہرحال ہم نے ابھی عرض کیا تھا کہ جہاد و قتال میں ڈرنے کی وجہ اصل موت سے ڈرنا ہے اور موت سے ڈرنا چونکہ دنیا کے لگاؤ اور دنیا کی محبت سے ہوتا ہے اس لئے دنیا کی بے ثباتی اور پرہیزگاروں کے لئے آخرت کی بھلائی اور بہتری کا ذکر فرمایا اور آخر میں ظلم کی نفی فرمائی جس کا مطلب یہ ہے کہ اجر میں کمی نہ کی جائے گی اور سزا میں زیادتی نہ ہو گی۔ لہٰذا جس قدر ہو سکے نیکیاں بڑھاؤ اور جہاد کر کے اجر حاصل کرو اور گناہ گھٹاؤ اور احکام الٰہی کے بجا لانے میں سستی اور کمزوری نہ کرو۔ آگے موت کی ہمہ گیری کا ذکر ہے اور اسی سلسلے میں بعض منافقین کے اعتراضات کا جواب ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل)۔

بقیہ صفحہ ۱۴۲

جو بدحالی اور برائی تجھ کو پیش آتی ہے وہ خود تیری بدولت اور تیرے سبب سے ہوتی یعنی تیرے اعمال بد کے نتیجے میں پیش آتی ہے۔ اور اے محمد ہم نے آپ کو تمام لوگوں کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اور آپ کی رسالت و نبوت پر گواہی دینے کو اللہ تعالیٰ کافی ہے اور اللہ تعالیٰ سب چیزوں کو اپنے روبرو دیکھنے کو کافی اور بس ہے (تیسیر) حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں بندہ کو چاہیئے نیکی کو اللہ کا فضل سمجھے اور تکلیف اپنی تقصیر سے اور رسول پر الزام نہ رکھے تقصیروں سے اللہ واقف ہے اور وہی جزا دیتا ہے ——— (موضح القرآن) بعض حضرات نے۔ ما اصابک کا مخاطب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرار دیا ہے لیکن عام مفسرین کی رائے یہی ہے کہ خطاب عام ہے اور ہم نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ رسول پر الزام عائد کرنا صحیح نہیں ہے۔ رسول کو کسی راحت اور مصیبت میں کوئی دخل نہیں ہے بلکہ خود اپنے نفع اور ضرر کا بھی اختیار نہیں ہے چہ جائے کہ اس کو دوسروں کی بھلائی اور برائی کا کوئی اختیار ہو یہ سب باتیں تو خدا ہی کی جانب سے ہوا کرتی ہیں ہاں یہ ضرور ہے کہ جو بھلائی، خوش حالی اور مسرت وغیرہ اے مخاطب تجھ کو پہنچتی ہے وہ تو محض اللہ تعالیٰ کا فضل، اور اس کی مہربانی سے پہنچتی ہے۔ اور جو تکلیف اور بدحالی اور پریشانی وغیرہ تجھ کو پہنچتی ہے وہ تیرے ہی اعمال کی شامت ہوتی ہے اور تیری ہی کوتاہیوں کے باعث نصیب ہوتی ہے۔ اور اے پیغمبر ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لئے رسول بنا کر بھیجا ہے یعنی آپکا کام تمام بنی نوع انسان کو اپنی رسالت کی تبلیغ کرنا اور ہمارے احکام کا پہنچانا ہے کسی کی برائی یا بھلائی سے آپ کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ شہید کے معنی بعض حضرات نے گواہ کئے ہیں اور بعض حضرات نے حاضر اور موجود ہونا کئے ہیں۔ ہم نے تیسیر میں دونوں کا لحاظ رکھا ہے یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کی رسالت اور آپ کے رسول برحق ہونے پر اللہ تعالیٰ کی گواہی کافی ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہر شخص کی حالت اور اس کے اعمال پر اللہ تعالیٰ کی حضوری اور اس کی موجودگی اور سب کاموں کو اپنے سامنے ہوتا ہوا دیکھنا کافی ہے۔ غالباً یاد ہو گا ہم نے پہلے عرض کیا تھا کہ جس طرح علم بدپرہیزی اور بے احتیاطی کا اثر انسان کے جسم پر پڑتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی عام مخالفت کا اثر انسان کی روح پر پڑتا ہے یہ وہ اثرات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے مختلف اشیاء میں رکھے ہیں اور ایک چیز کو دوسری چیز کا مصلح مقرر کیا ہے جس طرح یہ تمام اثرات اور ان کی اصلاح کو طبیب خوب سمجھتے ہیں۔ اسی طرح روحانی بد پرہیزیوں کے اور گناہوں کے اثرات ہیں اور عبادات ان اثرات کو زائل کرنے والی اور ان کی مصلح ہیں لیکن یہ تمام اثرات چونکہ حضرت حق جل مجدہٗ کے تابع ہیں اور وہی ان کے خالق اور موجد ہیں اس لئے ان کی طرف ان اثرات کو منسوب کیا جاتا ہے اور قل کل من عند اللہ کا یہی مطلب ہے کہ جب کوئی بندہ مقویات یا مضرات کا استعمال کرتا ہے تو ہم ان چیزوں کے اچھے اور برے اثرات کو اس پر مرتب کر دیتے ہیں اور چونکہ عام طور سے ہم بندوں کے معاملے میں فضل و کرم کا برتاؤ کرتے رہتے ہیں اس لئے نفع تو محض فضل ہی سے پہنچا دیتے ہیں اور ضرر بد پرہیزی ہی سے پہنچاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ باوجود نیکیوں کی قلت بلکہ کبھی نہ ہونے پر فضل مرتب ہو جاتا ہے اور دینی و دنیوی سود و بہبود سے متمتع فرماتے ہیں۔ ہاں تکلیف پہنچانے میں نافرمانی اور خطا کو دخل ہے۔ اسی کو فرمایا ما اصابک من حسنۃ فمن اللہ وما اصابک من سیئۃ فمن نفسک یہ عام معاملات اور عام حالات کے متعلق ہم نے عرض کیا ہے۔ باقی سخت منافق اور پرلے درجے کے کافر کو بھلائی پہنچانا اور اہل اللہ اور اولیاء اللہ کو مصائب میں مبتلا رکھنا یہ دوسری بات ہے جس کو ہم وقتاً فوقتاً عرض کرتے رہے ہیں اور آگے بھی کہیں کہیں عرض کرتے رہیں گے۔ یہاں اس کی تفصیل کا موقعہ نہیں ہے حضرت حق تعالیٰ نے سورہ شوریٰ میں فرمایا ہے وما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم ویعفوا عن کثیر یعنی تم پر جو مصیبت واقع ہوتی ہے وہ تمہارے ہاتھوں کی کمائی سے واقع ہوتی ہے اور بہت سی باتیں تو اللہ تعالیٰ بلا کسی مواخذے کے معاف فرما دیتا ہے۔ سدی اور حضرت حسن بصری وغیرہ نے فمن نفسک کی تشریح فمن ذنبک سے کی ہے۔ قتادہ نے کہا عقوبۃ لک یا ابن ادم بذنبک۔ یعنی اے ابن آدم تیری پکڑ اور تجھ پر عقوبت تیرے گناہ کی وجہ سے ہوتی ہے۔ حدیث میں آتا ہے کسی شخص کو کوئی معمولی سے معمولی مصیبت بھی نہیں پہنچتی خواہ وہ کوئی غم ہو یا کوئی پریشانی ہو، یا کوئی اور مشقت میں ڈالنے والی کوئی چیز ہو حتیٰ کہ کوئی کانٹا بھی نہیں چبھتا مگر قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے یہ تکلیف اس شخص کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس معمولی سی تکلیف سے اس کی خطائیں معاف کر دیتا ہے۔ بہرحال جو کچھ آیت زیر بحث میں ہے وہ صرف اسی قدر ہے کہ بھلائی اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہے اور تکلیف انسان کی بداعمالی کے سبب ہے اگرچہ اس سبب پر اثر کا مرتب کرنا یہ حضرت حق کے ہی حکم سے ہوتا ہے حضرت شاہ صاحبؒ نے کل من عند اللہ کی ایک بہت اچھی توجیہ فرمائی ہے کہ رسول کی تدبیر بھی اللہ تعالیٰ کے الہام سے ہوتی ہے اس لئے رسول پر الزام لگانا بے جا ہے بلکہ اس عالم تکوین میں جو انقلاب ہوتا ہے وہ حضرت حق تعالیٰ کی قضا و قدر سے ہوتا ہے اور بھلائی کی حالت میں اس کا فضل ہوتا ہے اور مصیبت کی حالت میں اس کا عدل ہوتا ہے بعض حضرات نے اس موقعہ پر خلق اعمال کی بحث چھیڑی ہے اور کسب اور خلق کا تذکرہ کیا ہے اور معتزلہ اور اہل سنت کے اختلاف پر تقریر کی ہے ہمارے خیال میں یہاں اس کی ضرورت نہ تھی وہ مسئلہ اپنی جگہ ہے جہاں اس کا موقعہ ہو گا ہم عرض کریں گے۔ اس مسئلے کی نوعیت صرف اس قدر ہے کہ اہل سنت کے نزدیک بندے کو ارادہ اور قوت کسبیہ حاصل ہے لیکن اتنی بات ایجاد فعل کے لئے کافی نہیں اللہ تعالیٰ کا یہ معمول اور دستور ہے کہ جب بندہ کسی فعل کے کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس فعل کو پیدا کر دیتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کو خالق افعال اور بندے کو کاسب افعال کہا جاتا ہے اور اسی کسب پر بندے سے مواخذہ کیا جاتا ہے اس کی مثال اپنے اکابر اس طرح دیا کرتے ہیں کہ فرض کر دکسی بادشاہ کے ہاں ایک بہت بڑا پتھر ہے جسے کوئی شخص نہ ہلا سکتا ہے نہ اٹھا سکتا ہے۔ لیکن اگر بادشاہ اس پتھر کو اٹھانا چاہے تو وہ اٹھ جاتا ہے۔ بادشاہ نے اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ دیکھو اس پتھر کا اٹھانا ہمارے قانون میں سخت جرم ہے لیکن ہمارا یہ دستور ہے کہ جو شخص اس پتھر کو اٹھانے کے ارادے سے اس کے قریب جائے گا اور اس کو ہاتھ لگائے گا تو یہ پتھر ہمارے حکم سے اٹھ جائے گا اور وہ شخص اس کا مجرم قرار دیا جائے گا کیونکہ نہ وہ اس پتھر کے اٹھانے کا ارادہ کرتا اور نہ وہ اس کے قریب جاتا اور نہ یہ پتھر اٹھتا۔ اگرچہ یہ پتھر اس مقررہ دستور کے موافق ہی اٹھا۔ لیکن جب ہم نے یہ دستور بنا رکھا ہے تو جو اس کو اٹھانے کا ارادہ کرے گا اور اس کو ہاتھ لگائے گا تو

دیکھو یہ پتھر اٹھ جائے گا! وہ شخص اس پتھر کو اٹھانے کا مجرم قرار دیا جائے گا۔ اس مثال سے خلق اور کسب کا فرق ہر سمجھ دار آدمی کی سمجھ میں آسکتا ہے۔ اب جو شخص بھی کسی فعل کا ارادہ کرتا ہے اور اس منوعہ پتھر کو اٹھانے کا ارادہ کرتا ہے اور اس کو اٹھانے پر آمادہ ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے مقررہ دستور کے مطابق اس پتھر کو اٹھا دیتا ہے یعنی اس فعل کو جس کے ارتکاب کا بندے نے پختہ ارادہ کرلیا ہے اللہ تعالیٰ اس کو پیدا کر دیتا ہے معتزلہ افعال عباد کا خالق بھی عباد ہی کو مانتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو افعال کا خالق قرار نہیں دیتے۔ یہ وہ اختلاف ہے جس کو یہاں بعض حضرات نے بیان کیا ہے۔ اور کل من عند اللہ سے اہل سنت کے مذہب کو ثابت کیا ہے۔ لیکن جیسا کہ ہم نے عرض کیا ہے کہ یہاں اس کی ضرورت نہ تھی۔ یہاں تو صرف اتنی ہی بات بتانی مقصود تھی جو ہم نے تسہیل میں عرض کر دی بہرحال اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عام رسالت اور اپنی شہادت کا اعلان کرنے کے بعد پیغمبر کی اطاعت کا ذکر فرماتے ہیں کیونکہ جب یہ اعلان ہوگیا کہ آپ ہمارے بھیجے ہوئے اور تمام بنی نوع انسان بلکہ جنات کے بھی آپ ہی پیغمبر ہیں اور حضرت حق نے اس پیغمبری پر اپنی شہادت بھی ثبت فرما دی تو کوئی وجہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فرستادے کا حکم نہ مانا جائے کیونکہ جب وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے تو اب وہ جو کچھ کہے گا وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کا فرمان ہوگا اور اس کی اطاعت اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت ہوگی اس اعلان اطاعت کیساتھ آپکو تسلی بھی دی گئی ہے اور پھر منافقین کا ذکر شروع ہوگیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل ۔۔) جس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرماں برداری کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرماں برداری کی اور جو شخص آپ کی اطاعت سے روگردانی کرے تو آپ کوئی فکر نہ کیجئے اور اس پر غم نہ کیجئے کیونکہ آپ کو ہم نے ان کے اوپر کوئی محافظ اور نگہبان بنا کر نہیں بھیجا ہے۔ اور یہ منافق لوگ بظاہر زبان سے تو یوں کہتے ہیں کہ ہم فرماں بردار ہیں اور ہمارا کام تو آپ کی اطاعت و فرماں برداری کرنا ہے لیکن جب یہ لوگ آپ کے پاس سے باہر نکلتے ہیں اور باہر جاتے ہیں تو ان ہی لوگوں میں سے ایک جماعت رات کے وقت ان باتوں کے خلاف خفیہ مشورے کرتی ہے جو باتیں یہ آپ سے کہہ چکے تھے اور جو خفیہ مشورے یہ رات کے وقت کیا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو ان کے اعمالنامے میں لکھتا رہتا ہے۔ لہٰذا آپ ان کو منہ نہ لگایئے اور ان کی بے ہودگی کی جانب التفات نہ کیجئے اور آپ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھئے اور اپنے سب کام اللہ تعالیٰ کے حوالے کیجئے اور اللہ تعالیٰ ہی کا کارساز ہونا کافی ہے اور وہی باعتبار کارساز ہونے کے کفایت کرتا ہے۔ وہ خود آپ کی مدد کرے گا اور ان سے انتقام لے گا (تیسیر) حفیظ کے معنی نگراں۔ نگہبان۔ حفاظت کرنے والا۔ مطلب یہ ہے کہ آپ پر ان کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے کہ آپ ان کو گناہ نہ کرنے دیں اور ان کو نافرمانی سے روک دیں۔ یا ان کے گناہوں کی آپ سے کوئی بازپرس کی جائے۔ باقی وہ نگرانی اور نگہبانی جو ہر امت پر مربیانہ اور مشفقانہ اس کے نبی کو حاصل ہوتی ہے اس نگرانی کی نفی یہاں مراد نہیں ہے تبیت۔ شب میں کسی کام کے کرنے کو کہتے ہیں غیرالذی تقول کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ جن وفادارانہ جذبات کا ان کو اظہار کر چکے تھے اور اطاعت و فرماں برداری کا جو یقین آپ کو دلا چکے تھے شب میں ان جذبات کے خلاف ان میں سے ایک جماعت مشورہ کرتی ہے اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ جو باتیں آپ ان سے فرماتے ہیں ان کے خلاف شب میں ایک فریق مشورے کرتا ہے۔ ہم نے پہلا قول اختیار کیا ہے وکیل اس کو کہتے ہیں کام جس کے سپرد کیا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ کے سامنے تو اطاعت و فرماں برداری کا وعدہ کرتے ہیں لیکن جب آپ کے پاس سے اٹھ کر باہر جاتے ہیں تو انہی میں سے ایک فریق یعنی ان کے سردار اور بڑے لوگ ان باتوں کے خلاف جو آپ سے کہی تھیں رات کے وقت مشورے کرتے ہیں اور جب ان کے نفاق کی یہ حالت ہے کہ دن میں کچھ اور رات میں کچھ تو آپ ان کے نفاق کی جانب توجہ نہ فرمایئے اور خدا پر بھروسہ رکھئے یہ آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں گے اور اللہ تعالیٰ کی ذات وکیل ہونے کے لئے کافی ہے اور وہی اس لائق ہے کہ اس پر بھروسہ کیا جائے۔ چونکہ ان آیتوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اثبات ہے اسی کے ساتھ قرآن کی حقانیت کا ذکر بھی فرماتے ہیں اور ہم نے یہ بات کئی دفعہ عرض کی ہے کہ یہی چند مسائل ہیں جن کو مختلف عنوان سے بار بار ذکر کیا جاتا ہے۔ ان ہی مسائل میں سے توحید، رسالت، قرآن اور قیامت وغیرہ ہیں چنانچہ قرآن کے کلام الٰہی ہونے کے متعلق ارشاد ہوتا ہے (تسہیل)

بقیہ صفحہ ۱۴۳

استنباط۔ اصل میں کنوئیں کی تہ میں سے پانی نکالنے کو کہتے ہیں۔ کنواں کھودنے میں پہلی مرتبہ جو پانی سوت سے نکلتا ہے اس کو ماء مستنبط کہتے ہیں۔ مگر یہاں مراد یہ ہے کسی بات کو سن کر اس کی حقیقت جان لینا اور اس کی تہ تک پہنچ کر صحیح چیز معلوم کرلینا۔ شان نزول میں بھی مختلف قول ہیں ہوسکتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عورتوں کے طلاق کا قصہ ہو۔ جیسا کہ مسلم نے حضرت عمرؓ سے روایت کیا ہے اور ہوسکتا ہے کہ وہ واقعہ ہو جو شاہ صاحبؒ نے بیان کیا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی کہیں سے کچھ خبر آدے تو اول پہنچا دے سردار تک اور اس کے نائبوں تک جب وہ صحیح کرلیں اور اس پر بنا رکھیں تب اس پر عمل کرے۔ حضرت نے ایک شخص کو بھیجا ایک قوم کی زکوٰۃ لینے کو وہ نکلے استقبال کو اس نے سمجھا نکلے ہیں میرے مارنے کو۔ الٹا پھر آیا اور شہر مدینے میں مشہور کیا کہ فلاں قوم مرتد ہوئی۔ ہنوز حضرت کو خبر نہ پہنچی کہ شہر میں شہرہ ہوا اسی قسم سے ہر خبر بے تحقیق اور بغیر خبر سردار کے مشہور کرنے لگے۔ وہ خبر آخر غلط نکلی۔ فائدہ یہ جو فرمایا کہ اگر اللہ کا فضل تم پر نہ ہوتا تو شیطان کے پیچھے چلتے مگر تھوڑے یعنی ہر وقت احکام تربیت کے نہ پہنچتے رہیں تو کم لوگ ہدایت پر قائم رہیں ——— (موضح القرآن)۔ بہرحال شان نزول کچھ ہو خلاصہ آیت کا یہ ہے کہ ان مذکورہ لوگوں کی یہ حالت ہے کہ جب کوئی خبر ان کو موصول ہوتی ہے خواہ اچھی ہو یا بری ہو، فتح کی ہو یا شکست کی ہو ایسی کو فوراً مشہور کر دیتے ہیں اور اتنا نہیں سوچتے کہ سیاسی نقطۂ نگاہ سے اس تشہیر کا کیا اثر ہوگا۔ اگر یہ لوگ اس خبر کو شہرت دینے سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دیں یا اور جو لوگ ان میں صاحب امر ہوں جیسے جلیل القدر اور ذی رائے صحابہ اگر کسی لشکر میں ہوں جو لشکر کا سردار ہو اس تک اس خبر کو پہنچا دیں اور بطور خود مشہور نہ کریں۔ تو مذکورہ لوگوں میں سے وہ لوگ تو یقیناً اس خبر کی حقیقت کو پہچان ہی لیتے جو اہل بصیرت اور ذی رائے ہیں اور جو ہر خبر کی تحقیق کرلیا کرتے ہیں اور ہر خبر کی تہ میں صحیح نتیجہ نکال لیتے ہیں یعنی پیغمبر اور جلیل القدر صحابہ اگر ان تک اس خبر کو پہنچا دیتے تو وہ اس کے غلط اور صحیح ہونے اور قابل اشاعت ہونے نہ ہونے کو پہچان لیتے پھر جب حضرت حکم دیتے یا عمل کرتے ویسا ہی یہ لوگ کرتے اور اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا یہ خصوصی فضل اور رحمت نہ ہوتی یعنی پیغمبر کا بھیجنا اور قرآن کا نازل ہونا اور مختلف احکام اور قوانین کی تعلیم۔ غرض جو مہربانی اس نے تم پر فرمائی ہے یہ نہ ہوتی تو تم میں سوائے چند آدمیوں کے سب ہی شیطان کے سپرد ہوتے اور وہ چند آدمی وہی ہوتے جو عقل سلیم سے کام لیتے۔ جیسے بعض وہ لوگ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل شرک اور شراب وغیرہ سے اجتناب کرتے تھے مثلاً زید بن عمرو بن نفیل یا ورقہ بن نوفل یا حضرت ابوبکر صدیقؓ مگر یہ کہا جاسکتا ہے کہ عقل سلیم سے صحیح فائدہ اٹھانا بھی اللہ تعالیٰ کا فضل اور رحمت ہے۔ لیکن ہم نے خصوصی کی قید لگا کر اس شبہ کا جواب دے دیا ہے کیونکہ اس خاص فضل سے جو ہدایت میسر آئی وہ عقل صالح اور عقل سلیم کو بدون نبوت اور قرآن کی روشنی کے کہاں میسر آسکتی تھی۔ بعض حضرات نے یوں تفسیر کی ہے۔ لا تبعتم الشیطان الا اتباعا قلیلا بعضوں نے الا قلیلا کو اذاعوا بہ سے استثنا قرار دیا ہے۔ بعض حضرات نے یستنبطونہ منھم الا قلیلا کے ساتھ ترکیب کی ہے۔ لیکن راجح قول وہی ہے جو ہم نے عرض کیا ہے واللہ اعلم۔ شاید یاد ہوگا کہ اوپر سے جہاد کا ذکر ہو رہا ہے۔ بیچ میں بعض منافقین یا بعض بزدل مسلمانوں کا ذکر فرمایا تھا۔ اب پھر جہاد کا ذکر کرتے ہیں اور خاص طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیتے ہیں کہ جو منافق یا بزدل مسلمان جہاد سے کتراتے ہیں ان کو چھوڑیئے، آپ خود اس فریضہ کو انجام دیجئے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل) بہرحال اے محمد اگر لوگ جہاد سے جان چراتے ہیں تو آپ خود اللہ کی راہ میں کفار سے جہاد کیجئے، کیونکہ آپ سوائے اپنی ذات کے اور کسی کے مکلف نہیں اور بجز اپنے ذاتی فعل کے آپ اور کسی کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ ہاں مسلمانوں کو جہاد فی سبیل اللہ کی ترغیب دیجئے، قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کی لڑائی کو روک دے اور ان کی قوت اور زور کو توڑ دے اور اللہ تعالیٰ جنگ کرنے کے اعتبار سے بہت طاقتور اور قوی ہے اور عذاب کرنے اور سزا دینے کے لحاظ سے بہت سخت سزا دینے والا ہے (تیسیر) مفسرین کہتے ہیں کہ اس آیت کا تعلق بدر صغریٰ سے ہے۔ کیونکہ غزوۂ احد میں ابوسفیان نے چلتے وقت کہا تھا کہ تم سے آئندہ موسم حج کے موقعہ پر جنگ کی جائے گی۔ چنانچہ ذیقعدہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حسب وعدہ وہاں تشریف لے گئے اور کامیاب واپس آئے۔ ابوسفیان مرعوب ہوگیا اور میدان جنگ میں نہ آسکا۔ چونکہ اس موقعہ پر بعض مسلمانوں نے اپنی معذوریاں پیش کی تھیں اور حضورؐ نے فرمایا تھا کہ کوئی میرے ساتھ نہیں چلے گا تو میں تنہا اپنی تلوار لے کر چلا جاؤں گا اور مجھے خدا سے امید ہے کہ وہ میری مدد فرمائے گا۔ اس واقعہ کی تفصیل ہم آل عمران میں عرض کر چکے ہیں۔ بعض کا قول یہ ہے کہ آیت عام بشارت پر مبنی ہے اور اس میں یہ امید دلائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کفار کی قوت کو مضمحل کر دے گا اور ان کے زور جنگ کو توڑ دے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ مکہ معظمہ فتح ہوا اور کفار کی طاقت ہر سمت کمزور ہوگئی۔ واللہ اعلم۔ بہرحال آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ اے پیغمبر جب جہاد کی فرضیت اور جہاد کی ضرورت معلوم ہوگئی تو اب اگر کوئی آپ کے ہمراہ جہاد کرنے نہ نکلے تو آپ کچھ فکر نہ کیجئے کیونکہ آپ تو اپنے ذاتی فعل کے مکلف ہیں کسی دوسرے کے فعل کے آپ نہ مکلف ہیں اور نہ ذمہ دار ہیں۔ البتہ لوگوں کو جہاد کی تحریض و ترغیب کرتے رہیئے اور ان کو جہاد کے حکم اور جہاد کے منافع سے آگاہ کرتے رہیئے۔ پھر اگر کوئی آمادہ نہ ہو تو آپ پر کوئی

ذمہ داری نہیں۔ اور آپ سے کوئی باز پرس نہیں۔ جیسا کہ لا تکلف الا نفسک سے ظاہر ہے اور اگر کوئی آپ کے ہمراہ چلنے پر باوجود تحریص و ترغیب کے آمادہ نہ ہو تو اس کی بھی فکر نہ کیجئے کہ آپ تنہا رہ گئے اب کیا ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ سے اُمید ہے کہ وہ کفار کی جنگ کو روک دے اور اللہ تعالیٰ سے یہ بعید نہیں کہ وہ کفار کی قوت کو توڑ دے۔ کیونکہ جنگ کا بند ہو جانا اور کافروں کا جنگ نہ کرنا اس کے لئے منجملہ دیگر وجوہات کے بڑی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ ان کا زور اور ان کی طاقت ٹوٹ جائے لہٰذا اس امید بلکہ اس وعدہ کا اعلان ان الفاظ میں کیا ہے۔ عسی اللہ ان یکف باس الذین کفروا۔ چونکہ یہ اعلان کفار کی قوت کو کمزور اور مغلوب کرنے کا اعلان ہے اس لئے اس اعلان کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ چونکہ جنگ کرنے میں ان کافروں سے کہیں زیادہ طاقت ور ہے اس لئے ہمارے غالب اور ان کے مغلوب ہونے کا یقین رکھو۔ اور جس طرح اللہ جنگی قوت میں سب سے قوی تر ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ سزا دینے میں بھی سب سے زیادہ شدید ہے اور اس کی سزا سب سزا دینے والوں کی سزا سے زیادہ ہے۔ باس کے معنی شدت اور ناپسند چیز کے ہیں۔ باس اور بؤس کے ایک ہی معنی ہیں لیکن باس عام طور سے جنگ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور بؤس دوسری قسم کی سختیوں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ نکال کے معنی عذاب اور عقوبت کے ہیں۔ آیت کی ترتیب عجیب ہے اور ایک فقرہ دوسرے فقرے سے اس طرح وابستہ ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔ مثلاً لوگوں کی بزدلی کے پیش نظر پہلے جملے میں صرف پیغمبر کو حکم دیا گیا کہ آپ تن تنہا اور بنفس نفیس جہاد کیجئے۔ آگے دلیل بیان کی کہ آپ صرف اپنے ذاتی فعل کے مکلف ہیں کوئی دوسرا جہاد نہ کرے تو آپ پر اس کی کوئی باز پرس نہیں اگلے فقرے میں اسی کے ساتھ یہ بیان فرمایا کہ اس ذمہ داری کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ تبلیغ کے فریضہ سے بھی سبکدوش ہو گئے۔ نہیں مسلمانوں کو تبلیغ کرتے رہیے اور جہاد کے منافع سمجھاتے رہیے۔ اسی کے ساتھ تن تنہا جنگ کرنے میں جو خطرہ ہو سکتا تھا اس کا ازالہ فرمادیا کہ تنہا جنگ کرنے سے گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ ہمکو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کی جنگ کو روک دے اور ان کو مرعوب و مغلوب کر دے اور آپ کو تنہا ہی کامیاب کر دے۔ پھر اس کے بعد اس کامیاب ہونے پر دلیل بیان فرمادی۔ کہ جب اللہ کی معاونت آپ کے ساتھ ہے تو اللہ تعالیٰ کی قوت جنگ اور زور جنگ ان کافروں سے بدرجہا زیادہ ہے۔ اور جب زور آور طاقت آپ کے ساتھ ہے تو آپ کے لئے خوف کی کوئی وجہ نہیں۔ پھر اسی شدت باس کے ساتھ اپنی سزا کی شدت بھی بیان فرمادی۔ یہ سزا خواہ قیامت میں ہو جیسا کہ ظاہر ہے یا دنیا میں ہو جیسا کہ بعض نے کہا ہے۔ بہر حال جس طرح جنگ کرنے میں ہماری قوت و طاقت بڑھی ہوئی ہے اسی طرح سزا دینے میں بھی ہماری سزا بہت سخت ہے۔ اب آگے اسی سلسلے میں ترغیب کی مناسبت سے ایک عام اصول بیان فرمایا۔ یعنی ایک جہاد کی ترغیب پر کیا منحصر ہے۔ ایک اصول ذہن نشین کر لو۔ کسی بھلی بات کی ترغیب دینے والا بھی بھلائی کا حقدار ہوا کرتا ہے اور اگر کوئی بری بات پر کسی کو ابھارتا ہے اور کسی کو ظلم اور ناانصافی پر آمادہ کرتا ہے اور سفارش کرتا ہے تو یہ سفارش کرنے والا بھی برائی کا حق دار بنتا ہے۔ اسی مضمون کو بیان فرماتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل) جو شخص کوئی اچھی سفارش کرے گا یعنی ایسی سفارش جو شرعاً صحیح ہو، تو اس سفارش کرنے والے کو بھی اس سفارش کی وجہ سے ثواب کا ایک حصہ ملے گا۔ اور جو شخص کوئی بری سفارش کرے گا یعنی جو شرعاً ممنوع ہو تو اس بری سفارش کرنے والے کو بھی اس سفارش کی وجہ سے گناہ کا ایک حصہ ملے گا اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے (تیسیر) حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں مثلاً کوئی محتاج کی سفارش کر کے دولتمند سے کچھ دلوا دے۔ یہ بھی شریک ہوا ثواب خیرات میں اور جو کافر یا مفسد کو سفارش کر کے چھڑوا دے یہ بھی شریک ہے اس فساد میں (موضح القرآن) آیت کا مطلب یہ ہے کہ سفارش بھی اچھے کام کی ہو اور سفارش کا طریقہ بھی صحیح ہو۔ یہ نہ ہو کہ رشوت دی جائے یا سفارش کی اُجرت وصول کی جائے۔ اسی طرح وہ سفارش کسی ناجائز کام کی نہ ہو۔ مثلاً کسی شریر کو سزا سے بچانے کی سفارش یا جہاد میں شریک نہ ہونے کی سفارش یا صلح کے خلاف کسی کو بھڑکانا وغیرہ۔ مختلف حضرات نے مختلف تفسیریں کی ہیں اور اس میں شک نہیں کہ آیت اپنے عموم کے اعتبار سے ہر جائز اور ناجائز کام کی سفارش اور ترغیب کو شامل ہے۔ منہا کا یہ مطلب ہے کہ نیکی کی سفارش سے جو نیکی ہوگی اور بُرائی کی سفارش سے جو برائی ہوگی اس میں یہ بھی حق دار ہوگا۔ یعنی نیکی والے کا کوئی ثواب اور بدی والے کا کوئی عذاب کم نہ ہوگا اور سفارش کرنے والے کو بھی ثواب یا عذاب ہوگا اور ہو سکتا ہے کہ منہا سبب کے قائم مقام ہو۔ اور مطلب یہ ہے کہ اس سفارش کی وجہ سے اس کو ثواب یا عذاب کا حصہ ملے گا۔ ہم نے ترجمہ اور تیسیر میں دونوں باتوں کی رعایت رکھی ہے اگر کسی شخص نے ایک جائز کام کی سفارش کی اور جس سے سفارش کی تھی اس نے قبول نہیں کی تب بھی حسنہ کی سفارش کرنے والے کو اجر ملے گا۔ حدیث مرفوع میں ہے کہ سفارش کر کے اجر حاصل کیا کرو اور اللہ تعالیٰ جو فیصلہ چاہتا ہے اپنے نبی کی زبان پر اس کو جاری کرا دیتا ہے اور اگر سفارش کی وجہ سے کسی نے وہ نیک کام کر لیا تو اس کو بھی سفارش کے اجر کے علاوہ اس نیکی کا بھی ثواب ملے گا اگرچہ اصل نیکی کرنے والے کے ثواب میں کچھ کمی نہ ہوگی۔ اسی طرح بُری سفارش اور بُرائی کی ترغیب کو سمجھ لینا چاہیئے مقیت کے معنی کسی نے حفاظت کرنے والا کسی نے کہا شہید کسی نے کہا حسیب۔ سعید بن جبیر کا قول ہے قدیر۔ ضحاک نے کہا رزاق۔ ہم نے ایک معنی اختیار کئے ہیں اگرچہ گنجائش سب کی ہے جہاد کے سلسلے میں ہر بھلے کام کی ترغیب اور اس کے اجر کا ایک ضابطہ بیان فرمایا تھا اب آگے سلام کا ایک ضابطہ بیان فرماتے ہیں اور جس طرح سفارش آپس میں ایک دوسرے کو خوش کرنے کی وجہ سے ہوتی ہے اسی طرح سلام کرنا اور اس کا جواب دینا بھی قلب کی خوشنودی کا سبب ہوتا ہے اور ان ہی احکام کے سلسلے میں اپنی توحید اور قیامت کا ذکر فرمادیا۔ تاکہ احکام کی پابندی میں زیادہ قوت اور زور ہو۔ اور ہر شخص یہ سمجھ لے کہ قیامت کے دن معبود حقیقی کے سامنے پیش ہونا ہے اس لئے کوتاہی سے اجتناب کریں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل)

بقیہ صفحہ ۱۴۴

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ مثلاً کوئی کہے السلام علیکم تو واجب ہے اس کا جواب اگر برابر چاہے تو وعلیکم السلام۔ اور اگر زیادہ ثواب چاہے تو ورحمۃ اللہ بھی۔ اور اگر اس نے یوں کہا تو آپ کہے وبرکاتہ (موضح القرآن) ہم تسہیل میں ابھی عرض کر چکے ہیں کہ نفس جواب واجب ہے اور کلمات کی کمی بیشی کا اختیار ہے۔ ان اللہ علی کل شئی حسیبا کا یہ مطلب ہے کہ عمل پر وہ محاسبہ کرنے والا ہے۔ اور اعمال کے موافق سلوک کرنے والا ہے۔ مگر یہ کہ جس پر اُس کی مہربانی ہو جائے تو وہ معاملہ دوسرا ہے۔ آگے توحید کا ذکر ہے جس میں رسالت بھی شامل ہے اور قیامت کے وقوع کا اعلان ہے (تسہیل) اللہ تعالیٰ کی ذات ایسی ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود ہونے کے قابل نہیں وہ تم سب کو ضرور بالضرور قیامت کے دن جمع کرے گا۔ اس دن کے واقع ہونے میں ذرا شک کی گنجائش نہیں اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ کس کی بات سچی ہو سکتی ہے اور اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر بات کا سچا کون ہو سکتا ہے (تیسیر) لاریب فیہ میں دو احتمال ہو سکتے ہیں ایک کو ہم نے اختیار کر لیا ہے اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اس جمع کرنے میں ذرا شک کی گنجائش نہیں۔ واللہ اعلم۔ اللہ تعالیٰ کی بات سے زیادہ سچی تو کسی کی بات کیا ہوگی۔ اس کے مساوی بھی نہیں۔ جس کا علم اور قدرت کامل ہے اس کی بات کے برابر کسی کی بات سچی نہیں ہو سکتی اور جب اللہ تعالیٰ ہی کی بات سچی ہے تو قیامت کا وقوع ضرور ہوگا اور محشر میں سب کا جمع ہونا یقینی ہوگا۔ اب آگے پھر منافقین کا ذکر ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل) پھر اے مسلمانو! تم کو کیا ہو گیا ہے کہ تم ان منافقین کے بارے میں جو مدینہ کو چھوڑ کر مکہ والوں سے جا ملے یعنی دارالسلام کو چھوڑ کر دارالکفر میں چلے گئے۔ باہم اختلاف رائے رکھتے ہو اور دو گروہ بن گئے ہو۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ ان منافقین کو ان کی کمائی کی وجہ سے اور ان کی بداعمالی کے سبب سے اُلٹا پھیر چکا ہے اور ان کو کفر میں لوٹا چکا ہے۔ کیا تم اے مسلمانو! یہ ارادہ رکھتے ہو اور تم یہ چاہتے ہو کہ ایسے لوگوں کو ہدایت کر دو اور ایسے لوگوں کو راہ پر لے آؤ جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت سے محروم کر رکھا ہے اور ان کو گمراہی میں ڈال رکھا ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت سے محروم کر دے اور راہ سے ہٹا دے اور گمراہی میں چھوڑے رکھے تو اے مخاطب تو اس کے لئے مومن ہونے کی کوئی راہ نہ پائے گا۔ (تیسیر) رکس اور نکس ہم معنی ہیں۔ کسی چیز کو پلٹ دینا اوندھا کر دینا۔ پاؤں پکڑ کر اُلٹا لٹکا دینا۔ یہاں ظاہری اسلام سے حقیقی کفر کی طرف پھیر دینا مراد ہے۔ شان نزول کے متعلق چند روایتیں منقول ہیں لیکن ان سب میں ایک چیز نمایاں ہے۔ وہ یہ کہ ایک ایسی جماعت کے متعلق مسلمانوں میں رائے کا اختلاف ہوا جو اپنے کو مسلمان کہتے ہوئے اور اپنے اسلام کا اظہار کرتے ہوئے مدینہ آئی۔ حالانکہ وہ مسلمان نہیں تھی۔ مسلمانوں سے میل جول پیدا کیا۔ مسلمان اس کو مسلمان سمجھتے رہے۔ پھر کسی خاص بہانے سے مدینہ چھوڑ کر چلی گئی اور مکہ میں جا کر کفار سے مل گئی۔ بعض لوگوں کا خیال ہوا کہ وہ لوگ مسلمان ہیں۔ محض اپنی ضرورت کے لئے مکے گئے ہیں۔ بعض کی رائے یہ تھی کہ نہیں وہ کافر ہو گئے اور دارالسلام کو چھوڑ کر بلا کسی مجبوری کے دارالکفر میں چلے گئے۔ اس لئے اب ان کے کافر ہونے میں کوئی شبہ نہ ہونا چاہیئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس معاملہ میں خاموش رہے۔ اسی اختلاف رائے کو دور کرنے کی غرض سے یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ اور اس بات کو واضح کیا گیا کہ جب یہ پارٹی آئی تھی اُس وقت بھی مسلمان نہ تھی۔ صرف ظاہری طور پر اسلام کی مدعی یا مسلمانوں کی خیرخواہ بن گئی تھی۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے اس پارٹی کو اس کی بداعمالی کے باعث اُلٹا پھیر دیا تب تو اس کا کھلا ارتداد ظاہر ہو گیا اور ایسی حالت میں جب کہ ان کا ارتداد کھل چکا تو اب تم ان کے بارے میں اختلاف رائے کر رہے ہو۔ تو کیا جن لوگوں کو ان کی بداعمالی کے باعث اللہ تعالیٰ بے راہ کر چکا تم کو ان کی ہدایت کا خیال ہے اور تم یہ چاہتے ہو کہ جن کو خدا نے گم کردہ راہ کر دیا ہے تم ان کو سیدھی راہ پر لے آؤ۔ اور

کیا تم نہیں جانتے کہ جس کو خدا بے راہ رکھے تو اس کو راہ سے لگانے والا تم کو کوئی بھی نہیں مل سکتا۔ لہٰذا اس جماعت کے کفر میں تم کو باہم اختلاف نہیں کرنا چاہیئے۔ یہ اس آیت کا خلاصہ ہے جو ہم نے عرض کر دیا۔ اور یہ جو فرمایا بما کسبوا۔ تو بظاہر اس موقعہ پر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد ان کا بلا ضرورت اور بلا مجبوری دارالاسلام کو چھوڑ کر دارالکفر میں چلا جانا ہے۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ ان کی اور بدکرداریاں مراد ہوں جو عام طور سے کافر کیا کرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ یہاں منافق فرمایا ہے ان لوگوں کو جو ظاہر میں بھی مسلمان نہ تھے۔ لیکن حضرت کے ساتھ صحبت اور ملاپ جتلاتے تھے۔ اس غرض سے کہ ان کی فوج ہماری قوم پر جاوے تو ہماری جان و مال بچ رہے۔ جب مسلمان خبردار ہوئے کہ ان کی آمد و رفت اسی غرض کو وہ دل کی محبت سے نہیں تو بعضے کہنے لگے ان سے صحبت و ملاقات ترک کریئے تاکہ ایک طرف ہو جاویں۔ اور بعضوں نے کہا کہ ملے جایئے اس میں شاید ایمان لاویں۔ اللہ نے فرمایا کہ ہدایت اور گمراہی اللہ کے ہاتھ ہے اس کا فکر تم کو کیا ضرور باقی ایسوں سے جو معاملت چاہیئے سو آگے فرما دی ہے (موضح القرآن) ابن کثیر نے بہت اقوال نقل کئے ہیں۔ مثلاً زید بن ثابت کا قول ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو احد میں حضرت کے ساتھ نکلے تھے پھر پھر گئے۔ کچھ لوگ کہتے تھے ان کو قتل کرو۔ کچھ لوگ کہتے تھے ان کو چھوڑ دو۔ ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ محمد بن اسحاق کا قول ہے کہ یہ لوگ عبداللہ بن ابی کے ہمراہی ہیں جو لونعلم قتالاً لا اتبعنٰکم کہہ کر غزوہ احد سے لوٹ آئے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول بعض الفاظ کے فرق سے وہی ہے جو شاہ صاحبؒ نے اختیار کیا ہے اس میں اتنا اور ہے کہ وہ بظاہر کلمۂ اسلام پڑھتے تھے اور کافروں کی مدد کرتے تھے مکہ سے کسی کام کو نکلے تھے ان کے بارے میں مسلمانوں کی دو رائیں ہو گئیں تھیں۔ کچھ چاہتے تھے ان کو قتل کریں انہوں نے ہجرت نہیں کی۔ کچھ کہتے تھے کہ یہ لوگ ہماری طرح کلمۂ اسلام پڑھتے ہیں حضور اس بارے میں خاموش تھے۔ مجاہد نے جو کچھ کہا وہ بھی تھوڑے سے فرق کے ساتھ اس کے قریب ہے اور ہم نے اسی کو اختیار کیا ہے اور اسی کو اپنی تیسیر کا مبنیٰ قرار دیا ہے۔ اور مجاہد کے قول پر ان کو منافق کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جب انہوں نے مدینے آکر اپنے اسلام کا اظہار کیا تھا اس وقت بھی وہ مسلمان نہ تھے بلکہ منافق تھے اور مدینہ میں منافقوں کو قتل نہیں کیا جاتا تھا اس لئے ان کو بھی کچھ نہیں کہا گیا اور چونکہ اس وقت غیر معذورین پر ہجرت فرض تھی یہ ہو سکتا ہے کہ دارالاسلام کو چھوڑ کر دارالکفر کی جانب جانا ہی کفر ہو جیسا کہ لحوق بدارالحرب کا اب بھی یہی حکم ہے۔ اسی بنا پر بعض مسلمان ان کو کافر کہتے ہوں اور بعض جو ان کو مسلمان کہتے تھے وہ یا تو اس مسئلے سے واقف نہ ہوں گے اور یا ان کے ترک کو ترک نہ سمجھتے ہوں گے بلکہ یہ خیال کرتے ہونگے یہ لوگ اپنی تجارتی ضروریات کے باعث یا اپنا سامان وغیرہ لینے مکہ گئے ہوں گے۔ انہوں نے مدینہ کو چھوڑا نہیں ہے۔ بہر حال ان آیتوں کے نزول نے ان کے کفر کو ظاہر کر دیا۔ اب آگے ان کے دین کی ایک اور تمنا کا ذکر فرماتے ہیں جس کا کفر ہونا بالکل ہی ظاہر ہے کیونکہ اس تمنا سے یہ معلوم ہوا کہ ان کو کفر میں غلو ہے اور وہ تم کو بھی اپنا ہی جیسا دیکھنا چاہتے ہیں اور ان کی اس تمنا کے

19

بعد ان کی سزا اور ان سے ترک تعلقات وغیرہ کا حکم دیتے ہیں چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل) وہ لوگ تو یہ چاہتے ہیں اور وہ تو اس بات کے متمنی ہیں کہ جس طرح وہ خود کافر ہوئے ہیں اسی طرح تم بھی ان ہی جیسے کافر بن جاؤ تاکہ تم اور وہ سب ایک سے ہو جاؤ یعنی جیسے انہوں نے کافرانہ روش اختیار کی ویسے ہی تم بھی کفر کی روش اختیار کر لو جس میں تم اور وہ سب برابر ہو جاؤ۔ لہٰذا تم اس وقت تک ان میں سے کسی کو اپنا رفیق اور دوست نہ بناؤ جب تک وہ اللہ کی راہ میں ہجرت نہ کریں اور صحیح طور پر مہاجر نہ بنیں پھر اگر وہ ایمان لانے سے روگردانی کریں یعنی وہ ہجرت نہ کریں جو اصل ایمان کی علامت ہے تو تم جہاں کہیں بھی ان پر قابو پاؤ ان کو گرفتار کرو اور ان کو قتل کرو اور ان میں سے کسی کو اپنا رفیق اور مددگار نہ بناؤ (تیسیر) حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی جب تک تم میں نہ آرہیں تب تک ان کو بُرے بھلے میں شریک نہ کرو اور لڑائی میں ان کو نہ بچاؤ (موضح القرآن) آیت کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ پہلے ان کی کافرانہ تمنا کا ذکر ہے کہ تم لوگ تو ان کے کفر و اسلام میں اختلاف کر رہے ہو اور ان کی یہ حالت ہے کہ وہ خود تو دارالاسلام سے دارالکفر چلے ہی گئے اب یہ چاہتے ہیں کہ تم بھی ان ہی جیسے کافر بن جاؤ اور جس طرح انہوں نے کفر اختیار کیا ہے اسی طرح تم بھی کفر اختیار کر لو پھر تم اور وہ مساوی ہو جائیں فتکونون کا عطف تکفرون پر ہے ہم نے محاورے کے موافق ترجمہ کر دیا ہے پھر ان کے ساتھ برتاؤ کا ذکر ہے کہ جب ان کی یہ حالت ہے تو تم ان کے ساتھ مسلمانوں سا برتاؤ نہ کرو اور ان کو دوست نہ بناؤ اور ان کو رفیق تجویز نہ کرو اور یہ دوستی اور رفاقت اس وقت تک نہ کرو جب تک وہ سچے دل سے مسلمان ہو کر ہجرت نہ کریں اور اگر وہ ہجرت یا ایمان سے روگردانی کریں اور کفر ہی پر قائم رہیں تو ان کو جہاں کہیں پاؤ پکڑو اور قتل کرو۔ غالباً ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت ہجرت توحید و رسالت کے اقرار کرنے کے قائمقام ہوگا۔ جیسا کہ ہم نے اوپر بھی اشارہ کیا تھا۔ دارالکفر سے دارالاسلام کی طرف ہجرت کر کے آجانا ہی کلمۂ شہادت کے قائمقام سمجھا جاتا تھا اور چونکہ ہجرت اور ایمان دونوں مساوی تھے اس لئے فان تولوا کے معنی کسی نے ہجرت سے روگردانی اور کسی نے ایمان سے روگردانی کئے ہیں ہم نے ترجمہ اور تیسیر میں دونوں کی رعایت کی ہے اگرچہ مطلب میں کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ ہجرت بھی وہی معتبر ہے جو تکمیل دین کے اعتبار سے کی جائے ورنہ یوں تو کافر بھی دارالاسلام آتے جاتے رہتے ہیں اسی لئے ہم نے تیسیر میں عرض کیا ہے کہ وہ ہجرت جو ایمان کی علامت ہے۔ غرض یہ کہ جب تک یہ لوگ صحیح طور پر ہجرت کر کے تمہارے پاس نہ آجائیں تم ان سے کوئی تعلق نہ رکھو۔ اور اگر صحیح ہجرت سے روگردانی کریں تو پھر وہی برتاؤ کرو جو حربی کافروں کے ساتھ کیا جاتا ہے آخر میں پھر ولایت و نصرت کے تعلقات سے منع فرمایا کہ ان مذکورہ لوگوں سے کوئی تعلق نہ رکھو بلکہ بالکل بے تعلق رہو۔ دوستی اور ایک دوسرے کی مدد کرنے سے بالکل اجتناب کرو اور ان سے کوئی مدد نہ لو۔ اب آگے اس حکم میں سے بعض قیود اور بعض شرائط کے ساتھ کچھ کو مستثنیٰ کرتے ہیں (تسہیل)

بقیہ صفحہ ۱۴۵

اگر یہ لوگ یکسو اور کنارہ کش رہیں اور جنگ نہ کریں۔ اور مصالحت کے پابند رہیں تو وہ لوگ مامون ہوں گے بعض حضرات نے یوں ترجمہ کیا ہے کہ اگر یہ لوگ یکسو رہیں اور تم سے جنگ نہ کریں اور تمہارے سامنے صلح پیش کریں۔ ہمارے خیال میں ترجمہ کسی طرح کیا جائے اس سے ہمارے مطلب پر کوئی اثر نہیں پڑتا یہ سب جملے بطور تاکید ہیں کہ وہ بہر حال جو معاہدہ انہوں نے کیا ہے اس کی پوری پابندی کریں۔ تب یہ حکم ہے اور اگر ایسا نہ کریں تو ان کا حکم آگے آتا ہے۔ یہاں تک دو طبقوں کے کافروں کا ذکر فرمایا ہے ایک وہ جن سے کوئی صلح اور عہد نہیں۔ دوسرے وہ جن سے بالواسطہ یا بلاواسطہ صلح اور عہد ہو جائے اور وہ عہد کے پابند رہیں اب آگے تیسرے گروہ کا ذکر فرماتے ہیں جو عہد کر کے اپنے عہد سے پھر جائیں اور محض وقتی طور پر اپنی جان بچانے کو تمہیں دھوکہ دیں چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل) ان مذکورہ لوگوں کے علاوہ تم کچھ ایسے لوگوں کو ضرور پاؤ گے اور تم کو ایسے لوگ بھی ملیں گے جو یہ چاہتے ہیں کہ تم سے بھی بے خوف و خطر رہیں اور اپنی قوم سے بھی مامون و محفوظ رہیں۔ مگر اسی کے ساتھ ان کی حالت اور ان کی صفت یہ ہے کہ جب کبھی ان کو مسلمانوں کے مخالفوں اور دشمنوں کی طرف سے کسی شرارت اور فتنہ انگیزی کی دعوت دی جاتی ہے اور ان کو مسلمانوں کے خلاف ابھارا اور متوجہ کیا جاتا ہے۔ تو وہ فوراً بلا تامل اس میں جا گرتے ہیں اور اس شرارت و فتنہ انگیزی میں شریک ہو جاتے ہیں۔ یعنی مسلمانوں سے جنگ کرنے کو آمادہ ہو جاتے ہیں لہٰذا اس قسم کے عہد شکن لوگ اگر تم سے یکسو نہ ہوں اور تمہارے ساتھ جنگ کرنے سے کنارہ کش نہ ہوں اور نہ تم سے مصالحانہ رویہ رکھیں اور نہ تمہارے قتل سے اپنے ہاتھوں کو روکیں تو اس پر تم بھی ان دھوکہ بازاور عہد شکنوں کو جہاں کہیں پاؤ گرفتار کرو اور قتل کرو اور یہی وہ لوگ ہیں جن کے خلاف کارروائی کرنے کے لئے ہم نے تم کو کھلی سند اور صاف و صریح حجت مہیا کر دی ہے (تیسیر) حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی بعضے ہیں کہ عہد بھی کر جاتے ہیں نہ تم سے لڑیں، نہ اپنی قوم سے لیکن قائم نہیں رہتے۔ جب اپنی قوم کا غلبہ ہوتا دیکھتے ہیں ان کے رفیق ہو جاتے ہیں تو ان سے تم بھی تصور مت کرو تمہارے ہاتھ سند لگی کہ وہ عہد پر قائم نہ رہے۔ موضح القرآن۔ رکوع کے آخری حصے میں ایک تیسرے فریق کی حالت سے اطلاع دی گئی ہے کہ یہ لوگ تم سے اور اپنی قوم سے مامون رہنے کی غرض سے یہ ترکیب کرتے ہیں کہ تم سے معاہدہ کر لیتے ہیں کہ نہ ہم آپ سے جنگ کریں گے اور نہ آپ کے ساتھ مل کر اپنی قوم سے جنگ کریں گے۔ لیکن ان کی حالت یہ ہے کہ جب ان کو کوئی تمہارا دشمن تمہارے خلاف ابھارتا ہے اور ان کو غلبہ کی توقع ہوتی ہے تو یہ اس ابھارنے میں آجاتے ہیں اور اپنے تمام عہد و مواثیق کو بالائے طاق رکھ کر جنگ میں کود پڑتے ہیں اور فتنہ میں جا گرتے ہیں۔ تو اگر یہ لوگ ایسی حرکت کریں اور صلح اور عہد کا پاس نہ کریں اور جو ان کو کرنا چاہیئے یعنی اعتزال۔ عدم قتال اور عہد کا خیال وہ نہ کریں تو پھر یہ اسی سزا کے مستحق ہیں جو حربی کفار کے لئے بیان کی جا چکی ہے اور ان پر تو اب عہد شکنی اور وعدہ خلافی کی حجت بھی قائم ہو چکی۔ آخری آیتوں میں جو تقابل ہے وہ بھی عجیب و غریب ہے۔ پہلی آیت میں ہے فان اعتزلوکم دوسری میں ہے فان لم یعتزلوکم پہلی آیت میں ہے فلم یقاتلوکم دوسری میں لم یکفوا ایدیھم۔ پہلی آیت میں ہے۔ القوا الیکم السلام۔ دوسری میں ہے۔ لم یلقوا الیکم السلم پہلی آیت میں۔ فما جعل اللہ دوسری میں ہے اولئکم جعلنا لکم۔ سبحان اللہ العلیم الحکیم۔ بہر حال یہاں تک تین فرقوں کا ذکر فرمایا (۱) وہ کافر جو ہجرت نہ کریں یا دارالاسلام سے نکل کر دارالحرب میں چلے جائیں (۲) جو بلاواسطہ یا بالواسطہ معاہدہ کر لیں اور جنگ نہ کرنے پر مسلمانوں سے صلح کر لیں (۳) جو وقتی اور وقتی کی غرض سے صلح کر لیں اور جب مسلمانوں کے خلاف جنگ کی دعوت دی جائے تو اس میں شریک ہو جائیں اور اپنے عہد پر قائم نہ رہیں پہلے فریق کا حکم عام کفار کی مانند ہے۔ دوسرا فریق قتل اور پکڑ دھکڑ سے مستثنیٰ ہے۔ تیسرا فریق اسی سزا کا مستحق ہے جس کا پہلا

فرق تھا ان آیتوں میں جو احکام مذکور ہوئے وہ دو ہیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ جب مصالحت نہ ہو تو قتال اور مصالحت ہو تو عدم قتال۔ استثنا میں ہم نے ایک اشارہ کیا ہے جس سے معلوم ہوگا کہ استثنا صرف قتل اور پکڑ دھکڑ سے ہے۔ ولایت اور استنصار کی اجازت نہیں ہے ولایت تو کسی حالت میں بھی کافروں سے جائز نہیں البتہ استنصار اور استعانت میں تفصیل ہے اور کسی خاص ضرورت اور اسلامی فائدے کے پیش نظر ایسا کیا جا سکتا ہے اور اگر ضرورت نہ ہو اور کوئی خاص مفاد پیش نظر نہ ہو تو استنصار اور استعانت سے اجتناب کرنا چاہیئے جیسا کہ غزوۂ احد میں جب عبداللہ بن ابی واپس ہوا تو بعض انصار نے اجازت طلب کی کہ ہم یہود کو مدد کے لئے لے آئیں تو آپ نے فرمایا۔ رد خبیث ہیں ہم کو ان کی کوئی حاجت نہیں مزید تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہے۔ بہرحال اس آخری آیت میں جن کا ذکر ہے وہ اہل تہامہ ہوں۔ یا مکہ کے کچھ لوگ ہوں۔ یا نعیم بن مسعود ہو یا اسد اور غطفان کے لوگ ہوں مفسرین نے مختلف شان نزول بیان کیا ہے ہم اس تفصیل میں جانا نہیں چاہتے۔ جب قوموں میں انقلاب رونما ہوتا ہے اور ایک قوم کا زوال اور ایک قوم کا عروج ہوتا نظر آتا ہے تو یہ سب باتیں ہوا کرتی ہیں قبل از وقت کسی کو نہیں معلوم ہوتا کہ کیا ہونے والا ہے۔ بعض لوگ تو کھل کر ایک پارٹی کے ساتھ ہو جاتے ہیں۔ کچھ انتظار کرتے رہتے ہیں جس کا پلہ بھاری دیکھتے ہیں ادھر ہو جاتے ہیں۔ کچھ دونوں طرف ملے رہتے ہیں اور کسی پارٹی سے برے بننا نہیں چاہتے۔ یہی حالت عرب میں اس انقلاب کے وقت تھی۔ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت ہوا تھا اور جس کے آخر میں اسلام کو تفوق اور برتری حاصل ہوئی تھی۔ اور کفر زوال پذیر ہو گیا تھا اس وقت ہر قبیلہ اور عرب کا ہر فرقہ اپنے اپنے زاویۂ نگاہ اور اپنی اپنی امیدوں اور توقعات پر کام کر رہا تھا۔ اور ان ہی کے لئے قرآن میں وقتاً فوقتاً احکام نازل ہوتے رہتے تھے۔ اس لئے کوئی صحیح اور آخری بات کہنی مشکل ہے۔ اور جو خلاصہ ہم نے عرض کر دیا ہے اس کو کافی سمجھنا چاہیئے۔ معاہد اور حربیوں کے اور عہد شکنوں کے وہی احکام آج بھی ہیں۔ اگرچہ وہ زمانہ مسلمانوں کی ترقی کا تھا اور اس وقت تمام احکام پر عمل آسان تھا اور آج مسلمانوں کے انحطاط کا وقت ہے اور غلامی کا دور ہے۔ اگر آج ان قوانین پر عمل ناممکن ہے تو سوائے اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کیا جائے اور اس اقتدار کے حصول کی کوشش کی جائے جس سے اللہ تعالیٰ کا قانون بلند ہو سکے وما ذلک علی اللہ بعزیز۔ یعنی اب آگے اسی سلسلے میں قتل کے بعض اور احکام بیان فرماتے ہیں اور قتل کی بعض مختلف صورتوں کے احکام بیان کرتے ہیں اور آخر میں پھر مجاہدین کی فضیلت مذکور ہے ارشاد ہوتا ہے۔ (تسہیل)

بقیہ صفحہ ۱۴۶

(۱۰) حنفیہ کے نزدیک عورت کی دیت مرد سے نصف ہے

(۱۱) حنفیہ کے نزدیک مسلمان اور ذمی کی دیت یکساں ہے مزید مسائل کتب فقہ یا مقامی علماء سے معلوم کئے جائیں۔ آگے قتل کی ان آٹھ شکلوں میں سے اور چند شکلوں کا بیان ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل) ف اور اگر وہ مقتول خطاءً ایک ایسی قوم کا باشندہ ہو جو تمہاری دشمن اور مخالف ہو اور وہ مقتول مسلمان ہو تو ایسی حالت میں قاتل کے ذمہ صرف ایک مسلمان غلام یا باندی کا آزاد کرنا ہے۔ اور اگر وہ مقتول خطاءً کسی ایسی قوم کا فرد ہو کہ تم میں اور اس قوم میں کوئی معاہدہ اور مصالحت ہے تو اس صورت میں ورثائے مقتول کو خوں بہا سپرد کرنا اور پہنچانا ہے اور نیز ایک مسلمان غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا ہے۔ پھر جس کو لونڈی غلام میسر نہ ہو تو اس کے ذمہ دو مہینے کے لگاتار روزے رکھنے ہیں۔ یعنی مجبوری کی وجہ سے رقبہ آزاد نہ کر سکے تو بجائے آزاد کرنے کے دو مہینے کے لگاتار روزے رکھ لے۔ توبہ کا یہ طریقہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے مقرر کردہ ہے اور اللہ تعالیٰ کمال علم اور کمال حکمت کا مالک ہے (تیسیر) حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں چوک کی صورتیں کئی ہیں یہاں وہ مذکور ہے کہ مسلمان کو کافروں میں امتیاز نہ کیا اور مار ڈالا ہر طرح خطا کے قتل میں دو چیزیں لازم ہیں ایک تو آزاد کرنا بردہ مسلمان اور مقدور نہ ہو تو روزہ دو مہینے متصل یہ اپنی تقصیر کا تدارک ہے اللہ کی جناب میں دوسرے خوں بہا ادا کرنی اس کے وارثوں کو یہ اُن کا حق اگر وہ خیرات کر کر چھوڑ دیں تو مختار ہیں سو اگر اُس کے وارث مسلمان ہیں یا کافر ہیں لیکن صلح رکھتے ہیں تو ادا کرنی واجب ہے اور اگر کافر ہیں اور دشمن ہیں تو واجب نہیں۔ خوں بہا مذہب حنفی میں مسلمان کی دو ہزار سات سو چالیس روپے دس تخمیناً اور دینے آتے ہیں۔ قاتل کی برادری کو تین برس میں بہ تفریق ادا کریں (موضح القرآن) گذشتہ آیت میں مسلمان کو خطاءً قتل کرنے کی ایک شکل کا حکم بیان فرمایا تھا کہ کفارہ بھی دو اور خوں بہا بھی ادا کرو اور دوسری شکل یہ ہے کہ مقتول خطاءً مسلمان ہے لیکن وہ دارالحرب میں کسی مجبوری کے باعث قیام پذیر تھا یعنی اُس نے ہجرت نہیں کی تھی۔ خواہ دارالاسلام میں آتا جاتا رہتا ہو۔ تو اس مقتول کے قاتل پر صرف کفارہ ہوگا اور وہ ایک مسلمان غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا ہے اور اس مقتول کی دیت نہ ہوگی خواہ اس کے ورثا مسلمان ہوں یا کافر۔ کافر کو تو اس وجہ سے کہ مسلمان کا وارث کافر ہو نہیں سکتا اور مسلمان ہوں تو اس وجہ سے کہ ان کو دار کی عصمت حاصل نہیں ہے۔ اس لئے کوئی دیت نہ ہوگی۔ اور تیسری شکل یہ ہے کہ وہ مقتول خطاءً ایک ایسی قوم سے ہے کہ وہ قوم مسلمانوں کی معاہد ہے اور مسلمانوں کے اور ان کے درمیان باہم مصالحت ہے خواہ وہ مصالحت موقت ہو یا موبد ہو۔ تو اس صورت میں قاتل پر کفارہ بھی واجب ہوگا اور مقتول کے ورثا کو خوں بہا بھی ادا کرنا ہوگا۔ جس کی تفصیل ہم اوپر عرض کر چکے ہیں۔ پھر اگر کوئی شخص کفارہ کے لئے مسلمان غلام یا لونڈی نہ پائے۔ یعنی یا تو لونڈی غلام میسر ہی نہیں آتے اور ملتا ہی نہ ہو یا ملتا ہو تو یہ اس کے خریدنے کے قابل نہ ہو تو اس صورت میں بجائے مسلمان لونڈی یا غلام آزاد کرنے کے دو مہینے کے روزے رکھے اور یہ روزے بھی لگاتار اور پے در پے رکھے۔ اگر کسی وجہ سے بیچ میں کوئی روزہ چھوٹ گیا تو پھر از سر نو رکھنا ہوگا۔ البتہ عورت اگر حیض و نفاس کی وجہ سے بیچ میں روزے چھوڑ دے تو اس کی ترتیب باقی رہے گی اور اس کو از سر نو روزے شروع کرنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ اس تیسری شکل میں مقتول کی تفصیل نہیں ہے۔ اسی لئے لوگوں کے یہاں اقوال مختلف ہیں بعض لوگوں نے یہاں بھی مقتول مومن مراد لیا ہے اور بعض نے ذمی اور معاہد یا مستامن مراد لیا ہے اور بعض نے عام رکھا ہے کہ وہ مسلمان ہو یا کافر ہو۔ پھر کافروں میں سے خواہ یہودی ہو یا نصرانی ہو یا وثنی ہو۔ بہرحال معاہدین میں سے ہو۔ پھر جو لوگ مسلمان کہتے ہیں وہ خوں بہا میں یہ شرط لگاتے ہیں کہ اگر مقتول کے ورثا مسلمان ہوں تو ان کو دیت دی جائے اور اگر ورثا مسلمان نہ ہوں تو دیت بیت المال میں داخل کر دی جائے اور بعض یہ کہتے ہیں کہ اگر ورثا مسلمان نہ ہوں تب بھی ورثا کے طور پر نہیں بلکہ عہد کے طور پر دیت ورثا کو پہنچائی جائے اور جو مقتول کو کافر کہتے ہیں ان کے ہاں کوئی تفصیل نہیں ہے نہ ان کو کسی تفصیل کی ضرورت ہے ان کا مطلب یہ ہے کہ اگر معاہد قوم کا کوئی فرد مسلمان کے ہاتھ سے خطاءً قتل ہو جائے خواہ وہ ذمی ہو یا مصالح ہو یا مستامن ہو۔ تو اس کا کفارہ بھی ہے اور اس کا خوں بہا بھی ہے جو اس مقتول کے ورثا کو پہنچانا ہے اور یہ عہد کا احترام ہے۔ صاحب مدارک نے اس آیت سے مسلمان اور ذمی کافر کی دیت کے برابر ہونے پر استدلال کیا ہے۔ بہرحال امام ابوحنیفہ کا یہ مسلک ضرور ہے کہ مسلمان اور ذمی کافر کی دیت برابر ہے۔ اگرچہ دوسرے آئمہ نے امام کے اس مسلک سے اختلاف کیا ہے۔ یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ کفارہ تو خود قاتل کے ذمہ واجب ہوتا ہے اور دیت عاقلہ پر آتی ہے۔ عاقلہ سے مراد بھائی۔ بھتیجے چچا اور چچا کی اولاد ہیں اور خوں بہا کی جو رقم عاقلہ جمع کریں گے اس میں قاتل بھی حصہ رسدی شریک ہوگا اور بظاہر قتل کے سد باب کی غرض سے ایسا کیا گیا ہے کیونکہ عام طور سے انسان ایسی بے احتیاطی اپنے اعوان و انصار کے بل پر کیا کرتا ہے اگر خوں بہا ان کو دینا پڑے گا تو وہ لوگ بھی ایسے بے احتیاط آدمیوں کی دیکھ بھال رکھیں گے اور اس قسم کے قتل سے روکیں گے۔ خوں بہا کی تقسیم بھی ورثا پر اسی طرح ہوگی جس طرح باقی تمام ورثہ تقسیم کیا جاتا ہے یعنی تجہیز تکفین۔ قرضہ۔ وصیت ادا کرنے کے بعد جو کچھ بچے وہ مقتول کے ورثا پر تقسیم ہوگا۔ یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ اگر کافر ذمی کے ورثا مسلمان ہوں تو اس کافر کا خوں بہا بیت المال میں داخل ہوگا کیونکہ مسلمان ورثا نہ ہونے کے برابر ہیں۔ شبہ عمد جس کا ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں وہ گناہ کے اعتبار سے خطاءً قتل کے مقابلہ میں زیادہ سخت ہے کیونکہ اس میں قصد پایا جاتا ہے اور خطا میں قصد نہیں ہوتا محض بے احتیاطی کی تقصیر ہوتی ہے اور ان دونوں کا حکم خوں بہا سے فرق کے لحاظ سے یکساں ہے۔ مثلاً خوں بہا اگر روپیہ سے ادا کیا جائے تو دونوں میں ایک ہزار دینار یا دس ہزار درہم ہیں اور اگر اونٹ دیئے جائیں تب بھی سو ہیں لیکن ان میں ذرا سا فرق ہے جو کتب فقہ سے معلوم ہو سکتا ہے۔ آیت میں صرف قتل خطاءً زیر بحث ہے اس لئے ہم نے شبہ عمد کی مزید بحث کو ترک کر دیا ہے اور قتل عمد کا مسئلہ خود آگے آ رہا ہے۔ توبۃ من اللہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے توبہ کا یہ طریقہ مشروع اور مقرر ہے اور اللہ تعالیٰ چونکہ علیم و حکیم ہے۔ اس لئے اس کے تمام احکام حکمت و مصلحت اور حقیقی معلومات پر مبنی ہوتے ہیں اور چونکہ خطاء میں ایک قسم کی بے احتیاطی واقع ہوتی ہے۔ اس لئے لفظ توبہ کا استعمال فرمایا۔ توبۃ کی ترکیب مفسرین نے کئی طرح کی ہے۔ ہم نے ایک قول اختیار کر لیا ہے اب آگے مومن کو قصداً قتل کرنے کا حکم بیان فرماتے ہیں اور یہ بھی قتل کی ان آٹھ صورتوں میں سے ایک صورت ہے جن کا ذکر ہم اوپر کر چکے ہیں (تسہیل) ف اور جو شخص کسی مسلمان کو قصداً جان بوجھ کر مار ڈالے تو اس کی سزا جہنم ہے۔ اور یہ سزا بھی اس طور پر کہ وہ اس جہنم میں ہمیشہ پڑا رہے گا اور اللہ تعالیٰ اس پر غضبناک ہوا اور اللہ تعالیٰ نے اس پر لعنت فرمائی یعنی اپنی خاص رحمت سے اس کو دور کر دیا اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے (تیسیر) حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اگر مسلمان قصد کر کر مسلمان کو مار ڈالے وہ دوزخی ہو چکا اس کی توبہ قبول نہیں باقی اور علماء نے کہا کہ سزا اس کی یہی ہے۔ جو یہاں مذکور ہوئی آگے اللہ مالک ہے لیکن اگر قصاص میں مارا گیا تو سب کے قول میں پاک ہوا (موضح القرآن) غالباً یاد ہوگا کہ ہم اوپر کئی دفعہ اہل سنت کا یہ مسلک بیان کر چکے ہیں کہ ان کے نزدیک فاسق مسلمان ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہے گا اور کوئی گناہ گار جو گناہ کو گناہ سمجھ کر کرتا ہے وہ کافر نہیں ہوتا۔ جب تک کسی گناہ کی حلت کا قائل نہ ہو اور اس کو حلال سمجھ کر نہ کرے

البتہ شرک کا مرتکب ہمیشہ جہنم میں رہنے والا ہے اور اہل سنت کا یہ عقیدہ بکثرت آیات قرآنی اور احادیث نبوی سے ثابت ہے اہل سنت کے اس مشہور عقیدے کے خلاف معتزلہ اس کے قائل ہیں کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب ہمیشہ جہنم میں رہے گا اور خوارج اس کے قائل ہیں کہ کبیرہ کا مرتکب کافر ہو جاتا ہے خواہ وہ اس گناہ کو حلال نہ سمجھے۔ بمختصر یہ کہ معتزلہ مرتکب کبیرہ کے خلود فی النار ہونے کے قائل ہیں اور خوارج تو کبیرہ گناہ کے مرتکب کو کافر ہی کہتے ہیں۔ آیت زیر بحث میں چونکہ قصداً مسلمان کو قتل کرنے کی جزا خلود فی النار اور اللہ کی لعنت اور غضب اور عذاب عظیم فرمائی ہے اس لئے اس آیت سے ایک طرف معتزلہ نے اور دوسری طرف خوارج نے اپنے اپنے مسلک پر استدلال کیا ہے۔ حالانکہ ہم کئی بار عرض کر چکے ہیں کہ معتزلہ اور خوارج فرق باطلہ میں سے ہیں اور ان کے عام استدلال ایسے ہی ہوتے ہیں۔ جیسے کوئی ڈوبتا ہوا آدمی تنکے کا سہارا تلاش کیا کرتا ہے۔ بہرحال جہاں تک فرق باطلہ کے استدلال کا تعلق ہے وہ اس قدر قابل اعتبار نہیں ہے۔ کیونکہ یہ لوگ بے شمار نصوص صریحہ اور احادیث صحیحہ کے خلاف تاویلات رکیکہ کے خوگر ہیں۔ البتہ اس آیت میں جو چیز زیادہ اہم ہے وہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا وہ مشہور قول ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کو قصداً قتل کرے اس کی توبہ بھی مقبول نہیں۔ ابن ابی حاتم نے حضرت ابو ہریرہؓ اور عبداللہ بن عمروؓ اور ابو سلمہ اور عبد بن عمیرؓ وغیرہ کو عبداللہ بن عباسؓ کا ہم خیال بتایا ہے اور جو آیت سورہ فرقان میں آئی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے شرک اور قتل نفس اور زنا سب کی سزا خلود فی النار فرمائی ہے اور سزا کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے۔ الا من تاب و امن و عمل عملا صالحًا الی آخرہ اس کے متعلق حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا خیال یہ ہے کہ یہ آیت مکی ہے اور ومن یقتل مومنًا کی آیت مدنی ہے۔ اس لئے یہ آیت منسوخ نہیں ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا یہ قول بھی ہے کہ وہ حکم تو ابتداً دیا گیا تھا جب لوگ جاہل تھے اور کفر و شرک اور قتل و زنا وغیرہ میں مبتلا ہو جاتے تھے۔ اب چونکہ لوگ شریعت کو سمجھ چکے تھے اور گناہ کی خرابیوں سے واقف ہو چکے تھے۔ اس لئے ان کو بتایا گیا کہ جو شخص کسی مسلمان کو قصداً قتل کرے گا اس کی توبہ قبول نہ ہوگی۔ یہ ان اقوال کا خلاصہ ہے جو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اس بارے میں مناظرہ بھی کیا ہے۔ زید بن ثابتؓ کا قول ہے کہ سورۂ فرقان کی آیت کو ہم لوگ نرم سمجھ کر اس پر تعجب کیا کرتے تھے اس کے چھ ماہ یا آٹھ ماہ بعد جب یہ آیت نازل ہوئی تو ہم لوگ اس کو سخت اور تغلیظ سمجھنے لگے۔ زید بن ثابتؓ کا دوسرا قول یہ ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو ہم لوگ بہت ڈرے۔ اس کے بعد سورۂ فرقان کی آیت نازل ہوئی۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے سعید بن جبیرہ نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ وہ قاتل مومن کی توبہ کے قائل تھے۔ جیسا کہ صاحبِ روح المعانی نے ابن حمید کی روایت سے نقل کیا ہے۔ اسی طرح سعید بن منصور اور بیہقی نے حضرت ابن عباس کا ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے ان کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ میں نے اپنا ایک حوض پانی سے بھرا تھا اور اپنے مویشیوں کا منتظر تھا کہ وہ میرے مویشی اس حوض سے پانی پئیں گے مگر ایک شخص نے اپنی اونٹنی کو اس حوض سے پانی پلایا اور حوض کو توڑ دیا اور اس کا سارا پانی بہا دیا میں نے اس شخص کو تلوار سے قتل کر دیا۔ عبداللہ بن عباسؓ نے یہ واقعہ سن کر اس سے فرمایا۔ اللہ کی جناب میں توبہ کر۔ سعید بن منصور نے سفیان بن عیینہ سے نقل کیا ہے کہ اہل علم کا یہ طریقہ تھا کہ جب کوئی شخص ان سے سوال کرتا تھا تو وہ کہتے تھے قاتل مومن کی توبہ نہیں اور جب کوئی مبتلا ہو جاتا تھا اور وہ مبتلا یہ دریافت کرتا تھا تو جواب دیتے تھے کہ توبہ کر۔ صاحب روح المعانی نے ایک اور واقعہ عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کسی دریافت کرنے والے سے فرمایا تھا کہ قاتل مومن کی توبہ نہیں۔ لوگوں نے ان سے کہا اے ابن عباسؓ آپ نے اس کو اپنے پہلے فتویٰ کے خلاف کیوں فتویٰ دیا حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا مجھ کو ایسا معلوم ہوا کہ وہ غصہ میں کسی شخص کو قتل کرنا چاہتا ہے اس لئے میں نے اس سے ایسا کہا چنانچہ لوگوں نے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ یہی بات تھی۔ صاحب تفسیر مظہری نے تیسیر سے خود حضرت عبداللہ بن عباس کا قول فجزاءہ جہنم کی تشریح میں نقل کیا ہے۔ لو جازاہ اللہ لکنہ یتفضل علیہ و لا یخلدہ و لا یاتنہ۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ اس کو جزا دے تو اس کی جزا جہنم ہے لیکن اللہ تعالیٰ اس کے ایمان کی وجہ سے اس پر فضل فرمائے گا اور اس کو ہمیشہ جہنم میں نہیں رکھے گا۔ یہی وہ توجیہ ہے جو حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنے فیہ میں ذکر کی ہے اور ابن کثیر نے ابن مردویہ سے ایک غیر صحیح سند کے ساتھ مرفوعاً بھی اس توجیہ کو نقل کیا ہے اور بہت ممکن ہے کہ عبداللہ بن عباسؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ توجیہ سنی ہو۔ بہرحال ان روایات مذکورہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا بھی وہی مسلک تھا جو جمہور کا مسلک ہے۔ یعنی قاتل مومن کی توبہ قبول ہو سکتی ہے اور وہ ہمیشہ جہنم میں نہیں رہے گا۔ اب رہی یہ بات کہ وہ کسی کو توبہ کا حکم دیتے اور کسی سے توبہ کا انکار فرماتے۔ ایسا کیوں کرتے تھے۔ تو اس کا ایک جواب تو ہم ابھی عرض کر چکے ہیں کہ ابتداً سوال کرنے کو اس وجہ سے نہ بتاتے ہوں کہ مبادا کسی کو قتل نہ کر دے اور جو مبتلا ہو جاتا ہو اس کو اس وجہ سے توبہ کا حکم دیتے ہوں کہ مایوس نہ ہو جائے بلکہ توبہ کرے اور اس کے فضل سے امید رکھے۔ صاحب تفسیر مظہری اور ابن کثیر نے یوں کہا ہے کہ قاتل مومن پر خدا کا بھی حق ہے اور اپنے بھائی مومن کا بھی حق ہے۔ جیسا کہ ہم اوپر کہیں اس بات کو واضح کر چکے ہیں کہ گناہ جو حقوق العباد سے تعلق رکھتا ہے اس کا تعلق حقوق اللہ سے بھی ہوتا ہے اللہ کا حق اس بنا پر کہ اس کی نافرمانی کی اور بندے کا حق اس بنا پر کہ اس کو نقصان پہنچایا۔ بس توبہ کا ہونا تو اس بنا پر ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنا حق معاف فرما دے گا اور توبہ کا نہ ہونا اس بنا پر ہے کہ بغیر قصاص کے وہ معاف نہیں ہوگا تو اس کی توبہ کیسے ہو سکتی ہے وہ تو قیامت میں صاحب حق اگر معاف کر دے یا اللہ تعالیٰ اس کو راضی کر کے معاف کرا دے تب ہی معاف ہو سکتا ہے۔ واللہ اعلم۔ اور وہ جو زید بن ثابتؓ سے دونوں روایتیں منقول ہیں اگر ان دونوں کی اسناد صحیح ہوں تو اس کی توجیہ بعض حضرات نے اس طرح کی ہے کہ اول سورۂ فرقان کی آیت ویخلد فیہ مھانا تک نازل ہوئی جس میں شرک کے ساتھ قتل اور زنا کا ذکر فرمایا اس کے بعد صرف قتل کے سلسلے میں سورۂ نساء کی آیت نازل ہوئی۔ جب لوگ اس وعید کو سن کر پریشان ہوئے تو الا من تاب کی قید نازل ہوئی۔ اسی طرح یہ آیت بھی الا من تاب کے ساتھ مقید ہو گئی۔ اس کو صاحب خازن نے اختیار کیا ہے واللہ اعلم۔ خلاصہ یہ کہ جمہور علمائے سلف اور خلف کا مسلک یہی ہے، کہ سوائے شرک و کفر کے کوئی ایسا گناہ نہیں ہے جس کی سزا خلود فی النار ہو جیسا کہ قرآن میں متعدد جگہ ارشاد ہے۔ ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ و یغفر ما دون ذلک لمن یشاء اور شرک باللہ کے علاوہ دوسرے گناہوں کے متعلق یہ آیت کافی ہے۔ قل یعبادی الذین اسرفوا علی انفسھم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا۔ اور کسی گناہ گار کا توبہ کرنا اور اللہ کی جانب رجوع ہونا اور اللہ تعالیٰ کا اس کی توبہ کا قبول فرمانا بہت سی آیتوں میں مذکور ہے۔ ان میں سے یہ آیت کافی ہے۔ وانی لغفار لمن تاب و امن و عمل صالحًا ثم اھتدی۔ بعض اہل علم نے آیت زیر بحث کی توجیہ اور اس کا مطلب اور متعدد طریقوں سے بیان کیا ہے مثلاً اس آیت میں جو وعید بیان فرمائی ہے وہ اس کافر کی ہے جو مسلمان کو قصداً قتل کرے جیسا کہ شان نزول کا مشہور مورد یہی ہے۔ یہ آیت مقیس بن ضبابہ کندی کے بارے میں نازل ہوئی ہے مقیس کے بھائی ہشام کو کسی نامعلوم شخص نے قتل کر دیا تھا۔ اس کی لاش بنی نجار کے قبیلے کے پاس پڑی ہوئی ملی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی نجار کو حکم دیا کہ اگر تم کو قاتل معلوم ہے تو اس کو پیش کر دو تاکہ اس سے قصاص لیا جائے اور اگر قاتل معلوم نہ ہو تو مقیس کو خوں بہا ادا کر دو۔ چنانچہ بنی نجار کے لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ قاتل تو ہم کو معلوم نہیں البتہ خوں بہا حاضر کر دیں گے چنانچہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد کو جو قبیلۂ فہر کا باشندہ تھا سو اونٹ دے دیئے۔ جو اس فہری نے مقیس کے حوالے کر دیئے اور دونوں مدینے کو واپس روانہ ہوئے راستے میں مقیس کی نیت خراب ہوئی اس نے خیال کیا اپنے بھائی ہشام کے بدلے میں تو میں فہری کو قتل کر دوں اور خوں بہا لے کر چل دوں چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ فہری کو قتل کر دیا اور اونٹ لے کر مکہ بھاگ گیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ لہٰذا مقیس نے جو حرکات کی تھیں۔ قتل۔ لوٹ۔ ارتداد۔ یہ اس خاص شخص کی جزا بیان کی گئی ہے۔ شان نزول کے سلسلے میں ہم کئی بار عرض کر چکے ہیں کہ شان نزول کے خاص مورد ہونے سے اس کی عمومیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا بعض نے یہ توجیہ بیان کی ہے کہ جو شخص قتل مومن کو حلال سمجھتے ہوئے قتل کرے اس کی یہ جزا ہے کسی نے کہا کسی مومن کو اس کے ایمان کی وجہ سے قتل کرے تو اس کی جزا یہ ہوگی کسی نے کہا خلود کے معنی تابید کے نہیں بلکہ مکث طویل ہے لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ شاہ صاحبؒ نے جو راہ اختیار کی ہے وہ بہت صحیح ہے اور اس کو ابو مجلزؒ اور حضرت عبداللہ بن عباس کی رائے اور ابن مردویہ کی ایک مرفوع حدیث کی تائید بھی حاصل ہے جس کا مفاد یہ ہے کہ ایسے شخص کی اصلی جزا تو یہی ہے کہ وہ دوزخ میں ہمیشہ رہے لیکن یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس پر اصل جزا جاری نہ ہوگی بلکہ اس کے ایمان کی برکت سے نجات حاصل ہو جائے گی اور ہم نے جو رحمت خاص سے دور ہونے کا ذکر کیا ہے اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ جس رحمت سے اللہ تعالیٰ کے نیک بندے مستفیض ہوں گے یہ قاتل اس خاص رحمت سے محروم رہے گا۔ بہرحال جہاں تک آیت کے مطلب کا تعلق ہے ہم نے اپنی وسعت کے موافق واضح طور پر بیان کر دیا ہے اور یہ بات صاف کر دی ہے کہ معتزلہ اور خوارج کے استدلال کے لئے اس آیت میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ لیکن جہاں تک ایک مسلمان کو ناحق قتل کرنے کا معاملہ ہے وہ نہایت سنگین اور سخت خطرناک اور بہت بڑا گناہ ہے۔ حدیث میں آتا ہے۔ سب سے پہلے قیامت کے دن لوگوں کے مابین جس چیز کا فیصلہ ہوگا وہ خون کا مقدمہ ہوگا۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ سے ابو داؤد نے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ مومن ہمیشہ آزاد شدہ اور صالح رہتا ہے جب تک وہ کسی ناجائز خون کا مرتکب نہیں ہوتا اور جب اس سے کسی حرام خون کا ارتکاب ہوا تو وہ ہلاک ہوا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام دنیا کا زوال

کسی مسلمان کے قتل سے آسان ہے فرمایا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر کسی شخص نے قتل مسلم پر کسی کی مدد کی خواہ اس نے آدھی بات ہی کہی ہو تب بھی وہ قتل مسلم کی تائید کرنے والا قیامت میں اس طرح آئے گا کہ اس کی پیشانی پر لکھا ہوا ہوگا کہ یہ شخص اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید ہے۔ حضرت بریدہؓ سے نسائیؒ نے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ اگر کسی مومن کے خون میں آسمان والے اور زمین والے دونوں مشترک ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان سب کو اوندھے منہ جہنم میں ڈال دے گا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ کعبہ کا طواف فرمارہے تھے اور کعبہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے تھے تو کیسا اچھا ہے اور تیری خوشبو کتنی اچھی ہے اور تو کیسی عظمت والا ہے اور تیری حرمت کیا ہی بڑی ہے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے ایک مومن کی جان اور اس کے مال کی حرمت تیری حرمت سے بہت بڑی ہے۔ (ابن ماجہ) اب آگے اسی قتل مومن کے سلسلے میں اور ایک امر بیان فرماتے ہیں کہ کسی مومن کے مومن سمجھنے اور اس کے قتل سے بچنے کے لئے اس کا ظاہری اسلام کافی ہے۔ جو شخص اپنے اسلام کا اظہار کرے اور اپنا مسلمان ہونا ظاہر کرے اس کے قتل سے بچنا واجب ہے جیسا کہ ایک خاص واقعہ میں بعض صحابہ سے اس قسم کی غلطی واقع ہوئی تھی۔ لہٰذا اس پر تنبیہ کی گئی اور اس سلسلے میں ایک مستقل ضابطہ فرمایا جو صدہا دفعات کو شامل ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ (تسہیل)۔

بقیہ صفحہ ۱۴۷

اور یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ تم بھی پہلے کافروں کی حکومت میں رہتے تھے اور تمہاری کوئی حکومت نہ تھی اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ کفر کی وجہ سے تمہاری جان اور تمہارا مال محفوظ نہ تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان فرمایا۔ احسان کے بھی پہلے جملہ کی مناسبت سے کئی معنی ہو سکتے ہیں یعنی یہ کہ اب تمہارا اسلام معروف و مشہور ہوگیا۔ یا یہ کہ اب بجائے اغراض دنیوی کے صرف اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے خون کرتے ہو یا یہ کہ اب تم کو مستقل حکومت مل گئی یا یہ کہ اب تمہاری جان اور مال مسلمانوں کے ہاتھوں سے محفوظ ہے۔ پھر تاکید کے طور پر فتبینوا کو مکرر فرمایا اور ہو سکتا ہے کہ دوسرے فتبینوا کے معنی غور و فکر اور سوچنے سمجھنے کے ہوں کہ دیکھو جو کام کرو سوچ سمجھ کر کرو دیکھو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں حضرت کے وقت میں مسلمانوں کی فوج پہنچی ایک بستی پر وہاں ایک مسلمان تھا اپنے مویشی کنارے کر کر کھڑا ہوا تھا اور مسلمانوں سے سلام علیک کی لوگوں نے سمجھا کہ غرض کو مسلمانی جتاتا ہے۔ اس کو مارا اور مویشی چھین لئے اس پر یہ آیت اتری۔ یہ جو فرمایا تم ایسے ہی تھے پہلے یعنی غرض دنیا پر خون ناحق کرنے والے لیکن مسلمان ہو کر یہ کام نہ چاہیئے! تم ایسے ہی تھے پہلے یعنی کافروں کے شہر میں رہتے تھے مستقل حکومت نہ رکھتے تھے (موضح القرآن) چونکہ اوپر سے جہاد کا حکم ہو رہا ہے۔ بیچ میں بعض باتیں مناسبت سے آ گئی تھیں۔ جہاد میں بعض وہ لوگ تھے جو شوق سے جاتے تھے بعض معذور تھے بعض وہ مسلمان بھی تھے جو جہاد میں شریک نہ ہوتے تھے یا نہ ہو سکتے تھے اب آگے ان لوگوں کے اجر و ثواب کا باہمی فرق مذکور ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ (تسہیل) مسلمانوں میں سے اصحاب عذر کے علاوہ وہ لوگ جو گھروں میں بیٹھے رہیں وہ ان مجاہدین کے برابر نہیں ہو سکتے جو اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہیں۔ یعنی جو لوگ بغیر کسی عذر شرعی کے گھروں میں بیٹھے رہیں وہ ثواب میں اور فضیلت میں ان لوگوں کے برابر نہیں جو اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جانیں لڑا کر جہاد کرتے ہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان مجاہدین کا جو اپنے مال اور اپنی جانیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑاتے ہیں ان بیٹھ رہنے والوں سے درجہ زیادہ کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مجاہدین باموالہم وانفسہم کو قاعدین پر درجہ کے اعتبار سے فضیلت و بزرگی عطا فرمائی ہے۔ ہاں جنت کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے ہر دو فریق سے کر رکھا ہے۔ یعنی جنت کا وعدہ مجاہدین اور قاعدین دونوں سے ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ مجاہدین کو گھر بیٹھنے والوں کے مقابلہ میں بہت بڑا اجر و ثواب عطا فرماتا ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ وہ بہت سے درجات ہیں جو مجاہدین کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے عطا ہوں گے اور ان کے گناہوں کی مغفرت ہے اور ان پر رحمت خداوندی کا نزول ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت اور بڑی مہربانی کرنے والا ہے (تیسیر) حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ بدن کے نقصان والے یعنی اپاہج جہاد کے حکم سے معاف ہیں باقی لوگوں میں لڑنے والوں کو بڑے درجے ہیں کہ بیٹھنے والوں کو نہیں اگرچہ بیٹھنے والے بھی جنتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جہاد فرض کفایہ ہے فرض عین نہیں یعنی بعضے جہاد کرتے ہیں تو نہ کرنے والے معاف ہیں اور جو سب موقوف کریں تو سب گناہ گار ہیں۔ (موضح القرآن)

خلاصہ یہ ہے کہ جو لوگ شرعاً معذور ہیں جیسے اندھے، مریض اور اپاہج وغیرہ ان کو چھوڑ کر باقی لوگوں میں سے جہاد کرنے والے اور بیٹھ رہنے والوں کا فرق بیان فرمایا ہے اور مجاہدین کے ان درجات اور فضیلت اور مغفرت و رحمت کا ذکر فرمایا، جو قاعدین کو میسر نہ ہوں گے اور چونکہ جہاد فرض کفایہ ہے اس لئے بیٹھنے والے بھی گناہ گار نہ ہوں گے۔ البتہ ان درجات اور فضائل سے محروم رہیں گے۔ جو مجاہدین کو نصیب ہوں گے۔ البتہ جنت میں دونوں فریق جائیں گے۔ کیوں جہاد نہ کرنے والے آخر دوسرے احکام تو بجالاتے ہی ہیں اس لئے وہ بھی جنتی ہیں جس طرح مجاہدین جنتی ہیں۔ ہاں یہ دوسری بات ہے کہ جنت میں کوئی کہاں ہوتا ہے اور کوئی کہاں ہوتا ہے۔ کون بڑے بڑے درجات کا وارث بنتا ہے اور کون کس مقام پر روک دیا جاتا ہے حسنیٰ اچھی چیز اور اچھے گھر کو کہتے ہیں یہاں حضرت قتادہ نے جنت کے ساتھ تفسیر کی ہے۔ زید بن ثابت کا قول ہے کہ جب یہ آیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لکھوا رہے تھے تو اسی وقت عبداللہ بن ام مکتوم آ نکلے انہوں نے آکر عرض کیا یا رسول اللہ اگر میں استطاعت رکھتا تو میں ضرور جہاد کرتا اسی وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی اور حضرت جبریل غیر اولی الضرر کا جملہ لے کر آئے۔ انس بن مالکؓ کی روایت میں ہے کہ یہ ابن مکتوم کے بارے میں نازل ہوا۔ بہرحال اس استثنا میں ہر قسم کے اپاہج اور معذور لوگ داخل ہیں اور اس امر کی توقع ہے کہ جو لوگ معذور ہوں اور ان کی نیت جہاد کی ہو تو ان کو بھی مجاہدین کی مثل ثواب ملے گا۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک غزوے میں فرمایا تھا۔

ان بالمدینۃ رجالا ما قطعتم وادیا ولا سرتم مسیرا الا کانوا معکم اولئک قوم حبسہم العذر۔

یعنی کچھ لوگ مدینے میں ہیں لیکن ان کی حالت یہ ہے کہ تم جو میدان قطع کرتے ہو اور جو تم کہیں چلتے پھرتے ہو وہ تمہارے ساتھ ہوتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو مدینہ میں کسی عذر نے روک رکھا ہے۔ اسی طرح ایک حدیث قدسی میں ہے کہ جب کوئی بندہ بیمار ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب تک یہ بندہ بیمار ہے اس کے وہ عمل لکھتے رہو جو یہ صحت کے زمانے میں کیا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ یہ تندرست ہو جائے بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہ معذور جہاد کے ثواب میں تو شریک ہوں گے لیکن وہ فضیلت ان کو نہ ہوگی جو جہاد کرنے والوں کو ہوگی۔ بعض اہل علم نے اس فرق سے بھی انکار کیا ہے۔ واللہ اعلم۔ ہو سکتا ہے کہ مباشر اور عازم دونوں برابر ہوں اور ہو سکتا ہے کہ کمیت ثواب میں فرق ہو۔ پہلے جو درجہ ذکر کیا تھا اسی کی آخر میں تاکید فرمائی اور تفصیل بیان فرمائی کہ وہ درجہ اجر عظیم ہے اور وہ اجر عظیم یہ ہے کہ اعمال مختلفہ پر بہت سے درجات مختلفہ کا حصول موقوف ہے اور مغفرت و رحمت ہے۔ منہ درجات کے ساتھ متعلق ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مغفرت و رحمت میں بھی اس قید کا لحاظ ہو۔ جیسا کہ بعض مفسرین نے یوں ترجمہ کیا ہے کہ ان لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی جانب سے درجات اور مغفرت و رحمت ہے۔ واللہ اعلم۔ ہر چند کہ جہاد کا اصل حکم فرض کفایہ ہے جیسا حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا ہے۔ لیکن بعض اوقات میں یہ فرض عین ہو جاتا ہے جس کی تفصیل کتب فقہ سے معلوم ہو سکتی ہے۔ اب آگے جہاد کی مناسبت سے ہجرت کا ذکر فرماتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل)۔

بقیہ صفحہ ۱۴۸

رہی عورتیں تو وہ کمزور و ناتواں ہوتی ہی ہیں۔ رہے بچے تو باوجود مکلف نہ ہونے کے ان کا ذکر مبالغہ کی غرض سے فرمایا کہ جب غیر مکلف کا بھی ذکر ہے تو جو لوگ مکلف ہیں ان کا کیا حال ہوگا۔ یا یہ مطلب ہو کہ بچے اگرچہ گناہ گار نہ ہوں لیکن یہ ترک ہجرت کا فعل تو انتہائی برا ہے، اور بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ بچوں کا ذکر اس لئے فرمایا تاکہ یہ بات معلوم ہو سکے کہ وہی شخص مستثنیٰ ہو سکتا ہے جو بچوں کی طرح مجبور ہو۔ یا اس لئے ذکر فرمایا کہ ہجرت کی اہمیت معلوم ہو کہ اگرچہ ان پر اس وقت واجب نہیں لیکن بالغ ہونے کے بعد واجب ہو جائے گی اس سے بچ نہیں سکیں گے۔ اگر باوجود بچہ ہونے کے بھی ان کو بالواسطہ یا بلاواسطہ قدرت حاصل ہو جائے تو ان کو ہجرت کر لینی چاہیئے۔ یا ان کے اولیا پر اس امر کو ظاہر کرنا ہوگا کہ اگر قدرت حاصل ہو جائے تو بچوں کو بھی دارالکفر میں نہیں چھوڑنا چاہیئے۔ ان کو ہمراہ لے کر نکلنا چاہیئے۔ واللہ اعلم۔ آگے ان کمزوروں کی صفت بیان فرمائی کہ نہ کوئی حیلہ کر سکتے ہیں اور نہ راستے سے واقف ہیں۔ حیلہ سے مراد اسباب ہجرت ہیں۔ یعنی اسباب ہجرت کا فقدان لبیب عام ہیں یعنی جو صورت بھی ہجرت کو ممکن بنا دے اس میں سے کسی پر قادر نہیں۔ دوسرے جملہ کا مطلب یہ ہے کہ راستے سے ناواقف ہیں۔ جیسا کہ بعض مہاجرین کے ساتھ ایسا ہو بھی چکا تھا۔ کہ وہ راستہ نہ جاننے کی وجہ سے نکلا تے پھرے اور مکہ کے کافران کو پھر پکڑ کر لے گئے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ آیت کا نزول کسی خاص واقعہ کے متعلق ہو۔ جیسے قیس بن الفاکہ۔ اور قیس بن الولید وغیرہ کہ ان لوگوں کو باوجود مسلمان ہونے کے کفار مکہ اپنی بھیڑ بڑھانے کو میدان جنگ میں لے جاتے تھے۔ بہرحال جن لوگوں کو مستثنیٰ قرار دیا تھا آگے ان کی معافی کا اعلان فرمایا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل) سو لہٰذا ایسے لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ سے کچھ بعید نہیں کہ وہ ان سے درگزر فرمائے اور امید ہے کہ ان کو معاف کر دے اور اللہ بہت معاف کرنے والا بڑا بخشنے والا ہے۔ (تیسیر) حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ یہ حال فرمایا ان کا جو کافروں کے ملک میں دل سے مسلمان ہیں اور ظاہر

نہیں ہوسکتے ان کے ظلم سے تو اگر اپنی کمائی آپ کرتے ہیں اور سفر کی تدبیر سے واقف ہیں تو ان کا عذر قبول نہیں اور ملک میں جا رہیں۔ زمین اللہ کی کشادہ ہے اور اگر ناچار ہیں پڑے ہیں تو امید ہے معاف ہوں — اس سے معلوم ہوا کہ جس ملک میں مسلمان کھلا نہ رہ سکے وہاں سے ہجرت فرض ہے (موضح القرآن) یہاں جن لوگوں کو مستثنیٰ فرمایا تھا ظاہر ہے کہ وہ گناہ گار نہ تھے پھر بھی ان کے لئے معافی کا اعلان فرمانا امر ہجرت کی تاکید ہے تاکہ یہ بات سمجھی جائے کہ جب معذورین کو بھی معافی کی ضرورت ہے تو غیر معذورین کا کیا حال ہوگا۔ یا معافی سے ترک ہجرت کے گناہ ہونے پر اشارہ کرنا مقصود ہو اور یہ بتانا ہو کہ یہ فعل فی نفسہ بہت برا ہے۔ اگرچہ کسی کے حق میں اس کا گناہ لکھا نہ جائے اور اس کے حق میں یہ گناہ گناہ قرار نہ دیا جائے۔ کہیں نہ لکھنے سے اس کو تعبیر کیا جاتا ہے اور کہیں معافی سے اس کو تعبیر کیا جاتا ہے اور مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ ترک ہجرت حقیقتاً تو بہت بڑا گناہ ہے تو معذورین کے حق میں یہ گناہ گناہ نہیں ہے اور ان کے حق میں قابل عفو ہے۔ رہی یہ بات کہ عسی اللہ کیوں فرمایا عسی تو ترجی کے لئے ہوتا ہے۔ جیسا کہ ہم نے ترجمہ میں اللہ سے کچھ بعید نہیں اور تیسیر میں امید ہے، لکھا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ عسی قرآن میں جہاں کہیں اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہے وہاں وجوب اور یقین کے لئے ہوتا ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ بادشاہوں کی اصطلاح میں امید کا کلمہ یقین کے طور پر عام لوگوں کے لئے بولا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ تو ملک الملوک ہے اس کا عسی فرمانا یقین کے قائم مقام بالاولیٰ ہونا چاہیئے۔ واللہ اعلم۔ آیت وجوب ہجرت پر دلالت کرتی ہے جیسا کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا ہے اور ہجرت کی فضیلت میں بکثرت احادیث وارد ہیں۔ اور سیاسی نقطۂ نگاہ سے بھی ابتداء اسلام میں یہ چیز بہت ضروری تھی۔ علاوہ اس کے کہ کفار مسلمانوں پر انواع و اقسام کے ظلم کرتے تھے ان کو زبردستی اپنی فوج میں شامل کر کے میدان جنگ میں بھی لے جاتے تھے اور جب وہ عذر کرتے تھے کہ ہم مسلمان ہیں مسلمانوں پر تلوار نہیں اٹھا سکتے تو ان سے کہتے تھے تم لڑنا نہیں مگر تم کو ہمارے ساتھ چلنا ہوگا اور اس ہمراہ لے جانے سے مقصد یہ ہوتا تھا کہ ہماری تعداد زیادہ معلوم ہوگی اور مسلمان مرعوب ہوں گے۔ اس لئے مسلمانوں پر ہجرت کو لازمی قرار دیا گیا کہ مسلمان دارالاسلام کی طرف چلے آئیں تاکہ مشرکین کی تعداد بڑھانے کا موجب نہ ہوں۔ اب آگے ہجرت کی اور ترغیب و تحریض مذکور ہے اور یہ بتانا مقصود ہے کہ جب ہجرت کے ارادے سے کوئی شخص نکل آئے تو راہ کے موانع اس کے اجر و ثواب کو کم نہیں کرتے۔ جیسا کہ جندع بن ضمرہ کا واقعہ روایات میں آتا ہے کہ وہ باوجود مریض ہونے اور بیمار ہونے کے نکل چلے اور چونکہ جندع بہت بڑھے تھے اس لئے ان کو چارپائی پر ڈال کر لے چلے لیکن تنعیم تک پہنچے تھے کہ ان کا انتقال ہو گیا۔ جب یہ خبر مدینہ پہنچی، تو مسلمانوں نے کہا لو وافی المدینۃ لکان اتم و اوفی اجراً۔ یعنی اگر مدینہ پہنچ جاتا تو مرنے والے کو پورا اجر و ثواب ملتا اور مشرکین نے کہا ما ادرک ما طلب۔ یعنی جو مطلب تھا وہ کھو بیٹھا اور اس کو پا نہ سکا یا اسی طرح کا واقعہ ضمرہ بن جندب کا بیان کیا جاتا ہے کہ ان کا بھی راستے میں انتقال ہو گیا یا خالد بن حزام کا واقعہ ہو کہ وہ ہجرت کر کے حبشہ جا رہے تھے راستے میں ایک سانپ کے کاٹنے سے موت واقع ہو گئی۔ بہرحال کسی ایک شخص کے ساتھ یا چند اشخاص کے ساتھ ایسا ہوا ہوگا کیوں کہ موت کا وقت تو معین نہیں اور صدہا آدمیوں نے ہجرت کی تھی۔ اور بعض بھی ہوں گے جنہوں نے منزل مقصود پر پہنچنے سے قبل ہی داعی اجل کو لبیک کہا ہوگا چونکہ آیت مدنی ہے اس لئے بعض مفسرین نے خالد بن حزام کے واقعہ سے اس کے تعلق کا انکار کیا ہے۔ لیکن شان نزول خواہ کسی کے حق میں ہو بہتر یہی ہے کہ اس کو عام رکھا جائے۔ بہرحال جیسا کہ ہم نے عرض کیا ہے۔ آگے کی آیت کا مقصد ترغیب اور ثواب کی تکمیل ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل) اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کرے گا اور ترک وطن اختیار کرے گا تو وہ زمین میں بسنے کے لئے بہت جگہ اور بسر اوقات اور دین کی حفاظت کے لئے بہت فراخی اور گنجائش پائے گا۔ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کے لئے اور اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرنے کی نیت سے اپنے گھر سے نکل کھڑا ہوا پھر مقصد تک پہنچنے سے پہلے اتفاقاً اس کو موت نے آلیا تو ایسے شخص کا اجر و ثواب وعدہ کی بنا پر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ثابت ہو چکا اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا بڑی مہربانی کرنے والا ہے۔ (تیسیر) فی سبیل اللہ کا مطلب یہ ہے کہ ہجرت کا مقصد صحیح ہو کسی دنیوی غرض کے لئے یا عورت وغیرہ کے لئے ہجرت نہ ہو بلکہ اپنے دین کی حفاظت اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی خوشنودی مقصود ہو۔ مراغما۔ کے لوگوں نے بہت سے معنی کئے ہیں۔ پھر جانے کی جگہ۔ ایک زمین سے دوسری زمین تک کا راستہ۔ ناپسند چیز سے بعد۔ بھاگنے کی جگہ۔ قلعہ۔ مہاجر بعض لوگوں نے کہا عرب کا ایک محاورہ ہے رغم انفہ یعنی اس کی ناک خاک آلود ہو۔ اس کا مطلب ہوتا ہے کہ ذلیل و رسوا ہو۔ مہاجر کو مراغم اس لئے کہتے ہیں کہ وہ اپنے دشمنوں کی ذلت و رسوائی کا موجب ہوتا ہے۔ مدعا یہ ہے کہ اس کو خدا کی زمین میں جانے کو اور رہنے کو بہت جگہ ملے گی۔ سعۃ کے معنی گنجائش اور کشادگی کے ہیں۔ یہاں مراد رزق کی فراخی ہے یا دین کی آزادی اور آزادی کے ساتھ دین کے کاموں پر عمل کرنا مراد ہے۔ ہم نے تیسیر میں دونوں کی رعایت رکھی ہے۔ الی اللہ و رسولہ کا یہ مطلب ہے کہ ایسی جگہ کے لئے ہجرت کی نیت سے نکل کھڑا ہوا جہاں اللہ اور رسول کے حکم کی پوری پوری تعمیل کا موقعہ میسر آسکے۔ بہرحال آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص صحیح مقصد سے ترک وطن کرے گا تو اس کو بھی دشمن اعدا جانے کے لئے اور رہنے کے لئے بہت جگہ ملے گی اور وہ بہت جگہ پائے گا اسی طرح اس کے رزق میں بھی وسعت ہوگی اور دین پر آزادی سے عمل پیرا ہونے کی گنجائش حاصل ہوگی اور جو شخص اللہ و رسول کی خوشنودی اور رضامندی کی نیت سے اپنے گھر سے ہجرت کے لئے نکل کھڑا ہوگا۔ تو اگرچہ وہ منزل مقصود تک نہ پہنچ سکے اور راستے ہی میں اس کو موت آپکڑے۔ تب بھی اللہ تعالیٰ کے ذمہ اس کا اجر ثابت ہو گیا گو ابھی ہجرت کی تکمیل نہیں ہوئی۔ لیکن اس کی نیت ہونے کی وجہ سے اس سے یہ وعدہ ہے کہ اس کو پورا صلہ عطا ہوگا۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی روزی کا ڈر نہ چاہیے کہ بہت جگہ روزی مل رہتی ہے کشائش سے اور یہ خطرہ نہ ہونا چاہیے کہ شاید راہ ہی میں مارے جاویں کہ اس میں ثواب پورا ہے اور موت اپنے وقت سے پہلے نہیں ہوتی موضح القرآن۔ اس آیت میں بڑی بشارت ہے ان لوگوں کے لئے جو کسی کام کو نیک نیت کے ساتھ شروع کر دیں اور اس کے کام کے پورا ہونے سے قبل موت آجائے یا اچانک موت پیش آجائے اور موت واقع ہو جائے۔ مثلاً سانپ کاٹ لے یا کوئی دشمن قتل کر دے یا سواری پر سے گر پڑے تو اللہ تعالیٰ اس کو پورا ثواب عطا فرمائے گا۔ اگرچہ یہاں دارالحرب سے اپنے دین کی حفاظت کے لئے دارالاسلام کی طرف ہجرت کرنے کا ذکر ہے۔ لیکن بعض اہل علم نے ہر وہ ہجرت جو طلب علم کے لئے ہو یا حج کے لئے ہو یا جہاد کے لئے ہو یا ایک ایسے شہر کی طرف ہو جس میں زہد و تقویٰ کے حصول کی امید ہو یا پاکیزہ اور حلال روزی تلاش کرنے کی غرض سے وہاں جانے تو یہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرنے کے حکم میں ہوگا اور اگر راستے میں موت آجائے گی تو اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہوگا۔ واللہ اعلم۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ سب سے بڑی اور بہتر ہجرت اس شخص کی ہے جو گناہوں کو چھوڑ کر نیکیوں کی طرف ہجرت کرتا ہے یعنی نواہی کو ترک کرے اور اوامر کو اختیار کرنا ہے حضرات صوفیائے کرام کا قول ہے کہ اصل ہجرت اس شخص کی ہے جو لوازم بشریت کو چھوڑ کر ربوبیت کی حضوری کو طلب کرتا ہے۔ صوفیائے کرام نے اس پر بحث کی ہے لیکن وہ تمام امور صحیح نسبت پر موقوف ہیں جو آج کل مفقود ہے ہرچند کہ فتح مکہ کے بعد مکے سے مدینے کی طرف ہجرت کرنا فرض نہیں رہا۔ لیکن کسی دارالحرب سے دارالاسلام کی طرف ہجرت کرنے کا حکم اب بھی موجود ہے۔ جہاں ایک مسلمان اپنے دین کی حفاظت کر سکے البتہ یہ دوسری بات ہے کہ کہیں دارالاسلام ہی باقی نہ رہا ہو۔ اوپر سے جہاد اور ہجرت کا بیان ہو رہا تھا اب اسی سلسلے میں جو سفر ہوتا ہے اس کے بعض احکام بیان کئے جاتے ہیں۔ کیوں کہ بسا اوقات اس قسم کے سفر میں خطرات بھی پیش آتے ہیں اور باوجود خطرات کے سفر خود بھی ایک مستقل صعوبت اور تکلیف کی چیز ہے۔ پھر ایسی حالت میں نماز جو اوقات مقررہ کے ساتھ محدود ہے اس کی ادائیگی کی صورت کا بیان ہے۔ تاکہ فریضۂ نماز بھی اپنے وقت میں ادا ہو جائے اور فریضۂ جہاد بھی پورا ہو جائے یا مسافر کا سفر بھی جاری رہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ (تسہیل)

بقیہ صفحہ ۱۴۹

یہ لوگ تمہارے پیچھے چلے جائیں اور پیچھے ہو جائیں۔ اور مسلمانوں کا وہ دوسرا گروہ جس نے ابھی نماز نہیں پڑھی اور آپ کے ساتھ نماز شروع نہیں کی وہ ان کی جگہ آجائیں اور آپ کے ساتھ نماز پڑھ لیں یعنی ایک رکعت جو آپ کو پڑھنی باقی ہے وہ آپ کے ساتھ ادا کرلیں اور یہ دوسرا گروہ بھی اپنے بچاؤ کا سامان اور اپنے ہتھیار اپنے ہمراہ رکھے یعنی یہ بھی ڈھال تلوار وغیرہ لے کر نماز پڑھیں (تیسیر) حضرت حق تعالیٰ نے صلوٰۃ الخوف کا طریقہ تعلیم فرمایا ہے۔ چونکہ جنگ میں مختلف صورتیں پیش آتی ہیں کسی وقت گھمسان کی لڑائی ہوتی ہے کسی وقت دور سے نشانہ بازی ہوتی ہے کسی وقت جنگ نہیں ہوتی مگر دو طرفہ فوجیں کھڑی ہوتی ہیں کسی وقت دشمن کی فوج سامنے نہیں ہوتی۔ مگر افواہیں اور ان افواہوں کے ساتھ دشمن کے اچانک خطرے کا تہلکہ ہوتا ہے۔ ان صورتوں میں سے بعض کا حکم ہم سورۂ بقرہ میں عرض کر چکے ہیں یہاں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ صورتیں مراد ہیں جب حملے کا خطرہ تو ضرور ہو لیکن جنگ نہ ہو رہی ہو اور نماز کا وقت آجائے اور ہر مسلمان کی یہ خواہش ہو کہ میں پیغمبر کے ہمراہ نماز ادا کروں تو ایسے وقت لشکر کو دو گروہ کر لیا جائے۔ اور اے پیغمبر! آپ ایک گروہ کو پہلے ایک رکعت پڑھا دیں اور دوسرا گروہ نگہبانی اور دیکھ بھال کی وجہ سے پیچھے کھڑا رہے اور نماز میں شریک ہونے والے ضرورت کے موافق ہتھیار لئے رہیں کہ نہ معلوم کس وقت جنگ ہو جائے اور پھر لینے میں دشواری ہو، اس لئے ہتھیار لگائے رہیں اور جب یہ پہلا فریق ایک رکعت پڑھ لے تو یہ اس فریق کی جگہ جا کھڑا ہو جس نے ابھی نماز نہیں پڑھی اور وہ آکر حضور کے ساتھ نماز میں شریک ہو جائے اور وہ بھی نماز میں شریک ہو تو مسلح شریک ہو۔ اپنے بچاؤ کا سامان اور اپنے ہتھیار اپنے ساتھ رکھے۔ دوسری رکعت پڑھ کر حضور سلام پھیر دیں گے اور دوسرا گروہ یہیں کھڑے ہو کر اپنی باقی ایک رکعت پڑھ کر سلام پھیرے گا اور اپنی جگہ چلا جائے گا۔

اور وہ پہلا فریق یہاں آکر اپنی آخری رکعت پڑھ کر سلام پھیر دے گا۔ یہ نماز میں آنا جانا ضرورت کی وجہ سے معاف رہے گا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پہلا فریق جہاں کھڑا ہے وہ وہیں اپنی ایک رکعت پڑھ کر سلام پھیر دے مگر دوسرے فریق کے فارغ ہو جانے کے بعد پڑھے۔ یہ صورت وہ ہے کہ جب سفر میں صلوٰۃ خوف کی ضرورت پیش آئے اور اگر حضر میں ایسا واقعہ پیش آجائے تو پھر امام دو رکعتیں ایک گروہ کو پڑھائے اور دو رکعتیں دوسرے گروہ کو پڑھائے اور یہ شکل جب ہوگی جب ایک ہی امام کے پیچھے دونوں گروہ پڑھنا چاہیں۔ ورنہ دو اماموں کے پیچھے پوری پوری نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ ایک امام ایک فریق کو دو یا چار رکعتیں پڑھا دے اور اس کے بعد دوسرا امام دوسرے گروہ کو پوری دو رکعتیں یا چار رکعتیں پڑھا دے ہاں مغرب میں اگر ایک ہی امام کے پیچھے نماز ادا کرنی چاہیں تو امام دو رکعتیں ایک فریق کو اور ایک رکعت دوسرے فریق کو پڑھائے۔ یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ جو فریق پہلی رکعت امام کے ساتھ پڑھ چکا ہے وہ اپنی رکعت میں قرآت نہ کرے کیوں کہ وہ لاحق ہے اور جس فریق نے دوسری رکعت امام کے ساتھ پڑھی ہے وہ اپنی رکعت پوری کرنے میں قرآت وغیرہ بھی پڑھے۔ کیوں کہ وہ مسبوق ہے اور یہ جو فرمایا اذا کنت فیھم۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ طریقہ نماز کا صرف حضورؐ کی موجودگی میں تھا۔ بلکہ صلوٰۃ خوف جس طرح حضورؐ کے زمانے میں مشروع تھی اسی طرح اب بھی مشروع ہے اور ضرورت کے وقت پڑھی جا سکتی ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب آپ موجود ہوں تو آپ اس طرح پڑھائیں اور آپ موجود نہ ہوں تو جو امام ہو وہ یہ طریقہ اختیار کرے احناف کا یہی حنفی یہ مسلک ہے۔ اگرچہ حضرت امام ابو یوسفؒ حضورؐ کے بعد اس نماز کی مشروعیت کے قائل نہیں ہیں واللہ اعلم۔ بہر حال صلوٰۃ الخوف کا اگر انتظام ممکن ہو تو نماز ادا کی جئے اور اگر اس طرح بھی ممکن نہ ہو تو ہم مزید تفصیل سورۂ بقرہ میں عرض کر چکے ہیں اور ابھی آگے حضرت شاہ صاحبؒ کے بیان میں آجاتی ہے اب آگے مزید رعایت اور مذکورہ رعایت کا سبب بیان فرماتے ہیں (تسہیل)۔

بقیہ صفحہ ۱۵۰

یعنی خوف کے وقت اگر نماز میں کوتاہی ہو تو بعد نماز اور طرح اللہ کو یاد کرو۔ ایک نماز میں یہ قید ہے کہ وقت ہی پر چاہیئے اور یاد اللہ کی ہر حال میں درست ہے (موضح القرآن) اوپر سے جہاد کا ذکر چلا آرہا ہے۔ درمیان میں بعض امور مناسبت سے ذکر فرمائے اب پھر آگے جہاد کا ذکر ہے اور مسلمانوں کو حکم ہے کہ جہاد میں سستی نہ کریں اور اگر دشمن کا تعاقب کرنے کی ضرورت پیش آئے تو ہمت کے ساتھ اس کا تعاقب کریں اور ہمت نہ ہاریں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل) اور اے مسلمانو! تم اپنی دشمن اور مخالف قوم کا تعاقب اور پیچھا کرنے میں ہمت نہ ہارو اور بزدلی نہ دکھاؤ۔ اگر جنگ کی وجہ سے اور زخم خوردہ ہونے کے باعث تم بے آرام اور دکھی ہوتے ہو تو وہ تمہارے دشمن بھی اسی طرح بے آرام اور دکھی ہوتے ہیں جس طرح تم بے آرام اور دکھی ہوتے ہو۔ یعنی جہاں تک جنگ اور مجروح ہونے کی وجہ سے تم کو درد اور تکلیف ہوتی ہے اسی طرح ان کو بھی ہوتی ہے۔ تو گویا اس معاملہ میں تم اور وہ مشترک ہو۔ مگر تم اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کی ایسی ایسی امیدیں رکھتے ہو جو امیدیں ان کو نہیں اور وہ اجر و ثواب کی توقع سے محروم ہیں اور اللہ تعالیٰ کمال علم اور کمال حکمت کا مالک ہے۔ وہ تمہارے حال سے خوب واقف ہے اور جو حکم تم کو دیتا ہے وہ کسی نہ کسی حکمت پر مبنی ہوتا ہے (تیسیر) اس آیت کا تعلق یا تو بدر صغریٰ سے ہے جیسا کہ اکثر مفسرین نے کہا ہے یا غزوۂ حمراء الاسد سے ہے جیسا کہ بعض نے کہا ہے۔ بہر حال آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب کبھی دشمن کے تعاقب کا حکم ہو تو تم اس میں کاہلی اور پس و پیش نہ کیا کرو اور اپنے زخموں وغیرہ کا عذر نہ کیا کرو۔ کیونکہ اس قسم کی جسمانی تکالیف میں تم اور وہ برابر ہو۔ جنگ میں اس قسم کا دکھ لڑنے والے کو پہنچتا ہی ہے۔ خواہ تم ہو یا تمہارے مخالف ہوں۔ لیکن اجر و ثواب کے اعتبار سے تمہارے اور ان کے اعتقاد میں بڑا فرق ہے اور تم کو اللہ تعالیٰ سے ثواب کی جو جو امیدیں وابستہ ہیں وہ امیدیں ان کو نہیں ہیں۔ کیونکہ نہ ان کو آخرت پر ایمان ہے اور نہ وہ اللہ تعالیٰ کے اجر و ثواب پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ اور چونکہ ان کو اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید نہیں اس لئے ان میں کمزوری اور بزدلی ہونی چاہیئے۔ نہ کہ تم میں کیونکہ تم کو ثواب اخروی کی امیدیں ہیں خلاصہ یہ ہے کہ کفار کے سامنے صرف دنیوی زندگی ہے اور تمہارے سامنے دین و دنیا دونوں کی کامیابی کا سوال ہے لہٰذا دکھ درد کے موقعہ پر تم میں ہمت اور جرأت زیادہ ہونی چاہیئے وھن کے معنی ضعف سستی۔ کاہلی۔ بعض احادیث میں وھن کے معنی حب الدنیا وکراہیت الموت کے ساتھ کئے گئے ہیں بعض علماء نے تھنوا کو اہانت سے مشتق کیا ہے اور ترجمہ جبن اور بزدلی سے کیا ہے، ہم نے تیسیر میں دونوں لفظ رکھے ہیں۔ جیسا کہ ہمارا قاعدہ ہے کہ ہم ترجمہ اور تیسیر میں اس امر کا لحاظ رکھتے ہیں کہ خواہ عبارت بڑھ جائے لیکن جہاں تک ممکن ہو مختلف اقوال کو جمع کر دیں۔ اب آگے بعض منافقین کا ایک واقعہ مذکور ہے چونکہ اوپر کفار کا ذکر تھا اس لئے ان کی مناسبت سے بعض منافقوں کا ذکر فرماتے ہیں۔ آگے کی آیتیں ایک خاص واقعہ کی تفصیل سے تعلق رکھتی ہیں۔ واقعہ مختصراً اس طرح ہے کہ ایک انصاری نے اپنی زرہ آٹے میں رکھ چھوڑی تھی۔ وہ کسی نے نقب لگا کر نکال لی صبح کو اس کی تلاش ہوئی اور آٹے کا نشان دیکھتے ہوئے لوگ چلے تو اس نشان سے معلوم ہوا کہ زرہ طعمہ بن ابیرق کے گھر میں ہے گھر کی تلاشی لی تو زرہ برآمد نہیں ہوئی۔ پھر لوگوں نے آٹے کے نشان کی کھوج لگائی تو ایک یہودی کے گھر تک پہنچے، اس کے ہاں وہ زرہ نکل آئی۔ اس یہودی نے کہا۔ مجھ کو تو یہ زرہ طعمہ بن ابیرق نے دی ہے۔ میں چوری سے بری ہوں، چور وہی ہے۔ اس پر طعمہ کے خاندان والوں نے رات کو مشورہ کیا کہ ہم سب مل کر حضور سے کہیں کہ جناب طعمہ بری ہے تو حضورؐ ہماری طرف داری کریں گے اور یہودی جس کا نام زید ہے وہی چوری کا ملزم قرار پائے گا۔ بعض حضرات نے واقعہ کی تفصیل اور طرح بیان کی ہے اگرچہ واقعہ یہی ہے حضرت قتادہؓ کہتے ہیں بنو ابیرق والوں کا ایک گھر تھا جس میں بشیر اور شبیر اور مبشر تھے۔ بشیر منافق تھا اور حضور کی شان میں اور صحابہ کی شان میں ہجو کہا کرتا تھا اور دوسرے لوگوں کے نام سے مزے لے لے کر پڑھا کرتا تھا۔ مگر صحابہ جانتے تھے کہ یہ اشعار اسی کے کہے ہوئے ہوتے ہیں، مگر یہ خبیث دوسروں کے نام سے سنا تا تھا۔ یہ لوگ جاہلیت کے زمانے سے غربت میں مبتلا اور فاقہ مست تھے اور آج کل بھی تنگدستی میں رہتے تھے۔ یوں تو عام طور پر مدینے کے لوگ جو اور کھجوریں کھا کر پیٹ بھرتے تھے۔ لیکن بعض اہل ثروت شامی قافلوں سے میدہ خرید لیا کرتے تھے۔ جسے وہ خود استعمال کیا کرتے تھے۔ باقی گھر والے موٹا اناج کھا لیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ میرے چچا رفاعہ بن زید نے بھی شامی قافلے سے کچھ میدا خرید لیا اور اس میدے کو مکان کی دو چھتی میں رکھ دیا جہاں ان کے ہتھیار وغیرہ بھی رکھے رہتے تھے۔ رات کو چوروں نے نقب لگا کر ہتھیار بھی چرا لئے اور میدہ وغیرہ بھی لے گئے۔ صبح کو میرے چچا رفاعہ میرے پاس آئے انہوں نے چوری کا قصہ مجھے سنایا اب ہم لوگ پتہ لگانے نکلے تو ہم کو معلوم ہوا کہ رات بنو ابیرق والوں کے گھر میں آگ روشن ہو رہی تھی اور کھانا پکانا ہو رہا تھا غالباً انہوں نے تمہارے ہاں چوری کی ہوگی۔ تمہارے آنے سے پہلے ہم نے ان لوگوں سے تمہارے ہاں کی چوری کا حال دریافت کیا تھا تو وہ لبید کا نام لیتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ رفاعہ کے ہاں لبید نے چوری کی ہے مگر ہم کو یقین نہیں آیا کیوں کہ لبید بہت نیک آدمی ہے۔ چنانچہ جب لبید کو معلوم ہوا کہ بنو ابیرق میرا نام لے رہے ہیں تو وہ تلوار لے کر آئے اور انہوں نے بنو ابیرق کو ڈانٹ کر کہا یا تو مجھے چور ثابت کرو ورنہ تمہارے حق میں اچھا نہ ہوگا۔ اس پر ان لوگوں نے لبید سے معذرت کی اور معافی چاہی۔ قتادہ کہتے ہیں اس واقعہ کو سن کر مجھ کو اور میرے چچا کو یقین ہو گیا کہ بنو ابیرق ہی چور ہیں مگر پھر بھی میرے چچا نے احتیاطاً مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا کہ قتادہ تم جا کر یہ تمام رپورٹ حضورؐ کی خدمت میں پیش کر دو اور حضورؐ سے یہ کہو کہ جناب ان چوروں سے صرف ہمیں ہمارے ہتھیار دلوا دیجئے۔ کھانے پینے کے سامان کو جانے دیجئے، حضورؐ نے تمام واقعہ قتادہ سے سن کر تحقیق کا وعدہ فرمایا۔ چنانچہ جب بنو ابیرق کو یہ پتہ لگا۔ تو انہوں نے اپنی طرف سے ایک آدمی کو حضورؐ کی خدمت میں بھیجا جس کا نام اسید بن عروہ تھا اس نے آکر حضورؐ سے کہا یا رسول اللہ یہ تو بڑا ظلم ہو رہا ہے۔ بنو ابیرق کے لوگ تو مخلص مسلمان ہیں ان پر چوری کا الزام لگایا جا رہا ہے۔ ان کو قتادہ بن نعمان اور ان کے چچا رفاعہ بن زید چور بتلاتے ہیں اور بلا ثبوت کے ان کو چور بتلاتے ہیں۔ قتادہ کہتے ہیں کہ جب میں حضور کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھ سے فرمایا کہ قتادہ یہ تم بہت برا کرتے ہو کہ دیندار اور بھلے لوگوں کے ذمہ چوری لگاتے ہو اور تمہارے پاس کوئی ثبوت ان کے چور ہونے کا نہیں۔ قتادہ کہتے ہیں میں حضورؐ کا ارشاد سن کر چپ چاپ واپس چلا آیا اور میں نے اپنے چچا کو یہ بات سنائی کہ حضورؐ نے اس طرح فرمایا ہے۔ ان کے چچا نے یہ قصہ سن کر کہا اللہ المستعان۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہی سے ہم مدد چاہتے ہیں۔ قتادہ کہتے ہیں اس کے تھوڑی ہی دیر بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آئی اور یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ بعض لوگوں نے ایک چادر کی چوری کے واقعہ میں ان آیتوں کا نزول بتایا ہے۔ بہر حال شان نزول کی وجوہ اگر متعدد ہوں تو بھی مضائقہ نہیں۔ بہر حال واقعہ چوری کا ہے اور اس کی تحقیق میں چور کے حمایتی غلط فہمی پیدا کرنے کی جو کوشش کر رہے تھے اس سے پیغمبر کو باخبر کرنے کا ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی غلط نتیجے پر پہنچنے سے بچا لینے کا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ (تسہیل)۔

بقیہ صفحہ ۱۵۱

یہ بنو ابیرق کے ان مشوروں کی طرف اشارہ ہے جو اہل محلہ نے جمع ہو کر پنچایت میں طے کی تھیں۔ آخر میں اللہ تعالیٰ نے اپنے احاطہ علمی کا اعلان فرمایا کہ ایک اس پنچایت پر کیا موقوف ہے اللہ تعالیٰ کا علم تو ان کے تمام کاموں کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ آگے ان لوگوں کو خطاب ہے جو چور کی حمایت کرنے والے تھے چنانچہ ارشاد ہے۔ (تسہیل) ہاں تم وہ لوگ ہو جو دنیوی زندگی میں تو ان کی طرف سے جھگڑ رہے ہو اور ان کی طرف سے تم نے جواب دہی کر لی مگر یہ تو بتاؤ کہ قیامت کے دن ان کی طرف دار بن کر اللہ تعالیٰ سے کون جواب دہی کرے گا اور اللہ تعالیٰ کے روبرو ان کی جانب سے کون جھگڑنے کی ہمت کرے گا یا وہ کون شخص ہوگا جو ان کا وکیل ہو سکے اور ان کا کام بنانے والا ہو (تیسیر) اس آیت میں

ان لوگوں کو تنبیہ ہے جو بشیر یا طعمہ کی طرف سے صفائی دے رہے تھے اور مجرم کے طرف داروں کی حمایت کر رہے تھے کہ اچھا یہاں تو تم بہت بڑھ بڑھ کر بول رہے ہو، لیکن قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے روبرو ان منافقوں کی طرف سے کون بولنے والا ہوگا جو زبانی جواب دہی کرے یا ان کا کون وکیل ہوگا جو زبانی جواب دہی نہ کرے تو ان کا مقدمہ مرتب کرے اور مسل بنا کر اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کرے اور اس طرح ان کا کام بنا دے اور قیامت کے عذاب سے چھڑا دے۔ تو بتاؤ وہ وکیل کون ہوگا؟ اور چونکہ اس دن کوئی بھی ایسا نہیں جو زبانی جواب دہی سے یا مقدمہ کی ترتیب سے ملزموں کو بچا سکے بلکہ اس دن تو وہی خدا کی گرفت سے محفوظ رہ سکتا ہے جو یہاں اپنے گناہوں کا اعتراف کرے اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے اور گناہ خواہ چھوٹا ہو یا بڑا اس سے توبہ کرے تب ہی بخشش کی امید ہو سکتی ہے۔ اس لئے آگے گناہوں سے توبہ کرنے کی جانب توجہ دلاتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ (تسہیل) اور جو شخص بدی اور برائی کرے یا صرف اپنی ہی جان کو نقصان پہنچائے اور فقط اپنے ہی پر ظلم کرے پھر یہ شخص شرعی طریقہ پر اللہ تعالیٰ کی جناب میں توبہ کرے اور معافی چاہے تو وہ اللہ تعالیٰ کو بڑا معاف کرنے والا اور بڑی مہربانی کرنے والا پائے گا (تیسیر) سوءً سے مراد وہ گناہ ہیں جو متعدی ہوں اور جن سے دوسروں کو بھی نقصان پہنچتا ہو۔ یظلم نفسہٗ سے مراد وہ گناہ ہیں جو غیر متعدی ہوں اور اس میں صرف حقوق اللہ کا معاملہ ہو حقوق العباد کا دخل نہ ہو۔ شرعی طریقہ کا مطلب یہ ہے کہ متعدی گناہ میں توبہ کے ساتھ صاحب حق کا حق بھی ادا کرے یا اس سے معاف کرائے۔ اور اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں گناہ فرمایا کبیرہ کو اور اپنا برا فرمایا صغیرہ کو یسان لوگوں کو حکم ہے کہ توبہ کریں تو قبول ہے (موضح القرآن) بعض حضرات نے ظلم سے شرک مراد لیا ہے اور سوءً سے وہ گناہ مراد لئے ہیں جو شرک کے علاوہ ہیں بعض نے صغیرہ و کبیرہ سے تفسیر کیا ہے جیسے حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں جس نے سورۂ نساء کی یہ دو آیتیں پڑھیں ایک تو یہی من یعمل سوءً اور دوسری وہ آیت جو اوپر گذر چکی۔ ولو انھم اذ ظلموا۔ اور ان دونوں آیتوں کو پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کو بخش دیتا ہے۔ بعض اہل علم نے اس آیت کو سب سے زیادہ امید دلانے والی آیت کہا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق نے مرفوعاً روایت کی ہے۔ کہ کسی مسلمان سے کوئی گناہ ہو جائے پھر وہ وضو کر کے دو رکعتیں پڑھے اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے تو اللہ تعالیٰ اس کا گناہ بخش دیتا ہے۔ پھر آپ نے دو آیتیں پڑھیں ایک تو ومن یعمل سوءً اور ایک والذین اذا فعلوا فاحشۃ۔ ابن مردویہ نے حضرت علیؓ کے واسطے سے اسی روایت کے قریب قریب ایک روایت نقل کی ہے۔ اس میں یوں ہے کہ حضرت علیؓ فرماتے ہیں۔ میں نے ابوبکرؓ سے سنا ہے۔ بہرحال اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے علم اور اپنے عفو و کرم کا اعلان فرمایا ہے اور یہ آیت مسلمانوں کے لئے بہت بڑی بشارت ہے اور اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اس چوری کے واقعہ میں جن لوگوں سے گناہوں کا ارتکاب ہوا ہے ان کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں استغفار کریں اور ہر گناہ گار کو اس کی کوشش کرنی چاہیے کیونکہ گناہ ایسی چیز ہے کہ جو اس کا مرتکب ہوتا ہے تو اسی کو اس کی سزا ملتی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ (تسہیل) اور جو شخص کسی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے اور کوئی گناہ کماتا ہے تو وہ اپنی ہی ذات کے لئے اس کا وبال کماتا ہے اور فقط اپنی ہی ذات کو نقصان پہنچاتا ہے یعنی اس کی سزا خود اسی کو بھگتنی پڑے گی اور اللہ تعالیٰ کمال علم اور کمال حکمت کا مالک ہے (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ جب گناہ گار کو گناہ کی سزا بھگتنی ہے اور کوئی دوسرا اس سزا میں شریک نہیں جیسے فرمایا لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی تو ایسی حالت میں سزا سے پیشتر توبہ کر کے اس گناہ سے پاک ہو جاؤ۔ کمال علم کا مطلب یہ ہے کہ سب کے گناہوں کو جانتا ہے کمال حکمت سے مراد یہ ہے کہ سزا سے بچانے کیلئے استغفار کا حکم دیتا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی تم اپنے دل میں آپ شرمندہ نہ رہو کہ ہم کو عیب لگا اور آگے عیب لگنے کے خطرے سے اپنے کی حمایت نہ کرے جب تک تحقیق نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ خبردار ہے اور اس کا حکم بھی یہی ہے کہ ایک کا گناہ دوسرے پر نہیں (موضح القرآن) یہ ہو سکتا ہے کہ اس واقعہ میں لوگوں کو مختلف خیال ہوا ہو۔ گناہ گاروں کو گناہ کی فکر ہوئی ہو اور بے عیبوں کو عیب لگنے پر شرمندگی ہوئی ہو۔ یا خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خواہش ہو کہ جو لوگ غلطی کے مرتکب ہوئے ہیں ان کو درگذر کیا جائے اور جن پر خواہ مخواہ کا الزام لگا ہے ان کی تلافی ہو جائے اس پر یہ آیتیں نازل ہوئی ہوں۔ بہرحال دونوں آیتوں میں استغفار کی ترغیب و تحریص اور توبہ کرنے والوں کے لئے معافی کی امید ہے اب آگے ان لوگوں کے جرم پر تنبیہ فرماتے ہیں جنہوں نے چوری تو خود کی اور چوری کی تہمت دوسروں پر لگا دی۔ نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جو شفقت و عنایت ہے جس کی وجہ سے آپ اس معاملہ خاص میں غلط فیصلہ کرنے سے محفوظ و مامون رہے اس کا اظہار فرماتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ (تسہیل)۔

بقیہ صفحہ ۱۵۲

مشورے کا ذکر تھا۔ اب آگے اس کے متعلق ایک کلی ضابطہ بیان فرماتے ہیں۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ باہمی مشاورت کن امور پر ہونی چاہیئے۔ اور وہ کون سی باتیں ہیں جن میں باہم مشورہ کرنا باعث خیر و برکت ہوتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل) عام لوگوں کے باہمی مشوروں اور سرگوشیوں میں بسا اوقات بھلائی اور خیر و برکت نہیں ہوتی مگر ہاں ان لوگوں کے باہمی مشورے اور سرگوشیاں ہیں جو صدقہ اور خیر خیرات کی تعلیم و ترغیب دیں یا کسی اور نیک و مستحسن کام کی تعلیم و ترغیب دیں یا لوگوں کے مابین اصلاح اور صلح و صفائی کرانے کی ترغیب دیں اور جو شخص محض اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور خوشنودی کی غرض سے ان کاموں کی ترغیب دے گا اور ان کاموں کو کرے گا تو ہم اس کو عنقریب بہت بڑا اجر و صلہ عطا فرمائیں گے (تیسیر) نجویٰ زمین کے اس حصہ کو کہتے ہیں جو قطعہ بلند ہو۔ یعنی پست اور ہموار زمین میں جو حصہ اونچا ہو اس کو نجویٰ کہتے ہیں۔ لیکن اب بھید کو بولتے ہیں۔ دو یا دو سے زیادہ کہیں مل کر کوئی مشورہ کریں اس کو نجویٰ کہیں گے۔ آج کل ہماری اصطلاح میں خفیہ مجلس میٹنگ نجویٰ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ قرآن میں مختلف معنی میں آیا ہے۔ بھید کہنا، سرگوشی کرنا، کسی کو بھید بتانا، خفیہ مشورہ کرنا وغیرہ ومن یفعل ذلک کے دو معنی کئے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ کوئی شخص ان کاموں کی ترغیب دے گا دوسرے یہ کہ جو یہ کام کرے گا۔ یعنی صدقہ یا معروف یا اصلاح۔ ہم نے تیسیر میں دونوں کا لحاظ رکھا ہے۔ بہرحال آیت کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے اکثر مشوروں میں خیر و برکت نہیں ہوتی جس میں یہ بنوابیرق والوں کا مشورہ بھی شامل ہے جس میں بشیر کو یا طعمہ کو بچانے کے لئے پنچایت جمع ہوئی تھی اور اہل محلہ نے رات کو مشورہ کیا تھا۔ البتہ حسب ذیل کاموں کے لئے جو سرگوشی اور مشورہ ہو۔ اس میں خیر و برکت ہوتی ہے کہ اس بات کی تدبیر کریں کہ صدقہ خیرات کس طرح کریں۔ اور صدقہ خیرات کے متعلق مشورہ کریں اور لوگوں کو ترغیب دیں اور صدقہ خیرات کا حکم کریں یا کسی اور نیک اور بھلے کام کی ترغیب دینے کے لئے مشورہ کیا جائے یا لوگوں کی اصلاح اور لوگوں میں صلح صفائی کی ترغیب دینے کے لئے کوئی مشورہ اور سرگوشی کی جائے۔ ابتغاء مرضات اللہ کا یہ مطلب ہے کہ یہ سب کام رضائے الٰہی کی غرض سے ہوں اور ان سب کاموں کی ترغیب دینا اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کی غرض سے ہو۔ ریاکاری اور دکھاوے کے لئے نہ ہو۔ کیونکہ ریاکار کسی اجر کا مستحق نہیں ہوگا بلکہ اجر عظیم کے مستحق وہی لوگ ہوں گے جو بھلے کام کرنے سے رضائے الٰہی کے متلاشی ہوں اگرچہ معروف میں صدقہ اور اصلاح بین الناس بھی داخل ہے۔ لیکن ان دونوں کی اہمیت اور خصوصیت ظاہر کرنے کے لئے ان کو علیحدہ ذکر کیا۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ منافق لوگ حضرت سے کان میں باتیں کرتے تاکہ لوگوں میں اپنا اعتبار ٹھہرا دیں اور مجلس میں بیٹھ کر آپس میں کان میں باتیں کرتے کسی کا عیب کسی کا گلا۔ اس کو اللہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ان کی مشورت بے خیر ہے صاف بات کو حاجت نہیں چھپانے کی، مگر کچھ اس میں دغا ہی ہے اور چھپائے تو خیرات کو تا لینے والا شرمندہ نہ ہو یا مسئلہ دین کی غلطی بتانے کو نادان خجل نہ ہو یا لڑائی میں صلح کرانے کو کہ غصے والا ہوش میں صلح نہیں مانتا اول آپس میں ٹھہرائے پھر اس کو سنائے (موضح القرآن) حضرت شاہ صاحبؒ نے ایک مشہور شبہ کا جواب اپنے حاشیہ میں خوب دیا ہے۔ شبہ کا خلاصہ یہ ہے صدقہ اور معروف اور اصلاح کی ترغیب میں خفیہ مشورہ کی کیا ضرورت ہے۔ یہ کام تو بالاتفاق بھلے ہیں۔ ان کے متعلق مشاورت کو کیوں مستثنیٰ کیا اور دوسری تقریر جو ہم نے اوپر بیان کی تھی کہ اگر ان کاموں کا کرنا مراد ہے تب بھی ان کو چھپانے اور پوشیدہ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ صدقے کے متعلق تو خفیہ مشورے کی ضرورت اس لئے ہے کہ اس طرح یہ صدقہ دیا جائے کہ لینے والا شرمندہ نہ ہو مثلاً ایک شخص کے ساتھ کچھ سلوک کرنا ہے تو اس کے متعلق لوگوں سے پکار کر اس کے لئے کہو گے تو اس کو شرمندگی ہوگی بہتر ہے کہ علیحدہ بیٹھ کر دو چار آدمی آپس میں مشورہ کر لیں کہ فلاں شخص کو کیا دینا اور کس طرح دینا ہے۔ اسی طرح شاہ صاحبؒ نے معروف اور اصلاح میں بھی جواب دیا ہے جو آسانی کے ساتھ سمجھ میں آ سکتا ہے۔ معروف کا مطلب شاہ صاحبؒ نے دین کی بات کیا ہے۔ حدیث میں آتا ہے۔ ہر معروف صدقہ ہے اور تیرا اپنے بھائی کے ساتھ خندہ پیشانی سے ملاقات کرنا بھی صدقہ ہے۔ بعض نے کہا معروف سے مراد قرض ہے۔ بعض نے کہا محتاج کی مدد کرنا ہے۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ تمام اعمال خیر کو لفظ معروف شامل ہے اور چونکہ صدقہ باعتبار نفع رسانی کے اہم ہے اور اصلاح دفع مضرت کے اعتبار سے اہم ہے اس لئے ان دونوں کا ذکر علیحدہ فرمایا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اعمال خیر جو متعدی ہیں ان کی تین قسمیں ہیں۔ نفع رسانی اور دفع مضرت۔ نفع رسانی کی دو صورتیں ہیں۔ ایک جسمانی دوسرے روحانی۔ جسمانی نفع رسانی کو صدقے سے تعبیر کیا ہے اور روحانی نفع کو معروف فرمایا اور دفع مضرت کو اصلاح بین الناس سے تعبیر کیا ہو واللہ اعلم۔ بعض حضرات نے اصلاح بین الناس کی تخصیص کے متعلق یہ کہا ہے کہ اصلاح ایسی اہم چیز ہے کہ اس کے لئے غیر معروف طریقہ بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً اگر کچھ جھوٹ بھی بول کر اصلاح بین الناس ہو سکے، تو اس معاملہ خاص میں اس کی بھی گنجائش ہے یعنی توریہ کے طور پر کچھ کہہ دینا جائز ہے۔ اسماء بنت زید کی روایت میں ہے ــ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غلط بیانی حلال نہیں ہے، مگر تین مواقع

یہ اگر غلط بات کہہ کر مقصد حاصل کیا جائے تو یہ غلط بیانی کذب میں شمار نہیں ہوگی۔ ایک اپنی بیوی کو راضی کرنے کی غرض سے۔ دوسرے لڑائی میں۔ تیسرے اصلاح بین الناس کی غرض سے۔ حضرت ابوالدرداءؓ سے ترمذی اور ابوداؤد نے روایت کی ہے۔ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا میں تم کو اس بات کی خبر نہ دوں جو بات روزے۔ صدقے اور نماز سب سے افضل ہے۔ ہم نے کہا ہاں یا رسول اللہ ارشاد فرمایئے۔ آپ نے فرمایا۔ اصلاح ذات البین۔ اور فسادُ ذات البین حالقہ ہے، یعنی لوگوں میں صلح اور درستی کرنا سب سے افضل ہے اور لوگوں میں فساد ڈلوانا اور خرابی پیدا کرنا یہ مونڈنے والی چیز ہے جو مسلمان کے دین کو اس طرح مونڈ لیتی ہے جس طرح کوئی حالقہ بالوں کو مونڈ لیتی ہے۔ اجر عظیم کا یہ مطلب ہے کہ اس اجر کے مقابلہ میں دنیوی منافع ہیچ ہیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صدقہ، معروف اور اصلاح کرنے والوں کو مستثنیٰ فرمایا۔ اب ان لوگوں کا ذکر فرماتے ہیں جو ان کے علاوہ ہیں اور جن کی سرگوشیاں اور جن کے باہمی مشورے اللہ اور اس کے رسول کی مرضی کے خلاف ہوتے ہیں اور مسلمانوں کے عمل اور مسلمانوں کے عام اعتقاد کے خلاف طریقہ اختیار کرتے ہیں ان کے حق میں وعید کا اظہار فرماتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل)۔

بقیہ صفحہ ۱۵۲

علم مشکل ہے۔ یہ مشکل آپ کی زندگی میں بھی ان لوگوں کے لئے تھی جو دور دراز رہتے تھے اور وفات کے بعد تو ہر شخص کے لئے اس کی واقفیت ناممکن ہے۔ بجز اس کے کہ ان راویوں کی روایات سے معلوم ہو جو آپ کے طریقہ کو نقل کرنے والے ہیں یا ان لوگوں سے جو آپ کے طریقہ پر آپ کے بعد دیگرے عمل کرتے آئے ہیں ان سے معلوم ہو۔ پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موافقت اور مخالفت اور اتباع اور عدم اتباع کا دار و مدار مُدَّا ةً وَدُعَاةً پر ٹھہرا اور اسی کو سبیل مومنین فرمایا ہے۔ اسی سبیل مومنین کو نص اور اجتہاد کہا جاتا ہے اور یہی دو چیزیں امت میں رائج ہیں اور ہمیشہ سے چلی آتی ہیں اور یہی سبیل المومنین ہے۔ واللہ اعلم۔ بہرحال اجماع کے متعلق بڑی تفصیل ہے جو اصول فقہ میں موجود و مرقوم ہے۔ حدیث میں آتا ہے میری امت گمراہی پر مجتمع نہیں ہوگی اور اللہ تعالیٰ کا ہاتھ جماعت پر ہے الخ یعنی تمام امت گمراہی پر جمع ہو جائے اور کوئی فریق بھی حق کہنے والا نہ رہے ایسا نہیں ہوگا بلکہ حق کہنے والوں کا ایک طبقہ ہمیشہ رہے گا اور یہ بات تجربہ سے ثابت ہے کہ عام طور پر اہل حق کی جماعت اہل باطل سے کم ہوتی ہے۔ ہر دور میں ایسا ہی ہوتا رہا ہے۔ صحابہ اور تابعین وغیرہ کے دور کو چھوڑ کر شاید ہی کبھی ایسا ہوا ہو جو اہل حق تعداد میں اہل باطل کا مقابلہ کر سکے ہوں اور بالخصوص اس ہمارے دور میں تو ہر طرف تاریکی ہی تاریکی نظر آتی ہے۔ کفر و طغیان۔ بدعات اور رسوم شرکیہ کا ہر جانب غلبہ اور عروج ہے اور حضرت مولانا شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی جماعت حقہ کی تعداد بہت کم ہے۔ وقلیل من عبادی الشکور۔ ہم ابھی عرض کر چکے ہیں کہ بشیر یا طعمہ اپنے خلاف فیصلہ سننے کے بعد مرتد ہو گیا۔ اور بغوی نے کہا ہے کہ مرتد ہونے کے بعد عادی چور ہو گیا اور عام طور سے نقب لگاتا تھا۔ آخر ایک قافلہ والوں کی چوری کر کے بھاگا تو انہوں نے اس کا پیچھا کیا اور اس کو پتھر مار مار کر مار ڈالا۔ اس لئے آگے کی آیتوں میں شرک کی مذمت فرماتے ہیں اور شرک کے علاوہ دوسرے گناہوں کی مغفرت کا بیان فرماتے ہیں اور چونکہ جہاد اور مخالفین جہاد کا ذکر تھا اور مخالفین جہاد میں علاوہ منافقین اور یہود کے مشرکین بھی تھے۔ لہٰذا آگے

ان کا ذکر ہے۔ بغرض کئی اعتبار سے ان مذکورہ آیات کو آگے کی آیات سے ربط حاصل ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے بھی اپنے حاشیہ میں ربط کی ایک مختصر تقریر فرمائی ہے جو آگے آجائے گی۔ بہرحال اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے (تسہیل) بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس بات کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے خواہ اس کی ذات میں یا اس کی صفات مختصہ میں اور شرک سے کم درجے کے گناہوں کو خواہ وہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ جس کے لئے وہ چاہے گا ان کو بخش دے گا اور بالکل سزا نہیں دے گا، اور بات بھی یہ ہے کہ جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا خواہ وہ شرک ذاتی ہو یا صفاتی یقیناً وہ ایسی گمراہی میں جا پڑا جو راہ حق سے بہت دور ہے (تیسیر) حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ اوپر سے ذکر تھا منافقوں کا جو پیغمبر کے حکم پر راضی نہ ہوا اور جدی راہ چلے یہ آیت فرمائی کہ اللہ شرک نہیں بخشتا تو شرک فرمایا حکم میں شریک کرنے کو یعنی سوائے دین اسلام کے اور دین پسند رکھے اور اس پر چلے پس جو دین ہے سوا اسلام کے سب شرک ہے۔ اگرچہ پوجنے میں شرک نہ کرتے ہوں (موضح القرآن) حضرت شاہ صاحبؒ نے خوب تقریر فرمائی یعنی اوپر پیغمبر کے حکم پر نہ چلنے کا ذکر تھا۔ جیسے عام طور پر منافق کرتے ہیں یا اس واقعہ خاص میں بشیر نے یا طعمہ نے کیا اور اب آگے اللہ کے حکم میں شریک کرنے کا ذکر ہے یعنی حقیقی امر تو اللہ تعالیٰ ہے اور اس کا حکم ہے کہ تمہارا دین اسلام ہونا چاہیئے۔ اب کوئی شخص یہ حکم نہ مانے اور کوئی دوسرا دین قبول کرے تب بھی وہ مشرک ہے۔ خواہ کسی بت کو سجدہ نہ کرے۔ شاہ صاحبؒ کے حاشیہ کو غور سے پڑھنے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ شاہ صاحبؒ کی مساعی کو مشکور فرمائے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ مشرک کسی درجہ کا بھی ہو، وہ باوجود سزا کے بھی نہیں بخشا جائے گا بلکہ اس کی سزا ابدی جہنم ہے۔ البتہ شرک کے ماسوا جس گناہ کو چاہے اور جس کے لئے چاہے بخش دے گا اور جو شخص شرک کا مرتکب ہوا اور جس بدبخت نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا خواہ اس کی ذات کے ساتھ کسی کو شریک کیا خواہ اس کے حکم کے مقابلہ میں کسی دوسرے کا حکم مانا یا اللہ تعالیٰ کی صفات مختصہ میں کسی کو شریک مقرر کیا تو ایسا شخص انتہائی گمراہی میں جا پڑا اور ایسی گمراہی میں چلا گیا جو سیدھی راہ سے بہت دور ہے یعنی کوئی شخص سیدھی سڑک سے ذرا دائیں بائیں ہو جائے تو سیدھی راہ اختیار کر لینے کی توقع ہوتی ہے لیکن جو میلوں اور کوسوں دور چلا جائے وہ کس طرح سیدھی سڑک پر آ سکتا ہے۔ . . . . شرک اس قدر مذموم ہے کہ آج کل ہر تہذیب میں اس کو برا سمجھا جاتا ہے یہاں تک کہ مشرک بھی شرک کو برا کہتے ہیں اور چونکہ شرک ہر اعتبار سے قابل مذمت اور اللہ تعالیٰ کی توہین و اہانت ہے اس لئے اس جرم کو ناقابل معافی فرمایا۔ اور حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ بات بھی صاف کر دی کہ کفر اور شرک کا ایک ہی حکم ہے کیوں کہ کفر بھی شرک کے ساتھ علت میں مشترک ہے۔ جس طرح شرک واجب الوجود کی اہانت ہے۔ اسی طرح کفر میں بھی واجب الوجود کے کسی نہ کسی حکم کا انکار ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کے انکار ہی کو کفر کہتے ہیں۔ اور ایسے کافر بھی ہیں جو واجب الوجود کی ذات ہی کا انکار کرتے ہیں تو خواہ کوئی اللہ تعالیٰ کی ذات کا منکر اور کسی صفت کا منکر ہو۔ یا واجب الوجود کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرا کر اس کی توہین کرتا ہو ان سب کا حکم ایک ہی ہے۔ آگے مشرکین کی حالت کا مزید بیان ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل) یہ مشرک نہیں عبادت کرتے مگر چند عورتوں کی یعنی دیویوں کی اور زنانے ناموں کی اور یہ مشرک نہیں عبادت کرتے مگر شیطان کی جو سرکش اور نافرمان

ہے۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے اور جس کو اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے اور جس نے اللہ تعالیٰ سے یوں کہا تھا کہ میں تیرے بندوں سے ضرور اپنا مقررہ حصہ لے کر رہوں گا اور تیری اطاعت و عبادت میں بٹوارا کرا کے رہوں گا۔ (تیسیر)۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ یعنی تیرے بندے اپنے مال میں میرا حصہ ٹھہرا رکھیں گے جیسے دستور ہے بتوں کی نیاز نکال رکھتے ہیں (موضح القرآن)۔ اناث انثیٰ کی جمع ہے۔ ان کے بتوں کو عورتیں اس لئے فرمایا کہ عام طور سے وہ اپنے بتوں کو مونث سے تعبیر کرتے تھے یا یہ ان کے بتوں کے اکثر نام عورتوں کے سے نام تھے۔ جیسے لات منات وغیرہ۔ یا اس وجہ سے کہ وہ جمادات تھے اور جمادات کو اہل لغت بکثرت مونث سے تعبیر کرتے ہیں اور کافر عام طور سے ان بتوں کو زیور پہنا کر ان کو آراستہ کیا کرتے تھے۔ یا بتوں کی کمزوری کی وجہ سے ان کو اناث فرمایا۔ یا اس وجہ سے کہ اکثر فرشتوں کو پوجتے تھے اور فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے اس لئے ان کے معبودوں کو اناث فرمایا۔ حسن اور قتادہ نے کہا مردے ہیں جن میں روح نہیں اور چونکہ جمادات اور بے جان چیزوں کو بھی عام طور سے مونث سے تعبیر کرتے تھے اس لئے اناثا فرمایا۔ بہرحال عرب کے عام محاورے کے لحاظ سے ان کے اصنام کو اناثا فرمایا ہے۔ شیطان کی عبادت کا مطلب یہ ہے کہ اس کی اطاعت کرتے ہیں اور چونکہ وہ بتوں کی عبادت پر آمادہ کرتا ہے اس لئے وہ بھی ان کی عبادت میں شریک ہے۔ حضرت سفیانؓ سے مروی ہے کہ کوئی بت ایسا نہیں جس میں شیطان نہ ہو۔ حضرت مقاتل کا قول ہے کہ شیطان سے مراد یہاں ابلیس ہے۔ اور چونکہ یہ مشرک اس کے حکم اور اس کے کہنے کی پیروی کرتے ہیں اس لئے مجازاً بتوں کے ساتھ شیطان کی بھی عبادت کرتے ہیں۔ مرید۔ سرکش خدا کی طاعت سے نکل بھاگنے والا۔ نصیب مفروض مقررہ اور مقدرہ حصہ۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ مشرک ان اوثان و اصنام کی عبادت کرتے ہیں جن کے نام زنانے ناموں پر رکھے ہوئے ہیں اور چونکہ شیطان مرید کے کہنے سے ایسا کرتے ہیں لہٰذا شیطان کو بھی مجازاً معبود بنا رکھا ہے۔ آگے شیطان کے اوصاف ہیں کہ وہ مرید اور اللہ تعالیٰ کا ملعون ہے جس کو خدا نے اپنی رحمت سے دور پھینک رکھا ہے اور جس نے ملعون ہوتے وقت یہ کہا تھا کہ میں تیرے بندوں میں سے ایک مقررہ حصہ جو میرے لئے مقرر ہے لے کر رہوں گا۔ یعنی ان کو اپنے ہمراہ جہنم میں لے جانے کی کوشش کروں گا۔ اپنے ارادے کا اس نے اظہار کیا تھا اور یہ محض اپنی قوت اور کوشش کے خیال سے کہا تھا اور اتفاق سے جو گمان اس نے کیا تھا وہ پورا بھی ہو گیا ولقد صدق علیہم ابلیس ظنہ۔ نصیب مفروض سے مراد اطاعت کا حصہ ہے جیسا کہ مفسرین نے کہا ہے کہ جن چیزوں میں شیطان کی اطاعت کی جائے وہی اس کا نصیب مفروض ہے۔ آگے اور شیطان کی باتیں مذکور ہیں (تسہیل)۔

بقیہ صفحہ ۱۵۴

اور یہ لوگ اس دوزخ سے کہیں بھاگنے کو جگہ نہ پائیں گے اور رہے وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک اعمال کے پابند رہے اور اچھے کام کرتے رہے۔ ہم ان کو عن قریب ایسے باغوں میں داخل کریں گے جن کی سیرگاہوں کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ وہ ان باغوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس حسن سلوک کا وعدہ فرمایا ہے اور سچا وعدہ فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کون بات کا سچا ہو سکتا ہے (تیسیر)۔ محیص

جائے فرار۔ وعد اللہ حقاً کی لوگوں نے مختلف ترکیبیں کی ہیں۔ ہم نے مشہور ترکیب اختیار کی ہے یعنی وعدھم وعداولحقہ حقاً۔ اور یہ اہل زبان کا ایک مشہور طریقہ ہے کہ ایک جملہ کو دوسرے جملے سے موکد کرتے ہیں۔ جیسے زید قائم حقاً۔ باغ کے نیچے نہریں بہنے کا مطلب ہم پہلے عرض کرچکے ہیں کہ باغ نہر کے کنارے آباد ہوں گے یا باغوں کے اندر نہریں بہتی ہوں گی یا اہل جنت کے بالاخانوں اور شہ نشینوں اور سیرگاہوں کے پائیں نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ ومن اصدق من اللہ قیلا۔ یہی مضمون سابق کی تاکید ہے اور ہم او پرومن اصدق من اللہ حدیثا کے تحت بیان کرچکے ہیں کہ سچی بات وہی ہے جو واقعہ کے مطابق ہو اور یہ وہی کرسکتا ہے کہ جس کا علم کامل ہو اور جو غیب کی خبر رکھتا ہو۔ نیز وہ کوئی وعدہ کرے تو اس کے پورا کرنے پر قادر ہو۔ بہر حال جس کا علم کامل ہو اور قدرت کامل ہو اسی کی بات پوری اور سچی ہوسکتی ہے۔ اوپر کی آیت میں شیطانی امیدوں کی لغویت اور اس کی فریب دہی کا ذکر تھا اب ان امیدوں کو صراحۃً ذکر فرماتے ہیں اور ان فرقوں کا رد فرماتے ہیں جو باوجود اپنی غلط کاریوں اور کفر وفسق کے یہ امیدیں قائم کئے بیٹھے ہیں کہ ہم جنتی ہیں اور ہم خدا کے محبوب اور پیارے ہیں۔ اعمال صالحہ اور صحیح عقائد کے بغیر ایسی امیدیں قائم کرنا یہی وہ شیطانی امیدیں ہیں جن میں وہ عوام کو مبتلا رکھتا ہے اور بعض موقعہ پر باہم اسی قسم کی رقیبانہ گفتگوئیں ہوا بھی کرتی تھیں۔ ایک طرف مسلمان دوسری طرف کفار اہل کتاب آپس میں اپنی اپنی امیدوں کا اظہار کیا کرتے تھے اور ایک دوسرے کے مقابلے میں فخر کیا کرتے تھے۔ اس کے متعلق ایک ضابطہ بیان فرماتے ہیں۔ جس میں اول اس قسم کی بے عمل امیدوں کا رد ہے۔ پھر ان لوگوں کا ذکر ہے۔ جو واقعی نجات اور مغفرت کے اہل ہیں اور آخر میں سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت سے استدلال ہے۔ جو متفقہ طور پر سب کے نزدیک صحیح اور قابل اتباع ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ (تسہیل) اے مسلمانو! آخرت کی کامیابی اور نجات نہ تو تمہاری آرزوؤں پر موقوف ہے اور نہ اہل کتاب کی تمناؤں پر موقوف ہے بلکہ ضابطہ یہ ہے کہ جو شخص بھی کوئی برا کام کرے گا وہ اس بُرے کام کی سزا دیا جائیگا اور وہ اللہ تعالیٰ کے سوا نہ اپنا کوئی حمایتی پائے گا اور نہ مددگار (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ آخرت کے متعلق بے بنیاد امیدیں قائم کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ قاعدہ یہ ہے کہ جو شخص بھی کوئی برا کام کرے گا خواہ وہ برا کام عقیدے سے تعلق رکھتا ہو، خواہ اعمال سے تعلق رکھتا ہو بہر حال اس برے کام کا اس کو بدلا دیا جائے گا اور ایسے شخص کو کوئی حمایت کرنے والا اور کوئی مدد کرنے والا بھی میسر نہ آئے گا۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ کتاب والوں کا خیال تھا کہ ہم خالص بندے ہیں جن گناہوں پر خلق پکڑی جائے گی ہم نہ پکڑے جائیں گے۔ ہمارے پیغمبر حمایت کریں گے اور نادان مسلمان بھی اپنے حق میں یہی خیال رکھتے ہیں۔ سو فرمادیا کہ برا کام جو کریگا سزا پاوے گا کوئی ہو حمایت کسی کی پیش نہیں جاتی۔ اللہ کا پکڑا وہی چھوڑے تو چھوٹے۔ دنیا کی مصیبت میں آدمی قیاس کرلے (موضح القرآن) محمد سعید بن منصور اور حاکم میں مرفوعاً روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو اکثر صحابہ پر شاق گذری۔ صدیق اکبر نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا یا رسول اللہ اب نجات اور فلاح کی کیا صورت ہوگی۔ کیونکہ ہم سے جو برا کام ہوا ہے اس کی سزا ملے گی حضورؐ نے فرمایا۔ اے ابوبکرؓ! اللہ تعالیٰ تیری مغفرت کرے کیا تجھ کو کوئی تکلیف نہیں پہنچتی۔ کیا تجھ کو کوئی غم نہیں ہوتا کیا تجھ کو کسی آفت سے دوچار ہونا نہیں پڑتا۔ ابوبکرؓ نے کہا ایسا تو اکثر ہوتا رہتا ہے حضورؐ نے فرمایا۔ ھو مما تجزون بہ یہ وہی جزا ہی تو ہے جس کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے۔ اسی روایت سے ملتی جلتی اور بھی بہت سی روایتیں کتب احادیث میں منقول ہیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ دنیا میں جو مصائب اور تکالیف پیش آتی ہیں وہ خطاؤں کا کفارہ ہوتی ہیں۔ یہاں تک کہ کوئی کانٹا بھی چبھتا ہے یا کوئی اور معمولی پریشانی بھی ہوتی ہے تو وہ سیئات کے لئے موجب کفارہ ہوتی ہے حضرت ابوہریرہؓ کی ایک اور روایت میں ہے کہ جب یہ آیت مسلمانوں پر شاق ہوئی تو حضورؐ نے فرمایا۔ گھبراؤ نہیں بلکہ مضبوطی کے ساتھ قائم رہو مسلمانوں کو جو مصیبت پہنچتی ہے وہ ان کے لئے کفارہ ہوتی ہے۔ اسی طرح حضرت ابوسعیدؓ اور ابوہریرہؓ سے مرفوعاً آیا ہے کہ کوئی تکلیف کوئی مشقت۔ کوئی مرض اور کوئی فکر ایسا نہیں کہ مسلمانوں کو پیش آئے اور وہ اس کے گناہوں کے لئے موجب کفارہ نہ ہو۔ حضرت حسنؒ نے فرمایا۔ اس آیت میں کافر مراد ہے۔ ابن عباسؓ اور سعید بن جبیر سے سوءؑ کی تفسیر شرک کے ساتھ منقول ہے۔ واللہ اعلم شان نزول سے اور سیاق وسباق سے وہی بات معلوم ہوتی ہے جو ہم نے عرض کی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بے کار اور خالی خولی امیدیں قائم کرنے سے کچھ حاصل نہیں اگر گناہ کا کوئی شخص مرتکب ہوتا ہے خواہ وہ کوئی ہو تو اس کو سمجھ لینا چاہیئے کہ گناہ گار کو گناہ کی سزا دی جائے گی۔ خواہ وہ دنیا کے مصائب کی شکل میں ہو خواہ آخرت میں کوئی عذاب یا خدمت وغیرہ کی شکل میں ہو۔ جیسا گناہ ویسی سزا۔ اب آگے دوسرا ضابطہ فرماتے ہیں جس کا تعلق ایمان اور عمل صالح سے ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ (تسہیل)۔

بقیہ صفحہ ۱۵۵

لہٰذا وہی کامل اور صحیح اطاعت کا مستحق بھی ہے۔ (تسہیل) اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہے اور اللہ تعالیٰ کے علم وقدرت نے ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے۔ (تیسیر) مطلب وہی ہے جو ہم اوپر عرض کرچکے ہیں ایک حصہ میں اللہ تعالیٰ کی سلطنت اور اس کی مالکیت کا اعلان ہے اور دوسرے حصہ میں اس کے علم اور اس کی قدرت کا اعلان ہے اور یہی دو باتیں بندے کے لئے اس کی عبادت واطاعت کا موجب ہیں۔ غالباً یاد ہوگا کہ سورۂ نساء کی ابتدا میں یتیم بچوں کے سلسلے میں بعض مسائل اور احکام فرمائے تھے کیونکہ لوگ یتیم بچوں کے بارے میں کوتاہی کرتے تھے۔ اگر کوئی یتیم لڑکی خوبصورت اور مالدار ہوتی اور اتفاقاً اس کا ولی ایسا ہوتا جس سے نکاح جائز ہوتا۔ مثلاً چچازاد بھائی تو ولی اس سے نکاح کرلیتا مگر مہر پورا مقرر نہ کرتا اور اگر کوئی لڑکی بدصورت ہوتی تو اس سے نہ خود نکاح کرتا اور اس خوف سے کہ اس کی دولت کہیں اور چلی جائے گی اس کا نکاح کسی دوسری جگہ بھی نہ کرتا اور اس سے نفرت کرتا۔ بعض لوگ عورت کی میراث ہی نہ دیتے تھے۔ بعض عورت کو تنگ کرنے کی غرض سے قید رکھتے تھے تاکہ وہ اپنا مال چھوڑ دے اور اپنا پیچھا چھڑا لے۔ غرض ان تمام باتوں کی اصلاح اور ان کی روک تھام کے لئے اس سورت کی ابتدا میں احکام بیان فرمائے تھے چنانچہ ان ہی باتوں کے متعلق بعض لوگوں نے مختلف سوال کئے تھے جن کا جواب آگے مذکور ہے۔ مثلاً پہلے یتیم لڑکیوں سے نکاح کرنے کی ممانعت فرمائی تھی اب لوگوں کو خیال ہوا کہ غیر سے نکاح کرنے کی بجائے ولی اگر نکاح کرے تو کم از کم یتیمہ کی دیکھ بھال صحیح ہوگی۔ اور بعض کو یہ واقعہ پیش آیا کہ بدصورتی کی وجہ سے خود تو لڑکی سے نکاح نہ کیا اور مال نکل جانے کے خوف سے کہیں دوسری جگہ بھی نکاح نہ کیا اس بارے میں بعض لوگوں نے سوال کیا اور چونکہ پسندیدہ عورت کے ساتھ نکاح کرنے میں پورا مہر دینے کا حکم تھا اس لئے شاید بعض لوگوں نے یتیمہ سے کہ مہر کم کرانے کی کوشش کی ہو۔ اس پر سوال ہوا ہو کہ اگر یتیمہ خود کم مہر پر راضی ہوجائے تب تو کوئی اعتراض نہیں ہے۔ غرض اسی قسم کے سوالات کا آگے جواب مذکور ہے اور گذشتہ احکام کا اعادہ ہے کہ جو حکم ہم دے چکے ہیں اس میں تمہارا اور یتامیٰ کا فائدہ اور احتیاط ہے۔ اور انہی احکام سابقہ پر توجہ دلانے کے ساتھ عورتوں کے بعض اور مسائل بھی ارشاد فرمائے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ (تسہیل) اور اے پیغمبر! یہ لوگ آپ سے عورتوں کی میراث اور مہر وغیرہ کے بارے میں حکم دریافت کرتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ تم کو ان عورتوں کے بارے میں حکم دیتا ہے اور اس بارے میں وہ آیات بھی تم کو حکم دیتی ہیں جو قرآن میں تم کو پڑھ پڑھ کر سنائی جاتی ہیں اور ان کی تم پر تلاوت کی جاتی رہتی ہے۔ یعنی سورۂ نساء کی گذشتہ آیات۔ وہ آیات ان یتیم عورتوں کے بارے میں ہیں جن کو تم ان کا وہ حق جو شرعاً ان کے لئے مقرر ہے نہیں دیتے یعنی میراث اور مہر وغیرہ اور تم ان کے خوبصورت اور مالدار ہونے کی وجہ سے یہ چاہتے ہو کہ ان سے نکاح کرلو اور وہ آیات جو کمزور بچوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں اور وہ آیات جن میں یہ حکم ہے کہ تم یتامیٰ کے حال کی انصاف کے ساتھ پوری نگہداشت کرو اور دیکھو تم جو بھلا اور نیک کام کروگے اللہ تعالیٰ اس سے بخوبی واقف اور اس کو جاننے والا ہے (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ جو سوالات تم کر رہے ہو ہم ان کے متعلق سورۂ نساء کی گذشتہ آیات میں احکام بیان کرچکے ہیں۔ ان ہی سابقہ احکام پر عمل کرنے کا تم کو حکم دیتے ہیں۔ وہ آیات جن پر عمل کرنے کا ہم تم کو مکرر حکم دے رہے ہیں وہ تم جانتے ہو کیونکہ قرآن کی تلاوت کرنے والے جب قرآن کی تلاوت کرتے ہیں تو وہ آیات بھی تم کو سنائی جاتی ہیں اور وہ آیات وہی ہیں جن میں تم کو ان یتیم لڑکیوں کے بارے میں احکام بتلائے گئے ہیں جن کے مالدار اور خوبصورت ہونے کی وجہ سے تم ان کو اپنے نکاح میں تو لانا چاہتے ہو، مگر ان کی حیثیت کے موافق ان کا مہر ادا نہیں کرتے بلکہ کم مہر مقرر کرکے ان سے نکاح کرنا چاہتے ہو اور جو مالدار لڑکی بدصورت ہوتی ہے اس کے ساتھ نکاح کرنے سے نفرت کرتے ہو اور دوسری جگہ بھی اس کا نکاح نہیں کرتے کہ کہیں اس کی دولت میں کوئی دوسرا شریک نہ ہوجائے اور یہ سابقہ آیات وہی ہیں جن میں کمزور بچوں کے مال کی حفاظت اور ان کی پرورش کا حکم دیا گیا ہے اور نیز یہ آیات وہی ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ یتامیٰ کے تمام کام اور ان کے تمام حوائج اور ضروریات میں اور ان کے تمام کاموں میں انصاف کے ساتھ قائم رہو۔ خواہ وہ مہر کا معاملہ ہو یا ان کی میراث کا قصہ ہو یا ان کے کھلانے پلانے اور دیکھ بھال اور ان کی اخلاقی تربیت کا معاملہ ہو سب میں انصاف کرو اور تم جو بھی کار خیر کروگے اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے اور وہ اس کا اجر تم کو دے گا۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ اس سورت کے اول میں تقید تھا یتیم کے حق کا اور فرمایا تھا کہ لڑکی یتیم جس کا والی نہیں مگر چچا کا بیٹا اگر جانے کہ میں اس کا حق ادا نہ کردوں گا تو آپ اس کو نکاح میں نہ لائے کسی اور کو دے کہ آپ اس کا حمایتی رہے تو مسلمانوں نے ایسی عورتوں کو نکاح میں لانا موقوف کیا پھر دیکھا کہ بعض جگہ لڑکی کے حق میں بہتر ہے کہ اپنا والی ہی نکاح میں لائے جو وہ اس کی خاطر کرے گا غیر نہ کرے گا۔ حضرت سے رخصت مانگی اس پر یہ آیت اتری۔ رخصت ملی اور فرمایا وہ جو کتاب میں منع سنا تھا سو جب ہے کہ ان کا حق پورا نہ دو اور یتیم کے حق کی تاکید تھی اور جو بھلائی کیا چاہو تو رخصت ہے (موضح القرآن)۔ حضرت شاہ صاحبؒ کا مطلب شاید یہ ہے کہ گذشتہ آیت

وان خفتم ان لا تقسطوا فی الیتامیٰ کو سن کر مسلمانوں نے یتیم لڑکی سے جو اپنی ولایت میں ہو نکاح کرنا بالکل بند کر دیا تھا پھر اس کے نقصانات محسوس ہوئے تو سوال کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان گذشتہ احکام کو یاد دلاتے ہوئے فرمایا وما تفعلوا من خیر فان اللہ کان بہ علیما ۔ یعنی وہ تو یتیم بچوں کے مال کی حفاظت اور ان کو پورا مہر دینے کے سلسلے میں تھا اور اگر تم یتیم کا اپنے سے نکاح کرنے میں فائدہ دیکھو اور اس کا مہر پورا مقرر کرو تو اس سے نکاح کرنے کی رخصت ہے۔ فقیر نے ابھی شان نزول کے سلسلے میں عرض کیا تھا کہ سوالات مختلف تھے جیسا کہ بخاری اور مسلم اور ابن جریر وغیرہ کی روایات سے معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے بعض حضرات نے شاہ صاحبؒ کی تفسیر کو ترجیح دی ہے اور بعض حضرات نے محض حکم سابق پر توجہ دلانے کو ترجیح دی ہے واللہ اعلم اور چونکہ اس نکاح کے معاملے میں دو صورتیں پیش تھیں ایک مالدار اور خوبصورت لڑکی سے نکاح کی رغبت اور مہر کا کم مقرر کرنا دوسرے نادار اور بدصورت لڑکی سے خود نکاح نہ کرنا اور نہ اس کو کہیں نکاح کرنے دینا۔ اس وجہ سے بعض حضرات نے وترغبون ان تنکحوھن کا ترجمہ یوں کیا ہے اور ان کے ساتھ نکاح کرنے سے نفرت کرتے ہو اور چونکہ واقعات کی بنا پر یہاں دونوں کی گنجائش ہے اس لئے ہم نے تسہیل میں دونوں مفہوم ادا کر دیئے ہیں وان تقوموا للیتمیٰ بالقسط کا مطلب یہ ہے کہ یتیموں کے تمام کام اور تمام کارگذاری انصاف کے ساتھ کی جائے۔ ہم نے ترجمہ میں حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ کے اور تیسیر میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے الفاظ اختیار کئے ہیں اگرچہ مطلب دونوں کا یکساں ہے۔ آگے عورتوں کے بعض مسائل ارشاد ہوتے ہیں۔ (تسہیل)۔

بقیہ صفحہ ۱۵۶

صلح شرعی طور پر ہو اگر کوئی شرط ناجائز ہو گی تو صلح بھی ناجائز ہو گی اور حقوق چھوڑ دینے کا یہ مطلب نہیں کہ پھر ان حقوق کا مطالبہ کرنے کا حق باقی نہیں رہتا بلکہ عورت کو یہ حق باقی رہتا ہے کہ وہ چاہے تو اپنے حقوق کا مطالبہ کرے۔ خاوند یا تو ان حقوق کو پورا کرے گا یا طلاق دے دے گا اور ہو سکتا ہے کہ واحضرت الانفس الشح میں اس طرف اشارہ ہو کہ دلوں میں حرص تو موجود ہی ہے ہو سکتا ہے کہ عورت کچھ دنوں کے بعد اپنے حقوق کا مطالبہ کر بیٹھے۔ تو بہرحال عورت کو ایسا مطالبہ کرنے کا حق باقی رہتا ہے اور گذشتہ سقوط سے آئندہ کا حق ساقط نہیں ہوتا۔ اب آگے اسی سلسلے میں اور ایک بات بیان کی جاتی ہے جس کا تعلق اس امر سے ہے کہ اگر چند بیویوں میں دل کا تعلق سب سے یکساں نہ ہو تو ظاہری حقوق میں مساوات کا رکھنا لازمی ہوگا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ (تسہیل) اور یہ تو تم سے کبھی نہ ہو سکے گا کہ تم اپنی سب بیویوں کے مابین ہر اعتبار سے مساوات اور برابری رکھو۔ یعنی تمہارے قلب میں محبت بھی سب کی یکساں ہو خواہ تم اس مساوات اور برابری رکھنے کے کتنے ہی خواہشمند ہو۔ لہٰذا تم ایسا نہ کرنا کہ ایک طرف تو بالکل مائل ہو جاؤ اور ایک کو ایسا ڈال رکھو جیسے ادھر میں لٹکی ہوئی چیز۔ یعنی نہ نان نفقہ دو اور نہ اس کو طلاق دو اور اگر تم اپنا طرز عمل درست کر لو اور اپنے طرز عمل کی اصلاح کر لو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تو وہ معاف کر دے گا۔ یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا اور بڑی مہربانی کرنے والا ہے (تیسیر)۔ اوپر کی آیت میں جو کچھ فرمایا تھا اس کا ماحصل یہ تھا کہ باہم صلح ہو جائے یا یہ کہ مرد نشوز اور اعراض سے باز آجائے اور عورت سے حق کم نہ کرائے۔ لیکن سوئے اتفاق سے اگر مصالحت یا احسان کی کوئی شکل نہ ہو تو عورت پر سراسر ظلم ہو یا تفریق ہو جائے۔ چنانچہ آیت ولن تستطیعوا میں ظلم کی مذمت ہے اور اس کے بعد تفریق کا بیان ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی انسان کی طبع میں مال کی حرص ہے اور ایک عورت پر زیادہ ڈھلنا تو چاہیئے تا مقدور آپ کو بچاتا رہے بعد اس کے اللہ بخشنے والا ہے۔ اور ادھر میں لٹکتی یہ کہ نہ اس کو آپ آرام سے رکھو نہ چھوڑ دو کہ اور کسی سے نکاح کرلے (موضح القرآن)۔ آیت زیر بحث کا مطلب یہ ہے کہ یہ بات تمہاری طاقت سے باہر ہے کہ تم سب سے قلبی محبت میں برابری کر سکو۔ یوں اتفاقیہ ہو جائے تو وہ دوسری بات ہے۔ اور جب یہ قلبی تعلق کی یکسانیت تمہاری طاقت سے خارج ہے تو تم اس کے مکلف بھی نہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جو بات تمہارے اختیار میں ہے یعنی ظاہری حقوق جن کو شرعی حقوق کہتے ہیں ان میں بھی کوتاہی کرنے لگو۔ جیسے نان نفقہ۔ اور باری وغیرہ۔ لہٰذا جب یہ بات معلوم ہو گئی کہ محبت میں برابری مشکل ہے خواہ تم اس کی کوشش بھی کرو تم اس میں معذور ہو اور تم اس قلبی مساوات کے مکلف بھی نہیں ہو۔ اب ایسا نہ کرو کہ جن باتوں میں معذور نہیں ہو ان میں کوتاہی کرنے لگو جس کی صورت یہ کہ بالکل ایک جانب مائل ہو جاؤ۔ بالکل کا یہ مطلب ہے کہ دل کی محبت جس میں تم معذور تھے وہ بھی ایک ہی جانب اور نان ونفقہ اور باری کی تقسیم وغیرہ بھی جس میں تم معذور نہ تھے وہ بھی ایک ہی جانب۔ تو ایک جانب جب ہر اعتبار سے میلان ہوگا تو دوسری بالکل محروم رہ جائے گی۔ نہ دل میں اس کی محبت ہو گی جس میں تم معذور تھے اور نہ ظاہری سلوک میں اس کے ساتھ برابری ہو گی جس کی وہ مستحق تھی اور تم اس میں معذور نہ تھے تو وہ بے چاری ایسی ہو جائے گی جیسے بیچ میں لٹکتی ہوئی کوئی چیز ہوتی ہے کہ نہ نیچے اور نہ اوپر۔ اسی طرح یہ عورت تمہارے ہاتھوں ہو جائے گی۔ نہ مطلقہ نہ بیوی۔ بیوی کا سا سلوک نہیں اس لئے بیوی نہیں اور طلاق نہ ہونے سے مطلقہ بھی نہیں۔ اصلاح اور تقویٰ کا یہاں بعض حضرات نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ جو پہلے نشوز اور اعراض وغیرہ کر چکے اور عورت کو ستا چکے اس کی اصلاح کر لو۔ اور آئندہ کے لئے احتیاط رکھو تو اللہ تعالیٰ معاف کر دے گا کیونکہ وہ بڑا غفور الرحیم ہے۔ یہ آخری جملہ محذوف جزا کے قائم مقام ہوتا ہے۔ اور اسی کے ساتھ محذوف جزا کی دلیل بھی ہوتا ہے جو قرآن کا عام قاعدہ ہے کہ ہر دعویٰ پر دلیل پیش کرتا ہے۔ یہ ایک طرف نہ مائل ہو جانا اور دوسری کو معلقہ نہ کر دینا وجوبی حکم ہے۔ اسی لئے حدیث میں آتا ہے کہ جس شخص کی دو بیویاں ہوں اور وہ حقوق ظاہری میں ایک طرف مائل ہو تو وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس کے جسم کا ایک حصہ ساقط یعنی مفلوج ہوگا۔ حضرت عائشہؓ کی روایت میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام عورتوں کے حقوق ادا کرنے میں عدل و انصاف کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے۔ اللھم ھذا قسمی فیما املک فلا تلمنی فیما تملک ولا املک یا اللہ، یہ ان باتوں میں جن کا میں مالک ہوں میری تقسیم ہے لیکن جس چیز کا میں مالک نہیں ہوں بلکہ آپ مالک ہیں اس میں میری کوتاہی پر مجھے ملامت نہ کیجئے۔ مطلب یہی ہے کہ دل کی محبت میں میں معذور ہوں۔ اگر قلب کا میلان کسی عورت کی طرف زیادہ ہو تو اس پر مجھے ملامت نہ فرمائیے۔ اب آگے تفریق کی صورت کا ذکر ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل) اور اگر وہ دونوں میاں بیوی میں اتفاق اور صلح کی کوئی شکل نہ نکلے اور وہ دونوں ایک دوسرے سے جدا ہی ہو جائیں۔ یعنی چھوٹ چھٹاؤ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اپنی کشائش اور وسعت قدرت کی برکت سے ہر ایک کو دوسرے سے بے نیاز اور مستغنی کر دے گا۔ اور اللہ تعالیٰ بڑا صاحب وسعت اور بڑی حکمت والا ہے۔ اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو چیزیں زمین میں ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ ہی کی ملک اور اسی کی مملوک ہیں۔ اور یقیناً جن لوگوں کو ہم نے تم سے پہلے کتاب دی تھی ان کو بھی یہ حکم دیا تھا اور تم کو بھی یہی حکم دیا ہے کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور نیز یہ کہ اگر تم کفر کی روش اختیار کرو گے اور اللہ تعالیٰ کی ناشکری اور ناسپاسی کرو گے تو یقین جانو کہ جو چیزیں آسمانوں میں ہیں اور جو چیزیں زمین میں ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کی ملک اور اسی کی مملوک ہیں اور اللہ تعالیٰ بے نیاز اور کسی کی اطاعت وعبادت کا محتاج نہیں ہے اور تمام صفات محمودہ سے متصف ہے اور جو چیزیں آسمانوں میں ہیں اور جو چیزیں زمین میں ہیں سب اللہ تعالیٰ ہی کی ملک اور اسی کی مملوک ہیں اور اللہ تعالیٰ باعتبار کارساز ہونے کے کافی ہے (تیسیر)۔ مطلب یہ ہے کہ دونوں میاں بیوی اگر باہم صلح نہ کر سکیں اور تفریق کی نوبت آجائے اور خلع وطلاق ہو جائے تو دونوں میاں بیوی میں سے کسی کو یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ میرے بغیر دوسرے کا کام نہیں چل سکے گا۔ یعنی بیوی یہ نہ سمجھے کہ میرے بغیر مرد کا کام نہیں چلے گا اور خاوند یہ نہ سمجھے کہ میرے بغیر بیوی کا کام نہیں چلے گا۔ اس خیال سے بچنے کی غرض سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک میاں بیوی کو اپنی وسعت قدرت کی برکت سے مستغنی فرما دے گا اور ایک کو دوسرے کی احتیاج نہ ہو گی اور ایک دوسرے کا محتاج نہ رہے گا اور ایک کا کام دوسرے پر موقوف نہ رہے گا۔ پھر بطور استدلال فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بڑا صاحب وسعت ہے وہ اپنی قدرت کاملہ سے ہر ایک کا کام چلاتا ہے اور وہ بڑی حکمت والا ہے اپنی حکمت بالغہ سے اگر کسی پر ایک دروازہ بند کرتا ہے تو دوسرا دروازہ کھول دیتا ہے۔ پھر اپنی وسعت قدرت کو ان الفاظ میں ظاہر کیا۔ کہ آسمان وزمین کی تمام مخلوقات پر اس کی فرماں روائی ہے۔ وہ سب کا مالک ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اوپر کی آیتوں میں بعض باتوں کا حکم دیا تھا اور بعض باتوں سے منع فرمایا تھا۔ اس لئے اپنی مالکیت کا اعلان فرمایا کہ جب تمام مخلوق ہماری مملوک ہے تو جو حکم ہم دیں اس کی تعمیل کرو اور جس بات سے روک دیں اس سے باز رہو اس لئے فرمایا کہ تم سے پہلے جو لوگ اہل کتاب تھے ہم نے ان کو بھی یہی حکم دیا تھا اور تم کو بھی یہی حکم دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ ڈرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے احکام کی بجا آوری اور اس کے احکام کی تعمیل کرو اور اگر تم ایسا نہ کرو گے اور احکام کی مخالفت پر آمادہ ہو گے تو آسمان وزمین کی تمام چیزوں پر اس کی حکومت ہے اس کا کیا نقصان ہو سکتا ہے۔ وہ کسی کی اطاعت کا محتاج اور کسی کی عبادت کا ضرورت مند نہیں ہے۔ وہ تمام صفات کمالیہ اور صفات محمودہ سے متصف ہے۔ بلکہ جو شخص ناسپاسی اور نافرمانی کرے گا اسی کو نقصان اور ضرر پہنچے گا۔ کیونکہ آسمان اور زمین کی تمام اشیا کا وہی مالک ہے اور سب چیزیں اسی کی مملوک ہیں اور وہی اپنی مخلوق کا کارساز ہے تو ایسے مالک اور کارساز کی اطاعت کرنے سے مملوک کا فائدہ اور مالک کی مخالفت کرنے سے مملوک ہی کا نقصان ہے۔ لہٰذا اس کی مخالفت سے ڈرنا چاہیئے اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کی سعی کرنی چاہیئے۔ بعض لوگوں نے وکفی باللہ وکیلا کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ میاں بیوی کی مفارقت ہو جائے تو گھبرانا نہیں چاہیئے کیونکہ اللہ تعالیٰ سب کا کارساز ہے۔ بعض حضرات نے اور بھی کئی طرح مطلب بیان کیا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ تین بار فرمایا کہ اللہ

کا ہے جو کچھ آسمان و زمین میں ہے پہلی بار کشایش کا بیان ہے ۔ دوسری بار بے پروائی کا اگر تم منکر ہو۔ تیسری بار کارسازی کا اگر تم تقویٰ پکڑو (موضح القرآن) حضرت شاہ صاحبؒ کی مراد یہ ہے کہ اوپر تین باتوں کا ذکر ہے۔ ایک بیان میاں بیوی کی تفریق کا۔ دوسرے تقویٰ کا۔ تیسرے کفر کی برائی کا۔ اور تینوں باتوں پر اللہ تعالیٰ نے علیحدہ علیحدہ اپنی مالکیت اور اپنی حکومت کا اظہار کیا ہے۔ آگے اسی حکومت اور قدرت کا دوسرے عنوان سے اظہار فرماتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ (تسہیل)۔

بقیہ صفحہ ۱۵۷

اس لئے آگے اس کا ذکر فرماتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل ۱۳۵) اے ایمان والو! تم تمام معاملات میں پوری مضبوطی کے ساتھ انصاف پر قائم رہنے والے اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے سچی گواہی دینے والے رہو۔ یہ سچی گواہی خواہ تمہارے اپنے حق میں یا تمہارے ماں باپ کے حق میں یا تمہارے دوسرے قرابت داروں کے حق میں مضر ہی کیوں نہ ہوتی ہو اور خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ یعنی اس گواہی سے خواہ کسی کو بھی نقصان پہنچتا ہو اور گواہی کے وقت اس کا بھی خیال نہ کرو کہ فریق معاملہ کون ہے وہ فریق معاملہ کوئی مالدار ہے تب اور کوئی مفلس و نادار ہے تب بہر حال اللہ تعالیٰ ان دونوں کا تم سے زیادہ خیرخواہ ہے اور اللہ تعالیٰ کا تعلق ان دونوں کے ساتھ تم سے زیادہ ہے۔ لہٰذا تم گواہی دینے میں نفسانی خواہش کی پیروی نہ کرنا کہ کہیں تم حق اور انصاف سے ہٹ جاؤ۔ اور دیکھو! اگر تم کج بیانی کرو گے اور ہیر پھیر سے شہادت دو گے یا شہادت دینے سے پہلو تہی کرو گے تو یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ان تمام کاموں سے جو تم کرتے ہو باخبر ہے (تیسیر) حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی گواہی میں ملحوظ اصل کی خاطر نہ کرو اور محتاج پر ترس نہ کھاؤ۔ اور قرابت نہ دیکھو حق ہو سو کہو اور اگر بیچ کہا پر لی زبان سے کہ سننے کو شبہ پڑا یا تمام قصہ نہ کہا کچھ بات کام کی رکھ لی یہ بھی گناہ ہے (موضح القرآن)۔ معاملات کے بارے میں یہ آیت نہایت جامع ہے۔ معاملہ کا ادا کرنا ہو' یا کسی معاملہ کا فیصلہ کرنا ہو' یا کسی معاملہ میں اقرار کرنا ہو' یا شہادت دینا ہو' یا کسی معاملہ میں گواہی اور اظہار خیال اور اقرار وغیرہ کا تعلق اپنے یا اپنے متعلقین کے ساتھ ہو' یا معاملہ کسی امیر کا ہو' یا غریب کا ہو ان سب باتوں میں مضبوطی کے ساتھ انصاف پر قائم رہنا چاہیئے اور نفسانی خواہش کی پیروی نہ کرنا کہیں تم انصاف سے ہٹ جاؤ پھر شہادت دینے میں جس کوتاہی کا اندیشہ تھا کہ کبھی ہیر پھیر سے شہادت دو یا گواہی دینے سے ٹل جاؤ یا کچھ واقعہ بیان کرو اور کچھ چھپالو شہادت کے ان طریقوں پر بھی تنبیہ فرمائی کہ اگر کوئی ایسی حرکت کرو گے تو اللہ تعالیٰ داناتا اور بینا ہے وہ تم کو اس کی سزا دے گا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے ان تعدلوا کا جو ترجمہ کیا ہے وہ ہم نے محاورے کے متروک ہو جانے کی وجہ سے چھوڑ دیا ہے۔ پوری مضبوطی سے قائم رہنے کا مطلب یہ ہے کہ معاملہ کی خواہ کوئی صورت ہے مسلمانوں کو اس میں انصاف سے کام لینا چاہیئے اور ہمیشہ مضبوطی کے ساتھ انصاف پر قائم رہنا چاہیئے اور شہادت دینے کے وقت اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا لحاظ کرنا چاہیئے۔ شہادت کا اثر خواہ اپنے پر پڑتا ہو جیسے کسی کے حق کا اقرار کر لینا یا اپنے ماں باپ اور رشتے داروں پر اس کا اثر پڑتا ہو اور ان پر کسی کا حق ثابت ہوتا ہو بہر حال شہادت سچی ہونی چاہیئے۔ اور اقرار ٹھیک ٹھیک کرنا چاہیئے امیر غریب کا مطلب یہ ہے کہ امیر کی رعایت کسی نفع کی توقع پر یا غریب کی رعایت ترس کھا کر نہ کیجئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر امیر اور غریب کا تم سے زیادہ خیرخواہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اسی شہادت سے خوش ہوتا ہے جو سچی اور ٹھیک ہو اور اس میں کسی کی رعایت نہ کی جائے۔ مفسرین نے ان تعدلوا کو عدل اور عدول سے لیا ہے ہم نے دونوں کی رعایت کی ہے۔ اگرچہ قاضی بیضاوی کا قول اختیار کیا ہے۔ واللہ اعلم۔ اب آگے ایمان کا ذکر ہے جو اصل ہے تمام اعمال کی اور یہ بات ہم کئی دفعہ عرض کر چکے ہیں کہ قرآن کی ترتیب اور اس کا ربط کچھ اس ڈھنگ سے واقع ہوا ہے کہ متوسط درجے کے لوگ اسمیں الجھتے ہیں حالانکہ ہر آیت اپنے موقع اور قرینے کے اعتبار سے اپنی جگہ ہوتی ہے اور سلسلہ کلام ایک دوسرے کے ساتھ منسلک ہوتا ہے۔ چنانچہ اس موقعہ پر بھی احکام فرعیہ کے ساتھ آگے کی آیتوں میں ایمان کا ذکر ہے اور اس کے بعد منکرین حق کی مذمت ہے وہ منکرین حق منافقوں میں سے ہوں یا کافروں میں سے ہوں یا اہل کتاب میں سے ہوں آخر سورت تک ان ہی کا ذکر ہے۔ صرف آخر کی چند آیتوں میں ترکہ کے بعض مسائل کا بیان ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل)۔

بقیہ صفحہ ۱۵۸

بہرحال خلاصہ یہ ہے کہ آیت میں دو مرتبہ ایمان و کفر کا ذکر بطور قید نہیں ہے۔ بلکہ واقعہ کے طور پر ہے جو نزول آیت کے وقت پیش آیا تھا۔ حضرت قتادہ کا قول ہے کہ اس سے یہود مراد ہیں کہ پہلے موسیٰؑ پر ایمان لائے پھر بچھڑا پوج کر مرتد ہوئے۔ پھر توریت پر ایمان لائے۔ پھر عیسیٰؑ کے ساتھ کفر کیا پھر کفر میں بڑھتے چلے گئے یہاں تک کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفر کیا بعض حضرات نے کہا کہ اس سے تمام اہل کتاب مراد ہیں کہ ایک نبی پر ایمان لاتے اور دوسرے نبی کے ساتھ کفر کرتے اور یہاں تک کفر میں بڑھتے رہے کہ نبی آخر الزماں کیساتھ بھی کفر کیا، اور آخر میں جو یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی نہ مغفرت کرے گا نہ ان کو راستہ دکھلائے گا۔ تو اس کا مطلب بعض لوگوں نے حضرت علیؓ سے یہ نقل کیا ہے کہ ان کی توبہ قبول نہیں ہوگی۔ لیکن صحیح چیز وہی ہے جو ہم اوپر عرض کر چکے ہیں کہ مرتد ہونے کے بعد کفر پر قائم رہے اور کفر میں بڑھتے رہے یہاں تک کہ کفر پر مر گئے۔ حضرت مجاہدؒ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ حضرت علیؓ کا جو قول ہم نے نقل کیا ہے شاید اس کا مطلب یہ ہو کہ ایسے بدبخت کو جس نے ایمان اور کفر کو ایک مذاق بنا رکھا ہے اس کو توبہ کی توفیق نصیب نہ ہوگی۔ اس کا کفر اور اس کا طغیان اور استہزا بالدین اس کے لئے پردہ اور گمراہی کا موجب ہو جائے گا۔ اور اس کو صحیح راہ اور حق کا راستہ ملنے کی توفیق نہ دی جائے گی۔ اور وہ مغفرت سے محروم رہے گا یعنی۔ لم یکن اللہ غافر لہم ولا ہادیہم سبیلا۔ واللہ اعلم حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی ظاہر میں مسلمان رہے اور دل بھٹکتے رہے تو اگر آخر کو بے یقین مرے تو کافر کے برابر ہیں۔ ان کو بخشش نہیں اور ظاہر کی مسلمانی سے وہاں راہ نہ ملے گی۔ شاید ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحبؒ ان آیات کا تعلق صرف منافقین سے بیان کرنا چاہتے ہیں جیسا کہ بعض حضرات نے اختیار کیا ہے۔ واللہ اعلم بہرحال پہلی آیت میں ایمان کی تفصیل تھی اور ایمان مفصل کا بیان تھا اور تفصیلی چیزوں پر اعتقاد رکھنے اور ایمان لانے کا ذکر تھا اس کے بعد مرتدین کا ذکر فرمایا۔ اب آگے منافقین کا ذکر فرماتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ (تسہیل ۱۳۸) اے پیغمبر! آپ ان منافقین کو اس بات کی خوش خبری دے دیجئے کہ ان کے لئے آخرت میں بڑا دردناک عذاب ہے جن کا طریقہ یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا رفیق اور دوست بناتے ہیں۔ کیا یہ منافق کافروں کے پاس عزت کے جویاں ہیں اور ان کے پاس اعزاز چاہتے ہیں تو یقین جانو! اور خوب سن لو کہ عزت جتنی بھی ہے سب کی سب اللہ ہی کے قبضے میں ہے اور ہر قسم کا سب اعزاز اللہ ہی کے اختیار میں ہے (تیسیر) شاید یاد ہوگا ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ مدینہ کا دور ایک انقلابی دور تھا۔ کفار کا بتدریج زوال ہو رہا تھا اور مسلمانوں کے پاس بتدریج اقتدار آ رہا تھا۔ اسی لئے لوگوں کو اطمینان نہیں تھا۔ خالص مسلمان ایک جانب تھے اور کھلے ہوئے مخالف ایک جانب تھے۔ کچھ کمزور لوگ زمانہ کا رنگ دیکھ رہے تھے اور وہ اس کا انتظار کر رہے تھے کہ دیکھئے اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ اس لئے وہ دونوں طرف تعلقات رکھنے کی کوشش کرتے تھے کہ جس طرف غلبہ اور قوت دیکھیں گے اسی طرف ہو جائیں گے۔ وہ لوگ مسلمانوں کی مجلس میں بھی آتے تھے اور کفار سے بھی ساز باز رکھتے تھے اور ان سے بھی دوستانہ لگائے رکھتے تھے۔ ان ہی لوگوں کو اس آیت میں تنبیہ اور توبیخ ہے۔ توبیخ کو بشارت کے الفاظ میں بطور تحکم ادا فرمایا ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ عذاب کی خبر بشارت نہیں ہے جیسا کہ ہم پہلے بھی عرض کر چکے ہیں بعض لوگوں نے کہا ہے کہ بشارت ہر اس خبر کو کہتے ہیں جس سے چہرے میں تغیر واقع ہو خواہ وہ خوشی کی خبر ہو یا رنج کی بعضوں نے اور طرح توجیہ کی ہے ۔ لیکن سیدھی بات وہ ہے جو ہم نے عرض کر دی ہے اور یہ بھی ایک حاکمانہ انداز ہے کہ مجرم کو سزا کی خبر یہ کہہ کر دیتے ہیں کہ ہم تم کو بشارت دیتے ہیں کہ تم کو جیل خانے بھیجیں گے اور تم کو قید کریں گے۔ عزت کے معنی قوت اور غلبے کے ہیں۔ اور مطلب یہ ہے کہ کیا کفار کی دوستی سے ان کی خواہش یہ ہے کہ کافروں سے مل کر اور کافروں کے پاس جا کر عزت مل جائے گی اور عزت کی تلاش میں ان کو اپنا رفیق بناتے ہیں۔ تو سن لیں کہ تمام تر عزت اللہ ہی کے قبضے میں ہے۔ وہ جس کو چاہے اعزاز عطا فرمائے جیسا کہ اپنے دوستوں کو اس نے اعزاز بخشا ہے۔ وللہ العزۃ ولرسولہ وللمؤمنین ۔ اور جب ہر قسم کا اعزاز اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے تو وہ جس کو چاہے معزز فرمائے اور ظاہر ہے کہ یہ اعزاز اس نے کفار کو نہیں بخشا تو کافروں کے پاس جا کر کوئی معزز نہیں ہو سکتا بعض حضرات نے عزت کا ترجمہ اعزاز کے ساتھ کیا ہے۔ اس صورت میں اس عزت کے منافی ہے جس کا ذکر سورۂ منافقون میں آیا ہے۔ یہاں عزت سے وہ عزت مراد ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے اور سورۂ منافقون میں جو عزت ہے وہ اس معنی میں نہیں ہے اس لئے وہاں فرمایا ہے۔ وللہ العزۃ ولرسولہ وللمؤمنین ۔ واللہ اعلم۔ بہرحال منافقین چونکہ کافروں کی ہمدردی حاصل کرنے کی غرض سے ان کی مجالس میں شریک ہوتے تھے اور وہاں قرآن کے ساتھ استہزا کیا جاتا تھا اور اس قسم کی مجالس مکہ میں بھی ہوا کرتی تھیں۔ چنانچہ سورۂ انعام جو مکہ میں نازل ہوئی تھی اس میں بھی ارشاد فرمایا تھا۔ واذا رایت الذین یخوضون فی ایٰتنا فاعرض عنہم حتی یخوضوا فی حدیث غیرہ مدینہ منورہ میں اس قسم کی مجالس یہود کے ہاں ہوتی تھیں اور یہ منافق اس میں شریک ہوتے تھے اور بعض مسلمان بھی ان کے ساتھ چلے جاتے تھے ۔ اس لئے مسلمانوں کو تنبیہ فرمائی اور سابقہ حکم کا حوالہ دے کر فرمایا کہ تم اس قسم کی غیر شرعی مجالس میں شرکت نہ کرو جن میں دین حق کا مذاق اڑایا جا رہا ہو اور اس وقت تک علیحدہ رہو جب تک اہل مجلس کوئی اور گفتگو شروع نہ کریں اور جو منافقین اس قسم کی مجالس میں اپنی دلچسپی کا اظہار کرتے تھے ان کو اور کافروں

کو شامل کر کے جہنم میں داخل کرنے کا اعلان فرمایا اور منافقین کی کی مذمت فرمائی۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ (تسہیل ۳)۔

بقیہ صفحہ ۱۵۹

یعنی کیا ہم تم پر غالب نہ آ چکے تھے اور چونکہ یہ باتیں سب کفر کی ہیں گو نفاق کے پردے میں ہوں اس لئے فرمایا کہ دونوں جہنم کے مستحق ہیں منکے اور اللہ تعالیٰ کافروں اور منافقوں دونوں کو جہنم میں یکجا کر دے گا۔ بہرحال آگے قیامت کے دن ظاہری طور پر فیصلہ فرمانے کا بیان ہے اور منافقوں کے مزید حالات اور ان کی مذمت ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے تسہیل ۲ بس اللہ تعالیٰ ہی تمہارے اور انکے مابین قیامت کے دن ظاہری اور عملی فیصلہ کر دے گا۔ اور اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے مقابلے میں ہرگز برتری کی کوئی راہ نہ دے گا۔ (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ اگرچہ یہ منافق اظہار اسلام کے پردے میں آرام سے زندگی بسر کر رہے ہیں لیکن قیامت میں تمہارے اور ان کے مابین اللہ تعالیٰ فیصلہ فرما دے گا۔ اور سب کو معلوم ہو جائے گا کہ صحیح مسلمان کون ہے اور منافق کون ہے۔ وہ فیصلہ بالکل ظاہری اور عملی ہوگا۔ یعنی ادھر فیصلہ ہوا اور اُدھر اس پر عمل ہوا۔ اور اس دن اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے مقابلے میں کافروں کو کوئی غلبہ کی راہ نہ دے گا۔ یہ مطلب حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ کی تفسیر کے موافق بیان کیا گیا ہے۔ ورنہ مفسرین کے بہت سے اقوال ہیں اور ہم نے جو ظاہری اور عملی کی قید لگائی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حق و باطل کے دلائل تو اب بھی کھلے ہوئے ہیں لیکن اس دن اہل حق کے ساتھ جو سلوک ہوگا وہ بھی نمایاں ہوگا اور اہل باطل کو جو عذاب کیا جائے گا وہ بھی سب دیکھ لیں گے اور قیامت کے دن کی قید سے یہ معلوم ہوا کہ دنیا میں اگر مسلمانوں پر کافروں کو عارضی غلبہ حاصل ہو بھی جائے تو یہ مضر نہیں۔ بہرحال قیامت میں جو فیصلہ ہوگا اس میں کافروں کے لئے برتری اور فوقیت کا کوئی موقعہ نہیں۔ بعض حضرات نے ولن یجعل اللّٰہ للکٰفرین الخ کی تفسیر اس طرح کی ہے کہ کافروں کو مسلمانوں پر کوئی ایسا غلبہ نہیں دیا جائے گا جس سے کافر مسلمانوں کا استیصال کر دیں اور ان کی شرکت کو بالکل ختم کر دیں۔ بعض لوگوں نے کہا ہے جب تک مسلمان دین پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہیں گے ان پر کافروں کو غلبہ حاصل نہیں ہوگا۔ بعض نے کہا شرعاً کافروں کو مسلمانوں پر برتری نہیں ہوگی۔ مثلاً کافر مسلمان کا ولی نہیں ہوگا اور مسلمان عورت کافر کے عقد میں نہیں رہے گی۔ اگر کوئی مسلمان مرتد ہو جائے گا تو مسلم عورت کا نکاح فسخ ہو جائے گا۔ اس کے علاوہ اور بے شمار مسائل ہیں جو کتب فقہ سے معلوم ہو سکتے ہیں اور ان ہی میں سے یہ مشہور مسئلہ بھی ہے کہ کافر کا فیصلہ مسلمان پر نافذ نہ ہوگا۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص راہ حق میں ہو اور گمراہوں سے بھی بنائے رکھے یہ بھی نفاق ہے۔ (موضح القرآن) اب آگے منافقین کی دورخہ پالیسی اور اس کی مذمت ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ (تسہیل)۔

بقیہ صفحہ ۱۶۰

دوستی کر کے یہ چاہتے ہو کہ اپنے مجرم ہونے پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے صریح اور کھلی حجت قائم کر لو اور اپنے خلاف کھلا الزام واقع کر لو (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ جس طرح منافقین نے کفار کو دوست بنا رکھا ہے اور ان سے خفیہ ساز باز کرتے رہتے ہیں۔ اے مسلمانو! تم ایسا نہ کرنا کہ کفار کو اپنا رفیق اور ہمراز بنا لو کیا تمہارا مقصد یہ ہے کہ تم اپنے سر پر الزام رکھ لو اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم پر کھلی حجت قائم ہو جائے جس کا جواب تم سے بن نہ آئے۔ کفار سے موالاۃ کے سلسلے میں ہم تفصیلاً اوپر بیان کر چکے ہیں اور تیسرے پارے میں ہم نے موالاۃ اور مداراۃ کا فرق بھی بیان کر دیا تھا اور وہاں صراحتہً اس بات کا ذکر کر دیا تھا کہ کفار کے مختلف حالات ہیں اور ان ہی حالات کی بنا پر مختلف احکام ہیں۔ بہرحال کفار اور منافقین سے ان کے کفر و نفاق کی وجہ سے دوستی کرنا اور موالات رکھنا تو ہر حالت میں حرام ہے۔ لیکن اشتراک یا ظاہری تعلقات اور کسی خاص مصلحت و ضرورت کی وجہ سے اُن کی مدارات یا اُن سے تعاون اور اُن سے مصالحت اور معاہدہ یہ سب چیزیں جائز ہیں۔ اسی طرح جب مسلمان حاکم ہوں اور کفار ذمی ہوں تو اور احکام ہیں اور مسلمان محکوم ہوں تو دوسرے احکام ہیں۔ پھر حربی کافروں کا اور حکم ہے اور معاہد کا اور حکم ہے۔ یہ سب تفصیل ہم عرض کر چکے ہیں۔ یہاں چونکہ منافقین کی مذمت ہے اور منافقین کو کافروں کی دوستی سے منع کیا گیا ہے۔ اس لئے اسی قسم کی دوستی اور بطانت سے مسلمانوں کو منع کیا گیا ہے اور مدینہ کے حالات و واقعات کے پیش نظر نہایت ضروری تھا کہ خالص مسلمان کافروں کے ساتھ وہ تعلقات قائم نہ کریں جو منافقوں نے قائم کر رکھے تھے۔ بلکہ خود منافقوں سے بھی ہوشیار رہیں۔ سلطان کے معنی غلبہ۔ حجت۔ دلیل۔ رعب دبدبہ وغیرہ کے آتے ہیں۔ قرآن میں اکثر مقامات پر حجت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ خدا کی طرف سے کسی بندے پر حجت اور دلیل کا قائم ہونا اس کا مطلب وہی ہے جو ہم عرض کر چکے ہیں کہ ایسا کرنے سے اپنے مجرم ہونے اور مستوجب سزا ہونے پر خود ہی دلیل قائم کر لو گے اور جب خدا کی طرف سے تم پر حجت قائم ہو جائے گی تو پھر کوئی عذر قابل سماعت نہ ہوگا۔ آگے کی آیت میں منافقین کی سزا کا ذکر ہے۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں۔ (تسہیل) ۲ یقین جانو! کہ منافق جہنم کے سب سے نیچے طبقے میں جائیں گے اور اے مخاطب تو ان کے لئے ہرگز کوئی مددگار نہ پائے گا جو ان کو اس سزا سے بچا سکے۔ مگر ہاں وہ لوگ اس عذاب سے مستثنیٰ ہیں جو نفاق سے توبہ کریں اور اپنے معاندانہ برتاؤ کی اصلاح کر لیں اور کافروں کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ پر پورا اعتماد اور توکل رکھیں اور اپنے دین کو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لئے خالص کر لیں۔ یعنی دین کے جو اعمال کریں وہ خالص اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے کریں۔ تو ایسے توبہ کرنے والے لوگ کامل مومنوں کے ہمراہ ہوں گے اور عن قریب ان کامل مومنین کو اللہ تعالیٰ بہت بڑا صلہ اور اجر عطا فرمائے گا اور جو لوگ ان کے ہمراہ ہوں گے ان کو اجر عظیم ملے گا اور تم یہ تو سوچو کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کے شکر گزار رہو اور تم ایمان لے آؤ تو وہ تم کو عذاب کر کے اور سزا دے کر کیا کرے گا۔ یعنی اس کو کیا پڑی ہے کہ وہ تم کو خواہ مخواہ سزا دے حالانکہ اللہ تعالیٰ بڑا قدر شناس اور خدمت کی قدر کرنے والا اور سب کی حالت کو خوب جاننے والا ہے (تیسیر) درک طبقہ جہنم کے مختلف طبقات میں سب سے نیچے کے طبقہ کا نام ہاویہ ہے غالباً اسی طرف اشارہ ہے۔ دوزخ کے طبقات یہ ہیں۔ جہنم۔ لظیٰ حطمۃ۔ سعیر۔ سقر جحیم۔ ہاویہ بہرحال منافقوں کو ہاویہ میں رکھا جائے گا۔ لیکن ہر گناہ کے لئے توبہ ہو سکتی ہے۔ اس لئے تائبین کو مستثنیٰ فرما دیا۔ منافق میں نفاق تو اصل مبنیٰ ہے اور نفاق کی وجہ سے مسلمانوں کے ساتھ دشمنی اور عناد بھی ہے۔ پھر کفار سے دوستی اور کفار پر بھروسہ ہوتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسہ نہیں رہتا تو اخلاص فی الدین ختم ہو جاتا ہے اور ان باتوں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قیامت میں یہ اسلام کچھ کام نہیں آتا اور ظاہری اسلام کا دعویٰ بے کار ہو جاتا ہے اور مخلص مسلمانوں کی معیت نصیب نہیں ہوتی اور مسلمانوں کو جو اجر ملنے والا ہے اس میں شرکت سے محروم رہتے ہیں۔ اسی مناسبت سے یہ ترتیب بیان فرمائی کہ نفاق جو اصل ہے تمام امراض کی اس سے پہلے توبہ کرو پھر مسلمانوں کے ساتھ جو غیر شریفانہ برتاؤ ہے اس کی اصلاح کرو۔ اور کفار کی دوستی کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کا دامن پکڑو اور اسی پر بھروسہ رکھو۔ اور اخلاص فی الدین اختیار کرو۔ یعنی دین کا جو کام کرو اس میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور خوشنودی پیش نظر رکھو۔ جب نفاق دور ہوگا اور یہ خوبیاں پیدا ہو جائیں گی تو جہنم کی سزا سے محفوظ رہو گے اور قیامت میں مخلص مسلمانوں کی معیت اور ہمراہی کی دولت نصیب ہوگی اور جب مسلمانوں کے ہمراہ ہو گے تو جو سلوک مسلمانوں کے ساتھ ہوگا وہی تمہارے ساتھ ہوگا۔ سبحان اللہ کیا ترتیب ہے۔ آخر میں اس بات پر تنبیہ فرمائی کہ دو باتیں اگر بندوں کی جانب سے ہوں ایک ایمان۔ اور ایک شکر، تو ہم کو کیا پڑی کہ ہم ان کو عذاب کریں۔ شکر سے مراد اعمال صالحہ ہیں۔ بعض لوگوں نے ایمان کو شکر کا عطف تفسیری قرار دیا ہے اور یہ مطلب لیا ہے کہ ایمان کامل کے اگر پابند رہو تو اللہ تعالیٰ عذاب کر کے کیا کرے گا۔ نتیجے کے اعتبار سے دونوں کا حاصل ایک ہی ہے۔ ایمان کامل بھی وہی ہے جس کے ساتھ اعمال صالحہ ہوں۔ غرض مومن شاکر کو عذاب سے مامون فرمانا اور یہ بتانا مقصود ہے کہ عذاب سے ہمارا کچھ فائدہ اور نہ عذاب کے ترک سے ہمارا کوئی نقصان۔ اگر تم حکم کی تعمیل کرو گے تو سزا سے محفوظ رہو گے۔ ان دو جملوں میں تمام دین کا خلاصہ آگیا ایمان میں تمام عقائد آگئے اور شکر میں اوامر کا بجا لانا اور نواہی سے بچنا آگیا۔ شاکراً علیماً کا یہ مطلب ہے کہ ہمارے ہاں خدمت گزاروں کی بڑی قدر ہے۔

ف اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ کوئی کسی کو علانیہ بُرا کہتا پھرے مگر ہاں وہ شخص کہ جس پر ظلم کیا گیا ہو یعنی اگر مظلوم اپنے ظالم کی نسبت کچھ شکایت وغیرہ کا اظہار کرے تو گناہ نہیں اور اللہ تعالیٰ مظلوم کی خوب سننے والا اور ظالم کے ظلم کو خوب جاننے والا ہے۔ اگر تم علانیہ کوئی بھلا کام کر دیا اُس کو خفیہ کر دیا کسی کی برائی کو معاف کر دو تو یقین جانو! کہ اللہ تعالیٰ بڑا درگزر اور معاف کرنے والا اور بڑی قدرت والا ہے (تیسیر) حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی کسی میں عیب دین یا دنیا معلوم کرے تو اُس کو مشہور نہ کرے کیونکہ اللہ سنتا اور جانتا ہے وہ ہر کسی کی جزا دے گا اسی کو غیبت کہتے ہیں اس میں مظلوم کو روا ہے کہ ظالم کا ظلم بیان کرے اسی طرح اور بھی کئی مقام میں غیبت روا ہے یہ حکم شاید اس پر فرمایا کہ منافق کا نام مشہور نہ کرے جیسے حضرت نے مشہور نہیں کیا اس میں اُس کا دل زیادہ بگڑتا ہے مبہم نصیحت کرے منافق آپ سمجھ لے گا اس میں شاید ہدایت پاوے (موضح القرآن) آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ بات ناپسند اور اُس کے نزدیک مبغوض ہے کہ کسی شخص کی بُرائی کا تذکرہ اور چرچا کیا جائے اور کسی کی شکایت کی جائے البتہ اگر کوئی مظلوم ہو اور کسی پر زیادتی کی گئی ہو تو وہ اس ظالم اور زیادتی کرنے والے کی شکایت کرسکتا ہے اور اس قسم کی شکایت کرنے والے کو کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ سمیعاً علیماً کا مطلب اگرچہ عام ہے مگر موقع کی مناسبت سے ہم نے تیسیر میں مظلوم کی بات خوب سنتا اور ظالم کے ظلم کو خوب جانتا ہے کر دیا۔ اور چونکہ وہ مظلوم کی بات اور اُس کی شکایت کو سنتا ہے تو اس لئے شکایت میں احتیاط کرنی چاہئے اور خلاف واقعہ کوئی بات نہیں کہنی چاہئے پھر فرمایا کہ ہر چند ظلم و زیادتی کرنے والے کی شکایت اور شکوہ روا ہے لیکن اگر تم کوئی نیک کام علانیہ کر دیا خفیہ کر دیا زیادتی کرنے والے کی برائی کو معاف ہی کر دو تو یہ بہت اچھی بات ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ بھی بڑا معاف کرنے والا ہے اور وہ بڑی قدرت رکھنے والا ہے یعنی اپنے مخالف سے انتقام لینے کی قدرت رکھنے کے باوجود معاف کر دیتا ہے۔ تو تم اللہ تعالیٰ کے اخلاق اور اُس کی تہذیب اختیار کرو۔ اگرچہ خیر میں بھی مظلوم سے [illegible] داخل تھا کیونکہ کسی کی زیادتی کو معاف کرنا یہ بھی کار خیر ہی ہے لیکن پھر خصوصیت کیساتھ فرمایا۔ او تعفوا عن سوء۔ کہ اگر بُرائی کو بالکل ہی معاف کر دو اور کوئی شکوہ شکایت نہ کرو اور صبر سے کام لو تو یہ اچھا ہے۔ اور جہر بالسوء کا یہ مطلب نہیں کہ شکوہ اور شکایت بلند ہی آواز سے کی جائے بلکہ ہلکی آواز سے کچھ کہا جائے تو اس کا بھی یہ حکم ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے آیت کو غیبت پر حمل کیا ہے شاہ صاحبؒ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت میں حصر حقیقی نہیں بلکہ حصر اضافی ہے اسی لئے علما نے کہا ہے کہ اگر کسی شخص سے دینی یا دنیوی ضرر پہونچتا ہو تو اُس سے بھی لوگوں کو مطلع کر دینا چاہئے غرض بلا ضرورت شرعی اور بلا کسی مصلحت کے کسی شخص کی بدگوئی اور عیب بیانی جائز نہیں حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھا کر فرمایا ہے کہ جس مظلوم نے اپنے ظالم کو معاف کر دیا تو اللہ تعالیٰ مظلوم کی عزت اور بلند کر دے گا۔ ابن عمرؓ کی روایت میں ہے کہ حضور سے کسی نے دریافت کیا یا رسول اللہؐ میں اپنے خادم کی غلطیوں کو کتنی مرتبہ معاف کیا کروں آپؐ نے فرمایا ہر دن میں ستر مرتبہ درگزر کیا کر۔ اس روایت کو ترمذی ابوداؤد اور ابویعلی نے نقل کیا ہے۔ حضرت مقاتل نے کہا یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے واقعہ یہ ہے کہ ایک شخص ابوبکرؓ کے روبرو اُن کو بُرا بھلا کہہ رہا تھا ابوبکرؓ خاموش تھے حضورؐ بھی تشریف رکھتے تھے۔ پھر ابوبکرؓ نے بھی اُس کو جواب دینا شروع کیا تو حضورؐ مجلس سے اٹھ کر چلے گئے۔ بعد میں ابوبکرؓ نے دریافت کیا یا رسول اللہؐ جب تک میں خاموش سنتا رہا تو آپ تشریف فرما رہے اور جب میں نے مدافعت میں کہنا شروع کیا تو آپ تشریف لے گئے۔ حضورؐ نے فرمایا جب تک تو خاموش رہا تو ایک فرشتہ تیری طرف سے اُس کو جواب دے رہا تھا اور جب تو نے خود جواب دینا شروع کیا تو فرشتہ چلا گیا اور اُس کی جگہ شیطان آ گیا اس لئے میں چلا گیا۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ اُس مہمان کو حق دیا ہے کہ جس کا میزبان اُس کی مہمان نوازی نہ کرے تو ایسے مہمان کو یہ حق ہے کہ وہ میزبان کی شکایت کرسکتا ہے۔ (باقی ضمیمہ میں)

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ

اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا کہ کوئی کسی کو علانیہ بُرا کہے

اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ﴿١٤٨﴾ اِنْ

مگر ہاں وہ شخص جس پر ظلم کیا گیا ہو اور اللہ تعالیٰ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔ اگر

تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْۗءٍ فَاِنَّ

تم علانیہ کوئی بھلائی کرو یا اُس کو خفیہ کرو یا کسی بُرائی کو معاف کر دو تو اللہ بھی

اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ﴿١٤٩﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ

بڑا معاف کرنے والا اور بڑی قدرت والا ہے ف بے شک جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول کے ساتھ

بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ

کفر کرتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے اور اُس کے رسولوں کے مابین

اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ

فرق کریں اور یوں کہتے ہیں کہ ہم بعض پیغمبروں کو تسلیم کرتے ہیں اور بعض کو

بِبَعْضٍ ۙ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ

نہیں مانتے اور یوں چاہتے ہیں کہ وہ کفر اور ایمان کے بین بین کوئی راہ

سَبِيْلًا ﴿١٥٠﴾ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا

اختیار کریں۔ تو ایسے لوگ یقیناً کافر ہیں اور کافروں کے لئے

لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿١٥١﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ

ہم نے ذلیل و رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے ف اور ہاں جو لوگ اللہ پر اور اُس کے تمام

وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰۗىِٕكَ

رسولوں پر ایمان لائے ہیں اور ان رسولوں میں سے کسی میں فرق نہیں کرتے تو ایسے

سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿١٥٢﴾

لوگوں کو اللہ تعالیٰ بہت جلد اُن کے اجر عطا فرمائیگا اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا اور بڑی مہربانی کرنے والا ہے

منزل ١

ف اے پیغمبر آپ سے اہل کتاب یہ مطالبہ اور سوال کرتے ہیں کہ آپ اُن کے لئے آسمان سے ایک کتاب اُتار لائیں یعنی ایسی لکھی ہوئی کتاب جیسے حضرت موسیٰؑ پر توریت نازل ہوئی تھی۔ سوائے پیغمبر آپ اُن کے اس مطالبہ کو عجیب نہ سمجھیں اور اس پر تعجب نہ کریں یہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس سوال سے بڑھ کر سوال کر چکے ہیں انھوں نے تو اُن سے یہ کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو ہمیں کھُلم کھُلا اور بلا حجاب دکھا دے چنانچہ اس پر اُن کو ایک سخت کڑاکے کی بجلی نے آپکڑا پھر اسی مطالبہ پر کیا موقوف ہے اُنھوں نے تو بعد اس کے کہ ان کے پاس واضح دلائل اور کھلے معجزات آچکے تھے ایک مخصوص بچھڑے کو معبود تجویز کر لیا تھا پھر ہم نے اس کو معاف کر دیا تھا اور اُن کی اس حرکت کو درگزر فرما دیا تھا اور ہم نے موسیٰ کو صریح غلبہ اور کھلی حجت عطا کی تھی (تیسیر) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہود کے علماء نے یہ مطالبہ کیا تھا کہ آپ ہمارے روبرو آسمان پر جائیں اور وہاں سے ایک لکھی لکھائی کتاب ہماری ہدایت کے لئے لے آئیں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کتاب سے مراد خط ہو۔ جیسا کہ بعض روایات میں آیا ہے کہ یہود نے یہ کہا تھا کہ ہر شخص کے نام اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ایک خط لاؤ جس میں یہ لکھا ہوا ہو کہ محمد ہمارا فرستادہ ہے اس پر ایمان لاؤ اس سوال پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو جو رنج اور قلق ہوا اس پر بطور تسلی فرمایا کہ تم اس مطالبہ کو کچھ عجیب نہ سمجھو یہ تو موسیٰؑ سے اللہ تعالیٰ کو دنیا میں بلا حجاب اور کھلم کھلا دیکھنے کا مطالبہ کر چکے ہیں۔ اور پھر اللہ تعالیٰ کو تو خیر جنت میں لوگ دیکھیں گے بھی اور خدا کے دیدار سے مشرف بھی ہوں گے۔ یہ تو شرک جیسی نامعقول حرکت کا ارتکاب کر چکے ہیں۔ جو ہر معقول انسان کے نزدیک غلط اور نامعقول ہے یہ اس کا بھی ارتکاب کر چکے ہیں اور شرک کا ارتکاب بھی اُنھوں نے اس حالت کے بعد کیا جبکہ اُن کے پاس کھلے دلائل اور واضح معجزات آچکے تھے۔ مثلاً موسیٰؑ کا عصا ید بیضا۔ فلق بحر وغیرہ اور ثمہ یہاں ترتیب زمان کیلئے نہیں ہے کیوں کہ بچھڑے کو معبود بنایا رؤیت کے سوال سے پہلے کا ہے اور حضورؐ کے زمانے میں جو یہود تھے اُن کی طرف بچھڑے کی پرستش کو اور رؤیت کے سوال کو منسوب کرنے کا مطلب یہ ہے کہ یا تو فرقہ کی وجہ سے نسبت کی گئی ہے اور یا اس وجہ سے کہ یہ لوگ اپنے بزرگوں کی اُن بے ہودگیوں پر خوش تھے۔ اسی وجہ سے اُن کی طرف منسوب کیا گیا۔ سلطان کا ترجمہ یہاں غلبہ اور حجت بیان کیا گیا ہے اور بعض نے رعب بھی کیا ہے مطلب یہ ہے کہ نہ دلیل اور رعب و دبدبہ سے قائل ہوتے تھے اور نہ اللہ تعالیٰ کی معافی اور درگذر کرنے سے متاثر ہوتے تھے۔ اب آگے یہود کے اور واقعات کا ذکر ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل)

ف ۲ اور ہم نے ان لوگوں سے عہد و پیمان اور قول و قرار لینے کے لئے طور پہاڑ کو اُٹھا کر اُن کے سروں پر معلق کر دیا تھا اور ہم نے اُن کو یہ حکم دیا تھا کہ بیت المقدس کے باب میں عاجزی کے ساتھ کمر کو جھکاتے ہوئے داخل ہونا اور ہم نے اُن کو یہ بھی حکم دیا تھا کہ دیکھو تم کو جو ہفتہ کے دن شکار کی ممانعت کی گئی ہے اُس میں حدِ شرع سے تجاوز اور زیادتی نہ کرنا اور ہم نے اُن سے بہت ہی پختہ اور مضبوط قول و قرار اور عہد و پیمان لیا تھا (تیسیر) یہ وہی واقعات ہیں جو کم و بیش پہلے پارے میں گذر چکے ہیں یہاں دوسری مناسبت سے اُن کی طرف مختصراً اشارہ فرمایا ہے جب اُن کو توریت ملی تو انھوں نے اس کے قبول کرنے سے انکار کیا اس پر اللہ تعالیٰ نے ان پر طور کو معلق کر دیا یہ اس حالت کو دیکھ کر سجدے میں گر گئے مگر ایک آنکھ سے پہاڑ کو دیکھتے رہے ان سے کہا گیا جو احکام اور کتاب ہم نے تم کو دی ہے اُس کو قبول کرو یہ زبان سے تو کہتے رہے کہ ہم نے قبول کیا مگر دل سے انکار کرتے رہے۔ دوسرا واقعہ ارض تیہ سے نکلتے وقت پیش آیا جب انھوں نے مختلف غذاؤں کی درخواست کی تو اُن سے کہا گیا کہ جاؤ شہر میں داخل ہو۔ بیت المقدس۔ یا اریحا۔ یا ایلیا میں داخل ہوتے وقت اُن کو حکم ملا تھا کہ عاجزی کے ساتھ کمر کو جھکائے ہوئے یا نماز پڑھتے ہوئے دروازے میں داخل ہونا اور حطۃ کہتے ہوئے جانا انھوں نے اس حکم کی بھی خلاف ورزی کی۔ تیسرا واقعہ مچھلی کے شکار کا ہے کہ ان پر مچھلی کا شکار ہفتہ کے روز ممنوع تھا ان کو کہا گیا تھا کہ ہفتہ کے دن شکار نہ کرنا۔ مگر انھوں نے اس میں حد سے تجاوز کیا اور سؤر و بندر بنا دیئے گئے۔ واخذنا منھم میثاقا غلیظا کا مطلب یا تو

(باقی صفحہ ۱۶۳ پر)

يَسْـَٔلُكَ أَهْلُ الْكِتٰبِ أَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ

آپ سے اہل کتاب یعنی یہود یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ آپ اُن کیلئے آسمان سے ایک کتاب

السَّمَآءِ فَقَدْ سَأَلُوا مُوسٰىٓ أَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوٓا

اُتار لائیں یہ تو حضرت موسیٰؑ سے اس مطالبہ سے بھی بڑھ کر مطالبہ کر چکے ہیں

أَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَأَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ج

انھوں نے تو موسیٰؑ سے یہ کہا تھا کہ ہمیں اللہ کو کھلم کھلا دکھلا دے پھر اُنکی ایسی زیادتی اور ظلم کے باعث سخت کڑاک کی بجلی نے انہیں

ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ

آپکڑا پھر ان یہود نے باوجود اس کے کہ اُن کو واضح دلائل پہونچ چکے تھے ایک مخصوص بچھڑے کو معبود بنا لیا تھا

فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ج وَاٰتَيْنَا مُوسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۵۳﴾

اس پر بھی ہم نے اُن کی اس حرکت کو معاف فرما دیا اور ہم نے موسیٰؑ کو صریح غلبہ دیا تھا ف ۱

وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا

اور ہم نے ان سے عہد لینے کے لئے کوہ طور کو اٹھا کر اُن پر معلق کر دیا تھا اور ہم نے اُن کو یہ حکم دیا تھا

الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ وَ

کہ دروازے میں عاجزی سے کمر کو جھکائے ہوئے داخل ہونا اور انکو یہ بھی حکم دیا تھا کہ ہفتہ کے دن میں زیادتی

أَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۱۵۴﴾ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ

نہ کرنا اور ہم نے اُن سے بہت ہی مضبوط عہد لیا تھا ف ۲ آخر کار ہم نے اُن کو اُن کی عہد شکنی

وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْأَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّ

اور احکام الٰہی سے منکر ہوگئے اور پیغمبروں کو ناحق قتل کرنیکی وجہ سے مختلف سزاؤں میں مبتلا کیا اور

قَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ط بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ

نیز اُن کے اس کہنے کی وجہ سے کہ ہمارے دل محفوظ ہیں نہیں بلکہ اُنکے کفر کے باعث اللہ تعالیٰ نے انکے دلوں پر مہر لگا دی ہے

فَلَا يُؤْمِنُوْنَ إِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۵۵﴾ ص وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ

لہٰذا وہ ایمان نہ لائیں گے مگر بہت کم۔ اور نیز اُن کے کفر کی وجہ سے اور اس وجہ سے کہ اُنھوں نے

(بقیہ صفحہ ۱۶۲) یہ ہے کہ ہم نے توریت کے احکام ماننے پر اُن سے پختہ عہد لیا اور یا یہ مطلب ہے کہ اس عہد کے علاوہ اور بھی بہت سی باتوں پر ان سے پختہ اور مضبوط قول و قرار لیا اب آگے ان کی عہد شکنی اور بہتان طرازی وغیرہ کا ذکر ہے اور ان کی غلط بیانیوں کا رد اور انکی سزائیں مذکور ہیں چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل) ف آخر کار جب یہ لوگ اپنی نافرمانیوں سے باز نہ آئے تو ہم نے ان کی عہد شکنی اور احکام الٰہی کے ساتھ اُن کے کفر و انکار کرنے اور انبیاء علیہم السلام کو قتل کرنے کے باعث جو کہ اُن کے نزدیک بھی ناحق اور ناروا تھا مختلف سزاؤں میں اُن کو مبتلا کیا۔ اور نیز اُن کے اس کہنے کی وجہ سے کہ ہمارے دل ایسے محفوظ ہیں کہ ان میں اسلام کی کوئی بات اثر و نفوذ ہی نہیں کر سکتی۔ نہیں یہ بات نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی کافرانہ روش کے باعث اُن کے دلوں پر مہر کر دی ہے اور بند لگا دیا ہے لہٰذا وہ ایمان نہ لائیں گے مگر بہت کم اور ہم نے اُن کو مختلف سزاؤں میں اُنکے کفر کی وجہ سے بھی کہ انھوں نے تفسیر صفحہ ہٰذا حضرت مریم پر بڑے بہتان کی بات دھری مبتلا کیا اور نیز اُن کے اس کہنے کی وجہ سے کہ ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم کو جو اللہ کا رسول تھا قتل کر ڈالا حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ نہ تو یہود نے حضرت عیسیٰؑ کو قتل کیا اور نہ اُن کو سولی دیا اور نہ سولی پر چڑھایا بلکہ اُن کو اشتباہ ہوگیا اور اُن پر واقعہ کی حقیقت مشتبہ ہوگئی اور جو لوگ اہل کتاب میں سے حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں اور جو یہود و نصاریٰ اُن کے بارے میں مختلف باتیں کہتے ہیں وہ دراصل اس کے متعلق شک میں پڑے ہوئے ہیں اور غلط خیالی میں مبتلا ہیں ان شک کرنے والوں کے پاس سوائے تخمینی اور ظنی باتوں کی پیروی کرنے کے اور کوئی صحیح علم اور صحیح دلیل نہیں ہے اور یہود نے یقیناً حضرت عیسیٰ کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اُس کو اپنی طرف اُٹھا لیا اور اللہ تعالیٰ کمال قوت اور کمال حکمت کا مالک ہے کہ اُس نے اپنی قوت کے بل پر یہود کے ہاتھ سے عیسیٰ کو بچا لیا اور اپنی حکمت بالغہ کی وجہ سے اُن کو آسمان پر رکھا اور زمین پر نہ چھوڑا (تیسیر) آیت میں اُن تمام اسباب و علل کا ذکر فرمایا ہے جن کی وجہ سے یہود مختلف سزاؤں میں گرفتار کئے گئے تھے۔ وہ مختلف سزائیں سورۂ بقرہ میں گذر چکی ہیں اور انکا ذکر سورۂ مائدہ میں بھی انشاء اللہ آئے گا۔ جیسے۔ مسخ۔ لعنت دھتکار۔ مسکنت و ذلت۔ غضب الٰہی وغیرہ۔ ان سزاؤں کے اسباب میں سے بعض یہاں مذکور ہیں اور بعض اور آگے بیان ہوں گے۔ نقضِ عہد تو اُن کا عام شیوہ تھا۔ عہد سے مراد یا تو وہ عہود ہیں جو بار بار حضرت موسیٰؑ سے کیا کرتے تھے۔ یا توریت کے احکام کی طرف اشارہ ہے اور یا وہی فطری عہد ہے کہ ہر انسان محسن اور خالق کی فرماں برداری پر فطرتاً پابند ہے۔ اگرچہ نقضِ عہد اتنا جامع لفظ ہے کہ باقی امور سب اُس میں داخل ہیں کیوں کہ ہر گناہ اور ہر نافرمانی نقضِ عہد ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اُن کو علیحدہ علیحدہ بھی بیان فرمایا جن سے اُن کے نقضِ عہد کی تفصیلات اچھی طرح ظاہر ہوگئیں اور اُن کا کفر و فسق اچھی طرح نمایاں ہوگیا آیات اللہ کے منکر احکام الٰہی کا انکار کریں احکام کے ساتھ کفر کریں اور کہیں کہ فلاں حکم نہیں مانتے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ یہ برتاؤ کہ اُن کے کفر سے بڑھتے بڑھتے اُن کو قتل تک کر ڈالتے اور قتل بھی یہ سمجھتے ہوئے کرتے کہ انبیاء کا قتل کرنا حرام اور ناحق ہے۔ اہل کتاب ہونے کی وجہ سے اُن کو یہ معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ کے فرستادوں کو قتل کرنا حرام ہے۔ مگر چونکہ بے باکی اور جرأت حد سے بڑھی ہوئی تھی اس لئے ناحق جانتے ہوئے بھی انبیاء کو قتل کر دیا کرتے تھے۔ غلف کا مطلب ہم اوپر عرض کر چکے ہیں۔ استہزاءً کہا کرتے تھے کہ ہمارے قلوب اقلف ہیں۔ یعنی غیر ختنہ شدہ۔ ہر قسم کی ظاہری آلائش اور خاک و باد وغیرہ سے بالکل محفوظ ہیں۔ لہٰذا اُن پر اسلامی تبلیغ کا کوئی اثر نہیں اور وہ اسلام کی خرابیوں سے محفوظ و مصئون رہتے ہیں۔ حضرت حق نے بطور اعراض جواب دیا کہ ان کے قلب کچھ قدرتی طور پر پردوں سے ڈھکے ہوئے نہیں ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی مسلسل نافرمانیوں اور اُن کے کفر پیہم کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے کہ اب امر حق اُس مہر کی وجہ سے اُن کے قلوب تک پہونچ ہی نہیں سکتا۔ اور یہی وہ سزا کا آخری حصہ ہے جو دنیا ہی میں شروع ہو جاتا ہے۔ اور مریض کی یہی وہ حالت ہے کہ جب طبیب اس کے (باقی ضمیمہ میں)

عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيمًا ﴿۱۵۶﴾ وَّقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ

مریم کی نسبت بہت بڑے بہتان کی بات کہی۔ اور نیز ان کے اس کہنے کی وجہ سے کہ ہم نے حضرت مسیح

عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا

عیسیٰؑ ابن مریم کو قتل کر دیا جو اللہ کا رسول تھا حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ نہ تو یہود نے اُن کو قتل کیا اور نہ

صَلَبُوهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۚ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا

اُن کو سولی دی بلکہ ان پر واقعہ کی حقیقت مشتبہ ہوگئی اور جو لوگ یعنی یہود و نصاریٰ عیسیٰؑ کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں

فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ ۚ مَا لَهُم بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ

وہ دراصل اس کے متعلق شک میں پڑے ہوئے ہیں ان اختلاف کرنے والوں کے پاس سوائے تخمینی باتوں کی پیروی کرنے کے

الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا ﴿۱۵۷﴾ بَل رَّفَعَهُ اللّٰهُ إِلَيْهِ ۚ

اور کوئی صحیح علم نہیں ہے اور یہود نے یقیناً حضرت عیسیٰ کو قتل نہیں کیا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰؑ کو اپنی طرف اٹھا لیا

وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿۱۵۸﴾ وَإِن مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ

اور اللہ تعالیٰ بڑی قوت اور بڑی حکمت کا مالک ہے ف اور اہل کتاب میں سے کوئی ایک شخص بھی ایسا نہ رہیگا

إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ ۖ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُونُ

جو حضرت عیسیٰؑ کی موت سے پہلے حضرت عیسیٰؑ کی تصدیق نہ کرلے اور قیامت کے دن حضرت عیسیٰؑ

عَلَيْهِمْ شَهِيدًا ﴿۱۵۹﴾ فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِينَ هَادُوا

اہل کتاب کے خلاف گواہ ہوں گے ف آخر کار یہود کے انہی جرائم کے باعث ہم نے

حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ أُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ

وہ پاکیزہ چیزیں جو اُن کیلئے حلال تھیں اُن پر حرام کر دیں اور اس وجہ سے بھی کہ وہ بہت لوگوں کو

عَن سَبِيلِ اللّٰهِ كَثِيرًا ﴿۱۶۰﴾ وَأَخْذِهِمُ الرِّبَا وَقَدْ نُهُوا

اللہ کی راہ سے روکتے تھے۔ اور نیز ان کے سود لینے کی وجہ سے حالانکہ اُن کو سود لینے کی ممانعت کیجا چکی تھی

عَنْهُ وَأَكْلِهِمْ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ۚ وَأَعْتَدْنَا

اور نیز لوگوں کے مال ناجائز طور پر کھا جانے کی وجہ سے اور ہم نے ان میں سے اُن لوگوں کیلئے جو کفر پر

منزل ۱

ف لیکن ان یہودیوں سے وہ لوگ جو علم دین میں پختہ اور مضبوط ہیں اور جو اُن میں ایمان لانیوالے ہیں کہ یہ سب اُس کتاب پر ایمان لائے ہیں جو آپ کی جانب بھیجی گئی ہے اور اُن کتابوں پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو آپ سے پہلے نازل ہو چکی ہیں یعنی دوسرے انبیاء پر جو نازل ہوئی ہیں جیسے توریت انجیل وغیرہ اور جو اُن میں نماز کی پابندی کرنے والے ہیں اور جو اُن میں زکوٰۃ کے ادا کرنے والے ہیں اور جو اُن میں اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن یعنی قیامت پر اعتقاد رکھنے والے ہیں تو ایسے لوگوں کو ہم ضرور بہت بڑا اجر عطا فرمائیں گے (تیسیر) جو لوگ یہودیوں سے مسلمان ہو گئے تھے جیسے عبداللہ بن سلامؓ اور ثعلبہ بن سعیدؓ اور زید بن سعیدؓ اور اُسید بن عبیدؓ وغیرہ اُن کی تعریف کی گئی ہے۔ اور اجر عظیم کا وعدہ اعمال صالحہ کے ساتھ مشروط رکھا گیا ہے۔ ورنہ نفس نجات کے لئے تو وہی عام قاعدہ ہے کہ توحید و رسالت پر ایمان رکھنے سے حاصل ہو سکتی ہے۔ سنؤتیھم کے سین کو کسی نے تاکید کا قرار دیا ہے اور کسی نے مستقبل قریب کیلئے لیا ہے ہم نے ترجمہ اور تفسیر میں دونوں کی رعایت رکھی ہے۔

لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿١٦١﴾ لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ

قائم رہنے والے ہیں دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے ف۱ لیکن ان میں سے وہ اہل کتاب جو علم میں

فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ

پختہ ہیں اور وہ جو مسلمان ہیں کہ یہ اُس کتاب پر ایمان رکھتے ہیں جو آپ کی جانب نازل

اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ

ہوئی ہے اور اُن کتابوں پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو آپ سے پہلے نازل ہوئی ہیں اور وہ نماز کی پابندی کرنیوالے

وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ

اور زکوٰۃ ادا کرنے والے ہیں اور وہ جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان

الْاٰخِرِ ؕ اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿١٦٢﴾ ع اِنَّآ

رکھنے والے ہیں ایسے لوگوں کو ہم عنقریب اجر عظیم عطا فرمائیں گے ف۱ اے نبی ہم نے

اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ

آپ کی طرف ایسی ہی وحی بھیجی ہے جیسی وحی ہم نے نوحؑ اور نوحؑ کے بعد آنے والے پیغمبروں کی طرف

بَعْدِهٖ ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ

بھیجی تھی اور جیسا کہ ہم نے ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ اور اسحٰقؑ

وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِيْسٰى وَاَيُّوْبَ وَيُوْنُسَ

اور یعقوبؑ اور اولاد یعقوبؑ اور عیسیٰؑ اور ایوبؑ اور یونسؑ

وَهٰرُوْنَ وَسُلَيْمٰنَ ۚ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿١٦٣﴾ ۚ وَ

اور ہارونؑ اور سلیمانؑ کی جانب وحی بھیجی تھی اور اسی طرح ہم نے داؤدؑ کو زبور عطا فرمائی اور

رُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ

اسی طرح ہم نے بہت سے ایسے رسولوں کو بھی صاحب وحی بنا کر بھیجا جن کا حال اس سے قبل ہم آپ سے بیان کر چکے ہیں اور ایسے رسولوں کو بھی

نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ؕ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ﴿١٦٤﴾ ۚ

جن کا ذکر ابھی تک ہم نے آپ سے نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ سے خاص طور پر گفتگو کی ف۲

ع ۲۲ ۱۰ ۲

والمقیمون کی بجائے مشہور قرأت والمقیمین ہے اور بطور مدح کے نصب اختیار کیا گیا ہے جیسا کہ کلام عرب سے واقف لوگوں پر مخفی نہیں ہے۔ قرآن میں اور کئی جگہ پر بھی یہ صورت اختیار کی گئی ہے اب آگے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء کی نبوت کا اثبات ہے اور بعثت انبیاء کی حکمت کا بیان ہے اور اُن لوگوں کی غلطی کا اظہار ہے جو نئے نئے سوالات کرتے ہیں اور نئے نئے معجزات طلب کرتے ہیں۔ آگے آیتوں کا تعلق اس میں یسئلك اهل الكتاب کے ساتھ ہے اور یہود کے اُن بے ہودہ سوالات کے ساتھ تعلق ہے جو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بطور شرارت کیا کرتے تھے اور اپنے سوالات کے پورا ہونے کو آپ کی نبوت کے صدق کا معیار قرار دیا کرتے تھے۔ اس کا جواب ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نئے نبی نہیں ہیں اور نہ انکی وحی کوئی نئی وحی ہے بلکہ یہ تو ایک سلسلہ ہے جو برابر یکے بعد دیگرے چلا آتا ہے پھر ان سے نئے نئے سوال کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل) ف۲۔ اے پیغمبر! ہم نے آپ کے پاس ایسی ہی وحی بھیجی ہے جیسے ہم نے حضرت نوح علیہ السلام کے پاس بھیجی تھی اور ان نبیوں کے پاس بھیجی تھی جو نوحؑ کے بعد ہوئے ہیں اور جیسا کہ ہم نے ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ اور اسحاقؑ اور یعقوبؑ اور یعقوبؑ کی اولاد میں جو نبی ہوئے ہیں اور عیسیٰؑ اور ایوبؑ اور یونسؑ اور ہارونؑ اور سلیمانؑ کے پاس وحی بھیجی تھی اور اسی طرح ہم نے داؤدؑ کو زبور عنایت کی تھی اور اسی طرح ان کے علاوہ بعض اور پیغمبروں کو بھی جن کا ذکر ہم آپ سے کر چکے ہیں صاحب وحی بنا کر بھیجا یعنی سورہ انعام میں اور دوسری صورتوں میں اُن کا ذکر آیا ہے۔ اور اس طرح ہم نے بعض اور ایسے پیغمبروں کو بھی صاحب وحی بنا کر بھیجا ہے جن کا ذکر ہم نے آپ سے اب تک نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ سے خاص طور پر کلام فرمایا یعنی بلا واسطہ شرف ہم کلامی بخشا (تیسیر) وحی اور ایحا اعلام فی خفاء کو کہتے ہیں یعنی کوئی ایسی اطلاع جو پردے میں دی جائے اور سرعت کے ساتھ دی جائے۔

مطلب یہ ہے کہ یہ پیغمبر کوئی انوکھا پیغمبر نہیں ہے جو آسمان پر چڑھ کر تمہارے لئے کوئی کتاب یا کوئی خط لیکر آئے جس طرح اور پیغمبروں پر وحی کے ذریعہ ہمارے فرمان پہونچتے رہے اسی طرح اس پیغمبر کی جانب بھی ہم وحی کے ذریعہ احکام بھیجتے ہیں اور جب اور انبیاء کے ساتھ ہم نے ایسا طریقہ نہیں برتا تو اس کے ساتھ یہ انوکھا طریقہ کیوں اختیار کریں۔ اس کے بعد انبیاء کے نام لئے جن کی نبوت مسلمہ فریقین تھی۔ مثلاً نوحؑ اور حضرت نوحؑ کے بعد جو پیغمبر ہوئے جیسے ہودؑ عادؑ اور صالحؑ اور شعیبؑ وغیرہ۔ اور حضرت ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ اور اسحاقؑ اور یعقوبؑ اور یعقوبؑ کی اولاد میں سے جو لوگ پیغمبر ہوئے ہیں اُن کا ذکر فرمایا اور حضرت عیسیٰؑ اور ایوبؑ اور یونسؑ اور ہارونؑ اور سلیمانؑ کا ذکر فرمایا اور داؤد علیہ السلام کو چونکہ مستقل کتاب دی تھی اس کا ذکر فرمایا چونکہ یہ تمام پیغمبر وہ ہیں جن کو یہود بھی پیغمبر مانتے تھے اس لئے اُن کی وحی سے استدلال فرمایا کہ جس طرح ہم نے اُن لوگوں کو وحی بھیجی تھی اور یہ لوگ آسمان پر چڑھ کر کتابیں نہیں لائے تھے (باقی ضمیمہ میں)

ف ان سب کو خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے پیغمبر اس لئے بنا کر بھیجا۔ یعنی ایمان لانے والوں کو نجات کی بشارت دیتے ہیں اور منکروں کو عذاب سے ڈراتے ہیں تاکہ ان رسولوں کی تشریف آوری کے بعد لوگوں کی طرف سے اللہ تعالیٰ پر کوئی الزام قائم کرنے کا موقع باقی نہ رہے۔ اور لوگوں کے پاس اللہ تعالیٰ کی حضور میں کوئی عذر پیش کرنے کا موقع نہ رہے۔ اور اللہ تعالیٰ کمال قوت اور کمال حکمت کا مالک ہے (تیسیر) انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام چونکہ مومنین کو نجات کی بشارت دیتے ہیں اور منکرین حق کو عذاب سے ڈراتے ہیں اس لئے ان کو مبشر اور منذر فرمایا۔ بہرحال انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا یہ سبب ہے کہ اگر انبیاء تشریف نہ لاتے تو لوگوں کی جانب سے یہ عذر پیش کیا جاتا کہ ہمارے پاس کوئی سمجھانے والا تو آیا نہیں جو ہم کو کفر و ایمان کے حسن و قبح سے مطلع کرتا اور ہماری عقل اس کام کے لئے ناکافی تھی۔ تو اب ہم کو عذاب کیوں دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ سولھویں پارے کے آخر میں فرمایا ولو انا اھلکناھم بعذاب من قبلہ الخ یعنی اگر رسول بھیجنے سے قبل ان کو عذاب کرتے تو یوں کہتے کہ آپ نے کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا۔ اگر آپ رسول بھیجتے تو ہم تو تیرے تمام احکام قبول کرتے اس لئے اس اعتراض کا دروازہ بند کرنے کی غرض سے اللہ تعالیٰ نے پے در پے آگے پیچھے اپنے رسول اور رسولوں پر وحی کے ذریعہ احکام کے بھیجنے کا طریقہ جاری کیا۔ ابن مسعودؓ سے مرفوعاً روایت ہے، فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی غیرت مند اور غیرت دار نہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے تمام فواحش اور بے حیائی کے کاموں کو حرام کر دیا ہے خواہ وہ کھلے ہوں یا چھپے ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی اپنی مدح کو پسند کرنے والا نہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی تعریف اور اپنی مدح خود فرمائی ہے اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی عذر سننے والا اور قبول کرنے والا نہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو بھیجا اور کتابیں نازل کیں (بخاری مسلم) مطلب یہ ہے کہ بندوں کی طرف سے یہ عذر کہ ہم کو معلوم نہ تھا کہ ہم کیا کریں اور کیا نہ کریں۔ حضرت حق تعالیٰ نے اس کو رد کرنے کی غرض سے انبیاء کا سلسلہ جاری کیا۔ قرآن میں اس مضمون کو اور بھی کئی جگہ مختلف عنوان سے بیان فرمایا۔ پندرھویں پارے میں ہے۔ وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا۔ عزیزاً حکیماً کا یہاں یہ مطلب ہے کہ کمال قوت کا مالک ہے جو ارادہ کرتا ہے اس کو پورا کر لیتا ہے۔ بڑی حکمت کا مالک ہے کہ اس نے مخلوق کی ہدایت کے لئے انبیاء کو پیدا کیا اور ہر نبی کو کسی نہ کسی قسم کی وحی سے سرفراز فرمایا بعض لوگوں نے یوں کہا ہے کہ وہ کمال قوت کا مالک ہے اگر چاہتا تو بلا پیغمبر بھیجے بھی عذاب کر سکتا تھا کیونکہ اس کو مخلوق پر کامل ملکیت حاصل ہے مگر چونکہ حکیم ہے اس لئے اپنی حکمت غامضہ کے پیش نظر اس نے ہدایت کا یہ سلسلہ جاری کر دیا تاکہ بندوں کو ہدایت قبول کرنے میں آسانی ہو اور حلال و حرام اور برے بھلے کو پہچان سکیں۔ بعض حنفیہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ احکام شریعت پر خواہ وہ مامورات ہوں یا منہیات بندوں کو عذاب نہیں کرے گا جب تک انکے پاس رسول نہ بھیجدے۔ لیکن توحید اس پر موقوف نہیں کیونکہ دلائل توحید عالم میں اسقدر کثرت کیساتھ ہیں اور خود انسان میں بھی اس کی توحید کے دلائل اتنے کافی ہیں کہ اسکے قائل ہونے کے لئے انسانی عقل کفایت کرتی ہے۔ واللہ اعلم۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی عذر کی جگہ نہ رہے کہ ہم کو تیری مرضی و نامرضی معلوم ہوتی تو اس پر چلتے یہ اللہ کی حکمت اور تدبیر ہے۔ اور اگر زبردستی کرے تو اس کی حاجت نہیں (موضح القرآن) غرض بنی نوع انسان کے لئے یہ آیت نہایت اہم اور قابل غور ہے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری کے بعد واقعہ یہ ہے کہ قیامت میں کسی عذر کی گنجائش باقی نہیں نہ کافروں کو اور نہ فاسقوں کو اللھم وفقنا لما تحب وترضی من بنا ولک الحمد۔ اب آگے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر اپنی اور ملائکہ کی شہادت پیش کرتے ہیں۔ غالباً مکہ کے رؤسا نے یا مدینہ کے کافروں نے یہود سے دریافت کیا تھا کہ تمہارے ہاں بھی اس رسول کا کچھ ذکر ہے یا تمہاری کتابوں میں بھی اس پیغمبر کا کوئی ذکر ہے اس پر یہود نے کہا ہم اس کو نہیں جانتے اور نہ اس پیغمبر کو پہچانتے ہیں چنانچہ کافروں نے حضورؐ سے یہود کا یہ مقولہ نقل کیا، اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا (تسہیل) ف۲ اے پیغمبر یہ لوگ آپ کی نبوت کا اعتراف کریں یا نہ کریں لیکن اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعہ جس کو آپ کے پاس بھیجا ہے اور بھیجا بھی (باقی ضمیمہ میں)

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ

ان سب کو خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے پیغمبر بنا کر اس لئے بھیجا تاکہ ان رسولوں کی

عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا

تشریف آوری کے بعد لوگوں کی طرف سے اللہ پر کوئی الزام قائم کرنیکا موقع باقی نہ رہے اور اللہ تعالیٰ بڑا زبردست

حَكِيْمًا ﴿١٦٥﴾ لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ

اور بڑی حکمت والا ہے ف۲ یہ لوگ مانیں یا نہ مانیں مگر واقعہ یہ ہے کہ خود اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعہ جو اس نے آپ کی جانب نازل کی ہے

بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ

اور نازل بھی اپنے علم خاص کیساتھ کی ہے آپ کی نبوت پر شہادت دے رہا ہے اور فرشتے بھی گواہ ہیں اور گواہی کے لئے

شَهِيْدًا ﴿١٦٦﴾ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ

اللہ تعالیٰ ہی کی ذات کافی ہے ف۳ جو لوگ دین حق سے منکر ہوئے اور دوسروں کو اللہ کی

سَبِيْلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ﴿١٦٧﴾ اِنَّ

راہ سے روکا وہ یقیناً انتہائی گمراہی میں جا پڑے یقیناً

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ

جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور حق کو چھپا کر ظلم کیا تو اللہ تعالیٰ اُن کو ہرگز نہ بخشے گا

وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا ﴿١٦٨﴾ اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ

اور نہ اُن کو کوئی راہ دکھائے گا۔ سوائے دوزخ کی راہ کے

خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿١٦٩﴾

وہ لوگ اس دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ پڑے رہیں گے۔ اور اُن کو یہ سزا دینا اللہ تعالیٰ پر بہت آسان ہے

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ

اے انسانو! بلا شبہ تمہارے پاس یہ رسول حق بات لے کر تمہارے رب کی جانب سے

رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ

آیا ہے لہٰذا تم ایمان لے آؤ یہ ایمان لے آنا تمہارے لئے بہتر ہوگا اور اگر تم انکار کرتے رہے تو خوب سمجھ لو کہ

مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿١٧٠﴾

جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے وہ سب اللہ ہی کا ہے اور اللہ تعالیٰ سب جاننے والا اور بڑی حکمت والا ہے۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا

اے اہل کتاب یعنی نصاریٰ تم اپنے دین میں حد سے تجاوز نہ کرو اور اللہ تعالیٰ کی نسبت

عَلَي اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ۭ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ

سوائے حق بات کے اور کچھ نہ کہو سوائے اس کے کچھ نہیں کہ مسیح عیسیٰ ابن مریم

رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰىهَآ اِلٰي مَرْيَمَ وَرُوْحٌ

صرف اللہ کا ایک رسول اور اس کا ایک کلمہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مریم تک پہنچایا تھا اور وہ مسیح خدا کی جانب سے

مِّنْهُ ۡ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ڟ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ۭ

ایک روح ہے لہٰذا تم اللہ پر اور اس کے سب رسولوں پر ایمان لاؤ اور تم یہ نہ کہو کہ خدا تین ہیں۔

اِنْتَھُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۭ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ سُبْحٰنَهٗٓ

اس قول سے باز آجاؤ تمہارے لئے بہتر ہوگا صرف اللہ تعالیٰ ہی معبود حقیقی ہے اکیلا اس کی ذات اس سے منزہ ہے

اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي

کہ اس کے کوئی اولاد ہو، جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے وہ سب اُسی کی

الْاَرْضِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿١٧١﴾ ع لَنْ يَّسْتَنْكِفَ

ملک ہے اور اللہ تعالیٰ کارساز ہونے کے اعتبار سے کافی ہے مسیح کو اس بات سے ہرگز کوئی ننگ و

الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰۗىِٕكَةُ

عار نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کا بندہ ہو اور نہ مقرب فرشتوں کو خدا کا بندہ ہونے سے

الْمُقَرَّبُوْنَ ۭ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ

کوئی عار ہے اور جو شخص خدا کی عبادت کو عار سمجھے

وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ﴿١٧٢﴾

اور سرکشی کرے تو ایک وقت آئیگا کہ خدا تعالیٰ ضرور سب اچھے برے لوگوں کو اپنے پاس جمع کر لے گا۔ ف٢

وقف لازم — ع ٢٣ / ٩ / ٣

ف١ اے اہل کتاب یعنی اہل انجیل تم اپنے دین میں غلو نہ کرو اور عقائد حقہ کے بارے میں حد سے تجاوز نہ کرو اور اللہ تعالیٰ کی شان میں سوائے حق اور سچی بات کے اور کوئی بات نہ کہو، دیکھو مسیح عیسیٰ ابن مریم سوائے اس کے نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے رسول اور اُس کا ایک کلمہ ہیں یعنی صرف اللہ تعالیٰ کے کلمہ کن کا ظہور اور ایک کلمہ کی پیدائش ہیں جس کلمہ کو اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم تک پہونچایا تھا اور فرشتے کی معرفت حضرت مریم کی جانب ڈالدیا تھا اور وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک روح ہیں یعنی فرشتے کی معرفت جو حضرت مریم میں پھونکی گئی۔ لہٰذا جب مسیح کی صحیح حقیقت معلوم ہوگئی تو اللہ تعالیٰ پر اور اُس کے سب رسولوں پر ایمان لاؤ۔ اور تم یوں نہ کہو کہ خدا تین ہیں تثلیث کے قول یعنی شرک سے باز آجاؤ اس شرک سے باز آجانا تمہارے لئے بہتر ہوگا دیکھو صرف اللہ تعالیٰ ہی معبود حقیقی اور یکتا و یگانہ ہے اور اُس کی ذات اس سے پاک اور منزہ ہے کہ اُس کے کوئی اولاد ہو جو کچھ بھی آسمانوں میں اور زمین میں موجودات ہیں سب اُسی کی ملک ہیں اور اللہ تعالیٰ کارساز ہونے کے اعتبار سے کافی ہے اس کے سوا سب اُسی کی کارسازی کے محتاج ہیں (تیسیر)

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یہ خطاب ہے نصاریٰ کو کہ اللہ کو تین جگہ بتاتے ہیں باپ بیٹا اور روح القدس فرمایا کہ دین کی بات میں مبالغہ عیب ہے ایک شخص سے اعتقاد ہو تو حد سے نہ بڑھے جتنی بات تحقیق ہو وہی کہے اور فرمایا فی الحقیقت بیٹا جنے یہ اللہ کو لائق نہیں اور بیٹا کرے تو اُس کو پیشکار کی حاجت نہیں وہ بس ہے کام بنانے والا۔ (موضح القرآن)

عام مفسرین نے اس آیت میں صرف نصاریٰ کو مخاطب کیا ہے جیسا کہ ہم نے اختیار کیا ہے لیکن ہوسکتا ہے کہ یہود و نصاریٰ دونوں ہوں جیسا کہ بعض نے اختیار کیا ہے بلکہ ہر وہ شخص مخاطب ہوسکتا ہے جو دین کی بات میں حد سے تجاوز کرے اور بلا تحقیق بات کو بڑھا کر کہے جیسے غالی شیعہ اور اس زمانہ کے مبتدعین جو اولیا کو انبیا سے اور انبیا کو خدا سے جا ملاتے ہیں اور ہر شخص کی تعریف میں خلاف شرع مبالغہ کیا کرتے ہیں۔ غلو کے معنی حد سے تجاوز کرنے کے ہیں چونکہ یہود و نصاریٰ میں حضرت مسیحؑ کی ذات خاص طور سے مابہ النزاع بنی ہوئی تھی۔ اس لئے قرآن نے نہایت سنجیدگی سے اُن کے مسئلے کو صاف کردیا ہے نصاریٰ اُن کو خدا کا بیٹا اور تین میں سے تیسرا کہتے تھے اور یہود اُن کی رسالت ہی کے منکر تھے۔ لہٰذا قرآن نے ایک صحیح اور حقیقی چیز اُن کے روبرو پیش کردی، جن کی روح میں صلاحیت اور فطری استعداد موجود تھی۔ اُنھوں نے قرآن کے اس فیصلے کو مان لیا اور جن کی ارواح محروم تھیں وہ ہمیشہ محروم ہی رہے اور یہ جو فرمایا ولا تقولوا علی اللہ الا الحق۔ اس میں اُن کی اُن خرافات اور ہفوات کی جانب اشارہ ہے جو نصاریٰ اللہ تعالیٰ کی نسبت کہا کرتے تھے۔ مثلاً مسیح ابن اللہ ہے یا اللہ تعالیٰ ثالث ثلثہ ہے۔ یعنی مجموعہ اللہ کا ایک جزو ہے، دو اجزا الوہیت کے مسیح کو اور جبریل علیہ السلام کو بتاتے تھے۔ یا یوں کہتے تھے کہ وہ ایک جوہر ہے اور تین اقانیم ہے۔ ایک اقنوم باپ اور دوسرا اقنوم بیٹا تیسرا اقنوم روح القدس بعض ان میں سے اقنوم اور سب سے ذات مراد لیتے تھے۔ اقنوم الابن سے مراد علم لیتے تھے اور اقنوم روح القدس سے مراد حیات لیتے تھے۔ یا بعض لوگ باپ، بیٹا، روح القدس کا قول کرتے تھے۔ یا حضرت عیسیٰ اور اُن کی والدہ کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ دو معبود کہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب باتوں کے کہنے سے منع فرمایا اور حضرت مسیح کی حقیقت کو ظاہر کیا کہ وہ رسول اللہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کے کلمہ ہیں اور اُس کی جانب سے ایک روح اور جان ہیں، یوں تو ہر چیز اُن کے حکم اور کلمہ سے پیدا ہوتی ہے لیکن ظاہری اسباب بھی مادے وغیرہ کے ہوتے ہیں۔ لیکن یہاں چونکہ وہ مادی اسباب منتفی تھے اس لئے سبب بعید کی جانب اُن کو منسوب فرمایا یہاں نہ باپ ہے نہ باپ کا نطفہ ہے اور محض اللہ تعالیٰ کے کلمہ کن کا ظہور ہے اس لئے اُن کو کلمۃ اللہ فرما دیا۔ قتادہ کا قول ہے کہ مراد کلمہ اور روح سے کن فیکون ہے۔ شاذ بن یحییٰ نے کہا کہ کلمہ عیسیٰ نہیں بن گئے بلکہ عیسیٰ کلمے سے ہوئے۔ ابن کثیر نے کہا صحیح بات یہ ہے کہ جبریلؑ کلمہ لائے تھے اُسی کلمہ سے عیسیٰ ہوئے واللہ اعلم۔ بہرحال وہ اللہ کا کلمہ اور اُس کی جانب سے پیدا شدہ ایک جان دار ہیں، صاحب روح المعانی نے روح کا ترجمہ ذی روح کیا ہے۔ اور یہ نسبت محض تشریفی ہے (باقی ضمیمہ میں)

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ

پھر وہ لوگ جو ایمان لائے ہوں گے اور نیک عمل کرتے ہوں گے تو خدائے تعالیٰ اُن کو اُن کا پورا پورا

اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَاَمَّا

ثواب دے گا اور اپنے فضل سے ان کو اور زیادہ بھی عطا فرمائے گا اور جنھوں نے

الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ

خدا کی عبادت کو اپنے لئے ننگ و عار سمجھا ہو گا اور سرتابی و سرکشی کی ہو گی تو انہیں

عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ

سخت دردناک سزا دے گا۔ اور یہ لوگ اللہ کے سوا نہ کسی کو

دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۷۳﴾ يٰۤاَيُّهَا

اپنا حمایتی پائیں گے اور نہ مددگار۔ ف۱ اے انسانو

النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ

یقیناً تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس ایک بڑی دلیل آچکی ہے اور ہم نے تمہاری طرف

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ﴿۱۷۴﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ

ایک صاف و صریح نور نازل کیا ہے۔ سو جو لوگ

اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ

اللہ پر ایمان لائے اور اُنھوں نے اللہ تعالیٰ کے دین کو مضبوط پکڑا تو اللہ تعالیٰ

فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ ۙ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ

عنقریب ایسے لوگوں کو اپنی رحمت اور فضل میں داخل کرے گا اور انہیں اپنے تک پہنچنے کی

صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۱۷۵﴾ يَسْتَفْتُوْنَكَ ۭ قُلِ اللّٰهُ

سیدھی راہ دکھا دے گا ف۲ لوگ آپ سے کلالہ کی میراث کا حکم دریافت کرتے ہیں آپ کہہ دیجئے اللہ تعالیٰ

يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ۭ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ

تم کو کلالہ کے بارے میں یہ حکم دیتا ہے کہ اگر ایک ایسا شخص مرجائے

ف۱ پھر وہ لوگ جو دنیا میں ایمان لائے ہوں گے اور نیک اعمال اور اچھے کام کرتے رہے ہوں گے تو خدا تعالیٰ اُن لوگوں کو اُن کے پورے اجر عطا کرے گا اور اُن کو اُن کا پورا پورا ثواب دیگا۔ اور اُن اُجور کے علاوہ اپنے فضل سے اُن کو اور زیادہ بھی عطا فرمائے گا۔ اور جن لوگوں نے حق تعالیٰ کی عبودیت کو ننگ و عار سمجھا ہوگا اور اُس کی عبادت سے سرکشی اور سرتابی کی ہوگی تو اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو سخت دردناک سزا دے گا اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو اپنا یار و مددگار نہ پائیں گے (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ میدانِ حشر میں سب کو جمع کرنے کے بعد پھر یہ سلوک ہوگا کہ ان میں جو لوگ عبدیت اور عبادت کو صحیح طور پر بجالائے جس کا خلاصہ ایمان اور اعمالِ صالحہ ہیں تو ایسے لوگوں کو اُن کا صلہ تو اللہ تعالیٰ پورا دے ہی دے گا لیکن اس صلہ کے علاوہ اور بھی اپنے فضل سے زیادہ دے گا۔ یعنی ایمان و اعمال کا مقررہ ثواب دینے کے ساتھ اور بھی کچھ زیادہ عطا فرمائے گا، خواہ وہ دیدارِ الٰہی ہو، یا گناہ گاروں کے لئے شفاعت کا حق ہو، جیسا کہ حضرت ابن مسعودؓ سے مرفوعاً اور موقوفاً مروی ہے یا یہ کہ اس مزید فضل کو حق تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ وہ کیا ہوگا۔ بہرحال اُجورِ مقررہ کے علاوہ محض فضل سے کچھ اور بھی زیادہ عطا ہوگا اور بہرحال جو لوگ استنکاف و استکبار کے خوگر ہیں، جس کا مقتضا ہے شرک اور پیغمبر کی نافرمانی تو ایسے لوگوں کو دردناک سزا ہوگی اور اُن کو قیامت میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ اپنا کوئی حمایتی اور مددگار دکھائی نہ دیگا مشرک جب دوسرے معبودوں کو بھی حق تعالیٰ کا شریک قرار دیتا ہے تو گویا وہ صرف اللہ تعالیٰ کا بندہ بننے سے استنکاف کرتا ہے اور پیغمبر کی اطاعت چونکہ مامور من اللہ ہے تو عبادت ہے لہٰذا جو شخص رسول کی اطاعت نہیں کرتا تو گویا وہ اللہ کی عبادت سے استکبار کرتا ہے جو تقریر استنکاف اور استکبار پر ہم نے کی ہے اس پر انشاء اللہ کوئی شبہ واقع نہیں ہوگا، ہم نے اس شبہ کے پیش نظر یہ تقریر کی ہے جو عام طور پر طالب علم کیا کرتے ہیں کہ عبدیت سے استنکاف اور عبودیت سے استکبار تو پایا ہی نہیں جاتا، بہرحال اب ان دلائل کے بعد پھر تمام بنی نوع انسان کو خطاب کیا جاتا ہے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآنِ مقدس کی طرف دعوت دی جاتی ہے۔ اور یہ اسلوب نہایت ہی بہترین اسلوب ہے۔ کہ پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور قرآن کی حقانیت کو دلائل سے ثابت فرمایا۔ اور آخر میں لوگوں کو دعوت دی کہ جو چیز دلائل سے حق اور یقین ثابت ہو چکی اب اُس پر ایمان لانے سے کیا چیز مانع ہے، اب اگر دین و دنیا کی بھلائی اور نیک توفیق چاہتے ہو تو اُس کو قبول کرلو (تسہیل)

ف۲ اے انسانو! بلاشبہ تمہارے پروردگار کی جانب سے تمہارے پاس ایک بڑی دلیل آچکی ہے یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن کی ذاتِ گرامی اپنی صداقت کی خود ہی دلیل ہے اور ہم نے تمہاری جانب ایک صاف و صریح نور بھیجا ہے۔ یعنی قرآن شریف جو گمراہی کی ہر تاریکی سے بچاتا ہے، پھر اب جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور اُنھوں نے اللہ تعالیٰ کے دین کو جو اسلام ہے مضبوط پکڑا تو اُن لوگوں کو اللہ تعالیٰ عنقریب اپنی رحمت کے سایہ میں داخل کرے گا اور دامانِ فضل میں جگہ دے گا اور اپنے تک پہنچنے کا اُن کو سیدھا راستہ دکھائے گا (تیسیر) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بُرہان فرمایا اور یہ واقعہ ہے کہ آپ کی ذاتِ اقدس اور آپ کے اخلاقِ کریمانہ اور آپ کے معجزات، اور آپ پر کتاب کا نزول یہ سب چیزیں آپ کی نبوت اور آپ کی رسالت کے کھلے کھلے دلائل ہیں جن کو دیکھنے کے بعد کسی اور دلیل کی احتیاج باقی نہیں رہتی، تو یوں سمجھنا چاہیے کہ آپ کی ذات خود ہی ایک مجسم دلیل ہے، جس طرح آفتاب اپنی آپ ہی دلیل ہے اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باجود کو دلیل اور قرآن کو نور فرمایا۔ روشنی کا کام لوگوں کو راستہ دکھانا ہوتا ہے، اندھیرے میں روشنی نہ ہو تو انسان ایک قدم نہیں چل سکتا، اسی طرح کفر و شرک کی اندھیریاں انسان کو گھیرے ہوئی ہیں، ان ظلمات اور تاریکیوں سے قرآن ہی کے ذریعہ نجات حاصل کی جاسکتی ہے، اور انسان کفر و شرک کے گڑھوں سے بچ سکتا ہے اس لئے قرآن کو نور مبین فرمایا۔ اٰمنوا باللہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور اُس کی تنزیہ کا اعتقاد رکھیں، اعتصام کو ہم بیان کرچکے ہیں کسی چیز کے مضبوط پکڑنے کو کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کا مضبوط پکڑنا یہ کہ اُس کے دین کو جو اسلام ہے مضبوط پکڑیں، یا یہ کہ قرآن کو مضبوط پکڑیں۔

(باقی ضمیمہ میں)

لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا

کہ جس کے کوئی اولاد نہ ہو مگر ہاں اُس مرنیوالے کی ایک حقیقی یا علاتی بہن ہو تو اُس بہن کو اس میت کے تمام مالِ متروکہ کا

تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ۭ

نصف ملے گا اور اگر وہ بہن مرجائے جس کے کوئی اولاد نہ ہو تو اُس کے تمام مال کا وارث اس کا بھائی ہوگا۔

فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا

اور اگر مذکورہ بالا میت کی دو بہنیں ہوں تو ان دونوں بہنوں کو اس بھائی کے مالِ متروکہ سے دو تہائی ملیگا

تَرَكَ ۭ وَاِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَاۗءً

اور اگر اس مذکورہ میت کے کئی بھائی بہن مرد و عورت ملے جلے ہوں تو مرد کا حصہ

فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ يُبَيِّنُ اللّٰهُ

دو عورتوں کے حصہ کے برابر ہوگا اللہ تعالیٰ اپنے احکام تمہارے لئے اس غرض سے

لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿١٧٦﴾ ع

بیان کرتا ہے تاکہ تم بھٹکتے نہ پھرو اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے ف۱

سُوْرَةُ الْمَآئِدَةِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّسِتَّةَ عَشَرَ رُكُوْعًا

سورۂ مائدہ مدنی ہے اور یہ ایک سو بیس آیتیں اور سولہ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ڛ اُحِلَّتْ لَكُمْ

اے ایمان والو! قول و قرار کو پورا کرو چوپایوں کی قسم کے تمام جانور تمہارے لئے

بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي

حلال کردئیے گئے ہیں سوائے اُن کے جن کی حرمت تم کو سنادی جائیگی مگر ایسی حالت میں جبکہ تم

الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ①

احرام میں ہو شکار کو کسی وقت بھی حلال نہ سمجھنا بے شک اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے ف۲

ع ۵ | ۲۴ | ۴

المنزل الثانی ۲

منزل ۲

ف اے پیغمبر لوگ آپ سے کلالہ کی میراث کا حکم دریافت کرتے ہیں آپ اُن سے کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ تم کو کلالہ کے بارے میں حکم دیتا ہے وہ حکم یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مرجائے جس کے کوئی اولاد نہ ہو اور نہ اُس کے ماں باپ ہوں یعنی اُس کے اصول و فروع نہ ہوں اور اُس کے ایک حقیقی یا علاتی بہن ہو تو اُس بہن کو اُس شخص کے مال متروکہ میں سے نصف ملے گا اور وہ بھائی اس لاولد بہن کے تمام مال کا وارث ہوگا یعنی جس عورت کے اصول و فروع نہ ہوں اور وہ مرجائے تو اُس کے تمام مال کا وارث اُس کا بھائی ہوگا۔ اور اگر مذکورہ بالا شخص یعنی کلالہ کی بجائے ایک بہن کے دو بہنیں ہوں تو اُن دونوں بہنوں کو اُس میت کے مالِ متروکہ میں سے دو ثلث ملے گا۔ اور اگر بجائے ایک بہن یا دو بہنوں کے چند بھائی بہن مرد و عورت ملے جلے ہوں تو مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصے کے برابر ہوگا یعنی بھائی کو دوہرا اور بہن کو اکہرا حصہ ملے گا، اللہ تعالیٰ اپنے احکام تمہارے روبرو اس لئے صاف صاف بیان کرتا ہے تاکہ تم اپنی ناواقفیت کے باعث بھٹکے نہ پھرو اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو اچھی طرح جانتا ہے، یعنی تمام احکام کی مصالح سے خوب واقف ہے (تیسیر) حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کلالہ کے معنی ہارا ضعیف یہاں فرمایا اُسکو جس کے وارثوں میں باپ اور بیٹا نہیں کہ اصل وارث وہی تھے تو اس وقت سگے بھائی بہن کو بیٹا بیٹی کا حکم ہے سگے نہ ہوں تو یہی حکم سوتیلوں کا نری ایک بہن کو آدھا اور دو کو دو تہائی اور ملے ہوں بھائی بہن تو مرد کو دوہرا اور عورت کو اکہرا اور جو نرے بھائی ہوں تو اُن کو فرمایا کہ وہ بہن کے وارث ہیں یعنی حصہ میں تعین نہیں وہ عصبہ ہیں، فائدہ اگر بیٹی ہو اور بہن ہو تو حصہ بیٹی کو اور بہن عصبہ ہے یعنی حصہ داروں سے بچے سو وہ لے موضح القرآن، آیت کا مطلب یہ ہے کہ کلالہ کی میراث کو دریافت کرتے ہیں تو چونکہ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات تمام احکام کا مرجع ہے اس لئے وہ کلالہ کی میراث بتاتا ہے۔ ایسا شخص جس کے اصول و فروع نہ ہوں، تو اب دیکھو اُس کی ایک بہن ہے یا دو بہنیں ہیں یا بہن اور بھائی ملے جلے ہیں۔ ایک بہن ہو تو نصف مال اور اگر دو یا دو سے زیادہ بہنیں ہوں تو دو ثلث مال اُن کو ملے گا۔ اور اگر ملے جلے بہن بھائی ہوں تو مرد کو دوہرا اور عورت کو اکہرا، وھو یرثھا کا مطلب یہ کہ اگر مرنے والی عورت کلالہ ہو اور اُس کا ایک بھائی ہو وہ سب مال کا مالک ہوگا۔ آخر میں احکام کو بیان کرنے کا احسان ظاہر کیا کہ ہم احکام کو صاف صاف تمہارے لئے بیان کرتے ہیں تاکہ تم اپنی ناواقفیت کے باعث بھٹکتے نہ پھرو۔ اور گمراہ نہ ہو جاؤ۔ باقی احکام کی مصلحت اور یہ بات کہ کون کس قدر مال کا مستحق ہے اور کس کو کتنا ملنا چاہئے، یہ سب ہم خوب جانتے ہیں تم نہیں سمجھ سکتے، تمہارا یہی فرض ہونا چاہئے کہ جس طرح ہم بتائیں اُس کو قبول کرو اور اُسی کے موافق مالِ متروکہ کو تقسیم کرو۔ یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ ترکہ جب ہی تقسیم ہوگا جب پہلے تجہیز و تکفین کا خرچ نکال لیا جائے اور اگر قرضہ ہو تو قرضہ ادا کیا جائے اور اگر کوئی وصیت مرنے والے نے کی ہو تو مال کے تیسرے حصہ میں سے وصیت پوری کی جائے ان ہی چیزوں کو حقوق متقدمہ علی الارث کہتے ہیں، ان حقوق کو پورا کرنے کے بعد جو بچے گا وہ ورثا پر تقسیم ہوگا، عینی اور علاتی کی قید ہم نے اس لئے لگائی کہ ماں شریک اولاد کا ذکر اوپر گزر چکا ہے، اس لئے یہاں صرف عینی اور علاتی بہنوں کا ذکر ہے، شاہ صاحبؒ نے خوب خلاصہ نکالا ہے کہ جب بیٹا بیٹی اور ماں باپ نہ ہوں تو پھر حقیقی اور علاتی بہن بھائیوں کا وہی حکم ہے۔ بہن بھائی کے ساتھ عصبہ بن جاتی ہے اور فقط بھائی ہوں تو وہ عصبہ ہوتے ہیں، عصبہ کو ہم اوپر بتا چکے ہیں کہ ذوی الفروض سے جو کچھ بچے وہ عصبہ کو ملتا ہے۔ کلالہ کی اگر صرف ایک بہن ہو تو اس کو نصف دینے کے بعد باقی عصبہ کو مل جائے گا اور اگر کوئی عصبہ نہ ہو تو باقی نصف اسی بہن پر لوٹ جائے گا۔ اور اگر دو بہنیں ہوں یا دو بہنوں سے زائد ہوں تو اُن کو دو ثلث ملے گا اور باقی ایک ثلث عصبہ کو ملے گا اور اگر کوئی عصبہ نہ ہو تو باقی ایک ثلث بھی بہنوں پر لوٹ جائے گا باقی مسائل فرائض کی کتابوں میں ملاحظہ کئے جائیں، یا مقامی علماء سے دریافت کئے جائیں۔ اگر اللہ تعالیٰ مسائل اور احکام کی تفصیل بیان نہ فرمائے تو بندوں کے پاس کوئی ذریعہ صحیح بات کے جاننے کا نہیں ہے اس لئے یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اُنھوں نے اپنے احکام

(باقی ضمیمہ میں)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا
اے ایمان والو اللہ کے مقرر کردہ نشانات کی بے حرمتی نہ کرو اور نہ

الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَآ
حرمت والے مہینے کی اور نہ اس قربانی کی جو حرم میں لیجائی جارہی ہو اور ان قربانیوں کی جنکے گلے میں قلادہ پڑا ہوا ہو اور نہ

آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ
اُن لوگوں کی جو اللہ کا فضل اور اُس کی رضامندی طلب کرنے کعبہ کے ارادے سے

وَرِضْوَانًا ۭ وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ۭ وَلَا
جارہے ہوں ف۱ اور جب تم حلال ہو جاؤ تو پھر شکار کرلیا کرو اور وہ لوگ

يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ
جن سے تم کو اس بنا پر دشمنی ہے کہ انھوں نے تم کو مسجد حرام سے روکا تھا یہ دشمنی تم کو اس پر برانگیختہ

الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى
نہ کردے کہ تم اُن پر زیادتی کرنے لگو اور نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں

الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۠ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ
ایک دوسرے کی آپس میں مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کے کاموں پر ایک دوسرے سے

الْعُدْوَانِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ②
تعاون نہ کیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ یقیناً اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔ ف

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ
تم پر مرا ہوا جانور اور خون اور خنزیر کا گوشت حرام کردیا گیا ہے

وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ
اور وہ جانور بھی (جو تقرب کی نیت سے) اللہ کے سوا کسی دوسرے کے نامزد کیا گیا ہو اور وہ بھی جو گلا گھٹنے سے مرجائے اور

وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ
جو کسی چوٹ سے مرجائے اور جو بلندی سے گر کر مرا ہو اور جو کسی جانور کے سینگ مارنے سے مرا ہو اور جو کسی درندے کے کھانے سے مرجائے

وقف لازم — ع — منزل ۲

ف۱ اے ایمان والو! شعائر الٰہی کو حلال نہ کرو یعنی اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ نشانات کی بے حرمتی نہ کرو اور نہ حرمت والے مہینے کی بے حرمتی کرو یعنی رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم ان مہینوں کا ادب ملحوظ رکھو، اور نہ اُس قربانی کے جانور کی بے حرمتی کرو جو حرم میں قربان کرنے کے لئے لے جایا جارہا ہو اور نہ اُن قربانی کے جانوروں کی بے حرمتی کرو جن کے گلے میں قلادہ یعنی چمڑے کے پٹے یا کوئی اور چیز علامت کے طور پر پڑی ہوئی ہو اور نہ اُن لوگوں کی بے حرمتی کرو۔ جو بیت الحرام یعنی کعبہ کی زیارت کے ارادے سے جارہے ہوں اور اُن کی حالت یہ ہو کہ وہ اپنے رب کا فضل اور اُس کی رضامندی کے طالب ہوں (تیسیر) شعائر یا توشعیرہ کی جمع ہے یا شعارہ کی جیسا کہ ہم دوسرے پارے میں عرض کرچکے ہیں یہاں مراد وہ چیزیں ہیں جن کا ادب قائم رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے کچھ احکام مقرر فرمائے ہیں، یہ چیزیں خواہ زمان سے تعلق رکھتی ہوں جیسے اشہر حرم۔ اور خواہ مکان سے تعلق رکھتی ہوں جیسے صفا اور مروہ یا اعمال سے تعلق رکھتی ہوں جیسے مناسک حج وغیرہ ان چیزوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے جو احکام مقرر کئے ہیں اُن احکام کی خلاف ورزی اُن چیزوں کی بے ادبی ہے۔ اوپر کی آیت میں احرام اور حرم کا ادب سکھایا تھا کہ شکار نہ کرو اب بعض اور شعائر کے احترام کی جانب توجہ دلائی۔ شہر حرام سے وہی چار مہینے مراد ہیں جو ہم نے تیسیر میں عرض کردئے ان مہینوں کی حرمت کا یہ مطلب ہے کہ ان میں بلا ذ کافروں کے ساتھ قتال کی ابتدا نہ کرو جیسا کہ ہم پہلے عرض کرچکے ہیں کہ اگرچہ اب ان مہینوں کی وہ حرمت باقی نہیں رہی لیکن پھر بھی ابتدا بالقتال کرنے میں احتیاط کرنا چاہئے، ہدی سے مراد وہ جانور ہے جو اللہ تعالیٰ کی نذر کیلئے حرم کی طرف لیجایا جارہا ہو خواہ وہ اونٹ ہو یا گائے یا بکری، اور بھیڑ وغیرہ ہو اس ہدی کی حرمت سے مراد یہ ہے کہ کسی ایسی ہدی کو جو حرم کی جانب لے جائی جارہی ہو مزاحمت نہ کی جائے۔ قلادہ کی جمع قلائد ہے، قلادہ اُس چیز کو کہتے ہیں جو گلے میں لٹکائی جائے، خواہ وہ کوئی زیور ہو یا تعویذ ہو، یا کوئی اور چیز ہو۔ ہدی کی دو صورتیں ہیں ایک وہ جس کے گلے میں قلادہ نہ ہو اور ایک وہ جس کے گلے میں قلادہ پڑا ہوا ہے یہ قلادہ چمڑے کا ہو یا اور کسی چیز کا پٹہ پڑا ہوا ہو، یہاں مراد وہ ہدی ہے جس کے گلے میں پٹہ پڑا ہوا ہو، یا ہو سکتا ہے کہ وہ پٹے ہی مراد ہوں اور یہ بھی کہ پٹے والی ہدی کو لیجانے والے مراد ہوں، بہرحال تینوں معنی کی گنجائش ہے، اور ہر تقدیر پر بے ادبی کے الگ الگ معنی ہو سکتے ہیں، مثلاً پٹے کی بے حرمتی یہ کہ پٹے کا ڈالنا ترک نہ کرو اس سے تمہاری ہدی مامون رہے گی نیز قلادہ دیکھ کر دوسروں کو بھی ہدی لے جانے کا شوق ہوگا اور اگر ہدی مراد ہو تو اُس کی حرمت کا یہ مطلب ہے کہ ہدی کو نقصان نہ پہنچاؤ، وہ قلادے والی ہو یا بے قلادے کی ہو۔ اور اگر ہدی لیجانے والے لوگ ہوں تو اُن کی حرمت کا یہ مطلب ہے کہ اُن کے راستے میں مزاحمت نہ کرو اور اُن کو اپنی ہدی کو حرم میں لے جاکر قربان کرنے میں رکاوٹ نہ ڈالو، اور چونکہ بعض لوگ بغیر ہدی کے بھی جاتے تھے۔ اسلئے آگے فرمایا جو لوگ کعبہ کی زیارت کے ارادے سے جارہے ہوں اور اللہ تعالیٰ کا فضل اور اُس کی رضا کے جویاں ہوں اُن سے بھی مزاحمت نہ کرو خواہ وہ کافر ہی ہوں یہ حکم اُس وقت تھا جب تک سورۂ توبہ نازل نہیں ہوئی تھی اور مشرکین کا داخلہ حرم میں بند نہیں ہوا تھا، یہ قلادہ ڈالنے کا پرانا دستور تھا۔ عرب کے لوگ اشہر حرام میں اپنے گلے میں بھی کوئی چیز لٹکا لیا کرتے تھے تاکہ محفوظ اور مامون رہیں اور کوئی اُن کو قتل نہ کرے بعض لوگ حرم کے درختوں کی چھال کا ہار بنا کر گلے میں ڈال لیا کرتے تھے اور یہ امن کی علامت ہوتی تھی اور اہل حرم ہونے کا نشان ہوتا تھا اور اس وجہ سے اُن پر کوئی حملہ نہ کرتا تھا۔ پھر یہی قلادہ اُن جانوروں کے لئے بھی استعمال ہونے لگا جو حرم میں قربان کرنے کو لے جاتے تھے جو جانور بڑا ہو جیسے اونٹ یا گائے تو اُس کا تھوڑا سا خون نکال کر اس قلادے کو اُس خون میں رنگ لیا جائے۔ اس کو شعار کہتے ہیں امام ابو حنیفہؒ نے ایسے شعار کو منع کیا ہے جس سے جانور کو زیادہ تکلیف پہنچتی ہو۔ اسی لئے ہم نے عرض کیا ہے کہ تھوڑا سا خون نکالے اور قلادہ پر اُس خون کا نشان لگادے۔ کہتے ہیں یہ آیت حطیم بن ہند بکری جس کا اصلی نام (باقی ضمیمہ میں)

إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ۗ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَنْ
مگر یہ کہ تم اُن کے مرنے سے پہلے اُن کو ذبح کر لو اور وہ جانور بھی جو بتوں کے کسی تھان پر ذبح کیا گیا ہو اور یہ بھی حرام

تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ۚ ذَٰلِكُمْ فِسْقٌ ۗ الْيَوْمَ يَئِسَ
ہے کہ تم فال کے تیروں سے اپنی قسمت معلوم کرو۔ یہ فال کے تیروں سے فیصلہ کرانا گناہ ہے آج کافر تمہارے

الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ دِينِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ۚ
دین کی طرف سے بالکل مایوس ہو چکے ہیں لہٰذا تم ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو

الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي
آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل کر دیا ہے اور میں نے اپنی نعمت تم پر پوری کر دی ہے

وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ
اور میں نے تمہارے لئے پسند کیا اسلام کو دین پھر جو شخص سخت بھوک کی وجہ سے

فِي مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِإِثْمٍ ۙ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ
مجبور ہو جائے بشرطیکہ وہ گناہ کی طرف مائل ہونیوالا نہ ہو تو یقیناً اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا نہایت

رَحِيمٌ ﴿٣﴾ يَسْأَلُونَكَ مَاذَا أُحِلَّ لَهُمْ ۖ قُلْ أُحِلَّ
مہربان ہے۔ لوگ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ اُن کیلئے کیا چیز حلال کی گئی ہے آپ کہدیجئے تمہارے لئے

لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِنَ الْجَوَارِحِ
سب پاکیزہ چیزیں حلال کی گئی ہیں اور جن شکاری جانوروں کو تم نے شکار پر دوڑانے کو

مُكَلِّبِينَ تُعَلِّمُونَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللَّهُ ۖ
سدھایا ہو جب کہ تم نے اُن کو وہ طریقے تعلیم کر دیئے ہوں جو خدا نے تم کو بتا دیئے ہیں

فَكُلُوا مِمَّا أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ
تو ایسے شکاری جانور جس شکار کو تمہارے لئے پکڑ رکھیں اُس کو کھا لیا کرو اور شکاری جانور کو دوڑاتے وقت

عَلَيْهِ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿٤﴾
اللہ کا نام لے لیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ ف۲

ف۱ اے مسلمانو! تم پر وہ مرا ہوا جانور جو بغیر ذبح کے اپنی موت سے مرجائے اور بہتا ہوا خون اور سور کا گوشت حرام کر دیا گیا ہے اور وہ جانور بھی جو تقرب کی نیت سے اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کے نامزد کر دیا گیا ہو اور وہ جانور بھی جو گلا گھٹنے سے مرجائے اور نیز وہ جو کسی ضرب اور چوٹ سے مرجائے۔ اور وہ بھی جو بلندی سے گر کر مرجائے۔ اور وہ جانور بھی جو کسی دوسرے جانور کی ٹکر اور سینگ مارنے سے مرجائے اور وہ جانور بھی جس کو کوئی درندہ کھالے اور وہ مرجائے۔ مگر ہاں وہ جانور حکم سے مستثنیٰ ہیں جن کو تم اُن کے مرنے سے پہلے پہلے شرعی طریقہ پر ذبح کر لو۔ یعنی منخنقہ سے لیکر ما اکل السبع تک جن جانوروں کو مرنے سے پہلے بسم اللہ اللہ اکبر کہکر ذبح کر لو تو اُن کا کھانا جائز ہے اور وہ جانور بھی تم پر حرام کیا گیا ہے جو بتوں یعنی غیر اللہ کے کسی تھان اور کسی پرستش گاہ پر ذبح کیا جائے۔ اور یہ بھی حرام ہے کہ تم فال کی تیروں سے اپنی قسمت معلوم کرو اور گوشت کی تقسیم قرعہ اندازی کے تیروں کے ذریعہ کرو یہ فال کے تیروں سے فیصلہ اور استقسام گناہ اور حرام کام ہے آج کافر لوگ تمہارے دین کے کمزور اور مغلوب ہونے سے مایوس ہو گئے لہٰذا تم ان کفار سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرتے رہو (تیسیر) میتۃ جو اپنی طبعی موت سے مرجائے یا کسی بیماری کی وجہ سے مرجائے یعنی بغیر ذبح کے جو جانور اپنی موت سے مرجائے، خون سے مراد دم سائل ہے جس کو آٹھویں پارے میں دم مسفوح فرمایا ہے۔ یعنی بہنے والا خون۔ سؤر کے گوشت سے مراد اُس کے تمام اجزا ہیں۔ چونکہ گوشت کو غذا میں ایک خاص اہمیت حاصل ہے اس لئے گوشت کا ذکر فرمایا۔ اھلال کے معنی پر دوسرے پارے میں بحث ہو چکی ہے۔ اھلال کے معنی ہیں رفع الصوت۔ اسی معنی کی مناسبت سے ہم نے ترجمہ کیا ہے۔ آواز بلند کرنے کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام لیا جائے یا اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ کسی اور کا نام شریک کیا جائے دوسری شکل یہ ہے کہ جانور کو تقرب کی نیت سے کسی غیر اللہ کے نامزد کر دیا جائے۔ جیسے شیخ سدو کے نام کا مرغا یا بکرا، تیسری صورت یہ ہے کہ بلا نیت تقرب محض ملکیت کی وجہ سے کسی شخص کے ساتھ منسوب کر دیا جائے مثلاً عبداللہ کی بکری، یا حافظ جی کا بکرا چوتھی صورت یہ ہے کہ ایصال ثواب کی غرض سے کسی شخص کے ساتھ منسوب کر دیا جائے مثلاً اس جانور کو ذبح کرنے کے بعد اس کا ثواب فلاں شخص کو پہونچ جائے گا، اسی طرح ذبح کرتے وقت یہ کہدینا اللھم تقبل منی یا اللھم تقبل من فلان غرض یہ کہ ان تمام صورتوں میں پہلی صورت بالاتفاق حرام ہے کہ ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام لیا جائے اور دوسری صورت کہ تقرب کی نیت سے غیر اللہ کے نامزد کیا جائے خواہ ذبح کرتے وقت بسم اللہ اللہ اکبر ہی کہا جائے۔ یہ صورت علمائے محققین کے نزدیک بالاتفاق حرام ہے اور اس جانور کا گوشت کھانا حرام ہے اور یہی اپنے اکابر کا مسلک ہے البتہ اس زمانہ کے بعض مبتدعین نے علماء محققین سے اختلاف کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس جانور کا گوشت کھانا حرام نہیں ہے۔ باقی سب صورتیں بالاتفاق جائز ہیں۔ بشرطیکہ ذبح کے وقت اللہ کا نام لیکر ذبح کیا جائے تقرب اور اسکی نیت وغیرہ کی مفصل بحث دوسرے پارے میں دیکھ لی جائے۔ گلا گھٹنے کا مطلب یہ ہے کہ جانور کا گلا کسی طرح گھٹ جائے یا کوئی گھونٹ دے۔ موقوذہ کسی جانور کو لاٹھی وغیرہ ماری جائے اور وہ اس ضرب سے مرجائے۔ متردیہ کا یہ مطلب ہے کہ پہاڑ پر سے گر کر مرجائے یا کسی اور مقام سے گر پڑے اور مرجائے۔ نطیحہ۔ جانور آپس میں لڑے اور ایک نے دوسرے کے ٹکر ماردی یا سینگ ماردیا اور وہ مرگیا۔ نطح کے معنی سینگ مارنا۔ سَبُعٌ کچلیوں والا درندہ جو بہائم اور انسان کے پیچھے دوڑتا ہے اور حملہ کرکے پھاڑ ڈالتا ہے اُس درندے نے کسی جانور کو پھاڑ ڈالا اُس میں سے کوئی حصہ نوچ کر کھا گیا اور وہ جانور اس صدمہ سے مرگیا۔ تذکیۃ کے معنی ہیں اتمام یہاں مراد ہے اتمام الحیات۔ یعنی کسی کی حرارۃ غریزیہ کو ختم کر دینا۔ اور شرعی طریقہ سے ذبح یا نحر کرکے اُس کی زندگی کو ختم کر دینا۔ صحیح طریقہ ذبح کا یہ ہے کہ گلے کی چار رگیں کٹ جائیں۔ ایک حلقوم جس میں سے سانس آتا جاتا ہے۔ ایک مری جس میں سے چارہ اور پانی اترتا ہے اور دو ودجان جن میں خون کی آمدورفت رہتی ہے، امام مالکؒ کے نزدیک ذکوۃ میں ان چاروں کا کٹنا ضروری ہے۔ امام شافعی کے نزدیک دو کا کٹ جانا کافی ہے۔

(باقی ضمیمہ میں)

الْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۖ وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا
آج تمہارے لئے سب پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئی ہیں اور اہل کتاب کا کھانا یعنی

الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۖ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۖ وَالْمُحْصَنٰتُ
ذبیحہ تمہارے لئے حلال ہے اور تمہارا کھانا یعنی ذبیحہ اُن کے لئے حلال ہے اور پاک دامن

مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا
عورتیں جو مسلمان ہوں اور وہ پاک دامن عورتیں جو اُن لوگوں میں سے ہوں جن کو تم سے پہلے

الْكِتٰبَ مِن قَبْلِكُمْ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ
کتاب دی جا چکی ہے یہ عورتیں بھی تمہارے لئے حلال ہیں جبکہ تم اُن کو اُن کے مہر ادا کرو

مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسٰفِحِينَ وَلَا مُتَّخِذِي أَخْدَانٍ ۗ
درآں حالیکہ اُن کو حبالۂ نکاح میں لانیوالے ہو علانیہ بدکاری کرنے والے نہ ہو اور نہ خفیہ آشنائی کرنا مقصود ہو

وَمَن يَكْفُرْ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ وَ
اور جو شخص ایمان کے احکام کا انکار کرے گا تو یقیناً اُس کے سب نیک اعمال برباد ہو جائیں گے اور

هُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِينَ ۝ يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ
وہ آخرت میں سخت نقصان اُٹھانے والوں میں سے ہوگا ف۱ اے ایمان والو!

آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ
جب تم نماز پڑھنے کو اُٹھو تو پہلے اپنے منہ کو اور کہنیوں تک اپنے

وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ
ہاتھوں کو دھو لیا کرو اور اپنے سروں کا مسح کر لیا کرو

وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ ۚ وَإِن كُنتُمْ جُنُبًا
اور اپنے پاؤں بھی ٹخنوں تک دھو لیا کرو اور اگر تم جنابت کی حالت میں ہو

فَاطَّهَّرُوا ۚ وَإِن كُنتُم مَّرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ
تو تمام جسم کو خوب پاک کر لو ف۳ اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو

ع ١ ٥ ٥

ف١ آج تمہارے لئے تمام ستھری، پاکیزہ اور حلال چیزیں ہمیشہ کیلئے حلال کر دی گئی ہیں اور جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب دی جا چکی ہے اُن کا ذبیحہ تمہارے لئے حلال ہے اور تمہارا ذبیحہ اُن کے لئے حلال ہے اور پارسا اور پاک دامن وہ عورتیں جو مسلمان ہوں۔ تمہارے لئے حلال ہیں اسی طرح وہ پارسا و پاک دامن عورتیں جو اُن لوگوں میں سے ہوں جن کو تم سے پہلے کتاب دی جا چکی ہے وہ بھی تمہارے لئے حلال ہیں۔ جبکہ تم اُن کو اُن کا معاوضہ یعنی مہر وغیرہ ادا کر دو اور یہ مذکورہ عورتیں جو تمہارے لئے حلال کی گئی ہیں تو اس طور پر حلال کی گئی ہیں کہ تم اُن کو حبالۂ عقد میں لانے والے اور بیویاں بنانے والے ہو اُن سے علانیہ بدکاری کرنے والے نہ ہو اور نہ اُن سے خفیہ آشنائی کرنے والے ہو (تیسیر) طیبات کے معنی ہم کئی مرتبہ عرض کر چکے ہیں مطلب یہ ہے کہ خبائث نہ ہوں اور شریعت میں اُن کی حرمت وارد نہ ہوئی ہو نہ نصوص میں ہو نہ قیاساً اور اجماعاً ہو۔ الیوم سے مراد یا تو زمانۂ نبوی ہے اور یا وہ دن مراد ہے جس دن یہ آیت نازل ہوئی ہے حلت کی اعلان کا یہ مطلب ہے کہ طیبات دوامًا حلال کر دی گئی ہیں اور اب وہ کبھی حرام نہ ہوں گی۔ طعام سے مراد اگرچہ عام ہے خواہ ذبائح ہوں یا غیر ذبائح لیکن سلف سے ذبائح منقول ہیں اس لئے ہم نے ترجمہ میں ذبیحہ کیا ہے۔ یہ شاید اس لئے ہو کہ دوسری قسم کے کھانوں کے متعلق کوئی شبہ نہ ہو اور ذبیحہ کے متعلق مسلمانوں کو شبہ ہو۔ بہر حال جب ان کا ذبیحہ جائز ہے تو اُن کا اور کھانا بھی جائز ہے، ذبیحہ کے متعلق بعض لوگوں نے تو یہاں تک کہا ہے کہ اگر کتابی غیر اللہ کا نام لیکر ذبح کرے تب بھی جائز ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ وہ اصلی کتابی ہو اور اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اُس نے ذبح کیا ہو تو وہ ذبیحہ مسلمانوں کو کھانا جائز ہوگا۔ اصل کتابی کا مطلب یہ ہے کہ کوئی مسلمان مرتد ہو کر عیسائی نہ ہوا ہو، البتہ کوئی غیر مسلم عیسائی ہو جائے تو وہ اصل نصرانی کہا جا سکتا ہے۔ مسلمانوں کا ذبیحہ اُن کے لئے حلال ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان اپنا ذبیحہ اُن کو کھلا سکتے ہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ اہل کتاب ہماری شریعت کے مخاطب ہو سکتے ہیں جیسا کہ بعض نے استدلال کیا ہے مسلمانوں سے یہ کہنا کہ تمہارا ذبیحہ اُن کے لئے حلال ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ یہ حکم بطور مکافات مسلمانوں کی ہی جانب سے عود کرتا ہے۔ یعنی مسلمانو! تم کو اپنا ذبیحہ اہل کتاب کو کھلانا جائز ہے محصنات سے مراد پاک دامن اور عفت مآب عورتیں ہیں جو آزاد ہوں۔ اور اُن کی تخصیص کا یہ مطلب نہیں کہ اُن کے علاوہ دوسری مسلمان عورتوں سے نکاح کرنا جائز نہیں، بلکہ اُنکی تخصیص محض روایت کی وجہ سے ہے کہ مسلمان عورتوں میں سے جب کسی عورت سے نکاح کرو تو حرہ اور آزاد عورت سے کرو نیز پاک دامن اور پارسا سے کرو۔ یہ مطلب نہیں کہ اگر کسی لونڈی سے نکاح کر لوگے یا کسی غیر عفیفہ سے کر لوگے تو نکاح ہی نہیں ہوگا۔ مزید بحث انشاء اللہ بشرط زندگی سورۂ نور میں آجائیگی، جیسا کہ پانچویں پارے میں اس بحث کا کچھ حصہ گذر بھی چکا ہے، اوتوا الکتاب سے مراد عام طور سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں اور یہی قید کتابی عورتوں کے ساتھ بھی ہے کہ اُن میں سے جو عورتیں آزاد اور پاک دامن ہوں اُن سے نکاح کرو، اس بارے میں حنفیہ اور شافعیؒ کا اختلاف ہم پانچویں پارے کی ابتدا میں عرض کر چکے ہیں، کتابیات کے عموم میں سوائے حضرت ابن عباسؓ کے باقی تمام لوگوں نے حربیات کو بھی داخل کیا ہے۔ یعنی کتابیہ سے نکاح جائز ہے اگرچہ وہ حربیہ ہو، کتابیات میں صابیات کو بھی اُن لوگوں نے داخل کیا ہے جو ان کو کسی کتاب آسمانی کا قائل بتاتے ہیں البتہ جو صابئین کو کواکب پرست کہتے ہیں وہ انکو کتابی میں داخل نہیں کرتے جیسا کہ ہم پہلے پارے میں عرض کر چکے ہیں، مشرک مرد اور مشرک عورتوں کا حکم پہلے پارے میں گذر چکا ہے۔ اذا اٰتیتموھن اجورھن انعقاد نکاح کی شرط نہیں ہے جس کا مطلب یہ ہو کہ اگر مہر ادا نہ کروگے تو نکاح ہی نہیں ہوگا۔ بلکہ وجوب کے لئے فرمایا ہے کہ عورت کے جو حقوق نکاح سے واجب ہوتے ہیں اُن کو پورا کرنا چاہئے۔ احصان کے معنی حفاظت کرنا قید میں رکھنا، مراد یہ ہے کہ نکاح میں لانا مقصد ہو۔ محض شہوت رانی نہ ہو۔ جیسا کہ زنا میں ہوتی ہے۔ سفح کے معنی علانیہ بدکاری خدن کے معنی ہیں دوستی، مرد اور عورت دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے (باقی ضمیمہ میں)

أَوْ جَآءَ أَحَدٌ مِّنكُم مِّنَ ٱلْغَآئِطِ أَوْ لَٰمَسْتُمُ ٱلنِّسَآءَ

یا تم میں سے کوئی شخص جائے ضرور سے فارغ ہوکر آیا ہو یا تم ملے ہو عورتوں سے

فَلَمْ تَجِدُوا۟ مَآءً فَتَيَمَّمُوا۟ صَعِيدًا طَيِّبًا فَٱمْسَحُوا۟

پھر تم پانی پر قدرت نہ پاؤ تو ایسی حالت میں تم پاک مٹی کا قصد کرو اور اُس مٹی سے

بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُم مِّنْهُ ۚ مَا يُرِيدُ ٱللَّهُ لِيَجْعَلَ

اپنے چہروں کا اور اپنے ہاتھوں کا مسح کرلو اللہ یہ نہیں چاہتا کہ تم پر

عَلَيْكُم مِّنْ حَرَجٍ وَلَٰكِن يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ

کوئی تنگی کرے بلکہ وہ تو یہ چاہتا ہے کہ تم کو پاک و صاف کرے اور تم پر

نِعْمَتَهُۥ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٦﴾ وَٱذْكُرُوا۟

اپنے احسانات کی تکمیل کردے تاکہ تم اُس کا شکر بجا لاؤ ف۱ اور اللہ نے تم پر جو احسان

نِعْمَةَ ٱللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَٰقَهُ ٱلَّذِى وَاثَقَكُم بِهِۦٓ

کئے ہیں ان کو یاد کرو اور خدا کے اس عہد کو بھی یاد کرو جس کا اُس نے تم سے اُس وقت پختہ قول لیا تھا

إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۖ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ

جبکہ تم نے کہا تھا کہ ہم نے سنا اور مان لیا اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ تعالیٰ

عَلِيمٌۢ بِذَاتِ ٱلصُّدُورِ ﴿٧﴾ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟

سینوں کی پوشیدہ باتوں تک سے خوب واقف ہے ف۲ اے ایمان والو!

كُونُوا۟ قَوَّٰمِينَ لِلَّهِ شُهَدَآءَ بِٱلْقِسْطِ ۖ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ

اللہ تعالیٰ کے لئے راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کے ساتھ شہادت دینے والے رہو اور کسی قوم کی

شَنَـَٔانُ قَوْمٍ عَلَىٰٓ أَلَّا تَعْدِلُوا۟ ۚ ٱعْدِلُوا۟ هُوَ أَقْرَبُ

دشمنی اور عداوت تم کو اس بات پر آمادہ نہ کردے کہ تم انصاف نہ کرو بلکہ ہر معاملہ میں انصاف کیا کرو یہ انصاف کرنا پرہیزگاری کے

لِلتَّقْوَىٰ ۖ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ خَبِيرٌۢ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿٨﴾

نزدیک تر ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ جو کچھ تم کرتے ہو اُس سے پوری طرح باخبر ہے۔

ف۱ اور اگر تم بیمار ہو یا حالتِ سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی شخص پیشاب پاخانے کی ضرورت سے فارغ ہوکر آیا ہو یا تم عورتوں سے ملے ہو۔ پھر تم ان سب صورتوں میں پانی پر قدرت نہ پاؤ یعنی یا تو پانی نہ ملے یا ملے مگر اُس کا استعمال ضرر رساں ہو تو ان دونوں حالتوں میں تم پاک مٹی کا قصد کرو اور اُس پاک مٹی پر ہاتھ مار کر اپنے چہروں پر اور اپنے ہاتھوں پر پھیر لو۔ یعنی ایک دفعہ ہاتھ مار کر چہرے پر اور دوسری دفعہ ہاتھ مار کر کہنیوں پر مسح کرلو، اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتا کہ تم پر کسی قسم کی تنگی کرے اور تم پر کسی قسم کی مشکل ڈالے بلکہ وہ تو یہ چاہتا ہے کہ تم کو پاک و صاف رکھے اور ظاہری و باطنی پاکیزگی سے تم کو نوازے اور تم پر اپنی نعمت کا اتمام اور اپنے احسانات کی تکمیل کردے تاکہ تم اس کا حق مانو اور اُس کا شکر بجا لاؤ (تیسیر) بخاری نے حضرت عائشہؓ سے ایک واقعہ نقل کیا ہے وہ فرماتی ہیں ہم کسی سفر سے واپس آرہے تھے اور مدینہ میں داخل ہونے والے تھے کہ اتفاقاً بیدا میں میرے گلے کا ہار کہیں گر پڑا لوگ اُس کو تلاش کرنے لگے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میری گود میں سر رکھ کر سو گئے۔ حضرت ابوبکرؓ میرے پاس آئے اور مجھ پر بگڑنے لگے کہ تو نے ہار کھو کر لوگوں کو روک لیا حضرت ابوبکرؓ غصہ میں مجھے کچوکے لگانے لگے مگر میں اس خیال سے کہ حضورؐ کو تکلیف نہ ہو ضبط کئے بیٹھی رہی۔ جب حضورؐ بیدار ہوئے تو نماز کا وقت ہوچکا تھا وضو کے لئے پانی تلاش کیا گیا تو پانی نہیں ملا اس پر یہ پوری آیت نازل ہوئی۔ حضرت اُسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اے آلِ ابوبکر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لئے تمہیں بابرکت بنا دیا ہے تم ان کے لئے سراپا برکت ہو۔ یعنی تمہارے ہار گم ہونے کی وجہ سے جو تاخیر ہوئی وہ اُمت کے لئے تخفیف اور رحمت کا موجب بن گئی، یہ مضمون سورۂ نساء میں بھی گزر چکا ہے وہاں شاید غسل کے سلسلے میں ذکر فرمایا ہو اور یہاں وضو اور غسل دونوں کے لئے تیمم کو قائم مقام ظاہر کرنا مقصود ہو۔ واللہ اعلم اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تیمم کی یہ آیت سورۂ نساء سے قبل نازل ہوئی ہو، جیسا کہ بعض نے ایسا کہا ہے۔ ہم تیمم کے متعلق سورۂ نساء میں مفصل عرض کرچکے ہیں یہاں بھی صعید طیب سے مراد زمین اور وہ چیزیں مراد ہیں جو زمین کی جنس سے ہوں۔ صعید جس میں پاکی کا مفہوم موجود ہے اس میں طیب کی قید بڑھانے سے اور زیادہ مبالغہ مقصود ہے اسی لئے فقہا نے اُس پاک زمین میں جس پر نماز ادا کی جائے اور اُس پاک زمین میں جس سے تیمم کیا جائے فرق کیا ہے اور یہ جو ہم نے عرض کیا ہے کہ پانی کے حصول یا اُس کے استعمال پر قدرت نہ ہو، اس کا مطلب یہ ہے کہ سفر میں بعض دفعہ دور دور پانی نہیں ملتا یا پانی کے راستہ میں کوئی درندہ یا دشمن حائل ہوجاتا ہے جس کی وجہ سے پانی تک پہونچنا ناممکن ہوجاتا ہے یا ڈول اور رسی نہیں ہوتی اور استعمال نہ کرسکنے کا مطلب یہ ہے کہ بیماری کی وجہ سے یا سخت سردی کی وجہ سے پانی کا استعمال صحت کے لئے مضر ہو یا جدید مرض کے لاحق ہوجانے کا یقین ہو تو ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے پانی کی بجائے مٹی کو اُس کا قائم مقام کردیا ہے۔ غائط نرم زمین کو کہتے ہیں۔ چونکہ پیشاب اور پاخانہ کے لئے انسان نرم اور کوئی گڑھا تلاش کرتا ہے اس لئے غائط سے اب پیشاب پاخانہ وغیرہ کی ضروریات کو کنایہ کیا جاتا ہے مطلب یہ ہے کہ ضروریات سے فارغ ہوکر آیا ہو اور جس کا وضو ٹوٹ گیا ہو۔ اور وضو کرنے کیلئے پانی کی تلاش ہو۔ یا عورتوں سے قربت کی ہو اور غسل واجب ہوگیا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ حدث اصغر ہو یا حدث اکبر ہو، وضو ٹوٹا ہو یا غسل واجب ہوگیا ہو۔ اور رفع حدث کے لئے پانی کی ضرورت ہو پھر پانی پر قدرت نہ پاؤ۔ سفر کی صورت میں تو پانی میسر نہ آئے۔ اور مرض کی صورت میں پانی کا مضر ہونا یقینی ہو تو ان مجبوریوں کی حالت میں پانی کا کام مٹی سے لے لو اور تیمم کرلو۔ یعنی پاک زمین یا زمین کی جنس سے جو چیز ہو اُس پر ہاتھ مار کر ایک دفعہ منہ پر پھیر لو اور دوسری دفعہ ہاتھ مار کر اپنے ہاتھوں پر پھیر لو۔ غرض وضو کسی طرح ٹوٹا ہو اور غسل کسی صورت سے واجب ہوا ہو۔ جس میں احتلام حیض۔ نفاس۔ اِلتقائے ختانین کی سب صورتیں داخل ہیں۔ اسی طرح وضو میں تمام نواقضِ وضو داخل ہیں اور وضو یا غسل کی صورت میں پانی کا حصول یا استعمال ناممکن ہوجائے تو اس رعایت کا اعلان کیا جاتا ہے اور ایسی حالت میں مٹی کو پانی کی جگہ استعمال کرنے کا حکم دیا جاتا ہے اور چونکہ مریض اور مسافر کے لئے یہ رعایت ایک عظیم الشان رعایت تھی۔ (باقی ضمیمہ میں)

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ

اللہ نے اُن لوگوں سے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے یہ وعدہ کیا ہے کہ ان کیلئے

مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِیْمٌ ۝٩ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا

بڑی بخشش اور بڑا ثواب ہے۔ اور جن لوگوں نے انکار کیا اور ہمارے احکام کی

بِاٰیٰتِنَاۤ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ ۝١٠ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ

تکذیب کی تو ایسے ہی لوگ اہل دوزخ ہیں۔ اے ایمان والو

اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ

اللہ کے اُس احسان کو یاد کرو جبکہ ایک قوم تم پر دست درازی کرنے کا

یَّبْسُطُوْۤا اِلَیْكُمْ اَیْدِیَهُمْ فَكَفَّ اَیْدِیَهُمْ عَنْكُمْ ۚ

ارادہ کر چکی تھی مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں کو تم سے روک دیا

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝١١ ع و

اور اللہ سے ڈرتے رہو اور ایمان والوں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے ف اور

لَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ

بلاشبہ اللہ نے بنی اسرائیل سے بھی عہد لیا تھا اور اُن میں سے ہم نے بارہ آدمیوں کو

اثْنَیْ عَشَرَ نَقِیْبًا ؕ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مَعَكُمْ ؕ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ

ذمہ دار مقرر کیا تھا اور اللہ نے ان سے یہ بھی کہا تھا کہ یاد رکھو میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم نماز کے

الصَّلٰوةَ وَاٰتَیْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ

پابند رہوگے اور زکوٰۃ ادا کرتے رہوگے اور میرے تمام رسولوں پر ایمان لاؤ گے اور اُن رسولوں کی مدد کروگے

وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ

اور اللہ کو اچھے طور پر قرض دیتے رہوگے تو ضرور میں تم سے تمہاری خطائیں

سَیِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا

دور کردوں گا اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کردوں گا جن کے نیچے نہریں

ع ٦ / ٦

ف اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضاجوئی کے لئے راستی پر قائم رہنے والے اور اُس کے احکام کی پوری پابندی کرنے والے اور کسی کی گواہی کا موقعہ آجائے تو انصاف کی گواہی دینے والے رہو اور تم کو کسی خاص قوم اور فرقہ کی دشمنی اور بغض اس پر برانگیختہ اور آمادہ نہ کردے کہ تم اُن کے معاملہ میں انصاف نہ کرو دیکھو ہر معاملہ میں عدل و انصاف کیا کرو یہ عدل کرنا تقویٰ اور پرہیزگاری سے قریب تر ہے، اور اللہ تعالیٰ کی مخالفت سے ڈرتے رہو یقین جانو کہ تمہارے تمام اعمال سے اللہ تعالیٰ پوری طرح باخبر ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اُس سب کی اُس کو اطلاع ہے اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں سے جو ایمان لائے اور بھلے کام کرتے رہے یہ وعدہ کیا ہے کہ اُن کے لئے بڑی بخشش و مغفرت اور بڑا ثواب ہے اور جن لوگوں نے ایمان لانے سے انکار کیا اور ہماری آیات اور ہمارے احکام کو جھوٹا بتایا تو ایسے ہی لوگ اہل دوزخ اور جہنمی ہیں۔ (تیسیر) اس آیت کے مضمون پر ہم پانچویں پارے کے آخر میں مفصل بحث کرچکے ہیں، یہاں ایک دوسرے کے مفاد کے پیش نظر الفاظ میں تھوڑی سی تبدیلی فرمائی ہے، اس لئے کہ ناانصافی کے دو سبب عام طور پر ہوا کرتے ہیں ایک تو کسی کی رعایت اور جانب داری کی وجہ سے انسان کسی کے ساتھ ناانصافی کا مرتکب ہوتا ہے اور یا دشمنی اور عداوت کی وجہ سے کسی کے ساتھ ظالمانہ اور غیر منصفانہ برتاؤ کرتا ہے، لہٰذا وہاں فرمایا تھا کہ خواہ اپنا معاملہ ہو یا اپنے قرابت داروں کا معاملہ ہو، سچ بولنے اور سچی گواہی دینے میں کسی کی رعایت نہ کیا کرو۔ اور یہاں یہ فرمایا ہے کہ کسی قوم کی دشمنی کی وجہ سے اُس کے خلاف جھوٹ نہ بولو اور جھوٹی گواہی نہ دو۔ قوامین مضبوطی کے ساتھ قائم رہنے والے اور کھڑے ہونے والے اور ثابت رہنے والے رہو۔ للہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور اس کی تعظیم اور اُس کا ادب ملحوظ رکھنے کے لئے منصفانہ اور سچی شہادت دیا کرو اور کسی قوم کی دشمنی تم کو اس پر مشتعل نہ کر دیا کرے کہ تم انصاف کو ترک کر دو، بظاہر دشمنی سے مراد مشرکوں اور کافروں کی دشمنی ہے جو واقعی اور حقیقی دشمنی ہے اور جب کافروں کے ساتھ عدل و انصاف کا حکم ہے اور ظلم و جور کی ممانعت ہے تو مسلمانوں کے معاملہ میں تو یہ حکم بالاولیٰ ہے۔ اگرچہ آیت عام ہے۔ کسی فریق کی دشمنی بھی خواہ وہ اپنا ہو یا پرایا ہو اس کی اجازت نہیں دیتی کہ اُس کے معاملہ میں ناانصافی اور ظلم سے کام لیا جائے اور یہ جو فرمایا کہ انصاف کرنا تقویٰ کے نزدیک تر ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ تقویٰ کے معنی ہیں، اپنے نفس کو اور اپنے ظاہری اور باطنی قویٰ کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچانا تاکہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اُس کی ناراضگی سے انسان محفوظ رہے، اور عدل کے معنی ہیں انسانی حقوق کی رعایت کرنا اور لوگوں کو ظلم سے بچانا، لہٰذا عدل اور تقویٰ کے معنی باہم قریب تر ہوئے اور کسی دوسری چیز کے مقابلہ میں عدل تقوے کے زیادہ قریب ہوا، یا یہ مطلب ہے کہ عدل کرنے والے کو متقی کہا جاتا ہے اور عدل تقویٰ کا سبب قریب ہے واللہ اعلم بہرحال انصاف اور عدل تقویٰ کی علامتوں میں سے ایک بڑی اور اہم علامت ہے، ہمارا ترجمہ اور تیسیر اس پر مبنی ہے کہ شہدا کو خبر کے بعد دوسری خبر بنایا جائے جن لوگوں نے شہدا کو حال وغیرہ بنایا ہے انہوں نے اس طرح ترجمہ کیا ہے، اے ایمان والو! کھڑے ہوجایا کرو اللہ کے واسطے گواہی دینے کو انصاف کی، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مسلمانوں کو دو باتوں کی تاکید ہے، ایک حقوق اللہ کے ساتھ متعلق ہے اور دوسری حقوق العباد کے ساتھ، اور مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ کے تمام حقوق پورے کرنے کی غرض سے ہروقت کمربستہ رہا کرو اور کسی شہادت کا موقعہ ہو تو انصاف کے ساتھ گواہی دیا کرو۔ خواہ کسی دوست کا معاملہ ہو یا دشمن کا، یہ بلارعایت دوست اور دشمن کے سچی گواہی دینا تقویٰ کے اسباب میں سے بہت قریبی سبب ہے آخر میں پھر بطور تاکید فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے ہر حال میں ڈرتے رہو اور امتثال اوامر اور اجتناب نواہی میں کوتاہی نہ کرو، کیونکہ تقویٰ ہی جملہ کمالات کی اصل ہے، خلاصہ یہ کہ اے اہل ایمان اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے اُس کے تمام احکام کو بجالانے کی غرض سے ہروقت کمربستہ رہا کرو اور کوئی شہادت طلب کی جائے تو انصاف کے ساتھ شہادت دیا کرو اور

(باقی ضمیمہ میں)

الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ

بہ رہی ہوں گی پھر جس شخص نے تم میں سے اس پختہ عہد کے بعد کفر کی روش اختیار کی تو بیشک وہ

سَوَآءَ السَّبِيْلِ ⑫ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَ

سیدھی راہ سے بھٹک گیا ⑫ پھر انہی لوگوں کے اپنے عہد کو توڑنے کی وجہ سے ہم نے اُن پر لعنت کی اور

جَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ

ہم نے اُن کے دلوں کو سخت کر دیا اب ان کی حالت یہ ہے کہ کلام الٰہی کو اُس کے حقیقی مواقع سے بدل دیتے ہیں

وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ

اور جو نصیحت اُن کو کی گئی تھی اُس کا ایک بڑا حصہ یہ لوگ بھول چکے ہیں اور اُن میں سے سوائے چند اشخاص کے

مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۭ اِنَّ

روزمرہ آپ کو اُن کی کسی نہ کسی خیانت کا پتہ لگتا رہتا ہے بہرحال آپ انکو معاف فرمایئے اور اُن سے درگذر کیجئے

اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ⑬ وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نیک روش اختیار کرنیوالوں کو پسند کرتا ہے ⑬ اور ہم نے ان لوگوں سے بھی انکا عہد لیا تھا جو اپنے کو یوں

نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۠

کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں پھر اُنھوں نے بھی اس نصیحت آمیز تعلیم کا ایک بہت بڑا حصہ فراموش کر دیا جو انکو دی گئی تھی

فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۭ

آخر کار ہم نے اُن میں قیامت تک کیلئے باہمی دشمنی اور بغض کو لازم کر دیا

وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ⑭ يٰٓاَهْلَ

اور آگے چل کر اللہ تعالیٰ اُن کو بتائے گا جو کچھ وہ کیا کرتے تھے ⑭ اے اہل

الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا

کتاب تمہارے پاس ہمارا یہ رسول آیا ہے جو تمہارے سامنے کتاب الٰہی کی اکثر وہ باتیں

كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۥ

جن کو تم چھپایا کرتے تھے صاف طور پر ظاہر کر دیتا ہے اور بہت سی غیر ضروری باتوں کو درگزر بھی کر دیتا ہے

ف اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے بھی عہد لیا تھا اور ہم نے اُن میں سے اُن کے قبائل کی تعداد کے موافق بارہ سردار یعنی بارہ آدمیوں کو ذمہ دار مقرر کیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے تاکید کے طور پر یہ بھی فرمادیا تھا کہ دیکھو میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم نماز کی پابندی رکھو گے اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو گے۔ اور میرے سب رسولوں پر جو آئندہ آتے رہیں گے ایمان لاؤ گے اور اُن سب رسولوں کی مدد کرو گے اور اللہ تعالیٰ کو اچھے طور پر قرض دیتے رہو گے تو میں یقیناً تمہاری خطائیں تم سے دور کر دوں گا اور تمہارے گناہ تم سے زائل کر دوں گا اور یقیناً تم کو ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے پائیں نہریں بہ رہی ہوں گی پھر جس شخص نے تم میں سے اس عہد و پیمان کے بعد کافرانہ روش اختیار کی تو بلاشبہ وہ سیدھی راہ سے بھٹک گیا اور راہ راست سے دور جا پڑا۔ (تیسیر) پہاڑ میں جو راستہ ہوتا ہے اُس کو نقیب کہتے ہیں، قوم کا نقیب وہ ہوتا ہے جو قوم کی رہنمائی کرتا ہے اور تمام قومی کاموں میں قوم کا نگراں ہوتا ہے، قوم کا بڑا۔ سردار، چودھری، نگراں، ذمہ دار وغیرہ سب کو نقیب کہتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لیلۃ عقبہ میں جن لوگوں سے بیعت لی تھی انکے بھی بارہ نقیب تھے ان بارہ میں سے نو قبیلۂ خزرج کے آدمی تھے ان نو کے نام یہ ہیں:-

(١) ابوامامہ اسعد بن زرارہ (٢) سعد بن ربیع (٣) عبداللہ بن رواحہ (٤) رافع بن مالک بن عجلان (٥) براء بن معرور (٦) عبادہ بن صامت۔ (٧) سعد بن عبادہ (٨) عبداللہ بن عمرو بن حرام (٩) منذر بن حنیش رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین

ان نو کے علاوہ تین کے نام یہ ہیں:-

(١) حضرت اُسید بن حضیر (٢) سعد بن خیثمہ، (٣) رفاعہ بن عبدالمنذر یا ابوالہیثم بن تیہان،

حدیث میں آتا ہے میری اُمت کے خلفاء کی تعداد بھی مثل بنی اسرائیل کے نقباء کی ہوگی اور یہ سب قریش میں سے ہوں گے، اس حدیث کا محدثین نے یہ مطلب بیان کیا کہ بارہ خلیفہ صالح، متقی اور عدل قائم کرنے والے ہوں گے، مگر یہ ضروری نہیں کہ یہ سب کے سب یکے بعد دیگرے ہوں۔ بلکہ قیامت تک یہ تعداد پوری ہو جائے گی، انہی بارہ میں سے ایک امام مہدی بھی ہوں گے جن کی بشارت احادیث میں آتی ہے، واللہ اعلم،

بہرحال آیت کا مطلب یہ ہے کہ یوں تو بنی اسرائیل سے مختلف مواقع پر مختلف عہد لئے جاتے رہے ہیں مگر یہاں جس عہد کا ذکر ہے اُس کے الفاظ یہاں مذکور ہیں اس عہد کی تاکید اور دیکھ بھال کے لئے حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں میں سے ہر قبیلہ کے لئے ایک ایک شخص کو نگراں اور ذمہ دار مقرر کر دیا تھا تاکہ بنی اسرائیل اپنے عہد پر قائم رہیں اور اپنے عہد کو پورا کریں اور کسی قسم کی کوتاہی کو راہ نہ دیں اور وہ اُن کے ضروری کاموں کی دیکھ بھال رکھیں اور بنی اسرائیل سے یہ بھی فرما دیا تھا کہ میں تمہارے پاس ہی ہوں اس سے بھی تاکید مقصود تھی گویا تاکید در تاکید فرمادی تھی کہ جو عہد کر رہے ہو اُس کو پورا کرنا کیونکہ میں ہر وقت تمہارے ساتھ ہوں اور ہو سکتا ہے کہ انی معکم کا خطاب اُن بارہ سرداروں کو ہو کہ میں تمہاری اعانت اور تمہاری مدد کے لئے تمہارے ساتھ ہوں اور تمہارے پاس ہوں، بنی اسرائیل سے جن امور پر عہد لیا گیا اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر تم نماز کے پابند رہو گے اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو گے اور میرے تمام رسولوں پر جو وقتاً فوقتاً آتے رہیں گے جن میں حضرت عیسیٰ اور نبی آخر الزماںؐ بھی داخل ہیں اُن پر ایمان لاؤ گے اور اُن کی عزت و عظمت کرو گے اور دشمنوں کے مقابلہ میں اُن کی مدد کرو گے اور زکوٰۃ کے علاوہ اور دوسرے مصارف خیر میں بھی خرچ کرو گے اور اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ یعنی اخلاص کے ساتھ قرض دو گے، کیونکہ اللہ کی راہ میں دینا حقیقت میں اللہ تعالیٰ کو قرض دینا ہے مطلب یہ ہے کہ انبیاء پر ایمان لانے کے ساتھ اپنی جانوں اور اپنے مالوں سے اُن کی مدد بھی کرو گے، تو ہم تم کو یقین دلاتے ہیں کہ ہم تمہارے تمام صغیرہ گناہ تم سے دور کر دیں گے، جیسا کہ عام قاعدہ ہے ان الحسنات یذھبن السیاٰت اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عذاب کو تم سے دور کر دیں گے یعنی صغائر اور کبائر کو اپنے فضل سے معاف کر دیں گے اور عذاب کو تم سے دور کر دیں گے، اور اس کا بھی یقین دلاتے ہیں کہ صرف (باقی ضمیمہ میں)

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ﴿١٥﴾ يَّهْدِيْ

بے شک تمہارے پاس اللہ کی جانب سے ایک روشن چیز اور ایک واضح کتاب آچکی ہے۔ جس کے ذریعہ

بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ

سے اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو جو اُس کی رضا کے طالب ہیں سلامتی کی راہیں بتاتا ہے اور اپنے حکم سے

مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ

اُن کو اندھیروں سے نکال کر اُجالے میں لاتا ہے اور ان کو سیدھے رستے

مُّسْتَقِيْمٍ ﴿١٦﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ

چلاتا ہے ف۱ یقیناً ان لوگوں نے کفر کیا جنھوں نے یوں کہا کہ مسیح

ابْنُ مَرْيَمَ ۭ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـــًٔا اِنْ اَرَادَ

ابن مریم ہی عین خدا ہے اے پیغمبر اُن سے کہو اگر اللہ تعالیٰ مسیح

اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ

ابن مریم کو اور اُس کی ماں کو اور سب زمین والوں کو ہلاک کرنا چاہے تو وہ کون ہے جو خدا کو اسکے ارادے سے

جَمِيْعًا ۭ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ

ذرا بھی روک سکے حالانکہ اللہ ہی کی سلطنت ہے آسمانوں پر اور زمین پر اور جو کچھ ان دونوں کے مابین ہے

يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٧﴾ وَقَالَتِ

اُس سب پر وہ جو کچھ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر شی پر پوری طرح قادر ہے ف۲ اور یہود

الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰۗؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّاۗؤُهٗ ۭ قُلْ فَلِمَ

و نصاریٰ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اُس کے پیارے ہیں آپ اُن سے پوچھئے اچھا تو وہ

يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ۭ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ۭ يَغْفِرُ

تم کو تمہارے گناہوں پر عذاب کیوں کرتا ہے؟ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ تم بھی اُن عام انسانوں میں سے جنکو وہ پیدا کرتا ہے ایک انسان

لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ

ہو جسے وہ چاہتا ہے بخشتا ہے اور جسے چاہتا ہے عذاب کرتا ہے اور اللہ ہی کی سلطنت ہے آسمانوں پر

ف۱ اے اہلِ کتاب تمہارے پاس ہمارا یہ رسول یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں جن کی یہ شان ہے کہ کتاب یعنی توریت و انجیل کے اُن مضامین میں سے جن کو تم چھپایا کرتے ہو اکثر مضامین ضروریہ اور علیہ کو یہ تمہارے روبرو صاف صاف بیان فرما دیتے ہیں اور بہت سے غیر ضروری اُمور کو باوجود علم و اطلاع کے درگزر بھی فرما دیتے ہیں یقین جانو! اللہ تعالیٰ کی جانب سے تمہارے پاس ایک روشنی اور ایک واضح کتاب آچکی ہے اس کتاب اور روشنی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو جو رضائے حق کے طالب اور تابع ہیں سلامتی کی راہیں بتاتا اور دکھاتا ہے اور اُن طالبان رضائے حق کو اپنے ارادے اور اپنی توفیق اور اپنے فضل سے کفر و شرک کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان اور اطاعت کی روشنی میں لے آتا ہے اور اُن کو ہمیشہ سیدھی راہ چلاتا اور سیدھی راہ پر ثابت رکھتا ہے (تیسیر) اہلِ کتاب سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں، یہ اہلِ کتاب اس امر کے عادی تھے کہ اپنی کتابوں کے مضامین چھپایا کرتے تھے جیسے رجم اور سنگ ساری کے احکام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت و ثنا اور نبی آخر الزماں کی بشارت جو حضرت عیسیٰؑ نے بیان کی تھی، غرض ایسے مضامین مراد ہیں جو اہلِ کتاب چھپاتے تھے اور اُس کا ظاہر کرنا اور اُن کا اعلان کرنا ضروری تھا اُن مضامین کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صاف صاف بیان کر دیتے ہیں جیسا کہ بعض مواقع پر آپؐ نے توریت لاکر پڑھنے کا مطالبہ فرمایا اور جیسا کہ ابن صوریا نے احکام رجم کو چھپایا اور آپؐ نے اس کو قسم دیکر دریافت کیا، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا باوجود اُمی ہونے اور توریت و انجیل کی تعلیم حاصل نہ کرنے کے اُن کتابوں کے مضامین کا اظہار آپ کا اعجاز تھا اور آپ کے نبی برحق ہونے کی دلیل تھی، علمی اعتبار سے تو آپ کی یہ شان تھی کہ جن کتبِ سماویہ کو کبھی پڑھا نہ تھا اُن کے مضامین بیان فرما دیتے تھے اور اخلاق کی یہ حالت کہ جن مضامین کا ظاہر کرنا غیر ضروری ہوتا تھا یعنی ایسے مضامین جن کا کسی شرعی مسئلہ سے تعلق نہ ہوتا تھا اور اُن کے بیان کرنے سے اہلِ کتاب کی بعض فضیحت و رسوائی ہوتی تھی اُن کو درگزر فرمادیا کرتے تھے اور یہ آپ کی وسعتِ اخلاق بھی آپ کی نبوت کی دلیل کے لئے موید تھی۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ویعفوا عن کثیر سے یہود و نصاریٰ کی کوتاہیاں اور اُن کے گناہ مراد ہوں کہ اُن کے ذاتی معاملات کی تشہیر کرکے اُن کی رسوائی اور اُن کو فضیحت نہیں فرماتے، بلکہ جن مضامین کا تعلق شرعی احکام سے ہوتا ہے صرف اُس کو صاف طور پر بیان فرماتے ہیں یہ آپؐ کے علم اور آپ کے اخلاق کی انتہائی بلندی کا اظہار ہے نیز اس امر پر تنبیہ بھی ہے کہ ایک ایسے رسول کی موجودگی میں اب مضامین حقہ اور مسائل شرعیہ کا چھپانا بے سود ہے اُس کی تشریف آوری سے قبل جو گمراہی پھیلا چکے وہ پھیلا چکے اور اب چونکہ تمہاری تمام وہ مضحکہ خیز مکاریاں جو تم کرتے رہے ہو ظاہر ہوجائیں گی، اس لئے اب تم کتابِ الٰہی کی ان تحریفات سے باز آجاؤ اور اس رسول پر ایمان لے آؤ، نور سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور کتاب سے مراد قرآن ہے۔ اور ہوسکتا ہے کہ نور سے مراد اسلام ہو اور کتاب سے مراد قرآن ہو اور ہوسکتا ہے کہ عطف تفسیری ہو، اور مطلب یہ ہو کہ تمہارے پاس ایک روشن چیز یعنی کتابِ مبین آچکی ہے، بہٖ کی ضمیر کا مرجع نور اور کتاب دونوں کی طرف ہے، چونکہ یہ دونوں اپنے مقصد کے اعتبار سے ایک ہی ہیں اس لئے مفرد کی ضمیر بیان فرمائی سلامتی کی راہوں سے مراد عذاب سے محفوظ رہنے کی راہیں ہیں یا جنت میں جانے کے راستے ہیں اور ہوسکتا ہے سلام سے مراد خود حضرت حق تعالیٰ کی ذات ہو، اور مطلب یہ ہو کہ اس پیغمبر اور اس کتاب کی برکت سے ہم اپنے تک پہونچنے کی راہیں اُس شخص پر نمایاں کر دیتے ہیں جو ہماری رضا کا طالب ہو، اور رضائے حق کا پیرو وہی شخص ہوسکتا ہے جو اُس کا طالب ہو، اس لئے ہم نے بعض محققین کی تفسیر سے من اتبع رضوانہ کا ترجمہ رضائے حق کا طالب کیا ہے۔ باذنہ سے مراد حضرت حق کی توفیق اور اُس کا فضل ہے۔ یھدیھم کا مطلب یہ ہے کہ اُن کو ان راستوں پر چلاتا ہے اور ان کو ثابت رکھتا ہے، ہم نے ترجمہ اور تسہیل میں سب اقوال کی رعایت رکھی ہے، سبل السلام کے کچھ ہی معنی کئے جائیں گر مراد ان طریقوں سے عقائد و اعمال ہیں۔

(باقی ضمیمہ میں)

ف اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارا یہ رسول یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو تم کو ہمارے احکام صاف اور واضح طور پر بتاتا ہے ایسے وقت آیا ہے اور یہ رسول تمہارے پاس ایسے وقت میں پہنچا ہے جبکہ ایک عرصہ سے رسولوں کی تشریف آوری کا سلسلہ موقوف اور بند تھا تاکہ تم قیامت میں عذر کے طور پر یوں نہ کہنے لگو کہ ہمارے پاس کوئی خوشی سنانے والا اور ڈرانے والا نہیں آیا یعنی قیامت میں اپنی نافرمانی کے متعلق یہ عذر نہ پیش کرسکو کہ اے پروردگار ہمارے پاس کوئی رسول تو آیا ہی نہیں جو ہم کو شریعت کے احکام بتاتا اور ہم تیری اطاعت کرتے لہٰذا تم کو مطلع کیا جاتا ہے کہ تمہارے پاس اب وہ رسول آپہونچا جو بشیر بھی ہے اور نذیر بھی ہے اور اللہ تعالیٰ ہر شئی پر پوری طرح قدرت رکھتا ہے (تیسیر) عربی کا محاورہ کہ جب کسی شئی کی حرکت بند ہوجائے یا اُس کی حرکت کم ہوجائے تو کہا کرتے ہیں فتر الشئی، قرآن نے اس علی فترۃ کو اُس زمانہ کے لئے استعمال کیا ہے جو حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کا زمانہ ہے اور جس کی مقدار کم وبیش چھ سو سال ہے اور یہ وہ دور ہے کہ جس میں کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھا لینے کے بعد کوئی نبی نہیں بھیجا گیا جس طرح حضرت عیسیٰؑ انبیاء بنی اسرائیل کے آخری نبی تھے اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جملہ انبیاء کیلئے خاتم النبیین اور آخری نبی ہیں، حضرت عیسیٰؑ کے بعد اُن کے جانشین اور اُن کے وصی کام کرتے رہے یا وہ لوگ کام کرتے رہے جن کو وہ اپنی موجودگی میں مختلف مقامات پر تبلیغ کے لئے روانہ فرما گئے تھے جیسا کہ سورۂ یٰسین میں اُن کے بعض فرستادوں کا ذکر انشاء اللہ تعالیٰ آجائیگا، اس فترت کے زمانہ میں ظاہر ہے کہ ایک عام جہالت اور گمراہی میں لوگ مبتلا ہوگئے اور توریت و انجیل کی تعلیم کو لوگوں نے مسخ کردیا، عرب کی حالت کچھ سے کچھ ہوگئی دین ابراہیمی کا نام لوگوں کی زبانوں پر تھا لیکن ملت ابراہیمی کی صحیح تصویر اور اُس کے حقیقی تصور سے لوگ یک سر ناآشنا ہوچکے تھے، اسی طرح یہود و نصاریٰ کا حال تھا کہ یہ لوگ موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کا نام ضرور لیتے تھے، لیکن مختلف قسم کے فسق و فجور اور ظلم و عدوان میں مبتلا تھے اور اُن کی حالت اس امر کی مقتضی تھی کہ اُن کی رہنمائی اور اُن کی دست گیری کی جائے اور ایسی حالت میں کہ مرور زمانہ اور حوادثات و واقعات کی بناء پر انبیاء سابقہ کی شرائع تقریباً مفقود اور معدوم ہوچکی تھیں اور اُن کے علم کا کوئی صحیح ذریعہ باقی نہیں رہا تھا ٹھیک ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ نے یہ احسان فرمایا کہ نبی آخر الزماں کو اُن کی طرف مبعوث فرمایا تاکہ تم قیامت میں رب العالمین کے سامنے یہ عذر نہ کرسکو کہ ہمارے پاس کوئی رسول نہیں آیا جو ہم کو دین کی صحیح تعلیم دیتا اور صحیح عمل کرنے پر بشارت اور نہ کرنے پر عذاب سے متنبہ کرتا، اس لئے اے پروردگار ہم معذور ہیں، لہٰذا تم کو خبردار کیا جاتا ہے کہ وہ بشیر و نذیر آگیا اور اب کسی عذر کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ واللہ علیٰ کل شئی قدیر کا یہ مطلب ہے کہ ایک مدت تک رسولوں کے سلسلے کو روک دینے پر بھی قادر ہے اور پے در پے رسول بھیجنے پر بھی قادر ہے، اور اس پر بھی قادر ہے کہ بشیر و نذیر کے نہ ماننے پر منکرین کو سزا دے اور عذاب کرے اور اس پر بھی قادر ہے کہ اگر تم نہ مانو تو کسی اور قوم کو تمہاری جگہ لے آئے اور وہ اس نبی پر ایمان لائے اور اس کی شریعت پر صحیح طور پر عمل کرے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں حضرت عیسیٰؑ کے بعد کوئی رسول نہ آیا تھا سو فرمایا کہ تم افسوس کرتے کہ ہم رسولوں کے وقت میں نہ ہوئے کہ تربیت اُن کی پاتے اب بعد تم کو رسول کی صحبت میسر آئی غنیمت جانو اور اللہ قادر ہے اگر تم نہ قبول کروگے اور خلق کھڑی کردے گا تم سے بہتر جیسے حضرت موسیٰؑ کے ساتھ جہاد کرنا قبول نہ کیا اُن کی قوم نے اللہ نے اُن کو محروم کردیا اوروں کے ہاتھ ملک شام فتح کروادیا (موضح القرآن) غرض آیت زیر بحث کا خلاصہ ترجمہ یہ ہے، اے اہل کتاب ہمارا یہ رسول جو شریعت کے احکام تم کو صاف صاف بتاتا ہے تمہارے پاس ایسے زمانہ میں آیا ہے جبکہ ایک مدت سے رسولوں کا تشریف لانا موقوف تھا، ہم نے اپنے اس رسول کو اس ضرورت کے موقعہ پر اسلئے بھیجا تاکہ تم قیامت میں یہ نہ کہو کہ ہم امر حق کے بجالانے میں اس لئے معذور رہے کہ ہمارے پاس کوئی خوش خبری دینے والا اور ڈرسنانے والا نہیں آیا جو ہم کو (باقی ضمیمہ میں)

وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۖ وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ ﴿١٨﴾ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ

اور زمین پر اور اس پر جو ان دونوں کے مابین ہے اور بالآخر اسی کی طرف سب کو لوٹنا ہے ۱۷ اے اہل کتاب

قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلَىٰ فَتْرَةٍ مِّنَ

تمہارے پاس ہمارا یہ رسول جو تم کو ہمارے احکام واضح طور پر بتاتا ہے ایسے وقت آیا ہے جبکہ رسولوں کا آنا

الرُّسُلِ أَن تَقُولُوا مَا جَاءَنَا مِن بَشِيرٍ وَلَا نَذِيرٍ ۖ

ایک عرصہ سے بند تھا تاکہ کہیں تم یوں نہ کہو کہ ہمارے پاس کوئی خوشی سنانے والا اور ڈرانے والا نہیں آیا

فَقَدْ جَاءَكُم بَشِيرٌ وَنَذِيرٌ ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ

سو لاشبہ اب تمہارے پاس بشیر اور نذیر آگیا اور اللہ ہر شئی پر پوری طرح

قَدِيرٌ ﴿١٩﴾ وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ اذْكُرُوا

قادر ہے ۱۸ اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا تھا اے میری قوم اللہ کے اُن احسانات کو

نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَعَلَ فِيكُمْ أَنبِيَاءَ وَجَعَلَكُم

جو اُس نے تم پر کئے ہیں یاد کرو جبکہ اُس نے تم میں بہت سے نبی پیدا کئے اور تم کو

مُّلُوكًا وَآتَاكُم مَّا لَمْ يُؤْتِ أَحَدًا مِّنَ الْعَالَمِينَ ﴿٢٠﴾ يَا قَوْمِ

حکمراں بنایا اور تم کو کچھ چیزیں ایسی بھی عطا کیں جو اقوام عالم میں سے کسی اور کو عطا نہیں کیں ۱۹ اے میری

ادْخُلُوا الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِي كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ وَ

تم اُس مقدس سرزمین میں داخل ہوجاؤ جو زمین اللہ تعالیٰ نے تمہارے حصہ میں لکھ دی ہے اور

لَا تَرْتَدُّوا عَلَىٰ أَدْبَارِكُمْ فَتَنقَلِبُوا خَاسِرِينَ ﴿٢١﴾ قَالُوا

پیٹھ دکھا کر واپس مت جاؤ ورنہ سخت نقصان میں جا پڑوگے ۲۰ بنی اسرائیل نے جواب دیا

يَا مُوسَىٰ إِنَّ فِيهَا قَوْمًا جَبَّارِينَ وَإِنَّا لَن نَّدْخُلَهَا

اے موسیٰ اُس ملک میں تو بڑے زور آور لوگ ہیں اور جب تک وہ لوگ وہاں سے نکل نہ جائیں ہم تو وہاں ہرگز قدم بھی نہ

حَتَّىٰ يَخْرُجُوا مِنْهَا فَإِن يَخْرُجُوا مِنْهَا فَإِنَّا دَاخِلُونَ ﴿٢٢﴾

رکھیں گے ہاں اگر وہ زور آور لوگ وہاں سے نکل جائیں تو ہم وہاں ضرور داخل ہوجائیں گے ۲۱

ع ٨

ف۱ بنی اسرائیل کے اس خشک جواب پر اُن دو شخصوں نے جو اللہ کا خوف رکھتے تھے اور متقیوں میں سے تھے اور جن پر اللہ تعالیٰ نے نوازش فرمائی تھی اُن دونوں نے بنی اسرائیل سے کہا کہ تم ان پر چڑھائی کر کے شہر کے دروازے میں گھس جاؤ پھر جب تم شہر کے دروازے میں داخل ہو جاؤ گے اور دروازے کا محاصرہ کر لو گے تو یقین جانو کہ تم اُن پر غالب آجاؤ گے اور اگر تم ایمان رکھتے ہو تو اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ رکھو (تیسیر) ان دو شخصوں سے مراد بظاہر کالب اور یوشع ہیں جیسا کہ ہم نے عرض کیا ہے۔ کہ ان بارہ[12] سرداروں میں سے دو[2] سردار اپنے عہد پر قائم رہے اور اُنھوں نے جبابرہ کی قوت و شوکت کا اظہار نہیں کیا اُنہی کو فرمایا ہے کہ وہ دونوں متقی اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے تھے اور اُن پر اللہ تعالیٰ نے نوازش فرمائی تھی اور اُن کو ثابت قدم رکھا تھا اُن دونوں نے حضرت موسیٰؑ کی تائید کرتے ہوئے بنی اسرائیل کو سمجھایا کہ تم ایک دفعہ ہمت کر کے شہر پناہ کے دروازے تک پہنچ جاؤ پھر دیکھو کیا ہوتا ہے اور تم کس طرح اُن پر غالب آجاتے ہو اور اُن دونوں نے یہ یقین اسلئے دلایا کہ یا تو اُن کو دشمن کی حالت معلوم ہوگی کہ اُن کے جسم تو بڑے موٹے تازے ہیں لیکن دل کمزور ہیں، اور یا تدبیر کے طور پر یہ رائے دی ہوگی کہ جب تم دروازے پر قبضہ کر لو گے اور وہ محصور ہو جائیں گے تو بہت جلدی ہتھیار ڈال دیں گے اور یا اس توقع پر کہا کہ دروازے پر قبضہ ہوتے ہی پھر معمولی سی لڑائی ہوگی اور تم غالب آجاؤ گے یا اس امید پر کہا ہو کہ حضرت موسیٰ تمہارے ساتھ ہیں اور یہ اُمید دلاتے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے یہ ملک لکھ چکا ہے تو پیغمبر کا فرمایا ٹل نہیں سکتا یہ لوگ ضرور غالب ہو جائیں گے بس صرف اتنی بات ہے کہ پیغمبر کے حکم کی تعمیل کے لئے آمادہ ہو جائیں اور بڑھ چلیں اور حملہ کرنے کی نیت سے دروازے تک پہونچ جائیں پھر ضرور اُن کی مدد ہوگی۔ اگر تم ایمان رکھتے ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کے وعدے پر ایمان رکھتے ہو اور موسیٰؑ اور ہارونؑ کی تصدیق کرتے ہو تو دشمن کی جانب نہ دیکھو بلکہ اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ رکھو، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان دو شخصوں سے مراد کوئی اور دو آدمی ہوں اور یخافون کا مطلب یہ ہو کہ جو لوگ دشمنوں سے ڈر رہے تھے اور خوف کھا رہے تھے انہی میں سے دو آدمی جن کو اللہ نے اپنی توفیق سے نوازا تھا بول اٹھے کہ تم گھبراؤ نہیں بلکہ تم پیغمبر کے ارشاد کی تعمیل میں نکل کھڑے ہو اور دروازے تک پہنچ جاؤ پھر تم ہی اپنے مقصد میں کامیاب ہو گے اور تمہاری فتح ہوگی اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان دو شخصوں سے مراد عمالقہ کی قوم کے دو آدمی ہوں جو مسلمان ہو گئے ہوں اور اُنھوں نے یہ اُمید دلائی ہو کہ ہم اپنی قوم کی حالت سے خوب واقف ہیں اگر تم نے ایک دفعہ بڑھ کر شہر کے دروازے پر قبضہ کر لیا اور شہر کو گھیر لیا تو یقین مانو کہ وہ ہتھیار ڈال دیں گے اور شکست قبول کر لیں گے واللہ اعلم بہرحال بنی اسرائیل نے ان دونوں متقی اور پرہیزگار آدمیوں کے کہنے کی بھی کچھ پروا نہیں کی بلکہ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں آدمیوں کو سنگسار کرنے اور پتھر مارنے پر آمادہ ہو گئے اور حضرت موسیٰؑ کو نہایت بے اعتنائی کے ساتھ گستاخانہ جواب دیا جو آگے

قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ

اس پر دو لوگ خدا سے ڈرنے والے تھے اُن میں سے اُن دو شخصوں نے جن پر خدا نے انعام کیا تھا بنی اسرائیل سے یوں کہا

عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ

تم اُن لوگوں پر چڑھائی کر کے شہر کے دروازے میں گھس جاؤ پھر جب تم دروازے میں داخل ہو جاؤ گے تو یقین مانو کہ تم

غٰلِبُوْنَ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٢٣﴾

ان پر غالب آجاؤ گے اور اگر تم مومن ہو تو اللہ ہی پر بھروسہ رکھو ف۱

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا

مگر بنی اسرائیل نے پھر یہی جواب دیا کہ اے موسیٰ جب تک وہ لوگ وہاں موجود ہیں ہم اس سرزمین میں ہرگز کبھی

فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا

داخل نہیں ہوں گے سو اے موسیٰ تو اور تیرا رب دونوں جاؤ اور اُن سے جنگ کرو ہم تو

قٰعِدُوْنَ ﴿٢٤﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّىْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِىْ

یہیں بیٹھے ہیں ف۲ اس پر موسیٰ نے کہا اے میرے رب میں سوائے اپنے اور اپنے بھائی کے اور کسی پر

وَاَخِىْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٢٥﴾

اختیار نہیں رکھتا سو تو ہمارے اور اس بے حکم قوم کے درمیان فیصلہ کر دے

قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اب وہ مقدس سرزمین ان پر چالیس سال کے لئے روک دی گئی یہ زمین کے ایک

فِى الْاَرْضِ ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٢٦﴾

خاص حصے میں سر مارتے پھریں گے سو اے موسیٰ تو اس نافرمان قوم کے حال پر افسوس نہ کر

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَىْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا

اور آپ اہلِ کتاب کو آدم کے دو بیٹوں کا واقعہ صحیح طور پر پڑھ کر سنا دیجئے جب ان میں سے ہر ایک نے اللہ کیلئے کچھ نیاز پیش

فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ؕ

کی تو ان میں سے ایک کی نیاز مقبول ہو گئی اور دوسرے کی قبول نہیں کی گئی۔

بیان ہوتا ہے چنانچہ ارشاد ہے (تسہیل) ف۲ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ کو مخاطب کرتے ہوئے جواب دیا اے موسیٰ جب تک وہ لوگ وہاں موجود ہیں ہم ہرگز کبھی بھی اُس سرزمین میں قدم نہیں رکھیں گے اور اگر اُن سے لڑنا ہی ہے تو اے موسیٰ تو اور تیرا رب دونوں جاؤ اور اُن سے تم دونوں جا کر لڑو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں اور ہم تو یہاں سے سرکنے والے نہیں (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ ہم تو کسی طرح اُس سرزمین پر قبضہ اور تسلط رکھنے والوں سے لڑنے پر آمادہ نہیں ہیں اور اگر لڑنا ہی ہے اور ایسا کرنا ضروری ہے تو پھر اے موسیٰ تم چلے جاؤ اور تمہارا رب تمہاری مدد کرنے چلا جائے اور جا کر لڑو ہم تو یہاں سے قدم بڑھانے اور جہاد کرنے کو جانے والے نہیں، بظاہر بنی اسرائیل کا یہ کہنا کفر ہے۔ اور جو معنی ہم نے بیان کئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرنے کو جائے تب بھی ان کلمات کے فسق ہونے میں تو شک نہیں اور چونکہ حضرت موسیٰؑ اُن لوگوں سے علیحدہ نہیں ہوئے اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کافر نہیں ہوئے اور اسی بنا پر تفسیر مظہری نے یہ توجیہ کی ہے جیسا کہ ہم نے

(باقی ضمیمہ میں)

ربع ٤ — ٨ — نصف

ف اے قابیل اگر تو مجھے قتل کرنے کی غرض سے مجھ پر اپنا ہاتھ بڑھائے گا اور مجھ پر دست درازی کرے گا تب بھی میں تیرے قتل کرنے کے لئے تجھ پر اپنا ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا اور تجھ کو قتل کرنے کی غرض سے تجھ پر دست درازی نہ کروں گا۔ کیونکہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں جو جملہ کائنات اور تمام عالموں کا رب ہے، میں یہ چاہتا ہوں کہ تو اپنے گناہوں کے ساتھ میرے قتل کا گناہ بھی حاصل کرلے اور تو میرا گناہ اپنے گناہوں کے ساتھ اپنے سر پر رکھ لے پھر تو اہل دوزخ میں شامل ہو جائے اور یہ دوزخیوں میں شامل ہو جانا ہی ظلم کرنے والوں کا صحیح بدلہ ہے (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ جب ہابیل کی نیاز مقبول ہوگئی تو قابیل نے بجائے اس کے کہ شرمندہ ہو کر اپنے غلط اور ناجائز مطالبہ سے دست بردار ہو جاتا اور زیادہ گناہ پر دلیر ہوگیا، جیسا کہ قاعدہ ہے کہ ایک گناہ دوسرے گناہ کو اور ایک غلطی دوسری غلطی کو اُسی طرح بڑھاتی ہے جس طرح بد پرہیزی کرنے سے مرض میں اضافہ ہو جاتا ہے، قابیل نے غصہ میں آکر کہا کہ میں تجھ کو قتل کر ڈالوں گا، اس پر ہابیل نے قربانی کی قبولیت کا سبب تو یہ بیان کیا کہ اس میں تیری ہی غلطی ہے میرا تو کوئی قصور نہیں، کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ جو لوگ آپس کے جھگڑوں اور ناحق سے بچتے اور ناجائز مطالبوں سے پرہیز کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ایسے ہی متقیوں اور پرہیزگاروں کی نیاز قبول فرمایا کرتا ہے اب تو خود غور کر کہ حق پر کون ہے اور ناحق پر کون ہے، رہی یہ بات کہ تو مجھ کو قتل کرے گا تو اچھا اگر تو نے یہ ارادہ ہی کرلیا ہے تو سُن لے کہ اگر تو نے مجھے قتل کرنے کی غرض سے ہاتھ اُٹھایا تو میں تجھ کو قتل کرنے کے لئے ہاتھ نہیں اُٹھاؤں گا تاکہ قاتل اور مقتول دونوں دوزخ میں نہ جائیں بلکہ میں صبر کروں گا کیونکہ میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا اور خوف کھاتا ہوں اور اس میرے صبر کرنے اور مظلوم قتل ہونے سے میرا مقصد یہ ہے کہ مجھ سے کوئی گناہ کی بات سرزد نہ ہو خواہ تو مجھ پر کتنا ہی ظلم کرے اور تیرے ظلم اور میرے صبر کا یہ اثر ہو کہ تو میرا گناہ اور اپنے گناہ سب اپنے سر پر لادلے اور یہ تمام گناہ تجھ کو حاصل ہو جائیں اور تجھ پر پڑ جائیں پھر تو اہل جہنم سے ہو جائے اور یہ جہنمی ہو جانا ہی ظلم کرنے والوں کا اصل بدلہ ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں اگر کوئی ناحق کسی کو مارنے لگے تو اس کو رخصت ہے کہ ظالم کو مارے اور اگر صبر کرے تو شہادت کا درجہ ہے۔ فائدہ۔ یعنی تیرے گناہ عمر کے تجھ پر ثابت رہیں اور میرے خون کا گناہ چڑھے اور میری عمر کے گناہ اُتریں (موضح القرآن) اس موقع پر چند امور قابل غور ہیں (۱) ہابیل کا یہ کہنا کہاں تک صحیح ہے کہ میں مدافعت بالکل نہیں کروں گا اور تجھ پر ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا۔ حضرات مفسرین نے اسکے کئی طرح جواب دئے ہیں، ہابیل کے اس کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ مجھ کو یہ حق ہے اور مجھ کو یہ جائز ہے کہ میں تجھ کو قتل کروں کیونکہ تو مجھے قتل کرنے کو آمادہ ہے لیکن میں اللہ تعالیٰ کے خوف سے ایسا نہیں کروں گا اور تجھے کسی وقت بھی قتل نہیں کروں گا۔ حضرت عبداللہ بن

قَالَ لَأَقْتُلَنَّكَ ۖ قَالَ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ
اس پر دوسرے نے کہا میں ضرور تجھ کو قتل کردوں گا اُس نے جواب دیا اللہ تعالیٰ تو پرہیزگاروں
الْمُتَّقِينَ ﴿٢٧﴾ لَئِن بَسَطتَ إِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِي مَا أَنَا
ہی کے عمل قبول فرماتا ہے۔ اگر تو مجھے قتل کرنے کی غرض سے میری طرف اپنا ہاتھ بڑھائے گا تو میں تجھے
بِبَاسِطٍ يَدِيَ إِلَيْكَ لِأَقْتُلَكَ ۖ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ
قتل کرنے کی غرض سے تجھ پر اپنا ہاتھ نہیں اُٹھاؤں گا کیونکہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو
رَبَّ الْعَالَمِينَ ﴿٢٨﴾ إِنِّي أُرِيدُ أَن تَبُوءَ بِإِثْمِي وَ
جملہ مخلوقات کا رب ہے۔ میرا مقصد یہ ہے کہ تو اپنے گناہوں کے ساتھ میرے قتل کا
إِثْمِكَ فَتَكُونَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ ۚ وَذَٰلِكَ جَزَاءُ
گناہ بھی حاصل کرلے پھر تو اہل دوزخ میں شامل ہو جائے اور یہ دوزخی ہونا ہی صحیح بدلہ ہے
الظَّالِمِينَ ﴿٢٩﴾ فَطَوَّعَتْ لَهُ نَفْسُهُ قَتْلَ أَخِيهِ فَقَتَلَهُ
ظالموں کا۔ آخر کار اس دوسرے کو اُس کے نفس نے اپنے بھائی کا قتل آسان کردیا اور اس نے اپنے بھائی کو
فَأَصْبَحَ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿٣٠﴾ فَبَعَثَ اللَّهُ غُرَابًا يَبْحَثُ
قتل کر ڈالا پھر وہ قاتل سخت نقصان اُٹھانے والوں میں ہوگیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ایک کوا بھیجا جو زمین کو
فِي الْأَرْضِ لِيُرِيَهُ كَيْفَ يُوَارِي سَوْءَةَ أَخِيهِ ۚ
کھودنے لگا تاکہ وہ کوا اُس قاتل کو یہ بتائے کہ وہ اپنے بھائی کی لاش کو کس طرح چھپائے
قَالَ يَا وَيْلَتَىٰ أَعَجَزْتُ أَنْ أَكُونَ مِثْلَ هَٰذَا
قاتل نے کہا ہائے افسوس میرے حال پر میں اس قابل بھی نہ ہو سکا کہ اس کوے ہی جیسا
الْغُرَابِ فَأُوَارِيَ سَوْءَةَ أَخِي ۖ فَأَصْبَحَ مِنَ
ہوتا اور اپنے بھائی کی لاش کو تو چھپا دیتا پھر وہ اس حالت پر
النَّادِمِينَ ﴿٣١﴾ مِنْ أَجْلِ ذَٰلِكَ كَتَبْنَا عَلَىٰ بَنِي
پچھتانے لگا اسی واقعہ کی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر

النصف — مع ۵ — وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم — عند المتأخرین — ۱۲/۲

عمروؓ کا قول ہے کہ خدا کی قسم ہابیل طاقت و قوت میں قابیل سے زیادہ تھا لیکن اس نے محض اللہ تعالیٰ کے خوف سے بھائی پر ہاتھ نہیں اٹھایا اور یہ جواب بھی ہو سکتا ہے کہ اس شریعت میں مدافعت جائز نہیں تھی۔ حضرت مجاہد کا قول ہے کہ اُس وقت اُن کے لئے یہ حکم تھا کہ جب کوئی قتل کا ارادہ کرے تو اُس کو روکے نہیں اور صبر کرے۔ یعنی قاتل کا مقابلہ نہ کرے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہابیل نے عزیمت پر عمل کیا ہو اگرچہ رخصت یہ تھا کہ مدافعت کر سکتا تھا لیکن ہابیل نے عزیمت پر عمل کیا جیسا کہ ابن سعد نے طبقات میں نقل کیا ہے، فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اللہ کا بندہ مقتول بن اور اللہ تعالیٰ کا بندہ قاتل نہ بن۔ عبدالرزاق اور ابن جریر نے ایک اور روایت نقل کی ہے جس میں حضورؐ نے فرمایا ہے آدم کے دو لڑکوں کی مثال اس اُمت کے لئے بیان کی گئی ہے، تم اُن دونوں میں سے جو بہتر ہو اُس کو اختیار کرنا۔ عبد بن حمید کے الفاظ یہ ہیں کہ اُن دونوں میں سے بہتر اور نیک بھائی کی مشابہت اختیار کرنا

(باقی ضمیمہ میں)

ف اسی واقعہ کی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ فرمان لکھدیا اور یہ حکم مقرر کر دیا کہ جو شخص کسی انسان کو بلا کسی انسانی خون کے عوض جو اُس نے ناحق کیا ہو یا بدون کسی شر و فساد کے جو اُس نے ملک میں برپا کیا ہو قتل کر ڈالے تو یہ بے گناہ انسان کا قتل کر ڈالنا ایسا گناہ ہے گویا اُس نے تمام انسانوں کو قتل کر ڈالا اور جس شخص نے کسی بے گناہ انسان کو قتل ہونے سے بچا لیا تو بے قصور شخص کو بچا لینا ایسا ثواب ہے گویا اُس نے تمام انسانوں کو بچا لیا اور بلاشبہ ہمارے بہت سے رسول بنی اسرائیل کے پاس صاف صاف احکام اور واضح دلائل لیکر آتے رہے یعنی یہ فرمان جاری کرنے کے بعد ہمارے بہت سے رسول بھی اس فرمان کی تائید کرتے رہے اور اس فرمان کی تائید میں دلائل پیش کرتے رہے مگر باوجود اس قدر تاکید و تائید کے پھر بھی بنی اسرائیل میں سے اکثر لوگ زمین میں حد سے تجاوز کرنے والے اور زیادتیاں کرنے والے ہیں (تیسیر) حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی اول روئے زمین میں بڑا گناہ یہی ہوا اس سے آگے رسم پڑی اسی سبب سے توریت میں اسی طرح فرمایا کہ ایک کو مارا جیسے سب کو مارا یعنی ایک کے کرنے سے اور دلیر ہوتے ہیں تو سب کے گناہ میں وہ اول بھی شریک ہے اور جیسا ایک کو جلایا سب کو جلایا یعنی ظالم کے ہاتھ سے بچا لیا (موضح القرآن) من اجل ذلک کا تعلق کتبنا سے ہے اور اسی کا سبب ہے۔ جیسا کہ ہم نے اختیار کیا ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس کا تعلق نادمین سے ہو جیسا کہ بعض مفسرینؒ نے اختیار کیا ہے۔ اگر تعلق نادمین سے ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ قابیل اس سبب سے پچھتانے لگا یعنی قتل کے بعد جو باتیں پیش آئیں اُن کی وجہ سے پچھتانے لگا بنی اسرائیل پر قصاص کا فرمان جاری کرنے سے یہ مطلب نہیں کہ اور لوگوں پر یہ حکم نہیں تھا۔ بلکہ یہ قصاص کا حکم تمام مکلفین پر جاری کیا گیا تھا بنی اسرائیل کا نام خاص طور پر اس لئے لیا گیا کہ چونکہ اُن میں قتل کا رواج بہت زیادہ تھا حتیٰ کہ انبیاء تک کو قتل کر دیا کرتے تھے اس لئے توریت میں خاص طور پر قتل کی مذمت بیان فرمائی اور قتل ناحق کو اس قدر خطرناک فرمایا کہ ایک انسان کا قتل ایسا ہے گویا تمام انسانوں کے قتل کا دروازہ اس قاتل نے کھول دیا۔ البتہ دو صورتوں کو مستثنیٰ فرما دیا جیسا کہ ہم دوسرے پارے میں مفصل عرض کر چکے ہیں کہ بعض مجرموں کی سزا ہی قتل ہے۔ تو اُن کا قتل کر ڈالنا نہ صرف جائز بلکہ واجب ہے اس لئے کہ اگر واجب القتل لوگوں کو سزا نہ دی جائے تو جرائم کی روک تھام نہیں ہو سکتی اور زمین میں امن نہیں قائم ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ اس قصاص واجب کو ان الفاظ سے مستثنیٰ فرماتا ہے۔ کہ بغیر نفس او فساد فی الارض۔ یعنی قاتل نے جس شخص کو قتل کیا ہے وہ مقتول کسی کا قاتل نہ ہو اور یہ قتل قصاص کے طور پر نہ کیا ہو بلکہ خواہ مخواہ کسی بے گناہ کو قتل کر ڈالا ہو، اسی طرح جس شخص کو قتل کیا ہے وہ مقتول ملک میں فساد برپا کرنے والا بھی نہ ہو جس کی سزا قتل ہے۔ فساد کی تشریح ہم دوسرے پارے میں عرض کر چکے ہیں یہاں بھی ہر قسم کا وہ فساد مراد ہے جس کی سزا شریعت میں قتل رکھی گئی ہو مثلاً اہل حرب کا فساد اہل بغاوت کا فساد، زنا، ارتداد و راہزنی، انبیاء علیہم السلام کی توہین وغیرہ یعنی مقتول اُن جرائم کا مرتکب نہ ہو

إِسْرَآءِيلَ أَنَّهُۥ مَن قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ

یہ فرمان لکھ دیا کہ جو شخص کسی انسان کو بغیر کسی انسانی خون کے عوض یا

فَسَادٍ فِى ٱلْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ ٱلنَّاسَ جَمِيعًا

بغیر ملک میں کوئی فساد برپا کرنے کے قتل کر ڈالے تو گویا اُس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا

وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَآ أَحْيَا ٱلنَّاسَ جَمِيعًا ۚ وَلَقَدْ

اور جو کسی انسانی زندگی کی بقا کا سبب بنا تو گویا اُس نے تمام نوع انسانی کو زندہ رکھا اور یقیناً

جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِٱلْبَيِّنَٰتِ ثُمَّ إِنَّ كَثِيرًا مِّنْهُم

بنی اسرائیل کے پاس ہمارے رسول صاف صاف احکام لیکر آتے رہے پھر باوجود اس کے بھی ان میں

بَعْدَ ذَٰلِكَ فِى ٱلْأَرْضِ لَمُسْرِفُونَ ﴿٣٢﴾ إِنَّمَا جَزَٰٓؤُا۟

سے اکثر لوگ زمین میں زیادتیاں کرنے والے ہیں ط جو لوگ اللہ تعالیٰ سے

ٱلَّذِينَ يُحَارِبُونَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَيَسْعَوْنَ فِى

اور اُس کے رسول سے لڑتے ہیں اور ملک میں فساد برپا کرتے کو دوڑتے

ٱلْأَرْضِ فَسَادًا أَن يُقَتَّلُوٓا۟ أَوْ يُصَلَّبُوٓا۟ أَوْ تُقَطَّعَ

پھرتے ہیں ایسے لوگوں کی بس یہی سزا ہے کہ وہ قتل کئے جائیں یا سولی پر چڑھائے جائیں یا اُن میں سے ہر ایک کا

أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُم مِّنْ خِلَٰفٍ أَوْ يُنفَوْا۟ مِنَ

ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا پاؤں کاٹ دیا جائے یا وہ شہر بدر

ٱلْأَرْضِ ۚ ذَٰلِكَ لَهُمْ خِزْىٌ فِى ٱلدُّنْيَا ۖ وَلَهُمْ فِى ٱلْءَاخِرَةِ

کر دیئے جائیں یہ سزا اُن کے لئے دنیا میں سخت رسوائی ہے اور آخرت میں اُن کے لئے

عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٣٣﴾ إِلَّا ٱلَّذِينَ تَابُوا۟ مِن قَبْلِ أَن

بہت بڑا عذاب ہے۔ مگر ہاں وہ لوگ جو اس سے پہلے پہلے کہ تم اُن پر قابو پاؤ

تَقْدِرُوا۟ عَلَيْهِمْ ۖ فَٱعْلَمُوٓا۟ أَنَّ ٱللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٣٤﴾

توبہ کرلیں تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا اور نہایت مہربان ہے

ع ٥ ٨ ٩

جن کی سزا شرعاً وجوب قتل ہے اگر کسی ایسے بے گناہ کو قتل کر دیا تو گویا قاتل نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا۔ اور اسی طرح جس نے کسی انسان کو ایک ایسے قتل سے بچا لیا جو غیر واجب قتل تھا اور شرعاً اس قتل کی اجازت نہ تھی تو گویا اُس نے بنی نوع انسان کی زندگی کا سامان کر دیا۔ بظاہر اس کا مطلب یہ ہے کہ انسانی قتل سے عام انسانوں کے قتل پر لوگوں کو جرأت ہو جاتی ہے اور عام بدامنی کو تقویت پہونچتی ہے اس لئے ایک بے گناہ کا قتل ایسا ہی ہے جیسے تمام انسانوں کو قتل کیا اور اس کے مقابل کسی بے گناہ انسان کا بچانا بھی ایسا ہی ہے جیسے تمام انسانوں کو زندہ رکھا، کیونکہ نوع انسانی کی ہلاکت اور نوع انسانی کا بقا، صرف جان کے احترام اور عدم احترام پر موقوف ہے جس شخص کے دل میں انسانی جان کا احترام نہیں ہے وہ گویا انسانیت کا دشمن ہے اور جس کے دل میں انسانی جان کی بقاء کا جذبہ ہے وہ گویا انسانیت کا خیر خواہ اور انسانیت کا حامی ہے۔ بعض حضرات نے (باقی ضمیمہ میں)

ف اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخالفت سے ڈرتے رہو یعنی معاصی اور گناہ ترک کرو اور اُس کی جناب میں قرب حاصل کرنے کا ذریعہ تلاش کرو یعنی اُس کے احکام اور طاعات ضروریہ بجالاؤ۔ اور ان طاعاتِ ضروریہ میں سے خاص طور پر اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا کرو توقع ہے کہ تم کامیاب ہوگے۔ یعنی دنیا میں بھی سربلند اور ذی اقتدار ہوگے اور آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اُس کا قرب حاصل کروگے اور دوزخ سے بچ جاؤگے (تیسیر) حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی رسول کی اطاعت میں جو نیکی کرو وہ قبول ہے اور بغیر اُس کے عقل سے کرو سو قبول نہیں (موضح القرآن) وسیلہ حصول مطلوب کے ذریعہ کو کہتے ہیں، یہاں تقرب کے ساتھ سلف نے تفسیر کی ہے اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا تقرب طاعات ہی سے حاصل ہو سکتا ہے، حدیث میں آتا ہے کہ وسیلہ ایک درجہ اور مرتبہ ہے، اس سے اونچا کوئی درجہ اور مرتبہ نہیں ہے تم اللہ تعالیٰ سے میرے لئے وسیلہ طلب کیا کرو۔ بخاری نے جابر بن عبداللہؓ سے روایت کی ہے جو شخص اذان سُن کر یوں کہتا ہے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ

اے ایمان والو اللہ سے ڈرتے رہو اور اُس کی جناب میں قرب حاصل کرنے کا ذریعہ تلاش کرو

وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو توقع ہے کہ تم کامیاب ہو جاؤگے بالیقین جانو جو لوگ

كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ

کافر ہیں اگر اُن کے پاس وہ سب کچھ ہو جو زمین میں ہے اور اتنا ہی اور بھی اُس کے ساتھ ہو

مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ

کہ وہ کافر یہ سب مال و دولت روز قیامت کے عذاب سے بچنے کیلئے فدیہ میں دینا چاہیں تب بھی وہ انکی طرف سے قبول نہیں

مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۳۶﴾ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا

کیا جائیگا اور انہیں دردناک عذاب ہو کر رہے گا۔ وہ کافر اس امر کی خواہش کریں گے کہ آگ سے

مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا وَلَهُمْ عَذَابٌ

نکل جائیں حالانکہ اُن کو اس آگ سے کبھی نکلنا نصیب نہیں ہوگا اور اُن کے لئے دائمی

مُّقِيْمٌ ﴿۳۷﴾ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا

عذاب ہے اور چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت ان دونوں کا ہاتھ کاٹ دو

جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ

یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے بطور سزا کے اُن کی کمائی کا بدلا ہے اور اللہ بڑی قوت والا

حَكِيْمٌ ﴿۳۸﴾ فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ

اور بڑی حکمت والا ہے۔ پھر جو شخص اپنے گناہ کے بعد توبہ کرلے اور اپنی اصلاح کرلے تو بلاشبہ

اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۹﴾ اَلَمْ

اللہ تعالیٰ نظر عفو کے ساتھ اس پر توجہ فرمائیگا یقیناً اللہ بڑے بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔ اے مخاطب

تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يُعَذِّبُ

کیا تجھے معلوم نہیں کہ اللہ ہی کے لئے ہے سلطنت آسمانوں کی اور زمین کی وہ جس کو چاہے

اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَآئِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدَ اِۨالْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَا الَّذِيْ وَعَدْتَّهٗ ۔ تو ایسے شخص کے لئے قیامت کے دن میری شفاعت حلال ہو جاتی ہے مسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت کی ہے کہ جب تم موذن کی اذان سنو تو موذن جس طرح کہتا ہے اُسی طرح تم بھی کہو پھر مجھ پر درود پڑھو، جو شخص مجھ پر درود پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے پھر میرے لئے اللہ تعالیٰ سے وسیلہ طلب کرو یہ وسیلہ جنت میں ایک درجہ ہے جو اللہ کے بندوں میں سے سوائے ایک بندے کے اور کسی کو نصیب نہ ہوگا اور مجھ کو یہ اُمید ہے کہ وہ بندہ میں ہوں۔ تم میں سے جو شخص میرے لئے اللہ تعالیٰ سے وسیلہ طلب کرے گا تو اُس کیلئے میری شفاعت حلال ہوگی۔ اس تفسیر پر اگر یہ شبہ کیا جائے کہ جب یہ درجہ جس کو وسیلہ کہا گیا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے تو اسکو عام مسلمان کس طرح طلب کر سکتے ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اصل کے اعتبار سے تو یہ درجہ حضورؐ ہی کے ساتھ مخصوص ہے لیکن تبعاً اُمت کے دوسرے افراد بھی مستفید ہو سکتے ہیں اور یہ جواب بھی ہو سکتا ہے کہ وسیلہ سے قرب کے عام درجات مراد ہوں، جن میں سے خاص درجہ حضورؐ کے لئے مخصوص ہو باقی دوسرے کاملین کو حسب مراتب عطا کئے جائیں، واللہ اعلم، سلف سے جو تفسیر منقول ہے اُس کی بنا پر ہم نے تیسیر میں خلاصہ کر دیا ہے اور اسی وجہ سے طاعات میں جہاد کا ذکر کرتے ہوئے خاص طور کا لفظ رکھا ہے، تاکہ یہ بات معلوم ہو جائے کہ جس قدر طاعت میں کلفت اور محنت ہوگی اُسی قدر تقرب اور قربت حاصل ہوگی اور شاید اس موقعہ پر جہاد کا ذکر اس لئے بھی فرمایا ہو کہ اوپر قتل و لوٹ سے منع کیا تھا اور چونکہ بظاہر جہاد میں بھی یہی ہوتا ہے اس لئے فرمایا کہ جہاد رہزنی اور ڈکیتی کا نام نہیں ہے دونوں میں بڑا فرق ہے اگرچہ صورتاً یکساں معلوم ہوتے ہوں، اسی لئے شاہ صاحبؒ نے بھی اپنے فائدے میں فرمایا کہ اللہ رسول کی اطاعت سے کسی کام کو بجالانا مقبول ہے اور اپنی عقل سے کسی کام کو کرنا بے سود اور مردود ہے، بہرحال مطلب یہ ہے کہ جو جنگ اور لوٹ مار اللہ تعالیٰ کی بات کو اونچا کرنے اور دنیا میں امن قائم کرنے کی غرض سے کی جائے وہ موجب اجر و ثواب ہے اور جو جنگ بدامنی اور رہزنی کی غرض سے کی جائے تو وہ دنیا اور آخرت میں رسوائی اور عذاب کا موجب ہے۔ بہرحال زیر بحث آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخالفت سے بچتے رہو اور تمام منہیات شرعیہ سے بچتے رہو اور اللہ تعالیٰ کی جناب میں تقرب کا ذریعہ تلاش کرو اور چونکہ حضرت حق کی جناب میں تقرب نیک اعمال سے ہی ہو سکتا ہے اس لئے نیک اعمال کرتے رہو اور منجملہ دوسرے نیک اعمال کے خاص طور پر مجاہدانہ زندگی اختیار کرو تاکہ تم دین و دنیا دونوں میں اپنے مقصد اور اپنی مراد سے ہم آغوش ہو سکو، اب آگے کفر کی مذمت ہے، کیونکہ نیک اعمال میں سب سے بڑھ کر ایمان اور معاصی میں سب سے بڑھ کر کفر ہے، لہٰذا کفر کی مذمت ایمان کی مدح کو مستلزم ہے، (باقی ضمیمہ میں)۔

عذاب کرے اور سزا دے اور جس کو چاہے معاف کردے اور مغفرت فرما دے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ چوری خواہ مرد کرے یا عورت

من يشاء ويغفر لمن يشاء والله على كل شيء

عذاب کرے اور جس کو چاہے بخش دے اور اللہ تعالیٰ ہر شے پر پوری طرح

قدير ﴿۴۰﴾ يا أيها الرسول لا يحزنك الذين يسارعون

قادر ہے اے پیغمبر آپ کو وہ لوگ جو کفر میں جلدی سے جا گرتے ہیں

في الكفر من الذين قالوا آمنا بأفواههم ولم

غمگین نہ کریں خواہ یہ لوگ اُن میں سے ہوں جو اپنے مُنہ سے تو یوں کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اور انکی حالت یہ

تؤمن قلوبهم ج ومن الذين هادوا ج سماعون

ہے کہ انکے دل ایمان نہیں لائے اور خواہ وہ اُن لوگوں میں سے ہوں جو یہودی ہیں یہ لوگ جھوٹی باتیں سُننے کے بڑے

للكذب سماعون لقوم آخرين لم يأتوك يحرفون

عادی ہیں یہ کان لگا کر آپ کی باتیں اُن دوسرے لوگوں کی جاسوسی کیلئے سنتے ہیں جنھوں نے آپ تک آنا ابھی گوارا نہیں کیا

الكلم من بعد مواضعه ج يقولون إن أوتيتم

وہ لوگ کلام کو باوجود اس کے صحیح موقعہ پر ہونے کے بدلدیتے ہیں وہ اپنے جاسوسوں سے یہ کہدیتے ہیں کہ اگر تم کو ہمارے اس

هذا فخذوه وإن لم تؤتوه فاحذروا ط ومن

حکم کے موافق کوئی حکم ملے تو قبول کرلینا اور اگر ایسا حکم نہ ملے تو بچ نکلنا اور جس شخص کو

يرد الله فتنته فلن تملك له من الله شيئا ط

اللہ ہی فتنہ میں مبتلا کرنا چاہے تو اُس کے لئے اللہ کے سامنے آپ کا کچھ زور نہیں چل سکتا

أولئك الذين لم يرد الله أن يطهر قلوبهم ط لهم

یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو پاک کرنے کا اللہ نے ارادہ نہیں کیا دنیا میں

في الدنيا خزي ج ولهم في الآخرة عذاب عظيم ﴿۴۱﴾

اُن لوگوں کیلئے بڑی رسوائی ہے اور اُن کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے

سماعون للكذب أكالون للسحت ط فإن جاءوك

یہ لوگ جھوٹی باتیں سننے کے بہت عادی ہیں حرام مال کے بہت کھانے والے ہیں پس اگر یہ لوگ آپ کے پاس آئیں

ع ۳

دونوں کی سزا یہ ہے کہ اُن کا داہنا ہاتھ پہنچے کے پاس سے کاٹ دیا جائے اور کاٹنے کے بعد داغ دیا جائے تاکہ خون بند ہو جائے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ جزا اُن کی کمائی اور ان کے کسب کے بدلے بطور سزا اور عقوبت کے مقرر ہے رہی یہ بات کہ اتنی سخت سزا کیوں مقرر فرمائی تو اللہ تعالیٰ عزیز ہے یعنی بڑی قوت کا مالک اور بڑے غلبہ والا ہے وہ جو سزا چاہے مقرر کرے کسی کو اعتراض کا حق نہیں اور وہ بڑی حکمت اور دانش کا مالک ہے جو سزا مقرر کرتا ہے وہ عین حکمت کے موافق ہوتی ہے اور جرائم کے انسداد کی غرض سے وہی مناسب اور موزوں ہوتی ہے یہ سزا تو چور کو دنیا میں دی جائے رہا آخرت کی گرفت کا معاملہ تو اگر کوئی شخص اپنی اس حرکت قبیحہ کے بعد تائب ہو جائے اور اپنی درستی کرلے اور توبہ بھی قواعدِ شرعیہ کے موافق کرلے یعنی اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی سے توبہ کرے اور صاحبِ مال کا سامان موجود ہو تو واپس کرے اور اگر تلف ہو گیا ہو تو ضمان دے یا صاحبِ حق سے معاف کرائے اور آئندہ کے لئے اپنے چال چلن صحیح رکھے تو اللہ تعالیٰ اپنے عفو و کرم اور اپنی نظرِ رحمت کے ساتھ اس کے حال پر توجہ فرمائے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عام شان معاف کردینے اور مہربانی کرنے کی ہے وہ بڑا غفور رحیم ہے۔ اور چوروں اور ڈاکوؤں کے متعلق جو سزائیں تجویز فرمائی ہیں تو کیا تم لوگ جانتے نہیں کہ تمام آسمانوں اور زمین کی سلطنت کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے اور چونکہ وہی مالک ہے اور حکومت کا حق اُسی کو حاصل ہے اس لئے وہ جس کو چاہتا ہے سزا دیتا ہے اور جو سزا چاہتا ہے دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے، اپنی حکومت میں ہر قسم کے قوانین نافذ کرنے اور سزا دینے اور معاف کرنے کی پوری قدرت اُسے حاصل ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے. حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یہ اس پر فرمایا کہ کوئی تعجب نہ کرے چور کو تھوڑی خطا پر بڑی سزا فرمائی (موضح القرآن) اس موقعہ پر چند باتیں ملحوظ خاطر رہیں (۱) سرقہ شریعت میں اُس چوری کو کہتے ہیں کہ کوئی شخص مالِ محفوظ کی چوری کرے خواہ یہ حفاظت کسی مکان یا صندوقچہ میں قفل لگا کر کی ہو یا کسی محافظ کو مقرر کر کے کی ہو۔ (۲) جو مال چور نے چرایا ہو وہ دس درہم کا ہو اگر دس درہم یا ایک دینار سے کم ہوگا تو ایسے چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، (۳) پہلی مرتبہ چور کا داہنا ہاتھ پہنچے تک کاٹ کر خون بند کرنے کی غرض سے بقیہ ہاتھ کو داغ لگا دیا جائے یعنی گرم تیل میں ڈبو دیا جائے اگر دوبارہ پھر چوری کرے تو بایاں پاؤں کاٹ دیا جائے اگر اس کے بعد پھر کوئی چوری کرے تو اس کا کوئی عضو نہ کاٹا جائے بلکہ اُس وقت تک قید کر دیا جائے جب تک وہ توبہ نہ کرے اور قرائن سے اس کا تائب ہونا معلوم نہ ہو جائے۔ (۴) حدود الٰہی کے متعلق ہم عرض کر چکے ہیں کہ یہ معاف کرنے سے معاف نہیں ہوتیں جیسا کہ مخزومیہ عورت کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دینے میں حضورؐ نے اُسامہ بن زیدؓ کی سفارش (باقی تفسیر میں)

فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ أَوْ أَعْرِضْ عَنْهُمْ ۖ وَإِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ

تو آپ کو اختیار ہے خواہ اُن کے مابین فیصلہ کر دیجئے یا اُن سے روگردانی اختیار کیجئے اور اگر آپ اُن سے روگردانی

فَلَنْ يَضُرُّوكَ شَيْئًا ۖ وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ

اختیار کریں گے تو وہ آپ کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے اور اگر آپ فیصلہ کریں تو اُن کے مابین انصاف کے

بِالْقِسْطِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ﴿٤٢﴾ وَكَيْفَ

ساتھ فیصلہ کیجئے بلاشبہ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے ف۱ اور یہ لوگ

يُحَكِّمُونَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرَاةُ فِيهَا حُكْمُ اللَّهِ ثُمَّ

آپ کو کیسے منصف بناتے ہیں حالانکہ اُن کے پاس توریت ہے جس میں خدا کا حکم موجود ہے پھر

يَتَوَلَّوْنَ مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ ۚ وَمَا أُولَٰئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ ﴿٤٣﴾

تعجب ہے کہ آپ کے فیصلہ کرنے کے بعد پھر جاتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ ان کو کسی پر اعتقاد ہی نہیں ف

إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَاةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا

بلاشبہ ہم نے توریت نازل کی تھی جس میں ہدایت اور روشنی تھی۔ انبیا جو خدا کے فرمانبردار

النَّبِيُّونَ الَّذِينَ أَسْلَمُوا لِلَّذِينَ هَادُوا وَ

ہوا کرتے ہیں یہود کو اسی توریت کے موافق حکم دیا کرتے تھے اور اسی طرح اہل اللہ اور علماء بھی

الرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوا مِنْ كِتَابِ

توریت ہی کے موافق حکم دیا کرتے تھے کیوں کہ ان کو کتاب الٰہی کی حفاظت کا ذمہ دار قرار دیا گیا تھا

اللَّهِ وَكَانُوا عَلَيْهِ شُهَدَاءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَ

اور وہ اس کتاب الٰہی پر نگہبان تھے سوائے یہود تم لوگوں سے نہ ڈرو اور مجھ

اخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا ۚ وَمَنْ

ہی سے ڈرتے رہو اور میرے احکام کے عوض قلیل فائدہ حاصل نہ کرو، اور جو

لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ ﴿٤٤﴾

لوگ اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق حکم نہ دیں تو ایسے ہی لوگ کافر ہیں ف۳

ع ۹/۱۰ — ۶

ف یہ لوگ جھوٹی باتیں سننے کے بہت عادی ہیں حرام مال کے بہت کھانے والے ہیں تو اگر یہ لوگ آپ کے پاس اپنا کوئی مقدمہ فیصلہ کرانے کے لئے آئیں تو آپ کو اختیار ہے خواہ اُن کے مابین اُن کے معاملہ کا فیصلہ کر دیجئے خواہ اُن کو نظر انداز کر دیجئے اور اُن سے تغافل کا برتاؤ کیجئے اور اگر آپ اُن سے روگردانی اور تغافل کا برتاؤ کریں گے تو وہ آپ کو ہرگز ذرا بھی نقصان نہ پہونچا سکیں گے اور اگر آپ کی رائے فیصلہ کرنے کی ہو اور آپ فیصلہ کریں تو اُن کے مابین انصاف اور عدل کے موافق فیصلہ کر دیجئے بلاشبہ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے (تیسیر) سماعون للکذب کا مطلب ہم بیان کر چکے ہیں کہ دین کے بارے میں غلط باتیں اور تحریف شدہ مسائل کو بہت دلچسپی سے سنتے ہیں جیسا کہ آج کل بھی عوام کی یہی حالت ہے۔ سحت کے معنی ہلاک۔ ہر وہ کسب جو حلال نہ ہو، رشوت، غرض خواص کی یہ حالت ہے کہ وہ حرام مال کھانے کے بہت عادی ہیں رشوتیں لے کر غلط فیصلے کرتے ہیں غلط مسئلے بتلاتے ہیں۔ کلام الٰہی میں تحریف کرتے ہیں کلام کو اپنے مواقع سے بدل دیتے ہیں، غرض اُن کی حرص اور حُبِّ مال کی یہ حالت ہے، عدل سے مراد اس آیت ما انزل اللہ یعنی اسلامی قانون کے مطابق فیصلہ کر دیجئے۔ غرض آیت کا مطلب یہ ہے کہ اُن کے عوام غلط باتیں سننے کے عادی اور خواص حرام مال کے کھانے والے اور رشوتیں لینے والے ہیں اور جب اُن لوگوں کی یہ حالت ہے تو اگر یہ لوگ کوئی مقدمہ لے کر آپ کے پاس آئیں اور اُس کا فیصلہ کرائیں تو آپ کو فیصلہ کرنے اور نہ کرنے دونوں کا اختیار ہے اگر آپ ان کو نظر انداز کر دیں اور ان سے روگردانی کریں تو یہ اندیشہ نہ کیجئے کہ کہیں یہ آپ سے انتقام لیں گے اور عداوت نکالیں گے، یہ آپ کو ذرا سا ضرر بھی نہیں پہونچا سکتے کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کا محافظ اور نگہبان ہے۔ اور اگر آپ فیصلہ کرنا چاہیں تو اس کا خیال رکھئے کہ جو فیصلہ کریں تو عدل و انصاف یعنی اسلامی قانون کے مطابق کیجئے کیونکہ اسلامی شریعت ہی شریعتِ عادلہ اور افراط و تفریط سے پاک ہے اور انصاف کے ساتھ فیصلہ کا حکم اس لئے دیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا اور دوست رکھتا ہے حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں حضرتؐ کے دل میں تردد تھا کہ اُن کے مقدمہ میں نہ بولوں تو ناخوش ہوں اور اگر اپنے دین پر فیصلہ کروں تو نا قبول رکھیں اور اگر ان کا معمول جاری رکھیں تو عند اللہ غلط ہے حق تعالیٰ نے فرمایا آپ کو اختیار ہے یا تغافل کر دو اُن کی ناخوشی کا خطرہ نہیں یا حکم کرو تو اپنے دین کے موافق کرو پھر حضرتؐ نے وہی حکم فرمایا ان کو قائل کر کر (موضح القرآن) غالباً شاہ صاحبؒ کا اشارہ اُسی روایت کی جانب ہوگا جو ہم اوپر حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی بیان کر چکے ہیں یہ روایت امام مسلم نے اپنی صحیح میں بیان کی ہے یعنی آپ نے حکم دیا اور وہ دونوں زانی اور زانیہ رجم کئے گئے۔ سلف نے کہا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اختیار ابتداءً تھا پھر منسوخ ہو گیا جیسا کہ آگے آتا ہے وان احکم بینھم بما انزل اللہ فیہ۔ علمائے محققین کا مسلک بھی یہی ہے کہ اختیار منسوخ ہو چکا اب حکم یہ ہے کہ ان کے جھگڑوں کا فیصلہ قانونِ شریعت کے مطابق کرو کنارہ کشی اور اعراض کی ضرورت نہیں۔ فقیر عرض کرتا ہے کہ جو لوگ اپنا مقدمہ قاضی اسلام کے روبرو پیش کریں گے اور سلطان اسلام اور حاکم اسلام سے فیصلہ کرانے پر رضامند ہوں گے اُن کی کئی صورتیں ہیں یا وہ دونوں حربی ہوں گے یا دونوں ذمی ہوں گے یا ایک ذمی اور دوسرا حربی ہوگا۔ یا ایک حربی اور دوسرا مسلمان ہوگا۔ یا دونوں مسلمان ہوں گے۔ غرض ان تمام صورتوں میں سوائے پہلی صورت کے قاضی اسلام کو مقدمہ سننا اور شریعتِ اسلامی کے مطابق فیصلہ کرنا واجب ہے۔ البتہ پہلی صورت یعنی مرافعہ کرنے والے دونوں حربی ہوں۔ تو بعض ائمہ نے وجوب سے انکار کیا ہے۔ مگر حنفیہ کے نزدیک اگر مرافعہ کرنے والے حربی بھی ہوں اور وہ قاضی اسلام سے فیصلے کے خواہش مند ہوں اور شریعت اسلامی کے موافق فیصلے پر رضامند ہوں تو حاکم کو

(باقی ضمیمہ میں)

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَآ أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ
اور ہم نے ان یہود پر توریت میں یہ بات فرض کی تھی کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے
بِالْعَيْنِ وَالْأَنفَ بِالْأَنفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ
آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے
بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ ۚ فَمَن تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ
دانت اور اسی طرح خاص زخموں کا بھی بدلا ہے پھر جس نے بدلہ لینے کو معاف کر دیا تو یہ معافی
كَفَّارَةٌ لَّهُ ۚ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَآ أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰٓئِكَ
اُس معاف کرنے والے کے لئے کفارہ ہوگی اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ احکام کے موافق حکم نہ کریں تو
هُمُ الظَّٰلِمُونَ ﴿٤٥﴾ وَقَفَّيْنَا عَلَىٰٓ ءَاثَٰرِهِم بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ
ایسے ہی لوگ ہیں بے انصاف ف۱ اور ان پیغمبروں کے پیچھے ہم نے انہی کے نقش قدم پر عیسیٰؑ بن مریم کو بھیجا
مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَىٰةِ ۖ وَءَاتَيْنَٰهُ الْإِنجِيلَ
جن کا حال یہ تھا کہ وہ اس توریت کی تصدیق کرتے تھے جو ان سے پہلے نازل ہوئی تھی۔ اور ہم نے اُن کو انجیل عطا
فِيهِ هُدًى وَنُورٌ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَىٰةِ
کی تھی جس میں ہدایت و روشنی تھی اور وہ انجیل بھی اپنے سے پہلے کی کتاب توریت کی تصدیق کرنے والی تھی
وَهُدًى وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ﴿٤٦﴾ وَلْيَحْكُمْ أَهْلُ
اور وہ انجیل خدا سے ڈرنے والوں کیلئے سراسر ہدایت اور نصیحت تھی ف۲ اور اہل انجیل کو چاہیے کہ جو کچھ
الْإِنجِيلِ بِمَآ أَنزَلَ اللَّهُ فِيهِ ۚ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَآ
اللہ نے انجیل میں نازل کیا ہے اُس کے مطابق حکم کیا کریں اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ تعلیمات کے مطابق
أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰٓئِكَ هُمُ الْفَٰسِقُونَ ﴿٤٧﴾ وَأَنزَلْنَآ
حکم نہ کریں تو ایسے ہی لوگ ہیں بے حکمی کرنے والے ف۳ اور اس کتاب کو ہم نے آپ کی طرف
إِلَيْكَ الْكِتَٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ
بھیجا ہے جس کا حال یہ ہے کہ یہ خود بھی سچی ہے اور اپنے سے پہلی کتابوں کو بھی سچا بتانے والی ہے

ف۱ اور ہم نے یہود پر توریت میں یہ بات فرض کردی تھی اور حکم لکھ دیا تھا کہ اگر کوئی کسی کو ناحق قصداً قتل کردے تو جان کے بدلے جان ہوگی یعنی مقتول کے قصاص میں قاتل کو قتل کیا جائے گا اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور اسی طرح خاص زخموں کا بھی بدلہ ہے پھر جو شخص اس بدلے اور قصاص کو معاف کردے تو یہ تصدق اور معاف کردینا اُس معاف کرنے والے کے لئے کفارۂ گناہ اور موجب اجر و ثواب ہوگا، اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کے موافق حکم نہ کریں تو یہی لوگ ظالم اور ناانصاف ہیں (تیسیر) چونکہ اوپر کی آیت میں یہود کی تحریفات کا ذکر تھا کہ وہ غیر شرعی احکام کو شرعی احکام بتا کر فیصلہ کیا کرتے تھے اور خلاف ما انزل اللہ فیصلے دیتے تھے اس لئے اُن کو کافر فرمایا تھا اسی سلسلے میں بعض اور احکام کا تذکرہ فرمایا تاکہ توریت کے بعض احکام کا مزید حال معلوم ہوجائے اور سننے والوں کو ان کی خیانت اور تحریف و تبدیلی کا صحیح اندازہ ہوجائے کہ توریت میں کیا ہے اور یہ کس دلیری سے احکام خداوندی کے خلاف امیر و غریب میں فرق کر رہے ہیں اور غریبوں کے ساتھ انصاف نہ کرنے کی وجہ سے ظالم اور بے انصاف ہیں، یہ ہم کئی مرتبہ عرض کرچکے ہیں کہ جن جرائم میں قصاص کا حکم دیا گیا ہے اُن میں مماثلت شرط ہے اگر مماثلت کہیں متحقق نہ ہوسکتی ہو تو پھر بجائے قصاص کے دیت پر فیصلہ کیا جائے گا مثلاً یہ صورت عام طریقہ سے زخموں میں پیش آتی ہے، کوئی زخم کتنا گہرا ہے اُتنا ہی زخم لگانا مشکل ہوجاتا ہے اور کمی بڑھتی کا امکان ہوتا ہے۔ اس لئے جہاں اس قسم کی شکل پیش آئے وہاں بجائے قصاص کے دیت پر فیصلہ ہوگا۔ یہ بات ہم پانچویں پارے میں عرض کرچکے ہیں کہ نفس کے قتل میں وہیں قصاص جاری ہوگا جہاں قتل ناحق ہو اور جان بوجھ کر قتل کیا ہو ایسے قتل میں قصاص ضروری ہوگا اور شریف رذیل مرد عورت آزاد غلام بلکہ مسلمان اور ذمی میں بھی کوئی امتیاز نہیں کیا جائے گا۔ قتل کے علاوہ دیگر اعضا میں قصاص کی شکل یہ ہوگی کہ آنکھ کے بدلے میں آنکھ پھوڑی جائے گی اور ناک کے بدلے میں ناک کاٹی جائے گی، کان کے بدلے میں کان کاٹا جائیگا اور دانت کے بدلے میں دانت اکھاڑا جائے گا ہر قصاص میں مماثلت کی رعایت رکھی جائے گی اور اسی طرح ایسے زخموں میں بھی جہاں مماثلت کا امکان ہو وہاں قصاص ہوگا ورنہ پھر حکومت عدل سے فیصلہ کرایا جائے گا جیسا کہ کتب فقہ میں مذکور ہے۔ مزید تفصیل تفسیر مظہری میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے اور یہ جو فرمایا فمن تصدق بہ فھو کفارۃ لہ۔ بظاہر اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص صاحب حق اپنے حق کو صدقہ کردے یعنی معاف کردے تو یہ تصدق صاحب حق کے لئے کفارۂ ذنوب کا سبب ہوگا۔ حضرت عبادہ بن الصامت کی روایت میں ہے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس نے اپنے جسم کے کسی حصہ کو صدقہ کردیا تو اللہ تعالیٰ اُس کے موافق اُس کے گناہ کم کردے گا یعنی اگر کسی نے نصف قصاص یا نصف دیت کو معاف کردیا تو معاف کرنے والے کی آدھی خطائیں معاف ہوجائیں گی اور اگر کسی نے چوتھائی معاف کیا تو اُس کی چوتھائی خطائیں حضرت حق معاف فرما دیں گے۔ قتل میں تو اولیائے مقتول کو معافی کا حق ہے اور مقطوع و مجروح کو خود معاف کردینے کا حق ہے۔ اس موقع پر تصدق کا لفظ بطور ترغیب فرمایا گیا ہے۔ حضرت سنجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک مرفوعاً روایت طبرانی اور بیہقی میں ہے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص کسی مصیبت میں مبتلا کیا گیا اور اُس نے صبر کیا اور اسی حالت میں اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لایا اس پر ظلم کیا گیا اور اُس نے ظالم کو معاف کردیا یا اُس نے خود ظلم کیا پھر اللہ تعالیٰ سے استغفار کیا تو ایسے لوگ صاحبانِ امن اور صحیح راہ یافتہ ہیں، یعنی بلا میں مبتلا ہوں تو صبر و شکر بجا لائیں کوئی ان پر ظلم کرے تو ظالم کو معاف کردیں اور اگر ان سے خود کبھی ظلم سرزد ہوجائے تو توبہ استغفار کریں ایسے لوگ ہیں جو امن بھی ہیں اور راہ یافتہ بھی ہیں۔ بعض حضرات نے فھو کفارۃ لہ کا مطلب اس طرح بیان کیا ہے کہ اگر کسی قاتل کو اولیائے مقتول یا کسی قاطع کو مقطوع یا کسی جارح کو مجروح معاف کردیں تو یہ معاف کردینا مجرم کیلئے کفارہ ہوجائیگا

(باقی ضمیمہ میں)

ف اور اے پیغمبر ہم نے اس کتاب یعنی قرآن کو آپ کی جانب بھیجا ہے یہ کتاب خود بھی برحق اور سچائی کے ساتھ متصف ہے اور اپنے سے پہلی کتب سماویہ کی بھی تصدیق کرنے والی ہے اور یہ کتاب اُن کتب سماویہ میں ہر ایک کتاب کی اور اُن کے مضامین کی نگراں اور محافظ بھی ہے۔ لہٰذا آپ ان اہل کتاب کے باہمی معاملات میں سے جو معاملہ آپ کے روبرو پیش ہو تو آپ اُس کا فیصلہ اُسی حکم کے مطابق کیا کیجئے جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے اور ان اہل کتاب کی خواہشات نفسانی کی پیروی نہ کیا کیجئے اور جو حق بات آپ کے پاس آتی ہے اُس سے انحراف نہ کیا کیجئے اور اس کو چھوڑ کر اُن کی خواہشات کی رعایت نہ کیجئے۔ اور ہم نے تم میں سے ہر ایک جماعت کے لئے مختلف اوقات میں ایک شریعت اور ایک واضح اور روشن راستہ مقرر کیا تھا اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو وہ تم سب کو ایک ہی جماعت کر دیتا اور تم سب کے لئے ایک ہی شریعت مقرر کر دیتا اور تم سب کو ایک ہی قسم کے اصول و فروع کا پابند بنا دیتا لیکن اُس نے مختلف اوقات میں ہر زمانہ کی مناسبت سے مختلف احکام دیئے تاکہ جو کچھ اُس نے تم کو دیا ہے اُس میں وہ تمہاری آزمائش کرے لہٰذا تم بھلے کاموں میں سبقت کرنے کی کوشش کرو۔ اور بے کار بحثوں میں پڑ کر عمل کی قوت کو ضائع نہ کرو اور اس بات کا خیال رکھو کہ تم سب کو اللہ ہی کی طرف واپس لوٹنا ہے پھر جب تم اُس کی حضور میں حاضر ہو گے تو وہ تم کو اُن سب باتوں سے آگاہ کر دے گا جن میں تم باہم یہاں جھگڑتے رہے ہو (تیسیر) خلاصہ یہ ہے کہ اہل کتاب کا یہ حال تھا کہ یہ کبھی کبھی جب اپنے جھگڑوں پر قابو نہ پاتے تو اس بات کی کوشش کرتے کہ آؤ اس مقدمہ میں اُس شخص سے فیصلہ کرا لو جو اپنے آپ کو نبی آخرالزماں کہتا ہے اور ہماری طرح ایک آسمانی کتاب کا مدعی ہے پھر اگر یہ لوگ اپنے مقدمہ کو حضورؐ کی خدمت میں پیش کرنے پر متفق ہو جاتے تو پھر ایک فریق یہ چاہتا کہ آپ کا فیصلہ اُس کی خواہش کے مطابق ہو حضرت حق جل مجدہٗ نے اس معاملہ میں ایک ضابطہ مقرر فرما دیا۔ پہلے قرآن کا منزل من اللہ ہونا ظاہر کیا گیا اور یہ بات بتائی گئی کہ اس قرآن کو ہم نے آپ کے پاس بھیجا ہے اور یہ قرآن بھی ایک آسمانی کتاب ہے جس کا نازل ہونا ثابت ہے اور اس میں جو مضامین مذکور ہیں وہ حقائق واقعیہ پر مشتمل ہیں، اور یہ قرآن بھی اپنے سے سابقہ کتب سماویہ کی تصدیق کرنے والا ہے جیسا کہ آسمانی کتابوں کا ایک مشہور ضابطہ ہے یا اس اعتبار سے مصدق فرمایا کہ توریت و انجیل کی پیشین گوئی کے موافق نازل ہوا اس لئے اس کے نزول سے ہی اُن کی تصدیق ہو جاتی ہے اور یہ کتاب قرآن سابقہ کتابوں کے مضامین کی نگراں اور محافظ بھی ہے کیونکہ اس کتاب پر ان کتابوں کو پیش کرنے کے بعد یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہود و نصاریٰ نے ان کتابوں کے مضامین میں کہاں کہاں تحریف کی ہے مفسرین نے مہیمن کے بہت سے معنی بیان کئے ہیں جن کا ماحصل تقریباً ایک ہی ہے۔ پھر یہ فرمایا کہ اگر اہل کتاب کوئی مقدمہ آپ کی خدمت میں لے آئیں تو آپ اس کا فیصلہ احکام قرآنی کی روشنی میں کیا کریں اور ان کی خواہشات کی پروا نہ کیا کریں اور جو حکم اسکا قرآن میں ہو ان کی خاطر سے اُس سے انحراف اور عدول نہ کیا کریں کیونکہ ہر زمانے میں ہم نے اُس زمانے کی رعایت سے مختلف اترتے چڑھتے احکام دیئے ہیں، اور احکام فرعیہ کو تھوڑا تھوڑا بدلتے رہے ہیں لہٰذا جس زمانے کیلئے جو احکام ہم نے مقرر کئے ہیں اُس زمانے کے لوگوں کو اُسی کی پابندی کرنی چاہئے اور چونکہ قرآن آخر میں نازل ہوا ہے اس لئے اس دور میں اسی کے احکام قابل تسلیم ہونے چاہئیں اور اگر اللہ کو منظور ہوتا تو وہ ابتدائے آفرینش سے قیامت تک کے لئے ایک ہی قسم کے احکام فرعیہ مقرر کر دیتا لیکن اُس نے ایسا نہ کیا تاکہ جو کچھ اُس نے تم کو وقتاً فوقتاً دیا ہے اُس میں وہ ہر دور کے لوگوں کو آزمائے آزمانے کا مطلب یہ کہ اپنے اپنے زمانے میں کیسا عمل کرتے ہیں اور دوسری شریعت کے آجانے پر اُس کو کس طرح تسلیم کرتے ہیں آخر میں فرمایا کہ اصل مقصد تو بھلے کاموں میں آگے بڑھنا ہے لہٰذا بے کار بحث مباحثہ کر کے وقت ضائع نہ کرو اور نیکیاں کمانے کے لئے زندگی کے لمحات کو غنیمت جانو۔ (باقی ضمیمہ میں)

مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ

اور اُن کتابوں کی محافظ بھی ہے لہٰذا آپ ان اہل کتاب کے مابین اس کتاب کے موافق فیصلہ کیا کیجئے جو اللہ نے آپ پر نازل

وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ۭ لِكُلٍّ جَعَلْنَا

کی ہے اور جو سچی کتاب آپ کے پاس آچکی ہے اُس سے ہٹ کر اُن کی خواہشات کی پیروی نہ کیا کیجئے ہم نے تم میں سے ہر ایک امت کے

مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً

لئے ایک خاص شریعت اور ایک واضح راہ مقرر کی تھی اور اگر اللہ کو منظور ہوتا تو وہ تم سب کو ایک ہی اُمت

وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا

کر دیتا لیکن اُس نے جو کچھ تم کو دیا ہے اُس میں وہ تم کو آزمانا چاہتا ہے لہٰذا تم نیک اور مفید کاموں میں

الْخَيْرٰتِ ۭ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ

سبقت کرو تم سب کو اللہ ہی کی طرف واپس جانا ہے پھر جن جن امور میں تم اختلاف کیا کرتے تھے اُنکی حقیقت سے

فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ

وہ تم سب کو آگاہ کر دے گا اور اے پیغمبر ہم حکم دیتے ہیں کہ جو کتاب ہم نے نازل کی ہے اسکے مطابق ان اہل کتاب کے مابین فیصلہ

لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ

فرمایا کیجئے اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کیجئے اور اُن سے ہوشیار رہئے کہیں یہ لوگ آپکو اس کتاب کے کسی حکم کے خلاف جو اللہ

اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ

تعالیٰ نے آپ پر نازل فرمائی ہے بہکا نہ دیں پھر اگر یہ لوگ روگردانی کریں تو جان لیجئے کہ اللہ اُن کو

اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ

ان کے بعض گناہوں کی وجہ سے سزا دینا چاہتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ لوگوں میں سے

النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ۭ

اکثر بے حکمی کرنے والے ہیں۔ ف کیا یہ لوگ پھر زمانہ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں

وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۵۰﴾ ع

اور اہل یقین کے نزدیک اللہ سے بہتر کون فیصلہ کرنے والا ہو سکتا ہے۔ ف ٢

ع ٧ / ١١

ف۱ اے ایمان والو! تم یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست اور رفیق نہ بناؤ یہ لوگ آپس ہی میں ایک دوسرے کے دوست اور رفیق ہو سکتے ہیں اور جو شخص تم میں سے ان یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست بنائے گا اور دوستی و رفاقت کرے گا تو یقین جانو کہ وہ اُنہی میں سے شمار ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی رہنمائی نہیں کیا کرتا جو اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں اور مسلمانوں کو چھوڑ کر یہود و نصاریٰ پر اعتماد کرتے ہیں۔ سو اے پیغمبر آپ ملاحظہ کرتے ہوں گے جن لوگوں کے دل میں نفاق کا روگ ہے وہ ان یہود و نصاریٰ میں گھسنے اور ان سے دوستانہ تعلق بڑھانے میں جلدی کر رہے ہیں اور ان سے مودت و محبت بڑھانے میں جلدبازی سے کام لے رہے ہیں اُن کا حال یہ ہے کہ یوں کہتے ہیں کہ ہم کو اس بات کا خوف ہے کہ کوئی حادثہ پیش آجائے اور ہم زمانہ کی کسی گردش میں مبتلا ہو جائیں سو وہ وقت قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو فتح مند کر دے یا اپنی طرف سے کسی اور بات کا ظہور فرما دے جس کا اثر یہ ہو کہ یہ منافق اُن باتوں پر جو انھوں نے اپنے دلوں میں چھپا رکھی ہیں نادم ہو کر رہ جائیں۔ اور اُن کو شرمندگی اور ندامت کا منہ دیکھنا پڑے اور مسلمان ان منافقوں کی ندامت کو دیکھ کر یوں کہیں کہ اچھا یہ وہ منافق ہیں کہ جو سخت ترین اور مبالغہ آمیز قسمیں کھا کھا کر ہمیں اس بات کا یقین دلایا کرتے تھے کہ وہ تمہارے ساتھ ہیں ان منافقین کے تمام اعمال اور دو طرفہ ریشہ دوانیاں بے کار اور ضائع ہو گئیں اور یہ ناکام اور زیاں کار ہو کر رہ گئے۔

(تیسیر) ہم یہ بات پہلے عرض کر چکے ہیں کہ اگرچہ مدینہ منورہ میں مسلمانوں کا تدریجی اقتدار بڑھ رہا تھا۔ اپنے حقوق کی حفاظت کے لئے جنگ کرنے کی اجازت مل چکی تھی لیکن لڑائی میں کبھی فتح اور کبھی شکست لازمی ہے۔ غرض مسلمانوں کے لئے ایک صبر آزما دور تھا جب بدر میں فتح ہوئی تو اچھی خاصی ساکھ بندھ گئی لیکن جب احد میں شکست ہوئی تو رنگ برنگ کی بولیاں سننے میں آنے لگیں الحرب بیننا و بینہ سجال ینال منا وننال منہ۔ جیسے کبھی آپ رسی میں دو ڈول باندھ کر کنوئیں سے پانی بھریں گے تو کبھی ایک ڈول اوپر آئے گا اور دوسرا ڈول پانی میں ہوگا پھر اوپر والا ڈول نیچے جائے گا اور نیچے والا اوپر آجائیگا مسلمانوں ہی کو ہر جنگ میں فتح ہو یہ اصول فطرت نہیں ایسا کرنے میں جبراً کفار کو اسلام کی طرف مائل کرنا ہے اور یہ لا اکراہ فی الدین کے منافی ہے اور جب مسلمان فتح و شکست کی اُلجھنوں میں مبتلا ہوں تو ظاہر ہے کہ مخلصین کے علاوہ دوسرے لوگوں کو اطمینان کس طرح میسر ہو۔ یہی وجہ تھی کہ کفار کی زندگی اُمید و بیم اور خوف و طمع کی زندگی تھی ایک طرف فتح و شکست کا سامنا دوسری طرف اُمید و بیم کی توقعات اور خطرات اوپر کی آیتوں میں اُنہی باتوں کا ذکر ہے مخلص مسلمانوں کے لئے بشارت ہے اور منافقوں کے لئے زجر و توبیخ ہے اور دو رخی پالیسی رکھنے والوں کی مذمت ہے۔ ہم نے عام حالات کی بنا پر تفسیر کردی ہے اگرچہ مفسرین نے شان نزول کی بحثیں بہت اختلاف کیا ہے ہو سکتا ہے کہ غزوۂ اُحد کی بنا پر بعض منافقین نے یہ خیال کیا ہو کہ اگر مسلمان ختم ہو جائیں تو ہمارے تعلقات اہل کتاب سے مضبوط رہنے چاہئیں تاکہ ادھر سے اُدھر کا سہارا لے لیں ہو سکتا ہے کہ عبداللہ بن ابی اور عبادہ بن صامتؓ کا قصہ ہو۔ کہ حضرت عبادہ بن صامتؓ نے آیت سنتے ہی اپنے یہودی دوستوں سے تعلقات منقطع کر لئے لیکن عبداللہ بن ابی نے قائم رکھے اور مسلمانوں سے یہ کہہ دیا کہ قحط وغیرہ کا خطرہ ہے ہم اپنے دوستوں کو جو ہماری مصیبت میں کام آتے ہیں کس طرح چھوڑ دیں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ابولبابہ کے واقعہ سے متعلق ہو کہ اُن کو یہود کی فہمائش کے لئے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا اور جب یہود نے اُن سے پوچھا تو اُنھوں نے زبان سے تو کچھ نہیں کہا لیکن ہاتھ اپنے گلے پر پھیر کر اشارہ کر دیا کہ نیچے اُترو گے تو سب ذبح کر دیئے جاؤ گے۔ ہم نے تمام اقوال کو سامنے رکھ کر ایک عام تفسیر کردی ہے۔ بہرحال ان آیتوں میں مخلص مسلمانوں کو تنبیہ ہے کہ وہ اہل کتاب پر اعتماد نہ کریں اور اُن سے رازدارانہ دوستیاں نہ پیدا کریں (باقی ضمیمہ میں)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى

اے ایمان والو تم یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ

اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ

وہ آپس ہی میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں اور جو کوئی تم میں سے ان کے ساتھ دوستی کرے گا

فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۱﴾

تو وہ یقیناً اُنہی میں سے ہوگا بلاشبہ اللہ تعالیٰ ناانصاف لوگوں کی رہنمائی نہیں کیا کرتا

فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ

سو آپ اُن لوگوں کو جن کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے ملاحظہ کرتے ہوں گے کہ وہ جلدی جلدی یہود و نصاریٰ سے

يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَاۗىِٕرَةٌ ۭ فَعَسَى اللّٰهُ

دوستانہ تعلقات بڑھا رہے ہیں اُنکی حالت یہ ہے کہ یوں کہتے ہیں ہم کو ڈر ہے کہ کہیں ہم کو کوئی گردش پیش نہ آجائے پس وہ وقت قریب ہے

اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰي

کہ اللہ فتح دیدے یا کوئی اور خاص بات اپنی طرف سے ظاہر کردے پھر یہ منافق ان باتوں پر نادم ہو کر رہ جائیں

مَآ اَسَرُّوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ﴿۵۲﴾ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ

جو انھوں نے اپنے دلوں میں چھپا رکھی تھیں اور مسلمان یوں کہیں کیا یہ وہی لوگ ہیں

اٰمَنُوْٓا اَهٰٓؤُلَاۗءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ

جو سخت ترین قسمیں کھا کھا کر یقین دلایا کرتے تھے کہ وہ تمہارے ساتھ ہیں

اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ۭ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۵۳﴾

ان منافقین کی تمام ریشہ دوانیاں بیکار ہوگئیں اور آخر کار یہ خائب و خاسر ہو کر رہ گئے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ

اے ایمان والو! جو کوئی تم میں سے اپنے دین سے پھر جائیگا

فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَي

تو بہت جلد اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو لے آئیگا جن کو اللہ پسند کرے گا اور وہ اللہ سے محبت کریں گے وہ مسلمانوں

ف ١ اے ایمان والو! جو کوئی تم میں سے اپنے دین کو چھوڑ کر واپس ہو جائیگا اور مرتد بن جائیگا تو اللہ تعالیٰ بہت جلد ان مرتدین کی جگہ ایسے لوگوں کو لے آئیگا جنکے اعمال اور ان کی فرماں برداری کو اللہ تعالیٰ پسند فرمائے گا اور وہ بھی لوگ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہوں گے وہ مسلمانوں پر مہربان ہوں گے اور کافروں کے مقابلہ میں اُن کا برتاؤ سخت اور تیز ہوگا وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہوں گے اور وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے یہ صفات اور یہ خوبیاں اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ جس کو چاہتا ہے اپنے فضل سے بہرہ مند فرماتا ہے اور جس کو چاہتا ہے اپنا فضل عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت صاحب وسعت اور بڑا صاحب علم ہے (تیسیر) عام مفسرین کی رائے یہ ہے کہ یہ ایک پیشین گوئی ہے جس کی اطلاع اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کی معرفت دی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس امت میں کچھ قبائل دین اسلام سے مرتد ہو کر کفر میں واپس چلے جائیں گے اور ان مرتدین کا قلع قمع اللہ تعالیٰ کچھ مخلص اہل فضائل کے ہاتھوں سے کرادے گا چنانچہ نبوت کے آخری دور میں کچھ جھوٹے نبوت کے مدعی ہوئے اور کچھ حضورؐ کی وفات کے بعد زکوٰۃ کے منکر ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے ان سب کی سرکوبی حضرت صدیق اکبرؓ اور اُن کے ساتھیوں سے کرادی۔ اسود عنسی نے نبوت کا دعویٰ کیا اور قبیلہ بنی مدلج اُس کے ہمراہ ہو کر مرتد ہوا پھر اُن لوگوں نے یمن کے علاقہ میں قتل و غارت گری کا بازار گرم کر دیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کارندوں اور نقبا کو یمن سے نکال دیا، دوسرا شخص مسیلمہ کذاب تھا اُس نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا اور فرقہ بنی حنیفہ اُس کے ہمراہ ہو گیا اور اُس کا ایک عرصہ تک زور رہا ایک اور شخص طلیحہ بن خویلد تھا یہ بھی مرتد ہوا اور اُس نے بھی خاصی جماعت اپنے ساتھ لگا لی، اور بھی تقریباً سات فرقے زکوٰۃ کے انکار سے حکومت کے باغی تسلیم کئے گئے۔ صرف ایک فرقہ جس کو غسان کہا جاتا ہے یہ حضرت عمرؓ کی خلافت میں مرتد ہوا۔ بہرحال ان میں سے کچھ لوگ تو بُت پرست ہی بن گئے اور کچھ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کیا اور اسود عنسی اور مسیلمہ کذاب کی نبوت پر ایمان لے آئے اور کچھ فرقے زکوٰۃ امام کو دینے اور بیت المال میں جمع کرنے کے منکر ہو گئے اس ارتداد کے سیلاب کو اللہ تعالیٰ نے حسب وعدہ ایک ایسی قوم یعنی حضرت صدیقؓ اور اُن کے اصحاب کے ہاتھوں سے دفع کرایا جو اُن صفات کے ساتھ متصف تھے جن صفات کا ذکر آیت میں کیا گیا ہے اہل علم جانتے ہیں کہ مانعین زکوٰۃ کے بارے میں تو اکثر صحابہ بلکہ حضرت عمرؓ تک حضرت صدیق اکبرؓ کے موافق نہ تھے آخر میں جا کر حضرت عمرؓ نے ان کی موافقت کی ورنہ ہر شخص یہی کہتا تھا کہ بھلا کلمہ پڑھنے والوں کے خلاف جہاد کیسے ہو سکتا ہے لیکن حضرت صدیق اکبرؓ کے ثبات اور اُن کی اولوالعزمی نے اور اُن کی روحانی قوت نے حضرت عمرؓ کو شرح صدر کی دولت بخشی اور وہ خلیفۂ اوّل کی رائے کے موافق ہوئے، اسود عنسی کو فیروز دیلمیؓ نے اور مسیلمہ کذاب کو خالد بن ولیدؓ کی فوج کے ایک پختہ کار سپاہی وحشی نے قتل کیا، اور الحمد للہ کہ یہ فتنہ حضرت ابو بکرؓ کی شجاعت اور ہمت سے سر ہوا انہی مصائب کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت عائشہؓ فرمایا کرتی تھیں کہ میرے باپ کی خلافت میں جو مصائب

الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي
پر مہربان ہوں گے اور کافروں کے مقابلہ میں سخت ہوں گے اور وہ اللہ کی راہ میں جہاد

سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ۚ ذَٰلِكَ فَضْلُ
کرنے والے ہوں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے یہ خوبیاں اللہ تعالیٰ

اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٥٤﴾ إِنَّمَا
کا فضل ہیں وہ جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ بڑا صاحب وسعت اور سب جاننے والا ہے مسلمانو

وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ
بس تمہارا رفیق تو صرف اللہ اور اُس کا رسول اور وہ ایمان والے ہیں جو نماز کی پابندی

الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ ﴿٥٥﴾ وَمَن
رکھتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہ خدا کے حضور میں جھکنے والے ہیں، اور جو کوئی

يَتَوَلَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا فَإِنَّ حِزْبَ
اللہ کو اور اُس کے رسول کو اور اہل ایمان کو رفیق بنائے گا تو یقین کرو کہ اللہ ہی کی

اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ ﴿٥٦﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا
جماعت غالب رہنے والی ہے ف۱ اے ایمان والو! جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب

الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَكُمْ هُزُوًا وَلَعِبًا مِّنَ الَّذِينَ
دی جا چکی ہے وہ ایسے ہیں جنھوں نے تمہارے دین کو مذاق اور کھیل

أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ أَوْلِيَاءَ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ
بنا رکھا ہے تم ان کو اور کفار کو دوست نہ بناؤ اور اگر تم

إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٥٧﴾ وَإِذَا نَادَيْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ
ایمان دار ہو تو اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ اور جب تم نماز کے لئے اذان دیتے ہو

اتَّخَذُوهَا هُزُوًا وَلَعِبًا ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ
تو یہ لوگ اُس کے ساتھ بھی مذاق اور کھیل کرتے ہیں یہ اس لئے کرتے ہیں کہ یہ لوگ بالکل

ع ٨/٦ ١٢

میرے باپ کو پیش آئے اگر وہ کسی پہاڑ کو بھی پیش آتے وہ اپنی جگہ پر قائم نہ رہتا۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں جب حضرت کی وفات پر عرب دین سے پھرے تو حضرت صدیقؓ نے یمن سے مسلمان بلائے اُن سے جہاد کروایا کہ تمام عرب پھر مسلمان ہوئے یہ اُن کے حق میں بشارت ہے (موضح القرآن) بہرحال آیت میں خواہ کسی مخصوص جماعت کی طرف اشارہ ہو لیکن آیت اُن تمام انقلابات کو ظاہر کرتی ہے جو مختلف قوموں میں ہوتے رہتے ہیں جب کسی قوم میں سرکشی اور ایذا رسانی اور ظلم کی فراوانی ہو جاتی ہے اور وہ دنیا میں امن و انصاف نہیں قائم رکھ سکتی تو خدائی سطوت و جبروت کی گرفت نمایاں ہوتی ہے اور وہ ظالموں کی جگہ اچھے امن پسند اور منصف مزاج لوگوں کو لے آتا ہے جیسا کہ متعدد جگہ ارشاد فرمایا ہے۔ ان یشأ یذھبکم ایھا الناس ویات بآخرین۔ ان یشأ یذھبکم ویستخلف من بعدکم ما یشاء اور فرمایا ثم جعلنکم خلائف فی الارض من بعدھم وان تتولوا یستبدل قوماً غیرکم۔

(باقی ضمیمہ میں)

لَا يَعْقِلُونَ ﴿٥٨﴾ قُلْ يَٰٓأَهْلَ الْكِتَٰبِ هَلْ تَنقِمُونَ

عقل سے بے بہرہ ہیں ف۱ آپ فرما دیجئے اے اہل کتاب بجز ان امور کے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور جو کچھ

مِنَّآ إِلَّآ أَنْ ءَامَنَّا بِاللَّهِ وَمَآ أُنزِلَ إِلَيْنَا وَمَآ أُنزِلَ

ہم پر نازل ہوا اس پر ایمان لائے اور جو کتاب ہم سے پہلے نازل ہوئی اس پر بھی ایمان لائے اور وہ کونسی بات ہے جس

مِن قَبْلُ وَأَنَّ أَكْثَرَكُمْ فَٰسِقُونَ ﴿٥٩﴾ قُلْ هَلْ

پر تم ہم کو عیب لگاتے ہو باوجود اس کے کہ تم میں کے اکثر لوگ خارج از ایمان ہیں - آپ اُن سے کہدیجئے کیا

أُنَبِّئُكُم بِشَرٍّ مِّن ذَٰلِكَ مَثُوبَةً عِندَ اللَّهِ مَن

میں تم کو اُن لوگوں کا حال بتاؤں جو جزا کے اعتبار سے اللہ کے ہاں اُن سے بُرے ہیں جن کو تم بُرا سمجھ رہے ہو وہ

لَّعَنَهُ اللَّهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَ

لوگ وہ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی اور جن پر غضب فرمایا اور اُن میں سے بعض کو بندر اور

الْخَنَازِيرَ وَعَبَدَ الطَّٰغُوتَ أُولَٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَ

بعض کو خنزیر بنا دیا اور اُنھوں نے شیطان کی عبادت کی یہی لوگ از روئے مقام کے بدترین ہیں

أَضَلُّ عَن سَوَآءِ السَّبِيلِ ﴿٦٠﴾ وَإِذَا جَآءُوكُمْ قَالُوٓا

اور سیدھی راہ سے بہت دور بھٹکے ہوئے ہیں - ف۲ اور جب یہ لوگ تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں

ءَامَنَّا وَقَد دَّخَلُوا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوا بِهِۦ وَاللَّهُ

ہم ایمان لے آئے ہیں حالانکہ وہ کفر لیکر داخل ہوئے اور کفر ہی لیکر تمہارے پاس سے نکل گئے اور اللہ تعالیٰ

أَعْلَمُ بِمَا كَانُوا يَكْتُمُونَ ﴿٦١﴾ وَتَرَىٰ كَثِيرًا مِّنْهُمْ

اُس سے خوب واقف ہے جسکو یہ پوشیدہ رکھتے ہیں - اور اُن میں سے اکثر لوگوں کو آپ ملاحظہ کریں گے

يُسَٰرِعُونَ فِى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَٰنِ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ

کہ وہ دوڑ دوڑ کر گناہ اور ظلم اور حرام کا مال کھانے پر گرتے ہیں

لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٦٢﴾ لَوْلَا يَنْهَىٰهُمُ الرَّبَّٰنِيُّونَ

جو کام وہ کر رہے ہیں وہ یقیناً بہت ہی بُرے ہیں - اُن کے مشائخ اور علماء اُن کو گناہ کی بات کہنے

ف۱ اے پیغمبر آپ ان اہل کتاب سے فرمایئے کہ اے اہل کتاب بجز اس کے کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور اُس کتاب پر ایمان لائے جو ہماری ہدایت کیلئے نازل کی گئی اور اُن کتب سماویہ پر بھی ایمان لائے جو ہم سے پہلے نازل کی گئیں اور وہ کونسا ہمارا طریقۂ کار ہے اور وہ کونسا ہمارا طرزِ عمل ہے جس کی بنا پر تم ہم سے پرخاش رکھتے ہو اور ہم پر عیب لگاتے ہو حالانکہ تم میں کے اکثر ایمان سے خارج ہیں اور کافرانہ طریقہ اختیار کئے ہوئے ہیں اے پیغمبر آپ اُن سے کہیئے بھلا میں تم کو اُن لوگوں کا حال بتاؤں جو اللہ تعالیٰ کے ہاں جزا کے اعتبار سے واقعی طور پر اُن سے بُرے اور بدتر ہیں جن کو تم اپنی ناقص رائے اور مفروضہ خیال میں بُرا سمجھ رہے ہو وہ لوگ وہ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی اور اُن کو اپنی رحمت سے دور کر دیا اور اُن پر اپنا غضب نازل فرمایا اور اُن میں سے بعض کو بندر اور بعض کو سؤر بنا دیا اور وہ ہیں جنھوں نے شیطان پرستی کا شیوہ اختیار کیا یہ مذکورہ لوگ وہ ہیں جو مکان کے اعتبار سے بدتر اور سیدھی راہ سے بہت بھٹکے ہوئے ہیں (تیسیر)

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کا مسلک اس خوبی کے ساتھ بیان فرمایا جس سے مخالفینِ اسلام کا بطلان خود بخود ظاہر ہوگیا اور حق و باطل میں جو فرق ہے وہ نمایاں نظر آنے لگا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اے اہلِ کتاب تمہاری حالت یہ ہے کہ اُن لوگوں کے ساتھ تو استہزا اور سوقیانہ برتاؤ کرتے ہو اور اُن کی عیب جوئی کرتے ہو جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور توریت و انجیل اور قرآن کو مانتے ہیں اور خود تمہاری حالت یہ ہے کہ کوئی توریت کو نہیں مانتا اور کوئی انجیل کا منکر ہے اور کوئی نبی آخرالزماں پر نازل شدہ قرآن کو نہیں مانتا حالانکہ آسمانی کتب کا انکار کفر ہے لہٰذا اس طریقۂ کار سے تم خود تو کفر کے مرتکب ہو اور ہم خدا کی سب کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں پھر بھی ہم کو قابلِ استہزا سمجھتے ہو اور ہماری اذان و نماز کا مذاق اُڑاتے ہو۔ تو اب بتاؤ اسلام قابلِ استہزا ہے یا انکار اس قابل ہے کہ اُس کی تذلیل کی جائے اسلام اور انکار کا فرق بیان فرمانے کے بعد دوسری آیت میں اُسی کی توضیح ہے کہ جن مسلمانوں کے مسلک کو تم اپنے زعمِ باطل میں بُرا اور قابلِ تذلیل سمجھتے ہو ان سے بدتر تو وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کی لعنت نازل ہوئی اور اُن پر خدا کا غضب اُترا اور وہ سؤر اور بندر بنا دیئے گئے اور اُنھوں نے شیطان پرستی کی تو اصل میں یہ لوگ مکان کے اعتبار سے بُرے اور سیدھی راہ کے لحاظ سے گم کردہ راہ ہیں۔ مکان کی بُرائی یہ کہ وہ جہنم ہے اور گمراہی کا مطلب یہ کہ کافر ہو۔ طاغوت سے مراد یا تو شیطان کی اتباع اور نفس پرستی ہے، اور ہوسکتا ہے کہ کعب بن اشرف کی طرف اشارہ ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ گؤسالہ پرستی کی جانب اشارہ ہو بندر اور سؤر کی صورتوں میں مسخ ہونا جیسا کہ ہفتہ کے دن مچھلیاں پکڑنے کی سزا تھی اور عیسائیوں کو مائدہ کی ناشکری کا بدلہ دیا گیا لعنت و غضب کی تفصیل پہلے اور چوتھے پارے میں گذر چکی ہے کہتے ہیں کہ یہود کے بعض رؤسا اور علماء نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کا مسلک دریافت کیا تو آپ نے وہی بتایا جو پہلے پارے کے آخر میں گذر چکا ہے یعنی ہم اللہ تعالیٰ کے تمام پیغمبروں پر ایمان رکھتے ہیں، انبیا کے تذکرے میں آپ نے ابراہیمؑ اسماعیلؑ اور اسحٰقؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ وغیرہم کے نام لئے تو حضرت عیسیٰؑ کا نام سنتے ہی چراغ پا ہو گئے اور حضرت عیسیٰؑ کو بُرا بھلا کہنے لگے اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں جن کا خلاصہ مذکور ہوا یعنی اپنی حالت پر تو غور نہیں کرتے کہ خود کفر میں مبتلا ہیں اور مسلمان جو صحیح مسلک رکھتے ہیں اُن سے پرخاش اور عناد اور اُن کی عیب جوئی۔ اب آگے انہی یہود کے بعض اور مذموم کردار مثلاً رشوت ستانی اور نفاق اور سرکشی کا بیان ہے جیسا کہ ارشاد ہے۔ (تسہیل)

ف۲ اور جب یہ یہود تمہاری مجلس میں آتے ہیں تو یوں کہتے ہیں کہ ہم تو ایمان لے آئے حالانکہ یہ کفر ہی کے ساتھ داخل ہوتے ہیں اور کفر ہی لیکر تمہاری مجلس سے نکل جاتے ہیں اور جو نفاق یہ پوشیدہ رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ اسکو خوب جانتا ہے اور اے پیغمبر آپ اُن یہود میں سے اکثر ایسے لوگوں کو ملاحظہ کرتے ہیں جو دوڑ دوڑ کر گناہ اور ظلم و سرکشی اور حرام کے مال کھانے پر گرے ہیں وہ کام جو یہ کر رہے ہیں یقیناً بہت ہی بُرے ہیں -

(باقی ضمیمہ میں)

ف اور جماعتِ یہود نے اللہ تعالیٰ کو بخل کے ساتھ منسوب کرتے ہوئے کہا کہ اللہ کا ہاتھ اور اُس کا دستِ عطا بندھا ہوا ہے اُنہی کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں اور جو بے ہودہ بات اُنھوں نے کہی اُس کی وجہ سے یہ ملعون قرار پائے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کئے گئے واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں وہ جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے اور اے پیغمبر جو مضمون آپ کے رب کی طرف سے آپ کی جانب نازل کیا جاتا ہے وہ اُن یہودیں سے بہت سوں کیلئے سرکشی اور نافرمانی کے اضافے اور زیادتی کا سبب بن جاتا ہے اور ہم نے ان میں باہم قیامت تک کیلئے عداوت اور بغض ڈال دیا ہے اور یہ جب جب بھی مسلمانوں کے خلاف لڑائی کی آگ کو بھڑکاتے اور ہوا دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس آگ کو بجھا دیتا ہے اور ان کی حالت یہ ہے کہ یہ ملک میں فساد برپا کرنے کی کوشش کرتے پھرتے ہیں اور فساد برپا کرنے کو مارے مارے پھرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فسادیوں کو دوست نہیں رکھتا اور اہلِ فساد کو پسند نہیں فرماتا

وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ

اور حرام کا مال کھانے سے کیوں نہیں منع کرتے جو چشم پوشی وہ کر رہے ہیں

لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۶۳﴾ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ

وہ یقیناً بہت ہی بُری ہے ۔ ف۲ اور یہود نے کہا اللہ کا ہاتھ

اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ؕ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ

بندھا ہوا ہے باندھے جائیں ہاتھ اُن کے اور جو کچھ اُنھوں نے کہا اُس کے باعث اُن پر لعنت کی گئی بلکہ

يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ ؕ وَلَيَزِيْدَنَّ

اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ کشادہ ہیں وہ جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ

كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا

جو کلام آپ کے پاس آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے وہ اُن میں سے اکثر لوگوں کی سرکشی اور باطل پرستی میں اضافہ کا

وَّكُفْرًا ؕ وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى

سبب بن گیا ہے اور ہم نے اُن کے درمیان قیامت تک کے لئے باہم عداوت اور بغض

يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا

ڈال دیا ہے جب کبھی یہ لڑائی کی آگ کو بھڑکانا چاہتے ہیں تو خدا اُس کو بجھا دیتا ہے

اللّٰهُ ۙ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا ؕ وَاللّٰهُ لَا

اور اُن کی حالت یہ ہے کہ یہ ملک میں فساد برپا کرنے کو مارے مارے پھرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ

يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۶۴﴾ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا

فساد کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا ۔ ف۳ اور اگر یہ اہلِ کتاب ایمان لے آتے

وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ

اور تقوے کی روش اختیار کرتے تو ہم یقیناً اُن سے اُن کی برائیاں زائل کر دیتے اور ہم ضرور اُن کو عیش و عشرت کے

النَّعِيْمِ ﴿۶۵﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ

باغوں میں داخل کرتے ۔ اور اگر یہ لوگ توریت کی اور انجیل کی اور جو کتاب اُن کے لئے اُن کے رب کی

(تیسیر) حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یہ یہود میں بولنا رواج تھا کہ اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا یعنی ہم پر روزی تنگ ہوئی یہ کفر کا لفظ ہے اللہ کا ہاتھ کبھی بند نہیں دونوں ہاتھ کھلے ہیں قہر کا اور مہر کا تم پر اب قہر کا ہاتھ کھلا مہر کا اوروں پر فرمایا اللہ نے ان میں اتفاق نہیں رکھا جب آگ سلگاتے ہیں لڑائی کو یعنی فتنہ انگیزی کرتے ہیں کہ آپس میں سب کو مِلا کر مسلمانوں سے لڑیں وہ اللہ بجھا دیتا ہے آپس میں پھوٹ جاتے ہیں (موضح القرآن) ہاتھ بندھا ہونا بخل کے لئے استعمال ہوتا ہے جیسا کہ پندرھویں پارے میں ارشاد ہے ولا تجعل یدک مغلولۃ الی عنقک ۔ ہو سکتا ہے کہ یہود نے اپنی خانگی تنگی اور عسرت کی وجہ سے یہ کہا ہو کہ اللہ تعالیٰ بخیل ہو گیا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مدینہ منورہ کے بعض اصلاحی کاموں کے لئے جب مسلمانوں نے آپس میں چندہ کیا ہو تو اُن سے بھی شرکت کی خواہش کی ہو تو اس پر بجائے چندہ میں شریک ہونے کے یہ طعن کیا ہو کہتے ہیں فنحاص ابن عازورا نے یہ الفاظ کہے تھے اور ہو سکتا ہے کہ نباش بن قیس نے کہا ہو اور چونکہ کسی نے اس قائل پر انکار نہیں کیا اور کہنے والوں کو ملامت نہیں کی اس لئے وقالت الیھود فرمایا بندش اور کشادگی سے مراد بخل اور عطا و جود ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بخیل نہیں ہے یہ خود بخل میں مبتلا ہیں حضرت ابن عباسؓ اور عکرمہ اور ضحاک اور قتادہ کا قول ہے کہ جب مسلمانوں کے ساتھ ان کی بدسلوکی بڑھی تو ان پر عسرت نازل ہوئی رزق کی تنگی سے تنگ ہو کر اُنھوں نے اللہ تعالیٰ کو بخیل کہا بددعا اور لعنت کے بعد جو اُن کے قول کی سزا تھی پھر فرمایا اللہ تعالیٰ کی جود و سخا کے دروازے ہر وقت کھلے ہوئے ہیں اور مخلوق اُس سے ہر وقت بہرہ مند ہوتی رہتی ہے پھر فرمایا جو مضامین اور احکام آپ پر نازل ہوتے رہتے ہیں وہ اُن کے اکثر لوگوں میں بجائے اطاعت و فرماں برداری کے اُن میں سرکشی اور نافرمانی کو بڑھا دیتے ہیں جس طرح امراضِ مختلفہ میں گھرے ہوئے مریض کو بہتر سے بہتر دوا مضر ہو جاتی ہے یہی اُن کی حالت ہے اللہ تعالیٰ نے ان یہود اور نصاریٰ کے مابین یا صرف یہود کے مابین ایسی عداوت اور کینہ ڈال دیا ہے جو قیامت تک ختم ہونے والا نہیں یہ جب بھی مسلمانوں کے خلاف کوئی سازش کرتے ہیں اور لڑائی کی آگ بھڑکانا چاہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس آگ کو بجھا دیتا ہے اور اُن کی سازش کو ناکام کر دیتا ہے اور یہ تو اُن کی عام عادت ہے کہ خدا کی زمین میں فساد برپا کرنے کی غرض سے مارے مارے پھرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ فساد برپا کرنے والوں کو محبوب نہیں رکھتا یہاں تک اُن کے اعمالِ سیّئہ اور قبیحہ کی مذمت تھی اب آگے پھر اُن کو بتلاتے ہیں کہ جو روش تم نے اختیار کیا ہے وہ فلاح و بہبودی کی راہ نہیں ہے اگر تم کامیاب ہونا چاہتے ہو تو کتبِ سماویہ کا احترام کرو اور بغیر کسی تحریف و تبدیل اور بغیر تاویلات اور توجیہات بعیدہ کے اُن پر عمل کرو تو تم پر فوراً فلاح کے دروازے کھول دیئے جائیں گے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل) ف۲ اور اگر یہ اہلِ کتاب ایمان لے آتے اور تقویٰ اور پرہیزگاری کی روش اختیار کرتے تو ہم ضرور اُن کی گذشتہ برائیاں

باقی صفحہ ۱۸۹ پر

بقیہ صفحہ ۱۸۸

اُن سے دور کر دیتے اور اُن کے گناہ معاف کر دیتے اور ہم ضرور اُن کو چین و آرام اور عیش و عشرت کے باغوں میں داخل کرتے اور اگر یہ اہلِ کتاب توریت اور انجیل اور اُس کتاب کی جواب اُن کی ہدایت کے لئے اُن کے رب کی جانب سے نازل ہوئی ہے پوری پابندی کرتے تو یقیناً یہ لوگ اوپر سے بھی یعنی آسمان سے اور نیچے سے بھی یعنی زمین سے خوب رزق حاصل کرتے کچھ لوگ ان میں سے درمیانہ رو یعنی سیدھی راہ پر چلنے والے ہیں اور بہت سے اُن میں ایسے ہیں جن کے کام بہت بُرے ہیں (تیسیر) حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کھاویں اوپر اور نیچے سے یعنی آسمان میں سے اُن کو رزق فراخ آوے (موضح القرآن) اوپر کی آیت میں ایمان اور تقوے کا ذکر فرمایا جس کا فائدہ یہ ہو تا کہ گناہ معاف ہونے کے بعد جنّت ملتی ہے حدیث میں ہے ان الاسلام یھدم ما کان قبلہٗ۔ یعنی اسلام قبول کرنے سے پہلے تمام گناہ زائل ہو جاتے ہیں اور تقویٰ کی شرط اس لئے لگائی کہ تقویٰ میسر نہ ہو تو جنّت ملنے میں تاخیر ہو اور دوزخ کا مُنہ دیکھنا پڑے سورۂ مریم میں ہے۔ تلک الجنۃ التی نورث من عبادنا من کان تقیا یعنی جنّت کا وارث ہم اُس شخص کو بنائیں گے جو پرہیزگار اور متقی ہوگا۔ دوسری آیت میں دنیوی برکات کا بھی وعدہ فرمایا کہ اگر یہ لوگ ایمان و تقویٰ اختیار کرتے یعنی تمام کتب سماویہ پر جس میں قرآن بھی داخل ہے ایمان لے آتے تو آسمان سے خوب بارشیں ہوتیں اور زمین سے خوب پیداوار ہوتی اور یہ با فراغت کھاتے جیسا دوسری جگہ ارشاد ہے ولو ان اھل القری آمنوا واتقوا لفتحنا علیھم برکات من السماء والارض یعنی اگر ایمان اور تقویٰ کی راہ اختیار کرتے تو ہم آسمان و زمین کی برکتوں کے دروازے اُن پر کھول دیتے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پھل اور کھیتی کی طرف اشارہ ہو کیونکہ پھل اوپر کی سمت ہوتے ہیں اور کھیتی زمین کے قریب ہوتی ہے اُمّۃ مقتصدۃ سے مراد یہود ہیں۔ عبداللہ بن سلامؓ اور اُن کے ساتھی ہو سکتے ہیں اور نصاریٰ میں نجاشیؒ اور اُن کے اصحاب ہو سکتے ہیں لیکن عام طور سے اکثریت اُنہی لوگوں کی ہے جن کے اعمال و کردار بہت ہی بُرے اور ناپسندیدہ ہیں چونکہ بُرے لوگوں کی اکثریت عام طور سے حوصلہ شکن ہوتی ہے اور جب مذمت کرنیوالوں اور بُرا کہنے والوں کی کثرت ہو اور ہر پہلو سے تبلیغ اسلام میں مزاحمت کی جاتی ہو بلکہ بحیثیت انسان تبلیغ میں ہر قسم کی رکاوٹ پیدا کر رہے ہوں تو ایسے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرماتے ہیں کہ تم اپنا کام جاری رکھو اور اعدائے اسلام سے بے نیاز ہو کر تبلیغ کرتے رہو، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل) ف اے پیغمبر جو کچھ آپ کے پروردگار کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا آپ لوگوں کو وہ سب پہنچا دیجئے، اور اگر آپ نے خدانخواستہ بفرضِ محال ایسا نہ کیا یعنی کچھ حصّہ پہونچایا اور کچھ نہیں پہونچایا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ نے خدا کا کوئی پیغام بھی نہیں پہونچایا اور اللہ تعالیٰ آپ کو دشمنوں سے محفوظ رکھے گا یقین رکھئے کہ اللہ تعالیٰ اس گروہِ منکرین کو ایسا موقع نہیں دے گا اور اُن کی رہنمائی نہیں فرمائے گا (تیسیر) خلاصہ یہ ہے کہ منکرینِ اسلام کی کوشش یہ ہے کہ وہ آپ کے تبلیغی کاموں میں رکاوٹ پیدا کریں وہ آپ کو قتل کی دھمکیاں دیتے ہیں تو آپ اس قسم کی قتل آمیز دھمکیوں کی پروانہ کیجئے اور تمام احکام کی تبلیغ کرتے رہیے اس مجموعہ فرض کو بجالایئے اگر خدانخواستہ کسی ایک حصّہ کو بھی ترک کیا تو مجموعہ فرض بے کار ہو گیا جیسے ارکانِ صلوٰۃ یا ارکانِ حج کہ ایک رکن کے ترک سے تمام نماز اور پورا حج اکارت ہو جاتا ہے اسی طرح یہ فریضۂ تبلیغ ہے ایک حصّہ ترک ہو تو پورا فریضہ ترک ہو۔ باقی ان قتل کی دھمکیوں سے بے نیاز رہو ہم تم کو ان اعدائے اسلام سے محفوظ و مصئون رکھنے کی ذمہ داری کا اعلان کرتے ہیں اور تم کو یقین دلاتے ہیں کہ ہم اس گروہ کافرین کی اس بارے میں کہ یہ تم کو قتل کر ڈالیں اور ہلاک کر دیں کوئی رہنمائی نہیں کریں گے۔ مفسرینؒ نے شانِ نزول کے سلسلے میں بہت سے واقعات ذکر کئے ہیں ابن مردویہ اور طبرانی نے ابنِ عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لئے کچھ پہرہ دار مقرر تھے جو باری باری پہرہ دیتے تھے لیکن جب یہ آیت (باقی ضمیمہ میں)

وَمَآ اُنۡزِلَ اِلَيۡهِمۡ مِّنۡ رَّبِّهِمۡ لَاَ كَلُوۡا مِنۡ فَوۡقِهِمۡ

جانب سے بھیجی گئی ہے اُس کی پوری پوری پابندی کرتے تو وہ یقیناً اوپر سے بھی اور نیچے سے

وَمِنۡ تَحۡتِ اَرۡجُلِهِمۡ‌ؕ مِنۡهُمۡ اُمَّةٌ مُّقۡتَصِدَةٌ ‌ؕ وَ

بھی خوب رزق حاصل کرتے اگرچہ ان میں سے کچھ لوگ میانہ رو بھی ہیں لیکن

كَثِيۡرٌ مِّنۡهُمۡ سَآءَ مَا يَعۡمَلُوۡنَ ۝٦٦ يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوۡلُ

اکثر اُن میں سے وہ ہیں جن کے کام بہت ہی بُرے ہیں ۝ اے پیغمبر جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے

بَلِّغۡ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ‌ؕ وَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلۡ

آپ پر نازل کیا گیا ہے اُس سب کو لوگوں تک پہنچا دیجئے اور اگر بالفرض آپ نے ایسا نہ کیا

فَمَا بَلَّغۡتَ رِسَالَتَهٗ‌ؕ وَاللّٰهُ يَعۡصِمُكَ مِنَ النَّاسِ‌ؕ

تو سمجھئے کہ آپ نے خدا کا کوئی پیغام نہیں پہنچایا۔ اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الۡكٰفِرِيۡنَ ۝٦٧ قُلۡ يٰۤاَهۡلَ

یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ کافروں کے گروہ کو راہ نہیں دکھائیگا آپ اُن سے کہدیجئے کہ اے اہلِ کتاب

الۡكِتٰبِ لَسۡتُمۡ عَلٰى شَىۡءٍ حَتّٰى تُقِيۡمُوا التَّوۡرٰٮةَ وَ

جب تک تم توریت کی اور انجیل کی اور اُس کتاب کی جو تمہارے لئے تمہارے رب کی جانب سے نازل ہوئی ہے

الۡاِنۡجِيۡلَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكُمۡ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ‌ؕ وَلَيَزِيۡدَنَّ

پوری پوری پابندی نہ کرو گے اُس وقت تک تم کسی راہ پر بھی نہیں ہو اور جو کلام آپ کے پاس

كَثِيۡرًا مِّنۡهُمۡ مَّاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ طُغۡيَانًا وَّ

آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا جاتا ہے وہ اُن میں سے اکثر کی سرکشی اور باطل پرستی میں اضافہ کا موجب

كُفۡرًا‌ۚ فَلَا تَاۡسَ عَلَى الۡقَوۡمِ الۡكٰفِرِيۡنَ ۝٦٨ اِنَّ الَّذِيۡنَ

ہو گیا ہے سو اے پیغمبر آپ اس منکر قوم کی حالت پر افسوس نہ کیجئے ۝ یقیناً وہ لوگ جو

اٰمَنُوۡا وَالَّذِيۡنَ هَادُوۡا وَالصّٰبِئُوۡنَ وَالنَّصٰرٰى

مسلمان ہوئے اور جو لوگ یہودی اور صابئین اور نصاریٰ جو دل سے اللہ پر

ع ٩ ١٠ ١٣

ف۱ یہ امر واقعی ہے کہ وہ لوگ جو مسلمان ہوئے اور وہ لوگ جو یہود ہیں اور وہ جو صابئین ہیں اور وہ جو نصاریٰ ہیں یعنی کوئی بھی ہو جو دل سے اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے اور قیامت کو مانتا ہے اور نیک عمل کرتا ہے تو ایسے لوگوں پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ کبھی غم گین ہوں گے (تیسیر) یہ آیت پارہ الم میں گذر چکی ہے۔ اور وہاں ہم نے تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جس کا شرعاً اعتقاد صحیح ہے اللہ تعالیٰ کی ذات صفات پر اُس کا اعتقاد ٹھیک اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو قیامت بتائی ہے اس پر بھی اُس کا ایمان ہے اور شریعت کے بتائے ہوئے اعمالِ صالحہ کا پابند ہے تو وہ لوگ یقیناً قیامت کے دن ہر قسم کے خوف و غم سے محفوظ ہوں گے۔ یہ مطلب نہیں کہ ظاہری طور پر مسلمان ہو جانا اور نفاق کو سینے میں چھپائے رکھنا یا قرآن سے منکر ہونا اور پیغمبر اسلام کو نہ ماننا اور شریعتِ اسلامیہ کی بتائی ہوئی قیامت کو نہ ماننا اور اپنے من مانے اعمال کو نیک سمجھ لینا یہ باتیں بھی نجات کے لئے کافی ہیں تو ایسا سمجھنا غلط ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پہلی اُمتوں کے ساتھ مسلمانوں کا بھی ذکر فرمایا ہو کہ خواہ پہلی اُمتیں ہوں یا امت محمدیہ ہو جو اپنے اپنے پیغمبر کے بتائے ہوئے طریقوں کا پابند رہا وہ نجات یافتہ ہے اس آیت سے پیغمبر کی رسالت یا قرآن کے انکار کے ساتھ نجات یافتہ ہونا ایسا ہی شخص کہہ سکتا ہے جو اسلام کو نہ سمجھتا ہو، ورنہ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے طریقہ کو چھوڑ کر اپنی من مانی توحید اور اپنی من مانی قیامت اور اپنے من ملنے اعمالِ صالحہ نجاتِ اُخروی کے لئے نہ مفید ہیں نہ نافع اب آگے پھر یہود و نصاریٰ کی عہد شکنی کا تذکرہ ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل) ف۲ بلاشبہ ہم نے بنی اسرائیل سے توریت میں عہد لیا تھا اور بنی اسرائیل نے یہ عہد کیا تھا کہ ہم توریت کے تمام احکام مانیں گے اور ہر پیغمبر پر ایمان لائیں گے چنانچہ ہم نے اُن کی طرف لگاتار بہت سے رسول بھیجے مگر باوجود عہد و پیمان کے اُن کے پاس جب کوئی رسول ایسا حکم لیکر آیا جس کو اُن کا دل نہ چاہتا تھا اور اُن کی نفسانی خواہشات کے وہ حکم خلاف ہوتا تھا تب ہی یہ اس قسم کے احکام لانے والے پیغمبروں میں سے بعض کو جھوٹا بتاتے تھے اور بعض کو قتل کر ڈالتے تھے اور ان بنی اسرائیل نے یہ گمان کر لیا تھا اور یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ ان ناشائستہ حرکات کے باعث ان پر کوئی آفت اور کوئی عذاب نہیں آئے گا اور اس غلط گمان کی وجہ سے یہ اور بھی اندھے اور بہرے بن گئے یعنی نہ راہِ راست کو دیکھا اور نہ پیغمبروں کی بات کو سُنا پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ کو قبول کر لیا اور ان پر نظرِ عفو کے ساتھ توجہ فرمائی مگر اس کے بعد پھر ان میں بہت سے دوبارا اندھے اور بہرے بن گئے اور جو کچھ یہ لوگ کرتے رہے اور جو کچھ آپ کے زمانے میں کر رہے ہیں اُن سب کو اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے اور وہ سب اللہ تعالیٰ کے پیشِ نظر ہیں (تیسیر) توریت میں ان بنی اسرائیل سے کہا گیا کہ توحیدِ الٰہی کے قائل رہنا اور نیک اعمال کی پابندی کرنا اور جو رسول تمہارے پاس میرے فرستادہ آئیں اُن سب پر ایمان لانا چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد اُن کے پاس رسول آنے شروع ہوئے تاکہ

مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا

اور قیامت کے دن پر ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے تو ایسے لوگوں پر

خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٦٩﴾ لَقَدْ اَخَذْنَا

نہ کسی قسم کا خوف ہوگا اور نہ وہ غم گین ہوں گے۔ ف۱ بلاشبہ ہم نے

مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ۭ كُلَّمَا

بنی اسرائیل سے عہد لیا اور ہم نے اُن کی طرف بہت سے پیغمبر بھیجے لیکن جب کبھی بھی

جَآءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا

اُن کے پاس کوئی رسول ایسا حکم لایا جس کو اُن کے دل پسند نہ کرتے ہوں تو بعض رسولوں کی انھوں نے

كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ﴿٧٠﴾ وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ

تکذیب کی اور بعضوں کو یہ قتل ہی کر ڈالتے تھے۔ اور انھوں نے یہ گمان کر لیا کہ ان پر کوئی آفت نہیں آئے گی

فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا

اس لئے یہ اندھے اور بہرے بن گئے پھر اللہ نے ان پر توجہ فرمائی پھر اُن میں سے اکثر لوگ قبولِ توبہ کے بعد دوبارا

كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿٧١﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ

اندھے اور بہرے بن گئے اور جو کچھ یہ کرتے رہتے ہیں وہ سب اللہ کے پیشِ نظر ہے ف۲ یقیناً وہ لوگ کافر ہو چکے

قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۭ وَقَالَ الْمَسِيْحُ

جنھوں نے یوں کہا کہ مسیح ابن مریم ہی عین خدا ہے حالانکہ خود حضرت مسیحؑ نے بنی اسرائیل سے کہا تھا کہ

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ مَنْ

اے بنی اسرائیل تم اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے یقین جانو کہ جو شخص

يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ۭ

اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرے گا تو اللہ تعالیٰ اُس پر جنت کو حرام کر دے گا اور اُس کا ٹھکانا دوزخ ہے

وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿٧٢﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ

اور ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ بلاشبہ وہ لوگ بھی کافر ہو گئے

ان سے توریت کی پابندی کرائیں اور ان کی غلط کاریوں سے اُن کو روکیں۔ انھوں نے اپنے عہد کے خلاف حرکات شروع کر دیں جب کوئی رسول ان کو بری باتوں کے خلاف حکم دیتا تو یہ ایسے رسول کی تکذیب کرتے اور اس کو جھوٹا بتاتے اور بعض انبیاء کو قتل بھی کر ڈالتے اور چونکہ یہ سمجھتے کہ ہم خود انبیاء زادے ہیں اس لئے بے دھڑک اور بے باک ہو کر یہ گمان کرتے تھے کہ ہم پر تو کوئی فتنہ اور عذاب آئے گا نہیں اس لئے اندھے اور بہروں کی طرح نہ دینِ حق کو تلاش کرتے تھے نہ انبیاء کی بات سنتے تھے۔ پھر تنبیہ کے طور پر کچھ سزا ملتی تھی تو توبہ استغفار کرتے تھے اللہ تعالیٰ نظرِ عفو و کرم سے اُن کی جانب متوجہ ہوتا تھا پھر ان میں سے اکثر بہک جاتے تھے اور اندھے بہرے بن کر وہی شیوہ اختیار کر لیتے تھے اُن کی ناشائستہ حرکات کا ذکر اوپر گذر چکا ہے حضرت عیسیٰؑ کی تکذیب نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب حضرت زکریاؑ اور یحییٰؑ نبی کا قتل یہ ایسے واقعات ہیں کہ تمام مفسرین کا ان پر اتفاق ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (حضرت تعالیٰ)

(باقی صفحہ ۱۹۱ پر)

(بقیہ صفحہ ١٩٠) اُن کے تمام اعمالِ شنیعہ سے واقف ہے اور باخبر ہے اور انکے تمام اعمال اس کے پیشِ نظر ہیں اب نصاریٰ کی اُس عہد شکنی کا ذکر ہے جو اُنھوں نے توریت اور انجیل کے احکام کے ساتھ کی چنانچہ فرماتے ہیں (تسہیل) ف بلاشبہ وہ لوگ کفر کے مرتکب ہوئے جنھوں نے یوں کہا کہ اللہ تعالیٰ تو یہی مسیح مریم کے بیٹے ہیں اور مسیحؑ ابنِ مریم عین خدا ہے حالانکہ حضرت مسیحؑ تو خود بنی اسرائیل سے کہہ چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرو جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی پروردگار ہے بے شک جو شخص اللہ تعالیٰ کی اُلوہیت میں کسی دوسرے کو شریک کرے گا تو یقین مانو کہ اللہ تعالیٰ اُس پر جنت کو حرام کر دے گا اور اُس کا دائمی ٹھکانا جہنم ہوگا اور ایسے مشرکوں کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ تفسیر صفحہ ہٰذا :- بلاشبہ وہ لوگ بھی کافر ہو چکے جنھوں نے کہا اللہ تعالیٰ تین میں کا تیسرا ہے اور تین معبودوں میں سے ایک وہ بھی ہے، حالانکہ بجز ایک معبودِ برحق کے اور کوئی معبود نہیں ہے اور اگر یہ لوگ ان مشرکانہ اور کافرانہ اقوال سے باز نہ آئیں گے تو یہ سمجھ رکھیں کہ جو لوگ ان میں سے کفر پر قائم رہیں گے اُن کو یقیناً دردناک عذاب ہوگا کیا یہ لوگ ان تمام باتوں کو سُنکر پھر بھی اپنے عقائدِ باطلہ سے توبہ نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ کی جانب رجوع اور اپنے عقائدِ شرکیہ اور اعمالِ کفریہ سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بخشش طلب نہیں کرتے اور معافی خواہ نہیں ہوتے حالانکہ اللہ تعالیٰ بڑی بخشش کرنے والا اور بڑی مہربانی کرنے والا ہے (تیسیر) ان آیتوں میں نصاریٰ کی مختلف جماعتوں کے عقائدِ باطلہ کا رَدّ فرمایا ہے۔ بعض فرقے ان میں اس بات کے قائل ہوئے جیسے یعقوبیہ اور ملکانیہ کہ حضرت مریم نے جو بچہ جنا وہی الٰہ تھا یعنی حضرت عیسٰیؑ میں اللہ تعالیٰ حلول کر گیا تھا اور حضرت مسیحؑ جن کو کہا جاتا ہے وہ عین خدا ہے۔ اور بعض فرقوں کا عقیدہ یہ تھا جیسے مرقوسیہ اور نسطوریہ کہ حضرت عیسٰیؑ اور حضرت مریم یہ بھی دونوں معبود ہیں اور اللہ تعالیٰ کی اُلوہیت کے خواص میں اُس کے شریک ہیں اور اُلوہیت تینوں میں مشترک ہے اور جب ان تینوں میں مشترک ہے تو اللہ تعالیٰ ان تینوں میں سے ایک ہے۔ حضرت عیسٰیؑ اور اُن کی والدہ نہ الٰہ ہیں اور نہ اُلوہیت میں کسی طرح ذاتِ باری کے شریک ہیں نہ مستقل الٰہ ہیں۔ اس عقیدے کو وما من الٰہ الا اللہ واحد کہہ کر رد فرمایا۔ ہماری اس تقریر سے معیت یعنی اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کے ساتھ ہونا اور اُلوہیت میں شریک ہونے کا فرق سمجھ میں آ گیا ہوگا، اسی لئے باعتبارِ علم اللہ تعالیٰ کی معیت جیسا کہ سورہ مجادلہ میں فرمایا ما یکون من نجوی ثلاثة الا هو رابعهم ولا خمسة الا هو سادسهم یعنی کوئی تین آدمی کہیں سرگوشی نہیں کرتے مگر چوتھا اُن کا خدا ہوتا ہے اور کہیں پانچ آدمی بیٹھ کر سرگوشی نہیں کرتے مگر چھٹا اُن کا خدا ہوتا ہے اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابوبکر صدیقؓ کا غارِ ثور میں یہ فرمانا ما ظنك باثنين الله ثالثهما۔ یعنی اے ابوبکرؓ ان دو شخصوں کے متعلق تیرا کیا خیال ہے جن کا تیسرا اللہ تعالیٰ ہو۔ یہ معیتِ خداوندی اور چیز ہے اور خواص اُلوہیت میں شرکت یہ اور چیز ہے پہلا عقیدہ ایمان اور دوسرا کفر ہے عیسائیوں کے بعض فرقے اس اشتراک کی توجیہ اس طرح کرتے ہیں کہ یہ تینوں اقانیم ہیں باپ، بیٹا اور روح القدس یعنی روحِ حیات اور یہ تینوں مِل کر ایک معبود ہیں اور یہ تینوں علٰیحدہ علٰیحدہ بھی معبود ہیں جس طرح آفتاب آفتاب کی ٹکیا اور شعاع اور حرارت سب کے مجموعہ کا نام ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی تینوں اقانیم کے مجموعہ کا نام ہے، ذات، اور کلمہ، اور حیات ان تینوں کے مجموعہ کا نام الٰہ ہے۔ کلمہ عیسٰیؑ کے ساتھ اس طرح مل گیا جس طرح دودھ میں پانی مل جاتا ہے پس باپ الٰہ اور کلمۃ اللہ یعنی بیٹا الٰہ اور روح یعنی حیات الٰہ اور ان تینوں کا مجموعہ الٰہ۔ نصاریٰ کے ان عقائدِ باطلہ کا تذکرہ فرمایا درمیان میں حضرت عیسٰیؑ کا قول بھی ذکر کیا تاکہ یہ بات معلوم ہو سکے کہ نصاریٰ کا یہ عقیدہ خود حضرت مسیحؑ کی تعلیم کے بھی خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ حلول سے بھی پاک ہے، اور اس سے بھی پاک و بالاتر ہے کہ اُس کی اُلوہیت میں کوئی اُس کا شریک ہو، اسی لئے فرمایا کہ یہ لوگ اگر باز نہ آئیں گے اور اپنے اقوالِ باطلہ پر قائم رہیں گے تو اس کافرانہ قول کی وجہ سے ان پر دردناک عذاب واقع ہوگا پھر تیسری آیت میں اُن کو توبہ اور استغفار کی جانب متوجہ فرمایا (باقی ضمیمہ میں)

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا إِلَٰهٌ

جنھوں نے یوں کہا کہ خدا تین میں کا ایک تیسرا ہے حالانکہ بجز ایک معبود کے اور کوئی معبود

وَاحِدٌ ۚ وَإِنْ لَمْ يَنْتَهُوا عَمَّا يَقُولُونَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِينَ

نہیں ہے اور اگر یہ لوگ اپنی ان باتوں سے باز نہ آئے تو جو لوگ ان میں سے کفر پر قائم رہیں گے

كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٧٣﴾ أَفَلَا يَتُوبُونَ إِلَى اللَّهِ وَ

اُن کو ضرور دردناک عذاب ہوگا۔ کیا پھر بھی یہ لوگ خدا کے سامنے اپنے ان عقائد سے توبہ نہیں کرتے اور

يَسْتَغْفِرُونَهُ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٧٤﴾ مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ

اس سے بخشش نہیں مانگتے حالانکہ اللہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے مسیحؑ بن مریم صرف

إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ ۖ

ایک رسول ہیں جن سے پہلے اور بھی بہت سے رسول ہو چکے ہیں اور مسیحؑ کی والدہ بڑی راست باز تھی

كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ ۗ انْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْآيَاتِ

وہ دونوں ماں بیٹے کھانا کھایا کرتے تھے غور تو کیجئے ہم کس طرح اپنے دلائل ان کے لئے واضح طور پر

ثُمَّ انْظُرْ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ﴿٧٥﴾ قُلْ أَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ

بیان کر رہے ہیں پھر ذرا ان کو دیکھئے کہ وہ کدھر اُلٹے پھرے جا رہے ہیں۔ آپ ان سے پوچھئے کیا تم خدا کو چھوڑ کر اُس

اللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا ۚ وَاللَّهُ هُوَ السَّمِيعُ

کی عبادت کرتے ہو جو نہ تمہارے نقصان کا اختیار رکھتا ہے اور نہ نفع کا حالانکہ اللہ ہی سب کی سننے والا

الْعَلِيمُ ﴿٧٦﴾ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ غَيْرَ

اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ آپ فرمائیے کہ اے اہلِ کتاب تم اپنے دین میں ناحق کا غلو نہ کرو

الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوا مِنْ قَبْلُ وَ

اور ایسے لوگوں کی خواہشات پر نہ چلو جو پہلے خود بھی گمراہ ہوئے

أَضَلُّوا كَثِيرًا وَضَلُّوا عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ ﴿٧٧﴾ ع لُعِنَ الَّذِينَ

اور اوروں کو بھی بہت سوں کو گمراہ کر چکے اور وہ لوگ جو آج بھی سیدھی راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں ف ٢ بنی اسرائیل میں سے

وقف لازم

ع ١٠ ١١ ١٤

كَفَرُوا مِنْ بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ عَلَىٰ لِسَانِ دَاوُودَ وَعِيسَى ابْنِ

جن لوگوں نے کفر کی روش اختیار کی تھی اُن پر داؤدؑ اور عیسیٰؑ بن مریم کی زبان سے لعنت

مَرْيَمَ ۚ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوا وَّكَانُوا يَعْتَدُونَ ﴿۷۸﴾ كَانُوا لَا

کی گئی اس لعنت کا سبب یہ ہوا کہ وہ نافرمانی کے خوگر تھے اور حد سے نکل جاتے تھے۔ جس برائی کے وہ مرتکب تھے

يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنكَرٍ فَعَلُوهُ ۚ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿۷۹﴾

اس سے آپس میں ایک دوسرے کو منع نہیں کرتے تھے واقعی ان کا وہ طرزِ عمل جو اُنھوں نے اختیار کر رکھا تھا بہت ہی بُرا تھا۔

تَرَىٰ كَثِيرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ لَبِئْسَ مَا

آپ ان یہود میں سے اکثر لوگوں کو ملاحظہ کریں گے کہ وہ کافروں سے دوستی کرتے ہیں یقیناً وہ چیز جو یہ لوگ

قَدَّمَتْ لَهُمْ أَنفُسُهُمْ أَن سَخِطَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَفِي

اپنے لئے آگے بھیج رہے ہیں وہ بہت ہی بُری ہے کہ اس کی وجہ سے اللہ ان سے ناخوش ہوا اور وہ

الْعَذَابِ هُمْ خَالِدُونَ ﴿۸۰﴾ وَلَوْ كَانُوا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَ

لوگ ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہیں گے۔ اور اگر یہ لوگ اللہ پر اور

النَّبِيِّ وَمَآ أُنزِلَ إِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوهُمْ أَوْلِيَآءَ وَلَٰكِنَّ كَثِيرًا

نبی پر اور جو کتاب نبی کی طرف بھیجی گئی ہے اس پر ایمان رکھتے تو ان مشرکوں کو کبھی دوست نہ بناتے لیکن ان میں اکثر

مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ ﴿۸۱﴾ لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِينَ

لوگ خارج از ایمان ہیں ف۱ اے پیغمبر یقیناً آپ مسلمانوں کے ساتھ سب سے زیادہ دشمنی کرنے والا

آمَنُوا الْيَهُودَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا ۖ وَلَتَجِدَنَّ أَقْرَبَهُم مَّوَدَّةً

یہود کو اور مشرکوں کو پائیں گے اور مسلمانوں کے ساتھ باعتبار دوستی کے آپ ان لوگوں کو

لِّلَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ قَالُوٓا إِنَّا نَصَارَىٰ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّ

قریب تر پائیں گے جنھوں نے یوں کہا کہ ہم نصاریٰ ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ

مِنْهُمْ قِسِّيسِينَ وَرُهْبَانًا وَأَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ﴿۸۲﴾

ان میں بہت سے علماء اور گوشہ نشین زاہد ہیں اور نیز یہ کہ یہ لوگ تکبر نہیں کرتے

ف بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کافرانہ روش اختیار کی تھی وہ لوگ داؤدؑ اور عیسیٰؑ ابن مریم کی زبان سے ملعون قرار دیئے گئے یعنی زبور اور انجیل میں اُن پر لعنت کی گئی یہ لعنت اس لئے کی گئی کہ وہ نافرمانی کرنے کے عادی تھے اور شریعتِ الٰہی کی مخالفت کیا کرتے تھے اور اس نافرمانی میں حد سے بہت دور نکل جاتے تھے اُنھوں نے جو بُرے کام اختیار کر رکھے تھے اس سے آپس میں ایک دوسرے کو منع نہیں کرتے تھے اور اُس بُرے کام سے باز نہ آتے تھے واقعی اُن کا یہ فعل جس کے وہ مرتکب تھے بہت بُرا تھا۔ (تیسیر) خلاصہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر اور بد اعمالی کو اپنا شیوہ بنالیا تھا اُن پر زبور اور انجیل میں لعنت کی گئی اور چونکہ یہ دونوں کتابیں حضرت داؤدؑ اور عیسیٰؑ ابن مریم کی زبان سے ظاہر ہوئیں اس لئے لعنت کا ظہور بھی اُنہی کی زبان سے ہوا۔ اس لعنت کا سبب بھی بتادیا کہ آسمانی دین کی مخالفت کے خوگر ہو گئے تھے اور حد سے بہت دور نکل گئے تھے۔ عقائد کی خرابی کو کفر فرمایا۔ پھر اس کفر میں بھی بہت سخت تھے اور حد سے بہت تجاوز کر گئے تھے اور جن بُرے کام کے وہ مرتکب تھے اس سے آپس میں ایک دوسرے کو منع بھی نہیں کرتے تھے اور یہ بات بہت ہی بُری تھی جو وہ کر رہے تھے۔ کہ بُرائی سے ایک دوسرے کو منع نہیں کرتے تھے۔ کانوا لا یتناھون کے یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ باز نہ آتے تھے ہم نے تیسیر میں دونوں معنی کر دیئے ہیں۔ ذٰلک بما عصوا وکانوا یعتدون کا ایک مطلب تو یہی ہے جو ہم نے اختیار کیا ہے اور بعض مفسرین نے دوسری طرح کیا ہے یعنی وہ نافرمان تھے اور حدودِ شرعیہ سے تجاوز کر گئے تھے واللہ اعلم، اب آگے پھر ان یہود کی مشرکین سے دوستی کا ذکر فرمایا تاکہ ان کی مخالفت مزید واضح ہوجائے اور اُن کی نافرمانی اور اُن کے اعتدا پر دلیل ہوسکے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل)

ف اے پیغمبر آپ ان یہود میں سے اکثر لوگوں کو ملاحظہ فرمائیں گے کہ وہ منکرین یعنی مشرکین سے مسلمانوں کے خلاف دوستی کرتے ہیں البتہ یہ چیز جو وہ آگے بھیج رہے ہیں بہت ہی بُری ہے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ اُن سے ناخوش ہوا اور اُن پر اللہ کا غضب نازل ہوا اور وہ ہمیشہ آگ کے عذاب میں مبتلا رہیں گے اور اگر یہ لوگ اللہ تعالیٰ پر اور پیغمبر پر ایمان رکھتے اور جو کتاب اُس پیغمبر پر نازل کی گئی اُس پر ایمان رکھتے تو ان مشرکین کو کبھی دوست نہ بناتے اور مسلمانوں کے خلاف کبھی اُن سے مل کر سازش نہ کرتے لیکن ان میں اکثر لوگ ایمان سے خارج اور کافر ہیں۔ (تیسیر) خلاصہ یہ ہے کہ ان یہود میں سے جو لوگ اسلام قبول کر چکے ہیں اُن کو چھوڑ کر کہ وہ تھوڑے سے ہیں باقی اُن کی اکثریت کا یہ حال ہے کہ وہ مشرکین سے مل کر مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے رہتے ہیں اور مشرکین کی دوستی پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اُن کی یہ حرکت بہت ہی بُری ہے کیونکہ جو کچھ کر رہے ہیں وہ آگے بھیج رہے ہیں اور وہی اُن کیلئے ذخیرہ ہورہا ہے اور وہ ناشائستہ حرکات اس لئے بُری ہیں کہ وہ حرکات ہی اللہ تعالیٰ کے دائمی غصے اور ناراضگی کا سبب ہیں اور جس سے اللہ تعالیٰ دائمی طور پر ناراض ہوجائے تو اُس کی دائمی ناراضگی دائمی عذاب کا موجب ہے اور یہ بات بالکل ظاہر ہے آیت کا ہر ایک ٹکڑا مستقل دعویٰ بھی ہے اور پہلے ٹکڑے کی دلیل بھی ہے۔ پھر آگے فرماتے ہیں اور اگر یہ لوگ اللہ پر اور پیغمبر پر اور کتاب پر ایمان رکھتے ہوتے تو مشرکین کو کبھی دوست نہ بناتے لیکن ان میں کے اکثر ایمان سے خارج ہیں، نبی سے مراد اگر نبی آخرالزماں ہیں تو کتاب سے مراد قرآن ہے یعنی اگر یہ مسلمان ہوجاتے تو پھر ان کا یہ شیوہ نہ ہوتا اور اگر نبی سے مراد موسیٰؑ ہوں تو پھر کتاب سے مراد توریت ہوگی یعنی اگر یہ موسیٰؑ کی تعلیم پر عمل کرتے ہوتے تب بھی اُن کا یہ فرض ہوتا کہ یہ نبی آخرالزماںؐ کی مدد کرتے اور مشرکین کے مقابلہ میں اُن کے معاون ہوتے نہ کہ آخری پیغمبر کے مقابلہ میں مشرکین سے سازباز کرتے (تسہیل) ف۲ اے پیغمبر یقیناً آپ غیر مسلموں میں مسلمانوں کے ساتھ دشمنی اور عداوت کے اعتبار سے یہود کو اور مشرکین کو بہت سخت پاؤ گے یعنی یہود اور مشرکین مسلمانوں کے ساتھ بڑی دشمنی اور عداوت کا برتاؤ کر رہے ہیں اور بلاشبہ آپ غیر مسلموں میں سے مسلمانوں کی دوستی کے اعتبار سے قریب تر اُن لوگوں کو پاؤ گے جنھوں نے یوں کہا کہ ہم نصاریٰ ہیں

(باقی صفحہ میں)

بقیہ صفحہ ۱۶۱

حضرت ابن عباس نے یوں مطلب بیان کیا کہ کوئی شخص کسی شخص کے لئے بددُعا نہیں کر سکتا مگر ان مظلوم کو یہ حق ہے کہ وہ ظالم کے لئے بددُعا کر سکتا ہے اور صبر کر لینا مظلوم کے لئے بہتر ہے۔ حضرت حسن کہتے ہیں کہ بددعا کا مطلب یہ ہے کہ یوں کہے اللھم اعنی علیہ اللھم استخرج لی حقی اللھم حل بینی وبین مایرید۔ یعنی یا اللہ فلاں شخص کے مقابلہ میں میری مدد کر یا اللہ فلاں شخص سے میرا حق وصول کرادے یا اللہ فلاں شخص جو ارادہ کر رہا ہے اُس کے ارادے اور میرے درمیان تو روک بن جا اور میرے خلاف اُس کے ارادے کو کامیاب نہ ہونے دے۔ حضرت عائشہ کی روایت میں مرفوعاً آیا ہے کہ جس شخص نے اپنے ظالم کے خلاف بددُعا کی تو اُس نے اپنا بدلہ لیا۔ حضرت ابوہریرہ کی روایت میں مرفوعاً آیا ہے۔ جو دو شخص آپس میں ایک دوسرے کو بُرا بھلا کہتے ہیں تو گناہ اُس شخص پر ہوتا ہے جو دونوں میں ابتدا کرنے والا ہوتا ہے۔ بشرطیکہ مظلوم زیادتی نہ کرے۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص بُرا کہنے میں پہل کرتا ہے تو جواب دینے والے کا گناہ بھی اُسی پر ہوتا ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ مظلوم جواب دینے میں زیادتی نہ کرے۔ بعض حضرات نے آیت کو اکراہ پر محمول کیا ہے اور مطلب یہ ہے کہ شرک اور کفر کی بات کا زبان پر لانا اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے مگر ہاں جس شخص پر ظلم کیا گیا اور اُس نے اپنی جان بچانے کو کوئی بات زبان سے نکال دی اور قلب اُس کا محفوظ رہا تو ایسا شخص قابل عفو ہے۔ بعض حضرات نے استثنا منقطع قرار دیا ہے اور ہر طرح معنی کئے ہیں بہرحال ہم نے مشہور قول اختیار کیا ہے۔ ہم نے ابھی عرض کیا تھا کہ ان آیات میں کافروں کا ذکر ہے۔ خواہ وہ کھلے کافر ہوں۔ یا منافق ہوں۔ یا یہود و نصاریٰ میں سے ہوں چنانچہ اب آگے یہود کی شرارتوں کا ذکر ہے۔ اگرچہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ منافقین سے تمام آیات کا ربط بیان فرماتے ہیں مگر ہم نے ربط آیات کا آسان اور سہل طریقہ اختیار کیا ہے تاکہ پڑھنے والوں کو کوئی الجھاؤ نہ ہو۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں۔ یعنی منافق کو چاہو کہ صادق کرو تو ظاہر کے طعن سے چھپا سمجھانا بہتر ہے اور در گذر خوب ہے اللہ بھی جاننا بوجھتا بندوں سے درگزر کرتا ہے موضح القرآن (تسہیل) بلاشبہ جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولوں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ باعتبار ایمان لانے کے اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولوں کے درمیان فرق کریں چنانچہ وہ اپنی اس خواہش کا زبان سے اظہار بھی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ پیغمبروں میں سے ہم بعض کو تو مانتے ہیں اور اُن پر ایمان لاتے ہیں اور بعضوں کو ہم نہیں مانتے اور یہ لوگ یوں چاہتے ہیں کہ کفر اور ایمان کے بین بین کوئی راہ اختیار کر لیں اور کفر و ایمان کے درمیان ایک ایسا راستہ نکال لیں جو نہ خالص کفر ہو اور نہ خالص ایمان ہو یعنی مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان ایک نئی راہ تجویز کرنا چاہتے ہیں تو ایسے لوگ یقیناً کافر ہیں اور اصل کافر یہی لوگ ہیں اور کافروں کے لیے ہم نے اہانت آمیز اور ذلیل و رسوا کن سزا تیار کر رکھی ہے (تیسیر) حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں یہاں سے ذکر ہے یہود کا قرآن میں اکثر ذکر یہود کا اور منافقین کا ایک جا آیا ہے اس جگہ۔ فرمایا ہے کہ اللہ کا ماننا جب ہے کہ زمانے کے پیغمبر کا حکم مانے اس بغیر اللہ کا ماننا غلط ہے موضح القرآن۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اُس کو مان کر اُس کی شان میں تخفیف کے مرتکب ہوتے ہیں اور اس کو ایسی صفات کے ساتھ متصف کرتے ہیں جن سے اُس کی ذات بالا اور برتر ہے۔ رسولوں کے ساتھ کفر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے رسول ہونے کا انکار کرتے ہیں جیسے یہود

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر تھے یا اس اعتبار سے کہ بعض رسولوں کا انکار مستلزم ہے۔ سب رسولوں کے انکار کو اللہ اور اُس کے رسولوں میں تفریق ڈالنے کا مطلب یہ ہے کہ بعض پر ایمان لائیں اور بعض پر نہ لائیں اللہ پر ایمان لانا اور اُس کے رسول میں جُدائی ڈالنا اسی کو تفریق بین اللہ ورسلہ فرمایا۔ یا یہ مطلب کہ جب بعض رسولوں کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں تو اللہ تعالیٰ کے بعض احکام کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں۔ اس کو فرمایا ویریدون ان یفرقوا بین اللہ ورسلہ چنانچہ اپنے اس عقیدے کو زبان سے بھی کہتے ہیں۔ کہ ہم بعض رسولوں کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے۔ ظاہر ہے کہ اس عقیدے سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ بھی کفر لازم آیا اور سب رسولوں کے ساتھ بھی کفر لازم آیا۔ کیوں کہ ہر رسول دوسرے رسولوں کو رسول کہتا چلا آیا ہے۔ جب بعض کا انکار کیا تو اللہ تعالیٰ کی بھی تکذیب ہوئی اور ہر رسول کی تکذیب ہوئی حقاً مضمون جملہ کی تاکید ہے۔ اس لئے ہم نے مترجمین کے الفاظ کی رعایت رکھتے ہوئے تیسیر میں ترجمہ کیا ہے۔ مھیناً اہانت سے ہے۔ رسوا کن ترجمہ حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب کا ہے۔ بین ذالک سبیلا کو ہم نے تیسیر میں صاف کر دیا ہے۔ گویا ان کا بعض پر ایمان لانا اور بعض سے انکار کرنا ایمان و کفر کے مابین ایک راہ کا اختیار کرنا ہے۔ نہ مسلمانوں کا سا ایمان کہ سب کو مانیں اور نہ مشرکوں کا سا کفر کہ کسی رسول کو نہ مانیں۔ قرآن کی یہ آیت اس معاملہ میں بالکل صاف اور واضح ہے۔ اور کسی ایک پیغمبر کے انکار کو بھی کفر بتاتی ہے۔ شاید یاد ہوگا کہ ہم نے پہلے پارہ میں ان الذین اٰمنوا والذین ھادوا کی (تسہیل) میں بتایا تھا کہ اگر اس آیت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا ذکر نہیں ہے تو اس کو یہ مستلزم نہیں ہے کہ حضور پر ایمان لائے بغیر کوئی نجات یافتہ ہو سکتا ہے خواہ توحید الٰہی ہو۔ خواہ اعمال صالحہ ہوں۔ یا قیامت پر ایمان لانا ہو یہ سب باتیں پیغمبر کی رہنمائی کی محتاج ہیں۔ جو شخص یہ چاہے کہ میں پیغمبر کو نظر انداز کر کے نجات کی صحیح راہ معلوم کر لوں تو یہ کھلا کفر ہے۔ اب چھٹے پارے کی اس آیت کو سامنے رکھ کر اُس آیت کی تفسیر کرنی چاہئے اور آج کل جدت پسند لوگوں کے خیال سے اجتناب کرنا چاہئے جنھوں نے قرآن کی تفسیر میں بڑی جرأت اور بے باکی سے کام لیا ہے۔ قرآن سب باتیں ایک ہی آیت میں بیان نہیں کر دیا کرتا۔ اس لئے تفسیر کرتے وقت سب آیتوں کا لحاظ رکھنا چاہئے جب قرآن بعض رسولوں کے ماننے اور بعض کے نہ ماننے کو کفر بتا رہا ہے تو خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے نہ ماننے والے کس طرح نجات دائمی اور فلھم اجرھم عند ربھم ولاخوف علیھم ولاھم یحزنون کے مستحق ہو سکتے ہیں۔ پیغمبر پر ایمان لانا تو قانون کی ایک بنیادی دفعہ ہے اگر قانون کی دوسری دفعات میں اس کا ذکر نہ آئے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ جنرل اور بنیادی دفعہ ترک کر دی گئی ہے۔ آگے کی آیت میں طرفین کے عہد کا اظہار ہے۔ پھر اس کے بعد یہود کی حرکات قبیحہ کا ذکر ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل) اور جو لوگ اللہ تعالیٰ پر اور اُس کے سب رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں اور باعتبار ایمان لانے کے ان میں سے کسی کے ساتھ فرق نہیں کرتے کہ کسی پر ایمان لائیں اور کسی پر ایمان نہ لائیں بلکہ سب رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں تو ایسے لوگوں کو بہت جلد اللہ تعالیٰ اُن کے ثواب سے نوازے گا۔ اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا اور بڑی مہربانی کرنے والا ہے (تیسیر) مطلب یہ ہے جو ہم سورۂ بقرہ کے آخر میں عرض کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر اور اُس کے رسولوں پر سب پر ایمان لائیں کسی رسول کے ماننے میں جدائی نہ ڈالیں تو لوگ اپنے اجر اور ثواب پانے کے مستحق ہوں گے۔ اور اللہ تعالیٰ ان کو ان کا حسن عنایت

کرے گا اور اگر کوئی کوتاہی ان سے واقع ہوئی ہوگی تو اُس کو بخشدے گا کیوں کہ اللہ غفور ہے اور ان کے ثواب کو بڑھا کر اور ان کی نیکیوں کو زیادہ کر کے بھی ان کو دے گا کیوں کہ وہ بڑی مہربانی کرنے والا ہے (تسہیل)

بقیہ صفحہ ۱۶۳

علاج سے دست کش ہو جاتا ہے۔ اور غلف کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ہمارے قلوب علوم سے اس قدر لبریز ہیں کہ ان میں کوئی دوسرا علم داخل ہی نہیں ہو سکتا جس طرح بھرے ہوئے برتن میں کوئی چیز نہیں ڈالی جا سکتی۔ بہرحال مقصد اسلام سے بیقراری اور بے اعتنائی کا اظہار تھا اور اسی کا جواب ہے بل طبع اللہ علیھا بکفرھم اور جب حالت یہ ہے کہ قلوب پر حضرت حق کی جانب سے مہر لگادی گئی ہے۔ تو اب ایمان نہیں لائیں گے مگر بہت کم یعنی بہت تھوڑے آدمی جیسے عبداللہ بن سلام اور اُن کے ساتھی۔ یا یہ مطلب کہ بعض باتوں پر ایمان لائیں گے اور بعض پر نہیں لائیں گے۔ یا بعض رسولوں کو مانیں گے اور بعض کو نہیں مانیں گے۔ یا ایمان غیر معتبر جس کے باعث کسی کو مومن نہیں کہا جا سکتا۔ ان کفریات کے علاوہ ان کے ایک اور مخصوص کفر کا ذکر فرمایا۔ کہ ان کا بڑا کفر وہ قول ہے جو انھوں نے حضرت مریم جیسی پاک دامن عورت پر دھر دیا۔ اور اُن کی طرف ایسے ناپاک فعل کی نسبت کی جس سے اُن کی شان بہت بلند تھی۔ پھر حضرت مریم پر بہتان لگانے کے بعد اس بات کا بھی دعویٰ کیا اور فخراً اس کا اظہار کیا کہ ہم نے مسیح کو جو عیسیٰ بن مریم تھا اُس کو قتل کر ڈالا۔ رسول اللہ یا تو یہود کا ہی قول ہے جو انھوں نے استہزاءً کہا ہے کہ وہ مسیح عیسیٰ ابن مریم جو رسول اللہ ہونے کا مدعی تھا ہم نے اُس تک کو قتل کر ڈالا یا ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہو اور اُن کے کفر کا مزید اظہار ہو کہ اُس شخص کے قتل کا ذکر تفاخراً کرتے ہیں جو رسول اللہ تھا۔ اوّل تو حضرت مریم پر بہتان لگانا ہی حضرت عیسیٰ کی تکذیب تھی کیوں کہ حضرت عیسیٰ اپنے معجزے سے اُن کی برأت فرما چکے تھے۔ پھر حضرت عیسیٰ کی عداوت و دشمنی جو ایک مستقل کفر ہے۔ پھر نبی کا قتل اور دعوائے قتل یہ سب امور کفر ہیں حضرت حق تعالیٰ نے اس قتل کے ادعا کا رد فرمایا اور ارشاد ہوا۔ کہ نہ انھوں نے اُس کو قتل کیا اور نہ سولی دی یا نہ سولی پر چڑھایا یعنی سولی دینا تو کیسا اس کو سولی پر چڑھایا تک نہیں۔ لیکن ان کو خود اشتباہ ہو گیا اور حقیقت واقعہ ان پر مشتبہ ہو گئی۔ شبہ لھم میں لوگوں نے کئی قول بیان کئے ہیں۔ کسی نے کہا عیسیٰ اُن پر مشتبہ ہو گیا کسی نے کہا مقتول مشتبہ ہو گیا ہم نے زمخشری کی ترکیب پسند کی ہے۔ یعنی وقع لھم التشبیہ جن کا واقعہ کا تعلق مختلف لوگوں سے ہے۔ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور وہ شخص جس کو یہ مسیح سمجھ کر لائے اور اس کو سولی دی اور خود وہ لوگ جو یہودی حکومت کے ذمہ دار تھے اور جن کا حکم چلتا تھا پھر حضرت مسیح کے وہ منافق اور مخلص شاگرد جو رات بھر اُن سے محاصرے کی حالت میں باتیں کرتے رہے۔ اس لئے مفسرین کے اقوال مختلف ہو گئے۔ ہم نے تفسیر میں ایک ایسی صورت اختیار کر لی جو سب کو جامع اور مدعا کے اعتبار سے صاف ہے۔ اور اسی اشتباہ کی وجہ سے لوگ ایسے شک میں مبتلا ہوئے کہ آج تک اُن کو کوئی صحیح راہ نہ مل سکی۔ اختلاف کرنے والوں سے مُراد عیسائی ہیں۔ کیوں کہ عیسائیوں میں بھی اس مسئلے کے متعلق باہم سخت اختلاف ہے۔ ایک فرقہ اس کا قائل ہے کہ مسیح خدا تھا جب تک اُس کا جی چاہا ہم میں رہا اور جب اُس کا جی چاہا ہم میں سے چلا گیا کوئی کہتا ہے وہ خدا کا بیٹا تھا جب تک اُس نے چاہا اُس کو ہم میں رکھا اور جب چاہا اُٹھا لیا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اختلاف کرنے والے صرف یہود ہوں۔ جیسا کہ آج تک بھی اُن کا یہ شک دور نہیں ہو سکا کہ اگر مصلوب مسیح تھا تو ہمارا مخبر کہاں گیا۔ اور اگر مصلوب

ہمارا مخبر تھا تو مسیح کہاں گیا۔ اور ہو سکتا ہے کہ یہود و نصاریٰ دونوں ہوں۔ جیسا کہ ہم نے اختیار کیا ہے۔ اور یہی زیادہ صحیح ہے۔ کیونکہ حضرت مسیح کے اس واقعہ نے سب کو شک میں مبتلا کر رکھا ہے کسی کے پاس کوئی پختہ بات نہیں ہے اور نہ کسی کے پاس کوئی صحیح دلیل ہے۔ محض گمان اور اٹکل کی پیروی کر رہے ہیں اور جو قصے ان کے ہاں مشہور چلے آتے ہیں۔ اُنہی کو سچ سمجھتے ہیں اور اُنہی پر چلتے ہیں۔ حضرت حق نے پھر ان کے اس بے دلیل دعوے کا رد فرمایا کہ اُنھوں نے یقیناً حضرت عیسیٰ کو قتل نہیں کیا اُن کو تو اللہ تعالیٰ نے اپنی جانب یعنی آسمان پر اُٹھا لیا۔ اور ایک دوسرا شخص تو اُن کا ہم شکل بنا دیا اور وہ قتل کر دیا گیا۔ اور اسی وجہ سے اہل کتاب میں اختلاف واقع ہوا جو آج تک دور نہیں ہو سکا! اسلام جو صحیح بات لے کر آیا اور جس کے دامن میں صحیح واقعات مسیح ابن مریم کے پنہاں تھے اُس کے ملنے سے ان بدبختوں نے انکار کر دیا۔ اور گمراہی کو اختیار کیا۔ اور چوں کہ اللہ تعالیٰ عزیز اور حکیم ہے اس لئے اُس کی حکمت نے جو چاہا اُس کی قوت و طاقت نے اُس کو پورا کر دیا۔ اور مخالف منہ تکتے رہ گئے اور ایسے گڑھے میں گرے کہ اُس سے نکلنا نصیب نہ ہوا۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ یہود کہتے ہیں کہ ہم نے مارا عیسیٰ کو اور مسیح اور رسول خدا نہیں کہتے یہ اللہ نے اُن کی خطا ذکر فرمائی اور فرمایا کہ اُس کو ہرگز نہیں مارا۔ حق تعالیٰ نے اُس کی ایک صورت ان کو بنا دی اُس صورت کو سولی پر چڑھایا پھر فرمایا کہ نصاریٰ بھی اول سے یہی کہتے ہیں کہ مسیح کو مارا نہیں وہ زندہ ہے۔ لیکن تحقیق نہیں سمجھتے۔ کئی باتیں کہتے ہیں۔ بعضے کہتے ہیں کہ بدن کو مارا اُن کی روح اللہ پاس چڑھ گئی۔ بعضے کہتے ہیں مارا تھا پھر تین روز میں زندہ ہو کر بدن سے چڑھ گئے۔ ہر طرح وہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ اس کو نہیں مارا سو یہ خبر اللہ کو ہے اس نے بتایا کہ اس کی صورت کو مارا اور اُن کے پکڑتے وقت نصاریٰ سرک گئے تھے اور یہود بھی نہ پہنچے تھے۔ اُس آن کی خبر نہ اِن کو نہ اُن کو۔ موضح القرآن۔ اس آیت میں مفسرین کے بہت سے اقوال ہیں۔ کسی نے کہا ہے کہ حضرت عیسیٰ کے مخالفوں نے جب بادشاہ وقت کو ان کے قتل پر آمادہ کر لیا اور بادشاہ کی پولیس اُن کو تلاش کرنے نکلی تو وہ جمعہ کا دن تھا۔ چناں چہ ہفتہ کی شب میں اُس مکان کا محاصرہ کر لیا گیا جس مکان میں حضرت عیسیٰ اپنے حواریوں کے ہمراہ تشریف رکھتے تھے۔ اس پر حضرت عیسیٰ نے اپنے ساتھیوں سے دریافت کیا تم میں سے کون اس کے لئے تیار ہے کہ اُس پر میری صورت کی شبیہ ڈال دی جائے۔ چنانچہ ایک نوجوان اس پر تیار ہو گیا۔ حضرت عیسیٰ نے کئی مرتبہ لوگوں سے دریافت کیا اور ہر مرتبہ وہی لڑکا اپنے کو پیش کرتا رہا۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے اُسی کی صورت کو حضرت عیسیٰ کے مشابہ کر دیا۔ مکان کی چھت میں ایک روزن ہو گیا۔ حضرت عیسیٰ کو اونگھ آگئی اور حضرت عیسیٰ اسی حالت میں آسمان پر اٹھا لئے گئے اور پولیس نے اس نوجوان کو گرفتار کر لیا اور اس کو ہی عیسیٰ سمجھ کر سولی دیدی گئی۔ حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں اتنا اور زیادہ ہے کہ انھوں نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا تم میں وہ شخص بھی ہے جو بارہ مرتبہ ایمان لانے کے بعد میرا انکار کرے گا۔ اس کے بعد وہی سوال ہے اور نوجوان کا واقعہ ہے۔ پھر بادشاہ کے جاسوسوں کی آمد اور نوجوان کی گرفتاری کا ذکر ہے۔ بعض نے حضرت عیسیٰ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ تم میں سے وہ شخص کون ہے جس پر میری شبیہ ڈال جائے اور وہ میری جگہ قتل کیا جائے اور جنت میں میرا رفیق ہو اس پر وہ نوجوان آمادہ ہو گیا۔ بعض لوگوں کا قول ہے کہ جس قدر حواری اس وقت موجود تھے ان کی تعداد سترہ تھی۔ وہ سب حضرت عیسیٰ کی ہم شکل ہو گئے اس پر پولیس نے اُن سے کہا تم پر عیسیٰ نے جادو کر دیا ہے جو عیسیٰ ہو وہ اپنے کو پیش کردے اُس پر اُس نوجوان نے اپنے کو پیش کر دیا۔ وہب کی روایت میں جو کچھ ہے وہ تقریباً وہی ہے جو انجیل میں مذکور ہے۔ اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس منافق نے تیس درہم لے کر حضرت عیسیٰ کا سُراغ بتایا تھا وہی منافق حضرت عیسیٰ کا ہم شکل کر دیا گیا اور اُسی کو پھانسی دی گئی۔ بہرحال صورت حال کچھ بھی پیش آئی ہو لیکن اتنی بات بالکل صاف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو مخالفین کے شر سے محفوظ و مصئون رکھا۔ اور ان کو دشمنوں سے بچا کر صحیح سالم آسمان پر اسی جسدِ عنصری کے ساتھ اُٹھا لیا جس سے وہ دنیا میں زندہ تھے اور جس کو دشمن سولی پر لٹکا کر ختم کرنا چاہتے تھے۔ رہا اپنی موت سے اُن کے مرنے کا جو فسانہ گھڑا گیا ہے۔ اور اس امر کے ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ وہ بچ کر نکل بھاگے۔ یا وہ کچھ زندہ تھے۔ کہ اُن کو سولی پر سے اُتار لیا اور اُن کا علاج کیا گیا اور وہ اچھے ہو گئے اور اپنی والدہ کو لے کر کہیں چلے گئے اور اپنی موت سے مر گئے اور اُن کی قبر کشمیر کے کسی علاقہ میں ہے۔ یہ فسانہ محض انگریزی حکومت کی برکات ہیں اور یہ افسانہ اس لئے گھڑا گیا ہے تاکہ حضرت عیسیٰ کی جانب سے مسلمانوں کی توجہ ہٹا کر بعض مدعیان مسیح موعود کے دعوئے نبوت کو رونق دی جائے اور دشمنان اسلام کی محفل کو سنوارا جائے۔ چناں چہ یہ فتنہ ہندوستان کے شمالی حصہ میں پیدا ہوا۔ اور صدہا مسلمان اس فتنہ سے گمراہ ہوئے اور آخر خدا کا شکر ہے کہ یہ فتنہ اپنی موت آپ ہی مر گیا۔ اور اس مصنوعی نبی کی گدی ایک پیروں کی گدی اور سجادہ نشینی بن کر رہ گئی۔ چناں چہ اس پر متعدد کتابیں لکھی جا چکی ہیں اس لئے ہم اس پر مزید عرض کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ الیاس برنی کی تصانیف اس سانپ کے کچلنے کے لئے کافی ہیں آگے حضرت عیسیٰ کی تشریف آوری کے متعلق ارشاد ہوتا ہے (تسہیل) اور اہل کتاب میں سے کوئی شخص بھی ایسا نہ رہے گا جو حضرت عیسیٰ کی طبعی موت سے پہلے حضرت عیسیٰ کی تصدیق نہ کر لے اور اُن پر ایمان نہ لائے اور قیامت کے دن حضرت عیسیٰ ان اہل کتاب کے خلاف اور ان منکرین کے انکار پر گواہی دیں گے۔ (تیسیر) حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں حضرت عیسیٰ ابھی زندہ ہیں جب یہود میں دجال پیدا ہوگا تب اس جہان میں آکر اُس کو ماریں گے اور یہود و نصاریٰ سب اُن پر ایمان لادیں گے کہ یہ مرے نہ تھے۔ موضح القرآن۔ مطلب آیت کا یہ ہے کہ جب عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے قریب آسمان سے نازل ہوں گے تو اُس وقت اہل کتاب میں سے کوئی شخص ایسا باقی نہ رہے گا جو اُن پر ایمان نہ لائے۔ یہود اس امر کی تصدیق کریں گے کہ ان کے قتل کا واقعہ غلط تھا اور یہ مصلوب نہیں ہوئے تھے اور نصاریٰ بھی اس پر ایمان لائیں گے کہ حضرت عیسیٰ مرے نہ تھے اور حضرت عیسیٰ جو حال دیکھیں گے قیامت کے دن اُس کی شہادت دیں گے اور فرمائیں گے کہ میں نے ان لوگوں سے یہ نہیں کہا تھا کہ مجھ کو خدا کا بیٹا یا خدا کہو۔ جیسا کہ سورۂ مائدہ کے آخر میں انشاء اللہ تعالیٰ آجائے گا۔ نزول عیسیٰ ابن مریم کے متعلق اس کثرت سے احادیث مروی ہیں کہ بعض لوگ تو ان احادیث کے متواتر ہونے کے قائل ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھا کر ارشاد فرمایا ہے کہ عنقریب تم میں ابن مریم نازل ہوگا۔ وہ ایک منصف فیصلہ کرنے والا ہوگا صلیب کو توڑ دے گا اور سوئر کو قتل کرے گا۔ جزیہ کو ختم کر دے گا۔ اُس کے زمانے میں مال کی اس قدر کثرت ہوگی کہ مال کا کوئی قبول کرنے والا نہ ہوگا۔ یہاں تک کہ اُس دور میں ایک سجدہ دُنیا اور مافیہا سے بہتر ہوگا۔ دوسری روایتوں میں حضرت عیسیٰ بن مریم کا حج اور عمرہ کرنا بھی مذکور ہے۔ بعض میں مسیح ابن مریم کے ساتھ یہ بھی فرمایا ہے کہ وہ عیسیٰ کہ اُس کے اور میرے درمیان کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا۔ بعض روایات میں نزول من السماء کا لفظ بھی ہے۔ غرض بے شمار احادیث ہیں جن میں حضرت عیسیٰ کی تشریف آوری اور اُن کی دعوت الی الاسلام اور چالیس سال تک اُن کا دُنیا میں رہنا اور پھر وفات پانا دجال کو ختم کرنا وغیرہ ان سب باتوں کا تفصیل کے ساتھ ذکر ہے۔ حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب نے آثار قیامت میں اُن روایات کی شرح کی ہے اور نواب صدیق حسن خاں نے بھی اس سلسلے میں کئی رسالے مرتب فرمائے ہیں۔ بہرحال وہ زمانہ بڑی خیر و برکت کا زمانہ ہوگا اور وہی دور ہوگا کہ جب لوگوں کو ملت اسلامیہ کو قبول کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہ ہوگا۔ بعض حضرات نے آیت زیر بحث کا یوں ترجمہ کیا ہے۔ کہ اہل کتاب میں سے کوئی کتابی ایسا نہیں ہے جو اپنے مرنے سے ذرا پہلے حضرت عیسیٰ کی نبوت پر ایمان نہ لے آتا ہو۔ پھر بعض مفسرین نے تو اہل کتاب کو عام لیا ہے کہ خواہ وہ یہودی ہوں یا نصرانی۔ اور بعض نے صرف یہود مراد لئے ہیں اور مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے وقت سے لے کر آخر زمانہ تک کوئی یہودی ایسا نہیں ہے جو مرنے سے ذرا پہلے حضرت عیسیٰ کی نبوت کی تصدیق نہ کرتا ہو۔ خواہ وہ مرنے والا تلوار سے قتل کیا جائے خواہ دریا میں غرق ہو کر مرے خواہ کہیں سے گر کر مرے بہرحال مرنے سے پہلے ضرور حضرت عیسیٰ کی نبوت کی تصدیق کرتا ہے اگرچہ یہ تصدیق اُس کو نافع نہیں ہوتی۔ اس تفسیر کی مؤید حضرت اُبی بن کعب کی ایک قرأت بھی ہے۔ اُن کی قرأت میں ہے **وان من اھل الکتاب الا لیؤمنن بہ قبل موتھم** بہرحال سلف میں سے اکثر لوگ اس معنی کے قائل ہیں۔ کہ اہل کتاب ہر فرد یا یہود کا ہر فرد اپنے مرنے سے ذرا پہلے جب وہ عالم نظر آجاتا ہے تو حضرت عیسیٰ کی نبوت کا اعتراف اور ان کے نبی ہونے کی تصدیق کرتا ہے۔ واللہ اعلم۔ ابن جریر نے ایک تیسرا قول بھی نقل کیا ہے جس کا مفاد یہ ہے کہ اہل کتاب میں سے کوئی کتابی ایسا نہیں ہے جو اپنی موت سے پہلے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لے آتا ہو۔ یہ قول حضرت عکرمہ سے نقل کیا ہے اور آخر میں ابن جریر نے کہا ہے کہ ان سب اقوال میں پہلا قول صحیح ہے یعنی حضرت عیسیٰ کی تشریف آوری کے وقت کوئی کتابی ایسا نہ ہوگا جو ان کی تصدیق نہ کرے۔ حضرت خاتم المفسرین مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کا رجحان طبع یہ ہے کہ وہ درمیانی قول کو راجح سمجھے ہیں اور اُنھوں نے اسی قول کو ترجیح دی ہے کہ ہر کتابی اپنی موت سے ذرا پہلے حضرت عیسیٰ کی نبوت پر ایمان لے آتا ہے اس بحث میں رسالہ التحقیق الصریح فی حیات المسیح بہت جامع ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ اب آگے یہود کی بعض اور سزاؤں کا ذکر ہے اور یہ سزائیں مذکور ہوئیں وہ تکوینی تھیں جو وقتاً فوقتاً اُن پر نازل ہوتی رہیں اور اخروی سزا کا ذکر بھی تھا اب آگے جو سزائیں مذکور ہیں وہ تشریعی ہیں اور ان کے ساتھ بھی آخرت کا عذاب مذکور ہے۔ جس قدر شرارتیں ان یہود کی بڑھتی گئیں اسی قدر سزاؤں میں اضافہ ہوتا گیا حتیٰ کہ جو چیزیں اُن پر حلال تھیں بعض کو اُن میں سے ان کی شرارتوں کے باعث حرام کر دیا گیا چناں چہ آگے کی آیت کا تعلق بھی فبما نقضھم کے ساتھ ہے بیچ میں جو یہود کے دعاوی کا رد آگیا تھا اس کو علیحدہ کر کے اصل مضمون کے ساتھ ملا کر مطلب سمجھنے کی کوشش کی جائے گی تو مطلب جلد سمجھ میں آجائے گا اور یہ بات ہم کئی دفعہ عرض کر چکے ہیں کہ قرآن بعض مناسبت سے بعض باتوں پر بحث کرتا چلا جاتا ہے لیکن اصل مقصد اور اصل بحث اُس کے پیش نظر رہتی ہے۔ درمیانی مباحث سے قطع نظر کر لیا جائے تو مطلب مسلسل ہوتا ہے۔ اسی طرح یہاں بھی ہے کہ اصل

یہود کی شرارت اور اُس شرارت پر اُن کی سزائیں مذکور ہیں اور یہ ایک مسلسل مضمون ہے جو اوپر سے چلا آرہا ہے۔ چناں چہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل مکمل) بالآخر یہود کے انہی بڑے بڑے گناہوں کے باعث ہم نے بہت سی وہ پاکیزہ چیزیں جو پہلے سے اُن کے لئے حلال تھیں اُن پر حرام کردیں۔ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں اُن کی حرمت کا حکم نازل کردیا اور نیز اسی سبب سے وہ چیزیں اُن پر حرام ہی رہیں کہ وہ اپنی ناشائستہ حرکات سے باز نہ آتے اور وہ بہت لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکتے تھے یعنی دین میں تحریف کر کے اور کتمان حق کر کے اللہ تعالیٰ کی راہ سے مانع ہوتے تھے اور نیز اس وجہ سے کہ یہ لوگ سود لیا کرتے تھے۔ حالاں کہ اُن کو اس سود لینے سے توریت میں ممانعت کردی گئی تھی اور نیز اس وجہ سے کہ یہ لوگوں کے مال ناجائز اور غیر مشروع طریقہ پر کھا جاتے تھے اور ہم نے اُن میں سے ان لوگوں کے لئے جو کفر پر قائم رہنے والے ہیں دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ اُن کے بڑے بڑے جرائم جیسا کہ ظلم کے لفظ سے مفہوم ہوتا ہے اس امر کے موجب ہوئے کہ ان پر شریعت موسوی میں بعض حلال اور لذیذ چیزیں جو پہلے حضرت یعقوب کے زمانہ میں حلال تھیں اب حرام کردی گئیں اور چوں کہ ان کی عادت یہ تھی کہ بُرے کاموں پر قائم رہتے تھے اور ہمیشہ اُن کا ارتکاب کرتے رہتے تھے اس لئے وہ چیزیں ان پر حضرت عیسیٰ کی تشریف آوری تک حرام ہی رہیں۔ البتہ حضرت عیسیٰ کے زمانہ میں کچھ تبدیلی ہوئی جیسا کہ اُن کے الفاظ تیسرے پارے میں گزر چکے ہیں ولاحل لکم بعض الذی حرم علیکم اور آخر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تمام احکام کو اُٹھایا گیا جیسا کہ نویں پارے میں ویحل لھم الطیبات ویحرم علیھم الخبائث تمام وہ چیزیں جو لذیذ اور نافع اور پاکیزہ ہیں حلال کی گئیں اور وہ چیزیں جو غیر طیبات اور جسم کو یا روح کو ضرر رساں ہیں وہ امت محمدیہ پر حرام کردی گئیں۔ ان یہود پر طیبات کی حرمت عقوبت کا موجب ہیں اور امت محمدیہ پر غیر طیبات کی حرمت موجب رحمت و شفقت ہے۔ ہماری اس تقریر سے اور تیسیر میں جو تفصیل ہم نے عرض کی ہے اس سے وہ شبہ دور ہوگیا ہوگا جو عام طور سے لوگ کیا کرتے ہیں وہ شبہ یہ ہے کہ توریت کے بعد جو گناہ یہ لوگ کرتے تھے مثلاً سور کھانا، یا غلط مسئلہ بتا کر رشوت لینا یا کلام الٰہی میں تحریف کرنا وغیرہ تو یہ گناہ حرمت طیبات کا سبب کیسے قرار دیئے جاسکتے ہیں کیوں کہ یہ گناہ بعد کے ہیں اور سزا ان سے پہلے کی ہے۔ اسی کا جواب یہ ہے کہ تحریم عام ہے اور بطریق عموم مجاز حدوث اور استمرار دونوں کو شامل ہے۔ لہٰذا بعض کا حدوث سبب ہے اور بعض کا استمرار سبب ہے۔ یہاں سابقہ اور لاحقہ دونوں جرائم کی طرف اشارہ ہے۔ عذاب اُخروی کا جہاں تک تعلق ہے وہ دونوں حالتوں میں یقینی ہے اوپر عذابا مبینا فرمایا تھا۔ یہاں عذابا الیما فرمایا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ دنیوی سزائیں عقوبت اُخروی سے سبکدوش نہیں کرسکتیں ہاں اگر شریعت محمدیہ پر ایمان لے آئیں تو پچھلی خطائیں معاف ہوسکتی ہیں۔ یہود کے جرائم سابقہ اور مستمرہ کی وجہ سے اُن پر کون کون سی چیزیں حرام کی گئیں اس کی تفصیل آٹھویں پارہ میں آجائے گی اور کچھ چوتھے پارہ میں بھی آچکا ہے کل الطعام کان حلا کو ملاحظہ کرلیا جائے۔ آٹھویں پارہ میں بھی طیبات کی حرمت کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا ذالک جزیناھم ببغیھم بعض مفسرین نے یہ بھی کہا ہے کہ انھوں نے آپ ہی تحریف کر کے بعض چیزوں کو اپنے اوپر حرام کرلیا تھا۔ واللہ اعلم۔ بہر حال سرکشی کے خوگر اور جرائم پیشہ لوگ تھے خود بھی اپنے لئے سختیاں پیدا کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے بھی شریعت سخت کردی۔ وبصدھم عن سبیل اللہ کا ترجمہ ہم نے شاہ ولی اللہ صاحب کی عبارت سے کیا ہے ورنہ بعض لوگوں نے کثیراً کو صد کی قید بنا کر یوں ترجمہ کیا کہ اللہ کی راہ میں بہت رُکاوٹ ڈالتے تھے اور بڑے بڑے مانع پیدا کرتے تھے۔ انبیا علیہم السلام کو قتل کردیا کرتے تھے۔ مطلب میں کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں ان کا یہ حاشیہ کثیرا پر ہے۔ یعنی اوپر سے سب شرارتیں اُن کی جو ذکر کیں بعضی پہلے ہوئیاں اور بعضی پیچھے۔ مجمل یہ کہ گناہ پر دلیر تھے۔ اس واسطے ان کو شریعت سخت رکھی کہ سرکشی ٹوٹے موضح القرآن۔ حضرت شاہ صاحب نے جو بعضی پیچھے فرمایا ہے اس پر جو شبہ وارد ہوتا تھا اس کی تقریر اور جواب ہم نے تسہیل میں دے دیا ہے۔ آیت سے یہ معلوم ہوا ہے کہ ارتکاب جرائم طیبات کی حرمت کا موجب ہیں۔ اس اُمت میں اگرچہ یہ تو نہیں ہوتا کہ بنی اسرائیل کی طرح بعض چیزیں حرام کردی جائیں ہاں یہ ضرور ہے کہ ناشکری اور کفران نعمت سے نعمت سلب ہوجاتی ہے بعض اہل سلوک نے فرمایا ہے کہ ارتکاب محرمات تو بڑی چیز ہے ارتکاب مباحات بھی حرمان مناجات کا موجب ہوجاتے ہیں۔ العیاذ باللہ اب آگے ان لوگوں کا بیان ہے جو اسلام کے حلقہ بگوش ہوگئے اور اسلام کے دامن میں پناہ گزیں ہوگئے اُن کو مستثنا فرماتے ہیں اور اُن کے لئے اجر عظیم کا وعدہ کرتے ہیں چناں چہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل)

بقیہ صفحہ ۱۶۴

اسی طرح ہم نے نبی آخر الزماں پر بھی وحی بھیجی ہے ان سے یہ مطالبہ کیوں کیا جاتا ہے کہ آسمان پر جا کر وہاں سے کوئی کتاب لا کر دو۔ حضرت داؤد کی زبور کے متعلق قرطبی نے کہا ہے کہ اس میں ایک سو پچاس سورتیں تھیں اور ان سورتوں میں احکام نہیں تھے بلکہ پند و نصائح تھے اور دعائیں تھیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام اس کتاب کو نہایت خوش الحانی کے ساتھ پڑھا کرتے تھے اور آپ کے ساتھ بنی اسرائیل کے علما ہوتے تھے اور بعض موقع پر پرند طور جنات وغیرہ بھی جمع ہوجاتے تھے۔ زبور، زبر کے معنی میں ہے جس کے معنی ہیں مکتوب۔ ان انبیا کا نام ذکر فرمانے کے بعد اجمالاً تمام انبیا کی طرف اشارہ کیا جن کا ذکر اب تک آچکا ہے اور جن کا ذکر اب تک نہیں آیا اور ان کی صحیح تعداد اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے اور ان میں سے رسولوں کی تعداد تین سو تیرہ ہے اور کتابوں کی تعداد ایک سو چار ہے۔ واللہ اعلم۔ اس سلسلہ میں بعض روایات ضعیف ہیں اور بعض لاباس بہ کے درجے کی ہیں اور بعض ایسی ہیں کہ ابن کثیر نے ان پر کوئی تنقید نہیں کی۔ حضرت جابر سے جو روایت بزار نے نقل کی ہے اس میں حضور کے یہ الفاظ ہیں کہ میں ہزار یا ہزار سے زیادہ انبیاء کا خاتم ہوں۔ اس روایت پر بھی ابن کثیر نے کوئی تنقید نہیں کی۔ واللہ اعلم بلاواسطہ حضرت حق تعالیٰ کا کلام کرنا یہ وحی کا انتہائی بلند مرتبہ ہے۔ عام قرا نے وکلم اللہ یعنی اللہ کے رفع کے ساتھ پڑھا ہے گر بعض نے اللہ کے نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ بعض معتزلہ کا قصہ مشہور ہے کہ انھوں نے کسی اہل سنت کے عالم سے کہا کہ اللہ تعالیٰ کسی سے کلام نہیں کرتا اور اس آیت کو اللہ کے نصب کے ساتھ پڑھا جس کا مطلب یہ تھا کہ موسیٰ نے اللہ سے کلام کیا۔ اس تحریف کو سن کر اس اہل سنت عالم نے فرمایا ارے کم بخت وکلمہ ربہ میں کیا پڑھے گا۔ یہ سن کر وہ معتزلی مبہوت ہوگیا۔ کلام کی نوعیت خواہ کچھ ہو لیکن قرآن کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کو شرف ہم کلامی سے نوازا۔ اگرچہ کلام تو سب ہی انبیا سے ہوتا ہے لیکن حضرت موسیٰ کو یہ شرف بلاواسطہ میسر ہوا۔ اب اسی سلسلہ میں انبیا علیہم السلام کے بھیجنے کا فلسفہ بیان فرماتے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے کی شہادت دیتے ہیں اور ان شہادتوں کے بعد منکرین رسالت پر توبیخ فرماتے ہیں۔ چناں چہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل)

بقیہ صفحہ ۱۶۵

اپنے علم خاص اور اپنے کمال علمی کے ساتھ ہے۔ آپ کی نبوت رسالت پر شہادت دے رہا ہے اور فرشتے بھی آپ کی نبوت پر گواہی دے رہے ہیں اور آپ کی تصدیق کر رہے ہیں اور گواہی کے لئے تو اللہ تعالیٰ ہی کی ذات کافی ہے۔ (تیسیر) حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں یعنی وحی ہر پیغمبر کو آئی دہی کچھ نیا کام نہیں پر اس کلام میں اللہ تعالیٰ نے اپنا خاص علم اتارا اور اللہ اس حق کو ظاہر کردے گا۔ چناں چہ ظاہر ہوا کہ جس قدر ہدایت اس نبی سے ہوئی اور کسی سے نہ ہوئی — موضح القرآن۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ یہود کی ایک جماعت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی آپ نے اُن سے فرمایا واللہ میں جانتا ہوں کہ تم اس امر کو بخوبی جانتے ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں اُنھوں نے جواب دیا ہم نہیں جانتے اُس پر یہ آیت نازل ہوئی مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ جانیں نہ جانیں اور آپ کو مانیں یا نہ مانیں مگر اللہ تعالیٰ شہادت دیتا ہے کہ آپ اس کے رسول ہیں اور اس کی شہادت کا ذریعہ یہ قرآن ہے جو اُس نے اپنے کمال علمی اور علم خاص کے ساتھ آپ کی جانب بھیجا ہے۔ یہ قرآن ہی اللہ تعالیٰ کی شہادت ہے۔ کیوں کہ یہ کتاب لاجواب اعجاز ہے۔ جو آپ کی نبوت کے لئے ایک دلیل قاطع ہے ایسی معجز کتاب کا نازل کرنا جس کے جواب سے تمام دنیا عاجز ہے یہی آپ کی نبوت کے لئے کافی دلیل ہے اور چوں کہ یہ کتاب ہم نے نازل فرمائی ہے اور علم خاص سے نازل فرمائی ہے۔ لہٰذا یہی ہماری گواہی ہے کہ آپ ہمارے رسول ہیں۔ علم خاص سے مراد وہ مغیبات ہیں جو گزشتہ دور میں ہوچکے یا آئندہ ہونے والے ہیں اور یہ قرآن ان مغیبات ماضیہ اور مستقبلہ کو شامل ہے۔ یا علم خاص سے مراد قرآن کی تالیف و ترتیب ہے کہ جس کی چھوٹی چھوٹی سی سورت کا بھی جواب دینے سے تمام فصحا عاجز ہیں۔ یا علم خاص سے مراد وہ علم ہے جو نبوت کے لائق اور مناسب ہے اور جس علم کی مخلوق محتاج ہے اور جو مخلوق کی اصلاح کے لئے ضروری ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا علم مراد ہو۔ اللہ تعالیٰ کی مرضیات اور مکروہات کی جانب اشارہ ہو۔ بہر حال اس کلام کا معجز ہونا اور مانواع واقسام کے علوم پر مشتمل ہونا جو پیغمبر آخر الزماں کی شایان شان ہے آپ کی رسالت کے لئے کھلی برہان ہے اور چوں کہ اس قرآن کو ہم نے نازل کیا ہے۔ اس لئے اس قرآن کے ذریعہ ہم آپ کی نبوت پر شاہد ہیں۔ اگر یہ اعتراف نہیں کرتے تو نہ کریں مخلوق میں سے وہ مخلوق آپ کی تصدیق کرتی ہے جو ان سے بہتر اور برتر ہے یعنی فرشتے۔ اس لئے کہ وہ اس کتاب کو لے کر آتے ہیں اور آپ کے ساتھ جہاد میں شریک ہوتے ہیں اور آپ کی حفاظت و اعانت کرتے ہیں اس لئے وہ آپ کی نبوت کے مصدق اور شاہد ہیں۔ اس آیت میں مسلمانوں کی شہادت کا ذکر نہیں فرمایا کیوں کہ ان کی شہادت تو ظاہر ہی تھی وہ تو حضور پر ایمان ہی لائے تھے۔ آخر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہی کی شہادت آپ کے لئے کافی ہے اور آپ کی نبوت پر جو دلیل اس نے قائم کی ہے وہی کافی ہے کوئی تسلیم کرے یا نہ کرے۔ اس آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تسلی ہے۔ اب آگے کافروں کے لئے توبیخ اور ظالموں کے لئے وعید مذکور ہے چناں چہ ارشاد ہوتا ہے۔ (تسہیل) یقین جانو! ان دلائل واضحہ کے بعد بھی جو لوگ دین حق کے منکر ہیں اور دوسروں کو بھی اللہ کی راہ سے

روکتے رہے اور دوسروں کے لئے بھی مانع ہوئے تو یہ لوگ ایسی انتہائی گمراہی میں جا پڑے جو راہ حق سے بہت دور ہے بلا شبہ جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور کافرانہ روش پر چلے اور کتمان حق کر کے دوسروں پر ظلم کیا اور راہ حق سے مانع بن کر دوسروں کو نقصان پہنچایا تو اللہ تعالیٰ اُن کو ہرگز نہیں بخشے گا اور کبھی مغفرت نہیں فرمائے گا اور نہ آخرت میں ان کو سوائے دوزخ کی راہ کے اور کوئی راہ دکھائے گا۔ اُس دوزخ میں ان کی یہ حالت ہوگی کہ یہ لوگ اُس میں ہمیشہ ہمیشہ پڑے رہیں گے اور ان کو ہمیشہ کے لئے جہنم میں ڈال دینا اللہ تعالیٰ پر بہت آسان اور سہل ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ سزا ایک معمولی بات ہے (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر جو دلائل قاطعہ بیان کئے گئے ہیں ان کے باوجود بھی جو شخص ان کی نبوت اور اُن کے لائے ہوئے مذہب سے کفر کرے گا اور امر حق کے قبول کرنے سے انکار کرے گا اور نہ صرف انکار بلکہ دوسروں کو بھی اس امر حق کے قبول کرنے سے روکے گا۔ خواہ کتمان حق کے ذریعہ روکے جیسا کہ یہود حضور کی نعت کو چھپاتے ہیں اور حضور کے متعلق کہتے ہیں کہ ہم ان کو نہیں پہچانتے یا کوئی اور ذریعہ اختیار کرے جیسے منافق کہ چپکے چپکے لوگوں کو شکوک و شبہات میں مبتلا کرتے رہتے ہیں۔ تو ایسے لوگ انتہائی گمراہی میں جا پڑے جو گمراہی راہ حق سے بہت دور ہے۔ دوسری آیت میں اُخروی سزا کا بیان ہے۔ دنیا میں تو یہ لوگ انتہائی گمراہی میں مبتلا ہیں اور آخرت میں ان لوگوں کی جو امر حق کے منکر ہیں اور کتمان حق سے دوسروں کو بھی نقصان پہنچا رہے ہیں اور راہ حق تلاش کرنے والوں پر ظلم کر رہے ہیں کہ ان کو بہکا کر راہ حق سے ہٹا رہے ہیں تو ان کو اللہ تعالیٰ کبھی نہیں بخشے گا اور سوائے دوزخ کی راہ اور کوئی راہ ان کو نہیں دکھائے گا یعنی جنت میں جانا تو کیا جنت کا راستہ بھی دیکھنا نصیب نہ ہوگا۔ بلکہ دوزخ کی جانب ان کی رہنمائی کی جائے گی اور یہ اُس دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ پڑے رہیں گے۔ آخر میں فرمایا ان کے ساتھ ایسا سلوک کرنا اللہ تعالیٰ پر کچھ مشکل نہیں بلکہ اُس پر بہت آسان ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی کام مشکل نہیں ہے۔ انما امرہٗ اذا اراد شیئاً ان یقول لہٗ کن فیکون صد کے معنی بعض نے لازم اور بعض نے متعدی کئے ہیں ہم نے دوسری شکل اختیار کی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ صدوا عن سبیل اللہ کے یہ معنی ہوں کہ اللہ کی راہ کو اختیار کرنے سے الگ اور دور رہے۔ واللہ اعلم۔ اب آگے بنی نوع انسان کو عام خطاب ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ کی رسالت کا عام اعلان ہے اور لوگوں کو اُن پر ایمان لانے کی عام دعوت ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل) اے انسانو! بلا شبہ یہ رسول یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے حق بات لے کر آئے ہیں لہٰذا تم ان پر ایمان لے آؤ اور جو ایمان لا چکے ہیں وہ اُس پر قائم رہیں یہ ایمان لے آنا تمہارے لیے بہتر ہوگا اور اگر تم منکر رہے اور انکار کرتے رہے تو تمہارا ہی نقصان ہوگا کیوں کہ اللہ تعالیٰ تو ان سب چیزوں کا مالک ہے جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور آسمان و زمین کی سب چیزیں اُسی کی ملک ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والا ہے ہر ایک کے کفر و ایمان کو جانتا ہے اور بڑی حکمت والا ہے اور بمقتضائے حکمت دنیا میں سزا نہیں دیتا (تیسیر) اس آیت میں بھی اُس شہادت کی تاکید اور تفصیل ہے جو اوپر گزر چکی ہے۔ اگر الناس عام ہو جیسا کہ ہم نے اختیار کیا ہے تو آمنوا کا مطلب یہ ہوگا کہ کافر ایمان لائیں اور مومن ایمان پر قائم رہیں۔ اور اگر کفار مراد ہوں جیسا کہ اکثر نے اختیار کیا ہے • تو اس معنی کی ضرورت نہیں بلکہ مطلب یہ ہوگا کہ اے لوگو!

تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے یہ رسول حق لے کر آچکا ہے۔ حق سے مُراد یا اسلام ہے یا قرآن۔ حق کا مطلب یہ ہے کہ ہر دعویٰ سچا اور ہر دلیل صادق۔ لہٰذا اب اس رسول پر اور جو کچھ یہ لے کر آئے ہیں اُس سب پر ایمان لے آؤ۔ ایسا کرنا تمہارے حق میں بہتر ہوگا اور تمہاری نجات ہوگی اور آخرت کے عذاب سے محفوظ ہو جاؤ گے اور اگر تم انکار کرو گے تو تم ہی کو نقصان پہنچے گا۔ اللہ تعالیٰ کو تو کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ کیوں کہ آسمانوں میں اور زمین میں جو چیزیں موجود ہیں سب اُس کی ملک ہیں۔ اور تمہارے کفر سے اللہ تعالیٰ کی ملک پر کوئی اثر نہیں پڑتا لہٰذا وہ ہر قسم کے نقصان سے پاک ہے مالک کی نافرمانی کا اثر بندوں ہی پر پڑے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کمال علم اور کمال حکمت کا مالک ہے۔ سب کی حالت کو جانتا ہے اور سب کے ساتھ حکیمانہ برتاؤ کرتا ہے۔ اب آگے نصاریٰ کو خطاب ہے اور نصاریٰ کو حکم دیا جاتا ہے کہ تم اپنے دین میں افراط و تفریط سے باز آؤ اور شریعت اسلامیہ کی روشنی میں اپنی اصلاح کرو۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ (تسہیل ؒ)

بقیہ صفحہ ۱۶۶

ورنہ تو ہر چیز اُسی کی جانب سے پیدا شدہ ہے جیسا کہ سورۃ جاثیہ میں فرمایا وسخر لکم ما فی السموات وما فی الارض جمیعا منہ بعض نے کہا اللہ کی جانب سے رحمت تھے اور بعض نے کہا اللہ کی حجت اور دلیل تھے۔ بعض نے کہا چوں کہ اُن سے اشیائے عجیبہ کا ظہور ہوتا تھا اس لیے اُن کا لقب روح اللہ فرمایا۔ بہر حال آیت زیر بحث کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ اے اہل کتاب تم اپنے دین کے بارے میں مبالغہ نہ کیا کرو اور جو بات صحیح ہو اُسی کو ظاہر کیا کرو اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں صرف وہی بات کہا کرو جو سچی اور تحقیقی بات ہو حضرت مسیح عیسیٰ بن مریم تو صرف اللہ تعالیٰ کا رسول اور اس کا کلمہ اور اُس کی پیدا کردہ روح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُس کلمہ کو حضرت مریم تک پہنچایا تھا۔ نہ وہ ابن اللہ ہے۔ نہ اللہ ہیں اور نہ تین اقانیم میں سے ایک اقنوم ہیں۔ لہٰذا تم اللہ تعالیٰ پر اور اس کے تمام رسولوں پر صحیح طور پر ایمان لاؤ اور جو انھوں نے تعلیم دی ہے اُس کو قبول کرو۔ اور یوں نہ کہو کہ خدا تین ہیں اس تثلیث کے قول سے باز آؤ کہ یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ کیوں کہ معبود حقیقی تو ایک ہی معبود ہے۔ وہ اس بات سے پاک ہے کہ اُس کو صاحب اولاد کہا جائے کیوں کہ وہ جملہ عیوب سے پاک ہے۔ نہ اس کی تقسیم ہو سکتی ہے نہ اس کو بڑھاپا آتا ہے نہ اس کو کوئی کمزوری پیش آتی ہے جو اس کو اولاد کی ضرورت ہو بلکہ تمام کائنات اور جملہ موجودات اسی کی ملک ہیں اور اس کو کسی وکیل کی ضرورت بھی نہیں۔ نہ کسی پیش کار اور شل خواں کی ضرورت ہے بلکہ وہی سب کا کارساز اور سب کا کام بنانے والا ہے۔ حدیث میں آتا ہے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو تم ایسا نہ بڑھاؤ جیسا نصاریٰ نے حضرت مسیح کو بڑھایا میں تو ایک بندہ ہوں تم مجھ کو اللہ کا بندہ اور اُس کا رسول کہا کرو اس روایت کو امام احمد نے حضرت عمر سے نقل کیا ہے۔ امام احمد کی ایک اور روایت میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لوگو تم کو شیطان غلط خواہشات میں مبتلا نہ کر دے دیکھو میں محمد بن عبد اللہ اللہ کا رسول اللہ ہوں خدا کی قسم میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ مجھ کو میرے مقررہ مرتبے سے بڑھایا اور بلند کیا جائے۔ یہاں تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صحیح حقیقت کو واضح فرمایا۔ اور ان کے شریک فی الالوہیت کا ابطال اور رد تھا۔ آگے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خود عبودیت اور خدا کا بندہ ہونے کا اعتراف ہے اور یہ طریقہ نصاریٰ کے دعاوی کے ابطال میں بہترین طریقہ ہے۔ کہ جس کو تم لوگ خدا

کا ہمسر اور خدا کا بیٹا کہتے ہو اس کی خود یہ حالت ہے کہ وہ خدا کا اپنے کو بندہ کہتا ہے۔ اور خدا کا بندہ ہونا اپنے لیے مایۂ عزت و افتخار سمجھتا ہے۔ اس سے بڑھ کر نصاریٰ کی اور کیا بات ہو سکتی ہے کہ وہ جس کو خدا کا شریک کہیں وہ خود اللہ تعالیٰ کا بندہ ہونے کا اعتراف کرے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل ؒ) حضرت مسیح کو ہرگز اس بات سے ننگ و عار نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کا بندہ ہو یعنی اللہ تعالیٰ کا بندہ بننے سے مسیح کو کوئی عار نہیں اور نہ اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتے خدا کے بندے ہونے سے کوئی عار محسوس کرتے ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اُس کی بندگی سے عار کرے گا اور اُس کی بندگی سے سرکشی کرے گا تو سن لو کہ اللہ تعالیٰ ضرور سب عبادت گزاروں اور نافرمانوں کو اپنے پاس جمع کرے گا (تیسیر) استنکاف۔ کسی چیز کو برا سمجھنا ناک چڑھانا۔ اپنی حیثیت اور شان کے خلاف سمجھنا۔ مطلب یہ ہے کہ حضرت مسیح جن کو تم الوہیت میں شریک کر رہے ہو خود ان کی یہ حالت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا بندہ بننے سے کسی قسم کی بُرائی اور عار محسوس نہیں کرتے بلکہ خدا کا بندہ ہونا اپنے لیے موجب عزت سمجھتے ہیں اور یہی حالت ان فرشتوں کی ہے جو بارگاہ خداوندی میں مقرب ہیں مثلاً جبرئیل۔ میکائیل۔ اسرافیل اور عزرائیل وغیرہ فرشتوں کا ذکر شاید اس لیے فرمایا کہ کفار بھی ملائکہ کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہا کرتے تھے۔ یا اس وجہ سے کہ نصاریٰ روح القدس کو مجموعہ اقانیم ثلاثہ کا ایک جز سمجھتے تھے اور چوں کہ مقربین ملائکہ میں روح القدس بھی ہیں اس کے مقرب فرشتوں میں ان کی طرف اشارہ ہو کہ جن اقانیم کا نام تم نے اللہ رکھا ہے اُن کے اجزا کی تو خود یہ حالت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا بندہ بننے سے کوئی بُرا نہیں مانتے اور جب وہ خود اپنے کو بندہ کہتے ہیں تو تم اُن کو کیوں خدائی میں شریک کرتے ہو۔ یہ حرکت بھی عجیب ہے کہ تم جن کو شریک بتاتے ہو وہ اپنے کو خدا کا بندہ کہتے ہیں اور عبودیت کا اقرار کرتے ہیں۔ اور بات بھی یہ ہے کہ اُس کی عبودیت سے انکار و استنکاف ہی کون کر سکتا ہے، کیوں کہ جو شخص بھی اُس کی عبادت سے ناک بھوں چڑھائے گا اور اپنی شان کے خلاف سمجھے گا اور اُس کی عبادت اور عبودیت کے مقابلہ میں سرکشی اور تکبر کرے گا تو یہ بات سن لو کہ ہم سب کو خواہ وہ عبادت گزار ہوں یا عبادت سے استنکاف و استکبار کرنے والے ہوں ان سب کو اپنے پاس جمع کریں گے، چوں کہ آگے تفصیل آرہی ہے اور دونوں گروہوں کا ذکر ہوا ہے اس لیے فسیحشرہم کی ضمیر کا مرجع ہم نے سب کو قرار دیا ہے اور ترجمہ میں سب اچھے بُرے کر دیا ہے۔ بعض معتزلہ نے اس آیت سے ملائکہ کا بشر پر افضل ہونا ثابت کیا ہے۔ حالاں کہ آیت کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبودیت اور اُس کی عبادت سے کوئی بھی عار نہیں کرتا خواہ وہ امام ہو یا ماموم۔ خواہ کوئی کبیر ہو یا صغیر۔ کوئی بزرگ ہو یا حقیر۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ معطوف معطوف علیہ سے شان میں برتر ہے۔ جیسا کہ معتزلہ نے استدلال کیا ہے۔ مزید تحقیق کے لیے بخاری کی شرح فتح الباری ملاحظہ کی جائے۔ اور وہ بحث ملاحظہ کی جائے جو حدیث من ذکرنی کے تحت علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے۔ اب آگے ہر دو فریق کی جزا و سزا کی تفصیل ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ (تسہیل)

بقیہ صفحہ ۱۶۷

بہٖ کا مرجع قرآن بھی ہو سکتا ہے۔ اسلام کو مضبوط پکڑنے کا مطلب یہ ہے کہ رسول اور قرآن کی تصدیق کریں۔ رحمت سے مراد جنت ہے جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن عباس نے فرمایا فضل سے مراد جنت کے علاوہ دوسری نعمتیں ہیں۔ یا دیدار بھی ہے۔ الیہ کی ضمیر کے مرجع میں بھی کئی قول ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس جیسا کہ ہم نے

اختیار کیا ہے۔ یا رحمت یا فضل یا دونوں یا قرآن۔ بہرحال خلاصہ یہ ہے کہ تمام بنی نوع انسان کو تنبیہ کی گئی ہے کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے پیغمبر اور قرآن پہنچ گیا ہے۔ لہٰذا دلیل اور روشنی میسر آجانے کے بعد جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ صحیح اعتقاد رکھے گا اور خدا پر پوری طرح بھروسہ کرے گا اور اس کے دین کو مضبوط پکڑے گا تو اُس کے لیے آخرت میں جنت کا داخلہ ہوگا اور جنت کے علاوہ اور بھی سلوک ہوگا اور دیدار الٰہی کا شرف ہوگا اور ایک ایسی سیدھی راہ کی رہنمائی میسر ہوگی۔ جو حضرت حق تعالیٰ تک پہنچتی ہے اور وہ راہ امتثال امر اللہ کی راہ ہے یا طریقہ رضا ہے۔ بہرحال ایسی راہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے گا جو راہ اس کو پسند ہے اور جس پر چل کر بندہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوگا اور اگر یہ شبہ کیا جائے کہ امتثال امر اور طریق رضا تو خود ایمان اور اعمال صالحہ کا نام ہے پھر اس کو سبب کیوں فرمایا تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایمان اور اعمال صالحہ سبب ہیں ثبات علی الطاعت اور توفیق طاعت کے جیسا کہ عام قاعدہ ہے کہ ہر عمل نیک دوسرے نیک عمل کی توفیق پیدا کرتا ہے۔ پس اعمال صالحہ مزید نیک اعمال کے موجب ہوں گے اور راہ راست پر ثابت رہنے میں مدد معاون ہوں گے۔ اور اسی آیت سے یہ بھی مفہوم سمجھ میں آگیا ہوگا کہ جو لوگ ایمان باللہ اور اعتصام باللہ کے منکر ہوں گے وہ ان خیرات اور فوائد سے محروم رہیں گے اور ان کو یہ وعدہ شامل نہ ہوگا۔ چناں چہ حقوق مالیہ کی بحث اور ترکہ کی تقسیم وغیرہ کا ذکر سورت کی ابتدا میں گزر چکا ہے اب آخر میں پھر ترکہ کے بعض مسائل پر اس سورت کو ختم کیا جاتا ہے تاکہ باقی مسائل کی تکمیل ہو جائے اور سورت کے شروع میں جس مقصد کا اظہار کیا گیا تھا آخر میں پھر اُس پر توجہ دلائی جائے۔ شان نزول کے متعلق عام طور سے یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ بیمار تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے ہاں تشریف لے گئے اُس وقت جابر کے ہوش حواس صحیح نہ تھے حضور نے وضو کیا اور کچھ پانی ان کے منہ پر چھڑکا اور جب جابر کو ہوش ہوا تو انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے کوئی اولاد نہیں ہے۔ تو میرا ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا اُس پر یہ آخری آیت نازل ہوئی بعض روایات میں حضرت عمرؓ کا بھی یہی سوال منقول ہے کہ انھوں نے دریافت کیا یا رسول اللہ کلالہ کی میراث کس طرح تقسیم ہوگی تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت عمر فرمایا کرتے تھے کہ میں بکثرت حضور سے کلالہ کی میراث کے متعلق سوال کیا کرتا تھا ایک دن حضور نے میرے سینہ میں اپنی انگلی چبھو کر فرمایا کیا عمر تیرے لیے سورۃ نساء کی آخری آیت کافی نہیں ہے۔ بہرحال شان نزول خواہ کچھ ہو کلالہ کی میراث کا ذکر فرماتے ہیں کلالہ کو ہم بتا چکے ہیں کہ جس کے اصول و فروع نہ ہوں اُس کو کلالہ کہتے ہیں۔ یعنی نہ ماں باپ ہوں اور نہ بیٹا بیٹی ہوں۔ اُس کی میراث کی تقسیم کو بتلاتے ہیں۔ چناں چہ ارشاد ہوتا ہے۔ (تسہیل)

بقیہ صفحہ ۱۶۸

واضح طور پر بیان فرماتے کیوں کہ نبی ہر چیز کو خوب جانتا ہے جس میں ترکہ کی تقسیم بھی آگئی۔ واللہ اعلم بالصواب وعندہ علم الکتاب والیہ المرجع والمآب آگے مسلمانوں کو خطاب ہے۔ سورۃ المائدہ کی ابتدا اسی خطاب سے ہوتی ہے (تسہیل)

تمہید

ف ہم عرض کر چکے ہیں کہ مدینہ منورہ کی زندگی مسلمانوں کے پھیلاؤ اور ترقی کی زندگی ہے۔ اس لیے جس طرح روز مرہ اُن کا اقتدار بڑھتا جاتا تھا اور عرب کے مختلف گوشوں میں اُن کی دھاک بیٹھتی جاتی تھی۔ اُسی طرح روز مرہ نئی نئی ضرورتیں پیش آتی جاتی تھیں نئے نئے مسائل در پیش تھے۔ نئے نئے معاملات اور واقعات روز مرہ کی زندگی میں پیش آتے تھے سیاسی مسائل۔ اقتصادی مسائل۔ اہل کتاب سے معاملات منافقین اور یہود و نصاریٰ کی سازشوں کے نتائج میں بعض اہم مسائل۔ یہود و نصاریٰ کے نئے نئے اعتراضات۔ غرض صدہا قسم کے مسائل پیش آتے رہتے تھے۔ طاقت آجانے کے بعد استخلاص وطن کا سوال بھی سامنے تھا۔ بڑا مسئلہ مکہ معظمہ کو آزاد کرانے اور کفار کے پنجۂ اقتدار سے نکالنے کا تھا غرض سورۃ مائدہ بھی اسی قسم کی ضروریات کو پورا کرنے والی ہے۔ اور یہ سورۃ مدینہ کی آخری سورتوں میں سے ہے۔ اس کے لگ بھگ اور چند سورتیں اور آیتیں نازل ہوتی ہیں اور اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی ہے۔ سورت پر ابتدا سے نظر ڈالیے تو بہت مسائل حلال و حرام کے آپ کو ملیں گے۔ ابتدا میں چوپایوں کی حلت و حرمت کے مسائل ہیں۔ پھر اہل کتاب سے تعلقات کی بحث ہے۔ پھر وضو غسل اور تیمم وغیرہ کی بحث ہے۔ پھر اہل کتاب کی مذمت اور اُن پر تنقید ہے اور ان کو اسلام کی دعوت ہے۔ پھر باغیوں کی جو اسلامی حکومت سے بغاوت کے مرتکب ہوں اُن کی سزا کا ذکر ہے۔ پھر چوروں کے ہاتھ کاٹنے کا قانون ہے۔ پھر اہل کتاب سے دوستی قطع کرنے کا حکم ہے۔ پھر نصاریٰ کو تنبیہ ہے۔ بعض نصاریٰ کی اسلام دوستی پر اُن کی تعریف ہے۔ پھر جوئے اور شراب کی حرمت کے آخری اور انتہائی احکام ہے۔ پھر کفار کے نذر و نیاز اُن جانوروں کی حرمت ہے جو وہ بتوں کے نام پر مختلف ناموں سے نامزد کیا کرتے ہیں۔ پھر سفر میں جو لین دین کے معاملات پیش آتے ہیں اُن کا قانون ہے۔ پھر آخر میں نصاریٰ سے بحث ہے اور قیامت میں اُن کی بے کسی اور عاجزی کا ذکر ہے۔ غرض اس طرح یہ سورت بے شمار مسائل اور ضروریات کو بتلانے اور پورا کرنے والی ہے۔ قرطبی کا قول ہے کہ یہ سورت مدینہ منورہ میں نازل ہوئی ہے۔ محمد بن کعب القرظی نے کہا کہ یہ حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئی اور مکہ اور مدینہ کے مابین نازل ہوئی ہے ابو عبید نے عطیہ بن قیس سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مائدہ باعتبار نزول کے آخری سورت ہے۔ اس سورت کے حلال کو حلال سمجھو اور حرام کو حرام سمجھو۔ سورۃ نساء سے اس سورت کا ربط ظاہری ہے اکثر مسائل اُس میں مذکور تھے اور اسی طرح اکثر مسائل اس سورت میں مذکور ہیں۔ اُس کی ابتدا تقویٰ کے حکم سے ہوئی تھی اور اس کی ابتدا عہود کے پورا کرنے کی تاکید سے ہے۔ بہرحال آئندہ تفسیر میں اور روابط کی وضاحت کرتے رہیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ

بقیہ صفحہ ۱۶۸

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے اے ایمان والو! اپنے قول و قرار اور عہد و پیماں کو پورا کرو چوپایوں کی قسم کے تمام جانور تمہارے لیے حلال کر دیے گئے ہیں یعنی اونٹ گائے بھیڑ بکری سے ملتے جلتے جانور جیسے ہرن اور نیل گائے وغیرہ سوائے اُن چوپایوں کے جن کی حرمت آگے تم کو سنا دی جائے گی کہ وہ باوجود بہیمۃ الانعام ہونے کے حرام ہیں مگر ان میں سے جو شکار ہوں ان کو تم احرام کی حالت میں کسی وقت بھی حلال نہ سمجھو یعنی تم جب احرام باندھے ہوئے ہو تو جنگل کے کسی شکار کو حلال نہ جانو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔ (تیسیر) عقد کے معنی ہیں دو چیزوں کو اس طرح ملانا اور ربط دینا کہ اُن کو جدا کرنا مشکل ہو جائے یہاں مراد ہے مضبوط عہد۔ عقد عام ہے اور بہت سی چیزوں پر استعمال ہوتا ہے۔ عقد نکاح۔ عقد یمین۔ عقد بیع۔ عقد شرکت۔ عقد حلف۔ وغیرہ وفا۔ اور ایفا ہم معنی ہیں لیکن ایفا میں مبالغہ زیادہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا ہے کہ عقود سے مراد وہ چیزیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے حلال کی ہیں اور حرام فرمائی ہیں۔ بعض نے کہا ان عہود سے وہ عہود مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ نے یوم میثاق سے لے کر آخری شریعت تک اپنے بندوں سے لیے ہیں۔ بعض لوگوں نے کہا وہ عہود مراد ہیں جو اہل کتاب سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی شریعت کے بارے میں وقتاً فوقتاً لیے گئے۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ان عقود سے مراد وہ عہد و پیمان ہیں جو لوگ آپس میں کیا کرتے ہیں وہ امانات ہوں یا معاملات ہوں۔ غرض آیت اپنی جامعیت کے اعتبار سے ہر اُس عہد کو شامل ہے جس کا وفا کرنا ضروری ہے۔ خواہ وہ بندے اور خدا کے درمیان ہو۔ خواہ آپس میں ایک بندے کا دوسرے بندے کے ساتھ ہو۔ ہم اللہ تعالیٰ اور بندے کے عہد کو پہلے سمجھا چکے ہیں کہ ہر بندہ فطرتاً اور طبعاً اللہ تعالیٰ کے ساتھ اطاعت و فرماں برداری کا عہد کر چکا ہے جیسے ہر انسان فطرتاً جانتا ہے کہ ماں کی خدمت کرنا اُس کے ذمہ ضروری ہے خواہ اُس نے اپنی ماں سے خدمت کا عہد کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ اسی طرح تمام مخلوق سمجھتی ہے کہ خالق کے احکام کی تعمیل کرنا ضروری ہے یہی وہ فطری عہد ہے جس کی جانب قرآن جگہ جگہ اشارہ کرتا ہے اب خواہ ہم کو یوم میثاق کے الست بربکم کا جواب یاد ہو یا نہ یاد ہو۔ اور اسی طرح جب ایک بندہ اسلام قبول کرتا ہے اور لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ سے اسلام کے تمام حلال و حرام کو قبول کرنے کا عہد کرتا ہے۔ خواہ کوئی عہد نامہ لکھا جائے یا نہ لکھا جائے بلکہ اس کلمہ کی توثیق ہی اس امر کی شاہد ہوتی ہے کہ بندہ اپنے رب سے عہد کر رہا ہے کہ جو چیزیں آپ میرے لیے حلال کریں گے ان کو حلال سمجھوں گا اور جو چیزیں آپ حرام کر دیں گے ان کو حرام سمجھوں گا۔ بہیمہ ہر اُس ذی روح کو کہتے ہیں جو غیر ذوی العقول ہو۔ انعام۔ اُن چوپایوں کو جو چار ہاتھ پاؤں پر چلتے ہیں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بہیمہ سے مراد وہ جانور ہوں جو قوائم اربع پر چلتے ہوں۔ اور انعام سے مراد اونٹ۔ گائے۔ بکری اور بھیڑ ہو کیوں کہ عام طور پر قرآن میں انعام انہی چار قسموں پر بولا گیا ہے جیسا کہ انشاء اللہ آٹھویں پارہ میں آجائے گا۔ بہیمہ کی اضافت انعام کی جانب عام مطلق کی اضافت خاص کی طرف ہے۔ پھر کسی نے بمعنی لام رکھا اور کسی نے بمعنی من رکھا ہے۔ صاحب کشاف اور بیضاوی کا رجحان یہی ہے کہ یہ اضافت خاتم فضۃ اور ثوب خز کے اسی قبیل سے ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہ اضافت مشبہ بالمشبہ کے قبیل سے ہو۔ جیسا کہ ہمارے ترجمہ اور تیسیر میں ہے اور یہ طریقہ آسان ہے۔ سمجھنے کے اعتبار سے بھی اور ترکیب کے اعتبار سے بھی اور چوں کہ بہیمہ اور انعام میں قول مختلف ہو گئے اس لیے اضافت میں بھی اختلاف ہو گیا ہے۔ اگرچہ مطلب میں کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔ ہم نے آسان اور سہل صورت اختیار کر لی ہے۔ بہرحال مطلب یہ ہے کہ وہ بہائم جو کچلیاں نہیں رکھتے اور جگالی کرتے ہیں اور چار پاؤں سے چلتے پھرتے اور چرتے ہیں وہ مراد ہیں اور انہی کا حکم بیان کیا ہے لہٰذا درندے اور کچلیوں والے جانور شامل نہیں ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس اور شعبی کا ایک قول یہ بھی

ہے کہ بہیمۃ الانعام سے جنین مراد ہے یعنی وہ بچہ جو مادہ کے پیٹ میں ہو۔ لیکن ہم یہاں اُس سے بحث کرنا نہیں چاہتے۔ اگر اُس کو معلوم کرنا ہو تو فقہ سے معلوم کیجیے۔ الا ما یتلی علیکم سے مراد آگے کی آیت ہے حرمت علیکم المیتۃ والدم اور اس کا مطلب انحصار نہیں ہے۔ بلکہ قرآن کی اس آیت کو اُن جانوروں کی حرمت بھی شامل ہے جو حدیث اور اجماع اور قیاس سے ثابت ہو جیسے گدھا اور خچر وغیرہ گویا مراد یہ ہے کہ بہائم میں سے وہ جانور حلال نہیں ہیں جو ہم قرآن میں بیان کردیں۔ یا ہمارا پیغمبر اُن کی حرمت بیان کردے اور اس کی شریعت سے اُن بہائم کی حرمت ثابت ہوتی ہو۔ ان کے علاوہ باقی سب بہائم حلال ہیں۔ اور چوں کہ ان بہائم میں سے بعض وہ بھی ہیں جو جنگل میں رہتے ہیں اور جن کو لوگ شکار کیا کرتے ہیں آگے ان کو فرمایا کہ ان بہائم میں جو شکار ہیں تو اُن کو احرام کی حالت میں شکار نہ کرنا اور اسی طرح اگر شکار حرم میں ہو تو حرم میں بھی شکار نہ کرنا۔ البتہ دریائی شکار حلال ہے جیسا کہ آگے انشاء اللہ ساتویں پارے میں آجائے گا۔ اور احرام بھی حج کا ہو یا عمرے کا دونوں حالتوں میں جنگل کا شکار ممنوع ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی جب آدمی مسلمان ہوا تو سب حکم اللہ کے قبول کرنے ٹھہرا چکا اب آگے حکم فرمائے ان کو قبول کرو فائدہ مواشی یہ جانور ہیں جن کو لوگ پالتے ہیں کھانے کو جیسے گائے بکری پھر جنگل کے ہرن جیسے نیل گائے وغیرہ اسی میں داخل ہیں کہ جنس ایک ہے ان کو احرام کے وقت اور اسی طرح کے مکان میں حرام فرمایا اس کے ساتھ حرم کے آداب اور بھی فرمائے موضح القرآن۔ آیت کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ اے اہل ایمان تم اپنے عہد و پیمان کو پوری طرح پورا کرو۔ خواہ یہ عہد و پیمان تمہارے آپس میں ہوا ہو یا وہ عہد ہو جو تم نے اللہ تعالیٰ سے کر رکھا ہے اور فطرتاً تم اس کو پورا کرنے کے پابند ہو اور دیکھو ہم نے تمہارے لیے تمام بہائم جو چار پاؤں سے چلتے اور جگالی کرتے ہیں اور جن کے کچلیاں نہیں ہوتیں وہ سب بہائم حلال کردیے ہیں۔ البتہ ان بہائم میں سے وہ بہائم حرام ہیں جن کو ہم تمہیں پڑھ کر سنا دیں گے اور وہ بہائم بھی حرام سمجھو جن کو ہمارا رسول تم کو وقتاً فوقتاً بتاتا رہے اور اُس کی شریعت کے اصول سے جن بہائم کی حرمت ثابت ہوتی ہو لیکن حالت احرام میں یا حرم میں شکار کرنا حرام ہے اور اسی طرح احرام کی حالت میں کیے ہوئے شکار کا اور حرم کے شکار کا گوشت کھانا بھی حرام ہے اور دیکھو اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے حکم دے دیتا ہے وہ جس جانور کو چاہے حرام کردے جس کو چاہے ہمیشہ کے لیے حلال کردے۔ اور جس حرام کو چاہے حالت اضطرار میں حلال کردے غرض وہ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے تم کو ہر حال میں اُس کے حکم کی تعمیل کرنی چاہیے۔ اُس کا ہر حکم حکمت سے خالی نہیں۔ اُس نے جو چیزیں حرام کی ہیں اُن میں سے کوئی انسانی صحت کے لیے مضر ہے کوئی انسانی اخلاق کو بگاڑنے والی ہے۔ لہٰذا تم اُن چیزوں سے جن کو اُس نے حرام کیا ہے پرہیز کرو۔ اس آیت میں حلال پرندوں کا ذکر نہیں ہے وہ دوسرے ادلہ شرعیہ کر معلوم ہوسکیں گے۔ اسی طرح جو پرندے حرام ہیں ان کا حکم بھی دوسرے دلائل شرعیہ سے معلوم ہوسکے گا۔ آیت ترکیب کے اعتبار سے اور اپنے مفہوم کے اعتبار سے عجیب و غریب آیت ہے۔ ایک قصہ اس آیت کے سلسلہ میں پایا گیا۔ کہ کسی صاحب نے ایک فلسفی کو قرآن شریف دے کر کہا کہ اے حکیم ہم کو اس کتاب کا جواب لکھوانا ہے۔ اُس طبیب نے کہا کہ جاؤ جواب لکھ دیا جائے گا۔ چند دن کے بعد وہ صاحب اس فلسفی کے پاس گئے اور اُس سے کہا جناب نے اُس کا جواب لکھ دیا ہو تو دے دیجیے۔ اُس فلسفی نے کہا۔ بھائی میں اس کے جواب کی قدرت نہیں رکھتا اور میرے خیال میں کوئی بھی اس کا جواب نہیں لکھ سکتا۔ میں نے اس کو کھولا تو میری نظر سورۃ مائدہ پر پڑی۔ تو میں نے دیکھا کہ دو سطروں میں عہد کا پورا کرنا اور نقض عہد سے بچنا بھی ہے۔ عام تحلیل بہائم کا اعلان بھی ہے پھر استثنا بھی ہے پھر حالت احرام میں شکار کی حرمت بھی ہے پھر آخر میں اپنی قدرت اور حکمت کا اظہار بھی ہے۔ دو سطروں میں اس قدر مضامین اور مسائل کا بیان و اظہار کسی انسان کے لیے ناممکن ہے۔ ہم نے تیسیر اور تسہیل میں اس امر کی رعایت رکھی ہے کہ آیت کی ترکیب آسانی سے ہوسکے۔ حنفیہ نے اوفوا بالعقود سے استدلال کیا ہے کہ عقد بالبیع کا پورا کرنا ضروری ہے اگرچہ تفرق بالابدان نہ ہو۔ واللہ اعلم۔ اب آگے حرم اور دوسرے شعائر کے اور آداب بیان فرماتے ہیں۔ (تسہیل)

بقیہ صفحہ ۱۶۹

شریح بن ضبیعۃ البکری ہے اُس کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اس نے مدینہ کی چراگاہ میں سے مویشی لوٹ لیے تھے حضور نے اس کے متعلق فرمایا تھا لقد دخل بوجہ کافر وخرج بقفا غادر یعنی ہمارے پاس کافری داخل ہوا اور واپس ہوتے وقت بد عہدی اور غدر کرکے گیا۔ پھر وہ دوسرے سال حج یا عمرہ کرنے نکلا تو اس کے ہمراہ ہدی کے جانور بھی تھے جن کے قلادے پڑے ہوئے تھے۔ لوگوں نے حضور سے اُس کے لوٹ لینے کی اجازت طلب کی مگر حضور نے مسلمانوں کو اُس سے منع فرمایا اور ہر قسم کی مزاحمت سے روک دیا۔ اس پر ہی یہ آیت نازل ہوئی۔ فضل سے مُراد بعض لوگوں نے تجارتی سامان لیا ہے۔ اور رضوان سے مراد بعض نے حج یا عمرہ لیا ہے۔ بہرحال آیت میں ہر قسم کی گنجائش ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جو حرم محترم کے لیے سفر کرتا تھا اس کا مقصد حضرت حق کا فضل اور اُس کی رضا جوئی ہوتا تھا۔ خلاصہ مطلب یہ ہوا کہ اے ایمان والو! جن مقامات اور جن دنوں کی ہم نے جو عظمت رکھی ہے اور ان کے ادب و احترام کے بارے میں جو احکام ہم نے مقرر کردیے ہیں اُن کو بجالاؤ اور اُن کی خلاف ورزی نہ کرو کیوں کہ یہ احکام کی خلاف ورزی کرنا ہی ان شعائر کی بے ادبی اور بے حرمتی ہے۔ لہٰذا شعائر اللہ کی بے حرمتی اور بے ادبی سے بچو۔ اور اشہر حرم کی بے حرمتی نہ کرو کہ اُن میں خواہ مخواہ کفار سے لڑنے لگو، اور نہ اُس جانور کو جو اللہ کے لیے قربانی کرنے کو حرم کی جانب لے جایا جا رہا ہو اور نہ اُس جانور کو روکو جس کے گلے میں اس غرض کے لیے کسی قسم کا پٹہ وغیرہ ڈال رکھا ہو۔ تاکہ یہ معلوم ہوسکے کہ یہ جانور اللہ کی راہ میں قربان کیا جانے والا ہے۔ اور نہ اُن لوگوں کی راہ میں کوئی مزاحمت کرو جو بیت الحرام یعنی خانہ کعبہ کی زیارت اور حج و عمرے وغیرہ کے ارادہ سے جا رہے ہوں اور اپنے پروردگار کی مرضی اور اس کے فضل کے جویاں اور متلاشی ہوں۔ اب آگے اس سلسلہ میں چند دور احکام کا بیان ہے (تسہیل) اور جب حلال ہوجاؤ اور احرام سے باہر آجاؤ تو تم کو اختیار ہے اگر چاہو تو حرم سے باہر شکار کرلو۔ اور دیکھو وہ لوگ جن سے تم کو اس بنا پر دشمنی ہے کہ انھوں نے تم کو مسجد حرام سے روکا تھا اور عمرہ کرنے نہیں دیا تھا اور حدیبیہ میں روک دیا تھا تو وہ دشمنی تم کو اس امر پر برانگیختہ کردے کہ تم ان پر زیادتی نہ کرنے لگو اور جو احکام ہم نے تم کو دیے ہیں اُن کی خلاف ورزی کرکے حد سے آگے بڑھ جاؤ اور دیکھو نیکی اور تقوے کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کیا کرو اور ایک دوسرے کی آپس میں مدد کیا کرو۔ ہاں گناہ اور زیادتی کی باتوں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون نہ کیا کرو اور ایک دوسرے کی اعانت نہ کیا کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ اور اس بات کا یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔ (تیسیر) جرم۔ اجرام آمادہ کرنا۔ برانگیختہ کرنا۔ اُبھارنا۔ شنآن بغض۔ دشمنی۔ عداوت۔ کسب۔ صدّ روکنا۔ مسجد حرام۔ بیت اللہ حرم کعبہ۔ اعتداء حد سے بڑھ جانا۔ تعاون باہم ایک دوسرے کی مدد کرنا۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں حلال نہ سمجھو یعنی ہاتھ نہ ڈالو اللہ کے نام کی چیزوں پر یعنی کافر بھی اگر نیاز کعبہ لاویں تو لوٹ مت لو اور راہ حرام میں اُن کو نہ مارو اور نکن وا ایمان بھی وہی قربانی کے جانور ہیں کہ مکہ کو لے جاتے ہیں نشان کرکر اور فرمایا کہ کافروں نے تم کو روکا تھا مسجد سے تم زیادتی نہ کرو یعنی آنے کو نہ روکو۔ باقی آگے سے منع کرو کہ کافر نہ آوے تو یہ روا ہے اس سے معلوم ہوا کہ کافر جس کام میں اللہ کی تعظیم کرے اس کام کو فضیحت نہ کرے مگر جو بت کی تعظیم کرے تو البتہ اہانت کرے۔ موضح القرآن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آیت کے بعض حصہ کا تعلق حطیم کندی کے ساتھ ہے اور بعض حصہ دوسرے مشرکین کے بارے میں ہے۔ جیسا کہ ابن جریر نے کہا ہے کہ ۶ھ میں جب مسلمانوں کو عمرہ کرنے سے حدیبیہ میں روکا تھا تو اس پر مسلمانوں کو بہت غصہ اور رنج تھا۔ چناں چہ اہل مشرق کے کچھ کافر عمرہ کرنے جا رہے تھے۔ مدینہ کے مسلمانوں نے چاہا کہ ہم بھی ان کو روکیں اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ مطلب یہ ہے۔ کہ اگر کافروں نے تم کو مسجد حرام میں جانے سے روکا تھا اور تم کو اس بنا پر ان سے دشمنی ہے تو یہ دشمنی تم کو اس امر پر آمادہ نہ کردے کہ تم بھی اُن پر زیادتی کرو۔ بہرحال آیت کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ جب تم حلال ہوجاؤ اور احرام سے نکل جاؤ تو تم کو اجازت ہے کہ تم چاہو تو شکار کرو۔ البتہ حرم میں شکار کرنا بدستور ممنوع ہے۔ اور اس بغض کی وجہ سے کہ تم کو کافروں نے مسجد حرام میں جانے سے روکا تھا۔ اور حدیبیہ کے سال میں تم کو عمرہ ادا کرنے نہیں دیا تھا اس لیے یہ دشمنی اس کا سبب نہ بن جائے کہ تم بھی اللہ تعالیٰ کی مقررہ حدود سے تجاوز کر بیٹھو اور کسی کی ہدی چھین لو یا کسی کو مکہ جانے سے روک دو اور اپنا انتقام لینے پر تیار ہوجاؤ اور اگر کوئی شخص بر اور تقوی کا کام کرے تو اُس میں تعاون اور ایک دوسرے کی امداد کیا کرو۔ خواہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو۔ البتہ گناہ اور ظلم و زیادتی پر باہم ایک دوسرے کی اعانت نہ کیا کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے تمام احکام کی پابندی آسان اور سہل ہوجاتی ہے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے اثم اور عدوان ہر قسم کے معاصی کو شامل ہے جس طرح بر اور تقویٰ تمام اوامر کو شامل ہے۔ سبحان اللہ کیا تعلیم ہے اور کیا جامع الفاظ ہیں۔ اور کس قدر بلند اخلاق سکھائے گئے ہیں۔ عام طور پر انسانی طبیعت غصہ اور دشمنی میں حد سے تجاوز کرنے پر مجبور کردیتی ہے۔ اور عام طبائع کا یہ تقاضہ ہوتا ہے کہ چاہے کچھ ہوجائے ہم اپنا بدلہ لے لیں ایک طرف کفار کی تعدی ہے اور دوسری طرف اسلامی اخلاق ہے۔ حطیم مدینہ میں آتا ہے اور جاتے وقت مدینہ والوں کے جانور لے کر چلا جاتا ہے لیکن مسلمانوں کو ارشاد ہوتا ہے کہ تم ان کے جانوروں کو نہیں چھین سکتے۔ کیونکہ اگرچہ وہ کافر ہیں لیکن ایک نیک مقصد کے لیے جانور لے جا رہے ہیں تاکہ حرم میں اللہ کے نام پر قربان کریں۔ اس لیے تم کو مداخلت کا حق نہیں۔ اسی طرح کفار مکہ مسلمانوں کو حدیبیہ میں روکتے ہیں اور ان کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیتے اور مسلمانوں کو مجبوراً

حدیبیہ میں احرام کھولنا پڑا تھا۔ لیکن مسلمانوں کو یہ اجازت نہیں ہوئی کہ تم مکہ جانے والوں کو روکو اور مدینہ کے پاس سے جو کافر مکہ جا رہے ہوں ان کو تکلیف پہنچاؤ۔ یہ ہے وہ عدل و انصاف کی تعلیم جو قرآن میں تو موجود ہے لیکن مسلمان اس سے نا آشنا ہیں۔ پھر ایک ضابطہ مقرر کر دیا کہ بھلا کام اور پرہیزکاری کی بات بہرحال بھلی ہے وہ کوئی بھی کرے اس میں تعاون کرو اور یہ کہ الگ نہ ہو جاؤ کہ یہ بھلا کام کرنے والا کافر ہے ہم اس سے تعاون کیوں کریں اور برا کام اور ظلم و گناہ بہ ہر حال برا ہے اس میں کسی سے تعاون نہ کرو خواہ اُس اثم اور عدوان کا مرتکب کوئی مسلمان ہی کیوں نہ ہو اس سے یہ کہہ کر علیحدہ ہو جاؤ کہ ہم گناہ اور ظلم میں تعاون نہیں کر سکتے اور چوں کہ ان تمام بے احتیاطیوں اور بد اخلاقیوں کی اصل وجہ تقویٰ کا فقدان ہے اس لیے فرمایا کہ خدا سے ڈرتے رہو اگر دل میں خدا کا خوف ہوگا تو کسی نامناسب بات کا اور کسی اخلاق سے گری ہوئی بات کا وقوع تم سے نہیں ہوگا۔ آخر میں اللہ تعالیٰ کی سخت گیری اور سزا کی شدت سے ڈرایا کہ اگر ظلم و عدوان کی حمایت کرو گے اور عدل و انصاف کو کسی کی دشمنی کے باعث نظر انداز کرو گے تو یاد رکھو اللہ کی گرفت بڑی سخت ہے جب وہ اس قسم کی نامناسب اور نازیبا حرکات پر کسی کو پکڑتا ہے تو اپنی گرفت کو ڈھیلا نہیں کرتا حدیث میں آتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ بر وہ ہے جس سے قلب کو اطمینان حاصل ہو اور نفس اس سے مطمئن ہو۔ اور اثم وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹکے اور سینہ میں اُس سے تردد اور بے چینی ہو۔ نواس بن سمعان کی روایت میں ہے۔ میں نے حضور سے بر اور اثم کو دریافت کیا تھا آپ نے فرمایا اخلاق کی خوبی اور بلندی کا نام بر ہے اور اثم وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹکے اور جس سے جی میں کھٹک پیدا ہو اور تو اُس پر لوگوں کے مطلع ہونے کو ناپسند رکھے۔ یعنی دل میں چھپے اور ساتھ ہی یہ خیال آئے کہ کسی کو اس کام کی خبر نہ ہو جائے۔ ابوامامہ کی روایت میں ہے میں نے پوچھا حضور اثم یعنی گناہ کیا ہے فرمایا جو بات دل میں کھٹکے اسے چھوڑ دیا کر پھر میں نے عرض کیا ایمان کیا ہے فرمایا جب نیکی کر کے دل خوش ہو اور برائی کر کے دل ملول ہو تو بس تو مومن ہے۔ کلمات نبوت کس قدر جامع کہ ان کی تعریف کے لیے بہت سے اوراق کی ضرورت ہے۔ اوپر کی آیت میں فرمایا تھا کہ وہ بہائم حلال نہ ہوں گے جن کی حرمت ہم تم کو پڑھ کر سنا دیں گے۔ چناں چہ آگے ان جانوروں کا اور ان کے ساتھ بعض اور چیزوں کی حرمت کا اعلان ہے۔ چناں چہ ارشاد ہوتا ہے۔ (تسہیل)

بقیہ صفحہ ۱۷۰

یعنی حلقوم اور مری ان دونوں نالیوں کا کٹ جانا ذکوٰۃ کے لیے کافی ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک چار رگوں میں سے تین کا کٹ جانا ضروری ہے خواہ وہ تین کوئی سی ہوں۔ امام ابویوسف کا قول ہے کہ تین رگوں کا کٹ جانا کافی ہے لیکن وہ تین رگیں یہ ہوں۔ حلقوم۔ مری۔ اور ودجان میں سے ایک مزید تفصیلات ذبح کی کتب فقہ میں تلاش کیجیے نصب یا تو جمع ہے نصاب کی۔ یا انصاب کا واحد ہے۔ بہرحال یہ وہ پتھر ہیں جہاں زمانۂ جاہلیت میں جانوروں کو ذبح کیا کرتے تھے اور اس مقام کی عظمت کا خیال رکھ کر وہاں ذبح ضروری خیال کرتے تھے۔ یہ پتھر کعبہ کے اس پاس گاڑ رکھے تھے اور ہو سکتا ہے کہ بتوں کے آگے ذبح کرنا آج کل بھی جنوں کے تھان اور دیوی پر کا فر جانور ذبح کرتے ہیں اور اسی طرح جاہل مسلمان بعض بزرگوں کے مزار پر یا تو سیتلا کے تھان پر یا بعض بزرگوں کے نشان پر لے جا کر جانوروں کو ذبح کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ مقصود ان مقامات پر ذبح کرنے سے مقامات کی تعظیم ہوتی ہے اور اور پر جو ما اُھل فرمایا تھا اُس میں اور اس شکل میں تھوڑا سا فرق ہے۔ وہاں تو تقرب کی نیت سے کسی کے نام سے نامزد کرنا تھا۔ اور یہاں اگرچہ غیر اللہ کے نام پر نامزد نہ کیا جائے تب بھی غیر اللہ کے کسی مقام کی عظمت کا لحاظ رکھ کر جانور قربان کرنا موجب حرمت ہے۔ استقسام۔ زمانۂ جاہلیت میں تیروں سے فال کھولنے کا ایک طریقہ تھا۔ چند تیر ایک تھیلی میں رکھ چھوڑے تھے ایک پر لکھا تھا اس کام کو کر لو۔ دوسرے پر لکھا تھا نہ کرو۔ تیسرا خالی تھا۔ جب کوئی اہم کام پیش آتا تھا۔ تو ان تیروں کو استعمال کرتے تھے۔ ہبل جو مکہ والوں کا بڑا بت تھا اُس کے آگے بیٹھ جاتے تھے اور ان تیروں کو جن میں دھار وغیرہ نہیں ہوتی تھی تھیلی میں سے نکال کر استعمال کرتے تھے اور جو بات معلوم ہو جاتی تھی اُس پر عمل کر لیا کرتے تھے اور اس کی کچھ فیس بھی مقرر کر رکھی تھی۔ جو اس مجاور کو دیا کرتے تھے جو یہ تیر تھیلی میں سے نکال کر پھینکا کرتا تھا۔ غرض یہ ایک طریقہ فال کا تھا۔ اور ہو سکتا ہے کہ گوشت کی تقسیم کا یہ طریقہ ہو جیسا کہ بعض نے کہا ہے اور ان تیروں کو پانسو کی طرح اس کا استعمال کرتے ہوں، جس کے نام پر جو حصہ نکل آیا وہ اس کو دے دیا۔ اور جس کا پانسہ خالی نکلا اس کو کچھ نہیں دیا۔ غرض یہ ایک جوئے اور قمار کی صورت تھی جس کو حرام کیا گیا۔ ہم نے دونوں قول تیسیر میں اختیار کر لیے ہیں۔ اگرچہ تفاسیر سے ہم یہی سمجھے ہیں کہ کفار مکہ کا یہ عام طریقہ تھا کہ وہ اپنے معاملات میں ان لکھے اور بے لکھے تیروں سے فیصلہ کیا کرتے تھے اور اس فیصلہ کو ایک یقینی اور حتمی فیصلہ سمجھ کر اُس پر عمل کیا کرتے تھے۔ خواہ سفر میں جانا ہو۔ نکاح کرنا۔ یا کسی چیز کی تقسیم ہو۔ تمام موقعوں پر ان تیروں سے فال لے کر اُس کام کو کرتے تھے۔ ازلام سے مراد یہاں وہ تیر ہیں جو اس کام کے لیے رکھے تھے۔ سعید بن جبیر کا قول ہے کہ یہ سفید رنگ کی کنکریاں تھیں۔ مجاہد نے کہا یہ پانسے تھے۔ شعبی نے کہا عجم میں جس کو کعاب کہتے ہیں عرب اس کو ازلام کہتے ہیں۔ واللہ اعلم بعض حضرات نے ان تیروں کی تعداد سات بتائی ہے۔ اور یہ صورت بہرحال قرعۂ شرعی کی صورت سے بالکل مغائر تھی۔ ذلکم فسق کا ایک مطلب تو وہی ہے جو ہم نے اختیار کیا یعنی یہ استقسام فسق اور حرام ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جو باتیں اوپر حرام فرمائی ہیں اُن سب کی طرف اشارہ ہو اور یہ مطلب ہو کہ یہ سب مذکورہ چیزیں فسق اور حرام ہیں۔ چوں کہ سورۂ مائدہ ۱۰ھ میں نازل ہوئی ہے اور وہ مسلمانوں کی پوری ترقی کا دور تھا اور عرب میں پوری دھاک بیٹھ چکی تھی اس لیے احکام کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتا دیا کہ کافروں کو اب اپنے غلبہ کی کوئی توقع باقی نہیں رہی۔ سو تم ان کا خوف نہ کرو اور میرے خوف سے بے خوف نہ ہو۔ کیوں کہ جو نعمت ہم نے عطا فرمائی ہے وہ سب تقویٰ کی برکت سے میسر ہوئی ہے۔ اگر ناشکری کرو گے اور مجھ سے بے خوف ہو جاؤ گے جو نافرمانی کی دلیل ہے تو میں اپنی نعمت کو سلب کر لوں گا۔ الیوم جس کا ترجمہ ہم نے آج کیا ہے اس سے مراد زمانہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ زمانہ جس میں تم آج گزر رہے ہو ایک ایسا دور ہے۔ آیت کا حاصل مطلب یہ ہے۔ کہ مسلمانو! جن چیزوں کی حرمت کے بیان کا ہم نے تم سے وعدہ کیا تھا وہ یہ ہیں۔ سن لو تم پر اُس جانور کا کھانا حرام کر دیا گیا ہے جو بغیر ذبح کے اپنی موت سے خود مر جائے اور بہتا خون یعنی تلی اور کلیجی نہیں۔ اور سُور کا گوشت یعنی اُس کے تمام اجزا بھی تم پر حرام کر دیے گئے۔ اور وہ جانور بھی حرام کر دیا گیا جو غیر اللہ کے نام پر تقرب کی نیت سے ذبح کرو اور وہ جانور بھی جو گلا گھٹنے سے مر جائے اور وہ بھی حرام کر دیا جو کسی ضرب سے مر جائے اور وہ بھی جو گر کر مر جائے اور وہ بھی جو کسی کے سینگ مارنے سے مر جائے اور وہ بھی جس کو درندہ پھاڑ ڈالے اور اس کا کچھ حصہ کھا لے اور وہ جانور اس صدمہ سے مر جائے۔ مگر ہاں ان میں سے جن جانوروں کو تم مرنے سے پہلے ذبح کر لو اور قواعد شرعیہ کے مطابق تکبیر پڑھ کر گلے پر چھری پھیر دو یا اونٹ ہو تو اس کو نحر کر لو۔ تو وہ اس حرمت سے مستثنیٰ ہے۔ اور اسی طرح غیر اللہ کی پرستش گاہوں پر جو جانور ذبح کیا جائے اس کا کھانا بھی حرام ہے۔ اور تیروں سے اپنی قسمت کا حال معلوم کرنا یہ بھی تم پر حرام کر دیا گیا۔ یہ سب چیزیں فسق اور گناہ کے کام ہیں۔ اب کافر تمہارے مغلوب اور کمزور ہونے سے ناامید ہو چکے ہیں لہٰذا تم ان سے بالکل خوف نہ کھاؤ اور میرے سے ڈرتے رہو۔ جن چیزوں کی حرمت کا بیان فرمایا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ انسانی صحت کے لیے اور انسانی اخلاق کے لیے اور انسانی عقائد کے لیے سخت مضر اور نقصان دہ ہیں۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور اُس کی حکمت ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن چیزوں کو اپنے بندوں پر حرام فرمایا جن کا اثر یا تو انسان کی صحت پر پڑتا ہے اور یا اُن کا اثر انسان کے اخلاق پر پڑتا ہے۔ جیسا سُور کھانے والوں میں انتہائی بے غیرتی اور بے شرمی نمایاں ہے۔ اسی طرح بعض چیزوں کا عقائد پر اثر پڑتا ہے اور غیر اللہ کی تعظیم کا عقیدہ اللہ کی تعظیم سے مل جاتا ہے۔ اس لیے اُن سب باتوں کو حرام فرما دیا اور یہ سب وہ چیزیں ہیں جن کو زمانۂ جاہلیت میں کفار استعمال کرتے تھے اور آج کل بھی ہمارے بلاد کے کفار اس میں مبتلا ہیں اور زیادہ وہ مسلمان مبتلا ہیں جو علم سے بے بہرہ اور کفار کے ہم صحبت ہیں اور اپنی جہالت کی وجہ سے اسلامی احکام اور کفار کی رسوم میں کوئی فرق نہیں کرتے۔ اب آگے اپنے مزید احسانات کا اظہار فرماتے ہوئے ان محرمات کی بعض صورتوں میں حسب ضرورت اجازت کا اظہار فرماتے ہیں چناں چہ ارشاد ہوتا ہے۔ (تسہیل) آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو ہر اعتبار سے کامل کر دیا۔ یعنی باعتبار قوت و شوکت کے بھی اور باعتبار احکام کے بھی۔ اور میں نے تم پر اپنا انعام پورا کر دیا اور تمام ادیان میں سے میں نے تمہارے لیے اسلام کا دین ہونا پسند کیا پھر جو شخص سخت بھوک کی وجہ سے مذکورہ بالا اشیاء محرمہ میں سے کسی چیز کے کھانے پر مجبور ہو جائے بشرطیکہ وہ کسی گناہ کی طرف مائل ہونے والا نہ ہو یعنی نہ ضرورت سے زیادہ کھائے اور نہ طالب لذت ہو تو یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت کرنے والا اور بڑی مہربانی کرنے والا ہے۔ (تیسیر) مخمصہ۔ پیٹ کا غذا سے خالی ہونا۔ خمیص البطن بھوکا۔ جنف۔ میلان۔ مدعا یہ ہے کہ دین کے احکام و قواعد پوری طرح بیان کر دیے گئے اور اسلام کی قوت و شوکت پوری طرح نمایاں ہو گئی۔ اس حالت کو دیکھ کر کفار عرب اپنے غلبہ سے مایوس ہو گئے اور اب ان کو اپنی حکومت کے واپس ہونے کی کوئی توقع نہیں رہی اور یہی وہ اکمال دین ہے کہ باعتبار غلبہ بھی کمال میسر ہو گیا اور مسائل و احکام کے اعتبار سے بھی دین کو کامل کر دیا لہٰذا ایک طرف دین کی تکمیل ہو گئی اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے انعام کی تکمیل فرما دی۔ کیوں کہ دین کامل ہو اور دین پر عمل کرنے اور اُس کے احکام کے اجرا کی طاقت ہو اس سے بڑھ کر اور کیا انعام ہو سکتا ہے۔ دین ایسا جو کلیات و جزئیات کے اعتبار سے مکمل اور اقتدار ایسا کہ کوئی مخالف اب آنکھ بھر کر نہیں دیکھ سکتا۔ اسی کو فرمایا الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی مفسرین اور محدثین نے بیان کیا ہے کہ یہ آیت حجۃ الوداع کے موقع پر عصر کی نماز کے بعد نویں ذی الحجہ ۱۰ھ ہجری کو نازل ہوئی ہے۔ اس دن جمعہ تھا۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کے نازل ہونے پر تقریباً اکیاسی دن یعنی کوئی تین مہینے زندہ رہے اور تقریباً تین ماہ کے بعد سرکار کا وصال ہو گیا۔ اور جیسا کہ ہم نے

اور عرض کیا تھا کہ آج سے مراد زمانہ ہے۔ صرف دن نہیں ہے۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اگر اس آیت کے آگے پیچھے کوئی اور حکم نازل ہوا ہو اور کوئی آیت اُتری ہو تو وہ اس اکمال کے منافی نہیں ہے کیوں کہ الیوم کا مطلب یہ ہے کہ اس زمانہ میں ہم نے تمہارے لیے تمہارے دین کو کامل کر دیا۔ ورضیت لکم الاسلام دینا کا مطلب یہ ہے کہ تمام ادیان مروجہ میں سے میں نے تمہارے لیے صرف اسلام کا دین ہونا پسند کیا یعنی تمہارے لیے یہ بات پسند کی کہ تمہارا دین اسلام ہی ہو جو صحیح اور اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین ہے۔ سعید بن جبیر اور قتادہ نے کہا اکمال کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے دین کو تمام ادیان پر غالب کر دیا اور تم کو دشمنوں سے محفوظ کر دیا۔ یہود میں سے کسی شخص نے حضرت عمر سے کہا تھا کہ ایک آیت تمہارے قرآن میں ایسی ہے کہ اگر وہ آیت ہمارے ہاں ہوتی تو ہم اس دن عید منایا کرتے۔ حضرت عمر نے دریافت کیا وہ کون سی آیت ہے اس نے کہا الیوم اکملت لکم حضرت عمر نے فرمایا مجھے معلوم ہے جس دن یہ آیت نازل ہوئی اور جس وقت یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ جمعہ کے دن عرفہ تھا حضور اونٹنی پر سوار تھے عصر کے بعد کا وقت تھا کہ یہ آیت نازل ہوئی اونٹنی پر اُس وقت اتنا بوجھ تھا کہ اُس کے بازو ٹوٹے جاتے تھے۔ بعض روایت میں آیا ہے کہ آخر اونٹنی بیٹھ گئی۔ اونٹنی کا نام عضبا تھا۔ غرض ہمیں عید منانے کی کیا ضرورت ہے آیت ہی عید کے دن نازل ہوئی ہے بلکہ اُس دن دو عیدیں تھیں ایک عرفہ اور ایک جمعہ۔ ہارون بن عنزہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عمر رونے لگے میں نے پوچھا اے عمر کیا بات ہے۔ حضرت عمر نے کہا اب تک ہمارے دین میں زیادتی ہو رہی تھی لیکن اب جب کہ وہ دین کامل ہو گیا تو جو شی کامل ہو جاتی ہے وہ گھٹنی شروع ہو جاتی ہے اس بات کو خیال کر کے رو رہا ہوں۔ میرے والد نے کہا آپ کا رونا سچا ہے۔ چناں چہ اس آیت کے اکیاسی دن بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی۔ فمن اضطر کا تعلق اوپر کے مضمون سے ہے کہ جن بہائم کی حرمت مذکور ہوئی ہے اگر کسی شخص پر ایسا وقت پڑے کہ سوائے مردار کے اور کچھ میسر نہ آئے اور بھوک کی وجہ سے بے قرار ہو جائے تو اس قدر کھا سکتا ہے کہ اپنی زندگی کو باقی رکھ سکے۔ اور محض لذت مقصود نہ ہو یعنی دو شرطیں ہیں ایک ضرورت کی مقدار سے زائد نہ ہو اور دوسرے طالب لذت نہ ہو۔ حد رخصت سے تجاوز کرنا بھی گناہ کی جانب مائل ہونا ہے اور مزے کو کھانا بھی گناہ کی طرف مائل ہونا ہے۔ اس لیے ہم نے متجانف لاثم میں دونوں باتیں رکھی ہیں۔ یہ مسئلہ دوسرے پارے میں بھی گذر چکا ہے وہاں ملاحظہ کر لیا جائے۔ غفور رحیم کا مطلب یہ ہے کہ کھانے میں کچھ کوتاہی ہو جائے گی جیسا کہ ممکن ہے کہ بھوک میں صحیح اندازہ نہ ہو سکے تو اللہ تعالیٰ صاحب مغفرت ہے اور اس قسم کا حکم دینا اور بھوک کی حالت میں حرام کو اس قدر کھا لینا کہ زندگی بچ جائے یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور شفقت ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں مواشی میں یہ چیزیں حرام فرما دیں سؤر اور مرا جو کہ لہو اور آپ سے مرا یا کسی طرح بغیر ذبح کے اور جو خدا کے بجائے کسی کے نام پر ذبح کیا اور جو کسی مکان کی تعظیم پر ذبح کیا سوائے خانہ خدا کے۔ مگر یہ چیزیں مضطر کو معاف ہیں اور بانٹا کرنا پانسوں سے یہ کافروں کا ایک جوا تھا کہ شرط بد کر ایک جانور دس شخص نے خریدا اور ذبح کیا اور دس پانسے تھے کسی پر لکھا آدھا کسی پر پاؤ کم زیادہ کوئی خالی۔ پھر بانٹنے لگے تو ہر ایک کے نام پر جو پانسا آیا وہی حصہ اس کو ملا یا خالی نکل گیا۔ شرط بدنی تمام حرام ہے یہ بھی اسی میں داخل ہے فائدہ اس سے معلوم ہوا کہ غیر خدا کے نام پر جانور ذبح ہوا یا غیر خدا کی تعظیم پر وہ مردار ہے فائدہ یہ جو فرمایا آج پورا دین تمہارا دے چکا یہ آیت آخر کو اتری ہے کہ سب احکام اللہ کے نازل ہو چکے تھے اس کے بعد تین مہینے حضرت زندہ رہے ہیں۔ موضح القرآن۔ یہ ہو سکتا ہے کہ جوئے کے مختلف طریقے ہوں۔ ابن کثیر نے کئی روایتیں نقل کی ہیں بعض میں یہ بھی ہے کہ ان تیروں پر امرنی ربی اور نہانی ربی لکھا ہوا تھا امرنی کا تیر آیا تو اس کام کو کر لیا اور نہانی کا نکلا تو اس کام کو ترک کر دیا۔ ہم نے ترجمہ میں حضرت مولانا شاہ ولی اللہ اور مولانا شاہ رفیع الدین کا قول اختیار کیا ہے۔ حضرت شاہ صاحب کی عبارت سے بھی یہ ظاہر ہے کہ سوائے خانۂ خدا کے کسی مکان کی تعظیم کے خیال سے جو جانور ذبح کیا جائے اُس کا کھانا بھی حرام ہے۔ اور جو کسی غیر اللہ کے نام کی تعظیم کے خیال سے ذبح کیا جائے اُس کا کھانا بھی حرام ہے۔ عام مفسرین نے جو ذبح کے وقت غیر اللہ کے نام کی قید لگائی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ عام طور سے کفار مکہ ذبح کے وقت لات اور عزیٰ کا نام لیا کرتے تھے۔ غیر اللہ کا نام دھر کر کسی جانور کو ذبح کرنا اگرچہ ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ ہی کا نام لیا جائے اُس کا کھانا بھی حرام ہے۔ نام دھرنے کا مطلب وہی ہے کہ غیر اللہ کے تقرب کی نیت ہو۔ اور یہ تقرب الی غیر اللہ کی بات اس طرح سمجھ میں آسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے نذر کے طور پر جو جانور ذبح کیا جاتا ہے اُس میں نیت کیا ہوتی ہے۔ بس وہی نیت غیر اللہ کے بارے میں کرنی یہ حرام ہے کیوں کہ تقرب الی اللہ کی نیت سے کوئی کام کرنا عبادت ہے اور عبادت غیر اللہ کی حرام ہے۔ اس مسئلہ کو اچھی طرح سمجھ لو۔ جو جانور غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے خواہ وہ غیر زندہ ہو یا مردہ ہو۔ یا کوئی بت ہو۔ یا دیوی ہو۔ اُس کا کھانا حرام ہے اگرچہ ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ ہی کا نام لے کر اُس کو ذبح کیا ہو۔ اور یہ جو فرمایا کہ میں نے تمہارے لئے اسلام کا دین ہونا پسند کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ قیامت تک تمہارا یہی دین رہے گا کیوں کہ اس کے بعد نہ کوئی نیا نبی آئے گا اور نہ کوئی نئی شریعت آئے گی جو اس کو منسوخ کر سکے۔ اب آگے بعض اور سوالات کا جواب ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ بعض صحابہ نے دریافت کیا تھا کہ اُن جانوروں کے شکار کا کیا حکم ہے جن کو سدھا کر ان سے شکار کرایا جائے۔ اوپر کی آیت میں بعض محرمات کا ذکر تھا پھر ان میں سے اضطراری حالت کو مستثنا فرما دیا تھا۔ باقی اصل بحث محرمات میں تھی اب اُنہی کی مناسبت سے بعض اشیا کی حلت کا بیان فرماتے ہیں۔ چناں چہ ارشاد ہوتا ہے۔ (تسہیل) ۴ اے پیغمبر لوگ آپ سے دریافت کرتے ہیں۔ کہ ان کے لیے کیا کیا چیز حلال کی گئی ہے۔ آپ فرما دیجیے کہ تمہارے لیے سب پاکیزہ ستھری اور حلال چیزیں حلال رکھی گئی ہیں اور اُن شکاری جانوروں کا شکار بھی تمہارے لیے حلال ہے جن شکاری جانوروں کو تم نے شکار پر دوڑانے کو خاص طور پر سدھایا ہو جس کی شکل یہ ہے کہ تم ان شکاری جانوروں کو اُس طریقہ پر شکار کرنا سکھاؤ جو طریقہ اللہ تعالیٰ نے تم کو تعلیم کر دیا ہے یعنی شریعت کے موافق اُن کو شکار کرنا سکھاؤ اور شکار پر سدھاؤ۔ تو ایسے شکاری جانور جس شکار کو تمہارے لیے پکڑ رکھیں اس کو کھا لیا کرو اور شکاری جانور کو شکار پر دوڑانے اور چھوڑتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لے لیا کرو یعنی بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر شکاری جانور کو شکار پر چھوڑا کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ جلدی حساب لینے والا ہے۔ (تیسیر) جرح کے معنی ہیں کسب۔ جیسا کہ فرمایا ویعلم ما جرحتم بالنھار اجتراح گناہ کمانا۔ انسانی اعضا کو اسی بنا پر جوارح کہتے ہیں کہ وہ کاسب ہوتے ہیں۔ جرح کے معنی ہیں جلد میں دوا کا اثر پہنچ جانا۔ بولا کرتے ہیں جرحہ جرحاً فھو جریح ومجروح حق تعالیٰ فرماتا ہے والجروح قصاص۔ شکار کرنے والے کتے۔ چیتے۔ باز اور شاہین وغیرہ کو بھی جارحہ کہتے ہیں کیوں کہ یہ شکار کو زخمی کر کے مارتے ہیں۔ مکلب کتوں کو شکار کرنے کے لیے سدھانے والا اور شکار کرنے کا طریقہ سکھانے والا۔ کثرت استعمال سے کتے کے علاوہ چیتے وغیرہ کو سدھا کر شکاری بنانے والے کو بھی مکلب کہتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں مواشی کا حکم تو فرما دیا پھر لوگوں نے اور چیزوں کو پوچھا تو فرمایا کہ ستھری چیزیں تم کو حلال ہیں سو حضرت نے جو چیزیں منع فرمائیں معلوم ہوا کہ وہ ستھری نہیں جیسے پھاڑنے والا جانور چوپائے یا پرندہ مثلاً شیر یا چیتا یا باز یا چیل اور اس میں داخل ہوئے مردار خوار سارے کوا وغیرہ اور جیسے گدھا۔ اور خچر اور جیسے کیڑے زمین کے چوہا وغیرہ۔ فائدہ اور پہلے حرام فرمایا جس کو پھاڑنے والے نے کھایا اب اُس میں سے شکار سے سدھے جانور کا مارا ہوا حلال کیا۔ جب اس نے آدمی کی خو سیکھی تو گویا آدمی نے ذبح کیا لیکن سدھنا شرط ہے سدھا وہ کہ پکڑ کر رکھ چھوڑے آپ نہ کھاوے اور اللہ کا نام لینا شرط ہے دوڑانے کے وقت کہ اس کے بغیر درست نہیں مگر بھولے تو معاف ہے۔ موضح القرآن۔ یہ آیت اصل میں عدی بن حاتم اور زید بن مہلل کے سوال کے جواب میں نازل ہوئی ہے۔ یہ لوگ قبیلۂ طے کے رہنے والے تھے اور اکثر شکار کیا کرتے تھے۔ اور وقتاً فوقتاً اس سلسلہ میں مسئلہ دریافت کیا کرتے تھے۔ کبھی ان کے سوال کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ یارسول اللہ کون کون سے جانور حلال ہیں۔ اور کبھی ان کا مطلب یہ ہوتا تھا۔ کہ کس طرح سے مارا جائے تو حلال ہوگا۔ مثلاً تیر مارا مگر تیر ٹیڑھا ہو گیا اور اُس کی لکڑی سے چوٹ کھا کر مر گیا۔ اور شکار زخمی نہیں ہوا۔ یا کبھی چھری نہیں ملی تو بانس کی کھپچی کی کر سے ذبح کر لیا یا شکار پر کتا دوڑا دیا اور کتے نے اس کو مار ڈالا یا باز اور شکرا کسی پرند اور چرند پر چھوڑا اور اُس کے ذریعے شکار کیا۔ غرض اسی قسم کے سوالات کا یہ جواب ہے اور جو شان نزول میں متعدد روایات آئی ہیں اس لیے بعض لوگوں نے تو یوں تفسیر کی ہے۔ اور سوال کا مطلب اس طرح بیان کیا ہے کہ یارسول اللہ ہمارے لیے کیا کیا جانور حلال کیے گئے ہیں یعنی جو شکار ذبح سے حلال ہو جاتا ہے وہ کتے اور باز وغیرہ کے شکار کرنے سے بھی حلال ہوتا ہے یا نہیں یا شکاری جانوروں کے شکار سے کچھ مخصوص جانور حلال ہوتے ہیں۔ کچھ حرام رہتے ہیں۔ اور شکاری جانوروں کے ذریعہ اگر حلال ہو جاتے ہیں تو اُن کی شرائط وغیرہ کیا ہیں۔ سوال کی یہ تقریر کرنے کے بعد اسی ڈھنگ پر جواب کی تقریر کی ہے۔ یعنی تمہارے لیے تمام وہ حلال جانور جو شکار کی قسم سے ہیں اور جو پہلے سے حلال ہیں وہ کتے اور باز وغیرہ کے شکار کرنے سے بھی حلال رہتے ہیں پھر آگے شکار کی شرطوں کا بیان ہے بعض حضرات نے احل لکم الطیبات کو سوال کے جواب سے زائد اور تمہید کے طور پر بیان کیا ہے۔ ہماری رائے میں ان تکلفات اور توجیہات کی ضرورت نہ تھی۔ اس لیے ہم نے عام روایات کا لحاظ رکھتے ہوئے اس آیت کو متعدد سوالوں کا جواب سمجھا ہے اور اس بنا پر ترجمہ اور ترجمہ کا خلاصہ کیا ہے۔ اور اکثر مفسرین نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ ہمیں اس سے انکار نہیں وما علمتم سے لے کر واذکروا اسم اللہ علیہ تک شکار کی شرائط ہوں۔ لیکن احل لکم الطیبات کو صرف حلال جانوروں کے ساتھ مخصوص کر دینا اور ابن کثیر کی دوسری روایات کو نظر انداز کر دینا ہم کو کچھ بھلا نہیں معلوم ہوتا۔ واللہ اعلم۔ عام مفسرین نے آیت کی تفسیر میں جو ڈھنگ اختیار کیا ہے اُس کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ اے پیغمبر آپ سے لوگ یہ دریافت کرتے ہیں کہ ان کے لیے کیا کیا چیزیں حلال کی گئی ہیں۔

جیسا کہ عدی بن حاتم اور مہلل نے دریافت کیا کہ مردہ جانور تو حرام ہوچکا اب حلال کیا ہے۔ اور انہی عدی نے پوچھا کہ باز سے جو شکار کیا جائے اُس کا کیا حکم ہے۔ تو آپ ان کو جواب دیدیجئے کہ تمام وہ چیزیں جو پاکیزہ اور لذیذ ہوں اور قواعد اور اصول شرعیہ کے مطابق حلال ہوں وہ سب تمہارے لیے حلال کی گئی ہیں اور اُن جانوروں کا کیا ہوا شکار بھی تمہارے لیے حلال کیا گیا ہے جو شکاری ہیں اور جانوروں کو اپنے منہ سے یا پنجوں سے زخمی کر کے شکار کیا کرتے ہیں۔ اور تم نے اُن کو خاص طور پر شکار کرنے اور شکار پر دوڑانے اور شکار پر چھوڑنے کی تعلیم دی ہو۔ اور یہ تعلیم اُسی طور پر دی ہو جو طریقہ اللہ تعالیٰ نے یعنی اُس کی بھیجی ہوئی شریعت نے تم کو تعلیم کر دیا ہے۔ وہ یہ کہ مثلاً کتے اور چیتے کو یہ تعلیم دی جائے کہ شکار کو پکڑ کر روک رکھے اور خود نہ کھاوے۔ اور شکاری پرندوں کو یہ تعلیم دی جائے کہ اُس کو جب آواز دی جائے تو وہ پلٹ آئے اور شکار کو چھوڑ دے۔ ان شکاری جانوروں کا شریعت نے یہی طریقہ تادیب مقرر کیا ہے۔ پس یہ سدھے ہوئے شکاری درندے اور پرندے جو جانور تمہارے لیے روک رکھیں اور خود نہ کھانے لگیں تو تم اُن کو کھالو۔ اگر زندہ مل جائیں تو ذبح کرلو۔ اور اگر شکاری درندے یا پرندے کے زخمی کرنے سے وہ شکار مر جائے تو بھی کھالو۔ اور سدھے ہوئے شکاری جانور کو شکار پر چھوڑتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لے لیا کرو۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو کبھی ایسا نہ ہو کہ شکار کے شوق میں حرام حلال کا خیال ترک کر دو۔ سریع الحساب کا مطلب ہم سورۂ آل عمران میں بتا چکے ہیں۔ کہ اُس کے حساب لینے میں دیر نہیں لگتی۔ ادھر شروع ہوا ادھر ختم۔ جس کو اُردو میں یوں کہا کرتے ہیں کہ فلاں شخص جلدی حساب کر دیتا ہے۔ یا یہ کہ حساب کا وقت بہت جلد آرہا ہے۔ اور موت یا قیامت بہت جلدی آنے والی ہے۔ واللہ اعلم طیبات کی تفسیر ہم تیسرے پارے میں کر چکے ہیں وہاں ملاحظہ کرلیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق نویں پارے میں فرمایا ہے یحل لھم الطیبات ویحرم علیھم الخبائث خبیث وہ جس کو عقل سلیم پسند نہ کرے اور جسمانی یا روحانی صحت کے لیے مضر ہو۔ حضرت مقاتل کا قول ہے ہر حلال رزق طیبات میں داخل ہے۔ ہم نے ابھی عرض کیا تھا کہ یہ تمام قیود جو اس آیت میں مذکور ہیں قائم مقام شرطوں کے ہو سکتی ہیں۔ اس طرح ایک شرط یہ ہے کہ شکاری جانوروں کو خواہ وہ کتا اور چیتا ہو یا باز شاہین اور شکرا وغیرہ ہو۔ تم خاص طور پر تعلیم دو۔ اور دوسری شرط یہ ہے کہ تم اُن کو جانوروں پر چھوڑو بھی۔ تیسری شرط یہ ہے کہ شکار کو تمہارے لیے پکڑ رکھیں خود نہ کھانے لگیں۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ چھوڑتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لے کر چھوڑو۔ پانچویں شرط یہ ہے کہ وہ شکاری جانور شکار کو زخمی بھی کر دے جیسا کہ لفظ جوارح سے سمجھا جاتا ہے اور بعض ائمہ نے اس شرط کو اختیار کیا ہے۔ یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ اس آیت میں شکار کا حکم ہے جو وحشی ہوتے ہیں پالتو حلال جانور بدون ذبح کے حلال نہیں ہوتے۔ اسی طرح اگر وحشی جانور کو شکاری زندہ پکڑ رکھے تو اس کا حلال کرنا بھی ضروری ہے ورنہ وہ حلال نہ ہوگا۔ اس موقع پر چند ضروری باتیں عرض کر دینی ضروری ہیں (۱) اس آیت میں جو لفظ مکلبین آیا ہے چوں کہ اس میں بھی تعلیم کا مفہوم ہے اس لئے ہم نے تیسیر میں خاص طور کا لفظ بڑھا دیا ہے اور یہی وجہ ہے ما علمتم مکلبین کی رعایت رکھ کر تیسیر میں خلاصہ کیا ہے یعنی وما علمتم ماھرین فی تعلیم الجوارح حاذقین فیہ مشتہرین بہ (۲) تعلمونھن مما علمکم اللہ جملہ مستانفہ بھی ہو سکتا ہے اور جملہ حالیہ بھی ہو سکتا ہے۔ ہم نے ترجمہ اور تیسیر میں دونوں کی رعایت کر دی ہے۔ (۳) جس شکاری درندے کو شکار پر چھوڑا جائے وہ شکار کو کھانے نہیں اگر اس نے شکار کو کھانا شروع کر دیا تو اُس کا کھانا

جائز نہ ہوگا جیسا کہ امسکن سے ظاہر ہے اور یہی عدی بن حاتم کی اُس روایت میں ہے جس کو بخاری اور مسلم نے نقل کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کلب معلم نے جو شکار پکڑا اور وہ مر گیا۔ تو اس کا کھانا جائز ہے بشرطیکہ کلب معلم نے اُس میں سے کچھ کھایا نہ ہو اور اگر کچھ کھالیا تو اس کو مت کھاؤ کیوں کہ اُس نے وہ شکار اپنے لئے کیا ہے۔ (۴) اگر کسی باز یا شکرے وغیرہ کو شکار پر چھوڑا اور اُس نے پرندے کو پکڑ کر اُس میں سے کچھ نوچ کر کھالیا تو اُس کا کھانا جائز ہے حضرت امام مالک نے یہ فرق نہیں کیا ہے بلکہ ان کے نزدیک درندے اور پرندے دونوں کے کھائے ہوئے شکار کا کھانا جائز ہے۔ (۵) اگر کلب معلم جس کو بسم اللہ کر کر شکار پر چھوڑا تھا اس کے ساتھ کوئی اور کتا بھی شامل ہوگیا اور دونوں نے مل کر شکار پکڑا اور وہ شکار مر گیا تو اس کا کھانا جائز نہ ہوگا۔ مزید مسائل کتب فقہ سے معلوم کرنے چاہئیں۔ اسی سلسلہ میں بطور تاکید پھر طیبات کی حلت کا اعلان فرماتے ہیں اور چوں کہ اب تک اُن چیزوں کی حلت کا اظہار فرمایا تھا جن کی حلت اور پاکیزگی یا خباثت اور کراہت محسوس تھی مثلاً کسی جانور کا اپنی موت سے مرجانا یا سُور کا گوشت یا دوسرے درندے۔ یا مُردار جانور یا حشرات الارض یعنی زمین کے کیڑے مکوڑے وغیرہ لیکن بعض حلال اور حرام کا معاملہ ایسا ہے کہ بظاہر اس میں کوئی خباثت یا نجاست نہیں معلوم ہوتی مثلاً حلال چوپایوں میں سے کسی چوپائے کو باقاعدہ ذبح کیا گیا لیکن ذبح کرنے والا مسلمان نہیں ہے۔ بلکہ کوئی کتابی یا مشرک ہے۔ اسی طرح ایک پاک دامن اور عفیف عورت جس میں بظاہر کوئی خرابی نہیں معلوم ہوتی اُس سے ایک مسلمان نکاح کرنا چاہتا ہے لیکن وہ عورت مسلمان نہیں ہے تو اس سے نکاح کرنے کا معاملہ۔ غرض ایسی چیزوں کی حلت و حرمت کا بیان مقصود ہے جن میں ظاہری طور پر تو کسی خرابی کا پتہ نہیں لگایا جا سکتا۔ مگر شرعی طور پر وہ ممنوع اور روح کے لئے مضر ہیں۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شرائع میں عام طور پر قلب اور روح کی اصلاح کا سامان مہیا کیا گیا ہے اور جو چیزیں انسانی روح کے لیے مضر ہیں ان سے منع کیا گیا ہے۔ غرض جس طرح حکما اور فلاسفہ کے نزدیک مادیات بہت زیادہ قابل توجہ ہیں اسی طرح آسمانی شرائع میں روحانیات کا معاملہ بہت اہم اور قابل توجہ ہے۔ اس امر کو پیش نظر رکھتے ہوئے آگے کی آیت کا مطلب سمجھنا چاہئے۔ (تسہیل ؒ)۔

بقیہ صفحہ ۱۷۱

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے تمہارے دین کی تکمیل فرمادی۔ کافر تم سے مایوس ہوچکے اب ہم تم کو یہ بتلاتے ہیں کہ جو پاکیزہ چیزیں ہم تمہارے لئے حلال کرچکے ہیں وہ ہمیشہ کے لئے تمہارے لئے حلال رہیں گی اُن کی حلت منسوخ نہیں ہوگی اور اہل کتاب کا ذبیحہ اُسی طرح تمہارے لئے حلال ہے جیسا کہ تمہارا ذبیحہ اُن کے لئے حلال ہے۔ اور پاک دامن مسلمان عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں جس طرح اہل کتاب کی عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں۔ یعنی جس طرح مسلمان پارسا عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے اسی طرح کتابی عورتوں سے بھی نکاح کرنا جائز ہے۔ اور ان عورتوں کے مہر وغیرہ کا ادا کرنا تمہارے ذمہ واجب ہے۔ اور ان عورتوں کا حلال ہونا تمہارے لئے اس طرح ہے کہ تمہارا مقصد ان کو بیوی بنانا ہو علانیہ بدکاری کرنا مقصد نہ ہو اور نہ خفیہ آشنائی اور دوستی کرنا ہو۔ یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ ہمارے زمانہ کے نصاریٰ صحیح معنی میں نصاریٰ نہیں ہیں بلکہ محض برائے نام نصاریٰ ہیں۔ آج کل نصرانی عورتوں سے نکاح کرنے

میں احتیاط کرنی چاہئے بلکہ ان سے نکاح نہ کرنا چاہئے۔ واللہ اعلم اب آگے احکام شرعیہ کے انکار کرنے والوں کی سزا پر اس مضمون کو ختم فرماتے ہیں چناں چہ ارشاد ہوتا ہے۔ (تسہیل ؒ) اور جو شخص شرائع اسلام اور احکام ایمان کے ماننے سے انکار کرے گا اور ایمان لانے کی چیزوں سے منکرانہ برتاؤ کرے گا یعنی مرتد ہو جائے گا تو اس کے تمام نیک اعمال اکارت اور برباد و ضائع ہو جائیں گے اور وہ آخرت میں سخت زیاں کار اور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا (تیسیر) حضرت شاہ صاحب ؒ فرماتے ہیں۔ فرمایا کہ آج تم کو ستھری چیزیں حلال ہوئیں یعنی حضرت ابراہیم کے وقت یہ سب حلال تھیں جب توریت نازل ہوئی تو یہود کی سزا میں اکثر چیزیں منع ہوئیں اور انجیل میں حلال اور حرام بیان نہ ہوا اب قرآن میں وہی دین ابراہیم کے موافق سب حلال ہوئیں اور فرمایا کہ کتاب والوں کا کھانا حلال ہے۔ یعنی ان کا ذبح اور پر جو ذبح کی شرط فرمائی کہ اللہ کا نام ذکر ہو اور غیر کی تعظیم نہ ہو یہاں اور شرط فرمادی کہ ذبح کرنے والا مسلمان ہو یا اہل کتاب یعنی یہود یا نصاریٰ اور کسی دین اور مذہب والے کا ذبح نہیں حلال اگرچہ نام اللہ کا لے اس کا لینا معتبر نہیں اور فرمایا کہ اسی طرح مسلمان عورتوں کو نکاح کرنی ان کی حلال ہے اوروں کی نہیں سو ان شرطوں سے آپس میں نکاح درست ہے پھر فرمایا کہ اہل کتاب کو اور کفار سے دو حکم میں مخصوص کیا یہ فقط دنیا میں ہے اور آخرت میں ہر کافر خراب ہے اگر عمل نیک بھی کرے تو قبول نہیں۔ موضح القرآن۔ ہو سکتا ہے کہ آیت کے آخری حصے سے مرتدین کی طرف اشارہ ہو کہ جو لوگ اسلام چھوڑ کر نصرانی ہو جائیں نہ ان کا ذبیحہ حلال ہے اور نہ ان سے مناکحت جائز ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مراد یہ ہو کہ اہل کتاب کا ذبیحہ حلال ہونا اور کتابیہ عورت سے نکاح کا جائز ہونا یہ صرف دنیوی احکام ہیں اور ان کے ساتھ یہ ترجیحی سلوک محض مشرکین کے مقابلہ میں ہے۔ باقی آخرت کا معاملہ دوسرا ہے وہاں تو ہر غیر مسلم خسارے میں ہے اور اس کا ہر نیک عمل بے کار اور برباد ہے۔ اسی مفہوم کو حضرت شاہ صاحب نے اختیار کیا ہے۔ یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ حنفیہ کے نزدیک کتابی کے عموم میں حربی، ذمی، عربی عجمی تغلبی اور غیر تغلبی سب داخل ہیں۔ اگرچہ دوسرے ائمہ نے بعض صورتوں میں اختلاف کیا ہے۔ بالخصوص بنی تغلب کے نصاریٰ کا ذبیحہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک حرام ہے واللہ اعلم۔ اسی طرح کالے کتے کے شکار میں حضرت امام احمد کا اختلاف مشہور ہے حضرت امام احمد بن حنبل کے نزدیک وہ شکار جس کو کالے رنگ کا کتا شکار کرے حلال نہیں ہے۔ خواہ وہ کالا کتا سدھا ہوا ہو اور بسم اللہ کہہ کر اس کو شکار پر چھوڑا ہو۔ امام احمد کا یہ مذہب ان احادیث پر مبنی ہے جس میں کالے رنگ کے کتے کی مذمت آئی ہے اور اس کو شیطان کہا گیا ہے واللہ اعلم۔ باقی شکار کے مسائل اور اہل کتاب کے ذبیحے اور ان کی عورتوں سے نکاح کے مسائل کتب فقہ میں ملاحظہ کیجئے یا مقامی علماء سے دریافت کیجئے۔ یہاں تک اُن شرعی احکام کا بیان تھا جن کا تعلق دنیوی امور سے ہے۔ اب آگے اُن احکام شرعیہ کا بیان ہے جن کا تعلق امور دینیہ سے ہے۔ چناں چہ ارشاد ہوتا ہے۔ (تسہیل ؒ) اے ایمان والو! جب تم نماز پڑھنے کو اٹھو یعنی نماز پڑھنے کا ارادہ کرو اور تم کو وضو نہ ہو تو نماز پڑھنے سے پہلے اپنے چہروں کو دھولیا کرو یعنی پورے چہرے کو اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک دھولیا کرو یعنی کہنیاں دھونے میں داخل ہوں اور اپنے سروں پر مسح کرلیا کرو یعنی پانی سے ہاتھ تر کر کے اپنے سروں پر پھیر لیا کرو اور اپنے پاؤں ٹخنوں تک دھولیا کرو یعنی ٹخنے دھونے میں داخل ہوں۔ اور اگر تم جنبی ہو یعنی جنابت کی حالت میں ہو تو تمام جسم کو خوب اچھی طرح پاک کرو۔ (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ اوپر کی آیت میں اپنے انعامات اور احسانات کا ذکر فرمایا تھا

احسانات کے لئے یہ ضروری ہے کہ انسان محسن کا شکر بجالائے یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور اس کے احکام کی تعمیل کرے۔ اسی لیے سب سے اہم عبادت یعنی نماز کے آداب سکھائے کہ جب ہمارے دربار میں حاضر ہو اور نماز پڑھو تو پاک صاف ہو کر حاضر ہو۔ اُس پاک صاف ہونے کی صورت یہ ہے کہ اگر وضو نہ ہو تو وضو کرو۔ وضو کے فرائض یہ ہیں کہ پورے چہرے کا غسل کرو۔ کہنیوں سمیت دونوں ہاتھ دھوؤ۔ سر پر مسح کرو۔ ہاتھ تر کرکے سر پر پھیرو۔ اور ٹخنوں سمیت پاؤں دھوؤ۔ اسی کے ساتھ غسل جنابت کا حکم دیا۔ یعنی صرف وضو اس وقت کافی ہوگا جب کہ تم جنبی نہ ہو اور اگر تم جنبی بھی ہو تو پھر نماز کے لئے تمام جسم کو پاک کرنا ہوگا اور بدن کے جس جس حصہ پر پانی پہنچایا جا سکتا ہے۔ اُس حصہ پر پانی پہنچانا ہوگا۔ چوں کہ حضرت حق تعالیٰ نے تمام جسم کو مبالغہ کے ساتھ پاک کرنے کا حکم دیا ہے اس لیے حنفیہ نے کلی کرنا اور ناک میں پانی دینا غسل میں فرض کیا ہے۔ اس آیت کے نزول سے قبل بھی نماز وضو کے ساتھ پڑھی جاتی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کوئی نماز بغیر وضو کے نہیں پڑھی۔ اُسی سابقہ عمل کو قرآن کی تلاوت میں شامل فرمایا ہے جیسا کہ ابن عبداللہ نے کہا ہے اور ہو سکتا ہے کہ تیمم کی تمہید کے سلسلے میں وضو کا بیان فرمایا ہو۔ اس آیت میں صرف وضو کے فرائض کا ذکر ہے۔ باقی کلی کرنا۔ ناک میں پانی دینا۔ ترتیب کی رعایت کرنا۔ مسواک کرنا۔ قبلہ رُخ ہو کر وضو کرنا۔ نیت کرنا۔ بسم اللہ پڑھ کر وضو کرنا وغیرہ یہ امور مسنون اور مستحبات میں داخل ہیں اور ان کی تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہے۔ اسی طرح تیسیر میں جو قیود ہم نے لگائی ہیں اُس سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہوگا کہ یہ حکم اُس کے لئے ہے جو محدث ہو۔ اور اگر پہلے سے وضو ہو تو دوبارہ وضو کرنا فرض نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے لئے وضو فرماتے تھے لیکن فتح مکہ کے دن آپ نے ایک ہی وضو سے کئی نمازیں پڑھیں اور حضرت عمر کے دریافت کرنے پر فرمایا اے عمر میں نے یہ کام قصداً کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وضو پر وضو کرنا ضروری نہیں۔ البتہ ہر نماز کے لئے تازہ وضو کرنا مستحب اور نورانیت کو بڑھانے والا ہے۔ ایک ضعیف حدیث میں آیا ہے کہ وضو پر وضو کرنے والے کے لئے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ آرجل کا عطف ایدیکم پر ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ وضو میں پاؤں کا دھونا فرض ہے۔ مسح کافی نہ ہوگا جیسا کہ روافض کا عمل ہے اس مسئلہ کی پوری تفصیل صاحب تفسیر مظہری نے بیان کی ہے۔ اور خوب تحقیق فرمائی ہے۔ البتہ جو شخص خفین پہنے ہوئے ہو وہ خفین پر مسح کر سکتا ہے۔ خفین پر مسح کرنے کی میعاد مسافر کے لئے تین دن اور تین راتیں ہیں اور مقیم کے لئے ایک دن اور ایک رات ہے۔ تمام سر کا مسح کرنا مستحب ہے۔ اور چوتھائی سر کا مسح حنفیہ کے نزدیک فرض ہے۔ کعب ٹخنے کو اور مرفق کہنی کو کہتے ہیں اور یہ دونوں غسل میں شامل ہیں اور محقق یہی ہے کہ غایت مغیا میں داخل ہے۔ اگر کہنیاں یا ٹخنے خشک رہ جائیں گے تو وضو نہ ہوگا۔ وجہ سے مراد ہے پورا چہرہ۔ لمبائی میں پیشانی کے بالوں سے لے کر ٹھوڑی کے نیچے تک اور چوڑائی میں ایک کان سے لے کر دوسرے کان تک۔ پیشانی کے بال یعنی سر کے بال اُگنے کی جگہ۔ چوں کہ وضو اور غسل کے مسائل بے شمار ہیں اس لئے تفصیل فقہ کی کتابوں سے معلوم کرنی چاہیے۔ وضو اگر تمام مستحبات اور آداب کی رعایت سے کیا جائے تو انسان کے تمام صغیرہ گناہ پانی کے قطروں کے ساتھ جھڑ جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ آخری قطرہ آخری گناہ لے کر زمین پر گرتا ہے۔ غرض وہ مواضع جن اعضا کے دھونے کا حکم ہے ان میں سے کوئی حصہ اگر خشک رہ جائے گا تو وضو اور غسل پورا نہیں ہوگا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کی ایڑیاں خشک دیکھ کر فرمایا تھا۔ ویل للاعقاب من النار یعنی جہنم کی آگ سے ایسی ایڑیوں کی خرابی ہو جو وضو میں خشک رہ جائیں حضرت علی کا قول مشہور ہے کہ جب سے میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے کہ ہر بال کے نیچے جنابت کا اثر ہے تب سے میں نے اپنے سر سے دشمنی کر رکھی ہے یعنی سر پر ذرا بال ہوئے اور میں نے سر منڈا دیا۔ کہ کہیں غسل میں کوئی بال خشک نہ رہ جائے۔ حضرت عمر نے مرفوعاً بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے وضو کیا تو اس کا پاؤں ایک ناخن برابر خشک رہ گیا حضور نے فرمایا جا اپنا وضو درست کرکے آ۔ (مسلم) غسل اور وضو کی فرضیت کا بیان کرنے کے بعد اب آگے تیمم کا ذکر ہے۔ چناں چہ ارشاد فرماتے ہیں (تسہیل)

بقیہ صفحہ ۱۶۲

اس لئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ منشا نہیں کہ وہ تم پر کوئی تنگی اور ضیق ڈالے اور جب تنگی ڈالنے کا ارادہ نہیں تو ظاہر ہے کہ عدم ضیق کا ارادہ ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ اُس کا منشا ہے کہ تم پر کوئی تنگی اور ضیق نہ رہے۔ اس پر یہ وہم ہوتا تھا کہ اگر اُس کا منشا یہ ہے کہ ہم پر کوئی تنگی نہ رہے تو تمام احکام شرعیہ سے سبکدوش کر دیتا۔ اس توہم کو لکن سے رفع فرمایا کہ اصل مقصد تو تمہارے ظاہر و باطن کو پاک کرنا ہے اور یہ ظاہر و باطن کی تطہیر بدون احکام شرعیہ کے نہیں ہو سکتی اس لئے احکام شرعیہ کا مقرر کرنا تو تطہیر کی غرض سے ضروری ہے۔ ہاں احکام شرعیہ میں زیادہ سے زیادہ سہولت و آسانی کو مدنظر رکھا گیا ہے تاکہ تطہیر بھی حاصل ہو جائے اور کوئی تنگی بھی تم پر واقع نہ ہو۔ جیسے کوئی طبیب حاذق فرمائے کہ مرض کو زائل کرنے کی غرض سے دوا کا تجویز کرنا ضروری ہے تاکہ مرض دور ہو جائے اور تم میں طاقت آجائے۔ ہاں تمہارے ساتھ یہ رعایت کی جائے گی کہ دوا ایسی تجویز ہوگی جس کے پینے میں تم کو کوئی تکلیف نہ ہوگی سبحان اللہ کس قدر شفقت و محبت کا اظہار فرمایا ہے اور اسی مہربانی کو اتمام نعمت سے تعبیر کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ احکام شرعیہ کی تکمیل اور ظاہر و باطن کی تطہیر کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنی نعمت اور اپنے احسانات کا اتمام فرماتے کیوں کہ یہی وہ احسانات ہیں جس کی بدولت تم اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی رضامندی حاصل کر سکو گے۔ آخر میں ایک محسن کے احسان پر شکر بجالانے کی تاکید ہے۔ اور شکر بجالانے کی توقع ظاہر فرمائی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اگر تم مریض ہو یا مسافر ہو۔ یا کسی وجہ سے وضو ٹوٹ گیا ہو یا غسل واجب ہو گیا ہو اور پانی میسر نہ آئے یا پانی میسر آجائے لیکن اس کا استعمال ضرر رساں ہو۔ تو پاک مٹی سے تیمم کر لیا کرو اور اُس مٹی پر ہاتھ مار کر ایک دفعہ اپنے چہروں پر پھیر لو اور دوسری دفعہ دونوں ہاتھ مار کر ہاتھوں پر پھیر لو۔ اور یہ بات یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کو تم پر تنگی ڈالنا منظور نہیں یعنی یہ منظور ہے کہ تم پر کوئی تنگی نہ رہے۔ اور یہ وہم نہ کرو کہ جب تنگی ڈالنا منظور نہیں تو احکام شرعیہ کا مکلف ہی کیوں بنایا۔ احکام شرعیہ کا مکلف بنانا تنگی ڈالنے کی وجہ سے نہیں بلکہ ظاہر و باطن کی تطہیر اور پاکیزگی کی وجہ سے ہے۔ اور یہ ظاہر و باطن کی تطہیر کا اہتمام اس لئے ہے کہ نعمت کی تکمیل مقصود ہے۔ اور یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ تم ہمارے احسانات پر شکر بجالاؤ اور ہمارے احکام کی تعمیل کرو۔ کیوں کہ اصل مطلوب یہی ہے کلام کو جس خوبی اور مربیانہ انداز میں ادا کیا ہے۔ یہ اُنہی کی شان کے قابل ہے۔ اب آگے پھر اپنی نعمت اور احسانات پر ایک لطیف پیرایہ میں توجہ دلاتے ہیں۔ چناں چہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل) اور تم لوگ اللہ تعالیٰ کے ان احسانات کو یاد کرو جو اس نے تم پر کیے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اس عہد کو بھی یاد کرو جس کا اُس نے تم سے اُس وقت پختہ قول لیا تھا جب کہ تم نے کہا تھا ہم نے سنا اور مان لیا اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ دل کی پوشیدہ باتوں تک سے بخوبی واقف ہے (تیسیر) اللہ تعالیٰ کے بے شمار احسانات اور اس کی بے انتہا نعمتیں ہیں۔ اُنہی نعمتوں میں سے یہ نعمت بھی ہے کہ اُس نے تمہارے شرعی احکام کی تکمیل کر دی۔ تمہارے دین میں آسانیاں رکھیں۔ دینی اور دنیوی فلاح و بہبود کے طریقے تعلیم کئے اور دنیا کی ہدایت و ربانی کے منصب پر تم کو فائز کیا۔ عہد جس کا تم سے پختہ قول لیا۔ یا تو وہی فطری عہد ہے جس کو ہم بارہا کہہ چکے ہیں اور جس کو محسن کی اطاعت و فرماں برداری کا عہد ہم نے بتایا ہے خواہ کوئی عہد نامہ لکھا جائے یا نہ لکھا جائے اور اقرار لیا جائے یا نہ لیا جائے اور خواہ سمعنا اور اطعنا کے الفاظ کہے جائیں یا نہ کہے جائیں۔ کیوں کہ جب کوئی شخص کسی جہت سے بھی فرماں برداری کا ذمہ دار بن جائے تو التزاماً اس کا اقرار ہو جاتا ہے کہ اس نے سمع و اطاعت کا قول کر لیا۔ اور ہو سکتا ہے کہ اس میثاق سے مراد عہد الست ہو۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسلام لاتے وقت حضور سے بیعت کرنے کو عہد فرمایا ہو۔ کیوں کہ اسلام پر بیعت کرنا تمام احکام شرعیہ پر سمع و اطاعت کا عہد ہوتا ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ لیلۃ العقبہ کا عہد مراد ہو اور ہو سکتا ہے کہ بیعت رضوان کی جانب اشارہ ہو جو حدیبیہ میں لی گئی تھی۔ لیلۃ العقبہ میں چوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت لیتے وقت سمع و اطاعت کے الفاظ فرمائے تھے اور یہ ارشاد فرمایا تھا کہ ہر مصیبت و راحت میں سمع و اطاعت کا پابند رہنا ہوگا۔ اس لئے عام مفسرین کا رجحان یہی ہے کہ اس عہد سے لیلۃ العقبہ کا عہد مراد ہے جس کی تفصیل بخاری و مسلم میں مذکور ہے۔ واللہ اعلم بہرحال عہد کی پابندی سے مقصد یہ ہے کہ احکام شرعیہ کی تعمیل کرو اور امتثال امر بجالاؤ۔ واتقوا اللہ کا یہ مطلب کہ اللہ تعالیٰ کی مخالفت سے بچتے رہو یعنی پہلے جملے میں امر کی تعمیل اور دوسرے جملے میں نواہی سے اجتناب کا حکم ہے۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ اہل کتاب کو یاد دلایا کرتا ہے کہ میرے عہد پر قائم رہو۔ اس طرح ہم کو تقیید فرمایا کہ عہد یاد رکھو وہ عہد یہ ہے کہ جب لوگ مسلمان ہوتے تو حضرت سے بیعت کرتے یعنی ہاتھ پکڑ کر قول دیتے بہت چیزیں کرنے کا جیسے پانچ نمازیں اور روزہ رمضان۔ اور زکات اور حج اور خیر خواہی ہر مسلمان کی اور بہت چیزیں چھوڑنے پر جیسے خون۔ اور زنا اور چوری اور تہمت لگانی بے گناہ کو اور سردار سے مخالفت کرنی سو اسی عہد پر فرمایا کہ قائم رہو۔ موضح القرآن۔ غرض آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جو نعمتیں تم پر ہوتی ہیں اُن کو یاد کرو اور جن باتوں کا اس نے تم سے پختہ عہد لیا ہے اُس پختہ عہد کو بھی یاد کرو۔ کیوں کہ تم ان باتوں کے متعلق التزامی طور پر سمعنا و اطعنا کہہ چکے ہو۔ اور جب سمع و اطاعت کہہ چکے ہو تو اُس عہد کو پورا کرو اور اللہ تعالیٰ کی مخالفت سے ڈرتے رہو کیوں کہ وہ ایسا باخبر اور واقف ہے کہ سینوں کے بھید اور دلوں کی پوشیدہ باتوں تک کو جانتا ہے اور جو حاکم ایسا باخبر ہو کہ اُس سے کوئی راز پوشیدہ نہ ہو اُس سے ہر وقت ڈرتے ہی رہنا چاہیے۔ اب آگے پھر بعض احکام کے بجالانے کی تاکید ہے۔ چناں چہ ارشاد ہوتا ہے۔ (تسہیل)

بقیہ صفحہ ۱۶۳

کسی گروہ کی دشمنی تم کو عدل و انصاف کے ترک پر آمادہ نہ کرے۔ دیکھو عدل و انصاف کا دامن کسی وقت چھوٹنے نہ پائے۔ کیوں کہ بغیر کسی رعایت کے انصاف کرنا یہ تقویٰ کے اسباب میں سے ایک سبب قریب ہے۔ اور تم لوگ ہمیشہ تقویٰ کے پابند رہو۔ اور اس پر یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہے۔ اور

اللہ تعالیٰ اُن ایمان والوں سے جو نیک اعمال کی پابندی کرتے ہیں یہ وعدہ کر چکا ہے کہ ان کے لئے آخرت میں بڑی بخشش اور بڑا ثواب ہے۔ یعنی کوتاہیاں نظر انداز کر دی جائیں گی اور بڑے بڑے انعامات سے نوازا جائے گا۔ اور جو لوگ کفر و انکار کا طریقہ اختیار کریں گے اور ہمارے احکام کی تکذیب اور اُن کے جھٹلانے کا شیوہ اختیار کریں گے تو وہ عام قاعدۂ جزا و سزا کے موافق جہنم کے مستحق ہوں گے۔ اوپر کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے انعامات کا ذکر فرمایا تھا پھر ان انعامات کا ذکر کرتے ہوئے شکریہ کی جانب توجہ دلائی جس کا مفہوم یہ تھا کہ احکام شرعیہ کی تعمیل کرو کہ محسن کے احسان کا یہی شکریہ ہے۔ پھر ہر فریق کے انجام کا اعلان فرمایا۔ اب ایک اور احسان یاد دلاتے ہیں جس کا تعلق کفار کے جور و ستم سے محفوظ رکھنا اور کفار کی چیرہ دستیوں سے مسلمانوں کو بچانے کے ساتھ ہے چناں چہ ارشاد فرماتے ہیں (تسہیل) اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کے اُس احسان کو یاد کرو جو تم پر اُس وقت ہوا جب کہ کفار کے ایک گروہ نے تم پر دست درازی کا ارادہ کر لیا تھا اور وہ اس فکر میں تھے کہ تم کو بالکل ختم کر دیں مگر اللہ تعالیٰ نے اُن کے ہاتھوں کو تم سے روک دیا اور اُن کو ایسا موقع نہ دیا کہ وہ تم کو ختم کر سکیں اور دیکھو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور اس کے حقوق نعمت کی رعایت رکھو اور مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ ہی پر ہمیشہ بھروسہ کیا کریں (تیسیر) اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کافروں کی بعض جماعت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یا مسلمانوں کو کوئی نقصان پہنچانے کا ارادہ کیا تھا اللہ تعالیٰ نے اُس سے آپ کو اور آپ کی جماعت کو محفوظ رکھا۔ اُس احسان کی جانب اشارہ ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کفار کی عام دشمنی کے باعث جو کافروں کے جذبات تھے اور کفار کہ ہر وقت مسلمانوں کی بیخ کنی کی فکر میں رہتے تھے اس کی جانب اشارہ ہو کہ کفار کی پیہم اور مسلسل کوشش کے باوجود کفار کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی اگرچہ مختلف عنوان سے اذیتیں پہنچاتے رہے لیکن یہ حوصلہ نہ ہوا کہ تمام مسلمانوں کو ختم کر دیتے۔ جن لوگوں نے پہلی صورت اختیار کی ہے انھوں نے اس واقعہ کی مختلف تفصیل بیان کی ہے۔ کسی نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں ایک مقام پر قیام پذیر تھے آپ نے اپنے ہتھیار ایک درخت میں لٹکا دیئے۔ ساتھی بھی حضرت کے مختلف درختوں کے سایہ میں جا بیٹھے آپ لیٹ گئے قریب کے ایک کافر نے چپکے سے درخت میں سے تلوار اتار لی اور آپ کو پکار کر کہا اے محمد کیا تم مجھ سے ڈرتے نہیں آپ نے فرمایا نہیں اُس نے کہا اچھا تم کو مجھ سے اب کون بچا سکتا ہے آپ نے فرمایا اللہ عزوجل بچائے گا۔ اُس کافر کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو آواز دی اور صحابہ کو یہ قصہ سنایا وہ کافر بھی موجود تھا مگر اس سے کوئی بدلہ نہیں لیا۔ قتادہ نے کہا کچھ لوگوں نے آپ کو دھوکے سے قتل کرنا چاہا تھا اور انھوں نے اس دیہاتی کافر کو اس پر آمادہ کیا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو محفوظ رکھا اس کافر کا نام غورث بن حارث تھا۔ ابن عباس سے مروی ہے کہ یہود نے آپ کو اور آپ کے اصحاب کو کھانے میں زہر ملا کر کھلانا چاہا تھا لیکن بروقت اللہ تعالیٰ نے آپ کو معلوم کرا دیا۔ بعض نے کہا کعب بن اشرف نے آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو بلا کر کوئی صدمہ پہنچانا چاہا تھا اُس سے اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھا اور اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ بعض نے کہا بنی نضیر نے ایک موقع پر یہ چاہا تھا کہ آپ کو باتوں میں لگا کر چکی کا پاٹ آپ پر گرا دیں اُس سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو محفوظ رکھا۔ مجاہد اور عکرمہ وغیرہ نے منذر بن عمرو الساعدی اور عامر بن الطفیل کے واقعہ جو بیر معونہ پر پیش آیا تھا اس آیت کا تعلق بتایا تھا۔ اور دوسری صورت میں کسی خاص واقعہ کی ضرورت نہیں۔ ہم نے تیسیر میں دونوں روایتوں کی بنا پر اپنے ترجمہ کا خلاصہ کیا ہے۔ بہرحال ایک خاص نعمت کی طرف اشارہ ہے جس میں مسلمانوں کو کفار کے ہاتھ سے بچایا ہے۔ اور ان کا یہ ارادہ کہ مسلمانوں کا بالکلیہ استیصال کر دیا جائے پورا نہیں ہو سکا اور یہاں جو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اس کا مطلب یہ ہے کہ باوجود اُن کے اس عناد اور دشمنی کے پھر بھی تمہاری جانب سے کوئی ایسی بات نہ ہونی چاہئے جو انصاف اور تقویٰ کے خلاف ہو۔ پھر آخر میں اللہ تعالیٰ پر توکل اور بھروسہ رکھنے کا حکم دیا گیا جس کا ماحصل یہ ہوا کہ تم لوگ تقویٰ کے پابند رہو اور اللہ تعالیٰ پر کامل توکل رکھو تو وہ تمہاری اسی طرح مدد کرتا رہے گا اور تم کو تمہارے دشمنوں سے محفوظ رکھے گا۔ چوں کہ اوپر کی آیتوں میں اُس عہد کا ذکر تھا جو مسلمانوں سے لیا گیا تھا اور سمع و اطاعت اور عہد کے پورا کرنے کا حکم تھا۔ اب آگے اُن فرقوں کی مذمت ہے جنھوں نے عہد شکنیاں کیں اور اللہ تعالیٰ سے پیغمبروں کی معرفت عہد کر کے توڑے اور اس نقض عہد کی وجہ سے مختلف قسم کے عذابوں اور مختلف قسم کی سزاؤں میں مبتلا ہوئے۔ چناں چہ ارشاد ہوتا ہے۔ (تسہیل)

بقیہ صفحہ ۱۷۴

گناہ ہی تم سے زائل نہ ہوں گے بلکہ تم کو ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ البتہ اس عہد و میثاق کے بعد یا اس شرط مذکور کے بعد جو شخص کفر کرے گا تو وہ یقیناً سیدھی راہ سے بھٹک جائے گا۔ اور جس نے اس موثق اور مضبوط عہد و پیمان کے بعد کفر کیا تو وہ یقیناً سیدھی راہ سے دور جا پڑا۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ یہ فرمایا بنی اسرائیل سے عہد لینا حضرت موسیٰ کی آخری عمر میں یہ قرار لئے ہیں۔ یہ سورت حضرت کی آخر عمر میں نازل ہوئی شاید ہم کو سنایا اسی واسطے کہ ہم کو بھی یہی تقید ہے۔ ایک عہد اُس امت سے تھا کہ رسول جو پیچھے پیدا ہوں اُن کی مدد کرو اُس کے بدل ہم سے یہ ہے کہ خلفاء کی اطاعت کرو۔ یہ مذکورہ بارہ سرداروں کا یہاں ذکر فرمایا اسی اشارہ کو کہ حضرت نے بتایا ہے میری امت میں بارہ خلیفہ ہوں گے قوم قریش سے اور فرمایا کہ جو خرابی ہوئی پہلی امت میں سو ہوگی تم میں سے جیسے وہ خراب ہوئے پیغمبروں کی مخالفت سے یہ امت ہوئی خلیفہ پر خروج کر کر۔ موضح القرآن۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے کس قدر لطیف پیرایہ اختیار کیا ہے۔ بڑوں کی باتیں بڑی ہی ہوتی ہیں۔ حضرت شاہ صاحب نے جو کچھ فرمایا بالکل سچ فرمایا۔ تعزیر کے معنی بعض نے توقیر اور بعض نے اعانت کئے تھے۔ ہم نے دونوں کو تسہیل میں ظاہر کر دیا ہے سواء السبیل سے مراد صراط مستقیم ہے۔ قرض حسنہ سے یہاں مراد جہاد میں خرچ کرنا ہے یا زکوٰۃ کے علاوہ اور دوسرے صدقات مراد ہیں۔ آیت عہد کی پابندی کرنے والوں کا صلہ اور کفر کرنے والوں کی سزا کا بیان ہے درمیانی درجے کے لوگوں کا ذکر نہیں ہے یعنی ان لوگوں کا ذکر نہیں جو نہ کفر کریں اور نہ پوری طرح پابندی کریں۔ ظاہر ہے کہ ان کا صلہ اور اُن کی سزا بھی درمیانی ہوگی نہ کافروں کی سی سزا اور نہ کاملوں کا سا صلہ۔ سیاتی ہے مفسرین نے دو مطلب بیان کیے تھے ہم نے تسہیل میں دونوں کو ظاہر کر دیا ہے۔ اب آگے عہد شکنوں کی مختلف سزاؤں کا ذکر ہے۔ چناں چہ ارشاد ہوتا ہے۔ (تسہیل) ان بنی اسرائیل نے اس عہد مذکور کو توڑ ڈالا پھر ان لوگوں کے اُس اپنے عہد کو توڑ دینے اور ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ہم نے ان پر لعنت کی اور ان کو اپنی رحمت سے دور کر دیا اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا اور اس سنگدلی کا اثر یہ ہے کہ یہ لوگ کلام الٰہی یعنی توریت کو اُس کے حقیقی مواقع سے بدل دیتے ہیں یعنی کبھی الفاظ اور کبھی مطلب بدلتے رہتے ہیں اور اس تحریف کا اثر یہ ہے کہ جو نصیحت ان کو توریت میں کی گئی تھی اُس کا ایک بڑا حصہ یہ لوگ فراموش کر بیٹھے ہیں اور بھول چکے ہیں۔ اور ان کی حالت یہ ہے کہ ان میں سے سوائے چند آدمیوں کے جو مسلمان ہو چکے ہیں۔ اے پیغمبر آپ کو روزمرہ ان کی کسی نہ کسی خیانت کا پتہ لگتا رہتا ہے جو ان سے ظہور پذیر ہوتی رہتی ہے۔ بہرحال آپ ان کو معاف فرمایئے اور ان کو درگذر فرماتے رہئے۔ اور یقین کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نیک روش اختیار کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے اور خوش معاملہ لوگوں سے محبت رکھتا ہے (تیسیر) شاید یاد ہوگا ہم کئی بار عرض کر چکے ہیں کہ ایک گناہ دوسرے گناہوں کا موجب ہوتا ہے اور ایک نیکی سے دوسری نیکیوں کی توفیق عطا ہوتی ہے۔ اسی طرح گناہ کا اثر انسانی قلب پر اور انسان کی روحانیت پر بہت برا ہوتا ہے۔ اور روحانی قوت اور نیک اعمال کی توفیق سلب ہو جاتی ہے۔ اسی مضمون کو اس آیت میں بیان فرمایا ہے۔ چناں چہ نقض عہد اور عہد شکنی کے خوگر تھے۔ عام طور پر نقض عہد کیا کرتے تھے حتیٰ کہ وہ یہودی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھے ان کی بھی خیانت اور غدر کا حال آئے دن معلوم ہوتا رہتا تھا۔ اس لئے نقض عہد کی وجہ سے ان پر مختلف طریقوں سے عذاب نازل ہوا۔ اور صرف اس نقض عہد کا یہ اثر ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی رحمت سے دور کر دیا جب کہ اُس کا قاعدہ ہے۔ جب اُس کی درگاہ سے ملعون قرار دیئے گئے تو اُس کا اثر یہ ہوا کہ اُن کے دل سخت ہو گئے اور یہ سب اثرات اگرچہ بدپرہیزی سے ہوا کرتے ہیں لیکن اُن کی مشیت اور ارادے کے ماتحت ہوتے ہیں اس لئے لعنت اور قساوت کو اپنی طرف منسوب کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم نے اُن کے عہد توڑنے کی وجہ سے اُن پر لعنت کی اور ہم نے ان کے قلوب کو سخت بنا دیا اور اب اُن کی حالت یہ ہے کہ توریت میں تحریف کرتے ہیں۔ اور توریت کے الفاظ کو یا الفاظ کے مطالب اور معانی کو بدل دیتے ہیں اور کلام کو اُس کے مواقع اور اُس کے موضوع سے بدل کر بیان کرتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ یہ کام ان کے علما کرتے ہوں گے اور چوں کہ عوام کی خواہش کے خیال سے کرتے ہوں گے اس لئے سب ہی تحریف کے گناہ میں مبتلا تھے۔ اور اس تحریف و تبدیلی کا اثر یہ ہوا کہ جو کچھ ان کو نصیحت کی گئی تھی اُس کا بہت بڑا حصہ بھلا بیٹھے یعنی ان کے علم کا اکثر حصہ ان کے سینے سے نکل گیا جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اُس نصیحت کا ایک بہت بڑا حصہ جو عمل کرنے سے ان کو حاصل ہوتا اس کو فوت اور ضائع کر بیٹھے۔ اور یہ لوگ اس قدر ان جرائم کے خوگر ہو گئے کہ آپ ان کے مکر و فریب اور خیانت و غدر کے روز مرہ کچھ نہ کچھ حالات سے واقف ہوتے رہتے ہیں۔ مگر ہاں ان میں سے معدودے چند لوگ ان باتوں سے مستثنیٰ ہیں۔ اگر ان قلیل سے حضور کے زمانے والے مراد ہوں تب تو یہ مطلب ہے کہ آپ آئے دن ان کی کسی نہ کسی خیانت سے آگاہ ہوتے رہتے ہیں۔ جیسے معاہدہ کر کے توڑنا۔ آپ کے قتل کی سازش کرنا۔ آپ کے خلاف کافروں سے سازباز کرنا وغیرہ مگر ہاں جو لوگ مسلمان ہو گئے جیسے عبداللہ ابن سلام اور اُن کے ساتھی وہ اس قسم کی باتوں سے مستثنیٰ ہیں۔

یہ وہ معنی ہیں جن کو ہم نے اختیار کیا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ منھم سے پہلے اور پچھلے سب یہود مراد ہوں تو پھر مطلب یہ ہوگا کہ آپ کو بذریعہ وحی آئے دن ان لوگوں کی کوئی نہ کوئی خیانت معلوم ہوتی رہتی ہے اور آپ خود بھی آئے دن ان کی کسی نہ کسی خیانت کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں مگر ان میں سے معدودے چند لوگ مستثنا ہیں۔ جیسے حضرت موسٰی اور عیسٰی کے زمانے کے نیک مسلمان اور آپ کے دور میں عبداللہ بن سلام اور اُن کے ساتھی آخر میں ان کے ساتھ عفو و درگذر کے برتاؤ کا ذکر فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ یہ لوگ اپنی ناشائستہ حرکات کے باعث سزا کے مستحق ہیں۔ لیکن آپ کو اسلامی تعلیم کا لحاظ رکھنا چاہئے اور اپنے اخلاق کی بزرگی اور برتری کے اعتبار سے ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا چاہئے اور سیاسی مصالح کو پیش نظر رکھنا چاہئے جس کا مقتضا یہ ہے کہ آپ ان کو معاف فرمادیں اور چشم پوشی کا برتاؤ کریں کیوں کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو پسند کرتا ہے جو برائی کے بدلے میں بھلائی کرنے کے خوگر ہیں۔ یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ یہود عام طور سے عہد شکنی کے عادی تھے اور ہمیشہ مختلف سزاؤں اور بلاؤں میں مبتلا کئے جاتے تھے۔ لیکن یہاں جو سزا بیان کی گئی ہے وہ صرف اس نقض عہد کی ہے جو عہد مذکور ہے۔ جیسا کہ فبما نقضھم سے مفہوم ہوسکتا ہے۔ وسعت کلام کی وجہ سے چوں کہ مفسرین کے اقوال مختلف ہوتے ہیں مگر ہم اس کی کوشش کرتے ہیں کہ سب کے اقوال تیسیر اور تسہیل کا مطالعہ کرنے والوں کے سامنے آجائیں۔ اگرچہ ان مختلف اقوال کی وجہ سے کوئی بڑا فرق نہیں پڑتا۔ اس آیت سے وہ بات بھی معلوم ہوگئی جو ہم نے عرض کی تھی یعنی جب کوئی بندہ نافرمانی کرکے شرمندہ نہیں ہوتا تو وہ نافرمانی بہت سی نافرمانیوں اور توفیق الٰہی سے محرومیوں کا موجب ہوجایا کرتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہود کی صرف اس عہد شکنی کے باعث کہ انھوں نے اپنے عہد کو توڑ دیا ہم نے ان کو اپنی رحمت سے دور کردیا اور اُن کے دلوں میں قساوت اور سختی پیدا کردی اور اس لعنت اور قساوت کا یہ اثر ہے کہ وہ اللہ کے کلام کو اُس کے صحیح اور حقیقی مواقع سے بدل ڈالتے ہیں۔ ان کے بعض اہل علم تو جرأت کرکے الفاظ بھی بدل دیتے ہیں اور بعض معانی اور مطالب بیان کرنے میں تحریف کرتے ہیں اور کلام کا مطلب گھڑ کر کچھ کا کچھ بیان کردیتے ہیں اور کلام کو اپنے مطلب کے سانچے میں ڈھال دیتے ہیں اس قسم کی جرأت و بے باکی کا یہ اثر ہے کہ اس نصیحت میں سے جو ان کو کی گئی تھی بڑا حصہ فراموش کرچکے ہیں یا عمل سے جو نفع حاصل ہوتا اُس کو فوت کرچکے ہیں یعنی نافرمانیوں کے باعث علم کا حصہ بھی سینے سے نکل گیا اور بے عملی کے باعث ثواب بھی فوت ہوگیا۔ اور آئے دن ان کی جانب سے جو ایک نہ ایک خیانت ظاہر اور صادر ہوتی رہتی ہے اُس سے تو آپ واقف ہی ہوتے رہتے ہیں مثلاً کبھی کوئی توریت کا حکم چھپالیا کبھی کوئی غلط دعوٰی کردیا۔ اور ان کے بڑے جو خیانتیں کرچکے ہیں اُن کا بھی علم آپ کو ہماری وحی سے ہوتا رہتا ہے۔ مگر ہاں کچھ تھوڑے لوگ اس قسم کی خیانت سے محفوظ ہیں اور نیک وہی لوگ تھے جو موسٰی پر اور عیسٰی پر ایمان رکھتے تھے اور نبی آخرالزماں کی بعثت کے بعد اس آخری نبی پر بھی ایمان لے آئے۔ یہود کی مذمت اور ان کی اخلاقی خرابیاں کرنے کے بعد اپنے نبی کو عفو کرنے اور مواخذہ نہ کرنے کا حکم دیا اور آخر میں اپنی محبت کا نیک لوگوں کے ساتھ اظہار فرمادیا اور یہ بات کئی مرتبہ معلوم ہوچکی ہے کہ احسان کا مفہوم بہت وسیع ہے ہر قسم کی نیکی اور بھلائی پر اس لفظ کا اطلاق ہوسکتا ہے۔ یہاں کلام کی ظاہری مناسبت سے ہم نے برائی کرنے والوں کے ساتھ بھلائی کا ترجمہ کردیا ہے اور حسن کا ترجمہ اور مفہوم مذکورہ الفاظ سے ظاہر کیا ہے۔ حدیث میں بھی آتا ہے احسن الی من اساء الیک یعنی جو شخص تیرے ساتھ برائی کرے تو اس کے ساتھ بھلائی کر۔ آیت کا یہ آخری ٹکڑا عفو اور صفح کی تعلیل بھی ہے اور اس امر پر تنبیہ بھی ہے کہ جب کافر خائن کے ساتھ عفو و صفح کا حکم ہے۔ تو دوسروں کے ساتھ یعنی جو خائن کافر ہو اُس کے ساتھ اس سے بھی بہتر سلوک ہونا چاہئے۔ مزید تفصیل تفسیر مظہری سے معلوم کرنی چاہئے۔ اب آگے نصارٰی کی عہد شکنی اور اُن کی سزا کا ذکر ہے۔ چناں چہ ارشاد ہوتا ہے۔ (تسہیل)

اور ہم نے اُن لوگوں سے بھی ان کا عہد لیا تھا جو یوں کہتے ہیں کہ ہم نصارٰی ہیں۔ پھر انھوں نے بھی اس نصیحت آمیز تعلیم کا ایک بہت بڑا حصہ فراموش کردیا جو ان کو دی گئی تھی اور اپنی بے عملی کے باعث ثواب کا ایک بہت بڑا حصہ فوت کر بیٹھے۔ لہٰذا ہم نے ان کے مابین قیامت تک کے لئے بغض اور عداوت کو لازم کردیا اور ان میں قیامت تک کے لئے باہمی دشمنی اور بغض ڈال دیا۔ اور آگے چل کر یعنی قیامت میں اللہ تعالیٰ اُن کو اُن کاموں سے آگاہ کردے گا اور اُن کو جتادے گا جو وہ کیا کرتے تھے۔ (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ جس طرح یہود سے عہد لیا تھا اسی طرح اُن لوگوں سے بھی جو اپنے کو نصارٰی کہتے ہیں عہد لیا تھا یہ عہد انجیل کے واسطے سے یا عیسٰی علیہ السلام کے واسطے سے لیا گیا اور عہد و میثاق کے متعلق جو تقریر اوپر ہم کرچکے ہیں اُس سے مطلب اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے۔ کسی پیغمبر پر ایمان لانا اور کسی آسمانی کتاب پر اعتقاد رکھنا یہی عہد اور میثاق ہے اور یہ جو فرمایا کہ جو لوگ اپنے کو نصارٰی کہتے ہیں اس میں اس امر کی جانب ایک لطیف اشارہ ہے کہ جنھوں نے نصرت دین کا دعوٰی کیا اور اپنا نام بھی اس دعوٰی کی بنا پر نصارٰی رکھ لیا اُن کی بھی یہ حالت ہے کہ وہ اپنے اس دعوٰی میں ناکام ہوئے اور جو عہد انھوں نے کیا تھا اُس کو پورا نہیں کرسکے۔ نصرت دین کے دعوے کا مطلب یہ ہے کہ نحن انصار اللہ کہنے والے تھے یا اُن کی اولاد میں اپنے کو سمجھتے تھے اس لئے اپنے کو نصارٰی کہتے تھے۔ اسی لئے حضرت حق نے بطور تعریض فرمایا کہ جو اپنے آپ کو نصارٰی کہتے ہیں اُن کی بھی بے وفائی اور بدعہدی کا یہ عالم ہے کہ جو نصیحت آمیز تعلیم اُن کو دی گئی تھی اُس کا ایک بہت اہم حصہ فراموش کرچکے ہیں چوں کہ انجیل میں جو باتیں ان کو تعلیم کی گئی تھیں اور حضرت عیسٰی نے جو کچھ ان سے کہا تھا اور جن باتوں کا ان سے عہد لیا تھا اُن میں سب سے اہم مسئلہ نبی آخرالزماں پر ایمان لانے کا تھا جن کا نام حضرت عیسٰی نے ان کو احمد بتایا تھا اور اُن کے آنے کی بشارت دی تھی یہ لوگ اتنی اہم بات کو فراموش کرچکے ہیں اور اس نبی آخرالزماں پر ایمان لاکر اور اس کی شریعت پر عمل کرکے جو منافع حاصل کرتے ان کو ضائع کر بیٹھے ہیں۔ بہرحال ان کو ان کی غفلت شعاری کی یہ سزا تو دنیا میں دی گئی کہ ان کے درمیان بغض و عداوت کا بیج بودیا گیا جو قیامت تک ان میں نشوونما ہوتا رہے گا۔ اور قیامت تک ان کی باہمی عداوت ختم نہ ہوگی۔ اگر بینھم سے مراد صرف نصارٰی لئے جائیں تب تو یہی مطلب ہے جو ہم نے عرض کیا یعنی مذہبی جھگڑے ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ جیسا کہ سب کو معلوم ہے۔ کہ ان میں بے شمار فرقے ہیں اور باہم اصول و فروع میں اتنا اختلاف ہے کہ ایک دوسرے کے سخت ترین دشمن ہیں۔ رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کی لڑائیاں تو ابھی کل کی بات ہے اور ہر پڑھا لکھا آدمی جانتا ہے اور وہ عداوت آج بھی قائم ہے۔ اور اگر کسی وقت سیاسی اتحاد ان میں نظر آتا ہے۔ تو وہ مذہبی اختلاف کے منافی نہیں۔ اگرچہ سیاسی اتحاد کی حالت بھی گزشتہ لڑائیوں میں معلوم ہوچکی ہے کہ ایک نے دوسرے کو تباہ و برباد کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی اور ابھی قیامت تک دیکھئے کہ اس عداوت و بغض کا اور کیا کیا مظاہرہ ہوتا ہے۔ اور اگر بینھم سے مراد یہود و نصارٰی ہوں تو کچھ عرض کرنے کی ضرورت ہی نہیں کیوں کہ یہود و نصارٰی کی دشمنی در باہم مذہبی اختلافات تو ظاہری ہیں اور یہ اختلافات بھی اگر کسی وقت سیاسی مصالح کے ماتحت دب جائیں تو ان کے دب جانے کا اعتبار نہیں۔ جیسا کہ آج کل فلسطین کے معاملہ میں ہو رہا ہے۔ بہرحال دنیا میں یہ سزا دی گئی اور آخرت کی سزا کا ان الفاظ میں اظہار کیا گیا کہ وسوف ینبئھم اللہ بما کانوا یصنعون یعنی جو کچھ تم دنیا میں کفر و معاصی اور نبی آخرالزماں کی مخالفت اور حق بات کو چھپانے کی حرکات کرتے رہے ہو اُس سب سے تم کو اللہ تعالیٰ عنقریب آگاہ کردے گا اور تم کو تمہارے تمام اعمال جتادے گا بینھم میں بھی دونوں احتمال ہیں یا تو فقط نصارٰی مراد ہیں یا یہود و نصارٰی دونوں مراد ہیں۔ کیوں کہ عہد شکنی اور میثاق کی خلاف ورزی کے کم و بیش دونوں ہی مرتکب تھے۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ جب اللہ کے کلام سے اثر پکڑنا اور حکم شرع پر محبت سے قائم رہنا چھوٹ جاوے اور فقط مذہب کا جھگڑا اور حمیت رہ جائے تو راہ سے بہکے۔ موضح القرآن۔ بہرحال آیت کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اپنے کو نصارٰی کہتے ہیں ہم نے اُن سے بھی ان کا عہد لیا تھا اور اُن سے بھی قول قرار لیا تھا مگر انھوں نے بھی اُس نصیحت میں سے جو ان کو کی گئی تھی بہت بڑا حصہ فراموش کردیا۔ پھر ہم نے اُن میں عداوت و دشمنی قیامت تک کے لئے قائم کردی اور عنقریب ہم اُن کو اُن کی اُن تمام کارروائیوں سے آگاہ کردیں گے جو وہ کرتے رہتے ہیں۔ اور کسی مجرم کو اُس کے جرائم سے آگاہ کردینا ہی اُس پر سزا کا حکم جاری کردینا ہے۔ کیوں کہ فرد جرم لگادینے کے بعد سزا کا حکم ہی سنانا ہوتا ہے اب آگے پھر تمام اہل کتاب کو مخاطب فرماتے ہیں۔ جس سے اُن پر اُن کی بعض خیانتوں پر تنبیہ فرمانا ہے۔ نیز ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور اسلام کے قبول کرنے کی ترغیب دینا ہے۔ اور آپ کی نبوت اور آپ کی صداقت پر استدلال کرنا ہے چناں چہ ارشاد ہوتا ہے۔ (تسہیل)

بقیہ صفحہ ۱۷۵

غرض آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ اے یہود و نصارٰی تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ تمہارے پاس ہمارا وہ آخری رسول جس کی بشارتیں اور جس کا تذکرہ تمہاری کتابوں میں موجود ہے آگیا ہے اور وہ ہمارا رسول مبعوث ہوچکا ہے۔ اس کے علم کی شان یہ ہے کہ ان مضامین شرعیہ میں سے جن کو تم چھپاتے چلے آتے ہو وہ تمہارے سامنے بے تکلف صاف صاف بیان کردیتا ہے اور اس کے خلق عظیم کی یہ شان ہے کہ اکثر باتیں جن کا اظہار کرنا محض تمہاری رسوائی اور فضیحت کا موجب ہو اور اُن سے کوئی شرعی امر متعلق نہ ہو ان کو نظرانداز کردیتا ہے اور اُن کی تشہیر نہیں کرتا یہ اُس کے علم اور اُس کے عمل کی انتہائی بلندی ہے اور دیکھو تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی جانب سے پیغمبر اور قرآن آچکا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں چیزوں کے ذریعہ ہر اُس شخص کو نجات اور سلامتی کے طریقے بتاتا اور دکھاتا ہے جو اُس کی رضا کے طالب ہوں اور رضائے حق کے جویاں ہوں اور اُن کو کفر و معصیت کی گوناگوں تاریکیوں سے نکال کر ایک ایسے اُجالے اور ایک ایسی روشنی میں لے آتا ہے جو صحیح عقائد و اعمال کی روشنی ہے۔ اور یہ تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی جانب لے آنا اُس کی توفیق اور اُس کی مشیت و ارادے کے ماتحت ہوتا ہے اور نہ صرف یہ کہ صحیح راہ دکھا کر اپنی سرپرستی ہٹا لیتا ہے بلکہ ایسے لوگوں کی پوری سرپرستی فرماتا ہے اور ان کو صحیح راہ پر ثابت قدم رکھتا ہے

یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اگرچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کے ذریعے ہدایات کا حاصل ہونا تمام بنی نوع انسان کے لئے ہے۔ مگر چوں کہ طالبان حق اس سے حقیقی طور پر مستفید ہوتے ہیں اس لئے ان کا تذکرہ فرمادیا۔ سبل سلام کی ہدایت اور طریق مستقیم کی ہدایت میں تغایر وصفی کی رعایت سے ہم نے تفسیر کی ہے اگرچہ یہ تغایر وصفی تغایر ذاتی کے مرتبہ میں کر دیا گیا ہے۔ بہرحال جب کوئی بندہ حضرت حق تعالیٰ کی رضا کا طالب ہوتا ہے اور داد حق کا جویاں ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے ساتھ اُس کی سرپرستی فرماتے ہیں اور اس کی ایسی رہنمائی کرتے ہیں کہ اس کو گرنے اور بھٹکنے نہیں دیتے۔ جب کبھی گرتا ہے تو اس کو سنبھال لیتے ہیں۔ ہر چند کہ راستہ سلامتی کا ایک ہی ہے مگر چوں کہ اس کے فنون اور اس کی شاخیں بہت سی ہیں اس لئے سبل فرمایا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ اب آگے نصاریٰ کے بعض عقائد فاسدہ کا ذکر اور ان کا رد فرماتے ہیں۔ چناں چہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل) بلا شبہ وہ لوگ کافر ہوگئے جنھوں نے یوں کہا کہ مسیح ابن مریم عین خدا ہے اور اللہ تعالیٰ تو وہی مسیح ابن مریم ہے اے پیغمبر! آپ ان سے فرمائیے اگر یہ بات ہے جو تم کہتے ہو تو اچھا بتاؤ اگر اللہ تعالیٰ حضرت مسیح ابن مریم کو جن کو تم عین خدا کہتے ہو اور اُن کی والدہ کو اور اُن سب لوگوں کو جو روئے زمین پر آباد ہیں ہلاک کرنا چاہے تو وہ کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو اس کے ارادے سے روک سکے اور کیا کوئی شخص ایسا ہے جو اللہ تعالیٰ سے اُن کو ذرا بھی بچا سکے اور کیا اللہ تعالیٰ کے سامنے کسی کا کچھ بس چل سکتا ہے (تیسیر) ہم نے عرض کیا تھا کہ نصاریٰ کے بے شمار فرقے ہیں۔ انہی فرقوں میں سے کسی فرقے کا یہ عقیدہ ہے کہ مسیح ابن مریم ہی خدا ہے یعنی دونوں میں اتحاد اور حلول کے قائل ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ یہ عقیدہ فرقہ یعقوبیہ کا ہو اور ہو سکتا ہے کہ فرقہ ملکانیہ کا ہو اور ہو سکتا ہے کہ دونوں کا ہو۔ اس عقیدے کے قائلین کا دعویٰ یہ ہے کہ حضرت مسیح اور اللہ تعالیٰ دو چیزیں نہیں ہیں بلکہ جس کو مسیح ابن مریم کہا جاتا ہے وہی تو اللہ تعالیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں مسیح کی شکل اختیار کرلی تھی۔ یا مسیح میں اللہ تعالیٰ نے حلول فرمالیا تھا۔ اور چوں کہ اس عقیدے میں توحید کا انکار ہے اس لئے کفر لازم آگیا۔ اسی لئے فرمایا ایسا کہنے والے اور مسیح ابن مریم کو عین خدا بتانے والے لوگ کافر ہیں۔ اُن کے کفر کا اظہار کرنے کے بعد پھر اس غلط عقیدے کا ابطال فرمایا۔ اور ارشاد ہوا کہ اے پیغمبر ان سے دریافت کیجئے کہ جب اللہ تعالیٰ کو یہ قدرت حاصل ہے کہ اگر وہ مسیح ابن مریم اور اُس کی ماں بلکہ تمام روئے زمین کی تمام مخلوق کو ہلاک کرنے کا ارادہ فرمائے اور ان کو موت بھیج دے اور یہ مر جائیں تو اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں کوئی ذرا بھی یہ حق نہیں رکھتا کہ ان پر سے دفع کر سکے اور اللہ تعالیٰ کے ارادے اور اس کی مشیت میں دخل دے سکے تو جو مخلوق حضرت حق تعالیٰ کے ارادے اور اس کے حکم سے ہلاک ہو جائے اور مر جائے وہ خدا تعالیٰ کی عین اور اس کی شریک کس طرح ہو سکتی ہے۔ اگرچہ ان کے کفر کا ابطال صرف مسیح ابن مریم کی موت کا تحت القدرت ہونے میں بھی ہو سکتا تھا۔ لیکن حق تعالیٰ نے اُن کی ماں کا ذکر بھی فرمایا کہ یہ بات معلوم ہو سکے کہ تم جس کو عین خدا سمجھ رہے ہو وہ تو ایک عورت سے پیدا ہوا ہے۔ نیز اس لئے کہ خود حضرت مسیح میں اس قدر استطاعت نہیں ہے کہ وہ اپنے کو یا اپنی ماں کو جن کی بے حد فرماں بردار اور اطاعت گزار تھے اللہ تعالیٰ کے ہلاکت آمیز ارادے سے محفوظ رکھ سکیں اور روئے زمین کی مخلوق کا ذکر اس لئے فرمایا کہ یہ بات ظاہر ہو جائے کہ مسیح ابن مریم بھی روئے زمین کی مخلوق کی طرح ہیں اور اُن کی موت و زیست بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت میں اسی طرح ہے جس طرح تمام مخلوق کی موت و حیات اس کے قبضہ میں ہے۔ جب تک چاہے کسی کو زندہ رکھے اور جب چاہے کسی کو فنا اور ہلاک کر دے۔ ہم نے تسہیل میں جو تشریح کی ہے وہ ہلاک کے دونوں معنی کے لحاظ سے کی ہے۔ کیوں کہ ہلاک کے معنی موت کے بھی ہیں جیسا کہ عام طور سے مفسرین بیان کرتے ہیں اور قرآن و حدیث میں بکثرت یہ لفظ موت کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور ہلاک وہلاک فنا کر دینے اور معدوم کر دینے کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے۔ خواہ کوئی معنی کئے جائیں۔ بہر تقدیر اُن عیسائیوں کے کفریہ عقیدے کا ابطال مقصود ہے۔ آگے ایک اور دوسرے طریقے سے اسی باطل عقیدے کا رد فرماتے ہیں۔ چناں چہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل) اور اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کی خاص سلطنت ہے آسمانوں پر اور زمین پر اور جتنی چیزیں اُن دونوں میں موجود ہیں اُن سب پر ہے وہ جو چیز چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جس طرح چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور اللہ ہر چیز پر پوری طرح قدرت رکھتا ہے (تیسیر) آیت کے اس آخری حصہ کی تقریر یوں ہے کہ جن کی تمام مخلوق ان کی محکوم و مملوک ہے پھر اُن کے ساتھ شریک یا ان کا عین کس طرح ہو سکتی ہے۔ اور یہ جو فرمایا کہ جو چیز جس طرح چاہتا ہے پیدا کرتا ہے یہ بھی توحید کا ایک استدلال ہے کہ کسی مخلوق کو مجال دم زدن نہیں وہ جس طرح چاہے پیدا کرے اور نیز اس شبہ کا جواب ہے کہ حضرت مسیح ابن مریم بن باپ کے پیدا ہوئے ہیں اس لئے اس خصوصیت کے باعث اُن کو خدا سمجھا جائے یا اس کی ربوبیت میں شریک ٹھہرایا جائے تو یہ فرمایا کہ کسی خصوصیت کے باعث وہ مخلوق اور محکوم ہونے سے نہیں نکل سکتے وہ اپنی مخلوق کو جس طرح چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ خواہ کسی کو بن ماں باپ کے پیدا کرے۔ خواہ کسی کو بن ماں کے پیدا کرے۔ خواہ کسی کو بن باپ کے پیدا کرے اور خواہ کسی کو ماں اور باپ دونوں سے پیدا کرے اس سے کوئی اثر نہیں رہتا اور ہر مخلوق اللہ تعالیٰ کی محکوم و مملوک ہی رہتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت سے باہر نہیں ہو جاتی۔ ہر چند کہ اس آیت میں ایک خاص فرقے کے عقائد باطلہ کا رد فرمایا ہے لیکن سچ تو یہ ہے کہ مسیح کے متعلق عیسائیوں کے مختلف فرقوں کے اور ہر قسم کے کفر و شرک کا رد ہو گیا اور یہ بات ثابت ہو گئی کہ تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کے سامنے بے بس۔ عاجز اور مجبور ہے اور مخلوقات میں سے کوئی فرد اس کی اہلیت نہیں رکھتا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی حیثیت سے بھی اس کو شریک ٹھہرایا جا سکے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں اللہ صاحب کسی جگہ نبیوں کے حق میں ایسی بات فرماتے ہیں تا ان کی اُمت اُن کو بندگی کی حد سے زیادہ نہ چڑھا دیں ورنہ نبی اس لائق کاہے کو ہیں۔ موضح القرآن۔ اب آگے اہل کتاب کے بعض اور عقائد فاسدہ کا ابطال فرماتا ہے چناں چہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل) اور یہود و نصاریٰ دونوں اس امر کا دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور اس کے محبوب اور پیارے ہیں اے پیغمبر آپ ان سے دریافت کیجئے کہ ایسا ہے تو اچھا یہ تو بتاؤ کہ تم کو تمہارے گناہوں پر عذاب کیوں کرتا ہے؟ اور تم کو قیامت میں تمہارے گناہوں کے عوض سزا کیوں دے گا؟ جو کچھ تم کہتے ہو یہ بات نہیں ہے بلکہ تم بھی اُن عام آدمیوں میں سے جن کو وہ پیدا کرتا ہے ایک معمولی آدمی ہو اللہ تعالیٰ جس کو چاہے بخش دے اور وہ جس کو چاہے سزا دے اور خاص اللہ تعالیٰ ہی کی سلطنت ہے آسمانوں پر بھی اور زمین پر بھی اور ان چیزوں پر بھی اور جو ان دونوں آسمان و زمین کے مابین ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری طرح قدرت رکھتا ہے (تیسیر) اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کے ساتھ جو تعلق ہے اور خالق کو اپنی مخلوق کے ساتھ جو نسبت ہے اُس کا تصور ہر زمانہ کے پیغمبر نے اپنی اپنی قوم کے روبرو پیش کیا ہے۔ نبی آخر الزماں کے دور میں یہ مسئلہ بالکل صاف اور واضح کر دیا گیا ہے اور یہ بتا دیا گیا ہے کہ ایک جانب انتہائی ربوبیت ہے جو ہر قسم کی محبت آمیز ترقی کی ضامن ہے اور دوسری طرف انتہائی عبودیت اور تذلل و عاجزی ہے جو ہر قسم کی فرماں برداری اور اطاعت شعاری کی ذمہ دار ہے اسی نظریہ کو مختلف پہلوؤں سے ہر نبی نے سمجھانے کی کوشش کی ہے لیکن ہر نبی نے اس محبت آمیز ربوبیت کو اپنی قوم کے ذہن اور فہم کا لحاظ رکھتے ہوئے سمجھایا ہے جیسا کہ کتب سابقہ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہیں اس نسبت کو باپ اور بیٹے کی تمثیل کے ساتھ بیان کیا ہے اور کہیں اس نسبت کو ایک عاشق اور معشوق کے تعلق کے ساتھ ذہن نشین کرایا ہے اور یہ بات سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے بہت محبت کرتا ہے اور اس کو اپنے بندے بہت پیارے ہیں اور تمام انسان اس کی اولاد ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے متعلق یہی وہ تصورات اور خیالات ہیں جنھوں نے لوگوں کے قلوب میں ایک خاص شکل اختیار کرلی تھی اور بنی اسرائیل نے مختلف خیال اور مختلف نظریے قائم کر رکھے تھے اور انبیا علیہم السلام کی تعلیم کو اپنے نظریوں کے سانچوں میں ڈھال رکھا تھا۔ اگر ایک گروہ اپنے آپ کو اللہ کی اولاد سمجھتا تھا تو دوسرا فرقہ اپنے کو اللہ تعالیٰ کا محبوب اور پیارا تصور کرتا تھا اور بعض لوگ وہ تھے جو اپنے کو انبیا علیہم السلام کی اولاد ہونے کی وجہ سے اللہ کے ساتھ اپنے خصوصی تعلقات کے مدعی تھے جس طرح ہمارے زمانے کے بعض پیرزادے اور بزرگ زادے اس قسم کی گمراہی میں مبتلا ہیں۔ یہی وہ احمقانہ تخیلات تھے جن کے بھروسے پر باوجود بے عملی کے یہ سمجھتے تھے کہ ہم خدا کی اولاد ہیں۔ خدا کے محبوب ہیں اور خدا کے برگزیدہ لوگ ہمارے بزرگ تھے اس لئے ہم اللہ تعالیٰ سے خصوصی تعلق رکھتے ہیں اور اس کے مقرب ہیں اور چوں کہ یہ مراتب ہم کو حاصل ہیں اس لئے ہم اگر نافرمانی بھی کریں تو ہم سے اللہ تعالیٰ عام مجرموں اور گناہ گاروں کی طرح مواخذہ نہ کرے گا۔ بلکہ معمولی سی تنبیہ اور تادیب کر دی جائے گی اور وہی سلوک ہوگا جیسے کوئی حاکم اور فرماں روا اپنوں کے ساتھ کیا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس گمراہی اور باطل ادعا کا رد فرمایا اور ارشاد ہوا کہ اے پیغمبر آپ ان سے فرمائیے اگر ایسا ہے تو اچھا پھر اللہ تعالیٰ تم پر عذاب کیوں کرتا ہے۔ دنیا میں تو قتل اور قید کئے جاتے ہو اور مختلف سزاؤں میں مبتلا ہوتے ہو اور آخرت میں تعذیب کا تم خود بھی اقرار کرتے ہو کہ لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّا اَيَّامًا مَعْدُوْدَةً اور اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ جب کہ حضرت مسیح کا قول ہے۔ اور جب تعذیب محقق ہے اور مختلف سزاؤں میں مبتلا ہونا شاہد ہے تو معلوم ہوا نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ کا دعویٰ غلط اور بلا دلیل ہے اور قیامت کے عذاب میں تو تنبیہ اور تادیب کا احتمال بھی نہیں اس لئے کہ تنبیہ اور تادیب تو اس لئے ہوتی ہے کہ آئندہ احتیاط کی جائے اور قیامت میں جو تعذیب ہے وہ واقعی تعذیب اور جرم کی سزا ہے کیوں کہ وہاں آئندہ کرنے نہ کرنے کا احتمال ہی نہیں اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ تم کو اللہ تعالیٰ سے کوئی خصوصی تقرب اور تعلق حاصل نہیں تو تم بھی منجملہ انسانوں کے ایک انسان ہو۔ بشر اصل میں انسانی جلد کو کہتے ہیں لیکن تھوڑی سی مناسبت سے بشر کے معنی آدمی کے ہیں اور جب تم ایک معمولی آدمی ہو تو عام آدمیوں کی طرح تم کو بھی برائی اور بھلائی کا بدلہ ملتا ہے کیوں کہ جب تم عوام میں داخل ہو تو اسی عام قاعدے اور قانون کی زد میں تم بھی آتے ہو۔ کہ وہ جس کی چاہے مغفرت فرمائے اور جس کو چاہے اپنے عدل و انصاف سے عذاب کرے۔ مغفرت اُس کا فضل ہے اور سزا دینا اُس کا عدل ہے۔ اور یہ چیز آسمانی قانون

میں واضح ہو چکی ہے کہ مغفرت کی شرط ایمان ہے اور کفر کی سزا دائمی تعذیب ہے۔ اور تمہارا کفر ظاہر ہی ہے کہ تم نبی آخر الزماں کی نبوت کے منکر ہو لہٰذا تم دائمی عذاب کے مستحق ہو۔ اور اس کو اس کارروائی سے روک بھی کون سکتا ہے کیونکہ آسمان و زمین پر اور جو کچھ ان دونوں کے مابین ہے اس سب پر اسی کی حکومت ہے اور سب کی بازگشت اسی کی جانب ہے۔ اس لئے نہ اس سے کوئی شخص بھاگ کر پناہ لے سکتا ہے نہ اس کے ہاتھ سے کوئی چھڑا سکتا ہے نہ اس پر کسی کا دباؤ ہے۔ سبحان اللہ کیا ترتیب ہے اور کیا دلائل ہر جملہ ایک دوسرے کی دلیل بنتا چلا جاتا ہے اور اس کا لطف وہی لوگ حاصل کر سکتے ہیں جن کو علم سے بہرہ نصیب ہوا ہے۔ آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ یہود و نصاریٰ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے دوست اور چہیتے اور اس کے پیغمبروں کی اولاد ہیں اور ہم سے دوستوں اور پیاروں کا سا معاملہ ہوگا۔ اے پیغمبر آپ ان سے دریافت کیجئے اگر یہ بات ہے تو پھر اللہ تعالیٰ تم کو دنیا میں مختلف سزائیں کیوں دیتا ہے اور آخرت میں تم کو عذاب کیوں کرے گا جس کا تم کو خود بھی اقرار ہے۔ نہیں تم نہ اس کے بیٹے ہو، نہ اس کے دوست اور پیارے ہو اور نہ صرف بڑوں کی اولاد ہونے کی وجہ سے تم کو کوئی تقرب حاصل ہے بلکہ تم منجملہ اور آدمیوں کے ایک معمولی آدمی ہو اور تم پر بھی اللہ تعالیٰ کا یہ قانون نافذ ہے کہ وہ جس گنہگار کو چاہے بخشدے بشرطیکہ وہ کفر کا مرتکب نہ ہوا اور جس گنہگار کو چاہے عذاب کرے، اور اس کو ایسا کرنے سے کوئی مانع نہیں کیونکہ تمام آسمانوں پر اور زمین پر اور جو موجودات ان دونوں کے مابین ہیں اس سب پر اسی کی حکومت ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے اور سب کی بازگشت اسی کی طرف ہے۔ اب آگے پھر اہل کتاب کو خطاب اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لانے کی دعوت ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ (تسہیل)

بقیہ صفحہ ۱۷۶

صحیح احکام سکھاتا اور بتاتا اور چونکہ انبیائے سابقہ کے احکام شرعیہ ضائع ہو چکے تھے اور کچھ مخلوط ہو گئے تھے اور حق و باطل کا امتیاز باقی نہ رہا تھا اس لئے ہم سے کوتاہیاں اور غلطیاں واقع ہوئیں اور اب ہم کو معذور سمجھا جائے لہٰذا ہم تم کو مطلع کرتے ہیں تم خوب اچھی طرح سن لو اور سمجھ لو کہ قیامت میں تمہارے لئے کوئی عذر کی گنجائش نہ ہوگی کیونکہ تمہارے پاس بشیر و نذیر آ چکا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر شے پر پوری طرح قادر ہے۔ بشیر و نذیر فرمانے کی شاید یہ وجہ بھی ہو کہ کتب سماویہ میں آپ کی نعت اور آپ کی پیشین گوئیوں کے سلسلے میں آپ کا لقب بشیر و نذیر مذکور ہے۔ واللہ اعلم۔ اوپر بنی اسرائیل کی عہد شکنی کا ذکر آیا تھا۔ اب یہود کی ایک خاص عہد شکنی کا ذکر فرماتے ہیں جو حضرت موسیٰ اور ہارون کے ساتھ انہوں نے کی اور جہاد کا حکم جو ان کو دیا گیا تھا اس کی خلاف ورزی کی اور کسی فریضہ کو نہ ادا کرنا اور جان بوجھ کر اس سے جان چرانا یہ کھلی عہد شکنی ہے۔ جیسا کہ ہم ابھی اوپر عرض کر چکے ہیں چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل) اور وہ واقعہ بھی قابل ذکر ہے جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے ان احسانات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا تھا جو اللہ تعالیٰ نے ان کی قوم پر کئے تھے اے میری قوم تم اللہ تعالیٰ کے اس احسان کو یاد کرو جو تم پر ہوا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے تم میں بہت سے پیغمبر پیدا کئے اور تم کو صاحب ملک اور فرماں رواں بنایا اور تم کو بعض بعض چیزیں ایسی عطا فرمائیں جو دنیا جہان والوں میں سے کسی کو نہیں عطا کیں یعنی اقوام عالم میں سے کسی اور کو عطا نہیں فرمائیں (تیسیر) بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرعون اور آل فرعون کو غرق کر دیا اور بنی اسرائیل اطمینان کے ساتھ مصر پر قابض ہو چکے تو اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہوا کہ ان کو ملک شام میں جو ان کے بزرگوں کا وطن تھا۔ وہاں پہنچائے اور وہاں کی حکومت ان کو تفویض کرے اور چونکہ وہاں عمالقہ کا قبضہ تھا اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو جہاد کی ترغیب دی اور اسی ترغیب کے موقعہ پر حضرت موسیٰ نے ان کے سامنے یہ تقریر کی۔ اول اللہ تعالیٰ کے احسانات کا ذکر فرمایا اور ان کو بتایا کہ دیکھو تم پر ظاہری اور باطنی احسانات اللہ تعالیٰ کے بے شمار ہیں۔ تم کو نبوت اور سلطنت دونوں نعمتیں عطا فرمائی ہیں اور بعض ایسی ایسی چیزوں سے بھی نوازا ہے جو اوروں کو نصیب نہیں ہوئیں۔ مثلاً تمہارے دشمن کو غرق کیا، فرعون کی غلامی سے تم کو آزاد کیا۔ ذلت و بے چارگی سے نکال کر بلندی پر پہنچایا اور تخت و تاج کا مالک بنایا۔ اور با ایں ہمہ دنیوی انعام و احسان کے اللہ تعالیٰ کا قرب میسر ہوا۔ غرض سیدنا موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو جہاد کے ارادے سے لیکر چلے اور جب بیت المقدس کے قریب پہنچے تو ان بارہ سرداروں کو جن کا ذکر اوپر گذر چکا ہے، عمالقہ کی حالت معلوم کرنے کی غرض سے خفیہ طور پر بھیجا اور ان کو سمجھا دیا کہ وہاں سے آ کر قوم عمالقہ کی قوت و شوکت کا ذکر ان لوگوں سے نہ کرنا۔ البتہ شہر کی رونق اور باغات وغیرہ کا ذکر کرنا۔ لیکن ہوا یہ کہ ان بارہ سرداروں میں سے سوائے یوشع بن نون اور کالب بن یوقنا کے باقی سب نے تفصیلی حالات بیان کر دیئے۔ اس پر بنی اسرائیل کی ہمت ٹوٹ گئی اور دل چھوٹ گیا اور مصر کو واپس جانے پر آمادہ ہو گئے۔ اس پر حضرت موسیٰ نے جو کچھ فرمایا اور جو واقعات پیش آئے ان کا ذکر آگے کی آیات میں آئے گا۔ آیت زیر بحث کا خلاصہ صرف اس قدر ہے کہ وہ واقعہ قابل ذکر ہے جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے میری قوم تم اللہ تعالیٰ کے ان احسانات کو یاد کرو جو وہ تم پر وقتاً فوقتاً کرتا رہا ہے جب کہ اس نے تم میں بہت سے پیغمبر پیدا کئے مثلاً حضرت یعقوب اور حضرت یوسف اور ان کی اولاد میں سے بہت سے لوگ۔ اور تم کو صاحب مملکت اور فرماں روا بنایا اور تم کو بعض ایسی چیزیں بھی عطا کیں جو اقوام عالم میں سے اور دوسری قوموں کو نہیں دیں۔ اس آیت کے سلسلے میں دو تین باتیں ملحوظ خاطر رہیں (۱) جعل فیکم انبیاء۔ کا ترجمہ ہم نے اس طرح کیا ہے کہ اس نے تم میں بہت سے پیغمبر پیدا کئے جس کا مطلب یہ ہے کہ پیغمبر خود ساختہ نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی نظر انتخاب جس کو منتخب کر لیتی ہے وہی نبی ہوتا ہے اور نبی ماں کے پیٹ سے نبی پیدا ہوتا ہے اس لئے کہ نبوت کوئی کسبی چیز نہیں ہے۔ (۲) وجعلکم ملوکا میں قرآن نے تھوڑا سا عنوان بدل دیا ہے۔ یا تو یہاں بھی فیکم منکم محذوف ہے اور یا اس غرض سے کہ بادشاہت اور نبوت میں فرق ہے کسی قوم میں سے اگر کوئی شخص بادشاہ ہو جائے تو پوری قوم کی بادشاہت سمجھی جاتی ہے۔ جیسے پٹھانوں کی سلطنت اور مغلوں کی بادشاہت اور غلاموں کی سلطنت اور خلجیوں کی حکومت۔ لیکن نبوت کو اس طرح نہیں کہہ سکتے کہ عربوں کی نبوت، یا عراقیوں کی نبوت، یا بنی اسرائیل کی نبوت۔ کیونکہ نبی ایک ہی شخص ہوتا ہے اور نبوت کو اس کے علاوہ کسی دوسرے کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن بادشاہت کی یہ حالت نہیں جیسا کہ اوپر کی مثالوں سے واضح ہو چکا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے وجعلکم ملوکا فرمایا اور یہی وجہ ہے کہ بادشاہ کے قرابت دار بھی کہا کرتے ہیں کہ ہم بادشاہ ہیں ہم سے کون آنکھ ملا سکتا ہے یا اس بنا پر یہ عنوان اختیار فرمایا ہو کہ ساری قوم فرعون کی غلام تھی اور آزاد ہونے کے بعد ہر شخص با اختیار ہو گیا اس لئے فرمایا کہ تم کو بادشاہ بنایا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہر اس شخص کو جو صاحب منازل ہو اور کوئی اس کے گھر میں بلا اجازت کے داخل نہ ہو سکے اس کو ملک کہا کرتے ہیں، یا اس شخص کو بھی ملک کہہ سکتے ہیں جس کے پاس خادم ہوں۔ عبداللہ بن عباس کا قول ہے کہ بنی اسرائیل میں جس شخص کے پاس بیوی، خادم اور مکان ہوتا اس کو ملک کہتے تھے۔ ضحاک کا قول ہے کہ جس کے پاس وسیع مکان ہوتا اور اس میں نہر جاری ہوتی اس کو ملک کہتے تھے۔ حضرت ابو سعید خدری سے ابن ابی حاتم نے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ بنی اسرائیل میں سے جس شخص کے پاس خادم، سواری اور بیوی ہوتی اس کو ملک کہا جاتا تھا۔ حضرت عمرو بن العاص کے صاحبزادے سے کسی نے دریافت کیا اے ابن عمرو کیا ہم فقراء مہاجرین میں سے نہیں ہیں انہوں نے جواب دیا کیا تیری بیوی ہے اس نے کہا ہاں بیوی ہے پھر انہوں نے کہا تیرے پاس رہنے کو مکان ہے اس نے کہا ہاں مکان بھی ہے۔ ابن عمرو نے فرمایا تو اغنیاء میں سے ہے۔ اس نے کہا میرے پاس ایک خادم بھی ہے صاحبزادے نے فرمایا تو ملوک میں سے ہے۔ حضرت مجاہد نے جعلکم ملوکا کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو بیویاں دیں خادم دیئے اور رہنے کو مکان دیئے۔ حدیث میں آتا ہے جس شخص نے ایسی حالت میں صبح کی کہ اس کا جسم تندرست ہے اور اس کا دل مطمئن ہے اور اس کے پاس اس دن کا کھانے کو ہے تو یوں سمجھو گویا اس کے پاس دنیا پوری کی پوری جمع کر دی گئی ہے۔ (۳) ہر چند کہ تفاسیر میں بہت سے اقوال ہیں لیکن بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ملوک سے یہاں صاحب ملک اور صاحب سلطنت مراد ہے۔ ( ) یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے نبوت اور ملوکیت دونوں کا احسان فرمایا ہے اور مدعا یہ ہے کہ روحانیت اور مادیت دونوں دولتوں سے بنی اسرائیل کو نوازا تھا، جس طرح روحانیت کی بلندی جس کا منتہا نبوت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا احسان اور کرم ہے اسی طرح مادیت جس کا منتہا بادشاہت اور سلطنت ہے یہ بھی اللہ تعالیٰ کا احسان ہے بشرطیکہ کوئی مادیت سے صحیح فائدہ حاصل کرے۔ (۴) بنی اسرائیل کو جو کچھ ملا وہ کسی کو نہیں ملا۔ اس کا مطلب ہم وانی فضلتکم علی العلمین کی تفسیر میں بیان کر چکے ہیں اور یہاں بھی اشارہ کر دیا ہے کہ بعض خصوصی اشیاء سے بنی اسرائیل کو نوازا تھا یا یہ مطلب ہے کہ اس زمانے میں اور قوموں کو وہ خصوصیت میسر نہیں تھی جو بنی اسرائیل کو حاصل تھی۔ حضرت موسیٰ نے اس تمہیدی تقریر کے بعد جو کچھ فرمایا اور قوم نے جو جواب دیا وہ آگے اس کا مذکور ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ (تسہیل) اے میری قوم تم اس مقدس سرزمین اور متبرک ملک میں داخل ہو جاؤ کہ اس ملک کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے حصہ

میں لکھدیا ہے اور دیکھو پیٹھ پھیر کر واپس مت ہو اور وطن کی طرف مت لوٹو ورنہ یاد رکھو تم سخت خسارے میں جا پڑو گے (تیسیر) حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں حضرت ابراہیمؑ اپنے باپ کا وطن چھوڑ نکلے اللہ کی راہ میں اور ملک شام میں آکر ٹھہرے اور مدت تک ان کو اولاد نہ ہوئی تب اللہ تعالےٰ نے ان کو بشارت فرمائی کہ تیری اولاد بہت پھیلاؤں گا اور زمین شام ان کو دوں گا اور نبوت اور دین اور کتاب اور سلطنت ان میں رکھوں گا۔ پھر حضرت موسیٰ کے وقت وہ وعدہ پورا کیا بنی اسرائیل کو فرعون کی بیگار سے خلاص کیا اور اس کو غرق کیا اور ان کو فرمایا کہ تم جہاد کرو عمالقہ سے ملک شام چھین لو پھر ہمیشہ وہ ملک شام تمہارا ہے۔ حضرت موسیٰ نے بارہ شخص بارہ قبیلہ بنی اسرائیل پر سردار کئے تھے ان کو بھیجا کہ اس ملک کی خبر لادیں وہ خبر لائے تو ملک شام کی بہت خوبیاں بیان کیں اور وہاں مسلط تھے عمالقہ ان کی قوت و زور بھی بیان کیا حضرت موسیٰ نے ان کو کہا کہ تم قوم کے پاس خوبی ملک بیان کرو اور قوت دشمن مت کہو ان میں دو شخص اس حکم پر رہے اور دس نہ رہے قوم نے سنا تو نامردی کرنے لگے اور چاہا کہ پھر الٹے مصر جاویں۔ اس تقصیر سے چالیس برس فتح شام کو دیر لگی اس قدر مدت جنگلوں میں پھرتے رہے جب اس قرن کے لوگ مرچکے مگر وہ دو شخص کہ وہی حضرت موسیٰ کے بعد خلیفہ ہوئے ان کے ہاتھ سے فتح ہوئی۔ موضح القرآن۔ ارض مقدس سے پورا ملک شام مراد ہے یا ارض فلسطین مراد ہے اور ہوسکتا ہے کہ طور اور اس کے آس پاس کے علاقے ہوں اور ہوسکتا ہے کہ ایلیا اور بیت المقدس مراد ہوں یا اریحا مراد ہو یا دمشق اور فلسطین اور شرق اردن کا کچھ حصہ مراد ہو۔ بہرحال ہم نے قتادہ کا قول اختیار کیا ہے۔ اس ملک کو مقدس اور متبرک کہنے کی شاید یہ وجہ ہو کہ یہ ملک ہمیشہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ کا مسکن اور مدفن رہا ہے اور جہاں بے شمار انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام مدفون ہوں اس سرزمین کے تقدس میں کیا شک ہوسکتا ہے۔ اور یہ شبہ نہ کیا جائے کہ اس سرزمین میں گنہگار مسلمان بھی تو مدفون ہوں گے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نیک لوگوں کی وجہ سے جو تقدس حاصل ہوچکا وہ بعد میں گنہگاروں کے دفن سے زائل نہیں ہوتا اور حضرت موسیٰ نے جو یہ فرمایا کہ اس ارض مقدسہ میں داخل ہو اس کا مطلب یہ ہے کہ جو قوم وہاں مسلط اور قابض ہے ان سے جہاد کرنے کے ارادے سے اس سرزمین میں داخل ہو۔ کتب اللہ لکم کے بھی کئی معنی مفسرین نے کئے ہیں۔ اس کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے تم کو حکم دیا ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نماز روزے کی طرح تم پر یہ کام فرض کردیا ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے کہ اگر تم نے اطاعت کی اور ایمان پر قائم رہے تو یہ ملک تم کو مل جائے گا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تمہارے حصہ میں یہ ملک لکھ دیا ہے اگر تم اپنی نافرمانی کے باعث محروم رہو گے تو تم سے بعد کے آنے والوں کو فتح نصیب ہوگی اور ان کے ہاتھ پر اس ملک کو فتح کرادیا جائے گا۔ ولا ترتدوا علیٰ ادبارکم کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ میرے کلام کی مخالفت نہ کرو اور میری اطاعت سے پیٹھ نہ پھیرو۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ عمالقہ کے مقابلہ میں بزدلی نہ دکھاؤ اور پیٹھ دکھا کر نہ بھاگو۔ ہم نے آسان مطلب بیان کردیا ہے جو ان کی حالت کے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پیٹھ دیکر اپنے وطن کی طرف واپس نہ جاؤ۔ اور عام طور سے ایسا ہوتا ہے کہ انسان جہاد سے گھبرا کر اپنے گھر جانا چاہتا ہے۔ اس لئے ان کی خواہش بھی یہ ہوگی کہ بجائے لڑنے اور ملک فتح کرنے کے مصر واپس چلو۔ اور یہ جو فرمایا کہ اگر تم واپس ہوئے تو سخت خسارے میں پڑ جاؤ گے اور نقصان اٹھا کر لوٹو گے، اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیوی اعتبار سے بھی نقصان میں رہو گے کیونکہ ملک قبضے میں نہ آئے گا اور دینی اعتبار سے بھی نقصان اٹھاؤ گے کہ فریضہ جہاد کے ترک کا گناہ ہوگا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ اے میری قوم جہاد کرنے کی نیت سے اس مقدس و متبرک سرزمین میں داخل ہوجاؤ اللہ تعالےٰ نے اس ملک کو تمہارے لئے مقدر کردیا ہے اور تمہارے حصہ میں لکھدیا ہے۔ اور دیکھو اپنے وطن کی طرف واپس نہ جاؤ اگر تم نے ایسا کیا یعنی گھروں کو لوٹے تو بڑے زیاں کار ہوکر لوٹو گے۔ اور نہ دین کے رہوگے نہ دنیا کے۔ اب آگے قوم کا جواب مذکور ہے (تسہیل) بنی اسرائیل نے موسیٰؑ کا یہ حکم سنکر جواب دیا کہ اے موسیٰ اس سرزمین میں تو بڑے زبردست اور زور آور اور قد آور لوگ رہتے ہیں اور جب تک وہ لوگ وہاں سے نکل نہ جائیں ہم تو اس سرزمین میں ہرگز قدم بھی نہ رکھیں گے ہاں اگر وہ زبردست اور زور آور لوگ اس سرزمین سے کسی طرح نکل جائیں اور کہیں چلے جائیں تو بے شک ہم وہاں داخل ہوجائیں گے۔ (تیسیر) جبار کے یہاں لوگوں نے مختلف معنی کئے ہیں ہم نے تیسیر میں سب معنی کی رعایت رکھی ہے۔ اور یہ ہم ابھی عرض کرچکے ہیں کہ ان بارہ سرداروں میں سے جن کو بطور جاسوس دریافت حال کے لئے بھیجا گیا تھا دس سرداروں نے تمام واقعات بیان کردئیے تھے اور عمالقہ کی حالت بیان کردی تھی کہ وہ لوگ نہایت زبردست اور آلات حرب سے پورے مسلح ہیں اور ہم تو ان کے آگے ٹڈے جیسے ہیں وہ بڑے قد آور اور جسیم ہیں۔ یہ سنکر ان لوگوں کی ہمت پست ہوگئی اور سیدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تقریر سنکر کہنے لگے جناب ہم میں ان لوگوں کے مقابلے کی طاقت نہیں ہے ہم تو اس وقت تک اس سرزمین میں قدم بھی نہیں رکھیں گے اور جہاد کے ارادے سے داخل نہیں ہوں گے جب تک وہ لوگ وہاں سے کسی نہ کسی طرح نکل جائیں اور جب وہ وہاں سے نکل جائیں گے اور ارض مقدسہ کو خالی کردیں گے تو بیشک ہم وہاں داخل ہونے کو تیار ہیں۔ اسی گفتگو کے دوران میں دو شخصوں نے حضرت موسیٰ کی تائید کی اور بنی اسرائیل کو ترغیب دی کہ تم ہمت کرکے شہر کے دروازے تک تو چلو اگر تم دروازے میں داخل ہوگئے تو یقین جانو تم پورے ملک پر قابض ہوجاؤ گے۔ ان ہی دو شخصوں کا آگے مذکور ہے (تسہیل ختم)۔

بقیہ صفحہ ۱۷۷

اختیار کیا ہے یعنی اذھب انت وربک یعینک۔ بہرحال جرم قابل توبہ تھا اور ہوسکتا ہے کہ حضرت موسیٰ نے ان سے توبہ کرائی ہو لیکن قرآن میں کوئی تفصیل مذکور نہیں۔ البتہ قواعد شرعیہ کی بنا پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس گستاخانہ اور فاسقانہ کلام پر ان سے توبہ ضرور کرائی گئی ہوگی واللہ اعلم۔ بنی اسرائیل کے اس گستاخانہ جواب سے حضرت موسیٰ علیہ السلام بہت متاثر اور پریشان ہوئے اور حضرت حق تعالےٰ کی جناب میں دعا کی آگے اس دعا کا ذکر ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل) بنی اسرائیل کے اس گستاخانہ جواب کو سنکر حضرت موسیٰ نے جناب باری میں عرض کیا اے میرے پروردگار میں سوائے اپنے اور اپنے بھائی کے اور کسی پر اختیار نہیں رکھتا یعنی میرا کسی پر بس نہیں چلتا مگر میری جان پر اور میرے بھائی پر بس چلتا ہے۔ لہٰذا آپ ہمارے اور اس نافرمان قوم کے مابین فیصلہ فرما دیجئے۔ (تیسیر) یہ جو فرمایا الا نفسی واخی۔ اس میں علماء نے کم و بیش چھ طرح ترکیب بیان کی ہے۔ ہم نے ایک شکل کو اختیار کرلیا ہے۔ ایک مطلب اس کا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اے میرے رب میں سوائے اپنی جان کے کسی اور پر اختیار نہیں رکھتا اور میرا بھائی سوائے اپنی جان کے کسی اور کا اختیار نہیں رکھتا۔ بہرحال حضرت موسیٰ کا یہ کلام انتہائی حسرت و افسوس اور طلب نصرت و معونت کو ظاہر کرتا ہے۔ رہا یہ شبہ کہ اس موقعہ پر حضرت موسیٰؑ نے صرف اپنے بھائی کا نام لیا اور یوشع بن نون اور کالب بن یوقنا کا ذکر نہیں کیا۔ حالانکہ بارہ سرداروں میں سے یہ دو سردار وفادار ثابت ہوئے تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے انتہائی پریشانی کی حالت میں یہ دعا کی تھی اور پریشانی میں ایسا ہوجاتا ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ وہ تبعاً بھی اس دعا میں شریک نہیں تھے۔ اور ہوسکتا ہے کہ اخی عام ہو۔ خواہ وہ نسبی بھائی ہو یا دینی بھائی ہو جیسا کہ بعض نے اختیار کیا ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بارہ میں سے دس نے خلاف ورزی کا ارتکاب کیا تھا اندیشہ ہوا ہو کہ نہ معلوم یہ دو بھی آگے چل کر کیسے ثابت ہوں اس لئے ان کا ذکر نہ کیا ہو اور ہارون چونکہ پیغمبر تھے، ان کی عصمت پر پورا اعتماد تھا اس لئے ان کا نام لیکر دعا میں شریک کرلیا ہو۔ فافرق کا یہ مطلب نہیں کہ ہم میں اور ہماری قوم میں جدائی ڈالدے اور ہم کو الگ الگ کردے۔ کیونکہ حضرت موسیٰ اور ہارون تادم وفات اپنی قوم میں رہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ ہم میں ایسا فیصلہ فرمادے جو ہر فریق کے حال کے مناسب اور اس کی شان کے شایاں ہو۔ یا یہ مطلب ہو کہ اگر تو کوئی عذاب نازل کرے تو ہم کو جدا کر دیجیو۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آخرت کی جانب اشارہ ہو کہ قیامت میں سزا دیتے وقت مجھ کو اور میرے بھائی کو الگ کرلیجیو۔ اگرچہ ان مختلف اقوال میں راجح وہی پہلا قول ہے واللہ اعلم۔ غرض دعا کا خلاصہ یہ ہے کہ اے میرے پروردگار قوم کی نافرمانی اور گستاخی تیرے سامنے ہے میں سوائے اپنی جان کے اور اپنے بھائی کے کسی اور پر زور نہیں رکھتا اور نہ سوائے اپنے اور اپنے بھائی کے کسی پر بس چلتا ہے لہٰذا ہم میں اور اس سرکش و نافرمان قوم کے مابین کوئی ایسا مناسب فیصلہ کر دیجئے جو ہر فریق کی شان کے شایاں اور ہر فریق کی حالت کے لائق ہو۔ اب آگے حضرت حق تعالےٰ کی جانب سے اس دعا کا جواب ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل) حق اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا پس اب یہ مقدس سرزمین ان پر چالیس سال کے لئے روک دی گئی اور یہ ملک چالیس سال تک ان کے ہاتھ نہ لگ سکے گا یہ زمین کے ایک خاص حصے میں یوں ہی سرمارتے پھریں گے یعنی چالیس سال تک نہ گھر واپس جاسکیں گے اور نہ ملک شام میں داخل ہونا نصیب ہوگا لہٰذا اے موسیٰ تم اس نافرمان قوم کی حالت پر بالکل افسوس نہ کرو (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ جب موسیٰ نے اللہ تعالےٰ کی جناب میں دعا کی تو ارشاد ہوا اچھا ہم فیصلہ کئے دیتے ہیں اور وہ فیصلہ یہ ہے کہ چالیس سال تک نہ تو ان کو گھر جانا نصیب ہوگا اور نہ ملک شام

ان کے ہاتھ آئے گا بلکہ یہ ایک حصہ زمین میں حیران وسرگرداں مارے مارے پھرتے رہے۔ حضرت موسیٰ نے اس فیصلے کو سن کر اور قوم کا انجام معلوم کرکے اپنے غم اور افسوس کا اظہار کیا تو اس پر ارشاد ہوا کہ موسیٰ اس نافرمان قوم پر کسی قسم کے افسوس اور غم کا اظہار نہ کیجئے۔ اور یہ جو فرمایا کہ وہ سرزمین ان پر حرام کر دی گئی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ تحریم شرعی نہیں ہے بلکہ تحریم تکوینی ہے جیسا کہ ترجمہ سے ظاہر ہو گیا ہوگا۔ اسی طرح یہ تحریم کتب اللہ لکم کے بھی منافی نہیں ہے۔ کیونکہ وہ کتب بھی تکوینی ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ کتب اللہ لکم مشروط تھا کہ اگر تم لوگوں نے اطاعت کی اور جہاد کیا تو وہ سرزمین تم کو ملے گی اور چونکہ ان لوگوں نے شرط کو پورا نہیں کیا اس لئے محروم رہے۔ اور کتب اللہ لکم میں کسی مدت اور وقت کا ذکر نہیں ہے اور تحریم میں ایک خاص مدت کا ذکر ہے لہٰذا دونوں باتوں میں کوئی منافات نہیں ہے اور اگر یہ شبہ کیا جائے کہ سزا تو بنی اسرائیل کو دی گئی لیکن حضرت موسیٰ اور ہارون کو ان کے ساتھ کیوں رکھا گیا اور یوشع اور کالب کو ان کے ساتھ کیوں رکھا گیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ ارض تیہ میں حضرت موسیٰ اور ہارون اور ان کے ساتھیوں کا رہنا اس کو مستلزم نہیں کہ وہ بھی سزا کے طور پر وہاں رکھے گئے تھے۔ حضرت موسیٰ اور ہارون کا رہنا محض نگرانی کے لئے تھا جیسے جہنم میں فرشتے بھی ہوں گے یا جیل میں قیدیوں کی دیکھ بھال کے لئے محافظ و نگراں مقرر ہوتے ہیں اور ان کو جیل میں رہنا ہوتا ہے حالانکہ وہ قیدی نہیں ہوتے۔ اسی طرح موسیٰ اور ہارون بھی وہاں بنی اسرائیل کی ہدایت و اصلاح کے لئے رکھے گئے، ارض تیہ میں ان کا رہنا سزا نہ تھا۔ الغرض بنی اسرائیل چالیس سال تک اس ارض تیہ میں رہے اور ان کے کھانے پینے اور سایہ وغیرہ کا انتظام کر دیا گیا۔ اس چالیس سال میں حضرت موسیٰ اور ہارون کی وفات ہو گئی اور اس قرن کے لوگ سب ختم ہو گئے اور ان کی اولاد جوان ہو گئی حضرت یوشع ان پر نبی مقرر ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے حضرت یوشع کے ہاتھ پر ملک شام کو فتح کرا دیا اور اس طرح کتب اللہ لکم کی بات پوری ہو گئی بنی اسرائیل کی اس نئی نسل نے جہاد کیا اور حضرت یوشع کی اطاعت کی اور ملک شام کو فتح کر لیا۔ اس موقع پر بعض مفسرین نے عوج بن عنق کا ذکر کیا ہے لیکن ابن کثیر نے نہایت سختی کے ساتھ اس قصے کا رد کیا ہے۔ حضرت ہارون اور حضرت موسیٰ کی وفات کا قصہ ہم نے تطویل کے خوف سے ترک کر دیا ہے۔ ان دونوں پیغمبروں کی وفات کا حال مفسرین نے بیان کیا ہے۔ بہرحال اس واقعہ میں چند امور قابل غور ہیں۔ (۱) اللہ تعالیٰ کے فضل و انعام کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے اور اس کے پیغمبر جو حکم دیں اس کو مانا جائے لیکن افسوس بنی اسرائیل نے ایسا نہیں کیا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوبؑ کی اولاد میں بے شمار نبی پیدا کئے اور ان کی اولاد میں بے شمار لوگوں کو سرداری اور فرماں روائی کے منصب پر فائز کیا اور موسیٰ ہارون جیسے اولوالعزم پیغمبر عطا فرمائے لیکن انہوں نے ان تمام احسانات کی قدر نہ کی اور نافرمانی کے جرم کا ارتکاب کیا اور سزا میں مبتلا کئے گئے۔ (۲) جہاد کا ترک کر دینا قوم کو ذلیل اور خوار کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتے رہنا اللہ تعالیٰ کے کلمہ کو بلند کرتا ہے اور قوم کی عزت کا موجب ہوتا ہے۔ (۳) انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ان کے قائم مقام لوگوں کی مخالفت کرنا اور ان کی شان میں گستاخی کرنا موجب وبال اور باعث عقوبت ہوتا ہے (۴) انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اپنی امت کے ساتھ نہایت شفقت و محبت ہوتی ہے اور ان کو امت کی تکلیف سے رنج ہوتا ہے۔ (۵) جب ایک قوم نافرمانی کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ دین و دنیا کی نعمت سے محروم کر دیتا ہے اور ان کی جگہ دوسروں سے کام لیتا ہے خواہ وہ دوسرے امتی کی اولاد ہوں۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں اہل کتاب کو یہ قصہ سنایا اس پر کہ اگر تم رفاقت نہ کرو گے پیغمبر کی تو یہ نعمت اوروں کو نصیب ہوگی آگے اس پر قصہ سنایا ہابیل و قابیل کا کہ حسد مت کرو حسد والا مردود ہے موضح القرآن۔ آگے کی آیتوں میں جو قصہ مذکور ہے اس کا ربط تو حضرت شاہ صاحبؒ نے بھی بیان کر دیا۔ بات یہ ہے کہ بنی اسرائیل کو بڑا گھمنڈ اس امر پر بھی تھا کہ ہم نبیوں کی اولاد ہیں اور ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں ہم چاہے کچھ بھی کرتے پھریں ہم سے کوئی باز پرس نہ ہوگی اس لئے آگے پیغمبر کی نسبی اولاد کا ذکر فرمایا تاکہ یہ معلوم ہو کہ ہابیل اور قابیل تو حضرت آدم کی اولاد تھے اور حوا کے بطن سے پیدا ہوئے تھے لیکن نافرمانی کی وجہ سے قابیل کا حشر کیسا ہوا اور نبی کی اولاد ہونا کچھ کام نہ آیا۔ اسی واقعہ کی آگے کی آیتوں میں تفصیل بیان فرمائی ہے۔ ہابیل اور قابیل کے واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں ایک لڑکا اور ایک لڑکی جوڑواں ہوتے تھے اور اس وقت ضرورت کی وجہ سے بہن بھائی کی شادی آپس میں جائز تھی مگر فرق اتنا ہوتا تھا کہ ایک بطن کا لڑکا دوسرے بطن کی لڑکی اور ایک بطن کی لڑکی اور دوسرے بطن کا لڑکا یعنی بطن کے فرق کو نسب کے فرق کا حکم دے دیا گیا تھا۔ چنانچہ حسب معمول ایک لڑکی ہابیل کے ساتھ پیدا ہوئی اور ایک قابیل کے ساتھ ہوئی حضرت آدم نے ضابطے کے موافق جو لڑکی ہابیل کے ساتھ پیدا ہوئی تھی اس کا نکاح قابیل کے ساتھ اور قابیل کے ساتھ جو لڑکی پیدا ہوئی تھی اس کا نکاح ہابیل کے ساتھ کرنا چاہا مگر اتفاق سے جو لڑکی قابیل کے ساتھ پیدا ہوئی تھی وہ زیادہ حسین تھی اور ہابیل کے ساتھ جو لڑکی پیدا ہوئی وہ زیادہ خوب صورت نہ تھی اس لئے قابیل نے اس شادی پر اعتراض کیا اور اس امر کی خواہش کی کہ میں اس لڑکی سے شادی کروں جو میرے ہمراہ پیدا ہوئی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے بہت کچھ سمجھایا مگر قابیل رضامند نہ ہوا۔ اس پر حضرت آدمؑ نے جھگڑا ختم کرنے کی وجہ سے فرمایا تم دونوں بھائی اپنی اپنی کچھ نیاز اللہ تعالیٰ کی جناب میں پیش کرو جس کی نیاز قبول ہو جائے گی اس لڑکی کی شادی اس سے ہو جائے گی۔ کیونکہ حضرت آدمؑ جانتے تھے کہ قابیل غلطی پر ہے اس کی نیاز قبول نہ ہوگی اور پھر یہ جھگڑا اور جھگڑے سے باز آ جائے گا۔ چنانچہ ہابیل ایک دنبہ لایا اور قابیل کچھ پھل لایا دونوں نے اپنی اپنی نیاز لا کر اس جگہ رکھ دی جو نیاز کے لئے مقرر تھی تب ایک آگ آسمان سے آئی اور ہابیل کی نیاز کھا گئی اور اس زمانے کے دستور کے مطابق ہابیل کی نیاز مقبول سمجھی گئی لیکن قابیل قائل نہ ہوا اور ہابیل کے پیچھے پڑ گیا اور اس کو قتل کرنے کے درپے ہو گیا اور بالآخر ہابیل کو قتل کر دیا لیکن یہ سمجھ میں نہ آیا کہ اس کی لاش کو کہاں چھپائے اور کس طرح چھپائے کہ آدم علیہ السلام کو اطلاع نہ ہو اس وقت ہابیل کی عمر بیس سال کی تھی۔ قابیل اس کی لاش کو لئے لئے پھرا اور آخر ایک کوے کے ذریعہ اس کو دفن کا طریقہ بتایا گیا تب کہیں اس نے ہابیل کی لاش کو دفن کیا۔ آگے کی آیتوں میں اسی قصے کا بیان ہے۔ ابن کثیر نے اس موقعہ پر بہت سی روایتیں اور بہت سے اقوال نقل کئے ہیں مگر ہم نے اس روایت کا خلاصہ نقل کر دیا ہے جو ابن جریر نے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے نقل کی ہے۔ بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ ہابیل کے قتل کا واقعہ اس وقت پیش آیا جب آدم مکہ معظمہ گئے ہوئے تھے اور بعض نے کہا ہابیل کے آنے میں ایک روز تاخیر ہو گئی تو حضرت آدمؑ نے قابیل کو بھیجا کہ اس کو دیکھ کر لائے چنانچہ قابیل تلاش کرنے گیا اور ایک چھرا اپنے ہمراہ لے گیا اور راستے میں جب کہ ہابیل آ رہا تھا اس کو قتل کر دیا واللہ اعلم۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے (تسہیل ف) اور اے پیغمبر آپ ان اہل کتاب کو حضرت آدم کے دو بیٹوں کا قصہ صحیح طور پر پڑھ کر سنا دیجئے اور ہابیل و قابیل کا واقعہ ان کو ٹھیک ٹھیک پڑھ کر سنا دیجئے۔ یہ قصہ اس وقت ظہور پذیر ہوا جب کہ ان دونوں نے اللہ تعالیٰ کے نام کی ایک ایک نیاز پیش کی سو ان دونوں میں سے ایک کی نیاز تو قبول ہو گئی یعنی ہابیل کی اور دوسرے کی مقبول نہیں ہوئی یعنی قابیل کی۔ اس پر وہ دوسرا یعنی قابیل ہابیل سے کہنے لگا کہ میں ضرور تجھ کو قتل کر ڈالوں گا۔ ہابیل نے جواب دیا میرا اس میں کیا قصور ہے اللہ تعالیٰ تو بس پرہیزگاروں ہی کا عمل قبول کیا کرتا ہے۔ (تیسیر) نبأ کے معنی خبر انباء کے معنی خبریں ہم نے ترجمہ میں واقعہ اور قصہ کہا ہے۔ علیہم سے مراد اہل کتاب ہیں اور ان ہی کو یہ قصہ بطور توبیخ و تہدید سنانا مقصود ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ عام مسلمان یا عام انسان مراد ہوں۔ کیونکہ ہر شخص کے لئے موعظت اور نصیحت کا سامان اس قصے میں موجود ہے۔ آدم سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں اگرچہ اور قول بھی ہے لیکن راجح یہی ہے کہ حضرت آدم مراد ہیں اور یہ قتل و خونریزی کا بنی نوع انسان میں پہلا واقعہ ہے۔ بالحق کا مطلب یہ ہے کہ متلبسا بالحق او متضمنا بالحق۔ یعنی وہ واقعہ جو مشتمل بر حق اور سچ پر مبنی ہے۔ متقین کے معنی ہم نے پرہیزگار کئے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ یہاں پرہیزگار سے وہ شخص مراد ہو جو باہمی نزاع میں حق کا طرفدار اور حق کا حامی ہو باطل کا طرفدار نہ ہو جو شخص کسی دوسرے کا حق دبانے سے پرہیز کرے وہ متقی ہے۔ غرض آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ اے پیغمبر آپ ان لوگوں کو آدم کے دونوں بیٹوں کا قصہ جو صحیح اور حق ہے پڑھ کر سنا دیجئے۔ وہ واقعہ اس وقت کا ہے جبکہ ان دونوں لڑکوں نے ایک ایک نیاز اللہ کے لئے پیش کی اور پہاڑ پر یا قربان گاہ پر لا کر رکھی اور ان میں سے ایک کی جو حق پر تھا مقبول ہو گئی دوسرے کی قبول نہ کی گئی کیونکہ وہ ناحق پر تھا۔ اور اگر دونوں کی مقبول ہو جاتی تو حق و باطل کا فیصلہ نہ ہوتا۔ اس سے وہ لڑکا جو ناحق پر تھا غصے اور حسد سے ناراض ہو کر بولا کہ میں ضرور تجھ کو قتل کر دوں گا۔ اس پر اس نے کہا کہ بھائی اس میں میرا کیا قصور ہے۔ قربانی کا قبول ہونا نہ ہونا تو تقوے اور پرہیزگاری پر ہے تو ناحق پر ہے اس لئے تیری نیاز مقبول نہیں ہوئی اور میں حق پر خدا سے ڈرتا ہوں، کسی کا حق مارنے سے پرہیز کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں ہی کے عمل قبول فرماتا ہے۔ لیکن اگر باوجود ناحق پر ہونے کے بھی ایسا کرے گا تو تو ذمہ دار ہوگا۔ ہابیل کا اپنے کو متقی کہنا تفاخر کے طور پر نہ تھا بلکہ تحدیث نعمت کے لئے تھا۔ حضرت شاہ صاحبؒ

زمانے میں حضرت آدم کی اولاد ہونے لگی ایک حمل میں دو شخص بیٹا اور بیٹی اس وقت میں بہن بھائی کا نکاح روا تھا مزید تا حضرت آدم تو بھی احتیاط کرتے ایک حمل کے بھائی بہن نہ ملاتے ایک سی حضرت آدم ہابیل کو دینے لگے اسی کو قابیل لگا مانگنے انہوں نے دونوں کی خاطر کہا تم دونوں اللہ کی نیاز کرو ہابیل جو نبی کے حکم پر تھا اس کی نیاز غیب سے آتش آکر جلا گئی یعنی قبول ہوئی۔ قابیل کی نیاز چھوڑ گئی قابیل نے حسد سے چاہا کہ ہابیل کو مار ڈالے آخر مار ڈالا اب تک جہاں خون ناحق ہوتا ہے، اس پر بھی ایک وبال چڑھتا ہے۔ موضح القرآن۔ جب ہابیل کو یہ معلوم ہو گیا کہ قابیل مجھ کو ضرور قتل کرے گا تو انہوں نے فرمایا اس کو اللہ تعالے آگے بیان فرماتا ہے۔ (تسہیل)۔

بقیہ صفحہ ۱۷۸

رے اور شرسی کی مشابہت اور تشبہ اختیار نہ کرنا سعد بن ابی وقاص سے مرفوعاً روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنوں کا ذکر فرماتے ہوئے کہا اس پرفتن دور میں بیٹھا انسان کھڑے ہونے والے سے بہتر ہو گا اور کھڑا ہوا انسان چلنے والے سے بہتر ہو گا اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہو گا کسی نے پوچھا اگر کوئی شخص یا رسول اللہ میرے گھر میں گھس آئے اور مجھ پر ہاتھ چلائے اور قتل کرنا چاہے آپ نے فرمایا تو مثل ابن آدم کے ہو جا یعنی ایسے موقع پر ہابیل کی پیروی کر۔ ایک اور روایت صحیحین میں ہے۔ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قاتل اور مقتول دونوں آگ میں ہیں۔ کسی نے کہا یا رسول اللہ قاتل کا آگ میں جانا تو ظاہر ہے کہ قتل کی وجہ سے ہوا لیکن مقتول آگ میں کیوں جائے گا۔ فرمایا وہ اپنے ساتھی کے قتل پر حریص تھا مطلب یہ ہے کہ دونوں ایک دوسرے پر قتل کی نیت سے حملہ آور تھے مگر یہ اتفاق کی بات ہے کہ ایک نے دوسرے کو مار ڈالا۔ بہر حال مدافعت جائز ہے لیکن مسلمانوں کی باہمی جنگ میں ہاتھ نہ اٹھانا اور مسلمان کے قتل سے بچنا اور خود قتل ہو جانا افضل اور عزیمت ہے۔ جیسا کہ حضرت ایوب سختیانی کا قول ابن کثیر نے نقل کیا ہے کو سب سے پہلے امت میں جس شخص نے اس آیت پر عمل کیا وہ حضرت عثمان ذی النورین تھے کہ وہ خود شہید ہو گئے اور باغیوں پر حملہ کرنے کا حکم نہیں دیا اور اجازت مانگنے والوں کو نہایت سختی سے روکا جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ کی روایت میں صراحۃً آیا ہے بعض لوگوں نے کہا مخصوص مدافعت جائز ہے۔ مثلاً کہیں بھاگ جانا، چھپ جانا، حملہ آور کے ہاتھ پکڑ لینا اس کے ہاتھ سے ہتھیار چھین لینا۔ البتہ ایسی مدافعت میں رخصت ہے جو قتل کے ارادے کو شامل ہو اور ایسی مدافعت کا ترک عزیمت ہے جیسا کہ ظاہری نص سے سمجھا جاتا ہے یعنی ہابیل نے یہ کہا کہ میں تیرے قتل کرنے کے لئے تجھ پر دست درازی نہ کروں گا۔ واللہ اعلم۔ فقیر عرض کرتا ہے کہ مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگی اور قتل و قتال کی نوعیت اور ہے۔ جیسا کہ امت پر اس قسم کے دور آتے رہتے ہیں اور ہر صدی میں کسی نہ کسی فتنے کے باعث مسلمان آپس میں دست و گریبان ہو جاتے ہیں۔ لیکن کافروں کی نوعیت اور ان کا حکم اور ہے۔ اگر کافر حملہ آور ہوں اور مدافعت کی طاقت ہو تو مدافعت کرنا ضروری ہے۔ اس زمانے کے بعض لوگوں نے اس آیت سے ستیاگرہ اور مقاومت مجہول پر استدلال کیا ہے اور بعض خوش فہم حضرات نے حضرت عثمان کو اس امت کا پہلا ستیاگرہی کہا ہے فقیر عرض کرتا ہے کہ مقاومت مجہول کے لئے کسی خاص استدلال کی ضرورت نہیں بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی کافی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مدافعت کی طاقت نہ ہو تو مظالم برداشت کرو اور مدافعت کی طاقت میسر ہو تو مدافعت کرو۔ (۲) ہابیل کا انی ارید کہنا اور قابیل پر تمام گناہوں کے ڈالنے کی خواہش کرنا یہ کس طرح صحیح ہو سکتا ہے کیونکہ یہ خواہش ایک دوسرے شخص کے لئے کفر یا معصیت کرنے کی خواہش کرنا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ارادے کا اصل تعلق اپنے بھائی کو گناہ کی برائی اور گناہ کے ترک کر دینے پر تنبیہ کرنا ہے۔ جیسا کہ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہاں ہابیل کو مجازاً ارادہ کرنے والا کہا گیا ہے کیونکہ جب اس نے یہ معلوم کر لیا کہ قابیل مجھ کو قتل کرنے والا ہے اور انہوں نے اپنے نفس کو سونپ دیا اور ثواب کی غرض سے مدافعت کو ترک کر دیا تو گویا وہ مجازاً ارادہ کرنے والا ہو گیا۔ اور بات بھی یہ ہے کہ جس استسلام اور انقیاد کا یہ نتیجہ ہونے والا تھا کہ قابیل اپنے گناہ اور ہابیل کے قتل کا گناہ سمیٹے تو اس کو انی ارید سے تعبیر فرمایا ہے ورنہ یہاں ارادے سے حقیقی مراد متحقق نہیں اور ہم نے جو ابھی نمبر ایک میں عرض کیا ہے کہ مدافعت با ارادۂ قتل کا ترک عزیمت ہے اور ایسی مدافعت میں رخصت ہے جو قتل کے ارادے کو شامل ہو۔ یہ اس روایت کے منافی نہیں ہے جو ابھی اوپر مذکور ہوئی کہ قاتل اور مقتول دونوں دوزخ میں ہیں۔ کیونکہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ابتدا ہی سے ایک دوسرے پر قتل کے ارادے سے حملہ آور ہوا اور ہماری عبارت کا مطلب یہ ہے کہ جب حملہ آور کے قتل کرنے کا یقین ہو جائے اور اس وقت مدافعت کرے اور یہ ارادہ ہو کہ میں اس کو قتل کر دوں تو اس قسم کی مدافعت پر رخصت ہے۔ (۳) ہابیل کا یہ کہنا باثمی و اثمک۔ بظاہر اس آیت کے منافی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا لوگوں نے اس شبہ کے بہت سے جواب دیئے ہیں۔ آسان اور سہل وہ ہے جس کی جانب ہم نے ترجمہ اور تیسیر میں اشارہ کیا ہے۔ یعنی اپنے سب گناہوں کے ساتھ میرے قتل کرنے کا گناہ بھی سمیٹ لے۔ ہابیل نے جو بات کہی وہ بالکل ایسی ہے جیسے آجکل بھی محاورے میں کہی جاتی ہے کہ میں تو کچھ کہوں گا نہیں یا میں تو ہاتھ اٹھاؤں گا نہیں سب بوجھ تمہارا تیرے اوپر رہے گا۔ وہی مطلب اس آیت کا بھی ہو سکتا ہے۔ حضرت حذیفہ جو مشہور صحابی ہیں اور آخری زمانے کے فتنوں کی ان کو بہت سی حدیثیں یاد تھیں ان کے جنازے پر ایک صاحب نے فرمایا کہ میں نے مرحوم سے سنا ہے یہ کہا کرتے تھے اگر تم آپس میں لڑو گے تو میں اپنے گھر میں سب سے اندر کے حصے میں چلا جاؤں گا اور دروازے بند کر کے بیٹھ جاؤں گا۔ اگر وہاں بھی کوئی گھس آئے گا تو میں کہہ دوں گا لے اپنا اور میرا گناہ اپنے سر پر رکھ لے اور میں اس طرح قوم کے ان دو بیٹوں میں سے اس کی طرح ہو جاؤں گا جو دونوں میں سے بہتر تھا مطلب یہ ہے کہ کوئی قتل کرنے آئے گا تو میں قتل ہو جاؤں گا اور ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا اور کہہ دوں گا سب بوجھ تمہارا تیری گردن پر بعض حضرات نے کہا ہے باثمی سے مراد بمثل اثمی ہے۔ یعنی اگر میں دست درازی کرتا تو جو گناہ مجھ پر ہوتا ویسا ہی گناہ تیری دست درازی سے تجھ پر ہو گا بعض لوگوں نے قیامت میں ظالم کی نیکیاں چھین کر مظلوم کو دلوائی جائیں گی اور اگر بدلہ پورا نہ ہو گا تو مظلوم کے گناہ اس پر رکھے جائیں گے یہاں تک کہ ظلم کا بدلہ پورا ہو جائے لہذا ہو سکتا ہے کہ کسی ظالم کا ظلم اتنا زیادہ ہو کہ مظلوم کے تمام گناہ اس پر لاد دیئے جائیں تب کہیں جا کر ظلم کا بدلہ پورا ہو۔ ان سب معنی کے باوجود ابن جریر نے حضرت مجاہد کے اسی معنی کو ترجیح دی ہے جو ہم نے اختیار کئے ہیں۔ ابن جریر نے کہا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے اور گناہوں کے ساتھ میرے قتل کا گناہ بھی تجھ پر رکھ دیا جائے۔ یہ مطلب نہیں کہ میرے تمام گناہ تجھ پر لاد دیئے جائیں۔ واللہ اعلم مسلم نے حضرت ابو ہریرہ سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ میری امت کا مفلس شخص وہ ہو گا جو قیامت میں نماز، روزہ اور زکات لیکر آئے گا مگر ایک شخص اس کے مقابلے میں آکر کہے گا الٰہی اس نے مجھ کو گالی دی تھی، میرا مال کھایا تھا اور اس نے مجھ کو مارا تھا اور اس نے مجھ کو قتل کیا تھا۔ ارشاد ہو گا اس ظالم کی تمام نیکیاں مظلوم کو دی جائیں۔ اگر نیکیاں اس کے حق چکتا نہ کر سکیں گی تو ارشاد ہو گا کہ مظلوم کے گناہ اس پر رکھ دیئے جائیں۔ چنانچہ اس کے بعد اس کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ خاتم المحدثین حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک توجیہ فیض الباری میں نظر سے گذری جس کا خلاصہ یہ ہے کہ باء کا ترجمہ ہے رجع جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں اور وباء وا بغضب من اللہ کے موقع پر بتا چکے ہیں۔ نیز یہ کہ ایک حدیث میں آتا ہے السیف محاء الذنوب یعنی تلوار گناہوں کو مٹا ڈالنے والی ہے۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر مقتول قاتل کے قتل کا ارادہ نہ کرے تو مقتول کے تمام گناہ مٹا دیئے جاتے ہیں اور اس حدیث کا یہی مورد ہے کیونکہ القاتل والمقتول فی النار کا مورد دوسرا ہے۔ لہٰذا اب مطلب آیت کا یہ ہوا کہ میری خواہش یہ ہے کہ قابیل تو دوزخ میں اپنے گناہوں کی وجہ سے داخل ہو جائے اور اپنی تلوار سے میرے گناہ مٹا جائے۔ اور جب اپنے گناہوں کے ساتھ اپنی تلوار اور اپنے فعل سے ہابیل کے گناہ مٹا دے گا تو گویا اس پر یہ بات صادق آجائے گی کہ وہ اپنے گناہوں کے ساتھ اپنے بھائی کا گناہ مٹا کر لوٹا یہ مطلب نہیں کہ بھائی کا گناہ اس پر ڈال دیا گیا۔ گویا اپنے گناہ سر پر رکھ کر لے گیا اور بھائی کے گناہ اپنی تلوار اور اپنے قتل سے مٹا گیا، اور اپنے ساتھ لے گیا مزید تفصیل اگر مطلوب ہو تو فیض الباری کی پہلی جلد کا ص۱۲۱ ملاحظہ کیا جائے۔ حافظ الحدیث حضرت مولانا انور شاہ صاحب نے بہت ہی باریک بات بیان فرمائی ہے۔ یعنی جب ہابیل کو ظلماً قتل کر کے جائے تو اس حالت سے جائے کہ اپنے گناہ تو اپنے ہمراہ لیکر جائے اور اپنے بھائی کے گناہ مٹا کر جائے۔ لہٰذا ایسی حالت میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اپنے گناہ اور اپنے بھائی کے گناہ ساتھ لے گیا۔ اپنے گناہ اپنے ساتھ لے گیا، کا مطلب یہ ہے کہ اپنی گردن پر رکھ کر لے گیا۔ اور بھائی کے گناہ ساتھ لے جانے کا مطلب یہ ہے کہ ہابیل کے گناہ ختم کر گیا۔ حضرت مولانا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جس حدیث سے اس آیت کی تفسیر کی ہے وہ حدیث السیف محاء الذنوب ہے۔ اور یہ حدیث بزار کی ہے اور حضرت شاہ صاحبؒ نے اس کو حدیث قوی کہا ہے۔ ابن کثیر نے بھی اپنی تفسیر میں بزار سے اس حدیث کو نقل کیا ہے مگر اس کی صحت کا انکار کیا ہے اور اس کے ایک اور معنی بھی بیان کئے ہیں اور ان لوگوں کا رد کیا ہے جو اس حدیث کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ مقتول کے

گناہ قاتل پر آجاتے ہیں۔ صاحب ابن کثیر فرماتے ہیں اس حدیث کا یہ مطلب ہے کہ قتل کی تکلیف کے باعث اللہ تعالے مقتول کے تمام گناہ معاف کر دیتا ہے۔ لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ گناہ قاتل پر ڈالدیئے جاتے ہیں۔ بہرحال حضرت شاہ صاحبؒ نے جو لطیف اور محفوظ طریقہ شرح کا اختیار فرمایا ہے وہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی اس سوجھ بوجھ اور صحیح فہم کا پتہ دیتا ہے جو حضرت حق تعالے نے ان کو قرآن وحدیث کے بارے میں عطا فرمایا تھا۔ بہرحال ان تمام تشریحات کے بعد یہ بات سمجھ میں آگئی ہوگی کہ کوئی شخص سوائے اپنے جرائم کے دوسرے کے گناہوں کا ذمہ دار نہیں ہوتا۔ رہا وہ واقعہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ہرقل کو خط لکھا تو اس میں فرمایا تھا۔ فعلیك اثم الیریسیین۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تیرے ایمان نہ لانے سے جو تیری قوم ہلاک وبرباد ہوگی اور تیرے حاشیہ نشین برباد ہوں گے تو ان کی تباہی و بربادی کا گناہ تجھ پر ہوگا، یہ مطلب نہیں کہ ان کے کفر کا گناہ بھی تجھ پر ہوگا۔ اور سورۂ عنکبوت میں جو فرمایا ہے ولیحملن اثقالھم واثقالا مع اثقالھم۔ اس کے متعلق انشاء اللہ تعالیٰ بشرط زندگی وہیں عرض کریں گے یہاں صرف اس قدر اشارہ کافی ہے کہ کسی بری رسم اور کسی برے طریقے کو جاری کرنے والے اور دوسروں کو گناہ کی ترغیب دینے والے پر بھی اس بری بات کے کرنے والوں کا گناہ ہوتا رہتا ہے وہاں بوجھ سے وہی گناہ مراد ہیں۔ جیسا کہ یہاں بھی آگے اسی قسم کا مضمون آتا ہے۔ بہرحال اب آگے قابیل کا اپنے بھائی کو قتل کرنے اور کوے سے تدفین کا حال معلوم کرنے کا ذکر ہے۔ (تسہیل ؒ) آخر کار قابیل کو اس کے نفس نے اپنے بھائی کا قتل آسان کر دیا اور اس کو خوشنما اور خوش منظر دکھایا اور قابیل کو اس کے جی نے اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کر دیا۔ اور اس قابیل نے اس کو یعنی ہابیل کو قتل کر ڈالا لہذا وہ قابیل سخت نقصان اٹھانے والوں میں شامل ہوگیا۔ پھر اللہ تعالےٰ نے ایک کوا بھیجا جو زمین کھودنے لگا۔ تاکہ وہ کوا قابیل کو یہ بتادے اور یہ سکھادے کہ وہ اپنے بھائی کی لاش کو کس طرح چھپائے۔ قابیل کوے کی اس فراست کو دیکھ کر کہنے لگا ہائے افسوس میرے حال پر کہ میں اس قابل بھی نہ ہوسکا اور میں اس سے بھی گیا گذرا ہوگیا کہ اس کوے ہی کے برابر ہوتا اور اس کوے ہی جیسا ہوتا اور اپنے بھائی کی لاش کو تو چھپا دیتا پھر قابیل اپنی اس زبوں حالی اور بدحالی پر شرمندہ ہوا اور پچھتانے لگا (تیسیر) طوعت۔ طاوعت کے معنی مفسرین نے آمادہ کر دیا۔ آسان کر دیا۔ آراستہ کر دیا اور قتل کا تصور کرادیا وغیرہ بیان کئے ہیں۔ ہم نے تیسیر میں سب کی رعایت سے خلاصہ کیا ہے۔ بحث۔ کھودنا۔ کریدنا کسی آلہ سے یا چونچ اور پنجوں سے۔ غراب۔ کوا۔ سوءۃ جسم کا وہ حصہ جس کے کھولنے کا حکم نہیں۔ شرمگاہ۔ لاش۔ عیب۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ قابیل نے بھائی کے قتل کا اظہار تو پہلے ہی کر دیا تھا آخر کار اس کے نفس نے اس کو قتل پر آمادہ ہی کر دیا اور اس کے فوائد سمجھا دیئے کہ ہابیل کا کانٹا راستہ سے ہٹ جائے گا تو سب کام آسان ہوجائیں گے اس کا مار ڈالنا بہت اچھا ہوگا اور اس کا مارنا ہی کیا یہ تو مقابلہ کرے ہی گا نہیں جس طرح چاہے مار ڈالو۔ بہرحال جب اس کے نفس نے آمادہ

کر دیا تو وہ اس فعل شنیع کو کر گذرا۔ کہتے ہیں چھری سے مارا یا وہ سوتا تھا ایک بڑا پتھر اس کے سر پر دے مارا یا ایک پتھر نیچے رکھا اور ایک پتھر اوپر سے مارا جس سے اس کا سر کچلا کچلا ہوگیا یہ بھی کہا جاتا ہے کہ قتل کا طریقہ شیطان نے سکھایا اور ایک جانور کا سر پتھر سے کچل کر دکھلایا اور ہوسکتا ہے کہ درندے کی طرح قابیل نے دانتوں سے کاٹ کاٹ کر اور پھاڑ کر مارا ہو۔ واللہ اعلم۔ شیطان نے اس قتل کی خبر حضرت حوا کو دی اور ان کو سمجھایا کہ مرنا ایسا ہوتا ہے وہ رونے لگیں۔ حضرت حق تعالےٰ فرماتا ہے کہ وہ نقصان اٹھانے والوں میں شامل ہوگیا یعنی دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی نقصان اٹھانے والا ہوا۔ دنیا کا نقصان تو یہ ہوا کہ ہابیل کو قتل کرنے کے بعد اس کا دماغ بیکار ہوگیا اور پاگل ہوگیا اور آخرت کا نقصان یہ کہ حدیث میں آتا ہے کہ قیامت تک دنیا میں جس قدر ناحق قتل ہوتے رہیں گے ان میں سے ہر ایک قتل کا گناہ علاوہ قاتل کے قابیل کے ذمہ بھی لکھا جاتا رہے گا کیونکہ قابیل دنیا میں قتل کا پہلا بانی اور موسس ہے۔ بہرحال قتل کرنے کو تو قتل کر دیا اب فکر لاحق ہوئی کہ لاش کو کہاں چھپائے۔ سب سے پہلا واقعہ لاش کو لئے لئے پھرتا رہا آخر اللہ تعالےٰ نے ایک کوے کو بھیجا جس نے زمین کو کھود کر ایک گڑھا سا کر لیا اور اس میں دوسرے کوے کو جو مرا ہوا تھا یا دونوں کووں نے لڑکر آپس میں ایک دوسرے کو مارا تھا۔ اس مرے ہوئے کوے کو گڑھے میں ڈال کر اس کو مٹی میں دبا دیا۔ تب قابیل نے سمجھا کہ لاش کو چھپانے کا طریقہ یہ ہے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ صرف کوے کے زمین کھودنے سے قابیل نے سمجھ لیا ہو۔ تب اس نے افسوس کے لہجہ میں کہا کہ ہائے میں تو اس کوے سے بھی گیا گذرا ہوگیا کہ اپنے بھائی کی لاش کو چھپا دیتا بہرحال اپنی حالت پر نادم اور شرمندہ ہوا اور ہوسکتا ہے کہ اس قتل پر نادم ہوا ہو لیکن یہ ندامت توبہ نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ یہ ندامت محض ان پریشانیوں کی وجہ سے تھی جو قتل کے بعد پیش آئیں، نہ یہ کہ معصیت پر نادم ہوا مفسرین نے ان واقعات کو مختلف الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے ہم نے تمام اقوال کا خلاصہ بیان کر دیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ قتل کے بعد قابیل کا تمام جسم سیاہ پڑ گیا ہو۔ درختوں میں کانٹے نکل آئے ہوں۔ پھل کھٹے ہونے لگے ہوں۔ یہ باتیں کچھ مستبعد نہیں، اگر روایات صحیحہ سے ثابت ہوں۔ لیکن ہمیں افسوس ہے کہ اس بارے میں اکثر روایات ضعیفہ بلکہ موضوعہ کا استعمال کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں اس سے پہلے کوئی انسان مرا نہ تھا کہ معلوم ہو مردے کا بدن کیا کرے قابیل ہابیل کو مار کر ڈرا کہ اس کا بدن پھٹا رہے گا تو لوگ دیکھ کر مجھ کو پکڑیں گے اس کو پوٹ باندھ کر لئے پھرا کئی روز آخر اللہ نے ایک کوا بھیجا اس نے زمین کو کریدا اس کو دکھا کر یہ سمجھایا کہ اس کے بدن کو دفن کرنا چاہئے اور نقل میں یوں آیا ہے کہ ایک کوے نے زمین کو کرید کر دوسرے کوے مردے کو دفن کیا اس نے دفن بھی دیکھا اور بھائی کی خیر خواہی دوسرے بھائی کے حق میں دیکھی اور اپنے فعل سے پشیمان ہوا۔ موضح القرآن۔ ہم ابھی عرض کر چکے ہیں کہ پچھتانا اگر فعل قتل پر ہو اگرچہ اس کی صراحت نہیں تب بھی وہی پچھتانا مفید ہوسکتا ہے جس کے گناہ پر معذرت ہو آئندہ کے لئے اجتناب ہو اور تدارک کا فکر ہو۔ ورنہ یہ پچھتانا گناہ کی معافی کے لئے کافی نہیں اور یہاں تو پچھتانا

بھی بظاہر اپنی بدحالی پر تھا گناہ پر نہ تھا اس لئے یہ ندامت محض طبعی تھی کوئی شرعی ندامت نہ تھی واللہ اعلم۔ قابیل کے کفر کے متعلق کوئی صحیح چیز نظر سے نہیں گذری بعض محققین نے اس کے مومن عاصی ہونے کا قول کیا ہے۔ صاحب تفسیر مظہری نے بیان کیا ہے کہ قابیل اپنی بہن اقلیما کو لیکر عدن کی طرف چلا گیا اور وہاں آتش پرستی کرنے لگا اور اس کی اولاد نے آلات لہو اور گانے بجانے کی چیزیں ایجاد کیں اور یہ سب لوگ نوح کے طوفان سے غرق ہوئے واللہ اعلم۔ اس قصے کا ایک پہلو تو یہ تھا کہ بنی اسرائیل کو اس امر پر تنبیہ تھی کہ گناہ کے مواخذہ پر اور معاصی کی گرفت پر نسب کا کوئی اثر نہیں پڑتا جیسا کہ قابیل کو اس کا نسب کام نہ آیا۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ قتل بہت بڑی چیز ہے۔ دیکھو قابیل قتل کی وجہ سے کس قدر نقصان میں پڑا۔ چنانچہ آگے قتل کرنے اور خون گرانے کے انجام کا بیان ہے اور اس کے حرام ہونے کا اعلان ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ (تسہیل)۔

بقیہ صفحہ ۱۷۹

اس طرح مطلب بیان کیا ہے کہ چونکہ ایک بے گناہ کا قتل اللہ تعالےٰ کی ناراضگی کا موجب ہے اور قاتل کے دوزخی ہونے کا سبب ہے۔ تو یہ چیز ایک آدمی کے قتل میں اور ہزار انسانوں کے قتل میں مشترک ہے اس لئے فرمایا کہ ایک بے گناہ انسان کو قتل کرنا ایسا ہی ہے جیسے تمام انسانوں کو قتل کر دیا۔ اسی طرح ایک بے گناہ انسان کو بچانے کا ثواب بھی ایسا ہی ہے جیسا سب انسانوں کو بچالیا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں فتنے کے زمانے میں حضرت عثمان کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے کہا میں آپ کی امداد کے لئے حاضر ہوا ہوں تاکہ آپ کے باغیوں سے جنگ کروں۔ حضرت عثمانؓ نے کہا اے ابوہریرہ کیا تجھ کو یہ بات پسند ہے کہ تو سب لوگوں کو مار ڈالے اور ان کے ہمراہ مجھ کو بھی مار ڈالے ابوہریرہؓ نے عرض کیا نہیں۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے فرمایا اے ابوہریرہ تو نے اگر ایک آدمی کو مارا تو یہ ایسا ہی ہے جیسے تو نے سب کو قتل کیا۔ میں تجھ کو حکم دیتا ہوں کہ تو لوٹ جا اور کسی پر ہاتھ نہ اٹھا۔ ابوہریرہ کہتے ہیں میں یہ سنکر قتال سے رک گیا۔ ابن عباس نے فرمایا سب کا زندہ کرنا یہ ہے کہ جس جان کا مارنا اللہ نے حرام کیا ہے تو اس کو قتل نہ کرے۔ مجاہد نے کہا زندہ کرنا یہ ہے کہ قتل نہ کرے۔ سعید ابن جبیر فرماتے ہیں جس نے ایک شخص کا خون حلال سمجھا اس نے سب کا خون حلال سمجھا اور جس نے ایک شخص کا قتل حرام سمجھا اس نے سب کا خون حرام سمجھا۔ ابن عباس کا ایک قول یہ ہے کہ جس نے امام عادل یا نبی کو قتل کیا اس نے تمام انسانوں کو قتل کیا اور جس نے کسی پیغمبر یا امام عادل کی مدد کی اور اس کو تقویت پہنچائی تو اس نے تمام انسانوں کو زندہ رکھا۔ زید ابن اسلم نے کہا جس نے ایک کو مارا اس نے سب کو مارا کیونکہ ایک کو مارے جب بھی قصاص ہے اور سب کو مارے تب بھی قصاص ہے۔ جس نے قاتل کو معاف کیا اس نے گویا سب کو جلایا۔ مجاہد نے کہا جس نے کسی ایک شخص کو غرق ہونے سے یا جلنے سے یا ہلاکت سے بچایا تو گویا اس نے سب کو بچایا۔ سلیمان بن علی نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ

سے دریافت کیا یہ آیت بنی اسرائیل کے لئے ہے یا ہمارے لئے بھی ہے۔ انہوں نے جواب دیا اس خدا کی قسم جس کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں یہ آیت جیسی بنی اسرائیل کے لئے تھی ویسی ہی ہمارے لئے ہے کچھ بنی اسرائیل کی جان اللہ تعالٰی کے نزدیک ہماری جانوں سے زیادہ اکرم اور اعزنہ تھی واللہ اعلم۔ بالبینات سے مراد عام دلائل نبوت اور توحید ہیں۔ ہم نے موقع کی رعایت سے تیسیر میں خلاصہ بیان کیا ہے یعنی ہمارے رسول بھی قتل نفس کی حرمت اور برائی کے دلائل پیش کرتے رہے اور سمجھاتے رہے کہ کسی انسان کا قتل بہت بری بات ہے اور اگر یہ سلسلہ روکا نہ جائے تو اس میں نسل انسانی کو بہت نقصان پہنچتا ہے۔ اور اس قتل و غارت گری سے تمام نوع انسانی کے ختم ہو جانے کا اندیشہ ہے مگر باوجود اس فرمان کے اور باوجود انبیا کے دلائل لیکر آنے کے پھر بھی بنی اسرائیل میں سے اکثر لوگ زمین میں شرارتیں کرتے رہے اور قتل و غارتگری سے باز نہ آئے۔ یہاں تک کہ انبیا علیہم السلام کو انہوں نے قتل کر ڈالا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فی الارض لمسرفون سے وہ زیادتیاں اور بدعنوانیاں مراد ہوں جو نبی آخرالزماں کے زمانے میں یہ لوگ کرتے رہتے تھے اور مسلمانوں کے عموماً اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصوصاً درپے آزار رہتے تھے۔ واللہ اعلم۔ غرض آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ قابیل کی اس سفاکی کے باعث ہم نے سب لوگوں کو عموماً اور بنی اسرائیل کو خصوصاً یہ حکم دیدیا اور ان کے لئے یہ فرمان مقرر کر دیا کہ دیکھو قتل بہت بری چیز ہے۔ جو شخص کسی انسان کو بلا کسی انسان کے قتل کئے اور بدون ملک میں فساد برپا کئے قتل کر ڈالے گا، کیونکہ یہ دونوں باتیں تو یقیناً اس قابل ہیں کہ ان میں سے کسی ایک یا دونوں کے مرتکب کو قتل کرنے کی اجازت ہے باقی ان کے علاوہ اگر کوئی شخص کسی بے گناہ کو قتل کرے گا تو یوں سمجھو کہ گویا اس نے ایک ایسا سلسلہ قائم کر دیا کہ جس کی وجہ سے اس نے تمام انسانوں کو قتل کر ڈالا اور جس شخص نے کسی کو قتل سے بچا لیا اور ہلاکت سے چھڑا لیا تو یوں سمجھو کہ اس نے ایک ایسی بات کی جس سے تمام بنی نوع انسان کی بقا کا سامان ہو گیا اور ہم نے اس مضمون کی تاکید کے لئے دلائل بھی بھیجے اور ہمارے رسول اس قتل کی مذمت میں بڑے بڑے دلائل لے کر آئے لیکن بایں ہمہ یہ لوگ اپنی شرارتوں اور بدعنوانیوں سے باز نہ آئے یہاں تک کہ نبی آخرالزماں کے زمانے میں بھی ان لوگوں کی زیادتیاں اور حد سے نکل جانا برابر جاری ہے۔ اس آیت میں فساد فی الارض کا ذکر آیا تھا اور یہ فرمایا تھا کہ بدون فساد فی الارض کے کسی قتل کرنا حرام ہے۔ اب آگے فساد فی الارض کی بعض صورتیں اور ان پر بعض سزاؤں کا ذکر ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ (تسہیل) ف ۲ ان لوگوں کی سزا جو اللہ تعالٰی سے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑتے ہیں اور ملک میں فساد و بدامنی برپا کرنے کو دوڑے دوڑے پھرتے ہیں بس یہی ہے کہ ان کو قتل کیا جائے یا وہ سولی پر چڑھائے جائیں یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف اور مقابل جانب سے کاٹے جائیں یعنی داہنا ہاتھ اور بایاں پاؤں یا وہ شہر بدر کر دیئے جائیں اور شہری آزادی سے ان کو محروم کر دیا جائے۔ یہ مذکورہ سزا ان کے لئے دنیا میں سخت ذلت و رسوائی ہے اور ان کے لئے آخرت میں بہت بڑا عذاب ہے مگر ہاں وہ لوگ جو اس سے پہلے پہلے کہ تم ان پر قابو پاؤ اور ان کو گرفتار کر لو وہ توبہ کر لیں تو یقین جانو اور خوب جان لو کہ اللہ تعالٰی اپنے حقوق کو بڑا بخشنے والا اور توبہ کرنے والوں پر نہایت مہربانی کرنے والا ہے۔ (تیسیر) حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں اول فرمایا خون کرنا گناہ ہے مگر بدلے میں یا فساد کی سزا میں اب اس کا بیان کیا کہ جو کوئی لڑائی کرے اللہ و رسول سے یعنی حاکم کے مخالف ہو کر ملک کو غارت کرے وہ ہاتھ لگے تو سولی چڑھا کر ماریئے یا قتل کریئے یا داہنا ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹیے یا قید میں ڈال رکھیے جیسی خطا ہو ویسی سزا موضح القرآن

فائدہ اگر ایک شخص راہ لوٹتا تھا اب اس نے موقوف کیا اور اسباب اس کام کا دور کیا تو اس پر حد نہیں موضح القرآن۔ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں اور زمین میں فساد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ راہزنی اور ڈکیتی کرتے ہیں اور جن لوگوں کو اللہ کے حکم سے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے امن دیا ہے جیسے مسلمان اور ذمی ان کو قتل کرتے ہیں اور ان کے مال لوٹتے ہیں۔ جیسے ہمارے ہاں ڈاکے ڈالنے والے اور قطاع الطریق جو راستوں میں لوگوں کو لوٹتے اور مارتے ہیں اس قسم کے لوگوں کو فرمایا ہے کہ زمین میں فساد کرتے پھرتے ہیں اور بے گناہ لوگوں کے مال لوٹ لیتے ہیں اور ان کو قتل کر دیتے ہیں ان کی جزا یہ ہے۔ ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کا مطلب یہ ہے کہ داہنا ہاتھ پہنچے کے پاس سے اور بایاں پاؤں ٹخنے کے پاس سے کاٹ دیا جائے۔ شہر بدر کرنے کا مطلب امام ابوحنیفہ کے نزدیک قید خانے میں ڈالدینا ہے۔ گرفتاری سے قبل توبہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ اگر مجرموں نے گرفتار ہونے سے پہلے توبہ کر لی تو حد ساقط ہو جائے گی اور حد شرعی جو اللہ تعالٰی کا حق ہے وہ معاف ہو جائے گا البتہ حقوق العباد معاف نہیں ہوں گے جیسا کہ ہم آگے مثال دیکر سمجھا دیں گے۔ یہاں تو یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ حدود کو حقوق اللہ کہا جاتا ہے اور قصاص کو حق العبد کہتے ہیں۔ حق العبد اگر بندہ معاف کر دے تو معاف ہو جاتا ہے۔ لیکن حدود کسی کے معاف کئے سے معاف نہیں ہوتیں اسی لئے ہم نے تسہیل میں اس جانب اشارہ کیا ہے کہ اللہ تعالٰی اپنے حقوق بخشدینے والا ہے جس کا مطلب ہے کہ اگر کوئی رہزن گرفتار ہونے سے قبل توبہ کرلے اور اپنی لوٹ مار سے باز آجائے تو اللہ تعالٰی اس پر سے حد ساقط فرما دے گا۔ لیکن اگر قصاص کا جرم بھی کیا ہے تو اس کا بدلہ لیا جائے گا کیونکہ وہ جب تک صاحب حق معاف نہ کرے معاف نہیں ہوگا۔ یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ حدود میں یہی ایک حد ہے جو توبہ کرنے سے ساقط ہو جاتی ہے باقی حدود مثلاً چوری، زنا، حد قذف وغیرہ توبہ سے مطلقاً معاف نہیں ہوتیں بلکہ ان میں تفصیل ہے جو کتب اصول میں مذکور ہے۔ بعض حضرات نے اس آیت سے مشرکین مراد لئے ہیں بعض نے مرتدین لئے ہیں بعض نے کہا وہ باغی مسلمان مراد ہیں جو حاکم کی اطاعت سے نکل جائیں اور ملک میں لوٹ مار کرتے پھریں مگر راجح یہی ہے کہ آیت کو عام رکھا جائے تاکہ آیت ان تمام جارحانہ کارروائی کرنیوالوں پر صادق آسکے جو اسلامی حکومت کے نظام کو درہم برہم کرنے والی ہوں۔ مثلاً ارتداد، رہزنی، ڈکیتی لوٹ مار، قتل، اسلامی اقتدار کے خلاف سازشیں وغیرہ۔ آیت کا شان نزول بھی اسی کا موید معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہ آیت قبیلہ عکل اور عرینہ کے بعض لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو مدینہ منورہ میں آئے اور انہوں نے اسلام قبول کیا اور حضور کے فرمانے سے اونٹ چرانے والوں کے ساتھ رہے پھر ایک دن موقعہ پاکر اونٹ چرانے والوں کو قتل کیا ان کی آنکھیں پھوڑ دیں اور اونٹ لیکر بھاگ گئے۔ حضورؐ نے ان کے پیچھے بیس آدمیوں کا ایک دستہ بھیجا جو ان کو گرفتار کر لائے۔ پھر حضورؐ نے ان کو مختلف سزائیں دیں کیونکہ یہ لوگ مرتد بھی ہوئے، انہوں نے قتل بھی کیا اور مال بھی لوٹا۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اہل کتاب کی ایک قوم سے معاہدہ تھا انہوں نے عہد کو توڑا اور زمین میں فساد کرنا شروع کر دیا اللہ تعالٰی نے حضور کو اختیار دیا کہ ان چاروں سزاؤں میں سے جو مناسب سمجھو ان کو سزا دو۔ اور چونکہ اس قسم کے جرائم کرنے والوں کی چار حالتیں ہو سکتی تھیں ان چاروں کی سزا بیان کر دی۔ وہ چار حالتیں یہ ہیں ایک یہ کہ راہزن صرف کسی کو قتل کر دیں اور مال چھیننے کی نوبت نہ آئے۔ دوسری حالت یہ ہے کہ ڈاکوؤں نے قتل بھی کیا ہو اور مال بھی چھینا ہو۔ تیسری حالت یہ ہے کہ مال چھینا ہو اور قتل کی نوبت نہ آئی ہو۔ چوتھی حالت یہ ہے کہ نہ مال چھیننے کی نوبت آئی نہ قتل کی نوبت آئی ڈاکوؤں نے صرف ڈرایا دھمکایا تھا اور لوٹ مار کا ارادہ کر رہے تھے مگر اس سے پہلے ہی گرفتار ہو گئے۔ پہلی حالت میں ان کی سزا قتل ہے۔ دوسری حالت میں سولی کی سزا۔ تیسری حالت میں داہنے ہاتھ اور بائیں پاؤں کا قطع اور چوتھی حالت میں قید کی سزا۔ خلاصہ یہ ہے کہ قتل نفس بھی ہو اور اخذ مال بھی، یا دونوں نہ ہوں، یا قتل نفس ہو اور اخذ مال نہ ہو یا اخذ مال ہو اور قتل نفس نہ ہو تو ان صورتوں میں یہ سزائیں مرتب ہوں گی خواہ راہزنوں میں سے یہ حرکت ایک نے کی ہو یا سب نے کی ہو اور کسی ایک شخص کے ساتھ کی ہو یا بہت سے آدمیوں کے ساتھ کی ہو۔ بشرطیکہ اس قسم کے جرم کا ارتکاب شہر سے دور کیا گیا ہو اگر شہر میں ڈاکہ ڈالا ہو یا آبادی کے قریب کسی کو لوٹا مارا ہو تو یہ سزائیں مرتب نہ ہوں گی۔ اور جن لوگوں پر راہزنوں نے ڈاکہ ڈالا ہو وہ ذمی یا مسلمان ہوں جن کا مال محترم اور مامون ہے۔ راہزنوں نے اگر قتل بھی کیا ہو اور مال بھی لوٹا ہو تو حاکم اسلام کو یہ بھی اختیار ہے کہ چاہے قتل کرے یا چاہے سولی پر چڑھائے یا ہاتھ پاؤں کاٹ کر پھر سولی دے یا ہاتھ پاؤں کاٹ کر پھر قتل کرے۔ اور چوتھی صورت میں یعنی جب کہ فقط ڈرایا دھمکایا ہو حاکم اسلام کو یہ بھی حق ہے کہ وہ قید کرنے سے پہلے کچھ تعزیر جاری کر دے پھر قید میں ڈالدے اور اس وقت تک قید میں رکھے جب تک قرائن سے اس کا تائب ہونا معلوم نہ ہو جائے۔ یہ چاروں حالتیں جو زیر بحث ہیں ان کی سزائیں حق اللہ اور حدود ہیں اگر مال کا مالک یا مقتول کا ولی معاف کر دے گا تو معاف نہیں ہوگی۔ اگر راہزنوں نے قتل نہ کیا اور مال بھی نہ لیا بلکہ کسی مسلمان یا ذمی کو مجروح کر دیا تو یہ صورت مذکورہ حدود سے خارج ہوگی اور اس کا حکم عام زخموں کا سا ہوگا یعنی مجرموں پر قصاص آئے گا۔ اور اگر مجرموں نے مال بھی لوٹا اور زخمی بھی کیا تو حد صرف اخذ مال پر جاری ہوگی یعنی داہنا ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹ دیا جائے گا باقی قصاص کا معاملہ اس سے علٰحدہ ہوگا کیونکہ وہ حق العبد میں داخل ہو گا چاہے مجروح

معاف کر دے یا قصاص لے لے۔ ہاتھ اور پاؤں کاٹنے کے بعد داغ دیئے جائیں تاکہ خون بند ہوجائے۔ الا الذین تابوا کا مطلب ہم عرض کرچکے ہیں۔ اگر گرفتاری سے پہلے پہلے مجرم تائب ہوجائیں اور یہ فساد فی الارض چھوڑ دیں تو ان پر حدود جاری نہیں ہوں گی۔ جیسا کہ شعبی نے کہا کہ جاریہ بن بدر تیمی زمین میں فساد کرتا تھا۔ اہل بصرہ میں سے مشہور محارب تھا حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس کو امن دینے کو تیار نہ تھے حالانکہ وہ تائب ہوچکا تھا۔ اس نے حسن بن علی ابن عباس عبداللہ بن جعفر کی معرفت کئی دفعہ کوشش کی مگر جاریہ کو کامیابی نہ ہوئی۔ آخر وہ سعید بن قیس ہمدانی کی خدمت میں حاضر ہوا سعید نے جاریہ کو اپنے گھر میں بٹھایا اور حضرت علی کی خدمت میں حاضر ہوکر پوچھا اے امیرالمومنین اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو جس نے اللہ اور اس کے رسول سے محاربہ کیا اور زمین میں فساد برپا کرتا پھرا۔ حضرت علی نے یہ آیت پڑھی انما جزاؤ الذین اور جب حضرت علی الا الذین تابوا پر پہنچے تو سعید نے فوراً کہا اے امیرالمومنین جاریہ بن بدر تیمی کے لئے امان لکھ دیجئے چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے امان لکھ دی۔ اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت ابوموسیٰ کو پیش آیا جب وہ کوفہ میں حاکم تھے۔ ایک شخص نے آکر کہا اے ابوموسیٰ میں فلاں بن فلاں ہوں میں محارب تھا لیکن آپ کے قابو پانے سے پہلے میں تائب ہوچکا ہوں۔ ابوموسیٰ نے اعلان کردیا کہ یہ فلاں بن فلاں محارب تھا اور زمین میں فساد کیا کرتا تھا مگر یہ توبہ کرچکا ہے اب سوائے بھلائی کے اس کے ساتھ اور کوئی معاملہ نہ کیا جائے اور کوئی اس سے تعرض نہ کرے۔ اگر یہ سچا ہے تو سچی راہ پر رہے گا اور اگر دروغ گو ہے تو اس کے گناہ خود اس کا تدارک کرلیں گے۔ چنانچہ یہ شخص کچھ دنوں کے بعد پھر نکل گیا اور قتل کردیا گیا۔ (ابن جریر) علی اسدی بھی اسی قسم کا ڈاکو تھا اس کی گرفتاری کی کوشش کی جاتی تھی مگر ہاتھ نہ لگتا تھا وہ تائب ہوکر مدینہ آیا اور مسجد نبوی میں اس نے صبح کی نماز پڑھی جب اجالا ہوگیا تو لوگوں نے اسے پہچان لیا اور گرفتار کرنے کی کوشش کی۔ اس نے کہا اب تم مجھ کو گرفتار نہیں کرسکتے میں تائب ہوکر آیا ہوں۔ حضرت ابوہریرہ مسجد میں بیٹھے تھے انہوں نے فرمایا یہ سچ کہتا ہے۔ اس کا ہاتھ پکڑ کر مروان کے پاس لے گئے۔ مروان مدینہ کے حاکم تھے۔ حضرت ابوہریرہؓ نے کہا یہ علی اسدی ہے لیکن چونکہ تائب ہوکر آیا ہے اس لئے اس پر اب آپ کا کوئی زور نہیں۔ یہ سنکر مروان نے اس سے کوئی تعارض نہ کیا۔ بہرحال آیت کا ماحصل اور خلاصہ ترجمہ یہ ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ سے محاربہ کرتے اور زمین میں فساد برپا کرتے پھرتے ہیں ان کی سزا یہ ہے کہ اگر انہوں نے کسی مسلمان یا ذمی کو قتل کیا ہو تو وہ قتل کئے جائیں اور اگر انہوں نے قتل کے ساتھ مال بھی لوٹا ہو تو ان کو پھانسی کی سزا دی جائے اور اگر انہوں نے صرف مال لوٹا ہو اور قتل نہ کیا ہو تو ان کا داہنا ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹ دیا جائے اور کاٹ کر داغ دیدیا جائے اور اگر انہوں نے نہ قتل کیا ہو اور نہ مال لوٹنے کی نوبت آئی ہو بلکہ صرف ڈرایا دھمکایا ہو تو ان کو قید کردیا جائے اور ان کی شہری آزادی کو سلب کرلیا جائے یہ سزائے مذکور ان کے لئے دنیا میں سخت رسوائی اور ذلت کا سامان ہے اور ان کو اس کے علاوہ آخرت میں بھی عذاب عظیم ہوگا مگر ہاں وہ لوگ ان سزاؤں سے مستثنا ہوں گے جو تمہارے گرفتار کرنے اور ان پر قابو پانے سے پہلے پہلے تائب ہوجائیں اور اس ڈاکہ زنی سے باز آجائیں اور راستوں کا لوٹنا چھوڑ دیں تو ایسی حالت میں تم جان لو کہ اللہ تعالیٰ اپنی حدود کو بخشدینے والا اور اپنے حقوق کو معاف کردینے والا ہے اور توبہ قبول کرنے میں مہربانی کرنے والا ہے۔ اب آگے پھر معاصی سے بچنے اور نیک امور کو بجالانے کی تاکید مذکور ہے اور جہاد فی سبیل اللہ کا ذکر ہے تاکہ یہ بات معلوم ہوجائے کہ ڈاکہ ڈالنے اور اس جان کو مارنے اور اس مال کو لوٹنے کا جو مامون ہو اور حکم ہے اور اعلاء کلمۃ اللہ کی غرض سے اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنے کا حکم اور ہے۔ گو بظاہر قتل اور لوٹ یہاں بھی ہے اور وہاں بھی ہے لیکن ایک بدترین معصیت ہے اور ایک بہترین اجر و ثواب کا موجب ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ (تسہیل)۔

بقیہ صفحہ ۱۸۰

نیز اس لئے کہ نجات کا وسیلہ اور تقرب کا ذریعہ ایمان اور اعمال صالحہ ہی ہوسکتے ہیں اگر کسی بدنصیب کے پاس ایمان نہ ہو تو پھر ساری دنیا کی دولت بھی ہیچ ہے اور تمام دنیا کی دولت بھی عذاب سے نجات کا ذریعہ نہیں ہوسکتی چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل) ف۲ بلاشبہ جو لوگ کافر ہیں اور اپنے کفر پر قائم ہیں، فرض کرو اگر ان میں سے ہر ایک کے پاس وہ سب کچھ ہو جو زمین میں ہے اور دنیا بھر کی تمام چیزیں ان کے پاس موجود ہوں اور دنیا کی تمام چیزوں اور مال و متاع ہی پر کیا موقوت ہے بلکہ دنیا کی تمام چیزوں کے ساتھ اتنی ہی چیزیں اور بھی ہوں اور یہ سب سامان اس لئے ہو کہ وہ اس کو فدیہ میں دیکر قیامت کے عذاب سے بچ جائیں تب بھی یہ چیزیں اور یہ سب مال و متاع ہرگز ان سے قبول نہ کیا جائے گا بلکہ ان کو دردناک عذاب ہوکر رہے گا۔ عذاب میں ان کی حالت یہ ہوگی کہ وہ اس امر کی خواہش کریں گے اور یہ چاہیں گے کہ وہ آگ سے کسی طرح نکل جائیں حالانکہ ان کو اس آگ سے کبھی نکلنا نصیب نہ ہوگا اور وہ اس آگ سے کبھی نہ نکلیں گے اور ان کو ایسا عذاب ہوگا جو دائمی اور ہمیشہ قائم رہنے والا ہے۔ (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ جو لوگ مرتے دم تک کفر ہی پر قائم رہتے ہیں اور ان کا خاتمہ کفر پر ہی ہوتا ہے، ایسے لوگ ہمیشہ ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہیں گے۔ اگر بالفرض اس قسم کے کافروں کے پاس تمام روئے زمین کا مال و متاع ہو اور تمام خزائن اور دفینے ہوں اور ان اموال و خزائن کے ساتھ اور بھی اسی قدر اموال و خزائن ہوں اور ان کافروں میں سے ہر ایک کافر یہ چاہے کہ یہ ساز و سامان قیامت کے عذاب سے بچنے کے لئے اپنی چھڑوائی میں دیدے اور اس قدر چھڑوائی اور فدیہ دیکر عذاب سے چھٹکارا حاصل کرلے تب بھی اس سے مال و دولت قبول نہ کیا جائے گا اور اس کو دردناک عذاب میں مبتلا رکھا جائے گا اور اس عذاب میں ان کا حال یہ ہوگا کہ اس سے نکل بھاگنے کی تمنا کریں گے اور یہ خواہش کریں گے کہ کسی نہ کسی طرح جہنم کی آگ سے نکل جائیں لیکن یہ تمنا اور ان کی یہ خواہش پوری نہ ہوسکے گی اور وہ اس آگ میں سے نکل نہ سکیں گے اور دائمی عذاب میں مبتلا رہیں گے۔ اوپر کی آیتوں میں راہزنی اور ڈکیتی کی سزاؤں کا ذکر فرمایا تھا۔ پھر ڈکیتی اور جہاد کے فرق کی جانب اشارہ فرمایا اور اعمال صالحہ کی ترغیب اور معاصی سے بچنے کی ہدایت فرمائی اور کفر پر قائم رہنے والوں کا انجام بتایا۔ اب آگے ان لوگوں کی سزا کا بیان ہے جو چھپ کر کسی کا مال چرا لیتے ہیں اور مال بھی وہ مال جو محفوظ طریقے پر رکھا گیا ہو۔ ڈکیتی کو سرقہ کبریٰ کہا جاتا ہے اور چوری کو سرقہ صغریٰ کہا جاتا ہے۔ چنانچہ چور کی سزا کے سلسلے میں ارشاد ہوتا ہے (تسہیل) ف اور چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کی سزا یہ ہے کہ اے حکام ان دونوں کے داہنے ہاتھ کاٹ ڈالو عقوبت اللہ تعالیٰ کی جانب سے بطور سزا کے ان کی کمائی کا عوض ہے اور اللہ تعالیٰ کمال قوت اور کمال حکمت کا مالک ہے۔ پھر جو شخص اپنے اس گناہ اور زیادتی کے بعد توبہ کرے اور شرعی قاعدے کے موافق تائب ہوجائے اور آئندہ کے لئے اپنے اعمال کی اصلاح اور درستی کرلے تو اللہ تعالیٰ عفو و کرم کے ساتھ اس پر توجہ فرمائے گا۔ یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت کرنے والا اور نہایت مہربانی کرنے والا ہے۔ اے مخاطب کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ ہی کے لئے سب آسمانوں اور زمین کی حکومت ثابت ہے اور سب آسمان و زمین کی سلطنت اسی کے لئے ہے وہ جس کو چاہے،

بقیہ صفحہ ۱۸۱

پر فرمایا تھا کہ الشفع حد من حدود اللہ کہ کیا تو حدود الٰہی میں سے کسی حد کی سفارش کرتا ہے اور جیسا کہ صفوان بن امیہ کے واقعہ میں آتا ہے کہ وہ اپنی چادر سر کے نیچے رکھ کر سو رہے تھے ایک چور نے چادر ان کے سر کے نیچے سے کھینچ لی۔ انہوں نے اس کو پکڑ لیا اور حضورؐ کے روبرو پیش کردیا حضورؐ نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیدیا صفوان نے یہ سنکر کہا یارسول اللہ میں نے یہ چادر اس کو صدقہ کردی آپ نے فرمایا ھلا قبل ان تاتینی بہ یعنی صدقہ دینا تھا تو میرے پاس لانے سے پہلے کیوں نہ صدقہ کردی (۵) سرقہ کی تعریف اور سرقہ کے نصاب میں چونکہ ائمہ میں اختلاف ہے اس لئے ہم نے صرف حنفیہ کا مذہب اختیار کیا ہے۔ حنفیہ کے نزدیک نصاب دس درہم ہیں اور درہم بھی کھرے ہوں کھوٹے اور مغشوش نہ ہوں۔ اور جس مال کو چرایا ہو وہ مال محفوظ ہو لیا محفوظ کہ اس کے محفوظ ہونے میں کوئی شبہ نہ ہو اور اسی طرح وہ مال جس کی چوری کی ہو وہ مال مالک کی ملک ہو اور چور کی ملکیت کا اس میں کوئی شبہ نہ ہو۔ ان مسائل کی تفصیلات فقہ کی کتابوں میں ملے گی۔ (۶) آجکل بعض جاہل ان سزاؤں کو وحشیانہ سزائیں کہتے ہیں۔ حالانکہ موجودہ تہذیب میں جب کسی جرم کا انسداد مقصود ہوتا ہے تو اس سے زیادہ سخت سزائیں تجویز کی جاتی ہیں۔ چونکہ شریعت الٰہیہ کے پیش نظر امن عامہ کی خاص رعایت ہے اور خدا تعالیٰ اپنی مخلوق میں امن اور انصاف چاہتا ہے اس لئے ایسے جرائم کی سزا اس نے سخت رکھی ہے جس کا اثر لوگوں کی جان یا مال پر پڑتا ہے اور یہ سزا اس کی حکمت کے عین مطابق اور امن عامہ کی رعایت کے بالکل کے بالکل موافق ہے اور جرائم کے حقیقی انسداد کے لئے بے انتہا موثر ہے۔ (۷) چونکہ شریعت میں اگر کوئی شخص کسی کا ہاتھ کاٹ ڈالے تو اس کی دیت پانچسو دینار مقرر ہے اور اگر کوئی ایک دینار چوری کرے تو اس کی سزا ہاتھ کاٹنا مقرر ہے اس لئے بعض ملحد لوگوں نے

اس پر اعتراض کیا تھا چنانچہ ابوالعلامعری نے اس نصاب کا مذاق اڑایا اور ایک رباعی بھی کہی جس کا مطلب یہ تھا کہ جس ہاتھ کی دیت پانچسو دینار ہوں وہ ایک دینار کے بدلے میں کاٹا جائے اس تناقض کے متعلق سوائے اس کے کیا کہا جائے کہ ایک انسان سکوت اختیار کرے اور آگ سے پناہ مانگے۔ اس بے دین کے ان معترضانہ اشعار کا اس وقت کے علما نے جواب دیا۔ کسی نے اشعار کے جواب میں اشعار کہے کسی نے نثر میں جواب دیا۔ علما کے جواب کا خلاصہ یہ تھا کہ امانتدار ہاتھ کی قیمت اس کی امانت داری نے بڑھائی تھی اور جو ذلت اس ہاتھ کو نصیب ہوئی وہ خیانت کے باعث ہوئی تو اے لعد اللہ تعالیٰ کی حکمت کو سمجھ جس ہاتھ کی دیت پانچسو دینار تھی اسی ہاتھ کی قیمت چوری کرنے کی وجہ سے ایک دینار یا چوتھائی دینار رہ گئی۔ مدعا یہ تھا کہ واقعی انسانی ہاتھ کی قیمت پانچسو دینار تھی لیکن یہ قیمت اس ہاتھ کی تھی جو سچا اور امانت دار تھا لیکن جب وہ چوری کی خیانت میں مبتلا ہو گیا تو اس ہاتھ کی آبرو گر گئی۔ ایک دینار یا ربع دینار ہم نے اس لئے کہا کہ حنفیہ کے نزدیک سرقہ کا نصاب ایک دینار ہے اور شوافع کے نزدیک ربع دینار ہے اور بعض کے نزدیک آیت بالکل ہی اپنے عموم پر ہے یعنی کوئی ایک پیسہ بھی چرائے تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے لیکن آیت کا یہ عموم خوارج نے اختیار کیا ہے ورنہ اہل سنت کے نزدیک تو یہ حکم اس ڈھال کی قیمت پر دائر ہے جس پر عہد نبوت میں چور کا ہاتھ کاٹا گیا تھا۔ عام صحابہؓ کے نزدیک اس سپر کی قیمت دس درہم تھی واللہ اعلم (۸) چوری کی بحث میں چور مرد کو ذکر میں مقدم فرمایا اور زنا کی بحث میں زانیہ عورت کے ذکر کو مقدم فرمایا جیسا کہ انشاء اللہ سورۂ نور میں آجائے گا۔ اس پر ایک نکتہ تو اپنے بزرگوں سے منقول ہے کہ چوری مرد کے لئے بدترین عیب ہے اور زنا عورت کے لئے انتہائی عیب ہے اس لئے چوری میں مرد کو مقدم کیا اور زنا میں عورت کو مقدم کیا اور یا اس وجہ سے کہ چوری میں جرأت ہے اور یہ جرأت مرد میں بڑھی ہوئی ہے اور زنا کا تعلق شہوت سے ہے اور وہ عورت میں بڑھی ہوئی ہے۔ اس لئے چوری میں مرد کو اور زنا میں عورت کو مقدم فرمایا۔ شاید یاد ہو گا کہ اوپر سے منافقین یہود کا ذکر ہو رہا تھا ان ہی کے ہمراہ نصاریٰ کا ذکر تھا۔ درمیان میں بعض باتیں خاص خاص مناسبت سے آتی رہیں اب پھر اصل بحث کی طرف عود ہے اور آخر سورت تک یہود، نصاریٰ اور منافقین کا ذکر ہے اور ان مخالفین اسلام کی سازشوں کا انکشاف اور ان کے عقائد باطلہ کی مذمت ہے۔ مگر یہ کہ کسی خاص مناسبت سے کوئی چیز زیر بحث آجائے جیسا کہ قرآن کا قاعدہ اور ہر فصیح و بلیغ کلام کا بھی یہی طریقہ ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ (تسہیل) ف اے رسول وہ لوگ جو کفر کی باتوں میں جلدی سے جا گرتے ہیں اور دوڑ دوڑ کر کفر کی باتوں میں گرتے ہیں یہ لوگ آپ کو متاسف اور غمگین نہ کریں یعنی آپ ان کی حرکات سے متاثر نہ ہوں۔ خواہ یہ لوگ ان میں سے ہوں جو اپنے منہ سے اور اپنی زبانوں سے تو یوں کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے حالانکہ ان کے دل ایمان نہیں لائے اور خواہ یہ لوگ ان میں سے ہوں جو یہودی ہیں۔ یہ لوگ جھوٹی اور غلط باتیں سننے کے عادی ہیں یہ آپ کی باتیں دوسرے لوگوں تک پہنچانے کو خوب کان لگا کر سنتے ہیں وہ دوسرے لوگ وہ ہیں جنہوں نے خود آپ کی خدمت میں حاضر ہونا گوارا نہیں کیا اور خود آپ تک نہیں آئے۔ ان دوسرے لوگوں کی حالت یہ ہے کہ یہ کلام الٰہی کو باوجود اس کے صحیح موقعہ پر ہونے کے اس کو اپنے موقعہ سے بدل دیتے ہیں اور جو اس کلام الٰہی کے مواقع ہوتے ہیں ان میں تحریف و تبدیل کرتے رہتے ہیں۔ یہ لوگ ان جاسوسوں کو یہ کہہ کر بھیجتے ہیں کہ اگر تم کو اس پیغمبر کے ہاں ہمارے اس تبدیل کردہ حکم کے موافق کوئی حکم ملے تو اس کو لے لینا اور قبول کر لینا اور اگر تم کو اس حکم کے موافق حکم نہ ملے تو اس سے بچ نکلنا اور اس کے قبول کرنے میں احتیاط برتنا۔ (تیسیر) یہ بات ہم کئی دفعہ عرض کر چکے ہیں کہ اہل کتاب کے اکثر علما اپنی کتابوں میں تحریف اور تبدیل کے عادی تھے خواہ یہ تحریف لفظی ہو جیسا کہ بعض علما مفسرین کا خیال ہے یا یہ تحریف معنوی ہو جیسا کہ حبرالامۃ حضرت عبداللہ بن عباس کی رائے ہے اور اسی کو ترجمان القرآن حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے الفوز الکبیر میں اختیار کیا ہے۔ بہرحال یہود کے علما اس میں خاص امتیاز رکھتے تھے اور بعض دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس قسم کے مباحثے بھی ہوئے اور دربار رسالت میں توریت منگا کر مطالبہ بھی کیا گیا کہ اس میں یہ بات دکھاؤ اور یہود قائل بھی ہوئے۔ جب تک نبی آخر الزماں تشریف نہیں لائے تھے یہ لوگ عام طور پر اس قسم کی حرکات کرتے تھے اور مسائل میں تبدیل و تحریف کیا کرتے تھے مگر شریعت محمدیہ کے بعد بعض مواقع پر ان کی خواہش یہ ہوتی تھی کہ ہمارے تحریف کردہ حکم کی نبی آخر الزماں بھی موافقت کر دیں تو ہم کو گنجائش ہو جائے اور ایک سند مل جائے اور ہم یہ کہہ سکیں کہ ہمارے اس حکم سے حضورؐ بھی اتفاق کرتے ہیں اور بعض موقعہ پر ایسا بھی ہوتا تھا کہ کسی جھگڑے میں لوگوں کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ بجائے اپنے علما کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصلہ کرائیں اور یہ بات عام طور سے فریقین میں ہوا کرتی ہے کہ جہاں ان کو کامیابی کی امید ہوتی ہے وہ اس طرف رجوع کیا کرتے ہیں نیز لوگوں کو اس امر کا یقین تھا کہ حضورؐ ہر مقدمہ میں انصاف کرتے ہیں خواہ معاملہ کسی اپنے کا ہو یا پرائے کا مگر آپ ہمیشہ انصاف سے کام لیتے ہیں۔ اس لئے یہود اپنے آدمیوں کو کبھی تو اس غرض سے بھیجتے کہ ذرا اس نبی کی باتوں سے پتہ لگا کر لاؤ کہ یہ فلاں مسئلے کی بابت کیا رائے رکھتا ہے۔ اور کبھی فریقین کو یہ سمجھا کر بھیجتے کہ جاؤ اس نبی سے فیصلہ کرا لو مگر دیکھو اگر وہ ہمارے اس مسئلے کی تائید کریں جو ہم نے بتایا ہے تب تو مان لینا اور اگر ہمارے بتائے ہوئے حکم کے خلاف کوئی فیصلہ دیں تو اس کو قبول کرنے سے احتیاط کرنا اور بچ جانا ان آیات کا تعلق بھی کسی ایسے ہی واقعہ سے ہے اور چونکہ اس قسم کے واقعات میں یہودی منافقوں کو بھی استعمال کرتے تھے اس لئے قرآن کریم نے منافقوں کو بھی شامل کر لیا ہے شان نزول کی روایات سے بھی اس قسم کا واقعہ معلوم ہوتا ہے۔ بغوی نے کہا ہے کہ بنی نضیر اور بنی قریظہ کی قدیم دشمنی تھی کسی موقعہ پر بنی نضیر نے بنی قریظہ کو دبا کر ان سے ایک معاہدہ کر لیا تھا کہ اگر بنی نضیر کا کوئی آدمی تم قتل کرو گے تو تم سے قصاص لیا جائے گا اور بنی قریظہ کا کوئی آدمی ہمارے ہاتھ سے مارا جائے گا تو ہم ستر وسق کھجوروں کے دیت کے طور پر ادا کریں گے اور تم کو دگنی یعنی ایک سو چالیس وسق ادا کرنے ہوں گے۔ اگر بنو قریظہ کسی ایک شخص کو قتل کریں گے تو دو شخصوں کو قصاص میں قتل کیا جائے گا اور عورت کے بدلے میں مرد کو قتل کیا جائے گا اور غلام کے بدلے میں آزاد کو قتل کیا جائے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں بنو قریظہ نے اس معاہدہ کے خلاف سوال اٹھایا اور یہ اعتراض کیا کہ بنو نضیر ہمارے بھائی اور ہمارے ہم ملت ہیں پھر اس ترجیحی سلوک کی وجہ کیا ہے کہ ہمارے مقتول کا قصاص نہ لیا جائے اور ان کے مقتول کا قصاص لیا جائے۔ یہ جھگڑا ایک قتل کے بارے میں شروع ہوا۔ بنی نضیر معاہدے کی بنا پر ستر وسق دینا چاہتے تھے اور بنو قریظہ زیادہ خوں بہا کا مطالبہ کرتے تھے۔ اس پر مقتول کے فریق نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصلہ کرانے کی درخواست کی۔ دوسرا فریق جو قاتل تھا وہ یہ جانتا تھا کہ آپ انصاف کریں گے اس لئے اس فریق نے درخواست منظور کرنے سے قبل چند منافقوں کو حضورؐ کی خدمت میں بھیجا کہ وہ اپنے طور پر حضورؐ سے تذکرہ کر کے آپ کا مسلک معلوم کریں اگر آپ کا فیصلہ ہمارے معاہدے کے موافق ہو تو ہم فریق مقتول کی درخواست منظور کر لیں گے ورنہ حضورؐ سے فیصلہ کرانے کی درخواست مسترد کر دیں گے۔ چنانچہ یہ منافق اس تجسس اور تلاش کی غرض سے آپ کے پاس آئے تھے کہ دیکھیں حضورؐ کی رائے اس معاملہ میں کیا ہے۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں ابن کثیر کی رائے یہ ہے کہ ان آیتوں کا تعلق رجم سے ہے کیونکہ یہود نے ایک طریقہ اختیار کر رکھا تھا کہ جب کوئی بڑا آدمی زنا کا مرتکب ہوتا تو اس کو معمولی تعزیر کر دیا کرتے کچھ کوڑے مار دیتے اس کا منہ کالا کر کے گدھے پر سوار کرتے اور شہر میں پھرا دیتے۔ اتفاق سے یہود میں ایک اسی قسم کا واقعہ پیش آیا اور ایک شادی شدہ مرد و عورت نے زنا کا ارتکاب کیا۔ توریت کے قاعدے سے ان دونوں کو سنگسار کرنا تھا لیکن ان دونوں کی ریاست اور دولت اس حد کے جاری کرنے سے مانع تھی۔ آپس میں یہ مشورہ ہوا کہ بنو قریظہ میں سے کچھ لوگوں کو اس یثرب والے نبی کے پاس بھیجو کیونکہ یہ بنو قریظہ اس نبی کے ہمسایہ اور معاہد ہیں اور ان سے کہہ دو کہ اگر وہ کوڑے مارنے کی سزا دیں تو قبول کر لینا اور اگر سنگسار کرنے کو کہیں تو قبول نہ کرنا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ بعض اور روایتیں بھی مفسرین نے اس بارے میں نقل کی ہیں اور ابن کثیر نے ان سب کو جمع کر دیا ہے۔ ابن صوریا کا وہ واقعہ جو ہم آل عمران میں ذکر کر چکے ہیں اور حضورؐ کا یہود کے ایک مدرسہ میں تشریف لے جانا اور وہاں ابن صوریا کو قسم دیکر شادی شدہ زناکاروں کا حکم دریافت کرنا یہ سب روایات مفسرین نے اس موقع پر ذکر کی ہیں۔ بہرحال ہم خلاصہ اوپر ذکر کر چکے ہیں کہ اسی قسم کا کوئی واقعہ ہے جس میں حضورؐ کی رائے معلوم کرنے کی غرض سے کچھ منافقوں کو بھیجا اور فیصلہ کرانے والوں سے یہ کہہ دیا کہ جو حکم ہم بیان کرتے ہیں اس کے موافق یہ نبی فیصلہ کرے تو ماننا ورنہ چلے آنا۔ سمّاعون کے معنی ہیں خوب کان لگا کر سننے والے قوم اٰخرین سے وہ لوگ مراد ہیں جو اپنے کبر کی وجہ سے خود تو دربار رسالت میں حاضر نہ ہوتے تھے اور اپنے جاسوسوں کو ہدایت کر کے بھیجتے تھے۔ کان لگا کر سننے کا بعض مفسرین نے یہ مطلب بھی بیان کیا ہے کہ قبول کرنے اور بات کو ماننے کے لئے کان لگا کر سنتے ہیں۔ اگر یہ معنی لئے جائیں تو مطلب یہ ہو گا کہ جھوٹی باتوں اور غلط احکام کو خوب کان لگا کر سنتے ہیں اور دوسری قوم یعنی اپنے

رد ؟ ... اور علما کی باتیں خوب جی لگا کر سنتے اور قبول کرتے ہیں بعض حضرات نے سماعون للکذب کا یہ مطلب بھی بیان کیا ہے کہ جھوٹ بولنے کو کان لگا کر سنتے ہیں یعنی کان لگا کر سننے کی غرض یہ ہوتی ہے کہ حضور کے کلام میں جھوٹ اور کذب ملا کر نقل کریں۔ واللہ اعلم۔ چونکہ ہم نے پہلا قول اختیار کیا ہے اس لئے اس تقدیر پر ہمارے ترجمہ کا خلاصہ یہ ہے اے پیغمبر آپ کو وہ لوگ جو کفر کی باتوں میں دوڑ کر جا گرتے ہیں اور دل کی رغبت سے ان کفریہ امور کو کرتے ہیں یہ لوگ آپ کو متاسف اور آزردہ خاطر نہ کریں خواہ یہ منافقین میں سے ہوں جو ایمان کے بظاہر مدعی ہیں اور ان کے قلوب ایمان سے محروم ہیں اور خواہ یہ لوگ یہودیوں میں سے ہوں۔ یہ لوگ جھوٹی باتوں اور غلط مسائل کو سننے کے عادی ہیں۔ یہود تو اس بنا پر کہ ان کے علما کام یہی کرتے ہیں اور منافقین اس لئے کہ ان سے گھلے ملے رہتے ہیں اور ان کی تحریفات کی تائید کرتے ہیں اور جس جھوٹ کو یہ سنتے رہتے ہیں اور جن غلط احکام کو سننے کے یہ پہلے سے عادی ہیں ان ہی کو تلاش کرنے اور انہی کا تجسس کرنے کی غرض سے آپ کی باتیں بھی خوب کان لگا کر سنتے ہیں اور یہ ان کا کان لگا کر سننا دوسری قوم کی خاطر سے ہوتا ہے کہ آپ سے سنیں اور ان کو پہنچائیں۔ ان دوسرے لوگوں کی حالت یہ ہے کہ وہ اپنے تکبر اور عناد کی وجہ سے خود آپ کی خدمت میں حاضر تک نہ ہوتے اور انہوں نے یہ گوارا نہ کیا کہ تحقیق حق کی غرض سے خود آپ تک آئیں بلکہ اپنے جاسوسوں کو بھیجا اور وہ بھی طلب حق کے لئے نہیں بلکہ محض اس لئے کہ شاید کسی تحریف شدہ حکم کی آپ سے تائید حاصل کرلیں نیز ان کی حالت یہ کہ کلام الٰہی کو باوجود اس کے کہ وہ کلام اپنے مواقع کے مناسب ہوتا ہے اور توریت کا وہ کلام اپنے موقعہ کے لحاظ سے صحیح ہوتا ہے اس میں لفظاً یا معنیً تغیر و تبدل کرتے رہتے ہیں۔ جیسا کہ خون بہا اور رجم کے حکم کو بدلا اور اپنے تحریف کردہ حکم کی تائید کے لئے جاسوسوں کو بھیجا نیز بھیجا بھی تو یہ کہہ کر بھیجا کہ اگر تم کو ہمارے اس تبدیل کردہ حکم کے موافق اس یثرب کے نبی کا حکم ملے تو مان لینا اور اگر ہمارے تبدیل کردہ حکم کے مطابق حکم نہ ملے تو اس سے بچ نکلنا یعنی اس پر عمل کرنے کی ذمہ داری نہ لینا اور کوئی اقرار نہ کرنا۔ غرض خود اپنے تکبر اور بڑائی کی وجہ سے آئیں نہیں بلکہ اپنی تحریف کردہ باتوں کی تائید حاصل کرنے کی غرض سے جاسوس بھیجیں۔ پھر چلتے وقت ان سے یہ بھی کہدیں کہ دیکھو ہمارے حکم کے موافق حکم ہو تو اس کو قبول کرلینا اور اگر خلاف ہو تو زبان نہ دینا اور اس کے ماننے کی ہاں نہ کرنا۔ کیونکہ فیصلہ تو بہرحال یہاں ہی ہوگا تم کو تو صرف یہ معلوم کرنے کی غرض سے بھیجا جاتا ہے کہ تو ان سے باتیں کرکے یہ معلوم کر لو کہ ہماری بات کی تائید کرتے ہیں یا نہیں۔ اب آگے اس قسم کے لوگوں کی مذمت اور ان کا افسوسناک انجام مذکور ہے (تسہیل)

ف ۳ اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ ہی فتنے اور گمراہی میں مبتلا کرنا چاہے تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے سامنے آپ کا کچھ زور نہیں چل سکتا کہ آپ اس گمراہی کو روک دیں یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کے قلوب کو اللہ تعالیٰ نے پاک کرنے کا ارادہ نہیں کیا اور ان کے دلوں کو عقائد کفریہ سے پاک کرنا اسے منظور نہیں ہوا ان لوگوں کے لئے دنیا میں بڑی رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لئے بڑا عذاب ہے (تیسیر) فتنے سے مراد گمراہی ہے اور ہوسکتا ہے کہ ہلاک کرنا یا عذاب کرنا مراد ہو۔ اللہ تعالیٰ کے ارادے کا مطلب وہی ہے جو ہم کئی بار عرض کر چکے ہیں یعنی جب بندہ گمراہی کا عزم کرلیتا ہے تو وہ گمراہی کی تخلیق فرما دیتا ہے۔ اسی تخلیق کو حضرت حق نے یہاں ان الفاظ سے ذکر کیا ہے۔ فلن تملك میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے یا ہوسکتا ہے کہ عام مخاطب کو خطاب ہو۔ اولٰئك الذین لم یرد اللہ کا مطلب بھی یہی ہے کہ چونکہ اپنے قلوب کو پاک کرنے کا عزم نہیں کرتے اس لئے تطہیر کو خلق نہیں فرماتا۔ اور یہ کسی انسان کی انتہائی بدنصیبی اور محرومی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس بدبخت کا گمراہی میں مبتلا کرنا منظور ہو اور اس کے دل کی تطہیر منظور نہ ہو۔ اور یہ وہ حالت ہے جو مسلسل جرائم اور مسلسل بدپرہیزیوں کی وجہ سے پیدا ہوجاتی ہے۔ العیاذ باللہ۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں بعضے منافق تھے کہ دل میں یہود سے ملتے تھے اور بعضے یہود تھے کہ حضرت پاس آمدورفت کرتے تھے اللہ نے فرمایا کہ یہ لوگ جاسوسی کو آتے ہیں کہ تمہارے دین میں کچھ عیب چن کرلے جاویں اپنے سرداروں پاس جو یہاں نہیں آتے اور فی الحقیقت عیب کہاں ہے لیکن بات کو غلط تقریر کرکر ہنر کو عیب کرتے ہیں۔ موضح القرآن۔ فائدہ۔ یہود میں کئی قصے ہوئے کہ اپنے قضایا حضرت پاس لاتے فیصلے کو وہ سردار یہود آپ نہ آتے بیچ والوں کے ہاتھ بھیجتے اور کہہ دیتے کہ ہمارے معمول کے موافق حکم کریں تو قبول رکھو نہیں تو نہ رکھو غرض یہ تھی کہ حکم توریت کے خلاف معمول باندھے تھے ایک نبی اگر اس کے موافق حکم کردے تو ہم کو اللہ کے ہاں سند ہوجائے اور جانتے تھے کہ ان کو توریت کی خبر نہیں جو ہمارا معمول سنیں گے سو حکم کریں گے اللہ تعالیٰ نے حضرت کو خبردار کیا موافق توریت ہی کے حکم فرمایا اور توریت میں سے ثابت کرکے ان کو قائل کیا۔ ایک قصہ رجم کا تھا کہ وہ منکر ہوئے تھے پھر توریت سے قائل کیا اور ایک قصاص کا تھا کہ وہ اشراف اور کم ذات کا فرق کرتے تھے اور توریت میں فرق نہیں رکھا۔ موضح القرآن۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے پہلا فائدہ لم یاتوك پر لکھا ہے اور دوسرا عظیم پر ارشاد فرمایا ہے۔ ہم تسہیل میں عرض کرچکے ہیں کہ شان نزول میں کئی روایتیں ہیں ہوسکتا ہے کہ آیت کے پہلے حصے میں جاسوسوں کی اطلاع دی ہو اور دوسرے حصے میں فتویٰ دریافت کرنے والوں کا ذکر ہو۔ ہم نے پوری آیت کا جو خلاصہ عرض کیا ہے وہ کسی دوسرے مطلب کے منافی نہیں ہے۔ ہمارا مطلب صرف اس قدر ہے کہ اس آیت میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو اس مقصد کے لئے بھیجے جاتے تھے کہ یہ معلوم کرآؤ کہ ہم نے جو کلام الٰہی میں تحریف کی ہے اور اس کے موافق جو فیصلے کرنے چاہتے ہیں جیسے اشراف اور کمینے میں فرق یعنی نضیر اور بنی قریظہ کی دیت کا فرق۔ ہمارے اس فیصلے اور ہماری اس تحریف کے متعلق یہ شخص کیا رائے رکھتا ہے اور ہمارے مسئلے سے موافقت رکھتا ہے یا مخالفت۔ اسی بنا پر ہم نے تیسیر اور تسہیل میں اس کو واضح کیا ہے۔ البتہ ابن عمر سے ایک روایت ہے کہ یہود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے ایک زانی اور زانیہ کا واقعہ آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے فرمایا کہ توریت میں اس کے متعلق تم کیا حکم پاتے ہو۔ انہوں نے کہا ہمارے یہاں تو یہی حکم ہے کہ ہم ان کو رسوا کریں اور کوڑے مار دیں۔ اس پر کچھ بحث مباحثہ شروع ہوگیا۔ اس وقت عبداللہ بن سلام بھی مجلس میں تشریف رکھتے تھے انہوں نے فرمایا یہ یہود جھوٹ بولتے ہیں توریت میں تو رجم کا حکم ہے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا اور دونوں کو رجم کردیا گیا۔ حضرت جابر بن عبداللہ سے ایک روایت مسند احمد میں منقول ہے کہ اہل فدک کے یہود میں سے کسی شخص نے زنا کا ارتکاب کیا تھا۔ اس پر فدک کے یہود نے مدینہ کے یہود کو لکھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرو اگر وہ کوڑے مارنے کا حکم کریں تو مان لینا اور اگر سنگسار کرنے کا حکم کریں تو نہ ماننا۔ روایت کا باقی حصہ وہی ہے جو اوپر کی روایت میں بیان ہوا۔ اس روایت کی بنا پر بعض حضرات نے ان اوتیتم فخذوہ کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ اگر یہ یثرب کا نبی وہی فیصلہ کرے جو ہم بتاتے ہیں تو اس پر عمل کرلینا اور اس کی تعمیل کرنا۔ واللہ اعلم۔ بہرحال ہم عرض کرچکے ہیں کہ شان نزول کی مختلف روایات کی بنا پر مفسرین کے مطلب میں فرق ہوگیا ہے۔ پھر بھی ہم نے ترجمہ میں ایسے الفاظ رکھے ہیں جو کسی قول کے منافی نہیں ہیں۔ اب آگے فیصلے کا ایک ضابطہ بیان ہوتا ہے اور چونکہ اوپر دو قسم کے لوگوں کا ذکر ہوا تھا ایک عوام جو جاسوسی کی خدمت انجام دیتے تھے اور دوسرے خواص جو خود نہیں آتے تھے اور گھر بیٹھے بیٹھے مسائل محرفہ کا پتہ لگاتے تھے اور چاہتے تھے کہ ہمارے تحریف شدہ کلام کی تائید ہوجائے تو ہم کو کہنے کی گنجائش ہو اس لئے ان دونوں عوام اور خواص کے ذکر کو مکرر لوٹایا گیا ہے مگر اس طرح کہ عوام کو تو بعینہٖ اس صفت کا اظہار کیا ہے جو اوپر مذکور ہوچکی ہے مگر خواص یعنی علماء یہود کا ایک دوسرا وصف بیان فرمایا ہے جو تحریف کی علت اور سبب کے قائم مقام بھی ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ (تسہیل)۔

بقیہ صفحہ ۱۸۲

تحکیم قبول کرنا واجب ہے۔ لہٰذا حنفیہ کے نزدیک مطلقاً وجوب کی وجہ سے تخییر کا حکم منسوخ ہے اور اگر وہ یہودی جن کا مقدمہ پیش ہوا تھا دونوں ذمی تھے تو بالاتفاق سب کے نزدیک تخییر کا حکم منسوخ ہے۔ یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ یہ تخییر کا نسخ حاکم اسلام کے لئے ہے۔ باقی جو حاکم نہ ہو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر دو شخص کسی ایسے مسلمان کے روبرو اپنا مقدمہ پیش کریں جو حاکم یا قاضی نہ ہو خواہ وہ پیش کرنے والے حربی ہوں یا مسلمان ہوں یا ذمی ہوں یا ایک مسلمان اور دوسرا کافر ہو تو اس مسلمان کو جس کے روبرو مقدمہ پیش کیا گیا ہے یہ حق باقی ہے کہ وہ چاہے تحکیم قبول کرلے اور شریعت کے مطابق فیصلہ کردے یا چاہے تو تحکیم قبول کرنے سے انکار کردے۔ مزید تفصیل تفسیر مظہری یا فقہ کی کتابوں میں ملاحظہ کی جائے۔ غالباً اس تمام بحث سے یہ بات سمجھ میں آگئی ہوگی کہ یہود کا کبھی کبھی کسی معاملہ کو آپ کے پاس لے آنا یا کسی جاسوس کو بھیج کر آپ کی رائے معلوم کرانا کچھ اس غرض سے نہ ہوتا تھا کہ وہ آپ کو حق سمجھتے تھے یا قرآن پر اعتقاد رکھتے تھے بلکہ اپنا مطلب اور اپنی غرض پوری کرنے کو ایسا کرتے تھے۔ اگر مطلب کے موافق بات مل گئی تو مان لی اور نہ ملی تو انکار کردیا۔ اول تو یہی تعجب کی بات تھی کہ آپ کو منصف اور حکم بناکر آپ کے روبرو معاملہ پیش کرتے پھر اس سے زیادہ تعجب اس پر

کو مطلب کے موافق ہوا تو تسلیم کر لیا ورنہ آپ کے فیصلے سے پھر گئے۔ ان کی اس حماقت آمیز روش کا ذکر بطور استعجاب فرماتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل) ۔ اور عجب بات ہے یہ لوگ اپنے دینی معاملات میں آپ کو کیسے منصف بناتے ہیں اور آپ سے کس طرح فیصلے کراتے ہیں حالانکہ ان کے پاس توریت موجود ہے جس میں اللہ تعالے کا حکم مذکور ہے۔ پھر تعجب ہے کہ آپ کے فیصلے کرنے کے بعد آپ کے فیصلے سے بھی پھرے جاتے ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ یہ کسی پر اعتقاد رکھنے والے نہیں نہ توریت پر نہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ اول تو یہی بات عجیب ہے کہ توریت کے ہوتے ساتے جب کہ اس میں احکام الٰہی مذکور ہیں پھر یہ آپ کو کیسے منصف بناتے ہیں اور آپ کے پاس اپنے دینی معاملات کیسے لاتے ہیں یا آپ کا فتویٰ معلوم کرنے کی غرض سے اپنے جاسوسوں کو کیسے بھیجتے ہیں یعنی جس شخص پر ان کو ایمان اور اعتقاد ہی نہیں تو اس کو مفتی یا منصف کیسے قرار دیتے ہیں پھر تعجب یہ کہ جب آپ کی رائے اور آپ کا فیصلہ ان کو معلوم ہو جاتا ہے اور وہ فیصلہ آپ کا توریت کے موافق ہوتا ہے جیسا کہ زانی اور زانیہ کے رجم میں یا بنو نضیر اور بنو قریظہ کے خون کی مساوات میں تو آپ کا فیصلہ سننے کے بعد اس سے بھی پھرے جاتے ہیں اور ان کی اس متعجبانہ روش سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو کسی پر اعتقاد ہی نہیں۔ نہ آپ پر ان کو اعتقاد ہے اور نہ اپنی کتاب پر۔ آپ پر اعتقاد کا نہ ہونا تو ظاہر ہے لیکن جب آپ کا فتویٰ کیا یا آپ کو حکم تسلیم کر کے آپ کی خدمت میں مقدمہ لے آئے اور پھر آپ کے فتوے اور فیصلے کو نہ مانا تو اس سے یہ بات اور کھل گئی کہ صرف اپنے مطلب کو آپ کے پاس آتے ہیں ان کو آپ پر اعتقاد نہیں اگرچہ ان کا دعویٰ یہ ہے کہ ہم توریت کی صداقت پر ایمان رکھتے ہیں اور یوں بھی تقریر کی جا سکتی ہے کہ توریت کے ہوتے ساتے آپ کے پاس فیصلہ کرانے آئے معلوم ہوا کہ توریت پر اعتقاد نہیں اور جب آپ کا فیصلہ نہ مانا تو معلوم ہوا کہ آپ پر بھی اعتقاد نہیں لہٰذا یہ ایسے لوگ ہیں کہ کسی پر بھی اعتقاد نہیں رکھتے۔ ان کے سامنے صرف ان کا مطلب اور ان کی اپنی غرض ہے۔ اوپر کی آیتوں میں یہود و نصاریٰ کے نقض عہد کا ذکر تھا پھر توریت و انجیل کا اجمالی ذکر تھا اب آگے ان کتابوں کی تعریف ہے اور یہ بتانا مقصود ہے کہ یہ کتابیں سرچشمۂ ہدایت و نور تھیں اور اپنے اپنے زمانے میں یہ کتابیں واجب الاتباع تھیں لیکن ان لوگوں نے اپنی خواہشات نفسانی کے سامنے ان کتابوں کی قدر کی اور ان کو پس پشت ڈال دیا اگر یہ لوگ ان کتابوں کو صحیح طور پر مانتے ہوتے تو آج قرآن کا انکار نہ کرتے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ (تسہیل) ۔ یقیناً ہم نے توریت نازل فرمائی تھی جس میں ہدایت اور روشنی تھی یعنی عقائد صحیحہ کی بھی تفصیل تھی اور اعمال کی بھی وضاحت تھی۔ انبیائے بنی اسرائیل جو اللہ تعالےٰ کے مطیع و فرماں بردار تھے یہود کو اسی توریت کے موافق حکم دیا کرتے تھے اور اسی طرح اہل اللہ اور علما بھی توریت ہی کے موافق حکم دیا کرتے تھے اور ان لوگوں کا توریت کے موافق حکم کرنا اس بنا پر تھا کہ ان کو کتاب اللہ کی حفاظت اور نگہداشت کا ذمہ دار قرار دیا گیا تھا اور وہ اس کتاب الٰہی پر نگہبان تھے لہٰذا اے یہود تم لوگوں سے نہ ڈرو اور یہ اندیشہ نہ کرو کہ اگر

ہم اسلام قبول کر لیں گے تو لوگوں کی نظروں میں ذلیل ہو جائیں گے۔ تم صرف مجھ ہی سے ڈرو اور دیکھو میرے احکام کے عوض دنیا کا قلیل فائدہ حاصل نہ کرو اور یاد رکھو جو لوگ اللہ تعالےٰ کے نازل کردہ احکام کے مطابق حکم نہ کریں اور قصداً جان بوجھ کر غیر شرعی حکم کو شرعی حکم بتا کر اس کے موافق حکم کریں تو ایسے ہی لوگ کافر ہیں یعنی یہ لوگ ایمان سے خارج ہیں (تیسیر) هدی و نور۔ آسمانی کتابیں عقائد و اعمال صحیحہ کی وضاحت کرتی ہیں اس لئے ہم نے یہی تفسیر اختیار کی ہے ہو سکتا ہے کہ ہدایت سے ہدایت الی الحق مراد ہو اور نور سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ بشارت مراد ہو جو توریت میں مذکور تھی۔ یا نور سے وہ تعلیم مراد ہو جو قلوب کو منکشف کرنے والی اور سخت دلوں کو نرم بنانے والی ہو انبیا سے مراد حضرت موسیٰ اور ان کے بعد آنے والے نبی ہیں۔ انبیا کے ساتھ اسلموا کی قید شاید اس وجہ سے لگائی کہ عام مسلمانوں سے ان میں اطاعت اور انقیاد زیادہ ہوتا ہے یا یہ وجہ ہو کہ انبیا باوجود مطاع اور مقتدا ہونے کے اور باوجود اس کے کہ لاکھوں مسلمان ان کے تابع اور فرماں بردار ہوتے ہیں پھر بھی وہ اللہ تعالےٰ کی جناب میں مطیع اور اطاعت گذار ہوتے ہیں۔ ربانی اور احبار کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے مراد باخدا بزرگ اور علما ہیں۔ بما استحفظوا سے مراد یا تو سب انبیا اور صلحا اور علما ہیں یا فقط صلحا اور علما ہیں۔ دونوں احتمال ہیں۔ بہر حال انبیا کی ذمہ داری اور نگہداشت تو بلا واسطہ ہے اور صلحا اور علما کی ذمہ داری بواسطہ انبیا علیہم السلام ہوتی ہے۔ کیونکہ یہی لوگ انبیا کے جانشین اور صحیح وارث ہوتے ہیں۔ شهداء کا ترجمہ ہم نے نگہبان کیا ہے یعنی یہ لوگ اس استحفاظ من اللہ یا کتاب اللہ پر نگہبان ہیں اور ہو سکتا ہے کہ شهداء کا ترجمہ اقرار کرنے والے ہوں اور مطلب یہ ہو کہ انبیا اور علما و صلحا نے اس ذمہ داری کا اقرار بھی کر لیا ہے۔ لا تشتروا بآیتی کا مطلب کئی بار عرض کیا جا چکا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہاں ثمن قلیل سے مراد رشوت ہو۔ اصل میں علمائے یہود کی حرص و ہوا کا رد کرنا ہے۔ کہ میرے احکام کو معمولی منافع پر اور تھوڑی سی قیمت پر فروخت نہ کرتے پھرو۔ ومن لم یحکم کا جو مطلب ہم نے بیان کیا وہ حضرت عکرمہ سے منقول ہے اور اس طرح فاولٰئک هم الکٰفرون۔ میں کسی مزید توجیہ کی ضرورت نہیں ہے جیسا کہ اکثر مفسرین نے اس موقعہ پر اختیار کی ہے۔ اور یہود کی حالت کے یہی معنی مناسب ہیں کیونکہ غیر شرعی کو شرعی بتا کر لوگوں کو حکم دیا کرتے تھے اور جان بوجھ کر غلط حکم دیتے تھے اور اس طرح لوگوں سے رشوت اور عزت حاصل کرتے تھے۔ غرض آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم نے حضرت موسیٰؑ پر توریت نازل کی تھی جس میں عقائد صحیحہ اور اعمال شرعیہ کی تعلیم تھی۔ اس توریت کے موافق انبیا علیہم السلام جن کی اطاعت گذاری اور فرماں برداری سب سے بڑھی ہوتی ہے، یہود کو حکم دیا کرتے تھے اور یہ توریت کے مطابق یہود کو حکم دینا صرف انبیا پر موقوف نہیں بلکہ ان کی امت کے باخدا اور علما بھی یہودیوں کو توریت ہی کے موافق حکم دیا کرتے تھے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ کتاب الٰہی کی حفاظت کے ذمہ دار بنائے گئے تھے اور وہ اس حفاظت یا کتاب اللہ پر نگہبان تھے۔ اور جب یہ سب لوگ جو تمہارے بڑے تھے توریت کے موافق حکم دیتے رہے ہیں تو تم جو نبی

آخر الزماں کے عہد میں اس توریت کے موافق لوگوں کو کیوں حکم نہیں دیتے اور اس بات سے کیوں ڈرتے ہو کہ اگر ہم لوگوں کو اسلام لانے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھنے کو کہیں گے اور خود بھی توریت کے اس حکم پر جس میں نبی آخر الزماں پر ایمان لانے کو کہا گیا عمل کریں گے تو عام لوگوں میں ہماری عزت و آبرو ختم ہو جائے گی اور ہم لوگوں کی نگاہوں میں ذلیل و رسوا ہو جائیں گے لہٰذا اے یہود تم لوگوں سے نہ ڈرو اور صرف مجھ ہی سے ڈرتے رہو اور میرے احکام کو دنیا کے معمولی فائدے اور موہوم منافع کے عوض فروخت نہ کرو اور چند روزہ جاہ و مال کی خاطر میرے احکام کو تبدیل نہ کرو اور جو لوگ اللہ کے احکام کے خلاف جان بوجھ کر حکم کریں گے جیسا کہ تم کر رہے ہو کہ غیر شریعت کو شریعت بتا کر لوگوں سے عمل کرنے کو کہتے ہو تو جو لوگ خلاف ما انزل اللہ عمداً حکم کریں گے تو ایسے ہی لوگ حقیقی کافر اور ایمان سے خارج ہیں۔ ہم نے کافرون کی تفسیر ایمان سے خارج ہونے کے ساتھ کی ہے اور جیسا کہ ہم نے عرض کیا ہے کہ یہ تفسیر حضرت عکرمہ سے منقول ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کافرون کے معنی فاسقون ہوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کافرون کے معنی حق کو چھپانے والے ہوں یہ معنی اس تقدیر پر ہو سکتے ہیں جبکہ خلاف ما انزل اللہ حکم دینے والا جاحد اور منکر نہ ہو اور شریعت کی توہین مقصود نہ ہو اور خلاف حق فیصلے کو صحیح نہ سمجھتا ہو۔ آگے اسی قتل اور قصاص کے سلسلے میں توریت کے بعض اور مسائل کا بیان ہے اور چونکہ قاعدہ یہ ہے کہ شرائع سابقہ کے جو احکام ہماری شریعت میں منقول ہوں اور صاحب شریعت نے ان پر کوئی انکار نہ کیا ہو اور نہ کوئی ترمیم فرمائی ہو تو وہی احکام اس شریعت کے احکام سمجھنے چاہئیں۔ لہٰذا توریت کا وہ حکم جو آگے آتا ہے یہی حکم اس شریعت کا بھی سمجھنا چاہئے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ (تسہیل) ۔

بقیہ صفحہ ۱۸۳

بقیہ صفحہ ۱۸۳

اور قیامت میں اس جانی سے کوئی مواخذہ نہ ہو جس طرح قصاص کے بعد مجرم پر مواخذہ نہیں رہتا اسی طرح مستحقین کے معاف کر دینے سے بھی مواخذہ اخروی ختم ہو جائے گا۔ صاحب حق کے معاف کر دینے کے بعد قیامت میں بھی مواخذہ نہ ہوگا۔ یہ قول حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت مجاہد اور حضرت مقاتل رضی اللہ تعالےٰ عنہم اجمعین کا ہے اس قول کی بنا پر یہ بات باقی رہ جاتی ہے کہ معاف کرنے والے کو کیا صلہ عطا ہوگا۔ جب معاف کرنے والے کے معاف کرنے سے قاتل یا قاطع یا جارح جرم سے سبکدوش ہو جائے گا تو اس معاف کرنے والے کے ساتھ کیا سلوک ہوگا اس کا جواب یہ ہے کہ معاف کرنے والے کا اجر اللہ تعالےٰ کے ذمہ ہے۔ جیسا کہ فرمایا فمن عفا واصلح فاجره علی اللہ۔ اس آیت کا تعلق یہود سے تھا اب آگے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل کا ذکر فرماتے ہیں۔ (تسہیل) ۔ اور ہم نے ان انبیائے مذکورہ کے بعد جن کی طرف یحکم بها النبیون میں اشارہ کیا گیا ہے ان ہی انبیائے سابق کے نقش قدم پر حضرت عیسیٰ بن مریم کو بھیجا جن کا حال یہ تھا کہ وہ اس کتاب کی تصدیق کرتے تھے جو ان سے پہلے نازل ہوئی تھی یعنی توریت کی تصدیق فرماتے تھے اور اس کو منزل من اللہ کہتے تھے اور ہم نے ان عیسیٰ بن مریم کو

انجیل عطا کی تھی۔ اس انجیل کی یہ حالت تھی کہ اس میں روشنی تھی اور صحیح راہ کی رہنمائی تھی اور وہ بھی اپنے سے پہلی کتاب توریت کی تصدیق کرنے والی تھی اور اس کو منجانب اللہ بتاتی تھی اور وہ انجیل اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے لئے سراسر ہدایت اور نصیحت تھی (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسٰی بن مریم بھی توریت کی تصدیق فرماتے تھے اور انجیل میں توریت کی تصدیق یہ اس وجہ سے فرمایا کہ انبیا علیہم السلام کے یہ لوازمات میں سے ہے کہ وہ پہلے نبیوں کی تصدیق کریں اور اسی طرح یہ آسمانی کتابوں کے بھی لوازمات میں سے ہیں کہ وہ اپنے سے پہلے کی آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتی ہیں تاکہ یہ بات معلوم ہو سکے کہ ان تمام پیغمبروں کا اور کتب آسمانی کا مرکز اور منبع ایک ہی ہے اور انبیا علیہم السلام اور کتب سماویہ ایک دوسرے کی تائید اور توثیق کرنے والے ہیں۔ انجیل کی تعلیم کو ہدایت اور نور فرمایا جو کتب سماویہ کا خاصہ ہے کہ یہ کتابیں مخلوق کی رہنمائی اور ان کو حقیقی روشنی سے بہرہ مند کرنے کے لئے بھیجی جاتی ہیں۔ جس طرح رات کی تاریکی میں انسان باوجود آنکھوں کی بینائی کے روشنی کا محتاج ہوتا ہے اسی طرح کفر و شرک کی تاریکیوں میں انسان آسمانی تعلیم کی روشنی کا محتاج ہوتا ہے اس لئے کتب سماویہ کی تعلیمات کو نور، ضیا اور ہدایت وغیرہ کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ دوبارہ پھر انجیل کی ہدایت کا ذکر فرمایا اس لئے کہ انجیل میں نبی آخرالزماں کی بشارت کا بھی بکثرت ذکر تھا اس لئے یہ خیال ہو سکتا تھا کہ بشارت وغیرہ کے ساتھ ضمنی طور پر ہدایت بھی ہوگی اس شبہ کو دور کرنے کے لئے پھر ھدی فرمایا تاکہ یہ بات سمجھ میں آجائے کہ نبی آخرالزماں کا تذکرہ بھی سبب ہدایت ہے اس لئے انجیل سراسر ہدایت اور نصیحت ہے پرہیزگاروں کے لئے۔ آسمانی کتب کا نصیحت ہونا تو ظاہر ہی ہے اہل تقویٰ کا ذکر اس لئے فرمایا کہ یہی لوگ حقیقت میں آسمانی ہدایت اور نصیحت سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ جب انجیل کی صداقت اور اس کا کتاب آسمانی ہونا ثابت ہو گیا تو اہل انجیل کو حکم دیا جاتا ہے کہ تم کو اس کتاب کے احکام کی پابندی کرنی چاہئے اور منجملہ دیگر احکام کے اس کتاب نے یہ بھی حکم دیا ہے کہ نبی آخرالزماں جب تشریف لائیں تو ان پر اور ان کی کتاب پر ایمان لاؤ۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل) ف۳ اور ہم نے اہل انجیل کو یہ حکم دیا تھا کہ اہل انجیل کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ جب کوئی حکم کیا کریں تو اللہ تعالیٰ نے جو کچھ انجیل میں نازل فرمایا ہے اس کے موافق حکم دیا کریں اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کے مطابق حکم نہ کریں تو ایسے ہی لوگ نافرمان اور بے حکمی کرنے والے ہیں (تیسیر) جس طرح اوپر یہود کو کہا گیا تھا کہ کسی فیصلے کے وقت یا کوئی حکم دیتے وقت اس بات کا لازمی طور پر لحاظ رکھو کہ تمہارا فیصلہ اس کتاب کے خلاف نہ ہو جو تمہارے زمانے میں واجب الاتباع ہو اسی طرح اس آیت میں نصاریٰ کو بھی بتایا گیا ہے کیونکہ اس قسم کی کمزوریوں میں نصاریٰ بھی مبتلا تھے کہ حکم دیتے وقت تھوڑی بہت خیانت کر گزرتے تھے جو لوگ احکام الٰہی کے خلاف فیصلے کرتے ہیں ان کو کافر، ظالم، فاسق کہا گیا ہے۔ اگر آسمانی کتاب کے حکم کے خلاف فیصلہ کرنے والے نے توہین کی غرض سے فیصلہ کیا ہو تو ان سب الفاظ کے معنی حقیقی کفر ہوں گے ورنہ پھر فسق وغیرہ ہوں گے۔ توراۃ و انجیل کا ذکر کرنے کے بعد قرآن شریف کا ذکر فرماتے ہیں اور چونکہ اہل کتاب کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہمارے فیصلوں سے اتفاق کیا کریں یا جو فیصلہ ہم ان کے سپرد کریں اس کو ہماری مرضی کے موافق فیصلہ کیا کریں۔ اس کا بھی آگے کی آیت میں ذکر ہے اور اپنے نبی کے متعلق ایک ضابطہ مقرر کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ (تسہیل)۔

بقیہ صفحہ ۱۸۴

رہے یہ باہمی اختلافات اور جھگڑے تو ان کا آخری فیصلہ تو اس وقت ہو گا جب تم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں لوٹ کر جاؤ گے اس وقت وہ تم کو ان سب باتوں کی صحیح حقیقت سے آگاہ کر دے گا جن میں تم جھگڑتے رہا کرتے ہو چونکہ اہل کتاب اور خصوصاً یہود اپنی مرضی کے موافق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصلہ کرانے کی فکر میں رہتے تھے اس لئے پھر حضورؐ کو ارشاد فرمایا کہ بندہ بشر ہے ان سے ہوشیار رہو مبادا وہ تم کو دھوکہ دیکر اور باتیں ملا کر کوئی ایسا فیصلہ کرالیں جس میں قرآن کے کسی حکم کی خلاف ورزی ہو جائے۔ چنانچہ فرماتے ہیں (تسہیل) ف۲ اور ہم پھر اس بات کی جانب تم کو توجہ دلاتے ہیں اور حکم دیتے ہیں کہ جب کبھی ان اہل کتاب سے باہمی معاملات میں آپ کو فیصلہ کرنے کی نوبت آئے اور یہ لوگ آپ کو حکم بنائیں تو آپ اپنا حکم دیتے وقت اس بات کا خیال رکھئے کہ صرف ان احکام کے ماتحت حکم کیجئے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کی شریعت میں نازل فرمائے ہیں۔ اور ان کی غیر شرعی خواہشات کی پیروی نہ کیجئے اور آپ ان اہل کتاب سے آئندہ بھی ہوشیار رہئے اور احتیاط برتئے کبھی ایسا نہ ہو کہ یہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام میں سے کسی حکم سے آپ کو بہکا دیں اور آپ کو کسی فتنہ میں مبتلا کر دیں اور اگر یہ لوگ باوجود آپ کے فیصلے کے آپ کے حکم سے روگردانی کریں تو اس امر کا یقین کیجئے کہ اللہ تعالیٰ کو ان کے گناہوں میں سے بعض گناہ کی پاداش دنیا ہی میں دینی منظور ہے اور یہ واقعہ ہے کہ لوگوں میں سے اکثر اور بیشتر لوگ ہمیشہ سے نافرمانی کرنے کے عادی ہیں۔ (تیسیر) چونکہ اہل کتاب کی عام طور پر یہی خواہش تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی نہ کسی طرح اس پر آمادہ کریں کہ جس طرح ہم نے اپنی اپنی کتابوں میں تحریف و تبدیل سے کام لیا ہے اسی طرح ان سے بھی کوئی فیصلہ اپنی خواہشات کے موافق حاصل کیا جائے تاکہ ہم کو کہنے کی گنجائش حاصل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو اس سے آگاہ کرنے کیلئے مکرر فرمایا تاکہ اہل کتاب کی یہ امید منقطع ہو جائے ورنہ آپ نے نہ کبھی ایسا کیا اور نہ آپ کی عصمت اور مامونیت سے اس قسم کا خطرہ تھا کہ آپ کسی وقت بھی باطل کی جانب مائل ہو جائیں گے۔ یہاں حق سے باطل کی طرف مائل ہونے کو فتنہ سے تعبیر فرمایا اور اہل حق کے لئے اس سے بڑا فتنہ کیا ہو سکتا ہے کہ وہ کسی وقت بھی ایسا تصور کریں کہ باطل بھی توجہ کے قابل ہو سکتا ہے۔ اس لئے فرمایا کہ تم حق پر مضبوطی سے اپنی عادت کے مطابق جمے رہو اور جو فیصلہ قرآنی حکم کے موافق ہو وہ صادر کر دو اور اگر یہ انکار کریں اور باوجود توضیح دلائل کے آپ کا حکم نہ مانیں تو سمجھ لیجئے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے علاوہ ان کو ان کے بعض جرائم کی سزا دنیا میں بھی دینا چاہتا ہے اور اس ارشاد سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ان کے جرائم تو بہت ہیں لیکن بعض گناہ جیسے اللہ کے فیصلے سے اعراض اور روگردانی مثلاً اس کی سزا میں حضرت حق تعالیٰ کو تعجیل منظور ہے جیسا کہ چند دن بعد ہی اس سزا کا ظہور ہوا اور ان کو قتل اور جلا وطن وغیرہ کیا گیا۔ سزا کی عظمت کے لحاظ سے یہاں ابہام رکھا گیا آخر میں فرمایا کہ ہر دور میں اکثریت کا یہی مخالفانہ اور کافرانہ دستور رہا ہے اور لوگوں کی کثرت فسق و فجور اور اہل حق کی نافرمانی کی جانب مائل رہی ہے اور اکثریت متمرد اور سرکش اور کفر و انکار پر اصرار کرنے والی رہی ہے اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تسلی ہے۔ اب آگے پھر تنبیہ کے طور پر ارشاد ہوتا ہے کہ کیا یہ لوگ اب بھی دور جاہلیت کے فیصلوں کی تلاش میں ہیں چنانچہ فرماتے ہیں (تسہیل) ف۳ کیا اے پیغمبر یہ آپ کے حکم سے روگردانی کر کے دور جاہلیت کے کافرانہ احکام کے متلاشی ہیں اور بھلا اللہ تعالیٰ سے بہتر اس قوم کے لئے جو یقین کرنے والی ہے کون فیصلہ کرنے والا ہو سکتا ہے۔ (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ جب یہ حق بات کو جو آپ کا حکم ہے نہیں مانتے اور اس سے روگردانی کرتے ہیں تو کیا پھر اس زمانہ کی باتوں کو تلاش کرتے ہیں جب نہ کوئی دین کی روشنی تھی نہ کوئی باضابطہ اور قابل اعتماد آسمانی کتاب بھی نہ تھی اب نبی آخرالزماں کا دور ہے اور خدا تعالیٰ کی آخری کتاب کے احکام کا اجرا ہو چکا جب حق ظاہر ہو چکا تو اس روشنی کے زمانے میں دور جاہلیت کی باتوں کو تلاش کرتے پھرنا اس سے بڑھ کر بھی کوئی حماقت ہو سکتی ہے ان کو ایسا نہیں کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ سے بہتر باعتبار فیصلہ کرنے کے کون ہو سکتا ہے۔ ان لوگوں کے نزدیک جو یقین سے بہرہ ور ہیں۔ ان لوگوں کا اس سے بڑھ کر اور جہل کیا ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کو نظرانداز کرتے ہوئے تاریک زمانے کے انسانوں کی راہیں تلاش کریں۔ یقین والوں کو اس لئے فرمایا کہ ان ہی میں غور و فکر اور تامل و تدبر کا سلیقہ ہے۔ کہتے ہیں کہ ابن صوریا کے ساتھ اس سازش میں عبداللہ بن ابی منافق بھی شریک تھا۔ (تسہیل)۔

بقیہ صفحہ ۱۸۵

بعضھم اولیاء بعض میں عدم موالات کی علت فرمائی کہ دوستی کے لئے ہم جنس اور ہم خیال ہونا ضروری ہے وہ اسلام میں تمہارے ہم خیال نہیں ہیں تو خفیہ دوستی کرنے سے سوائے نقصان کے کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ ایسی دوستی وہ منافق ہی کر سکتے ہیں جو اسلام کی ترقی سے اور مسلمانوں کی بہبودی کے متعلق مذبذب اور مشکوک ہیں۔ اس دوستی کے لئے قحط وغیرہ مصائب کو بہانہ بناتے ہیں اور دل میں یہ بات رکھتے ہیں کہ اگر کل کو مسلمان ختم ہوئے اور ان کا اقتدار مٹا تو ہم کو اور ہمارے وطن کو یہود و نصاریٰ مکہ والوں کی دست برد سے بچالیں گے۔ فتوحی نے ترجمہ میں ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب بنایا ہے ہو سکتا ہے کہ یہ خطاب عام ہو جیسا کہ بعض نے اختیار کیا ہے۔ دائرہ سے مراد زمانے کے وہ ہیر پھیر ہیں جس سے ہر شخص کو دوچار ہونا پڑتا ہے اور پریشانی کے وقت اپنے احباب اور مددگاروں کی کثرت کو اپنے لئے مفید سمجھتا ہے اور اسی دور اندیشی کی بنا پر منافقین سرمایہ دار اہل کتاب سے دوستی بڑھانے کی فکر میں

رہتے تھے۔ فتح جس کا وعدہ فرمایا ہے۔ وہ فتوحات عامہ میں سے کوئی خاص نمایاں فتح ہو سکتی ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس فتح سے مراد مکہ کی فتح ہو امر من عندہ سے مراد کوئی ایسی چیز ہو سکتی ہے جو یہود پر اثر انداز ہو اور وہ منافق جو یہود پر نازاں تھے اور ان کی خفیہ دوستی پر بھروسہ کر رہے تھے ان کو اپنا انجام معلوم ہو جائے جیسا کہ واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل کتاب مدینہ سے نکالے گئے، ان کے گھر منہدم ہو گئے اور وہ خود جلاوطن ہوئے اس وقت ان منافقین پر جو گذری اس کا نقشہ آگے کی آیتوں میں ظاہر کیا گیا ہے کہ منافقین مسلمانوں کی فتوحات اور یہود کی جلاوطنی کو دیکھ کر بہت نادم اور رسوا ہوئے، مسلمانوں نے کہا ارے یہ بدبخت تو ہماری معیت کی قسمیں کھا کھا کر یقین دلایا کرتے تھے۔

جهد ایمانهم سے مراد مؤکد اور مبالغہ آمیز قسمیں ہیں۔ ایک طرف مسلمانوں کو قسمیں کھا کر اپنی وفاداری کا اظہار اور دوسری طرف یہود سے ساز باز۔ اس دورخہ پالیسی کا حشر یہ ہوا کہ یہود جلاوطن ہو کر گئے اور مسلمانوں میں اعتبار نہ رہا۔ نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے (۳)، حالت اعمالهم فاصبحوا خاسرین۔ جب تمام جد وجہد اور دوڑ دھوپ اکارت ہو گئی تو سوائے نقصان اور ٹوٹا پانے کے اور کیا رہ گیا۔ آگے پھر فرماتے ہیں کہ اگر مسلمانوں میں سے کوئی مرتد ہو جائے یا یہ لوگ کفر کے کیمپ میں چلے جائیں تو اللہ تعالیٰ ان کو ہٹا کر کسی اور ایسی قوم کو لے آئے گا جو اس کی مطیع و فرماں بردار ہو گی۔ حضرت شاہ صاحب نادمین پر لکھتے ہیں یعنی منافق کافروں سے دوستی لگائے جاتے ہیں کہ ہم پر گردش نہ آ جائے یعنی مسلمان مغلوب ہو جائیں تو ان کی دوستی ہمارے کام آوے۔ سو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اب قریب ہے کہ کافر ہلاک ہوں یعنی مسلمانوں کو ان پر فتح ہو یا کچھ اور حکم آوے یعنی کافر ملک سے ویران ہوں آخر یہود کو حکم فرمایا جلاوطن کرنے کا۔ ۱۲ منہ (تسہیل)۔

بقیہ صفحہ ۱۸۶

اور یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کفر کو برداشت کر لیتا ہے لیکن ظلم اور بدامنی کو گوارا نہیں کرتا۔ بہرحال آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر خدانخواستہ مسلمان اپنے دین سے پھر گئے تو اللہ تعالیٰ کی شان استغنا کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا وہ اور کسی قوم کو لے آئے گا اور تم کو ان کے ہاتھ سے مٹا ڈالے گا اور تباہ کر دے گا۔ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے محبوب ہوں گے اور اس سے محبت بھی کرنے والوں میں ہوں گے۔ اذلۃ علی المؤمنین اعزۃ علی الکافرین کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ اپنوں کا سا سلوک کریں گے اور منکروں کو بیگانہ سمجھ کر ان سے ان کے لائق برتاؤ کریں گے۔ اشداء علی الکفار رحماء بینهم۔ جہاد کرنے کا اللہ کی راہ میں مطلب یہ ہے کہ دین کے دشمن اور اسلام کو نقصان پہنچانے والے لوگوں کا مقابلہ کریں گے اور مقابلہ میں کسی بدگو اور ملامت کرنے والے کی ملامت کا ڈر ان کو نہ ہو گا اور اس امر کا ان کو اندیشہ نہ ہو گا کہ یہ لوگ ہم کو کیا کہیں گے۔ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سات حکم دیئے ہیں۔ (۱) مساکین سے محبت کرنا (۲) مساکین کے قریب بیٹھنا (۳) اپنے سے کم درجہ کی طرف دیکھنا اور اپنے سے اعلیٰ کی طرف نظر نہ کرنا (۴) اور

گود پیٹ کے رشتوں سے اچھا برتاؤ کرنا اگر وہ ظلم بھی کریں تو اس کا خیال کئے بغیر صلہ رحمی کرنا (۵) بکثرت لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھتے رہنا کیونکہ یہ خزانہ عرش الٰہی کی چیز ہے (۶) اور یہ کہ میں حق بات کہوں خواہ وہ کڑوی ہی کیوں نہ ہو اس حق گوئی کے مقابلہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا اندیشہ نہ کروں (۷) اور یہ کہ لوگوں سے سوال کرنا ترک کر دوں۔ (مسند احمد)

اب آگے مسلمانوں کی حقیقی ولایت کے مستحقین کا ذکر فرماتے ہیں (تسہیل) ۲ مسلمانو! تمہارا حقیقی ولی اور مددگار تو اللہ تعالیٰ ہے اور اللہ کا رسول ہے اور تمہارے حقیقی مددگار وہ مسلمان ہیں جو نماز کے پابند ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اپنی نمازوں میں رکوع بھی کرتے ہیں یعنی بے رکوع کی نماز نہیں پڑھتے۔ اور جو شخص اس ضابطہ کے موافق اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے اور اہل ایمان سے رفاقت کرے گا اور ان مذکورین سے دوستی قائم رکھے گا تو یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی جماعت میں ہوں گے اور اس امر کا یقین کرو کہ اللہ تعالیٰ کی جماعت اور اس کا گروہ ہی غالب ہونے والا ہے۔ (تیسیر) آیت میں حقیقی ولایت کی طرف توجہ دلائی کہ حقیقی ولایت اور معاونت اور رفاقت کا مستحق تو اللہ تعالیٰ ہی ہے اور تبعاً اس کا رسول اور صالح مسلمان ہیں نماز اور زکوٰۃ کے پابند ہیں اور نماز بھی یہود کی طرح نہیں کہ بے رکوع کی نماز پڑھتے ہیں بلکہ رکوع کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ راکعون کے معنی تواضع کرنے والے ہوں یعنی نماز و زکوٰۃ کے ساتھ ان کا مزاج عاجزی اور تواضع ہے، نخوت اور تکبر نہیں ہے اور نیکیوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لانے والے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ راکعون میں نوافل کی جانب اشارہ ہو کہ فرائض کے ساتھ نوافل بھی ادا کرتے ہیں۔ اوپر فرمایا تھا کہ جو شخص اہل کتاب سے دوستی اور نصرت معونت کے تعلقات قائم کرے گا تو وہ ان میں ہی سے شمار کیا جائے گا۔ یہاں فرمایا ومن یتول اللہ ورسولہ والذین امنوا۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور اہل ایمان سے مودت اور نصرت ومعونت کے تعلقات وابستہ رکھیں گے تو یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی جماعت اور اس کے گروہ میں شمار کئے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کی جماعت میں داخل ہوں گے اور اللہ کی جماعت غالب ہونے والی ہے اور منکر مغلوب ہونے والے ہیں تو غالب ہونے والوں کی دوستی مفید ہے یا مغلوب ہونے والوں کی؟ یہاں تک یہود و نصاریٰ کے طرز عمل اور ان کے ساتھ برتاؤ کا ذکر تھا آگے کی آیت میں یہود و نصاریٰ کے ساتھ دیگر مشرکین کے طریقہ کار کا بھی ذکر فرمایا اور ان کے ساتھ دوستی رکھنے کی بھی ممانعت مذکور ہے اور مسلمانوں کو تنبیہ فرمائی کہ یہ لوگ کسی طرح بھی دوستی اور بھروسہ کے لائق نہیں ہیں۔ یہ تو اسلام کا مذاق اڑانے والے ہیں اور احکام اسلام کے ساتھ دل لگی اور مذاق کرنے والے ہیں چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ (تسہیل) ۳ اے اہل ایمان ان لوگوں کو جن کو تم سے پہلے کتاب دی جا چکی ہے وہ ایسے ہیں کہ تمہارے دین کو انہوں نے ہنسی اور کھیل بنا رکھا ہے ان کو اور دوسرے منکرین اسلام کو تم اپنا رفیق نہ بناؤ اور اگر تم مومن اور ایمان دار ہو تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور جب تم نماز کے لئے اذان دیتے ہو تو یہ لوگ اس عبادت کے ساتھ ہنسی اور مذاق کرتے ہیں، اذان کی نقل اتارتے اور اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اس کا سبب یہ

ہے کہ یہ لوگ بے عقل اور صحیح عقل سے بالکل ہی بے بہرہ ہیں۔ (تیسیر) حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں بعضے یہود اور بعضے مشرک اذان کی آواز پر ہنستے یہ ان کی بے عقلی تھی اللہ کی بڑائی ہر دین میں بہتر ہے (موضح القرآن) آیات سابقہ میں یہود و نصاریٰ کی دوستی اور رفاقت سے منع فرمایا تھا اور جو منافق ان سے خفیہ موالات رکھتے تھے ان کی مذمت فرمائی تھی اور ان آیات کی ابتدا میں اشارتاً فرمایا تھا بعضهم اولیاء بعض۔ کہ وہ اپنے ہم خیال اور ہم عقیدہ لوگوں کے ہی دوست ہو سکتے ہیں تم کو چونکہ غیر جنس سمجھتے ہیں اس لئے تمہاری ان کی دوستی کس طرح نبھ سکتی ہے۔ یا وہ تم کو اپنے میں جذب کرنے کی کوشش کریں گے یا سوسائٹی میں تم کو ذلیل سمجھیں گے۔ ان آیتوں میں ان کے طرز عمل کی وضاحت فرمائی اور اس طرز عمل کو بطور علت قرار دیا کہ جب ان کا یہ حال ہے تو یہ کھلی معادات اور دشمنی کا برتاؤ ہے پھر معادات کے ساتھ موالات کس طرح قائم رہ سکتی ہے۔ یہود و نصاریٰ کے ساتھ دوسرے کفار کو بھی شامل فرما دیا چونکہ اکثر مشرکین اور منکرین بھی توہین اسلام میں ان کے ہمنوا تھے اس لئے ان سے بھی موالات کو منع فرمایا اور ارشاد ہوا کہ اے ایمان والو! جو تمہارے دین کو محض کھیل کود کی ایک چیز سمجھتے ہیں اور دین کے اصول وفروع کے ساتھ استہزا کرتے ہیں وہ عام طور سے یہود و نصاریٰ ہیں کیونکہ یہی لوگ تم سے پہلے کتاب توریت و انجیل دیئے گئے تھے اور ان دیگر مشرک اور کافروں کا بھی تمہارے دین کے ساتھ یہی سلوک ہے تو ایسے لوگوں کو اپنا رفیق کار نہ بناؤ اور تم کو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا چاہئے اگر تم مومن اور ایمان دار ہو۔ اول تو ایمان کی بنیاد ہی تقویٰ ہے۔ پھر تقویٰ تمام امراض باطنی کا علاج بھی ہے۔ اس لئے بس اللہ تعالیٰ ہی سے ڈرو اور یہ اندیشہ ترک کر دو کہ سوسائٹی بدون موالات کے کیسے قائم رہے گی۔ آگے اس استہزا کی تصریح ہے کہ جب تم اذان دیتے ہو اور نماز کے لئے لوگوں کو پکارتے ہو تو یہ تمہاری اذان اور نماز کا مذاق اڑاتے ہیں، ہنستے ہیں اور نقلیں اتارتے ہیں۔ حالانکہ اذان و نماز میں تو اللہ تعالیٰ کی برتری اور بڑائی مذکور ہے جو دعا اور مناجات کے لئے ضروری ہے اور اتنی بات تو سب ہی اہل مذہب مانتے ہیں لیکن یہ بدبخت اتنی بات کو بھی گوارا نہیں کرتے تو ان سے موالات پر کوئی صحیح نتیجہ مرتب ہونے کی امید نہیں یہ لوگ محض بے عقل ہیں، تمہاری عداوت میں اللہ تعالیٰ کی توہین کے مرتکب ہوتے ہیں۔ مسلمانوں کو اس قسم کے چند واقعات پیش آ چکے تھے۔ اول تو جب مسلمان اذان دیکر نماز شروع کرتے تو یہود کہا کرتے تھے یہ کھڑے ہوتے ہیں خدا کرے ان کو کھڑا ہونا نصیب نہ ہو۔ دوسرا واقعہ یہ ہوا کہ مدینہ میں جب موذن اشهد ان محمدا رسول اللہ کہتا تو ایک نصرانی کہا کرتا جھوٹا ہے، جھوٹا جل جائے۔ ایک دن اتفاق ایسا ہوا کہ اس کے گھر میں آگ لگ گئی اور وہ نصرانی اور اس کا گھر بار سب جل گیا۔ اسی قسم کا ایک واقعہ فتح مکہ کے دن پیش آیا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے مکہ میں اذان دی تو ابو سفیان بن حرب بن عتاب بن اسید اور حارث بن ہشام بیٹھے تھے عتاب نے کہا خدا کا بڑا فضل ہوا کہ میرا باپ تو اس غصہ دلانے والی آواز سے پہلے ہی مر گیا۔ حارث نے کہا میں اسے سچا سمجھتا تو مان ہی نہ لیتا ابو سفیان نے کہا بھائی میں تو کچھ نہیں کہتا اگر کہوں گا تو یہ کنکریاں اس سے یعنی محمدؐ سے کہہ دیں گی۔ یہ چند واقعات محدثین نے ذکر کئے ہیں ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ

اور بھی اسی قسم کے استہزا اور توہین آمیز سلوک کئے جاتے ہوں۔ بکمالہٖ یخفی بہرحال ان کی دشمنی اور معاندانہ طرزِ عمل اور اہل اسلام کے فرق کو آگے ایک عمدہ پیرایہ میں بیان فرماتے ہیں اور ایک اچھے پیرایہ میں مدلل طور پر ان کو ملزم قرار دیتے ہیں۔ (تسہیل)۔

بقیہ صفحہ ۱۸۷

آخران کے مشائخ اور ان کے علما گناہ کی بات کہنے اور حرام کا مال کھانے اور اڑانے سے ان کو کیوں نہیں روکتے یہ اہل علما اور مشائخ جو چشم پوشی اور مداہنت برت رہے ہیں وہ واقعی جو کچھ کر رہے ہیں برا کر رہے ہیں (تیسیر) پہلی آیت میں بعض منافقین یہود کا ذکر ہے کہ یہ جب تمہاری مجالس میں شریک ہوتے ہیں تو اپنے ایمان کا یقین دلاتے ہیں جیساکہ پہلے پارے میں گذر چکا ہے واذا لقوا الذین امنوا قالوا امنا۔ جب مجلس میں تو چاپلوسی کے طور پر کہدیا کرتے کہ ہم ایمان لاچکے ہیں۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ یہ لوگ کفر ہی لے کر آئے اور اسی کفر کو لیکر مجلس سے باہر نکل گئے اور یہ بھی فرمایا کہ جو خفیہ کارروائی یہ لوگ کرتے ہیں اس سب سے اللہ باخبر ہے۔ ہم نے نفاق سے تعبیر کیا ہے تاکہ وہ تمام کارروائیاں جو ایک منافق کرتا رہتا ہے ان سب کو تیسیر شامل ہوجائے۔ آگے دو آیتوں میں یہود کے عوام اور ان کے خواص کی بددیانتی اور حرام خوری کا ذکر فرمایا۔ یعنی اے پیغمبر یہ بات تو آپ کے مشاہدے میں ہے کہ یہ گناہ میں مبتلا ہونے میں جلدی کرتے ہیں اور دوڑ کر گناہ میں جا گرتے ہیں اور سرکشی اور ظلم اور حرام خوری میں انجام سے بے پرواہ ہوکر جا گرتے ہیں ہوسکتا ہے کہ اثم سے مراد معاصی اور عدوان سے مراد ظلم اور سحت سے مراد رشوت ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اثم سے مراد توریت کے احکام میں تحریف کرنا اور عدوان سے مراد ان احکام میں اضافہ کرنا ہو۔ بہرحال اوپر کی آیت میں اعتقاد کی خرابی مذکور تھی اور اس آیت میں اعمال کی خرابی مذکور ہے خواہ وہ ان کی کذب بیانی ہو، تحریف ہو، حقوق العباد کا اتلاف ہو، رشوتیں لیکر غلط فتوے دینا اور غلط غلط فیصلے کرنا ہو یا سود کھانا ہو آیت ہر قسم کے اعمال سیہ کی خرابی بیان کرتی ہے یہ تو ان کے عوام کی حالت تھی کہ ان میں نہ اکل حلال اور نہ صدق مقال اب آگے ان کے خواص کی طرف اشارہ ہے کہ ان کے صوفی اور مشائخ اور علما کی مداہنت کا یہ حال ہے کہ وہ یہ سب کچھ دیکھ رہے ہیں اور خاموش ہیں۔ گناہ کو نہ روکنا اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے جی چرانا یہ بھی نہایت قبیح اور بدترین ہے۔ صاحب معالم نے فرمایا سحت رشوت۔ سود۔ غصب۔ خیانت۔ چوری۔ اجرت حرام۔ بیوع فاسدہ۔ جوا۔ دغا فریب سب کو شامل ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت ان آیتوں میں جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بارے میں نازل ہوئی ہیں سب سے زیادہ سخت آیت ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ابن ماجہ نے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ جب آدمی دوسروں کو گناہ کرتے دیکھیں اور انہیں نہ روکیں تو اللہ تعالےٰ اپنا عذاب عام کردے گا۔ حضرت جریر بن عبداللہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ جس قوم میں گناہ کئے جاتے ہوں اور لوگ باوجود قدرت کے ان گناہوں کو نہ روکیں تو اللہ تعالےٰ نہ روکنے والوں کو بھی مرنے سے پہلے عذاب میں مبتلا کردے گا۔ ترمذی میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے تم اچھی باتوں کا حکم کرو اور بری باتوں سے منع کرو ورنہ اللہ تعالےٰ تم پر عذاب بھیجدے گا پھر تم دعائیں بھی مانگو گے تو قبول نہ ہوں گی۔ اوپر کی آیتوں میں یہود کی بداعتقادی اور ان کے اعمال قبیحہ کا ذکر تھا اب آگے ان کے اور ایک قول قبیح کا ذکر فرماتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ (تسہیل)۔

بقیہ صفحہ ۱۸۹

نازل ہوئی تو آپ نے کھڑکی میں سے آواز دیکر سب کو بھیجدیا اور فرمایا کہ تم جاؤ اب حفاظت کی ضرورت نہیں۔ یہ شبہ نہ کیا جائے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کئی بار حملے کئے گئے آپ کو زہر دیا گیا غزوۂ احد میں آپ کو گزند پہنچا لیکن ہم نے جس طرح تفسیر کی ہے اس پر یہ شبہ نہیں ہوسکتا کیونکہ وعدہ قتل سے محفوظ رکھنے کا تھا اور یہ وعدہ پورا کیا گیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعتقاد اور اعتماد کا یہ حال تھا کہ آیت کے نازل ہوتے ہی چوکیداروں اور پہرہ داروں کو رخصت کردیا حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی یہ اگلی بات کہ صاف اہل کتاب کو گمراہ کہو جب تک وہ کلام اللہ کا قبول نہ کریں گرچہ وے دشمن ہوں تم بےفکر پہنچاؤ اور خطرہ نہ کرو۔ (موضح) شاہ صاحبؒ نے خوب بات فرمائی اس تقدیر پر۔ ربط آیات پر کچھ کہنے کی گنجائش نہیں اور نہ کسی نئی توجیہ کی ضرورت ہے جیساکہ بعض حضرات نے ایک نئی الجھن اختیار کی ہے۔ بات یہ ہے کہ یہود کے تذکرے میں تبلیغ کی آیت کچھ بے جوڑ سی معلوم ہوتی تھی لوگوں نے ربط پیدا کرنے کی کوشش کی لیکن حضرت شاہ صاحبؒ نے جو طریقہ اختیار کیا وہ بہت ہی بہتر اور بہت ہی محفوظ ہے۔ تمام بحث کے لئے تفسیر مظہری کی طرف رجوع کرنا چاہئے تب شاہ صاحبؒ کے کمال کا اندازہ ہوسکے گا۔ اب آگے وہ مضمون ہے جس کی تبلیغ کا نڈر ہوکر حکم دیا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل) ۲ اے پیغمبر آپ ان اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ سے کہدیجئے کہ تم اس وقت تک کسی قابل اعتماد اور قابل نجات راہ پر نہیں ہو جب تک توریت اور انجیل کی اور اس کتاب کی جو اب تمہاری ہدایت کے لئے تمہارے رب کی جانب سے نازل کی گئی ہے یعنی قرآن کی پوری پوری پابندی نہیں کروگے اور اے پیغمبر جو کلام اور جو مضمون آپ کے رب کی طرف سے آپ کے پاس بھیجا جاتا ہے وہ کلام ان میں سے اکثر کی سرکشی اور نافرمانی کی زیادتی اور ترقی کا سبب ہوجاتا ہے تو آپ اس قسم کے متعصب اور نافرمان لوگوں کی حالت پر افسوس اور غم نہ کیجئے۔ (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ اے اہل کتاب تم دین الٰہی کی کسی مقبول اور معتبر راہ پر نہیں ہو اور اگر کوئی غیر مقبول راہ اختیار کرے تو وہ ایسا ہی ہے جیسے کسی راہ پر نہیں اور بالکل بے راہ ہے۔ اگر توریت کے پورے پابند ہوتے یا انجیل کے پابند ہوتے تو ضرور نبی آخرالزماں اور قرآن پر ایمان لاتے۔ تو نہ توریت کے پابند ہو نہ انجیل کے اور قرآن کے خلاف تو تم نے محاذ بنا ہی رکھا ہے لہٰذا تم کسی قابل نجات راہ پر نہیں ہو اور چونکہ ان کی ضد اور ہٹ دھرمی کا یہ حال ہے تو جو حکم اے پیغمبر آپ کی جانب آپ کے پروردگار کی جانب سے اترتا ہے وہ ان کے کفر و سرکشی کی ترقی کا موجب ہوجاتا ہے۔ اگر پہلے فرض کرو سو آیتوں کے منکر تھے تو پھر ایک سو ایک کے منکر قرار پائے۔ غرض جس قدر مضامین نازل ہوتے جاتے ہیں ان کی سرکشی اور کفر بڑھتا جاتا ہے لہٰذا آپ اس قسم کے کافر لوگوں پر غم اور افسوس کا اظہار نہ کیجئے۔ لستم علی شیء یہود و نصاریٰ آپس میں بھی ایک دوسرے کو کہتے تھے جیساکہ پہلے پارے میں گذر چکا ہے وقالت الیہود لیست النصاریٰ علی شیء وقالت النصاریٰ لیست الیہود علی شیء اب آگے اس راہ کا ذکر فرماتے ہیں جو مقبول اور معتبر ہے اور حقیقی نجات کی راہ ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ (تسہیل)

بقیہ صفحہ ۱۹۱

کیا ان عقائد کفریہ اور شرکیہ پر جمے رہنا کوئی دانشمندی اور سمجھداری کی بات ہے، یا جن عقائد کا باطل ہونا دلیل عقلی اور نقلی سے ظاہر ہے ان سے توبہ کرنا اور اللہ تعالےٰ سے بخشش طلب کرنا ضروری ہے۔ انسان کے لئے یہی مناسب ہے کہ جب کسی بات کی غلطی معلوم ہوجائے تو فوراً اس سے رجوع کرلے۔ اسی لئے فرمایا کیا اب بھی اللہ تعالےٰ کی جانب متوجہ ہوکر اس سے معافی نہیں چاہتے اور اس سے بخشش نہیں مانگتے۔ اگر یہ ایسا کریں اور سچائی کے ساتھ اس سے معافی چاہیں اور بخشش مانگیں تو اللہ تعالےٰ ان کے گناہ معاف کردے گا اور ان کو بخشدے گا وہ بڑا بخشنے والا اور بڑی مہربانی کرنے والا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں نصارا میں دو قول ہیں بعضے کہتے ہیں اللہ ہی تھا جو صورت مسیح میں آیا بعضے کہتے ہیں تین حصے ہوگیا۔ ایک اللہ رہا اور ایک روح القدس اور ایک مسیح یہ دونوں باتیں صریح کفر ہیں کاملوں سے حق میں یہی کہئے جو آگے فرمایا (موضح) اب آگے حضرت مسیح اور ان کی والدہ کی صحیح حقیقت بیان فرماتے ہیں تاکہ یہ بات صاف ہوجائے کہ حضرت مسیح اور حضرت مریم نہ تو معبود ہیں اور نہ الوہیت باری تعالےٰ میں کسی حیثیت سے شریک ہیں بلکہ وہ تو اللہ تعالےٰ کے فرستادے اور صرف اس کے پیغمبر ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ (تسہیل) ف سوائے اس کے کچھ نہیں کہ مسیح مریم کے بیٹے ایک رسول ہیں بلاشبہ ان سے پہلے بھی بہت سے رسول ہوچکے ہیں اور ان کی ماں بہت راست باز عورت تھی یہ دونوں ماں بیٹے کھانا کھایا کرتے تھے اور جو کھانا کھائے وہ خدا کس طرح ہوسکتا ہے اے پیغمبر ذرا دیکھئے ہم کس طرح ان کے لئے اپنے دلائل صاف اور واضح طور پر بیان کرتے ہیں اور باوجود توضیح دلائل کے پھر ان کو ملاحظہ کیجئے کہ یہ لوگ کدھر الٹے پھرے جارہے ہیں آپ ان سے دریافت کیجئے کہ کیا تم اللہ تعالےٰ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہو جو نہ تمہارے نقصان کی مالک ہیں اور نہ تمہارے نفع کا کچھ اختیار رکھتی ہیں حالانکہ اللہ تعالےٰ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔ اے پیغمبر آپ ان سے کہدیجئے کہ اے اہل کتاب تم اپنے دین میں ناحق کے غلو اور مبالغہ آمیزی اور افراط سے کام نہ لو اور ان لوگوں کی نفسانی خواہشات پر نہ چلو جو گذشتہ دور میں خود بھی گمراہ ہوئے اور اپنے اثر سے اور بھی بہت سوں کو انہوں نے گمراہ کیا اور آج بھی جبکہ اسلام آگیا وہ سیدھی راہ سے بہکے ہوئے ہیں (تیسیر) مطلب یہ ہے کہ مسیح ابن مریم جس کو تم نے الوہیت یا خواص الوہیت میں شریک کر رکھا ہے وہ تو محض ایک پیغمبر ہیں اور ان سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر گذر چکے ہیں اور ظاہر ہے کہ پیغمبری کو خدائی کا

درجہ نہیں دیا جا سکتا پھر ان کی ماں بھی تھیں جو بڑی راست باز اور صدیقیت کے مرتبہ پر فائز تھیں اور جب وہ ماں سے پیدا ہوئے تھے تو خدا کے ہمسر کس طرح ہو سکتے ہیں خدا تو لم یلد ولم یولد ہے۔ مزید برآں یہ دونوں عام انسانوں کی طرح کھانا بھی کھاتے تھے اور کھانا کھانے والے دوسرے حوائج بشریہ کے بھی محتاج ہوتے ہیں یہ تو ہو نہیں سکتا کہ کھانا کھائیں پانی پئیں اور دوسرے حوائج کی ان کو ضرورت نہ ہو یہی دلائل ان کی الوہیت کے ابطال کے لئے کافی ہیں۔ چنانچہ فرمایا کہ اے پیغمبر دیکھو ہم کس طرح ان کے لئے صاف طور پر دلائل بیان کرتے ہیں اور پھر ان کو دیکھو کہ یہ کہاں لوٹے جا رہے ہیں اور گمراہی کی طرف پھرے جا رہے ہیں حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی اس سے زیادہ کیا نشانی کہ جو شخص کھانا کھاوے اسے سب حاجت بشری لگے اللہ کی ذات پاک اس لائق کب ہے۔ (موضح) اس کے بعد پھر ابطال الوہیت مسیح پر ایک اور دلیل فرمائی کہ ان سے دریافت کیجئے کیا تم ایسی چیز کی اور ایسے اشخاص کی عبادت اور بندگی کرتے ہو جو تمہارے ضرر اور تمہارے نفع کا کچھ اختیار نہیں رکھتے اور جو اپنے ہی نقصان یا نفع کا مالک نہ ہو اور ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ کا محتاج ہو وہ کسی کو کیا نقصان یا فائدہ پہنچا سکتا ہے اور اللہ خوب سننے والا اور جاننے والا ہے۔ سمیع علیم کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ کسی کی حاجت روائی اور مشکل کشائی کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہر مانگنے والے کی سنتا ہو اور ہر شخص کی حالت کو جانتا ہو۔ یہ سماعت و علم کا کمال بجز اللہ تعالیٰ کے کسی دوسرے کو حاصل نہیں لہٰذا معبود ہونے کے اس کے سوا کوئی قابل نہیں اور اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور سمیع علیم کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ وہ تمہاری ان مشرکانہ باتوں کو سنتا بھی ہے اور تمہاری ان مشرکانہ حرکات کو جانتا بھی ہے لہٰذا تم کو اس شرک کی سخت سزا دے گا۔ اس کے بعد تیسری آیت میں پھر پیغمبر سے فرمایا کہ ان سے کہہ دیجئے کہ تم اپنے دین میں ناحق کی مبالغہ آمیزی سے کام نہ لو اور ان لوگوں کی خواہشات پر نہ چلو جو گذشتہ دور میں حضرت مسیح کے متعلق گمراہانہ عقیدے پھیلا گئے اور تمہارے دین میں نئی نئی باتیں جاری کر گئے وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی انہوں نے گمراہ بنایا اور اسی طرح ان لوگوں کی خواہشات پر نہ چلو جو آج بھی اسلام اور قرآن کے آ جانے کے بعد سیدھی راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں اور پرانی لکیر کے فقیر بنے ہوئے ہیں اور جو گمراہی ان کے بڑے پھیلا گئے ہیں اسی گمراہی پر سارے ہوئے ہیں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ضلوا عن سواء السبیل قوم قد ضلوا ہی کی وضاحت ہو جیسا کہ بعض نے اسی طرح تفسیر کی ہے۔ واللہ اعلم اب آگے ان لوگوں کے متعلق جو دین میں نافرمانی اور زیادتی کرتے تھے حضرت داؤد اور حضرت مسیح ابن مریم کے دور میں لعنت کا تذکرہ ہے۔ (تسہیل)

بقیہ صفحہ ۱۹۲

یہ نصاریٰ کہنے والوں کا دوستی میں قریب تر ہونا اور یہود اور مشرکین کا عداوت میں سخت تر ہونا اس کی وجہ یہ ہے کہ الذین قالوا انا نصاریٰ میں بہت سے علما اور گوشہ نشین زاہد و راہب ہیں اور نیز اس سبب سے کہ یہ لوگ تکبر نہیں کرتے (تیسیر) ابتدائے اسلام میں مسلمانوں کو تین قسم کے طبقوں سے واسطہ پڑا جاہل مشرکین جو صدیوں سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی مبارک تعلیم سے ناآشنا تھے اور محض سوسائٹی کے طریقوں کو مذہب سمجھتے تھے اولاد ابراہیم ہونے کی وجہ سے سب کو اپنے سے کمتر سمجھتے تھے بنی اسرائیل میں جو پیغمبر ہوئے ان میں سے کسی کے قائل نہ تھے۔ خود پرستی اور شرک میں مبتلا تھے نیز جاہلانہ رسوم کے پابند بلکہ خوگر تھے۔ دوسرا طبقہ یہود کا تھا جو بظاہر موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا قائل تھا لیکن حضرت مسیح علیہ السلام کو ملعون سمجھتا تھا حضرت عیسیٰ کی نبوت کا قائل نہ تھا۔ تیسرا طبقہ نصاریٰ کا تھا جو حضرت موسیٰؑ اور عیسیٰؑ دونوں کو مانتا تھا اگرچہ حضرت عیسیٰ ابن مریم اور ان کی والدہ کو الوہیت میں شریک کرتا تھا پھر بھی ان میں بڑے بڑے عالم اور زاہد راہب تھے اور عام طور سے ان کے قلوب میں نرمی اور شفقت کا مادہ تھا یہ لوگ یہود کی طرح متکبر اور سرکش نہ تھے۔ ان تینوں طبقوں کے سامنے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پیش کی گئی اور قرآن سنایا گیا اور خدا کی توحید پیش کی گئی تو مشرکین مکہ اور یہود نے ایذا رسانی اور عداوت و دشمنی کی انتہا کر دی۔ اور اس دشمنی کی بڑی وجہ یہ ہوئی کہ یہ لوگ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی مخالفت کے خوگر تھے اور کفر فی النبوت میں مبتلا تھے مشرکین تو نبوت کے قائل ہی نہ تھے اور یہود نے انبیاء سابقین کے ساتھ بہت برا سلوک کیا تھا اور بالخصوص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق سخت توہین آمیز رویہ رکھتے تھے اس لئے ان دونوں طبقوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی تعلیم کے ساتھ انتہائی معاندانہ برتاؤ کیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ چلے جانے کے بعد بھی مشرکین اور یہود کا گٹھ بندھن بنا رہا اور یہ دونوں فریق برابر ریشہ دوانیاں کرتے رہے اور آخر دم تک ان دونوں کی عداوت ضرب المثل رہی۔ البتہ جب نبی آخر الزماں کی یہ دعوت نصاریٰ کے مراکز میں پہنچی تو انہوں نے فی الجملہ اسلام کے سوچنے اور سمجھنے کی کوشش کی اور قرآن کو سنکر متاثر ہوئے۔ ہرچند کہ اسلام کی ترقی اور مسلمانوں کا عروج ان کو بھی ناپسند تھا اور وہ بھی نبی آخر الزماں کے دشمن تھے لیکن باوجود اس دشمنی کے نسبتاً کچھ مسلمانوں سے قریب تھے اور چونکہ ان میں تعلیم و تدریس اور زہد و رہبانیت کا سلسلہ تھا اس وجہ سے ان کے اخلاق زیادہ خراب نہ تھے پھر یہ بھی کہ وہ تمام انبیاء کے ساتھ حضرت مسیح کو مانتے تھے اور صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کرتے تھے اس لئے وہ کفر میں بھی یہود و مشرکین سے کم درجہ رکھتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ حق بات کو سنکر جلدی متاثر ہوتے تھے عوام تو عوام بعض خواص پر بھی اس صلاحیت کا اثر تھا۔ چنانچہ اسی زمانہ میں نجاشی۔ مقوقس اور ہرقل کے واقعات اور اسلام دوستی مشہور ہوئی اور ان ہی لوگوں کی طرف ان آیات میں اشارہ ہے۔ حبشہ کے عیسائی قرآن سنکر روئے اور مسلمان ہوئے اور ستر نومسلم حضور کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ اور انہوں نے قرآن سنکر اپنے خیالات کا اظہار کیا ان کا ذکر آگے کی آیتوں میں مذکور ہے۔ دنیا کی تاریخ اس پر شاہد ہے کہ اس آیت کا تعلق ہر زمانہ کے نصاریٰ سے نہیں جو لوگ اس کی کوشش کرتے ہیں کہ ہر دور کے نصاریٰ کو اقرب الی المودۃ ثابت کریں وہ قرآنی ذوق اور قرآنی فہم سے محروم ہیں۔ نصاریٰ نے اپنے دور میں جو سلوک مسلمانوں سے کیا ہے وہ بربریت اور ستم گری میں دوسری اقوام سے کسی طرح بھی کم نہیں ہے۔ اس لئے ان آیات کا تعلق ان نصاریٰ سے ہے جن میں قبول حق کی صلاحیت موجود تھی اور وہ حضرت عیسیٰ کی شریعت کے صحیح پیرو تھے اور انجیل کی پیشین گوئی کے موافق نبی آخر الزماں کی تشریف آوری کے منتظر تھے۔ اور تثلیث وغیرہ کے عقیدے سے پاک تھے اور جب ان تک قرآن کی آواز پہنچی تو انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ اسی طرح یہود کی حالت ہے کہ ان میں بھی بعض وہ حضرات جو توریت کی صحیح تعلیم پر عمل کرنے والے تھے انہوں نے اسلام کی روشنی سے فائدہ اٹھایا اگرچہ ان کی تعداد بہت ہی کم تھی۔ دشمنی اور عداوت سے وہ یہود مراد ہیں جو عام طور سے حب جاہ اور حب مال میں مبتلا تھے اور نصاریٰ سے وہ نصاریٰ مراد ہیں جو علم اور زہد کے ساتھ انجیل کے صحیح پیرو تھے اور حق و صداقت کے قبول کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ رہی یہ بات کہ یہ کون تھے نجاشی اور اس کے اصحاب تھے، یا اہل نجران تھے یا ہرقل اور اس کے اصحاب تھے تو اس کے متعلق ابن جریر نے ایک اچھا فیصلہ کر دیا ہے۔ امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ یہ آیتیں ان لوگوں کے بارے میں ہیں جن میں یہ اوصاف موجود ہوں خواہ وہ حبشہ کے ہوں یا اور کہیں کے ہوں اس بحث میں ہم نے تفسیر مظہری کی تحقیق کو ترجیح دی ہے اس سلسلے میں حضرت ابوبکر جصاص رازی حنفی نے خوب بات فرمائی ہے وہ فرماتے ہیں ومن الجہال من یظن ان فی ھذہ الآیۃ مدحا للنصاری واخبارا بانہم خیر من الیہود ولیس کذلک یعنی جاہلوں میں سے بعض لوگ یوں خیال کرتے ہیں کہ اس آیت میں نصاریٰ کی تعریف ہے اور اس بات کو بتاتا ہے کہ نصاریٰ یہود سے بہتر ہیں حالانکہ یہ بات نہیں ہے۔ انتہی۔ بہرحال تواضع اور علم و عمل کی طرف بڑھنا اور نفسانی خواہشات سے روگردانی اور رقت قلب وغیرہ اوصاف قابل تعریف ہیں اگرچہ یہ اوصاف کافر ہی میں ہوں۔ اب آگے ان لوگوں کے اسلام قبول کرنے اور قرآن سنکر رونے اور ان کے ثواب آخرت کا ذکر فرماتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ (تسہیل)۔

اور یہ کہ جب یہ لوگ اس قرآن کو سنتے ہیں جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھیجا گیا ہے تو آپ اُن کی آنکھوں کو ملاحظہ کرتے ہیں کہ وہ آنسوؤں سے بہہ رہی ہیں، اس کا سبب یہ ہے کہ اُنھوں نے دینِ حق کو پہچان لیا اور وہ اسلام سے واقف ہوگئے وہ اس حالت میں متاثر ہو کر یوں کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار اب ہم مسلمان ہوگئے اور ایمان لے آئے لہٰذا ہم کو بھی ان لوگوں کے ساتھ لکھ دیجئے۔ اور ان کے ساتھ شامل کرلیجئے جو دینِ حق کی تصدیق کرنے اور دینِ حق کی گواہی دینے والے ہیں، اور ہمارے لئے کیا عذر ہو سکتا ہے کہ ہم اللہ پر اور اس دینِ حق پر ایمان نہ لائیں جو ہم کو پہنچا ہے اور ہمارے پاس آیا ہے اور اُمید یہ رکھیں کہ ہمارا پروردگار ہم کو نیک لوگوں کے ساتھ داخل کردے گا اور ہم کو صالحین کے ہمراہ بہشت میں داخل ہونے کی اجازت دیدے گا۔ پس اللہ تعالیٰ اُن کو اس قول کے بدلے میں ایسے باغات عطا فرمائے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی یہ لوگ ان باغوں میں ہمیشہ رہیں گے اور نکوکار اور نیک روش اختیار کرنے والوں کو ایسا ہی صلہ ملا کرتا ہے اور جو لوگ منکر رہے اور کافرانہ روش اختیار کی اور ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے اور جھٹلاتے رہے تو یہی لوگ اہلِ جہنم ہیں (تیسیر) حضرت عبداللہ بن زبیر کا قول ہے کہ یہ آیتیں نجاشی اور اُس کے اصحاب کی شان میں نازل ہوئی ہیں کیونکہ جب اُنھوں نے مہاجرین سے سورۂ مریم سُنی اور حضرت عیسیٰؑ کے واقعات معلوم کئے تو وہ بہت روئے اور اسلامی تعلیم کی صداقت کا اعتراف کیا۔ سعید ابن جبیر کا قول یہ ہے کہ ان آیتوں میں اُس وفد کی جانب اشارہ ہے جو نجاشی نے چالیس آدمیوں کا حضرت جعفرؓ کے ہمراہ حضور کی خدمت میں بھیجا تھا۔ اور اُنھوں نے حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر قرآن سُنا تھا، اور وہ سب کے سب مسلمان ہوگئے تھے۔ بعض مفسرین نے ارکانِ وفد کی تعداد چالیس سے زیادہ بتائی ہے اور بعض نے اس وفد کو اہلِ نجران کا وفد کہا ہے واللہ اعلم۔ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ۔ کا مطلب یہ ہے کہ رقت قلب کے باعث بکثرت رونے والے اہلِ ایمان کی مناسبت کے باعث آخر میں منکرین کا انجام بھی بیان فرمادیا۔ چونکہ اوپر سے احکام شرعیہ کا بیان چلا آتا ہے بیچ میں یہود و نصاریٰ کا ذکر تھا اب پھر احکام کو بیان فرماتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں۔ مکے میں کافروں نے جب مسلمانوں پر ظلم کیا تو حضرت نے اذن دیا کہ اور ملک میں نکل جاؤ۔ قریب اسی آدمی مسلمان بعضے تنہا بعضے گھر سمیت مُلک حبش میں جا رہے وہاں کا بادشاہ خوب منصف تھا پھر مکے کے کافروں نے اُس کو بہکایا کہ اس قوم کو رہنے نہ دو کہ حضرت عیسیٰؑ کو غلام کہتے ہیں تب بادشاہ نے مسلمانوں کو بلوا کر پوچھا اور قرآن پڑھوا کر سُنا، وہ اور اس کے علماء بہت روئے اور کہا کہ حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا ہے کہ میرے بعد پیش از قیامت ایک نبی اور آوے گا وہ بیشک یہی نبی ہے وہ بادشاہ خفیہ مسلمان ہوا اُن کے حق میں یہ آیتیں ہیں موضح القرآن آگے چند احکام کی تفصیل بیان فرماتے ہیں چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (تسہیل) ف اے ایمان والو! جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے حلال کی ہیں اُن میں سے لذیذ اور مرغوب طبع چیزوں کو اپنے لئے حرام نہ کرلیا کرو اور مقررہ حدود سے آگے نہ بڑھو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اور جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے تم کو عطا فرمائی ہیں اُن میں سے جو چیزیں حلال اور طبیعت کو مرغوب ہوں اُن کو کھاؤ اور ... تعالیٰ پر تم ایمان رکھتے ہو اس سے تم ڈرتے رہو۔ (۸۸)

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى

اور نیز یہ کہ جب یہ لوگ اس کتاب کو سنتے ہیں جو رسول پر نازل ہوئی ہے تو آپ اُن کی آنکھوں

اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ

کو ملاحظہ کرتے ہیں کہ وہ آنسوؤں سے بہتی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اُنھوں نے حق کو پہچان لیا

يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿٨٣﴾ وَمَا

ان کی حالت یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں اے رب ہمارے ہم ایمان لائے لہٰذا ہم کو بھی تصدیق کرنے والوں کے ساتھ لکھ دیجئے۔ اور

لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ وَنَطْمَعُ

ہمیں کیا ہوا جو ہم اللہ پر اور اُس حق بات پر جو ہم تک پہونچ چکی ہے ایمان نہ لائیں اور توقع یہ رکھیں

اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٨٤﴾ فَاَثَابَهُمُ

کہ ہمارا رب ہم کو نیک لوگوں کے ساتھ داخل کردے گا، سو اللہ تعالیٰ اُن کو اُن کے

اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

اس قول کے صلے میں ایسے باغ عطا کرے گا جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٨٥﴾ وَالَّذِيْنَ

یہ لوگ ان باغوں میں ہمیشہ رہیں گے اور نیک روش اختیار کرنے والوں کو یہی صلہ عطا ہوتا ہے، اور رہے وہ لوگ جنھوں

كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿٨٦﴾ يٰٓاَيُّهَا

نے کفر کی روش اختیار کی اور ہماری آیتوں کو جھٹلاتے رہے تو وہی لوگ جہنمی ہیں۔ اے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ

ایمان والو! جو چیزیں اللہ نے تمہارے لئے حلال کی ہیں اُن میں سے لذیذ اور مرغوب طبع چیزوں کو حرام

وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿٨٧﴾ وَكُلُوْا

نہ کرلیا کرو اور شرعی حدود سے تجاوز نہ کرو بے شک اللہ حد سے آگے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اور جو کچھ

مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۠ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ

اللہ نے تم کو دیا ہے اُس میں سے جو حلال و مرغوب ہو وہ کھاؤ اور اُس اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو

ربع ۶

ع ۱۱ ۹ ۱

بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿٨٨﴾ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ

جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔ اللہ تعالیٰ تمہاری ان قسموں پر جو لغو ولایعنی ہوں تم سے مواخذہ نہیں کرتا

وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ

لیکن ہاں اُن قسموں پر مواخذہ کرتا ہے جن کو تم نے مستحکم کرلیا ہو سو کسی پختہ قسم کے توڑ دینے کا کفارہ

اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ

یہ ہے کہ دس مسکینوں کو اوسط درجے کا وہ کھانا دینا جو تم اپنے گھر والوں کو

اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ

دیا کرتے ہو یا دس مسکینوں کو کپڑا پہنا دینا یا ایک بردہ کو آزاد کرنا پھر جو ان تینوں باتوں میں سے کسی کا بھی مقدور نہ رکھتا ہو

فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ

تو تین دن کے روزے رکھے یہ حکم مذکور تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جبکہ تم قسم کھا بیٹھو

وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ

اور اپنی قسموں کی نگہداشت کیا کرو اسی طرح اللہ تمہارے واسطے اپنے احکام صاف صاف بیان کرتا ہے تاکہ

تَشْكُرُوْنَ ﴿٨٩﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَ

تم اس کا شکر بجا لاؤ۔ اے ایمان والو! واقعی بات یہ ہے کہ شراب اور جوا اور

الْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ

بتوں کے تھان اور فال کھولنے کے تیر یہ سب ناپاک کام شیطان کے ہیں لہٰذا ان سے بچتے رہو

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٩٠﴾ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ

شاید کہ تم اپنے مقصد میں کامیاب ہو۔ شیطان تو چاہتا یہی ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ

الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاۗءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ

تمہارے مابین دشمنی اور بُغض ڈال دے اور تم کو

ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿٩١﴾

اللہ کے ذکر سے اور نماز ادا کرنے سے باز رکھے سو تم اب بھی ان باتوں سے باز آؤ گے یا نہیں

٢٤

اللہ تعالیٰ تمہاری اُن قسموں پر جو لغو ولایعنی ہوں تم سے مواخذہ نہیں کرتا یعنی اُن قسموں پر جو عادتاً منہ سے نکلتی رہتی ہیں کوئی کفارہ واجب نہیں کرتا مگر ہاں اُن قسموں پر مواخذہ کرتا ہے یعنی کفارہ واجب کرتا ہے جن کو تم نے مستقبل کے لئے مضبوط و مستحکم کردیا ہو یعنی قصداً یوں کہا ہو کہ خدا کی قسم میں ایسا کروں گا یا نہیں کروں گا، لہٰذا اس منعقدہ قسم کو توڑنے کا کفارہ یہ ہے کہ دس محتاجوں کو اوسط درجے کا کھانا دینا جیسا معمولی کھانا تم اپنے گھر میں گھر والوں کو کھلاتے ہو، یا دس مسکینوں کو اوسط درجے کا کپڑا پہنا دینا یا ایک غلام یا باندی کو آزاد کر دینا یعنی تینوں باتوں میں سے جو چاہو وہ کرلو پھر جس شخص کو ان باتوں میں سے کسی ایک کا بھی مقدور نہ ہو اور ایک بھی میسر نہ ہو تو وہ پے درپے تین روزے رکھ لے یہ حکم مذکور تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھا بیٹھو یعنی کسی وجہ سے قسم توڑنی پڑے تو قسم توڑ کر مذکورہ بالا حکم کے مطابق کفارا ادا کر دیا کرو اور دیکھو اپنی قسموں کی نگہداشت کیا کرو اور قسموں کا خیال رکھا کرو اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے یہ کفارے کا حکم بیان کیا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے اور احکام بھی صاف طور پر کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم اُس کا اس نعمت پر شکر بجا لاؤ (٨٩) اے اہلِ ایمان! سوائے اس کے نہیں کہ شراب اور جوا۔ اور معبودانِ باطلہ کے نشانات یعنی بُت اور اُن کے تھان وغیرہ اور قرعہ اندازی اور فال لینے کے تیر یہ سب گندی اور گھناؤنی چیزیں ہیں جو شیطان کے کاموں میں سے ہیں اور اعمالِ شیطانی ہیں لہٰذا تم ان ناپاک باتوں میں سے ہر ایک بات سے بچتے رہا کرو تاکہ تم فلاح پاؤ اور اپنے مقصد میں کامیاب ہو (٩٠) شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ تم کو دینی اور دنیاوی نقصان پہنچانے کی غرض سے تمہارے مابین شراب اور جوئے کے ذریعے عداوت اور بغض واقع کر دے یعنی باہمی برتاؤ میں عداوت اور دلوں میں بغض ڈال دے اور تم کو خدا کی یاد اور ذکرِ الٰہی سے اور نماز کو وقت پر ادا کرنے سے روک دے یعنی دین کو سنوارنے سے باز رکھے، پس تم اب بھی ان ناپاک اور شیطانی کاموں سے باز آؤ گے یا نہیں؟ (٩١)

وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَاحْذَرُوا ۚ فَإِن

اور تم اللہ کا اور رسول کا حکم مانو اور حکم کی خلاف ورزی سے بچتے رہو پھر اگر

تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوا أَنَّمَا عَلَىٰ رَسُولِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴿٩٢﴾

تم نے روگردانی کی تو یقین جانو کہ ہمارے رسول کے ذمہ تو صرف احکام کو واضح طور پر پہونچا دینا ہے

لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا

جو لوگ ایمان لائے اور وہ نیک عمل کرتے رہے اُن پر اُس کا کوئی گناہ نہیں جو وہ حرمت سے قبل کچھ

طَعِمُوا إِذَا مَا اتَّقَوا وَّآمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ثُمَّ اتَّقَوا وَّ

کھا پی چکے جبکہ وہ حرام چیزوں سے پرہیز کرتے تھے اور ایمان پر قائم تھے اور نیک عمل کرتے تھے پھر انھوں نے پرہیز کیا اور

آمَنُوا ثُمَّ اتَّقَوا وَّأَحْسَنُوا ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿٩٣﴾

ایمان لائے پھر پرہیز کیا اور نیک روش پر چلتے رہے اور اللہ نیک روش اختیار کرنیوالوں کو پسند فرماتا ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللَّهُ بِشَيْءٍ مِّنَ

اے ایمان والو یقیناً اللہ تعالیٰ تم کو ایک معمولی سی شکار کی بات میں آزمائے گا

الصَّيْدِ تَنَالُهُ أَيْدِيكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللَّهُ مَن

جس کو تمہارے ہاتھ اور تمہارے نیزے حاصل کرسکیں گے تاکہ اللہ تعالیٰ یہ بات معلوم کرلے کہ

يَخَافُهُ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ

کون شخص اُس سے بن دیکھے ڈرتا ہے پھر جو شخص اس حکم ممانعت کے بعد مقررہ حد سے بڑھے گا تو اس کو دردناک

أَلِيمٌ ﴿٩٤﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَ

عذاب ہوگا۔ اے ایمان والو جب تم احرام کی حالت میں ہو تو کسی شکار کو

أَنتُمْ حُرُمٌ ۚ وَمَن قَتَلَهُ مِنكُم مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاءٌ مِّثْلُ مَا

نہ مارو اور جو شخص تم میں سے قصداً شکار مارے گا تو اُس پر اُس شکار کے مساوی

قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنكُمْ هَدْيًا بَالِغَ

جس کو مارا ہے چوپایوں میں سے بدلہ واجب ہوگا جس کا تخمینہ تم میں سے دو معتبر اور صاحب بصیرت شخص کردیں اور وہ

اور تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا کہنا مانو اور احکام خدا اور رسول کی خلاف ورزی اور حکم کی مخالفت سے پرہیز کرو پھر اگر تم نے امتثال امر اور حکم کی بجا آوری سے روگردانی کی اور اعراض کیا تو اس بات کو اچھی طرح جان لو اور سمجھ لو کہ ہمارے پیغمبر کے ذمہ صرف واضح اور صاف طور پر احکام کا پہونچا دینا ہے۔ (۹۲) اُن لوگوں پر جو حلال و حرام پر ایمان لائے اور نیک عمل کے پابند رہے اس کا کوئی گناہ نہیں جو وہ کسی شئی کو اس کی حرمت سے قبل کھا پی چکے جب کہ وہ حرام چیزوں سے پرہیز کرتے تھے اور ایمان پر قائم تھے اور نیک عمل کے پابند تھے پھر کوئی چیز اگر حرام ہوئی تو اس سے بھی اُنھوں نے پرہیز کیا اور اُس کی حرمت پر ایمان لائے پھر کوئی شئی حرام کی گئی تو اس سے بھی اجتناب اور پرہیز کیا اور نیک روش پر چلتے رہے یعنی جو لوگ اہل ایمان ہیں اور عمل صالح کے پابند ہیں انھوں نے اگر کسی ایسی چیز کو استعمال کیا جو مباح تھی اور بعد میں اُس کی حرمت نازل ہوگئی تو اُس زمانۂ مباح کے استعمال کا اُن پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ پھر کوئی چیز حرام ہوئی تو اُس کی حرمت پر بھی ایمان لائے اور اُس کو ترک کردیا پھر کوئی ایسا موقعہ ہوا تو پھر اس کو بھی ترک کردیا اور ہمیشہ نیک روش پر چلتے رہے اور اللہ تعالیٰ ایسے نیک روش اختیار کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے (۹۳) اے اہل ایمان یقیناً اللہ تعالیٰ تم کو ایک حقیر اور معمولی سے شکار کے معاملہ میں آزمائے گا وہ شکار تم سے اس قدر قریب پھرتا ہوگا کہ تمہارے ہاتھ اور تمہارے نیزے اُس شکار کو حاصل کرسکیں گے یعنی تمہارے آس پاس پھرتا ہوگا چاہے تم نیزہ مار کر زخمی کردو خواہ ہاتھ سے شکار کرلو۔ اس آزمائش کی وجہ یہ ہوگی تاکہ اللہ تعالیٰ اس بات کو جان لے کہ کون شخص اُس کے عذاب اور اُس کی پکڑ سے بن دیکھے ڈرتا ہے۔ یعنی دیکھ کر تو اُس کے عذاب سے سب ہی ڈریں گے محض وعدۂ عذاب سے کون کون ڈرنے والا ہے، پھر جو شخص ممانعت کا حکم سُننے اور اُس کی حرمت معلوم کرلینے کے بعد حد سے آگے بڑھے گا اور حکم خداوندی سے بے پرواہ ہوکر شکار کا تعاقب کرے گا تو اس شخص کو دردناک عذاب ہوگا (۹۴) اے اہل ایمان جب تم احرام کی حالت میں ہو تو کسی وحشی شکار کو نہ مارو یعنی وحشی جانوروں کا شکار نہ کرو سوائے اُن جانوروں کے جن کے قتل کو شریعت نے مستثنیٰ کردیا ہو لہٰذا جو شخص تم میں سے اب کسی شکار کو قصداً مارے گا تو اُس پر اُس شکار کی مثل اور اس شکار کے برابر جس کو مارا گیا ہے چوپایوں میں سے بدلہ اور فدیہ واجب ہوگا یعنی شکار کی قیمت کے برابر اونٹ یا گائے بھینس یا بھیڑ بکری کی قربانی واجب ہوگی جس کا تخمینہ تم میں سے دو معتبر اور

۱۲ ع ۷ ۲

الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ

چوپایہ نیاز کے طور پر حرم کعبہ میں پہونچایا جائے یا کفارے میں بجائے چوپایہ کے اُس کی قیمت کا مساکین کو کھانا دیدیا جائے یا

صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ؕ

مساکین کی تعداد کے برابر روزے رکھیں جائیں تاکہ شکار کرنیوالا اپنے کئے کے وبال کا مزہ چکھے اب سے پہلے جو ہو چکا اُسے اللہ نے درگزر

وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿٩٥﴾

کردیا اور جو شخص پھر ایسا کرے گا تو اللہ اُس سے انتقام لے گا اور اللہ زبردست ہے بدلہ لینے والا ہے

اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ

تمہارے لئے پانی کا شکار کرنا اور اُس کا کھانا خود تمہارے اور مسافروں کے فائدے کی غرض سے حلال کردیا گیا ہے

وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ

اور خشکی کا شکار جب تک تم حالت احرام میں رہو تم پر حرام کیا گیا ہے اور اُس اللہ سے ڈرتے رہو

الَّذِيْۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿٩٦﴾ جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ

جس کے پاس تم سب جمع کئے جاؤ گے۔ اللہ نے کعبہ کو جو کہ محترم مکان ہے اور شہر حرام کو

الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ؕ

اور حرم کو جانے والی قربانی کو اور اُن قربانیوں کو جن کے گلے میں قلادہ پڑا ہو اُن سب کو لوگوں کیلئے قیام مصالح کا موجب

ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي

قرار دیا یہ اس لئے کیا تاکہ تم اس بات کو جان لو کہ جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے

الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٩٧﴾ اِعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ

اللہ تعالیٰ اُس سب کو جانتا ہے اور بلاشبہ اللہ ہر چیز سے خوب واقف ہے۔ تم یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ

شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٩٨﴾ ؕ مَا عَلَى

سخت عذاب کرنے والا بھی ہے اور بے شک اللہ بڑا بخشنے والا اور نہایت مہربان بھی ہے۔ پیغمبر کے ذمہ تو

الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا

صرف احکام پہونچا دینا ہے اور اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم

صاحبانِ بصیرت لگادیں اور مقرر کردیں دراں حالیکہ یہ جانور نیاز کے طور پر کعبہ کے حرم میں پہونچنے والا ہو یعنی حرم کعبہ میں لے جاکر اس جانور کو اللہ کے نام پر قربان کیا جائے، یہ شکار کے کفارے کی ایک شکل ہوئی۔ یا بجائے جانور کو ذبح کرنے کے اُس کی قیمت سے مساکین کو کھانا دیا جائے یعنی صدقہ فطر کے برابر ایک ایک محتاج کو کھانا دیا جائے یا جتنے مساکین پر کھانا تقسیم ہوتا ہو اتنے ہی روزے رکھے جائیں یعنی ہر مسکین کے بدلے میں ایک روزہ تاکہ احرام کی حالت میں شکار کرنے والا اپنے کئے کی شامت کا مزہ چکھے اور اپنے کئے کا وبال بھگتے شکار کی تحریم سے پہلے جو کچھ ہوچکا اللہ تعالیٰ نے اس کو درگذر فرما دیا اور جو شخص پھر ایسا کرے گا اور دوبارہ قصداً کسی شکارِ ممنوع کو مارے گا تو اللہ تعالیٰ اُس سے انتقام لے گا اور اللہ تعالیٰ کمال قوت کا مالک اور صاحبِ انتقام ہے یعنی بدلہ اور انتقام لے سکتا ہے (٩٥) حالتِ احرام میں تمہارے لئے پانی کا شکار کرنا اور اس کا کھانا خود تمہارے اور تمہارے قافلہ کے مسافروں کے فائدہ کی غرض سے حلال کردیا گیا ہے اور جنگل اور خشکی کے وحشی جانوروں کا شکار جب تک تم احرام کی حالت میں ہو تم پر حرام کردیا گیا ہے۔ یعنی دریائی جانوروں کا شکار احرام کی حالت میں حلال ہے اور جنگل کے وحوش کا شکار حرام ہے اور اے اہلِ ایمان اُس اللہ تعالیٰ کی گرفت سے ڈرتے رہو جس کے حضور میں تم جمع کئے جاؤ گے (٩٦) اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو جو خدا تعالیٰ کا محترم مکان ہے اور حرمت والے مہینوں کو یعنی ذوالقعدہ۔ ذوالحجہ۔ محرم اور رجب کو اور حج کے موسم میں حرم کی طرف جانے والی قربانیوں کو اور اُن قربانیوں کو جن کے گلے میں لٹکن اور قلادہ پڑا ہوا ہوتا ہے اور جن کو حاجی لوگ اپنے ہمراہ حرم کی طرف لے جاتے ہیں اُن سب کو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے قیام مصالح مثلاً امن و اطمینان کے قائم رکھنے کا سبب اور موجب کردیا ہے۔ یہ اس لئے کیا تاکہ تم اس بات کو اچھی طرح جان لو اور سمجھ لو کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اُن سب کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز سے خوب واقف ہے یعنی اگر وہ واقف نہ ہوتا تو اپنے بندوں کی مصلحتوں کا کیسے انتظام کرتا اور ان کی رعایت کس طرح کرتا (٩٧) تیسیر القرآن

تم یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ سخت عذاب کرنے والا ہے اور اس کی پکڑ سخت ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ یقیناً بڑا بخشنے والا اور نہایت مہربان ہے (٩٨) پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ پر تو صرف پیام خداوندی کا

پہونچا دینا ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے اُن تمام اعمال کو جانتا ہے جو تم ظاہری طور پر کرتے ہو اور اُن چیزوں کو بھی جانتا ہے جو تم پوشیدہ رکھتے ہو اور اپنے سینوں میں چھپائے رکھتے ہو یعنی خواہ اعمال جوارح ہوں خواہ افعالِ قلب ہوں وہ سب سے بخوبی واقف ہے (۹۹) اے پیغمبر آپ اُن لوگوں سے فرما دیجئے کہ ناپاک چیز خواہ وہ گناہ ہو یا گناہ کرنے والا ہو یا کوئی حرام چیز ہو کسی پاک چیز کے خواہ وہ نیکی ہو یا نیکی کرنے والا ہو یا کوئی حلال چیز ہو دونوں چیزیں خبیث اور طیب برابر نہیں ہو سکتیں اگرچہ اے دیکھنے والے ناپاک کی اکثریت تجھ کو تعجب میں ہی کیوں نہ ڈالتی ہو تب بھی دونوں میں مساوات اور برابری نہیں ہو سکتی یعنی ناپاک کی بہتات اور اکثریت قابلِ تعجب اور خوش آیند نہیں ہے لیکن اگر کسی کے لئے تعجب انگیز ہو تب بھی طیب اور خبیث میں برابری نہیں ہو سکتی حرام خواہ کتنا ہی زیادہ ہو بہر حال حرام اور خبیث ہے اور حلال کتنا ہی کم ہو بہر حال حلال اور طیب ہے۔ لہٰذا اے عقل مندو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور ناپاک کی کثرت کو دیکھ کر اُس کی جانب توجہ نہ کرو تاکہ تم فلاح پاؤ (۱۰۰) اے اہلِ ایمان تم احکام یا واقعات کے متعلق ایسی باتیں نہ پوچھا کرو جن کا ظاہر کرنا اور جواب دینا تمہارے لئے ناگواریِ خاطر کا موجب ہو مثلاً سراقہ بن مالک کا سوال یا اپنے مرے ہوئے باپ کے متعلق سوال وغیرہ اور اگر ایسے زمانہ میں جبکہ قرآنی وحی کا نزول جاری ہے اس قسم کے سوالات کرو گے اور بے موقع باتیں دریافت کرو گے تو یہ بہت ممکن ہے کہ اُن کو ظاہر کر دیا جائے اور ان کا جواب دیدیا جائے اور اگر جواب دیدیا جائے تو تم کو بُرا معلوم ہو اور تمہاری دل آزاری کا سبب ہو، گذشتہ حالات میں جو غیر محتاط سوال کرتے رہے اللہ تعالیٰ نے اُن کو معاف فرما دیا۔ اور اللہ تعالیٰ بڑی بخشش کرنے والا اور بڑے حلم والا ہے (۱۰۱) بلاشبہ تم سے پہلے بھی بعض لوگوں نے اسی قسم کے بے موقع سوالات اپنے پیغمبروں سے کئے تھے پھر جواب ملنے پر عمل نہ کر سکے اور ان کا حق بجا لانے سے منکر ہو گئے یعنی سوال کا جب جواب دیا گیا تو اُس پر عمل نہ کر سکے اور منکر ہو گئے اس لئے احتیاط اسی میں ہے کہ بے موقع سوال نہ کیا کرو۔ (۱۰۲) اللہ تعالیٰ نے نہ تو بحیرہ کو مقرر کیا یعنی وہ اونٹنی جو پانچ بچے دیدے اس کا کان چیر کر بتوں کے نام پر چھوڑ دو اور اس کو قابلِ احترام سمجھو ورنہ اللہ تعالیٰ نے سائبہ کو مقرر کیا یعنی وہ اونٹنی جو دیوتاؤں کے نام پر چھوڑ دی جائے اور اس کو متبرک سمجھ کر اس کی سواری یا اس کے بال کترنے کو ترک کر دیا جائے نہ اُس کا دودھ دوہا جائے اور نہ اللہ تعالیٰ نے وصیلہ کو شرعی طور پر مقرر کیا یعنی وہ بکری جو اوپر تلے دو مادہ

تَكْتُمُونَ ﴿٩٩﴾ قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ

پوشیدہ رکھتے ہو۔ اے پیغمبر آپ اُن سے فرما دیجئے کہ ناپاک چیز اور پاک چیز دونوں برابر نہیں خواہ تم کو کسی ناپاک

أَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيثِ ۚ فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ

چیز کی کثرت بھلی ہی کیوں نہ معلوم ہوتی ہو تو اے عقل مندو! خدا سے ڈرتے رہو

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿١٠٠﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنْ

تاکہ تم فلاح پاؤ۔ اے ایمان والو تم ایسی باتیں نہ پوچھا کرو کہ

أَشْيَاءَ إِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَإِنْ تَسْأَلُوا عَنْهَا حِينَ

کہ اگر وہ تم کو ظاہر کر دی جائیں تو تم کو بُری معلوم ہوں اور اگر تم ایسے زمانہ میں جبکہ نزولِ قرآن کا سلسلہ جاری ہے

يُنَزَّلُ الْقُرْآنُ تُبْدَ لَكُمْ عَفَا اللَّهُ عَنْهَا ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ

ایسی باتیں پوچھتے رہو گے تو اس کا قوی احتمال ہے کہ اُن کو ظاہر کر دیا جائے گذشتہ سوالات کو اللہ نے معاف کر دیا اور اللہ بڑی

حَلِيمٌ ﴿١٠١﴾ قَدْ سَأَلَهَا قَوْمٌ مِنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ أَصْبَحُوا

مغفرت والا تحمل والا ہے۔ تم سے پہلے اور لوگوں نے بھی اسی قسم کی باتیں پوچھی تھیں پھر اُن کو بجا لانے سے

بِهَا كَافِرِينَ ﴿١٠٢﴾ مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ بَحِيرَةٍ وَلَا سَائِبَةٍ

انکار کرنے لگے۔ اللہ نے نہ تو بحیرہ کو مقرر کیا اور نہ سائبہ کو

وَلَا وَصِيلَةٍ وَلَا حَامٍ ۙ وَلَٰكِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا

اور نہ وصیلہ کو اور نہ حامی کو لیکن وہ لوگ جنھوں نے کفر کی روش اختیار کر رکھی ہے

يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ ۖ وَأَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿١٠٣﴾

اللہ پر جھوٹی افترا پردازی کرتے ہیں اُن کی حالت یہ ہے کہ ان میں سے اکثر صحیح عقل سے بے بہرہ ہیں۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ

اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ جو کچھ اللہ نے نازل کیا ہے اُس کی طرف اور رسول کی طرف آؤ

قَالُوا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا ۚ أَوَلَوْ كَانَ

تو کہتے ہیں ہم نے جن طریقوں پر اپنے باپ دادا کو پایا ہے وہی طریقے ہم کو کافی ہیں کیا جب بھی کہ اُن کے باپ

ع ۱۳ / ۷ / ۲

بچے دیدے اس کو متبرک سمجھ کر چھوڑ دیا جائے اور اس کے دودھ یا اس کی اون کو استعمال نہ کیا جائے اور نہ اللہ تعالیٰ نے حامی کو مقرر کیا یعنی وہ اونٹ جس کی نسل سے دس بچے ہو جائیں اُس کو متبرک سمجھ کر چھوڑ دینا اور اس کے استعمال کو ترک کر دینا۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے ان بہائم میں سے کسی کو متبرک نہیں بنایا اور نہ متبرک بنانے اور ان کو استعمال سے مستثنیٰ کرنے کا حکم دیا لیکن یہ لوگ جو اسلام کی روشنی سے محروم ہیں اللہ تعالیٰ کے ذمے جھوٹ باندھتے اور خدا تعالیٰ پر جھوٹے طوفان اور بہتان لگاتے ہیں اور ان منکرین کی حالت یہ ہے کہ ان میں سے اکثر صحیح عقل و فہم سے عاری اور بے بہرہ ہیں (۱۰۳) اور جب ان

اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿١٠٤﴾ يٰٓاَيُّهَا

دادا نہ کچھ سمجھ رکھتے ہوں اور نہ وہ راہ یافتہ رہے ہوں۔ اے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا

ایمان والو! تم پر اپنی جان کا فکر ضروری ہے جب تم ہدایت پر ہو تو تم کو کوئی گم کردہ راہ نقصان

اهْتَدَيْتُمْ ۭ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ

نہیں پہنچا سکتا تم سب کو اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے پھر وہ تم کو جو کچھ تم کیا کرتے تھے اُس سے

تَعْمَلُوْنَ ﴿١٠٥﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا

آگاہ کر دے گا۔ اے ایمان والو جب تم میں سے کسی کے سامنے موت آکھڑی ہو تو وصیت کے وقت

حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا

تمہارے آپس میں دو ایسے معتبر اور امانت دار آدمیوں کا وصی ہونا مناسب

عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ

ہے جو تم ہی میں سے ہوں یا اگر تم سفر میں ہو اور تم کو موت کا حادثہ پیش آجائے تو اُن دو شخصوں کا تمہارے غیروں میں سے ہونا

فِي الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ ۭ تَحْبِسُوْنَهُمَا

بھی مضائقہ نہیں پھر اے وارثو اگر تم کو ان دونوں وصیوں کے بارے میں کچھ شک ہو جائے تو اے حکام ان دونوں وصیوں

مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ

کو نماز کے بعد روک لو پھر وہ دونوں اس طرح اللہ کے نام کی قسم کھا کر کہیں کہ ہم اپنی اس قسم کے بدلے میں کوئی دنیوی نفع

لَا نَشْتَرِيْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۙ وَلَا نَكْتُمُ

حاصل کرنا نہیں چاہتے خواہ ہمارے کسی قرابت داری کا معاملہ کیوں نہ ہو اور نہ ہم اللہ کی اس گواہی کو جس کے کہنے کا

شَهَادَةَ اللّٰهِ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ﴿١٠٦﴾ فَاِنْ عُثِرَ عَلٰٓي

حکم ہے پوشیدہ رکھیں گے اگر ایسا کریں گے تو یقیناً ہم گناہگاروں میں سے ہوں گے۔ پھر اگر ان دونوں وصیوں کے متعلق

اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّآ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا

یہ پتہ لگ جائے کہ وہ کسی حق کو دبا کر گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں تو پھر جن کا حق دبایا گیا ہے اُن میں سے دو ایسے شخص جو باعتبار میراث میت سے

منکرین سے کہا جائے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے اُن احکام کی طرف اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آؤ تو کہتے ہیں ہم نے جس طریقے پر اپنے باپ دادوں کو پایا ہے ہمارے لئے وہی طور طریقے کافی ہیں اپنے بڑوں کی رسم وراہ چھوڑ کر ہمیں اور راستہ اختیار کرنے کی ضرورت نہیں کیا ایسی حالت میں بھی ان کے بڑوں کا طریقہ ان کے لئے کافی ہے جبکہ ان کے بڑے اور ان کے باپ دادا نہ دین کی کچھ سمجھ رکھتے ہوں اور نہ وہ راہ یافتہ ہوں اور نہ کبھی ہدایت پر رہے ہوں (۱۰۴) اے اہلِ ایمان تم اپنی اصلاح کو لازم پکڑو اور اپنی جانوں کا فکر تم کو ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص باوجود تمہارے سمجھانے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کو ادا کرنے کے بعد بھی نصیحت نہیں قبول کرتا اور گمراہی پر جما رہتا ہے تو تم کو اُسکی گمراہی سے کوئی نقصان نہیں پہونچ سکتا جب کہ تم ہدایت پر قائم ہو۔ تم سب لوگوں کی بازگشت اور تم سب کی واپسی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہے سو وہ تم کو اُن تمام اعمال سے آگاہ اور باخبر کر دے گا جو تم یہاں کیا کرتے تھے۔ یعنی ہدایت پر قائم رہنے والوں کو اُن کا پھل ملے گا اور باوجود سمجھانے کے نہ ماننے والوں کو اُن کے کئے کا بدلہ ملے گا (۱۰۵) اے اہلِ ایمان جب تم میں سے کوئی مرنے لگے اور کسی کی موت سامنے آکھڑی ہو اور وہ شخص وصیت کرنی چاہے تو وصیت کے وقت آپس کی گواہی کے لئے تم میں سے دو ایسے شخص جو معتبر، امانت دار اور حق و انصاف والے ہوں ان دونوں کو گواہ یا وصی مقرر کرنا مناسب ہے اور اگر تم سفر میں ہو اور تم کو موت کا حادثہ پیش آجائے تو ان دونوں گواہ یا وصیوں کا تمہارے غیروں میں سے ہونے کا بھی مضائقہ نہیں یعنی حضر میں ہو تب تو وہ دونوں گواہ یا وصی علی اختلاف الروایات مسلمان ہونے چاہئیں بلکہ اہلِ قرابت میں سے ہوں تو اور زیادہ بہتر ہے اور اگر سفر میں ہو جیسا کہ ایک صحابی کو یہ واقعہ پیش آیا تھا تب وصی یا گواہ غیر مسلموں کو بنا لینے کا بھی کچھ مضائقہ نہیں۔ پھر اے وارثو اگر تم کو ان دونوں مقررہ اشخاص کی صداقت کے بارے میں کچھ شبہ اور شک ہو جائے تو حاکم وقت ان کو نماز کے بعد روک لے اور ان سے اللہ کی قسم کھلوا کر بیان لے یعنی یہ حلفیہ بیان عصر کی نماز کے بعد لیا جائے اور اگر وہ دونوں غیر مسلم ہوں تو جو وقت اُن کی عبادت کا ہو اور وہ اُس کا احترام کرتے ہوں اُس وقت اُن کا بیان لیا جائے اور وہ یوں کہیں کہ ہم اپنی اس قسم کے بدلے میں کوئی دُنیوی نفع حاصل نہیں کرنا چاہتے خواہ ہمارے کسی قرابت داری کا معاملہ کیوں نہ ہو اور نہ ہم اللہ تعالیٰ کی اس گواہی کو جس کے دینے کا ہم کو حکم ہے پوشیدہ رکھیں گے اور نہ کچھ چاہیں گے اگر ہم ایسا کریں تو یقیناً ہم گناہگار ہوں گے یعنی ہم اللہ کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ہم بالکل صحیح بیان دیں گے (۱۰۶) پھر اگر ورثا کو یہ پتہ لگ جائے اور واقعات سے یہ معلوم ہو جائے کہ یہ دونوں شخص کسی حق کو دبا کر گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں جیسا کہ صحابی مذکور کے واقعہ میں ایسا ہی ہوا کہ دونوں نصرانیوں نے وصیت میں خیانت کی اور مالِ متروکہ میں سے ایک چاندی کا پیالہ بیچ کھایا تو ایسی حالت میں جن کا حق دبایا گیا ہے اور جھوٹا بیان دے کر جن کے حق کو پامال کیا

مِنَ الَّذِينَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْأَوْلَيٰنِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ

قریب تر ہوں وہ ان کی جگہ کھڑے ہو کر اللہ کے نام کی قسم کھا کر اس طرح کہیں

لَشَهَادَتُنَا أَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَا إِنَّا إِذًا

کہ یقیناً ہماری گواہی ان دونوں وصیوں کی گواہی سے زیادہ سچی ہے اور ہم نے گواہی دینے میں بالکل زیادتی نہیں کی اگر

لَّمِنَ الظّٰلِمِينَ ﴿١٠٧﴾ ذٰلِكَ أَدْنٰىٓ أَنْ يَّأْتُوا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى

ہم نے ایسا کیا ہو تو ہم یقیناً سخت ظالم ہوں گے۔ یہ حکم مذکور اس امر کیلئے قریب تر ذریعہ ہے کہ وہ اوصیا شہادت کو اس کی اصلی

وَجْهِهَآ أَوْ يَخَافُوٓا أَنْ تُرَدَّ أَيْمَانٌۢ بَعْدَ أَيْمَانِهِمْ ۗ وَاتَّقُوا

حالت پر ادا کیا کریں یا اس بات سے ڈریں کہ ان کی قسموں کے بعد ورثا کی طرف قسمیں لوٹیں گی اور اللہ سے

اللّٰهَ وَاسْمَعُوا ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِينَ ﴿١٠٨﴾ يَوْمَ

ڈرتے رہو اور پوری توجہ سے سنو اور اللہ نافرمان لوگوں کی رہبری نہیں فرماتا۔ وہ دن

يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُولُ مَاذَآ أُجِبْتُمْ ۖ قَالُوا لَا عِلْمَ لَنَا ۖ

یاد کرو جس دن اللہ تعالیٰ تمام پیغمبروں کو جمع کرے گا پھر سب سے کہے گا تم کو دعوت الی الحق کا کیا جواب ملا تھا وہ عرض کریں گے ہم کو

إِنَّكَ أَنْتَ عَلّٰمُ الْغُيُوبِ ﴿١٠٩﴾ إِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيسَى ابْنَ

کچھ علم نہیں تو ہی غیب کی باتوں کا خوب جاننے والا ہے۔ اس دن حضرت عیسیٰؑ سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے عیسیٰ مریم کے

مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِي عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ إِذْ أَيَّدْتُّكَ

بیٹے میرے وہ احسان یاد کرو جو تجھ پر اور تیری والدہ پر ہوئے ہیں اس وقت کو یاد کر

بِرُوحِ الْقُدُسِ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۖ وَإِذْ

جب روح قدس کے ذریعہ میں نے تیری تائید کی تو لوگوں سے ماں کی گود میں بھی کلام کیا کرتا تھا اور پوری عمر کا ہو کر بھی

عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْإِنْجِيلَ ۖ

اور جبکہ میں نے تجھ کو کتابت اور فہم و دانائی کی باتیں سکھائیں اور توریت و انجیل کی تعلیم دی

وَإِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِإِذْنِي فَتَنْفُخُ

اور وہ وقت یاد کر جبکہ تو میرے حکم سے مٹی کے گارے سے ایک پرندے کی سی صورت بناتا تھا پھر تو اس میں پھونک مارتا تھا

گیا ہے ان میں سے دو شخصوں کو پہلے دو شخصوں کی جگہ کھڑا کیا جائے یہ دوسرے دو شخص باعتبار میراث کے میت سے زیادہ قریب ہوں اور وہ ان کی جگہ کھڑے ہو کر اللہ کی قسم کھا کر کہیں کہ یقیناً ہماری گواہی ان دونوں کی گواہی سے زیادہ سچی اور درست ہے اور ہم نے گواہی دینے میں کوئی زیادتی نہیں کی اور اگر ہم نے ایسا کیا ہو تو یقیناً ہم سخت ظالم ہوں گے یعنی پہلی گواہیاں اُن دو شخصوں کی تھیں جو وصیت کے گواہ تھے یا وصی تھے اُن کی گواہی میں شبہ ہوا اور ان کی خیانت کا پتہ لگا تو ورثا میں سے جو میت کے قریبی رشتہ دار تھے اُن کو قسم کھا کر شہادت دینے کا حکم ہوا (۱۰۷) یہ حکم مذکور اس امر کا قریب ترین ذریعہ ہے کہ وہ گواہ یا وصی شہادت کو اُس کی اصل حالت اور اُس کی صحیح کیفیت پر ادا کیا کریں اور عذاب آخرت کے خوف سے جھوٹی قسمیں نہ کھائیں یا اس بات سے ڈریں کہ ان کی قسموں کے بعد یہ قسمیں میت کے ورثا پر لوٹائی جائیں گی اور دنیا میں رسوائی ہوگی اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور اُس کے ہر حکم کو توجہ کے ساتھ سنو اور یہ بات یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ نافرمانی کرنے والوں کی رہنمائی نہیں فرماتا اور ایسے لوگوں کی سرپرستی نہیں کرتا جو اطاعتِ خداوندی کی حدود سے باہر نکل جانے والے ہیں (۱۰۸) وہ دن قابل ذکر ہے جس دن اللہ تعالیٰ تمام رسولوں کو جمع کرے گا اور اُن رسولوں کی اُمتوں کے سامنے بطور زجر و توبیخ اُن رسولوں سے فرمائے گا تم کو دعوت حق کا کیا جواب دیا گیا اور تم کو تمہاری اُمتوں کی جانب سے کیا جواب ملا وہ عرض کریں گے ہم کو کچھ علم نہیں یعنی ظاہری طور پر تو جو کچھ کہتے تھے وہ معلوم ہی ہے لیکن باطن میں ان کی حالت کیا تھی یا قیامت کی ہولناکی کے پیش نظر کچھ اُن کو یاد نہ آئے گا یا یہ کہ جب تک ہم اُن میں رہے اس وقت تک کا تو حال معلوم ہے لیکن جب آپ نے ہم کو اُن میں سے اٹھا لیا تو اس کے بعد کی ہم کو کچھ خبر نہیں۔ بلاشبہ آپ ہی ہر پوشیدہ بات کو خوب جانتے ہیں اور آپ ہی علام الغیوب ہیں (۱۰۹) جب اُس دن اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمائے گا اے عیسیٰ ابن مریم میرے وہ احسان یاد کر جو میں نے تجھ پر اور تیری ماں پر کیے ہیں وہ وقت یاد کر جب ایک پاک روح کے ساتھ میں نے تیری تائید کی اور تیری مدد فرمائی تو ماں کی گود میں جب بالکل بچہ تھا لوگوں سے کلام کرتا تھا اور بڑی عمر کا ہو کر بھی کلام کرتا تھا یعنی جب پنگوڑے میں تھا اور جب پوری عمر کا ہو گیا دونوں حالتوں میں لوگوں سے یکساں کلام کرتا تھا اور یاد کر جب میں نے تجھ کو کتابت اور لکھنا سکھایا اور حکمت و دانائی کی باتیں سکھائیں اور توریت و انجیل کی تجھ کو تعلیم دی یعنی کتابت سکھائی یا توریت و انجیل کے علاوہ دوسری کتب آسمانی کی تعلیم دی۔ اور یاد کر جب تو میرے حکم سے مٹی کے گارے کی ایک شکل بناتا تھا جیسے پرندے

فِيهَا فَتَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِي وَتُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَ

تو وہ میرے حکم سے سچ مچ کا پرندہ ہو جاتا تھا اور جب تو میرے حکم سے مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو

الْأَبْرَصَ بِإِذْنِي وَإِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِي وَإِذْ

اچھا کر دیا کرتا تھا اور جب تو میرے حکم سے مُردوں کو نکال کھڑا کرتا تھا یعنی زندہ کر دیا کرتا تھا اور اس احسان کو بھی یاد کر جبکہ

كَفَفْتُ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَنْكَ إِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ

میں نے تجھ سے بنی اسرائیل کو تیری ایذا رسانی سے اُس وقت باز رکھا جبکہ تو اُن کے پاس واضح دلائل لیکر آیا تھا

فَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُبِينٌ ﴿١١٠﴾

تو اُن میں سے کافروں نے کہا تھا کہ یہ کھلے ہوئے جادو کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

وَإِذْ أَوْحَيْتُ إِلَى الْحَوَارِيِّينَ أَنْ آمِنُوا بِي وَبِرَسُولِي

اور یاد کر جبکہ میں نے حواریوں کی طرف اس بات کا حکم بھیجا کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ

قَالُوا آمَنَّا وَاشْهَدْ بِأَنَّنَا مُسْلِمُونَ ﴿١١١﴾ إِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ

تو ان حواریوں نے عرض کیا ہم ایمان لائے اور اے خدا تو گواہ رہ کہ ہم پورے فرمانبردار ہیں۔ وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جبکہ

يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ أَنْ يُنَزِّلَ عَلَيْنَا

حواریوں نے کہا اے عیسیٰؑ مریم کے بیٹے کیا تیرا رب ایسا کر سکتا ہے کہ ہم پر آسمان سے ایک خوان

مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ ۖ قَالَ اتَّقُوا اللَّهَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿١١٢﴾

کھانے کا نازل کرے حضرت عیسیٰؑ نے جواب دیا اگر تم ایمان والے ہو تو خدا سے ڈرو

قَالُوا نُرِيدُ أَنْ نَأْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوبُنَا وَنَعْلَمَ

اُن حواریوں نے کہا ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہم اس خوان میں سے کچھ کھائیں بھی اور ہمارے قلوب کو اطمینان بھی ہو اور ہم کو اس بات

أَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُونَ عَلَيْهَا مِنَ الشَّاهِدِينَ ﴿١١٣﴾

کا پورا یقین ہو جائے کہ تو نے ہم سے سچ کہا ہے اور ہم اس نزول مائدہ پر گواہی دینے والوں میں سے ہو جائیں۔

قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً

اس پر حضرت عیسیٰ بن مریم نے دعا کی کہ اے اللہ اے ہمارے پروردگار ہم پر آسمان سے ایک کھانے کا خوان

کی ہیئت ہوتی ہے پھر تو اس میں پھونک مارتا تھا پھر وہ واقعی میرے حکم سے پرندہ ہو جاتا تھا اور تو میرے حکم سے مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کر دیا کرتا تھا اور جب میرے حکم سے تو مُردوں کو اُن کی قبروں سے نکال کھڑا کرتا تھا اور جب میں نے بنی اسرائیل میں سے تیرے مخالف گروہ کو تیرے خلاف جارحانہ کارروائی سے روکا اور تیری ایذا رسانی سے اُن کو اُس وقت باز رکھا جبکہ تو اُن کے پاس روشن اور واضح دلائل لیکر آیا اور اُن کو معجزات دکھائے پھر اُن میں سے جو لوگ منکر تھے انھوں نے ان سب دلیلوں کو دیکھ کر کہا کہ یہ سوائے کھلے جادو کے اور کچھ نہیں ہے۔ یعنی دشمنوں سے اشتعال کے وقت تیری حفاظت فرمائی (۱۱۰) اور جب میں نے تیرے مخلص معتقدوں کو حکم دیا کہ مجھ پر اور میرے فرستادوں پر ایمان لاؤ یعنی انجیل میں یہ حکم دیا اور یا تیری زبانی اُن کو کہلایا اور یا اُن کے دل میں توفیق ڈالی تو ان حواریوں یعنی مخلص شاگردوں نے کہا ہم ایمان لائے اور اے خدا تو ہمارا گواہ رہ کہ ہم پورے فرمانبردار ہیں (۱۱۱) اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب ان حواریوں نے حضرت عیسیٰؑ سے درخواست کی کہ اے عیسیٰؑ مریم کے بیٹے کیا تیرا رب ایسا کر سکتا ہے کہ ہم پر آسمان سے کھانے کا بھرا ہوا ایک خوان نازل فرمائے حضرت عیسیٰؑ نے جواب دیا اگر تم اہل ایمان ہو تو اللہ تعالیٰ کی جناب میں اس قسم کی بے موقع فرمائش کرنے سے احتیاط برتو (۱۱۲) اُن حواریوں نے عرض کیا ہماری اس مانگ اور ہماری اس فرمائش کا صرف مقصد یہ ہے کہ ہم اس نازل شدہ خوان میں سے کچھ کھائیں بھی اور ہمارے قلوب کو اطمینان بھی ہو اور ہماری پختہ ایمانی میں یہ خوان زیادتی کا سبب ہو اور ہم اس امر کو اچھی طرح جان لیں کہ تو نے ہم سے سچ کہا یعنی اللہ تعالیٰ ہماری دعاؤں کو سنتا اور قبول کرتا ہے اور ہم اس مائدہ اور کھانے کے خوان پر گواہی دینے والوں میں سے ہو جائیں اور نزول مائدہ پر گواہ رہیں (۱۱۳) اس پر حضرت عیسیٰؑ ابن مریم نے یوں دعا کی اے ہمارے معبود اے ہمارے پروردگار

ع ۱۵

مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً

نازل فرما کہ وہ خوان ہمارے پہلوں اور ہمارے بعد والوں کیلئے سب کیلئے خوشی کی بات قرار پائے اور تیری قدرت کا یہ مائدہ

مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالَ اللّٰهُ

ایک نشان ہو جائے اور ہم کو روزی عطا فرما تو ہی سب سے بہترین روزی دینے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے

اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّيْٓ

فرمایا میں تم پر وہ کھانے کا خوان نازل کرنیوالا ہوں مگر جو شخص تم میں سے اس کے بعد ناسپاسی کرے گا تو میں اُس کو

اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ وَ

سزا بھی ایسی سخت دوں گا کہ اقوام عالم میں سے کسی کو اس جیسی سخت سزا نہ دوں گا۔ اور

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ

وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے عیسیٰؑ بن مریم کیا تو نے اُن لوگوں سے کہا تھا

اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ قَالَ

کہ خدا کے علاوہ مجھ کو اور میری ماں کو دو معبود قرار دو عیسیٰؑ جواب دے گا اے خدا

سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۤ بِحَقٍّ ڲ

تو پاک ہے میرے لئے یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ میں ایسی بات کہتا جس کے کہنے کا مجھے کوئی حق نہ ہو

اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ۭ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَ

اگر میں نے ایسا کہا ہوگا تو تجھے یقیناً اس کا علم ہوگا، تو تو میرے دل کی ہر ایک بات سے آگاہ ہے اور

لَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۱۶﴾

میں تیری پوشیدہ معلومات سے بالکل واقف نہیں ہوں بلاشبہ تمام غیب کی باتیں تو ہی خوب جانتا ہے۔

مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ

میں نے تو اُن سے سوائے اُس کے اور کچھ نہیں کہا جس کے کہنے کا تو نے مجھے حکم کیا تھا وہ یہ کہ تم اللہ ہی کی عبادت کرو

رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ

جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔ اور میں جب تک اُن میں رہا اُن کے احوال سے

ہم پر آسمان سے کھانے کا بھرا ہوا ایک خوان نازل فرما تاکہ وہ خوان ہمارے موجودہ اور ہمارے بعد کے آنے والوں کے لئے خوشی کا دن ہو جائے یعنی وہ ہمارے اگلوں پچھلوں کے لئے عید کا دن مقرر ہو جائے اور آپ کی قدرت کاملہ کا یہ مائدہ ایک نشان ہو جائے اور ہم کو روزی اور روزی پر توفیقِ شکر عطا فرما۔ اور تو ہی سب سے بہتر روزی دینے والا ہے (۱۱۴) اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا یقیناً میں تم پر وہ کھانے کا خوان اتارنے والا ہوں مگر دیکھو جو شخص اس نزول مائدہ کے بعد تم میں سے ناسپاسی اور ناشکری کا مرتکب ہوگا تو میں اُس کو ایسی سخت سزا دوں گا اور ایسا عذاب کرونگا کہ ویسا عذاب اقوام عالم میں سے کسی اور کو نہ کروں گا۔ (۱۱۵) اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰؑ ابن مریم سے فرمائے گا اے عیسیٰؑ مریم کے بیٹے کیا تو نے ان لوگوں یعنی نصاریٰ سے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ مجھ کو اور میری ماں کو دو معبود قرار دو یعنی اللہ کے ساتھ دو معبود اور بناؤ اور دو خدا اور تسلیم کرو ایک مجھ کو اور ایک میری ماں کو۔ نصاریٰ کو یہ عقیدہ تو نے تعلیم کیا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ عرض کریں گے اے خدا میں تیری پاکی بیان کرتا ہوں بھلا میں ایسی بات کس طرح کہہ سکتا تھا جس کے کہنے کا مجھے کوئی حق حاصل نہیں۔ مجھے ہرگز یہ زیبا نہیں کہ میں کوئی ایسی بات زبان سے نکالوں جس کے کہنے کا مجھے کوئی حق نہ ہو اگر میں نے کوئی ایسی بات کہی ہوگی تو آپ کو یقیناً اس کا علم ہوگا آپ تو میرے دل کی ہر ایک بات سے آگاہ اور واقف ہیں اور میں آپ کی پوشیدہ معلومات سے بالکل واقف نہیں ہوں۔ بلاشبہ آپ ہی تمام غیوب کو جاننے والے ہیں۔ (۱۱۶) میں نے تو اُن لوگوں سے سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہا جو تو نے مجھے اُن سے کہنے کا حکم دیا تھا اور وہ یہی کہ اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کیا کرو جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی پروردگار ہے اور میں جب تک ان میں رہا اُن کے احوال اور اُن کے حالات سے باخبر رہا اور اُن

ع ۱۵ / ۷ — ۵

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

فِيهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنتَ أَنتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ ۚ

باخبر رہا پھر جب تو نے مجھے اٹھا لیا تو تو ہی ان کے حالات کا نگراں تھا

وَأَنتَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿۱۱۷﴾ إِن تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ

اور تو ہر چیز سے پوری طرح باخبر ہے۔ اگر تو اُن کو سزا دے تو یہ تیرے

عِبَادُكَ ۖ وَإِن تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۱۱۸﴾

بندے ہیں اور اگر تو اُن کو معاف کردے تو یقیناً تو کمال قوت اور کمال حکمت کا مالک ہے

قَالَ اللَّهُ هَٰذَا يَوْمُ يَنفَعُ الصَّادِقِينَ صِدْقُهُمْ ۚ

اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا آج وہ دن ہے کہ جو لوگ سچے تھے ان کو ان کا سچ کام آئے گا

لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ

اُن کے لئے ایسے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں وہ اُن باغوں میں

فِيهَا أَبَدًا ۚ رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۚ ذَٰلِكَ

ہمیشہ رہیں گے اللہ تعالیٰ اُن سے خوش ہوا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی اور خوش ہیں یہ

الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿۱۱۹﴾ لِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ

دخولِ جنان اور حصولِ رضوان بڑی بھاری کامیابی ہے، آسمانوں کی اور زمین کی اور جو کچھ آسمانوں میں اور زمین

وَمَا فِيهِنَّ ۚ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۲۰﴾

میں ہے سب کی سلطنت کا مالک اللہ ہی ہے اور وہ ہر شئے پر پوری طرح قادر ہے۔

سُورَةُ الْأَنْعَامِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ مِائَةٌ وَخَمْسٌ وَسِتُّونَ آيَةً وَعِشْرُونَ رُكُوعًا

سورۃ انعام مکی ہے اور یہ ایک سو پینسٹھ ۱۶۵ آیتیں اور بیس ۲۰ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَجَعَلَ

تمام تعریفیں اللہ ہی کو سزاوار ہیں جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا اور جس نے

الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ؕ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱﴾

تاریکیوں کو اور نور کو بنایا پھر بھی وہ لوگ جنھوں نے کفر کی راہ اختیار کر رکھی ہے اپنے ربّ کے ساتھ دوسروں کو مساوی درجہ دیتے ہیں

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰۤى اَجَلًا ؕ وَ

وہ اللہ تعالیٰ وہی تو ہے جس نے تم سب کو مٹی سے پیدا کیا پھر موت کا ایک وقت مقرر کر دیا اور

اَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ﴿۲﴾ وَهُوَ اللّٰهُ

ایک اور میعاد بھی اُس کے ہاں معین ہے پھر بھی تم شک کر رہے ہو ۔ اور وہی معبود برحق ہے

فِى السَّمٰوٰتِ وَفِى الْاَرْضِ ؕ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَ

آسمانوں میں اور زمین میں وہ تمہارے چھپے اور کھلے سب احوال کو جانتا ہے اور

يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ﴿۳﴾ وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ

تم جو کچھ عمل کر رہے ہو اُس کو بھی جانتا ہے ۔ اور کوئی دلیل اُن کے پروردگار کی دلیلوں میں سے ان تک

رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿۴﴾ فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ

نہیں پہونچتی مگر یہ کہ یہ اس سے روگردانی ہی کیا کرتے ہیں ۔ سو اُنھوں نے اُس حق کی بھی تکذیب کی

لَمَّا جَآءَهُمْ ؕ فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ

جب وہ حق اُن کے پاس آیا تو اب بہت جلد اُن کو اس بات کی حقیقت معلوم ہو جائیگی جس کا وہ مذاق

يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۵﴾ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ

اڑایا کرتے تھے ۔ کیا ان کافروں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے اُن سے پہلے کتنی ہی ایسی قوموں

قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَاَرْسَلْنَا

کو ہلاک کر دیا جن کو ہم نے ملک میں وہ زور دیا تھا جو تم کو ابھی تک دیا بھی نہیں اور ہم نے اُن پر آسمان سے

السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا ۪ وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِيْ مِنْ

پے در پے بارشیں برسائیں تھیں اور ہم نے اُن کے نیچے نہریں

تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ

جاری کی تھیں پھر ہم نے اُن کو اُن کے گناہوں کے باعث ہلاک کر دیا اور اُن کے بعد

اور تاریکیاں روشنی اور نور بنایا یعنی دونوں کا خالق وہی ہے مجوسی جو کہتے ہیں وہ غلط ہے ۔ پھر بھی وہ لوگ جنھوں نے کافرانہ روش اختیار کر رکھی ہے اپنے پروردگار کے ساتھ دوسرے معبودانِ باطلہ کو برابری کا درجہ دے رہے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت میں دوسروں کو شریک کرتے ہیں (۱) وہ اللہ تعالیٰ ایسا ہے جس نے تم کو مٹی اور مٹی کے پتوڑے سے پیدا کیا یعنی تمہارے باپ آدمؑ کو مٹی سے اور تم کو اُسی مٹی کے سلالہ اور مٹی کے جوہر اور مٹی کے ست سے پیدا کیا ۔ پھر تمہاری موت اور تمہارے مرنے کا ایک وقت اور میعاد مقرر کر دی اور ایک اور وقت بھی اس کے علم میں مقرر اور معین ہے یعنی ایک وقت انسان کے مرنے کا اور ایک وقت مر کر دوبارا زندہ ہونے کا پھر بھی تم شک کر رہے ہو اور شکوک و شبہات میں مبتلا ہو (۲) اور وہی معبود برحق ہے آسمانوں میں اور وہی معبودِ برحق ہے زمین میں وہ تمہارے پوشیدہ اور چھپے احوال کو بھی جانتا ہے اور تمہارے کھلے اور ظاہر احوال کو بھی خوب جانتا ہے اور جو کچھ تم عمل کرتے رہتے ہو خواہ وہ پوشیدہ عمل ہوں یا علانیہ ہوں اُن سب کو بھی جانتا ہے (۳) اور کوئی دلیل اور کوئی نشانی اُن کے پروردگار کی نشانیوں میں اُن تک نہیں پہونچتی اور اُن کو نہیں دکھائی جاتی مگر یہ کہ یہ اُس سے روگردانی ۔ اعراض اور تغافل کا برتاؤ کرتے ہیں یعنی کوئی دلیل بتاؤ یا کوئی نشانی دکھاؤ یہ کسی بات سے متاثر نہیں ہوتے (۴) سو انھوں نے اپنی عادت کے موافق اس سچی کتاب یعنی قرآن کی بھی جب وہ ان کے پاس آیا تکذیب ہی کی اور قرآن جیسی سچی کتاب کا بھی کوئی اثر قبول نہیں کیا بلکہ اس سچی کتاب کی تکذیب کی اور اُس کا مذاق اڑایا پس ان کو عنقریب اس چیز کی حقیقت معلوم ہو جائے گی اور ان کو اس بات کا بہت جلد پتہ لگ جائے گا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے اور جس کے ساتھ استہزا کیا کرتے تھے (۵) کیا ان منکرین حق اور سچی کتاب کے ساتھ مذاق کرنے والوں نے یہ نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی ہی امتوں اور قوموں کو ہلاک کر دیا اور عذاب سے ان کو برباد کر دیا جن کو ہم نے دنیا میں ایسی قوت اور زور دے رکھا تھا اور ان کو زمین میں ایسا مضبوط جما رکھا تھا کہ اے منکرو! تم کو ابھی تک ویسا زور اور قوت اور اُن کا سا جماؤ نہیں دیا گیا اور ان قوموں کی طرح کا مالی اور جسمانی زور تم کو ابھی تک عطا نہیں ہوا ۔ اور ہم نے ان امم سابقہ پر آسمان سے پے در پے پانی برسایا ۔ اور آسمان کو اُن پر بارشوں کیلئے چھوڑ دیا یعنی آسمان سے اُن پر خوب بارشیں کیں اور ہم نے اُن کے مکانوں اور باغوں اور کھیتوں کے نیچے نہریں جاری کر رکھی تھیں پھر ہم نے اُن کو اُن کے گناہوں کی

قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿٦﴾ وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ

اُن کی جگہ ہم نے اور جماعتوں کو پیدا کر دیا - اور اگر ہم کاغذ پر لکھی ہوئی کتاب آپ پر نازل کرتے

فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا

پھر یہ اُس کتاب کو اپنے ہاتھوں سے چھو بھی لیتے تب بھی جو لوگ کافر ہیں وہ یہی کہتے کہ یہ کچھ نہیں ہے مگر

سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٧﴾ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ؕ وَلَوْ

کھلا ہوا جادو ہے - اور یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ اس پیغمبر پر کوئی فرشتہ کیوں نہیں نازل کیا گیا اور اگر

اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ﴿٨﴾ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ

ہم کوئی فرشتہ نازل کر دیتے تو سب قصہ ہی ختم ہو جاتا پھر اُن کو ذرا بھی ڈھیل نہ دی جاتی - اور اگر ہم بشر کی بجائے

مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ﴿٩﴾ وَ

فرشتہ ہی کو رسول بناتے تو اُس کو بھی ہم لازمی طور پر آدمی ہی کی شکل و صورت دیتے اور ہم انکو انہی شبہات میں پھر مبتلا کر دیتے جن شبہات میں وہ اب پھنسے ہوئے ہیں

لَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ

اور بے شک آپ سے پہلے رسولوں کا بھی مذاق اڑایا جا چکا ہے پھر اُن مذاق اڑانے والوں کو اُسی عذاب نے

سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿١٠﴾ ع قُلْ سِيْرُوْا فِي

آگھیرا جس کا یہ مذاق اُڑایا کرتے تھے - آپ ان سے فرما دیجئے کہ تم ذرا

الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿١١﴾

زمین میں چلو پھرو پھر دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا کیسا انجام ہوا -

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلْ لِّلّٰهِ ؕ كَتَبَ

آپ ان سے پوچھئے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے یہ کس کی ملک ہے آپ ہی فرما دیجئے کہ یہ سب کچھ اللہ ہی کی ملک ہے اُس نے

عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ

رحم و کرم کا برتاؤ اپنے ذمہ لازم کر لیا ہے تم سب کو قیامت کے دن وہ ضرور جمع کرے گا اس میں ذرا بھی شک

فِيْهِ ؕ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٢﴾

نہیں ہاں جن لوگوں نے اپنے آپ کو خود ہی نقصان میں ڈال لیا ہے سو وہ ماننے والے نہیں

وجہ سے ہلاک کر دیا اور اُن کو ہلاک کرنے کے بعد اُن کی جگہ ہم نے دوسری جماعتوں کو پیدا کر دیا (٦) اور اے پیغمبر اگر ہم کاغذ پر لکھی ہوئی کوئی کتاب آپ پر نازل بھی کر دیتے پھر یہ اُس کتاب کو اپنے ہاتھوں سے چھو بھی لیتے اور کوئی گنجائش انکار کی باقی نہ رہتی تب بھی جن لوگوں نے منکرانہ روش اختیار کر رکھی ہے وہ یہی کہتے کہ یہ کچھ نہیں ہے مگر کھلا ہوا جادو ہے یعنی جادو کی وجہ سے ہم کو کتاب معلوم ہو رہی ہے (٧) اور یہ منکرین حق یوں کہتے ہیں کہ اس پیغمبر کی مدد کیلئے کوئی فرشتہ کیوں نہیں نازل کیا گیا اور اس پر کوئی فرشتہ کیوں نہیں اُترا یعنی جس کو ہم بھی دیکھتے اور اگر ہم کوئی فرشتہ نازل کر دیتے یعنی فرشتہ تو اب بھی آتا ہے مگر اس طرح کا فرشتہ جس کو یہ بھی دیکھتے اور وہ ان سے گفتگو کرتا تو پھر سب قصہ ہی ختم ہو جاتا اور پھر ان کو بالکل ڈھیل نہ دی جاتی کیونکہ یہ اپنی ہٹ دھرمی کے باعث جب بھی ایمان نہ لاتے اور منہ مانگا نشان دیکھنے کے بعد ایمان نہ لانا عذاب کا موجب ہے (٨) اور اگر ہم بجائے بشر کے کسی فرشتے کو رسول بنا کر بھیجتے تو ہم اس کو بہر حال آدمی ہی کی شکل و صورت دے کر بھیجتے کیونکہ فرشتے کو اصلی حالت میں دیکھنا تو ان کی طاقت سے باہر ہوتا اور جب ہم اس کو آدمی کی شکل دیتے تو ہمارے ایسا کرنے سے یہ پھر اُنہی شبہات میں مبتلا ہو جاتے جن میں وہ اب مبتلا ہیں اور جن شبہات میں اب پھنسے ہوئے ہیں - وہی اشکال ان کو اس وقت بھی درپیش ہوتا یعنی فرشتہ کو اس کی اصل صورت میں دیکھ نہ سکتے لامحالہ اُس کو انسان کی صورت شکل دیکر بھیجتے تو پھر یہی کہتے کہ ہمارے سمجھانے کو بشر کیوں آیا فرشتہ کیوں نہیں آیا (٩) اور اے پیغمبر بلاشبہ آپ سے پہلے رسولوں کا بھی مذاق اڑایا جا چکا ہے اور اُن کی بھی ہنسی اڑائی گئی ہے پھر اُن ہنسی اڑانے والوں کا انجام یہ ہوا کہ جس عذاب کا وہ مذاق اور ہنسی اڑاتے تھے اُسی عذاب نے اُن کو گھیر لیا یعنی پیغمبروں کی جن باتوں کا مذاق اڑاتے تھے انہی باتوں نے ایک دن عذاب الٰہی بن کر آگھیرا اور سب کو موت کے گھاٹ اُتار دیا گیا (١٠) آپ ان سے فرمائیے کہ تم لوگ بطور سیاحت ذرا زمین پر چلو پھرو پھر خود ہی دیکھ لو کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تکذیب کرنے والوں اور دین حق کو جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا (١١) اے پیغمبر آپ ان منکرین توحید سے فرمائیے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں موجود ہے یہ کس کی ملک ہے اور اس سب کا مالک کون ہے آپ جواب میں کہہ دیجئے یہ سب اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہے یعنی اول تو وہ خود ہی اس کا اعتراف کریں گے اور اگر خوف وغیرہ کی وجہ سے جواب میں پہلو تہی کریں تو آپ ہی کہہ دیجئے کہ یہ سب کچھ اُس کی ملک ہے اور ان سے یہ بھی کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے رحم و مہربانی کا برتاؤ اپنے ذمہ لازم کر لیا ہے یعنی مہربانی اور رحم اس کا عام شیوہ ہے وہ اپنے بندوں پر عذاب میں جلدی نہیں کرتا یقیناً وہ تم سب کو قیامت کے دن قبروں سے زندہ کر کے جمع کرے گا اور قیامت کے دن کی حالت یہ ہے کہ اُس کے واقع ہونے میں ذرا بھی شک کی گنجائش نہیں مگر ہاں جنہوں نے اپنی فطرت اور اپنی عقل سلیم کو ضائع کر کے اپنے آپ کو خسارے اور گھاٹے میں ڈال دیا ہے تو وہ ماننے والے نہیں یعنی جب وہ صحیح عقل سے کام ہی نہیں لیتے تو ایمان کس طرح لائیں گے (١٢)

وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۭ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ⑬
اور رات اور دن میں جو بھی سکونت پذیر ہے وہ سب اُسی کی ملک ہے اور وہی سب سنتا اور جانتا ہے ۔
قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ
آپ اُن سے کہئے کہ کیا میں اُس خدا کے سوا کسی اور کو اپنا معبود بنالوں جو آسمانوں کا اور زمین کا خالق ہے اور
هُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ۭ قُلْ اِنِّىْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ
وہی سب کو کھلاتا ہے اور اُسے کوئی نہیں کھلاتا آپ فرما دیجئے مجھ کو تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلے
مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ⑭ قُلْ اِنِّىْٓ
فرمانبرداری قبول کروں اور نیز یہ کہ تم بہرحال مشرکوں میں سے ہرگز نہ ہونا ۔ آپ اُن سے یہ بھی کہدیجئے اگر میں اپنے رب کی
اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ⑮
نافرمانی کروں تو میں ایک بہت بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں ۔
مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَىِٕذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ۭ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ
جس پر سے اُس دن وہ عذاب ٹل گیا اُس پر یقیناً خدا نے بڑا رحم کیا اور یہی نمایاں
الْمُبِيْنُ ⑯ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ
کامیابی ہے ۔ اور اے مخاطب اگر اللہ تجھ کو کوئی سختی پہونچائے تو اُس سختی کو سوائے اُس کے
اِلَّا هُوَ ۭ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ
کوئی دور کرنے والا نہیں اور اگر وہ کسی بھلائی سے تجھ کو بہرہ ور کرے تو وہ ہر چیز پر پوری طرح
قَدِيْرٌ ⑰ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ
قادر ہے ۔ اور وہی اپنے بندوں پر ہر اعتبار سے غالب ہے اور وہی ہے بڑی حکمت والا
الْخَبِيْرُ ⑱ قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ۭ قُلِ اللّٰهُ ڐ شَهِيْدٌۢ
اور بڑا باخبر ۔ آپ ان سے پوچھئے کہ کون سی چیز گواہی دینے کے اعتبار سے سب سے بڑی ہے آپ ہی فرمادیجئے اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے
بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۣ وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ
وہی میرا اور تمہارے درمیان گواہ ہے اور یہ قرآن میری طرف اس لئے بطور وحی کے بھیجا گیا ہے کہ میں اس کے ذریعہ سے تم کو اور جس کو یہ پہنچے

اور رات کی تاریکی اور دن کی روشنی میں جو بھی رہتا ہے اور جو بھی سکونت رکھتا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہے اور وہ ہی بڑا سننے والا اور جاننے والا ہے یعنی رات اور دن جس پر اثر انداز ہوتے ہیں اور جن پر رات و دن کا گذر ہوتا ہے وہ سب خدا تعالیٰ کی مملوک ہیں (۱۳) اے پیغمبر آپ ان سے فرمائیے کیا میں اُس اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جو آسمان و زمین کا پیدا کرنے والا ہے اور جو سب کو خوراک دیتا اور سب کو کھانا کھلاتا ہے اور اس کو کوئی نہیں کھلاتا کسی اور کو اپنا معبود و پروردگار بنالوں یعنی وہ سب کو غذا دیتا ہے اور کھانے کو دیتا ہے اور چونکہ وہ غذا کا محتاج نہیں اس لئے اُس کو کوئی نہیں کھلاتا ۔ آپ فرما دیجئے مجھ کو تو یہی حکم ملا ہے کہ میں سب لوگوں سے پہلے اسلام لاؤں اور فرمانبردار بنوں اور مجھ کو یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ آپ شرک کرنے والوں میں سے اور اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھیرانے والوں میں سے ہرگز نہ ہوں ۔ یعنی جن لوگوں کو قرآن کے ذریعہ توحید پہونچائی جائے اُن سب میں سب سے پہلے میں اسلام قبول کروں اور میں ہرگز ہرگز مشرک نہ بنوں (۱۴) اے پیغمبر آپ ان منکرین سے کہدیجئے اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو میں ایسا کس طرح کرسکتا ہوں کیونکہ میں ایک بہت بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا اور خوف کھاتا ہوں یعنی قیامت کے عذاب کا جس کو ڈر ہو وہ اللہ تعالیٰ کا نافرمان کس طرح ہوسکتا ہے (۱۵) اُس دن جس کے سر سے وہ عذاب ٹل گیا تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اُس پر بڑا رحم اور اُس پر بڑی مہربانی فرمائی اور یہ کھلی اور نمایاں کامیابی ہے یعنی جس پر سے اس دن عذاب ٹل گیا اور وہ اُس دن کے عذاب سے محفوظ رہا تو اُس کو حقیقی کامیابی نصیب ہوئی (۱۶) اور اے انسان اگر اللہ تعالیٰ تجھ کو کوئی سختی اور تکلیف پہونچائے تو اُس کو سوائے اُس کے کوئی اور دور کرنے والا اور کھولنے والا نہیں ہے اور اگر وہ تجھ کو کوئی بھلائی پہونچائے اور کسی فائدے سے تجھ کو نوازے تو وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے یعنی کوئی اُس کے فضل کو رد نہیں کرسکتا (۱۷) اور وہی اپنے بندوں پر ہر اعتبار سے غالب اور قادر ہے اور بڑی حکمت والا اور اپنے بندوں کے احوال سے پوری طرح باخبر ہے (۱۸) اے پیغمبر آپ اُن سے کہئے کہ گواہی دینے کے لحاظ اور اعتبار سے کون سی چیز سب سے بڑی اور سب سے بڑھ کر ہے ۔ ظاہر ہے کہ اس کا جواب یہی ہوگا کہ خدا سے بڑھ کر کونسی چیز ہوسکتی ہے آپ فرما دیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ

بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ؕ اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً
ان سب کو خبردار کردوں کیا تم لوگ واقعی اب بھی اس امر کی گواہی دو گے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور بھی
اُخْرٰى ؕ قُلْ لَّاۤ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّ
معبود ہیں آپ کہہ دیجئے کہ میں تو کبھی ایسی شہادت دونگا نہیں آپ کہہ دیجئے کہ وہ تو بس ایک ہی معبود ہے اور جن چیزوں کو تم
اِنَّنِیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۞ ۱۹ اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ
شریک ٹھیراتے ہو میں اُن سے قطعی بیزار ہوں ۔ جن لوگوں کو ہم نے
الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۘ اَلَّذِیْنَ
کتاب دی ہے وہ اُس پیغمبر کو ایسا پہچانتے ہیں جیسا اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں مگر جن لوگوں
خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۞ ۲۰ وَمَنْ اَظْلَمُ
نے اپنے آپ کو خود ہی نقصان میں ڈال لیا ہے وہ کبھی مان کر دینے والے نہیں ۔ اور اُس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا
مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰیٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ
جو اللہ پر جھوٹا بہتان باندھے یا اللہ کی آیتوں کی تکذیب کرے یقینا
لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۞ ۲۱ وَیَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِیْعًا ثُمَّ
ایسے ظالموں کو فلاح نصیب نہ ہوگی ۔ اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جس دن ہم اُن سب کو جمع کریں گے
نَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ اَشْرَكُوْۤا اَیْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِیْنَ كُنْتُمْ
پھر ہم مشرکوں سے پوچھیں گے کہ اب وہ تمہارے شریک کہاں ہیں جن کے معبود ہونے کا تم
تَزْعُمُوْنَ ۞ ۲۲ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْا وَ
دعویٰ کیا کرتے تھے ۔ پھر اُن کے شرک کا انجام سوائے اس کے کچھ نہیں ہوگا کہ وہ یوں جواب دیں گے
اللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِیْنَ ۞ ۲۳ اُنْظُرْ كَیْفَ كَذَبُوْا
قسم ہے اللہ کی جو ہمارا رب ہے ہم مشرک نہیں تھے ۔ ذرا دیکھو تو انھوں نے کیسا جھوٹ گھڑا
عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ۞ ۲۴
اپنے اوپر اور وہ تمام افترا پردازیاں اُن سے گم ہوگئیں جو وہ کیا کرتے تھے ۔

وقف لازم ع ۲ ۱۰ ۸

گواہ ہے اور یہ قرآن میری جانب اسی لئے وحی کیا گیا ہے تاکہ میں اس کے ذریعہ سے تم کو اور جس جس کو یہ قرآن پہونچے اُن کو ڈرادوں اور یہ بات بتادوں کہ جو شخص توحید و رسالت کا منکر ہوگا اس کا انجام کیا ہوگا کیا اللہ تعالیٰ کی اس صاف و صریح شہادت کے بعد تم لوگ واقعی اب بھی اس بات کی گواہی دو گے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور دوسرے معبود بھی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مقدس ذات کے ساتھ کوئی دوسرا بھی قابل عبادت اور لائق پرستش ہے آپ فرما دیجئے میں تو کبھی ایسی شہادت نہیں دے سکتا اور میں تو اُن تمام چیزوں سے جن کو تم حضرت حق تعالیٰ کا شریک قرار دیتے ہو اُن سب سے قطعی بیزار اور بری الذمہ ہوں (۱۹) جن لوگوں کو ہم نے کتاب عطا فرمائی ہے یعنی یہود و نصاریٰ جن کو تم سے پہلے کتابیں دی تھیں وہ اس پیغمبر کو غیر مشتبہ طور پر ایسا جانتے اور پہچانتے ہیں جیسا اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں مگر جن لوگوں نے اپنے آپ کو گھاٹے اور نقصان میں ڈال رکھا وہ کبھی ایمان لانے والے نہیں (۲۰) اور اُس شخص سے زیادہ اور بڑھ کر کون ظالم ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے اور اللہ تعالیٰ پر بہتان لگائے یا اُس کی آیات اور اُس کی نشانیوں کی تکذیب کرے اور اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلائے واقعہ یہ ہے کہ ایسے ظالم اور ناانصاف فلاح نہیں پاتے اور اس قسم کے ظالموں کو فلاح نصیب نہیں ہوتی ۔ (۲۱) اور وہ دن بھی قابل ذکر ہے جس دن ہم ان سب کو جمع کریں گے پھر ہم اُن لوگوں سے کہیں گے جو شرک کے مرتکب ہوئے تھے تمہارے وہ معبود اور وہ شریک کہاں ہیں جن کو تم بزعم خود اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھیرانے کے مدعی تھے اور یہ دعویٰ کیا کرتے تھے کہ یہ معبود خدا کے شریک ہیں (۲۲) پھر ان کے کفر کا انجام سوائے اس کے کچھ نہ ہوگا کہ یہ مشرک یوں کہیں گے اور یہ جواب دیں گے قسم اللہ تعالیٰ کی جو ہمارا پروردگار ہے ہم نے شرک کا ارتکاب نہیں کیا اور ہم مشرک نہیں تھے یعنی یہ عذر کریں گے کہ ہم نے کبھی شرک ہی نہیں کیا (۲۳) اے پیغمبر ذرا دیکھو تو انھوں نے اپنی جانوں پر کیسا جھوٹ بولا اور وہ تمام افترا پردازیاں اور وہ تمام باتیں جو یہ گھڑا کرتے تھے سب اُن سے گم ہوگئیں اور کھوئی گئیں یعنی بالکل چوکڑی بھول جائیں گے اور سوائے جھوٹ بولنے کے کوئی بات بن نہ پڑے گی ۔ (۲۴)

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً

اوران مشرکوں میں سے بعض ایسے ہیں جو آپ کی طرف کان لگا کر قرآن کو سنتے ہیں مگر حال یہ ہے کہ ہم نے ان کے دلوں پر پردے

اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ

ڈال رکھے ہیں تاکہ وہ اس کلام کو سمجھ نہ سکیں اور ہم نے ان کے کانوں میں گرانی پیدا کر دی ہے اور اگر یہ لوگ تمام نشانیاں بھی دیکھ لیں

لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ

تب بھی ان پر ایمان لانیوالے نہیں ان کا عناد تو اب اس حد کو پہنچ گیا ہے کہ جب آپکے پاس آپ سے جھگڑا کرنیکو آتے ہیں تو وہ

الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ ٢٥

کافروں کہتے ہیں کہ یہ قرآن کچھ نہیں محض پہلے لوگوں کی بے سروپا کہانیاں ہیں۔

وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْــــَٔـوْنَ عَنْهُ ۚ وَاِنْ يُّهْلِكُوْنَ

اور وہ کافر امرحق پر ایمان لانے سے دوسروں کو بھی منع کرتے ہیں اور خود بھی اس سے دور رہتے ہیں اور یہ لوگ ان باتوں سے

اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝ ٢٦ وَلَوْ تَرٰٓي اِذْ وُقِفُوْا

اپنے ہی کو ہلاک کر رہے ہیں اور حال یہ ہے کہ انکو اپنی تباہی کا شعور بھی نہیں۔ اور اے پیغمبر کاش آپ انکی وہ حالت دیکھ سکتے

عَلَي النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا

کہ جب یہ لوگ دوزخ کے کنارے پر کھڑے کئے جائیں گے تو کہیں گے اے کاش کوئی ایسی صورت ہو کہ ہم پھر واپس بھیجدیے جائیں اور اپنے رب

وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ٢٧ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ

کی آیتوں کی تکذیب نہ کریں اور ہم ایمان لانیوالوں میں شامل ہو جائیں۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ جن باتوں کو وہ اس سے پہلے چھپایا کرتے تھے

مِنْ قَبْلُ ۭ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ

وہ آج ان پر ظاہر ہو گئیں اور اگر ان کو پھر واپس بھی بھیج دیا جائے تو یہ پھر وہی کریں گے جس سے ان کو منع کیا گیا تھا اور یقیناً وہ

لَكٰذِبُوْنَ ۝ ٢٨ وَقَالُوْٓا اِنْ هِىَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا

بالکل جھوٹے ہیں۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ سوائے ہماری اس دنیوی زندگی کے اور کوئی زندگی نہیں ہے اور ہم

نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ۝ ٢٩ وَلَوْ تَرٰٓي اِذْ وُقِفُوْا عَلٰي رَبِّهِمْ

دوبارا زندہ نہیں کئے جائیں گے۔ اور اے پیغمبر کاش آپ اس وقت کو دیکھ سکتے کہ جب یہ اپنے رب کی پیشی میں کھڑے کئے جائیں گے

اوران منکرین میں کچھ ایسے ہیں جو آپ کی طرف جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو کان لگا کر سنتے ہیں اور پوری توجہ کے ساتھ آپ کی طرف کان لگاتے ہیں مگر حال یہ ہے کہ ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال رکھے ہیں تاکہ وہ اس کلام کو سمجھ نہ سکیں اور ہم نے ان کے کانوں میں ثقل اور گرانی پیدا کر دی ہے یعنی اُن کی بداعمالی کے باعث صحیح فہم اور سننے کی صحیح صلاحیت ہی سلب کر لی گئی ہے اب اگر یہ لوگ تمام نشانیاں بھی دیکھ لیں تب بھی ان نشانیوں پر ایمان نہ لائیں گے ان کی مخالفت اس حد کو پہنچ گئی ہے کہ جب یہ آپ کے پاس آتے ہیں اور آپ سے جھگڑا کرنے لگتے ہیں تو قرآن کے متعلق یوں کہتے ہیں کہ یہ قرآن کچھ نہیں صرف پہلے لوگوں کے قصے اور گذشتہ لوگوں کی کہانیاں ہیں (۲۵) اور یہ منکر امرحق پر ایمان لانے سے اور قرآن کو ماننے سے دوسروں کو بھی روکتے اور منع کرتے ہیں اور خود بھی اس سے دور رہتے ہیں اور یہ لوگ ان حرکات سے اپنے آپ کو ہی تباہ اور ہلاک کر رہے ہیں اور ان کی حالت یہ ہے کہ ان کو اپنی تباہی اور بربادی کا شعور اور احساس تک نہیں ہے (۲۶) اور اے پیغمبر کاش آپ اُن کی وہ حالت دیکھ سکتے جس وقت یہ منکر جہنم کی آگ کے کنارے کھڑے کئے جائیں گے تو اُس وقت کہیں گے ہائے کسی طرح ہم کو دنیا میں پھر واپس بھیج دیا جائے اور دوبارا واپس ہونے کے بعد ہم اپنے رب کی آیتوں کی تکذیب نہ کریں اور ہم ایمان لانے والوں میں شامل ہو جائیں (۲۷) درحقیقت یہ تمنا محض اس لئے کریں گے کہ جن حقائق کو وہ اب سے پہلے چھپایا کرتے تھے اور جن باتوں کا انکار کیا کرتے تھے وہ سب باتیں ان پر کھل گئیں اور ظاہر ہو گئیں اور اگر ان لوگوں کو دوبارا دنیا میں واپس بھی بھیج دیا جائے تو یہ پھر وہی کام کریں گے جس سے ان کو روکا گیا تھا اور منع کیا گیا تھا اور یقین جانو یہ بالکل جھوٹے ہیں (۲۸) اور یہ منکر اسلام یہ بھی کہتے ہیں کہ ہماری اس دُنیوی زندگی کے علاوہ اور کوئی زندگی نہیں ہے اور ہماری زندگی صرف یہی دنیا کی زندگانی ہے۔ اور اس کے بعد ہم دوبارہ نہیں اٹھائے جائیں گے اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ نہیں کئے جائیں گے (۲۹) اور اے پیغمبر کاش آپ اُس وقت کو دیکھ سکتے جب یہ دوبارہ زندہ ہونے کے منکر اپنے پروردگار کے حضور

قَالَ اَلَيۡسَ هٰذَا بِالۡحَقِّ ؕ قَالُوۡا بَلٰى وَرَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوۡقُوا

تو اُن سے اللہ پوچھے گا کیا یہ دوبارا زندہ ہونا امر واقعی نہیں ہے وہ کہیں گے قسم ہمارے رب کی یہ ضرور امر واقعی ہے اس پر

الۡعَذَابَ بِمَا كُنۡتُمۡ تَكۡفُرُوۡنَ ﴿۳۰﴾ ع قَدۡ خَسِرَ الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا

اللہ تعالیٰ فرمائیگا تو اب تم اُس کفر کے سبب جو تم کیا کرتے تھے عذاب کا مزہ چکھو۔ یقیناً اُن لوگوں نے سخت خسارہ اٹھایا

بِلِقَآءِ اللّٰهِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتۡهُمُ السَّاعَةُ بَغۡتَةً قَالُوۡا

جنھوں نے اللہ کے روبرو پیش ہونے کی تکذیب کی یہاں تک کہ جب ان پر اچانک وہ گھڑی آپہونچے گی تو یوں کہیں گے

يٰحَسۡرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطۡنَا فِيۡهَا ۙ وَهُمۡ يَحۡمِلُوۡنَ اَوۡزَارَهُمۡ

ہائے افسوس ہماری اس کوتاہی پر جو ہم سے اس دن کے بارے میں ہوئی اور ان کی حالت اس وقت یہ ہوگی کہ وہ اپنی

عَلٰى ظُهُوۡرِهِمۡ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوۡنَ ﴿۳۱﴾ وَمَا الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَاۤ

پیٹھوں پر بارِ گراں اٹھائے ہوئے ہوں گے آگاہ ہو وہ بوجھ بہت ہی برا ہے جو یہ اٹھائیں گے اور دنیا کی زندگی تو کچھ بھی

اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهۡوٌ ؕ وَلَلدَّارُ الۡاٰخِرَةُ خَيۡرٌ لِّلَّذِيۡنَ يَتَّقُوۡنَ ؕ

نہیں محض ایک کھیل اور تماشا ہے اور یقیناً آخرت کا گھر انہی لوگوں کے لئے بہتر ہے جو متقی ہیں۔

اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۳۲﴾ قَدۡ نَعۡلَمُ اِنَّهٗ لَيَحۡزُنُكَ الَّذِىۡ

کیا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے۔ اے پیغمبر ہم خوب جانتے ہیں کہ اُن لوگوں کی باتیں آپ کے لئے

يَقُوۡلُوۡنَ فَاِنَّهُمۡ لَا يُكَذِّبُوۡنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيۡنَ بِاٰيٰتِ

رنج دِہ ہوتی ہیں سو یہ لوگ حقیقتاً آپ کی تکذیب نہیں کرتے بلکہ یہ ظالم تو خدا کی آیتوں کا

اللّٰهِ يَجۡحَدُوۡنَ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدۡ كُذِّبَتۡ رُسُلٌ مِّنۡ قَبۡلِكَ

انکار کرتے ہیں۔ اور بلاشبہ آپ سے پہلے رسولوں کے ساتھ بھی تکذیب کا برتاؤ کیا جاچکا

فَصَبَرُوۡا عَلٰى مَا كُذِّبُوۡا وَاُوۡذُوۡا حَتّٰٓى اَتٰٮهُمۡ نَصۡرُنَا ۚ

ہے پھر ان رسولوں نے ان منکرین کی تکذیب اور ایذا رسانی پر صبر کیا یہاں تک کہ ہماری مدد پہونچ گئی

وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدۡ جَآءَكَ مِنۡ نَّبَاِى

اور اللہ کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں اور گذشتہ رسولوں کے بعض حالات آپ تک

کھڑے کئے جائیں گے اور وہ اُن سے پوچھے گا کیا یہ دوسری زندگی اور دوبارہ زندہ ہونا حق اور امر واقعی نہیں ہے؟ وہ منکر جواب دیں گے کیوں نہیں ہمارے پروردگار کی قسم یہ زندگی ضرور حق اور امر واقعی ہے اللہ تعالیٰ فرمائے گا اچھا تو اب تم اس کفر کے باعث جو تم کیا کرتے تھے اس کی پاداش میں عذاب کا مزا چکھو (۳۰) یقیناً وہ لوگ سخت گھاٹے اور نقصان میں پڑ گئے جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو جھٹلایا اور اس کے روبرو پیش ہونے کی تکذیب کی یہاں تک کہ جب ان پر وہ سخت گھڑی اچانک آجائے گی اور قیامت ان پر پہونچ جائے گی تو حسرت و یاس کے عالم میں بجائے تکذیب کے یوں کہیں گے ہائے افسوس ہماری اس کوتاہی پر جو ہم سے اس قیامت کے بارے میں سرزد ہوئی اور ان کی حالت اُس وقت یہ ہوگی کہ وہ اپنی پیٹھوں پر اپنے اعمال کا بوجھ اور بارِ گراں اٹھائے ہوئے ہوں گے خبردار ہو جاؤ اور سن رکھو بوجھ یہ اٹھائے ہوئے ہوں گے وہ بہت برا بوجھ ہے (۳۱) اور دنیا کی زندگی تو محض ایک کھیل اور مشغلہ ہے اور البتہ آخرت کا گھر یقیناً اُن لوگوں کے لئے بہتر ہے جو محتاط اور متقی و پرہیزگار ہیں تو کیا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے یعنی جو شرک اور معاصی سے بچتے ہیں ان کے لئے آخرت کا گھر بہتر ہے (۳۲) اے پیغمبر ہم کو خوب معلوم ہے اور ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ منکر جو کچھ کہتے ہیں اور جو دل آزار باتیں یہ کرتے ہیں وہ باتیں آپ کے لئے رنجدہ ہوتی ہیں اور وہ باتیں آپ کو آزردہ خاطر کرتی ہیں سو وہ منکر درحقیقت آپ کی تکذیب نہیں کرتے بلکہ یہ ظالم تو براہِ راست آیاتِ الٰہی کا انکار کرتے ہیں یعنی اُن کا مقصد اصلی اللہ کی آیتوں کی تکذیب اور اُن کا انکار ہے (۳۳) اور بلاشبہ آپ سے پہلے رسولوں کی بھی تکذیب کی جاچکی ہے اور اُن رسولوں کے ساتھ بھی تکذیب کا برتاؤ ہوچکا ہے پھر اُن سابقہ رسولوں نے ان منکرین کے جھٹلانے اور ایذائیں پہنچانے پر صبر کیا اور ان منکرین کی تکذیب اور ایذا پر سہار اور برداشت سے کام لیا یہاں تک کہ ہماری مدد اُن کو پہونچ گئی اور اللہ تعالیٰ کے وعدوں اور اس کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں اور یقیناً اُن گذشتہ رسولوں کے

ع ۱۰ — ۹

بعض حالات آپ تک پہونچ بھی چکے ہیں (۳۴) اے پیغمبر اگر آپ پر اُن لوگوں کا اعراض اور روگردانی اور دینِ حق سے مُنہ پھیرنا گراں اور شاق گذرتا ہے تو اچھا اگر آپ ایسا کرسکتے ہیں کہ زمین میں کوئی سُرنگ لگادیں یا آسمان کے لئے کوئی سیڑھی ڈھونڈھ لائیں اور اُن کو ان کے مُنہ مانگے معجزے اور ان کی حسب خواہش ان کو نشان لادکھائیں تو کرلیجئے اور یہ بھی کر دیکھئے، یعنی ہم تو ایسا کریں گے نہیں

الْمُرْسَلِينَ ﴿٣٤﴾ وَإِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ إِعْرَاضُهُمْ فَإِنِ

پہونچ بھی چکے ہیں۔ اور اے پیغمبر اگر آپ پر ان لوگوں کی روگردانی گراں گزرتی ہے تو اچھا اگر آپ

اسْتَطَعْتَ أَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْأَرْضِ أَوْ سُلَّمًا فِي

ایسا کرسکتے ہیں کہ زمین میں کوئی سرنگ یا آسمان کیلئے کوئی سیڑھی تلاش کرکے ان کو

السَّمَاءِ فَتَأْتِيَهُمْ بِآيَةٍ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى

ان کی منہ مانگی نشانی لادیں تو لے آیئے اور اگر اللہ چاہتا تو وہ ان سب کو راہ راست پر

الْهُدَىٰ ۚ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْجَاهِلِينَ ﴿٣٥﴾ إِنَّمَا يَسْتَجِيبُ

جمع کردیتا لہٰذا آپ ہرگز ناداتوں میں سے نہ ہوں۔ آپ کی دعوت کو تو بس

الَّذِينَ يَسْمَعُونَ ۘ وَالْمَوْتَىٰ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ ثُمَّ إِلَيْهِ

وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو سُننے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور وہ جو مُردے ہیں اُنکو اللہ زندہ کرکے اُٹھائیگا پھر وہ اُسی کی

يُرْجَعُونَ ﴿٣٦﴾ وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ ۚ

طرف واپس لائے جائیں گے۔ اور یہ منکر کہتے ہیں اس رسول پر اس کے رب کی طرف سے ہماری حسب فرمائش کوئی نشانی کیوں

قُلْ إِنَّ اللَّهَ قَادِرٌ عَلَىٰ أَنْ يُنَزِّلَ آيَةً وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ

نہیں نازل کی گئی آپ فرمادیجئے بیشک اللہ اس پر قادر ہے کہ وہ منہ مانگی نشانی نازل کردے لیکن ان میں سے اکثر اس کے

لَا يَعْلَمُونَ ﴿٣٧﴾ وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ

نتائج سے واقف نہیں ہیں۔ اور جتنے جاندار زمین پر چلنے والے ہیں اور جتنے پرندے

يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَالُكُمْ ۚ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ

اپنے دونوں بازوؤں سے اُڑنے والے ہیں یہ سب کے سب بھی تمہاری طرح مخلوق کی مختلف جماعتیں ہیں ہم نے کسی چیز کے لکھنے

مِنْ شَيْءٍ ۚ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يُحْشَرُونَ ﴿٣٨﴾ وَالَّذِينَ كَذَّبُوا

میں فروگذاشت نہیں کی پھر یہ سب کے سب اپنے رب کی طرف جمع کئے جائیں گے۔ اور جو لوگ ہماری آیتوں کی

بِآيَاتِنَا صُمٌّ وَبُكْمٌ فِي الظُّلُمَاتِ ۗ مَنْ يَشَإِ اللَّهُ يُضْلِلْهُ

تکذیب کرتے ہیں وہ تو بہرے اور گونگے ہیں اور ان کا حال یہ ہے کہ وہ مختلف قسم کی تاریکیوں میں پڑے ہوئے ہیں خدا جس کو چاہے

آپ کو اُن کے اسلام کے ساتھ والہانہ شغف ہے تو آپ کرلیجئے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو وہ اُن سب کو ہدایت اور سیدھی راہ پر جمع کردیتا اور جب اُن کا ایمان لانا ہماری مشیت اور اُن کی سعادتِ ازلی پر موقوف ہے تو آپ خواہ مخواہ اُن کی خواہشات کو پورا کرنے کی فکر کرکے نادانوں میں سے نہ ہوں اور ہرگز نادان بن کر نادانوں میں شامل نہ ہوں (۳۵) دعوتِ حق اور دعوتِ الٰہی کو تو بس وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو دل سے سنتے اور سننے کی صحیح صلاحیت رکھتے ہیں اور جو مُردے ہیں اور جن کے دل مرچکے ہیں اُن کو اللہ تعالیٰ اُن کی قبروں سے زندہ کرکے اُٹھائیگا پھر وہ اُسی کی طرف لوٹائے جائیں گے اور حساب وکتاب کے لئے اُسی کی طرف واپس کئے جائیں گے یعنی جن میں صلاحیت ہے وہی دینِ حق کو قبول کرتے ہیں اور جو منکر ہیں وہ ایسے ہیں جیسے مُردے کہ اللہ تعالیٰ اُن کو قیامت ہی میں اٹھائے گا اور وہ اُن سے حساب لے گا اور اُن کے کئے کی سزا دے گا (۳۶) اور یہ منکر کہتے ہیں کہ اس پیغمبر پر اس کے رب کی طرف سے ہماری حسب خواہش کوئی مُنہ مانگی نشانی اور معجزہ کیوں نہیں نازل کیا گیا آپ کہہ دیجئے اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ وہ تمہارا مُنہ مانگا معجزہ اور تمہاری فرمائش کے موافق نشانی نازل کردے لیکن ان میں سے اکثر اس کے نتائج سے واقف نہیں ہیں یعنی یہ اس بات کو نہیں جانتے کہ فرمائشی نشان کے بعد ایمان نہ لانے سے ہلاکت اور عذاب استیصال میں مبتلا ہوجاتے ہیں جیسا کہ ثمود کے ساتھ ہوچکا ہے (۳۷) اور جتنے جاندار زمین پر چلنے والے ہیں اور جتنے پرندے اپنے دونوں بازوؤں سے اُڑنے والے ہیں یہ سب کے سب بھی تمہاری طرح مخلوق کی مختلف جماعتیں ہیں یعنی ان کے احوال اور ارزاق بھی اسی طرح مقدر ہیں جس طرح تمہارے ارزاق وغیرہ مقدر ہیں اور یہ سب بھی تمہاری طرح جمع کئے جائیں گے اور یہ محشور ہونگے ہم نے کسی چیز کے لکھنے میں فروگذاشت نہیں کی یعنی لوحِ محفوظ کے دفتر میں سب کچھ لکھ رکھا ہے یا قرآن میں ہر چیز کا اجمالاً ذکر کردیا ہے اور اس میں کوئی کوتاہی اور فروگذاشت ہم نے نہیں کی پھر یہ سب کے سب اپنے رب کی طرف جمع کئے جائیں گے یعنی تمام مخلوق خدا تعالیٰ ہی کی بارگاہ میں جمع کی جائے گی (۳۸) اور جو لوگ ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے ہیں اور جھٹلاتے ہیں وہ تو ایسے ہیں جیسے بہرے اور گونگے مختلف قسم کی تاریکیوں اور اندھیروں میں پڑے ہوئے ہیں یعنی نہ حق بات کو سنتے ہیں نہ حق کہتے ہیں اور اُن کی حالت یہ ہے کہ اندھیروں میں گرفتار اور گوناگوں تاریکیوں میں مبتلا ہیں اللہ تعالیٰ جس کو چاہے راہِ راست سے دور پھینک دے اور

وقف غفران النصف

وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٣٩﴾ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ

بے راہ کر دے اور وہ جس کو چاہے اسے راہِ راست پر لگا دے ۔ آپ اُن سے فرمایئے بھلا یہ تو بتاؤ کہ

اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ

اگر تم پر اللہ کا کوئی عذاب آجائے یا تم پر وہ آخری گھڑی آجائے تو کیا تم خدا کے سوا

تَدْعُوْنَ ۚ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٤٠﴾ بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ

کسی اور کو پکارو گے؟ اگر تم سچے ہو ۔ بلکہ تم تو اللہ تعالیٰ ہی کو پکارنے لگو گے جیسا کہ تمہارا

فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا

روزمرہ کا معمول ہے پھر جس مصیبت کیلئے اسکو پکارتے ہو وہ اگر چاہتا ہے تو اسکو دور کر دیتا ہے اور ایسے حالات میں تم اُن سب کو بھول جاتے ہو

تُشْرِكُوْنَ ﴿٤١﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ

جنکو تم خدا کا شریک ٹھہرا دیا کرتے ہو اور بلا شبہ ہم نے آپ سے پہلی قوموں کی طرف بھی پیغامبر بھیجے تھے پھر ہم نے ان قوموں کو تنگدستی

بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿٤٢﴾ فَلَوْلَآ اِذْ

اور بیماری میں مبتلا کیا تاکہ وہ زاری اور عاجزی اختیار کریں ۔ پھر جب اُن پر ہمارا

جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ

عذاب پہنچا تو وہ ہمارے سامنے کیوں نہ گڑگڑائے لیکن بات یہ ہے کہ اُن کے دل سخت ہو چکے تھے اور شیطان نے

لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٤٣﴾ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا

اُن کے بُرے اعمال اُن کو بھلے کر دکھائے تھے پھر جب اُنھوں نے اس نصیحت کو جو اُنکو کی گئی تھی بالکل فراموش ہی کر دیا

بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ۭ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا

تو ہم نے اُن پر ہر قسم کی نعمتوں کے دروازے کھول دیئے یہاں تک کہ جب وہ ان چیزوں پر جو اُن کو دی گئی تھیں خوب خوش

بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ﴿٤٤﴾ فَقُطِعَ

اور مگن ہو گئے تو ہم نے اُن کو بے خبر اچانک پکڑ لیا پھر وہ ناامید ہو کر رہ گئے ۔ پھر اُن ظالم لوگوں کی جڑ کاٹ کر

دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۭ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٤٥﴾

رکھ دی گئی اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جو تمام کائنات کا پروردگار ہے ۔

ع ١١ / ١٠

بے راہ رکھے اور جس کو چاہے راہِ راست پر ڈال دے اور راہِ راست پر قائم رکھے (۳۹) آپ ان سے فرمایئے بھلا مجھ کو یہ تو بتاؤ اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا کوئی عذاب آجائے یا تم پر وہ آخری گھڑی یعنی قیامت آجائے تو کیا تم پھر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو پکارو گے تبلاؤ اگر تم سچے ہو (۴۰) بلکہ تم تو اپنی عادت کے موافق صرف اللہ تعالیٰ ہی کو پکارو گے جیسا کہ روزمرہ کسی بڑی اور اہم مصیبت کے موقعہ پر اسی کو پکارا کرتے ہو پھر جس مصیبت کیلئے اُس کو پکارتے ہو وہ اگر چاہتا ہے تو اس کو دور کر دیتا ہے اور ایسے موقعہ پر ان سب کو بھول جاتے ہو جن کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرایا کرتے ہو اور جن کو خدا کا شریک قرار دیتے ہو یعنی عذاب آجائے یا قیامت تو پھر کس کو پکارو گے کیا ایسے خطرناک موقعہ پر اپنے دیوتاؤں کو پکارو گے نہیں بلکہ خدا ہی کو پکارو گے جیسا روزمرہ کشتی وغیرہ میں خالص خدا کو پکارا کرتے ہو وہ اگر چاہتا ہے تو اس طوفان وغیرہ کی مصیبت کو تم سے دور کر دیتا ہے اور ایسے نازک وقت میں ان سب دیوتاؤں کو بھول جاتے ہو لہٰذا ہر وقت اسی کو پکارا کرو اور غیر اللہ کو نظر انداز کر دو (۴۱) اور بلا شبہ ہم نے آپ سے پہلے بھی بہت سی قوموں کی طرف جو آپ سے پہلے ہو گذری ہیں رسول بھیجے تھے پھر ان قوموں نے پیغمبروں کی تکذیب کی تو ہم نے ان کو اس تکذیب کے باعث مختلف مصائب و آلام میں مبتلا کیا اور ان کو فقر و تنگ دستی اور بیماریوں میں ڈالا تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے گریہ وزاری کریں اور خدا کے روبرو عاجزی اور نیازمندی کا اظہار کریں (۴۲) سو جب ان کو ہمارا عذاب پہونچا تو وہ کیوں نہیں جھکے اور انھوں نے عاجزی اور نیازمندی کی روش کیوں نہ اختیار کی لیکن بات یہ ہے کہ ان لوگوں کے دل سخت ہو چکے تھے اور وہ اپنی سختی پر قائم رہے اور شیطان ان کے سابقہ برے اعمال کو ان کے سامنے بنا سنوار کر دکھلاتا رہا یعنی عاجزی اور نیازمندی کی راہ اختیار کرنے اور پیغمبروں پر ایمان لانے سے اُن کے دلوں کی خشکی اور سختی مانع ہوئی نیز یہ کہ اُن کے بُرے اعمال شیطان نے خوش منظر بنا کر ان کو دکھلائے اور اپنے کافرانہ طریقہ کو اچھا سمجھ کر اُسی پر قائم رہے (۴۳) پھر جب ان لوگوں نے ان تمام نصیحتوں کو جو پیغمبروں کی جانب سے اُن کو کی جاتی تھیں بالکل ہی فراموش کر دیا اور اپنی ہٹ دھرمی کے باعث انبیاء کی نصائح کو نظر انداز کرتے رہے تو ہم نے ان پر ہر قسم کے عیش و عشرت کے دروازے کھول دیئے اور ہر چیز کی اُن پر فراوانی اور بہتایت کر دی گئی یہاں تک کہ جب وہ اس سامان عیش و طرب پر جو اُن کو دیا گیا تھا خوب مگن ہو گئے اور اترا گئے اور خوشیاں منانے لگے تو ہم نے اچانک اُن کو پکڑ لیا اور سخت عذاب میں مبتلا کر دیا پھر تب ہی وہ مایوس اور بے آس ہو کر رہ گئے یعنی ابتداءً تھوڑی سی تنبیہ کی گئی جب باز نہ آئے تو بھلا وادیگر سامان عیش کی فراوانی کر دی گئی پھر جب خوب گناہوں میں غرق ہو گئے تو اچانک اور دفعۃً بے خبر پکڑے گئے (۴۴) اور یہ گرفت ایسی ہوئی کہ اس کے بعد ان ظالم اور ناانصاف لوگوں کی جڑ ہی کاٹ دی گئی اور اس اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جو تمام کائنات اور تمام مخلوقات کا پروردگار ہے یعنی سب ہلاک کر دیئے گئے ۔ (۴۵)

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ

آپ اُن سے فرمایئے ذرا یہ تو بتاؤ اگر اللہ تعالیٰ تمہاری سماعت اور تمہاری بصارت تم سے چھین لے اور تمہارے

عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ؕ اُنْظُرْ

دلوں پر مہر کردے تو کیا خدا کے سوا کوئی اور معبود ہے جو یہ چیزیں تم کو دوبارا دیدے آپ دیکھئے

كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ﴿٤٦﴾ قُلْ

تو ہم کس طرح مختلف پہلوؤں سے دلائل بیان کرتے ہیں اس پر بھی یہ لوگ اعراض کئے جاتے ہیں۔ آپ ان سے

اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ

فرمایئے ذرا سوچو تو کہ اگر تم پر اللہ کا عذاب آجائے خواہ اچانک آئے یا اطلاع دے کر تو کیا

يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٤٧﴾ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ

سوائے ظالم لوگوں کے کوئی اور بھی ہلاک کیا جائے گا۔ اور ہم پیغمبروں کو صرف اس لئے بھیجا

اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ

کرتے ہیں کہ وہ بشارت دیں اور ڈرائیں پھر جو کوئی ایمان لے آئے اور اپنی اصلاح کرلے

فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٤٨﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا

تو اُن پر نہ کسی قسم کا خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ اور جو لوگ ہماری آیتوں کی

بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿٤٩﴾ قُلْ

تکذیب کریں گے ان کو ان کی نافرمانیوں کے باعث عذاب لپٹ کر رہے گا۔ آپ اُن سے کہہ دیجئے

لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ

میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں اس امر کا مدعی ہوں کہ میں تمام غیب کی باتوں کا علم

وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ؕ

رکھتا ہوں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں کوئی فرشتہ ہوں میں تو صرف اُس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف بھیجی جاتی ہے

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ؕ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿٥٠﴾ ع

آپ کہہ دیجئے کہیں اندھا اور دیکھنے والا دونوں برابر ہو سکتے ہیں کیا تم اتنا بھی نہیں سوچتے۔

اے پیغمبر آپ ان سے فرمایئے بھلا یہ تو بتاؤ اگر اللہ تعالیٰ تمہارے کانوں کی سماعت اور آنکھوں کی بینائی تم سے سلب کرے اور تمہارے دلوں پر مُہر کردے یعنی نہ دیکھ سکو نہ سن سکو نہ سمجھ سکو تو کیا اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی اور معبود ہے جو یہ چیزیں تم کو واپس لادے اور یہ چیزیں تم کو پھیر دے آپ دیکھئے ہم کس طرح مختلف طریقوں سے اپنے دلائل بیان کرتے ہیں اس پر بھی یہ لوگ اعراض اور روگردانی کئے جاتے ہیں (٤٦) آپ ان سے فرمایئے ذرا یہ تو بتاؤ کہ اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آجائے خواہ وہ عذاب غفلت اور بے خبری میں آجائے جیسا کہ رات کو آجائے یا کھلم کھلا باخبری کے ساتھ آجائے تو کیا سوائے ظالم اور منکروں کے کوئی اور بھی ہلاک کیا جائے گا یعنی ہلاک تو بہرحال منکر ہی ہوں گے لہٰذا کفر و انکار سے باز آجاؤ (٤٧) اور ہم پیغمبروں کو محض اس لئے بھیجا کرتے ہیں کہ وہ فرماں برداروں اور اطاعت گذاروں کو رضائے الٰہی کی بشارت دیں اور نافرمانوں اور منکرین دعوت حق کو غضب خداوندی اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے ڈرائیں پھر اس کے بعد جو شخص ایمان لے آئے اور پیغمبر کی بات مان لے اور اپنے اعتقاد و عمل درست کرلے اور سنوار لے تو ایسے لوگوں کو قیامت کے دن نہ کسی قسم کا خوف و ہراس ہوگا اور نہ وہ مغموم ہوں گے اور نہ آزردہ ہوں گے (٤٨) اور جو لوگ ہماری آیتوں کو جھٹلائیں گے اور تکذیب کی خو اختیار کریں گے تو اُن کو اُن کی نافرمانی کی وجہ سے عذاب لپٹ کر رہے گا اور وہ عذاب کی لپیٹ میں ضرور آکر رہیں گے (٤٩) جب یہ بات صاف ہوگئی کہ آپ کا کام خوش اور ڈر سنانا ہے تو آپ اُن سے کہہ دیجئے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے قبضہ میں مقدوراتِ الٰہی کے خزانے ہیں اور نہ میں اس امر کا مدعی ہوں کہ تمام مغیباتِ الٰہیہ کو میں جانتا ہوں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں اور تمام حوائج بشریہ سے پاک ہوں میں تو ایک رسول ہوں اور صرف اُس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف بھیجی جاتی ہے آپ فرما دیجئے کہیں نابینا اور بینا دونوں برابر ہو سکتے ہیں کیا تم اتنا نہیں سمجھتے اور صحیح نظر و فکر سے کام نہیں لیتے یعنی جو حق سے جان بوجھ کر آنکھیں بند کرے وہ اندھا اور جو عقل و نظر سے کام لے کر حق کو مان لے وہ بینا (٥٠)

ع ٥ ٩ ١١

وَأَنذِرْ بِهِ الَّذِينَ يَخَافُونَ أَن يُحْشَرُوا إِلَىٰ رَبِّهِمْ

اور اے پیغمبر آپ اس قرآن کے ذریعہ سے ان لوگوں کو ڈرائیے جو اس بات سے خائف ہیں کہ وہ اپنے رب کے روبرو اس

لَيْسَ لَهُم مِّن دُونِهِ وَلِيٌّ وَلَا شَفِيعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿٥١﴾

حالت میں جمع کئے جائیں گے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا نہ اُن کا کوئی حمایتی ہوگا اور نہ کوئی سفارشی تاکہ یہ لوگ پرہیز کریں۔

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ وَ

اور اُن لوگوں کو جو صبح اور شام اپنے رب کی یاد صرف اس لئے کرتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور

الْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ ۖ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِم

رضامندی چاہتے ہیں آپ اُن کو اپنے سے علیٰحدہ نہ کیجئے نہ تو اُن لوگوں کے حساب کی کوئی جوابدہی آپ پر ہے اور نہ آپکے

مِّن شَيْءٍ وَمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِم مِّن شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ

حساب کی کوئی ذمہ داری اُن لوگوں پر ہے۔ کہیں آپ ان مخلصین کو اپنے پاس سے ہٹا دیں

فَتَكُونَ مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿٥٢﴾ وَكَذَٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُم

اور آپ بھی ناانصافوں میں سے ہو جائیں۔ اور ہم نے اسی طرح بعض انسانوں کو بعض کے ذریعہ آزمائش میں

بِبَعْضٍ لِّيَقُولُوا أَهَٰؤُلَاءِ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّن بَيْنِنَا ۗ

ڈال رکھا ہے تاکہ وہ کافر یوں کہیں کیا یہی کم درجہ کے لوگ اس قابل تھے کہ خدا نے ہم سب میں سے انہی پر اپنا احسان کیا۔

أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَعْلَمَ بِالشَّاكِرِينَ ﴿٥٣﴾ وَإِذَا جَاءَكَ الَّذِينَ

کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ اللہ اپنے شکر گذار بندوں کو خوب جانتا ہے۔ جب وہ لوگ جو ہماری آیتوں پر

يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِنَا فَقُلْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ ۖ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَىٰ

ایمان رکھتے ہیں آپ کے پاس آئیں تو اُن کو سلامتی کا پیغام دیکر فرما دیجئے کہ تمہارے رب نے رحم و کرم کا برتاؤ

نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۖ أَنَّهُ مَنْ عَمِلَ مِنكُمْ سُوءًا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ

اپنے اوپر لازم کرلیا ہے وہ یہ ہے کہ تم میں سے جو شخص نادانی سے کسی برائی کا ارتکاب کر بیٹھے پھر

تَابَ مِن بَعْدِهِ وَأَصْلَحَ فَأَنَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٥٤﴾

وہ اُس برائی کے بعد توبہ کرلے اور اپنی اصلاح کرلے تو اللہ تعالیٰ کی یہ شان ہے کہ وہ بڑا بخشنے والا اور نہایت مہربان ہے۔

اور اے پیغمبر آپ اُن لوگوں کو جو اس بات کا خوف رکھتے ہیں کہ وہ اپنے رب کے روبرو اس حال میں جمع کئے جائیں گے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اُن کا نہ کوئی حمایتی ہوگا اور نہ کوئی سفارش کرنے والا ہوگا اس قرآن کے ذریعہ سے ایسے لوگوں کو ڈراتے رہا کیجئے تاکہ وہ عذاب الٰہی سے ڈریں اور پرہیز کریں یعنی قیامت پر ایمان رکھتے ہوں تو گناہوں سے بچیں اور اگر محض گمان و خیال رکھتے ہوں تو کفر سے بچیں کیونکہ اُس دن سوائے اذن الٰہی کے کوئی نہ کسی کا مددگار ہوگا اور نہ کوئی کسی کا سفارشی بنے گا۔ (۵۱) اور اے پیغمبر آپ اُن لوگوں کو جو صبح و شام اپنے پروردگار کو پکارتے اور اپنے رب کی یاد کرتے ہیں اور اس ذکر الٰہی اور پکار سے اُن کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی خوشنودی ہوتی ہے ایسے لوگوں کو آپ اپنی مجلس سے دور نہ کیجئے اور ایسے مخلصین کو رؤسائے قریش کے کہنے سے ہٹائیے نہیں اور آپ ان کو اپنے سے علیٰحدہ نہ کیجئے، اُن لوگوں کے حساب کی جوابدہی آپ کے ذمہ پر نہیں ہے اور نہ آپ کے حساب کی کوئی ذمہ داری ان پر ہے یعنی جو فقراء اور مخلصین خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہمیشہ عبادت کرتے ہیں اور جن کی تفتیش و تحقیق کی ذمہ داری آپ پر نہیں اور نہ آپ کی ذمہ داری ان پر ہے ایسے لوگوں کو محض سرمایہ داروں کی رعایت سے ہٹانا نہیں چاہئے، کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ ان مخلصین کو اپنے پاس سے ہٹا دیں تو اے پیغمبر آپ ان کو اپنی مجلس سے نہ ہٹائیے ورنہ آپ ناانصافوں اور نامناسب کام کرنے والوں میں سے ہو جائیں گے یعنی اگر ایسا کیا کہ ان مخلصین کو رؤسائے قریش کی خاطر ہٹایا تو آپ بے انصاف قرار پائیں گے (۵۲) اور جس طرح ہم نے مومنین کاملین کو تنگدستی میں اور منکرین کو فراخی میں رکھا ہے اسی طرح ہم نے انکے بعض کو بعض کے لئے ذریعہ آزمائش بنا دیا ہے اور بعض کو بعض کے ذریعہ آزمائش میں ڈال رکھا ہے یعنی مسلمانوں کو کفار کی وجہ سے اور کفار کو مومنین کی وجہ سے ایک آزمائش اور ابتلا میں ڈالا ہے تاکہ یہ منکر سرمایہ داران مسلمان فقراء کے متعلق یوں کہیں کیا یہی کم مایہ اور بے حقیقت لوگ وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہم سب میں سے اپنے فضل و احسان کے لئے چن لیا یعنی کیا ہم سب میں یہی فقراء اس قابل تھے کہ اللہ نے اُن پر احسان کیا اور اپنے فضل سے نوازا اور ہم سب کو نظر انداز کر دیا۔ کیا یہ امر واقعہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے شکر گزار بندوں اور حق شناسوں کو خوب جانتا ہے یعنی کون احسان اور فضل کا مستحق ہے اور کون نہیں ہے (۵۳) اور اے پیغمبر جب یہ لوگ جو ہماری آیتوں پر کامل طور پر ایمان رکھتے ہیں۔ آپ کے پاس آئیں اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوں تو اُن کو ہماری جانب سے سلامتی کا پیام پہونچا دیجئے اور اُن سے کہدیجئے کہ تمہارے پروردگار نے رحمت و فضل کا شیوہ اپنے اوپر لازم کرلیا ہے اور رحم و کرم کا برتاؤ اختیار کر رکھا ہے وہ یہ ہے کہ جو شخص تم میں سے جہالت و نادانی کی حالت میں کوئی برا عمل کر بیٹھے اور کسی برے کام کا مرتکب ہو جائے پھر وہ اُس برے عمل کے بعد توبہ کرلے اور اپنی اصلاح کرلے اور اپنے کو درست کرلے یعنی توبہ وقتی طور پر نہ ہو بلکہ آئندہ کے لئے بھی ترک گناہ کا عزم کرلے تو اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ وہ بڑی مغفرت کرنے والا اور نہایت مہربان ہے یعنی توبہ کے وقت ترک گناہ کا عزم ہو خواہ بدقسمتی سے پھر برائی کا ارتکاب ہو جائے اور توبہ ٹوٹ جائے تب بھی اُس کی مغفرت اور رحمت سے ناامید نہیں ہونا چاہئے بلکہ پھر فوراً توبہ کرلینی چاہئے (۵۴)

وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ

اور ہم اسی طرح اپنی آیات کو مفصل بیان کرتے ہیں تاکہ لوگ سمجھیں اور نیز اس لئے تاکہ گناہ گاروں کی راہ سب پر

الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۵۵﴾ قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ

واضح ہو جائے۔ آپ کفار سے کہہ دیجئے کہ جن کو تم خدا کے سوا پکارا کرتے ہو اُن کی عبادت سے

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّآ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ

مجھ کو منع کیا گیا ہے۔ آپ یہ بھی کہہ دیجئے کہ میں تمہاری خواہشات کی پیروی نہیں کر سکتا کیونکہ میں نے اگر ایسا کیا تو گمراہ

اِذًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿۵۶﴾ قُلْ اِنِّيْ عَلٰى بَيِّنَةٍ

ہو جاؤں گا اور میں ہدایت یافتہ لوگوں میں شامل نہ رہوں گا۔ آپ یہ بھی کہہ دیجئے کہ میں تو اپنے رب کی ایک روشن دلیل پر

مِّنْ رَّبِّيْ وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ ؕ مَا عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ؕ

قائم ہوں اور تم اس کی تکذیب کرتے ہو! جس چیز کو تم جلدی چاہتے ہو وہ میرے بس میں نہیں ہے

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفٰصِلِيْنَ ﴿۵۷﴾

اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا حکم نہیں چلتا وہ حق بات بیان کر دیتا ہے اور وہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے

قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِيَ الْاَمْرُ

آپ کہہ دیجئے کہیں وہ چیز میرے اختیار میں ہوتی جس چیز کی تم جلدی کر رہے ہو تو میرے اور تمہارے مابین کبھی

بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۸﴾ وَعِنْدَهٗ

کا فیصلہ ہو چکا ہوتا اور ظالموں کا حال اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے۔ اور غیب کے

مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِي

تمام خزانے خدا ہی کے پاس ہیں اُن خزانوں کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا اور وہ خشکی اور تری کی تمام

الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا

چیزوں کو جانتا ہے اور درخت سے کوئی پتہ گرنے والا ایسا نہیں جس کو وہ نہ جانتا ہو اور

حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ

زمین کی تاریکیوں میں کوئی دانہ نہیں پڑتا اور کوئی خشک و تر چیز

اور جس طرح ہم نے یہاں فقراء اور مومنین اور رؤسائے منکرین کا حال بیان کیا ہے اسی طرح ہم اپنے دلائل اور اپنی آیات تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں تاکہ کامل مومنین کا طریقہ بھی معلوم ہو جائے اور تاکہ گناہگاروں اور مجرموں کا راستہ بھی سب پر آشکارا اور واضح ہو جائے (۵۵) اے پیغمبر آپ کفار سے کہہ دیجئے کہ تم اللہ تعالیٰ کے سوا جن معبودوں کی عبادت کرتے ہو مجھے اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان معبودانِ باطلہ کی عبادت کرنے سے منع کر دیا گیا ہے، اے پیغمبر آپ یہ بھی کہہ دیجئے کہ میں تمہاری اس قسم کی خواہشاتِ فاسدہ کی اور تمہارے باطل خیالات کی پیروی اور اتباع نہیں کروں گا۔ کیونکہ اگر میں نے ایسا کیا تو میں بے راہ اور گم کردہ راہ ہو جاؤں گا اور میں ہدایت یافتہ اور صحیح راہ چلنے والے لوگوں میں شامل نہ ہونگا (۵۶) آپ اُن سے یہ بھی کہہ دیجئے کہ میں تو اپنے رب کی بھیجی ہوئی ایک روشن دلیل اور حجت پر قائم ہوں یعنی قرآن اور اللہ تعالیٰ کی وحی اور تم اس کی تکذیب کرتے ہو اور اُس کو جھوٹا بتاتے ہو اور مجھ سے بار بار عذاب کا تقاضہ کرتے ہو کہ اگر تم سچے ہو تو ہم پر عذاب لاؤ جس چیز کی تم جلدی کرتے ہو اور مجھ پر تقاضا کرتے ہو وہ میرے بس اور میری قدرت میں نہیں ہے اصل حکم تو اللہ تعالیٰ ہی کا ہے اُس کے سوا کسی کا حکم نہیں چلتا اور جب تک اُس کا حکم نہیں ہو میں عذاب کس طرح اور کہاں سے لا سکتا ہوں وہی حق بات اور امر واقعی کو بتا دیتا ہے اور وہی فیصلہ کرنے والوں سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے یعنی تمہارے عذاب کا فیصلہ بھی اُسی کے اختیار میں ہے (۵۷) آپ ان سے کہہ دیجئے اگر کہیں وہ چیز جس کی تم جلدی کیا کرتے ہو میرے اختیار میں ہوتی تو میرے اور تمہارے درمیان کبھی کا فیصلہ ہو چکا ہوتا اور میرا تمہارا قصہ کبھی کا ختم ہو چکا ہوتا اور ظالموں کے احوال تو اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے یعنی میں نہیں کہہ سکتا کہ تم کو مہلت دینے میں اُس کی کیا مصلحت ہے (۵۸) اور اللہ تعالیٰ ہی کے پاس تمام اشیائے مخفیہ کے خزانے ہیں اور ان اشیائے مخفیہ کے خزانوں کو سوائے اس کے اور کوئی نہیں جانتا یعنی جملہ اشیائے ممکنہ کے خزانوں کا بھی وہی مالک ہے اور ان جملہ اشیاء کا علم بھی اُسی کے پاس ہے اور وہ ان تمام اشیاء کو بھی جانتا ہے جن کو خشکی اور تری کے دونوں دامن سمیٹے ہوئے ہیں یعنی خشکی اور تری کی ہر چیز کو جانتا ہے اور کوئی پتہ تک درخت سے نہیں گرتا مگر یہ کہ وہ جانتا ہے اور کوئی دانہ زمین کی تاریکیوں میں نہیں پڑتا مگر

ع ۵ ۱۲ ۶

إِلَّا فِي كِتٰبٍ مُّبِينٍ ﴿٥٩﴾ وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفّٰكُمْ بِالَّيْلِ

نہیں گرتی مگر یہ کہ وہ کتاب واضح میں لکھی ہوئی ہے۔ اور وہ خدا ہی تو ہے جو رات میں تم کو سُلا دیتا ہے

وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيهِ لِيُقْضٰٓى

اور جو کچھ تم دن کو کر چکے ہو اُس کو جانتا ہے پھر تم کو دن میں جگا اُٹھاتا ہے تا کہ زندگی کی

أَجَلٌ مُّسَمًّى ثُمَّ إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ

مدتِ معینہ پوری کی جائے آخر کار تم سب کو اسی کی طرف واپس جانا ہے پھر وہ تم کو اُن اعمال کی حقیقت سے آگاہ کر دیگا

تَعْمَلُونَ ﴿٦٠﴾ ع وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ

جو تم کیا کرتے تھے۔ اور وہ اپنے بندوں پر ہر اعتبار سے غالب ہے اور وہ تم پر نگہبان

عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ۭ حَتّٰٓى إِذَا جَاۗءَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ

فرشتے بھیجتا ہے یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کی موت آجاتی ہے

تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُونَ ﴿٦١﴾ ثُمَّ رُدُّوٓا إِلَى

تو اُسکی جان ہمارے دوسرے بھیجے ہوئے فرشتے قبض کر لیتے ہیں اور وہ کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرتے۔ پھر وہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کی طرف

اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ۭ أَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۣ وَهُوَ أَسْرَعُ

لوٹائے جائیں گے جو ان کا حقیقی مالک ہے خوب سُن لو فیصلہ اُسی کا ہے اور وہ سب حساب کرنے والوں سے جلدی

الْحٰسِبِينَ ﴿٦٢﴾ قُلْ مَنْ يُّنَجِّيكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ

حساب کرنے والا ہے۔ آپ ان سے پوچھئے وہ کون ہے جو تم کو جنگل اور دریا کی تاریکیوں سے

وَالْبَحْرِ تَدْعُونَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ لَئِنْ أَنْجٰىنَا

بچا لاتا ہے جس کو تم گڑگڑا کر اور چپکے چپکے پکارا کرتے ہو کہ اگر وہ ہم کو اس بلا سے نجات دیدے

مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُونَنَّ مِنَ الشّٰكِرِينَ ﴿٦٣﴾ قُلِ اللّٰهُ

تو ہم ضرور شکر گزاروں میں سے ہو جائیں گے - آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی تم

يُنَجِّيكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ أَنْتُمْ تُشْرِكُونَ ﴿٦٤﴾

کو ان تاریکیوں سے بلکہ ہر بے چینی سے نجات دیتا ہے مگر تم پھر شرک کرنے لگتے ہو۔

یہ کہ وہ اس کو بھی جانتا ہے اور نہ کوئی تر اور خشک چیز گرتی ہے مگر یہ کہ وہ کتاب واضح یعنی لوحِ محفوظ میں موجود و مرقوم ہے یعنی خزانہائے غیب کی کنجیاں اُسی کے پاس ہیں اور اُن خزانہائے مغیبات کا علم سوائے اس کے کسی کو نہیں اور تری اور خشکی کی تمام اشیاء کا علم بھی اُسی کو ہے خواہ کوئی چیز بیابان میں ہو یا دریا میں اور سمندروں میں ہو درخت سے کوئی پتہ تک نہیں گرتا اور زمین کے اندر کوئی بیج نہیں پڑتا مگر اُس سب کو بھی جانتا ہے اور ہر تر اور خشک چیز لوحِ محفوظ میں مرقوم اور مکتوب ہے (٥٩) اور وہ اللہ تعالیٰ ایسا ہے جو رات میں تم کو سُلا دیتا ہے اور تمہاری روح نفسانی کو معطل کر دیتا ہے اور جو کچھ تم دن میں کیا کرتے ہو وہ اس کو جانتا ہے پھر وہ تم کو دن میں اٹھا کھڑا کرتا ہے تاکہ مقررہ مدتِ حیات پوری کر دی جائے پھر تم سب کی بازگشت اور واپسی اُسی کی طرف ہے پھر وہ تم کو اُن تمام اعمال کی حقیقت سے آگاہ کر دے گا اور تم کو بتا دے گا جو تم کیا کرتے تھے (٦٠) اور وہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ہر اعتبار سے پوری طرح غالب ہے اور وہ تمہاری نگہداشت کرنے کو تم پر نگہبان فرشتے بھیجتا ہے یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجاتا ہے تو ہمارے وہ فرشتے جو اس کام کے لئے مقرر ہیں اُس شخص کی روح قبض کر لیتے ہیں اور وہ ذرا کوتاہی نہیں کرتے یعنی روح قبض کرنے کے متعلق ان کو جو حکم ہوتا ہے اُس کی بجا آوری میں اُن سے کوتاہی سرزد نہیں ہوتی (٦١) پھر مرنے کے بعد یہ مرنے والے اپنے مالکِ حقیقی کی طرف لوٹائے جائیں گے یعنی آخرت میں مولائے حقیقی کے روبرو پیش کئے جائیں گے آگاہ رہو اور خوب سُن لو اُس دن حکم اسی کا ہے اور تمام حساب کرنے والوں سے بہت جلد حساب کرنے والا ہے یعنی آخرت میں اُس کے حکم میں کسی کو دخل نہیں ہوگا اور وہ بے شمار مخلوق کا حساب بہت جلد کر دے گا (٦٢) اے پیغمبر آپ ان سے پوچھئے بھلا وہ کون ہے جو تم کو خشکی اور تری کی تاریکیوں سے بچا کر نکال لاتا ہے جس کو تم انتہائی گڑگڑا کر کبھی پکارتے ہو اور کبھی چپکے چپکے پکار کر یوں کہا کرتے ہو کہ اگر اللہ تعالیٰ ہم کو اس بلا سے نجات دیدے تو ہم یقیناً اس کے شکر گزار بندوں میں سے ہو جائیں گے اور آئندہ ہمیشہ اُس کا حق مانیں گے یعنی کبھی جنگل میں تاریک آندھی آگئی یا سمندر کے طوفان میں گھر گئے تو اُس وقت گڑگڑا کر دعائیں کرتے ہو تو اس مصیبت سے تم کو کون نجات دیتا ہے (٦٣) ظاہر ہے کہ اس کا جواب سوائے اس کے کچھ نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ ہی نجات دیتا ہے اس لئے آپ اے پیغمبر خود ہی فرما دیجئے کہ اللہ ہی اُن تاریکیوں سے تم کو نجات دیتا ہے بلکہ وہ تم کو ہر غم اور بے چینی سے نجات بخشتا ہے مگر تمہاری حالت یہ ہے کہ تم نجات پانے کے بعد پھر حق تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے لگتے ہو۔ (٦٤)

ع ٥ ۔ ١٤

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ
آپ فرمایئے وہ اس پر بھی قادر ہے کہ تم پر کوئی عذاب تمہارے اوپر سے

فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّ
بھیج دے یا کوئی عذاب تمہارے پاؤں کے نیچے سے برپا کردے یا تم کو کئی فرقے کرکے آپس میں بھڑا دے اور

يُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ
تم میں سے بعض کو بعض کی لڑائی کا مزہ چکھا دے اے پیغمبر ذرا دیکھئے تو ہم کس طرح مختلف پہلوؤں سے

الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾ وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَ
دلائل کا اظہار کرتے ہیں تاکہ یہ سمجھ لیں۔ اور آپ کی قوم اس عذاب کی تکذیب کرتی ہے حالانکہ

هُوَ الْحَقُّ ؕ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۶۶﴾ ؕ لِكُلِّ نَبَاٍ
وہ ایک غیر مشتبہ حقیقت ہے آپ کہہ دیجئے میں تم پر کوئی مختار کار نہیں ہوں۔ ہر خبر کیلئے ایک وقت

مُّسْتَقَرٌّ ؗ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ
مقرر ہے اور تم کو عنقریب ہی معلوم ہو جائے گا۔ اور اے مخاطب جب تو ایسے لوگوں کو دیکھے جو

يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ
ہماری آیتوں میں بے ہودہ نکتہ چینی کر رہے ہوں تو تو اُن لوگوں سے کنارہ کش رہ یہاں تک کہ وہ کسی

حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ؕ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ
دوسری بات میں بحث شروع کر دیں اور اگر شیطان تجھ کو کبھی یہ حکم بھلا دے تو یاد آنے پر

بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۶۸﴾ وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ
پھر ایسے ظالموں کے پاس نہ بیٹھ اور جو لوگ پرہیز گار ہیں اُن پر

يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ
ان نکتہ چینیوں کے حساب کی کوئی ذمہ داری نہیں البتہ پرہیزگاروں کے ذمہ اُن کو سمجھانا ہے تاکہ وہ بیہودہ گوئی

يَتَّقُوْنَ ﴿۶۹﴾ وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّ
سے باز رہیں۔ اور تو ایسے لوگوں کو جنھوں نے اپنا دین کھیل اور تماشا بنا رکھا ہے اور اُن کو دنیا کی زندگی

چونکہ یہ لوگ صرف پانی کے طوفان اور جنگل کی آندھی کو اللہ تعالیٰ کی گرفت سمجھتے ہیں اس لئے آپ ان سے فرما دیجئے کہ وہ اللہ تعالیٰ اس پر بھی قادر ہے کہ تمہارے اوپر سے تم پر کوئی عذاب بھیج دے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے کوئی عذاب تم پر مسلط کردے جیسے پتھراؤ یا طوفانی بارش یا زلزلہ یا زمین میں دھنس جانا وغیرہ اور وہ اللہ تعالیٰ یہ بھی قدرت رکھتا ہے کہ تم کو کئی فرقے اور کئی گروہ بنادے اور باہمی اختلاف کے باعث تم کو آپس میں ہی بھڑا دے اور تم کو باہمی جنگ میں مبتلا کرکے ایک دوسرے کو لڑائی کا مزہ چکھا دے یعنی تم میں پھوٹ پڑ جائے اور تم آپس میں ایک دوسرے سے لڑ مرو۔ اے پیغمبر آپ ذرا دیکھئے تو ہم کس طرح مختلف پہلوؤں سے اپنے دلائل بیان کرتے ہیں تاکہ یہ سمجھ سکیں یعنی کبھی وعدا ور کبھی وعید کا اظہار کرتے ہیں اور مختلف وجوہ سے انکو سمجھایا جاتا ہے (۶۵) اور آپ کی قوم اس عذاب کی یا اس قرآن کی تکذیب کرتی ہے حالانکہ یہ ایک غیر مشتبہ حقیقت اور ایک امر حق اور سچی بات ہے آپ ان سے کہدیجئے کہ میں تم پر کوئی مختار کار اور اجارہ دار بن کر نہیں آیا ہوں (۶۶) ہر خبر کی تصدیق اور ہر خبر کے واقع ہونے کا ایک وقت مقرر ہے اور عنقریب ہی تم کو تھوڑے دن میں میرے کہے کی حقیقت معلوم ہو جائیگی (۶۷) اور اے مخاطب جب تو ایسے لوگوں کو دیکھے جو ہماری آیتوں میں عیب جوئی اور بے ہودہ نکتہ چینی کر رہے ہوں اور انھوں نے یہ شغلہ اختیار کر رکھا ہو تو ایسے لوگوں سے کنارہ کش رہ اور اُن کے پاس سے ٹل جا یہاں تک کہ وہ دوسری باتوں میں لگ جائیں اور اگر کبھی اتفاقاً ایسی مجلس سے اٹھنا تجھ کو شیطان یہ حکم بھلا دے تو یاد آنے کے بعد پھر ایسے ظالموں کے پاس نہ بیٹھ یعنی ایسے ظالموں کا ہم صحبت نہ بن اول تو جب اس قسم کی سوقیانہ باتیں شروع ہوں تب ہی وہاں سے ٹل جا اور اگر کبھی شیطان بھلا دے تو یاد آتے ہی اس قسم کے ظالم اور ناسپاس لوگوں کے پاس سے کھڑا ہو جا اور اُن کے پاس نہ بیٹھ (۶۸) اور جو لوگ محتاط اور پرہیزگار ہیں اُن پر اس قسم کے عیب جو اور نکتہ چینوں کے حساب کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے البتہ اُن محتاط لوگوں کے ذمہ ان بدقماش لوگوں کو نصیحت کرنا اور سمجھانا ہے تاکہ اس قسم کے طعن و تشنیع اور لغو نکتہ چینی سے باز آجائیں۔ یعنی ہر چند کہ ایماندار پر کوئی ذمہ داری سوائے نصیحت اور سمجھانے کے نہیں ہے اور وہ بھی بشرط قدرت و استطاعت۔ لیکن پھر بھی ایسی مجالس کی شرکت سے بچنا چاہیے اور گناہ گاروں کی مجلس میں جبکہ وہ گناہ کی باتیں کر رہے ہوں خصوصیت کے ساتھ نہیں شریک ہونا چاہیے (۶۹) اور اے مخاطب تو ایسے لوگوں کو جنھوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشا اور لہو ولعب بنا رکھا ہے یعنی ان کا دین ہی یہ ہے کہ امر حق

لَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ

نے دھوکے میں مبتلا کر رکھا ہے ان کی حالت پر چھوڑ دے ہاں انکو قرآن کے ذریعہ نصیحت کرتا رہ تاکہ کوئی شخص اپنے کردار کی وجہ

بِمَا كَسَبَتْ ۖ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ۚ وَاِنْ

سے ہلاکت میں اس طرح نہ پھنس جائے کہ اس کیلئے اللہ کے سوا نہ کوئی حمایتی ہو اور نہ کوئی سفارشی اور اس کی یہ

تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا

کیفیت ہو کہ اگر وہ ہر ایک چیز اپنے فدیہ میں دیکر رہائی حاصل کرنا چاہے تو بھی اسکی جانب سے وہ فدیہ قبول نہ کیا جائے یہی وہ لوگ ہیں جو

بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا

اپنی کمائی کے باعث ہلاکت میں پھنسے رہ گئے اُن کیلئے نہایت تیز گرم پانی پینے کو ہوگا اور اُن کو اس کفر کے بدلے میں جو وہ کیا کرتے

يَكْفُرُوْنَ ﴿٧٠﴾ قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا

تھے دردناک عذاب ہوگا۔ اے پیغمبر آپ فرمائیے کیا ہم خدا کو چھوڑ کر اُن کی عبادت کریں جو ہم کو نہ نفع پہنچا سکیں اور نہ ہم کو

يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِي

نقصان پہنچا سکیں اور کیا ہم باوجود اسکے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو ہدایت دے چکا ہے اپنی ایڑیوں کے بل الٹے پھر جائیں اور ہماری ایسی

اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِي الْاَرْضِ حَيْرَانَ ۠ لَهٗٓ اَصْحٰبٌ

مثال ہو جیسے کسی کو جنات نے جنگل میں راہ سے بے راہ کردیا ہو اور اُسکی حالت یہ ہو کہ وہ حیران و سرگرداں مارا مارا پھرتا ہو حالانکہ اس

يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ۭ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ

کے ساتھی اسکو سیدھے راستے کی طرف پکار رہے ہوں کہ ہمارے پاس آجا۔ آپ اُن سے کہہ دیجئے یقیناً سیدھی راہ تو وہی ہے جو اللہ

الْهُدٰى ۭ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٧١﴾ وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ

کی بتائی ہوئی راہ ہے اور ہم کو تو یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم رب العالمین کے فرمانبردار رہیں۔ اور یہ بھی کہ تم نماز کی پابندی کرد

وَاتَّقُوْهُ ۭ وَهُوَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿٧٢﴾ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ

اور یہ بھی کہ اللہ سے ڈرتے رہو اور وہی ذات ہے جس کی طرف تم سب سمیٹے جاؤ گے۔ اور وہی ہے جس نے آسمانوں کو اور

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۭ وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ

زمین کو ٹھیک بنایا اور جس دن وہ کہے گا کہ حشر ہو جائے تو حشر برپا ہو جائے گا۔

کا مذاق اُڑائیں اور اپنی تفریح کا مشغلہ بنائیں اور اُن کو دنیوی زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے یعنی دنیوی زندگی کو اصلی زندگی سمجھ بیٹھے ہیں اور اُس کے بعد دوسری زندگی پر ایمان نہیں رکھتے
ایسے لوگوں کو اُن کی حالت پر چھوڑ دے مگر ہاں اُن کو اس قرآن کے ذریعہ نصیحت کرتا رہ اور حتی الامکان اُن کو سمجھاتا رہ تاکہ کوئی شخص اپنے کردار اور اپنی کمائی اور اپنے اعمال کے باعث ہلاکت
و تباہی میں نہ پھنس جائے اور اس طرح ہلاکت کا تابع اور فرماں بردار نہ بن جائے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اس کا نہ کوئی حمایتی ہو اور نہ اُس کے لئے کوئی سفارش کرنے والا ہو اور اس کی یہ حالت
ہو جائے کہ اگر وہ ہر چیز اپنے فدیہ میں دیکر عذاب اور اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے رہائی حاصل کرنا چاہے تب بھی اس کی جانب سے کوئی فدیہ اور کوئی معاوضہ قبول نہ کیا جائے یعنی فی الجملہ قرآنی نصیحت
اور تذکیر کچھ نہ کچھ مفید ہی ہوگی اگر نصیحت سے بھی محروم ہو جائیں گے تو بالکل ہی ہلاکت کے تابع فرمان ہو جائیں گے اور پھر یہ صورت پیش آئے گی کہ نہ کوئی حمایتی نہ کوئی سفارشی ہوگا اور نہ ہی کوئی معاوضہ اور فدیہ قبول کیا جائے گا یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے اعمال اور اپنی کمائی کے باعث ہلاکت میں پڑ گئے ایسے لوگوں کے لئے سخت کھولتا ہوا پانی پینے کو ہوگا اور ان لوگوں کو اس کفر کے بدلے جس کے وہ مرتکب ہوا کرتے تھے دردناک عذاب ہوگا یعنی ایسے لوگوں کے لئے اس کفر و انکار کے بدلے جو وہ کیا کرتے تھے پینے کو کھولتا ہوا پانی اور انواع و اقسام کا دردناک عذاب ہوگا (٧٠) اے پیغمبر آپ ان مشرکین سے فرمائیے، کیا تم یہ چاہتے ہو کہ ہم سب مسلمان اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اُس کے سوا اور ایسے معبودوں کی عبادت کرنے لگیں جو نہ ہم کو نفع پہونچانے کی کچھ قدرت رکھتے ہیں اور نہ کچھ ہمارا بگاڑ سکتے ہیں اور نہ ہم کو نقصان پہونچانے کی قدرت رکھتے ہیں اور کیا تمہاری خواہش یہ ہے کہ باوجود اس بات کے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو ہدایت سے نوازا ہے اور وہ ہم کو صحیح راہ دکھا چکا ہے ہم اپنی ایڑیوں کے بل اُلٹے ہی پاؤں پھر جائیں اور ہماری مثال اُس شخص کی طرح ہو جائے جیسے کسی کو جنات اور غول بیابانی نے جنگل میں راہ سے بے راہ کردیا ہو اور اُس کی یہ حالت ہو جائے کہ وہ حیران و سرگرداں ہو کر رہ جائے حالانکہ کچھ اس کے ساتھی بھی ہوں جو اُس کو پکار پکار کر صحیح راستہ کی جانب بُلا رہے ہوں کہ آ ہمارے پاس آجا یعنی خدا کے سوا اُن معبودانِ باطلہ کی عبادت کریں جو عبادت پر نہ کچھ نفع پہنچا سکیں اور نہ اُنکی عبادت چھوڑ دینے پر وہ اپنے منکروں کو کوئی نقصان پہنچا سکیں اور کیا تم یہ چاہتے ہو کہ ہم پھر مرتد ہو جائیں اور ہماری حالت اُس گم کردہ راہ کی سی ہو جائے جو کہیں جنگل میں ہو اور اُس کو صحرائی شیاطین اور غول بیابانی صحیح راہ سے بے راہ کردیں اور وہ حیرانی و سرگردانی کی حالت میں مارا مارا پھرے اور اُس کے ساتھی اُس کو پکار رہے بھی کہ آجا ہمارے پاس آجا بھٹکا نہ پھر مگر وہ اور حیرانی و تحیر کی حالت میں کچھ نہ سمجھے اور جانوروں کی طرح صرف آواز سنے اور سمجھ نہ سکے اے پیغمبر آپ فرما دیجئے یقین جانو کہ
ہدایت تو وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی ہدایت ہو اور اللہ تعالیٰ کی رہنمائی ہی صحیح رہنمائی ہے اور ہم کو تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ ہم اُس پروردگار کے تابع فرمان رہیں جو تمام عالموں کا رب ہے (٧١)
اور ہم کو یہ بھی حکم کیا گیا ہے کہ تم نماز قائم رکھو اور نماز کی پابندی کرو اور یہ بھی ہم کو حکم کیا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور اللہ تعالیٰ وہی ہے جس کے پاس تم قبروں سے نکل کر سب کے سب جمع
کئے جاؤ گے یعنی حساب دینے کی غرض سے (٧٢) اور اللہ تعالیٰ کی وہ ذات ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو کمال حکمت کے ساتھ ٹھیک ٹھیک بنایا اور جس دن اللہ تعالیٰ حشر کو فرمائیگا کہ ہو جا اُس کے

ع ٨ / ١٠ / ١٤

منزل

اتنا فرماتے ہی حشر برپا ہو جائے گا اُس کا فرمانا حق ہے جس دن صور پھونکا جائے گا اُس دن صرف اُسی کی بادشاہت ہوگی وہ پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا ہے اور وہی ہے بڑی حکمت والا اور پوری خبر رکھنے والا (۷۳) اور وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ آزر سے کہا کیا تو بتوں کو معبود مانتا ہے اور ان اصنام کو اپنا معبود ٹھیرا۔

قَوْلُهُ الْحَقُّ ۭ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ ۭ عٰلِمُ

اس کا کہنا حق ہے اور جس دن صور پھونکا جائے گا اُس دن صرف اُسی کی سلطنت ہوگی وہ پوشیدہ اور

الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۷۳﴾ وَاِذْ قَالَ

ظاہر سب کا جاننے والا ہے اور وہی ہے بڑی حکمت والا سب باخبر۔ اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جبکہ ابراہیمؑ نے

اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّىْٓ اَرٰىكَ

اپنے باپ آزر سے فرمایا کیا تو بتوں کو معبود قرار دیتا ہے یقیناً میں تجھ کو اور تیری قوم کو صریح

وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۷۴﴾ وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ

گمراہی میں دیکھتا ہوں۔ اور ہم اسی طرح ابراہیمؑ کو آسمانوں اور زمین کے عجائبات دکھانے

مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ﴿۷۵﴾

لگے تاکہ اس کا اطمینان زیادہ ہو اور اس لئے کہ وہ کامل یقین کرنے والوں میں سے ہو جائے

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ

چنانچہ جب شب کی تاریکی ابراہیمؑ پر چھا گئی تو اس نے ایک تارا دیکھا اس نے کہا یہ میرا رب ہے

فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ﴿۷۶﴾ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ

پھر جب وہ تارا غروب ہو گیا تو ابراہیم نے کہا میں غروب ہو جانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ پھر ابراہیمؑ نے جب چاند

بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَىِٕنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ

کو چمکتا ہوا دیکھا تو کہا یہ میرا رب ہے پھر جب وہ غائب ہو گیا تو ابراہیمؑ نے کہا اگر میرے رب نے میری رہنمائی

رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّاۗلِّيْنَ ﴿۷۷﴾ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ

نہ فرمائی تو بلاشبہ میں گمراہ لوگوں میں رہ جاؤں گا۔ پھر جب ابراہیمؑ نے آفتاب کو طلوع ہوتے

بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ

ہوئے دیکھا تو فرمایا یہ میرا رب ہے یہ تو سب میں بڑا ہے پھر جب وہ بھی غروب ہو گیا تو ابراہیمؑ نے کہا

يٰقَوْمِ اِنِّىْ بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۷۸﴾ اِنِّىْ وَجَّهْتُ

اے میری قوم بلاشبہ میں اُن چیزوں سے سخت بیزار ہوں جنکو تم خدا کا شریک قرار دیتے ہو۔ میں نے سب سے یکسو ہو کر اپنا رخ اُسی کی

ہے یقیناً میں تجھ کو اور تیری تمام قوم کو جو اس باطل عقیدے کی پیرو ہے صریح گمراہی میں مبتلا سمجھتا ہوں اور صریح گمراہی میں دیکھتا ہوں۔

(۷۴) اور ہم نے اسی طرح ابراہیم علیہ السلام کو آسمانوں اور زمین کے عجائبات و ملکوت اور بصیرت افروز حقائق دکھائے تاکہ اس کو معرفت کامل طور پر حاصل ہو جائے اور تاکہ وہ کامل یقین کرنے والوں میں سے ہو جائے یعنی معرفتِ الٰہی تو اُنھیں پہلے ہی سے حاصل تھی ان کی معرفت کو قوی تر کرنے اور اُن کے ایقان کو کامل کرنے کے لئے ہم نے اپنی مخلوقات اور اپنی سلطنت کے عجائبات کی معرفت عطا کی تاکہ ان کو عین الیقین کا مرتبہ حاصل ہو جائے اور وہ راسخین فی الایقان میں شامل ہو جائیں۔

(۷۵) لہٰذا جب حضرت ابراہیمؑ پر رات کی تاریکی چھا گئی تو اُنھوں نے ایک تارے کو چمکتا ہوا دیکھ کر فرمایا کیا تمہارے زعم باطل میں یہ میرا رب ہے؟ پھر جب وہ غروب ہو گیا تو ابراہیمؑ نے کہا میں غروب ہو جانے والوں کو پسند نہیں کرتا اور ایک حالت سے دوسری حالت پر منتقل ہو جانے والوں سے محبت نہیں کرتا یعنی سیارات میں سے کسی ایک ستارے کو خواہ وہ زہرہ ہو یا مشتری ہو دیکھ کر ایسا فرمایا اور ظاہر ہے کہ جو محل حوادث ہو وہ خود محدث کا محتاج ہوگا اور وہ ربوبیت کے قابل نہ ہوگا (۷۶) پھر جب حضرت ابراہیمؑ نے چاند کو چمکتا ہوا دیکھا تو فرمایا کیا تمہارے زعم باطل اور عقیدہ فاسدہ میں یہ میرا رب ہے؟ پھر جب وہ چاند بھی غروب ہو گیا تو ابراہیمؑ نے کہا اگر میرا پروردگار میری صحیح رہنمائی نہ فرمائے تو یقیناً میں گمراہ لوگوں میں سے ہو جاؤں اور تمہاری طرح میں بھی گمراہوں میں شامل ہو جاؤں یعنی اگر تمہاری طرح میں چاند کو متصرف فی الاحوال مان لوں جیسا کہ تم مانتے ہو تو میں بھی تمہاری طرح گمراہ ہو جاؤں (۷۷) پھر جب حضرت ابراہیمؑ نے سورج کو طلوع ہوتے ہوئے دیکھا تو اُس کو چمکتا ہوا دیکھ کر فرمایا کیا یہ تمہارے زعم باطل میں میرا رب ہے یہ تمام اجرام فلکی اور اجرام علوی میں سب سے بڑا بھی ہے پھر جب وہ بھی غروب ہو گیا تو حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا اے میری قوم بلاشبہ میں ان تمام چیزوں سے بیزار اور بری الذمہ ہوں جن کو تم خدا تعالیٰ کا شریک قرار دیتے ہو (۷۸)

وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا

طرف کرلیا جس نے آسمانوں کو اور زمین کو بنایا اور میں

مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿٧٩﴾ وَحَاجَّهُ قَوْمُهُ قَالَ أَتُحَاجُّونِّي

مشرکوں میں سے نہیں ہوں - اور اُس کی قوم اُس سے کج بحثی کرنے لگے ابراہیمؑ نے کہا کیا تم اللہ کے بارے

فِي اللَّهِ وَقَدْ هَدَانِ وَلَا أَخَافُ مَا تُشْرِكُونَ بِهِ إِلَّا

میں مجھ سے جھگڑا کرتے ہو حالانکہ اُس نے مجھے سیدھی راہ دکھادی ہے اور میں اُن چیزوں کی ضرررسانی سے جنکو تم اللہ

أَن يَشَاءَ رَبِّي شَيْئًا وَسِعَ رَبِّي كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا

کا شریک قرار دیتے ہو بالکل نہیں ڈرتا مگر ہاں میرا رب اگر کچھ چاہے اور میرے ربّ نے از روئے علم ہر چیز کو گھیر رکھا ہے تو

أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ ﴿٨٠﴾ وَكَيْفَ أَخَافُ مَا أَشْرَكْتُمْ وَلَا

کیا تم سوچتے نہیں - اور جن چیزوں کو تم نے خدا کا شریک بنا رکھا ہے بھلا میں اُن سے کیونکر ڈر سکتا ہوں حالانکہ

تَخَافُونَ أَنَّكُمْ أَشْرَكْتُم بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ

تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ تم نے اُن چیزوں کو خدا کا شریک بنا رکھا ہے جن کے شریک بنانے پر خدا نے تم پر

عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا فَأَيُّ الْفَرِيقَيْنِ أَحَقُّ بِالْأَمْنِ إِن

کوئی دلیل نہیں اُتاری اب اُن دونوں فریق میں سے کون سا فریق امن و اطمینان کا زیادہ حقدار ہے جواب دو اگر

كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٨١﴾ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُم

تم کچھ جانتے ہو - جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان میں شرک کی آمیزش نہیں

بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُم مُّهْتَدُونَ ﴿٨٢﴾ وَتِلْكَ

کی تو ایسے ہی لوگ پُرامن ہیں اور یہی لوگ راہ یافتہ ہیں - اور یہ ہماری

حُجَّتُنَا آتَيْنَاهَا إِبْرَاهِيمَ عَلَىٰ قَوْمِهِ نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ

وہ دلیل تھی جو ہم نے ابراہیمؑ کو اُس کی قوم کے مقابلہ میں بتائی تھی ہم جس کے چاہتے ہیں مرتبے

مَّن نَّشَاءُ إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿٨٣﴾ وَوَهَبْنَا

بلند کردیتے ہیں بے شک آپ کا رب بڑی حکمت والا بڑے علم والا ہے - اور ہم نے ابراہیمؑ کو

وقف لازم — ع ۹ — ۱۲ — ۱۵

اچھی طرح جان لو کہ میں تمام ادیانِ باطلہ اور معبودانِ فاسدہ سے یک سو ہو کر اپنا رُخ اُس ذات کی طرف کرچکا ہوں جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا ہے یعنی سب سے کٹ کر صرف اُسی کا ہو چکا ہوں جس نے آسمان وزمین کو بنایا اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں یعنی اَجرام علوی ہوں یا سفلی ہوں یہ سب اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں اور اس کے حکم کے تابع ہیں اور میں اپنا رخ اُسکی جانب متوجہ کرچکا ہوں جو ان سب کا خالق اور مالک ہے، تو ایسی حالت میں میرے لئے شرک کی گنجائش کہاں ہے (۷۹) اوران دلائلِ واضحہ اور براہینِ قاطعہ کے بعد حضرت ابراہیمؑ کی قوم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کج بحثی اور بے ہودہ حجت بازی اور جھگڑنا شروع کردیا یعنی حضرت ابراہیمؑ کو اپنے بتوں سے ڈرایا اور خوف دلایا اور باپ دادا کا نام لے کر اپنے طریقہ کو درست بتایا حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کیا اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی ذات و صفات کے بارے میں تم مجھ سے کج بحثی اور جھگڑا کرتے ہو اور مناظرہ سے شکست کھا کر اب مکابرہ اور مجادلہ پر اُتر آئے ہو حالانکہ اُس اللہ تعالیٰ نے مجھ کو صحیح طریقہ بتادیا ہے اور میری صحیح رہنمائی فرمائی ہے اور میں ان چیزوں کے ضرر سے بالکل نہیں ڈرتا جن کو تم اللہ کا شریک قرار دیتے ہو خواہ وہ بت ہوں یا ستارے میرا یہ کچھ نہیں بگاڑ سکتے مگر ہاں میرا پروردگار اگر کچھ چاہے اور مجھ کو کوئی ضرر پہنچانا چاہے تو وہ پہونچا سکتا ہے اور میرے رب کی وسعت علم نے ہر چیز کو گھیر رکھا ہے تو کیا تم لوگ کچھ سوچتے سمجھتے نہیں یعنی جس طرح وہ قادرِ مطلق نفع اور ضرر کا مالک ہے اسی طرح اس کے علم نے بھی ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے تمہارے معبود نہ قدرت رکھتے ہیں نہ علم اتنی بات بھی خیال نہیں کرتے کہ ڈرنے اور خوف کھانے کے لائق کون ہے (۸۰) اور جن چیزوں کو تم نے خدا کا شریک ٹھیرا رکھا ہے اُن معبودانِ باطلہ سے میں کس طرح ڈر سکتا ہوں حالانکہ تم کو اس بات سے ڈر نہیں معلوم ہوتا اور نہ تم خوف نہیں کھاتے کہ تم نے اُن چیزوں کو خدا کا شریک قرار دے رکھا ہے جن کے شریکِ خدائی قرار دینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے تم پر کوئی دلیل اور سند نہیں نازل فرمائی اب تم ہی بتاؤ کہ ان دونوں فریق میں سے یعنی مشرک اور موحد میں سے کون سا فریق امن واطمینان کا زیادہ حقدار اور مستحق ہے۔ اگر تم کچھ جانتے ہو یعنی اگر استدلال توحید اور ابطالِ شرک کے دلائل سے کچھ سمجھے ہو تو بتاؤ کہ محتاج اور بے خبر معبودوں کے پرستار زیادہ مطمئن ہیں یا اس قادرِ مطلق اور عالمِ کل کے پرستش کرنے والے زیادہ امن واطمینان کے مستحق ہیں (۸۱) جو لوگ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لائے اور اپنے ایمان میں شرک کی آمیزش نہیں کی اور اپنے ایمان کے ساتھ شرک کو مخلوط نہیں کیا تو یہی لوگ صاحبانِ امن ہیں اور انہی کے لئے بے خوفی اور دل جمعی ہے اور یہی لوگ راہ یافتہ اور سیدھی راہ پر چلنے والے ہیں یعنی آخرت میں کوئی خوف وخطر نہیں اور دنیا میں سیدھی راہ اختیار کرنیوالے اور صحیح راہ یافتہ ہیں (۸۲) اور توحید باری پر جو حجت اور دلیل ابراہیمؑ نے پیش کی اس کی حالت یہ ہے کہ یہ حجت اور یہ طریقۂ استدلال ہم نے ابراہیمؑ کو بتایا اور سکھایا تھا اور یہ ہماری وہ دلیل تھی جو ہم نے ابراہیمؑ کو اُس کی قوم کے مقابلہ میں دی تھی۔ ہم جس کو چاہتے ہیں اس کے علم وعمل کے درجے بلند کردیتے ہیں بلاشبہ آپ کا پروردگار کمال حکمت اور کمال علم کا مالک ہے یعنی ہر ایک کی صلاحیت اور استعداد کو جانتا ہے اور اسی کے موافق اسکو علمی اور عملی کمالات سے نوازتا اور اسکے مرتبے بلند وبالا کرتا ہے (۸۳)

لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَؕ كُلًّا هَدَیْنَاۚ وَ نُوْحًا هَدَیْنَا

اسحاقؑ اور یعقوبؑ عطا کئے اور ان دونوں میں سے ہر ایک کو ہم نے ہدایت سے نوازا اور ہم نے ابراہیمؑ

مِنْ قَبْلُ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِهٖ دَاوٗدَ وَ سُلَیْمٰنَ وَ اَیُّوْبَ وَ

سے پہلے نوحؑ کو بھی ہدایت عطا کی تھی اور ہم نے اُس کی اولاد میں سے داؤدؑ اور سلیمانؑ کو اور ایوبؑ اور

یُوْسُفَ وَ مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۸۴﴾

یوسفؑ کو اور موسیٰؑ اور ہارونؑ کو بھی ہدایت عطا کی اور نیک کام کرنے والوں کو ہم اسی طرح صلہ دیا کرتے ہیں

وَ زَكَرِیَّا وَ یَحْیٰى وَ عِیْسٰى وَ اِلْیَاسَؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۸۵﴾

اور نیز اُس کی اولاد میں سے زکریاؑ اور یحییٰؑ اور عیسیٰؑ اور الیاسؑ کو ہدایت سے نوازا یہ سب کے سب نیک لوگوں میں سے تھے

وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ الْیَسَعَ وَ یُوْنُسَ وَ لُوْطًاؕ وَ كُلًّا فَضَّلْنَا

اور نیز اسمٰعیل اور الیسع اور یونس اور لوط کو ہدایت عطا کی اور ان سب کو ہم نے اپنے اپنے زمانہ میں اقوام عالم پر

عَلَى الْعٰلَمِیْنَ ﴿۸۶﴾ وَ مِنْ اٰبَآىٕهِمْ وَ ذُرِّیّٰتِهِمْ وَ اِخْوَانِهِمْۚ

فضیلت دی تھی۔ اور ان مذکورہ حضرات کے بعض باپ دادوں کو اور اُنکی اولاد میں سے بعض کو اور اُن کے بھائیوں میں سے بھی بعض

وَ اجْتَبَیْنٰهُمْ وَ هَدَیْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۸۷﴾ ذٰلِكَ

کو ہدایت عطا فرمائی اور ہم نے ان سب کو برگزیدہ کیا اور سیدھی راہ کی طرف اُن کی رہنمائی کی ۔ یہ ہے

هُدَى اللّٰهِ یَهْدِیْ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖؕ وَ لَوْ

اللہ کی ہدایت میں وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اُس پر چلاتا ہے اور اگر بالفرض

اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۸۸﴾ اُولٰٓىٕكَ

یہ لوگ بھی شرک کرتے تو ان کے وہ سب اعمال جو یہ کیا کرتے تھے غارت اور نابود ہو جاتے ۔ یہ وہ لوگ

الَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحُكْمَ وَ النُّبُوَّةَۚ فَاِنْ یَّكْفُرْ

تھے جن کو ہم نے کتاب آسمانی اور حکمت اور نبوت عطا کی تھی اب اے پیغمبر اگر یہ کافر

بِهَا هٰۤؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّیْسُوْا بِهَا

ان چیزوں کے ماننے سے منکر ہوں تو ہم نے بہت سے ایسے لوگ مقرر کر دیئے ہیں جو ان چیزوں کا

اور ہم نے ابراہیمؑ کو بیٹا اسحاقؑ نامی اور پوتا یعقوبؑ نامی عطا فرمائے اور ان دونوں میں سے ہر ایک کو ہدایت اور توفیقِ ہدایت عطا کی اور ہم نے اس سے پہلے حضرت نوحؑ کو بھی ہدایت سے سرفراز فرمایا تھا اور حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے داؤدؑ اور سلیمانؑ اور ایوبؑ اور یوسفؑ اور حضرت موسیٰ اور ہارون کو بھی ہدایت سے نوازا تھا اور جس طرح ہم نے ان لوگوں پر اپنی نوازش فرمائی تھی ہم اسی طرح نیکی کرنے والوں کو اپنے صلہ سے نوازا کرتے ہیں اور نکوکاروں کو صلہ دیا کرتے ہیں (۸۴) اور نیز ہم نے اس کی اولاد میں سے زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ ابن مریم اور الیاس کو ہدایت سے نوازا تھا اور ان میں سے ہر ایک شائستہ اور نیک لوگوں میں سے تھا (۸۵) اور نیز ہم نے اس کی اولاد میں سے اسمٰعیل اور الیسع اور یونس اور لوط کو ہدایت عطا فرمائی تھی اور ہم نے ان میں سے ہر ایک کو اپنے اپنے زمانے میں اقوام عالم پر فضیلت اور بڑائی عطا کی تھی (۸۶) اور ہم نے ان مذکورہ حضرات کے بعض باپ دادوں کو جیسے حضرت شیث اور حضرت آدم اور حضرت ادریس کو اور ان کی اولاد میں سے بھی بعض کو جیسے اولادِ یعقوب کو اور ان مذکورہ حضرات کے بھائیوں میں سے بعض کو ہدایت عطا فرمائی تھی ہم نے ان سب کو اپنے بندوں میں سے برگزیدہ اور منتخب فرمایا اور ہم نے دین کی سیدھی راہ کی جانب ان سب کی رہنمائی فرمائی (۸۷) یہ ہدایت و رہنمائی اللہ تعالیٰ کی ہدایت و رہنمائی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے ہدایت عطا فرماتا ہے اور جس کی چاہتا ہے اُس کی ہدایت کے ساتھ رہنمائی فرماتا ہے اور اگر یہ انبیاء باوجود اپنی علو شان اور مراتبِ علیا کے خدانخواستہ بالفرض شرک کرتے اور مشرکانہ رویہ اختیار کرتے تو ان کے وہ تمام اعمالِ صالحہ اور پسندیدہ نیست و نابود ہو جاتے جو یہ کیا کرتے تھے یعنی اگر نیک لوگ بھی شرک کے مرتکب ہوں تو اُن کی سب نیکیاں برباد اور اکارت ہو جائیں (۸۸) یہی وہ حضرات ہیں جن کو ہم نے کتاب آسمانی اور حکمت اور نبوت عطا فرمائی تھی یعنی یہی وہ چیزیں ہیں جو تم کو بھی عطا ہوئی ہیں کچھ نئی باتیں نہیں ہیں پھر اگر یہ لوگ جنھوں نے کافرانہ روش اختیار کر رکھی ہے اُن چیزوں پر ایمان لانے کو نہیں مانتے اور اُن کے ماننے سے انکار کرتے ہیں تو ہم نے ایسے بہت لوگ مقرر کر دئے ہیں جو ان چیزوں کے منکر نہیں ہیں بلکہ ان پر ایمان رکھتے ہیں یعنی انصار و مہاجرین ایسے لوگ ہیں

بِكٰفِرِيْنَ ﴿٨٩﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ؕ

انکار کرنے والے نہیں ہیں۔ یہ جملہ انبیاء وہ تھے جن کو اللہ نے ہدایت کی تھی تو اے پیغمبر آپ بھی ان ہی کی روش پر

قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿٩٠﴾ وَ

چلیے آپ کفار سے کہدیجئے کہ میں تم سے قرآن سُنانے پر کچھ اجرت نہیں مانگتا یہ قرآن تو تمام اقوام عالم کیلئے صرف ایک نصیحت ہے

مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى

اور منکرین نے اللہ کی وہ قدر نہ پہچانی جو اس کی قدر پہچاننے کا حق تھا جبکہ اُنھوں نے یوں کہا کہ خدا نے کسی بشر پر

بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ ؕ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِیْ جَآءَ بِهٖ

کوئی چیز نہیں نازل کی آپ ان سے پوچھئے وہ کتاب کس نے نازل کی تھی جو

مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ

موسیٰؑ لایا تھا جو لوگوں کے لیے روشنی اور ہدایت تھی اور جس کا حال یہ ہے کہ تم نے اُس کو مختلف

تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۚ وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا

اوراق میں لکھ رکھا ہے تم ان اوراق میں سے کچھ کو تو ظاہر کرتے ہو اور بہت سے اوراق کو چھپائے ہوئے ہو اور اسی کتاب کے ذریعہ تم کو وہ باتیں

اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِیْ خَوْضِهِمْ

سکھائی گئیں جنکو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا آپ فرمایئے اس کتاب کو اللہ نے نازل کیا تھا بس آپ ان کو چھوڑئیے کہ یہ اپنی

يَلْعَبُوْنَ ﴿٩١﴾ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ

بیہودہ خرافات میں مشغول رہیں۔ اور یہ قرآن بھی ایک کتاب ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے جو بڑی بابرکت ہے اپنے سے پہلی کتابوں کی

الَّذِیْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ

تصدیق کرنیوالی ہے اور اس لئے نازل کی تاکہ آپ اہل مکہ کو اور مکہ کے چاروں طرف بسنے والوں کو ڈرادیں

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰى

اور جو لوگ آخرت کو مانتے ہیں وہ اس کتاب پر ایمان لاتے ہیں اور ان کا حال یہ ہے کہ وہ اپنی

صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿٩٢﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى

نمازوں سے پوری طرح باخبر رہتے ہیں۔ اور اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہو سکتا ہے جو اللہ پر جھوٹا بہتان

جو قرآن پر اور آپ کی نبوت پر ایمان رکھتے ہیں اگر یہ منکر انکار کر رہے ہیں تو ان کی پرواہ نہ کیجئے، انصار و مہاجرین ان چیزوں کے منکر نہیں ہیں (۸۹) یہ تمام انبیاء وہ تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت اور اپنی رہنمائی سے بہرہ مند کیا تھا اے پیغمبر آپ بھی ان ہی کی ہادیانہ روش پر چلیئے اور جس طرح یہ لوگ دین حق کی تبلیغ پر کسی مال و جاہ کے طالب نہیں ہوتے تھے آپ بھی ان منکرین سے کہہ دیجئے کہ میں اس قرآن کی تبلیغ پر تم سے کچھ اجرت اور مزدوری طلب نہیں کرتا یہ قرآن تو جملہ اقوام عالم کیلئے صرف ایک پند و نصیحت ہے (۹۰) اور منکرین یہود نے اللہ تعالیٰ کو اُس قدر نہ پہچانا جس قدر اس کو پہچاننا واجب تھا اور اُس کے پہچاننے کا حق تھا جبکہ اُنھوں نے بے ساختہ یوں کہہ دیا کہ اللہ نے کتاب کی قسم میں سے کوئی چیز نازل نہیں کی اور اُس نے کوئی کتاب نہیں اتاری آپ ان سے دریافت کیجئے کہ وہ کتاب کس نے نازل فرمائی تھی جو موسیٰؑ لائے تھے یعنی توریت جو نور کی طرح روشن اور واضح تھی اور لوگوں کیلئے ذریعۂ ہدایت تھی اور جس کا حال یہ ہے کہ تم نے اس کو علیحدہ علیحدہ اوراق میں لکھ رکھا ہے جو تمہارے مطلب کا مضمون ہوتا ہے اور جو احکام تمہارے موافق ہوتے ہیں اُن کو تم ظاہر کرتے ہو اور ہر ایک کو دکھاتے پھرتے ہو اور بہت سے مضامین جو تمہارے خلاف ہوتے ہیں اور جو احکام تمہاری بے عملی کی وجہ سے تم کو ناپسند ہوتے ہیں اُن کو چھپا لیتے ہو اور اس کتاب کے ذریعہ تم کو وہ باتیں سکھائی گئیں اور تعلیم کی گئیں جن کو نہ تم پہلے جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا ان امور سے واقف تھے۔ یعنی یہ کلیتاً انکار کر رہے ہیں کہ خدا نے کسی بشر پر کوئی کتاب ہی نازل نہیں کی ان کے باطل دعویٰ کو توڑنے کے لئے صرف ایک ہی کتاب کا ذکر کافی ہے جس کو یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ بشر پر نازل ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ نے نازل کی ہے۔ آپ ان کو جواب دیجئے کہ جو کتاب توریت موسیٰ لائے تھے وہ اللہ تعالیٰ نے ہی تو نازل فرمائی تھی بس اب آپ ان کو چھوڑئیے کہ یہ اپنی بے ہودہ خرافات میں پڑے رہیں اور بے ہودہ مشاغل اور مباحث میں مشغول اور اُلجھے رہیں یعنی آپ نے اپنا فرض منصبی ادا کر دیا اب ان کو ان کی حالت میں پڑا رہنے دیجئے ہم جانیں اور یہ جانیں (۹۱) اور جب یہود کا یہ دعویٰ غلط ثابت ہوگیا اور یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام پر کتابیں نازل کرتا رہا ہے تو یہ قرآن بھی ایک کتاب ہے جس کو ہم نے ہی اتارا ہے۔ یہ کتاب بڑی بابرکت ہے اور اپنے سے پہلی کتب آسمانی کی تصدیق کرنے والی ہے اور یہ کتاب اس لئے نازل فرمائی ہے تاکہ اے پیغمبر آپ مکہ والوں کو اور اس کے چاروں طرف بسنے والوں کو ڈرادیں اور جو لوگ آخرت کو مانتے اور اس پر ایمان رکھتے ہیں وہ تو قرآن پر ایمان لے ہی آتے ہیں اور اپنی نمازوں کی حفاظت اور نگہداشت کرتے ہیں اور اپنی نمازوں سے پوری طرح باخبر رہتے ہیں۔ یعنی آسمانی کتابوں کی اس طرح تصدیق کرتی ہے کہ ان کو سچا اور آسمانی کہتی ہے یا اس طرح کہ ان کتابوں میں نزول قرآن کا ذکر ہے تو قرآن نے آکر ان کی تصدیق کر دی کہ جو بات ان کتابوں میں کہی گئی تھی وہ واقعی سچ تھی آخرت پر اگر کوئی پوری طرح ایمان رکھتا ہے اُس کو تو قرآن پر ایمان لانے اور نماز کی پابندی کرنے کے سوا چارہ نہیں اور جو لوگ محض آخرت کا خیال رکھتے ہیں اور اتنا سمجھتے ہیں کہ حساب کتاب کا کوئی دن ہوگا تو ان کا حال بھی یہی ہوتا ہے کہ وہ اس قرآن پر ایمان لے آتے ہیں اور اس کے احکام پر عمل کرتے ہیں (۹۲) اور اُس شخص سے بڑھ کر کون ظالم اور ناانصاف

ع ۱۰ / ۸ / ۱۶

اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ وَّمَنْ

باندھے یا یوں کہے کہ مجھ پر وحی آتی ہے حالانکہ اس پر کوئی وحی نہیں کی گئی اور اسی طرح

قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ

جو یہ کہے کہ جو کلام اللہ نے نازل کیا ہے میں بھی اُس جیسا کلام بنا سکتا ہوں اور اے پیغمبر کاش آپ

فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْۤا اَيْدِيْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْۤا

ان ظالموں کو اُس وقت دیکھ سکتے جبکہ یہ موت کی سختیوں میں پڑے ہوں گے اور موت کے فرشتے اپنے ہاتھ بڑھا بڑھا کر ان سے

اَنْفُسَكُمْ ؕ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ

کہتے ہوں گے لاؤ اپنی جانوں کو نکالو آج تم کو اُن جھوٹی باتوں کے سبب جو تم اللہ پر گھڑا کرتے تھے

عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۹۳﴾

اور اُس سرکشی کی پاداش میں جو تم اللہ کی آیتوں کے مقابلہ میں کیا کرتے تھے سخت ذلت آمیز سزا دی جائیگی۔

وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّ

اور ہم کہیں گے کہ بلاشبہ تم اُسی طرح اکیلے اور تن تنہا ہمارے حضور میں آ حاضر ہوئے جس طرح ہم نے تم کو پہلی مرتبہ پیدا

تَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ

کیا تھا اور جو ساز و سامان ہم نے تم کو عطا کیا تھا تم وہ سب اپنے پیچھے ہی چھوڑ آئے اور ہم تمہارے ساتھ

شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ؕ لَقَدْ

تمہارے اُن سفارشیوں کو بھی نہیں دیکھتے جن کے متعلق تم یہ خیال کیا کرتے تھے کہ وہ تمہارے معاملہ میں ہمارے شریک ہیں

تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۹۴﴾ اِنَّ

بلاشبہ اب تمہارے باہمی علاقے سب منقطع ہوگئے اور جو لمبے چوڑے دعوے تم کیا کرتے تھے وہ سب تم سے گم ہوگئے۔ بے شک

اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ؕ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ

اللہ ہی بیج کو اور گٹھلی کو پھاڑنے والا ہے وہی جان دار کو بے جان سے نکالتا ہے اور

مُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۹۵﴾

وہی بے جان کو جان دار سے نکالنے والا ہے یہی تو اللہ ہے پھر تم کہاں اُلٹے پھرے جا رہے ہو

ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان باندھے اور جھوٹی تہمتیں لگائیں اور جھوٹی باتیں اُس کی طرف منسوب کرے یا یوں کہے کہ میری جانب وحی کی گئی ہے حالانکہ اُس کی جانب کچھ بھی وحی نہیں کی گئی یعنی خدا کی طرف سے اس پر کوئی وحی نہیں آئی اور وہ وحی کا مدعی ہے اور اسی طرح اس سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو یوں کہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کلام نازل کیا ہے میں بھی اسی جیسا کلام بنا سکتا ہوں اور لا سکتا ہوں اور اے پیغمبر آپ اگر ان ظالموں اور ناانصافوں کو اُس وقت دیکھتے تو بہت ہولناک اور خطرناک حالت میں دیکھتے جبکہ یہ ظالم موت کی سختیوں اور تکلیفوں میں پڑے ہوں گے اور موت کے فرشتے اپنے ہاتھ پھیلا پھیلا کر اور بڑھا بڑھا کر ان سے کہتے ہوں گے کہ اپنی جانوں کو نکالو۔ آج مرتے ہی تم کو اُن جھوٹی باتوں کے سبب جو تم اللہ پر گھڑا کرتے تھے اور اللہ کے ذمے ناحق کی باتیں لگایا کرتے تھے اور اس سرکشی کی وجہ سے جو تم اللہ کی آیتوں کے مقابلہ میں کیا کرتے تھے سخت ذلیل کن اور توہین آمیز سزا دی جائے گی یعنی اگرچہ جان تو فرشتے ہی نکالیں گے لیکن ڈرانے اور مزید سختی کے لئے یہ کہتے جائیں گے کہ لاؤ نکالو اپنی جان کو بڑی سرکشی کرتے پھرتے تھے (۹۳) یہ ہولناک منظر تو مرتے وقت ہوگا اور قیامت میں جب ہمارے سامنے پیش ہوں گے تو ہم کہیں گے جس طرح ہم نے تم کو پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا اسی طرح تم آخرکار تن تنہا ہمارے حضور آ حاضر ہوئے یعنی جس طرح ماں کے پیٹ سے ننگے غیر مختون اور امراض سے پاک صاف پیدا ہوئے تھے اسی طرح ہماری پیشی میں حاضر ہوگئے اور جو ساز و سامان ہم نے تم کو دیا تھا جس پر تم فخر و غرور کا اظہار کیا کرتے تھے وہ سب تم اپنے پیچھے ہی چھوڑ آئے اور ہم تمہارے ساتھ آج تمہارے اُن سفارشیوں کو بھی نہیں دیکھتے جن کے متعلق یہ سمجھتے اور خیال کرتے تھے کہ وہ تمہاری پرورش اور استحقاقِ عبادت نیز تمہارے دیگر معاملات میں ہمارے شریک ہیں یعنی وہ تمہارے خود ساختہ شریک بھی آج تمہاری امداد کو تمہارے ساتھ نہیں آئے یقیناً اب تمہارے اور ان کے باہمی رابطے اور علاقے سب ٹوٹ پھوٹ گئے اور جو لمبے چوڑے دعوے تم دنیا میں کیا کرتے تھے وہ آج سب تم بھول بھال گئے اور وہ سب گئے گزرے ہوگئے یعنی بت پرستی اور اصنام کو ہمارا شریک ٹھہرانا اور ہماری عبادت میں غیر اللہ کو شریک کرنا (۹۴) بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی دانے اور گٹھلی کو پھاڑتا ہے یعنی بیج ہر قسم کے اور ہر قسم کی گٹھلیاں جب زمین میں دبا دی جائیں تو اُن کو شگاف دیکر اگانا یہ اُسی کا کام ہے وہی جان دار کو بے جان سے نکالتا ہے اور بے جان کو جان دار سے نکالنے والا ہے یعنی انڈے سے مرغی اور مرغی سے انڈا یا نطفہ سے انسان اور انسان سے نطفہ یہی تو اللہ تعالیٰ ہے جو عبادت کا حقیقی مستحق ہے پھر تم کہاں اُلٹے پھرے جا رہے ہو یعنی غیروں کی عبادت کے لئے (۹۵)

ع ۱۱ — ۱۷

فَالِقُ الْإِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ اللَّيْلَ سَكَنًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ

وہی صبح کی روشنی پھاڑ نکالنے والا ہے اور اسی نے رات کو موجب آرام بنایا اور حساب کیلئے سورج اور چاند

حُسْبَانًا ۚ ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ﴿٩٦﴾ وَهُوَ الَّذِي

کو مقرر کیا یہ ان دونوں کا تقرر ایک اندازہ یعنی ضابطہ ہے اُس کا جو بڑا زبردست ہے بڑے علم والا ہے - اور وہ ایسا ہے

جَعَلَ لَكُمُ النُّجُومَ لِتَهْتَدُوا بِهَا فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَ

جس نے تمہارے لئے تاروں کو پیدا کیا تاکہ ان کی وجہ سے تم جنگل اور دریا کی تاریکیوں سے راستہ

الْبَحْرِ ۗ قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿٩٧﴾ وَهُوَ الَّذِي

معلوم کرسکو بیشک ہم دلائل کو بہت مفصل بیان کرتے ہیں ان لوگوں کیلئے جو اہل علم ہیں - اور وہی ہے جس نے

أَنْشَأَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَمُسْتَوْدَعٌ ۗ قَدْ

تم کو شخص واحد سے پیدا کیا پھر تم کو کسی مقام پر ٹھہرنا ہے اور کسی جگہ سپرد ہونا ہے بے شک

فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَفْقَهُونَ ﴿٩٨﴾ وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ

ہم نے دلائل کو بہت مفصل بیان کردیا ہے ان لوگوں کے لئے جو سمجھ رکھتے ہیں - اور وہ ایسا ہے جس نے آسمان کی

مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَأَخْرَجْنَا

جانب سے پانی اتارا پھر ہم نے اس پانی کے ذریعہ ہر قسم کی اُگنے والی چیز کو نکالا پھر ہم نے اس میں سبز رنگ کی شاخ

مِنْهُ خَضِرًا نُخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُتَرَاكِبًا وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ

نکالی پھر ہم اُس شاخ میں سے ایسے دانے نکالتے ہیں جو باہم اوپر تلے گتھے ہوئے ہوتے ہیں اور کھجور کے

طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَجَنَّاتٍ مِنْ أَعْنَابٍ وَالزَّيْتُونَ وَ

گابھے میں سے ہم ایسے خوشے اور گچھے نکالتے ہیں جو لٹکے ہوئے ہوتے ہیں اور اسی پانی سے ہم نے انگوروں کے باغ

الرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۗ انْظُرُوا إِلَىٰ ثَمَرِهِ إِذَا

اور زیتون و انار کے درخت پیدا کئے جن کے پھل آپس میں ایک دوسرے کے مشابہ بھی ہوتے ہیں اور غیر مشابہ بھی ذرا ہر درخت کے پھل

أَثْمَرَ وَيَنْعِهِ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكُمْ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٩٩﴾

پر غور کرو جب وہ پھل لاتا ہے اور نیز اس پھل کے پکنے پر غور کرو بلاشبہ اہل یقین کے لئے ان چیزوں میں بڑے بڑے دلائل ہیں

وہ رات کی تاریکی میں سے صبح صادق کو پھاڑ نکالنے والا اور صبح کو نمودار کرنے والا ہے اور اُسی نے رات کو سکون اور موجب آرام وراحت بنایا ہے اور اُسی نے سورج اور چاند کو معیارِ حساب بنایا اور سورج وچاند کی گردش کو حساب سے رکھا یہ ان دونوں کا ذریعہ حساب بنانا یا ان دونوں کو حساب سے رکھنا اور چلانا اُس اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ ایک نظام اور ضابطہ ہے جو کمال قوت اور کمالِ علم کا مالک ہے (٩٦) اور اللہ تعالیٰ کی وہ مقدس ذات ہے جس نے تمہارے نفع کے لئے تاروں کو بنایا اور پیدا کیا تاکہ تم خشکی اور تری کی اُن تاریکیوں میں جو رات کو پیش آتی ہیں ان تاروں کی وجہ سے راہ پاؤ اور راستہ معلوم کرسکو بلاشبہ ہم اپنے دلائل کو اُن لوگوں کے لئے تفصیل سے بیان کرتے ہیں جو صاحبِ علم ہیں (٩٧) اور وہی ہے جس نے تم کو ایک شخص یعنی آدم سے پیدا کیا پھر تم کو کسی جگہ ٹھہراؤ ہے اور کسی مقام پر سپرد ہونا ہے یعنی باپ کی پشت میں استقرار اور ماں کے رحم میں استیداع یا زمین کے اوپر ٹھیراؤ اور قبر میں سپردگی بلاشبہ ہم نے اپنے دلائل کو ان لوگوں کے لئے تفصیل کے ساتھ بیان کردیا ہے جو صحیح سمجھ رکھتے ہیں اور سمجھ بوجھ سے کام لیتے ہیں (٩٨) اور اللہ تعالیٰ کی وہ مقدس ذات ہے جس نے آسمان کی جانب سے پانی اُتارا پھر ہم نے اس پانی سے ہر طرح کی روئیدگی اور اُگنے والی چیزوں کو نکالا پھر جو چیز ابتداء میں نکلتی ہے یعنی سوئی یا کھونٹی یا کوتے اس ابتدائی روئیدگی سے ہم نے سبز اور ہری شاخ نکالی کہ اس سبز رنگ کی شاخ سے ہم ایسے دانے نکالتے ہیں جو اوپر تلے گتھے ہوئے ہوتے ہیں یعنی وہ زرد رنگ کی سوئی جو ابتداء میں اُگتی ہے وہی بڑھ کر سبز رنگ کی ٹہنی ہو جاتی ہے اور اس میں گیہوں یا جو وغیرہ کے دانے پیدا ہوجاتے ہیں جو خوب گتھے ہوئے ہوتے ہیں اور کھجور کے گابھے میں سے ہم ایسے خوشے اور گچھے نکالتے ہیں جو مارے بوجھ کے نیچے کو لٹکے اور جھکے پڑتے ہیں اور اسی پانی سے ہم نے انگور کے باغ اور زیتون اور اناروں کے درخت پیدا کئے ان درختوں کے پھل آپس میں ایک دوسرے کے مشابہ اور ملتے جلتے بھی ہوتے ہیں اور غیر مشابہ اور رنگ و بو اور مزے میں ایک دوسرے سے جدا بھی ہوتے ہیں ذرا ہر درخت کے پھل پر غور کرو جب وہ پھلتا اور پھل لاتا ہے نیز اُس پھل کے پکنے پر غور کرو یعنی پھل اور درخت کی ابتدائی حالت بھی قابلِ غور ہے اور اُس کے پک جانے کی حالت بھی قابلِ توجہ ہے بلاشبہ اہلِ ایمان ویقین کے لئے ان چیزوں میں توحید الٰہی اور قدرتِ خداوندی کے بڑے بڑے دلائل موجود ہیں (٩٩)

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ

اور مشرکین نے شیاطین کو اللہ کا شریک بنا رکھا ہے حالانکہ ان کو بھی خدا نے ہی پیدا کیا ہے اور ان مشرکوں نے بلا جانے بوجھے

وَبَنٰتٍ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

خدا کیلئے بیٹے اور بیٹیاں گھڑ رکھی ہیں حالانکہ وہ خدا ان تمام باتوں سے جو یہ اُس کی نسبت کہتے ہیں پاک اور برتر ہے۔

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ

وہی آسمانوں کا اور زمین کا موجد ہے اُس کے کوئی اولاد کہاں ہو سکتی ہے حالانکہ

تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ؕ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ

اُس کی کوئی بیوی ہی نہیں اور خدا نے ہی ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور وہی ہر چیز کو

عَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ

جانتا ہے۔ یہی اللہ تمہارا رب ہے اس کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں وہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا

شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۱۰۲﴾ لَا

ہے لہٰذا تم اُسی کی عبادت کرو اور وہی ہر چیز کا کارساز و نگہبان ہے۔ اُس کو

تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ؗ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ

نگاہیں نہیں پا سکتیں اور وہ سب کی نگاہوں کو پا سکتا ہے وہ بڑا

اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۰۳﴾ قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ

باریک بین اور بڑا باخبر ہے۔ بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے بصیرت افروز دلائل آچکے

فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ؕ وَمَآ اَنَا

ہیں پھر جس نے اُن کو دیکھ لیا تو اپنے بھلے کو اور جو اُن سے اندھا رہا تو اپنے بُرے کو اور میں تم پر

عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿۱۰۴﴾ وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا

کوئی نگہبان نہیں ہوں۔ اور اسی طرح ہم مختلف پہلوؤں سے دلائل کو بیان کرتے ہیں تاکہ منکرین پر حجت قائم ہو جائے اور یہ از راہ تعصب

دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ

یوں کہیں کہ تو نے یہ کلام کسی سے سیکھ لیا ہے اور تاکہ ہم جاننے والوں کے لئے اس قرآن کے مضامین کو خوب واضح کر دیں۔ اے پیغمبر آپ اُس حکم پر چلئے جو آپ کے

ع ۱۲ ۶ ۱۸

اور ان مشرکین نے جنات اور شیاطین کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھیرا رکھا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ ہی نے ان جنات و شیاطین کو بھی پیدا کیا ہے یعنی جب سب کا خالق وہی ہے تو مخلوق کو خالق کا شریک ٹھیرانا انتہائی بے وقوفی کی بات ہے اور ان مشرکین نے بلا جانے بوجھے اور بغیر سوچے سمجھے اللہ تعالیٰ کے لئے بیٹے اور بیٹیاں گھڑ رکھی ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ذات ان تمام باتوں سے پاک اور برتر ہے جو یہ لوگ اُس کی طرف منسوب کرتے ہیں اور اس کی شان میں بیان کرتے ہیں یعنی یہ مشرک اُس پر جو عیب لگاتے ہیں اس کی ذات ان تمام عیوب سے پاک اور بہت بلند ہے (۱۰۰) وہی آسمانوں اور زمین کا موجد اور ان کا ایجاد کرنے والا ہے، اس کے لئے اولاد کس طرح ہو سکتی ہے حالانکہ اس کی کوئی بیوی اور زوجہ نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ ہی نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور وہ ہر چیز کا خوب جاننے والا ہے (۱۰۱) لوگو! یہی اللہ تعالیٰ تو تمہارا رب ہے اس کے سوا کوئی معبودِ حقیقی نہیں وہی ہر چیز کا خالق اور پیدا کرنے والا ہے لہٰذا تم معبودانِ باطلہ کو چھوڑ کر صرف اُسی کی عبادت کرو اور وہی ہر چیز کا کارساز اور ہر چیز پر نگراں اور نگہبان ہے (۱۰۲) مخلوق کی نگاہیں اس کی کنہ کا احاطہ نہیں کر سکتیں اور مخلوق کی آنکھیں اس کا ادراک کرنے سے عاجز ہیں اور وہ سب کی نگاہوں کی کنہ اور ان کی حقیقت کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور اُس کے علم نے سب کو گھیر رکھا ہے وہ بڑا باریک بین اور بڑا باخبر ہے یعنی حضرت حق تعالیٰ کی مقدس ذات کی کنہ کا علم کسی آنکھ کو میسر نہیں آسکتا اور اس کا علم سب کی آنکھوں اور نگاہوں سے باخبر ہے اور اُس کے علم ازلی نے سب کا احاطہ کر رکھا ہے۔ (۱۰۳) اے پیغمبر ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ تمہارے پروردگار کی جانب سے تمہارے پاس یقیناً ہر قسم کے روشن اور بصیرت افروز دلائل آچکے ہیں پھر جس شخص نے ان دلائل کو دیکھ لیا اور سمجھ کر ایمان لے آیا تو اپنے نفع کو اور بھلے کو اور اس کا فائدہ اسی کو پہونچے گا اور جو شخص ان دلائل واضحہ سے اندھا رہا اور ان سے بہک گیا تو اس کا ضرر اور نقصان اسی کو پہونچے گا اور میں تمہارے اعمال کا کوئی نگہبان اور نگراں نہیں ہوں۔ یعنی قرآن میں ہر قسم کے دلائل عقلیہ اور نقلیہ نازل کئے گئے ہیں جو ان کو سمجھ کر ایمان لے آئے گا اور توحید و رسالت کو مان لیگا اُس کو فائدہ ہوگا اور جو توحید و رسالت کا باوجود دلائل کے قائل نہ ہوگا وہ نقصان اُٹھائے گا (۱۰۴) اور اے پیغمبر جس طرح ہم نے یہ بات بیان کی اسی طرح ہم اپنے دلائل کو مختلف طریقوں اور مختلف پہلوؤں سے بیان کرتے ہیں تاکہ یہ لوگ عبرت حاصل کریں اور ان پر حجت قائم ہو جائے اور انجام کار یہ عناد اور تعصب سے یوں کہیں کہ اے محمد تو نے یہ کلام کسی سے سیکھ لیا ہے کیونکہ ایک اُمی اور اَن پڑھ شخص ایسا مدلل اور فصیح و بلیغ کلام پیش نہیں کر سکتا اور تاکہ ہم صاحبانِ علم کے لئے اس قرآن کے مضامین کو خوب واضح اور ظاہر کر دیں یعنی مختلف پہلوؤں سے دلائل کا بیان کرنا اس لئے کہ لوگ عبرت پکڑیں اور ایمان لے آئیں نیز منکروں پر حجت قائم ہو جائے اور یہ منکر آخر کار عاجز ہو کر یہ کہدیں کہ تو دوسروں سے سیکھ سیکھ کر ہم کو سناتا اور پڑھاتا ہے خواہ اہلِ کتاب سے سیکھا ہو یا پرانی کتابوں سے یہ باتیں حاصل کی ہوں بہرحال خدا کا کلام نہیں ہے۔ نیز مختلف پہلوؤں سے دلائل کو پیش کرنا اس لئے ہے کہ اہلِ علم اور دانش مند لوگوں کے لئے قرآن کے مضامین خوب واضح ہو جائیں۔ (۱۰۵) اور اے پیغمبر آپ اس کی پرواہ کئے بغیر کہ قرآن پر کوئی عمل کرتا ہے یا نہیں کرتا آپ خود اُس راہ پر چلتے رہئے جو آپ کے

اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَاَعْرِضْ عَنِ

رب کی جانب سے آپ پر وحی کیا گیا ہے اللہ کے سوا کوئی معبودِ حقیقی نہیں ہے اور آپ مشرکوں کی باتوں پر

الْمُشْرِكِيْنَ ۝١٠٦ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَاۤ اَشْرَكُوْا ۗ وَمَا جَعَلْنٰكَ

التفات نہ کیجئے۔ اور اگر اللہ چاہتا تو یہ لوگ شرک نہ کرتے اور ہم نے آپ کو ان پر نگراں و

عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ وَمَاۤ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ۝١٠٧ وَلَا تَسُبُّوا

نگہبان نہیں بنایا اور نہ آپ ان پر مختار کار ہیں۔ اور مسلمانو! تم اُن کو بُرا نہ کہو

الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ

جن کی یہ مشرک خدا کے سوا عبادت کرتے ہیں ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ مشرک اپنی جہالت کے باعث حد سے تجاوز کر کے

عَدْوًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ

خدا کی شان میں گستاخی کرنے لگیں ہم نے اسی طرح ہر فرقے کے اعمال اُس کی نگاہ میں خوش نما کر دئے ہیں

ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا

پھر ان سب کو اپنے رب کی طرف واپس جانا ہے اُس وقت خدا ان کو اُن اعمال کی حقیقت سے آگاہ کر دیگا جو وہ

يَعْمَلُوْنَ ۝١٠٨ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ

کیا کرتے تھے۔ اور منکر بڑی تاکید سے اس بات پر اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ اگر اُن کی

جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ۗ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ

فرمائش کے موافق کوئی معجزہ اُن کو پہونچ جائے تو یہ ضرور اُس پر ایمان لے آئیں گے آپ فرما دیجئے کہ تمام

اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَاۤ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝١٠٩

نشانیاں اللہ کے قبضے میں ہیں اور مسلمانو تم کو اس کی کیا خبر ہے کہ یہ لوگ فرمائشی نشانیاں آجانے کے بعد بھی ایمان نہیں لائیں گے

وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖۤ

اور ہم اُن کے قلوب کو اور اُن کی آنکھوں کو پلٹ دیں گے سو یہ ایمان نہ لائیں گے جیسے یہ لوگ پہلی مرتبہ

اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝١١٠ ع

سابقہ نشان پر ایمان نہیں لائے اور ہم ان کو ان کی سرکشی ہی میں بھٹکتا چھوڑ دیں گے۔

ع ١٣ / ١٠ / ١٩

پروردگار کی جانب سے آپ کی طرف وحی کی گئی ہے دیکھو اُس اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں ہے اور آپ مشرکوں سے اعراض کیجئے اور اُن کی جانب کوئی التفات نہ کیجئے اور نہ ان کی باتوں کا کچھ خیال کیجئے۔ یعنی آپ قرآنی احکام کی پیروی کیجئے اور مشرکوں کی پرواہ نہ کیجئے خواہ وہ مانیں یا نہ مانیں (١٠٦) اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو یہ لوگ شرک نہ کرتے اور ہم نے آپ کو ان پر نگہبان اور نگراں مقرر نہیں کیا ہے اور نہ آپ ان پر مختار کار ہیں کہ آپ ان کو ایمان پر مجبور کریں۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو یہ لوگ شرک نہ کرتے لیکن حضرت حق جل مجدہٗ ان کی بعض شرارتوں کے باعث ان کو سزا دینا چاہتا ہے اس لئے آپ ان پر افسوس نہ کیجئے اور آپ ان پر کوئی نگراں نہیں مقرر ہوئے ہیں اور نہ آپ ان کے مختار کار ہیں کہ ان کو مسلمان کرنے پر مجبور کریں بلکہ آپ تو صرف پہونچانے والے ہیں سو ان کو تبلیغ کرتے رہئے (١٠٧) اور اے مسلمانو! تم اُن معبودانِ باطلہ کو جن کی یہ مشرک خدا کے سوا عبادت کرتے ہیں بُرا نہ کہا کرو اور نہ ان کو گالی اور دشنام دو ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ اپنی جہالت اور عدم علم کے باعث حد سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی شانِ بزرگ و برتر میں گستاخی کرنے لگیں ہم نے جس طرح ان کے اعمال کو انکی نگاہ میں خوش نما اور خوش منظر کر دیا ہے اسی طرح ہر فرقہ کے اعمال کو اُس فرقہ کے لئے خوش نما اور خوش منظر بنا رکھا ہے پھر ان سب کو اپنے رب کی طرف واپس جانا ہے اُس وقت اللہ تعالیٰ ان سب کو اُن کے اُن اعمال کی حقیقت سے پوری طرح آگاہ اور خبردار کر دے گا جو وہ کیا کرتے تھے یعنی مشرکین کے اوتارو اور بتوں کے حق میں دشنام طرازی نہ کیا کرو مبادا کبھی وہ مشرک انتقام کی غرض سے اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کرنے پر نہ اُتر آئیں اور اللہ تعالیٰ کو بُرا کہنے لگیں اور اپنی جہالت کے باعث بغیر سوچے سمجھے حد سے آگے بڑھ جائیں کیوں کہ اہلِ باطل کی حالت یہ ہے کہ ان کو ان کے اعمال اسی طرح مستحسن اور اچھے نظر آتے ہیں اور اُن کی نگاہ میں خوش منظر بنا دئے گئے ہیں جس طرح ہر فرقہ والے کو اپنا اپنا عمل اچھا معلوم ہوتا ہے اور ہم نے اس دارالامتحان میں ہر فرقہ کو اُس کے اعمال خواہ اچھے ہوں یا بُرے اُس فرقہ کی نگاہ میں خوش نما بنا دئیے گئے ہیں اور اس دارالامتحان کے بعد چونکہ سب کی بازگشت اُن کے رب کی جانب ہونی ہے اس لئے اعمال کی حقیقت اُس وقت سب پر اللہ تعالیٰ ظاہر کر دے گا (١٠٨) اور یہ منکر بڑی تاکید اور بڑے مبالغہ کے ساتھ اس بات پر اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ اگر ہمارے حسبِ منشا اور ہماری فرمائش کے موافق کوئی نشانی اور معجزہ ہمارے پاس آ جائے اور کوئی نشانی اُن کو پہونچ جائے تو یقیناً یہ اس پر ایمان لے آئیں گے اے پیغمبر آپ فرما دیجئے کہ ہر قسم کی نشانیاں بس اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہیں اور صرف اسی کے قبضے میں ہیں اور مسلمانو! تم کو کیا خبر کہ جس وقت نشان آ جائے گا اور اُن کی فرمائش کے موافق معجزہ نمایاں ہو جائے گا تب بھی یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے یعنی باوجود قسموں کے نشان دیکھ کر بھی ایمان لانے سے انکار کریں گے (١٠٩) اور تمہیں کیا خبر ہے کہ اس وقت ہم ان کے قلوب کو حق کے فہم سے اور ان کی آنکھوں کو حق کی پہچان سے پلٹ دیں گے اور یہ ایمان نہیں لائیں گے جیسے یہ لوگ پہلی مرتبہ سابقہ نشانات کو دیکھ کر ایمان نہیں لائے اور ہم ان کو ان کی سرکشی اور طغیان میں بھٹکتا چھوڑ دیں گے یعنی جب اُن کی عادت ہی یہ ٹھیری کہ نشان اور معجزہ دیکھتے جائیں اور ایمان سے انکار کرتے رہیں جیسے قرآن جو سب سے بڑا معجزہ اُن کے پاس آیا اور اُنھوں نے انکار کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اور معجزات دیکھے اور اُنھوں نے انکار کیا اسی طرح جو نشان یہ طلب کر رہے ہیں اسکو بھی دیکھ کر انکار کریں گے نیز یہ کہ اُنکی اس سرکشی کے باعث ہم سزاءً اُن کے قلوب اور آنکھوں کو حق فہمی اور حق بینی سے محروم کر دیں گے اور اُن کو اُن کی سرکشی میں حیران و سرگرداں چھوڑ دیں گے۔ (١١٠)

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ

اور اگر ہم ان منکروں پر فرشتے نازل کردیں اور ان سے مُردے بھی باتیں

الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا

کرنے لگیں اور ہم جملہ موجودات کو بھی ان کے روبرو لاکر جمع کردیں تب بھی یہ ایمان

لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ

لانے والے نہیں اِلّا یہ کہ اللہ تعالیٰ ہی چاہے تو دوسری بات ہے لیکن ان میں سے اکثر

يَجْهَلُوْنَ ﴿١١١﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا

جاہل ہیں۔ اور جس طرح یہ آپ کے دشمن ہیں اسی طرح ہم نے بہت سے شرارت پسند

شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى

انسانوں اور سرکش جنوں کو ہر نبی کا دشمن بنایا تھا وہ فریب دہی کی غرض سے

بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ۭ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ

ایک دوسرے کے دل میں طمع کی ہوئی خوش نما باتیں ڈالا کرتے تھے اور اگر آپ کا رب چاہتا

مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿١١٢﴾ وَلِتَصْغٰٓى

تو وہ اس قسم کی حرکتیں نہ کرتے پس آپ ان کو اور ان کی افترا پردازیوں کو اُنکے حال پر چھوڑئے۔ اور وہ اسلئے بھی

اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَ

ایسا کرتے تھے تاکہ وہ لوگ جو آخرت کا یقین نہیں رکھتے انکے دل ان فریب آمیز باتوں کیطرف مائل ہو جائیں اور

لِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿١١٣﴾ اَفَغَيْرَ

تاکہ ان باتوں کو پسند کریں اور تاکہ جو برائیاں وہ کر رہے تھے اُنہی کا ارتکاب کرتے رہیں۔ آپ کہئے کیا میں خدا کو

اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ

چھوڑکر کسی اور فیصلہ کرنیوالے کو تلاش کروں حالانکہ وہ ایسا ہے جس نے تمہاری طرف ایک کتاب نازل کی ہے جسکی حالت

مُفَصَّلًا ۭ وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ

یہ ہے کہ وہ خوب مفصل ہے اور وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب دی ہے اس بات کو خوب جانتے ہیں کہ یہ کتاب یعنی قرآن

اور اُن کے عناد اور اُن کی سرکشی کی حالت تو یہاں تک پہونچ گئی ہے کہ اگر ہم ان کی خواہشات کے موافق ان پر فرشتے بھی نازل کردیں اور ان سے مُردے بھی زندہ ہو کر باتیں کرنے لگیں اور ہم تمام موجودات مخفیہ اور غیبیہ کو ان کے روبرو لاکر جمع بھی کردیں تب بھی یہ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے یعنی یہ سب کچھ دیکھ لیتے تب بھی ایمان نہ لاتے مگر ہاں اللہ تعالیٰ کی مشیت کا اگر تقاضہ ہو تو دوسری بات ہے یعنی اگر اللہ کو منظور ہو تو ایمان لاسکتے ہیں لیکن ان میں سے اکثر نادان اور جاہل و بےخبر ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی مشیت سے جاہل ہیں (١١١) اور جس طرح کفارِ مکہ میں سے بعض لوگ جیسے ابوجہل وغیرہ اے پیغمبر آپ کے دشمن ہیں اسی طرح ہم نے ہر نبی کے بہت سے شیاطین دشمن بنائے تھے وہ شیاطین کچھ تو انسانوں میں سے تھے اور کچھ حقیقی شیاطین اور اُن کی ذریت میں سے تھے اُن دشمنوں کی حالت یہ تھی کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دل میں طمع کی ہوئی فریب آمیز باتیں وسوسہ کے طور پر ڈالا کرتے تھے یعنی ابلیس اور اُس کی ذریت کا فر انسانوں کے دلوں میں فریب آمیز باتیں ڈالا کرتے تھے جو ہر زمانہ کے پیغمبروں کو نقصان پہونچانے والی ہوتی تھیں اور اگر آپ کا رب چاہتا تو وہ اس قسم کی ناشائستہ حرکات نہ کرتے سو آپ اُن کو اور اُن کی ناشائستہ افترا پردازیوں کو اُن کے حال پر چھوڑ دیجئے (١١٢) اور یہ لوگ اس لئے ایسا کرتے تھے تاکہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اُن کے دل اُنکی فریب آمیز باتوں کی طرف مائل ہو جائیں اور یہ کہ وہ اُن باتوں کو پسند کریں اور جب پسند کرلیں تو جو کچھ کر رہے ہیں وہ کئے جائیں یعنی جب آخرت کا دھیان ہی نہیں آئے گا تو توبہ کی توفیق بھی نہ ہوگی اور جو بدکرداریاں کر رہے ہیں اُسی میں مبتلا رہیں گے۔ اوّل تو آخرت پر پورا ایمان نہیں پھر اُس پر سے زنگ آمیز باتوں کے وسوسے تو لامحالہ اُن کا نتیجہ وہی ہونا تھا جو ارشاد فرمایا (١١٣) یہ منکر جو آپ کی رسالت کے متعلق بعض متعصب یہود کو پنچ بنا کر فیصلہ کرانا چاہتے ہیں تو آپ اُن سے کہئے کیا میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور فیصلہ کرنے والے کو تلاش کروں اور خدا کے سوا کسی اور حَکَم کو ڈھونڈتا پھروں حالانکہ اس نے تمہارے لئے ایک مفصل اور واضح کتاب نازل فرمائی ہے یعنی اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے تمہاری طرف قرآن اتارا ہے جس میں تفصیلی طور سے میری رسالت کے دلائل موجود ہیں اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے یعنی اہلِ کتاب وہ اس بات کو خوب جانتے ہیں کہ یہ قرآن آپ کے رب ہی کی جانب سے یقیناً نازل کیا

مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿١١٤﴾

آپ کے رب ہی کی جانب سے ٹھیک نازل کیا گیا ہے لہذا آپ ہرگز شک کرنیوالوں میں سے نہوں

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۭ لَا مُبَدِّلَ

اور آپ کے رب کا کلام راستی اور انصاف کے اعتبار سے کامل ہے اُس کے کلام کو کوئی بدلنے

لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿١١٥﴾ وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ

والا نہیں اور وہی خوب سننے والا جاننے والا ہے ۔ اور اگر آپ ان لوگوں کا کہنا ماننے لگیں

مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنْ

جو روئے زمین میں سب سے زیادہ ہیں تو وہ آپ کو خدا کی راہ سے بے راہ کردینگے یہ سب محض بے اصل

يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿١١٦﴾ اِنَّ

خیالات کی پیروی کرتے ہیں اور وہ محض تخمینی اور قیاسی باتیں کرتے ہیں ۔ درحقیقت

رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ

آپ کا رب ہی اُس کو خوب جانتا ہے جو اُس کی راہ سے بے راہ ہوتا ہے اور ان کو بھی خوب جانتا ہے

بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿١١٧﴾ فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ

جو راہ یافتہ ہیں ۔ پھر اگر تم لوگ اللہ کے احکام پر ایمان رکھتے ہو تو اُن حلال جانوروں میں سے کھاؤ جن پر ذبح کرتے

بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿١١٨﴾ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ

وقت اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو ۔ اور تمہارے لئے اُس حلال جانوروں میں سے نہ کھانے کا کیا عذر ہو سکتا ہے جس پر ذبح کرتے

اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا

وقت اللہ کا نام لیا گیا ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اُن چیزوں کی تفصیل تمکو بتادی ہے جن کو تم پر حرام کیا گیا ہے اِلّا یہ کہ

اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَاۗىِٕهِمْ

تم انکے کھانے کے لئے مضطر اور مجبور ہو جاؤ اور یقیناً بہت سے لوگ ہیں جو بلا کسی تحقیق کے محض اپنی خواہشات کی بنا

بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ ﴿١١٩﴾

پر لوگوں کو بہکانے پھرتے ہیں بلاشبہ آپ کا رب ان حد سے تجاوز کرنے والوں کو خوب جانتا ہے ۔

گیا ہے یعنی حق و راستی اور واقعیت کے ساتھ نازل کیا گیا ہے لہٰذا آپ کسی قسم کا شک وشبہ کرنے والوں میں سے نہ ہوں یعنی اس بات میں شک نہ کریں کہ شاید اہل کتاب اس قرآن کو حق نہ سمجھتے ہوں (۱۱۴) اور آپ کے پروردگار کی بات اور اس کا کلام راستی اور انصاف کے اعتبار سے پورا اور کامل ہے اس کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں ہے اور اُس کے کلام کو کوئی تبدیل نہیں کرسکتا وہ خوب سننے والا جاننے والا ہے یعنی قرآن میں جو باتیں بیان کی گئی ہیں اور جو وعدے کئے گئے ہیں اور جو خبریں دی گئی ہیں وہ سب راست اور سچی ہیں اور جو احکام بیان کئے گئے ہیں وہ سب معتدل اور مبنی بر انصاف ہیں (۱۱۵) اور اے پیغمبر زمین میں بسنے والے لوگوں میں جن لوگوں کی اکثریت ہے اگر آپ اس اکثریت کا کہا ماننے لگیں تو یہ لوگ آپ کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے بھلا دیں گے اور خدا کی راہ سے بے راہ کردیں گے کیونکہ یہ سب لوگ محض بے اصل خیالات وگمان کی پیروی کرتے ہیں اور وہ صرف تخمینی اور قیاسی باتیں کرتے ہیں یعنی اُن کے پاس [illegible] نہیں ہے محض اٹکل سے باتیں بناتے ہیں اور انہی غلط باتوں پر چلتے ہیں لہٰذا اُن کا کہنا مانو گے تو تم بھی اپنی جگہ سے ہٹ جاؤ گے اور چونکہ منکرین کی تعداد زیادہ ہے اس لئے اُنہیں اکثریت فرمایا زمین والوں کی ۔ (۱۱۶) بلاشبہ آپ کا پروردگار ہی اس کو خوب جانتا ہے جو اس کے راستے سے گمراہ ہوتا ہے اور سیدھے راستے سے ہٹ کر غلط راستے پر ہو لیتا ہے اور وہی صحیح راہ چلنے والوں کو بھی خوب جانتا ہے اور اُن سے خوب واقف ہے جو راہ یافتہ ہیں (۱۱۷) ذبیحہ کی حلت وحرمت کے بارے میں جو یہ لوگ کج بحثی کررہے ہیں ان کا کہنا نہ مانو اور اگر تم اللہ تعالیٰ کے احکام پر اور اسکی آیات پر ایمان رکھتے ہو تو ان حلال جانوروں کے ذبیحہ میں سے کھاؤ جن پر ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو یعنی بسم اللہ اللہ اکبر کہکر ذبح کیا ہو (۱۱۸) اور تمہارے لئے اُس حلال جانور کے ذبیحہ میں سے نہ کھانے کا کیا عذر ہوسکتا ہے جس پر ذبح کرتے وقت فقط اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو یعنی ایسے جانور کے کھانے کو کیوں حرام سمجھتے ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کی جو تم پر حرام کی ہیں تفصیل تم کو بتادی ہے اور یہ بھی بتا دیا ہے کہ یہ حرام چیزیں بھی مجبوری اور اضطرار کی حالت میں حرام نہیں رہتیں یعنی جیسے سورۂ مائدہ میں تفصیل موجود ہے وہاں اُس جانور کا ذکر نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کیا جائے اور منکروں میں سے بہت لوگ ایسے ہیں جو اپنی خواہشات نفسانی کی بنا پر اور اپنی خواہشات باطلہ کے سبب بلا کسی تحقیق اور علم کے لوگوں کو بہکاتے پھرتے ہیں بلاشبہ آپ کا پروردگار ان حد سے نکل جانے والوں اور زیادتی کرنے والوں کو خوب جانتا ہے (۱۱۹)

اور تم کھلے گناہ اور چھپے گناہ سب چھوڑ دو اور ترک کر دو بلاشبہ جو لوگ گناہوں کا ارتکاب کر رہے ہیں اور گناہ کما رہے ہیں عنقریب اُن کو اُن افعال کی سزا دی جائیگی جن کا ارتکاب وہ کیا کرتے تھے (۱۲۰)

وَذَرُوا ظَاهِرَ الْإِثْمِ وَبَاطِنَهُ ۚ إِنَّ الَّذِينَ
اور تم کھلا گناہ بھی ترک کرو اور چھپا گناہ بھی بے شک جو لوگ

يَكْسِبُونَ الْإِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوا يَقْتَرِفُونَ ﴿۱۲۰﴾
گناہ کما رہے ہیں ان کو عنقریب اُن افعال کی سزا دیجائے گی جو وہ کیا کرتے تھے

وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ
اور جس جانور پر ذبح کرتے وقت اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اسمیں سے نہ کھاؤ اور بلاشبہ اُس کا کھانا

لَفِسْقٌ ۗ وَإِنَّ الشَّيَاطِينَ لَيُوحُونَ إِلَىٰ أَوْلِيَائِهِمْ
کھلی نافرمانی ہے اور بے شک شیاطین اپنے رفقا کے دلوں میں وسوسے ڈالتے رہتے ہیں

لِيُجَادِلُوكُمْ ۖ وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ ﴿۱۲۱﴾ ع
تاکہ وہ تم سے بیکار جھگڑا کریں اور اگر تم اُن کی اطاعت کرنے لگو تو یقین جانو کہ تم مشرک ہو جاؤ گے۔

أَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَمْشِي
کیا ایک ایسا شخص جو مُردہ تھا پھر ہم نے اُس کو زندگی بخشی اور ہم نے اُس کو ایک ایسا نور عطا کیا جسکو لئے ہوئے

بِهِ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَثَلُهُ فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ
وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے بھلا کیا یہ شخص اُس شخص کے برابر ہو سکتا ہے جو مختلف تاریکیوں میں پڑا ہوا ہو اور ان تاریکیوں

مِنْهَا ۚ كَذَٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكَافِرِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۲۲﴾
سے نکل نہ سکتا ہو اسی طرح کافروں کے وہ کام جو وہ کر رہے ہیں اُن کی نظر میں خوش نما کر دئے گئے ہیں

وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ أَكَابِرَ مُجْرِمِيهَا
اور جس طرح مکہ کے رؤسا جرائم کا ارتکاب کر رہے ہیں اسی طرح ہم نے ہر بستی میں اُس بستی کے رئیسوں ہی کو مخالف اور

لِيَمْكُرُوا فِيهَا ۖ وَمَا يَمْكُرُونَ إِلَّا بِأَنْفُسِهِمْ وَ
مجرم بنایا تاکہ وہ اس بستی میں مخالفانہ سازشیں کیا کریں اور وہ جو سازش اور مکر و فریب کرتے ہیں وہ حقیقت میں صرف

مَا يَشْعُرُونَ ﴿۱۲۳﴾ وَإِذَا جَاءَتْهُمْ آيَةٌ قَالُوا
اپنے ہی ساتھ کرتے ہیں اور انکی حالت یہ ہے کہ وہ اس کا احساس نہیں کرتے۔ اور جب انکو کوئی نشانی پہنچتی ہے تو یوں کہتے ہیں کہ

اور جس جانور پر ذبح کرتے وقت صرف اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا جائے اُس ذبیحہ میں سے تم کچھ نہ کھاؤ یقیناً اس کا کھانا کھلی نافرمانی اور کھلا ہوا فسق ہے اور بلاشبہ شیاطین اپنے رفقاء اور دوستوں کے دلوں میں وسوسے اور شکوک و شبہات ڈالتے رہتے ہیں تاکہ وہ رفقاء تم سے بیکار جھگڑا کریں اور اگر تم ان انسان نما شیطانوں کا کہا ماننے لگو اور تم ان کی اطاعت کرنے لگو تو یقین جانو کہ تم مشرک ہو جاؤ گے یعنی جب اللہ تعالیٰ کے احکام کے مقابلے میں دوسروں کے احکام کو ترجیح دو گے اور حلال اور حرام جو منصب خداوندی ہے اُس منصب میں کسی دوسرے کو شریک کرنا کھلا شرک ہے (۱۲۱) کیا ایک ایسا شخص جو مردہ تھا پھر ہم نے اُس کو زندگی عطا فرمائی اور اُس کو زندہ کر دیا اور ہم نے اسکو ایک ایسا نور عطا کیا اور اُس کے لئے ایک ایسی روشنی مقرر کی جس کو لیکر وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہو کہیں یہ شخص اس شخص کی مثل ہو سکتا ہے جو مختلف تاریکیوں میں پڑا ہوا ہے اور تاریکیوں میں ایسا مبتلا ہے کہ اُن سے نکل ہی نہیں سکتا اسی طرح کافروں کے وہ اعمال جو وہ کر رہے ہیں اُن کیلئے آراستہ اور خوش نما کر دیئے گئے ہیں یعنی مُردہ وہ جو کفر و گمراہی کی موت مرا ہوا ہو اور زندہ وہ جس کو ایمان عطا کیا ہو اور وہ ایمان کی روشنی ہر طرف لوگوں میں لئے پھرتا ہو تاریکیاں کفر و شرک کی دلدل جس میں پھنسا ہوا ہے جس طرح مسلمان کو اپنے کام مستحسن نظر آتے ہیں اسی طرح کافر کی نظر میں اُس کے اعمال مزین و آراستہ اور خوش نما کر دیئے گئے ہیں (۱۲۲) اور جس طرح مکہ کے سردار اور رؤسا، قریش اپنے اثر کو اسلام کے خلاف استعمال کر رہے ہیں اسی طرح ہم نے ہر بستی کے بڑے بڑے لوگوں کو مجرم بنایا اور وہاں کے مجرم اور فساق کو سردار اور پارٹی کا لیڈر بنایا تاکہ وہ مخالفانہ تدابیر اور جارحانہ سازشیں کیا کریں اور وہ جو سازش اور مکر و فریب کرتے ہیں وہ درحقیقت صرف اپنے ہی ساتھ کرتے ہیں اور اُن رؤساء کی حالت یہ ہے کہ اُن کو انکا احساس اور شعور نہیں ہوتا یعنی بڑے لوگوں کو مجرم بناتے ہیں یا مجرموں کو سردار بناتے ہیں تاکہ اُن کی مخالفت اور پُر فریب تدابیر زوردار اور موثر ہوں اور اُن کی اُن تدابیر کا وبال اُنہی پر لوٹتا ہے اور حق روز بروز مقبول ہوتا رہتا ہے اور کمزور و ماتحت لوگوں کے اجر و ثواب میں زیادتی ہوتی ہے اور ان مجرم سرداروں کو شعور نہیں ہوتا اور نہ انھیں مصالح خداوندی کا احساس ہوتا ہے ہر بستی میں صحیح بات کی مخالفت بڑے ہی لوگ کیا کرتے ہیں (۱۲۳) اور جب ان رؤساء و فساق کو کوئی نشانی اور کوئی آیت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں

ع ۱۴ / ۱۱ / ۱

لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ؔ
ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک خود ہم کو ویسی ہی چیز نہ دیجائے جیسی اللہ کے رسولوں کو دی جا چکی ہے

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ
اللہ ہی اپنے پیغام بھیجنے کے محل اور موقع کو خوب جانتا ہے عنقریب اب ان مجرموں کو خدا کے

اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا
ہاں ان حیلہ سازیوں کی پاداش میں جن کے یہ مرتکب ہوا کرتے تھے بڑی ذلت

كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ
اور سخت ترین عذاب ہوگا - سو جس شخص کو خدا تعالیٰ راہ راست پر چلانا چاہتا ہے اُسکے سینے

صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ
کو اسلام کے لئے کھولدیتا ہے اور جس کو بے راہ رکھنا چاہتا ہے اُس کے سینے کو بہت

صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ؕ
ہی تنگ کر دیتا ہے اور اُس کو ایمان لانا ایسی مصیبت معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ آسمان پر چڑھ رہا ہے

كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا
اسی طرح اللہ تعالیٰ ایمان نہ لانے والوں پر لعنت و پھٹکار کو مسلط

يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ؕ قَدْ فَصَّلْنَا
کر دیتا ہے اور یہ دین اسلام ہی آپ کے رب کا بتایا ہوا سیدھا راستہ ہے اور ہم نے دلائل کو اُن لوگوں

الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾ لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ
کے لئے مفصل بیان کر دیا ہے جو نصیحت قبول کرتے ہیں - اور اُن کے اس طرز عمل کی وجہ سے جو انھوں

رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ وَيَوْمَ
نے اختیار کیا اُن کے لئے انکے رب کے پاس سلامتی کا گھر ہے اور وہی اُن کا دوست اور مددگار ہے - اور وہ دن بھی قابل ذکر ہے

يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۚ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ
جس دن اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کو جمع کریگا ارشاد ہوگا اے گروہ جنات تم نے انسانوں میں سے بہت بڑی تعداد

ہم توحید و رسالت پر اُس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک ہم کو بھی ویسی ہی چیز نہ ملے جس قسم کی چیز اللہ کے رسولوں کو ملتی رہی ہے۔ یعنی نبوت۔ کتاب۔ صحیفے۔ اللہ تعالیٰ ہی اُس موقع اور محل کو خوب جانتا ہے جہاں وہ اپنا پیغام بھیجے۔ عنقریب اُن لوگوں کو جنھوں نے یہ گستاخانہ جرم کیا ہے خدا کے ہاں انکو سخت ذلت و رسوائی پہنچے گی اور ان حیلہ سازیوں کی پاداش میں جو یہ کیا کرتے تھے سخت عذاب ہوگا۔ یعنی یہ مطالبہ کہ ہم کو جب تک نبوت نہ ملے گی ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے کتنی بڑی گستاخی اور جرأت ہے نبوت بھی کوئی ایسی چیز ہے کہ جس نے مانگی اُس کو دیدی بندوں کو خدا کا پیغام پہونچانا اور تبلیغ کرنا کوئی ایسا کام ہے کہ ہر اہل اور نا اہل کے سپرد کر دیا جائے اس بات کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ کون شخص اس کام کا اہل ہے اور کون اس خدمت کو مناسب طریقہ پر ادا کر سکتا ہے ایسی آن ہوئی شرطوں پر ایمان کو موقوف کرنا انتہائی گستاخی اور ایک پُر فریب چال ہے (۱۲۴) پس جس شخص کو اللہ تعالیٰ صحیح راستے پر چلانا چاہتا ہے اُس کے سینے کو اسلام کیلئے کھول دیتا ہے اور جس کو بے راہ رکھنا منظور ہوتا ہے تو اُسکے سینے کو بہت ہی تنگ کر دیتا ہے اور اُس کو ایمان لانا ایسی مصیبت معلوم ہوتا ہے کہ جیسے وہ آسمان پر چڑھ رہا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ اُن لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے لعنت و پھٹکار اور عذاب کو مسلط کر دیتا ہے۔ یعنی اسلام سے گھبراتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ آسمان پر چڑھ جائے یا اس طرح جیسے کوئی آسمان پر چڑھنا چاہے اور چڑھ نہ سکے اور دل تنگ ہو بہرحال مشیت الٰہی جس کا ساتھ دیتی ہے وہ کشادہ دلی اور طیب خاطر کے ساتھ ایمان کو قبول کر لیتا ہے اور مشیت الٰہی جن کی رہنما نہیں ہوتی وہ اسلام قبول کرنے سے دل تنگ اور بھچے بھچے پھرتے ہیں (۱۲۵) اور یہی راستہ جس کو قرآن بیان کرتا ہے یعنی اسلام اے پیغمبر آپ کے پروردگار کا سیدھا راستہ ہے ہم نے اُن لوگوں کے لئے اپنے دلائل کو مفصل بیان کیا ہے جو نصیحت قبول کیا کرتے ہیں (۱۲۶) جو لوگ اس سیدھے راستے کو اختیار کرتے ہیں اُن کے لئے اُن کے پروردگار کے ہاں امن و سلامتی کا گھر ہے اور اللہ تعالیٰ اُن کا دوست اور مددگار ہے اُن اعمال حسنہ کی وجہ سے جو وہ کیا کرتے تھے۔ یعنی اُن کو جنت اور رضائے الٰہی میسر ہوگی اس سبب سے کہ انھوں نے سیدھا راستہ اختیار کیا اور اُس راستے کے پابند رہے اور اچھے کام کرتے رہے (۱۲۷) اور وہ دن بھی قابل ذکر ہے جس دن اللہ تعالیٰ تمام جنات اور انسانوں کو جمع کرے گا اور خاص کر جنات کو خطاب فرمائے گا اے گروہ جنات تم نے انسانوں میں سے بہت بڑی اکثریت کو حاصل کر لیا یعنی تم نے بہت سے انسانوں

مِّنَ الْإِنسِ ۚ وَقَالَ أَوْلِيَاؤُهُم مِّنَ الْإِنسِ رَبَّنَا

حاصل کرلی وہ لوگ جو انسانوں میں سے اُن کے دوست بنے ہوئے تھے وہ کہیں گے، اے ہمارے پروردگار ہم نے

اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَبَلَغْنَا أَجَلَنَا الَّذِي

آپس میں ایک دوسرے سے فائدہ حاصل کیا اور بالآخر ہم اپنی اس مقررہ میعاد کو پہنچ گئے جو میعاد تو نے

أَجَّلْتَ لَنَا ۚ قَالَ النَّارُ مَثْوَاكُمْ خَالِدِينَ فِيهَا إِلَّا

ہمارے لئے معین کی تھی اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم سب کا ٹھکانا آگ ہے اُسی میں تم ہمیشہ رہو گے مگر

مَا شَاءَ اللَّهُ ۗ إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿١٢٨﴾ وَكَذَٰلِكَ

ہاں جو خدا چاہے تو دوسری بات ہے بے شک آپ کا رب بڑی حکمت والا بڑے علم والا ہے۔ اور جس طرح دنیا

نُوَلِّي بَعْضَ الظَّالِمِينَ بَعْضًا بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿١٢٩﴾

میں سب گمراہوں کا تعلق تھا اسی طرح ہم بعض ظالموں کو بعض کیساتھ ملا دیں گے انکی اس کمائی کے سبب جو وہ کیا کرتے تھے

يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ

اے گروہ جن و انس! کیا تمہارے پاس خود تم ہی میں سے ایسے پیغمبر نہیں آئے

يَقُصُّونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِي وَيُنذِرُونَكُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ

جو تم کو میرے احکام سنایا کرتے تھے اور تم کو تمہارے اُس دن کے پیش آنے سے ڈرانے تھے

هَٰذَا ۚ قَالُوا شَهِدْنَا عَلَىٰ أَنفُسِنَا ۖ وَغَرَّتْهُمُ الْحَيَاةُ

وہ سب کہیں گے کہ ہاں ہم اپنے خلاف خود گواہی دیتے ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ انکو دنیا کی زندگی نے فریب میں

الدُّنْيَا وَشَهِدُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ أَنَّهُمْ كَانُوا كَافِرِينَ ﴿١٣٠﴾

مبتلا کر رکھا تھا اور وہ سب اپنے خلاف اس امر کا اعتراف کریں گے کہ بلاشبہ وہ کافر تھے۔

ذَٰلِكَ أَن لَّمْ يَكُن رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَىٰ بِظُلْمٍ وَ

اے پیغمبر یہ رسولوں کا بھیجنا اسلئے ہے کہ آپ کے رب کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ وہ کسی بستی کے لوگوں کو ان کے ظلم کی وجہ

أَهْلُهَا غَافِلُونَ ﴿١٣١﴾ وَلِكُلٍّ دَرَجَاتٌ مِّمَّا عَمِلُوا ۚ

سے تباہ کردے اور اُن کو احکامِ الٰہی کی خبر بھی نہ ہو۔ اور سب لوگوں کے بلحاظ اعمال درجے مقرر ہیں۔

کو گمراہ کیا اس پر اُن جنات کے وہ رفیق و مددگار اور دوست جو انسانوں میں سے تھے کہیں گے یعنی وہ انسان جو جنات کے دنیا میں دوست تھے وہ جواب دیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہم نے آپس میں ایکنے دوسرے سے فائدہ حاصل کیا اور جو میعاد تو نے ہمارے لئے مقرر کی تھی ہم اُس کو پہنچ گئے یعنی ہم کو اپنے اپنے مقررہ وقت پر موت آگئی یا قیامت آگئی۔ اللہ تعالیٰ سب جنات اور انسان کفار سے فرمائے گا تم سب کا ٹھکانا جہنم کی آگ ہے جس میں تم ہمیشہ رہو گے مگر ہاں جو اللہ تعالیٰ چاہے تو دوسری بات ہے یعنی اللہ تعالیٰ کسی کو نکالنا چاہے تو وہ بات الگ ہے بلاشبہ آپ کا پروردگار بڑی حکمت اور بڑے علم والا ہے (۱۲۸) اور جس طرح دنیا میں سب گمراہوں میں باہمی تعلق تھا اسی طرح بعض ظالموں کو بعض کے ساتھ ملا دیں گے اُس کمائی کے سبب اور اُن کے اُن اعمال کے باعث جو وہ کیا کرتے تھے یعنی جس طرح دنیا میں ایک ظالم دوسرے ظالم کا ساتھ دیتا ہے اسی طرح ہم آگ میں بھی ایک ظالم کو دوسرے ظالم کے ساتھ ملا جلا کر جہنم میں ڈال دیں گے (۱۲۹) اے جماعت جن و انس اور اے گروہ جنات و انسان کیا تمہارے پاس خود تم ہی میں سے ایسے پیغمبر نہیں آئے جو تم پر میرے احکام بیان کرتے تھے اور تم کو میرے احکام سنایا اور ڈرایا کرتے تھے اور تم کو تمہارے اس دن کے پیش آنے سے ڈرایا کرتے تھے یعنی قیامت اور حشر کے دن سے اس پر وہ سب جنات و انسان کہیں گے کہ ہاں ہم خود اپنے خلاف گواہی دیتے ہیں اور اقرارِ جرم کرتے ہیں اور ان کی حالت یہ تھی کہ انکو دُنیوی زندگی نے دھوکہ میں ڈال رکھا تھا اور وہ اپنے خلاف گواہی دیتے ہوئے کہیں گے کہ بیشک وہ کافر تھے یعنی رسولوں کا آنا اور سمجھانا اور میدانِ حشر سے ڈرانا سب صحیح ہے لیکن ہم نے اُنکا کہا نہ مانا اور وہ مانتے بھی کیسے انکو تو دنیا کی زندگی نے دھوکہ اور فریب دے رکھا تھا آخر کار اُنکو یہ کہنا ہی پڑا کہ بیشک وہ کافر تھے رسل منکم میں کل مجموعۂ مکلفین مخاطب ہیں جنات میں سے کسی کا پیغمبر ہونا ثابت نہیں (۱۳۰) یہ رسولوں کا بھیجنا اور احکامِ الٰہی کا پہنچانا اس بنا پر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی بستی کے باشندوں کو ایسی حالت میں ہلاک نہیں کیا کرتا کہ وہ احکامِ الٰہی سے بےخبر ہوں یعنی جبتک کسی بستی کے رہنے والوں کو پیغمبروں کی معرفت احکامِ الٰہی نہ پہنچا دیئے جائیں اور انکی جانب سے انکار نہ ہو جائے اُس وقت تک اللہ تعالیٰ کسی بستی کے رہنے والوں کو عذاب سے ہلاک نہیں کیا کرتا (۱۳۱) اور سب لوگوں کے اچھے برُے اعمال کے لحاظ سے مختلف درجات اور مراتب مقرر ہیں اور آپ کا پروردگار

١٥ ع ٨ ٢

وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ ﴿١٣٢﴾ وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو

اور آپ کا رب اُن کے اعمال سے بے خبر نہیں ہے - اور آپ کا رب بے نیاز اور

الرَّحْمَةِ ۚ إِن يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِن بَعْدِكُم

صاحب رحمت ہے اگر وہ چاہے تو تم سب کو لے جائے اور تمہارے بعد جس کو چاہے تمہارا

مَّا يَشَاءُ كَمَا أَنشَأَكُم مِّن ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ آخَرِينَ ﴿١٣٣﴾

جانشین بنا دے جیسا کہ تم کو دوسرے لوگوں کی اولاد سے پیدا کیا ہے۔

إِنَّ مَا تُوعَدُونَ لَآتٍ ۖ وَمَا أَنتُم بِمُعْجِزِينَ ﴿١٣٤﴾

جس چیز کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ یقیناً ضرور آنے والی ہے اور تم خدا کو عاجز کر دینے کی طاقت نہیں رکھتے

قُلْ يَا قَوْمِ اعْمَلُوا عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ إِنِّي عَامِلٌ ۖ

اے پیغمبر آپ کہہ دیجئے کہ اے میری قوم تم اپنی حالت پر عمل کرتے رہو میں بھی اپنا کام کر رہا ہوں

فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ مَن تَكُونُ لَهُ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۗ

عنقریب تم کو معلوم ہو جائیگا کہ اس دنیا کا انجام کس کے حق میں بہتر ہوتا ہے ہاں یہ حقیقت ہے

إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ﴿١٣٥﴾ وَجَعَلُوا لِلَّهِ مِمَّا ذَرَأَ

کہ ظالم کبھی فلاح نہیں پا سکتے۔ اور یہ کافر اللہ کی پیدا کی ہوئی کھیتی اور اُس کے پیدا کئے ہوئے مویشیوں میں سے

مِنَ الْحَرْثِ وَالْأَنْعَامِ نَصِيبًا فَقَالُوا هَٰذَا لِلَّهِ

اللہ کا ایک حصہ مقرر کر دیتے ہیں پھر یہ کافر اپنے خیال فاسد کی بنا پر یوں کہتے ہیں کہ اتنا حصہ

بِزَعْمِهِمْ وَهَٰذَا لِشُرَكَائِنَا ۖ فَمَا كَانَ لِشُرَكَائِهِمْ فَلَا

خدا کا اور اتنا حصہ ہمارے مقرر کردہ معبودوں کا پھر جو حصہ ان کے مقرر کردہ معبودوں کا ہوتا ہے وہ

يَصِلُ إِلَى اللَّهِ ۖ وَمَا كَانَ لِلَّهِ فَهُوَ يَصِلُ إِلَىٰ

تو خدا کی طرف نہیں پہونچتا اور جو حصہ اللہ کے لئے ہوتا ہے وہ اُن کے معبودوں کی طرف پہنچ جاتا ہے

شُرَكَائِهِمْ ۗ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴿١٣٦﴾ وَكَذَٰلِكَ زَيَّنَ

کیا ہی بُرا ہے وہ انصاف جو یہ کرتے ہیں - اور اسی طرح اکثر مشرکوں کی نگاہ میں

اُن لوگوں کے کردار اور اعمال سے بے خبر نہیں ہے یعنی ہر عمل کا خواہ وہ اچھا ہو یا بُرا ایک درجہ مقرر ہے جیسا عمل ویسا درجہ (۱۳۲) اے پیغمبر آپ کا پروردگار غنی اور بے نیاز اور صاحب رحمت ہے یعنی خود کسی کا محتاج نہیں اور اُس کا شیوہ مہربانی اور رحم و کرم ہے وہ اگر چاہے تو تم سب کو اس عالم سے اٹھا لے اور یہاں سے لے جائے اور تمہارے بعد جس مخلوق کو چاہے تمہارا جانشین کر دے اور جس کو چاہے تمہاری جگہ آباد کر دے جس طرح تم کو دوسرے لوگوں کی نسل سے اور اولاد سے پیدا کیا ہے یعنی وہ تمہارے بڑے موجود نہیں اور تم اُن کی جگہ موجود ہو اسی طرح ہم اگر چاہیں تو دفعۃً اُلٹ پلٹ کر دیں جیسا کہ انقلاب کے وقت بھی ایسا ہوا کرتا ہے وہ اگر چاہے تو بڑے پیمانہ پر سارے عالم میں تبدیلی ہو سکتی ہے (۱۳۳) جس چیز کا تم سے رسولوں کی معرفت وعدہ کیا جاتا ہے یعنی عذاب یا قیامت وہ چیز یقیناً آنے والی ہے اور تم کہیں بھاگ کر اُسکو ہرا نہیں سکتے اور نہ خدا تعالیٰ کو عاجز کر سکتے ہو یعنی قیامت ضرور آکر رہے گی اور اگر تم چاہو کہ کہیں بھاگ کر روپوش ہو جاؤ اور چھُپ جاؤ تو یہ بھی نہیں ہو سکتا اور خدا کے ہاتھ سے بچ نہیں سکتے (۱۳۴) اے پیغمبر آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اے میری قوم تم اپنی حالت پر عمل کرتے رہو اور اپنی جگہ اپنا کام کئے جاؤ میں بھی اپنا کام کر رہا ہوں عنقریب تم کو معلوم ہو جائے گا اور تم جان لوگے کہ اس عالم کا انجام کس کے حق میں بہتر اور مفید و نافع ہوتا ہے ہاں یہ امر واقعی اور ایک سچی حقیقت ہے کہ ظالم اور بے انصاف لوگوں کو کبھی فلاح نصیب نہیں ہوتی یعنی اُن کے کاموں کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔ (۱۳۵) اور اللہ تعالیٰ نے جو کھیتی اور مویشی پیدا کئے ہیں اُن میں سے یہ منکرین اسلام کچھ حصہ اللہ کے لئے مقرر کر دیتے ہیں پھر اپنے خیالِ فاسد کی بنا پر یوں کہتے ہیں اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اتنا حصہ تو اللہ کے لئے ہے اور یہ اتنا حصہ ہمارے اُن معبودوں کا ہے جو اللہ تعالیٰ کے شریک ہیں پھر اُن کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ جو حصہ اُن کے معبودوں کا ہوتا ہے وہ خدا کی طرف نہیں پہونچتا اور جو حصہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہوتا ہے وہ اُن کے معبودوں تک پہونچ جاتا ہے کیا ہی بُرا فیصلہ ہے اور کیا ہی بُرا وہ انصاف ہے جو یہ کرتے ہیں یعنی اوّل تو کھیتی اور مویشی میں یہ تقسیم کہ اتنا حصہ خدا کے نام پر دیا جائے اور اتنا بتوں کے نام پر چڑھایا جائے۔ پھر جب دونوں کے حصے الگ الگ کئے جائیں اور ایک میں سے دوسرے کے حصہ میں کچھ چلا جائے تو اگر خدا کے حصہ میں سے کچھ غیر اللہ کی طرف چلا جائے تو جانے دیں لیکن بتوں کے ڈھیر میں سے کچھ حصہ خدا کی طرف آجائے تو اس کو اسی وقت واپس کریں اسی کو فرمایا یہ فیصلہ بُرا ہے۔ یہ کیا کرتے ہیں (۱۳۶) اور جس طرح یہ مشرکہ تقسیم ان مشرکوں کی نظر میں مستحسن ہے اسی طرح ان

لِكَثِيرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ قَتْلَ أَوْلَادِهِمْ شُرَكَاؤُهُمْ

ان کے مقرر کردہ معبودوں نے ان کی اولاد کے قتل کو خوش نما کر رکھا ہے تاکہ وہ ان مشرکوں کو ہلاکت

لِيُرْدُوهُمْ وَلِيَلْبِسُوا عَلَيْهِمْ دِينَهُمْ ۖ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ

میں مبتلا کر دیں اور اس لئے کہ ان کے دین کو ان پر مشتبہ کر دیں اور اگر اللہ چاہتا تو یہ مشرک ایسا

مَا فَعَلُوهُ ۖ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ ﴿١٣٧﴾ وَقَالُوا هَٰذِهِ

کرتے لہٰذا آپ ان کو اور انکی افترا پردازیوں کو ان کی حالت پر چھوڑ دیجئے۔ اور وہ اپنے خیال فاسد کی بنا پر یہ بھی

أَنْعَامٌ وَحَرْثٌ حِجْرٌ لَّا يَطْعَمُهَا إِلَّا مَن نَّشَاءُ

کہتے ہیں کہ یہ مخصوص مواشی اور یہ مخصوص کھیت ممنوع ہیں ان کو کوئی نہیں کھا سکتا مگر وہی جس کو ہم چاہیں

بِزَعْمِهِمْ وَأَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُورُهَا وَأَنْعَامٌ

اور بعض مخصوص مواشی ہیں جن کی پیٹھ پر سوار ہونا ممنوع قرار دیا ہے اور بعض مواشی اس طرح مخصوص ہیں کہ ذبح کرتے

لَّا يَذْكُرُونَ اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا افْتِرَاءً عَلَيْهِ ۚ سَيَجْزِيهِم

وقت ان پر اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیتے یہ سب باتیں محض اللہ پر افترا پردازی کی غرض سے کہتے ہیں بہت جلد اللہ تعالیٰ

بِمَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿١٣٨﴾ وَقَالُوا مَا فِي بُطُونِ هَٰذِهِ

انکو ان بہتان طرازیوں کی سزا دیگا جو بہتان یہ باندھا کرتے تھے۔ اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ان مواشی کے پیٹ میں جو کچھ ہے وہ

الْأَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُورِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلَىٰ أَزْوَاجِنَا

خالص ہمارے مردوں ہی کے لئے ہے اور اس کا کھانا ہماری عورتوں پر حرام ہے

وَإِن يَكُن مَّيْتَةً فَهُمْ فِيهِ شُرَكَاءُ ۚ سَيَجْزِيهِمْ

اور اگر وہ بچہ پیٹ سے مرا ہوا نکلے تو اس کے کھانے میں سب مرد وعورت برابر ہیں خدا ان کو عنقریب ان کی ان غلط بیانیوں

وَصْفَهُمْ ۚ إِنَّهُ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿١٣٩﴾ قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ قَتَلُوا

کی سزا دیگا بیشک وہ بڑی حکمت والا بڑے علم والا ہے۔ یقیناً وہ لوگ سخت خسارے میں پڑ گئے جنھوں نے اپنی

أَوْلَادَهُمْ سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَحَرَّمُوا مَا رَزَقَهُمُ اللَّهُ

اولاد کو بے وقوفی سے بے جانے بوجھے قتل کر ڈالا اور اللہ نے جو روزی ان کو دی تھی اس کو محض خدا پر

کے معبودان باطلہ یعنی جنات وشیاطین نے ان منکروں
کی نظر میں اولاد کو قتل کرنا اور بتوں کے نام پر چڑھانا
خوش نما اور مستحسن و مزین بنا رکھا ہے تاکہ وہ جنات ان
مشرکین کو عذاب کی ہلاکت میں ڈال دیں اور ان کے دین
کو مخلوط و مشتبہ کر دیں یعنی دین ابراہیمی جو ان کا اصل
دین تھا اس کو بدعات و محرمات کے ساتھ ایسا گڈمڈ
کر دیں کہ حق وباطل کا امتیاز باقی نہ رہے اور اگر خدا
چاہتا اور اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو یہ مشرکین ایسا نہ
کرتے پس اے پیغمبر آپ انکو اور انکی افترا پردازیوں
کو ان کی حالت پر چھوڑ دیجئے (۱۳۷) اور یہ مشرکین کہ
اپنے خیال فاسد کی بنا پر یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ خاص کھیتی
اور یہ خاص مویشی حرام اور ممنوع ہیں ان کو کوئی نہیں
کھا سکتا مگر وہ کھا سکتا ہے جس کو ہم چاہیں یعنی جو لوگ
بتوں کی خدمت وغیرہ کرتے ہیں اُن کے لئے کوئی کھیت
اور کوئی جانور مخصوص کر لیا کرتے تھے اور کچھ مویشی یعنی بحیرہ
سائب اور حوامی وغیرہ خاص ہیں کہ اُن کی پیٹھ پر سوار
ہونا اور اُن پر سواری لینا حرام و ممنوع قرار دیدیا۔
اور بعض مواشی اس طرح مخصوص ہیں کہ اُن کو ذبح کرتے
وقت … تعالیٰ کا نام نہیں لیتے یعنی خاص طور پر وہ مویشی
جو بتوں کی منت کے ہوتے ہیں کہ اُن کے ذبح پر بتوں ہی
کا نام لیتے ہیں یہ سب باتیں اللہ تعالیٰ پر محض افترا پردازی
کی غرض سے کہتے ہیں بہت جلد اللہ تعالیٰ اُن بہتان طرازیوں
کی جو یہ بہتان اس پر باندھا کرتے تھے سزا اور بدلہ دیگا
(۱۳۸) اور وہ مشرکین کہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ان مواشی
کے پیٹ میں جو کچھ ہے خواہ دودھ ہو یا بچہ وہ خالص
ہمارے مردوں کے لئے ہے اور ہماری عورتوں پر
اس کا کھانا حرام ہے اور اگر وہ پیٹ کا بچہ مرا ہوا
ہو اور مُردہ نکلے تو اُس کے کھانے میں سب مرد و
عورت برابر کے شریک ہیں یعنی مُردہ بچہ ہو تو مردوں
کی خصوصیت ختم ہو جاتی ہے اور عورتیں بھی کھا سکتی
ہیں خدا تعالیٰ عنقریب اُن کو ان کی غلط بیانیوں
کی سزا دے گا وہ بڑی حکمت والا اور بڑے علم کا
مالک ہے (۱۳۹) بلاشبہ وہ سخت خسارے میں
پڑے اور بڑے گھاٹے اور ٹوٹے میں پڑ گئے جنھوں
نے اپنی اولاد کو بے وقوفی کے سبب بے جانے بوجھے
بغیر علم کے قتل کر ڈالا اور جو روزی اللہ تعالیٰ نے ان

افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ۭ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ وَ

بہتان باندھ کر حرام کر لیا بلاشبہ یہ لوگ گمراہی میں مبتلا ہے اور کبھی سیدھی راہ نہ چلے - اور

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ

اللہ تعالیٰ کی وہ ذات ہے جس نے ایسے باغات پیدا کئے جنکی بیلیں ٹٹیوں پر چڑھائی جاتی ہیں اور ایسے باغ بھی جنکی بیلیں

وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ وَ

ٹٹیوں پر نہیں چڑھائی جاتیں اور کھجور کے درخت بھی پیدا کئے اور کھیتی بھی ان سب کے پھل مختلف قسم کے ہوتے ہیں اور زیتون اور

الرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ

انار کو پیدا کیا جو ایک دوسرے کے مشابہ بھی ہیں اور غیر مشابہ بھی ان سب چیزوں کے پھل کھاؤ

اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ڮ وَلَا تُسْرِفُوْا ۭ اِنَّهٗ

جب یہ پھل لائیں اور ان میں سے کٹائی کے دن مقررہ حق ادا کر دیا کرو اور حد سے نہ بڑھو یقیناً وہ

لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّ

حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اور اللہ تعالیٰ نے چوپایوں میں سے ایسے چوپائے بھی پیدا کئے جو بار برداری کے قابل ہیں اور

فَرْشًا ۭ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ

ایسے بھی جو زمین سے لگے ہوئے چھوٹے قد کے ہیں جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تمکو روزی عنایت کی ہے اس میں سے کھاؤ اور شیطان کے

الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۴۲﴾ ۙ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ

قدم بقدم نہ چلو بلاشبہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے - خدا نے آٹھ نر اور مادہ پیدا کئے

مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ۭ قُلْ

بھیڑ میں سے دو نر اور مادہ اور بکریوں میں سے دو نر اور مادہ آپ پوچھئے

ءٰۗالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ

کیا خدا نے ان دونوں نروں کو حرام کیا ہے یا دونوں مادہ کو یا اس بچہ کو حرام کیا ہے جسکو

اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ نَبِّـــُٔــوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ

دونوں مادہ پیٹ میں لئے ہوتے ہوں تم مجھے کسی صحیح دلیل کے ساتھ جواب دو اگر تم

الربع ١٦ ع ١١ ٣

کو کھانے کو دی اور اس کو اُن کے لئے حلال کیا تھا انھوں نے محض خدا تعالیٰ پر بہتان باندھ کر اس حلال رزق کو حرام کر لیا یقیناً یہ لوگ گمراہی میں بتلا ہے اور یہ کبھی راہ یافتہ نہ ہوئے اور سیدھی راہ چلے

(۱۴۰) اور اللہ تعالیٰ کی وہ مقدس ذات ہے جس نے ایسے باغات پیدا کئے جن کی بیلیں ٹٹیوں اور چھتریوں وغیرہ پر پھیلائی جاتی ہیں جیسے انگور اور ایسے باغ بھی جن کی بیلیں ٹٹیوں وغیرہ پر نہیں چڑھائی جاتیں یعنی یا تو کوئی بیل ہی نہیں سب تنے دار درخت ہیں یا بیل ہو لیکن اُس کے چڑھانے کا قاعدہ نہ ہو جیسے خربوزہ اور ککڑی وغیرہ کی بیلیں اور اُس اللہ تعالیٰ نے کھجور کے درخت بھی پیدا کئے اور کھیتی بھی پیدا کی ان سب کے پھل مختلف قسم کے ہوتے ہیں یعنی رنگ۔ بو اور مزے وغیرہ میں اور اسی نے زیتون اور انار کو پیدا کیا ان درختوں کے پھل آپس میں ایک دوسرے کے مشابہ بھی ہوتے ہیں اور غیر مشابہ بھی یعنی زیتون کے پھل آپس میں ایک دوسرے سے مزے میں - رنگ میں مقدار میں ملتے جلتے ہوتے ہیں اور بعض ایک دوسرے سے نہیں بھی ملتے اسی طرح انار باہم ایک دوسرے سے رنگ اور مزے وغیرہ میں مشابہ ہوتے ہیں اور غیر مشابہ بھی - ان سب چیزوں کے پھل کھاؤ جب یہ پھل لائیں یعنی ان میں کوئی چیز حرام نہیں ہاں جس دن اُن کے پھل اور غلہ وغیرہ کاٹ کر جمع کیا کرو اُس دن مقررہ حق ادا کر دیا کرو یعنی جس دن پھل وغیرہ کاٹو اس دن جو شرعی حق مقرر ہو وہ مقررہ حق مساکین کو دیا کرو اور اتنا خیال رکھو کہ حد شرعی سے تجاوز نہ کیا کرو اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں اور حد سے آگے نکل جانے والوں کو پسند نہیں کرتا یعنی خیر خیرات میں حد سے تجاوز نہ کیا کرو یا عاملین عشر و زکوٰۃ کو حد سے تجاوز نہیں کرنا چاہئے بلکہ بیت المال کا جو حق مقرر ہو اتنا ہی وصول کرنا چاہئے امام کا حق وصول کرنے میں تعدی اور ظلم نہیں کرنا چاہئے (۱۴۱) اور اللہ تعالیٰ نے پھل اور کھیت اور مواشی بھی پیدا کئے ہیں ان مویشیوں میں سے بعض تو بار برداری کے لئے اونچے قد کے ہوتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو زمین سے لگے ہوئے چھوٹے قد کے ہیں یعنی اونٹ۔ خچر۔ ہاتھی اور جیسے بھیڑ بکری اللہ تعالیٰ نے جو رزق تم کو دیا ہے اُس میں سے کھاؤ اور شیطان کے قدم بقدم نہ چلو اور اُس کے نقش قدم کی پیروی نہ کرو بلاشبہ وہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے یعنی اُس نے جو کچھ تمہارے باپ کے ساتھ کیا وہ ظاہر ہے (۱۴۲) اللہ تعالیٰ نے ان مواشی میں جنکے حلال و حرام ہونے پر یہ افترا کرتے رہتے ہیں آٹھ نر اور مادہ پیدا کئے ہیں بھیڑ میں سے دو خواہ وہ چکتی والے ہوں یا بے چکتی کے اور بکری میں سے دو نر اور مادہ اے پیغمبر آپ ان سے پوچھئے کیا اللہ تعالیٰ نے ان دونوں نروں کو حرام کیا ہے یا دونوں مادوں کو حرام

کیا ہے یا اُس بچہ کو حرام کیا ہے جس کو دونوں مادائیں اپنے پیٹ میں لئے ہوتی ہیں تم مجھے صحیح دلیل سے بتاؤ اگر تم سچے ہو یعنی نر اور مادہ کا حساب لگاؤ تو ایک بھیڑ کی مادہ اور ایک نر اور ایک بکری میں مادہ اور ایک نر تو اب بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے ان چاروں میں سے کس کو حرام کیا ہے یا اُس بچہ کو حرام کیا ہے جو مادہ کے رحم میں ہوتا ہے اور اگر ان میں سے خدا تعالیٰ نے کسی کو حرام نہیں فرمایا تو تم کون ہو اور تمہارے معبودانِ باطلہ کو کیا حق ہے کہ کسی کو حرام اور کسی کو حلال کرتے پھرتے ہیں اس حق کا تو وہی سزاوار ہے جس نے ان مویشیوں کو پیدا کیا ہے یہ کیا انصاف ہے کہ حق تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی بھیڑ بکری پر تم حرام یا حلال کا حکم لگاؤ (۱۴۳) اسی طرح اونٹ میں سے دو نر اور مادہ اور گائے میں سے دو نر اور مادہ آپ ان سے کہئے کیا اللہ تعالیٰ نے ان دونوں نروں کو یعنی اونٹ اور گائے کا نر حرام کیا ہے یا دونوں مادیوں کو حرام کیا ہے یا اس بچہ کو اونٹ کے یا گائے کے حرام کیا ہے جس کو دونوں مادئیں اپنے رحم میں لئے ہوئے ہوتی ہیں کیا تم اُس وقت موجود تھے جب تم کو خدا نے اُس کے یعنی ان چیزوں میں سے کسی کے حرام ہونے کا حکم دیا تھا پھر اُس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو لوگوں کو گمراہ کرنے کی غرض سے بغیر کسی تحقیق کے اور بغیر کسی علم کے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے اور افترا پردازی محض اس غرض سے ہو کر لوگوں کو گمراہ کرے یقین جانو اللہ تعالیٰ ایسے ظالم اور ناانصاف لوگوں کی رہنمائی نہیں فرمایا کرتا (۱۴۴) اے پیغمبر آپ ان سے فرما دیجئے کہ جو احکام مجھ پر بذریعہ وحی نازل ہوئے ہیں ان میں تو میں کوئی ایسی چیز حرام نہیں پاتا جس کو کوئی کھانے والا کھائے یعنی جن حیوانات کو تم حرام کہتے ہو ان میں سے کوئی حیوان یا جس کھیتی کو تم حرام کہتے ہو اس میں سے کوئی کھیتی اُس وحی میں جو مجھ پر نازل ہوتی ہے ان میں سے کوئی بھی کھانے کے لائق چیز جس کو کوئی کھانا چاہے مجھ کو حرام نہیں ملتی اور جب قرآن میں ان کی حرمت و ممانعت کا حکم نہیں ہے تو معلوم ہوتا ہے تمہاری خانہ ساز باتیں اور تمہارا افترا ہے قرآن نے یہ چیزیں حرام نہیں کیں مگر ہاں قرآنی احکام کے بموجب وہ مرا ہوا جانور حرام ہے جو بغیر ذبح کے مر گیا ہو یا دم سائل یعنی بہتا ہوا خون حرام ہے یا خنزیر کا گوشت حرام ہے کیونکہ وہ خنزیر بالکل ناپاک ہے یعنی خنزیر اور اس کے تمام اجزا ناپاک ہیں اور خنزیر نجس العین ہے یا وہ جانور جو معصیت اور فسق و شرک کا سبب ہو اور تقرب کی نیت سے غیر اللہ کے نام پر نامزد کیا ہو یعنی کسی جانور کو غیر اللہ کیلئے نامزد کر دیا ہو اور نیت بھی تقرب کی ہو ایسا جانور بھی حرام ہے خواہ ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا جائے یا اللہ کا۔ پھر بھی اگر کوئی شخص بھوک سے مضطر و بے قرار ہو جائے تو وہ اپنی زندگی کو بچانے کے لئے کھا سکتا ہے بشرطیکہ وہ طالبِ لذت نہ ہو اور حاجت و ضرورت کی حد سے آگے بڑھنے والا اور تجاوز کرنے والا نہ ہو تو وہی

صٰدِقِیْنَ ﴿۱۴۳﴾ وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَیْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَیْنِ

سچے ہو۔ اور اونٹ میں سے دو نر اور مادہ اور گائے میں سے دو نر اور مادہ

قُلْ ءٰٓالذَّكَرَیْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَیَیْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ

آپ پوچھئے کیا خدا نے ان دونوں نروں کو حرام کیا ہے یا دونوں مادہ کو یا اُس بچہ کو حرام کیا ہے جس کو

عَلَیْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَیَیْنِ ؕ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ

دونوں مادہ پیٹ میں لئے ہوئے ہیں کیا تم اس وقت موجود تھے جب تم کو خدا نے اُن کے حرام ہونے کا

اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا

حکم دیا تھا پھر اُس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہو سکتا ہے جو لوگوں کو گمراہ کرنے کی غرض سے

لِّیُضِلَّ النَّاسَ بِغَیْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی

بغیر کسی تحقیق کے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ افترا کرے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں کو

الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۴۴﴾ قُلْ لَّاۤ اَجِدُ فِیْ مَاۤ اُوْحِیَ اِلَیَّ

راہِ راست نہیں دکھاتا۔ آپ ان سے کہہ دیجئے جو احکام مجھ پر وحی کے ذریعہ نازل ہوئے ہیں اُنمیں

مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗۤ اِلَّاۤ اَنْ یَّكُوْنَ مَیْتَةً

میں کوئی ایسی چیز حرام نہیں پاتا جس کو کوئی کھانے والا کھائے اِلّا یہ کہ وہ مرا ہوا جانور ہو

اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ

یا بہتا ہوا خون ہو یا خنزیر کا گوشت ہو کیوں کہ وہ بالکل ناپاک ہے یا وہ

فِسْقًا اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ

جانور جو معصیت کا موجب ہو غیر اللہ کے لئے نامزد کر دیا گیا ہو پھر جو کوئی بھوک سے مضطر و مجبور ہو جائے بشرطیکہ طالب

وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۴۵﴾ وَعَلَى الَّذِیْنَ

لذت نہ ہو اور حد سے تجاوز کرنے والا بھی نہ ہو تو آپ کا رب بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔ اور یہود پر ہم نے

هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِیْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَ

تمام ناخن والے جانوروں کو حرام کر دیا تھا اور گائے اور

آپ کا پروردگار بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے یعنی اگر بھوک سے مرنے لگے تو جن چیزوں کو حرام فرمایا ہے ان میں سے کچھ کھا کر جان بچالے البتہ یہ اجازت دو شرطوں کے ساتھ مقید ہے ایک تو کھانے میں لذت اور چٹخارے کا قصد نہ کرے اور ایک ضرورت سے زیادہ نہ کھائے صرف اتنا کھائے کہ بھوک سے مر نہ جائے (۱۴۵) اور یہود پر ہم نے تمام ناخن والے جانور حرام کر دئے تھے اور

الْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُومَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ

بکری میں سے ان دونوں کی چربیاں ہم نے اُن پر حرام کردی تھیں مگر ہاں ان دونوں کی وہ چربی جو گائے اور

ظُهُورُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ؕ ذٰلِكَ

بکری کی پیٹھ پر یا ان کی آنتوں پر لگی ہوئی ہو یا ان کی ہڈی سے ملی ہوئی ہو وہ حرام نہیں تھی یہ ہم نے انکو

جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ۖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۱۴۶﴾ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ

ان کی شرارت و سرکشی کی وجہ سے سزا دی تھی اور یقیناً ہم راست گو ہیں۔ پھر اگر یہ اس پر بھی آپکی تکذیب کریں

فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ

تو آپ فرما دیجئے کہ تمہارا رب بڑی ہی وسیع رحمت والا ہے اور ہاں اُس کا

عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۴۷﴾ سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا

عذاب گناہ گاروں سے ٹلنے والا نہیں۔ قریب ہے کہ مشرکین یوں کہیں کہ

لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ

اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم ان چیزوں میں سے جنکو ہم نے حرام کرلیا ہے

شَيْءٍ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى

کسی چیز کو حرام ٹھہراتے اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے ہوگزرے ہیں انھوں نے بھی تکذیب کی تھی یہاں تک کہ

ذَاقُوْا بَاْسَنَا ؕ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ

انھوں نے ہمارے عذاب کا مزہ چکھا آپ ان سے فرمائیے کیا تمہارے پاس کوئی دلیل ہے تاکہ تم اسکو ہمارے

لَنَا ؕ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا

سامنے پیش کر سکو لوگو! تم تو محض گمان کی پیروی کرتے ہو اور تم تو محض

تَخْرُصُوْنَ ﴿۱۴۸﴾ قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۚ فَلَوْ شَآءَ

تخمینی باتیں کرتے ہو۔ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ صاف اور محکم دلیل اللہ ہی کیلئے ہے پھر اگر وہ چاہتا

لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ

تو تم سب کو راہ پر لے آتا۔ آپ ان سے فرمائیے کہ اچھا تم اپنے ان گواہوں کو لاؤ

گائے اور بکری میں سے ان دونوں کی چربیاں ان یہود پر حرام کردی تھیں مگر ہاں وہ چربی اس حکم سے مستثنیٰ تھی جو ان دونوں کی پیٹھ پر یا ان دونوں کی آنتوں اور انتڑیوں میں لگی ہوئی ہو یا جو چربی ان کی ہڈی سے ملی ہوئی ہو یہ حرام کرنا ان یہود کو ان کی شرارت اور سرکشی کی وجہ سے سزا دی تھی اور یقیناً ہم سچے اور راست گو ہیں یعنی ناخن والے جانوروں سے مراد وہ ہیں جن کے انگلیاں ہوں خواہ ان انگلیوں کے درمیان فرجہ ہو جیسے درندے مثلاً کتا بلی وغیرہ یا درمیان میں فرجہ نہ ہو جیسے شترمرغ۔ مرغابی اور بط۔ گائے اور بکری کی چربی بھی سوائے تین مقامات کے باقی جگہ کی حرام کردی گئی تھی یہ ان کی سرکشی کا نتیجہ اور بطور سزا کے حکم دیا گیا تھا اور حرمت کو عام کردیا گیا تھا۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ نعمتوں کی بے قدری کرنے والوں سے نعمت سلب کرلیجاتی ہے (۱۴۶) پھر اے پیغمبر اگر اس تحلیل و تحریم کو بیان کرنے کے بعد بھی یہ یہود اور مشرکین آپکی تکذیب کریں اور آپ کو جھٹلائیں تو آپ فرما دیجئے کہ تمہارا پروردگار بڑی وسیع رحمت کا مالک ہے یعنی یہ اُس کی وسعتِ رحمت ہے کہ نافرمان اور گناہ گار بھی اُس کی رحمت سے محروم نہیں ہیں اور باوجود تکذیبِ رسل کے عذاب میں جلدی نہیں ہوتی ہاں جو وقت عذاب کا مقرر ہے اُسی وقت آئیگا اور گناہ گار لوگوں سے اس کا عذاب جب آجائے گا تو ٹالے سے نہیں ٹلے گا اور آئے پیچھے واپس نہیں ہوگا (۱۴۷) جو لوگ شرک میں مبتلا ہیں وہ بہت جلد یہ کہیں گے یعنی اپنے پر سے الزام اُتارنے کو یوں کہنے والے ہیں کہ اگر اللہ چاہتا اور اُسکو منظور ہوتا تو ہم اور ہمارے باپ دادا شرک نہ کرتے اور اس فعل قبیح کے مرتکب نہ ہوتے اور جن چیزوں کو ہم نے حرام ٹھہرا رکھا ہے نہ اُن میں سے ہم کسی چیز کو حرام کرتے یعنی ہمارے اس ارتکاب شرک و کفر سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہمارے ان حرکاتِ قبیحہ کو پسند کرتا ہے اور ہماری ان باتوں سے راضی ہے گویا ان افعال کے صدور پر قدرت دینا اُس کی رضا کو مستلزم ہے آگے نقلی اور عقلی جواب ہے۔ اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے ہوگزرے ہیں وہ بھی پیغمبروں کی تکذیب کرچکے ہیں یہاں تک کہ اُنھوں نے ہمارے عذاب کا مزہ چکھا آپ ان سے فرمائیے کیا تمہارے پاس کوئی سند اور دلیل ہے؟ تو تم اس کو ہمارے روبرو پیش کرو لوگو تم تو صرف گمان کی پیروی کرتے ہو اور تم تو محض تخمینی اور قیاسی باتیں کرتے ہو یعنی تم لوگوں نے ہمارے بھیجے ہوئے پیغمبروں کی تکذیب کا شیوہ اختیار کر رکھا ہے تمہارے پاس نہ تو کوئی سند ہے نہ تم کو صحیح علم ہے محض وہم و گمان میں مبتلا ہو اور اٹکل پچو باتیں کرتے ہو ان ہی باتوں کی وجہ سے تمہارے پہلوں نے عذاب کا مزہ چکھا اور انہی معاندانہ باتوں کی وجہ سے تم کو ایک دن عذاب کا منہ دیکھنا ہوگا (۱۴۸) اور جب یہ بات ظاہر ہوگئی کہ ان کے پاس کوئی حجت اور دلیل نہیں ہے تو اے پیغمبر ان سے کہہ دیجئے کہ انتہائی واضح پوری اور مضبوط دلیل تو اللہ ہی کیلئے ہے پس اگر وہ چاہتا تو تم سب کو راہِ ہدایت دکھا دیتا اور تم سب کو راہ پر لے آتا یعنی ایک طرف کوئی سند نہیں اور دوسری طرف مضبوط دلائل موجود ہیں تو اللہ تعالیٰ کا الزام ان پر پورا ہوگیا (۱۴۹) اے پیغمبر ان کے پاس کوئی عقلی دلیل تو مذکورہ حیوانات کی حرمت پر ہے نہیں اب آپ ان سے فرمائیے اچھا تم کوئی نقلی دلیل پیش کرو اور اپنے اُن گواہوں کو لاؤ اور پیش کرو جو یہ گواہی دیں کہ جن چیزوں کو تم حرام کہتے ہو بے شک اللہ تعالیٰ ہی نے اُن کو

حرام کیاہے پھر اگر ان کے گواہ اس قسم کی فرضی شہادت دے بھی دیں تو آپ ان کی گواہی تسلیم نہ کیجئے اور اُن گواہوں کی تصدیق نہ کیجئے اور آپ اُن لوگوں کی خواہشات باطلہ کی پیروی نہ کیجئے جو ہماری آیات کی تکذیب کرتے ہیں اور ہماری آیات کو جھٹلاتے ہیں اور وہ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور دوسروں کو اپنے پروردگار کے برابر ٹھہراتے ہیں اور دوسروں کو اپنے رب کے برابر کا درجہ دیتے ہیں یعنی ظاہر ہے کہ عینی گواہ تو ہوں گے نہیں جو گواہ آئیں گے وہ محض سخن پروری کی غرض سے آئیں گے تو آپ ایسے جھوٹے گواہوں کی گواہی تسلیم نہ کیجئے اور نہ جھوٹوں کی تصدیق کیجئے اور آپ انکی خواہشات باطلہ اور اقوال کاذبہ پر نہ چلئے کیوں کہ اُن کا شیوہ آیات الٰہی کی تکذیب ہے آخرت پر اُن کا ایمان نہیں اور خدا کے ساتھ دوسروں کو برابری کا درجہ دیتے ہیں (۱۵۰) اے پیغمبر آپ اُن سے کہئے میرے پاس آؤ میں وہ چیزیں تم کو پڑھ کر سناؤں جو تمہارے پروردگار نے تم پر حرام کی ہیں وہ یہ ہیں کہ اُس کے ساتھ کسی کو شریک اور ساجھی نہ ٹھہراؤ اور یہ کہ ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کیا کرو اور اُن کے ساتھ احسان کرو یعنی ان کیساتھ بدسلوکی نہ کرو اور یہ کہ اپنی اولاد کو افلاس کے باعث قتل نہ کیا کرو ہم تم کو اور اُن کو دونوں کو روزی دیتے ہیں اور یہ کہ بے حیائی کی باتوں کے قریب بھی نہ پھٹکو خواہ وہ بے حیائی علانیہ ہو یا پوشیدہ یعنی بے حیائی کے تمام طریقوں سے دور رہو اور یہ کہ کسی ایسے شخص کو قتل نہ کرو جس کے قتل کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہو مگر ہاں کسی حق شرعی کی بنا پر یعنی قصاص وغیرہ کے علاوہ کسی کا خون نہ کرو یہ وہ امور ہیں جن کا تم کو اللہ تعالیٰ نے تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم سمجھ سے کام لو یعنی ان باتوں پر تم کو تنبیہ کی ہے (۱۵۱) اور یہ کہ مالِ یتیم کے قریب نہ جاؤ مگر ہاں ایسے طریقہ سے جو بہترین ہو یہاں تک کہ وہ یتیم اپنی جوانی کو پہونچ جائے۔ یعنی جب تک وہ یتیم جوان نہ ہوجائے اُس کے مال میں تصرف نہ کرو مگر یہ کہ یتیم کا فائدہ ہو مثلاً یتیم کی حفاظت میں اُس کے کھانے پینے کپڑے وغیرہ میں بہرحال مقصود اصلاح ہو۔ اور یہ کہ ناپ تول انصاف کے ساتھ پوری پوری کیا کرو یعنی پیمانہ پوری طرح بھر کر اور ترازو سیدھی، ہم کسی شخص کو اُس کے مقدور اُس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے یعنی جو تکلیف دیتے ہیں وہ طاقت اور بساط کے موافق ہوتی ہے اور یہ کہ جب تم کوئی بات

ع ٦ ١٨ ٥

يَشْهَدُونَ أَنَّ اللَّهَ حَرَّمَ هَٰذَا ۖ فَإِن شَهِدُوا فَلَا

جو اس امر کی گواہی دیں کہ اللہ ہی نے ان کو حرام کیا ہے پھر اگر ان کے گواہ اس قسم کی شہادت دے بھی دیں

تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ كَذَّبُوا

تو آپ ان کی تصدیق نہ کیجئے اور ایسے لوگوں کی خواہشات پر نہ چلئے جو لوگ ہماری آیات کی

بِآيَاتِنَا وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَهُم بِرَبِّهِمْ

تکذیب کرتے ہیں اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور وہ اپنے رب کے ساتھ دوسروں کو

يَعْدِلُونَ ﴿١٥٠﴾ قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ

مساوی درجہ دیتے ہیں۔ آپ ان سے فرمایئے آؤ میں وہ چیزیں تم کو پڑھ کر سناؤں جو تمہارے رب نے تم پر حرام

أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا ۖ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ۖ وَلَا

کی ہیں وہ یہ کہ خدا کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو اور یہ کہ ماں باپ کیساتھ اچھا سلوک کرو اور یہ کہ اپنی

تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُم مِّنْ إِمْلَاقٍ ۖ نَّحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ ۖ

اولاد کو افلاس کے سبب سے قتل نہ کیا کرو ہم ہی تم کو بھی رزق دیتے ہیں اور ان کو بھی

وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۖ وَلَا

اور بے حیائی کی باتوں کے قریب بھی نہ جاؤ خواہ وہ علانیہ ہوں یا پوشیدہ اور کسی

تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ۚ ذَٰلِكُمْ

ایسے شخص کو قتل نہ کرو جس کے قتل کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہو مگر اُن کسی حق شرعی کی بنا پر یہ وہ باتیں ہیں

وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿١٥١﴾ وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ

جن کا تم کو خدا نے تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم سمجھ سے کام لو۔ اور یہ کہ یتیم کے مال کے قریب

الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ ۖ

نہ جاؤ مگر ہاں ایسے طریقہ سے جو بہترین ہو یہاں تک کہ وہ یتیم اپنی جوانی کو پہونچ جائے

وَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ ۖ لَا نُكَلِّفُ

اور ناپ تول انصاف کے ساتھ پوری پوری کیا کرو ہم کسی شخص کو تکلیف نہیں دیتے

نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا

مگر اس کی طاقت کے موافق اور تم جب کوئی بات کہو تو انصاف کی کہو اگرچہ وہ صاحب معاملہ اپنا قرابتدار

قُرْبٰى ۚ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ

ہی کیوں نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کے عہد کو پورا کرو یہ وہ باتیں ہیں جن کا تم کو تاکیدی حکم دیا ہے تا کہ

تَذَكَّرُوْنَ ﴿١٥٢﴾ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ

تم نصیحت پکڑو۔ اور یہ بھی فرما دیجئے کہ یہ بیان کردہ احکام ہی میری سیدھی راہ ہے لہٰذا تم اسی راہ پر چلو

وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ

اور تم اور دوسرے راستوں پر مت چلو ورنہ وہ راستے تم کو خدا کی راہ سے جدا کر دیں گے اس بات کا

وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿١٥٣﴾ ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ

تم کو خدا نے تاکید کے ساتھ حکم دیا ہے تاکہ تم کج روی سے بچو۔ پھر ہم نے موسیٰ کو بھی ایک کتاب دی تھی

تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّ

تاکہ نکوکاروں پر ہم اپنی نعمت تمام کر دیں اور ہر ضروری چیز کی تفصیل بیان کر دیں اور لوگوں کیلئے وہ

هُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٥٤﴾ وَ

کتاب سراسر ہدایت اور رحمت ہو نیز اس لئے تاکہ وہ بنی اسرائیل اپنے رب کی ملاقات پر ایمان لائیں۔

هٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ

اور یہ قرآن ایک بڑی بابرکت کتاب ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے پس تم اسکی پیروی کرو اور اسکی مخالفت سے ڈرو

تُرْحَمُوْنَ ﴿١٥٥﴾ اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى

عجب نہیں کہ تم پر رحم کیا جائے۔ ہم نے اس کتاب کو اس لئے نازل کیا کہ اب تم یہ نہیں کہہ سکتے کہ کتاب آسمانی تو

طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۪ وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ

صرف ان دو فرقوں پر نازل ہوئی تھی جو ہم سے پہلے تھے اور ہم ان کے پڑھنے پڑھانے سے

لَغٰفِلِيْنَ ﴿١٥٦﴾ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ

بالکل بے خبر تھے۔ اور اب تم یہ عذر بھی نہیں کر سکتے کہ اگر ہم پر کوئی کتاب نازل ہوتی تو ہم ان

ہو تو انصاف کی کہو اگرچہ جس شخص کے مقابلہ میں بات کہتے ہو وہ تمہارا اپنا قرابت دار ہی کیوں نہ ہو یعنی جب تم کوئی فیصلے کی بات کرو یا گواہی وغیرہ دو تو انصاف کا لحاظ رکھو اگرچہ معاملہ والا اپنا قرابتدار ہی ہو اور یہ کہ اللہ تعالیٰ سے جو عہد کرو اسکو پورا کرو یہ وہ باتیں ہیں جن کا تم کو اللہ نے تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم نصیحت پکڑو اور غور و فکر سے کام لو (۱۵۲) اور یہ بھی فرما دیجئے کہ یہ مذکورہ احکام ہی میرا سیدھا راستہ ہے لہٰذا تم اسی راہ پر چلو اور تم دوسرے طریقو پر مت چلو ورنہ وہ مختلف طریقے تم کو سیدھی راہ سے الگ کر دیں گے اور تم راہ مستقیم سے جدا ہو جاؤ گے اس بات کا تم کو خدا نے تاکید کے ساتھ حکم دیا ہے تاکہ تم کج روی سے بچو یعنی جس دین کے یہ احکام مذکور ہوئے وہی دین میری سیدھی راہ ہے (۱۵۳) پھر ہم نے موسیٰ کو بھی آپ سے پہلے ایک کتاب دی تھی تاکہ بھلے اور نیک کام کرنیوالوں پر ہم اپنی نعمت اور اپنا احسان پورا کر دیں اور ہر ضروری چیز کی تفصیل بیان ہو جائے اور لوگوں کے لئے وہ کتاب سراسر ہدایت و رحمت ہو نیز اس لئے یہ کتاب دی کہ وہ بنی اسرائیل اپنے رب کے ملنے اور اپنے پروردگار کی ملاقات پر ایمان لائیں اور اس کی ملاقات کا یقین رکھیں یعنی آپ کوئی پہلے اور نئے رسول نہیں ہیں جن پر کتاب اتری ہو بلکہ آپ سے پہلے حضرت موسیٰؑ کو بھی ہم نے کتاب دی تھی جو تمام نعمت اور تفصیل ضروریہ اور رہنمائی اور رحمت الٰہی کا سبب تھی اور بڑی غرض یہ تھی کہ توریت کی رہنمائی میں وہ آخرت پر ایمان لائیں اور ملاقات خداوندی پر یقین رکھیں (۱۵۴)

ع ۱۹ / ۴

اور توریت کی طرح یہ قرآن بھی ایک بڑی بابرکت کتاب ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے لہٰذا تم اب اس کتاب کی پیروی کرو اور قرآن کی مخالفت سے بچتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے یعنی قرآن کی مخالفت سے یا قرآن پر عمل کرنے کے بارے میں خدا سے ڈرتے رہو جو قرآن پر عمل کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مستحق ہو گا (۱۵۵) اور یہ کتاب ہم نے اس لئے نازل فرمائی تاکہ تم قیامت میں یوں نہ کہہ سکو کہ آسمانی کتاب تو صرف یہود و نصاریٰ کے دو فرقوں پر نازل کی گئی تھی جو ہم سے پہلے ہو گزرے تھے اور ہم ان کے پڑھنے پڑھانے سے بالکل بے خبر تھے یعنی ہم پر تو کتاب نازل نہیں ہوئی یہود اور نصاریٰ کے درس و تدریس کا ہم کو علم نہ تھا تو ہم کو توحید و رسالت کا پتہ کیونکر لگتا اسلئے ہم ایمان لانے سے معذور تھے (۱۵۶) اور کتاب آ جانے کے بعد تم یہ عذر بھی نہیں کر سکتے اور قیامت میں یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ اگر ہم پر کوئی کتاب نازل ہوتی تو ہم یقیناً امم سابقہ سے زیادہ راہ یافتہ ہوتے یعنی جب کتاب والوں کو ان کے اعمال کا ثواب ملتا تو تم یہ کہتے کہ اگر ہم کو بھی کتاب ملتی تو

لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ

یہود ونصاریٰ سے یقیناً کہیں زیادہ راہ یافتہ ہوتے سو بلاشبہ اب تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے حجت

هُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ

واضحہ اور ہدایت ورحمت پہنچ چکی ہے اب اُس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہوسکتا ہے جو آیاتِ الٰہی کی تکذیب

وَصَدَفَ عَنْهَا ؕ سَنَجْزِى الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ

کرے اور لوگوں کو اُن سے روکے اور ہم عنقریب ایسے لوگوں کو جو ہماری آیتوں سے روکتے ہیں اس امر

اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ﴿١٥٧﴾ هَلْ

کی پاداش میں کہ لوگوں کو روکا کرتے تھے بُری سزا دیں گے ۔ کیا اب یہ لوگ

يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِىَ رَبُّكَ

صرف اس امر کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں یا آپ کا رب خود آئے

اَوْ يَاْتِىَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ؕ يَوْمَ يَاْتِىْ بَعْضُ اٰيٰتِ

یا آپ کے رب کی کوئی بڑی نشانی ان کے پاس آئے جس دن آپکے رب کی کوئی بڑی نشانی

رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ

آجائے گی تو اس دن کسی ایسے شخص کو اُس کا ایمان لانا نفع نہ دیگا جو اس سے پہلے ایمان نہ لایا ہو یا ایمان

قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِىْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ؕ قُلِ انْتَظِرُوْٓا

رکھتا ہو مگر اُس نے اپنے ایمان کی حالت میں کوئی نیک عمل نہ کیا ہو تو اُسکو بھی اُس وقت نیک بننا مفید نہ ہوگا آپ کہدیجئے

اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿١٥٨﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا

اچھا تم انتظار کرو ہم بھی منتظر ہیں ۔ بیشک جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور مختلف فرقے

شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِىْ شَىْءٍ ؕ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ

بن گئے آپ کو اُن سے کچھ سروکار نہیں اُن کا معاملہ صرف خدا کے سپرد ہے

يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿١٥٩﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ

پھر وہی اُن کو بتادے گا جو وہ کیا کرتے تھے ۔ جو شخص کوئی نیکی لے کر حاضر ہوگا

ہم اعمال وعقائد میں یہود و نصاریٰ سے بہت زیادہ راہ یافتہ ہوتے اور اپنی کتاب پر عمل کر کے بہت زیادہ ثواب کے مستحق ہوتے سو بلاشبہ اب تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے ایک ایسی کتاب جس کے دلائل روشن اور احکام واضح ہیں اور وہ ہدایت کا ذریعہ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے پہونچ چکی ہے لہٰذا اس قدر صاف اور واضح کتاب آجانے کے بعد اُس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو آیاتِ الٰہی کی تکذیب کرے اور لوگوں کو ان آیات پر ایمان لانے سے روکے اور ہم عنقریب اُن لوگوں کو جو ہماری آیتوں سے لوگوں کو روکتے ہیں اس روکنے کی پاداش میں بہت بُرا عذاب کریں گے اور سخت بُری سزا دیں گے یعنی خود بھی نہ مانا اور دوسروں کو ماننے سے روکا اس لئے بُری مار کے مستحق ٹھہرے (١٥٧) کیا یہ لوگ صرف اس امر کے منتظر ہیں کہ اُنکے پاس فرشتے آئیں یا آپ کا پروردگار اُنکے پاس آئے یا قیامت کی نشانیوں میں سے آپ کے پروردگار کی کوئی بڑی نشانی آجائے جس دن آپکے پروردگار کی یہ بڑی نشانی ظاہر ہوگی اور آجائے گی اس دن کسی ایسے شخص کو جو ظہورِ نشان سے پہلے ایمان نہیں لایا تھا ایمان لانا نفع نہیں دے گا اور ان کے حق میں ایمان لانا مفید نہیں ہوگا یا وہ شخص جو ظہورِ علامت سے پہلے ایمان لے آیا تھا مگر اُس نے اپنے ایمان میں کوئی نیک عمل نہ کیا ہو اور باوجود مومن ہونے کے کوئی بھلائی نہ کمائی ہو تو اُس کو بھی توبہ کرنا اور توبہ کرکے کوئی بھلا کام کرنا مفید اور نافع نہ ہوگا آپ کہدیجئے اچھا تم انتظار کرو اور ہم بھی حالات کا انتظار کر رہے ہیں یعنی باوجود دلائلِ واضحہ کے جو ایمان لانے میں پس و پیش کر رہے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں کے آنے کے منتظر ہیں کہ فرشتے آکر کہیں کہ یہ پیغمبر صادق ہے اور یہ قرآن حق ہے یا فرشتے ان کی جان قبض کرنے آجائیں یا آپ کا پروردگار خود اُن کے پاس آکر رسول کی اور قرآن کی تصدیق کرے یا قیامت کی کسی بڑی نشانی کے منتظر ہیں مثلاً مغرب سے آفتاب کے طلوع ہونے کے منتظر ہوں لیکن جس دن قیامت کی کوئی بڑی علامت اور نشانی آجائے گی تو اُس دن منکروں کو ایمان لانا اور ایمان والوں کو گناہوں سے توبہ کرکے نیک بننا کچھ مفید نہ ہوگا کیونکہ اُس دن کفر اور شرک اور فسق سے توبہ کرنے کا موقع باقی نہ رہے گا اور قبولیت توبہ کا دروازہ بند ہوجائیگا ۔ اچھا اگر تمکو ایسا انتظار ہے تو انتظار کرتے رہو اور ہم بھی منتظر ہیں کہ تمہارا انجام کیسا ہوگا (١٥٨) بلاشبہ جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے جدا جدا کر دیا اور مختلف گروہ بن گئے آپ کا اُن سے کوئی تعلق اور آپ کو اُن سے کوئی سروکار نہیں اُن کا معاملہ صرف اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے پھر جو کچھ وہ کیا کرتے تھے اللہ تعالیٰ ہی اُن کو بتادے گا اور جتلادے گا یعنی جن لوگوں نے اُس دین کو جو ان کو دیا گیا تھا پوری طرح قبول نہ کیا اور پورے دین پر عمل نہیں کیا اُس دین میں شرک و بدعت کی آمیزش کر دی اور اس طرح اپنے دین کو ٹکڑے کر دیا اور مختلف پارٹیوں میں اور گروہوں میں تقسیم ہوگئے تو ایسے لوگوں سے آپ کا کوئی واسطہ نہیں اُن کا معاملہ خدا کے سپرد ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اُن کاموں کی حقیقت سے آگاہ فرمادے گا جو وہ کیا کرتے تھے (١٥٩) جو شخص کوئی نیکی لیکر حاضر ہوگا تو اُس کو اُس جیسی دس نیکیوں کا ثواب ملے گا اور

فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى

تو اس کو اُسی جیسی دس نیکیوں کا ثواب ملے گا اور جو شخص برائی لیکر پیش ہوگا تو اس کو فقط اس برائی کی مثل

اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ

سزا دی جائیگی اور اُن لوگوں سے غیر منصفانہ برتاؤ نہیں کیا جائیگا۔ آپ فرما دیجئے کہ یقیناً مجھ کو تو میرے رب

رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۚ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ

نے سیدھی راہ بتا دی ہے کہ وہ ایک صحیح دین ہے جو ملت ہے حضرت

اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ قُلْ

ابراہیمؑ کی، وہ ابراہیمؑ جو خدا ہی کے ہو رہے تھے اور وہ شرک کرنیوالوں میں سے نہ تھے۔ اے پیغمبر آپ

اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ

کہدیجئے کہ بالیقین میری نماز اور میری ہر ایک عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا سب کچھ اللہ ہی کیلئے ہے جو رب ہے

الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۲﴾ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا

تمام جہان کا۔ اُس کا کوئی شریک نہیں ہے اور مجھ کو یہی حکم دیا گیا ہے اور میں سب فرماں برداروں سے پہلا

اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۶۳﴾ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّهُوَ

فرماں بردار ہوں۔ آپ ان سے کہدیجئے کیا میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی اور رب تلاش کروں حالانکہ وہی

رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ۚ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا

تمام چیزوں کا رب ہے اور کوئی شخص کسی قسم کا گناہ نہیں کماتا مگر یہ کہ اُس کا وبال اُسی پر ہوتا ہے اور کوئی

تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ

بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھائیگا پھر تم سب کو اپنے رب کی طرف واپس پلٹنا ہے

فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ وَهُوَ الَّذِيْ

اُس وقت وہ تم کو اُن باتوں کی حقیقت سے آگاہ کر دیگا جن میں تم اختلاف کیا کرتے تھے۔ اور وہی ہے

جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ

جس نے تم کو زمین میں اپنا خلیفہ بنایا اور باعتبار درجات کے تم میں سے بعض کو

جو شخص کوئی بُرائی اور بدی لیکر پیش ہوگا تو اُس کو صرف اس برائی کی مثل بدلہ دیا جائے گا اور اس بُرائی کے برابر ہی سزا دی جائیگی اور اُن لوگوں پر ظلم نہ ہوگا اور اُن کے ساتھ غیر منصفانہ برتاؤ نہیں کیا جائیگا یعنی ایک نیکی کا ثواب دس نیکیوں کے برابر اور گناہ کی سزا ایک کی ایک (۱۶۰) آپ ان سے فرما دیجئے یقیناً مجھ کو تو میرے پروردگار نے سیدھی راہ اور راہِ راست بتادی ہے کہ وہ ایک صحیح اور مستحکم دین ہے جو ملت اور طریقہ اور مسلک ہے حضرت ابراہیمؑ کا وہ ابراہیمؑ جو سب طرف سے کٹ کر اللہ تعالیٰ ہی کے ہو گئے تھے اور وہ شرک کرنیوالوں میں سے نہ تھے یعنی حضرت ابراہیمؑ حنیف تھے یا وہ ملت سیدھی سادھی تھی اور اس میں کسی قسم کی کجی اور ہیر پھیر نہیں تھا (۱۶۱) اے پیغمبر آپ فرما دیجئے کہ بالیقین میری نماز اور میری تمام عبادات اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے جو پروردگار اور مالک ہے تمام جہان کا یعنی وہی رب ہے اور وہی مستحق عبادت ہے چونکہ نماز اہم عبادت ہے اس لئے اس کو اور عبادات سے جدا ذکر کیا تمام جہان کا یعنی تمام مخلوقات کا مالک ہے (۱۶۲) اُس کا کوئی ساجھی اور شریک نہیں ہے اور مجھ کو اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں اس دین والوں میں سب سے پہلا ماننے والا اور سب فرمانبرداروں میں سب سے پہلا فرماں بردار ہوں یعنی مجھ کو عبادت میں اخلاص کا حکم دیا گیا ہے (۱۶۳) آپ ان سے کہدیجئے کیا میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور اُس کے سوا کوئی اور پروردگار اور مالک تلاش کروں حالانکہ وہی ہر چیز کا رب اور مالک ہے اور جو شخص بھی کوئی عمل کرتا ہے اور کوئی گناہ کماتا ہے تو وہ اسی پر رہتا ہے اور اس کی ذمہ داری اسی پر ہوتی ہے اور کوئی بوجھ اٹھانیوالا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا پھر تم سب کی بازگشت اور تم سب کو اپنے پروردگار ہی کی طرف لوٹنا ہے اُس وقت وہ تم کو اُن باتوں کی حقیقت سے آگاہ کر دے گا اور تم کو بتادے گا جن میں تم اختلاف کیا کرتے تھے یعنی رب کے ہوتے ہوئے اور کس رب کی تلاش کروں وہی ہر چیز کا مالک ہے (۱۶۴)

اور اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس وہ ہے جس نے تم کو زمین میں اپنا نائب اور خلیفہ بنایا اور تم کو زمین میں تصرف کا حق دیا اور تم میں سے باعتبار درجات کے بعض کو بعض پر فوقیت عطا کی اور ایک کو دوسرے سے مرتبہ میں بڑھایا اور بلند کیا تاکہ اُس نے تم کو جو کچھ دیا ہے اُس میں تمہاری آزمائش کرے اور تم کو آزمائے یقیناً آپ کا پروردگار جلد سزا دینے والا بھی ہے اور یقیناً وہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے یعنی زمین میں تم کو رہنے اور بسنے کیلئے جگہ دی اور زمین پر تم کو ہر طرح سے تصرف کا حق دیا جاتا ہے مکان بناؤ چاہے کھیتی کرو کنواں کھودو نہر بناؤ فرق مراتب کو وجہ آزمائش فرمایا ہر شخص ایک دوسرے کے لئے آزمائش ہے اور اللہ تعالیٰ کی ہر نعمت اور اُس کا ہر ایک عطیہ موجب شکر و امتنان ہے خواہ زیادہ ہو یا کم (١٦٥) تم تفسیر سورۃ الانعام

ع ٢١ ۔ ١١ ۔ ٧

سورۃ الاعراف ١ مکی ہے اور اس سورت میں دو سو چھ آیتیں اور چوبیس رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے۔ المٓصٓ (١) یہ قرآن ایک کتاب ہے جو اے پیغمبر آپ کی جانب نازل کی گئی ہے لہٰذا اس کی وجہ سے آپ کے دل میں کوئی تنگی نہ ہو یہ اس لئے نازل کی گئی ہے تاکہ آپ اس کے ذریعہ سے لوگوں کو ڈرائیں اور اس کتاب کے احکام کی خلاف ورزی سے لوگوں کو سزا و عذاب کا خوف دلائیں اور یہ کتاب خاص طور پر ایمان والوں کے لئے نصیحت ہے یعنی اس کتاب کے منزل من اللہ ہونے میں کوئی شک نہ ہو یا کوئی اس پر ایمان نہ لائے تو آپ کا دل کوئی تنگی اور تکلیف محسوس نہ کرے اگرچہ نصیحت تو سب کے لئے ہے لیکن جو لوگ نصیحت مانتے ہیں انہی کیلئے نصیحت ہے (٢)۔ اے وہ لوگو! جو مکلف ہو تم اس کتاب یعنی قرآن کی پیروی کرو جو تمہارے پروردگار کی جانب سے تمہاری ہدایت کے لئے اتاری گئی ہے اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسرے رفیقوں کے کہنے پر نہ چلو یعنی شیاطین کی خواہ وہ انسانوں میں سے ہوں یا جنات میں سے جن کو تم نے اپنا رفیق اور دوست بنا رکھا ہے انکے کہنے پر نہ چلو تم لوگ بہت ہی کم نصیحت مانتے اور قبول کرتے ہو (٣) اور کتنی ہی بستیاں ایسی ہیں جن کے رہنے والوں کو ہم نے ہلاک کر دیا اور تباہ و برباد کر ڈالا یعنی اُن کی نافرمانی کے سبب پھر ہمارا عذاب ان پر یا تو رات کو اُن کے سوتے میں آیا یا دوپہر کو آیا جبکہ وہ آرام کر رہے تھے یعنی کسی بستی پر رات کو عذاب نازل ہوا اور کسی بستی پر دوپہر کو قیلولہ کے وقت آیا (٤) پھر جب ہمارا عذاب اُن پر آ پہونچا تو پھر اُن کے منہ سے سوائے اس کے کچھ نہ نکلتا تھا اور اُن کی چیخ و پکار بجز اس کے کچھ نہ تھی کہ وہ کہتے تھے بے شک ہم ہی ظالم تھے یعنی اپنے جرم کا اقرار کرنے لگے (٥) پھر اس سزا کے بعد ہم قیامت میں ان لوگوں سے بھی باز پرس کریں گے جن کی طرف رسول بھیجے گئے تھے اور خود رسولوں سے بھی پوچھیں گے اور ضرور دریافت کریں گے یعنی اُمتوں سے یہ پوچھا جائے گا کہ تم نے رسولوں کا کہنا مانا یا نہیں اور رسولوں

بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ ۭ اِنَّ رَبَّكَ

بعض پر فوقیت عطا کی تاکہ جو کچھ تم کو عطا کیا ہے اُس میں وہ تمہاری آزمائش کرے بیشک آپ کا رب

سَرِيْعُ الْعِقَابِ ڮ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝١٦٥

جلد سزا دینے والا بھی ہے اور بے شک وہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان بھی ہے۔

سُوْرَةُ الْاَعْرَافِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَتَانِ وَسِتُّ اٰيَاتٍ وَّاَرْبَعٌ وَّعِشْرُوْنَ رُكُوْعًا

سورۂ اعراف مکی ہے اور اس سورت میں دو سو چھ آیتیں اور چوبیس رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے۔

الٓمّٓصٓ ۝١ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ

المٓصٓ ۔ یہ ایک کتاب ہے جو اس غرض سے آپ پر نازل کی گئی ہے تاکہ آپ اس کے ذریعہ سے لوگوں کو ڈرائیں

حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝٢

لہٰذا اس کی وجہ سے آپ کے دل میں کوئی تنگی نہ ہونی چاہیے اور یہ کتاب ایمان والوں کے لئے نصیحت ہے۔

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ

اے لوگو تم اس کتاب کی پیروی کرو جو تمہارے رب کی طرف سے تمہارے لئے نازل کی گئی ہے اور خدا کو چھوڑ کر

دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝٣ وَكَمْ مِّنْ

دوسرے رفیقوں کے پیچھے نہ چلو تم لوگ بہت ہی کم نصیحت قبول کرتے ہو ۔ اور کتنی ہی

قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَاۗءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ

بستیاں ایسی ہیں جن کے رہنے والوں کو ہم نے ہلاک کر دیا پھر ہمارا عذاب ان پر یا تو رات کو پہنچا یا ایسے وقت پہنچا

قَاۗىِٕلُوْنَ ۝٤ فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَاۗءَهُمْ بَاْسُنَآ

جبکہ وہ دوپہر کو قیلولہ کر رہے تھے ۔ پھر جس وقت ہمارا عذاب پہنچ گیا تو اُس وقت اُن کی چیخ و پکار

اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝٥ فَلَنَسْــَٔـلَنَّ

سوائے اسکے کچھ اور نہ تھی کہ وہ یوں کہتے تھے بلاشبہ ہم ہی ظالم تھے ۔ پھر ہم اُن لوگوں سے جن کے پاس

سے یہ کہ تمہاری اُمتوں نے تمہیں کیا جواب دیا اور تمہاری دعوت کو سُن کر قبول کیا یا نہیں (۶) پھر چونکہ ہم اُنکے ظاہری اور باطنی احوال و اعمال کو بخوبی جانتے ہیں اسلئے اُنکے تمام احوال و اعمال انکے روبرو بیان کردیں گے

الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۶

رسول بھیجے گئے تھے ضرور سوال کریں گے اور ہم پیغمبروں سے بھی ضرور دریافت کرینگے

فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ ۝۷ وَالْوَزْنُ

پھر وہ تمام احوال جن سے ہم بخوبی واقف ہیں اُن سب کے سامنے بیان کردیں گے اور ہم کہیں غائب تو تھے ہی نہیں۔

يَوْمَئِذِ ٟالْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ

اور اس دن وزنِ اعمال ایک غیر مشتبہ حقیقت ہے پھر جن کا پلہ بھاری ہوگا تو وہی لوگ

هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۸ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ

کامیاب ہوں گے۔ اور جن کا پلہ ہلکا ہوگا تو یہ لوگ وہی ہیں جنھوں نے اس بنا پر

الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ۝۹

کہ وہ ہماری آیتوں کے ساتھ ظالمانہ برتاؤ کیا کرتے تھے اپنے آپ کو خسارے میں ڈال لیا۔

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِى الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا

اور بیشک ہم نے تم کو زمین میں رہنے کو جگہ دی اور اس میں تمہارے لئے ہم نے اسبابِ معیشت

مَعَايِشَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝۱۰ وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ

وزندگانی مہیا کئے، مگر تم لوگ بہت ہی کم شکر ادا کرتے ہو۔ اور بلاشبہ ہم نے تم کو پیدا کیا

ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۖ

پھر ہم نے تمہاری شکل وصورت بنائی پھر ہم نے فرشتوں سے کہا آدمؑ کے سامنے سجدہ کرو

فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۝۱۱

سو اُنھوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے کہ وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا۔

قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ۭ قَالَ اَنَا

حضرت حق نے فرمایا تجھ کو کس چیز نے سجدہ کرنے سے روکا جبکہ میں تجھکو سجدہ کرنے کا حکم دے چکا تھا ابلیس نے کہا

خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ

میں آدمؑ سے بہتر ہوں کیونکہ تو نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا ہے اور اُس کو

اور ہم اُن کے احوال سے کچھ بے خبر تو تھے ہی نہیں اور ہم اُن کے کسی عمل کے وقت غائب تو تھے ہی نہیں جو ہم سے کوئی بات مخفی ہوتی (۷) اور اُس دن یعنی قیامت کے دن اعمال کا وزن ایک امر واقعی اور غیر مشتبہ حقیقت ہے پھر جن کا پلہ بھاری ہوگا تو وہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں یعنی مومن ہو اور ایمان کا پلہ بھاری ہو اور ایمان اُسی کا بھاری ہوگا جس کے عمل صالح ہوں گے اور اعمال میں خلوص ہوگا (۸) اور وہ لوگ جن کا پلہ تول میں ہلکا ہوگا تو یہ لوگ وہی ہیں جنھوں نے اپنے آپ کو خسارہ میں ڈال لیا بہ سبب اس کے کہ وہ ہماری آیتوں کیساتھ غیر منصفانہ برتاؤ کیا کرتے تھے یعنی منکر اُس دن خسارے میں پڑجائیں گے اور اُن کو سخت ٹوٹا ہوگا (۹) اور بلاشبہ ہم نے تم کو زمین پر بسنے اور رہنے کو جگہ دی اور زمین میں ہم نے تمہارے لئے اسباب زندگی اور سامان معیشت پیدا کئے لیکن باوجود اس کے تم لوگ بہت ہی کم شکر ادا کرتے ہو یعنی بجائے شکر کی بجاآوری کے کفرانِ نعمت کرتے ہو اور شکر کثیر کی جگہ بہت کم شکر بجالاتے ہو (۱۰) اور بالتحقیق ہم ہی نے تم کو یعنی تمہارے باپ آدمؑ کو بنایا پھر ہم نے تمہاری صورت بنائی یعنی تمہارے باپ آدم کی شکل وصورت بنائی پھر ہم نے تمام فرشتوں سے کہا کہ آدم کے سامنے سجدہ کرو پس سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے سجدہ نہیں کیا اور وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل نہیں ہوا؛

ع ۱ ۱۰ ۸

یعنی ابتداءً حضرت آدمؑ کو پیدا کیا اور مٹی سے ان کی لگدی بنائی گئی پھر اس لگدی میں حضرت آدمؑ کی شکل وصورت بنائی گئی پھر آدمؑ کو اشیاء کے نام کی تعلیم دینے کے بعد اُن کی اشرفیت اور اُن کی فوقیت کے اظہار کے لئے سجدے کا حکم دیا گیا اس حکم کی سوائے ابلیس کے سب نے تعمیل کی مگر وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل نہیں ہوا (۱۱) اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب میں نے تجھ کو سجدہ کرنے کا حکم دیدیا تھا اور آدمؑ کی تعظیم وتکریم کا امر کرچکا تھا پھر تجھے آدمؑ کو سجدہ کرنے سے کس نے باز رکھا اور کیا چیز تیرے لئے مانع ہوئی ابلیس نے جواب دیا میں آدمؑ سے بہتر ہوں تو نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا ہے اور آدمؑ کو مٹی سے بنایا ہے یعنی آگ مٹی سے بہتر اور روشن اور بلند ہے تو نے بہتر کو کمتر کے آگے جھکنے کا حکم دیا تھا اس لئے میں نے اس غیر معقول حکم کی تعمیل نہیں کی (۱۲)

طِينٍ (١٢) قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُونُ لَكَ أَن تَتَكَبَّرَ

مٹی سے ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جا نیچے اُتر یہاں سے ! تجھ کو یہ حق حاصل نہیں کر تو یہاں رہ کر تکبر

فِيهَا فَاخْرُجْ إِنَّكَ مِنَ الصَّاغِرِينَ (١٣) قَالَ أَنظِرْنِي

کرے لہٰذا باہر نکل یقیناً تو ذلیلوں میں سے ہے ۔ ابلیس نے کہا مجھ کو اُس دن تک کے لئے

إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ (١٤) قَالَ إِنَّكَ مِنَ الْمُنظَرِينَ (١٥)

مہلت دے جس دن کہ مُردے زندہ کرکے اُٹھائے جائیں ۔ خدا نے فرمایا اچھا تجھ کو مہلت دی گئی ۔

قَالَ فَبِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ

ابلیس نے کہا جیسا تو نے مجھ کو راہ سے کھویا ہے میں بھی قسم کھاتا ہوں کہ میں انکی تاک میں تیری سیدھی راہ

الْمُسْتَقِيمَ (١٦) ثُمَّ لَآتِيَنَّهُم مِّن بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ

پر بیٹھ جاؤں گا ۔ پھر ان کے آگے سے اور ان کے پیچھے سے اور ان کے دائیں

خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَن شَمَائِلِهِمْ ۖ وَلَا تَجِدُ

سے اور ان کے بائیں سے ان کے پاس بہکانے کے لئے آؤنگا اور تو ان میں سے

أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ (١٧) قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُومًا مَّدْحُورًا ۖ

بہت سوں کو شکر گزار نہ پائے گا ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو یہاں سے خوار و مردود ہو کر نکل !

لَّمَن تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنكُمْ أَجْمَعِينَ (١٨)

بنی آدمؑ میں سے جو تیری پیروی کرے گا تو میں بلاشبہ تم سب سے دوزخ کو بھر دوں گا

وَيَا آدَمُ اسْكُنْ أَنتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ

اور اے آدمؑ تم اور تمہاری بیوی دونوں اس جنت میں رہو سہو پھر جس جگہ سے چاہو تم دونوں

حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا

کھاؤ اور ہاں اس مخصوص درخت کے قریب بھی نہ جانا ورنہ تم گنا ہگاروں

مِنَ الظَّالِمِينَ (١٩) فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطَانُ لِيُبْدِيَ

میں سے ہو جاؤ گے پھر شیطان نے ان دونوں کو بہکایا تاکہ ان دونوں کی شرمگاہیں

اللہ تعالیٰ نے فرمایا جا یہاں سے نیچے اُتر جا تجکو کوئی حق نہیں اور تیرے لئے اس امر کی بالکل گنجائش نہیں کہ تو یہاں رہ کر تکبر کرے لہٰذا یہاں سے نکل جا یقیناً تو ذلیلوں میں سے ہے اور تیرا شمار ذلیلوں میں ہونے لگا ؛ یعنی اس ادعا کے اور اظہارِ تکبر کے بعد تو عالمِ بالا کی مخلوق کے ہمراہ نہیں رہ سکتا اس عالمِ بالا سے مراد ظاہر تو یہی ہے کہ آسمان مراد ہیں اور ہو سکتا ہے کہ جنت ہو اللہ تعالیٰ کے حکم پر اعتراض کرنے اور تکبر کے ارتکاب کے بعد تیرا شمار ذلیل لوگوں میں ہو گیا (١٣) ابلیس نے کہا مجھ کو اُس دن تک کے لئے موت سے مہلت دیجئے جس دن کہ مُردے قبروں سے اٹھائے جائیں اور مُردے زندہ کئے جائیں (١٤) حضرت حق نے ارشاد فرمایا بلاشبہ تجکو اُس دن تک کے لئے موت سے مہلت دی گئی (١٥) ابلیس نے کہا جیسا تو نے مجھ کو راہ سے کھویا ہے اور اس سبب سے کہ تو نے مجھ کو گمراہ کیا ہے میں بھی قسم کھاتا ہوں کہ میں تیری سیدھی راہ پر انکی تاک میں بیٹھ جاؤں گا ؛ یعنی وہ سیدھی راہ جو تجھ تک پہونچتی ہے اُس راہ پر اُن کے گمراہ کرنے کو بیٹھ جاؤنگا (١٦) پھر اُن کے آگے سے اور اُن کے پیچھے سے اور اُن کے پاس بہکانے کے لئے آؤں گا اور ان پر حملہ آور ہوں گا اور تو اولادِ آدمؑ میں سے اکثر کو شکر گزار نہ پائے گا ؛ یعنی عبادت کرنے والا اور حق ماننے والا نہ پائے گا اور اکثریت نافرمانوں کی ہوگی (١٧) اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو یہاں سے ذلیل و مردود ہو کر نکل بنی آدم میں سے جو تیری پیروی کرے گا اور تیرا کہنا مانے گا تو میں یقیناً تم سب سے دوزخ کو بھر دونگا ؛ یعنی تجھ سے اور تیرے نقشِ قدم پر چلنے والوں سے سب سے جہنم کو پُر کیا جائے گا (١٨) اور اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو حکم دیا کہ اے آدمؑ تم اور تمہاری زوجہ اس جنت میں سکونت اختیار کرو اور اس میں رہو سہو پھر جس جگہ سے چاہو تم دونوں کھاؤ لیکن دیکھو اس مخصوص درخت کے قریب نہ جانا ورنہ تم ظالم اور نامناسب کام کرنے والوں میں شمار کئے جاؤ گے اور تم نافرمان قرار دئے جاؤ گے ؛ یعنی گیہوں یا انگور کے درخت میں سے کچھ نہ کھانا ورنہ خطا کاروں میں تمہارا شمار ہو جائے گا اور نامناسب کام کرنے والے قرار دیئے جاؤ گے (١٩) پھر شیطان نے آدمؑ اور آدمؑ کی بیوی دونوں کے دل میں وسوسہ ڈالا اور دونوں کو بہکایا تاکہ انکو شجرِ ممنوعہ

لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰكُمَا

جو ایک دوسرے سے پوشیدہ تھیں ان کے سامنے آشکارا کردے اور ان دونوں سے شیطان نے کہا کہ اس مخصوص

رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ

درخت سے تم کو تمہارے رب نے صرف اسلئے منع کیا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم دونوں فرشتے بن جاؤ

اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا

یا تم دونوں ہمیشہ زندہ رہنے والوں میں سے ہو جاؤ۔ اور قسم کھا کر شیطان نے ان سے کہا کہ یقیناً میں تم دونوں کا

لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۲۱﴾ فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ

خیرخواہ ہوں۔ غرض ان دونوں کو دھوکہ دیکر شیطان نے مائل کرہی لیا پھر جیسے ہی انہوں نے اس درخت کو چکھا

بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ

تو اُسی وقت ان کی شرمگاہیں اُن کیلئے ظاہر ہوگئیں اور دونوں اپنے اوپر جنت کے پتے

وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۭ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ

ملا ملا کر رکھنے لگے اور اُس وقت اُن کو اُن کے رب نے پکارا کیوں! کیا میں تم کو اس درخت کے

تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ

قریب جانے سے منع نہ کرچکا تھا اور میں نے تم سے یہ نہیں کہہ دیا تھا کہ دیکھو شیطان تمہارا

مُّبِيْنٌ ﴿۲۲﴾ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۫ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ

صریح دشمن ہے۔ ان دونوں نے عرض کیا اے ہمارے رب ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا اور اگر تو ہم کو معاف

لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ قَالَ اهْبِطُوْا

نہ کرے گا اور تو ہم پر رحم نہیں کرے گا تو ہم یقیناً تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم نیچے

بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ

اترو تم سب آپس میں ایک دوسرے کے دشمن رہو گے اور تمہارے لئے زمین میں ایک معین وقت تک ٹھہرنا اور

مَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۲۴﴾ قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ

نفع اٹھانا ہوگا۔ خدا نے یہ بھی فرمایا کہ تم زمین ہی پر زندہ رہو گے اور زمین ہی پر مرو گے

کا پھل کھلادے اور ان دونوں کی شرمگاہیں جو ایک دوسرے سے جنت کے لباس کی وجہ سے پوشیدہ تھیں اور ایک دوسرے سے چھپی ہوئی تھیں ان شرمگاہوں کو دونوں کے سامنے آشکارا کردے یعنی ان کے ستر جو ایک دوسرے سے پوشیدہ اور چھپے ہوئے تھے ان کی خطا کے باعث ایک دوسرے کے سامنے ہو جائیں اور جنت کا لباس اُن سے چھین لیا جائے اور وہ دونوں ایک دوسرے کے روبرو برہنہ ہو جائیں اور ابلیس نے ان دونوں سے یہ کہا کہ تمہارے پروردگار نے تم کو اس درخت سے نہیں روکا مگر محض اس غرض سے روکا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو تم فرشتے بن جاؤ یا تم دونوں ہمیشہ زندہ رہنے والوں میں سے ہو جاؤ یعنی یہ ممانعت تو صرف اس وقت کیلئے تھی جب تمہارا رب تم کو فرشتہ بننے سے یا دائمی زندگی کے حصول سے روکنا چاہتا تھا اور اب تم میں صلاحیت پیدا ہوگئی ہے اس وقت یہ ممانعت ہی نہیں اسلئے اب اس مخصوص درخت کا پھل کھالینے میں کوئی مضائقہ نہیں بلکہ فائدہ ہی فائدہ ہے (۲۰) اور ابلیس نے ان دونوں سے قسم کھا کر یہ بھی کہا کہ میں تم دونوں کا خیرخواہ ہوں (۲۱) چنانچہ ان دونوں میاں بیوی کو فریب آمیز باتوں سے دھوکہ دیکر مائل کرہی لیا اور نیچے جھکا لیا پھر جب اُن دونوں نے اس درخت کے پھل کو چکھا تو اُسی وقت ان دونوں کی شرمگاہیں اور ستر کے مقامات ایک دوسرے کیلئے کھل گئے اور آشکارا ہو گئے اور یہ دونوں اپنے اوپر جنت کے درختوں کے پتے ملا ملا کر رکھنے لگے۔ یعنی برہنہ ہو گئے اور ستر کو شجرہائے جنت کے پتوں سے چھپانے لگے اور ان دونوں کے پروردگار نے ان کو پکارا کیوں کیا میں تم کو اس خاص درخت کے پھل کھانے اور اُس کے قریب جانے سے منع نہیں کرچکا تھا اور کیا میں نے تم کو یہ نہیں بتا دیا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے (۲۲) ان دونوں میاں بیوی نے عرض کیا اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور ہم نے اپنے اوپر زیادتی کی اور اگر تو ہم کو معاف نہ کرے گا اور ہماری بخشش نہ فرمائے گا اور ہم پر آپ رحم نہ فرمائیں گے تو ہم یقیناً خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے اور ہم تباہ و برباد ہوں گے۔ یعنی دونوں نے اپنی خطا کا اقرار و اعتراف کرتے ہوئے بخشش اور رحم کی درخواست کردی (۲۳) اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تم یہاں سے یعنی جنت سے زمین پر اُترو اور اس حالت میں اترو کہ تم ایک دوسرے کے یعنی تمہارے بعض بعض کے دشمن ہوں گے اور تمہارے لئے ایک وقت معین تک زمین میں ٹھہرنا اور زمین کے اسباب معیشت سے فائدہ اٹھانا ہوگا یعنی تم زمین میں جاؤ وہاں تمہاری اولاد آپس میں ایک دوسرے کی دشمن اور مخالف ہوگی اور تم وہاں موت کے وقت تک ٹھہرو گے اور تمہارے رہنے سہنے اور کھانے پینے کا انتظام زمین کی پیداوار سے ہوگا (۲۴) اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرما دیا کہ تم کو زمین ہی میں زندہ رہنا اور اسی زمین میں مرنا اور اس ہی زمین سے نکلنا ہے؛

یعنی مرنیکے بعد دوبارہ زندہ ہوکر زمین ہی سے نکالے جاؤ گے (۲۵) اے اولادِ آدمؑ ہم نے تمہارے لئے لباس پیدا کیا جو تمہارے جسم کے قابلِ شرم مقامات کو ڈھانکتا اور چھپاتا ہے اور وہ لباس تمہارے لئے موجب زینت و آرائش بھی ہے یعنی اس لباس سے جو ہم نے پیدا کیا ہے اور اس کے اسباب کو آسمان سے اتارا ہے دونوں باتیں حاصل ہوتی ہیں ستر بھی اور تنزین بھی اسباب کا اتارنا یہ کہ اگر آسمان سے پانی نہ برسے تو روئی پیدا نہ ہو اور لوگوں کو لباس میسر نہ آئے۔ اور دینداری اور پرہیزگاری کا لباس سب لباسوں سے بہتر ہے یعنی تقویٰ اصل مقصود ہے اور سب چیزوں کا مدار تقویٰ ہی پر ہے۔

وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ ﴿٢٥﴾ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ

اور زمین ہی میں سے دوبارا نکالے جاؤ گے۔ اے بنی آدم ہم نے تمہارے لئے ایسا لباس

لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۭ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ

پیدا کیا جو تمہارے جسم کے قابلِ ستر حصوں کو ڈھانکتا ہے اور ایسا لباس بھی جو تمہارے لئے موجب زینت ہے اور پرہیزگاری

ذٰلِكَ خَيْرٌ ۭ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿٢٦﴾

کا لباس تو وہ سب لباسوں سے بہتر ہے یہ قدرتِ خداوندی کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ لوگ غور کریں۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ

اے اولادِ آدمؑ دیکھو شیطان تم کو اسی طرح کسی فتنہ میں مبتلا نہ کردے جس طرح اُس نے تمہارے والدین کو ایسی حالت کے

مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ۭ

ساتھ جنت سے نکلوایا کہ ان دونوں کا لباس بھی اُن سے اتروا دیا تاکہ ان دونوں کی قابلِ شرم چیزیں ان پر ظاہر

اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۭ اِنَّا

کردے یقیناً وہ شیطان اور اُس کا لشکر تم کو ایسی جگہ سے دیکھتا ہے جہاں سے تم انکو نہیں دیکھ سکتے، بے شک ہم

جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٢٧﴾ وَاِذَا

نے شیطانوں کو انہی لوگوں کا رفیق و ہمدم مقرر کیا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔ اور وہ

فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَاۗءَنَا وَاللّٰهُ

منکرِ ایمان جب کوئی فحش اور بُرا کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں ہم نے اپنے باپ دادوں کو اسی طرح کرتے

اَمَرَنَا بِهَا ۭ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَاۗءِ ۭ اَتَقُوْلُوْنَ

پایا ہے اور اللہ نے بھی ہمکو اسی کا حکم دیا ہے آپ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہرگز کسی فحش کام کا حکم نہیں دیتا تم کیوں خدا کے

عَلَي اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٢٨﴾ قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ ۣ وَاَقِيْمُوْا

ذمہ وہ باتیں لگاتے ہو جن کا تمہیں علم نہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ نے تو انصاف کرنے کا حکم دیا ہے اور نیز یہ کہ

وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ

تم ہر نماز کے وقت اپنا رخ سیدھا رکھا کرو یعنی قبلہ کی طرف اور خدا کی عبادت اس طور پر کیا کرو کہ اس کی عبادت کو خالص

یہ لباس کا پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور اُس کے فضل کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت پر غور کریں اور اُس کے اِس احسان کو یاد رکھیں یعنی اس احسان کا حق ادا کیا کریں (۲۶) اے اولادِ آدمؑ دیکھو شیطان تم کو اسی طرح کسی فتنہ میں مبتلا نہ کردے اور تم کو بہکا نہ دے جس طرح اس نے تمہاری ماں اور باپ کو فتنہ میں مبتلا کر دیا تھا اور اُن دونوں کو جنت سے اس حال سے نکلوا دیا تھا کہ ان دونوں کے جسم سے ان کے کپڑے بھی اتروا دیئے تاکہ اُن کی شرم گاہیں اور شرم کے مقامات اُن پر ظاہر کر دے اور ایک کو دوسرے کے سامنے آشکارا کر دے یعنی ایک کے روبرو دوسرے کو برہنہ کر دے۔ بلا شبہ وہ شیطان اور اُس کی قوم اور اُس کا لشکر تم کو ایسی جگہ سے دیکھتا ہے جہاں سے تم اُن کو نہیں دیکھ سکتے بیشک ہم نے شیاطین کو انہی لوگوں کا رفیق بنا دیا ہے اور انہی کا دوست مقرر کر رکھا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔ یعنی شیطان عام طور سے تم کو نہیں دکھائی دیتا مگر وہ اور اُس کی ذریت تم کو دیکھتی ہے پس ایسے خطرناک دشمن سے بہت زیادہ ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے شیطان کو اُنہی لوگوں کا رفیق بنا دیا جاتا ہے جو شیطانی رفاقت کے خواہش مند ہوتے ہیں شیطان کی رفاقت یہی ہے کہ اُس کو اُن پر مسلط کر دیا جاتا ہے جو ایمان نہیں لاتے (۲۷) اور جب یہ ایمان کے منکر کوئی فحش اور بے حیائی کا کام کرتے ہیں اور کسی بے ہودگی کے مرتکب ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طرح کرتے پایا ہے اور اللہ نے بھی ہم کو ایسا کرنے کا حکم دیا ہے آپ فرما دیجئے اللہ تعالیٰ کبھی کسی فحش اور بے حیائی کے کام کا حکم نہیں دیا کرتا تم اللہ کے ذمہ کیوں ایسی باتیں کہتے ہو جن کا تمہیں علم نہیں اور جن کو تم نہیں جانتے۔ یعنی تم سن چکے کہ تمہارے پہلے باپ نے شیطان سے فریب کھایا پھر باپ دادوں کی سند کیوں پکڑتے ہو اور یہ کس قدر بے حیائی ہے کہ جو کام شیطان کے حکم سے ہو رہا ہو اُس کو خدا کے حکم سے بتاتے ہو آگے وہ کام مذکور ہیں جن کا امر اللہ تعالیٰ کرتا ہے اور جو اُس کے حکم دینے کے لائق اور مناسب ہیں۔ (۲۸) جو باتیں یہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں وہ تو غلط ثابت ہوئیں اب جن باتوں کا وہ حکم دیتا ہے ان میں سے کچھ باتیں ان کو بتائیے۔ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ میرا پروردگار تو انصاف کا حکم دیتا ہے اور اس نے تو افراط و تفریط سے بچ کر معتدل راہ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ بھی حکم دیا ہے کہ تم ہر نماز کے وقت اپنا رخ سیدھا رکھا کرو یعنی مُنہ کعبہ کی طرف اور دل اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رکھا کرو یا یہ کہ ہر عبادت میں سیدھے رہو اور شریعت کی راہ سے اِدھر اُدھر نہ ہوا کرو

الدِّيْنَ ۬ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ﴿٢٩﴾ فَرِيْقًا هَدٰى وَفَرِيْقًا

اسی کیلئے کرنیوالے ہو جس طرح اُسنے تم کو پہلی مرتبہ پیدا کیا ہے اسی طرح تم پھر دوبارہ لوٹو گے۔ ایک فریق کو اُس نے ہدایت عطا کی

حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ؕ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ

اور ایک فریق پر گمراہی متحقق ہو چکی کیوں کہ ان گمراہوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیاطین کو رفیق

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿٣٠﴾ يٰبَنِيْٓ

بنا لیا اور وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ وہ راہ یافتہ ہیں۔ اے بنی

اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا

آدمؑ ہر مسجد کی حاضری کے وقت اپنا لباس پہن لیا کرو اور کھاؤ اور پیو

وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿٣١﴾ قُلْ مَنْ حَرَّمَ

اور حد سے نہ بڑھو بے شک اللہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اے پیغمبر آپ

زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ

پوچھئے اللہ نے جو زینت کا ساز و سامان اپنے بندوں کیلئے پیدا کیا ہے اُسکو اور کھانے پینے کی پاکیزہ چیزوں کو کس نے

الرِّزْقِ ؕ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

حرام کر دیا ہے آپ کہدیجئے کہ یہ نعمتیں دنیا کی زندگی میں اُن لوگوں کے لئے ہیں جو ایمان والے ہیں

خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ

اور قیامت میں تو خالص وہی حق دار ہوں گے ہم اسی طرح اپنے احکام سمجھ دار لوگوں کیلئے تفصیل کے ساتھ

يَّعْلَمُوْنَ ﴿٣٢﴾ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ

بیان کرتے ہیں۔ آپ فرمائیے بس میرے رب نے تو تمام فحش کاموں کو خواہ وہ علانیہ ہوں خواہ

مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ

پوشیدہ اور ہر گناہ کی بات کو حرام کیا ہے اور ناحق کی زیادتی کو اور نیز اس بات کو حرام کیا ہے کہ

تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا

تم اللہ کیساتھ کسی ایسی چیز کو شریک قرار دو جس پر اللہ نے کوئی دلیل اور سند نازل نہیں کی اور نیز اس بات کو منع کیا ہے کہ

شارع علیہ السلام نے جو طریقہ بتایا ہے اُسی کے موافق تمام عبادات بجا لایا کرو۔ اور اُس کی عبادت خالص اُسی کیلئے کرنے والے ہو اور اُس کے خالص فرماں بردار بن کر اُس کی عبادت بجا لاؤ یعنی عبادت کے ظاہری افعال شریعت کے مطابق اور عقیدے کے اعتبار سے خالص خدا کیلئے ہو اللہ تعالیٰ نے جس طرح تم کو پہلی مرتبہ پیدا کیا ہے اسی طرح تم دوبارہ بھی پیدا ہو گے ؛ یعنی چونکہ دوسری زندگی میں اس طریقہ عبادت کے منافع حاصل ہونے والے ہیں اس لئے دوبارہ پیدا ہونے کی طرف اشارہ فرمایا (٢٩) اللہ تعالیٰ نے ایک فرقہ کو ہدایت سے بہرہ مند فرمایا اور ایک فرقہ پر گمراہی اور ضلالت متحقق ہو چکی کیونکہ اس گمراہ فرقہ نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر شیاطین کو اپنا رفیق بنا لیا اور وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں ؛ یعنی اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کرنے کی بجائے شیاطین کی اطاعت کی اور بدبختی یہ کہ سمجھتے یوں رہے کہ ہم سیدھی راہ چل رہے ہیں (٣٠) اے آدمؑ کی اولاد ہر مسجد کی حاضری کے وقت خواہ وہ عام مساجد ہوں یا کعبۂ مقدس ہو اپنی زینت کا لباس پہن لیا کرو اور برہنہ ہو کر کعبہ کا طواف نہ کیا کرو اور کھانا پینا ترک نہ کیا کرو جیسا کہ زمانۂ جاہلیت میں کرتے رہے ہو بلکہ کھاؤ اور پیو اور خدا کی نعمتوں سے فائدہ اٹھاؤ البتہ اسراف نہ کرو اور حد سے تجاوز نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ مقررہ حدود سے بڑھ جانیوالوں کو پسند نہیں فرماتا یعنی ایام حج میں برہنہ رہنا یا کھانے پینے میں کمی کر دینا یہ سب امور جاہلیت ہیں۔ جس طرح ہمیشہ کھاتے پیتے ہو اسی طرح کھایا کرو اور لباس پہنا کرو اور جو سامانِ زینت و آرائش حق تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے اُسکو استعمال کرتے ہوئے حج کیا کرو البتہ اسراف نہ کرو کہ ضرورت سے زیادہ کھا جاؤ۔ یا حلال کو نظر انداز کر دو اور حرام کا استعمال کرنے لگو یہ اور اسی قسم کے دوسرے امور اسراف ہیں (٣١) اے پیغمبر آپ ان سے دریافت کیجئے آخر یہ تو بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے جو زینت کا لباس اپنے بندوں کے لئے پیدا کیا ہے اور پاکیزہ لو ستھری روزی اور کھانے پینے کی چیزیں پیدا کی ہیں ان چیزوں کو حرام کس نے کر دیا ہے اے پیغمبر آپ ان سے فرما دیجئے کہ یہ سب نعمتیں اس دنیوی زندگی میں انہی لوگوں کے لئے خاص ہیں جو صاحب ایمان و یقین ہیں یعنی جو ان نعمتوں کو استعمال کرنے کے بعد خالق کا حق مانتے اور شکر ادا کرتے ہیں اور قیامت کے دن تو ہر قسم کی نعمتیں صرف اہلِ ایمان ہی کیلئے مخصوص ہوں گی۔ ہم نے جس طرح یہ بات بیان کی ہے ہم اسی طرح اپنی تمام آیات و احکام کو سمجھ دار لوگوں کے لئے تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں یعنی جو پاکیزہ روزی اور زینت و آرائش کا لباس اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کیلئے پیدا کیا ہے اس کو کس نے حرام کر دیا ہے۔ کہ پیدا تو وہ کرے اور اس کو حرام کہنے والا یا حلال بتانے والا کوئی دوسرا ہو جیسا کہ اہل جاہلیت کرتے ہیں جب چاہا لباس ترک کر دیا جب چاہا اللہ کی نعمتوں میں سے کوئی نعمت ترک کر کے بیٹھ گئے پیدا وہ کرے اور حرام حلال کا حکم یہ کیا کریں اہل ایمان کے لئے پیدا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان نعمتوں کا پیدا کرنا اصل تو مومنین اور فرماں بردار لوگوں کے لئے ہے اگرچہ دنیوی زندگی میں منکروں اور نافرمانوں کو بھی تبعاً ان کے استعمال کا حق دیدیا گیا ہے لیکن قیامت میں یہ نہ ہوگا یا یہ مطلب ہے کہ دنیا میں یہ نعمتیں مسلمانوں کے ہی لئے ہیں کیونکہ وہ نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہیں اور جو دوسرے نافرمان استعمال کرتے ہیں اور شکر بجا نہیں لاتے تو ان کے لئے وبال ہوگا نعمت کے شکر کی بجا آوری کے ساتھ مواخذے محاسبے اور ہر قسم کی گرفت سے پاک ہے اس لئے یہ بات اہل ایمان کو میسر ہے منکروں کو نہیں واللہ اعلم (٣٢) آپ فرما دیجئے کہ میرے پروردگار نے تو بس تمام فحش اور بے حیائی کے کاموں کو خواہ وہ علانیہ ہوں یا پوشیدہ ہوں اُن کو حرام فرمایا ہے اور ہر گناہ کی بات کو حرام کیا ہے اور کسی پر ناحق زیادتی کرنے کو حرام قرار دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا جس کی سند اللہ تعالیٰ نے نازل نہیں فرمائی ہو اُس شرک کو حرام فرمایا ہے اور اُس بات کو حرام کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذمے کوئی ایسی بات منسوب کرو جس کا تم کو علم نہ ہو

عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٣٣﴾ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ

تم اللہ کے ذمہ کوئی ایسی بات لگا دو جسکو تم نہ جانتے ہو۔ اور ہر قوم کی مہلت کیلئے ایک میعاد مقرر ہے پھر جب ان کی وہ مقررہ میعاد

اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿٣٤﴾

آجائے گی تو اُس وقت نہ گھڑی بھر پیچھے رہ سکیں گے اور نہ آگے بڑھ سکیں گے۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ

اے اولاد آدم جب کبھی تم ہی میں سے میرے پیغمبر تمہارے پاس آئیں جو میرے احکام تم کو

عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ

سنائیں سو جو شخص پرہیزکرے گا اور اپنی اصلاح کرلے گا تو ایسے لوگوں پر نہ کسی قسم کا

وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٣٥﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ

خوف ہوگا اور نہ وہ غم گین ہوں گے۔ اور جو لوگ ہمارے احکام کی تکذیب کریں گے اور

اسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا

ان احکام کے مقابلے میں سرکشی کریں گے تو وہی لوگ جہنمی ہوں گے وہ اس جہنم میں

خٰلِدُوْنَ ﴿٣٦﴾ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ

ہمیشہ رہیں گے۔ پھر اُس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہو سکتا ہے جو اللہ پر

كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۭ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ

جھوٹ باندھے یا آیاتِ الٰہی کی تکذیب کرے ایسے لوگوں کے نصیب میں جو لکھا ہے وہ انھیں

مِّنَ الْكِتٰبِ ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ قَالُوْٓا

ملتا رہے گا یہاں تک کہ جب اُنکے پاس ہمارے فرشتے اُن کی جان قبض کرنیکے لئے آئیں گے تو اُن سے پوچھیں گے

اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا

کہ اب وہ کہاں ہیں جن کو تم خدا کے سوا پکارا کرتے تھے وہ کافر جواب دیں گے کہ وہ تو سب ہم سے کہیں غائب ہوگئے

وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿٣٧﴾ قَالَ

اور وہ اپنے خلاف اس امر کا اعتراف کریں گے کہ وہ فی الحقیقت کافر تھے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا

یعنی ماکولات وغیرہ کی اباحت کا ذکر کرنے کے بعد اُن باتوں کا ذکر فرمایا جو واقعی اللہ تعالیٰ کے نزدیک قبیح اور بری ہیں اور جن میں تم عام طور سے مبتلا ہو مثلاً بے حیائی کے کام وہ علانیہ ہوں جیسے ستر کو ظاہر کرنا اور کعبہ کا طواف کرتے وقت برہنہ ہوجانا یا چھپ کر جیسے زنا وغیرہ میں مبتلا ہونا یا کفر و نفاق کا مرتکب ہونا اور مثلاً ہر گناہ خواہ وہ صغیرہ ہو یا کبیرہ اور مثلاً کسی پر بغیر حق شرعی کے زیادتی کرنا اور مثلاً اللہ تعالیٰ کی عبادت یا اُس کی ذات و صفات میں کسی کو بغیر کسی دلیل اور سند کے شریک کرنا اور مثلاً بغیر کسی علم اور واقفیت کے اللہ تعالیٰ پر کوئی بہتان باندھنا یا تہمت لگانا یا اس کے دین میں الحاد اور کج روی اختیار کرنا اور اُس کی ذات و صفات میں عیب لگانا وغیرہ یہ سب باتیں میرے رب نے بیشک حرام فرمائی ہیں (۳۳) رہی یہ بات کہ باوجود ان کے اس کفر و عناد اور ابتلائے فواحش اور ارتکاب معاصی کے ان منکرین کی گرفت کیوں نہیں آتی اور ان پر عذاب کیوں نہیں نازل ہوتا تو فرمایا ہر گروہ ہر جماعت اور ہر اُمت اور اُس کے افراد کا ایک وقت معین ہے اور جب وہ میعاد معین اور وقت مقرر اُن کا آجائیگا تو اس وقت نہ گھڑی بھر پیچھے رہ سکیں گے اور نہ گھڑی بھر آگے بڑھ سکیں گے یعنی جو تباہی بربادی یا مرنے کا وقت مقرر ہوچکا ہے اُسی وقت یہ ہوگا اُس سے پہلے نہیں ہوگا (۳۴) اے آدم کی اولاد جب تمہارے پاس میرے پیغمبر آئیں جو تم ہی میں سے ہوں گے یعنی بشر ہوں گے فرشتے نہوں گے اور جو تم کو میرے احکام بتائیں اور میری آیات سنائیں سو جو شخص اُس وقت اُن کی تکذیب اور اُن کے جھٹلانے سے پرہیز کرے گا اور نیک اعمال سے اپنی اصلاح کرلے گا تو ایسے لوگوں پر نہ کسی قسم کا خوف ہوگا اور نہ وہ غم گین ہوں گے یعنی یہ خطاب اولادِ آدمؑ کو فرمایا کہ جب ایسا ہو کہ میرے رسول تمہارے پاس آئیں اور وہ تم کو میرے احکام سنائیں اور وہ رسول بھی تم ہی میں سے ہوں تو جو ان کا کہا مانے گا اور ان کی تکذیب نہیں کرے گا اور اپنی اصلاح اور درستی کرلے گا تو وہ پھر اپنے باپ کی میراث جنّت کو حاصل کرلے گا چنانچہ یہ ارسالِ رسل کا سلسلہ حضرت آدمؑ سے لیکر خاتم النبیینؐ تک حسب وعدہ جاری رہا یہ خطاب یا تو عالم ارواح میں کیا گیا جیسا کہ بعض نے کہا اور یا یہ خطاب حضرت آدمؑ کے زمین پر اُترآنے کے بعد کیا گیا ہے جیسا کہ ظاہر یہی ہے (۳۵) اور جو لوگ ہمارے احکام کی تکذیب کریں گے اور ہماری آیات کے مقابلہ میں تکبر اور سرکشی کا اظہار کریں گے تو یہی لوگ اصحابِ جہنم ہوں گے وہ اس جہنم کے عذاب میں ہمیشہ مبتلا رہیں گے (۳۶) پھر اب اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہوسکتا ہے جو اللہ تعالیٰ پر کذب و افترا کرے اور بہتان باندھے یا اللہ تعالیٰ کے احکام اور اسکی آیات کو جھٹلائیں یعنی نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرے یا کسی سچے پیغمبر کی تکذیب کرے اور اُسکو جھوٹا بتائے ایسے لوگوں کو وہ حصہ ملتا رہیگا جو کتاب میں لکھا ہوا ہے یعنی عمر اور رزق اور ذلت و رسوائی وغیرہ جو مقدر میں لکھا ہوا ہے وہ اُن کو ملتا رہے گا یہاں تک کہ جب ہمارے فرشتے اُن کی جان نکالنے کو ان کے پاس پہونچیں گے تو ان ظالموں سے دریافت کریں گے وہ غیر اللہ کہاں ہیں جن کو تم اللہ تعالیٰ کے سوا پکارا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کیا کرتے تھے یعنی وہ کہاں چلے گئے اس وقت تمہاری کچھ مدد نہیں کرتے وہ ظالم ان فرشتوں کو جواب دیں گے کہ وہ تو کہیں گم ہوگئے اور ہم کو چھوڑ کر کہیں غائب ہوگئے اور یہ ظالم اپنے خلاف خود گواہی دیں گے اور اس امر کا اعتراف کریں گے کہ بیشک وہ کافر اور منکر تھے ❊ یعنی ایسے شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہوسکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی کہی ہوئی کی تکذیب کرے اور جو اُس نے نہ کہی ہو وہ اُس کی طرف منسوب کردیجائے اور اسپر افترا کیا جائے بہرحال یہ لوگ اچھا بُرا کمتی بڑھتی جو کچھ مقدر میں لکھوالائے ہیں اور جو لوح محفوظ میں ان کا حصہ مقرر ہوچکا ہے اُس حصہ کو تو یہ لوگ حاصل ہی کریں گے اور دُنیوی زندگی سے متمتع ہوتے رہیں گے لیکن برزخ میں جو مرتے وقت سے شروع ہوجاتا ہے اور محشر میں جو انسے سلوک ہوگا وہ یہ ہے کہ جنکی پرستش کیا کرتے تھے وہ ان سے غائب ہوجائیں گے اور یہ اپنے نافرمان اور منکر ہونیکا اقرار کرینگے (۳۷)

یہ تو برزخ کا احوال ہوا اور قیامت میں اللہ تعالیٰ اُن لوگوں سے فرمائے گا کہ تم سب بھی جنات اور انسانوں کے اُن فرقوں اور جماعتوں کے ہمراہ جہنم میں داخل ہو جاؤ جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں کیوں کہ تمہارا اور ان کا مسلک ایک ہی ہے جس وقت بھی کوئی جماعت آگ میں داخل ہوگی تو وہ اپنی سابقہ داخل شدہ جماعت پر لعنت بھیجتی ہوگی اور جماعت لاحقہ جماعت سابقہ پر لعنت کرے گی یعنی مشرک مشرکوں پر اور یہود یہود پر اور نصاریٰ نصاریٰ پر لعنت کریں گے

ادْخُلُوا فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِكُم مِّنَ الْجِنِّ

کہ تم سب بھی جنات اور انسانوں کے اُن فرقوں کے ہمراہ جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں آگ میں

وَالْإِنسِ فِي النَّارِ ۖ كُلَّمَا دَخَلَتْ أُمَّةٌ لَّعَنَتْ أُخْتَهَا ۖ

داخل ہو جاؤ جس وقت بھی کوئی جماعت دوزخ میں داخل ہوگی تو وہ اپنی جیسی دوسری پیشرو جماعت پر لعنت کرے گی

حَتَّىٰ إِذَا ادَّارَكُوا فِيهَا جَمِيعًا قَالَتْ أُخْرَاهُمْ لِأُولَاهُمْ

یہاں تک کہ جب یہ سب پچھلے اور پہلے اُس آگ میں جمع ہو جائیں گے تو ان میں سے پچھلے لوگوں کی جماعت پہلے لوگوں کی جماعت کیلئے یوں

رَبَّنَا هَٰؤُلَاءِ أَضَلُّونَا فَآتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ

کہے گی اے ہمارے پروردگار ہم کو تو انھوں نے ہی گمراہ کیا تھا لہٰذا آج ان کو آتش دوزخ کا دُگنا عذاب

النَّارِ ۖ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَلَٰكِن لَّا تَعْلَمُونَ ﴿٣٨﴾ وَ

کیجیو خدا تعالیٰ فرمائے گا تم میں سے ہر ایک کو دُگنا عذاب ہے مگر تم سمجھتے نہیں۔ اور

قَالَتْ أُولَاهُمْ لِأُخْرَاهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِن فَضْلٍ

ان میں سے پہلے لوگ پچھلوں سے یوں کہیں گے بس اب تو تم کو ہم پر کوئی فوقیت نہ رہی

فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ تَكْسِبُونَ ﴿٣٩﴾ إِنَّ الَّذِينَ

سو اب تم اُس کفر کی پاداش میں جو تم کیا کرتے تھے عذاب کا مزہ چکھو۔ یقین جانو جن لوگوں نے

كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ

ہماری آیتوں کی تکذیب کی اور ان آیتوں سے متکبرانہ برتاؤ کیا تو اُن کے لئے آسمان کے دروازے

السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّىٰ يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ

نہیں کھولے جائیں گے اور نہ وہ اُس وقت تک جنت میں داخل ہونے پائیں گے جب تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے

الْخِيَاطِ ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِينَ ﴿٤٠﴾ لَهُم مِّن جَهَنَّمَ

میں داخل نہ ہو جائے اور ہم مجرموں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔ اُن لوگوں کے لئے آگ ہی کا

مِهَادٌ وَمِن فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ ﴿٤١﴾

بچھونا ہوگا اور اُن کے لئے آگ ہی کا اوڑھنا ہوگا اور ہم ظالموں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں

یہاں تک کہ جب یہ سب پہلے اور پچھلے آگ میں جمع ہو جائیں گے تو ان میں سے پچھلے پہلوں کے لئے یوں کہیں گے اے ہمارے پروردگار ہم کو ان پہلوں نے گمراہ کیا اور صحیح راستہ سے بچلایا تھا اس لئے انکو دوگنا عذاب کیجیو اور آتش دوزخ کا عذاب ان کو دوچند دیجیو اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم میں سے ہر ایک کے لئے دُگنا ہی عذاب ہے مگر تم نہیں جانتے اور تم کو خبر نہیں ہے کہ جہنم میں تو عذاب ہر گھڑی بڑھتا ہی رہتا ہے۔ (۳۸) اور اسپر پہلے لوگ پچھلوں سے کہیں گے بس اب تم کو ہم پر کوئی فوقیت نہ رہی کہ ہمارے مقابلہ میں تم کو عذاب کم دیا جائے لہٰذا تم اس کمائی کی پاداش میں جو کمایا کرتے تھے دُگنے عذاب کا مزہ چکھتے رہو یعنی جہنم میں پہلے اور پچھلے سب جمع ہو جائیں گے اول تو ہر گروہ دوسرے گروہ پر لعنت ملامت کرے گا پھر پہلے پچھلوں کیلئے دُگنا عذاب طلب کریں گے اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم سب کو ہی دگنا عذاب ہوگا اوّل تو دوزخ میں عذاب بڑھتا ہی رہے گا دوسرے یہ کہ پہلوں پر اس لئے کہ انہوں نے کفر کی رسم پیدا کی اور دوسروں کو گمراہ کیا اور پچھلوں پر اس لئے کہ انھوں نے پہلوں کا انجام دیکھ کر سُن کر عبرت نہیں پکڑی اور اندھا دھند ان گمراہوں کے پیچھے چل پڑے (۳۹) یقیناً جن لوگوں نے ہمارے دلائل اور احکام کی تکذیب کی اور ہماری آیات کے ساتھ متکبرانہ برتاؤ کیا تو ان لوگوں کے لئے آسمانوں کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور ان کی ارواح خبیثہ کو آسمان پر صعود نصیب نہ ہوگا اور یہ لوگ اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہوں گے جب تک کہ سوئی کے ناکے میں اونٹ داخل نہ ہو جائے۔ یعنی سوئی کا ناکہ اس قدر چھوٹا اور اونٹ اتنا جسیم جس طرح یہ ناممکن ہے کہ اونٹ سوئی کے ناکہ میں داخل ہو سکے اسی طرح ان مکذبین اور متکبرین کا جنت میں داخل ہونا ممکن نہیں۔ اور ہم گناہ گاروں کو اسی طرح سزا دیا کرتے ہیں یعنی برزخ میں روح پر آسمانوں کے دروازے بند اور سجین میں ٹھکانا اور محشر میں جنت میں داخلہ ممنوع اور دوزخ میں ٹھکانا مجرموں کو ایسی ہی سزا دی جاتی ہے (۴۰) ان لوگوں کیلئے آگ ہی کا بچھونا ہوگا اور ان لوگوں کیلئے آگ ہی کا اوڑھنا ہوگا اور ہم ظالموں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں یعنی سب طرف ان کے آگ ہی آگ ہوگی، ظالم فرمایا مکذبین اور متکبرین کو یا ان کو جو اللہ تعالیٰ کی طرف بے اصل باتوں کو منسوب کریں اور آیات الٰہی کی تکذیب کریں جیسا اوپر گزرا ہے فمن اظلم ممن افتریٰ علی اللہ کذبا۔ (۴۱)

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا
اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے ہم کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ
وُسْعَهَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۴۲﴾
تکلیف نہیں دیتے تو ایسے ہی لوگ جنتی ہیں وہ اس جنت میں ہمیشہ رہیں گے۔
وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِم مِّنْ غِلٍّ تَجْرِي مِن تَحْتِهِمُ
اور ہم ان اہل جنت کے دلوں سے باہمی دنیاوی رنجش کو سلب کرلیں گے انکی حالت یہ ہوگی کہ انکے نیچے
الْأَنْهَارُ ۖ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَٰذَا
نہریں بہ رہی ہوں گی اور وہ کہیں گے خدا کا شکر ہے جس نے یہاں تک پہونچانے میں ہماری رہنمائی کی
وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللَّهُ ۖ لَقَدْ
اور ہم کبھی بھی راہ یافتہ نہ ہوتے اگر خدا ہماری رہنمائی نہ کرتا۔ بے شک
جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۖ وَنُودُوا أَن تِلْكُمُ
ہمارے رب کے پیغمبر سچی باتیں لے کر آئے تھے اور ان اہل جنت سے پکار کر
الْجَنَّةُ أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۴۳﴾ وَ
کہا جائے گا کہ ان اعمال کے صلے میں جو تم کیا کرتے تھے تم اس جنت کے وارث کردیئے گئے ہو۔
نَادَىٰ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ أَصْحَابَ النَّارِ أَن قَدْ وَجَدْنَا
اور جنت والے جہنم والوں سے پکار کر پوچھیں گے کہ ہمارے رب نے جو وعدہ ہم سے کیا تھا
مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدتُّم مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ
ہم نے تو اس کو بالکل سچا پایا تو کیا تم نے بھی جو تمہارے رب نے وعدہ کیا تھا تم نے بھی
حَقًّا ۖ قَالُوا نَعَمْ ۚ فَأَذَّنَ مُؤَذِّنٌ بَيْنَهُمْ أَن لَّعْنَةُ
اس کو سچا پایا وہ جواب دیں گے ہاں سچا پایا تب ایک پکارنے والا ان دونوں کے درمیان پکاریگا کہ اللہ کی
اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ ﴿۴۴﴾ الَّذِينَ يَصُدُّونَ عَن
لعنت ہو ان ظالموں پر۔ جو اللہ کی راہ سے لوگوں کو

بُروں کے ذکر کے بعد اب نیکوں کا ذکر فرماتے ہیں اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور یہ واقعہ ہے کہ ہم کسی شخص کو اُس کی طاقت و قوت اور برداشت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے یعنی اتنا بوجھ رکھتے ہیں جس کی وہ برداشت کرسکتا ہے اس لئے نیک کاموں کا عامل بن جانا کچھ مشکل نہیں تو ایسے ہی حضرات اہل جنت ہیں وہ اس جنت میں ہمیشہ رہیں گے یعنی عقائد صحیح ہوں دلائل توحید پر ایمان ہو اور نیک کردار کے پابند ہوں تو وہی جنتی ہیں (۴۲) اور ہم ان اصحاب جنت کے دلوں سے باہمی دنیوی رنجش اور خفگی سلب کرلیں گے ان اہل جنت کی حالت یہ ہوگی کہ ان کے پائیں نہریں بہ رہی ہوں گی اور وہ یوں کہیں گے اُس خدا کا شکر ہے اور سب تعریفیں اُس اللہ کے لئے ہیں جس نے ہم کو اس مقام تک پہنچانے میں ہماری رہنمائی فرمائی ہمکو ایمان اور نیک اعمال کی تعلیم اور توفیق دیکر ہمیں یہاں تک پہونچایا اور اگر اللہ تعالیٰ ہماری رہنمائی نہ فرماتا تو ہم کبھی بھی راہ یافتہ نہ ہوتے اور ہم کو اس مقام تک پہونچنا نصیب نہ ہوتا بیشک ہمارے پروردگار کے فرستادے ہمارے پاس سچی اور حق باتیں لے کر آئے تھے اور جو کچھ وہ پیغمبر فرماتے تھے وہ سب سچ ثابت ہوا اور ان اہل جنت کو آواز دی جائے گی کہ یہ جنت ہے اس کے تم وارث بنادئے گئے ہو اُن نیک اعمال کے صلہ میں جو تم دنیا میں کیا کرتے تھے یعنی دنیا میں جو بعض دفعہ آپس کی کہن سن کی وجہ سے نیک بندوں کے دلوں میں کچھ رنجش رہ جاتی ہے اُس کو جنت میں داخل ہوتے وقت سلب کرلیا جائے گا اور اُن کی حالت اہل جہنم کی سی نہ ہوگی کہ باہم طعن و تشنیع اور لعنت و ملامت ہورہی ہے یہ لغویت یہاں نہیں ہوگی حضرت علیؓ فرماتے ہیں میں اور طلحہؓ اور زبیرؓ اُن لوگوں میں سے ہیں جن کی باہمی رنجشیں سلب ہوجائیں گی اور سینہ بے کینہ اور دل صاف ہوکر جنت میں داخل ہوں گے حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ اس آیت میں حضرت ابوبکرؓ عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، طلحہؓ زبیرؓ، ابن مسعودؓ، عمار بن یاسرؓ، سلمانؓ اور ابوذرؓ کی طرف اشارہ ہے اور ہوسکتا ہے کہ عام اہل جنت کی حالت کا اظہار مقصود ہو کہ وہاں کسی پر کسی کو حسد نہیں ہوگا اور نہ آپس میں کوئی جھگڑا ہوگا آواز دیجائے گی یعنی فرشتے یا کوئی خاص فرشتہ اہل جنت سے کہیگا ورثہ اس لئے فرمایا کہ بہرحال جنت آدم کی میراث ہے جو اُن کی مسلمان اولاد کو میراث میں دی جائے گی اور نیز اس لئے کہ تملیک کیلئے مضبوط اور بے کھٹکے طریقہ میراث ہی کا ہے (۴۳) اور اہل جنت اہل جہنم سے پکار پکار کر کہیں گے کہ ہمارے پروردگار نے جو ہم سے وعدہ کیا تھا ہم نے اُس کو بالکل حق پایا اور وہ واقع کے مطابق نکلا اور جو کچھ اللہ کے پیغمبروں نے فرمایا تھا وہ حرف بحرف صحیح نکلا اور نیک اعمال کے صلہ میں ہم کو جنت مل گئی مگر تم بتاؤ تمہارے رب نے تم سے جو وعدہ کیا تھا تم نے بھی اُس کو واقع کے مطابق پایا اور کفر و انکار کی پاداش میں تم کو بھی جہنم میں جانا پڑا، اہل جہنم کہیں گے ہاں سچا پایا اور وہی ہوا جو خدا کے پیغمبروں نے کہا تھا تب کوئی پکارنے والا خاص فرشتہ ان اہل جنت اور اہل جہنم کے مابین پکار کر کہے گا کہ اللہ تعالیٰ کی پھٹکار ہو اُن ظالموں پر (۴۴) جو اللہ تعالیٰ کے دین حق کی راہ سے

لوگوں کو روکا کرتے تھے اور اس دینِ حق میں ٹیڑھ اور کجی اور زیغ کی تلاش میں لگے رہتے تھے اور جن کو یہ فکر لگی رہتی تھی کہ کسی طرح دینِ حق میں شکوک و شبہات نکالیں اور لوگوں کو راہِ مستقیم سے رکیں اور وہ ظالم آخرت کے بھی منکر تھے اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا بھی انکار کیا کرتے تھے (۴۵) اور اہل جنت اور اہل جہنم کے مابین ایک آڑ اور دیوار ہوگی اُس دیوار کے بالائی حصّہ کا نام اعراف

سَبِيلِ اللَّهِ وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا ۚ وَهُم بِالْآخِرَةِ

روکتے تھے اور اس تلاش میں رہتے تھے کہ خدا کی راہ کو ٹیڑھا ثابت کریں اور وہ آخرت کے بھی

كَافِرُونَ ﴿٤٥﴾ وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ

منکر تھے۔ اور اہل جنت اور اہل جہنم کے مابین ایک دیوار ہوگی یعنی اعراف اور اس اعراف پر کچھ لوگ ہونگے

يَعْرِفُونَ كُلًّا بِسِيمَاهُمْ ۚ وَنَادَوْا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ

جو ہر ایک جنتی اور دوزخی کو اُس کی علامت سے پہچانیں گے اور اہل جنت کو پکار کر کہیں گے کہ

أَن سَلَامٌ عَلَيْكُمْ ۚ لَمْ يَدْخُلُوهَا وَهُمْ يَطْمَعُونَ ﴿٤٦﴾ وَ

تم پر سلامتی ہو اہل اعراف والوں کی حالت یہ ہوگی کہ وہ ابھی جنت میں داخل نہیں ہوئے ہونگے اور داخول جنت کے امیدوار ہونگے اور

إِذَا صُرِفَتْ أَبْصَارُهُمْ تِلْقَاءَ أَصْحَابِ النَّارِ قَالُوا

جب ان کی نگاہیں دوزخیوں کی طرف پھریں گی تو کہیں گے

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿٤٧﴾ وَنَادَىٰ

اے ہمارے رب ہم کو ان ظالم لوگوں کیساتھ شامل نہ کیجیو۔ اور اہل اعراف

أَصْحَابُ الْأَعْرَافِ رِجَالًا يَعْرِفُونَهُم بِسِيمَاهُمْ قَالُوا

بہت سے آدمیوں کو جن کو وہ ان کی علامتوں سے پہچانتے ہونگے پکار کر یوں کہیں گے

مَا أَغْنَىٰ عَنكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ ﴿٤٨﴾

کہ تمہاری جمعیت اور تمہارا متکبرانہ برتاؤ جو تم کیا کرتے تھے آج تمہارے کچھ کام نہ آیا۔

أَهَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ أَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللَّهُ بِرَحْمَةٍ ۚ

کیا یہ جنتی وہی ہیں جن کے متعلق تم قسمیں کھا کھا کر کہا کرتے تھے کہ اللہ ان پر اپنی رحمت نہیں کرے گا

ادْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَا أَنتُمْ تَحْزَنُونَ ﴿٤٩﴾

حالانکہ اُن کو حکم دیدیا گیا کہ تم سب جنت میں چلے جاؤ تم پر نہ کسی قسم کا خوف ہے اور نہ تم غمگین ہوگے

وَنَادَىٰ أَصْحَابُ النَّارِ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ أَفِيضُوا

اور دوزخ والے جنت والوں سے پکار کر یوں کہیں گے کہ تھوڑا سا پانی ہی

وقف لازم — وقف النبی علیہ السلام — ع ۵ / ۸ / ۱۲

ہے اور اس اعراف پر کچھ لوگ ہوں گے جو اہلِ جہنم اور اہلِ جنت میں سے ہر ایک کو اُس کی نشانی اور علامت سے پہچانتے ہوں گے چونکہ یہ اعراف کے لوگ بلندی پر ہوں گے اس لئے دونوں فرقوں کو آسانی سے دیکھ لینگے اور اہلِ جہنم اور اہلِ جنّت کے چہرے صاف صاف پہچانے جاتے ہوں گے کیونکہ ایک فریق کے چہرے پر پھٹکار برستی ہوگی اور دوسرے فریق کے چہرے پر آثارِ مسرت نمایاں ہونگے اور یہ اعراف کے لوگ اہلِ جنّت کو پکار کر سلام علیک کریں گے اور اعرافی ابھی خود جنت میں داخل نہ ہوئے ہوں گے ہاں جنت میں داخل ہونے کے اُمیدوار ضرور ہوں گے یعنی اعراف کے لوگ وہ ہوں گے جن کی حسنات و سیآت دونوں برابر ہوں گے اگر نیکیاں زیادہ ہوں تو جنتی ہو جائیں اور اگر برائیاں زیادہ ہوں تو جہنم میں چلے جائیں چونکہ دونوں برابر ہو گئے اسلئے ایک جانب کو ترجیح نہ ہوگی اور یہ لوگ اُس دیوار پر جس کا ذکر سورۂ حدید میں انشاء اللہ آئے گا جمع ہو جائیں گے مشہور یہ ہے کہ آخر میں ان کو بھی جنت میں داخل کر دیا جائے گا (۴۶) اور جب ان اعراف والوں کی نگاہیں اہلِ جہنم کی طرف پھرینگی تو کہیں گے اے ہمارے پروردگار ہم کو ان ظالموں کے ساتھ شامل نہ کیجیو یعنی بلندی کی وجہ سے پہلے جنتیوں کو دیکھ کر سلامتی کی دعا دینگے اُن سے نگاہیں ہٹا کر جب اہلِ جہنم کو دیکھیں گے اور اُن کے چہروں سے یہ جان لیں گے کہ یہ جہنمی ہیں تو اُس وقت اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ ان ظالموں کی شمولیت سے ہم کو بچائیو اور ان کے ساتھ شامل نہ کیجیو (۴۷) اور اہلِ اعراف بہت آدمیوں کو جنکو وہ اُن کے چہروں کی علامتوں سے پہچانتے ہونگے کہ یہ لوگ اہلِ جہنم سے ہیں اُن سے یہ اعرافی یوں کہیں گے کہ تمہاری جمعیت تمہارے جتھے اور تمہارا تکبر آمیز برتاؤ جو تم مسلمانوں کے ساتھ کیا کرتے تھے اور ہر قسم کی دھمکیاں اُن کو دیا کرتے تھے وہ جتھے اور وہ تکبر آج تمہارے کچھ کام نہ آئے اور عذاب خداوندی سے تم کو بچا نہ سکے (۴۸) اور کیوں جی کیا یہ جنتی لوگ وہی نہیں ہیں جن کے متعلق تم قسمیں کھا کھا کر یہ کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان ذلیل لوگوں پر اپنی رحمت نہیں کرے گا حالانکہ ان کو حکم دیدیا گیا کہ تم سب جنت میں داخل ہو جاؤ تم پر نہ کسی قسم کا خوف ہے اور نہ تم غمگین ہوگے یعنی ان سب کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت اور فضل سے جنت میں جانے کا حکم دیدیا یہ وہی تو ہیں جن پر دنیا میں تم پھبتیاں کسا کرتے تھے اور ان کا مذاق اڑایا کرتے تھے (۴۹) اور اہلِ دوزخ جنت والوں سے پکار کر یوں کہیں گے کہ اے اہل جنت ہم آگ میں جھلس رہے ہیں تم ہم پر کچھ پانی ہی ڈال دو

یا تم کو اللہ تعالیٰ نے جو روزی عطا فرمائی ہے اُس میں سے کچھ ہم کو دیدو اہل جنت جواب دیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں چیزیں بند کر دی ہیں اور ممانعت فرمادی ہے اور ان منکروں کیلئے ان دونوں چیزوں کی بندش کردی گئی ہے (۵۰) یہ منکر وہ ہیں جنھوں نے اپنے دین کو تماشا اور کھیل بنا رکھا تھا کھیل کود کا نام انھوں نے دین رکھ لیا تھا اور دنیوی زندگی نے ان کو دھوکے اور فریب میں ڈال رکھا تھا اللہ تعالیٰ اہل جنت کی تصدیق فرمائیگا کہ جس طرح ان منکروں نے اپنے اس دن کے ملنے اور آنے کو فراموش کر رکھا تھا اور قیامت کا نام سُننا ان کو گوارہ نہ تھا اور جیسا کہ یہ ہماری آیات اور دلائل توحید کا انکار کرتے تھے اسی لئے ہم بھی ان سے آج ایسا برتاؤ کریں گے جیسے فراموش کردہ اور بھولے ہوئے لوگوں کے ساتھ کیا جاتا ہے یعنی جس طرح ان منکروں نے اپنے اس دن کی ملاقات کو بھلا رکھا تھا اور اس دن کا نام بھی سُننا نہیں چاہتے تھے یہی برتاؤ ان کے ساتھ کیا جائیگا اور ہم بھی ان کا نام نہیں لیں گے اور بھولے ہوئے آدمی کا سا برتاؤ کریں گے (۵۱) اور بالتحقیق ہم ان کے پاس ایک ایسی کتاب لائے ہیں اور ہم نے ایک ایسی کتاب ان کو پہونچادی ہے یعنی قرآن جس میں ہم نے اپنے کمال علم کیساتھ عقائد و اعمال کو خوب تفصیل سے بیان کر دیا ہے اور اپنے علم کی بنا پر خوب واضح اور مفصل بیان کیا ہے اور یہ قرآن اُن لوگوں کے لئے جو اہل ایمان ہیں پوری ہدایت اور رحمت ہے یعنی جو منکر قبول کرلے اُسی کیلئے سودمند ہے ورنہ یوں تو تمام لوگوں کے لئے بھیجا گیا ہے۔ (۵۲) یہ منکر اب صرف اس بات کے منتظر ہیں کہ قرآن نے جو وعدے اور وعید کئے ہیں اُن کا انجام کیا ہوتا ہے جس دن قرآنی وعدے یا وعید کا انجام ظاہر ہو جائے گا تو اُس دن وہ لوگ جو پہلے سے اس وقت کو فراموش کئے ہوئے بیٹھے ہیں یوں کہیں گے کہ بے شک ہمارے پروردگار کے فرستادے سچے اور حق لیکر آئے تھے اور وہ جو کچھ کہتے تھے واقع کے مطابق تھا تو پھر اب سفارش کرنے والوں میں سے کچھ ایسے سفارشی ہیں جو ہماری سفارش کردیں اور آج ہم کو عذاب سے بچالیں یا ہم دنیا کی طرف دوبارہ لوٹا دئے جائیں تاکہ ہم اب تک جو عمل کرتے رہے تھے اُن کی بجائے اور اُن کے علاوہ اب کی دفعہ دوسرے عمل کریں۔ بلاشبہ اُن لوگوں نے اپنے کو سخت نقصان میں ڈال لیا اور اپنے آپ کو تباہ کرلیا اور جو افترا پردازیاں وہ کیا کرتے تھے وہ سب آج اُن سے گم ہوگئیں اور وہ سب غائب ہوگئیں یعنی ان منکرین کے طرز عمل سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بس اب اسلام قبول کرنے سے ان کو صرف یہی بات مانع ہے کہ یہ قرآن کے وعدۂ حشر و نشر اور جہنم کے عذاب کی وعید کے انجام کا انتظار کر رہے ہیں اور اُس دن کو بھلا چکے ہیں اور یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ جو باتیں یہ پیغمبر کہتا ہے اُنکا انجام دیکھو کیا ہوتا ہے تو اُن کو معلوم ہونا چاہئے کہ وہ دن جب آجائیگا اور پروردگار کے نشانات ظاہر ہو جائیں گے تو وہ لوگ جو ان کو پہلے سے بھلائے بیٹھے تھے وہ بھی پیغمبروں کی باتوں کو حق کہنے لگیں گے اگرچہ ان کا یہ ایمان لانا ان کے لئے مفید اور نافع نہ ہوگا اور یہی نہیں بلکہ سفارشی ڈھونڈھتے پھریں گے جو اپنی سفارش سے ان کو سزا سے بچالیں اور یہ بھی خواہش کریں گے کہ ان کو دنیا ہی میں واپس کر دیا جائے تاکہ جو ناشائستہ عمل اب تک کرتے رہے تھے اُن کو چھوڑ کر نیک اعمال اختیار کریں ربنا اخرجنا نعمل صالحا غیر الذی کنا نعمل حالانکہ اس وقت یہ خواہشات اور تمنائیں بالکل بے کار ہوں گی ایمان اب لانا چاہئے نہ کہ قرآن کی باتوں کا انجام دیکھ کر ایمان لاؤ گے۔ (۵۳)

عَلَيْنَا مِنَ الْمَاءِ أَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ ۚ قَالُوا

ہم پر ڈال دو یا جو کچھ تم کو اللہ نے رزق دیا ہے اُس ہی میں سے کچھ دیدو جنتی جواب دیں گے کہ

إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿٥٠﴾ الَّذِينَ

اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں چیزیں اُن کافروں پر بند کر دی ہیں۔ جنھوں نے

اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَهْوًا وَلَعِبًا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيَاةُ

اپنے دین کو تماشا اور کھیل بنا رکھا تھا اور جن کو دنیا کی زندگی نے

الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ نَنسَاهُمْ كَمَا نَسُوا لِقَاءَ يَوْمِهِمْ

مبتلائے فریب کر رکھا تھا اللہ تعالیٰ فرمائیگا جسطرح ان کافروں نے اپنے اُس دن کی ملاقات کو فراموش کر رکھا تھا اور جس طرح

هَٰذَا وَمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا يَجْحَدُونَ ﴿٥١﴾ وَلَقَدْ جِئْنَاهُم

یہ ہماری آیات کا انکار کیا کرتے تھے ہم بھی آج ان سے بھول جانیوالوں کا سا معاملہ کریں گے۔ اور بلاشبہ ہم نے انکو ایک

بِكِتَابٍ فَصَّلْنَاهُ عَلَىٰ عِلْمٍ هُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ

ایسی کتاب پہنچادی ہے جس کو ہم نے اپنے علم کامل سے نہایت واضح بیان کر دیا ہے وہ کتاب اہل ایمان کیلئے

يُؤْمِنُونَ ﴿٥٢﴾ هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا تَأْوِيلَهُ ۚ يَوْمَ

ہدایت و رحمت ہے۔ کیا اب یہ لوگ صرف اس قرآنی وعدے کے وقوع کا انتظار کر رہے ہیں جس دن اس

يَأْتِي تَأْوِيلُهُ يَقُولُ الَّذِينَ نَسُوهُ مِن قَبْلُ قَدْ

وعدے کا مصداق متحقق ہو جائیگا تو جو لوگ اس کو پہلے سے فراموش کئے ہوئے تھے یوں کہنے لگیں گے

جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ فَهَل لَّنَا مِن شُفَعَاءَ

واقعی ہمارے رب کے رسول سچی باتیں لیکر آئے تھے تو کیا اب سفارش کرنیوالوں میں سے کچھ ایسے سفارشی ہمارے لئے ہونگے

فَيَشْفَعُوا لَنَا أَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ ۚ

جو ہماری سفارش کردیں یا ہم پھر دنیا کی طرف لوٹا دیئے جائیں تاکہ ہم لوگ جو عمل کیا کرتے تھے انکی بجائے اب کی دفعہ دوسرے عمل کریں

قَدْ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٥٣﴾

بے شک ان لوگوں نے اپنے آپ کو تباہ کر لیا اور وہ سب افترا پردازیاں جو وہ کیا کرتے تھے ان سے گم ہوگئیں۔

ع ٦ ٦ ١٣

إِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ فِي
درحقیقت تمہارا پروردگار اللہ ہی ہے جس نے سب آسمانوں کو اور زمین کو
سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ
چھ روز میں پیدا کیا پھر وہ عرش پر اپنی شان کے موافق متمکن ہوا وہ رات کو دن پر ڈھانک دیتا ہے اس طور پر
يَطْلُبُهٗ حَثِيثًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ مُسَخَّرٰتٍ
کہ وہ رات دن کے پیچھے دوڑی چلی آتی ہے اور اُس نے سورج اور چاند اور تاروں کو پیدا کیا جنکا حال یہ ہے کہ وہ سب
بِأَمْرِهٖ ۗ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ ۗ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِينَ ﴿۵۴﴾
اسکے حکم کے تابع اور مسخر ہیں آگاہ ہو تخلیق اور فرمانروائی کا حق اُسی کو سزاوار ہے اللہ کی ذات بڑی برکت والی ہے جو جملہ مخلوقات کا رب ہے
ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ إِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴿۵۵﴾
لوگو اپنے رب سے گڑگڑا کر بھی دعا کیا کرو اور چپکے چپکے بھی بے شک اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔
وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا وَادْعُوهُ
اور زمین میں اُس کی اصلاح کے بعد فساد مت برپا کرو اور عذاب کا
خَوْفًا وَّطَمَعًا ۚ إِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ ﴿۵۶﴾
ڈر اور رحمت کی اُمید رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرو یقیناً اللہ کی رحمت مخلصین کے بہت ہی قریب ہے
وَهُوَ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۖ
اور وہ اللہ ہی ہے جو باران رحمت کے آگے آگے خوشخبری لانے والی ہواؤں کو بھیجتا ہے
حَتّٰى إِذَا أَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ
یہاں تک کہ جب وہ ہوائیں بھاری بادلوں کو اُٹھا لیتی ہیں تو ہم اُس بادل کو کسی مُردہ زمین کی طرف ہانک لے جاتے ہیں
فَأَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَأَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۚ
پھر ہم اُس سے پانی اُتارتے ہیں پھر اُس پانی سے ہر قسم کے پھل نکالتے ہیں
كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿۵۷﴾ وَالْبَلَدُ
اسی طرح ہم مُردوں کو بھی نکال کھڑا کریں گے تاکہ تم غور کرو۔ اور جو زمین

فی الحقیقت تمہارا پروردگار اللہ ہی ہے جس نے سب آسمانوں اور زمین کو چھ دن کی مدت اور میعاد میں پیدا کر دیا پھر وہ عرش پر اپنی شان کے لائق متمکن و متصرف اور جلوہ گر ہوا وہ رات کو دن پر ڈھانک دیتا ہے یہ ڈھانکنا اور اُڑھنا اس طور پر ہوتا ہے کہ وہ رات دن کے پیچھے دوڑی چلی آتی ہے اور رات دن کو جلدی سے آلیتی ہے اور دن پر رات چھا جاتی ہے اور اُسی اللہ تعالیٰ نے سورج کو اور چاند کو اور تاروں کو اس طور پر پیدا کیا کہ یہ سب اُس کے تابع فرمان اور مسخر ہیں سُن لو اور آگاہ رہو تخلیق اور حکمرانی کا وہی سزاوار ہے پیدا کرنا اور حاکم ہونا اُسی کیلئے خاص ہے اللہ تعالیٰ کی ذات بہت با برکت اور بڑی بلند و باعظمت ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار اور جملہ مخلوقات کا رب ہے یعنی عرش کو تمام امور کی تدبیر کا مرکز اور اجرائے احکام اور حکومت الٰہی کا مظہر مقرر کیا رات کو دن پر ڈھانک دیتا ہے یا دن کو رات پر اُڑھا دیتا ہے دونوں معنی ہو سکتے ہیں دن گیا رات آئی رات گئی دن آیا ایک دوسرے کے پیچھے دوڑے چلے آتے ہیں مگر ایک سے دوسرا بڑھ نہیں سکتا۔ ذلک تقدیر العزیز العلیم (۵۴) لوگو! اپنے پروردگار سے گڑگڑا کر تذلل اور انتہائی عاجزی کے ساتھ بھی دعا کیا کرو اور چپکے چپکے بھی بے شک اللہ تعالیٰ حد سے آگے نکل جانے والوں کو پسند نہیں کرتا یعنی جب یہ معلوم ہو گیا کہ جملہ مخلوقات کا خواہ وہ مجردات ہوں یا مادیات اللہ تعالیٰ ہی مالک ہے تو تم سب اپنی حاجات اور ضروریات اُس ہی سے مانگا کرو مانگنے کا طریقہ یہ ہے کہ نہایت خشوع خضوع اور الحاح وزاری اور خلوص کے ساتھ مانگا کرو اور چپکے چپکے آہستہ آہستہ مانگا کرو کیونکہ نہ تو وہ غائب ہے اور نہ وہ بہرا ہے۔ دعا میں اصل اخفا ہے حد سے بڑھ جانے والے وہ ہیں جو دعا میں ریاکاری کریں یا بلا وجہ غل مچائیں یا مبالغہ سے کام لیں یا دعا کے الفاظ میں قافیہ بندی کریں یا غیر اللہ سے حاجتیں مانگیں یا محال عقلی یا محال شرعی کی دعا کریں وغیرہ (۵۵) اور زمین کی درستی اور اصلاح کے بعد زمین میں فساد نہ کرو اور عذاب کا خوف اور اُسکی رحمت سے اُمید رکھتے ہوئے اُس کی عبادت کیا کرو یقیناً اللہ تعالیٰ کی رحمت مخلصین کے بہت قریب اور بہت ہی نزدیک ہے یعنی جب دنیا میں حالات معتدل ہوں تو گڑبڑی نہ پیدا کرو اور اسلام کی صحیح تعلیم آجانے کے بعد اور دلائل توحید اور اصلاح معاملات کے بعد پھر کفر و شرک کی طرف نہ دوڑو اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم میں کفر کی رسمیں نہ داخل کرو اور اسلام کے بعد کفر کو ترویج نہ دو۔ عبادت کرتے وقت دو باتوں کا لحاظ ضروری ہے ایک خدا تعالیٰ کی گرفت اور اُس کے عذاب سے ڈرتے رہنا اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا کیونکہ یہی دو باتیں اصل ایمان ہیں۔ نہ عذاب سے بے خوف ہو اور نہ رحمت سے نا اُمید ہو اس بات کا یقین کرو کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت مخلصین اور نیکوکاروں کے بالکل ہی قریب ہے (۵۶) اور وہ اللہ تعالیٰ وہی ہے جو بارش اور باران رحمت کے آگے آگے خوشخبری اور بشارت کے لئے ہوائیں بھیجتا ہے یہاں تک کہ جب وہ ہوائیں بادلوں کو اٹھا لاتی ہیں تو ہم اس بادل کو کسی مردہ شہر اور بلدہ جس کی زمین خشک ہو اور زمین مری پڑی ہو ایسی زمین کی طرف ہانک لیجاتے ہیں پھر اس بادل سے پانی برساتے اور اُتارتے ہیں پھر ہم اُس پانی سے ہر قسم کے پھل زمین سے نکالتے اور اُگاتے ہیں جس طرح ہم مری ہوئی زمین سے پھل نکالتے ہیں اسی طرح ہم قیامت میں مُردوں کو ان کے ٹھکانوں سے نکال کھڑا کریں گے تاکہ تم مُردوں کے دوبارہ زندہ ہونے پر غور کرو اور نصیحت پکڑو یعنی بارش کیلئے بادلوں کو اکھٹرنے اور چلانے کے لئے ہوائیں بھیجتا ہے اور جب یہ ہوائیں بادلوں کو سمیٹ لاتی ہیں تو پھر جہاں ضرورت ہوتی ہے اور جہاں کی زمین خشک اور مُردہ پڑی ہوتی ہے بادلوں کو وہاں پہنچا کر برسا دیتے ہیں اور ہر قسم کا سامان ضرورت وہاں پیدا کرتے ہیں اسی طرح مرے ہوئے انسان بھی قیامت کے دن پیدا ہو جائیں گے (۵۷)

اور جو زمین اچھی اور عمدہ ہے اور اُس میں استعداد ہے تو اُس کا سبزہ اور اُس کی پیداوار اپنے پروردگار کے حکم سے خوب نکلتی ہے اور جو زمین خراب ہوتی ہے تو اُس میں سے سوائے ناقص اور نکمی چیز کے اور کچھ نہیں نکلتا اور اُس کی پیداوار ناقص ہی ہوتی ہے ہم اسی طرح مختلف پہلوؤں سے اپنے دلائل بیان کرتے ہیں اُن لوگوں کیلئے جو شکر گزار ہیں ﴿یعنی ایک جاہل قوم میں اپنا پیغمبر بھیجا جو روحانی بارش سے لوگوں کو سیراب کرتا ہے جن کی استعداد ستھری ہوتی ہے وہ کمال کو پہنچ جاتے ہیں اور جن کی استعداد خراب ہوتی ہے انکو بھی کچھ نہ کچھ فائدہ پہنچتا ہی ہے اگرچہ وہ ناقص سا ہی ہوتا ہے (۵۸) بالتحقیق ہم نے نوحؑ کو اُس کی قوم کے پاس رسول بنا کر بھیجا پھر اُس نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم تم فقط اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرو اُس کے سوا تمہارا کوئی اور معبود نہیں ہے میں تم پر ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں ﴿یعنی اگر تم غیر اللہ کی پرستش سے باز نہ آؤ گے اور بتوں کی پوجا کو ترک نہ کرو گے تو مجھ کو تم پر قیامت کے دن عذاب کا ڈر ہے (۵۹) اس پر نوحؑ کی قوم کے رؤسا اور بڑے بڑے آدمیوں نے جواب دیا ہم تو تجھکو کھلی گمراہی اور صریح غلطی میں مبتلا دیکھ رہے ہیں تو اُس طریقہ عبادت کو بند کرنا چاہتا ہے جو ہمارے بڑوں سے چلا آرہا ہے اس سے بڑھ کر اور کیا گمراہی ہوسکتی ہے (۶۰) نوحؑ نے فرمایا اے برادرانِ قوم گمراہی میں تو میں ذرا بھی مبتلا نہیں ہوں البتہ یہ ضرور ہے کہ میں رب العالمین کا فرستادہ اور اس کا پیغامبر ہوں ﴿یعنی جو تمام جہانوں کا پروردگار اور مالک ہے اس نے مجھ کو اپنا پیام دیکر بھیجا ہے (۶۱) تم کو میں اپنے رب کے پیغام پہنچاتا ہوں اور تم کو نصیحت اور تمہاری خیرخواہی کرتا ہوں تم میں احکام خداوندی کی تبلیغ کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے مجھے اُن باتوں کا علم ہے جن کو تم نہیں جانتے ﴿یعنی نافرمانی اور انبیاء کی تکذیب کا انجام جو ہونے والا ہے اسکو میں سمجھتا ہوں تم نہیں سمجھتے (۶۲) کیا تم اس بات پر تعجب کرتے ہو اور اس معاملہ کو تعجب آمیز نگاہ سے دیکھتے ہو کہ تم ہی میں سے ایک شخص کی معرفت اور ایک مرد کی وساطت اور ذریعہ سے تم کو تمہارے پروردگار کی جانب سے کوئی نصیحت کی بات پہونچ گئی تاکہ وہ شخص تم کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے انجام سے ڈرائے اور عذابِ الٰہی سے خوف دلائے اور تاکہ تم اُس کے ڈرانے سے ڈر جاؤ اور پرہیزگار بن جاؤ اور تاکہ تم پر اس تقویٰ اور پرہیزگاری کے باعث رحم کیا جائے ﴿یعنی تم کو اس پر تعجب نہ ہونا چاہیے کہ تمہاری ہی برادری کے ایک بھائی کو اللہ تعالیٰ اپنی نصیحت کے لئے ذریعہ بنائے اور تمہارے پاس اُس کی معرفت اپنی نصیحت پہونچائے جس کا فائدہ یہ ہو کر وہ تم کو احکام خداوندی سنائے اور تم کو نافرمانی اور مخالفت کے عواقب سے ڈرائے اور تم ڈر کر متقی بن جاؤ اور تم پر رحم کیا جائے۔ (۶۳) باوجود ان تمام فہمائشوں کے نوحؑ کی قوم باز نہ آئی اور نوحؑ کی تکذیب ہی کرتی رہی اور اُن کو جھٹلاتی رہی تو آخرکار ہم نے حضرت نوحؑ کو

الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهُ بِإِذْنِ رَبِّهِ ۖ وَالَّذِي خَبُثَ لَا يَخْرُجُ

عمدہ ہوتی ہے تو اُس کی پیداوار بھی خدا کے حکم سے خوب نکلتی ہے اور جو زمین خراب ہوتی ہے تو اسمیں ناقص پیداوار کے

إِلَّا نَكِدًا ۚ كَذَٰلِكَ نُصَرِّفُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَشْكُرُونَ ﴿٥٨﴾ ع

سوا کچھ نہیں نکلتا ہم اسی طرح مختلف پہلوؤں سے دلائل بیان کرتے ہیں اُن لوگوں کیلئے جو شکر گزار ہیں

لَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَقَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا

بلاشبہ ہم نے نوحؑ کو پیغمبر بنا کر اُس کی قوم کی طرف بھیجا سو نوحؑ نے کہا اے میری قوم تم اللہ ہی کی

اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ

عبادت کرو اُس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں میں تمہارے لئے ایک بہت بڑے

عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿٥٩﴾ قَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِهِ إِنَّا لَنَرَاكَ

دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں - اُس کی قوم کے رؤسا نے کہا ہم تو تجھ کو صریح

فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ﴿٦٠﴾ قَالَ يَا قَوْمِ لَيْسَ بِي ضَلَالَةٌ

گمراہی میں مبتلا دیکھتے ہیں - نوحؑ نے کہا اے میری قوم گمراہی تو میرے پاس ذرا بھی نہیں

وَلَٰكِنِّي رَسُولٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٦١﴾ أُبَلِّغُكُمْ رِسَالَاتِ

ہاں یہ ضرور ہے کہ میں رب العالمین کا رسول ہوں - تم کو اپنے رب کے پیغام

رَبِّي وَأَنْصَحُ لَكُمْ وَأَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٦٢﴾

پہونچاتا ہوں اور تمہاری ہی خیرخواہی کرتا ہوں اور میں خدا کیطرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے

أَوَعَجِبْتُمْ أَنْ جَاءَكُمْ ذِكْرٌ مِنْ رَبِّكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ

کیا تم اس بات کو تعجب کی نگاہ سے دیکھتے ہو کہ تم ہی میں سے ایک آدمی کی معرفت تمکو تمہارے رب کیجانب سے نصیحت کی بات

مِنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿٦٣﴾

پہونچ گئی تاکہ وہ شخص تم کو ڈرائے اور تاکہ تم ڈر جاؤ اور تاکہ تم پر رحم کیا جائے

فَكَذَّبُوهُ فَأَنْجَيْنَاهُ وَالَّذِينَ مَعَهُ فِي الْفُلْكِ وَ

مگر باوجود اس کے اُن لوگوں نے نوحؑ کی تکذیب ہی کی تو ہم نے نوحؑ کو اور اسکے اُن ساتھیوں کو جو کشتی میں سوار تھے بچا لیا اور

ع ۱۴ ۵

أَغْرَقْنَا الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا

باقی ماندہ اُن سب لوگوں کو جنھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا غرق کر دیا بے شک وہ لوگ

عَمِينَ ﴿٦٤﴾ وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا ۗ قَالَ يَا قَوْمِ

اندھے ہو رہے تھے اور قوم عاد کی طرف اُن کے بھائی ہُود کو بھیجا ہوُد نے کہا اے میری قوم

اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۚ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿٦٥﴾

تم اللہ ہی کی عبادت کرو اُس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے کیا تم ڈرتے نہیں۔

قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَوْمِهِ إِنَّا لَنَرَاكَ فِي

اس کی قوم میں جو کافر رؤسا تھے اُنھوں نے کہا ہم تجھ کو بے وقوفی میں مبتلا

سَفَاهَةٍ وَإِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿٦٦﴾ قَالَ

سمجھتے ہیں اور یقیناً ہم تجھ کو جھوٹ بولنے والوں میں سے خیال کرتے ہیں حضرت ہوُد نے کہا

يَا قَوْمِ لَيْسَ بِي سَفَاهَةٌ وَلَٰكِنِّي رَسُولٌ مِّن رَّبِّ

اے میری قوم مجھ میں بیوقوفی کا تو شائبہ بھی نہیں مگر ہاں میں رب العالمین کا ایک فرستادہ

الْعَالَمِينَ ﴿٦٧﴾ أُبَلِّغُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّي وَأَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ

رسول ہوں۔ میں تم کو اپنے رب کے پیغام پہونچاتا ہوں اور میں تمہارا ایک قابل اطمینان

أَمِينٌ ﴿٦٨﴾ أَوَعَجِبْتُمْ أَن جَاءَكُمْ ذِكْرٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَلَىٰ

خیرخواہ ہوں۔ کیا تم اس بات کو تعجب کی نظر سے دیکھتے ہو کہ تمہارے رب کی طرف سے ایک ایسے شخص کی معرفت

رَجُلٍ مِّنكُمْ لِيُنذِرَكُمْ ۚ وَاذْكُرُوا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ

جو تم ہی میں سے ہے کوئی نصیحت کی بات تم کو پہنچ گئی تاکہ وہ شخص تم کو ڈرادے اور یہ بات یاد کرو کہ اللہ نے تم کو

مِن بَعْدِ قَوْمِ نُوحٍ وَزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَسْطَةً ۖ

قوم نوح کے بعد زمین کا خلیفہ بنایا اور تم کو قوت اور قدو قامت کے پھیلاؤ میں اوروں سے زیادہ کیا

فَاذْكُرُوا آلَاءَ اللَّهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٦٩﴾ قَالُوا

سو اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ اُن رؤسا نے کہا

اور اُس کے اُن ساتھیوں کو جو اُس کے ہمراہ کشتی میں سوار تھے مرنا سے بچالیا اور اُن تمام لوگوں کو جو ہمارے دلائل کی تکذیب کرے اور ہماری آیات کو جھٹلانے کے عادی اور خوگر ہو چکے تھے سب کو ڈبو دیا اور غرق کر دیا بلاشبہ وہ لوگ کفر و معاصی اور تکذیب و تکفیر کے باعثوں اندھے ہو رہے تھے (٦٤) اور قوم عاد کی طرف ہم نے اُن کے بھائی حضرت ہود علیہ السلام کو بھیجا حضرت ہودؑ نے کہا اے میری قوم تم صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت اور پوجا کرو کہ اُس کے سوا تمہارا کوئی اور معبود حقیقی نہیں ہے کیا تم اُس کی نافرمانی اور شرک سے ڈرتے نہیں یعنی بھائی فرمایا ہودؑ کو اس وجہ سے کہ ہود خود قوم عاد میں سے تھے یا وطنی بھائی کی وجہ سے (٦٥) اُس کی قوم میں سے جو لوگ منکر تھے اُن منکرین کے رؤسا اور بڑے لوگوں نے جواب دیا اے ہودؑ ہم تو تجکو بے وقوف اور کم عقل سمجھتے ہیں اور تجھ کو بے وقوفی میں مبتلا دیکھتے ہیں اور ہم تو تجکو جھوٹ بولنے والوں میں سے سمجھتے ہیں۔ (٦٦) حضرت ہودؑ نے کہا اے میری قوم مجھ میں ذرا بھی بے وقوفی اور سفاہت نہیں ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ میں کائنات کے پروردگار اور مالک کا فرستادہ اور اس کا پیغام بر ہوں (٦٧) میں تم کو اپنے پروردگار کے پیغامات پہنچاتا ہوں اور اُس کے احکام تم تک پہونچانے کی خدمت انجام دیتا ہوں اور میں تمہارا سچا اور امین اور قابل اطمینان خیرخواہ اور نصیحت کرنیوالا ہوں (٦٨) کیا تم کو اس بات پر کوئی تعجب ہے اور تم اس پر تعجب کرتے ہو کہ تمہارے پروردگار کی جانب سے تمہارے ہی میں سے ایک مرد کی معرفت اور وساطت سے تم کو کوئی نصیحت کی بات پہنچ گئی اور اُس کے احکام اُس شخص کے ذریعہ تم تک آگئے تاکہ وہ تم کو نافرمانی اور شرک کے انجام سے ڈرا دے اور خوف دلائے اور اللہ تعالیٰ کا تم لوگ وہ احسان یاد کرو کہ اس نے تم کو نوحؑ کی قوم کے بعد زمین کا خلیفہ اور جانشیں بنایا اور روئے زمین پر تم کو آباد کیا اور قدو قامت اور قوت و طاقت اور ڈیل ڈول کے پھیلاؤ میں تم کو اوروں سے زیادہ کیا لہٰذا اللہ تعالیٰ کے انعامات و احسانات کو یاد کرتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ اور کامیابی حاصل کرو (٦٩) اِن منکر رؤسا نے کہا کہ کیا تو ہمارے

ع ٨ ٦ ١٥

اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ

کیا تو ہمارے پاس اسلئے آیا ہے کہ بس ہم ایک اور تنہا خدا کی عبادت کیا کریں اور جن کو ہمارے بڑے بوڑھے

اٰبَآؤُنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۷۰﴾

پوجا کرتے تھے اُن کو چھوڑ دیں اچھا اگر تو سچا ہے تو اُس عذاب کو ہمارے پاس لے آجسکی تو ہمکو دھمکی دیا کرتا ہے

قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ ؕ

حضرت ہودؑ نے کہا بلا شبہ تم پر تمہارے رب کی جانب سے عذاب اور غضب مقرر ہو چکا ہے

اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ اَسْمَآءٍ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَ

کیا تم مجھ سے چند ایسے ناموں کے بارے میں جھگڑا کرتے ہو جن کو تم نے اور

اٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ فَانْتَظِرُوْٓا

تمہارے بڑوں نے رکھ لیا ہے حالانکہ خدا نے اُن کے معبود ہونے کی کوئی سند نہیں نازل کی اچھا تم انتظار

اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۷۱﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَ

کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کر رہا ہوں ۔ آخرکار ہم نے ہودؑ کو اور

الَّذِيْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ

اُس کے ساتھیوں کو اپنی رحمت سے بچا لیا۔ اور جو لوگ ہماری آیتوں کی تکذیب کیا کرتے تھے اُن کی جڑ

كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۲﴾ ع وَاِلٰى ثَمُوْدَ

کاٹ کر پھینک دی اور وہ کبھی ایمان لانے والے نہ تھے۔ اور ہم نے ثمود کی طرف

اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ

ان کے بھائی صالحؑ کو بھیجا صالحؑ نے کہا اے میری قوم تم اللہ ہی کی عبادت کرو اُس کے سوا تمہارا

مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ

اور کوئی معبود نہیں ہے بیشک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک واضح دلیل آچکی ہے

هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ

یہ اونٹنی اللہ تعالیٰ کی ہے جو تمہارے لئے ایک معجزہ ہے سو اس کو چھوڑ دو کہ یہ اللہ کی زمین میں

پاس اسلئے آیا ہے کہ ہم صرف ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور ان معبودوں کو چھوڑ دیں جن کی ہمارے باپ دادا اور بڑے بوڑھے پوجا کیا کرتے تھے لہٰذا اگر تو سچا ہے تو ہم کو جس عذاب کا ڈراوا دیا کرتا ہے اور روز مرہ اس کی دھمکیاں دیتا رہتا ہے وہ عذاب ہمارے پاس لے آ اور اس عذاب کو ہمارے لئے منگا دے (۷۰) حضرت ہودؑ نے فرمایا کہ جب تمہاری سرکشی کا یہ حال ہے تو بس اب تم پر تمہارے رب کی جانب سے عذاب اور غضب مقرر ہو چکا ہے اور واقع ہونا چاہتا ہے یعنی عذاب اور غضب کو آیا ہی سمجھو کیا تم مجھ سے ایسے ناموں کے بارے میں جھگڑتے ہو جنکو تم نے اور تمہارے باپ دادوں اور بڑوں نے خود ہی گھڑ لیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اُن کے بارے میں کوئی سند اور کوئی دلیل نہیں نازل فرمائی۔ بلا وجہ ایسی بات پر بحث کرتے ہو جس پر نہ کوئی دلیل عقلی تمہارے پاس ہے نہ نقلی لہٰذا اب بحث مباحثہ بند کرو اور جس عذاب کے طالب ہو اُس کا انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں اور میں بھی انتظار کرنے والوں میں سے ہوں (۷۱) آخرکار جب اُن کی سرکشی حد سے بڑھ گئی تو ہم نے حضرت ہود علیہ السلام اور اُن کے ساتھیوں کو اپنی رحمت سے بچا لیا اور اُن کو نجات دی اور جو لوگ ہماری آیات کی تکذیب کیا کرتے تھے اور ہماری نشانیوں کو جھوٹا بتایا کرتے تھے اُن کی جڑ تک کاٹ کر رکھ دی اور وہ ایمان لانے والے نہ تھے اور اُن کے بھی ایمان لانیوالوں کے سے نہ تھے یعنی ہودؑ اور ہودؑ کے ساتھی بچا لئے گئے اور عاد کی تمام قوم کو ایسا برباد کر دیا کہ اُن کا نام و نشان باقی نہ رہا (۷۲) اور ہم نے ثمود کے پاس اُن کے بھائی صالحؑ کو رسول بنا کر بھیجا حضرت صالحؑ نے قوم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا اے میری قوم تم صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت اور اسی کی پوجا کرو اس کے سوا تمہارا اور کوئی حقیقی معبود نہیں ہے بلا شبہ تمہارے پروردگار کی جانب سے تمہارے پاس ایک واضح دلیل آچکی ہے یہ اونٹنی اللہ تعالیٰ کی ہے جو تمہارے لئے ایک بڑی نشانی اور معجزہ ہے لہٰذا اس کو اس کے حال پر چھوڑ دو اور اس سے کوئی تعارض نہ کرو تاکہ یہ اللہ تعالیٰ کی زمین میں چرتی پھرے اور بُرائی کی نیت سے

ع ۹ ۸ ۱۶

أَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوهَا بِسُوٓءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابٌ

چرتی پھرے اور اس کو تکلیف پہونچانے کی غرض سے چھونا بھی نہیں ورنہ ایک دردناک عذاب تم کو

أَلِيمٌ ﴿۷۳﴾ وَاذْكُرُوٓا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنۢ بَعْدِ عَادٍ

آلے گا۔ اور تم وہ وقت یاد کرو جب کہ خدا نے تم کو قوم عاد کے بعد جانشین کیا

وَبَوَّأَكُمْ فِى الْأَرْضِ تَتَّخِذُونَ مِن سُهُولِهَا

اور تم کو زمین میں بسنے کو اس طور پر ٹھکانا دیا کہ تم نرم زمین میں بڑے بڑے محل

قُصُورًا وَتَنْحِتُونَ الْجِبَالَ بُيُوتًا ۖ فَاذْكُرُوٓا ءَالَآءَ

بناتے ہو اور پہاڑوں کو تراش تراش کر اُن میں گھر بناتے ہو سو خدا کی نعمتوں کو

اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿۷۴﴾ قَالَ الْمَلَأُ

یاد کرو اور زمین میں فساد نہ برپا کرتے پھرو۔ صالحؑ کی قوم کے سرکش

الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِن قَوْمِهِۦ لِلَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا

رؤسا نے ان غریب اور کمزور لوگوں سے جو اُس کی قوم میں سے ایمان

لِمَنْ ءَامَنَ مِنْهُمْ أَتَعْلَمُونَ أَنَّ صَٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّن

لے آئے تھے پوچھا کیا تم کو اس امر کا یقین ہے کہ صالحؑ اپنے رب کی طرف سے بھیجا گیا ہے

رَّبِّهِۦ ۚ قَالُوٓا إِنَّا بِمَآ أُرْسِلَ بِهِۦ مُؤْمِنُونَ ﴿۷۵﴾ قَالَ الَّذِينَ

اس کمزور طبقے نے جواب دیا بیشک وہ جو حکم دیکر بھیجا گیا ہے ہم اس پر کامل یقین رکھتے ہیں۔ اس پر اُن

اسْتَكْبَرُوٓا إِنَّا بِالَّذِىٓ ءَامَنتُم بِهِۦ كَٰفِرُونَ ﴿۷۶﴾ فَعَقَرُوا

سرکشوں نے کہا تم جس حکم پر ایمان لائے ہو ہم یقیناً اُس کے منکر ہیں۔ آخر کار انھوں نے

النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوا يَٰصَٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا

اس اونٹنی کو کاٹ ڈالا اور اپنے رب کے حکم سے متکبرانہ سرتابی کی اور کہنے لگے اے صالحؑ اُس عذاب کو ہمارے پاس لے آ

تَعِدُنَآ إِن كُنتَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿۷۷﴾ فَأَخَذَتْهُمُ

جس کی تو ہم کو دھمکی دیا کرتا تھا اگر واقعی تو پیغمبروں میں سے ہے۔ غرض ان کو زلزلے نے

اور تکلیف پہونچانے کی غرض سے اس کو چھونا بھی نہیں کہ تم کو کہیں دردناک عذاب نہ آلے اگر تم نے اس اونٹنی کو گزند پہونچایا تو تم کو سخت دردناک عذاب آلے گا (۷۳) اور تم اللہ تعالیٰ کے وہ احسانات یاد کرو کہ جب تم کو قوم عاد کے بعد اُس نے جانشین مقرر کیا اور تم کو روئے زمین پر آباد کیا اور تم کو زمین میں بسنے کو اس طور پر ٹھکانا دیا کہ نرم نرم زمین پر بڑے بڑے محل بناتے ہو اور پہاڑوں کو بھی تراش تراش کر ان میں گھر بناتے ہو لہٰذا تم انعاماتِ خداوندی اور اس کی نعمتوں کو یاد کرو اور زمین میں فساد برپا نہ کرتے پھرو (۷۴) حضرت صالحؑ کی قوم کے متکبر اور سرکش رؤسا نے اُن کمزور اور غریب لوگوں سے جو ان میں سے حضرت صالحؑ کی تعلیم پر ایمان لے آئے تھے دریافت کیا کہ تم جانتے ہو اور کیا تم کو یقین ہے کہ یہ صالحؑ اپنے رب کی طرف سے بھیجا گیا ہے اور یہ واقعی خدا کا فرستادہ ہے ان غریب اور کمزور لوگوں نے جواب دیا بے شک ہم ان باتوں پر اور اُس حکم پر جو وہ دیکر بھیجا گیا ہے پورا یقین رکھتے ہیں (۷۵) تب ان سرکش رؤسا نے کہا تم جس پر ایمان لے آئے ہو یقین جانو کہ ہم اس کے منکر ہیں (۷۶) آخر کار ان منکرین نے اس اونٹنی کو کاٹ ڈالا اور اپنے رب کے حکم سے سرتابی کی اور صالحؑ سے کہنے لگے اے صالحؑ اگر واقعی تو پیغمبر ہے تو اس عذاب کو ہمارے پاس لے آ جس کی تو ہم کو دھمکیاں اور ڈراوا دیا کرتا ہے اب لا وہ عذاب کہاں ہے یعنی نہ تو صالحؑ پر ایمان لائے اور نہ اونٹنی کی حفاظت کی (۷۷) غرض اُن کو زلزلے نے آپکڑا اور دفعتاً ان پر زلزلہ آگیا سو وہ اپنے

الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِىْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ﴿٧٨﴾ فَتَوَلّٰى

آپکڑا اور وہ اپنے گھروں میں منہ کے بل پڑے کے پڑے رہ گئے۔ چنانچہ اس وقت صالحؑ

عَنْهُمْ وَقَالَ یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّیْ وَ

ان سے یہ کہتا ہوا اُلٹا پھرا کہ اے میری قوم میں نے تم کو اپنے رب کا پیغام پہونچا دیا اور

نَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِیْنَ ﴿٧٩﴾ وَلُوْطًا

میں نے تمہاری خیر خواہی کی مگر تم خیر خواہی کرنے والوں کو پسند ہی نہیں کرتے تھے۔ اور ہم نے لوطؑ

اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ

کو بھیجا جبکہ اُس نے اپنی قوم سے کہا کیا تم لوگ ایسی بے حیائی کا کام کرتے ہو کہ تم سے پہلے

بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴿٨٠﴾ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ

اقوامِ عالم میں سے کسی نے وہ کام نہیں کیا۔ تم لوگ عورتوں کو چھوڑ کر

الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ

مردوں کے پاس شہوت رانی کی غرض سے جاتے ہو حقیقت یہ ہے کہ تم حد سے

مُّسْرِفُوْنَ ﴿٨١﴾ وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا

نکل جانے والے لوگ ہو۔ اور اُس کی قوم کے پاس سوائے اس کے کوئی جواب نہ تھا کہ آپس میں کہنے لگے

اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْیَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ یَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿٨٢﴾

اُن لوگوں کو اپنی بستی سے نکال دو یہ لوگ بڑے پاک و صاف بننا چاہتے ہیں۔

فَاَنْجَیْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۖ٘ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِیْنَ ﴿٨٣﴾

آخرکار ہم نے لوطؑ کو اور اُس کے سب متعلقین کو بجز اُس کی بیوی کے بچا لیا اُسکی بیوی رہ گئی رہ جانے والوں میں۔

وَاَمْطَرْنَا عَلَیْهِمْ مَّطَرًا ؕ فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

اور اُن پر ہم نے ایک خاص قسم کا مینہ برسایا یعنی پتھروں کا سو اے مخاطب دیکھ تو سہی ان گناہ گاروں کا

الْمُجْرِمِیْنَ ﴿٨٤﴾ ع وَاِلٰى مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا ؕ قَالَ

انجام کیسا ہوا۔ اور ہم نے مدین والوں کی طرف اُن کے بھائی شعیبؑ کو بھیجا شعیبؑ نے کہا

گھروں میں منہ کے بل پڑے کے پڑے رہ گئے (٧٨) اُس وقت حضرت صالحؑ یہ فرماتے ہوئے تشریف لے گئے اور حسرت کے ساتھ کہتے ہوئے لوٹے کہ اے میری قوم میں نے تم کو اپنے رب کا پیغام پہونچا دیا اور میں نے ہر طرح تمہاری خیر خواہی کی لیکن اس کا کیا علاج کہ تم خیر خواہی کرنے والوں کو پسند ہی نہیں کرتے (٧٩) اور حضرت لوط علیہ السلام کو ہم نے ہی سدوم کی بستیوں کی جانب رسول بنا کر بھیجا جبکہ انھوں نے اپنی قوم یعنی اپنی امت سے کہا کیا تم لوگ ایسی بے حیائی کا کام کرتے ہو جو تم سے پہلے اقوامِ عالم میں سے کسی نے نہیں کیا یعنی جہان بھر میں کسی نے ایسی بے حیائی کا کام نہیں کیا (٨٠) تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے شہوت رانی کرتے ہو یعنی غیر فطری افعال کے مرتکب ہوتے ہو نہیں بلکہ تم تو حدِ انسانیت سے نکل جانے والے لوگ ہو (٨١) لوطؑ کی قوم کا اس کے علاوہ کوئی جواب ہی نہیں تھا اور آخرکار وہ اس ہی فیصلہ پر پہونچے کہ انھوں نے کہا ان لوگوں کو یعنی لوطؑ اور اس کے ساتھیوں کو اپنی بستی سے نکال باہر کرو کیونکہ یہ لوگ بڑے پاک صاف بنتے ہیں (٨٢) آخرکار ہم نے لوطؑ کو اور اس کے تمام متعلقین کو بجز اُس کی بیوی کے نجات دیدی کہ اُس کی بیوی باقی ماندہ عذاب شدگان میں رہ گئی (٨٣) پھر ہم نے اُن بستیوں پر ایک خاص قسم کا مینہ برسایا یعنی پتھروں کی ان پر بارش برسائی پس اے مخاطب دیکھ تو سہی گنہگاروں کا انجام کیسا ہوا (٨٤) اور ہم نے اہلِ مدین کی طرف اُن کے بھائی حضرت شعیبؑ کو پیغامبر بنا کر بھیجا۔ حضرت شعیبؑ نے کہا اے میری قوم تم فقط اللہ تعالیٰ ہی کی بندگی اور پوجا کیا کرو اسکے سوا تمہارا اور کوئی معبود نہیں ہے

ع ١٠ ١٢ ١٧

بلاشبہ تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے کھلی اور واضح دلیل آچکی لہٰذا اب تم سیدھی تول تولا کرو اور پورا پیمانہ بھر کر دیا کرو اور لوگوں کو اُن کی چیزوں میں نقصان نہ پہنچایا کرو اور دیکھو زمین کی اصلاح اور درستی اور امن قائم ہو جانے کے بعد زمین میں فساد نہ پھیلاؤ یہ باتیں تمہارے لئے بہتر ہیں اگر تم میں ایمان ہو اور تم مومن ہو یعنی یہ مدین والے کم تولتے اور ماپ میں کم ماپتے تھے اُن کی اصلاح کیلئے حضرت شعیبؑ کو مقرر فرمایا کھلی دلیل سے مراد نبوت ہے یا کوئی اور معجزہ ہوگا جس کو کھلی دلیل فرمایا ہے زمین کی اصلاح یہی کہ جب آسمانی قانون کے مطابق احکام آجائیں تو پھر زمین میں کافرانہ نظام قائم کرنیکی کوشش نہ کی جائے کم تولنے اور کم ماپنے سے خریدار کو نقصان پہونچتا ہے اُس کی ممانعت فرمائی (۸۵) اور تم ہر راستے پر اس غرض سے نہ بیٹھا کرو کہ جو شخص دینِ حق کو قبول کرنے کی غرض سے آئے اُس کو ڈراؤ اور قتل کی دھمکیاں دو اور لوگوں کو اللہ کے صحیح راستے سے روکو اور اُس صحیح راہ اور سیدھے راستے میں شکوک شبہات پیدا کرو اور اُس راہ میں ٹیڑھا پن اور کجی تلاش کرنے کے درپے ہو اور دیکھو اُس موقعہ کو یاد کرو جب تمہاری تعداد کم تھی پھر اللہ تعالیٰ نے تمہاری اکثریت کر دی اور تم کو بڑھا دیا اور اُس بات کو دیکھو کہ فساد برپا کرنے والوں کا انجام کیا ہوا اور کیسا ہوا؟ یعنی مدین والوں کی یہ حرکت بہت ہی بُری تھی کہ جو لوگ حضرت شعیبؑ کی خدمت میں دینِ حق کو سمجھنے اور قبول کرنے کی غرض سے آتے اُن کو راستے میں روک کر ڈراتے دھمکاتے اور مسلمانوں کے روبرو جاہلانہ شکوک وشبہات پیش کرتے اور دینِ حق میں ٹیڑھی ٹیڑھی باتیں نکالنے کی کوشش کرتے ان باتوں سے منع فرمایا اور ترغیب وترہیب کے طور پر فرمایا کہ تم شمار میں یا مال میں کم تھے پھر خدا نے تم کو تعداد میں یا مال میں زیادہ کر دیا اور یہ بھی فرمایا کہ اپنی حرکاتِ ناشائستہ سے باز نہ آؤ گے تو پھر فسادیوں کا انجام پیشِ نظر رکھو (۸۶) اور اگر تم میں ایک جماعت اُس دین پر ایمان لے آئی ہے جو مجھ کو دیکر بھیجا گیا ہے اور ایک جماعت اور ایک گروہ ایسا ہے جو اس دین پر ایمان نہیں لایا تو تم گھبراؤ نہیں اور صبر کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے مابین فیصلہ کردے اور وہی بہترین حاکم اور فیصلہ کرنے والا ہے یعنی اگر ظاہری طور پر مومن اور غیر مومن میں کوئی فرق نہیں ہے لیکن ذرا صبر سے کام لو اور وقت کا انتظار کرو جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے فیصلہ کا وقت آئے گا اس وقت تم کو ایمان کی برکت اور کفر کی شقاوت معلوم ہو جائے گی (۸۷)

يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ

اے میری قوم اللہ ہی کی عبادت کرو اُس کے سوا تمہارا اور کوئی معبود نہیں ہے بیشک

جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَ

تمہارے رب کی جانب سے تمہارے پاس کھلی دلیل آچکی ہے۔ لہٰذا تم پیمانہ اور تول پوری کیا کرو اور

الْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا

لوگوں کو اُن کی چیزوں میں نقصان نہ پہونچایا کرو اور زمین کی

تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ

اصلاح ہو جانے کے بعد زمین میں فساد نہ پھیلاؤ یہ باتیں تمہارے لئے بہتر ہیں

اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝٨٥ وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ

بشرطیکہ تم کو یقین ہو۔ اور تم ہر ایک شارع عام پر اس غرض سے

تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ

نہ بیٹھا کرو کہ جو لوگ اللہ پر ایمان لانے والے ہیں اُنکو دھمکیاں دو اور اُنکو اللہ کی راہ سے روکو

بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا

اور خدا کی سیدھی راہ میں کجی تلاش کرنیکے درپے ہو اور اُس حالت کو یاد کرو کہ جب تم قلیل تھے

فَكَثَّرَكُمْ ۪ وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ۝٨٦

پھر تم کو اللہ نے کثیر کر دیا اور دیکھو فساد کرتے والوں کا انجام کیسا ہوا۔

وَاِنْ كَانَ طَآىِٕفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ

اور اگر تم میں ایک گروہ اس حکم پر جو مجھ کو دیکر بھیجا گیا ہے ایمان لے آیا ہے

بِهٖ وَطَآىِٕفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ

اور دوسرا گروہ ایمان نہیں لایا تو صبر کرو یہاں تک کہ اللہ

اللّٰهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۝٨٧

ہمارے درمیان فیصلہ کردے اور وہی سب سے بہتر فیصلہ کرنیوالا ہے۔

قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِنْ قَوْمِهِ
شعیبؑ کی قوم کے سرکش متکبر رؤسا نے کہا

لَنُخْرِجَنَّكَ يَا شُعَيْبُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَكَ مِنْ
اے شعیبؑ ہم تجھ کو اور جو تیرے ساتھ ایمان لائے ہیں سب کو اپنی بستی سے

قَرْيَتِنَا أَوْ لَتَعُودُنَّ فِي مِلَّتِنَا ۚ قَالَ أَوَلَوْ كُنَّا
نکال دیں گے یا تم ہماری ملت میں چلے آؤ شعیبؑ نے کہا خواہ ہم تمہاری ملت کو برا ہی سمجھتے ہوں

كَارِهِينَ ﴿٨٨﴾ قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللَّهِ كَذِبًا إِنْ عُدْنَا
تب بھی اُس میں آجائیں۔ اگر ہم تمہارے مذہب میں چلے آئیں باوجود اس کے کہ اللہ نے ہم کو اُس سے بچا لیا ہے تو

فِي مِلَّتِكُمْ بَعْدَ إِذْ نَجَّانَا اللَّهُ مِنْهَا ۚ وَمَا يَكُونُ لَنَا
واقعی ہم خدا پر بڑا افترا کریں گے اور ہمارے لئے یہ ممکن نہیں کہ ہم تمہاری ملت میں

أَنْ نَعُودَ فِيهَا إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّنَا ۚ وَسِعَ رَبُّنَا
چلے آئیں اِلّا یہ کہ اللہ ہی کو جو ہمارا رب ہے ایسا منظور ہو تو دوسری بات ہے ہمارے رب کا

كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۚ عَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا
علم ہر شئے سے وسیع ہے ہم نے اللہ ہی پر توکل کر رکھا ہے اے ہمارے رب ہمارے اور ہماری

وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَأَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِينَ ﴿٨٩﴾ وَ
قوم کے درمیان ٹھیک ٹھیک فیصلہ کردے اور تو ہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ اور

قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ
شعیبؑ کی قوم کے کافر رؤسا نے کہا اگر تم لوگ شعیبؑ کے پیچھے چلے

شُعَيْبًا إِنَّكُمْ إِذًا لَخَاسِرُونَ ﴿٩٠﴾ فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ
تو یقیناً تم سخت نقصان اٹھانے والے ہوگے۔ آخرکار اُن کو بھی زلزلے نے آپکڑا پھر

فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جَاثِمِينَ ﴿٩١﴾ الَّذِينَ كَذَّبُوا
وہ اپنے گھروں میں منہ کے بل پڑے کے پڑے رہ گئے۔ وہ لوگ جنھوں نے شعیبؑ کی تکذیب کی تھی

حضرت شعیبؑ کی قوم کے متکبر اور سرکش رؤسا اور بڑے بڑے سرداروں نے کہا اے شعیبؑ ہم یقیناً تجھ کو اور تیرے ساتھ جو ایمان لائے ہیں اور تیرے ساتھی مومنین کو اپنی بستی سے باہر نکال دیں گے یا تم ہماری ملت اور ہمارے طریقہ پر واپس آجاؤ شعیبؑ نے کہا اگرچہ ہم تمہارے طریقہ کو برا سمجھتے اور ناپسند کرتے ہوں تب بھی واپس آجائیں؟ یعنی جو لوگ حضرت شعیبؑ پر ایمان لائے تھے وہ واقعی ملت کفریہ کو چھوڑ کر مومن بنے تھے سرداروں نے شعیبؑ سے بھی واپسی کا مطالبہ کیا یہ شاید اس لئے کہ وہ اپنے خیال کے موافق سمجھتے تھے کہ شعیبؑ بھی ہماری ملت میں شامل تھا اب ہم سے کٹ کر الگ ہوگیا ہے (۸۸) اگر ہم تمہارے مذہب میں آجائیں اور پھر رسوم کفریہ کا ارتکاب کرنے لگیں بعد اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو اُس ملت باطلہ سے نجات دی ہے تو یقیناً ہم اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بہتان باندھنے والے اور جھوٹا طوفان اُٹھانے والے ہوں گے اور ہم خدا پر افترا کریں گے اور ہمارے لئے یہ ممکن نہیں اور ہم کو ہرگز یہ زیبا نہیں کہ ہم اس ملت باطلہ میں واپس آئیں مگر اللہ تعالیٰ جو ہمارا پروردگار اور مالک ہے اُسی کو ہمارا مرتد ہونا منظور ہو اور اُسی کی مصلحت کا تقاضہ ہو تو بات دوسری ہے ہمارے پروردگار کے علم نے ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے اور ہمارے پروردگار کا علم ہر شئے سے وسیع ہے ہم نے اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کر رکھا ہے اے ہمارے پروردگار ہمارے اور ہماری قوم کے مابین ٹھیک ٹھیک فیصلہ فرمادے اور تو تمام فیصلہ کرنے والوں سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ یعنی ایک دفعہ جب اللہ تعالیٰ نے غلط راہ سے ہم کو بچا لیا تو اب یہ توقع کرنا اور ہم سے یہ مطالبہ کرنا کہ ہم اس دینِ باطل میں پھر لوٹ آئیں محض ایک غلط بات ہے ہاں اگر خدا تعالیٰ کی مصلحت اور اُس کی مشیت کا تقاضہ ہو تو بات دوسری ہے اگر ہم خدانخواستہ ایسا کریں گے تو اللہ تعالیٰ پر جھوٹا طوفان ہوگا کہ ایک دفعہ توحید کے قائل ہو کر پھر شرک کو اچھا کہنے لگے۔ اس لغو مطالبہ پر اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اہلِ باطل اور اہلِ حق کے مابین حق حق اور ٹھیک ٹھیک حق کے موافق فیصلہ فرمادے کیونکہ تو ہی تمام فیصلہ کرنیوالوں میں بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔ (۸۹) اور شعیبؑ کی قوم کے اُن رؤسا اور سرداروں نے جنھوں نے کفر کی راہ اور کافرانہ روش اختیار کر رکھی تھی اُن غیر مسلموں سے کہا جو ابھی شعیبؑ کی تعلیم کے بارے میں کوئی آخری فیصلہ نہ کر سکے تھے کہ اگر تم نے شعیبؑ کی پیروی اختیار کی اور شعیبؑ کے کہنے پر چلے تو یقیناً اسوقت تم سخت نقصان اٹھانے والے ہوجاؤ گے اور بڑے ہی خسارے میں پڑجاؤ گے (۹۰) جب متکبر سرداروں نے یہاں تک مزاحمت اختیار کی تو آخرکار اُن کو بھی زلزلے نے دفعۃً آپکڑا پھر وہ اپنے گھروں میں منہ کے بل پڑے کے پڑے رہ گئے اور اوندھے منہ گرے کے گرے رہ گئے (۹۱) وہ لوگ جو شعیبؑ کی تکذیب

ربع

مع ۴

ع ۱۷/۱

شُعَيْبًا كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۚ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا

ایسے ہو گئے جیسے کبھی وہاں بسے ہی نہ تھے جن لوگوں نے شعیبؑ کی تکذیب کی تھی وہی

كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٩٢﴾ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ

ہوئے نقصان اُٹھانے والے۔ اُس وقت شعیبؑ اُن سے یہ کہتا ہوا اُلٹا پھرا

لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَكَيْفَ

اے میری قوم میں نے تم کو اپنے رب کے پیغام پہنچا دیتے تھے اور میں نے تمہاری خیر خواہی کی تھی پھر اب میں ان لوگوں

اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿٩٣﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ

پر جنہوں نے قبول حق سے انکار کیا کیونکر افسوس کروں۔ اور ہم نے کسی بستی میں کبھی کوئی نبی

مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ

نہیں بھیجا مگر یہ کہ اُس بستی کے لوگوں کو ہم نے تنگدستی اور بیماری میں مبتلا کیا تاکہ

لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ ﴿٩٤﴾ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ

وہ لوگ عاجزی اختیار کریں۔ پھر ہم نے اُن کی بدحالی کو خوشحالی سے

الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا

بدل دیا یہاں تک کہ وہ خوب پھلے پھولے اور کہنے لگے کہ اس طرح کا دکھ اور سکھ تو ہمارے

الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا

باپ دادوں کو بھی پیش آیا کرتا تھا آخر کار ہم نے اُن کو اچانک پکڑ لیا اور اُن کو اس پکڑ کی

يَشْعُرُوْنَ ﴿٩٥﴾ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا

خبر تک نہ تھی۔ اور اگر ان بستیوں کے رہنے والے نبیوں پر ایمان لے آتے اور انکی مخالفت سے پرہیز

لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ

تے تو ہم اُن پر آسمان و زمین کی برکتیں کشادہ کر دیتے

وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٩٦﴾

لیکن اُنھوں نے تو پیغمبروں کی تکذیب کا شیوہ اختیار کیا لہٰذا ہم نے اُن کو اُنکی کردار کے باعث پکڑ لیا۔

ع ۱۱ / ۱

ع ۱۷ / ۲

کے خوگر تھے وہ ایسے ہو گئے گویا کبھی اُن گھروں میں بسے ہی نہ تھے وہ لوگ جنھوں نے شعیبؑ کی تکذیب کی اور شعیبؑ کو جھٹلایا وہی نقصان اُٹھانے والے ہوئے اور وہی خسارے میں پڑے یعنی جو شعیبؑ کو بستی سے نکالنا چاہتے تھے اُنہی کو بستی میں رہنا نصیب نہ ہوا اور جو شعیبؑ کی اتباع کو موجب خسارہ کہتے تھے اُنہی کو نقصان اُٹھانا پڑا اور وہی خسارے میں پڑے (۹۲) اُس وقت حضرت شعیبؑ اُن بدبختوں سے یہ کہتے ہوئے واپس تشریف لے گئے اے میری قوم میں نے تم کو اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیے تھے اور تمہاری ہمیشہ خیر خواہی کرتا رہا پھر اب میں ان لوگوں پر کیوں کر اظہار افسوس کروں جنھوں نے دین حق کے قبول کرنے سے ہمیشہ انکار کیا یعنی ایسے لوگوں پر کیا افسوس کیا جائے جن کی طبیعت میں اسلام دشمنی ہو یہ مرنے والوں کو بطور عبرت خطاب کیا خطاب کے لئے سماع ضروری نہیں (۹۳) اور ہم نے کسی بستی اور شہر میں کبھی کوئی نبی نہیں بھیجا مگر یہ کہ ہم نے شروع شروع ان کے انکار اور نبی کی تکذیب کرنے پر اُن بستی والوں کو فقر و تنگدستی اور امراض و آلام میں مبتلا کیا تاکہ وہ عاجزی کریں یعنی رسول کی تکذیب سے باز آجائیں اور ڈر کر گریہ وزاری کریں (۹۴) پھر جب وہ باز نہ آئے تو اس کے بعد ہم نے ان کی تکلیف کو راحت سے بدل دیا اور اُن کی تنگدستی کو خوشحالی سے بدل دیا یہاں تک کہ وہ بکثرت پھلے پھولے اور بے فکر ہو کر کہنے لگے اس طرح کا دکھ سکھ اور تکلیف و راحت ہمارے باپ دادوں کو بھی پیش آتی تھیں آخر کار ہم نے اُن کو اچانک پکڑ لیا اور اُن کو اس گرفت کی خبر تک نہ تھی۔ یعنی ابتدائی تکذیب کے بدلے میں کچھ تکلیف پہنچی باز نہ آئے پھر آرام دیا کہ شاید اب سمجھ جائیں اور احسان مانیں لیکن پھر بھی پیغمبر کی تعلیم کو قبول نہ کیا اور پیغمبر کے معاملہ میں ڈھیلے نہ پڑے اور یہ نہ سمجھے کہ وہ آزمائش میں مبتلا ہیں بلکہ اس تمام دکھ سکھ کو اتفاقی سمجھے اور زمانے کا ہیر پھیر خیال کیا اور اسی غلطی میں پڑ کر کہنے لگے کہ اس قسم کی تکلیف و راحت تو زندگی کیساتھ وابستہ ہے ہمارے آباؤ اجداد بھی اس قسم کے دکھ سکھ سے دوچار ہوتے رہتے تھے یہ معمولی بات ہے جب مرض اس درجہ پر پہنچ گیا تو اچانک عذاب لے آیا اور ایسی حالت میں آیا کہ اُن کو بالکل خبر نہ تھی (۹۵) اور اگر ان بستیوں کے رہنے والے ان نبیوں پر جن کو ہم نے بھیجا تھا ایمان لے آتے اور خدا سے ڈرتے اور ان نبیوں کی مخالفت سے پرہیز کرتے تو ہم ان پر بجائے آفات ارضی و سماوی کے آسمان و زمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیتے لیکن اُنھوں نے تو پیغمبروں کی تکذیب کا شیوہ اختیار کیا اور ہمارے فرستادوں سے بغاوت کی لہٰذا ہم نے انکے کرتوتوں کے سبب اور اُس کمائی کے باعث جو وہ کمایا کرتے تھے انکو پکڑ لیا یعنی ہماری گرفت محض دین حق کی مخالفت کے سبب تھی ورنہ اگر وہ راہ راست پر آجاتے اور انبیاء کی اطاعت قبول کر لیتے تو ہم اُن پر آسمان و زمین کی برکتیں کھول دیتے آسمان سے خوب بارش ہوتی اور زمین سے خوب پیداوار ہوتی آخر کار جو کردار وہ کرتے تھے اُسکی وجہ سے اُن پر عذاب آگیا حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں بندے کو دنیا میں گناہ کی سزا پہنچتی رہے تو اُمید ہے کہ توبہ کرے اور اگر گناہ راس آگیا تو یہ اللہ کا بھلا دا ہے پھر ڈر ہے ہلاکت کا جیسے زہر کھایا اگر قے ہو گیا تو اُمید ہے اور اگر پچ گیا تو کام آخر ہوا (۹۶)

أَفَأَمِنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ أَنْ يَأْتِيَهُمْ بَأْسُنَا بَيَاتًا وَهُمْ

کیا اے پیغمبر یہ موجودہ بستیوں کے لوگ اس بات سے نڈر ہوگئے ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب رات میں آ پہنچے جبکہ وہ

نَائِمُونَ ﴿٩٧﴾ أَوَأَمِنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ أَنْ يَأْتِيَهُمْ بَأْسُنَا

پڑے سوتے ہوں۔ اور کیا ان بستیوں کے رہنے والے اس بات سے نڈر ہوگئے ہیں کہ ہمارا عذاب ان پر

ضُحًى وَهُمْ يَلْعَبُونَ ﴿٩٨﴾ أَفَأَمِنُوا مَكْرَ اللَّهِ ۚ فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ

چاشت کے وقت آ پہونچے جبکہ وہ بیکار کاموں میں مشغول ہوں۔ ہاں تو کیا یہ لوگ اللہ کی گرفت سے بیخوف ہوگئے ہیں سو اللہ

اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُونَ ﴿٩٩﴾ أَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِينَ يَرِثُونَ

اللہ کی پکڑ سے تو صرف وہی لوگ بیخوف ہوتے ہیں جو تباہ و برباد ہونیوالے ہوں۔ اور کیا وہ لوگ جو گزشتہ ہلاک شدہ لوگوں کے بعد

الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِ أَهْلِهَا أَنْ لَوْ نَشَاءُ أَصَبْنَاهُمْ

آج کل زمین کے وارث ہیں اُن کیلئے یہ بات واضح نہیں ہوئی کہ اگر ہم چاہیں تو اُن کو بھی اُنکے گناہوں

بِذُنُوبِهِمْ ۚ وَنَطْبَعُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ﴿١٠٠﴾

کے سبب پکڑ لیں مگر ہم نے اُن کے دلوں پر مُہر کردی ہے لہٰذا وہ سنتے تک نہیں۔

تِلْكَ الْقُرَىٰ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَائِهَا ۚ وَلَقَدْ

اے پیغمبر یہ چند بستیاں تھیں جن کے بعض واقعات ہم آپ کو سُنا رہے ہیں اور بلا شبہ ان بستیوں

جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا بِمَا

کے لوگوں کے پاس ان کے رسول واضح معجزات لے کر آئے مگر وہ جن باتوں کو پہلی دفعہ جھٹلا چکے تھے

كَذَّبُوا مِنْ قَبْلُ ۚ كَذَٰلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِ

پھر یہ نہ ہوا کہ وہ اُن باتوں کو مان لیتے اللہ تعالیٰ اسی طرح منکرین حق کے قلوب پر

الْكَافِرِينَ ﴿١٠١﴾ وَمَا وَجَدْنَا لِأَكْثَرِهِمْ مِنْ عَهْدٍ ۖ وَإِنْ

مُہر کردیا کرتا ہے۔ اور ہم نے اُن لوگوں میں سے اکثر کو عہد کا پورا نہ پایا اور ہم نے تو

وَجَدْنَا أَكْثَرَهُمْ لَفَاسِقِينَ ﴿١٠٢﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ

اُن میں سے اکثر کو نافرمان ہی پایا۔ پھر ہم نے اُن مذکورہ پیغمبروں کے بعد

کیا اے پیغمبر یہ موجودہ بستیوں کے لوگ یعنی مکہ اور اُس کے پاس کی بستیوں کے رہنے والے اس امر سے نڈر اور بے خوف ہوگئے ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب رات کو آجائے جبکہ اُن کی حالت یہ ہو کر پڑے سو رہے ہوں (۹۷) اور کیا اے پیغمبر یہ موجودہ بستیوں کے رہنے والے اس بات سے بے خوف اور نڈر ہوگئے ہیں کہ اُن کے پاس ہمارا عذاب دن چڑھے چاشت کے وقت آ پہونچے اور اُن کی حالت یہ ہو کہ وہ کھیل کود اور بے کار کاموں میں مشغول ہوں۔ یعنی سابقہ لوگوں کے حالات سُن کر عبرت حاصل کرنی چاہئے پہلی اُمتوں پر عام طور سے رات کو سوتے میں عذاب آیا ہے یا دوپہر کو قیلولے کے وقت یا کاروبار میں جب لگے ہوں اور کھیل کود میں مشغول ہوں اس لئے رات دن میں کسی وقت عذاب کے آجانے سے خوف دلایا اور عذاب الٰہی سے بےخوف ہونے کو منع فرمایا (۹۸) ہاں تو کیا یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی اچانک گرفت سے بے خوف اور پُرامن ہو کر بیٹھ گئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ڈھیل اور استدراج کے باعث ان کو کسی قسم کا خوف نہیں رہا ہے اگر ایسا ہے تو سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ کی اچانک گرفت سے صرف وہی لوگ بیخوف ہوا کرتے ہیں جو خسارہ اُٹھانے والے اور تباہ و برباد ہونے والے ہوتے ہیں۔ یعنی اس قسم کی بے خوفی اور نڈر پن کے وہی لوگ مرتکب ہوتے ہیں جو انجام کار تباہ و برباد ہونے والے ہوں (۹۹)۔

ع ١٢ ٦ ٢

اور کیا وہ لوگ جو گزشتہ ہلاک شدہ لوگوں کی جگہ آج کل زمین کے وارث بنے ہوئے ہیں اُن کے لئے ابھی تک یہ بات واضح نہیں ہوئی اور اُن پر یہ امر ظاہر نہیں ہوا کہ اگر ہم چاہیں تو ان نئے وارث شدگان کو بھی ان کے جرائم کے باعث پکڑ لیں اور ان کو عذاب میں مبتلا کردیں اور ہم نے ان کے دلوں پر مُہر کردی ہے لہٰذا وہ سنتے ہی نہیں۔ یعنی چاہئے تو یہ تھا کہ پہلوں کی حالت دیکھ کر اور سُن کر اپنے انجام کی فکر کرتے لیکن ان کی مسلسل اور متواتر نافرمانیوں کے باعث ان کے دلوں پر مُہر لگ گئی ہے اس لئے یہ سُنتے ہی نہیں اور ان کو سماعِ قبول میسر نہیں جو بات سنکر دل میں نہ اترے اُس کا سننا نہ سننا برابر ہے (۱۰۰) اے پیغمبر یہ چند بستیاں تھیں جن کے بعض احوال و واقعات آپ کو ہم نے سُنائے ہیں اور اُن بستیوں کی بعض خبروں سے آپ کو آگاہ کر رہے ہیں ان بستیوں کے رہنے والے لوگوں کے پاس اُن کے رسول کھلے معجزے اور واضح دلائل لیکر آئے تھے مگر ان کی ضد کا یہ عالم تھا کہ جس چیز کو ابتداءً جھٹلا چکے تھے اور پہلے ہی مرتبہ جس چیز پر منہ سے نہیں نکل چکی تھی اُس کو آخر تک مان کر ہی نہیں دیا اور آخر تک اپنی ہٹ پر قائم رہے جس طرح یہ لوگ نافرمانی میں سنگ دل تھے اسی طرح اللہ تعالیٰ نہ ماننے والوں کے دلوں پر مُہر کردیا کرتا ہے (۱۰۱) اور ہم نے ان منکرین کو اکثر وفائے عہد کا پابند نہ پایا اور عہد کا پورا نہ پایا اور ہم نے تو ان میں سے اکثر کو بے حکم اور نافرمان ہی پایا۔ یعنی جب ان پر کوئی بلا ئے ناگہانی آجاتی ہے تو یہ لوگ اسوقت اطاعت و فرماں برداری کا عہد کر لیتے ہیں اور پھر ان میں کے اکثر اس عہد کو توڑ دیتے ہیں ہو سکتا ہے کہ عہد الست کا مراد ہو اگر وہ عہد مراد ہو تب بھی اکثریت نے اُس عہد کو توڑا ہے۔ بہر حال عہد کو پورا کرنے والی سعید روحیں بہت کم ہیں (۱۰۲) پھر ہم نے ان مذکورہ پیغمبروں کے بعد موسیٰؑ کو اپنے

مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَاۤ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ فَانْظُرْ

موسیٰؑ کو اپنے دلائل دیکر فرعون اور اُنکے مشیر کار اُمرا کے پاس بھیجا مگر اُن لوگوں نے ان دلائل کیسا تھ ظالمانہ برتاؤ کیا تو اے

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَقَالَ مُوْسٰى

پیغمبر ذرا دیکھئے ان فساد کرنیوالوں کا انجام کیسا ہوا۔ اور موسیٰؑ نے کہا

يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ حَقِيْقٌ عَلٰۤى

اے فرعون میں رب العالمین کا رسول ہوں۔ میرے لئے یہی لائق ہے کہ میں

اَنْ لَّاۤ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ

خدا کی طرف بجز سچی بات کے اور کوئی بات منسوب نہ کردوں۔ بیشک میں تمہارے رب کی طرف سے تمہارے

مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۰۵﴾ قَالَ اِنْ كُنْتَ

پاس ایک بڑی دلیل لایا ہوں لہٰذا اے فرعون تو بنی اسرائیل کو میرے ہمراہ بھیجدے۔ فرعون نے کہا اگر

جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۰۶﴾

واقعی تو کوئی نشان لے کر آیا ہے تو اُس کو پیش کر اگر تو اپنے دعوے میں سچا ہے۔

فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۰۷﴾ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا

اسپر موسیٰؑ نے اپنا عصا ڈال دیا اور وہ ڈالتے ہی ایک صاف دھرتج اژدہا بن گیا۔ اور موسیٰؑ نے اپنا ہاتھ جو باہر نکالا تو وہ ہاتھ اسی وقت

هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ

سب دیکھنے والوں کیلئے بہت ہی چمکدار ہو گیا۔ اسپر فرعون کی قوم کے سرداروں نے آپس میں کہا

اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۹﴾ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ ۚ

کہ واقعی یہ کوئی بڑا واقف جادوگر ہے۔ یہ چاہتا ہے کہ تم کو تمہارے ملک سے باہر نکالدے

فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ قَالُوْۤا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِي

اب تم اس بارے میں کیا مشورہ دیتے ہو۔ ان سرداروں نے فرعون سے کہا کہ تو موسیٰ کو اور اُسکے بھائی کو اس وقت کچھ مہلت دیدے اور تو مختلف

الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿۱۱۲﴾

شہروں میں اپنے ہرکارے بھیجدے کہ وہ ہر ماہر فن جادوگر کو تیرے پاس لے آئیں

دلائل اور اپنے نشان دیکر فرعون اور اُس کے سرداراور مشیر کاروں کے پاس بھیجا مگر اُن لوگوں نے ان دلائل کے ساتھ سوقیانہ برتاؤ کیا اور معجزات و نشانات کا حق ادا نہ کیا اور بڑی ناانصافی کی اے پیغمبر پھر دیکھئے ان فسادیوں اور ناسپاسی کرنے والوں کا انجام کیا ہوا یعنی سب شرارت کرنیوالے دریائے قلزم میں غرق کردیئے گئے اور بنی اسرائیل کو انکے مظالم سے نجات دی (۱۰۳) اور حضرت موسیٰؑ نے کہا اے فرعون بلاشبہ میں کائنات کے پروردگار کا فرستادہ اور رسول ہوں (۱۰۴) میرے لئے یہی لائق اور مناسب ہے اور مجھ کو یہی زیبا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سوائے حق اور سچ کے کوئی اور بات منسوب نہ کردوں بلاشبہ میں تمہارے پروردگار کیجانب سے تمہارے پاس ایک واضح دلیل اور بڑی نشانی لے کر آیا ہوں لہٰذا اے فرعون تو بنی اسرائیل کو میرے ہمراہ اور میرے ساتھ بھیجدے یعنی جب میں خدا کا رسول ہوں تو تجھ سے صحیح بات کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا حکم یہی ہے کہ بنی اسرائیل کو میرے ساتھ کردے (۱۰۵) فرعون نے کہا اگر واقعی تو کوئی نشانی لایا ہے تو اُس کو پیش کر اگر تو واقعی سچا ہے (۱۰۶) چنانچہ موسیٰؑ نے اپنا عصا ڈال دیا اور اپنی لاٹھی پھینکی اور عصا ڈالتے ہی وہ ایک صاف و صریح اژدہا بن گیا (۱۰۷) اور حضرت موسیٰؑ نے اپنے ہاتھ کو جو باہر نکالا تو وہ ہاتھ اسی وقت سب دیکھنے والوں کے لئے سفید اور بہت چمکدار ہو گیا (۱۰۸) اس عظیم الشان واقعہ کے بعد فرعون نے اپنے اُمراء اور مشیران خاص سے دریافت کیا جیسا کہ دوسری سورتوں سے معلوم ہوتا ہے اسپر اُن امرا اور رؤسا نے اپنی رائے ظاہر کی فرعون کی قوم کے اُمرا اور رؤسا نے کہا بیشک یہ موسیٰؑ بڑا ماہر اور حاذق جادوگر ہے (۱۰۹) اس موسیٰؑ کا مقصد یہ ہے اور یہ چاہتا ہے کہ تم کو تمہارے ملک سے نکال دے اور خود یہاں حکمراں بن کر بیٹھ جائے اب تم بتاؤ بادشاہ کو کیا مشورہ دیتے ہو یعنی بادشاہ دریافت فرماتے ہیں اب تم بتاؤ بادشاہ کو کیا مشورہ دیں (۱۱۰) ان سب سرداروں نے متفقہ طور پر فرعون کو یہ مشورہ دیا کہ موسیٰ اور اس کے بھائی ہارونؑ کو اس وقت کچھ مہلت دیدیجئے اور مختلف شہروں میں اپنے ہرکارے اور برق انداز اور سپاہی بھیجدیجئے (۱۱۱) کہ وہ آپ کے پاس ہر ایک ماہر فن جادوگر کو جمع کرلائیں یعنی یہ جادوگر ہے اس کا مقابلہ جادوگروں سے ہونا چاہئے لہٰذا اپنی قلمرو میں اپنے چپراسی بھیجکر اچھے اچھے ماہر فن جادوگروں کو جمع کرالیجئے۔ (۱۱۲)

ع ۱۳ / ۹ / ۴

چنانچہ جادوگر فرعون کے پاس آگئے اور جب سب جمع ہوگئے تو انہوں نے کہا اگر ہم موسیٰؑ پر غالب آگئے تو کیا ہم کو کوئی بڑا انعام ملے گا اور ہم کسی بڑے صلہ کے مستحق ہوں گے (۱۱۳) فرعون نے جادوگروں کو جواب دیا ہاں انعام تو ملے ہی گا اور تم شاہی مقربین میں بھی شامل کرلیے جاؤ گے اور ہمارے مقرب بن جاؤ گے (۱۱۴) اس ابتدائی گفتگو کے بعد اہلِ شہر کا اجتماع ہوا موسیٰؑ اور جادوگر مقابلہ میں آئے تو

وَجَاۤءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْۤا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا

چنانچہ جادوگر جب فرعون کے پاس آگئے تو کہنے لگے اگر ہم موسیٰؑ پر غالب آگئے تو ہم کو

نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۱۱۴﴾

کوئی بڑا انعام ملیگا۔ فرعون نے کہا ہاں انعام تو ملے ہی گا اور تم شاہی مقربین میں بھی شامل کرلیے جاؤ گے

قَالُوْا يٰمُوْسٰۤى اِمَّاۤ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّاۤ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ

اس پر جادوگروں نے کہا اے موسیٰؑ یا تو آپ پہلے ڈال دیجئے یا ہم کو جو ڈالنا ہے

الْمُلْقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّاۤ اَلْقَوْا سَحَرُوْۤا اَعْيُنَ

وہ ہم ڈالتے ہیں۔ موسیٰؑ نے جواب دیا تم ہی پہلے ڈالو پھر جب اُن جادوگروں نے ڈالا تو لوگوں کی آنکھوں کو مسحور

النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَاۤءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۱۶﴾ وَاَوْحَيْنَاۤ

کردیا اور ان کو خوف زدہ کردیا اور وہ بڑا بھاری جادو بنا کر لائے۔ اور ہم نے موسیٰؑ کو

اِلٰى مُوْسٰۤى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا

حکم بھیجا کہ اے موسیٰؑ تو اپنا عصا ڈالدے اس عصا کا ڈالنا تھا کہ وہ اُسی وقت اس سب جھوٹے طلسم کو نگلنے لگا جو

يَاْفِكُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾

وہ بنا رہے تھے۔ پس حق ثابت ہوگیا اور جو کچھ وہ جادوگر کر رہے تھے وہ باطل ہو کر رہ گیا۔

فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَاُلْقِيَ

غرض فرعون اور اُس کے ساتھی اس جگہ مغلوب ہوگئے اور ذلیل ہو کر اُلٹے پھرے۔ اور تمام جادوگر

السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۱﴾

سجدے میں گر پڑے۔ اور کہنے لگے ہم اُس رب العالمین پر ایمان لائے۔

رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ

جو موسیٰؑ اور ہارونؑ کا رب ہے۔ فرعون نے جادوگروں سے کہا تم میری اجازت سے قبل ہی

قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي

اُس پر ایمان لے آئے بیشک یہ ایک سازش ہے جو تم نے اس شہر میں

جادوگروں نے موسیٰؑ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا اے موسیٰؑ یا تو آپ پہلے جو کچھ ڈالنا ہو ڈال دیجئے یا ہم پہلے ڈال دیں ؛ یعنی یا تو آپ اپنا کرتب دکھانے کی ابتدا کریں یا ہم کو اجازت دیجئے کہ ہم پہل کریں (۱۱۵) حضرت موسیٰؑ نے جواب دیا تم ہی پہلے ڈال دو اور اپنا کرتب دکھانے میں تم ہی پہل کرو پھر جب ان جادوگروں نے ڈالا تو لوگوں کی آنکھوں کو مسحور کردیا اور انھوں نے لوگوں کو خوف زدہ کردیا اور وہ بڑا بھاری جادو بنا کر لائے ؛ یعنی اوّل تو موسیٰؑ سے دریافت کیا کہ آپ پہلے اپنا عصا ڈالدیں یا ہم اپنی لاٹھیاں اور رسیاں ڈالدیں تو وہ دیکھنے والوں کو سانپ اور اژدہے دکھائی دینے لگے اور ان جادوگروں نے حاضرین کی دید بند کردی اور لوگ ڈرنے لگے اور بڑا بھاری جادو پیش کیا (۱۱۶) اور اُس وقت ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی کے ذریعہ حکم دیا کہ اے موسیٰؑ تو اپنا عصا ڈالدے اور اپنی لاٹھی جس طرح پھینکا کرتا ہے پھینکدے لاٹھی کا پھینکنا تھا کہ وہ لاٹھی اس تمام کھیل اور سانگ اور جھوٹے طلسم کو نگلنے لگا جو وہ بنا رہے تھے ؛ یعنی لاٹھی کا اژدہا بنا اور اُس اژدہے نے اُن کی تمام فرضی مصنوعات کو نگل لیا (۱۱۷) اُس وقت حق کا حق ہونا ظاہر ہوگیا اور جو کچھ وہ جادوگر کر رہے تھے اور جو کچھ بنا رہے تھے وہ غلط ہو کر رہ گیا اور اُن کا بطلان ثابت ہوگیا (۱۱۸) غرض فرعون اور اُس کے ساتھی اس موقع پر مغلوب ہوگئے اور دب گئے اور بہت ذلیل ہوئے ؛ یعنی ہوسکتا ہے کہ انقلاب بمعنی صیرورۃ ہو جیسا کہ مفسرین نے فرمایا ہے اور ہوسکتا ہے کہ رجوع ہو جیسا کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے ترجمہ کیا ہے ہم نے شاہ صاحب کی رعایت سے متن میں ترجمہ کیا ہے (۱۱۹) اور تمام جادوگر سجدے میں گر پڑے (۱۲۰) اور پکار کر کہنے لگے ہم اُس رب العالمین پر ایمان لائے (۱۲۱) جو موسیٰؑ اور ہارونؑ کا بھی رب ہے ؛ یعنی فرعون بھی اپنے کو ربّ العالمین سمجھتا تھا اس لئے موسیٰؑ اور ہارون کے نام بڑھائے تاکہ یہ بات صاف ہوجائے کہ ہمارا مومن یہ وہ رب ہے جس پر موسیٰؑ اور ہارون ایمان لانے کو کہتے ہیں (۱۲۲) فرعون نے اپنی حکومت کو بچانے اور عام بغاوت کو دبانے کے لئے جادوگروں سے کہا کہ تم میری اجازت دینے سے پہلے ہی اس موسیٰؑ پر ایمان لے آئے یہ ایک سازش ہے جو تم سب نے مل کر کی ہے تاکہ تم اس ملکِ مصر کے حقیقی باشندوں کو اور مصر کی حکمراں قوم کو اس ملک مصر سے نکال دو اور حاکم قوم کو یہاں سے بے دخل کرکے اپنا راج قائم کرلو لہٰذا عنقریب

الْمَدِينَةِ لِتُخْرِجُوا مِنْهَا أَهْلَهَا ۖ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ﴿١٢٣﴾

کی ہے تاکہ تم اس شہر کے لوگوں کو یہاں سے بے دخل کر دو لہٰذا اب تم کو اس کا نتیجہ معلوم ہوا جاتا ہے

لَأُقَطِّعَنَّ أَيْدِيَكُمْ وَأَرْجُلَكُم مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ

یقیناً میں تم سب کے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹوں گا پھر

لَأُصَلِّبَنَّكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿١٢٤﴾ قَالُوا إِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا

تم سب کو سولی پر چڑھا دوں گا ۔ نو مسلم جادوگروں نے جواب دیا بلاشبہ ہم سب تو اپنے رب ہی کی طرف

مُنقَلِبُونَ ﴿١٢٥﴾ وَمَا تَنقِمُ مِنَّا إِلَّا أَنْ آمَنَّا بِآيَاتِ رَبِّنَا

لوٹ کر جانیوالے ہیں ۔ اور تجھے ہم میں سوائے اسکے اور کونسا عیب دیکھا ہے کہ ہم اپنے رب کی نشانیوں پر جبکہ وہ نشانیاں ہم تک

لَمَّا جَاءَتْنَا ۚ رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَتَوَفَّنَا

پہونچ گئیں ایمان لے آئے ہیں اے ہمارے رب ہم پر بکثرت صبر کا فیضان فرما اور ایسی حالت میں ہماری روح قبض کر

مُسْلِمِينَ ﴿١٢٦﴾ وَقَالَ الْمَلَأُ مِن قَوْمِ فِرْعَوْنَ أَتَذَرُ

ہم مسلمان ہوں ۔ اور فرعون کی قوم کے سرداروں نے فرعون سے کہا کیا تو موسیٰ کو اور اس کی قوم کو

مُوسَىٰ وَقَوْمَهُ لِيُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَيَذَرَكَ وَ

یوں ہی چھوڑے رکھے گا کہ وہ ملک میں فساد پھیلاتے رہیں اور وہ موسیٰ تجھ کو اور تیرے تجویز کردہ معبودوں کو

آلِهَتَكَ ۚ قَالَ سَنُقَتِّلُ أَبْنَاءَهُمْ وَنَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ

نظر انداز کرتا ہے فرعون نے کہا ہم بہت جلد ان کے بیٹوں کو قتل کریں گے اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھیں گے

وَإِنَّا فَوْقَهُمْ قَاهِرُونَ ﴿١٢٧﴾ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ

اور بلاشبہ ہم ان پر پورا غلبہ رکھتے ہیں ۔ حضرت موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا

اسْتَعِينُوا بِاللَّهِ وَاصْبِرُوا ۖ إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا

اللہ سے مدد مانگو اور ثابت قدم رہو یہ زمین اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہے وہ اپنے بندوں میں سے

مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ﴿١٢٨﴾

جسکو چاہتا ہے اس کا وارث کر دیتا ہے اور آخر میں انہی لوگوں کا بھلا ہوتا ہے جو پرہیزگار ہیں ۔

تم کو اس کا نتیجہ اور انجام معلوم ہوا جاتا ہے ؛ یعنی یہ سب کارروائی بنی بنائی ہے تم اور موسیٰ آپس میں سٹ گئے ہو کہ تم یہ کرنا ہم یہ کریں گے تم سب نے مل کر سازش کی ہے اور تم اس سازش کے ذریعہ ہمارا ملک ہم سے چھین لینا چاہتے ہو (١٢٣) میں ضرور تم سب کے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹوں گا اور قطع کردوں گا پھر تم سب کو سولی پر لٹکا دوں گا ؛ یعنی یہ سخت سزا دوں گا تاکہ دیکھنے والوں کو عبرت ہو (١٢٤) ان نو مسلم جادوگروں نے جواب دیا یقیناً ہم سب تو اپنے رب ہی کی طرف واپس جانیوالے ہیں ؛ یعنی تیری سزا کا ہم کو کوئی خطرہ نہیں ہے آخر تو ہم مرکر اپنے پروردگار ہی کی طرف جائیں گے پھر ہمیں اندیشہ کیا ہے (١٢٥) اور تونے ہم میں سوائے اس کے اور کونسا عیب دیکھا ہے اور تجھ کو سوائے اس کے ہم سے کیا بیر اور دشمنی ہے اور تو ہم سے سوائے اس کے اور کس بات کا انتقام لینا چاہتا ہے کہ ہم اپنے رب کے احکام اور اُس کی نشانیوں پر جب وہ احکام اور نشانیاں ہمارے پاس آئیں تو ہم اُن پر ایمان لے آئے اے ہمارے پروردگار ہم پر صبر کے دہانے کھول دے اور ہم پر بکثرت صبر کا فیضان فرما۔ اور ہم کو اسلام اور مسلمان ہونے کی حالت میں وفات دے ؛ یعنی اس سخت سزا کی وجہ اس کے علاوہ نہیں معلوم ہوئی کہ ہم کو صرف اس جرم میں تو قتل کرنا چاہتا ہے کہ ہم اپنے رب کے احکام پر ایمان کیوں لائے جبکہ وہ احکام ہمارے پاس پہونچ گئے اچھا اب تجھ کو جو کچھ کرنا ہے وہ کر اور ہم جس رب پر ایمان لائے ہیں اُس سے دعا کرتے ہیں افراغ کے معنی انڈیل دینا ہے مراد بکثرت صبر کی توفیق دینا ہے مسلمان ہونے کی حالت میں موت کا آنا یہ بڑی کامیابی ہے اور یہی مطلوب ہے (١٢٦) اور فرعون کی قوم کے امراء اور سرداروں نے فرعون سے کہا کیا آپ موسیٰ اور اس قوم کو یوں ہی چھوڑے رکھیں گے اور ان کی مفسدانہ حرکات کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کریں گے کہ وہ ملک میں فساد پھیلاتے رہیں اور موسیٰ آپ کو اور آپ کے تجویز کردہ معبودوں کو نظر انداز کرتا ہے اور ان معبودوں کی توہین ہوتی رہے فرعون نے کہا ہم عنقریب ان کے بیٹوں کو قتل کریں گے اور انکی عورتوں کو زندہ رکھیں گے۔ بلاشبہ ہم ان پر پوری طرح زور اور غلبہ رکھتے ہیں ؛ یعنی فرعون کے بت یہ تھے کہ اپنی صورت بنا دیتا تھا لوگوں کو کہ اس کو پوجا کریں اور بیٹے مارنے اور بیٹیاں چھوڑنی پہلے بھی کرتا تھا درمیان میں چھوڑ دیا تھا اب پھر قصد کیا فرعون نے اپنی قوم کو مطمئن کرنیکی غرض سے قتل کی تجویز کو دوبارہ بروئے کار لانے کا ارادہ ظاہر کیا (١٢٧) جب یہ خبر بنی اسرائیل کو پہنچی تو انھوں نے گھبرا کر حضرت موسیٰ کو توجہ دلائی تب حضرت موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرو اور اُسی سے مدد مانگو اور ثابت قدم رہو اور صبر سے کام لو یہ زمین اللہ تعالیٰ کی ہے اور حضرت حق کی ملک ہے وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے زمین کا مالک اور حاکم بنا دے اور وہ جس کو چاہتا ہے ملک کا وارث بنا دیتا ہے ہاں یہ بات یاد رکھو کہ انجام کار اور آخر کار انہی کا بھلا ہوتا ہے جن کا شیوہ تقویٰ اور پرہیزگاری ہے ؛ یعنی ملک کا حاکم کرے جو حق ہے حضرت آدمؑ کا ١٢ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں آخر کار انہی کو کامیابی میسر ہوتی ہے (١٢٨)

ع ١٤ ١٨ ٢

بنی اسرائیل نے پھر حضرت موسیٰؑ سے عرض کیا ہم تو ہمیشہ مصیبت ہی میں رہے آپ کی تشریف آوری سے قبل بھی ستائے جاتے رہے اور آپ کی تشریف آوری کے بعد بھی ہمارے ساتھ وہی سلوک ہو رہا ہے حضرت موسیٰؑ نے فرمایا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں وہ وقت قریب ہے تمہارا رب بہت جلد تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے اور اُس کی جگہ تم کو اس ملک کا مالک بنا دے پھر وہ دیکھے کہ تم کیا کرتے ہو اور تمہارا طرزِ عمل کیا ہوتا ہے • یعنی یہ کلام نقل فرمایا مسلمانوں کے سنانے کو یہ سورت مکی ہے اس وقت مسلمان بھی ایسے ہی مظلوم تھے یہ بشارت پہونچی پردے میں ۱۲ مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل فرعون کے مظالم سے بہت تنگ تھے وہ بنی اسرائیل سے بیگار لیتا تھا اُن کے بچوں کو قتل کرتا تھا اور مختلف قسم سے ان کو سزائیں دیتا تھا بچوں کے قتل کی پھر دوسری تجویز کا اعلان کر دیا تھا اُنھوں نے حضرت موسیٰ سے شکوہ کیا حضرت موسیٰؑ نے اُمید دلائی کہ تمہارے دشمن کا ظلم حد کو پہونچ گیا اب خدا کی مدد آنے ہی والی ہے یہاں انقلاب ہو جائے گا تم مصر کے حاکم ہو جاؤ گے اس انقلاب میں بھی تمہارا امتحان ہو گا تاکہ تمہارا طرزِ عمل دیکھا جائے کہ تم آسمانی قانون کے موافق حکومت کرتے ہو یا سوسائٹی کے قانون پر عمل کر کے محکوموں کو پریشان کرتے ہو (۱۲۹) اور یقیناً ہم نے آل فرعون اور فرعون والوں کو خشک سالی اور قحط سالیوں میں اور پھلوں کے نقصانات اور پیداوار کی کمی میں مبتلا کیا تاکہ وہ نصیحت پکڑیں اور غور و فکر اور سوچ بچار کریں • یعنی تنبیہ کے طور پر اُن کی گرفت بھی کی اور اُن کو مختلف سزائیں بھی دیں کہ وہ دینِ حق کی مخالفت سے باز آ جائیں اور نصیحت حاصل کریں (۱۳۰) چونکہ یہ سزائیں تھوڑے تھوڑے وقفہ سے ملتی تھیں اس لئے اُن کی حالت یہ تھی کہ جب کبھی اُن کو کوئی بھلائی اور آسودگی پہونچتی تو کہتے یہ ہمارا حق ہے اور یہ فائدہ تو ہم کو ملنا ہی چاہئے تھا اور جب کبھی اُن کو کوئی سختی پہونچتی اور بدحالی پیش آ جاتی تو اس کو حضرت موسیٰؑ اور اُن کے ساتھیوں کی نحوست قرار دیتے اور بدشگونی بتاتے یاد رکھو اُن کی نحوست اور اس نحوست کا سبب تو اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے لیکن ان میں کے اکثر بے علم ہیں اور اس بات کو نہیں جانتے • یعنی شومی قسمت جو ہے سو اللہ کی تقدیر سے ہے بھلائی اور برائی کا اثر ہو گا آخرت میں اس کا جواب یہ نہ فرمایا کہ شومی ان کے کفر سے تھی کیونکہ کافر بھی دنیا میں عیش کرتے ہیں اصل حقیقت تھی سو فرمائی کہ دنیا کے احوال موقوف بر تقدیر ہیں ۱۲ مطلب یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ اور اُن کے ساتھیوں سے یہ فال لینا اور اُن کو پیرے کو نحس بتانا ان لوگوں کی غلطی اور بے علمی تھی اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کو منحوس بتانا اور اُس کی تعلیم سے منکر ہونا ہی بڑی جہالت ہے اگر یہ اپنے گریبان میں مُنہ ڈالتے تو اُن کو خود ہی معلوم ہو جاتا کہ اصل نحوست خود اُنہی کی تھی (۱۳۱) اور فرعون والوں نے حضرت موسیٰؑ سے کہا خواہ تو کوئی نشانی اور کیسی ہی عجیب بات ہمارے پاس اور ہمارے روبرو اس لئے لے آئے کہ تو اس نشانی کی وجہ سے ہم کو مسحور کر دے لیکن پھر بھی ہم تجھ پر ایمان لانے والے نہیں اور ہم تجھ کو ہرگز نہ مانیں گے • یعنی آپ کوئی معجزہ بھی دکھا دیں مگر ہم آپ کی مخالفت سے باز نہ آئیں گے۔ (۱۳۲) پھر ہم نے ان پر پانی کا طوفان بھیجا یعنی سیلاب اور ہم نے ان پر ٹڈیاں مسلط کیں اور جوئیں یا چیچڑیاں یا غلہ کو خراب کرنے والا کیڑا پیدا کر دیا اور مینڈک یعنی بکثرت مینڈکیاں اُن پر بھیجیں اور ان پر خون کا عذاب بھیجا کہ یہ سب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کھلے کھلے اور الگ الگ معجزے تھے جو ان پر

قَالُوٓا أُوذِينَا مِن قَبْلِ أَن تَأْتِيَنَا وَمِنۢ بَعْدِ مَا

اُن کی قوم نے کہا ہم تو آپ کی تشریف آوری سے قبل بھی ایذا دیئے جاتے رہے اور آپ کی تشریف آوری کے

جِئْتَنَا ۚ قَالَ عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَن يُهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَ

بعد بھی، حضرت موسیٰؑ نے کہا وہ وقت نزدیک ہے کہ تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے اور

يَسْتَخْلِفَكُمْ فِى ٱلْأَرْضِ فَيَنظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ ﴿١٢٩﴾

تم کو اُن کی بجائے اس ملک کا مالک بنائے پھر دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔

وَلَقَدْ أَخَذْنَآ ءَالَ فِرْعَوْنَ بِٱلسِّنِينَ وَنَقْصٍ

اور ہم نے فرعون والوں کو قحط سالیوں اور پھلوں کے نقصانات میں مبتلا

مِّنَ ٱلثَّمَرَٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ ﴿١٣٠﴾ فَإِذَا جَآءَتْهُمُ

کیا کہ شاید وہ نصیحت پکڑیں۔ پھر جب اُن کو کوئی آسودگی

ٱلْحَسَنَةُ قَالُوا لَنَا هَٰذِهِۦ ۖ وَإِن تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ

میسر آتی تو کہتے کہ یہ ہمارا حق ہے اور جب کبھی اُن کو کوئی سختی پہونچتی تو

يَطَّيَّرُوا بِمُوسَىٰ وَمَن مَّعَهُۥٓ ۗ أَلَآ إِنَّمَا طَٰٓئِرُهُمْ عِندَ

اُس کو موسیٰؑ اور اس کے ساتھیوں کی نحوست بتاتے یاد رکھو اُنکی نحوست و بدشگونی تو اللہ ہی کے علم

ٱللَّهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿١٣١﴾ وَقَالُوا مَهْمَا تَأْتِنَا

میں ہے لیکن اُن میں کے اکثر لوگ بے علم تھے۔ اور فرعون والے موسیٰؑ سے یوں کہتے کہ تو ہمارے پاس

بِهِۦ مِنْ ءَايَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ ﴿١٣٢﴾

خواہ کوئی نشانی بھی اس غرض سے لائے کہ تو اس کی وجہ سے ہم کو مسحور کرے لیکن ہم تجھ کو ماننے والے نہیں

فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ ٱلطُّوفَانَ وَٱلْجَرَادَ وَٱلْقُمَّلَ وَ

آخر کار ہم نے اُن پر پانی کا طوفان بھیجا اور ٹڈیاں بھیجیں اور جوئیں اور

ٱلضَّفَادِعَ وَٱلدَّمَ ءَايَٰتٍ مُّفَصَّلَٰتٍ فَٱسْتَكْبَرُوا

مینڈک بھیجے اور خون کا عذاب بھیجا کہ یہ سب کھلے کھلے معجزے تھے اس پر بھی وہ سرکشی ہی کرتے رہے

یکے بعد دیگرے بھیجے گئے مگر وہ پھر بھی تکبر اور سرکشی ہی کرتے رہے اور وہ لوگ تھے ہی مجرم اور گنہ گار: یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون سے چالیس برس مقابلہ رہا اس پر کہ بنی اسرائیل کو اپنے وطن جانے دے اُس نے نہ مانا اُن کی بد دعا سے یہ بلائیں آئیں دریائے نیل چڑھ گیا کھیت اور باغ اور گھر بہت تلف ہوئے اور ٹڈی سبزی کھا گئی اور آدمیوں کے بدن میں اور کپڑوں میں چیچڑیاں پڑگئیں اسی طرح ہر چیز میں مینڈک پھیل گئے اور ہر پانی لہو بن گیا آخر ہرگز نہ مانا ۱۲ مطلب یہ ہے کہ بطور تنبیہ ابتدا میں قاعدے کے مطابق یہ عذاب آتے رہے سیلاب آئے ٹڈیاں آئیں۔ کھیت اور سبزیاں تباہ ہوگئیں پھر جوئیں پیدا ہوگئیں چیچڑیاں لپٹیں۔ یا پھلوں اور غلوں کو خراب کرنیوالے کیڑے پیدا ہوگئے مینڈکیاں ہی مینڈکیاں ہوگئیں نہ پانی محفوظ نہ کھانا محفوظ نہ خواب گاہ محفوظ اور آخر میں پانی کو خون بنا دیا گیا جب کبھی کوئی نشانی آتی تو موسیٰؑ سے وعدہ کرتے کہ یہ عذاب ٹل جائے تو ہم مسلمان ہوجائیں گے اور بنی اسرائیل کو تیرے ساتھ بھیجدیں گے لیکن جب وہ عذاب ہٹ جاتا تو پھر انکار کردیتے (۱۳۳) اور ان فرعونیوں پر جب کوئی بلا نازل ہوتی اور کوئی عذاب واقع ہوتا تو وہ حضرت موسیٰؑ سے کہتے اے موسیٰ تو اپنے پروردگار سے اُس عہد کے سبب جو اُس نے تجھ سے کر رکھا ہے دعا کردے اگر تو نے یہ بلا اور عذاب ہم پر سے ہٹا دیا تو ضرور ہم تجھ پر ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو ہم تیرے ہمراہ بھیجدینگے ؏ یعنی وہ عہد یا تو یہ ہوگا کہ جب گنہگار توبہ کریں اور گناہ کو ترک کردیں تو ہم واقع شدہ بلا کو دور کردیں گے یا یہ کہ آپکو اُس نے نبوت سے سرفراز فرمایا ہے اور آپ اُس کی نبوت کے حامل ہیں اس لئے بحیثیت نبی کے دعا کر دیجئے۔ اور ہوسکتا ہے کہ ہر نبی سے خدا کا وعدہ ہے کہ ایک دعا ضرور قبول کروں گا اُس کی طرف اشارہ ہو کہ اُس دعا کو ہمارے لئے صرف کر دیجئے اور ہم کو اس بلا سے نجات دلوایئے واللہ اعلم (۱۳۴) پھر جب ہم حضرت موسیٰؑ کی دعا سے اُن سے ایک وقت معین تک کیلئے جس تک وہ پہونچنے والے تھے اس بلا اور عذاب کو ہٹا لیتے تب ہی وہ اپنے عہد کو توڑ دیتے ؏ یعنی اُنکے غرق ہونیکی جو مدت مقرر تھی اُس تک ان کو پہونچنا ہی تھا ہم جب اُن پر سے ان عارضی بلاؤں کو ہٹا لیتے تو وہ فوراً ہی اس عہد کو جو حضرت موسیٰؑ سے بار بار کرتے تھے توڑ دیا کرتے (۱۳۵) الغرض ہم نے اُن سے پوری طرح انتقام لیا اور ان کو دریا میں غرق کردیا کیونکہ وہ ہماری نشانیوں کی تکذیب اور ہمارے احکام کو جھٹلایا کرتے تھے اور ان آیات خداوندی سے غفلت و بے پروائی برتا کرتے تھے ؏ یعنی یہ سب بلائیں اُن پر آئیں ایک ایک ہفتہ کے فرق سے اول حضرت موسیٰؑ فرعون کہہ آتے کہ اللہ تم پر یہ بلا بھیجے گا وہی بلا آتی پھر مضطر ہوتے حضرت موسیٰ کی خوشامد کرتے اُن کی دعا سے دفع ہوتی پھر منکر ہوجاتے آخر کار وباپڑی نصف شب کو سارے شہر میں ہر شخص کا پہلا بیٹا مر گیا وہ لگے مُردوں کے غم میں حضرت موسیٰؑ اپنی قوم کو لیکر شہر سے نکل گئے پھر کئی روز کے بعد فرعون پیچھے لگا دریائے قلزم پر جا پکڑا وہاں یہ قوم سلامت گزر گئی اور فرعون ساری فوج سمیت غرق ہوا ۱۲۔ یہ بلائیں سات نشانیاں تھیں ان کو اور دو نشانیاں عصا اور ید بیضا یہ سب نو نشانیاں تھیں جو حضرت موسیٰ کو دی گئی تھیں جس کا ذکر قرآن میں کئی جگہ ہے (۱۳۶) اور ہم نے اُن لوگوں کو جو ملک میں بہت ہی کمزور اور ضعیف سمجھے جاتے تھے یعنی بنی اسرائیل اُن کو اس ملک کی مشرق و مغرب اور پورب پچھم کا مالک بنا دیا جس ملک میں ہم نے اپنی مادی اور روحانی برکتیں رکھی ہیں اور آپ کے رب کا نیک وعدہ بنی اسرائیل کے حق میں اُن کے صبر کرنے اور ثابت قدم رہنے کی وجہ سے پورا ہوگیا اور فرعون اور اُس کی قوم نے جو بڑے بڑے محلات اور باغات بنا رکھے تھے اور انگور کی جو بیلیں ٹٹیوں پر پھیلا رکھی تھیں اُن سب کو تباہ و برباد کردیا ؏ یعنی زمین شام اس میں ظاہر و باطن کی برکت بہت ہے ۱۲ مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل نے حکومت کے مظالم پر صبر کیا اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کا ساتھ دیا تو اللہ تعالیٰ نے اُن سے جو وعدہ کیا تھا اُس کو پورا کردیا فرعون اور اُس کے حمایتی غرق ہوئے اور بنی اسرائیل ملک مصر کے حاکم بنائے گئے مصر میں مادی برکتیں تو ظاہر ہی ہیں روحانی یہ کہ یوسف علیہ السلام وہاں مدفون تھے بعض حضرات نے ملک شام کی زمین مراد لی ہے جیسا کہ شاہ صاحب نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ اور بعض مفسرین نے مصر اور شام دونوں مراد لیا ہے اور زیادہ صحیح اور راجح یہی ہے۔ واللہ اعلم (۱۳۷)

وَكَانُوا قَوْمًا مُّجْرِمِينَ ﴿۱۳۳﴾ وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ

اور وہ لوگ تھے ہی گنہ گار۔ اور جب اُن پر کوئی عذاب واقع ہوتا تو

قَالُوا يَا مُوسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِندَكَ ۖ لَئِن

موسیٰ سے کہتے اے موسیٰ تو اپنے رب سے اس عہد کی بنا پر جو اس نے تجھ سے کر رکھا ہے ہمارے لئے دعا کر

كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ

اگر تو نے اس عذاب کو ہم سے دور کردیا تو یقیناً ہم تجھ پر ایمان لے آئیں گے اور ہم بنی اسرائیل کو بھی تیرے

بَنِي إِسْرَائِيلَ ﴿۱۳۴﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ إِلَىٰ أَجَلٍ

ہمراہ بھیجدیں گے۔ مگر ہم جب ان سے اس مقررہ وقت تک کیلئے جس تک وہ پہونچنے والے تھے اس عذاب

هُم بَالِغُوهُ إِذَا هُمْ يَنكُثُونَ ﴿۱۳۵﴾ فَانتَقَمْنَا مِنْهُمْ

کو ہٹا لیتے تو وہ فوراً ہی عہد شکنی کرنے لگتے۔ آخر کار ہم نے اُن سے انتقام لیا

فَأَغْرَقْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ بِأَنَّهُمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا

اور اُن کو دریا میں غرق کردیا کیونکہ وہ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے اور اُن آیتوں سے

عَنْهَا غَافِلِينَ ﴿۱۳۶﴾ وَأَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا

غفلت برتتے تھے۔ اور ہم نے اُن لوگوں کو جو ملک میں انتہائی کم زور سمجھے

يُسْتَضْعَفُونَ مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا

جاتے تھے اس پورے ملک کی مشرق و مغرب کا مالک بنا دیا جس ملک کو ہم نے بابرکت

الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا ۖ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنَىٰ

کیا تھا اور آپ کے رب کا نیک وعدہ بنی اسرائیل کے حق میں اُن کے

عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ بِمَا صَبَرُوا ۖ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ

صبر کرنے کی وجہ سے پورا ہوگیا اور فرعون اور اُس کی قوم نے جو کچھ بنایا تھا اور انگور

يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهُ وَمَا كَانُوا يَعْرِشُونَ ﴿۱۳۷﴾

کے جو باغات ٹٹیوں پر چڑھا رکھے تھے ہم نے اُن سب کو تباہ و برباد کردیا

اور ہم نے بنی اسرائیل کو صحیح سالم دریا سے پار کر دیا اور سمندر سے نکال دیا تب اُن کا ایک ایسی قوم پر گزر ہوا جو اپنے چند بتوں کی پوجا میں لگے ہوئے تھے اور اُن کے ۔ بردتے بیٹھے تھے بنی اسرائیل نے ان بت پرستوں

وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰی قَوْمٍ

اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے پار کر دیا پھر ان بنی اسرائیل کا کچھ ایسے لوگوں پر گزر ہوا

یَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓی اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوْا یٰمُوْسَی اجْعَلْ

جو اپنے بتوں کی پرستش میں لگے ہوئے تھے اُن کو دیکھ کر یہ موسیٰؑ سے کہنے لگے اے موسیٰؑ ہمارے لیے بھی

لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾

کوئی ایسا ہی معبود مقرر کر دے جیسے ان کے یہ معبود ہیں موسیٰؑ نے کہا واقعی تم لوگ بڑے ہی جاہل ہو۔

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِیْهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا

یہ لوگ جس دین میں ہیں وہ یقیناً برباد کیا جانے والا ہے اور جو کچھ یہ کر رہے ہیں وہ سراسر

یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۹﴾ قَالَ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْغِیْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ

باطل ہے۔ موسیٰؑ نے یہ بھی کہا کیا اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر میں تمہارے لئے کوئی اور معبود تلاش کروں حالانکہ اس نے تمکو تمام

عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۴۰﴾ وَاِذْ اَنْجَیْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ

جہان والوں پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔ اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تمکو فرعون والوں سے نجات دی

یَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۚ یُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَ

جو تمہیں بدترین عذاب کرنے کی جستجو میں رہتے تھے تمہارے بیٹوں کو قتل کرتے تھے اور

یَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِیْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ

تمہاری عورتوں کو زندہ چھوڑ دیا کرتے تھے اور اس بات میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی بھاری

عَظِیْمٌ ﴿۱۴۱﴾ وَوٰعَدْنَا مُوْسٰی ثَلٰثِیْنَ لَیْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا

آزمائش تھی۔ اور ہم نے موسیٰؑ سے تیس راتوں کا وعدہ کیا اور دس راتوں کا اور اضافہ

بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِیْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً ۚ وَقَالَ مُوْسٰی

کرکے ہم نے اُن کی تکمیل کی پس موسیٰؑ کے رب کی مقررہ مدت پوری چالیس راتیں ہوگئیں اور موسیٰؑ نے اپنے بھائی

لِاَخِیْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِیْ فِیْ قَوْمِیْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ

ہارونؑ سے کہا کہ تو میری قوم میں میری نیابت کیجیو اور اُن کی اصلاح کرتا رہیو

کو دیکھ کر حضرت موسیٰؑ سے کہا اے موسیٰؑ ہمارے لیے بھی کوئی ایسا ہی معبود مقرر کر دے جیسے ان کے معبود ہیں حضرت موسیٰؑ نے فرمایا تم بڑی جہالت میں مبتلا ہو یعنی جاہل آدمی نرے بے صورت کو عبادت کر کر تسکین نہیں پاتا جب تک سامنے ایک صورت نہ ہو وہ قوم دیکھ کر کہ گائے کی مورت پوجتے تھے اُن کو بھی یہ ہوس آئی آخر سونے کا بچھڑا بنایا اور پوجا ۱۲ مطلب یہ ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کیا جہل ہوگا کہ اس قدر اللہ تعالیٰ کے احسانات اور ان کی عنایات کے بعد بھی غیر اللہ کی پرستش کی خواہش ظاہر کی اور وہ بھی اللہ کے پیغمبر سے (۱۳۸) بلا شبہ یہ لوگ جس کام میں لگے ہوئے ہیں اور یہ لوگ جس دین میں ہیں وہ تباہ برباد کیا جانے والا ہے اور جو کچھ یہ کر رہے ہیں وہ بے بنیاد اور باطل ہے یعنی فطرتاً باطل کو دوام نہیں باطل پھلتا پھولتا نہیں (۱۳۹) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ کیا اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر میں تمہارے لئے کوئی اور معبود تلاش کروں حالانکہ اس معبود حقیقی نے تم کو اس زمانے میں تمام اقوام عالم پر برتری اور فضیلت عطا فرمائی ہے یعنی بجائے شکر بجا لانے کے شرک کی ہوس اور خواہش کرتے ہو (۱۴۰) اور اے بنی اسرائیل تم اُس وقت کو یاد کرو جب ہم نے تم کو فرعونیوں سے نجات دی اور فرعون والوں کے مظالم سے بچا نکالا جو تم پر بدترین عذاب کرنے کی تلاش میں رہتے تھے اور تمہیں سخت ایذا دیتے تھے وہ یہ کہ تمہارے بیٹوں کو قتل کر دیا کرتے تھے اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ چھوڑ دیا کرتے تھے اور اس بات پر تمہارے پروردگار کی طرف سے بڑی بھاری آزمائش تھی یعنی بیٹوں کو اس لئے قتل کرتے تھے کہ بنی اسرائیل کی تعداد نہ بڑھے اور ان میں زور نہ آئے یا موسیٰؑ نہ پیدا ہو جائے لڑکیوں کو خدمت گزار بنانے کی غرض سے چھوڑ دیتے تھے عذاب کی تلاش یہ کہ سخت سے سخت سزا دیکر بھی دل ٹھنڈا نہ ہوتا تھا اور اس جستجو میں رہتے تھے کہ کوئی اور طریقہ عذاب ایجاد کریں بلا کے معنی احسان کے ساتھ بھی کئے گئے ہیں جیسا کہ ہم پہلے پارے میں عرض کر چکے ہیں یعنی ایسے سخت حکمراں سے تم کو نجات دی یہ پروردگار کا تم پر بڑا احسان ہے۔ (۱۴۱) جب بنی اسرائیل کو اطمینان ہوا تو انھوں نے حضرت موسیٰؑ سے کتاب طلب کی تاکہ اس کتاب پر عمل شروع کریں حضرت موسیٰؑ نے جناب باری کی خدمت میں عرض کی اس واقعہ کا ذکر فرماتے ہیں اور ہم نے موسیٰؑ سے تیس راتوں کا وعدہ کیا یعنی ابتداءً کم از کم تیس رات کوہ طور پر آ کر اعتکاف کرو اور پورے مہینے کے روزے رکھو تو ہم تم کو تمہاری اُمت کے لئے کتاب توراۃ عنایات کر دیں گے بشرطیکہ آداب عبودیت

ع ۱۶ / ۱۲ / ۶

سَبِيلَ الْمُفْسِدِينَ ﴿١٤٢﴾ وَلَمَّا جَاءَ مُوسَىٰ لِمِيقَاتِنَا وَ

اور مفسدین کی راہ نہ چلیو۔ اور جب موسیٰ ہمارے مقررہ وقت پر آئے اور

كَلَّمَهُ رَبُّهُ قَالَ رَبِّ أَرِنِي أَنظُرْ إِلَيْكَ ۚ قَالَ لَن

اُن کا رب اُن سے ہمکلام ہوا تو اُنھوں نے کہا اے میرے رب آپ مجھے اپنا جمال دکھا دیجئے تاکہ میں آپ کو ایک نظر دیکھ لوں۔ اللہ

تَرَانِي وَلَٰكِنِ انظُرْ إِلَى الْجَبَلِ فَإِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ

تعالیٰ نے فرمایا کہ تو مجھ کو ہرگز نہیں دیکھ سکتا مگر ہاں اس پہاڑ کی طرف دیکھتا رہ پھر اگر یہ پہاڑ اپنی جگہ پر قائم رہا تو تو

فَسَوْفَ تَرَانِي ۚ فَلَمَّا تَجَلَّىٰ رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا وَ

مجھے دیکھ سکے گا غرض جب موسیٰ کے رب نے اس پہاڑ پر تجلی فرمائی تو تجلی نے اس کو ریزہ ریزہ کر دیا اور

خَرَّ مُوسَىٰ صَعِقًا ۚ فَلَمَّا أَفَاقَ قَالَ سُبْحَانَكَ تُبْتُ

موسیٰ غش کھا کر گر پڑے پھر جب موسیٰ ہوشیار ہوئے تو کہنے لگے آپ کی ذات پاک ہے میں آپ کی خدمت میں

إِلَيْكَ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٤٣﴾ قَالَ يَا مُوسَىٰ إِنِّي

معذرت کرتا ہوں اور میں سب سے پہلا ایمان لانے والا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ میں نے

اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسَالَاتِي وَبِكَلَامِي فَخُذْ

تجھ کو اپنی رسالت اور اپنی ہم کلامی کیلئے تمام لوگوں پر ایک خاص امتیاز دیا ہے پس جو کچھ میں نے تجھ کو

مَا آتَيْتُكَ وَكُن مِّنَ الشَّاكِرِينَ ﴿١٤٤﴾ وَكَتَبْنَا لَهُ فِي

عطا کیا ہے اسے حاصل کر اور شکر کرتا رہ۔ اس کے بعد ہم نے چند تختیوں پر

الْأَلْوَاحِ مِن كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَتَفْصِيلًا لِّكُلِّ

ہر قسم کی نصیحت اور ضروری شے کی تفصیل موسیٰ کو لکھ دی

شَيْءٍ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَأْمُرْ قَوْمَكَ يَأْخُذُوا بِأَحْسَنِهَا ۚ

اے موسیٰ ان تختیوں یعنی توریت کو پورے عزم کے ساتھ سنبھال اور اپنی قوم کو حکم دے کہ اس کے بہترین احکام پر

سَأُرِيكُمْ دَارَ الْفَاسِقِينَ ﴿١٤٥﴾ سَأَصْرِفُ عَنْ آيَاتِيَ

قائم رہیں میں عنقریب تم کو نافرمانی کرنیوالوں کا گھر دکھاؤں گا۔ میں ایسے لوگوں کو جو زمین میں ناحق تکبر کا اظہار کیا کرتے ہیں

اور صلاحیت واستعداد کی تکمیل ہوگئی ورنہ اس مدت میں اضافہ کر دیا جائے گا چنانچہ ان تیس راتوں میں ہم نے دس راتوں کا اضافہ کر کے ان راتوں کو پورا کر دیا لہٰذا اس طرح موسیٰ کے رب کی مقررہ مدت چالیس راتیں پوری ہوگئیں اور حضرت موسیٰ نے طور پر جاتے وقت اپنے بھائی ہارونؑ سے فرمایا تو میری قوم میں میری نیابت یعنی وہی خدمت انجام دیجیو جو میں دیا کرتا ہوں اور ان کی اصلاح اور عقائد واعمال کی درستی کرتا رہیو اور شرارت پسندوں کا راستہ اختیار نہ کیجیو اور مفسدین کی راہ نہ چلیو۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حق تعالیٰ نے وعدہ دیا حضرت موسیٰ کو کہ پہاڑ پر تیس رات خلوت کرو کہ تمہاری قوم کو توراۃ دوں اس مدت میں اُنھوں نے ایک دن مسواک کی فرشتوں کو اُن کے منہ کی بو سے خوشی تھی وہ جاتی رہی اُس کے بدل دس رات اور بڑھا کر مدت پوری کی ۱۲ (۱۴۲) اور جب حضرت موسیٰؑ ہمارے وعدے کے مطابق اور ہمارے مقررہ وقت پر حاضر ہوئے اور اُن کا پروردگار اُن سے ہم کلام ہوا تو اُنہوں نے عرض کی اے میرے پروردگار آپ مجھ کو اپنا جمال دکھا دیجئے تاکہ میں آپ کو ایک نظر دیکھ لوں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو مجھ کو ہرگز نہیں دیکھ سکتا مگر ہاں ایسا ہی شوق ہے تو اس پہاڑ کی طرف دیکھتا رہ اگر یہ پہاڑ اپنی جگہ پر ٹھہرا رہا اور اپنی حالت پر قائم رہا تو تو مجھ کو دیکھ لے گا یعنی پہاڑ اپنی جگہ قائم رہ گیا تو تو بھی مجھ کو دیکھ سکے گا غرض جب موسیٰؑ کے رب نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو تجلی الٰہی نے اُس پہاڑ کو ڈھا کر ریزہ ریزہ اور چکنا چور کر دیا اور حضرت موسیٰؑ بے ہوش ہو کر اور غش کھا کر گر پڑے پھر جب موسیٰ کو بے ہوشی سے افاقہ ہوا تو اُنھوں نے کہا آپ کی ذات پاک ہے میں آپ کی پاکی بیان کرتے ہوئے آپ کی خدمت میں معذرت پیش کرتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں اور میں اپنے زمانے کے سب لوگوں سے پہلے ایمان لانیوالا ہوں یعنی اس بات پر کہ مجھ کو اس مادی عالم میں نہیں دیکھا جا سکتا۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں حضرت موسیٰ کو حق تعالیٰ نے بزرگی دی کہ فرشتے بغیر خود کلام کیا اُن کو شوق ہوا کہ دیدار بھی کروں اس کی برداشت نہ ہوئی اس سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کو دیکھنا ہو سکتا ہے کیونکہ نمود ہوا تھا پہاڑ کی طرف لیکن دنیا کے وجود کو برداشت نہ ہوئی پہاڑ ٹوٹ گیا اور حضرت موسیٰؑ بے ہوش گرے تو آخرت کے وجود کو برداشت ہوگی وہاں دیکھنا تحقیق ہے ۱۲ (۱۴۳) اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰؑ میں نے تجھ کو اپنی پیغامبری اور اپنی ہم کلامی سے عام لوگوں پر شرف وامتیاز بخشا ہے لہٰذا جو کچھ میں نے تجھ کو دیا ہے اُس کو حاصل کر اور اُس کو لے اور شکر ادا کرتا رہ اور اُن لوگوں میں شامل رہ جن کا شیوہ شکر گزاری ہے۔ (۱۴۴) پھر ہم نے چند تختیوں پر موسیٰؑ کو ہر قسم کی نصیحت اور ہر ضروری چیز کی تفصیل لکھ دی اور موسیٰؑ سے کہا اے موسیٰؑ ان تختیوں کو سنبھال اور پورے عزم اور پوری قوت کے ساتھ خود بھی اس پر عمل کر اور اپنی قوم کو بھی حکم دے کہ وہ اس کے احکام پر جو بہترین ہیں عمل کرتے رہیں اور اس کے بہترین احکام کو پکڑے رہیں میں عنقریب تم کو نافرمانی اور بے حکمی کرنے والوں کا گھر دکھاؤں گا: یعنی ان تختیوں پر کتاب توراۃ لکھی ہوئی تھی جو حضرت موسیٰؑ کو دی گئی اور حکم ہوا کہ اس پر مضبوطی کے ساتھ عمل کرو اور دوسروں سے اس کی اچھی اور بہترین باتوں پر عمل کرا: نافرمانوں کے گھر دکھلانے کا مطلب یہ ہے کہ آخرت میں جہنم اور دنیا میں ذلت ورسوائی۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کی بہتر باتیں یعنی جن کے کرنے کا حکم ہے اور بُری باتیں جن کے نہ کرنے کا حکم ہے اور دکھاؤں گا گھر بے حکموں کا یعنی اگر تم حکم پر نہ چلوگے تو تم کو اسی طرح ذلیل کریں گے جس طرح شام کا ملک اُن سے چھین کر تم کو دیا ۱۲ اس آیت میں ترغیب بھی ہے اور ترہیب بھی مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے فرماں برداری کی تو تم کو مصر وشام کی حکومت ملے گی اور نافرمانوں کے ملک پر قابض ہو جاؤ گے اور اگر بے حکمی کروگے تو حکومت سے محروم کر دیئے جاؤ گے اور بے حکموں کی طرح ذلیل ورسوا ہوگے۔ (۱۴۵)

الَّذِينَ يَتَكَبَّرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۖ وَإِن
اپنی آیتوں سے برگشتہ رکھوں گا اور اُن کی حالت یہ ہو گی کہ اگر وہ ہر قسم کی نشانیاں
يَرَوْا كُلَّ آيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوا بِهَا ۚ وَإِن يَرَوْا سَبِيلَ الرُّشْدِ
دیکھ لیں تو بھی اُن پر ایمان نہ لائیں اور اگر ہدایت کی راہ دیکھ لیں
لَا يَتَّخِذُوهُ سَبِيلًا ۚ وَإِن يَرَوْا سَبِيلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوهُ
تو اُس کو اپنا طریقہ نہ بنائیں اور اگر گمراہی کا راستہ دیکھ پائیں تو اُس پر
سَبِيلًا ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا عَنْهَا
چل کھڑے ہوں یہ کجروی ان میں اس وجہ سے پیدا ہوئی کہ اُنھوں نے ہماری آیتوں کو جھوٹا بتایا اور ان آیتوں سے
غَافِلِينَ ﴿١٤٦﴾ وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَلِقَاءِ الْآخِرَةِ
غفلت برتتے رہے۔ اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو اور یوم آخرت کے پیش آنے کو جھٹلایا
حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ ۚ هَلْ يُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كَانُوا
تو ان کے تمام اعمال نیست و نابود ہو گئے اور ایسے لوگوں کو وہی سزا دی جائے گی جو کچھ
يَعْمَلُونَ ﴿١٤٧﴾ ع وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوسَىٰ مِن بَعْدِهِ مِنْ
وہ کیا کرتے تھے۔ اور موسیٰؑ کی قوم نے موسیٰؑ کے طور پر جانے کے بعد اپنے زیورات کو
حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهُ خُوَارٌ ۚ أَلَمْ يَرَوْا أَنَّهُ لَا
گلا کر ان سے ایک بچھڑا بنا لیا جو محض ایک مجسمہ تھا جس میں بچھڑے کی آواز تھی کیا اُنھوں نے اتنا بھی نہ دیکھا کہ نہ تو
يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيهِمْ سَبِيلًا ۘ اتَّخَذُوهُ وَكَانُوا
وہ ان سے کوئی کلام کر سکتا ہے اور نہ ان کو کوئی راستہ بتا سکتا ہے اس پر بھی بنی اسرائیل نے اس بچھڑے کو معبود بنا لیا اور
ظَالِمِينَ ﴿١٤٨﴾ وَلَمَّا سُقِطَ فِي أَيْدِيهِمْ وَرَأَوْا
وہ سخت ناانصاف تھے۔ اور جب وہ نادم ہوئے اور اُنھوں نے یہ سمجھ لیا کہ وہ
أَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوا قَالُوا لَئِن لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَ
گمراہ ہو گئے تو کہنے لگے اگر ہمارے رب نے ہم پر رحم نہ کیا اور

میں عنقریب ایسے لوگوں کو اپنی آیات سے برگشتہ رکھوں گا اور اپنی آیات کو سمجھنے کی توفیق نہ دوں گا جو بلا وجہ زمین میں متکبرانہ برتاؤ کرتے ہیں اور ایسا ناحق تکبر کرتے پھرتے ہیں جس تکبر اور بڑائی کا اُن کو حق نہیں ہے اس
تکبر اور اس کی پاداش میں برگشتہ کرنے کا ان پر یہ اثر ہوگا اور اُن کی یہ حالت ہو جائے گی کہ اگر وہ ہر قسم کی نشانیاں بھی دیکھ لیں تب بھی اُن پر ایمان نہ لائیں گے اور اگر ہدایت کی راہ صاف اور واضح طور پر
دیکھ لیں تب بھی اس راہ کو اختیار نہ کریں اور اس سیدھی راہ کو اپنا طریقہ نہ بنائیں اور اس پر چلنے کو آمادہ نہ ہوں اور اگر گمراہی اور کج روی کا کوئی راستہ دیکھ لیں تو اس کو اپنا طریقہ بنالیں اور اُس گمراہی کے راستہ پر چل کھڑے ہوں۔ یہ کج روی اور قساوت قلبی انمیں اس وجہ سے پیدا ہوئی کہ اُنھوں نے ہماری آیتوں کو از راہِ تکبر جھوٹا بتایا اور ہماری آیتوں کی تکذیب کی اور ہماری ان آیتوں سے غفلت کا برتاؤ کرتے رہے ؛؛ یعنی جب کوئی مجرمانہ حرکات کا خوگر اور عادی ہو جاتا ہے تو اُس کا انجام اور اُس کی قساوت قلبی کا یہی حال ہو جاتا ہے (١٤٦) اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو اور آخرت کی ملاقات اور یوم آخرت کے پیش آنے کو جھٹلایا تو اُن کے تمام اعمال اکارت ہوئے اور اُن کی سب محنتیں اور کوششیں برباد ہوئیں اور ان لوگوں کو وہی سزا دی جائیگی اور وہی بدلہ ملے گا جو وہ کیا کرتے تھے ؛؛ یعنی چونکہ آخرت کو مانتے نہ تھے اسلئے کوئی عمل ثواب کی اُمید پر نہ کرتے تھے اگر کوئی عمل اچھا کیا بھی تو اُس کا پھل دنیا میں مل چکا وہاں کچھ بھی نہیں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں الواح دیکر یہ بھی فرمایا کہ قوم کو تقید کر دو کہ عمل کریں اور یہ بھی فرمایا جو بے انصاف ہیں اور حق پرست نہیں ان کے دل میں پھیر دوں گا اس پر عمل نہ کرینگے یعنی ہدایت اور ضلالت دونوں اُس کی طرف سے ہے اسی طرح بہشت و دوزخ ١٢ اعمال کے بارے میں حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی اُن حکموں کی توفیق نہ ہوگی اور جو اپنی عقل سے کریں گے وہ قبول نہ ہوگا ١٢ (١٤٧) اور حضرت موسیٰؑ کے طُور پر تشریف لے جانے کے بعد موسیٰؑ کی قوم نے اپنے ان زیورات کو جو وہ قبطیوں کے مصر سے لیکر نکلے تھے گلا کر ایک گائے کا بچھڑا بنالیا جو محض ایک مجسمہ تھا اور اُس میں سے صرف بچھڑے کی آواز نکلتی تھی اُنھوں نے اتنا بھی نہ سمجھا کہ یہ بچھڑا نہ تو اُن سے کوئی کلام کر سکتا ہے نہ ان سے کوئی بات کر سکتا ہے نہ اُن کو کوئی راہ بتا سکتا ہے نہ اُن کو راستہ دکھا سکتا ہے باوجود اس کے انھوں نے اس مجسمہ کو معبود ٹھہرالیا اور اُس کو خدا بنا کر پرستش شروع کردی اور وہ موسیٰ کی قوم کے لوگ تھے ہی بے انصاف ؛؛ یعنی اس سے بڑھ کر کیا ناانصافی اور ظلم ہوگا کہ اپنے ہاتھوں سے بنائی ہوئی چیز کو اپنا معبود اور خدا بنا کر اس کی پوجا شروع کردی (١٤٨) اور جب موسیٰ کی قوم کے لوگ اپنی اس حرکت پر سخت نادم ہوئے اور وہ یہ سمجھ گئے کہ وہ صحیح راہ سے بھٹک گئے تو وہ کہنے لگے کہ اگر ہمارے پروردگار نے ہم پر رحم نہ فرمایا اور ہم کو نہ بخشا تو یقیناً ہم بڑے زیاں کار ہوں گے اور بڑے نقصان میں پڑ جائیں گے ؛؛ یعنی جب حضرت موسیٰ توریت لے کر آئے تب اُن لوگوں کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور شرمندہ

١٧ ع ٦ — وقف لازم

يَغْفِرْ لَنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿١٤٩﴾ وَلَمَّا رَجَعَ
ہم کو نہ بخشا تو بیشک ہم بڑے نقصان میں پڑجائیں گے۔ اور جب موسیٰؑ اپنی قوم کی طرف

مُوْسٰۤى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا
نہایت غصے اور رنج کی حالت میں واپس ہوا تو کہا تم لوگوں نے میرے بعد

خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْۢ بَعْدِيْ ۚ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَ
بہت ہی بُری میری نمائندگی کی کیا تم لوگ اپنے رب کے حکم سے پہلے ہی جلدی کر بیٹھے اور

اَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗۤ اِلَيْهِ ؕ
موسیٰؑ نے توریت کی تختیاں تو ایک طرف رکھ دیں اور اپنے بھائی کا سر یعنی سر کے بال پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگا

قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَكَادُوْا
اس پر ہارونؑ نے کہا اے میری ماں کے جائے ان لوگوں نے مجھے کمزور سمجھا اور قریب تھا کہ

يَقْتُلُوْنَنِيْ ۖ فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَآءَ وَلَا تَجْعَلْنِيْ
مجھے قتل کر ڈالتے سو تو دشمنوں کو مجھ پر خوش ہونے کا موقع نہ دے اور مجھے ظالم

مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٥٠﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْ وَ
لوگوں میں شمار نہ کر۔ موسیٰؑ نے اسپر کہا اے میرے رب میری اور میرے بھائی کی کوتاہی کو معاف کردے اور

اَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ ۖ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿١٥١﴾ ع
ہم کو اپنی رحمت میں داخل فرما اور تو ہی سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ
بلاشبہ جن لوگوں نے گوسالہ کو معبود بنایا عنقریب اُن کو اُن کے رب کی جانب سے غضب

مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَكَذٰلِكَ
پہونچے گا اور دنیوی زندگی میں اُنہیں ذلت حاصل ہوگی اور ہم افترا پردازوں کو

نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ ﴿١٥٢﴾ وَالَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ
ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔ اور جن لوگوں نے گناہوں کا ارتکاب کیا

ہو کر معافی خواہ ہوئے (۱۴۹) اور جب حضرت موسیٰؑ نہایت غصے اور رنج وافسوس کی حالت میں طور سے واپس آئے تو اپنی قوم سے مخاطب ہو کر فرمایا تم نے میرے جانے کے پیچھے یہ بہت بُری اور ناشائستہ حرکت کی ہے اور وہ نمائندگی بہت بُری ہے جو تم نے میرے جانے کے بعد میری نمائندگی کی ہے کیا تم لوگ اپنے رب کا حکم آنے سے پہلے ہی جلدی کر بیٹھے اسی حالت میں حضرت موسیٰ نے جلدی سے وہ تختیاں تو ایک طرف رکھدیں اور وفورِ جوش میں اپنے بھائی ہارونؑ کے سر کے بال پکڑ کر اپنے بھائی کو اپنی طرف گھسیٹنے لگے حضرت ہارونؑ نے اس پر کہا اے میری ماں کے بیٹے اور میری ماں جائے ان لوگوں نے مجھ کو کمزور اور بے حقیقت سمجھا اور قریب تھا کہ یہ لوگ مجھ کو مار ڈالتے پس اے موسیٰ تو مجھ پر دشمنوں کو ہنسنے کا موقعہ نہ دے اور مجھ کو ظالم اور ناانصاف لوگوں میں شمار نہ کر یعنی میں نے تو ان کو بہت سمجھایا لیکن یہ باغی ہوگئے اور فساد پر آمادہ ہوگئے لہٰذا نہ تو ان کو مجھ پر ہنسوا اور نہ مجھ کو ان جیسا سمجھ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں حضرت ہارونؑ اور اُن کی اولاد حضرت موسیٰؑ کی اُمت میں امام تھے لیکن جب ان کی جگہ خلیفہ ہوئے تو اُمت حکم میں نہ رہی خلافت اور کی قسمت میں تھی خلیفہ وہ جو اُمت کو دین اور دنیا کے بندوبست میں رکھے جس طرح پیغمبر سنوارا گیا تاکہ نصرتِ حق اُن کے ساتھ رہے اور امام وہ کہ پیغمبر کا یادگار ہو جو خدمت اور نیاز پیغمبر سے منظور ہو سو وہ ہی کرے تا قبولیت اور برکت کا درجہ ملے توریت میں امام کے لوازم دیکھئے تو معلوم ہوں (۱۵۰) حضرت موسیٰؑ نے اللہ تعالیٰ کی جناب میں عرض کی اے میرے رب میری اور میرے بھائی کی مغفرت اور بخشش فرما اور ہم کو اپنی رحمت میں داخل فرما اور تو سب رحم کرنے والوں سے بہتر رحم کرنے والا ہے یعنی اس واقعہ میں جو خطا مجھ سے اور میرے بھائی سے سرزد ہوگئی ہو اس کو درگذر فرما اور ہمکو اُس خاص رحمت میں داخل فرما جو انبیاء کیلئے تو نے مخصوص کر رکھی ہے۔ (۱۵۱) بلاشبہ جو لوگ گوسالہ پرستی کے مرتکب ہوئے ہیں اور انھوں نے بچھڑے کو معبود بنایا ہے اُن کو اُن کے پروردگار کی جانب سے غضب پہونچے گا اور اسی دنیوی زندگی میں ذلت حاصل ہوگی اور ہم اسی طرح افترا پردازوں کو بدلہ دیا کرتے ہیں یعنی اگر ان لوگوں نے توبہ نہ کی تو ان پر ہمارا غضب پڑے گا اور ان پر ذلت و ہولناک نازل ہوگی اور ایسا ہونا کچھ ان کی خصوصیت نہیں بلکہ ہم اسی طرح افترا پردازوں کو بدلہ دیا کرتے ہیں (۱۵۲) اور جو لوگ برائیوں اور بداعمالیوں کے

ع ۱۸ / ۸

ثُمَّ تَابُوا مِنْ بَعْدِهَا وَآمَنُوا إِنَّ رَبَّكَ مِنْ

پھر وہ اُن گناہوں کے بعد توبہ کریں اور ایمان لے آئیں تو یقیناً آپ کا رب اس

بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۱۵۳﴾ وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُوسَى

توبہ کے بعد معاف کردینے والا نہایت مہربان ہے۔ اور جب موسیٰؑ کے غصہ کو

الْغَضَبُ أَخَذَ الْأَلْوَاحَ ۖ وَفِي نُسْخَتِهَا هُدًى وَ

سکون ہوا تو اُنھوں نے توریت کی تختیوں کو اُٹھا لیا اور ان میں جو مضامین لکھے گئے تھے وہ سراسر ہدایت اور

رَحْمَةٌ لِلَّذِينَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُونَ ﴿۱۵۴﴾ وَاخْتَارَ مُوسَى

رحمت تھے اُن لوگوں کیلئے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔ اور موسیٰؑ نے اپنی قوم سے

قَوْمَهُ سَبْعِينَ رَجُلًا لِمِيقَاتِنَا ۖ فَلَمَّا أَخَذَتْهُمُ

ستر آدمیوں کو اُس وقت کیلئے منتخب کیا جو ہم نے مقرر کیا تھا پھر جب زلزلے ان ستر کو

الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ أَهْلَكْتَهُمْ مِنْ قَبْلُ

آلیا تو موسیٰؑ نے کہا اے میرے رب اگر تو چاہتا تو ان کو اور مجھ کو یہاں آنے سے قبل ہی

وَإِيَّايَ ۖ أَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَاءُ مِنَّا ۖ إِنْ

ہلاک کر دیتا کیا تو ہم کو محض بعض ہمارے بیوقوفوں کی حرکت کے باعث ہلاک کردیگا یہ واقعہ

هِيَ إِلَّا فِتْنَتُكَ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَاءُ وَ

صرف آپ کی طرف سے ایک امتحان ہے اس قسم کے امتحانات سے تو جسکو چاہے گمراہ بنادے اور

تَهْدِي مَنْ تَشَاءُ ۖ أَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا

جس کو چاہے صحیح راہ پر قائم رکھے تو ہی ہمارا دست گیر ہے سو ہم کو بخشدے اور

وَارْحَمْنَا ۖ وَأَنْتَ خَيْرُ الْغَافِرِينَ ﴿۱۵۵﴾ وَاكْتُبْ لَنَا

ہم پر رحم کر اور تو ہی سب بخشنے والوں سے بہتر بخشنے والا ہے۔ اور اس دنیا میں بھی

فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ إِنَّا

ہمارے لئے بہتری مقرر کردے۔ اور آخرت میں بھی ہم

مرتکب ہوئے اور پھر بُرائیاں کرنیکے بعد یہ لوگ توبہ کرلیں اور ایمان لے آئیں یعنی اپنے عقائد درست رکھیں تو یقیناً آپکا پروردگار اس توبہ کے بعد معاف کردینے والا نہایت مہربانی کرنیوالا ہے یعنی اگر گئو سالہ پرستی کرنے والے بھی توبہ کرلیں گے تو ان کو بھی معاف کردیا جائیگا تفصیل پہلے پارے میں گزرچکی ہے (۱۵۳) اور جب موسیٰ کا غصہ فرو ہوا اور ہارونؑ کی معذرت سے غصہ کو سکون ہوا تو انھوں نے توریت کی تختیوں کو اُٹھالیا اور ان میں لوح محفوظ سے جو مضامین نقل کئے گئے تھے اور جو مضامین لکھے گئے تھے وہ مضامین اُن لوگوں کیلئے سراسر ہدایت ورحمت تھے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں یعنی مضامین ہدایت ورحمت سے ڈرنے والے ہی فائدہ اُٹھاتے ہیں (۱۵۴) اور موسیٰؑ نے اپنی قوم کے ستر آدمیوں کو ہمارے مقرر کردہ وقت کیلئے منتخب کیا۔ یعنی توریت لانے کے بعد قوم نے یہ مطالبہ کیا کہ ہمارے نمائندوں کو خدا کا کلام سُنواؤ تب ہم ایمان لائیں گے اس پر حضرت موسیٰؑ ستر آدمیوں کو منتخب کرکے اپنے ہمراہ طور پر لے گئے۔ پھر جب ان ستر کو زلزلے نے آپکڑا تو حضرت موسیٰ نے عرض کی اے میرے پروردگار اگر تو چاہتا تو ان کو اور مجھ کو یہاں آنے سے پہلے ہی ہلاک کردیتا کیا تو محض اس فعل کے باعث جو ہم میں سے بعض بیوقوفوں نے کیا ہے ہم سب کو ہلاک کرڈالے گا یہ واقعہ تیری طرف سے محض ایک آزمائش اور امتحان ہے اس قسم کے امتحانات سے تو جسکو چاہتا ہے گمراہ کردیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے صحیح راہ پر قائم رکھتا ہے تو ہی ہمارا کارساز اور دستگیر ہے پس ہم کو بخشدے اور ہم پر رحم فرما اور تو ہی سب بخشش کرنیوالوں سے بہتر بخشنے والا ہے یعنی جب ان ستر نے خدا کا کلام سُنا تو کہنے لگے ہم جب تک کلام کرنے والے کو کھلم کھلا نہ دیکھ لیں تب تک ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے اسپر زلزلہ اور بجلی کی کڑک کا عذاب نازل ہوا حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں حضرت موسیٰ ساتھ لے گئے ستر آدمی سردار قوم کے جب حق تعالیٰ نے کلام کیا سنکر کہنے لگے ہم جب تک نہ دیکھیں ہم کو یقین نہیں ہوتا سو اُن پر بجلی گری وہ کانپ کر مرگئے حضرت موسیٰؑ نے اس طرح دعا کی آپ کو شامل کرکے تب بخشے گئے پھر زندہ ہوئے یہ شاید بچھڑا پوجنے سے پہلے تھا یا شاید پیچھے تھا واللہ اعلم ۱۲ (۱۵۵) اور حضرت موسیٰ نے یہ بھی دعا کی اور اس دنیا میں بھی ہمارے لئے بہتری اور خوش حالی لکھدے۔ اور اسی طرح آخرت میں بھی بہتری لکھدے ہم تیری طرف

هُدْنَا إِلَيْكَ ۚ قَالَ عَذَابِي أُصِيبُ بِهِ مَنْ أَشَاءُ ۖ

تیری طرف رجوع کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں اپنا عذاب تو جس پر چاہتا ہوں اسکو پہنچاتا ہوں

وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۚ فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِينَ

مگر میری رحمت ہر ایک چیز پر چھائی ہوئی ہے ہاں میں اس رحمت کو ان لوگوں کیلئے خاص طور پر لکھ دوں گا

يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِنَا

جو نافرمانی سے پرہیز کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور ہماری آیتوں پر

يُؤْمِنُونَ ﴿١٥٦﴾ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ

ایمان رکھتے ہیں۔ وہ لوگ جو اس نبی اُمّی رسول کی پیروی کرتے ہیں

الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي

جس کی صفات کو یہ لوگ توریت و انجیل میں جو ان کے پاس موجود ہیں

التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَ

لکھا ہوا پاتے ہیں وہ رسول ایسا ہے جو ان کو اچھی باتوں کے کرنے کا حکم دیتا ہے اور

يَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَ

بُرے کاموں سے منع کرتا ہے اور پاکیزہ چیزوں کو ان کیلئے حلال قرار دیتا ہے اور

يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَ

ناپاک چیزوں کو ان پر حرام کرتا ہے اور ان کے وہ بوجھ اور وہ بندشیں جو ان پر

الْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۚ فَالَّذِينَ آمَنُوا

مقرر تھیں اُن سب کو ان سے دُور کرتا ہے لہذا جو لوگ اس نبی پر ایمان لائے

بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي

اور اس کی حمایت اور اُس کی مدد کی اور اُس نور کے پیرو رہے جو اُس کے ساتھ

أُنْزِلَ مَعَهُ ۙ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿١٥٧﴾ قُلْ

نازل کیا گیا ہے یعنی قرآن تو یہی لوگ حقیقی فلاح پانے والے ہیں۔ اے پیغمبر آپ فرما دیجئے

ع ١٩ — ٩

رجوع کرتے ہیں یعنی ہمارے لئے دونوں عالم میں بہتری اور بھلائی مقرر کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا میں اپنا عذاب تو جس پر چاہتا ہوں اُس کو پہنچاتا ہوں اور میری رحمت تمام اشیاء کو محیط اور ہر ایک چیز پر چھائی ہوئی ہے۔ البتہ میں اُس رحمت کو کامل طور پر ان تمام لوگوں کیلئے مخصوص کر دوں گا جو نافرمانی سے پرہیز کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور ہماری آیات پر یقین رکھتے ہیں :: یعنی یوں تو میری رحمت عام ہے مستحق اور غیر مستحق سب ہی فائدہ اٹھاتے ہیں لیکن مستحقین کے لئے کامل طور پر اس رحمت کو خاص کر دوں گا۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں شاید حضرت موسیٰؑ نے اپنی اُمت کے حق میں دنیا اور آخرت کی نیکی جو مانگی مراد یہ تھی کہ سب اُمتوں پر مقدم رہیں فرمایا کہ میرا عذاب اور رحمت کسی فرقے پر مخصوص نہیں سو عذاب تو اُسی پر ہے جس کو اللہ چاہے اور رحمت سب کو شامل ہے لیکن وہ رحمت خاص لکھی ہے اُن کے نصیب میں جو اللہ کی ساری باتوں پر یقین کریں گے یعنی آخری امت کہ سب کتابوں پر ایمان لائیں گے سو حضرت موسیٰ کی امت میں سے جو کوئی آخری کتاب پر یقین لائے وہ پہونچے اس نعمت کو اور حضرت موسیٰ کی دعا اُن کو لگے (١٥٦) وہ لوگ وہ ہیں جو اس رسول نبی اُمی کی اتباع اور پیروی کرتے ہیں جس نبی کی صفات کو اور اُس کے نام کو یہ لوگ توریت و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں جو توریت و انجیل اُن کے پاس موجود ہیں وہ رسول ایسا ہے جو اُن کو بھلی باتوں کے کرنے کا حکم دیتا ہے اور بُرے کاموں سے منع کرتا ہے اور پاکیزہ چیزوں کو اُن کے لئے حلال قرار دیتا ہے اور گندی اور ناپاک چیزوں کو اُن پر حرام کرتا ہے اور اُن کے وہ بوجھ اور وہ بندشیں جو اُن پر سابقہ شریعت میں مقرر تھیں اُن سب بوجھ اور بندشوں کو ان سے دور کرتا ہے لہٰذا جو لوگ ان صفات مذکورہ سے متصف رسول نبی اُمّی پر ایمان لائے اور اُس کی حمایت و رفاقت کی اور اُس کی امداد و اعانت کی اور اُس نور کی جو اُس کے ساتھ نازل کیا گیا ہے پیروی کی تو یہی لوگ کامل اور حقیقی فلاح پانے والے ہیں :: یعنی نبی آخر الزماں کی رسالت اور قرآن پر ایمان لائیں گے۔ اور اس رسول کی جو اُمّی لقب ہے مدد کریں گے اور صحیح خدمت انجام دیں گے اور قرآن کی پیروی کرتے رہیں گے تو یہی لوگ فائز المرام ہوں گے حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں حضرت کو پہلی کتابوں میں نبی اُمّی بتایا تھا دو معنوں سے ایک تو بن پڑھے تھے اور دوسرے اُم القریٰ سے پیدا ہوئے یعنی مکہ سے اور یہود پر احکام سخت تھے اور کھانے کی چیزوں میں تنگی تھی اس دین میں وہ سب آسان ہوئی اُسے بوجھ اور پھانسی فرمایا اور نور سے مراد قرآن اور شریعت ہے ۱۲ (١٥٧) اے پیغمبر آپ بنی نوع انسان کو فرما دیجئے اے انسانو! میں تم سب کی طرف اس اللہ تعالیٰ کا رسول

يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا

اے انسانو! میں تم سب کی طرف اُس اللہ کا رسول ہوکر آیا ہوں

الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا

جسکی حکومت سب آسمانوں اور زمین میں قائم ہے اُس کے سوا اور کوئی حقیقی معبود نہیں ہے

هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ

وہی زندگی بخشتا ہے اور وہی موت دیتا ہے سو لوگو! اللہ پر ایمان لاؤ اور اسکے رسول نبی امی پر بھی

الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ

ایمان لاؤ جسکی شان یہ ہے کہ وہ خود بھی اللہ پر اور اُس کی تمام کتابوں پر ایمان رکھتا ہے اور تم اسی نبی امی کے تابع رہو

لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿١٥٨﴾ وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ

تاکہ تم راہ یافتہ ہوجاؤ۔ اور موسیٰؑ کی قوم میں سے ایک جماعت ایسی بھی ہے جو

يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿١٥٩﴾ وَقَطَّعْنٰهُمُ

لوگوں کو راہِ حق بتاتی ہے اور حق ہی کے مطابق انصاف کرتی ہے۔ اور ہم نے بنی اسرائیل

اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ۭ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى

کو بارہ قبیلوں میں تقسیم کرکے اُن کی الگ الگ جماعتیں بنا دیں اور ہم نے موسیٰ کی جانب اسوقت

اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗٓ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ

جبکہ اس کی قوم نے اُس سے پانی طلب کیا یہ وحی کی کہ لے موسیٰ تو اپنا عصا فلاں پتھر پر مار

فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۭ قَدْ عَلِمَ كُلُّ

سو عصا کے مارتے ہی اُس پتھر میں سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے بنی اسرائیل کے ہر ایک قبیلے نے اپنا اپنا

اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۭ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا

گھاٹ معلوم کر لیا اور ہم نے اُن پر بادل کو سائبان کیا اور اُن پر ہم نے من اور سلویٰ

عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۭ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ۭ

اُتارا کھاؤ ان عمدہ چیزوں کو جو ہم نے تم کو عطا کی ہیں

اور پیغامبر ہوکر آیا ہوں جس کی حکومت اور جس کا راج تمام آسمانوں میں اور زمین میں قائم ہے اُس کے سوا اور کوئی حقیقی معبود نہیں ہے وہی زندگی عطا کرتا ہے اور وہی موت دیتا ہے لہٰذا تم سب لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ اور اُس کے بھیجے ہوئے رسول نبی اُمی پر ایمان لاؤ جس کی شان یہ ہے کہ وہ خود بھی اللہ تعالیٰ پر اور اُس کی تمام کتابوں پر ایمان رکھتا ہے تم اُسی نبی اُمی کی پیروی کرو تاکہ تم راہِ راست پر آجاؤ اور تم راہ یافتہ ہوجاؤ (۱۵۸) اور موسیٰؑ کی قوم میں سے ایک جماعت ایسی بھی ہے جو لوگوں کو راہِ حق بتاتی ہے اور اُسی حق کے مطابق جملہ معاملات میں انصاف کرتی ہے۔ یعنی اسلام کا راستہ بتاتی ہے اور اسلام کے موافق معاملات باہمی میں انصاف کرتی ہے حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں وہی لوگ تھے کہ جب حضرت پہونچے تو ایمان لائے جیسے عبداللہ بن سلامؓ ۱۲ (۱۵۹) اور ہم نے بنی اسرائیل کے جدی خاندانوں کو بارہ قبیلوں میں تقسیم کرکے ان کی الگ الگ جماعتیں بنا دیں اور ہم نے موسیٰ کی جانب اُس وقت جبکہ اُس کی قوم نے اُس سے پانی طلب کیا اور پانی مانگا یہ وحی کی کہ اے موسیٰ تو اپنی لکڑی فلاں پتھر پر مار لہٰذا لکڑی کے مارتے ہی اس پتھر سے بارہ۱۲ چشمے پھوٹ نکلے بنی اسرائیل کے ہر ایک قبیلے نے اپنا اپنا گھاٹ جان لیا اور ہم نے ان پر ابر کو سایہ فگن کیا اور بادل کو ان پر سائبان کر دیا اور ان پر ہم نے من اور سلویٰ اُتارا اور اُن کو من و سلویٰ کھانے کی اجازت دی کہ یہ لذیذ و طیب چیزیں جو ہم نے تم کو دی ہیں ان میں سے کھاؤ اور اُن نافرمان لوگوں نے ہمارا کچھ نقصان نہیں کیا بلکہ وہ اپنا آپ ہی نقصان کرتے رہے اور اپنے آپ کو نقصان خود پہنچاتے رہے یعنی نبی آخرالزماں کے متعلق جو پیشین گوئیاں بنی اسرائیل کی کتابوں میں موجود تھیں اُن کا ذکر فرماتے ہوئے اُن احسانات کو بھی یاد دلایا جو وقتاً فوقتاً بنی اسرائیل پر ہوتے تھے جیسا کہ پہلے پارہ میں گزر چکا ہے، انتظامی امور کے سلسلے میں قبائل کی تقسیم پھر ارض تیہ میں ترنجبین اور بٹیروں کا نزول پانی کی طلب میں پانی کے چشموں کا جاری کرنا۔ بارہ قبیلوں پر بارہ سردار وغیرہ مقرر کرنا جیسا کہ چھٹے پارے میں بیان ہوا۔ دھوپ کی گرمی سے بچانے کے لئے بادل کا سائبان اور ان احسانات کے باوجود اُن کی کوتاہیاں اور نافرمانیاں بھی ذکر فرمائیں (۱۶۰)

وَمَا ظَلَمُونَا وَلَٰكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿١٦٠﴾

اور ان نافرمانوں نے ہمارا کچھ نقصان نہیں کیا بلکہ وہ اپنا آپ ہی نقصان کرتے تھے

وَإِذْ قِيلَ لَهُمُ اسْكُنُوا هَٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوا

اور وہ زمانہ یاد کرو جب اُن کو کہا گیا کہ اس بستی میں جا کر رہو اور اس بستی میں

مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُولُوا حِطَّةٌ وَادْخُلُوا

جہاں سے جا ہو کھاؤ اور زبان سے حِطّۃٌ یعنی بخشدے کہتے ہوئے جانا اور عاجزی سے کمر کو جھکائے ہوئے

الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيئَاتِكُمْ ۚ سَنَزِيدُ

دروازے میں داخل ہونا ایسا کروگے تو ہم تمہاری خطائیں بخشدیں گے اور نیک روش اختیار کرنیوالوں کو مزید فضل

الْمُحْسِنِينَ ﴿١٦١﴾ فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ قَوْلًا

سے بھی نوازیں گے۔ مگر جو اُن میں سے ظالم تھے اُنھوں نے اس لفظ کو جو ان کو

غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا

تلقین کیا گیا تھا دوسرے لفظ سے بدل دیا اس پر ہم نے ان پر آسمانی عذاب نازل کیا

مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَظْلِمُونَ ﴿١٦٢﴾ وَاسْأَلْهُمْ

اُس شرارت کی پاداش میں جو وہ کیا کرتے تھے۔ اور اے پیغمبر ان بنی اسرائیل سے

عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ إِذْ

ذرا اُس بستی کا حال تو دریافت کرو جو سمندر کے قریب ہی آباد تھی کہ جب وہاں

يَعْدُونَ فِي السَّبْتِ إِذْ تَأْتِيهِمْ حِيتَانُهُمْ

کے لوگ ہفتہ کے احکام میں حد سے تجاوز کر رہے تھے جس دن اُن کا ہفتہ ہوتا تو

يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَيَوْمَ لَا يَسْبِتُونَ ۙ لَا

اُن کی مچھلیاں پانی پر نمایاں ہوکر ان کے قریب آجاتیں اور جس دن ہفتہ نہ ہوتا

تَأْتِيهِمْ ۚ كَذَٰلِكَ نَبْلُوهُم بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿١٦٣﴾

تو مچھلیاں نہ آتیں ہم اسی طرح اُن کو اُس نافرانی کے باعث جو وہ کیا کرتے تھے آزمائش میں مبتلا کرنے لگے۔

ع ٥ ٢٠ ١٠ وقف لازم

اور وہ زمانہ بھی قابل ذکر ہے جب اُن سے کہا گیا کہ اُس بستی میں جا کر رہو اور اُس بستی میں جہاں سے چاہو کھاؤ اور جب اندر جانے لگو تو زبان سے حِطّۃٌ کہتے ہوئے جانا اور عاجزی سے کمر کو جھکائے ہوئے دروازے میں داخل ہونا اگر تم نے حکم کی تعمیل کی تو ہم تمہاری خطائیں بخش دیں گے اور نیک روش اختیار کرنے والوں کو اپنے فضل سے اور زیادہ بھی دینگے یعنی بیابان کی زندگی سے جب تنگ آئے تو بستی میں جانے کا حکم ہوا۔ جانے کے آداب بتائے دروازے میں داخل ہونے کا طریقہ سکھایا تعمیل ارشاد پر زیادہ عطا کا وعدہ فرمایا حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی ابھی ایک شہر فتح ہوا ہے آگے سارا ملک ملے گا ۱۲ عام طور سے اُس بستی کا نام اریحا بتایا جاتا ہے ہوسکتا ہے کہ بیت المقدس ہو زیادتی سے مراد ملک کی زیادتی یا اجر و ثواب کی زیادتی یا دونوں ہوسکتے ہیں (۱۶۱) مگر اُن لوگوں نے جو اُن میں سے ناسپاسی کے خوگر ہو چکے تھے اس لفظ کو جو بستی میں جاتے وقت کہنے کو ان سے کہا گیا تھا دوسرے لفظ سے بدل دیا اس پر ہم نے آسمان سے اُن پر عذاب نازل کیا اس شرارت و نافرمانی کی پاداش میں جو وہ کیا کرتے تھے یعنی حِطّۃٌ کی بجائے حِنْطَۃٌ کہا جس کے معنی گیہوں کے ہیں اور بجائے سر کو اور کمر کو جھکانے کے پاؤں پھیلا کر سُرین کے بل داخل ہوئے تب ان پر طاعون پڑا ان واقعات کی مزید تفصیل سورۂ بقرہ اور سورۂ مائدہ میں دیکھئے۔ یہ ارض تیہ سے نکلنے کا واقعہ ہے (۱۶۲) اے پیغمبر ان بنی اسرائیل سے اُس بستی کے لوگوں کا حال تو دریافت کیجئے جو بستی سمندر کے کنارے پر آباد تھی کہ جب اُس بستی کے باشندے ہفتہ کے دن کے احکام میں حد سے آگے بڑھ رہے تھے جب ہفتہ کا دن ہوتا تو اُن کے دریا کی مچھلیاں پانی پر نمایاں ہوکر اُن کے سامنے آجاتی تھیں اور جس دن ہفتہ نہ ہوتا تو مچھلیاں اُنکے سامنے نہ آتی تھیں ہم اسی طرح اُن لوگوں کی اس نافرمانی کے باعث جس کے وہ خوگر تھے آزمائش کرتے تھے اور اس طرح اُن کو آزماتے تھے یعنی ہفتہ کے روز یہود پر مچھلیاں کا شکار ممنوع تھا یہ مذکورہ بستی غالباً ایلہ تھی اس میں اکثر ماہی گیر رہتے تھے چونکہ یہ بے حکمی اور نافرمانی کے عادی تھے اس لئے اُن کو اس آزمائش میں مبتلا کیا کہ ہفتہ کے روز مچھلی سمندر میں خوب اُٹھتی اور ہفتہ نہ ہوتا تو مچھلی غائب ہوجاتی مچھلیوں کو روبرو پھرتا دیکھ کر اُن کا دل للچاتا آخر دریا کے کنارے حوض بنائے اور نالیاں بنائیں لیکن جو مچھلیاں آئیں وہ ہفتہ کی شام نکل جاتیں حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں حضرت داؤدؑ کے عہد میں یہ قصہ ہوا ہے یہود پر ہفتہ کے دن شکار کرنا منع تھا اللہ نے اس شہر والے بحکم دیکھنے لگا آزمانے جمعہ کے دن مچھلیاں اور پھریں اور دونوں غائب رہیں ان کا جی نہ رہ سکا آخر ہفتہ کو شکار کیا اپنی دانست میں حیلہ کیا کہ کنارہ دریا کے پانی کاٹ لائے کہ مچھلیاں وہاں بند ہوجیں تو جل مچھلیاں ہاتھ نہ آئیں ہفتہ کی شام کو نکل جائیں آخر ہفتہ کے دن رہ جاتا گئے کی بند کی اتوار کو پکڑ لیا پھر وہ لوگ بندر ہوگئے اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص کو حلال روزی نہ ملے اور حرام چاہے تو ملے تو اسکو آزمائش ہے آخر وہ روزی وبال ہوگی اور معلوم ہوا کہ حیلہ اللہ پاس کام نہیں آتا ۱۲ (۱۶۳)

وَإِذْ قَالَتْ أُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُونَ قَوْمًا ۙ اللَّهُ

اور اُس وقت کا حال بھی پوچھے جب اُن میں سے ایک جماعت نے جو نافرمانی نہیں کرتی تھی اُن لوگوں سے کہا

مُهْلِكُهُمْ أَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا ۖ قَالُوا مَعْذِرَةً

جو نصیحت کیا کرتے تھے کہ تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کیے جاتے ہو جنکو خدا تعالیٰ ہلاک کرنے والا ہے یا اُن کو سخت عذاب کرنے والا ہے

إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿۱۶۴﴾ فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا

انھوں نے جواب دیا اس لیے کہ تمہارے رب کے روبرو اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہوسکیں اور اس توقع پر بھی کہ شاید یہ باز آجائیں۔ پھر جب ان لوگوں نے

بِهِ أَنجَيْنَا الَّذِينَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوءِ وَأَخَذْنَا

ان تمام نصیحتوں کو جو ان کو کی گئی تھیں فراموش کردیا تو ہم نے اُن لوگوں کو تو بچا لیا جو اس بری بات سے منع کیا کرتے تھے اور ان لوگوں

الَّذِينَ ظَلَمُوا بِعَذَابٍ بَئِيسٍ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿۱۶۵﴾

کو جو نافرمان تھے اُن کو اُن کی اُس نافرمانی کے باعث جو وہ کیا کرتے تھے شدید عذاب میں مبتلا کردیا

فَلَمَّا عَتَوْا عَن مَّا نُهُوا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُونُوا

پھر جس کام سے اُن کو منع کیا گیا تھا جب وہ اُس کام میں حد سے بڑھ گئے تو ہم نے اُن کو کہا کہ تم

قِرَدَةً خَاسِئِينَ ﴿۱۶۶﴾ وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ

ذلیل و خوار بندر ہو جاؤ۔ اور وہ وقت ان کو یاد دلاؤ جب آپ کے رب نے ان یہود کو آگاہ کردیا تھا کہ

عَلَيْهِمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَن يَسُومُهُمْ سُوءَ الْعَذَابِ ۗ

وہ قیامت تک ان پر ایسے شخص کو ضرور مسلط کرتا رہے گا جو ان کو بدترین قسم کی تکلیف پہنچایا کریگا

إِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيعُ الْعِقَابِ ۖ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۶۷﴾ وَ

بے شک آپ کا رب بہت جلد سزا دیتا ہے اور بیشک وہ غفور الرحیم بھی ہے۔ اور

قَطَّعْنَاهُمْ فِي الْأَرْضِ أُمَمًا ۖ مِّنْهُمُ الصَّالِحُونَ وَ

ہم نے بنی اسرائیل کو گروہ گروہ کر کے زمین میں تقسیم کردیا بعضے اُن میں سے نیک تھے اور

مِنْهُمْ دُونَ ذَٰلِكَ ۖ وَبَلَوْنَاهُم بِالْحَسَنَاتِ وَالسَّيِّئَاتِ

کچھ ان میں سے اس کے برعکس تھے اور ہم نے اُن کو آرام و آسائش سے بھی آزمایا اور رنج و مصائب سے بھی

اور اُن سے اُس وقت کا حال بھی دریافت کیجیے جب اُن میں سے ایک جماعت نے جو اُن ماہی گیروں کو سمجھاتے سمجھاتے تنگ آگئی تھی اور آخرکار اُس نے مایوس ہو کر سمجھانا اور نصیحت کرنا چھوڑ دیا تھا اُن لوگوں سے کہا جو اُن کو برابر سمجھانے اور نصیحت کرنے میں مشغول تھے کہ آخر تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کیے جاتے ہو جن کو خدا تعالیٰ ہلاک کرنے والا ہے یا اُن کو کسی سخت عذاب میں مبتلا کرنے والا ہے ان نصیحت کرنے والوں اور سمجھانے والوں نے جواب دیا اس لئے ہم ان کو سمجھاتے ہیں کہ تمہارے پروردگار کے روبرو اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہوسکیں اور نیز اس توقع پر کہ شاید یہ باز آجائیں اور ہفتہ کے دن شکار کرنا چھوڑ دیں ؎ یعنی ان میں کئی فرقے ہوگئے تھے ایک فرقہ وہ جو شکار ممنوعہ کا ارتکاب کرتا تھا دوسرا فرقہ وہ جو ان کو نصیحت کرتے کرتے مایوس ہو کر نصیحت کرنا چھوڑ بیٹھا تھا تیسرا وہ جو برابر نصیحت کرنے میں مشغول تھا۔ چوتھا وہ جو خود مرتکب جرم ہوتا تھا نہ جرم کرنے والوں سے کوئی تعارض کرتا تھا حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں ان میں تین فرقے ہوئے ایک شکار کرتے ایک منع کیے جاتے ایک تھک کر منع کرنا چھوڑ بیٹھے لیکن وہی بہتر تھے جو منع کرتے رہے ۱۲ (۱۶۴) پھر جب ان ماہی گیروں نے اُن تمام نصیحتوں کو جو اُن کو کی گئی تھیں فراموش کردیا اور جملہ نصائح کو نظر انداز کردیا تو ہم نے اُن لوگوں کو بچا لیا جو اس بُری بات یعنی ارتکاب جرم سے منع کیا کرتے تھے اور اُن لوگوں کو جو نافرمان تھے ان کو انکی اس نافرمانی کے باعث جو وہ کیا کرتے تھے ایک سخت عذاب میں پکڑلیا ؎ یعنی جو برابر سمجھاتے رہے اور جنھوں نے تھک کر سمجھانا چھوڑ دیا تھا یہ دونوں فریق بچ گئے۔ تیسرے کے ذکر سے حضرت حق نے سکوت فرمایا چوتھا فریق جو مجرم تھا اُس کی گرفت کا ذکر فرما دیا (۱۶۵) پس جس کام سے اُن کو منع کیا گیا تھا جب وہ اس کام میں حد سے بڑھ گئے تو ہم نے ان کو کہا اور حکم دیا کہ تم ذلیل ہونے والے بندر ہو جاؤ ؎ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں منع کرنے والوں نے شکار کرنے والوں سے ملنا چھوڑ دیا اور بیچ میں دیوار اُٹھالی ایک دن صبح کو اٹھے تو دوسروں کی آواز نہ سنی دیوار پر سے دیکھا ہر گھر میں بندر رہ آدمیوں کو پہچان کر اپنے قرابتداروں کے پاؤں پر سر رکھنے لگے اور رونے لگے آخر بُرے حال سے تین دن میں مرگئے ۱۲ (۱۶۶) اور وہ وقت بھی یاد دلاؤ جب آپ کے پروردگار نے اُن یہود کو آگاہ کردیا تھا اور اُن کو یہ بات بتا دی تھی کہ وہ قیامت تک ان پر کسی نہ کسی ایسے شخص کو مسلط کرتا رہے گا جو ان کو سخت سزا کی تکلیف پہونچاتا رہے گا بلاشبہ آپ کا پروردگار بہت جلد سزا دیتا ہے اور یقین جانو کہ وہ بڑی مغفرت کرنے والا اور نہایت مہربان بھی ہے ؎ یعنی یہود ہمیشہ مقہور و مغلوب رہیں گے اور اگر کبھی کوئی عارضی اقتدار مل بھی جائے تو اُس کا اعتبار نہیں گنا ہگاروں کے لیے جس طرح کبھی عذاب میں جلدی ہو جاتی ہے اسی طرح توبہ کرنیوالوں کے ساتھ رحمت و مغفرت کا برتاؤ بھی ہوتا ہے حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں توریت میں فرمایا تھا کہ جب حکم توریت چھوڑ دگے تو تم پر اور بندے مسلط ہوں گے پھر قیامت تک تم ذلیل رہوگے اب یہود کو کہیں کی حکومت نہیں غیر کی رعیت ہیں ۱۲ فلسطین کی حکومت سے شبہ نہیں ہونا چاہیئے وہ حکومت نہیں بلکہ یورپین طاقتوں کی ماتحت ایک معمولی ریاست ہے۔ (۱۶۷) اور ہم نے بنی اسرائیل کو زمین میں متفرق جماعتوں میں تقسیم کردیا کچھ ان میں نیک بھی تھے اور بعضے ان کے برعکس یعنی نیک بھی تھے اور بد بھی۔ اور ہم نے اُن کو آرام و آسائش اور خوش حالیوں سے بھی آزمایا اور رنج و مصائب، بیماری اور فقر سے بھی اُن کو آزمایا یعنی مختلف

طریقوں سے اُن کی آزمائش ہوئی تاکہ شاید وہ باز آجائیں ۔ کیونکہ کبھی راحت و عیش سے بھی ترغیب ہوتی ہے جس طرح آلام و مصائب سے خوف و ترہیب ہوتی ہے حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یہود
کی دولت برہم ہوئی تو آپس کی مخالفت سے ہر طرف نکل گئے اور مذہب مختلف پیدا ہوئے یہ احوال اس اُمت کو سنایا کہ یہ سب کچھ ان پر بھی ہوگا حدیث میں فرمایا ہے کہ اس اُمت میں بعضے بندر اور سؤر

لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۶۸﴾ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ

کہ شاید وہ باز آجائیں ۔ پھر اُن کے بعد ایسے ناخلف جانشین ہوئے جو

وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَ

کتاب یعنی توریت کے وارث تو بنے مگر اس دنیائے دنی کے فائدے سمیٹتے ہیں اور

يَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ

یوں کہتے ہیں کہ یہ کوتاہی ہماری ضرور بخش دی جائے گی اور اگر اسی جیسا کوئی اور مال ان کے سامنے آجائے

يَاْخُذُوْهُ ؕ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ

تو اسے بھی حاصل کر لیتے ہیں کیا ان لوگوں سے توریت کے اس مضمون پر عہد نہیں لیا گیا

اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ؕ

کہ وہ سوائے امر حق کے اللہ کی طرف کوئی اور بات منسوب نہیں کریں گے اور جو کچھ اس توریت میں ہے اُس کو پڑھ بھی چکے ہیں

وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا

اور آخرت کا گھر اُنہی کے حق میں بہتر ہے جو خدا سے ڈرتے ہیں کیا تم اتنا بھی

تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَ

نہیں سمجھتے ۔ اور جو لوگ توریت کے صحیح پابند ہیں اور

اَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴿۱۷۰﴾ وَ

نماز کی بھی پابندی کرتے ہیں تو یقیناً ہم ایسے نیک کردار لوگوں کا اجر ضائع نہیں کریں گے ۔ اور

اِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ

وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جس وقت بنی اسرائیل پر ہم نے پہاڑ کو اٹھا کر اس طرح معلق کر دیا گویا وہ ایک سائبان ہے اور وہ سمجھے

وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا

کہ وہ پہاڑ ان پر گرا ہی چاہتا ہے اور حکم دیا کہ جو کچھ ہم نے تم کو دیا ہے اُس کو پوری قوت سے لو اور جو کچھ اس میں ہے اسکو

مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۱﴾ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ

یاد رکھو توقع ہے کہ تم بچ جاؤ ۔ اور اُن کے سامنے اُس وقت کا ذکر کیجئے جبکہ آپ کے رب نے

ع ۲۱ ۹ ۱۱

ہو جائیں گے اللہ گمراہی سے پناہ دے ۱۲ (۱۶۸) پھر ان گزشتہ لوگوں کے بعد کچھ ایسے ناخلف ان کے جانشین ہوئے جنھوں نے کتاب یعنی توریت کو تو ان سے حاصل کیا اور ان گزشتہ لوگوں کے بعد توریت کے تو وارث بنے مگر اُن کی حالت یہ ہے کہ وہ احکام الٰہی کی عوض اس دنیائے دنی کا مال و متاع سمیٹتے ہیں اور اس دنیائے دنی کے فائدے حاصل کرتے ہیں یعنی بجائے اس کے کہ اللہ کے لئے تبلیغ کرتے اور خدا کے احکام اس کے بندوں تک محض لوجہ اللہ پہونچاتے اُنھوں نے احکام الٰہی اور توریت کی تبلیغ کو دنیا کمانے کا ذریعہ بنا لیا اور اس پر دلیر ایسے کہ اگر کوئی ان کو ٹوکے تو کہتے ہیں کہ ضرور ہماری مغفرت ہو جائیگی اور یہ دین فروشی ہم کو معاف کر دیجائے گی اور باوجود اس کے اگر پھر اُن کے پاس ایسا ہی کوئی مال آجائے تو اُسے بھی حاصل کر لیتے ہیں یعنی دین فروشی کے عادی ہیں اور اس گناہ کو ہلکا اور خفیف سمجھتے ہیں کیا ان لوگوں سے کتاب الٰہی کے اس مضمون پر عہد نہیں لیا گیا کہ وہ سوائے امر حق اور واقعی بات کے اور کوئی بات اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہ کریں اور جو کچھ اس توریت میں ہے اُس کو یہ لوگ پڑھ بھی چکے ہیں یعنی توریت میں یہ حکم موجود تھا اور یہ اُس کو پڑھ بھی چکے تھے اور جب یہ کتاب پر ایمان لائے تو ہر حکم کے پابند ہوئے اور آخرت کا گھر اور دار آخرت اُن لوگوں کے لئے بہتر ہے اور اُس گھر کی بھلائی کے وہ لوگ مستحق ہیں جو اس قسم کی معصیت اور عہد شکنی سے پرہیز کرتے ہیں کیا اے یہود تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے ۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں پچھلے لوگ رشوت لیکر غلط مسئلے لگے کہنے اور اُمید رکھتے کہ ہم بخشے جاویں حالانکہ پھر اسی کام کو حاضر ہیں امید بخشنے کی ہے جب باز آویں یہ اسباب زندگی مال دنیا کو فرمایا (۱۶۹) اور جو لوگ توریت کے صحیح پابند ہیں اور اُس کے تمام احکام پر عامل ہیں اور نماز کی بھی پابندی کرتے ہیں تو یقیناً ہم ایسے نیک کردار لوگوں کے اجر و ثواب کو ضائع نہیں کریں گے (۱۷۰) اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جس وقت بنی اسرائیل کے سروں پر پہاڑ کو اس طرح معلق کر دیا جیسے وہ ایک سائبان ہے ۔ یعنی پہاڑ اُن کے سروں پر چھت کی طرح معلق ہو گیا اور وہ بنی اسرائیل یہ سمجھ گئے کہ وہ پہاڑ ان پر گرا ہی چاہتا ہے اور اُن کو حکم دیا گیا کہ جو کچھ ہم نے تم کو دیا ہے اُس کو پوری قوت اور کمال عزم کے ساتھ لو اور مضبوطی کے ساتھ قبول کرو اور جو کچھ اس کتاب میں مذکور ہے اس کو یاد رکھو توقع ہے کہ تم بچ جاؤ ۔ یعنی جس طرح کوئی سائبان یا چھت ہوتی ہے اس طرح پہاڑ کا ایک ٹکڑا ان پر معلق کر دیا گیا اور سمجھے اور اُن کو یقین ہو گیا کہ یہ پہاڑ ہم پر گر پڑے گا اُس وقت ان کو حکم ہوا کہ جو توریت ہم نے تم کو دی ہے اُس کو قبول کرو اور اُس کے احکام کو یاد رکھو تاکہ تم گناہوں سے بچ کر متقی بن جاؤ واقعہ کی تفصیل پہلے پارے میں گزر چکی ہے (۱۷۱) اور وہ واقعہ بھی قابل ذکر ہے جب اے پیغمبر آپ کے پروردگار نے اولاد آدمؑ کی

پشت سے اُن کی اولاد کو نکالا یعنی حضرت آدمؑ کی پشت سے اُن کی اولاد اور اُن کی اولاد کی پشت سے اُن کی اولاد اسی طرح اولاد در اولاد سب کو عالم ارواح میں نکال کر جمع کیا اور اُن سب کو خود اُنہی کی ذات پر
گواہ بنایا اور اُن کو خطاب کرتے ہوئے دریافت فرمایا کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟ اُن سب نے جواب دیا کہ بیشک آپ ہمارے پروردگار ہیں ہم سب آپ کی ربوبیت پر گواہ بنتے ہیں اور آپ کی ربوبیت

مِنۡ بَنِىۡۤ اٰدَمَ مِنۡ ظُهُوۡرِهِمۡ ذُرِّيَّتَهُمۡ وَاَشۡهَدَهُمۡ

بنی آدم کی پشت سے اُن کی تمام اولاد کو نکالا اور ان کو خود ان ہی کی ذات پر

عَلٰٓى اَنۡفُسِهِمۡ‌ ۚ اَلَسۡتُ بِرَبِّكُمۡ‌ ؕ قَالُوۡا بَلٰى‌ ۛۚ شَهِدۡنَا ‌ۛۚ

گواہ بنایا اور پوچھا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں اُن سب نے جواب دیا بیشک تو ہی ہمارا رب ہے ہم سب اس پر گواہ

اَنۡ تَقُوۡلُوۡا يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنۡ هٰذَا غٰفِلِيۡنَ ۙ (۱۷۲)

ہیں یہ اقرار اس وجہ سے لیا ہے تاکہ تم قیامت کے دن کبھی یوں نہ کہنے لگو کہ ہم اس بات سے بالکل بے خبر تھے۔

اَوۡ تَقُوۡلُوۡۤا اِنَّمَاۤ اَشۡرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنۡ قَبۡلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً

یا یوں نہ کہنے لگو کہ شرک تو اصل میں ہمارے باپ دادوں نے کیا تھا اور ہم تو اُن کی اولاد تھے

مِّنۡۢ بَعۡدِهِمۡ‌ ۚ اَفَتُهۡلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الۡمُبۡطِلُوۡنَ (۱۷۳)

جو اُن کے بعد پیدا ہوئے تھے تو کیا تو اُن غلط کار لوگوں کے فعل پر ہم کو ہلاک کرتا ہے۔

وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الۡاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمۡ يَرۡجِعُوۡنَ (۱۷۴)

اور ہم اسی طرح آیات کو تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں اور تاکہ وہ باز آجائیں۔

وَاتۡلُ عَلَيۡهِمۡ نَبَاَ الَّذِىۡۤ اٰتَيۡنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانۡسَلَخَ مِنۡهَا

اور اے پیغمبر آپ ان کو اس شخص کا حال پڑھ کر سنا دیجیے جسکو ہم نے اپنی آیات عطا فرمائی تھیں مگر وہ انکو چھوڑ نکلا پھر شیطان

فَاَتۡبَعَهُ الشَّيۡطٰنُ فَكَانَ مِنَ الۡغٰوِيۡنَ (۱۷۵) وَلَوۡ

اُس کے پیچھے لگ گیا اور وہ گمراہوں میں شامل ہوگیا۔ اور اگر

شِئۡنَا لَرَفَعۡنٰهُ بِهَا وَلٰـكِنَّهٗۤ اَخۡلَدَ اِلَى الۡاَرۡضِ وَ

ہم چاہتے تو اُس کو ان احکام کے باعث بلند مرتبہ کر دیتے مگر وہ خود ہی پستی کی طرف مائل ہوگیا اور

اتَّبَعَ هَوٰٮهُ‌ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الۡـكَلۡبِ‌ ۚ اِنۡ تَحۡمِلۡ عَلَيۡهِ

اپنی نفسانی خواہشات کے پیچھے ہولیا سو اُس کی مثال کتے جیسی ہوگئی کہ اگر تو اس کو ڈانٹے

يَلۡهَثۡ اَوۡ تَتۡرُكۡهُ يَلۡهَثْ‌ ؕ ذٰ لِكَ مَثَلُ الۡقَوۡمِ الَّذِيۡنَ

تو بھی ہانپے یا تو اُسکو چھوڑدے تب بھی ہانپے یہی مثال اُن لوگوں کی ہے جنھوں نے

اور آپ کے رب ہونے کی گواہی دیتے ہیں یہ اقرار اولاد آدمؑ سے اس لئے لیا گیا تاکہ قیامت میں اگر تمہارے شرک کی وجہ سے تم کو سزا دیجائے تو تم یوں نہ کہنے لگو کہ ہم تو آپ کی توحید اور آپکی ربوبیت سے بالکل ہی بے خبر تھے (۱۷۲) یا یوں نہ کہنے لگو کہ شرک تو ہمارے باپ دادوں نے کیا تھا اور ہم تو اُن کی اولاد اور اُن کی نسل میں سے تھے جو اُن کے بعد ہوئے تھے یعنی ہم تو محض اُن کے تابع تھے جو اپنے بڑوں کو کرتے دیکھا وہی کرنے لگے تو اے خدا کیا اب تو ہم کو اُن غلط کار اور غلط راہ نکالنے والوں کی وجہ سے اور اُن کے غلط فعل کے باعث ہم کو ہلاک کرتا ہے اور ہم کو عذاب میں مبتلا کرتا ہے یعنی قیامت میں عذاب کو دیکھ کر یہ باتیں نہ کہہ سکو حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی پشت سے ان کی اولاد نکالی سب سے اقرار کروایا اپنی خدائی کا پشت میں داخل کیا اس سے مدعا یہ ہے کہ خدا کے ماننے میں ہر کوئی آپ کفایت ہے باپ کی تقلید نہیں اگر باپ شرک کرے بیٹا چاہئے ایمان لاوے اگر کسی کو شبہ ہو کہ وہ عہد تو یاد نہیں رہا پھر کیا حاصل تو یوں سمجھے کہ اُس کا نشان ہر کسی کے دل میں رہا ہے اور ہر زبان پر مشہور ہے کہ سب کا خالق اللہ ہے سارا جہان قائل ہے اور جو کوئی منکر ہے یا شرک کرتا ہے تو اپنی عقل ناقص کے دخل سے پھر آپ ہی جھوٹا ہوتا ہے (۱۷۳) اور ہم اسی طرح اپنی آیات کو مفصل اور صاف صاف بیان کرتے ہیں کہ وہ ان ایات کے مطالب کو سمجھیں اور تاکہ وہ باز آجائیں اور اصرار علی الباطل کو چھوڑ دیں اور حق کی جانب مائل ہو جائیں (۱۷۴) اور اے پیغمبر آپ اُن لوگوں کو عبرت دلانیکی غرض سے اُس شخص کا حال پڑھ کر سنا دیجیے جسکو ہم نے اپنی آیتیں عطا فرمائی تھیں یعنی اپنے احکام کا علم و فہم عطا فرمایا تھا مگر وہ اُن آیات و احکام اور دلائل واضحہ کو چھوڑ نکلا اور ان آیتوں سے بالکل ہی نکل گیا پھر شیطان اُس کے پیچھے لگ گیا اور وہ شخص گمراہوں میں شامل ہوگیا اور وہ گمراہ اور گم کردہ راہ لوگوں میں سے ہوگیا (۱۷۵) اور اگر ہم چاہتے تو اُس کو اُن احکام پر عمل کرنے کے باعث اور اُن آیات کے مطالب و مفاہیم کی تعمیل کرنیکے سبب بلند مرتبہ کر دیتے لیکن وہ بدنصیب خود ہی پستی کی جانب اور دنیا کی طرف مائل ہوگیا اور اپنی نفسانی خواہشات کے پیچھے ہولیا اور اپنے نفس کی خواہشات کا پیرو بن گیا اور ہماری آیات و احکام کو نظر انداز کر دیا لہٰذا آیات و احکام کو چھوڑ کر جو ذلت و پریشانی اس کو نصیب ہوئی اس کی حالت کتے جیسی ہوگئی کہ اگر تو اُس کو ڈانٹے اور اس پر حملہ کرے تو بھی ہانپے
اور اگر تو اسکو چھوڑ دے تو تب بھی ہانپے یہی مثال ان لوگوں کی ہے جنھوں نے ہماری آیات اور ہمارے دلائل کی تکذیب کی لہٰذا اے پیغمبر یہ مثال و واقعات آپ انکے سامنے بیان کر دیجیے اور آپ انکو سنا دیجیے شاید کہ یہ لوگ

كَذَّبُوا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿١٧٦﴾

ہماری آیتوں کی تکذیب کی سواے پیغمبر یہ واقعات آپ ان کو سنادیجئے شاید کہ یہ لوگ کچھ غور کریں

سَآءَ مَثَلَا ۨالْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ

اُن لوگوں کی مثال بہت ہی بُری ہے جنھوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور وہ اپنی

كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿١٧٧﴾ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ

جانوں پر ظلم کر رہے ہیں۔ جس کی اللہ تعالیٰ رہنمائی فرمائے تو وہی صحیح راہ پانیوالا ہے

وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿١٧٨﴾ وَلَقَدْ

اور جن کو وہ گمراہ کردے تو وہی لوگ ہیں نقصان اُٹھانے والے۔ اور یہ حقیقت ہے

ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ

کہ ہم نے بہت سے جنات اور انسان دوزخ کیلئے پیدا کئے ہیں وہ ایسے ہیں کہ انکے پاس دل تو ہیں

لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۡ وَ

مگر وہ ان دلوں سے سمجھ کا کام نہیں لیتے اور اُن کے پاس آنکھیں ہیں پر اُن سے دیکھتے نہیں اور

لَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ۭ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ

اُن کے کان بھی ہیں مگر وہ ان سے سنتے نہیں یہ لوگ چوپایوں کے مانند ہیں بلکہ

هُمْ اَضَلُّ ۭ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿١٧٩﴾ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ

یہ ان سے بھی زیادہ بے راہ ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو بالکل غافل ہیں۔ اور اچھے اچھے سب نام

الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۠ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ

اللہ کیلئے خاص ہیں لہٰذا انہی ناموں سے اس کو پکارا کرو اور اُن لوگوں کو انکے حال پر چھوڑ دو جو اسکے ناموں

فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ ۭ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٨٠﴾ وَمِمَّنْ

میں کج روی کا طریقہ اختیار کرتے ہیں ایسے لوگ جو کچھ کر رہے ہیں بہت جلد اُس کا بدلہ دیئے جائیں گے۔ اور ہماری

خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿١٨١﴾ ع

مخلوق میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو حق کے موافق ہدایت کرتے ہیں اور حق ہی کے مطابق انصاف کرتے ہیں

کچھ غور و فکر سے کام لیں یعنی یہود کی حالت بتلانے اور سمجھانے کو بنی اسرائیل کے ایک عالم کی بات سنائی یہ کوئی بہت بڑا عالم اور مستجاب الدعوات تھا لیکن بے عمل ہوگیا اور علم کی شان کو نظر انداز کردیا شیطان نے دیکھا کیا اور اسپر قابو پالیا جو چیز بلند اور اونچا ہونیکے لئے عطا ہوئی تھی اُس کو غلط استعمال کرنے کی وجہ سے پستی میں مبتلا ہوا اور دائمی ذلت و رسوائی اور پریشانی نصیب ہوئی جیسے کتا ذلیل بھی اور پریشان بھی یہی حالت عام طور سے بددین اور بےعمل لوگوں کی ہوتی ہے اسی طرح یہود نے بھی اگر اپنے علم کا صحیح استعمال نہ کیا اور دنیا طلبی اور زرطلبی میں لگے رہے تو اُن کا بھی انجام یہی ہونا ہے کہ کتے کی طرح گھر گھر کے گھاٹ کے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں حضرت موسیٰ کا لشکر چلا ایک بادشاہ پر اُس ملک میں ایک درویش تھا صاحب تصرف بادشاہ نے اس سے مدد چاہی اُس کو باطن سے منع ہوا پھر بادشاہ نے اُس کی عورت کو مال کی طمع دی اُس نے اسکو راضی کرکر بھیجا وہاں اپنے اعمال چلتے نہ دیکھے بادشاہ کو حیلہ سکھایا کہ اس لشکر میں فاحشہ عورتیں بھیجے اور لوگ بدکاری کریں تو اُن پر ذلت پڑے حضرت موسیٰؑ کی برکت سے حیلہ پیش نہ چلا لیکن سکھانے والا مردود ہوا شاید دنیا میں یا آخرت میں یہ عذاب ہوا کہ کتے کی طرح زبان نکل پڑی حق تعالیٰ نے یہ قصہ یہود کو سنادیا کہ اگرچہ علم کامل اپنے پاس ہر کام تب آوے کہ آپ اس کے تابع ہو اور اگر آپ تابع ہو حرص کا اور چاہے کہ علم میرے کام آوے تو کچھ نہیں ہوتا اور شاید ہانپتے کتے کی مثال اس میں ہو کہ جب تک وہ حرص سے خالی تھا اس کو باطن سے صحیح معلوم ہوا جب دل میں حرص بیٹھی تو باطن سے معلوم ہوا اس کو اپنی طمع کے موافق سمجھ لیا نقل میں ہے کہ جب وہ چلنے لگا تو چاہا کہ پھر غیب سے کچھ معلوم ہو تب معلوم ہوا کہ جا۔ جب راہ میں پہنچا تو ایک فرشتہ ملا شمشیر ننگی ہاتھ میں اس نے التجا کی کہ اگر حکم نہ ہو تو میں دجاؤں کہا جا لیکن یہ دعا نہ کر پھر بادشاہ پاس پہنچکر لگا بددعا کرنے منہ سے خود بخود دعائے نیک نکلنے لگی حضرت موسیٰؑ کے لشکر کو تب ناچار وہ حیلہ سکھایا ۱۲ (۱۷۶) اُن لوگوں کی مثال اور انکی حالت واقعی بہت بری حالت ہے جنھوں نے ہماری آیات اور ہمارے دلائل توحید و رسالت کی تکذیب کی اور اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے (۱۷۷) جس شخص کی اللہ تعالیٰ رہنمائی فرمائے تو وہی صحیح راہ پانیوالا ہے اور جس کی راہ نمائی سے وہ دست کش ہوجائے اور گمراہی میں چھوڑ دے تو ایسے ہی لوگ زیاں کار اور نقصان اٹھانے والے ہیں (۱۷۸) اور یہ حقیقت امر واقعی ہے کہ ہم نے جنات اور انسانوں میں سے بہت سے جن اور انسانوں کو دوزخ کیلئے پیدا کیا ہے وہ دوزخ میں رہنے والے اور دوزخ کیلئے پیدا کئے گئے ہیں وہ لوگ وہ ہیں جنکے پاس دل تو ہیں مگر وہ ان دلوں سے حق بات کو سمجھنے کا کام نہیں لیتے یعنی حق بات کو سمجھنے کا ارادہ نہیں کرتے اور اُن لوگوں کے پاس آنکھیں تو ہیں مگر وہ اُن سے دیکھتے نہیں اور صحیح استدلال کا اُن سے کام نہیں لیتے اور انکے پاس کان تو ہیں مگر وہ اُن کانوں سے حق بات کو نہیں سنتے یہ لوگ مثل چوپایوں کے ہیں بلکہ یہ لوگ اُن سے بھی زیادہ بے راہ ہیں یعنی یہ انسان اور ذوی العقول ہونیکے باوجود آخرت سے جانوروں کی طرح غافل اور بے خبر ہیں تو جانوروں سے بھی زیادہ بے راہ ہوئے یہی لوگ وہ ہیں جو بالکل غافل ہیں حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی خدا اور رسول کو پہچاننا اور اُن کے حکم سیکھنے ہر کسی پر فرض ہے نہ کرے تو دوزخ میں جاوے ۱۲ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اپنے قلوب سے اور آنکھوں اور کانوں سے کام نہ لیں تو یہ سمجھو کہ یہ بدنصیب دوزخ ہی میں رہنے کے لئے پیدا ہوئے ہیں (۱۷۹) اور سب اچھے اچھے مخصوص نام اللہ ہی کے لئے خاص ہیں لہٰذا انہی مخصوص ناموں کے ساتھ تم اُس کو پکارا کرو اور اُن لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ کے ناموں میں کج روی اختیار کرتے ہیں اُن کی حالت پر چھوڑ دو ایسے لوگ جو کچھ کر رہے ہیں اُن کو عنقریب ان کے کئے کی پاداش ملتی ہے یعنی بہت جلد اُن کی ان کے کئے کا بدلا دیا جائے گا۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں اللہ نے اپنے وصف بتائے ہیں کہ مناجات میں وہ کہکر پکارو کہ تم پر متوجہ ہو اور سیدھی راہ نہ چلو کج راہ یہ کہ جو وصف نہیں بتائے وہ کہے جیسے اللہ کو طبیب نہیں کہنا یا قدیم کہا یا پرانا نہیں کہنا اور ایک کج راہ یہ ہے کہ اُن کو سحر میں چلاوے وہ اپنے کئے کا بدلا پاویں گے یعنی قرب خدا نہ ملے گا وہ مطلب ملے گا برا یا بھلا ۱۲ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وہی نام استعمال کئے جائیں جو کتاب و سنت سے ثابت ہوں (۱۸۰) اور جن لوگوں کو ہم نے پیدا کیا ہے اُن میں سے ایک جماعت ایسی بھی ہے جو دین حق کے موافق لوگوں کو ہدایت بھی کرتی ہے اور

(باقی ص ۲۷۷ پر)

(بقیہ صفحہ ۲۷۶) اسی دینِ حق کے مطابق معاملات کے متعلق لوگوں میں انصاف بھی کرتی ہے ٭ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی شرع پر مطلب یہ ہے کہ تمام مخلوق یکساں نہیں ہے جہاں بہت سے بُرے ہیں وہاں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن کے کردار اور ان کا انصاف شریعتِ اسلامی کے موافق ہے (۱۸۱) تفسیر صفحہ ہذا ٭ اور وہ لوگ جنہوں نے ہماری آیات کی تکذیب اور اُن کو جھٹلانے کا شیوہ اختیار کر رکھا ہے ہم اُنکو

وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُم مِّنْ حَيْثُ

اور وہ لوگ جو ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے ہیں ہم اُنکو اس طور پر آہستہ آہستہ ہلاکت و تباہی کی طرف لیجائیں گے

لَا يَعْلَمُونَ ﴿١٨٢﴾ وَأُمْلِي لَهُمْ ۚ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ ﴿١٨٣﴾

کہ اُن کو خبر بھی نہ ہوگی۔ اور میں اُن کو مہلت دے رہا ہوں یقیناً میری پکڑ بڑی مضبوط ہے۔

أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا ۗ مَا بِصَاحِبِهِم مِّن جِنَّةٍ ۚ إِنْ هُوَ

کیا اُنہوں نے اتنی بات پر غور نہیں کیا کہ اُن کے رفیق یعنی پیغمبر کو کسی قسم کا جنون نہیں ہے وہ تو صرف

إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿١٨٤﴾ أَوَلَمْ يَنظُرُوا فِي مَلَكُوتِ السَّمَاوَاتِ

صاف صاف ایک ڈرانے والا ہے۔ اور کیا اُن لوگوں نے آسمانوں اور زمین کی

وَالْأَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللَّهُ مِن شَيْءٍ وَأَنْ عَسَىٰ أَن

بادشاہت میں اور دوسری چیزوں میں جو اللہ نے پیدا کی ہیں نظر نہیں کی اور نہ اس بات پر غور کیا کہ شاید

يَكُونَ قَدِ اقْتَرَبَ أَجَلُهُمْ ۖ فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ

ان کا وقت معین قریب ہی آ پہونچا ہو پھر آخر اس امرِ حق کے بعد اب یہ اور کونسی بات پر

يُؤْمِنُونَ ﴿١٨٥﴾ مَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ ۚ وَ

ایمان لائیں گے۔ جس کسی شخص کو اللہ تعالیٰ اپنی رہنمائی سے محروم کردے تو اُسکو کوئی راہ بتانے والا نہیں اور

يَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿١٨٦﴾ يَسْأَلُونَكَ عَنِ

خدا اُن کو اُن کی سرکشی ہی میں حیران و سرگرداں چھوڑے رکھتا ہے۔ اے نبی یہ لوگ آپ سے قیامت کو

السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَاهَا ۖ قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِندَ رَبِّي ۖ لَا

دریافت کرتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہوگا آپ کہدیجئے کہ اس کا علم تو صرف میرے رب ہی کے پاس ہے صرف وہی

يُجَلِّيهَا لِوَقْتِهَا إِلَّا هُوَ ۚ ثَقُلَتْ فِي السَّمَاوَاتِ وَ

اس قیامت کو اُس کے وقت پر ظاہر کرے گا وہ قیامت کا وقوع آسمانوں اور زمین میں ایک بہت بھاری

الْأَرْضِ ۚ لَا تَأْتِيكُمْ إِلَّا بَغْتَةً ۗ يَسْأَلُونَكَ كَأَنَّكَ

حادثہ ہوگا وہ تم پر نہیں آئے گی مگر دفعۃً اور اچانک وہ آپ سے اس طرح دریافت کرتے ہیں گویا آپ اس سے

تدریجاً آہستہ آہستہ جہنم اور ہلاکت و تباہی کی طرف اس طور پر لیجائیں گے کہ ان کو خبر بھی نہ ہوگی ٭ یعنی ہم اُنکو غیر محسوس طریقہ پر تباہی کے گڑھے کی طرف لے جا رہے ہیں (۱۸۲) اور میں اُن کو مہلت دے رہا ہوں، بیشک میری تدبیر اور میری گرفت بڑی سخت ہے (۱۸۳) کیا ان منکروں نے اتنی بات پر غور نہیں کیا کہ اُن کے رفیق محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی قسم کا ذرا سا جنون اور دیوانگی نہیں ہے وہ تو صرف ایک صاف اور واضح طور پر ڈرانے والا ہے ٭ یعنی اتنی بات پر تو ضرور غور کرنا چاہیے کہ یہ پیغمبر کسی قسم کی دیوانگی میں مبتلا نہیں ہے بلکہ محض ایک ڈرانے والا ہے تم جو اُس کو جنون بتلاتے ہو یہ الزام غلط ہے حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں رفیق فرمایا پیغمبر کو ہمیشہ اُن کے پاس ہے اور وہ اُس کے حال سے واقف ہیں ۔۔ (۱۸۴) اور کیا اُن لوگوں نے آسمان و زمین کی بادشاہت میں اور نیز اُن چیزوں میں جو دوسری چیزیں اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں نظر نہیں کی اور نہ اس بات پر ان منکروں نے غور کیا کہ شاید اُن کی اجل اور اُن کا وقتِ معین قریب ہی آپہنچا ہو۔ پھر آخر اس امرِ حق اور قرآن کے بعد اب یہ لوگ کونسی بات پر ایمان لائیں گے ٭ یعنی نہ تو پیغمبر کے معاملہ میں یہ سنجیدگی کے ساتھ غور کرتے ہیں اور نہ عالمِ علوی اور نہ عالمِ سفلی پر نظرِ استدلال سے غور کرتے ہیں جو خدا کی توحید سمجھ میں آئے اور اس کا مستجمع بجمیع صفات الکمال ہونا ثابت ہو اور نہ اس پر غور کرتے ہیں کہ شاید ان کا وقت پورا ہو چکا ہو تو یہ خدا سے ڈریں اور خدا کے عذاب سے ڈر کر ایمان کے دامن میں پناہ لیں جب اُنہوں نے اپنے قوائے فکریہ کو اس قدر معطل کر رکھا ہے تو آخر قرآن اور اسلام کے بعد یہ اور کونسی چیز کی تلاش میں ہیں جس پر ایمان لائیں گے (۱۸۵) جس کسی شخص کو اللہ تعالیٰ بے راہ چھوڑ دے اور اپنی رہنمائی سے محروم کردے تو اُسکی کوئی رہنمائی کرنے والا نہیں اور اللہ تعالیٰ ان منکروں کو انکی سرکشی ہی میں حیران و سرگرداں چھوڑے رکھتا ہے ٭ یعنی جب کسی شخص کی سرکشی حد سے تجاوز ہو جاتی ہے تو حضرت حق تعالیٰ کی توفیق دست کش ہو جاتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان گم راہی میں مارا مارا پھرتا ہے اور کوئی رہنمائی میسر نہیں آتی (۱۸۶) اے پیغمبر! یہ منکر آپ سے قیامت کو دریافت کرتے ہیں اور اس کا سوال کرتے ہیں کہ اس قیامت کا وقوع کب ہوگا اور اس کے قائم ہونے کا وقت کیا ہے آپ کہدیجئے کہ اس قیامت کا علم صرف میرے پروردگار ہی کے پاس ہے صرف وہی اس قیامت کو اُس کے وقت پر ظاہر کردے گا۔ وہ قیامت کا قائم ہونا آسمانوں اور زمین میں ایک بہت بھاری حادثہ اور واقعہ ہوگا یعنی اُس قیامت سے تمام عالم درہم برہم ہو جائے گا اس لئے اُس کو ثقیل اور بھاری فرمایا وہ قیامت تم پر نہیں آئے گی مگر اچانک بے خبری میں آئے گی وہ لوگ آپ سے اس طرح اس قیامت کو دریافت کرتے ہیں گویا آپ اُس کی تلاش میں ہیں

اور آپ اس سے پورے پورے واقف ہیں آپ ان سے کہدیجئے کہ قیامت کا علم تو بس اللہ تعالیٰ ہی کو ہے اور اُس کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے لیکن اکثر لوگ اس خصوصیت سے ناواقف ہیں اور قیامت کے علم کا خاص اللہ تعالیٰ کیلئے ہونا اس سے واقف نہیں ہیں یعنی یہ نہیں جانتے کہ بعض علوم حق تعالیٰ کے لئے خاص ہوتے ہیں جن کا علم کسی کو نہیں دیا جاتا (۱۸۷) آپ ان سے کہدیجئے کہ میں تو خود اپنی ذات کے لئے بھی کسی نفع کا اختیار نہیں رکھتا ہوں نہ کسی ضرر و نقصان کا اختیار رکھتا ہوں مگر ہاں جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے وہ ہوتا ہے اور اگر اللہ چاہتا ہے اور کسی نقصان سے مجکو باخبر کر دیتا ہے تو میں اس کے حکم سے بچ جاتا ہوں اسی طرح کسی نفع کی بات سے مجکو مطلع کر دیتا ہے تو میں اس کے حکم سے وہ نفع حاصل کر لیتا ہوں اور اگر میں غیب داں ہوتا اور مجھ کو جملہ مغیبات کا علم ہوتا تو میں بکثرت منافع اور بھلائیاں حاصل کر لیتا اور مجھ کو کوئی ضرر اور برائی نہیں پہونچتی اور میں کبھی کوئی نقصان نہ اٹھاتا میں تو صرف ان لوگوں کیلئے جو ایمان رکھتے ہیں اور میری بات مانتے ہیں ڈرانیوالا اور خوش خبری سنانے والا ہوں: یعنی جملہ مغیبات الٰہیہ کا مجھ کو علم نہیں وہ جس بات سے آگاہ کر دیتا ہے اس کی خبر مجھ کو ہو جاتی ہے قیامت کے واقع ہونے کی تاریخ مجھ کو نہیں بتائی اس لئے میں اس کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتا (۱۸۸) وہ اللہ تعالیٰ وہ ہے اور اُس کی شان ایسی ہے جس نے تم کو نفسِ واحدہ اور ایک جان دار سے پیدا کیا یعنی سب کو حضرت آدمؑ سے پیدا کیا اور اُسی جان دار سے اُس کا جوڑا بنایا یعنی حضرت آدمؑ سے اُن کی بیوی حوا کو نکالا تاکہ وہ آدمؑ اُس سے سکون و اطمینان حاصل کرے جیساکہ عام طور پر مرد و عورت میں باہمی اُنس ہوتا ہے پھر جب مرد عورت سے ہم بستر اور ہم فراش ہوا تو عورت کو حمل ہو گیا جو ابتداءً ہلکا سا تھا کہ وہ اُس حمل کو لئے ہوئے ہر طرف چلتی پھرتی رہی پھر جب وہ زیادہ بوجھل ہو گئی تو دونوں میاں بیوی اللہ تعالیٰ سے جو اُن کا رب ہے یوں دعا کرنے لگے کہ اگر تو نے ہم کو صحیح سالم بچہ عنایت فرمایا اور صحیح اولاد عطا فرمائی تو یقیناً ہم تیرا احسان مانیں گے اور خوب شکر گزار رہیں گے (۱۸۹) پھر جب اللہ تعالیٰ نے اُن میاں بیوی کو صحیح سالم اولاد عطا فرما دی تو اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی چیز میں اور اُس کی دی ہوئی اولاد میں یہ دونوں خدا کا شریک مقرر کرنے لگے حالانکہ اللہ تعالیٰ اُن کے اس شرک سے بہت پاک و بالاتر ہے (۱۹۰) کیا یہ لوگ ایسوں کو خدا کا شریک تجویز کرتے ہیں اور ایسوں کو شریک ٹھہراتے ہیں جو کسی چیز کو بھی پیدا نہیں کر سکتے اور اُن کی حالت یہ ہے کہ وہ خود ہی مخلوق اور اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے ہیں: یعنی لوگوں کی حالت یہ ہے کہ جب حمل ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگتے ہیں کہ ساتھ خیر کے تندرست اور صحیح سالم بچہ عنایت فرما جب بچہ حسب منشاء ہو جاتا ہے تو دوسروں کی طرف اس اولاد کو منسوب کرتے ہیں کہ فلاں بزرگ یا فلاں پیر یا فلاں دیوتا نے دیا ہے یا اُس کے شرکیہ نام رکھتے ہیں یا غیروں کے روبرو بچہ سے ماتھا ٹکھواتے ہیں کہ تم نے یہ اولاد دی ہے یہ سب باتیں شرک ہیں جو پیر یا دیوتا خود ہی پیدا ہونے میں اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے وہ کسی کو کیا پیدا کر سکتا ہے یا کسی کو کیا اولاد دے سکتا ہے ان تمام شرکیہ اور شرک آمیز باتوں سے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے اور بلند ہے حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں اس آیت میں مرد اور عورت کو فرمایا ہے آدمؑ اور حوا کو نہیں تو اول اُن کا ذکر ہو چکا یا یوں کہے کہ جو کچھ انسانوں میں ہونا مقدر تھا وہ حضرت آدمؑ میں اول ظہور کر گیا اس میں وہ نمونۂ تقدیر تھے اولاد کے گناہ اُن میں نظر آئے جیسے آئینے میں معلوم چنانچہ نفس کی خواہش اور اللہ کی بے حکمی اور کہہ کر بھول جانا اور دے کر منکر ہونا یہ سب اولاد کی خوئیں ان میں نظر آچکیں ۱۲۔ اس آیت میں مفسرین کے دو قول تھے ایک یہ کہ اس قسم کا واقعہ حضرت آدمؑ اور حوا کو پیش آیا اور دوسرا قول یہ ہے کہ اُن کی اولاد اور اولاد کی اولاد کی حالت کا ذکر فرمایا حضرت شاہ صاحبؒ نے دوسرے قول کو ترجیح دی اور پہلے قول کی توجیہ فرمائی (۱۹۱)

حَفِيٌّ عَنْهَا ۖ قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللَّهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ

پورے پورے واقف ہیں۔ آپ اُن سے کہدیجئے کہ قیامت کا علم تو صرف اللہ ہی کو ہے لیکن اکثر

النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿١٨٧﴾ قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا

لوگ اس حقیقت سے ناواقف ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ میں خود اپنی ذات کیلئے نہ کسی نفع کا اختیار

ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ۚ وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ

رکھتا ہوں نہ کسی ضرر کا مگر جو اللہ چاہتا ہے وہ ہوتا ہے اور اگر میں غیب داں ہوتا تو میں بہت سے فائدے

مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ ۚ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ وَ

اپنے لئے حاصل کر لیا کرتا اور مجھ کو کبھی کوئی نقصان نہ پہونچتا میں تو صرف ڈرانے والا اور

بَشِيرٌ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿١٨٨﴾ هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ

خوش خبری دینے والا ہوں اُن لوگوں کو جو میری بات مانتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے تمکو ایک جاندار

نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا ۖ

سے پیدا کیا اور اُسی جان دار سے اُس کا جوڑا بنا دیا تاکہ وہ آدمؑ اُس سے سکون و اطمینان حاصل کرے

فَلَمَّا تَغَشَّاهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيفًا فَمَرَّتْ بِهِ ۖ فَلَمَّا

پھر جب مرد عورت سے ہم فراش ہوا تو عورت کو ہلکا سا حمل رہ گیا کہ وہ اس حمل کو لئے ہوئے چلتی پھرتی رہی پھر جب

أَثْقَلَتْ دَعَوَا اللَّهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ آتَيْتَنَا صَالِحًا

وہ زیادہ بوجھل ہو گئی تو دونوں میاں بیوی اللہ سے جو ان دونوں کا رب ہے یوں دعا کرنے لگے کہ اگر تو نے ہمکو صحیح سالم بچہ

لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ﴿١٨٩﴾ فَلَمَّا آتَاهُمَا صَالِحًا جَعَلَا

عنایت کیا تو ہم تیرا بڑا ہی احسان مانیں گے۔ مگر جب اللہ نے اُن کو صحیح سالم بچہ عطا کر دیا تو اللہ کی دی

لَهُ شُرَكَاءَ فِيمَا آتَاهُمَا ۚ فَتَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿١٩٠﴾

ہوئی چیز میں وہ دونوں خدا کا شریک مقرر کرنے لگے حالانکہ اُن کے اس شرک سے اللہ تعالیٰ بہت پاک و بالاتر ہے

أَيُشْرِكُونَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ ﴿١٩١﴾

کیا وہ ایسوں کو خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں جو کوئی چیز بھی نہیں پیدا کر سکتے اور اُنکی حالت یہ ہے کہ وہ خود پیدا شدہ ہیں

ع ٢٣ / ٧ / ١٣

وَلَا يَسْتَطِيعُونَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَآ أَنفُسَهُمْ يَنصُرُونَ ﴿١٩٢﴾

اور وہ نہ تو اُن مشرکوں کی کچھ مدد کر سکتے ہیں اور نہ وہ خود اپنی ہی کوئی مدد کر سکتے ہیں

وَإِن تَدْعُوهُمْ إِلَى الْهُدَىٰ لَا يَتَّبِعُوكُمْ ۚ سَوَآءٌ

اور اگر تم اُن کو راہِ راست کے لئے بلاؤ تو وہ تمہارے کہنے پر نہ چلیں تمہارے لئے

عَلَيْكُمْ أَدَعَوْتُمُوهُمْ أَمْ أَنتُمْ صَامِتُونَ ﴿١٩٣﴾ إِنَّ

دونوں باتیں برابر ہیں خواہ تم اُن کو پکارو یا تم خاموش رہو۔ اے مشرکو! بلاشبہ

الَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ عِبَادٌ أَمْثَالُكُمْ

تم خدا کو چھوڑ کر جن کو پکارتے ہو وہ بھی تم ہی جیسے بندے ہیں

فَادْعُوهُمْ فَلْيَسْتَجِيبُوا لَكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿١٩٤﴾

اچھا تم اُن کو پکار دیکھو اگر تم سچے ہو تو اُن کو چاہیے کہ وہ تمہاری پکار کو قبول کریں

أَلَهُمْ أَرْجُلٌ يَمْشُونَ بِهَآ ۖ أَمْ لَهُمْ أَيْدٍ يَبْطِشُونَ بِهَآ ۖ

کیا اُن کے پاؤں ہیں جن سے وہ چل سکتے ہوں یا اُن کے ہاتھ ہیں جن سے کسی چیز کو پکڑ سکتے ہوں

أَمْ لَهُمْ أَعْيُنٌ يُبْصِرُونَ بِهَآ ۖ أَمْ لَهُمْ ءَاذَانٌ يَسْمَعُونَ

یا اُن کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھ سکتے ہوں یا اُن کے کان ہیں جن سے وہ سُن سکتے ہوں

بِهَا ۗ قُلِ ادْعُوا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيدُونِ فَلَا تُنظِرُونِ ﴿١٩٥﴾

اے پیغمبر آپ فرما دیجئے کہ تم اپنے مقرر کردہ شرکاء کو بلا لو اور میرے خلاف جو کارروائی کر سکتے ہو کر دو اور مجھ کو ذرا مہلت نہ دو۔

إِنَّ وَلِـۧىَ اللَّهُ الَّذِي نَزَّلَ الْكِتَـٰبَ ۖ وَهُوَ يَتَوَلَّى

یقیناً میرا حمایتی وہ اللہ ہے جس نے کتاب نازل کی ہے اور وہی اپنے نیک بندوں کی

الصَّـٰلِحِينَ ﴿١٩٦﴾ وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِهِۦ لَا

حمایت کیا کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے سوا جن کو تم بلاؤ گے وہ ایسے ہیں کہ

يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَكُمْ وَلَآ أَنفُسَهُمْ يَنصُرُونَ ﴿١٩٧﴾

نہ تمہاری کچھ مدد کر سکتے ہیں اور نہ وہ خود اپنی ہی کچھ مدد کر سکتے ہیں۔

اور ان معبودانِ باطلہ کی حالت یہ ہے کہ وہ نہ ان مشرکوں کی کچھ مدد کر سکتے ہیں اور نہ وہ خود اپنی ہی کوئی مدد کر سکتے ہیں۔ یعنی غیروں کی مدد تو کیا کریں گے خود اپنی بھی مدد نہیں کر سکتے (۱۹۲) اور اگر اے مشرکین تم ان کو کوئی بات بتانے کے لئے پکارو تو وہ تمہارے کہنے اور بتانے پر نہ چلیں تمہارے لئے دونوں باتیں برابر ہیں تم اُن کو پکارو یا تم خاموش رہو۔ مطلب یہ ہے کہ تم اُن کو خواہ بھلی بات بتانے کے لئے پکارو یا تم اُن سے کوئی بھلی بات حاصل کرنے کے لئے اُن کو پکارو دونوں حالتوں میں وہ تمہارے کہنے پر چلنے کو تیار نہیں اُن کو پکارنا نہ پکارنا دونوں باتیں برابر ہیں غرض اپنے بھلے کو بلاؤ جب بے کار بلکہ اُن کے بھلے کو بلاؤ جب بے کار نہ تمہاری مدد کی طاقت نہ اپنی مدد کی صلاحیت نہ کسی کو پیدا کرنے کی قابلیت بلکہ خود دوسرے کی مخلوق یہ حقیقت ہے اُن معبودانِ باطلہ کی جن کے یہ مشرک پجاری بنے ہوئے ہیں (۱۹۳) بلاشبہ اے شرک کرنے والو! اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن کو تم پکارتے ہو اور اللہ کے سوا جنکی تم عبادت کرتے ہو وہ بھی تم ہی جیسے خدا کے بندے اور اُس کے مملوک ہیں اچھا تم ان کو پکارو اور ان کو چاہیے کہ وہ تمہاری پکار کو قبول کریں اور تمہارا کام کر دیں اگر تم سچے ہو تو ایسا کر دیکھو۔ یعنی اگر تم خدا کی الوہیت میں دوسروں کی شرکت کے مدعی ہو اور تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو ان کو پکار کر دیکھو اور انکو چاہیے کہ وہ تمہاری مانگیں پوری کر دیں لیکن وہ تو ان تمام صلاحیتوں سے عاری ہیں جو ایک حاجت روا میں ہونی چاہئیں (۱۹۴) کیا ان معبودانِ باطلہ کے پاؤں ہیں جن سے یہ چل سکتے ہیں یا ان کے ہاتھ ہیں جن سے کسی چیز کو پکڑ سکتے ہیں یا ان کی آنکھیں ہیں جن سے کسی چیز کو دیکھ سکتے ہیں یا ان کے کان ہیں جن سے کچھ سُن سکتے ہیں اے پیغمبر آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تم اپنے تجویز کردہ شرکاء کو بلا لو اور ان کو اکٹھا کر لو اور میرے خلاف اور مجھے نقصان پہونچانے کے لئے جو تدبیر کر سکتے ہو اور جو کارروائی کرنی چاہو وہ کر دو اور مجھ کو بالکل مہلت نہ دو۔ یعنی اگر ان معبودانِ باطلہ میں کسی کو نفع یا نقصان پہونچانے کی صلاحیت ہے تو تم ان سے فائدہ حاصل کرکے اور مجھ کو ان سے نقصان پہنچوا کر دکھاؤ (۱۹۵) یقیناً میرا حمایتی اور میرا مددگار و محافظ وہی اللہ تعالیٰ ہے جس نے اس کتاب یعنی قرآن کو نازل فرمایا ہے اور وہی عام طور سے اپنے نیک بندوں کی مدد کیا کرتا ہے (۱۹۶) اور اللہ تعالیٰ کے سوا جن کو تم اپنی مدد کے لئے بلاؤ گے اُن کی حالت یہ ہے کہ وہ نہ تمہاری کچھ مدد کر سکتے ہیں نہ وہ اپنی ہی کچھ مدد کر سکتے ہیں۔ یعنی بالکل بے کار ہیں (۱۹۷)

اور انکی عاجزی اور درماندگی کی تو یہ حالت ہے کہ اگر تم انکو کسی بھلی بات بتانے اور انکی صحیح رہنمائی کیلئے بھی بلاؤ تب بھی وہ کچھ نہیں سنتے یعنی سننے سے بالکل عاجز ہیں اور اے مخاطب تو ان کو دیکھتا ہے جیسے وہ تیری طرف دیکھ رہے ہیں حالانکہ وہ کچھ بھی نہیں دیکھ رہے ٭ مطلب یہ ہے کہ بت پرست بتوں میں انسانی چہرہ بناتے ہیں اور کان اور آنکھیں وغیرہ تراشتے ہیں دیکھنے والے کو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ دیکھنے والے کو دیکھ رہا ہے حالانکہ وہ کچھ بھی نہیں دیکھتا وہ ایک پتھر کا محض مجسمہ ہوتا ہے (۱۹۸) اے پیغمبر آپ درگزر کرنے اور معاف کر دینے کا شیوہ اختیار کیجئے اور بھلے کاموں کے کرنیکا حکم دیتے رہیئے اور بیوقوفوں اور جاہلوں کو منہ نہ لگائیے اور ایسے لوگوں سے کنارہ کشی اور اعراض اختیار کیجئے (۱۹۹) اور اگر آپ کو کسی وقت شیطانی وسوسہ اُبھارے اور انتقام لینے پر آمادہ کرے جیساکہ شیطان کا قاعدہ ہے کہ وہ فتنہ و فساد کو بڑھانے کیلئے غصہ دلاتا اور گدگداتا ہے تو آپ اسی وقت اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کیا کیجئے بلاشبہ وہی خوب سُننے والا اور دیکھنے والا ہے ٭ یعنی جھگڑے کے وقت شیطان گدگداتا اور کچوکہ لگاتا ہے اُس سے اللہ کی پناہ مانگنی چاہئے اور اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم کہنا چاہئے۔

وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَسْمَعُوْا ؕ وَتَرٰىهُمْ

اور اگر تم اُن کو راہ راست کیلئے بلاؤ تو وہ تمہاری بات نہ سُنیں اور اے مخاطب تو اُن کو دیکھتا ہے کہ

يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۹۸﴾ خُذِ الْعَفْوَ

وہ تیری طرف دیکھ رہے ہیں حالانکہ وہ کچھ بھی نہیں دیکھ رہے۔ اے پیغمبر درگزر کرنے کا شیوہ اختیار کیجئے اور

وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۱۹۹﴾ وَاِمَّا

اچھے کاموں کا حکم کرتے رہیئے اور جاہلوں کو منہ نہ لگائیے۔ اور اگر آپ کو

يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ

شیطانی وسوسہ کسی وقت اُبھارے اور آمادہ کرے تو آپ اللہ سے پناہ طلب کر لیا کیجئے، بلاشبہ وہی

سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۰۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ

خوب سننے والا اور خوب جاننے والا ہے۔ بلاشبہ جو لوگ اہل تقویٰ ہیں جب کبھی اُن کو کوئی خطرۂ شیطان کی

مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ﴿۲۰۱﴾ وَ

طرف آجاتا ہے تو وہ اُسی وقت ہوشیار ہوجاتے ہیں اور یکایک اُن کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ اور

اِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِى الْغَىِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾ وَاِذَا

رہے وہ جو شیاطین کے بھائی ہیں اُن کو شیاطین گمراہی میں کھینچے لئے جاتے ہیں اور وہ اُنکو کھینچنے میں کوتاہی نہیں کرتے

لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ؕ قُلْ اِنَّمَآ

اور جب آپ انکے پاس انکی دلخواہ کوئی آیت نہیں لاتے تو کہتے ہیں کہ تو نے خود وہ آیت کیوں نہیں بنالی آپ کہدیجئے میں تو

اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَىَّ مِنْ رَّبِّىْ ۚ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ

صرف اُس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو میرے رب کی جانب سے مجھ پر بھیجی جاتی ہے یہ قرآن بصیرت افروز دلائل ہیں تمہارے رب کی

وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰۳﴾ وَاِذَا قُرِئَ

جانب سے اور ہدایت و رحمت ہے اُن لوگوں کے لئے جو اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور جب قرآن

الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۲۰۴﴾

پڑھا جایا کرے تو اُس کو پوری توجہ سے سُنا کرو اور خاموش رہا کرو شاید کہ تم پر رحم کیا جائے

(۲۰۰) بلاشبہ جو لوگ صاحب تقویٰ اور خدا ترس ہوتے ہیں جب کبھی ان کو کوئی خطرہ اور وسوسہ شیطان کی طرف سے محسوس ہوتا ہے اور شیطانی خیال ان کے قلب کو چھوتا ہے تو وہ چونک جاتے ہیں اور ہوشیار ہوجاتے ہیں اور خدا تعالیٰ کو یاد کرنے لگتے ہیں اور یکایک اُن کی آنکھیں کھل جاتی ہیں اور اُن کی آنکھوں پر سے غفلت کا پردہ ہٹ جاتا ہے ٭ یعنی عام طور سے لوگ شیطانی وسوسوں میں مبتلا ہوجاتے ہیں لیکن اہل تقویٰ پر جب اس قسم کا کوئی وسوسہ گزرتا ہے تو وہ خدا کو یاد کرنے لگتے ہیں یا گناہ کے انجام کو یاد کرکے چونک جاتے ہیں اور اُن کو صحیح راہ نظر آنے لگتی ہے حضرت شاہ صاحبؒ سمیع علیم پر فرماتے ہیں یعنی نیک کام کو کہیے اور جاہلوں سے پرے رہیئے لڑنے نہ لگئے نہیں تو آپ بھی جاہل بنا اور کار رحمان میں کار شیطان آیا اور اگر ایک وقت شیطان چھیڑ کرادے تو جب یاد آوے شتاب پناہ پکڑے اللہ کی اور سنبھل جاوے اپنے جہل میں چلے نہ جائے ؁ (۲۰۱) اور وہ جو شیاطین کے بھائی یعنی شیاطین کے تابع اور فرماں بردار ہیں انکو شیاطین گمراہی میں کھینچے لئے چلے جاتے ہیں اور کوئی کوتاہی اور کمی نہیں کرتے ٭ یعنی شیاطین ان کو گمراہی کیطرف گھسیٹنے اور لیجانے میں کوئی کوتاہی نہیں کرتے اور وہ تابع شیاطین کی فرماں برداری میں کوئی کمی نہیں کرتے (۲۰۲) اور جب آپ اُن کے پاس کچھ دنوں کوئی آیت نہیں لاتے یا اُن کا کوئی منہ مانگا معجزہ اُن کی خواہش کے مطابق اُن کو نہیں دکھاتے تو یہ کہتے ہیں تو خود کوئی آیت کیوں نہیں بنالاتا یا اپنے خدا سے کہکر ہمارا منہ مانگا معجزہ کیوں نہیں چھانٹ لاتا آپ فرما دیجئے میں تو فقط اُس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو میرے رب کی جانب سے مجھ پر بھیجی جاتی ہے۔ یہ قرآن تمہارے رب کی جانب سے بصیرت افروز دلائل کا مجموعہ ہے اور ایمان لانیوالوں کے لئے ایک مخصوص ہدایت و رحمت ہے ٭ مطلب یہ ہے کہ کسی وقت نزول قرآن میں تاخیر ہوجاتی یا جو معجزہ منکر طلب کرتے اور وہ حکمت الٰہی اور منشائے خداوندی کے خلاف ہوتا تو معاندانہ طور پر کہتے کہ جب تمام قرآن تم ہی گھڑتے ہو تو پھر تاخیر کیوں ہوتی ہے تم کوئی آیت گھڑ کیوں نہیں لیتے یا ہماری خواہش کے مطابق اپنے خدا کے نشانات میں سے ہمارا انتخاب کردہ معجزہ چن کیوں نہیں لاتے اُس کا جواب دیا گیا کہ قرآن کی ہر آیت ایک مستقل معجزہ ہے میرا بنایا ہوا نہیں ہے اور اس کھلی ہوئی دلیل کے بعد نئے نئے معجزات کا طلب کرنا بے معنی ہے یہ قرآن سراسر ہدایت و رحمت ہے اہل ایمان کے لئے اور میں خود بھی اس قرآن کے احکام کا تابع فرمان ہوں (۲۰۳) اور جب قرآن شریف پڑھا جایا کرے تو اُس کو پوری توجہ کیساتھ سنا کرو اور خاموش رہا کرو امید ہے کہ تم پر رحم کیا جائے ٭ یعنی قرآن کے ادب اور اُس کے معانی و مطالب پر غور کرنے کا تقاضا یہ ہے کہ جب اُس کی تلاوت کی جائے تو خاموش رہو اور اُس کو متوجہ ہوکر سنو جس سے اُمید ہے کہ تم پر خدا کی رحمت ہو حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی جب کوئی قرآن پڑھے تو اوروں پر واجب ہے کہ باتیں نہ کریں دھیان سے سنیں شاید دل میں ہدایت پڑے لیکن پڑھنے والا باتوں کی مجلس میں پڑھنے لگے پکار کر تو اُس کی خطا ہے ۱۲ ، مدعا یہ ہے کہ قرآن کا ادب تو یہی ہے کہ جب وہ پڑھا جائے تو لوگ خاموشی کے ساتھ اُس کو سنیں لیکن پڑھنے والے کو بھی مجالس کی حالت ملحوظ رکھنی چاہیئے۔ (۲۰۴)

اور اے مخاطب اپنے رب کو اپنے دل میں عاجزی کے ساتھ گڑگڑا کر اور خوف کے ساتھ صبح اور شام اور اتنی آواز کیساتھ جو بلند آواز کی نسبت سے ہلکی ہو یاد کرتا رہ اور غفلت کرنے والوں اور غافل رہنے والوں میں

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ

اور اے مخاطب صبح و شام اپنے رب کی اپنے دل میں عاجزی اور خوف کیساتھ یاد کیا کرو اور اتنی آواز کیساتھ

الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ

جو پکار کر بولنے سے کم ہو اور غفلت شعار لوگوں میں سے

الْغٰفِلِيْنَ ﴿۲۰۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ

نہ ہو جاؤ۔ بیشک جو آپ کے رب کے پاس ہیں وہ اُس کی عبادت سے سرتابی

عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾ السجدة

اور گردن کشی نہیں کرتے اور اُس کی پاکی بیان کرتے ہیں اور اسی کو سجدہ کرتے ہیں

ع ۲۴ / ۱۸ / ۱۴

سُوْرَةُ الْاَنْفَالِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَّعَشْرُ رُكُوْعَاتٍ

سورۂ انفال مدنی ہے اور یہ پچھتر آیتیں اور دس رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

يَسْــَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ۭ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَ

اے پیغمبر لوگ آپ سے غنیمت کے مال کا حکم دریافت کرتے ہیں آپ کہدیجئے کہ یہ مال غنیمت اللہ کا اور

الرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۠ وَ

اُس کے رسول کا ہے سو تم اللہ سے ڈرتے رہو اور تم آپس میں صلح و آشتی رکھو اور

اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱﴾ اِنَّمَا

اللہ کی اور اُس کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم اہل ایمان ہو۔ بس

الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ

ایمان والے تو وہی ہیں کہ جب خدا کا ذکر کیا جاتا ہے تو اُن کے دل ڈر جاتے ہیں

وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى

اور جب خدا کی آیتیں اُن کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ آیتیں اُن کے ایمان کو قوی تر کر دیتی ہیں اور

سے نہ ہو۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے ذکر پر مداومت رہنی چاہئے اور ذکر الٰہی میں عاجزی اور خوف ہو اور آہستہ آہستہ ہو جو پکار کر بولنے کی نسبت سے کم ہو البتہ اگر کوئی ضرورت داعی ہو تو جہر کیساتھ بھی ذکر کرنے میں مضائقہ نہیں۔ ذکر کے آداب و فضائل کا یہ موقع نہیں یہاں اتنی ہی بات یاد رکھنی چاہئے کہ ترک ذکر کو غفلت فرمایا ہے اور غفلت روحانی موت کا نام ہے (۲۰۵) بلاشبہ جو آپ کے رب کے پاس ہیں وہ اُس کی عبادت سے استکبار اور سرتابی اور گردن کشی نہیں کرتے اور اُس کی پاکی بیان کرتے ہیں اور اسی کے لئے سجدہ ریز رہتے ہیں: یعنی حضرت حق تعالیٰ کی بارگاہ میں جو مخلوق ہے وہ سب خدا کی یاد میں مشغول ہیں حضرت حق کی عبادت سے سرتابی نہیں کرتے بلکہ خدا کی عبادت کو موجب عزت سمجھتے ہیں اور صرف اُسی کو سجدہ کرتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی مقرب فرشتے بھی اُس کی یاد سے غافل نہیں تو انسان کو اور بھی ضرور ہے اور اُس کے سوا کسی کو سجدہ نہ کرے اس جا پر سجدہ آتا ہے ۱۲ مختصراً (۲۰۶)

تفسیر سورۃ الاعراف

سورۃ الانفال مدنی ہے اور یہ پچھتر آیتیں اور دس رکوع ہیں۔

شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے۔ اے پیغمبر لوگ آپ سے مال غنائم کی تقسیم کا حکم دریافت کرتے ہیں آپ ان سے کہدیجئے کہ یہ مال غنیمت اللہ کا اور اللہ کے رسول کا ہے تم لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور تم آپس میں صلح جویانہ رویہ رکھو اور باہمی تعلقات کی اصلاح کرتے رہو اور اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول کا کہا مانو اگر تم اہل ایمان اور فرماں بردار ہو۔ یعنی جہاد میں جو دشمنوں کا مال ہاتھ آئے اُسکو غنیمت کہتے ہیں جنگ بدر کے بعد اس مال غنیمت کی تقسیم کا سوال پیش آیا تو لوگوں نے پیغمبر سے سوال کیا اس پر یہ سورت نازل ہوئی اس میں جنگ کے اصول و قواعد تعلیم فرمائے حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں جنگ میں بعضے آگے بڑھے اور بعضے پشت پر رہے جب غنیمت جمع ہوئی بڑھنے والوں نے کہا یہ حق ہمارا ہے کہ فتح ہم نے کی اور پشتی والوں نے کہا کہ تم ہماری قوت سے لڑے حق تعالیٰ نے دونوں کو خاموش کیا کہ فتح اللہ کی مدد سے ہے زور کسی کا پیش نہیں جاتا سو مالک مال کا اللہ ہے اور نائب اُس کا رسول ہے پھر آگے بہت دور تک یہی بیان فرمایا کہ فتح اللہ کی مدد سے ہے اپنی قوت سے نہ سمجھو ۱۲ (۱) بس حقیقی اہل ایمان تو وہی ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے اور جب اُن کے روبرو اللہ تعالیٰ کا نام لیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور اُن کے قلوب خائف ہو جاتے ہیں

اور جب اللہ تعالیٰ کی آیتیں اُن کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں اور خدا کی آیتیں اُن پر تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ آیتیں اُن کے ایمان کو مضبوط کر دیتی ہیں اور وہ اپنے پروردگار ہی پر توکل کرتے ہیں (۲) یہ حقیقی مومن ایسے ہیں جو نماز کی پابندی کرتے ہیں اور ہمارے دیئے میں سے کچھ خیرات بھی کیا کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے اُن کو دیا ہے اُس میں سے خرچ بھی کرتے رہتے ہیں (۳) یہی لوگ سچے ایمان والے اور حقیقی اہل ایمان ہیں اُن کے پروردگار کے ہاں اُن کے لئے بڑے بڑے درجے ہیں اور اُن کے رب کے پاس اُن کیلئے مغفرت و بخشش اور باعزت روزی ہے ؛ یعنی مال غنیمت کی تقسیم پر جھگڑے کا اندیشہ تھا اس لئے دین کا خلاصہ اور مسلمانوں کو اخلاق سکھایا مثلاً دین کے احکام کی دو قسمیں ہیں حقوق اللہ اور حقوق العباد اصلحوا سے حقوق العباد کو سمجھایا حقوق اللہ میں مالی حق کا ذکر ینفقون میں اور بدنی کا ذکر یقیمون الصلوٰۃ میں فرمایا اعتقاد کی اصلاح زادتہم ایمانا اور یتوکلون سے فرمائی مطلب یہ ہے کہ مال غنیمت کی زیادہ فکر نہ کرو اور اس کی وجہ سے آپس میں دست و گریباں نہ ہو بلکہ اعتقاد اور اعمال اور اخلاق کی اصلاح کرو کہ یہی چیزیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول اور موجب درجات ہیں (۴) اے پیغمبر مال غنیمت کی تقسیم کا حال بھی ویسا ہی ہے جیسا کہ آپ کے پروردگار نے ایک امر حق کے لئے آپ کو آپ کے گھر سے نکالا تھا حالانکہ مسلمانوں کی ایک جماعت آپ کے نکلنے اور بدر کی طرف خروج کرنے کو ناپسند کرتی تھی ؛ یعنی یہ اختلاف بھی اسی قسم کا ہے جب مدینے سے ہم نے بدر کی طرف جانے کا حکم ایک مصلحت کے ماتحت دیا تھا اور چونکہ ہماری مصلحت کا علم عوام کو نہیں ہوتا اس لئے وہ اپنی سمجھ کے موافق اس میں اختلاف کرتے ہیں جب مصلحت کے ماتحت نتیجہ سامنے آتا ہے تب مطمئن ہوتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی غنیمت کا جھگڑا ابھی ویسا ہی ہے جیسا نکلتے وقت عقل کی تدبیریں کرنے لگے اور آخر صلاح وہی نکلا جو رسول نے فرمایا تو ہر کام میں یہی اختیار کرو کہ حکم برداری میں اپنی عقل کو دخل نہ دو ۱۲ (۵) وہ لوگ جو آپ کے نکلنے کو ناپسند کرتے تھے اس امر حق کے ظاہر ہو جانے کے باوجود آپ سے اس حق بات میں اس طرح جھگڑا کر رہے تھے کہ جیسے وہ اپنی آنکھوں دیکھتے موت کی طرف ہنکائے جا رہے ہیں ؛ یعنی پیغمبر کی زبانی یہ بات معلوم ہو چکی تھی کہ بدر میں جا کر جہاد کرنا اسلام اور مسلمانوں کے لئے مفید ہوگا پھر بھی وہ لوگ جو قریش سے نبرد آزما ہونے کو مناسب نہیں سمجھتے تھے پیغمبر کو بھی سمجھانے کی کوشش کر رہے تھے کہ قریش سے مقابلہ نہ کیا جائے اور اُن کی حالت سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ بدر کی طرف جانے کو ایسا سمجھ رہے ہیں جیسا کوئی موت کی جانب ہنکا رہا ہو اور موت بھی سامنے نظر آ رہی ہو۔ بہر حال بدر کے موقع پر مسلمانوں میں دو خیالات کے لوگ تھے اُن میں ایک گروہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو یہ چاہتا تھا کہ اس وقت جہاد کرنا مناسب نہیں کیونکہ سامان کی قلت ہے اور مسلمانوں کی تعداد بھی کم ہے وہ پیغمبر کو یہ مشورہ دیتے تھے (۶) اور وہ وقت یاد کرو جب اللہ تعالیٰ تم سے یہ وعدہ کر رہا تھا یعنی رسول کے واسطے سے کہ دو جماعتوں میں سے ایک جماعت تمہارے قابو میں آجائے گی اور تمہارے ہاتھ لگ جائیگی یعنی یا تو لشکر سے مقابلہ ہوگا اور وہ مغلوب ہو جائیگا یا کفار قریش کے قافلہ پر قبضہ کر لوگے اور تم یہ چاہتے تھے اور تمہاری خواہش یہ تھی کہ تم کو غیر مسلح اور بے کانٹے والی جماعت ہاتھ لگ جائے یعنی قافلہ قبضہ میں آجائے جس میں مقابلہ کرنے کی طاقت ہی نہ ہو۔ مگر اللہ

رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ۝٢ الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَ

وہ اپنے رب ہی پر توکل کرتے ہیں۔ وہ ایسے ہیں جو نماز کی پابندی کرتے ہیں اور

مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُونَ ۝٣ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا

ہمارے دیئے میں سے کچھ خرچ بھی کیا کرتے ہیں۔ یہی لوگ سچے ایمان والے ہیں

لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝٤

اُن کے لئے اُن کے رب کے ہاں بڑے بڑے درجے ہیں اور عفو و بخشش ہے اور باعزت روزی ہے۔

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّ فَرِيْقًا

اے پیغمبر غنیمت کی تقسیم کا حال بھی ویسا ہی ہے جیسے آپکے رب نے آپکو آپکے گھر سے ایک امر حق کیلئے نکالا تھا حالانکہ مسلمانوں کی

مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۝٥ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ

ایک جماعت آپ کے نکلنے کو ناپسند کرتی تھی۔ وہ لوگ باوجود حق ظاہر ہو جانے کے پھر بھی آپ سے

بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ

صحیح بات میں اس طرح جھگڑ رہے تھے کہ گویا وہ آنکھوں دیکھتے موت کی طرف

يَنْظُرُوْنَ ۝٦ وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ

ہانکے جا رہے ہیں۔ اور وہ وقت یاد کرو کہ جب خدا تم سے یہ وعدہ کر رہا تھا کہ دو جماعتوں میں سے

اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ

ایک تمہارے ہاتھ آجائے گی اور تم یہ چاہتے تھے کہ تم کو غیر مسلح جماعت یعنی قافلہ ہاتھ لگ جائے

لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ

مگر اللہ یہ چاہتا تھا کہ اپنے حکم سے حق کو حق کر دکھائے اور کافروں کی

دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۝٧ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ

جڑ کاٹ کر پھینک دے۔ تاکہ کافروں کی جڑ کاٹ دینے سے حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا ظاہر کر دے خواہ

كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝٨ اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ

گناہ گار کتنا ہی برا مانیں۔ اُس وقت کو یاد کرو جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے پھر اللہ نے تمہاری دعا کو قبول کر لیا

تعالیٰ یہ چاہتا تھا کہ وہ اپنے احکام سے اور اپنی باتوں سے سچ کو سچ کر دکھائے اور حق کو ثابت کر دے اور منکرین حق کی جڑ کاٹ دے اور ان کی بنیادیں ہلا دے ؛ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں حضرت نے فرمایا تھا کہ قافلہ یا مدد ہمارے ہاتھ لگے گی لوگ چاہنے لگے کہ قافلہ ہاتھ لگے اور بہتر ہوا یہی کہ کفر کا زور ٹوٹا ۱۲ مطلب یہ ہے کہ یا تو قافلہ پر قبضہ کر لوگے اور اگر مقابلہ لشکر سے ہوا تو خدا تعالیٰ کی مدد تم کو میسر ہوگی (۷) تاکہ کافروں کی جڑ کاٹ دینے سے حق کا حق ہونا اور ناحق کا ناحق ہونا ثابت کر دے خواہ اس بات سے مجرم اور گنہگار کتنا ہی برا مانیں ؛ یعنی مجرموں کو یہ بات کتنی ہی ناگوار گزرے لیکن ایسا ہی ہوگا (۸) وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے اور دعائیں مانگ رہے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تمہاری دعا اور تمہاری فریاد کو قبول کر لیا اور یہ وعدہ کیا کہ میں تمہاری ایک ہزار

فرشتوں سے مدد کر دوں گا جن کے پیچھے دوسرے فرشتے ہوں گے ؛ یعنی یا تو یہ ایک ہزار لگاتار آئیں گے یا یہ کہ ہزار کے بعد اور مزید فرشتے آئیں گے تفصیل چوتھے پارہ میں گزر چکی ہے (۹) اور یہ فرشتوں کی مدد جو اللہ تعالیٰ نے فرمائی وہ محض تمہارے خوش کرنے کیلئے فرمائی اور اس لئے بھی فرمائی کہ تمہارے دل اس بشارت اور خوش خبری سے مطمئن ہوجائیں اور تمہارے دلوں کو چین ہو ورنہ حقیقت میں تو مدد اور نصرت و کامرانی صرف اللہ تعالیٰ ہی کی جانب سے ہوا کرتی ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کمال قوت اور کمال علم وحکمت کا مالک ہے ؛ یعنی جب تک حضرت حق کی امداد شامل حال نہ ہو اُس وقت تک کچھ نہیں ہوسکتا (۱۰) وہ وقت یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے تم پر تمہاری تسکین اور چین کے لئے اپنی طرف سے غنودگی اور اونگھ طاری کردی اور تم پر آسمان کی جانب سے بارش نازل فرمائی تاکہ اُس پانی سے تم کو پاک کردے اور تم سے شیطانی نجاست اور شیطانی وسوسوں کی آلودگی کو زائل کردے اور تاکہ تمہارے دلوں کو مضبوط کردے اور تمہارے قلوب کو تقویت عطا فرمائے اور اُس پانی کی وجہ سے تمہارے قدموں کو جمادے ؛ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں جب دو لشکر مقابل ہوئے رات کو مسلمانوں کو حاجت غسل ہوگئی اور پانی پینے کا بھی نہ تھا اور زمین ریت تھی جہاں پاؤں نہ ٹھہریں صبح کو لڑائی درپیش یہ چیزیں دیکھ کر مسلمان ڈرے کہ آثار شکست کے ہیں اُس وقت بارانِ کامل برسا کہ غسل اور پیاس کو کافی ہوا اور زمین جم گئی اور ایک اونگھ آپڑی اُس سے چونکے تو دل کا خوف جاتا رہا ۱۲ مطلب یہ ہے کہ جب مسلمان جنگِ بدر میں نکلے تو مختلف پریشانیاں دامن گیر تھیں اللہ تعالیٰ نے ظاہری اور باطنی طریقو سے اُن پریشانیوں کو دور فرمایا۔ پانی کی قلت کو بارش سے دفع کردیا۔ غسل اور وضو کے لئے پانی مل گیا۔ زمین کا ریت جم گیا۔ دل کا خوف غنودگی سے دور ہوگیا۔ ربطِ قلب سے ہمتیں بڑھ گئیں شیطان اور اس کی ذریت جو کافروں کی مدد کو جمع ہوئی تھی اُس کا علاج فرشتوں کی آمد سے ہوا یہ سب حضرت حق تعالیٰ کے احسان تھے جن کی طرف اس آیت میں اشارہ فرمایا (۱۱) وہ وقت یاد کیجئے جب آپ کے پروردگار نے فرشتوں کو یہ حکم کیا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں سو تم ان لوگوں کے جو ایمان لائے ہیں دل بڑھاؤ اور اہلِ ایمان کی ہمتیں مضبوط رکھو میں عنقریب ان کافروں کے دلوں میں رعب اور ہیبت ڈالدونگا سو تم ان منکرین کی گردنوں پر خوب ضرب لگاؤ اور ان منکرین کی ہر ایک پور اور جوڑ پر چوٹ مارو ؛ یعنی حضرت حق نے فرشتوں کو یہ حکم دیا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اور تمہارا مددگار ہوں تم اہلِ ایمان کے قلوب میں تثبیت القا کرو اور اُن کے دلوں کو بڑھاؤ میں کفار کے قلوب کو مرعوب کردوں گا۔ گردنوں پر مارنے کو فرمایا یعنی قتل کرو اور اُن کے اعضا کو بے کار کردو تاکہ حملہ کی طاقت باقی نہ رہے حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کافروں کے دل قابل نہیں فرشتوں کے الہام کے سو رعب ڈالنا اپنے طرف لیا اور مسلمانوں کے دل ثابت کرنے کو حکم فرمایا اس جنگ میں فرشتے ہاتھوں سے بھی لڑے ہیں ۱۲ (۱۲) یہ اس بات کی سزا ہے کہ اُنھوں نے اللہ تعالیٰ کی اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کی اور

لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُم بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَٰٓئِكَةِ مُرْدِفِينَ ⑨

کہ میں تمہاری ایک ہزار فرشتوں سے مدد کرونگا جن کے پیچھے دوسرے فرشتے ہوں گے۔

وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ وَلِتَطْمَئِنَّ بِهِ قُلُوبُكُمْ

اور یہ فرشتوں کی امداد اللہ نے محض تمہارے خوش کرنے کیلئے کی اور اس لئے کی کہ تمہارے دل اس بشارت سے مطمئن ہوجائیں

وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِندِ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ

ورنہ حقیقت میں مدد تو صرف اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔ بیشک اللہ کمال قوت اور کمال

حَكِيمٌ ⑩ إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ أَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ

علم کا مالک ہے۔ اسوقت کو یاد کرو جب اللہ نے تمہیں تسکین دینے کو اپنی طرف سے تم پر غنودگی اور اونگھ طاری کی اور تم پر آسمان

عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيُطَهِّرَكُم بِهِ وَيُذْهِبَ

کی جانب سے پانی نازل کیا تاکہ اُس پانی سے تم کو پاک کردے اور تم سے شیطانی وسوسہ کی آلودگی کو

عَنكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ وَ

زائل کردے اور تاکہ تمہارے دلوں کو تقویت عطا کرے اور اُس بارش کی وجہ سے

يُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ ⑪ إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَٰٓئِكَةِ

تمہارے قدموں کو جمادے۔ وہ وقت یاد کیجئے جب آپکے رب نے فرشتوں کو حکم کیا تھا کہ میں

أَنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا ۚ سَأُلْقِي فِي

تمہارے ساتھ ہوں سو تم ایمان والوں کے دلوں کو بڑھاؤ میں ابھی ان کافروں کے دلوں

قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوا فَوْقَ

میں رعب ڈالے دیتا ہوں سو تم اُن کی گردنوں پر خوب

الْأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ⑫ ذَٰلِكَ

ضرب لگاؤ اور اُن کافروں کی ہر ایک پور اور جوڑ پر چوٹ مارو۔ یہ اُس بات کی سزا ہے کہ

بِأَنَّهُمْ شَاقُّوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ وَمَن يُشَاقِقِ اللَّهَ

انھوں نے اللہ کی اور اُس کے رسول کی مخالفت کی اور جو کوئی اللہ کی اور اُس کے رسول کی

ع ١ / ١٠ / ١٥

وَرَسُولَهُ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿١٣﴾ ذَٰلِكُمْ

مخالفت کرتا ہے تو یقیناً اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔ یہ تمہاری

فَذُوقُوهُ وَأَنَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابَ النَّارِ ﴿١٤﴾ يَا أَيُّهَا

سزا ہے اُس کا مزہ یہاں بھی چکھو اور یقین جانو کہ کافروں کے لئے دوزخ کا عذاب بھی مقرر ہے۔ اے

الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا زَحْفًا

ایمان لانے والو! جب تم میدان جنگ میں کافروں کے مقابل ہو جاؤ

فَلَا تُوَلُّوهُمُ الْأَدْبَارَ ﴿١٥﴾ وَمَنْ يُوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ

تو اُن کو پیٹھ نہ دکھاؤ۔ اور جو شخص اُس دن ان کافروں کو پیٹھ دکھائے گا

دُبُرَهُ إِلَّا مُتَحَرِّفًا لِقِتَالٍ أَوْ مُتَحَيِّزًا إِلَىٰ فِئَةٍ

ماسوا اس بات کے کہ یا تو وہ کوئی جنگی پینترا کرنیوالا ہو یا وہ اپنی جماعت میں شامل ہونا چاہتا ہو

فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ مِنَ اللَّهِ وَمَأْوَاهُ جَهَنَّمُ ۖ وَ

تو ان دونوں صورتوں کے علاوہ جو ایسا کرے گا تو وہ یقیناً خدا کا غضب لیکر لوٹا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور

بِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿١٦﴾ فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ

وہ جہنم بہت ہی بری جگہ ہے لوٹنے کی۔ پس تم نے ان کافروں کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے اُن کو قتل کیا

وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ ۚ وَلِيُبْلِيَ

اور جس وقت آپ نے ان کی طرف خاک کی مٹھی پھینکی تو وہ آپ نے نہیں پھینکی بلکہ وہ اللہ نے پھینکی تھی تاکہ کافروں کو

الْمُؤْمِنِينَ مِنْهُ بَلَاءً حَسَنًا ۚ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ

شکست ہو اور اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اپنی طرف سے بہترین اجر عطا فرمائے۔ بلاشبہ اللہ سننے والا

عَلِيمٌ ﴿١٧﴾ ذَٰلِكُمْ وَأَنَّ اللَّهَ مُوهِنُ كَيْدِ الْكَافِرِينَ ﴿١٨﴾

جاننے والا ہے۔ یہ بات تو تم نے دیکھ لی اور یقین جانو کہ اللہ کافروں کی تدبیر کو کمزور کرنیوالا ہے

إِنْ تَسْتَفْتِحُوا فَقَدْ جَاءَكُمُ الْفَتْحُ ۖ وَإِنْ تَنْتَهُوا

اگر تم کو فیصلے کی خواہش تھی تو فیصلہ تو تمہارے آگے آموجود ہوا اور اگر اب تم باز آجاؤ تو

اُس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو سخت سزا دینے والا ہے (۱۳) یہ تمہارے کیے کی سزا ہے اس کا مزہ چکھو اور یقین جانو کہ منکروں کیلئے جہنم کا عذاب بھی مقرر ہے :: یعنی دنیا میں بھی سزا اور آخرت میں بھی عذاب (۱۴) اے ایمان والو! جب تمہارا ایسے لوگوں سے مقابلہ ہو جائے جنھوں نے راہ کفر و انکار اختیار کر رکھی ہے اور تم اُن سے بھڑ جاؤ کہ میدان جنگ میں آمنے سامنے آجاؤ تو پھر ان منکروں کو پشت نہ دکھاؤ اور پیٹھ دکھا کر اُن کو نوٹو نہیں :: یعنی بھاگو نہیں (۱۵) اور جو شخص اُن منکروں کو پیٹھ دکھا کر لوٹے گا بجز اس بات کے کہ یا تو وہ کوئی جنگی پینترا کرنے والا ہو یا وہ اپنی جماعت میں شامل ہونا چاہتا ہو ان دونوں صورتوں کے علاوہ جو شخص لوٹے گا تو وہ یقیناً اللہ تعالیٰ کا غضب لے کر لوٹے گا اور اُس کا ٹھکانا جہنم ہوگا اور وہ جہنم لوٹنے کی بہت بُری جگہ ہے :: یعنی دشمن کے مقابلے سے ہٹنے کی صرف دو صورتوں میں اجازت ہے ایک تو یہ کہ کوئی لڑائی کا داؤں ہو مثلاً پیچھے ہٹ کر دشمن کو آگے آنے کا موقع دینا یا اُس کو مطمئن کرنے کی غرض سے پیچھے ہٹنا اور پھر ایک دم حملہ کرنا وغیرہ دوسری صورت یہ کہ مثلاً کوئی شخص لڑتے لڑتے آگے بڑھ گیا اور اُس کی جماعت پیچھے رہ گئی یہ چاہتا ہے کہ اپنی جماعت میں مل جائے اور اس لئے پیچھے ہٹ جائے ان دو حالتوں کے علاوہ جو ناگزیر ہیں اگر کوئی بُزدلی اور کمزوری سے بھاگے گا اور پیٹھ دکھائے گا تو وہ اللہ کا غضب اور اسکی ناراضگی لیکر لوٹیگا اور دوزخ اُس کا ٹھکانا ہوگا اور وہ کبیرہ گناہ کا مستحق ہوگا حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی جب مقابلہ میدان میں ہو تو بھاگنا اشد گناہ ہے اور جو دورہو یا غارت تو بھاگنا منع ہے ۱۲ ان صورتوں کے علاوہ ایک اور شکل بھی ہے جو آگے مذکور ہوگی (۱۶) پس اے مسلمانو: تم نے ان کافروں کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو قتل کیا اور اے پیغمبر جب آپ نے دشمنوں کی جانب خاک کی مٹھی پھینکی تو آپ نے نہیں پھینکی بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی تھی اور یہ خلاف توقع اور خلاف عادت کام اس لئے ہوئے تاکہ دشمنان اسلام کو شکست ہو اور اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اپنی طرف سے بہترین اور اچھا اجر دے بے شک اللہ تعالیٰ خوب سننے والا اور خوب جاننے والا ہے :: یعنی اس قدر بے سروسامان اور قلیل جماعت نے جو اتنی بڑی مسلح جماعت کو شکست دی تو یہ سب اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہوا اور اُسی نے کیا۔ اسی طرح ہجوم اعدا کے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خاک کی مٹھی بھر کر اعدا کی جانب پھینکی تھی اور فرمایا تھا شاہت الوجوہ چنانچہ وہ مٹھی بھر خاک سب دشمنوں کی آنکھوں میں پڑ گئی اُس کو بھی فرمایا کہ یہ تمہارا کام نہ تھا بلکہ یہ ہمارا کام تھا مطلب یہ ہے کہ تمام افعال کو اگرچہ مسلمانوں کی طرف منسوب کیا لیکن حقیقی اثرات کی وجہ سے اپنی جانب منسوب فرمایا جو نتیجہ اور اثر اُن افعال پر مرتب ہوا وہ تمہارا کام نہ تھا بلکہ وہ ہمارا کام تھا اور چونکہ ظاہری جدوجہد پر اجر ملنے والا تھا اس لئے فرمایا ولیبلی المؤمنین منه بلآء حسنا حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں جب شدت جنگ ہوئی تب حضرت نے ایک مٹھی کنکریاں اُس لشکر کی طرف پھینکیں اللہ کی قدرت سے ہر کسی کی آنکھ میں خاک پہونچی اُس کے بعد شکست کھائی یہ فرمایا کہ مسلمان سمجھیں کہ فتح ہماری قوت سے نہیں سب اللہ کی مدد سے ہے تو کسی بات میں اپنا دخل نہ کریں ۱۲ (۱۷) یہ بات تو ہو چکی اور یہ بات تو تم نے دیکھ لی یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ کافروں کی تدبیر کو کمزور کرنے والا ہے :: یعنی یہ تو ہوا جو کچھ ہوا دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کافروں کے مکر و کید کو کمزور کرنا مقصود تھا (۱۸) اے اہل مکہ اگر تم کو فیصلے کی خواہش تھی تو فیصلہ تمہارے پاس آگیا اور اب اگر تم باز آجاؤ تو تمہارے لئے بہتر ہوگا اور اگر تم باز نہ آؤ گے اور پھر وہی کرو گے تو ہم بھی پھر یہی کریں گے اور تمہاری

جمعیت خواہ کتنی ہی زیادہ ہو تمہارے کچھ کام نہ آئے گی اور یقین مانو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے ساتھ ہے ۔: یعنی فیصلہ مانگا کرتے تھے سو فیصلہ آ پہونچا۔ اب تم کو چاہئے کہ تم اسلام کی مخالفت اور مسلمانوں کی ایذا رسانی سے باز آجاؤ تو یہ تمہارے حق میں اچھا ہے اور اگر تم پھر وہی ناشائستہ حرکات کروگے اور مسلمانوں کو ستاؤ گے تو ہم پھر تم کو عذاب دیں گے اور تم کو مغلوب کر دیں گے اور تمہاری جماعت اور تمہارا گروہ خواہ کتنا ہی زیادہ ہو تم کو خدا کے عذاب سے بچا نہ سکے گا اور اللہ تعالیٰ کی مدد اور اُس کی نصرت مسلمانوں کے ساتھ ہے حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ کی سورتوں میں ہر جگہ کافروں کا قول نقل فرمایا کہ ہر گھڑی کہتے ہیں متیٰ ہٰذا الفتح یعنی کب ہوگا یہ فیصلہ اب جواب فرمایا کہ یہ فیصلہ آ پہونچا اور اگر باز آؤ۔ یعنی کفر سے اور اگر پھر کروگے یعنی لڑائی تو ہم پھر کریں گے یعنی مدد ١٢ (١٩) اے ایمان لانے والو! اللہ کا اور اُس کے رسول کا کہا مانو اور اللہ کی اطاعت کرو اور اُس کے رسول کی اور اس اطاعت سے روگردانی نہ کرو حالانکہ تم سنتے ہو ۔: یعنی قرآن کو اعتقاد کے ساتھ سنتے ہو جس اعتقاد کے ساتھ سنتے ہو اُسی طرح عمل بھی کرو کیونکہ یہی ایمان کی شان ہے آگے منافقوں اور کافروں کے طرزِ عمل سے بچنے کو فرمایا (٢٠) اور اے ایمان والو تم اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو کہتے تو یہ ہیں کہ ہم نے سُن لیا حالانکہ وہ کچھ نہیں سنتے ۔: یعنی کافر تو اعتقاد ہی نہیں رکھتے اور منافق اعتقاد کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن عمل وہ بھی نہیں کرتے اس لئے اُن کا سُننا نہ سننے کے برابر ہے مسلمانوں کو اس سے بچنا چاہئے جو کچھ سُنیں اُس پر اعتقاد کے ساتھ عمل بھی کریں حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی جیسے یہود نے حکم توریت زبان سے قبول کیا اور دل سے نا قبول رکھا یا جیسے منافق زبان سے حکمبردار ہیں اور دل سے نہیں ١٢ (٢١) بلاشبہ تمام روئے زمین پر چلنے والوں میں یعنی تمام مخلوق میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین وہ بہرے گونگے ہیں جو بالکل نہیں سمجھتے اور اپنی عقل سے کام ہی نہیں لیتے ۔: یعنی حق کے سُننے سے بہرے اور حق بات کہنے سے گونگے اور سمجھ سے کام نہ لینے والے یہ لوگ خدا کے نزدیک بدترین ہیں حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی جانوروں سے بھی بدتر ہیں وہ آدمی کہ دینِ حق کو نہ سمجھیں ١٢ (٢٢) اور اگر اللہ تعالیٰ ان معاندین میں کوئی خوبی اور بھلائی جانتا یعنی کم از کم ان میں حق کی طلب ہی ہوتی تو اللہ تعالیٰ ان کو سننے کی توفیق عطا فرماتا اور وہ اگر انکو موجودہ حالت میں سنا دے تو وہ ضرور بے رخی کیساتھ پیٹھ پھیر کر اُلٹے پھر جائیں ۔: یعنی جب ان میں ہدایت کی طلب نہیں اور ان میں صلاحیت نہیں ہر بھلائی سے عاری تو ان کی دستگیری کس بنا پر کی جائے اگر موجودہ حالت میں ان کو سنایا جائے تو یہ اعراض کریں گے اور مُنہ پھیر کر بے رخی کے ساتھ بھاگیں گے حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی اللہ نے اُن کے دل میں ہدایت کی لیاقت نہیں رکھی جن میں لیاقت رکھی ہے اُنہی کو ہدایت دیتا ہے اور بغیر لیاقت جو سُنتے ہیں وہ انکار کرتے ہیں ١٢ (٢٣) اے ایمان لانے والو! تم اللہ اور رسول کا حکم بجالایا کرو جب تم کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایسے کام کی دعوت دیا کریں اور پکارا کریں جو کام تمکو زندگی بخشنے والا اور تم کو زندہ رکھنے والا ہو اور یہ بات جان لو کہ اللہ تعالیٰ آدمی کے اور اُس کے دل کے مابین حائل ہو جایا کرتا ہے اور آڑ بن جایا کرتا ہے اور یہ بات بھی یاد رکھو کہ تم سب کو خدا کے حضور میں جمع ہونا ہے ۔: یعنی اللہ اور رسول کا حکم بجالاؤ جب رسول تمہیں زندگی بخشنے والے کام کی طرف بُلایا کرے اور پکارا کرے جیسے جہاد وغیرہ کی طرف تو امتثال امر میں جلدی کیا کرو آدمی اور اس کے دل کے مابین آڑ بن جانے کا مطلب یہ ہے کہ مومن کے قلب میں طاعت کی برکت سے کفر نہیں جانے دیتا اور کافر کے قلب میں اُس کی شقاوت کے باعث ایمان نہیں داخل ہونے دیتا حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی حکم بجالانے میں دیر نہ کرو شاید اس وقت دل ایسا نہ رہے دل اللہ کے ہاتھ ہے اور اللہ اول کسی کے دل کو روکتا نہیں اور مُہر نہیں کرتا جب بندہ قبول نہ کرے تو اسکی جزا میں روک دیتا ہے یا ضد کرے حق پرستی نہ کرے تو مُہر کر دیتا ہے ١٢ مطلب یہ ہے کہ کبھی شقاوت و بدبختی کی مختلف حالتوں میں سے یہ بھی ایک حالت ہوتی ہے کہ حضرت حق تعالیٰ کسی بدنصیب کے لئے خود آڑ بن جائیں اور نیکی کی توفیق ہی سلب کر لیں اعاذنا اللّٰہ منہا اسی لئے استجابت کا حکم دیا کہ بھلے کام میں تاخیر نہ کرو اور غفلت سے کام نہ لو مبادا قلب کی حالت بدل جائے۔ آخر میں جواب دہی اور حضور الٰہی میں پیشی کا یقین دلایا تا اُس دن کے خیال سے غافل نہ ہوں اور سستی اور کاہلی سے بچیں (٢٤) اور تم اُس بلا اور وبال سے ڈرتے رہو جس کا اثر صرف اُن ہی لوگوں تک محدود نہیں رہتا جو تم میں سے گناہوں کے مرتکب

فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَإِن تَعُودُوا نَعُدْ وَلَن تُغْنِيَ عَنكُمْ

تمہارے لئے بہتر ہوگا اور اگر تم آئندہ بھی کروگے تو ہم بھی پھر یہی کرینگے اور تمہاری جماعت خواہ کتنی ہی زیادہ کیوں

فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَلَوْ كَثُرَتْ وَأَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٩﴾

نہ ہو تمہارے کچھ بھی کام نہ آئے گی اور یقین مانو کہ اللہ ایمان والوں کے ساتھ ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا

اے ایمان والو اللہ کا اور اُس کے رسول کا حکم مانو اور اس حکم ماننے سے

تَوَلَّوْا عَنْهُ وَأَنتُمْ تَسْمَعُونَ ﴿٢٠﴾ وَلَا تَكُونُوا

روگردانی نہ کرو حالانکہ تم سنتے ہو۔ اور تم اُن لوگوں کی طرح

كَالَّذِينَ قَالُوا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ﴿٢١﴾ إِنَّ شَرَّ

نہ ہو جانا جو کہتے تو یہ ہیں کہ ہم نے سُن لیا حالانکہ وہ کچھ نہیں سنتے۔ بے شک تمام

الدَّوَابِّ عِندَ اللَّهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ﴿٢٢﴾

جان داروں میں بدترین وہ بہرے گونگے لوگ ہیں جو اپنی عقل سے کام نہیں لیتے

وَلَوْ عَلِمَ اللَّهُ فِيهِمْ خَيْرًا لَّأَسْمَعَهُمْ ۖ وَلَوْ أَسْمَعَهُمْ

اور اگر اللہ اُن میں کوئی بھلائی دیکھتا تو اُن کو سُننے کی توفیق عطا کرتا اور اگر وہ موجودہ حالت میں انکو

لَتَوَلَّوا وَّهُم مُّعْرِضُونَ ﴿٢٣﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا

سنا دیتا تو وہ بے رخی سے منہ اُلٹے پھر جاتے۔ اے ایمان والو تم اللہ اور رسول کا حکم

اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ ۖ

بجالایا کرو جب تم کو اُس کا رسول ایک ایسے کام کی دعوت دیا کرے جو تم کو زندگی بخشنے والا ہے

وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ

اور یہ بات یاد رکھو کہ اللہ آدمی کے اور اُس کے قلب کے درمیان حائل ہو جایا کرتا ہے اور یہ بھی یاد رکھو

إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٢٤﴾ وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَّا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ

تم سب اسی کی پیشی میں جمع کئے جاؤ گے۔ اور تم اُس وبال سے بچو جس کا اثر صرف انہی لوگوں تک محدود نہیں رہا کرتا جو تم

ع ٢ / ١٦

ہوتے ہیں اور یہ بات خوب جان لو کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے ؛ یعنی جب کوئی وبال آتا ہے تو اُس میں سب ہی مبتلا ہو جاتے ہیں مجرم بھی اور مداہن بھی حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی حکم میں کاہلی کرنے سے ملک تو ملی ہٹتا ہے دم بدم اور وہ کام زیادہ مشکل پڑتا ہے دوسرے نیکوں کی کاہلی سے گنہگار بالکل چھوڑ دیں گے تو رسم بد پھیلے گی اُس کا وبال سب پر پڑے گا جیسے جنگ میں دلیر سستی کریں تو نامرد بھاگ ہی جاویں پھر شکست پڑے تو دلیر بھی نہ تھام سکیں خلاصہ یہ کہ خود بھی اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرو اور دوسروں کو بھی ترغیب وتحریص دلاؤ خاموش نہ رہو ورنہ عام فتنہ سے محفوظ نہ رہو گے (۲۵) اور اُس حالت کو اور اُس وقت کو یاد کرو جب تم تعداد میں بہت تھوڑے تھے اور سرزمین مکہ میں کمزور سمجھے جاتے تھے تم اس بات سے ڈرتے رہتے تھے کہ کہیں تم کو کفار اُچک نہ لے جائیں اور تم پر حملہ اور قتل وغارتگری نہ کردیں پھر اللہ تعالیٰ نے تم کو ٹھکانا دیا اور اپنی مدد سے تم کو قوت دی اور عمدہ عمدہ چیزیں تم کو کھانے کو دیں تاکہ تم اللہ تعالیٰ کے شکرگزار رہو ؛ یعنی مکہ کی ابتدائی زندگی بہت ہی خطرناک تھی مسلمانوں کی تعداد کم تھی کوئی سیاسی اقتدار نہ تھا دشمنوں کا غلبہ تھا دشمن آسمانی تہذیب سے ناواقف تھا جاہل تھا اس لئے اُس کی جہالت سے ہر وقت اندیشہ تھا کہ نہ معلوم کس وقت حملہ کردے اور مٹھی بھر مسلمانوں کو قتل کردے، لوٹ لے عورتوں اور بچوں کو قید کرلے اس حالت کو اللہ تعالیٰ نے مدینے بھیجکر بدل دیا، وہاں تعداد بھی بڑھ گئی۔ جہاد کی اجازت ہو گئی مالی حالت میں بھی نمایاں تبدیلی ہوئی سیاسی اقتدار بھی میسر آیا حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ ستھری چیزیں یعنی مال غنیمت ۱۲ (۲۶) اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق میں خیانت اور کمی نہ کرو اور نہ تم اپنی امانتوں میں خیانت کرو حالانکہ تم اس کے ضرر اور نقصان کو جانتے ہو ؛ اللہ اور اُس کے رسول کے حقوق میں خیانت یہ کہ انکے احکام کی خلاف ورزی کی جائے یا سستی اور کاہلی سے کام لیا جائے یا جس کام پر اللہ کے رسول نے مامور کیا ہو اُس کے انجام دینے میں بددیانتی کی جائے یا مال غنیمت میں بددیانتی کی جائے غرض خیانت خواہ حقوق اللہ میں ہو یا حقوق العباد میں ہو بہرحال بُری اور ممنوع ہے اُس کا ضرر رساں ہونا کم وبیش ہر مسلمان جانتا ہے بعض مفسرینؒ نے آیت کے نزول کا تعلق ابولبابہ سے ظاہر کیا ہے مگر الفاظ بہت وسیع ہیں اور بڑی تفصیل چاہتے ہیں (۲۷) اور تم یہ بات خوب جان لو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد ایک امتحان اور آزمائش کی چیز ہے اور یہ بھی یقین کرو کہ اللہ تعالیٰ کے پاس بڑا اجر و ثواب ہے ؛ یعنی جو لوگ اس امتحان میں پورے اُتریں گے اور کوئی کمزوری نہیں دکھائیں گے تو وہ اجر عظیم کے مستحق ہوں گے حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں چوری اللہ رسول کی یہ بھی ہے کہ چھپ کر کافروں سے ملیں اپنے مال اور اولاد کے بچاؤ کو جیسے مہاجرین میں اکثروں کے گھر مکہ میں تھے اور یہ بھی ہے کہ مال غنیمت چھپا رکھیں سردار پاس ظاہر نہ کریں ؛ مطلب یہ ہے کہ بعض مہاجرین کے بیوی بچے مکہ میں تھے بعض کے گھر اور املاک بھی مکہ میں تھے اس قسم کے مہاجرین اپنی اولاد اور املاک کے تحفظ کی وجہ سے مکہ کے کافروں کی کچھ رعایت کرتے ہونگے یا ہمدردی کرتے ہونگے تاکہ انکی اولاد اور املاک محفوظ رہے اور کافر اسکو نقصان نہ پہنچائیں تفصیل سورۂ ممتحنہ میں آئے گی۔ اس قسم کی معمولی سی فروگزاشت کو حضرت حق نے خیانت فرمایا اور مال واولاد کو فتنہ سے تعبیر کیا اور آزمائش میں پورا اُترنے والوں سے اجر عظیم کا وعدہ فرمایا (۲۸) اے ایمان لانے والو! اگر تم تقویٰ اختیار کروگے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو گے تو وہ تم کو تمہارے مخالفوں کے مقابلہ میں ایک خاص امتیاز عطا فرمائیگا اور تم کو ایک فیصلہ کی چیز دے گا اور تمہارے گناہ تم سے زائل کردے گا اور تم کو بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل کا مالک ہے ؛ امتیاز جس سے حق وباطل کا فیصلہ ہو جائے گا دنیا میں غلبہ اور آخرت میں دائمی نعمتیں! تمہارے دشمنوں کو ذلیل اور ہلاک کردے گا تم غالب ہوگے اور تمہارا دشمن مقہور رہے گا یہ تو دنیا میں ہوگا اور آخرت تو ظاہر ہی ہے کہ اہل تقویٰ نعمتوں میں ہوں گے اور اُن کے دشمن عذاب میں مبتلا ہوں گے وامتازوا الیوم ایہا المجرمون حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں شاید فتح بدر میں مسلمانوں کے دل میں آیا ہو کہ یہ فتح اتفاقی ہے حضرتؐ سے مخفی کافروں پر احسان کرے کہ ہمارے گھر بار کو نہ ستادیں سو پہلی آیت میں چوری کو منع فرمایا اور دوسری آیت میں تسلی دی کہ آگے فیصلہ ہوجائے گا تمہارے گھر بار کافروں میں گرفتار نہ رہیں گے ۱۲ (۲۹) اور اے پیغمبر آپ اُس وقت کو یاد کیجئے کہ جب کافر آپ

ظَلَمُوا مِنكُمْ خَاصَّةً ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ

میں سے گناہوں کے مرتکب ہوئے ہوں اور یہ بات خوب جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ بہت سخت سزا

الْعِقَابِ ﴿٢٥﴾ وَاذْكُرُوا إِذْ أَنتُمْ قَلِيلٌ مُّسْتَضْعَفُونَ

دینے والا ہے۔ اور اُس وقت کو یاد کرو جب تم قلیل التعداد تھے اور سرزمین مکہ میں کمزور سمجھے جاتے تھے

فِي الْأَرْضِ تَخَافُونَ أَن يَتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَآوَاكُمْ

تم اس بات سے ڈرا کرتے تھے کہ کہیں تم کو کفار اُچک نہ لے جائیں پھر تم کو خدا نے ٹھکانا دیا

وَأَيَّدَكُم بِنَصْرِهِ وَرَزَقَكُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ لَعَلَّكُمْ

اور اپنی مدد سے تم کو قوت دی اور پاکیزہ چیزیں تم کو عطا فرمائیں تاکہ تم اُس کے

تَشْكُرُونَ ﴿٢٦﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَ

شکرگزار رہو۔ اے ایمان والو تم اللہ اور رسول کے حقوق میں کمی نہ کیا کرو اور

الرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمَانَاتِكُمْ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٢٧﴾ وَاعْلَمُوا

اپنی باہمی امانتوں میں بھی خیانت نہ کیا کرو حالانکہ تم جانتے ہو۔ اور تم یہ بات خوب جان لو

أَنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَأَنَّ اللَّهَ عِندَهُ أَجْرٌ

کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد حقیقت میں ایک قسم کا امتحان ہیں اور یہ یقین کرو کہ اللہ کے پاس بڑا

عَظِيمٌ ﴿٢٨﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَل

ثواب ہے۔ اے ایمان والو اگر تم خدا سے ڈرتے رہو گے تو خدا تم کو ایک

لَّكُمْ فُرْقَانًا وَيُكَفِّرْ عَنكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ

خاص امتیاز عطا فرمائے گا اور تمہارے گناہ تم سے زائل کردے گا اور تم کو بخش دیگا اور اللہ تعالیٰ

ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿٢٩﴾ وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا

بڑے فضل کا مالک ہے۔ اور اُس وقت کو یاد کیجئے کہ جب کافر آپ کے متعلق مختلف تدبیریں کر رہے تھے

لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ ۚ وَيَمْكُرُونَ وَ

کہ آپکو قید کردیں یا آپکو قتل کردیں یا آپکو جلاوطن کردیں اور حالت یہ تھی کہ ایک طرف وہ اپنی چال چل رہے تھے اور

ع ۱۷ / ۹

متعلق مختلف تدبیریں سوچ رہے تھے اور باہم مل کر تدبیریں کر رہے تھے کہ آپ کو قید کرلیں یا آپ کو قتل کر دیں یا آپ کو نکال دیں اور جلا وطن کر دیں اور حالت یہ تھی کہ ایک طرف وہ سازشیں کرکے اپنی چال چل رہے تھے اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ ان کے توڑ کے لئے ایک اور چال چل رہا تھا اور سب داؤں کرنیوالوں سے اللہ تعالیٰ بہترین داؤں کرنیوالا ہے ÷ یعنی اُس کی تدبیر مستحکم اور مضبوط ہوتی ہے اُس کی چال اور اُس کے داوں کا کوئی توڑ نہیں حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں یہ فرمایا کہ جیسے اللہ نے پیغمبر کو بچالیا ہے تو تمہارے گھر بار کو بھی بچا رکھے ۱۲ (۳۰) اور جب ان کے سامنے ہماری آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں اور اُن کے روبرو قرآن پڑھا جاتا ہے تو کہتے ہیں بس جی ہم نے سُن لیا اگر ہم چاہیں تو ہم بھی اس جیسا کہہ سکتے ہیں اور اس جیسا قرآن بنا سکتے ہیں یہ تو کچھ بھی نہیں محض گزشتہ لوگوں کے بے سر و پا قصے اور کہانیاں ہیں ÷ یعنی بیزاری کا اظہار کرتے ہیں کہ بس جی ہم نے سُن لیا یہ تو کوئی معجزہ نہیں ہم اگر چاہیں تو ہم بھی ایسا کلام بنا سکتے ہیں یہ تو بے سند باتیں ہیں جو پہلوں سے نقل ہوتی چلی آرہی ہیں اور پہلے لوگ بھی جنت دوزخ اور مرکر جی اُٹھنے کا ذکر کیا کرتے تھے اور پہلی ملتوں میں بھی یہ قصے سُنائے جاتے تھے حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی ہمیشہ یہ کہتے تھے اب تو دیکھ لیا یہ قصے نہ تھے وعدۂ عذاب تم پر بھی آیا جیسے پہلوں پر آیا تھا ۱۲ (۳۱) اور وہ واقعہ بھی قابل ذکر ہے جب اُن منکروں نے یوں دعا مانگی تھی اے اللہ اگر یہ قرآن اور یہ دین آپ کی طرف سے واقعی ہے اور یہ قرآن حق ہے اور آپ ہی کا نازل کردہ ہے تو ہم پر اس کے نہ ماننے کی وجہ سے آسمان سے پتھر برسا یا کوئی اور دردناک عذاب ہم پر لے آ ÷ یعنی کوئی خارق عادت عذاب آجائے مثلاً پتھر برس جائیں یا آگ برس جائے یا اور کوئی ایسا عذاب جس سے پہلی اُمتیں تباہ ہوئی ہیں ہمارا ابھی استیصال کر دیا جائے بعض علماء کے نزدیک مطلب یہ ہے کہ قرآن کی تکذیب اور دین کی تکذیب میں اُن کی شقاوت یہاں تک بڑھ گئی تھی کہ کعبہ کے سامنے کھڑے ہو کر دعائیں مانگتے تھے کہ اگر یہ قرآن اور یہ دین تیرا ہی بھیجا ہوا ہے تو ہم پر عذاب نازل کر دے چنانچہ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں ابوجہل جب مکہ سے نکلنے لگا تو یہی دعا کی کعبہ کے سامنے وہی پیش آئی ۱۲ بہرحال قرآن نے اُن کے جواب میں دو باتیں فرمائیں جو آگے مذکور ہیں (۳۲) اور اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں اور حضرت حق تعالیٰ کو یہ مناسب نہیں کہ اے محمدؐ آپ اُن میں موجود ہوں اور پھر وہ اُن کو ایسا عذاب کرے اور کوئی خارق عادت عذاب بھیجکر اُن کا استیصال کردے اور اللہ تعالیٰ کی یہ شان بھی نہیں کہ وہ اُن کو عذاب کرے درانحالیکہ وہ بخشش مانگنے والے ہوں ÷ یعنی سنت اللہ یہ ہے کہ جب تک کسی قوم میں پیغمبر موجود رہتا ہے اور وہ قوم بخشش طلب کرتی رہتی ہے تو اُس قوم پر عذاب استیصال نہیں آتا اور وہ قوم بالکلیہ فنا نہیں کی جاتی۔ یہ مطلب نہیں کہ کفر و عناد کے باوجود کسی قسم کا عذاب ہی نہیں آتا۔ اِدھر تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے۔ دوسری طرف یہ کافر طواف کے موقع پر غفرانک غفرانک کہتے تھے شاید یہ لفظی استغفار اُن کے لئے عذاب کا مانع ہوا ہو۔ اگرچہ قیامت کے روز مفید نہ ہو حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی مکہ میں حضرت کے قدم سے عذاب اٹک رہا تھا اب اُن پر عذاب آیا اسی طرح جب تک گناہ گار نادم رہے اور توبہ کرتا رہے تو پکڑا نہیں جاتا اگرچہ بڑے سے بڑا گناہ ہو حضرت نے فرمایا گناہ گار کو دو چیزیں پناہ ہیں ایک میرا وجود دوسرا استغفار ۱۲ مطلب یہ ہے کہ خارق عادت عذاب تو نہیں آیا مگر ہاں پیغمبر کے ہجرت کرنے کے بعد کفر و عناد پر گرفت کا سلسلہ شروع ہو گیا (۳۳) اور جو حرکات وہ کر رہے ہیں اُن حرکات کے بعد کیا حق ہے اور کونسا استحقاق ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کو کچھ بھی عذاب نہ کرے یعنی غیر خارق عادت عذاب نہ کیا جائے جبکہ وہ مسلمانوں کو مسجد حرام سے روکتے ہیں حالانکہ وہ لوگ اس مسجد حرام کی تولیت کے اہل بھی نہیں ہیں اس مسجد حرام کی تولیت کے حقدار تو سوائے متقی لوگوں کے کوئی دوسرا شخص نہیں ہو سکتا لیکن ان کافروں میں سے اکثر اس حقیقت کو نہیں جانتے ÷ یعنی ان کافروں کی حرکات مذمومہ کی یہ حالت ہے کہ یہ پیغمبر اسلام اور مسلمانوں کو مسجد حرام میں آنے سے روکتے ہیں اور اس مسجد حرام کی تولیت کا حقدار اپنے کو سمجھتے ہیں ان حرکات مذمومہ کے بعد وہ یقیناً سزا کے مستحق ہیں پھر ان کو سزا کیوں نہ دی جائے حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں قریش آپ کو اولاد ابراہیم کا گھر کعبے کا مختار ٹھہراتے تھے اور مسلمانوں کو آنے نہ دیتے سو فرمایا کہ اولاد ابراہیم جو پرہیزگار ہو اُسی کا حق ہے اور بے انصافوں کا حق نہیں کہ جس سے آپ ناخوش ہوئے نہ آنے دیا (۳۴) (باقی ص ۲۸۸ پر)

يَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿٣٠﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ

دوسری طرف اللہ اُن کے توڑ کے لئے ایک اور چال چل رہا تھا اور سب داؤں کرنیوالوں سے اللہ بہترین داؤں کرنیوالا ہے اور جب اُنکے

اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ ۙ اِنْ

سامنے ہماری آیتیں تلاوت کیجاتی ہیں تو کہتے ہیں ہم نے سُن لیا اگر ہم چاہیں تو ہم بھی اُس جیسا کہہ سکتے ہیں یہ تو کچھ بھی نہیں

هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٣١﴾ وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ

محض پہلے لوگوں کی بے سر و پا کہانیاں ہیں - اور وہ وقت یاد کرو جب ان کافروں نے یوں دعا مانگی تھی کہ اے

اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا

اللہ اگر یہ قرآن حق ہے اور تیری طرف سے نازل کیا ہوا ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا

حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿٣٢﴾ وَمَا كَانَ

یا کوئی اور دردناک عذاب ہم پر بھیج - اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ

اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ

اُن میں آپ کے موجود ہوتے ہوئے پھر اُن کو ایسا عذاب کرے اور اللہ کی یہ شان بھی نہیں ہے کہ

وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿٣٣﴾ وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ

وہ استغفار کرنے والے ہوں اور پھر اُن کو عذاب کرے - اور اُن کا کونسا حق ہے کہ اللہ اُن کو کچھ بھی عذاب نہ کرے

يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ؕ اِنْ

جبکہ وہ مسلمانوں کو مسجد حرام سے روکتے ہیں حالانکہ وہ لوگ اس مسجد کی تولیت کے اہل بھی نہیں ہیں اس کی تولیت کے

اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٣٤﴾

حقدار تو سوائے متقی لوگوں کے دوسرے نہیں ہو سکتے لیکن ان کافروں میں سے اکثر اس حقیقت کو نہیں جانتے۔

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً ؕ

اور بیت اللہ کے پاس اُن کی نماز سوائے اس کے اور کچھ نہ تھی کہ وہ سیٹیاں اور تالیاں بجاتے تھے

فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿٣٥﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

سو اب عذاب کا مزہ چکھو اُس کفر کے بدلے میں جو تم کیا کرتے تھے - بلاشبہ جو لوگ دین حق کے منکر ہیں

(بقیہ صفحہ ۲۸۷) اور بیت اللہ کے پاس یعنی مسجد حرام میں اُن کی نماز سوائے اس کے اور کچھ نہ تھی کہ وہ سیٹیاں اور تالیاں بجاتے تھے لہٰذا اب اُس کفر کی پاداش میں جو تم کیا کرتے تھے عذاب کا مزہ چکھو ؛ یعنی مسلمانوں کو جو اللہ کی عبادت کرنے کی غرض سے کعبہ میں آئیں تو اُن کو آنے نہ دیا جائے اور خود مسجد حرام میں سیٹیاں اور تالیاں بجائیں اور اس توہین آمیز فعل کو نماز کہیں لہٰذا ان افعال شنیعہ کا یہ تقاضا تھا کہ اُن کو عذاب کیا جائے خواہ وہ عذاب خارق عادت نہ ہو بلکہ محض عادی ہو (۳۵) بلاشبہ جو لوگ دین حق کے منکر ہیں وہ اپنے مال لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکنے کے لئے خرچ کرتے ہیں تو یہ لوگ اس غرض کے لئے ابھی اپنا مال خرچ کرتے رہیں گے مگر آخر میں وہ اموال ان پر موجب حسرت ہوں گے اور بالآخر وہ مغلوب ہوں گے اور جن لوگوں نے کفر کی روش اختیار کر رکھی ہے اور دین حق سے انکار اُن کا شیوہ ہے اُن سب کو دوزخ کی طرف لے جانے کے لئے جمع کیا جائے گا ؛ یعنی کفر کی اشاعت کے لئے جو لوگ روپیہ خرچ کر رہے ہیں وہ ابھی کرتے رہیں گے لیکن ایک دن انکے اموال موجب حسرت و پشیمانی ہوں گے کفر مغلوب ہوگا یہ تو دنیا میں ہوگا اور آخرت میں اُن کو دوزخ میں دھکیلنے کو اکٹھا کیا جائے گا (۳۶) تاکہ اللہ تعالیٰ ناپاک لوگوں کو پاک لوگوں سے الگ کر دے پھر ناپاکوں کو ایک دوسرے پر رکھ کر اُن کا ڈھیر بنائے اور اس ڈھیر کو جہنم میں جھونک دے یہی لوگ پورے خسارے میں ہونگے اور یہی لوگ ہر قسم کا نقصان اٹھانے والے ہیں ؛ یعنی جب اہل جہنم کو جہنم کی طرف لے جائیں گے تو اہل جنت اُن سے جدا ہو جائیں گے پھر سب اہل جہنم کو ملا جلا کر جہنم کے سپرد کر دیا جائے گا اور اس طرح ناپاک اور پاک میں امتیاز ہو جائے گا حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی آہستہ آہستہ اللہ اسلام کو غالب کریگا اسی بیچ میں کافر اپنا زور جان اور مال کا خرچ کر لیویں تا نیک اور بد جُدا ہو جاوے یعنی جن کی قسمت میں اسلام لکھا ہے وہ سب مسلمان ہو چکیں اور جن کو کفر پر مرنا ہے وہی اکٹھے دوزخ میں جا دیں ۱۲ (۳۷) اے پیغمبر آپ اُن لوگوں سے جنھوں نے دین حق کے انکار کا شیوہ اختیار کر رکھا ہے کہدیجئے کہ اگر وہ اپنے طرز عمل سے باز آجائیں یعنی دین حق کی مخالفت ترک کرکے اسلام کو قبول کرلیں تو جو گناہ اُن سے قبل از اسلام صادر ہو چکے ہیں وہ تمام گناہ اُن کے معاف کر دئے جائیں گے اور اگر اُنھوں نے وہی اپنی جاحدانہ اور جارحانہ روش رکھی تو اگلے لوگوں کی راہ پڑ چکی ہے اور پہلوں کا طریقہ جاری ہو چکا ہے ؛ یعنی اگر معاندانہ سرگرمیاں بند کر دی جائیں اور اسلام قبول کرلیں تو پہلے تمام گناہ معاف اور اگر مخالفانہ سرگرمیاں جاری رہیں اور پھر اُنہی باتوں کا ارتکاب کیا گیا تو تم سے اگلے لوگوں کی جو راہ پڑ چکی ہے اور سابقہ کافروں پر جو قانون جاری ہو چکا ہے وہ تم پر بھی لاگو ہوگا یعنی دنیا میں ہلاک و مغلوب ہونا اور آخرت میں عذاب (۳۸) اور اے مسلمانو ! تم ان منکرین دین حق سے اُس وقت تک جنگ کرتے رہو۔ اور کفار عرب سے اُس حد تک جنگ جاری رکھو کہ اس فتنہ کا نام و نشان باقی نہ رہے اور دین تمام تر اللہ ہی کا ہو جائے پھر اگر یہ لوگ اپنے کفر و شرک سے باز آجائیں تو اللہ تعالیٰ ان سب کے اعمال کا دیکھنے والا ہے ؛ یعنی منکرین عرب پر چونکہ جزیہ نہیں ہے اس لئے ان سے اُس وقت تک لڑو جب تک ان کا فتنہ یعنی ان کے عقائد فاسدہ کا استیصال نہ ہو جائے اور تمام دین اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہو جائے یعنی یہ شرک چھوڑ دیں اور ان کا دین اللہ ہی کے لئے خالص ہو جائے پس اگر یہ باز آجائیں اور شرک کو چھوڑ کر اسلام قبول کرلیں تو تم ان کو چھوڑ دو اور بلاوجہ ان پر بدگمانی نہ کرو کیونکہ ان کے تمام اعمال کو اللہ تعالیٰ خوب دیکھنے والا ہے۔ باطن کے تم ذمہ دار نہیں ہو (۳۹) اور اگر وہ اسلام سے روگردانی کریں تو لڑائی بند نہ کرو اور یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ تمہارا حمایتی ہے اور وہ بہت اچھا حامی اور بہت اچھا مددگار ہے ؛ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں لڑو جب تک فساد نہ رہے یعنی کافروں کا زور نہ رہے کہ ایمان سے روک سکیں (۴۰)

يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۚ
وہ اپنے مال اس لئے خرچ کرتے ہیں کہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکیں۔

فَسَيُنفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ ۗ
سو یہ لوگ ابھی اپنے مال اور اسی طرح خرچ کرتے رہیں گے لیکن آخرکار وہ مال انکے لئے موجب حسرت ہونگے اور بالآخر وہ مغلوب ہونگے

وَالَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ يُحْشَرُونَ ﴿٣٦﴾ لِيَمِيزَ اللَّهُ
اور جو لوگ دین حق سے منکر رہیں گے وہ سب جہنم کی طرف لیجانیکے لئے جمع کئے جائیں گے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ ناپاک

الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيثَ بَعْضَهُ عَلَىٰ
کو پاک لوگوں سے جُدا کر دے پھر ناپاکوں کو ایک دوسرے پر رکھ کر ان

بَعْضٍ فَيَرْكُمَهُ جَمِيعًا فَيَجْعَلَهُ فِي جَهَنَّمَ ۚ أُولَٰئِكَ
سب کا ایک ڈھیر بنائے اور اس ڈھیر کو جہنم میں جھونک دے۔ یہی لوگ ہیں

هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿٣٧﴾ قُل لِّلَّذِينَ كَفَرُوا إِن يَنتَهُوا
پورا خسارہ اُٹھانے والے۔ اے نبی آپ ان کافروں سے کہدیجئے کہ اگر وہ اپنے طرز عمل سے

يُغْفَرْ لَهُم مَّا قَدْ سَلَفَ وَإِن يَعُودُوا فَقَدْ مَضَتْ
باز آجائیں تو جو کچھ پہلے ہو چکا وہ اُن کو معاف کر دیا جائیگا اور اگر وہ اپنی وہی روش رکھیں گے تو گزشتہ لوگوں کیساتھ

سُنَّتُ الْأَوَّلِينَ ﴿٣٨﴾ وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ
ایک خاص روش اختیار کی جا چکی ہے۔ اور کافروں سے جنگ جاری رکھو یہاں تک کہ فتنہ کا

فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ ۚ فَإِنِ انتَهَوْا فَإِنَّ
نام و نشان باقی نہ رہے اور دین تمام تر اللہ ہی کا ہو جائے پھر اگر یہ لوگ باز آجائیں تو اللہ تعالیٰ

اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٣٩﴾ وَإِن تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوا
ان سب کے اعمال کا دیکھنے والا ہے۔ اور اگر روگردانی کریں تو یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ

أَنَّ اللَّهَ مَوْلَاكُمْ ۚ نِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ ﴿٤٠﴾
تمہارا حمایتی ہے اور وہ بہت اچھا حامی اور بہت اچھا مددگار ہے۔

ع ۹ / ۱۸

وَاعْلَمُوٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ

اور جان رکھو کہ جو چیز بھی جنگ میں تم کو غنیمت کے طور پر حاصل ہو اُس میں سے کُل کا پانچواں حصہ

خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَ

اللہ کا اور اُس کے رسول کا ہے اور رسول کے قرابت داروں کا اور یتیموں کا اور مساکین کا

الْمَسٰكِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَ

اور مسافروں کا ہے اگر تم اللہ پر اور اُس چیز پر ایمان رکھتے ہو جو اللہ نے

مَآ اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا یَوْمَ الْفُرْقَانِ یَوْمَ الْتَقَی

اپنے بندے یعنی محمدؐ پر فیصلے کے دن نازل کی تھی وہ دن وہ تھا جس دن دونوں جماعتیں باہم

الْجَمْعٰنِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۴۱﴾ اِذْ اَنْتُمْ

مقابل ہوئی تھیں اور اللہ ہر شئی پر قادر ہے ۔ یہ وقت تھا کہ جس وقت تم

بِالْعُدْوَةِ الدُّنْیَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰی وَ

میدان کے ورلے کنارے پر تھے اور وہ دشمن میدان کے پرلے کنارے پر تھے اور

الرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ؕ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِی

وہ قافلہ تم سے نیچے کی جانب اتر چکا تھا اور اگر تم اور کافر باہمی جنگ کا وقت مقرر کرتے تو تم میں مقررہ میعاد

الْمِیْعٰدِ ۙ وَلٰكِنْ لِّیَقْضِیَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۙ

پر اختلاف ہو جاتا لیکن جو کچھ ہوا وہ اس لئے تاکہ اللہ تعالیٰ اس کام کو پورا کر دے جس کا ہونا مقرر ہو چکا تھا

لِّیَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَیِّنَةٍ وَّیَحْیٰی مَنْ حَیَّ عَنْۢ

تاکہ جس کو ہلاک ہونا ہے وہ روشن دلیل آنے کے بعد ہلاک ہو اور جس کو جینا ہو وہ روشن دلیل آنے کے بعد

بَیِّنَةٍ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۴۲﴾ اِذْ یُرِیْكَهُمُ اللّٰهُ

جیے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے ۔ اے پیغمبر وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب اللہ نے آپ کو

فِیْ مَنَامِكَ قَلِیْلًا ؕ وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِیْرًا لَّفَشِلْتُمْ

آپکے خواب میں ان کافروں کو تھوڑا دکھایا اور اگر آپکو وہ ان کی کثرت دکھاتا تو اے مسلمانو تم ہمتیں ہار دیتے

اور یہ بات جان لو کہ جو چیز بھی تم کو جنگ میں کافروں سے بطور غنیمت حاصل ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ اس میں سے کل پانچواں حصہ اللہ کے لئے اور اس کے رسول کے لئے ہے اور رسول کے قرابت داروں کے لئے اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے اگر تم اللہ تعالیٰ پر اس چیز پر ایمان رکھتے ہو جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے محمدؐ پر فیصلے کے دن نازل کی تھی وہ دن وہ تھا جس دن بدر میں دونوں جماعتیں ایک دوسرے کے ساتھ مقابل ہوئی تھیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے ؛ یعنی سورت کے شروع میں جو مالِ غنیمت کی تقسیم کا سوال کرتے تھے اس کا حکم جان لو جنگ لڑ کر دشمنوں سے جو مال حاصل ہو اس کے پانچ حصے کئے جائیں اُن پانچ میں سے ایک حصہ اللہ تعالیٰ کے لئے اور رسول کے لئے ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی نیاز کا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا جائے گا حضورؐ اس پانچویں حصہ کو حسب ضرورت پانچ جگہ خرچ کر سکتے ہیں۔ ایک اپنی ذات پر دوسرے اپنے قرابت داروں پر تیسرے یتیموں پر چوتھے مساکین پر اور پانچویں مسافروں پر یوم الفرقان میں جو چیز نازل فرمائی اس سے مراد فتح و نصرت ۔ ملائکہ کا ارسال ۔ بارش تثبیت اقدام وغیرہ ہیں یعنی یوم بدر جو حق و باطل کے فیصلے کا دن تھا اُس دن تائید غیبی سے جو تمہاری مدد کی گئی اس پر ایمان رکھتے ہو تو غنیمت کے احکام کی تعمیل کرو۔ دونوں جماعتیں یعنی مسلمانوں اور کفار مکہ کا مقابلہ ہوا حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی اللہ نے اپنے رسول پر فتح و نصرت اتاری جس سے تم غالب ہوئے اور اللہ قادر ہے کہ آگے اور فتحیں دیوے جو مال کافروں سے لڑ کر لیویں وہ غنیمت ہے اس میں پانچواں حصہ نیاز اللہ کی ہے واسطے خرچ رسول کو کہ رسول کو خرچ ہے اپنی ذات کا اور قرابت والوں کا اور حاجت مند مسلمانوں کا اور بعد حضرت کے بھی خرچ ہوتے ہیں سوار کو اور جو مال صلح سے لیا وہ سارا خرچ مسلمانوں کا پھر غنیمت میں چار حصے رہے سو لشکر کو تقسیم کرنا سوار کو دو حصے پیادہ کو ایک ۱۲ (۴۱) یہ وہ وقت تھا جس وقت تم میدان کے ورلے کنارے پر تھے اور وہ کافر میدان کے پرلے کنارے پر تھے اور وہ قریش کا قافلہ تم سے نیچے کی جانب اتر چکا تھا اور تم سے نشیب میں تھا اور اگر تم اور کافر باہمی جنگ کا وقت مقرر کرتے تو تم میں مقررہ میعاد پر اختلاف ہو جاتا لیکن ہوا یہ کہ بغیر میعاد کے مڈبھیڑ ہو گئی۔ تاکہ اللہ تعالیٰ اس کام کو پورا کر دے جس کام کا ہونا اس کے علم ازلی میں مقرر ہو چکا تھا اور جو کام طے شدہ تھا یہ اس لئے ہوا تاکہ جس کو گمراہی کی موت مرنا ہے وہ قیام حجت اور روشن دلیل آجانے کے بعد مرے اور جسکو ہدایت یافتہ ہو کر جینا ہے وہ بھی قیام حجت اور روشن دلیل آنے کے بعد جیئے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ خوب سننے والا جاننے والا ہے ؛ یعنی مدینہ کے مسلمان ابوسفیان کے قافلہ پر حملہ کرنا چاہتے تھے اور ابوجہل کی فوج قافلہ کی مدد کو آئی تھی قافلہ تو نشیب میں اُتر گیا اور مدینہ کے مسلمانوں کا اور مکہ کے کافروں کا مقابلہ ہو گیا اس کا سبب بیان فرمایا کہ یہ بدون وقت مقرر کے جو لڑائی ٹھن گئی تو اس میں مصلحت یہ تھی کہ اگر وقت مقرر کیا جاتا تو ممکن تھا کہ مسلمانوں میں باہم اختلاف ہو جاتا یا مسلمانوں اور کافروں میں وقت کے تقرر پر اختلاف ہو جاتا یا مسلمان اپنی بے سرو سامانی کے باعث اور کافر مسلمانوں کی حق پرستی کے رعب کے باعث ایک دوسرے سے بھڑتے ہوئے گھبراتے اس لئے خلاف توقع دونوں کے ہاتھ مل گئے تاکہ ایک دفعہ اہل باطل کی کمر ٹوٹ جائے اور امر حق ظاہر ہو جائے پھر کوئی ہلاک ہوتا ہے اور کفر کی موت مرتا ہے تو وہ حق کا نشان آجانے کے بعد مرے اور جو زندہ رہنا چاہتا ہے وہ قیام حجت اور دلیل آجانے کے بعد روحانی زندگی اختیار کرے حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی قریش اپنے قافلہ کی مدد کو آئے تھے اور تم قافلہ کے غارت کو، قافلہ بچ گیا اور دونوں فوجیں ایک میدان میں دو کناروں پر آپڑیں ایک کو دوسرے کی خبر نہیں یہ تدبیر اللہ کی تھی اگر تم قصداً جاتے تو ایسا بروقت نہ پہونچتے اور اس فتح کے بعد کافروں پر صدق پیغمبر کا کھل گیا جو مرا وہ بھی یقین جان کر مرا اور جو جیتا رہا وہ بھی حق پہچان کر جیتا اللہ کا الزام پورا ہو ۱۲ (۴۲) اے پیغمبر وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو آپکے خواب میں

وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ سَلَّمَ ۗ إِنَّهُ
اور جنگ کے بارے میں تم جھگڑنے لگتے لیکن اللہ نے تم کو ان باتوں سے محفوظ رکھا بے شک

عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿٤٣﴾ وَإِذْ يُرِيكُمُوهُمْ إِذِ
وہ سینوں کی پوشیدہ باتوں سے خوب واقف ہے۔ اور وہ وقت یاد کرو کہ جب تم بالمقابل ہوئے

الْتَقَيْتُمْ فِي أَعْيُنِكُمْ قَلِيلًا وَيُقَلِّلُكُمْ فِي
تو تمہاری آنکھوں میں دشمنوں کو تھوڑا دکھایا اور اُن کی نگاہ میں تم کو کم کر کے دکھایا

أَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا ۗ وَإِلَى
تاکہ اللہ اُس کام کو پورا کردے جس کا ہونا طے شدہ تھا اور تمام امور

اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿٤٤﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا
اللہ ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ اے ایمان والو جب تم کافروں کی کسی

لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا
جماعت سے نبرد آزما ہو تو مضبوطی سے جمے رہو اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرو

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٤٥﴾ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا
تاکہ تم کامیاب ہو۔ اور اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں

تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ ۖ وَاصْبِرُوا
جھگڑا نہ کرو ورنہ تم سست اور بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اُکھڑ جائے گی اور ایسے حالات میں صبر سے کام لیا کرو

إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿٤٦﴾ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ
بیشک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اور تم ان لوگوں کیطرح نہ ہو جانا جو اپنے گھروں سے

خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَرِئَاءَ النَّاسِ وَ
شیخی مارتے اور لوگوں کے دکھانے کو نکل آئے اور اُن کی حالت یہ ہے کہ وہ

يَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ
لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور ان کے تمام اعمال اللہ کے

ان کافروں کی تعداد کم دکھائی اور خواب میں کافر تھوڑے دکھائے اور اگر اللہ تعالیٰ آپ کو ان کی تعداد زیادہ دکھاتا اور اُن کی کثرت آپکو دکھاتا تو اے مسلمانو! تمہاری ہمتیں پست ہو جاتیں اور تم ہمتیں ہار دیتے اور جنگ کے بارے میں تم آپس میں جھگڑنے لگتے اور تم میں اختلاف ہو جاتا لیکن اللہ تعالیٰ نے تم کو اس کم ہمتی اور اختلاف سے محفوظ رکھا بلاشبہ وہ سینوں کی پوشیدہ باتوں سے بخوبی واقف ہے ؛ یعنی خواب میں پیغمبر کو کافر کم دکھلائے اگر زیادہ تعداد میں دکھاتے اور آپ مسلمانوں سے اپنا خواب ذکر کرتے تو مسلمانوں میں سے کوئی لڑنے کی جرات کرتا کوئی نہ کرتا آپس میں اختلاف ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ نے تعداد کم دکھائی اور ان باتوں سے مسلمانوں کو بچایا وہ سب کے دلوں کی کمزوریوں اور بزدلیوں سے باخبر ہے (۴۳) اور وہ وقت یاد کرو جس وقت اے صحابہ کی جماعت تم کافروں کے مقابل ہوئے اور دشمنوں سے بھڑے تم کو تمہاری آنکھوں میں دشمنوں کو تھوڑا دکھایا اور ان کی آنکھوں میں تم کو کم کر کے دکھایا تاکہ اللہ تعالیٰ کو جو کام کرنا تھا اور اس کے علم ازلی میں جو کام طے شدہ تھا وہ پورا ہو جائے اور تمام کام اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے اور جملہ اُمور کا مرجع اسی کی ذات ہے ؛ مسلمانو کا تھوڑا دکھائی دینا تو ظاہر ہے کہ مسلمان کم ہی تھے اور کافروں کا باوجود زیادہ ہونے کے کم دکھائی دینا شاید اس بنا پر ہو کہ وہ مغلوب و مقہور ہونے والے تھے سورۂ آل عمران میں تفصیل گزر چکی ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں پیغمبر کو خواب میں کافر تھوڑے نظر آئے اور مسلمانوں کو مقابلے کے وقت! تا جرأت سے لڑیں پیغمبر کا خواب غلط نہیں ان میں کافر رہنے والے کم ہی تھے اکثر وہ تھے جو پیچھے مسلمان ہوئے ۱۲ (۴۴) اے ایمان لانے والو! جب تم جہاد میں کافروں کی کسی جماعت سے نبرد آزما ہو اور تمہارا مقابلہ ہو جائے تو ثابت قدم رہو اور مضبوطی سے جمے رہو اور اللہ تعالیٰ کا بکثرت ذکر کرو تاکہ تم اپنے مقصد میں کامیاب ہو ؛ یعنی جہاد کے یہ آداب ہیں کہ جب مقابلہ ہو جائے تو ثابت قدم رہو اور خدا تعالیٰ کا خوب ذکر کرو کیونکہ خدا کی یاد سے دل مضبوط ہوتے ہیں اور جنگ میں دو ہی چیزوں سے کامیابی ہوتی ہے ایک قدم کا جماؤ دوسرے دل کی ہمت حدیث میں ہے دشمن کے مقابلہ کی تمنا نہ کیا کرو اور اگر مقابلہ ہو جائے تو صبر کرو اور ثابت قدم رہو حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی مدد اللہ کی چاہو تو اسباب ظاہری سے نہیں دل کی استقامت اور یاد اللہ کی اور حکم برداری سردار کی اور ایک مصلحت چاہتی ۱۲ (۴۵) اور جملہ امور میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑا نہ کرو ورنہ تم کم ہمت اور بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اُکھڑ جائیگی اور اگر کوئی بات طبیعت کے خلاف پیش آجائے تو ایسی حالت میں برداشت سے کام لیا کرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ صبر اور سہار کرنے والوں کے ساتھ ہے ؛ مطلب یہ ہے کہ لڑائی میں جو حالات پیش آئیں ان میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کیا کرو اور باہمی منازعت میں نہ پڑو کہ باہمی خانہ جنگی سے تمہاری ہمتیں پست ہو جائیں گی اور دشمن کی نظر میں تمہاری ہوا بگڑ جائے گی اور اگر کوئی امر ناگوار طبع پیش آجائے تو صبر سے کام لو اللہ تعالیٰ کی معیت صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتی ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں باؤ جاتی رہے گی یعنی اقبال سے ادبار آوے گا ۱۲ (۴۶) اور تم ان کافروں کی طرح نہ ہو جانا جو اپنے گھروں سے اتراتے اور شیخی مارتے ہوئے اور لوگوں کے دکھانے کو نکل آئے اور اُن کی حالت یہ ہے کہ وہ اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکتے ہیں اور ان لوگوں کے تمام اعمال اللہ تعالیٰ کے احاطۂ علم میں ہیں ؛ بدریں

ع ۵ ۷ ۱

مُحِيطٌ ﴿٤٧﴾ وَإِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ أَعْمَالَهُمْ وَقَالَ

احاطۂ علم میں ہیں۔ اور اے پیغمبر اس وقت کو یاد دلایئے کہ جب شیطان نے ان کافروں کو انکے اعمال خوشنما کر کے دکھائے تو ان سے کہا کہ

لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَإِنِّي جَارٌ لَّكُمْ ۚ

آج لوگوں میں کوئی بھی تم پر غالب نہیں آسکتا اور میں تمہارا محافظ ہوں

فَلَمَّا تَرَاءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَ

پھر جب دونوں فوجیں ایک دوسرے کے سامنے ہوئیں تو وہ شیطان اپنی ایڑیوں کے بل اُلٹا بھاگا اور

قَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِّنكُمْ إِنِّي أَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ إِنِّي

کہنے لگا میں تم سے بری الذمہ ہوں میں وہ چیز دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ رہے بے شک میں

أَخَافُ اللّٰهَ ۚ وَاللّٰهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٤٨﴾ ع إِذْ يَقُولُ

خدا سے ڈرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ بڑی سخت سزا دینے والا ہے۔ وہ وقت بھی قابل ذکر ہے کہ جب منافق

الْمُنٰفِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ غَرَّ

اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے یوں کہہ رہے تھے کہ ان

هٰٓؤُلَاءِ دِينُهُمْ ۗ وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَإِنَّ اللّٰهَ

مسلمانوں کو تو ان کے دین نے مغرور کر دیا ہے حالانکہ جو شخص اللہ پر توکل کرتا ہے تو اللہ

عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٤٩﴾ وَلَوْ تَرٰى إِذْ يَتَوَفَّى الَّذِينَ كَفَرُوا ۙ

تعالیٰ بڑا زبردست اور بڑی حکمت والا ہے۔ اور کاش آپ ان کافروں کی حالت کو اس وقت دیکھ سکتے کہ جب فرشتے

الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ ۚ وَ

ان کی اس طرح جان قبض کرتے ہیں کہ ان کے مونہوں پر اور ان کی پیٹھوں پر سخت مار مارتے ہیں اور

ذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ﴿٥٠﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ

کہتے جاتے ہیں کہ جلانے والے عذاب کا مزہ چکھو۔ یہ عذاب ان اعمال کا بدلہ ہے جن کو تمہارے

أَيْدِيكُمْ وَأَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ﴿٥١﴾

ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے ورنہ یہ یقینی امر ہے کہ خدا اپنے بندوں پر ظلم نہیں کیا کرتا۔

ع ۶ ‏ ۴ ‏ ۲

ابوجہل نہایت مغرورانہ انداز میں پہنچا اور باوجود ابوسفیان کے بحکم نکل جانے پر بھی جشن منانے کو ٹھہر گیا اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے مغرور، ریاکار اور شیخی خوروں کا طرز عمل اختیار کرنے سے مسلمانوں کو روکا ان ریاکاروں کا مقصد نیک نہیں تھا بلکہ یہ لوگ ایک طرف ریاکاری کرتے اور اتراتے تھے اور دوسری طرف مسلمانوں کو اللہ کی راہ سے روکتے تھے اور غلبہ حاصل کر کے دین حق پر چلنے والوں اور دین حق کی راہ کو تلاش کرنے والوں کی گمراہی کے درپے ہوتے اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی کہ ایسے بدکاروں کے تمام اعمال اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں اور وہ ان کی تمام جارحانہ کارروائیوں سے پوری واقفیت رکھتا ہے حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں جہاد عبادت ہے عبادت پر اترا دے یا دکھانے کو کرے تو قبول نہیں ۱۲ (۴۷) اور اے پیغمبر اس وقت کو یاد دلایئے جب کہ شیطان نے ان کافروں کو ان کے اعمال مزین اور خوش نما کر کے دکھائے اور ان کے دل میں یہ وسوسہ ڈالا اور کہا کہ آج بدر کے دن ان مخالف مسلمان لوگوں میں سے کوئی بھی تم پر غالب آنے والا اور غلبہ پانے والا نہیں ہے اور میں تمہارا حمایتی اور تم کو پناہ دینے والا ہوں پھر جب دونوں جماعتیں اور کفار و مسلمانوں کی دونوں فوجیں بالمقابل ہوئیں تو وہ شیطان اپنی ایڑیوں کے بل اُلٹا پھرا اور الٹا بھاگا اور کہنے لگا میں تم سے بری الذمہ ہوں اور میں تمہارے ساتھ نہیں کیونکہ میں اُن چیزوں کو دیکھ رہا ہوں جو تم کو نظر نہیں آتیں میں وہ چیز دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ رہے ۔ میں خدا تعالیٰ سے ڈرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ بڑی سخت سزا دینے والا ہے ؂ یعنی شیطان نے پہلے ہمت بندھائی جب فرشتوں کو دیکھا تو بھاگا کہ کہیں دنیا ہی میں فرشتوں کے ہاتھوں گزند نہ پہنچ جائے انی اخاف اللہ کہا۔ لیکن بغیر ایمان کا ڈرنا نفع نہیں حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں جب کافر جمع ہو کر نکلے لڑائی پر راہ میں ایک شخص ملا بوڑھا کہا میں بھی مسلمانوں کا دشمن ہوں تمہاری رفاقت کو آیا ہوں اور جنگ کا بڑا ماہر ہوں پھر جب لڑائی ہونے لگی ابوجہل سے ہاتھ چھڑا کر بھاگا وہ شخص نہ پہلے کسی نے دیکھا نہ پیچھے دیکھا وہ شیطان تھا جب اس نے جبرئیل اور میکائیل دیکھے فرشتوں کی طرف تب بھاگا ۱۲ (۴۸) وہ وقت قابل ذکر ہے کہ جب منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے یوں کہہ رہے تھے کہ ان مسلمانوں کو ان کے دین نے مغرور کر رکھا اور ان کو دھوکہ میں مبتلا کر دیا ہے حالانکہ جو شخص اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہے تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑا زبردست اور بڑی حکمت والا ہے ؂ یعنی اوس وخزرج کے منافق اور ضعیف الاعتقاد مسلمان یا وہ غیر مہاجر مسلمان جن کو ابوجہل زبردستی مدینہ والوں سے لڑنے کیلئے لے آیا تھا انھوں نے مسلمانوں کی اس بے سروسامانی کو دیکھ کر کہا تھا کہ یہ حالت جنگ کرنے کے قابل نہ تھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسلمان دھوکہ میں ہیں اور ان کو ان کے دین نے بھول میں ڈال دیا ہے کہ قریش کی مسلح فوج سے مقابلہ کرنے پر آمادہ ہو گئے اس کا جواب ہے کہ ان مسلمانوں کو دھوکہ اور غرور نہیں ہے بلکہ ان کا اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ہے اور جو شخص اُس پر صحیح توکل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرتا ہے حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں مسلمانوں کی دلیری دیکھ کر منافق اس طرح طعن کرنے لگے تھے سو اللہ نے فرمایا کہ یہ غرور نہیں توکل ہے ۱۲ (۴۹) اور اگر آپ ان کافروں کی حالت کو اس وقت دیکھیں جب فرشتے ان کافروں کی اس طرح جان قبض کرتے ہیں کہ ان کے مونہوں پر اور ان کی پیٹھوں پر سخت مار مارتے ہیں اور کہتے جاتے ہیں کہ آتش سوزاں کا مزہ چکھو ؂ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ عام کافر مراد ہیں ہو سکتا ہے کہ بدر میں جو کافر مر گئے ان کیساتھ یہ سلوک ہوتا ہے ۔ آتش اور عذاب محرق کا یہ مطلب ہے کہ ابھی کیا ہے آگے جلانے والے عذاب کا مزہ چکھنا شرط کی جزا محذوف ہے یعنی اگر آپ دیکھتے تو بڑا ہی ہولناک منظر دیکھتے (۵۰) اور یہ عذاب ان اعمال شرکیہ اور کفریہ کا بدلا ہے اور ان اعمال کی وجہ سے ہے جن کو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے ورنہ یہ امر واقعی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کیا کرتا ؂ یعنی جان قبض کرتے وقت جو مار پڑ رہی ہے اور جہنم کے عذاب کی جو اطلاع دی جا رہی ہے یہ اُن اعمال بد کی پاداش ہے جو تم کر چکے ہو (۵۱)

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَفَرُوْا
ان لوگوں کا حال ایسا ہے جیسے فرعون والوں کا اور ان سے پہلے لوگوں کا کہ انھوں نے آیاتِ خداوندی سے
بِاٰیٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
انکار کردیا پھر خدا نے اُن کو اُن کے گناہوں کی وجہ سے پکڑ لیا یقیناً اللہ بڑا زور آور
قَوِیٌّ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۵۲﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ یَكُ
اور سخت سزا دینے والا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اللہ جب کسی قوم کو کوئی نعمت
مُغَیِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰی قَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا
عطا کرتا ہے تو اس نعمت کو اُس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ لوگ خود اپنی حالت
بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۵۳﴾ ۙ كَدَاْبِ
کو نہ بدلدیں اور یقیناً اللہ بڑا سننے والا جاننے والا ہے۔ ان کا حال ایسا ہے جیسے
اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا
فرعون والوں کا اور ان لوگوں کا جو ان سے پہلے تھے کہ انھوں نے اپنے رب کی
بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَاۤ
آیات کو جھٹلایا تب ہم نے اُن کو اُن کے گناہوں کی پاداش میں ہلاک کردیا اور فرعون والوں کو
اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِیْنَ ﴿۵۴﴾ اِنَّ شَرَّ
غرق کردیا اور وہ سب کے سب ظالم تھے۔ بے شک سب جان داروں میں
الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ
خدا کے نزدیک بدترین وہ لوگ ہیں جنھوں نے کفر کیا اور وہ کسی طرح
لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۵﴾ ۚۖ اَلَّذِیْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ
ایمان نہیں لاتے۔ جن کی حالت یہ ہے کہ آپ اُن سے بارہا عہد لے چکے ہیں مگر وہ
یَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِیْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا یَتَّقُوْنَ ﴿۵۶﴾
ہر مرتبہ اپنا عہد توڑ ڈالتے ہیں اور وہ عہد شکنی سے ذرا نہیں ڈرتے۔

ان کی حالت کفر پر سزا ملنے میں ایسی ہے جیسے فرعون والوں کی اور ان سے پہلے لوگوں کی حالت کہ انھوں نے آیاتِ الٰہی سے انکار کیا پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے گناہوں کی وجہ سے پکڑ لیا اور ان کی گرفت فرمائی یقیناً اللہ تعالیٰ بڑی قوت کا مالک سخت سزا دینے والا ہے ÷ یعنی آلِ فرعون اور ان سے پہلے کفار کا جو حال ہوا وہی ان کا ہوا کیونکہ گناہوں میں یہ تمام مشترک تھے عذاب میں بھی مشترک ہوئے اور جو ان کا حال ہوا وہی ان کا حال کیا گیا (۵۲) اس گرفت کا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کو کوئی نعمت عطا فرماتا ہے تو اس کو اُس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ اربابِ نعمت خود اپنی حالت کو نہ بدلدیں اور یقیناً اللہ تعالیٰ خوب سننے والا جاننے والا ہے ÷ بلا جرم کسی کو سزا نہیں جب جرم واقع ہوتا ہے تو سزا دی جاتی ہے حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی اعتقاد اور نیت جب تک نہ بدلے تو اللہ کی بخشی نعمت چھینی نہیں جاتی ۱۲ (۵۳) ان لوگوں کا حال سلبِ نعمت میں ایسا ہی ہے جیسے فرعون والوں کا اور ان لوگوں کا حال جو ان سے پہلے تھے انھوں نے اپنے پروردگار کی آیات کو جھٹلایا اور آیاتِ الٰہی کی تکذیب کی تو ہم نے اُن کو اُن کے گناہوں کے سبب ہلاک کردیا اور آلِ فرعون کو غرق کردیا اور ڈبو دیا اور وہ سب کے سب ظالم تھے ÷ یعنی یہ بات بتائی تاکہ منکروں کو تنبیہ ہو اور وہ ڈریں کہ کہیں ہمارا بھی وہی حال ہو جو آلِ فرعون اور ان سے پہلے لوگوں کا ہوا (۵۴) بے شک سب جانداروں میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین خلائق وہ لوگ ہیں جنھوں نے کفر و انکار کا شیوہ اختیار کیا پھر وہ ایمان نہیں لائے ÷ یعنی ان کی بداعمالیوں کے سبب توفیق ہی نہیں ملتی جو ایمان لائیں (۵۵) یہ بدترین خلائق وہ لوگ ہیں جن کی حالت یہ ہے کہ آپ ان سے بارہا عہد لے چکے ہیں مگر وہ ہر بار اپنا عہد توڑ ڈالتے ہیں اور وہ عہد شکنی سے بالکل نہیں ڈرتے ÷ یعنی وہ کافر بھی آلِ فرعون کی طرح نقضِ عہد کے خوگر اور عادی تھے اسی طرح یہ بھی بار بار آپ سے عہد کرتے ہیں کہ اب ایسا نہیں ہوگا اور ہم آپ کے خلاف کوئی سازش نہیں کریں گے لیکن ہر بار عہد شکنی کرتے ہیں اور آپ کے خلاف سازشیں شروع کردیتے ہیں اور یہ نقضِ عہد سے ذرا پرہیز نہیں کرتے غالباً بنی قریظہ کے یہود کی عہد شکنی کا ذکر ہے (۵۶)

فَإِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِم مَّنْ خَلْفَهُمْ

پس اگر لڑائی میں ایسے عہد شکن آپ کے ہاتھ لگ جائیں تو اُن کو ایسی سزا دیجیے کہ آپ اس سزا کی وجہ سے ان کافروں کو جو اُنکے

لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ ﴿٥٧﴾ وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِن قَوْمٍ

پیچھے ہیں منتشر کردیں تاکہ وہ عبرت حاصل کریں۔ اور اگر آپ کو کسی قوم معاہد کی طرف سے نقض عہد کا

خِيَانَةً فَانبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا

اندیشہ ہو تو اُن کے عہد کو اُن پر واپس کر دیجیے تاکہ عہد سے سبکدوش ہونے میں آپ اور وہ دونوں برابر ہو جائیں بیشک

يُحِبُّ الْخَائِنِينَ ﴿٥٨﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا

اللہ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اور کافر یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ وہ

سَبَقُوا ۚ إِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُونَ ﴿٥٩﴾ وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا

بچ نکلے بیشک وہ خدا کو عاجز نہیں کر سکتے۔ اور اے مسلمانو تم سے جسقدر ہوسکے کافروں

اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ

کے مقابلہ کیلئے ہر قسم کے سامان جنگ سے اور پلے ہوئے گھوڑوں کے باندھے رکھنے سے تیاری کرتے رہو

بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِن دُونِهِمْ

تاکہ اس آمادگی اور تیاری کے باعث تم اللہ کے دشمنوں پر اور اپنے دشمنوں پر دھاک بٹھائے رکھو اور ان کے علاوہ اور

لَا تَعْلَمُونَهُمُ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ ۚ وَمَا تُنفِقُوا مِن

دوسرے کافروں پر بھی جن کو تم نہیں جانتے پر اللہ اُن کو جانتا ہے اور اللہ کی راہ میں جو کچھ خرچ کرو گے

شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنتُمْ لَا

اس کا ثواب تم کو پورا پورا دیا جائے گا اور تمہاری کوئی

تُظْلَمُونَ ﴿٦٠﴾ وَإِن جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا

حق تلفی نہ کی جائیگی۔ اور اگر کافر صلح کی طرف جھکیں تو آپ بھی صلح کی طرف مائل ہو جائیے

وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٦١﴾

اور خدا پر بھروسہ رکھیے بلاشبہ وہی سننے والا جاننے والا ہے۔

ع ۷ / ۱۰ / ۳

منزل ۲

لہٰذا اگر آپ لڑائی میں ایسے عہد شکن کافروں پر قابو پالیں تو آپ ان کو ایسی سزا دیجیے کہ آپ اس سزا کے باعث ان لوگوں کو منتشر کردیں اور بھگا دیں جو ان کے پیچھے ہیں تاکہ وہ لوگ سمجھ جائیں اور عبرت پکڑیں ✤ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ بار بار نقض عہد کرتے ہیں ان پر اگر آپ لڑائی میں قابو پالیں اور ان سے مقابلہ ہو جائے اور ایسے لوگ آپ کے ہاتھ لگ جائیں تو ان کو ایسی سزا دیجیے کہ اس سزا کی وجہ سے آپ ان کافروں کے پاؤں بھی اکھیڑ دیں جو ان کے علاوہ ہیں اور ان کی پشت پناہی کر رہے ہیں وہ بھی منتشر ہو جائیں ان میں سے بھی کسی کی ہمت نہ پڑے کہ وہ آپ کے مقابلہ میں آسکے اور ان کو ایسا سبق دیجیے جس سے آئندہ نسلیں بھی عبرت پکڑیں من خلفھم کا ترجمہ تین طریقہ سے کیا گیا ہے۔ آئندہ نسلیں، پیچھے رہنے والے۔ علاوہ۔ (۵۷) یہ تو ذکر تھا اُن کا جو نقض عہد کرنے کے خوگر ہیں اور اگر آپ کو کسی قوم معاہد کی جانب سے نقض عہد کا اندیشہ ہو تو آپ ان کے عہد کو ان پر واپس کر دیجیے درانحالیکہ آپ اور وہ عہد سے سبکدوش ہونے میں برابر ہوجائیں بلاشبہ اللہ تعالیٰ عہد میں خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا ✤ یعنی عہد توڑنے والے تو سزا کے مستحق ہی ہیں لیکن جس معاہد قوم کی طرف سے تم کو خیانت اور نقض عہد کا اندیشہ ہو تو ان پر حملہ کرنے سے پیشتر ان کو اطلاع دیدو تاکہ ان کو معلوم ہو جائے کہ مسلمانوں نے معاہدہ ختم کر دیا تم اور وہ دونوں اس اطلاع میں برابر ہو جائیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں اگر ایک قوم نے کافروں سے صلح کی ہو پھر ان کی طرف سے دغا ہو چکے اب ان کو بے خبر ماریئے اور جو دغا نہیں ہوئی لیکن اندیشہ ہے تو خبردار کر کر جواب دیجیے برابر برابر یعنی جو سرانجام کا صلح سے پہلے کر سکتے تھے اب بھی کر سکتے ہو لڑائی کا اس میں کچھ بد قولی نہیں ۱۲ خلاصہ یہ کہ عہد میں خیانت کرنا حرام ہے اگر تم عہد توڑنے کو مناسب سمجھو تو جس قوم سے معاہدہ ہے اس کو پہلے اطلاع دیدو تاکہ دشمن کو بھی دفاع کا موقع ملے اور اپنا سرانجام کر سکے (۵۸)۔ اور جن لوگوں نے کافرانہ روش اختیار کر رکھی ہے وہ یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ وہ بچ گئے بلاشبہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے ✤ ممکن ہے کہ غدر و خیانت سے بچ نکلنے کی سوچ کر یہ سمجھے ہوں کہ اب ہم مسلمانوں کے قبضہ میں نہ آسکیں گے جب بے اطلاع دئے کر حملہ کریں گے تو ہم نکل جائیں گے شاید اس کا جواب دیا کہ خدا کو عاجز نہیں کر سکتے نہ اس کو ہرا سکتے ہو (۵۹) اور اے مسلمانو تم سے جس قدر ہو سکے اور تم میں جس قدر استطاعت ہو کافروں کے مقابلے کیلئے ہر قسم کی جنگی قوت سے اور پلے ہوئے گھوڑوں کے باندھنے سے تیاری کرتے رہو تاکہ اس تیاری اور آمادگی کی وجہ سے تم اللہ کے دشمنوں پر اور اپنے دشمنوں پر دھاک اور ہیبت بٹھائے رکھو اور ان موجودہ کافروں کے علاوہ جن کا تم سے رات دن سابقہ پڑتا رہتا ہے اور دوسرے کافروں پر بھی ہیبت اور دھاک بیٹھے جن کو تم نہیں جانتے پر اللہ تعالیٰ ان کو جانتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جو کچھ تم خرچ کرو گے اس کا ثواب تم کو پورا پورا دیا جائے گا اور تمہاری کوئی حق تلفی نہیں کی جائیگی اور تم کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا جائیگا ✤ مطلب یہ ہے کہ جہاد کیلئے تیاری اور مستعدی کرتے رہو اور سامان جنگ فراہم کرو جس میں ہر قسم کے ہتھیار آگئے حدیث میں قوت کی تفسیر تیر اندازی سے کی گئی ہے بہر حال وقتی ضرورت اور زمانے کے لحاظ سے جو کچھ بھی ہو گھوڑے باندھنا بھی سامان جہاد میں داخل ہے خواہ جنگ نہ بھی ہو تب بھی سامان کی کثرت اور اس کی فراہمی سے اللہ کے اور مسلمانوں کے دشمنوں پر ہیبت قائم ہوتی ہے موجودہ دشمن تو وہی کفار عرب ہیں اور جن کا تم کو علم نہیں وہ یا تو منافق ہونگے یا کفار کی دوسری حکومتیں ہونگی جن سے صحابہ کے زمانے میں لڑائیاں ہوئیں۔ آخر میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا ذکر فرمایا جس میں جہاد کا تمام خرچ اور سامان کی فراہمی کا خرچ مجاہدوں کے نان و نفقہ کا خرچ سب آگیا حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں حکم فرمایا کہ جہاد کا سرانجام کرو جو ہو سکے زور فرمایا تیراندازی کو اور ہتھیار کو کسب اسی میں داخل ہے اور گھوڑے پالنے میں جو خرچ ہو اسکی خوراک میں بلکہ اسکا سب فضلہ ترازو میں چڑھے گا قیامت کو فرمایا کہ یہ واسطے رعب کے ہے تا ما نہ جائیں کہ فتح ہوگی اسباب سے فتح ہے اللہ کی مدد سے اور وہ لوگ جن کو تم نہیں جانتے وہ منافق ہیں کہ ظاہر مسلمان کے پردے میں ہیں ۱۲ (۶۰) اور اگر کافر منکرین دین حق صلح کی طرف جھکیں تو آپ بھی صلح کے لئے مائل ہو جائیے اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھیے بلاشبہ وہی سننے والا جاننے والا ہے ✤ یعنی اگر کفار صلح کی خواہش کریں تو حسب صواب دید اگر آپ مصلحت سمجھیں تو آپ بھی صلح کے لئے جھک جائیے اور خدا پر بھروسہ رکھیے کیونکہ بسا اوقات صلح کے نام پر دشمن دھوکہ دینا چاہتا ہے اس لئے آپ کا توکل خدا پر ہونا چاہیے اُن کے خفیہ مشوروں کو سننے والا اور ان کی نیتوں کو جاننے والا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ یعنی اگر

(باقی صفحہ ۲۹۴ پر)

وَإِن يُرِيدُوٓا۟ أَن يَخْدَعُوكَ فَإِنَّ حَسْبَكَ
اور اگر وہ آپ کو دھوکہ دینے کا قصد کریں گے تو یقین رکھئے اللہ آپ کو

ٱللَّهُ ۚ هُوَ ٱلَّذِىٓ أَيَّدَكَ بِنَصْرِهِۦ وَبِٱلْمُؤْمِنِينَ ﴿٦٢﴾
کافی ہے وہ خدا وہ ہے جس نے آپ کو اپنی امداد سے اور مسلمانوں کی جماعت سے قوت عطا فرمائی

وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ ۚ لَوْ أَنفَقْتَ مَا فِى ٱلْأَرْضِ
اور مسلمانوں کے قلوب میں باہمی الفت پیدا کر دی اگر آپ روئے زمین کی ہر ایک چیز بھی خرچ کر دیتے

جَمِيعًا مَّآ أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَٰكِنَّ ٱللَّهَ أَلَّفَ
تو بھی ان کے دلوں میں باہمی الفت نہیں پیدا کر سکتے تھے لیکن اللہ نے اُن میں محبت والفت

بَيْنَهُمْ ۚ إِنَّهُۥ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٦٣﴾ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِىُّ
پیدا کر دی بیشک وہ کمال قوت اور کمال حکمت کا مالک ہے۔ اے نبی آپ کو

حَسْبُكَ ٱللَّهُ وَمَنِ ٱتَّبَعَكَ مِنَ ٱلْمُؤْمِنِينَ ﴿٦٤﴾ ع
اور اُن مسلمانوں کو جو آپ کے متبع ہیں اللہ ہی کافی ہے۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِىُّ حَرِّضِ ٱلْمُؤْمِنِينَ عَلَى ٱلْقِتَالِ ۚ
اے پیغمبر مسلمانوں کو جہاد پر آمادہ کیجئے اگر تم

إِن يَكُن مِّنكُمْ عِشْرُونَ صَٰبِرُونَ يَغْلِبُوا۟
مسلمانوں میں سے بیس آدمی بھی ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو وہ دوسو پر

مِا۟ئَتَيْنِ ۚ وَإِن يَكُن مِّنكُم مِّا۟ئَةٌ يَغْلِبُوٓا۟
غالب آجائیں گے اور اگر تم مسلمانوں میں سے ایک سو ہوں گے تو وہ ایک ہزار کافروں پر غالب

أَلْفًا مِّنَ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا
آجائیں گے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ کافر ایسے لوگ ہیں جو

يَفْقَهُونَ ﴿٦٥﴾ ٱلْـَٰٔنَ خَفَّفَ ٱللَّهُ عَنكُمْ وَ
سمجھ نہیں رکھتے۔ اب اللہ نے تم سے بوجھ ہلکا کر دیا اور

(بقیہ صفحہ ۲۹۳) دل میں دغا رکھیں گے اللہ کو معلوم ہے اُس کی سزا دے گا ۱۲ (۶۱) **تفسیر صفحہ ہذا** ۔ اور اگر وہ آپ کو دھوکہ دینے کا ارادہ کریں گے تو یقین رکھئے اللہ تعالیٰ آپ کو کافی ہے وہ اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے اپنی امداد غیبی سے اور مسلمانوں کی جماعت سے آپ کی مدد فرمائی ؛ یعنی ملائکہ سے اور سرفروش مسلمانوں کی جماعت بڑھا کر ظاہری طور پر ان سے آپ کی مدد کی اور قوت عطا فرمائی (۶۲) اور اس نے مسلمانوں کے قلوب میں باہمی اُلفت ومحبت پیدا کر دی اگر آپ روئے زمین کی تمام دولت بھی خرچ کر دیتے تو بھی ان کے دلوں میں اتفاق اور باہمی الفت نہیں پیدا کر سکتے تھے لیکن اللہ نے ان میں محبت والفت پیدا کر دی اور سب میں اتفاق پیدا کر دیا بے شک وہ کمال قوت اور کمال حکمت کا مالک ہے ؛ ظاہر ہے کہ ملک عرب میں اسلام سے پہلے سخت نا اتفاقی پھیلی ہوئی تھی اور پورا ملک دشمنی اور باہمی عداوت کا گہوارہ بنا ہوا تھا اگر کوئی یہ چاہتا کہ روئے زمین کی دولت خرچ کر کے اس عداوت و دشمنی کی آگ بجھا دے تو ناممکن تھا لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی برکت سے اور اسلامی تعلیم کی بدولت سب بھائی بھائی ہو گئے اور سب کے دلوں میں اخوت ومحبت اور الفت ویگانگت کی لہر دوڑ گئی حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں عرب کی قوم میں آگے ہمیشہ بیر رکھتے تھے اور ایک دوسرے کے خون کا پیاسا پھر حضرتؐ کے سبب سب متفق اور دوست ہو گئے ۱۲ خلاصہ یہ کہ جس نے تمام قلوب کو یکجا کر دیا وہی آپ کے لئے کافی اور بس ہے کفار کے دھوکہ سے اندیشہ نہ کیجئے اور صلح کے موقع پر آپ بھی صلح کا ہاتھ اگر قرین مصلحت ہو تو بڑھا دیا کیجئے (۶۳) اے نبی آپ کو اور مسلمانوں کو جو آپ کے تابع ہیں۔ اللہ تعالیٰ کافی اور بس ہے ؛ یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس آپ کے لئے بھی کافی اور جو مسلمان آپ کے پیرو ہیں ان کی مدد کو بھی اللہ کافی ہے بعض نے یوں ترجمہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی حمایت کیلئے کافی ہے اور ظاہری اسباب کے طور پر وہ مسلمان جو آپکے پیرو ہیں وہ آپ کی مدد کو کافی ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں حضرتؐ نے مدینہ میں آکر مسلمان شمار کروائے مرد قابل جنگ چھ سو نکلے سب خوش ہوئے کہ اب ہم کو کس کافر کا ڈر ہے ۱۲ یعنی مردم شماری میں چھ سو جوان لڑائی کے قابل نکلے اُس زمانے کے لحاظ سے یہ تعداد قابل اطمینان سمجھی گئی (۶۴) اے نبی آپ مسلمانوں کو جہاد کا شوق دلایئے اور مسلمانوں کو جہاد کیلئے اُبھاریئے اگر تم مسلمانوں میں سے بیس آدمی بھی صابر اور ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو وہ دشمنوں کے دو سو افراد پر غالب آجائیں گے اور اگر تم میں سے سو آدمی ہوں گے تو وہ دشمنوں کے ہزار افراد پر غالب ہوں گے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ منکر لوگ ایسے ہیں جو دین کی کچھ سمجھ نہیں رکھتے ؛ مطلب یہ ہے کہ ابتدا میں مسلمانوں کو یہ حکم تھا کہ دس گنی تعداد کے مقابلہ میں پسپا نہ ہوں اگر بیس مسلمان ثابت قدم ہوں گے تو دو سو پر اور اگر سو ہوں گے تو ایک ہزار کافروں پر غالب آجائیں گے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ ناسمجھ ہونے کی وجہ سے کفر پر اڑے ہوئے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ کی تائید غیبی سے محروم ہیں حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی یقین نہیں رکھتے اللہ پر اور ثواب پر اور جس کو یقین ہے وہ موت پر دلیر ہے ۱۲ (۶۵) اب اللہ تعالیٰ نے تم پر تخفیف کر دی اور تم سے مشقت کا بوجھ ہلکا کر دیا اور اس نے معلوم

عَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ؕ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ

اس نے جان لیا کہ تم میں کمزوری ہے سو تم مسلمانوں میں سے اگر سو آدمی ثابت قدم

صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ

رہنے والے ہوں گے تو دو سو کافروں پر غالب ہوں گے اور اگر تم میں سے ایک ہزار آدمی ہونگے

يَّغْلِبُوْا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿٦٦﴾

تو خدا کے حکم سے کافروں کے دو ہزار پر غالب ہوں گے اور اللہ ثابت قدم رہنے والوں کے ساتھ ہے

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى

نبی کی شان کے یہ بات شایاں نہیں کہ اُس کے قبضے میں قیدی باقی رہیں جب تک کہ

يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ ؕ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ

وہ ملک میں خوب خوں ریزی نہ کرلے۔ تم لوگ دُنیوی مال و متاع کے خواہاں ہو

وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٦٧﴾ لَوْلَا

اور اللہ تعالیٰ تمہارے آخرت کے ثواب کا خواہاں ہے اور اللہ کمال قوت اور کمال حکمت کا مالک ہے۔ اگر وہ

كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَاۤ اَخَذْتُمْ

بات مانع نہ ہوتی جو اللہ کی طرف سے پہلے ہی لکھی جاچکی تھی تو تم پر اس فدیہ کے بارے میں جو تم نے بدر کے قیدیوں سے

عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿٦٨﴾ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ

لیا ہے کوئی بڑا عذاب نازل ہوجاتا۔ اب جو کچھ تم نے بطور فدیہ حاصل کیا ہے اُس کو حلال اور پاکیزہ سمجھ کر کھاؤ

وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٦٩﴾ ع يٰۤاَيُّهَا

اور اللہ سے ڈرتے رہو یقیناً اللہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔ اے نبی

النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِىْۤ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى ۙ

جو بدر کے قیدی آپ کے قبضے میں ہیں اُن سے فرما دیجئے اگر

اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِىْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا

اللہ تمہارے قلوب میں بھلائی دیکھے گا تو جو کچھ تم سے فدیہ میں لیا گیا ہے اُس سے بہتر

کرلیا اور جان لیا کہ تم میں ضعف اور کمزوری ہے لہٰذا اب حکم کیا جاتا ہے اگر تم مسلمانوں میں سے سو آدمی صابر اور ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو کافروں کے دو سو افراد پر غالب آجائیں گے اور اگر تم مسلمانوں میں ایک ہزار آدمی ہوں گے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے دو ہزار کافروں پر غالب آجائیں گے اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ صبر کرنیوالوں اور سہار کرنیوالوں کیسا تھ ہے ؞ ابتدائی حکم دس گنے کا تھا لیکن جب مسلمانوں کی تعداد بڑھی تو اعتماد اور بھروسہ میں کمزوری آگئی پہلا حکم مسلمانوں پر شاق تھا اس لئے تخفیف فرمائی گئی اور پہلا حکم ختم کردیا گیا اب یہی حکم ہے حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں اوّل کے مسلمان یقین میں کامل تھے اُن پر حکم ہوا تھا کہ آپ سے دس برابر کافروں پر جہاد کریں پچھلے مسلمان ایک قدم کم تھے تب یہی حکم ہوا کہ دو برابر پر جہاد کریں یہی حکم اب بھی باقی ہے لیکن اگر دوگنوں سے زیادہ پر حملہ کریں تو بڑا اجر ہے حضرتؐ کے وقت میں ہزار مسلمان اسّی ہزار سے لڑے ہیں ١٢ (٦٦) نبی کی شان کے یہ بات شایاں نہیں کہ اس کے قبضے میں قیدی باقی رہیں اور زندہ رکھے جائیں جب تک کہ وہ ملک میں منکرین دین حق کی خوب خوں ریزی نہ کرلے اور کفار کا زور نہ توڑ دے تم لوگ دنیوی مال و متاع اور دنیوی اسباب کے خواہاں ہو اور اللہ تعالیٰ آخرت کی مصلحت اور آخرت کے ثواب کا خواہاں ہے اور اللہ تعالیٰ بڑا زبردست بڑی حکمت والا ہے ؞ بدر کی جنگ میں ستّر کافر مارے گئے اور ستّر قیدی بنے جو کافر قید ہوکر آئے تھے ان کے متعلق مشورہ ہوا بعض کی رائے یہ ہوئی کہ ان سے فدیہ لیکر رہا کردیا جائے اور بعض کی رائے یہ ہوئی کہ ان سب کو قتل کردیا جائے تاکہ مسلمانوں کے خلاف دوبارہ سازش نہ کریں پہلی رائے حضرت صدیق اکبرؓ کی تھی دوسری رائے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی تھی پہلی رائے میں چونکہ نرمی، رحم دلی اور لچک تھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اتفاق کرلیا اس پر حضرت حق کی جانب سے ناپسندیدگی کا اظہار کیا گیا حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں بدر کی لڑائی میں ستّر کافر پکڑے آئے حضرتؐ نے مشورہ پوچھا کہ ان کو کیا کریں اکثر مسلمانوں کی مرضی ہوئی کہ مال لیکر چھوڑ دیں اور بعضوں کی مرضی ہوئی کہ سب کو قتل کریں حضرت عمرؓ اور سعد بن معاذؓ کی بھی مشورت تھی آخر مال لیکر چھوڑ دیا گیا یہ آیت اُتری عتاب کی یعنی نبیوں کو جہاد سے مال سمیٹنا منظور نہیں بلکہ کافروں کی ضد توڑنی وہ بات اسی میں ہے کہ قتل کرے تا اس کے خوف سے کفر کی ضد چھوڑیں ١٢ (٦٧) اگر وہ بات مانع نہ ہوتی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے ہی لکھی جاچکی تھی تو تم پر اس فدیہ کے بارے میں جو تم نے بدر کے قیدیوں سے لیا ہے کوئی سخت سزا واقع ہوتی ؞ یعنی یہ بات پہلے ہی لوح محفوظ میں ثابت ہوچکی تھی اور قضاء و قدر میں لکھا جاچکا تھا کہ تم سے اجتہادی غلطی ہوگی اور اجتہادی غلطی قابل معافی ہے اگر یہ بات مقدر نہ ہوتی اور یہ امر مانع نہ ہوتا تو تم پر عذاب نازل ہوجاتا حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں وہ بات یہ لکھ چکا کہ ان قیدی لوگوں میں بہتوں کی قسمت تھی مسلمان ہونا ١٢ بہرحال قتل تھا رفع فساد کی غرض سے وہ محتمل فساد وقوع پذیر نہ ہوا اس لئے سزا سے بچ گئے (٦٨) اب جو کچھ تم نے بطور فدیہ حاصل کیا ہے اس کو حلال اور پاکیزہ سمجھ کر کھاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے ؞ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی ڈرتے رہوگے اور جو کچھ خطا بھی ہوجائے گی تو بخشے گا قیدیوں کا حکم سن کر مسلمان ڈرے غنیمت سے بھی یہ ان کو تسلی فرمائی کہ وہ اللہ کی عطا ہے خوشی سے کھاؤ لیکن غنیمت کے واسطے جہاد نہ کرو ١٢ خلاصہ یہ کہ جہاد کا مقصد اعلاء کلمۃ اللہ اور کفار کے فتنہ کا سدّباب ہے اس کے علاوہ کوئی دنیاوی مقصد نہیں ہونا چاہئے (٦٩) اے نبی جو بدر کے قیدی آپ کے قبضہ میں ہیں اُن سے فرما دیجئے اگر اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں بھلائی دیکھے گا تو جو کچھ تم سے فدیہ میں لیا گیا ہے اس سے بہتر تم کو دیدے گا اور تم کو بخشدے گا اور آخرت میں تمہاری مغفرت فرمادے گا اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت کرنیوالا

نہایت مہربانی کرنیوالا ہے ۞ کفار قریش بعض غیر مہاجر مسلمانوں کو بھی زبردستی اپنے ہمراہ لے آئے تھے ان میں سے کسی نے کہا ہوگا کہ ہم مسلمان ہیں یا حضرت عباسؓ کے قصے میں یہ آیت نازل ہوئی ہو جیسا کہ بعض کا قول ہے کہ جب ان سے ان کا فدیہ اور ان کے بھتیجوں کا زرِ فدیہ طلب کیا گیا تو انھوں نے کہا اے محمدؐ کیا تم مجھ کو ہمیشہ قریش کا دست نگر رکھنا چاہتے ہو اس پر ارشاد ہوا کہ ان قیدیوں سے کہدیجئے کہ اگر تمہارا آئندہ طرزِ عمل صاف رہا اور تم سچے دل سے مسلمان رہے تو جو آج زرِ فدیہ ادا کر رہے ہو اس سے زیادہ اور بہتر اللہ تعالیٰ تم کو دنیا ہی میں دیدے گا اور آخرت میں تم کو بخش دے گا (۷۰) اور اگر آپ سے نقضِ عہد اور خیانت کا ارادہ کریں گے اور اسلام کی مخالفت، اور مقابلہ کریں گے تو یہ پہلے اللہ تعالیٰ سے بھی خیانت کر چکے ہیں اور اللہ سے دغا کر چکے ہیں پھر اس نے ان کو آپ کے قبضہ میں دیدیا اور آپ کے ہاتھوں ان کو گرفتار کروایا اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا بڑی حکمت والا ہے ۞ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں پہلے دغا کر چکے ہیں اللہ سے یہی کفر و انکار اس کے حکم کا یا فرمایا ہو بعض ہاشمیوں کو کہ ابو طالب کی زندگی میں سب عہد کر کر متفق ہوئے تھے حضرت کی امداد پر اور اب کافروں کے ساتھ ہو کر آئے اور یہ وعدہ تحقیق ہوا انمیں جو مسلمان ہوئے حق تعالیٰ نے بے شمار دولت بخشی اور جو نہ ہوئے وہ خراب ہو کر تباہ ہوگئے ۱۲ خلاصہ یہ کہ جو قول کہ صحیح نکلے جیسے حضرت عباسؓ کہ ان کو مالا مال کر دیا اور اتنا دیا کہ ان سے اُٹھ نہ سکا اور جو کفر پر قائم رہے وہ تباہ و برباد ہوئے۔ ہو سکتا ہے کہ خیانت سے مراد عہد الست کی خیانت ہو کہ یوم میثاق میں اس کی ربوبیت کا اقرار کیا تھا دنیا میں آکر اس اقرار کو توڑ دیا (۷۱) بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت بھی کی اور اپنے مال اور اپنی جان کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد بھی کیا۔ اور جن لوگوں نے مہاجرین کیلئے رہنے اور بسنے کو جگہ دی اور ان کی ہر طرح مدد کی یہ لوگ یعنی مہاجرین و انصار سب آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہیں اور رہے وہ لوگ جو ایمان تو لائے لیکن ابھی تک انھوں نے ہجرت نہیں کی تو جب تک وہ مسلمان ہجرت نہ کریں ان کی وراثت میں تمہارا کوئی حصہ نہیں ہاں اگر وہ تم سے دین کے بارے میں کبھی مدد طلب کریں تو تم پر ان غیر مہاجر مسلمانوں کی مدد کرنا واجب ہے مگر اس قوم کے مقابلے میں نہیں جو ایسی ہو کہ اس کے اور تمہارے درمیان کوئی عہد و پیماں ہو اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کو دیکھتا ہے ۞ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کے مابین مواخات قائم کی تھی اور دوستی و محبت کی بنیاد رکھی تھی اس میں حقِ وراثت بھی قائم کر دیا تھا اور جو لوگ ہجرت نہیں کر سکے تھے اور دار الحرب میں مقیم تھے ان کے تعلقات کو بھی نمایاں کر دیا گیا کہ ان سے صرف اتنا تعلق ہے کہ اگر وہ دین کے بارے میں تم سے مدد طلب کریں تو ان کی مدد کرو بشرطیکہ جن کے خلاف وہ مدد طلب کریں وہ قوم تمہاری معاہد نہ ہو اگر وہ قوم معاہد ہو تو معاہدہ کے خلاف ان غیر مہاجر مسلمانوں کی مدد بھی نہ کرو بعض مفسرین نے اس آیت میں وراثت کی بحث نہیں کی بلکہ صرف تعلقاتِ باہمی پر آیت کو محمول کیا ہے چنانچہ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں حضرتؐ کے اصحاب دو فرقے تھے مہاجر اور انصار مہاجر گھر چھوڑنے والے اور انصار مدد کرنے والے یعنی جتنے مسلمان حضرت کے ساتھ حاضر ہیں ان سب کی صلح و جنگ ایک ہے ایک کا موافق سب کا موافق ایک کا مخالف سب کا مخالف اور جو مسلمان اپنے ملک میں ہیں جہاں کافروں کا ندر ہے ان کی صلح اور جنگ میں یہاں والے شریک نہیں اگر ان کا صلحی ان سے لڑے تو یہ مدد نہ کریں اگر ان کے صلحی پر قابو پالیں تو در گزر نہ کریں اور اگر اجنبی ان پر ظلم کرے اور مدد چاہیں تو مدد کرے ۱۲ خلاصہ یہ کہ بعض حضرات نے توریث مراد لی اور بعض حضرات نے موالات و عدم موالات ہم نے توریث کی بنا پر ترجمہ کیا ہے۔ (۷۲) اور جو لوگ کافر ہیں وہ آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہیں اگر اس حکم کی تعمیل نہ کرو گے تو ملک میں بڑا فتنہ اور فساد برپا ہو جائیگا حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی کافر سب آپس میں ایک ہیں تمہاری دشمنی سے جہاں پاویں گے ضعیف مسلمان مطلب یہ ہے کہ کفر و اسلام کا جھگڑا تو چل ہی رہا ہے پھر وراثت کے جھگڑے بھی شروع ہو جائیں گے ۱۲ خلاصہ یہ کہ جو دار الحرب میں رہتا ہے وہ اپنی حفاظت کا خود ذمہ دار ہے اور جو دار الاسلام اس کو ستاویں گے سو تم مسلمانوں کو سنا دو کہ جو ہمارے پاس ہو اس کا ذمہ ہمارا ہے اور جو اپنے گھر رہے وہ جس طرح جانے سمجھ لے ۱۲ میں آجاتا ہے اس کے ہم ذمہ دار ہیں (۷۳)

مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٧٠﴾

تم کو دیدے گا اور تم کو بخش دے گا اور اللہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔

وَاِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ

اور اگر اے پیغمبر یہ آپ سے عہد شکنی کا ارادہ کریں گے تو یہ پہلے اللہ سے بھی خیانت کر چکے ہیں

فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٧١﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

پھر اس کو خدا نے ان پر قابو یافتہ کر دیا اور اللہ سب جاننے والا حکمت والا ہے، بیشک جو لوگ ایمان لائے

وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ

اور انھوں نے ہجرت بھی کی اور اپنے مال اور جان سے اللہ کی راہ میں جہاد

اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ

بھی کیا اور جن لوگوں نے مہاجرین کو جگہ دی اور اُن کی مدد کی یہ سب لوگ آپس میں ایک دوسرے کے

بَعْضٍ ۗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ

وارث ہیں اور رہے وہ لوگ جو ایمان تو لائے لیکن ابھی تک اُنھوں نے ہجرت نہیں کی تو جبتک وہ ہجرت نہ کریں

وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ۚ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ

اُن کی وراثت میں تمہارا کوئی حصہ نہیں ہاں اگر وہ تم سے دین کے بارے میں کبھی مدد

فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ

طلب کریں تو تم پر ان کی مدد کرنا لازم ہے مگر اس قوم کے مقابلے میں نہیں جو ایسی ہو کہ اسکے اور تمہارے درمیان

وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿٧٢﴾

کوئی عہد و پیمان ہو اور اللہ کی نگاہ میں ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۗ اِلَّا

اور جو لوگ کافر ہیں وہ آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہیں، اگر

تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ﴿٧٣﴾

اس حکم کی تعمیل نہ کرو گے تو ملک میں بڑا فتنہ اور بڑا فساد برپا ہوگا۔

اور جو لوگ ابتداءً مسلمان ہوئے اور ہجرت کے زمانے میں ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں انھوں نے جہاد بھی کیا اور وہ لوگ جنھوں نے مہاجرین کے رہنے اور بسنے کو جگہ دی اور انھوں نے مہاجرین کی مدد کی یہی سب لوگ حقیقی ایمان والے ہیں ان کے لئے بڑی مغفرت اور باعزّت روزی ہے ؁ کچھ وہ لوگ تھے جنھوں نے اوّل اسلام قبول کیا اور ابتداء ہی میں ایمان لائے اور جب ہجرت کا دور شروع ہوا تو انھوں نے ہجرتِ نبویؐ کے زمانے میں ترکِ وطن بھی کیا ان مہاجرین اولین اور ان کی مدد کرنے والے انصار کو بشارت دی گئی ہے اور جو لوگ بعد میں ہجرت کر کے مدینہ آئے ان کا ذکر آگے آتا ہے حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی سردار کیساتھ رہنے والے مسلمان اعلیٰ ہیں گھر بیٹھنے والوں سے آخرت میں ان کو بخشش زیادہ اور دنیا میں روزی باعزّت یعنی غنیمت اور نفے حق ان کا ہے ۱۲ خلاصہ یہ کہ ان کے حقوق بعد کے مہاجرین سے فائق ہوں گے (۷۴) اور جو لوگ ہجرت اولیٰ کے بعد ایمان لائے اور ہجرت کی اور انھوں نے تمہارے ساتھ مل کر جہاد بھی کیا تو یہ لوگ بھی تم ہی میں سے ہیں اور کتاب اللہ کے حکم کی رو سے رشتہ دار آپس میں ایک دوسرے کی وراثت کے زیادہ حق دار ہیں بلا شبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ؁ یعنی جو لوگ ہجرتِ نبویہ اور ہجرتِ اولیٰ کے بعد مسلمان ہوئے اور انھوں نے ہجرت کی اور تمہارے ساتھ مل کر جہاد بھی کیا تو یہ لوگ اگرچہ مہاجرینِ اوّلین کے مرتبہ سے کم مرتبہ ہوں اور درجات میں تفاوت ہو لیکن وہ بھی تم ہی سے ہیں ان کی تاخیر سے تعلقات میں کوئی فرق واقع نہیں ہوگا وراثت و رفاقت میں کوئی فرق نہیں پڑیگا ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ اگر کسی مہاجر کے رشتہ دار بھی ہجرت کر کے آگئے ہوں خواہ اوّل مہاجر ہوں یا ہجرت اولیٰ کے بعد کا مہاجر ہو تو اس کے ورثہ کے وہ قرابت دار زیادہ حق دار ہوں گے یعنی انصار مہاجر کی وراثت اس وقت ہے جس وقت کسی مہاجر کا رشتہ دار نہ ہو اگر رشتہ دار موجود ہوں تو بہرحال ان کا حق فائق ہوگا مگر مکہ معظمہ کے فتح ہو جانے کے بعد سورۂ احزاب کی آیت سے یہ سب احکام ختم ہوگئے اور وراثت صرف قرابت داروں میں رہ گئی حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی مہاجرین میں جتنے ملتے جائیں سب شریک ہیں اور ملنے والا اگر پیچھے مسلمان ہوا یا ہجرت کر آیا پہلے ناتے والے مسلمان مہاجر کا حق ہے یعنی میراث وہی لے گا اگرچہ رفاقتِ قدیم اور وں سے ہے ۱۲ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انصار و مہاجر کا باہمی توارث ایسی صورت میں ہوگا جب کسی کا عزیز اور قرابت دار نہ ہو، مفسرین کے مختلف اقوال میں سے ہم نے ایک قول کو اختیار کر لیا ہے واللہ اعلم۔ (۷۵) تیسیر سورۃ الانفال

ع الربع ۱۰ ۶

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ

اور جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں انھوں نے جہاد

اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ

بھی کیا اور وہ لوگ جنھوں نے مہاجرین کو رہنے کیلئے جگہ دی اور انھوں نے مہاجرین کی مدد کی یہی سب لوگ حقیقی

حَقًّا ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۴﴾ وَالَّذِيْنَ

ایمان والے ہیں ان کے لئے بڑی مغفرت ہے اور باعزت روزی ہے۔ اور جو لوگ

اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ

بعد میں ایمان لائے اور ہجرت کی اور انھوں نے تمہارے ساتھ مل کر جہاد بھی کیا تو

فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ۭ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى

یہ لوگ بھی تم ہی میں سے ہیں اور کتاب اللہ کے حکم کی رو سے رشتہ دار آپس میں ایک دوسرے کی

بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۷۵﴾ ع

وراثت کے زیادہ حق دار ہیں بلاشبہ اللہ ہر ایک شے کو خوب جانتا ہے۔

سُوْرَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّتِسْعٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّسِتَّةَ عَشَرَ رُكُوْعًا

سورہ توبہ مدنی ہے اور یہ ایک ۱۲۹ سو انتیس آیتیں اور چھ رکوع ہیں

بَرَاۗءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ

یہ اللہ اور اُس کے رسول کی جانب سے ان مشرکوں سے بری الذمہ ہونا ہے جن سے

مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۱ فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ

تم نے عہد کر رکھا تھا۔ سو اب اے مشرکو تم اس ملک میں چار مہینے اور خوب

اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ

چل پھر لو اور یہ جان لو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے اور یہ بھی یقین کرو کہ اللہ

مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ ۝۲ وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ

منکرین حق کو رسوا کرنے والا ہے۔ اور حج اکبر کی تاریخوں میں اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے

سورۂ توبہ مدنی ہے اور یہ ایک سو انتیس آیتیں اور چھ رکوع ہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یہ سورت براۃ ہے حضرتؐ نے بیان نہیں فرمایا کہ یہ جدا سورت ہے یا اور سورت میں کی آیتیں ہیں سورۃ کا نشان تھا بسم اللہ نازل نہیں ہوئی اس واسطے اس پر بسم اللہ نہیں اور کسی سورت میں داخل بھی نہیں" یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی جانب سے ان مشرکوں سے جن سے تم نے عہد کر رکھا تھا بری الذمہ ہونا ہے (۱) لہٰذا اے مشرکو! تم اس ملک میں چار مہینے اور خوب چل پھر لو اور یہ بات اچھی طرح جان لو کہ تم اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے اور اس کو ہرا نہیں سکتے اور یہ بھی یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ منکرینِ دینِ حق کو رسوا کرنے والا ہے ؁ قریش سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ۶ ہجری میں معاہدہ ہوا تھا معاہدہ کے بعد بعض قبائل قریش کے ساتھ ہوگئے بعض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوگئے بعض نے آپ سے خود معاہدہ کر لیا چنانچہ ان سب لوگوں کی تقسیم اس طرح ہے اوّل قریش کا معاہدہ قریش کے ہمراہ قبیلہ بنی بکر اور حضور کے ہمراہی خزاعہ، دوسرے بنی کنانہ کے دو قبیلے بنی ضمرہ اور بنی مدلج ان کا معاہدہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوگیا تھا، تیسرے وہ قبائل جن سے عہد تو ہوا تھا مگر مدت کوئی متعین نہیں ہوئی تھی چوتھے وہ قبائل عرب جن سے کوئی معاہدہ نہ تھا، ان چار صورتوں میں سے پہلی صورت یعنی قریش نے تو عہد کو توڑ ہی دیا تھا اور بنی بکر سے خزاعہ پر حملہ کرا دیا تھا اسی بنا پر قریش پر حملہ کیا گیا اور مکہ معظمہ کو مسلمانوں نے فتح کر لیا بہرحال اس صورت میں انہی لوگوں کے احکام بیان

(باقی ص ۲۹۸)

إِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ أَنَّ اللَّهَ بَرِيءٌ مِّنَ
سب لوگوں کے روبرو یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ اللہ مشرکوں سے

الْمُشْرِكِينَ ۙ وَرَسُولُهُ ۚ فَإِن تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ
بری الذمہ ہے اور اس کا رسول بھی پھر اگر تم توبہ کرلو تو تمہارے حق میں بہتر ہے

وَإِن تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللَّهِ ۗ وَبَشِّرِ
اور اگر اب بھی تم نے توبہ سے روگردانی کی تو اس بات کا یقین کرو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کرسکو گے اور اے پیغمبر ان

الَّذِينَ كَفَرُوا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٣﴾ إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدتُّم
منکرین حق کو ایک دردناک عذاب کی خبر دیدیجئے مگر ہاں وہ مشرک مستثنا ہیں جن سے

مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنقُصُوكُمْ شَيْئًا وَلَمْ يُظَاهِرُوا
تم نے کوئی عہد لیا ہو پھر انھوں نے تم سے ایفاء عہد میں کوئی کوتاہی نہ کی ہو اور نہ تمہارے مقابلہ میں کسی کی

عَلَيْكُمْ أَحَدًا فَأَتِمُّوا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَىٰ مُدَّتِهِمْ ۚ
مدد کی ہو تو ایسے مشرکوں کے ساتھ اُن کے عہد کو ان کی مدت تک پورا کرو

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ﴿٤﴾ فَإِذَا انسَلَخَ الْأَشْهُرُ
بے شک اللہ احتیاط کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ پھر جب حرمت والے مہینے

الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدتُّمُوهُمْ وَ
گذر جائیں تو پھر اُن مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو اور ان کو

خُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ
گرفتار کرو اور اُن کو بند کرو اور ہر کمین گاہ میں اُن کی تاک کے لئے بیٹھو

فَإِن تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا
پھر اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز پڑھنے لگیں اور زکوٰۃ ادا کرنے لگیں تو اُن کی راہ

سَبِيلَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٥﴾ وَإِنْ أَحَدٌ
چھوڑدو بیشک اللہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔ اور اگر مشرکین میں سے

(بقیہ ۲۹۰) فرماتے ہیں، چار مہینے کی مہلت دی گئی تاکہ یہ لوگ لڑائی کا سرانجام کرلیں یا وطن سے نکل جائیں یہ چار مہینے اشہر حرم ہیں۔ (۲) اور حج اکبر کے دنوں میں اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول کی جانب سے
تفسیر صفحہ ہذا: عام لوگوں کے روبرو یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مشرکوں سے بری الذمہ ہے اور اس کا رسول بھی اور اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اب امن کی ذمہ داری نہیں لیتے پس اگر تم توبہ کرلو تو یہ توبہ کرلینا تمہارے حق میں بہتر ہے اور اگر اب بھی تم نے توبہ سے اعراض کیا اور روگردانی کی تو یہ جان لو اور یہ بات سمجھ لو کہ تم اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کرسکتے اور اس کو ہرا نہیں سکتے اور اے پیغمبر آپ ان لوگوں کو جنھوں نے کافرانہ روش اختیار کر رکھی ہے ایک دردناک عذاب کی بشارت اور خبر دیدیجئے: قریش کی بات کہی اور ان سے امن اٹھائے جانے کا اعلان کیا اور امان سے دست برداری فرمائی کیونکہ یہ لوگ نقضِ عہد کے مرتکب ہوئے ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں چھٹے برس حضرتؐ کو مکہ کے لوگوں سے صلح ہوئی تھی اور بھی کئی فرقوں سے جو انا فتحنا میں بیان ہے اور عرب کی بہت قوموں سے صلح تھی جب مکہ فتح ہوا اس سے بعد ایک برس حکم نازل ہوا کہ کسی مشرک سے صلح نہ رکھو اور یہ بات حج کے دن یعنی عید قربان کو سب حج کے قافلوں میں پکار دو کہ سب کو خبر پہنچے اور صلح کا جواب دیکر چار مہینے فرصت دی کہ اس میں خواہ لڑائی کا سرانجام کریں یا وطن چھوڑ جائیں یا مسلمان ہوں ۱۲ (۳) مگر ہاں وہ مشرک اس برات امان سے مستثنا ہیں جن سے تم نے کوئی عہد لیا پھر انھوں نے اپنے عہد کے پورا کرنے میں تم سے کوئی کمی اور کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی اور نہ تمہارے مقابلہ میں کسی مخالف کی مدد کی تو ایسے مشرکوں سے ان کے عہد کو اس مدت تک پورا کردو جو اُن سے طے ہوئی ہو بلاشبہ اللہ تعالیٰ بدعہدی سے احتیاط رکھنے والوں کو پسند فرماتا ہے: یعنی ان لوگوں سے مُراد بنی ضمرہ اور بنی مدلج ہیں انھوں نے اپنے عہد کی پابندی کی اس لئے ان کو اعلان برات سے مستثنا کر دیا گیا اور مدت عہد کو پورا کرنے اور بدعہدی نہ کرنے کا حکم دیا گیا اور بدعہدی سے بچنے والوں کو پسند فرمایا (۴) پھر جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو پھر ان مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو اور انکو گرفتار کرو اور ان کو بند کرو اور گھیر و اور ہر کمین گاہ پر ان کی تاک کے لئے بیٹھو پھر اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز پڑھنے لگیں اور زکوٰۃ ادا کرنے لگیں تو ان کا راستہ چھوڑ دو بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا بڑی مہربانی کرنے والا ہے: یہ وہ لوگ ہیں جن سے کوئی عہد نہیں تھا یا انھوں نے عہد کرکے نقضِ عہد کیا اور بنی بکر سے خزاعہ پر حملہ کرایا مارنا۔ گھیرنا۔ تاک میں بیٹھنا غرض لڑائی میں جو کچھ ہوتا ہے اس سب کے کرنے کا حکم دیا گیا حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں جن سے وعدہ ٹھہر گیا تھا اور دغا ان سے نہ دیکھی ان کی صلح قائم رہی اور جن سے وعدہ کچھ نہ تھا ان کو فرصت ملی چار مہینے اور حضرت نے فرمایا دل کی خبر اللہ کو ہے ظاہر میں جو مسلمان ہو وہ سب کے برابر امان میں ہے اور ظاہر مسلمانی کی حد ٹھہرائی ایمان لانا کفر سے توبہ اور نماز اور زکوٰۃ اسی واسطے جب شخص نماز چھوڑ دے یا زکوٰۃ پھر اس سے امان اٹھ گئی حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے زکوٰۃ کے منکروں کو برابر کافروں کے قتل فرمایا (۵) اور اگر ان مشرکوں میں سے کوئی شخص آپ سے امان طلب کرے تو آپ اس کو پناہ دیدیجئے تاکہ وہ حقانیت اسلام معلوم کرنے کی غرض سے اللہ تعالیٰ کا کلام سُن لے پھر اُس کو اس کی امن کی جگہ میں حفاظت

مِّنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّىٰ يَسْمَعَ

کوئی شخص آپ سے پناہ طلب کرے تو آپ اُس کو پناہ دید یجئے تاکہ وہ خدا کا

كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ

کلام سُن لے پھر اُس کو اُس کی امن کی جگہ پہونچا دیجئے یعنی اپنی حفاظت میں یہ حکم اس لئے ہے کہ یہ لوگ

لَّا يَعْلَمُونَ ﴿٦﴾ كَيْفَ يَكُونُ لِلْمُشْرِكِينَ عَهْدٌ

ایسے ہیں جو علم نہیں رکھتے - بھلا اللہ اور اُس کے رسول کے نزدیک ان مشرکوں کے کسی عہد کا

عِندَ اللَّهِ وَعِندَ رَسُولِهِ إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدتُّمْ

کیسے اعتبار ہو سکتا ہے مگر ہاں وہ لوگ جن سے تم نے مسجد حرام کے پاس

عِندَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ فَمَا اسْتَقَامُوا لَكُمْ

عہد کیا تھا سو جب تک وہ لوگ تم سے سیدھی طرح رہیں تم بھی

فَاسْتَقِيمُوا لَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ﴿٧﴾ كَيْفَ

اُن سے اپنے عہد پر قائم رہو بیشک اللہ پرہیزگاروں کو پسند کرتا ہے - ان لوگوں کی

وَإِن يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوا فِيكُمْ إِلًّا وَلَا

رعایت کیسے ہو سکتی ہے جن کا حال یہ ہے کہ اگر وہ کسی وقت تم پر غلبہ حاصل کرلیں تو تمہارے بارے میں نہ قرابت کا لحاظ کریں

ذِمَّةً ۚ يُرْضُونَكُم بِأَفْوَاهِهِمْ وَتَأْبَىٰ قُلُوبُهُمْ

اور نہ کسی عہد و پیمان کا وہ تم کو اپنی زبانی باتوں سے خوش کرنا چاہتے ہیں اور اُن کے دل انکار کرتے ہیں

وَأَكْثَرُهُمْ فَاسِقُونَ ﴿٨﴾ اشْتَرَوْا بِآيَاتِ اللَّهِ ثَمَنًا

اور اُن میں سے اکثر بدعہد ہیں - اُن لوگوں نے احکامِ الٰہی کے مقابلہ میں معمولی قیمت

قَلِيلًا فَصَدُّوا عَن سَبِيلِهِ ۚ إِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوا

اختیار کی اور خدا کی راہ سے روکا یقیناً وہ اعمال بہت ہی بُرے ہیں جو

يَعْمَلُونَ ﴿٩﴾ لَا يَرْقُبُونَ فِي مُؤْمِنٍ إِلًّا وَلَا

یہ کر رہے ہیں - یہ لوگ کسی مسلمان کے بارے میں نہ قرابت کا پاس کرتے ہیں اور نہ

ع ۱ / ٦ / ۷

کے ساتھ پہونچا دیجئے یہ حکم اس لئے ہے کہ یہ ایسے لوگ ہیں جو صحیح علم اور پوری خبر نہیں رکھتے :: یعنی اسی قتل و قتال کے زمانے میں کوئی مشرک اس بات کا طالب ہو کر میں قرآن سُن کر اسلام کی حقانیت کو سمجھنا چاہتا ہوں آپ مجھ کو امان دیں تو آپ اس قسم کے طالب حقانیت کو موقع دیجئے اور اسکو امان دیکر اُس وقت تک اس کی حفاظت کیجئے جب تک وہ اطمینان کے ساتھ کلام اللہ سُنے پھر اس کو اپنی حفاظت میں اس جگہ پہونچا دیجئے جہاں وہ بے خوف اور نڈر ہو حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی اتنی امان کا مضائقہ نہیں کہ کچھ پوچھا سنا چاہے وہ سُن لے پھر بھی جہاں وہ نڈر ہو وہاں تک پہونچا دینا بعد اس کے سب کافروں کے برابر ہے ۱۲ (٦) بھلا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے نزدیک ان مشرکوں کے کسی عہد کا اعتبار کیونکر ہو سکتا ہے اور یہ لوگ اپنے عہد پر کیونکر قائم رہ سکتے ہیں مگر ہاں وہ لوگ جن سے تم نے مسجدِ حرام کے پاس عہد کیا تھا لہٰذا جب تک وہ لوگ تم سے سیدھی طرح رہیں تم بھی ان سے اپنے عہد پر قائم رہو بلاشبہ اللہ تعالیٰ بد عہدی سے بچنے والوں کو پسند فرماتا ہے: حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں صلح والے تین قسم کے فرمائے ایک جن سے مدت نہیں ٹھہری ان کو جواب دیا مگر جو مکہ کی صلح میں شامل تھے جب تک وہ دغا نہ کریں یہ اذب ہے مکے کا اور تیسرے جن سے مدت ٹھہری وہ صلح قائم رہی لیکن آخر سب مشرک عرب کے ایمان لائے ۱۲ (۷) بھلا ان لوگوں کی رعایت کیوں کر ہو سکتی ہے اور ان سے عہد کیوں کر قائم رہ سکتا ہے جن کی حالت یہ ہے کہ اگر وہ کسی وقت تم پر غلبہ پالیں تو تمہارے بارے میں نہ کسی قرابت کا لحاظ کریں اور نہ کسی عہد و پیمان کا وہ تم کو محض اپنی زبانی باتوں سے خوش کرنا چاہتے ہیں اور صرف اپنے منہوں سے تم کو راضی کرتے ہیں اور ان کے دل ان باتوں کو نہیں مانتے اور ان میں سے اکثر بدعہد ہیں :: یعنی جو عہد کا پابند رہنا نہیں چاہتے جب دل کسی بات سے متفق نہ ہو اور خوف کی وجہ سے ظاہری طور پر اقرار کرلیں تو اس اقرار کا ایسا ہی حشر ہوتا ہے (۸) ان لوگوں نے احکامِ الٰہی کے مقابلہ میں معمولی قیمت اختیار کی اور لوگوں کو خدا کی راہ سے روکا بلاشبہ جو اعمال یہ کر رہے ہیں وہ بہت ہی بُرے ہیں :: یعنی احکام الٰہیہ کے عوض دنیا کی معمولی متاع اختیار کر رکھی ہے اللہ کی راہ اختیار کرنے سے خود بھی رُکے اور دوسروں کو بھی روکا ایسے لوگوں کے عہد کا کیا بھروسہ (۹) یہ لوگ کسی مسلمان کے بارے میں نہ قرابت کا پاس اور

ذِمَّةً ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُونَ ⑩ فَإِن تَابُوا
عہد و پیمان کا اور یہ لوگ بڑی زیادتی کرنے والے ہیں۔ پھر اگر یہ لوگ توبہ کرلیں

وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَإِخْوَانُكُمْ فِي
اور نماز پڑھنے لگیں اور زکوٰۃ ادا کرنے لگیں تو یہ لوگ دین کے اعتبار سے تمہارے

الدِّينِ ۗ وَنُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ⑪ وَ
بھائی ہیں اور ہم تفصیل کے ساتھ احکام بیان کرتے ہیں اُن لوگوں کے لئے جو سمجھ دار ہیں، اور

إِن نَّكَثُوا أَيْمَانَهُم مِّن بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوا
اگر وہ لوگ اپنے عہد کے بعد اپنی قسموں کو توڑ دیں اور تمہارے دین پر طعن و تشنیع کریں

فِي دِينِكُمْ فَقَاتِلُوا أَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ إِنَّهُمْ لَا
تو تم اس توقع پر ان کفر کے علمبرداروں سے جنگ کرو کہ شاید وہ باز آجائیں

أَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنتَهُونَ ⑫ أَلَا تُقَاتِلُونَ
کیونکہ ان کی قسمیں باقی نہیں رہیں۔ تم ایسے لوگوں سے کیوں نہیں جنگ کرتے

قَوْمًا نَّكَثُوا أَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوا بِإِخْرَاجِ الرَّسُولِ
جنھوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا اور پیغمبر کو جلا وطن کرنے کا ارادہ کیا

وَهُم بَدَءُوكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ أَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللَّهُ
اور انھوں نے ہی پہلی مرتبہ تم سے عہد شکنی کی ابتدا کی کیا تم ان سے ڈرتے ہو سو اللہ

أَحَقُّ أَن تَخْشَوْهُ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ⑬
اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ تم اس سے ڈرو بشرطیکہ تم مومن ہو۔

قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَ
اُن سے خوب کھل کر جنگ کرو کہ اللہ انکو تمہارے ہاتھوں سزا دے اور خدا اُن کو رسوا کرے اور

يَنصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ ⑭
تم کو ان پر غلبہ دے اور بہت سے مسلمانوں کے سینوں کو ٹھنڈا کرے

لحاظ کرتے ہیں اور نہ کسی قول و قرار اور عہد و پیمان کا اور یہ لوگ اس بارے میں بڑی زیادتی کرنیوالے ہیں ؛ یعنی مسلمانوں کے بارہ میں ان کا جارحانہ رویہ حد سے بڑھا ہوا ہے (۱۰) لہٰذا اب اگر یہ لوگ اپنے اس کافرانہ رویہ سے توبہ کرلیں اور نماز کے پابند ہوجائیں اور زکوٰۃ ادا کرنے لگیں تو یہ لوگ دین کے اعتبار سے تمہارے دینی بھائی ہیں اور ہم سمجھ دار لوگوں کیلئے اپنے احکام خوب مفصل بیان کرتے ہیں ؛ یعنی پہلی خطائیں معاف ہوجائیں گی اور اسلامی برادری میں شامل ہوجائیں گے حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یہ جو فرمایا بھائی ہیں حکم شریعت میں اس سے سمجھ لیں کہ جو شخص قرآن سے معلوم ہو کہ ظاہری مسلمان ہے دل سے یقین نہیں رکھتا اس کو حکم ظاہری میں مسلمان گنیں اور معتمد اور دوست نہ پکڑیں ۱۲ (۱۱) اور اگر وہ لوگ اپنے عہد کے بعد اپنی قسموں کو توڑ ڈالیں اور تمہارے دین پر طعن و تشنیع کریں اور تمہارے دین میں عیب لگائیں تو تم اس ارادے اور اس مقصد سے ان کفر کے سرداروں سے جنگ کرو اور لڑو کہ شاید وہ اپنی ناشائستہ حرکات سے باز آجائیں کیونکہ اس حالت میں ان کی قسمیں باقی نہیں رہیں ؛ جیسا کہ بنی بکر نے قریش کی امداد سے خزاعہ پر حملہ کرکے یہ ثابت کردیا کہ ان لوگوں نے اپنا عہد توڑ دیا اس لئے مسلمانوں کو حکم ہوا جہاد کا حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں اگر ثابت ہو ایک کا فریب دیتا ہے ہمارے دین کو وہ ذمی نہ رہا ۱۲ (۱۲) تم ایسے لوگوں سے جنگ کیوں نہیں کرتے جنھوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا اور پیغمبر علیہ السلام کو جلا وطن کرنے اور نکالنے کی تجویز کی اور انھوں نے ہی پہلی مرتبہ تم سے عہد شکنی کی ابتدا کی کیا تم ان عہد شکن کافروں سے لڑنے میں ڈرتے ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ تم اس سے ڈرو بشرطیکہ تم ایمان رکھتے ہو ؛ یعنی جب قریش کی جانب سے نقض عہد ہوگیا اور ابتدا اُن کی طرف سے ہوچکی پھر جنگ سے کیا چیز مانع ہے رہا خوف اور ڈر تو اللہ تعالیٰ ہی اس کا مستحق ہے کہ اس کی پکڑ سے ڈرو (۱۳) ان عہد شکن کافروں سے خوب جنگ کرو کہ اللہ تعالیٰ ان کو تمہارے ہاتھوں سے سزا دے اور خدا ان کو رسوا کردے اور تم کو ان پر غالب کردے اور بہت سے مسلمانوں کے سینوں کو ٹھنڈا کردے اور مسلمانوں کے قلوب کو شفا بخشے (۱۴)

وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوبِهِمْ ۗ وَيَتُوبُ اللَّهُ عَلَىٰ مَنْ

اور مسلمانوں تمہارے دلوں کا غصہ دُور کرے اور اللہ جس کو چاہے گا اُسے توبہ کی توفیق

يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿١٥﴾ أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُتْرَكُوا

دیگا اور اللہ بڑے علم بڑی حکمت کا مالک ہے۔ کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تم یوں ہی چھوڑ دیئے جاؤ گے

وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوا

حالانکہ ابھی اللہ نے اُن لوگوں کو ظاہر نہیں کیا جنھوں نے تم میں سے جہاد کیا ہو اور اللہ اور اُسکے

مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَا رَسُولِهِ وَلَا الْمُؤْمِنِينَ وَلِيجَةً ۚ

رسول اور مسلمانوں کے سوا کسی کو اپنا خصوصی رازداں نہ بنایا ہو

وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٦﴾ مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ أَنْ

اور اللہ کو تمہارے سب کاموں کی پوری خبر ہے۔ مشرک اس امر کے اہل نہیں کہ وہ اللہ کی

يَعْمُرُوا مَسَاجِدَ اللَّهِ شَاهِدِينَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ۚ

مساجد کو آباد کریں جبکہ اُن کی حالت یہ ہے کہ وہ خود اپنے اعمال سے اپنے اوپر کفر کی شہادت دے رہے ہیں

أُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ وَفِي النَّارِ هُمْ خَالِدُونَ ﴿١٧﴾

یہ وہ لوگ ہیں جن کے تمام اعمال برباد ہوگئے اور وہ لوگ ہمیشہ آگ میں رہنے والے ہیں

إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ

اللہ کی مسجدوں کو تو صرف وہی لوگ آباد کرسکتے ہیں جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائیں

وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا

اور نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور سوائے اللہ کے کسی اور سے

اللَّهَ ۖ فَعَسَىٰ أُولَٰئِكَ أَنْ يَكُونُوا مِنَ الْمُهْتَدِينَ ﴿١٨﴾

نہ ڈریں سو انہی لوگوں کی نسبت خدا سے امید ہے کہ یہی لوگ راہ یافتہ لوگوں میں سے ہونگے۔

أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ

کیا تم لوگوں نے حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کے آباد کرنے کو

اور مسلمانوں کے دلوں کا غیظ و غضب دور کردے اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہے اسے توبہ کی توفیق بخشے اور اس کی حالت پر توجہ فرمائے اور اللہ تعالیٰ بڑے علم اور بڑی حکمت کا مالک ہے ؛ جب دشمن پر غلبہ حاصل ہوجاتا ہے اور دشمن محکوم ہوجاتا ہے تو قدرتی طور پر غم و غصہ میں کمی ہوجاتی ہے اور دل کو جو صدمے پہونچے تھے اس سے شفا میسر ہوتی ہے ان آیتوں میں اسی کا بیان ہے (١٥) کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تم بلا کسی امتحان و آزمائش کے یوں ہی چھوڑ دیئے جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو معلوم نہیں کیا اور ان کو بھی ظاہر نہیں کیا جنھوں نے تم میں سے جہاد کیا ہو اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے سوا کسی کو اپنا بھیدی اور خصوصی رازدار نہ بنایا ہو اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب کاموں کی پوری پوری خبر ہے ؛ یعنی جہاد اور جہاد میں جو باتیں پیش آتی ہیں مثلاً رازداری وغیرہ ان سب باتوں کی آزمائش نہ ہوجائے تو تم کو یوں ہی چھوڑ دیا جائے گا اس کو تمہارے سب کاموں کی خبر ہے۔ اگر امتحان میں کمزور ثابت ہوگے تو سزا ملے گی اور اگر کامیاب ثابت ہوگے تو اجر و ثواب سے نوازے جاؤ گے (١٦) مشرکین کا یہ کام نہیں اور مشرک اس کے اہل نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مساجد کو آباد کریں جبکہ ان کی حالت یہ ہے کہ وہ خود اپنے کردار اور اپنے اعمال سے اپنے اوپر کفر کی شہادت دے رہے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے تمام اعمال ضائع اور خراب ہوئے اور وہ لوگ ہمیشہ آگ میں رہنے والے ہیں ؛ یعنی کفر و شرک کی حالت میں جو بھلے کام بھی کیے جائیں ان پر کوئی اجر مرتب نہیں ہوتا۔ بعض لوگ خانۂ کعبہ کی مجاوری پر فخر کرتے تھے یہ ان کا جواب ہے (١٧) اللہ کی مسجدوں کو تو بس وہی شخص آباد کرسکتا ہے جو اللہ پر اور آخرت پر ایمان لایا اور اس نے نماز کی پابندی کی اور زکوٰۃ ادا کرتا رہا اور سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی اور سے نہیں ڈرا پس ایسے لوگوں کی نسبت خدا سے توقع ہے کہ یہ لوگ صحیح راہ پانے والوں میں سے ہوں گے ؛ یعنی مساجد الٰہی کی آبادکاری کے وہی لوگ مستحق ہیں جو اہل ایمان ہوں زکوٰۃ و نماز کے پابند ہوں۔ اور بجز اللہ تعالیٰ کے کسی اور کا دل میں خوف نہ رکھتے ہوں (١٨) کیا تم لوگوں نے حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کے آباد کرنے کو اُس

ع ٢ / ١٠ / ٨

شخص کے عمل کے برابر سمجھ رکھا ہے اور اس شخص کے مساوی تجویز کر رکھا ہے جو اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لایا اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں اس نے جہاد کیا تو یہ دونوں عمل کرنے والے لوگ اللہ کے نزدیک برابر نہیں نہ دونوں عمل برابر نہ عمل کرنے والے برابر اور اللہ تعالیٰ بے انصاف لوگوں کی رہنمائی نہیں کرتا اور ان کو سمجھ نہیں دیتا ؛ یعنی جو لوگ پانی پلانے اور مسجد حرام کی خدمت پر ان لوگوں کے روبرو فخر کر رہے ہیں جو دل سے ایمان رکھتے ہیں اور جہاد فی سبیل اللہ کرتے ہیں تو ان کا یہ فخر بے سود اور لاحاصل ہے (۱۹) جو لوگ ایمان لائے اور اللہ کے لئے ترک وطن کیا اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد بھی کیا تو یہ لوگ درجہ اور مرتبہ کے اعتبار سے خدا کے نزدیک بہت بڑے ہیں اور یہی لوگ اپنے مقصد میں پوری طرح کامیاب ہونے والے ہیں ؛ یعنی مہاجرین اور مجاہدین کا مقابلہ کہاں ہو سکتا ہے (۲۰) ان لوگوں کو ان کا پروردگار اپنی رحمت اور بڑی رضامندی اور ایسے باغات کی خوش خبری اور بشارت دیتا ہے جن میں ان کیلئے دوامی نعمت اور آسائش ہوگی (۲۱) ان باغات میں یہ لوگ ہمیشہ ہمیشہ سکونت پذیر ہوں گے بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے پاس بہت بڑا صلہ موجود ہے ؛ رحمت و رضامندی اللہ تعالیٰ کیجانب سے حصول مقصد کی بہت بڑی بشارت ہے اور روحانی مدارج اور روحانی منازل کی بہت اونچی پایگاہ ہے جو نصیبوں والوں کو میسر آتی ہے ومایلقٰھا الا ذو حظ عظیم حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں اوپر سے یہاں تک پانچ آیتیں نازل ہوئیں اس پر کہ کچھ گفتگو ہوئی حضرت علی رضی اللہ عنہ میں اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ میں حضرت عباس نے آخر کو ہجرت کی ہے حضرت علیؓ نے کہا اگر تم اول ہجرت کرتے اور جہاد میں حاضر ہوتے تو مرتبے بلند پاتے جیسے ہم نے پائے حضرت عباسؓ نے کہا کہ ہم بھی خدا کے کام میں تھے یعنی خدمت حاجیوں کی اور آبادی مسجد الحرام کی سو اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ کام ان کے برابر نہیں اور مشرکوں کی خدمت قبول نہیں کوئی مسلمان خدمت کرے تو قبول ہے **فائدہ** اس سے یہ نکلتا ہے کہ پیغمبر کی قرابت سے عمل کا درجہ بڑا ہے کہ حضرت عباس قرابت میں قریب تھے اور حضرت علیؓ عمل میں زیادہ ۱۲ (۲۲) ایمان والو ! اگر تمہارے باپ اور بھائی ایمان کے مقابلہ میں کفر کو پسند کریں تو ایسے باپ اور بھائیوں کو اپنا رفیق نہ بناؤ اور جو لوگ تم میں سے ایسے باپ اور بھائیوں کے ساتھ رفاقت رکھیں گے تو ایسے ہی لوگ ہیں ظالم اور نا انصاف ؛ بعض صحابہ ان تعلقات کی وجہ سے ہجرت نہ کر سکے اور ہجرت سے رک گئے ان کو تنبیہ کی گئی حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں بعضے شخص دل سے مسلمان ہیں لیکن برادری سے توڑ نہیں سکتے کہ ظاہر مسلمان ہو جاویں ان کا حال یہاں سے سمجھو ۱۲ (۲۳)

الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ

اس شخص کے عمل کے مساوی قرار دے رکھا ہے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لایا اور اللہ کی راہ

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا

میں اس نے جہاد کیا خدا کے نزدیک یہ دونوں قسم کے لوگ برابر نہیں ہیں اور اللہ

يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۘ﴿۱۹﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ

بے انصافوں کی رہنمائی نہیں کیا کرتا ۔ جو لوگ ایمان لائے اور

هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ

اُنھوں نے ترک وطن کیا اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد

اَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ

بھی کیا وہ لوگ درجہ کے اعتبار سے خدا کے نزدیک بہت بڑے ہیں اور وہی لوگ

الْفَآئِزُوْنَ ﴿۲۰﴾ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَ

مراد کو پہونچنے والے ہیں ۔ ان لوگوں کا رب اُن کو اپنی رحمت اور

رِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ۙ﴿۲۱﴾

رضامندی اور ایسے باغوں کی خوش خبری دیتا ہے کہ جن میں اُن کے لیئے دائمی آسائش ہوگی

خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۲﴾

ان باغوں میں یہ لوگ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے بلاشبہ اللہ کے پاس بہت بڑا صلہ موجود ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ

اے ایمان والو اگر تمہارے باپ اور تمہارے بھائی ایمان کے مقابلہ میں

اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ؕ وَ

کفر کو پسند کریں تو تم اُن کو اپنا رفیق نہ بناؤ ۔ اور

مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾

جو لوگ تم میں سے ایسے باپ بھائیوں سے رفاقت رکھیں گے تو ایسے ہی لوگ ظالم ہیں۔

قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَ

اے پیغمبر مسلمانوں سے کہدیجئے کہ تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور

أَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا

تمہاری بیبیاں اور تمہارے کنبے والے اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں

وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا

اور وہ تجارت جس کی نکاسی کا وقت نکل جانے سے ڈرتے ہو اور وہ مکانات جن کو تم پسند کرتے ہو

أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي

اگر یہ سب چیزیں تم کو اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ

سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ وَاللَّهُ لَا

محبوب ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم بھیجدے اور اللہ تعالیٰ

يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ﴿٢٤﴾ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ

نافرمان لوگوں کی رہبری نہیں فرماتا۔ بلاشبہ اللہ نے لڑائی کے اکثر

فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ

مقامات پر تمہاری مدد کی ہے اور خاصکر حنین کے دن بھی جبکہ تم اپنی کثرتِ تعداد پر

كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ

خوشی کے مارے پھول گئے تھے مگر وہ کثرت تمہارے کچھ بھی کام نہ آئی اور تم پر زمین باوجود اپنی وسعت

الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُدْبِرِينَ ﴿٢٥﴾

تنگ ہوگئی پھر تم کافروں کو پیٹھ دکھا کر پیچھے ہٹے۔

ثُمَّ أَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر اور مسلمانوں پر اپنی طرف سے تسکین

الْمُؤْمِنِينَ وَأَنْزَلَ جُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا وَ

اور تسلی نازل فرمائی اور ایسے لشکر بھیجے جو تم کو نظر نہیں آتے تھے اور

اے پیغمبر مسلمانوں سے کہدیجئے کہ تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیبیاں اور تمہارے کنبے والے اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس کے مندے سے اور نکاسی کا وقت نکل جانے سے ڈرتے ہو اور وہ مکانات جن کو تم پسند کرتے ہو اگر یہ سب چیزیں تم کو اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب اور پیاری ہیں تو اچھا تم انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم بھیج دے اور اللہ تعالیٰ نافرمان لوگوں کی رہنمائی اور رہبری نہیں فرماتا اور ان کو ان کے مقصود تک نہیں پہونچاتا ٭ یعنی سزا کا انتظار کرو یا کافروں کے اخراج کا حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں آخر حکم بھیجا کہ اس ملک سے کافر باہر ہوں تب اکثر کافر مسلمان ہوئے ۱۲ (۲۴)

ع ۸ ۹

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے لڑائی کے اکثر مواقع پر تمہاری مدد فرمائی اور بہت سے میدانوں میں تم کو دشمنوں پر غالب کیا ہے اور خاصکر حُنین کی لڑائی کے دن بھی جبکہ تم اپنی تعداد کی کثرت پر اترا گئے تھے اور خوشی کے مارے پھول گئے تھے پھر وہ تعداد کی کثرت تمہارے کچھ کام نہ آئی اور تم پر زمین باوجود اپنی فراخی اور وسعت کے تنگ ہوگئی پھر تم کافروں کو پیٹھ دکھا کر پیچھے ہٹے اور بھاگ کھڑے ہوئے ٭ یعنی شروع میں مسلمانوں کے پاؤں اُکھڑ گئے تھے یہ لڑائی فتح مکہ کے تقریباً دو ہفتے بعد ہوئی تھی (۲۵) اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر اور مسلمانوں پر تسلی اور تسکین نازل فرمائی اور ایسے لشکر آسمان سے نازل فرمائے جو تم نہیں دیکھتے تھے اور جن کو تم نے نہیں دیکھا اور کافروں کو سخت سزا دی

عَذَابَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِينَ ﴿٢٦﴾

کافروں کو سخت سزا دی اور کافروں کی یہی سزا ہے

ثُمَّ يَتُوبُ اللّٰهُ مِنۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَن يَشَآءُ ۗ

پھر اس جنگ کے بعد اللہ جس کو چاہے گا توبہ کی توفیق عطا فرمائے گا

وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٢٧﴾ يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوٓا إِنَّمَا

اور اللہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔ اے ایمان والو سوائے اس کے نہیں کہ

الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ

مشرک ناپاک ہیں سو یہ لوگ اس سال کے بعد سے مسجد حرام کے قریب

بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ

نہ آنے پائیں اور اگر تم کو مفلسی کا اندیشہ

يُغْنِيكُمُ اللّٰهُ مِن فَضْلِهٖٓ إِن شَآءَ ۚ إِنَّ اللّٰهَ

ہو تو اللہ تعالیٰ اگر چاہے گا تو بہت جلد تم کو اپنے فضل سے غنی کر دیگا

عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٢٨﴾ قٰتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ

اللہ تعالیٰ کمال علم اور کمال حکمت کا مالک ہے۔ اہل کتاب جو نہ اللہ پر پوری طرح

بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ

ایمان رکھتے ہیں اور نہ یوم آخرت پر اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جن کو اللہ

اللّٰهُ وَرَسُولُهٗ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ

نے اور اس کے رسول نے حرام کیا ہے اور نہ دین حق کو قبول کرتے ہیں

الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ

ان سے یہاں تک لڑو کہ وہ مطیع اور محکوم ہو کر اپنے

عَن يَدٍ وَهُمْ صٰغِرُونَ ﴿٢٩﴾ وَقَالَتِ الْيَهُودُ

ہاتھ سے جزیہ دینا قبول کرلیں۔ اور یہود کی ایک جماعت کہتی ہے کہ

ع ٤ — ٥ — ١٠

اور دینِ حق کے منکروں کی یہی سزا ہے ۞ تسلی وتسکین کوئی خاص قسم کی ہمت اور اطمینان قلوب میں نازل فرمایا جس سے مسلمان ثابت قدم رہے اور جو پیچھے ہٹ گئے تھے وہ پھر آگئے لشکر سے مراد فرشتے ہیں جو فرمری طور پر تقویت اور ہمت کے موجب ہوئے اور تثبیت قدم کے سبب بنے۔ سزا سے مراد کفار کا قتل اور قید ہونا ہے (٢٦) پھر اس جنگ کے بعد اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا توبہ کی توفیق دیدے گا اور جس پر چاہے گا توجہ فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا بڑی مہربانی کرنے والا ہے ۞ یعنی باقی ماندہ کافروں میں سے جس کو چاہے گا اسلام کی توفیق دیکر اس کے گناہ بخشدے گا حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں فتح مکہ کے بعد حضرت نے سنا کہ مکے اور طائف کے بیچ کا فرجمع ہیں لڑائی کو حضرت ان پر چلے دس ہزار مسلمان ساتھ تھے اوّل سے اور دو ہزار مل گئے مکے سے پہاڑوں کے بیچ گذر ا فوج کا تنگی سے تھا کم گزرنے لگے قوم ہوازن گردیں چھپے تھے جب مکے والے گزرنے لگے وہ ان پر آگرے یہ اُلٹے بھاگے حضرت کے ساتھ والے بھی بکھر گئے حضرتؐ پیادہ ہو کر جنگ کو مستعد ہوئے۔ حضرت عباسؓ نے بلند آواز سے پکارا انصار کو اس آواز پر مہاجر اور انصار پہونچے تب لڑائی ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے فتح دی اوّل کسی مسلمان نے کہا تھا کہ ہم تھوڑوں کو بہت جگہ فتح ملی ہے اب تو ہم ہیں دس ہزار حق تعالیٰ نے ادب دیا تا اسباب پر نظر نہ رکھیں پھر ان کافروں میں سے اکثر مسلمان ہوئے ١٢ (٢٧) اے ایمان لانے والو سوائے اس کے نہیں کہ مشرکین ناپاک ہیں لہٰذا یہ لوگ اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب بھی نہ آنے پائیں اور اگر تم کو تجارت کے بند ہوجانے کی وجہ سے مفلسی اور تنگدستی کا خوف ہو اور تم افلاس سے ڈرتے ہو اللہ تعالیٰ چاہے گا تو بہت جلد اللہ تعالےٰ تم کو اپنے فضل سے غنی کردے گا اور ان کا محتاج نہ رکھے گا اللہ تعالیٰ بلاشبہ بڑے علم والا بڑی حکمت والا ہے۔ ۞ یعنی مشرک اپنے عقائدِ فاسدہ کے باعث باطنی طور پر ناپاک ہیں اور چونکہ مکہ میں آکر برہنہ ہو کر طواف کرتے ہیں اس لئے ۹ھ میں ان کا حرم میں آنا بند کر دیا گیا ان مشرکوں کی وجہ سے مکہ والوں کی خوب تجارت ہوتی تھی اس لئے ان کو اطمینان دلایا کہ خدا پر بھروسہ رکھو وہ تم کو نقصان سے بچائیگا۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں مسجد الحرام میں مشرک کو جانا منع ہے بلکہ سارے حرم میں اور مسجدیں معاف ہے اور پلیدی ان کے دل میں ہے بدن پر نہیں اور فقر سے ڈرتے ہو یعنی آمدرفت موقوف ہوگی مشرکوں کی تو معاملات سوداگری بند ہوں گے سو اللہ تعالیٰ نے سارا ملک مسلمان کر دیا سب کاروبار جاری ہوا ١٢ (٢٨) اہل کتاب جو نہ تو اللہ تعالیٰ پر پورا پورا ایمان رکھتے ہیں اور نہ آخرت کے دن پر پورا ایمان رکھتے ہیں اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام کیا ہے اور نہ دین حق یعنی اسلام کو قبول کرتے ہیں ان سے بھی جنگ کرو اور یہاں تک ان سے لڑو کہ وہ مطیع ومحکوم ہو کر اور ماتحت رعیت بنکر اپنے ہاتھ سے جزیہ دینا قبول کرلیں ۞ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں پہلے حکم ہوا کہ مشرکوں سے لڑو اور ملک سے نکالو اب حکم ہوا اہل کتاب سے لڑائی کا یہ بھی دین حق سے منکر ہیں اور اللہ اور آخرت کو جیسے چاہئے نہیں مانتے لیکن ان سے جزیہ قبول رکھا بشرطیکہ ادنیٰ اعلیٰ سب ذلیل ہو کر جزیہ دیا کریں عرب کے مشرکوں سے ہرگز جزیہ قبول نہیں اور جہاں کے مشرک سے حنفی پاس قبول ہے جزیہ ہر مہینے میں پانچ آنے یا دس یا سوا روپیہ موافق مال اور ذلیل رہنا یہ کہ سواری میں لباس میں راہ چلنے میں ہتھیار باندھنے میں مسلمان کی برابری نہ کریں اور بھی بہت سے بندوبست ہیں ١٢ مطلب یہ ہے کہ شرکین عرب کے علاوہ باقی اہل کتاب اور اہل کفر وشرک کو قتل نہ کیا جائے بلکہ جزیہ کی معمولی رقم مقرر کرکے ان کو ہر قسم کی آزادی دی جائے اور ان کو ہر قسم کی مذہبی مراسم کو ادا کرنے کا موقع دیا جائے (٢٩) اور یہود

عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ

عزیرؑ اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے

اللّٰهِ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِئُوْنَ قَوْلَ

یہ اُن کے منہ کی باتیں ہیں ا جو باتیں اُن سے پہلے کے

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى

کافر کہا کرتے تھے اُنہی جیسی باتیں یہ بھی کہتے ہیں خدا ان کو ہلاک کرے یہ کہاں

يُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۰﴾ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا

پھرے جا رہے ہیں - انھوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے علماء کو اور اپنے زاہدوں

مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا

کو رب بنا رکھا ہے اور مسیح ابن مریم کو بھی حالانکہ ان کو صرف ایک ہی معبود کی

لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا

عبادت کا حکم دیا گیا تھا اس کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں ہے وہ ان کے

يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۱﴾ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ

شرک سے پاک ہے - وہ اہل کتاب یوں چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے بجھا دیں

وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۳۲﴾

حالانکہ اللہ اپنے نور کو پورا کئے بغیر نہیں رہے گا اگرچہ کافر کتنا ہی برا مانیں۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ

اللہ تعالیٰ کی وہ ذات ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا ہے

لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾ يٰٓاَيُّهَا

تاکہ اس دین حق کو تمام ادیان پر غالب کر دے اگرچہ مشرک کتنا ہی برا مانیں - اے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ

ایمان لانے والو بے شک اہل کتاب کے اکثر علماء اور مشائخ

کے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ عزیرؑ خدا کا بیٹا ہے اور نصاریٰ عام طور سے کہتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ خدا کا بیٹا ہے یہ باتیں اُن کے منہ کی ہیں یہ بھی ان لوگوں کی سی باتیں کرتے ہیں جو ان سے پہلے کافر کہا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک کرے یہ کدھر پھرے جا رہے ہیں ÷ کفار مکہ کہا کرتے تھے فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ یہود و نصاریٰ کا قول بھی انہی کافروں کے مشابہ ہے حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی اہل کتاب ہو کر مشرکوں کی ریس کرنے لگے (۳۰) ان یہود و نصاریٰ نے اپنے علماء اور مشائخ کو اپنا رب بنا لیا ہے اور مسیح ابن مریم کو رب بھی بنا رکھا ہے حالانکہ ان کو آسمانی کتب میں صرف یہی حکم دیا گیا تھا کہ ایک اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں جس کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں ہے وہ ان لوگوں کے شرک اور ان کے شریک کرنے سے پاک ہے ÷ عالموں اور مشائخ کی ایسی اطاعت کہ خدا کے حکم کو پس پشت ڈال دیا جائے ایسی اطاعت بالکل عبادت ہے حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں ان کے عالم یا درویش جو اپنی عقل سے ٹھہرا دیتے وہ جانتے خدا کے ہاں ہم کو چھٹکارا ہو گیا اور ٹھہراتے خاطر کو یا طمع کو سو عالم کا قول عوام کو سند ہے جب تک وہ شرع سے سمجھ کر کہے جب معلوم ہو کر طمع سے کہا پھر وہ سند نہیں ۱۲ خلاصہ یہ کہ عالم اور درویش جو دنیا کے لالچ میں یا کسی کو محض خوش کرنے کیلئے کہدیں وہ قابل عمل نہیں (۳۱) وہ اہل کتاب یوں چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہوں سے پھونک مار کر بجھا دیں حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنے نور کو پورے کمال تک بدون پہونچائے نہیں رہے گا اگرچہ کافر کتنا ہی برا مانیں ÷ یعنی یہ چاہتے ہیں کہ اسلام کی روشنی کو ختم کر دیں اور اللہ تعالیٰ اس سے انکار کرتا ہے وہ اپنے نور کو پورا کئے بغیر نہیں رہے گا حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی جیسا کوئی پھونک سے چراغ بجھا دے وہ چاہتے ہیں کہ اپنی جھوٹی باتوں سے دین اسلام کو نہ پھیلنے دیں ۱۲ (۳۲) وہ اللہ تعالیٰ ایسا ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دیکر بھیجا ہے تاکہ اس سچے دین کو تمام ادیان باطلہ پر غالب کر دے خواہ مشرک کتنا ہی برا مانیں اور اگرچہ مشرکوں کو کتنا ہی ناگوار گزرے ÷ ہدایت سے مراد قرآن اور دین سے مراد اسلام، دین کا اتمام یہی کہ سب دینوں پر غلبہ حاصل ہو اور ادیان باطلہ اس کے مقابلہ میں شکست کھا جائیں حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یہ دین سب سے اوپر ہے عقل کے نزدیک اور خدا کے نزدیک یعنی جو اس سے قرب ملے اور سے نہیں ۱۲ (۳۳) اے ایمان والو! بلاشبہ یہود و نصاریٰ کے

کے اکثر علماء اور مشائخ غیر مشروع طریقہ پر لوگوں کے مال کھاجاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے راستے سے لوگوں کو روکتے ہیں اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرکے رکھتے ہیں اور اس سونے چاندی کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو اے پیغمبر آپ ایسے حریصوں اور بخیلوں کو ایک دردناک عذاب کی بشارت اور خبر دیدیجئے ؛ یعنی لوگوں کو غلط فتوے اور جھوٹی باتیں بتاکر اور سناکر اسلام سے روکتے ہیں اور لوگوں کو ان کے حسب منشا مسائل بتاکر رشوتیں وصول کرتے ہیں اور ناجائز طور پر لوگوں کے مال مارتے ہیں پھر حرص کے ساتھ بخل سے بھی متصف ہیں روپیہ جمع کرتے ہیں اور خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے روپیہ کی زکوٰۃ نہیں دیتے تو ایسے لوگوں

لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَن

لوگوں کے مال غیر مشروع طور پر کھاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے لوگوں کو

سَبِيلِ اللَّهِ ۗ وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَ

روکتے ہیں اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرکے رکھتے ہیں اور اُس سونے چاندی کو

لَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٣٤﴾

خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو اے پیغمبر آپ اُن کو ایک دردناک عذاب کی خبر دے دیجئے۔

يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ

جس دن اس سونے چاندی کو دوزخ کی آگ میں رکھ کر تپایا جائیگا پھر اس تپے ہوئے سونے چاندی سے ان کی پیشانیوں کو

وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ ۖ هَٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنفُسِكُمْ

اور اُن کے پہلوؤں کو اور اُن کی پیٹھوں کو داغا جائے گا اور کہا جائیگا۔ یہ وہی ہے جو تم نے اپنے لئے جمع کرکے رکھا تھا

فَذُوقُوا مَا كُنتُمْ تَكْنِزُونَ ﴿٣٥﴾ إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ

تو اس اپنے جمع کرنیکا مزہ چکھو۔ بلاشبہ اللہ نے جس دن سے آسمانوں اور زمین کو

عِندَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ

پیدا کیا ہے مہینوں کی گنتی اس کے نزدیک کتاب الٰہی یعنی لوح محفوظ میں

خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ۚ

بارہ مہینے مقرر ہیں ان مہینوں میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں

ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ ۚ فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنفُسَكُمْ ۚ

یہی امر مذکور سیدھا سادھا ضابطہ ہے لہٰذا ان مہینوں میں معاصی کے مرتکب ہوکر اپنے اوپر ظلم نہ کرو

وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً ۚ

اور مسلمانو تم سب مشرکوں سے لڑو جس طرح وہ تم سب سے لڑتے ہیں

وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ﴿٣٦﴾ إِنَّمَا النَّسِيءُ

اور یقین جانو کہ اللہ اہل تقویٰ کے ساتھ ہے۔ کسی مہینے کو ہٹا کر آگے پیچھے کر دینا یہ کفر کے زمانے کی

کو دردناک عذاب کی خوش خبری دیدیجئے حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں اللہ کی راہ میں خرچ کرنا یہ کہ زکوٰۃ اور قرض اور حق دار کا حق دیتا رہے ۱۲ (۳۴) یہ دردناک عذاب اس دن ہوگا جس دن اس سونے چاندی کو دوزخ کی آگ میں رکھ کر پہلے تپایا جائے گا پھر اس تپے ہوئے سونے چاندی سے ان کی پیشانیوں کو اور ان کے پہلوؤں کو اور ان کی پیٹھوں کو داغا جائیگا اور کہا جائیگا یہ وہی ہے جو تم نے اپنے لئے جمع کرکے رکھا تھا تو آج اس اپنے جمع کرنیکا مزہ چکھو ؛ یعنی جس مال میں سے اللہ کا حق ادا نہ کیا جائے وہی مال قیامت میں موجب وبال ہوگا (۳۵) بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے جس دن سے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اسی دن سے مہینوں کی گنتی اس کے پاس کتاب الٰہی میں بارہ مہینے مقرر ہیں ان میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں یہی امر مذکور دین مستقیم ہے اور سیدھا سادھا ضابطہ ہے لہٰذا ان چار مہینوں میں معاصی کے مرتکب ہوکر اپنے اوپر ظلم نہ کرو اور مسلمانوں تم سب مشرکوں سے اسی طرح لڑو جس طرح وہ تم سب سے لڑنے کو تیار رہتے ہیں اور یہ بات جان لو کہ اللہ تعالیٰ اہل تقویٰ کے ساتھ ہے ؛ یعنی ابتدائے آفرینش سے مہینوں کا شمار اللہ تعالیٰ کے نزدیک کتاب الٰہی یعنی لوح محفوظ میں یا احکام شرعیہ میں قمری بارہ مہینے ہیں۔ محرم صفر ربیع الاول۔ ربیع الثانی۔ جمادی الاول۔ جمادی الثانی۔ رجب۔ شعبان۔ رمضان۔ شوال۔ ذی قعدہ۔ ذی الحجہ، ان بارہ مہینوں میں چار ادب والے مہینے ہیں وہ چار ذی قعدہ۔ ذی الحجہ محرم۔ رجب ہیں۔ تین تو متوالی اور متواتر ہیں اور رجب شعبان اور جمادی الثانی کے درمیان کا مہینہ ہے ان چار مہینوں میں دشمن سے جنگ کی ابتدا نہ کرو مگر ہاں جبکہ وہ خود ابتدا کریں جیسا کہ سورۂ بقرہ میں تفصیل گزر چکی ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ ان بارہ مہینوں میں سے کسی مہینے میں بھی اپنی جان پر ظلم نہ کرو اور گناہ کرکے اپنا نقصان نہ کرو۔ آخر میں کفار سے قتال کا حکم دیا کہ جس طرح وہ تمہاری بیخ کنی کے درپے رہتے ہیں تم بھی ان سے اسی طرح لڑو حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں ہمیشہ حکم شرع میں برس ہے بارہ مہینہ کا نہ کم نہ زیادہ اور دین ابراہیمؑ میں چار مہینے حرام تھے ذی قعدہ۔ ذی الحجہ۔ محرم۔ رجب کہ ان میں لڑنا حرام تھا ملک عرب میں امن تھا تاکہ لوگ دور اور نزدیک کے حج وغیرہ کرسکیں اب اکثر علماء پاس یہ حکم نہیں اس آیت سے بھی نکلتا ہے کہ کافروں سے لڑنا ہمیشہ روا ہے اور آپس میں ظلم کرنا ہمیشہ گناہ ہے ان مہینوں میں زیادہ لیکن بہتر یہ ہے کہ اگر کوئی کافر ان مہینوں کا ادب مانے تو ہم بھی اس سے ابتدا نہ کریں لڑائی کی ۱۲ (۳۶) کسی مہینے کو ہٹا کر آگے پیچھے کر دینا کفر کے عہد میں بڑھائی ہوئی بات ہے جس سے منکرین دین حق گمراہ کئے جاتے ہیں کہ وہ ایک سال حرام

مہینے کو حلال کرلیتے ہیں اور دوسرے سال اس کو حرام کرلیتے ہیں تاکہ جن مہینوں کو اللہ تعالیٰ نے حرمت والا مقرر کیا ہے اور جن کو ادب کیلئے تجویز فرمایا ہے ان کی گنتی پوری کردیں لہٰذا اس طرزِ عمل سے یہ لوگ ان مہینوں کو جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے حلال کرلیتے ہیں ان کے اعمال کی برائی ان کو مزین اور خوش نما کرکے دکھائی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ ایسے منکرینِ حق کو ہدایت کی توفیق نہیں دیا کرتا ؛ حضرت ابراہیمؑ کی ملت میں مذکورہ چار مہینے ادب اور حرمت کے شمار ہوتے تھے اور ان مہینوں میں امن رہتا تھا جنگ بند ہو جاتی تھی لیکن دورِ کفر وجہالت میں جنگی مصلحتوں کے پیشِ نظر ان مہینوں میں ردو بدل کرنے لگے محرم کے مہینے کو کہدیا کہ یہ صفر کا مہینہ شمار ہوگا اور صفر کا مہینہ محرم کا شمار کیا جائے گا عام طریقہ سے محرم اور صفر کا بہت زیادہ تبادلہ کیا کرتے تھے ظاہر ہے کہ اس ردو بدل سے حرمت وحلت ہی بدل جاتی تھی جس مہینے جنگ بند ہونی چاہئے اُس میں لڑائی لڑلیتے اور جس میں جنگ کی اجازت تھی اُس میں جنگ بند کرکے بیٹھ گئے اللہ تعالیٰ نے اس طریقہ کی مذمت فرمائی حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کافروں نے ایک سگراہی نکالی تھی کہ آپس میں لڑتے اس میں آجاتا ماہِ حرام اس کو ہٹا دیتے کہتے اب کے برس صفر پہلے آیا محرم پیچھے آوے گا ماہِ حرام میں لڑتے اس حیلے سے اس پر حق تعالیٰ نے فرمایا ۱۲ برے اعمال اگر کسی کو اچھے معلوم ہونے لگیں تو سمجھو توبہ کی توفیق گئی (۳۷) اے ایمان لانے والو! تم کو کیا ہوگیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے کوچ کرو اور باہر چلو اور گھروں سے نکلو تو تم زمین سے چپکے جاتے ہو اور زمین پر ڈھیر ہوئے جاتے ہو اور زمین پر ڈھے جاتے ہو کیا تم آخرت کے مقابلے میں اور آخرت کے بدلے میں دُنیوی زندگی پر قانع اور رضامند ہوگئے ہو تو آخرت کے فوائد اور تمتع کے مقابلے میں تو دنیوی منافع کچھ بھی نہیں مگر بہت ہی تھوڑے اور بہت ہی کم ؛ غزوۂ تبوک کی تیاری کا حکم ملا تو سخت گرمی کا موسم تھا تبوک مدینہ سے چودہ منزل ہے کچھ لوگ کشمکش وپیچ میں پڑ گئے غزوۂ تبوک کا حکم ۹ھ میں دیا گیا (۳۸) اگر تم جہاد کے لئے کوچ نہ کروگے اور گھروں سے نہ نکلوگے تو اللہ تعالیٰ تم کو دردناک سزا دے گا اور تمہارے بدلے کسی اور قوم کو تمہاری جگہ لے آئے گا اور تم اللہ تعالیٰ کے دین کو کوئی نقصان نہ پہونچا سکوگے اور اللہ تعالیٰ ہر شے پر پوری طرح قادر ہے ؛ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یہاں سے مذکور ہے جنگ تبوک کا جب اسلام غالب ہوا اور عرب میں پھیلا شام کے رئیس تھے قوم غسان تابع شاہ روم کے اس فکر میں لگے کہ شاہ روم کو اس طرف لاویں اور جنگ مچاویں حضرت کو خبر ہوئی آپ نے بھی ان پر قصد کیا اور خط لکھا روم کے شاہ کو دین اسلام کی دعوت پر اس پر ثابت ہوئی حضرت کی نبوت لیکن قوم نے رفاقت نہ کی وہ بھی اسلام سے محروم رہا جب شام والوں نے خبر پائی حضرت کے ارادے کی شاہ روم سے ظاہر کیا اس نے مدد کا ذمہ نہ لیا ان لوگوں نے اطاعت کی لیکن مسلمان نہ ہوئے پھر عنقریب حضرت کی وفات ہوئی بعد اس کے خلافت حضرت عمرؓ میں تمام ملک شام فتح ہوا اس جنگ میں دشمن قوی نظر آیا اور سفر دراز دیکھا اور اسباب کم منافق لگے بہانے لانے حضرت نے سب کو رخصت دی جب اللہ کے فضل سے غالب ومنصور پھر آئے تب منافق فضیحت ہوئے اس سورت میں اکثر منافقوں کا بیان ہے ۱۲ (۳۹) اگر تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد

زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُحِلُّونَهُ

بڑھائی ہوئی بات ہے جس سے یہ کافر لوگ گمراہی میں مبتلا کئے جاتے ہیں کہ وہ ایک سال حرام مہینے کو

عَامًا وَيُحَرِّمُونَهُ عَامًا لِيُوَاطِئُوا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ

حلال کرلیتے ہیں اور کسی سال اس کو حرمت والا قرار دے لیتے ہیں تاکہ جن مہینوں کو اللہ نے حرمت والا مقرر کیا ہے

اللَّهُ فَيُحِلُّوا مَا حَرَّمَ اللَّهُ ۚ زُيِّنَ لَهُمْ سُوءُ أَعْمَالِهِمْ ۗ

ان کی گنتی پوری کرلیں پھر جو مہینے اللہ نے حرام کئے ہیں ان کو حلال کرلیتے ہیں ان کے اعمال کی برائی انکو خوشنما کرکے دکھائی گئی ہے

وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿٣٧﴾ ع يَا أَيُّهَا الَّذِينَ

اور اللہ ایسے منکرینِ حق کو ہدایت کی توفیق نہیں دیتا۔ اے ایمان والو

آمَنُوا مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمُ انْفِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ

تم کو کیا ہوگیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے

اثَّاقَلْتُمْ إِلَى الْأَرْضِ ۚ أَرَضِيتُمْ بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا

باہر چلو تو تم زمین سے چپکے جاتے ہو کیا تم آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی زندگی پر

مِنَ الْآخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا

رضامند ہوگئے ہو سو آخرت کے فائدوں کے مقابلہ میں دنیاوی منافع تو کچھ بھی نہیں مگر

قَلِيلٌ ﴿٣٨﴾ إِلَّا تَنْفِرُوا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ق

بہت ہی کم۔ اگر تم جہاد کے لئے نہ نکلوگے تو خدا تم کو دردناک سزا دے گا اور

وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوهُ شَيْئًا ۗ وَاللَّهُ

تمہارے بدلے کسی اور قوم کو تمہاری جگہ لے آئیگا اور تم اللہ کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکوگے اور اللہ

عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٣٩﴾ ع إِلَّا تَنْصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ

ہر شئ پر پوری طرح قادر ہے۔ اگر تم لوگ پیغمبر کی مدد نہ کروگے تو یاد رکھو اللہ ان کی اُس نازک وقت میں مدد

اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ

کرچکا ہے جب کافروں نے ان کو اس حال میں جلاوطن کیا تھا کہ دو شخصوں میں سے وہ ایک تھے جس وقت

ع ۵ ۸ ۱۱

هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ

یہ دونوں غارِ ثور میں تھے اس وقت یہ پیغمبر اپنے ساتھی سے فرما رہے تھے کہ کچھ غم نہ کر یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے

مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ

ساتھ ہے پھر اللہ نے اپنے پیغمبر پر تسکین نازل فرمائی اور اپنے پیغمبر کی مدد ایسے لشکروں سے فرمائی

لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ۭ

جن کو تم نے نہیں دیکھا اور اللہ نے کافروں کی بات نیچی کر دی

وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۴۰﴾

اور سدا اللہ ہی کی بات بلند رہتی ہے اور اللہ کمال قوت اور کمال علم کا مالک ہے

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَ

مسلمانو جس حالت میں بھی ہو جہاد کے لئے نکل کھڑے ہو خواہ تم ہلکے ہو یا بھاری اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں

اَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ

اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے اگر تم کچھ سمجھ رکھتے ہو تو تمہارے لئے

تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾ لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا

یہی بہتر ہے۔ اگر آپ کی دعوتِ جہاد ایسی ہوتی کہ جس میں نفع قریب الحصول ہوتا اور سفر بھی آسان ہوتا

لَّاتَّبَعُوْكَ وَلٰكِنْۢ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ۭ وَ

تو یہ لوگ ضرور آپکے ساتھ ہو لیتے مگر ان کو سفر کی مسافت ہی بعید نظر آئی اور

سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ

عنقریب تمہاری واپسی پر یہ لوگ خدا کی قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ اگر ہم استطاعت رکھتے تو ہم ضرور تمہارے ساتھ نکلتے

يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۴۲﴾ ع

یہ لوگ جھوٹی قسموں سے خود ہی اپنے آپکو ہلاک کرتے ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ یہ منافق یقیناً جھوٹے ہیں۔

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ

اے نبی اللہ تعالیٰ آپ کو معاف فرمائے آپ نے [illegible] پیشتر [illegible] کو سچ بولنے والے ظاہر ہو جاتے

نہ کرو گے تو اللہ تعالیٰ آپ کی مدد کرے گا جیسا کہ وہ اپنے رسول کی اس نازک وقت میں مدد کر چکا ہے جب کافروں نے ان کو اس حال میں جلا وطن کیا تھا کہ وہ دو میں سے ایک تھے جس وقت یہ دونوں غارِ ثور میں تھے اس وقت پیغمبر اپنے ساتھی اور اپنے صاحب سے فرما رہے تھے کہ تو کچھ غم نہ کر اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر تسکین و تسلی نازل فرمائی اور اپنے پیغمبرؐ کی ایسے لشکروں سے مدد فرمائی اور ایسے لشکروں سے قوت دی جن کو تم نے نہیں دیکھا اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کی بات نیچی کر دی اور ہمیشہ اللہ ہی کی بات اونچی رہتی ہے اور اسی کا بول بالا رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کمال قوت اور کمال حکمت کا مالک ہے ؛ کافروں کی بات نیچی ہوئی یعنی حضورؐ صحیح سلامت غار سے نکل کر چلے گئے۔ فرشتوں کے لشکروں سے قوت دی۔ فرشتے غارِ ثور کو گھیر کر کھڑے ہو گئے حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ رفیقِ غار ابوبکر صدیقؓ ہیں ہجرت میں فقط یہی تھے حضرت کے ساتھ اور اصحاب بعضے پہلے نکل گئے تھے بعضے پیچھے نکل آئے ۱۲

(۴۰) مسلمانو! تم جس حالت میں بھی ہو جہاد کیلئے نکل کھڑے ہو خواہ تم ہلکے ہو یا بھاری اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرو اگر تم کچھ سمجھ رکھتے ہو تو تمہارے لئے یہی بہتر ہے ؛ یعنی نفیرِ عام کی حالت میں یہ نہ دیکھو کہ سامان تھوڑا ہے یا زیادہ مالدار ہو یا فقیر، بوڑھے ہو یا جوان غرض جس حالت میں ہو نکل پڑو اور کوچ کرو جہاد کرنا دین و دنیا دونوں کے اعتبار سے بہتر ہے اگر تم جانتے اور یقین رکھتے ہو (۴۱) اے پیغمبر اگر آپ کی دعوتِ جہاد اور آپ کا بلاوا ایسا ہوتا جس میں قریب الحصول کوئی فائدہ ہوتا اور لگے ہاتھ کچھ ملنے والا ہوتا اور سفر بھی آسان اور درمیانی درجہ کا ہوتا تو یہ منافق ضرور آپ کے ساتھ ہو لیتے لیکن ان کو تو مسافت ہی دور دراز معلوم ہونے لگی اور عنقریب تمہاری واپسی پر منافق اللہ تعالیٰ کے نام کی قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ اگر ہمارے بس کی بات ہوتی اور ہم مقدور رکھتے تو ضرور ہم تمہارے ساتھ نکل چلتے یہ لوگ ان جھوٹی قسموں سے خود ہی اپنے آپ کو تباہ و برباد کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ یہ لوگ یقیناً جھوٹے اور کاذب ہیں ؛ یعنی نفع قریب ہوتا اور مسافت اوسط درجے کی ہوتی تو اس لالچ میں نکل چلتے لیکن مسافت چودہ منزل کی اور قریبی غنیمت اور سامان مقرر نہیں تو کیسے چلیں، اپنی جانوں کو ہلاک کرنا یعنی جھوٹی قسموں سے عذاب کا مستحق ہونا (۴۲) اے پیغمبر اللہ تعالیٰ آپ کو معاف فرمائے آپ نے ان کو رخصت دینے میں جلدی کیوں کی اور آپ نے اس سے پیشتر کہ آپ کو سچ بولنے والے اور سچے لوگ ظاہر ہو جاتے اور آپ جھوٹوں اور جھوٹ بولنے والوں

ع ۵ ۶ ۱۲

کوجان لیتے ان کو رہ جانیکی اجازت کیوں دی :۔ غزوۂ تبوک کا اعلان ہونے پر منافقوں نے طرح طرح کے بہانے بنانے شروع کئے جب کوئی منافق جھوٹا بہانا بناکر پیش کرتا تو آپ اُس کو مدینہ میں رہ جانیکی اجازت دیدیتے اسپر فرمایا کہ اجازت دینے میں تعجیل سے کیوں کام لیا اگر آپ جلدی نہ کرتے تو جھوٹوں کا جھوٹ اور سچوں کا سچ ظاہر ہوجاتا یہ ایک خلاف اَولیٰ اور نامناسب کام ہوا اس پر تنبیہ فرمائی لیکن تنبیہ سے پہلے معافی کا اظہار کر دیا تاکہ پیغمبر کو تکلیف نہ ہو اگرچہ وہ لوگ جہاد میں لے جانے کے قابل نہ تھے مگر اجازت دینے میں جلدی نہ کرنی چاہئے تھی (۴۳) اے پیغمبر جو لوگ اللہ تعالیٰ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرنے اور جہاد کے میدان میں حاضر ہونے سے بچنے کے لئے آپ سے رخصت طلب نہیں کریں گے اور اللہ تعالیٰ ان متقیوں کو خوب جانتا ہے :۔ یعنی جو اہلِ ایمان اور اہلِ تقویٰ ہیں وہ اللہ کی راہ میں اپنی جان اور مال خرچ کرنے کو ہر وقت تیار رہتے ہیں وہ جہاد سے بچنے کے لئے نہ کوئی بہانہ بنائیں گے۔ اور نہ رخصت طلب کریں گے (۴۴) البتہ وہی لوگ آپ سے اجازت طلب کرنے کے خوگر ہیں جو نہ تو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور اسلام کی طرف سے ان کے دل شک میں مبتلا ہیں تو ایسے لوگ اپنے شکوک و شبہات میں حیران و متردد ہیں :۔ جس کو اللہ پر ایمان نہیں اس کا دل مرنے کو آمادہ نہیں وہی رخصت مانگنے کو طرح طرح کے بہانے کرتے ہیں (۴۵) اور اگر یہ لوگ غزوۂ تبوک میں جانیکو آمادہ ہوتے تو اس کے لئے کچھ سامان کی تیاری تو کرتے لیکن اللہ تعالیٰ نے جہاد کے لئے ان کے اٹھنے اور نکلنے کو پسند نہیں کیا لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان کو بوجھل کر دیا اور ان کو روک دیا اور ان کو توفیق ہی نہیں دی اور ان کو کہا گیا کہ تم بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو :۔ یعنی جب کوئی سفر کا سامان نہیں کیا تو معلوم ہوا ان کی نیت ہی کوچ کرنے کی نہ تھی اسی بنا پر ان سے توفیق الٰہی سلب کرلی گئی اور اللہ تعالیٰ نے ایسے نیک کام میں انکی شرکت کو پسند نہیں کیا اور تکوینی طور پر کہا گیا کہ جس طرح اپاہج اور معذور لوگ بیٹھتے ہیں تم بھی انہی کی طرح ان کے ساتھ بیٹھے رہو (۴۶) اگر یہ لوگ تم میں شامل ہوکر نکل بھی چلتے تو تم میں سوائے اس کے کہ فساد اور خرابی پھیلاتے یہ اور کیا کرتے اور تم میں فتنہ و فساد پھیلانے کی تلاش میں اِدھر سے اُدھر دوڑے پھرتے اور تمہارے درمیان فتنہ پردازی کی فکر میں گھوڑے دوڑاتے پھرتے اور تم میں اب بھی ان کے جاسوس موجود ہیں اور اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں اور شریروں کو خوب جانتا ہے :۔ جب نیت ہی خراب ہو

لَكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِينَ ﴿٤٣﴾ لَا

اور آپ جھوٹ بولنے والوں کو جان لیتے ان کو رہ جانے کی اجازت کیوں دی۔ اے پیغمبر

يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ

جو لوگ اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ تو اپنے مالوں اور اپنی

الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۗ وَ

جانوں کے ساتھ جہاد کرنے سے بچنے کے لئے آپ سے رخصت طلب نہیں کیا کرتے اور

اللّٰهُ عَلِيمٌۢ بِالْمُتَّقِينَ ﴿٤٤﴾ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِينَ

اللہ تعالیٰ ان متقیوں کو خوب جانتا ہے - البتہ وہی لوگ آپ سے اجازت طلب کرتے ہیں

لَا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ

جو نہ تو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ یوم آخرت پر اور ان کے دل شک میں

قُلُوبُهُمْ فَهُمْ فِي رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُونَ ﴿٤٥﴾ وَلَوْ

مبتلا ہیں سو ایسے لوگ اپنے شکوک میں ہی متحیر و متردد ہیں - اور اگر یہ لوگ

اَرَادُوا الْخُرُوجَ لَاَعَدُّوا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ

نکلنے کو آمادہ ہوتے تو اس کے لئے کسی سامان کی تیاری تو کرتے لیکن اللہ نے جہاد کیلئے

اللّٰهُ انْبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيلَ اقْعُدُوا مَعَ

ان کا اٹھنا پسند نہیں کیا لہٰذا اللہ نے ان کو روک دیا اور ان کو کہا گیا کہ تم بیٹھنے والوں کے ساتھ ہی

الْقٰعِدِينَ ﴿٤٦﴾ لَوْ خَرَجُوا فِيكُمْ مَّا زَادُوكُمْ اِلَّا

بیٹھے رہو - اگر یہ لوگ تم میں شامل ہو کر نکل بھی چلتے تو تم میں خرابی پھیلانے کے سوا

خَبَالًا وَّلَاَاوْضَعُوا خِلٰلَكُمْ يَبْغُونَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ

اور کچھ نہ کرتے اور تمہارے اندر فتنہ و فساد پھیلانے کی تلاش میں گھوڑے دوڑاتے پھرتے

وَفِيكُمْ سَمّٰعُونَ لَهُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيمٌۢ بِالظّٰلِمِينَ ﴿٤٧﴾

اور تم میں اب بھی اُن کے جاسوس موجود ہیں اور اللہ ان ظالموں کو خوب جانتا ہے -

لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوا لَكَ الْأُمُورَ

اور بلاشبہ یہ لوگ پہلے سے بھی فتنہ وفساد کی جستجو میں ہیں اور آپ کے متعلق مختلف تدابیر کی الٹ پلٹ کرتے رہے

حَتَّىٰ جَاءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ أَمْرُ اللَّهِ وَهُمْ كَارِهُونَ ﴿٤٨﴾

ہیں یہاں تک کہ سچا وعدہ آپہنچا اور خدا کا حکم غالب ہوا حالانکہ یہ بُرا ہی مانتے رہے۔

وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ ائْذَنْ لِي وَلَا تَفْتِنِّي ۚ أَلَا

اور انہی منافقوں میں سے وہ شخص بھی ہے جو یوں کہتا ہے کہ مجھ کو رہ جانیکی اجازت دیدیجئے اور مجھ کو کسی

فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوا ۗ وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ

فتنہ میں نہ ڈالئے آگاہ ہوجاؤ یہ لوگ فتنے میں تو گر ہی چکے ہیں اور بیشک دوزخ کافروں کو ضرور

بِالْكَافِرِينَ ﴿٤٩﴾ إِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۖ وَإِنْ

گھیرنے والی ہے۔ اگر آپ کو کوئی بھلائی پہونچتی ہے تو وہ اُن کے لئے رنجدہ ہوتی ہے اور اگر آپ

تُصِبْكَ مُصِيبَةٌ يَقُولُوا قَدْ أَخَذْنَا أَمْرَنَا مِنْ

کو کوئی حادثہ پیش آجاتا ہے تو یوں کہتے ہیں کہ ہم نے تو پہلے ہی سے اپنے بارے میں دُور اندیشی کا پہلو اختیار

قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَهُمْ فَرِحُونَ ﴿٥٠﴾ قُلْ لَنْ يُصِيبَنَا إِلَّا

کرلیا تھا اور خوش ہوتے ہوئے تمہارے پاس سے واپس جاتے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ ہم پر ہرگز کوئی مصیبت نہیں آسکتی

مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا هُوَ مَوْلَانَا ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ

مگر وہی جو اللہ نے ہمارے لئے لکھدی ہے وہی ہمارا آقا و مولا ہے اور مسلمانوں کو چاہیئے کہ صرف اللہ ہی

الْمُؤْمِنُونَ ﴿٥١﴾ قُلْ هَلْ تَرَبَّصُونَ بِنَا إِلَّا إِحْدَى

پر بھروسہ کیا کریں، اے پیغمبر آپ ان سے کہدیجئے کہ تم ہمارے لئے دو بھلائیوں میں سے ایک بھلائی کا

الْحُسْنَيَيْنِ ۖ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ أَنْ يُصِيبَكُمُ اللَّهُ

انتظار کیا کرتے ہو یعنی شہادت یا غنیمت اور ہم تمہارے حق میں اس بات کا انتظار کرتے ہیں کہ اللہ تم پر

بِعَذَابٍ مِنْ عِنْدِهِ أَوْ بِأَيْدِينَا ۖ فَتَرَبَّصُوا إِنَّا مَعَكُمْ

کوئی عذاب اپنے پاس سے بھیجے یا ہمارے ہاتھوں بھیجے اچھا تم انتظار کرتے رہو ہم بھی تمہارے ساتھ

اور ان منافقوں کا یہ طرزِ عمل آج کوئی نیا نہیں ہے بلکہ یہ لوگ پہلے سے فتنہ وفساد کی جستجو میں ہیں اور انھوں نے پہلے بھی فتنہ برپا کرنا چاہا تھا اور آپ کے متعلق مختلف تدابیر کی الٹ پلٹ کرتے رہے یہاں تک کہ سچا وعدہ آ پہونچا اور اللہ تعالیٰ کا حکم غالب رہا اور ان کو ناگوار ہی گزرتا رہا۔ یعنی غزوۂ اُحد وغیرہ میں بھی یہ فتنہ برپا کرنے کی تلاش میں تھے اور آپ کو نقصان پہونچانے کی تدابیر میں تو لگے ہی رہے ہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت کا سچا وعدہ آگیا اور اس کا حکم غالب رہا (۴۸) اور انہی منافقوں میں سے وہ شخص بھی ہے جو یوں کہتا ہے کہ مجھ کو پیچھے رہ جانیکی اجازت دیدیجئے اور مجھ کو کسی فتنے میں مبتلا نہ کیجئے اور فتنے میں نہ ڈالئے آگاہ رہو اور خبردار ہو یہ لوگ فتنے میں تو گھر ہی چکے ہیں اور بلاشبہ دوزخ کافروں کو ضرور گھیرنے والی ہے۔ شاید جد بن قیس کی طرف اشارہ ہے جس نے یہ کہہ کر رخصت مانگی تھی کہ آپ تبوک میں مجھکو نہ لے چلئے وہاں رومیوں سے جنگ ہوگی رومیوں کی عورتیں خوبصورت ہوتی ہیں میں جوان ہوں آپ کی وجہ سے کسی فتنے میں پڑجاؤنگا ارشاد ہوا فتنے میں تو گرے پڑے ہیں اللہ رسول کی مخالفت سے بڑا فتنہ کیا ہوگا حضرت شاہ صاحب رح فرماتے ہیں ایک منافق جد بن قیس بہانہ لایا کہ روم کی عورتیں خوبصورت ہیں اس ملک میں جاکر بدی میں گرفتار ہوں گا رخصت دو کہ سفر میں نہ جاؤں لیکن مدد خرچ کروں گا مال سے ۱۲ (۴۹) اگر آپ کو کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو وہ اُن کے لئے رنجیدہ اور موجب غم ہوتی ہے اور اگر آپ کو کوئی حادثہ پیش آجاتا ہے اور کوئی سختی پہونچ جاتی ہے تو یوں کہتے ہیں ہم نے تو پہلے ہی اپنے بارے میں دور اندیشی اور احتیاط کا پہلو اختیار کرلیا تھا اور پہلے ہی اپنا کام سنبھال لیا تھا اور خوش ہوتے ہوئے واپس چلے جاتے ہیں۔ یعنی ان منافقوں کے تعصب کا یہ حال ہے کام سنبھال لیا یعنی تمہارے ساتھ جنگ میں نہیں گئے ورنہ ہم پر مصیبت آتی (۵۰) آپ فرما دیجئے کہ ہم پر ہرگز کوئی مصیبت نہیں آسکتی اور ہم کو کوئی حادثہ پیش نہیں آتا مگر وہی جو اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے اور ہمارے لئے مقرر کردیا ہے وہی ہمارا مالک اور آقا و مولا ہے اور مسلمانوں کو چاہیئے کہ بس اللہ ہی پر بھروسہ رکھا کریں (۵۱) اے پیغمبر آپ ان منکروں سے کہدیجئے تم تو ہمارے حق میں دو بھلائیوں میں سے اور دو بہتریوں میں سے ایک نہ ایک بھلائی اور بہتری

مُّتَرَبِّصُونَ ﴿٥٢﴾ قُلْ أَنفِقُوا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا لَّن يُتَقَبَّلَ

انتظار کر رہے ہیں ۔ آپ فرما دیجئے کہ تم خوشی سے خرچ کرو یا ناخوشی سے خرچ کرو تمہاری جانب سے کوئی خیرات

مِنكُمْ ۖ إِنَّكُمْ كُنتُمْ قَوْمًا فَاسِقِينَ ﴿٥٣﴾ وَمَا مَنَعَهُمْ أَن

ہرگز نہیں قبول کی جائیگی کیونکہ تم لوگ نافرمان ہو ۔ اور ان کی خیرات قبول کیے جانے سے بجز

تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقَاتُهُمْ إِلَّا أَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَبِرَسُولِهِ

اس امر کے کوئی بات مانع نہیں کہ انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا

وَلَا يَأْتُونَ الصَّلَاةَ إِلَّا وَهُمْ كُسَالَىٰ وَلَا يُنفِقُونَ

اور یہ نماز کو نہیں آتے مگر بڑی کاہلی سے اور یہ خیرات نہیں کرتے

إِلَّا وَهُمْ كَارِهُونَ ﴿٥٤﴾ فَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَلَا

مگر با دل ناخواستہ ۔ سو ان کے مال آپ کیلئے موجب تعجب ہوں اور نہ

أَوْلَادُهُمْ ۚ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُم بِهَا فِي الْحَيَاةِ

اُن کی اولاد کیونکہ اللہ کا مقصد ہی یہ ہے کہ ان چیزوں کے ذریعہ ان کافروں کو دنیا ہی کی زندگی میں

الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ أَنفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُونَ ﴿٥٥﴾ وَيَحْلِفُونَ

بتلائے عذاب رکھے اور اُن کی جان کفر ہی کی حالت میں نکلے ۔ اور خدا کی قسمیں کھا کھا کر

بِاللَّهِ إِنَّهُمْ لَمِنكُمْ وَمَا هُم مِّنكُمْ وَلَٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ

یہ لوگ کہتے ہیں کہ وہ یقیناً تم ہی میں سے ہیں حالانکہ وہ تم میں سے نہیں ہیں لیکن وہ لوگ

يَفْرَقُونَ ﴿٥٦﴾ لَوْ يَجِدُونَ مَلْجَأً أَوْ مَغَارَاتٍ أَوْ مُدَّخَلًا

تم سے ڈرتے ہیں ۔ اگر یہ کوئی پناہ گاہ یا کوئی چھپنے کو غار یا سر گھسانے کو کوئی جگہ پائیں تو یہ ضرور دوڑے

لَّوَلَّوْا إِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُونَ ﴿٥٧﴾ وَمِنْهُم مَّن يَلْمِزُكَ

ہوئے جلدی سے اُس طرف چلے جائیں ۔ اور ان میں سے بعض لوگ وہ بھی ہیں کہ صدقات کی تقسیم میں

فِي الصَّدَقَاتِ فَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا رَضُوا وَإِن لَّمْ

آپ پر طعن کرتے ہیں پھر اگر ان صدقات میں سے اُن کو انکی حسب منشا مل جائے تو خوش ہو جاتے ہیں اور اگر ان صدقات

کا انتظار کیا کرتے ہو اور ہم تمہارے لئے اس بات کے منتظر رہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تم پر کوئی عذاب اپنے پاس سے واقع کرے یا ہمارے ہاتھوں تم پر کوئی عذاب بھیجے اچھا تم انتظار کرتے رہو ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار کر رہے ہیں ﴿ یعنی تم ہماری شکست یا فتح کا دونوں میں سے ایک کا انتظار کیا کرتے ہو اور یہ دونوں چیزیں ہمارے حق میں بھلی اور بہتر ہیں شکست ہوگی اللہ کی راہ میں مارے جائیں گے تب بھی اجر کے مستحق ہونگے اور فتح ہوگی تو کامیاب ہو کر واپس ہوں گے ہمارے لئے راحت ہو یا مصیبت دونوں ہی بہتر ہیں لیکن تمہاری یہ حالت نہیں تم بہرحال عذاب کے مستحق ہو خواہ وہ عذاب قیامت میں واقع ہو یا دنیا میں کوئی بلا واقع ہو یا ہمارے ہی ہاتھوں قتل کیے جاؤ تم بھی انتظار کرو ہم بھی منتظر ہیں (۵۲) آپ فرما دیجئے تم خوشی سے خرچ کرو یا ناخوشی اور ناگواری سے خرچ کرو تمہاری جانب سے کوئی خیرات قبول نہیں کی جائیگی کیونکہ تم نافرمان اور عدول حکمی کرنے والے ہو ﴿ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں وہ جو مرد خرچ دینے لگا سو جواب ملا بے اعتقاد کا مال قبول نہیں ۱۲ کرھاً کا یہ مطلب نہیں کہ کوئی زبردستی کی جاتی تھی بلکہ منافق بدون اعتقاد کے کچھ دیتے اسے کرھاً فرمایا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ قبول ہی نہیں کیا جاتا تھا پھر جبر کیسا (۵۳) اور ان کی خیرات قبول کیے جانے سے بجز اس امر کے اور کوئی بات مانع نہیں کہ انھوں نے اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور یہ نماز کو نہیں آتے مگر بڑی کاہلی اور ہارے جی سے اور یہ خیرات نہیں کرتے مگر با دل ناخواستہ ﴿ یعنی یہ کفر اور اعتقاد کا فقدان عدم قبولیت کا سب سے بڑا سبب ہے (۵۴) رہا یہ شبہ کہ ان نافرمانوں کو دولت کیوں دی جاتی ہے اس کا جواب دیا گیا سوائے پیغمبر آپ کو ان کے مال اور انکی اولاد تعجب میں نہ ڈالیں کیونکہ اللہ کا مقصد ہی یہ ہے کہ ان چیزوں کے ذریعہ ان کافروں کو دنیا ہی کی زندگی میں بتلائے عذاب رکھے اور ان کی جان کفر ہی کی حالت میں نکلے ﴿ یعنی مال حاصل کرنے میں پریشانی پھر حفاظت میں کوفت پھر مرتے وقت کی تکلیف حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی یہ تعجب نہ کرو کہ بے دین کو اللہ نے نعمت کیوں دی بے دین کے حق میں اولاد اور مال وبال ہے کہ ان کے پیچھے دل پریشان ہے اور ان کی فکر سے چھوٹنے نہ پاویں مرتے دم تک تا توبہ کرے یا نیکی پکڑے (۵۵) اور اللہ تعالیٰ کے نام کی قسمیں کھا کھا کر یہ منافق کہتے ہیں کہ وہ یقیناً تم ہی میں سے ہیں اور جیسے تم مسلمان ہو ایسے ہی وہ ہیں حالانکہ واقع میں وہ تم میں سے نہیں ہیں لیکن وہ لوگ ڈرپوک ہیں اور تم سے ڈرتے ہیں ﴿ یعنی ڈر اور خوف کی وجہ سے اسلام کا اظہار کرتے ہیں مگر باطن میں نہیں (۵۶) ان لوگوں کو اگر کوئی پناہ گاہ مل جاتی یا کہیں پہاڑوں وغیرہ میں چھپنے کو غار مل جاتے یا کہیں سر گھسانے کو کوئی جگہ ان کو مل جائے تو یہ ضرور منہ پھیر کر دوڑے ہوئے اُدھر چلے جائیں ﴿ یعنی اسلامی حکومت کے پھیلاؤ نے ان کو مجبور کر دیا ہے ورنہ ان کو اگر کوئی ٹھکانا ذرا سا بھی کہیں نظر آجائے تو تم کو چھوڑ کر اُدھر بھاگ جائیں جس طرح کوئی جانور رسی تڑا کے بھاگتا ہے (۵۷) اور ان میں سے بعض لوگ وہ بھی ہیں جو صدقات کی تقسیم کے بارے میں آپ پر طعن کرتے ہیں پھر اگر ان صدقات میں سے ان کو ان کی خواہش کے مطابق مل جائے تو خوش ہو جاتے ہیں اور راضی ہو جاتے ہیں اور اگر ان کے حسب منشاء

يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ﴿٥٨﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ

میں سے اُن کی خواہش کے مطابق اُن کو نہ دیا جائے تو وہ ناراض ہوجاتے ہیں۔ اور اُنکے حق میں کیا اچھا ہوتا اگر

رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۙ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ

اللہ اور اُس کے رسول نے جو اُن کو دیا تھا اُس پر وہ لوگ راضی رہتے اور یوں کہتے کہ ہم کو اللہ کافی ہے

سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗۤ ۙ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ

اللہ ہم کو اپنے فضل سے آئندہ دیگا اور اُس کا رسول بھی ہم پر عنایت فرمائے گا بلاشبہ ہم تو اللہ ہی سے

رٰغِبُوْنَ ﴿٥٩﴾ ع اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ

توقع رکھنے والے ہیں۔ یہ صدقاتِ مفروضہ تو بس فقیروں اور مسکینوں کا حق ہیں

وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِى الرِّقَابِ

اور اُن کا حق ہیں جو صدقات کے کام پر مامور ہیں اور انکا حق ہیں جنکی دلجوئی منظور ہو اور نیز یہ کہ غلاموں کی گردنیں چھڑانے

وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ

میں اور قرضدار کی مدد کرنے میں اور جہاد کی ضرورتوں میں اور مسافروں کی اعانت میں صرف کرنے کیلئے ہیں

فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٦٠﴾ وَمِنْهُمُ

یہ حکم اللہ کی جانب سے مقرر کیا گیا ہے اور اللہ بڑے علم اور بڑی حکمت کا مالک ہے۔ اور ان منافقوں میں سے

الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِىَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ؕ

بعض وہ ہیں جو نبی کو ایذا پہونچاتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ یہ شخص تو محض کان ہے

قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ

آپ کہہ دیجئے وہ کان ہے تو تمہارے بھلے کیلئے ہے وہ نبی اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور مخلص مسلمانوں کا یقین کرتا ہے

لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ؕ وَالَّذِيْنَ

اور تم میں سے جو لوگ اپنے ایمان کا اظہار کرتے ہیں اُن سے مہربانی کا برتاؤ کرتا ہے اور جو لوگ

يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٦١﴾ يَحْلِفُوْنَ

رسول اللہ کو ایذا پہونچاتے ہیں اُن کے لئے دردناک عذاب ہے۔ یہ منافق تم مسلمانوں کے سامنے خدا کی

ان کو نہ دیا جائے تو وہ ناراض ہوجاتے ہیں (۵۸) اور ان کے حق میں کیا اچھا ہوتا اگر اللہ نے اور اس کے رسول نے جو ان کو دیا تھا اس پر وہ لوگ راضی رہتے اور اس کی نسبت یوں کہتے کہ ہم کو اللہ تعالیٰ کافی ہے اور جو کچھ اس نے ہم کو دیا ہے وہ کافی ہے اللہ تعالیٰ آئندہ ہم کو اپنے فضل و کرم سے اور بہت کچھ دیگا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہم پر عنایت فرمائیں گے بلاشبہ ہم تو اللہ ہی پر توقع رکھنے والے ہیں اور ہم اللہ ہی کی طرف راغب ہیں ؛ قبیلۂ بنی تمیم کے ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تقسیم پر اعتراض کیا تھا کہ اس تقسیم میں انصاف نہیں ہورہا۔ آپ کو انصاف کرنا چاہئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی اس منافق کا نام حرقوص اور اس کا لقب ذوالخویصرہ تھا واللہ اعلم (۵۹) سوائے اس کے نہیں کہ صدقات مفروضہ تو فقیروں اور مسکینوں کے لئے ہیں اور ان کے لئے ہیں جو صدقات کے کام پر مامور ہیں اور ان کے لئے ہیں جن کی دل جوئی منظور ہو اور نیز غلاموں کی گردنیں چھڑانے اور قرض داروں کی امداد کرنے میں اور جہاد فی سبیل اللہ کی ضرورتوں میں اور مسافروں کی اعانت میں یہ صدقات صرف کرنیکے لئے ہیں۔ یہ حکم اللہ تعالیٰ کی جانب سے مقرر کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کمال علم اور کمال حکمت کا مالک ہے ؛ یہ آٹھ مصارف بتائے زکوٰۃ کے ان میں مولفۃ قلوب اجماعاً ختم ہوگئے حضور کے زمانے میں ان لوگوں کو بھی زکوٰۃ دیجاتی تھی خواہ اس توقع پر کہ شاید مسلمان ہوجائیں یا ان کی شرارتوں سے غریب مسلمان محفوظ رہیں یا مسلمان ہوں اور غریب نہ ہوں تب بھی ان کو دیجاتی تھی تاکہ اسلام سے محبت پیدا ہوجائے۔ فقراء اور مساکین مفلس لوگ مساکین فقراء سے کچھ بہتر حالت میں شمار کئے جاتے ہیں یعنی فقیر جس کے پاس کچھ نہ ہو اور مسکین وہ جس کو بقدر حاجت میسر نہ ہو۔ عاملین وہ جو امام کی جانب سے زکوٰۃ وغیرہ کی وصولی پر متعین ہوں۔ گردنیں چھڑانی یہ کہ غلام خرید کر آزاد کرائے جائیں یا مکاتب کی مدد کی جائے یا قیدیوں کا فدیہ دیکر رہا کرایا جائے غارمین قرضدار ہوں یا ان کو تاوان بھرنا پڑے۔ فی سبیل اللہ مجاہدوں کی اعانت و امداد۔ ابن سبیل مسافر جس کے پاس سفر میں مال نہ ہو خواہ گھر کا آسودہ ہو۔ حنفیہ کے نزدیک زکوٰۃ کے ادا ہونے میں تملیک ضروری ہے۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں جس پاس مال نہ ہو وہ مفلس ہے گو کہ حاجت چلی جاوے جیسے ہر روز کے محنتی اور محتاج جسکی حاجت بند ہو اور زکوٰۃ کے عامل مہینہ پاویں موافق خرچ کے اور دل جن کا پرچانا ہے وہ لوگ تھے کہ طمع پر مسلمان ہوئے لیکن سردار قوم کے تھے ان کے طفیل سے بھی مسلمان ہوئے اب علماء ان کو نہیں گنتے اور گردن چھڑانی غلام کی آزادی یا بندی کی اور تاوان دار جو قرض دار ہو اگرچہ مال دار ہو اور قرض برابر نہ رکھتا ہو اور اللہ کی راہ یعنی جہاد کا خرچ اور مسافر بے خرچ ہو اگرچہ گھر میں سب کچھ موجود رکھے ۱۲ (۶۰) اور ان منافقوں میں سے بعضے لوگ وہ ہیں جو نبی کو ایذائیں پہونچاتے اور تکلیف دیتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ یہ شخص تو محض کان ہے اور محض کان رکھتا ہے آپ کہہ دیجئے وہ محض کان رکھتا ہے اور صرف کان رکھتا ہے تو تمہارے بھلے کو وہ نبی اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے اور مخلص مسلمانوں کا یقین کرتا ہے اور تم میں سے جو لوگ اپنے ایمان کا اظہار کرتے ہیں ان کے ساتھ مہربانی کا برتاؤ کرتا ہے اور جو لوگ اللہ کے رسول کو ایذا پہونچاتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے ؛ کہتے ہیں بعض منافقین نے آپکو غائبانہ برا کہا دوسرے منافق نے روکا کہ ایسا نہ کہو کبھی کوئی آپ سے جاکر کہدے اور وہ ہم پر ناراض ہوں۔ برا کہنے والے نے کہا کچھ فکر نہ کرو وہ تو محض کان رکھتا ہے جو ہمارا مخالف کہے گا اس کا یقین کرلے گا ہم جاکر کہیں گے تو ہمارا یقین کرے گا یعنی اس کو سمجھ نہیں ہے جیسا کوئی کہتا ہے ویسا ہی سن کر مان لیتا ہے اس کا جواب ہے کہ اس کا کان دیکر بات سُن لینا تمہارے لئے خیر ہے یہ سمجھتا سب ہے مگر گرفت نہیں کرتا اور تغافل سے کام لیتا ہے تم سمجھتے ہو کہ ان کو جھوٹ سچ نہیں لگتا یہ نہ سمجھو کیوں کہ یہ اپنی وسعت اخلاق اور بعض مصالح کے ماتحت وہ تم سے تعارض نہ کریں اور مہربانی سے پیش آئیں تو یہ تمہارے لئے بہتر ہی ہے۔ حضرت شاہ صاحب

بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ
قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تم کو راضی کرلیں حالانکہ اللہ اور اُس کا رسول اس کا زیادہ حق رکھتے ہیں کہ اگر

يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۲﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ
یہ سچے مسلمان ہیں تو ان کو راضی کریں ۔ کیا وہ اتنا بھی نہیں جانتے کہ جو شخص

يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا
اللہ اور اُس کے رسول کا مقابلہ کرے گا تو اُس کے لئے جہنم کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ

فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ﴿۶۳﴾ يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ
پڑا رہے گا اور یہ بہت بڑی رسوائی ہے ۔ منافق اس بات سے ڈرتے رہتے ہیں

اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ
کہ کہیں مسلمانوں پر کوئی ایسی سورت نازل نہ ہوجائے جو مسلمانوں کو منافقوں کا مافی الضمیر سے باخبر کردے

قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ﴿۶۴﴾ وَ
آپ کہدیجئے کہ اچھا تم مذاق اڑاتے رہو بیشک اللہ اُس چیز کو جس سے تم ڈرتے ہو ظاہر کرنے والا ہے ۔ اور

لَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ۭ
اگر آپ اُن سے جواب طلب کریں تو یہ کہدیں گے کہ ہم تو یوں ہی بات چیت اور خوش طبعی کر رہے تھے

قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۶۵﴾
آپ فرما دیجئے کہ کیا تم اللہ کے ساتھ اور اُس کی آیات اور اس کے رسول کے ساتھ مذاق کر رہے تھے۔

لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ۭ اِنْ نَّعْفُ
اب تم بیکار عذر نہ کرو تم نے یقیناً اپنے ایمان کو ظاہر کرنے کے بعد کفر کیا ہے اگر ہم تم میں سے

عَنْ طَاۗىِٕفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَاۗىِٕفَةًۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا
کسی خاص جماعت کو معاف بھی کردیں تاہم ایک جماعت کو ہم ضرور سزا دیں گے کیونکہ

مُجْرِمِيْنَ ﴿۶۶﴾ ع اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْ
وہ مجرم تھے ۔ منافق مرد اور منافق عورتیں سب آپس میں ایک ہی

ع ۸ / ۱۴

(بقیہ صفحہ ۳۱۲) فرماتے ہیں منافق حضرت کو طعن کرتے کہ یہ شخص کان ہی رکھتا ہے حضرت اپنے دقار سے جھوٹے کا جھوٹ پہچانتے تو بھی نہ پکڑتے تغافل کرتے وہ بے وقوف جانتے کہ انھوں نے سمجھا نہیں سو اللہ نے فرمایا یہ خوبی کی تمہارے حق میں بہتر ہے نہیں تو ادل تم پکڑے جاؤ ۱۲ (۶۱) تفسیر صفحہ ہذا یہ منافق تم مسلمانوں کے روبرو خدا کی قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تم کو خوش اور راضی کرلیں حالانکہ اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس کے زیادہ حق دار ہیں کہ انکو راضی کیا جائے اگر یہ واقعی سچے مسلمان ہیں تو ان کو راضی کریں ؛ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کسی وقت حضرت ان کی دغابازی پکڑتے تو مسلمانوں کے روبرو قسمیں کھاتے کہ ہمارے دل میں بری نیت نہ تھی تا ان کو راضی کرکے اپنی طرف کریں نہ جانا کہ یہ فریب بازی خدا اور رسول کیساتھ کام نہیں آتی ۱۲ (۶۲) کیا ان کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ جو اللہ اور اس کے رسول کا مقابلہ کرے گا تو اس کے لئے جہنم کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ پڑا رہے گا اور یہ بہت بڑی رسوائی ہے ؛ یعنی جو شخص اللہ اور رسول کی مخالفت کرے اور ان کا مقابلہ کرے وہ یہ سمجھ لے کہ وہ ہمیشہ کے لئے دوزخ میں رہنے کا کام کر رہا ہے۔ (۶۳) منافق اس بات کا اندیشہ کرتے ہیں اور اس بات سے ڈرتے رہتے ہیں کہ کہیں مسلمانوں پر کوئی ایسی سورت نہ نازل ہوجائے جو اُن کو اِن منافقین کے مافی الضمیر سے آگاہ کردے اور جو کچھ ان منافقوں کے دل میں ہے اس سے مسلمانوں کو باخبر کردے آپ کہدیجئے کہ اچھا تم استہزا اور مذاق اڑاتے رہو بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس چیز کو جس سے تم ڈرتے ہو ظاہر کرکے رہیگا ؛ معلوم ہوگیا کہ خفیہ طور پر دین حق کا مذاق اڑایا کرتے تھے (۶۴) اور اگر آپ ان سے اس استہزا پر باز پرس کریں اور ان سے جواب طلب کریں تو یہ کہدیں گے ہم تو محض مشغلہ اور خوش طبعی کر رہے تھے آپ کہدیجئے کیا اللہ کے ساتھ اور اس کی آیات کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ ہنسی کرتے تھے ؛ یا تو کسی خفیہ مجلس کا واقعہ ہے یا تبوک کے سفر میں جو منافقوں نے رخنہ اندازی کی غرض سے سازش کی تھی اس کی طرف اشارہ ہے (۶۵) اب تم بے کار عذر نہ کرو اور بے ہودہ باتیں نہ بناؤ تم نے یقیناً اپنے کو مومن کہہ کر اور مومن ظاہر کرکے کفر کیا ہے اس لئے اگر ہم تم سے کسی گروہ کو معاف بھی کردیں اور درگزر بھی کردیں تو بھی ایک جماعت کو ہم ضرور سزا دیں گے کیونکہ وہ مجرم تھے ؛ یعنی جرم کا وقوع تو ہوچکا اب جن لوگوں کے متعلق یہ معلوم ہوجائیگا کہ وہ مستقبل میں واقعی سچے مسلمان رہیں گے ان کو معاف کردیا جائے لیکن جو لوگ علم ازلی میں مجرم ہیں اور مجرم ہی رہیں گے ان کو ہم ضرور سزا دیں گے حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں جو کوئی دین کی باتوں میں ٹھٹھا کرے اگرچہ دل سے منکر نہ ہو وہ کافر ہوا نہیں تو منافق البتہ ہوا دین کی بات میں ظاہر و باطن باادب رہنا چاہیے ۱۲ (۶۶) منافق مرد اور منافق عورتیں سب آپس میں ایک ہی طرح کے ہیں اور سب ایک دوسرے کے ہم جنس ہیں بری باتیں سکھلاتے ہیں

بَعۡضٍ ۘ يَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمُنۡكَرِ وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمَعۡرُوۡفِ وَ

جیسے ہیں یہ بُری باتوں کا حکم دیتے ہیں اور اچھے کاموں سے روکتے ہیں اور خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے

يَقۡبِضُوۡنَ اَيۡدِيَهُمۡ‌ ؕ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمۡ‌ ؕ اِنَّ الۡمُنٰفِقِيۡنَ

اپنے ہاتھوں کو بند کئے ہوئے ہیں اُن لوگوں نے اللہ کو بھلا دیا سو اللہ نے بھی انکو بھلا دیا بے شک یہ منافق

هُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ ﴿۶۷﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الۡمُنٰفِقِيۡنَ وَالۡمُنٰفِقٰتِ

بڑے ہی نافرمان ہیں۔ اللہ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں سے

وَالۡكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا ؕ هِىَ حَسۡبُهُمۡ‌ ۚ وَ

اور کفر کرنیوالوں سے آتش دوزخ کا وعدہ کیا ہے یہ لوگ اس آگ میں ہمیشہ رہیں گے وہی آگ انکو کافی

لَعَنَهُمُ اللّٰهُ‌ ۚ وَلَهُمۡ عَذَابٌ مُّقِيۡمٌ ۙ ﴿۶۸﴾ كَالَّذِيۡنَ مِنۡ

ہے اور خدا نے ان پر لعنت کی ہے اور ان کیلئے دائمی عذاب ہے۔ اے منافقو! تمہاری حالت بھی اُنہی لوگوں جیسی

قَبۡلِكُمۡ كَانُوۡۤا اَشَدَّ مِنۡكُمۡ قُوَّةً وَّاَكۡثَرَ اَمۡوَالًا وَّاَوۡلَادًا ؕ

ہے جو لوگ تم سے پہلے ہو گزرے ہیں کہ وہ تم سے بہت زیادہ زور آور اور مال و اولاد میں تم سے کہیں زیادہ تھے

فَاسۡتَمۡتَعُوۡا بِخَلَاقِهِمۡ فَاسۡتَمۡتَعۡتُمۡ بِخَلَاقِكُمۡ كَمَا

پھر وہ اپنے حصے کا خوب فائدہ اٹھا گئے اور تم نے بھی اپنے حصہ سے اسی طرح فائدہ اٹھایا جیسا کہ

اسۡتَمۡتَعَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ بِخَلَاقِهِمۡ وَخُضۡتُمۡ

تم سے پہلوں نے اپنے حصہ سے فائدہ حاصل کیا تھا اور تم نے بھی اسی طرح بیہودہ نکتہ چینیاں کیں

كَالَّذِىۡ خَاضُوۡا ؕ اُولٰۤـئِكَ حَبِطَتۡ اَعۡمَالُهُمۡ فِى

جس طرح اُنھوں نے کی تھیں اُن لوگوں کے اعمال دنیا اور آخرت میں

الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ‌ ۚ وَاُولٰۤـئِكَ هُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ﴿۶۹﴾ اَلَمۡ يَاۡتِهِمۡ

نیست و نابود ہو گئے اور وہی لوگ بڑے نقصان میں ہیں۔ کیا ان لوگوں کو

نَبَاُ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ قَوۡمِ نُوۡحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوۡدَ ۙ

اُن کی خبر نہیں پہونچی جو ان سے پہلے ہوئے ہیں جیسے نوح کی قوم اور عاد اور ثمود

اور اچھی باتوں سے روکتے ہیں اور خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے اپنے ہاتھوں کو بند کئے ہوئے ہیں ان لوگوں نے اللہ کو بھلا دیا سو اللہ نے بھی ان کو بھلا دیا! بے شک یہ منافق بڑے ہی نافرمان ہیں: یعنی منافق مرد اور عورتوں کی ایک سی چال ہے اللہ اور رسول کی مخالفت پر ابھارنا اور انکی اطاعت سے منع کرنا اور بخل کا عادی ہونا اللہ نے بھلا دیا یعنی ان کو چھوڑ دیا اور اپنی خاص رحمت سے محروم کر دیا (۶۷) اللہ تعالیٰ نے منافق مردوں سے اور منافق عورتوں سے اور کھلا کفر کرنے والوں سے آتش دوزخ کا وعدہ کیا ہے جس میں یہ لوگ ہمیشہ رہینگے وہی آگ ان کی سزا کے لئے کافی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت کی ہے یعنی ان کو اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے اور ان کے لئے دائمی عذاب ہے (۶۸) اے منافقو! تمہاری حالت بھی انہی لوگوں کی طرح ہے جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں کہ وہ تم سے بہت زور آور اور مال و اولاد میں تم سے کہیں زیادہ تھے پھر وہ اپنے دنیوی حصے کا خوب فائدہ اٹھا گئے سو تم نے بھی اپنے دنیوی حصے سے اسی طرح فائدہ اٹھایا جیسا کہ تم سے پہلوں نے اپنے دنیوی حصے سے فائدہ حاصل کیا تھا اور تم بھی بری باتوں میں اسی طرح گھسے جس طرح بری باتوں میں وہ پہلے لوگ گھسے تھے ان لوگوں کے تمام اعمال دنیا اور آخرت میں نیست و نابود اور ضائع ہو گئے اور وہی لوگ بڑے نقصان اور ٹوٹے میں ہیں: خلاصہ یہ ہے کہ تم سے پہلے لوگ طاقت و قوت میں اور مال و اولاد کی کثرت میں تم سے زیادہ تھے پھر دنیوی عیش سے جو فائدہ ان کو حاصل کرنا تھا وہ انھوں نے کیا اور تم نے بھی دنیوی زندگانی کے مزے اسی طرح لوٹے جس طرح انھوں نے لوٹے تھے اور تم نے بھی وہی ناشائستہ حرکات اور بے ہودہ نکتہ چینیاں کیں جس طرح وہ کیا کرتے تھے ان کا انجام یہ ہوا کہ ان کے تمام اعمال نیک برباد ہو گئے اور آج وہ دنیا اور دین دونوں کے اعتبار سے خسارے ہی خسارے میں ہیں دنیا کی زندگی ختم ہو گئی نہ طاقت کی شدت کام آئی نہ مال و اولاد کی کثرت نے ان کو بچایا اور چونکہ پیغمبروں پر ایمان نہ لائے اس لئے آخرت بھی برباد اور اکارت ہوئی اور خسر الدنیا والآخرہ ہو کر رہ گئے (۶۹) کیا ان لوگوں کو ان کے احوال اور ان لوگوں کی خبریں نہیں پہونچیں جو ان سے پہلے ہو گزرے ہیں جیسے نوح کی قوم اور عاد اور ثمود اور ابراہیم کی قوم اور مدین کے رہنے والے اور الٹی ہوئی بستیوں والے ان سب

وَقَوْمِ إِبْرٰهِيْمَ وَأَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ط

اور ابراہیمؑ کی قوم اور مدین والے اور اُلٹی ہوئی بستیوں والے

أَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ج فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ

ان سب کے پاس ان کے پیغمبر واضح دلائل لے کر آئے پھر اللہ تعالیٰ کی تو یہ شان نہ تھی کہ وہ ان پر ظلم

وَلٰكِنْ كَانُوْٓا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿٧٠﴾ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَ

کرتا لیکن وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کیا کرتے تھے۔ اور مسلمان مرد اور

الْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍ م يَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ

مسلمان عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے رفیق و مددگار ہیں جو نیک کاموں کا حکم دیتے ہیں

وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ

اور بُرے کاموں سے منع کرتے ہیں اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور زکوٰۃ ادا

الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ط أُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ

کرتے ہیں اور اللہ کے اور اُس کے رسول کے حکم پر چلتے ہیں یہی لوگ ہیں جن پر اللہ ضرور

اللّٰهُ ط إِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٧١﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ

رحم کرے گا بیشک اللہ تعالیٰ کمال قوت کمال علم کا مالک ہے۔ اور اللہ نے مسلمان مردوں اور مسلمان

وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ

عورتوں سے ایسے باغوں کا وعدہ کر رکھا ہے کہ جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ط وَ

یہ لوگ ان باغوں میں ہمیشہ رہیں گے اور ان سے اللہ نے نفیس مکانوں کا بھی وعدہ کیا ہے وہ مکان انہی دائمی باغات میں ہوں گے

رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ أَكْبَرُ ط ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿٧٢﴾

اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی ان سب نعمتوں سے بڑھ کر ہے ان مذکورہ نعمتوں کا حصول بہت ہی بڑی کامیابی ہے

يٰٓأَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ

اے نبی کفار کے اور منافقین کے ساتھ جہاد کیجئے اور اُن کے ساتھ

پاس ان کے پیغمبر صاف اور واضح دلائل لیکر آئے اور انھوں نے ان دلائل کو حق نہ کہا اور برباد ہو گئے، پھر اللہ تعالیٰ کی تو یہ شان نہ تھی اور وہ تو ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا لیکن وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کیا کرتے تھے :: ان قوموں کا تذکرہ فرمایا جن کو کفار عرب خود جانتے تھے اور ان کی بربادی کے قصے عام و خاص کی زبان زد تھے الٹی ہوئی بستیاں فرمایا لوط کی قوم کو (٧٠) اور مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ایک دوسرے کے رفیق و مددگار ہیں جو بھلے کاموں کا حکم دیتے ہیں اور نیک باتوں کو سکھاتے ہیں اور بُرائی کی باتوں سے منع کرتے ہیں اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کہنا مانتے ہیں یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ ضرور رحم فرمائیگا بلاشبہ اللہ تعالیٰ کمال علم اور کمال حکمت کا مالک ہے (٧١) اور اللہ تعالیٰ نے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں سے ایسے باغات کا وعدہ کر رکھا ہے جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہونگی یہ لوگ ان باغوں میں ہمیشہ رہیں گے اور ان سے اللہ نے نفیس اور عمدہ مکانوں کا بھی وعدہ کر رکھا ہے یہ مکان انہی دائمی باغات میں ہوں گے اور ان سب نعمتوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضامندی ان سب نعمتوں سے بڑی ہے اور ان سب مذکورہ نعمتوں کا حصول بہت ہی بڑی کامیابی ہے :: اوپر منافق مرد اور عورتوں کا ذکر تھا اور ان کو ان کے انجام سے خوف دلایا تھا آگے مومن مرد اور عورتوں کا ذکر فرمایا اور ان کو بشارت دی (٧٢)

ع ٩ ٦ ١٥

اے نبی! کفار کے ساتھ اور منافقین کے ساتھ جہاد کیجئے اور ان پر سختی کیجئے اور ان سے سخت رویہ اختیار کیجئے اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بہت بُری جگہ ہے :: کفار سے تلوار کے ساتھ جہاد

کیا جائے اور منافقین کے ساتھ بجائے تلوار کے زبان سے یا قلم سے جہاد کیا جائے اور ان سے نرمی کا برتنا چھوڑ دیا جائے (۳ ۷) یہ منافق خدا کی قسمیں کھا کھا کر کہتے کہ ہم نے فلاں بات نہیں کہی حالانکہ انہوں

عَلَيْهِمْ ۚ وَمَأْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿٧٣﴾

سخت رویہ اختیار کیجئے اور اُن کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ دوزخ بہت بری جگہ ہے۔

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ۭ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ

یہ منافق خدا کی قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ اُنھوں نے وہ بات نہیں کہی حالانکہ یقیناً اُنھوں نے کلمۂ کفر کہا ہے

وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ وَ

اور اپنے اسلام کو ظاہر کرنے کے بعد وہ کفر کے مرتکب ہوئے اور اُنھوں نے ایک ایسی بات کا بھی ارادہ کیا تھا جسے وہ اتفاقاً حاصل

مَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ

نہ کر سکے اور اُنھوں نے یہ منتقمانہ سلوک محض اس لئے اختیار کیا کہ اللہ نے اور اسکے رسول نے اپنے فضل و مہربانی سے انکو دولتمند

فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاِنْ

کر دیا ہے پس اگر یہ لوگ توبہ کرلیں تو ان کے حق میں بہتر ہے اور اگر وہ توبہ سے

يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِي الدُّنْيَا

روگردانی کریں تو اللہ اُن کو دنیا میں بھی اور

وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا

آخرت میں بھی دردناک سزا دے گا اور روئے زمین پر نہ اُن کا کوئی حمایتی ہوگا اور

نَصِيْرٍ ﴿٧٤﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَىِٕنْ اٰتٰىنَا مِنْ

نہ مددگار - اور اُن منافقوں میں سے بعض ایسے بھی ہیں جنھوں نے اللہ سے یہ عہد کیا تھا کہ اگر اللہ ہم کو اپنے فضل سے

فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٧٥﴾

مال و دولت عطا کرے گا تو ہم خوب خیرات کریں گے اور ضرور ہم اسکے نیک بندوں میں سے ہوں گے۔

فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ

پھر جب اللہ نے اُن کو اپنے فضل سے مال عطا کیا تو اس میں بخل کرنے لگے اور روگرداں ہو کر اپنے

مُّعْرِضُوْنَ ﴿٧٦﴾ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ

عہد سے پھر گئے۔ پھر اُن کی اس حرکت کا یہ انجام ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں میں اس دن تک کے لئے نفاق قائم

نے یقیناً کلمۂ کفر کہا ہے اور اپنے اسلام کو ظاہر کرنیکے بعد وہ کفر کے مرتکب ہوئے ہیں اور انھوں نے ایک ایسی بات کا بھی قصد کیا تھا جسے اتفاقاً وہ حاصل نہ کر سکے اور وہ بات ان کے ہاتھ نہ لگ سکی اور اُنھوں نے یہ منتقمانہ سلوک محض اس لئے اختیار کیا اور صرف اس بات کا بدلہ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے اپنے فضل و مہربانی سے ان کو دولتمند کر دیا پس اگر یہ لوگ توبہ کرلیں تو ان کے حق میں بہتر ہے اور اگر وہ توبہ سے روگردانی کریں تو اللہ تعالیٰ ان کو دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی دردناک سزا دے گا اور روئے زمین پر نہ ان کا کوئی یار ہوگا نہ مددگار :: کہتے ہیں مدینہ میں جو لوگ رہ گئے تھے ان میں سے کسی منافق نے بدگوئی کی تھی پھر جب لوگوں نے اس سے پوچھا تو صاف قسم کھا گیا اس پر آیت اُتری اس پر جلاس بن سوید نے سچے دل کیساتھ توبہ کرلی حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں اکثر منافق پیچھے بیٹھ کر اہانت کرتے پیغمبر کی اور دین کی جو پکڑے جاتے تو قسمیں کھاتے کہ ہم نے کچھ نہیں کہا سورۂ منافقون میں بھی یہ ذکر آویگا اور یہ جو فرمایا کہ فکر کیا تھا جو نہ ملا - یہ مراد ہے لشکر میں خانہ جنگی ہوئی تھی اس میں لگے اغوا کرنے کہ مہاجر اور انصار میں پھوٹ ڈالیں حضرت نے اصلاح کر دی سورۂ منافقون میں آوے گا یا مراد وہ ہے کہ بارہ شخص نے سفر میں آدھی رات کو جمع ہو کر چاہا کہ حضرت پر ہاتھ چلادیں ایک صحابی ساتھ تھے حذیفہؓ اُن کو فرمایا کہ ان کو مار و تب آگے سے بھاگے حذیفہؓ سب کو پہچانتے تھے پر ظاہر کرنا حکم نہ تھا ۱۲ (۴ ۷) اور ان منافقوں میں سے بعض ایسے بھی ہیں جنھوں نے اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کیا تھا کہ اگر اللہ ہم کو اپنے فضل سے مال و دولت عطا کرے گا تو ہم اس میں خوب خیرات کریں گے اور ضرور ہم اسکے نیک بندوں میں سے ہوں گے (۵ ۷) پھر جب اللہ تعالیٰ نے اُن کو اپنے فضل سے مال عطا کیا تو اس میں بخل کرنے لگے اور بخیل بن گئے اور روگرداں ہو کر اپنے عہد سے پھر گئے (۶ ۷) پھر اُن کی اس حرکت کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس فعل کی سزا میں اللہ تعالیٰ نے اُس دن تک کے لئے اُن کے دلوں میں نفاق قائم کر دیا جس دن وہ اُس سے ملاقات کریں گے اس لئے کہ انھوں نے اللہ سے وعدہ کر کے خلاف کیا اور نیز اس سبب سے کہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے :: یعنی مرتے دم تک یا تا قیامت

یک ان کے نفاق پر مہر کردی گئی (۷۷) کیا ان کو اتنی بھی خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے دل کا راز اور ان کے پوشیدہ بھید اور ان کی باہمی سرگوشیوں کو خوب جانتا ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ تمام غیب کی باتوں سے پوری طرح واقف ہے ؛ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں ایک منافق تھا ثعلبہ حضرتؐ سے دعا چاہی کہ مجھ کو کشائش ہو فرمایا کہ تھوڑا جس کا شکر ہوا دے بہتر ہے بہت سے کہ غفلت لاوے پھر آیا لگا عہد کرنے کہ اگر مجھ کو مال ہو میں بہت خیرات کروں اور غفلت میں نہ پڑوں حضرتؐ نے دعا کی اس کو بکریوں میں برکت ملی یہاں تک کہ مدینہ کے جنگل سے کفایت نہ ہوتی نکلکر گاؤں میں جا رہا جمعہ جماعت سے محروم ہوا حضرتؐ نے پوچھا کہ ثعلبہ کیا ہوا لوگوں نے بیان کیا فرمایا ثعلبہ خراب ہوا پھر زکوٰۃ کا وقت ہوا سب دینے لگے اس نے کہا یہ تو مال بھرنا گویا جزیہ دینا ہے بہانہ بناکر ٹال دیا پھر حضرت کے پاس مال زکوٰۃ لایا حضرت نے قبول نہ کیا بعد حضرت کے ابوبکر و عمر بھی اپنی خلافت میں اس کی زکوٰۃ نہ لیتے خلافت عثمان میں مرگیا ۱۲ (۷۸) یہ لوگ ایسے ہیں کہ صدقات کے بارے میں ان مسلمانوں پر طعن کرتے ہیں جو دل کھول کر خیرات کرنیوالے ہیں اور ان مسلمانوں پر بھی طعنہ زنی کرتے ہیں جو اپنی محنت و مزدوری کے سوا اور مقدرت نہیں رکھتے اور بغیر محنت و مشقت انہیں کچھ میسر نہیں تو یہ ان کا مذاق اڑاتے ہیں اور اُن کا تمسخر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو اس تمسخر کا بدلہ دے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے ؛ یعنی صدقات نافلہ میں کوئی زیادہ دے تو اسکو ریاکار اور نمود یا کہیں اور اگر کوئی مزدور تھوڑا لائے تو اس کو کہیں یہ بھی پانچویں سواروں میں داخل ہوگئے ان غریبوں پر طعن بھی کریں اور تمسخر بھی حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں ایک بار حضرت نے تقید کیا خیرات پر عبدالرحمٰن بن عوف چار ہزار درہم لائے اور لوگ لانے لگے عاصم چار سیر جو لائے عبدالرحمٰن نے کہا آٹھ ہزار میں رکھتا تھا نصف اپنے رب کو قرض دیتا ہوں اور نصف حق عیال کا عاصم نے کہا مزدوری کرکر آٹھ سیر جو لایا ہوں نصف خیرات کرتا ہوں اور نصف قوت عیال کا منافق آپس میں کہنے لگے عبدالرحمٰن کو منظور ہے نمود اپنی اور عاصم اپنی زور آوری سے اپنے تئیں ملاتا ہے خیرات والوں میں ۱۲ (۷۹) اے پیغمبر آپ ان منافقوں کے لئے خواہ استغفار کریں یا استغفار نہ کریں اگر آپ ان کے لئے ستر مرتبہ بھی یعنی بکثرت استغفار کریں گے تب بھی اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا یہ عدم مغفرت کا سبب یہ ہے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کفر و انکار کا ارتکاب کیا ہے اور اللہ تعالیٰ ایسے سرکش اور نافرمانوں کی رہنمائی نہیں کیا کرتا ؛ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یہاں سے فرق نکلا بے اعتقاد اور گناہ گار کا گناہ ایسا کونسا ہے کہ پیغمبر کے بخشائے سے نہ بخشا جائے اور بے اعتقادی کو پیغمبر کی ستر استغفار فائدہ نہ کرے اب جو بے اعتقاد لوگ بھروسہ کریں پیر کی شفاعت پر کس دین سے مثلاً آدمی سے بدی ہو یا نماز روزہ نہ ہو اور وہ شرمندہ ہے اور نادم ہے تو وہ گناہ گار ہے اور جو کوئی بدکام کو عیب نہ جانے اور فرض خدا کو کرنا نہ کرنا برابر سمجھے اور کرنیوالوں کو طعن کرے وہ بے اعتقاد ہے ۱۲ (۸۰) رسول اللہ کے غزوۂ تبوک میں تشریف

ع ٨ ١٠ ١٦

إِلَىٰ يَوْمِ يَلْقَوْنَهُ بِمَا أَخْلَفُوا اللَّهَ مَا وَعَدُوهُ وَ

کر دیا کہ جس دن وہ اُس کی پیشی میں حاضر ہوں گے اسلئے کہ اُنھوں نے اللہ سے وعدہ کرکے خلاف کیا اور

بِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ ﴿٧٧﴾ أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ

نیز اس سبب سے کہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے۔ کیا وہ اتنا بھی نہ سمجھے کہ یقیناً اللہ اُن کے پوشیدہ

يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ وَأَنَّ اللَّهَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ﴿٧٨﴾

بھید کو اور ان کی باہمی سرگوشیوں کو جانتا ہے اور یہ کہ اللہ تمام غیب کی باتوں سے پوری طرح واقف ہے

الَّذِينَ يَلْمِزُونَ الْمُطَّوِّعِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ

یہ لوگ ایسے ہیں کہ صدقات کے بارے میں اُن مسلمانوں پر طعن کرتے ہیں جو دل کھول کر

فِي الصَّدَقَاتِ وَالَّذِينَ لَا يَجِدُونَ إِلَّا جُهْدَهُمْ

خیرات کرنیوالے ہیں اور اُن مسلمانوں پر بھی طعنہ زنی کرتے ہیں جو اپنی محنت و مشقت کے سوا اور مقدرت نہیں رکھتے

فَيَسْخَرُونَ مِنْهُمْ ۙ سَخِرَ اللَّهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ

تو یہ اُن کا مذاق اڑاتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو اس تمسخر کا بدلہ دے گا اور ان کے لئے

عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٧٩﴾ اسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ

دردناک عذاب ہے۔ اے پیغمبر آپ اُن کے لئے استغفار کریں یا ان کیلئے استغفار نہ کریں

إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ

اگر آپ اُن کے لئے ستر مرتبہ بھی استغفار کریں گے تب بھی اللہ انکو ہرگز نہیں

لَهُمْ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ۗ وَاللَّهُ

بخشے گا یہ عدم مغفرت اس سبب سے ہے کہ اُنھوں نے اللہ کے اور اُسکے رسول کیساتھ کفر کیا ہے اور اللہ

لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ﴿٨٠﴾ فَرِحَ الْمُخَلَّفُونَ

ایسے نافرمانوں کی رہنمائی نہیں کیا کرتا۔ رسول اللہ کے تشریف لے جانے کے بعد پیچھے رہ جانیوالے

بِمَقْعَدِهِمْ خِلَافَ رَسُولِ اللَّهِ وَكَرِهُوا أَنْ يُجَاهِدُوا

اپنے بیٹھ رہنے پر بہت خوش ہوئے اور اُنھوں نے اس بات کو ناپسند کیا کہ خدا کی راہ میں

بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا
اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کریں اور یوں کہنے لگے کہ ایسی سخت

تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ؕ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوْ
گرمی میں مت نکلو آپ کہہ دیجئے کہ آتشِ دوزخ اس گرمی سے بہت زیادہ گرم ہے

كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۱﴾ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا
کاش وہ اس بات کو سمجھتے ۔ سو اب ان کو چاہیئے کہ تھوڑے دنوں ہنس لیں اور اس

كَثِيْرًا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَاِنْ رَّجَعَكَ
کمائی کے بدلے جو کمائی یہ کیا کرتے تھے بہت دنوں روتے رہیں ۔ بس اب اگر آپ کو خدا تعالیٰ

اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ
اُن کے کسی گروہ کی طرف جہاد سے واپس لائے اور پھر کبھی یہ آپ سے جہاد میں نکلنے کی اجازت چاہیں

فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا
تو آپ اُن سے اُس وقت یہ فرما دیں کہ تم میرے ساتھ کبھی بھی نہ چلو گے اور نہ تم میرے ہمراہ ہو کر

مَعِيَ عَدُوًّا ؕ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ
کبھی کسی دشمن سے لڑو گے کیونکہ تم نے پہلی مرتبہ بھی بیٹھ رہنے کو پسند کیا تھا

فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ
لہٰذا اب بھی تم اُن ہی لوگوں کیساتھ بیٹھے رہو جو پیچھے رہ جانیکے لائق ہیں ۔ اور اے پیغمبر آئندہ ان میں سے

مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا
جب کوئی مرجائے تو کبھی اُس کے جنازے کی نماز نہ پڑھیں اور نہ آپ اسکی قبر پر جا کر کھڑے ہوں کیونکہ انھوں

بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَلَا تُعْجِبْكَ
نے اللہ اور اُس کے رسول کیساتھ کفر کیا ہے اور وہ حالتِ کفر ہی میں مرے بھی ہیں ۔ اور اُن کے اموال

اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا
اور اُن کی اولاد آپکے لئے موجبِ تعجب نہ ہو کیونکہ اللہ کا مقصد ہی یہ ہے کہ وہ ان چیزوں کے ذریعہ

لے جانے کے بعد یہ پیچھے رہ جانیوالے بہت خوش ہوئے ان متخلفین نے اس بات کو ناپسند کیا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے جہاد کریں اور یوں کہنے لگے کہ ایسی سخت گرمی میں کوچ نہ کرو اور گھروں سے مت نکلو آپ کہہ دیجئے کہ جہنم کی آگ اس سے بھی زیادہ گرم ہے کیا خوب ہوتا اگر یہ اس بات کو سمجھ سکتے ؛ حضورؐ جب غزوہ تبوک میں جانے لگے تو بہانہ ساز منافقوں نے ساتھ نہ دیا اور حضورؐ کے بعد خوشی کا اظہار کیا کہ ہم تو بچ گئے کچھ مخلص مسلمان بھی رہ گئے تھے ان کا ذکر اور ان کی توبہ کا بیان آگے آئیگا (۸۱) سو اب اُن کو چاہیئے تھوڑے دن ہنس لیں اور بہت دنوں روتے رہیں اُس کمائی کے بدلے جو وہ کیا کرتے تھے ؛ یعنی دنیا کا ہنسنا اور آخرت میں ہمیشہ ہمیشہ کا رونا (۸۲) بس اب اگر آپ کو اللہ تعالیٰ صحیح سالم ان کے کسی گروہ کی طرف جہاد سے واپس لائے پھر یہ لوگ اپنے پر سے الزام ہٹانے کو آپ سے کبھی جہاد میں نکلنے کی اجازت مانگیں تو آپ ان سے اس وقت یہ فرما دیں کہ تم میرے ساتھ کبھی بھی نہ چلو گے اور نہ تم میرے ہمراہ ہو کر کبھی کسی دشمن سے لڑو گے کیونکہ تم نے پہلی مرتبہ بھی گھر میں بیٹھ رہنے کو پسند کیا لہٰذا اب بھی تم انہیں لوگوں کیساتھ بیٹھے رہو جو حقیقت میں پیچھے رہ جانے کے قابل ہیں ؛ یعنی تم دنیا سازی اور گلہ مٹانے کو یہ باتیں کہہ رہے ہو ورنہ تمہارا عزم اور ارادہ جہاد کا نہیں ہے اور نہ جہاد کیلئے نکلنا چاہتے ہو ۔ لہٰذا تم بھی عورتوں ۔ بڈھوں ۔ بیماروں وغیرہ کے ساتھ گھروں ہی میں بیٹھے رہو حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں ۔ یہ جو فرمایا کہ اگر پھر لے جاوے اللہ کسی فرقے کی طرف اس واسطے کہ آیت نازل ہوئی سفر میں وہ منافق تھے مدینہ میں اور فرقے فرمایا اسواسطے کہ بعضے منافق پیچھے رہ گئے اور سب بیٹھنے والے منافق نہ تھے بعضے مسلمان بھی تھے کہ اُن کی تقصیر معاف ہوئی ۔ (۸۳) اور اے پیغمبر آئندہ ان میں سے جب کوئی مرجائے تو کبھی اس کے جنازے کی نماز نہ پڑھیں اور آپ انکی قبر پر جا کر نہ کھڑے ہوں کیوں کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے اور وہ حالتِ کفر ہی میں مرے بھی ہیں ؛ یعنی کافر کے جنازے کی نماز اور اس کے لئے استغفار جائز نہیں حضورؐ نے بعض مصالح کی بنا پر عبداللہ ابن ابی منافق کی تجہیز و تکفین میں حصہ لیا تھا اور نماز جنازہ میں اس کیلئے استغفار بھی کیا تھا اور حضرت عمرؓ کے روکنے کے باوجود آپ نے یہ تمام اعمال انجام دیئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی (۸۴) اور ان کے اموال اور اولاد آپ کے لئے موجبِ تعجب نہ ہوں اور یہ چیزیں آپ کو تعجب میں ڈالیں کیونکہ

فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ أَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿٨٥﴾ وَ

ان کا فروں کو دنیا ہی میں مبتلائے عذاب رکھے اور اُن کی جان کفر ہی کی حالت میں نکلے۔ اور

إِذَآ أُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ أَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ

جب کبھی کوئی سورت اس مضمون کی نازل کی جاتی ہے کہ تم اللہ پر ایمان لاؤ اور اسکے رسول کیساتھ ہوکر

رَسُوْلِهِ اسْتَأْذَنَكَ أُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوْا

جہاد کرو تو ان میں کے جو لوگ اصحاب مقدرت ہیں وہی آپ سے رخصت کی درخواست کرنے لگتے ہیں اور کہتے

ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿٨٦﴾ رَضُوْا بِأَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ

ہیں کہ ہم کو چھوڑ دیجیے کہ ہم بھی معذورین کے ہمراہ رہ جائیں۔ انھوں نے پیچھے رہ جانیوالی عورتوں کے ہمراہ

الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿٨٧﴾

رہ جانیکو پسند کیا اور ان کے دلوں پر مُہر کر دی گئی جس سے یہ جہاد کی خوبیوں کو سمجھتے ہی نہیں۔

لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا

مگرہاں رسول اور اس کے وہ ساتھی جو ایمان والے ہیں ان سب نے اپنے مال اور اپنی جان سے

بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ ۭ وَأُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۡ

جہاد کیا اور یہی لوگ وہ ہیں جن کیلئے ہر قسم کی خوبیاں ہیں اور یہی لوگ اپنے

وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿٨٨﴾ أَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ

مقصد میں کامیاب ہونیوالے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کیلئے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ

نیچے نہریں بہ رہی ہیں یہ لوگ ان باغوں میں ہمیشہ رہیں گے

ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿٨٩﴾ وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ

ان نعمتوں کا حصول بڑی کامیابی ہے۔ اور دیہاتی لوگوں میں سے بھی کچھ لوگ بہانہ کرتے ہوئے آئے

مِنَ الْأَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ

تاکہ انکو بھی بیٹھ رہنے کی اجازت مل جائے اور جن لوگوں نے ان دیہاتیوں میں سے اللہ اور اسکے رسول سے

اللہ تعالیٰ کا مقصد ہی یہ ہے اور اللہ کو یہی منظور ہے کہ وہ ان چیزوں کے ذریعہ ان کافروں کو دنیا میں بھی مبتلائے عذاب رکھے اور اُن کی جان کفر ہی کی حالت میں نکلے ؛ اس آیت کا مفہوم اوپر گزر چکا ہے (٨٥) اور جب کبھی کوئی سورت اور قرآن کا کوئی ٹکڑا اس مضمون کا نازل کیا جاتا ہے کہ تم اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کے ساتھ ہو کر جہاد کرو تو ان میں سے جو لوگ صاحب مقدرت اور ذی مقدور ہیں وہی آپ سے اجازت طلب کرنے لگتے ہیں اور رخصت مانگنے لگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم کو چھوڑ دیجیے کہ ہم بھی بیٹھ رہنے والوں کے ہمراہ رہ جائیں ؛ یعنی اصحاب مقدرت ہی معذرت کرنے لگتے ہیں تو غیر مقدرت والوں کا تو ذکر ہی کیا ہے (٨٦) انھوں نے پیچھے رہ جانے والی عورتوں کے ہمراہ رہ جانے کو پسند کیا اور خانہ نشین عورتوں کے ہمراہ رہ جانے پر راضی ہو گئے اور ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی جس سے یہ جہاد کی اہمیت کو سمجھتے ہی نہیں ؛ یعنی اتنے بے حمیت ہیں کہ عورتوں کی طرح گھر میں بیٹھنے کو پسند کرتے ہیں (٨٧) مگر ہاں رسول اور اس کے وہ ساتھی جو اہل ایمان ہیں انھوں نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کیا یہی لوگ ہیں جن کے لئے ہر قسم کی خوبیاں ہیں اور یہی لوگ اپنے مقصد میں کامیاب ہونے والے ہیں ؛ یعنی رسول کیساتھ جو مخلص مسلمان ہیں وہ گھر میں بیٹھنے کی خواہش نہیں کرتے بلکہ رسول کیساتھ ملکر جہاد کرتے ہیں (٨٨) اللہ تعالیٰ نے انکے لئے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں جنکے نیچے نہریں بہ رہی ہیں یہ لوگ ان باغوں میں ہمیشہ رہیں گے اور ان نعمتوں کا حصول بڑی کامیابی ہے (٨٩) کچھ دیہاتیوں میں سے بھی بہانہ سازی کرتے ہوئے آئے تاکہ

ع ٩ ١١ ١٧

كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

بالکل ہی جھوٹ بولا تھا وہ تو گھروں ہی میں بیٹھے رہے ان دیہاتیوں میں سے جو لوگ کفر پر قائم رہیں گے

مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٩٠﴾ لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا

ان کو ضرور دردناک عذاب پہنچے گا۔ ناتوانوں پر جہاد سے رہ جانے میں کچھ گناہ نہیں اور نہ

عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا

بیماروں پر اور نہ ان پر کچھ گناہ ہے جن کے لئے خرچ کرنے کو

يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَى

میسر نہیں بشرطیکہ یہ لوگ اللہ اور اس کے رسول سے خلوص وہمدردی رکھیں

الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٩١﴾ لا

ایسے نکوکاروں پر کسی قسم کے الزام کی گنجائش نہیں اور اللہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے

وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ

اور نہ ان لوگوں پر کوئی گناہ اور الزام ہے جو آپ کی خدمت میں اس واسطے حاضر ہوئے کہ آپ ان کو کوئی سواری دیں اور آپ نے

اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۪ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ

فرمایا کہ میں اپنے پاس کوئی ایسی سواری نہیں پاتا کہ جس پر تم کو سوار کردوں تو وہ یہ سن کر واپس گئے اور ان کی حالت یہ تھی کہ ان کی

مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ﴿٩٢﴾ ط

آنکھوں سے اس غم میں آنسو جاری تھے کہ ان کو خرچ کرنے کے لئے کچھ میسر نہیں۔

اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ

بس الزام تو صرف ان لوگوں پر ہے جو باوجود مالدار ہونیکے آپ سے اجازت طلب کرتے ہیں

وَهُمْ اَغْنِيَآءُ ۚ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ

انھوں نے گھروں میں بیٹھ رہنے والی عورتوں کے ساتھ رہ جانا پسند کیا اور

الْخَوَالِفِ ۙ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٩٣﴾

اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کردی ہے اس لئے اب یہ کچھ نہیں جانتے۔

ان کو بھی گھروں پر رہ جانیکی اجازت دیدی جائے اور جن لوگوں نے ان دیہاتیوں میں سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے بالکل ہی جھوٹ بولا وہ تو گھروں ہی میں بیٹھ رہے ان دیہاتیوں میں سے جو لوگ آخر تک کفر پر قائم رہیں گے ان پر آخرت میں دردناک عذاب واقع ہوگا۔ یعنی بالکل جھوٹے بولنے والے معذرت بھی کرنے نہیں آئے دیہاتیوں میں سے بعض لوگ اچھے بھی ہیں جن کا ذکر آگے آئیگا (۹۰) کم طاقت اور ناتوانوں پر اور بیماروں پر جہاد سے رہ جانے میں کچھ گناہ نہیں اور نہ ان لوگوں پر کچھ گناہ ہے جن کے لئے سامان جہاد پر خرچ کرنیکو کچھ میسر نہیں بشرطیکہ یہ لوگ اللہ اور اس کے رسول سے خلوص وہمدردی رکھیں اور خیرخواہی کرتے رہیں ایسے نکوکاروں پر کسی قسم کے الزام کی گنجائش نہیں اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔ یعنی جو لوگ واقعی معذور ہیں اگر یہ اسلام کی خیرخواہی اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہیں تو ان پر بیٹھ رہنے میں کوئی حرج اور گناہ نہیں۔ (۹۱) اور نہ ان لوگوں پر کوئی گناہ اور الزام ہے جو آپکی خدمت میں اس لئے حاضر ہوئے کہ آپ انکو کوئی سواری دیدیں اور آپ نے بطور معذرت ان سے یہ فرمایا کہ میں اپنے پاس کوئی سواری نہیں پاتا جس پر تم کو سوار کردوں تو وہ آپ کا جواب سنکر واپس گئے اور ان کی حالت یہ تھی کہ ان کی آنکھوں سے اس غم میں آنسو بہ رہے تھے کہ ان کے پاس جہاد کی تیاری کے لئے خرچ کرنیکو کچھ میسر نہیں۔ یعنی ایسے فقراء پر بھی کوئی الزام نہیں کہ جو سواری تک کیلئے بھی کوئی پیسہ نہیں رکھتے اس توقع میں آئے کہ پیغمبر کے پاس سے سواری مل جائیگی لیکن یہاں بھی سواری نہ ملی تو زار وقطار روتے ہوئے اس رنج وافسوس میں واپس ہوئے کہ نہ اپنے پاس نفقہ تھا اور نہ کہیں سے ملا (۹۲) بس الزام اور مواخذہ تو ان لوگوں پر ہے جو باوجود غنی اور مالدار ہونیکے آپ سے گھر میں بیٹھ رہنے کی اجازت طلب کرتے ہیں انھوں نے خانہ نشیں اور گھروں میں بیٹھ رہنے والی عورتوں کیساتھ رہ جانیکو پسند کیا اور اس طرح کی خانہ نشینی پر راضی ہوگئے اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگادی اسلئے اب یہ گناہ وثواب کو کچھ نہیں جانتے۔ یعنی انکے برے اعمال کا انجام یہ ہوا کہ انکے قلوب پر مہر لگادی گئی چونکہ انھوں نے باوجود استطاعت کے جہاد سے جان چرائی اور جھوٹے عذر کرکے اپنے کو بچانا چاہا (۹۳)